عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام برزخیہ اُخرویہ وعقیدہ عدم سماع موتی پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

- الصراط المستقیم فی اثبات الحیوۃ البرزخیۃ للنبی الکریم
- ردّ منکرات حیات الاموات
- احسن العقائد
- شفاء الحق فی بیان خیر من صلّی علی
- البیان الاوفی فی ردّ سماع الموتی
- عقد العقیان فی عقد جواہر القرآن
- شفاء الصدور [illegible] القبور

شیخ التفسیر والحدیث مناظر اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

اجمالی فہرست

جلد اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاذی مکرم استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث مفتی اعظم

حضرت مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمہ اللہ

تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز۔ رئیس المفسرین امام الموحدین حضرت مولانا الشیخ حسین علی الوانی رحمہ اللہ

کے

مختصر حالات زندگی

محمد عبد الرحمن دہلوی تلمیذ۔ حضرت نیلوی شاہ صاحب

تعلیم وتربیت

استاذی مکرم۔ حضرت نیلوی رحمہ اللہ خود فرماتے تھے کہ جب میری عمر چار سال ہوئی تو میرے چچا جی (شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شاہ محمد جہلمی رحمہ اللہ تلمیذ حضرت مولانا حسین علیؒ) نے میری تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع فرمایا سب سے پہلے مجھے کلمہ طیبہ سکھایا پھر علی الترتیب وضو غسل نماز سکھائی۔ پھر اس کے بعد چچا جی نے مجھے بغدادی قاعدہ زبانی پڑھایا پھر ساتھ ہی حفظ قرآن شروع کروایا۔ چچا جی کا حفظ کروانے کا طریقہ یہ ہوتا کہ تیسویں پارہ میں ایک سطر انتیسویں پارے میں دو دو سطریں اور پہلے پارہ کی تین تین سطریں یاد کرواتے اس طرح میں نے سات سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے قرآن پاک یاد کر لیا۔ حفظ قرآن کے بعد چچا جی نے کریما اور فارسی کی کتب پڑھانی شروع کیں اور ساتھ ہی چنیوٹ اسلامیہ ہائی سکول کے ماسٹر عنایت اللہ سیالکوٹی سے عصری تعلیم حاصل کی۔ چچا جیؒ نے مجھے صرف ونحو سے لے کر ھدایہ تک کتب مجھے پڑھائیں اسی دوران مجھے قرآن پاک کا ترجمہ تفسیر اپنے استاد حضرت مولانا حسین علیؒ کے خصوصی طرز پر ایسا پڑھایا کہ اس میں بھی چچا جیؒ صرف و نحو، منطق اصول علم بلاغت اور علم ادب کا اجراء کرواتے۔ جب چچا جیؒ کافی ضعیف ہو گئے تو مجھے تکمیل علم فلسفہ ریاضی فلکیات، کتب تفاسیر منطق اور موقوف علیہ کے لیے اپنے ساتھی استاذ

العلماء حضرت مولانا ولی اللہ صاحب (انہی والوں) کے پاس گجرات بھیج دیا۔ میں نے استاذ جی مولانا ولی اللہ صاحب سے قطبی، میر قطبی، ملا میر حسن، حمد اللہ، امور عامہ وغیرہ کتب پڑھیں۔ اس دوران میرے ساتھ میرے بھائی مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ (بانی جامعۃ الرشید و ضرب مومن والے) بھی پڑھتے رہے اور مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی کی سند بھی میں نے اپنے ہاتھوں سے لکھی تھی۔ اسی وجہ سے وہ میرے مہربان دوست بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی موصوف ...... بعض تحقیقی مسائل اور فتاویٰ میرے پاس سرگودھا بھیجتے تھے۔ اور میرے بھائی مفتی رشید احمد لدھیانوی نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل مجھے ملاقات کے لیے کراچی آنے کی دعوت دی تو میں نے کہا بھائی جی میں تو بہت سخت بیمار ہوں تو بھائی صاحب (مفتی رشید احمد) نے فرمایا یہاں پر علاج بھی ہو جائے گا چنانچہ میں کراچی چلا گیا اور ایک ہفتہ تک دارالافتاء والارشاد میں رہا۔ مفتی صاحب مجھے اپنی خاص مجلس میں ساتھ بٹھاتے' ایک مجلس میں درالافتاء کے لیے بڑے مفتی صاحبان۔ مفتی عبدالرحیم صاحب۔ مفتی ابولبابہ صاحب۔ مفتی محمد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا اگر میرے بعد علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو (میری طرف اشارہ کر کے فرمایا) ان کے پاس سرگودھا چلے جاؤ۔

حضرت نیلوی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہی میں حضرت مولانا حسین علی تشریف لائے اور انہی کے گرد و نواح میں ایک ہفتہ تک درس قرآن وحدیث دیتے رہے اور درس کے بعد علماء طلباء کو بیعت بھی کرتے' چنانچہ استاذ جی مولانا ولی اللہ صاحب مجھے اپنے ساتھ مولانا حسین علی کے پاس بیعت کے لیے لے گئے اور میرا تعارف کروایا۔ فرمایا کہ یہ مولوی شاہ محمد جہلمی کا بھتیجا ہے جو تلمیذ خاص ہیں بہر کیف مولانا حسین علی نے مجھے اپنی بیعت کے لیے میرے گریبان کا بٹن کھول کر شہادت کی انگلی میرے دل پر رکھ کر کہا۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔ یہ حضرت کی بیعت کرنے کا خاص طریقہ تھا۔ اس وقت میری عجیب سی کیفیت ہوگئی جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور اسی دوران میں نے مولانا حسین علی سے سورۂ مائدہ' انعام' رعد وغیرہ کا سبقاً ترجمہ تفسیر پڑھا۔ حضرت نیلوی فرماتے ہیں کہ میں الحمدللہ مولانا حسین علی سے

بیعت بھی ہوں اور ان کا شاگرد بھی ہوں۔

دورہ حدیث کے لیے مدرسہ امینیہ دہلی میں آمد

دورہ حدیث کے لیے مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی پڑھی۔ اور ابوداؤد مولانا خدا بخش سے پڑھی حضرت نیلوی فرماتے تھے کہ میں نے ساڑھے سولہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی الحمدللہ۔ استاذ مفتی کفایت اللہ صاحب نے مجھے مدرسے کا مدرس مقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان ۱۸ روپے ماہوار تنخواہ پر معاہدہ ہے اس کے بعد دیکھی جائے گی۔ تدریس کے دوران میں نے استاد جی مفتی اعظم ہند سے کتابت اور فتویٰ نویسی سیکھی اور مہارت تامہ حاصل کیا۔ الحمدللہ۔ اور میں نے چند کتب مختلف موضوع پر لکھیں جو کہ امینیہ کے کتب خانے ہوں گی۔ (انشاء اللہ) بہر حال یہ مجموعہ رسائل بھی استاذی مکرم حضرت نیلوی کے علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ ہیں۔ جسے ہم نے کتب خانہ اشاعت اسلام دہلی سے شائع کیا ہے اس سے قبل مکتبہ اشاعت العلوم دہلی نے حضرت نیلوی کی علمی محققانہ تصنیف ندائے حق کو شائع کیا تھا جو کہ پاک و ہند میں شرف قبولیت حاصل کر چکی ہے۔ یہ رسائل بھی اہل علم کے ہاں ضرور مقبول ہوں گے۔ انشاء اللہ

والسلام

مولوی عبدالرحمن دہلوی

خطیب جامع مسجد التوحید

ناظم شعبہ نشر و اشاعت

مکتبہ اشاعت العلوم

۱۷۹۰ کلاں محل نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ انڈیا

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد

یہ کتاب استاذ العلماء، شیخ التفسیر والحدیث مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ جن کو زمانہ طالب علمی میں حضرت شاہ صاحب کے شاگرد مولوی عبداللہ توحیدی دہلوی نے جمع کیا الحمد للہ۔

(۱) پہلی دو جلدیں اہلسنت والجماعت کے عقیدۂ حیاۃ النبی برزخیہ اخرویہ و عقیدہ عدم سماع موتی۔ و عقیدہ عذاب و ثواب قبر پر مشتمل ہیں۔

(۲) تیسری اور چوتھی جلد۔ رد رضاخانیت پر مشتمل ہیں۔

ان میں سے تیسری جلد عقائد پر (مسئلہ علم غیب، حاضر ناظر، مختار کل، بشریت انبیاء علیہم السلام جیسے اہم بنیادی عقائد پر اور چوتھی جلد اعمال پر مثلاً خیر الکلام، عید امیلاد النبی کی شرعی حیثیت پر مشتمل ہیں۔

(۳) جلد پنجم اور ششم

رد غیر مقلدیت پر مشتمل ہیں۔

(۴) جلد ہفتم

رد قادیانیت پر ہے۔

(۵) جلد ہشتم

رد شیعت پر ہے۔

(۶) جلد نہم اور دہم

اہم متفرق شرعی مسائل پر مشتمل ہیں۔

یہ مکمل سیٹ رد مذاہب باطلہ پر انسائیکلو پیڈیا ہے۔ یہ بکھرے ہوئے علمی جواہرات موتی تھے جن کو یکجا کر کے مکتبہ اشاعت اسلام دہلی اہل علم تک پہنچانے کو فرض سمجھتا تھا الحمد للہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کے فضل و کرم سے یہ علمی جواہرات اور مذاہب باطلہ پر

انسائیکلوپیڈیا آپ کے ہاتھوں میں اور انشاء اللہ یہ علمی جواہرات ندائے حق کی طرح پاک و ہند میں اہل علم کے ہاں داد تحسین حاصل کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہم جماعت اشاعت التوحید والسنت پاکستان کے اکابرین کو ایک مفید مشورہ عنایت فرماتے ہیں کہ آپ حضرات ہر سال صوبہ پنجاب و سرحد میں اجتماع کرواتے ہیں اور اس اجتماع کی عمر یوماً او بعض یوم ہوتی۔ اور کوئی قابل ذکر خاطر خواہ فائدہ بھی نہیں ہوتا اور پھر اس پر کروڑوں روپے بھی خرچ کیے جاتے ہیں اگر اس بھاری رقم کو جماعت کی عظیم شخصیات کی عظیم تصانیف پر خرچ کر کے اکابرین کی ارواح طیبات کو ایصال ثواب پہنچایا جائے تو یہ کام ایسے اجتماعات کروانے سے بہتر ہے اور اس طرح اس علمی وراثت کو مشتاقان علم و عمل تک پہنچا کر ان کی علمی پیاس کو بجھایا جا سکتا ہے اور یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ ایک علمی وراثت ہے مالی نہیں اس علمی وراثت کا ہر وہ شخص وارث ہے جس کا تعلق خالصتاً اس علم سے ہے اسی بات کے پیش نظر حضرت نیلویؒ کے مایہ ناز شاگرد اور اس علمی وراثت کے امین وارث مولانا عبدالرحمن دہلوی نبی ﷺ کے اس فرمان (ان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھماً وانما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر (ترمذی) پر عمل کرتے ہوئے عملی طور پر یہ کام سرانجام دے رہے ہیں۔ الحمد للہ۔

مجھے ایک بار مولوی عبدالرحمن دہلوی صاحب نے بتایا کہ میرے پاس استاذ جی حضرت نیلوی شاہ صاحبؒ کے تفسیری مسودات کی فوٹو کاپیاں موجود ہیں مثلاً (تفسیر فیض الجلیل فی تسہیل التنزیل۔ تفسیر تبیین القرآن مکمل چار حصے۔ خلاصۃ البیان من کلام رحمن۔ تفسیر بے نظیر۔ مراۃ القرآن۔ مختصر ترین خلاصہ قرآن کریم)' انشاء اللہ تعالیٰ مکتبہ اشاعت اسلام دہلی عنقریب حضرت شاہ صاحب کی ان تفسیری خدمات کو بھی اہل علم تک پہنچا کر ثواب دارین حاصل کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

والسلام

عبدالحی عفی عنہ سہارن پوری

خطیب جامع مسجد تقوی دہلی۔

مدیر مکتبہ اشاعت العلوم۔ ۱۷۹۰ کلاں محل نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ انڈیا

إِنِّيٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَٱسْمَعُونِ ۝

قِيلَ ٱدْخُلِ ٱلْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِى يَعْلَمُونَ ۝

الصراط المستقيم

فی اثبات

الحیوۃ البرزخیۃ للنبی الکریم

علیہ الصلوۃ والتسلیم

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاع نامہ

ماہنامہ گلستانِ اسلام کے قارئین کو عظیم الشان خوشخبری دی جاتی ہے کہ آئندہ شمارہ میں حیاتُ النبیؐ کے موضوع پر محقق العصر شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سید محمد حسین نیلوی مدظلہ العالی کا ایک علمی و تحقیقی مقالہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ یہ مقالہ تین یا چار قسطوں میں شائع ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس مقالہ کی پہلی قسط جمادی الاخریٰ / رجب ۱۴۲۱ھ کے شمارہ میں شائع کی جارہی ہے۔ جس میں سب سے پہلے اہل السنت والجماعت کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ پھر اہلِ بدعت کی طرف سے اہلِ حق پر الزامات کا جواب دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد مذاہب باطلہ کے عقائد لکھ کر حقائق پر مبنی ان کے جوابات اس اچھوتے اور نئے انداز سے لکھے گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص واقعی خلوص دل سے اس مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہتا ہے تو اس مقالہ کے مطالعہ سے اس کو تمام اشکالات کے جواب مل جائیں گے۔ اور بارگاہ الٰہی میں منظور ہوا تو منیب آدمی کو یہ مسئلہ ضرور سمجھ آجائے گا۔ سطور ذیل میں اس تحقیقی مقالہ سے نہایت مختصر طور پر چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ

تمام اہل السنت والجماعت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان تمام مخلوق سے اعلیٰ ہے۔ ان کی شان کو مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ نہ حیات دنیویہ میں نہ حیات برزخیہ میں اور نہ ہی حیات اخرویہ میں۔ ان تینوں قسم کی حیات میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اعلیٰ، اولیٰ، ازکیٰ، ابقیٰ، اہم، اعظم، ادوم، اقوم، افضل، اکمل، اجل، اطیب اور حقیقی روحانی حیات ہے۔ اور ان کے دنیوی اجساد مبارکہ اپنے اپنے مدفن ارضی میں بطور خرق عادت صحیح سالم اور ترو تازہ محفوظ ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۲۰ و سنن ابی داود صفحہ ۱۵۷ و سنن الکبریٰ للنسائی صفحہ ۲۰۳ و سنن ابن ماجہ صفحہ ۷۷ و مسند دارمی صفحہ ۱۹۵ اور مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۴۱۳)

ہمارا ایمان ہے کہ: بعد از وفات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ نبیینؑ صدیقین (شہداء و صالحین) کے ہمراہ روح اور موہوب جسم مثالی کے ساتھ زندہ موجود ہیں، آپ ﷺ کو دیگر وفات یافتہ انبیاءؑ اور شہداء کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتی رزق بھی دیا جاتا ہے۔ وہ جنت میں جہاں چاہیں آتے جاتے اور سیر کرتے ہیں۔ اور اس بات پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ: اللہ تعالیٰ چاہے تو نیک نیتی سے پڑھے ہوئے اُمت کے درود و سلام اور نیک کاموں کی اطلاع فرشتوں کے ذریعے آپ ﷺ کو ہو جاتی ہے۔ جس سے آپ ﷺ خوش ہوتے ہیں۔ نیز اُس عالم میں آپ ﷺ دیدارِ باری تعالیٰ میں مشغول رہتے ہیں۔ جو تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اور روحِ مطہر کے بغیر آپ ﷺ کا دُنیوی جسدِ مبارک حجرۂ عائشہ صدیقہؓ میں اپنے مدفنِ ارضی کے اندر بطورِ خرقِ عادت وھوالیوم کما وضع اب تک محفوظ و مصون ہے، بلکہ قیامت تک تر و تازہ اور صحیح سالم محفوظ رہے گا۔

حدیث ان اللہ حرم علی الارض کی سند اور راویوں کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صحیح غریب ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی پہلی حدیث صحیح غریب ہے۔ اور اس حدیث کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے۔

نیز علماءِ اہل السنۃ والجماعت کے فان وھو حی فی لحدہٖ کا مطلب ہے ھو طری یعنی وہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اجسادِ طاہرہ قیامت تک تر و تازہ اور محفوظ رہیں گے۔ حضرت سلیمانؑ، حضرت عزیرؑ اور حضرت دانیالؑ کے اجساد بعد از وفات بھی زمین کے اوپر محفوظ رہے۔ البتہ خاکسار تحریک کا بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی اجسادِ انبیاءؑ کی حفاظت کا قائل نہیں۔ اس پر اکابر علماءِ حق نے کفر کا فتویٰ لگایا۔

ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ پر بریلویہ کی طرف سے انکارِ حیاتُ الانبیاءؑ کے الزام کا جواب، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا جواب، اور مسئلہ حیاتُ الانبیاءؑ کی حقیقت احسن طریقے کے ساتھ وضاحت سے بیان کی گئی ہے۔

اس کے بعد غلو الغالین فی حیات النبیین کے زیرِ عنوان حیاتُ الانبیاءؑ کے متعلق بدمذہب لوگوں کے عقائدِ بد کا بیان کیا گیا ہے۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ

پہلے اس مسئلہ کی بنیاد منافقین نے فراہم کی۔ جن کا عقیدہ تھا کہ موت مرتبۂ نبوت کے منافی ہے۔ اور اسی وجہ سے منافقین نے وفات النبیؐ کے موقع پر کہا تھا: لوکان محمد نبیا لم یمت۔ حضرت عمرؓ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی اس کیفیت کو غشی سمجھا اور منافقین پر تلوار سونت لی۔

قائلینِ حیات دنیوی جسمانی کا دوسرا گروہ روافض کا ہے۔ جنھوں نے حیات النبی کے مسئلہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ائمہ کو بھی زندہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

رافضیوں کا عقیدہ

حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ قبر شریف کی طرف جھانک کر دیکھنے والا حضرت نبی کریم ﷺ کو قبر شریف میں بعض ازواجِ مطہرات کے ساتھ صحبت میں مشغول پائے گا۔ (اصول کافی صفحہ ۲۸۶ و حیاتُ القلوب جلد ۲ صفحہ ۸۷۲)

کرامیہ کا عقیدہ

فرقہ کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ساتھ ہی ساتھ ان کی وصفِ نبوت و رسالت بھی والعیاذ باللہ زائل ہو جاتی ہے۔

مُعَطِّلہ کا عقیدہ

روافض کے بعد ابن فورک مُبتدِعؒ نے اپنے عقیدۂ بد کا اعلان کرتے ہُوئے کہا:

اِنَّہٗ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ رسولُ اللہ ابد الاٰباد علی الحقیقۃ لا المجاز۔ (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۳)

یہودیوں کا عقیدہ

❶ زبور میں ہے: اَحْیَیْتَنِیْ مِنْ بَیْنِ الْھَابِطِیْنَ فِی الْجُبِّ۔ کہ تُو نے مجھے زندہ رکھا ہے کہ گور میں نہ جاؤں۔ (زبور ۳۰:۳)

❷ نیز بائبل میں ہے: حِیْنَئِذٍ اجْتَمَعَ ھٰؤُلَآءِ الْوُزَرَآءُ وَالْمَرَازِبَۃُ عِنْدَ الْمَلِکِ وَ قَالُوْا لَہٗ ھٰکَذَا اَیُّھَا الْمَلِکُ دَارِیُوْسُ عِشْ اِلَی الْاَبَدِ۔ پس یہ وزیر اور ناظم بادشاہ کے حضور جمع ہوئے اور اُس سے یوں کہنے لگے کہ اے دارا بادشاہ ابد تک جیتا رہ۔ (دانی ایل ۶:۶)

❸ نیز بائبل میں ہے: فَتَکَلَّمَ دَانْیَالُ مَعَ الْمَلِکِ یَا اَیُّھَا الْمَلِکُ عِشْ اِلَی الْاَبَدِ۔ تب دانی ایل نے بادشاہ سے کہا اے بادشاہ ابد تک زندہ رہ۔ (دانی ایل ۶:۲۱)

نصرانیوں کا عقیدہ

❹ نصاریٰ کا عقیدہ ہے: نِعْمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْحَيٰوةُ الْأَبَدِيَّةُ بِيَسُوْعَ الْمَسِيْحِ رَبِّنَا۔ خدا کی بخشش و نعمت ہمارے خداوند مسیح یسوع میں ہمیشہ کی زندگی ہے۔ (رومیوں ۶:۲۳)

❺ نیز نصاریٰ کا عقیدہ ہے: إِذْ أَعْطَيْتَهُ سُلْطَانًا عَلٰى كُلِّ جَسَدٍ لِيُعْطِيَ حَيٰوةً أَبَدِيَّةً لِكُلِّ مَنْ أَعْطَيْتَهُ۔ کہ تو نے اسے ہر بشر پر اختیار دیا ہے تاکہ جنھیں تو نے اسے بخشا ہے اُن سب کو وہ ہمیشہ کی زندگی دے۔ (یوحنا ۱۷:۲)

❻ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذمے ایک الزام لگاتے ہوئے یوحنا نے اپنے صحیفے میں لکھا ہے کہ: یسوع نے کہا: ــــ أَرْسَلَنِي الْأَبُ الْحَيُّ وَأَنَا حَيٌّ بِالْأَبِ۔ "زندہ باپ نے مجھے بھیجا اور میں بھی باپ کے سبب سے زندہ ہوں"۔ (یوحنا ۶:۵۷)

❼ نیز نصاریٰ کا عقیدہ ہے: أَنَّ الْمَسِيْحَ يَبْقٰى إِلَى الْأَبَدِ۔ کہ "مسیح ابد تک باقی رہے گا"۔ (یوحنا ۱۲:۳۴)

❽ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ: قَدِ انْتَقَلَ مِنَ الْمَوْتِ إِلَى الْحَيٰوةِ۔ وہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہوگیا۔ (یوحنا ۵:۲۴)

❾ نیز یوحنا نے حضرت عیسیٰ کی طرف اس قول کی نسبت کی: اَلْحَقَّ الْحَقَّ أَقُوْلُ لَكُمْ إِنْ كَانَ أَحَدٌ يَحْفَظُ كَلَامِيْ فَلَنْ يَرَى الْمَوْتَ إِلَى الْأَبَدِ۔ کہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرے کلام پر عمل کرے گا تو ابد تک کبھی موت کو نہ دیکھے گا۔ (یوحنا ۸:۵۱)

❿ یوحنا نے اپنے صحیفہ میں بیان کیا: فَقَالَ لَهُ الْيَهُوْدُ الْآنَ عَلِمْنَا أَنَّ بِكَ شَيْطَانًا قَدْ مَاتَ إِبْرٰهِيْمُ وَالْأَنْبِيَاءُ وَأَنْتَ تَقُوْلُ إِنْ كَانَ أَحَدٌ يَحْفَظُ كَلَامِيْ فَلَنْ يَذُوْقَ الْمَوْتَ إِلَى الْأَبَدِ۔ یعنی یہودیوں نے اس سے کہا کہ اب ہم نے جان لیا کہ تجھ میں بدروح ہے۔ ابراہام مرگیا اور نبی مرگئے، مگر تو کہتا ہے کہ اگر کوئی میرے کلام پر عمل کرے گا تو ابد تک کبھی موت کا مزہ نہ چکھے گا۔ (یوحنا ۸:۵۲)

ہندؤوں کا عقیدہ

❶ ہندؤوں کے نزدیک ایک بزرگ شخصیت جن کا نام "سری کرشن" ہے، یہ

بزرگ متھرا میں پیدا ہوئے۔ ان کے بارے میں ہندوؤں کے مختلف نظریات ہیں۔ مثلاً:

① بعض تو کہتے ہیں کہ وہ تمام فرشتوں کا سردار تھا۔ لیکن:

② بعض کہتے ہیں کہ وہ پیغمبر تھا۔ بلکہ:

③ بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کا اوتار تھا، وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اور

④ بعض کہتے ہیں کہ راجا سری کرشن ۱۲۵ سال کی عمر میں دریودھن کی ماں رانی گندھاری کی بددعا سے مر گیا تھا۔ اس کے برعکس:

⑤ بعض کہتے ہیں کہ راجہ سری کرشن پیغمبر تھے، اور وہ زندہ ہیں۔ لیکن روپوش ہوگئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

● اسی طرح "بیاس" کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بیاس بڑا پاکیزہ فطرت اور عارفِ کامل شخص تھا اور وہ زندۂ جاوید ہے۔

مشرکینِ عرب کا عقیدہ

۱ حضرت مولانا سید امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہُبل کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک آدمی تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا پھر وقت مقدر پر اس کو موت دے دی۔ مشرکوں نے ایک پتھر تراش کر کے رکھا، اور کہا کہ یہ ہمارا ہُبل ہے۔ اور اپنے زعم میں کہا کہ اے ہُبل تم اس پتھر میں آجاؤ۔ اور دعویٰ کرلیا کہ وہ آگیا۔ اور دعویٰ کیا کہ اس میں یہ قدرت ہے کہ ہم کو بیٹا، رزق اور صحت وغیرہ دیتا ہے۔ اور اگر کوئی اہم کام ہو تو خدا کو اطلاع کرتا ہے اور وہاں سے مدد لے کر دلواتا ہے۔ (مواہبُ الرحمٰن پارہ ۳۰ صفحہ ۲۸۹)

۲ نیز آپ نے فرمایا کہ: مشرکین در حقیقت اس پتھر یا صلیب کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس چیز میں فلاں میت کی روح سما گئی۔ جیسا کہ اس زمانے میں تعزیہ والے۔ جب تک وہ ٹھاٹھ بنانے والے کی دکان پر ہے تب تک بے قدر ہے۔ اور جب اس کو خریدا تو اس وقت سے اپنا تصور جمالیا اور اس کو ادب سے سلام کیا اور تاشے باجے کے ساتھ لے چلے۔ اور یہ سب ان لوگوں کے خیالات ہیں اور جن لوگوں کا نام لیتے ہیں کہ وہ اس میں آگئے یا اس سے تعلق حاصل ہو گیا۔ وہ لوگ بالکل بری ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ

علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، محلِ قدس یعنی آسمانِ دوم یا جنت میں ہیں، اور نادانوں کے کہنے سے وہ اس چیز میں نہیں آتے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی جانب سے ہدایت کرتا ہے۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ۳ صفحہ ۹۰-۷۹)

۳ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنداً روایت کیا ہے کہ لات ایک (بزرگ) شخص تھا جو حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔ قریش اس کے نام کی قسم کھالیتے تو اسے ہر حال میں پورا کرتے تھے۔

۴ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور ربیع بن انسؒ سے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ "لات بابا" مرگیا تو اس کی قبر پر چڑھاوے چڑھائے جانے لگے۔ رفتہ رفتہ اس کی صورت کا بت بنا کر یہ تصور قائم کرلیا گیا کہ لات بابا کی روح پتھر کی اِس مورتی میں حلول کرگئی ہے۔

مشرکین بابل کا عقیدہ

بابل و نینوا سے تعلق رکھنے والی آریائی نسل کی قومیں پانچ ہزار سال سے نمرود کی انتظار میں ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ابھی مرا نہیں۔ بلکہ وہ جس طرح غائب ہوا، اسی طرح ایک نہ ایک دن خاموشی سے واپس آجائے گا۔ اور پھر اسی طرح امن و امان اور عیش و مسرت کا دور دورا لے آئے گا، جیسے اس کے عہدِ حکومت میں تھا۔ (ارمغانِ نجم صفحہ ۹۰ تا ۹۳ بحوالہ پلین ٹروتھ، فروری ۱۹۶۶ء)

تنبیہ جس طرح ان غیر مسلموں کا انبیاء و دیگر کاملین کے متعلق عقیدہ ہے جو خود کو مسلمان کہلانا کسی طرح بھی پسند نہیں کرتے، اسی طرح خود کو مسلمان کہلانے والے غیر مسلم بھی انبیاءؑ اور دیگر کاملین کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب کہ یہ عقیدۂ بد شرک کی بنیاد ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح مشرکینِ مکہ نے بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے ہوئے کہا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا۔ کسی فرشتہ کو نبی ہونا چاہیے تھا، اسی طرح حیات الانبیاءؑ کے متعلق یہود و نصاریٰ کے عقائدِ بد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف وفاتِ النبی ﷺ کے اس سانحۂ عظیمہ کے موقع پر بلکہ جنگِ اُحد کے موقع پر بھی منافقین نے موت کو مرتبۂ نبوت کے منافی قرار دیا۔ اور روافض کے بعض فرقوں نے وفاتِ ائمہ کے ساتھ ساتھ وفاتِ النبی ﷺ کا بھی انکار کیا۔ کرامیہ نے کہا کہ

جب نبی فوت ہو جائے تو وہ صفتِ نبوت سے متصف نہیں رہتا' اور اس کی نبوت زائل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں معطلہ اور ابن فورک مبتدع کا عقیدہ تھا کہ نبی مرا ہی نہیں کرتے اور وہ زیر زمین حقیقی طور پر دُنیوی حسی عنصری حقیقی حیات کے ساتھ زندۂ جاوید ہوتے ہیں۔ اور شوافع میں سے علامہ سبکیؒ' امام بیہقیؒ اور علامہ سیوطیؒ نے اس عقیدہ کا ذکر کیا ہے۔ اور ہندوستان میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ صرف انبیاءِ کرامؑ کے متعلق یہی عقیدہ اختیار کیا بلکہ اولیاءِ کرامؒ کے متعلق بھی اسی قسم کے عقائدِ بد کا اظہار کیا۔ ہندوستان کے شیعیت زدہ رسمی مسلمانوں کے سامنے اسی مسئلہ کی آڑ میں خود کو عاشقِ رسولؐ ثابت کر کے اپنی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ اور ہند و پاک کے بہت سے توہم پرست جاہل عوام کو مُرتد کیا۔ اور مرزا قادیانی کے بعد احمد رضا خان بریلوی نے بھی اسی عقیدۂ بد کی تشہیر شروع کر دی۔ حتیٰ کہ اہلِ حق علماء خصوصاً حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ پر الزام لگایا کہ: "وہ حیات النبیؐ کے منکر ہیں"۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اس کا مسکت جواب تحریر فرمایا ہے۔ احمد رضا خان نے حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ پر اتہامات لگائے۔ اور ان پر ستر کیا' بلکہ غیر متناہیہ وجوہ سے کفر لازم کیا۔ اور ان کا کفر اجماعی قطعی قرار دے کر فقہاءِ کرام کا فتویٰ تکفیر چھاپ دیا ــــــ (اسی طرح) حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحبؒ و حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحبؒ قدس سرہم اور حضرت مولانا مولوی خلیل احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کا نام لے کر قطعی تکفیر کی۔ اور یہ کہا کہ جو ان کے کافر کہنے میں تردد و تأمل اور شک کرے وہ بھی قطعی کافر ہے۔ (دیکھیے تمہید المسند)

ہمارے اکابر علمائے دیوبند اور ان کے مشائخ خصوصاً

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ	مولانا شاہ ولی اللہؒ
مولانا شاہ عبدالعزیزؒ	مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ
قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ	مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ،
مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ،
مرشدی مولانا حسین علی الوانیؒ،
علامہ سید سلیمان ندویؒ،
مولانا محمد حسن سنبھلیؒ،
مولانا نواب قطب الدینؒ،
مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ،
مولانا شبیر احمد عثمانیؒ،
مولانا عبد الحق حقانیؒ،
مولانا محمد طاہر قاسمیؒ،
مولانا حبیب احمد کیرانویؒ،
شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ،
مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ،

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ،
مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ،
مولانا محمد ابراہیم دہلویؒ،
مولانا سید عبد الدائم جلالیؒ،
مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادیؒ،
مولانا عزیز الرحمن مراد آبادیؒ،
مولانا ظفر احمد عثمانیؒ،
سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ،
مولانا نجم الغنی رامپوریؒ،
مولانا عبد الماجد دریابادیؒ،
مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ،
مولانا اسعد الرحمن قدسیؒ،
مولانا محمد منظور نعمانیؒ،

اور اسی طرح دیگر متعدد علماء حق نے قلمی جہاد میں روافض، معتزلہ اور معطلہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی اور احمد رضا خان بریلوی اور ان کے متبعین کے عقائد بد کا قرآن و سنت کے مضبوط دلائل سے رد فرمایا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

قادیانیوں کا عقیدہ

مرزا قادیانی نے بڑے دعویٰ کے ساتھ حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے زمین پر زندگی ثابت کرنے کی کوشش کی اور پھر چیلنج کرتے ہوئے لکھا کہ:

١ "اب ہمیں کوئی جواب دے کہ: روئے زمین پر یہ زندگی کس نبی کے لیے بجز ہمارے نبی ﷺ کے ثابت ہے"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ٣٠٥)

٢ "اگر کوئی نبی زندہ ہیں تو وہ ہمارے ہی نبی ہیں"۔ ("ہم مسلمان ہیں" صفحہ ٢٤)

٣ مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ ہے کہ: "انبیاءؑ بحیات جسمانی مشابہ حیات دنیوی

زندہ ہیں"۔ (حاشیہ محامد خاتم النبیین صفحہ ۱۳۹)

۴ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا:

قَدْ مَاتَ عِیْسٰی مُطْرِقًا وَ نَبِیُّنَا
حَیٌّ وَ رَبِّیْ اِنَّہٗ وَافَانِیْ
وَاللّٰہِ اِنِّیْ قَدْ رَأَیْتُ جَمَالَہٗ
بِعُیُوْنِ جِسْمِیْ قَاعِدًا بِمَکَانِیْ

یعنی "عیسیٰ تو بے شک سر جھکاتے ہوئے خاموشی کے ساتھ مر گئے ہیں۔ لیکن ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ ہمیشہ زندہ ہیں۔ میرے رب کی قسم یہ پکی بات ہے کہ وہ خود میرے پاس آئے ہیں اور اللہ کی قسم میں نے اپنی اس جسم کی آنکھوں کے ساتھ ان کا جمال دیکھا جب کہ وہ میرے مکان میں بیٹھے تھے"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۱۶)

۵ نیز مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ: "جاہل اور نادان لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے۔ حالانکہ زندہ ہونے کی علامت آنحضرت ﷺ کے وجود میں پاتا ہوں"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۴۴)

۶ نیز مرزا قادیانی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ: "ایک دفعہ (میں نے) عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ ﷺ کو مع حسنین و علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔ اور یہ خواب نہ تھی۔ (احمد صادق صفحہ ۱۳۹)

۷ نیز مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: "ایک مرتبہ نماز مغرب کے بعد عین بیداری میں تھوڑی سی غیبت حس سے جو خفیف سے نشاء سے مشابہ تھی ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی جیسے بسرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جوتی اور موزہ کی آواز آتی ہے۔ پھر اسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہ اور مقبول اور خوبصورت سامنے آگئے۔ یعنی جناب پیغمبر خدا ﷺ و حضرت علی و حسنین و فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور ایک نے ان میں سے، اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور شفقت سے مادر مہربان کی طرح اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۹۷)

۸ نیز مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا کہ مجھ پر ان الفاظ میں وحی ہوئی کہ: "آج ہمارے گھر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ آ گئی عزت اور سلامتی"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۳۲۲)

۹ مرزا قادیانی نے لکھا کہ: اس زمانے کے لوگوں کے لیے زیارت حقہ کی حقیقی علامت یہ ہے کہ اس زیارت کے ساتھ بعض ایسے خوارق اور علامات خاصہ بھی ہوں جن کی وجہ سے اس رویا یا کشف کے منجانب اللہ ہونے پر یقین کیا جائے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض بشارتیں پیش از وقوع بتلادیں، یا بعض قضا و قدر کے نزول کی باتیں پیش از وقوع مطلع کردیں، یا بعض دعاؤں کی قبولیت سے پیش از وقت اطلاع دے دیں، یا قرآن کریم کی بعض آیات کے ایسے حقائق و معارف بتلادیں جو پہلے قلمبند اور شائع نہیں ہو چکے، تو بلاشبہ ایسی خواب سچ بھی جائے گی۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۹۹)

۱۰ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ: "جاودانی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے"۔ ("ہم مسلمان ہیں" صفحہ ۲۴)

۱۱ نیز مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: دنیا میں صرف دو زندگیں قابل تعریف ہیں۔ (۱) ایک وہ زندگی جو خود خدائے حی وقیوم مبدء فیض کی زندگی ہے۔ (۲) دوسری وہ زندگی جو فیض بخش اور خدانما ہو۔ سو آؤ ہم دکھاتے ہیں کہ وہ زندگی صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۰۵)

۱۲ مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: "وہ ہمارا پیارا برگزیدہ نبی فوت نہیں ہوا۔ بلکہ بلند تر آسمان پر اپنے ملیک مقتدر کے دائیں طرف بزرگی اور جلال کے تخت پر بیٹھا ہے۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۰۴، ۲۰۵)

۱۳ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ: "برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے"۔ (کشتی نوح صفحہ ۱۱۳) نیز:

۱۴ مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: حقیقی اور روحانی اور فیض رساں زندگی وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی زندگی کی مشابہ ہو کر نور اور یقین کے کرشمے نازل کرتی ہو"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۰۵)

۱۵ مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: "آنحضرت کی روحانی توجہ نبی تراش ہے"۔ (محامد

خاتم النبیین صفحہ ۲۵۰، مجموعہ تقاریر صفحہ ۷۴ جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ سن ۱۹۶۱ء)

۱۶ مرزا قادیانی کہتا ہے کہ: "آنحضرت ﷺ کی وحی منقطع نہیں ہوئی، اور نہ معجزات منقطع ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ بذریعہ کاملین اُمت جو شرفِ اتباع سے مشرف ہیں ظہور میں آتے ہیں"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۴۳)

۱۷ "جو لوگ بذریعہ کشفِ صحیح آنحضرت ﷺ کی صحبت حاصل کرتے ہیں وہ اصحابِ رسول میں سے ہیں"۔ (احمد صادق صفحہ ۱۹۳)

۱۸ مرزا قادیانی اپنے منافقانہ عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔ ع

"کاملاں حی اند در زیر زمیں"

یعنی "حقیقی کامل ہستیاں ہیں اولیاءؒ، صلحاءؒ، شہداءؒ، صدیقینؒ، اور انبیاءؑ یہ سب کے سب زمین کے نیچے (قبر عرفی میں) زندہ جاوید ہوتی ہیں"۔ (احمد صادق صفحہ ۳۹)

۱۹ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مرزا قادیانی کو دہلی کے محلہ چیلی قبر میں کچھ دن قیام کا موقع ملا۔ قیام دہلی کے دوران ایک روز مرزا قادیانی نے اپنے خدام سے کہا کہ: "دہلی کے زندوں سے تو بہت امید نہیں، چلو یہاں کے مُردوں سے ملاقات کریں۔ کیونکہ اس سرزمین میں کئی ایک بزرگ اولیاء اللہ مدفون ہیں"۔ چنانچہ اس کے مطابق کئی دنوں میں خواجہ میر درد، قطب الدین اولیاء، قطب صاحب اور دیگر بزرگوں کی قبروں پر جاتے رہے۔ ان قبروں پر تھوڑی دیر کھڑے ہوکر ہاتھ اٹھا کر آپ دعا کرتے، اور دیگر احباب بھی آپ کے ساتھ دعا کرتے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی قبر پر فرمایا: "ارواح کا تعلق قبور کے ساتھ ضرور ہوتا ہے، اور اہلِ کشف توجہ سے میت کے ساتھ کلام بھی کر سکتے ہیں"۔ (احمد صادق صفحہ ۱۳۸)

۲۰ اسی طرح مرزا قادیانی نے عین بیداری کی حالت میں بعض گزشتہ نبیوں سے ملاقاتیں کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ: "بعض گزشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں، اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس امت میں گزر چکے ہیں، ان سے ملاقات ہوئی"۔ (احمد صادق صفحہ ۱۳۹)

۲۱ مرزا قادیانی نے کہا: "روح کا قبور کے ساتھ تعلق ہے۔ اور ہم اپنے تجربہ سے کہتے ہیں کہ مُردوں سے کلام ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے کشفی قوت اور حس کی ضرورت

ہے۔ ہر شخص کو یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ روح کا تعلق قبر کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اور روح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے۔ جہاں اسے ایک مقام ملتا ہے"۔ (احمد صادق صفحہ ۱۸۷)

۲۲ مرزا قادیانی کا عقیدہ ہے کہ: "انبیاء و اولیاء مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں"۔ (مجاہد خاتم النبیین صفحہ ۱۲۹)

۲۳ اپنے پیش رو کذابین کی موضوع روایت کا سہارا لے کر حضرت نبی کریم ﷺ پر بہتان لگاتے ہوئے مرزا قادیانی نے لکھا کہ: "آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ مجھے قبر میں میت نہیں رہنے دے گا اور زندہ کر کے اپنی طرف اٹھائے گا"۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۵۰ و مجاہد خاتم النبیین صفحہ ۱۲۹ و ۱۳۳)

۲۴ مرزا رفیع احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ: "آپ ﷺ کی روح پھر امت کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئی"۔ (سیرت النبی صفحہ ۶۰ از مرزا رفیع احمد قادیانی)

۲۵ ایک انگریز کی بیوی نے مرزا غلام احمد قادیانی سے پوچھا کہ: آیا یہ ممکن ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے گذر چکے ہیں، ان سے ہم صحیح پیام اطلاع حاصل کر سکتے ہیں"۔ تو اس کے جواب میں مرزا قادیانی نے کہا کہ: "انسان کشفی طور سے گذشتہ روحوں سے مل سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ روحانی مجاہدات کیے جاویں۔ بیشک ان سے مفید مطلب باتیں دریافت کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے جیسے مجاہدات کی ضرورت ہے، جو اس زمانہ کے لوگوں سے نہیں ہو سکتے۔۔۔ بھی وہ ایسی باتوں سے انکار کرتے ہیں۔ میرا مذہب ہے کہ انسان خواب میں نہیں، بلکہ بیداری میں مردوں سے مل سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح (عیسیٰ بن مریم) سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ سے بھی۔ ایسا ہی اور اہلِ قبور سے میں نے ملاقات کی"۔ (احمد صادق صفحہ ۲۱۵)

اصل انسان کے اس دنیا سے انتقال کر جانے کے بعد اس کی روح کو اس دنیا میں متصرف سمجھ کر پکارنے کی ابتداء تو شاید حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی۔ اور پھر یہود و نصاریٰ میں بھی کسی حد تک یہ عقیدہ رائج رہا۔ اور منافقین نے حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے موقع پر جس قسم کا منفی پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا، اس کے نتیجے میں روافض نے

انبیاء کرام کے زندہ فی المدفن ہونے کے ساتھ ساتھ ائمۂ کرام کے متعلق بھی زندۂ جاوید ہونے کا عقیدہ وضع کرلیا۔ اس کے بعد معطلہ نے روافض سے ایک قدم آگے بڑھنے کی کوشش تو کی۔ مگر علامہ ابن قیمؒ نے قصیدہ نونیہ میں ان کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ اگرچہ علامہ سبکیؒ اور علامہ بیہقیؒ علامہ سیوطیؒ اور شیخ عبدالحق بھی معطلہ کے نظریات سے متاثر ہوئے۔ اور ان بزرگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے انتقال کے بعد اپنی قبور میں ایسی حسی حیات حاصل ہونے کا قول فرمایا ہے جیسا کہ انھیں دنیا میں حیات حاصل تھی۔ لیکن ان علماء کے بعد ہمارے قریبی دور تیرھویں صدی کے آخری عشرے میں سب سے پہلے اس عقیدے کا بیان مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا۔ اس کے بعد احمد رضا خان بریلوی اور اس کے ہم مسلک لوگوں نے اس عقیدہ کے بیان کو محض اس خیال سے زیادہ اہمیت دینا شروع کر دی کہ اولیاء اللہ کی قبروں پر رواج پکڑنے والے شرکیہ افعال و اعمال کی بنیاد تو حیات النبیؐ سے متعلق یہی واہیات عقیدہ ہے۔ چنانچہ:

بریلویوں کا عقیدہ

۱ القطب الذی لم یمت ابداً واحد وھو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یعنی قطب کبھی نہیں مرتا۔ وہ ہمیشہ ایک ہے۔ اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (مقابیس المجالس صفحہ ۴۱۹)

۲ "انبیاء علیہم السلام کی موت یعنی ان کے اجسام طیبہ سے ارواح طاہرہ کا جدا ہونا صرف ایک آن کے لیے ہوتا ہے پھر ویسے ہی زندہ ہو جاتے ہیں جیسے حال ظاہری میں تھے جسم روح سے ملا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱ صفحہ ۶۱۱)

۳ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم زوجین کے جفت ہونے کے وقت بھی حاضر و ناظر رہتے ہیں۔ (مقیاس حنفیہ صفحہ ۲۸۲)

۴ "انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسا کہ دنیا میں تھے۔ کھاتے پیتے ہیں جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔ تصدیق وعدۂ الٰہی کے لیے ایک آن کو ان پر موت طاری ہوئی پھر زندہ ہو گئے"۔ (زبدۃ الفقہ حصہ ۱ صفحہ ۱۵)

۵ "انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ

کے لیے محض ایک آن موت طاری ہوتی ہے۔ پھر فوراً ان کو ویسی ہی حیات عطا فرما دی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں' ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا۔ ان کی ازواج پر عدت نہیں' وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں"۔ ("ملفوظات" حصہ ۳ صفحہ ۳۲)

۶ "انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں' وہ ان سے شب باشی کرتے ہیں۔ ("ملفوظات" حصہ ۳ صفحہ ۳۲)

۷ جس کسی کی قبر پر آدمی جاتا ہے' اگر صاحب قبر اس کو پہچانتا تھا تو اس کو پہچانتا ہے' اور اس سے تسلی پاتا ہے' اس کی آواز بلکہ اس کی پچل سنتا ہے۔ اور اگر نہیں پہچانتا تھا تو اتنا ضرور جانتا ہے کہ ایک مسلمان میری قبر پر آیا ہے۔ اگر کسی زندہ شخص کو اتنے من مٹی میں دبا دیا جائے تو اس کے اوپر توپ بھی چھوڑی جائے جب بھی نہ سنے گا۔ تو ثابت ہوا کہ بعد مرنے کے سمع بصر و ادراک بڑھ جاتا ہے۔ (ملفوظات حصہ ۳ صفحہ ۳۳)

۸ "کاملین کی ارواح کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس جسمانی دنیا میں ظاہر ہو کر تصرف بھی کرتی ہیں' اور اپنے دوستوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو سزا دیتی ہیں۔ (زبدۃ الفقہ حصہ ا صفحہ ۳۲)

ازالہ اس عقیدۂ بد کا موجد مبتدع ابن فورک ہے۔ جس نے یہود و نصاریٰ اور روافض وغیرہ بدمذہب لوگوں سے یہ عقیدہ اخذ کیا تھا۔ اس کے بعد اسلامی تاریخ میں تین شافعی علماء (سُبکی' سیوطیؒ اور بیہقیؒ) نے اس مسئلہ میں غلطی سے ابن فورک کی تقلید کی۔ اہل حق علماء نے ان کا رد بھی فرمایا۔ لیکن ہندو معاشرے میں شیعیت زدہ جاہل عوام کے ذہنوں سے یہ بات ابھی نکلنے نہ پائی تھی کہ ۱۲۹۰ھ کے لگ بھگ مرزا قادیانی نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے یہ مسئلہ بیان کیا۔ اور احمد رضا خان نے بھی اس مسئلہ کی آڑ میں قبر پرستوں کو خوب تھپکی دی۔ ۱۳۷۲ھ (۱۹۵۳ء) کی تحریک ختم نبوت کو ناکام بنانے کے لیے قادیانیوں نے خاص منصوبہ بندی کے تحت مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر حیات النبی کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ اور تین چار سال کی قلیل مدت (۱۹۵۷ء) میں علماء حق کی عظیم جماعت دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) مرزا قادیانی کے متبعین عموماً رفع و نزول عیسیٰؑ' ختم نبوت' اور ولادت

عیسیٰ وغیرہ کے موضوع پر مسلمانوں سے بحث کرتے ہیں۔ حضرت والد صاحبؒ نے اپنا علمی فریضہ ادا کرتے ہوئے درج ذیل کتب تحریر فرما کر قادیانیوں کے عقائدِ باطلہ کی تردید فرمائی۔ مثلاً:

❶ القول الاتم فی حیاتِ عیسیٰ ابن مریم، ❷ قدرتُ الرب فی ولادتِ عیسیٰ من غیر اَب، ❸ تفسیر آیت خاتم النبیینؐ، ❹ رفعِ عیسیٰ، اور ❺ مرزا قادیانی کی تضاد بیانیاں۔

بعض لوگ مرزا قادیانی کے متبعین کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر سمجھتے ہیں۔ اس کے جواب میں قادیانیوں نے "مجاہد خاتم النبیینؐ" اور "ہم مسلمان ہیں" وغیرہ ناموں سے مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریروں سے مقتبس کئی کتابیں شائع کیں۔ جن میں دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ حیاتُ النبیؐ کا مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں قادیانیوں کے اسی عقیدۂ بد کی تردید قرآن مجید، احادیثِ نبویہ، اقوالِ صحابہؓ و تابعینؒ مفسرینؒ و معتمد علیہ مفتیانِ عظامؒ کی تحریروں سے کی گئی ہے۔

إِنِّىٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَٱسْمَعُونِ ۝
قِيلَ ٱدْخُلِ ٱلْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِى يَعْلَمُونَ ۝

حصہ اول

الصراط المُستقیم

فی اثبات

الحیوۃ البرزخیۃ للنبی الکریم

علیہ الصلوۃ والتسلیم

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حُسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الحی الذی لا یموت مالك الملك والملكوت، لم یزل ولا یزال وكل شئ هالك الا وجهه وكل من علیها فانٍ وقال فی كتابه: ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوۡنَ ثُمَّ اِنَّكُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ○ وقال تعالیٰ: وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ○ وقال تعالیٰ: قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ○ والصلوٰة والسلام علی سیدنا محمد، الذی بُعِثَ الینا هادیاً مبلغاً ادخله الله فی الجنة التی رأی فی حیاته الدنیویة بَیِّنَةً فی تلك الجنة العلیة وهو الأن حیٌّ فی ذٰلك البیت یرزق ویسیر فی الجنة حیث شاء، ویطلعه الله تعالیٰ الصلوٰة والسلام من امته المرحومة وعلی اله واصحابه المتادبین بأدابه، سیما الشهداء فی سبیل الله الذین انعم الله علیهم وعلی الصدیقین والصالحین أمین یا رب العالمین○

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں اہلسنت کا عقیدہ

تمام اہل السنت و الجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان تمام مخلوق سے اعلیٰ ہے۔ ان کی شان کو مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ نہ حیات دنیویہ میں نہ حیاتِ برزخیہ میں اور نہ ہی حیاتِ اخرویہ میں۔ ان تینوں قسم کی حیات میں انبیاء کرام علیہم السلام کو اعلیٰ، اولیٰ، ارکیٰ، اتقیٰ، اہم، اعظم، ادوم، اقوم، افضل، اکمل، اجمل، اطیب اور حقیقی حیات حاصل ہوتی ہے۔ اور بعد از وفات ان کے ارواحِ طیبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اپنے موہوبہ اجسادِ مبارکہ میں رہ کر ساتویں آسمان سے اوپر عالمِ برزخ کے سب سے عظیم الشان مقام اعلیٰ علیین یعنی برزخی جنت میں قیام پذیر ہیں جہاں وہ کھاتے پیتے اور جنت کی سیر کرتے ہیں۔ اور اعلیٰ درجہ کے بے مثال محلات میں قیام پذیر ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے دنیوی اجسادِ مبارکہ اپنے اپنے مدفن ارضی میں بطورِ خرقِ عادت صحیح سالم اور تر و تازہ محفوظ ہیں۔ خصوصاً امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ ﷺ کا جسدِ اطہر مطہر معطر ام المؤمنین سیدہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں جس طرح تر و تازہ حالت میں صحابۂ کرامؓ نے دفن کیا تھا اسی طرح تر و تازہ حالت میں قیامت تک موجود رہے گا۔ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے آپ ﷺ کی روح مبارک نکل کر رفیقِ اعلیٰ میں جاملی۔ اور تمام صحابۂ کرامؓ آپ ﷺ کی وفات پر متفق ہوئے۔ اور صحابۂ کرامؓ نے آپ ﷺ کے لیے میت کا لفظ بھی استعمال فرمایا۔ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کو میت کی حالت میں دیکھا۔ اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کو بوسہ دیا تھا، اسی سُنّتِ رسولؐ کو زندہ کرتے ہوئے خلیفۂ بلا فصل اَمَنُّ النَّاس سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امام الامم و خاتم الانبیاءؑ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو بوسہ دیا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خواب میں عالمِ برزخ کے سب سے بلند مقام اعلیٰ علیین میں آپ ﷺ کا عالی شان محل دکھایا گیا تھا اور جب آپ ﷺ نے اس محل میں جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام نے فرمایا تھا کہ ابھی آپ ﷺ کی دُنیا کی زندگی باقی ہے۔ جب دُنیا کی زندگی مکمل ہوگی تو آپ ﷺ اسی رہائش گاہ میں قیام فرمائیں گے۔ اس لیے ہمارا ایمان ہے کہ: بعد از وفات حضرت نبی کریم ﷺ یقیناً اعلیٰ علیین میں رفیقِ اعلیٰ کے ہمراہ روح اور موہوب جسمِ مثالی کے ساتھ زندہ موجود ہیں، آپ ﷺ کو دیگر وفات یافتہ انبیاءؑ اور شہداء کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتی رزق بھی دیا جاتا ہے۔ وہ جنت میں جہاں چاہیں آتے جاتے اور سیر کرتے ہیں۔ اور اس بات پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ: اللہ تعالیٰ چاہے تو نیک بختی سے پڑھے ہوئے اُمّتی کے درود و سلام اور نیک کاموں کی اطلاع فرشتوں کے ذریعے آپ ﷺ کو ہو جاتی ہے۔ جس سے آپ ﷺ خوش ہوتے ہیں۔ نیز اُس عالم میں آپ ﷺ دیدارِ باری تعالیٰ میں مشغول رہتے ہیں۔ جو تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اور روحِ مطہر کے بغیر آپ ﷺ کا دُنیوی جسمِ مبارک حجرۂ عائشہ صدیقہؓ میں اپنے مدفنِ ارضی کے اندر بطورِ خرقِ عادت وھوالیوم کما وضع اب تک محفوظ و مصئون ہے، بلکہ قیامت تک تر و تازہ اور صحیح سالم محفوظ رہے گا۔ کیونکہ صحیح حدیث میں آتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ خرقِ عادت زمین کے لیے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۲۰)

حدیث "إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ" کی سند

یہ حدیث شریف ❶ سُنن ابی داؤد صفحہ ۱۵۷، و ❷ سُنن الکبریٰ للنسائی صفحہ ۲۰۳ و ❸ سُنن ابن ماجہ صفحہ ۷۷ و ❹ مسند دارمی صفحہ ۱۹۵، اور ❺ مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۴۱۳ میں منقول ہے۔ اور ان تمام محدثینؒ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے۔ مثلاً:

سند ۱ حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بہ حاکم نیشاپوریؒ المستدرک علی الصحیحین جلد ا صفحہ ۴۱۳ میں اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث اس طرح بیان فرماتے ہیں: حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب حدثنا ابو جعفر احمد بن عبد الحميد الحارثي ثنا الحسين بن علي الجعفي ثنا عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابي الاشعث الصنعاني عن اوس بن اوس الثقفي قال قال رسول الله ﷺ ان افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم و فيه قبض و فيه النفخة فاكثروا عليّ من الصلوة فيه فان صلوتكم معروضة عليّ. قالوا و كيف صلوتنا تعرض عليك و قد ارمت؟ فقال: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ۔

سند ۲ حضرت امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن ابن بہرام الدارمی سمرقندیؒ مسند الدارمی صفحہ ۱۹۵ میں یہی حدیث اپنی اس سند کے ساتھ لاتے ہیں: اخبرنا عثمان بن محمد ثنا الحسين بن علي عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابي الاشعث الصنعاني عن اوس بن اوس ـــــ

سند ۳ حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن (یزید بن) ماجہ قزوینیؒ سُنن ابن ماجہ صفحہ ۷۷ میں درج ذیل سند کے ساتھ یہی حدیث نقل فرماتے ہیں: حدثنا ابوبكر بن ابي شيبة ثنا الحسين بن علي عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابي الاشعث الصنعاني عن شداد بن اوس ـــــ

سند ۴ حضرت امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ سُنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۱۵۷ میں اس حدیث کی سند اس طرح بیان فرماتے ہیں: حدثنا هارون بن عبد الله نا حسين بن علي عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابي الاشعث الصنعاني عن اوس بن اوس ـــــ

سنن د حضرت امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ جلد ا صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۴ میں اس حدیث کی سند اس طرح بیان کی ہے: اخبرنا اسحق بن منصور قال حدثنا حسین الجعفی عن عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس عن النبی ﷺ قال ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ۔

یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام دنوں میں سے جمعہ کے دن کی فضیلت زیادہ ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اسی دن پیدا ہوئے۔ اور اسی دن آدم علیہ السلام کی روح قبض کی گئی، اور اسی دن قرنا۔ میں پہلی بار پھونکا جائے گا اور اسی دن دوسری بار قرنا۔ میں پھونکا جائے گا۔ اس لیے اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود قبول ہو کر اس کا ثواب مجھ تک پہنچتا ہے۔ اس پر حضرات صحابۂ کرامؓ کہنے لگے کہ آپ ﷺ پر ہمارا پڑھا ہوا درود کس طرح پہنچے گا جب کہ آپ ﷺ کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ طاہرہ کو کھانے سے روک رکھا ہے۔

تشریح حضرت محدث سندھیؒ نے سنن نسائی صفحہ ۲۰۴ کے حاشیہ پر اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ویمکن الجواب عن ذلک بان سوالهم یقتضی امرین: یعنی صحابۂ کرامؓ کے سوال میں دو باتیں تھیں۔ ❶ مساواۃ الانبیاء وغیرهم بعد الموت ایک تو یہ کہ مرنے کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام دوسرے اموات کے مساوی ہوتے ہیں۔ ❷ وان العرض لا یمکن علی الروح المجرد اور دوسرے یہ درود کی پیشی مجرد روح پر نہیں ہوتی۔ والاعتقاد الاول اسوأ فارشدهم بالجواب الی ما یزیله و اخر ما یزیل الثانی الی وقت یناسبه تدریجا فی التعلیم۔ اور چونکہ پہلا عقیدہ دوسرے سے زیادہ برا ہے اس لیے حضرت رسول اللہ ﷺ نے جواب میں پہلے غلط عقیدے کا ازالہ فرمایا اور دوسرے عقیدۂ بد کا جواب دوسرے کسی مناسب وقت تک ملتوی رکھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی تعلیم تدریجی تھی۔ مثلاً:

تدریجی تعلیم کی چند مثالیں

۱ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسجد قبا میں ایک انصاری امام ہر سورت کے اخیر میں سورۂ اخلاص پڑھتا تھا تو مقتدیوں نے منع کیا کہ یا تو صرف سورۂ اخلاص پڑھا کریں

یا صرف دوسری سورت پڑھیں۔ اس امام نے کہا کہ میں اس سورت کو نہیں چھوڑونگا چاہے مجھے امام رکھو چاہے نہ رکھو، میں امامت چھوڑ دونگا۔ مگر مقتدی اس امام کو سب سے افضل سمجھتے تھے کسی اور کو امام بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضور ﷺ سے بات ہوئی تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ: امام جی! جس طرح مقتدی کہتے ہیں آپؓ اس طرح کیوں نہیں مانتے۔ اور آپؓ سورۃ اخلاص کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے ہیں؟۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اس سورت کے ساتھ پیار ہے۔ حضرت ﷺ نے جواب دیا آپؓ کا اس سورت کے ساتھ پیار آپؓ کو جنت میں لے جائے گا۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۱۰۷)

فائدہ آپ نے اس کا جواب نہیں دیا جس میں مقتدیوں کے ساتھ جو تنازع تھا کہ فرضوں کی دونوں اولیین میں سورۃ اخلاص ہی کا تعین کر کے پڑھنا نماز کے لیے کراہت کا باعث ہے یا نہ؟ یا جواب دیا ہوگا مگر راوی نے نقل نہیں کیا یا کسی مصلحت کی وجہ سے اس وقت جواب نہیں دیا آپ ﷺ نے صرف امام جی کے انی احبہا کا جواب دیا۔ کراہت یا اباحت تکرارِ سورۃ واحدہ کا جواب نہیں دیا۔ ممکن ہے کہ مسئلہ صحابہؓ کو پہلے چونکہ معلوم ہے اس لیے السکوت فی معرض البیان بیان حضور ﷺ کا سکوت بیان اسی امر کا ہے کہ مسئلہ وہی ہے مگر یہ امام جی فنا فی السورۃ ہونے کی وجہ سے معذور ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی صحابہؓ کے قول ادمت کا جواب دیا کہ اس کا جواب دینا اہم تھا بہ نسبت جواب عرض صلوٰۃ کے۔ رہا مسئلہ عرض صلوٰۃ و سلام سو اس کو صحابہ کرامؓ کے تامل پر چھوڑ دیا کہ اب حیاتِ دنیوی (فی عالم الدنیا) میں بھی تو آخر عرض صلوٰۃ و سلام ہوتا ہی ہے۔ حالانکہ ہر ایک نمازی کا صلوٰۃ و سلام اپنے کانوں سے نہیں سنتے۔ بلکہ یہ ہی صورت ہے عرض صلوٰۃ و سلام کی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے حق میں ہر مومن کی دعاء قبول ہو جاتی ہے پھر وفات کے بعد بھی عرض صلوٰۃ و سلام کی یہی صورت ہوگی۔ اس میں نہ کوئی اشکال ہے نہ سوال کی ضرورت۔

۲ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں کیا کچھ خرچ کریں؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب نہیں دیا بلکہ مصرف بتا دیے کہ مصرف کا تلاش کرنا پہلے اہم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ

الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. (۲:۲۱۵) یارسول اللہ! حکم انفاق سن کر یہ مسلمان آپ ﷺ سے سوال کریں گے کہ کیا چیز دیں اور کیا خرچ کریں؟ تو آپ ﷺ ان سے فرمادیجیے کہ: تم نے یہ مال مجھے نہیں دیا، جو مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا دیں اور کتنا دیں؟۔ جتنا دینا ہے دو۔ تم نے کچھ دینا ہے تو اپنے ہی والدین کو اور اپنے اپنے رشتے ناتے والوں کو، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو دینا ہے۔ یہ تو نیکی کا کام ہے۔ نیکی اور پوچھ پوچھ؟۔

۳ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ فجر کی سنتیں پڑھ کر سجدہ کی حالت میں یا بیٹھے بیٹھے سو گئے حتیٰ کہ خراٹے لینے لگے پھر فرض نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ ﷺ تو سو گئے تھے۔ (سونے سے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور آپ ﷺ نے وضو نہیں فرمایا) آپ ﷺ نے جواب دیا کہ جو شخص کروٹ کے بل سو جائے تب اس کا وضو ٹوٹتا ہے۔ کیونکہ اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں حضرت ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو وہ مسئلہ سمجھایا جو اہم تھا۔ اور یہ نہ بتایا کہ میرا وضو نہیں ٹوٹا۔

فائدہ امام محمدؒ نے کتاب الآثار (صفحہ ۳۱) میں: باب النوم قبل الصلوٰۃ و انتقاض الوضوء منه. یعنی نماز سے پہلے سو جانے اور سونے سے وضوء ٹوٹ جانے کے بیان میں فرمایا: محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال توضا رسول الله ﷺ ينبغي اذا نام ثم قام فصلى بغير وضوء قال ابراهيم ان رسول الله ﷺ ليس كغيره، قال محمد و بقول ابراهيم نأخذ، بلغنا ان النبي ﷺ قال ان عيني تنامان و لا ينام قلبي، فالنبي ﷺ في هذا ليس كغيره، فاما من سواه فمن وضع جنبه فنام فقد وجب عليه الوضوء، وهو قول ابي حنيفة رحمه الله. انتهى.

۴ حضرت ام ہانی حضور ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کوئی پینے کی چیز حضور ﷺ کے پیش ہوئی حضور ﷺ نے خود بھی پیا اور ام ہانی کو بھی پلایا پھر فرماتی ہیں: حضور! میں گناہ کر بیٹھی ہوں میرا تو روزہ تھا میرے حق میں استغفار فرمائیں آپ ﷺ نے پوچھا قضائی روزہ تھا؟۔ کہا نہ!۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر کوئی مضر نہیں!۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر قضا کا حکم نہیں بتایا۔

فائدہ نیز حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ اَنْ تَأْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ بذریعۂ دلالۃ النص حضرت کی حیاتِ برزخیہ پر دال ہے۔ کیونکہ جن مومنین کے اجسادِ عنصریہ کو مٹی کھا جاتی ہے' ان کو حیاتِ برزخیہ حاصل ہونے کی وجہ سے اہلِ دنیا کی عبادات کا ثواب ان تک بھی پہنچتا ہے۔ اب انبیاء کرام علیہم السّلام جن کی حیات کامل درجہ کی ہے اور کمال اس حد تک پہنچا ہے کہ ان کی حیات کے آثار ان کے اجسادِ عنصریہ پر بھی نمایاں ہیں کہ جیسے زندوں کے اجساد عنصریہ کو مٹی نہیں کھاتی' ایسے ہی انبیاءؑ کے اجسادِ عنصریہ بھی زمین کی خوراک بننے سے محفوظ رہتے ہیں۔ تو اس قدر کامل برزخی حیات والے انبیاء کرام علیہم السّلام تک صلوٰۃ و سلام کے ثواب کا ایصال بطریقِ اولیٰ ہوگا۔ حضرت علامہ عینیؒ اور محمد بشیر الدین قنوجیؒ وغیرہ احناف شراح کا یہی مطلب ہے۔ جو اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ اَنْ تَأْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ کو حیاتِ انبیاء کی دلیل بناتے ہیں۔ اور دوسرا مفہوم تو اعتزال کی طرف مُفضی ہے۔ فافہم وتفکر وتدبر ولا تعجل۔

حدیث اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ کے راوی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت میں سے اس حدیثِ مبارک کے راوی:

1. سیدنا اوس بن اوس ابو عمرو بن اوس ثقفیؓ اور
2. سیدنا شداد بن اوس بن ثابت بن منذر بن حرام انصاری نجاری رضی اللہ عنہما ہیں' جو مدّاحِ رسولؐ سیدنا حسان بن ثابتؓ کے بھتیجے ہیں۔

ابو الاشعث صنعانی

سیدنا شداد بن اوس اور سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو روایت کرنے والے تابعی کا نام حضرت شراحیل بن آدہ ابو الاشعث صنعانی ہے۔ آپ صنعائے یمن کے رہنے والے تھے' بعد میں صنعائے دمشق تشریف لے آئے۔ پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ فتحِ دمشق کے موقع پر دمشق میں موجود تھے۔ آپ کا شمار دمشق کے بڑے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔ آپ سیدنا عبادۃ بن الصامت' سیدنا شداد بن اوس سیدنا ثوبان' سیدنا ابو ھریرہ' سیدنا اوس بن اوس اور سیدنا ابو ثعلبہ خشنی وغیرہم رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ جب کہ

آپ کے شاگردوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابرؒ ابو قلابہ جرمیؒ، حسان بن عطیہؒ، یحییٰ دیناریؒ اور دیگر کئی محدثین کے نام شامل ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔ اور حضرت امام بخاریؒ نے حضرت ابوالاشعث کی روایت اس لیے نقل نہیں فرمائی کہ آپؒ نے سیدنا شداد بن اوس اور سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی تصریح نہیں فرمائی۔ کیونکہ حضرت امام بخاریؒ صرف معاصرۃ یعنی ہم عصر ہونے پر ہی قناعت نہیں کرتے، بلکہ وہ صراحۃً ملاقات ہونے کا ثبوت ملنے کے بعد ہی کوئی روایت نقل فرماتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء و خلاصہ تذہیب الکمال و تقریب)

عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر

حضرت شراحیل بن آدہ ابو الاشعث صنعانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگردانِ گرامی میں حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ازدی ابوعتبہ شامی دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نام بھی شامل ہے۔ حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ نے آپ کا ذکر امام، حافظ اور فقیہ شام کے القاب سے کیا ہے۔ آپ حضرت ابوسلام الاسود، ابوالاشعث صنعانی، مکحولؒ، عبداللہ بن عامر یحصبی، ابن شہاب زہریؒ، ابوکبشہ سلولیؒ، عطیہ بن قیسؒ وغیرہ محدثین کے شاگرد ہیں۔ اور آپ کے شاگردوں میں ان کے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضرت حسین بن علی بن الولید جعفی کوفیؒ ولید بن مسلمؒ، عمر بن عبدالواحد رحمۃ اللہ تعالیٰ، ابن مبارکؒ، محمد بن شاور اور ایوب بن سوید رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں۔

حضرت محدث ابن حجرؒ نے انھیں ثقہ لکھا ہے۔ (تقریب التہذیب صفحہ ۳۳۸) اسی طرح حضرت یحییٰ بن معینؒ اور ابوحاتمؒ نے بھی انھیں ثقہ کہا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ ان سے حدیث لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد ۷ صفحہ ۱۷۶ و ۱۷۷)

حسین بن علی بن الولید جعفی کوفی

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ازدی ابوعتبہ دارانی شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد حضرت امام ابوعبداللہ و ابومحمد حسین بن علی بن الولید الجعفی الکوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات ۲۰۳ھ میں ہوئی۔ آپ نے حضرت اعمشؒ، جعفر بن برقانؒ، مجمع بن یحییٰ

انصاریؒ، فضیل بن مرزوقؒ، سفیان ثوریؒ اور عبدالرحمٰن بن یزید بن جابرؒ اور متعدد ثقہ علماء سے احادیث حاصل کیں۔ حضرت سفیان بن عُیینہؒ سے بھی آپ نے حدیث پڑھی، جب کہ حضرت حسین بن علی جعفیؒ حضرت سفیان بن عُیینہؒ کے استاذ بھی ہیں۔ یعنی یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے استاذ بھی ہیں اور شاگرد بھی۔ حضرت حسین بن علی بن ولید جعفی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مشہور شاگردانِ گرامی ہیں حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، اسحاق بن منصور کوسجؒ، یحییٰ بن معینؒ، احمد بن سلیمان رہاویؒ، ابواسحاق جوزجانیؒ، ابوکریبؒ، محمد بن رافعؒ، احمد بن فراتؒ، احمد بن عبدالحمید، عبد بن حمید، ہارون بن عبداللہ الحمالؒ، عباس دوریؒ، محمد بن عاصم ثقفیؒ، ابوبکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن محمد جیسے محدثین کے نام آتے ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معینؒ اور دوسرے نقاد محدثین نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ حضرت احمد بن عبداللہ بن صالح عجلیؒ فرماتے ہیں کہ حسین جعفی ثقہ ہیں، اور وہ نیک آدمی تھے، نیز آپؒ نے فرمایا کہ میں نے تقویٰ اور عبادت میں ان سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو حضرت حسین بن علی جعفی کوفیؒ کے شاگرد ہیں، حضرت حسین جعفیؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے تقویٰ اور عبادت میں ان سے بڑھ کر اور کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت سفیان ثوریؒ جو حضرت حسین بن علی جعفیؒ کے استاذ ہیں، جب کبھی انھیں دیکھتے تو گلے لگ کر ملتے اور فرماتے کہ یہ وہ جعفی ہیں جو تارکِ دُنیا ہو چکے ہیں۔ حضرت امام ذہبیؒ نے حضرت حسین بن علی بن ولید جعفی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اور بھی بہت سے مناقب تحریر فرمائے ہیں۔ (دیکھیے سیر اعلام النبلاء جلد ۹ صفحہ ۳۹۷ تا ۴۰۱۔ نیز دیکھیے تقریب التہذیب صفحہ ۹۳ و خلاصۃ تذہیب الکمال مع حاشیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۹)

نیز حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے استاذ حضرت حسین بن علی بن ولید الجعفی الکوفیؒ کی سند سے یہی زیرِ بحث حدیث اپنی شہرۂ آفاق کتاب مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۵۷ میں نقل فرمائی ہے۔

حسین بن علی جعفی کا ہمنام شیعہ راوی

حضرت حسین بن علی جعفی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہمنام ایک شیعہ راوی بھی ہوا ہے، جس کی وجہ سے آج کل کے بعض بدعقیدہ لوگ سادہ لوح مسلمانوں کو مغالطہ میں مبتلا کرتے ہیں۔ دراصل زیرِ بحث حدیث کے راوی کا نام حسین، ان کے والد کا نام علی، اور دادا کا نام ولید ہے۔

جب کہ ان کے ہمنام شیعہ راوی کا نام بھی حسین ہی ہے، اور اس کے والد کا نام بھی علی ہی ہے۔ لیکن اس شیعہ راوی کے دادا کا نام ولید نہیں بلکہ نجیح ہے۔ اور اس کا نام "حسین بن علی بن نجیح جعفی کوفی" لکھا جاتا ہے۔

فائدہ یاد رہے کہ جس حسین بن علی جعفی کوفی پر مشہور محدث و نقاد الامام الحافظ حضرت شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ میں من رجال الشیعۃ کی مہر لگائی ہے وہ یہی شخص ہے جس کے دادا کا نام "نجیح" ہے۔

نیز یہ شیعہ راوی حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا شاگرد نہیں ہے، بلکہ یہ وہ حسین بن علی جعفی ہے جو اپنی روایات کی نسبت حضرت جعفر صادق کی طرف کرتا ہے۔ یہی وہ شیعہ راوی ہے جس کے متعلق شیعہ اسماء الرجال کے مشہور و متعصب نقاد عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال فی علم الرجال جلد ا صفحہ ۳۳۹ میں لکھا ہے کہ: "حسین بن علی بن نجیح کو شیخ نے اپنے (شیعہ) رجال میں جعفر صادق کے اصحاب میں سے لکھا ہے"۔

حسین بن علی بن ولید جعفی کوفی کے تلامذہ

حضرت حسین بن علی بن ولید جعفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے متعدد شاگرد ہیں، جن میں سے چند مشہور محدثین کے اسماء گرامی قبل ازیں لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن آپ کی سند سے زیر بحث روایت نقل کرنے والے محدثین کرام چھ ہیں۔

1. حضرت امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم ابی شیبہ عبسی رحمۃ اللہ تعالیٰ
2. حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
3. حضرت امام ابوالحسن عثمان بن محمد بن ابراہیم ابی شیبہ عبسی رحمۃ اللہ تعالیٰ
4. حضرت امام ابو موسیٰ ہارون بن عبداللہ بن مروان حمال بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ
5. حضرت امام ابویعقوب اسحٰق بن منصور بن بہرام تمیمی کوسج مروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ
6. حضرت امام ابوجعفر احمد بن عبدالحمید بن خالد الحارثی الکوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ابوبکر بن ابی شیبہ

حضرت حسین بن علی بن ولید جعفیؒ کے شاگردوں میں سے حضرت امام ابوبکر عبداللہ بن

محمد بن القاضی ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خواستی عبسی الکوفی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ آپ کے شاگردانِ گرامی میں حضرت امام احمد بن حنبل، محمد بن سعد کاتب، ابوزرعہ، ابو یعلیٰ موصلی، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ کے نام شامل ہیں۔ حضرت امام احمد حنبلؒ نے انھیں صدوق کہا ہے۔ نیز آپؒ نے فرمایا کہ یہ اپنے بھائی حضرت عثمان بن محمد سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ حضرت امام ابوزرعہ اور حضرت امام احمد بن عبداللہ بن صالح عجلی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ ثقہ اور حافظ الحدیث ہیں۔ اور ان کا بیٹا بھی حافظ ثبت ہے۔ آپؒ نے محرم ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۲۔۱۲۷) خود حضرت امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے اپنے مجموعۂ احادیث "المصنف" جلد ۲ صفحہ ۵۱۶ میں براہِ راست حضرت حسین بن علی جعفیؒ سے یہی زیر بحث حدیث نقل کی ہے۔ پھر حضرت ابن ابی شیبہؒ کے شاگرد حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینیؒ نے اپنے مجموعۂ احادیث "سنن" صفحہ ۷۷ پر اپنے استاذ ابوبکر بن ابی شیبہؒ کی سند سے یہی حدیث نقل فرمائی ہے۔

امام احمد بن حنبل

حضرت حسین بن علی بن ولید جعفیؒ کے ایک شاگرد حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت حسین بن علی جعفیؒ کے علاوہ حضرت سفیان بن عیینہؒ، قاضی ابویوسف، ابوبکر بن عیاش، یحییٰ القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، علی بن مدینی، محمد بن ادریس شافعی اور ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام بھی شامل ہیں حضرت امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ ان کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ نے ان سے علم حدیث میں وافر حصہ پایا۔ نیز حضرت امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت امام احمد حنبلؒ کے ایک شاگرد کے واسطے سے بھی حدیث حاصل کی۔ اسی طرح ایک جم غفیر نے آپ سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ آپ بہت بڑے محدث اور فقیہ ہیں۔ آپ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ تاہم اگر کسی کو ضرورت ہو تو سیر اعلام النبلاء جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۷ تا ۳۵۸ کا مطالعہ فرمالیں۔ آپ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی۔ آپ نے اپنے مجموعۂ احادیث "مسند" جلد ۴ صفحہ ۵۷۷ پر یہی زیر بحث حدیث اپنے استاد حضرت حسین بن علی بن ولید جعفیؒ کی سند سے نقل فرمائی ہے۔

عثمان بن محمد بن ابی شیبہ

حضرت حسین بن علی بن ولید جعفیؒ کے شاگردوں میں حضرت امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن بہرام الدارمی سمرقندیؒ کے استاذ اور امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ کے بھائی حضرت عثمان بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خواستی ابوالحسن بن ابی شیبہ عبسی کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی شامل ہے۔ آپ حافظ کبیر، مفسر، امام، ثقہ، متقن اور صاحب تصانیف ہیں۔ ابن معینؒ نے آپ کو ثقہ امین کہا ہے۔ ابوحاتمؒ نے صدوق کہا ہے۔ البتہ آپ کو کہیں کہیں وہم ہوتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ آپ کی بعض روایات کو منکر بتلاتے ہیں۔ (دیکھیے: خلاصہ تذہیب الکمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ و سیر اعلام النبلاء جلد صفحہ ۱۵۱ و تقریب)

آپ کے شاگرد حضرت امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن بہرام الدارمی سمرقندیؒ نے اپنے مجموعۂ احادیث "مسند" صفحہ ۱۹۵ میں اپنے استاذ حضرت عثمان بن محمد کی سند سے یہی زیر بحث حدیث نقل فرمائی ہے۔

ہارون بن عبداللہ حمال

حضرت حسین جعفیؒ کے ایک شاگرد حضرت ہارون بن عبداللہ بن مروان بغدادی [illegible] البزاز ہیں۔ آپ نے حضرت حسین بن علی بن ولید جعفیؒ کے علاوہ حضرت سفیان بن عیینہ، محمد بن حرب خولانی، حرمی بن عمارہ، ابوسلمہ، معن بن عیسیٰ، ابن ابی فدیک، یحییٰ بن آدم، ابوالولید، یزید بن ہارون، روح بن عبادہ، حماد بن مسعدہ، مصعب بن مقدام، وہب بن جریر، ابوداؤد حفری، ابوداؤد طیالسی، عفان، سلیمان بن حرب، سلیمان بن داؤد ہاشمی رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی حدیث رسول پڑھی ہے۔ حدیث میں ان کے استاذ اور بھی ہیں۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں خود آپ کے لخت جگر حضرت موسیٰ بن ہارون کے علاوہ حضرت امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابراہیم حربی، ابن ابی الدنیا، بقی بن مخلد، زکریا خیاط السنۃ، ابوالقاسم بغوی، یحییٰ بن صاعد اور ابراہیم بن موسیٰ خوزی وغیرہم شامل ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ آپ کی وفات ۲۴۳ھ میں ہوئی۔ آپ امام، حجت، حافظ اور مجود یعنی تجوید کے بہت بڑے ماہر تھے۔ امام ابوحاتمؒ نے آپ کو صدوق میں شمار کیا ہے۔ حضرت امام احمد بن شعیب نسائی اور

امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی نے آپ کو ثقہ بتلایا ہے۔ (دیکھیے تقریب التہذیب صفحہ ۳۲۸ و خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ و سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد ۱۲ صفحہ ۱۱۵)

آپ کے شاگرد حضرت امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے متداول مجموعۂ احادیث "سُنن" میں آپ کے سلسلۂ اسناد سے یہی زیرِ بحث حدیث نقل فرمائی ہے۔ (دیکھیے۔ سُنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

اسحٰق بن منصور کوسج

حضرت حسین بن علی بن ولید جعفی کے ایک شاگرد، اور حضرت امام احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن نسائیؒ کے استاذ حضرت امام اسحاق بن منصور بن بہرام تمیمی ابویعقوب کوسج مروزی نیشاپوری ہیں۔ آپ حافظ الحدیث، وسیع العلم، ثقہ، ثبت، مجتہد، اور فقیہ تھے۔ حضرت امام ابوعبداللہ حاکمؒ نے فرمایا کہ آپ ان اماموں میں سے ایک ہیں جو سنت کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں۔ (دیکھیے تقریب التہذیب صفحہ ۳۱ و خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال جلد ۱ صفحہ ۶۷ و ۷۷ و سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۹)

آپکے شاگرد حضرت امام احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن نسائیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "سُنن" جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۴ پر یہی زیرِ بحث حدیث اپنے استاذ کی سند سے نقل فرمائی ہے۔

احمد بن عبد الحمید الحارثی

حضرت حسین بن علی جعفیؒ کے ایک شاگرد کا نام ابوجعفر احمد بن عبدالحمید بن خالد الحارثی الکوفی ہے۔ آپ حضرت امام ابوعبداللہ حاکمؒ کے دادا استاذ ہیں۔ جب کہ آپکے شاگرد کا نام ابوعبداللہ محمد بن یعقوب بن یوسف الشیبانی نیشاپوری ابن الاخرمؒ ہے، حضرت امام حاکمؒ نے اپنی "مُستدرک" میں انہی کی سند سے یہ زیرِ بحث حدیث نقل فرمائی ہے۔ حضرت علامہ ذہبیؒ نے آپ کو صدوق کہا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۵۰۸)

[illegible] حضرت امام ابوعبداللہ حاکمؒ نے اپنے مجموعۂ احادیث "المستدرک" جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ میں یہی زیرِ بحث حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا: هٰذا حديث صحيح على شرط البخاری کہ یہ حدیث امام بخاریؒ کی شرائطِ صحت کے عین مطابق ہے۔

تنبیہ حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی جو بقول حافظ ابن حجر عسقلانی ثقہ رجال میں "اہل استقراء تام" ہیں، امام حاکمؒ کی اس بات پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے اس حدیث کی علی شرط البخاری کے الفاظ سے تائید فرمائی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا تمام حقائق و شواہد کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ زیر بحث حدیث کے راوی حضرت حسین بن علی بن ولید جعفی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ "ثقہ" ہیں، اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی متصل اور صحیح ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ان کے اجساد اطہار میں روح مبارک نہ ہونے کے باوجود قبر اطہر میں مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوسکتے کیونکہ بفرمان نبویؐ اجساد انبیاء علیہم السلام کو کھانا زمین کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا ہے۔

تنبیہ یہ حدیث حضرت امام بخاریؒ جیسے محدث کبیر اور ماہر نقاد کی شرائط صحت پر بھی پوری اترتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خود حضرت امام بخاریؒ نے اپنے مجموعۂ احادیث میں زیر بحث روایت نقل نہیں فرمائی۔ البتہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی مستند اور متداول کتاب "الجامع الصحیح" صفحہ ۱۸۶ میں ایک ایسی روایت نقل فرمائی ہے جس سے زیر بحث سنداً متصل اور صحیح حدیث کی متن کے لحاظ سے بھی صحت ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ:

حکایت حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت فروۃ بن ابی المغراءؒ نے یہ واقعہ بتایا (جو آگے آرہا ہے) اور فرمایا کہ ہمیں حضرت علی بن مسہر نے بتایا کہ انھوں نے حضرت ہشام بن عروہ سے اور انھوں نے اپنے والد (حضرت عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ ابن اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما) سے سنا ہے: لما سقط علیهم (او عنهم) الحائط فی زمان الولید بن عبد الملك اخذوا فی بنائه فبدت لهم قدم (بساق و ركبة) ففزعوا و ظنّوا انها قدمُ النبی ﷺ فما وجدوا احدا یعلم ذلك حتی قال لهم عروة لا والله ما هی قدم النبی ﷺ ما هی الا قدم عمر۔ کہ امیر المؤمنین حضرت ولید بن عبد الملک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے عہد خلافت (۸۶ھ تا ۹۶ھ) میں (جب کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ والی مدینہ تھے) جب حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی (شمالی) دیوار زمین بوس ہوگئی (جس میں حضرت نبی کریم

ﷺ اور سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا امام عمرؓ کی قبور مبارکہ ہیں، تو والیٔ مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے) حجرۂ مبارکہ کی دیواریں از سرِ نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ (تاکہ مقبرۂ مبارکہ سے شمال کی طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کے سامنے قبریں نہ آئیں، چنانچہ جب لوگوں نے دیوار بنانے کی غرض سے بنیاد کھودنی شروع کی تو قبروں کے اوپر مٹی پڑ جانے کی وجہ سے یہ پہچان نہ رہی کہ کونسی قبر کہاں ہے۔ چنانچہ کھدائی کے دوران (پنڈلی اور گھٹنے سمیت) ایک قدم ظاہر ہو گیا (جو کہ ترو تازہ تھا) وہ لوگ (جو کھدائی کے کام میں مصروف تھے مع عمر بن عبدالعزیزؒ کے سب کے سب) اس قدم مبارک کو حضرت نبی کریم ﷺ کا پائے مبارک سمجھ کر (بے ادبی کے خوف سے) گھبرا گئے۔ (پھر انھوں نے کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا شروع کیا، جو اس قدم مبارک کو پہچان سکے۔ لیکن انھیں ایسا کوئی آدمی نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ (امیرالمؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے) حضرت عروۃ بن زبیر (بن العوام مبشر بالجنۃ رضی اللہ عنہ نے اس پائے مبارک کو دیکھنے اور خوب اچھی طرح پہچاننے کے بعد حلفیہ بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ: واللہ! یہ پاؤں حضرت نبی کریم ﷺ کا نہیں ہے، بلکہ یہ پاؤں امیرالمؤمنین سیدنا امام عمرؓ کے سوا اور کسی کا نہیں ہے۔ (بخاری صفحہ ۱۸۶)

فائدہ اس حدیث کا یہ تشریحی ترجمہ استاذی المکرم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر بخاری اور حضرت علامہ قسطلانیؒ کی ارشاد الساری جلد ۳ صفحہ ۴۷۷ کی تشریح کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔

یہ حدیث صحیح غریب ہے

حضرت امام بخاریؒ کی مذکورہ بالا روایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ زیرِ بحث حدیث جیساکہ سند کے لحاظ سے متصل اور صحیح ہے اسی طرح متن کے لحاظ سے بھی صحیح ہے۔ اور اس حدیث اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ کی صحت میں کچھ شک نہیں۔ البتہ سند کے لحاظ سے اس حدیث کو "غریب" کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث حضرت رسول اللہ ﷺ سے دو صحابہؓ نے روایت کی ہے پھر ان دونوں صحابۂ کرامؓ یعنی سیدنا شداد بن اوس اور سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث نقل کرنے والے صرف ایک تابعی حضرت ابوالاشعث

صنعانیؒ ہیں۔ پھر حضرت ابوالاشعثؒ سے نقل کرنے والے بھی صرف ایک تبع تابعی حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن جابر ہی ہیں' پھر ان سے یہ حدیث نقل کرنے والے بھی صرف ایک حضرت حسین بن علی بن ولید جعفی کوفیؒ ہی ہیں۔ اور جہاں تک ہمیں معلوم ہوسکا ہے ان سے یہ حدیث نقل کرنے والے محدثین چھ ہیں' جن کا تذکرہ قبل ازیں کیا جاچکا ہے' اس لیے یہ حدیث قاعدہ کے مطابق ہے تو غریب لیکن اس حدیث کے غریب ہونے سے نہ تو اس کی صحت و اتصال ہی متاثر ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کے مقبول ہونے میں کچھ فرق پڑ سکتا ہے۔ جیسا کہ:

انما الاعمال بالنیات

امام المحدثین حضرت امام محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی متداول کتاب "الجامع الصحیح" کی ابتداء ہی ایک "غریب" حدیث کے ساتھ فرمائی۔ جس میں ہے کہ امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (الحدیث) امیرالمؤمنین سیدنا امام عمرؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ ذی شان برسرِ منبر ایک مجمع عام کے سامنے بیان فرمایا۔ لیکن اس عظیم الشان اور اہم ترین پیغامِ نبوی کو اپنے شاگردوں کے سامنے بیان کرنے والے صرف ایک تابعی حضرت علقمہ بن الوقاص لیثیؒ ہیں۔ پھر ان سے روایت کرنے والے صرف ایک ہی تبع تابعی حضرت محمد بن ابراہیم بن الحارث تیمیؒ ہیں۔ پھر ان سے یہی روایت نقل کرنے والے محدث بھی صرف حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ ہی ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی الشہیر بابن حجر عسقلانیؒ نے شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۱۴ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے یہی روایت اسی سند کے ساتھ کل سات مقامات پر بیان فرمائی ہے۔ (دیکھیے: صفحہ ۲ و ۳۴۳ و ۵۵۱ و ۷۵۹ و ۹۸۹ و ۹۹۰ و ۱۰۲۸) البتہ اس حدیث میں حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ کے شاگردوں کی تعداد چار تک پہنچ جاتی ہے۔ جن کا ذکر بخاری میں موجود ہے۔ شائقین کے لیے سطورِ ذیل میں حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ کے شاگردوں کے نام اور بخاری کا صفحہ لکھا جاتا ہے:

(۱) حضرت سفیان بن عیینہؒ۔ صفحہ ۲ و ۳۴۳

(۲) حضرت حماد بن زیدؒ صفحہ ۵۵۱ و ۱۰۲۸

③ حضرت امام مالک بن انسؒ، صفحہ ۵۹ و ۱۳۵
④ حضرت عبدالوہاب بن عبدالحمید ثقفیؒ۔ صفحہ ۹۸۹

فائدہ یاد رہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ والی حدیث صحابہ کرامؓ میں سے صرف امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ہی بیان فرمائی ہے۔ جب کہ ہماری زیر بحث حدیث دو صحابہ کرام سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ اور سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کے بعد ان ہر دو حدیثوں کے راوی تین پشتوں تک صرف ایک ایک ہی رہے ہیں، جب کہ اس کے بعد ہماری زیر بحث حدیث "غریب" کو حضرت حسین بن علی بن ولید جعفیؒ سے روایت کرنے والے محدثین کی تعداد چھ ہے، اور مذکورہ بالا حدیث "غریب" کو حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے روایت کرنے والے محدثین کل چار ہیں۔ لیکن اس کے باوجود حضرت امام بخاریؒ کی بیان کردہ یہ "غریب" حدیث "صحیح" ہے۔ تو جس طرح اس حدیث کی صحت پر اس کے غریب ہونے کی وجہ سے کسی نے اعتراض نہیں کیا، بلکہ سب محدثین اور فقہاء کے یہاں مسلّم اور واجب العمل ہے اسی طرح ہماری زیر بحث حدیث کی صحت میں بھی کوئی کلام نہیں۔

نیز جس طرح بخاری کی پہلی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے اسی طرح ہماری مبحوث فیہ حدیث کو بھی تلقی بالقبول حاصل ہے۔ **نیز** جس طرح بخاری کی پہلی حدیث کو سامنے رکھ کر فقہاء کرامؒ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے ادا ہونے کے لیے "نیت" کو فرض قرار دیا ہے، اسی طرح زیر بحث حدیث کو سامنے رکھ کر بھی فقہاءؒ نے مسائل مستنبط کیے ہیں۔ مثلاً:

مبحوث فیہ حدیث سے مُستنبط مسئلہ

نمازِ جنازہ کے بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس میت پر نمازِ جنازہ نہ پڑھا جاسکا ہو اور بغیر جنازہ کے ویسے ہی میت کو دفن کر دیا گیا ہو تو اس میت پر بعد از دفن بھی جنازہ پڑھا جاسکتا ہے بشرطیکہ لاش میں تغیر نہ آیا ہو، اور اگر لاش میں تغیر آچکا ہو تو پھر قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں (دفن کے بعد) ایک ماہ تک جنازہ پڑھا جاسکتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ مطلقاً (ایک بار جنازہ پڑھ چکنے کے بعد) دوبارہ جنازہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں، خواہ میت کو ابھی دفن نہ کیا گیا ہو یا اسے دفن

کر دیا گیا ہو' اور اس کی لاش سلامت ہو یا متغیر ہو چکی ہو۔ اور فقہاء حنفیہ و مالکیہ اور سفیان ثوری و امام نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر "ولی" نے نمازِ جنازہ پڑھ لی ہو تو اس کے بعد کسی کو بھی اس میت پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں' خواہ میت ابھی قبر سے باہر ہو یا اسے دفن کر دیا گیا ہو۔ پھر دفن کے بعد اس کی لاش صحیح سلامت ہی ہو یا اس میں تغیر پیدا ہو چکا ہو' ولی کے جنازہ پڑھ چکنے کے بعد کسی طرح بھی دوبارہ جنازہ پڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں۔

وھُوالیوم کما وضع

ملک الفقہاء اصولی نظار حضرت علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "ہدایہ" باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت صفحہ ۱۶۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ: اگر "ولی" نمازِ جنازہ پڑھ چکا ہو تو اس کے بعد اور کسی کو اس میت پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ فرض تو پہلی نماز کے ساتھ ادا ہو چکا' جب کہ میت پر نفل جنازہ پڑھنا مشروع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (ولی رسولؐ خلیفۂ اول امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ کے جنازہ پڑھ چکنے کے بعد سے) اب تک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر کسی شخص کو جنازہ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ حالانکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر آج بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح کہ اسے قبرِ اطہر میں رکھا گیا تھا۔ صاحب ہدایہ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ولی کے جنازہ پڑھ چکنے کے بعد پھر جنازہ پڑھنے کی اجازت ہوتی تو تمام مسلمان جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اوپر حق سمجھتے ہوئے درود شریف پڑھتے ہیں' اسی طرح آپ کا جنازہ پڑھتے رہنا بھی تمام مسلمانوں کا معمول ہوتا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔

[illegible] صاحب ہدایہ کی اس عبارت سے اس بدعقیدہ گروہ کا بھی رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے اب تو (معاذ اللہ) آپؐ کا جسمِ اطہر مٹی کے ساتھ مٹی ہو گیا ہوگا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو جس طرح قبر میں رکھا گیا تھا اب تک اسی طرح بغیر کسی تغیر کے صحیح سلامت موجود ہے۔

[illegible] اس عبارت سے اس بدعقیدہ گروہ کا رد بھی ہو گیا جو کہتے ہیں کہ جس طرح زندہ پر

جنازہ نہیں پڑھا جاتا اسی طرح اب حضرت نبی کریم ﷺ پر جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا۔ کیونکہ بعد از دفن ان کے جسمِ اطہر میں روحِ مبارک لوٹ آئی تھی اور اب وہ اپنی مدینہ منورہ والی زمینی قبر میں حیاتِ دنیویہ کے ساتھ زندہ ہیں اور حجرۂ عائشہؓ کے زیریں حصہ میں نماز روزہ بھی کرتے ہیں اور بعض اوقات حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لا کر حج کے لیے بھی تشریف لے جاتے ہیں۔ جب کہ بعض وہ بدعقیدہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی حضرت رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر ہو رہا ہو وہاں آپ ﷺ تشریف لاتے ہیں وغیرہ۔ تو صاحب ہدایہ نے اپنی فصیح و بلیغ عبارت میں اس بدعقیدہ گروہ کا رد کرتے ہوئے تحریر فرمایا: وهو اليوم كما وضع یعنی جس طرح حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کم و بیش تیس ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد اپنے محفوظ ہاتھوں سے امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں روحِ مبارک سے خالی آپ کے جسدِ اطہر کو دفن فرمایا تھا، آج تک وہ جسمِ مبارک روحِ اطہر کے بغیر اسی حالت میں بغیر کسی تغیر اور تبدیلی کے نہ صرف اب تک محفوظ ہے بلکہ حضرت نبی کریم ﷺ کا جسدِ اطہر قیامت تک اسی طرح صحیح سلامت رہے گا۔ لہٰذا حضرت رسول اللہ ﷺ کی قبرِ مبارک پر جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ یہ نہیں جو افراط و تفریط کرنے والے بدعقیدہ لوگوں کے دونوں گروہوں نے سمجھ رکھی ہے۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب کم و بیش تیس ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ولیِ رسول امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی جنازہ پڑھ لیا تو اب دفن سے پہلے بھی کسی اور کو جنازہ پڑھنا جائز نہیں اور دفن کر چکنے کے بعد بھی جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ پس صاحب ہدایہ نے افراط اور تفریط کرنے والے دونوں گروہوں کو اپنی اس مختصر مگر جامع عبارت کے ساتھ نہایت مناسب جواب دے دیا۔ و للہ درہ و جزاہ اللہ عنا جزاءً حسناً۔

فائدہ یاد رہے کہ صاحب ہدایہ نے اپنے اس دعویٰ پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل تحریر نہیں فرمائی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں تھی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ انھیں اس حدیث کا بخوبی علم تھا اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے زمانے میں یہ حدیث تمام اہلِ اسلام اور علماء کے نزدیک متفق علیہ اور مشہور تھی، تبھی تو

انھوں نے اس حدیث کو لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، بس اتنا لکھ دیا کہ جس وقت حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ خاکی کو دفن کیا گیا تھا اس وقت سے لے کر آج تک کسی قسم کی تبدیلی کے بغیر آپ ﷺ کا جسم مبارک بیچ سلامت قبرِ اطہر میں مدفون ہے، نہ اس میں روح ڈالی گئی اور نہ ہی وہ معاذ اللہ متغیر ہوا اور مٹی کے کھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب بدعقیدہ لوگ پیدا ہوئے اور صاحبِ ہدایہ کی اس عبارت پر اعتراضات کیے جانے لگے تو علمائے حق نے شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والے بدعقیدہ لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیے ہدایہ کی شرح میں اسی حدیث کا حوالہ دے کر صاحبِ ہدایہ کی اس عبارت کی تائید فرمادی۔ مثلاً:

۱ حضرت علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے البنایہ شرح الہدایہ جلد ا صفحہ ۱۰۹۹ میں ہدایہ کی اس عبارت کو نقل فرمانے کے بعد دلیل میں اسی حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: لان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء۔

۲ حضرت علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عنایہ شرح ہدایہ جلد ا صفحہ ۴۵۸ میں تحریر فرمایا ہے: لان لحوم الانبیاء علیہم السلام حرام علی الارض۔ بہ ورد الاثر۔
(نیز دیکھیے مستخلص الحقائق صفحہ ۱۷۲ کنز الدقائق کلاں حاشیہ ۸ صفحہ ۵۱ و بدائع صنائع جلد ا صفحہ ۳۱۱ و فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ از علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

تنبیہ لحوم کے لفظ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ اس سے مراد روح کے بغیر گوشت پوست ہی ہے۔ اگر جسدِ میت میں روح موجود ہوتی تو اس کے لیے لحوم کا لفظ استعمال کرنا خلافِ ادب ہے۔ خصوصاً انبیائے کرامؑ کے طیب و طاہر اجساد کے متعلق ایسا لفظ استعمال کرنا یقیناً بے ادبی ہے، لیکن فقہائے کرامؒ نے مسئلہ کی وضاحت کے لیے بقدرِ ضرورت اس لفظ کے استعمال کو جائز سمجھا۔

فائدہ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ علماء نے کئی مسائل میں صاحبِ ہدایہ سے اختلاف بھی کیا ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں کسی عالم نے اختلاف نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موافق اور مخالف سب علماء کا اس مسئلہ میں صاحبِ ہدایہ سے اتفاق ہے، اور جو عقیدہ صاحبِ ہدایہ کا ہے، سب علماء کا یہی عقیدہ ہے۔

فائدہ معلوم ہوا کہ تمام فقہائے کرامؒ حضرت نبی کریم ﷺ کے جسدِ اطہر میں دوبارہ اعادۂ روح کے قائل نہیں۔ نیز آپؒ نے فرمایا کہ حضورؐ اب بھی اسی حالت میں بغیر تغیر و تبدل کے موجود ہیں جس حالت میں آپ ﷺ کو لحدِ مبارک میں اتارا گیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جب آپ ﷺ کو لحدِ مبارک میں اتارا گیا تھا' اُس وقت آپ ﷺ کے جسدِ اطہر میں روحِ مبارک نہ تھی' اور چونکہ فقہائے کرام کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ اب بھی آپ ﷺ کا خاکی جسدِ اطہر اسی طرح ہے جس طرح اسے قبرِ مبارک میں رکھا گیا تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اب بھی آپ ﷺ کے جسدِ اطہر میں روح نہیں ہے۔ (وھوالمطلوب) یعنی جس طرح حضرتؐ پر بعد الدفن صلوٰۃ الجنازہ کے ترک پر تمام علماء کا اجماع ہے اسی طرح تمام امت کا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر میں اعادۂ روح نہیں ہوا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام علمائے حق کے نزدیک یہ حدیث بھی صحیح ہے' تبھی تو سب علماء کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے۔ جب کہ گمراہی کی بات پر اجماع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ:

حدیث سیدنا ابو موسیٰ اشعری' سیدنا ابن عمرؓ' سیدنا ابن عباسؓ' سیدنا انسؓ اور سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ۔ کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ (المقاصد الحسنہ صفحہ ۴۶۰)

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کے وہ راوی' جنھیں کذاب سمجھا گیا ہے' وہ کذاب نہیں' بلکہ ثقہ ہیں اور ان کی روایت قابلِ استناد و استدلال ہے۔ اور اگر یہ روایت مرسل ہوتی' یا اس کا کوئی راوی مجہول یا غائب یا کذاب ہوتا تو اتنے بڑے بڑے ماہر نقادِ رجال اس حدیث کو کبھی صحیح نہ کہتے اور نہ ہی اپنے دعویٰ کی دلیل میں یہ حدیث پیش کرنے کی جراٴت کرتے۔

نیز دارمی' نسائی اور ابوداؤد کا اپنے مجموعہ ہائے احادیث میں اس حدیث کا ذکر کرنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت حسین بن علی بن ولید جعفیؒ کذاب نہیں' کیونکہ ان محدثین کی کتب میں اگرچہ مرسل' منقطع' قلیل الحفظ والضبط وغیرہ کی روایات تو پائی جاتی ہیں مگر ان کتب میں کسی کذاب کی قطعاً کوئی روایت نہیں ہے۔ بلکہ یہ حسین بن علی جعفیؒ وہی ہیں جنھیں ناقدین نے ثقہ کہا ہے۔ نوویؒ نے کتاب الاذکار میں اس کو صحیح کہا ہے' تابلسیؒ نے حسن صحیح' منذریؒ نے حسن اور ابن دحیہؒ نے صحیح محفوظ کہا ہے۔

حضرت علامہ ناصرالدین البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وھو حدیث صحیح رواہ ابو داؤد و ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وغیرھم فانہ صریح فی ان من خصوصیات الانبیاء ان لاتبلی اجساد الانبیاء علیہم السلام۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے، اسے ابوداؤد و ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم وغیرہم نے بھی روایت کیا ہے۔ چنانچہ اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے اجسادِ اطہار کو زمین بوسیدہ نہیں کرتی۔ (دیکھیے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ والموضوعۃ جلد ا صفحہ ۲۳)

فائدہ حضرت علامہ ابن قیم نے جلاء الافہام صفحہ ۳۹، ۳۰ میں اس حدیث کی مثل سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اسی طرح سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیہقی نے نقل کی ہے۔ اور اس کی سند کو منذری نے حسن کہا ہے۔ (دیکھیے: حاشیہ سیر اعلام النبلاء جلد ۹ صفحہ ۱۶۲)

حاصل یہ کہ زیر بحث حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں، ابن خزیمہؒ ابن حبانؒ حاکمؒ اور نوویؒ نے کتاب الاذکار میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور علامہ ذہبیؒ نے اس کی موافقت کی ہے۔ اور منذریؒ اور ابن حجرؒ نے حسن کہا ہے۔ اور اگر یہ حدیث صرف دو صحابہ سیدنا شداد بن اوسؓ اور سیدنا اوس بن اوسؓ ہی سے مروی ہوتی اور صحابہؓ میں سے اور کوئی بھی اس روایت کو بیان نہ کرتا تو بھی قاعدہ کے مطابق سنداً غریب ہونے کے باوجود صحت کے منافی نہ ہوتی۔ کیونکہ غرابت صحت کے منافی نہیں۔ اس لیے کہ صحیح حدیث وہ ہوتی ہے جس کی سند متصل ہو۔ (مرسل منقطع اور معضل نہ ہو) اور اس کے تمام راوی شروع سے اخیر تک عادل ضابط اور متقن ہوں۔ اور مجہول العین والحال اور ضعیف نہ ہوں۔ اور اس حدیث میں شذوذ بھی نہ ہو۔ یعنی جس حدیث کا راوی اپنے سے ارجح کی مخالفت نہ کرے۔ اور اس میں علت قادحہ بھی نہ ہو۔ جیسے روایت کا مرسل ہونا۔ اور یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اس کے سب راوی عادل ضابط اور متقن ہیں۔ اور مجہول العین والحال نہیں ہیں۔ اور نہ ضعیف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند بھی متصل ہے۔ نہ مرسل ہے نہ منقطع نہ معضل، اور اس میں کوئی علت قادحہ بھی نہیں ہے۔

حکایت حضرت محدث وکیع بن الجراح عراق میں اپنے وقت کے امام اور حافظ الحدیث تھے۔ جن کے

متعلق حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ وکیع سے بڑھ کر علم کو زیادہ یاد رکھنے والا اور حافظ میں نے نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ محدث وکیع نے مکہ مکرمہ میں اسماعیل بن ابی خالد کے واسطے سے عبداللہ البہی کی روایت بیان کردی کہ: "حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو پورے رات دن دفن نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کا پیٹ پھول گیا اور چھنگلیاں مڑ گئیں"۔ وکیع ابھی یہ روایت بیان کر ہی رہے تھے کہ قریش نے جمع ہو کر وکیع کو سولی دینے کا فیصلہ کرلیا۔ سولی کی لکڑی نصب کردی گئی۔ اتنے میں سفیان بن عیینہؒ آگئے اور کہنے لگے: "اللہ اللہ! یہ وکیع اہلِ عراق کا فقیہ ہے اور فقیہ کا بیٹا ہے"۔ حضرت علامہ ذہبیؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ عالم کی لغزش ہے۔ وکیع کو یہ منکر اور منقطع روایت بیان کرنے کی کیا پڑی تھی۔ اس کے بعد حضرت علامہ ذہبیؒ نے پیٹ پھولنے کے متعلق فرمایا کہ: "یہ ایک قسم کی مرض ہے۔ جس کے باعث زندہ آدمی کا پیٹ بھی پھول جاتا ہے' اور جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ اور عام مُردوں میں تو یہ تغیرات آسکتے ہیں۔ اور بُو میں بھی تغیر آسکتا ہے۔ اور ان کے اجساد کو مٹی بھی کھا جاتی ہے"۔ لیکن عام اموات کے اجساد اور انبیاءؑ کے اجساد میں تین قسم کا فرق بیان کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا: وَالنَّبِيُّ فَمُفَارِقٌ لِسَائِرِ أُمَّتِهِ فِي ذٰلِكَ فَلَا يَبْلٰى وَلَا تَأْكُلُ الْأَرْضُ جَسَدَهٗ وَلَا يَتَغَيَّرُ رِيْحُهٗ بَلْ هُوَ الْاٰنَ وَمَا زَالَ أَطْيَبَ رِيْحًا مِنَ الْمِسْكِ۔ کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا معاملہ دوسری امت سے جدا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا جسدِ اطہر نہ پُرانا اور بوسیدہ ہوتا ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو زمین کھاتی ہے۔ اور نہ ہی آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کی خوشبو میں کچھ تبدیلی آتی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے اس وقت بھی اور آئندہ ہمیشہ کے لیے بھی کستوری سے زیادہ خوشبو مہکتی ہے۔ اور دوسروں کے لیے یہ قاعدہ نہیں۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۹ صفحہ ۱۶۱)

حضرت علامہ ذہبیؒ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے خاکی جسدِ اطہر کی حفاظت کے متعلق اپنا عقیدہ بیان کرنے کے بعد مزید یہ بھی ارشاد فرمایا: وَهُوَ حَيٌّ فِي لَحْدِهٖ حَيَاةً مِثْلُهٗ فِي الْبَرْزَخِ الَّتِي هِيَ أَكْمَلُ مِنْ حَيَاةِ سَائِرِ النَّبِيِّيْنَ وَحَيَاتُهُمْ بِلَا رَيْبٍ أَتَمُّ وَأَشْرَفُ مِنْ حَيَاةِ الشُّهَدَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ بِنَصِّ الْكِتَابِ: أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آلِ عمران ۳۔ : ۱۶۹)

حضرت نبی کریم ﷺ کی حیات جس طرح برزخ میں ہے جو کہ تمام انبیاءؑ کی حیات سے اکمل ہے اسی طرح لحد مبارک میں حضرتؐ کا جسد اطہر بھی زندہ یعنی ترو تازہ ہے۔ اور ان کی حیات میں کوئی شک شبہ نہیں۔ وہ حیات شہداء سے بھی اتم اور اشرف ہے۔ جن کی حیات کے بارے قرآن مجید میں نص آئی ہے: اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (آل عمران۔۳:۱۶۹)

ھو ﷺ حی فی لحدہ کا مفہوم

محولہ بالا عبارت میں حضرت امام ذہبیؒ نے فرمایا ہے: هُوَ حَيٌّ فِي لَحْدِهٖ۔ یہاں حیؔ کے معنے ہیں: "طری ؔ"۔ یعنی لحد مبارک میں آپ ﷺ کا جسد اطہر ترو تازہ ہے۔ یعنی دوسری اموات کی طرح نہ تو ان میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوا اور نہ ہی آپ ﷺ کے جسم اطہر و معطر کی خوشبوئے مبارک میں کچھ فرق پڑا۔ اور نہ ہی زمین کی مٹی اس کو کھا سکتی ہے۔ اور اہل حق علماء نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے۔ مثلاً:

۱ حضرت علامہ ابن کثیرؒ نے فرمایا: لِاَنَّ جَسَدَهٗ ﷺ طَرِيٌّ فِي قَبْرِهٖ۔ اس لیے آپؐ کا جسم مبارک اپنی قبر اطہر میں ترو تازہ ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ صفحہ ۲۶۶)

۲ حضرت علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: وَمَعْلُوْمٌ بِالضَّرُوْرَةِ اَنَّ جَسَدَهٗ ﷺ طَرِيٌّ۔ کہ بداہۃً یہ چیز معلوم ہے کہ آن حضرت ﷺ کا جسد اطہر ترو تازہ ہے۔ (کتاب الروح صفحہ ۶۸)

۳ علامہ نعمان خیرالدین بن سید محمود آلوسی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَعْتَقِدُ اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ جَمِيْعَهُمْ طَرِيُّوْنَ لَا تَاْكُلُ الْاَرْضُ اَجْسَادَهُمُ الشَّرِيْفَةَ لِلْاَحَادِيْثِ الْوَارِدَةِ فِيْ ذٰلِكَ۔ کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ ترو تازہ ہیں۔ ان کے اجساد مبارکہ کو زمین نہیں کھاتی۔ اس بارے میں کئی احادیث وارد ہیں۔ (جلاء العینین صفحہ ۵۲۸ منقول از الارشاد المفید مصنفہ مولانا خان بادشاہ بن شاندی گل، دولۃ قطر)

۴ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے توشیح علی صحیح البخاری کے حوالے سے فرمایا: کنی عن الحیوۃ بالرطوبۃ لانہا لازمۃ لہا کہ حیات کو رطوبت لازم ہے۔ اس لیے تری بول کر طری مراد لیا گیا۔ (بخاری صفحہ ۲۱۸ حاشیہ ۱۱)

۵ عنایہ شرح ہدایہ صفحہ ۸۳، اور مختص شرح کنزالدقائق صفحہ ۱۵ اور فتح الملہم شرح مسلم

مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ میں ہے: لُحُوْمُ الْاَنْبِيَآءِ حَرَامٌ عَلَى الْاَرْضِ. کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے گوشت زمین پر حرام ہیں۔

۶ حضرت علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: وَهٰؤُلَآءِ حَيٰوتُهُمُ الْاٰنَ الَّتِيْ فِيْ عَالَمِ الْبَرْزَخِ حَقٌّ وَّ لٰكِنْ لَّيْسَتْ هِيَ حَيٰوةُ الدُّنْيَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ وَّلَا حَيٰوةُ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ. کہ اس وقت عالم برزخ میں انبیاء کرامؑ کی حیات کا ہونا برحق ہے۔ لیکن وہ حیات نہ تو من کل الوجوہ حیاتِ دُنیا ہے اور نہ ہی من کل الوجوہ حیاتِ اہلِ جنت ہے۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۹ صفحہ ۱۶۱)

فائدہ حضرت علامہ ذہبیؒ کی اس عبارت کا مطلب واضح ہے کہ انبیاء کرام کی زندگی کو نہ تو ہر لحاظ سے دنیوی حیات کہنا مناسب ہے اور نہ ہی ہر لحاظ سے جنت میں کہنا۔ کیونکہ من کل الوجوہ تو نفخۂ ثانیہ کے بعد ہی آپ ﷺ جنت میں تشریف لے جائیں گے۔ یعنی جنت میں ہونے کے باوجود من کل الوجوہ جنت میں نہ ہونے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ کی روح مبارک تو یقیناً جنت میں ہی ہے لیکن آپ ﷺ کا عنصری جسدِ اطہر روضۃ من ریاض الجنۃ سے ملحق حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اندر اپنے مدفن ارضی میں وھوالیوم کما وضع کہ جس طرح آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو بوقتِ دفن قبر مبارک میں رکھا گیا تھا اب بھی اسی طرح تر و تازہ حالت میں موجود ہے۔ اور قیامت تک اسی حالت میں صحیح سلامت محفوظ رہے گا۔ اور ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اس میں رتی برابر فرق نہیں۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کے جسدِ اطہر کی حفاظت

○ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا واقعہ بیان فرمایا ہے: فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَادَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ (۱۴:۳۴) پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے ان کو مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا تھا۔

فائدہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سُلیمان علیہ السلام موت کے قریب عصا کو دونوں ہاتھ سے پکڑ کر اس کو زیر زنخ لگا کر تخت پر بیٹھ گئے۔ اور اسی حالت میں روح قبض ہو گئی۔ (بیان القرآن جلد ۹ صفحہ ۷۶)

حضرت عزیر علیہ السلام کے جسدِ اطہر کی حفاظت

○ حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق بھی ایک واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے: اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۚ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۚ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ۔۔۔۔۔ (۲:۲۵۹) یا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے جیسے ایک شخص تھا کہ ایک بستی پر ایسی حالت میں اس کا گزر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے۔ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کے مُردوں کو اس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے زندہ کریں گے؟ سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو برس تک مردہ رکھا۔ پھر اس کو زندہ کر اٹھایا۔ اور پھر پوچھا کہ تو کتنے دنوں اس حالت میں رہا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم۔

حضرت دانیال علیہ السلام کے جسدِ اطہر کی حفاظت

قبل از مسیح ایک نبی گزرے ہیں جن کا نام دانیال یا دانی ایل تھا، ان کی قوم کو اس بات کا علم تھا کہ نبی کا جسم مبارک بعد از وفات گلتا، سڑتا نہیں ہے، نہ اس میں تعفن پیدا ہوتا ہے، نہ اسے مٹی کھاتی ہے، اور اگر نبی کے جسم اطہر کو قیامت تک کھلا چھوڑ دیں تب بھی اس کے جسم میں تازگی، اور طراوت برقرار رہتی ہے۔ تو جب حضرت دانیال علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ان کی قوم نے انھیں دفن نہ کیا کہ ان کی زیارت سے محروم نہ ہو جائیں، اس لیے انھوں نے دانیال نبی کو ایک چارپائی پر لٹا کر ان کے سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا، اور بستر وغیرہ کر دیا۔ پھر صبح و شام سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتے رہتے رفتہ رفتہ یہ محبت، شرکیہ افعال میں تبدیل ہو گئی۔ زمانہ بیت گیا۔ علم نے جہالت اور جہالت نے علم کی طرف الٹ پھیر ہوتا رہا۔ کئی نبی آئے، مگر قوم دانیال اپنے نبی کو پوجتی رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر بھی تشریف لائے اور اپنا فرض ادا کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور ان کے بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت دانیال کا علاقہ اسلامی فوج نے فتح کیا تو حضرت دانیال علیہ السلام کا جسدِ خاکی بھی لشکر اسلام کے ہاتھ لگا۔ حضرت دانیال علیہ السلام کے جسدِ اطہر کے ساتھ

مشرکانہ افعال دیکھنے کے بعد سپاہ اسلام نے حضرت عمرؓ سے اس سلسلہ میں مشورہ طلب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دجلہ و فرات کے دو آبہ میں چودہ قبریں بنائی جائیں اور پھر رات کی تاریکی میں ان چودہ میں سے کسی ایک قبر میں حضرت دانیال علیہ السلام کا جسم اطہر دفن کر کے بغیر نشان لگائے کے سب قبروں کو بند کر دیا جائے۔ تاکہ یہ مشرک لوگ قبر کے ساتھ مشرکانہ کام نہ شروع کر دیں۔ چنانچہ شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق غسل و کفن دے کر دفن کیا گیا۔

نقل کفر کفر نہ باشد

تنبیہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے بعض گمراہ فرقے ایسے بھی ہیں جو دیگر انبیاءؑ و اولیاء کرامؒ کے متعلق تو کیا نعوذ باللہ خود حضرت نبی کریم ﷺ کے طاہر و مطہر جسم خاکی کے متعلق مٹی میں مل کر مٹی ہو جانے کے قائل ہیں۔ چنانچہ:

تحریک خاکسار کے بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں لکھا ہے کہ: "اسلام کو محمد ﷺ سے بحث نہ تھی اس کو اس جسم اطہر سے غرض نہ تھی جو مٹی میں مل کر مٹی ہونے والا تھا"۔ (تذکرہ حصہ اردو صفحہ ۷۵)

حاشا و کلا ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا ہرگز ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے۔ ہمارے اکابرؒ نے واضح الفاظ میں علامہ مشرقی کی تکفیر کی ہے۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند اور کفایت المفتی میں اس امر کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم ایسے بدمذہب لوگوں سے بیزار ہیں۔

شاہ اسماعیلؒ انکار حیاۃ الانبیاء کا بہتان

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر ان کی کتاب تقویۃ الایمان کی بعض فارسی عبارتوں کا غلط اور من پسند ترجمہ کر کے بریلویہ کی طرف سے عوام کے سامنے واویلا کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کا عقیدہ بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ گستاخ رسول علامہ مشرقی نے بیان کیا ہے۔ حالانکہ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی جن عبارتوں پر اعتراض کیا جاتا ہے ان پر ہمارے بعض اکابرؒ نے تفصیل کے ساتھ بحث فرما کر حضرت شاہ شہیدؒ کے موقف کی وضاحت اور ان کی مشکل

عبارات کا آسان حل بیان کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ لوگ اس غلط روش سے باز نہیں آتے اور برابر انھیں متہم کرتے رہتے ہیں اور ان کی طرف سے پیچ محکم اور مدلل جواب دینے کے باوجود اس نازیبا حرکت سے باز نہیں آتے تو انھیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے اور قیامت کے روز جب مدعی و مدعا علیہ سب بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے تو وہاں کسی کی رو رعایت نہیں ہوگی۔ وہاں سب پردے ہٹا دیے جائیں گے۔

مخالفین کی طرف سے موحدین علماء حق پر حیاۃ الانبیاءؑ کے انکار کا بہتان کوئی نئی بات نہیں۔ سب سے پہلے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وافرۃً کاملۃً پر یہ الزام اُن کے ہم عصر معاندین نے لگایا۔ پھر فضل رسول بدایونی نے اس مسئلہ کو خوب اچھالا، پھر احمد رضا خان، اور نعیم الدین مراد آبادی نے کئی رسائل لکھے۔ جن میں انھوں نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ پر حیات النبیؐ کے انکار اور معتزلی ہونے کا الزام لگایا۔ چنانچہ:

الزام نعیم الدین مراد آبادی نے یہ سوال اٹھایا کہ: تقویۃ الایمان والا مسلمانوں کے قلوب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کم کرنے کے لیے اور زیادہ گستاخی کرتا ہے، دیکھیے تقویۃ الایمان صفحہ ۹۶: "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں"۔ (اطیب البیان صفحہ ۲۵۱)

تقویۃ الایمان کی عبارت پیش کرنے کے بعد نعیم الدین مراد آبادی نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ: "یہ بے باکانہ گستاخی اور حضورؐ پر افتراء، حاشا وکلا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا۔ یہ حضورؐ پر بہتان ہے، حضورؐ فرماتے ہیں جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۲۱) بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھانا" تو خدا کے نبی زندہ ہیں قطع نظر اس کے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت "مٹی میں ملنے" کا لفظ قطعاً جھوٹ اور افتراء ہے۔ مگر ساتھ ہی توہین و تنقیص بھی ہے۔ حضورؐ کا مرتبہ تو بہت بلند و بالا ہے، مہذب لوگ اپنے برابر والوں کے لیے بھی کہنا گوارا نہیں کرتے جو خاک میں ملنے والے ہی ہیں۔ ان کی نسبت بھی کہہ دیجیے تو ناگوار گزرے۔ اگر کوئی کہہ دے کہ مولوی

اسماعیل، رشید احمد ـــ محمود حسن، سب مر کر مٹی میں مل گئے، تو ان کے معتقدین کو اس سے رنج ہوگا، مگر حبیبِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں ان کا گرو لکھ گیا تو انھیں کچھ پرواہ نہیں۔ یہی ایک کلمہ کیا ساری تقویۃ الایمان ایسی گستاخیوں سے لبریز ہے"۔ (اطیب البیان صفحہ ۲۵۱)

جواب ۱ حضرت محدث جمال الدین سید نے حاشیہ مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے: وفیہ ارشاد و اشارۃ الیٰ ان الممکن لیس مستحقا للسجود والعبادۃ و زوالہ بل المستحق للمعبودیۃ ھواللہ الواحد القدیم الذی لایحوم حولہ التغیر والفناء والزوال۔ یعنی اس حدیث میں ارشاد و اشارہ ہے اس امر کا کہ تحقیق ممکن یعنی مخلوق، نہیں ہے مستحق سجدہ اور عبادت کے بوجہ متغیر ہونے اور اس کے زوال ہونے کے، بلکہ مستحق عبادت اور سجود کا وہی اللہ واحد و قدیم ہے جو مبرا و منزہ ہے نقصان، تغیر، فنا اور زوال سے۔ بلکہ:

نعیم الدین مراد آبادی نے خود صفحہ ۲۵۰ میں بحوالہ شفا و اشعۃ اللمعات لکھا کہ: "انبیاءؑ کے ظواہر اجسام بشری اوصاف کے ساتھ متصف ہیں، ان پر بشری اعراض، آلام، و اسقام، آفات، بیماری، فنا، موت، اور تغیرات مانند سائر بشر کے طاری ہوتے ہیں"۔ یعنی جس لفظ پر نعیم الدین وغیرہ نے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کو گستاخِ رسولؐ اور گُرو یعنی سکھوں کا استاذ الاساتذہ قرار دیا وہی الفاظ اس نے خود بھی استعمال کیے ہیں۔ لیکن ہم الٹ کر نعیم الدین کو نقضِ امن کے خوف سے سکھ کہنا پسند نہیں کرتے۔

جواب ۲ "جسمِ اطہر کا مٹی میں ملنا" اس کا مفہوم "مٹی ہو جانا" ہرگز نہیں، اور نہ حضرت شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس لفظ سے یہ غرض ہے۔ مشہور مقولہ ہے "تصنیف را مصنف نیکو کند بیان" خود مولانا شہیدؒ اپنی مثنوی "سلک نور" صفحہ ۴ میں "دربیان نعت و فضائل سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام" میں تحریر فرماتے ہیں: "پھر کیونکر احتمال مخالفتِ حدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علیہم السلام کے ہو سکتا ہے"۔

[illegible] اصلاح عقائد و اعمال کے سلسلے میں جہاں زیارتِ قبور کی اہمیت ہے وہاں گزشتہ انبیاءؑ و صلحاء و اولیاء کے بشری لوازمات سے متعلق حقائق کے بیان کی اہمیت و ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ:

❶ حضرت مولانا قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں وما محمد الا رسول کے تحت فرمایا: لیس ھو ربا یستحیل علیہ الفنا والموت وما ھو ید عولنا الی عبادتہ۔ یعنی نہیں ہیں محمد رسول اللہ ﷺ رب جو محال ہو ان پر فنا اور موت کا ہونا اور نہیں ہیں وہ لوگوں کو بلانے والے اپنی عبادت کی طرف۔

❷ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۲۵ میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا وہ شعر نقل فرمایا ہے جو انھوں نے آپ ﷺ کی قبرانور کی زیارت کے موقع پر پڑھا تھا:

فان کنت من عینی فی التراب مغیبا
فما کنت علی قلبی الحزین بغائب

یعنی اگرچہ آپ ﷺ میری نظر سے مٹی میں چھپے ہوئے ہیں، لیکن آپ ﷺ میرے غمگین دل سے غائب نہیں ہیں۔

❸ بخاری صفحہ ۶۳۱ میں ہے: فلما دفن قالت فاطمۃ یا انس اطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ ﷺ التراب۔ اس کا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۵۲۳ میں اس طرح کیا: "چون در آمدند صحابہؓ بعد از دفن نزد فاطمہؓ گفت چگونہ باور دارد دلِ شما کہ ریختید بر رسولِ خدا" گفتند بلے یا بنتِ رسول اللہ یا زہرا" ماہم دریں خیال رفتہ بودیم واندوہناک بودیم ولیکن چہ تواں کرد از حکم شرع چارہ نیست"۔ کہ صحابہؓ دفن نبی کے بعد حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں آئے حضرت فاطمہؓ نے کہا: تمھارا دل کس طرح یہ بات گوارا کر گیا کہ تم نے رسول اللہ پر مٹی ڈالی؟ تو صحابہؓ نے عرض کیا: یا بنت رسول اللہ ﷺ یا زہرا! ہم بھی اسی خیال میں تھے اور غم زدہ تھے۔ لیکن کیا کریں، حکم شرع سے چارہ نہیں۔

❹ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وجھی یقیک التراب لھفی لیتنی
غیبت قبلک فی بقیع الغرقد

یعنی آپ ﷺ کے بدلے میں میں مرجاتا" اور آپ ﷺ کو مٹی سے بچالیتا۔ کاش کہ میں آپ سے پہلے بقیع الغرقد کے قبرستان میں غائب ہوجاتا۔ (قصیدہ در کلام الملوک صفحہ ۱۱۲)

❺ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۰ میں ہے: "وچوں وے صلی اللہ علیہ وسلم فانی شدہ است در ذات وصفاتِ الٰہی، لاجرم باقی باشد باں و متصف گردد بداں"۔ یعنی جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات وصفاتِ الٰہی کے ساتھ فانی ہوگئے ہیں تو ضرور باقی ہوگئے اور اس کے ساتھ متصف ہوگئے۔

❻ اخبار الاخیار ۴۵ میں ہے: "بلکہ آدم و آدمیاں را و عالم و عالمیاں را معدوم شمارد و نابود پندارد" یعنی وجود حق تعالیٰ کے سامنے آدم اور آدمیوں کو اور عالم اور عالم والوں کو معدوم شمار کرے اور نابود سمجھے۔

(از مولانا محمد منظور نعمانی) حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ پر معاندین اہل بدعت کی طرف سے عائد کردہ الزامات کے جواب میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات" نامی رسالہ میں تحریر فرمایا:

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ پر دشمنانِ توحید و سنت کا ایک مشہور بہتان یہ بھی ہے کہ: "وہ مسئلہ حیاۃ النبیؐ کے منکر ہیں"۔ اور (معاذ اللہ) ان کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کا جسدِ اطہر بھی گل کر مٹی ہوجانے والا ہے (مُفتریوں کے منہ میں خاک) حضرت شہیدؒ کی جس عبارت پر اس ناپاک بہتان کی بنیاد رکھی جاتی ہے وہ "تقویۃ الایمان" کی پانچویں فصل کے آخر میں قیس بن سعدؓ کی ایک حدیث کی تشریح میں لکھی گئی ہے۔ جس کو صاحب مشکوٰۃ نے کتاب النکاح باب عشرۃ النساء میں ابوداؤد کی تخریج سے نقل کیا ہے۔

ہم ناظرین کے سامنے وہ اصل عبارت سیاق و سباق کے ساتھ ابھی پیش کریں گے۔ اور خود ناظرین دیکھ لیں گے کہ ایسا بہتان لگانے والے کیسے ظالم اور ناخدا ترس ہیں۔

اسبابِ تصنیف تقویۃ الایمان

پہلے بطورِ تمہید یہ سمجھ لینا چاہیے کہ "تقویۃ الایمان" دراصل ان بگڑے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے لکھی گئی ہے۔ جن کو مولانا شہید نے اپنے زمانہ میں اس حال میں دیکھا کہ مسلمان کہلانے کے باوجود وہ طرح طرح کے شرکیہ عقائد و اعمال میں گرفتار ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے۔ تقویۃ الایمان کے اصل مخاطب ایسے ہی لوگ ہیں۔ اور مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی بات سمجھانے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے ردِ شرک اور

بیان توحید کے سلسلہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث لکھتے ہیں، پھر اس کا ترجمہ کرتے ہیں، پھر فائدہ کی "ف" لکھ کر اس کی مزید تشریح کرتے ہیں۔

چنانچہ اپنے اسی طریقہ کے مطابق انھوں نے اللہ کے سوا زندہ یا مردہ ہستی کو سجدہ کرنے کی برائی اور شرعاً اس کا حرام و ممنوع ہونا ثابت کرنے کے لیے پہلے تو سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث مشکوٰۃ سے نقل کی، پھر اس کا لفظی ترجمہ لکھا اور اس کے بعد فائدہ کی "ف" لکھ کر اس کی مزید تشریح کی۔ ہم ذیل میں پہلے وہ حدیث اور مولانا شہید ہی کا لکھا ہوا ترجمہ لفظ بہ لفظ نقل کرتے ہیں۔

حدیث عن قیس بن سعد قال اتیت الحیرة فرأیتهم یسجدون لمرزبان لهم فقلت لرسول الله ﷺ احق ان یسجد له فاتیت رسول الله ﷺ فقلت انی اتیت الحیرة فرأیتهم یسجدون لمرزبان لهم فانت احق ان یسجد لك فقال ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد له فقلت لا فقال لا تفعلوا۔

ترجمہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام حیرہ ہے، سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں اپنے خواجہ کو، سو کہا میں نے البتہ پیغمبر خدا زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیجیے ان کو، پھر آیا میں پیغمبر خدا ﷺ کے پاس، پھر کہا میں نے کہ گیا تھا میں حیرہ میں سو دیکھا میں نے ان لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں اپنے خواجہ کو، سو تم بہت لائق ہو کہ سجدہ کریں ہم تم کو، تو فرمایا مجھ کو "بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو؟۔ کہا میں نے نہیں!۔ فرمایا تو مت کر۔ (تقویۃ الایمان صفحہ ۷۰ مطبوعہ رحمانی پریس دہلی)

حدیث کا اصل متن اور اس کا لفظی ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی قیس بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے ایک سفر میں حیرہ نامی شہر میں گئے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے شہر کے حاکم اور سردار کو سجدہ کر کے اس کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اُن کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہمارے آقا اور ہادی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا مقام اور درجہ تو بہت ہی بلند ہے۔ لہذا آپ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ سجدہ کے ذریعہ آپ ﷺ کی تعظیم کی جائے۔ چنانچہ جب یہ اپنے سفر سے مدینہ طیبہ واپس آئے تو حضور ﷺ سے وہاں کا وہ

مشاہدہ اور اپنا خیال عرض کیا' اور گویا آپؐ سے سجدہ کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اس سے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ میری وفات کے بعد میری قبر کو بھی سجدہ کروگے؟۔ انھوں نے کہا: قبر کو تو میں سجدہ نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اسی طرح اب بھی (سجدہ) نہ کرو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیس بن سعدؓ کے سوال کے جواب میں آں حضرت ﷺ نے جو یہ سوال ان سے کیا کہ کیا میری قبر کو بھی تم سجدہ کروگے؟۔ اس سے آپ ﷺ کا اصل مقصد و منشا کیا تھا' اور آپ ﷺ اُن کو کیا بتانا چاہتے تھے؟۔

شارحین حدیث نے پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ سوال کر کے ان کو بتانا چاہا کہ میں تو ایک بندہ اور فانی ہستی ہوں' آج زندہ ہوں' اور اس زمین کے اوپر ہوں' لیکن ایک دن آئے گا کہ یہ زندگی ختم ہوگی' اور میں قبر میں دفن کیا جاؤں گا۔ اور پھر اگر تمھارا گزر کبھی میری قبر پر ہوگا تو تم بھی اس وقت مجھے قابل سجدہ نہ سمجھو گے۔ پس خود ہی سمجھ لو کہ جس ہستی کا یہ حال ہو' اس کو سجدہ کیونکر روا ہوسکتا ہے۔ سجدہ تو بس اسی حی و قیوم کا حق ہے جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں۔

علامہ ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں رسول اللہ ﷺ کے اس سوال: أرأیت لو مررت بقبری کا مقصد و منشا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (فقال لی) اظهاراً لعظمة الربوبية و اشعاراً لذلة العبودية (ارايت) [الخ] یعنی رسول اللہ ﷺ نے شانِ الوہیت و ربوبیت کی عظمت و رفعت ظاہر کرنے کے لیے اور شانِ عبودیت کی ذلت و پستی جتانے کے لیے قیس بن سعدؓ سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ اگر کبھی میری قبر پر تمھارا گزر ہوگا تو کیا تم اس کو سجدہ کروگے؟۔ پھر یہی علامہ علی قاریؒ اسی حدیث کی تشریح میں علامہ طیبیؒ سے نقل کرتے ہیں: ای أسجدْ للحی الذی لا یموت و لمن ملکه لا یزول فانك انما تسجد لی الآن مهابة و اجلالا فاذا صرت رهين رمس امتنعت عنه. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۴۶۹) یعنی سجدہ صرف اس زندہ جاوید ہستی کو کرنا چاہیے جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں اور جس کی بادشاہت کو کبھی زوال نہیں' اور اس وقت تم مجھے صرف میری ہیبت اور جلال سے متاثر اور مرعوب ہو کر سجدہ کرنا چاہتے ہو۔ پس جب میں مرنے کے بعد قبر میں رکھ دیا

جاؤں گا تو تم خود مجھے سجدہ کرنا نہ چاہو گے۔

ان عبارات و تصریحات کا حاصل یہی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیس بن سعدؓ کے سامنے اپنی قبر کا ذکر کر کے جو سوال ان سے کیا، اس سے آپ ﷺ کا مقصد و منشا اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت و ربوبیت کی بلندی اور اپنی سارے بندوں کی شان عبودیت کی پستی اور فنائیت کا ظاہر کرنا تھا۔ اور بقول علامہ طیبیؒ اس سارے سوال و جواب کا حاصل یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے قیس بن سعدؓ کو بتایا کہ حیرہ والوں کے رواج کو دیکھ کر مجھے سجدہ کرنے کا جو خیال تمہارے دل میں پیدا ہوا، یہ اس وقت کی میری ہیبت اور جلالت کی وجہ سے ہے، جب کہ میں تمہارے سامنے اپنی موجودہ حیثیت کے ساتھ موجود ہوں، لیکن کل جب مجھ پر موت وارد ہو جائے گی اور مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا، تو تم خود بھی مجھے سجدہ کرنے کا ارادہ نہ کرو گے، اور میری قبر کو سجدہ کے قابل نہ سمجھو گے۔ لہٰذا سجدہ صرف اسی ذات پاک کو کرو جو حی لایموت ہے، اور جس کا جلال لازوال ہے۔

اب سنیے کہ مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کا مقولہ بالا متن اور ترجمہ لکھنے کے بعد فائدہ کی فکر کہی بات اپنے ان سادہ اور عام فہم لفظوں میں لکھی ہے: "یعنی میں بھی مر کر ایک دن مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجدہ کے لائق ہوں۔ سجدہ تو اسی ذات پاک کو ہے کہ نہ مرے کبھی"۔ (تقویۃ الایمان)

بس یہی وہ فقرہ ہے جس کو بنیاد بنا کر مولانا شہیدؒ کے ناخدا ترس دشمن، عوام میں شور مچاتے ہیں کہ مولانا موصوف "حیات النبی" کے منکر ہیں، اور معاذ اللہ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کے مٹی ہو جانے کے قائل ہیں۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم۔

اصل عبارت ناظرین کے سامنے ہے۔ اس میں "مٹی میں ملنے" کا لفظ ہے۔ "مٹی ہو جانے کا" لفظ نہیں ہے۔ اور "مٹی میں ملنا" یہ قدیم اُردو زبان کا محاورہ ہے جو قبر میں دفن ہونے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو کے مستند لغات "نور اللغات" اور "فرہنگ آصفیہ" دونوں میں مٹی میں ملانے کے ایک معنی "دفن کرنا" لکھے ہیں اور "فرہنگ آصفیہ" میں نسیم دہلوی کا یہ شعر بھی استشہاد میں لکھا ہے۔

نسیم اعداء سے شکوہ کیا پس از مرگ
ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا

ظاہر ہے کہ مٹی میں ملانے کا مطلب یہاں صرف دفن کرنا ہی ہو سکتا ہے، پس مولانا شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اس فقرہ کا مطلب کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں"۔ یہی ہے کہ میں ایک دن مر کر مٹی میں دفن ہونے والا ہوں۔ اور یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو شارح مشکوٰۃ علامہ طیبیؒ نے ان لفظوں میں ادا کی۔ فاذا صرت رهين رمس. یعنی جب میں قبر میں رکھ دیا جاؤں گا۔ (مرقاۃ جلد ۲ صفحہ ۳۶۹)

بہر حال تقویۃ الایمان کے ان الفاظ کی بنا پر یہ شور مچانا کہ مولانا شہید معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کے گل کے مٹی ہوجانے کے قائل ہیں، اس کے سوا کیا کہا جائے کہ سراسر شرارت اور خباثت ہے۔

ممکن ہے عوام کو دھوکا دینے کے لیے صداقت و دیانت کے یہ دشمن کہیں کہ تقویۃ الایمان کی اس عبارت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مرنے کا لفظ تو استعمال کیا ہی گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مصنف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر عقیدہ نہیں رکھتا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا قائل ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسئلہ "حیات النبیؐ" کی حقیقت پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

مسئلہ حیاۃ الانبیاء کی حقیقت

(از حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ)

تمام امت کے نزدیک یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترسٹھ ۶۳ سال اس دنیا میں زندہ رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال پورے ہونے پر چند روز مرضِ وفات میں مبتلا رہنے کے بعد ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، یعنی اللہ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد ہوئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن کیے گئے۔ نیز اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موت کا یعنی مرنے کا لفظ بولنا

جائز ہے۔ اور کوئی شخص ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک میں بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔
کیونکہ قرآن و سنت میں پوری صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کی وفات کا ذکر موجود ہے اور موت کے لفظ کے ساتھ موجود ہے۔

قرآن مجید سورۃ زمر میں فرمایا گیا: ""انك ميت وانهم ميتون"" ○ اے حبیب رسول آپ ﷺ بھی یقیناً مرنے والے ہیں اور بالیقین آپ ﷺ کے یہ دشمن بھی مرنے والے ہیں۔

اور مشہور حدیث ہے کہ اپنے آخری وقت میں رسول اللہ ﷺ بار بار فرماتے تھے: "لا اله الا الله ان للموت سكرات"

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: "بابي انت وامي لا يجمع الله عليك موتتين اما الموتة التي كتبت عليك فقد متها" یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جو موت طبعی مقدر کی تھی وہ وارد ہو چکی اور آپ ﷺ وفات پا چکے)۔۔۔۔۔ پھر مسجد نبوی میں آ کر صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: "من كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت (صحیح بخاری) یعنی جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ وفات پا چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں انہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

بہر حال یہ دونوں حقیقتیں اپنی جگہ پر بالکل مسلم اور بغیر کسی اختلاف کے پوری امت کی متفق علیہ ہیں کہ حضورؐ پر موت وارد ہوئی، آپؐ نے وفات پائی اور آپ ﷺ کے متعلق موت (یعنی مرنے کا) لفظ بولنا درست ہے اور قرآن و حدیث میں بولا گیا ہے اور صحابہ کرامؓ نے بھی آپ ﷺ پر موت کا لفظ بولا ہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق حیات کا جو عقیدہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم ناسوتی یعنی دنیا میں وفات پا جانے اور مدفون ہونے کے بعد آپ ﷺ کو برزخی حیات عطا کی گئی۔ جیسے کہ قرآن مجید میں شہداء کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں ـــــ (بل احیاء) اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شان تو شہداء سے بھی بڑھ کر ہے۔

امام بیہقیؒ نے مسئلہ حیاتِ انبیاءؑ کے بارے جو مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں انھوں نے اس مسئلہ کی توضیح ان الفاظ میں فرمائی ہے: "(و قال البیہقی) ان الانبیاء بعد ماقبضوا رُدّت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء" یعنی کہا بیہقیؒ نے انبیاء علیہم السّلام کی ارواح طیبہ وفات کے بعد ان میں لوٹا دی گئیں پس وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہداء کرام۔ (زرقانی شرح مواہب جلد ۵ صفحہ ۳۳۳)

اسی طرح علامہ تقی الدین سُبکیؒ نے "شفاءُ السّقام" میں اس مسئلہ حیاتُ النبیؐ پر کلام کرتے ہوئے ان قرآنی آیات اور احادیث و روایات کا ذکر کرنے کے بعد جن میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ذکر ہے اور آپ ﷺ کے لیے موت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لکھا ہے: "انہٗ اُحیِیَ بعد الموت" یعنی آپ کو موت کے بعد برزخ میں دوسری حیات عطا کی گئی (شفاءُ السّقام صفحہ ۱۳۲)

الغرض "حیاتُ النبیؐ" کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضورؐ پر موت وارد ہی نہیں ہوئی موت کا وارد ہونا اور حضورؐ کا وفات پانا تو ایک معلوم و مسلّم اور مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے اور حضورؐ کے متعلق موت (یعنی مرنے) کے لفظ کا استعمال بھی بالاجماع جائز ہے۔ (جیسا کہ خود علامہ تقی الدین سُبکیؒ نے اس کی تصریح بھی کی ہے) بلکہ اس حیات کا مطلب حیاتِ برزخی ہے جو وفات پانے کے بعد عالمِ برزخ میں ان حضرات کو عطا ہوئی اور جو شہداء کرامؒ کو بھی عطا ہوتی ہے، بلکہ ایک درجہ کی برزخی حیات تو سب ہی کو ملتی ہے۔ کیونکہ بغیر اس حیات کے عذاب و ثواب کا امکان ہی نہیں، ہاں ہر طبقہ کی حیات اس کے درجہ اور شان کے مطابق ہوتی ہے۔ اور چونکہ حضرات انبیاء علیہم السّلام سب سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔ اس لیے ان کی برزخی حیات بھی سب سے اعلیٰ ہے۔ حتیٰ کہ شہداء کرام سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السّلام کے اجسادِ مطہرہ بالکل جُوں کے تُوں محفوظ رکھے جاتے ہیں اور زمین ان کو گلا نہیں سکتی، چنانچہ سُنن ابن ماجہ میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السّلام کے مقدس جسموں کو کھائے اور گلائے۔

بس یہ ہے حقیقت مسئلہ "حیاتُ النبیؐ" کی اور ظاہر ہے کہ حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تقویۃ الایمان کی زیر بحث عبارت میں نفیاً یا اثباتاً اس مسئلہ کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ اور نہ وہاں اس ذکر کا کوئی موقع تھا۔ وہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعدؓ کی سجدہ کی درخواست پر چونکہ اپنی قبر کا ذکر فرما کر اپنے زندۂ جاوید نہ ہونے، بلکہ ایک دن وفات پاجانے کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اس لیے مولانا شہیدؒ نے اپنے سادہ لفظوں میں صرف اس اشارہ کی تشریح فرمادی، اور اسی بات کو سادہ اردو زبان میں لکھ دیا، جس کو علامہ طیبیؒ اور ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی تشریح میں عربی زبان میں لکھا تھا۔ امید ہے کہ ناظرین نے یہاں تک کی بحث پوری طرح سمجھ لیا ہوگا کہ تقویۃ الایمان کی مذکورۂ صدر عبارت کی بنا پر مولانا شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ کو مسئلہ حیاتِ انبیاءؑ یا محفوظیتِ اجسادِ انبیاء علیہم السلام کا منکر قرار دینا شرارت اور افتراء پردازی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر سلسلۂ کلام ختم کیا جاتا ہے۔ جو قیس بن سعد صحابیؓ کی اس حدیث کے ہم معنی اور ہم مقصد ہے، جس کی تشریح میں مولانا شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وہ عبارت لکھی ہے۔ اس کا مضمون مولانا شہیدؒ کی زیر بحث عبارت سے اور بھی زیادہ قریب ہے۔

حدیث یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے (جو اسلام لانے سے پہلے بہت سے مذاہب میں رہ چکے تھے، اور عرب و عجم کی بہت سی قوموں کے رواج جنھوں نے دیکھے اور برتے تھے) ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کرنا چاہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: یاسلمان! لا تسجد لی ارأیت لومت اکنت ساجد القبری؟۔ لا تسجد لی و اسجد للحی الذی لا یموت۔ (کنزالعمال جلد ۲) یعنی اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو۔ بتلاؤ اگر میں مرجاؤں تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کروگے؟۔ مجھے سجدہ نہ کرو، صرف اس زندۂ جاوید ہستی کو سجدہ کرو جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں۔ بعینہٖ یہی تو مضمون ہے جس کو قیس بن سعدؓ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا شہیدؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے اپنے سادہ لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔

نقل از رسالہ "حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات" از افادات مولانا محمد منظور نعمانیؒ مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ طبع اول۔

غاية العالمين في حياة النبيين

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں بدمذہب لوگوں کے عقائد بد

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ بعد از وفات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مبارکہ موہوبہ اجساد مثالیہ میں داخل ہو کر اعلیٰ علیین میں تشریف لے جاتی ہیں۔ انھیں جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔ وہ جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتے ہیں اور عرش الٰہی کے نیچے معلق قندیلوں میں جھولے جھولتے ہیں۔ اور ان کے دُنیوی عنصری اجساد مبارکہ بطور خرقِ عادت تاقیامت اپنے اپنے مدفن ارضی میں صحیح سلامت محفوظ رہتے ہیں۔ خرقِ عادت معجزات کا صدور، وحی کے ذریعے تعلیم الٰہی، وفات کے بعد ان کے اجساد اطہار کو مٹی کا نہ کھانا، اور ان کے جسموں کا قیامت تک اپنی دُنیوی قبور عرفی میں بلاتغیر محفوظ رہنا انبیاء کرامؑ کی خصوصیات میں سے ہے۔ جب کہ بدمذہب لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرامؑ پر موت طاری ہی نہیں ہوتی اور وہ زندۂ جاوید رہتے ہیں۔ اور بعض موت کے قائل تو ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ دفن ہونے کے بعد وہ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کے عقائد باطلہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں کا عقیدہ بھی قریب قریب انہی سے ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح اسلام کا دعویٰ کرنے والے بعض فرقِ باطلہ روافض، معطلہ، قادیانیہ، اور بریلویہ وغیرہ نے بھی یہود و ہنود وغیرہ سے یہ عقیدہ اخذ کر کے بڑی دھوم دھام کے ساتھ سادہ لوح مسلمانوں میں مشہور کر دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے منافقین نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے موقع پر یہود و نصاریٰ کی تقلید میں اہل اسلام کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے شانِ رسالت میں گستاخی کرتے ہوئے کہا: لوکان محمد نبیا لم یمت۔ حالانکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والا خارج از اسلام، مرتد، اور واجب القتل ہے، اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا بھی خارج از اسلام، مرتد اور واجب القتل ہے۔

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں منافقوں کا عقیدہ

قائلین حیاتِ دُنیوی جسمانی کا پہلا گروہ

اعلانِ نبوت کے بعد ہجرت سے قبل مکی زندگی میں نفاق اور منافقت کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ جو لوگ کافر تھے وہ کھلے کافر تھے، اور جو مسلمان تھے ان میں کوئی ایسا نہ تھا جس پر نفاق کا الزام بھی کبھی کسی نے لگایا ہو۔ لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے دوغلے لوگوں سے بھی واسطہ پڑا جو مسلمانوں کے سامنے خود کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، بظاہر اسلام کے تمام احکام پر عمل بھی کرتے تھے۔ لیکن وہ ہمیشہ ایسے واقعات و حالات کی تاک میں رہتے تھے کہ جس کی بنیاد پر اسلام کو کمزور اور اہلِ اسلام کو بدنام کیا جا سکے۔ اور پھر ایک دن اللہ کا وعدہ پورا ہوا، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کر کے اپنے جسدِ عنصری کو خیرباد کہہ کر رفیقِ اعلیٰ میں پہنچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے موقع پر غم کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہوش و حواس قائم رکھنے میں نہایت درجہ مشکل پیش آ رہی تھی۔ لیکن منافقین کے چہروں پر مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ جن کا عقیدہ تھا کہ موت مرتبۂ نبوت کے منافی ہے۔ اور اپنے اسی عقیدۂ بد کی وجہ سے اس موقع پر انھوں نے کہا: "لَوْ کَانَ مُحَمَّدٌ نَبِیًّا لَمْ یَمُتْ"۔ یعنی اگر محمد پیغمبر ہوتے تو وفات نہ پاتے۔ (مسند امام اعظمؒ صفحہ ۱۷۹)

فائدہ منافقین کا یہ نعرہ صرف اس وقت کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھا، بلکہ جب کبھی ایسے حالات پیدا ہو جاتے تو ان کا یہی نعرہ ہوتا۔ چنانچہ:

۱ حضرت علامہ بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت: "وما محمد الا رسول" کے تحت فرمایا:

روی انه لما رمی عبد الله بن قمیئة الحارثی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بحجر فکسر رباعیته وشج وجهه فذب عنه مصعب بن عمیر وكان صاحب الراية حتى قتله ابن قمیئة وهو يرى انه قتل النبی فقال قد قتلت محمداً و صرخ صارخ الا ان محمداً قد قتل فانكفأ الناس و جعل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یدعو الیّ عباد الله فانحاز اليه ثلاثون من اصحابه و حموه حتى

كشفوا عنه المشركين و تفرق الباقون و قال بعضهم ليت ابن أبي يأخذ لنا امانًا من ابی سفیان وقال ناس من المنافقين لوكان نبيا لما قتل ارجعوا الى اخوانكم و دينكم فقال انس بن النضر عم انس بن مالك يا قوم ان كان قتل محمد فان رب محمد حي لايموت۔ یعنی عبداللہ بن قمیئہ حارثی نے حضرت نبی کریم ﷺ پر حملہ کیا پتھر مار کر آپ ﷺ کے رباعی دانت توڑ دیے۔ اور چہرۂ مبارک زخمی کردیا' پھر قتل کے لیے آگے بڑھا' لوار بردار اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کو ڈانٹا۔ ابن قمیئہ نے مصعب کو قتل کردیا' اور شور مچادیا کہ میں نے محمد کو قتل کرڈالا۔ اس آواز سے صحابہؓ میں بڑی تشویش پھیل گئی۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے چاہا کہ عبداللہ بن ابی منافق کو کہیں کہ وہ ابوسفیان سے امان مانگے۔ اس میں کچھ منافق بولے: لوکان (محمد) نبیا لما قتل کہ: اگر محمد نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ آؤ اپنے بھائیوں سے مل جاؤ اور پہلے آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ۔ اس پر حضرت انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضرؓ نے فرمایا کہ: اگر حضرت محمد قتل ہوگئے ہیں' تو کیا ہوا؟ حضرت محمد کا رب تو زندہ ہے۔ جس کی موت محال ہے۔ (تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۳۶)

۲ حضرت مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کچھ منافق بولے کہ: "اگر محمد نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ اپنے بھائیوں سے مل جاؤ"۔ (تفسیر حقانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

۳ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: کچھ لوگ جو منافق تھے' انھوں نے علانیہ کہنا شروع کردیا کہ: اگر یہ نبی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ جنگ میں مارے جاتے۔ (تفسیر ترجمان القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۳۶)

۴ حضرت مولانا سید عبدالدائم جلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جب جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو کچھ ہزیمت ہوئی اور حضور اقدس ﷺ بھی زخمی ہوگئے تو کسی دشمن نے آواز دی کہ محمد قتل کردیے گئے۔ اس پر بعض منافق بولے کہ: اگر محمد نبی ہوتے مارے نہ جاتے۔ (تفسیر بیان السبحان پارہ ۴ صفحہ ۳۶۷)

۵ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آیت: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کی تفسیر میں فرمایا: "اس میں تنبیہ فرمادی کہ رسول اللہ ﷺ تو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے

رُخصت ہونے والے ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد بھی مسلمانوں کو دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس عارضی شکست کے وقت آنحضرت ﷺ کے مجروح ہونے اور وفات کی خبر مشہور ہونے میں یہ قدرتی راز تھا کہ آپ ﷺ کے بعد جو حالات صحابۂ کرامؓ پر پیش آسکتے تھے وہ آپ ﷺ کی دُنیوی حیات ہی میں ظاہر کردیے گئے، تاکہ ان میں جو لغزش ہو اس کی اصلاح خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ہو جائے، اور آئندہ جب یہ واقعۂ وفات سچ مچ پیش آئے تو یہ عشاقِ رسولؐ ازخود رفتہ نہ ہوجائیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ آپ ﷺ کی وفات کے وقت جب بڑے بڑے صحابۂ کرامؓ کے ہوش و حواس بجا نہ تھے تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی قسم کی آیاتِ قرآنیہ کی سند لے کر ان کو سمجھایا۔ اور وہ سب سنبھل گئے۔ (معارفُ القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

۶ حضرت مولانا سید امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آیت: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کے تحت فرمایا کہ: بعض منافقوں نے کہا کہ اگر محمد قتل ہوئے تو کیسے نبی تھے۔ تم اپنے پہلے دین میں آؤ اور قریش کو ہاتھ دے دو کہ آخر تمہارے بھائی ہیں۔

(تفسیر مواہبُ الرحمٰن پارہ ۴ صفحہ ۴۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تلوار سونتنے کی وجہ

امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ انھوں نے تلوار سونت کر اعلان کیا کہ: اگر کوئی کہے گا کہ حضرت محمدؐ وفات پاگئے ہیں تو میں اس تلوار سے اُس کا سر قلم کردوں گا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ نعوذ باللہ آپؓ وفاتُ النبیؐ کے منکر تھے۔ جیسا کہ بعض نادان سمجھتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے موقع پر سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی تشریف آوری سے قبل آپ ﷺ کی وفات سے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں۔ کیونکہ جس پیر کے روز آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔ صبح کے وقت آپؐ کی طبیعت پہلے سے اچھی تھی۔ اس حالت کو سنبھالا کہتے ہیں۔ صبح کی نماز کے وقت آپ ﷺ نے حجرہ کا پردہ ہٹا کر مسجد میں دیکھا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر آپ ﷺ مسکرائے، اور خوشی کی وجہ سے آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک کھِل اور چمک اٹھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس طرح دیکھ کر صحابہؓ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اب نماز توڑ دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ امام تھے۔

حضورؐ کو دیکھ کر انھوں نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ تاکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں۔ مگر آپؐ بہت زیادہ کمزور ہو چکے تھے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پوری کرنے کا اشارہ کیا اور پردہ ڈال دیا۔ یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری جھلک تھی۔ جو صحابہؓ نے دیکھی۔ اس کے بعد آپؐ کی زندگی میں آپؐ کو دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔

نماز کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً حجرہ شریف میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت آپؐ کو بہت سکون تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ سے اجازت لے کر شہر سے باہر اپنی دوسری بیوی کے یہاں چلے گئے۔ اس لیے کہ یہ اُن کی باری کا دن تھا۔ حضرت علیؓ آپؐ کے پاس سے باہر آئے تو لوگوں نے آپؐ کی خیریت پوچھی۔ حضرت علیؓ نے کہا: الحمدللہ اب اچھے ہیں۔ یہ سُن کر لوگوں کو اطمینان ہو گیا۔ اور وہ بھی اِدھر اُدھر چلے گئے۔

صحابہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم کرنے کے بعد مطمئن ہو گئے۔ اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ مگر یہاں تھوڑی ہی دیر کے بعد آپؐ پر نزع کی کیفیت شروع ہو گئی۔ آپؐ حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ تکلیف اور کمزوری برابر بڑھتی جا رہی تھی اور صحت کے آثار کم ہوتے جا رہے تھے۔ آپؐ کے پاس اس وقت پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں تکلیف سے بے تاب ہو کر آپؐ پیالہ کے پانی میں ہاتھ ڈبوتے۔ اور اس کو چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔

اسی وقت حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ حجرہ میں داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی طرف اس طرح دیکھا جس سے حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے آپؐ سے پوچھا: "یارسُول اللہ! کیا میں آپؐ کے لیے مسواک لے لوں؟" آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ: "ہاں!" پھر حضورؐ کے اشارہ پر حضرت عائشہؓ نے اس کو چبا کر نرم کر دیا۔ اور آپؐ کو دے دی۔ حضورؐ نے مسواک کی۔

نزع کے دوران آپؐ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آرہے تھے: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے چھت کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اللھم فی الرفیق الاعلی۔ "اے اللہ! میں رفیقِ اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں"۔ یعنی وہ جگہ جو نبیوں اور رسولوں کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی رسولِ خدا ﷺ کی مبارک اور پاک روح رفیقِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اور ہاتھ نیچے ڈھلک گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (سیرتِ پاکؐ صفحہ ۶۱۲ تا ۶۱۳)

تشریح ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے آپ ﷺ کی اس حالت کو غشی سمجھا اور آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر کپڑا ڈال دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت مُغیرہؓ اجازت لے کر حجرۂ مبارکہ میں گئے اور حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا۔ اور آپ ﷺ کی اس حالت کو پورے اعتماد کے ساتھ غشی قرار دیا۔ اور بے اختیار حضرت عمرؓ کے منہ سے یہ کلمۂ ندبہ نکلا: واغشیاہ! ما اشد غشی رسول اللہ (ﷺ)

فائدہ نوحہ کو ندبہ کہتے ہیں۔ اور مندوب اس میت کو کہتے ہیں جس پر کوئی روتا ہے۔ اور اس کی خوبیاں گنا تا ہے۔ تاکہ لوگ جان لیں کہ اس شخص کی موت جو ایسے اوصاف کے ساتھ موصوف تھا امرِ عظیم ہے۔ اور اس کو رونے میں معذور جانے۔ بلکہ خود بھی اس کے درد میں شرکت کریں۔ اور اصطلاح میں مندوب کی تعریف یہ ہے: مندوب وہ اسم ہے جس کی ذات کے وجود یا عدم پر درد کا اظہار کیا جائے۔ خواہ بذریعہ یا کے ہو یا بذریعہ وا کے۔ پس جس کے عدم پر اظہارِ درد کیا جائے وہ میت ہوتا ہے کہ جس کے مرجانے پر زندہ روتا ہے۔ جیسے حضرت فاطمہؓ نے فرمایا تھا: واابتاہ! اور جس کے وجود پر اظہارِ درد کیا جائے اس کی مثال: وامصیبتاہ! واحسرتاہ! واویلاہ! واغشیاہ! وغیرہ۔

اسمِ مندوب کے شروع میں وا آتا ہے۔ اور اسمِ مندوب کے اخیر میں الف بڑھا کر لمبا کھینچتے ہیں۔ جس سے ہا وقف کی بڑھا دی جاتی ہے۔ جیسے: غشی سے واغشیاہ! اور ایسی آواز عموماً کسی شخص کی وفات کے موقع پر نکالی جاتی ہے۔ اس لیے حضرت مُغیرہؓ سمجھے کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے اس کلمۂ ندبہ کی وجہ سے حضرت مُغیرہؓ نے جب حضرت عمرؓ سے آپ ﷺ کی وفات کے متعلق اپنے خدشہ کو دور کرنے کے لیے دریافت فرمایا تو حضرت عمرؓ نے حضرت مُغیرہؓ کو ڈانٹ دیا۔ کیونکہ منافقین تو پہلے ہی کہتے پھر رہے تھے: لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَمْ يَمُتْ اور

یہ بھی کہتے تھے کہ موت تو مرتبۂ نبوت کے منافی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ بھی کہتے تھے کہ اگر واقعی محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں تو نعوذ باللہ وہ سچے پیغمبر بھی نہیں تھے۔ جیسا کہ:

1 ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات حسرت آیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں: بَيْنَمَا رَأْسُهُ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى مَنْكِبِي إِذْ مَالَ رَأْسُهُ نَحْوَ رَأْسِي فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يُرِيدُ مِنَ الرَّأْسِي حَاجَةً فَخَرَجَتْ مِنْ فِيهِ نُطْفَةٌ بَارِدَةٌ فَوَقَعَتْ عَلَى ثُغْرَةِ نَحْرِي فَاقْشَعَرَّ لَهَا جِلْدِي فَظَنَنْتُ أَنَّهُ غُشِيَ عَلَيْهِ فَسَجَّيْتُهُ ثَوْبًا۔ کہ اتنے میں آپ ﷺ کا سر مبارک ایک دن میرے کندھے پر تھا۔ آپ ﷺ کا سر مبارک میرے سر کی طرف جھکا۔ میں نے سمجھا کہ آپ ﷺ کو میرے سر کے ساتھ ٹیک لگانے کی حاجت ہے۔ تو آپ ﷺ کے معصوم منہ سے آبدار موتی کی طرح ٹھنڈا اور شفاف قطرہ نکلا، جو میری ہنسلی کی ہڈیوں کے درمیان کے گڑھے پر گرا۔ تو میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے سمجھا کہ آپ ﷺ پر غشی طاری ہو گئی ہے۔ تب میں نے آپ ﷺ کو کپڑے سے ڈھانپ دیا۔

اس کے بعد ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فَجَاءَ عُمَرُ وَالْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَاسْتَأْذَنَا فَأَذِنْتُ لَهُمَا وَجَذَبْتُ إِلَى الْحِجَابِ فَنَظَرَ عُمَرُ إِلَيْهِ (ﷺ) کہ پھر حضرت عمرؓ اور مغیرۃ بن شعبہؓ آئے، اور اندر آنے کی اجازت مانگی تو میں نے ان دونوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اور اپنی طرف میں نے پردہ کھینچ لیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا۔ فَقَالَ: اور کلمۂ ندبہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: وَاغَشْيَاهُ! مَا أَشَدَّ غَشْيَ رَسُولِ اللّٰهِ (ﷺ) واغشیاہ! کیسی شدید غشی ہے حضرت رسول اللہ ﷺ کی۔ ثُمَّ قَامَا فَلَمَّا دَنَوَا مِنَ الْبَابِ۔ پھر دونوں کھڑے ہو گئے۔ اور جب دروازے کے قریب پہنچے تو قَالَ الْمُغِيرَةُ: حضرت مغیرہ نے دریافت کیا: يَا عُمَرُ! مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟۔ کہ اے عمرؓ! کیا حضرت رسول اللہ ﷺ انتقال فرما چکے ہیں؟۔ قَالَ: تو اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: كَذَبْتَ۔ یعنی اے مغیرہ آپ کو مغالطہ ہوا ہے۔ بَلْ أَنْتَ رَجُلٌ تَحُوسُكَ فِتْنَةٌ۔ آپ ﷺ پر شدید قسم کی غشی طاری ہوئی ہے۔ آپ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کر آپ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ اور پھر فرمایا: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَا يَمُوتُ حَتَّى يُفْنِيَ

ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا سب نے اپنے منہ ڈھانک لیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹایا' پیشانی کو بوسہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر انھوں نے کہا: "آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ ﷺ پاک ہی زندہ رہے اور پاک ہی مرے۔ یہ وہی موت ہے جو خداوند کریم نے آپ ﷺ کے لیے لکھی تھی' وہ آچکی' اب اس کے بعد آپ ﷺ کو کبھی موت نہیں آئے گی۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے چہرۂ مبارک پھر ڈھانپ دیا اور باہر آگئے۔ یہاں وہ حضرت عمرؓ کے جملے سن رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو چپ کرانا چاہا مگر حضرت عمرؓ خاموش نہیں ہوئے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اشارہ کیا۔ سب لوگ فوراً حضرت عمرؓ کے پاس سے ہٹ کر حضرت ابوبکرؓ کے سامنے آگئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے خدا کی حمد بیان کی اور پھر فرمایا: "جو شخص محمد کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ کا انتقال ہوگیا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا"۔ اس کے بعد انھوں نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:

قرآن وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

ترجمہ اور نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ تعالیٰ کے ایک رسول جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہوجائے یا آپ شہید ہوجائیں تو کیا تم دینِ اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص دینِ اسلام سے واپس ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ عنقریب شکر گزاروں کو انعام دے گا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کی کئی آیتیں پڑھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سوائے خدا کی ذات کے ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک بہت لمبا خطبہ دیا جس میں لوگوں کو سمجھایا اور خدا سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کی۔

حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے قرآن پاک کی آیتیں سن کر حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگوں کی حیرت ٹوٹی۔ حضرت عمرؓ کو ایسا لگا جیسے انھوں نے یہ آیتیں آج پہلی بار سنی ہوں۔ اب انھوں نے

رسول اللہ کی وفات پر یقین کیا اور انا للہ پڑھی۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے صبر سے اور ان کے بھانے سے لوگوں کو زبردست قوت ملی اور انھیں ایسا لگا جیسے ان کے سامنے سے پردے ہٹ گئے ہوں۔

اس کے بعد مسلمان رسول اللہ کو دفن کرنے کے متعلق مشورہ کرنے لگے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ نبی کی رُوح جس جگہ نکلتی ہے اس کو وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ طے ہوگیا کہ آپؐ کو اس حجرہ میں دفن کیا جائے گا۔ اس کے بعد نعش مبارک وہاں سے ہٹا کر لحد کی قبر کھودی گئی۔ حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ وغیرہ نے آپؐ کو غسل دیا۔ حضرت اسامہؓ اور رسول اللہ کے غلام شقران پانی ڈالتے تھے اور حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے۔ وفات کے وقت آپؐ نے جو قمیص پہن رکھا تھا آپؐ کو اس سمیت ہی نہلایا گیا۔ بعد میں تین کپڑوں کا کفن دیا گیا تو وہ قمیص اتار لیا گیا۔ اس کے بعد جنازہ تیار کرکے حجرہ میں عوام کے لیے رکھ دیا گیا۔ صحابہؓ کے گروہ کے گروہ آنے لگے۔ وہ اندر جا کر آپؐ پر نماز اور صلوٰۃ و سلام پڑھتے اور پھر اپنے محبوب کی آخری زیارت کرکے روتے اور آنسو بہاتے ہوئے واپس آجاتے۔ مردوں کے بعد عورتوں نے اسی طرح نماز پڑھی اور پھر بچوں نے پڑھی۔ آخر منگل کا دن گزار کر یہ سلسلہ نمٹا اور اسی وقت آپؐ کو حجرۂ عائشہؓ میں دفن کر دیا گیا۔

• اس طرح خدا کے حبیب، دُنیا کے سب سے بڑے، سب سے مقدس، سب سے عظیم اور سب سے پاک انسان پیغمبرِ آخر الزمان، فخرِ بنی آدمؑ، رحمتِ عالم محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین) تریسٹھ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے اور اپنے پروردگار کے پاس سب سے اعلیٰ جنت میں پہنچ گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (سیرت پاک صفحہ ۶۱۳ تا ۶۱۷)

۲ سیدنا انس بن مالکؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: اَنَّ اَبَابَکْرٍ رضی اللہ عنہ رَاٰی عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خِفَّۃً فَاسْتَاْذَنَہٗ اِلٰی امْرَاَتِہٖ بِنْتِ خَارِجَۃَ وَکَانَتْ فِیْ حَوَائِطِ الْاَنْصَارِ وَکَانَ ذٰلِکَ رَاحَۃَ الْمَوْتِ وَلَا یَشْعُرُ فَاَذِنَ لَہٗ ثُمَّ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم تِلْکَ اللَّیْلَۃَ فَاَصْبَحَ فَجَعَلَ النَّاسُ یَتَرَاءَوْنَ فَاَمَرَ اَبُوْبَکْرٍ غُلَامًا یَسْتَمِعُ ثُمَّ یُخْبِرُہٗ فَقَالَ اَسْمَعُھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَاتَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ عَزَّوَجَلَّ الْمُنَافِقِیْنَ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ منافقین کو تباہ و برباد نہ
کر دے گا اس وقت تک حضرت رسول اللہ ﷺ فوت نہ ہوں گے۔
ام المومنینؓ فرماتی ہیں: ثُمَّ جَآءَ اَبُوْبَکْرٍ فَرَفَعْتُ الْحِجَابَ فَنَظَرَ اِلَیْہِ۔ کہ پھر حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے پردہ ہٹایا پھر ابوبکرؓ
نے آپ کی طرف دیکھا۔ فَقَالَ: اور حضرت ابوبکرؓ نے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○ کہہ کر
فرمایا: مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ۔ کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۷ صفحہ ۲۱۳)

فائدہ اس روایت سے یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی تشریف آوری سے قبل آپ ﷺ کی وفات کو غشی ہی سمجھا تھا' اور حضرت عمرؓ نے بھی گہری غشی ہی سمجھا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی چیخ سے دروازے کے باہر کھڑے لوگوں نے سمجھا کہ آپ ﷺ کی وفات ہو چکی ہے۔ بلکہ حضرت مغیرہؓ کو اس بات کا خدشہ ہو گیا تھا۔ جب کہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت نبی کریم ﷺ فوت نہیں ہوئے یہ تو اس قسم کی حالت بے ہوشی کے وقت ہوتی ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۲۲۲)

اور بعض منافقین نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ سچے رسول نہ تھے۔ اور چونکہ حضرت عمرؓ نے خود حجرۂ عائشہؓ میں حاضر ہو کر حضرت نبی کریم ﷺ کی حالت کو دیکھ کر اسے غشی ہی سمجھا تھا' اس لیے ننگی تلوار لے کر منافقین کے قول کی تردید کرتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں فرمایا کہ ابھی حضرت نبی کریم ﷺ کا انتقال نہیں ہوا۔ آپ ﷺ پر غشی کا شدید دورہ پڑا ہے۔ آپ ﷺ اس دورہ سے اٹھیں گے اور منافقین کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ (بخاری)

حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی ایم اے تحریر فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جونہی یہ وحشت ناک خبر ملی تو وہ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر مسجد نبوی میں آئے۔ اور سیدھے حضور ﷺ کے حجرۂ مبارک پر پہنچے۔ اور اجازت لے کر اندر گئے۔ یہاں تمام ازواج نعش مبارک کے چاروں طرف سمٹی

فَاشْتَدَّ اَبُوْبَكْرٍ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاقَطْعَ ظَهْرَاهُ فَلَمَّا بَلَغَ اَبُوْبَكْرٍ الْمَسْجِدَ حَتّٰى ظَنُّوْا اَنَّهٗ لَمْ يَبْلُغْ وَاَرْجَفَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالُوْا لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَمْ يَمُتْ. فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ لَا اَسْمَعُ رَجُلًا يَقُوْلُ مَاتَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِالسَّيْفِ. فَكَفُّوْا (الْمُنَافِقُوْنَ) لِذٰلِكَ۔ یعنی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات میں تخفیف محسوس کی تو انھوں نے آپ سے اپنی بیوی بنتِ خارجہ کے ہاں جانے کی اجازت طلب کی، جو انصار بنی الحارث کے کسی باغ میں رہتی تھی۔ اور حالانکہ یہ وقت وفات کی راحت کا تھا، جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ محسوس نہ کر سکے، اور آپ نے انھیں اجازت دے دی، پھر اسی رات آپ وفات پا گئے۔ جب صبح ہوئی تو وفات النبی کی خبر سن کر جوق در جوق آنے والے لوگوں کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے ایک لڑکے سے کہا کہ لوگوں سے سن کر مجھے بتاؤ۔ تو لڑکے نے آکر بتایا کہ میں ان کو یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ: "ہائے میری پشت کٹ گئی"۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مسجد میں تشریف آوری سے قبل لوگوں نے یہی سمجھا کہ ابوبکرؓ نہیں پہنچے، تو منافقوں نے لوگوں کو بھڑکانے کے لیے بری افواہیں پھیلانا شروع کر دیں۔ اور کہنے لگے: "لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَمْ يَمُتْ"۔ کہ اگر محمدؐ پیغمبر ہوتے تو وفات نہ پاتے (اور زندہ ہی رہتے) کیونکہ موت تو مرتبۂ نبوت کے منافی ہے۔ منافقوں کی طرف سے پھیلائی جانے والی ان افواہوں کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیام میں سے تلوار نکال کر کہا: لَا اَسْمَعُ رَجُلًا يَقُوْلُ مَاتَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِالسَّيْفِ. فَكَفُّوْا (الْمُنَافِقُوْنَ) لِذٰلِكَ۔ کہ اب میں نے جس آدمی کے منہ سے یہ بات سنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں تو میں اس تلوار کے ساتھ اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر منافقین سہم گئے، اور بری افواہیں پھیلانے سے رک گئے۔

(مسند امام اعظمؒ صفحہ ۱۷۹)

۳ امام الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "سب سے پہلے جو مشکل پیش آئی وہ یہ امر تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو لوگوں کے دلوں میں کئی تشویشیں پھیل گئیں۔ بعض خیال کرنے لگے کہ یہ موت نہیں، بلکہ ایک حالت ہے

جو دمی کے وقت آپ ﷺ پر طاری ہوتی ہے۔ اور بعض نے خیال کیا کہ: "موت مرتبۂ نبوت کے منافی ہے"۔ (ازالۃ الخفاء مقصد دوم صفحہ ۲۵)

فائدہ اسلام کے نام پر سب سے پہلے جن لوگوں نے موت کو مرتبۂ نبوت کے منافی سمجھا" یا انبیاء علیہم السّلام کی موت سے برملا انکار کیا وہ دراصل صدقِ دل سے مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ انھوں نے قدم قدم پر مسلمانوں" اسلام اور حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو ہر ممکن طریق سے انتہائی ضرر پہنچانے اور رسوا کرنے کی کوشش کی۔

۴ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ باب وفات النبی ﷺ میں فرمایا ہے کہ: "بعضے منافقاں می گفتند کہ اگر محمد ﷺ پیغمبر بودے وفات نیافتے" کہ اگر محمد اللہ تعالیٰ کے (برحق) پیغمبر و نبی ہوتے تو ان کو موت ہی کیوں آتی۔ "عمرؓ چوں ایں سخن شنید تیغ برکشید و بر در مسجد بایستادہ گفت ہر کس کہ گوید پیغمبر مرد" بایں شمشیر دو نیمش سازم پس مردم بشنیدند ایں سخن در شک و شبہ افتادند در موت آں حضرؐ"۔ یعنی منافقین کا مذکورہ باطل پروپیگنڈہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو کفر توڑ و باطل شکن تلوار نکال کر دروازۂ مسجد پر کھڑے ہوگئے۔ اور پُر جوش آواز سے اعلان کر دیا کہ: "جو شخص بھی یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ وفات پاچکے ہیں تو میں تلوار سے اس کے پُرزے اڑا دوں گا۔ لہٰذا سننے والے مرعوب ہو کر حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۳)

خلاصہ یہ کہ منافق لوگوں کا عقیدہ تھا کہ نبی مرا نہیں کرتے۔ اب جب یہ مدعیٔ نبوت وفات پاگئے ہیں تو اب حقیقت کھل گئی کہ (معاذ اللہ) حضرت محمد ﷺ نبی نہ تھے۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ناگوار گزری۔ اسی لیے آپؓ نے تلوار سونت لی اور فرمایا کہ جو شخص یہ کہے گا حضرت محمد ﷺ وفات پاگئے ہیں" میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: يَآأَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَإِنَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ حَيٌّ لَا يَمُوتُ۔ پھر آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (بوجہ غم کے) اس وقت میرا حال ایسا ہوا کہ گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے پہلے سُنی ہی نہ تھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن مجید اسی طرح ہے جس طرح وہ

نازل ہوا۔ اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح وہ صادر ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی لایموت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ کی رحمتیں ہوں محمد ﷺ پر اور ہم اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتے ہیں کہ ہم کو اس مُصیبت پر اجر دے گا۔ (نیز دیکھیے: مسند احمد جلد ۷ صفحہ ۳۱۳)

فائدہ واقعی اس جانکاہ حادثہ کے موقع پر بڑے بڑے اولوالعزم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوش اڑ گئے تھے۔ حتیٰ کہ بعض تو وسوسوں میں بھی گرفتار ہوگئے۔ جن میں داماد رسولؐ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل ہے۔ چنانچہ آپؓ نے فرمایا کہ: مَیں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے اور مجھے السلام علیکم کہا۔ لیکن مجھے کچھ علم نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس بات کی شکایت کی۔ پھر یہ دونوں بزرگ میرے پاس آئے اور السلام علیکم کہا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: اے عثمان! آپؓ نے حضرت عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ مَیں نے کہا کہ مَیں نے تو ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: واللہ آپؓ نے ایسا ہی کیا ہے۔ مَیں نے کہا: واللہ مجھے کچھ علم نہیں کہ آپؓ میرے پاس سے گزرے ہیں، اور مجھے سلام بھی کیا ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ بے شک عثمانؓ نے سچ کہا ہے۔ واقعی کوئی ایسی بات ہے جو تجھے سے مانع رہی۔ مَیں نے کہا واقعی ایسا ہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ وہ کونسی ایسی بات ہے۔ تو مَیں نے کہا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے مَیں آپؐ سے یہ بات نہ پوچھ سکا کہ مُسلمانوں کے لیے ایسی کونسی چیز ہے جس کے سبب ہم دوزخ سے نجات پاسکیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ بات تو پہلے ہی مَیں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے معلوم کی ہوئی ہے۔ پھر مَیں نے کھڑے ہوکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپؓ پر قربان ہوں۔ واقعی ایسی باتوں کے لائق تو آپؓ ہی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: مَیں نے آپؐ سے دریافت کیا: یارسُول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے مومن لوگ عذاب سے نجات پاسکیں؟ اس کے جواب میں حضرت رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص برضا و رغبت میری وہ بات قبول کرلے جو مَیں نے اپنے چچا ابوطالب کے سامنے پیش کی تو پھر اس نے اسے مسترد کردیا تھا۔ وہی کلمہ مُسلمان کے لیے دوزخ سے نجات کا باعث ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۶ باب الکبائر)

وفات النبی کے موقع پر دوامی حیات النبی کا نعرہ، یا موت کو نبوت کے منافی، یا موت کو نبوت کی توہین و تحقیر مشہور کیا

تنبیہ جن لوگوں نے وفات النبی کے موقع پر دوامی حیات النبی کا نعرہ، یا موت کو نبوت کے منافی، یا موت کو نبوت کی توہین و تحقیر مشہور کیا وہ مسلمان نہیں بلکہ شرالناس منافقین تھے۔ اگرچہ ان فتنہ بازوں کا باطل پروپیگنڈہ فاروقی جوش اور ہیبت اور کفر توڑ تلوار و باطل شکن اعلان سے ختم ہوگیا۔ اور خطبۂ صدیقؓ کے ایمان بخش و بصیرت افروز اور حقیقت نما دلائل قاطعہ نے پوری جماعت صحابہؓ کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی موت پر متفق و مطمئن کردیا۔

حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: وَاللّٰهِ لَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا أَبُوْبَكْرٍ فَتَلَقَّاهَا النَّاسُ مِنْهُ كُلُّهُمْ فَمَا أَسْمَعُ بَشَرًا مِّنَ النَّاسِ إِلَّا يَتْلُوْهَا۔ (بخاری صفحہ ۶۴۰) یعنی وفات النبی کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ کے دل پر اتنا اثر کی وجہ سے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ خطبۂ صدیقؓ سننے سے پہلے گویا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ مذکورہ آیات بھی قرآن مجید میں ہیں۔ پس خطبۂ صدیقؓ نے حاضرین کو یہ آیات قرآنیہ یاد دلادیں اور ازبر کرادیں حتیٰ کہ سامعین سے ہر ایک کو ہی ان کی تلاوت کرتے ہوئے وفاۃ النبی کا کما حقہ یقین ہوگیا۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ کو کھلے لفظوں میں یہ اعلان کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوا کہ جب میں نے خطبۂ صدیقؓ کی آیات سنیں: فَعَقِرْتُ وَأَنَا قَائِمٌ حَتّٰى خَرَرْتُ عَلَى الْأَرْضِ فَأَيْقَنْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ مَاتَ۔ یعنی میں مارے ہیبت کے تلا اٹھا اور صدمۂ وفات کی زد سے دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ پس مجھے کما حقہ یقین ہوگیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات ہوچکی ہے۔ اس وقت منافقین کا برپا کردہ فتنہ ختم ہوگیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۲۰)

فائدہ سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے یہ بات خوب واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی روح مطہرہ کے پرواز کرجانے کے بعد جب حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جاکر خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کی اس کیفیت کو غشی ہی سمجھا تھا۔ اور تلوار سونتنے کا مقصد بھی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ کے خیال میں جب حضرت نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا ہی نہیں تھا تو کسی کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ آپ ﷺ کا انتقال ہوچکا ہے۔

مرزا قادیانی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہتان

متنبی پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی نے وفات النبی ﷺ کے موقع پر سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھتے ہوئے لکھا کہ: "حضرت عمرؓ نے بعض منافقوں کے کلمات سُن کر فرمایا تھا کہ آنحضرت ﷺ دوبارہ دُنیا میں آئیں گے اور منافقوں کے ناک اور کان کاٹیں گے"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۳۱)

فائدہ مرزا قادیانی نے اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے دوبارہ دُنیا میں تشریف لانے کی نفی کر کے اپنی جھوٹی نبوت اور مثیل عیسیٰ کے ساتھ ساتھ مثیل محمد ﷺ ہونے کے دعویٰ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اس خدمت منصبی کو ایک ایسے امتی کے ہاتھ سے پورا کیا کہ جو اپنی خو اور روحانیت کی رو سے گویا آنحضرت ﷺ کے وجود کا ایک ٹکڑا تھا، یا یوں کہو کہ وہی تھا، اور آسمان پر ظلی طور پر آپ ﷺ کے نام کا شریک تھا"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۱۹)

تبصرہ مرزا قادیانی نے اس مقام پر سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ پر ایک ایسا بہتان باندھا ہے جس کا ثبوت کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ جس کام سے آپ ﷺ نے ساری زندگی منع فرمایا، آپ ﷺ اسی کا ارتکاب کرتے ہوئے معاذ اللہ ناک اور کان کاٹ کر منافقین کا مثلہ کریں گے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ نے جو الفاظ استعمال فرمائے ان میں ناک اور کان کاٹ کر منافقین کا مثلہ کرنے کی کوئی بات نہیں۔ بلکہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: وَاللّٰهِ مَا كَانَ يَقَعُ فِي نَفْسِيْ اِلَّا ذَاكَ. کہ میرے دل میں یہی خیال تھا کہ آپ ﷺ ابھی فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ: وَلَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ. کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اس غشی کی حالت سے اٹھائے گا، فَلَيَقْطَعَنَّ اَيْدِيَ رِجَالٍ وَّ اَرْجُلَهُمْ. پھر ان مفسد منافقوں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم دیں گے۔ (بخاری صفحہ ۵۱۷)

فائدہ یاد رہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی یہی سزا مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا

وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا. (۳۳: ۶۰-۶۱) کہ اگر باز نہ آویں گے یہ منافق لوگ اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے یعنی جھوٹی خبروں سے پریشانی ڈالنے والے ہیں۔ جو مدینہ میں بستے ہیں۔ تو ہم آپ ﷺ کو ان لوگوں پر مسلط کریں گے۔ پھر یہ لوگ اس شہر مدینہ میں آپ ﷺ کے جوار میں نہیں بسنے پائیں گے مگر تھوڑے۔ یعنی پھٹکارے ہوئے خواری کی حالت میں' تھوڑے زمانے تک بسنے پائیں گے۔ اور جہاں جہاں ملیں گے انھیں پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی۔ یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کیا جائے گا۔ اور اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منافقین کے لیے ایسے دھمکی آمیز کلمات کہنے کا مطلب یقیناً یہی تھا کہ آپ ﷺ ابھی فوت نہیں ہوئے۔ جیسا کہ:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا الامام عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی وفاتِ حسرتِ آیات کے دوسرے دن خطبہ دیتے ہوئے اس سانحۂ عظیمہ کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا: كُنْتُ اَرْجُوْا اَنْ يَعِيْشَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى يَدْبُرَنَا يُرِيْدُ بِذٰلِكَ اَنْ يَكُوْنَ اٰخِرَهُمْ. میرا خیال تھا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ ہمارے بعد تک زندہ رہیں گے۔ وَاِنْ يَكُ مُحَمَّدٌ ﷺ قَدْ مَاتَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ جَعَلَ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ نُوْرًا تَهْتَدُوْنَ بِهٖ هَدَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا ﷺ. اب جیسا کہ یقینی طور پر حضرت محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر ایسا نور یعنی قرآن مجید رکھ دیا ہے اسی سے ہدایت حاصل کرو۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کو بھی ہدایت عطا فرمائی۔

(بخاری صفحہ ۱۰۷۲)

انتباہ مرزا قادیانی نے بھی اس مقام پر اعتراف کیا ہے کہ سیدنا الامام عمر رضی اللہ عنہ کے تلوار سونتنے کی وجہ منافقین کا وہی شرانگیز فقرہ تھا جس کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں کہ موت کو مرتبۂ نبوت کے منافی سمجھتے ہوئے منافقین نے لوکان محمد نبیا لم یمت کا کافرانہ نعرہ بلند کر کے انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد از وفات اپنے مدفنِ ارضی میں دُنیوی عنصری حسی ناسوتی حیات حاصل ہونے اور پھر اپنے مدفنِ ارضی میں انہی عنصری جسمانی کانوں سے صلوٰۃ و سلام سننے اور لوگوں کی التجائیں اور درخواستیں سن کر بارگاہِ الٰہی میں سفارش کر کے لوگوں کی بگڑی بنانے جیسے مشرکانہ عقائد کی بنیاد رکھ دی تھی۔

شبہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے کوئی بادی الرأی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے قبل قرآن مجید میں یہ آیات نہ تھیں۔ ابوبکرؓ نے اپنی طرف سے گھڑ کے ان کو آیاتِ قرآنیہ کا نام دے دیا۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ہزاروں صحابہؓ میں سے ان آیات کا علم کسی کو نہ ہو۔ جب کہ حضرت عمرؓ بھی ان آیات سے واقف نہ تھے۔

جواب: یہ آیاتِ مبارکہ جنگِ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی تھیں، اور تمام صحابۂ کرامؓ کو ان آیات کا اچھی طرح علم تھا۔ اور اس موقع پر اس آیتِ کریمہ کا خیال سے اتر جانا اس حادثۂ عظیمہ کی وجہ سے ہی تھا۔ کیونکہ وفاتِ نبویؐ ایک غیر معمولی حادثہ تھا۔ تمام دنیا کے مصائب ایک طرف۔ اور وفاتُ النبیؐ کا سانحۂ عظیمہ دوسری طرف۔ یہ ایسی مصیبتِ عظمٰی تھی کہ اس کے مقابلے میں سب مصائب ہیچ تھے۔ لَا مُصِيْبَةَ اَعْظَمُ مِنْ مَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ. معمولی مصیبت جب انسان پر وارد ہوتی ہے تو مشاعرِ خمسہ کام کرنا چھوڑ جاتے ہیں۔ عقل اور سوچ جواب دے جاتی ہے۔ اور اس مصیبتِ عظمٰی کے باعث صحابۂ کرامؓ پر جو حالت گزر رہی تھی وہ وہی بتا سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ بنتِ رسولؐ اپنے مرثیے میں فرماتی ہیں۔

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

کہ مجھ پر اس قدر مصیبتیں آگریں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر گرتیں تو وہ بھی راتیں بن جاتیں۔

ایسے حالات میں یادداشت بھی کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ جب تک کوئی تسلی دینے والا تسلی نہ دے تو ہوش ٹھکانے نہیں آتی۔ یہ حالت تو تھی صحابۂ کرامؓ کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی جب اپنے ڈیرے پر وفاتُ النبیؐ کی خبر سُنی تو بے اختیار مُنہ سے نکلا: واقطع ظهراه. ہائے میری پیٹھ کٹ گئی۔ خیر صبر کر کے چل پڑے۔ جب بیتُ النبیؐ کے پاس پہنچے تو لوگوں کا ہجوم دیکھا اور شور سنا، جس میں حضرت عمرؓ کی آواز بہت بلند تھی۔ منافقین کے واہیات کلماتِ خبیثہ کے جواب میں نہ جانے کیا سے کیا کہہ رہے تھے۔ منافقوں کی خوشی پر انھیں غصہ آیا۔ اور فرمایا کہ: حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ابھی فوت نہیں ہوئے، (تم کیا سمجھتے ہو آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں) وہ تو تم خبیثوں کو قتل کر کے ہی مریں گے۔ (دیکھیے مسند احمد جلد ۷، صفحہ ۳۱۴)

تنبیہ سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے ان دھمکی آمیز کلمات کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ ﷺ فوت ہوتے ہی نہیں۔ اور نہ ہی آپؓ کا یہ مطلب تھا کہ آپ ﷺ دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ چونکہ میں خود آپ ﷺ کی زیارت کر کے آرہا ہوں، اور مجھے تو غشی کی حالت معلوم ہوتی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں؟ وہ تو تم خبیثوں کا قلع قمع کر کے ہی وفات پائیں گے۔

اس کے بعد جب سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے تو سیدھے ام المومنینؓ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ آپؓ نے کپڑا اٹھا کر حضرت نبی کریم ﷺ کے رُوئے مبارک کی زیارت کی، اور بوسہ دے کر کہا: "وا نبیاہ، وا صفیاہ، وا خلیلاہ"۔ یہ تھے کلمات ندبہ۔ پھر باہر تشریف لا کر سیدھے منبرِ رسول ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے۔ بڑے حوصلے اور استقلال کے ساتھ قرآنی آیات کی تلاوت فرمائی۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول زندہ رہے یا نہ، دین تو اللہ تعالیٰ کا ہے، جو قیامت تک رہے گا۔ اس پر قائم رہنا تمہارا فرض ہے۔ آیاتِ قرآنیہ پڑھنے کا مطلب یہی تھا کہ آپ ﷺ فوت تو ہو چکے ہیں مگر دین قیامت تک رہے گا۔ اس پر قائم رہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ آیات سُن کر تسلی ہوئی اور فرمایا کہ یہ آیاتِ قرآنیہ وہ ہیں جو شدتِ غم کی وجہ سے بھول گئی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسلی دینے کے بعد دوسرے صحابہؓ بھی یہی آیات دُہراتے رہے۔ اور مسلمانوں کو تسلی اور اطمینان ہو گیا۔ مگر منافقوں پر مُردنی چھا گئی کہ ایسے نازک موقع پر بھی ابوبکرؓ نے ہمارا داؤ نہ چلنے دیا۔ محقق علماء کرام اس نازک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت صبر و استقلال کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ کیونکہ وفاتِ نبوی ﷺ سے بڑھ کر مسلمان کے لیے کوئی مصیبت نہ تھی۔ مگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسی ہستی تھی جس کے ہوش و حواس قائم رہے۔ چنانچہ:

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَاللّٰهِ لَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا أَبُوْ بَكْرٍ فَتَلَقَّاهَا النَّاسُ مِنْهُ كُلُّهُمْ. یعنی اللہ کی قسم اس وقت لوگوں کی ایسی کیفیت ہو گئی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا لوگوں کو یہ آیت معلوم ہی

دہ تھی۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پڑھی اور لوگوں نے ان سے سُن کر یاد کر لی۔

فائدہ لفظ "کَاَنَّ" کے معنے ہیں: "گویا کہ" یعنی "فرض کرلو"۔ اور ایسے موقع پر بھی "کَاَنَّ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ:

مثال حضرت عبدالرحمٰن بن الازہر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذْ اُتِیَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ لِلنَّاسِ اِضْرِبُوْهُ. یعنی وہ واقعہ مجھے خوب یاد ہے گویا اب بھی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں جب کہ ایک شرابی آدمی آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تھا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ اس کو مارو۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۵)

مثال اسی طرح بخاری صفحہ ۵۰۲ میں ہے: اِسْتَنَارَ وَجْهُهٗ ﷺ حَتّٰی كَاَنَّهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ یعنی آپ ﷺ کا کھلتا، مسکراتا ہوا چہرۂ مبارک ایسا منور ہوگیا گویا کہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سچ مچ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک چاند کا ٹکڑا تھا، جب کہ چاند کے ٹکڑے کی حضرت رسول اللہ ﷺ کے رُخِ زیبا کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ چاند کی روشنی تو سورج کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسے کہتے ہیں:

"نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ"

مگر آنحضرت ﷺ کے چہرے کی چمک دمک اور رونق بلا کسی واسطے کے ایسی عطائے الٰہی ہے کہ مخلوق میں سے کسی چیز کو اس کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

قائلینِ حیاتِ دُنیوی جسمانی کا دوسرا گروہ

منافقین کے مقابلے میں دوسرا گروہ روافض کا ہے۔ جس نے اہلِ نفاق کے برپا کردہ نعرہ کی مخالفت میں ایک نیا تصور یہ پیش کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام مرنے کے بعد بھی اپنی قبور ارضی میں زندہ ہوتے ہیں۔ یعنی منافقین کا عقیدہ تو یہ تھا کہ نبی پر موت آتی ہی نہیں۔ اور ان کے مقابلے میں روافض نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ نبی کو موت تو آتی ہے۔ لیکن وہ پھر اپنے مدفن ارضی میں دوبارہ زندہ ہوجاتے ہیں۔ اور فعل اختیاری اس کو حاصل ہوتا ہے۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اپنی ازواج مطہرات سے شب باشی بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ:

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں رافضیوں کا عقیدہ

روافض کی متفق علیہ کتاب "اصول کافی" کتاب الحجۃ باب النہی عن الاشراف علی قبرہ یعنی "حضرت نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر کی طرف جھانک کر دیکھنے کی ممانعت" کے باب (صفحہ ۲۸۶) میں حضرت امام ابوعبداللہ جعفر بن محمد بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب کے ذمے انبیاء کرامؑ کی دُنیاوی حسی ناسوتی عنصری حیات کے قائل ہونے کا بہتان باندھتے ہوئے ان کی طرف منسوب ایک روایت اس طرح بیان کی گئی ہے: عَنْ جَعْفَرِ بْنِ المثنّی الخطیب قال کنت بالمدینۃ و سقف المسجد الذی یشرف علی قبرہ قد سقط و الفعلۃ یصعدون وینزلون و نحن جماعۃ فقلت لاصحابنا من منکم لہ موعد یدخل علی ابی عبد اللہ علیہ السلام اللیلۃ فقال مہران بن ابی نصر انا و قال اسماعیل بن عمار اخبرنی انا قد قلنا لہما سلاہ لنا عن الصعود للنشرف علی قبر النبی ﷺ فلما کان من الغد لقینا ہما و اجتمعنا جمیعاً فقال اسماعیل قد سالنا لکم فقال ما احب لاحد منکم ان یعلوا فوقہ ولا امنہ ان یری شیئاً یذھب منہ بصرہ ویراہ قائماً یصلی اویراہ مع بعض ازواجہ۔ حیات القلوب میں اس روایت کا فارسی ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

"کلینی بسند معتبر روایت کردہ است از جعفر بن مثنیٰ خطیب کہ گفت من در مدینہ بودم کہ خراب شد سقفِ مسجدِ رسول از موضعے کہ نزدیک قبر شریف آنجناب و بنایان و کارکنان بالا می روند و فرو می آمدند۔ پس من اسماعیل بن عمار گفتم کہ از حضرت جعفر صادق سوال کند کہ آیا می توانیم بالا رفت کہ بر قبر مقدس آن حضرت مشرف شویم و نظر کنیم۔ روز دیگر اسماعیل برائے ما خبر آورد کہ حضرت فرمودہ آں دوست نمی دارم برائے احدے کہ بر قبر آنجناب مشرف شود وایمن نیستم کہ بہ بیند چیزے کہ دیدہ اش نابینا شود بسبب آن' یا آن کہ بہ بیند کہ آنجناب ایستادہ است و نماز می کند یا آن کہ بہ بیند کہ با بعضے از زنانِ طاہرہ نشستہ است و صحبت می دارد۔ یعنی جعفر بن مثنی خطیب بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی ایک جماعت کے ہمراہ ان دنوں مدینہ منورہ میں موجود تھا' جب کہ مسجد نبویؐ کی چھت کا وہ حصہ شکستہ

تھا جو قبر شریف پر حاوی ہے۔ اور اس کی تعمیر کے لیے معمار و مزدور اتر چڑھ رہے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اسماعیل بن عمار کو حضرت جعفر صادقؒ کی خدمت میں بھجا کر دریافت کیا کہ اگر اجازت ہو تو ہم مسجد کی چھت پر چڑھ کر شکستہ چھت سے قبر شریف کو جھانک کر دیکھنے کی سعادت حاصل کر لیں۔ حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ میں ہرگز و قطعاً کسی ایک کو بھی قبر شریف کی طرف جھانک کر دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ جھانک کر دیکھنے والے اندھے ہو جائیں یا پھر دیکھنے والا حضرت نبی کریم ﷺ کو قبر شریف میں نماز پڑھتا دیکھے۔ یا پھر بعض ازواج مطہرات کے ساتھ صحبت میں مشغول پائے۔

(حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۸۷۲)

عقیدہ [۲] رافضیوں کے بارہ میں انبیاءؑ کی اقرار

درکتاب اختصاص و بصائر الدرجات و سائر کتب بسند ہائے معتبر از صادق روایت کردہ اند کہ چوں گریبان حضرت امیر المومنین را گرفتہ برائے بیعت ابوبکرؓ بسوئے مسجد کشیدند حضرت در برابر قبر رسولِ خدا ایستادہ و گفت آنچہ ہارون در جواب موسیٰ گفت کہ یَا ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ (الآیۃ) یعنی اے برادرِ من بدرستیکہ قوم مرا ضعیف گردانید و نزدیک شد کہ مرا بکشند، پس دستے از قبر رسولِ خدا بیرون آمد بسوئے ابوبکر و ہمہ شناختند کہ صدائے آن حضرتؐ است۔ یعنی کتاب اختصاص اور بصائر الدرجات بلکہ تمام کتب میں یہ روایت حضرت صادق سے منقول ہے کہ جب امیر المومنین (علیؑ) کا گریبان پکڑ کر ابوبکرؓ کی بیعت کے لیے ان کو کھینچ کر لایا گیا تو آپؑ نے قبر رسولؐ کے برابر کھڑے ہو کر وہی کہا جو کہ حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کے جواب میں کہا تھا: یَا ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ (الآیۃ) یعنی اے میرے بھائی اور اماں کے بیٹے! قوم نے مجھے اس درجہ ضعیف اور کمزور سمجھ لیا ہے کہ میرے قتل کے درپے ہے۔ پس اس کے جواب میں قبر شریف سے حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ نکالا اور ابوبکرؓ کو اشارہ سے روک دیا اور (منع کرنے کے لیے) آواز بھی دی۔ چنانچہ سب نے آپؐ کے دستِ مبارک اور آواز کو پہچانا۔

فائدہ روافض نے تو اس روایت کے ذریعے اپنے روایتی انداز میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو آپ ﷺ کی قبر اطہر سے باہر نکال کر اور آپ ﷺ کی پاکیزہ آواز تمام حاضرین کو سنوا کر اپنے زعم میں مسئلۂ خلافت کا نبوی فیصلہ حاصل کر لیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر مذہب کے شیوع کے وقت اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروایا جا سکتا ہے؟۔ اگر نہیں تو کیوں؟۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آگے بیان کریں گے کہ منافقین اور روافض کی طرح مرزا غلام احمد قادیانی بھی دُنیوی عنصری لحاظ سے حیات النبی کا قائل ہے۔ اور اگر یہ بات اسی طرح ہوتی تو یقیناً مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دیگر جھوٹے دعووں کے ساتھ ساتھ اس قسم کا ایک دعویٰ یہ بھی کر دیتا کہ: "میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر اپنی نبوت و رسالت پر مہر تصدیق لگوالی ہے جسکا مشاہدہ حاضرین میں سے فلاں شخص نے کیا ہے"۔ اور اس طرح لوگ اس کذاب کے جھوٹ میں شک کرنے لگتے۔ لیکن شکر ہے اُس علام الغیوب کا جس نے خود ہی اپنی قدرت کاملہ سے حرمین شریفین کو اس پلید کی نجاست سے ملوث ہونے ہی نہ دیا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں بریلویوں کا عقیدہ (۱)

فرقہ بریلویہ کے امام احمد رضا خان کا عقیدہ بھی ایسا ہی ہے۔ جس نے لکھا ہے کہ: "انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات حقیقی حسی دُنیاوی ہے ان پر تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے محض ایک آن موت طاری ہوتی ہے۔ پھر فوراً ان کو ویسی ہی حیات عطا فرما دی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں' ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا۔ ان کی ازواج پر عدت نہیں' وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں"۔ ("ملفوظات" حصہ ۳ صفحہ ۳۲)

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں بریلویوں کا عقیدہ (۲)

احمد رضا خان نے اپنا عقیدہ بیان کر کے اس کی تائید میں محمد بن عبد الباقی زرقانی کا قول نقل کرتے ہوئے کہا کہ: "انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں' وہ ان سے شب باشی کرتے ہیں۔ ("ملفوظات" حصہ ۳ صفحہ ۳۲)

حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں بریلویوں کا عقیدہ (۳)

حیاتُ الانبیاءؑ سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا عقیدہ ہے کہ: "حضور ﷺ زوجین کے جفت ہونے کے وقت بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں"۔ (مقیاسِ حنفیہ صفحہ ۲۸۲)

تنبیہ اس کتاب کے بےشرم مصنف نے شانِ رسالت میں اس انداز سے حملہ آور ہونے کی کوشش کی ہے کہ بےوقوف اور جاہل عوام کالانعام اسے تعریف و توصیف قرار دیتے ہوئے اس عقیدۂ بد کے اظہار کو سب سے بڑی نیکی سمجھنے لگیں۔ جب کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی پاک ذات تو شرم و حیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اہلِ سنت و جماعت میں سے کسی نے یہ گستاخانہ کلمہ نہیں لکھا۔ اس میں انبیاءِ کرامؑ کی توہین ہے۔ جب کہ توہینِ انبیاءؑ صریح کفر ہے۔

فائدہ احمد رضا خان نے انبیاءِ کرامؑ اور شہداء و دیگر انسانوں کی حیاتِ برزخیہ کے درمیان فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ: اولیاء شہداء علماء کی حیاتِ برزخیہ اگرچہ حیاتِ دُنیویہ سے افضل اعلیٰ ہے مگر اس پر احکامِ دُنیویہ جاری نہیں ——— اور حیاتِ برزخیہ کا ثبوت تو عوام کے لیے بھی ہے۔ (ملفوظات حصہ ۳ صفحہ ۳۲ و ۳۳)

تنبیہ بریلویہ کے اس عقیدۂ بد کا مقصد یہ ہے کہ حیاتِ دُنیویہ حاصل ہونے کے باوجود معاذ اللہ اب حضرت نبی کریم ﷺ ابلاغ، انذار، جہاد، اقامتِ حدود وغیرہ فرائض اور احکامِ دنیویہ کی ادائیگی سے کوتاہی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ اذان و اقامت کے ساتھ پنجگانہ باجماعت نمازیں تو پڑھتے ہیں، تہجد بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، زکوتیں بھی دیتے ہیں، (جب کہ دُنیا میں ان پر زکوٰۃ فرض نہ تھی) اور مدینہ طیبہ سے ذوالحلیفہ پہنچ کر باقاعدہ احرامِ حج و عمرہ باندھ کر مکہ شریف پہنچتے ہیں۔ حج و عمرہ کرتے ہیں، میدانِ عرفات میں بھی پہنچتے ہیں، مزدلفہ و منیٰ میں تشریف لے جاتے ہیں، قربانیاں بھی کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی قبرِ مبارک کے پاس حاضر ہو تو اسے دیکھ کر پہچان لیتے ہیں اور اس کا سلام اپنے دنیوی کانوں سے سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ اور تو اور معاذ اللہ اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی بھی کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی گنہگار آدمی

قبرِ اطہر کے پاس آ کر حضرت نبی کریم ﷺ سے بخشش کی درخواست کرے تو آپ ﷺ اس کی درخواست سن کر اس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کرتے ہیں۔

تبصرہ احمد رضا خان نے ملفوظات حصہ ۳ صفحہ ۳۲ میں اپنے عقیدۂ بد کے اظہار میں کسی قسم کا لحاظ کیے بغیر یہاں تک لکھ دیا کہ: بعد مرنے کے سمع بصر ادراک عام لوگوں کا یہاں تک کہ کفار کا زائد ہو جاتا ہے۔ حالانکہ موت سے حواس خمسہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور جو حواس سمع بصر وغیرہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے دیے جاتے ہیں وہ عالمِ برزخ میں روحانی برزخی جسمِ لطیف کے حواس ہوتے ہیں۔ یہ خاکی جسم حواسِ خمسہ کا حامل نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اس مدفنِ ارضی کے اندر کفن میں لپٹے ہوئے جسدِ مردہ کی آنکھیں بند ہوتی ہیں، کان لپیٹے ہوئے ہوتے ہیں، ہاتھ پاؤں بھی کفن میں چھپائے جاتے ہیں، اس کے حواس خمسہ کسی طرح کام نہیں کرتے۔ اور دل کا علم انہی حواسِ خمسہ پر موقوف ہے۔ اوپر سے منوں مٹی ڈالی جاتی ہے۔ اب وہ زیرِ زمین بعید ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

كل من تحت التراب بعيد

یعنی مٹی کے نیچے جو بھی چلا گیا وہ اہلِ دُنیا سے بعید ہو گیا۔

اگر کوئی شخص حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ ہو تو وہ نزدیک کی آواز تو سن سکتا ہے۔ مگر آلات کے بغیر دور کی آواز سننا خرقِ عادت کے طور پر ہی ہو سکتا ہے۔ جس کے لیے قطعی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ جو یہاں مفقود ہے۔

قائلینِ حیاتِ دُنیوی جسمانی کا اگلا قدم

روافض نے حیاتُ النبی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ حیاتُ النبی کو محور و مرکز قرار دے کر دراصل اپنے ائمہ کو زندہ درگور ثابت کرتے ہوئے ائمہ کو موت کی دست بردی سے محفوظ و بالاتر قرار دیا۔ اور قبر پرستی کو ہر ممکن طریقے سے فروغ دینے کی کوشش کی۔ چنانچہ:

۱ ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی متوفی ۳۲۹ھ نے کتاب الاصول من الکافی میں اِنَّ الْاَئِمَّةَ علیہم السلام یَعْلَمُوْنَ مَتٰی یَمُوْتُوْنَ وَاِنَّهُمْ لَا یَمُوْتُوْنَ اِلَّا بِاِخْتِیَارٍ مِّنْهُمْ۔ کے عنوان سے باب منعقد کیا۔ یعنی ائمہ کو علم ہوتا ہے کہ وہ کب مریں گے۔ اور وہ اپنے

اختیار سے مرتے (جیتے) ہیں۔ (اصول کافی جلد ا صفحہ ۲۵۸)

۲ سید حمیری کہتا ہے کہ حضرت محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ زندہ موجود ہیں۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۱۵۰)

۳ عبداللہ خراسانی کے متعلق ان کے چیلے کہتے ہیں کہ وہ (اپنی دنیوی قبر میں) زندہ ہے۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۱۵۲)

۴ محمد بن عبداللہ کے متعلق اس کے چیلے کہتے ہیں کہ وہ قبر میں بحیاۃ دنیوی زندہ ہے۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۱۵۹)

۵ اثنا عشریہ کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ سرے سے فوت ہی نہیں ہوئے اور انہی کا ایک دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ فوت تو ہو چکے ہیں۔ مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو گئے۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۱۷۰)

۶ نیز ابن سبا کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ زندہ ہیں فوت نہیں ہوئے اور اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ علی خدا ہیں سے ہے خدا کی جزء ہے وفات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۱۵۲ و صفحہ ۱۷۴)

۷ مغیریہ فرقہ کہتا ہے کہ محمد بن علی فوت نہیں ہوئے ہم ان کے منتظر ہیں، واپس آئیں گے۔ جبرائیل و میکائیل رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت کریں گے اور وہ امام منتظر (محمد ابن حنفیہ) مردوں کو زندہ کریں گے۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۱۷۸)

۸ بزیغیہ فرقہ کا تو عقیدہ ہی یہ ہے کہ جب انسان کمال کو پہنچتا ہے اور پھر مر جاتا ہے تو اس کے بارے میں اس طرح نہ کہنا چاہیے کہ مر گیا ہے۔ بلکہ وہ عالم ملکوت کو پہنچتا ہے۔ مرتا نہیں ہے۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۱۸۰)

۹ اسماعیلیہ فرقہ کا عقیدہ ہے کہ اسماعیل بن جعفر نے تا حال وفات نہیں پائی۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۱۹۱)

۱۰ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ نے ائمہ کرام کی "حیات" کے متعلق روافض کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ شیعہ کا ایک فرقہ کہتا ہے: اِنَّ عَلِیًّا وَ سَائِرَ الْاَئِمَّۃِ لَمْ

يَمُوْتُوْا بَلْ هُمْ بَاقُوْنَ اِلٰى اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ وَلَا يَتَطَرَّقُ عَلَيْهِمُ الْمَوْتُ۔ کہ علیؓ اور دوسرے تمام ائمہ فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ قیامت تک اپنی اپنی قبروں میں دنیا کی طرح باقی ہیں۔ اور ان کے پاس موت کے آنے کا راستہ ہی نہیں ہے۔ (غُنْيَةُ الطالبين جلد ا صفحہ ۹۱ طبع مصر)

۱۱ نیز آپ نے فرمایا: اَمَّا النَّاوُسِيَّةُ لُقِّبُوْا لِاَنَّهُمْ نُسِبُوْا اِلٰى نَاوُسِ الْبَصْرِيِّ الَّذِيْ هُوَ رَئِيْسُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ بِاِمَامَةِ جَعْفَرٍ وَاِنَّهٗ حَيٌّ لَمْ يَمُتْ بَعْدُ وَاِنَّهٗ قَائِمٌ۔ یعنی ناؤس بصری کے تابعین جعفر کی امامت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ تاحال جعفر فوت نہیں ہوئے وہ زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے قبر سے نکل کھڑے ہوں گے۔ (غُنْيَةُ الطالبين)

۱۲ نیز آپ نے فرمایا: وَيُسَمُّوْنَ الرَّافِضَةَ لِوُقُوْفِهِمْ عَلٰى مُوْسَى بْنِ جَعْفَرٍ وَقَوْلِهِمْ هُوَ حَيٌّ لَمْ يَمُتْ وَلَا يَمُوْتُ۔ یعنی ایک رافضی فرقہ موسیٰ بن جعفر کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ قبر میں زندہ ہیں نہ اب تک مرے اور نہ ہی مریں گے۔ (غُنْيَةُ الطالبين جلد ا صفحہ ۹۰)

۱۳ اور بعض شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت امام علیؒ بن حسینؓ بن علیؓ زین العابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ حی لاامیوت ہیں۔ (الملل والنحل)

۱۴ بعض عبداللہ بن معاویہؓ کو حی لاامیوت مانتے ہیں۔ (الملل والنحل)

۱۵ بعض شیعہ حضرت امام زکریا بن محمد بن علی الباقر رحمۃ اللہ تعالیٰ کو حی لاامیوت سمجھتے ہیں۔ (الملل والنحل)

۱۶ اور بعض ابو مسلم سراج کو، بعض امام ابو عبداللہ جعفر بن محمد کو، اور بعض حسن عسکریؒ کے صاحبزادہ محمد مہدیؒ کو زندہ مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ قیامت کے قریب تک زندہ رہیں گے۔ (الملل والنحل)

فرقہ کرامیہ کا عقیدہ

قرونِ وسطیٰ میں کرامیہ اور معطلہ وغیرہ نے یہ مسئلہ کھڑا کردیا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دنیوی زندگی میں تو واقعی برحق نبی و رسول تھے، مگر بعد از وفات اب بھی رسول و نبی ہیں یا آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ سے رسالت و نبوت کی صفت بھی زائل ہو گئی ہے؟۔ لعنھم اللہ ابداً۔ چنانچہ!

موت سے وصفِ رسالت زائل نہیں ہوتی

شبہ فرقہ کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی وفات کے بعد ساتھ ہی ساتھ ان کی وصفِ نبوت و رسالت بھی والعیاذ باللہ زائل ہو جاتی ہے۔ اور دعویٰ کیا کہ: اوصاف اعراض ہوتے ہیں' اور اعراض قائم بالغیر ہوتے ہیں اور عرض جس چیز کے ساتھ قائم ہے اس چیز کے جاتے رہنے سے عرض بھی جاتا رہتا ہے۔

جواب فلسفی لوگ اوصاف کو اعراض سمجھتے ہیں۔ لیکن اہلِ اسلام کہتے ہیں کہ وہ اوصاف قائم رہتے ہیں۔ وفات کے ساتھ زائل نہیں ہوتے۔ پس وفاتِ انبیاءؑ کے عقیدہ سے انتزاعِ وصفِ رسالت و نبوت کا عقیدہ لازم نہیں آتا۔ اس لیے جب موت کے باعث کسی مُسلم سے وصفِ ایمان زائل نہیں ہوتی تو انبیاءؑ سے بھی وصفِ نبوت زائل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ:

مثال اُمّ المومنینؓ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: كَسْرُ عَظْمِ الْمُسْلِمِ مَيِّتًا كَكَسْرِهٖ وَهُوَ حَيٌّ. یعنی "مسلمان میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے اس کی زندگی میں ہڈی توڑنا"۔ (مسند احمد جلد ۷ صفحہ ۳۳۲ و صفحہ ۲۸۶)

تشریح اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: تعنی فی الاثم یعنی عائشہؓ کی روایت میں گو "فی الاثم" کا لفظ نہیں ہے۔ مگر حضرت اُمّ المومنینؓ کی مراد تشبیہ فی الاثم ہے۔ یعنی میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ زندہ مُسلمان کی ہڈی توڑنا گناہ کا کام ہے۔ اور اس سے مراد تشبیہ فی الالم نہیں۔ یعنی دکھ اور تکلیف میں تشبیہ مراد نہیں۔

تنبیہ اُمّ المومنینؓ سیدہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں صراحۃً لفظ فی الاثم وارد ہے۔ (دیکھیے: موطاء امام مالکؒ صفحہ ۸۳ و ابنِ ماجہ صفحہ ۱۱۷)

فائدہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مُسلمان آدمی وفات پا جانے کے بعد بھی ایمان کے وصف سے متصف رہتا ہے' جیسا کہ زندگی میں ایمان والی صفت اس سے منتزع نہیں ہوتی۔ اب غور فرمائیے کہ جب ہر مُسلم کا یہ حال ہے تو انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے بارے تو بطریقِ اولیٰ یہ بات ثابت ہوگی کہ ان کی وفات کے ساتھ وصفِ رسالت و نبوت زائل نہیں ہو سکتی۔ اور بعض محقق علماءِ کرامؒ نے اس موضوع پر باقاعدہ بحث فرمائی ہے۔ مثلاً:

۱ ابوالمعین نسفی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ ابوالحسن اشعری شافعیؒ نے فرمایا کہ حیات (دُنیوی) میں تو آپ ﷺ حقیقی نبی و رسول تھے اور بعد از وفات آپ ﷺ حکمی نبی و رسول ہیں' اور حکم شے کو اصل کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ عدت میں نکاح کے بعض احکام قائم رہتے ہیں۔ لیکن ابوالحسن اشعریؒ کے سوا دوسرے اہل السنۃ والجماعۃ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ وفات کے بعد بھی حقیقی نبی و رسول ہیں۔ جیسا کہ وفات کے بعد ایمان کی صفت حقیقۃً باقی رہتی ہے۔ (المواہب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۴)

تنبیہ اس روایت سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ ہڈی توڑنے سے گناہ تو ضرور ہوتا ہے۔ مگر اس میت کو دکھ درد نہیں ہوتا۔ یعنی اگر کوئی شخص دشمنی کی وجہ سے یا قتل کی نوعیت جاننے کے لیے پوسٹ مارٹم وغیرہ کی صورت میں کسی میت کی ہڈیاں توڑ دے' اس کا چڑا کاٹ دے' اس کے گوشت کو چھری سے کاٹ کر بوٹی بوٹی کر دے میت کو اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔ موطا کے محشی محلیؒ نے صراحتاً لکھا ہے: قولہ فی الاثم ای لا فی الالم۔ یعنی تشبیہ گناہ میں ہے دکھ درد میں تشبیہ نہیں' اس لیے کہ مسلمان جب اس خاکی جسم کے ساتھ زندہ تھا تو اس کو مارنے سے یا چوکا دینے سے دکھ محسوس ہوتا تھا' بال کھینچنے سے دکھ ہوتا تھا' ہڈی توڑنا تو بہت ہی بڑی بات ہے۔ مگر مرنے کے بعد اسے کچھ احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں زید کو ضرور ماروں گا۔ اور اگر زید مر جائے اور قسم کھانے والا زید کی لاش کو لاٹھیوں سے مارنے لگ جائے تو اس کی قسم پوری نہ ہو گی۔ اس لیے کہ مارنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مضروب کو درد ہو اور مضروب کی لاش کو اس کے مر جانے کے بعد کچھ درد محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ موت سے حواس زائل ہو جاتے ہیں۔

تنبیہ حدیث بالا میں مُسلم کی ہڈی توڑنے کی ممانعت آئی ہے۔ مگر یہ قید احترازی نہیں ہے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ کافر کی ہڈی توڑنا جائز ہے۔ کیونکہ انسان من حیث ہو انسان لائق احترام ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (۱۷:۰۷) ہم نے آدم اور آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔ جیسے حسن صورت' استقامت قامت' عقل و دانش وغیرہ۔ حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ جنگ کی صورت میں جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۱۲۵:۱۶) کا حکم ہے۔ اور اس کی تشریح کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ قتل کرنے

کے طریقے میں احسان کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَعْتَدُوْا (۲:۱۹۰) کہ حد سے آگے نہ بڑھو۔ اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا تُمَثِّلُوْا کہ مثلہ نہ کرو۔ یعنی ایسا نہ کرو کہ مثلاً: کان کاٹ دیا، ناک کاٹ دی، پھر ہاتھ کاٹ دیا، پھر دل نکال لیا۔ وغیرہ۔ ایسا کرنا حرام ہے۔ پھر مسلمان میت کی لاش۔ سو اس کا احترام تو زندہ کے احترام سے بھی زیادہ ہے۔ اور آج کے دور میں طبی معائنہ کرتے ہوئے پوسٹ مارٹم کا جو طریقہ رائج ہے یہ بلاشبہ حرام ہے۔ کیونکہ میت کے جسم کو چیرنا پھاڑنا اس کے احترام کے منافی ہے۔

۲ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہر شخص قواعدِ شرعیہ سے جانتا ہے کہ بدن کو ایذا نفس (یعنی روح) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر نفس نہ ہو تو ایذا بھی نہ ہو۔ باقی یہ:

مسئلہ کہ اہلِ سنّت کے نزدیک بعد مفارقتِ نفس بھی بدن میں حیات باقی رہتی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حدیث میں مردہ کی ہڈی توڑنے کی ممانعت آئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی توڑنا مردہ کو محسوس ہوتا ہے۔ اور اس سے اذیت ہوتی ہے۔ تو بدون تعلق نفس کے بھی بدن کو اذیت ہوئی۔ سو اس کا **الـــــــــــــــــــزامی:**

جواب ۱ تو یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی قائل ہو تو ہم کہیں گے کہ مفارقت نہیں پائی گئی تعلقِ نفس باقی ہے، اگرچہ تھوڑا ہی سہی۔ اور **تحـــقـــیـــق (یعنی تحقـــیـــقـــی)**

جواب ۲ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں احساس ہے۔ بلکہ احترام میں مردہ زندہ کے مثل ہے۔ زندہ میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو ہڈی توڑنے سے اس کو ایذا رسانی، دوسرے ترکِ احترام۔ تو مردہ کی ہڈی توڑنا اس وجہ سے ناجائز ہے کہ ترکِ احترام ہے، نہ اس وجہ سے کہ اس کو اذیت ہوتی ہے۔ (ہفت اختر کا چھٹا وعظ روح الخ واتج صفحہ ۲۲۲-۸، شوال ۱۳۲۳ھ)

۳ علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وبقاء النبوة والرسالة بعد الموت فی حقه و حق غیره من الانبیاء والمرسلین علیهم السلام حقیقة مما ذهب الیه غیر واحد فان المتصف بهما و کذا بالایمان هو الروح وهی باقیة لاتتغیر بموت البدن. نعم ذهب الاشعری کما قال النسفی الی انهما بعد الموت باقیان حکمًا انتهی. یعنی

حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے ماسوا تمام نبیوں اور رسولوں کی وفات کے بعد ان کی نبوت اور رسالت کا حقیقۃً باقی رہنا۔ اور ان اوصاف کا ان سے زائل نہ ہونا' ان امور میں سے ہے جن کی طرف اِکّا دُکّا نہیں بلکہ کثیر علماء گئے ہیں۔ جس کی:

دلیل یہ ہے کہ نبوت و رسالت اور ایمان دراصل روح کی صفتیں ہیں اور روح ہمیشہ رہتی ہے۔ جو بدن کی موت کے بعد اصلاً تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ البتہ موافق قول علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اشعری حضرات اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء و رسل کی وفات کے بعد نبوت و رسالت حکمی ہوتی ہے۔ (روح المعانی پارہ ۲۲ صفحہ ۳۳) مگر یہ قول صحیح نہیں۔

۳ علامہ شیخ عبد الغنی نابلسی دمشقی متوفی ۱۱۴۳ھ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب رشحات الاقلام شرح کفایۃ العوام علی مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۶ میں تحریر فرمایا: وَهُوَالنَّبِيُّ الْبَاقِيْ عَلٰی رِسَالَتِهٖ وَاِنْ مَاتَ ﷺ اِلٰی اٰخِرِ الزَّمَانِ وَانْقِضَآءِ الدُّنْيَا۔ یعنی آں حضرت ﷺ اگرچہ وفات پا چکے ہیں تاہم آخر زمانہ تک اور دنیا کے اختتام تک آپ اپنی رسالت پر بدستور قائم و دائم ہیں۔ (آپ کی وفات سے ان کی نبوت زائل نہیں ہوئی) بلکہ آپ جس طرح اپنی حیاتِ دنیوی میں حقیقۃً نبی تھے اسی طرح اب وفات کے بعد برزخی زندگی میں بھی بدستور حقیقۃً و واقعۃً بلا مجاز نبی ہیں' مجاز کا شائبہ تک نہیں ہے۔

فائدہ نبی کی وفات سے نبوت و رسالت' نبی سے منقطع نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب آں حضرت ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اس کے بعد دفن کرنے تک کم از کم چھ یا سات نمازوں کا وقت گزرا' صحابۂ کرامؓ نے فرض واجب سنت مستحب (تہجد وغیرہ) نمازیں پڑھیں۔ ان میں ہر قعدہ میں تشہد پڑھتے وقت السّلام علیك ایها النّبی اور اشهد ان محمّداً عبدهٗ و رسولهٗ وجوبی طور پر پڑھتے رہے۔ آپ کی صفت نبوت و رسالت کا اقرار کرتے رہے۔ حالانکہ تمام امت کا اجماع ہے کہ دفن سے پہلے آپ کے جسم عنصری اطہر و اطیب میں روح مبارک واپس نہیں آئی۔ اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آپ اس وقت میت تھے جب کہ مسجدوں میں اذانیں بھی دی جاتی رہیں۔ اور صحابۂ کرامؓ کلماتِ اذان سن کر ان کا جواب بھی دیتے رہے۔ جس میں یہ شہادت بھی ہے: اشهد ان محمّداً رسول الله۔ اسی طرح اقامت بھی

ہوتی رہی اس میں بھی اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ کہا جاتا رہا۔ اور سننے والے جواب میں حسب دستور اشہد ان محمدا رسول اللہ کہتے۔

اگر وفات کے بعد یعنی انبیاء کرام علیہم السلام جسد عنصری سے مبارک روح کی مفارقت کے بعد نعوذ باللہ نبوت و رسالت کی صفت زائل ہوگئی تھی تو اذانوں، اقامتوں اور تشہد وغیرہ میں اقرار و شہادت رسالت نعوذ باللہ ایک لغو اور خلاف واقع امر ہوتا۔ دراصل صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل سے ہمیں یہ مسئلہ سمجھادیا کہ نبی کی موت سے نبوت و رسالت کی صفت نبیؐ سے زائل نہیں ہوتی، نبی بدستور نبی ہی رہتا ہے۔ اور خود نبی و رسول کے الفاظ کی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ دونوں صفتیں لازم ذات ہیں۔ جو کسی عارضہ سے جدا نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ یہ دونوں صیغے صفت مشبہ کے ہیں۔ دیکھیے فصول اکبری وغیرہ کتب صرف۔

تنبیہ حضرت علامہ محمد حسن سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ: ❶ حنفی مشائخ کا مذہب ہے کہ وفات کے بعد اب بھی انبیاء و رسل حقیقی طور پر نبی و رسول ہیں۔ ❷ حضرت ابو الحسن اشعریؒ اور ان کے متبعین حکمی نبی رسول مانتے ہیں۔ مشائخ حنفیہ نے اپنے دعویٰ کی دو دلیلیں دی ہیں۔

نقلی دلیل

آیت لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ میں رسل کا لفظ ہی اس امر کی دلیل ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مبارک عہد میں تمام رسول وصف رسالت میں متحد ہیں۔ اس وصف رسالت میں تمام رسل کے مابین کوئی تفاوت نہیں۔ اس طرح یہ آیت تمام وفات یافتہ رسولوں کے بارے میں حکمی رسول ہونے کی نفی کرتی ہے۔ (ورنہ نزول آیت کے وقت دو رسول یعنی حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تو یقینی طور پر زندہ تھے۔ ان دو پر تو یقینا رسول کا اطلاق حقیقی ہے اور باقی رسل پر مجازی اطلاق کریں تو بغیر قرینہ صارفہ داعیہ الی المجاز کے مجازی معنی مراد لینا بے اصولی بات ہے) اور بعض شوافع کی تقلید میں عموم المجاز مراد لینا بے اصولی بات ہے۔ اس لیے آیت میں رسل کے معنی حقیقی نبی ہی مراد ہیں۔ پس تمام کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اسی طرح حقیقی نبی ہیں جس طرح وفات سے پہلے سب حقیقی نبی تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین۔

آیت اسی طرح فرمانِ الٰہی: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۲:۲۵۳) اور
آیت وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ، نیز
آیت فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ وغیرہ کثیر آیات،

عقلی دلیل: رسالت و نبوت کی موصوف اصلی و حقیقی روح ہے، اور وفات کے بعد رُوح متغیر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے کسی وصف میں تبدیلی آتی ہے۔ (دیکھیے: شرح عقیدہ طحاویہ)

شبہ مشایخ اشاعرہ فرماتے ہیں کہ رسالت و نبوت ہر دو عرض تھیں اور ایک عرض دو مختلف زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتی۔ مثلاً اگر کوئی ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو جائے تو یوں کوئی نہیں کہتا کہ فلاں آدمی اب بھی نماز میں ہے اور اگر اس نمازی کو نماز پڑھتے پڑھتے حدث لاحق ہو جائے۔ یعنی وضو ٹوٹ جائے، اور پھر وضو کرنے چلا جائے تو اس وقت کہتے ہیں کہ یہ شخص اصل نماز میں تو نہیں ہے۔ مگر نمازی کے حکم میں ہے۔

جواب علماء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اشعریہ کے اس استدلال کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ یہ بات تو ثابت اور محقق ہو چکی ہے کہ رسالت اور نبوت دراصل روح کی صفت ہے۔ جسدِ عنصری کی نہیں۔ اور موت کا روح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یعنی روح نہیں مرتی۔ لہٰذا رسالت و نبوت بھی بقائے روح کی وجہ سے اپنے حال پر حقیقی طور پر قائم ہیں۔ نیز آیاتِ کریمہ: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ اور اسی طرح دوسری آیات رسل کی حکمی رسول ہونے کے عقیدے کو رد کرتی ہیں۔ (دیکھیے نظم الفرائد و جمع الفوائد صفحہ ۶۶)

دلیل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (جامع صغیر جلد ۲ صفحہ ۹۶) اس وقت ارواح تو تھیں مگر عنصری اجساد نہیں تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک روح پر نبی کا اطلاق فرمایا۔

بہر حال یہ اکابر فقہاء و محدثین اور اہلِ عقائد، انبیاءِ کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی نبوت اور رسالت کی صفت کو ان کے لیے حقیقی سمجھتے ہیں، اس بنا پر کہ دراصل یہ صفتیں روح کی ہیں اور مرنے کے بعد رُوح تو باقی ہے، اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا اور یہی عقیدہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دفن تک کے درمیانی وقفہ میں بھی اذانوں، اقامتوں، نمازوں اور دعاؤں وغیرہ ہر مقام میں آپؐ کا ذکر نبوت و رسالت کی وصف کے ساتھ کرتے رہے۔

قائلین حیات دُنیوی جسمانی کا تیسرا گروہ

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں معطلہ عقیدہ

مُعتزلہ و جہمیہ جیسے بدترین گمراہ فرقوں کے اختلاط سے ایک اور فرقہ "معطلہ" کے نام سے پیدا ہوا، جس نے اپنی دیگر مُحدَثات و اختراعات کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی زور و شور سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں اسی طرح زندہ تشریف فرما ہیں جس طرح دُنیا میں تھے۔ اور یہی عقیدہ ابن فورک کا تھا۔ جس نے اپنے عقیدۂ بد کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

اِنَّهٗ حَیٌّ فِیْ قَبْرِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَبَدَ الْاٰبَادِ عَلَی الْحَقِیْقَةِ لَا الْمَجَازِ۔ (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۴)

ابن فورک کون تھا؟

❶ حضرت علامہ سُبکیؒ نے ابن فورک کے مُتعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّ ابْنَ فُوْرَكَ كَانَ رَجُلًا صَالِحًا۔ یعنی ابن فورک نیک آدمی تھا۔ مگر:

❷ علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے فرمایا: كَانَ (ابن فورك) مَعَ دِيْنِهٖ صَاحِبَ فَلْتَةٍ وَبِدْعَةٍ۔ یعنی ابن فورک باوجود اپنی دینداری کے بے سوچے بولتا، لغزش و غلطی کا شکار ہوتا تھا اور بدعتی بھی تھا۔ (طبقاتِ کبریٰ جلد ا صفحہ ۵۴)

ابن فورک کے مُتبعین کا عقیدہ

ابن فورک کے مُتبعین کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اپنی قبر اطہر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سچ مچ حقیقی طور پر اس طرح زندہ ہیں جس طرح مکی و مدنی زندگی میں آپؐ زندہ تھے۔ مجازی طور پر نہیں۔ محققین علمائے عقائد نے اس کی تردید فرماتے ہوئے ثابت کیا کہ ابن فورک کا مذہب باطل ہے۔ لیکن ان محققین علماء عقائد کی تردید میں علامہ سبکی شافعیؒ نے قلم اٹھایا اور ابن فورک بدعتی کے ہم نوا ہوئے۔ چنانچہ:

فوائد علامہ سبکیؒ نے طبقاتِ کبریٰ میں نقل کیا: عَنِ ابْنِ فُوْرَكَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ حَیٌّ فِیْ قَبْرِهٖ ﷺ رَسُوْلُ اللهِ اَبَدَ الْاٰبَادِ عَلَى الْحَقِيْقَةِ لَا الْمَجَازِ ابن فورک نے کہا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اپنی قبر اطہر میں حقیقۃً ابد الآباد تک حقیقی طور پر زندہ ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ حیاۃ مجازی نہیں۔ (المواہبُ اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۴)

تنبیہ روح مع الجسد ہی کو نبی کہنا غلط ہے۔ کیونکہ یہ بات تو محقق ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی رُوحِ مبارک آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے خارج ہوئی۔ اگر اس کے بعد آپ ﷺ کے جسدِ اطہر میں روح واپس لوٹادی گئی تو جتنے وقت آپ ﷺ کی روح مبارک آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے جدا رہی اتنے وقت کے لیے سلبِ نبوت کا عقیدہ بھی رکھنا ہوگا، اگرچہ ایک آن کے لیے ہی ہو۔ جب کہ یہ عقیدہ کسی کافر کا ہو تو ہو، کسی مسلمان اہلِ سُنّت نے اس قسم کے عقیدۂ بد کا ذکر نہیں کیا۔

فائدہ حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صنف تقی الدین سبکی رسالۃ فی رد ابن تیمیۃ و سماھا شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام و ما وجدت فیھا شیئًا جدیدًا طریًا و تصدی الی تقویۃ الضعف ثم صنف ابن عبد الھادی فی الرد علی السبکی و سماہ الصارم المنکی علی نحر السبکی و قد اجاد فی تصنیفہ۔ تقی الدین سبکی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے رد میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" رکھا۔ لیکن میں نے اس میں کوئی نئی تازہ بات نہیں پائی۔ وہ تو ضعیف حدیثوں کی تقویت کے درپے رہا۔ اس کے بعد ابن عبد الہادی نے سبکی کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی۔ جس کا نام "الصارم المنکی علی نحر السبکی" ہے۔ اور ابن عبد الہادی نے اپنی تصنیف میں کھری کھری باتیں بیان فرمائی ہیں۔ (العرفُ الشذی ص ۶۳)

فائدہ حضرت علامہ ابو محمد علی بن احمد بن حزم اندلسی نے فرمایا کہ محمد بن الحسن بن فورک الاصبہانی کو محمود بن سبکتگین شاہِ خراسان یعنی فاتح ہند حضرت سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ زہر قتل کردیا۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۱۶۳)

تنبیہ علامہ سبکیؒ کا یہ قول صحیح نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا عنصری جسم زمین کے نیچے اپنی اپنی قبر میں زندہ نماز پڑھتا ہے۔ اور اس عقیدہ کی تائید میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے اس کا بیان

"حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ (۱۳)" سے متعلق "التحقیق الاعلیٰ فی حدیث ابی یعلیٰ" کے زیر عنوان آئندہ صفحات میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

نمبر اس کا یہ مطلب بیان کرنا بھی غلط ہوگا کہ "نبوت روح مع الجسد کی صفت ہے، صرف روح نبی ورسول نہیں ہے"۔ کیونکہ:

قرآن روزِ میثاق میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے عہد لیا تھا۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (۳:۸۱) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا تھا۔ اور یہ عالمِ ارواح کی بات ہے۔ جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صرف ارواح تھیں۔ اجساد عنصریہ بنے ہی نہ تھے۔ اس وقت ہی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت کی عالی شان صفت کے ساتھ متصف فرمایا۔ معلوم ہوا کہ درحقیقت نبوت روح کی صفت ہے۔ روح مع الجسد ہی کی نہیں۔ نیز:

حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (جامع صغیر جلد ۲ صفحہ ۹۶) یعنی اس وقت فرشتوں کو آپ ﷺ کی نبوت سے متعلق بشارت دیگئی تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ نبوت دراصل رُوح کی صفت ہے۔ رُوح مع الجسد ہی کی نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا جسدِ عنصری اس وقت بنا ہی نہ تھا۔

از الہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک جسدِ اطہر کو مختلف مقامات میں حاضر و موجود ماننے سے کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ مثلاً:

1. نہ ہجرت ثابت ہوتی ہے،
2. نہ معراج جسمانی،
3. نہ غزوہ و سریہ کا فرق،
4. نہ مسجدِ نبویؐ سے غیر حاضری،
5. نہ حجرۂ نبویہ سے فقدان،
6. اور نہ ازواج مطہراتؓ کی باریاں،
7. نہ سفر،
8. نہ قصر و اتمام کا قصہ،
9. اور نہ تیمم کا واقعہ۔

وغیر ذٰلك الٰی مالا یحصیٰ۔

نمبر یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وہی اجساد عنصریہ زمین کے نیچے قبروں میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور انہی اجسادِ عنصریہ کے ساتھ وہ حج بھی کرتے ہیں۔ اور وہی

جسدِ عنصری آسمانوں میں بھی موجود ہیں، جو زمین سے پدموں اور سنکھوں میل دور ہیں۔ اس لیے کرۂ ارض میں جو چند ہزار میل ہے حاضر موجود ہونا محال نہیں۔ یعنی آپؐ بہ نفسِ نفیس اپنے روضۂ اطہر میں تشریف فرما ہیں۔ اور آپؐ بیک نظر تمام جہان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ جیسے ہتھیلی پر دھری ہوئی چیز انسان دیکھ لیتا ہے۔ اور شرک کے فتویٰ سے بچنے کے لیے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف رکھ کر تمام جہان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ اور اللہ پاک تو مکان و جہت سے پاک ہے۔ لیکن ان لوگوں کا یہ قول صریح البطلان ہے۔ کیونکہ:

قانون ہے: كُلُّ قَوْلٍ لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ غَيْرُ ثَابِتٍ کہ جس بات کی دلیل نہ ہو وہ ثابت نہیں ہوتی۔ (بیضاوی طبع مصر جلد ۱ صفحہ ۱۸۱) نیز:

قانون ہے: مَا لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ يَجِبُ نَفْيُهُ۔ کہ جس چیز کی کوئی دلیل نہ ہو اس کی نفی کرنا واجب ہے۔ (خیالی طبع مصر صفحہ ۸۰)

فائدہ استاذی المکرم مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "عوام کے عقائد کی اصلاح علماء کے ذمے واجب ہے"۔ (کفایت المفتی جلد ۱ صفحہ ۱۹۰)

تنبیہ علماء کا حیاتِ انبیاء کو حیاتِ شہداء کی طرح بلکہ ان سے اعلیٰ و ارفع و ابلغ بتانا بھی حیاتِ عنصری کی نفی کرتا ہے۔ کیونکہ:

۱ مشبّہ و مشبّہ بہ میں وجہِ شبہ کا ہونا ضروری ہے جو دونوں میں جامع ہو اور وہ یہاں ہے حیاتِ حقیقی رُوحانی، تو مطلب یہ ہوا کہ جیسے حیاتِ شہداء حقیقی رُوحانی ہے، اس جسم کے ساتھ نہیں۔ جیسا کہ مفسرین نے نص فرمائی ہے۔ ایسے ہی حیاتِ انبیاءؑ بھی حقیقی روحانی ہے۔ بلکہ روحانیت میں شہداء سے انبیاء بڑھ کر ہیں۔ جیسے دُنیا میں انبیاءؑ کی روحانیت سب سے فائق تھی۔

۲ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو "دنیا کی سی" کہتے ہیں۔ ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اللہ کی طرف رہتی تھی۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عالمِ برزخ میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق اور اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہتے ہیں، غرض ان کی برزخی زندگی کو انھیں کی اپنی دُنیا کی زندگی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اس لیے ان کی برزخی زندگی کو عام دُنیوی زندگی سے تشبیہ دینا کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔

۳ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ظاہر ہے کہ دُنیا میں کافر و فاسق کی زندگی اور ولی و نبی کی زندگی میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ (اور کہنے کو تو دونوں کی زندگی دنیاوی کہلاتی ہے) مگر کافر و فاسق کی زندگی کفر و معاصی دنیوی کروفر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو فراموش کرنے میں گزرتی ہے اور نبی اور ولی کی زندگی رضائے الٰہی، حقوق کی ادائیگی، یادِ حق اور تبلیغ دین میں گزرتی ہے۔ لہٰذا انبیاءؑ کی برزخی زندگی کو انبیاءؑ ہی کی دنیوی زندگی کے ساتھ تشبیہ دینا بجا ہے اور بس۔ (دیکھیے تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۳)

۴ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "عالَمِ برزخ میں جو حیات انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں۔ جیسے ایک پہلوان کی زندگی اور مدقوق کی زندگی میں تفاوت ہوتا ہے۔ ایسے ہی انبیاءؑ کو عالَمِ برزخ میں اعلیٰ درجہ کی زندگی دی گئی ہے"۔ (تقریر ترمذی مع شمائل نبوی صفحہ ۹۰۸)

انبیاءِ کرام علیہم السلام پر اموات کا اطلاق

یہ بات محقق ہے کہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کی شان شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اور شہادت کے بعد شہداء کو بنصِ قرآنی (عبارۃُ النص کے ساتھ) حیات حاصل ہے۔ جس کے متعلق تمام اہلِ سُنّت کا اتفاق ہے کہ وہ حیات برزخی ہے، دنیوی نہیں ہے۔ اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی حیات دلالۃُ النص سے بطریقِ اولیٰ ثابت ہے۔ اور وہ حیات بھی شہداء کی طرح برزخی ہے دنیوی نہیں۔ اس لیے شہداء کی طرح ہم تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو بھی برزخ کے اعلیٰ ترین مقام میں زندہ مانتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انبیاءؑ و شہداء پر موت کا اطلاق ہی سرے سے ممنوع ہو۔ اور اس پر بھی سب علماءِ اہلِ سُنّت کا اتفاق ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں بھی چار انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لیے صراحۃً "موت" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

فرمانِ الٰہی

آیت ۱ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ (۲:۱۳۳)

آیت ۲ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖ (۳۴:۱۴)

آیت ۳ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ (۲:۲۵۹)

آیت وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا (۴۰:۳۴)

فائدہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف "موت" کا اطلاق انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے جائز ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے لیے "ہلاکت" کے لفظ کا استعمال بھی روا رکھا ہے۔

فرمان نبوی

۱ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. بنی اسرائیل کے انبیاء ان پر نگرانی کرتے تھے جس وقت کوئی نبی ہلاک ہوتا۔ یعنی وفات پاتا تو پیچھے اس کے دوسرا نبی جانشین ہوتا اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۴۹۱ و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۶)

تشریح اس مقام پر حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا: وَفِي الْحَدِيْثِ جَوَازُ هَلَكَ فُلَانٌ إِذَا مَاتَ وَقَدْ كَثُرَتِ الْأَحَادِيْثُ بِهٖ وَجَآءَ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَزِيْزِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: "وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا". یعنی اس حدیث میں "ہلاک ہوگیا فلاں" کہنے کا جواز ہے کہ جس وقت مرجائے۔ اور کثرت سے احادیث اس امر میں وارد ہیں۔ اور قرآن عزیز میں بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور بلاشبہ اس موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمہارے پاس یوسف علیہ السلام کھلے کھلے دلائل لے کر آچکے ہیں، سو تم ان امور میں بھی ہمیشہ شک ہی کرتے رہے جو یوسف علیہ السلام تمہارے پاس لے کر آئے تھے، یہاں تک کہ جب یوسف علیہ السلام ہلاک، یعنی فوت ہوگئے تو تم کہنے لگے: بس اب اللہ تعالیٰ اس یوسف علیہ السلام کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا"۔

تشریح حضرت امام ابوبکر صدیق نے خطبہ میں جو آیات پڑھی تھیں ان کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی "فائدہ" میں تحریر فرماتے ہیں: جنگ احد میں بعضے مسلمان کامل بھی بہت ہٹ گئے تھے۔ اس واسطے کہ ایک کافر نے اپنی فوج میں پکارا کہ میں محمد کو مار آیا ہوں اور حضرت کو زخم سے خون بہت گرا تھا، ضعف آکر ایک گڑھے میں گرے تھے،

مسلمانوں نے حضرتؐ کو نہ دیکھا۔ یہ بات یقین ہو گئی، جب حضرتؐ ہوشیار ہوئے تو میدان میں جو لوگ حاضر رہے تھے ان کو جمع کر کر پھر لڑائی قائم کی تب کافر پھر کر چلے گئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسولؐ زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہو، اور اشارہ نکلتا ہے کہ حضرتؐ کی وفات پر بعضے پھر جاویں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے۔ اسی طرح ہوا۔ بہت لوگ حضرت ﷺ کے بعد مُرتد ہوئے اور حضرت صدیقؓ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا۔

تشریح اس خطبہ کے بعد جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا تھا سب سے اول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی نے بیعت خلافتِ صدیقؓ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور آپؓ کی تعریف و توصیف کی پھر لوگ اس آیت (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ) کو پڑھنے لگے۔ جو سنتا وہ پڑھنے لگتا، فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واللہ مجھے کچھ خبر نہ تھی، مگر صرف یہی کہ میں نے اس آیت کو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ اس کو پڑھتے تھے۔ مجھے تو ایسا پسینہ پیشانی پر آیا کہ زمین پر پاؤں نہ تھے اور گر پڑا جب اس آیت کو نبی ﷺ کی وفات کے لیے سُنا۔ چنانچہ دوسرے روز خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا۔ چنانچہ:

۲ صحیح بخاری میں ہے: فَتَشَهَّدَ وَاَبُوْبَكْرٍ صَامِتٌ لَا يَتَكَلَّمُ قَالَ كُنْتُ اَرْجُوْ اَنْ يَّعِيْشَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَتّٰى يَدْبُرَنَا يُرِيْدُ بِذٰلِكَ اَنْ يَّكُوْنَ اٰخِرَهُمْ فَاِنْ يَّكُ مُحَمَّدٌ ﷺ قَدْ مَاتَ فَاِنَّ اللهَ قَدْ جَعَلَ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ نُوْرًا تَهْتَدُوْنَ بِهٖ هَدَى اللهُ مُحَمَّدًا ﷺ وَاِنَّ اَبَابَكْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَثَانِيَ اثْنَيْنِ وَاِنَّهٗ اَوْلَى الْمُسْلِمِيْنَ بِاُمُوْرِكُمْ فَقُوْمُوْا فَبَايِعُوْهُ. یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر خطبہ پڑھا جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش تھے (دورانِ خطبہ) کلام نہ کرتے تھے۔ فرمایا: "میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے بعد وفات پائیں گے، تو اب محمد ﷺ نے وفات پائی پس اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے درمیان نور رکھ دیا ہے، جس سے تم ہدایت پاتے ہو وہ نور دیا گیا ہے محمد ﷺ کو۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ صاحب رسول اللہ ﷺ کے اور رفیق غار ہیں اور وہ مسلمانوں میں تم لوگوں کے کاموں کو انجام دینے کے لیے سب سے زیادہ اولیٰ ہیں پس کھڑے ہو کر ان سے بیعت کرو۔ (صحیح بخاری پارہ ۲۹ جلد ۶ مع فتح الباری صفحہ ۶۲)

فائدہ سیدنا عمرؓ کے اس خطبہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انھوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کو واقعۂ غشی ہی سمجھا تھا‘ ان کا خیال تھا کہ آپؐ ہمارے بعد وفات پائیں گے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی طرح آپؓ نے بھی انکارِ وفاتُ النبیؐ کے قائل کو محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرنے والا قرار دیا۔ کیونکہ یہ شانِ الوہیت حق تعالیٰ حی لایموت کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی ورنہ جماعت صحابہ کرامؓ میں سے کوئی متنفس معاذاللہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی عبادت نہیں کرتا تھا۔

حدیث ۳ حضرت نبی کریم ﷺ خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور صحابہؓ کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم بھی فرماتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! اس دن کی تعظیم تو یہود و نصاریٰ کرتے ہیں اور ہمیں ان کی مخالفت کرنی چاہیے‘ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں کو بھی ضرور روزہ رکھوں گا۔ مگر اگلے سال تک آپؐ زندہ نہ رہے‘ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو وفات پائی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۸ و ۱۷۹)

فائدہ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ:

① موت و حیات پر صرف اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے‘ شیعہ کا مسلک غلط ہے‘ جو انبیاء کرامؑ و ائمہ عظام کے متعلق اپنے اختیار سے مرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ نیز:

② یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضورؐ اور صحابہؓ عالم الغیب نہ تھے‘ نیز:

③ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دُنیوی زندگی آپ ﷺ کی ختم ہوگئی۔

حدیث ۴ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي" نیز فرمایا: لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا وَأَدْرَكَ نُبُوَّتِي لَاتَّبَعَنِي" یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہوتے اور وہ میری نبوت کا زمانہ پالیتے تو وہ خود بھی میری ہی پیروی کرتے‘ ان کو میری پیروی کیے بغیر کوئی ذرا سی گنجائش بھی نہ ہوتی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۰ و ۳۲ بحوالہ احمد و بیہقی و دارمی)

فائدہ یاد رہے کہ برزخی حیات میں کوئی بھی احکامِ شرعیہ کا مکلف نہیں ہوتا‘ اور یہ مسئلہ سب کے نزدیک بلاشک مُسلَّم الثبوت ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دنیوی

زندگی اس وقت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی زندگی اگر دنیوی ہوتی تو ان پر حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی فرض ہوتی۔ لیکن چونکہ اس وقت ان پر آپ ﷺ کی پیروی فرض نہیں ہے لہٰذا حسب قاعدہ انتفاء تالی منتج ہے انتفاء مقدم کا دُنیوی زندگی کا حضرت موسیٰ سے انتفاء ثابت ہو گیا اور اگر دنیوی حیات موسیٰ علیہ السلام کی ثابت کریں تو حسب قاعدہ: "وضع مقدم منتج ہے وضع تالی کا"۔ ثابت کرنا پڑے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آپ کی اتباع واجب ہے۔ لیکن کلمہ لَوْ اس بات سے آبی ہے۔ اس حدیث سے یہ حقیقت خوب اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت دنیوی حیات کے ساتھ زندہ نہیں ہیں۔ اگر انھیں دنیوی حیات حاصل ہوتی تو ان پر حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی اور اتباع فرض ہوتی۔

(۵) حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أَكْرَمَ اللهُ تَعَالَى الشُّهَدَآءَ بِخَمْسِ كَرَامَاتٍ لَمْ يُكْرِمْ بِهَا أَحَدًا مِّنَ الْأَنْبِيَآءِ وَلَا أَنَا۔ اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کو ایسے پانچ اعزاز عطا فرمائے ہیں۔ جو کسی نبی کو بھی عطا نہیں فرمائے۔ اور نہ ہی مجھے عطا کیے گئے ہیں۔

❶ أَحَدُهَا: أَنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَآءِ قَبَضَ أَرْوَاحَهُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ وَهُوَ الَّذِيْ سَيَقْبِضُ رُوْحِيْ وَأَمَّا الشُّهَدَآءُ فَاللهُ هُوَ الَّذِيْ يَقْبِضُ أَرْوَاحَهُمْ بِقُدْرَتِهِ كَيْفَ يَشَآءُ۔ وَلَا يُسَلِّطُ عَلَى أَرْوَاحِهِمْ مَلَكَ الْمَوْتِ۔ تمام انبیاء کرام کی ارواح ملک الموت قبض کرتے رہے۔ اور میری روح بھی عنقریب ملک الموت ہی قبض کرے گا۔ لیکن شہیدوں کی ارواح خود اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے اپنی قدرت سے قبض کرتا ہے۔ اور ملک الموت کو ان کے ارواح پر مسلط نہیں کرتا۔

❷ وَالثَّانِيْ: أَنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَآءِ قَدْ غُسِّلُوْا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ وَ أَنَا أُغَسَّلُ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ وَالشُّهَدَآءُ لَا يُغَسَّلُوْنَ وَلَا حَاجَةَ لَهُمْ إِلَى مَآءِ الدُّنْيَا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو وفات پانے کے بعد نہلایا جاتا رہا ہے۔ اور مجھے بھی نہلایا جائے گا۔ اور شہداء کو نہلایا نہیں جاتا۔ اور نہ ہی ان کو دنیا کے پانی کی حاجت ہوتی ہے۔

❸ وَالثَّالِثُ: أَنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَآءِ قَدْ كُفِّنُوْا وَأَنَا أُكَفَّنُ۔ وَالشُّهَدَآءُ لَا يُكَفَّنُوْنَ بَلْ يُدْفَنُوْنَ فِيْ ثِيَابِهِمْ۔ تمام انبیاء کرام کو کفن دیا جاتا رہا۔ اور مجھے بھی کفن دیا جائے گا۔ لیکن شہداء کو کفن نہیں دیا جاتا۔ بلکہ انھیں اپنے انہی کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے۔

❹ وَالرَّابِعُ: اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمَّا مَاتُوْا سُمُّوْا اَمْوَاتًا وَاِذَا مِتُّ يُقَالُ قَدْ مَاتَ. وَالشُّهَدَآءُ لَا يُسَمُّوْنَ مَوْتٰى. جب انبیاء کرامؑ کی وفات ہوتی تو ان کو اموات کہا جاتا رہا۔ اور میں بھی وفات پاؤں گا تو کہا جائے گا: "قد مات"۔ اور شہداء کو موتیٰ نہیں کہا جاتا۔

❺ وَالْخَامِسُ: اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ تُعْطٰى لَهُمُ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَشَفَاعَتِيْ اَيْضًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَاَمَّا الشُّهَدَآءُ فَاِنَّهُمْ يَشْفَعُوْنَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ فِيْ مَنْ يَشْفَعُوْنَ. انبیاء کرام علیہم السلام کو شفاعت کرنے کی اجازت قیامت کو ملے گی۔ اور مجھے بھی شفاعت کرنے کی اجازت قیامت کو ہی ملے گی۔ اور شہیدوں کو ہر روز شفاعت کی اجازت ہے۔ جس کے حق میں چاہیں شفاعت کریں۔ (تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۲۷۶)۔

فائدہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اہلِ دُنیا کی فریاد سن کر بارگاہِ الٰہی میں ان کی سفارش کرتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شہداء اپنی دعاؤں میں اہلِ دُنیا میں سے جس کے حق میں چاہیں سفارش یعنی بخشش کی دعا کرتے ہیں۔

تنبیہ مرثیہ تو اموات کا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو دُنیوی حیات کے ساتھ اپنے مدفنِ ارضی میں دوبارہ زندہ ہو چکے ہیں۔ جب کہ اعلم الناس بعد رسول اللہ و خلیفۂ بلافصل سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور آپؐ کی پھوپھی سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے بھی مرثیہ پڑھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام ہستیوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیویہ کا کھلے اور صریح لفظوں میں انکار کیا ہے۔

فائدہ صحابہؓ جب مسجد نبویؐ میں آتے تو جس طرح آپؐ کی زندگی میں آپؐ کو ملتے اور السّلام علیکم کہتے تھے، وفات کے بعد نمازیوں کا یہ دستور نہیں تھا کہ جو نمازی مسجد نبویؐ میں آئے وہ قبرِ نبیؐ پر بھی سلامی دے۔ البتہ سنت طریقہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا: اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ. کہے۔ اور مسجد سے نکلنے والا: اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ. کہے۔ اسی طرح مسجدِ نبویؐ کے نمازیوں کا یہی حال تھا۔ مگر یہ ثبوت کہیں سے نہیں ملتا کہ صحابہؓ نماز سے پہلے یا پیچھے قبرالنبی پر

جا کر سلام کہتے ہوں۔ خاص کر جب ام المومنینؓ کی رہائش وہیں تھی، البتہ مرنے والے سے کہہ دیتے تھے کہ میرا سلام نبی سے عرض کر دینا۔

تبصرہ صحابہؓ جب جہاد پر جاتے تھے تو کہیں سے یہ منقول نہیں کہ حضورؐ کی قبر اطہر پر جا کر سلام کر کے اجازت مانگتے ہوں، اور درخواست کرتے ہوں کہ یا حضرتؐ! ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب کرے، اور اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں میں اخلاص پیدا فرمائے، اور ہمارے عمل کو قبول فرمائے۔

تبصرہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر و محمد بن ابی بکر و عبدالرحمٰن بن ابی بکر و قاسم بن محمد رضی اللہ عنہم وغیرہ آپؓ کے بھائی بھتیجے اور بھانجے وغیرہ آپؓ کی خدمت اقدس میں مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے تو اندر حجرہ شریفہ میں تشریف لے جاتے تھے تو حضرت ام المومنینؓ سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے اور حضورؐ سے براہِ راست کوئی مسئلہ نہیں پوچھا کرتے تھے، نہ ہی حضرت ام المومنینؓ نے کبھی ان سے کہا کہ آپؓ خود براہِ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں، حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عادت مبارکہ تھی کوئی شخص ان سے روایت دریافت کرنے آتا تو بجائے اپنے وہ خود اصل راوی کے پاس سائل کو بھیجتی تھیں۔ اس سے مقصود یہ بھی تھا کہ بیچ کے واسطے جس قدر کم ہو سکیں اور سند عالی ہو سکے، بہتر ہے۔
(دیکھیے: سیرت عائشہؓ از سید سلیمان ندویؒ صفحہ ۱۹۲)

تبصرہ جب آپؓ کی یہ عادت مبارکہ تھی تو براہِ راست آں حضرتؐ کی ذاتِ گرامی سے دریافت کرا دینا تو کوئی بعید امر نہ تھا۔ یہ بات فرض تو کی جا سکتی ہے، مگر اس کا وقوع اور ثبوت تمام ذخیرۂ احادیث بکھیر کر دیکھنے سے بھی نہیں ملتا۔

تبصرہ جب تک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات رہے، وحی کا سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ تیسرے پارہ کی آیت: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سات دن پہلے اتری تھی، اور آپؐ کی وفات کے بعد کوئی آیت نہیں اتری، قرآن پاک مکمل ہو گیا، وحی بند ہو گئی، اب نہ تو قرآن پاک میں تغیر تبدل ہو سکتا ہے، اور نہ ہی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اب اس کی تمام آیات محکمہ غیر محتمل النسخ ہیں۔ جب کہ مرزا قادیانی نے جہاد کی آیت کو منسوخ قرار

دیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی آیت کو صراحت کے ساتھ محکم فرمایا: فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ۔ (الآیة)

تنبیہ جو آیاتِ قرآنیہ متشابہات کے قبیل سے ہیں، جن کی مراد وضاحت طلب تھی۔ جب حضورؐ بقیدِ حیات تھے، صحابہؓ نے ان کا مطلب آپؐ سے دریافت کیا۔ آپؐ نے صاف صاف بتایا۔ کچھ چھپایا نہیں۔ اور اس کی مثالیں احادیث میں بکثرت ملتی ہیں۔ قال تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ نیز فرمایا: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔

تنبیہ بعض آیات متشابہات کے قبیل سے ہیں۔ اور آپؐ نے ان کی تشریح بھی نہیں فرمائی۔ تو ان پر اور ان کی حقیقت پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ ان کی مراد قیامت ہی کو منکشف ہو سکتی ہے۔ اور ان آیاتِ مبارکہ پر عمل کرنے کی یہی صورت ہے کہ ان کو بغیر مراد سمجھنے کے دل و جان سے حق سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آیات ہیں، اور بس۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ جس طرح وفاۃ النبیؐ سے پہلے آپؐ سے متشابہات کا مطلب حل کرا لیتے تھے، اب وفاۃ النبیؐ کے بعد بھی آپؐ کی قبرِ اطہر پر بیٹھ کر آپؐ سے مطلب حل کرا لیں۔ جس طرح کہ آج کل کئی مدعیان اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم آپؐ سے براہِ راست تمہاری ملاقات کرا دیتے ہیں۔ ہم تمہارا ہاتھ ڈائرکٹ حضورؐ کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں، اور ہم نے اپنے کئی عقدے اور لاینحل مسئلے حضورؐ سے براہِ راست حل کرائے ہیں۔

محدثین نے میت کا لفظ استعمال کیا

محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی حدیث کی کتابوں میں ان احادیث کا اخراج بھی کیا ہے جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق مستقل باب بھی منعقد کیے ہیں۔ چنانچہ:

۱ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں ۴ جگہ باب وفاۃ النبیؐ منعقد فرمایا۔ مثلاً:
(۱) کتاب الجہاد میں صفحہ ۴۳۳ پر باب نفقة النساء النبی بعد وفاته (۲) کتاب المناقب میں صفحہ ۵۰۱ باب وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) کتاب المغازی صفحہ ۶۳۲ پر باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته (۴) صفحہ ۶۳۱ پر باب وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲ مشکوٰۃ شریف میں باب الکرامات کے بعد صفحہ ۵۴۶ میں باب وفات النبیؐ ہے۔

۳ مسند داری صفحہ ۲۱ میں باب فی وفات النبی ﷺ ہے۔ اور صفحہ ۲۵ میں ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ ﷺ بعد موتہ ﷺ۔

۴ موطا امام مالک صفحہ ۱۷۷ پر ہے الدفن فی قبر واحد من ضرورۃ و انفاذ ابی بکر رضی اللہ عنہ عدۃ رسول اللہ ﷺ بعد وفاتہ ﷺ

۵ شیخ عبدالحقؒ نے بھی "مدارج النبوۃ" میں باب وفات النبیؐ قائم کیا ہے۔

۶ شمائل ترمذی (صفحہ ۳۰) میں ہے: باب ما جاء فی وفات رسول اللہ ﷺ

۷ اسی طرح الجامع الترمذی (صفحہ ۱۳۶) میں امام ترمذیؒ نے باب ما جاء فی الثوب الواحد یلقی تحت المیت فی القبر منعقد کر کے حدیث بیان فرمائی جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت شقرانؓ مولیٰ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے نیچے قبر میں چادر بچھا دی تھی۔

فقہاءِ امت نے میت کا لفظ استعمال کیا

۱ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا: مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

فائدہ اس عہد میں اعتزال کا زور تھا۔ اور ہمارے اکابر میں تمام اہلِ حق حنفی علماء نے اس زمانے میں معتزلیوں کے عقائدِ بد کی خوب زور شور سے تردید فرمائی۔ اور حضرت امام اعظمؒ کا یہ فرمانِ عالی شان بھی معتزلہ کے عقیدۂ بد کی تردید ہی سے متعلق ہے۔

① فرقہ معتزلہ کا بانی: عمرو بن عُبید ابن باب ابوعثمان بصری معتزلی زاہد و متکلم۔

② اسی طرح رئیس المعتزلہ واصل بن عطا اسی دور میں تھا۔

③ خلیفہ عبدالملک کا پوتا لوگوں کو قدریہ کے عقائد کی بڑے زور شور سے دعوت دیتا تھا۔ خلافت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں تھی وہ اپنی من مانی کرتا تھا۔

④ ابومحمد اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدی بھی اسی عہد کا ہے۔

⑤ قتادہ بن دعامہ قدری،

⑥ مقاتل بن سلیمان بن بشیر خراسانی مفسر،

⑦ ابو حمزہ ثمالی شیعہ زرارہ بن اعین بن سنسن شیبانی کوفی، شیعہ،
⑧ محمد بن سائب کلبی کوفی، سبائی،
⑨ ابو مخنف لوط بن یحییٰ بن مخنف بن سلیمان ازدی مورخ بھی اسی دور کا ہے۔ جس نے بڑی بڑی کتابیں اپنے رفض کی اشاعت میں لکھ ماریں۔ جن میں سے اس کی مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں: کتاب الردۃ، فتوح الشام، فتوح العراق، کتاب الجمل، کتاب الصفین، کتاب النہروان، کتاب الغارات، مقتل علی، مقتل عثمان، مقتل حسین، مختار بن عبید، کتاب الشوریٰ، وقعۃ الحرہ وغیرہ۔

اس کا دادا مخنف حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھا۔
⑩ اسی عہد میں برامکہ بھی تھے۔ جو دراصل مجوسی تھے۔ مسلمان بن کر وزارتِ عباسیہ کا قلمدان سنبھال لیا۔ اور طرح طرح کی لغویات اپنی وزارت کے بل بوتے پر اسلام میں داخل کر دیں۔
⑪ سیف بن عمرو زندیق اسی عہد میں تھا۔ جس نے حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رسولؐ پر طوفان باندھا۔

۲ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جماہیر امت محمدیہ کا یہ قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر اطہر میں حیاتِ مخصوص کے ساتھ حیات ہیں۔ باقی یہ کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے؟ یہ حضرت حق کو ہی معلوم ہے۔ وہ حیات حضورِ انور پر میت کے اطلاق کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ اور دوسری جگہ فرمایا: اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ. اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مجمع صحابہؓ کو خطاب کر کے فرمایا تھا: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ. (کفایت المفتی جلد ۱ صفحہ ۹۱)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات

تعداد ایام قیام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بعالمِ دنیوی

۸ یا ۹ ربیع الاول ۱ سنہ عام الفیل۔ ۱۸ اردی ۳۰ سنہ نوشیروانی،
یکم جیٹھ ۶۲۸ سنہ بکری شمسی، ۲۰ نیسان ۸۸۲ سنہ سکندری

۱۸؍ قوت سنہ ۱۳۱۹ بخت نصری، یکم جیٹھ سنہ ۳۶۷۲ کل جگ،
۱۹؍ اپریل سنہ ۵۲۸۴ جولین پیٹریڈ، ۱۰؍ ایار سنہ ۲۳۳۱ عبرانی و یہودی
۱۱؍ بہ شنس سنہ ۳۶۷۵ طوفان ۲۲؍ اپریل سنہ ۵۷۱ عیسوی
۲۵؍ برمودہ سنہ ۲۸۷ قبطی جدید ۲۰؍ ماہ ہفتم سنہ ۲۵۸۵ ابراہیمی بروز دوشنبہ صبح ہوئی۔
۴۰ سال عمر تھی تو نبوت ملی۔ ایام تبلیغ رسالت: ۸۱۵۶ روز۔
کل عمر ۶۳ سال۔ یعنی ۲۲۳۳۰ دن اور چھ گھنٹے ہوئی۔

وفات: ۱۲؍ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ بروز پیر۔ (دیکھیے: مفتاح القرآن از فخرالدین ملتانی)

تنبیہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وفاتُ النبیؐ کا عقیدہ مُعتزلیوں کا ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وفاۃ النبیؐ کا عقیدہ واقعی مُعتزلہ کا ہوتا تو خیرالقرون کے مجتہدین و محدثین ان کی تردید میں باب حیاتُ النبیؐ بھی ضرور ذکر کرتے اور اس امر کی تشریح کرتے کہ دفن کے بعد پھر سے انبیاءِ کرامؑ کی حقیقی حسی دنیوی جسمانی عنصری حیات حاصل ہو جاتی ہے مگر یہ مسئلہ اس وقت نہ تھا تین صدیاں گزرنے کے بعد متاخرین نے حیاۃ النبیؐ بعد الدفن کا مسئلہ چھیڑا ہے مگر اس میں بھی حیاۃ دنیوی جسمانی عنصری، حسی حقیقی کا ذکر نہیں بلکہ برزخی زندگی کا ذکر ہے جو سب کو مُسلّم ہے، ہزار سال سے پہلے یہ دعویٰ نہیں ملتا۔

حضرت علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلْاَنْبِیَآءُ عِنْدَ مَبْعَثِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ جُمْلَۃِ الْاَمْوَاتِ وَالْمَیِّتُ لَا یَکُوْنُ مُکَلَّفًا۔ یعنی حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت (ماسوا عیسیٰ علیہ السلام کے) تمام انبیاءؑ من جملہ اموات کے تھے۔ اور میت مکلّف نہیں ہوتا۔ (مواہب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۱)

خلاصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماسوا تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام پر اموات کا اطلاق شریعت کی رو سے ممنوع نہیں۔ سو جیسے انبیاءِ کرام علیہم السلام پر احیاء کا اطلاق درست ہے ایسے ہی اموات کا اطلاق بھی جائز ہے۔ البتہ حیثیات کا فرق ہے۔ اور وہ اس اعتبار سے کہ ماسوا عیسیٰ علیہ السلام کے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اس عالمِ دُنیا یعنی عالمِ فانی سے اِنتقال فرما گئے ہیں اور ان کے اجسادِ عنصری ناسوتی خاکی سے مبارک ارواح مُطہرہ مُعطّر پرواز کر گئی ہیں۔ ان پر میت کا

اطلاق جائز ہے۔ خصوصاً حضرت نبی کریم ﷺ پر بالفعل میت کا اطلاق ایسی پاکباز ہستیوں نے کیا ہے جو آپ ﷺ کے جاں نثار تھے۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ اموات کا سا معاملہ کیا کہ آپ ﷺ کو نہلایا، پھر آپ ﷺ کو تین سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا، اور متعارف قمیص، اور عمامہ آپ ﷺ کے زیب تن نہ کیا۔ پھر آپ ﷺ کے لیے شق اور لحد میں سے لحد کو ترجیح دی، جو آپ ﷺ کو پسند تھی۔ اور آپ ﷺ پر تیس ہزار صحابۂ کرام نے چار تکبیروں کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کی۔ البتہ جماعت نہیں کرائی گئی۔ کیونکہ جمعہ اور عیدین کی طرح جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں۔ اور اس اعتبار سے آپ ﷺ کی روح مبارک اپنے اس خاکی ناسوتی دنیاوی جسم سے نکل کر اپنے اعلیٰ اور بلند ترین مقام پر جو آپ ﷺ نے اپنی دنیوی زندگی ہی میں رہ کر خواب میں دیکھ کر اشتیاق ظاہر فرمایا تھا کہ مجھے اپنا گھر اندر سے دیکھنے دو، تو فرشتوں نے عرض کی ابھی آپ ﷺ نے کچھ مدت دُنیا میں رہنا ہے۔ پھر جب آپ ﷺ کی عالمِ دنیا میں رہنے کی مدت پوری ہو جائے گی تو آپ ﷺ کا یہی مکان تیار ہے۔ اب آپ ﷺ اپنے اسی مکان میں مقیم ہیں جو کھلی فضا میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہیں۔ کھانے پینے پہننے رہنے سہنے کی کوئی فکر نہیں۔ اور اسی کا نام حیاتِ برزخی ہے۔ جو سب سے اعلیٰ ہے۔

قصیدہ نونیہ میں مُعَطِّلہ کے واہیات عقیدہ کا رد

حضرت علامہ ابن قیم حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "قصیدۂ نونیہ" میں مُعطِّلہ کے اس واہیات اور موہوم عقیدۂ بد کا ردّ کتاب و سُنّت کے مصرح دلائل و حقائق و شواہد سے باحسن طریق بیان کرتے ہوئے فرمایا ؎

لَوْ كَانَ حَيًّا فِي الضَّرِيْحِ حَيَاتَهُ ... قَبْلَ الْمَمَاتِ بِغَيْرِ مَا فُرْقَانِ
مَا كَانَ تَحْتَ الْأَرْضِ بَلْ مَا فَوْقَهَا ... وَ اللّٰهِ هٰذَا سُنَّةُ الرَّحْمٰنِ
أَتَرَاهُ تَحْتَ الْأَرْضِ حَيًّا ثُمَّ لَا ... يُفْتِيْهِمْ بِشَرَائِعِ الْإِيْمَانِ
وَ يُرِيْحُ أُمَّتَهُ مِنَ الْآرَاءِ ... وَ الْخُلْفِ الْعَظِيْمِ وَ سَائِرِ الْبُهْتَانِ
أَمْ كَانَ حَيًّا عَاجِزًا عَنْ نُطْقِهِ ... وَ عَنِ الْجَوَابِ لِسَائِلِ اللَّهْفَانِ
وَ عَنِ الْحِرَاكِ فَمَا الْحَيَاةُ اللَّاتِ قَدْ ... أَثْبَتُّمُوْهَا أَوْضِحُوْا بِبَيَانِ

یعنی اگر نبی اکرم ﷺ قبر میں اسی طرح زندہ ہوتے جس طرح دنیا میں وفات سے

پہلے زندہ تھے، تو قبر کی بجائے زمین کے اوپر زندہ رہتے۔ کیونکہ اللہ رحمٰن کا طریقہ یہی ہے۔ ذرا اتنا سوچ اور خیال کر کہ اگر آپ ﷺ قبر شریف میں زندہ موجود ہیں تو پھر مسائلِ ایمان کے فتاوے کیوں نہیں دے رہے؟ امت آئے دن فتنوں اور اختلافات کا شکار ہے۔ مگر آپ ﷺ خاموش ہیں۔ کیا آپ ﷺ والعیاذ باللہ خاکم بدہن بولنے اور جواب دینے سے عاجز ہیں۔ اگر حس و حرکت نہیں تو پھر زندگی کے کیا معنی؟ سوچ سمجھ کر جواب دے۔ (آگے فرمایا:)

وَ لَقَدْ اَتَوْا يَوْمًا اِلَى الْعَبَّاسِ ۔۔۔ يَسْتَسْقُوْنَ مِنْ قَحْطٍ وَّ جَدْبِ زَمَانٍ
هٰذَا وَ بَيْنَهُمْ وَ نَبِيِّهِمْ ۔۔۔ عَرْضُ الْجِدَارِ وَ حُجْرَةُ النِّسْوَانِ
فَنَبِيُّهُمْ حَيٌّ وَ يَسْتَسْقُوْنَ غَيْرَ ۔۔۔ نَبِيِّهِمْ حَاشَا أُولِي الْإِيْمَانِ

یعنی قحط و خشک سالی سے مجبور صحابہؓ حضرت عباسؓ کے پاس استسقاء کے لیے آئے۔ حالانکہ تمہارے عقیدہ کے مطابق آپ ﷺ قبر شریف میں بذاتِ خود بہ نفسِ نفیس زندہ موجود تھے اور فرق اور فاصلہ بھی صرف حجرات کی دیوار ہی کا ہے۔ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز امر اور کیا ہو سکتا ہے کہ زندہ ہستی (نبی پاکؐ) کو چھوڑ کر ایک امتی سے استسقاء کی دعاء کرائی جا رہی ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ انتہائی مضحکہ خیز ہے اس لیے ابن قیمؒ ان معطلہ کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَ التُّرْبُ تَحْتَهُمْ وَ فَوْقَ رُءُوْسِهِمْ ۔۔۔ وَ عَنِ الشَّمَائِلِ ثُمَّ عَنْ اَيْمَانٍ
مِثْلَ الَّذِيْ قَدْ قُلْتُمُوْهُ مَعَاذَنَا ۔۔۔ بِاللّٰهِ مِنْ اِفْكٍ وَّ مِنْ بُهْتَانٍ
بَلْ عِنْدَ رَبِّهِمْ تَعَالٰى مِثْلَ مَا ۔۔۔ قَدْ قَالَ فِي الشُّهَدَآءِ فِي الْقُرْاٰنِ

یعنی جن کے نیچے بھی مٹی ہو اور ان کے سروں پر بھی اور دائیں اور بائیں بھی غرض مٹی میں محصور اور گھرے ہوئے بھی کوئی زندگی ہے۔ تمہارے اس افک اور بہتان سے خدا کی پناہ! حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ عند اللہ ویسے ہی زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی زندگی کا قرآن پاک میں اعلان فرمایا ہے۔

چونکہ یہ عقیدہ معطلہ اور ابن فورک کا عقل و نقل کے سراسر خلاف ہے۔ اس لیے حافظ ابن قیمؒ کو جوش آتا ہے اور انتہائی غصے سے فرماتے ہیں:

يَا قَوْمَنَا اسْتَحْيُوْا مِنَ الْعُقَلَاءِ ۔۔۔ وَ الْمَبْعُوْثِ بِالْقُرْاٰنِ وَ الرَّحْمٰنِ

وَ اللّٰهِ لَا قَدْرَ الرَّسُوْلِ عَرَفْتُمْ ۔۔۔ كَلَّا وَ لَا النَّفْسِ وَ الْاِنْسَانِ

مَنْ كَانَ هٰذَا الْقَدْرُ مَبْلَغَ عِلْمِهٖ ۔۔۔ فَلْيَسْتَتِرْ بِالْهَيْبَةِ وَ الْكِتْمَانِ

وَ لَقَدْ اَبَانَ اللّٰهُ اَنَّ رَسُوْلَهٗ ۔۔۔ حَيْثُ كَمَا قَدْ جَآءَ فِي الْقُرْاٰنِ

اے قوم! تمھیں اللہ تعالیٰ قرآن بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ دانش و عقل مندوں سے شرم آنی چاہیے۔ کیونکہ نہ ہی تم نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدر و مرتبہ کو پہچانا اور نہ ہی تم نے انسانیت کی قدر و عظمت اور نفس یا رُوح کی شان و کمال کو سمجھا۔ جو کوئی اس درجہ عقل و فہم سے محروم ہے تو اسے بالکل خاموش رہتے ہوئے وقت گزارنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بالکل واضح الفاظ میں اِنَّكَ مَيِّتٌ کا اعلان فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ظاہر فرمادی۔ مگر تم ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رٹ لگائے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے نیچے زندہ ہیں۔

فائدہ حضرت علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے قصیدہ نونیہ میں جس انداز سے مُغطلہ کی گت بنائی ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ جاہل اور نام نہاد رسمی مسلمانوں کے دیگر عقائدِ بد کی طرح حیات الانبیاء کے متعلق ان کے واہیات عقیدۂ بد کی تردید کرنے کو بھی اہلِ حق علماء کس قدر ضروری سمجھتے تھے۔

تنبیہ یاد رہے کہ صحابۂ کرام، سلف صالحین، ائمۂ اربعہ اہل السنۃ والجماعت، محدثین، مفسرین، شارحین، متکلمین، صوفیائے کرام میں سے کسی نے نہیں لکھا کہ:

❶ وفات یافتہ انبیاء کرام کے اجسادِ عنصری خاکی میں اب بھی روح موجود ہے۔ اور وہ دنیوی حیات کے ساتھ اپنے اپنے مدفن ہائے ارضی میں زندہ موجود ہیں۔

❷ اور نہ ہی کسی نے یہ کہا کہ: انبیاء کرام کی ارواحِ طیبہ اجسادِ خاکی سے نکل کر آناً فاناً پھر اجسادِ عنصریہ میں واپس لوٹ آتی ہے۔ اور پھر کبھی نہیں نکلتی۔

❸ اور نہ ہی کسی نے یہ کہا کہ: انبیاء کرام کی ارواح خاکی اجسادِ عنصریہ سے نکل کر کچھ دنوں کے بعد پھر واپس اپنے اجسادِ عنصریہ میں واپس لوٹ آتی ہے۔ اور پھر قیامت تک کبھی نہیں نکلتی۔

❹ اور نہ ہی کسی نے یہ کہا کہ: انبیاء کرام کی ارواحِ طیبہ ان کے اجسادِ عنصری خاکی سے نکل

ہی نہیں۔ بلکہ اندر ہی اندر سمٹ گئیں۔

۵ اور نہ کسی نے یہ لکھا کہ: موت کے معنے رفع الحیات یا سلب الحیات نہیں بلکہ موت کے معنے ستر الحیات ہیں۔

فائدہ حضرت نانوتویؒ کے مسلک سے متعلق بحث آئندہ اوراق میں حیات الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ نمبر ۱ کے تحت المُنتَقِد کی عبارت سے پیدا ہونے والے ایک شبہ کے جواب میں تفصیل کے ساتھ آرہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تنبیہ جس طرح زندگی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اسی طرح موت بھی عطائے الٰہی ہے۔ جس سے انسان کی رُوح مرتی نہیں بلکہ جسدِ عنصری سے جدا ہوکر اپنے اعمال کے مطابق دوسرے موہوب جسمِ مثالی میں منتقل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ:

موت کے معنی ہیں: بدنِ عنصری سے رُوح کا نکل جانا اور اس سے جدا ہو جانا۔ چنانچہ:

۱ حضرت امام راغب اصفہانیؒ نے آیت "کل نفس ذائقۃ الموت" میں موت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا: وقولہٗ "کل نفس ذائقۃ الموت" فعبارۃ عن زوال القوۃ الحیوانیۃ وابانۃ الروح عن الجسد۔ یعنی موت، قوتِ حیات کے زائل ہو جانے اور روح کے بدن سے جدا ہو جانے کا نام ہے۔ (مفردات صفحہ ۴۹۴)

۲ محمد بن علی بن حزمؒ (متوفی ۴۹۶ھ) نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے کہ: "روح کے جسمِ عنصری سے جدا ہوجانے کا نام موت ہے"۔ (عصمتِ انبیاءؑ صفحہ ۹۷)

۳ امام رازیؒ فرماتے ہیں: الاماتۃ ھی اعدام الحیاۃ۔ (تفسیر رازی جلد ۶ صفحہ ۲۷۶)

۴ نظامی شرح حسامی میں ہے: الموت ھو مفارقۃ الروح عن البدن وانتقالہ من دار الی دار۔ (نظامی شرح حسامی صفحہ ۱۵۶)

۵ حضرت علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ موت دراصل ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے۔

۶ حضرت مولانا سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "موت یہ ہے کہ روح کا بدن سے انقطاع ہوجائے"۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن جلد ۲۹ صفحہ ۲)

۷ شیخ زادہؒ نے حاشیہ بیضاوی میں تحریر فرمایا کہ: موت کے وقت روح کا تعلق بدن کے ظاہر اور باطن، ہر دو سے کٹ جاتا ہے۔

۸ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے فرمایا: "موت عدم و فنا کا نام نہیں بلکہ جسم سے روح کی مفارقت اور جدائی کا نام ہے موت"۔ (اصول الاسلام صفحہ ۱۰۳)

۹ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: موت کے وقت ظاہر اور باطن بدن سے تعلق اس طرح منقطع ہو جاتا ہے کہ اس میں تصرف نہیں کرتا فی وقت الموت ینقطع تعلقہ عن ظاہر ہذا البدن و باطنہ حیث لا یتصرف۔ (فتح العزیز صفحہ ۵۵۹)

۱۰ نیز آپؒ نے تفسیر عزیزی جلد ا صفحہ ۶۰ میں فرمایا: "و موت رجوع انسانی بنیۂ انسانی بسوئے اصل خود است کہ خاک است"۔ یعنی "موت رجوع ہونا اصل انسانی کا اپنی اصل کی طرف ہے کہ خاک ہے"۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

❶ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ۔ ❷ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ۔

❸ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ۔

۱۱ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: الموت انقطاع تعلق الروح بالبدن و مفارقۃ و حیلولۃ بینہما۔ (شرح الصدور صفحہ ۵ کتاب بشری الکئیب صفحہ ۱۵، ۱۶)

۱۲ نیز آپؒ نے فرمایا: المراد بفناء الارواح ذہابہا من الاجساد والروح توصف بالوفاۃ والقبض والامساک والارسال۔ (کتاب الروح صفحہ ۲۳۶)

۱۳ تفسیر خازن میں ہے: الموت زوال القوۃ الحیوانیۃ و ابانۃ الروح عن الجسد (خازن جلد ۳ صفحہ ۲۸۹)

۱۴ عنایہ میں ہے: الموت زوال الحیوۃ عما من شانہ ____ (عنایہ صفحہ ۹۷)

۱۵ روح المعانی میں ہے: الصواب ان یقال موت الروح ہی المفارقۃ عن الجسد۔ (روح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۱۳۰)

۱۶ علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: و توفیہا فی حالۃ الموت بخلق الموت و ازالۃ الحس بالکلیۃ۔ (قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۲۶۱ نیز الفروق اللغویہ میں بھی اسی طرح ہے)

۱۷ نیز آپؒ فرماتے ہیں: واجل الموت ھو الوقت الذی فی معلومہ سبحانہ ان روح الحی تفارق جسدہ۔ یعنی اجل موت اس وقت کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق جان دار کی روح اس کے بدن سے جدا ہوگی۔ (تفسیر قرطبی جلد ۳ صفحہ ۲۲۶)

فائدہ موت عدم نہیں' بلکہ وجودی چیز ہے۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ اس کی دلیل ہے۔

۱۸ مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: موت انسانی کیا ہے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہونا۔ (حاشیہ مظہری جلد ۱۲ صفحہ ۳۴۴ حاشیہ ۱)

۱۹ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: موت روح آنکہ بعد از مفارقت از بدن از ترقی باز ماند و در مقابلہ ہمیں آمدہ: اَلْاَنْبِیَآءُ اَحْیَآءٌ۔ (مشکلات القرآن صفحہ ۴۳)

۲۰ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: قال العلماء الموت لیس بعدم محض و لا فناء صرف وانما ھو انقطاع تعلق الروح بالبدن ومفارقۃ وحیلولۃ بینھما وتبدل حال و انتقال من دار الی دار۔ یعنی علماء نے کہا ہے کہ موت عدم محض اور فناء صرف کا نام نہیں' بلکہ موت بدن سے روح کا تعلق منقطع ہوجانے' ارواح اور بدن میں جدائی اور پردہ حائل ہو جانے اور ایک دار (عالمِ دنیا) سے دوسرے دار (عالمِ برزخ) کی طرف منتقل ہونے سے عبارت ہے۔ (شرح الصدور صفحہ ۵ وبشری الکئیب صفحہ ۱۲-۱۵)

۲۱ علامہ سید محمود آلوسیؒ رقمطراز ہیں: الاماتۃ بمعنی اخراج الروح و سلب الحیاۃ۔ یعنی اماتت کے معنی ہیں روح کا نکال لینا اور زندگی کا سلب کرلینا۔ (روح جلد ۳ صفحہ ۲۱)

فائدہ موت کی یہ کیفیت مذکورہ بالا مفہوم کے ساتھ سب کے لیے یکساں ہے۔ اور تمام بنی آدم' انبیاء علیہم السلام ہوں یا شہداءؒ اور دیگر عامۃ المسلمین پر موت اخراجِ روح از بدن اور ابانتِ روح از جسد یعنی جسدِ عنصری سے روح کے جدا کردینے کے طریق پر ہی وارد ہوتی ہے۔ البتہ اعزاز و اکرام اور تحقیر و تذلیل کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام' شہداءؒ اور دیگر مومنینؒ سے قبضِ روح کا معاملہ علیٰ حسب المراتب اعزاز و اکرام سے کیا جاتا ہے۔ اور کفار و مشرکین سے تذلیل و اہانت کے ساتھ۔

موت مومن کے لیے تحفہ ہے

حدیث سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ" کہ موت مومن کا تحفہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۳۰ و احکام میت صفحہ ۲۶، از حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ خلیفۂ مجاز حضرت تھانویؒ)

تشریح حضرت علامہ طیبیؒ نے اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ موت مومن کے لیے تحفہ اس طرح ہے کہ یہ سعادت کبریٰ تک پہنچنے کا ذریعہ اور بلند درجے پانے کا وسیلہ ہے۔ اور یہ موت ان اسباب میں سے ہے جو انسان کو ہمیشگی کی نعمتوں تک پہنچا دیتا ہے۔ دراصل ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے کا نام موت ہے۔

انبیاءؑ کی موت امت کے لیے باعث رحمت ہے

حدیث سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اِنَّ اللّٰهَ اِذَآ اَرَادَ رَحْمَةَ اُمَّةٍ مِّنْ عِبَادِهٖ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا وَ جَعَلَهٗ لَهَا فَرَطًا وَّ سَلَفًا بَيْنَ يَدَيْهَا۔ کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس امت سے پہلے اس کے نبی کی روح کو قبض فرما لیتے ہیں۔ پھر اس نبی کو اس امت کے آگے آگے میر منزل اور پیش رو بناتے ہیں۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۰)

تنبیہ شہداء کے بارے میں تو احادیث صحیحہ میں واضح طور پر آیا ہے کہ ان کی روحیں ان کے ابدان عنصریہ سے نکال کر مثالی قالبوں میں داخل کر دی جاتی ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ بھی ان کے ابدان ظاہرہ سے نکال کر جدا کر لی جاتی ہیں۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ اور دستور متعارف کے مطابق اسی طرح واقع ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح طیبہ وطاہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے نکالی گئی۔ جیسا کہ:

حدیث ارشاد نبویؐ ہے: اِنَّ جَمِيْعَ الْاَنْبِيَآءِ قَبَضَ اَرْوَاحَهُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ وَ هُوَ الَّذِيْ سَيَقْبِضُ رُوْحِيْ۔ یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی روحیں ملک الموت نے قبض کیں اور وہی عنقریب میری روح کو بھی قبض کرے گا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۲۷۶)

حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: فَقَبَضَهُ اللّٰهُ وَ اِنَّ رَأْسَهٗ

بَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي. یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح قبض فرمائی اس وقت آپؐ کا سر مبارک میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ)

فائدہ اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: فِي رِوَايَةِ هَمَّامٍ عَنْ هِشَامٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ عِنْدَ أَحْمَدَ نَحْوَهُ وَزَادَ فَلَمَّا خَرَجَتْ نَفْسُهُ لَمْ أَجِدْ رِيحًا قَطُّ أَطْيَبَ مِنْهَا۔ یعنی اس روایت کو امام احمدؒ نے بھی اس اسناد کے ساتھ ہشام سے بواسطہ ہمام روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) جب آپ ﷺ کی روح مبارک (بدن سے) نکلی تو ایسی خوشبو آئی کہ میں نے اس سے عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔ یہ خوشبو آپ ﷺ کی روح طیبہ کی تھی۔ (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۰۲)

حدیث سیدنا ابوبردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كِسَاءً وَإِزَارًا غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوحُ النَّبِيِّ ﷺ فِي هٰذَيْنِ. کہ حضرت عائشہؓ نے ایک چادر اور ایک موٹا تہبند دکھایا اور کہا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی روح طیبہ ان دو کپڑوں میں قبض ہوئی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۶۵)

فائدہ حضرت امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند احمد کے حوالہ سے نقل فرمایا: فَلَمَّا خَرَجَتْ نَفْسُهُ لَمْ أَجِدْ رِيحًا قَطُّ أَطْيَبَ مِنْهَا۔ یعنی آپ کی روح مبارک جسدِ اطہر سے خارج ہوئی تو ایسی پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی کہ اس جیسی پاکیزہ خوشبو عمر بھر میں کبھی میں نے نہیں پائی۔ (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۱۸)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ:

اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ موت ایک طبعی امر ہے' جو تتمہ و تکملہ ہے حیات کا' اسے نیکوکاری اور بدکاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہ انسان کے لیے بطورِ سزا کے مقرر ہوئی ہے۔ چنانچہ:

قرآن اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (۲۱:۳۴) اور ہم نے آپ سے قبل بھی کسی بشر کو ہمیشگی کے لیے نہیں بنایا تھا۔ نیز:

قرآن ارشادِ باری تعالیٰ ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (۳:۱۸۵ و ۲۱:۳۵ و ۲۹:۵۷) کہ

"ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے"۔ خواہ وہ نیک ہو یا بد۔

فائدہ اس آیت کریمہ میں یہودیوں اور مسیحیوں کے عقیدۂ بد کا رد کیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ موت گناہ کی سزا یا نتیجہ کا نام ہے۔ چنانچہ:

موت کے متعلق یہود و نصاریٰ کا عقیدہ

۱ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہود کا عقیدہ ہے کہ "موت نتیجہ ہوتی ہے شخصی گناہ کا"۔ (دیکھیے تفسیر ماجدی صفحہ ۱۴۰ حاشیہ ۳۸۶)

۲ یہودیوں کا عقیدہ ہے: مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَاَنَّمَا بِاِنْسَانٍ وَّاحِدٍ دَخَلَتِ الْخَطِيْئَةُ اِلَى الْعَالَمِ وَبِالْخَطِيْئَةِ الْمَوْتُ وَهٰكَذَا اِجْتَازَ الْمَوْتُ اِلٰى جَمِيْعِ النَّاسِ اِذْ اَخْطَاَ الْجَمِيْعُ۔ کہ "ایک آدمی کے سبب گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور موت سب آدمیوں میں پھیل گئی"۔ (رومیوں ۵:۱۲)

۳ نیز یہودیوں کا عقیدہ ہے: لِاَنَّ نِهَايَةَ تِلْكَ الْاُمُوْرِ هِيَ الْمَوْتُ۔ کیونکہ ان کاموں یعنی گناہوں کا انجام موت ہے۔ (رومیوں ۶:۲۳)

۴ نیز نصاریٰ کا عقیدہ ہے: ثُمَّ الشَّهْوَةُ اِذَا حَبِلَتْ تَلِدُ خَطِيْئَةً وَالْخَطِيْئَةُ اِذَا كَمَلَتْ تُنْتِجُ مَوْتًا۔ خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے۔ (یعقوب ۱:۱۵)

خلاصہ یہ کہ اہلِ کتاب یہودی ہوں یا نصرانی، ان کا عقیدہ ہے کہ موت گناہوں کے نتیجہ میں آتی ہے۔ اور گناہوں سے پاک و معصوم ہستیوں پر موت کبھی نہیں آتی۔ اگر آتی بھی ہے تو فقط وعدۂ الٰہی کی تکمیل کے لیے محض ایک آن کو ان پر موت آتی ہے، اور اس کے بعد فوراً بدستور زندہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کہیں تو موت کے بعد تیسرے دن دوبارہ مردوں میں سے جی اٹھنے، اور کہیں چالیس دن تک، اور کہیں دفن کے فوراً بعد قبر میں دوبارہ زندہ ہو جانے کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اور بعض وہ بھی ہیں جو سرے سے موت کو مرتبۂ نبوت ہی کے منافی سمجھتے تھے۔ اسی طرح بعض مذاہب ایسے بھی ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ کامل اولیاء اور انبیاء زندۂ جاوید ہوتے ہیں۔ ان پر موت نہیں آسکتی۔ یا یہ کہ وہ امر اور لافانی ہو گئے۔ چنانچہ:

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں یہود و نصاریٰ کا عقیدہ

١ زبور میں ہے: اَحْیَیْتَنِیْ مِنْ بَیْنِ الْھَابِطِیْنَ فِی الْجُبِّ. کہ تو نے مجھے زندہ رکھا ہے کہ گور میں نہ جاؤں۔ (زبور ۳۰:۳)

٢ نیز بائبل میں ہے: حِیْنَئِذٍ اجْتَمَعَ ھٰؤُلَآءِ الْوُزَرَآءُ وَالْمَرَازِبَۃُ عِنْدَ الْمَلِكِ وَ قَالُوْا لَہٗ ھٰکَذَا اَیُّھَا الْمَلِكُ دَارِیُوْسَ عِشْ اِلَی الْاَبَدِ. پس یہ وزیر اور ناظم بادشاہ کے حضور جمع ہوئے اور اُس سے یوں کہنے لگے کہ اے دارا بادشاہ ابد تک جیتا رہ۔ (دانی ایل ٦:٦)

٣ نیز بائبل میں ہے: فَتَکَلَّمَ دَانِیَالُ مَعَ الْمَلِكِ یَا اَیُّھَا الْمَلِكُ عِشْ اِلَی الْاَبَدِ. تب دانی ایل نے بادشاہ سے کہا اے بادشاہ ابد تک زندہ رہ۔ (دانی ایل ٦:٢١)

فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کو محض مُردہ سمجھنے والے یہودی بھی اپنے دل میں لافانی اور ابدی حیات کی تمنا رکھتے تھے۔

٤ نصاریٰ کا عقیدہ ہے: نِعْمَۃُ اللّٰہِ النِّعْمَۃُ بِالْحَیٰوۃِ الْاَبَدِیَّۃِ بِیَسُوْعَ الْمَسِیْحِ رَبِّنَا. خدا کی بخشش و نعمت ہمارے خداوند مسیح یسوع میں ہمیشہ کی زندگی ہے۔ (رومیوں ٦:٢٣)

٥ نیز نصاریٰ کا عقیدہ ہے: اِذْ اَعْطَیْتَہٗ سُلْطَانًا عَلٰی کُلِّ جَسَدٍ لِیُعْطِیَ حَیٰوۃً اَبَدِیَّۃً لِکُلِّ مَنْ اَعْطَیْتَہٗ. کہ تو نے اسے ہر بشر پر اختیار دیا ہے تاکہ جنہیں تو نے اسے بخشا ہے اُن سب کو وہ ہمیشہ کی زندگی دے۔ (یوحنا ١٧:٢)

٦ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذمے ایک الزام لگاتے ہوئے یوحنا نے اپنے صحیفے میں لکھا ہے کہ: یسوع نے کہا: ـــــ اَرْسَلَنِی الْاَبُ الْحَیُّ وَاَنَا حَیٌّ بِالْاَبِ. "زندہ باپ نے مجھے بھیجا اور باپ کے سبب سے زندہ ہوں"۔ (یوحنا ٦:٥٧)

٧ نیز نصاریٰ کا عقیدہ ہے: اَنَّ الْمَسِیْحَ یَبْقٰی اِلَی الْاَبَدِ. کہ "مسیح ابد تک باقی رہے گا"۔ (یوحنا ١٢:٣٤)

٨ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ: قَدِ انْتَقَلَ مِنَ الْمَوْتِ اِلَی الْحَیٰوۃِ. وہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہو گیا۔ (یوحنا ٥:٢٤)

فائدہ یاد رہے کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے سولی پر چڑھا کر موت کے منھ میں دھکیل دیا، پھر ان کے جسدِ خاکی کو دفن بھی کر دیا گیا، لیکن وہ تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھے اور کچھ مدت کے بعد آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ جب کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ ہے کہ آپؑ طبعی موت مرے۔ لیکن قرآن مجید اور احادیث متواترہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو آپؑ کو قتل کیا گیا اور نہ سولی چڑھایا گیا، بلکہ آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے جیتا جاگتا آسمانوں پر اٹھا لیا۔ اور قربِ قیامت میں آپؑ کا نزول ہوگا۔

نوٹ اس کی مکمل بحث "القول الاتم فی حیاتِ عیسیٰ ابن مریمؑ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

۹ نیز یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اس قول کی نسبت کی: اَلْحَقَّ الْحَقَّ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنْ کَانَ اَحَدٌ یَحْفَظُ کَلَامِیْ فَلَنْ یَرَی الْمَوْتَ اِلَی الْاَبَدِ. کہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرے کلام پر عمل کرے گا تو ابد تک کبھی موت کو نہ دیکھے گا۔ (یوحنا ۸:۵۱)

فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں اُخروی ابدی زندگی کے متعلق جنت کی خوشخبری دی گئی تھی۔ لیکن مادہ پرست نام نہاد نصاریٰ نے فنکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے شمار مقامات پر آخرت کا ذکر ختم کر دیا۔ تاکہ آخرت کی جزا و سزا کا تصور ہی بے معنی سا معلوم ہونے لگے۔

تنبیہ یہودیوں کی عادت تھی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وعظ کے دوران انھیں ٹوک دیتے اور کبھی اوٹ پٹانگ سوال کرتے بلکہ گستاخانہ تمسخر بھی کرتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معصوم زبانِ مبارک سے ادا ہونے والے پاکیزہ کلامِ الٰہی میں لفظی و معنوی تحریف کر کے انھیں کے سامنے کلامِ الٰہی کے مفہوم کا مخالف مطلب بیان کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ انھیں زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچائی جاسکے۔ جیسا کہ:

۱۰ یوحنا نے اپنے صحیفہ میں بیان کیا: فَقَالَ لَہُ الْیَھُوْدُ اَلْاٰنَ عَلِمْنَا اَنَّ بِکَ شَیْطَانًا قَدْمَاتَ اِبْرٰھِیْمُ وَالْاَنْبِیَآءُ وَاَنْتَ تَقُوْلُ اِنْ کَانَ اَحَدٌ یَحْفَظُ کَلَامِیْ فَلَنْ یَذُوْقَ الْمَوْتَ اِلَی الْاَبَدِ. یعنی یہودیوں نے اس سے کہا کہ اب ہم نے جان لیا کہ تجھ میں بدروح ہے۔ ابراہام مر گیا، اور نبی مر گئے، مگر تو کہتا ہے کہ اگر کوئی میرے کلام پر عمل کرے گا تو ابد تک طبعی موت کا مزہ نہ چکھے گا۔ (یوحنا ۸:۵۲)

فائدہ دیکھیے یہودیوں نے کس قدر گستاخانہ انداز میں (نعوذ باللہ) "آنَ بِلَكَ شَيْطَانًا" کے صریح کفریہ الفاظ استعمال کیے۔ اور اردو مترجمین نے اس کا ترجمہ "بدروح" لکھ دیا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں فَلَنْ يَرىٰ الْمَوْتَ اِلَى الْاَبَدِ۔ کے الفاظ لکھے گئے ہیں، جب کہ ان یہودیوں نے تحریف کرتے ہوئے فَلَنْ يَذُوْقَ الْمَوْتَ اِلَى الْاَبَدِ۔ کہا۔ اور اردو مترجمین نے "طبعی" کے لفظ کا اضافہ کر دیا۔ تاکہ ہر مرنے والے کی موت کو غیر طبعی قرار دے کر اسے گناہ گار ثابت کیا جاسکے۔ اگرچہ اس نظریہ سے انبیاء کی عصمت مجروح ہوتی ہو۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)

تبصرہ انجیل یوحنا کی اس آیت سے یہودیوں کا مذہب معلوم ہو گیا کہ وہ ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم اور دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو مردہ سمجھتے تھے۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ "موت نتیجہ ہوتی ہے شخصی گناہ کا"۔ حالانکہ:

قرآن اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ۔ (۳۸:۴۷) اور وہ پیغمبر ہمارے یہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔ یعنی منتخب لوگوں میں سے سب بڑھ کر ہیں۔ جب کہ گناہ گار آدمی اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ نہیں ہوسکتا۔ نیز:

قرآن وَاجْتَبَيْنٰهُمْ (۶:۸۷) یعنی ہم نے ان کو مقبول بنایا۔ جب کہ گناہ گار اللہ تعالیٰ کا مقبول نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۰:۱۷) کہ گناہ گار کامیاب نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ گناہ گار اچھے لوگوں میں سے نہیں ہوسکتا۔ اور نہ وہ سیدھی راہ پر ہوسکتا ہے۔ نیز:

قرآن ارشاد باری ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ (۶:۹۰) کہ یہ ہستیاں وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سیدھی راہ پر لگائے رکھا۔ بہرحال تمام انبیاء کرام علیہم السلام معصوم اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ دُنیا میں اپنی طبعی زندگی پوری کر کے وفات پاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس دارِ دُنیا سے انتقال فرما کر دارِ برزخ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ گئے، وہ جنت کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں

میں آرام سے رہتے ہیں۔ ان کے روحانی اجساد مبارکہ و مطہرہ کستوری اور کافور جیسے خوشبودار ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اسکے حالات سے انھیں آگاہ بھی فرمادیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ ان کے اجسادِ دُنیویہ عنصریہ اپنی اپنی قبور میں معجزۃً بطور خرقِ عادت کے صحیح سالم اور تر و تازہ محفوظ ہیں۔ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ۔ جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔

ہندؤوں کا عقیدہ

١ ہندوؤں کے نزدیک ایک بزرگ شخصیت جن کا نام "سری کرشن" ہے۔ یہ بزرگ متھرا میں پیدا ہوئے۔ ان کے بارے میں ہندوؤں کے مختلف نظریات ہیں، مثلاً:

① بعض تو کہتے ہیں کہ وہ تمام فسربیوں کا سردار تھا۔ لیکن:

② بعض کہتے ہیں کہ وہ پیغمبر تھا۔ بلکہ:

③ بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کا اوتار تھا' وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اور

④ بعض کہتے ہیں کہ راجا سری کرشن ١٢٥ سال کی عمر میں دریودھن کی ماں رانی گندھاری کی بددعا سے مرگیا تھا۔ اس کے برعکس:

⑤ بعض کہتے ہیں کہ راجہ سری کرشن پیغمبر تھے' اور وہ زندہ ہیں۔ لیکن روپوش ہوگئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

٢ اسی طرح "بیاس" کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بیاس بڑا پاکیزہ فطرت اور عارف کامل شخص تھا اور وہ زندۂ جاوید ہے۔

مشرکین عرب کا عقیدہ

١ حضرت مولانا سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہُبل کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک آدمی تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا پھر وقت مقدر پر اس کو موت دے دی۔ مشرکوں نے ایک پتھر تراش کرکے رکھا' اور کہا کہ یہ ہمارا ہُبل ہے۔ اور اپنے زعم میں کہا کہ اے ہُبل تم اس پتھر میں آجاؤ۔ اور دعویٰ کرلیا کہ وہ آگیا۔ اور دعویٰ کیا کہ اس میں یہ قدرت ہے کہ ہم کو بیٹا' رزق اور صحت وغیرہ دیتا ہے۔ اور اگر کوئی اہم کام ہو تو خدا کو

اطلاع کرتا ہے اور وہاں سے مدد لے کر دلواتا ہے۔ (مواہب الرحمٰن پارہ ۳۰ صفحہ ۷۸۹)

۲ نیز آپ نے فرمایا کہ: مشرکین درحقیقت اس پتھر یا صلیب کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس چیز میں فلاں میت کی روح سما گئی۔ جیسا کہ اس زمانے میں تعزیہ والے۔ جب تک وہ ٹھاٹھ بنانے والے کی دکان پر ہے تب تک بے قدر ہے۔ اور جب اس کو خریدا تو اس وقت سے اپنا تصور جمالیا اور اس کو ادب سے سلام کیا اور تاشے باجے کے ساتھ لے چلے۔ اور یہ سب ان لوگوں کے خیالات ہیں اور جن لوگوں کا نام لیتے ہیں کہ وہ اس میں آ گئے یا اس سے تعلق حاصل ہو گیا۔ وہ لوگ بالکل بری ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ محل قدس یعنی آسمان دوم یا جنت میں ہیں' اور نادانوں کے کہنے سے وہ اس چیز میں نہیں آتے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی جانب سے ہدایت کرتا ہے۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ ۳۰ صفحہ ۷۹۰)

۳ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنداً روایت کیا ہے کہ لات ایک (بزرگ) شخص تھا جو حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔ قریش اس کے نام کی قسم کھالیتے تو اسے ہر حال میں پورا کرتے تھے۔

۴ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ' مجاہدؒ اور ربیع بن انسؒ سے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ "لات بابا" مرگیا تو اس کی قبر پر چڑھاوے چڑھائے جانے لگے۔ رفتہ رفتہ اس کی صورت کاٹ بنا کر یہ تصور قائم کر لیا گیا کہ لات بابا کی رُوح پتھر کی اِس مورتی میں حلول کر گئی ہے۔

مشرکین بابل کا عقیدہ

بابل و نینوا سے تعلق رکھنے والی آریائی نسل کی قومیں پانچ ہزار سال سے نمرود کی انتظار میں ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ابھی مرا نہیں۔ بلکہ وہ جس طرح غائب ہوا' اسی طرح ایک نہ ایک دن خاموشی سے واپس آ جائے گا۔ اور پھر اسی طرح امن وامان اور عیش و مسرت کا دور دورا لے آئے گا" جیسے اس کے عہد حکومت میں تھا۔ (ارمغان عجم صفحہ ۹۰ تا ۹۴ بحوالہ پلین ٹروتھ' فروری ۱۹۶۶ء)

تنبیہ جس طرح ان غیر مسلموں کا انبیاء و دیگر کاملین کے متعلق عقیدہ ہے جو خود کو مسلمان

کہلانا کسی طرح بھی پسند نہیں کرتے، اسی طرح خود کو مُسلمان کہلانے والے غیر مُسلم بھی انبیاءؑ اور دیگر کاملین کے مُتعلق یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب کہ یہ عقیدۂ بد شرک کی بنیاد ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح مشرکین مکہ نے بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے ہوئے کہا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا۔ کسی فرشتہ کو نبی ہونا چاہیے تھا، اسی طرح حیاتُ الانبیاءؑ کے مُتعلق یہود و نصاریٰ کے عقائدِ بد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف وفاتُ النبیؐ کے اس سانحۂ عظیمہ کے موقع پر بلکہ جنگِ اُحد کے موقع پر بھی منافقین نے موت کو مرتبۂ نبوت کے منافی قرار دیا۔ اور روافض کے بعض فرقوں نے وفاتِ ائمہ کے ساتھ ساتھ وفاتُ النبیؐ کا بھی انکار کیا۔ کرامیہ نے کہا کہ جب نبی فوت ہوجائے تو وہ صفتِ نبوت سے متصف نہیں رہتا، اور اس کی نبوت زائل ہوجاتی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں مُعطلہ اور ابن فورک مُبتدع کا عقیدہ تھا کہ نبی مرا ہی نہیں کرتے اور وہ زیرِ زمین حقیقی طور پر دُنیوی حسی عنصری حقیقی حیات کے ساتھ زندۂ جاوید ہوتے ہیں۔ اور شوافع میں سے علامہ سُبکیؒ، امام بیہقیؒ اور علامہ سیوطیؒ نے اس عقیدہ کا ذکر کیا ہے۔ اور ہندوستان میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ صرف انبیاءِ کرامؑ کے مُتعلق یہی عقیدہ اختیار کیا بلکہ اولیاءِ کرامؒ کے مُتعلق بھی اسی قسم کے عقائدِ بد کا اظہار کیا۔ ہندوستان کے شیعیت زدہ رسمی مُسلمانوں کے سامنے اسی مسئلہ کی آڑ میں خود کو عاشقِ رسولؐ ثابت کرکے اپنی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ اور ہند و پاک کے بہت سے توہم پرست جاہل عوام کو مُرتد کیا۔ اور مرزا قادیانی کے بعد احمد رضاخان بریلوی نے بھی اسی عقیدۂ بد کی تشہیر شروع کردی۔ حتیٰ کہ اہلِ حق علماء خصوصًا حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ پر الزام لگایا کہ: "وہ حیاتُ النبیؐ کے مُنکر ہیں"۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اس کا مسکت جواب تحریر فرمایا ہے۔ جو قبل ازیں نقل کیا جاچکا ہے۔ احمد رضاخان نے حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ پر اتہامات لگائے۔ اور ان پر تبرّا کیا، بلکہ غیر متناہیہ وجوہ سے کفر لازم کیا۔ اور ان کا کفر اجماعی قطعی قرار دے کر فقہاءِ کرام کا فتویٰ تکفیر چھاپ دیا ـــ (اسی طرح) حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحبؒ و حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحبؒ قدس سرہم اور حضرت مولانا مولوی خلیل احمد صاحبؒ اور حضرت

مولانا مولوی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کا نام لے کر قطعی تکفیر کی۔ اور یہ کہا کہ جو ان کے کافر کہنے میں تردد و تأمل اور شک کرے وہ بھی قطعی کافر ہے۔ (دیکھئے تمہید المہند)

ہمارے اکابر علمائے دیوبند اور ان کے مشایخ خصوصاً

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ	مولانا شاہ ولی اللہؒ
مولانا شاہ عبدالعزیزؒ	مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ
قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ	مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ	مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ
مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ	مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ
مرشدی مولانا حسین علی الواںؒ	مولانا محمد ابراہیم دہلویؒ
علامہ سید سلیمان ندویؒ	مولانا سید عبدالدائم جلالیؒ
مولانا محمد حسن سنبھلیؒ	مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادیؒ
مولانا نواب قطب الدینؒ	مولانا عزیز الرحمن مراد آبادیؒ
مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ
مولانا عبدالحق حقانیؒ	مولانا نجم الغنی رامپوریؒ
مولانا محمد طاہر قاسمیؒ	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
مولانا حبیب احمد کیرانویؒ	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ	مولانا اسدالرحمن قدسیؒ
مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	مولانا محمد منظور نعمانیؒ

اور اسی طرح دیگر متعدد علماء حق نے قلمی جہاد میں روافض، معتزلہ اور معطلہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی اور احمد رضا خان بریلوی اور ان کے متبعین کے عقائد بد کا قرآن و سنت کے مضبوط دلائل سے رد فرمایا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں عقیدہ ①

متنبی پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی نے بڑے دعویٰ کے ساتھ حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے زمین پر زندگی ثابت کرنے کی کوشش کی اور پھر چیلنج کرتے ہوئے لکھا کہ:

❶ "اب ہمیں کوئی جواب دے کہ: روئے زمین پر یہ زندگی کس نبی کے لیے بجز ہمارے نبی ﷺ کے ثابت ہے"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۰۵)

فائدہ اس حصر ("بجز ہمارے نبی") سے معلوم ہوا کہ معاذ اللہ دوسرے انبیاء عالم برزخ میں بھی زندہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا چیلنج کے بعد ایک ایک پیغمبر کا نام لے کر بلکہ ہندوؤں کے رشیوں اور رشیوں کے نام لے لے کر کہا کہ:

① "روئے زمین پر یہ زندگی کس نبی کے لیے بجز ہمارے نبی ﷺ کے ثابت ہے؟

② کیا حضرت موسیٰ کے لیے؟ ـــ ہرگز نہیں۔

③ کیا حضرت داؤد کے لیے؟ ـــ ہرگز نہیں۔

④ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے؟ ـــ ہرگز نہیں۔

⑤ کیا راجہ رام چندر ـــ یا راجہ کرشن کے لیے؟ ـــ ہرگز نہیں۔

⑥ کیا وید کے ان رشیوں کے لیے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے دلوں پر وید کا پرکاش ہوا تھا؟ ـــ ہرگز نہیں"۔

(دیکھیے محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۰۵)

❷ "اگر کوئی نبی زندہ ہیں تو وہ ہمارے ہی نبی ہیں"۔ (الحکم ۱۷ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۳)

تنبیہ حیات الانبیاءؑ کے بارہ میں بریلویہ کے تین عقائد قبل ازیں عقائد روافض کے ضمن میں نقل کیے جاچکے ہیں۔ جو حیات الانبیاءؑ کے بارہ میں روافض کے عقائد بد سے موافق تھے۔ آئندہ صفحات میں موافقت کی وجہ سے بریلویوں کے عقائد کا بیان ضمناً قادیانیوں کے عقائد بد کے ساتھ کیا جائے گا۔ تاکہ معلوم ہوسکے کہ یہ دونوں گروہ کس کس طرح جاہل اور رسمی مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی کوششیں کرتے رہے۔

حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں بریلویوں کا عقیدہ (۲)

مقابیس المجالس میں ہے: اَلْقُطْبُ الَّذِیْ لَمْ یَمُتْ اَبَدًا وَاحِدٌ وَهُوَ مُحَمَّدٌ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یعنی قطب کبھی نہیں مرتا۔ وہ ہمیشہ ایک ہے۔ اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (مقابیس المجالس صفحہ ۴۱۹)

فائدہ جس طرح قادیانیوں نے حصر کیا ہے ایسا ہی محولہ بالا عبارت میں بھی حصر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذاللہ دوسرے انبیاء عالمِ برزخ میں بھی زندہ نہیں۔ حالانکہ انبیاء کی تو شان ہی الگ ہے، شہداء جو انبیاءؑ سے نیچے درجہ کے ہیں ان کی حیات قرآن مجید کی عبارۃُ النص سے ثابت ہے، جب کہ انبیاء کرامؑ کی حیات دلالۃُ النص سے ثابت ہے۔ اور جو حکم دلالۃُ النص سے ثابت ہو وہ اصولی طور پر اسی طرح قطعی ہوتا ہے جس طرح عبارۃُ النص سے ثابت شدہ حکم قطعی ہوتا ہے۔ اس لیے قادیانیوں کا حیات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حصر کرنا صریح نص قرآنی کے خلاف، قرآن مجید کا انکار اور کفر ہے۔ نیز یہ بات ان کے درج ذیل عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔

حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ (۲)

مرزا قادیانی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے: "ھذا ھو موسیٰ فتی اللہ الذی اشار اللہ فی کتابہ الی حیاتہ و فرض علینا ان نؤمن بانہ حی فی السماء ولم یمت ولیس من المیتین۔ یہ وہی موسیٰ مردِ خدا ہے جس کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اور ہم پر فرض ہو گیا کہ ہم اس بات پر ایمان لاویں وہ زندہ آسمان میں موجود ہیں۔ اور مُردوں میں سے نہیں ہیں"۔ (نُورُ الحق صفحہ ۵۰)

فائدہ مرزا قادیانی کی یہ کتاب لعنتوں والی کتاب کہلاتی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۸ سے ۱۲۲ تک مسلسل لعنت کا لفظ استعمال کیا، اور ہر لعنت کے ساتھ نمبر بھی لکھا، یہاں تک کہ ایک ہزار پورا کر دیا۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ جس پر لعنت کی جائے اگر وہ اس لعنت کا مستحق نہ ہو تو وہ

لعنت پلٹ کر اسی پر پڑتی ہے جو کسی پر ناروا لعنت کرتا ہے۔ اور یہ بات بھی سب ہی جانتے ہیں کہ مسلمان لعنت کا مستحق نہیں ہوتا" البتہ جھوٹا شخص ضرور لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔ اور جھوٹے کی سب سے مشہور علامت تضاد بیانی ہے۔ کیونکہ مشہور مقولہ ہے: "دروغ گو را حافظہ نباشد" اب غور فرمایئے کہ ایک طرف تو مرزا قادیانی نے سوال اٹھایا کہ "زندگی زمین پر یہ زندگی کس نبی کے لیے بجز ہمارے نبی ﷺ کے ثابت ہے؟"۔ اور پھر دیگر انبیاء کرام کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر ان کی حیات کا انکار کیا، اور یہ بھی کہا کہ "اگر کوئی نبی زندہ ہیں تو وہ ہمارے ہی نبی ہیں"۔ اور محولہ بالا لعنتوں والی کتاب میں اس سے بالکل متضاد اور اُلٹ عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ اور وہ مرے ہی نہیں۔ اور یہ کہ وہ مُردوں میں سے بھی نہیں ہیں۔ اور تو اور اس کم بخت نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ان کے آسمان پر زندہ ہونے کا اشارہ قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہاں تک لکھ دیا کہ اس عقیدۂ بد پر ایمان لانا اس پر فرض ہو گیا ہے۔

حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ (۳)

مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ ہے کہ: "انبیاءؑ بحیات جسمانی مشابہ حیات دنیوی زندہ ہیں"۔ (حاشیہ محامد خاتم النبیینؐ صفحہ ۱۲۹)

فائدہ کہتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اور اس کا مطلب ہے کہ جھوٹ بے بنیاد ہوتا ہے۔ جس کے باعث جھوٹا آدمی کسی ایک بات پر قائم نہیں رہتا۔ یعنی عقیدہ ۱ میں تو مرزا قادیانی نے صاف اور صریح لفظوں میں حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق زمین پر زندہ ہونے کا عقیدہ بیان کیا۔ جب کہ دیگر انبیاءؑ وغیرہ کا نام لے لے کر زمین پر ان کی زندگی سے انکار کیا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آسمان پر زندہ ہونے کا عقیدہ بیان کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تمام اہل اسلام کے متفق علیہ عقیدہ کو مشتبہ کرنے کی کوشش کی۔ اور کسی قسم کا استثناء کیے بغیر تمام انبیاءؑ کے متعلق لکھا کہ انبیاءؑ بحیات جسمانی مشابہ حیات دنیوی زندہ ہیں۔ حالانکہ مرزا قادیانی اور اس کے متبعین کا یہ عقیدہ بھی قرآن و حدیث اور سلف صالحین، محدثین،

مفسرین، متکلمین، ائمۂ فقہاء اور صوفیاء کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اور علماءِ حق نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ حیاتِ دُنیوی حیات کے مشابہ نہیں ہے۔ مثلاً:

مسلکِ علماءِ حق

"عالمِ برزخ کی حیات مشابہ حیاتِ دُنیوی کے نہیں"

۱ حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ كَالشُّهَدَآءِ۔ کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں۔ جیسا کہ شہداء اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں۔ (تلخیص الحبیر صفحہ ۱۶۲)

۲ نیز آپ نے فرمایا: وَلَا شَكَّ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ اَرْفَعُ رُتْبَةً مِّنَ الشُّهَدَآءِ۔ کہ اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ شہداء سے بلند ہے۔ (فتح الباری پارہ ۱۳ صفحہ ۲۵۸)

۳ نیز فرمایا: وَهٰذِهِ الْحَیٰوةُ لَیْسَتْ دُنْیَوِیَّةً اِنَّمَا هِیَ اُخْرَوِیَّةٌ۔ اور یہ زندگی دُنیوی نہیں، بلکہ اخروی ہے۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۶)

۴ نیز آپ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِاَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ مَوْتِهٖ وَاِنْ كَانَ حَیًّا فَهِیَ حَیٰوةٌ اُخْرَوِیَّةٌ لَا تُشْبِهُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری قسم کی حیات ہے، وہ دُنیا کی حیات جیسی نہیں۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۶)

۵ حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْاَنْبِیَآءُ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ كَحَیٰوةِ الشُّهَدَآءِ عِنْدَ رَبِّهِمْ. وَلَیْسَتْ حَیٰوتُهُمْ كَحَیٰوةِ اَهْلِ الدُّنْیَا وَلَا حَیٰوةِ الْاٰخِرَةِ بَلْ لَوْنٌ اٰخَرُ. كَمَا وَرَدَ اَنَّ حَیٰوةَ الشُّهَدَآءِ بِاَنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُمْ فِیْ اَجْوَافِ طَیْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِی الْجَنَّةِ وَتَاْوِیْ اِلٰی قَنَادِیْلَ مُعَلَّقَةٍ تَحْتَ الْعَرْشِ فَهُمْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ كَمَا اَخْبَرَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی. وَاَجْسَادُهُمْ فِیْ قُبُوْرِهِمْ. وَهٰذِهِ الْاَشْیَآءُ اَكْبَرُ مِنْ عُقُوْلِ الْبَشَرِ وَالْاِیْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ. كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنے رب کے یہاں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح رب کے یہاں شہداء کی زندگی ہے۔ اور ان کی حیات نہ تو اہلِ دنیا کی حیات جیسی ہے اور نہ آخرت کی حیات۔ بلکہ

اس حیات کا رنگ ہی اور ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ شہداء کی حیات اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے اندر رکھ دی ہیں۔ جو جنت کی سیر کرتی ہیں اور عرش معلٰی کے نیچے جھولتی ہوئی قندیلوں میں ٹھکانا پکڑتی ہیں۔ اس اعتبار سے وہ اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اور ان کے اجسادِ مبارکہ اپنی اپنی قبروں میں محفوظ ہیں۔ اور یہ سب باتیں انسانی عقل سے بالاتر ہیں۔ اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ کہ وہ غیب کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

(تاریخ الاسلام جلد ا صفحہ ۲۶۹ و ۲۷۰ منقول از الارشاد المفید)

۶ علامہ محمد بن احمد بن عبد الہادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَوْلُ مَنْ زَعَمَ اَنَّهَا نَظِيْرُ الْحَيٰوةِ الْمَعْهُوْدَةِ مُخَالِفٌ لِلْمَنْقُوْلِ وَالْمَعْقُوْلِ وَيَلْزَمُ مِنْهُ مُفَارَقَةُ الرُّوْحِ لِلرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى وَحُصُوْلُهَا تَحْتَ التُّرَابِ قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ وَالْبَدَنُ حَيٌّ مُدْرِكٌ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ تَحْتَ اَطْبَاقِ التُّرَابِ وَالْحِجَارَةِ۔ وَلَوَازِمُ هٰذِهِ الْبَاطِلَةِ بِمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الْعُقَلَاءِ وَبِهٰذَا يُعْلَمُ بُطْلَانُ تَاْوِيْلِ قَوْلِهٖ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ۔ بِاَنَّ مَعْنَاهُ وَقَدْ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ وَاَنَّ ذٰلِكَ الرَّدَّ مُسْتَمِرٌّ وَاَحْيَاهُ اللّٰهُ قَبْلَ يَوْمِ النُّشُوْرِ وَاَقَرَّهٗ تَحْتَ التُّرَابِ وَاللَّبِنِ فَيَا لَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ فَارَقَتْ رُوْحُهُ الْكَرِيْمَةُ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى وَاتَّخَذَتْ بِبَيْتٍ تَحْتَ الْاَرْضِ مَعَ الْبَدَنِ اَوْ فِي الْحَالِ الْوَاحِدِ هِيَ فِي الْمَكَانَيْنِ۔ یعنی جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ حیاتِ برزخیہ حیاتِ دُنیا کی نظیر ہے۔ تو یہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ رفیقِ اعلیٰ سے رُوح جدا ہو کر مٹی کے نیچے مدتوں تک رہتی ہے۔ اور مٹی اور پتھروں کے نیچے زندہ ہے۔ اور ادراک رکھتا ہے اور سنتا دیکھتا ہے۔ اور یہ لوازماتِ باطلہ عقل مندوں سے پوشیدہ نہیں۔ اور "اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ" کی جو تاویل کی جاتی ہے اس کا بطلان بھی معلوم ہو گیا۔ جس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر روح لوٹاتا ہے۔ اور آپ ﷺ کے جسدِ مبارک میں روح ہمیشہ رہے گی۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مٹی اور پتھروں کے نیچے آپ ﷺ کو قیامت سے پہلے ہی زندہ کر دیا گیا۔ کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ روح مبارک نے رفیقِ اعلیٰ سے جدا ہو کر لحد میں بدن کے ساتھ گھر بنا لیا۔ یا یہ کہ روح ایک ہی حالت میں دونوں جگہوں میں موجود ہے۔ یعنی یہ دونوں صورتیں ظاہر البطلان ہیں۔

(الصارم المنکی صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸، منقول از الارشاد المفید)

۷ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ایشاں را در برزخ حیاتِ ابدی ثابت شدہ کہ دیگراں را سوائے شہداء فی سبیل اللہ ثابت نیست و حال آنکہ حیاتِ آنجا مماثل حیاتِ دُنیا نیست، بلکہ احکام حیاتِ دُنیا دیگر است، و احکام حیاتِ آنجا دیگر۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے برزخ میں ابدی (دائمی) حیات ثابت ہے۔ جو (فی سبیل اللہ) شہیدوں کو بھی حاصل نہیں۔ اس جگہ کی حیات دنیا کی حیات جیسی نہیں۔ بلکہ دنیا کے احکام اور ہیں اور اس جگہ کے احکام اور ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ صفحہ ۷)

۸ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اربعین مسائل میں اسی طرح ارشاد فرمایا۔

۹ حضرت مولانا نواب قطب الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی الہدیۃ المکیۃ ملحقہ مفتاح الصلوٰۃ میں اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔

۱۰ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا: "و لازم نمی آید از بودن آں حقیقتِ حیات کہ باشد بر صفتے کہ در دُنیا بُودہ و نہ در احتیاج بطعام و شراب و غیر ذالک از صفاتِ اجسام، چنانکہ مشاہدہ مے کنیم در دُنیا بلکہ آنہارا در برزخ احکام دیگر باشد و احتیاج بطعام و امثال آں امر عادی است و حال در آنجا بخلاف عادت باشد"۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کی حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس صفت پر ہو جس صفت پر دُنیا میں تھے اور نہ احتیاج کھانے پینے وغیرہ صفاتِ اجسام میں جس طرح ہم دُنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے لیے برزخ میں اور احکام ہوتے ہیں، اور احتیاج کھانے پینے وغیرہ کی امر عادی ہے اور حال اس جگہ کا خلافِ عادت کے ہوتا ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۵۹)

۱۱ حضرت مولانا حافظ عزیز الرحمن مراد آبادیؒ نے "اکمل البیان تائید تقویۃ الایمان" میں تحریر فرمایا ہے کہ: "مراد حیاتِ قبر سے حیاتِ برزخی ہے نہ مماثل حیاتِ دُنیوی، اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے"۔ (اکمل البیان تائید تقویۃ الایمان صفحہ ۱۸۶)

۱۲ حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی

حیات شہداء کی حیات سے بھی اقویٰ واتم ہے۔ اور مراد اس حیات سے حیات دنیوی ظاہری نہیں ہے۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ لہٰذا احکام اموات ظاہریہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔ (فتویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۵ صفحہ ۳۹۷ محشّی مفتی ظفیر الدین)

۱۳ نیز آپؒ نے فرمایا: قبر کو گہرا کرنے کی وجہ یہ نہیں۔ جیساکہ شامی سے منقول ہوا۔ اور اس عالم میں میت کے بٹھانے کے لیے گہرائی مذکور کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ عالم اس عالم کے مثل نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۵ صفحہ ۴۱۲)

۱۴ نیز آپ نے فرمایا: سب ہی مرنے والے ہیں۔ انك میت وانهم میتون اور سب کو حیاتِ روحانی حاصل رہتی ہے۔ کیونکہ مدار ثواب و عقاب کا حیات روحانی پر ہے۔ اس کے بعد حیات شہداء کی، پھر جملہ مومنین و مومنات کی، درجہ بدرجہ۔ اور نصوص صرف انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات میں وارد ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۵ صفحہ ۴۲۶)

فائدہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے

سوال کیا گیا کہ: "ایک امام مسجد کہتے ہیں کہ روح پرفتوح فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ انور میں، یا مقام قربِ خداوندِ عالم میں ہے۔ لیکن وہ کسی مسلمان کے بیوت یا ذکرِ میلادِ مبارک کے وقت حاضر نہیں ہوتی۔ اور عام مسلمانوں کے متعلق بھی وہ یہ کہتے ہیں کہ: روح مقام علّیین میں درج، اور مقام اس کا عالمِ برزخ ہے۔ ان کو گھروں میں آنے سے غرض؟۔ اور دلیل میں یہ آیۃ پیش کرتے ہیں: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ ﴿الآیۃ﴾ اور قبورِ اولیاء سے استمداد طلب کرنا ناجائز بتلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اہلِ قبور سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ اور ان کو جب کوئی یہ جواب دیتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں عرض کیا حضورؐ نے سماعِ موتیٰ فرمایا ہے تو امام صاحب یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتے ہو، اور یہ حدیث بخاری کی بتلاتے ہیں۔ جس امام کا ایسا عقیدہ ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں"۔ تو حضرت مفتی صاحبؒ نے اس سوال کے:

جواب میں مفتیِ اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

❶ امام مذکور کا عقیدہ دربارہ روح مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ارواح مومنین صحیح ہے۔

❷ اور استمداد قبور سے بھی درست نہیں ہے۔

❸ اور سماع موتی میں بے شک حضرت عائشہ صدیقہؓ نے انکار کیا ہے۔ اور مَآاَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ کی تاویل مَآاَنْتُمْ بِاَعْلَمَ مِنْهُمْ سے فرمائی ہے۔ اور انہی آیات اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ سے استدلال فرمایا ہے۔

❹ اور یہی مذہب مشہور امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

تنبیہ امام مذکور کے پیچھے نماز صحیح ہے۔ کچھ کراہت وغیرہ نہیں ہے۔ فقط۔

دلیل حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند نے حاشیے پر تحریر فرمایا:

قال ابن الهمام في شرح الهداية اعلم ان اكثر مشايخ الحنفية على ان الميت لا يسمع على ما صرحوا به في كتاب الايمان الخ مردود من عائشة رضي الله عنها قالت كيف يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك. والله تعالى يقول وما انت بمسمع من في القبور، انك لا تسمع الموتى الخ

(مرقاۃ شرح مشکوۃ باب فی حکم الاساری جلد ۴ صفحہ ۲۳۶) ظفیر

(فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل، باب امامت و جماعت جلد ۳ صفحہ ۲۸۱)

۱۵ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنْ قُلْتَ: اِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم حَيٌّ فِي قَبْرِهٖ فَيَكُوْنُ التَّضْحِيَةُ عَنِ الْحَيِّ دُوْنَ الْمَيِّتِ. قُلْنَا: فَتِلْكَ حَيٰوةٌ اُخْرٰى لَا مِنْ جِنْسِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَوِيَّةِ فَهُوَ مَيِّتٌ بِاعْتِبَارِ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَوِيَّةِ حَيٌّ بِتِلْكَ الْحَيٰوةِ الْبَرْزَخِيَّةِ الْمُغَايِرَةِ لِهٰذِهِ الْحَيٰوةِ. یعنی اگر تو کہے کہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں تو حضرت علیؓ کی قربانی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ ذات کی طرف سے ہوئی، نہ کہ میت کی طرف سے۔ (جب کہ ابوداؤد نے اس بارے میں باب منعقد کیا کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے) تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ: قبر میں وہ زندگی اور قسم کی ہے جو دُنیوی زندگی کی جنس سے نہیں ہے۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیوی زندگی کے اعتبار سے میت ہیں۔ اور برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔ جو اس دُنیوی زندگی کے مغایر ہے۔ (اعلاء السنن جلد ۱۷ صفحہ ۲۷۲)

۱۶ نیز آپؒ سے "انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت" کے متعلق ایک:

سوال کیا گیا کہ کیا: "یہی حیات دنیویہ ہے یا دوسری حیات ہے، جس کو حیات برزخیہ کہا جاتا ہے، یعنی انبیاء علیہم السلام کی موت سے ان کی حیات دنیویہ منقطع ہو کر بعد اس کے ان کو دوسری حیات ملی ہے، یا یہی حیات دنیویہ ان کی مسلسل چلی گئی ہے، اور موت ان کی قاطع حیات دنیویہ کی نہیں بنی۔ نیز جو شخص موت انبیاء علیہم السلام کو خصوصاً خاتم الانبیاء ﷺ کی موت دنیوی کو نہ مانے اور آیات و احادیث موت کی تاویل کرے اس کا کیا حکم ہے؟"۔ اس کے:

جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حیات برزخیہ ہے۔ جو دوسری اموات کی حیات برزخیہ سے اقویٰ و اشد ہے۔ اور جو شخص حضور ﷺ کی یا سب انبیاء علیہم السلام کی موت دنیوی کا انکار کرے وہ گمراہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ، فَسَوّٰى بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهٗ فِي الْمَوْتِ فَعُلِمَ اَنَّ مَوْتَ الْكُلِّ سَوَآءٌ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد الاحکام جلد ۱ صفحہ ۲۵۰)

۱۷ ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تحقیق بل احیاءٌ کی مختصر یہ ہے کہ احیاء سے مراد یہ بالکل نہیں کہ اس جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ باقی روح خود زندہ ہوتے ہیں، مع النفس یا بدون النفس، اور نفس اور روح کی مثال آگ اور دخان جیسی ہے۔ باقی خاص ان کو اس معنی کے ساتھ زندہ کہنا اس وجہ سے ہے یہ زیادہ عیش و خوشی میں ہوتے ہیں۔ (بلغۃ الحیران)

۱۸ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "حدیث میں نبی اللہ حیٌّ یُرزق وغیرہ کثرت سے ہے۔ اور یہ وہی حیات ہے جو شہداء کے لیے قرآن پاک میں ذکر کی گئی ہے۔ البتہ حسب مراتب ان حضرات کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ قوی ہے۔ لیکن وہ دنیوی حیات بھی نہیں ہے۔ (مکاتیب شیخ الحدیث صفحہ ۳۸۵)

[illegible] وہاں کی حیات دنیوی حیات کے مثل نہیں ہے نہ وہاں کا کھانا پینا دنیا کے کھانے پینے کی مثل ہے۔ یہاں دنیا کی چیزیں محسوس ہیں اور مشاہدہ ہو سکتی ہیں اور برزخی زندگی اہل دنیا کے مشاہدہ سے باہر ہے۔ اسی طرح وہاں کا کھانا پینا، نقل و حرکت، میل ملاپ، بات چیت، سرور وغیرہ اہل دنیا سے مستور ہے۔ کیونکہ وہ حیات دنیوی حیات سے مغائر ہے۔

شبہ حضرت امام بیہقیؒ نے لکھا ہے: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَقِبَ مَا دُفِنَ رُدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ رُوْحَهُ لِأَجْلِ سَلَامِ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ وَاسْتَمَرَّتْ فِي جَسَدِهِ ﷺ۔ کہ حضرت نبی کریم کی روح آپؐ کے دفن ہونے کے بعد واپس کردی جاتی ہے۔ تاکہ کسی سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دے سکیں۔ اور آپؐ کی روح ہمیشہ آپؐ کے جسدِ اطہر میں رہتی ہے۔

جواب حضرت امام بیہقیؒ کا یہ نظریہ صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت امام ابن جوزی نے الموضوعات میں تحریر فرمایا ہے: بَابُ رَدِّ أَرْوَاحِ الْأَنْبِيَاءِ إِلَيْهِمْ فِي قُبُوْرِهِمْ۔ أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ أَنْبَأَنَا الْجَوْهَرِيُّ عَنِ الدَّارَقُطْنِيِّ عَنْ أَبِيْ حَاتِمِ بْنِ حَبَّانَ أَنْبَأَنَا الْحَسَنُ بْنُ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْرَقُ ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ يَحْيَى الْخُشَنِيُّ أَبُوْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ مَالِكٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ نَبِيٍّ يَمُوْتُ فَيُقِيْمُ فِيْ قَبْرِهِ إِلَّا أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا حَتّٰى يُرَدَّ إِلَيْهِ رُوْحُهُ۔ قَالَ أَبُوْ حَاتِمٍ هٰذَا حَدِيْثٌ بَاطِلٌ مَوْضُوْعٌ، وَالْحَسَنُ بْنُ يَحْيَى يَرْوِيْ عَنِ الثِّقَاةِ مَا لَا أَصْلَ لَهُ۔ وَقَالَ يَحْيَى: الْحَسَنُ لَيْسَ بِشَيْءٍ۔ وَقَالَ دَارَقُطْنِيُّ مَتْرُوْكٌ۔ یعنی یہ حدیث باطل اور من گھڑت ہے۔ جس میں آتا ہے کہ وفات کے بعد کوئی نبی چالیس دن بھی قبر میں اقامت پذیر نہیں رہتا حتیٰ کہ اس کی روح اس کی طرف واپس کردی جاتی ہے۔ حسن بن یحییٰ بے اصل و بے سند باتیں ثقہ راویوں سے بیان کرنے کا عادی ہے۔ یحییٰ نے کہا یہ ہیچ ہے۔ دارقطنی نے کہا متروک ہے۔ (موضوعات ابن جوزی جلد ۳ صفحہ ۲۳۹)

تنبیہ یہ حدیث سنداً مجروح اور بے اصل ہونے کے بالخصوص قرآنی آیات اور احادیث متواترہ کے بھی صریح خلاف ہے۔ اور جو روایت اس قسم کی ہو وہ مردود ہے۔ اگرچہ سند میں تمام راوی ثقہ ہوں۔

تمیز اگر اس حدیث کو قبول کیا جائے تو تغییر کتاب اللہ لازم آتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ نفخۂ ثانیہ سے پہلے کسی کی روح داخل جسم عنصری میں نہیں آتی۔ لیکن اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قرآنی قضیہ سے انبیاء کرام علیہم السلام مستثنیٰ ہیں۔ اور استثناء سے مستثنیٰ کا حکم مستثنیٰ منہ کے حکم سے مغایر ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی شخص کو قرآنی

آیت میں تغییر کرنے کا حق حاصل نہیں۔ جیسے عام کو خاص کرنا یا مطلق کو مقید کرنا۔ کیونکہ اس طریقے قرآنی آیت کا نسخ لازم آتا ہے۔ کما تقرر فی الاصول۔

تنبیہ اور اگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کو اس آیت قرآنیہ کے کلیہ سے مستثنیٰ کریں تو کوئی یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ قرآنی قاعدہ کلیہ کل نفس ذائقۃ الموت سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے انبیاءِ کرامؑ کو دائمی اور جاودانی حیات حاصل ہے۔ جیسے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ سے انبیاء کو مستثنیٰ کیا جا رہا ہے۔

شبہ امام ابو منصور ماتریدی اور اکثر شافعیہ و مالکیہ کہتے ہیں۔ اِنْ مِنْ عَامٍّ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ عَنْهُ الْبَعْضُ۔ یعنی ہر عام سے کچھ نہ کچھ تخصیص کی جا سکتی ہے۔

جواب حنفیہ کے نزدیک بغیر آیت قرآنیہ یا حدیث مشہور یا حدیث متواتر یا اجماع کے عام غیر مخصوص عنہ البعض کی تخصیص کرنا منع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۱۰۳:۴) (یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے) کی صریح نص کے ہوتے ہوئے جمع بین الصلوتین (دو نمازوں کو اکٹھا یعنی ایک وقت میں اس طرح پڑھنا کہ ظہر و عصر کو ظہر کے وقت پڑھ لینا' اور مغرب و عشاء کو مغرب کے وقت پڑھ لینا) کے قائل نہیں۔ اور جب حدیث میں جمع بین الصلوتین کا ذکر آتا ہے اس میں تاویل کرتے ہیں۔ اس حدیث میں جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔ جیسا کہ ایک حائضہ معتادہ جس کو ایامِ حیض بھول گئے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظہر کے اخیر وقت میں ظہر کی نماز نہا کر پڑھے۔ اتنے میں عصر کا وقت آجائے گا۔ پھر وضو تازہ کر کے عصر کی نماز پڑھ لے۔ اور مغرب کے اخیر وقت میں نہا کر مغرب کی نماز پڑھ لے' اتنے میں عشا کا وقت ہو جائے گا۔ تو اب وضو تازہ کر کے عشا کی نماز پڑھ لے۔ اور فجر کی نماز غسل کر کے پڑھ لے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۷)

البتہ میدان عرفات میں عصر کی نماز ظہر کے وقت امام کے ساتھ باجماعت پڑھی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ حکم آیت قرآن کے خلاف ہے مگر اس پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہے۔ جس کی سند حضرت نبی کریم ﷺ کی نماز پڑھنا ہے۔ اور آج تک تمام امت کا اس پر عمل بھی چلا آرہا

ہے۔ تو اجماع اس آیت کریمہ کا مخصص بن جائے گا۔ جب اعمال میں یہ قانون ہے تو اعتقادیات تو اعمال سے بہت سخت ہیں۔

تنبیہ علامہ بیہقی خواہ کتنے ہی بڑے محدث کبیر کیوں نہ ہوں انھیں عام کو خاص یا مطلق کو مقید کرنے اور موضوع حدیث سند میں پیش کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَہٗ وَلِسَائِرِ الْقَاصِرِیْنَ۔

شبہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ" (۴:۶۴) صرف قبل الموت کی زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ بعد از طریان موت آپ ﷺ کو حاصل ہونے والی دنیوی زندگی کو بھی عام ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کی رو سے اب بھی حضرت نبی کریم ﷺ سے استغفار کرائی جا سکتی ہے۔

جواب ان لوگوں کا یہ قول درست نہیں، کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے کئی احکام الٰہی ایسے ہیں جن کا تعلق اگرچہ حیاتِ دنیوی کے ساتھ ہونا ہی محقق ہے، اور بعد از وفاتِ نبوی آپ ﷺ ان احکام کے مکلف نہیں، لیکن قرآن مجید کی آیاتِ مبارکہ میں ان احکام کو قبل الموت دنیوی زندگی کے ساتھ مخصوص اور مقید نہیں کیا گیا۔ مثلاً:

مثال ۱ تبلیغ سے متعلق حکم الٰہی: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۵:۶۷) بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

مثال ۲ اسی طرح مالدار مسلموں کے مال میں سے صدقہ لینے اور اُن کے حق میں دعا کرنے سے متعلق حکم الٰہی: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مخصوص اور مقید نہیں۔

مثال ۳ اسی طرح امر بالمعروف سے متعلق حکم الٰہی: وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

مثال ۴ اسی طرح وعظ و نصیحت سے متعلق حکم الٰہی: وَعِظْهُمْ بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مخصوص اور مقید نہیں۔

مثال ۵ اسی طرح قتال فی سبیل اللہ سے متعلق حکم الٰہی: فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا

نَفْسَكَ (۸۴:۴) اور

آیت ۶ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (۷۳:۹) بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔

آیت ۷ اسی طرح قتال فی سبیل اللہ اور جہاد کے لیے تحریض المومنین سے متعلق حکم الٰہی: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ (۶۵:۸) بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مقید نہیں۔ بلکہ خود حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے: اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

آیت ۸ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لینے کے متعلق حکم الٰہی: شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (۱۵۹:۳) بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مخصوص اور مقید نہیں۔ جب کہ یہ حکم ایسے امور کے لیے ہے جن کے متعلق وحی نہ آئی ہو۔ اور اب باتفاق امت وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد تو مشورہ ضروری ہے۔

آیت ۹ اسی طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے متعلق حکم الٰہی: اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (۱۰۵:۴) اور فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (۴۸:۵) بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مخصوص اور مقید نہیں۔ لیکن جب قوم میں اختلاف پیدا ہوا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت امیر المومنین سیدنا علی، اور امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کے مابین، بلوائیوں کی چالوں کی وجہ سے اختلاف کی نوبت جنگوں تک پہنچی تو حضرت نبی کریم ﷺ نے حیات دنیویہ حاصل ہونے کے باوجود ان سب کو بلا کر ان کی آپس میں صلح صفائی نہ کرائی، جب کہ قبل از موت دنیوی حیات میں حضور ﷺ مسلمانوں کی باہم صلح کرانے کے لیے بنفس نفیس خود تشریف لے جاتے تھے۔

آیت ۱۰ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تو حضرت نبی کریم ﷺ کو دنیوی حیات مبارکہ میں حکم فرمایا تھا: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۷۴:۱-۵) اگر اب بھی آں حضرت ﷺ کو حیات برزخی کے بجائے دنیوی حیات حاصل ہے تو یہ حکم الٰہی کہاں گیا۔

آیت ۱۱ اسی طرح پردہ سے متعلق حکم الٰہی: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ

الْمُؤْمِنِيْنَ (۵۹:۳۳) بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مُقیّد نہیں ہے۔

آیت ۱۲ وحیِ الٰہی کی اتباع سے مُتعلق حکمِ الٰہی: اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۱۰۷:۶) بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مُقیّد نہیں ہے۔

آیت ۱۳ اسی طرح تلاوتِ کلام پاک سے مُتعلق حکمِ الٰہی: اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ (۴۵:۲۹) بھی قبل الموت زندگی کے ساتھ مُقیّد نہیں ہے۔

آیت ۱۴ اسی طرح سب سے پہلے اپنے قرابت داروں کو مسئلۂ توحید سمجھانے سے مُتعلق حکمِ الٰہی: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۲۱۴:۲۶) اور:

آیت ۱۵ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ بھی قبل الموت دُنیوی زندگی کے ساتھ مخصوص اور مُقیّد نہیں۔

فائدہ اگر ان تمام احکامِ الٰہی کا تعلق خاص حضرت نبی کریم ﷺ کی حیاتِ دُنیویہ کے ساتھ ہے، تو کیا وہ ان احکامِ الٰہیہ کی بجا آوری بھی فرماتے ہیں۔ جب کہ اس واہیات عقیدۂ بد کی رو سے آپؐ کو حقیقی حسی جسمانی عنصری حیاتِ دُنیویہ حاصل ہے۔

آیت ۱۶ اسی طرح جب حضرت نبی کریم ﷺ کو حیاتِ دنیویہ حاصل تھی تو مسلمانوں کو حکم تھا: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (۲:۴۹)

تنبیہ افسوس کہ بعض لوگ ایک طرف تو حضرت نبی کریم ﷺ کو اب بھی دنیوی حیات کے ساتھ زندہ مانتے ہیں۔ اور پھر حضرت نبی کریم ﷺ کی قبرِ اطہر کے قریب اس قدر بلند آواز سے درود پاک پڑھتے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، اور اس آیت پر عمل نہیں کرتے۔ اور مشاہدہ ہے کہ مسجدِ نبویؐ میں شور مچانے والے وہی لوگ ہوتے ہیں، جو حضور ﷺ کو حیاتِ دُنیوی کے ساتھ زندہ مانتے ہیں۔

تنبیہ اپنی رائے سے بعض احکام کو عام ماننا اور بعض کو بعض حالات کے ساتھ مخصوص کرنا مداخلت فی الدین ہے۔ شارع کے سوا کسی کو حق نہیں کہ مُطلق کو مُقیّد یا عام کو خاص کرے۔ کیونکہ عام غیر مخصوص عنہ البعض قطعی ہے۔ تخصیص کرنے سے ظنی بن جاتا ہے۔ جس کے باعث حکم میں تغیر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مطلق کو مُقیّد کرنا نسخ ہے۔ جیسا کہ اہلِ اُصول لکھتے ہیں۔ جب کہ نسخ کا حق بندہ کو حاصل نہیں۔

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ (۴)

❶ متنبّی پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی نے شعروں میں لکھا:

قَدْ مَاتَ عِیْسٰی مُطْرِقًا وَّ نَبِیُّنَا حَیٌّ وَّ رَبِّیْ اِنَّہٗ وَافَانِیْ
وَاللّٰہِ اِنِّیْ قَدْ رَاَیْتُ جَمَالَہٗ بِعُیُوْنِ جِسْمِیْ قَاعِدًا بِمَکَانِیْ

یعنی "عیسیٰ تو بے شک سر جھکاتے ہوئے خاموشی کے ساتھ مر گئے ہیں۔ لیکن ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ زندہ ہیں۔ میرے رب کی قسم یہ بات ہے کہ وہ خود میرے پاس آئے ہیں اور اللہ کی قسم میں نے اپنی اس جسم کی آنکھوں کے ساتھ ان کا جمال دیکھا، جب کہ وہ میرے مکان میں بیٹھے تھے"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۱۶)

❷ نیز مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ: "جاہل اور نادان لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے۔ حالانکہ زندہ ہونے کی علامت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں پاتا ہوں"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۴۴)

❸ نیز مرزا قادیانی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ: "ایک دفعہ (میں نے) عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع حسنین و علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔ اور یہ خواب نہ تھی۔ (احمد صادق صفحہ ۱۳۹)

❹ نیز مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: "ایک مرتبہ نماز مغرب کے بعد عین بیداری میں تھوڑی سی غیبت حس سے جو خفیف سے نشاء سے مشابہ تھی ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی جیسے بسرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جوتی اور موزہ کی آواز آتی ہے۔ پھر اسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہ اور مقبول اور خوبصورت سامنے آگئے۔ یعنی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علی و حسنین و فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور ایک نے ان میں سے، اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور شفقت سے مادر مہربان کی طرح اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۹۷)

❺ نیز مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا کہ مجھ پر ان الفاظ میں وحی ہوئی کہ: "آج ہمارے

گھر میں عنصر علیہ السلام آئے۔ آ گئی عزت اور سلامتی"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۳۲۲)

[illegible] مرزا قادیانی کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نہ صرف انبیاء کرامؑ دنیوی حسی عنصری حیات کے ساتھ اپنے مدفنِ ارضی میں زندہ ہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ حسنینؓ و علیؓ و فاطمہؓ کے متعلق بھی اس کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ بھی دُنیوی حیات کے ساتھ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ دُنیا میں گھوم پھر کر بعض لوگوں سے بالمشافہ ملاقات بھی فرماتے رہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر ہند و پاک کے لوگوں کی ضعیف الاعتقادی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان برگزیدہ ہستیوں سے ملاقات کا جھوٹا دعویٰ کر کے اپنی جھوٹی نبوت کی دکان چمکانے کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد نہ تھا۔

تنبیہ جس طرح ابدانِ خاکی کے ساتھ ارواح کے تعلق کا کوئی ثبوت کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ سے نہیں ملتا، اسی طرح صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے ارشادات و اقوال میں بھی رُوح کے ساتھ جسم عنصری کے تعلق کا نفیاً و اثباتاً کوئی ذکر نہیں ملتا۔ برزخ میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام اور حیاتِ شہداء کرام کی کیفیت احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے۔ قرونِ ثلاثہ سے منقول ہو کر نیچے تک چلی آئی ہے۔ لیکن تعلق کا قصہ کسی نے نہیں چھیڑا۔ البتہ چوتھی صدی کے بعد شارحین حدیث نے مختلف روایات کی تطبیق کے سلسلے میں روح اور جسد کے تعلق کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

① کسی نے اشراق، یعنی سورج کی روشنی کے ساتھ تشبیہ دی۔

② کسی نے اشراف سے۔ اور:

③ کسی نے مثل تعلق صاحبِ خانہ بخانہ و عاشق و معشوق وغیرہ الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ حیاتِ دُنیا میں تھا۔ بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت و کنہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، اس لیے عالمِ برزخ میں ارواح کا ابدانِ عنصریہ سے تعلق کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے۔ کیونکہ قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق کا اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابلِ ملامت نہیں۔ کیونکہ متقدمین میں کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔ لیکن اس تعلق کے باوجود ان کے مدفون فی القبور ابدان میں کسی قسم کی حرکت یا جنبش پیدا نہیں ہوتی اور نہ قیامت سے پہلے ان کے یہ ابدان قبروں سے باہر نکلیں گے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل اور تسلیم شدہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہے وہ ہمارے ادراک و حواس سے بالا ہے۔ لیکن حیاتِ شہداء سے بہت بلند اور اعلیٰ ہے۔ اور سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تمام انبیاء علیہم السلام کی نسبت ارفع و اعلیٰ اور اتم و اکمل ہے۔ والمراد بتلك الحياة نوع من الحيوة غير معقول لنا، و هي فوق حياة الشهداء بكثير و حياة نبينا صلى الله عليه وسلم اكمل واتم من حياة سائرهم عليهم السلام (کتاب الروح جلد ۲۲ صفحہ ۳۲)

اشکال شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہاں ایک اشکال ہے جس نے بڑے بڑوں کو متحیر و سرگردان کر رکھا ہے۔ اور جسے حل کرنے کے لیے بڑے بڑے شہسواران قلم رہوارِ قلم دوڑا چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا مقام و مستقر اعلیٰ علیین ہے اور وہ نہ ان کے عنصری ابدان میں موجود ہیں اور نہ قبروں کے قرب و جوار میں، اور ان کے ابدان قبروں میں مدفون و محفوظ ہیں اور ارواح کا ابدان میں اعادہ نفخہ ثانیہ پر ہوگا اور اس وقت وہ قبروں سے نکلیں گے اس سے پہلے نہیں لیکن صحیح حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ:

① جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں مختلف آسمانوں پر کئی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی، اور بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت بھی فرمائی۔

② حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے کثیب احمر کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔

③ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یونس علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اونٹنی پر سوار تلبیہ پڑھ رہے ہیں اور وادی میں اتر رہے ہیں۔

④ بعض کاملین نے حالتِ بیداری میں حضور علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا۔

بعینہٖ یہی اشکال غیر انبیاء کے بارے میں ہے۔ کیونکہ بعض کاملین کو بھی بیداری کی حالت میں دیکھا گیا ہے تو ان مشاہدات اور منصوصات سے بظاہر یہ قاعدہ ٹوٹتا ہوا نظر آرہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر اموات کے ابدانِ عنصریہ میں، نہ قبروں میں، جنبش ہوتی ہے اور نہ ہی قیامت سے پہلے وہ قبروں سے باہر نکلیں گے۔

حل اس اشکال کے کئی حل پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن بیشتر توجیہات دل کو مطمئن نہیں کر سکتیں بلکہ ان سے مزید پیچ در پیچ اشکالات پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ صرف ایک حل ایسا ہے جس سے یہ اشکال نہایت عمدہ طریقہ سے حل ہو جاتا ہے اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ محققین علماء اور صوفیاء نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس طرح حیاتِ دنیا میں ارواح ابدانِ عنصریہ کے ذریعے متحرک ہوتی ہیں اور تمام اعمال و تصرفات بجالاتی ہیں؛ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور بعض کاملین کی ارواح وفات کے بعد عالمِ برزخ میں مثالی اور برزخی اجسام کے ذریعے حرکت کرتی اور نماز، تلاوتِ قرآن، حج اور کئی دوسرے اعمال بجالاتی ہیں۔ اگر کسی کامل بزرگ کو حالتِ بیداری میں کسی پیغمبر یا کسی فوت شدہ ولی کی زیارت بشکلِ انسانی نصیب ہو جائے تو یہ شکل اس کی مثالی شکل ہے۔ اور اس کی روح مثالی جسم میں متشکل ہو کر اس کے سامنے آئی ہے۔ اور اس کا عنصری جسم قبر میں بلا حرکت و جنبش موجود ہوگا۔ چنانچہ:

١ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: وَعِنْدِیْ اَنَّ الْحَیٰوۃَ فِی الْبَرْزَخِ ثَابِتَۃٌ لِکُلِّ مَنْ یَّمُوْتُ مِنْ شَهِیْدٍ وَّغَیْرِہٖ وَاَنَّ الْاَرْوَاحَ۔ وَاِنْ کَانَتْ جَوَاھِرَ قَآئِمَۃٌ بِاَنْفُسِھَا مُغَایِرَۃٌ لِّمَا یُحَسُّ بِہٖ مِنَ الْبَدَنِ لٰکِنْ لَّا مَانِعَ مِنْ تَعَلُّقِھَا بِبَدَنٍ بَرْزَخِیٍّ مُّغَایِرٍ لِّھٰذَا الْبَدَنِ الْکَثِیْفِ۔ یعنی میرے نزدیک برزخ میں ہر میت کو حیات حاصل ہے۔ اور ارواح اگرچہ جواہر ہیں اور قائم بانفسہا ہیں اور ابدانِ محسوسہ کے مغایر ہیں، لیکن اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ ارواح کا تعلق برزخی جسم سے ہو جائے جو اس عنصری بدن کے مغایر ہو۔ (روح جلد ۲ صفحہ ۲۱)

٢ اور (علامہ آلوسیؒ) دوسری جگہ فرماتے ہیں: اَلْاَرْوَاحُ الْمُقَدَّسَۃُ قَدْ تَظْهَرُ مُتَشَکِّلَۃً وَّیَجْتَمِعُ بِھَا الْکَامِلُوْنَ مِنَ الْعِبَادِ وَقَدْ صَحَّ اَنَّہٗ ﷺ رَاٰی مُوْسٰی علیہ السلام ① قَآئِمًا یُّصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ ② وَرَاٰہُ فِی السَّمَآءِ ③ وَرَاٰہُ یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ۔ پاکیزہ روحیں کبھی متشکل ہو کر ظاہر ہوتی ہیں اور کامل بندے ان سے ملاقات کرتے ہیں اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہو کر قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور (شبِ معراج میں) ان کو آسمان پر بھی دیکھا اور انھیں خانہ کعبہ کا طواف کرتے بھی دیکھا۔ (تفسیر جواہر القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ بحوالہ روح جلد ۱۵ صفحہ ۳۲۷)

فائدہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کبھی قبر میں نماز پڑھتی ہے، اور کبھی آسمان میں ہوتی ہے، اور کبھی بیت اللہ شریف کا طواف کرتی ہے۔ بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ اس روح کی شکلیں مختلف حالتوں میں نظر آتی ہیں۔ جیسا کہ کسی خوش بخت کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں نظر آتے ہیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ خود روح مع الجسد یا آپ ﷺ کی روحِ مبارک خواب میں تشریف لاتی ہے۔ جیسا کہ:

حدیث ارشادِ نبویؐ ہے: مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَآنِیْ، فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ۔ کہ جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا تو گویا اس نے مجھے ہی دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس یعنی روح مع الجسد خواب میں تشریف نہیں لاتے، اور نہ ہی ان کی روحِ مبارک آتی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کی مثال نظر آتی ہے۔

نیز ارواحِ مقدسہ سے مراد ارواحِ کاملین کی شکلیں ہیں، نہ کہ حقیقۃً ارواحِ مبارکہ بغیر الجسد یا مع الجسد۔ یعنی ان کے اجسادِ مبارکہ کی شکل میں ان ارواح کی شکلیں بنائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ:

۳ حضرت علامہ ابوالوفا ابن عقیلؒ کے حوالے سے حضرت علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا: اَرْوَاحُهُمْ مُتَشَکِّلَةٌ بِشَکْلِ اَجْسَادِهِمْ۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کو متشکل فرما کر دکھایا جاتا ہے۔ جو ان کے اجسادِ مبارکہ کی ہم شکل ہوتی ہیں۔ (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۶۸)

۴ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الْمَنْظُوْرَ اِلَیْهِ هِیَ اَرْوَاحُهُمْ فَلَعَلَّهَا مُثِّلَتْ لَهٗ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الدُّنْیَا کَمَا مُثِّلَتْ لَهٗ لَیْلَةَ الْاِسْرَاءِ وَاَمَّا اَجْسَادُهُمْ فَهِیَ فِی الْقُبُوْرِ۔ کہ آپ ﷺ کو جو ارواحِ انبیاء نظر آئے، شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں آپ ﷺ کو دکھانے کے لیے ان کی مثالیں بنائی گئیں۔ جیسا کہ جسمانی معراج کی رات میں ان انبیاء کرام علیہم السلام کی مثالیں دکھائی گئیں۔ اور رہے انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسادِ مبارکہ سو وہ تو قبروں میں محفوظ تھے۔ (جواہر القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۹۴ بحوالہ فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۳۳۰)

۵ قَالَ ابْنُ الْمُنِیْرِ وَ غَیْرُهٗ یَجْعَلُ اللّٰهُ لِرُوْحِهٖ مِثَالًا فَیُرٰی فِی الْیَقَظَةِ کَمَا یُرٰی فِی النَّوْمِ۔ ابن منیر وغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میت کی روح کو مثالی جسم عطا فرماتا ہے اور وہ جس طرح خواب میں دکھائی دیتا ہے اسی طرح بیداری میں بھی نظر آتا ہے۔ (جواہر القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۹۴)

۶ حضرت علامہ مفسر خازن فرماتے ہیں: اِنَّ الْاَبْدَانَ فِي التُّرَابِ تَنْتَظِرُ عَوْدَ اَرْوَاحِهَا اِلَيْهَا يَوْمَ الْبَعْثِ۔ یعنی ابدان مبارکہ تو مٹی میں محفوظ ہیں، جن کی طرف روح کے واپس آنے کی انتظار ہو رہی ہے جو قیامت کو ہوگا۔ (خازن جلد ۱ صفحہ ۲۲۶)

فائدہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ میت کی روح خواب میں یا بیداری میں نہیں آتی۔ اور جو چیز نظر آتی ہے وہ روح کی مثال ہے۔ روح نہیں۔

۷ حضرت امام بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند ابویعلیٰ اور معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے بیت المقدس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

حدیث مُثِّلَ لِيَ النَّبِيُّوْنَ فَصَلَّيْتُ بِهِمْ۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے مثالی اجسام بنا کر میرے سامنے حاضر کیے گئے اور میں نے انھیں نماز پڑھائی۔

(بیضاوی جلد ۳ صفحہ ۱۱۲ و مظہری جلد ۵ صفحہ ۳۹۹)

۸ اور علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں: وَكَذٰلِكَ رُؤْيَةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْاَنْبِيَآءَ فِي لَيْلَةِ الْاِسْرَآءِ فِي السَّمٰوٰتِ الصَّحِيْحُ اَنَّهٗ رَاٰى فِيْهَا الْاَرْوَاحَ فِي مِثْلِ الْاَجْسَامِ۔ یعنی اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھنا تو اس کے متعلق صحیح بات یہ ہے کہ وہاں آپ ﷺ نے ان کی ارواح کو دیکھا تھا۔ جو مثالی اجسام میں متمثل تھیں۔ (جواہر القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۹۴ بحوالہ شرح الصدور صفحہ ۱۰۰)

اسی طرح اگر کسی خوش بخت انسان کو بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے تو اکثر صوفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس نے آپ ﷺ کے جسم مثالی کی زیارت کی ہے نہ کہ جسم عنصری کی۔ چنانچہ:

۹ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: لَيْسَ الْمُرَادُ اَنَّهٗ يَرٰى جِسْمَهٗ وَبَدَنَهٗ بَلْ مِثَالًا لَّهٗ صَارَ ذٰلِكَ الْمِثَالُ اٰلَةً يَّتَاَدّٰى بِهَا الْمَعْنَى الَّذِيْ فِيْ نَفْسِهٖ۔ (جواہر القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۹۳)

۱۰ اور شیخ علاؤ الدین قونویؒ فرماتے ہیں: و سادۂ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم عالمے متوسط در عالم اجساد و ارواح ثابت کردہ اند کہ آں را عالم مثال گویند الطف از عالم اجساد و

اکثف از عالمِ ارواح، و ظہور ارواح در صورِ مختلفہ مبتنی بر آں ساختہ و ظہور جبرائیل علیہ السّلام بصورۃ دحیہ کلبی و تمثّلِ او مریمؑ را بصورت بشر سوی الخلق از آں عالم می پندارند و بناءً علیہ جائز بود کہ موسیٰ علیہ السّلام باوجود استقرار در آسمان ششم بہ شخ و پیکرِ مثالی در قبر متمثّل باشد و آں حضرتؐ اورا در ہر دو مکان مشاہدہ فرمودہ و بعد از اثباتِ عالمِ مثال جواب از مسائل کثیرہ بیروں آید و اشکالاتِ بسیار مثل بیانِ وسعتِ جنت درویۃ ــــــ او در عرض حائط مثلاً منحل گردد۔ یعنی صوفیائے کرام عالمِ اجساد اور عالمِ ارواح کے درمیان ایک اور عالم تسلیم کرتے ہیں جسے وہ عالم مثال کہتے ہیں جو عالمِ اجساد سے زیادہ لطیف ہے۔ لیکن عالمِ ارواح اس کے مقابلہ میں کثیف ہے اور ارواح کا مختلف شکلوں میں ظاہر ہونا ان کے نزدیک اسی عالمِ مثال کے وجود پر مبنی ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السّلام کا حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں اور حضرت مریم علیہا السّلام کے سامنے بشر کی صورت میں متمثّل ہونا اسی قبیل سے ہے اور اس بنا پر یہ جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام چھٹے آسمان پر موجود ہونے کے ساتھ ساتھ پیکرِ مثالی کے ساتھ قبر میں بھی متمثّل ہو کر نماز پڑھ رہے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج جسمانی کی شب ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو اور عالمِ مثال کا وجود تسلیم کر لینے سے بہت سے مسائل کا جواب نکل آتا ہے اور بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جنت کی وسعت کا بیان' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں جنت کو دیوار کی عرض میں دیکھنا' وغیرہ ــــ یہ سب عالمِ مثال کی چیزیں ہیں۔

(جواہر القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ بحوالہ جذب القلوب صفحہ ۲۰۹)

11 حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مسئلہ حیاتِ انبیاء علیہم السّلام کے متعلق طویل بحث و تمحیص کے بعد اصل حقیقت کی اس طرح ترجمانی فرماتے ہیں: وحقیقت آں است کہ تحقیق مسئلہ حیاتِ انبیاء علیہم السّلام و غیرہ ایشاں موقوف بمعرفتِ ایں عالم است و تحقیق دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ و یونس را علیہ و علیہما السّلام بمعرفتِ زمان و مکان روحانیات و تمیز و فرق آنہا از زمان و مکان جسمانیات چنانچہ محققین صوفیہ کردہ اند دست دہند۔ **ترجمہ** کہ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اور غیر انبیاء کی عالمِ برزخ میں حیات کا مسئلہ اس عالمِ مثال کی پہچان پر منحصر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت موسیٰ اور یونس علیہما السّلام کو دیکھنے کی تحقیق روحانیات کے زمان

ومکان کی معرفت اور محققین صوفیہ کے بیان کے مطابق جسمانیات کے زمان ومکان سے ان کے امتیاز ہی سے پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ (جواہر القرآن جلد ا صفحہ ۱۹۵ بحوالہ جذب القلوب صفحہ ۲۰۹)

اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کو کئی بزرگوں نے عالم بیداری میں دیکھا ہے۔ تو چونکہ قول محقق اور مسلک صحیح کے مطابق ان کی وفات ہو چکی ہے اس لیے صوفیائے کرامؒ میں سے بعض کاملینؒ نے فرمایا ہے کہ خضر علیہ السلام کی رؤیت مثالی اور عالم مثال کی چیز ہے۔ جسد عنصری کے ساتھ نہیں جیسا کہ حضرت شیخ صدر الدین اسحاق قونویؒ اپنی کتاب تبصرۃ المبتدی وتذکرۃ المنتہی میں فرماتے ہیں: ان وجود الخضر علیہ السلام فی عالم المثال (جواہر القرآن جلد ا صفحہ ۱۹۵ بحوالہ روح المعانی جلد ۱۵ صفحہ ۳۲۶)

۱۲ حضرت امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قَالُوْا هٰذِهِ الرُّؤْيَةُ اِنَّمَا هِيَ لِاَرْوَاحِهِمْ دُوْنَ اَجْسَادِهِمْ وَالْاَجْسَادُ فِي الْاَرْضِ قَطْعًا اِنَّمَا تُبْعَثُ يَوْمَ بَعْثِ الْاَجْسَادِ وَلَمْ تُبْعَثْ قَبْلَ ذٰلِكَ. کہ علماء حق فرماتے ہیں کہ معراج کی شب یہ دیدار ارواح اطہار کا تھا، نہ کہ اجساد کا۔ کیونکہ اجساد تو یقیناً زمین میں محفوظ ہیں، جو اسی دن مبعوث ہوں گے جو بعثِ اجساد کا دن مقرر ہے۔ اس سے پہلے مبعوث نہ ہوں گے۔ (کتاب الروح صفحہ ۶۸)

۱۳ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ (انبیاء کرام علیہم السلام) قبر میں تو اصلی جسم سے تشریف رکھتے ہیں۔ اور دوسری جگہ پر ان کے مثالی اجسام تھے۔ یعنی غیر عنصری جسم تھے۔ جس کو صوفیاء جسم مثالی کہتے ہیں۔ روح کا تعلق ہو گیا۔ اور اس جسم مثالی میں کئی ایک جگہ اور ایک وقت روح کا سب سے تعلق بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کے اختیار سے نہیں۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مرضی پر ہے۔ اور ظاہری طور پر یہ جسم مثالی جو دونوں جگہ نظر آیا، الگ الگ شکل رکھتا تھا، اسی لیے باوجود بیت المقدس میں ملاقات کے آسمان پر نہیں پہچانا۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر جسم کے ساتھ ہیں۔ ان کو وہاں دیکھنا جسم کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کو جب بیت المقدس میں دیکھا جیسا آٹھویں واقعہ میں ذکر ہو چکا۔ وہ جسم کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ مثال تھا۔ (تنویر السراج فی لیلۃ المعراج صفحہ ۲۷، ۲۸)

فائدہ حضرت تھانویؒ نے مذکورِ بالا عبارت میں آٹھویں واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جس میں آپؒ نے فرمایا ہے کہ: "تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے، اور اس مقام پر پہنچے جس کا نام باب محمد (ﷺ) ہے، تو براق کو باندھ کر دونوں صاحب مسجد کی حدود میں پہنچے ___ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ پھر ایک مؤذن نے اذان کہی، اور تکبیر کہی گئی۔ ہم صف باندھ کر انتظار میں کھڑے تھے کہ کون امام بنے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے مصلے پر کھڑا کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ جب میں فارغ ہوا، جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ آپ ﷺ کو خبر ہے کن لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے کہا کہ: جتنے نبی بھیجے گئے ہیں، سب نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے"۔ (تنویر السراج فی لیلۃ المعراج صفحہ ۱۶)

۱۴ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روح کے متعلق

سوال کیا گیا کہ: "میت کی روح مکان میں آتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں آتی تو خواب میں کیوں نظر آتی ہے؟"۔ تو اس کے:

جواب میں آپؒ نے فرمایا کہ: خواب میں کسی میت کا نظر آنا اس کو مقتضی نہیں کہ اس کی روح مکان میں آوے۔ بلکہ خواب میں نظر آنا بسبب تعلق روحانیت کے ہے۔ مکان سے اس کو کچھ تعلق آنے کا نہیں ہے۔ بہت سے زندہ لوگوں کو جو دور دراز پر ہیں خواب میں دیکھا جاتا ہے۔ پس خواب کا قصہ جدا ہے۔ اجسام ظاہری کا اتصال اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔ عالم ارواح دوسرا عالم ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل جلد ۵ صفحہ ۳۶۰)

۱۵ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: عبارات مفسرین کا حاصل یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کی روح اور جسم مبارک دونوں کو مکہ معظمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں کے اوپر حضور الٰہی جل شانہ و عز برہانہ میں پہنچایا گیا۔ اور یہی مذہب صحیح ہے۔ (تحفۃ معراج النبی صفحہ ۶)

نیز حضرت لاہوریؒ نے معراج جسمانی کا عقلی ثبوت کے زیر عنوان تحریر فرمایا کہ:

انسان کے دو جز ہیں۔ ایک جسم، جس کی ترکیب عناصر کے اجزائے لطیفہ سے ہے۔ اس حصہ کے نشوونما کے لیے انہی اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے جن کی ساخت عناصر سے ہو۔ اور دوسرا جز انسان کی روح ہے۔ روح کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ: چار ماہ کے بعد جب ساخت اعضاء ماں کے رحم میں مکمل ہوجاتی ہے تب خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک برقی طاقت اس جسم بے جان کے اندر آگھستی ہے۔ اور وہ فوراً متحرک ہوجاتا ہے۔ اور زندہ کہلاتا ہے۔ گویا زندگی اس روح کے اثر کا نام ہے۔ بدن کے ڈھانچے میں روح ہے تو انسان زندہ ہے۔ ورنہ مردہ۔ بلکہ تمام اقوال و افعال انسانی کا منبع فقط یہ روح ہے۔ جب یہ روح بدن انسانی سے خارج ہوجاتی ہے تو انسان مردہ ہے اور سپرد زمین کرنے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ تحریر سابق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان دراصل اس روح کا نام ہے۔ اور جسم عنصری اس کا آلۂ کار ہے۔ ان دونوں کی نسبت انجن اور سٹیم کی سی ہے۔ نقل و حرکت تو انجن کے پرزے ہی کرتے ہیں۔ لیکن اگر سٹیم نہ ہو تو انجن ایک انچ حرکت نہیں کرسکتا۔ سٹیم ہی کی بدولت ہزاروں کام انجن سے لیے جاتے ہیں۔ یہی سٹیم جب زیادہ طاقت ور ہوجائے تو سالم انجن لکڑی کا کافی بوجھ اور کئی انسانوں کو اٹھا کر ہوا پر اڑنے لگ جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جب انسانی روحانیت کا سٹیم زیادہ تیز اور طاقت ور ہوجاتا ہے تو انسان کو اٹھا کر آسمان پر لے اڑتا ہے۔ جس چیز کو انسان اپنی ناقص عقل اور محدود فہم سے ایک محدود حد تک پہنچا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کام کو اپنے کلمۂ کن سے بے انتہا درجے تک لے جاسکتا ہے۔ لہٰذا بالفرض انسان اگر لوہے، لکڑی اور آدمی کو دو میل کی بلندی تک آسمان پر اڑا سکتا ہے تو خدا تعالیٰ کی قدرت میں انہی اشیاء کو دو کروڑ یا دو سنکھ میل بلکہ اس سے زائد مسافت پر پہنچانا کوئی بعید نہیں ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (تحفۂ معراج النبی صفحہ ۷)

تنبیہ اگرچہ بعض اہل کشف نے وفات یافتہ بزرگوں سے ملاقات ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن ایسے خرقِ نادر واقعات پر قیاس کرتے ہوئے مرزا قادیانی کی طرح یہ کہنا غلط ہے کہ: انبیاء اور دیگر کامل بزرگوں کی ارواح سے ہی نہیں بلکہ جسد عنصری کے ساتھ بالمشافہ بھی ان سے ملاقات ہوسکتی ہے اور ان سے دینی یا دنیوی معاملات میں رہنمائی بھی لی جاسکتی ہے۔

عقیدہ ۵ حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ

مرزا قادیانی نے لکھا کہ: اس زمانے کے لوگوں کے لیے زیارت حقہ کی حقیقی علامت یہ ہے کہ اس زیارت کے ساتھ بعض ایسے خوارق اور علامات خاصہ بھی ہوں جن کی وجہ سے اس رویا یا کشف کے منجانب اللہ ہونے پر یقین کیا جائے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ بعض بشارتیں پیش از وقوع بتلادیں، یا بعض قضا و قدر کے نزول کی باتیں پیش از وقوع مطلع کردیں، یا بعض دعاؤں کی قبولیت سے پیش از وقت اطلاع دے دیں، یا قرآن کریم کی بعض آیات کے ایسے حقائق و معارف بتلادیں جو پہلے قلمبند اور شائع نہیں ہوچکے، تو بلاشبہ ایسی خواب سچ بھی جائے گی۔ (مجاہد خاتم النبیین صفحہ ۲۹۹)

فائدہ یاد رہے کہ جس طرح حیاۃ النبی کے مسئلہ سے روافض نے فائدہ اٹھایا، اور جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ انھوں نے تو اس عقیدۂ بد کی تشہیر کرکے اپنے مذموم مقاصد میں کسی حد تک کامیابی حاصل بھی کرلی۔ اسی طرح مرزا قادیانی نے بھی اپنی ہر جھوٹی بات منوانے کے لیے اسی واہیات عقیدہ کی تشہیر شروع کردی کہ: اگر حضرت نبی کریم ﷺ خواب میں کسی کو قرآن کریم کی بعض آیات کے ایسے حقائق و معارف بتلادیں جو پہلے قلمبند اور شائع نہیں ہوتے۔ یعنی جس کا ثبوت نہ قرآن مجید میں ہو نہ احادیث صحیحہ میں اور نہ ہی امت محمدیہ ﷺ میں سے کسی نے قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی ہو، بس اگر کسی کو خواب میں کچھ نظر آجائے اسے حجت مان لیا جائے۔ خواہ وہ القائے شیطانی ہی ہو"۔

اور شاید اسی واہیات عقیدے کی بنیاد پر اس ظالم نے قرآن مجید میں جابجا تحریف کی۔ اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ عقائد کے مقابلے میں ایک نیا دین تراش لیا۔ اور اس کے کم فہم متبعین پوری امت کے متفق علیہ مسلک کے خلاف مرزا قادیانی کے خواب سے متعلق اسی من گھڑت عقیدۂ بد کو حق سمجھنے لگے۔ حالانکہ پوری امت محمدیہ ﷺ کا اس بات پر اجماع ہے کہ غیر نبی کا خواب، یا کشف و الہام حجت نہیں۔

حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں عقیدہ ⑥

❶ مرزا قادیانی کا عقیدہ ہے کہ: "جاودانی زندگی آن حضرت ﷺ کی ہے"۔ ("آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۲۱)

❷ نیز مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: "دنیا میں صرف دو زندگیں قابلِ تعریف ہیں۔
① ایک وہ زندگی جو خود خدائے حی و قیوم مبدء فیض کی زندگی ہے۔
② دوسری وہ زندگی جو فیض بخش اور خدا نما ہو۔
سو آؤ ہم دکھاتے ہیں کہ وہ زندگی صرف ہمارے نبی ﷺ کی زندگی ہے"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۰۵)

❸ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں لکھا ہے کہ: "برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے"۔ (کشتی نوح صفحہ ۱۱۳ و "ہماری تعلیم" صفحہ ۹) نیز:

❹ مرزا قادیانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ: حقیقی اور روحانی اور فیض رساں زندگی وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی زندگی کے مشابہ ہو کر نور اور یقین کے کرشمے نازل کرتی ہو"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۰۵)

فائدہ قادیانی خود کو موحد کہتے ہیں۔ مذکورِ بالا عقیدہ سے ان کا یہ بھرم بھی کھل گیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ قادیانیوں کا یہ عقیدہ نہ صرف کفریہ بلکہ شرکیہ ہے۔ کیونکہ "جاودانی زندگی" صرف اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ. (۲۵:۵۸) یعنی اس زندۂ جاوید ہستی پر توکل کر جس پر موت کا آنا محال ہے۔

نیز مرزا قادیانی نے دونوں ہستیوں کو مساوی مقام دے کر خود اپنے مشرک ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی زبان میں اسی کا نام شرک ہے۔ جیسا کہ قیامت کے دن مشرک لوگ خود اقرار کریں گے: نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۶:۹۸) ہم تو تمہیں ربُّ العالمین کے برابر مقام دیتے تھے۔

تنبیہ مرزا قادیانی کا یہ عقیدۂ بد بھی قرآن مجید کے خلاف ہے کہ: "حقیقی اور روحانی اور فیض رساں زندگی وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی زندگی کے مشابہ ہوکر نور اور یقین کے کرشمے نازل کرتی ہو"۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (۴۲:۱۱) کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔ اور علامہ عقائد اہل السنت والجماعت فرماتے ہیں: وَلَا يُشْبِهُهٗ شَيْءٌ اي لَا يُمَاثِلُهٗ. یعنی اس اللہ تعالیٰ کے مشابہ اور ہم مثل کوئی چیز نہیں۔ مماثلت کے دو معنے ہیں۔

① اَلْاِتِّحَادُ فِي الْحَقِيْقَةِ. یعنی حقیقت میں دونوں کا متحد ہونا۔ یعنی تمام صفات میں دونوں کا مشترک ہونا مماثلت کہلاتا ہے۔ سو اس معنی کی رو سے کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے مماثل کہنے سے تعدد الٰہ لازم آتا ہے۔

② كَوْنُ الشَّيْئَيْنِ بِحَيْثُ يَسُدُّ اَحَدُهُمَا مَسَدَّ الْاٰخَرِ. یعنی دو چیزوں کا ایسی حالت میں ہونا کہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوسکے۔ تو اس معنی کی رو سے مطلب یہ ہوا کہ کوئی چیز حق تعالیٰ کے قائم مقام کسی صفت میں نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے کہ اس کی ذات اور صفات دونوں قدیم ہیں۔ اور ممکنات کی ذات و صفات حادث ہیں۔ پس حادث قدیم کا قائم مقام اور مماثل کیونکر ہوسکتا ہے۔ (شرح عقائد نسفی صفحہ ۳۶)

اور مرزا قادیانی نے یہودیوں اور نصرانیوں کے عقائد باطلہ کی مشابہت میں صریح شرک کا ارتکاب کرتے ہوئے دونوں ہستیوں یعنی اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مساوی مقام دیا۔ جیسا کہ:

یہود و نصاریٰ کا عقیدہ

"الکتاب المقدس" میں ہے: وَقَالَ اللهُ نَعْمَلُ الْاِنْسَانَ عَلٰى صُوْرَتِنَا كَشِبْهِنَا پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں۔ (پیدائش ۱:۲۶)

تنبیہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ پر الزام لگایا: قَالَ اَيْضًا اِنَّ اللهَ اَبُوْهُ مُعَادِلًا نَفْسَهٗ بِاللهِ. کہ وہ (عیسیٰ نعوذ باللہ) خدا کو خاص اپنا باپ کہہ کر اپنے آپ کو خدا کے برابر بناتا تھا۔ (یوحنا ۵:۱۸) اور عیسائی اسے فضیلت قرار دے کر واقعی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کے برابر سمجھنے لگے۔ اور مرزا قادیانی نے اس "فضیلت" کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی۔

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ (۷)

❶ مرزا قادیانی نے حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق عیسائیوں سے ماخوذ اپنے عقیدۂ بد کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ: "وہ اب تک مع جسم عنصری زندہ آسمان پر موجود ہے"۔ (محامد خاتم النبیینؐ صفحہ ۲۵۴)

❷ نیز مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: "وہ ہمارا پیارا برگزیدہ نبی فوت نہیں ہوا۔ بلکہ بلند تر آسمان پر اپنے ملیکِ مقتدر کے دائیں طرف بزرگی اور جلال کے تخت پر بیٹھا ہے۔ (محامد خاتم النبیینؐ صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۵)

فائدہ یاد رہے کہ یہ عقیدہ کلمہ گو روافض اور معتزلہ وغیرہ میں سے بھی کسی نے کبھی اس قسم کے نظریہ کا اظہار نہیں کیا۔ تاریخِ اسلام میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے عیسائیوں کے مقابلے میں یہ من گھڑت نظریہ پیش کرتے ہوئے حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق لکھا کہ: "وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ بلند تر آسمان پر اپنے ملیکِ مقتدر کے دائیں طرف بزرگی اور جلال کے تخت پر بیٹھے ہیں"۔ حالانکہ یہ واہیات عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سب سے پہلے عیسائیوں نے اختیار کیا۔ اور اپنے اس عقیدۂ بد کو اپنی آسمانی کتاب انجیلِ مقدس میں دسیسہ کاری اور تحریف کا ارتکاب کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے:

عیسائیوں کا عقیدہ

پادری فیروزالدین تاک کاشمیری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے عقیدۂ بد کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ: وہ گناہوں کو دھو کر عالمِ بالا پر کبریا کی داہنی طرف جا بیٹھا۔ (الوہیتِ مسیح صفحہ ۶)

تنبیہ نیز عبرانیوں (۳:۱) میں ہے: تَطْهِيْرًا لِخَطَايَانَا جَلَسَ فِيْ يَمِيْنِ الْعَظَمَةِ فِي الْأَعَالِيْ. کہ وہ گناہوں کو دھو کر عالمِ بالا پر کبریا کی داہنی طرف جا بیٹھا۔

فائدہ حضرت مولانا محمد نجم الغنی خان رحمہ اللہ تعالیٰ شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۴۳ کی عبارت وَلَا يَتَمَكَّنُ فِيْ مَكَانٍ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: وہ اللہ تعالیٰ نہ گھرتا ہے کسی مکان میں،

اور نہ جہت رکھتا ہے' اور نہ داہنی طرف ہے' اور نہ بائیں جانب ہے' نہ اوپر ہے' نہ نیچے ہے' نہ آگے ہے' نہ پیچھے ہے۔ اس لیے کہ وہ ان سب چیزوں کا خالق ہے۔ اور خالق کے واسطے یہ ضرور ہے کہ وہ مخلوق سے پیشتر ہو۔ دوسرے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مکان یا حیز خاص جواہر یا اجسام کے واسطے ہوتا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ جو جوہر اور جسم ہونے سے پاک ہے۔ مکان اور حیز سے بھی پاک ہے۔

کرامیہ کا عقیدہ

اور کرامیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ملنا اجسام یا تحت سے جائز ہے۔ اور وہ عرش پر ہے۔ اور عرش اس کا مماس ہے۔ مگر یہ مذہب کئی قباحتوں کی وجہ سے باطل ہے۔

❶ چاہیے کہ مکان قدیم ہو۔

❷ متمکن اپنے مکان کا محتاج ہوتا ہے۔ اور مکان متمکن سے مستغنی ہے۔ کیونکہ متکلمین کے نزدیک خلا جائز ہے۔ پس جب واجب (تعالیٰ) مکان میں ہوا تو اس کا امکان اور مکان کا وجوب لازم آیا۔

❸ اگر واجب تعالیٰ مکان میں ہو تو یا وہ مکان کے بعضے حصے میں ہوگا۔ یا سارے مکان میں۔ اور یہ دونوں صورتیں نادرست ہیں۔

① پہلی تو اس لیے کہ مکان کے ہر حصے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نسبت برابر ہے۔ اور مخصص ماننے کی صورت میں باری تعالیٰ کے اپنے تحیز کے لیے غیر کی طرف محتاجی لازم آتی ہے۔ اور بدوں مخصص کے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔

② اور دوسری صورت اس لیے کہ مکان کے بعضے حصوں میں اجسام عالم موجود ہیں۔ جب باری تعالیٰ پورے مکان میں ہو تو متحیزوں کا تداخل لازم آتا ہے۔ اور یہ محال ہے۔

❹ اگر متحیز ہوگا تو جوہر ہوگا۔ کیونکہ عرض تو ہو نہیں سکتا۔ اور جوہر ہونے کی صورت میں جزو لایتجزیٰ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ احقر الاشیاء ہے۔ پس جسم ہوگا۔ اور وہ مرکب ہوتا ہے۔ اور ترکیب وجوب کے منافی ہے۔ (تہذیب العقائد صفحہ ۲۰ و ۲۱)

فائدہ یاد رہے کہ عیسائیوں نے تمام الٰہی صفات حتیٰ کہ خلق' ربوبیت' برکات دہندگی

وغیرہ میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہا۔ لیکن مرزا قادیانی نے خلق اور ربوبیت کے معاملے میں تو شاید عیسائیوں سے مات ہی کھائی ہو، تاہم برکات دہندگی کے متعلق بد عقیدگی میں عیسائیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے:

عیسائیوں اور قادیانیوں کا عقیدہ

مرزا قادیانی نے لکھا: كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم (تذکرہ صفحہ ۳۵) یعنی "تمام برکتیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہیں"۔ جب کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام برکات دہندہ ہیں"۔ دیکھیے: احبار ۱۶:۱۱-۱۵ و ۳۳ و ۲۲:۹-۳۳ و خروج ۳۰:۸-۱۰ و عبرانیوں ۵:۱-۲)

حضرت مولانا محمد حنیف رہبر اعظمی مبارکپوری فرماتے ہیں کہ: انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہوگیا، تو مسلمانانِ ہند پر بیک وقت سیکڑوں مصیبتیں ٹوٹ پڑیں، اگر ایک طرف اُن کی دولت برباد ہوئی، ان کی حاکمانہ زندگی کی رہی سہی توقعات کا بھی خاتمہ ہوا، تو دوسری طرف ان کا دین و ایمان بھی خطرہ میں پڑ گیا۔ اور لارڈ منٹگمری ممبر پارلیمنٹ کی ۱۸۵۸ء والی تقریر بروئے کار آنے لگی۔ جس کا مضمون یہ تھا: "خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ سلطنت ہندوستان انگلستان کے زیر نگین ہے۔ تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے، ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیے اور اس میں کسی طرح تساہل نہ کرنا چاہیے"۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کے لیے یہ دور سیاسی و مذہبی اعتبار سے نہایت ہلاکت آفریں دور تھا۔ اور اُن کی زندگی کی ناؤ ایک خطرناک بھنور میں گھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے اُن چند مقدس نفوس پر جنھوں نے اپنی دور بین نگاہوں سے مستقبل کے خطرات کو دیکھا، اور اسلامی تعلیم و حجازی تہذیب کے بقا اور تحفظ کے لیے سرزمین "دیوبند" میں اپنے مبارک ہاتھوں سے دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔

اسلام کے دانا دشمنوں اور طاغوت پرست مدبروں نے جب دیکھا کہ ان چند حامیانِ اسلام نے مسلمانوں کی حفاظت اور علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت کا سامان فراہم کرلیا

اور اب مسلم قوم کو آسانی سے ہضم نہیں کیا جاسکے گا تو انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی طرح ان خدام اسلام سے عام مسلمانوں کو متنفر اور بدگمان کردیا جائے۔ ورنہ ہم اپنے عزائم مشومہ میں ہرگز کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ چنانچہ اس کام کی انجام دہی کے لیے انھوں نے پیشہ ور پیروں اور جعلی مولویوں کی خدمات حاصل کیں اور ان نفس پرست اور شکم پرور ملت فروشوں نے صرف چند شفید سکوں کے لالچ میں ہندوستان بھر میں ان خدام اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ یہ لوگ معاذاللہ بدمذہب اور فاسد العقیدہ ہیں۔ خدا کو جھوٹا کہتے ہیں، رسولؐ کی توہین کرتے ہیں، آپؐ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی کے برابر بتلاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس ناپاک پروپیگنڈے کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کی جمعیت میں پھوٹ پڑجائے۔ ان کا شیرازہ بکھر جائے۔ اور ان کی متحدہ طاقت جماعتوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہوکر کمزور ہوجائے۔ نیز ان کے عوام اپنے مخلص رہنماؤں سے فرنٹ ہوجائیں۔ اور پھر ان بھیڑوں کی طرح جن کا کوئی ہوشیار رکھوالی نہ ہو ان کو آسانی سے شیطانی ریوڑ میں ملایا جاسکے۔

(مقامع الحدید علی الکذاب العنید صفحہ ۶۵و۶۶)

برصغیر میں برطانوی جھنڈا

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تقریباً ڈیڑھ صدی قبل ہندوستان میں برطانوی عیسائیوں نے صدیوں پرانی مسلم حکومت کو ختم کرنے کے بعد اس سرزمین پر وسطی پنجاب میں برطانوی جھنڈے کے نقشہ پر لائل پور کے نام سے ایک شہر آباد کیا۔ جسے اب فیصل آباد کہتے ہیں۔ اس شہر میں داخل ہونے کے لیے ایک کونے پر اپنے روایتی انداز میں دروازہ بنا کر اسے دشمنانِ اسلام قیاصرہ کے نام سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام "قیصری دروازہ" رکھ دیا۔ اس دروازہ کے باہر چوراہے کے بیچ میں ایک خوبصورت قبہ بنایا، جسے مقامی زبان میں گمٹی کہا جاتا ہے۔ اور اس کے بیچ میں فوارہ بنا کر عیسائیوں نے اپنے عقیدۂ بد کے مطابق ایک مشرکیہ فقرہ نستعلیق اور سکھوں کے مذہبی رسم الخط گرمکھی میں لکھ دیا: "برکت دریائے چنہاں دی" کیونکہ ہندو اور سکھ دریاؤں کو برکات دہندہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی برکات دہندہ ہے۔ اور

کائنات میں کوئی بھی اس صفت میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (۶۴:۴۰)

آیت ۲ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (۵۴:۷)

آیت ۳ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (۱۴:۲۳)

آیت ۴ تَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (۸۵:۴۳)

آیت ۵ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (۷۸:۵۵)

آیت ۶ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (۱:۶۷)

آیت ۷ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (۱:۲۵)

آیت ۸ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (۳:۴۴)

آیت ۹ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ (۲۹:۳۸)

آیت ۱۰ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ (۱۵۵:۶ و ۹۲:۶)

آیت ۱۱ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ (۵۰:۲۱)

آیت ۱۲ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (۹:۵۰)

آیت ۱۳ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا (۱۰:۴۱)

آیت ۱۴ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (۱۳۷:۷)

آیت ۱۵ الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ (۱:۱۷)

آیت ۱۶ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (۷۱:۲۱)

آیت ۱۷ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (۸۱:۲۱)

آیت ۱۸ بٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اِسْحٰقَ (۱۱۳:۳۷)

آیت ۱۹ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ (۸:۲۷)

آیت ۲۰ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (۶۱:۲۵)

آیت ۲۱ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا (۱۰:۲۵)

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ ⑧

مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: "آنحضرتؐ کی روحانی توجہ نبی تراش ہے"۔

(محامد خاتم النبیینؐ صفحہ ۲۵۰ و مجموعۂ تقاریر صفحہ ۷۴ جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ سن ۱۹۶۱ء)

فائدہ مرزا قادیانی نے نبوت کے دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اور ضعیف الاعتقاد عوام کے سامنے حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق دُنیوی حسی عنصری حیات کا نظریہ پیش کرکے اس سے اپنی ڈوبتی نیا کو سہارا دینے کی کوشش کی، اور آپ ﷺ کے متعلق "نبی تراش" کا لفظ استعمال کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ گویا آنحضرت ﷺ ہی خدا ہیں، اور وہ جسے چاہیں اسے نبی بنا کر دُنیا میں مبعوث فرمائیں۔ جیسا کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ: "وہ نہ صرف رسول تھے، بلکہ رسول گر تھے"۔ (دیکھیے مسیحؑ کی شان از روئے قرآن کریم صفحہ ۱۹ مصنفہ خواجہ، نظر ثانی الیف ایم نجم الدین، ناشر: پادری اسلم خاں ۳۔ وارث روڈ لاہور)

تنبیہ مرزا قادیانی کے بیان کردہ عقائدِ بد کے لیے جس انداز میں "محامد خاتم النبیینؐ" کے نام سے قادیانیوں نے کتاب شائع کی، تقریباً اسی سے ملتے جلتے انداز میں عیسائیوں نے بھی "مسیحؑ کی شان از روئے قرآن کریم" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی "سیرت" بیان کی ہے۔ بلکہ عیسائیوں کے ایک پادری فیروزالدین تاک کاشمیری نے تو ایک کتاب کا نام ہی "الوہیت مسیحؑ" رکھا۔ جس میں اس نے لکھا ہے کہ: ① "یہ کہنا کہ وہ خُدا سے الگ ہے اور محض ایک نبی یا رسول یا خدا کا برگزیدہ ہے درست نہ ہوگا"۔ نیز یہ بھی لکھا کہ: ② "بے شک وہ کامل خُدا اور کامل انسان ہے۔ مگر نفسانی آدمی اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ یہ رُوح کی باتیں اور الٰہی راز ہیں"۔ نیز: ③ "الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہوکر سکونت کرتی ہے"۔ نیز: ④ "وہ ایک الٰہی سوسائٹی کا رکن اور آسمانی بادشاہت کا بانی تھا اور اس کی سچائی کل عالم پر چھا چکی ہے اور اس کی بادشاہت کے اثرات اب تک دُنیا میں جاری ہیں۔ یہ اس کی الوہیت کا ثبوت ہے"۔ (الوہیت مسیحؑ صفحہ ۳، ۲۳، ۲۴، ۳۸)

حیاۃ الانبیاء کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ ۹۱

"جو لوگ بذریعہ کشف بحالت بیداری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل کرتے ہیں وہ اصحاب رسول میں سے ہیں"۔ (احمد صادق صفحہ ۱۹۳)

فائدہ مرزا قادیانی کی یہ بات سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات طیبہ میں، تو جو مسلمان بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا وہ صحابی بن جاتا تھا۔ بشرطیکہ اسلام پر ہی فوت ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ایک نووارد (ابوذویب خویلد بن خالد ہذلی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی زیارت کرنے سے صحابی کا خطاب نہ پاسکا۔ جب کہ حضرت ابوذویب خویلد بن خالد ہذلی جیسے مخلص شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرماجانے کے بعد دفن سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم و منور چہرۂ مبارک کا دیدار کرنے کی سعادت بھی حاصل کرلی تھی، تو اور کوئی شخص کشف کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہو جانے کی صورت میں کس طرح صحابیت کا مقام حاصل کرسکتا ہے۔

تنبیہ اگر دنیوی عنصری حقیقی جسمانی ناسوتی حیات کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کہا جائے تو حضرت ابوذویب خویلد بن خالد ہذلی کو صحابہؓ کی فہرست میں شامل کرنا چاہیے تھا۔ مگر گزشتہ چودہ صدیوں میں کسی عالم محدث اصولی نے انھیں صحابہؓ میں شمار نہیں کیا۔ جب کہ بقول احمد رضاخان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آن کے لیے موت آئی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور زندہ ہوگئے۔ حالانکہ تمام علماء اہل السنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حیات دنیویہ سے انتقال کرنے کے بعد والی زندگی دوسری قسم کی زندگی ہے۔ جو جسمانی عنصری ناسوتی نہیں ہے۔ بلکہ وہ برزخی زندگی ہے۔ اور برزخ کا باشندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو تو وہ صحابی نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معراج جسمانی کی شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز بھی پڑھی۔ اور بقول حضرت علامہ سبکیؒ کے نماز جسم حی کا تقاضا کرتی ہے۔ مگر اس کے باوجود سوائے حضرت عیسیٰؑ کے انبیاء کرامؑ میں سے صحابیت کا شرف کسی کو نہیں ملا۔ اس سے ثابت ہوا کہ: ① زیارت کرنے والے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے لیے

ایک وقت میں دُنیوی عنصری جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہونے کی حالت میں زیارت سے نبوی سے مشرف ہونا صحابیت کے لیے شرط ہے۔ ② اگر زیارت کرنے والا دُنیوی عنصری جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہو مگر نبی کریم ﷺ دُنیوی عنصری جسمانی حیات کے ساتھ زندہ نہ ہوں تو وہ زیارت کرنے والا صحابی نہیں بن سکتا۔ جیسا کہ حضرت ابوذدیب رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ ③ اسی طرح اگر زیارت کرنے والا بھی برزخی عالم میں ہو اور نبی کریم ﷺ بھی برزخی عالم میں ہوں اور ایک دوسرے کو دیکھ لیں تو بھی وہ زیارت کرنے والا صحابی نہیں ہوگا۔ جیسے کوئی انسان اس جہان سے انتقال کرتا ہے تو عالمِ برزخ میں منکر نکیر حضرت نبی کریم ﷺ کا برزخی جسدِ مثالی دکھا کر دریافت کرتے ہیں: مَاتَقُوْلُ فِیْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ؟ تو مسلمان آپ ﷺ کی زیارت کرنے کے بعد جواب دیتا ہے: هٰذَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ﷺ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے والے کسی مسلمان کو صحابی نہیں کہا جاتا۔ ④ اسی طرح عالمِ خواب میں اگر کسی کو حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو وہ بھی صحابی نہیں بن سکتا۔ باوجودے کہ آپ ﷺ کا فرمان واجبُ الاذعان ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ۔ یعنی جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا' اس نے سچ مچ میری مثل ہی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔ ⑤ اسی طرح اگر زیارت کرنے والا دُنیوی عنصری جسمانی حیات کے ساتھ زندہ نہ ہو بلکہ اس کو برزخی حیات حاصل ہو اور نبی کریم ﷺ دُنیوی عنصری جسمانی ناسوتی حیات کے ساتھ زندہ ہوں تب بھی زیارت کرنے والا صحابی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ باقی انبیاءِ کرام علیہم السلام۔ اور اس بات پر سب علماءِ حق کا اتفاق ہے کہ معراج جسمانی کی رات حضرت نبی کریم ﷺ کی ارواحِ انبیاءؑ کی امثلہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور انھوں نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی۔ ان کے اجساد نہیں تھے۔ اجساد تو ان کے اپنے اپنے مدفنِ ارضی ہی میں مدفون تھے۔

فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بروحہ وجسدہ العنصری زندہ صحیح سلامت آسمان پر تشریف فرما ہیں۔ آپ اس وقت نہ ظہر الارض میں ہیں اور نہ ہی بطن الارض میں ہیں۔ امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ

ﷺ نے معراج جسمانی کی شب ان کو دیکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہونے کی حالت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مرتبۂ نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ (دیکھیے تجرید اسماء الصحابہؓ جلد ۱ صفحہ ۴۳۲ مصنفہ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ)

تنبیہ احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی معراج جسمانی کی شب آپ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ باوجود ملاقات کے ان کو صرف نبی تو کہا جاتا ہے مگر صحابی نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ تمام انبیاء کرامؑ زندہ ہیں۔ وجہ فرق کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا اسی جسدِ عنصری میں روح مبارک موجود ہے۔ اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین سے آسمان پر اٹھا لیا۔ اب وہ دو ہزار سال سے اسی جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ اور ان کی خوراک وہی ہے جو آسمان والوں کی ہے۔ یعنی تسبیح و تہلیل۔ (دیکھیے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۷۷) اور ظاہر ہے کہ اس خوراک سے بول و براز نہیں آتا۔ علماءِ اصول نے صحابی کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

صحابی کی تعریف: مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ ﷺ مُسْلِمًا ثُمَّ مَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَ الْمُرَادُ رُؤْيَتُهُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ ﷺ فَلَوْ رَاٰهُ بَعْدَ مَوْتِهِ ﷺ قَبْلَ الدَّفْنِ أَوْ بَعْدَ الدَّفْنِ فَلَيْسَ بِصَحَابِيٍّ عَلَى الْمَشْهُوْرِ۔ یعنی جس شخص نے اسلام کی حالت میں حضرت نبی کریم ﷺ کی ملاقات کی پھر اسلام ہی کی حالت میں فوت ہو گیا تو وہ صحابی ہے۔ اور اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ کی حیاتِ دنیوی میں کسی کا آپ ﷺ کو دیکھنا۔ اب اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے انتقال کے بعد دفن سے پہلے یا دفن کے بعد آپ ﷺ کی زیارت کرتا ہے تو وہ صحابی نہیں ہے۔ اس تعریف کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی صحابی بنتے ہیں۔ اور دوسرے انبیاء کرامؑ صحابی نہیں۔ یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ ملاقات کرنے والے کا جسدِ عنصری کے ساتھ ملاقات کرنا صحابی ہونے کے لیے شرط ہے۔ اور صرف روح کی ملاقات سے وہ ارواح صحابی نہیں ہوتے۔

مرزا قادیانی کے اس نظریہ کے مطابق جو بھی مسلمان روضۂ اطہر کی زیارت کرنے کے لیے جاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا ہے، تو اگر آپ بحیاتِ دنیویہ زندہ ہیں اور زائر کا سلام سن کر جواب بھی دیتے ہیں اور زائر کو دیکھتے پہچانتے بھی ہیں۔ تو اس مختصر سی ملاقات کے باعث ایسے زائر پر بھی صحابی کی تعریف صادق آئے گی۔ ؎

بایماں لقائے نبی ہر کہ کرد   و مردہ بر ایمان صحابی ست فرد

حضرت علامہ ابن حجرؒ نے الاصابہ فی معرفۃ الصحابۃ جلد ا صفحہ ۵-۳ میں فرمایا: اَصَحُّ مَا وَقَفْتُ عَلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ اَنَّ الصَّحَابِيَّ مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ ﷺ ... کہ میری بیان کردہ صحابی کی یہ تعریف دوسروں سے زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ: فَيَدْخُلُ فِيْ مَنْ لَقِيَهُ مَنْ طَالَتْ مُجَالَسَتُهُ اَوْ قَصُرَتْ، وَمَنْ رَوٰى عَنْهُ اَوْلَمْ يَرْوِ، وَمَنْ غَزَا مَعَهُ اَوْلَمْ يَغْزُ، وَمَنْ رَاٰهُ رُؤْيَةً وَلَمْ يُجَالِسْهُ، وَمَنْ لَمْ يَرَهُ لِعَارِضٍ كَالْعَمٰى۔ "اس تعریف میں وہ تمام لوگ بھی داخل ہو جاتے ہیں:

❶ جو لمبی مدت آپؐ کی صحبت میں رہے ہوں۔ یا تھوڑا سا وقت۔
❷ اور وہ بھی جنھوں نے آپؐ سے کچھ روایت کی ہو یا نہ۔
❸ اور وہ بھی جنھوں نے آپؐ کے ساتھ غزوہ (جہاد) میں شرکت کی ہو، یا نہ۔
❹ اور وہ بھی جنھوں نے صرف آپؐ کو دیکھا ہو۔ اور آپؐ کی مجلس میں بیٹھے نہ ہوں۔
❺ اور وہ بھی آگئے جو کسی عارضے کی وجہ سے آپؐ کو دیکھ نہ سکے ہوں۔ جیسے: نابینا لوگ"۔ مثلاً:

حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کی وجہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکے۔ مگر چونکہ آپؐ نے ان کو ایمان کی حالت میں دیکھا، اس لیے وہ تو بلاشک صحابی ہیں۔

اور اگر مرزا قادیانی کے بقول صحابی ہونے کے لیے رؤیت کشفی کافی ہے تو صحابی کی مذکورہ بالا جامع مانع تعریف کی روشنی میں قیامت تک روضۂ اطہر کی زیارت کرنے والے زائرین کو بھی بطریقِ اولیٰ صحابہ کی فہرست میں شامل کرنا چاہیے۔ جنھیں اس عقیدۂ بد کی رو سے آپؐ اپنی قبرِ اطہر کے اندر سے اپنی معصوم آنکھوں کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ مگر چودہ صدیوں میں کسی نے نہیں کہا کہ روضۂ اطہر کی زیارت کرنے والا بھی صحابی ہوتا ہے۔

إِنِّيٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَٱسْمَعُونِ ۝
قِيلَ ٱدْخُلِ ٱلْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِى يَعْلَمُونَ ۝

حصہ دوم

الصراط المُستقیم

فی اثبات

الحیوۃ البرزخیۃ للنبی الکریم

علیہ الصلوۃ والتسلیم

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی
سید محمد حُسین شاہ نیلوی مدظلہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

حیات الانبیاء کے بارے میں قادیانیوں کا عقیدہ

مرزا قادیانی نے اپنے واہیات عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ع

"کاملاں می اند در زیرِ زمیں"

یعنی "جتنی کامل ہستیاں ہیں اولیاءؒ، صلحاءؒ، شہداءؓ، صدیقینؓ اور انبیاءؑ یہ سب زمین کے نیچے (قبر عرفی میں) زندۂ جاوید ہوتی ہیں"۔ (احمد صادق صفحہ ۳۹)

تبصرہ مرزا قادیانی کا یہ قول سراسر کذب اور افترا ہے۔ اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ مرزا قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو "کامل" سمجھتا ہے، اور نہ ہی ان کو "زندہ" مانتا ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی تو کجا ان کا شمار صالحین میں بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ مرزا قادیانی حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا قائل ہونے کے باوجود انھیں زیرِ زمین زندہ نہیں مانتا۔ جیسا کہ انبیاءِ کرامؑ، صدیقینؓ، شہداءؓ و صالحینؒ و دیگر کاملین کے متعلق اس نے لکھا ہے۔ اور اگر قرآن و حدیث کی روشنی میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں "کاملین" انبیاءؑ صدیقینؓ شہداءؓ اور صالحینؒ کی تعظیم نہیں بلکہ توہین ہے۔ کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ مومنوں کے لیے زمین کا بالائی حصہ بنسبت زیریں حصہ کے اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ:

<u>حیاتِ دنیوی میں مومنین کے لیے</u>

<u>زمین کے بالائی حصہ میں رہنا اچھا ہے</u>

حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا کَانَ اُمَرَآؤُکُمْ خِیَارَکُمْ وَ اَغْنِیَآءُکُمْ سُمَحَآءَکُمْ وَ اُمُوْرُکُمْ شُوْرٰی بَیْنَکُمْ فَظَھْرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ بَطْنِھَا وَاِذَا کَانَ اُمَرَآؤُکُمْ شِرَارَکُمْ وَاَغْنِیَآءُکُمْ بُخَلَآءَکُمْ وَاُمُوْرُکُمْ اِلٰی نِسَآءِکُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَھْرِھَا۔ یعنی جب تک تمہارے امیر متقی اور تمہارے غنی سخی ہوں گے اور تمہارا ہر کام باہمی مشورے سے ہوگا تو تمہارے لیے زمین کا بالائی حصہ اندرونی حصہ سے بہتر ہوگا یعنی تمہارا جینا فائدہ مند ہوگا۔ اور جب تمہارے امیر شریر اور تمہارے غنی بخیل ہوجائیں گے اور تمہارا ہر کام عورتوں کے سپرد ہوگا تو تمہارے لیے زمین کا اندرونی حصہ

بالائی حصہ سے بہتر ہوگا۔ یعنی تمہارے لیے مرجانا ہی بہتر ہوگا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹)

تنبیہ اس حدیث شریف سے صاف معلوم ہوا کہ حیاتِ دُنیوی میں مؤمنین کے لیے زمین کے بالائی حصہ میں رہنا اچھا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ انبیاءِ کرامؑ کو ظہر الارض کی زندگی سے نکال کر بطن الارض یعنی زمین کے اندرونی حصے میں خاکی جسم کے ساتھ دُنیوی، عنصری، حقیقی، زندگی ثابت کرنے سے انبیاءؑ، صدیقینؒ، شہداءؒ اور صالحینؒ کی تعظیم نہیں، بلکہ توہین لازم آتی ہے۔ جب کہ توہینِ انبیاءؑ صریح کفر ہے۔

المہند کی عبارت سے مرزا قادیانی کے عقیدہ کی تائید؟

مرزا قادیانی کے متبعین کو حیاتُ الانبیاءؑ کے سلسلے میں المہند کی عبارت سے پیدا ہونے والے شبہ کا جواب پڑھنے سے پہلے یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مرزا قادیانی کے متبعین جس طرح قرآن مجید، احادیثِ نبوی اور ائمہ حدیث و مجتہدین کی عبارات میں تحریف اور قطع و برید کرکے اپنے مسلک اور جھوٹی نبوت کے دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہوئے بھولے عوام کالانعام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصنیف "تحذیر الناس" کی عبارت بھی اپنی جھوٹی نبوت کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ:

۱ مرزا قادیانی کے متبعین نے "ہمارا موقف" نامی کتابچہ کے صفحہ ۱۲ میں لکھا ہے:

قولہ (جانشین حضرت شاہ عبد العزیزؒ) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ بانی دارالعلوم دیوبند (ولادت ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء وفات ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) فرماتے ہیں:

"اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا"۔ (تحذیر الناس صفحہ ۲۵ مطبوعہ خیر خواہ سرکار پریس سہارنپور)

۲ اسی طرح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر نے "وہابی دیوبندی عقائد کے چند نمونے" کے زیرِ عنوان حضرت نانوتویؒ کی درج ذیل عبارت بھی تنقید و تردید دیوبندیت کے لیے نقل کی:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھنا عوام کا خیال ہے اہلِ علم کا نہیں"۔

(تحذیر الناس صفحہ ۳ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت سے متعلق مرزا قادیانی کے متبعین اور رضاخانی "تحذیر الناس" کی مذکورِ بالا عبارات سے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ جب کہ رضاخانی تو الزامی طور پر یہ بھی کہتے ہیں کہ: قاسم نانوتویؒ کی ان عبارات نے (نعوذ باللہ) مرزا قادیانی کو جھوٹی نبوت کے دعوے کی بنیاد فراہم کی۔ اسی طرح:

شبہ اگر کوئی تخریب پسند قادیانی وغیرہ کہے کہ مرزا قادیانی کا یہ قول بالکل درست ہے۔ کیونکہ علماءِ دیوبند کی مصدقہ کتاب المہند علی المفند میں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: **قولہ** عِندَنَا وَعِندَ مَشَایِخِنَا حَضرَۃُ الرِّسَالَۃِ صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ فِی قَبرِہِ الشَّرِیفِ وَحَیٰوتُہٗ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیَوِیَّۃٌ مِن غَیرِ تَکلِیفٍ وَھِیَ مُختَصَّۃٌ بِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم وَبِجَمِیعِ الأَنبِیَآءِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیھِم وَالشُّھَدَآءِ لَا بَرزَخِیَّۃٌ. کَمَا ھِیَ حَاصِلَۃٌ لِسَائِرِ المُؤمِنِینَ بَل لِجَمِیعِ النَّاسِ. یعنی ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اور آپؐ کی حیات دُنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آں حضرتؐ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ' برزخیہ نہیں ہے' جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو"۔ اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ تمام علماءِ دیوبند کے نزدیک انبیاءؑ و شہداء سب کی حیات دُنیوی ہے برزخی نہیں۔

جواب حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ یقیناً بہت بڑے عالم اور محدث تھے' لیکن آپ نے المہند علی المفند میں جو عقیدہ تحریر فرمایا ہے' وہ مسلکِ علمائے اہلِ سنت کے خلاف ہے۔ جیسا کہ مولانا سرفراز خان صفدر کے بقول حضرت مفتیٔ اعظم ہندؒ نے فرمایا کہ: "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی حیاتِ برزخی حاصل ہے۔ جس کی کیفیت خدائے تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن حیاتِ دُنیوی کہنا خلافِ اہل السنۃ والجماعۃ ہے"۔ اور المہند میں یہ مسئلہ لکھتے وقت حضرت محدث سہارنپوریؒ کو تسامح ہوگیا ہے۔ نیز حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دعویٰ پر نہ تو قرآن و حدیث میں سے اس عقیدہ کی کوئی دلیل پیش فرمائی' نہ صحابۂ کرامؓ کا کوئی فرمان نقل فرمایا' نہ کسی مجتہد کا قول پیش کیا' نہ کسی حنفی عالم کی عبارت نقل کی' اور نہ ہی علماءِ دیوبند میں سے کسی کا مسلک

بیان فرمایا بلکہ بعض غیر محتاط شافعی علماء کے حوالے سے فرمایا: كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ الْعَلَّامَةُ السُّيُوْطِيُّ فِي رِسَالَتِهِ "اِنْبَاءُ الْاَذْكِيَاءِ بِحَيٰوةِ الْاَنْبِيَاءِ". حَيْثُ قَالَ قَالَ الشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّيْنِ السُّبْكِيُّ "حَيٰوةُ الْاَنْبِيَاءِ وَالشُّهَدَاءِ فِي الْقَبْرِ كَحَيٰوتِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَيَشْهَدُ لَهُ صَلٰوةُ مُوْسٰى عليه السلام فِي قَبْرِهٖ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ تَسْتَدْعِيْ جَسَدًا حَيًّا اِلٰى اٰخِرِ مَا قَالَ. یعنی "علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "انباءُ الاذکیا بحیٰوۃ الانبیاءؑ" میں تصریح لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے"۔ الخ

تنبیہ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس عبارت کے لکھنے اور علامہ سبکیؒ کی عبارت سے مسئلہ مستنبط کرنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ حضرت علامہ سبکیؒ نے تو فرمایا ہے: "حَيٰوةُ الْاَنْبِيَاءِ وَالشُّهَدَاءِ فِي الْقَبْرِ كَحَيٰوتِهِمْ فِي الدُّنْيَا"۔ یعنی انبیاء اور شہداء کی حیات قبر میں ایسی ہے جیسے دنیا میں ان کی زندگی تھی۔ اور اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو جس طرح عالمِ دنیا میں نہایت اعلیٰ وارفع دنیوی حیات حاصل تھی، اسی طرح عالمِ برزخ میں بھی ان کو نہایت اعلیٰ وارفع برزخی حیات حاصل ہے۔ (جو بعض اعتبارات سے دنیاوی حیات سے بھی اقویٰ ہے۔) لیکن علامہ سبکیؒ کی اس عبارت میں جس طرح ان کے مکلف ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں اسی طرح برزخی ہونے نہ ہونے کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ اور جہاں تک قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نماز پڑھنے کا معاملہ ہے تو اگر واقعی حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے خیال میں علامہ سبکیؒ کا یہ قول انبیاءِ کرامؑ کے جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہونے کی دلیل ہے، تو پھر ہمارے خیال میں ان کے مکلف ہونے کی دلیل بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس میں نماز پڑھنے کا ذکر تصریح موجود ہے جو علامت ہے مکلف ہونے کی۔ جب کہ المہنّد میں مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "ان (انبیاءؑ و شہداء) کو دنیوی زندگی حاصل ہے بلا مکلف ہونے کے"۔ لہٰذا حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ خیال درست نہیں، کیونکہ:

دُنیوی زندگی میں انسان مُکلّف ہوتا ہے

دُنیوی زندگی میں تو ہر عاقل بالغ انسان مُکلّف ہوتا ہے۔ جیسا کہ فتوحاتِ الٰہیہ حاشیہ جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ میں ہے: اَلْحَیٰوۃُ الدُّنْیَوِیَّۃُ الَّتِیْ یَلْزَمُ عَلَیْہَا التَّکْلِیْفُ۔ کہ دُنیوی زندگی وہ ہوتی ہے جس سے بندہ مُکلّف ہوتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ جب آپؐ اس دارِ دُنیا میں زندہ موجود تھے تو آپؐ بحکمِ الٰہی مُکلّف تھے۔ اور اس دارِ دُنیا سے انتقال فرما جانے یعنی اپنا جسمِ اطہر چھوڑ کر اس دُنیا سے عالمِ بالا کی طرف منتقل ہو جانے کے بعد اب آپؐ مُکلّف نہیں ہیں۔ اب آپؐ پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ مثلاً:

حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دنیوی حیاۃ میں مُکلّف تھے

۱ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ روزہ رکھنے کے مُکلّف تھے۔ اور اب برزخی حیات میں آپؐ روزہ رکھنے کے مُکلّف نہیں ہیں۔

۲ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ زکوٰۃ وصول کرنے کے مُکلّف تھے۔ لقولہ تعالیٰ: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ـــــ اب برزخی حیات میں آپؐ زکوٰۃ لینے کے مُکلّف نہیں ہیں۔

۳ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ پر تبلیغ فرض تھی۔ لقولہ تعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ اب برزخی حیات میں آپؐ پر تبلیغ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۴ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ پر جہاد فرض تھا۔ لقولہ تعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ۔ اب برزخی حیات میں آپؐ پر کفار کے ساتھ جہاد کا حکم نہیں رہا۔

۵ حیاتِ دُنیویہ میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا آپؐ پر فرض تھا۔ لقولہ تعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ۔ اب برزخی حیات میں آپؐ پر جہاد کی ترغیب کا کوئی حکم نہیں۔

۶ حیاتِ دُنیویہ میں تشاور (ایک دوسرے سے مشورہ لینا دینا) ضروری تھا۔ لقولہ تعالیٰ: وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ۔ اب برزخی حیات میں آپؐ پر سے یہ بوجھ بھی ہلکا کر دیا گیا۔

۷ حیاتِ دُنیویہ میں باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا آپؐ کا فرض تھا۔ لقولہ تعالیٰ: فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اب برزخی حیات میں آپؐ پر سے یہ بوجھ بھی ہلکا کر دیا گیا۔

۸ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ ذریعۂ انذار بجالاتے۔ کیونکہ آپؐ نذیر ہیں۔ لقولہ تعالیٰ: اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِیْرٌ۔ اب برزخی حیات میں آپؐ پر سے یہ بوجھ بھی ہلکا کردیا گیا۔

۹ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے تھے۔ جیسا کہ بکثرت احادیث میں آیا ہے۔ اور یہ آپؐ کا وظیفہ تھا۔ اور اب برزخی حیات میں آپؐ پر سے یہ بوجھ بھی ہلکا کردیا گیا۔

۱۰ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ لوگوں کے پیچیدہ عقدے حل کردیتے تھے۔ اور یہ آپؐ کا وظیفہ تھا۔ اب برزخی حیات میں آپؐ پر سے یہ بوجھ بھی ہلکا کردیا گیا۔ اب برزخی حیات میں آپؐ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنا ممکن نہیں۔

۱۱ حیاتِ دُنیویہ میں لوگ دور دور سے آپؐ کی ملاقات کرنے کو حاضر ہوتے تھے۔ اور اب برزخی حیات میں صرف آپؐ کی قبر اطہر کی زیارت کرکے ہی اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں اور اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔

۱۲ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ لوگوں کی باہم صُلح کرانے کے لیے ان کے ڈیروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ لیکن اب برزخی حیات میں آپؐ کے ذمے یہ وظیفہ بھی نہیں رہا۔

۱۳ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ بیماروں کی بیمار پرسی فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۵ میں ہے۔ لیکن اب برزخی حیات میں آپؐ کسی کی بیمار پرسی کے لیے تشریف نہیں لاتے۔ اور عالم برزخ میں نہ بیماری ہے' نہ بیمار' نہ بیمار پرسی۔

۱۴ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ غلام کی دعوت بھی قبول کرلیتے تھے کہ اس کا دل رنجیدہ نہ ہو۔ اب برزخی حیات میں اس کی بھی چھٹی ہے۔

۱۵ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ لوگوں کے ساتھ سلام کلام فرمایا کرتے تھے۔ اب مسجد نبوی میں نماز پڑھ کر آپؐ کی قبر اطہر و مطہر پر حاضری دینے کا کوئی دستور نہیں۔

۱۶ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ کچے مکانوں میں رہتے تھے۔ اب برزخی حیات میں آپؐ ملاءِ اعلیٰ کے عالی شان مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ جو اور کسی کو نصیب نہیں۔

١٧ حیاتِ دُنیویہ میں بخار، دُکھ، درد، تھکن، اغماء (بے ہوشی) اور بیماری وغیرہ جیسے لوازماتِ بشریہ آپؐ کو لاحق ہوجاتے تھے۔ اب برزخی حیات میں آپؐ کو اُس عالی شان مکان میں نہ بخار ہے نہ دکھ درد نہ کوئی اور بیماری نہ غم نہ کسی کا خوف اور نہ کوئی اور تکلیف۔

١٨ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ کو قُوت لایموت ملتا تھا۔ کئی بار آپؐ نے اپنے پیٹ پر پتھر بھی باندھے تھے۔ اور اب برزخی حیات میں آپؐ کے لیے جنّت میں خورد و نوش کا بے نظیر انتظام ہے۔

١٩ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ دُنیا کے محدُود مقاماتِ مخصوصہ میں آتے جاتے تھے۔ اب برزخی حیات میں آپؐ اُس عالَم میں بے روک ٹوک جہاں چاہتے ہیں جنّت کی سیر کرتے ہیں۔

٢٠ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ کو سفر کرنے سے تھکن محسوس ہوتی تھی۔ اب برزخی حیات میں اُس عالم میں جہاں چاہتے ہیں آتے جاتے ہیں، اور تھکن نہیں ہوتی۔

٢١ حیاتِ دُنیویہ میں کفار کے ساتھ ہروقت مقابلہ رہتا تھا۔ اب برزخی حیات میں اُس عالم میں آپؐ کا کسی سے کوئی مقابلہ نہیں۔

٢٢ حیاتِ دُنیویہ میں اللہ تعالیٰ نے غنیمت کے مال میں سے آپؐ کا حصہ مقرر کر رکھا تھا۔ اب مالِ غنیمت میں آپؐ کا حصہ موقوف ہوگیا۔ احناف کا عقیدہ یہی ہے۔ البتہ شافعیہ کہتے ہیں کہ آپؐ کا حصہ آپؐ کے خلیفہ کو ملے گا، یا مصالح المسلمین میں صرف کیا جائے۔ (تفسیراتِ احمدیہ صفحہ ٤٣٦)

٢٣ حیاتِ دُنیویہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مالِ غنیمت سے آپؐ صفی (اپنی من پسند چیز) چن سکتے تھے۔ اب مالِ غنیمت میں سے آپؐ کے لیے صفی بھی موقوف ہوگیا۔

٢٤ حیاتِ دُنیویہ میں جس جہاد میں آپؐ خود تشریف لے جاتے تھے، وہ غزوہ کہلاتا تھا۔ اور جس جہاد میں آپؐ خود تشریف نہ لے جاتے وہ سریہ کہلاتا تھا، اور اب نہ کوئی غزوہ ہے نہ سریہ۔ البتہ جہاد جاری ہے۔ اور قیامت تک جاری رہے گا۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے زندگی بھر جہاد کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔

۲۵ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ کی اُمت کا اجماع حجت نہ تھا۔ اب امت محمدیہ ﷺ کا اجماع حجت ہے۔ اور صحابۂ کرامؓ کا اجماعِ قولی تو قرآن مجید کی طرح حجتِ قطعیہ ہے۔

۲۶ حیاتِ دُنیویہ میں خلافت کی ضرورت نہ تھی۔ اب خلافت سے چارۂ کار نہیں۔

۲۷ حیاتِ دُنیویہ میں شرعی احکام منسوخ بھی ہو جاتے تھے۔ اب شریعت کے تمام احکام محکم اور ناقابل نسخ ہیں۔

۲۸ حیاتِ دُنیویہ میں صحابۂ کرامؓ بعض معاملات میں آپؐ کو گواہ بنالیا کرتے تھے۔ اب آپؐ کو کسی معاملے میں گواہ نہیں بنایا جاسکتا۔

۲۹ حیاتِ دُنیویہ میں کوئی کسی کا نام محمد ابوالقاسم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اب محمد ابوالقاسم نام مع کنیت کے رکھنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ امیرالمومنینؓ سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے محمد ابن الحنفیہ کی کنیت ابوالقاسم رکھی۔

۳۰ حیاتِ دُنیویہ میں سوائے حضرت ابوبکرؓ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی ہستی بھی آپؐ کے مُصلّی پر کھڑی نہیں ہوسکتی تھی۔ اب ہر بر و فاجر امامت کر تا رہتا ہے۔

۳۱ حیاتِ دُنیویہ میں صحابۂ کرامؓ آپؐ سے براہِ راست احادیثِ مبارکہ سنتے تھے۔ اب نہ آپؐ سے مسائل پوچھتے ہیں نہ احادیث کی سماعت آپؐ کی معصوم زبان سے کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۴ میں ہے کہ مدینہ مُنورہ کے ایک باشندہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سننے کے لیے شام کا سفر کیا۔ اسی طرح کئی صحابہؓ و تابعینؒ امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مسئلہ دریافت فرماتے، براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کسی نے کبھی کوئی مسئلہ دریافت نہیں کیا۔ لیکن مرزا قادیانی نے کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست مسائل معلوم کرنے کا دعویٰ کیا۔ بلکہ حضرت مسیح عیسیٰ بن مریمؑ اور دیگر اہلِ قبور سے ملاقات کا دعویٰ بھی کیا۔ جیسا کہ حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں کے عقیدہ ۱۶ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳۲ حیاتِ دُنیویہ میں آپؐ پر وحی اترتی تھی۔ اب سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا۔ جیسا کہ حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں کے عقیدہ ۱۱ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

"کَحَیٰوتِہِمْ فِی الدُّنْیَا" کا معنی

یاد رہے کہ حضرت علامہ سبکی شافعیؒ نے انبیاء کرامؑ کی حیاتِ برزخیہ کو دنیوی حیات سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا: "کَحَیٰوتِہِمْ فِی الدُّنْیَا" جب کہ اس کا معنی کرنے میں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ سے تسامح ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے: انبیاء کرامؑ کی برزخی حیات ایسی ہے جیسا کہ انھیں دنیا میں حیات حاصل تھی۔ جب کہ اس کا معنی "دُنیا کی سی" کرنا بھی کسی حد تک مناسب ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے تو لے عین "حیاتِ دُنیوی" سے تعبیر کرنے کے ساتھ ساتھ "حیاتِ برزخی" کا سرے سے انکار ہی فرمادیا اور پھر اس مزعومہ "حیاتِ دُنیوی" کو "بلا مکلف" قرار دیدیا حالانکہ ان کا یہ قول بلا دلیل بھی ہے اور نامناسب بھی۔ کیونکہ حضرت محدث سہارنپوریؒ نے علامہ سبکیؒ کی جس عبارت کو نقل کیا ہے: اس میں علامہ سبکیؒ نے حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حیات کو "حیاتِ دُنیوی" تو کہا ہی نہیں، بلکہ انھوں نے تو "حیاتِ دُنیوی" سے محض تشبیہ دی ہے۔ جب کہ:

قاعدہ ہے کہ: "مُشَبَّہ اور مُشَبَّہ بہ ایک دوسرے کے مغائر ہوتے ہیں"۔

اس قاعدہ کی رو سے علامہ سبکیؒ کی عبارت "کَحَیٰوتِہِمْ فِی الدُّنْیَا" کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ: "شعور و ادراک اور اپنے برزخی مرتبہ و شان کے لحاظ سے انھیں ایسی برزخی حیات حاصل ہے جیسی دُنیا میں حاصل تھی۔ لیکن وہ زندگی دُنیوی نہیں، بلکہ برزخی ہے"۔

تبصرہ کوئی صاحبِ عقل اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر عاقل بالغ انسان دُنیا کی زندگی میں مکلف ہوتا ہے۔ اور تمام اُمورِ شرعیہ اس پر واجب ہوتے ہیں۔ کیونکہ "کافِ تشبیہ" (کَحَیٰوتِہِمْ فِی الدُّنْیَا) تمام اوصاف میں عمومِ حکم کا موجب ہے۔ جیسا کہ:

فائدہ حضرت ملا احمد جیون رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے "نورالانوار" میں تقسیم رابع سے کچھ پہلے تحریر فرمایا: کَافُ التَّشْبِیْہِ یُوْجِبُ الْعُمُوْمَ فِیْ جَمِیْعِ مَا وُصِفَ۔ کہ کافِ تشبیہ کا تمام اوصاف میں حکم کے عموم کو ثابت کرتا ہے۔ اور اس قاعدہ کی رو سے علامہ سبکیؒ کی عبارت (کَحَیٰوتِہِمْ فِی الدُّنْیَا) بھی غلط ہے۔

بعد از وفات دنیوی عنصری حیات ماننے کی خرابیاں

عبارت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

آیت ۱ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ (۸۴:۴) پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے اس حکم کی مکلف اول صرف آپ کی ذات ہے۔ اور مسلمانوں کو جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب دیجیے۔

آیت ۲ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ (۶۵:۸) اے نبی! آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجیے۔

آیت ۳ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ (۷۳:۹ و ۹:۶۶) یعنی اے نبی! کافروں سے تلوار کے ساتھ جہاد کیجیے۔ اور انتقال سے پہلے ان سب آیتوں پر عمل کرتے ہوئے آپ کافروں کے ساتھ لڑتے بھی رہے اور مومنوں کو کافروں کے ساتھ لڑنے پر برانگیختہ بھی کرتے رہے۔ مگر انتقال کے بعد نہ تو آپ نے کافروں کے ساتھ جہاد کیا اور نہ ہی مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا ثابت ہے۔ اگر آپ حیاتِ عنصری کے ساتھ زندہ ہوتے تو ان فرائض پر ضرور عمل کرتے۔

عبارت اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا:

آیت ۴ إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (۱۰۵:۴) اے پیغمبر! ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب برحق اتاری ہے" تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کتاب کے موافق فیصلہ کریں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے۔ اس آیت کریمہ کے مطابق انتقال سے پہلے آپ لوگوں کے مابین جھگڑے چکایا کرتے تھے۔ مگر آپ کے انتقال کے بعد نہ تو صحابہ کرامؓ آپ کے پاس جھگڑا چکانے کے لیے آتے تھے اور نہ ہی آپ ان کا فیصلہ کرتے۔ حتیٰ کہ آپ کے دفن کیے جانے سے پہلے کئی مسائل میں صحابہؓ کا اختلاف ہوا۔ مگر صحابہ کرامؓ نے نہ آپ سے فیصلہ کی درخواست کی اور نہ ہی آپ نے کوئی فیصلہ کیا۔ مثلاً: ❶ آپ کو کپڑوں سمیت غسل دیا جائے یا نہ۔ ❷ آپ کو دفن کہاں کیا جائے۔ ❸ خلافت کے مستحق مہاجر ہیں یا انصار۔ وغیرہ۔ اگر آپ بحیاتِ دنیویہ زندہ ہوتے تو اس آیت پر ضرور عمل کرتے۔

عبارت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ. (۹:۱۰۳) یارسول اللہ! آپؐ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے جس کے لینے کے ذریعے سے آپؐ ان کے گناہوں سے پاک صاف کرنے کا سبب بنیں گے۔ اور آپؐ ان کے حق میں دعا کیجیے اس میں شک نہیں کہ آپؐ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان قلب ہے۔

فائدہ اس آیتِ مبارکہ میں دو حکم ہیں۔ جن میں سے پہلا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انتقال سے پہلے اس پر عمل کرتے رہے۔ اور انتقال کے بعد اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (۵:۶۷) اے پیغمبرؐ! جو احکام آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، بلاکم وکاست لوگوں کو پہنچاتے رہیں۔ اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغام بھی لوگوں کو نہیں پہنچایا۔ اسی ارشاد کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال سے پہلے اس پر عمل کرتے رہے۔ اور انتقال کے بعد ان کی تبلیغ ثابت نہیں۔ اگر آپؐ کی حیات بجسدِ دنیوی مانیں تو آپؐ انتقال کے بعد بھی تبلیغ کا کام جاری رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (۴:۵۹) یعنی پھر اگر کسی عمل میں تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اس کام کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو۔ اللہ کے حوالے کرنے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع ہے۔ اور رسول کے حوالے کرنے کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دور میں یہی تھا کہ تنازعہ کی صورت میں آپؐ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور آپؐ خود فیصلہ فرماتے تھے۔ پھر آپؐ کی وفات کے بعد دفن سے پہلے یا بعد از دفن اختلاف کی صورت میں کسی صحابی نے فیصلہ کے لیے حضور کی خدمت میں اپنا معاملہ پیش نہیں کیا۔ بلکہ خلیفۃ الرسول یا ان کے نائب کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی سنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ چنانچہ:

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کا مطلب:

① حضرت علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں: فردوہ راجعوہ الی اللّٰہ الی کتابہ و الرسول بالسوال عنہ فی زمانہ والمراجعۃ الی سنتہ بعدہ۔ (بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۹۵)

② علامہ خطیب فرماتے ہیں: لابد للاجماع من مُستند ھو النص او القیاس۔ (خطیب جلد ۲ صفحہ ۹۵)

③ حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں: والرد الی رسولہ مادام حیا فاذا قبض فالی سنتہ۔ (الدر المنثور جلد ۲ صفحہ ۵۷۹)

④ حضرت قتادہؒ اور سدیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ (الدر المنثور جلد ۲ صفحہ ۵۷۹)

⑤ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: والرسول مدۃ حیاتہ و بعدہ الی السنۃ۔ (تفسیر جلالین صفحہ ۷۷)

⑥ تفسیر جامع البیان میں ہے: والرسول فی زمانہ و سنتہ بعدہ۔

⑦ تفسیر حسینی میں ہے: پس باز گردانید آں را بکتاب خدائے والرسول و رجوع کنید بارسول در زمان حیاتِ او و بسنت آں حضرت بعد از وفاتِ او۔ (تفسیر حسینی صفحہ ۱۰۶)

⑧ علامہ خازنؒ فرماتے ہیں: والی رسولہ مادام حیا و بعد وفاتہ الی سنتہ۔ (تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۳۶۶)

⑨ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: الی الرسول کی تعمیل کی کوئی صورت رسول اللہ کی وفات کے بعد بجز اس کے ممکن نہیں کہ دفترِ احادیث و سنن کی طرف رجوع کیا جائے۔ (تفسیر ماجدی صفحہ ۱۹۸)

⑩ ترجمان السنۃ حضرت مولانا احمد سعید مفسر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: سنتِ رسولؐ پر پیش کرو۔ یعنی جب رسولؐ موجود نہ ہوں اور ان کی وفات ہو جائے۔ البتہ اگر رسولؐ موجود ہوں تو اِلَى اللّٰهِ وَاِلَى الرَّسُوْلِ اپنے معنے پر ہے۔ اور حضورؐ کی وفات کے بعد اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و سنت پر جس میں اجماع اور مجتہد کا قیاس اور خلفائے راشدینؓ کا فرمان بھی داخل ہے۔ ان چیزوں سے فتویٰ حاصل کرو' یا ان چیزوں کے جاننے والوں سے فتویٰ حاصل کر کے

اس پر عمل کرے۔ (تفسیر کشف الرحمٰن ضمیمہ صفحہ ۱۳۷)

اعتراض غنیمت کے مال میں سے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ مقرر ہے۔ ایسے ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حصہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (۴۱:۸) یعنی اس بات کو جان لو کہ جو شئے کفار سے بطورِ غنیمت کے تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کی نیاز اور باقی اس کے رسول کا بھی حصہ ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے اور ایک حصہ یتیموں کا ہے اور ایک حصہ غریبوں کا ہے اور ایک حصہ مسافروں کا ہے۔

انتقال سے پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت کے مال میں سے اپنا حصہ لے لیتے تھے، اور انتقال کے بعد آپ کا غنیمت میں سے حصہ لینا ثابت نہیں۔ بلکہ حنفیہ کا مذہب ہے کہ انتقال کے بعد آپ کا حصہ ختم ہو گیا۔ اگر آپ کی حیات بجسدِ دُنیوی مانیں تو حنفیہ کے مذہب کو خلافِ قرآن کہنا پڑے گا۔

اعتراض اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے: وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (۱۵۹:۳) کہ آپ ان کے لیے استغفار کر دیجیے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے۔ چنانچہ انتقال سے پہلے آپ صحابہؓ کے حق میں استغفار بھی کیا کرتے تھے اور جن امور میں وحی نازل نہ ہوتی تھی ان میں صحابۂ کرامؓ سے مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔ مگر انتقال کے بعد کہیں ثابت نہیں کہ حیاتِ دنیویہ کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود آپ نے کسی کام میں کسی کو مشورہ دیا ہو۔ اگر دنیوی حیات بجسدِ عنصری تسلیم کریں تو پھر اس حکم پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ لیکن کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ ایسے امور جن میں وحی نازل نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو مشورہ دیتے ہوں۔

فائدہ صاحبِ ہدایہ، ابوالمعین نسفی حنفی، امام ابوالمحاسن قونوی، عینی حنفی، و کاسانی اور دیگر تمام ائمۂ حنفیہ و مشائخ حنفیہ، نیز عبدالبر مالکی، قابسی، ابن جوزی، قاضی عیاض، ابن قیم، ابن تیمیہ، ابن حجر، ابن عبدالہادی وغیرہ احد سب کے سب (سوائے بدعتی ابن فورک اور اس کے مقلد

بھی یا اس پر حسنِ ظن رکھنے والے چند غیر محقق علماء کے) حیاتِ انبیاء یا اجسادِ ہم کے ان معنوں میں قائل نہیں کہ آپؐ کی روحِ پُرفتوح آپؐ کے جسدِ اطہر میں دنیوی زندگی کی طرح دوبارہ داخل کردی گئی ہے۔ ہاں یہ بات ہے کہ آپؐ کا جسدِ منور، مطہر و معصوم بالکل صحیح سالم بلا تغیر و تبدل نہ صرف اب تک اسی حال میں موجود ہے بلکہ قیامت تک اسی حالت میں محفوظ رہے گا جس طرح صحابۂ کرامؓ نے اپنے محفوظ ہاتھوں سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ شریفہ میں زمین کھود کر رکھا تھا۔ قیامِ قیامت تک آپؐ کا جسدِ مبارک تر و تازگی کے لحاظ سے ایسا رہے گا جیسے گورے رنگ اور گلابی رخسار والے اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر نقاب اوڑھے آنکھیں میچے اپنے معصوم جسدِ اطہر کے ساتھ آرام سے سوئے ہیں۔ اور کمال بھی اِسی میں ہے کہ روح جسم میں نہ ہو اور پھر بھی زیرِ زمین آپؐ کا جسم قیامت تک صحیح سلامت رہے اور مٹی ذرا سا اثر بھی نہ کرے، یہ ہے اللہ کی قدرت۔

تنبیہ انبیاءِ کرام علیہم السلام خصوصاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن معصوم خاکی اجساد مبارکہ سے ساری عمر عمداً یا سہواً کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ سرزد نہیں ہوا، اس کے ساتھ روح کی زبردست محبت ہوتی ہے، جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی کا نام اِتصالِ معنوی ہے۔ مگر اس جسدِ عنصری میں روح کا اعادہ قیامت ہی کو ہوگا، اس سے پہلے جسدِ عنصری میں روح کا اعادہ نہیں ہوگا۔ اور اس سے پہلے اعادۂ روح پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں۔ جو قرآنی آیت: فیمسك التي قضى عليها الموت کی ناسخ ہو۔ نیز علامہ ابن حجرؒ و علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی اتصالِ معنوی ہی کے قائل ہوئے ہیں۔ (دیکھیے: فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۷۹، روح المعانی صفحہ ۳۶ پارہ ۲۲، وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۰۵، رسائل قشیریہ صفحہ ۱۰)

المہند میں دوسرا تسامح

١ المہند کی عبارت میں دنیویۃ برزخیۃ کے معنے میں بھی حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کو تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ("دنیویۃ" اور "برزخیۃ") اسم منسوب ہیں۔ جن کے معنے ہیں: المنسوبُ إلی الدنیا و المنسوبُ إلی البرزخ۔ لیکن ان دونوں لفظوں میں سے اگر دنیویۃ کے معنے "دنیا کی سی" کیا جائے تو برزخیۃ کے معنے "برزخ کی سی" کرنا چاہیے۔ اور اگر برزخیۃ کے معنی "برزخ کی سی" کو غلط کہا جائے تو دنیویۃ کا معنی "دنیا کی سی" کہنا بھی غلط ہوگا۔

نیز یہ معنے نہ تو اہلِ لغت کے یہاں صحیح ہے، اور نہ ہی کسی اہلِ علم کی اصطلاح ہے۔ کیونکہ دونوں اسم منسوب ہیں۔ اس صورت میں معنی اس طرح کرنا چاہیے:

- حقیقی معنی:
  - (الف) دنیویۃ کے معنے "عالمِ دُنیا میں ہونا" اور
  - (ب) برزخیۃ کے معنے "عالمِ برزخ میں ہونا"۔
- مجازی معنی:
  - (الف) دنیویۃ کے معنے "دنیا کی سی" اور
  - (ب) برزخیۃ کے معنے "برزخ کی سی"

جب کہ: دنیویۃ اور برزخیۃ کے معنے میں حقیقی اور مجازی کا فرق کرنے کے لیے قرائن کی ضرورت ہے۔ جو یہاں مفقود ہیں۔ اور یہ معنے اور کسی عالم نے بھی نہیں لکھے۔

٢ نیز دُنیویہ اور برزخیہ باہم متضاد ہیں۔ ان دونوں کا باہم تباین ہے۔ اور متباین کلیاں آپس میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ جیسا کہ سیاہ کو سفید نہیں کہہ سکتے اور سفید کو سیاہ نہیں کہہ سکتے۔

٣ نیز حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے المہند شریف میں سوال ۵ کے جواب میں بے شک اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے کہ: "حیاتِ انبیاء و شہداء سب کی دنیویہ ہے برزخیہ نہیں ہے"۔ لیکن اس عبارت کو لکھتے وقت حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کو تسامح ہو گیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے انبیاء و شہداء کی حیات

کو حیاتِ دنیویہ قرار دیتے ہوئے ان کی برزخی حیات کا سرے سے انکار ہی کر دیا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت محدث سہارنپوریؒ نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں علامہ سبکیؒ کے فرمان "تحیٰوتهم فی الدنیا" کا حوالہ دیا' اور پھر نتیجہ کے طور پر اپنے مذکورِ بالا دعویٰ کے خلاف تحریر فرمایا: فثبت بهذا ان حیوته دنیویة برزخیة لکونها فی عالم البرزخ. تو اس میں یہ خرابی ہے کہ دعویٰ میں جس چیز کی نفی کی گئی ہے نتیجہ میں اسی چیز کا اثبات کیا گیا ہے۔ یعنی دعویٰ میں تو یہ تھا کہ: "انبیاء اور شہداء کی حیات برزخی نہیں ہے"۔ اور نتیجے میں فرمایا کہ: "برزخی ہے"۔ جب کہ اہلِ اصول کے یہاں اسے "اجتماعِ ضدین" کہا جاتا ہے۔ اور دعویٰ اور دلیل کا باہم تناقض ہے۔

تنبیہ صاحبِ المہند نے لکھا ہے: ولشیخنا شمس الاسلام والدین محمد قاسم العلوم علی المستفیدین قدس الله سره العزیز فی هذا المبحث رسالة مستقلة دقیقة المأخذ بدیعة المسلك لم یر مثلها قد طبعت و شاعت فی الناس و اسمها "آبِ حیات" ای ماء الحیوة. کہ "ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم قدس سرہٗ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے۔ نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا' بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا نام آبِ حیات ہے"۔

جواب حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حیاتُ النبیؐ کے متعلق اہلِ تشیّع کی طرف سے مطالبۂ فدک کی تردید کے لیے ایک انوکھے اور مناظرانہ انداز میں لکھی گئی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب آبِ حیات کا حوالہ تو دیا ہے' مگر آپؒ نے المہند میں "حیاتُ النبیؐ" سے متعلق حضرت نانوتویؒ کی کوئی عبارت نقل نہیں فرمائی۔ جس کی وجہ سے بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ "حیاتُ النبیؐ" کے متعلق حضرت نانوتویؒ کا مسلک بھی نعوذ باللہ اہلِ تشیّع کے موافق تھا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ حیاتُ النبی کی بجائے (محدثین کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح) نہ صرف وفاتُ النبی کے قائل ہیں' بلکہ تمام انبیاءِ کرامؑ خصوصاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں موت کی نسبت کو عقائدِ ضروریہ میں سے سمجھتے ہیں۔ چنانچہ:

حیاۃ الانبیاء کے بارے میں حضرت نانوتوی کا عقیدہ

۱ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "حسب ہدایت کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ اور اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے"۔ (لطائفِ قاسمی صفحہ ۴)

تبصرہ مذکورِ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ: "حضرت نانوتویؒ عقیدہ وفات النبیؐ کو عقائدِ ضروریہ میں سے سمجھتے تھے"۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے "آبِ حیات" میں "حیاتُ النبیؐ" کے متعلق قرآن و سنت اور اجماعِ امت کے موافق اپنا مسلک اور عقیدہ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

۲ "اول تو آپؐ کی وفات اور آپؐ کا انتقال ہزاروں آدمیوں نے آنکھوں سے دیکھا، دوسرے جناب باری عزاسمہ خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں: اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ. جس کے یہ معنے ہیں کہ تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں، پھر جب جناب باری عزاسمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر دیں، اُدھر ہزاروں کے سامنے آپؐ کا انتقال ہوچکا ہو، متواتر قرناً بعد قرنٍ یہ خبر چلی آتی ہو کہ آپؐ مدینہ منورہ میں مدفون ہیں، تو پھر آپؐ کا زندہ ہونا کیونکر مُسلَّم ہوسکتا ہے؟۔ ہاں خدا کی خبر (قرآن مجید) اور خبرِ متواتر (احادیثِ صحیحہ متواترہ) سے زیادہ اگر کوئی دلیل قوی ہو اور اس سے آپؐ کی حیات ثابت ہوجائے تو بحکمِ قاعدِ تعارض تسلیم بھی کیا جائے، اب اگر آپؐ کی حیات مُسلَّم بھی ہو تو بعد اس کے کہ آپؐ کا انتقال حسبِ فرمودۂ خداوندی ہزاروں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور ان کے واسطے سے ہم کو خبر پہنچ گئی، اس حیات کو یا تو حیاتِ ثانی کہا جائے گا، یا مثلِ حیاتِ شہداء سمجھا جائے گا۔ (آبِ حیات صفحہ ۲۶، ۲۷)

ردِّ شیعیت کے لیے حضرت نانوتویؒ کا فرضی عقیدہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وضاحت کے ساتھ اثبات کرنے کے بعد حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خطابت کے انداز میں "حیات النبیؐ" سے متعلق ایک مفروضہ گر شیعہ حضرات کے لیے قابلِ تسلیم صورت پیش کی۔ اور پھر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں (حیاتِ ثانی یا حیاتِ شہداء) مفیدِ مطلب صاحبِ رسالہ نہیں، اس (صاحبِ رسالہ) کی غرض تو اُس ردّ و کد سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دُنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تغیر و تبدل جیسے حیاتِ دُنیوی کا حیاتِ برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا"۔

شبہ حضرت نانوتویؒ نے تو فرمایا ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دُنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے۔ اور یہ کہ آپؐ کی ہی نہیں بلکہ تمام انبیاءِ کرامؑ کی ارواح کا جسمِ عنصری سے اخراج ہوتا ہی نہیں"۔ عام طور پر حیاتُ الانبیاء کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کا یہی عقیدہ مشہور ہے۔ اس لیے اسے حضرت نانوتویؒ کا فرضی عقیدہ کہنا درست نہیں۔

جواب یہ واقعی حضرت نانوتویؒ کا فرضی عقیدہ ہے، اور حق بات یہی ہے کہ حضرت نانوتویؒ کا عقیدہ اہلِ حق علماءِ ربانی کے عقیدہ سے کسی طرح بھی مختلف نہیں تھا۔ کیونکہ ① اوّل تو خود حضرت نانوتویؒ نے اس بات کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ: "غرض اصلی اصل تحریر سے مدافعت طعنِ میراثِ فدک تھی"۔ سو وہ... بھی ہو سکتی ہے کہ حیاتِ نبویؐ حیاتِ دُنیوی ہو، پھر وہ بھی علی الاتصال برابر بدستور چلی آتی ہو۔ ورنہ حیاتِ شہداء اور حیاتِ ثانی مانع ترتبِ میراث نہیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس مانع اجازتِ نکاحِ ازواج نہیں۔ ② حضرت نانوتویؒ کے شاگردوں میں سے کسی ایک نے بھی آبِ حیات میں مذکور مسئلہ حیاتُ النبی میں حضرت نانوتویؒ کی کبھی تائید نہیں کی۔ بلکہ: ③ خود حضرت نانوتویؒ نے حیاتُ النبی کا انکار بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ:

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حیاتُ النبی سے انکار

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف "حیاتُ النبی" کا انکار کیا، بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام اہلِ تشیع سے سوال کرتے ہوئے اجوبہ اربعین (جلد ۱ صفحہ ۸۱) میں

فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "حیات النبی" ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ کیوں مانگا؟" یعنی حضرت فاطمہؓ کا ترکہ مانگنا ہی وفات النبی کی دلیل اور اہل رفض کے عقیدہ حیات النبی کی تردید کے لیے کافی ہے۔ پھر اہل تشیع کے مسلمہ عقیدہ حیات النبی کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ: "زندوں کے مال میں (تو) میراث جاری نہیں ہوتی، اور شہیدوں کی نظیر دو، تو یہ نظیر بھی کام کی نہیں۔ کیونکہ: شہداء بایں بدن کے بدن سے زندہ نہیں ہیں، اس بدن کے حساب سے تو مردہ ہیں۔ ہاں جنت میں ان کو دوسرا بدن مل جاتا ہے"۔

نیز آپؒ نے فرمایا کہ: "موت کا جواب بھی کام کا نہیں۔ کیونکہ موت سے حیات جاتی رہتی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم "حیات النبی" نہیں۔ اور (اگر موت سے حیات) نہیں جاتی تو میراث کی صورت نہیں"۔ بہرحال حضرت نانوتویؒ کا اصل مذہب وہی ہے جو آیات قرآنی اور احادیث مجرہ متواترہ، اجماع صحابہؓ اور تمام امت کے تابع ہے۔ مگر:

حضرت نانوتویؒ کا انوکھا انداز بیان

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات النبی کے متعلق اہل رفض کے عقیدۂ بد کا بطریق احسن رد فرمانے کے بعد آب حیات میں مناظرانہ طرز پر روافض کی طرف سے صحابہ کرامؓ پر حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کو ورثہ سے محروم رکھنے کے الزام کا ایک انوکھے انداز میں علی سبیل الخطابت الزامی جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: "اہل رفض کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کرامؑ اپنے مدفن ارضی میں بدستور زندہ ہیں، اس لیے ان کی میراث کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسئلہ ارث تو ان کی ہوتی ہے جو فوت ہو جائیں۔ زندوں کی وراثت نہیں ہوتی"۔ چنانچہ:

1. حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال برابر مستمر ہے۔ اس میں انقطاع یا تبدل و تغیر جیسے حیات دنیوی کا حیات برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا"۔ (آب حیات صفحہ ۳۶)
2. نیز آپؒ نے فرمایا: "ارواح انبیاء کرام کا اخراج نہیں ہوتا"۔ (جمال قاسمی صفحہ ۱۵)
3. نیز آپؒ نے فرمایا: "ارواح انبیاء کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے"۔ (آب حیات صفحہ ۳۲ جمال قاسمی صفحہ ۱۵)

④ نیز فرمایا: "انبیاء کرام بدستور زندہ ہیں۔ ان کی موت میں زوالِ حیات نہیں۔ ان کی موت ان کی حیات کی ساتر ہوگی یعنی رافع و دافع نہیں"۔ (آبِ حیات صفحہ ۳۸)

⑤ نیز فرمایا: "تعلقِ حیات بدنِ نبوی قابلِ انفکاک نہیں"۔ (آبِ حیات صفحہ ۱۹۶، ۲۲۶)

فائدہ ان عبارات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ "حیات النبیؐ" کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ اہلِ تشیع کا عقیدہ ہے۔ حضرتؒ نے تو اپنے مخصوص مناظرانہ انداز میں "حیات النبیؐ" کے متعلق اہلِ تشیع کے عقیدے کی رو سے مطالبۂ فدک کی تردید کے لیے اربعین اور آبِ حیات میں ایک انوکھے انداز کی بحث فرمائی ہے۔ اور اس ضمن میں آپؒ نے انبیاء اور شہداء کی حیات میں فرق بھی بیان فرمایا ہے۔ جب کہ فرضی طور پر انبیاء علیہم السلام کی حیات کو حقیقی دُنیوی اور شہداء کی حیات کو برزخی حیات قرار دیتے ہوئے فرمایا:

انبیاء و شہداء کی حیات میں فرق

فرق حضرت نانوتویؒ نے فرمایا: "انبیاءؑ کو انہی اجسامِ دنیویہ کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں" (آبِ حیات) بخلاف شہداء کے کہ ان کا اپنے ابدان کو چھوڑ کر دوسرے ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے"۔ (لطائفِ قاسمی صفحہ ۳)

فائدہ حضرت نانوتویؒ نے حیاتِ انبیاء اور حیاتِ شہداء میں فرق بیان فرمایا ہے۔ لیکن حضرت محدث سہارنپوریؒ نے آبِ حیات میں مذکور حضرت نانوتویؒ سے اختلاف کیا؟ اور حیاتِ انبیاءؑ و حیاتِ شہداء یعنی ہر دو کو برابر قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ: "دونوں کی حیات دُنیویہ ہے برزخیہ نہیں"۔

فرق "ارواحِ انبیاءِ کرامؑ کا اخراج نہیں ہوتا۔ بخلاف شہداء کے کہ روح کو لوگوں کے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا۔ جو وقتِ حیات تھا"۔ اور "شہداء و دیگر امواتِ مؤمنین —— اس بدن کے اعتبار سے دونوں کی موت برابر ہے۔ یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ (جسدِ عنصری سے) شہداء کی بے تعلقی زیادہ ہے"۔ (جمالِ قاسمی صفحہ ۱۲)

فائدہ حضرت نانوتویؒ نے حیاتِ شہداء اور دیگر مؤمنین کی حیات کو ایک درجہ میں رکھا کہ شہداء ہوں یا دیگر مؤمنین دونوں کی ارواح کو اپنے عنصری دُنیوی جسموں کے ساتھ کوئی

تعلق نہیں رہتا۔ بلکہ فرمایا کہ شہداء کی بے تعلقی زیادہ ہے۔

[illegible] "بعد موت نہ ارواح شہداء کو ان ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے" نہ ارواح مؤمنین کو۔ اتنا فرق ہے کہ بعد انقطاع علاقہ جسم اول یا تو بعد چندے شہداء کی ارواح کو تو اور ابدان کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے ـــــ بہرحال ابدان دُنیا سے دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔

[illegible] نیز فرمایا: "سوا ان (انبیاء کرامؑ) کے اوروں کے ارواح کو خارج کر دیتے ہیں"۔

اور جمال قاسمی صفحہ ۱۵ میں فرمایا کہ "ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا"۔

[illegible] اہل السنّت والجماعت میں سے کوئی بھی "آپ کی روح مبارک کے اخراج کا منکر نہیں ہوا" اور نہ ہی کسی نے یہ کہا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک آپؐ کے جسم اطہر کے اندر سمٹ کر رہ گئی"۔ حضرت نانوتویؒ نے الزامی طور پر شیعہ کو مطالبۂ فدک سے دستکش ہونے پر مجبور کرنے کے لیے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے بقول ایک "انوکھے انداز کی بحث" فرمائی ہے۔ ورنہ تو ان تمام صحابہؓ کی تکذیب لازم آتی ہے جنھوں نے "خَرَجَتْ نَفْسُهٗ" یا "قُبِضَ رُوْحُهٗ" یا "قَدْ مَاتَ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابۂ کرامؓ کی عدالت بیان فرمائی ہے۔ ان عادل ہستیوں کی بات کو رد کرنے سے قرآن مجید کا انکار لازم آئے گا۔ جو صریح کفر ہے۔

ارواحِ انبیاءؑ کے اخراج کا انکار حضرت نانوتویؒ کا تفرد نہیں

بعض کم علم لوگ بابِ عقائد کے مسئلہ ارواح انبیاءؑ کے اخراج سے انکار کو حضرت نانوتویؒ کا تفرد سمجھتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ جس طرح مرزا قادیانی کے عقائدِ باطلہ کو اس کا تفرد قرار دینا غلط ہے۔ اسی طرح ارواح انبیاءؑ کے اخراج سے انکار کو حضرت نانوتویؒ کا تفرد سمجھنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ تمام اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ عقائد کے معاملے میں قرآن و سنت اور اجماع صحابہؓ کی مخالفت کو تفرد نہیں کہا جاتا، تفرد تو اعمال کے معاملے میں ہوتا ہے۔ عقیدہ کے معاملے میں قرآن و سنت اور اجماع صحابہؓ کی مخالفت تو صریح کفر ہے۔ جب کہ حضرت نانوتویؒ لطائف قاسمی صفحہ ۲ پر فرماتے ہیں کہ: "اکثر احادیث بابِ حیاتؐ ضعیف ہیں"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کا اس عقیدۂ بد سے کوئی تعلق نہیں تھا، لہٰذا تفرد بھی نہ ہوا۔

[illegible] یاد رہے کہ اس مقام پر اکثر سے حضرت نانوتویؒ کی مراد کل ہے۔ جیسا کہ مواہب الرحمٰن پارہ ۱۵ صفحہ ۱۱۲ میں ہے کہ: کبھی اکثر مقام کل میں آتا ہے۔ مانند قولہ تعالیٰ: فَلَمَّا أَنبَأَكُم بِـ أَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ (۲۶:۲۲۳-۲۲۲) پس یہاں بالاتفاق اکثرھم سے مراد کل ہیں۔ اسی طرح اہلِ اصول کا:

[illegible] ہے: للاکثر حکم الکل۔ یعنی اکثر کا لفظ بولا جائے تو مراد اس سے کل ہوتا ہے۔ جب کہ حضرت نانوتویؒ کا اصل مقصد یہ تھا کہ اہلِ تشیع کی طرف سے باغِ فدک کی وراثت کے مطلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر طعن کا جواب بطرزِ خطابت اس انداز سے دیا جائے کہ شیعہ اپنے عقیدے کی رو سے ہی جھوٹے ثابت ہوں۔ چنانچہ آبِ حیات صفحہ ۲۵ میں اپنے عقیدے کا اظہار فرمانے کے بعد ائمۂ اطہار کے متعلق اہلِ رفض کے واہیات عقائد پر تطبیق کرتے ہوئے حضرت نانوتویؒ نے ثابت کیا کہ جب شیعہ عقائد کی رو سے ائمہ اور انبیاء زندہ ہیں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں، اور زندگی بھی ایسی ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارک آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے خارج ہی نہیں ہوئی، تو فدک کا مطالبہ بھی لایعنی سی بات ہے۔

آبِ حیات کے متعلق محدث سہارنپوری کا تبصرہ

حضرت محدث سہارنپوریؒ نے آبِ حیات میں بیان کردہ عقیدہ کی تیغ کرنے کی بجائے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ نے "بدیعة المسلك" یعنی "انوکھے انداز کی بحث" فرمائی ہے۔ جس کا مطلب ہے: لَمْ يُرَ مِثْلُهَا کہ حضرت نانوتویؒ سے پہلے تیرہ صدیوں میں اہلِ سنت کے کسی عالم نے شیعہ کو الزامی طور پر اس انوکھے انداز میں کبھی جواب نہیں دیا۔ ورنہ امداد الاحکام کے

[illegible] "جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا سب انبیاءؑ کی موت دنیوی کا انکار کرے وہ گمراہ ہے"۔

کی رو سے حضرت نانوتویؒ کو گمراہ قرار دینا تو بڑی جسارت ہوگی۔

[illegible] انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق اپنے مدفن ہائے ارضی میں دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہونے کا عقیدہ بداحادیثِ صحیحہ صریحہ اور اجماعِ صحابہؓ و من بعدہم کے بھی خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام علماءِ حق فرماتے ہیں کہ "انبیاء ہوں یا شہداء، صالحین ہوں یا دیگر مؤمنین سب کی حیات برزخی ہے، دنیوی نہیں، اور نہ ہی دنیا کی سی"۔

حضرت نانوتویؒ کی ذہانت

حضرت نانوتویؒ کی خداداد قابلیت، ذہانت اور مناظرہ میں انوکھا انداز اُن کے دَورِ طالب علمی میں بھی نمایاں تھا۔ جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد رشید استاذی دمکی حضرت مولانا سید محمد شاہ والحیؒ جیسی دامت برکاتہم فرمایا کرتے تھے کہ: دہلی میں اجمیری دروازہ کے باہر دارالعلم کے نام سے ایک قدیم اسلامی درسگاہ ہوا کرتی تھی۔ اس میں شاہی دَور کی ایک عالی شان مسجد بھی ہے۔ (قیامِ پاکستان سے پہلے جب میں مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس تھا یہ دارالعلم عربک کالج کے نام پر کام کر رہا تھا) اس مادرِ علمی میں مولانا مملوک العلی نانوتویؒ مدرس تھے۔ ان کے ذہین شاگردوں میں دو لاثانی شاگرد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی تھے۔ مولانا مملوک العلی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح دیگر فنونِ اسلامیہ میں طلباء میں اجراء کا سلسلہ قائم فرما رکھا تھا اسی طرح علمِ مناظرہ کی مشق بھی کروایا کرتے تھے۔ کیونکہ اس دور میں مناظروں کا بہت چرچا تھا۔ عام طور پر ہندو، پادری، شیعہ، نیچری، وغیرہ بدمذہب لوگوں کا مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ ہوتا رہتا تھا۔ مذاہبِ باطلہ کے اس سیلاب کو روکنے کے لیے مولانا مملوک العلیؒ اپنے شاگردوں کو مشق کے طور پر کوئی موضوع دے دیا کرتے تھے کہ اس موضوع پر آپس میں مناظرہ کرو۔ مشق کے طور پر ایک کو غیر مذہب والوں کے دلائل اور مسلمانوں پر اعتراضات کرنے کو کہا جاتا تھا۔ اور دوسرے کو مسلمانوں کی طرف سے غیر مذہب لوگوں کے دلائل کا رد اور مسلمانوں پر کیے گئے اعتراضوں کا جواب دینے کو کہا جاتا تھا۔ اور طلباء اپنے موضوع پر مطالعہ اور تیاری کر کے باہم مناظرہ کرتے اور مولانا مملوک العلیؒ مناظرہ کی پوری کارروائی بنفسِ نفیس خود بیٹھ کر سنتے۔ اور آخر میں محاکمہ فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اسی طرح کے مناظرہ کے بعد محاکمہ کرتے ہوئے مولانا مملوک العلیؒ نے فرمایا کہ: "مولوی گنگوہی صاحبؒ کے پاس دلائل تو بہت وزنی ہیں۔ مگر مولوی نانوتوی صاحبؒ اپنی ذہانت کی وجہ سے قابو میں نہیں آتے۔ اور قطعی دلائل کی مضبوط گرفت سے بھی نکل جاتے ہیں"۔

رحمھم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وافرۃً سابغۃً وافیۃً واسکنہم بحبوحۃ الجنۃ طیب اللہ ثراھم وجعل الجنۃ مثواھم۔

حضرت محدث سہارنپوری کا عقیدہ

المہند شریف حضرت محدث سہارنپوریؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں، جس میں انھیں دیگر کئی مسائل کے علاوہ حیات الانبیاء کے بارے میں بھی یقیناً تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی دیگر مستقل تصانیف میں حیاتِ شہداء اور حیاتِ انبیاء کے متعلق اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے المہند شریف میں بیان کردہ عقیدہ کے خلاف تحریر فرمایا۔ چنانچہ:

1 حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بذل المجہود میں حدیث ان انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدثہم ان شہداء احد ہم لم یغسلوا و دفنوا بدماء ہم ولم یصل علیہم کی شرح کرتے ہوئے فرمایا: فالعبد وان جل قدرہ لا یستغنی عن الدعاء الاتری انہم صلوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لا شک ان درجتہ فوق درجۃ الشہداء وانما وصفہم بالحیوۃ فی حق احکام الاٰخرۃ۔ الاتری الی قولہ تعالیٰ: "بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" فاما فی احکام الدنیا فالشہید میت یقسم مالہ و تنکح امرأتہ بعد انقضاء العدۃ فوجوب الصلوٰۃ من احکام الدنیا فکان میتاً فیہ فصلی علیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) واللہ اعلم۔ یعنی بندہ دعاء سے مستغنی نہیں ہے، اگرچہ کتنا ہی جلیل القدر ہو۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی گئی، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آپؐ کا درجہ شہیدوں کے درجہ سے اونچا ہے۔ اور حیات سے آپؐ کی جو صفت بیان کی جاتی ہے سو وہ آخرت کے احکام سے متعلق ہے۔ کیا تو نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" بلکہ وہ شہید اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، انھیں وہاں رزق ملتا رہتا ہے۔ لیکن دنیا کے احکام کے لحاظ سے شہید میت ہے۔ اس کا مال وراثت میں تقسیم ہوتا ہے اور اس کی بیوی کا نکاح دوسری جگہ کیا جاتا ہے جب عدت گزر جائے۔ پس نمازِ جنازہ کا واجب ہونا احکامِ دنیا میں سے ہے، پس اس میں وہ یعنی شہداء میت ہیں۔ اسی لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (دیکھیے: بذل المجہود شرح ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۱۹۰)

٥ نیز المہند میں پانچویں سوال کے جواب میں بیان کیے گئے انبیاء علیہم السلام کی حیات دنیویہ کے عقیدہ کا رد کرتے کیلئے بائیسویں سوال کے جواب میں ذکر ولادت شریف کے وقت قیام کی بحث میں حضرت گنگوہیؒ کے بیان کا خلاصہ اس طرح تحریر فرمایا: ان من اعتقد قدوم روحه الشريفة (ﷺ) من عالم الارواح الى عالم الشهادة وتيقن في المجلس المولودية فعامل ما كان واجباً في الساعة الولادة الماضية الحقيقية فهو مخطئ متشبه بالمجوس في اعتقادهم تولد معبودهم المعروف بكنهيا كل سنة ومعاملتهم في ذلك اليوم ما عومل به وقت الولادة الحقيقية، او متشبه بروافض الهند في معاملتهم بسيدنا الحسين واتباعه من شهداء كربلاء رضي الله عنهم اجمعين ﴿۱﴾ کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرتؐ کی روح پُرفتوح عالم ارواح سے عالم دنیا کی طرف آتی ہے اور مجلس مولود میں نفس ولادت کے وقوع کا یقین رکھ کر وہ برتاؤ کرے جو واقعی ولادت کی گزشتہ ساعت میں کرنا ضروری تھا، یہ شخص غلطی پر یا تو مجوس کی مشابہت کرتا ہے اس عقیدہ میں کہ وہ بھی اپنے معبود یعنی کنھیا کی ہر سال ولادت مانتے اور اس دن وہی برتاؤ کرتے ہیں جو کنھیا کی حقیقت ولادت کے وقت کیا جاتا، اور یا روافض ہند کی مشابہت کرتا ہے امام حسینؓ اور ان کے تابعین شہداء رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ برتاؤ میں۔ ﴿۱﴾ (المہند بمقابلہ المفند)

تنبیہ اس سوال کے جواب میں بھی حضرت محدث سہارنپوریؒ کو تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ انھوں نے کنھیا کو مجوسیوں کا معبود بتلایا ہے۔ حالانکہ سری کرشن کنھیا تو ہندوؤں کے ایک معبود کا نام ہے۔ جب کہ مجوسیوں کے کسی معبود کا نام کنھیا نہیں ہے۔ نیز حضرت گنگوہیؒ نے مجوسُ الہند کا لفظ استعمال کیا تھا، حضرت سہارنپوریؒ نے مطلق مجوس لکھ دیا، حالانکہ مطلق مجوس کے لفظ سے مراد ایران و عراق کے آتش پرست مجوسی کہلاتے ہیں۔ عرف میں ہندوؤں کو مجوسی نہیں کہا جاتا۔ نیز المہند پر تقاریظ لکھنے والے علماء میں سے ❶ شیخ احمد بن محمد خیر شنقیطی مالکی مدنی ❷ شیخ سلیم البشری ❸ شیخ محمد ابراہیم القایانی ❹ شیخ سلیمان عبد نے تو مولودیوں کی مجوسیوں سے تشبیہ کو ناپسند فرمایا ہے۔ (دیکھیے المہند)

٦ نیز آپؒ نے فرمایا: غیر خدا کا دُور و نزدیک سے بھی سننا محال ہے۔ وقال الله تعالى وَمَنْ

اَضَلُّ ـــ کذا قال الشیخ فخر الدین ابو سعید عثمانی الجیانی بن سلیمان الحنفی فی رسالتہ وَمَنْ ظَنَّ اَنَّ الْمَیِّتَ یَتَصَرَّفُ فِی الْاُمُوْرِ دُوْنَ اللّٰہِ وَاِعْتَقَدَ بِہٖ ذٰلِكَ کَفَرَ. یعنی جو شخص یہ سمجھے کہ وفات یافتہ بزرگ ہمارے کاموں میں تصرف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے پیچھے پیچھے، ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ (سیف علی برگردن نحوی صفحہ ۳۴ ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

۴ نیز آپؒ نے فرمایا: حدیث بخاری کی ہے کہ جس کو جنت مل گئی اگر دنیا وما فیہا اس کو دو دیں تو دنیا میں آنا قبول نہ کرے۔ مگر شہید دوبارہ فی سبیل اللہ جان دینے کو آنا چاہتا ہے۔ الحدیث۔ اس حدیث اور دیگر احادیث کی وجہ سے اہلِ سنت کو تامل ارواح مومنین کے آنے میں تھا ہر چند مراد حدیث میں زندہ ہو کر آنا ہے۔ مگر نعماء آخرت کو اور اکدار (دنیا کی کدورتیں) دنیا کو مقابلہ کر کے بے حقیقت ہونا دنیا کا بھی اس سے روشن ہے۔ (البراہین القاطعہ صفحہ ۹۳)

۵ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: ارواح اپنے مقر (عالم برزخ) میں متوقع ثواب رہتی ہیں، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (البراہین القاطعہ صفحہ ۹۳)

۶ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: جیسا ارواح کفار اور فساق گرفتارِ عذاب کا یہاں آنا ممنوع ہے، اور ملائکہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر آنا مکروہ ہے۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ ایسا ہی ارواح انبیاء وصدیقین و شہداء و اولیاء کا بھی آنا خلاف ہے کہ ایسی حالت ذلت کو اختیار فرماویں۔ (البراہین القاطعہ صفحہ ۹۳)

خلاصہ یہ کہ حیات النبی ﷺ سے متعلق حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کا عقیدہ بھی دیگر تمام علماء حق کے مطابق ہے، جو انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کا مستقر عالم ارواح کو مانتے ہیں نہ کہ دنیوی قبور کو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ المہند کے پانچویں سوال کے جواب میں حضرت محدث سہارنپوریؒ سے تسامح ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ آمین ثم آمین

تنبیہ یاد رہے کہ جاہل عوام اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے والے شکم پرست علماء سوء کا خیال ہے کہ موت کوئی بدترین چیز ہے۔ اور موت کی نسبت اکابر بزرگوں کی طرف کرنے کو حد سے زیادہ گستاخی سمجھتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اپنے بزرگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ زندۂ جاوید ہیں، ان پر موت طاری ہی نہیں ہوئی، البتہ وہ ہم سے پردہ فرما گئے

ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بعض بزرگ وفات تو پاگئے مگر کچھ دیر کے بعد دوبارہ زندہ ہو گئے۔ جیسا کہ نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ معاذاللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی چڑھائے گئے تین روز قبر میں رہے' پھر مُردوں میں سے جی اٹھے اور آسمان پر چڑھ گئے۔ اور خداوند باپ کے دائیں طرف سکونت پذیر ہو گئے۔ اور قادیانی کہتے ہیں کہ حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانے کے بعد پھر زندہ ہو گئے۔ بلکہ مرزا قادیانی نے تو نصاریٰ کی طرح حضرت مُحمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ملیک مقتدر کے دائیں طرف بزرگی اور جلال کے تخت پر بیٹھنے کی بات کی ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں قادیانیوں کے عقیدے میں گزر چکا ہے۔ اور بعض رافضی کہتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ وفات پانے کے بعد پھر زندہ ہو گئے۔ اور بریلوی کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک آن کے لیے وعدہ الٰہی پورا کرنے کے لیے فوت ہوئے پھر بدستورِ سابق فوراً ہی زندہ ہو گئے۔

المہند مُعتمد علیہ کتاب ہے

المہنّد شریف کسی حد تک مُعتمد علیہ اور صحیح کتاب ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید کے علاوہ اگر کسی کتاب کو مُعتمد علیہ اور صحیح کہا جاتا ہے تو وہ بحیثیت مجموعی کہا جاتا ہے' اگرچہ اس میں کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ خامیاں بھی موجود ہوں۔ ایسی کتاب جس میں کسی قسم کی خامی نہیں وہ تو صرف اور صرف کتابُ اللہ ہے' لاشریک لہٗ۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب کے بارے میں فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ بس یہی ایک کامل کتاب ہے۔ جس میں کسی قسم کے شک و شبہ' تردد' قلق اور اضطراب کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو من کلِّ الوجوہ کامل و اکمل ہو۔ اور اس میں کسی قسم کی خامی نہ ہو۔

اس کلامُ اللہ کے بعد امام بخاریؒ کی کتاب الجامع الصحیح کے بارے جو کہا جاتا ہے۔ "اَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ صَحِيْحُ الْبُخَارِيْ"۔ یہ اس اعتبار سے نہیں کہ اس میں واقعی کوئی خامی نہیں' بلکہ اکثریت کو دیکھ کر اس پر صحیح کا حکم لگایا جاتا ہے۔ ورنہ تو علماء محققین نے اس کا گہرا مطالعہ کر کے اس میں کئی غلطیاں نکالی ہیں۔ اور اس سے پہلے موطا امام مالکؒ جو تبع تابعینؒ کے دور میں لکھی گئی متداول کتاب ہے' اس میں بھی بعض علماء نے اوہام بیان کیے ہیں۔

اسی طرح احناف کی کتابوں میں سے ہدایہ بہت معتبر اور متداول کتاب بھی محقق علماءِ کرام کے نزدیک غلطیوں سے پاک نہیں، جو صدیوں سے داخلِ درس ہے اور پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ جب صحیح بخاری موطا امام مالک اور ہدایہ جیسی مشہور اور متداول کتابیں بھی غلطیوں سے پاک نہیں جن کو عام مقبولیت حاصل ہے، تو چودھویں صدی کی کتاب جو بعض الزامی سوالوں کے جواب میں ہنگامی طور پر لکھی گئی، اور انہی ہنگامی وجوہ کے باعث المہند میں قطعی دلائل کی پابندی بھی نہیں کی گئی۔ بلکہ اس میں بعض جوابات الزامی، خطابت، جدل وغیرہ کے طور پر دیے گئے ہیں۔ اس کے بارے میں یہ سمجھنا سراسر بے دوقی ہوگی کہ اس میں لکھے ہوئے تمام عقائد یا دلائل قرآن مجید کی طرح بالکل برحق ہیں، اور اس میں مذکور تمام عقائد و دلائل میں قرآن مجید کی طرح کچھ شبہ اور تردد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ:

المہند میں اس قسم کی کئی خامیاں موجود ہیں، جن کی وجہ سے ہم اسے قرآن مجید کی طرح صحیفۂ آسمانی قرار نہیں دے سکتے۔ بلکہ قادیانیوں اور دیگر مذاہب باطلہ کی طرف سے پھیلائی جانے والی غلط افواہوں کی وجہ سے جب کسی کتاب کو یا اپنے اکابرین رحمہم اللہ تعالیٰ کو غلطیوں سے مبرا سمجھتے ہوئے تعریفی رنگ میں ان کے تصدیقی کلمات اور اس میں بیان کردہ تمام عقائد، اور دلائل کو قرآن مجید کی طرح اغلاط سے مبرا سمجھا جانے لگے تو اس کی غلطیوں سے چشم پوشی کو بھی جائز نہیں سمجھتے۔ جب کہ اس بات کے قرائن بھی موجود ہیں کہ درج ذیل چوبیس مقرظین میں سے کسی نے المہند کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا۔

"المہند" کے مقرظین و تصدیق کنندگان

① شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ
② مولانا عبد الرحیم رائے پوریؒ
③ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ
④ مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
⑤ مولانا ضیاء الحق دیوبندیؒ
⑥ مولانا میر احمد حسن امروہیؒ
⑦ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ
⑧ مولانا حکیم محمد حسن دیوبندیؒ
⑨ مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندیؒ
⑩ مولانا محمد احمد نانوتویؒ
⑪ مولانا غلام رسول دارالعلوم دیوبند
⑫ مولانا محمد سہول دارالعلوم دیوبند

⑬ مولانا عبد الصمد بجنوریؒ ⑭ مولانا محمد اسحاق نہٹوری ثم دہلویؒ

⑮ مولانا محمد ریاض الدین میرٹھیؒ ⑯ مولانا مفتی محمد قاسم دہلویؒ

⑰ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ ⑱ مولانا سراج احمد میرٹھیؒ

⑲ مولانا حکیم محمد مصطفیٰ بجنوریؒ ⑳ مولانا حکیم محمد مسعود احمد گنگوہیؒ

㉑ مولانا محمد یحییٰ سہرامیؒ ㉒ مولانا کفایت اللہ گنگوہیؒ

㉓ مولانا قدرت اللہ مرادآبادیؒ ㉔ مولانا محمد اسحاق میرٹھیؒ

البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ان علماء نے المہند کے اکثر مقامات کو دیکھا تو بعض ناگزیر وجوہ کے باعث ہنگامی طور پر نہایت قلیل مدت میں ایک بزرگ شیخ الحدیثؒ کی طرف سے لکھے گئے چھبیس الزامی سوالوں کے جوابات کو انہی ہنگامی بنیادوں پر بطور مجموعی صحیح سمجھا۔ پھر اعتماد اور حسنِ ظن کی بنا پر تصدیق کے لیے دستخط بھی فرمادیے۔ بلکہ خود صاحب المہند نے علامہ ابن عابدین شامیؒ کے اعتماد پر عبدالوہاب کو خارجی قرار دے دیا۔ اور جو الزامات شیخ محمد بن عبدالوہاب پر لگائے جاتے تھے، ان سب کی نسبت ان کے والد کی طرف کردی، جب کہ ان کے والد اس تحریک سے کلیۃً الگ تھے۔ حضرت محدث سہارنپوریؒ نے اس معاملے میں صحیح معلومات حاصل ہونے کے بعد المہند میں بیان کردہ موقف سے رجوع بھی فرمالیا تھا، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیرِ نگرانی شائع ہونے والے ہفت روزہ "ترجمانِ اسلام" لاہور بابت ۲۶ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۱ تا ۱۵ و ۱۸ میں سلطان المناظرین رئیس التحریر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ مدیر ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ (بھارت) کے تحقیقی مقالہ سے معلوم ہوتا ہے۔

تنبیہ قرائن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے استاذی المکرم مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے المہند کا بالاستیعاب مطالعہ بھی نہیں فرمایا۔ خصوصاً پانچویں سوال کا جواب تو حضرت مفتی صاحبؒ نے بالکل ہی سرسری نگاہ سے دیکھا۔ کیونکہ اس کے خلاف آپؒ نے اپنے فتاویٰ (کفایت المفتی) میں کئی مقامات پر اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کو برزخی زندگی حاصل ہے، دُنیوی نہیں۔ مثلاً:

المہنّد میں بیان کردہ مسئلہ حیات النبیؐ کے خلاف حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوے

١ مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے بقول حضرت مفتی اعظم ہندؒ فرماتے ہیں کہ:
"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی حیات برزخی حاصل ہے۔ جس کی کیفیت خدائے تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن حیات دُنیوی کہنا خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے"۔ (تسکین الصدور جلد ۲ صفحہ ۲۷۶)

فائدہ حضرت مفتی اعظم ہندؒ کی مذکور بالا عبارت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ المہنّد پر اپنے تصدیقی دستخط فرمانے سے پہلے المہنّد میں مذکور حضرت محدث سہارنپوریؒ کی عبارت: (انبیاءؑ و شہداء سب کی حیات دُنیوی ہے برزخی نہیں) پر یقیناً استاذی المکرم مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر نہیں پڑی، اگر آپ کی نظر پڑ جاتی تو یقیناً آپ اس مسئلہ کو مستثنیٰ کرتے۔ کیونکہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے کسی فتوے میں مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے اس قول کی کبھی تائید نہیں کی، اور دیگر علماء دیوبند میں سے بھی کسی نے کبھی یہ نہیں لکھا کہ: انبیاءؑ و شہداء کی حیات دُنیوی ہے، برزخی نہیں۔ بلکہ خود حضرت محدث سہارنپوریؒ کی عبارت میں تعارض ہے۔ انبیاءؑ و شہداء کی حیاتؒ دُنیوی ہے برزخی نہیں، اور پھر فرمایا کہ پس ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دُنیویہ بھی ہے اور برزخیہ بھی۔ کیونکہ برزخ میں حاصل ہے۔ جب کہ:

قاعدہ ہے: اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا۔

فائدہ یاد رہے کہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے (بھی کبھی) فرمایا (تھا) کہ: قرآن کریم، صحیح احادیث، اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ آسمانوں میں ❶ فرشتے اور ❷ ارواح حضرات انبیاء علیہم السلام، اور ❸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسدِ عنصری کے ساتھ، بلکہ ❹ تمام دیگر مومنوں کی روحیں آسمانوں پر موجود ہیں۔ (احسن الکلام جلد ۲ صفحہ ۱۸)

٢ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ نے فرمایا: "انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ مگر ان کی زندگی دُنیاوی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ برزخی، اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے۔ اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے۔ اور انبیاء کی زندگی

سے پہلے دور سے کی ہے۔ دُنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ اس کا کھلا دلیل ہے"۔ (کفایت المفتی جلد ۱ صفحہ ۹۹)

[illegible] حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ کے پہلے جملے "انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں" کا یہ مطلب نہیں کہ قبر سے مراد حضرت مفتی صاحبؒ کی یہی زمینی قبر ہے۔ کیونکہ حضرت مفتی صاحبؒ نے "جواہر الایمان" میں فرمایا ہے کہ: "قبر سے مراد زمین کا گڑھا نہیں، بلکہ موت کے بعد آخرت سے پہلے کا زمانہ (بھی) ہے"۔ (جواہر الایمان صفحہ ۷۶)

فائدہ حضرت استاذ المکرم کے اس فتویٰ پر تاریخ نہیں لکھی گئی۔ ممکن ہے یہ فتویٰ اس دور کا ہو جب فتاویٰ کی نقول رکھنے کا اہتمام نہیں تھا۔ یعنی ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء سے پہلے آپؒ نے یہ فتویٰ تحریر فرمایا ہو۔

۳ حضرت مفتی اعظم ہندؒ نے فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر پوری کر کے وفات پائی اور آپؐ کی وفات کو موت سے تعبیر کرنا بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے: اَفَاِئْنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ۔ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ـــــ اور آپؐ کی حیات کا یہ مطلب ہے کہ آپؐ پر موت بھی وارد نہیں ہوئی۔ اور جیسے آپؐ زندہ تھے اسی طرح اب بھی زندہ ہیں، کہ یہ بات صریح البطلان ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۱ صفحہ ۷۴، ۷۵)

فائدہ اس فتوے پر مدرسہ امینیہ دہلی میں اُس وقت کے اکابر مدرسین:

❶ مولانا حبیب المرسلین رحمۃ اللہ علیہ ❷ استاذی مولانا خدا بخش میروی رحمۃ اللہ علیہ

❸ مولانا سکندر دین رحمۃ اللہ علیہ ❹ مولانا عبد الغفور رحمۃ اللہ علیہ، اور

❺ مولانا اظہار حسین رحمۃ اللہ علیہ کے دستخط موجود ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ ۱۳۶۰ھ کے قریب لکھا گیا تھا۔

اس فتویٰ کے انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے خود اپنی مصدقہ کتاب المہند میں بیان کردہ حیات النبیؐ کے متعلق مسئلہ میں حضرت محدث سہارنپوریؒ کے تسامح سے لوگوں کے عقائد خراب ہونے کا شدید خطرہ محسوس کرتے ہوئے گویا رجوع کے طور پر بھی تحریر فرمایا تھا۔ اور اسی غرض سے اس فتویٰ پر

مدرسہ امینیہ دہلی کے دیگر اساتذۂ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کے تصدیقی دستخط بھی کروائے گئے۔
اسی طرح اس فتویٰ میں حضرت مفتیِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمادیا ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے آبِ حیات میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ارواح کے اخراج کا انکار کیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں معاذاللہ خود حضرت نانوتویؒ کا مسلک بھی شیعہ کی طرح انبیاءِ کرام' یا ائمہ کے بارے میں تھا کہ ان کی ارواح کا اخراج نہیں ہوتا، بلکہ انھوں نے تو الزامی طور پر ایک انوکھے اندازِ بیان میں مسئلہ کی وضاحت فرما کر شیعہ علماء اور مناظرین کو مطالبۂ فدک سے باز رکھنے کی کوشش فرمائی تھی۔ کیونکہ یہ بات تو صریح البطلان ہے کہ آپؐ پر موت طبعی وارد نہیں ہوئی' اور جیسے آپؐ زندہ تھے اسی طرح اب بھی زندہ ہیں۔

۴ نیز آپؒ نے فرمایا: انبیاءِ کرام علیہم السلام کو حضرت حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے۔ جو شہداءؓ کی حیات سے ممتاز ہے۔ اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوئی ہے' جو اولیاء کی حیات سے امتیاز رکھتی ہے۔ مگر یہ زندگیاں دُنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں، کیونکہ دُنیا کی زندگی کے لوازم ان میں پائے نہیں جاتے۔ (کفایتُ المفتی جلد ۱ صفحہ ۷۷)

فائدہ حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ فتویٰ رائے پور کے مرزا ولی اللہ بیگؒ کے سوال پر تحریر فرمایا۔ جو ۲۶ر شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۱ر فروری ۱۹۳۴ء کو دریافت کیا گیا تھا۔ نیز حضرت مفتی صاحبؒ (دورۂ حدیث شریف میں علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ' مولانا امین الدین (بانی مدرسہ امینیہ) مولانا ضیاءُ الحق دیوبندیؒ' مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ' مولانا انظار حسینؒ' وغیرہ کے ساتھ) دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۱۵ھ میں فارغ ہوئے۔ اسی سال شاہجہانپور کے مدرسہ عین العلم میں تدریس و افتاء کی خدمت انجام دینی شروع کی۔ مولانا سید مہدی حسن صاحبؒ نے اِسی دَوران حضرت مفتیِ اعظم کی شاگردی کا اِعزاز حاصل کیا۔ ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ امینیہ سُنہری مسجد دہلی میں، بحکم شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ صدر مدرّس و مفتی کی حیثیت سے تعینات ہوئے۔ اور اس وقت آپؒ کی عمر ۲۹ سال تھی۔
المہنّد اٹھارہ شوال ۱۳۲۵ھ بروز پیر مکمل ہوئی۔ اس وقت آپؒ کی عمر ۳۲ سال تھی۔ اور مذکورِ بالا فتویٰ حضرت مفتی صاحبؒ نے تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں تحریر فرما کر المہنّد میں بیان کردہ پانچویں سوال کے جواب کی واضح لفظوں میں تغلیط فرماتے ہوئے گویا المہنّد پر اپنی تصدیق سے رجوع فرمالیا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ

المہند پر تصدیقی دستخط کرنے والے علماء ربانی میں حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نام بھی شامل ہے۔ انھوں نے بھی نہ تو زندگی میں کبھی حضرت بنوریؒ کے آب حیات میں مذکور فرضی عقیدہ کی تصحیح فرمائی اور نہ ہی المہند میں مذکور عقیدہ کی زندگی میں کبھی تصحیح فرمائی بلکہ اس کے خلاف انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کو نہ صرف برزخی حیات قرار دیا بلکہ حدیث: اِنَّ نَبِیَّ اللہِ حَیٌّ یُرْزَقُ (یعنی آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپؐ کو رزق پہنچتا ہے۔ ــــ) کی تشریح میں دنیوی حیات کا صریح لفظوں میں انکار کرتے ہوئے فرمایا:

۱ یاد رہے اس حیات سے مراد ناسوتی (دنیوی) نہیں ہے وہ دوسری قسم ہے جس کو حیات برزخی کہتے ہیں ــــــ تیسرا درجہ سب سے قوی ہے وہ انبیاءؑ کی حیات برزخیہ کا ہے۔ (اشرف الجواب جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ طبع دیوبند)

۲ حضرت تھانویؒ نے حضرت محدث سہارنپوریؒ کی منقولہ علامہ سبکیؒ کی عبارت کحیوتھم فی الدنیا کی کھلے لفظوں میں تردید کر کے گویا اس معاملے میں المہند کی تصدیق سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا: "امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص حیات بعد وفات کے بھی مسلّم ہے صحابہؓ بھی اس سے واقف تھے گو وہ حیات اس حیات کے مثل نہیں ہے بلکہ حیات برزخیہ ہے"۔ (مواعظ اشرفیہ صفحہ ۳۳۶)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

المہند پر تصدیقی دستخط کرنے والے اہل حق علماء میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نام بھی شامل ہے۔ انھوں نے اہل رفض اور دیگر بد عقیدہ فرقوں کی ستم ظریفی سے جاہل عوام میں مشہور حیات النبیؐ کے متعلق باطل اور گمراہ کن عقیدہ کی تردید کے ساتھ نہ صرف المہند کی تصدیق سے ہی رجوع فرمالیا بلکہ امام سیوطیؒ و بیہقیؒ کے رسائل میں حیات الانبیاء سے متعلق عقیدہ کی وضاحت بھی نہایت احسن طریقے سے کر کے جہلاء میں مشہور عقائد بد کی اصلاح بھی فرمادی۔ چنانچہ:

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کی حیات

فی القبور پر علامہ سیوطیؒ نے انتباہ الاذکیاء فی حیات الانبیاءؑ اور بیہقیؒ نے بھی حیات الانبیاءؑ پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ اب انبیاء علیہم السلام کے زندہ فی القبور ہونے کے معنے یہ ہیں کہ ان کی روح زندہ ہے۔ تو وہ ہر شخص کو حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ منکر نکیر سے مکالمہ ہوتا ہے۔ تو اعادۂ روح اور حیاتِ روح فی البرزخ مشترک ہوئی۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اگر حیاتِ دنیوی مراد ہے تو پھر اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کے کوئی معنے نہیں۔ آج اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو آپ ﷺ کے پاس فیصلہ نہیں لے جایا جاسکتا۔ تو حیاتِ دنیوی پر موت کا طریان ہوا ہے۔ تو کہا جائے گا کہ حیات کلی مشکک ہے۔

(۱) حیاتِ عنصری جس میں اِتصال الروح بالجسد ہے کہ ایک کے بغیر دوسرا بے کار ہوتا ہے۔ اس حیاتِ عنصری کو موت فنا کر دینے والی ہے۔

(۲) حیات برزخی۔ وہ بھی ہر ایک کو حاصل ہے۔

(۳) حیاتِ اخروی۔ یہ بھی سب کو حاصل ہوگی۔

تو نوع کے اعتبار سے اشتراک ہوا۔ مگر اشخاص کے اعتبار سے خصوصیت ہے کہ عالمِ برزخ میں جو حیات انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں۔ جیسے:

مثال ایک پہلوان کی زندگی اور مدقوق کی زندگی میں تفاوت ہوتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء کو عالمِ برزخ میں اعلیٰ درجہ کی زندگی دی گئی ہے۔ (تقریر ترمذی مع شمائل نبوی صفحہ ۹۰۸۔ ناشر: کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کا فتویٰ

المہند پر تصدیقی دستخط کرنے والے علماءِ حق میں سے مفتیٔ اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی گویا المہند میں مذکور حیاتُ النبی سے متعلق عقیدہ سے رجوع فرما لیا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

۱ "انبیاء کرامؑ کی حیات شہدا کی حیات سے بھی اقویٰ اور اتم ہے اور مراد اس حیات سے دنیوی ظاہری نہیں ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ لہٰذا احکامِ اموات ظاہریہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم جلد ۵ صفحہ ۳۹۷)

۲ نیز آپ سے پوچھا گیا کہ: حضرات اولیاء اللہ بعد وصال زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟۔ تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ: سب ہی مرنے والے ہیں۔ انك ميت وانهم ميتون اور بھی کو حیاتِ رُوحانی حاصل رہتی ہے۔ کیونکہ مدار ثواب و عتاب کا حیاتِ روحانی پر ہے، جو کہ مُسلّم ہے۔ پھر اسی حیاتِ روحانی میں درجات انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے، اس کے بعد شہداء کی، پھر جملہ مومنین و مومنات کی درجہ بدرجہ۔ اور نصوص صراحۃً انبیاء اور شہداء کی حیات میں وارد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء فنبي الله حي يرزق. الحديث، او كما قال ﷺ۔ اور شہداء کے بارے میں قرآن شریف میں ہے: ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بما اتيهم الله من فضله (الآية) پس اس قسم کی تصریح کوئی اولیاء اللہ کے لفظ کے ساتھ وارد ہونا یاد نہیں ہے۔ لیکن جب کہ شہداء کے لیے حیات کی تصریح ہے، اور شہداء بھی اولیاء اللہ ہیں، تو اس وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے بھی تصریح حیات ہوگی۔ یا یوں کہا جائے کہ جب کہ شہداء کے لیے حیات کی تصریح ہے تو چونکہ اولیاء اللہ بھی بحکم شہداء ہیں، بلکہ بعض اولیاء، شہداء سے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں، جیسے صدیقین کہ وہ اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہے، شہداء سے افضل ہے۔ کما قال الله تعالى: اولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين (الآية) اس آیت میں انبیاء کے بعد شہداء سے پہلے صدیقین کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ بظاہر یہ ترتیب مقتضی افضلیت صدیقین کو شہداء پر ہے۔ اس لیے اولیاء اللہ کے لیے بھی یہ خاص حیات علیٰ حسب المراتب ثابت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم جلد ۵ صفحہ ۴۷۶)

فائدہ یاد رہے کہ نہ صرف المہند پر تصدیقی دستخط کرنے والے علماء نے المہند میں حیات النبی کے متعلق عقیدہ سے رجوع کر لیا بلکہ ان کے متبعین نے بھی اپنے فتاویٰ میں حیات النبی کے متعلق المہند میں مذکورہ عقیدہ کی تردید فرمادی۔ اور آبِ حیات میں مذکور حضرت نانوتویؒ کے ذہنی عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی المہند میں مذکور حیات الانبیاءؑ کے متعلق عقیدہ کے بیان میں حضرت محدث سہارنپوریؒ سے تسامح ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے عوام ہی نہیں بعض خواص کے عقائد بھی خراب ہو رہے تھے۔ چنانچہ:

مفتی سید مہدی حسنؒ کا فتویٰ

دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا سید مہدی حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: محققین اکابر کی تحقیق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ برزخی حاصل ہے، جو اس حیاتِ دنیوی سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہے اس کے لیے "آبِ حیات" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ظاہر احادیث سے حیاتِ دُنیوی ثابت ہوتی ہے، مگر بحالت موجودہ اقویٰ اور قوی تر ہے۔ دونوں قول موجود ہیں، راجح اول ہے۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن اپریل ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۱)

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا فتویٰ

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ایک سوال (کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں تو پھر ان کی طرف سے سیدنا علیؓ ہر سال قربانی کیوں دیتے تھے) کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور حیات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: "جو حیات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت حاصل ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جو دنیوی حیات کی جنس سے نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیاتِ دنیویہ کے اعتبار سے میت ہیں اور اُس برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جو اس دنیوی حیات سے الگ ہے"۔ (اعلاء السنن جلد ۱۷ صفحہ ۲۷۲)

مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ کا فتویٰ

سوال انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت یہی حیاتِ دنیویہ ہے یا دوسری حیات ہے جس کو حیاتِ برزخیہ کہا جاتا ہے؟ یعنی انبیاء کی موت سے ان کی حیاتِ دنیویہ منقطع ہو کر بعد اس کے ان کو دوسری حیات ملتی ہے یا یہی حیاتِ دنیویہ ان کی مسلسل چلی گئی ہے؟

جواب انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حیاتِ برزخیہ ہے۔ جو دوسری اموات کی حیاتِ برزخیہ سے اقویٰ واشد ہے۔ اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یا سب انبیاء علیہم السلام کی موتِ دُنیوی کا انکار کرے وہ گمراہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" فَسَوّٰى بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهٗ فِي الْمَوْتِ فَعُلِمَ اَنَّ مَوْتَ الْكُلِّ سَوَاءٌ (امداد الاحکام جلد ۱ صفحہ ۲۵۰)

فائدہ اس فتویٰ میں نہ صرف المہند میں مذکور مسلک کی تغلیظ کی گئی ہے بلکہ اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ موجود ہے کہ آبِ حیات میں مذکور حیات الانبیاء سے متعلق حضرت نانوتویؒ

کے الو کے انداز تحریر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ خود حضرت نانوتوی کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یا سب انبیاء علیہم السلام کی موت دُنیوی کا انکار کرے وہ گمراہ ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع کا فتویٰ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں۔ قرآن پاک کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کرسکتا ہے؟ جو بھی قائل ہیں حیات برزخی ہی کے قائل ہیں"۔ (مقام حیات صفحہ ۲۳۶)

فائدہ مقام حیات کے مصنف علامہ خالد محمود نے بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کہ: "حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اس بیان کو اگر پورے علمائے دیوبند کا عقیدہ کہا جائے تو کیا ہم بہت سے لفظی اختلافات سے بچ نہیں جاتے؟"۔

مولانا محمد زکریا کا فتویٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "حدیث میں نبی اللہ حیٌّ یُرزق وغیرہ کثرت سے ہے۔ اور یہ وہی حیات ہے جو شہداء کے لیے قرآن پاک میں ذکر کی گئی ہے۔ البتہ حسب مراتب ان حضرات کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ قوی ہے۔ لیکن وہ دُنیوی حیات بھی نہیں ہے۔ (مکاتیب شیخ الحدیثؒ صفحہ ۳۸۵)

تنبیہ مذکورِ بالا علماء نے المہنّد میں مذکور مسلک کا رد فرماتے وقت احتیاطاً حضرت محدث سہارنپوریؒ کا نام نہیں لیا۔ اور ہمارے لیے بھی صاحب المہنّد اور المہنّد کی تصدیق کرنے والے علماءِ حق کا نام لے کر اس میں مذکور حیاتُ الانبیاء سے متعلق تسامح کی نشاندہی سے احتراز ہی مناسب تھا۔ لیکن اس وقت بعض پڑھے لکھے اور سنجیدہ قسم کے لوگوں کو قادیانیوں کی سازش کا شکار ہوکر حیاتُ النبی کے معاملے میں رافضیوں، قادیانیوں اور رضائیوں کے ہم خیال بنتے ہوئے دیکھ کر مجبوراً حضرت محدث سہارنپوریؒ کے تسامح کی نشاندہی کرنی پڑی۔ تاکہ عقائد کے معاملے میں ہمارے وطن عزیز کے مظلوم عوام حقیقت حال واضح ہونے کے بعد اپنے عقائد کی اصلاح کرسکیں۔

اللھم اھدنا الصراط المستقیم

المہند میں تیسرا تسامح

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ سے دریافت کیا گیا کہ: "محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے"۔ تو اس کے جواب میں انھوں نے شیخ عبدالوہابؒ اور ان کی جماعت کو اہلِ حق اور اہلُ السنۃ سے خارج قرار دیا اور اس کے لیے "ردالمحتار" کے مصنف علامہ ابن عابدین شامیؒ کی عبارت (درِّ مختار بابُ البغاۃ جلد ۳ صفحہ ۳۳۹) سے بھی استناد کیا۔ جنھوں نے نجد کی اس وہابی جماعت کو خوارج کے قبیل سے لکھا ہے۔ حالانکہ ان کے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ: "محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں' ان کے عقائد عمدہ تھے' اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی۔ مگر وہ (محمد بن عبدالوہاب) اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں (اس کے مقتدیوں میں سے وہ لوگ) جو حد سے بڑھ گئے' اُن میں فساد آگیا ہے۔ اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی شافعی مالکی حنبلی کا ہے"۔ (فتاوی رشیدیہ حصہ اول صفحہ ۱۱۹)

فائدہ شیخ عبدالوہاب کٹر حنبلی تھے' اور ان کا اپنے بیٹے محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے باوجود المہند کی تصدیق کرنے والے علماء میں سے کسی ایک نے بھی اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ اس سوال کے جواب میں مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کو تسامح ہوا ہے۔ بلکہ استاذی المکرم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے تصدیقی کلمات میں تحریر فرمایا کہ: "میں نے تمام جوابات دیکھے۔ سب کو ایسا حق صریح پایا کہ اس کے اردگرد بھی شک یا ریب نہیں گھومتا۔ اور یہی میرا عقیدہ ہے۔ اور میرے مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا عقیدہ ہے"۔ (المہند طبع دیوبند ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء صفحہ ۵۲)

حضرت استاذی المکرم رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحریر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انھوں نے واقعۃً اس میں مذکور چھبیس سوالوں کے تمام جوابات کو نہایت غور کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اگر انھوں نے واقعی تمام جوابات کو پڑھا تھا تو پھر بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک المہند میں ایک حرف بھی غلط نہیں۔ دراصل حضرت مفتی صاحبؒ نے المہند پر اپنے تصدیقی

کلمات تحریر کرتے وقت "حسام الحرمین" کے مقابلہ میں اپنے بزرگ اساتذہ کی طرف سے لکھے گئے جوابات کو وقتی مصلحت کے تحت "حکمت عملی" سے کام لیتے ہوئے "للاکثر حکم الکل" کے قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے جس طرح حیات الانبیاءؑ کے مسئلہ میں چشم پوشی سے کام لیا، اسی طرح محمد ابن عبدالوہاب کے متعلق تسامح کی نشاندہی کیے بغیر تصدیقی کلمات لکھ کر دستخط فرما دیے۔

کیونکہ اس زمانے میں بریلویہ کے امام احمد رضا خان نے علماءِ دیوبند کی کتب میں مختلف قسم کی تحریفات و ادخال کر کے انھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا باغی اور گستاخ قرار دیا۔ اور بزرگانِ دیوبند کی کتابوں کی محرّف تحریروں کو انتہائی غلط عربی ترجمہ کر کے علمائے حرمین سے فتویٰ طلب کیا کہ: "ایسا عقیدہ رکھنے والے مسلمان ہو سکتے ہیں؟"۔ پھر اُس دَور کے اہلِ علمائے حرمین نے عربی عبارات کو دیکھ کر کہا کہ: "جس کا یہ عقیدہ ہے وہ مسلمان نہیں"۔ پھر اسے "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کر دیا، اور اہلِ ہند کو یقین دلایا کہ وہ ہی نہیں، علمائے حرمین بھی دیوبندیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس کے جواب میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایماء پر مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "المہند علی المفند" یعنی "ایک شحیائے ہوئے شخص پر ہندوستانی تلوار" کے نام سے دفاعی طور پر وضاحتی بیان تحریر فرمایا۔ لیکن اسے قرآن مجید کی طرح غلطیوں سے پاک قرار دینا، اور اس میں مذکور تمام مسائل پر ایمان رکھنے کو واجب سمجھنا درست نہیں۔ البتہ "للاکثر حکم الکل" کے قاعدہ کی رو سے وقتی مصلحت کے تحت اس کتاب کو بطورِ مجموعی درست تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

للاکثر حکم الکل

اس مقام پر۔ مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ میں نے کتب خانہ رحیمیہ (دہلی) میں بورڈ پر لکھا دیکھا کہ: "ہمارے ہاں حدیث، تفسیر، اصول، و دیگر فنون کی تمام کتابیں دستیاب ہیں"۔ میں نے کتب خانہ کے مالک مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؒ بن مفتی اعظم ہندؒ سے غایۃ التحقیق شرح حسامی، حسن حاشیہ شرح عقائد، کے علاوہ اور بہت سی نادر کتابوں کے متعلق دریافت کیا۔ اور جب ہر کتاب کے متعلق جواب نفی میں ملا تو میں نے کہا کہ کیا آپ کے بورڈ پر خلافِ واقعہ لکھا ہوا ہے؟۔ تو انھوں نے: لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ۔ کا اصولی قاعدہ بیان فرما کر بات کو ٹال دیا۔

اسی طرح حضرت استاذی المکرم رحمہ اللہ تعالیٰ نے المنجد کے متعلق جو ارشاد فرمایا کہ: "یہ سلسلہ ...
جوابات دیکھے ہیں"۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ نے المنجد کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ...
کیونکہ المنجد میں جو شائع کے حوالے سے محمد بن عبدالوہاب کی بجائے عبدالوہاب کا لفظ لکھا ...
ہے۔ یہ بھی بر تحقیق نہیں۔ اگر اس کا مفہوم حقیقی لیا جائے تو معاذ اللہ ہمارے استاذوں اور عرب و
عجم کے دیگر مؤرخین پر اعتراض وارد ہوگا کہ وہ خلاف حقیقت، تحریک کا بانی شیخ عبدالوہاب کو
سمجھتے تھے۔ جب کہ تحریک کے بانی شیخ عبدالوہاب کے بیٹے محمد بن عبدالوہاب تھے۔

مولانا مسعود عالم ندوی نے فرمایا کہ یورپی مورخین نے غلطی سے یہ بھی لکھ دیا کہ
صاحب دعوت کے بیٹے محمد نابینا تھے۔ حالانکہ نابینا تو محمد بن عبدالوہاب کے بڑے بیٹے حسین تھے، نہ کہ
محمد بن عبدالوہاب۔

اسی طرح مسٹر ہنٹر نے شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے ایک رسالہ کا ترجمہ
کیا، اور مصنف کے متعلق لکھا کہ وہ بانی تحریک یعنی محمد بن عبدالوہاب کا پوتا تھا۔ حالانکہ وہ
بانی تحریک کا بیٹا تھا۔

اسی طرح یورپی سیاحوں کے پیشوا "نی بور" نے بھی بانی تحریک کا نام عبدالوہاب ہی
بتایا۔ اور کہا کہ آج کل اس کے بیٹے محمد (ابن عبدالوہاب) جانشین ہیں۔

ان مورخین نے بانی تحریک پر بعض بے بنیاد الزام ایسے بھی لگائے جن سے یقینی
طور پر کفر لازم آتا ہے۔ مثلاً:

1. یورپی سیاح "نی بور" نے عبدالوہاب پر الزام لگایا کہ: "عبدالوہاب رسولوں کو بڑا آدمی سمجھتا تھا لیکن وہ الہام یا فرشتوں کے ذریعے وحی کا قائل نہ تھا"۔
2. اسی طرح T.E.Revenshaw نے پٹنہ کے کلکٹر کی حیثیت سے مولانا احمد اللہ صادقپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقدمہ میں لکھا کہ: "عبدالوہاب کے خیال کے مطابق کوئی مذہب الہامی نہیں ہوا"۔
3. شیخ احمد زینی دحلان مکی نے محمد بن عبدالوہاب پر الزامات لگاتے ہوئے لکھا کہ: جب کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونا چاہتا تو وہ اس سے کلمہ شہادت پڑھوانے کے بعد

کہتا کہ: تم اس بات کی بھی شہادت دو کہ تم اب تک کافر تھے اور تمہارے ماں باپ بھی کافر تھے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے۔

4 اور گزشتہ زمانہ کے بہت سے بڑے بڑے علماء کا نام لے کے کہتا کہ ان کے بارے میں بھی شہادت دو اور کہو کہ یہ سب کافر تھے۔

5 اور وہ صراحت سے کہتا تھا کہ گزشتہ چھ سو سال میں جو مسلمان گزرے ہیں وہ سب کافر تھے اور اپنے متبعین کے سوا اور سب کو وہ کافر قرار دیتا تھا اگرچہ وہ اعلیٰ درجہ کے متقی ہوں۔ ان کو وہ مشرک کہتا تھا اور ان کا قتل کرنا اور ان کا مال لوٹ لینا وہ جائز سمجھتا تھا۔

6 اور صرف ان لوگوں کو وہ مومن و مسلم مانتا تھا جو اس کا اتباع کرتے اگرچہ وہ بدترین قسم کے فاسق فاجر ہوتے۔

7 اور وہ طرح طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین کرتا تھا، اور اس کی پیروی میں اس کے متبعین بھی حضور کی شان پاک میں گستاخیاں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ:

8 اس کے بعض متبعین کہتے تھے کہ: میری یہ لاٹھی محمدؐ سے بہتر ہے، اس سے سانپ جیسے موذی جانور مارنے کا کام لیا جاسکتا ہے، اور محمدؐ تو مرچکے اور ان کی ذات میں اب کوئی نفع نہیں رہا۔

9 اور وہ (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو بس "چٹھی رساں" تھے جو گزر گئے۔ ــــ اور اسی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ:

10 وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کو برا سمجھتا تھا۔ اور اس کے سننے سے اس کو اذیت اور تکلیف ہوتی تھی۔ (خلاصۃ الکلام فی بیان امراء بلد الحرام صفحہ ۲۳۰ جلد ۲)

11 اس شخص (محمد بن عبدالوہاب) کو اپنے ابتدائی دور میں ان لوگوں کے حالات و واقعات کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا جنھوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، جیسے مسیلمہ کذاب اور سجاح اور اسود عنسی اور طلیحہ اسدی اور ان جیسے دوسرے مدعیان نبوت۔ ــــ دراصل وہ اپنے دل میں نبوت کا دعویٰ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس کو چھپائے ہوئے تھا، اور اگر اس کو علانیہ نبوت کا دعویٰ کرنے کا موقع ملتا تو وہ کھلم کھلا نبوت کا دعویٰ کرتا۔ (خلاصۃ الکلام

فی بیان اسرار بلد الحرام صفحہ ۲۲۹ جلد ۲)

❻ جو عورتیں محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور مسلک کو قبول کرتی تھیں، وہ حکم دیتا کہ ان کے سر بھی منڈوا تا تھا۔ (خلاصۃ الکلام جلد ۲۵ صفحہ ۲۳۵)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: شیخ احمد زینی دحلان نے شیخ محمد بن عبدالوہاب پر اس عبارت میں جو انتہائی سنگین الزامات لگائے ہیں ان میں سے ایک الزام بھی صحیح نہیں ہے۔

تنبیہ المہنّد میں علامہ شامیؒ کی عبارت کے موافق عبدالوہاب کو خارجی قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ خارجی وحی کے منکر نہیں تھے۔ اور اگر عبدالوہاب (معاذ اللہ) وحی کا منکر تھا تو اس پر خارجیت کی بجائے صریح کفر کا فتویٰ لگایا جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ ضروریاتِ دین کا انکار خارجیت یا اعتزال نہیں، بلکہ صریح کفر ہے۔

فائدہ یاد رہے کہ نہ صرف مذکورِ بالا، بلکہ اس قسم کے دیگر کئی الزام محمد بن عبدالوہاب کے والد پر یہ سوچ کر لگائے گئے کہ وہ تحریک کے بانی تھے۔ غیر مسلکوں کے اس منفی رویے کی وجہ سے بہت سے سمجھدار اہلِ علم پر بھی اصل حقیقت مخفی رہ گئی۔ چنانچہ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ کو بھی اس باب میں اہلِ نجد کے مسلک کی صحیح اطلاع نہیں مل سکی۔ (البدر الطالع جلد ۲ صفحہ ۵)

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامیؒ کو بھی تحریک وہابیت کے متعلق صحیح اطلاع نہیں مل سکی۔ اور انھوں نے بھی تحریک کا بانی عبدالوہاب ہی کو قرار دیا۔

اور یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی اس سوال کے جواب میں شیخ عبدالوہاب کے متعلق تقلیداً حضرت علامہ شامیؒ کی عبارت نقل فرمادی۔ جسے درحقیقت سوال کا درست جواب نہیں کہا جاسکتا۔ اور المہنّد پر تقاریظ لکھنے اور اس پر تصدیقی دستخط کرنے والے عرب و عجم کے تمام محقق علماء نے سوال اور جواب میں مطابقت سے متعلق چشم پوشی سے کام لیا۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے فرمایا: توحید و سنت کے خاص داعی اور "کتاب التوحید" کے مصنف جنھوں نے قبر پرستی وغیرہ کے خلاف جہاد کیا وہ عبدالوہاب نجدی نہیں، بلکہ

محمد بن عبدالوہاب نجدی تھے' اور لوگ جہالت اور تجاہل سے ان چیزوں کی نسبت عبدالوہاب نجدی کی طرف کرتے ہیں۔

نیز آپ فرماتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ایک دوسری یہ واقعی حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان کی دعوت و تحریک صرف وعظ و نصیحت اور تصنیف و تالیف یا تبلیغی دوروں تک محدود نہیں تھی' بلکہ جہاد بالسیف بھی اس کا ایک جز تھا۔۔۔۔

وہ قبروں کو سجدہ کرنے' نذر نیاز چڑھانے' ان سے مرادیں مانگنے اور اس طرح کے تمام مشرکانہ افعال کو بت پرستی کی طرح شرک اور ان کے مرتکبین کو مشرک قرار دیتے تھے۔

اسی طرح تارکین صلوٰۃ (بے نمازیوں) کو (امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کے مطابق) خارج از اسلام کافر سمجھتے تھے۔

اور اس طرح کے سب لوگوں کے بارے میں (جو اپنے کو مسلمان کہتے ہوں اور کسی طرح کے کفر یا شرک کے مرتکب ہوں) ان کا نقطۂ نظر اور رویہ (جو ان کی کتابوں میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ لکھا ہے) یہ تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے پہلے اللہ و رسولؐ کا حکم پہنچایا جائے' اور ناصحانہ طور پر سمجھانے کی کوشش کی جائے' اور پوری طرح حجت کا اتمام کیا جائے' اگر اس کے بعد بھی باز نہ آئیں تو پھر بشرط استطاعت ان کے خلاف جہاد کیا جائے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب سے مذہبی اور مسلکی اختلاف رکھنے والے علماء کے انداز مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس مخالفت میں (ان علماء نے) وہی روش اختیار کی' اور اسی طرح کا پروپیگنڈہ کیا جیسا کہ ہمارے ملک میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مخالف علماء نے شرک و بدعات کے خلاف ان کی جدوجہد اور "تقویۃ الایمان" کی تصنیف و اشاعت کے بعد کیا تھا۔ جس کا سلسلہ راہِ خدا میں ان کی شہادت پر قریباً ڈیڑھ سو برس گزر جانے کے باوجود ابھی تک چل رہا ہے۔ نیز مولانا نعمانیؒ نے فرمایا کہ: اس پروپیگنڈہ ہی کے نتیجہ میں "وہابی" کا لفظ ایک مذہبی گالی بن گیا۔

"ہندوستان کا وہابی"

1 شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ "ہندوستان کا وہابی" کے زیر

عنوان اپنے رسالہ "تحفۂ معراج النبیؐ" میں فرمایا کہ: "ہندوستان میں وہابی کا لفظ استعمال کے لحاظ سے ایک جنس قرار پا گیا ہے۔ جس کے ماتحت دو نوع ہیں۔ ❶ ایک وہ وہابی جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ہم خیال و ہم مشرب و ہم مذہب ہوں۔ ❷ دوسرے وہ لوگ جو ائمۂ اربعہ خادمانِ اسلام میں سے کسی کے فروعات میں متبع بھی ہوں۔ لیکن اسلام محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے روشن و منور چہرے سے بدعات کا سیاہ نقاب چاک کر کے دکھانا چاہیں۔ تو یہ بھی علماءِ سوء کے ہاں وہابی ہی کہلاتے ہیں"۔

۱۲ حضرت مفسر لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ: "جہال کو فرقہ وہابیہ کے متعلق بیج و غلط الزامات سنا سنا کر اس قدر متنفر کیا ہوا ہے کہ اس فرقے سے بدتر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ اس لیے اب بدعت پسند علماء جس وقت کسی شخص کو وہابی کا لقب دے دیتے ہیں تو جاہل اس شخص سے اس قدر متنفر ہو جاتے ہیں کہ شاید خنزیر اور پاخانے سے بھی اتنے متنفر نہ ہوتے ہوں۔ ایسے شخص کی ہر بات کو گمراہی سمجھا جاتا ہے خواہ وہ کتاب و سنت ہی سے کہے۔ اور اس تنفر کے باعث علماءِ سوء (برے عالم) کی خوب شکم پروری جہال کے دروازوں سے ہوتی رہتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (تحفۂ معراج النبیؐ صفحہ ۳۰۳)

وہابیوں کے متعلق مشہور دو غلط قصے

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اس سلسلہ میں درج ذیل دو قصے بھی بیان فرمائے ہیں:

۱ میں نے جب ہوش سنبھالا اور اس طرح کی باتیں سننے سمجھنے کے لائق ہوا (جب کہ میری عمر ۷۔۸ سال کی ہوگی) تو اپنے وطن بلکہ خاص ماحول میں ایک مشہورِ عام اور مسلمہ واقعہ کی طرح برابر یہ سنا کہ "کوئی شخص عبدالوہاب نجدی تھا" وہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا دشمن تھا کہ اس نے روضۂ اقدس میں اس ناپاک غرض سے سرنگ لگائی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو (معاذ اللہ) نکال کے اس کی بے حرمتی اور توہین کرے، اس زمانہ کے مسلمان بادشاہ کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ نے اس کو یہ بات بتلائی، اس نے فوراً اٹھ کے تلاش اور کھدائی کرائی تو سرنگ کا پتہ چل گیا اور وہ نجدی عبدالوہاب پکڑا گیا اور اس کو قتل کیا گیا۔

فائدہ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ جاہل عوام "عبدالوہاب نجدی" ہی کو "وہابیت" کا موجد اور اصل مجرم جانتے تھے اور انہی کو گالیاں دے کر دل کا بخار نکالتے تھے۔ یہ اس بات سے بالکل ناواقف تھے کہ بزرگوں کی قبروں پر بنے گنبدوں قبوں کو توڑنے والی اور قبروں کو سجدہ کرنے، نذر نیاز چڑھانے، ان سے مرادیں مانگنے اور اس طرح کے دوسرے مشرکانہ اعمال واطوار کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنے والی شخصیت دراصل شیخ عبدالوہاب کے بیٹے شیخ محمد کی تھی جو تاریخ میں "شیخ محمد بن عبدالوہاب" کے نام سے معروف ہیں۔ —— ان کے والد شیخ عبدالوہاب حنبلی بھی اگرچہ اپنے وقت کے بڑے عالم اور فقیہ تھے اور عُیَیْنَہ و حُرَیملہ کے قاضی تھے، لیکن وہ اپنے خاص سکون پسند مزاج کی وجہ سے اپنے بیٹے شیخ محمد کی برپا کی ہوئی ہنگامہ خیز تحریک اور جدوجہد سے عملاً الگ رہے۔ بلکہ انھوں نے اپنے کو الگ اور یکسو رکھنے کے لیے اپنے اصل وطن "عُیَیْنَہ" کی سکونت ترک کر کے اسی علاقہ کے دوسرے قریبی شہر "حُرَیملہ" میں سکونت اختیار کرلی تھی، کیونکہ "عُیَیْنَہ" شیخ محمد کی تحریک کا مرکز بن گیا تھا۔ یہ بات ہر اس شخص کے علم میں ہے جو اس خاندان کی تاریخ سے کچھ واقفیت رکھتا ہے۔ بلکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ایک سخت مخالف بلکہ دشمن، شیخ احمد زینی دحلان مکی نے تو اپنی کتاب "خلاصۃ الکلام" میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالوہاب اپنے بیٹے کی دعوت و تحریک کے سخت خلاف تھے۔ (خلاصۃ الکلام صفحہ ۲۲۹)

۲ دوسرا واقعہ جو میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے، یہ ہے کہ خاص "مکۂ معظّمہ" کے ایک معمر بزرگ نے (جو بے علم عامی نہیں بلکہ صاحبِ علم بھی تھے) خود راقم سطور (مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ) سے بیان فرمایا کہ یہ "نجدی وہابی" (کلمہ شریف کے بارے میں) کہا کرتے تھے کہ: "ایش مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" قل "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" (یعنی "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کیا ہوتا ہے، بس "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہو)۔

ظاہر ہے کہ اس بات کے قطعاً بے بنیاد اور سو فیصد جھوٹ ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اور اب تو ہر شخص خاص کر حجازِ مقدس کا رہنے والا ہر شخص جانتا ہے اور آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ ان نجدی وہابیوں کے تو سرکاری جھنڈے پر بھی پورا کلمہ شریف

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا رہتا ہے۔ یہی ان کا شعار و نشان اور ان کی دعوت و تحریک کا اصل واساس ہے' نیز ان کی کتابوں کا ایک ایک صفحہ اس کا شاہد ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ دو مثالیں اس کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے سیاسی اور مذہبی مخالفین نے ان کے اور ان کی دعوت کے متعلق کس کس طرح کا پروپیگنڈا کیا اور عالم اسلامی کے عوام و خواص اس سے کتنے متاثر ہوئے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا مسلک

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے مسلک کے متعلق فرمایا کہ:

ان کا مسلک و موقف قریب قریب وہی ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ' ان کے تلامذہ حافظ ابن القیمؒ وغیرہ کا ہے' اور ردِ شرک اور دعوتِ اخلاصِ توحید کے بارے میں ان کا رویہ (کچھ فرق کے ساتھ) وہی ہے جو حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا "تقویۃ الایمان" میں ہے۔ جس طرح ہمارے ملک میں قبر پرستوں' تعزیہ پرستوں اور بدعات و خرافات کو اپنا دین بنالینے والوں کی طرف سے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف طرح طرح کی افتراء پردازیاں کرکے عام مسلمانوں کو ان سے متنفر کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں۔ یہی معاملہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ ان کے متعلق ایسی باتیں مشہور ہونے لگیں جن کو سن کر ہر مسلمان نہ صرف یہ کہ ان سے متنفر ہو بلکہ ان کو دنیا بھر کے کافروں سے بدتر قسم کا کافر سمجھے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے "شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق" نامی کتابچہ میں المہند کے مصنف مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ اور المہند کے تصدیق کنندگان میں سے مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تسامح اور رجوع کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ جب کہ ان بزرگوں نے حیات الانبیاء کے متعلق المہند میں بیان کردہ عقائد کا رد بھی خود ہی اپنی دوسری مستقل تصانیف میں فرمادیا ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا مرزا قادیانی کے متبعین کے لیے اپنے عقیدۂ بد کی تائید میں المہند کا حوالہ پیش کرکے عوام کو گمراہ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ؕ

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۙ

حصہ سوم

الصراط المُستقیم

فی اثبات

الحیوۃ البرزخیۃ للنبی الکریم

علیہ الصلوۃ والتسلیم

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حُسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

حیاۃ الانبیاءؑ کے بارہ میں قادیانیوں کا عقیدہ (۱۱)

مرزا قادیانی کا عقیدہ ہے کہ: "انبیاء و اولیاء مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں"۔

(محاید خاتم النبیین صفحہ ۱۲۹)

اہلِ حق علماءؒ نے اس عقیدۂ بد کی تردید فرمائی۔ جیسا کہ قبل ازیں قادیانیوں کے

شبہ "المہنّد کی عبارت سے مرزا قادیانی کے عقیدہ کی تائید؟" کے

جواب میں اہلِ حق علماء کے فتاویٰ سے ثابت ہوتا ہے۔ جب کہ مرزا قادیانی نے یہ عقیدۂ بد ابن فورک مبتدع اور شوافع میں سے اس کے معدودے چند متبعین (بیہقی، سیوطی، اور سبکی) کے علاوہ ہندو عقائد سے بھی اخذ کیا تھا، اس نے روافض و دیگر باطل فرقوں اور ہندو جوگیوں، سادھوؤں اور پنڈتوں کے علاوہ برطانوی حکومت کی نگرانی میں کام کرنے والی عیسائی تنظیموں کی کوششوں سے کلمہ گو ہندوستانیوں میں مشہور اس قسم کے عقائد باطلہ کی تبلیغ کی، جن کی وجہ سے اس کی جھوٹی نبوت کی دکان خوب چمکنے لگے۔ یعنی مرزا قادیانی کا یہ عقیدہ درحقیقت شیعوں، باطنی صوفیوں، ہندو سادھوؤں اور عیسائی راہبوں کے اشتراک سے تیار ہونے والی معجون مرکب ہے۔ جو ہندوستان کے کلمہ گو رسمی مسلمانوں میں نہ صرف مشہور ہے بلکہ جاہل عوام اس پر اعتقاد رکھنا نماز روزہ سے بھی زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔

عقیدہ حیاتُ الانبیاء و اولیاء کا پس منظر

تاریخ ہند سے متعلق کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱ ہندوستان کی سرزمین پر مسلمانوں کے حملے کا آغاز ۶۵۰ء سے ہوتا ہے۔ یہ وہی سنہ ہے جب عربوں نے فارس پر حملہ کیا تھا۔

۲ نصف صدی کے بعد ۷۱۱ء میں پہلا منظم اسلامی حملہ سندھ پر ہوا۔ اور عربوں نے محمد بن قاسمؒ کی قیادت میں سارے نچلے سندھ پر قبضہ کر لیا۔ اس حملے کے بعد ۲½ سو سال تک ہندوستان مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رہا۔

۳ سلطان محمود غزنوی نے ۹۹۷ء سے ۱۰۳۰ء تک ہندوستان پر مسلسل سترہ حملے کیے۔ لیکن اس نے اس ملک پر اپنی حکومت قائم نہ کی۔

۴ اس کے بعد سلطان محمد غوری نے اس ملک میں مسلمانوں کی حکومت قائم کی۔

۵ اس کے بعد قطب الدین ایبک نے غلام خاندان کی حکومت قائم کی، اور دہلی کو دارالسلطنت بنایا۔ غلام خاندان نے چوراسی سال (۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء) حکومت کی۔

۶ جہاں کہیں بھی اسلامی فوجیں گئیں ان علاقوں میں مُسلم تاجروں نے سکونت اختیار کرلی، اور ان کے پیچھے پیچھے صوفیاء کرام بھی وہاں پہنچے۔

۷ سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے بعد بڑی تعداد میں اہلِ علم و فضل بزرگ، علماء اور صوفیاء نے ممالکِ اسلامیہ سے ہندوستان کا رُخ کیا۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۸۷)

۸ سرزمین برِ صغیر پر مُسلمانوں کی آمد کے بعد بُت پرست ہندوؤں نے جب اسلام کی خوبیوں خصوصاً اسلامی اخوت اور مساوات کو دیکھ کر اسلام قبول کرنا شروع کیا تو مسلم حکمران طبقے نے حسبِ دستور ان نو مُسلم ہندوستانیوں کی تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام کیا۔

۹ ان حکمرانوں کے ساتھ آنے والے مہاجر، بے وطن اور غریب الدیار مسلمان علماء نے ان نو مُسلم ہندوستانیوں کو اسلام کے ضروری عقائد اور احکام نماز روزہ وغیرہ کی تعلیم اور اصلاحِ عقائد کی طرف پوری توجہ دی۔ اور ہندوانہ عقائد، خاص طور پر دیوی دیوتاؤں کے متعلق ہندوؤں کے عقائد اور ان کے توہمات کی تردید کرکے نو مُسلم ہندوستانیوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنانے کی پوری پوری کوشش کی۔ لیکن:

۱۰ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان نو مُسلموں کے ذہنوں پر اپنے آبائی معبودوں یعنی دیوی دیوتاؤں کی حکومت تھی جس کا اثر اسلام قبول کرلینے کے بعد بھی ان کے ذہنوں پر باقی رہا۔ اہلِ حق علماء و صوفیاء نے انھیں راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن اسلام دشمن باطنی متصوفین نے صوفیاء کا لباس پہن کر اسلام کے نام سے اپنے کفریہ عقائد و نظریات کی تبلیغ کا اہتمام کیا، ہندوؤں کے عقائدِ بد کی تحسین، اور اہلِ حق علماء و صوفیاء کی تردید کی، جب کہ ابتدائی زمانہ میں ہندی مُسلمان کسی نہ کسی طرح اپنے آبائی معبودوں کی پرستش بھی بدستور کرتے رہے۔

ہندوستان کے معروف قانون دان ڈاکٹر محمد عمر نے لکھا ہے کہ:

۱ ہندوستانی مسلمانوں کے عملی عقائد کے مطالعہ کے لیے ہمیں شہروں کے بجائے دیہاتوں، قصبوں، اور ان مقاموں کے مسلمانوں کے عقائد کا جائزہ لینا چاہیے جو تہذیبی اور مذہبی مراکز سے بہت دور رہتے تھے۔ شہری مسلمانوں میں علم وادب کے چرچے اور مذہبی تحریکوں کی بنا پر اصلاح آسان تھی لیکن دور دراز علاقوں میں علم وادب کا چرچا بالکل نہ تھا۔ اس لیے ہندی الاصل مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بھی اپنی قدیم روایات پر عمل پیرا رہے۔ اور ان کی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی۔ اور اس زمانے میں آمد و رفت کے وسائل کی تنگی کی وجہ سے بھی یہ ممکن نہ تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ دیہاتوں اور قصبوں میں وہ لوگ رہتے تھے جو خالصتاً ہندوستانی تھے۔

۲ ہندوؤں کے بتوں کی وہ لوگ بھی پرستش کرتے تھے۔ نذر چڑھاتے تھے۔ اور اس سلسلے میں ہندوؤں کی ہوبہو پیروی کرتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۹۰)

۳ سجان رائے بھنڈاری لکھتا ہے کہ: کانگڑہ (پنجاب) کے قلعہ کے نیچے بھوانی کا مندر تھا۔ اور تمام ہندوستانی سال میں دو مرتبہ وہاں برائے پرستش جایا کرتے تھے۔ اور دور دراز کا سفر طے کر کے سنیاسی جوگی اور پرہیزگار، چھوٹے اور بڑے، اعلیٰ و ادنیٰ، جوان اور بوڑھے حاضر ہوتے تھے۔ لیکن ان کے ساتھ مسلمان بھی شریک ہوتے تھے۔ حالانکہ ان کا مذہب بُت پرستی کی تردید کرتا ہے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۹۱)

۴ قطع نظر ہندوؤں کے، بُت پرستی جن کے دین کا آئین ہے، مسلمانوں کے پرے کے پرے دور دراز کی مسافت طے کر کے نذریں لاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی حکمت سے لوگوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اسی طرح:

۵ بنگال کے مسلمانوں کی عورتیں بالعموم بھوانی یا کالی مائی کی پوجا کرتی تھیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۹۲)

۶ ستیلا مائی کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ اور چیچک کی وبا کے دنوں میں چند مخصوص مراسم

ادا ہوتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۹۲)

۷ ہندو مسلمان دونوں یکساں طور پر مندروں میں بھوگ چڑھاتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۹۲)

۸ اور اس کے برخلاف ہندو مسجدوں میں شیرینی چڑھاتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۹۲)

۹ اسی طرح وہ شادی بیاہ اور تہواروں کی دوسری شرکیہ رسموں کو بھی ادا کرتے رہے، جس طرح وہ مسلمان بننے سے پہلے کیا کرتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۶۹)

۱۰ عورت کے حاملہ ہونے اور بچے کی ولادت کے بعد سے مرنے تک جتنی بھی رسمیں ہندوستانی مسلمانوں میں مروج ہیں وہ سب کی سب ہندوستانی رسمیں ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۱۲۳)

۱۱ نرینہ اولاد کے لیے ــــ مزاروں پر منت ماننا اور نجومیوں اور جوتشیوں سے اس سلسلے میں دریافت کرنا ہندوستانی مسلمانوں میں عام تھا۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۱۲۳)

۱۲ مسلمان اپنے بچوں کی ختنہ کرواتے ــــ اور زخم ٹھیک ہونے کے بعد رشتے اور کنبے کے لوگ جمع ہوتے تھے، بچے کو نہلاتے دھلاتے، نیا جوڑا زیب تن کراتے، اور اسے دولھا بناتے تھے، لڑکے کو گھوڑی پر چڑھا کر باجے گاجے کے ساتھ کسی بزرگ کے مزار پر لے جاتے۔ دہلی والے جامع مسجد کے اندر آثار شریف میں بچے کو لے جا کر سلام کراتے اور ملیدہ چڑھاتے تھے۔ دوسرے علاقوں میں کسی بزرگ کے مزار پر یا مسجد میں لے جا کر یہ رسم ادا کی جاتی تھی۔

فائدہ مغلوں میں ان شہزادوں کا ختنہ نہیں ہوتا تھا جو تخت و تاج کا وارث ہونے والا ہوتا تھا۔ مولوی سید احمد دہلوی نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے چونکہ استحکام سلطنت از دیاد ارتباط و موانست کی غرض سے ہندی عقائد و مراسم کو اختیار کر لیا تھا، اور اس کا یہاں تک رواج ہو گیا تھا کہ اب اس آخر وقت میں بھی جو شہزادہ تخت کا حق دار خیال کیا جاتا تھا وہ آداب تخت ہند کے پاس و

لحاظ سے ختنہ نہیں کراتا تھا۔ اور دیگر سلاطین یعنی بادشاہ کے وہ خاندانی جن کے ورثہ میں تخت نشینی نہیں آسکتی تھی وہ حسب شریعت ختنہ کراتے تھے۔

فائدہ جلال الدین محمد اکبر کی تاجپوشی ۱۵۵۶ء (۹۶۳ھ) کو ہوئی جب کہ اس کی عمر تقریباً چودہ سال تھی۔ — شروع میں اس نے فتوحات پر اپنی توجہ مرکوز رکھی، اور تمام شمالی ہندوستان اپنے زیر نگین لے آیا۔ اس کی سلطنت میں کشمیر، افغانستان، سندھ اور گجرات شامل تھے۔ اس نے انتظامِ سلطنت میں نمایاں کامیابی حاصل کی، وہ نہایت ذہین اور ذکی الطبع انسان تھا، ناخواندہ ہونے کے باوجود اس نے جو تجربات کیے اور جو اصلاحات نافذ کیں وہ پڑھے لکھوں کے لیے بھی قابلِ رشک ہیں۔

❶ شروع میں وہ مذہب اسلام کا بڑا پابند تھا، علماء کی قدر کرتا، اور بزرگانِ دین سے عقیدت رکھتا تھا۔ بعد میں شیخ مبارک ناگوری اور اس کے لڑکوں فیضی اور ابوالفضل کے اثر سے نہ صرف آزاد خیال ہو گیا، بلکہ اس نے "دینِ الٰہی" کے نام سے ایک دین بھی رائج کیا تھا۔ جس کو نہ اس کی زندگی میں مقبولیت حاصل ہوئی اور نہ وہ اس کے انتقال کے بعد جاری رہ سکا۔ بلکہ حضرت مجدد الف ثانی کی کوشش سے خود بادشاہ نے لوگوں کو اختیار دے دیا تھا کہ خواہ وہ دینِ اسلام پر رہیں یا بادشاہ کے اختراعی طریقے میں شامل ہو جائیں۔

❷ اکبر نے ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی، اور ملا عبدالقادر کی تاریخ ۱۰۰۴ھ پر ختم ہو جاتی ہے۔ جب کہ ابوالفضل کی موت ۱۰۱۱ھ میں واقع ہوئی۔ اور اکبر کے مرنے سے اس کی آئین اکبری اور اکبرنامہ ختم ہو گئے۔ اس لیے اکبر کے مذہبی خیالات کے تغیرات کا ذکر آخر کے دس سال (۱۰۰۴ھ تا ۱۰۱۴ھ) میں کسی مورخ نے نہیں لکھا۔

❸ بعض شواہد سے پتا چلتا ہے کہ آخر عمر میں اکبر اپنے غلط عقائد سے تائب ہو کر پھر ایک سچا مسلمان بن گیا تھا۔ میجر پرائس نے توزکِ جہانگیری کے اردو ترجمہ میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی، اور کلمہ پڑھ کر حقیقی مسلمانوں کی طرح اس دنیا سے رخصت ہوا۔ — اکبر کے دینِ الٰہی میں

ہندو مسلم اتحاد اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے جذبہ کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی تھی۔

❷ اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر بادشاہ ہوا، وہ اپنے باپ اکبر بادشاہ کی طرح مرید کیا کرتا تھا۔ اور اس کی تلقین یہ ہوتی تھی کہ

① کسی مذہب کی دشمنی سے اپنے وقت کو گندا مت کرو،

② تمام مذاہب والوں کے ساتھ صُلحِ کُل کا طریقہ ملحوظ رکھو،

③ کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے مت مارو،

④ اس کا عقیدہ تھا کہ آگ خدا کا نور ہے۔

⑤ ہفتہ میں دو روز ذبح کی ممانعت کی۔

⑥ اس کے نزدیک شراب نوشی اچھی نہیں، مگر جس قدر مفید ہو، اس میں مضائقہ نہیں۔۔۔۔ اور کہا کہ اتنی شراب پینا جو عقل کو زائل کردے عقلا نے جائز نہیں رکھی۔ شراب نوشی سے نفع اور فائدہ پیشِ نظر رہنا چاہیے۔

⑦ جہانگیر بادشاہ کی محبوبہ بیوی نور جہاں بیگم جس کے ہاتھ میں بادشاہ نے سلطنت کی باگ دے رکھی تھی نہایت غالی شیعہ تھی۔

⑧ جہانگیر ناؤ نوش میں مست رہنے لگا، اور مسندِ شاہی پر نور جہاں کا قبضہ ہوگیا۔ بلکہ نور جہاں بیگم کا باپ دیوان کل اور بھائی آصف خاں وکیلِ مُطلق کے عہدوں پر براجمان ہوگئے۔

⑨ جب بادشاہ اور ارکانِ سلطنت پر شیعیت کا تسلُّط ہوچکا تو ظاہر ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ کے طبعی اصول کے تحت عوام میں بھی رفض و شیعیت کا اثر ہوگیا۔ چنانچہ:

⑩ تعزیہ داری، سوز خوانی، ماتم و سینہ کوبی سُنیوں میں بھی رائج ہوچکی تھی۔

⑪ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیتِ مُطلقہ کا عقیدہ اور خلافت و مشاجرتِ صحابہؓ کے سلسلہ میں خلفائے ثلاثہ اور امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض و عداوت اور لعن طعن کے اثرات اور اس قسم کے دوسرے شیعی مبادیات بھی وبائے عام کی طرح سُنیوں میں کافی پھیل چکے تھے۔

تنبیہ بادشاہوں کی اس زبوں حالی پر بطور تنبیہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ:
بادشاہ کی نسبت جہان کے ساتھ ایسی ہے جیسے دل کی نسبت بدن کے ساتھ کہ اگر دل اچھا ہے تو بدن بھی اچھا ہے، اور اگر دل بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ اسی طرح جہان کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر ہے، اور اس کے بگڑ جانے سے جہان کا بگڑ جانا وابستہ ہے۔
رسمی مسلمانوں کے ذہنوں میں وہی عقائد اور توہمات پختہ ہو گئے۔ اور بادشاہوں کے علاوہ ہندو علماء، جوگیوں، سادھوؤں، شیعہ مبلغین، شکم پرست بد عقیدہ مولویوں اور نام نہاد پیروں نے بھی قرآنی تعلیمات اور اہلِ حق علماء اور سچے پیروں کی مخالفت کرتے ہوئے رسمی مسلمانوں کے عقائد کو مزید خراب کر کے انھیں کفر و شرک کی وادی میں دھکیل دیا۔

فائدہ ہندو مذہب کی آمیزش کمزور ذہن مسلمانوں کو یہاں تک لے آئی کہ ان کے لیے جوگی اور صوفی میں ـــ مالوی اور مولوی میں ـــ براہمن اور امام میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ کتنے عالم ایسے اٹھے ہوں گے جو در حقیقت ہندو تھے۔ اور کتنے صوفی ایسے ابھرے ہوں گے جو اندر سے جوگی ہوں گے۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۰۶)

۱۲ رنجیت سنگھ (والیٔ پنجاب) کے عہد میں اس علاقہ کے مسلمانوں کی مذہبی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ:

❶ مسلمان کامل طور پر بت پرست بن گئے تھے۔ یہاں تک کہ:
❷ پیروں اور شہیدوں کی نماز ہونے لگی تھی۔
❸ پیر غیب کے نام پر زور شور سے روزے رکھے جاتے تھے۔
❹ شیخ فرید کو مشکل کشا اور بہت کچھ تسلیم کیا جاتا تھا۔
❺ کہیں شیخ احمد کو اپنا نجات دہندہ سمجھا جاتا تھا۔
❻ کوئی گھر ایسا مشکل سے ہوگا جس میں کسی پیر شہید کی کوئی قبر نہ ہو، اور اس پر برملا سجدے نہ ہوتے ہوں۔

فائدہ اس صنم کدۂ ہند میں عام جاہل مسلمان کافروں کے دیوتاؤں کی دہائی دیتے تھے، ان کے آگے صحت و تندرستی کے لیے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتے تھے۔ ان کی عورتیں ہندوؤں

کی رسمی دیویوں کی پوجا کرتی تھیں۔ ستیلا مائی کی منت مانتی تھیں۔ اللہ کے باغیوں، رسول کے دشمنوں کے تہواروں کو اپنی اسلامی عیدوں کی طرح منایا جاتا تھا۔ مسلمان خواتین بیبیوں اور دیویوں کے نام سے روزے رکھتی تھیں، قبروں پر بکرے چڑھائے جاتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ محض رسمی مسلمان تھے۔ نیز روافض اور باطنیوں نے دعوت اسلام کے نام پر ان رسمی مسلمانوں کو کلی طور پر مندروں میں جا کر اپنے آبائی معبودوں کی پوجا اور سیوا سے باز رکھنے میں ناکامی کے بعد ان کے آبائی دیوی دیوتاؤں کے بدلے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بعد الممات کے متعلق اپنے مشہور عقیدۂ بد کے سہارے رسمی مسلمانوں کو قبر پرستی جیسے شرک اکبر میں مبتلا کر کے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی۔

فائدہ جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے، ان میں جو "کمزور ذہن" تھے انھیں اپنی پہلی روایات سے کچھ نہ کچھ لگاؤ باقی رہا، اور وہ اسلام اور اپنی تہذیبی روایات میں تطبیق کی راہیں تلاش کرنے لگے اور بات یہاں تک پہنچی کہ ـــــ "کمزور ذہن مسلمان" اپنے پاس کی جاہلی رسوم کو کچھ ترمیم کے ساتھ اسلام میں لانے لگے اور ان کے حلقے میں دین ایک نئی شکل اختیار کرنے لگا۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۹۸)

رسمی مسلمانوں میں قبر پرستی

۱ ہندوستانی مسلمانوں نے ہندو تہذیب، مذہب، تصورات، اور اسلامی عقائد میں اس لیے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی کیونکہ ان میں سے بیشتر ہندو مذہب ترک کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان کے لیے اسلام کے نازک مسائل کا سمجھنا بڑا مشکل تھا۔ مزید برآں اس کے برعکس وہ لوگ اپنے قدیم وراثتی مذہبی عقائد سے اس قدر وابستہ تھے کہ ان کو یک قلم ترک کرنا بھی پسند نہ کرتے ہوں گے۔ اس لیے انھوں نے دونوں مذاہب کے بعض ظاہری اصولوں کو اپنا لیا اور کچھ کو ترک کر دیا۔ اور اس طرح انھوں نے ایک تیسرا راستہ اختیار کیا، جو نہ تو خالصتاً اسلامی تھا، اور نہ ہی خالص ہندو۔ بلکہ "ہندوستانی" تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۰۷)

۲ ابتداء میں ان مشرکہ عقائد کا ظہور قدرتی طور پر ہوا، اور ان عقائد کا آغاز نو مسلموں

سندھ میں ہوا کیونکہ شمالی ہندوستان میں سب سے پہلے یہ صوبہ مسلمانوں کے زیرنگیں آیا تھا۔ اور اسلامی حکومت کا پرچم یہاں لہرایا تھا۔ اور اسلام سے متأثر ہوا تھا۔ اسلام کے وہاں پہنچنے سے پہلے اس صوبے میں بعض ایسے فرقے پائے جاتے تھے جو سندھ ندی کی پرستش کرتے تھے۔ ہندؤوں نے سندھ ندی کو "اندرولال" کا روپ دیا تھا۔ اور اس کی پرستش کرتے تھے۔ بعد میں اس فرقے نے جو دریا پنتھی کہلاتے تھے سندھ ندی کو اوتار کے روپ میں منتقل کردیا۔ سندھ میں مسلمانوں کے اقتدار کے بعد "اندرولال" کو "خضر" علیہ السلام کے مشابہ تسلیم کرلیا گیا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۵۸)

فائدہ انیسویں صدی کے اواخر تک پٹیالہ کے جاٹ خضر کے نام سے سندھ ندی کی پرستش کرتے ہوئے دیکھے گئے' اور اس کو "زندہ پیر" کا نام دے رکھا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۵۸)

۳ سندھ میں ایک دوسرے بزرگ "پیر جھیروں" نام سے موسوم تھے۔ جن کے ہندو اور مسلمان دونوں معتقد تھے۔ اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ یہ جنگلوں کے والی سمجھے جاتے تھے۔ غالباً ان کا سلسلۂ نسب جنگلوں کے قدیم دیوتاؤں تک پہنچتا ہے۔

۴ اور ایک دوسرے معبود "گوگا پیر" تھے۔ ان کا بھی جنگلوں کے دیوتاؤں میں شمار ہوتا تھا' اور ہندو مسلمان دونوں ان کی پوجا کرتے تھے۔ اور ان کا اسلامی نام "ظاہر پیر" تھا۔ وہ سانپوں کے بادشاہ کہلاتے تھے۔

۵ "پنج پیر" پانچ بزرگوں کا ایک گروہ تھا۔ جن کو ہر علاقے میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ ان کی پوجا ادنیٰ درجے کے ہندو مسلم دونوں کرتے تھے۔ اور بالخصوص گوتیے۔ ابتداء میں غالباً یہ بزرگ پنجاب کی پانچ ندیوں کے رُوپ (اوتار) تھے۔ حالانکہ ان کی پرستش سارے شمالی ہندوستان میں پنجاب سے بنگال تک مروج تھی۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۵۹)

فائدہ ہندؤوں اور مسلمانوں میں یگانگی اور اتحاد پیدا کرنے میں مسلم صوفیوں اور ہندو سادھوؤں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ ہندوستان میں فاتح قوم کی حیثیت سے مسلمانوں کے

داخل ہونے سے قبل مسلم صوفیاء اس سرزمین میں آچکے تھے۔ غلام خاندان کے دور حکومت میں سارے شمالی ہندوستان میں چشتی سلسلے کے صوفیاءِ کرام کی خانقاہیں تعمیر ہو چکی تھیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۱۹)

❶ ان میں شیخ علی ہجویریؒ (ولادت ۱۰۰۹ء وفات ۱۰۷۲ء) کا نام قابلِ ذکر ہے۔ انہوں نے لاہور میں سکونت کی اور پسندیدہ کردار سے اس نواح کے غیر مسلموں کو بہت متاثر کیا۔

❷ خواجہ معین الدین چشتیؒ (ولادت ۱۱۳۹ء وفات ۱۲۳۵ء) نے (پرتھوی راج چوہان کے عہد میں) اجمیر میں جا کر بود و باش اختیار کی۔ آپ شیخ عثمان ہارونیؒ کے مرید تھے۔

❸ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی کو اپنا مرکز بنایا۔

❹ بابا فرید گنج شکرؒ نے اجودھن میں سکونت اختیار کی۔ ان کی خانقاہ میں ہندو عوام اور خاص طور پر ہندو جوگی بڑی عقیدت سے حاضر ہوتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۱۹ و ۲۰)

❺ شیخ جلال الدین تبریزیؒ جو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے، بنگال کے علاقہ میں پہنچے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۷۹)

❻ سید جلال الدین بخاریؒ نے اوچھ میں سکونت اختیار کر کے تبلیغ اسلام کا کام کیا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۷۹)

❼ ان کے علاوہ بہاءُ الدین ذکریا ملتانیؒ ــــ شیخ نظامُ الدین اولیاءؒ، جلالُ الدین سرخ پوشؒ، محمد غوثؒ، اور سید شاہ مشیرؒ کے نامِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۷۹)

فائدہ ان بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام نے ہندوستان کے کونے کونے میں رات دن کی انتھک محنت سے اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور نو مسلم ہندوستانیوں کو ان کے آبائی مذہب سے نفرت دلانے کی کوشش کی، لوگوں کو نماز، روزہ، اور دیگر شرعی احکام کی تعلیم و تربیت کا اہتمام

کیا۔ چونکہ اللہ اللہ زبان پر اتنا آسان ہے لیکن رام رام جاتے ہی جاتا ہے۔ اس پر کچھ وقت لگتا ہے۔ اور محنت درکار ہوتی ہے۔ جو لوگ وہم پرست تھے اور ذہناً کمزور تھے وہ اسلام اور ہندوازم میں تطبیق کی راہیں تلاش کرنے لگ گئے۔ اور بات یہاں تک پہنچی کہ ہندوستان کے کمزور ذہن مسلمان ہندوؤں کی رسوم و توہمات میں اس حد تک گھر گئے کہ اسلام میں شرک و بدعت کے دخل سے کئی نئی راہیں کھل گئیں۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۰۳)

۶ ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا شہر، قصبہ، اور گاؤں ہوگا۔ جہاں کسی نہ کسی بزرگ کی یادگار یا مزار نہ ہو۔

❶ ان بزرگوں کو بالعموم مخدوم صاحب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

❷ اور اس ولایت کا والی سمجھا جاتا تھا۔

❸ اور بعض لوگ اس قصبے کی آبادی ان کے قدموں کی برکت کے باعث سمجھتے تھے۔

❹ اور (ان عقائدِ بد کی تائید میں دلیل کے طور پر) ان کی "کرامتوں" اور "معجزوں" کے دفتر محفلوں اور مجلسوں میں بیان کیے جاتے تھے۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۸)

۷ مزارات پر زائرین کا طرزِ عمل ہندوؤں کے اثر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح وہ لوگ دیویوں اور دیوتاؤں سے اپنی حاجتوں کی بار آوری کے متمنی ہوتے ہیں، مندروں پر جا کر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان زائرین بھی مزاروں پر جا کر نذریں چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔ فاتحہ اور نذر کے کھانے مخصوص قسم کے ہوتے ہیں، اور کچھ مخصوص لوگوں کو ہی یہ کھانا کھلایا جاتا ہے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۸)

فائدہ حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ فرماتے ہیں: پس اس طعام کے ادب کا حاصل ہندوؤں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لینے کے بغیر اور کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات وہ دانوں، غلوں، اور طعام کے اجناس کی پرستش کرتے ہیں اور کھانے والوں کے لیے قید لگاتی یعنی ایک کو کھانے سے منع کرتے ہیں اور دوسرے کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۸)

۱ جس طرح ہندو لوگ اپنے بُت کدوں میں تجمل اور پاکیزگی کا بے حد خیال رکھتے ہیں اور برہنہ پا اُن میں داخل ہوتے ہیں۔ بعینہٖ زرتشتی لوگ اپنے آتش کدوں کے لیے یہی رعایت کرتے ہیں۔ یہی حال ہندوستانی مسلمانوں کا ہے۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۳۷)

- ❶ جب وہ لوگ مزاروں کے نزدیک جاتے ہیں تو بہت دُور سے ہی جوتے اتار لیتے ہیں اور مزار کے قریب ننگے پاؤں جاتے ہیں۔
- ❷ ہندوؤں کے مندروں کی طرح مزاروں کے دروازے بہت چھوٹے اور تنگ ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اندر داخل ہونا چاہے تو سر جھکا کر اسے اندر داخل ہونا پڑتا ہے جیسا کہ ہندو مندروں میں داخل ہوتے ہوئے کرتے ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۳۷)
- ❸ رقص و وجد، جو چشتی سلسلہ کے بزرگوں میں رائج ہے انھوں نے بیراگیوں سے سیکھا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بھی اکثر بتوں کے سامنے رقص کرتے ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۳۶)

۹ نذر و نیاز کی رسم اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ کھانے اور دوسری چیزوں سے گزر کر جانوروں کی نذر چڑھانے لگے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۸)

۱۰ عورتوں میں بالخصوص اور مردوں میں بالعموم گور پرستی کا عام رواج تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۸)

فائدہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے گور پرستی کے تدارک کی پوری کوششیں کیں۔ اور بیگم شاہی عورتوں کا مزاروں پر جانا بند کروادیا تھا۔ مگر سلطان بذاتِ خود بزرگوں کے مزاروں پر حاضری دیا کرتا تھا۔ اور ان سے استمداد کی درخواست کرتا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۸)

۱۱ عوام میں قبر پرستی کی وبا اس بری طرح پھیل چکی تھی کہ انھیں بزرگوں اور غیر بزرگوں کی تمیز تک نہ رہی تھی۔ سلطان علاؤالدین خلجی ایک جاہل مطلق سلطان تھا۔ جمعہ کی نماز تک ادا نہ کرتا تھا، پھر بھی لوگ اس کی وفات کے بعد اسے ولی اللہ سمجھنے لگے اور اس کی قبر پر

بتوں کے ڈورے باندھنے لگے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۰)

۱۲ اس بارے میں حمید قلندر کا بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کی موجودگی میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک شخص نے کہا کہ لوگ اس کی قبر پر زیارت کو جاتے ہیں اور اپنی مراد کے دھاگے باندھتے ہیں۔ اور ان کی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ بندہ کو اس موقع پر ایک قصہ یاد آیا' وہ بیان کیا۔ انہی دنوں میں بندہ سلطان علاؤالدین خلجی کے مزار کی زیارت کو گیا ہوا تھا۔ نماز کے بعد زیارت کی' اور وہاں پہنچا جہاں لوگ قلادہ باندھتے ہیں۔ اگرچہ میری کوئی حاجت نہ تھی لیکن میں نے اپنے دستارچہ میں سے ایک ڈورا کھینچا اور وہاں باندھ دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ شخص پکارتا ہے کہ وہ کون ہے جو سلطان علاؤالدین کی قبر پر قلادہ باندھ گیا ہے۔ اس کے چند بار پکارنے پر میں آگے بڑھا اور کہا کہ میں نے باندھا ہے۔ کہا: تیری کیا حاجت ہے' بیان کر۔ میں نے کہا: میری کوئی حاجت نہیں۔ کیا بیان کروں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۹)

بھگتی تحریک

چودھویں اور پندرھویں صدی میں جب تصوف نومسلموں اور نیم مسلمانوں میں' جنھوں نے پوری طرح اسلام قبول نہیں کیا تھا' داخل ہوا تو ہندوؤں میں تبدیلِ مذہب کی روک تھام کے لیے اور صوفیوں کے اثرات کے خلاف بھگتی تحریک کا ظہور ہوا۔ اس زمانے میں غیر متشرع کئی فرقے وجود میں آگئے۔ اور وہ فرقے عوام کو اپنی طرف رجوع کرنے میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے حالانکہ ان کا دائرۂ اثر اور عقیدت مندوں کی تعداد بہت ہی محدود تھی۔ ان فرقوں نے تانترک افعال میں سے اور ہندو مذہب میں ادنیٰ درجے کے مروجہ توہمات کو اپنا لیا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۵۳)

وشنو تحریک

وشنو تحریک کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے:

"اس تحریک کا مقصد کبیر مت' یا ابتدائی سکھ مذہب کی طرح ہنود اور مسلمانوں کو ملانا نہ تھا' بلکہ نہ صرف بنگال میں اشاعتِ اسلام رک گئی' بلکہ بعض مسلمانوں نے وشنو دھرم اختیار

کرلیا۔ اور عامۃ المسلمین اور وسطی اور شمالی بنگال کے ان پڑھ اور نادار مسلمانوں کے عقائد اور تصورات میں ہندو طریقے داخل ہوگئے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۵۲)

شطاری سلسلہ

سولہویں صدی میں ہندوستان میں چودہ صوفی سلسلے مروج تھے، جن میں سے ایک شطاری سلسلہ بھی تھا۔

1. شطاری سلسلہ ایک منفرد سلسلہ ہے جس نے بالواسطہ یوگ سے اور ممکن ہے ہندو تصوف کے دوسرے طریقوں سے ہندوستانی عناصر اخذ کیے تھے۔
2. یہ سلسلہ غالباً اپنے مخرج کے لحاظ سے بسطامی سلسلے سے جاملتا تھا۔
3. شطاری سلسلے کے پیرو جوگیوں کی طرح جنگلوں اور غاروں میں رہتے تھے
4. اور بہت کم خور ہوتے تھے۔
5. پھل اور پتوں پر گزر کرتے تھے۔
6. اور ریاضت شاقہ اور سخت روحانی اعمال پر عمل پیرا تھے۔
7. شطاری سلسلے میں "ذکر" کے شغل کے لیے تنہائی اور ریا کی لازمی تھی۔
8. "ذکر" کلمہ سے شروع ہوتا تھا، لیکن "ذکر" عربی، فارسی یا ہندی کسی بھی زبان میں کیا جاسکتا تھا۔
9. "ذکر" کے کچھ فقرے ایسے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالواسطہ ہندو تصوف سے اخذ کیے گئے تھے۔
10. اس سلسلے کے جسمانی اشغال میں بالخصوص یوگیوں کے "آسن" اور "سمادھ" شامل تھے۔
11. علماء کی مخالفت سے بچنے کے لیے شطاری صوفیوں کو اپنے متصوفانہ اعمال و اشغال کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔
12. گوالیار کے علاقے میں اس سلسلے کا کچھ رواج ہوا تھا۔
13. چوں کہ اس سلسلے کے مشہور و معروف پیشوا محمد غوث کا یہ وطن تھا۔

۱۴ اپنی جوانی میں اکبر بادشاہ ان کا بڑا احترام کیا کرتا تھا۔

۱۵ محمد غوث ہندو سنیاسیوں اور صوفی سنتوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔

۱۶ ان کی تصنیف 'بحرالحیات' وہ واحد رسالہ ہے جو کسی ہندوستانی مسلمان نے یوگیوں کے افعال واشغال کے بارے میں مرتب کیا تھا۔

۱۷ اکبر کے شیخ الاسلام شیخ گدائی کی مخالفت کی بنا پر ان کو دربار سے سبکدوش ہونا پڑا تھا' اور دوبارہ راہبانہ زندگی اختیار کرنی پڑی تھی۔

۱۸ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پندرھویں صدی کے ہندوستان کے صوفیوں نے ابن العربی کے وحدت الوجود کے اصول اور ویدانت کے اصولوں میں مشابہت محسوس کرنا شروع کر دیا تھا' لیکن:

۱۹ سولھویں اور سترھویں صدی میں اکبر بادشاہ اور اس کے جانشینوں کی سرپرستی میں ہندو تصوف کی کتابوں کا سنسکرت سے فارسی میں ترجموں کے باوجود شطاری سلسلے کے علاوہ کسی دوسرے سلسلے میں ہندو تصوف کے عقائد سے دلچسپی کا پتا نہیں چلتا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۵۳۔۳۵۵)

مغلیہ دور میں قبر پرستی کی سرپرستی

۱ دورِ مغلیہ میں گور پرستی کے عقیدے کو بڑی تقویت ملی۔ کیونکہ شاہانِ مغلیہ بزرگانِ دین سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ شیخ سلیم چشتی کی دعاؤں کی برکت سے اکبر بادشاہ کے حرم میں لڑکا تو ضرور پیدا ہو گیا لیکن عوام پر اس کا اثر بہت زیادہ ہوا۔ اور لوگوں کو اس بات کا پوری طرح سے یقین ہو گیا کہ:

۱ ان بزرگوں کی برکت سے اولاد بھی ہو سکتی ہے۔ حتیٰ کہ:

۲ دنیا کا ہر ایک کام ہو سکتا ہے۔

۳ اور صرف اس دنیا ہی میں نہیں بلکہ وفات کے بعد بھی ان کی کرامات اپنا اثر رکھتی ہیں۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۹)

فائدہ مخانۂ تصوف صفحہ ۳۵۵ میں مولانا ظہور الحسن نے اس دعا کی کیفیت بیان کی

ہے جو اکبر بادشاہ کی التجا پر حضرت شیخ سلیم چشتی نے کی تھی کہ:

① مغل بادشاہ اکبر کے ہاں اولاد نہ تھی، وہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے ہاں حاضر ہوا۔ آپ نے لوح محفوظ پر نگاہ کی اور کہا: "افسوس کہ تیری تقدیر میں بیٹا نہیں ہے"۔

② اکبر نے یہ سُن کر کہا کہ: "اسی لیے تو آپ سے عرض کیا ہے کہ آپ دعا کیجیے"۔

③ اس پر آپ نے مراقبہ کیا، اور فرمایا:
"اس ملک میں راجپوتوں کی حکومت بہت عرصے تک رہے گی — اچھا — کل بادشاہ بیگم کو میری بیوی کے پاس بھیج دینا"۔

④ دوسرے دن جب بادشاہ بیگم (اکبر کی بیوی) آپ کے ہاں آئی تو آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ کو رانی کی پشت سے پشت ملا کر بیٹھنے کا حکم دیا۔

⑤ جب آپ کی اہلیہ محترمہ رانی کی پشت سے پشت ملا کر بیٹھیں تو آپ نے اپنی چادر دونوں پر ڈال دی۔

⑥ پھر اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ: "اپنا ہونے والا فرزند رانی کو دے دو"۔

⑦ جب بادشاہ بیگم کے لڑکا پیدا ہوا تو اس لڑکے کا نام آپ نے اپنے نام پر سلیم رکھا۔

فائدہ حضرت شیخ سلیم چشتی کا بیٹا ان کی بیوی کے پیٹ سے بادشاہ اکبر کی بیوی تک کیسے منتقل ہوا؟۔ اس کے بارے میں باہر کا کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دونوں پر حضرت پیر صاحب کی چادر پڑی تھی۔ اور اندر ہی اندر یہ عظیم کارروائی تقدیرِ خداوندی کے خلاف ہو رہی تھی۔ ہم حیران ہیں کہ اکبر اس پر کیسے خوش تھا؟۔ اور یہ بیٹا اکبر کا بیٹا کیسے شمار ہوا۔ فیا للعجب

(مطالعۂ بریلویت جلد ۲ صفحہ ۲۵۹)

معین الدین اجمیری کی قبر پر اکبر کی برہنہ پا حاضری

اکبر بادشاہ جوشِ عقیدت میں برہنہ پا و پا پیادہ خواجہ معینُ الدین چشتی کے مزار پر زیارت کے لیے آگرے سے اجمیر گیا۔ امیروں اور عوام نے بھی اس کی تقلید میں یہ عمل شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے یہ سوچا ہوگا کہ جب ہندوستان کا بادشاہ اس انکساری اور عاجزی سے ان کے دربار میں سربسجود ہوتا تھا جس کے دربار میں دُنیا کے لوگ سربسجود ہوتے تھے تو ان کا کیا

مرتبہ ہوگا۔ تیتجۃً اس کا عام چرچا ہوگیا۔۔۔۔ اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر بھی بزرگوں کے مزاروں پر حاضری دیا کرتا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۰۹، ۲۸۰)

تبصرہ صاحبزادہ افتخار الحسن زیدی نے لکھا ہے کہ: اکبر نے تو ہندوستان میں ایک نئے دین اکبری کی بنیاد رکھ کر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش شروع کردی تھی۔ یہاں تک کہ پھر سورج کی پرستش ہونے لگی تھی۔ اور دوسری کئی رسومات کا خزانہ جاری ہونے کے ساتھ ساتھ اکبر کو سجدہ بھی ہونے لگا تھا۔ اور اگر اس نازک دور میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مقدس ہستی فقر و درویشی کے لباس میں دین و ایمان کی قوت لے کر نہ اٹھتے تو بہت ممکن تھا کہ اولیاء اللہ کی سالہا سال کی تبلیغ دین و اسلام کی محنت خاک میں مل جاتی اور ہندوستان کے وہ لوگ جو ان فقیروں کے فیض روحانیت سے حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے، پھر مرتد ہوجاتے۔ (مقامات اولیاء صفحہ ۱۲)

تبصرہ انھوں نے فخر کے ساتھ لکھا ہے کہ: یہ تو ٹھیک ہے کہ ہمارے مسلمان بادشاہ شراب بھی پیتے تھے، رقص و سرود کی محفلیں بھی لگاتے تھے، ان میں شہنشاہی ٹھاٹھ باٹھ بھی تھی اور تخت و تاج کی شان و شوکت بھی مگر ان میں دو صفات ایسی تھیں جن کی بنا پر ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن ان کی نجات ہوجائے۔

❶ ایک تو وہ عادل اور منصف تھے۔ اور

❷ دوسرے یہ کہ وہ شرابی، ربابی اور کبابی تو تھے مگر وہابی نہیں تھے۔

(مقاماتِ اولیاء صفحہ ۱۳)

داراشکوہ کی ولادت

شاہ جہاں اپنی دینداری اور دین پروری اور مذہبی جوش میں اکبر اور جہانگیر سے کہیں زیادہ راسخ تھا، لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جب لگاتار کئی لڑکیاں اس کے حرم میں پیدا ہوئیں اور لڑکے کی ولادت کی امید نہ رہی تو اولادِ نرینہ کی خواہش نے اسے اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ کسی بزرگ کے مزار پر جاکر اپنی دلی مراد کی تکمیل کی درخواست کرے۔ چنانچہ شاہ جہاں خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر حاضر ہوا، خراجِ عقیدت پیش کرنے کے بعد اس

نے اپنی حاجت پیش کی۔ اس دعا کا نتیجہ **داراشکوہ کی ولادت** کی صورت میں ظاہر ہوا۔
(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۸۰)

تنبیہ ان واقعات سے عوام الناس کا متاثر ہونا ایک ناگزیر امر تھا۔ اس بناء پر انھوں نے مزارات کو حاجت روائی کا ایک واحد اور قوی ذریعہ بنالیا' اور اس معاملے میں حاکم و محکوم' امیر و غریب' عوام و خواص میں کوئی بیّن تفاوت نہ رہا۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۸۰)

عوام پر بادشاہوں کے افعال کا اثر

۱ اگر اکبر بادشاہ سے ایسے افعال و اعمال ظہور میں نہ آتے تو شاید لوگوں میں اتنا گہرا اثر نہ پڑتا۔ کیونکہ اس کے مذہبی عقائد نے خواص و عوام دونوں کو اس کی طرف سے مشکوک کردیا تھا۔ اور غالباً خواص اس کی تقلید نہ کرتے۔ لیکن جہانگیر اور شاہ جہان کے' جو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے زیر اثر حامیِ دین و شریعت سمجھے جاتے تھے۔ ان افعال نے عوام و خواص دونوں کو گور پرستی کی طرف رجوع کردیا۔ جہانگیر اور شاہ جہان سے ایسے افعال کا سرزد ہونا' دیگر وجوہ کے علاوہ شاہی محلات تھے' جہاں ان کی پرورش ہندو ماؤں اور خاداؤں کی گود میں ہوئی تھی۔ اور در و دیوار سے ہندوستانی رسم و رواج اور مذہبی عقائد کی خوشبو ہوا میں دور دور تک لوگوں کے دماغوں کو معطر کررہی تھی۔ اور اسی ماحول میں جہانگیر اور شاہ جہان نے سانس لی تھی۔ ان کی نس نس میں ہندوانہ سماج اور مذہبی عناصر سرایت کرچکے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۸۰)

تنبیہ محترم غازی محمود (دھرم پال) بی اے (لدھیانوی) نے ہندوؤں کے نمائندہ اخبار روزنامہ "کیسری" لاہور میں ۹ اپریل ۱۹۲۳ء کو چھپنے والے راولپنڈی کے ایک ہندو وشیشور شرما ایم اے کے مضمون کا ذکر کیا ہے جس میں الزام لگایا گیا ہے کہ: "اکبر' جہانگیر' اور داراشکوہ وہ ہستیاں تھیں جو کہ مسلمانی دھرم سے متنفر ہوچکی تھیں"۔ (کفر توڑ صفحہ ۴)

۲ اورنگ زیب کی دینی تعلیم بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی۔ سن بلوغت ہی سے مذہب کی طرف اس کا رجحان تھا۔ اور عام طور پر قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے افعال کے ڈھالنے کی کوشش کرتا تھا۔ ساتھ ساتھ اکبر' جہانگیر' اور بعدہٗ داراشکوہ کے مذہبی عقائد کے

خلاف جو ارتداد کی تحریک چل رہی تھی اس نے بھی اورنگ زیب کو متاثر کر رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ خواجہ محمد معصومؒ بن شیخ احمد سرہندیؒ کا مرید بھی تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور اخلاق کو درست کرنے کا پختہ عزم کیا' اور "فتاویٰ عالمگیری" کی تدوین کرا کر اخلاق اور سماجی نظام کو شرعی صورت دینے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی وفات کے بعد اس کے نااہل اور عیش پرست جانشینوں کے عہد میں وہ ساری کوششیں خاک میں مل گئیں۔ اور وہ نظام منہدم ہونے لگا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۸۱)

۳ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں مسلمانانِ ہند کی اخلاقی اور مذہبی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے: اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور اخلاقی حالت انتہائی زبوں تھی، فکر و عمل' اخلاق و عادات' کردار و اطوار سب پر انحطاط کا رنگ چھایا ہوا تھا ــــ اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی اور سماجی نظام کا ڈھانچہ بگڑ رہا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۸۲)

۴ ان بادشاہوں کی نظر میں اسلام کے بنیادی اصولوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی اور نہ ان میں مذہبی پیشوا بننے کا سلیقہ اور جوش ہی تھا۔ وہ ہندوستانی تہذیب کے دلدادہ ہی نہیں تھے بلکہ ان کے رگ و پے میں ہندوستانی تہذیب کے عناصر سرایت کر چکے تھے۔ ان کو اب اسلامی طرزِ معاشرت اور ہندو مذہب میں کوئی بیّن فرق نظر نہیں آتا تھا۔ مادیت' عیش پرستی' بادہ نوشی' غفلت شعاری اور حرکاتِ ناشائستہ میں ملوث ہونا اور ان میں دلچسپی لینا ان کی زندگی کا واحد مقصد بن کر رہ گیا تھا۔

۵ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں گور پرستی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ

❶ شاید ہی کوئی ایسا مزار ہوگا جہاں حاجت مندوں کا جمِ غفیر جمع نہ ہوتا ہو' اور منتیں نہ مانی جاتی ہوں۔

❷ زیارتِ قبور کو درجۂ حج دے دیا گیا۔

❸ اور ان کو سجدہ گاہ بنا لیا گیا۔

❹ مسجدیں ویران تھیں' مگر مزارات آباد تھے۔

5. ہر سال عرس کے میلے لگتے تھے۔
6. نزدیک اور دور سے زائرین کے ریلے آتے تھے۔

تنبیہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد شیعہ اور باطنی فرقوں کے مبلغین نے فقیری کے بھیس میں نہ صرف ہندو سادھوؤں کے ساتھ مل کر بلکہ امراء اور سلاطین کی خواہش کے مطابق اور ان کی سرپرستی میں ہندو عقائد اور رسم و رواج کو برصغیر پاک و ہند کے مظلوم اور جاہل رسمی مسلمانوں میں پھیلا کر ان کے عقائد کو خراب کیا۔ اگر ہندوستان میں ہندو علماء کے علاوہ باطنیوں اور روافض کے مبلغ پیروں اور ملنگوں کو اپنے عقائدِ باطلہ کی تبلیغ کا موقع نہ دیا جاتا تو اہلِ حق علماء کو تبلیغی کام میں دشواری نہ ہوتی۔

علماءِ حق کی دشواری

جس طرح اسلام سے قبل عربوں میں مظاہر و اصنام پرستی کا عام رواج پایا جاتا تھا، اسی طرح ہندوستان کے باشندے بھی اسی مہلک مرض کا شکار تھے۔ جب علماءِ حق ہندوانہ عقائدِ بد سے متنبہ کرکے اپنا تبلیغی فرض ادا کرتے تو نہ صرف ہندو علماء ہی ان کی مخالفت کرتے، بلکہ مدعیانِ اسلام میں سے اکثر سرکاری مولویوں کے ساتھ ساتھ ملنگوں اور پیروں کے روپ میں رافضی اور باطنی فرقوں کے مبلغین، بلکہ بعض اوقات خود ہندو مبلغین بھی ملنگوں، پیروں اور مولویوں کے روپ میں توہم پرست معاشرے میں بسنے والے ہندی مسلمانوں کے عقائد کو خراب کرنے اور انھیں راہِ راست سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کرتے رہے۔ اور الٹا کہتے کہ:

1. یہ مولوی تو وہابی ہوگئے۔ جو گمراہی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ کیونکہ
2. یہ لوگ تو شریعت کے ظاہری احکام پر عمل کرتے ہیں، انھیں طریقت کا کچھ پتا نہیں۔
3. ان رسمی مسلمانوں کو بتلایا گیا کہ دین میں اصل طریقت ہے، جو شریعت سے الگ چیز ہے۔ جب کہ:
4. طریقت میں ہندو مسلم اتحاد اور بھائی چارے کا درس دیا گیا ہے۔

ہندو مُسلم پیوند کاری

۱ ڈاکٹر تارا چند نے لکھا ہے کہ: اسلام کے اثر سے ہندو قوم میں مبلغوں کا ایک گروہ پیدا ہوا" اور انھوں نے اسی (ہندو مُسلم پیوند کاری کے) کام کو اپنا نصب العین سمجھا جو (روافض اور باطنی مبلغین) مُسلم صوفی (بن کر پہلے سے) کر رہے تھے۔

۲ مہاراشٹر، گجرات، پنجاب، ہندوستان، اور بنگال میں مصلحین نے چودھویں صدی عیسوی سے عمداً ہندوستان کے قدیمی مذہب کی کچھ باتوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور کچھ باتوں پر عمل کرنے پر زور دیا۔ اور اس طرح ہندوؤں اور مُسلمانوں کے عقائد میں یگانگی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان مبلغین میں کبیرداس، گرونانک، اور چیتنیہ مہاپربھو کے نام نامی قابلِ ذکر ہیں۔ ـــــ جنھوں نے ہندوؤں اور مُسلمانوں کے درمیان مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔ ایک طرف مُسلم صوفیائے کرام اور مشائخ اور دوسری طرف ہندو بھگتوں، مبلغین اور مصلحین کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ اکبر بادشاہ کے "دینِ الٰہی" کے روپ میں ظہور پذیر ہوا۔ (دیکھیے ہندوستانی تہذیب کا مُسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۳و۲۲)

غالباً اس وقت بھی پاک و ہند کے اکثر کلمہ گو اسی دین کے پیروکار ہیں۔ لیکن اپنے عقائد و نظریات کو اولیاء و صوفیائے کرام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ اکبر کا دینِ الٰہی اہلِ حق علماء کی کوششوں سے اچھا خاصہ بدنام ہو چکا تھا۔

۳ ہندو مذہب میں اسلام کے فطری افکار سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، ان کے مذہبی پیشواؤں نے جب دیکھا کہ ہندوستان کے عوام بھاری تعداد میں اس نئے مذہب کو قبول کر رہے ہیں تو انھوں نے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی وہ چال چلی جو ایسے موقعوں پر بزدل دشمن چلا کرتے ہیں۔ اب یہ لوگ منافقت سے مخالف صفوں میں گھس آئے۔ اور مُسلمانوں میں فکری شکوک اور عملی اختلاف پیدا کرنے کی راہیں تلاش کرنے لگے۔

1. بہت سے ہندو جوگی اور پنڈت اسلام کے لباس میں مُسلمانوں کی صفوں میں آ گئے۔ اور:
2. سُنتوں کی بجائے بدعتوں کی محبت راہ پانے لگی۔
3. ہندوستان کے جاہلی خیالات مختلف شکلوں میں پھر سے ابھرنے لگے اور کمزور

بڑے بڑے (آزاد خیال اور گمراہ) اہلِ علم تھے، اور (ان کے علاوہ) ایسے جاہل مولویوں کی بھی کمی نہ تھی جو ہر رسم و رواج کو تاویل کا سہارا دے کر ہر چیز کو جائز ثابت کرسکتے ہوں۔

② عوام کو خوش کرنے اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کی یہ چال ان کے لیے بہت مفید رہی۔ (مطالعہ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)

۲ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکبر بادشاہ نہ خود کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھتا تھا اور نہ اسلام کی نشر و اشاعت کو اپنا نصب العین خیال کرتا تھا۔ پہلے وہ ایک بادشاہ اور اس کے بعد ایک مسلمان تھا۔ (اور وہ بھی رسمی) (دیکھیے ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۲)

۳ وہ اپنے ملک کے باشندوں کے مذہبی تفرقہ کا بالکل خاتمہ کرنا چاہتا تھا، اور انھیں ایک ایسے مذہب کا پیروکار بنانا چاہتا تھا جس میں تمام مذاہب کی اچھی اچھی باتیں سمو دی جائیں اور بری باتیں جو مذہبی اختلاف اور نزاع کا باعث ہوتی ہیں دور کردی جائیں۔ چنانچہ:

۴ اکبر بادشاہ نے ہندوستان پر اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے **وحدتُ الادیان** کا نظریہ پیش کیا۔ اور اس سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ایک ایسا ملک جس میں ایک بادشاہ اور حکمران ہو، یہ بری بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کی رعایا آپس میں منقسم ہو اور ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہو۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ان سب کو ایک ہی دھاگے میں پرودیں۔ لیکن اس انداز سے کہ اس میں "وحدت" اور "کثرت" کی خصائص بھی برقرار رہیں، تاکہ ان کو اپنے مذہب کی اچھی باتیں پکڑے رہنے کا فائدہ حاصل رہے اور جو باتیں دوسرے مذاہب میں اچھی ہوں ان کو بھی اپنالیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہوگی۔ لوگوں کو امن و امان ملے گا، اور ملک کو حفظ و امان حاصل ہوگا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۳،۲۲)

۵ اکبر بادشاہ امی تھا، مگر اس کی دُور بین نگاہ سیاسی بصیرت اور بیدار ذہن نے وقت کے تقاضے کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، اور مغلیہ سلطنت کی جڑوں کو ہندوستان کی سرزمین میں مضبوط کرنے کی دلی خواہش نے اسے مجبور کردیا کہ وہ ان تمام باتوں کو دور کرے جو اس

مقصد کی تکمیل میں حائل ہو سکتی تھیں۔ اور وہ اس بات کو اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اگر مذہبی اختلافات باقی رہے تو اس کی حکومت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اس لیے اس نے خاص طور پر مذہبی اختلافات کو دور کرنے کی طرف پوری توجہ سے کام لیا۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۵)

۲ ہمایوں نے ملک دوبارہ حاصل کیا تھا۔ اس کے بیٹے اکبر پر اس کے گھر سے اثرات تھے۔ اس نے اپنی سلطنت کے استحکام کے لیے ہندوؤں کو زیادہ سے زیادہ اعتماد میں لینا چاہا اور وہ اس درجہ ہندوؤں کے قریب ہو گیا کہ قشقہ لگا کر لوگوں کو درشن دینا مغلیہ دربار کی رسم بن گیا۔ اور حالات یہاں تک بڑھتے گئے کہ اکبر نے اسلام اور ہندو مذہب ملا کر ایک نیا مذہب "دین الٰہی" ترتیب دیا۔ جس میں ہندوستان کے تمام لوگ بلا اعلان آ جا سکتے تھے۔ اسلام کی جو شوکت سلطنت سے قائم تھی، وہ جاتی رہی اور اوپر کی سطح پر اسلام مکمل طور پر ہندوانہ لپیٹ میں آ گیا۔ علماء سوء اکبر کے ساتھ تعاون کرنے لگے اور حق ملتبس ہو کر رہ گیا۔

(مطالعہ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۰۳)

فائدہ علاوہ ازیں اکبر بادشاہ کو اپنے دادا بابر بادشاہ کی وصیت بھی یاد تھی، جو اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو کی تھی۔

<u>بابر کی ہمایوں کو وصیت</u>

1. تمہیں اپنے دماغ کو مذہبی تعصب سے متاثر نہیں ہونے دینا چاہیے۔ بلا تعصب انصاف کرنا چاہیے اور ساتھ ساتھ ہر ایک طبقہ کے لوگوں کے مذہبی رسم و رواج کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔
2. خاص طور پر گئوکشی سے پرہیز کرنا جو تمہیں ہندوستان کے لوگوں پر قبضہ کرنے میں معاون اور مددگار ہوگی۔ اور اس طرح تم اس سرزمین کے لوگوں کو شکر گزاری کے رشتہ سے باندھ دو گے۔
3. تمہیں کسی فرقے کی عبادت گاہوں کو کبھی مسمار اور برباد نہیں کرنا چاہیے۔ اور ہمیشہ انصاف پسند رہنا چاہیے۔ تا کہ بادشاہ اور اس کی رعایا کے درمیان خوشگوار تعلقات رہیں اور جس سے ملک میں اطمینان اور امن و امان کا بول بالا رہے۔

- اشاعت اسلام کا کام ظلم اور سختی کے بجائے محبت اور عہد و پیمان سے بخوبی چلے گا۔
- اپنی رعایا کی مختلف خصوصیات کا اس طرح خیال رکھو جس طرح ایک سال کے مختلف موسموں کا، تا کہ سیاسی جسم مرض سے بری رہے۔

اے میرے بیٹے! ہندوستان میں مختلف مذہبوں کے لوگ رہتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرو کہ بادشاہوں کے بادشاہ نے اس ملک کی حکومت تمہارے سپرد کی ہے۔

بابر کی انہی نصیحتوں کا نتیجہ تھا کہ: ہمایوں بادشاہ نے رانی کرناوتی کی بھیجی ہوئی راکھی قبول کرلی تھی۔ یہ رشتہ آہستہ آہستہ استوار ہوتا گیا۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۶۵ و ۲۶۳)

فائدہ اکبر بادشاہ کے درباری حالات میں ابوالفضل نے ان تمام رسموں، جشنوں اور تہواروں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے جن پر دربار میں عمل ہوتا تھا۔ کیونکہ بادشاہ چاہتا تھا کہ اس کی رواداری، وسیع المشربی اور رعایا پروری کا چرچا عام ہو، اور اس کا خوب پروپیگنڈا کیا جائے، تا کہ وہ اپنی ہندو رعیت کی محبت اور وفاداری حاصل کر سکے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتب کے تراجم

۱ اکبر بادشاہ نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے پڑھنے اور ان کے سمجھنے کے لیے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی اور سنسکرت کی اہم کتابوں، مثلاً: ① اتھروید، ② مہابھارت، ③ رامائن وغیرہ کو فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ اس سے مسلمانوں کو ہندو مذہب کی روح کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی اور یہ سلسلہ دورِ مغلیہ میں برابر جاری رہا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۸)

فائدہ رکن الدین سمرقندی نے ہندو تصوف کی کتاب "امرت کنڈ" پہلے عربی میں اور بعد میں فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس کام میں انھوں نے بھوجن نامی ایک برہمن سے مدد لی تھی۔ اور اس سے سنسکرت بھی پڑھی تھی۔ اور لکھنوتی میں اپنے قیام کے دوران اس برہمن کو مشرف بہ اسلام بھی کیا تھا۔ اسی طرح شاہ محمد غوث نے "بحر الحیات" کے نام سے "امرت کنڈ" کا

(ہندوستانی تہذیب کا مُسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۵۱)

فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۵۱)

۲ دارا شکوہ نے ویدانتیوں اور ہندو موحدین کے خیالات اور افکار کو فارسی زبان میں منتقل کرانا شروع کیا۔ اس سلسلے میں ایک مختصر رسالہ مکالمہ دارا شکوہ با بابالال کے نام سے دارا شکوہ کے منشی چندر بھانؒ برہمن نے مرتب کیا۔ جس میں دارا شکوہ کے سوالات اور بابالال کے جوابات جمع ہیں۔ بعد ازیں دارا شکوہ کے ایماء پر جوگ بشٹ کا آسان فارسی میں ترجمہ ہوا۔ ان دونوں کتابوں سے بھی اہم کتاب "سِرِّ اکبر" ہے۔ اس کے مقدمے میں دارا شکوہ نے ویدوں کو الہامی کتابیں بتایا ہے۔ جس میں دارا شکوہ نے بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے اپنشدوں کے تقریباً پچاس ابواب کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ان کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ دارا شکوہ نے بھاگوت گیتا کا بھی فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۳۰)

ہندو مُسلم اتحاد کا نتیجہ

۱ ہندؤوں اور مُسلمانوں میں اتحاد اور یگانگی پیدا کرنے کی کوشش کا نتیجہ ایک مشترکہ کلچر کی شکل میں رونما ہوا' جو نہ تو خالص مُسلم کلچر تھا' اور نہ اسے خالص ہندو کلچر ہی کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ ہمہ گیر ہندو مُسلم کلچر تھا۔ اس کلچر کے اثرات دونوں قوموں کے ہر شعبۂ زندگی میں سرایت کرگئے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مُسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۲)

۲ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں: بیماریوں اور تکلیفوں کے وقت بتوں اور شیطانی طاقتوں سے مدد مانگنا جو مُسلمانوں میں آچکا ہے بالکل واضح شرک اور گمراہی ہے اور گھڑے ہوئے پتھروں (بتوں) اور نہ گھڑے ہوئے پتھروں (قبروں) سے حاجتیں مانگنا بالکل کفر ہے اور واجب الوجود ربِ برتر و پاک کا انکار ہے۔

۳ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: کم عورتیں ہوں گی جو اس شرک کی باریکیوں سے خالی ہوں اور اس قسم کی رسموں میں سے کسی رسم پر عامل نہ ہوں۔ ۔۔۔ ہندؤوں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ہندؤوں کی متعارف رسموں کو بجالانا بھی مُستلزمِ شرک اور مستوجبِ کفر ہے۔ ہندؤوں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مُسلمان خصوصاً ان کی عورتیں ہندؤوں کی رسموں کو بجالاتی ہیں۔

۴ بدقسمتی مُسلمانوں نے ان تمام اعمال کو جو ہندو اپنے دیوتاؤں کے لیے بجالاتے تھے

بزرگوں کی نسبت سے اپنے اندر جاری کرلیا ہے' وہ پتھروں کے بتوں کے آگے نذرانے پیش کرتے تھے' یہ بزرگوں کی قبروں پر نذرانے چڑھانے لگے' اور وہاں بکرے لے جاکر ذبح کرنے لگے۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ و ۱۱۲)

فائدہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اسلام کی اہم ترین شخصیات میں سے ہیں۔

1. آپ نے "نور جہان" کے بڑھتے ہوئے اثرات کے پیشِ نظر شیعیت پر کڑی تنقید کی ہے۔ اور اس پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ لیکن:
2. آپ نے زیادہ توجہ ان بدعات (کے رد) پر کی ہے جو اہلِ سُنّت کے حلقوں میں تصوف یا صوفیاء کے نام سے راہ پارہی تھی۔ اور اس وقت کے خام صوفی انھیں دین سمجھنے لگ گئے تھے۔

فوائد اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت بدعت ہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ استحسان آں فتویٰ می دہند و مردم را بہ بدعت دلالت مے نمایند چہ مے گویند اگر ضلالت شیوع پیدا کند و باطل و متعارف شود تعامل گردد مگر مے دانند کہ تعامل دلیلِ استحسان بنسبت تعاملے کہ معتبر است ہماں است کہ از صدرِ اول آمدہ است یا باجماعِ جمیع مردم حاصل گشتہ۔ (مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۴)

ترجمہ اس وقت کے اکثر علماء بدعات کو رواج دینے والے ہیں اور سنتوں کو مٹانے کے درپے ہیں۔ پھیلی ہوئی بدعات کو مجبوری کا عمل ٹھہراتے' اس کے جواز' بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں' اور لوگوں کو بدعات کی طرف لے جاتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں اگر گمراہی پھیل جائے اور باطل پھیل جائے تو کیا لے مُسلمانوں کا تعامل قرار دے دیا جائے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ تعامل دلیلِ استحسان نہیں۔ تعامل صرف وہی معتبر ہے جو صدرِ اول صحابۂ کرامؓ سے آیا ہو۔ یا تمام لوگوں کے اتفاق سے اجماع کا درجہ پائے۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۲۶۴)

تنبیہ آپ کا یہ رُدئے سخن مُعتزلہ' مرجئہ' یا روافض و خوارج کی طرف نہیں' یہاں وہ اہلِ بدعت زیرِ تنقید ہیں جو بدعت فی الاعمال (شرکِ فعلی) کے مرتکب تھے۔ اور اہلِ سُنّت کی صفوں میں قبر پرستی لا رہے تھے۔ عورتیں ان اوہام میں گھی چلی آرہی تھیں۔ اور بدعات

کی بادِ صرصر خانقاہوں میں تیزی سے گردش کر رہی تھیں۔

فرمان: حیوانات را کہ نذر مشایخ مے کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند وازیں عالم است کہ صیام نہار کہ بہ نسبت پیراں و بیبیاں نگاہ دارند واکثر نامہائے ایشاں را از خود تراشیدہ روزہائے خود را بنام آنہا نیت کنند ــــــ و بتوسل ایں روزہ ازیں ہا حوائج مے خواہند و روائی حاجت خود را از آنہامے دانند ایں شرک در عبادت است۔ (مکتوبات ۳ صفحہ ۷۰ نمبر ۴۱)

ترجمہ: یہ جو بکروں کو نذر مشایخ کے طور پر لے جاتے ہیں اور ان قبروں پر پہنچ کر حیوانات کو ذبح کرتے ہیں فقہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل بتایا گیا ہے۔ اور اسی طرح وہ روزے ہیں جو عورتیں اپنے پیروں اور بیبیوں کی نسبت سے رکھتی ہیں اور اکثر ان کے نام اپنی طرف سے تجویز کر لیتی ہیں۔ اور پھر اپنے روزے ان ناموں سے رکھتی ہیں۔ اور پھر ان روزوں کے وسیلے سے ان مزاروں اور بیبیوں سے اپنی حاجتیں مانگتی ہیں۔ اور مراد مل جائے تو اسے انہی کی طرف سے سمجھتی ہیں۔ یہ شرک فی العبادت ہے۔ بندے کا یہ تعلق تو صرف خدا سے ہونا چاہیے۔ اسی کی ہم عبادت کریں اور اسی سے مدد چاہیں۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۲۶۵)

فائدہ: بدعت و شرک کا یہ پیرایہ ظاہر ہے کہ شیعوں سے متعلق نہیں' یہ وہ بدعات اور رسومات ہیں جو اہل سنت کی صفوں میں آ رہے تھے۔ یہ کیا تھا مسلمانوں میں ہندوازم کی نشاۃ جدید ہو رہی تھی۔ اہل بدعت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے سخت کبیدہ خاطر ہیں۔ آپ ان کی بجائے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی ۱۰۵۲ھ) سے انتساب چاہتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ حضرت شیخ نے بھی ان جہلاء کو اسی آئینہ میں اتارا ہے۔ آپ ان قبر پرستوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

فرمان: نعم اگر زائراں اعتقاد کنند کہ اہل قبور متصرف و مستبد و قادر اند بے توجہ بحضرت حق و التجا بجانب وے تعالیٰ چنانکہ عوام و جاہلاں و غافلاں اعتقاد دارند و چنانکہ مے کنند آنچہ حرام و منہی عنہ است در دین از تقبیل قبر و سجدہ مرآنرا و نماز بسوئے وے بجز آں کہ ازاں نہی و تحذیر واقع شدہ است' ایں اعتقاد و ایں افعال ممنوع و حرام خواہد بود۔ (اشعۃ اللمعات)

ترجمہ ہاں اگر زائر اعتقاد کریں کہ قبروں والے صاحب اختیار اور صاحب قدرت ہیں اللہ کی طرف توجہ کیے بغیر اور اس سے مانگے بغیر جیسا کہ عوام جہلاء اور غافل لوگ ان دنوں اعتقاد کیے بیٹھے ہیں اور وہ اس طرح عمل بھی کرتے ہیں' تو یہ اسلام میں بالکل حرام اور منہی عنہ ہے۔ قبروں کو بوسہ دینا اور اس طرف سجدہ کرنا اور اس طرف رخ کرکے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ اور سوائے اس کے کہ ان کاموں سے لوگوں کو روکا جائے' اور ڈرایا جائے یہ اعتقادات اور اعمال سب حرام قرار پائیں گے۔

فائدہ حضرت شیخ نے اس عبارت میں بتلا دیا ہے کہ ان کے زمانے میں ایسے بدعتی موجود تھے جو عقیدہ رکھتے تھے کہ:

❶ مزارات والے بزرگ خدا سے یہ قدرت پاچکے ہوئے ہیں کہ اب خدا کی طرف مزید توجہ کیے بغیر وہ اس کی عطا کردہ مستقل قوت اور قدرت سے اپنے سائلوں کی حاجت روائی کریں گے۔

❷ انھیں اب ایک ایک فریاد پر خدا سے مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ مستقل طور پر یہ قدرت پائے ہوئے ہیں کہ اپنے مانگنے والوں کی جس طرح چاہیں حاجت روائی اور مشکل کشائی کرسکیں۔

تنبیہ قبروں کو چومنا اس پر شریعت میں کوئی منع وارد نہیں۔ مگر حضرت شیخ (عبدالحق محدث دہلوی) نے اسے ممنوع اور حرام کہا ہے۔

فائدہ ہندوستان کا مغل بادشاہ ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد ایران کے صفویوں کے ہاں پناہ گزین ہوا تھا' اور انہی کی مدد سے اس نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کیا تھا۔ ہمایوں پر تو ان حالات نے کچھ اثر نہ کیا لیکن اس کے بعد اس کا بیٹا اکبر اپنے خاندانی مذہب اہل السنۃ میں متصلب نہ رہ سکا' اور ہندوؤں کی تہذیب میں دُور تک کھویا گیا' اس نے چاہا کہ اسلام اور ہندوازم کے اشتراک سے ہندوستان میں ایک نئی مذہبی دلالت قائم کی جائے' اور سوئے اتفاق سے اسے کچھ علماء بھی مل گئے کہ وہ جو کچھ کہتا یہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے' ہندوستان میں یہ ہندوازم کی نشاۃ جدیدہ تھی۔

ہندوستان میں شیعیت

۱ اکبر کے سپہ سالار بیرم خاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شیعیت میں ڈھل چکا تھا۔ بیرم خاں نے دیکھا کہ ہندوستان میں شیعیت تبرا کی راہ سے نہیں، ملنگوں کی راہ سے ہی آسکے گی، اس نے اس کے لیے یہ راہ نکالی کہ پہلے ہندو تہذیب کو زیادہ سے زیادہ اپنایا جائے۔ اور ایسی بدعات رائج کی جائیں کہ آئندہ ان کے رواج سے الحاد اور بد اعتقادی کو راہ دی جاسکے، اس نے اکبر کی ہر سعی الحاد میں مدد کی۔

۲ جب ملکہ نور جہاں اور جہانگیر کا دور آیا تو ہندوستان میں شیعیت کا پورا تعارف ہو چکا تھا، اور بدعات کے کئی اور نقشے بھی بچھ گئے تھے۔

۳ شیعہ کھلے بندوں سامنے آئیں تو بدعت فی العقائد کے رستے آنا پڑتا ہے۔ لیکن خود اہلِ سُنّت میں بدعات رائج کرنی ہوں تو بدعت فی الاعمال ایک ایسی راہ ہے جس کو تمام لوگ آسانی سے شیعوں میں لائے جاسکتے تھے۔

۴ شیعوں نے اہل سنت میں بدعات پھیلا کر یہاں تک کامیابی حاصل کی کہ اب شیعہ عقائد و اعمال اور جلوس اور نعرے اس طرح سنی حلقوں میں پھیلنے لگے کہ اگر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی بعہدہ تجدیدی میدان میں نہ نکلتے تو سارے کا سارا ہندوستان ایران بن چکا ہوتا۔

۵ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد بدعت و الحاد میں سنی مسلمانوں پر وہ یلغار کی کہ بارھویں، تیرھویں، اور چودھویں صدی ہجری میں ہندوستان کا مذہبی خاکہ نہایت کریہہ صورت اختیار کر گیا۔ (مثلاً)

❶ ہندوؤں میں دو انقلابی تحریکیں اٹھیں۔ ① سکھ تحریک، ② آریہ سماج تحریک۔

❷ اور مسلمانوں میں ① ملنگوں، اور ② درویشوں نے محدثین اور فقہاء کے خلاف الحاد کی راہیں بنائیں۔ اسلام میں چور دروازے نکالے۔ علمی طور پر انہیں آگے آنے کے لیے شیعیت کے سوا اور کوئی دروازہ نہ ملتا تھا۔ اسی دروازے سے مداری، اور جلالی، اور ان جیسے دوسرے ملنگ عوام میں آتے رہے۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۷۶۔۱۷۷)

داراشکوہ کی آزاد خیالی

۱ سترھویں صدی کے وسط میں تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ویدانت کے اصولوں کو مبہم طور پر تصوف کے مساوی اور مشابہ سمجھنے کا رجحان پیدا ہو چکا تھا۔ ملا شاہ اور دوسرے ہم عصری مشائخ کے وحدت الوجودی مسلک اور ہندو ویدانت میں کوئی بنیادی تفاوت یا بعد نہ تھا۔ اور فلسفہ وحدت الوجود سے وحدت ادیان کے تصور تک پہنچنے میں کوئی ناقابل عبور مشکل نہ تھی۔ اس لیے:

۲ داراشکوہ نے دوسرے مذہبوں اور بالخصوص ہندو ویدانت میں گہری تحقیق و تدقیق شروع کی۔ جس کا پہلا نتیجہ "مجمع البحرین" کی صورت میں ۱۶۵۴-۱۶۵۵ء میں منظر عام پر آیا۔ چونکہ یہ کتاب مسلمان صوفیوں اور ہندو یوگیوں کے عقائد کا مجموعہ ہے، اس بناء پر اس کا نام مجمع البحرین رکھا گیا تھا۔ داراشکوہ نے اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف اور یوگ کے خیالات ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔ اسی رسالہ کی تالیف پر داراشکوہ کو ملحد اور واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔ (دیکھیے ہندوستانی تہذیب صفحہ ۳۰)

فائدہ داراشکوہ نے ہندوؤں کے بارے میں اپنے پردادا اکبر کی پالیسی کو جاری رکھا اور ہندو مسلمانوں میں نظریاتی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش علمی سطح پر کی۔ (صفحہ ۲۹)

۳ داراشکوہ کی اس کتاب کا "سمودر سنگم" کے نام سے سنسکرت میں ترجمہ ہوا، اس کے علاوہ تصوف کی اور بھی کئی کتابوں کا سنسکرت میں ترجمہ کیا گیا۔ اسی طرح ہندوؤں کی متعدد کتابوں کا ترجمہ فارسی میں بھی کیا گیا۔

۴ داراشکوہ کی آزاد خیالی میں قادری سلسلے کے شیخ محب اللہ الہ آبادی کے وسیع المشربی کے رجحانات پائے جاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول مقبول ﷺ کافر اور مومن دونوں کے لیے باعث برکت ہیں۔

۵ سترھویں صدی کے اواخر اور اٹھارویں کے اوائل میں شاہ کلیم اللہ چشتی صوفی کا یہ خیال تھا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی ہندوؤں کی روحانی تربیت کی جا سکتی ہے۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۳۵۵)

۶ تمام بڑے صوفی سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ کا ابتداء میں ہندو مذہب کی

طرف معاندانہ طرزِ عمل رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ بجائے باہمی کی منزل سے گزر کر رواداری اور اس کی اعلیٰ سطح پر بجھنے کی منزل تک پہنچ گئے۔ جیسا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے اس مصرع:

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

سے ظاہر ہوتا ہے۔ سترھویں صدی کے نصف اول میں دارا شکوہ اور جہاں آرا بیگم کے زیر اثر قادری سلسلہ نے سب سے زیادہ روادارانہ طرزِ عمل اپنایا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۵۵،۳۵۶)

۷ نقشبندی سلسلہ میں جو ہندو مذہب اور اس کے پیروؤں سے کسی قسم کی ہم آہنگی کے خیال کے بارے میں سخت مخالفت کا رجحان پایا جاتا تھا، اسی سلسلے کے ایک صوفی شاعر مرزا مظہر جان جاناں (۱۶۹۹ء۔۱۷۸۰ء) نے اٹھارھویں صدی میں وسیع المشربی اور رواداری کا ایسا ہی طرزِ عمل اختیار کر لیا تھا جو بعینہٖ دارا شکوہ سے مشابہت رکھتا تھا۔۔۔۔۔ انھوں نے ویدوں کو الہامی کتابیں بتایا، اور کہا کہ ان میں بھی اہل کتاب کی طرح رسول اور نبی مبعوث ہوئے تھے۔ اور کہا کہ ہندو لوگ بھی توحید پرست تھے۔ اور اس طرح مرزا مظہر نے انھیں بت پرستی کے الزام سے بری کر دیا۔ اور ان کی بت پرستی کو تصورِ شیخ کے مماثل قرار دیا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۵۶)

البتہ جاہل مسلمانوں میں مروج چیچک سے متعلق ہندوؤں سے ماخوذ رسموں کو خود مرزا جان جاناں بھی شرک ہی کہتے ہیں۔

۸ حضرت تھانویؒ نے مرزا مظہر جان جاناں کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے شیخ کی پالکی کے ساتھ دوڑے چلے جا رہے تھے۔ راستہ میں مسجد میں چند قلندر مکاری سے گردن جھکائے بیٹھے تھے۔ ان میں ایک پیر جی تھے۔ شیخ نے انھیں اس حالت میں مبتلا دیکھ کر فرمایا: مرزا! اگر شیاطین نہ دیکھے ہوں تو دیکھ لو۔ پالکی چلی گئی، یہ (مرزا مظہر وہیں) ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ (مرزا مظہر) بھی پہنچے۔ (شیخ نے) پوچھا: مرزا! کہاں رہ گئے تھے؟ (مرزا مظہر نے) عرض کیا: حضور جس وقت چلے گئے، تو میں نے یہ سوچا کہ یہ سب کے سب خاص بزرگوں کی وضع میں ہیں، اور ان پر حضور کی نظر بھی پڑی ہے۔ گو نظرِ عتاب ہی سہی۔ تو

جنھوں نے بزرگوں کی شکل بنائی ہے اور ان پر حضور کی نظر بھی پڑی ہے وہ محروم نہ رہیں۔ میں ان کے قلوب میں القائے نسبت کرنے کے لیے ٹھہر گیا تھا سب کے سب صاحب نسبت ہو گئے۔ اور آکر شیخ سے بیعت ہوگئے۔ (ہشت اختر کا چھٹا وعظ "روح انج واتج" صفحہ ۲۴۳)

شاہ ولی اللہؒ کی اصلاحی تحریک

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے جانشینوں نے، جن میں سید احمد بریلویؒ بھی شامل تھے، بہت سے کمزور سلسلوں کو اپنی تحریک میں ضم کر لیا۔ اس طرح وہ سلاسل دوبارہ شریعت کے دھارے میں آگئے۔ اور اسی رنگ میں رچ بس گئے۔ اور ان بزرگوں کی تعلیمات کا زیادہ تر حصہ ہندو تہذیب سے لیے ہوئے عناصر کو ترک کرنے کی کوشش پر مرکوز تھا۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۵۶)

ہندوؤں کے دیوتاؤں سے مسلمانوں کی عقیدت

١ اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے صوفیائے کرام اور مسلمان ہندوؤں کے دیوتاؤں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور بالخصوص رام چندر جی اور کرشن بھگوان کو انبیاء کا درجہ دیتے تھے۔ جب کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کرشن بھگوان کو اولیاء میں شمار کرتے ہیں۔

٢ لکھنؤ میں اکھوں کا میلہ ہوتا تھا، (یہ میلہ ہندو منعقد کرتے تھے) اس میلے میں مسلمان زن و مرد شرکت کرتے تھے۔

٣ ایک بڑی تعداد میں دہلی کے مسلمان گڑھ مینشور کے میلے میں شرکت کے لیے جایا کرتے تھے۔ وہاں کے میدانوں میں گنگا کے کنارے خیمے کھڑے کرتے۔ عورت اور مرد کشتی رانی کا حظ اٹھاتے۔

٤ اس میلے میں اندر رام مخلص کے ہمراہ اکثر شرف الدین پیام بھی جایا کرتے تھے۔

٥ دہلی میں کالکاجی کا میلہ ہوتا تھا۔ اس میلے میں بھی مسلمان شریک ہوتے تھے۔

٦ دہلی میں کیلاش کے میلے میں مسلمانوں کی شرکت کا ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۵۲)

٧ شاہ عبدالرزاق بانسوی جنم اشٹمی کے میلے میں شریک ہوا کرتے تھے۔ (صفحہ ۵۲)

۸ شاہ عبدالرزاق ہانسوی حالانکہ قادری سلسلے میں بیعت تھے لیکن بالعموم وہ گیروے رنگ کی چادر اور رومال استعمال کرتے تھے۔

فائدہ کہا جاتا ہے کہ گوتم بدھ کے چیلوں کا لباس گیروے رنگ کا ہوتا تھا۔ اور اب بھی بھکشو اسی رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ بعد میں راہبوں کے لیے اس رنگ کا لباس مختص کر دیا گیا۔ وثوق کے ساتھ یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ مسلمان صوفیوں نے گیروے رنگ کا لباس کس صدی میں اپنایا۔ لیکن قیاس چاہتا ہے کہ جب اسلام مشرقی ایشیا اور ایران میں پہنچا تو اس زمانے میں ان تمام علاقوں میں بدھ مت کا غلبہ تھا ــــ چشتی سلسلے کے صوفیوں میں آج کل بھی گیروے رنگ کے لباس کا رواج پایا جاتا ہے۔ اس بات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ لباس بدھوں کے زیر اثر اپنایا ہوگا۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۴۴)

فائدہ شاہ ولی اللہ کی تحریک سے اصلاح کا کام کافی حد تک ہونے لگا تھا لیکن عام مسلمانوں اور جاہل رسمی مسلمانوں اور ان کی اولاد میں اور خاص طور پر ان علاقوں میں جو مسلم تہذیب کے گہواروں اور مرکزوں سے بہت دور اندرونی علاقوں میں رہتے تھے، قدیم (ہندوانہ) رسم و رواج اور عادات و اطوار کے اثرات باقی رہے۔ اور ان علاقوں میں ایک مسلمان اور ہمسایہ ہندو میں صرف اتنا فرق پایا جاتا تھا کہ ایک کا نام ہندوانہ تھا اور دوسرے کا اسلامی۔ ــــ اور جس طرح مسلمان، ہندو دیوی دیوتاؤں سے عقیدت رکھتے تھے اسی طرح ہندو بھی مسلمان اولیاء کرام سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ:

انبیاءؑ و اولیاءؒ سے ہندوؤں کی عقیدت

۱ راجہ چھترسال اسلام اور اس کے بانی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ وہ کلام مجید کا اتنا ہی احترام کرتا تھا جتنا کہ وید اور پران کا۔ اس کے دربار میں ایک طرف اونچی چوکی پر پران اور دوسری جانب قرآن رکھا جاتا تھا۔ جس جانب قرآن رکھا ہوتا تھا اس طرف علماء اور دوسری جانب برہمن بیٹھتے تھے۔ اور اس کی موجودگی میں مذہبی مسائل پر بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ اور اس طرح وہ دونوں مذہبوں کی تعلیمات سے فیضان حاصل کرتا تھا۔ بالخصوص توحید کے عنوان پر بحث ہوا کرتی تھی۔ اپنے کلام میں چھترسال نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریف و توصیف بیان کی ہے۔ اس کے مسلمان درباری راجہ کی موجودگی میں "یا محمد ﷺ ی رسول اللہ" کا ذکر جلی کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی راجہ بھی ان کے ساتھ ذکر میں شریک ہو جایا کرتا تھا۔ اور بآواز بلند ان الفاظ کو دہراتا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۴۶)

۲ ستیل داس مختار کو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے شاہ نجف کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۴۶)

۳ بھگوان داس ہندی بھی آلِ رسُول کا عقیدت مند تھا۔ اس نے سید خیرات علی کی فرمائش پر "سوانح النبوت" لکھی تھی۔ جس میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور بارہ اماموں کے حالات درج ہیں۔ "قصیدہ مشکل آسان" میں بھگوان داس نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بارہ اماموں سے مشکل کشائی کی درخواست کی ہے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۴۶)

۴ صوفیاء کے مزاروں پر ہندو بھی بڑی عقیدت مندی سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور یہ دستور اب بھی باقی ہے۔

۵ بابا فریدالدین گنج شکر کی خانقاہ میں ہندو عوام اور خاص طور پر جوگی بڑی عقیدت سے حاضر ہوتے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۰)

۶ شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں ہندو اور مسلمان دونوں حاضر ہوا کرتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۱)

۷ معین الدین اجمیری کے مزار پر عرس میں شرکت کے لیے ۶ رجب المرجب کو اطراف و جوانب کے مسلمان اور ہندو خواص و عوام دور دراز سے گروہ در گروہ مسافت طے کر کے جاتے ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۰)

۸ بریلویہ کے امام احمد رضا خان نے لکھا ہے کہ مولانا برکات احمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ: ایک ہندو جس کے سر سے پیر تک پھوڑے تھے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر تھے۔ وہ ہندو ٹھیک دوپہر کو آتا اور درگاہ شریف کے

سامنے گرم کنکروں اور پتھروں پر لوٹتا، اور کہتا: "کھواجہ! آگئی لگی ہے"۔ تیسرے روز میں نے دیکھا، وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ (مقامات اولیاء صفحہ ۲۵۲ بحوالہ ملفوظات اعلیٰ حضرت)

۹ شیخ نصیرالدین چراغ کے مزار پر ہندو اور مسلمان دونوں جاکر مرادیں مانگتے تھے۔

فائدہ یہ درگاہ چراغ دلی نامی گاؤں میں واقع ہے۔ ان کے مزار پر یکشنبہ کو زائرین کا اجماع ہوتا تھا۔۔۔ مزار کے قریب ایک چشمہ بہتا تھا، اس کا پانی شفائے امراض کے لیے اکسیر کے مانند تھا۔۔۔ یہ بات عوام میں مشہور تھی کہ اگر لاولد میاں بیوی اس میں غسل کر لیں تو اولاد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جہاندار شاہ بادشاہ نے اپنی بیوی کے ساتھ برہنہ اس چشمے میں غسل کیا تھا۔

(دیکھیے: ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۸۴)

۱۱ ہندو لوگ صوفیاء کے مزاروں پر رسوم طواف ادا کرنے میں مسلمانوں سے بھی بازی لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

۱۲ درگاہ قلی خان کا بیان ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں رسوم ادا کرنے میں یکساں ہیں۔

۱۳ ان کی عقیدت مندی کا یہ عالم تھا کہ صوفیائے کرام کے مزاروں پر مجاوری کی خدمت انجام دینا وہ اپنے لیے باعث نجات سمجھتے تھے۔

۱۴ شاہ شمس الدین دیپال پوری کے مزار پر ایک ہندو خاندان برسوں سے مجاوری کرتا چلا آرہا تھا۔

۱۵ گورچرن سنگھ شاہی آڈیٹر ریلوے حضرت تاج العارفین کے مزار پر اٹھارہ برس بطور متولی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے روضۂ مبارک کی چار دیواری از سر نو تعمیر کروائی اور گریل لگوائی۔ ان کی وفات ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۳ء کو ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

(مطالعۂ بریلویت جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

۱۶ اننت رام مخلص کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف عرسوں میں شریک ہوتا بلکہ جب کبھی وہ کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہوتا تھا تو استمداد کے لیے وہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور بختیار کاکیؒ کے مزاروں پر حاضری دیا کرتا تھا۔ اور اس کی دلی مراد بار آور ہوتی تھی۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۵۰)

۱۷ خان آرزو، محمد علی خاں کے ساتھ شاہ مدار کے عرس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۱۵)

۱۸ بزرابن کالیتھ اپنی عقیدت کی وجہ سے اکثر و بیشتر شاہ مدار کے مزار پر جایا کرتا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۱۵)

۱۹ خیرپور صوبہ سندھ کے ہندوؤں کی مزارات سے عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے ایک مصنف نے لکھا ہے کہ: وہ لوگ مسلمان صوفیائے کرام کے مزارات پر جاتے ہیں، اور نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۱۵)

۲۰ خیرپور میں لال شاہ باز کا مزار تھا۔ وہاں ہندو مسلم دونوں حاضر ہو کر نذر چڑھاتے اور منتیں مانتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۱۵)

۲۱ ۱۸۵۲ء میں جب نظام شاہ مجذوب لاہوری فوت ہوئے تو ہزارہا زن و مرد ہندو مسلمان آپ کے جنازہ پر حاضر ہوئے۔ اور بڑی دھوم دھام سے دفن ہوئے۔ (اذکارِ صوفیاء صفحہ ۵۱۵)

۲۲ اسی طرح ہندو نہ صرف مسلمانوں کے تہواروں میں شرکت کرتے تھے، بلکہ اپنے گھروں پر ان کی رسوم بھی ادا کرتے تھے۔

۲۳ ہندو اور ساہوکار لوگ اپنے مکانوں پر عرس کے جلسے منعقد کرتے تھے۔

۲۴ مرزا راجہ رام ناتھ ذرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

1. محرم منایا کرتا تھا۔
2. عاشورہ کے دنوں میں وہ سبز لباس زیب تن کیا کرتا تھا۔
3. سبیل لگواتا، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا تقسیم کرنے کا اہتمام کرتا تھا۔
4. قلعہ معلّی (دہلی کا لال قلعہ) تک مہندی کا جلوس لے جایا کرتا۔
5. یازدہم (گیارھویں شریف) کی مجلس بھی کرتا، اور متعلقہ رسوم بھی ادا کرتا تھا۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۵۲، ۵۳)

۲۵ لالہ بالمکند اپنے عقائد کے لحاظ سے قادری سلسلے میں مرید تھا۔ یازدہم کی مجلس

بڑی ہی دھوم دھام سے کیا کرتا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۵۲)

۲۰۶ حضرت عباس حسین شاہ کے مزار پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو اور سکھ عورتیں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ رسم چادر پوشی، نعت خوانی، رسم ختم شریف وغیرہ میں ایک ساتھ حاضر ہو کر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

سالار مسعود غازی کے جھنڈے کی سلامی

سالار مسعود غازیؒ نے ۱۰۰۲ء میں میوات نامی علاقے پر حملے کیے اور وہاں تبلیغ اسلام کا کام کیا، تقریباً تمام میواتی اسی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے ـــــــ میو قوم میں سید سالار مسعود کے جھنڈے کی سلامی کا رواج ۱۹۲۰ء تک رائج تھا۔ جھنڈا کسی چوپال میں نصب کر دیا جاتا تھا، عورتیں اور بچے نذر و نیاز چڑھاتے تھے۔

فائدہ مولانا محمد الیاسؒ اور ان کے فرزند مولانا محمد یوسفؒ نے میواتیوں کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ کیونکہ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بھی میواتیوں میں قدیم (ہندوانہ) رسم و رواج جاری رہے، اور اب بھی جاری ہیں۔

(دیکھیے ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۷۹۔۸۰)

کلمہ گو ہندوستانیوں کے عقائد

یوں تو پورے برصغیر یعنی ہندوستان، پاکستان، اور بنگلہ دیش میں صدیوں تک نام نہاد اسلامی حکومتیں اپنی سرحدوں میں وسعت دینے کی کوششیں کرتی رہی ہیں۔ مگر اسلامی عقائد و اعمال کی تبلیغ کے معاملے میں سلاطین اور امراء نے غالباً جان بوجھ کر تساہل سے کام لیا۔ خصوصاً دیہاتی علاقوں میں تو اسلام کا نور پھیلانے میں مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ بھی کیا گیا۔ اگرچہ برصغیر کے کسی مخصوص علاقے کا نام لے کر یہ کہنا مناسب نہیں کہ صرف اس علاقے میں ہی جہالت پائی جاتی تھی۔ کیونکہ مجموعی طور پر پورے ملک ہی میں نہیں بلکہ اس کے پڑوسی ممالک کے مسلمان بھی سلاطین ہند کی غفلت شعاری اور یہاں کے جوگیوں، سادھوؤں اور صوفیوں کے روپ میں شیاطین الانس قسم کے بد عقیدہ اور بدکردار لوگوں کے عقائد و نظریات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ تاہم اسلامی عہد میں ہندوستان کے دارالحکومت دہلی کے نواح میں

علاقہ میوات کے مسلمانوں کی مذہبی حالت دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو علاقے مرکز سے دور تھے ان میں راسخ العقیدہ مسلمان تو شاید ہی کہیں پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ تاریخی شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ اُس دور میں ہندوستان کے مسلمان کہلانے والے اکثر لوگ محض کلمہ گو ہی تھے۔ چنانچہ:

کلمہ گو میواتیوں کے عقائد و اعمال

1 میواتیوں کے مذہبی عقائد کی بنیاد ہندو دھرم اور اسلام دونوں کی روایات پر مبنی ہے۔ مگر عام طور پر وہ لوگ بے شمار دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ (صفحہ ۸۱)

2 میواتیوں میں ہولی کے تہوار کے منانے کا رواج اب بھی پایا جاتا ہے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۸۱)

3 محرم منانے کا اس قوم میں عجیب و غریب طریقہ ہے۔ اس کی ابتدا کا علم نہیں۔ اس زمانے میں کھانے کے چاول اور کھیر وغیرہ پکائی جاتی ہے۔ عورتیں اور بچے عمدہ لباس پہن کر تعزیہ گاہوں میں جاتے ہیں۔ اس مقام پر ایک طرف عورتیں جمع ہو کر سینہ کوبی کرتی ہیں، اور المیہ گیت گاتی ہیں۔ ان گیتوں کو ہیرا کہتے ہیں۔ دوسری جانب مرد حلقہ بنا کر طواف کرتے ہیں۔ اور "ہائے دوس" (دھوکہ ہوا) کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ (صفحہ ۸۱)

مزاراتِ اولیاء کی زیارت کے لیے نیزہ بردار قافلے

قدیم زمانے سے ہندوؤں میں یہ رسم بدستور چلی آرہی تھی کہ وہ لوگ اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے مندروں پر سالانہ میلہ منعقد کیا کرتے تھے۔ اور بالعموم زائرین اپنے ہاتھوں میں جھنڈیاں یا عَلَم لے کر شرکت کے لیے دُور دراز کی مسافت طے کر کے آتے تھے، مسلمانوں نے بھی اس رسم کو دوسری شکل میں اپنا لیا' اور انھوں نے مندروں کے بجائے اپنے بزرگوں کے مزاروں پر جھنڈے لے کر جانا شروع کر دیا۔ قرونِ وسطیٰ میں ان جھنڈیوں کو چھڑی یا نیزہ کہتے تھے۔ ہندو مسلمان دونوں ان بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ چھڑیاں لے کر عرس اور میلے میں شرکت کے لیے جایا کرتے تھے۔ رائے چترمن کالیتھ اور دیگر مصنفین نے ان چھڑیوں یا نیزوں کے جلوسوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو دہلی سے مختلف جانب کے لیے روانہ ہوتے تھے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی چھڑیاں

اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں سترھویں جمادی الثانی کو حوضِ شمسی کے قریب واقع خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ پر اور دوسرے مقامات پر بے شمار زائرین اور تماشہ بین جمع ہوتے تھے۔ نیزے کھڑے کرتے تھے اور اجمیر کے لیے روانہ ہوتے تھے۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۵)

فائدہ خواجہ معین الدین چشتی (متوفی ۱۲۳۵ء) کا مزار اجمیر میں واقع ہے۔ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان دونوں ان کی ذات بابرکات سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں' اور ایامِ عرس میں دُور دُور سے لاکھوں کی تعداد میں ریلوں' بسوں' اور بیل گاڑیوں میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے وہاں جاتے ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۵)

سانپوں کے بادشاہ گوگا پیر کی چھڑیاں

گوگا پیر کا مزار میوات کے علاقے میں کسی پہاڑی پر بتایا جاتا ہے۔ عرفی مہینہ کے سلونوں کے دن ہولی بھٹیاری نامی مقام پر نیزے کھڑے کر کے میوات کی جانب گوگا پہاڑی کے لیے روانہ ہوتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۶)

غازی میاں کی چھڑیاں

عرفی مہینہ کی سترھویں کو غازی میاں کی چھڑیاں کھڑی کی جاتی تھیں۔ اور زائرین بہرائچ کے لیے کوچ کرتے تھے۔ ان ایام میں ان کی درگاہ پر بڑا اژدھام ہوتا تھا۔ اور تین یوم تک ان کے آستانے پر لوگ عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ گردونواح کے عوام و خواص اپنی مُرادوں کی بار آوری کی غرض سے مزاروں پر چادریں چڑھاتے تھے۔ اور اپنے اس فعل کو عقبیٰ کے لیے سرمایۂ سعادت اور دنیوی ترقیوں کا وسیلہ جانتے تھے۔ ماقبل غدر ۱۸۵۷ء یہ چھڑیاں قلعہ معلیٰ (دہلی) کے نیچے کھڑی کی جاتی تھیں۔ مگر اس کے بعد جامع مسجد (دہلی) کے قریب کھڑی کی جانے لگی تھیں۔ اور اسی مقام سے بہرائچ لے جاتے تھے۔ (صفحہ ۲۷۶)

فائدہ دہلی میں غازی بھریوبجہ نامی ایک شخص تھا' جو سالانہ غازی میاں کی چھڑیوں کا جلسہ منعقد کیا کرتا تھا۔ اور اس میں صدہا روپے صرف کیا کرتا تھا۔ اس جلسہ کی کیفیت یہ تھی کہ

تین دن تک وہ چھڑیاں برابر کھڑی رہتی تھیں اور اپنی دکان میں جامع مسجد کی ایک نقل رکھ کر کے اس کے آگے ایک باغ معنوی اور اس میں فوارہ اور جھرنا لگاتا تھا۔ اور اعلیٰ پیمانے پر روشنی کیا کرتا تھا۔ نوبت بجتی تھی' جھاڑ فانوس اور قمقمے روشن ہوتے تھے۔ اور طرح طرح کی آتشبازی چھوٹتی تھی۔ ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ عورت مرد جمع ہوتے تھے۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۶)

سخی سرور کی چھڑیاں

ہندی مہینہ ماگھ کے پہلے سوموار کو سلطان سخی سرور کی چھڑیاں روانہ ہوتی تھیں۔ غالباً شیخ نظام الدین اولیاء کی باولی کے سامنے یہ چھڑیاں کھڑی کی جاتی تھیں۔ اور زائرین لکھی جنگل کے لیے کوچ کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد لاہوری دروازہ (دہلی) کے باہر کھڑی کی جانے لگی تھیں۔ اور پھر وہاں سے ملتان کے لیے روانہ ہوتے تھے۔ یہ بھی ایک اچھا خاصا میلہ ہوتا تھا۔ اور بڑی تعداد میں لوگ شرکت کرتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۷۶)

فائدہ مرزا قتیل نے لکھا ہے کہ جس طرح نچلے طبقے کے مسلمان نزدیک اور دور سے جھنڈے لے کر شاہ مدار کے مزار پر ہر سال جمع ہوتے تھے اسی طرح ہر سال ہر شہر کے باہر سخی سرور کے نیزے بھی اٹھائے جاتے تھے۔ اور پراہی (سخی سرور کے معتقد پراہی کہلاتے تھے) ہر جھنڈے کے نیچے ڈھول اور تاشے بجاتے تھے اور اپنے پیر کی مدح وثنا میں گیت گاتے تھے۔ وہ خود بھی رقص کرتے تھے اور دوسروں کو بھی نچاتے تھے۔ (صفحہ ۲۷۷)

فائدہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک جولاہا شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا مرید تھا۔ وہ جولاہا مولانا جلال الدین کے پاس بھی جایا کرتا تھا ایک مرتبہ شیخ تھانیسر تشریف لے گئے' وہ جولاہا مولانا کے پاس گیا تو مولانا جلال الدین نے اس جولاہے کو کہا کہ تمہارے پیر آئے ہوئے ہیں' جو ناچا کرتے ہیں۔ اس جولاہے کو یہ فقرہ بہت ناگوار ہوا۔ شیخ سے جا کر کہا کہ فلاں شخص ایسا کہتے تھے۔ شیخ کو جلال آگیا۔ اور فرمایا کہ اب جانا تو کہہ دینا کہ وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے ہیں۔ یہ سُن کر بڑا خوش ہوا۔ اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا' اور قصداً چھیڑا۔ حضرت کیا فرمایا تھا؟۔ انھوں نے پھر فرمادیا۔ اس جولاہے نے عرض کیا:

حضرت! وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے ہیں۔ اس فقرہ کا سننا تھا کہ بس کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ (روح انج داغ)

فائدہ مرزا قتیل نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ صوفیاء کے اعمال دیکھے ہیں جو ویدانتیوں کے اعمال ہیں۔ رقص اور وجد جو چشتی صوفیاء میں ملتا ہے وہ انھوں نے بیراگیوں سے سیکھا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اکثر بتوں کے سامنے رقص کرتے ہیں۔

شاہ مدار کی چھڑیاں

شاہ مدار المعروف مدار صاحب کی چھڑیاں جمادی الاولیٰ میں بارہ پلہ (دہلی) کے قریب برپا کرتے تھے۔ اور اس ماہ کی پندرھوں کو مکن پور لے جاتے تھے۔ اور ان دنوں اسی مقام پر ایک بھاری میلہ لگتا تھا۔ یہ میلہ اب بھی لگتا ہے۔ لاکھوں زائرین اور تجار دور و نزدیک سے وہاں جمع ہوتے تھے۔ تین یوم تک یہ میلہ جاری رہتا تھا۔ مداری فقیر —— بڑے طمطراق سے نقارہ، نرسنگھ اور توری بجاتے ہوئے اپنے مریدوں کے ساتھ الگ الگ گروہوں میں وہاں پہنچتے تھے۔ ہر ایک گروہ کا اپنا ایک سربراہ ہوتا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۵۔۲۷۷)

کلمہ گو رسمی مسلمانوں کا اسلام سے تعلق

۱ مشرف بہ اسلام ہونے کے معنی یہ تھے کہ وہ اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے۔ روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ کو ادا کرے۔ ایسا نہ تھا کہ اسے اس بات پر بھی مجبور کیا جاتا ہو کہ وہ اپنی پرانی رسوم کو بھی ترک کر دے۔ اور اپنے خاندان کے دوسرے افراد سے تعلقات منقطع کر لے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۱۵۱)

۲ وہ اپنے آپ کو مسلمان اس لیے کہتے تھے کہ ان کے ہاں ختنہ کی رسم ادا ہوتی تھی، ان کی شادی اور موت کی رسمیں قاضی اور ملا ادا کرتے تھے۔ بس اسلام سے ان کا اتنا ہی تعلق تھا۔ اور اس سے آگے اسلام سے ان کا کوئی سروکار نہ تھا۔ ان کی بقیہ رسمیں وہی تھیں جو مسلمان ہونے سے قبل ان کے ہاں مروج تھیں۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۰۲)

۳ اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مخلوق کے مختلف کاموں پر مقرر فرشتوں

کی ارواح مذکورہ کو یا انبیاءؑ و اولیاءؒ اور عبادت گزاروں اور درویشوں اور علماء و فضلاء کی ارواح کو خدا کی عبادت اور اس کی محبت کا لحاظ کیے بغیر انھیں براہِ راست خدا کی محبت کے برابر رکھتے ہیں۔ اور:

- نذریں اور قربانیاں ان کے نام کی بجالاتے ہیں۔ اور:
- ان کے حکموں کو ان کے ماخذ کا لحاظ کیے بغیر وحی الٰہی کے برابر شمار کرتے ہیں۔ بلکہ:
- بعض تو ان میں سے (انبیاءؑ و اولیاءؒ اور بزرگوں) کی تصویروں ہیکلوں، مزاروں، ان کی عبادت کی جگہوں، اور ان کے رہنے کے مکانات اور ان کی مجالس میں وہ کام کرتے ہیں جو مسجدوں اور کعبہ میں بجالاتے ہیں۔ جیسے:
  ① زمین پر سر رکھنا (سجدہ کرنا) اور:
  ② ان کے گردا گرد گھومنا (طواف کرنا) اور:
  ③ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، ان بزرگوں کے تصور میں ان کے لیے قیام (تعظیمی) کرنا۔

حاصلکلام ان کی یہ محبت خدا پر یقین ہونے کے تقاضے سے نہیں ہے اور خدا کے لیے نہیں ہے۔ (مطالعہ بریلویت جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ بحوالہ تفسیر فتح العزیز صفحہ ۳۹۹)

فائدہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بدعتی مسلمانوں کا جس دل سوز پیرایہ میں ذکر کیا ہے اس سے ہر وہ مسلمان جس کا دل توحید کے نور سے منور اور سنت کی خوشبو سے معطر ہو ان مسلمانوں کی اس حالتِ زار پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا جو بزرگوں کی محبت کے دعوے سے ہندوؤں کے ایجنٹ بنے بیٹھے ہیں۔ (مطالعہ بریلویت جلد ۲ صفحہ ۱۱۳)

تنبیہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جاہل مسلمانوں میں سے جو بھی بزرگوں کے مزاروں پر اس قسم کے اعمال بجالاتا ہے، فوراً کافر ہو جاتا ہے اور اسلام سے نکل جاتا ہے۔ (مطالعہ بریلویت جلد ۲ صفحہ ۱۱۳)

فائدہ ہندو کفار کے دیوی دیوتاؤں کی ارواح کے متعلق توہمات اور عقائدِ بد کے مقابلے میں مسئلہ حیات الانبیاء کی آڑ میں اولیاء کرامؒ کے زندۂ جاوید ہونے کا عقیدہ ہی سب

پہلے ہندوستانی رسمی مسلمانوں کے ذہنوں میں بٹھا کر کلمہ گو ہندوؤں نے ایک نئے ڈھنگ سے کلمہ گو رسمی مسلمانوں کو مرتد بنانے کا طریقہ اختیار کیا۔ (مطالعہ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)

انہی کلمہ گو ہندوؤں نے مکہ اور مدینہ کے خلاف پراپیگنڈہ کیا کہ ان کے اماموں کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ انھوں نے اہل حق علماء پر جو الزام لگائے ان میں سرِ فہرست حیات الانبیاء کا مسئلہ ہی آتا ہے۔ اور انھوں نے عوام میں یہ دشمنی مسئلہ کبھی تو ہندو سادھو اور جوگی بن کر مسلمانوں کی تعریف اور ان کے اکابرین کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کر کے خود ساختہ کرامات ان کی طرف منسوب کر کے، اور کبھی مسلمان فقیر بن کر یا پیر اور مولوی بن کر نو مسلم ہندوستانیوں کے ذہنوں میں بٹھایا۔ اور پھر اہل حق علماء کا نام لے لے کر ان پر کفر کے فتوے لگانے شروع کر دیے۔ کیونکہ ان کلمہ گو ہندوؤں کو خوف تھا کہ اگر اس مسئلہ کو اہمیت نہ دی گئی تو ہم کلمہ گو رسمی مسلمانوں کو قبر پرستی کی طرف مائل کر کے انھیں اسلام سے برگشتہ کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

تنبیہ ان جُہلاء اہلِ بدعت میں کونسی بات اسلام کی رہ گئی تھی، جو انھیں مسلمان سمجھا جا سکے، وہ صرف اسلام سے ایک اصولی نسبت تھی، اور اسی جہت سے انھیں خدا اور اس کے رسول کا اقرار کرنے والا کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ کھلم کھلا اسلام سے نکل جائیں۔ اور دوبارہ ہندو بن جائیں۔ اس لیے اس نے انھیں ایسی طرف لگا دیا کہ یہ نہ علی الاعلان تبدیلی ملت کریں، اور نہ اکیلے خدا کو پکارنے کا شرف پائیں۔ کیونکہ یہ دولت انہی کو ملتی ہے جو پاکیزہ باطن ہوں اور جو حرام خور اور خبیث النفس ہوں وہ ان قبروں سے ہی مانگتے رہیں۔ توحید سے کٹ جانے والوں کی یہی سزا ہے۔ (مطالعۂ بریلویت صفحہ ۲۹۵، ۲۹۶)

سمودر سنگم یا مجمع البحرین

مسلمان کہلانے والوں کی حالت

1 دارا شکوہ نے مجمع البحرین میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ:

ہندو مذہب اور اسلام دو متضاد مذاہب نہیں ہیں، بلکہ ان کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ دو مختلف دھارائیں الگ الگ رواں دواں نظر آتی ہیں لیکن بالآخر وہ دونوں ایک ہی نقطے پر

ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۴)

۲ دارا شکوہ، ملا شاہ بدخشی، سرمد شہید اور محسن فانی کے علاوہ کئی آزاد خیال اس روحانی مفاہمت کے ترجمان اور دارا شکوہ کے حاشیہ نشین تھے۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۳۵)

۳ ان کے علاوہ دوسرے کئی مسلمان ایسے تھے جو ہندو سادھوؤں اور جوگیوں کی روحانیت کے قائل تھے۔ اور ان سے مل کر متاثر بھی ہوتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۳۵)

۴ آزاد خیالی اور دارا شکوہ کے ساختہ ماحول کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں میں بیراگیوں اور جوگیوں کے عقائد کا بہت گہرا اثر پڑا، اور بہتوں نے ان کی مصاحبت اختیار کر لی۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۶)

۵ جو مسلمان بیراگیوں میں شامل ہوئے تھے وہ صرف جہلا نہ تھے بلکہ ان میں بعض تعلیم یافتہ اور شریف زادے بھی تھے۔ — مثلاً میرزا صالح اور میرزا حیدر جو مسلمان شریف زادے ہیں بیراگی ہو گئے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۶)

۶ ہندو جوگیوں کی خدمت میں اورنگ زیب جیسا راسخ العقیدہ مسلمان بھی عقیدت سے حاضر ہوا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۷ بحوالہ رقعات عالمگیری)

۷ عارف سبحانی نامی درویش مسجد اور مندر دونوں کی برابر تعظیم کرتے تھے اور مندر میں ہندوؤں کے آئین کے مطابق پوجا اور ڈنڈوت یعنی پرستش کے مراسم بھی ادا کر گئے تھے اور — مسجد میں مسلمانوں کی طرح نماز بھی پڑھتے تھے۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۳۷)

۸ وہ کسی کے دین اور رسوم و رواج کی برائی نہیں کرتے اور نہ ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی طینت میں تعصب نہیں ہے۔ ان کا مسلک وحدت الوجود تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۷)

۹ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ: ایک سیاح نے ایک جوگی کو دیکھا جو قشقہ لگائے ہوئے مندر میں بیٹھا تھا، مگر اس کے چہرے سے نورِ ایمان نمایاں تھا۔ کیونکہ ایمان کا نور چھپا نہیں رہ سکتا، چاہے لاکھ پردوں میں ہو، اس سیاح نے اس جوگی سے خلوت میں پوچھا تو اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں مسلمان ہوں۔ وجہ اس ظاہری وضع کی دریافت کی تو

کہا: اسلام میں قیود بہت ہیں، میں آزاد ہوں، قیود سے وحشت ہوتی تھی۔ سیاح نے کہا: شرم نہیں آتی؟ اطلاق کا دعویٰ ہے تو یہاں بھی قید کفر کی ہے، وہاں قید اسلام کی تھی۔ وہاں زمزم کی قید تھی، تو یہاں گنگا کی قید ہے۔ وہاں سمانئے سجدہ تھا، تو یہاں قشقہ ہے۔ وہاں قمیص و قبا تھا، تو یہاں زنار و لنگوٹ ہے۔ غرض اطلاق کا محض دعویٰ ہی ہے۔ آزادی یہاں بھی نہیں۔ ہاں البتہ اتنا فرق ہے کہ ایک قید محبوب کو پسند ہے اور ایک ناپسند۔

(ہفت اختر کا ساتواں وعظ روح الارواح صفحہ ۲۹۱۔۲۹۲)

۱۰ آج کے ہندوستان میں بھی مسلمانوں میں مداریہ اور جلالیہ دو ایسے فرقے پائے جاتے ہیں جن کے عقائد اور اطوار پر سنیاسیوں اور جوگیوں کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۷)

۱۱ محمد شاہ (متوفی ۱۷۴۸ء) صوفیوں اور بیراگیوں سے مصاحبت رکھتا تھا۔ شو نرائنی سلسلے کے بانی سوامی نرائن سنگھ کا مرید ہو گیا تھا۔ سوامی نرائن سنگھ وحدت الوجود کے قائل تھے اور ہر فرقے کے لوگوں کو مرید کرتے تھے۔

ہندو کہلانے والوں کی حالت

۱۲ ہندوؤں میں بھی اس روحانی اشتراک اور آمیزش کو فروغ دینے والے کئی صاحب فکر تھے۔ ان میں سے (ایک) چندر بھان برہمن تھا، جو دارا شکوہ کا منشی تھا۔ اور فارسی میں پہلا صاحب دیوان ہندو شاعر تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۷)

۱۳ دارا شکوہ کی وفات کے بعد اس کے رفقائے کار اورنگ زیب کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ برہمن نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا، اور آخر عمر تک اس کا ملازم رہا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۷)

۱۴ مرزا حیرت دہلوی نے لکھا ہے کہ: ہرراۓ دارا شکوہ کی طرف سے عالمگیر سے خوب لڑا۔ لیکن جب دارا شکوہ کو شکستِ فاش ملی تو عالمگیر کی خدمت میں معافی مانگنے کے لیے حاضر ہوا۔ عالمگیر نے نہایت مہربانی کی اور قصور معاف کر دیا۔

(سوانح حیات سید اسماعیل شہید صفحہ ۱۵۷)

۱۵ اسی زمانہ میں بھوت رائے نام کا ایک (کھتری) شاعر تھا۔ بے غم تخلص اور بیراگی لقب تھا ـــ طریقت میں ① شیخ الشیوخ محمد صادق، اور ② نرائن داس بیراگی کا مرید تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۸)

۱۶ شاہ برکت اللہ کے مریدوں میں جیون بیراگی اور کشن داس بیراگی کے نام آتے ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۴۶)

۱۷ شاہ آل محمد بن شاہ برکت اللہ کے کئی ہندو مرید تھے۔

فائدہ بہت ممکن ہے کہ ان بیراگیوں نے اسلامی شریعت کی پابندی کرنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن قیاس غالب ہے کہ انھوں نے اپنے آبائی عقیدوں، تصورات، اور مذہبی تعلیمات کو یکسر کالعدم نہیں کر دیا ہوگا، اور انھوں نے اس بات کی کوشش کی ہوگی کہ عملی اور مذہبی زندگی میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ جیسا کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہوا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۳۴۷)

دارا شکوہ کا قتل

علماء حق اور اہل فکر کی ایک باا ثر جماعت اس تحریک کو ناکام بنانے کی پوری کوشش کرتی رہی۔ ـــ دارا شکوہ کے قتل اور اورنگ زیب کی تخت نشینی سے تحریک کو بڑا دھکا پہنچا، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تحریک بے جان نہیں ہوئی، اور اس کی روح برابر کام کرتی رہی۔ جوگیوں اور بیراگیوں کا برابر اثر باقی رہا۔

فائدہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نقشبندی سلسلہ میں جن حضرات نے شرک و بدعت کے خلاف بڑی ہمت دکھائی، ان میں سرفہرست حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے بھتیجے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ہیں۔ ان حضرات نے بڑی ہمت سے اسلام میں گھسنے والے ہندو افکارِ زندگی کے خلاف آواز اٹھائی۔ وہ ہندو، پنڈت اور جوگی جو اسلام کا لباس پہنے اسلام کے عقائد اور سنتوں کے طریقوں کو تار تار کر رہے تھے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف بڑی ترتیب اور سازش سے اٹھے اور مولویوں کے لباس میں پنڈتوں کی نمائندگی کر دی۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۲ صفحہ ۱۱۲)

درویشوں میں جوگیوں کا اثر

اٹھارھویں صدی میں کئی درویشوں کے افعال میں جوگیوں کا اثر نظر آتا ہے۔

۱ سید عبدالولی عزلتؔ نے داڑھی اور بھنویں منڈوا کر جوگیوں کی وضع اختیار کرلی تھی۔

۲ بھگوان داس ہندی نے مرزا گرامی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

- ❶ انھوں نے وسیع المشربی کا شیوہ اختیار کرلیا تھا۔
- ❷ ان کا ظاہری لباس صوفیاء اور مشایخ کے مشابہ تھا۔ لیکن:
- ❸ ہندوستان کے قلندروں کی وضع میں زندگی گزارتے تھے۔
- ❹ داڑھی اور مونچھوں کو خیرباد کہا اور:
- ❺ ہر مذہب وملت کے لوگوں سے بڑی گرم جوشی سے ملتے جلتے تھے۔

اہلِ ہند کی بُت پرستی اور تصورِ شیخ

۱ مرزا مظہر جانِ جاناں نے لکھا کہ ان اہلِ ہند کی بُت پرستی کی حقیقت یہ ہے کہ

- ❶ بعض فرشتے جو حکمِ الٰہی سے عالمِ کون و فساد میں دخل رکھتے ہیں' یا:
- ❷ بعض کاملین کی روحیں۔ جنھیں جسم سے الگ ہو کر دنیا میں تصرف حاصل ہے' یا:
- ❸ بعض زندہ آدمی جو اُن کے زعم میں حضرت خضر علیہ السلام کی طرح تا ابد زندہ رہیں گے
- ❹ یہ لوگ اُن کی مورتیں یا تصویریں بنا کر اُن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ـــ ان کا یہ عمل

"**ذکرِ رابطہ**" سے مشابہت رکھتا ہے جو اسلامی صوفیاء میں عام ہے۔ اور جس میں **صورتِ شیخ کا تصور** کیا جاتا ہے اور فیض حاصل کیے جاتے ہیں۔ ہاں صرف اس قدر فرق ہے کہ صوفیہ شیخ کی ظاہری تصویر نہیں بناتے۔ ـــ ان (ہندوؤں) کا سجدہ' سجدۂ عبودیت نہیں بلکہ سجدۂ تحیت ہے۔ جو کہ اُن کے طریقے میں ماں باپ' پیر استاد کے سلام کے سلسلے میں بھی عام ہے اور جسے ڈنڈوت کہتے ہیں۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۴۲)

۲ نیز مرزا مظہر نے یہ بھی لکھا کہ تناسخ کا اعتقاد رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۴۲)

۳ مرزا مظہر کے علاوہ دوسرے بہت سے صاحبِ علم وفہم مسلمانوں کی نظر میں بُت پرستی

پاپ لیا غرض و تحقیر فعل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۴۴)

۴ وشش نے بُت پرستی کو حق پرستی کا مرتبہ دیا ہے۔ ؎

چشم وحدت سے گر کوئی دیکھے
بُت پرستی بھی حق پرستی ہے

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۴۴)

۵ مرزا صدر الدین اصفہانی نے کہا کہ میرا مذہب صوفیانہ ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ہندو میں کیا برائی ہے اور مسلمان میں کیا اچھائی۔

[illegible] حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ اس راہ میں بہت دھوکے ہو جاتے ہیں۔ بعضے بڑوں کو بھی دھوکے ہوئے ہیں۔ اور وہ چونکہ مر گئے ہیں، اس لیے ہم ان کی شان میں گستاخی کرنے سے زبان کو بچاتے ہیں کہ اللہ کا نام لینے والے تھے۔ یہ اللہ کے نام کا ادب ہے۔ لیکن ان کے مقالات سے ہم قرآن و حدیث کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ان کے حق میں یوں تاویل کر لیں گے کہ ان سے غلطی ہوئی، حال کا غلبہ ہو گیا۔ غرض جو تاویل ہو سکے گی کریں گے۔ چاہے وہ واقعی ہو یا غیر واقعی۔ جب کوئی نہ مانے گا تو ہم صاف طور سے کہیں گے کہ: "ہم ان کی نہیں مانتے، وہ کوئی نبی نہیں تھے، فرشتے نہیں تھے، جن کا ماننا فرض ہو"۔ یہ طریق ہے بڑا نازک۔ اہلِ باطن سے جو غلطی ہوتی ہے وہ کفر کی حد تک پہنچ جاتی ہے، اور اہلِ ظاہر کی غلطی محض معصیت تک رہتی ہے۔ (ہفت اختر کا ساتواں وعظ روح الارواح صفحہ ۲۹۲)

مسلمانوں میں ہندوانہ رسُوم

۱ جس طرح ہندوؤں میں کسی خوشی کے موقع پر ست نرائن کی کتھا کی جاتی تھی اسی طرح مسلمانوں نے منت کے طور پر سیدہ کی کہانی کو ماننا شروع کر دیا تھا۔ اور بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ ست نرائن کی کتھا اور جناب سیدہ کی کہانی کے بعض اجزاء بالکل مشابہ تھے۔ (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۷۳)

۲ اسی طرح تل شکری کی رسم نہ صرف عوام بلکہ شاہی خاندان تک میں پڑ جاتی تھی۔ ایک مرتبہ سنکرانت کے موقع پر پٹیل (مادھو رائے سیندھیہ) نے شاہ عالم بادشاہ کی

خدمت میں تل شکری پیش کی، بادشاہ نے زنان خانے میں جا کر خود بھی کھائی اور بیگمات کو بھی کھلوائی۔ اس پر ایک منہ چڑھی بیگم بولیں: قصور معاف! ہندوستان میں یہ رسم ہے کہ باندی، غلام یا گھوڑا خریدتے ہیں تو اسے تل شکری کھلاتے ہیں، تاکہ وفادار نکلے۔ حضور نے پٹیل کی تل شکری کھائی ہے تو وفاداری بھی برتنا ہوگی۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۷۳)

۳ اٹھارھویں صدی عیسوی میں سیاسی اقتدار کی باگ ڈور ہندوؤں کے ہاتھوں تھما دی گئی تھی اور حکومت کے اہم عہدوں پر وہ (ہندو) فائز تھے۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ مسلمانوں نے ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے عقائد اور رسم و رواج کو اپنا لیا تھا۔ اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کی تقلید کے لیے آمادہ کیا۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۵۹)

۴ مسلمانوں نے ہندوؤں کے تہواروں اور دیگر رسموں کو اپنانے کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی رنگ دینے کی بھی کوشش کی تھی۔ مثلاً ہولی میں ہندو خیرات وغیرہ نہیں بانٹتے لیکن مسلمانوں نے اس تہوار کو اسلامی رنگ دینے کے لیے اس میں فقیروں کی تواضع اور ان کو خیرات دینے کا عمل داخل کر دیا تھا۔

۵ نواب آصف الدولہ بڑی دھوم دھام سے ہولی کا تہوار مناتا تھا، اس تہوار سے متعلق تمام رسوم کی پابندی کرتا تھا۔ نواب عیش پسند تھے، جس کا اثر "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ" کے طبعی اصول کے تحت وہاں کے عوام پر پڑتا تھا، اور سب لوگ حاکموں کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے تمام مسلمان امراء بڑے اہتمام سے ہولی کا جشن منعقد کرتے تھے۔

۶ دیوالی کا تہوار جس میں لکشمی دیوی کی پوجا ہوتی ہے۔ اور بعد کو چراغاں ہوتا ہے۔ آتشبازی بھی چھوڑی جاتی ہے۔ اس رات میں جوا کھیلنا باعث برکت سمجھا جاتا تھا۔ اکبر بادشاہ کو صرف اس تہوار کے جشن سے متعلق لوازم سے دلچسپی تھی، جب کہ جہانگیر خود بھی جوا کھیلتا تھا، اور اپنے ملازمین کو اپنی موجودگی میں جوا کھیلنے کا حکم دیتا تھا۔

[illegible] پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ مغل بادشاہوں کی ہر بے راہ روی کا اثر عوام کی زندگی پر پڑتا تھا، اور عیش و عشرت کی جو محفلیں دربار میں سجی تھیں ان کے مہلک جراثیم

جو پیروں تک اپنا کام کرتے تھے۔ مثلاً:

- اکبر بادشاہ نے فتحپور سیکری میں فرش پر شطرنج کی بساط بنوائی تھی، اور مہروں کی جگہ پر غلام لڑکیوں کو کھڑا کرکے یہ کھیل کھیلا کرتا تھا۔
- شاہان مغلیہ نے شطرنج بازی کے بندوبست کے لیے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا تھا۔
- شاہ عالم ثانی اپنی حرم سرا کی مستورات کے ساتھ شطرنج کھیلتا تھا۔ اس کا:

نتیجہ یہ ہوا کہ اٹھارھویں صدی کے بعض مسلم صوفی بھی شطرنج بازی کے فن میں پوری قدرت رکھتے تھے۔ اور اس فن میں ان کو بڑی شہرت حاصل تھی۔

- شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مرید اور خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی شطرنج بازی کے ماہرین میں سے تھے۔ دور دور سے شطرنج باز ان سے مقابلہ کے لیے آتے تھے۔
- مولانا فضل حق خیر آبادی کو شطرنج کھیلنے کا بڑا شغف تھا۔ حکیم مومن خان مومن کے ساتھ اکثر ان کی بازیاں ہوا کرتی تھیں۔

(دیکھیے ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۵)

جنم اشٹمی

1 جنم اشٹمی کے بارے میں روایت ہے کہ اس رات کو کنھیا کا جنم ہوا تھا۔ ہر سال اسی رات کو ہندو، کنھیا کی مورتی باہر نکالتے ہیں اور ایک پاک و صاف مقام پر جس کو دولت مند لوگ فرش و فروش سے آراستہ پیراستہ کرتے ہیں، اور مفلس لوگ جس کی دیواروں کو گائے کے گوبر سے لیپ کر پوتتے ہیں، ایک لکڑی کے تخت کے اوپر رکھتے ہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق قسم قسم کی مٹھائیاں، خربوزہ کے بیج شکر میں بھون کر بالخصوص کانسی یا پیتل کے برتن میں رکھ کر اس مجسمے کے سامنے رکھتے ہیں۔ پھر عورت اور مرد دونوں رات بھر کنھیا کی مدح میں کچھ کلام بڑی خوش الحانی اور جوش و خروش کے ساتھ گاتے ہیں۔ اور رقص بھی کرتے ہیں اور کنس کا مجسمہ بناتے ہیں اور ایک میدان میں ماموں اور بھانجے کے بیچ ایک عظیم الشان جنگ کا منظر اور کنس کے قتل ہونے کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ اور ہر سال کنہیا کے ہاتھوں کنس کی موت کی تمثیل پیش کی جاتی ہے۔ (دیکھیے

ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر

۲ مسلمان بھی جنم اشٹمی کا تہوار مناتے تھے۔ مرزا قتیل کا بیان ہے: "بعض مسلمان بھی اس مقررہ دن کنس کا مجسمہ بنا کر اس کے پیٹ کو چاک کرتے ہیں۔ اور شہد اس میں پہلے سے بھر دیتے ہیں اسے اس کا خون کہہ کر چکھتے ہیں"

فائدہ ان تہواروں کے علاوہ مسلمان کچھ ایسے دوسرے جشن بھی مناتے تھے۔ جن کی بنیاد ہندو مذہب اور ان کے عقائد پر تھی۔ مثلاً:

فاتحہ خواجہ خضر

۱ مسلمان "خواجہ خضر" کی سوانح اور ان کے قصہ کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں جب کہ ہندو "راجہ خضر" یا "اندرزوالال" کے نام سے ان کی پرستش کرتے ہیں۔ اور ان کے سلسلہ میں ہندوؤں کی بھی ایک دیومالا بن گئی ہے۔ ہندوستان میں خواجہ خضر یا راجہ خضر (اندرزوالال) کو پانی کا خدا یا دیوتا تصور کیا جاتا ہے۔

۲ مسلمانوں میں اس جشن کی ابتداء کب ہوئی اور کیوں کر ہوئی اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔

۳ یہ جشن اس طرح منایا جاتا تھا کہ:

1. ایام برسات میں کاغذ کی کشتیاں بنائی جاتی تھیں۔ ان کے تلے میں امرود اور کیلے کے پودے آویزاں کرتے تھے۔
2. بگل اور ڈھول بجا کر اور حاضرین کے غل و شور کے ساتھ ان کشتیوں کو گومتی ندی میں بہایا جاتا تھا۔
3. پہلے ان کشتیوں کو بڑی اچھی طرح دیا باتی سے روشن کیا جاتا تھا اور پھر بہاؤ کی طرف بہا دیا جاتا تھا۔
4. جب وہ تھوڑی دور نکل جاتی تھیں تو ناظرین اس منظر کی دلکشی سے محظوظ ہوتے تھے۔

۴ اس موقع پر ستوں میں مالیدہ تقسیم کیا جاتا تھا تاکہ وہ لوگ خواجہ خضر کی فاتحہ کریں۔

۵ بنگال، دہلی، لکھنؤ اور پنجاب میں یہ تہوار عام طور پر منایا جاتا تھا۔ اس بات سے

گمان ہوتا ہے کہ شمالی ہندوستان کے دوسرے مسلم آبادی والے علاقوں میں بھی اس جشن کی رسیں ادا ہوتی ہوں گی۔

حضرت الیاسؑ کی کشتی کا جشن

لکھنؤ کی مخلوق حضرت الیاس کی کشتی کا بھی جشن مناتی تھی۔ جو غالباً خواجہ خضر کی کشتی کی تقلید میں شروع ہوا تھا۔

دہلی کے سقہ خواجہ خضر کی فاتحہ کرتے تھے

خضر آباد (یہ گاؤں اسی نام سے آج بھی موسوم ہے) کے قریب دریائے جمنا کے کنارے ایک گنبد تھا (غالباً اب یہ گنبد منہدم ہو چکا ہے) جہاں یہ لوگ بھادوں کے مہینے میں جمع ہوتے تھے۔ گھاس پھوس کی کشتیاں بنا کر جمنا میں چھوڑا کرتے تھے اور دلیہ پکا کر فقیروں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ مختصراً شمالی ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ جشن مُروّج تھا۔

واقعہ صاحبزادہ افتخار الحسن زیدی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ: دریائے جہلم میں خطرناک قسم کی طغیانی تھی۔ طوفانی لہریں کناروں سے باہر شہر کے درو دیوار سے ٹکرا رہی تھیں۔ لوگ حضرت میراں بادشاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا حضرت کہیں بھیرہ شہر دریا کی موجوں میں نہ بہ جائے۔ دعا فرمائیں اس عذاب ناگہانی سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ فرمایا گھبراؤ نہیں۔ اللہ رحم فرمائے گا۔ حکم دیا ایک لڑکا لاؤ جو ماں باپ کا اکلوتا اور پیٹی کا ہو' لڑکا حاضر کیا گیا' لڑکے کو وضو کروایا' ایک رقعہ لکھ کر لڑکے کو دیا اور حکم دیا کہ اس دریا میں چھلانگ لگا دو' لڑکے نے چھلانگ لگا دی' اور اس طرح وہ طوفانی لہروں میں گم ہو گیا۔ لڑکے نے دیکھا کہ ایک بزرگ حکم فرما رہے ہیں کہ بھیرہ کو تباہ کر دو۔ لیکن جب اس لڑکے نے حضرت میراں بادشاہ کا رقعہ اس بزرگ کو دیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہمارے دوست کا اب خط آگیا ہے اب پورے علاقہ میں کوئی نقصان نہ ہو۔ دریا اسی وقت اتر گیا۔ وہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اس لڑکے سے پوچھا ہمارے پاس رہو گے یا واپس جاؤ گے؟ عرض کی حضور واپس کر دیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک غلام کو حکم فرمایا کہ اس لڑکے کو واپس چھوڑ آؤ۔ اس لڑکے کا نام حضرت نصیب دریائی ہے۔ اور اس کا مزار بھی

میرہ میں بھی ہے۔ (مقامات اولیاء صفحہ ۴۹۷)

محرم میں تعزیہ داری اور شب برات

ہندوستانی مسلمانوں میں تعزیہ داری اور شب برات دو ایسے تہوار مروج ہیں جن کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ خالصتاً ہندوستانی معاشرت کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔

۱ محرم میں تعزیہ داری سے متعلق رسُوم کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد عمر نے لکھا کہ:

❶ تعزیہ داری سنی اور شیعہ دونوں کرتے تھے' اور اب بھی کرتے ہیں۔ دونوں ماتم و نوحہ و گریہ وزاری کرتے ہیں۔

❷ حضرت امام حسین کے نام کا سقہ بنا کر تعزیوں کے نیچے کو نکالنے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

❸ محرم یکم سے دہم تک چوڑیاں پہننا' مہندی لگانا' عمدہ لباس زیب تن کرنا' تیل' عطر استعمال کرنا' پان کھانا' شادی بیاہ کرنا' ناجائز خیال کیا جاتا تھا۔ اور ہر طرح ان دنوں کا احترام کیا جاتا تھا۔

❹ ان دنوں سیاہ یا سبز لباس اور بعض محتاط لوگ نیلے کپڑے بھی پہنتے تھے۔

❺ بچوں کو سبز کپڑے اور سرخ ڈوریاں بھی پہناتے تھے۔ اور جوان بھی ایسا ہی عمل کرتے تھے۔

❻ اور گوشت سے بھی پرہیز کیا جاتا تھا۔

❼ شب عاشورہ کو چہل منبر کی زیارت کی جاتی تھی' اور ہر منبر پر حصول مطالب کے لیے منتوں کے ڈورے بھی باندھے جاتے تھے۔

❽ ایام محرم میں کھچڑا پکا کر لوگوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۹۴)

۲ ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے کہ شب برات کا جشن یا تہوار کا مسلمانوں میں کس زمانے سے اور کس طرح رواج ہوا' اس کی تفصیل کتابوں میں دستیاب نہیں ہوتی۔ حالانکہ بعد میں مسلمانوں نے اس کے جواز میں سیکڑوں دلائل پیش کیے ہیں۔ لیکن قرون وسطیٰ میں ایسی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری جس میں اس جشن کو اسلامی قرار دیا گیا ہو۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۹۳)

❶ شمس الدین سراج عفیف واحد ہندوستانی مورخ ہے جس نے اس تہوار کا

سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور اس نے فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس جشن کے منعقد ہونے، آتش بازی وغیرہ چھوڑے جانے، اور اس موقع کے دوسرے کھیل تماشوں کا مفصل ذکر کیا ہے۔ لیکن اس نے بھی اس تہوار سے متعلقہ رسموں اور سنسکاروں کا ذکر نظر انداز کر دیا ہے۔ (ہندوستانی تہذیب صفحہ ۲۹۲)

❷ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہمیں شاہ ولی اللہؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد بریلویؒ کی تصانیف میں ان کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ بقول ان کے ہندوؤں کے گنا گت اور شب برات کی رسموں میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔
(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۹۳)

❸ گنا گت میں جو ہندوؤں کے ہاں مُردوں کی فاتحہ کے لیے سالانہ حلوا پوری پکائی جاتی تھی، مسلمانوں نے بھی اس رسم کو شب برات کے حلوے پوری سے تبادلہ کر لیا۔ لیکن کچھ دوسری رسمیں بھی اس میں شامل کر لیں۔
(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صفحہ ۲۹۳)

فائدہ ڈاکٹر محمد عمر نے لکھا ہے کہ چہار شنبہ، ماہِ شعبان اور ماہِ رجب، کی رسمیں بھی ہندووانہ رسموں کی تقلید میں وجود میں آئیں۔

ہندو مُسلم ازدواج

۱ اکبر بادشاہ نے راجپوت گھرانوں میں شادی کر کے ہندوؤں اور مُسلمانوں میں ازدواج کی رسم جاری کی۔ (ہندوستانی تہذیب کا مُسلمانوں پر اثر صفحہ ۵۷)

۲ اٹھارویں صدی میں فرخ سیر بادشاہ نے راجا اجیت سنگھ کی لڑکی سے ہندوؤں کی رسموں کے مطابق شادی کی تھی۔ (ہندوستانی تہذیب کا مُسلمانوں پر اثر صفحہ ۵۷و۵۸)

فائدہ یاد رہے کہ تہذیبی اور معاشی لحاظ سے ہندو اور مُسلمان اس زمانے میں بھی یکساں تھا۔ ہندو مُسلم اختلاف کی تاریخ کا آغاز برطانوی سلطنت کے قیام سے ہوا۔
(ہندوستانی تہذیب کا مُسلمانوں پر اثر صفحہ ۶۰)

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد بے دینی کی نئی لہر

۱۸۵۷ء کے بعد یعنی انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں انگریز عیسائیوں اور دہری ونیچری نظریات نے بھی اسی اتحاد و یکجہتی کے جذبے کے تحت مسلمانوں کے ذہنوں میں گھر کرنا شروع کر دیا جیسا کہ قبل ازیں وہ ہندوؤں کے عقائد ورسوم کو اختیار کر چکے تھے۔

عیسائی شکل میں فخر

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا، جس میں لکھا تھا کہ: "میں باوجودے کہ شکل میں عیسائی ہوں مگر میں نماز بھی پڑھتا ہوں، قرآن بھی پڑھتا ہوں۔ اپنی شکل پر فخر بھی ہے"۔ (روح الافطار صفحہ ۱۷۶)

نماز اور اسلام کو لغو سمجھنا

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ایک مقام پر جلسہ ہوا، تو تعلیم یافتہ جمع تھے۔ نماز کا وقت آیا۔ نماز کا اہتمام کیا گیا۔ ایک مہمان بھی تھے ان سے کہا گیا کہ آپ بھی نماز پڑھ لیجیے۔ انھوں نے کہا: میں نماز کو لغو سمجھتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ اس کی تو اسلام نے تعلیم دی ہے۔ کہا میں اسلام کو بھی لغو سمجھتا ہوں۔ معاذ اللہ منہا۔ یہ مسلمان ہیں۔ اس کے بعد گفتگو ہوئی کہ اس خبیث کو چھوڑ دینا چاہیے۔ تو ایک صاحب نے کہا کہ: اس نے تصور خدا کا کیا ہے۔ خدا آپ انتقام لے گا۔ ہم اپنے تعلقات کیوں قطع کریں۔ (روح الافطار صفحہ ۱۷۹)

خدائی دعویٰ

غوث علی شاہ قلندر نے فرمایا کہ سفر حج کے دوران جب ہم لدھیانہ پہنچے تو سنا کہ یہاں نجم الدین شاہ بڑے کامل فقیر ہیں۔ ہم ان کے مکان پر گئے۔ بہت اخلاق سے پیش آئے۔ ہم نے پوچھا کہ: حضرت کا اسم شریف؟ بولے: خدا! ہم نے کہا: سبحان اللہ! ہم آپ کو آسمان پر تلاش کرتے تھے۔ آپ زمین پر ہی نکلے۔ پھر ہمارا نام پوچھا۔ ہم نے کہا: صاحب! آپ خدا کیسے ہیں کہ مخلوق کا نام بھی نہیں جانتے۔ ذرا تامل کیا، اور سوچ کر بولے کہ تم غوث علی ہو اور تمھارے والد کا نام احمد حسن اور دادا کا نام ظہور الحسن ہے۔ ہم نے کہا کہ بس معلوم ہو گیا آپ ربانی خدا ہیں۔ جب تک زائچہ نہیں کھینچتے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

راستے میں ایک شخص مرید ہونے کو آیا۔ بعد بیعت اس سے کہا کہ: پڑھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عَبْدُ الْقَادِرِ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ ہم نے کہا بس صاحب رسول تو مدینے والے ہی کو رہنے دو' وہاں آپ کی دال نہیں گلے گی۔ خدا ہی بنے رہیے۔ آپ سے پہلے بھی اور بہت سے خدا بن چکے ہیں۔ فرعون' نمرود' شداد وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کی توہین

نیز آپؒ نے فرمایا کہ بمقام سونی پت اخوند عبدالغفور صاحبؒ ہمارے پاس بیٹھے تھے کہ ناگاہ ایک دہریہ آیا ایک پتا درخت کے توڑ کر اخوند صاحبؒ کے روبرو پیش کیا اور کہا کہ بھلا کوئی ایسا ہے کہ اس کو پھر جوڑ دے۔ وہ بولے کہ خدائے تعالیٰ کو یہ قدرت ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو خدا کے باپ سے بھی نہیں لگ سکتا۔ اخوند صاحب اس کو گالیاں دینے لگے۔ میں نے کہا کہ صاحب آپ کیوں خفا ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ تو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے۔ نہ خدا کے باپ ہوگا نہ پتا لگائے گا۔ اس کو بکنے دیجیے۔ (تذکرۂ غوثیہ صفحہ ۳۱۰)

پیر کی تصویر

۱ خواجہ فضل علی شاہ صاحبؒ قریشی عباسی مسکین پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے ایک شخص کا حال معلوم ہے کہ اس نے اپنے پیر کی تصویر قرآن شریف میں رکھی ہوئی ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر پہلے تصویر کی تعظیم کرتا ہے' سر جھکاتا ہے' ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے' اس کے بعد قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے۔ پھر فرمایا: افسوس! یہ ہے مسلمانوں کی حالت۔

۲ اسی طرح آپؒ نے ایک مولوی صاحب کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ـــــ مولوی صاحبؒ جب پیر کی تصویر دیکھی تو کھڑا ہو گیا ـــــ اور پیر کی تصویر لے کر اسے بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھا ـــــ اور کہا کہ اس تصویر کی تعظیم تو قرآن شریف سے زیادہ ہے۔ (نعوذباللہ)

پیر کا رتبہ

۱ عورتوں میں مشہور ہے کہ پیر کا رتبہ خاوند اور باپ سے زیادہ ہے۔

۲ اسی طرح مردوں میں مشہور ہے کہ باپ کا رتبہ اتنا نہیں جتنا پیر کا رتبہ ہے۔

ملاحظہ: شریعت میں باپ کے حقوق جو کچھ آئے ہیں ان کو سب جانتے ہیں اور یہ حقوق اسی

کے ہیں جس کو عرفاً باپ کہا جاتا ہے۔

۳ نیز عورتوں نے یہ طریقہ اختیار کرلیا ہے کہ خاوند سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتیں، جب بھی چاہا پیر صاحب کے یہاں چلدیں۔

۴ اور بعضی تو یہ غضب کرتی ہیں پیر سے پردہ بھی نہیں کرتیں۔ اور خاوند کو چھوڑ کر پیر صاحب کے یہاں پڑی رہتی ہیں۔ وہیں رہنا اختیار کرلیا ہے۔ اور پیر صاحب اس پر فخر کرتے ہیں کہ اتنی عورتیں ہماری مسخر ہیں۔ــــــ(کسائۃ النساء)

پردے کا منکر پیر

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بمبئی میں ایک پیر ایسے تھے جو عورتوں کو زبردستی اپنے سامنے بلاتے اور کہتے تھے: دیکھو جی! تم ہم سے اس لیے مرید ہوئی ہو تاکہ قیامت میں تم کو بخشوائیں۔ سو جب ہم تمھیں دیکھیں گے نہیں تو ہم قیامت میں کیسے پہچانیں گے اور کیسے بخشوائیں گے؟۔ ایک شخص نے اس کے جواب میں کہا کہ قیامت میں تو ننگے اٹھیں گے اور تم نے یہاں اپنی مریدنی کو کپڑا پہنے دیکھا ہے تو وہاں ننگیوں کو کیسے پہچانو گے۔ لہٰذا ان کو بالکل ننگا کرکے دیکھنا چاہیے۔ (کسائۃ النساء صفحہ ۲۳۷۔۲۳۸)

انقطاع وحی کا انکار

پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔ یعنی سلسلۂ وحی کا انقطاع ہی وفات النبیؐ کی دلیل ہے۔ لیکن مرزا قادیانی نے نہایت چالاکی اور مکاری کے ساتھ صوفیوں کی شکل میں بعض شیاطین الانس اور جھوٹے مدعیان نبوت والوہیت کی ملحدانہ تحریروں سے فائدہ اٹھایا اور بروزی نبی ہونے کا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے انقطاع وحی کا انکار کرتے ہوئے کہا:

❶ مرزا قادیانی کہتا ہے کہ: "آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وحی منقطع نہیں: وحی اور نہ معجزات منقطع ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ بذریعہ کاملین اُمت جو شرف اتباع سے مشرف ہیں ظہور میں آتے ہیں"۔ (محامد خاتم النبیین صفحہ ۲۴۲ بحوالہ "چشمۂ مسیحی" صفحہ ۱۸ و "ہماری تعلیم" صفحہ ۲۲)

❷ مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: اس امت کے لیے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ

النبیۃ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ (محامد خاتم النّبیّین صفحہ ۲۳۷)

- مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قیامت تک یہی چاہا کہ مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کے دروازے کھلے رہیں۔ (محامد خاتم النّبیّین صفحہ ۲۳۸)
- نیز مرزا قادیانی نے لکھا کہ: اور وہ وحی الٰہی کا دروازہ جو دوسری قوموں پر بند ہے، ہمارے پر محض اسی نبی کی برکت سے کھولا گیا۔ (محامد خاتم النّبیّین صفحہ ۲۴۳)

مرزا قادیانی نے کشف و الہام کے متعلق "ہندو مسلم اتحاد" کے علمبردار متصوفین کے غیر اسلامی نظریہ کے سہارے انقطاع وحی کا انکار کر کے اپنے تئیں بروزی نبی ہونے کا دعویٰ کیا، حالانکہ امام الانبیاء و خاتم النّبیّین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انقطاع وحی کا عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

حدیث لَقَدْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُوْنُوْا أَنْبِيَاءَ فَإِنْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِيْ مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعُمَرُ. کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے تھے کہ ان سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) باتیں کی جاتی تھیں، بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔ پس میری امت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کوئی مکالمہ و مخاطبہ کا اہل ہوتا تو صرف عمر ہوتا رضی اللہ عنہ۔ (دیکھیے بخاری جلد ___ ص ___)

اگر اللہ تعالیٰ کسی مومن کے دل میں کسی نیک بات کا الہام کر دے یعنی کوئی ایسی نیک بات اس کے دل میں ڈال دے جو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو، اور وہ ملہم خلوصِ نیت سے اس پر عمل بھی کرلے، اس کے باوجود الہام پر وحی کی طرح پختہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ممکن ہے یہ بات من جانب اللہ ہونے کی بجائے شیطانی وسوسہ ہو۔ کیونکہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: "الہام کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ کلیات شرعیہ کے خلاف نہ ہو، ورنہ وہ الہام رحمانی و القائے ربانی نہیں بلکہ حدیث النفس و وسوسۂ شیطانی ہے۔" (روح الافطار صفحہ ۱۸۷)

ہندوستانی مسلمانوں کی اس زبوں حالی کو دیکھ کر شاہ ولی اللہ مفسر و محدث دہلوی

رضی اللہ تعالیٰ نے ان ہندوستانی مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو، یہ تمھارے بدترین افعال ہیں۔

فائدہ ہندوستان کے کلمہ گو رسمی مسلمانوں نے شری کرشن اور بیاس وغیرہ کے متعلق اپنے آبائی عقیدہ کہ: "وہ زندۂ جاوید ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے" (جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے) کے مقابلے میں باطنی فرقہ سے تعلق رکھنے والے صوفیوں، روافض اور ہندو سادھوؤں کے متفق علیہ مسئلہ حیاتِ کاملین یا حیاتُ الانبیاء کے عقیدہ کو اولیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبروں پر تعظیمی امور کی انجام دہی کے لیے بنیاد کی حیثیت سے استعمال کیا، اور اپنی جھوٹی نبوت کے اثبات کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کی اسی بدعقیدگی سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا کہ: "انبیاءِ کرام اور اولیاءِ کرام مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں"۔ مسلمان بننے کے بعد صدیوں تک قبر پرستی بلکہ بت پرستی میں مبتلا رہنے والے عوام سے یہی توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ تصوف کے رنگ میں چھپے ہوئے اس شرکیہ عقیدہ کو کلمۂ توحید پر ایمان لانے سے بھی زیادہ ضروری سمجھنے لگیں گے۔ بلکہ عوام تو رہے درکنار، ہندو دیوی دیوتاؤں کے بدلے اولیاءِ کرام کے ساتھ نومسلم ہندوستانیوں کی حسنِ عقیدت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر شکم پرست مولوی حتیٰ کہ فرقہ بریلویہ کے امام احمد رضا خان نے بھی حیاتُ الانبیاء کے متعلق مرزا قادیانی کے عقیدۂ بد سے موافقت کی، اور اولیاءِ کرام کی طرف جھوٹے قصے منسوب کر کے ہندوستانی مسلمانوں کو قبر پرستی کی تعلیم دی اور شرک جیسے ظلمِ عظیم میں مبتلا کر دیا۔ اور اس کے لیے ڈھال کے طور پر حیاتُ الانبیاء کا عقیدہ بالکل اسی انداز میں بیان کیا جس طرح ہندوستان کی تاریخ میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے بیان کیا تھا۔ چنانچہ:

حیاۃ الانبیاء کے بارے میں بریلویوں کے نظریات

حیاۃ الانبیاء سے متعلق بریلویہ کے چار عقائد قبل ازیں بیان کیے جا چکے ہیں۔ اسی سلسلے میں ان کے مزید عقائد بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جو ہندوؤں اور عیسائیوں کی پیروی میں مرزا قادیانی نے اور قادیانیوں کی پیروی میں بریلویوں نے اور ان کی تقلید میں جاہل اور کمزور ذہن "مسلمانوں" نے اختیار کیے۔

● "انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات حقیقی حسی دُنیاوی ہے، ان پر تصدیق وعدۂ الہیہ کے لیے محض ایک آن موت طاری ہوتی ہے۔ پھر فوراً ان کو ویسی ہی حیات عطا فرما دی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام دنیویہ ہیں، ان کا ترکہ بانٹا نہ جائے گا۔ ان کی ازواج پر عدت نہیں، وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے نماز پڑھتے ہیں"۔ ("ملفوظات" حصہ ۳ صفحہ ۳۲)

● "انبیاء علیہم السلام کی موت یعنی ان کے اجسام طیبہ سے ارواح طاہرہ کا جدا ہونا صرف ایک آن کے لیے ہوتا ہے پھر ویسے ہی زندہ ہو جاتے ہیں جیسے حال ظاہری میں تھے جسم روح سے ملا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ا صفحہ ۶۱۱)

● "انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسا کہ دُنیا میں تھے۔ کھاتے پیتے ہیں جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔ تصدیق وعدۂ الٰہی کے لیے ایک آن کو ان پر موت طاری ہوئی پھر زندہ ہو گئے"۔ (زبدۃ الفقہ حصہ ا صفحہ ۱۵)

یاد رہے کہ محولہ بالا عبارات سے صحابۂ کرامؓ پر اعتراض لازم آتا ہے کہ انھوں نے ایسے زندہ اور افضل الرسلؐ نبی کو نہلا کفنا کر جنازہ پڑھا اور قبر کھود کر لحد میں اتار دیا جن سے ساری زندگی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ حالانکہ انبیاءؑ تو رہے بجائے خود کسی عام انسان بلکہ کسی بھی جاندار کو زندہ درگور کرنا جائز نہیں۔ اور کسی کو زندہ درگور کرنا قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ اور پھر نبی اور افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل تو کئی گناہوں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ کفر بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف نے سنی ہونے کا دعویٰ کر کے اپنی تصانیف میں جاہل عوام کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہلسنت میں اپنے

آبائی مذہب کے عقائد غیر محسوس انداز میں ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔

[illegible] جس طرح ایک آن کے لیے موت کا وارد ہونا قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اسی طرح خاکی جسدِ اطہر میں قیامت سے پہلے روح کے دوبارہ داخل ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں۔

فائدہ بریلویہ کے محولہ بالا عقیدہ کے مطابق جب انبیاء علیہم السّلام کے اجسامِ طیبہ سے ارواحِ طاہرہ جدا ہو گئے' ایک آن کے لیے ہی سہی' تو اس کے بعد جب زندہ ہوگئے تو وہ حیاتِ ثانیہ ہوئی۔ اور حیاتِ ثانیہ مانعِ میراث نہیں ہو سکتی۔ جیسے شہداء کی حیاتِ ثانیہ مانعِ میراث نہیں ہے۔ اور نہ ہی تحریمِ نکاحِ ازواج۔ پھر شیعہ کا اعتراض تو برحال رہا کہ حق دار ہونے کے باوجود (نعوذ باللہ) خلفاءِ راشدینؓ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو وراثت سے محروم رکھا۔

قائلینِ حیاتِ دُنیوی جسمانی کا اصل مقصد

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیویہ و عنصریہ کے قائل جس قدر بھی باطل اور گمراہ فرقے ہوئے ہیں وہ اپنے عقیدہ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص نہیں سمجھتے' بلکہ درحقیقت حیاتُ النبیؐ کے عقیدہ کی آڑ میں نہ صرف اولیاءِ کرامؒ کے متعلق زندۂ جاوید ہونے کا عقیدہ بیان کرکے لوگوں کو قبر پرستی کی ترغیب دیتے ہیں' بلکہ بعض فاسق فاجر بے دین اور ننگے فقیروں کے متعلق بھی اسی قسم کے عقائد کی تشہیر کرکے نہ صرف ان کی قبروں کو پوجنے کی دعوت دیتے ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر قریب قریب مشرکینِ مکہ کی طرح ان کی تصاویر سے بھی وہی کام لینے کی ترغیب دی جاتی ہے جس سے تمام انبیاءِ کرامؑ اور اولیاء اللہ نے بنی نوعِ انسان کو منع کیا۔ اور جن لوگوں نے اولیاءِ کرامؒ کی تصاویر کو' یا ان سے منسوب کسی نشان کو' یا ان کی قبور کو شرکیہ افعال کا مرکز بنایا ہوا ہے' وہ انبیاءؑ سے زیادہ اولیاءِ کرامؒ ہی کے بارے میں اس عقیدۂ بد پر زیادہ شدت سے زور دیتے ہیں۔ اور مشاہدہ سے ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق تقریباً ہر مشہور ولی کے مزار پر کی جا سکتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حیاتُ النبیؐ کے خودساختہ عقیدہ کی آڑ میں سادہ لوح عوام کو قبر پرستی جیسے شرکِ اکبر کی سرِعام دعوت دی جا رہی ہے۔ بلکہ:

اس سے ایک قدم مزید آگے رکھتے ہوئے یہ وہابیت لوگ علم فاسق و فاجر لوگوں کی اموات کے متعلق بھی اسی قسم کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر مردہ اپنی قبر پر آنے والے کو دیکھتا پہچانتا اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اس وہابیت قول سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بد عقیدہ لوگ حیات الانبیاءؑ کے مسئلہ کو تو محض اپنے شرکیہ عقائد اور بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے بطور آڑ کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ:

حیاتِ اولیاء کے متعلق بریلویوں کا عقیدہ

۱ بریلویہ کے امام احمد رضا خان نے اپنے "ملفوظات" میں لکھا ہے کہ:

حضور تو حضور ہیں صلی اللہ علیہ وسلم، حضورؐ کی امت کے اولیائے کرام کی بھی یہی شان ہے۔

اور ان تمہیدی کلمات کے بعد امام احمد رضا خانؒ نے لکھا ہے کہ:

حضرت سیدی احمد بدوی کبیر جن کی مجلس میلاد مصر میں ہوتی ہے۔ مزار مبارک پر آپ کی ولادت کے دن ہر سال مجمع ہوتا ہے اور آپ کا میلاد پڑھا جاتا ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانیؒ التزاماً کے ساتھ ہر سال حاضر ہوتے۔ ـــــــ مجلس تین دن ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آپ کو تاخیر ہو گئی۔ یہ ہمیشہ ایک دن پہلے ہی حاضر ہو جاتے تھے۔ اس دفعہ آخری دن پہنچے۔ جو اولیاء کرام مزار مبارک پر مراقب تھے۔ انھوں نے فرمایا آپ کہاں تھے دو روز سے؟۔ حضرت مزار مبارک کا پردہ اٹھا اٹھا کر فرماتے ہیں۔ عبدالوہاب آیا؟ عبدالوہاب آیا؟۔ انھوں نے فرمایا۔ کیا حضرت کو میرے آنے کی اطلاع ہوتی ہے؟۔ انھوں نے فرمایا اطلاع کیسی؟ حضور (بدوی) فرماتے ہیں: کتنی ہی منزل پر کوئی شخص میرے مزار پر آنے کا ارادہ کرے، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اس کی ہر طرح حفاظت کرتا ہوں۔ اگر اس کا ایک ٹکڑا رسی کا بھی جاتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا۔ (ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۳۰، ۳۱)

۲ حضرت شعرانیؒ ایک مرتبہ اسی عرس پر حاضری کے لیے چلے آتے تھے کہ ایک تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑ گئی۔ فوراً نگاہ پھیر لی کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

حدیث اَلنَّظْرَۃُ الْاُوْلٰی لَکَ وَالثَّانِیَۃُ عَلَیْکَ۔ پہلی نظر تیرے لیے ہے اور دوسری تجھ پر۔

یعنی پہلی نظر کا کچھ گناہ نہیں اور دوسری کا مواخذہ ہوگا۔ خیر نگاہ تو آپ نے پھیر لی، مگر وہ لونڈی آپ کو پسند آگئی اور دل نشین ہوگئی، جب مزار شریف پر حاضر ہوئے (صاحب قبر نے) ارشاد فرمایا: اے عبدالوہاب! وہ کنیز تمھیں پسند ہے؟ (علامہ شعرانی نے جواباً) عرض کی ہاں جناب بہت پسند ہے اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانا نہ چاہیے — (صاحب قبر نے) ارشاد فرمایا: اچھا ہم نے تم کو وہ کنیز ہبہ کردی۔ اب آپ (شعرانی) سکوت میں ہیں (خاموش و متفکر ہیں) کنیز تو اس تاجر کی ہے اور حضور (صاحب قبر) ہبہ فرماتے ہیں (مجھ کو بخش رہے ہیں) معاً وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کردی۔ خادم کو صاحب قبر کی طرف سے اشارہ ہوا۔ انھوں (خادم) نے آپ (شعرانی) کی نذر کردی۔ (خادم نے وہ لونڈی شعرانی کے سپرد کردی) (صاحب قبر نے) ارشاد فرمایا: اے عبدالوہاب! اب دیر کا ہے کی ہے، فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔

(ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۳۱ و ۳۲)

۳ ضلع لیہ میں ایک بزرگ غلام حسن پیر سواگ ہو گزرے ہیں۔ جو سلاسل تصوف میں حضرت مولانا محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نہ صرف مرید بلکہ خلیفہ بھی تھے۔ یعنی امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی الواںؒ کے پیر بھائی تھے، لیکن اصلاح عقائد کے معاملہ میں زندگی بھر حضرت الواںؒ کی مخالفت میں کمر توڑ محنت اور دوڑ دھوپ کرتے رہے۔ پیر سواگ کی سوانح حیات "فیوضات حسنیہ" کے مرتب اور پیر سواگ کے خلیفہ فقیر سلطان علی کے صاحبزادہ ابوالانوار عبدالرحمن الحسنی ساکن شاہ والا (نزد قائد آباد ضلع خوشاب) نے لکھا ہے کہ:

قول: "ایک روز حضور حضرت صاحب (پیر سواگ) نے مولانا سید محمد بخش شاہ، ساکن "سوکڑ" کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: بستی "گرہ سواگ" کے قریب ایک "وڑو ہراں" کی بستی ہے، وہاں ایک درویش قاضی شیخ محمد عثمان صاحب رہتے تھے۔ ان کا ایک خلیفہ اور خادم میاں حبیب اللہ سواگ تھا، جو ہمیشہ قاضی صاحب موصوف کے ہم رکاب رہتا، قاضی صاحب موصوف کی سید محمد زاہد شاہ صاحب ساکن بستی خیر شاہ کے ساتھ گہری دوستی تھی۔ اتفاقاً ایک روز شاہ صاحب مذکور بیمار ہوئے تو قاضی صاحب ان کی

عیادت کے لیے تشریف لے گئے، وہاں قاضی صاحب کو مراقبہ میں معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کی اجل قریب ہے۔ قاضی صاحب نے یہ بات اہلِ مجلس کے سامنے بیان کردی۔ اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی شاہ صاحب کو دے دے تو حضرت شاہ صاحب کی ذات گرامی سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچے گا۔ سب لوگ خاموش رہے، تو قاضی صاحب نے فرمایا: "میں نے اپنی زندگی شاہ صاحب کو دے دی ہے"۔ جب قاضی صاحب واپس تشریف لائے تو گرہ سواگ کے نزدیک چاہ گھلوں والا پر پہنچے، ملک مبارک سواگ اور ان کی والدہ مائی حوا جو کہ ان کے مرید تھے، انھیں فرمایا کہ: "میں نے اپنی زندگی شاہ صاحب کو دے دی ہے۔ اور میں نصف رات کے قریب فوت ہو جاؤں گا۔ میرا غسل اور کفن تمھارے ذمے ہوگا۔ غسل اور کفن کے بعد میرا جنازہ چاہ مذکور کی حد پر رکھ دیں۔ میرا جنازہ پڑھانے کے لیے میرے پیر شیخ طریقت حضرت قبلہ "نیلی" سے تشریف لائیں گے۔ اور جھنڈی دیتے آئیں گے"۔ حسبِ وصیت قاضی صاحب کا جنازہ اُسی جگہ رکھ دیا گیا۔ چنانچہ حضرت قبلہ "نیلی والے" اُسی بستی کے نزدیک ظاہر ہوئے۔ سفید ریش سبز رنگ کی گھوڑی پر سوار اور جھنڈی دیتے ہوئے آئے۔ جب قاضی صاحب کے جنازے کے قریب آئے تو گھوڑی سے اتر کر اسے چھوڑ دیا۔ نمازِ جنازہ پڑھائی، نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر گھوڑی پر سوار ہوئے اور جس جگہ سے ظاہر ہوئے تھے وہیں پہنچ کر غائب ہو گئے۔ (فیوضاتِ حسنیہ صفحہ ۱۷۲ و ۱۷۳)

۴ ایک مرتبہ پیر سواگ نے مذکورِ بالا قاضی صاحب کے خلیفہ میاں حبیب اللہ کے بارے میں فرمایا کہ: "میاں حبیب اللہ زندۂ جاوید ہے"۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ: "اگر کوئی صاحب بصیرت اس کی قبر پر جائے تو وہ اسی جگہ پر جواب دیتا ہے"۔ (فیوضاتِ حسنیہ صفحہ ۱۷۰)

فائدہ اس کے بعد پیر سواگ نے اپنے عقیدۂ بد کی تبلیغ کرتے ہوئے کہا کہ: میاں حبیب اللہ صاحب کی قبر "کروڑ" میں قاضی صاحبان کی حویلی میں پیر کے قدموں کی طرف ہے۔ اس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہوئی ہے۔ آپ مزار بنانے کو پسند نہیں کرتے، اور دہلنے دیتے تھے۔

پیر سواگ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فقیر عبدالرحمٰن حسنی نے تشریح کرتے ہوئے

لکھا کہ: حضور (پیر سواگ) کا یہ ارشاد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مردانِ راہِ خدا کی خدمت میں رہنے والے اگر عقیدت و ارادت سے رہتے ہوں تو وہ زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں۔ (فیوضاتِ حسنیہ صفحہ ۱۷۵)

۵ خود پیر سواگ نے ایک آپ بیتی اس طرح بیان کی کہ: میں موسیٰ زئی شریف جا رہا تھا راستہ میں جب دریائے سندھ آیا تو بذریعہ "سنداری" عبور کرنا شروع کیا۔ جب دریا کے درمیان میں پہنچا تو "سنداری" پھٹ گئی۔ اب ہر طرف سے حیرانی نے گھیر لیا۔ گھر والے سمجھیں گے کہ پیر صاحب کی خدمت میں موسیٰ زئی شریف گئے، اور حضرت غریب نواز خیال فرمائیں گے کہ مرید گھر ہے۔ اچانک قطبِ دوران حضرت خواجہ محمد عثمان علیہ الرحمۃ والغفران کی شکل مبارک ظاہر ہوئی، اور آپ نے دائیں ہاتھ سے پکڑ کر کنارہ پر پہنچا دیا۔ (فیوضاتِ حسنیہ صفحہ ۱۹۲)

فائدہ پیر سواگ کے مریدین کا عقیدہ ہے کہ جس طرح استمداد کے لیے تصورِ شیخ کی بدولت پیر سواگ دریا میں غرق ہونے سے بچے ایسا ہی خود پیر سواگ بھی ہمیشہ اپنے مریدین کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ پیر سواگ کے مرید حافظ سید عبداللہ شاہ صاحب موضع "کلاں والا" کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ:

۶ ایک مرتبہ ساون کے مہینہ میں بہت سی خشک کھجوریں لے کر خانقاہ شریف کو حضرت پیر سواگ رحمہ اللہ کی خدمت میں آ رہا تھا۔ راستہ میں دریائے سندھ تھا۔ دریا کو سنداری کے ذریعے تیر کر عبور کر رہا تھا۔ جب درمیان میں پہنچا تو اچانک سنداری پھٹ گئی۔ دریا میں طغیانی تھی اور میں تیرنے سے بھی تھک چکا تھا۔ ڈوب جانے کے قریب تھا۔ تو حضرت پیرِ طریقت کی طرف متوجہ ہوا۔ حضور (پیر سواگ) کی طرف توجہ کرتے ہی میرے پاؤں نے محسوس کیا کہ زمین قریب ہے۔ چنانچہ میں کھڑا ہو گیا، تو پانی زانوں تک تھا اور میں نے چل کر کنارہ تک دریا کو عبور کیا۔ (فیوضاتِ حسنیہ صفحہ ۲۱۹)

۷ اسی طرح پیر سواگ کے ایک اور پڑھے لکھے مرید سید محسن شاہ ساکن رانڑہ شم کا بیان فیوضاتِ حسنیہ میں اس طرح منقول ہے کہ: میں ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا

تھا اور حضرت پیر سواگ کا وہ مکتوبِ گرامی جو حال ہی میں میرے نام آیا تھا، وہ پڑھ رہا تھا، جب یہ الفاظ میں نے پڑھے کہ: "فقیر کو ہر وقت اپنے ہمراہ تصور کریں"۔ تو یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ: اولیاء اللہ ہر وقت اپنے ہر مرید کے ساتھ کس طرح ہوسکتے ہیں؟۔ خیال آتے ہی گھوڑے نے سخت قسم کی ٹھوکر کھائی اور معاً میں گھوڑے سے گر پڑا۔

گھوڑا میرے اوپر تھا،	اس کا ایک قدم میرے گھٹنے پر،
دوسرا قدم پیٹ پر،	تیسرا قدم میرے منہ پر، اور
چوتھا قدم پیشانی پر تھا۔	وہاں سے بچ کر نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

اچانک حضرت پیر سواگ ظاہر ہوئے اور گھوڑے کو ایک فٹ زمین سے اُوپر اٹھا لیا، اور میں خیر و عافیت اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بغیر تکلیف کے نکل آیا۔ اس وقت میرے دل کا وسوسہ اور خطرہ جاتا رہا۔ (فیوضاتِ حسنیہ صفحہ ۲۱۲، ۲۱۸، ۲۱۹)

۸ فقیر عبدالرحمٰن حسنی نے پیر سواگ کی سوانحِ حیات میں "وفات کے بعد مشکل کشائی" کے عنوان سے لکھا ہے کہ: خان محمد اعظم خان لغاری، ساکن چوٹی زیریں نے بیان کیا کہ

[illegible] سنہ ۱۹۳۴ء کا واقعہ ہے کہ میں چند آدمیوں کے ہمراہ کار پر سوار تھا، اور موٹر کار خود چلا رہا تھا، اتفاقاً کار پٹڑی سے پھسل کر نالے کے عین درمیان میں جا گری، اور پانی میں ڈوب گئی، کار کے دروازے مضبوطی سے بند تھے، نہ وہ پانی میں کھل سکتے تھے، اور نہ ہم باہر نکل سکتے تھے۔ موت بالکل آنکھوں کے سامنے تھی۔ اسی مایوسی کے عالم میں میں نے حضرت پیر سواگ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی۔ آپ کا تصور کرتے ہی میں نے دیکھا کہ آپ کی شکل مبارک شیشے سے باہر پانی میں نظر آرہی ہے۔ آپ کی زیارت کرتے ہی ہمیں صرف اتنا پتہ چلا کہ موٹر کار سے نکل کر پٹڑی پر کھڑے ہیں۔ (فیوضاتِ حسنیہ صفحہ ۲۴۷)

۹ فقیر عبدالرحمٰن حسنی نے پیر سواگ کی وفات کے بعد ان کے ایک مرید یعقوب خان ٹوانہ کی حاضری کے موقع پر اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے ایک خیال کا ذکر کیا، اور لکھا کہ: "یہ خیال آتے ہی اس (یعقوب خان ٹوانہ) نے ظاہری آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت پیر سواگ مزارِ اقدس سے کمر تک باہر نکل کر کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں:

"کیا تُو سمجھتا ہے کہ اولیاء اللہ مرجاتے ہیں"؟۔ (دیکھیے: فیوضاتِ حسنیہ صفحہ ۲۴۶)

۱۰ اسی طرح عالم فقری نے لاہور کے مشہور بزرگ لال حسین کی وفات کے بعد تدفین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھیں اس جگہ دفن کرنے لگے جہاں انھوں نے وصیت کی تھی، جب جنازہ پہنچا تو وہاں ایک جوگی دفن کرنے سے مانع ہوا اور بولا کہ مکان ہنود ہے، یہاں مُسلمان کی قبر ہونی محال ہے۔ اُس وقت حضرت کی لاش سے آواز آئی: "اے جوگی! فلاں جگہ کو جہاں اب حضرت کی قبر ہے کھود، اگر وہاں سے تیمم اور مُصلیٰ اور قرآن شریف اور دستار شرح نکلے تو مکان ہمارا، ورنہ تیرا"۔ غرض جب اس جگہ کو کھودا تو وہ اسباب بجنسہٖ وہاں سے نکلا۔ (گلزارِ صوفیاء صفحہ ۱۵۲)

۱۱ پیر پیران حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پوتے کا نام سید جمال اللہ تھا، جو حیاتُ المیر قادری کے لقب سے مُلقب ہوئے، آپ کی ولادت ۵۲۲ھ مطابق ۱۱۲۸ء میں ہوئی تھی۔ آپ لاہور تشریف لائے، اور قبرستان میانی صاحب میں قیام فرمایا۔ ان کے بارے میں محمد دین کلیم قادری نے مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب خزینۃ الاصفیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "حضرت غوث پاک نے ان کے حق میں پروردگارِ عالم سے "حیاتِ جاوداں" کے لیے دعا فرمائی تھی۔ جو اللہ کریم نے منظور فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت سید جمال اللہ المعروف حیاتُ المیر اَب تک حیات ہیں۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ صفحہ ۱۲۲)

۱۲ اسی طرح شاہ بری لطیف کے حالات میں لکھا ہے کہ: آپ نے نعمتِ باطنی حضرت حیاتُ المیر زندہ پیر سے پائی، جو حضرت غوث الاعظم کے پوتوں سے "زندۂ جاوید" ہیں۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ صفحہ ۱۳۰)

۱۳ حضرت علی رودباریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فقیر کو جنگل میں مرا ہوا پایا۔ میں نے غسل دے کر کفن پہنا کر اور جنازہ پڑھ کر جب اسے لحد میں رکھا اور اس کے چہرہ پر مٹی ڈالنے لگا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، اور کہا: مجھے عزت دے کر اب ذلیل کرنے لگا ہے؟۔ تو میں نے کہا: کیا تُو زندہ ہے؟۔ کیا موت کے بعد حیات ہے؟۔ اس نے کہا کہ: ہاں میں زندہ ہوں۔ اس لیے کہ میں اللہ کا محبّ ہوں۔ اور اللہ سے محبت کرنے والا ہر انسان

زندہ رہتا ہے۔ اے زرد ہاری! دنیا میں تو نے میری مدد کی ہے۔ کل قیامت کے دن میں تیری مدد کروں گا۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۲)

۱۴ ۔ شیخ ابو سعید خراز کہتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان اور خوبصورت آدمی کو مرے ہوئے دیکھا' میں نے اس کی طرف دیکھا' وہ مسکرایا اور کہا: اے ابو سعید! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ سے محبت کرنے والے نہیں مرتے۔ وہ زندہ رہتے ہیں اگرچہ ان کا انتقال ہو گیا ہو۔ وہ صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف انتقال کر جاتے ہیں۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۲)

۱۵ ۔ حضرت ابو یعقوب سنوسیؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس میرا ایک مرید آیا' اور میں مکہ میں تھا' اس نے کہا: یا مرشدا! میں نے کل ظہر کے وقت مرجانا ہے' یہ دینار لے لو' آدھے کا کفن لے لینا' اور آدھے کی قبر بنوا دینا۔ اگلا دن ہوا تو وہ آیا اور اس نے طواف کیا۔ اور پھر دور چلا گیا۔ اور وہ مر گیا۔ پس میں نے اسے غسل دیا' کفن پہنایا اور لحد میں رکھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے پوچھا: کیا تو زندہ ہے۔ اس نے جواب دیا: میں زندہ ہوں' اور اللہ سے محبت رکھنے والے زندہ رہتے ہیں۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۳)

۱۶ ۔ امام یافعی حضرت محمد بن ابی بکر الحکمی کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ایک شخص ان کی خدمت میں رہنے کے لیے آیا مگر ان کی وفات ہو چکی تھی' وہ شخص آپؒ کی قبر پر گیا۔ آپ قبر سے باہر نکلے اور اسے بیعت کر لیا۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۳)

۱۷ ۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک معتقد تھا۔ اس نے سلسلہ قادریہ میں داخل ہونے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ وہ بغداد پہنچا مگر غوث پاک کا انتقال ہو چکا تھا۔ پھر وہ حضرت غوث الاعظم کی قبر شریف پر گیا۔ پھر حضرت غوث الاعظم اپنی قبر سے ظاہر ہوئے اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر توجہ دی' اور اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۴)

۱۸ ۔ حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلویؒ حضرت شاہ گردیزی کے متعلق لکھتے ہیں: منقول ہے کہ حضرت شاہ گردیزی وفات کے بعد بھی لوگوں کو قبر سے باہر ہاتھ نکال کر بیعت کیا کرتے تھے۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۴)

۱۹ ۔ عبدالوہاب بن احمد شافعی المعروف امام شعرانی اپنی بیعت کا واقعہ لکھتے ہیں کہ

میرے شیخ عارف باللہ نے حضرت محمد شاذی نے میری بیعت اپنے شیخ سعید احمد بدوی سے
گنبد کے اندر ان کے چہرہ کے مقابل لی۔ اور مجھے اپنے ہاتھ سے ان کے سپرد کیا۔ پھر
حضرت نے اپنا دستِ مبارک قبر سے نکال کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ حضرت محمد شاذی نے عرض
کی کہ حضور آپ کی نگاہ عبدالوہاب شعرانی پر رہے اور اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں
میں نے خود سنا حضرت نے قبر سے نکل کر فرمایا: اچھا۔ یعنی ایسا ہی کیا جائے گا
(مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۴و۲۲۵)

۲۰ حضرت شیخ علی ہیتی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ بقا ابن بطو
کے ساتھ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی قبر شریف کی زیارت کی۔ پس میں اس نظارہ کا گواہ ہوں کہ
حضرت امام (احمد بن) حنبلؒ اپنی قبر سے باہر نکلے۔ شیخ عبدالقادر کو سینے سے لگایا' اور خلعت پہنائی
اور فرمایا: یا عبدالقادر! میں علم طریقت وحال میں تیرا محتاج ہوں۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۵)

۲۱ حضرت امام یافعی فرماتے ہیں ثقہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ حضرت شیخ محمد بن
ابی بکر حکمی اور حضرت شیخ ابوالغیث بن جمیل کے انتقال کے بعد کچھ فقراء ان کی قبر پر آئے تو شیخ
محمد بن ابی بکر حکمی اپنی قبر سے باہر نکلے اور ہر ایک سے ملاقات کی۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۷)

۲۲ صاحبزادہ افتخار الحسن نے حضرت گل پیر صاحب کے اپنے پیر کی قبر کے قریب
کسی گزرگاہ پر مراقبے کا ذکر کیا ہے کہ: ایک دن ایک ہندو عورت نے عرض کی: اے فقیر!
مدت سے یہاں کیوں بیٹھا ہے؟۔۔۔ یہ جگہ اور یہ راستہ تو جانوروں اور حیوانوں کے
گزرنے کا ہے۔۔۔ تو فرمایا: اپنے پیر مرشد حضرت میراں بادشاہ کے حکم کی تعمیل
کے لیے بیٹھا ہوں۔۔۔ ہندو عورت نے حیران ہو کر کہا کہ: میراں بادشاہ تو سخی مرد ہے'
ان کے مزار پر اگر کوئی شام کو حاجت لے کر آئے تو صبح کو پوری ہو جاتی ہے' اور صبح کو
آنے والے کی شام کو۔۔۔ لیکن تُو تو ۱۲ دن سے یہاں بیٹھا ہے مگر تیرا مقصد پورا نہیں
ہوا۔۔۔ ہندو عورت کی یہ بات سن کر آپ نے ہاتھ پھیلا کر عرض کی: یا مرشد! اب تو ہندو
عورت بھی طعنہ دینے لگی ہے۔۔۔ فوراً جواب آیا کہ: مزار پر حاضری دو!۔۔۔ آپ حاضر
ہوئے تو حکم ہوا کہ: ڈھوڈا شریف جا کر قیام کرو۔۔۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۹)

۱۲ قادر پور سیداں کی بستی کا واقعہ ہے کہ شاہ قادر بخش کے حق میں (سید احمد المعروف میراں بادشاہ نے) دعا فرمائی کہ قادر بخش قیامت تک زندہ رہے گا۔ اور اللہ کے پکڑے ہوئے لوگوں کو بھی چھڑا لیا کرے گا۔ ــــ اور ان کے مرنے کے بعد بھی ان کا مزارِ پاک روحانی شفا خانہ ہوگا۔ (مقاماتِ اولیا صفحہ ۲۱۷)

تبصرہ صاحبزادہ افتخار الحسن نے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں، بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کر جاتے ہیں۔ ــــ اولیاء اللہ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور زیارت کرنے والوں کو ویسے ہی فیض پہنچاتے ہیں جیسے کہ ظاہری زندگی میں فیوض و برکات کی بارش کیا کرتے تھے۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۲۷)

۱۳ اسی طرح ان بدمذہب لوگوں کا عقیدہ ہے کہ: "کاملین کی ارواح کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس جسمانی دُنیا میں ظاہر ہو کر تصرف بھی کرتی ہیں، اور اپنے دوستوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو سزا دیتی ہیں۔ (زبدۃ الفقہ جلد ا صفحہ ۲۳)

تبصرہ یاد رہے کہ زبدۃ الفقہ کے مصنف نے شیعہ مسلک چھوڑ کر سُنی ہونے کا دعویٰ کر لیا تھا۔ اور سادہ لوح سُنی عوام ہی نہیں، بلکہ بعض علماء بھی اس کے تقیہ کو سمجھ نہ سکے۔ بالآخر مذکورِ بالا عبارت نے اس کے تقیہ کا پردہ چاک کر دیا کہ وہ شیعہ دستور کے مطابق اپنے حصے کا کام کر گیا۔ فافہم وتفکر ولا تکن من الغافلین

۱۴ صاحبزادہ افتخار الحسن زبیدی نے لکھا ہے کہ: حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ وصالِ پاک کے بعد اپنے مزارِ پُرانوار کی برکت سے پچاس لاکھ روپے سالانہ محکمہ اوقاف کو دے رہے ہیں ــــ ساٹھ ہزار روپے سالانہ تو فیصل آباد کے حضرت بابا نور شاہ ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی قبرِ پاک سے عنایت کر رہے ہیں ــــ اسی طرح پاکستان کے دوسرے اولیاء اللہ کے مزاراتِ مقدسہ ہیں جو نقد کرنسی کے علاوہ قیمتی ــــ ریشمی اور کم خواب کی چادریں اور طرح طرح کے نذرانے اور چڑھاوے دُنیا کے زندہ لوگوں کو دے رہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۱۷۳)

۱۵ رسالہ کراماتِ غوثِ پاک میں ہے کہ ایک میت سے فرشتے سوال کرنے لگے کہ

تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟
تیرا نبی کون ہے؟ تو وہ مردہ جو کچھ نہ جانتا تھا
"یا پیر دستگیر یا غوث الاعظم" چلانے لگا۔
تو پیر صاحب قبر میں تشریف لے آئے۔ اور مردے کو فرشتوں کے سوال سے بچا لیا۔

۱۶ صاحبزادہ افتخار الحسن زیدی نے پیر جماعت علی شاہ کے ایک مرید کا ذکر کیا کہ: نام تو ان کا کچھ اور تھا۔ مگر مرشد پاک ان کو پیار سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے ڈیرے کا نمبردار ہے۔ اور پھر وہ نمبردار کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ان کا کام صرف مرشد پاک کی بھینسوں کو چارہ ڈالنا تھا۔ ایک دن مرشد لاثانی نے پیار سے فرمایا: نمبردار! قبر میں منکر نکیر نے سوال پوچھے تو کیا جواب دے گا؟۔ نمبردار نے عرض کی: یا حضرت! میں کہدوں گا کہ: "میں تے اپنے پیر دیاں مجھاں نوں پٹھے پاندا ہوندا ساں"۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: "جا نمبردار یہی کہدینا۔ تیری نجات ہو جائے گی"۔ (مقامات اولیاء صفحہ ۱۱۹)

۱۷ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اپنے سر پر عرش الٰہی کو اٹھائے پرواز کر رہا ہوں۔ صبح ہوئی تو اس خواب کی تعبیر پوچھنے کے سلسلے میں بایزید کی طرف گیا۔ پتا چلا کہ شیخ وفات پا چکے ہیں۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو میں نے بہت کوشش کی جنازہ کا پایا پکڑوں، مگر میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور بے تاب ہو کر بایزید کے جنازے کے نیچے گھس گیا۔ اور جنازہ کو سر پر اٹھا لیا۔ تو شیخ بول اٹھے کہ اے ابو موسیٰ! یہ تمہاری رات کی خواب کی تعبیر ہے۔ یعنی عرش سے مراد بایزید کا جنازہ ہے۔

(مقامات اولیاء صفحہ ۱۴۵)

عام اہل قبور کی حیات کے متعلق عقیدہ

عقیدۃً بد صرف انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرامؒ کے بارے میں ہی نہیں رکھا جاتا بلکہ ہر شخص کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنی قبور پر آنے والوں کو پہچانتا ہے۔ اور اس کے سلام کلام کا جواب دیتا ہے۔ چنانچہ:

۱ امام بریلویہ احمد رضا خان نے لکھا ہے کہ: "جس کسی کی قبر پر آدمی جاتا ہے"

گر صاحب قبر اس کو پہچانتا تھا تو اس کو پہچانتا ہے' اور اس سے حسل پاتا ہے' اس کی آواز بلکہ اس کی چپل سنتا ہے۔ اور اگر نہیں پہچانتا تھا تو اتنا ضرور جانتا ہے کہ ایک مسلمان یہاں قبر پر آیا ہے۔ اگر کسی زندہ شخص کو اتنے من مٹی میں دبا دیا جائے تو اس کے اوپر توپ بھی چھوڑی جائے جب بھی نہ سنے گا۔ تو ثابت ہوا کہ بعد مرنے کے سمع بصر وادراک زیادہ ہوتا ہے۔ (ملفوظات حصہ ۳ صفحہ ۲۲)

وضاحت غور کیجئے کہ بریلویہ کے امام احمد رضا خان نے اس موقع پر کس قدر گستاخانہ انداز کا اظہار کیا ہے۔ وہ درحقیقت کہنا یہ چاہتا ہے کہ زندہ درگور خواہ کوئی بھی ہو' خواہ کوئی مسلمان ہو یا کافر' زندہ حالت میں دفن کیے گئے کسی بھی شخص کو اس کے مدفن پر رکھ کر چلائی جانے والی توپ کی آواز بھی سنائی نہ دے گی۔ اور اگر مدفون کوئی مردہ ہے تو بقول احمد رضا خان کے وہ مردہ زندوں کی چپل بھی سنتا ہے۔ کیونکہ "بعد مرنے کے سمع بصر وادراک بڑھ جاتا ہے"۔ کیا ہم ان کے متبعین سے اس بات کے دریافت کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ جب آپ نے یہ الفاظ لکھے اس وقت ان کی طبیعت تو درست تھی؟۔ جو لوگوں کو زندہ درگور کر کے ان کے اوپر توپیں چلانے کا بے ہودہ تصور پیش کر کے اپنی دہریت اور بے غیرتی کا کھلے لفظوں میں اظہار کر گئے۔ بھلا کوئی ان سے دریافت کرتا کہ جناب اگر کسی آدمی کو زندہ درگور کیا جائے گا تو وہ کیوں نہ سنے گا؟۔ جب کہ وہ بھی زندہ درگور کیے جانے اور اس کی قبر پر توپ چلنے سے پہلے پہلے مر چکے گا۔ اور جب مر چکے گا تو بھلا کیوں نہ سن سکے گا؟۔ جب کہ ان کے عقیدہ کے مطابق ہر مردہ اپنی قبر پر آنے والے کو دیکھتا بھی ہے' پہچانتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے۔ اور اگر زندہ درگور شخص قبر میں دم گھٹ کر مر چکنے کے باوجود بھی نہیں سن سکتا جسے احمد رضا خان اپنے ہاتھوں سے زندہ حالت میں سنتے اور بولتے دفن کر رہے ہیں' تو وہ شخص کیونکر تمہاری آواز کو سن سکتا ہے جسے تم نے مردہ حالت میں دفن کیا ہے؟۔

۲ نیز ان سے سوال کیا گیا کہ: قبرستان میں باآواز قرآن عظیم پڑھنا کیسا ہے؟۔ تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ: ایسی آواز سے پڑھنا مستحسن ہے کہ اموات سنیں اور ان کا دل بہلے' نہ اتنی آواز سے کہ مردے کو بھی پریشان کرے۔ (ملفوظات حصہ ۳ صفحہ ۸۷)

۳ عالم فقری نے اپنی کتاب "گلزارِ صوفیاء" میں کشفِ قبور کے عنوان سے میاں میر (لاہوری) کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دن ملا خواجہ نے نماز کے بعد کہا میاں جیو! جو شخص اس قبر میں ہے وہ کہتا ہے کہ میں سترہ سال کی عمر میں فوت ہوا، اور اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے اب میں عذاب میں مبتلا ہوں۔ آپ جیسے برگزیدہ انسان میری قبر کے پاس آئے ہیں تو تعجب ہوگا کہ اب بھی مجھے عذاب سے رہائی نہ ملے۔ حضرت نے فرمایا قبر والے سے پوچھ تیرا عذاب کس چیز سے رفع ہو سکتا ہے۔ ملا خواجہ نے توبہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ مردہ کہتا ہے: اگر ستر ہزار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے بخشا جائے تو عذاب رفع ہو جائے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا، اور اصحاب کے ساتھ مل کر ستر ہزار مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھا، اور صاحبِ قبر کی روح کو بخشا۔ حضرت نے ملا خواجہ کو فرمایا، اب پوچھ! جب ملا خواجہ نے پھر توجہ کی تو کہا: وہ مردہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ کی برکت اور آپ کے مبارک انفاس کی بدولت مجھے اس عذاب سے رہائی عطا کی ہے۔ (گلزارِ صوفیاء صفحہ ۱۹۱ و ۱۹۲)

۴ بغداد شریف میں ایک پاک دامن پارسا اور اللہ کی ولیہ عورت تھی اور اسی زمانے میں ایک کفن چور بھی تھا وہ پارسا بی بی مر گئی اس کا جنازہ اس کفن چور نے بھی پڑھا تا کہ اس کا کفن اور قبر دیکھ سکے۔ جب رات ہوئی تو کفن چور اس پارسا بی بی کی قبر پر گیا اور قبر کو کھودا۔ اور کفن اتارنے لگا، تو اس پارسا بی بی نے کفن چور کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اللہ کی شان ایک جنتی دوسرے جنتی کا کفن اتارتا ہے۔ یہ سن کر کفن چور لرز گیا، اور عرض کی کہ اے پارسا بی بی تیرے جنتی ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے مگر میں نے تو ساری عمر مردوں کے کفن چرائے ہیں۔ میں کیسے جنتی ہوں؟۔ تو اس پارسا بی بی نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی بخش دیا ہے اور جس نے بھی میرا جنازہ پڑھا ہے اس کو بھی بخش دیا ہے۔ اور تو نے میرا جنازہ پڑھا ہے۔ اس کفن چور نے توبہ کی اور پارسا بی بی کی دعا سے وہ چور بھی قطب ہو گیا۔ (مقاماتِ اولیاء صفحہ ۲۵۵)

فائدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو ان کی راہ سے ہٹانے کی سازش پنڈتوں اور جوگیوں نے کی۔ ان پنڈتوں اور جوگیوں کا مقصد مسلمانوں کو صحابۂ کرام والے اعمالِ اسلام سے دور کرنا، اور

انھیں دیہات و بدعات میں مبتلا کرتا تھا۔ یہ مسلمانوں کو اصل اسلام سے بھلانے کی ایک نہایت تاریک سازش تھی۔ بدعات و الحاد کی یہ راہیں کافی عرصہ سے مسلمانوں میں راہ پارہی تھیں۔ لیکن چودھویں صدی کے نصف آخر میں یہ نیا اسلام باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کر گیا۔
(مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۰۶ اور ۱۰۷)

۲ ہندو مذہب کی آمیزش کمزور ذہن مسلمانوں کو یہاں تک لے آئی کہ ان کے لیے جوگی اور صوفی میں ـــــ مالوی اور مولوی میں ـــــ برآہمن اور امام میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ کتنے عالم ایسے اٹھے ہوں گے جو درحقیقت ہندو تھے۔ اور کتنے صوفی ایسے ابھرے ہوں گے جو اندر سے جوگی ہوں گے۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۰۶)

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

آنچہ جہال می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ و یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ جائز نیست شرک و کفر است۔ (ارشاد الطالبین صفحہ ۲۰)

یہ جو جاہل کہتے ہیں اے شیخ عبدالقادر مجھے کچھ خدا کے لیے دے، اور اے خواجہ شمس الدین پانی پتی مجھے کچھ خدا کے لیے دے۔ اس طرح ان سے مانگنا جائز نہیں۔ شرک اور کفر ہے۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۲۸۳)

ان محترفین کا یہ شرک بتوں کے گرد نہیں قبور و مزارات کے گرد گھومتا تھا۔ کبھی یہ بہروپیے قبروں کا طواف کرنے لگتے۔ کبھی وہاں سجدے کرتے، ان پر چراغ جلاتے اور عیدوں کی طرح وہاں سالانہ اجتماع کرتے اور کہتے یہ عرس کے دن ہیں۔

لایجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء و الشهداء من السجود و الطواف حولها و اتخاذ السرج و المساجد الیها و من الاجتماع بعد الحول کالاعیاد و یسمونه عرسًا۔ (تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۶۵)

یہ جو جاہل لوگ ولیوں اور شہیدوں کی قبروں پر سجدے اور طواف کرتے ہیں یہ جائز نہیں، وہاں مسجدیں بنانا، اور ان پر چراغ جلانا، اور عیدوں کی طرح وہاں سالانہ اجتماع کرنا جس کا یہ لوگ عرس نام رکھتے ہیں، جائز نہیں۔ (مطالعۂ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۲۸۵)

۳ قدیم ہند میں فوت شدگان کے بارے میں جو ہندو رسوم رائج تھیں ان میں سے بعض کا تذکرہ علامہ ابوریحان البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ) نے کیا ہے۔ جو سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔ ہندو تہذیب کو انھوں نے بہت قریب سے دیکھا تھا ہندوؤں کا اعتقاد تھا کہ میت کی روح نو (۹) دن تک اپنے گھر آتی رہتی ہے۔ اور گھر والے ان دنوں کھانا پکا کر ساتھ پانی کا برتن گھر کے سامنے رکھتے ہیں کہ میت کی روح ناراض نہ ہو۔ اور پھر دسویں دن میت کے گھر وسیع پیمانے پر کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ کیا آج ہندوؤں کی یہ رسم مسلمانوں کے ہاں رائج نہیں؟ چند بریلوی ہوتے ہیں جو مسلمانوں میں ہندوازم کی نشاۃ جدید کے لیے کام کرتے ہیں۔ مگر عام مسلمانوں کی دین سے اتنی بے پرواہی ہے کہ بغیر کسی تحقیق کے وہ ہندوؤں اور بریلویوں کی ان رسوم کو اپنا لیتے ہیں۔ احباب اعتراض اس لیے نہیں کرتے کہ ان کے لیے کھانے پینے کا اچھا سامان ہو جاتا ہے۔ کسی کی مرگ ہوئی اور دوستوں کی دعوتیں اڑنے لگیں۔ کبھی تیجا، کبھی ساتواں، کبھی جمعرات ہے اور کبھی شب برات جس میں روحیں روحوں سے ملتی ہیں؟ اور کبھی اکیسواں ہے کبھی چہلم۔

۴ ہندوؤں کے ہاں مختلف میتوں کے بڑے ختم کے مختلف دن مقرر ہیں۔

1. برہمن کے لیے گیارھواں دن۔
2. کھتری کے لیے تیرھواں دن۔
3. ویش کے لیے جو کھیتی باڑی کرتے ہیں، پندرھواں دن۔
4. شودر وغیرہ کے لیے اکیسواں یا تیسواں دن مقرر ہے۔

ان کے ہاں ختم کو سرادھ کہتے ہیں۔ جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جاتے اول اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ وید پڑھواتے ہیں۔ بریلوی مذہب میں بھی اسی طرح ـــــــ جب کھانا تیار ہو جائے تو اس پر مولوی کو بلوا کر قرآن پڑھواتے ہیں۔

۵ ایصالِ ثواب کا مسئلہ بے شک صحیح ہے اور حدیثوں سے ثابت ہے۔ لیکن اس کے لیے بریلویوں نے جو صورت تجویز کر رکھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جو یہ عقیدہ پھیلا رکھا ہے کہ فوت شدگان کی روحیں کھانے اور پان کی طلب میں گھروں کو لوٹتی ہیں۔ یہ اگر

ہندوازم کی نشأۃ جدید نہیں تو اور کیا ہے؟۔ (مطالعہ بریلویت جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳)

[illegible] علم اموات کی ارواح کے متعلق اعادۂ روح کا مسئلہ ہو یا خواص اور کاملین کی ارواح کے متعلق دنیا میں تصرف کا عقیدہ۔ ان تمام واہی عقائد باطلہ کی بنیاد ہندو جوگیوں، باطنی صوفیوں اور عیسائیوں کے عقائد باطلہ سے ماخوذ مرزا قادیانی کا یہی عقیدہ ہے کہ:

"انبیاء و اولیاء مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں"۔

فائدہ یاد رہے کہ مرزا قادیانی نے تو اس عقیدۂ بد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انبیاء و اولیاء کی ارواح سے ملاقاتیں کرنے اور ان سے اپنی جھوٹی نبوت کی تائید کروالینے کا دعویٰ منوانے کی کوشش کی۔ ہندو معاشرے میں کمزور ذہن کے مسلمانوں نے حیات الانبیاء و اولیاء کے عقیدے کو بسر و چشم قبول کرلیا۔ حتیٰ کہ اسی عقیدۂ بد کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا ذہنی کرنے کے باوجود بریلوی نے بھی اختیار کرلیا۔ اور بد عقیدہ قبر پرست اور کمزور ذہن بلکہ رسمی مسلمانوں کو تھپکی دے کر انھیں اسی بدعقیدگی میں مبتلا رہنے دیا۔ اہل حق علماءؒ نے ہمیشہ ان کی اصلاح پر توجہ مرکوز رکھی، خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے سلسلہ سے وابستہ اہل حق علماءؒ نے ان رسمی مسلمانوں کے عقائد باطلہ کی اصلاح پر بھرپور توجہ دی، جگہ جگہ مدرسے قائم کیے، اور گھر گھر جا کر بالمشافہ لوگوں کو اصلاح عقائد کی دعوت دی۔ لیکن ہندوانہ عقائد اور رسوم سے مسموم اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ
اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝

رَدِّ مُنْکَرَات

حَیَاتُ الاَمْوَات

تالیف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

رائے گرامی

شیخ القرآن مجاہد ملت حضرت مولانا

محمد طاہر پنج پیریؒ

الحمدللہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم الانبیاء وآلہ واصحابہ ھم نجوم الاھتداء. اما بعد!

کتاب "ردِ منکرات مصنفہ شیخ المحدثین العلامہ مولانا محمد حسین" اس فن اُن اہم ترین مصنفات سے ہے جو حضرت شیخ نے فریضہ ردِ منکر اس دور فتن وشرک میں ادا کیا ہے۔۔۔۔۔ ہر زمانہ میں خداوند کریم اس اہم فریضہ کے لیے "من یجدد الدین وینفون عنہ تحریف الغالین" علماء اپنے فضل وکرم سے بھی پیدا کرتے رہتے ہیں تاکہ دین حقہ سے اُن شبہات وضلالات کا رد کریں جن سے دین میں التباس وخداع پیدا ہوتا ہے۔ استغاثہ بالاموات کے لیے اُن کا تصرف اور اُن کا سماع ہمیشہ ہی مُبطلین ذریعہ بناتے ہیں اور دین خالص میں خلط کر کے محبت اولیاءِ کرام کے نام سے ہی ہمیشہ پھیلاتے ہیں۔

حضرت شیخ کی سعی وجد وجہد واخلاص سے ہمیں امید ہے کہ تمام موحدین قابل قدر نگاہ سے دیکھیں گے۔ خداوند کریم حضرت مولانا سید محمد حسین کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

وانا الاحقر محمد طاہر عفا اللہ عنہ

رائے گرامی

شیخ القرآن استاذ العلماء حضرت مولانا
غلام اللہ خانؒ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وصحبہ الذین ہم

ھداۃ الدین المتین اما بعد!

مجھے عزیزم مولوی ضیاء الحق کی شادی پر سرگودھا حاضری کا موقع نصیب ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو یہاں ایک کتاب تصنیف مولانا سید نور الحسن بخاری کی "حیات الاموات" دیکھی۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔ اوّل تو یہ موضوع کوئی مدارِ نجات نہیں تھا جیسا کہ انہوں نے خود ابتداءِ کتاب میں اقرار بھی کیا ہے۔ پھر ان ساتھیوں کے مجبور کرنے سے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ وہ ساتھی ہیں جنہوں نے مناظرہ سے عوام کے سامنے راہِ فرار اختیار کی ہے۔

نیز اس موضوع پر لکھنے والے متقدمین نے بہت ہی کچھ لکھ دیا تھا۔۔۔۔۔۔۔شاہ صاحب کی کتاب کے چند مقامات دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف ضد میں آکر "ندائے حق"، مصنفہ علامہ محقق مدقق حضرت مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب زید مجدہٗ" کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔لیکن شاہ صاحب تو ابھی تک قبر کے مصداق کو از رُوئے قرآن مجید اور سنت صحیحہ متعین نہیں کر سکے اور عجیب طرفہ ہے، ابتداء میں اور درمیان بعض

مقامات میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ہوں گے۔ لیکن ان کی کتاب "حیات الاموات" میں صرف بے سند اقوال اور خوابوں کا مجموعہ ہے۔ کسی قول کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ کتاب لکھتے وقت شاہ صاحب اصول شاشی سے تا مسلم الثبوت تک کا کچھ خیال نہیں آیا کہ اصول شرع تین یا چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع، قیاس، جو ان تین سے مستنبط ہو۔

جو کام مشرکین، مبتدعین کرتے تھے۔ بے سند اقوال، خوابیں پیش کرتے تھے۔ وہی کام شاہ صاحب نے ضد میں آکر ہمارے مناظرہ سے بھاگنے والے ساتھیوں کی حمایت میں کیا ہے۔

نیز شاہ صاحب نے عذاب قبر کے متعلق بہت زور دیا ہے کہ عذاب روح اور بدن ہر دو کو ہوتا ہے اور ساتھ ہی حضرت علامہ دوران حافظ الحدیث مولانا محمد انور شاہ صاحب کاشمیری نور اللہ مرقدہٗ کی عبارت بھی پیش کرتے ہیں کہ اہل السنت کے دو قول ہیں اور صرف روح کو عذاب سوائے بدن کے، یہ بھی اہل السنت کا ایک قول ہے۔ نیز پھر محدث دوران حافظ الحدیث مولانا محمد انور شاہ صاحب مرحوم کی عبارت میں غداری کر کے اُن کا مطلب بگاڑا ہے کہ عذاب قبر روح مع الجسد مثالی قول صوفیہ کا ہے اور صوفیہ کا یہ قول اہل السنت سے نہیں ہے۔ شاہ صاحب کی فہم پر اُف ہے۔

اور اخیر میں حضرت مرشدی مولانا حسین علی صاحب مرحوم اور مولانا قاضی نور محمد مرحوم اور احقر پر بہتان عظیم لگایا ہے۔۔۔۔۔ اور حضرت علامہ

قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کو غلط پیش کر کے دھوکا دیا ہے حالانکہ حضرت مرشدی مولانا حسین علی صاحب مرحوم کا واضح دلائل کے ساتھ عقیدہ تھا کہ عند القبر نبی اکرم ﷺ کا کوئی سماع نہیں ہے البتہ قائلین سماع کی تکفیر و تضلیل نہیں کرتے تھے۔۔۔۔۔۔ اور مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کا صاف فیصلہ تھا ''اگرچہ جمہور سماع عند القبر نبی ﷺ کے قائل ہیں لیکن جو بوجہ دلائل کے قائلین عدم السماع ہیں وہ بھی اہل السنت ہیں اور علماء دیوبند سے ہیں''

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی کی عمر میں مزید برکت عطا فرمائے کہ آپ نے ''ردِ منکرات حیات الاموات'' لکھ کر حقائق کو واضح کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اور دلائل کے ساتھ عذابِ قبر کے مسئلہ اور وجودِ مثالی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ سے اور اسلاف متقدمین اور مجدد زمان حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ارشادات سے مزین کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ علماءِ کرام اور عوام کو اِس کتاب کو پڑھ کر صحیح راستہ حاصل کرنا ضروری ہے۔

دعا گو

لاشئے غلام اللہ

راولپنڈی

رائے گرامی

پیر طریقت حضرت مولانا علامہ سید

عنایت اللہ شاہ بخاریؒ

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

حضرت علامہ مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی کی تصنیف "ردِ منکرات" ماشاء اللہ منکرات کی تردید میں بہترین تالیف ہے۔

مصنف علام نے تحقیق مسائل میں دیانت وامانت کا دامن نہیں چھوڑا۔

علماء، طلباء، اور عوام کے لیے انشاء اللہ العزیز بہت مفید اور نافع ہو گی۔

عنایت اللہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رائے گرامی

شیخ الحدیث والتفسیر استاذ العلماء حضرت مولانا

قاضی شمس الدینؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

چونکہ عوام میں قبر پرستی عام ہے اس لیے ہر مولوی اور ہر پیر رات دن عوام کی خوشنودگی حاصل کرنے کے لیے دو کاموں میں لگا رہتا ہے۔ ایک یہ کہ نعوذ باللہ، معاذ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی کے سامنے جھک جاتا ہے دوسرا یہ کہ مردے ضرور کچھ نہ کچھ کرتے ہیں۔

اس لیے علماء حق کو چاہیے کہ وہ عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کی بجائے

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کریں اور عمر بھر اس کوشش میں لگے رہیں کہ انسان کے روح اور بدن کا ہمیشہ کے لیے جوڑ رہتا ہے۔

بلکہ حضرت امام مجدد الف ثانی جیسے ستون اُمت کے اقوال کو دیکھیں:

جلد ثالث کے مکتوب نمبر ۹۶ میں فرماتے ہیں

''در تعین جسدی ہر چند بواسطہ عروض رویت متو درفتہ بود و تعین نبی کریم ﷺ پر روحی فوت گرفتہ اما اثر آں تعین باقی ماندہ بود ہزار سال بایست تا آں اثر نیز زائل شود و نشانے ازاں تعین نہ ماند و چوں ہزار سال آخر آمد و اثر آں تعین نہ ماند'' انتہا الی موضع الضرورت۔

الغرض عمائد اُمت کے نزدیک رُوح کا بدن سے جڑے رہنا کوئی خاص کمال نہیں بلکہ کمال ہے اس کے علائقِ جسدیت سے جدا ہو کر تجلیاتِ ذاتیہ میں محو ہونے میں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اگر مردے نہیں سنتے تو اس سے اُن کی قدر کم نہیں ہو جاتی اور اگر سنتے ہیں تو ہم نے اُن سے کچھ مانگنا نہیں۔

لہٰذا ہم تو حضرت مولانا محمد حسین صاحب جیسے لوگوں کو دُعائیں دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں ایسے لوگوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہٹا کر ماسوا اللہ کی طرف بلاتے ہیں عمریں ضائع کر رہے ہیں۔

لطیفہ:

والبعث بعد الموت کے ساتھ ہمارا ایمان ہے جو قیامت کے دن ہوگا لیکن جب سے دُنیا بنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر لوگ اموات الحیات ہی دیکھتے آئے اب کے مولویوں نے حیات الاموات بھی دکھانا شروع کر دی۔

یا قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔

احقر شمس الدین عفی عنہ

رائے گرامی

شیخ التفسیر حضرت مولانا

عبدالسلام صاحب مدظلہ (پشاور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً ومصلیاً اما بعد

کتاب "ردمنکرات علیٰ کتاب حیات الاموات" کا کچھ حصہ نظر سے گزرا۔ کتاب کی حیثیت واقعی ایسی ہے جیسا کہ اینٹ کا جواب پتھر ہے۔

لکل فرعون موسیٰ کے قانون کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے کتاب حیات الاموات کی منکرات کی دندان شکن جوابات دینے کے لئے مصنف کتاب ردمنکرات کو منتخب فرمایا۔

کتاب ہذا طلبہ اور علماء دین حق کیلئے نہایت مفید ثابت ہوگی۔

جزی اللہ عنا مصنفِ کتاب ردمنکرات جزاءً وفیٰ۔

فقط

الاحقر عبدالسلام غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

ابھی ابھی چندروز ہوئے کہ کسی کے ہاتھ میں ''حیات الاموات'' مصنفہ حضرت مولانا سیدنورالحسن شاہ صاحب بخاری وفقہ اللہ لخدمۃ دینہ دیکھی۔ میں نے اُس سے عاریۃً کتاب لی۔ دیکھا تو ''نداے حق'' کی تردید تھی ۔۔۔۔ نہیں نہیں ۔۔۔۔ بلکہ علماءِ حق اہلسنّت وسلف صالحینؒ کی تردید تھی، اکابر حنفیہ کی تردید اور باطل فرق کی تقلید وتائید تھی۔ اور بظاہر انداز معصومانہ اور دعویٰ اتباع سلف اور دیوبندیت کا اور اکابر کا نام بڑے عزت واحترام کے ساتھ لیا اور اس قدر اکابر کے نام کو القاب سے مزین کیا جس سے محسوس ہوتا تھا کہ اُن اکابر پر آپ کی جان نثار ہے۔

مع ہذا ''نداے حق'' کی تردید کے ضمن میں ان ہی اکابر پر جھوٹ کا الزام لگایا۔ بعض کو اہلسنت سے خارج کر دیا اور بعض پر اور الزام لگائے۔ مزید تعجب اس بات کا ہے کہ اپنے استاد جی یعنی شیخ الحدیث، ابن حجر ثانی، حضرت سید سند محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً پر بھی بہتان باندھنے سے نہ رُکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مگر یہ بات تعجب کی نہیں کیونکہ مجھے علم ہوا کہ آپ نے ساری زندگی تنظیم اہلسنت کا کام کر کے آخر عمر میں شیعہ نصاب کی تصویب فرما کر اُس پر دستخط ثبت فرمائے جب دیکھا کہ اس وجہ سے تنظیم کی اکثریت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تو لگے اہلسنت ہی پر الزام لگانے اور رُخ کی تبدیلی محض عوام کی نظروں میں دھول ڈالنے کے لیے ہے۔ یہ بھی حضرت شاہ صاحب کی سیاست ہے۔

دل تو نہیں چاہتا تھا کہ قلم اٹھاؤں کیونکہ جمعیت اشاعت التوحید والسنت نے صرف بریلویت کی تردید ہی کو اپنا لائحہ عمل نہیں بنایا بلکہ جمعیت کا مطمحِ نظر تمام فرق باطلہ مثلاً (شیعہ، مرزائیت، عیسائیت، یہودیت، نیچریت، پرویزیت، بہائیت وغیرہ) کی تردید کرنا ہے۔۔۔۔۔۔ جس کے لیے کافی مواد جمع کر کے ان فرق کی تردید کے لیے رسائل جدیدہ لکھے اور ابھی کافی کچھ لکھنا باقی ہے جسے عوام میں شائع کرنے کا مصمم ارادہ ہے۔

اور "شفاء الصدور" بھی اسی کی ایک کڑی تھی جو تلقینِ شیعہ اور دعاءِ بریلویہ کے خلاف میگزین لکھی گئی تھی اور اب دوسرا ایڈیشن بھی مع اضافات زیر طبع ہے۔ (اب عربی اور مترجم دونوں شائع ہو چکی ہیں، ناشر)

جس میں یہ مسئلہ سمجھایا گیا ہے کہ جو لوگ قبروں پر جا کر قبر والوں کو پکارتے ہیں اور اولیاء اللہ سے حاجات طلب کرتے ہیں ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ قبروں میں جو جسم ہیں اُن کو مٹی کھا گئی۔۔۔۔۔ وہ کیا جانیں کہ قبر پر کون آیا کون نہیں آیا، وہ نہ تمہاری پکار سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ جانتے ہیں، نہ پہچانتے ہیں اور نہ اُن کی ارواح قبروں میں ہیں اور نہ قبروں کی افنیہ پر ہیں اور

نہ اہل قبور کے جسمِ عنصری کے اوپر پرواز کرتی ہیں جیسے بعض ہنود کا عقیدہ ہے کیونکہ اگر وہ اہل قبور نیک ہیں تو اُن کی ارواح علیین میں ملأ اعلیٰ میں ہیں جہاں سے اُن کو ایسے نعمتوں کا مقام چھوڑ کر دُنیا والوں کی طرف آنے کا جی ہی نہیں چاہتا اور اگر بد ہیں تو اُن کے ارواح سجین کی جیل میں بند ہیں وہاں سے اُنہیں رہائی کیسے ملے گی؟

جب یہ بات ہے تو وہ برزخ کے باشندے تمہاری کیا سُنیں گے اور تمہاری طرف کیا توجہ کریں گے اور تمہیں کہاں سے دیکھیں گے اور کہاں سے جانیں گے، پہچانیں گے؟ اور ایسا کرتوت کرنے والے جواپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اُن سے کہا گیا کہ

"او حنفی کہلانے والو! تمہارے امام حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ مذہب ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ تم کیسے حنفی ہو جو اپنے امام کا مذہب چھوڑ کر علیحدہ ہی راستہ اختیار کرتے ہوئے مردوں کے سننے، جاننے، پہچاننے اور دیکھنے کے قائل ہو کر اُن سے اپنی درخواستیں لے جاتے ہو اور اُن کو سفارشی بناتے ہو"

اِس کتاب کے شائع ہونے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ جن کے خلاف یہ کتاب شائع ہوئی ہے وہ آگ بگولہ ہوتے، وہ چڑھتے، وہ ناراض ہوتے، وہ کوستے، وہ گالیاں دیتے، وہ شفاء الصدور کے خلاف کوئی کتاب لکھتے، وہ اشتہار شائع کرتے، وہ مناظرے کرتے، وہ مباہلہ کا چیلنج کرتے مگر اس کے برعکس افسوس کا مقام یہ ہے کہ وہ لوگ تو خاموش ہیں اُنہوں نے تو شفاء الصدور کے رَد میں ایک کتاب بھی نہیں لکھی اور نہ ہی اُنہیں لکھنے کی جرأت ہوئی۔

الحمد للہ علی ذلک۔

لیکن دیوبندی کہلانے والے ہیں، جو شفاء الصدور کے رد میں لکھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ کوئی چکڑالہ سے اٹھا، کوئی گوجرانولہ سے، کوئی ملتان سے، کوئی لاہور سے، کوئی کہیں سے، کوئی کہیں سے۔ اب بریلوی خوش ہوئے بغلیں بجانے لگے اور پیروں، فقیروں کی کرامت ماننے لگے کہ ہمیں بولنے اور جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑی ۔۔۔۔۔ اچھا ہوا ہماری طرف سے دیوبندی ہی شفاء الصدور کی تردید کو کافی ہو گئے۔

اس کے بعد خاموشی کا عالم طاری ہوا۔۔۔۔۔۔ اندر ہی اندر کہیں لاوا پکتا رہا۔۔۔۔ اور آپ حیات الاموات کا ''بم'' پھٹا۔ جی ہاں حیات الاموات کا ''بم''۔

شاہ جی! ہم اور آپ تو ایک ہی مکتب فکر کے تھے۔ ہمیں تو مل کر ایسا کام کرنا چاہیے تھا کہ مشرکین و مبتدعین کو کاری ضرب لگتی۔ ایک اکیلا ہوتا ہے اور دو گیارہ مگر اس کے برعکس قدم آگے بڑھانے کی بجائے اس کام میں آپ رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ جناب شاہ جی! آپ تو ایسا نہ کرتے۔

ایک بات اور بھی کہنے کی ہے کہ جب آپ نے ندائے حق کی تردید لکھی تھی تو اصولی بات تھی کہ آپ صاحب ندائے حق کو ایک نسخہ ضرور بھیجتے۔۔۔۔۔۔۔۔ جیسے ندائے حق لکھی گئی تھی تو حضرت شیخ الحدیث جناب ابوالزاہد صاحب مدظلہ العالی کو بجائے ایک نسخے کے چھ نسخے ہم نے بھیجے۔۔۔۔۔ لیکن ہم نے حضرت مولانا سید نورالحسن شاہ صاحب بخاری زیدمجدہٗ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا کہ آپ از راہ کرم ایک نسخہ کتاب ''حیات الاموات'' کا ہمارے یہاں گلستان کتابت سرگودھا کے پتہ پر وی پی

پارسل کے ذریعہ ارسال فرمادیں ہم پیسے دے کر چھڑا لیں گے۔ مگر حضرت شاہ صاحب اِس قدر ہم پر ناراض ہیں کہ وی پی کرنا تو درکنار خط کا جواب دینا بھی مکروہ سمجھا۔ کیا حضرت شاہ صاحب کے اخلاق عالیہ کریمانہ کا یہی مقتضی ہے؟ اچھا! ہر چہ باد اباد۔

آیئے! اپنے اصل مطلب پر اور کتاب کا سرسری جائزہ لیں ۔۔۔ اور دیکھیں کہ حضرت شاہ صاحب کیا فرماتے ہیں اور سلف صالحین اور اکابر کیا فرماتے ہیں۔

پہلے تو نام ہی دیکھ کر مسکراہٹ سی لبوں پر آئی کہ سبحان اللہ! کیا عجب نام ہے "حیات الاموات" (مردوں کا جینا) یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے نابینا کی نظر، بہرے کی شنوائی، گونگے کی بولی، لنگڑے کی دوڑ، جاہل کا علم وغیرہ۔

پھر لکھا خصوصاً حیات النبی سید الکائنات ﷺ ۔۔۔۔۔ مگر اِس لفظ کے ساتھ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نہ لکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا غیض وغضب اِس حد کو پہنچ گیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی پر صلوٰۃ وسلام کرنا بھی بھول گئے۔ اچھا، مثل مشہور ہے کہ "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان"

آگے چلئے! ص نمبر ۶ پر فرماتے ہیں کہ اِس موضوع پر میرا مطالعہ نہ ہونے کے برابر تھا اور نہ ہی میرے پاس اِس مسئلہ سے متعلق علمی مواد تھا۔

حضرت جی! ۱۹۷۱ء میں جب حضرت مولانا محمد امیر صاحب خطیب جامع مسجد بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا کی وفات حسرت آیات کے بعد سرگودھا تشریف لائے تھے تعزیت کے لیے ۔۔۔۔ تو آپ کو ہدیۂ ندائے حق دی گئی

ہی تو آپ نے زینت کتب خانہ بنا کر رکھ دی تھی؟؟ اس کا مطالعہ نہیں [redacted]
فرمایا؟؟ اگر مطالعہ نہیں فرمایا تو لینے کا کیا فائدہ اور اگر مطالعہ فرمایا تو اس کی تحقیق آپ نے کیوں نہ کی اور اگر تحقیق کا موقع نہیں ملا تو ندائے حق کی تردید میں قلم کیوں اٹھایا۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا آپ نے ندائے حق کو سولی کا جزسمجھ لیا کہ کچا کھا جاؤں گا۔ ندائے حق نے بڑے بڑوں کے دانت کھٹے کر دیے ہیں۔ کوئی بریلوی آج تک ایسا نہیں ہوا جو اس کا جواب دینے کو تیار ہو۔۔۔۔ بلکہ اس کے دیکھنے ہی سے اس کی ہوا خارج ہونے لگتی ہے جو تھمتی نہیں ہے۔

پھر ص ۷ میں لکھا کہ اس موضوع پر عدم عبور کے باعث بہت دنوں تک آغاز کار کی جرأت نہ کر سکا۔۔۔۔ مگر صدر تنظیم اہل سنت حضرت علامہ تونسوی مدظلہ کے مسلسل تقاضوں پر آخر اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔

عرض ہے کہ علامہ تونسوی صاحب مدظلہ خود میدان میں آتے اور اپنے بازو آزما لیتے، آپ جیسے نا تجربہ کار کو کیوں سامنے لائے ہیں۔۔۔۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ نا تجربہ کار کو میدان میں لانے سے شکست ہی شکست ہوگی اور منہ کی کھانی پڑے گی۔

البتہ میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔۔۔۔۔۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت تونسوی مدظلہ نے آپ کو اہل سمجھا ہے تب ہی یہ کام آپ کے سپرد کیا ہے۔ حضرت تونسوی صاحب اس میدان کارزار کے دھنی نہیں ہیں۔ آپ شکر کریں آپ کے صدر سامنے نہیں آئے ورنہ تو۔۔۔۔۔۔۔۔

پھر ص ۷ میں ہی لکھتے ہیں کہ" مسئلہ کے تمام گوشوں کو دیکھنے بھالنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اصل مسئلہ میں فی الاصل کوئی حقیقی اختلاف نہیں"

اب سوال یہ ہے کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟ ص ۹ پر لکھا ہے کہ

''اصل بحث تو مسئلہ حیات الانبیاء سے متعلق ہے یعنی نبی کریم ﷺ کی حیات فی القبر سے متعلق، برزخی زندگی سے متعلق۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

اس کے بعد ہم شاہ صاحب کے اس دعویٰ پر غور کرتے ہیں

''اصل مسئلہ میں فی الاصل کوئی حقیقی اختلاف نہیں''

اور حضرت شاہ صاحب کے مایہ ناز وسیع المطالعہ اور متبحر عالم حضرت مولانا ابوالزاہد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

اَب ہم ریسرچ کرنا چاہتے ہیں کہ ان ہر دو کا دعویٰ صحیح ہے؟

آیئے کتابیں لایئے!

یہ کتاب ہدایہ شریف ج ۱ ص ۱۶۰ ہے، میت پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کی کراہت پر دلیل دیتے ہیں کہ

''اگر میت پر نماز جنازہ دوبارہ پڑھنا جائز ہوتا تو اَب تک سب لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھتے چلے آتے کیونکہ ''الآن کما وضع'' اَب بھی آپ اُسی حال میں قبرِ عرفی میں موجود ہیں جس حال میں آپ کو پہلی دفعہ رکھا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ آپ کو اُس حال میں رکھا گیا تھا جس حال میں آپ کے معصوم جسم میں رُوح نہ تھی اور جسم صحیح سالم بلا دخولِ رُوح اب تک موجود ہے۔

لیکن علامہ سبکی (شافعی) ابن فورک جیسے مُلحد کی تقلید میں فرماتے ہیں

کہ "آپ ﷺ قبر مبارک میں ابدالآباد تک زندہ ہیں، حقیقتاً نہ مجازاً" (دیکھو مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۵۴)

ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ایک مسلک ہے محققین حنفیہ کا، اور دوسرا مسلک ہے ابن فورک بے دین ملحد کا۔ اب بتایئے! حضرت شاہ صاحب اور شیخ الحدیث صاحب کا دعویٰ صحیح ہے؟

اس کے بعد ص ۷ پر ہی بحوالہ اقامۃ البرہان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی تحریر لکھی کہ "حیاتِ دُنیوی ظاہری کا تو دُنیا میں کوئی بھی قائل نہیں، جو بھی قائل ہیں حیات برزخی کے قائل ہیں"

ہاں جی لایئے ذرا آبِ حیات! اور دیکھیے ص ۲۷

"رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ دُنیوی علے الاتصال اَب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدّل و تغیر جیسے "حیاتِ دُنیوی کا حیاتِ برزخی ہو جانا" واقع نہیں ہوا"

دیکھ لیا جناب! حضرت نانوتویؒ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی حیات کو برزخی مانتے ہیں؟ ہرگز نہیں، وہ تو صرف دُنیا کی ہی حیات مانتے ہیں اُن کا واضح اور واشگاف الفاظ میں فرمان ہے کہ

"انبیاء کرام علیہم السلام کے اَرواح کا اِخراج نہیں ہوتا"

(دیکھو جمال قاسمی ص ۵)

پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ جو بھی قائل ہیں حیاتِ برزخی کے قائل ہیں۔

پھر فرمایا "حضرات دیوبند بلا ضرورت اس قسم کے زائد مباحث میں اُلجھنے اور عوام کو اُلجھانے سے مجتنب رہتے ہیں"

[redacted]

کیوں جناب! آپ بھی تو حضرات دیوبند کہلاتے ہیں آپ کیوں اس میں اُلجھ کر کتابیں لکھتے ہیں آپ کو کیا ضرورت محسوس ہوئی؟۔۔۔۔۔شاید ضرورت یہی ہو کہ بریلویوں سے خراج عقیدت حاصل ہو جائے اور اُن کو باہمی دیوبندی نزاع کا تماشا دکھایا جائے۔اور میں نے بہتوں کی زبان سے یہ سنا ہے کہ اَب بعض دیوبندی سماع موتی اور کشفِ قبور کے قائل ہوتے جارہے ہیں،اُبھی تو اصحاب القبور سے حاجتیں مانگنے سے جھجکتے ہیں مگر وہ دن دُور نہیں کہ ہماری بات مان لیں گے اور اصحاب القبور سے حاجتیں مانگیں گے اور اُن کی نذر و نیاز دیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿تعارضات﴾

تعارض 1:

ص۸ سطر۹ میں ہے" بحث اصلاً نبی کریم ﷺ کی ذات پاک کی نہیں بلکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات شہداء و اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ حتی کہ عام مسلمانوں کی حیات کی بھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔دراصل بحث ہے تو عام موتی کی حیات کے متعلق ہے جن میں کفار و مشرکین اور منافقین تک شامل ہیں"

مگر آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہے گی جب آپ اسی کے ساتھ والے ص۹ کی سرخی کے نیچے پہلی سطر میں یہ لفظ لکھے ہوئے پائیں گے

"اصل بحث تو مسئلہ حیات النبی ﷺ سے متعلق ہے"

سچ مشہور ہے"لیس للباطل اساس"

محاورہ ہند میں ہے کہ" جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے"

تعارض 2:

ص ۹ سطر ۱۰ میں "وَمِنْ وَّرَآءِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ" کے معنے لکھے "اور ان کے پیچھے برزخ ہے جہاں وہ اُس دن تک کہ دوبارہ اُٹھائے جائیں گے، رہیں گے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ برزخ کسی جگہ کا نام ہے"

اِس کے بعد ساتھ ہی سطر ۱۲ میں لکھا" تو برزخ موت کے بعد سے قیامت تک کے درمیانی دور، عہد، زمانہ اور مدت کا نام ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ برزخ کسی وقت کا نام ہے"

اِس کی تصدیق سطر ۱۴، ۱۵ میں کر دی

"برزخ ظرف زمان اور قبر ظرف مکان"

اور پہلی بات کی تصدیق ص ۱۲ سطر ۱۲ میں کر دی

"عالم برزخ (برزخ کا جہان)"

اَب ناظرین خود سوچیں کہ صحیح کون سی بات ہے اور غلط کون سی؟

تعارض 3:

ایک ہی سطر میں دو فقروں کا تعارض ملاحظہ ہو ص ۱۳ سطر ۱۷ میں ہے

"گڑھا اور چیز ہے اور قبر اور چیز۔ قبر، قبر ہے۔ گڑھا، گڑھا ہے۔ اِس کا مطلب ظاہر ہے کہ گڑھا اور قبر دو الگ الگ چیزیں ہیں، قبر گڑھا نہیں اور گڑھا قبر نہیں یعنی ان کے مابین نسبت تباین کلی کی ہے"

مگر ساتھ ہی لکھا ہے

"نہ ہر گڑھا قبر ہے اور نہ ہر قبر گڑھا، بعض قبریں آگ کا گڑھا ضرور ہیں یعنی بعض قبریں گڑھا ہوتی ہیں اور بعض قبریں گڑھا نہیں ہوتیں اور بعض

گڑھے قبریں نہیں ہوتے یعنی ان کی باہم نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے یعنی تباین جزئی ہے"

اب آپ بتایئے! کون سی بات صحیح ہے۔۔۔۔۔گڑھا اور قبر میں تباین کلی ہے یا تباین جزئی؟

تعارض 4:

عذاب رُوح کو ہوتا ہے یا بدن کو؟۔۔۔۔۔۔۔۔ص ۱۴ سطر آخری اور ص ۱۵ سطر اوّل میں ہے کہ "بعض مبتدع فرقوں کا زعم ہے کہ عذاب قبر صرف رُوح کو ہوتا ہے"

اور پھر ص ۱۶ میں حضرت سید سند محمد انور شاہ صاحبؒ کے حوالے سے لکھا کہ" علماء اہل سنت کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عذاب صرف رُوح پر ہے"

دیکھا! پہلے فرمایا کہ بعض بدعتی فرقوں کا غلط خیال ہے کہ عذاب صرف رُوح کو ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ عذاب قبر صرف رُوح کو ہونا اہل سنت کا ایک قول ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کیا سمجھے؟

اصل حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ جو جسد عنصری کے ساتھ رُوح کا تعلق ہونے کے بغیر عذاب وثواب کو نہیں مانتے وہ معتزلی ہیں۔ اب اعتزال کا عیب دھونے کے لیے جسد عنصری کے ساتھ تعلق گانٹھتے ہیں کیونکہ معتزلی جسم مثالی کے بھی قائل نہیں ہیں (جیسا کہ آپ اہل سنت کہلوانے کے باوجود جسم مثالی کا مذاق اُڑاتے ہیں) (شیخ زادہ ج ۲ ص ۲۷)

تعارض 5:

ص ۴۵ میں لکھا "حیات صرف دکھ سکھ محسوس کرنے کی حد تک یا لوگوں کو دیکھنے، ان کی باتیں سننے اور پہچاننے کی حد تک، صرف اس قدر حیات مراد ہے جس سے دکھ سکھ الم ولذت اور اک واحساس ہو سکے"

ص ۴۹ میں لکھا کہ "اسی اتصال سے وہ سلام کا جواب دیتی ہیں اور سلام کرنے والوں کو پہچانتی ہیں"

بتاؤ کیا سمجھے؟

تعارض 6:

ص ۴۹ میں بحوالہ فیض الباری ملا علی قاری کے غیر مطبوعہ رسالہ کی تحریر نقل کی کہ "ائمہ احناف میں سے کسی ایک نے بھی اس (مسئلہ سماع موتی) کا انکار نہیں کیا"

پھر ص ۵۰ میں لکھا "شیخ ابن الہمام نے اصل نفی سماع کو قرار دیا ہے۔ اور جس جس موقع پر سماع ثابت ہے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور سماع کو اپنے مورد پر محدود رکھا ہے"

اب قارئین خود اندازہ فرمالیں اور فیصلہ کریں کہ بات پہلی درست ہے یا دوسری۔

تعارض 7:

ص ۵۰ میں ہے "ہماری باتیں سننا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سو فرمایا کہ سمع اموات (پنجابی مثل مشہور ہے "موئے سُندے نے") کی احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں"

ص ۵۶ میں لکھا کہ ''جن چیزوں کا سننا حدیث سے ثابت ہے ان ہی پر اقتصار کیا جائے مثلاً سلام وغیرہ، میرے نزدیک یہی راجح ہے''

تعارض 8:

ص ۵۷ میں لکھا کہ ''سماع سلام و جواب بھی بدن ہی کا کام ہے''

پھر ص ۵۸ میں لکھا کہ ''اور یہی ہم کہتے ہیں کہ سماع و کلام وغیرہ رُوح اور بدن دونوں کا کام ہے''

تعارض 9:

ص ۵۹ میں لکھا کہ ''پتھروں کو شعور، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا یہ حقیقت نہیں کہ پتھروں، پہاڑوں اور جمادات میں بھی تو ادراک و شعور ہے''

پھر ص ۹۵ میں لکھا ''حیات تو روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق رُوح کے حیات کا کیا مطلب؟''

کیوں جناب! پتھروں، پہاڑوں اور جمادات (بے جان چیزوں) میں بھی روح ہوتی ہے؟

تعارض 10:

ص ۱۲۳ میں فرمایا ''اور یہ زندگی دنیوی نہیں بلاشبہ یہ اخروی زندگی ہے''

ص ۱۲۵ میں فرمایا۔۔۔۔۔ ''ہمارے بعض اکابر دیوبند'' اور دوسرے اکابر مشائخ امتؒ نے اسے بعض موقعوں پر دنیوی حیات یا دنیا کی سی حیات سے تعبیر فرمایا ہے''

تعارض 11:

ص ۲۳ سطر ۵'' شریعت میں فرمان حضرات صوفیہ کا کوئی بنیادی مقام

نہیں" یہ کہ کر معارئیس صوفیہ کا قول سند میں پیش فرماتے ہیں۔

سبحان اللہ! کیا کہنے۔۔۔۔۔۔ "کلامی هذا کاذب" شاید آپ نے رٹ رکھا ہے؟

تعارض 12:

صفحہ ۱۶ پر سیوطی کا قول نقل کیا کہ "عذاب قبر کا محل باتفاق اہل السنۃ والجماعت روح وبدن ہر دو ہیں"

پھر ص ۱۶، ۲۲ پر حضرت سید انور شاہ صاحب کا قول نقل کیا کہ "اہل السنۃ کے اس بارہ میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ عذاب صرف رُوح کو ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ رُوح وبدن ہر دو کو ہوتا ہے۔

تعارض 13:

شاہ جی نے ص ۱۲۷ میں نبی کریم ﷺ کا فرمان لکھا کہ

"جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے تو ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے"

یہاں سے سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ اگر حضرت ﷺ کا معصوم جسم زمین کھا جاتی جب تو یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ حضرت ﷺ کی ذات پر درود کیسے پہنچے گا لیکن حضرت ﷺ کا معصوم جسم زمین نہیں کھاتی اس لیے آپ ﷺ کی ذات پر درود پہنچ سکتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جسم کی سلامتی شرط ہے صلوٰۃ سلام وغیرہ پہنچنے کی۔۔۔۔۔۔۔ لیکن دوسری طرف شاہ جی وہ حدیثیں لائے ہیں جن میں قبروں کے اندر کے سب مردے بعلاقہ رُوح سنتے جانتے پہچانتے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

ان حدیثوں میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ مردہ کا جسم صحیح سلامت ہو یا مٹی ہو گیا ہو۔ گویا حکم مطلق ہے ہر حال میں مردہ سنتا جواب دیتا، جانتا، پہچانتا ہے، خواہ جسم سلامت ہو یا مٹی ہو چکا ہو۔

یعنی حضرت ﷺ کا صلوٰۃ وسلام سننے کے لیے تو یہ شرط ہے کہ آپ کا جسم صحیح سالم ہو مگر دوسروں کا سلام سننے اور جواب دینے، جاننے، پہچاننے کے لیے سلامتی جسم شرط نہیں۔

اس سے تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا سننا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو ہے عام موتی کا سننا بلکہ کفار کا سننا بھی۔۔۔۔ واہ بھئی واہ۔

دوسری بات:

ص ۱۲۹ میں ایک طرف حدیث لکھتے ہیں "جب بھی کوئی میرے اوپر جہاں کہیں بھی ہو سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو میری طرف متوجہ فرما دیتے ہیں یہاں تک کہ میں اس پر واپس سلام کہتا ہوں"

اور دوسری طرف ص ۱۳۰ پر لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں"

یہاں بریلوی اگر آپ سے یہ کہے کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ زمانہ حال کا اور زمانہ عالم حال کا ایک ہوتا ہے اس لیے مطلب یہ ہوا کہ

ادھر سلام والا سلام کہتا ہے ادھر حضور متوجہ ہوتے ہیں تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں جبھی تو اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور دوسری حدیث کہتی ہے کہ دور والے کا سلام نہیں سنتے۔ یہ کیا تعارض ہے۔

اس تعارض کو کس طرح دور کرو گے۔ بریلوی کہتا ہے کہ ہمیں تو رفع تعارض میں کوئی دقت نہیں۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سب دنیا کے مسلمانوں کی باتیں اور سلام سنتے ہیں۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے بھی مجھے آ بتاتے ہیں۔

کیا جواب صحیح ہے؟ پھر تو حضور ﷺ کو حاضر و ناظر کہنا جائز ہوا۔

تعارض 14:

شاہ جی نے ص ۱۲۹ میں لکھا" یہ ظاہر ہے کہ بے جان و بے روح جسم پر درود پیش ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر بے جان جسم اطہر پر درود پیش ہونے کا امکان ہوتا تو صحابہ کرام یہ سوال ہی کیوں کرتے کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت؟

ادھر فرمایا" سماع سلام و جواب بدن مردہ ہی کا کام ہے"

تعارض 15:

ص ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ" قبر کے معنے تو قبر ہیں یعنی جہاں مردے کو دفن کیا جائے میت رکھنے کی جگہ"

پھر ص ۱۸ پر کہا کہ" قعر سمندر ہی اس کی قبر بن جاتی ہے"

اب بتایئے! یہ کیا گورکھ دھندا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿شاہ صاحب مدظلہ کے مطالعہ کی قلت﴾

آپ ص ۵۸ میں فرماتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ "رُوح کا مقام تو بالاتفاق علیین ہے یا سجین"

مگر آپ کا مطالعہ مکمل نہیں۔ کاش آپ شرح الصدور کا مکمل مطالعہ کر لیتے تو آپ اس طرح شرمندہ نہ ہوتے۔

☆ بشرے الکئیب میں لکھا ہے کہ ساتویں آسمان پر بیضاء نام کی دار ہے، اس میں مومن کی ارواح رہتی ہیں (ص ۱۱۸)

☆ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومنین کی ارواح جبرائیل کے سپرد کی جاتی ہیں (ص ۱۱۹)

☆ سلمان فارسی فرماتے ہیں جسم سے نکل کر آسمان زمین کے درمیان رُوحیں رہتی ہیں، واپس جسم میں آنے تک (ص ۱۲۰)

☆ عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کافروں کی رُوحیں برہوت میں (حضرموت میں شور زمین کا نام) اور مومنین کی رُوحیں جابیہ میں جمع ہوتی ہیں (ص ۱۲۳)

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مومنین کی رُوح بئر زمزم میں اور کفار کی برہوت کی وادی میں (ص ۱۲۴)

☆ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں مومنین کی رُوح اریحا میں اور مشرکین کی حضرموت کے ظافر میں (ص ۱۲۴)

☆ وہب بن منبہ فرماتے ہیں مومنین کی رُوح قبض ہونے کے بعد ان

کے عزرائیل رمائیل فرشتے کے حوالے کردی جاتی ہیں۔
☆ امان بن ثعلب کسی اہل کتاب سے بیان کرتے ہیں کہ کفار کی روح دودہ فرشتے کے حوالے ہوتی ہیں۔

اب ناظرین خود سوچیں کہ شاہ صاحب کا فرمان روح کا مقام تو بالاتفاق علیین ہے یا سجین صحیح ہے۔ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں ہم نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿حضرت شاہ صاحب کا اکابر پر الزام﴾

☆ حضرت امام غزالی پر الزام کہ آپ اہل سنت سے خارج ہیں:

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں

ان المثاب والمعاقب ھو الروح والبدن آلۃ.

(نبراس ص ۳۲۹/ مرقاۃ ج ۴ ص ۳۱)

یعنی اصل ثواب عذاب روح کو ہوتا ہے اور بدن اس کا آلہ ہے۔
لیکن حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بدعتیوں کا غلط خیال ہے۔ چنانچہ ص ۱۴ و ص ۱۵ میں لکھا "بعض مبتدع فرقوں کا زعم (غلط خیال) ہے کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے"

اب بتائیے! حضرت امام غزالی صاحب جو ثواب عذاب روح کا مانتے ہیں۔ وہ کون ہوئے؟

☆ حضرت مولانا تھانویؒ پر جھوٹ کا الزام 1:

حضرت مولانا تھانویؒ اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۱۴ میں لکھتے ہیں کہ

''جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ آسمان دنیا کے اور ایک زمین بھی ہے مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے تو روح کے لیے مرنے کے بعد ایک جسم مثالی ہوگا''

اور ج ۳ ص ۳۱۴ میں فرمایا کہ ''برزخ میں عذاب وثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے''

مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں ''ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے آدمی کو سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں ہمارے حضرت کو ایک جسد عنصری کا انکار کرنے کے لیے حقیقی انسان، مجسم انسان، نفس، نفس ناطقہ، نسمہ، جسد یوم میثاق، اجزاء اصلیہ، ذرات پشت آدم علیہ السلام، برزخی جسد، مثالی جسم، اور مثالی جسد، کئی جسم وجسد ہی نہیں بنانے پڑے بلکہ مثالی جنت اور مثالی جنت کی مثالی زمین اور مثالی آسمان بھی ایجاد کرنے پڑے'' انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ حضرت تھانویؒ پر جھوٹ کا الزام 2:

شاہ جی نے ص ۱۸ قرطبی کی تحریر سے اہل کشف کا اجماع نقل کیا ہے کہ ''میت جل جائے یا درندوں پرندوں کے پیٹ میں ہو اسے قبر پہنچتی ہے اور اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر کو ہوتی ہیں تو اس کا ہر ذرہ ذرہ دکھ محسوس کرتا ہے خواہ کہیں ہوں''

شاہ صاحب اس دلیل پر نازاں ہیں۔

شاہ جی! ایک تو کشف حجت نہیں ہوتا کیونکہ باجماع صوفیا کشف حجت ظنیہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دوسرے اگر اجماع اہل کشف اس پر ہے تو حضرت تھانویؒ کے اس قول کا کیا مطلب ہوا جو فرماتے ہیں کہ

"اہل کشف کو معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اہل کشف کو معلوم ہوا کہ برزخ میں عذاب وثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعہ سے ہوتا ہے"

(اشرف الجواب ج ۱ ص ۳۱۳، ۳۱۴)

اب فرمائیے! اگر اہل کشف کا اجماع ہے تو حضرت تھانوی کیوں غلط بیانی کر رہے ہیں؟ اگر حضرت تھانوی صحیح فرماتے ہیں تو پھر یوں کیوں نہیں کہتے کہ کسی باغی نے قرطبیؒ کی طرف غلط نسبت کر دی ہے یا اجماع اس کے اپنے زعم میں ہے کیونکہ کئی جگہ لوگ اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں اور حقیقتاً اجماع نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔ بلکہ بعض جگہوں میں ایک آدمی کہتا ہے کہ اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ پھر دوسرا آدمی اس کی نقیض پر اجماع ہونا بیان کرتا ہے۔۔۔پس معلوم ہوا کہ قرطبی میں جو اجماع کا دعویٰ ہے وہ کسی باغی کا لکھا ہوا ہے، ہمیں وہ تسلیم نہیں، ہم وہی مانتے ہیں جو حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔

کیوں جناب شاہ جی! آپ کو یہ بات منظور ہے؟ اگر منظور نہیں تو صاف کیوں نہیں کہتے کہ مولانا تھانوی کو غلطی لگی ہے۔۔۔۔۔۔۔بس ہم خاموش بیٹھ جائیں گے۔ ناظرین خود سوچ لیں گے کہ اکابر دیوبند پر غلطی کا الزام

لگانے والا کون ہے؟ صاحب ندائے حق یا جناب سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری۔

☆ حضرت تھانویؒ پر فن کاری کا الزام:

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

"عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ انسان کو برزخی جسم عطا فرماتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔برزخ میں عذاب وثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں،

"یہ ساری فن کاری جانتے ہو کیوں ہو رہی ہے محض قبر اور جسد عنصری کے انکار کے لیے۔ یہ حضرت عذاب کے لیے کئی قسم کے اجساد تو بے تکلف بتاتے چلے جاتے ہیں مگر جسد عنصری کے لیے عذاب تسلیم نہیں فرماتے"

☆ حضرت سید انور شاہ صاحبؒ کے قول کو ٹھکرا دینا:

حضرت سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ مشکلات القرآن ص ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں

"تحقیق آں ست کہ۔۔۔۔۔۔در قبر اصلا تعلق روح بہ بدن نیست"

(مشکلات القرآن ص ۱۳)

مگر ان کے تلمیذ رشید سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں کہ
"قبر میں بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے" (ص ۳۸)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

﴿تمام سلف واکابر دیوبند کی مخالفت وتکذیب﴾

یاد رہے کہ اس مسئلہ میں شاہ جی نے صرف اپنے استاد کی مخالفت نہیں کی بلکہ تمام سلف اور اکابر دیوبند کی مخالفت وتکذیب کی ہے۔ چنانچہ۔

☆ حضرت نانوتویؒ کی مخالفت وتکذیب

اس طرح سے کی ہے کہ حضرت مولانا نانوتویؒ فرماتے ہیں "شہداء و دیگر مومنین۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس بدن کے اعتبار سے دونوں کی موت برابر ہے یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتی ہیں" (جمال قاسمی ص۱۴)

حیات شہداء ہو تو یوں ہو کہ اس حجاب کو رفع کر کے چاہیں تو یوں ہی رکھیں چاہیں کسی اور بدن کے ساتھ چھوڑ دیں اور بظاہر شہداء کے لیے یہی ہوتا ہے۔

چنانچہ احادیث مشعرہ ادخال اجواف طیر خضر اور لفظ عند ربهم جو آیت لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا میں واقع ہے اس پر دال بھی ہیں ورنہ اس سے بھی کیا کم کہ اول انفعال مذکور بھی زائل ہو جائے پھر نئے سرے سے ایجاد وانفعال کے بعد ابدان طیور خضر کے ساتھ علاقہ لگائیں اور یہی تعلق (ابدان طیور خضر کے ساتھ) حیات شہداء کے لیے کافی ہے اور اس امر کی تسلیم سے تو چارہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تعلق مابین ارواح شہداء و اجساد شہداء منقطع ہو جائے۔۔۔۔۔اور اس وجہ سے حیات رُوحانی تو زائل نہ ہو پُر حیات جسمانی شہداء منقطع ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔یعنی شہداء میں وجود حیات رُوحانی وقت موت جسم خاکی سے کچھ تعلق باقی نہ رہے اور اس وجہ سے حرمت ازواج اور سلامت اجساد اور عدم میراث لازم نہ آئے

لیکن ہر چہ بادا باد بعد موت نہ ارواح شہداء کو ان ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے اور نہ ارواح اور مومنین کو۔۔۔۔۔۔۔۔ بہر حال ابدان دنیا ے دونوں (شہداء و مومنین) کو کچھ نہیں رہتا ہے۔ (آب حیات ص ۱۶۸)

سو جب رُوح کو اس جسم سے تعلق نہیں رہا تو یہ ازواج و اموال رُوح کے حق میں بے کار محض ہو گئے اور دوسرے عالم کے اجسام سے اگر تعلق پیدا ہو گیا تو وہ اس باب میں (باب منافع دنیویہ میں) کچھ مفید نہیں کیونکہ اس عالم کے اجسام سے تعلق اگر ذریعہ انتفاع ہو سکتا ہے تو وہیں کے ازواج و اموال کے انتفاع کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ (آب حیات ص ۱۳)

اور شہداء کی وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں حیاتِ ثانی ہے۔ (آب حیات ص ۱۳)

حضرت نانوتویؒ کی بے شمار عبارتیں اس طرح کی موجود ہیں، سب کی سب نقل کریں تو کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی۔ عقل مند خود سمجھ سکتا ہے بے وقوف کے لیے دفتر بھی بے سود ہے۔

☆ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں

کہ بعض ایسی رُوحیں بھی ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس برزخ میں جسم خاکی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی رُوح پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی پھرتی ہیں اور خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہوں گی۔

اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت ﷺ کا جو رؤیائے صادقہ پہلے گزرا ہے (سیرۃ النبی ﷺ میں) جن جسمانی قالبوں میں گنہگاروں کی سزا و تکلیف کی صورتیں دکھائی گئیں وہ تمام مثالی ہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مؤمن سعید اور شہداء کے وہ مثالی قالب اور گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام ان کے وہ قالب اور جسم نہیں ہیں جو ان کی قبروں میں سڑ گل کر فنا ہوگئے یا وہ آگ میں جل کر خاکستر ہوگئے اور ذرے ہوا میں اُڑ کر منتشر ہوگئے یا کسی جانور کے پیٹ میں جل کر اس کا جزو بدن بن گئے۔

(سیرۃ النبی ﷺ للسید سلیمان ندویؒ ج ۴ص ۱۷۶)

☆ حضرت شیخ حسین علیؒ فرماتے ہیں

کہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور تحقیق بَلْ اَحْیَاءٌ" کی مختصر یہ ہے کہ اَحْیَاءٌ" سے مراد یہ بالکل نہیں کہ اس جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ باقی رُوح خود زندہ ہوتے ہیں مع النفس یا بدون النفس اور نفس اور رُوح کی مثال آگ اور دُخان جیسی ہے۔ باقی خاص ان کو اس معنے کے ساتھ زندہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ یہ زیادہ عیش وخوشی میں ہوتے ہیں۔ (بلغۃ الحیر ان من امالی حسین علیؒ)

☆ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں

کہ "بدن حقیقی اور رُوح ہوائی ست و رُوح ہوائی را تعلق کنند ببدنے دیگر از عالم مثال" ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یعنی انسان کا بدن حقیقی ہوائی رُوح ہے (مرنے کے بعد) اس ہوائی رُوح کا عالم مثال میں سے دوسرے بدن کے ساتھ تعلق کر دیتے ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸)

☆ صاحب مواہب الرحمٰن سید امیر علی شاہ صاحب فرماتے ہیں

قولہ بَلْ اَحْیَاء'' عِنْدَ رَبِّهِمْ۔۔۔۔۔۔ف:۔۔۔۔۔کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ زندگی فقط رُوح کو ہے جسم کو نہیں اور صحیح یہ ہے کہ اس وقت ان کی رُوحیں اس طرح مثل ستاروں کے زندہ ہیں اور حشر میں سب کے سب جب زندہ ہوں گے تو ان کے جسم بھی زندہ ہوں گے۔امتیاز یہ ہے کہ ان کی رُوحیں ابھی سے جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور باقیوں کی رُوحیں حشر کے حساب سے بعد جاویں گی لیکن انبیاء وصدیقین کا ان پر قیاس نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کا مرتبہ شہیدوں سے بڑھا ہوا ہے۔

☆ شیخ زادہ بر بیضاویؒ فرماتے ہیں

کہ اس میں کچھ شک نہیں اس جسد عنصری کے ساتھ بالکل شہداء کی حیات نہیں کیونکہ یہ معدوم اور لا شے ہو چکا ہے۔اب لازماً ان کی حیات دوسرے طریقے یعنی رُوحانی طریقے کے ساتھ ہوگی اسی لیے وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ فرمایا کیونکہ شعور تب ہوتا جب اس جسد (عنصری) کے ساتھ حیات ہوتی اور اس جسد عنصری کے ساتھ تو حیات ہے نہیں بلکہ وہ معنوی رُوحانی حیات ہے کیونکہ نیک انسان کی رُوح ہی تا قیامت نعمتوں میں رہے گی اور بد انسان کی بھی رُوح ہی تا قیامت عذاب میں مبتلا رہے گی۔اور اسی طرف صحابہ اور تابعین اور اصحاب الحدیث گئے ہیں اور کسی نے اس کا اختلاف نہیں کیا۔سوائے معتزلہ کے۔(منقول از اکلیل ج ۲ ص ۲۷)

اسی طرح علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری ج ۲۳ص ۹۸ میں لکھا ہے کہ فنا شدہ جسم کو عذاب متصور نہیں۔

☆ اشاعرہ اور حنفیہ سب کہتے ہیں

کہ رُوح واپس جسد عنصری کی طرف عود نہیں کرتی۔

(منقول از قرۃ العین ص ۵۹۵)

☆ حضرت شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں

کہ اخلاط غلیظہ کے اختلاط کی وجہ سے جب یہ اعضاء جسد عنصری کے گندے ہو جاتے ہیں اور آثار کے قبول کرنے سے نکل جاتے ہیں، تب بدن سے رُوح الگ ہو جاتی ہے اور عالم ارواح کی طرف چلی جاتی ہے۔ فرمایا یہی اس مسئلہ میں صواب اور صحیح ہے اور اس کے سوا دوسری باتیں صحیح نہیں یعنی اس کے سوا دوسری سب باطل اور غلط ہیں اور اسی پر قرآن وسنت اور اجماع صحابہ اور عقل وفکر کے دلائل موجود ہیں۔ (فتح الملہم ج ۲ص ۲۶۹)

شاہ صاحب سمجھ لیا! آپ کے ص ۳۶ سے ص ۱۱۱ تک سب مضمون پر پانی پھر گیا بلکہ آپ کی تمام کتاب کی تردید ہوگئی کیونکہ آپ نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں سوگنا اور بھی اقوال رجال پیش کر کے چار ہزار صفحہ کی کتاب لکھ مارو گے ان سب کا ایک ہی جواب ہے کہ یہ اقوال اگرچہ دس کروڑ ہوں، قرآن وسنت و اجماع صحابہ اور عقل وفکر کے مقابلے میں پر کاہ جتنا بھی وقعت نہیں رکھتے۔

حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں لا یھولنکم اسماء رجال عند قوۃ الدلیل فان کتاب اللہ حاکم ببطلان ھذا القول۔

(مناقب کردری ج ۱ص ۱۲۶)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿ندائے حق پر اعتراضات کے جوابات﴾

☆ ندائے حق میں ہے:

علماءکرام نے قبر کے معنے عالم برزخ کے کیے ہیں۔

شاہ صاحب کا اعتراض:

نہ تو علماء نے قبر کے معنے عالم برزخ کے کیے ہیں۔الخ (ص ۱۳)

جواب:

مجالس الحکمت ص ۴۲ میں مولانا تھانوی نے فرمایا قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے نہ کہ حفرہ (گڑھا)۔

شاہ جی! دیکھ لیا کیا مولانا تھانوی کو آپ علماء سے خارج سمجھتے ہیں؟

☆ ندائے حق میں ہے:

یہی (عالم برزخ) شرعی قبر ہے۔۔۔۔۔اور یہی حقیقی معنے ہیں یعنی حقیقت شرعیہ۔

شاہ صاحب کا اعتراض:

نہ عالم برزخ شرعی قبر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہ ہی قبر کے معنے حقیقی عالم برزخ کے ہیں، نہ شرعاً، نہ لغۃً، نہ علماً، نہ عرفاً (ص ۱۳)

جواب:

اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۶ میں مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں ۔۔۔۔۔۔بلکہ عالم

مثال (عالم برزخ) کو کہتے ہیں قبر۔

ناظرین! بتائیں کہ مولانا تھانوی کی مانیں یا شاہ جی کی؟

☆ ندائے حق میں ہے:

یہی (عالم برزخ) حدیثوں سے مراد ہے۔

شاہ صاحب کا اعتراض:

نہ حدیثوں سے یہی مراد ہے۔

جواب:

مجالس الحکمت کا حوالہ دے چکا ہوں۔

☆ ندائے حق میں ہے:

گڑھا قبر کا حقیقی معنی نہیں۔

شاہ صاحب کا اعتراض:

نہ ہی قبر کے معنی حقیقی عالم برزخ کے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔نہ شرعاً، نہ لغۃً، نہ علماً، نہ عرفاً (ص ۱۳)

جواب:

شاہ صاحب کے اوسان خطا ہو گئے۔۔۔۔۔۔ندائے حق میں کیا ہے اور اعتراض کیا کیا؟

☆ ندائے حق میں ہے:

جسم میں دو قسم کے اجزاء ہیں ایک اجزاء اصلیہ۔۔۔۔۔۔۔۔کہ جو

حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذرات کی شکل میں عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے۔۔۔۔۔۔پس روح کا اصل تعلق ان ہی اجزائے اصلیہ اور ذرات کے ساتھ ہے۔۔۔۔اور قبر میں سوال ان ہی ذرات سے ہوگا اور ان ہی میں روح اور حیات واپس کردی جائے گی اور وہی سوال کا جواب دیں گے۔

شاہ جی کا اعتراض:

پھر دفن تو کیا گیا جسد عنصری کو، اجزاء منتشرہ متفرقہ وغیرہ ہوئے اسی ماکول مصلوبہ محرقہ جسد عنصری کے، مگر عذاب ہوتا ہے اجزاء اصلیہ کو جو یوم میثاق پشت آدم سے نکلے تھے جو نہ اس دُنیائے آب وگل میں کبھی آئے نہ انہیں دنیا میں کسی نے دیکھا۔۔۔۔۔۔کرے مونچھوں والا، پکڑا جائے داڑھی والا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جرم وگناہ جسد عنصری کا اور سزا بھگتیں ذرات ازلی۔اب اس گورکھ دھندے کو کوئی کیا سمجھے (ص ۲۱)

جواب:

بالکل ٹھیک ہے عذاب ہوتا ہے اجزائے اصلیہ کو چنانچہ تہافۃ الفلاسفہ میں ص ۱۳۱ پر خواجہ زادہ نے فرمایا "اجزائے اصلیہ کو اور درحقیقت انہیں کا نام انسان ہے۔خدا کے امر سے فرشتے بوقت موت پکڑ لیتے ہیں، ان اجزاء کو نہ مٹی کھاتی ہے نہ وہ اجزاء مٹی میں خلط ملط ہوتے ہیں اور نہ ان اجزاء سے نباتات پھل اور اناج وغیرہ حاصل ہوتا ہے"

پھر ص ۹۳ میں لکھا "اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ ان اجزاء کو متحلل ہونے سے محفوظ رکھے"

اور ص ۱۲۰ میں لکھا'' اور وہ اجزاء بہت ہی قلیل مقدار میں ہیں انہیں کو جاذ ارواح کر دیتے ہیں تو موت کے وقت اللہ تعالیٰ فرشتوں کو انہیں اجزاء کو قبض کرنے کا حکم دیتا ہے جو درحقیقت وہی انسان ہیں اور ان اجزاء میں کسی قسم کی تبدیلی پھوٹ اور صفاتی تغیر واقع نہیں ہوتا''

اور امام شعرانی نے بھی الیواقیت ج ۲ ص ۱۳۲ میں یہی لکھا پھر الیواقیت ج ۲ ص ۱۳۹ میں فرماتے ہیں کہ'' عزرائیل نے جس ذرہ کو شروع میں زمین سے قبض کیا تھا وہ ہر انسان میں باقی رہتا ہے اس میں کچھ تبدیلی نہیں آتی اور وہ وہی جزء ہے جس سے یوم میثاق میں عہد لیا جا چکنے کے بعد سے قائم چلی آتی ہے اور قبر میں منکر نکیر کا سوال و جواب اسی پر متوجہ ہوگا اور ان کا جواب بھی وہی جزء دے گی اور باقی اجزاء چپ سادھے ہوں گے پھر صور پھونکتے وقت اسی جزء کے ساتھ رُوح کا تعلق ہوگا پھر باقی عنصری اجزاء بھی جہاں جہاں بھی ہوں گے قدرت خداوندی سے منضم ہو جائیں گے حتیٰ کہ شخص تام بن کر اسی طرح کھڑا ہو جائے گا جیسے دنیا میں تھا''

یہی بات امام رازیؒ نے بھی بیان کی۔

کیوں شاہ جی! ندائے حق کی بات بلا دلیل تھی یا بالدلیل تھی۔ کیا آپ کے پاس یہ کتابیں نہیں یا ان کتابوں کا مطالعہ نہیں فرمایا۔۔۔۔۔۔ اگر آپ کے پاس کتابیں نہیں تو میرے پاس تشریف لائیں میں آپ کو دکھا دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ کی رہائش اور خورد و نوش وغیرہ کا انتظام کروں گا، کمرہ بھی دوں گا اور خادم بھی دوں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر بھی سمجھ نہ آئے تو مجھ سے پوچھ لینا۔

نیز میرا ایک سوال ہے کہ اگر وہ اجزاء اصلیہ دنیائے آب وگل میں نہیں آئے اور نہ انہوں نے آنا تھا تو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ نے ان سے وعدہ کا ہے کو لیا تھا، کیا صرف نمائش کرنی تھی اور پھر انسان کو اس واقعہ کے سنانے کا کیا مقصد تھا؟ کیا رستم فرہاد کی کہانیوں کی طرح کہانی سنا دی دل بہلانے کو۔

پھر فرماتے ہیں "نہ انہیں دنیا میں کسی نے دیکھا"

سبحان اللہ! یہ تو دہریوں والی بات ہوئی کہ ہم نے دیکھا نہیں اس لیے اس کے وجود سے منکر ہیں۔ آپ نے اپنی رُوح کبھی دیکھی ہے؟ نہیں، تو رُوح کا بھی انکار کردو۔ خدا بھی نہیں دیکھا، کیا قرآن میں یؤمنون بالغیب نہیں پڑھا؟

پھر فرماتے ہیں "گناہ جسد عنصری کا اور سزا بھگتیں ذرات ازلی"

واہ جی واہ! زنا کرتا ہے ذکر اور فرج اور حد لگاتے ہو پیٹھ پر، ذکر اور فرج کو بچانا ضروری اور کا شا حرام کرتے ہو اس کا کیا جواب؟

(تفصیل کے لیے دیکھو آب حیات)

❁ اب سمجھئے مسئلہ!

وہی اجزائے اصلیہ جسد ہیں۔۔۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے من بنی ادم اور آدم کی اولاد رُوح مع الجسد ہے۔ (دیکھو کتاب التمہید ص ۱۱۴)

اور میثاق کے وقت ان میں عقل تھی، سمجھ تھی، کان تھے اور زبان تھی۔ جب ہی تو "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" سنا اور اس کا مطلب سمجھا اور جواب دیا "بَلٰی" یہ دل، کان اور زبان والا جسم ہی تو ہے۔ اسی جسم کے ساتھ رُوح

ایسے جسد بنتے وقت تعلق کا تھا ایسے ہی بعد از مرگ بھی اسی جسم کے ساتھ روح کا تعلق کا ہو کر سوال ہوگا۔

دیکھا یوں عبارات کی تطبیق ہوتی ہے۔اب پڑھ جاؤ سب عبارتیں مطلب واضح ہے۔نہ کوئی اشکال رہا، نہ اعتراض۔سمجھے؟ مطالعہ یوں ہوتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ انہی شریف (جگہ کا نام جہاں ایک مشہور و قدیم دینی درس گاہ اور شیخ الکل مولانا غلام رسولؒ مسند تدریس پر فائض تھے) تشریف نہیں لے گئے جہاں مطالعہ کرنے کا طریقہ آتا ہے۔

باقی علماءِ حق نے معتزلہ فرقے کو جواب دینے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔کوئی الزامی، کوئی تحقیقی۔ان میں فرق نہ کرتے ہوئے الزامی جواب کو تحقیقی سمجھ لیتے ہیں اور اشکالات پر اشکالات ذہن میں آپ کے گھومتے ہیں۔نہ آپ سمجھتے ہیں، نہ پبلک کو سمجھا سکتے ہیں۔آپ کی کتاب دیکھ کر ایمانداری سے بتاؤ پبلک کسی نتیجہ پر پہنچی بھی ہے؟

اب رہا اختلاف کہ عذاب ثواب صرف رُوح کو ہوتا ہے یا رُوح مع الجسد ہر دو کو تو حقیقت یہ ہے کہ یہ نزاع لفظی ہے۔کیونکہ جو کہتے ہیں کہ عذاب ثواب صرف رُوح کو ہوتا ہے اُن کا مطلب یہ ہے کہ اِس جسدِ عنصری گوشت پوست والے کو عذاب نہیں ہوتا، حصر اضافی ہے۔

اور جو کہتے ہیں کہ عذاب ثواب رُوح اور جسد ہر دو کو ہوتا ہے اُن کا مطلب یہ نہیں کہ جسد کے ہر ہر عضو کو ہوتا ہے۔بلکہ مراد ہے کہ جسد کے بعض اجزاء کو ہوتا ہے اور بعض اجزاء سے مراد وہی اجزاءِ اصلیہ ہیں جو روزِ میثاق سے بعد از مرگ تک سالم غیر متبدل برقرار رہتے ہیں۔

اور صوفیائے کرام نے جو بدل مثالی سے تعبیر فرمادیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ جیسے رُوح مع اُن اجزاءِ اصلیہ کے اِس جسدِ عنصری میں اپنا کام کررہی ہیں اِسی طرح عالم برزخ میں دوسرے مثالی جسم میں رہیں گے تو جیسے الزنجی اسودای بعضہ اور الزنجی لیس باسود ای بعضہ میں جیسے تناقض نہیں اِسی طرح ان میں بھی تناقض نہیں اور ظاہر بینوں نے تناقض سمجھ لیا اور کتابوں میں لکھ دیا۔

اور حضرت سید سند محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً نے اُن کا قول صرف نقل فرمادیا اور فرمایا کہ میرے نزدیک مختار یہی ہے کہ رُوح اور جسد ہر دو کو عذاب ثواب ہوتا ہے تو مطلب آپ کا بھی یہی ہے کہ جسد کے بعض اجزاء یعنی اجزاءِ اصلیہ کو عذاب ثواب ہوتا ہے۔

آپ تو حضرتؒ کے شاگرد ہیں، میں تو اُن کا شاگرد نہیں (میں تو حضرت العلام الفہام فقیہ النفس ذکی لوذعی یلمعی عریف عظریف امام ہمام مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ہوں اور اُن کے فرمان کے مطابق اُن ہی کے مدرسہ امینیہ دہلی میں پارٹیشن سے پہلے سات سال تک پڑھاتا بھی رہا ہوں) فیض الباری وعرف الشذی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید سند کی عادت مبارک تھی کہ ایک ہی حدیث جو مختلف مقامات پر بخاری شریف میں آتی تھی تو ہر جگہ تقریر فرمادیتے تھے تو جوبات ایک جگہ نہ کی دوسری جگہ چل کر فرمادیتے تھے۔ حضرت امام بخاری کی طرز دیکھ لو اور حضرت سید سند کی طرز دیکھ لو۔

اور صوفیائے کرام اہل سنت ہی ہیں (آپ کا سید سند پر الزام ہے کہ

اسے اہل سنت کے علاوہ شمار کرتے ہیں) انہوں نے احادیث اخبار و آثار سے ہی بدنِ مثالی کا سراغ لگایا ہے لیکن سید سند نے جو تردید فرمائی ہے تو اُن کی فرمائی جو صرف بدنِ مثالی کے عذاب وثواب کو مانتے ہیں کہ جو صوفی یہ کہتے ہیں کہ صرف بدنِ مثالی کو عذاب ہوتا ہے بدنِ مادی کو کوئی دخل ہی نہیں عذاب میں، یہ بات نہیں ہے۔

(تقریر نوٹ کرنے والے نے عبارت عربی بنانے میں اپنی فہم کے مطابق عبارت بنائی ہے) اجزاءِ اصلیہ ہماری نظر سے غائب ہیں، وہ مادی ہیں ان کو مع رُوح کے جو ڈھانچہ میں بدنِ مثالی کے قرار پکڑتے ہیں اُن کو عذاب ہوتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں عقائد وکلام کی کسی کتاب میں ایک جگہ بھی یہ مذکور ومسطور نہیں کہ عذابِ قبر صرف بدنِ مثالی کو ہوتا ہے اور بدنِ عنصری کو نہیں ہوتا (ص ۲۴)

شاہ جی! آپ بجا فرمارہے ہیں اور ہم کب کہتے ہیں کہ عذابِ قبر صرف بدنِ مثالی کو ہوتا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ عذاب رُوح مع اجزاءِ اصلیہ کے جو عالم برزخ میں بدنِ مثالی میں مُودَع ہوتے ہیں، اُن مجموعہ کو ہوتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا تھانویؒ بھی اُن ہی ظاہر بین علماء میں شامل ہیں (ص ۲۵)

نہیں جناب! مولانا تھانویؒ ظاہر بین علماء میں نہیں ہیں، وہ حقیقت رس ہیں۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ "ایک جسم تو یہاں ہے اور ایک جسم عالم مثال میں ہے۔ وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ بس اُس مثال کا نام ہی

قبر ہے۔۔۔۔۔۔کیونکہ وہ جو عالم مثال ہے وہیں اُس کو عذاب قبر بھی ہوگا۔۔۔۔۔اشکال تو تب ہوتا جب قبر سے مراد گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔حالانکہ اصطلاحِ شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو قبر کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں، خواہ مردہ دفن ہو یا نہ"

(اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۶)

"مرنے کے بعد مثالی قبر میں اٹھایا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔وہیں سوالات اور عذاب وثواب ہوتا ہے"

(اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۷)

"وہ تو عالم عالمِ مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اوّل پہنچتا ہے اور وہ کچھ مشابہ اس عالم کے اور کچھ مشابہ عالم آخرت کے ہے۔۔۔۔۔۔۔وہیں اس کو فرشتے اٹھاتے ہیں وہیں اس سے سوال کرتے ہیں وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے وہیں اس کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر سے تعبیر کیا گیا ہے"

(اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۵)

"اس کی تحقیق کے لیے کشف کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے نص ساکت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسمِ مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسمِ عنصری سے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسمِ مثالی صرف عالم برزخ ہی میں انسان کو عطا ہو گا اور جنت ودوزخ میں یہی جسمِ عنصری پھر مل جائے گا۔۔۔۔۔۔گو برزخ

میں جسم عنصری کا ہونا محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے۔۔۔۔۔۔۔اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب وثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعہ سے ہوتا ہے"

(اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۱۳،۳۱۴)

مولانا محمد احسن صاحب سنبھلیؒ فرماتے ہیں" والمراد بالقبر ليس ما يحفر ويدفن فيه الميت بل المراد عالم البرزخ مما بعد الموت الى يوم النشور"

(نظم الفرائد حاشیہ شرح العقائد النسفیہ ص ۱۷۱)

مولوی عبدالحق حقانی مفسر و متکلم دہلویؒ فرماتے ہیں" قبر کے وسیع اور تنگ ہونے سے ہماری مراد یہ نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپایا جاتا ہے، وہ تنگ و وسیع ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔بلکہ اس عالم میں رُوح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے۔۔۔۔۔۔۔ہاں عرف عام میں اس جسم کے اعتبار سے اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں"

(عقائد الاسلام ص ۱۶۰،۱۶۱)

"قبر حقیقت میں اسی عالم برزخ کا نام ہے۔۔۔۔۔۔۔اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔اسی عالم برزخ میں مردہ سے توحید و رسالت کے متعلق فرشتے آ کر سوال کرتے ہیں جن کو منکر نکیر کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پوری پوری جزا قیامت کو حساب وکتاب کے بعد ملے گی مگر جزا وسزا کا سلسلہ کچھ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔ دارالعمل یعنی دُنیا سے ابھی پوری طرح تعلق قطع نہیں ہوا۔۔۔۔۔اسی

وجہ سے اقارب واحباب کے دعواتِ صالحات اور صدقات ومبرات مردوں کے حق میں تخفیفِ عذاب یا رفع درجات کا کام دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔اور اسی وجہ سے انبیاء ومرسلین کو اور بعض عباد صالحین کو بطورِ تکلیف نہیں بلکہ بطورِ لذت وفرحت قبر (عالم برزخ) میں عبادت مثلاً نماز اور حج اور تلاوتِ قرآن کی اجازت دی جاتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے قبر میں موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

قال اللہ تعالیٰ "اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے بھی ایک عذاب ہے جو مرنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے۔

جیسے دوسری آیت میں ہے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا

وہ لوگ غرق کیے گئے اور اس کے فوراً بعد ہی آگ میں داخل کیے گئے۔

کلامِ عرب میں "ف" تعقیب بلا مہلت کے لیے آتی ہے، اس عذاب سے عذاب عالم برزخ مراد ہے۔۔۔۔۔۔۔مرنے کے بعد قیامت سے پہلے بھی عالم برزخ میں ہر شخص پر عذاب یا ثواب ضرور ہوتا ہے اسی کو شریعت اسلامیہ میں عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ دُنیا میں واپسی نہیں۔۔۔۔۔۔۔ایک دفعہ مر جانے کے بعد رُوح پھر کسی دوسرے جسم

عنصری میں سزا اور جزاء بھگتنے کے لیے دُنیا میں نہیں آتی جس کو "تناسخ" اور ہندی میں "آواگون" کہتے ہیں، الّا یہ کہ مردے کو کسی نبی کا معجزہ ظاہر کرنے کے لیے زندہ فرما دیا جائے تو وہ "تناسخ" نہیں"

(عقائد الاسلام ص۲۴۵)

اور "مصالح عقلیہ" میں جو حضرت نے فرمایا اُس کو بغور دیکھیں تو مطلب خود حل ہو جائے گا ورنہ ایک ہی مصنف کی کلاموں میں تعارض آئے گا۔ ظاہر بین آپ جیسوں کو کہا گیا۔ مولانا تھانویؒ اور دوسرے محققین کو ظاہر بین نہیں کہا گیا۔

نیز شاہ جی کے معتمد علیہ مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہٗ کے پیر حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"عود الی الجسد" کا لفظ یا راویوں کا اپنا ہے جو اپنی فہم کے مطابق کہہ دیا یا پھر اس کے یہ معنی ہیں کہ رُوح جسد کے صرف اُسی جزء کی طرف عود کرتی ہے جس کو نفس کہتے ہیں جیسے خازن نے کہا۔ جیسے قوت المغتذی علی جامع الترمذی میں ہے۔

(دیکھو تحریرات حدیث ص۲۱۰)

اس کے بعد مرقاۃ والے کی بات کہ تمام جسد عنصری میں رُوح داخل کر دی جاتی ہے، حضرت صاحب نے ردّ فرمائی کہ اس کا نہ کوئی قائل ہوا اور نہ ہی یہ نظریہ کسی شمار میں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿فاعل حقیقی رُوح ہی ہے﴾

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے

جسم اپنے آپ متحرک اور ساکن نہیں بلکہ رُوح در پردہ کار پرداز حرکات وسکون ہے اور اس وجہ سے جسم فقط محل قیام حرکت ہے، فاعل نہیں۔ فاعل حقیقی وہی رُوح ہے ۔۔۔۔۔ چنانچہ ضرب وسبّ وشتم وغیرہ امور جو اعضائے مخصوصہ سے صادر ہوتے ہیں رُوح کے افعال سمجھے جاتے ہیں ۔۔۔۔۔ جسم کے افعال نہیں سمجھے جاتے ورنہ انعام اور پاداش میں اعضاء جو مصدر افعال تھے محل اکرام وانعام ومورد عتاب وعقاب ہوا کرتے ۔۔۔۔۔۔ حالانکہ سب وشتم کے عوض میں جو افعال لسانی ہیں بسا اوقات سر پھوڑا جاتا ہے اور دست و پا توڑے جاتے ہیں اور زنا کی سزا میں جو بظاہر فعل عضو مخصوص ہے، تازیانوں کی مار کمر پر پڑتی ہے یا پتھروں کی بوچھاڑ سارے بدن پر برستی ہے، علیٰ ہذا القیاس ۔۔۔۔۔ مدح وثنا یا خدمت دست وپا کی جزا میں تاج پہنایا جاتا ہے، طعام لذیذ کھلایا جاتا ہے۔

اگر فاعل حرکات جسم ہی ہوتا ہے تو یہ ظلم صریح کہ کرے کوئی بھرے کوئی، جان کوئی گنوائے اور مزے کوئی اڑائے ، کسی کے نزدیک روا نہ ہوتا ۔۔۔۔۔۔۔ حالانکہ اس قسم کی جزاء کے جواز میں متبعان عقل ونقل میں سے کسی کو تامل نہیں ہاں فاعل حرکات رُوح کو کہیے تو اسی اختلاف محل طاعت وجرم اور مورد جزاء وسزا کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ رُوح کو تمام بدن اور جملہ اعضاء بدن سے ربط وتعلق ہے اور ہر جزو بدن رُوح کے حق میں مصدر افعال ومنبع

آثار اور واسطہ ایصال رنج وراحت اور سبیل حصول آرام وتکلیف ہے۔

چنانچہ خود جسم کو کاروبار سے کچھ تعلق نہیں۔ آرام وتکلیف سے کچھ مطلب نہیں زر منافع حرکات وسکنات بوسیلہ جسم حبیب خاص روح سے باہر آتا ہے اور رنج وراحت اور سارے کا سارا خزانہ رُوح میں جاتا ہے۔۔۔۔۔ بدن کو فقط چوبدار یا تحصیلدار سمجھئے اس سبب سے جس عضو کے وسیلہ سے کوئی فعل صادر ہوگا وہ رُوح ہی کا فعل ہوگا اور جو انعام انتقام کسی عضو پر وارد ہوگا وہ روح پردہ نشین ہی وارد ہوگا۔ اس صورت میں اگر مصدر طاعت وگناہ کوئی اور عضو ہے تو کچھ مضائقہ نہیں جو مطیع ہے وہی منعم ومرحوم ومحمود ہے اور جو عاصی ہے وہی مذموم ومعتوب ومطرود ہے۔ مصدر افعال بھی وہی رُوح تھی اگرچہ کوئی عضو بدن اس کا مظہر ہو اور مورد انعام وانتقام بھی وہی رُوح ہے۔۔۔۔۔ اگرچہ حقیقت میں رُوح ہے نہ بدن اور منبع حرکات وسکنات ارادیہ جان ہے نہ تن، جسم وتن فقط محل قیام حرکات وسکنات اور ایک طرح کا ظرف تحقیق ارادیات ہے گو ظاہر بینوں کو فاعل نظر آئے۔۔۔ انتہیٰ۔

(آب حیات ص ۱۸۸، ص ۱۸۹)

شاہ جی! دیکھا آپ نے صاحب ندائے حق کو ڈانٹا ہے کہ علماء کو ظاہر بین کہہ دیا اب مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر لب کشائی فرمائیں جو آپ جیسوں کو ظاہر بین فرمارہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اب یہ بھی سمجھ آ گیا ہوگا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ رُوح کے عذاب کے قائل ہیں یا جسد عنصری کے ساتھ تعلق بنا کر عذاب کے قائل ہیں۔

☆ندائے حق میں ہے

"پھر لطف یہ کہ کہتے ہیں، ہمیں تو دھڑ یہیں قبر اور گڑھے میں دھرا دکھ رہا ہے مگر مکہ شریف میں حج کرنے کو بھی یہی دھڑ گیا ہوا ہے۔ ہمیں محسوس نہیں ہوتا یہ دھڑ جنت کے میوے کھا کھا کے خوب موٹا ہو گیا ہے مگر ہماری نگاہ غلط بین اسے دبلا پتلا دیکھ رہی ہے یا آگ میں جل کر راکھ ہوتی دیکھ رہی ہے یا سمندر میں ڈوب کر گلی سڑی دیکھ رہی ہے۔

خلاصہ:

رُوح جسدِ عنصری میں داخل بھی ہے۔ دنیا میں جو کام کرتا تھا اب بھی اسی طرح کر رہا ہے مگر ہم محسوس نہیں کر سکتے ہاں وہ ہمیں دیکھتے، پہچانتے ہیں۔ ہماری باتیں سنتے ہیں۔ ہماری باتوں کا جواب دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ زندہ بہم مردہ"

شاہ جی کا اعتراض:

"فاضل محترم نے تو طعن و استہزاء کا مظاہرہ فرمایا مگر حقیقت میں میت زائر کو پہچانتی ہے اس کا سلام سنتی ہے، سلام کا جواب بھی دیتی ہے"

(ص ۴۹)

اس کے بعد شاہ جی نے حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ کی عبارت مندرجہ "المصالح العقلیہ" ص ۳۲۰ کا حوالہ پیش فرماتے ہیں:۔

اس تودۂ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے۔ اور "السلام علیکم یا اھل القبور" کہنے سے جواب ملتا ہے۔

(ص ۴۹)

حوالہ تو دے دیا مگر اس کا مطلب شاہ جی خود بھی نہیں سمجھے۔ دیکھیے جناب! حضرت تھانوی تو ذرۂ خاک سے ارواح کا جو تعلق بیان کرتے ہیں۔ ہم کب منکر ہیں؟ سوال تو یہ ہے کہ وہ تعلق کون سا ہے؟ بات خود نہ سمجھی، الزام دوسروں پر۔

آیئے! ہم حضرت حکیم الامت کے قلم سے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ وہ تعلق کون سا ہے؟

لایئے! کتاب ملفوظات ج ۴ ص ۵۱۴ و ج ۴ ص ۸۲۵

اس میں دیکھیے یہ لکھا ہے

''اس روح کو برزخ میں دوسرا جسد عطا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس جسد سے تعلق رکھتا ہے اور قبر کا سوال و جواب اس جسدِ مثالی سے ہوتا ہے جو وہاں عطا ہوتا ہے اور جسدِ عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا درجہ ہے جیسے کوئی رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے۔ اب چلنا پھرنا تو دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے اگر ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ بھی رہتا ہے تو رُوح گو وہاں جسدِ مثالی کے ساتھ ہو گی مگر تعلق اس جسدِ عنصری کے ساتھ بھی ہو گا۔ اب اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے۔ کیا تب بھی حساب ہو گا؟ سو یہ سوال و جواب اسی جسدِ مثالی کے ساتھ ہو گا جو عالم برزخ میں عطا ہوتا ہے''

(ملفوظات ج ۴ ص ۵۱۴ و ج ۴ ص ۸۲۵)

کیوں جناب! اب بھی تسلی ہوئی یا نہ؟ مولانا تھانوی کون سے تعلق کے قائل ہیں؟ مجمل بات سے مرادیں از خود نکالنا منصف کا کام نہیں۔ مجمل سے

پوچھنا چاہیے کہ آپ کی اس سے کیا مراد ہے؟

اور سنئے! حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کون سا تعلق مراد لیتے ہیں؟ اسے تو آپ نے غیر شعوری طور پر سپرد قلم فرمایا ہے۔

دیکھئے حیات الاموات ص ۴۲

''آن تعلق شبیہ است بتعلق عاشق و معشوق یا مالک و مملوک کہ از تعذیب و تنعیم می تواند شد''

اس کا ترجمہ بھی لکھا'' بلکہ وہ تعلق عاشق و معشوق اور مالک و مملوک کے تعلق کے مشابہ ہے''

اب ہم سے سنئے! تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۵۰ میں فرمایا

''روح کی بنسبت بدن ایسا حکم رکھتا ہے جیسے لباس ہو کسی شخص کا''

اور سنئے! میرے بچا استاذ اور آپ کے حقیقی استاذ حضرت السید السند شیخ الاسلام محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً بھی لکھتے ہیں

''لعل علاقۃ الروح مع البدن علی الراکب مع المرکوب''

(دیکھو عقیدۃ الاسلام ص ۵۲)

یعنی علاقہ روح کا بدن کے ساتھ ایسا ہے جیسے سوار کا سواری کے ساتھ ہوتا ہے اور ان علاقوں کی طرف حدیثوں میں اشارے ہیں۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ رب کے آگے ارواح شہداء عرض کریں گی کہ یا باری تعالیٰ! ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں پھر سے لوٹا دو تا کہ ہم دنیا کی

طرف واپس جائیں اور تیری راہ میں دوبارہ قتل ہوں۔

(ترمذی ج ۲ ص ۱۲۶)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ اتصال نہ دخولی ہے، نہ مجاوری، نہ لزومی بلکہ وہ اتصال معنوی التفاتی ہے۔

چنانچہ امام سیوطی نے بھی تصریحاً شرح الصدور ص ۱۰۰ میں فرمایا

التعلق الرابع في البرزخ فانها وان كانت فارقة بالموت فانها لم تفارقه كليا بحيث لم يبق لها اليه التفات۔

یعنی مرنے کے ساتھ اگرچہ رُوح بدن سے جدا ہو جاتی ہے لیکن اتنی پوری جدائی نہیں ہوتی کہ اس طرف التفات ہی نہ رہے۔

جیسے لوگ کہتے ہیں

سلام الله سلام الله عليكم

و جسمي ههنا روحي لديكم

ناظرین! سمجھ گئے ہو نا؟ کہ اصل بات کیا ہے اور شاہ جی کیا کیا سمجھے ہوئے ہیں۔

جسد کو عذاب دینے کے جو لوگ کرمانی جیسے قائل ہیں ان کی تردید علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۸ میں کر دی اثبات عذاب قبر میں جھگڑا نہیں البتہ کرمانی کا کہنا کہ جسد کو عذاب ہوتا ہے۔ سو یہ ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ جسد فنا ہو جاتا ہے اور فنا شدہ چیز کا عذاب دینا تصور میں نہیں آ سکتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿سوتے آدمی کے ساتھ میت کو تشبیہ دینا﴾

نائم کے ساتھ تشبیہ غلط ہے جیسے ابن حجرؒ نے لکھا

والتنظير بالنائم لا يصح فان النائم لا ينقطع تعلق روحه بالبدن الا ظاهر او الميت فتعلق روحه بالبدن منقطع بالكلية (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۳)

یعنی سونے والے کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں کیونکہ نیند کی حالت میں بدن کے ساتھ رُوح کا تعلق منقطع نہیں ہوتا ـــــ صرف ظاہری طور پر (حواس کا شعور نہیں ہوتا) اور میت کے بدن کے ساتھ رُوح کا تعلق کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے۔

نیز نیند پر قیاس اس لیے بھی غلط ہے کہ نیند کے بعض احکام یہاں چسپاں نہیں ہو سکتے مثلاً انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں تو اگر مابعد الموت کو نیند پر قیاس کریں تو انبیاء کو نہلایا نہ جائے، نہ جنازہ پڑھا جائے اور نہ دفن کیا جائے ـــــ اسی طرح نائم کے ساتھ تشبیہ ایک اور طرح بھی صحیح نہیں کیونکہ نائم کی رُوح فرض کیا کہ نکل کر عرش پر پہنچتی ہے اور جسد کے ساتھ اس کا اتصال رہتا ہے لیکن مشبہ میں یہ بات نہیں کیونکہ آپ نے یافعی صاحب کا فرمان ص ۱۰۰ پر لکھا ہے کہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ کسی کسی وقت مردوں کی رُوحیں علیین سجین سے قبروں میں پڑے ہوئے اجسام کی طرف لوٹتی ہیں، جب اللہ کا ارادہ ہو۔

تین (۳) لحاظ سے تشبیہ صحیح نہیں۔

۱) ایک تو اتصال روح نائم کا مسلسل رہتا ہے اور اتصال روح میت کا کبھی کبھی۔

۲) دوسرے نائم کا جسد سالم ہوتا ہے اور میت کا جسم مٹی ہو جاتا ہے۔

۳) تیسرے نائم کی روح جسم سے نکلتی نہیں اور میت کی روح جسم سے نکلی ہوئی ہوتی ہے۔

اسی طرح سورج کی مثال بھی مطابق ممثل لہ کے ساتھ نہیں۔

چنانچہ ابن قیم اپنے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ مثال صحیح نہیں کیونکہ سورج اپنے مستقر سے جدا نہیں رہتا، آسمان میں ہی ہے۔ زمین پر نہیں آتا، اس کی شعاعیں زمین پر گرتی ہیں جو سورج کے لیے عرض ہے بخلاف روح کے کہ روح بذات خود ایک لطیف چیز ہے جو اپنے آپ اترتی چڑھتی ہے۔

قال شيخنا وليس هذا مثلاً مطابقا فان نفس الشمس لا تنزل من السماء و الشعاع الذى على الارض ليس هو الشمس ولا صفتها بل هو عرض حصل بسبب الشمس والجرم المقابل لها و الروح نفسها تصعد وتنزل.

(کتاب الروح ص ۶۹، ۷۰)

نیز یہ مثال اس لیے بھی صحیح نہیں کہ ظاہر ہے کہ سورج بہ نسبت نبی اکرم ﷺ کے لاکھوں درجہ کم ہے اور حضور ﷺ سب سے اعلیٰ وارفع، اگر سورج کی روشنی نصف کرۂ ارض پر پہنچتی ہے تو نبی پاک ﷺ کی علو شان کا تقاضا یہ ہے

کہ تمام روئے زمین پر آپ ﷺ کی رُوحِ مبارک کا تعلق و تاثیر ہو ورنہ
سورج کے ساتھ مثال دینے میں ذاتِ نبی علیہ السلام کی توہین لازم آئے گی۔
جب یہ مان لو گے کہ آپ کی رُوحِ مبارک کا تعلق و تاثیر تمام روئے
زمین پر ہے تو ماننا پڑے گا کہ آپ تمام روئے زمین کے مومنین کا سلام سنتے
ہیں اور سب کو جانتے، پہچانتے ہیں۔ بس یہی تو بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ حضور
پاک ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر ایک کی سنتے ہیں۔
اب فرمایئے! کہ بریلویوں کو جواب دو گے یا عاجز ہو کر ان کے ہم نوا بن
جاؤ گے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿شِر ذمہ قلیلہ﴾

فرعون نے اپنے درباریوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت موسیٰ
علیہ السلام اور ان کے متبعین کو کہا تھا

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَائِنِ حَاشِرِیْنَ اِنَّ هٰؤُلَاۗءِ
لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ.

پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب، یہ لوگ (موسیٰ علیہ السلام اور اس کے
پیرو) جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی۔ یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں
نے تم کو تنگ کر رکھا ہے حالانکہ ان کی ہستی کیا ہے جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ
برآ ہو سکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لیے کہیں۔
(حاشیہ شبیریؒ بر قرآن پاک شیخ الہندؒ ص ۴۷۸ مطبوعہ بجنور)
شاہ جی نے جناب فاضل محترم سید سجاد حسین شاہ صاحب بخاری مد ظلہ

العالی (اوران کے ہم مسلک لوگوں کے بارے میں (جو جمہور کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی پگڈنڈی پختہ اور مضبوط راستہ اہل سنت والجماعت پرگامزن ہیں) بعینہٖ وہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں چنانچہ ص ۵۶ میں تحریر فرماتے ہیں "جناب سید سجاد صاحب اوران کا "شرذمہ قلیلہ" تو کہتا ہے کہ یہ بام نزوح کا ہے"

ہم حضرت شاہ جی سے گزارش کریں گے کہ پہلے آپ نے ان پر مبتدع ہونے کا فتویٰ لگایا اب آپ دوبارہ فتویٰ "شرذمہ قلیلہ" کا لگا رہے ہیں۔

کیا آپ ابھی بھی ان لوگوں کو مبتدع اور شرذمہ قلیلہ ہی کہیں گے جن کا مسلک وہی ہے جو مسلک

☆امام غزالی کا تھا اور

☆ابن حزمؒ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ (بحوالہ شرح الصدور ص ۸۳)

☆اسماء بنت ابی بکرؓ (بحوالہ شرح الصدور ص ۸۳)

☆صفیہ بنت شیبہؒ (بحوالہ شرح الصدور ص ۸۳)

☆ابن جوزیؒ، تفتازانیؒ، عصامؒ (بحوالہ عصام علی التفتازانی ص ۲۱۵)

☆نسفیؒ، خازنؒ، انور شاہ صاحبؒ (بحوالہ مشکل القرآن ص ۳)

☆حسین علیؒ (بحوالہ تحریرات حدیث ص ۲۱۰)

☆عینیؒ (بحوالہ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۰۹)

☆رمضان آفندیؒ (بحوالہ شرح شرح العقائد ص ۲۲۷)

☆ابن میسرہؒ

☆ابن ہُبیرہ کا تھا۔

☆ ابن رجبؒ نے تو کہا ہے کہ ردِّ رُوح والی روایت احادیث کثیرہ سے متعارض ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے روایت پیش کی کہ "شہداء کی ارواح اللہ کے ہاں سبز پرندوں کی شکل میں جنت کی نہروں میں جہاں چاہیں سیر کرتی رہتی ہیں" الخ

(بحوالہ مسلم ج ۲ ص ۱۳۵/ الکلیل ص ۳۵۱/ بحوالہ الحاوی ج ۱ ص ۳۶۱)

(بحوالہ رُوح المعانی ج ۲۴ ص ۶۵/ ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰، ۱۳۱)

☆ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

☆ احمدؒ، عبد بن حمیدؒ، طبرانیؒ

(بحوالہ الحاویؒ ج ۱ ص ۳۶۱/ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۹۹)

☆ اسی طرح ہذیل بن شرجیلؒ اور کعبؒ اور ہذیلؒ سے

(بحوالہ مسامرہ ص ۲۶۴، ص ۲۶۵)

(بحوالہ ابن جریرؒ ج ۲۶ ص ۴۶/ رُوح المعانی ج ۲۴ ص ۶۵)

☆ ام کبشہ بنت معرورؓ (بحوالہ مسامرہ ص ۲۶۴)

☆ ابو قبیس رضی اللہ عنہ وابن عمر رضی اللہ عنہ (بحوالہ رُوح المعانی ج ۱۵ ص ۱۴۸)

☆ حبان بن جبلہؒ (بحوالہ شرح الصدور ص ۹۷، ۹۸)

☆ جابر بن عبداللہؓ (بحوالہ احکام القرآن ج ۲ ص ۵۲، ترمذی ص ۱۳۰)

☆ عائشہ صدیقہؓ (بحوالہ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۹۲، ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰)

☆ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہ مومنین کی ارواح اڑتی ہیں اور جنت کے درختوں سے کھاتی ہیں یہاں تک کہ واپس قیامت کو اپنے جسد کی طرف لوٹیں (مؤطا امام مالک، نسائی، احمد، طبرانی)

روایت ہے۔

طبرانی، الحاوی ج ۱ ص ۳۶۱)

حضور ﷺ سے مرفوعاً بیان کیا ہے

مقام فردوس اعلیٰ میں ہیں۔

(بشریٰ الکئیب ص ۹۲)

☆ حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مؤمنین کے ارواح جبریل علیہ السلام کے حوالے ہوتی ہیں قیامت تک۔

(بشریٰ الکئیب ص ۱۰۲)

☆ اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

(الحاوی ج ۱ ص ۳۶۲)

☆ ابو ہریرہ نے فرمایا حضور ﷺ نے فرمایا کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

(بشریٰ الکئیب ص ۱۰۰)

☆ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی بیوی ام بشرؓ نے مرفوعاً فرمایا کہ ارواح مؤمنین جنت میں جہاں چاہیں سیر کر رہی ہیں اور کافر کی روح سجین میں بند ہے۔

(ابن ماجہ، طبرانی، ابن عساکر)

☆ اسی طرح ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(طبرانی، بیہقی ابن ابی حاتم، ابن مردویہ)

(الحاوی ج ۱ ص ۳۶۲ درمنثور ج ۱ ص ۱۵۵)

☆ ضمرہ بن حبیب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ نیز فرمایا کافروں

کی رُوحیں سجین کی جیل میں بند ہیں۔

(کتاب الروح ص ۱۵۹ الحاوی ج ۱ ص ۲۶۲)

اور اکابر نے تصریح فرمائی ہے کہ ارواح دوسرے جسموں میں منتقل کر دی جاتی ہیں۔

☆ تنویر میں ابن دحیہ کا بیان ہے کہ شہید کی رُوح جو دنیا میں جسد عنصری کے جوف میں رہتی تھی دوسرے جسد کے جوف میں رکھی جاتی ہے جو پرندے کی صورت میں ہے تو اسی دوسرے جسم میں اسی طرح رہے گی جس طرح دنیا میں پہلے جسد عنصری میں رہتی تھی اور یہ مدت برزخ میں اس وقت تک رہے گی جب کہ قیامت کے روز دوبارہ اللہ تعالیٰ اس پہلے جسم کی طرف لوٹائے گا۔

(شرح الصدور ص ۹۷)

☆ عبداللہ بن مبارکؒ جو امام بخاریؒ کے استاد اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان شہید ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہترین سے بہترین جسم لاتا ہے اور اس شہید کی رُوح کو حکم دیتا ہے کہ اس میں داخل ہو جب اس میں داخل ہوتی ہے تو اپنے اس پہلے جسم کی طرف نظر کرتی ہے جس سے نکلی ہے۔

(حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۹۴)

☆ حضرت شیخ ابراہیم کورانیؒ فرماتے ہیں کہ ارواح اپنے محسوس بدنوں سے جدا ہونے کے بعد دوسرے مثالی جسموں کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہیں۔

☆ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ شہیدوں کی رُوحوں کی خاطر ان کے عنصری بدنوں سے جدا ہونے کے بعد اسی ہیئت پر دوسرے ہیاکل (اجسام) پیدا کیے

جاتے ہیں اور ان کے ساتھ رُوحوں کا تعلق ہوتا ہے اور وہ جسم عنصری جسموں کے نائب ہوتے ہیں جن کے ذریعے جو حسی لذتیں چاہتی ہیں حاصل کرتی رہتی ہیں۔

(طیبی تفسیر قاسمی ج ۲ ص ۳۲۳)

☆ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ناممکن امر نہیں کہ پہلے بدن (عنصری) کے مغائر دوسرے بدن کے ساتھ رُوح کا تعلق قائم ہو جائے کیونکہ ثواب عذاب تو رُوح کو ہوتا ہے اور بدن تو صرف ایک آلہ کی طرح ہے۔

(نبراس ص ۳۲۹)

☆ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ان اجساد کثیفہ (عنصریہ) کے بدلے رُوح کے لیے دوسرے اجساد لطیفہ جوڑے جاتے ہیں۔ برزخ میں رہنے کی مدت تک تاکہ ارواح کھانے پینے وغیرہ کی طرح حسی لذات سے متمتع ہو سکیں تاکہ اکمل طریقہ سے تنعیم واقع ہو جائے۔

(مرقاۃ ج ۴ ص ۳۱)

☆ خطیب کازرونیؒ فرماتے ہیں کہ یہ امر کوئی ناممکن نہیں کہ اس بدن (عنصری) کے بعد رُوح کسی دوسرے جسم کے ساتھ متعلق ہو جائے جو رُوح کے ادراک کا آلہ بن سکے جیسے بعض اہل کشف اور اہل تحقیق نے اس امر کی تصریح بھی کر دی ہے۔

کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ ان کے ارواح اجسام کے ساتھ متعلق ہیں تو اس میں اس امر کا احتمال ہے کہ جیسے پہلی نشاۃ میں ارواح کے ابدانِ عنصری ان کے آلہ تھے ایسے

کا آلہ بنیں۔

ہی وہ دوسرے اجسام ان ارواح کے ادراک کا آلہ بنیں۔
سو اس کے کیا کہا جائے کہ بالذات اس کا ادراک ہو اور دنیا والے بدن عنصری کے ساتھ اس کے تعلق کی ضرورت نہ ہو کیونکہ اس جسد عنصری کے برباد ہونے کے بعد بھی رُوح کا ادراک باقی رہتا ہے۔

(حاشیہ خطیبؒ بر بیضاویؒ ج ۲ ص ۵۳)

☆ شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان اجساد طیبہ سے ارواح کو قبض کر لیتا ہے تو جسد عنصری جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ اور جسدی صورتوں میں ان ارواح کو بطور ودیعت کے رکھ دیتا ہے۔

(فتوحات مکیہ ج ۱ ص ۳۰۰)

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ یہ جو ذکر ہے ارواح انبیاء کی بابت کہ ارواح مشک وکافور کی صورت کی طرح بن جاتے ہیں یعنی ان ارواح کے انسانی اجساد کی طرح دوسرے قسم کے اجساد ہیں جنہیں خوشبوناک ہونے کی وجہ سے مشک وکافور کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

☆ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ان دوسرے اجساد کو اجساد موہوبہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴)

☆ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ا تے ہیں کہ جب بندہ مر جاتا ہے تو نفس (رُوح) ایک ایسے بدن کے ساتھ لگ جاتا ہے اور چمٹ جاتا ہے جو محسوس نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر قیامت کے روز انہیں محسوس بدنوں میں دوبارہ لگ جائے گی (الخیر الکثیر ص ۵۵)

☆ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ انسان کا حقیقی بدن رُوح ہوائی ہے اور اس رُوح ہوائی کا تعلق عالم مثال میں سے دوسرے بدن کے ساتھ گانٹھ دیتے ہیں۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۸)

اور حضرت نانوتویؒ کی عبارت گزر ہی چکی۔

☆ ابن قیمؒ نے فرمایا کہ ان اجساد عنصریہ کے عوض میں برزخ کے اندر ان اجساد عنصریہ سے بہتر اجساد ارواح کو عطا ہوں گے جن میں قیامت تک رہیں گے اور مجرد ارواح کی نعمتوں سے ان ابدان موہوبہ کے ذریعے ارواح کی نعمتیں اکمل ہوتی ہیں۔

(کتاب الروح ص ۱۵۷)

پھر ص ۲۸۴ میں فرمایا کہ ”یہی مسئلہ صحیح ہے اور اس کے سوا کوئی صحیح نہیں اور اس کے سوا سب اقوال باطل ہیں۔ اسی مسئلہ پر کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ ﷺ کا اور عقل وفکر کے دلائل رہنمائی کرتے ہیں“

اب بتایئے! کیا یہ سب کے سب اکابر شرذمہ قلیلہ ہی ہیں جن میں صحابہ ﷺ تابعینؒ تبع تابعینؒ وغیرہ امام غزالیؒ، شاہ ولی اللہؒ، حضرت نانوتویؒ جیسی ہستیاں ہیں۔ کیا ان کو بھی بدعتی اور اہل سنت سے خارج کہو گے؟ ذرا سنبھل کر ہوش سے جواب دینا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿شاہ جی کے ایک سوال کا جواب﴾

سوال:

سوال فرمایا ص ۵۸ میں کہ ''اگر اس سماع سلام و کلام میں میت کا قطعاً دخل نہیں اور یہ کام فقط رُوح کا ہے تو رُوح کو سنانے کے لیے زائر کے قبر پر آنے کی کیا تخصیص و ضرورت ہے؟'' الخ

جواب:

جواباً عرض ہے کہ یہ قیاس ہے نص کے مقابل میں جو مردود ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فزوروها فانها تذكر الآخرة زیارت کا اس لیے حکم ہے کہ آخرت یاد آتی ہے کہ دنیا میں یہی بھائی جب بقید حیات تھا تو ایک دوسرے کو سلام کہتے اور جواب دیتے تھے اب یہی بھائی قبر میں مدفون ہے اور حسب حکم رسول اللہ ﷺ السلام علیکم کہا تو میرے اس سلام کا جواب مجھے نہیں ملا۔ ایک وقت میں بھی اسی طرح زیر زمین مدفون ہوں گا، لوگ آ کر میری قبر پر مجھے السلام علیکم کہیں گے تو میری طرف سے ان کو کوئی جواب نہیں ملے گا اس لیے مجھے فکر آخرت کرنی چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عدم سماع موتی امام ابوحنیفہ و صاحبین کا مسلک ہے اور آپ لوگ اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ کے مقلد کہتے ہو کہ بغیر دلیل اور تحقیق کے ان کی بات مان لیتے ہو۔ اب یہ بات ان کی آپ کو کیوں تسلیم نہیں؟ کیا اس مسئلہ میں آپ امام ابوحنیفہ کو غلطی پر سمجھتے ہیں؟

رہا آپ جیسے قائلین کا فرمانا کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک عدم سماع موتی

نہیں ہے سو یہ غلط ہے۔ تواتر سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک عدم سماع موتی ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"یہ مسلک حضرت عائشہ صدیقہؓ اور امام اعظمؒ کا ہے"

(کوکب الدری ج ۱ ص ۳۱۹)

مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا عزیز الرحمٰن نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵،۶ ص ۲۷۱ میں لکھا ہے کہ

"مسئلہ امام ابوحنیفہ کا عدم سماع موتی ہے اور اس پر نص قطعی وارد ہے"

اسی طرح مواہب الرحمٰن پارہ ۲۱ ص ۴۷ میں، تفہیم المسائل ص ۸۵ میں، جامع التفاسیر ص ۱۱۰، فتاویٰ مولوی عبدالحی اور کشف المغالطات میں موجود ہے۔

﴿شاہ جی کا انوکھا استدلال﴾

اصول فقہ میں تو لکھا ہے کہ مراد وحی پر واقف ہونے کے طریقے چار ہی طرح سے پہچانے جاسکتے ہیں۔

(۱) عبارۃ النص

(۲) اشارۃ النص

(۳) دلالۃ النص

(۴) اقتضاء النص

باقی سب طرق فاسد ہیں مگر شاہ جی کے طرق استدلال نرالے ہی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاہ جی کے طریقہ استدلال کی قادیانی سے مشابہت

جو غور کیا تو سمجھا کہ مرجا گاماں پہلوان قادیاں والا (مرزا غلام احمد قادیانی) جس طریقہ کو استدلال میں استعمال کرتا ہے وہی طریقہ شاہ جی نے بھی اختیار کیا ہے۔

مرجا گاماں پہلوان قادیاں والا (مرزا غلام احمد قادیانی) لکھتا ہے کہ "تَوَفِّی" کا لفظ قرآن کریم میں تیس (۳۰) جگہ موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس لیے "اِنِّی مُتَوَفِّیکَ" میں بھی موت کے معنے ہوں گے۔

بعینہٖ اسی طرح حضرت شاہ جی نے فرمایا کہ آٹھ مقامات پر "القبر" کے معنے قرآن میں نہ گڑھا ہیں، نہ عالم برزخ۔ لہذا جب قبر کی طرف عذاب کی نسبت کی جائے جب بھی قبر کے معنے وہی جگہ ہوگی جہاں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

لیکن جب سوال اٹھتا ہے کہ فرعون کی تو قبر نہیں بنی یعنی اس کی جگہ ایسی نہیں جہاں اس کو دفن کیا گیا ہو تو فوراً کانٹا بدلتے ہیں اور سرخی لکھ مارتے ہیں کہ قرآن کریم میں عذاب برزخ کا ثبوت بھلا یہ بتاؤ جب آپ کا دعویٰ اثبات اس عذاب کا ہے جو دفن شدہ میت کو ہوتا ہے تو کیا یہ دلیل آپ کے دعویٰ پر منطبق آتی ہے؟

دعویٰ تو ہے عذاب قبر کا دلیل میں لائے عذاب برزخ، جس کے خود شاہ جی منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء نے قبر کے معنی عالم برزخ کے کیے ہی نہیں تو

مطلب یہ ہوا کہ شاہ جی اپنے دعوٰی کے خلاف دلیل قائم کر رہے ہیں۔
مع ہذا شاہ جی قبر کا معنی گڑھا کرنے سے بھی گریز کرتے ہیں اور عالم برزخ کرنے سے بھی آبی ہیں۔ وہ تیسرا معنی قبر کا کیا ہے، ''قبر کا معنے ہے قبر''
(ص ۱۳)
یعنی تفسیر شے کی بنفسہٖ جیسے کوئی پوچھے کہ غضنفر کے معنے کیا ہیں تو جواب ملے کہ غضنفر۔ اسطقس، اسطقس ہے۔ نار، نار ہے۔
پھر ناراض ہم پر ہوتے ہیں کہ حقیقت شرعیہ میں قرآن کریم کا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں۔

اچھا جناب! یہ فرمائیے کہ واجب کی حقیقت شرعیہ کیا ہے اور اس میں قرآن کریم کا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ نفل کی حقیقت شرعیہ کیا ہے اور قرآن کا بھی اس میں حصہ ہے یا نہیں؟ مکروہ کی کیا حقیقت شرعیہ ہے اور قرآن کا بھی اس میں کچھ حصہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
ہم بھی پوچھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بھلا یہ بتاؤ کہ بدن کے کیا معنی ہیں؟ اور جب بدن کو مٹی کھا جائے تو اسے بدن کہتے ہو؟ جب بدن جل کر راکھ ہو جائے تو اسے بدن کہتے ہو؟ جب لکڑی جل کر راکھ ہو جاتی ہے تو اس پر لکڑی کا اطلاق کرتے ہو کہ جاؤ لکڑی اٹھالاؤ؟ جب کوئی قسم کھائے کہ لکڑی کو ہاتھ میں نہ لوں گا تو جب لکڑی جل کر راکھ ہو گئی پھر اسے ہاتھ لگائے تو حانث ہو گا یا نہ؟ بینوا توجروا۔

ناظرین! شاہ جی کی بات میں نہ آیئے! یہی اشکال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہوا تھا کہ جسم تو ہم دیکھ رہے ہیں مرا ہوا، اور خدا پاک فرماتے ہیں ان کو مردہ مت

کہو فرمان خدا تو سچ ہے، آخر مشاہدہ بھی قطعی دلیل اور برہانیات میں سے ہے
اور قرآن بھی قطعی دلیل ہے ان کے مابین تعارض معلوم ہوتا ہے۔
خود اس تعارض کو رفع نہیں کر سکے اس لیے رسالت مآب سے رجوع
کرتے ہیں اور یہی سوال عرض کرتے ہیں تو جواب یہ نہیں ملتا کہ یہی جسد
عنصری زندہ ہے، تمہارا مشاہدہ غلط ہے بلکہ جواب ملتا ہے کہ
ارواحھم فی طیر خضر تسرح فی الجنۃ ان کی رُوحیں سبز
لباس سے مزین پرندوں کی طرح اُڑتی پھرتی ہیں جنت میں جہاں چاہیں سیر
کر رہی ہیں۔

دیکھو کیسے صاف صاف بات ہے جسے خواہ مخواہ کی الجھنوں میں ڈالا جا رہا
ہے۔ لوگ بھی حیران ہیں کہ شاہ جی اور ان کے ہم مسلک کیا کہتے ہیں کبھی تو
نائم سے تشبیہ دیتے ہیں کبھی علیین سجین سے رُوح کی شعاعیں بدن پر ڈالتے
ہیں کہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بے سند روایت پیش کرتے ہیں، کہیں ابن
حمید، احمد بن مفضل، سدی وغیرہ کذابوں کی روایتیں پیش کرتے ہیں۔ کبھی کسی
کی کبھی کسی کی۔

کیا دین بے سند اور کذابوں کی روایات اور لوگوں کی باتوں کا نام ہے؟
کیا حضور ﷺ سے باسند صحیح نقل شدہ روایتیں اور قرآن پاک کی نصوص قطعی
آپ کو منظور نہیں۔ غیر متداول کتابوں سے روایات پیش کرنا کون سی خدمت
دین ہے خصوصاً جن کی نسبت ہی غلط ہو جیسا کہ آپ کیسے ڈھٹائی سے کہتے ہیں
کہ امام ابن قیم کی کتاب الروح!

کیا آپ قسم اٹھا سکتے ہیں کہ کتاب الروح امام ابن قیمؒ کی ہے؟

طبقات حنابلہ میں امام ابن قیمؒ کی کتب کی مکمل فہرست دی ہوئی ہے اس میں اس کتاب کا کہیں تذکرہ نہیں۔

﴿اکثر کتب اکابر کی طرف غلط منسوب ہیں﴾

اس کی مثال ایسی ہے جیسے بریلویوں نے

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کی طرف "قصیدہ امام اعظم" غلط منسوب کر کے مشہور کر رکھا ہے۔

☆ اسی طرح کتاب "سر الشہادتین" کسی شیعہ نے لکھ کر اس کی غلط نسبت امام عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی طرف منسوب کر دی ہے۔

☆ "غنیۃ الطالبین" کی نسبت بقول مولانا عبدالعزیز صاحب پرہارویؒ حضرت پیر جیلانیؒ کی طرف غلط ہے۔

☆ "مسند امام اعظم" و "مسند امام شافعی" کی شیخینؒ کی طرف۔

(تعجیل المنفعہ ص ۵۷)

☆ "فقہ اکبر" کی امام ابوحنیفہؒ کی طرف۔

(العبر ص ج ۱ ص ۳۳۰)

☆ "کتاب الحیل" کی امام محمدؒ کی طرف۔

☆ "شرح تجرید" کی سید سند کی طرف عینی کے قلم سے ہو گئی۔

☆ کتاب "آوز جندی" کی ملا علی قاریؒ کی طرف۔

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۴)

۱۶۱

☆ "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" کی علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم مورخ المعروف بابن اثیر کی طرف۔

(فوائد بہیہ ص ۱۲)

☆ "ہفت مسئلہ" کی حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی طرف۔

(فتاویٰ رشیدیہ)

☆ "ملفوظات خواجہ عثمان ہرونی" کی خواجہ عثمان ہرونیؒ کی طرف۔

(اخبار الاخیار ص ۸۱،۸۲)

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسے محقق عالم نے جذب القلوب ص ۱۷۸ میں "شفاء السقام فی زیارت سید الانام" کی نسبت حضرت تاج الدین سبکی کی طرف کردی حالانکہ یہ کتاب تاج الدین سبکی کی نہیں ان کے والد کی ہے۔

(الفوائد البہیہ ص ۱۹۶)

☆ "تحفہ اثنا عشریہ" کی نسبت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی طرف حالانکہ ترتیب تو ان کی ہے مگر اصل کتاب ایک کابلی عالم کی ہے جیسے حضرت شیخ الحدیث والتفسیر محقق مدقق مولانا قاضی شمس الدین صاحب لازالت شموس فیوضہ علینا بازغۃ نے فرمایا ہے۔

☆ "فتاویٰ نقشبندیہ" کی غلط نسبت حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف، حالانکہ وہ کتاب خواجہ معین الدین کشمیریؒ متوفی ۱۰۸۵ھ کی ہے۔

(رسالہ الحق اکوڑہ خٹک)

☆ "آثار الصنادید" سر سید احمد خان کی طرف منسوب ہے حالانکہ دراصل

رزا غین بیگ شاہ جہاں آبادی کی ہے جسے بحکم سر جان چارلس مٹکاف
تھا۔ البتہ اخیر میں ''حضرات دہلی کے حالات'' سر سید کی ذاتی تحقیق ہے۔
(تفسیر حقانی ج ۲ ص ۱۱۲)

☆ ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' کی غلط نسبت امام غزالیؒ کی طرف کی گئی ہے۔

کیوں جناب! جب مرزائی اس کتاب کا حوالہ پیش کریں تب تو اس
کتاب کی نسبت امام غزالیؒ کی طرف ہونے کا انکار کرتے ہو، جب اپنی باری
آتی ہے تب امام غزالیؒ کی کتاب بن جاتی ہے۔

یہ آپ کا اپنا راج ہے جو چاہا، جب چاہا، کہتا، کرتا رہا۔

یہی حالت ''دیوان علی'' اور ''مصحف فاطمہ'' وغیرہ کتب کی ہے۔ چلو مان
لیا کہ ''کتاب الروح'' حضرت امام ابن قیمؒ کی ہے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ مصنف
آپ اپنی کتاب میں اپنے مختار مذہب کے خلاف بات لکھ دے۔ جیسے سیوطیؒ کا
اپنا مسلک یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا مع ہذا اس نے جلالین
ص ۱۱۶ میں لکھا ہے

اذ قال ابراهيم لابيه آزر هو لقبه واسمه.

تارخ کمالین نے حاشیہ میں لکھا ہے

جرے ههنا على الوجه المشهور

بلکہ بعض علماء ایک ہی کتاب میں آپ کی طرح دو متضاد باتیں لکھ جاتے ہیں۔
دیکھیے آپ نے ''عود روح'' کے حوالے کتاب الروح سے لکھے ہیں ہم
بھی کتاب الروح سے اپنے موافق حوالے مشتے نمونہ از خروارے لکھتے ہیں۔

لیجیے کتاب الروح اپنے ہاتھ میں! اور کھولیے صفحہ ۶۷ اور پڑھیے کہ
"رُوح کا جسد کے ساتھ جو برزخ میں تعلق ہے وہ صرف اتفاقی ہے
ویسے رُوح جسم سے مفارق ہوئی اور الگ ہو چکی ہے"
آگے فرمایا کہ "یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ سلام کے وقت رُوح کو رد کیا
جاتا ہے وہ ایک خاص قسم کا رد ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ یوم قیامت سے پہلے
بدن کو بھی حیات مل جاتی ہے"
کتاب الروح جو آپ کی معتمد علیہ کتاب ہے ہم گزشتہ صفحات میں متعدد
بار حوالے دے چکے ہیں کتاب الروح کا ہی نظر انابت کے ساتھ مطالعہ کر لو
شاید کچھ پلے پڑ جائے ۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے کتاب الروح کا
مُطالعہ ہی نہیں کیا معلوم ہوتا ہے آپ کسی اور کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔
اللہ کریم آپ کو صراط مستقیم پر لائے اور پھر اسی پر استقامت نصیب فرمائے۔
آمین ثم آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ تمام کتب عقائد و تفسیر میں
قبر کی نسبت جب عذاب و ثواب کی طرف ہوتی ہے تو اس سے برزخ مراد
ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ برزخ کہاں ہے؟ سو شرح الصدور میں ص ۹۹ پر لکھا ہے

عند منقطع عناصر الماء والهواء والتراب والنار تحت السماء.

اور ص ۱۰۴ میں ہے

وذلک البرزخ عند منقطع العناصر بحيث لا ماء ولا
هواء ولا تراب ولا نار.

اور ص ۱۰۷ میں ہے دار البرزخ وهي اوسع من هذه الدار

واعظم ونسبة هذه الدار اليها كنسبة الدار الاولى الى هذه۔
یعنی عالم برزخ اربع عناصر سے بالاتر ہے اور اسع وار دنیا سے وسیع ترین اور بڑا ہے جس نسبت سے یہ جہاں دنیا کا عالم بطن (ماں کے پیٹ) سے بڑا ہے۔

لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ'' قبر کے معنے گڑھا تو کوئی جاہل ہی کرے گا'' حالانکہ صحابہ کرام ﷺ اور علماء اسلام نے بھی قبر مومن پر حفرہ کا اطلاق فرمایا ہے۔

دیکھو حضرت شاہ صاحب کی مستند کتاب شرح الصدور ص ٦ پر حضرت طاؤس (ابن عباس ﷺ کے شاگرد رشید) فرماتے ہیں کہ مومن آدمی کے دین کی حفاظت اس کے گڑھے ہی میں ہوگی۔

نیز بشرے الکئیب ص ۵۰ پر حضرت ایوب ﷺ کا قول نقل فرمایا ہے من كرامة الميت على اهله تعجيله الى حفرته. یعنی اہل میت کے ذمے اکرام میت فرض ہے اس اکرام میت میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ اس کو اس گڑھے کی طرف جلد پہنچایا جائے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ نرمی برتو اللہ اس کے ساتھ نرمی برتے کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ اس کا پیار تھا پھر صحابی نے کہا حفر حفرته 'اس میت کے لیے گڑھا کھودا گیا پھر حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کے گڑھے کو وسیع کرو اللہ اس پر وسعت کرے گا۔

(ابن ماجہ ص ۱۱۳)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿سوال گندم جواب چنا﴾

ندائے حق میں سوال تھا کہ

''اگر رُوح ملاء اعلیٰ میں رہ کر بدن کے ساتھ بھی اتصالی یا دخولی تعلق برقرار رکھ سکتی ہے تو اس کی نظر کی وسعت ساری دنیا پر برابر ہونے سے کون سا امر مانع ہے۔ پھر فرقہ بریلویہ کا کیا قصور ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کی روح مبارک کی ایک مقام پر رہ کر تمام خلقت پر نظر ہے اگر ان کا یہ قول قرآن و سنت سے باہر ہے اور مردود ہے تو آپ کا قول قرآن کی کس صریح آیت سے ثابت ہے یا کون سی حدیث آپ کی حجت قاطعہ ہے۔ جس میں یہ ثابت ہو کہ رُوح تو ملاء اعلیٰ علیین یا سجین میں ہوتی ہے مگر اس کا تعلق جسد عنصری کے ساتھ بھی بدستور قائم رہتا ہے ورنہ ادراک و شعور نا ممکن ہے''

اس کے جواب میں چاہیے تو یہ تھا کہ قرآن و حدیث کی کوئی نص پیش کرتے۔ مگر شاہ جی نے اس مثل کو صحیح قائم رکھا کہ

''سوال گندم جواب چنا''

کہ ''اب اَجِلّہ علمائے امت وائمہ دینؒ کے ارشادات ملاحظہ ہوں''۔ معلوم ہوا کہ سوائے اقوال رجال کے شاہ جی کے پاس کوئی چیز نہیں۔ مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان ہی حضرات نے صراحتاً لکھا ہے کہ اس جسد عنصری کے ساتھ رُوح کا کچھ تعلق نہیں اور ان عبارتوں کا جواب دیا جا چکا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مقصودی بات تھی بریلویہ کی تردید چونکہ آپ اس

ہے عاجز ہیں اس لیے عوام کے سامنے وہ سوال لانا ہی گوارا نہ کیا۔

﴿قدرت الٰہیہ اور قانون﴾

شاہ جی نے قدرت الٰہیہ پر بڑا زور دیا ہے، جانو ہم قدرت کے منکر ہیں اور ان اللہ علی کل شیء قدیر پر ہمارا ایمان نہیں؟ جناب اگر کرامیہ فرقہ کے ساتھ آپ کی بات چیت ہو جائے جو صرف جسد کے عذاب کے قائل ہیں تو وہ آپ سے عرض کریں کہ شاہ جی! صرف جسد کو عذاب دینے پر خدا کو قدرت نہیں؟ جیسے تمام چیزوں میں شعور وادراک ہے جسد میں بھی شعور وادراک ہے اور ان من شیء کے عموم سے جسد خارج ہے تو کون سی دلیل ہے؟ تو آپ کے ہاں اس کا کیا جواب ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿خواب اور کشف حجت نہیں ہوتے﴾

رہا خوابوں کا ذکر سو خوابیں حجت نہیں۔

(دیکھو موضوعات کبیر ملا علی قاری ص ۸۲)

ما تقرر فی الشرع لا یتغیر بسبب ما یراہ النائم۔

اور کشف بھی حجت نہیں۔

مرزا مظہر جان جاناںؒ نے مقامات مظہری ص ۱۲۲ میں فرمایا ہے

"کہ کشف در امور طریقت معتبر ست و در احکام شریعت حجت نیست"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿معجزات وکرامات خرق عادت ہیں﴾

اور معجزات وکرامات خرق عادت ہیں ان پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ قیاس کے جواز کی شرط ہے کہ "مقیس علیہ" "معدول عن القیاس" نہ ہو۔

دیکھو! اصول فقہ اور قرآن وسنت صحیحہ میں سے آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں جو جسد عنصری کی تعذیب وتنعیم قبل یوم الحساب بتائے۔

اور جب تک ثبوت نہ ملے اصل ہر حکم میں عدم ہے۔

الاصل فی کل حکم عدمه حتی یتبیّن ثبوته.

(خطیب بر بیضاوی ص۸)

اور بے دلیل قول غیر ثابت ہے۔

کل قول لا دلیل علیه غیر ثابت. (بیضاوی ج۱ ص۱۸۱)

اور بے دلیل قول کی نفی کر دینا واجب ہے۔

مالا دلیل علیه یجب نفیه. (خیالی ص۸۰)

یعنی جو چیز نہ عقلاً ثابت ہو نہ سمعاً (قرآن وسنت سے) اور نہ محسوس مشاہد ہو تو ایسی بات کے یقین کا طریقہ مسدود ہے اور اس کے بطلان کا حکم لگانا واجب ہے۔

و ما لم یثبت من احد هذه الوجهین و لیس محسوس مشاهد فطریق العلم به مسدود و الحکم ببطلانه واجب۔

(احکام القرآن لابی بکر الرازی الجصاص ج۳ ص۲۹)

اگر کہو کہ یہ بات مشہور مستفیض ہے اس لیے اسے مان لینا چاہیے سو یہ بھی نا کافی ہے

المشہور علی السنة العامة لا ینفع فان مثل ھذہ الشہرة ساقطة عن الاعتبار۔ (رسائل غمہ عبدالحی ص ۷۵)

اگر کہو کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء اس طرف گئے ہیں تو یہ بھی کوئی دلیل نہیں۔

جلالة قدر المصنف لا یستوجب قبول کل ما نقل۔
(رسائل غمہ عبدالحی ص ۷۵،۷۶)

بلکہ رسول اللہ ﷺ کے سوا ہر ایک کا قول لیا اور چھوڑا جا سکتا ہے۔

کل واحد یوخذ من کلامہ ویترک الا المعصوم.
(طبقات حنابلہ ج ۱ ص ۲۹۵)

کیونکہ بسا اوقات بھول جانے والوں کی بات بھول جانے والے بے دلیل لے لیتے ہیں۔

ربما یقلد الساھون الساھین. (فتح القدیر ص ۲۷۰)

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مولف کوئی بات خطا اپنی کتاب میں درج کر دیتا ہے پھر اس کے بعد آنے والے مشائخ بعینہٖ وہی نقل کرتے چلے جاتے ہیں اور اس غلطی پر متنبہ نہیں کرتے تو ناقلین کی تعداد کثیر ہو جاتی ہے اور اصل بات اسی خاطی ناقل کی ہوتی ہے۔

(بحر الرائق ج ۶ ص ۱۷۵)

اس لیے جس شخص کی بات قرآن و سنت صحیحہ کے ساتھ مبرہن ہو اور سارا

جہاں اس کے خلاف ہو تو اس کے لیے کوئی نقصان نہیں۔

لا یضر ابا حنیفہ خلاف احد اذا کان استدلالہ (بکتاب اللہ و) بالاخبار. (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۳۶)

آیئے! چھوڑیئے اقوال رجال کو ان اقوال کی کثرت تعداد سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے اور کتابوں کی الماریاں دیکھ کر جھجکنا نہیں چاہیے۔

امام اعظم کا تو مسلک تھا لا یھولنکم اقوال رجال.

(مناقب کردری ج ۱ ص ۱۳۶)

محمد بن سیرین فرماتے ہیں قرآن وسنت کے سوا سب کتابیں چھوڑ دو تم سے پہلے انہیں کتابوں کی وجہ سے گمراہ ہوئے ہیں۔

ایاکم والکتب فقد تاہ من کان قبلکم بالکتب.

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۹۴)

بہت سے لوگوں نے اپنی من گھڑت باتیں علماء کی کتابوں میں نقل کر دیں رنگ میں بھنگ مل گئی۔

اسی لیے اللہ داد صاحب محشی ہدایہ نے لکھا ہے

قول من بعد الصحابة من التابعین وسائر المجتہدین فیما لا یدرک بالرای لیس بحجة۔ (ہدایہ اولین ص ۱۵۵۰)

بلکہ فہم الراوی والصحابی لیس بحجة.

(ہدایہ ص ۷۰ تحت قولہ ظنہ (ابو محذورۃ) ترجیعا)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سماع اسماع کا دھوکہ

کہتے ہیں "ساری بات اللہ رب العزت کے سنوانے کی ہے اسی لیے تو قرآن میں حضور ﷺ سے فرمایا

انک لا تسمع الموتی مردہ خود نہیں سن سکتا، اس میں سننے کی صلاحیت ہی نہیں رہی" الخ

شاہ جی! مردہ خود نہیں سن سکتا! کیا زندہ خود سن سکتا ہے؟ جو ذات مُردوں کو سنا سکتی ہے وہی تو زندوں میں سننے کی صلاحیت پیدا کر سکتی ہے۔۔۔۔۔اور پھر مُردوں میں جو صلاحیت نہیں تو اللہ تعالی بغیر صلاحیت پیدا کرنے کے مُردوں کو نہیں سنا سکتا؟ سنا سکتا ہے تو زندوں کو بغیر صلاحیت پیدا کرنے کے نہیں سنا سکتا؟

آپ بڑے ذہین آگئے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آیۃ کی تلاوت کے وقت یہ جواب نہ سوجھا؟ کاش! آپ وہاں ہوتے اور صحابہ کو یہ جواب تلقین فرماتے، اور اماں جی کو بھی سمجھاتے کہ اماں جی آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ اہل لسان ہو کر بھی آپ کو قرآن سمجھ نہ آیا، یہاں اسماع کی نفی ہے، نہ سماع کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی سمجھ تمام صحابہؓ کی سمجھ سے اعلی تر ہے۔ مجھے تو خطرہ ہے کہ آپ ساری زندگی میں رفض کی تردید کرتے کرتے اخیر عمر میں رفض کی دلدل میں گر کر تباہ نہ ہو جائیں اللہ تعالی آپ کو بھی اور مجھے بھی اس فتنہ رفض سے بچائے۔ مگر حالات کچھ ایسے نظر آرہے ہیں کہ آپ دستخط کر چکنے کے بعد شاید اور نرم ہو جائیں، رفتہ رفتہ سنیت سے خارج نہ ہو جائیں۔

دوسروں کو اہل سنت سے نکالتے نکالتے خود ہی کہیں اہل سنت سے نہ نکل جاؤ۔ اچھا بھئی مُردوں کو سنانا تو حضور ﷺ کے بس میں نہیں، اب کیا مومنوں کو سنانا حضور ﷺ کے بس میں ہے، جو فرمایا

ان تسمع الا من یومن بایاتنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نعوذ باللہ جیسے مجوسیوں کے ہاں اہرمن اور یزداں دو خالق ہیں، ایسے ہی شاید آپ کے ہاں کفار اور مومنین کے لیے دو الگ الگ ہادی ہیں۔ کفار کو سنانے والا خدا اور مومنوں کو سنانے والا نبی۔

لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

یہ آپ نہ کہیں کہ اکابر نے یہ جواب دیے ہیں کیونکہ باغیوں کے ادخال کثرت سے ہیں۔ ہم قرآن وسنت کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ نیز یہاں تو اسماع کا جھگڑا ہے اور دوسری آیۃ جو ہے

ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم۔

اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے۔

یہاں تو سماع ہے اسماع نہیں اس کا کیا جواب دو گے؟ کیا وہی بریلویوں والا جواب دو گے کہ یہ آیت بتوں کے حق میں وارد ہے اگر یہی جاہلانہ جواب دو گے تو کوئی تمہیں یہ قاعدہ بھی یاد دلا سکتا ہے کہ

العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب دوسرے یہ کہ حسب فرمان حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کل ما سوے اللہ صنم۔ آیئے! اب آگے بولیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿حیات انبیاء علیہم السلام﴾

عوام الناس کے ذہن الجھانے کے لیے حیات الانبیاء کا مسئلہ چھیڑ دیا حالانکہ جو شخص حیات شہداء کا جو نص قرآنی سے ثابت ہے، قائل ہے وہ حیات انبیاء کا بطریق اولی قائل ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ کی پارٹی کا عوام میں ہمیں منکرین حیات کہہ کہہ کر شہرت دنیا سوائے اس کے نہیں کہ ہم کہیں سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

بات صرف یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔حیات شہداء کا مفہوم آپ نہیں سمجھے اور نہ حیات کے معنے اور مفہوم سمجھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حیات کے سات معنے ہیں۔

۱) ایک معنی متعارف

۲) دوسرا دنیا میں ذکر جمیل اور آخرت میں اجر جزیل کا عطا ہونا

۳) تیسرا معنی اجساد وابدان عنصریہ کا اپنے اپنے مدفنوں میں صحیح سلامت رہنا اور تہہ زمین میں بوسیدہ نہ ہونا

۴) چوتھا ارتفاع الغم

۵) پانچواں معنی مجازی باعتبار مایؤل الیہ کے یعنی جو قیامت کو زندہ ہو جائیں گے انہیں ابھی سے زندہ کہہ دیا

۶) چھٹا معنی ہے نمو عمل

۷) ساتواں معنی مردہ کو مرنے کے بعد نہلانے کا حکم ہے اور زندہ کو نہلانے کا حکم نہیں۔

ان سات معنوں میں سے ایک معنی میں آپ بھی حضرت ﷺ کو میت کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو بعد از وفات نہلایا، کفن دیا، قبر کھودی، لحد بنائی اور

آپ ﷺ کو دفن کیا۔

اور پانچ معنوں کی رُو سے آپ بھی انبیاء کو زندہ مانتے ہیں اور ہم بھی زندہ مانتے ہیں۔ ان میں ہمارا تمہارا کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف ہے تو صرف معنے متعارف میں ہے اور اس میں پانچ گروہ ہیں۔

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا۔ (جمال قاسمی)

بلکہ (رُوح انبیاء) اطراف و جوارح سے سمٹ آتی ہے اور اس لیے حیات جسمانی کو بہ نسبت سابق ایسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے۔ اور یہ حیات دنیویہ ہے برزخی نہیں (نانوتویؒ)

(۲) رُوح مبارک جسدِ اطہر سے پرواز کر کے بعد از دفن پھر سے جسم میں آ گئی (بیہقی)

(۳) بعد از وفات رُوح ملا اعلیٰ میں ہے لیکن جسد اطہر سے رُوح کا تعلق اشراقی یا اشراقی ہے (کوئی بزرگ)

(۴) بعد از دفن رُوح مع جسدِ عنصری کے اعلیٰ علیین میں زندہ ہیں (قونوی)

(۵) آپ ﷺ کی حیات مثل حیات شہداء ہے بلکہ بدرجہا اس سے اعلیٰ و افضل ہے۔

پہلا مذہب حضرت نانوتویؒ کا ہے جو شاہ جی کو پسند نہیں کیونکہ وہ بار بار اپنے رسالہ میں آپ کی حیات کو غیر کامل غیر مطلق اور غیر حقیقی حیات بتاتے

ہیں۔ (مثلاً دیکھو ص ۹۳ سطر ۲) دوسرا مذہب بیہقی کا ہے۔ تیسرا مذہب بعض علماء کا۔ چوتھا مذہب قونوی کا۔ پانچواں مذہب اہل حق کا۔

مگر شاہ صاحب حضرت نانوتویؒ کا دم بھرتے ہوئے ان کے مسلک کے خلاف کسی بزرگ نامعلوم کا مسلک مانتے ہیں جو تمثیل محض ہے از قبیل ظنیات برہان قاطع اس پر نہیں نہ قرآن پاک سے نہ حدیث سے نہ اجماع سے اور جو اہل حق پانچواں قول تسلیم کرتے ہیں یعنی حیات انبیاء حیات شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے اور قرآن وسنت کی رُو سے ثابت ہے۔ ان کو شاہ صاحب منکرین حیات کی فہرست میں لا کر دیوبندیت سے خارج فرماتے ہیں۔

کیوں جناب! حضرت نانوتویؒ کا قول بلکہ تمام اقوال آپ رد کر دیں تو پکے دیوبندی؟ اور اگر ہم تمام اقوال حضرتؒ کے مانیں، صرف ایک بات کو نہ مانیں تو ہم دیوبندیت سے خارج بلکہ اہل سنت سے بھی خارج؟ کیا یہی انصاف ہے۔

سن لو! ہم حیات انبیاء برزخیہ حقیقیہ عالیہ کے قائل ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

اور آپ ایک نامعلوم بزرگ کا قول لے کر ناچتے پھرتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔؟ قیامت کو خدا کے سامنے تمہارا گریبان ہوگا اور ہمارا ہاتھ۔ وہاں انصاف ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

والسلام

احقر الثقلین محمد حسین صین عن الشین

سرگودھا

[illegible] اشاعۃ التوحید والسنۃ [illegible]

حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

کی تصنیفِ لطیف تفسیر بے نظیر (البیان) میں قرآن کریم کے مطابق ایک مسلمان کا

صحیح عقیدہ

○ کُفار کہتے ہیں (انبیاءؑ و اولیاءؒ) اللہ تعالیٰ سے کروا دیتے ہیں۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ
جو نہ سُنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں، وہ کس طرح کرا دیتے ہیں؟ (سورۃ یونس)

○ قیامت میں کہیں گے: اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ یعنی تمہارے پکارنے کی ہم کو کچھ خبر نہیں۔ (سورۃ یونس)

○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ. (سورۃ فاطر)

○ کُفار ملائکہ (و انبیاءؑ) کو غائبانہ پکارتے ہیں معبود سمجھ کر، وہ نہیں سُنتے۔ اگر بالفرض سُن بھی لیں تو بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ غائبانہ سمیع (و بصیر) اللہ تعالیٰ کے غیر کو جاننا شرک ہے۔ (سورۃ فاطر)

○ حالانکہ وہ تو نہ کسی چیز کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اُن کو کچھ خبر ہوتی ہے لوگوں کے پکارنے کی۔ (فاطر)

○ حاصل یہ ہوا کہ دُنیا میں کُفار معبودوں کو شفعاء سمجھ کر پکارتے ہیں اور یہ پکارنا ان کا شرک ہے ان کے پکارنے کی ان کے معبودوں کو خبر نہیں نہ کوئی شفاعت کرتے ہیں۔ (سورۃ فاطر)

○ فهذه الانواع من خطاب الملٰئكة والانبياء والصّٰلحين بعد موتهم عند قبورهم وفى مغيبهم وخطاب تماثيلهم هو اعظم انواع الشرك الموجود فى المشركين (در تفسیر حاشیہ)

○ وہ لوگ جو انبیاءؑ اور صالحین کو بعد موت کے نزدیک سے پکارتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں (حاشیہ)

○ غیر اللہ کو غائبانہ مت پکارو، کارساز، غیب دان سوائے اُس کے کوئی نہیں (الاحقاف)

ؔ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس)، مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر)

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ

(سورت نمل آیت نمبر ۸۰)

البیان الاوفی

فی

رد سماع الموتی

مرتب

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حُسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

البیان الاوفی فی ردّ سماع الموتیٰ

از علامہ [illegible]

مفسر قرآن بحر العلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ ۲۱ سورۂ روم ص ۱۰۰ میں لکھا ہے "مترجم کہتا ہے کہ یہاں ایک مسئلہ ہے کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے ہیں۔ پس امام شافعی اور ایک جماعت سے منقول ہے کہ مُردہ سنتا ہے۔ اور ان کی حجت وہ حدیث ہے کہ جب بدر کی لڑائی میں ابوجہل وغیرہ کفار مشرکین مارے گئے اور وہ ایک گڑھے میں ڈال دیئے گئے۔ اور تیسرے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر اس مقام پر تشریف لائے اور خطاب فرمایا کہ ہم نے تو اپنے پروردگار عزوجل کا وعدہ حق پایا اور تم نے بھی آخر وعید عذاب کو سچا پایا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس قوم سے خطاب فرماتے ہیں جو گندے مُردے ہو چکے۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جو میں کہتا ہوں اس کے سننے میں تم لوگ ان سے بڑھ کر نہیں ہو۔ لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے ہیں (کما فی الصحیح) اور حدیث ابن عباسؓ میں ہے کہ جو کوئی بندہ اپنے بھائی مسلمان کی قبر پر گذرا جس کو دنیا میں پہچانتا تھا پس اس پر سلام کیا تو پہچانا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح اس میں پھیر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ سلام کا جواب دیتا ہے (رواہ ابن عبدالبر وقال صحیح) لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (پس مردہ نہیں سنتا ہے) اور واقعہ بدر کی حدیث میں حضرت عائشہؓ نے یہ تاویل فرمائی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ جو بات [illegible] میں ان لوگوں نے اب جان لیا۔ قتادہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو آخرت کی زندگی اتنی دیدی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام شریف جو اُن کے حق میں جھڑکی و ملامت تھا سن لیا۔

اسی واسطے امام ابوحنیفہؒ و صاحبینؒ و تمام فقہائے حنفیہ و جماعت علماء کا یہی قول ہے کہ مُردے نہیں سنتے ہیں۔ اور کسی شخص کو یہ طاقت نہیں ہے کہ مُردے کو اپنا کلام سنائے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے چاہے کہ کوئی بات مُردہ سنے تو اس کو اپنی قدرت کا اختیار ہے۔ اسی واسطے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر والوں سے کلام کیا تو یہ وحی الٰہی عزوجل تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ ان کو سنایا۔ اور اسی طرح مُردے سے سلام کرنا اور اس کا جواب دینا بقدرت الٰہی عزوجل ہے (اگر اس حدیث ابن عباسؓ کو ہم تسلیم کریں۔ شیلوی صحیؒ) کہ سوائے سلام کے کسی دوسری بات کے واسطے ہم کو آگاہ نہیں کیا گیا کہ وہ بھی مردہ سنتا ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ آج کل جو لوگ حنفی مقلد ہیں حتی کہ تقلید کے واسطے دوسروں کی تکفیر تک نوبت پہنچاتے ہیں ان کا حال بڑا عجب ہے کہ وہ بزرگوں کے مزاروں پر جا کر اپنی باتوں کی داستانیں سناتے ہیں حالانکہ امام ابو حنیفہؒ و تمام ائمہ حنفیہ سے اس کا مخالف ہے۔ اور اس مقام پر وہ قطعی غیر مقلد بن جاتا ہے پس ان نفس کے بندوں کا ظاہرا حال یہ ہے کہ وہ حنفی و تقلید کے واسطے حنفی نہیں تھا۔ بلکہ اسلام میں فساد و رخنہ ڈالنے کے لئے کبھی مقلد بنتا ہے اور کبھی غیر مقلد ہو جاتا ہے تاکہ مسلمانوں میں باہم نزاع و پھوٹ ڈالے اور یہی اختلاف جو مسلمانوں میں غرض ہے اس کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ ہم کو و سب مسلمانوں کو ایسی معصیت سے بچائے اور ایمان و اسلام پر ثابت قدم رکھے آمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت نواب قطب الدین خان صاحب دہلوی مصنف مظاہر حق اپنی تفسیر جامع التفاسیر مطبوعہ نظامی پریس دہلی پارہ ۲۲ سورۃ فاطر ص ۱۱۰ میں لکھتے ہیں:

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ سماع اموات میں اگرچہ بعض علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن مذہب امام اعظمؒ کا اور اکثر مشایخ ہمارے کا عدم سماع ہے بدلیل آیت وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ

حضرت مولانا خرم علی صاحب رحمہ اللہ نے بھی غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار نے اسی طرح لکھا ہے۔ ص ۲۹۲

عقائد کی کتاب فقہ اکبر جس کی نسبت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جاتی ہے اس کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ص [illegible] پر لکھا ہے إِنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ بِنَفْسِهِ۔ یعنی اس میں شک نہیں کہ میت بذات خود کچھ نہیں سن سکتا۔

سید احمد حسن صاحب امروہی حسینی صابری چشتی نقشبندی مجددی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ المشایخ مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ کی تصدیق ان الفاظ کے ساتھ فرمائی ہے:

فَمَا حَقَّقَهُ الْمُحَقِّقُ الْكَامِلُ الْمُحَدِّثُ الْفَقِيهُ وَالْفَاضِلُ النَّبِيهُ شَيْخُ الْوَقْتِ مَوْلَانَا رَشِيدُ أَحْمَدَ أَمْطَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ شَآبِيبَ الرَّحْمَةِ هُوَ الْأَحَقُّ بِالْقَبُولِ وَهُوَ الْأَوْفَقُ بِالْمَذْهَبِ وَالْأَلْيَقُ بِالْإِفْتَاءِ۔ یعنی جو کچھ عدم سماعت اموات کے متعلق حضرت مولانا مولوی رشید احمد قدس اللہ سرہ العزیز الصمد نے تحریر فرمایا ہے اور عدم سماعت اموات مذہب امام اعظمؒ کا ارشاد فرمایا ہے یہی قول اور یہی مذہب قبول کرنے کے لائق اور قول عدم سماعت اموات کا فتویٰ دینے کے قابل ہے۔

یاد رہے کہ یہ حضرت سید صاحب رحمہ اللہ بزرگوار شاگرد رشید ہیں حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کے اور بہت بڑے عالم اکمل اور فاضل اجل تھے ان کے اولاد امجاد سرگودھا میں آباد ہیں۔

اس فتویٰ پر بہت سے علماء کے دستخط اور مواہیر ثبت ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ ہوں

۱۔ مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا عدم سماع اموات ہے اور باعتبار روایت و دلایت کے یہی راجح

۲۔ جیسا کہ حضرت رأس المحققین مولانا رشید احمد محدث گنگوہی کی تحقیق سے ثابت ہے حیث قال رحمۃ اللہ لہذا مذہب

نادر و مرجح عدم سماع ہے۔ فقط واللہ اعلم کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند

۲۔ مہر حضرت ملک العلماء سلطان الاتقیاء سرتاج فقہاء و محدثین حضرت مولانا مولوی محمود حسن صاحب

(المعروف بہ شیخ الہند) لازالت ارشاداتہ الی قیام القیامۃ باقیۃ۔ محمود حسن

۳۔ دستخط مولانا و اولنا حضرت مولوی (سید) محمد انور شاہ صاحب (کشمیری) فاضل بے بدل عالم بے مثل

سلمہ اللہ محمد انور شاہ

مواہیر و دستخط حضرات علماء کرام و بزرگان عظام مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

۱۔ الجواب صحیح عبد الوحید عفی عنہ

۲۔ دستخط حضرت سلطان المناظرین افضل الفقہاء والمحدثین نائب سید المرسلین حضرت مولانا مولوی

خلیل احمد صاحب انبیٹھوی مصنف بذل المجہود شرح ابی داؤد ادام اللہ فیضہم الصمد۔ خلیل احمد

۳۔ دستخط مولوی مفتی مولانا محمد یحییٰ صاحب خلف الصدق حضرت مولانا مولوی محمد اسماعیل جھنجھانوی قدس سرہ

العزیز محمد یحییٰ عفی عنہ صح الجواب

۴۔ الجواب صحیح دستخط مولانا مولوی عبد اللطیف صاحب مدرس مدرسہ سہارنپور عبد اللطیف عفی عنہ

۵۔ الجواب صحیح محمد الیاس مدرس مدرسہ سہارنپور (بعد میں تبلیغی جماعت کے بانی ہوئے۔)

۶۔ دستخط مولانا مولوی ثابت علی صاحب مدرس مدرسہ سہارنپور

۷۔ دستخط مولانا مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی

۸۔ دستخط مولانا مولوی عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

مواہیر و دستخط علمائے کرام امروہہ ضلع مرادآباد

۱۔ دستخط و مہر عمدۃ الخلف بقیۃ السلف عالم اکمل فاضل سید احمد حسن صاحب امروہوی ان کی تحقیق پہلے درج ہو چکی

٢- صح الجواب بلا ارتیاب (محمد عبد العزیز) مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ

٣- الجواب حق والحق احق بالاتباع (رضا حسن) مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ

٤- الجواب صحیح (محمد اسماعیل) مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ

مواہیر و دستخط علمائے بریلی

١- قد صح ما اجاب بہ شیخ المحدثین مولانا رشید صاحب (محمد امین) مہتمم مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی۔

٢- میرے نزدیک عدم سماعت کا قول معتمد اور محتاط اور قابل تعامل ہے (محمد اشرف علی) مدرس مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی

٣- واقعی جو جواب حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا واجب التسلیم ہے اور اکثر محققین بھی اسی طرف گئے ہیں اور حضرت مولانا مولوی محمد قاسم نانوتوی کا بھی یہی مسلک ہے (عبد الکریم)
مدرس مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی

٤- (حمید الدین) الجواب صحیح — ٦- (عبد العزیز خان) الجواب صحیح

٥- (سجاد علی خان بریلوی) الجواب صحیح — ٧- (عبد اللہ عفی عنہ) الجواب صحیح

٨- لاریب جمہور حنفیہ کرام کے نزدیک سماع موتیٰ ثابت نہیں ہے (محمود عفی عنہ)

مواہیر و دستخط علماء گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

١- مذہب امام اعظم امام الائمہ امام ابو حنیفہ رح سماع موتیٰ ثابت نہیں ہے۔ العبد (غلام نبی عفی عنہ) مدرس مدرسہ اسلامیہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

٢- الجواب صحیح (محی الدین احمد) مہتمم و مدرس مدرسہ اسلامیہ گلاؤٹھی

٣- والجواب المذکور حق والحق احق ان یتبع بندہ (کریم بخش عفی عنہ) مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

٤- دستخط عالم اکمل فاضل اجل جامع معقول منقول مولانا مولوی (واحد علی) صاحب مدرس مدرسہ قصبہ مینڈھو لازالت انوار شمسہ طالعۃ علینا الی یوم القیامۃ

مواہیر دستخط علمائے شہر میرٹھ

۱- ارقمہ المجیب اللبیب فہو انسب واصوب واللہ تعالیٰ اعلم (محمد اسحٰق عفی عنہ) مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ شہر میرٹھ

مواہیر دستخط علمائے ضلع سورت

۱- (محمد [illegible]) ناظم از مدرسہ تعلیم الدین واقع سورت

۲- (بندہ محمد احمد عفی عنہ) خادم اہل وطن

۳- (ابو حسن) مہتمم مدرسہ تعلیم الدین احمد۔

مواہیر دستخط علمائے تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر

۔ دستخط فاضل اجل عالم باعمل مولانا مولوی شاہ (اشرف علی) صاحب تھانوی لازالت انوار شمسہ طالعۃ الی یوم القیام

مواہیر دستخط علمائے دہلی

۱- الجواب بہ خاتم المحققین سند المحدثین مولانا رشید احمد المحدث قدس سرہ ہو الاوفق بمذہب حنفیہ والراجح بحسب الدلیل واللہ اعلم کتبہ العبد المسکین (محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ) مدرس المدرسۃ الامینیہ

۲- حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا جواب بہت درست ہے (محمد قاسم عفا عنہ) مدرس مدرسہ امینیہ دہلی واقع سنہری مسجد دہلی۔

۳- الجواب صواب (عبداللہ) مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی

۴- الجواب صحیح (انوار حسین عفی عنہ) مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

۵- الجواب صحیح (عبدالغنی عفا عنہ)

۶۔ الجواب صواب بلا ریب (ضیاء الحق عفی عنہ) مدرسہ امینیہ دہلی

۷۔ عدم سماعت موتیٰ کو ترجیح ہے (محمد عبد الغفور دہلوی)

۸۔ ما قال ملک العلماء سلطان الاتقیاء زین المفسرین راس المحدثین مولانا رشید احمد گنگوہی طاب اللہ ثراہ ہو الاصح وہو مذہب اکثر مشایخنا رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

(بندہ احمد سعید عفا اللہ عنہ) واعظ دہلوی۔

۹۔ الجواب صحیح (بندہ ظہیر الدین عفا اللہ عنہ گنگوہی) مقیم در مسجد اونچی محلہ تیلی واڑہ

۱۰۔ ما حکم و اجاب بہ راس المحدثین تاج الفقہاء والمفسرین مولانا رشید احمد علیہ الرحمۃ من اللہ الصمد ہو الحق بحسب الدلائل الراجحۃ ہو الاوفق بمذہب الحنفیۃ والحق احق بالاتباع لان الحق یعلو ولا یعلیٰ حررہ العبد الراجی الیٰ رحمۃ اللہ المنان

(محمد حبیب الرحمٰن عفی عنہ دہلوی)

۱۱۔ فی الواقع عدم سماع اموات کو مذہب حنفیہ میں ترجیح ہے (محمد عبد العلی عفا اللہ عنہ) درس شیخ الاعبد [illegible] مدرسہ عبد الرب کشمیری گیٹ دہلی ۔ استاذ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی التھانوی ۔ نیلوی)

۱۲۔ الجواب صواب (محمد عیان) مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی۔

۱۳۔ فاضل مجیب نے جس قید کے ساتھ مولوی محمد کرامت اللہ خان صاحب کے رسالہ کا جواب دیا نہایت صحیح ہے (عبد السلام دہلوی)

حضرت مولانا عبد الحیّ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

حضرت مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ اپنے مجموعۃ الفتاویٰ کے ص۳۷۳ میں تحریر فرماتے ہیں فقہائے حنفیہ در ایں بارہ مختلف اند اکثر قائل عدم جواز اند بما ایں بنا کہ سماع موتیٰ ثابت نیست چنانکہ در کتاب الایمان فتح القدیر حاشیہ ہدایہ و در مستخلص شرح کنز و کفایہ شرح ہدایہ و در مختار و دیگر فتاویٰ صراحۃً و اشارۃً نوشتہ است ہر کہ خواہد بہ بیند۔ و واضح باد کہ ہمیں مذہب اکثر فقہاء قابل فتویٰ نزد ما است ۔ چہ کہ در یں احتیاط است (مجموعۃ الفتاویٰ بر خلاصۃ الفتاویٰ)

ہمارے حنفی فقہاء اس بارہ میں مختلف ہیں اکثر عدم جواز کے قائل ہیں اس لئے کہ سماع موتیٰ ثابت نہیں ہے چنانچہ فتح القدیر و مستخلص و کفایہ و در مختار و دیگر فتاوے کے کتاب الایمان میں صراحۃً و اشارۃً لکھا ہے جو چاہے دیکھ لے۔ واضح ہو کہ یہی مذہب ہے اکثر فقہاء کا ہمارے زمانہ میں فتوے کے لائق۔ کیونکہ اسی میں احتیاط ہے۔

سراج احمد سہسوانی نے سراج الایمان ص۳۲ میں کہا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور اکثر حنفیہ کے نزدیک سماع موتیٰ ثابت نہیں۔
مولوی محمد ابراہیم دہلوی نے کشف الغطا ص۲۲ میں کہا کہ حنفی مذہب میں سماع موتیٰ ثابت نہیں۔ عبد الستار محدث دہلوی نے تفسیر ص۲۳۵ میں کہا کہ فتح البیان والے نے کہا کہ سماع موتیٰ کی نفی کے ظاہر سے تو عموم معلوم ہوتا ہے۔

سوال ہم تمہارے شائع کردہ ان فتووں کو کیسے تسلیم کریں جب مطبوعہ فتاویٰ رشیدیہ میں صاف تمہارے خلاف فتوے لکھے ہوئے موجود ہیں

جواب ہم خود اپنی طرف سے اس سوال کا جواب نہیں دیتے۔ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے امداد المفتین فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد دوم ص۵۶ میں جو لکھا ہے وہ یہ ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم کا پہلا دور فتاویٰ رشیدیہ

الغرض فتاویٰ دارالعلوم کا ابتدائی دور فتاوئے رشیدیہ سے شروع ہوتا ہے لیکن نہایت حسرت کا مقام ہے کہ حضرت ممدوح کے فتاوے کی نقول محفوظ رکھنے کا شروع میں تو کوئی انتظام ہی نہ تھا۔ پھر کچھ مختصر اور ناتمام سا انتظام ہوا بھی، مگر ان کے ضبط و اشاعت یا حضرت ممدوح کی نظر ثانی کا کوئی موقع نہیں آیا۔ ان کی اشاعت حضرت کی وفات کے بعد مختلف اطراف میں گئے ہوئے خطوط کو جمع کر کے کی گئی۔ اور ان میں ایک مغالطہ یہ بھی پیش آگیا کہ ۱۳۱۴ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ظاہری بینائی نزول ماء سے جاتی رہی تھی (نزول الماء) خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے تھے اس وقت اکثر خطوط اور فتاوے کا جواب حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرمایا کرتے تھے جن میں کبھی تو حضرت بطور املاء کے الفاظ لکھواتے تھے اور کبھی مضمون بتلا دیا کہ یہ لکھ دیں۔ اس لئے جو استناد و اعتماد کا درجہ حضرت ممدوح کے فتاویٰ کو ہونا چاہیے تھا وہ ان میں ایک حد تک کم رہ گیا۔ فتاوئے رشیدیہ کے نام سے جو تین حصے شائع ہوئے ہیں ان میں بعض مسائل ایسے

بعض ہیں جن کے متعلق حضرت گنگوہی قدس سرہ کے خصوص تلامذہ و مریدین و خلفاء حضرت فتاویٰ شائع شدہ فوٹو کے خلاف نقل کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ان میں ابتداءً حضرت گنگوہی کا وہی فتویٰ ہو جو شائع ہوا لیکن ہر یکہ حاضر خدمت رہنے والے اکابر علماء نے جو نقل کیا وہ ہی آخری فتوے اور راجح قول شمار ہوگا۔

مثلاً ربوا فی دار الحرب کے متعلق فتاویٰ رشیدیہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قول مشہور کے موافق دار الحرب میں سود لینے کو جائز لکھا ہے مگر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متعدد خلفاء اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بارہا سنا کہ حضرت گنگوہیؒ کا فتوے اس باب میں صاحبین اور جمہور کے موافق تھا اور اسی وجہ سے حضرت ممدوح نے حضرت حکیم الامت کے رسالہ تحذیر الاخوان پہ دستخط نہیں فرمائے کہ اس کے مضمون سے حضرت کو اختلاف تھا۔

اسی طرح سماع موتیٰ کے مسئلہ میں جو مضمون فتاوے رشیدیہ میں طبع ہوا ہے، استاذی و سیدی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی اعظم دار العلوم حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ اس کے خلاف نقل فرماتے تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحبؒ ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند رحمہ اللہ کشف الرحمٰن ص۵۷۵ میں فرماتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی آیت (وما انت بمسمع من فی القبور) سے مُردے کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے اور یہی اکثر مشائخ حنفیہ کا مسلک ہے۔ اور ص۸۲۵ میں ہے مُردوں میں سننے کی صلاحیت نہیں اور ص۸۴۵ میں یہ بھی ہے سوا مُراد یہ ہے

حضرت استاذی المکرم المحترم العلامۃ الفہامۃ العریف الغطریف الامام الہمام القمقام الطمطام اللوذعی الالمعی فقیہ النفس مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ علیہ رحمۃ اللہ نے اپنے فتاویٰ کفایت المفتی ج۲ ص۳۹ میں فرمایا "مُردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں"

ص۴۳ میں فرمایا یہ کہنا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی آنکھوں سے امت کے تمام احوال دیکھتے ہیں۔ اپنے کانوں سے امت کے تمام اقوال عرض معروض سنتے ہیں، آپ کی روح پر فتوح ہر امتی کے مکان میں حاضر رہتی ہے، آپ ہر امتی کے یا رسول اللہ کہہ کر پکارنے کو سنتے ہیں، آپ ہر امتی کے دل کے کچے اور پکے ارادوں کو دیکھتے اور جانتے ہیں یہ سب بے دلیل باتیں ہیں اور بے شک ان عقائد و خیالات سے صریح شرک لازم آتا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ ج۲ ص۱۲۰ میں لکھا و شیخ ابن الہمام در شرح ہدایہ گفتہ کہ اکثر مشائخ

حنفیہ بر آن اند کہ میت نمی شنود

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری پارہ ۵ میں فرماتے ہیں قال ابن التین ..... ان الموتی لا یسمعون بلا شک لکن اذا اراد اللہ اسماعھم السماع ابن التینؒ نے فرمایا کہ مردے بلا شک نہیں سنتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہے تو سن لے۔ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں یہی لکھا۔ عون الباری شرح بخاری میں بھی یہی لکھا

عوارف المعارف میں سہروردیؒ نے محمد بن علی حکیمؒ کا قول لکھا کہ سننا زندوں کو ہوتا ہے نہ مردوں کو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وما انت بمسمع من فی القبور

حضرت سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں فرمایا سننا میت کی شان نہیں اور بغیر معجزہ کے میت سے سننا متحقق نہیں ہوتا جیسے بدر کے گڑھے میں پڑے ہوئے مشرکین کے بے جان دھڑوں کا سننا کلام نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزہ کے طور پر تھا۔ المیت لیس من شانہ السماع ولا یتحقق منہ السماع الا معجزۃ کسماع اھل القلیب

زمخشری نے کشاف میں نیشاپوری نے اپنی تفسیر کے میں صاحب جامع البیان نے میں بیضاوی نے میں فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر کے میں اور ابو السعود نے اپنی تفسیر کے میں فرمایا الموتی لا یسمعون یعنی مردے نہیں سنتے

تفسیر خازنؒ والے نے اپنی تفسیر میں لکھا المیت لا یسمع ولا یتکلم یعنی میت نہ سنتا ہے اور نہ بولتا ہے۔

امام بغویؒ نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا المیت الذی لا سبیل الی سماعہ میت کے سننے کی کوئی سبیل نہیں ہے

مفسر نسفی حنفیؒ نے مدارک التنزیل میں کہا کہ قیامت سے پہلے تو مردے نہیں سنتے واما قبل ذلک فلا

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا میت نہ بول سکتا ہے اور نہ سن دیکھ سکتا ہے الموتی لا تحرک ولا تسمع ولا تبصر

قاضی پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں کہا مردے نہیں سنتے لیکن اللہ جب چاہے تو زندوں کا کلام مردوں کو سنا دیوے یہ اس کی مرضی لکن اللہ یُسمِعُ الموتیٰ کلامَ الاحیاء اذا شاء

علامہ سفارینیؒ نے بحور زاخرہ میں لکھا ہے کہ قاضی ابو یعلیٰ جو بڑے حنبلی اکابر اصحاب میں سے ایک بزرگ ہیں اپنی کتاب الجامع الکبیر میں اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے جیسے حضرت عائشہؓ کا مذہب ہے اور علماء کا ایک گروہ ان کے موافق اور انک لا تسمع الموتی وغیرہ دلیل پیش کرتے تھیں (روح المعانی پارہ ۲۱ ص ۴۹)

علامہ محمود بن محمد گجراتیؒ نے دلیل المشرکین میں کہا کہ منکرین سماع قبر کے پاس قبر والے سے استمداد کے منکر ہیں اور حنفیہ

اسی کے قائل ہیں۔ والحق ان من انکر الاستماع اد هذا حضور القبور انکر السماع ومن اثبت اثبت والحنفية قائلون بالاول نظر اور دلائل یہ ہے کہ قبروں والے چونکہ مردہ ہوتے ہیں اس لئے نہیں سنتے ان الذین فی القبور لا یسمعون بما یکلمون موتی۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی حنفی رحمہ اللہ کا قول علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری ص ۲۳۵ ج ۳ میں نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی تو مطلب یہ ہوا کہ جیسے تو مردوں کو نہیں سنا سکتا ایسے ہی مکہ کے کافروں کو تو نہیں سنا سکتا ہے۔ هذا مثل ضربه للكفار فكما انك لا تسمع الموتى كذلك لا تفقه كفار مكة

شہاب الدین خفاجی حنفی رحمہ اللہ نے تفسیر بیضاوی کے حاشیہ ص ۳۳۱ ج ۱ میں لکھا ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ رحمہم کا یہ مسلک ہے کہ میت نہیں سنتا واکثر مشایخنا علی ان المیت لا یسمع

شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی نے مائۃ مسائل میں فرمایا نزد اکثر حنفیہ سماع موتی ثابت نیست

علامہ سندھی نے فرمایا بعض لوگ ظاہر حدیث کو دیکھ کر میت کے سماع کے قائل ہیں مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ بدر کے مشرک مردوں کا سننا انہیں کے ساتھ مخصوص تھا (سندھی برحاشیہ بخاری ص ۱۸۳ ج ۱)

شمائم امدادیہ ص ۷۲ میں حضرت پیر طریقت قطب عالم حضرت مولانا شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت انک لا تسمع الموتی میں نفی حواس ظاہرہ سے مراد ہے

تو اس فرمان ذی شان سے معلوم ہو گیا کہ مردے اپنے ان کانوں سے نہیں سنتے نہ اس زبان سے بولتے ہیں اور نہ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ حرانی شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ الرد علی الاخنائی ص ۲۳ میں فرماتے ہیں اس بات پر کوئی دلیل موجود نہیں کہ جو شخص حجرہ شریفہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سلام کو سنتے ہیں۔

حافظ ابن عبد الہادی نے الصارم المنکی ص ۹۵ میں فرمایا قبر مبارک سے دور باقی مسجد نبوی میں جو سلام پڑھا جاتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود نہیں سنتے۔

فتاویٰ عزیزیہ ج ۱ ص ۳۳۳ میں ہے اما سماع موتی پس اکثر محققین اند بر نفی آں و مردوں کا اہل دنیا کا کلام و سلام وغیرہ سننے کے متعلق تمام حنفیہ کا اس کی نفی پر اتفاق ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۰۰ میں ہے مردے اجسام بے جان ہوتے ہیں وہ نہیں سنتے قرآن مجید میں ارشاد ہے

انک لاتسمع الموتٰی یعنی تیری آواز مُردے نہیں سُن سکتے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے
فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۱۰۳ میں یہ ہے۔

سوال: اولیاء اللہ کے گنبد کے پاس جاکر ان سے دعا کروانا جائز ہے یا نہ؟

جواب: جائز نہیں کیونکہ وہ سنتے نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے وَہُمْ عَنْ دُعَائِہِمْ غَافِلُوْنَ یعنی جن بزرگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔ پھر ان سے دعا کیسی اور کیا فائدہ؟

کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۹ کتاب الجنائز میں ہے۔

سوال (۱)....(۲) مُردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں یا کہ نہیں؟

جواب (۱).....(۲) مُردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں!

سوال مردے کو دفن کے بعد تلقین جائز ہے کہ نہیں اور اہل سنت والجماعۃ کا کیا مسلک ہے اور معتزلہ کا کیا؟

جواب حنفیہ تو تلقین کے قائل نہیں کیونکہ ان کے نزدیک سماعِ موتٰی ثابت نہیں۔ جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک تلقین مفید ہے الخ۔

• نیز لکھا "تلقین بعد الدفن حنفیہ کے نزدیک معمول و متوارث نہیں ہے اور حنفیہ کے اصول کے ساتھ یہی اوفق ہے"

مترجم مجتبائی کلاں قرآن مجید ص ۵۰۳ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہؒ سماعِ موتٰی کے منکر ہیں۔ اور اسی قرآن پاک کے مقدمہ ص ۱۴ میں ہے حضرت عائشہؓ و دیگر بعض صحابہؓ اور نیز امام اعظم ابو حنیفہؒ اہل قبور کے سننے کے قائل نہیں ہیں

سید سراج الدین احمد سہسوانی ”سراج الایمان ص ۵۱“ میں لکھتے ہیں ”مذہب امام اعظم اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم سماع موتٰی ہے“

کشف المقالات ص ۱۱ میں ہے ”مذہب حنفیہ میں سماعت موتٰی ثابت نہیں ہے“

صاحب مظاہر حق نواب قطب الدین صاحب نے جامع التفاسیر سورہ فاطر ص ۱۱ میں لکھا ہے ”مذہب امام اعظم اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم سماع ہے بدلیل آیت انک لاتسمع الموتٰی“

حضرت مولانا عابد الرحمٰن صاحب صدیقی مترجم صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۸۲۸ کتاب الزکوٰۃ کے باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”اکثر علمائے حنفیہ کے نزدیک سماعِ موتٰی ثابت نہیں، چنانچہ کافی شرح وافی، فتح القدیر، عینی شرح کنز اور کفایہ شرح

ہدایہ میں یہ امر صراحۃً مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ اور کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے؟

مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے فتاویٰ مسمیٰ بہ مجموعۃ الفتاویٰ (برحاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ) ۱۶۸ ص ج ۱

میں لکھا ہے فقہائے حنفیہ و دریں بارہ مختلف اند اکثر قائل بعدم جواز اند بر ہمیں بناء کہ سماع موتیٰ ثابت نیست چنانچہ در زیلعی و

فتح القدیر حاشیہ ہدایہ و در مستخلص شرح کنز و کفایہ شرح ہدایہ و در در مختار و دیگر فتاوی صراحۃً و اشارۃً نوشتہ اند

خواہ بہ بینید۔ و راجح باد کہ ہمیں مذہب اکثر فقہاء قابل فتوی زمانہ ما است چراکہ دریں احتیاط است۔ یعنی مسئلہ تلقین

کے بارے ہمارے فقہائے حنفیہ باہم مختلف ہیں اکثر ناجائز کہتے ہیں اس لئے کہ سماع موتی ثابت نہیں ہے جیسے فتح القدیر، مستخلص،

کفایہ، در مختار اور دوسرے فتاووں میں صراحۃً و اشارۃً لکھا ہے دیکھا جاسکتا ہے اور راجح رہے اکثر فقہاء کا مذہب

ہمارے زمانہ میں فتویٰ کے قابل ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔

مولوی فیض عالم نے دینِ الصراط ص ۱۳۹ میں لکھا ہے "و بیشک میت را بجز اس دنیاوی ظاہری مع اجتماع الروح

والجسد حیاتے و سماعے نیست" بیشک میت کو دنیاوی ظاہری جو اس کے ساتھ جو روح اور جسم کے اکٹھا ہونے کے ساتھ ہوتی

ہیں نہ کوئی حیات ہے اور نہ ہی کوئی سماع ہے۔

مولانا سید امیر علی نے عین الہدایہ کتاب الجنائز میں لکھا ہے "بالاتفاق ائمہ و مشائخ حنفیہ کے نزدیک مُردہ دلیل ظاہر

قرآنی نہیں سنتے ہیں اور عموم نص کی تخصیص کے واسطے قطعی دلیل چاہیے۔ اور جو حدیث ذکر کی ہے اگر وہ صحیح ہوتی تو

اس نص قرآنی کے برابر نہ ہوتی حالانکہ اس کی صحت اسناد میں ہنوز کلام باقی ہے۔ پس قبر کی تلقین خلاف مذہب ہے۔

امام ابو لیاء حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التوشیح میں فرماتے ہیں منہم الذین یدعون الانبیاء و

الاولیاء عند الحوائج والمصائب باعتقاد ان ارواحہم تسمع النداء و تعلم الحوائج ذلک شرک قبیح وجہل صریح

قال اللہ تعالیٰ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الیٰ یوم القیٰمۃ وہم عن دعاءہم غافلون

یعنی بعض وہ ہیں جو حاجات و مصائب کے وقت نبیوں اور ولیوں کو یہ عقیدہ رکھ کر پکارتے ہیں کہ ان

نبیوں اور ولیوں کی روحیں ہماری پکار سنتی ہیں اور ہماری حاجات کو جانتی ہیں۔ یہ تو قبیح شرک اور صریح

نادانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارے جو اس کی پکار

کا جواب روزِ قیامت تک نہ دے سکیں اور جواب دینا تو درکنار ان کو تو ان کی دعا تک کی بھی خبر نہیں۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند مطبوعہ مرتبہ مفتی مولانا ظفیر الدین دیوبند کی ج ۵ ص ۴۰۰ میں ہے اور یہ مسئلہ جان لیں کہ

قرآن شریف میں سماعِ موتیٰ کا انکار کیا گیا ہے۔ لہٰذا حدیث شریف میں تاویل کرنا مناسب ہے۔ اور ص ۳۴۳
جس سے سماعِ موتیٰ مختلف فیہ مسئلہ ہے حنفیہ سماعِ موتیٰ کا انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہی مذہب ہے اور
آیتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں۔ اور ص ۳۴۳ میں ہے اِنَّھُمْ لَا یَسْمَعُ الْمَوْتیٰ وغیرہ نصوص سے عدمِ سماعِ موتیٰ ظاہر ہے
فَاِنَّ عَدَمَ الْاِسْمَاعِ یَسْتَلْزِمُ عَدَمَ السَّمَاعِ وَھُوَ قَوْلُ مُحَقِّقِی الْحَنَفِیَّۃِ فقط اور ص ۳۴۴ میں مولانا
ظفیر الدین صاحب دیوبندی نے شرح فقہ اکبر ص ۱۵۹ کا حوالہ دے کر لکھا لِاَنَّ الْمَیِّتَ لَا یَسْمَعُ بِنَفْسِہٖ وَالْقُرْبُ وَ
الْبُعْدُ سَوَاءٌ (یعنی میت تو خود نہیں سنتا ہے نزدیک سے اسے بلانا اور دور سے بلانا یکساں ہے کسی حال میں میت
نہیں سنتا۔

فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ دیوبند شائع شدہ در المفتی ماہ صفر ۱۳۵۶ھ ص ۱۴ ج ۳
سماعِ موتیٰ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔۔۔۔ فقط عزیز الرحمٰن عفی عنہ

اور فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ دیوبند شائع شدہ المفتی ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ ج ۳ ص ۹۶
یہ واضح رہے کہ حد سے زیادہ جو امر تجاوز کرتا ہے وہ ممنوع ہو جاتا ہے جیسا کہ تعظیم قبور کا رواج ہو گیا ہے
یہاں تک کہ ان پر غلاف اور چادریں ڈالی جاتی ہیں۔ اور یہ امور اکثر مفضی الی الشرک و رواجِ شرک ہو جاتے ہیں
کا ہوشیار اور سماعِ میت ثابت نہیں ہے بلکہ عدمِ سماع پر نصِ قطعی وارد ہے قال اللہ تعالیٰ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ
مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ وقال تعالیٰ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتیٰ وقد اجاب فی الفتح وغیرہ عن الحدیث الوارد فیہ ای حدیث
اھل قلیب بدر و اوّلوا حدیث سماع قرع النعال بانہ مخصوص باول الوضع فی القبر فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

صاحب روح المعانی سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادہ حضرت سید نعمان بن محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ
نے عدمِ سماعِ اموات پر مستقل رسالہ لکھا جس کا نام ہے "الآیات البینات فی عدم سماع الاموات عند ائمۃ الحنفیۃ السادات"
وہ قابلِ دید ہے اس کا مطالعہ کرنے سے شکوک زائل ہو جاتے ہیں باذنہ تعالیٰ بشرطیکہ تعصب کو بالائے طاق رکھا جائے۔

مولانا خرم علی صاحب اور مولانا محمد احسن صاحب صدیقی نانوتوی رحمہما اللہ تعالیٰ در مختار کے ترجمہ غایۃ الاوطار ج ۲
ص ۳۳۵ میں فرماتے ہیں
میت محل ایلام اور تادیب نہیں۔ اور میت کو جو عذاب قبر میں ہوتا ہے تو اس کو جمہور علماء کے نزدیک زندگی عطا ہوتی

سے بقدر دریافت کرنے ادراک کے۔ اور بدن کا ثابت رہنا شرط نہیں اہل سنت کے نزدیک۔ بلکہ اجزاء متفرقہ میں بھی ہو

حیات عطا ہوتی ہے جو ہم کو معلوم نہیں ہو سکتی۔۔۔۔

اور کلام سے غرض افہام ہے اور موت اس کے منافی ہے اور دخول سے مراد یا اکرام ہے یا اہانت یا زیارت۔

اور بعد موت کے یہ کوئی بات حاصل نہیں

اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ میت کو سماعت نہیں، تو فہم بھی نہیں اور بعد موت کے میت کی قبر کی زیارت ہو

نیت کی۔ اور یہ جو صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے مقتولوں کی لاشوں کو کنوئیں میں

ڈلوا کر اس سے فرمایا کہ جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا یعنی شکست کفار، اس کو تم نے سچا پایا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

کہا آپ مُردوں سے کلام کرتے ہیں یا رسول اللہ! تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے

کہ تم ان سے زیادہ تر نہیں سنتے ہو۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی معارض صحیح بخاری میں دوسری حدیث موجود ہے

کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کو قرآن مجید کی دو آیتوں سے رد کیا۔ اول آیت یہ ہے کہ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ

فِی الْقُبُوْرِ یعنی تو سنا نہیں سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں۔ اور ثانی آیت یہ ہے فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى یعنی مقرر تو نہ

نہیں سنا سکتا مُردوں کو۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطریق ضرب المثل تھا زندوں کی نصیحت کے واسطے جیسا کہ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قبرستان میں جا کر فرمایا کہ تمہاری عورتوں کے نکاح ہو گئے اور تمہارے مال

تقسیم ہو گئے اور تمہارے مکانات میں اور لوگ ساکن ہوئے۔ یہ خبر تمہاری ہے ہمارے پاس ہماری خبر تمہارے پاس کیا ہے

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ تکلم اور سماع ہوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے بنا بر اعجاز کے تاکہ کفار کو

حسرت زیادہ ہو۔ اور وہ جو صحیح مسلم میں حدیث مروی ہے کہ میت جوتیوں کی آواز سنتا ہے جب لوگ اس کو دفن کر کے

پھرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء دفن کا یہ سماع اور فہم مقدمہ ہے جواب سوال منکر اور نکیر کا۔ اس خصوصیت کی وجہ

یہ ہے تاکہ حدیث اور آیتوں کے مضمون میں اتفاق ہو جائے تعارض نہ باقی رہے۔ اس واسطے کہ دونوں عدم سماع موتیٰ کی مفید

ہیں۔ انتہیٰ کلام الفتح۔

فیض الباری میں کہا کہ جواب ثالث نہایت خوب جواب ہے یعنی حضرت کا تکلم اور اسماع بطریق معجزہ تھا۔ تو اس سے عموم

سماع موتیٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بنا بر اعجاز کے حضرت سے شجر اور حجر نے بھی کلام کیا ہے حالانکہ شجر اور حجر محل کلام نہیں

اور صحیح مسلم کی روایت کے جواب کی تقویت دوسری حدیث سے ہو سکتی ہے کہ جب منکر اور نکیر نمودار ہوں سے جواب

سنتوں سنتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں نفسہ کلقوہ عتبہ الفرودس یعنی اب کلام سے سن جیسے وہ ما سوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ دلالت کرتی ہے کہ مومن کامل عالم سے غافل ہو جاتا ہے جیسے سوتا آدمی غافل ہوتا ہے اور کلام نہیں سنتا۔

بالجملہ ہم لوگ اہلِ تقلید ہیں پایۂ اجتہاد کا نہیں رکھتے۔ پھر جن فقہاء کے ہم مقلد ہیں جب ان کے نصوص سے ثابت ہوا کہ میت کو فہم اور سماع نہیں تو اس میں زیادہ گفتگو اور تفتیش کرنا بے موقع ہے۔ واللہ اعلم

چودہ صدیوں میں
عدمِ سماعِ موتیٰ کے قائلین
کے اسمائے گرامی

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (بخاری)	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ (و غرائب بحوالہ تفہیم ۱۱)
رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (در منثور)	علی بن ابی بکر صاحب الہدایہ (ہدایہ ج ۲ ص ۳۹ و ہدایہ ص ۲۵)
حضرت سلمہ بن یزید رضی اللہ عنہ (الاصابہ لابن حجر ج ۲ ص ۶۹)	صاحب فتاویٰ بزازیہ
حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۰۹)	اصحاب فتاویٰ عالمگیریہ — ص ۲۰۹
عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (شرح الصدور ص ۹۳)	صاحب خلاصۃ الفتاویٰ — ج ۳ ص ۱۴۲
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (شرح الصدور)	صاحب الفصول فی علم الاصول
اسلاقہ بن سبیہ عضری رحمہ اللہ تابعی (الاشتقاق ص ۴۷)	صاحب اصول شاشی
قتادہ تابعی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶)	نظم الدلائل
خلف بن خلیفہ تابعی رحمہ اللہ (دیوان حماسہ ص ۱۵۳)	طحطاوی — حاشیہ مراقی الفلاح ص ۴۰۹
طریف بن ابی وہب العبسی (؍ ؍ ص ۱۸۳)	صاحب کافی — بحوالہ بہجۃ المحافل ص ۱۸۴
جریر ابن عطیہ تمیمی (؍ ؍ ص ۱۹۳)	صاحب فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴۷ و ۴۴۸
حضرت زین العابدین علی بن حسین (مصنف ابن ابی شیبہ)	صاحب مستخلص — ص ۱۶۸
حضرت محمد باقر (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۵۵)	ابن تین (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۰۲)

ذبیح

علامہ

صاحب جامع الرموز (جامع الرموز ص ۲۳۳)

صاحب کفایہ شرح ہدایہ (کفایہ ص ۲۶۹ ج ۲)

شارح مختصر وقایہ (شرح مختصر وقایہ ص ۲۹۰)

عینی (شرح ہدایہ ص ۱۰۶۱)

ابن نجیم (بحر الرائق ج ۳ ص ۳۶۳)

مفسر نیشاپوری (ص ۱۳۷ تفسیر نیشاپوری ج ۹)

صاحب جامع البیان (جامع البیان ص ۱۱۳)

مفسر بیضاوی (تفسیر بیضاوی ج ۵ ص ۱۸۹)

امام رازی (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۳/۳۲۹)

(پارہ ۲۰ ص ۲۳۰)

امام ابو السعود (تفسیر ابی السعود ج ۳ ص ۵۸)

صوفی خازن (تفسیر خازن ج ۵ ص ۵۳۹)

امام بغوی (معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۵)

امام نسفی (مدارک التنزیل ص ۳۰۳)

امام ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر ج ۹ ص ۹۱۵/۹۸۶)

سید آلوسی (روح المعانی ج ۲۳/۲۲ ص ۱۴۳/۴)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۵۳)

سیوطی (جلالین ۱۱۳)

صاحب جامع القرآن (بحوالہ تحذیر الناس ص ۹۲)

قاضی ابو الفضل وصاحب کبیر (بحوالہ روح المعانی ج ۲۱ ص ۳۹)

ابو کمل (بحوالہ تحذیر الناس)

صاحب عون الباری (عون الباری ج ۱ ص ۱۰۸)

صاحب عوارف المعارف (ج ۱ ص ۳۸ بحوالہ الاجوبۃ المرضیۃ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (البلاغ المبین ص ۹)

کمال الدین زملکانی (حاشیہ مؤطا امام مالک)

صاحب فتح قوت المغتذی (بر جامع ترمذی مشتمل ج ۲ ص ۱۹۲)

علامہ زمخشری (کشاف ج ۲ ص ۱۲)

ملا علی القاری (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۹)

علامہ تفتازانی (شرح مقاصد ج ۲ ص ۳۲۱)

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی (مائۃ مسائل ص ۳۶)

محمد عبد الحی لکھنوی (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۳۴۲)

خرم علی / محمد احسن صدیقی نانوتوی (غایۃ الاوطار ج ۳ ص ۳۳۵)

سید امیر علی (تفسیر مواہب الرحمن ج ۱۲ ص)

ابو السعود در حاشیہ ملا مسکین شرح کنز الدقائق ۳۳۲

علامہ عبد الحکیم دمشقی در کشف الحقائق شرح کنز الدقائق ص ۲۷۵

مازری / شیخ الطیبی (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۵۲۶)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (شمائم امدادیہ ص ۴۲)

نواب قطب الدین دہلوی (جامع التفاسیر تحفہ طرس)

مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند (کشف الغطا)

مولانا محمد [illegible] صاحب شرح المعانی (الآیات البینات)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (لطائف رشیدیہ)

سماوی — بحوالہ تسہیل المسائل

صاحب عنایہ — بحوالہ تسہیل المسائل

صاحب نہر الفائق — بحوالہ تسہیل المسائل

فقیہ ابواللیث سمرقندی — و عمدۃ القاری پ ۴ ص ۲۲۵

خفاجی — حاشیہ بیضاوی جلد ۸ ص ۱۴۰

حضرت سید محمد انور شاہ صاحب — کشف المغالطات

〃 عبدالوحید مدرسہ مظاہر العلوم 〃

〃 عبداللطیف 〃 〃 〃

〃 محمد الیاس 〃 〃 〃

〃 ثابت علی 〃 〃 〃

〃 عنایت علی مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم 〃

〃 سید احمد حسن امروہی تلمیذ مولانا محمد قاسم 〃

〃 محمد عبدالعزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ 〃

〃 رضا حسن 〃 〃 〃 〃 〃

〃 محمد امین 〃 〃 〃 〃 〃

محمد یٰسین مہتمم مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی 〃

محمد اشرف علی مدرس 〃 〃 〃 〃 〃

عبدالکریم 〃 〃 〃 〃 〃 〃

حمید الدین 〃 〃 〃 〃 〃 〃

سجاد علی مختار بریلی 〃 〃 〃 〃 〃

عبدالعزیز خاں 〃 〃 〃 〃 〃 〃

عبداللہ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمہ اللہ — کشف المغالطات

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم — فتاویٰ دارالعلوم

مولانا محمد یحییٰ صاحب تلمیذ مولانا گنگوہی — کشف المغالطات

مولانا حسین علی صاحب تلمیذ مولانا گنگوہی — تحریرات حدیث

مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی — کشف المغالطات

امجد علی مدرس مدرسہ قصبہ مینڈھو — کشف المغالطات

محمد اسحاق مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ شہر میرٹھ 〃

محمد اسحاق ناظم مدرسہ تعلیم الدین سورت 〃

محمد احمد مدرس 〃 〃 〃 〃

احمد حسن مہتمم 〃 〃 〃 〃

محمد اشرف علی تھانوی تھانہ بھون ضلع مظفر نگر 〃

محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی 〃

محمد قاسم 〃 〃 〃 〃 〃

انتظار حسین 〃 〃 〃 〃 〃

ضیاء الحق 〃 〃 〃 〃 〃

محمد عبدالغفور 〃 〃 〃 〃 〃

عبدالغنی 〃 〃 〃 〃 〃

عبداللہ مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی 〃

محمد میاں 〃 〃 〃 〃 〃

محمد عبدالعلی شیخ الحدیث والادب مدرسہ عبدالرب دہلی 〃

ظہیر الدین نگینوی مسجد اونچی محلہ تیلی واڑہ دہلی 〃

سبحان اللہ احمد سعید واعظ دہلی 〃

محمود 〃 〃 〃 〃 〃 〃

غلام نبی مدرس مدرسہ اسلامیہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر 〃

محی الدین احمد مہتمم 〃 〃 〃 〃 〃

کریم بخش مدرس 〃 〃 〃 〃 〃

محمد ابراہیم دہلویؒ مؤلف کشف المغالطات

احمد دین صاحب جہلمی تلمیذ شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ (دلیل المشرکین)

عابد الرحمٰن صدیقی مترجم و شارح صحیح مسلم

میاں نذیر حسینؒ پھاٹک حبش خان دہلی (فتاویٰ نذیریہ)

محمد یعقوب علی مدرس نجیر نگر (رسالہ حرمت نائیتاں؟)

رحیم بخش 〃 〃 〃

نظیر حسین چاند پوری 〃 〃 〃

عبد الرزاق 〃 〃 〃 〃

محمد طیب 〃

محمد حبیب الرحمٰن دہلوی 〃

عبد السلام دہلوی 〃

محمد بشیر الدین قنوجی تلمیذ شاہ محمد اسحٰق دہلوی محدث جہانگیر نگر

سراج احمد سہسوانیؒ (سراج المبین)

شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (فتح الملہم)

مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (فتاویٰ دار العلوم)

مفتی ظفیر الدین دیوبندیؒ (فتاویٰ دار العلوم)

ثناء اللہ امرتسری (فتاویٰ ثنائیہ)

عبد الفتح مدرس نجیر نگر (رسالہ حرمت نائیتاں)

سید ولایت علی 〃 〃 〃

عبد الحکیم 〃 〃 〃

ناظر حسین 〃 〃 〃

محمد ضیاء اللہ مدرس مدرسہ عالیہ رامپور 〃

أُولٰئِكَ أَسْلَافِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا عَنِيدُ الْمَجَامِعُ

احقر الثقلین طالب الخیر فی الکونین محمد حسین صین عن الشین نیلوی

صدر مدرس مدرسہ ضیاء العلوم سرگودھا

(پاکستان)

[illegible]

بکم ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۲ھ

مفتی اعظم ہند ابو حنیفہ ثانی مولانا محمد کفایت اللہ کا فتویٰ

جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ مردہ دفن کیا ہوا اپنی آنکھوں اور اپنی کانو کے ساتھ سنتا اور دیکھتا ہے اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں مہربانی فرماوے

الجواب

اس شخص کا یہ اعتقاد صحیح نہیں ہے اسکے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دار الافتاء
مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

نوٹ

اصل فتویٰ ضیاء الحق ناظم مدرسہ ضیاء العلوم بلاک ۱۸ سرگودھا کے پاس محفوظ ہے ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے

شیخ القرآن حضرت مولانا

غلام اللہ خان رحمہ اللہ تعالیٰ

کی مرتبہ عظیم الشان تفسیر قرآن

جَواهر القُرآن

کے متعلق دارالافتاء، دارالعلوم کراچی کے شرانگیز فتویٰ کا رَدّ

عقدُ العِقیان فی عنق جَواهرُ القرآن

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حُسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

موضوع حدیث کا حکم اور عذاب قبر جیسے بنیادی عقیدہ کے علاوہ اہم شرعی مسائل پر



المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

- حقیقت وسیلہ
- موضوع حدیث
- عقیدہ عذاب قبر
- القول المرعی فی القبر الشرعی
- قبر اطہر پر کونسا درود شریف پڑھنا چاہیے؟
- رق منشور فی احکام الموتی والقبور
- ایصال ثواب اور اہلسنت کا عقیدہ

تلمیذ التفسیر والحدیث مفتی اعظم الشیخ المحقق مولانا محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

موضوع حدیث کا حکم اور عذاب قبر جیسے بنیادی عقیدے کے علاوہ اہم شرعی مسائل پر

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

جلد دوم

- حقیقت وسیلہ
- موضوع حدیث
- عقیدہ عذاب قبر
- القول المرعی فی القبر الشرعی
- قبر اور قبر کو کتنا اونچا شریعت نے رکھا ہے؟
- رد منشور سے فی حکم الموتی والقبور
- ایصال ثواب اہل سنت کا عقیدہ

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

[illegible]
[illegible]
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

۱

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

حقیقت وسیلہ

اور

حدیث لولاک کی تحقیق

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اجمالی فہرست

جلد دوم

سوال دعاء میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا وسیلہ جائز ہے یا نہیں۔ مثلاً یوں کہے کہ: "اے اللہ! میں فلاں بزرگ کے وسیلے کے ساتھ دعاء کی قبولیت چاہتا ہوں"۔ (السائل: محمد زاہد بلاک ۱۸ سرگودھا)

جواب قرآن مجید میں انبیاء اور اولیاء کی جس قدر دعائیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک دعاء میں بھی کسی نبی، ولی اور صالح آدمی کا وسیلہ مذکور نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں دعاؤں کی تلقین فرمائی ہے کہ اس طرح دعاء کیا کرو۔ ان میں سے بھی کسی ایک دعا میں وسیلہ بالذات کا ذکر نہیں۔

○ اسی طرح احادیث صحیحہ میں جس قدر دعائیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی نبی، ولی اور صالح آدمی کا وسیلہ مذکور نہیں۔ اور صحابہ کرام کی دعاؤں میں جو صحیح سند سے ثابت ہیں واسطے اور وسیلہ بالذوات کا ذکر نہیں۔ نہ بحق، نہ بحرمت، نہ بطفیل اور نہ بصدقہ۔

○ جب سوال کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بحق فلاں یا بوسیلہ فلاں کہہ کر دعا کرتا ہے تو اس سے سائل کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ ہستیاں (فرشتہ نبی ولی شہید صالح) اللہ تعالیٰ کے ممتاز برگزیدہ اور مقرب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی درگاہ عالیہ میں ان کی قدر و منزلت وجاہت حرمت عزت بہت کچھ ہے۔

○ لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارشی منصب حاصل نہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (البقرۃ۔۲:۲۵۵) اور اللہ تعالیٰ کی اجازت انہی لوگوں کے لیے ہے جو اس کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں تو صرف انبیاء کی قدر و وجاہت، ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کے بغیر کچھ نفع بخش نہیں۔

○ علامہ سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں زیر آیت: وابتغوا الیہ

الوسیلۃ تحریر فرمایا ہے۔ کہ دعاء کی غیر مشروع قسموں میں سے یہ دعاء کرتا ہے کہ اللھم انی اسألك بجاہ فلان کیونکہ سلف صالحین میں سے کسی سے یہ روایت نہیں ملی کہ انھوں نے اس طرح دعاء کی ہو۔ اور نہ اس دور میں وسیلہ' جاہ اور حرمت کے ساتھ کسی صحابی کا عمل ثابت ہے۔ اور جو بعض عوام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمھیں اللہ تعالیٰ سے حاجت کی دعاء کرنی ہو تو میرے جاہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے جاہ کی بہت بڑی عظمت ہے۔ سو اہلِ علم میں سے کسی ایک نے بھی یہ روایت بیان نہیں کی اور نہ ہی حدیث کی کتابوں میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ بعض ایسی روایات میں اس کا ذکر آتا ہے جو شیعہ کی کتابوں سے اخذ کر کے اہلِ سنت کہلانے والوں نے اپنی کتابوں میں درج کر دی ہیں۔ چنانچہ :

- فرمان علی شیعی مترجم نے فتلقی آدم من ربہ کلمات کے تحت لکھا ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں : اللھم بجاہ محمد و علی و فاطمۃ والحسن والحسین و الطیبین من الھم لما تفضلت بقبول توبتی و غفران زلتی واعادتی من کرامتك الی قربتی (بحوالہ درِ منثور جلد ۱ صفحہ ۱۶)
- معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں نے یہ مسئلہ عیسائیوں سے اخذ کیا ہے۔ دیکھیے عیسائیوں کی کتاب "دعائے عام"۔ جس میں جگہ جگہ وسیلے کا لفظ موجود ہے۔ اس کے علاوہ عیسائیوں کی دیگر کتب میں بھی جا بجا یہ لفظ ہیں : ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین۔ صرف تیرے بیٹے اپنے خداوند یسوع مسیح کے ثواب اور شفاعت کے طفیل سے۔ اسے آسمانی باپ ہمارے مبارک خداوند اور منجی یسوع مسیح کی خاطر بخش۔ آمین۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے ثواب کی بدولت۔ وغیرہ۔
- نعیم الدین مراد آبادی نے احمد رضا خان بریلوی کے ترجمۂ قرآن کے حاشیہ پر

لکھا ہے: "اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ بوقتِ پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہے: لآ اِلٰہَ اِلّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ میں سمجھا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد مصطفیٰ ﷺ کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی دعاء میں ربنا ظلمنا انفسنا الآیۃ کے ساتھ یہ عرض کیا اسألك بحق محمد ان تغفرلی ابن منذر کی روایت میں یہ کلمے ہیں: اللھم انی اسألك بجاہ محمد عبدك وکرامتہ علیك وان تغفرلی خطیئتی۔۔۔

مسئلہ اس روایت سے ثابت ہوا کہ مقبولانِ بارگاہ کے وسیلہ سے دعاء بحق فلاں کہ کر مانگنا جائز اور حضرت آدم کی سنت ہے۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں ہوتا۔ لیکن وہ اپنے مقبول بندوں کو اپنے فضل و کرم سے حق دیتا ہے۔ اسی تفضلی حق کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے۔ صحیح احادیث سے یہ حق ثابت ہے کہ جیسے وارد ہوا: من اٰمن باللہ و رسولہ و اقام الصلوۃ و صام رمضان کان حقا علی اللہ ان یدخلہ الجنۃ (کنز العرفان صفحہ ۷)" مگر نعیم الدین نے "بحق فلاں" کے جواز کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اور جو دلیل پیش کی ہے وہ وسیلہ بالاعمال کی دلیل ہے۔ غائب یا میت کے حق سے دعاء مانگنے کا اس میں کچھ ذکر نہیں۔ اس لیے تقریب تام نہ ہوئی۔ یعنی دلیل دعویٰ کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں۔

○ نیز نعیم الدین کی پیش کردہ مذکورِ بالا احادیث میں ماسوا اس آخری حدیث کے باقی تمام حدیثیں موضوع ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الموضوعات جلد ۲ صفحہ ۳ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا راوی عمرو بن ثابت عن ابیہ ابی المقدام منفرد ہے۔ اور سوائے حسین اشقر کے کسی اور نے روایت بیان نہیں کی۔ اور یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ عمرو بن ثابت ثقہ آدمی نہیں ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ پختہ محدثین کا نام لے کر من گھڑت روایتیں بیان کرتا تھا۔

اور ایک دوسری روایت جو طبرانی میں مروی ہے۔ اس کا راوی سوار بن مصعب ہے جو متروک الحدیث ہے۔ جیسا کہ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۹۸ میں ہے۔

○ امام قدوریؒ اور ان کے علاوہ حنفی علماء نے امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگو تو کسی کا وسیلہ نہ پکڑو۔

○ شرح تنویر میں امام علائی نے بحوالہ تاتارخانیہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ دعا مانگتے وقت کسی اور کو وسیلہ نہ پکڑو۔

○ اور حنفی علماء کی تمام متون کی کتابوں میں لکھا ہے کہ دعاء مانگنے والے کا توسل بحق انبیاء و اولیاء اور بحق البیت یا بحق المشعر الحرام مکروہ تحریمی ہے اور عذاب نار جہنم کے استحقاق میں امام محمدؒ کے نزدیک حرام کی طرح ہے۔ اور اس حرمت کی دلیل سب نے یہی دی کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

○ ابن بلدجی نے شرح مختار میں یہی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی اور کے وسیلہ کے ساتھ دعاء مانگنا مکروہ ہے۔ اور اس طرح بھی نہ کہا جائے تیرے فرشتوں یا تیرے نبیوں کے یا اوروں کے وسیلہ سے میں تیرا سوالی ہوں۔ کیونکہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں۔

○ ابن عبد السلام کے فتاویٰ میں بھی اسی طرح مذکور ہے

○ امام حصکفی نے درمختار جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ بحق رسلک، بحق انبیائک، بحق اولیائک، بحق البیت کہنا مکروہ ہے۔

○ کنز الدقائق صفحہ ۳۷۳ میں ہے کہ بحق فلان کہہ کر دعا کرنا مکروہ ہے۔

○ زیلعی علی الکنز ج ۲: صفحہ ۳۷۳ میں ہے اسی طرح بحق انبیائک، بحق اولیائک، بحق رسلک، بحق البیت، بحق المشعر الحرام کہنا مکروہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ آپ ہی ہے جس کو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ مختص فرما دیوے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

- بزازیہ (علی ہامش الفتاویٰ الہندیہ عالمگیریہ) میں ہے دعاء میں بحقِ فلان یا بحق محمدؐ کہنا مکروہ ہے۔ کیونکہ مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں۔
- سراجیہ صفحہ ۷۲ و شرح وقایہ جلد ۴ صفحہ ۵۹ و ہدایہ اخیرین صفحہ ۴۷۳ میں ہے:
"دعاء میں بحقِ فلان' بحقِ رسلک' بحقِ انبیائک کہنا مکروہ ہے"۔
- معدان حاشیہ کنز صفحہ ۱۸۷ میں ہے سب علماء کا اجماع ہے اس پر کہ بحق فلاں کہہ کر دعاء مانگنا مکروہ ہے۔ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۶۱ میں ہے۔ قال ابو حنیفہ و صاحباہ یکرہ ان یقول الرجل اسألك بحق فلان او بحق انبیائك و رسلك و بحق البیت الحرام و المشعر الحرام و نحو ذلك۔
- فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۷ میں بحوالہ تبیین مرقوم ہے کہ دعاء میں بحقِ فلان' بحقِ انبیائک' بحقِ اولیائک' بحقِ رسلک' بحقِ البیت' اور بحقِ المشعر الحرام کہنا مکروہ ہے۔
- جامع الصغیر میں ہے کہ اپنی دعاء میں بحقِ نبیک کہنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (زندگی میں) یوں کہتا کہ تیرے نبی کی دعاء سے مانگتا ہوں تو یہ جائز ہوتا۔ اور بعض نسخوں میں لکھا ہے کہ بحقِ نبیک کہنا مناسب نہیں۔ اور کراہت کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور صدر شہید نے اپنے نسخے میں اس مسئلے کا ذکر ہی نہیں کیا۔ (خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ صفحہ ۳۳۶)
- مختار الفتاوی اور فتاویٰ غرائب میں ہے: اعطنی بحق فلان کذا و بحق محمدؐ لانہ لا حق لاحد علی اللہ تعالیٰ یعنی اس طرح کہنا مکروہ ہے کہ اے اللہ بحق فلان مجھے فلاں چیز دے۔ اسی طرح بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر دعا مانگنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذمے کسی کا کوئی حق نہیں۔
- نصاب الاحتساب میں ہے: کسی کو شرعی طور پر یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ اسئلك بحق فلان یا بحق انبیائك و رسلك اور اس قسم کے دیگر الفاظ کہے۔
- فتاویٰ عجیب میں بحوالہ تجرید رکن الدین ابوالفضل کرمانی مرقوم ہے کہ دعاء

میں بحق فلان۔ بحق رسلك۔ یا بحق انبیائك کہنا مکروہ ہے۔

○ جامع الرموز عن الشرفین میں ہے: مکروہ است گفتن در دعا، بمعقد العز من عرشک و بحق رسلک و انبیائک کہ موہم است تعلق عزاو تعالیٰ را بعرش و ہیچ کس را بر خدا حق نیست۔

○ نیز شرح عقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۱۷۱ اور البحر الرائق جلد ۸ صفحہ ۲۰۷ و صیانۃ الانسان صفحہ ۱۸۲ اور دیگر کئی کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

○ اور حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردان خاص حضرات امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یکرہ ان یقول الرجل اسئلك بحق فلان او بحق انبیاء لك او بحق رسلك و البیت الحرام و المشعر الحرام و نحو ذلك اذ لیس لاحد علی اللہ حق۔

○ قرآن مجید میں ہے: وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المآئدۃ ۵: ۳۵) اس لفظ وسیلے کا معنی مفسرین نے قرب لکھا ہے۔ یعنی نزدیکی۔ اور ابن عباس نے وسیلے کا معنی قربت لکھا ہے۔ اسی طرح مجاہد، ابو وائل، عطا، قتادہ، حسن بصری، اور عبداللہ ابن کثیر نے فرمایا ہے۔ نیز ابن جریر نے اسی معنے کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح نیشاپوری، معالم التنزیل، ابن کثیر، ابن زید اور سدی نے بھی یہی معنے اختیار کیے ہیں۔ اور اس کا معنی یہ ہے: نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنا۔ جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اور برے کاموں سے بچنا اور ریاکاری سے اپنی عبادت کو دور رکھنا۔

○ نیز وسیلے کے معنی حاجت کے بھی ہیں۔ اور محبت کے معنے بھی ہیں۔ اور جنت میں ایک مقام کا نام بھی وسیلہ ہے۔ جس کے متعلق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے لیے وسیلے کی دعا کیا کرو۔ جس کو کوئی نہ پاسکے گا سوائے ایک آدمی کے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ اور یہ وسیلہ اعمال کے ساتھ ہوا یعنی نیک کام کرنا جن میں ایمان بھی آجاتا ہے اور

نماز، روزہ اور تمام اعمالِ صالح بھی جن کا ایک فرد جہاد بھی ہے۔ اور آیت قرآنیہ میں یہی مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ و عطف تفسیری کے ساتھ فرمایا: و جاھدوا فی سبیلہ تو مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔

○ مقاییس اللغۃ جلد ۶ صفحہ ۱۰۱ و مجمل اللغۃ جلد ۴ صفحہ ۹۲۵ میں ابن فارس نے لکھا ہے: و س ل دو کلمے ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا۔ پہلا رغبت اور طلب کے معنے میں ہے۔ کہا جاتا ہے: وَسَلَ یعنی اس نے رغبت کی۔ اور واسل کے معنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر کے اس کی طرف رغبت کرنے والا۔

○ اور ایک دوسرا معنی چوری کرنے کے بھی ہیں۔ جیسے کہتے ہیں: اَخَذَ اِبِلَہٗ تَوَسُّلاً یعنی اس نے اس کے اونٹ چوری کر کے لے لیے۔

○ اور لیث نے کہا ہے: وسل فلان الی ربہ وسیلۃ یعنی اس نے ایسا کام کیا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔

○ اور شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی معنے اختیار کیے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: "اے مسلمانان! بترسید از خدا و طلبید قرب بسوئے او"۔ یعنی اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور اس کے قرب کی تلاش میں رہو۔

○ سید عبد الدائم جلالی نے لغات القرآن جلد ۶ صفحہ ۱۲۵ میں تحریر فرمایا ہے: الوسیلہ اسم۔ قرب، نزدیکی، قرب کا ذریعہ۔ (خطیب فی السراج) یعنی طاعت۔ (سیوطی) امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے: الوسیلۃ فعیلۃ من وسل الیہ اذا تقرب الیہ یعنی وسیلہ صفت کا صیغہ بروزن فعیلہ ہے۔ وسل الیہ سے ماخوذ ہے۔ وسل کا معنی ہے: تقرب قریب ہوگیا۔ سیوطی نے آیت پ۶ رکوع ۱۰ کی تفسیر میں الوسیلہ کی تشریح کی ہے: ما یقربکم الیہ من الطاعۃ وسیلہ وہ چیز ہے جو اللہ کے قریب تم کو

پہنچاوے یعنی طاعت۔ اور آیت ۱۵ رکوع ۶ کی تفسیر میں الوسیلہ کی تشریح کی ہے: القربۃ بالطاعۃ طاعت کے ذریعے سے قرب۔

○ نیز مراقی الفلاح جلد ا صفحہ ۱۲۱ میں ہے اللہ کی طرف وسیلہ حاصل کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ علم عبادت اور شرعی احکامات کی پابندی کے ذریعے اللہ کی راہ کی رعایت کرنا۔ جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ان کاموں کو معمول بنانا جن کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان کاموں سے بچنا جن سے ر کا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرکے اور ایسے کام کرکے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اللہ کا قرب حاصل کرنا۔ اور حاجات میں اللہ تعالیٰ کو پکار کر اس کا قرب حاصل کرنا۔ یہ وسیلہ بالاعمال ہوا۔ یعنی تمام اعمال صالح ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، صلہ رحمی، درود شریف وغیرہ یہ سب وسیلے ہیں۔ یعنی تقرب الی اللہ کے اسباب ہیں۔ اور اموات کا توسل شریعت مطہرہ میں جائز نہیں۔ اور زندوں کو وسیلہ بنانے کا مطلب ہے ان سے دعا کی درخواست کرنا۔ جیسا کہ قوم موسیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی تھی۔ (دیکھیے: البقرۃ۔۲: ۶۰ و ۶۸)

○ اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوران دعا بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ یا اللہ! ہم تیرے نبی کی دعا سے تیرا قرب حاصل کرتے تھے تو تو ہمیں پانی دیدیتا تھا اور اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں ان کے چچا کی دعا سے تیرا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہمیں پانی دے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ دعا کرتے رہے اور دوسرے صحابہ بھی دعا کرتے رہے اور حضرت عباس کی دعا پر آمین کہتے رہے۔ حتیٰ کہ بارش ہو گئی۔

اگر اموات کا وسیلہ جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سے

دعاء کی درخواست نہ کرتے بلکہ براہِ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعاء کرتے۔ لیکن ان کا حضور کے وسیلے سے عدول کرنا (جبکہ وہ ہم سے زیادہ علم والے تھے اور اللہ اور رسول کے حقوق سے خوب واقف تھے۔ اور جائز اور ناجائز دعاؤں سے بھی خوب واقف تھے۔) اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جو ہستیاں وفات پا چکی ہیں انکا وسیلہ جائز نہیں۔

فائدہ یہ اجتماعی دعاء جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اور دیگر صحابہ کرام آمین کہتے رہے۔ یہ ان دعاؤں میں سے ہے جو اجتماعی طور پر مانگی جاتی ہیں۔ جن میں دعاء استسقاء اور عرفات کے میدان کی دعاء اور نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد کی دعاء شامل ہیں۔ یا کسی کے کہنے پر غیر قصدی اجتماعی دعاء جو بغیر تداعی کے ہو۔ اور ان کے علاوہ دیگر مواقع پر اجتماعی دعاء کا کوئی ثبوت نہیں۔

خلاصہ اعمال صالحہ کی بجا آوری اور اجتناب عن السیئات سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی دو چیزیں وسیلہ ہوئیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں بلکہ اس پر سب کا اجماع ہے۔

○ اور کنز العرفان صفحے میں جو اثباتِ وسیلہ کیلئے حدیث بیان کی گئی ہے:
من أمن بالله و اقام الصلوٰة و صام رمضان كان حقاً على الله ان يدخله الجنة یعنی جو اللہ پر ایمان لائے جیسے اللہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ متصف ہے اور خالصۃ لوجہ اللہ نماز کی پابندی رکھے اور رمضان شریف کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ایسے شخص کو جنت میں داخل کرنا اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ ایمان باللہ اور اقامتِ صلوٰۃ اور رمضان کے روزے جو اعمال ہیں قرب الٰہی کے وسیلے ہیں۔ اور اس بات کا قرآن مجید سے ثبوت بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دعا بیان کرتے ہوئے فرمایا: رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران-۳:۱۶) یعنی اے ہمارے رب! ہم نے تیری ہدایات دل و جان سے مان لی ہے۔ اس لیے تو ہمارے گناہوں پر پردہ ڈال اور ہم کو عذاب جہنم سے بچا۔ اور اسی طرح کئی مقامات پر مومنوں کی دعاؤں میں وسیلہ بالاعمال کا ذکر ہوا۔ مگر قرآن مجید میں کہیں بھی وسیلہ بالذوات یا بالاموات کا ذکر نہیں۔

○ حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۶ میں فرمایا ہے کہ توسل بالنبی سے مراد درود شریف پڑھنا ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے تحریر فرمایا ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی آداب دعاء میں درود شریف پڑھنے کا ذکر ہے۔

○ نیز آپ نے صفحہ ۳۹۱ میں تحریر فرمایا کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ توسل بالنبی سے مراد ہے: "بایمانی به و بمحبتی له"۔ یعنی "میرا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے۔ اور مجھے ان کے ساتھ محبت ہے"۔ لیکن یہ توجیہ مرجوح ہے۔ کیونکہ عوام کا یہ مقصد نہیں ہوتا۔ اس لیے عوام کو اس سے منع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مقصود عوام کا یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب کا بڑا لحاظ ہے۔ وہ اپنے حبیب کا کہا ٹال نہیں سکتا۔ حالانکہ اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے۔ تعالی اللہ عن ذٰلك علواً کبیراً۔

○ بہرحال صحابہ کرام اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی دعا میں بوسیلۃ النبی یا بوسیلۃ ولی یا بطفیل نبی یا بطفیل ولی یا بحرمۃ نبی یا بحرمۃ ولی یا بجاہ نبی یا بجاہ ولی نہ کہا کرتا تھا۔ اور نہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی اور نہ اس کی ترغیب دی۔ بلکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دعاء میں بحق فلاں کہنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں امام صاحب اور دیگر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال گزر چکے ہیں۔

○ بخاری صفحہ ۱۳۷ میں سیدنا انس بن مالک کی روایت ہے: ان عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللهم انا کنا نتوسل الیك بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا و انا نتوسل الیك بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون۔ یعنی قحط سالی کے زمانے میں امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے توسل سے بارش مانگتے تھے۔ پھر فرماتے: اے اللہ! ہم پہلے تو اپنے نبی کے توسل سے تجھ سے بارش کی دعا مانگتے تھے تو تُو ہمیں بارش عطا فرماتا تھا۔ اور اب ہم عمِ نبی کے توسل سے دعا مانگتے ہیں، اس لیے تُو ہمیں بارش عطا فرما۔

○ بخاری کے حاشیے میں ہے کہ یہ الفاظ کہنے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ آپؓ دعا فرمائیں۔ پھر حضرت عباسؓ نے دعا کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توسل بالعباسؓ کا مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے حضرت عباسؓ سے دعا مانگنے کی درخواست کی۔ اور توسل بالنبی کا بھی یہی معنی ہے۔ توسل بالنبی کا معنیٰ اگر وہ ہو جو عوام نے سمجھ رکھا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یوں دعا مانگتے: اللهم انا نستسقیك بحق العباس یا بجاہ العباس یا بوسیلة العباس اور توسل بالنبی اس طرح کرتے: اللهم انا نستسقیك بحق النبی یا بجاہ النبی یا بوسیلة النبی جیسے عوام توسل کرتے ہیں۔

○ اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کے عرف میں توسل بالذات بول کر توسل بدعا مراد ہوتا تھا۔ چنانچہ:

○ قاعدہ جلیلہ صفحہ ۴۴ میں ہے: واما التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم والتوجه به فی کلام الصحابة فیریدون به التوسل بدعائه وشفاعته۔

○ نیز آپ نے صفحہ ۴۵ میں فرمایا کہ توسل بالذات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں نہ تھا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس اور نہ کسی دوسری جگہ۔

○ مولانا محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صیانۃ الانسان صفحہ ۱۳۱ میں بحوالہ

الصارم المنکی تحریر فرمایا ہے: و لما مات النبی ﷺ توسلوا بدعاء العباس واستسقوا بہ یعنی جب حضرت نبی کریم ﷺ رحلت فرما گئے تو صحابہ کرام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء سے وسیلہ پکڑا اور آپؓ کی دعا کے ذریعے بارش طلب کی تھی۔ اور عرب لوگوں میں حذفِ مضاف شائع ذائع ہے۔ (دیکھیے ہدایہ حاشیہ صفحہ----)

○ اسی لیے ہر سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ادع یا ابا الفضل اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے درج ذیل الفاظ میں دعاء کی:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء

"اے اللہ! گناہ کے بغیر مصیبت نازل نہیں ہوتی اور توبہ کے بغیر مصیبت دور نہیں ہوتی۔ اور قوم نے مجھے تیرے نبی کی قرابت داری کے باعث تیری طرف متوجہ کیا۔ یہ ہمارے گناہ بھرے ہاتھ تیرے حضور میں حاضر ہیں۔ اور توبہ کے لیے ہماری پیشانیاں جھکی ہوئی ہیں۔ پس ہم پر مینہ برسا دے"۔ تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین کو سرسبز کر دیا۔ اور لوگوں کو زندگی حاصل ہوئی۔ (عمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۳۲)

1 ابن آلوسی کی کتاب "جلاء العینین" میں ہے کہ جب مطلوب منہ غائب ہو یا میت تو توسل فی الدعاء کے عدم جواز میں کوئی عالم شک نہیں کرتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ توسل فی الدعاء بدعات میں سے بدعت ہے۔ سلف میں سے کسی ایک نے بھی میت یا غائب کو وسیلہ بنا کر دعاء نہیں کی۔

○ سلف میں سے کسی ایک سے بھی یہ روایت نہیں ملتی کہ اس نے بجاہ فلاں کہہ کر دعا کی ہو کسی ایک صحابی سے بھی یہ بات معہود نہیں کہ کسی کی جاہ یا کسی کی حرمت کے ساتھ انھوں نے وسیلہ پکڑا ہو۔ شاید وہ اس لیے بچتے تھے کہ انھیں اس بات کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ لوگوں کے ذہن میں یہ چیز نہ

لگ جائے۔ کیونکہ ان اصحاب رسول کا زمانہ اُن بت پرستوں کے زمانہ کے قریب تھا جو اصنام (بتوں) کو اپنی دعا میں وسیلہ پکڑتے تھے۔ پھر ان (صحابہ) کے بعد ائمۂ طاہرین نے بھی انہی کی پیروی فرمائی اور توسل فی الدعاء کے جواز کا حکم نہ دیا۔ اور امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکاروں کے دو قول ہیں۔ جن میں سے صحیح قول یہی ہے کہ اللھم انی اسألك بحق فلان یا بجاہ فلان یا بحرمۃ فلان یا ان کے قریب قریب الفاظ مکروہ تحریمی ہیں۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان

۲ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے تحت تحریر فرمایا ہے: "اور اس کا قرب تلاش کرو طاعتوں کے ذریعے۔

- نیز آپ نے فرمایا: وسیلہ کے معنے قرب کے ہیں۔ اہل لغت اور تابعین سب سے یہی معنے مروی ہیں۔ اور قرب کا بہترین ذریعہ احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔
- جن لوگوں نے وسیلہ کے تحت میں مرحوم بزرگان دین کی استعانت اور فوت شدہ انبیاء و اولیاء سے استغاثہ جائز رکھا ہے انھوں نے عربی کے وسیلہ بمعنیٰ قرب کو اردو کے وسیلہ بمعنیٰ ذریعہ کا مرادف سمجھ لیا ہے۔ اور ایسی شدید و فاحش غلطیاں نادر نہیں کثیر الوقوع ہیں۔ علامہ آلوسی نے بڑے بسط و تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ: واما اذا کان المطلوب منہ میتاً او غائباً فلا یستریب عالم انہٗ غیر جائز و انہٗ من البدع التی لم یفعلھا احد من السلف۔ یعنی میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں سے کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ولم یروعن احد من الصحابۃ رضی اللہ عنہم وھم احرص الخلق علی کل خیر انہٗ طلب من میت شیئاً یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے۔ لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول

نہیں کہ انھوں نے صاحب قبر سے کچھ طلب کیا ہو۔

صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اتباع سنت ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتا ہے۔ ان کی حالت یہ تھی: قد صح عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ کان یقول اذا دخل الحجرۃ النبویۃ زائراً السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابت ثم ینصرف ولا یزید علی ذلک ولا یطلب من سید الغلمین صلی اللہ علیہ وسلم او من ضجیعیہ المکرمین رضی اللہ عنہما شیئاً وھم اکرم من ضمتہ البسطۃ وارفع قدراً من سائر من احاطت بہ الافلاک المحیطۃ یعنی جب روضۂ نبوی میں زیارت کے لیے داخل ہوتے تو صرف اس قدر کہتے: السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک ابا جان اور اس سے زائد کچھ نہ کہتے۔ نہ کچھ مانگتے۔ نہ سرور عالم سے، نہ ان کے ان مقربین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے۔ دراں حالیکہ سارے زمین اور آسمان کی مخلوقات میں ان سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔

روضۂ مبارک کے سامنے دعا کرنے سے بڑھ کر کونسی شے مقبول ہو سکتی ہے۔ لیکن فقد کانت الصحابۃ تدعوا اللہ تعالٰی ھناک مستقبلین القبلۃ ولم یرو عنھم استقبال القبر الشریف عند الدعاء مع انہ افضل من العرش۔ یہاں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالٰی ہی سے دعا کرتے تھے۔ قبلہ رخ ہو کر۔ اور یہ نہیں کرتے تھے کہ دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف منہ کر لیں۔ باوجود اس کے کہ وہ مقام عرش سے بھی افضل ہے۔

حضرت مولانا دریابادی رحمۃ اللہ تعالٰی نے حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالٰی کے قول: "مع انہ افضل من العرش" پر اپنے حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ علامہ آلوسی کے اس آخری قول پر کوئی دلیل نظر سے نہیں گزری۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالٰی

کا یہ بے سند قول ناقابلِ التفات ہے۔ چہ جائیکہ اس بے سند قول پر اپنے عقیدے کی بنیاد استوار کی جائے۔

○ اور تو اور سلام پڑھتے وقت تک کے لیے واختلف الائمة فی استقبالہ عند السّلام فعن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ انہٗ لایستقبل بل یستدبر و یستقبل القبلة۔ یعنی ائمہ میں اختلاف ہے کہ منہ کس طرف رکھنا چاہیے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس موقع کے لیے بھی یہی ہے کہ منہ قبر شریف کی طرف نہ کرے۔ بلکہ ادھر پشت رکھے اور چہرہ قبلہ شریف کی طرف رہے۔

○ غرض یہ کہ بعض اہلِ بدعت نے لفظ وسیلہ سے جو اپنے لیے پناہ ڈھونڈی ہے وہ سرتاسر بودی اور بے بنیاد ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا فرمان

۳ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے تحت تفسیر بیان القرآن کے حاشیہ پر مسائل السلوک میں تحریر فرمایا ہے:
وسل بمعنی تقرب ہے۔ جس کا ذریعہ طاعات کا کرنا اور معاصی کا چھوڑنا ہے۔ اور توسل بالصالحین کے مسئلہ کو اس آیت سے کوئی مس نہیں۔

سحبان الہند مولانا احمد سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

۴ سحبان الہند رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زیرِ بحث آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے بچتے رہو اور تمام منہیاتِ شرعیہ سے بچتے رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں تقرب کا ذریعہ تلاش کرو۔ اور چونکہ حضرتِ حق کی جناب میں تقرب نیک اعمال سے ہی ہوسکتا ہے اس لیے نیک اعمال کرتے رہو اور منجملہ دوسرے نیک اعمال کے خاص طور پر مجاہدانہ زندگی اختیار کرو تاکہ تم دین و دنیا دونوں میں اپنے مقصد اور اپنی مراد سے ہم آغوش ہوسکو۔

○ یاد رہے کہ ترجمۃ القرآن المسمّٰی بہ کشف الرحمٰن مع تیسیر القرآن و تسہیل القرآن وہ ترجمہ ہے جس کو سحبانُ الہند حضرت الحاج الحافظ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علماء کی ایک موقر جماعت کے مشورہ سے کیا ہے۔ اور جس کو مفتیِ اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی اور نگرانی حاصل رہی۔ اور اس پر مندرجہ ذیل اکابر علماءِ حق نے تقاریظ تحریر فرمائیں۔

① شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
② حضرت مولانا حافظ سید حمید صاحب امام جامع مسجد دہلی
③ حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دار العلوم دیوبند
④ حضرت مولانا عبد الوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ تعالیٰ صدر آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس دہلی
⑤ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند
⑥ حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب شیخ دہلوی سابق مدرس مدرسہ عربیہ مسجد فتح پوری دہلی
⑦ حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند
⑧ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
⑨ حضرت مولانا محمد سعید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم مدرسہ جامع اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت
⑩ حضرت مولانا مولوی مفتی حافظ محمد حافظ صالح صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خطیب سورتی جامع مسجد ۱۴۹ مغل اسٹریٹ رنگون
⑪ حضرت علامہ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ جیکب لائن کراچی
⑫ حضرت مولانا سید اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث والادب دار العلوم دیوبند
⑬ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نائب امیر شریعت صوبہ بہار

مفتیِ اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

۵ محدث کبیر مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے وسیلہ بالذوات کے متعلق دریافت کیا گیا کہ:

سوال اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور یہ کہے: "بحق النبی و آلہ الامجاد"

کیا یہ جائز ہے؟۔ تو اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

جواب "بحق النبی و آلہ الامجاد" کہنا منع ہے۔ (کفایۃ المفتی جلد ۲ صفحہ ۵۶)

علامہ شامی کا مسئلۂ توسل کے متعلق مشہور فتویٰ

۶ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ وسیلے کے بارے میں توجیہات ضعیفہ اور تاویلاتِ رکیکہ و سخیفہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اقول: لکن ھذہ کلھا احتمالات مختلفۃ مخالفۃ لظاھر المتبادر من ھذا اللفظ و مجرد ایھام اللفظ ما لا یجوز کاف فی منع کما قدمناہ فلا یعارض خبر الآحاد فلذا واللہ اعلم اطلق ائمتنا المنع علی ان ارادۃ ھذہ المعانی مع ھذا الایھام فیھا الاقسام بغیر اللہ وھو مانع اٰخر تأمل۔ میں ابنِ عابدین کہتا ہوں کہ بیشک بحق فلان کا جواز ثابت کرنے کے لیے بعض نے یہ احتمالات نکالے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بحق فلان کا لفظ بول کر اس سے جو معنے متبادر معلوم ہوتے ہیں۔ یہ مذکورہ بالا احتمالات ان کے سراسر مخالف ہیں۔ اور شرع شریف کا ایک مشہور

قاعدہ ہے کہ جس لفظ کے کئی معنے ہو سکتے ہوں اور ان میں سے ایک معنیٰ ایسا ہو جس کی رو سے وہ لفظ بولنا ناجائز ہو جاتا ہو تو وہ معنیٰ اس لفظ کی ممانعت اور عدمِ جواز کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اس لیے معارضہ میں خبرِ آحاد پیش نہیں کی جا سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء نے اس قول سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔ اور عدمِ جواز کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایسے معنے کے ہوتے ہوئے قسم لغیر اللہ کا وہم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے توسل بالذوات دو وجہ سے منع ہے۔

۷ ہمارے شیخ الشیخ حضرت مولانا عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی

قانون بیان فرمایا: "ایں چنیں عبارات کہ محتمل معنیٰ غیر مشروع باشند اگرچہ مراد ازانہا معنیٰ صحیح باشند تکلم بآں ناجائز است و نقل کفر اگرچہ کفر نیست لیکن خالی از

سوءِ ادبی نیست"۔ یعنی اس طرح کی عبارتیں کہ جن میں غیر شرعی معنے کا احتمال ہو اگرچہ ان عبارتوں سے صحیح معنیٰ ہی مراد لیں، تب بھی ان کا بولنا ناجائز ہے۔ اور نقل کفر اگرچہ کفر تو نہیں لیکن بے ادبی سے خالی بھی نہیں۔

۸ دبی زبان میں مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فتاوے امداد المفتین جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ میں فرمایا ہے کہ: "صاحبِ مزار کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا بھی مجمع میں نہ چاہیے"۔ لیکن علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذکورِ بالا فتویٰ واضح ہے۔ جس سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "بحقِ فلان کہنے سے منع کرنے کا مقصد معتزلہ کی تردید تھی"۔ چنانچہ: بعض علماء کا خیال ہے کہ بحقِ فلاں کہنا درست ہے۔ اور معنے یہ ہیں کہ جو تُو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمالیا ہے اس کے ذریعے سے مانگتا ہوں۔ مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر لازم ہے۔ اور وہ بحقِ فلان کے یہی معنے مراد رکھتے ہیں۔ سو اس واسطے معنیٰ موہم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے۔ لہٰذا اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے۔ تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ تشابہ ہو جائے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ آج کل اہلِ اعتزال نہیں ہیں اس لیے تشبہ اہلِ اعتزال کے ساتھ نہیں آتا، لہٰذا یہ کہنا جائز ہے۔ مگر ان علماء نے یہ نہیں سوچا کہ رافضی بھی یہی کہتے ہیں جو آج کل موجود ہیں۔ اس لیے بحقِ فلان کہنے سے رافضیوں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے۔ جو اہلِ اعتزال سے زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ اہلِ اعتزال کو آج تک اہلِ السنّت والجماعت کے علماء میں سے کسی نے کافر نہیں کہا۔ جبکہ رافضیوں کے کئی فرقوں پر اہلِ السنّت والجماعت کے علماء کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔ بہرحال ایسے موہم امور سے اجتناب کا حکم لگانا زمانۂ حال میں بھی اسی طرح ضروری ہے جیسا کہ پہلے زمانے میں ضروری تھا۔

۹ فتویٰ عدم جواز یا شیخ صفحہ ۲۶ میں ہے: حضرت مولانا محمد فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آیات اور احادیث صحیحہ اسی پر دال ہیں کہ مصیبت اور حاجت اور مرض وغیرہ میں حق تعالیٰ ہی سے دعا کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حبیب کو اس واسطے مبعوث فرمایا تھا کہ اس زمانے میں مخلوق اپنے خالق کو چھوڑ کر انبیاء اور اولیاء اللہ کی تصویریں بنا کر ان سے التجا کرتے تھے اور ان کو اپنا وسیلہ سمجھتے تھے۔ خدا نہیں جانتے تھے۔ لیکن معاملات ان کی قبور اور تصاویر سے ایسے کرتے تھے جو خدا تعالیٰ سے کرنے چاہییں۔ ان رسوم کو جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے نیست و نابود کر کے خدا پرستی پر سب کو لگایا۔ اب چند عرصے سے بوجہ جہالت کے لوگ پھر انہی رسوم کے پابند ہو گئے۔ پس علماء کو ضرور ہے کہ ایسے رسوم سے منع کرتے رہیں۔

۱۰ بلوغ الارب جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ میں بت پرستوں کا عقیدہ لکھا ہے من کان لا یعترف الملئکۃ کان یقول الشفیع والوسیلۃ منا الی اللہ ھی الاصنام المنصوبۃ۔ فرشتوں کے منکر مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ہماری طرف اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ بھی یہی گھڑے تراشے سمجھتے ہیں۔ اور سفارشی بھی یہی ہیں۔

۱۱ تحفۃ الہند صفحہ ۷۸ میں ہے ہندوؤں کے فرقہ نیایک کا عقیدہ ہے کہ خدا اپنی پیدا کی ہوئی ایک صورت سے تعلق پکڑتا ہے اور اس کے وسیلے سے لوگوں کو ایک کتاب پہنچاتا ہے۔

۱۲ مولانا عبد الحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی کے تحت اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ مشرکین بتوں کو وسیلہ سمجھ کر پوجتے تھے۔

۱۳ مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترجمان القرآن صفحہ ۱۳۶ میں فرمایا ہے کہ اس آسمانی ہستی کے علاوہ گزرے ہوئے انسانوں کی روحیں بھی تھیں۔ جنھیں دوسرے عالم میں پہنچ کر تدبیر اور تصرف کی طاقتیں حاصل ہو گئی تھیں۔ اور

اس لیے پرستش کی مستحق سمجھی گئی تھیں۔ ہر خاندان اپنی معبود روحیں رکھتا تھا اور ہر علاقہ اپنا مقامی خدا۔۔۔۔ اجداد پرستی کے عقائد نے اس آسمانی خدا کے ساتھ مل کر ایسی نوعیت پیدا کرلی گویا آسمانی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ گزری ہوئی روحوں کا وسیلہ اور تشفع ہے۔

○ روحانی تصورات میں وسیلے کا اعتقاد ہمیشہ عابدانہ پرستش کی نوعیت پیدا کرلیتا ہے۔ چنانچہ یہ توسل بھی عملاً تعبد تھا۔ اور ہر طرح کے دینی اعمال اور رسوم کا مرکزی نقطہ بن گیا تھا۔

۱۴ شیخ التفسیر پیر طریقت حضرت مولانا الحاج محمد عبد اللہ بہلوی نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی موضوع پر ایک مستقل رسالہ مسمّی بہ "وسیلہ رفیعہ" تحریر فرمایا ہے۔ سطورِ ذیل میں یہ رسالہ نقل کیا جاتا ہے۔ تاکہ آپکے متوسلین اور معتقدین پر اس مسئلہ کی حقیقت منکشف ہوجائے:

وسیلہ رفیعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل اتباع الانبیاء وسیلۃ لقربہ واتباع الھوی مفضیۃ الی غضبہ والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد ﷺ خاتم انبیائہ وعلی اٰلہ واصحابہ الذین اھتدوا بھدیہ وسیرتہ وعلی اتباعھم دائمین عدد خلقہ رضی نفسہ ومداد کلماتہ وزنۃ عرشہ اٰمین

○ اما بعد جاننا چاہیے کہ وسیلہ کا معنی لغت میں "نزدیکی جستن چیزے" کا ہے۔ کہا جاتا ہے توسل الی اللہ وسیلۃ اذا تقرب الیہ بعمل یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب جب عمل صالح سے کرے تو اس وقت توسل الی اللہ کہا جاتا ہے۔ (صراح)

○ اور کبھی بمعنے "قرب" کے ہوتا ہے۔ جیسے: اٰتِ محمدا ن الوسیلۃ یعنی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب عطا فرمایا یعنی اس قرب سے زائد بدرجہا جو پہلے سے ہے۔

○ توسل دو قسم پر ہے۔ جائز و ناجائز۔ جائز وہ ہے جو قرآن مجید و حدیث شریف سے ثابت ہے۔

○ مشرکین لات' عزّیٰ وغیرہ سے جاتے آتے اٹھتے بیٹھتے مدد طلب کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے: باللات و العزّیٰ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سکھائی کہ مسلمان کا استمداد اللہ رحمٰن رحیم سے ہونا چاہیے۔ سورۂ فاتحہ دعا ہے: اهدنا الصراط المستقيم الآیۃ۔ مگر ہمیں وسیلہ پکڑنے کی بھی اکمل سکھائی کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو۔ الحمد للہ سے مالك يوم الدين تک یہی ہے۔ پھر نیاز و غلامی پیش کرو۔ اياك نعبد و اياك نستعين میں یہی ہے۔ پھر اپنا غرض و مطلب و درخواست پیش کرو۔ چنانچہ اهدنا الصراط المستقيم آخر تک یہی ہے۔ جس کا جواب ہمیں ذلك الكتب لا ريب فيه هدى للمتقين سے ملا کہ ہدایت اگر چاہتے ہو تو یہ قرآن مجید ہے۔ اس پر عمل کرو۔ راہ یاب ہو جاؤ گے۔ راہ یاب ہونے پر ہدیٰ و فلاح کو مرتب کیا۔ اولئك على هدى من ربهم و اولئك هم المفلحون۔ آخر سورہ میں ہمیں وسیلہ پکڑنے کا طریق سکھایا۔

○ اٰمن الرسول بما انزل اليه من ربه والمؤمنين كل اٰمن بالله وملٰئكته و كتبه و رسله لا نفرق بين احد من رسله و قالوا سمعنا و اطعنا غفرانك ربنا و اليك المصير۔ الآیۃ۔ (پ۳ اخیر بقرہ)

ترجمہ ایمان لایا ہے رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے۔ اور مسلمانوں نے سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو اور رسولوں کو (کہا) ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں سے (مانتے ہیں) اور بولے ہم نے سنا اور قبول کیا۔ تیری بخشش چاہیے اے رب ہمارے! اور تجھی تک رجوع ہے۔ [۷]

○ سب کو معلوم ہے کہ دعاء غفرانك سے شروع ہوئی ہے۔ اور اس سے پہلے کی عبارت درگاہِ خداوندی جل شانہٗ میں بطور وسیلہ کے لائی گئی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اے رب! آپ کی بخشش مومنوں کے لیے ثابت ہے۔ اور ہم مومن ہیں۔ پس ایمان باللہ وغیرہ اور عمل صالح معنا و اطعنا سے وسیلہ ہوا بخشش مانگنے کا۔

○ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ کے حواریین نے دعاء کی تو یہ حیلہ وسیلہ لائے:
ربنا امنا بما انزلت و اتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشٰهدين۔

ترجمہ اے رب! ہم نے یقین کیا جو تو نے اتارا۔ اور ہم تابع ہوئے رسول کے۔ سو لکھ لے ہم کو زمرۂ شہداء سے یعنی اکمل امت سے۔

○ ظاہر ہے کہ دعاء فاکتبنا ہے۔ اور پہلے کی چیزیں درخواست کے قبول ہونے کیلیے وسیلہ ہیں۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کے اخیر رکوع میں ہے:
ربنا اننا سمعنا منا دیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا۔ الآیہ۔

ترجمہ اے رب ہمارے ہم نے سنا ایک پکارنے والے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر۔ سو ہم ایمان لائے۔ اے پروردگار ہمارے بخش ہم کو گناہ ہمارے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دعا ربنا فاغفرلنا ہے۔ اس سے پہلے کی عبارت عرض قبول کرانے کیلیے وسیلہ ہے۔ وہ ایمان باللہ و بالرسول ہے۔

○ مطلب دو قسم ہیں ① حاجت روا ہونا۔ ② دکھ دور ہونا۔

○ حاجت روائی کا طریق تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور فاتحہ میں سکھلایا۔

○ اور دکھ دور ہونے کا طریقہ آخر قرآن مجید میں اشارۃً و صراحۃً فرمایا۔ اول توحید کا اقرار سورۂ اخلاص میں۔ پھر دکھ دور ہونے کا طریقہ۔ اگر دنیوی دکھ ہو سورۂ فلق میں، اور دینی دکھ ہو سورۂ ناس میں بتلایا۔ توحید کا اعتقاد و اقرار اور پناہ بہ خدائے تعالیٰ ہی دکھ دور کرتا ہے۔

○ انسان ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کرتے ہوئے ان اسباب کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے جو اس کے مطلوب کے مقتضی ہیں۔

ایک طریقہ تو وہی ہے جو مذکور ہوا۔ ایمان و اعمالِ صالحہ جن پر اللہ تعالیٰ نے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ملخص اس کا یہ ہے کہ اپنے ایمان و اعمالِ صالحہ کے توسل سے دعاء درخواست کرے۔ چنانچہ نماز کی مشہور حدیث میں ان تین آدمیوں نے اپنے اعمالِ صالحہ کے توسل سے دعاء کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔

(۲) دوم طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں سے (جو مستجاب الدعوات ہیں) دعاء کرائے۔ جیسے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کبریا میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء سے توسل کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعاء منقول ہے جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے:

○ بار خدایا جب ہم پر قحط سالی آتی تھی تو ہم تیری درگاہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے توسل کیا کرتے تھے۔ اور تو ہماری دعاء قبول فرما کر ہمیں پانی دیا کرتا تھا۔ اور بیشک اب ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے توسل کرتے ہیں۔ بار خدایا ہمیں پانی دے۔ روایت میں مذکور ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کو پانی دیتا تھا۔

الحاصل یہ ہوا کہ حضرت پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں آپ سے توسل کرتے تھے۔ یعنی آپ سے دعاء کرایا کرتے تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے۔ یعنی دعاء کرائی اور ان کو شفیع بنایا۔

○ توسل کے یہ معنے نہیں کہ صرف کسی کا نام لے کر دعاء کی جائے۔

(۳) سوم طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کی صفاتِ علیا کے توسل سے دعاء مانگے۔ جیسا کہ سنن میں یہ دعاء منقول ہے: اللھم

انی اسألك بأن لك الحمد و انت الله بديع السمٰوٰت و الارض یاذاالجلال والاکرام یاحی یاقیوم (یاجیسے کہ) اللھم انی اسئلك بأنك انت الله الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد۔

○ اور وہ دعائیں جو عوام میں مشہور ہیں جن کو تعویذ فروش لکھا کرتے ہیں: اسألك بأحتياط قاف و هو يوف الحاف [ ] جس کے معنے معلوم نہ ہوں یا آپ کے صحابہ و تابعین اور ائمۂ دین و صلحاء امت سے منقول نہیں ان چیزوں پر حلف کھانا یا اللہ تعالیٰ سے ان کا واسطہ دے کر درخواست کرنا جائز نہیں۔

(۴) چہارم طریقۂ توسل کا یہ ہے کہ کلام پاک کے ساتھ توسل کرے: اللھم انی اسالك بکل اسم ھو لك سمیت به نفسك او انزلته فی کتابك او علمته احدا من خلقك گو اس میں بھی اسم کا توسل ہے۔ مگر "وہ کہ تیری کتاب میں منزل ہے" تو اس سے کتاب کا بھی توسل ہو گیا۔ نیز ایمان بالکتاب بھی توسل ہے جیسا کہ کل اٰمن باللہ وملئکته و کتبه و رسله میں مذکور ہے۔

(۵) پنجم طریقۂ توسل یہ ہے کہ انس بن النضیر (انس بن نضر) نے کہا جب آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاصاً ربیع کے دانت توڑنے کا حکم دیا تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس خدا تعالیٰ کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی کر کے بھیجا ہے کہ ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اس پر فریق ثانی نے قصاص ثانی نے قصاص کا مطالبہ چھوڑ دیا۔ اور دیت پر راضی ہو گئے۔ جس سے انس بن النضیر (انس بن نضر) کی قسم پوری ہو گئی۔ اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان من عباد الله من لواقسم علی الله لابره (رواہ البخاریؒ) اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بندے بھی ہیں جو اگر قسم کھا کر خدا تعالیٰ سے کوئی التماس پورا کرانے پر اصرار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرتا ہے۔

○ اسی طرح براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی کہا تھا کہ بار خدایا میں تجھے قسم دیتا ہوں

کہ تو ایسا کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم پوری کی۔

(۶) ششم طریقۂ توسل وہ ہے جس کو اہل سُنن نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے کہ ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لیے دعا کیجیے کہ مجھے آنکھیں بخش دے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد یہ کہے کہ بار خدایا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی الرحمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر تیری طرف توجہ کرتا ہوں یا محمد یا رسول اللہ میں آپ کو وسیلہ بنا کر اپنے رب تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت کے بارے میں متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ اس کو پورا کرے۔ بار خدایا! آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ اس کا **حاصل** یہ ہے کہ سائل نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کو وسیلہ بنا کر بارگاہِ الٰہی جل شانہٗ میں اس کو شفیع لایا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی استدعاء ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یعنی دعاء کو اس کے حق میں قبول فرمائے۔

(۷) ہفتم طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑائے۔ زاری کرے۔ درخواست کرے۔ دعاء زاری وسیلہ ہے۔ رحمت لانے کا ادعونی استجب لکم مجھ سے مانگو۔ میں ہی قبول کروں گا۔ حدیث شریف میں ہے: من لم یسئل یغضب علیہ جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ دعاء ہی جالبِ رحمت ہے۔ دعاء ہی دافع بلاء ہے۔ دعاء ہی رفع درجات ہے۔ تمام عبادتیں دعاء ہی ہیں۔ دعاء ہی مخ العبادۃ ہے۔ مگر اس طریق سے جو سُنّت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم و سُنّت صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے صحیح ثابت ہیں۔ اور جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابۂ کرام و تابعین و ائمۂ مجتہدین سے ثابت نہیں اگر جائز کیا ہے تو صحیح تاویل میں لا کر جائز کیا ہے۔ مثلاً:

○ الٰہی بجاہِ فلاں، خدایا بحق نبی فاطمہ، الٰہی بحرمتِ شیخ فلاں و بہ برکتِ فلاں اور مثل اس کے جو سنّت صحابہ و تابعین و ائمۂ مجتہدین سے ثابت نہیں۔

○ نشر الطیب میں ہے کہ حرمت و برکت وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بزرگ میرے اعتقاد میں تیرے مقبول ہیں۔ اور مجھے تیرے مقبولین سے تیرے باعث محبت و پیار ہے۔ اسی سبب میرا فلاں مطلب و مقصد پورا فرما یا میرے پر رحمت فرما یا میرا خاتمہ ایمان پر فرما۔

○ جاہ کا معنی قدر و شوکت والے ہیں، حرمت بمعنی تعظیم ہے۔ یعنی تیری عبادت کے باعث تعظیم والے یا برکت والے ہیں۔

○ روح المعانی پارہ ششم آیت : وابتغوا الیہ الوسیلۃ پر اس جیسی تاویل و معنے کیا ہے اور فرمایا کہ ایسے الفاظ سلف صالحین خیر القرون میں مستعمل نہ تھے۔ اور عام تمام اکثر امت کے خاص و عام میں یہ الفاظ مستعمل ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ایسے الفاظ ممنوع ہیں تو تمام یا اکثر امت کی تخطیہ و تغلیط ہوگی۔ اس لئے جائز تاویل کی جائے۔ تاکہ سب کو گنہگار نہ کہا جائے۔

○ پس جو الفاظ شجرہ و سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ چشتیہ وغیرہ میں مستعمل ہیں وہ اس تاویل میں مئوول ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ قیامت کا حساب سخت ہے۔ ابھی سے حساب صاف۔ تمت الرسالۃ الی موضع الحاجۃ۔

نوٹ یہ رسالہ محترم محمد صدیق صاحب النقشبندی القادری مہاجر انبالوی نے اپنے پیر و مرشد حضرت بھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے خالد پریس سرگودھا سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔

(ایڈیٹر)

وسیلہ کا شرعی حکم

○ پس حکم شرعی کے لحاظ سے وسیلہ دو قسم ہے ایک مشروعہ جو شرع سے ثابت ہے دوسرا غیر مشروعہ جس کا ثبوت شرع میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ اختراعیہ ہے۔ وسیلۂ مشروعہ کے کئی انواع ہیں۔

① اسماء وصفاتِ الٰہیہ کا وسیلہ: کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ جیسا کہ: قرآن مجید میں ہے: وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ کتب حدیث میں کتاب الدعوات میں اسم اعظم اور اس سے دعا کرنے کا ذکر احادیث میں وارد ہے۔

② اعمالِ صالحہ کا وسیلہ: یہ بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اور "وابتغوا الیہ الوسیلہ" سے باتفاق مفسرین اعمالِ صالحہ سے قرب حاصل کرنا ہی مراد ہے۔ جیسے: واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ یعنی اللہ تعالیٰ سے صبر و نماز کے ذریعہ سے وہ طلب کرو اور احادیث صحاح میں تین غار والوں کا قصہ مشہور ہے۔ جنھوں نے کہا تھا: انظروا اعمالا عملتموھا للہ صالحۃ فادعوا اللہ بہا لعلہ یفرجہا کہ تم اپنے اعمالِ صالحہ کو دیکھو' پھر ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو تاکہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو ٹال دے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' فوراً قبولی ہوئی۔ پس اصل وسیلہ اعمالِ صالحہ کا ہے جو مامور بہا اور جملہ مسلمین کا معمول بہا ہے:

③ بحرمۃ' بصدقہ' بطفیل' بواسطہ' بحق' بوسیلہ اور اس قسم کے الفاظ نہ کسی صحابی سے ثابت ہیں نہ کسی تابعی و دیگر ائمہ دین سے منقول و مروی ہیں۔۔۔۔۔
صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں خشک سالی کا زور ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا پہلے ہم ایام قحط میں تیرے نبیؐ سے دعا کرواتے تھے اور انکی دعاؤں کی قبولیت کا ان کو وسیلہ بناتے تھے تو تُو باران رحمت برساتا تھا۔ اب جب کہ نبیؐ دنیا سے رخصت ہوگئے تو ہم اپنے نبیؐ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ یعنی اب ہم ان سے بارش کی دعاء منگواتے ہیں۔ یا الٰہی! تُو باران رحمت برسا اور قحط سالی دور فرما۔ پس حضرت عمرؓ کے اس قصہ سے تمام اشکال و اوہام رفع ہوگئے۔ نیز توسل کے معنے صاف ہوگئے کہ توسل سے مراد دعاء ہے نہ کہ آپؐ کے اسم مبارک یا آپؐ کی قبر کا

توسل۔ اگر ایسا توسل جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ اور باقی صحابہؓ آپ ﷺ کے نام یا آپ ﷺ کی قبر کو چھوڑ کر کبھی حضرت عباسؓ کے توسل کی طرف رجوع نہ کرتے۔ یعنی اگر نبیؐ کا وسیلہ جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ ادع یا ابا الفضل کہنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے کہ: اے اللہ! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے یا آپ ﷺ کی قبر مبارک کے وسیلہ سے بارش برسا۔

وسیلہ کا جائز اور شرعی حکم

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور تمام احکام شرعیہ میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع کرنا اور آپ ﷺ کی سنت کی نصرت اور احیاء سے آپ ﷺ کی محبت کا ثبوت دینا اور آپ ﷺ کی توقیر کرنا وسیلہ ہے جو عین اسلام اور ذریعۂ نجات و کامیابی ہے۔
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مشروع وسیلہ ہے۔ ہر دعاء کے اول و آخر درود شریف پڑھیں تو دعاء قبول ہوتی ہے۔ اگر تمام حاجتوں کیلئے صرف درود ہی کو ورد بنالیں تو کافی ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: إذاً تكفى همك وتكفر لك ذنبك کہ گناہ دور کرنے اور غم و فکر دور کرنے کے لیے تیرے لیے درود شریف پڑھنا ہی کافی ہے۔
- کسی زندہ نیک آدمی سے عرض کرکے دعاء کرانا۔ اور اس کی دعاء کے ذریعے اور وسیلہ سے بارگاہِ الٰہی میں قبولیت چاہنا۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں صحابۂ کرامؓ آپ ﷺ سے دعاء کی درخواست کرتے تھے۔ چنانچہ:
- بخاری شریف میں ہے کہ قحط کے موقع پر قریش نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعاء کی۔ جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور خوب مینہ برسا اور اہلِ مکہ کو قحط سے نجات مل گئی۔
- ہجرت کے موقع پر سراقہ نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا۔ جب گھوڑا دھنس گیا تو اس نے آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔

○ کئی حدیثوں میں ہے کہ مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر کہا: یارسول اللہ! مویشی ہلاک ہوگئے۔ لوگ بھوکوں مرگئے۔ آپ ﷺ بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائیں کہ وہ ہم کو سیراب کرے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اسی دن مینہ برسا اور اگلے جمعہ تک برستا رہا۔ دوسرے جمعہ میں مکانات گرنے کی شکایت کرکے بارش روکنے کی دعاء کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے دعاء کی اور بارش تھم گئی۔

○ لیکن یہ سلسلہ آپ ﷺ کی زندگی تک جاری رہا۔ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو دیگر صالحین سے بطورِ وسیلہ دعا منگوائی گئی۔ جیسا کہ امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے عم نبی سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے توسل سے دعاء منگوائی۔ اور اپنی دعاء میں ان کا ذکر کرکے بارگاہِ الٰہی میں ان کی دعا کے توسل سے بارش عطا کرنے کی درخواست کی۔

فائدہ بنبیّنا بمعنی بدعاء نبینا ہے اور بعم نبینا بمعنی بدعاء عم نبینا ہے۔ کیونکہ بعض طرق میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے چچا سے دعا کروانا اور ان کا دعا کرنا مذکور ہے۔ اور

قانون ہے: بعض الاحادیث یفسر البعض۔ کہ بعض احادیث بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔

○ اسی طرح امیرالمؤمنین سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ سے دعاء کروائی: اللھم نستسقی بیزید بن الاسود یا یزید ارفع یدیك فرفع یدیه ودعا ودعا الناس حتی امطروا (صیانۃ الانسان صفحہ ۳۷۹) یعنی اے اللہ! ہم یزید بن اسود کی دعاء کے ذریعے تجھ سے بارش مانگتے ہیں! اے یزید آپ ہاتھ اٹھائیے۔ یزید نے ہاتھ اٹھا کر دعاء کی۔ اور لوگوں نے بھی دعا کی تو بارش ہوگئی۔ پس توسل بالاحیاء جائز ہے اور متوارث چلا آرہا ہے۔ اور اس پر جمیع مسلمین کا اجماع ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ کے نام کو عباد اللہ الصالحین (ملائکہ، انبیاء، اولیاء، صلحاء) میں سے کسی

ایک کی طرف مضاف کرکے دعا مانگنا بھی جائز ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا وسیلہ ہے، مثلاً: اللھم رب جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و محمد ﷺ یا اللھم رب ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ یا اللھم رب محمد و فاطمۃ و زینب ورقیۃ وام کلثوم ورب حسن و حسین وامامۃ و علی بن زینب و عبد اللہ بن رقیۃ یا اللھم رب الشیخ عبد القادر الجیلانی و رب اسمٰعیل الشہید و رب شاہ اسحٰق وغیرھم پس وسیلہ کے چھ اقسام بالاتفاق بلاتردد جائز اور منصوص ہیں ان میں شرک و بدعت کا کوئی شائبہ نہیں۔

غیر مشروع وسیلے

① غیر مشروع وسیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی نبی یا ولی کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا یہ عقیدہ رکھ کر کہ اس بزرگ کی قبر کے پاس کھڑے ہونے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ بدعت و ناجائز ہے۔ کسی دلیل شرعی سے اس طرح دعا کرنا ثابت نہیں ہے۔

② کسی نبی یا ولی کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کو پکار کر کہنا: "یا سیدی فلان ادع اللہ لی۔ اے فلاں بزرگ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر"۔ یہ بھی ناجائز اور بدعت ہے۔

③ کسی نبی ولی کی قبر پر کھڑا ہو کر اس کو پکار کر کہنا کہ "اے فلاں بزرگ مجھ کو شفا دے اور میری مصیبت دور کر"۔ یہ شرک جلی ہے۔ غیر اللہ کو پکارنا، اس سے مدد لینا، حاجت روائی اور مشکل کشائی پر اس کو قادر تصور کرنا اور اس کا تقرب حاصل کرنا یہ عبادت غیر اللہ اور شرک ہے۔

④ کسی نبی، ولی، فرشتہ، جن کو کسی جگہ سے پکارنا اور اس سے حاجت مانگنا اور کہنا کہ: "اے فلاں بزرگ اے فلاں میری حاجت پوری کر فلاں مصیبت دور کر مجھے اولاد دے میرا قرض اتار دے"۔ اور عقیدہ یہ ہو کہ یہ بزرگ میرے سوال کو سنتا ہے، میرا حال جانتا ہے، عالم الغیب

ہے 'قضائے حاجات پر قادر ہے۔ جیسا کہ جہلاء کہتے ہیں :

امداد کن امداد کن از بندِ غم آزاد کن

در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادرا

○ تو یہ صریح شرک ہے کیونکہ عالم الغیب و الشہادۃ اور قادرِ مطلق بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنے والا بلاشبہ مشرک ہے۔

⑤ کسی نبی یا ولی کو مخاطب کر کے غائبانہ کسی جگہ سے پکارنا کہ "اے فلاں بزرگ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ فلاں حاجت پوری ہو یا مصیب دور ہو"۔ تو یہ وسیلہ بھی بدعت ہے اور چونکہ دعاء مانگنے والا اس بزرگ کو عالم الغیب اور سمیع الکل سمجھتا ہے اس لیے شرک بھی ہوا۔

⑥ اللہ تعالیٰ کو خطاب کر کے یہ دعا کرے اللھم بحق فلان یعنی "اے اللہ فلاں بزرگ کے حق سے یہ میری حاجت پوری کر یا فلاں بزرگ کی حرمت سے' یا فلاں بزرگ کے طفیل سے' یا فلاں ولی کے وسیلے سے میری مصیبت دور کر دے"۔ یہ صورت بھی قرآن اور صحیح حدیث سے ثابت نہیں' نہ صحابہؓ کا اس پر تعامل تھا۔ بلکہ صحابہؓ کا اجماع ہے کہ وہ زندہ ہستیوں کی دعاء کو وسیلہ بناتے رہے ہیں۔ کسی کی شخصیت کو وسیلہ نہیں بنایا۔ پس توسل بالاموات کے جملہ اقسام غیر مشروع ہیں۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ
اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِيْنَ

○

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "یا رسول اللہ! اگر میں آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو کائنات کی کوئی چیز پیدا نہ کرتا"۔
(محمد احسان جماعت نہم شاہوالی ضلع سرگودھا)

جواب عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "لولاك لما خلقت الافلاك"۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور متواتر ہے یا کم از کم مشہور ہے۔ لیکن اہلِ علم کی تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کلام جو زبان زد عام و خاص ہے تین وجوہ سے قابلِ رد ہے۔

<u>اس حدیث کے قابلِ رد ہونے کی پہلی وجہ</u>

○ اس حدیث کے ناقابلِ اعتبار اور قابلِ رد ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایسا غیر فصیح کلام نہ تو افصح العرب حضرت محمد ﷺ کی معصوم زبان مبارک سے صادر ہو سکتا ہے اور نہ ہی زبانوں اور لغات کے خالق حضرت حق تعالیٰ شانہ کا کلام ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ غیر فصیح عبارت موضوع اور من گھڑت ہے۔ جو کسی عربیت سے ناواقف عجمی نے عربی قوانین کا لحاظ کیے بغیر اپنے دل سے گھڑلی اور اسے حدیث کا نام دیدیا۔ جس میں لولاك اور افلاك کا سجع بنا دیا گیا ہے۔ اور لوگوں نے مسجع عبارت سن کر سمجھا کہ واقعی یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کلام ہوگا۔ حالانکہ اس عبارت کے موضوع ہونے کی تصریح بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کی ہے۔ مثلاً:

○ حضرت علامہ محدث محمد طاہر صدیقی فتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۵۱۲ اور تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۸۶ میں وضاحت فرمائی ہے۔ اور

○ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے موضوعاتِ کبریٰ صفحہ ۵۹ میں بیان فرمایا ہے۔ اور ان کے علاوہ دیگر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

○ اس قسم کی غیر فصیح عبارت کو افصح العرب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک کلمہ ایسا ہے جو شاذ، قلیل الاستعمال اور غیر فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ نحوی قانون کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ:

○ لولا ان کلمات میں سے ہے جو لازم الابتداء ہیں۔ اور صرف مبتداء پر داخل ہوتے ہیں۔ جس کی خبر کا حذف ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے بعد جواب کا آنا بھی ضروری ہے۔ سو وہ جواب اگر جملہ مثبتہ ہے تو عام طور پر اس پر لِ تاکیدیہ آتا ہے۔ اور اگر وہ جواب جملہ منفیہ مُصدّر بہ ما ہے۔ تو اس پر لِ نہیں آتا۔ اور اگر منفی بہ لَمْ ہے۔ تو لِ ہی آئے گا۔ اور تاکید کا حرف اس کے ساتھ نہ آئے گا۔ جیسے: لَوْلَا زَيْدٌ لَاَكْرَمْتُكَ اس مثال میں لولا کے بعد زید جو مبتداء ہے۔ اور اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے۔ اور اس کے بعد لاکرمتك جملہ مثبتہ ہے۔ جس پر لِ تاکیدیہ لایا گیا ہے۔

○ اسی طرح لولا زید ماجاء عمرو اس مثال میں لولا کے بعد زید مبتداء ہے۔ جس کی خبر موجود محذوف ہے۔ اور اس کے بعد جملہ منفیہ مُصدّر بہ ما ہے۔ اسی لیے اس پر لِ تاکیدیہ نہیں آیا۔ اور لولاك لما خلقت الافلاك میں دو قانونی سقم ہیں۔

○ ایک تو یہ کہ لولا کے بعد کَ ضمیر مُتّصل منصوب یا مجرور ہے۔ جبکہ لولا کے بعد مبتداء مرفوع ہوتا ہے۔ جس کا عامل معنوی ہوتا ہے۔ اور مبتداء منصوب یا مجرور نہیں ہوتا۔

○ اور دوسرا سقم یہ ہے کہ اس عبارت میں لولا کا جواب جملہ منفیہ ماضی مُصدّر بہ ما ہے جس پر نحوی قانون کے مطابق لِ تاکید کا آنا جائز نہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو ہم راہ راست نہ پاتے۔ اس مثال میں انت ضمیر مرفوع منفصل مبتداء ہے۔

جس کی خبر کا حذف ہونا ضروری ہے۔ اور ما اھتدینا جملہ منفیہ ماضی مصدر بہ ما ہے اور اس پر لَ تاکید کا نہیں آیا۔ اور لولاك لما خلقت الافلاك میں جواب لولا کا جملہ منفیہ ماضی مصدر بہ ما ہے۔ اور اس پر لَ تاکید کا لایا گیا ہے جو خلافِ قانون ہے۔

اس حدیث کے قابلِ رد ہونے کی دوسری وجہ

○ اس حدیث کے ناقابلِ اعتبار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ روایت بے سند ہے۔ اور احادیث کے بیان میں سند کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔ کہ اگر اسناد کا سلسلہ نہ ہوتا تو ہر کوئی جو جیسا چاہتا حدیث بنا کر کہتا رہتا۔

اس حدیث کے قابلِ رد ہونے کی تیسری وجہ

○ اور اس حدیث کے قابلِ رد ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خالق ارض و سما نے قرآن مجید میں تخلیق ارض و سماء کی جو وجہ بیان فرمائی ہے یہ حدیث اس کے معارض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ یعنی ہم نے آسمان زمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے بغیر حکمت کے نہیں بنایا۔ یعنی یہ سب کچھ اظہارِ حق اور اثباتِ توحید کے لیے پیدا کیا ہے۔ تاکہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہماری قدرتِ کاملہ پر شہادت دے۔

○ نیز فرمایا: مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی ہم نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے۔ کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

○ نیز اس من گھڑت کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غرض آسمانوں کی تخلیق سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی نہ کہ اظہارِ حق و اثباتِ توحید اور عبادتِ الٰہی۔

○ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ جلد ۹ صفحہ ۳ و ۴ میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب الام جلد ۴ صفحہ ۱۵۹ اور احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے: قال الشافعی قال اللہ عزوجل ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ قال الشافعی (معناہ) خلق اللہ الخلق لعبادتہ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

"معناہ صحیح" کہنا بھی صحیح نہیں

شبہ جہاں بعض علماء نے اس حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اسے نحوی لحاظ سے غیر فصیح اور موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے تو وہاں معنوی لحاظ سے اس کی تصحیح بھی فرمائی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے موضوع ہونے کے باوجود معنیً صحیح ہونے کی وجہ سے اس حدیث کے مطابق عقیدہ رکھنا جائز ہے۔

جواب اہل تحقیق علماء کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیث جس طرح لفظاً غلط ہے اسی طرح معنیً بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ سعودی عرب کے مطبوعہ فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء جلد ۱ صفحہ ۳۰۸ و ۳۰۹ میں عصر حاضر کے محقق مفتیان کبار نے اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا:

سوال "لولاك لما خلقت الافلاك" اهذا حديث موضوع او ضعيف؟

ترجمہ لولاك لما خلقت الافلاك۔ یہ حدیث موضوع ہے یا ضعیف ہے۔

جواب ذكره العجلوني في كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على السنة الناس وقال: قال الصغاني انه موضوع، ثم قال: واقول: لكن معناه صحيح وان لم يكن حديثاً۔ نقول بل هو

باطل لفظاً و معنیً. فان اللہ تعالیٰ انما خلق الخلق لیعبدوہ کما قال سبحانہ : ﴿ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ و لم یثبت حدیث عن النبی ﷺ یدل علیٰ ان الخلق خلقوا من اجلہ لا الافلاک ولا غیرھا من المخلوقات وذکرہ محمد بن علی الشوکانی فی الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ وقال : قال الصغانی موضوع. و مما یدل علیٰ ذلک قولہ تعالیٰ ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ (الطلاق-۶۵ : ۱۲) و صلی اللہ علیٰ نبینا محمد و الہ و صحبہ وسلم.

ترجمہ عجلونی نے کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ امام صغانی نے اسے موضوع کہا ہے۔ اور پھر کہا کہ میں کہتا ہوں کہ اس عبارت کے معنے صحیح ہیں۔ اگرچہ یہ حدیث نہیں ہے۔

○ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث لفظاً و معنیً ہر لحاظ سے باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو مخلوق اس لیے پیدا فرمائی ہے تاکہ لوگ اس کی عبادت کریں۔ چنانچہ فرمایا : وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی جنوں اور انسانوں کو پیدا کرنے میں صرف یہ حکمت ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

○ نیز حضرت نبی کریم ﷺ سے کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ مخلوق نبی کریم ﷺ کی خاطر پیدا کی گئی آسمان ہوں یا اس کے سوا کوئی دوسری مخلوق۔

○ نیز محمد بن علی شوکانی نے "الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" میں لکھا ہے کہ صغانی نے اس کو موضوع کہا ہے اور اس کی دلیل آیت قرآنی : اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن

لتعلموا ان اللہ علی کل شئ قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شئ علمًا ○
ہے۔ یعنی اللہ ہی تو ہے جس نے تہ بہ تہ سات آسمان پیدا کیے اور انہی کی طرح زمین۔ آسمان و زمین میں انتظامی احکام وقتاً وقتاً نازل کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ نیز یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے۔

⑦ اس فتویٰ پر درج ذیل علماء مفتیان عظام نے دستخط فرمائے:

① الرئیس عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز

② نائب رئیس اللجنۃ عبد الرزاق عفیفی

③ عضو ۱ عبد اللہ بن غدیان

④ عضو ۲ عبد اللہ بن قعود

⑧ نیز مشہور محدث اور نقاد حضرت امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اور بہت سے اہل علم نے اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ جس کی صحت کے لیے کوئی بنیاد نہیں۔ جیسا کہ سعودی عرب کے مطبوعہ فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ و الافتاء جلد ۱ صفحہ ۳۱۷ میں عصر حاضر کے محقق مفتیان کبار نے اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا:

سوال هل صحیح ان السماء والارض ما خلقت الا لاجل محمد ﷺ؟

ترجمہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ آسمان اور زمین صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر پیدا کیے گئے ہیں؟

جواب لیس ذلک بصحیح بل خلق اللہ سبحانہ الثقلین الجن و الانس لعبادتہ وحدہ لا شریک لہ قال تعالیٰ: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ وسخر تعالیٰ ما فی السموت وما فی الارض لعبادہ۔ قال تعالیٰ: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ﴾ الآیۃ۔ و خلق السموت و الارض لیعلم عبادہ کمال علمہ و کمال

قدرتہ. کما قال تعالیٰ: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾

ترجمہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ثقلین یعنی جنوں اور انسانوں کو محض اپنی یکتا ذات کی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون یعنی میں نے جنوں اور آدمیوں کو اسی حکمت سے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اور آسمانوں اور زمین میں جس قدر چیزیں ہیں سب کی سب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے تابع کر دی ہیں۔ محض اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے: وسخر لکم ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعًا منہ (الاٰیہ الجَاثِیَۃ۔۴۵: ۱۳) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ان سب کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اس لیے بنائے تاکہ اس کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے کمال علم اور کمال قدرت کا یقین ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللّٰہ الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللّٰہ علیٰ کل شیٔ قدیر و ان اللّٰہ قد احاط بکل شیٔ علمًا ○ (الطَّلَاق۔۶۵: ۱۲) یعنی اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے تہ بہ تہ سات آسمان پیدا کیے اور انہی کی طرح زمین بھی بنائی آسمان اور زمین میں انتظامی احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہتے ہیں۔ تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے۔

○ اپنے فتویٰ کے آخر میں ان مفتیان کبار نے سائل کو مخاطب کرکے زیر بحث حدیث کو موضوع اور بے بنیاد قرار دیتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ فرمایا:

○ واما الحدیث الذی اشرت الیہ فھو موضوع۔ لا اساس لہ من الصحۃ کما نبہ علی ذلک اھل العلم ومنھم الذھبی۔

ترجمہ اور رہی وہ حدیث جس کی طرف آپ (سائل) نے اشارہ کیا ہے سو وہ موضوع ہے۔ جس کی صحت کے لیے کوئی بنیاد نہیں۔ جیسا کہ اہل علم نے اس سے آگاہ فرمایا ہے۔ اور ان میں سے نقاد امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

○ اس فتویٰ پر درج ذیل علماء مفتیانِ عظام نے دستخط فرمائے:

① الرئیس عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز

② نائب رئیس اللجنہ عبد الرزاق عفیفی

③ عضو۔ عبد اللہ بن غدیان

④ عضو۔ عبد اللہ بن قعود

الحاصل جن علماء نے یہ حدیث بیان کر کے: "معناہ صحیح" لکھا ہے۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ "معناہ صحیح" کہنے والوں نے اس کی کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی۔ بلکہ دیلمی اور ابن عساکر کے حوالے سے دو حدیثیں لکھی ہیں۔ جو بذاتِ خود بھی لولاک لما خلقت الافلاک کی طرح موضوع معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ اس میں بھی نحوی قانون کے لحاظ سے سقم پایا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے ثابت ہونے والے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔

○ ان تمام شواہد کی رو سے یہ حدیث قابلِ رد ہے۔ بلکہ محدثین کبار کے نزدیک اسے حدیث کہنا بھی درست نہیں۔ اور اس کا نقل کرنا صرف رد کی غرض سے جائز ہے۔ ورنہ اسے نقل کرنا بھی جائز نہیں۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۚ أَلَيْسَ فِيْ
جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ

موضوع حدیث

کسے کہتے ہیں؟

اور

اس کا بیان کرنا

جائز ہے یا نہیں؟

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال: موضوع حدیث کسے کہتے ہیں۔ نیز موضوع حدیث کو فضائل و مسائل اور استدلال میں بیان کرنا جائز ہے یا نہیں۔ (حافظ عبدالسلام توحیدی' توحید آباد)

جواب: لغت کے لحاظ سے "موضوع" کا معنی ہے گرائی ہوئی یا ساقط کی ہوئی چیز۔

- مختلف علوم و فنون میں اس لفظ کا اطلاق مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ جبکہ محدثین کرام کی اصطلاح میں ایسی من گھڑت اور بناوٹی روایت کو "موضوع حدیث" کہا جاتا ہے جس کی نسبت جھوٹ موٹ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے۔ لیکن فضائل و مسائل یا کسی مسئلہ میں دلیل کے طور پر اس قسم کی موضوع حدیث کا بیان کرنا حرام ہے۔ کیونکہ:
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے گا تو اُسے دوزخ کی آگ کو اپنا ٹھکانا سمجھ لینا چاہیے۔
- حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مروی ہے۔ (تنزیہ الشریعہ ص ۱۰)

○ حضرت علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اٹھانوے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت فرمائی ہے۔ جن صحابہؓ کا نام اس روایت کے راویوں میں شامل ہے وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) امیر المومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق
(۲) امیر المومنین سیدنا امام عمر فاروق
(۳) امیر المومنین سیدنا امام عثمان ذی النورین
(۴) امیر المومنین سیدنا امام علی المرتضیٰ
(۵) امیر المومنین سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان
(۶) امیر المومنین سیدنا امام عبداللہ بن زبیر
(۷) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ
(۸) ام المومنین سیدہ حفصہ
(۹) سیدنا ابوبکرہ
(۱۰) سیدنا ابو ذر غفاری
(۱۱) سیدنا ابو رافع مولیٰ رسول اللہ
(۱۲) سیدنا ابو رمثہ (رفاعہ تیمی)
(۱۳) سیدنا ابو سعید خدری
(۱۴) سیدنا ابو عُبیدۃ بن الجراح
(۱۵) سیدنا ابو عقیل لاحق بن مالک
(۱۶) سیدنا ابو قتادہ
(۱۷) سیدنا ابو قرصافہ جندرہ بن خیشنہ
(۱۸) سیدنا ابو کبشہ انماری
(۱۹) سیدنا ابو موسیٰ اشعری
(۲۰) سیدنا ابو موسیٰ غافقی
(۲۱) سیدنا ابو میمون الازدی
(۲۲) سیدنا ابو ھریرہ
(۲۳) سیدنا ابو ہند الداری
(۲۴) سیدنا ابی بن کعب
(۲۵) سیدنا اسامۃ بن زید
(۲۶) سیدہ اُمّ ایمن حاضنۃ رسول اللہ
(۲۷) سیدنا انس بن مالک
(۲۸) سیدنا اوس بن اوس
(۲۹) سیدنا براء بن عازب
(۳۰) سیدنا بریدۃ بن الحصیب
(۳۱) سیدنا جابر بن سمرہ
(۳۲) سیدنا جابر بن عابس العبدی
(۳۳) سیدنا جندع بن ضمرۃ الانصاری
(۳۴) سیدنا جہجاہ الغفاری
(۳۵) سیدنا حبیب بن حبان
(۳۶) سیدنا حذیفۃ بن اسید
(۳۷) سیدنا حذیفۃ بن الیمان
(۳۸) سیدنا خالد بن عرفطۃ
(۳۹) سیدہ خولۃ بنت حکیم
(۴۰) سیدنا رافع بن خدیج۔

(۴۱) سیدنا زبیر بن العوام
(۴۲) سیدنا زید بن ارقم
(۴۳) سیدنا زید بن ثابت
(۴۴) سیدنا سائب بن یزید
(۴۵) سیدنا سبرة بن معبد
(۴۶) سیدنا سعد بن مالک
(۴۷) سیدنا سعد بن المدحاس
(۴۸) سیدنا سعید بن زید
(۴۹) سیدنا سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ
(۵۰) سیدنا سلمان بن خالد
(۵۱) سیدنا سلمان الفارسی
(۵۲) سیدنا سلیمان بن صرد
(۵۳) سیدنا سلمۃ بن الاکوع
(۵۴) سیدنا سہل بن حنظلیہ
(۵۵) سیدنا سہل بن سعد
(۵۶) سیدنا صدی بن عجلان ابوامامہ باہلی
(۵۷) سیدنا صہیب رُومی
(۵۸) سیدنا طارق بن الاشیم
(۵۹) سیدنا طلحۃ بن عبید اللہ
(۶۰) سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف
(۶۱) سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ
(۶۲) سیدنا عبداللہ بن جراد
(۶۳) سیدنا عبداللہ بن زغب الایادی
(۶۴) سیدنا عبداللہ بن عباس
(۶۵) سیدنا عبداللہ بن عمر بن الخطاب
(۶۶) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص
(۶۷) سیدنا عبداللہ بن مسعود
(۶۸) سیدنا عبداللہ بن یزید الخطمی
(۶۹) سیدنا عتبۃ بن عبد السلمی
(۷۰) سیدنا عتبۃ بن غزوان
(۷۱) سیدنا عرس بن عمیرہ
(۷۲) سیدنا عثمان بن حبیب
(۷۳) سیدنا عقبۃ بن عامر
(۷۴) سیدنا عمار بن یاسر
(۷۵) سیدنا عمرو بن عوف المزنی
(۷۶) سیدنا عمران بن حصین
(۷۷) سیدنا عمرو بن حریث
(۷۸) سیدنا عمرو بن الحمق
(۷۹) سیدنا عمرو بن عبسہ
(۸۰) سیدنا عمرو بن مرۃ الجہنی
(۸۱) سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ
(۸۲) سیدنا کعب بن قطبہ
(۸۳) سیدنا مالک بن عتاہیہ
(۸۴) سیدنا مرۃ البہزی
(۸۵) سیدنا معاذ بن انس
(۸۶) سیدنا معاذ بن جبل

۸۷ سیدنا معاویۃ بن حیدہ
۸۸ سیدنا مغیرۃ بن شعبہ
۸۹ سیدنا مقداد بن الاسود
۹۰ سیدنا المنقع بن الحصین بن یزید تمیمی
۹۱ سیدنا نبیط بن شریط
۹۲ سیدنا واثلۃ بن الاسقع
۹۳ سیدنا یزید بن اسد
۹۴ سیدنا یزید بن خالد العصری
۹۵ سیدنا یعلی بن مرہ

رضی اللہ عنہم اجمعین

حضرت علامہ ابن جوزیؒ نے پچاسی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تو باقاعدہ سند کے ساتھ یہ ارشادِ نبوی نقل فرمایا ہے، جبکہ دو صحابہ کا نام انھوں نے نہیں لکھا، صرف رجل صحابی لکھ دیا، اور ایک صحابی کا نام شاید سہوِ کتابت کی وجہ سے رہ گیا ہے۔ بہرحال مذکورہ بالا حدیث نہ صرف سنداً و متناً صحیح ہے بلکہ ایسی متواتر ہے کہ بہت کم احادیث تواتر کی اس حد تک پہنچتی ہیں۔

○ یہی وجہ ہے کہ محدثینِ کرام کسی حدیث کو نقل کرنے سے پہلے پوری تسلی کر لیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع من گھڑت اور بناوٹی نہ ہو۔ اور اسی فرمانِ رسولؐ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کئی محدثین نے موضوع احادیث کو جمع فرما کر نشاندہی فرمادی ہے کہ یہ روایات من گھڑت ہیں، ان کی نسبت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ کی جائے۔ لیکن اس کے باوجود بعض اہلِ علم کی کتب میں موضوع احادیث غلطی سے شامل ہوگئی ہیں، یہاں تک کہ مشہور صوفی بزرگ پیرِ پیراں شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور تصنیف "غنیۃ الطالبین" اور حضرت امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور تصنیف احیاء علوم الدین المعروف بہ احیاء العلوم میں بے شمار موضوع حدیثیں موجود ہیں۔ (دیکھیے میزان الاعتدال)

○ اسی طرح حضرت امام ابو عبداللہ الحاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور کتاب "المستدرک" میں کئی احادیث ایسی ہیں جن کے بارے میں حضرت امام حاکمؒ نے صحیح علی شرط البخاری یا شرط مسلم کے الفاظ تحریر فرمادیے ہیں لیکن مشہور نقاد اور نامور محدث

حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جب تحقیق فرمائی تو معلوم ہوا کہ اس میں کئی حدیثیں موضوع ہیں، اور حضرت امام حاکمؒ ان کے موضوع ہونے پر مطلع نہ ہوسکے۔ یہی وجہ ہے کہ مستدرک حاکم کے ساتھ ساتھ حضرت امام ذہبیؒ کا حاشیہ دیکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

○ اسی طرح حضرت علامہ قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ محدث مزاج مفسر نہ ہونے کی وجہ سے سورتوں کے فضائل میں اکثر موضوع حدیثیں نقل فرما گئے ہیں۔

○ اصولِ حدیثِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص موضوع حدیث بیان کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس کا موضوع ہونا بیان کرے۔ (تحفۃ الاکرم ۵۹)

○ حضرت شیخ مشایخنا الشاہ عبدالعزیز محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۲۳۹ھ) نے "عجالۂ نافعہ" کے "خاتمہ" میں موضوع حدیث کو شناخت کرنے کے لیے چند نشانیاں تحریر فرمائی ہیں۔ مطالعۂ حدیث میں ان کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا:

○ واضح رہے کہ حدیث کے موضوع ہونے اور راوی کے جھوٹے ہونے کی چند علامتیں ہیں۔

① (راوی) تاریخ مشہور کے خلاف روایت کرے۔ مثلاً: یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں ایسا کہا۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (امیر المؤمنین سیدنا امام) عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پا چکے تھے۔
یہ شعر بھی اسی نوعیت کا ہے: ؎

در جمل چوں معاویہؓ بگریخت
خون خلقے بسے بہ بیہودہ ریخت

(یعنی) جنگ جمل میں جب (امیر المؤمنین سیدنا امام) حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) بھاگ گئے تو بہت سی مخلوق کا خون بے کار بہا۔ (یعنی یہ شعر جھوٹ کا بدترین نمونہ ہے۔)

اس قسم کی من گھڑت حدیثیں ادنیٰ تامل اور ذرا سی تاریخی جستجو سے پہچانی جاسکتی ہیں۔

② راوی رافضی (غالی شیعہ) ہو اور وہ صحابہؓ پر طعن کے متعلق حدیث بیان کرے، یا ناصبی (دشمنِ علیؓ) ہو اور وہ اہلِ بیت پر طعن کے سلسلہ میں حدیث روایت کرے، اور اسی طرح اور مثالیں ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ اگر راوی روایت میں منفرد ہے تو اس کی حدیث کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ اگر دوسرے بھی وہی روایت کرتے ہیں تو اس کی حدیث کو قبول کرنا چاہیے اور اس حدیث کی معقول توجیہ اور تاویل پر غور کرنا چاہیے۔

③ راوی ایسی بات روایت کرے جس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ہر مکلف پر فرض ہو اور (اس کے باوجود) وہ روایت میں منفرد ہو تو یہ حدیث کے جعلی اور راوی کے جھوٹے ہونے کا بڑا قرینہ ہے۔

④ وقت اور حالت ہی راوی کے جھوٹے ہونے کا قرینہ ہو۔ جیسے غیاث بن میمون کا واقعہ ہے کہ وہ مہدی خلیفہ عباسی کی مجلس میں حاضر ہوا اور وہ اس وقت کبوتر اڑانے میں مشغول تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر فوراً یہ حدیث بیان کی: لاسبق إلا في خف او نصل او حافر او جناح یعنی "بازی جائز نہیں مگر اونٹ، تیر، گھوڑے اور پرندہ میں"۔ اس نے محض مہدی کی خوشامد میں جناح کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔

⑤ روایت عقل و شرع کے مقتضیٰ کے خلاف ہو اور قواعدِ شرعیہ اس کی تکذیب کریں۔ جیسے "قضائے عمری" یا اسی جیسی (دوسری) باتیں۔ جیسے روایت کرتے ہیں: لا تأكلوا البطيخ حتى تذبحوها (یعنی) جب تک خربوزے کو تراش نہ لو نہ کھاؤ۔ (یعنی کاٹے بغیر نہ کھاؤ)

⑥ حدیث میں ایسا جنبی واقعی قصہ مذکور ہو کہ اگر فی الواقع وہ پایا جاتا تو ہزاروں آدمی اس کو نقل کرتے۔ مثال کے طور پر ایک شخص روایت کرتا ہے کہ آج بروز جمعہ خطیب کو برسرِ منبر قتل کر ڈالا اور اس کی کھال کھینچ لی۔ اور اس

واقعہ کا راوی اس روایت میں منفرد اور تنہا ہے اور دُوسرا کوئی راوی نہیں۔

⑦ لفظ اور معنی کا رکیک ہونا۔ مثلاً ایسے لفظ سے روایت کرے جو بلحاظ قواعدِ عربیہ درست نہ ہو یا اُس کے معنے رسالت اور وقارِ نبوت کے مناسب نہ ہوں۔

⑧ صغیرہ گناہ سے ڈرانے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا گیا ہو، یا تھوڑے عمل پر حد سے زیادہ ثواب کا مستحق قرار دیا گیا ہو۔ جیسا کہ کہا گیا ہے: من صلی رکعتین فلہ سبعون الف دار وفی کل دار سبعون الف بیت وفی کل بیت سبعون الف سریر وعلی کل سریر سبعون الف جاریۃ۔ یعنی جس نے دو رکعت نماز پڑھی اس کے لیے ستر ہزار مکان ہیں اور ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہیں، اور ہر کمرے میں ستر ہزار تخت ہیں اور ہر تخت پر ستر ہزار لونڈیاں ہیں۔ اس قسم کی حدیثیں خواہ ثواب کے متعلق ہوں یا عذاب کے انھیں جعلی اور موضوع سمجھنا چاہیے۔

⑨ ذرا سے عمل اور معمولی سے کام پر حج و عُمرہ کے ثواب کی اُمید دلانا۔

⑩ خیر کے کام کرنے والوں کو یہ خوش خبری دینا اور ان سے یہ وعدہ کرنا کہ انھیں انبیاء علیہم السلام کا سا ثواب ملے گا۔ یا یہ کہے کہ ستر نبیوں کا سا ثواب ملے گا۔ یا اسی قسم کی بہت سی باتیں کرنا۔

⑪ راوی نے حدیث کے وضع کرنے کا خود اقرار کیا ہو۔ جس طرح نوح بن ابی عصمہ کے ساتھ واقعہ پیش آیا ہے کہ اُس نے قرآن کی ہر ایک سُورت کی فضیلت میں حدیثیں گھڑیں، اور انھیں رواج اور شہرت دی ہے۔ جیسا کہ بیضاوی میں ہر سُورت کے آخر میں اس کے فضائل کو بیان کیا ہے۔ جب نوح بن ابی عصمہ کو پکڑا اور صحتِ سند کے بارے میں اس سے پُوچھا گیا تو اس نے اعتراف کیا کہ ان حدیثوں کے وضع کرنے سے میری نیت خیر کی تھی، کیونکہ میں نے جب یہ دیکھا کہ قرآن کو چھوڑ کر لوگ تاریخ، تفسیر اور امام ابوحنیفہؒ کی فقہ میں مشغول ہیں تو لوگوں کو ترغیب دینے کی غرض سے میں نے ان حدیثوں کو گھڑا، تاکہ علومِ قرآن کی طرف ان کا رُجحان بڑھے اور ثواب کے اعتقاد سے تلاوتِ قرآن

اور اس کے درس میں مشغول ہوں۔ حالانکہ اس کا یہ عذر گناہ سے بھی بدتر تھا کیونکہ فضائل قرآن میں جو صحیح حدیثیں وارد ہیں ترغیب کے لیے وہی کافی ہیں۔ اسی طرح تمباکو، حقہ اور قہوہ کے متعلق بہت سی حدیثیں گھڑی گئی ہیں، جن کے الفاظ اور معنی کی رکاکت ظاہر اور آشکار ہے۔

○ حضرت علامہ علی بن سلطان المعروف بہ ملا علی القاری الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "موضوعاتِ کبریٰ" کے آخر میں "موضوع حدیث" کی بہت سی علامات تحریر فرمائی ہیں۔ سطورِ ذیل میں اُن میں سے چند علامات تحریر کی جاتی ہیں:

① ایسی حدیث جس میں آئندہ آنے والے واقعات کا ماہ و سال یا دِن معین ہو۔
② ایسی حدیث جو حس اور تجربہ کے خلاف ہو۔
③ ایسی حدیث جس میں اپنی جانب مائل کرنے کے لیے کوئی محال بات بیان کی جائے۔
④ ایسی حدیث جو قرآن مجید، احادیثِ متواترہ اور تعاملِ صحابہؓ کے خلاف ہو۔
⑤ ایسی حدیث جو عقلِ سلیم کے خلاف ہو۔
⑥ ایسی حدیث جو تاریخِ مشہورہ کے خلاف ہو۔
⑦ ایسی حدیث جس میں ایسا کلام ہو جو انبیاءِ کرام علیہم السلام کے شایانِ شان نہ ہو۔
⑧ ایسی حدیث جس میں مکہ، مدینہ، نجد، شام اور یمن کے علاوہ کسی شہر کی مدح یا مذمت ہو۔
⑨ ایسی حدیث جس میں جنّات سے جنگ کا بیان ہو۔
⑩ ایسی حدیث جس میں خضر و الیاسؑ کی حیات یا ان سے کسی کی ملاقات کا ذکر ہو۔
⑪ ایسی حدیث جس میں مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد قبا اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی مسجد کی فضیلت ہو۔
⑫ ایسی حدیث جس میں کسی زیارت گاہ یا مقبرہ کا بیان ہو۔
⑬ ایسی حدیث جس میں علمِ طب کا کوئی اصول بیان کیا گیا ہو۔
⑭ ایسی حدیث جس میں کسی دِن کی نحوست کا بیان ہو۔
⑮ ایسی حدیث جس میں عقیق یا کسی پتھر کی فضیلت اور اس کے اثرات کا بیان ہو۔
⑯ ایسی حدیث جس میں خرقہ پوشی کی فضیلت کا بیان ہو۔

۱۷ ایسی حدیث جس میں قیامت کے روز ماؤں کی جانب منسوب ہونے کا بیان ہو۔

۱۸ ایسی حدیث جس میں قیامت کے روز "سادات" یا کسی خاندان کی بخشش کا بیان ہو۔

۱۹ ایسی حدیث جس میں سیدنا علیؓ کے علم باطن کا بیان ہو۔

۲۰ ایسی حدیث جس میں سیدنا معاویہؓ کی مذمت بیان کی گئی ہو۔

۲۱ ایسی حدیث جس میں کسی صحابیؓ کی مذمت بیان کی گئی ہو۔

۲۲ ایسی حدیث جس میں ائمہ اربعہؒ میں سے نام بنام کسی کی مذمت یا فضیلت بیان ہو۔

۲۳ ایسی حدیث جس میں حبشہ، سوڈان یا ترکوں کی مذمت کی گئی ہو۔

۲۴ ایسی حدیث جس میں ہر ہر روز کے نوافل کا بیان کیا گیا ہو۔

۲۵ ایسی حدیث جس میں رجب یا اس کے روزوں کی فضیلت کا بیان ہو۔

۲۶ ایسی حدیث جس میں رجب کی مخصوص نمازوں کا بیان ہو۔

۲۷ ایسی حدیث جس میں شب براء کی مخصوص نمازوں کا بیان ہو۔

۲۸ ایسی حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ کی زیارت کی فضیلت ہو۔

۲۹ ایسی حدیث جس میں ولد الحرام کی مذمت ہو۔

۳۰ ایسی حدیث جس میں بنو عباس کی خلافت کا بیان ہو۔

۳۱ ایسی حدیث جس میں بنو عباس کے جنتی ہونے کا بیان کیا گیا ہو۔

۳۲ ایسی حدیث جس میں بنو امیہ کی مذمت کی گئی ہو۔

۳۳ ایسی حدیث جس میں ظلم و فساد اور باطل کی تعریف اور حق گوئی کی مذمت ہو۔

○ اسی طرح اور بھی کئی ایسی علامات ہیں جن سے موضوع حدیث پہچاننے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ محقق علماء نے یہ نشانیاں محض اس لیے بیان فرمائی ہیں تاکہ کسی کی گپ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی راہ کو مسدود کرنے میں آسانی رہے، کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کرنا حرام اور دوزخ میں پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اللھم احفظنا من شر الوضاعین۔ آمین۔

○ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عجالۂ نافعہ میں موضوع احادیث کی نشانیاں تحریر فرمانے کے بعد من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والوں کے متعلق مزید یہ بھی تحریر فرمایا کہ حدیثیں وضع کرنے والے کچھ کم نہیں ہوئے ہیں اور اسی طرح ان کی اغراض بھی مختلف تھیں۔ مثلاً:

○ **زندیقوں کا فرقہ** : ان کے پیشِ نظر محض شریعت کو باطل قرار دینا اور اس کا مذاق اڑانا تھا۔ چنانچہ ابن الراوندی (ابوالحسن احمد بن یحییٰ بن اسحاق الراوندی۔ متوفی ۲۹۸ھ) نے یہ حدیث گھڑی تھی: الباذنجان لما اُکل لہ کہ بینگن سے غرض یہ ہے کہ اُس کو کھایا جائے۔ اور اس سے اُس کی غرض محض شریعت کا مذاق اڑانا اور در اصل اس حدیث پر تعریض کرنا ہے: (جس میں آیا ہے) القرآن لما قُرئ لہ وماء زمزم لما شرب لہ کہ قرآن اسی لیے ہے کہ اس کو پڑھا جائے اور آبِ زمزم اسی لیے ہے کہ اس کو پیا جائے۔

○ اہلِ علم نے کہا ہے کہ زندیقوں کی چودہ ہزار حدیثیں مشہور ہو چکی ہیں ۔ یہ اہلِ بدعت اور خواہشات کے بندے محض اپنے مذہب کی نصرت اور مخالف کے مذہب پر طعن کرنے کے لیے اس عمل کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور رافضی، ناصبی اور کرامیہ تو اس عمل میں سب پر سبقت لے گئے ہیں۔ خارجی، معتزلہ اور زیدیہ تو پھر بھی اس امرِ قبیح کے اس قدر مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔

○ اہلِ علم کی ایک جماعت جو علم حدیث سے مَس نہیں رکھتی تھی، اس نے جب یہ دیکھا کہ محدثین کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اُن کی بڑی تعظیم کی جاتی ہے تو چاہا کہ خود بھی محدث بن بیٹھیں۔ اس لیے یہ نازیبا اور ناشائستہ عمل اختیار کیا۔ جیسے ابوالبختری وہب بن وہب القاصی، سلیمان بن عمرو النخعی، حسین علوان اور اسحاق بن نجیح وغیرہ۔ اور اس جماعت

کے بیشتر علماء وعظ و نصیحت میں مشغول رہے۔

○ ایک اور فرقہ جو زہد و عبادت اور دیانت میں مشہور تھا۔ اُنھوں نے خواب میں یا کسی معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ائمۂ اطہار سے کوئی بات سُنی، تو انھوں نے اپنے خواب یا معاملہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہُوئے اس بات مبہم (انداز میں) روایت کردیا۔ اور لوگوں نے یہ سمجھا کر یہ واقعی حدیث ہے، جو از راہِ ظاہر (روایت ہوکر) ان تک پہنچی ہے، چنانچہ ابوعبدالرحمٰن سُلمی اور دُوسرے صُوفیوں کو جو حدیث کا ذوق نہ رکھتے تھے، اسی عیب سے متہم کیا گیا ہے اور ان کی روایت کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا گیا ہے۔

○ دُوسرا فرقہ خُلفاء، ملوک اور امراء کے ان مصاحبین کا ہے جنھوں نے محض اُن کی دلجوئی کے لیے حدیثیں گھڑیں اور دین کو دُنیا کے بدلے بیچا۔

○ ایک فرقہ نے بغیر ارادہ بھی حدیثیں وضع کی ہیں۔ جس کی صورت یہ ہُوئی کہ انھوں نے غفلت اور توہّم کی وجہ سے کسی صاحبِ تجربہ شخص یا صُوفی یا حکمائے سابقین میں سے کسی حکیم کا کوئی کلام سُنا اور اس کو پیغمبر علیہ السلام سے منسوب کردیا۔ صرف اس خیال سے کہ ایسا حکیمانہ کلام اور ایسی حکمت کی بات پیغمبر علیہ السلام کے سوا اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ اس فرقہ کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ اکثر عوام اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور بچانے والا ہے۔

سوال: کتاب "فضائلِ اعمال" میں نماز چھوڑنے پر وعید کے زیرِ عنوان حدیث نمبر۹ کے الفاظ اس طرح لکھے ہیں: رُوِیَ اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَالَ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی مَضٰی وَقْتُھَا ثُمَّ قَضٰی عُذِّبَ فِی النَّارِ حُقْبًا وَالْحُقْبُ ثَمَانُوْنَ سَنَۃً وَالسَّنَۃُ ثَلٰثُمِائَۃٍ وَّسِتُّوْنَ یَوْمًا کُلُّ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ اَلْفَ سَنَۃٍ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کردے گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ

پڑھنے کی وجہ سے ایک حُقب جہنّم میں جلے گا اور حقب کی مقدار اسّی برس کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دِن کا' اور قیامت کا ایک دِن (دُنیا کے) ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ (اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ ...۲۸۸۰۰۰۰۰ برس ہوئی)، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے یا ضعیف، یا یہ حدیث موضوع ہے۔ نیز یہ حدیث نصوص قطعیات اور احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے یا نہیں"

(حافظ عبدالسلام فاروقی توحیدی، بحر العلوم توحید آباد ضلع رحیم یار خان)

جواب: حضرت شیخ الحدیث زکریا بن یحییٰ کاندھلوی مُہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حدیث مجالس الابرار (ص ۳۲۰) کے حوالے سے تبلیغی نصاب کے حصے فضائل نماز باب اوّل ص ۲۱۷ (مطبوعہ کتب خانہ فیضی لاہور) میں نقل فرمائی ہے۔ حضرت شیخ کاندھلویؒ نے یہ حدیث نقل فرمانے کے بعد خود تحریر فرمایا ہے:

قلت لم اجده فیما عندی من کتب الحدیث

کہ میں کہتا ہوں کہ میرے پاس حدیث کی جس قدر کتابیں موجود ہیں اُن میں سے تو کسی کتاب میں اس حدیث کو میں نے نہیں پایا۔" پھر فرمایا: الا ان مجالس الابرار مدحہ شیخ مشایخنا الشاہ عبدالعزیز الدھلویؒ البتہ ہمارے شیوخ کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز مُحدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجالس الابرار کی تعریف فرمائی ہے۔

○ حضرت استاذی المکرم المعظم شیخ الحدیث المفتی الاعظم ہند مولانا محمد کفایۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ سابغۃ وافیۃ کے زیرِ اہتمام مجالس الابرار کا اُردو میں بامحاورہ ترجمہ ہُوا ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم نے اس کے مُصنّف کی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا کہ: مجالس الابرار کے مُصنّف نے غایت اخلاص و تواضع کی وجہ سے اپنا نام ظاہر نہیں فرمایا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات معلوم ہو جائیں مگر افسوس کہ

کامیابی نہیں ہوئی۔ صرف وہی معلوم ہوسکا جو خود اسی کتاب مجالس الابرار کے طبع سابق میں اس کے آخری صفحے پر مرقوم ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے:

○ "حضرت خاتم المحدثین حجۃ اللہ فی الارضین آیۃ من آیات اللہ فی العالمین امام ہمام ثقۃ الاسلام منتہائے روایتِ حدیث فی الہند حضرت شیخ شاہ عبدالعزیز العمری الدہلوی متوفی سنہ ۱۲۳۹ھ (رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ سابغۃ وافیۃ) نے اس کتاب کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔" حضرت شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے:

○ کتاب مجالس الابرار علم و وعظ و نصیحت میں اسرارِ شریعت و ابوابِ فقہ و ابوابِ سلوک و ردِّ بدعات و عاداتِ شنیعہ کے فوائدِ کثیرہ پر شامل ہے۔ ہمیں اس کے مصنف کا اس سے زیادہ حال معلوم نہیں، جتنا کہ اس تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس کا مصنف ایک عالم متدین، متورع اور علوم شرعیہ کے فنون مختلفہ پر حاوی تھا۔ اور کیا اچھی بات کسی نے کہی ہے کہ کہنے والے کو نہ دیکھو بلکہ اس کے کلام کو دیکھو، کیونکہ آدمیوں کی پہچان حق بات سے ہوتی ہے نہ کہ حق بات کی پہچان آدمیوں سے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

○ اور کشف الظنون میں ہے کہ کتاب مجالس الابرار کی "۱۰۰" مجلسیں ہیں جن میں مصابیح کی سو حدیثوں کی شرح ہے۔ اور مصنف اس کے شیخ احمد رومیؒ ہیں۔ فقط۔ اھ

○ صاحبِ مجالس الابرار حضرت شیخ احمد رومیؒ نے یہ حدیث "رُوِیَ" کے ساتھ بیان کی ہے، اور حضرت شیخ کاندھلویؒ نے بھی اسی طرح فضائلِ نماز میں نقل فرمادی ہے۔ جبکہ اصطلاحِ محدثین میں یہ لفظ ضعف کی دلیل ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم کی شرح ص ۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر حدیث "صحیح" یا "حسن" ہو تو یقین کے صیغے بولے جاتے ہیں، مثلاً: قال رسول اللہ ﷺ یا فعل رسول اللہ ﷺ یا امر یا نہیٰ رسول اللہ ﷺ وغیرہ۔ اور اگر حدیث ضعیف ہو تو ان الفاظ کی بجائے رُوِیَ عنہ، یروی عنہ، یُذکر، یُحکیٰ،

یُقال ، بجاء عنہ ، بلغنا یا ان جیسے اور الفاظ کہے جاتے ہیں۔ اور مذکورہ بالا حدیث کو رُوِیَ کے ساتھ بیان کرکے خود شیخ احمد رُومیؒ نے گویا اس بات کا اِظہار فرمادیا ہے کہ یہ حدیث "صحیح" یا "حسن" نہیں، بلکہ "ضعیف" ہے۔

- پھر علماء محدثینؒ نے ضعیف حدیث کی کئی اقسام بیان فرمائی ہیں، جن میں سے سب سے زیادہ بدترین اور شر الانواع حدیث "موضوع" ہے۔ لیکن؛
- مجالس الابرار کی بیان کردہ اس حدیث کو لفظ "رُوِیَ" کی وجہ سے ہم "ضعیف" تو ضرور کہ سکتے ہیں لیکن "موضوع" کہنے کی ہم میں جرأت نہیں۔ کیونکہ؛
- جس طرح احادیث کا وضع کرنا حرام ہے اسی طرح غیر موضوع حدیث کو "موضوع" کہنا بھی گناہِ عظیم ہے۔ خاص طور پر جبکہ دیگر متعدد احادیث صحیحہ سے اس "ضعیف" حدیث کو تقویت بھی حاصل ہورہی ہو۔ مثلاً:
- مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۸ میں ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بندے اور کفر کے درمیان صرف نماز کا فرق ہے" یعنی جب تک نماز پڑھتا رہے تو بندہ مومن ہے اور جب نماز چھوڑ دے تو کفر تک پہنچ جاتا ہے۔
- جامع صغیر ج ۲ ص ۱۶۷ میں معجم اوسط طبرانی کے حوالے سے صحیح سند کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس شخص نے قصداً نماز ترک کردی تو وہ کُھلم کُھلا کافر ہوگیا۔
- امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے، پس جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے گویا دین کو قائم رکھا۔ اور جس نے نماز چھوڑ دی اُس نے گویا دین کو گرادیا۔ (جامع صغیر ج ۲ ص ۵ بحوالہ شعبُ الایمان)
- مشکوٰۃ ص ۵۹ میں حضرت عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ نماز کے سوا کوئی ایسا عمل نہیں جس کے ترک کو اصحابِ رسول اللہؐ کفر سمجھتے ہوں۔

○ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تارک نماز کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۱۳)

○ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز چھوڑنا کفر ہے۔ (مرقاۃ ۱۱۳/۲)

○ حضرت علامہ سیوطیؒ اور علامہ سندھیؒ نے نسائی ص ۸۱ کے حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ: حضرت امام احمد بن حنبلؒ تارکِ نماز کو کافر کہتے ہیں۔

○ حضرت امام احمد بن حنبل، سفیان بن سعید ثوری، ابو عمر، اوزاعی، حماد بن زید، عبداللہ بن المبارک، وکیع بن جراح، مالک بن انس، محمد بن ادریس شافعی اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے تمام اصحاب کا مسلک ہے کہ تارکِ نماز مُرتد کی طرح قتل کر دیا جائے، البتہ اسے دین سے خارج نہیں سمجھتے۔ (دیکھیے: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۱۳ و کتاب الصلوٰۃ ابن قیم ص ۳)

○ حضرت امام ابو حنیفہ، داؤد بن علی اور مُزنی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تارکِ نماز کو قید و بند میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے، یا توبہ کرلے لیکن اسے قتل نہ کیا جائے۔ (کتاب الصلوٰۃ لابن قیمؒ ص ۳)

○ حضرت امام محمد بن ابی بکر الزرعی ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الصلوٰۃ ص ۳ (مطبع مرتضوی دہلی مطبوعہ ۱۲۹۶ھ) میں تحریر فرمایا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرض نمازوں کا قصداً چھوڑنا تمام کبیرہ گناہوں میں سے بہت بڑا اور عظیم گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ترکِ نماز کا گناہ قتلِ نفس، زنا، چوری، شراب خوری اور ڈاکہ ڈالنے اور مال لوٹنے کے گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے۔

تارکِ نماز کے کافر ہونے کا مطلب

○ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ اگر انکار کرتے ہوئے نماز چھوڑتا ہے تو کافر ہے۔ (حاشیہ نسائی ص ۸۱)

○ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تارکِ نماز سے مُراد منافق ہیں جو ریاءً نماز

پڑھتے ہیں۔ لیکن جس نے نماز پڑھنی چھوڑ دی تو اس کا کفر ظاہر ہوگیا جیسا کہ حضرت امام ابن قیمؒ نے کتاب الصلوٰۃ ص ۳ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب ص ۴۲۵ کے حاشیہ میں ہے کہ اس کفر سے مراد "کفرانِ نعمت" ہے، یعنی تارکِ نماز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ناشکرا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ اس وقت ادا ہوتا ہے جب اس کے عائد کردہ فرائض کی پابندی رکھے اور اس کی ممنوع چیزوں سے دُور رہے۔ جیسا کہ:

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عورتوں کی اکثریت کو دوزخی دیکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: یا رسول اللہؐ! ایسا کیوں ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کے کفر کی وجہ سے۔ پھر عرض کی کہ کیا عورتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتیں دراصل اپنے خاوند کی ناقدری کرتی ہیں اور اس کے حسنِ سلوک اور اچھائیوں کی بھی ناقدری کرتی ہیں۔

○ اسی طرح حدیث شریف میں ہے: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور قتال کرنا کفر ہے۔ یعنی اس کا ایمان مستور ہوگیا۔ یہاں کفر سے مراد ارتداد نہیں ہے۔ اِسی طرح تارکِ نماز کو اسی معنیٰ میں کافر کہا گیا ہے۔

○ اور جن علماء کرام کے نزدیک تارکِ نماز کو قتل کرنا واجب ہے، وہ اس لیے نہیں کہ تارکِ نماز مُرتد ہوگیا ہے، بلکہ ان کے نزدیک بطورِ "حد" تارکِ نماز کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے، یا زانی مُحصن کو رجم کیا جاتا ہے۔

○ بہر حال مذکور فی السوال حدیث گو "ضعیف" تو ہے مگر اس کے مؤیدات کے ہوتے ہوئے اس حدیث کو "موضوع" بھی نہیں کہا جا سکتا۔

○ اب رہا یہ کہ ایک وقت کی نماز ترک کرنے سے ایک حقب یعنی اَسّی برس تک جہنم کی سزا ملے گی، جبکہ وہ اَسّی برس دُنیا کے لحاظ سے دو کروڑ اٹھاسی لاکھ (۲۸۸۰۰۰۰۰) برس ہوتے ہیں، تو جو شخص ایک سے زیادہ وقت کی نمازیں نہ پڑھے، یا اکثر اوقات ترک نماز کا مرتکب ہوتا رہتا ہو تو اُس کی سزا کیا ہوگی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو جس نے یہ حدیث سُن لی وہ تو اِن شاء اللہ نماز قضا کرے گا ہی نہیں۔ اور دُوسرے یہ کہ جس طرح یہاں دُنیا میں مختلف جرائم کی سزاؤں میں "تداخل" ہوتا ہے اِسی طرح اس گناہِ کبیرہ کے بار بار اِرتکاب کی صُورت میں ممکن ہے کہ اس کی سزا میں بھی تداخل کی صُورت ہی ہو اور مدت دراز تک نمازیں قضا کرتے رہنے کی سزا دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال ہی ہو۔ مثلاً

○ کوئی شخص چوری کرتا ہے تو اس چوری کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے لیکن ایک شخص بار بار چوری کرتا ہے اور پکڑا نہیں جاتا، پھر کئی چوریوں کے بعد جب پکڑا جاتا ہے تو اس کا ایک ہاتھ کاٹنے سے سب چوریوں کی سزا ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ ہدایہ ج ۲ ص ۵۳۳ میں ہے۔

○ اسی طرح کئی بار زنا کرنے کے بعد پکڑے جانے والے غیر محصن (کنوارے) کو صرف ایک بار زنا کرنے کی سزا یعنی سو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اور محصن (شادی شدہ) کو کئی بار زنا کرنے کے بعد پکڑے جانے کی صُورت میں رجم کیا جاتا ہے، جبکہ ایک بار زنا کرنے کی سزا بھی یہی ہے۔

○ اِسی طرح اگر کسی نے ایک آدمی پر تہمت لگائی تو اسے اسّی کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص کئی آدمیوں پر تہمت لگائے یا جماعت پر تہمت لگائے تو متہم لوگوں کی تعداد کے مُطابق اَسّی سے ضرب دے کر ہزاروں، لاکھوں کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، بلکہ سب کا تداخل ہوگا اور تہمت لگانے والے کو صرف اَسّی کوڑے لگیں گے۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۵۱۱)

○ اور اگر "تداخل" کے بغیر تمام قضا نمازوں کی الگ الگ ایک ایک حقب (دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس) کی مُدّت تک سزا دی گئی تب بھی آخر اس کی کوئی اِنتہا تو ضرور ہوگی۔ کیونکہ اس "دارالعمل" میں اِنسان کی زندگی خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو وہ بہرحال محدود ہے، جبکہ کسی شخص کی قضا نمازیں بھی محدود ہیں، اگرچہ خود اس شخص کو یہ قضا نمازیں یاد نہ ہوں اور وہ ان قضا نمازوں کو لامحدود یا بے شمار سمجھتا ہو، تب بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ان قضا نمازوں کی گنتی موجود ہے۔ اگر کسی آدمی کی مجموعی طور پر ایک ہزار نمازیں بھی زندگی بھر میں قضا ہوں اور وہ انھیں اپنے وقت کے بعد قضا کرکے پڑھتا رہا ہو تو اس کی سزا بغیر تداخل کے ایک ہزار حقب ہوگی، جو ایک محدود مُدّت ہے، اس مُدّت کو لامحدود نہیں کہا جاسکتا۔ اور اگر اس شخص کو دُنیا میں کیے ہُوئے دُوسرے گناہوں کی سزا بھی دی گئی تب بھی کوئی نہ کوئی وقت ایسا ضرور آئے گا جب وہ اربوں کھربوں سال کی سزائیں بُھگت کر اپنے قلبی ایمان اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آخرکار جنّت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ضرور ہی جائے گا۔ جبکہ اس کے برعکس کافر و مشرک کی سزا لامحدود ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا۔

○ اور اگر اس حدیث کو "موضوع" سمجھنے کی وجہ یہ ہو کہ اس میں ایک دِن کو ایک ہزار دُنیوی سال کے برابر بتلایا گیا ہے تو یہ کوئی اَنہونی بات نہیں، کیونکہ ایک دِن ایسا بھی آنے والا ہے جو اُس دِن سے پچاس گنا اور اِس دُنیوی دِن سے ایک کروڑ اَسّی لاکھ (۱۸۰،۰۰،۰۰۰) گنا بڑا ہوگا۔ یعنی دُنیا کے لحاظ سے ایک کروڑ اسی لاکھ دِنوں کے برابر ایک دِن ایسا ہوگا جس میں ہر شخص سے اِس دُنیا میں کیے ہُوئے اچھے اور بُرے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اور قرآن مجید میں اس دِن کے کئی نام آئے ہیں۔ مثلاً:

ایک کروڑ اسّی لاکھ دنوں کے برابر دِن کے قرآنی نام

① الآخرة ② الیوم الآخرة ③ دار الآخرة ④ الدار الآخرة

⑤ الواقعة ⑥ الحاقة ⑦ القارعة ⑧ الغاشیة

⑨ الطامة الکبریٰ ⑩ الصاخة ⑪ خافضة ⑫ رافعة

⑬ الساعة ⑭ العقبیٰ ⑮ یوم الخروج ⑯ یوم الخلود

⑰ یوم التغابن ⑱ یوم التلاق ⑲ یوم الفصل ⑳ یوم عبوس

㉑ یوم ثقیل ㉒ یوم عسیر ㉓ یوم الحسرة ㉔ یوم الآزفة

㉕ یوم النشور ㉖ یوم الدین ㉗ یوم البعث ㉘ یوم الموعود

㉙ یوم الجزاء ㉚ یوم الحساب ㉛ یوم القیامة

○ اور یہی وہ دِن ہوگا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ہے:

فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (٧٠ : ٤)

کہ جس دِن میں حساب کتاب ہوگا اس دِن کی مقدار (دُنیا کے اِعتبار سے) پچاس ہزار سال یعنی ایک کروڑ اسّی لاکھ دِنوں کے برابر ہوگی۔

○ اس طرح اہلِ جہنم کے دِن سے حساب کتاب کا دِن پچاس گنا بڑا بنتا ہے، کیونکہ اہلِ جہنم کا دِن تو اس دُنیا کے دِن سے تین لاکھ ساٹھ ہزار گنا ہے جبکہ یوم الحساب ایک کروڑ اسّی لاکھ گنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

○ اور اگر کوئی یہ کہے کہ ایک گناہ کی اتنی بڑی سزا آخر کیوں دی جائے گی، جبکہ تھوڑی سی تاخیر کے ساتھ نماز پڑھ بھی لے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح یہاں دُنیا میں کوئی شخص تھوڑے سے وقت میں کسی جرم کا اِرتکاب کرتا ہے تو اس کی سزا میں اسے کئی سال قید رہنا پڑتا ہے بعض کو دس بیس سال اور بعض کو مرتے دم تک قید و بندکی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اسی طرح نماز قضا کرنے کی سزا بھی اس جرم کے مُطابق ہوتی۔ اور اس سزا سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ یہ جرم نہ کیا جائے۔

شبہ: اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت نہ کہا جائے تو اس کی زد میں بڑی بڑی بزرگ ہستیاں بھی آجائیں اور انھیں بھی اس سزا کا مستحق قرار دینا پڑے گا۔ حتیٰ کہ صحابۂ کرامؓ اور خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نعوذ باللہ اس سزا کا مستحق ماننا پڑے گا۔ سو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ "نماز قضا کرنے" اور "قضا ہوجانے" میں بہت بڑا فرق ہے۔

- یعنی "نماز قضا کرنے" کا مطلب تو یہ ہے کہ کسی شخص نے دُنیوی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے سُستی اور تساہل و غفلت سے جان بُوجھ کر صحیح وقت پر نماز نہ پڑھی اور کسی شرعی عذر کے بغیر نماز قضا کردی۔ جبکہ
- "نماز قضا ہوجانے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے نماز اپنے صحیح وقت پر ادا نہیں کی جاسکی۔ اور غیر ارادی طور پر نماز قضا ہوگئی۔ احادیث میں آتا ہے کہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی بعض نمازیں قضا ہوجاتی تھیں۔ مثلاً:
- سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں جارہے تھے۔ تو جب رات کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو بعض صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر مناسب ہو تو کچھ دیر قیام کرلیں، تاکہ کچھ دیر لوگ سوجائیں۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے یہ خوف ہے کہ سوتے میں کہیں تمھاری نماز نہ جاتی رہے۔ اس پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ سب لوگوں کو جگادوں گا۔ اس کے بعد سب لوگ سوگئے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ایک کجاوہ سے ذرا پشت لگالی۔ لیکن ان پر بھی نیند کا ایسا غلبہ ہُوا کہ آپ بیدار نہ رہ سکے اور ان کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ آخرکار سب سے پہلے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہُوئے، اس وقت آفتاب کا کنارہ نکل چکا تھا اور نمازِ فجر کا وقت ختم ہوچکا تھا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! تمھارا وعدہ کہاں گیا!

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا عرض کروں، مجھے تو ایسی نیند آگئی تھی کہ اس سے پہلے کبھی اس طرح کی نیند نہیں آئی۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا تمہاری روحوں کو بند رکھا اور جب چاہا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے بلال! اُٹھو اور نماز کے لیے اذان دو۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔ اور جب سُورج اُونچا ہوگیا اور دُھوپ پھیل گئی تو آپؐ نے وہ قضا نماز جماعت کے ساتھ ادا فرمائی۔ (بخاری ص۸۳ ج۱ وص۱۱۱۳ ج۲ و قسطلانی ص۵۱۳ ج۱)

○ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ خندق کے دن غروبِ آفتاب کے بعد سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کفّار کو بُرا بھلا کہتے ہُوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! سُورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے میرے لیے نمازِ عصر پڑھنی ممکن نہ تھی۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واللہ خود میں نے بھی تو عصر کی نماز نہیں پڑھی۔ سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم میدانِ بطحان کی طرف چلے گئے، وضو کیا، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غروبِ آفتاب کے بعد پہلے تو عصر کی نماز پڑھی اور پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ (بخاری ج ۱ ص ۸۳ و ۸۴)

○ یہ دو موقعے ایسے ہیں جن میں نماز کا وقت ختم ہونے کے بعد نماز پڑھی گئی۔ ایک موقع پر تو نیند کی وجہ سے نماز قضا ہُوئی، جبکہ دُوسرے موقع اس لیے نماز قضا ہوگئی کہ کفار سر پر چڑھ آئے تھے اور دفاع کے لیے خندق کھودتے کھودتے نمازِ عصر کا وقت جاتا رہا، یہ مجبوری تھی، اسے کوتاہی نہ سمجھیں۔ جیسا کہ:

○ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیس التفریط فی النوم انما التفریط فی الیقظۃ (مسند احمد ص۲۱۵ ج۱) کہ نیند کی حالت میں کوتاہی نہیں ہوتی، کیونکہ کوتاہی تو وہ ہوتی ہے جو جاگتے ہُوئے ہو۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ
تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۗ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

ثواب القبر حق
عذاب القبر حق

عقیدہ
عذاب قبر

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال: اصطلاحِ شرع میں قبر کسے کہتے ہیں۔ نیز سوال وجواب کس سے، کہاں اور کس وقت ہوتا ہے۔ اور اگر سوال وجواب عالمِ برزخ میں ہوتا ہے؟ تو ماہنامہ عارفین دسمبر ۱۹۹۳ء ص ۲۸ کی اس روایت کا مطلب کیا ہے جس میں حضرت عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما کو وصیت کی تھی کہ میری قبر پر اتنی دیر کھڑے رہنا تاکہ سوال وجواب میں آسانی ہو۔ (مہر ظفر اقبال لک ممتاز کوٹ، جہان آباد ضلع سرگودھا)

جواب: قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ کے مطالعہ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی ارواح عالمِ برزخ میں منتقل ہوجاتی ہیں، خواہ مرنے والا مسلمان ہو یا کافر۔ اس کا جسمِ خاکی چاہے شرعی طریقہ کے مطابق زمین میں قبر کھود کر دفن کردیا جائے یا ہندوؤں کی طرح جلا دیا جائے، یا اہلِ مصر و چین کی طرح حنوط لگاکر رکھ لیا جائے یا اسے کوئی درندہ کھا جائے، یا وہ پانی میں غرق ہوجائے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ حساب کتاب اور عذاب و ثواب جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اس کی روح سے ہوتا ہے، جو عالمِ برزخ میں ہوتی ہے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ومن وراءھم برزخ الی یوم یبعثون (۲۳: ۱۰۰) یعنی ان کے آگے ایک اٹکاؤ ہے، اس دن تک اسی اٹکاؤ میں رہیں گے جس دن زندہ کرکے یعنی جسدِ عنصری میں روح ڈال کر اٹھائے جائیں گے۔ اس برزخ میں رہنے کے دوران کفار پر عذاب ہوتا رہے گا اور مومن نیک نعمتوں میں رہیں گے۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے موضح قرآن میں اس مقام پر فرمایا: معلوم ہوا یہ جو لوگ کہتے ہیں آدمی مرکر پھر آتا ہے سب غلط ہے، قیامت کو اٹھیں گے، اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

قرآن مجید میں اس برزخ یا اٹکاؤ والی روحانی زندگی میں ہونے والے عذاب و ثواب کا ذکر بھی موجود ہے۔ مثلاً:

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرعون کے پیروکاروں کا حال بتلاتے ہوئے فرمایا:
اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا (۴۰:۴۶) کہ سمندر میں غرق ہونے
والے فرعونیوں کی حالت یہ ہے کہ انھیں ہر روز صبح و شام آگ کے
سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

○ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں جن کفار کو پانی کے طوفان میں غرق
کیا گیا تو فوراً ہی ان کی ارواح کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا گیا تھا
جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مِمَّا خَطِيْٓـئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا
نَارًا (۷۱:۲۵) یعنی گناہوں کی کثرت کے باعث ان کو پانی میں غرق کیا اور فوراً ہی
آگ میں جھونک دیا گیا۔ اسی طرح امرأتِ لوط و امرأتِ نوح کو فرمایا: اُدْخُلَا
النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ (۶۶:۱۰) کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔

○ یہ تو تھے عذابِ قبر کے نمونے، جبکہ انھیں کسی گڑھے میں دفن بھی نہیں کیا گیا
تھا، تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہی برزخی عذاب ہے جو رُوح کو ہوتا ہے
حالانکہ ان کفار کے اجسام تو پانی میں پڑے تھے لیکن ان کی ارواح جہنم میں
عذاب کی سختیاں اُٹھا رہی تھیں اور قیامت تک اسی حالت میں رہیں گی
تو جس طرح کافروں کو قیامت تک عذابِ قبر میں مُبتلا رکھا جائے گا
اسی طرح مومنین خصوصاً شہداء کو تنعیمِ قبر حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید
میں اس کا ذکر بھی آتا ہے۔ چنانچہ:

○ انطاکیہ کے ایک شہید کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قِيْلَ
ادْخُلِ الْجَنَّةَ (۳۶:۲۶) کہ آ مرنے سے میری جنت میں داخل ہو جا۔

○ اسی طرح شہیدوں کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ
بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. (۳:۱۶۹، ۱۷۰) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ
میں یعنی اسلام کا بول بالا کرنے اور کافروں کا زور توڑنے کے لیے لڑتے

ہوئے شہید ہوگئے ہیں' اُن کو مرا ہُوا تصوّر نہ کرو' یہ مُردے نہیں ہیں بلکہ اپنے رب کے ہاں عالمِ برزخ میں ایک مخصوص اعلیٰ حیات کے ساتھ جیتے جاگتے موجود ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ کے خوانِ کرم سے روزی ملتی ہے، وہ سدا خوش و خرم رہتے ہیں' اس چیز سے جو کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے دیتا ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کے اس اِرشاد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات شہیدوں کی ارواح سے متعلق ہے، ورنہ ان کا جسمِ خاکی تو کٹا ہُوا ہوتا ہے۔ اور اس مقام پر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ وہ خوش و خرم ہیں' کھاتے پیتے ہیں، تو یہ معاملہ رُوح کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ بلکہ اس دُنیا میں وہ اُڑ نہیں سکتے تھے جبکہ عالمِ برزخ میں اُڑتے پھریں گے، جیسا کہ پرندے ایک درخت سے اُڑ کر دُوسرے درخت پر چلے جاتے ہیں' جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارواحھم فی حواصل طیر خضر لھا قنادیل معلقۃ بالعرش تسرح من الجنۃ حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ و ۱۳۶ ومشکوٰۃ ص ۳۳ وترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱ وسنن ابن ماجہ ص ۲۰۶ ومسند حمیدی ج ۱ ص ۶۶ ومسند ابی داؤد الطیالسی ص ۳۸ ودرمنثور ص ۲۹۱) یعنی شہیدوں کی رُوحیں سبز پرندوں کی صورت میں رہتی ہیں' وہ جہاں چاہتی ہیں جنت کی سیر کرتی اور کھاتی پیتی ہیں' پھر عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

○ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ارواحِ شہداء جنت میں نہیں بلکہ جنت سے باہر ہی ہوتی ہیں' نیز سبز پرندوں کی طرح اُڑتی پھرتی ہیں اور عرش سے لٹکی ہُوئی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

○ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہُ اللہ تعالیٰ نے بھی جلالین ص ۶۰ و ۶۳ پر اس حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ پھر اس پر محشی صاوی ؒ نے تحریر فرمایا کہ یہ زندگی

حیاتِ دُنیویہ کی طرح نہیں بلکہ اس سے کہیں اعلیٰ ہے، کیونکہ ان کی ارواح جہاں چاہتی ہیں جنت میں چلتی پھرتی ہیں۔ اس جنت سے مُراد عالمِ برزخ کی مثالی جنت ہے۔

○ پھر صرف شہداء ہی نہیں بلکہ تمام مومنین کی برزخی حیاتِ رُوحانی اسی طرح ہوتی ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت علامہ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ المتوفی ۸۰۷ھ نے مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۲ ص ۳۲۹ میں حضرت حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ کی معجم کبیر اور مسند امام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا (انصاریہ یا اختِ علیؓ) کی روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مرنے کے بعد ہم ایک دُوسرے کی زیارت کریں گے؟ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تکون النسم طیرا تعلق بالشجر حتی اذا کان یوم القیٰمۃ دخلت کل نفس جسدھا۔ کہ ہاں! ارواح اڑتے ہُوئے پرندے ہوں گے جو درختوں سے فائدہ اُٹھائیں گے اور یہ سلسلہ برزخی زندگی میں جاری رہیگا یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام ارواح اپنے اپنے اجسام عنصری میں داخل ہوجائیں گی۔

○ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث معجم کبیر للطبرانی کے حوالے سے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد کے اسی صفحہ پر نقل فرمائی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ارواح المومنین فی طیر کالزرازیر یتعارفون منہا یرزقون من شجرۃ الجنۃ۔ کہ مومنین کی روحیں ایسے پرندوں کی صورت میں ہوتی ہیں کہ بڑی چڑیاں ہوں، وہ ایک دُوسرے کو پہچانتی ہیں اور جنت کے پھلوں میں سے انھیں روزی ملتی ہے۔

○ اسی طرح مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۹ و معجم کبیر للطبرانی ج ۲۵ ص ۱۰۵ و مؤطا

امام مالک ص ۸۴ و مسند حمیدی ج ۲ ص ۳۸۵ اور نسائی ج ۱ ص ۲۹۲ میں حضرت ام بشر اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما کی روایت نقل ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنین کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کی طرح اڑ اڑ کر جنت کے درختوں سے لٹکتی پھرتی ہیں۔

○ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارواح الشهداء فی طیر خضر ترعی فی ریاض الجنة ثم یکون ماواها الی قنادیل معلقة بالعرش۔

○ حضرت ابو العالیہ تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: هم احیاء (ای الشهداء) فی صور طیر خضر یطیرون فی الجنة حیث شاءوا ویاکلون من حیث شاءوا (درمنثور ج ۱ ص ۳۷۵)

○ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ (تابعی) فرماتے ہیں: ارواح الشهداء طیر بیض فقاقیع فی الجنة (درمنثور ج ۱ ص ۳۷۵)

○ حضرت قتادہ تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ارواح الشهداء فی صور طیر بیض تاکل من ثمار الجنة (درمنثور)

○ حضرت مفسر کلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ارواح الشهداء فی صور طیر بیض تاوی الی قنادیل معلقة تحت العرش (درمنثور)

○ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہمارے مقتول جنت میں اور کفار کے مقتول جہنم میں نہیں ہیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور کفار کے مقتول جہنم میں ہیں۔ دیکھیے بخاری ج ۱ ص ۳۹۵۔

○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُحد کے روز کسی نے حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں قتل ہو گیا تو کہاں رہوں گا؟ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو برزخی جنت میں رہے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۴۲)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اس وقت جنت کی نہروں میں تیرتے اور غوطے لگاتے پھر رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱۶)

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حارثہ بن سراقہ شہید رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ربیع بنت براء رضی اللہ عنہا نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے حارثہ کے متعلق بتلائیے کہ وہ کہاں ہے؟...... تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کئی باغ ہیں اور تمہارا بیٹا (عالم برزخ کی مثالی) فردوس اعلیٰ میں پہنچ چکا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳۱)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعم نامی ایک غلام مرگیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو بڑا خوش قسمت ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ غنیمت کے مال میں سے کپڑا چوری کرنے کے باعث اس پر دوزخ کی آگ شعلے برسا رہی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۴۹)

○ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یوم خیبر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ فلاں شخص شہید ہے تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، میں نے تو اسے ایک چادر کی وجہ سے دوزخ میں دیکھا ہے جو اس نے غنیمت کے مال میں سے چرالی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۳۵۲)

○ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کرکرہ نامی ایک شخص کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۴۹)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۰)

○ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ فوت ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ ابراہیم کو جنت میں دُودھ پلانے والی دائی موجود ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۸)

○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے سامنے دوزخ کی آگ لائی گئی تو میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جسے بلی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا، اس نے بلی کو باندھ دیا تھا، پھر نہ تو اسے کھانے کو دیتی تھی اور نہ ہی چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھالے، یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی۔

○ نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو بھی (اس برزخی) آگ میں دیکھا جو دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔ اور وہ پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم جاری کی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۶ باب البکاء والخوف)

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واللہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو جنت (برزخیہ) میں سیر کر رہا ہے۔ اس نے راستے میں لگے ہوئے ایک درخت کو کاٹا تھا، تاکہ مسافروں کو تکلیف نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۸)

○ حضرت حسناء بنت معاویۃ الصریمیہ رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں کہ میرے چچا (حضرت ابورافع اسلم بن سلم قبطی رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وفات کے بعد جنت میں کون رہتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ نبیؑ، شہید، نومولود اور زندہ درگور (د۔ ص ۳۳۵)

○ معلوم ہُوا کہ جو انسان اس دُنیائے فانی سے اِنتقال کر جاتا ہے اس کی رُوح اس جسدِ عنصری کی طرف قیامت سے پہلے پہلے واپس نہیں آتی، سوائے چند مستثنیات کے۔ مثلاً:

○ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے دَور میں جو ستّر آدمی طور پر فوت ہو گئے تھے، پھر ان کے اِن اجسادِ عنصریہ کی طرف ان کی ارواح کو لوٹا کر دوبارہ زندہ کیا گیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (۲ : ۵۶)

○ اِسی طرح جس مقتول کو بنو اسرائیل نے قتل کر دیا تھا، پھر آپس میں اِختلاف کرنے لگے تو اللّٰہ تعالیٰ نے اس مقتول کے بعض حصّے کو بعض پر مارنے سے اس کو زندہ کر دیا تھا تاکہ وہ اپنے قاتل کی نشان دہی کر سکے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى (۲: ۷۳)

○ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو اللّٰہ تعالیٰ نے پُورے ایک سو سال تک مُردہ رکھ کر زندہ فرمایا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں: فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (۲: ۲۵۹)

○ اِنسان کی رُوح ابدانِ خاکی عنصری سے اِنتقال و اخراج کے بعد عالمِ برزخ کی مثالی جنت یا دوزخ میں رہتی ہے۔ کیونکہ حضرت رسول اللّٰہ ﷺ کے ارشادات سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ نیک لوگوں کی ارواح علّیین میں اور بد اعمال لوگوں کی ارواح سجّین میں رہتی ہیں۔ اور تمام صحابۂ کرامؓ اور دیگر سلف صالحینؒ کا اسی پر اجماع ہے۔ جیسا کہ:

○ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللّٰہ عنہا نے حضرت نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر فرمایا: جنة الفردوس ماواہ (مشکوٰۃ ص ۵۴۷) یعنی حضرت نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ٹھکانا جنت الفردوس ہے۔

○ حضرت عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ سے کسی نے پُوچھا کہ قبضِ رُوح کے بعد حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اب کہاں ہیں؟ تو اس کے جواب

ہیں انھوں نے فرمایا کہ جنت میں۔ (شرح الصدور ص ۹۸)

○ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جب حجاج بن یوسف نے سُولی پر قتل کر دیا تو ان کی والدہ ماجدہ سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما غمزدہ ہوئیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ماں جی آپ مغموم نہ ہوں، کیونکہ ارواح تو اللہ تعالیٰ کے ہاں آسمان میں ہیں، اور یہ مصلوب تو محض ایک بے جان لاش ہے۔ (شرح الصدور ص ۹۳)

○ حضرت امیر المؤمنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومنین کی ارواح عرش کے زیرِ سایہ سفید پرندوں کی صورت میں رہتی ہیں اور کفار کی رُوحیں زمین کے نیچے (سجّین) میں۔ (شرح الصدور ص ۹۳)

○ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کی رُوح جسم سے الگ ہوجائے اور وہ تکبّر، حرام خوری اور قرض وغیرہ سے بری ہو تو سیدھا جنّت میں داخل ہوجاتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۹۳)

○ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومنین کی ارواح جبریلؑ کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ (شرح الصدور)

○ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہید سبز پرندوں کی طرح عرش کے نیچے قندیلوں میں رہتے ہیں اور (برزخی) جنت کے باغات میں جہاں چاہیں سیر کرتے ہیں۔ (شرح الصدور)

○ حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (برزخی) جنت کے کھلے میدان میں باغات ہیں، جن میں گنبدوں والی کوٹھیاں ہیں اور ان میں شہید رہتے ہیں۔ (شرح الصدور)

○ حضرت مِسْوَر بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے بے ہوشی سے افاقہ ہوجانے کے بعد کلمۂ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رفیق اعلیٰ میں ہیں، اور عبدالملک و حجاج بن یوسف دوزخ میں آنتیں گھسیٹ رہے ہیں۔

- حضرت امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اپنے اشعار میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) اے قوم کفار! اب اگر تم سرکشی کرو اور ہمارے مقابلہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے فخر کرو تو یہ تمہارا فخر بے جا ہے۔ کیونکہ اس سے کچھ نقصان نہیں ہوا، الٹا فائدہ ہی ہوا ہے کیونکہ وہ تو جنت کے عالی شان بالا خانوں میں پہنچ چکے ہیں۔
- حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہدیۂ سلام پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (ترجمہ) آپ کو اس جنت میں اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے جس میں آپ کو لازوال دولت و نعمت پہلے ہی سے حاصل ہے۔
- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں کفار کو للکارتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: (ترجمہ) اے کافرو! کیا تم ان شہیدوں کے قتل ہونے پر فخر کرتے ہو، جن پر صاحب انعامات کثیرہ یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف سے بہت سے انعامات نازل ہوتے ہیں اور اب وہ جنت میں رہائش پذیر و مقیم ہو چکے ہیں۔ اور تمہارے لیے اس قسم کے شیر چھوڑ گئے ہیں جو اپنے بچوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں۔
- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ضرار بن الخطاب کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: (ترجمہ) اے کفار! اگر تم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی حماقت اور بے وقوفی کی وجہ سے قتل بھی کر دو، تو اس سے ان کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس چیز پر بہت اچھی طرح قدرت رکھتے ہیں کہ وہ ان کو پاکیزہ جنت میں داخل فرما دیں جو نیک لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔
- اسی طرح دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اشعار میں یہی واضح کیا ہے کہ شہداء قبض رُوح کے بعد جنت میں چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ:

○ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا اپنے بھائی سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر تعزیتی اشعار میں فرماتی ہیں (ترجمہ) کہ کسی واقف کار نے بتلایا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر بلکہ بہترین وزیر حضرت حمزہؓ کا انتقال ہوگیا ہے ان کو سچے اور برحق معبود، مالکِ عرش نے جنت اور دائمی فرحت و سرور کی طرف بلا لیا ہے جس میں وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے (ابن ہشام ص۲۰۳)

○ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کفار کے جواب میں یہ اشعار پڑھ کر شہداء کے بارے اپنے عقیدے کا اظہار اس طرح فرمایا: (ترجمہ) اے کفار تم ہمارے شہداء اور ان میں سے خصوصاً ایک جلیل القدر شہید حضرت حمزہؓ کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں جان دے دی۔ کیونکہ ان کا مقام جنت الخلد ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف جنت میں داخلے کا حکم ہوچکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جن معاملات کا فیصلہ کرتا ہے اس کا حکم بڑی تیزی سے نافذ ہوتا ہے، اور اس حکم پر فوری طور پر عملدرآمد شروع ہوجاتا ہے۔ اس لیے میرا ایمان ہے کہ ان کو ضرور جنت مل چکی ہے اور اے ابن زبعری! تمھارے مقتول تو دوزخ میں پڑے ہیں، جہاں ان کے کھانے کو جھاڑ کانٹے اور کھولتا ہوا گرم پانی ہے۔

○ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا: (ترجمہ) مجھے رقتِ شوق نے بھائیوں اور ان شہداء کی یاد دلائی جن کے ضمن میں طفیلؓ، رافعؓ اور سعدؓ بھی چل دیے اور جنت میں جا بسے ہیں۔ ان کے مکانات ان سے خالی اور زمین ان سے ویران ہوگئی ہے۔

(شعری کلام کے لیے دیکھیے ندائے حق جلد اول جز اول ص ۶۲۹ تا ۶۲۸)

- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ برزخی زمین میں روح جہاں چاہتی چلتی پھرتی ہے۔ (فتح الربانی ص ۹۳)
- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن کی اولاد جنت کے پہاڑ میں رہتی ہے، جن کی پرورش حضرت ابراہیم اور حضرت سارا علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن اپنے اپنے (نیک) باپوں کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔ (معجم کبیر طبرانی)
- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ شہداء کی رُوحیں اڑنے والے پرندوں کی صورت میں ہوتی ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳۰)
- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (وفات کے بعد) شہداء کی ارواح دُوسرے (مثالی) جسم میں جڑ جاتی ہیں۔ (شرح الصدور ص ۹۷)
- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلمیذ رشید حضرت وہب بن مُنبّہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کے جسم عنصری کے اندر سے جو رُوح نکلتی ہے وہ انسان کے جسم عنصری کے اجزا کے اندازے پر ہوتی ہے۔ اور یہ جسم عنصری تو انسان (رُوح) کے لیے ایک قمیص کی طرح ہوتا ہے جس کو انسان اپنے جسم سے اُتار کر پھینک دیتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۵)
- حضرت ضمرۃ بن حبیب تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مُرسلاً مروی ہے کہ مومنین کی ارواح (اپنے ابدانِ خاکی سے نکلنے کے بعد) سبز رنگ کے اُڑنے والے قالبوں میں رہ کر جنت میں گھومتی پھرتی ہیں۔ جبکہ کافروں کی ارواح (عالم برزخ میں کافروں کی روحوں کے قید خانہ) سجّین میں محبوس رہتی ہیں۔ (کتاب الروح ص ۱۵۹، الحاوی للفتاوی ص ۳۶۲)
- حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگردِ رشید حضرت امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شہید کے لیے

اللہ تعالیٰ حسین سے حسین تر جسم مثالی مہیا فرماتے ہیں اور شہید کی رُوح کو اس جسم میں داخل ہونے کا حکم فرماتے ہیں۔ پھر شہید کی رُوح اس نئے جسم مثالی میں داخل ہونے کے بعد اپنے عالمِ دُنیا والے اُس جسم عنصری کو اپنے تصوّر میں لاتا ہے (جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ اور) جس سے نکل کر آیا ہے۔ (حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۹۴)

○ حضرت امام ابنِ قیّم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: رُوح کے چار مکان ہیں:

○ پہلا مکان: ماں کا پیٹ یا رحم مادر۔

○ دُوسرا مکان: عالمِ دُنیا۔

○ تیسرا مکان: عالمِ برزخ۔ جہاں موت کے بعد سے قیامت تک رہنا ہوگا۔ اور یہ مکان دُنیا سے اتنا ہی بڑا ہے جتنی کہ یہ دُنیا ماں کے پیٹ سے بڑی ہے۔

○ چوتھا مکان: آخرت، یعنی جنت یا جہنم۔

(شرح الصدور ص ۳۴)

○ حضرت شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کو ظاہری طور پر نظر آنے والے ان ابدانِ محسوسہ سے جُدا ہونے کے بعد ان کی رُوحیں دُوسرے مثالی ابدان کے ساتھ جا ملتی ہیں، جو ان کے لائق اور اعمال کے مناسب ان کو نصیب ہوں گے۔ (رُوح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲۸)

○ حضرت امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی شارح مشکوٰۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان ابدانِ عنصریہ سے اخراجِ رُوح کے بعد اللہ تعالیٰ انہی ابدانِ عنصریہ کی ہیئت پر دُوسرے مثالی ڈھانچے پیدا فرما دیتا ہے۔ اب ان مثالی ڈھانچوں کے ساتھ ان ارواح کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور وہ مثالی بدن اجسامِ عنصریہ کے قائم مقام ہوتے ہیں تو ان مثالی اجسام کے ذریعے حسّی لذتیں پاتے رہتے ہیں۔ (تفسیر قاسمی ج ۲ ص ۳۲۳)

○ حضرت امام ابن دحیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب التنویر کے حوالے سے حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ شہید کی رُوح جو پہلے اس دُنیا میں اپنے جسدِ عنصری کے اندر موجود تھی، اب شہادت حاصل کرنے کے بعد ایک دُوسرے برزخی و مثالی جسم میں داخل کردی جاتی ہے، جو اُڑنے والے پرندے کی طرح معلوم ہوتا ہے، پھر یہ رُوح اس دُوسرے برزخی جسم میں اس طرح رہتی ہے جس طرح (عالمِ دُنیا کے) اس جسم عنصری میں رہتی تھی۔ اور یہ اس دُوسرے جسم میں رُوح کا رہنا برزخ کی مدت میں ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس رُوح کو اس دُنیا والے جسم عنصری میں لوٹائے گا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے پیدا فرمایا تھا۔ (شرح الصدور ص ۹۷)

○ حضرت امام عبدالرزاق اور حضرت امام ابن حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ عالمِ برزخ میں اُڑنے والے یہ قالب در اصل ان لوگوں کے اعمالِ صالحہ ہی ہوتے ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ان کی ارواح کے لیے مجسم فرمادیتا ہے۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۶۵ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱)

○ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب العقیدۃ الطحاویہ کی شرح میں ہے کہ یہ یقین جانیئے کہ عذابِ قبر عذابِ برزخ ہی کا نام ہے، سو جو بھی عذاب کا اہل مرجائے اسے اس عذاب میں سے اس کا حصہ ملتا ہے خواہ اسے گڑھے میں گاڑا جائے یا نہ گاڑا جائے۔ خواہ اس کو درندے کھاجائیں یا جل کر راکھ ہوجائے یا اسے ہوا میں اڑادیا جائے یا اسے سولی چڑھا دیا جائے یا سمندر میں غرق ہوجائے حاصل یہ ہے کہ رُوحِ انسان کے لیے تین گھر ہوتے ہیں: ○ ایک دُنیا

○ دُوسرا برزخ ○ تیسرا سدا رہنے کی جگہ۔ یعنی جنت یا دوزخ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر گھر کے لیے علیحدہ علیحدہ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۳۰ و ۳۳۱۔

○ تفسیر معالم التنزیل پ ۹ ص ۲۰۳ و تفسیر خازن ص ۵۱۱ میں اس طرح ہے کہ جب مومن بندے کی رُوح قبض کرنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس فرشتوں کو روانہ فرماتے ہیں جن کے پاس تحفے ہوتے ہیں اور وہ کہتے ہیں یا ایتہا النفس المطمئنۃ (الآیہ) اور رُوح نکالتے وقت مشک جیسی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ اور فرشتے آسمان کے کنارے پر کھڑے ہوکر دُعا فرماتے ہیں۔ تمام آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک فرشتہ دعا کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ رُوحِ مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ سجدہ ریز ہوجاتی ہے۔ پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ اس رُوح کو مومنین کی رُوحوں کے رہنے والی جگہ میں پہنچادو۔ پھر اس رُوح پر قبر وسیع کردی جاتی ہے، ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبی۔

○ حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسند احمد میں حدیث ہے جس میں ہر مومن کے لیے بشارت ہے کہ اس کی رُوح جنت میں سیر کرتی ہے اور جنت کے میوے کھاتی ہے اور عجائبات دیکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ اس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ اور یہی مسلک اہل السنت والجماعت کا ہے۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۲)

○ حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شہداء کی ارواح یعنی جانیں جن کے ذریعے سمجھ بوجھ، ادراک اور تمیز حاصل ہوتی ہے وہ سبز پرندوں کی طرح جنت کی نعمتوں میں رہتی ہیں، اس ذریعے سے ان شہداء

کی روحوں یعنی جانوں کو لذت محسوس ہوتی ہے۔ (اکلیل ج ۴ ص ۸۲)

○ حضرت علامہ ابوالحکم بن مرجان رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں شہیدوں کے لیے رَبِّ تعالیٰ کے ہاں اُن کی وہ برزخی زندگی بہ نسبت دنیوی زندگی کے کامل ہوتی ہے۔ دنیوی اجسام کے خبث اور ظلمات سے چھوٹ جاتی ہے...... لیکن حیاتِ تام بعث ہی کے دن ہوگی، جس دن کہ ان ارواح کا وجود پھر سے ان عنصری اجسام میں ہو جائے گا۔ (اکلیل ج ۴ ص ۸۴)

○ حضرت امام علی بن سُلطان محمد القاری المعروف بہ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ جتنی مُدت برزخ میں رہنے کی ہے اتنی مُدت میں ان ارواح کی خاطر اُن کے اِن کثیف عنصری اجساد کے بدلے لطیف قسم کے خالی ابدان جوڑ دیے جاتے ہیں تاکہ یہ رُوح اِن ابدانِ لطیفہ کے ذریعے کھانے پینے وغیرہ حتیٰ لذتوں کے ساتھ متمتع اور محظوظ ہوں اور یہ اس لیے ہوتا ہے تاکہ نعیم وغیرہ علی وجہ الاکمل ہو۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۳۱)

○ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان عنصری جسموں میں سے ارواح کو کھینچ کر نکالتے ہیں تو ان ارواح کو دوسرے جسمانی ڈھانچوں میں امانتاً رکھ چھوڑتے ہیں، جو اس نوری قرن میں جمع ہیں؛ پس مرنے کے بعد اس عالمِ برزخ میں جن جن امور کا انسان ادراک کرتا ہے تو وہ اسی صُورت کی آنکھ وغیرہ کے نور کے ساتھ ادراک کرتا ہے جو اس نوری قرن میں ہے، تو اس طرح اس اِنسان کو حقیقی ادراک بھی ہوتا ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۲۸)

○ حضرت امام ابوالمعین میمون بن محمد نسفی الحنفی (متوفیٰ ۵۰۸ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ ارواح چار قسم کی ہوتی ہیں:

① انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح، جو اپنے اس جسدِ عنصری سے نکل کر اپنی برزخی صورتوں میں مشک و کافور سے معطر ہوتی ہیں، اور جنت میں

کھاتی پیتی اور مزے کرتی ہیں۔ اور رات کو عرش کے نیچے معلق قندیلوں کی طرف آکر بسیرا کرتی ہیں۔

② شہداء کی ارواح، جو اپنے اِن دُنیوی اجسادِ عنصریہ سے نکلنے کے بعد سبز پرندوں کی صُورت میں رہ کر جنت میں کھاتی پیتی اور مزے کرتی ہیں۔ اور رات کو عرش کے نیچے معلق قندیلوں کی طرف آکر بسیرا کرتی ہیں۔

③ مطیع مومنین کی ارواح، جو جنت کے باغات میں رہ کر انتظار کررہی ہیں، کھاتی پیتی نہیں (انھیں کھانے پینے کی حاجت ہی نہیں ہوتی) البتہ وہ جنت میں اُڑتی پھرتی (اور خوش و خرم رہتی) ہیں۔

④ کُفار کی ارواح، جو سجین میں رہتی ہیں (بحر الکلام ص ۸۶)

○ فضیلۃ الشیخ الاستاذ عبدالرحمٰن الوکیل الرئیس العام لجامعۃ الانصار المحمدیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد صادق رحمہ اللہ ساکن قاہرہ مصر کی کتاب الصراع بین الحق والباطل طبع کرائی، جس کے ص ۶۲ و ۶۳ پر ہے کہ: ولی ہو یا غیر ولی قبر میں سب کی حیات دنیوی زندگی کے مغایر ہے..... وہ حیات غیبی برزخی ہے، جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ وحدہٗ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

○ حضرت علامہ سید آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں ہر مرنے والے کو حیات ملتی ہے خواہ شہید ہو یا کوئی اور۔ نیز روحیں جواہر قائم بذاتِ خود ہیں، ان ابدان سے مغایر ہیں جو ظاہرہ محسوس ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی اس بات سے کوئی امر مانع نہیں کہ ان ارواح کا تعلق کسی برزخی بدن کے ساتھ ہو جو اس کثیف بدن سے مغایر ہو۔ (رُوح المعانی ج ۲ ص ۲۱)

○ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوبات ج ۲ ص ۱۱۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ کفار کے ارواح سجین میں ہیں، نیز آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ مومنین کی روحیں جنت میں اللہ تعالیٰ کا انعام حاصل کررہی ہیں ان ارواح کا تعلق ابدانِ دنیویہ سے نہیں ہے۔

○ حضرت علامہ شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الرومی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت نقل فرما کر بطور خلاصہ حاشیہ تفسیر بیضاوی میں ولکن لا تشعرون (الآیۃ) کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ حضرت حسن بصریؒ کی روایت کا یہ ہے کہ اس بات میں تو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں اور یہ بات بالکل بدیہی اور واضح ہے کہ (شہیدوں کی زندگی) اس عنصری جسم کے ساتھ تو ہرگز نہیں ہے، کیونکہ ظاہری طور پر محسوس ہونے والا یہ جسم تو معدوم، لاشئے اور نیست و نابود ہو چکا ہے۔ اس لیے لازمی امر ہے کہ ان شہداء کی زندگی کسی اور طرح کی ہو جو روحانی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ولکن لا تشعرون فرمایا۔ کیونکہ دُنیا کے رہنے والوں کو تو اسی حیات کا شعور ہو سکتا ہے جو اس عنصری و حسّی جسم کے ساتھ ہو۔ اور یہ جو شہداء کی حیات ہے وہ اس عنصری و حسّی جسم کے ساتھ نہیں ہے بلکہ شہداء کی حیات معنوی و رُوحانی ہے۔ کیونکہ اگر انسان دُنیا میں نیکی کرتا رہا ہے تو (عالمِ قبر میں) قیامت تک اس کی رُوح آسودگی وعیش و فرحت میں رہے گی۔ اور اگر انسان دُنیا میں بُرے کام کرتا رہا تو (عالمِ قبر میں) قیامت تک اس کی رُوح دُکھ اُٹھاتی اور مار کھاتی رہے گی۔ اور صحابۂ کرامؓ، تابعین اور تمام محدثینِ عظام کا یہی مذہب ہے۔

○ حضرت مفسر بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روحیں ایسی ذات ہیں جو بذاتِ خود قائم ہیں اپنے ہونے میں کسی جسم وغیرہ کی محتاج نہیں اور جسم سے جُدا ہونے کے بعد بھی باقاعدہ علم و فہم اور ادراک سے متصف رہتی ہیں۔ اور جمہور صحابہؓ و تابعینؒ اسی مذہب پر ہیں اور آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبویہ بھی یہی کہتی ہیں۔

○ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبر سے مراد عالمِ برزخ ہے جو دُنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ ہے، اور اس کا تعلق ان دونوں مقاموں سے ہے۔ اور قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں ہے جس میں مُردے کو دفن کرتے ہیں۔ کیونکہ کئی مُردے ایسے ہوتے ہیں جو پانی میں غرق ہوجاتے ہیں اور کئی آگ میں جلادیے جاتے ہیں، اور کئی جانوروں کے پیٹ تحلیل ہوجاتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۲ و ۱۱۴)

○ نیز آپ نے فرمایا: اہلِ سُنّت و جماعت کے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ عذابِ قبر حق ہے۔ اور یہاں قبر سے مراد عالمِ برزخ ہے، جو دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ (تکمیل الایمان ص ۱۵)

○ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الخیر الکثیر کے خزانۂ تاسعہ ص ۱۵۸ میں احکام نشأۃ المعاد کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا ہے کہ عالمِ آخرت کی چار منزلیں ہیں، ان میں سے پہلی منزل عالمِ برزخ ہے، جس کا نام حضرت رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے قبر رکھا ہے۔

○ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۱۳۳ میں فرماتے ہیں کہ عذاب روح کو ملتا ہے بدن کو نہیں۔

○ نیز تحفہ اثنا عشریہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد بدن کے ساتھ رُوح کا تعلق منقطع ہوجاتا ہے۔

○ نیز فرمایا: برزخ میں رُوح کا اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ تعلق ایسا ہوتا ہے جس طرح ایک عاشق کا تعلق اپنے معشوق سے ہُوا کرتا ہے اور یا اس طرح سمجھیں کہ جس طرح کسی مالک کا تعلق اپنے مملوک کے ساتھ، یا گھر والے کا تعلق (پردیس میں) اپنے گھر کے ساتھ ہوتا ہے۔

○ نیز فرمایا: وفات کے بعد اس رُوح کا بدنِ حقیقی بدنِ ہوائی ہے اور عالمِ مثال میں روح کا تعلق اسی سے ہوتا ہے۔ (دیکھیے ص ۲۵۱، ۲۳۸ و ۳۰۶)

○ حضرت مفسر عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عقائد الاسلام ص ۱۶۰ و ۱۶۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر کے وسیع و تنگ ہونے سے ہماری مراد یہ نہیں کہ یہ گڑھا کہ جس میں جسم (خاکی) کو چھپایا ہے وہ وسیع و تنگ ہوتا ہے، بلکہ اُس عالم (یعنی برزخ) میں رُوح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے، اور اصلی قبر اس کی وہی ہے۔ ہاں عرفِ عام میں (ہاتھوں سے کھودے ہُوئے) اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں۔

○ حضرت مولانا نجم الغنی رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تہذیب العقائد ص ۴۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ قبر سے مراد یہاں مدفن نہیں ہے، تاکہ یہ کیفیت شامل ہو ان لوگوں کی نسبت بھی جو دریا میں ڈوب گئے ہیں، یا آگ میں جل کر مرگئے ہیں یا کسی جانور نے ان کو کھا لیا ہے۔

○ نیز ص ۴۱ میں تحریر فرمایا کہ سجین اور علیین کو عالم قبر کہتے ہیں۔

○ حضرت مولانا عبدالرحمن سلہٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے احسن العقیدہ لاہل السنۃ والجماعۃ ص ۲۱ میں تحریر فرمایا کہ: اعتقاد رکھنا چاہیے کہ عذاب قبر کا برحق ہے اور اس سے مراد عذاب عالم برزخ کا ہے کہ واسطہ ہے درمیان دنیا اور آخرت کے۔ گنہگار مومن اس عالم برزخ میں محنت اور عذاب میں رہیں گے اور نیک کار مومن ناز و نعمت میں اسی طرح پر کہ خواہش اور مرضی اس خالق حقیقی کی ہوگی۔

○ حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نبراس ص ۳۲۹ میں تحریر فرمایا کہ عذاب صرف رُوح کو ہوتا ہے۔

○ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیضاوی ص ۲۰۱ کے حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ: ولکن لا تشعرون میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اس جسدِ عنصری کے ساتھ حیات نہیں اور نہ حیوانی حیات کی جنس سے

○ قرآن مجید کی آیاتِ بینات، احادیثِ نبویہؐ، اقوالِ صحابہؓ و تابعینؒ اور علماء و ائمۂ تفسیر و محدثین عظام کے ارشادات سے یہ بات تو بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اس جسدِ عنصری سے جب انسان کی رُوح نکل جاتی ہے تو یہ جسدِ خاکی انسانِ حقیقی سے خالی ہوکر محض ایک بے جان لاش رہ جاتا ہے۔ اور رُوح جو اصل و حقیقی انسان ہے عالمِ برزخ میں چلی جاتی ہے۔ پھر نیک انسان برزخی جنت میں تا قیامت عیش و فرحت کے ساتھ رہنا شروع کرتا ہے اور بُرا انسان برزخی دوزخ میں قیامت تک کے لیے قید کردیا جاتا ہے۔ پھر جنت میں پہنچنے والی روحیں اپنے اپنے مقام و مرتبہ اور اعمال کے مناسب برزخی و مثالی اجسام و ابدان کی صورت پاکر اُڑنے والے پرندوں کی طرح شکل اختیار کرلیتی ہیں اور پھر حسبِ مراتب ان کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یعنی شہداء سبز رنگ اور عام مومنین سفید رنگ میں، نیز شہدا تو جنت میں جہاں چاہیں چُگتے پھریں، اور عام مومنین اسی برزخی جنت میں اتنے مگن اور عیش و نشاط کی زندگی گزارتے ہیں کہ انھیں کھانے کی خواہش تک نہیں ہوتی۔ عالمِ برزخ کے اس حصے کو علّیّین اور برزخی یا مثالی جنت بھی کہا جاتا ہے جو کہ ساتوں آسمانوں سے اُوپر جنّتِ حقیقی کے نواح میں واقع ہے۔

○ اس عالمِ مثال میں شہید اپنے مثالی برزخی جسم میں داخل ہونے کے بعد اپنے دُنیوی جسدِ خاکی کے بارے میں سوچتا ہے۔ اور یہ خواہش بھی کرتا ہے کہ اے کاش! کبھی مجھے دوبارہ دُنیا کے اُسی جسدِ خاکی میں لوٹا دیا جائے، خواہ چند ساعت کے لیے سہی؛ بس اُس جسدِ خاکی میں جاتے ہی دس بیس کفار کو قتل کردوں، اور بالآخر ایک بار پھر جامِ شہادت پی کر اس عالمِ برزخ میں آؤں، بلکہ

بار بار اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دیتے رہنے کی تمنا کرتا رہتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ قیامت کے نفخۂ ثانیہ سے پہلے ارواحِ انسان کو عالمِ برزخ کے مثالی جسم سے نکال کر دوبارہ دُنیا کے جسدِ خاکی میں واپس نہیں بھیجتا۔ اس لیے انسان کی رُوح قیامت تک عالمِ برزخ میں خوش و خرم رہتی ہے اور ایک لمحے کے لیے بھی اس دُنیوی عنصری جسم میں لوٹ کر واپس نہیں آتی۔

○ اسی طرح کفار و مشرکین اور بدکار لوگوں کو ان کے ابدانِ خاکی سے نکالنے کے بعد کالے رنگ کے پرندوں کی سی بُری صورت دے کر عالمِ برزخ کے آتش بار اور اندھیرے سے ڈھکے ہُوئے خوفناک حصّے میں قید کر دیا جاتا ہے۔ عالمِ برزخ کے اس حصّے کو سجین اور برزخی یا مثالی دوزخ بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں پر کفّار اور گناہ گار لوگ اپنے اپنے اعمالِ بد کے موافق قیامت تک سزا پاتے رہیں گے اور ایک لمحے کے لیے بھی عالمِ برزخ کے اُس خوفناک جسم سے نکل کر اس دُنیوی جسمِ خاکی میں نہیں آسکتے، اس لیے کہ انھیں زنجیروں میں جکڑ کر آتش بار اور اندھیرے قیدخانہ میں محبوس کر دیا جاتا ہے جو کہ حقیقی دوزخ کے نواح میں واقع ہے۔

○ بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اصل و حقیقی جنت اور دوزخ کے درمیان جیسا کہ اعراف نامی ایک مقام ہے، تو عالمِ برزخ میں بھی مثالی اعراف موجود ہے، جہاں گنہگار مومنین کی ارواح امید و یاس کی کشمکش میں مبتلا رہیں گی۔

○ اس طرح گویا عالمِ برزخ کے تنعیم و تعذیب کے حوالے سے تین حصّے ہُوئے۔ تو اب عالمِ برزخ کے ان تینوں حصّوں یعنی علّیین، سجین اور اعراف میں اپنے اپنے اعمال کے موافق جزاو سزا

پانے والے تینوں قسم کے اِنسان یعنی مومن و کافر اور گنہگار مومنین قیامت کے نفخۂ ثانیہ کے بعد دوبارہ اپنے اُنہی پہلے دُنیوی عنصری اجسادِ خاکی میں عود کر آئیں گے جن میں وہ کبھی اس زمین پر حیاتِ دنیویہ کے دور میں رہا کرتے تھے۔ خواہ کسی کا وہ دُنیوی جسم خاکی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس وقت تک محفوظ اور صحیح سلامت رہا ہو جیسے انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسادِ مبارکہ۔ اور چاہے انسان کا وہ جسم خاکی مرورِ زمانہ کے باعث گل سڑ کر یا آگ میں جل کر خاک ہو چکا ہو۔

○ بہرحال تمام اہل السنّت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصطلاحِ شرع میں عالمِ برزخ کو قبر بھی کہتے ہیں اور اسے عالمِ قبر سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اور انسان حقیقی کو جسدِ خاکی سے نکلنے کے بعد اسی برزخی قبر میں اپنے اپنے اعمال کے موافق برزخی تعذیب و تنعیم یا عذاب و ثواب ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کا انکار کفر ہے۔

○ نیز قرآن مجید کی آیات بینات اور ارشاداتِ نبویہ کی روشنی میں اہل السنّت والجماعت کے تمام علماء متقدمین و متاخرین اس مسئلہ میں متحد القسان و یک زبان ہیں کہ جب عذاب و ثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو تو اس سے مراد عالمِ برزخ ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض محدثین و مفسرین کے ارشادات تو گزشتہ اوراق میں آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں، لیکن تمام علماء کے اقوال و ارشادات کو احاطۂ تحریر میں لانا باعثِ طوالت ہوگا اس لیے بطورِ اختصار اب صرف علماء متاخرین خصوصاً پاک و ہند کے چند نامور علماء کرام کے ارشاداتِ عالیہ کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ؎

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

- حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی درسی کتاب مالابدمنہ ص ۱۲ میں فرمایا کہ قبر سے مراد عالمِ برزخ ہے۔
- نیز فرمایا: انبیاء و شہداء کے ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں (تذکرۃ الموتیٰ والقبور ص ۳)
- حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی و مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ رشید حضرت نواب قطب الدین محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ: مُراد قبر سے عالمِ برزخ ہے، کہ وہ واسطہ ہے درمیان دنیا و آخرت کے۔
- نیز آپ نے یہ بھی لکھا کہ کچھ معنیٰ قبر کا گڑھا ہی نہیں ہے۔
- حضرت مولانا محمد حسن سنبھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نظم الفرائد حاشیہ شرح العقائد النسفیہ ص ۱۷۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر سے مراد گڑھا نہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالمِ برزخ ہے۔
- حضرت مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نورالصدور ص ۱۰۰ میں تحریر فرمایا کہ "علماء نے فرمایا ہے کہ عذاب برزخ کو عذاب قبر کہتے ہیں۔ اور برزخ کہتے ہیں دنیا و آخرت کے درمیانی مدت کو۔ یعنی میت نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں بلکہ عالمِ برزخ میں ہے اور جس میت کو اللہ تعالیٰ عذاب کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کو اسی عالمِ برزخ میں عذاب کرتا ہے"۔ اور نورالصدور ص ۱۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں:
- جاننا چاہیے کہ عالمِ دُنیا و آخرت کے درمیان ایک عالم ہے، اس کا نام برزخ ہے۔ یہی عالم ارواح کے رہنے کی جگہ ہے۔ برزخ دنیا سے بڑا اور آخرت سے بہت چھوٹا ہے۔ اس کے درجے اور طبقے بہت ہیں۔ اور اعمال کے موافق ارواح کے بھی مختلف درجے ہیں، اور یہ ارواح اپنے اپنے اعمال کے موافق (قیامت قائم ہونے تک) ان درجوں میں رہیں گی۔

- حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "بعدِ مرگ جسدِ مُردہ من جملہ جمادات ہو جاتا ہے"۔ (آبِ حیات ص ۴۰)
- نیز فرماتے ہیں کہ "بعد موت نہ ارواحِ شہدا کو اِن ابدانِ (خاکی) کے ساتھ تعلق رہتا ہے اور نہ ارواح اور مومنین کو"۔ اس کے بعد تحریر فرمایا: بہرحال ابدانِ دُنیا سے (مومنین اور شہدا) دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ (آبِ حیات ص ۱۶۸)
- نیز آپ نے جمالِ قاسمی ص ۸ پر تحریر فرمایا کہ جب تک (جسمِ خاکی سے) تعلق روحانی ہے جبھی تک حیاتِ جسمانی اور صفاتِ روحانی (سُننا دیکھنا وغیرہ) کی بھی جسم میں جلوہ گری ہے۔ ورنہ جیسے (رحمِ مادر میں جسمِ خاکی کے ساتھ روح ملنے سے) قبل (رُوح و جسمِ عنصری کے درمیان) تعلق کچھ نہ تھا' ایسے ہی بعد اِنفکاک بھی تعلق کچھ نہیں رہتا۔ اس کے بعد تحریر فرمایا:
- اِس بدن کے اِعتبار سے (شہدا و مومنین) دونوں کی موت برابر ہے' یعنی دونوں یہاں کے جسم (خاکی) سے بے علاقہ ہو جاتی ہیں۔ (۔ ص ۱۳)
- نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شہدا کی وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیثِ صحیحہ ناطق ہیں (وہ برزخ کی) حیاتِ ثانی ہے۔ (آبِ حیات ص ۱۳)
- نیز خیرالحیات وخیرالممات ص ۴۲ و ۴۳ میں ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ رُوح اِس جسم (خاکی) سے تو مفارق ہو جاتی ہے' اس لیے اِس جسم (خاکی) کو تو عذاب و ثواب' تکلیف و آرام کچھ نہیں ہوتا۔ (تسکین القلوب ص ۶۷)
- نیز آبِ حیات ص ۱۳ میں یہ بھی فرمایا کہ جب رُوح کو اس جسم (عنصری) سے تعلق ہی نہیں رہا تو یہ ازواج و اموال رُوح کے حق میں بے کار محض ہو گئے۔ اور دُوسرے عالم کے اجسام (مثالی) سے اگر تعلق پیدا ہو گیا تو وہ اس باب (منافعِ دنیویہ) میں کچھ مفید نہیں۔ کیونکہ اُس عالم کے اجسام سے تعلق اگر ذریعۂ اِنتفاع ہو سکتا ہے تو وہیں کے ازواج و اموال کے انتفاع کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

○ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ اس جگہ عالمِ قبر سے مُراد عالم برزخ ہے، جو دُنیا اور آخرت کے مابین ایک جہان ہے۔

○ حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی نبیرۂ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہما اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ رُوحِ اِنسانی اگر دُنیا سے پاک ہوکر جسم سے نکلتی ہے تو عالمِ قدس میں اس کا ٹھکانا ہوجاتا ہے جسے علیین کہتے ہیں' اور اگر ناپاک ہوکر دُنیا سے رخصت ہوتی ہے تو عالمِ ظلمت میں اس کا ٹھکانا ہوتا ہے جسے سجین کہتے ہیں۔ (عقائد الاسلام قاسمی ص ۴۶)

○ نیز مولانا قاسمیؒ نے ص ۹۸ و ۹۹ میں تحریر فرمایا کہ جو روحیں پاک اور مؤمن ہوتی ہیں ان کو حشر تک علیین میں رکھا جاتا ہے۔ اور جو روحیں ظلماتِ کفر میں لپٹی رہتی ہیں ان کو سجین میں جگہ دی جاتی ہے۔ گویا یوں سمجھیے کہ یہ ہر دو مقامات ارواحِ بشریہ کے لیے بمنزلہ دو مسافر خانوں کے ہے، جہاں قیامت تک نیک و بد رُوحیں ثواب و عقابِ آخرت سے آشنا کرائی جاتی ہیں۔

○ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سرے سے قبر میں پڑے ہوئے بدن سے رُوح کا تعلق ہوتا ہی نہیں ہے، بلکہ بدنِ خاکی سے رُوح نکلنے کے بعد رُوح کو جو شعور و ادراک ہوتا ہے اسے حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (حل مشکلات القرآن ص ۱۳)

○ حضرت مولانا محمد ابراہیم دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کشف المغالطات ص ۱۵۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے جہاں جسدِ خاکی مدفون کرکے خاک ڈالتے ہیں' جہاں تک زندہ لوگوں کے ہاتھ پہنچتے ہیں، اِس گڑھے کو برائے نام یا بطورِ مجاز قبر کہتے ہیں۔ حقیقی قبر یہ نہیں، حقیقی قبر عالمِ برزخ ہے۔

○ حضرت پیرو مرشد مولانا شاہ حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تحریراتِ حدیث ص ۲۰۸ میں فرمایا کہ: حنفی کہتے ہیں کہ قبر سے مُراد برزخ ہے۔

○ حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواہر الایمان ص ۶ میں تحریر فرمایا کہ قبر سے مراد گڑھا ہی نہیں۔

○ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس رُوح کو برزخ میں دُوسرا جسد عطا ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اِس جسد سے تعلق رکھتا ہے۔ اور قبر کا سوال و جواب اس جسدِ مثالی سے ہوتا ہے جو وہاں عطا ہوتا ہے۔

○ اب یہاں بعض لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے کہ اس جسم سے بھی رُوح کا تعلق قائم رہتا ہے تو اس تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

○ جسدِ عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا درجہ ہے جیسے کوئی رضائی اُتار کر رکھ دے اور دُوسری اوڑھ لے۔ اب چلنا پھرنا تو دُوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے، اگرچہ ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ رہتا ہے، تو رُوح گو وہاں جسدِ مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسدِ عنصری کے ساتھ بھی ہوگا (کہ اس جسدِ عنصری میں کبھی رہا کرتا تھا) اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے کیا تب بھی حساب ہوگا۔؟ —— سو یہ جواب سوال اسی جسدِ مثالی کے ساتھ ہوگا جو عالمِ برزخ میں عطا ہوتا ہے (ملفوظات ج ۱۰ ص ۵۱۴ و ۸۲۸)

○ نیز آپ تحریر فرماتے ہیں کہ: غرض ایک جسم تو یہاں (دُنیا میں) ہے اور ایک جسم عالمِ مثال میں ہے۔ وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے، بس اس مثال ہی کا نام قبر ہے، کیونکہ وہ جو عالمِ مثال ہے وہیں اِس کو

عذابِ قبر بھی ہوگا۔ (اب کوئی اِشکال نہ رہا) اِشکال تو تب ہوتا ہے جب قبر سے مُراد گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے۔ حالانکہ اِصطلاحِ شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں، بلکہ عالمِ مثال کو کہتے ہیں قبر۔ اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں، خواہ مُردہ دفن ہو یا نہ۔ (اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۶، التکشف ص ۵۵)

○ نیز ایک موقع پر آپ نے اسی مسئلہ کو درج ذیل الفاظ میں واضح فرمایا: بعض ملاحدہ کہتے ہیں کہ اگر مُردہ جلایا گیا تو عذابِ قبر کیسے ہوگا؟ فرمایا: اُس نے یہی نہیں سمجھا کہ مُعذَّب کونسا جسم ہے، خاکی یا مثالی؟ مُعذَّب جسمِ مثالی ہے۔ یہ (ملحد و بے دین) لوگ اس کو کیا جانیں، دیکھتے تو جانتے۔ (اس کے بعد فرمایا کہ) تقریب اِلی الفہم خواب سے ہوسکتی ہے۔ (نیز فرمایا:) قبر سے مُراد حدیث میں عالمِ برزخ ہے، نہ حفرہ (یعنی گڑھا)۔ دیکھیے: مجالسِ حکمت، مجلس ۱۳ ص ۴۳۔ قسط نمبر ۲۰ ۲۵ شوال ۱۳۳۲ھ طبع مُصطفائی جزء ۱۔ از حسن العزیز تالیفاتِ اشرفیہ تھانہ بھون۔

○ <u>خلاصہ</u> حضرت تھانویؒ کی عبارات کا یہ ہُوا کہ: جس وقت اِنسان کے اس جسدِ خاکی سے رُوح نکلتی ہے تو سیدھی عالمِ مثال ہی میں پہنچتی ہے وہاں ایک آسمان ہے مشابہ آسمانِ دُنیا کے، اور زمین بھی ہے مشابہ دُنیا کی زمین کے، اور جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے، تو رُوح کے لیے مرنے (یعنی جسدِ خاکی سے نکلنے) کے بعد ایک جسمِ مثالی ہوگا (اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۶)

○ مرنے کے بعد (حساب کتاب کے لیے) مثالی قبر میں اُٹھایا جاتا ہے، وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے، وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے؟ وہ عالمِ مثال کچھ تو عالمِ دُنیا کے مشابہ ہے اور کچھ مشابہ عالمِ آخرت کے ہے۔ اور وہ عالمِ مثال ہی ہے جسے حدیثوں میں قبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۷)

○ حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر کشف الرحمٰن ص ۷۰۵ میں تحریر فرمایا ہے: یاد رہے کہ اس جنت سے اصلی حقیقی جنت مراد نہیں، جس میں حشر و نشر اور حساب کتاب کے بعد مومنین کو وہاں گھر ملے گا، بلکہ اس جنت سے مراد وہ جنت ہے جو عالمِ قبر یعنی عالمِ برزخ میں واقع ہے۔ اور وہ خاص شہداء کا مقام ہے جو حقیقی جنت سے متصل ہے۔

○ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفسیر ماجدی ص ۵۵۲ میں تحریر فرمایا ہے: خود برزخ جس عالم کا نام ہے وہ آخرت کی ہلکی سی منامی رؤیائی شکل ہے۔ (اس بارے میں ہمارا موقف آگے واضح ہوگا) نیز ص ۱۱۷۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آگ میں جل کر، پانی میں غرق ہوکر، درندوں کی غذا بن کر ہر حال میں ہر صورت سے اِنسان جاتا عالمِ قبر ہی میں ہے۔

○ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیرۃ النبیؐ ج ۴ ص ۶۶۸ میں تحریر فرمایا کہ: اصل مکلف رُوح ہے جسم نہیں۔ جسم بمنزلہ آلہ کے ہے۔ دُنیا میں اس کا جسم خاکی تھا، برزخ میں اس کا اور جسم ہوگا، جو مادہ اور مادیات سے پاک و بری ہوگا، تاہم اس کو اپنے جسمِ خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی۔ اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اِصطلاح عام بول چال میں جاری ہے، کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مُردوں کو اِسی قبر میں جاتے دیکھتے ہیں۔

○ نیز آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ: لفظِ قبر سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مُردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں۔ بلکہ (قبر سے مقصود درحقیقت) وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں، اور وہ ارواح اور نفوس کی دُنیا ہے مادی عناصر کی نہیں۔

○ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا (۷۱:۲۵) کے تحت حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ طوفان آیا اور بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔

○ حضرت اُستاذی سیدی سندی مولانا محمد شاہ جبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آیت مِمَّا خَطِيۡٓـٰٔتِهِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا (۷۱:۲۵) کا ترجمہ اس طرح کرایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی منکر قوم کے اجسادِ عنصریہ کو اپنے گناہوں کی وجہ سے پانی کے طوفان میں غرق کر دیا گیا، اس کے بعد بلا تاخیر ان کی ارواح کو عالم برزخ کی آگ میں داخل کر دیا گیا۔ یعنی اُغۡرِقُوۡا کی و ضمیر کا مرجع اجسادھم ہے۔ اور ادخلوا میں و ضمیر کا مرجع ارواحھم ہے۔ اور پھر اغرقوا میں و ضمیر کا مرجع اجسادھم ہونے کی نظیر میں صاحبِ جلالین حضرت علامہ جلالُ الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وہ تفسیر بتلاتے تھے جو ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم کے بعد اللہ تعالیٰ کے فرمان خلقہ من تراب کی تفسیر فرمائی، ای خلق جسدہ من تراب یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے جسدِ عنصری کو مٹی سے بنایا۔ اور فاغرقوا میں و ضمیر کا مرجع ارواحھم ان احادیث صحیحہ مرفوعہ کی وجہ سے ہے جو ارواحھم سود کی شرح کرتی ہیں۔

○ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی مستند کتاب عِلمُ الکلام ص ۲۳۴ میں "عالمِ آخرت" کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں کہ قبر حقیقت میں اُسی عالمِ برزخ کا نام ہے، اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مُردے کو دفن کیا جاتا ہے۔

○ نیز آپ نے اپنی کتاب "عقائد الاسلام" میں "عالمِ برزخ" کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا کہ: مرنے کے بعد زمانِ بعث تک انسان عالمِ برزخ میں رہتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون (۲۳:۱۰۰)

○ اور اِسی کو عالمِ قبر بھی کہتے ہیں۔ اس پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے۔

○ قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر اور نکیر کا سوال حق ہے۔ قبر سے وہ گڑھا مُراد نہیں جس میں مردہ کا جسم دفن کیا جاتا ہے' بلکہ عالمِ برزخ مُراد ہے' جو دُنیا اور آخرت کے درمیان میں ایک عالم ہے ۔۔ جو من وجہٍ دُنیا کے مشابہ ہے اور من وجہٍ آخرت کے۔ (عقائدالاسلام ص ۵۸)

○ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتیِ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے معارف القرآن ج ۸ ص ۶۶۵ میں تحریر فرمایا کہ یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔

○ حضرت مولانا اسدالرحمٰن قدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے معارف و طریقت ص ۴۲ میں تحریر فرمایا ہے: برزخ وہ عالم ہے جو اصطلاحاً قبر کہلاتا ہے۔

○ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلۃ العالی نے معارف الحدیث ج ۲ ص ۳۳ میں تحریر فرمایا کہ قبر سے مُراد عالمِ برزخ کا ٹھکانا ہے۔

○ حضرت مفسر شیخ علی طنطاوی مدظلۃ العالی نے اِسلام کا عام فہم تعارف (مترجم اُردو سید شبیر احمد) ص ۱۷۴ تا ۱۷۶ میں اس موضوع پر نہایت احسن طریقے سے عام فہم انداز میں مسئلہ سمجھایا ہے۔ چنانچہ انھوں نے تحریر فرمایا کہ ہم مرنے کو اس دُنیا سے نکالا جانا خیال کرتے ہیں وہ بھی در حقیقت ہماری ایک نئی ولادت ہے اور ایک بہت ہی پُر آسائش دُنیا کی طرف یعنی عالمِ برزخ کی طرف منتقل ہونا ہے، عالمِ برزخ جو اس مادی اور فانی دنیا اور اُخروی ابدی جہان کے مابین ایک پڑاؤ ہے۔ کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

○ قبر میں ہم نہیں رہیں گے ہمارا جسم قبر میں رہے گا۔ آپ جانتے ہیں یہ جسم کیا ہے؟ انسان کی قمیص جب میلی یا بوسیدہ ہوجاتی ہے تو اُسے اتار کر پھینک دیا جاتا ہے..... اِسی طرح جب انسان مرتا ہے تو اس کا یہ مادی جسم اس سے جُدا ہوجاتا ہے۔ دراصل یہ جسم ایک قمیص سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا جسے پہنا جاتا ہے اور اتار دیا جاتا ہے۔ اور مٹی میں صرف جسم دفن ہوتا ہے۔

- حضرت الشیخ عبدالکریم محمد المدرس مدظلہٗ العالی نے نورالاسلام ص ۲۵۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ جس صحیح مسلک پر اکثر ائمہ کرام متفق ہیں: "وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ثواب و عذاب رُوح اور جسد ہر دو کے مجموعے پر ہوتا ہے، لیکن وہ جسد جسدِ برزخی ہے، یہ مادی (عنصری) جسد نہیں جو دُوسروں کو نظر آتا ہے، جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ جسدِ مادی (عنصری) تو ایسا ہے کہ انسان جل جاتا ہے تو اس کا بدن ریزہ ریزہ ہوکر اُڑ جاتا ہے۔ اور یا غرقی قبر میں رہتے رہتے دُھول ہوجاتا ہے۔ اور جسدِ برزخی سے مُراد وہ جسدِ (مثالی) ہے جو نعمت پانے والے یا سزا کے مستحق رُوح کے لیے ایک لطیف جسم اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے۔
- علاوہ ازیں انہی جیسی تحقیق حضرت امام محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی نے شرح العقائد النسفیہ کی شرح نبراس ص ۳۲۹ میں اور حضرت رمضان آفندیؒ نے حاشیہ شرح العقائد النسفیہ ص ۲۲۷ میں نقل فرمائی ہے۔
- نیز حضرت علامہ بدرالدین محمود عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص ۹۷/۲۲ میں حضرت محدث ابن بطالؒ کا قول بھی نقل فرمایا ہے کہ: عرض نار یعنی آگ کا پیش ہونا صرف رُوحوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ بدن (عنصری) تو فنا ہوجاتا ہے۔ اور فانی چیز معدوم کے حکم میں ہوتی ہے، اور معدوم پر آگ پیش نہیں ہوسکتی۔
- اِسی طرح امام بریلویہ کے شاگردِ خاص محشی کنزالایمان نعیم الدین مُرادآبادی نے آیت ۳:۱۶۹ کے حاشیہ ۳۳۲ میں لکھا ہے: ثابت ہوا کہ ارواح باقی ہیں، جسم کے فنا کے ساتھ فنا نہیں ہوتیں۔
- نیز انہی مُرادآبادی صاحب کے شاگرد مفتی احمد یار نعیمی نے آیت ۷۱:۲۵ کے حاشیہ ۲۰ میں لکھا ہے کہ: قوم نوح پانی سے آگ میں پہنچائی گئی کہ اُن کے

جسم طوفانِ نوحی میں رہے، ان کی روحیں دوزخ میں۔ آگے چل کر مزید لکھا کہ عذابِ قبر دفن ہونے پر موقوف نہیں، مُردے کا جسم کہیں ہو عذابِ قبر ہوگا کہ قومِ نوح پانی میں ڈوب کر بھی عذابِ قبر میں گرفتار ہوئی۔

○ نیز مفتی صاحب موصوف نے اسرار الاحکام بہ انوار القرآن میں یہ بھی لکھا ہے کہ قبر سے مراد صرف یہ غار نہیں ہے جس میں مردہ دفن ہوتا ہے، بلکہ اس سے عالمِ برزخ مُراد ہے، مُردہ کا جسم کہیں ہو مگر رُوح تو محفوظ ہے۔

○ اسی طرح مولوی رحیم بخش نے اسلام کی گیارھویں کتاب ص ۲۱۰ میں لکھا ہے کہ: عالمِ برزخ یعنی عالمِ قبر کی حقیقت اس عالمِ دُنیا کی حقیقت کے علاوہ ہے' پھر ص ۲۱۴ پر لکھا: عالمِ قبر جُدا عالم ہے اور دُنیا کے عالم سے جُدا اور مبائن ہے اور اس کے لوازم جُدا ہیں اور اس کے احکام جُدا ہیں، اس لیے اُس عالم کا اس عالمِ دُنیا پر پُورا پُورا اور بعینہٖ قیاس نہیں ہوسکتا۔

○ نعیم الدین مُراد آبادی، احمد یار خان نعیمی اور مولوی رحیم بخش کی عبارات کے بعد اب دیکھیے کہ ان کے امام احمد رضا خان بریلوی کا عالمِ برزخ کے متعلق کیا عقیدہ ہے۔ چنانچہ جب ان سے پُوچھا گیا کہ "برزخ سے مُراد قبر ہے یا وہ زمانہ جو بعد مرنے سے قیامت یا حشر تک ہے؟" تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ: "نہ قبر' نہ وہ زمانہ' بلکہ وہ مقامات جن میں اُرواح بعد موت حشر تک حسبِ مراتب رہتی ہیں۔" (ملفوظات ج ۴ ص ۲۵)

○ علماءِ بریلویہ کے بعد مُناسب ہے کہ غیر مقلدین میں سے بھی نمونہ کے طور پر نواب وحید الزمان حیدر آبادی کا اس بارہ میں مسلک لکھ دیا جائے۔ چنانچہ آیت ۲: ۱۵۴ کے تحت حاشیہ میں انھوں نے لکھا کہ مرنے کے بعد برزخ میں ہر شخص کو زندگی حاصل ہے۔ مگر مومن کی رُوح راحت میں ہے، اور کافر کی رُوح کو عذاب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو عذابِ قبر سے بچا کر تنعیمِ قبر سے نوازے۔ آمین۔

خلاصہ یہ ہُوا کہ قرآن مجید اور ارشاداتِ نبویہؐ کی روشنی میں صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور سلف و خلف سے تمام علماء متقدمین و متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اِصطلاحِ شریعت میں قبر سے مُراد عالمِ برزخ ہوتا ہے، خصوصاً جب عذاب و ثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو۔ اور حقیقت شناس علماء حق میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس گڑھے کو بھی برزخ کہا جاتا ہے جس میں انسان کے جسدِ عنصری کو دفن کیا جاتا ہے۔ بلکہ تمام محدثین و مفسرین، علمِ عقائد کے ماہرین و ائمۂ مجتہدین بالاتفاق کہتے ہیں کہ عالمِ برزخ اس عالمِ دُنیا سے الگ ایک عالم ہے جو اس عالمِ دُنیا سے اتنا ہی بڑا اور وسیع ہے جتنا کہ ماں کے پیٹ سے یہ عالم جہاں اس وقت ہم آباد ہیں۔ اور اس عنصری جہان کے الگ اربع عناصر سے الگ ہے۔ اور اس عالم میں نیک مسلمانوں کا مقام الگ اور بدکردار کفار کا مقام الگ ہے۔ جیسا کہ :

حضرت محدث ابنِ حزم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے:

ذلك البرزخ عند منقطع العناصر بحيث لا ماء ولا هواء ولا تراب ولا نار (شرح الصدور ص ۱۰۶) کہ وہ عالمِ برزخ اس مقام پر ہے جہاں اربع عناصر مُنقطع ہوجاتے ہیں۔ اور نہ تو وہاں اس عالمِ دُنیا کا پانی ہے، نہ ہوا، نہ مٹی اور نہ ہی وہاں پر آگ ہے، اور جو آگ کُفار کے سامنے پیش ہوتی ہے وہ عالمِ دُنیا کی آگ نہیں، اور جو پھل شہداء کو دیے جاتے ہیں وہ بھی عالمِ دُنیا کے پھل نہیں۔

بہرحال اس جسدِ عنصری سے جب انسانِ حقیقی نکل کر عالمِ برزخ میں منتقل ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال مجسم ہوکر سبز، سفید یا سیاہ رنگ کے اڑنے والے پرندوں کی صُورت اختیار کرلیتے ہیں اور انسان ان میں رہتا ہے اور پھر تا قیامت وہیں رہے گا۔ اور انسان کا وہ

جسمِ عنصری جس میں اِنسان حیاتِ دُنیویہ کے دَوران رہتا تھا اور وہ خوش قسمتی سے شرعی طریقے کے مُطابق تجہیز و تکفین کے بعد زمین میں قبر کھود کر رکھ دیا گیا ہو، یا پانی میں غرق ہوگیا ہو یا آگ میں جل کر راکھ ہوگیا ہو یا کسی درندے کی غذا بن گیا ہو، یا تدفین کے بعد مٹی ہوگیا ہو، تاہم اس کے جسمِ عنصری میں سے ایک حِصّہ یا جز ایسا ضرور محفوظ رہتا ہے جو کسی صورت میں گلتا سڑتا نہیں اور نہ ہی معدوم ہوتا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے کہ وہ کہاں ہے اور کس کا ہے۔ گویا وہ ایک بیج کی طرح ہے، اور یوم بعث میں اُسی بیج سے اِنسان کے اس جسدِ عنصری کو دوبارہ اپنی قدرتِ کاملہ سے اللہ تعالیٰ اُسے پیدا فرما کر اسی اِنسان کی رُوح اس میں داخل فرمائیں گے جس کا وہ بیج تھا جیسا کہ:

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اِنسان کے جسم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو فنا نہ ہوجائے سوائے "عجبُ الذنب" کے جس سے اُسی اِنسانی جسم کو دوبارہ بنایا جائے گا۔ (صحیح بخاری ص ۷۳۵)

○ صحیح ابنِ حبان ج ۶ ص ۵۶ میں ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجب الذنب کا نام لیا تو حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے پُوچھا وماھو یارسول اللہ؟ کہ "عجبُ الذنب" سے آپ کی مُراد کیا ہے، تو اس کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مثل حبۃ خردل منہ ینشئ یعنی عجب الذنب بہت ہی چھوٹی مقدار میں بدنِ انسان کی ایک جُزء ہے۔ اور تقریبِ فہم کے لیے تم اس طرح سمجھ لو جیسے رائی کے دانہ کی طرح کوئی بہت ہی چھوٹی سی چیز ہو۔ اور اس چھوٹی سی چیز کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے ہاں (یعنی اپنے علم میں) محفوظ رکھتا ہے۔ پھر اسی قلیل المقدار جز سے اِنسان کا جسدِ عنصری دوبارہ بنایا جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی تذکرہ قرطبیہ ص ۳۹ میں یہی مرفوع حدیث مسلم و ابن ماجہ کے حوالے سے بیان فرمائی ہے اور تحریر فرمایا کہ کسی کے سوال پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عجب الذنب رائی کے دانہ کی طرح ایسی قلیل المقدار چیز ہے جس سے دوبارہ انسان اُگ پڑیں گے جیسے پودے اُگ پڑتے ہیں"۔ گویا عجب الذنب ایک بیج ہے اور وہ اس قدر چھوٹا ہے کہ جسے فلسفہ کی اصطلاح میں "جز لایتجزیٰ" کہتے ہیں، اور چونکہ باشندگان عرب اس اصطلاح کو نہیں سمجھتے تھے، اس لیے تقریب فہم کے طور پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رائی کے دانے کی مثال دے کر بتلایا کہ دوبارہ انسان اسی قلیل المقدار چیز عجب الذنب سے پیدا ہوگا یا اُگے گا۔ پھر اس میں رُوح پھونک دی جائے گی۔

اور یہی وہ جز ہے جس کے قبض کرنے کا حکم فرشتوں کو اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اور یہ جزء ایسی ہے جس میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں ہوتا اور نہ وہ مزید اجزاء میں متفرق ہوتا ہے کیونکہ اس قدر چھوٹا جز ہے اس سے آگے اس کی جز نہیں ہوسکتی۔ اور اللہ تعالیٰ اسے تحلیل ہونے سے محفوظ رکھتا ہے، اس کو نہ زمین کھا سکتی ہے اور نہ ہی وہ مٹی میں مخلوط ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس سے پودے اور پھل اُگتے ہیں۔ اور وہ وہی جز ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر میثاق کے روز عہد لیا گیا تھا۔ پھر جسدِ عنصری سے نکال کر عالمِ قبر یعنی برزخ میں اسی کو مخاطب کر کے پُوچھا جائے گا کہ روزِ میثاق میں تُونے ربوبیت رَبّ کا جو عہد کیا تھا تو اب بتا کہ جسدِ عنصری میں رہ کر عالمِ دُنیا میں تُونے کسے رَبّ سمجھ رکھا تھا اور تُو کس دین و مذہب پر رہا......... الخ

تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر نیشاپوری ج ص ۱۳۸ و تفسیر رازی ج ۸ ص ۲۲۰ و تہافۃ الفلاسفہ ص ۱۲۰ و ۱۲۱ و الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۲ و ۱۳۹۔

قبرِ عُرفی اور قبرِ اصطلاحی کا محلِ استعمال:

○ قبرِ عُرفی تو وہ ہے جو کسی اِنسان کے اِنتقال کے بعد اس کے جسدِ عنصری
کو زمین میں دفن کرنے کی غرض سے شرعی حکم کے مُطابق بیلچوں اور کسیوں
وغیرہ کی مدد سے موقع کی مناسبت سے شق یا لحد کی صُورت میں کھود
کر بنائی جاتی ہے۔ اور اس قبر کا لفظ اِستعمال اُس وقت ہوتا ہے
جب اس کے مامور و محکوم اہلِ دُنیا ہوں۔ جیسے:
○ قبر اس طرح بنائی جائے کہ میت کا جسم دائیں کروٹ پر قبلہ رُخ رہے
اور سر، پاؤں اور پیٹھ قبلہ کی طرف نہ ہونے پائیں۔ ○ قبر بغلی بنائی جائے
○ قبر بغلی بنانا مشکل ہو تو شق بنالی جائے۔ ○ قبر کے اندر یا اُوپر
پُختہ اینٹیں نہ لگائی جائیں۔ ○ قبر کے اندر کچی اینٹیں یا سرکنڈے
رکھے جائیں۔ ○ قبر میں لکڑی نہ رکھی جائے۔ ○ جسدِ میت کو قبلہ کی
طرف سے قبر میں اُتارا جائے۔ ○ عورت کے جسدِ مُردہ کو قبر میں اتارتے
وقت پردہ کیا جائے۔ ○ سخت مجبوری نہ ہو تو عورت کی میّت کو
اس کے محرم قبر میں اُتاریں۔ ○ جسدِ میّت کو قبر میں اُتارتے وقت
بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ کہا جائے۔ ○ قبر میں میت کو دفن کرتے
وقت اس کا مُنہ قبلہ رُخ کیا جائے۔ ○ قبر میں جسدِ میت کو رکھ کر کفن
کی گرہیں کھول دی جائیں۔ ○ قبر کو وسیع اور گہرا رکھا جائے۔ لیکن اس سے
میّت کا قبر میں بٹھایا جانا مقصود نہیں، مقصد اِکرامِ جسدِ میت ہے
○ قبر میں میت کو اتارنے کے کچی اینٹوں یا سرکنڈوں سے ڈھک کر
مٹی ڈال دی جائے۔ ○ قبر پر مٹی ڈالنے کی ابتدا سرہانے کی طرف سے
کی جائے۔ ○ قبر پر مٹی ڈالتے وقت جب مٹی کی پہلی مُٹھی ڈالے تو
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ پڑھے، دُوسری مٹھی پر وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تیسری
مٹھی ڈالتے ہُوئے وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (۵۵:۲۰) پڑھے۔

○ قبر پر ایک بالشت کی مقدار مٹی ڈالیں، اس مقدار سے اُونچا نہ کریں ○ قبر کو اوپر سے کوہان کی طرح بنائیں، سطح ہموار نہ کریں ○ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد پانی چھڑکیں، اور چھڑکا سر کی طرف سے شروع کریں ○ قبر پر مٹی ڈالنے اور پانی چھڑکنے کے بعد سر کی طرف کھڑے ہوکر سُورۃ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیتیں اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک، اور قدموں کی طرف کھڑے ہوکر سُورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں یعنی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ تک پڑھیں، پھر قبر کے گرد کھڑے ہوکر دُعا کریں۔ ○ قبر کے گرد کھڑے ہوکر دُعا و اِستغفار للمیّت میں اتنی دیر مشغول رہیں جتنی دیر ایک اُونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ قراءۃ قرآن مجید اور دُعا و استغفار سے اللہ تعالیٰ میت کو ثواب دے گا اور دُوسرا یہ کہ یہ وقت عالمِ برزخ میں اس میت کی رُوح سے منکر نکیر کے سوال و جواب کا ہوتا ہے، اس وقت اگر ایصالِ ثواب کے لیے آپ تلاوتِ قرآن مجید اور میت کے لیے دُعا و استغفار کریں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر شفقت فرمائیں گے تو اس میت کی رُوح خوش ہوگی اور وہ سوالوں کے جواب خوشی خوشی دے سکے گی۔ ○ قبر کو پختہ نہ بنائیں، اور نہ اس پر چُونہ گچ کریں۔ ○ قبر پر بیٹھنا، لیٹنا سونا اور ہنسنا بھی نہیں چاہیے۔ ○ قبر پر پیشاب پاخانہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ○ قبر پر چراغاں بھی نہ کریں، اور نہ اگربتی سلگائیں ○ قبر پر لکھنا بھی نہیں چاہیے، البتہ بطور نشان کے کوئی پتھر وغیرہ رکھ دینا چاہیے۔ ○ قبر پر کوئی چادر یا غلاف بھی نہ ڈالنا چاہیے۔ ○ قبر پر کوئی عمارت یا گنبد نہ بنائیں، اور نہ کسی پہلے سے بنے ہوئے مکان میں قبر بنائیں۔ ○ قبر پر نہ میلہ لگائیں اور نہ عرس کریں۔

اسی طرح اس عُرفی قبر سے متعلق اور بھی بہت سے خلافِ شرع کام ایسے ہیں جن سے خود بھی بچنا چاہیے اور دُوسروں کو بھی ان کاموں سے منع کرنا چاہیے، خصوصاً اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں دوستوں کو ایسے کاموں سے ضرور منع کرنا چاہیے، کیونکہ ان میں سے بعض کام تو ایسے ہیں جن کے کرنے سے اِنسان مسلمان ہی نہیں رہتا، البتہ بعض کام بدعت ہیں اور بدعت بھی جہنم میں پہنچانے والی بُرائی ہے، اِسے معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ مثلاً:

○ قبر پر اذان دینا۔ ○ قبر کے اِردگرد قرآن خوانی کے لیے اُجرت پر اجیر حُفاظ کو بٹھانا۔ ○ قبر پر ڈھول بجانا۔ ○ قبر پر پُھول رکھنا ○ قبر پر دال، چاول وغیرہ ڈالنا۔ ○ قبر کی زیارت کے لیے دِن اور وقت مقرر کرنا۔ ○ قبر کو غسل دینا۔ ○ قبر کی طرف مُنہ کرکے ہاتھ اُٹھاکر دُعا مانگنا۔ ○ قبر کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنا۔ ○ قبر کی طرف مُنہ کرکے سجدہ کرنا۔ ○ قبر کو یا صاحبِ قبر کو سجدہ کرنا ○ قبر کو ہاتھ لگاکر اپنے بدن پر پھیرنا۔ ○ قبر کے پاس بیٹھ کر مراقبہ کرنا۔ ○ قبر کا بوسہ لینا، یا قبر کو ہاتھ لگاکر ہاتھ چُومنا۔ ○ قبر پر عَلَم اور جھنڈیاں لگانا۔ ○ قبر کا طواف کرنا۔ ○ قبر پر مَنّت یا نذر و نیاز کی کوئی چیز رکھنا۔ ○ قبر کے پاس جانور ذبح کرنا۔ ○ قبر پر جاکر صاحبِ قبر کو پکارنا، اور اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سفارش کرنے کو کہنا ○ قبر والے سے حاجتیں مُرادیں مانگنا۔ ○ قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ ○ قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔ ○ قبر کی مٹی، کنکر پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھنا۔ ○ قبر پر رکھے ہُوئے پانی اور پھول وغیرہ کو متبرک سمجھنا۔

○ قبر کے پاس قوالیاں کرنا اور صاحبِ قبر کے محاسن بیان کرنا۔

○ قبر کی زیارت کے لیے عورتوں کا آنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

○ البتہ بلا قید زمان قبروں کی زیارت کے لیے مَردوں کا آنا مسنون ہے حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں جاکر سُورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخش دے تو جس قدر مُردے اس قبرستان میں دفن ہیں اُتنا ہی ثواب اسے بھی ملے گا۔

○ نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص ہفتہ میں ایک بار اپنے ماں باپ کی قبروں کی زیارت کرتا رہے گا' اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اور اس کا شمار والدین کے ساتھ نیکی کرنے والوں میں ہوگا۔

○ اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ زیارت قبور کے لیے گاہے گاہے قبرستان میں جایا کرے تاکہ آخرت بھی یاد آتی رہے اور عبرت بھی حاصل ہو۔

○ اور زیارتِ قبور کے وقت سب سے پہلے یہ دُعائیہ کلمات کہے:

○ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ.

○ یا اس طرح کہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ.

○ یا اس طرح کہے: نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَ نَحْنُ بِالْاَثَرِ وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ.

○ یا اس طرح کہے: يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ. یا اس طرح کے کوئی دُعائیہ کلمات کہے۔

○ بہر حال ان تمام امور کا تعلق دُنیا والوں کے ساتھ ہے۔ اِسی لیے تمام اہلِ علم ان مقامات پر قبر سے یہی گڑھا مُراد لیتے ہیں جو قبر کے عُرفی معنے ہیں۔ اور اہلِ علم میں سے کسی نے بھی ان مقامات میں سے کسی مقام پر قبر کے معنی عالمِ برزخ نہیں لیے جو قبر کے اِصطلاحی معنے ہیں۔

اور قبر کا معنیٰ عالمِ برزخ اُس وقت ہوتا ہے جب ایسے اُمور کا ذکر ہو جن کا تعلق عالمِ دُنیا سے اِنتقال کر جانے والے اِنسان کی رُوح کے ساتھ پیش آنے والے معاملات سے ہو۔ مثلاً:

○ قبر میں فرشتوں کا آنا۔ ○ فرشتوں کا جنت سے ریشمی لباس لاکر رُوح کو کفن دینا۔ ○ فرشتوں کا اُس پر نمازِ جنازہ پڑھنا۔ ○ فرشتوں کا قبر میں میت کو اُٹھا کر بٹھانا۔ ○ قبر میں منکر نکیر فرشتوں کا میت سے سوال کرنا۔ مثلاً: من ربك کہ تیرا رب کون ہے؟ ما دینك تیرا دین کونسا ہے؟ من نبیك تیرا نبی کون ہے۔ اور ما تقول فی حق هذه الرجل الذی بعث فیکم کہ اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے جو تم میں تبلیغ توحید کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا تھا؟ ○ مومن فرشتوں کے سوال سُنتا، سمجھتا اور صحیح صحیح جواب دیتا ہے۔ ○ کافر و منافق فرشتوں کے سوال سُنتا تو ہے لیکن سمجھتا نہیں، اور فرشتوں کے سوال سُن کر گھبرا جاتا ہے اور ھاھا لا ادری کہتا ہے۔ ○ فرشتے آگ کے گرز لے کر اس کافر یا منافق کو مارتے ہیں۔ جس سے اس کا جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ ○ فرشتے پھر اس کے جسم کو جوڑ کر صحیح سالم بناتے ہیں، اور پھر گرز مارتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک رہتا ہے ○ قبر میں ایسے ایسے سانپوں کا میت کے جسمِ مثالی سے لپٹ کر اسے ایذا دینا جن کی نظیر اس عالمِ دنیا میں نہیں ملتی۔ ○ کافر کے لیے قبر میں ایسی تنگی ہو جاتی ہے کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں طرف، اور بائیں پسلیاں دائیں طرف والی پسلیوں میں گھس جاتی ہیں۔ ○ کافر ان تکالیف پر ایسا چیختا چلاتا ہے کہ کوسوں تک اس کی آواز پہنچتی ہے ○ کافر کی قبر میں اندھیرا ہوتا ہے۔ ○ مومن کی قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ ○ مومن کی قبر ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبی ہوتی ہے ○ مومن

کی قبر میں جنت کی طرف کھڑکیاں کھلنے سے جنتی پھولوں کی خوشبو اور خوشگوار ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ ○ کافر کی قبر میں دوزخ کی طرف کھڑکیوں کے کھلنے سے دوزخ کی لُو اور گرم ہوائیں آتی ہیں۔ ○ مومن کی قبر میں آرام دہ جنتی بستر بچھ جاتا ہے۔ ○ کافر کی قبر میں آگ سے بنا ہُوا تکلیف دہ دوزخی بچھونا ہوتا ہے۔ ○ مومن اپنی وسیع و عریض قبر میں چلتا پھرتا اور سیر کرتا ہے۔ ○ کافر اپنی تنگ و تاریک قبر میں زنجیروں سے جکڑا ہُوا پڑا رہتا ہے۔ ○ مومن اور شہید اپنے اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے سفید اور سبز اُڑنے والے پرندوں کی صورت میں برزخی جنت میں جہاں چاہیں اُڑتے پھرتے اور سیر کرتے رہتے ہیں۔ ○ کافر اپنی قبر میں سیاہ رنگ کے بدصورت پرندے کی شکل میں محبوس رہتا ہے۔ ○ مومن شہید اپنی قبر میں برزخی جنّت کے میٹھے، رسیلے، خوش ذائقہ اور خوشبودار پھل اور میوے کھاتا رہتا ہے۔ ○ بعض بڑے بڑے کافر اپنی اپنی قبر میں پڑے اپنی بھاری بھرکم آنتیں گھسیٹتے اور مار کھاتے رہتے ہیں۔

○ اسی طرح عذابِ قبر کی اپنے اعمال کے لحاظ سے اور بہت سی صورتیں بھی ہیں۔ مثلاً: (مشتے نمونہ از خروارے)

○ زانی اور زانیہ ننگے بدن ہوتے ہیں۔ ○ آگ سے بھرے ہُوئے تنور میں رہتے ہیں۔ ○ کبھی اُوپر کو آتے ہیں تو کبھی نیچے کی طرف چلے جاتے ہیں۔ ○ غیبت کرنے والے اور بے عمل خطیب کے جبڑے کو آگ کی قینچیوں سے کترا جاتا ہے اور یہ عمل بار بار ہوتا ہے۔

○ ایسے مواقع پر تمام علماء سلف و خلف قبر سے مُراد عالمِ برزخ لیتے ہیں جو قبر کے اصطلاحی و شرعی معنے ہیں۔ اور ایسا عذاب عالمِ برزخ میں جسم مثالی پر مع الروح سچ مچ وارد ہوتا ہے، خواب والا معاملہ نہیں ہوتا۔

خواب سے عذابِ قبر کی تشبیہ

○ بعض علماء کرام نے موت کے بعد وارد ہونے والے واقعات کو محض ایک خواب جیسی حالت سمجھ کر کہا کہ جس طرح کسی شخص کو خواب میں مختلف مناظر دِکھتے ہیں، اور وہ خواب میں دُکھ سُکھ محسوس کرتا ہے، مگر اس سونے والے کے پاس بیٹھا ہُوا آدمی اس کی حالت کو محسوس نہیں کرسکتا۔ جیساکہ حضرت حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۲ میں تحریر فرمایا ہے۔ لیکن ان کی یہ مثال مُمَثّل لَہٗ کے ساتھ مُطابق نہیں، اور یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ سونے والے کی رُوح کا تعلق بدن عنصری کے ساتھ مُنقطع نہیں ہوتا۔ صرف اتنا ہے کہ سونے والے کے حواس ظاہری طور پر معطل ہوجاتے ہیں جبکہ مرنے والے کی رُوح اس کے بدنِ عنصری سے خارج ہوکر اربع عناصر سے عبارت اِس عالمِ دُنیا سے دُور عالمِ برزخ میں چلی جاتی ہے اور پھر یوم البعث سے پہلے پہلے اس جسدِ عنصری میں واپس نہیں آتی۔ جیساکہ:

○ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ (۴۲:۳۹) کہ اللہ تعالیٰ ان روحوں کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم کرچکا ہے۔

○ جامع البیان اور خازن میں لکھا ہے: فلا یردھا الیٰ جسدھا.

○ بیضاویؒ و مراغیؒ نے تحریر فرمایا ہے: لا یردھا الیٰ البدن.

○ ابنِ قیمؒ نے کتاب الرُّوح میں تحریر فرمایا: لایردھا الیٰ جسدھا قبل یوم القیٰمۃ

○ مظہری میں ہے: لایردھا الی البدن حتیٰ ینفخ نفخۃ البعث.

○ قرطبی میں ہے: ولا یرسلہ الیٰ یوم القیٰمۃ.

○ رازیؒ نے تحریر فرمایا: ثم انہ سبحانہ وتعالیٰ یرد الروح الی البدن یوم القیٰمۃ الکبریٰ کہ پھر اللہ تعالیٰ اس رُوح کو قیامت کبریٰ کے دن اس بدنِ عنصری کی طرف واپس کرے گا۔

○ حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں حیات بعد الممات کے بارے میں نیند سے مشابہت کی ایک مثال آئی، جسے انھوں نے فتح الباری میں نقل فرمانے کے بعد خود ہی اس کا رد بھی کردیا اور فرمایا: والتنظیر بالنائم لایصح کہ سونے والے کے ساتھ میت کی مثال دینا صحیح نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ سونے والے کے بدن سے تو رُوح کا تعلق (بدستور قائم رہتا ہے) منقطع نہیں ہوتا صرف ظاہری طور حواس معطل ہوجاتے ہیں، لیکن میت کے بدن سے تو رُوح کا تعلق کُلی طور پر منقطع ہوجاتا ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۲)

○ حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں، بالکل سیدھی سی بات ہے کہ اگر کسی کے ذہن میں اس طرح کا شبہ پیدا ہو تو اُسے صحیح نہ سمجھے۔ اور اہلِ تحقیق کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ کوئی شبہ پیدا ہو تو اُسے لکھ کر بعد میں اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور حضرت علامہ ابن حجرؒ نے بھی یہاں اِسی طرح کیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر موت کے بعد والی زندگی اور عالمِ برزخ میں نکیرین کے ساتھ سوال جواب اور عذاب و ثواب کو کسی سوتے ہُوئے شخص کے خواب کی طرح سمجھ لیا جائے تو لوگوں میں نہ تو نیکی کا شوق رہے گا اور نہ ہی گناہوں سے بچنے کی کوئی فکر۔ اور عذابِ قبر سے پناہ مانگنا تو بالکل ہی بے مقصد ہوجائے گا کیونکہ خواب میں تو انسان خود کو اُڑتا ہُوا بھی دیکھتا ہے، خود کو حج و زیارتِ مقاماتِ مقدسہ سے مُشرف ہوتا ہُوا بھی دیکھتا ہے، جنت بھی دیکھ لیتا ہے۔ اور بعض اوقات خود کو شیر سے بچھڑتا ہُوا، پہاڑ سے گرتا ہوا، اور کبھی اپنے آپ کو مرتے ہُوئے بھی دیکھتا ہے۔ لیکن جب سوکر اُٹھتا ہے تو خواب وہیں دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصلی حالت میں ہوتا ہے۔

کرمِ شکم سے مُعَذَّب و مُنَعَّم کی تشبیہ

○ بعض علماءِ کرام جو آدمی کے اِنتقال کے بعد اس کے اسی جسدِ عنصری کے معذب و منعم ہونے کے قائل ہیں وہ ایک اور مثال بھی دیتے ہیں کہ جس طرح اِنسان کے جسم میں مختلف قسم کے کرم و کیڑے ہوتے ہیں اور اس کے معدے اور انتڑیوں و امعاء سے اپنی خوراک کھاتے ہیں اور آپس میں لڑتے مرتے بھی رہتے ہیں، دکھ سکھ بھی اٹھاتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس آدمی کو اپنے پیٹ میں ہونے والی اس کارروائی کا ذرہ برابر اِحساس نہیں ہوتا، اِسی طرح جس انسان کو کسی درندے یا پرندے نے کھالیا ہو تو وہ اس کے پیٹ میں رہ کر بھی عذابِ قبر یا ثوابِ قبر محسوس کرتا رہتا ہے اور جن جانوروں نے اسے کھایا ہے انھیں اس کارروائی کا کچھ اِحساس نہیں ہوتا۔

○ لیکن یہ مثال بھی ممثل لہٗ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی اس لیے یہ مثال دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کرمِ شکم جو کسی اِنسان کے پیٹ میں ہوتے ہیں وہ اپنا مستقل جسم رکھتے ہیں وہ انسان کا جزوِ بدن نہیں ہوتے، اور جو اِنسان جانوروں کی خوراک بن جاتا ہے تو اس کا جسم تھوڑا تھوڑا مختلف قسم کے چھوٹے بڑے جانوروں، پرندوں اور حشرات کے حِصّے میں آتا ہے۔ اور پھر اِنسان کا وہ جسدِ عنصری ان مختلف درندوں، پرندوں اور حشرات الارض کے پیٹ میں جاکر ان جانوروں کی قوتِ ہضم کے موافق ہضم ہوگیا جس سے اس کا خون بنا اور وہ خون اس کے پہلے خون میں شامل ہوکر اس جانور کے پورے جسم میں گردش کرنے لگا اور اس کا باقی حِصّہ فضلہ بن کر بول و براز کی راہ اس جانور کے جسم سے خارج ہوکر ایک بار پھر غلاظت خور کیڑوں کی خوراک بنا اور پھر کرم خور پرندوں کی خوراک بنا پھر پرند خور اِنسان

کی لذت دہن کا باعث ہوا۔ اور بالآخر ہزاروں جانوروں، درندوں، پرندوں، حشرات الارض بلکہ کسی نہ کسی انسان کے جسم میں بھی اس کے اجزا پہنچ جاتے ہیں۔ اور پھر تو یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح جاری وساری رہے گا۔

○ بہرحال درندوں کا شکار ہونے والے انسان کے جسدِ عنصری کو پیٹ کے کیڑوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ شرح عقائد نسفیہ طبع مصر کے حاشیہ ص ۱۱۵ پر حضرت علامہ ملا جُنَید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ احمد بن موسیٰ شمس الدین خیالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تردید میں کہا ہے جو انھوں نے شرح عقائد نسفیہ ص ۱۱۸ پر تحریر فرمایا ہے۔

○ اور ان علماء کا کہنا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی رُوح اسی جسدِ عنصری میں حساب کتاب اور عذاب وثواب کے لیے لوٹ آتی ہے خواہ اس جسم کے ذرات مختلف مقامات میں کیوں نہ بکھرے پڑے ہوں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بات بعید نہیں کہ انسان کے مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں اجزاء کے ساتھ انسان کی اس رُوح کا تعلق قائم فرما دے۔

○ لیکن افسوس کہ اتنے بڑے بڑے متبحر علماء ربانیین معتزلیوں کے رد میں عذاب وثواب قبر کے اثبات میں قرآن وحدیث کی بجائے عقلی طور پر مسئلہ سمجھانے بیٹھے تو غلطی کا شکار ہو گئے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان علماء کی اس قلمی لغزش کو معاف فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

○ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے انتقال کے بعد اس کی رُوح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے جہاں اُسکے اعمال مجسم ہو کر اس کی رُوح کا مستقر بنتے ہیں اور وہیں اسے عذاب وثواب قبر ہوتا ہے۔ اور یہ دنیوی عنصری جسم کہیں بھی ہو اور کسی حالت میں بھی ہو عجب الذنب میں اس کا ایک عنصر ہر حال میں محفوظ رہتا ہے جس سے یہ جسم عنصری دوبارہ بنے گا۔

رُوح کی سُورج سے تشبیہ

○ بعض علماء کرام ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ انسان کی رُوح عالمِ برزخ میں رہتی تو اپنے اپنے مقام پر ہی ہے، یعنی نیک لوگوں کی رُوح علیین میں اور بدعمل لوگوں کی رُوح سجین میں رہتی ہے۔ مگر اس کے باوجود اس رُوح کا اشراف یا اشراق (یعنی جھانکنا یا چمکانا) اس جسدِ عنصری پر ہوتا ہے، جیسے سُورج تو آسمان پر موجود ہے مگر اس کی روشنی اور چمک زمین پر پڑتی رہتی ہے، جس کے آثار زمین کے پودوں پر مرتب ہوتے رہتے ہیں' ایسے ہی روحیں عالمِ برزخ میں اپنے اپنے مقام پر رہتی ہیں مگر ان کا اشراف یا اشراق اپنے اپنے ابدانِ عنصریہ پر پڑتا رہتا ہے جس کے باعث ان کے ابدان عذاب و ثواب محسوس کرتے رہتے ہیں۔

○ لیکن ان علماء کا یہ خیال بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ مثال جہاں قرآن وحدیث کی تعلیمات سے موافقت نہیں رکھتی وہاں اپنے ممثل لہٗ کے ساتھ مُطابقت بھی نہیں رکھتی۔ کیونکہ سُورج تو ایک ایسا جرم ہے جو خود اپنے مستقر سے نیچے نہیں اُترتا بلکہ اس کی شعاع زمین پر پڑتی ہے' جو نہ تو سورج ہے اور نہ ہی اس کی صفت ہے بلکہ وہ تو ایک عرض ہے جو کسی جوہر کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ جبکہ رُوح خود ایک ایسی ذات اور جوہر ہے جو اُوپر کو چڑھتی اور نیچے کو اُترتی ہے۔ جیساکہ پہلے وہ عالمِ ارواح میں تھی تو جسدِ عنصری بننے کے بعد عالمِ ارواح سے نکل کر بطنِ مادر میں اس جسدِ عنصری میں داخل ہوگئی اور اشراف اشراق پر کفایت نہیں کی' پھر ایک عرصہ تک عالمِ دنیا میں اسی جسدِ عنصری میں رہنے کے بعد عالمِ برزخ میں چلی گئی' اور پھر یوم البعث میں اسی جسدِ عنصریہ میں عود کرے گی۔ اور اشراف و اشراق کی دلیل بھی تو کوئی نہیں جس کا ماننا ضروری ہو۔

خلاصہ اس تمام تحریر کا یہ ہے کہ شکمِ مادر میں جب انسان کا جسدِ عنصری تیار ہوکر رُوح کا متحمل ہوجاتا ہے تو عالمِ ارواح سے رُوح کو نکال کر اس میں داخل کردیا جاتا ہے۔ جہاں وہ اس جسم میں داخل ہوکر مختلف قسم کی حرکات کرتا ہے، یہاں پر اسے رزق بھی ملتا ہے اور وہ اگر اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تو یہی سمجھتا کہ بس زندگی یہی ہے، جو وہ گزار رہا ہے اور اس زندگی کو چھوڑنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوتا، سوائے اس کے کہ زبردستی اسے وہاں سے باہر نکال دیا جائے۔ اور اگر وہ بولنے کی صلاحیت رکھتا تو اپنے ماں کے پیٹ سے نکلنے جانے کو وہ اپنی موت بتلاتا۔ حالانکہ یہ تو اس کی ولادت ہے۔ اس کے بعد وہ ہلتا جلتا ہے مختلف قسم کی آوازیں نکالتا ہے، سانس لیتا ہے، نبض چلتی ہے، اپنی آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ تو کوئی پہلے سے بڑی دُنیا ہے۔

○ پھر تدریجاً وہ ذی رُوح جسم بڑھتا ہے، اس کے ناخن، دانت اور بال وغیرہ بھی بڑھتے ہیں، دودھ پانی وغیرہ پیتا ہے پھر بتدریج کھانے والی نعمتیں کھاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اٹھنا بیٹھنا، کھڑے ہونا، چلنا پھرنا اور پھر دوڑنا بھاگنا اچھلنا کودنا اور کھیلنا شروع کرتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ عالمِ دُنیا اس کی نظروں میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر حسبِ دستور پڑھتا پڑھاتا ہے تجارت یا محنت کرتا۔ کبھی بیمار پڑتا ہے کبھی تندرست ہوجاتا ہے۔ کسی کو نفع پہنچاتا ہے اور کسی نقصان۔ غرض اس عالمِ دُنیا میں ایک وقتِ معین تک نیک یا بد زندگی گزار کر اگلے جہان چلا جاتا ہے۔ جو در حقیقت اس کی ایک نئی ولادت ہے، وہ مرتا نہیں، عالمِ دُنیا کے اس جسدِ عنصری کو چھوڑ کر عالمِ برزخ کی طرف انتقال کرجاتا ہے۔ جس کو اہلِ دُنیا عُرفِ عام میں موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

○ اس وقت اس جسدِ عنصری کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے تمام حواس

ختم ہوجاتے ہیں، نہ وہ سانس لیتا ہے، نہ ہلتا جلتا ہے، نہ اس کی نبض چلتی ہے نہ دل دھڑکتا ہے، ناخنوں اور بالوں کا بڑھنا ختم ہوجاتا ہے، نہ کھاتا پیتا ہے، نہ اُٹھ کر بیٹھ سکتا ہے۔ چلنا پھرنا دوڑنا کھیلنا تو دُور کی بات ہے۔ اُس کے مُنھ میں زبان تو ہوتی ہے مگر بول نہیں سکتا، آنکھیں بھی کھلی ہوتی ہیں مگر دیکھ نہیں سکتا، کان بھی ہوتے ہیں مگر سُن نہیں سکتا، اور ناک بھی ہوتی ہے مگر سونگھ نہیں سکتا۔ اسی طرح اس کے ہاتھ بھی موجود ہوتے ہیں مگر ان ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ نہیں سکتا، لکھ نہیں سکتا، ستر سے کپڑا سرک جائے تو درست نہیں کرسکتا، پاؤں ہوتے ہیں مگر چل نہیں سکتا۔

○ پہلے خود نہایا کرتا تھا مگر اب اس میں نہانے کی طاقت نہیں، دُوسرے لوگ اسے نہلاتے ہیں۔ پہلے اپنے کپڑے خود پہن لیتا تھا مگر اب اسے دُوسرے لوگ کپڑے پہناتے ہیں۔ پہلے خود چلتا پھرتا تھا مگر اب دوسرے لوگ اسے چارپائی پر لٹا کر قبر تک لے جاتے ہیں۔

○ جب اس جسدِ عنصری میں رُوح تھی تو مارنے پیٹنے سے چیختا چلاتا تھا۔ مگر اب اگر اسے کوئی مارے پیٹے، عملِ جراحی کے ذریعے اس کے پورے جسم کو چیر پھاڑ کر جسمانی معائنہ کرے، اس کی آنکھیں یا گردے نکال لے، اس کے جوڑ بند الگ الگ کردے، گوشت پوست کو ہڈیوں سے اتار دے تب بھی نہ روتا ہے، نہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں، نہ کسی کو مدد کے لیے پکارتا ہے اور نہ بھاگتا ہے۔ اور ہندو تو اسے جلا کر بھسم کردیتے ہیں تو یہ اُف تک نہیں کرتا۔

○ غرض رُوح نکلنے کے بعد یہ جسدِ عنصری بیکار محض ہوجاتا ہے اور باعتبار ماکان کے انسانیت کے باعث احتراماً جسدِ مسلم کو حکمِ شرع کے موافق غسل و کفن کے بعد اس پر نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جاتا ہے۔ بلکہ غیر مسلم کے جسمِ خاکی کو بھی گڑھا کھود کر دفن کرنے کا حکم ہے تاکہ اسے چیل کوّے نہ کھائیں۔

○ مضمون سابق سے بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس عُرفی قبر میں انسان نہیں بلکہ انسان کا جسدِ عنصری دفن کیا جاتا ہے، اور جس انسان کے جسدِ عنصری کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھنا چاہیں محفوظ رکھیں لیکن اس کا تعلق رُوح کے ساتھ کلی طور پر ختم ہوجاتا ہے۔

○ اب رہی رُوح (انسانِ حقیقی) سوائے عالمِ دُنیا کے اس جسدِ عنصری سے مع نسمہ کے کھینچ کر نکالنے کے بعد عالمِ برزخ میں اپنے اعمال کے مُطابق ان کے مناسب مقام پر پہنچادی جاتی ہے۔ اور نسمہ جس نے یومِ میثاق میں الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا اور جسمِ عنصری میں رُوح کے ساتھ داخل کیا گیا تھا اور رُوح کے ساتھ یہ بھی اب تک عجبُ الذنب یعنی پیچھے والی ہڈی میں رہا تھا اب بھی وہ رُوح کے ساتھ ہی عالمِ برزخ میں موجود ہے۔

○ بہرحال وہ روحِ انسان پُوری طرح سُوجھ بُوجھ رکھتی ہے۔ جب وہ برزخ میں پہنچتی ہے تو مومنوں کی روحیں اِس کے اِستقبال کو آتی ہیں، اس سے مِل کر خوش ہوتی ہیں، پسماندگان کا حال دریافت کرتی ہیں۔ اگر کسی کے متعلق وہ رُوح یہ اِطلاع دے کہ وہ تو مجھ سے پہلے ہی دُنیا سے آچکا ہے تو اگر وہ علیّین میں بھی نہ ہو تو افسوس کرتی اور کہتی ہیں کہ تب تو وہ سجین میں چلا گیا ہوگا۔ اور اپنے علیین میں پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہیں۔

○ پھر فرشتے (منکر نکیر) اس کے پاس آتے ہیں تو وہ انھیں دیکھتی اور پہچانتی ہے فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں اور وہ بخوبی ان کے سوالوں کو سُنتی اور سمجھتی ہے اور پھر ان سوالوں کا مناسب جواب دیتی ہے۔ فرشتے اس کا مناسب جواب سُن کر اسے تسلی دیتے ہیں اور اسے جنت کا آخری ٹھکانہ بھی دکھادیتے ہیں۔ پھر درجات کے موافق یا تو اسے برزخی جنت میں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جہاں چاہیں اُڑتے پھریں، یا پھر انھیں کہتے ہیں کہ جیسے نئی بیاہی

دُلہن آرام سے سوتی ہے تو بھی بغیر کسی خوف و خطر کے بڑے آرام سے بخوشی سوجا۔ اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور پھر قیامت تک اسے جنت کی خوشبو اور خوشگوار ٹھنڈی ہوا لگتی رہتی ہے اور شہداء کو تو جنت سے رزق بھی ملتا رہتا ہے، وہ کھاتے پیتے رہتے ہیں اور جہاں چاہیں برزخی جنت میں گھومتے پھرتے اور اُڑتے رہتے ہیں۔

○ اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کہ جن کا مرتبہ تمام مومنین، صدیقین، شہداء اور صالحین سے اعلیٰ و ارفع ہے، ان کو تو سب سے زیادہ مسرت کے اسباب میسر ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ ہے۔

اب رہیں کفار اور گنہگار مومنین کی ارواح، سو انھیں بھی اپنے اپنے اعمال کے مطابق سجین میں سزا ملتی ہے یا اعراف برزخی میں امید و یاس میں رہتے ہیں۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

○ امید ہے آپ کو اچھی طرح یہ مسئلہ سمجھ آگیا ہوگا کہ اصطلاحِ شرع میں قبر کسے کہتے ہیں اور سوال و جواب کس سے کہاں اور کب ہوتا ہے۔ نیز آپ کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو کی گئی وصیت کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھ آگیا ہوگا کہ در اصل چونکہ یہ وقت عالمِ برزخ میں فرشتوں کے سوال جواب کا ہوتا ہے۔ اور اگر اس وقت میت کے لیے دُعاء مانگی جائے اور اس کے لیے اِستغفار کی جائے اور ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے آسانی کے ساتھ سوالوں کے جواب دینے کی ہمت دے گا اور اس کے درجات بلند فرمائے گا۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَيْهِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیها حجارة من سجیل

القول المرعي في القبر الشرعي

مؤلفہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

۱۲۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم تمام اہل السنۃ والجماعۃ بلکہ سوائے ایک دو متقدمین کے تمام اہل اعتزال بھی اس پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد برزخی زندگی میں سزا و جزا ہے۔ بشر مریسی اور ضرار بن عمرو کے متعلق مشہور یہی ہے کہ وہ برزخی جزا و سزا کے منکر ہیں، مگر حضرت سیدی محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند اپنی تقریر حدیث میں فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک ان کی عبارتیں خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں ان کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا:

ممکن ہے کہ انہوں نے کچھ کہا ہو اور سمجھنے والوں نے کچھ اور ہی سمجھا ہو۔

بہرحال بعد از موت سزا و جزا کے جیسے اہل السنۃ والجماعۃ قائل ہیں ایسے ہی معتزلہ اور روافض بھی قائل ہیں۔ البتہ متاخرین معتزلہ میں سے بعض منکر ہیں۔

اور انکار کیوں کریں جبکہ قرآنی آیات عذاب و ثواب بعد از موت کو واضح کرتی ہیں۔ جیسے سورت نوح کی آیت، سورت مؤمن کی آیت، سورت توبہ کی آیت وغیرہ۔

اسی طرح متواتر احادیث سے عذاب و ثواب قبر ثابت ہے۔ مثلاً

★ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ★ عبداللہ بن مسعودؓ ★ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ★ زید بن ارقمؓ ★ امام عمر بن الخطابؓ ★ مسلم بن ابی بکرہؓ ★ ابوالعاء السائبؓ ★ ابومسعودؓ ★ انس بن مالکؓ ★ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ★ ابوہریرہؓ ★ ابن عباسؓ ★ امام علیؓ بن ابی طالب ★ ابوبکرہ ★ عبادۃ بن

الصامتؓ ★ خالد بن عرفطؓ ★ سلیمان بن صردؓ ★ براء بن عازبؓ ★ ابو سعید خدریؓ ★ فضالۃ بن عبیدؓ ★ عقبۃ بن عامرؓ ★ ابو برزہؓ ★ ابو امامہ ★ عبداللہ بن عمرؓ ★ زید بن خالدؓ وغیرہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس کے راوی ہیں۔

پھر تمام صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کا اس پر اجماع ہے۔ اسی لئے بہت سے علمائے کلام نے منکرین عذاب وثواب بعد الموت پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا ہے۔ مگر مع ھذا معتزلہ میں سے کسی کو کسی نے کافر نہیں کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معتزلہ عذاب وثواب بعد الموت کے منکر نہیں ہیں۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ یہ عذاب وثواب کہاں ہوتا ہے؟

سو اس بات کے لئے رُوح کا مقام معلوم کرنا پڑتا ہے کہ جہاں روح وہیں عذاب وثواب ہوگا، کیونکہ جماد کو عذاب نہیں ہوتا کیونکہ غیر حی کو عذاب دینے کو علماء نے سفسطہ لکھا ہے کیونکہ جماد کو حِس نہیں ہوتی۔

سو بعض نے مسند احمد کی حدیث کو دیکھ کر عود رُوح الی الجسد العنصری کا قول کیا ہے اور بعض نے بین الجسد والکفن کا قول کیا اور بعض نے افنیہ قبور پر رہنے کا قول کیا اور بعض نے کہا کہ ارواح کا مقام علیین وسجین ہے۔

اور یہی قول احق اور اسلم ہے اور احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے۔ جیسے صحیح سند کے ذریعہ حضرت امامہؓ سے مروی ہے کہ:

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آیت الکرسی ہر مکتوبہ کے بعد پڑھے گا تو موت کے سوا اس کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں"

(جامع صغیر ص ۱۶۹/۲)

اسی طرح بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

"نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات جنت میں داخل ہو کر دیکھا تو جعفر طیار کو فرشتوں کے ساتھ اڑتا ہوا پایا اور حضرت حمزہؓ تخت پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اور فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو ایک لونڈی میرے

سامنے آئی میں نے پوچھا تو کس کی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں زید بن حارثؓ
کی ہوں۔

اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو پڑھنے کی آواز سنی تو میں
نے پوچھا کہ یہ کون پڑھ رہا ہے، فرشتوں نے کہا کہ یہ حارثہ بن نعمان پڑھ رہے ہیں۔

اور آپؐ نے فرمایا کہ:

ایک عورت دوزخ میں اس لئے گئی ہے کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا نہ تو
اُسے کھانے کو دیتی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ زمین کے خشاش میں سے کھاتی حتیٰ
کہ مر گئی۔

اور فرمایا کہ:

میں نے حضرت خدیجہؓ کو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر کے کنارہ پر دیکھا۔

اور فرمایا کہ:

ابراہیم بن النبیؐ کی دائیاں جنت میں تعینات ہیں جو جنت میں اس کو دودھ
پلاتی ہیں۔

اور کسی نے آنحضرتؐ سے اُحد کے دن میں پوچھا کہ یا حضرت! آپ یہ فرمایئے کہ اگر
میں مارا جاؤں تو پھر کہا جاؤں گا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

جنت میں۔

اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اُم حارثہؓ کو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

جنت میں کئی باغ ہیں اور تیرا بیٹا (حارثہ) فردوس اعلیٰ میں پہنچا ہے۔

نیز فرمایا کہ:

شہید کے سوا کوئی مسلمان ایسا نہیں جو جنت میں جا کر پھر دنیا میں واپس جانے
کی خواہش کرے اگرچہ اس کو سب دنیا ہی کیوں نہ مل جائے، البتہ شہید جنت
کی عزت کو دیکھ کر جو شہادت کی وجہ سے ملی ہے یہ خواہش کرے گا کہ پھر دنیا میں

واپس جاکر کفار سے جہاد کرکے دسیوں بار شہید ہوں کہ اس مرنے میں اور مرنے کے بعد اس کے ثواب میں بڑا مزہ ہے:

اور عبدالرحمٰن بن عمیرہؓ نے بھی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور حضرت مسروقؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے اس آیت کا مطلب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ:

"شہیدوں کی زندگی اس طرح ہوگی کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر رہ کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں جہاں ان کا دل کرتا ہے، پھر اُن کی خاطر عرش کے نیچے لالٹینیں لٹکی ہوئی ہیں وہاں جاکر آرام کرتی ہیں، پھر ان کا رب ان کیطرف توجہ فرماتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ اب کسی چیز کی تمہیں خواہش ہے؟ تو عرض کرتے ہیں نہیں حضور کس چیز کی اب ہمیں خواہش ہو جبکہ اتنے عیش وعشرت اور آرام میں ہیں کہ جنت میں ہمیں اتنی آزادی ہے کہ جہاں ہم چاہتے ہیں سیر کرتے پھرتے ہیں۔ تین دفعہ یہ سوال جواب ہوتا ہے، جب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے پوچھ کر ہی رہے گا تو پھر کہہ ہی دیتے ہیں کہ ربنا ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری روحیں ہمارے عنصری بدنوں میں واپس فرمائے تاکہ تیری راہ میں دوبارہ جہاد کرکے قتل ہوں جب اللہ تعالیٰ اس کے سوا کوئی حاجت مانگنے کی نہیں دیکھے گا تو پھر ان سے سوال نہیں کرے گا۔"

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو یہ بات بتائی کہ:

"اُحد میں جو تمہارے بھائی شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر رکھی ہیں، جنت کی نہروں پر آکر ان کا پھل کھاتے ہیں اور عرش کے سایہ میں جو سونے کی لالٹینیں لٹکی ہوئی ہیں وہاں جا آرام کرتے ہیں اور جب اس قدر انہوں نے اپنے کھانے پینے اور رہائش و آرامگاہ کی فراغت پائی تو کہنے

گے کوئی ہے جو ہمارے اس عیش و آرام کی خبر ہمارے بھائیوں کو پہنچائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی؛

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب مرنے والا مرجاتا ہے تو اس کا مقام سامنے دکھایا جاتا ہے، اگر دوزخی ہے تو دوزخ کا مقام اس کو دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام، اسی میں تجھے رکھا جائے گا قیامت تک؛

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"شہید لوگ جنت کے دروازہ پر ایک نہر کے پاس سبز گنبد میں رہتے ہیں اور صبح و شام جنت سے ان کو کھانا آتا ہے؛

اور فرمایا کہ:

"عمرو بن عامر خزاعی (جس نے عرب میں بت پرستی کی بنیاد رکھی تھی اور سانڈ غیراللہ کے نام پر چھوڑنے کی رسم شروع کی تھی اور کھونٹی میں جیز لٹکالیتا تھا) کو آگ کے اندر میں نے دیکھا جو اپنی آنتیں گھسیٹے پھر رہا تھا؛

اسی طرح اور بہت سی حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ارواح ان عرفی قبروں کی طرف نہیں لوٹائی جاتیں بلکہ یا برزخی جنت میں ہوتی ہیں جس کا نام علیین ہے یا برزخی دوزخ میں ہوتی ہیں جس کا نام سجین ہے اور یہ عرفی قبر مراد نہیں ہو سکتی اور نہ ہی حضرت موسیٰؑ اس عرفی قبر میں نماز پڑھتے ہیں کیونکہ قبر نماز پڑھنے کی جگہ نہیں (قبر میں نماز کوئی مردہ پڑھتا ہے اور نہ ہی قبر پر اور نہ ہی قبر کی طرف کسی زندہ کو نماز پڑھنے کی شرعی اجازت ہے۔ مؤخر الذکر ہر دو باتیں تو ظاہر ہیں)

اسی طرح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے اندر نہ نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور نہ ہی مردہ اس قبر عرفی میں نماز پڑھتا ہے۔

کیونکہ حضرت حسین بن علیؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا ۔ یعنی اپنے گھروں میں بھی نماز سنتیں اور نفل وتہجد وغیرہ پڑھ لیا کرو اور ان کو قبروں کی طرح نہ سمجھ لو۔

مطلب بالکل واضح ہے کہ جیسے قبر میں پڑا ہوا مردہ نماز نہیں پڑھتا ایسے ہی تم اپنے گھروں کو نماز پڑھے بغیر نہ چھوڑو۔

اور حضرت موسیٰ کی بابت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ کو میں نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا یہ عالم مثال ہے نہ قبر عرفی۔ چنانچہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت المصطفیٰ میں اس حدیث کو اس عنوان کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ:

"عالمِ مثال کی بے مثال امثال"

اس قبر سے عرفی قبر سمجھنا کم فہمی ہے۔ نیز اگر عذاب وثواب اسی گڑھے میں ہونے کا عقیدہ رکھیں تو کہنا پڑے گا کہ ہندو وسکھ وغیرہ جو لوگ گڑھے میں دفن نہیں کرتے تو ان کو عذاب کی چھٹی ہوئی، نہ ان کو گڑھے میں دفن کیا اور نہ ہی ان کو عذاب ہوگا۔ پھر اس عقیدہ سے قرآنی آیات کا انکار بھی لازم آتا ہے کیونکہ قرآن پاک کہتا ہے کہ فرعونیوں کو غرق کرنے کے بعد ان کو صبح شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ ان کی قبریں کسی نے نہیں بنائیں۔

اور قرآن پاک کہتا ہے کہ نوحؑ کی قوم کو طوفان میں غرق کرکے فوراً آگ میں داخل کر دیا گیا۔ حالانکہ ان کی قبریں بھی کسی نے نہیں بنائیں۔

اور جن کو درندے پرندے کھا جاتے ہیں ان کی قبریں نہیں بنائی جاتیں۔

اور جو سمندر میں یا دریاؤں میں غرق ہو جاتے ہیں ان کو مچھلیاں اور دوسرے دریائی جانور کھا جاتے ہیں ان کی قبریں نہیں بنائی جاتیں۔

اب قبر اگر گڑھے کا ہی نام ہو جیسا کہ اس پر لوگ زور دیتے ہیں تو فرعونیوں، قوم نوح، ہندوؤں، سکھوں، اور درندوں پرندوں کی خوراک بننے والے مردوں کے عذاب قبر کا انکار کرنا پڑے گا اور جو ان قطعیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فرعونیوں کا گڑھا نہیں لہٰذا ان کو عذاب نہیں، قوم نوح کے لئے گڑھے نہیں کھودے گئے

آزاد

اس لئے ان کو بھی عذاب نہیں تو یہ شخص قرآن کی صریح آیتوں کا انکار کر کے کافر ہو گیا۔ چلا تو تھا اہل حق کو معتزلی بنانے مگر قدرت خدا کی دیکھو آپ ہی ایمان اور قرآن سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اللھم احفظنا من شر السفہاء من العلماء

نیز اگر قبر کے معنی گڑھے کے کریں تو بہت سی احادیث صحیحہ کا انکار لازم آئے گا یا کہنا پڑے گا کہ کافر اور مرتد بھی عذاب قبر سے محفوظ ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک کاتب وحی مرتد ہو گیا تھا نبی پاکؐ نے باطلاع اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو بتایا کہ زمین اس کے مرنے کے بعد اس کو قبول نہیں کرے گی۔ چنانچہ وہ مرتد مر گیا لوگوں نے اسے دفن کیا۔ دوسرے دن دیکھتے ہیں کہ قبر سے باہر زمین کے اوپر پڑا ہے پھر دفن کیا پھر تیسرے دن دیکھا قبر سے باہر زمین پر پڑا ہے۔ اسی طرح سات بار اس کو دفن کرتے ہیں ہر بار وہ زمین پہ قبر سے باہر نکل پڑتا ہے۔ ایک اور صحابی کی وہاں سے گذر ہوتی ہے اور وہ یہ مردہ زمین سے باہر پڑا دیکھ کر کہتا ہے کہ کیا ہو گیا ان لوگوں کو جو اپنے مردہ کو دفن نہیں کرتے۔ لوگوں نے کہا ہمارا کوئی قصور نہیں ہم نے تو اس کو سات دفعہ دفن کیا ہے ہر بار زمین سے باہر نکل پڑتا ہے۔

اگر عذاب قبر اس گڑھے میں مانا جائے تو اس مرتد کی بابت کہنا پڑے گا کہ وہ عذاب قبر سے محفوظ ہے حالانکہ وہ بہت ہی پلید ہے کہ صرف عالم برزخ میں بس نہیں اس کے جسم کو بھی اللہ تعالیٰ ذلیل کر کے قبر سے باہر پھینک دیتا ہے یہ اس کی نہایت درجہ کی تذلیل ہے اور عالم قبر عالم برزخ میں اس کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے وہ اپنی جگہ ہے۔

اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں جسے لوگ اپنے ہاتھوں سے کسیوں کے ذریعے کھود کر اس میں میت کو دفن کرتے ہیں بلکہ قبر کسی اور چیز کا نام ہے جہاں جزا و سزا ہوتی ہے۔ ہاں اس گڑھے کو عرفی قبر کہتے ہیں۔ عرفی قبر کے احکام جدا ہیں جو اہل دنیا کے ساتھ متعلق ہیں۔ مثلاً اس قبر کو وسیع بنانا اس میں میت کو دفن کرنا اور اس پر مٹی ڈالنا اور اس کی شکل کوہان کی سی بنانا اور اس پہ پانی

چھڑکنا اور سنگریزے رکھنا اور اس پر کھڑے ہوکر گھنٹہ دو گھنٹہ دُعائیں مانگتے رہنا ماموراتمیں سے ہے۔

اور اس کو پختہ بنانا، یا اس کے اندر کے حصّہ کو پختہ بنانا، یا اس پر پھول ڈالنا، یا وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھنا اور اس پر بیٹھنا یا وہاں سونا، یا ہنسنا اور اس پر دیوار کھڑی کرنا، یا اس کے ارد گرد گنبد بنانا، یا اس پر چادر یا غلاف وغیرہ ڈالنا، یا اس کے قریب جانور لاکر ذبح کرنا، یا اس کے قریب شور و غل کرنا، اس پر عرس کرنا، مسجد کرنا، ڈھول وغیرہ مزامیر کا استعمال کرنا، قوالی کرنا، اس پر چراغان کرنا، اگربتی وغیرہ جلانا، یا اس کو لیپنا، یا دھونا، یا اس پر زائد مٹی ڈالنا، یا ان کی بے حرمتی کرنا یا اس پر یا اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا یہ سب منہیات سے ہے۔

اور شرعی قبر کے احکام جدا ہیں۔ جو اہل دنیا کی نظر سے عموماً غائب رہتے ہیں، اور اہل برزخ میں سے بعض پر منکشف ہوتے ہیں۔ وہاں فرشتوں کو عذاب و ثواب پر تعینات کیا جاتا ہے۔ وہاں کی نعمتیں یہاں کی نعمتوں سے مختلف، وہاں کی آگ یہاں کی آگ سے مختلف، وہاں کے سانپ، بچھو یہاں کے سانپ بچھوؤں سے مختلف۔ غرض وہاں کی ہر چیز یہاں کی ہر چیز سے مختلف ہے۔

البتہ بعض اوقات اہل دنیا کی عبرت کے لئے جسم عنصری پر کچھ حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی بغیر اعادۂ رُوح کے

اب اس مسئلہ کو ہم اپنے اکابر کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ آپ ان کی عبارات کو پڑھ کر سوچیں کہ یہ دعویٰ ہمارا صحیح ہے یا غلط۔ آیا اس دعویٰ میں ہم منفرد ہیں یا تمام اکابر کا یہی عقیدہ تھا۔

حکیم الامّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ

(۲۹) جواب اس شبہ کا کہ جب مرنے کے بعد رُوح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو پھر

عذاب قبر کس چیز پر ہوتا ہے

بات یہ ہے کہ وہ روح ہے۔ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے۔ رہا یہ کہ رُوح مجرد ہے یا مادی ہے۔ بعض اہل کشف کا قول ہے کہ مجرد ہے اور بعض متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ مادی ہے اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ تجرد خواص واجب سے ہے لیکن یہ دعویٰ خود بے دلیل ہے بلکہ خواص واجب قدم اور وجوب ہے۔ سو جو حکما مجردات کے قائل ہیں، وہ مجردات میں قدم بھی مانتے ہیں۔ یہ بے شک باطل ہے، باقی اگر رُوح کو مجرد کہا جائے اور حادث بالذات وبالزمان بھی مانا جائے تو کونسی دلیل عقل کے خلاف ہے۔ غرض بعض متکلمین تو سوائے واجب کے کسی چیز کے مجرد ہونے کے قائل نہیں۔ اور صوفیہ کرام کئی چیزوں کے تجرد کے قائل ہوئے، ان کو لطائف کہتے ہیں۔ جیسے رُوح، قلب، سر، خفی، اخفی۔ اور کہتے ہیں کہ انسان جس طرح عناصر سے مرکب ہے، اسی طرح ان اجزائے مجردہ سے بھی ہے۔ اور اپ پر دلیل بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خلوات اور مراقبات میں مجردات کا مشاہدہ کیا ہے۔ سو جب تک قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو، کیونکر اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ تو اگر رُوح مجرد ہے تو اس پر البتہ جیتنا صادق نہیں آتا۔ مگر صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ دوسرا بدن جو مشابہ اس بدن عنصری کے ہوتا ہے، عالم برزخ میں دیا جاتا ہے، تو جس طرح

یہ جی تھا وہ بھی جی ہے۔ سب عذاب وثواب اس پر ہوتا ہے۔ اور اس بدن کی طرح اسے بھی حس ہوتی ہے بلکہ اس سے زیادہ حس ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا مادہ لطیف ہوتا ہے۔ (رُوح البحر والشیخ صـ۱۳)

(اشرف الجواب صـ ۱۲۸/۳)

(۸۴) ★ رُوح کو موت نہیں آتی ★

بلکہ جسم عنصری کو آتی ہے اور بحث حقیقت شیخ

یاد رکھو موت صرف جسم عنصری کو آتی ہے۔ روح کو موت نہیں آتی۔ بلکہ موت سے صرف اس کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد یہ سمجھو کہ لذات سے متمتع و متلذذ ہوتی ہے اور جسم اس کے لئے بمنزلہ آلہ و مرکب کے ہے اور یہ رُوح موت کے بعد بھی علیٰ حالہ باقی رہتی ہے بلکہ اب اس کی قوت پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے تو موت کے بعد وہ اس عالم کے لذات سے متلذذ ہوتی ہے اور اگر تم یہ سمجھو کہ میری حقیقت تو محض جسم ہی ہے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی گدھے پر سوار ہو کر یوں کہے کہ میں گدھا ہوں۔ سو اس کا تو کوئی علاج نہیں۔ صاحب آپ کی حقیقت وہ ہے، جس کو آپ جسم میں سے تعبیر کرتے ہیں کہ میں نے یہ کیا میں نے وہ کیا۔ اب آپ غور کیجئے کہ اس "میں" کا مصداق کیا چیز ہے۔ کیا آنکھ، ناک، یا منہ اور ہاتھ پیر کو "میں" کا مصداق کہہ سکتے ہو ہرگز نہیں۔ ورنہ چاہئے کہ ان اعضا کے جاتے رہنے سے انسان ہی جاتا رہے۔ اور یہ غلط ہے رہے اور اعضا شریفہ اور قوائے شریفہ جیسے قلب اور عقل وغیرہ۔ ممکن ہے کہ آپ ان کو "میں" کا مصداق کہیں گے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اس کا مصداق نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ ان کو اپنی طرف مضاف کرتے ہیں کہ میرا دل کمزور ہو گیا، یا میری عقل میں یوں آتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اضافت علامت مغائرت ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ بھی آپ کی حقیقت نہیں بلکہ حقیقت آپ کی رُوح ہے اور گو وہاں بھی اضافت

جان ہے یا میری روح۔ مگر چونکہ مستقل دلائل سے ثابت ہو گیا کہ یہ حقیقت ہے۔ اس لئے یہ اضافت مجازیہ ہے اور دوسرے اعضاء و قویٰ میں ایسی کوئی دلیل نہیں بلکہ خلاف پر دلیل قائم ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ میں یعنی بالکل بچپن میں عقل نہیں ہوتی اور آپ ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں یعنی بعد موت قلب نہ رہے گا اور آپ ہوں گے۔ صاف دلیل ہے کہ آپ کی حقیقت یہ چیز نہیں۔ اس لئے یہ اضافت حقیقیہ ہے۔ بہر حال آپ کی حقیقت روح ہے۔ اور اس پر موت نہیں آتی۔ بلکہ وہ بجنسہٖ موت کے بعد اپنے حال پر رہتی ہے۔

اور اب بجائے اس جسم کے جو موت کے بعد فنا اور شکستہ ہو جاتا ہے، روح کا مرکب دوسرا جسم بنتا ہے جس کو جسم مثالی کہتے ہیں۔ اب روح اس جسم کے ذریعے سے سارے انعامات و تلذذات حاصل کرتی ہے۔ اور یہ جسم مثالی وہ نسمہ ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں۔ یعنی موت کے وقت جو چیز جسم عنصری سے الگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ نسمہ ہے۔ اور یہ بھی مادی چیز ہے مگر اس کا مادہ لطیف ہے اور اس کو جسم عنصری کے ساتھ ایسا حلولی تعلق ہے جیسا جسم تعلیمی کا تعلق جسم طبعی کے ساتھ حکماء نے بیان کیا ہے۔ یعنی وہ نسمہ مقدار اور ہیئت و شکل میں بالکل جسم عنصری کے برابر ہے اور درجہ تشبیہ یہی ہے۔ ورنہ جسم تعلیمی تو عرض ہے اور یہ جوہر ہے اور یہ نسمہ اس وقت یعنی زندگی میں اس کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے اور موت کے وقت وہ الگ ہو جاتا ہے۔ یہی جسم مثالی بنے جو موت کے بعد روح حقیقی کا مرکب بنتا ہے۔ اور یہ جسم مثالی گو مادی ہے مگر اس جسم سے زیادہ لطیف و قوی ہے۔ اور روح حقیقی جو حقیقت میں انسان ہے وہ مادہ سے بالکل مجرد ہے۔ وہ نہ اس وقت جسم کے اندر ہے نہ موت کے وقت جسم سے الگ ہو، بلکہ وہ تو محض جسم کی مدبر ہے۔ وہ اب بھی بدن سے الگ ہی ہے۔ اور اس کی تدبیر کر رہی ہے اور گو متکلمین نے روح کے تجرد کا انکار کیا ہے، مگر اس بارہ میں فلاسفہ کا قول راجح ہے دلائل سے قوت انہی کے قول کو ہے اور صوفیہ کا کشف بھی اسی کے موافق ہے کہ روح حقیقی مادہ سے مجرد ہے البتہ فلاسفہ کا اس کو قدیم کہنا جیسا قدماء کا قول ہے یا حادث بعد حدوث البدن کہنا

جیسا کہ شارحین کا قول ہے، یہ بالکل غلط اور خلاف نصوص ہے اور متکلمین نے جس چیز کو رُوح سمجھ کر مادی کہا ہے وہ دراصل روح حقیقی نہیں بلکہ **نسمہ** ہے جو مرکب رُوح ہے غرض یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسان میں جو اصل چیز ہے وہ حقیقت میں وہی انسان ہے۔ موت کے بعد وہ اپنے حال پر رہتا ہے۔ اس کی قوت و صفات میں کچھ کمی نہیں آتی بلکہ پہلے سے کچھ ترقی ہوجاتی ہے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ گو رُوح کو موت نہیں آتی مگر جسم سے تو تعلق منقطع ہوجاتا ہے تو جو انتفاعات روح سے تنہا نہیں ہوسکتے تو وہ اب نہ ہوسکیں گے۔ اس کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ موت کے بعد جسم مثالی مرکب بنتا ہے جو اس جسم عنصری سے لطیف اور قوی تر ہے، وہ سب لذات سے منتفع ہوتا ہے، جس کے مقابلہ میں یہاں کی لذات ہیچ ہیں اور رُوح ان سے متلذذ ہے، کھانا بھی، پینا، سیر و تماشا بھی، ملاقات و خبار بھی، مکانات اور باغات بھی وغیرہ وغیرہ۔ اس حقیقت کا مراقبہ کرکے موت کا دھیان کرو تو ان شاء اللہ موت سے وحشت نہ ہوگی، بلکہ اس کا شوق پیدا ہوگا، اور یوں کہو گے:۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
تا درِ میکدہ شاداں وغزل خواں بروم

(شرف الجواب ص ۱۸۵ تا ۱۸۶)

★★★★★

(۱۰۴) عالم مثال اور عذاب و ثواب قبر کا اثبات

اوّل عالم مثال کا اثبات کرتا ہوں۔ سو سمجھ لیجئے کہ یہ ثابت ہے۔ اشارات نصوص سے اور اشارات تو میں نے احتیاطاً کہدیا ہے۔ ورنہ وہ اشارات بمنزلہ صداقت کے ہیں تو گویا بالتصریح یہ ثابت ہے کہ علاوہ شہادت یعنی دنیا کے اور عالم غیب یعنی آخرت کے ان

دونوں کے درمیان میں ایک اور بھی عالم ہے۔ جس کو عالم مثال کہتے ہیں جو من وجہ
مشابہ ہے عالم شہادت کے اور من وجہ مشابہ ہے عالم غیب کے یعنی وہ برزخ ہے دنیا
دنیا اور آخرت کے۔ اور اس عالم کے ماننے سے ہزاروں اشکالات قرآن و حدیث کے
حل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے اور یہ کام کی بات ہے۔ حدیث میں وارد ہے
کہ قبر میں اس طرح سے عذاب ہوگا یا ثواب ہوگا۔ مثلاً عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہوگی
زمین مل جائے گی اور صاحب قبر کو دبائے گی۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں
کہ جتنا فصل لاش اور قبر کی دیواروں میں مردہ کو رکھتے وقت ہوتا ہے وہی باقی
رہتا ہے۔ لاش دبتی دباتی کچھ بھی نہیں۔ ویسی کی ویسی رکھی رہتی ہے۔ تو یہ صورت
عذاب قبر کی جو حدیث میں آئی ہے ظاہر ہے کہ دنیا کے متعلق تو ہے نہیں کیونکہ مشاہدہ
اس کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ اشکال اس وجہ سے اور بھی قوی ہو گیا کہ لوگوں نے اس کو
دنیا ہی کے متعلق سمجھ لیا۔ حالانکہ اگر دنیا کے متعلق ہوتا تو اس کے آثار کا نظر آنا بھی ضروری
تھا۔ اور اگر آخرت کے متعلق سمجھا جاوے تو اول تو آخرت میں وہ زمین نہیں جو
لفظ زمین سے متبادر ہے۔ دوسرے یہ کہ آخرت میں اگر وہ پہنچ جائے تو پھر وہاں دو ہی
ٹھکانے ہیں، جنت یا دوزخ۔ اور داخل ہونے کے بعد جنت سے تو کسی کا نکلنا ممکن
نہیں اور دوزخ سے بھی سب کا نکلنا ممکن نہیں اور حشر ہوگا جنت و دوزخ سے
باہر تو معلوم ہوا کہ ابھی جنت یا دوزخ میں گیا ہی نہیں۔ پھر حدیث کے کیا معنی۔ تو اول
تو نعوذ باللہ کسی کو یہی شبہ ہو سکتا ہے کہ جو ملاحدہ اور اہل سائنس کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے چنانچہ
ملاحدہ اور بعض اہل سائنس جو ایمان لائے ان کا بھی مذہب یہی رہا کہ یہ سب مثالیں ہیں
اور تشبیہیں ہیں اور مطلب ان مثالوں کے دینے سے یہ ہے کہ ایسی حالت ہوتی ہے یعنی
مشابہ ان حالتوں کے ہوتی ہے۔ واقع میں یہ حالتیں پیش نہیں آتیں تو اپنے نزدیک گویا یہ بہت
بڑی دور کی دور ہے۔ حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ وہ لوگ محض روحانی عذاب و ثواب
کے قائل ہو گئے اور جسمانی کے منکر ہو گئے۔ اسی طرح حدیث شریف میں جو ہے
القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار یعنی قبر یا تو جنت کا

ٹکڑا ہوتی ہے یا دوزخ کا گڑھا۔ تو وہ لوگ اس پر کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں قبر میں کہ یہاں نہ پھول ہیں جنت کے نہ آگ ہے دوزخ کی۔ پھر اپنے ظاہری معنوں پر قبر دوزخ کا گڑھا یا جنت کا ٹکڑا کیونکر ہو سکتی ہے۔ غرض یہاں قبر کی جنت و دوزخ میں تو یہ اشکال ہے۔ رہی آخرت سو وہاں کی دوزخ و جنت میں وہ اشکال ہے جو میں نے پہلے عرض کیا۔ بہر حال یہ اشکال حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک تیسرے عالم کے قائل نہ ہوں یعنی عالم برزخ کے جس کو عالم مثال بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ مشابہ اس عالم کے بھی ہے یعنی باعتبار آخرت کے تو گویا وہ دنیا ہے اور باعتبار دنیا کے گویا کہ وہ آخرت ہے۔ تو وہ عالم ہے جیسا کہ باغ کا پھاٹک کہ بہ نسبت اندرونی حصہ باغ کے تو گویا وہ باغ نہیں ہے لیکن بہ نسبت خارج حصہ باغ کے گویا کہ وہ باغ ہے۔ یا جیسے حوالات کہ بہ نسبت گھر کے تو وہ جیل خانہ ہے مگر بہ نسبت جیل خانہ کے پھر گھر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کو دنیا کا بھی نمونہ بنایا ہے۔ تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے، وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ دنیا کے آسمان کے اور زمین بھی مشابہ دنیا کی زمین کے، اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے لیکن وہ بھی ہے جسم ہی تو مرنے کے بعد تو روح کے لئے ایک جسم مثالی ہوگا۔ اور آخرت میں جو جسم ہوگا وہ یہی ہوگا جو دنیا میں ہے۔ [illegible] یہ ایمان ہے ہمارا کہ حشر روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی۔ یعنی یہی جسم جو ہم اب لئے بیٹھے ہیں اور جو گل سڑ کر خاک ہو جائے گا۔ اسی کو حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے پھر تازہ بنا کر محشور فرمائیں گے۔ لیکن وہاں اس جسم کی خاصیت بدل جائیگی یعنی اب تو یہ خاصیت ہے کہ جو ہم کھاتے پیتے ہیں اس کا پیشاب پاخانہ بنتا ہے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دن مر کر فنا ہو جاتا ہے۔ وہاں گویا ابدی اور خالد ہو جائے گا۔ غرض ایک تو جسم یہاں ہے اور ایک جسم ہے عالم مثال میں اور وہ مشابہ ہے اس جسم کے یہ جسم بعینہٖ نہیں تو عالم مثال میں بدن بھی مثالی ہے، وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے۔ بس اس عالم مثال ہی کا نام قبر ہے۔ اب سب اشکال رفع ہو گئے۔ کیا معنی کہ قبر سے مراد یہ محسوس گڑھا نہیں ہے۔ کیونکہ کسی کو بھیڑیا کھا گیا،

یا کوئی سمندر میں غرق ہوگیا تو اس صورت میں چونکہ وہ زمین میں دفن نہیں ہوا اس لئے
اس کو چاہئے کہ قبر کا عذاب ہی نہ ہو۔ لیکن اب اشکال ہی نہ رہا۔ کیونکہ وہ جو عالم مثال
ہے وہیں اس کو عذاب قبر بھی ہو جائے گا۔ اشکال تو جب ہوتا جب قبر سے مراد یہ گڑھا
ہوتا۔ جس میں لاش دفن کی جاتی ہے۔ حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو
کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں قبر۔ اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں
خواہ مردہ دفن ہو یا نہ ہو اور اس عالم مثال کے نہ جاننے ہی کی وجہ سے یہ بھی کہتے
ہیں عوام کہ قبر ذرا بڑی رکھنی چاہئے تاکہ مردہ کو بیٹھنے میں تکلیف نہ ہو۔ تو معلوم
ہوتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسی قبر کے اندر مردہ کو بٹھایا جاتا ہوگا۔ تو بس پھر کیا ہے
اگر اپنے دشمن کو ستانا ہو تو اس کی قبر ذرا تنگ بنا دی جاوے، تاکہ مر کر بھی اسے چین نصیب
نہ ہو۔ کیونکہ بعض لوگ اپنے دشمن کے لئے تمنا کرتے ہیں کہ مر کر بھی مصیبت سے نہ
بچے تو اچھا ہے۔ حضرت یہ جو کشادہ قبر شریعت نے تجویز کی ہے، یہ اس بناء پر تھوڑا
ہی ہے کہ اس کے اندر مردہ کو بٹھایا جائے گا، جیسے آپ اس وقت بیٹھے ہیں، بلکہ
یہ تو محض اکرام ہے اور عزت ہے مومن کی کہ اس کو مر کر بھی بیکار نہ سمجھا گیا۔ مرنے
کے بعد بھی اس کے مرتبے کا لحاظ کیا اور ہر طرح اس کا اکرام کیا۔ یہ نہیں کہ وبال تھا
ٹال دیا، بلکہ یہ حکم ہوا کہ اس کی اس وقت بھی خاطر و تواضع کرو۔ قبر ایسی بناؤ کہ اگر
وہ زندہ ہوتا تو ویسی ہی جگہ اس کے لئے تجویز کرتے، کپڑا ایسا پہناؤ جیسا کہ وہ زندگی
میں پہنتا۔ یعنی ویسا ہی لباس، ویسی ہی صفائی ہو، خوشبوئیں بھی لگاؤ، نہلاؤ دھلاؤ
بھی۔ غرض بنا سنوار کر عزت کے ساتھ اس کو رخصت کرو۔ اور واقعی جیسا مسلمانوں
میں مردہ کا اکرام ہوتا ہے کسی قوم میں نہیں ہوتا۔ اور عیسائیوں میں بھی گو بہت اکرام
ہوتا ہے لیکن ان میں غلو بہت زیادہ ہے، یہاں تک کہ چپٹی بھی کستے ہیں، بوٹ
بھی، ہیٹ بھی، غرض پوری وردی پہناتے ہیں۔ گویا وہاں جا کر بھی صاحب بہادر
پہرہ ہی دیں گے۔ غرض عیسائیوں کے یہاں تو اکرام میں غلو ہے اور ہندوؤں کے
یہاں بالکل اکرام نہیں بلکہ اور الٹی بے حرمتی کرتے ہیں یہاں تک کہ بیچارہ کا کریا بھی

چھوڑتے ہیں۔ خیر وہ بیچارہ تو نہیں ہے۔ ہے تو واقعی سر پھوڑے جانے کا مستحق، بہرحال اسلام میں اعتدال ہے۔ تو وہ عالم۔ عالم مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اول پہنچتا ہے اور وہ کچھ مشابہ اس عالم ہے اور کچھ مشابہ عالم آخرت کے ہے۔ وہیں اس کو فرشتے بٹھاتے ہیں، وہیں اس سے سوالات کرتے ہیں، وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے وہیں اس کو عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور لو میں تمہیں کچھ اس کا پتہ بھی بتائے دیتا ہوں۔ جس سے یہی اس کی کچھ حقیقت سمجھ میں آجائے۔ وہ عالم کچھ کچھ خواب میں منکشف ہوتا ہے۔ لیکن ایک تو خواب ہوتا ہے سچا اور ایک ہوتا ہے محض خیال۔ تو جو خواب سچا ہوتا ہے اس میں کچھ انکشاف اس عالم کا ہوتا ہے۔ پس اتنا فرق ہے کہ خواب میں تو حقیقت اس عالم کی مغلوب ہوتی ہے کیونکہ اس میں آمیزش خیال کی بھی ہوتی ہے اور وہاں بالکل حقیقت ہی حقیقت ہوگی۔ ہاں وہ حقیقت اصلیہ بھی عالم آخرت کی حقیقت اصلیہ کے اعتبار سے تو بمنزلہ خواب کے ہے بلکہ خواب میں جو حقیقت عالم مثال منکشف ہوتی ہے وہ بمقابلہ عالم مثال کی حقیقت اصلیہ کے اتنی ضعیف نہیں ہوتی ہے جتنی عالم مثال کی حقیقت اصلیہ بمقابلہ عالم آخرت کی حقیقت اصلیہ کے ضعیف ہے، وہ اس سے بھی ضعیف تر ہے تو خواب میں اگر کوئی یہ دیکھے کہ مجھے سانپ کاٹا تو اب وہ خواب ہی میں بھاگتا بھی ہے، چلتا بھی ہے، چیختا بھی ہے، چلاتا بھی ہے۔ اب کوئی اس سے کہے کہ ارے تو تو برابر بستر پر پڑا رہا ہے، نہ تجھے کسی سانپ نے کاٹا، نہ تو بھاگا، نہ چلایا۔ کیوں خواہ مخواہ جھوٹ بولتا ہے۔ تو کہہ سکتا ہے مگر چونکہ یہ امر خواب میں ہر شخص کو واقع ہوتا ہے اور عالم مثال منکشف ہوتا ہے اس سے کوئی تکذیب نہیں کرتا اور شارع علیہ السلام اس کی خبر دیں تو وہاں تکذیب کرتا ہے، حیرت ہے۔ تو عالم مثال میں ہر چیز کا نمونہ موجود ہے یعنی جتنی چیزیں ہیں موجودات حقیقیہ وہ سب وہاں موجود ہیں۔ ایسی مثال ہے جیسے آئینہ کہ اس میں بھی اپنی شبیہ نظر آتی ہے۔ لیکن جس طرح آئینہ میں بھی ہمیشہ

شکل بالکل مشابہ نظر نہیں آتی۔ یعنی آپنے دیکھا ہوگا کہ کسی آئینہ میں تو بڑا لمبا چہرہ نظر
آتا ہے کسی میں بہت چوڑا اور ایسا بُرا کہ خود ہی تھپڑ مارنے کو جی چاہے۔ اسی طرح
اگر آئینہ میں سیاہ صورت نظر آتی ہے حالانکہ آپ نے چہرہ پر کالک نہیں لگا رکھی اور
سرخ آئینہ میں سرخ صورت نظر آتی ہے حالانکہ آپ نے چہرہ پر کوئی سرخ چیز نہیں مل
رکھی تو جس طرح یہاں جو چیزیں آئینہ میں نظر آتی ہیں وہ من کل الوجوہ مشابہت نہیں
رکھتیں اصل کے ساتھ بلکہ جو آئینہ سچا ہوتا ہے وہ بالکل سچا نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ
کم از کم اتنا فرق تو ضرور ہوگا کہ آپ تو مثلاً بیٹھے ہیں مغرب میں لیکن آئینہ میں آپ
نظر آدیں گے مشرق میں تو دیکھئے کہاں رہی مشابہت من کل الوجوہ۔ غرض یہ جو
آئینہ میں عکس نظر آتا ہے یہ محض ایک مثال ہے اصل صورت کی۔ یعنی اس کو ایک گونہ
مناسبت ہے اصل صورت کے ساتھ۔ تو جیسے آئینہ میں سب چیزیں نظر آتی ہیں۔ گو
وہ حقیقتاً مشابہ نہیں ہوتیں۔ مگر صورۃً من وجہ مشابہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح عالم مثال
میں اور اس عالم میں جو صورتیں مشابہ ہیں ان میں سے بعض میں تو مماثلت ہوتی ہے،
اور بعض میں مناسبت۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب یہ سمجھئے کہ وہ مناسبت
بعض اوقات جلی ہوتی ہے اور بعض اوقات خفی۔ مثلاً ہم نے خواب میں دیکھا کہ
فلاں شخص کے لڑکا پیدا ہوا ہے اور بعد میں سُن بھی لیا کہ واقعی اس شخص کے لڑکا
پیدا ہو گیا تو یہاں تو باہم مناسبت قوی ہے اور جلی ہے جس کو مماثلت کہنا چاہئے
اور کبھی یہ مناسبت قوی نہیں ہوتی بلکہ ضعیف اور خفی ہوتی ہے۔ جیسے میں دیوبند
میں ایک خواب دیکھا کہ منشی سراج الحق ایک پلنگ پر بیٹھے ہیں لیکن وہ دو ہیں۔ یعنی
سرہانے بھی وہی بیٹھے ہیں اور پائنتی بھی وہی بیٹھے ہیں۔ غرض یہ دیکھا کہ دو سراج
الحق ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے یہ خواب بیان کیا
تو مولانا نے فی البدیہ فرمایا کہ انشاء اللہ ان کے لڑکا پیدا ہوگا۔ کیونکہ اولاد جو ہے وہ باپ
کا وجود ثانی ہے چنانچہ ان کے گھر میں امید تھی، لڑکا ہی پیدا ہوا۔ یہ مناسبت خفی ہے
لڑکا ... کی شکل میں دیکھا۔ یہ مماثلت تو نہیں کہی جا سکتی ہاں مناسبت ہے

اب جس کو اس عالم مثال کی وجوہ مناسبت کا زیادہ علم ہوتا ہے وہی معتبر ہوتا ہے اور جس کو جتنا زیادہ اس مناسبت کا علم ہوگا اتنا ہی وہ اعلیٰ درجہ کا معبر ہوگا۔ کیونکہ تعبیر خواب کا حاصل یہ ہے کہ معبر صورت مرئیہ سے صورت مثالیہ کی طرف عبور کرتا ہے تو یہ معبر صورت مناسبہ کو سمجھ لیتا ہے کہ یہ کس حقیقت کی صورت ہے اور کوئی بزرگی کی بات نہیں بلکہ محض فراست ہے۔ چنانچہ بعض کفار بھی نہایت صحیح تعبیر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ابوجہل بھی بڑا معبر تھا، تو اب کیا اس کو بھی بزرگ کہیں گے۔ (آثار المربع صفحہ ۲۳۸ ج ۱)

(اشرف الجواب صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۹)

★★★★

(۶۴) عذاب قبر پر اعتراض کا جواب

احادیث میں جو عذاب و ثواب قبر کا ذکر ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ ہم نے انسان کے مرجانے کے بعد اس کے جسم عنصری کا مہینوں پہرہ دیا ہے۔ ہم کو تو کچھ بھی عذاب و ثواب نظر نہیں آیا۔ جواب یہ ہے کہ برزخ میں انسان کو یہ دوسرا جسم عطا ہوتا ہے جو کہ جسم مثالی ہے۔ عذاب و ثواب اسی کو ہوتا ہے۔ لہٰذا جسد عنصری پر عذاب و ثواب محسوس نہ ہونے سے اس کی مطلقاً نفی نہیں ہوسکتی۔ پھر بعض دفعہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ظاہر کرنے کے لئے اس جسم عنصری پر بھی عذاب و ثواب ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ بعض لوگوں نے کسی مردہ کی قبر میں آگ جلتی ہوئی دیکھی بعض لوگوں کو کسی قبر سے نہایت پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی۔ لہٰذا اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں۔ خوب سمجھ لو۔ (ترجیح الآخرۃ صفحہ ۳۶)

(اشرف الجواب صفحہ ۲۱۳)

(۱۳) شہداء کی ارواح کا جنت کے سبز پرندوں میں ہونے پر

شبہ کا جواب

جنت میں وہ جسم طیر شہداء کے لئے مرکب ہوگا۔ ان کا حقیقی جسم وہ نہ ہوگا۔ بلکہ اُن کے لئے جسم انسانی دوسرا ہوگا۔ پس ارواح شہداء کا جو اصل طیور خضر میں ہونا ایسا ہے جیسا کہ دنیا میں ہم بہل اور بگھی یا ڈولی اور پالکی میں سوار ہوتے ہیں۔ اگر پالکی اور بگھی بند ہو تو دیکھنے والے کو یہی معلوم ہوگا کہ پالکی اور بگھی آرہی ہے۔ ہمارا جسم اس کو نظر نہ آئیگا مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ بگھی اور پالکی ہمارا جسم ہے اور ہماری رُوح اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے بلکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اس کے اندر جو آدمی بیٹھا ہے اس کا جسم بگھی اور پالکی کے جسم سے علیحدہ ہے اور یہ محض اس کی سواری ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جنت میں ارواح شہداء کے لئے سبز پرندوں کا جسم بمنزلہ پالکی کے ہوگا، اور اس کے اندر رُوح انسانی اپنے جسم (مثالی) کے ساتھ سوار ہوگی پس اس سے انسان کا پرندہ بن جانا لازم نہیں آتا۔ یہ صورت جب لازم آتی کہ رُوح انسانی اپنے جسم سے علیحدہ ہوکر جسم طیر میں حلول کرتی اور وہاں یہ بات نہ ہوگی۔ اب رہی یہ بات کہ وہ جسم انسانی کونسا ہے جس کے اندر شہداء کی روحیں حلول کرکے حواصل طیور خضر میں سوار ہوں گی آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے کیونکہ نص اس سے ساکت ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری کے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائے گا۔ گو برزخ میں جسد عنصری کا ہونا کچھ محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب و ثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ (ترجیح الآخرۃ صـ۳۲)

(اشرف الجواب صـ ۲۱۳ و ۲۱۳)

ایک شبہ کا جواب

اس جگہ بعض طالب علموں کو ایک شبہ پیدا ہوگا وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ شہداء کی ارواح جنت میں حواصل طیور خضر میں ہوں گی۔ اور تقریر سابق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر انسان کی رُوح کسی حیوان کے قالب میں منتقل ہو جائے تو اس وقت وہ انسان نہ ہوگا بلکہ حیوان ہوگا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ شہداء جنت میں انسان نہ رہیں گے، بلکہ پرندے بن جائیں گے اور یہ فضیلت کے منافی ہے کیونکہ انسان پرندے سے افضل ہے پس اس کا پرندہ بن جانا اس کے تنزل کا سبب ہوگا نہ ترقی کا۔ اس کا **جواب** یہ ہے کہ جنت میں وہ جسم طیر شہداء کے لئے مرکب ہوگا ان کا حقیقی جسم وہ نہ ہوگا بلکہ ان کے لئے جسم انسانی دوسرا ہوگا۔ پس ارواح شہداء کا حواصل طیور خضر (سبز پرندوں کے پوٹے) میں ہونا ایسا ہے جیسا کہ دُنیا میں ہم بہل اور بگھی یا ڈولی اور پالکی میں سوار ہوتے ہیں۔ اگر پالکی اور بگھی بند ہو تو دیکھنے والے کو یہی معلوم ہوگا کہ پالکی اور بگھی آرہی ہے ہمارا جسم اس کو نظر نہ آئے گا۔ مگر اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے گا کہ بگھی اور پالکی ہمارا جسم ہے اور ہماری رُوح اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے بلکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اس کے اندر جو آدمی بیٹھا ہے اس کا جسم بگھی اور پالکی کے جسم سے علیحدہ ہے اور یہ محض اس کی سواری ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جنت میں ارواح شہداء کے لئے سبز پرندوں کا جسم بمنزلہ پالکی کے ہوگا اور اس کے اندر رُوح انسانی اپنے جسم انسانی کے ساتھ سوار ہوگی پس اس سے انسان کا پرندہ بن جانا لازم نہیں آتا۔ یہ صورت جب لازم آتی کہ رُوح انسانی اپنے جسم سے علیحدہ ہو کر جسم طیر میں حلول کرتی اور وہاں یہ بات نہ ہوگی اب رہی یہ بات کہ وہ جسم انسانی کونسا ہے جس کے اندر شہداء کی روحیں حلول کرکے حواصل طیور خضر میں سوار ہوں گی۔ آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے اس کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے کیونکہ نص اس سے ساکت ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری

کے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائے گا۔ گو برزخ میں جسد عنصری کا ہونا کچھ محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب وثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ملحدین کا یہ اعتراض رفع ہوگیا کہ احادیث میں جو عذاب وثواب قبر کا ذکر ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ ہم نے انسان کے مرجانے کے بعد اس کے جسم عنصری کا مہینوں پہرہ دیا ہے ہم کو تو کچھ بھی عذاب وثواب نظر نہیں آیا۔ جواب یہ ہے کہ برزخ میں انسان کو دوسرا جسم عطا ہوتا ہے جو کہ جسم مثالی ہے۔ عذاب وثواب اسی کو ہوتا ہے لہٰذا جسد عنصری پر عذاب وثواب محسوس نہ ہونے سے اس کی مطلقاً نفی نہیں ہوسکتی۔ پھر بعض دفعہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر کرنے کے لئے اس جسم عنصری پر بھی عذاب وثواب کو ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات منقول ہیں کہ بعض لوگوں نے کسی مردہ کی قبر میں آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ بعض لوگوں کو کسی قبر سے نہایت پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی۔ لہٰذا اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔

(ترجیح الآخرة ص ۳۲۵ و ۳۲۶)

(منقول از "الابقاء" ماہ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق مئی ۱۹۷۸ء شمارہ ۵ جلد ۲۹ جسے (مولانا) محمد عبدالمنان عفرلہٗ نے انٹرنیشنل پریس میں چھپوا کر مکتبہ تھانویؒ مسافر خانہ بندر روڈ (ایم اے جناح روڈ) کراچی سے شائع کیا۔)

★ قبر سے مراد؟ ★

مجالس الحکمۃ ص ۴۳ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ "قبر سے مراد حدیث عالم برزخ ہے نہ حفرہ"۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی ؒ

عالمِ برزخ

مرنے کے بعد زمان بعث تک انسان عالمِ برزخ میں رہتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون اور اسی کو عالمِ قبر بھی کہتے ہیں۔ اس پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے۔

عقیدۂ اوّل

قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر اور نکیر کا سوال حق ہے۔ قبر سے وہ گڑھا مراد نہیں جس میں مردہ کا جسم دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔ جو دنیا اور آخرت کے درمیان میں ایک عالم ہے جو من وجہٍ دنیا کے مشابہ ہے اور من وجہٍ آخرت کے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد اپنے ذاتی اعمال تو منقطع ہو گئے مگر زندوں کی دعاؤں اور صدقات اور خیرات سے اس کو نفع پہنچتا رہتا ہے اور پس ماندوں کی دُعاؤں سے اس کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں تاکہ قیامت کے دن جب قبر سے اٹھے تو پاک اور پاکیزہ اٹھے۔ برزخ اس چیز کا نام ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو، اور شریعت میں عالم برزخ اس جہان کو کہتے ہیں کہ جو اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان حائل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے ایک جہان بنایا ہے جسے عالم برزخ کہتے ہیں جو دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنی دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے یہاں ایمان اور کفر اور طاعت اور معصیت کا اثر آنکھوں سے نظر آجاتا ہے۔ اصل عذاب اور اصل سزا تو قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد ملے گی اور عالم

برزخ سے سانپ اور بچھو وغیرہ وغیرہ بطور ماحضر اور بطور نمونہ کے ہیں۔
(عقائد الاسلام صفحہ ۵۹)

★ عقیدہ سوم ★

قبر کا عذاب اور ثواب اور منکر اور نکیر کا سوال حق ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں ثابت قدم رکھے۔ قبر سے مراد زمین کا گڑھا نہیں جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیانی عالم ہے جس میں مردہ مرنے سے لے کر قیامت تک اس میں رہتا ہے۔ قال تعالیٰ ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون۔ برزخ اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک جہان بنایا ہے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ جو اس جہان سے اتنا وسیع ہے جتنی یہ دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے۔ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر اس کو اپنے بدن سے ایک گونہ تعلق[1] رہتا ہے۔ تو یہ ایک بین بین حالت ہوتی ہے۔ اس لئے اس عالم کی حیات کو برزخی حیات کہتے ہیں، غرض یہ کہ قبر سے عالم برزخ مراد ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیانی واسطہ ہے۔ اس لئے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی معہودہ حیات کی طرح نہیں ہوتی بلکہ دوسری قسم کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہو سکتا وہ ایک برزخی حیات ہوتی ہے۔ نہ تو دنیوی زندگی کی طرح ہوتی ہے اور نہ اُخروی زندگی کی طرح ہوتی ہے۔

روح جسم سے نکلنے کے بعد جس جگہ بھی قرار پکڑ جائے (علیین یا سجین) قیامت

---

[1] اس تعلق کی وضاحت حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے جو بیان فرمائی ہے وہ سب پر آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں۔ خوب غور سے سمجھ لو۔ ۱۲ نیلوی

تک وہی اس کی قبر ہے۔ مرنے کے بعد جسم جل جائے یا گل سڑ جائے یا سمندر میں گر کر کسی مچھلی کے پیٹ میں پہنچ جائے۔

منکر نکیر دو نہایت ہیبت ناک فرشتے ہیں۔ ایک کا نام منکر ہے اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ جو قبر (صراحت پہلے ہو چکی ہے) میں آکر سوال کرتے ہیں اور ایمان کی جانچ پڑتال کرتے ہیں، مگر انبیاء علیہم السلام سے سوال نہیں ہوتا، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ عالم برزخ میں پہنچنے کے بعد جو بات سب سے پہلے پیش آتی ہے وہ یہی منکر و نکیر کا سوال ہے بیشمار احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں مردہ کے جسم[1] میں اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔ اور قبر کا عذاب و ثواب چونکہ دوسرے عالم کا ماجرا ہے۔ تو اس عالم کی آنکھیں اس عالم کی چیزوں کے دیکھنے کے لئے کافی نہیں۔

(عقائد الاسلام ص ۸۶-۸۷/۲)

★

عالمِ آخرت

اس عالم شہادت اور عالم دنیا کے علاوہ ایک اور جہان ہے جس کو عالم آخرت کہتے ہیں۔ عالم آخرت کے دو طبقے ہیں۔ ایک مرنے سے حشر تک جس کو اصطلاح شریعت میں عالم برزخ کہتے ہیں دوسرا قیامت سے لے کر ابدالا باد تک اس کو عالم حشر کہتے ہیں اول ہم کچھ مختصراً عالم برزخ کا حال ذکر کرتے ہیں۔

عالمِ برزخ و قیامتِ صغریٰ

قال تعالیٰ و من ورائهم برزخ الیٰ یوم یبعثون اور ان کے آگے ایک برزخ ہے جس میں قیامت تک رہیں گے۔

و قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مات فقد قامت قیامته نبی اکرم صلی اللہ

[1] اس سے مراد برزخی جسم ہے جیسا کہ حضرت حکیم الامتؒ نے بیان فرمایا۔ ۱۲ نیلوی

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرگیا اس کی قیامت ہوگئی۔ یہ قیامت صغریٰ ہے۔
قبر حقیقت میں اسی عالم برزخ کا نام ہے۔ اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے۔ اسی عالم برزخ میں مردہ سے توحید و رسالت کے متعلق فرشتے آکر سوال کرتے ہیں جن کو منکر نکیر کہتے ہیں۔ پوری پوری جزاء تو قیامت اور حساب و کتاب کے بعد ملے گی مگر جزاء و سزاء کا سلسلہ کچھ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔

چونکہ یہ عالم، عالم دنیا اور عالم آخرت کے بین بین ہے اور اسی وجہ سے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ اس لئے اس عالم کا عذاب من وجہ عذاب دنیوی سے مشابہت اور مناسبت رکھتا ہے کہ منقطع ہو سکتا ہے اور من وجہ عذاب اُخروی سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے کہ یہ عذاب درحقیقت عذابِ آخرت کا آغاز اور شروع ہے اور اسی طرح عالم برزخ کی راحت و آرام بھی من وجہ عالم دنیا کی راحت و آسائش سے اور من وجہ عالم آخرت کی راحت و آسائش سے مناسبت رکھتی ہے۔

(علم الکلام ص ۲۴۵)

مرنے کے بعد قیامت سے پہلے بھی عالم برزخ میں ہر شخص پر عذاب یا ثواب ضرور ہوتا ہے۔ اسی کو شریعت اسلامیہ میں عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں واپسی نہیں۔ ایک دفعہ مر جانے کے بعد رُوح پھر کسی دوسرے جسم عنصری میں جزاً اور سزاً بھگتنے کے لئے دنیا میں نہیں آتی۔ جس کو تناسخ اور ہندی میں آواگون کہتے ہیں۔ اِلّا یہ کہ کسی مردہ کو کسی نبی کا معجزہ ظاہر کرنے کے لئے زندہ فرمادیا جائے تو وہ تناسخ نہیں۔ تناسخ وہ ہے کہ رُوح دوبارہ دنیا یا کسی قالب میں جزاء و سزا پانے کے لئے آئے۔

(علم الکلام ص ۲۴۸)

★★★

شمس العلماء مولانا عبدالحق صاحب حقانی دہلوی مفسر قرآن

علیین اور سجین!

احادیث میں جزا و سزا کا مقام علیین اور سجین بھی آیا ہے کہ ملائکہ مومنین کی ارواح کو قبض کر کے جنت کے حریروں میں لپیٹ کر نہایت تعظیم و تکریم سے ساتویں آسمان تک لے جاتے ہیں پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ علیین میں اس کو لے جاؤ۔ پس وہ جہاں مومنین کی ارواح ہیں وہاں آتا ہے۔ وہاں کے مومنین اس سے دنیا میں اپنے اپنے اقارب کا حال دریافت کرتے ہیں اور اس کے آنے سے نہایت خوش ہوتے ہیں کہ جس طرح کوئی کسی غائب کے آنے سے خوش ہوتا ہے۔ احمد اور نسائی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور شہیدوں کے لئے جنت میں رہنا بھی ثابت ہوا ہے۔ اور کافر اور منافق کی روح کو فرشتے نہایت شدت کے ساتھ قبض کر کے بدبو کے ٹاٹ میں بند کرتے ہیں اور آسمان کی طرف لاتے ہیں۔ سو وہاں اس کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اسے سجین میں جہاں اور کفار کی ارواح معذب ہیں لے جاؤ۔ وہاں لے جا کر عذاب میں گرفتار کرتے ہیں۔ مومن حشر تک علیین میں آرام اٹھاتے ہیں اور کافر حشر تک سجین میں عذاب پاتے ہیں۔ ان احادیث میں، اور جن میں کہ قبر کے اندر ثواب و عتاب ثابت ہے کچھ مخالفت نہیں کیونکہ جب یہ ثابت ہوا کہ قبر سے خاص وہ گڑھا مراد نہیں کہ جس میں جسم دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔ خواہ کوئی پانی میں غرق ہو خواہ آگ میں جل جائے تو اس کی وہی قبر ہے۔ اس صورت میں علیین و سجین میں عذاب و ثواب ہونا عین قبر میں

عذاب و ثواب ہے۔ کچھ مخالفت نہیں۔

مُلحدوں کے چند شبہات اور ان کے جوابات:

شبہ: قبر میں کسی مردہ کو آج تک ثواب و عذاب میں کہ جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے مبتلا نہیں دیکھا، نہ کسی کی قبر کی وسعت معلوم ہوتی کہ ستر در ستر گز کشادہ ہوگئی ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

جواب: ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ اصل میں انسان رُوح ہے اور بدن اس کے تابع ہے۔ ثواب و عذاب بھی عالم برزخ میں روح کو ہوتا ہے۔ جب تم کو وہ شخص ہی نظر نہیں آتا تو اس کے ثواب و عذاب کیونکر نظر آویں گے۔ جس قسم کا وہ شخص ہے اسی قسم کے اس پر گرز پڑتے ہیں۔ اسی قسم کے سانپ اور بچھو وہاں ڈستے ہیں جس طرح کہ روح جسم عنصری نہیں اس کے ثواب و عذاب بھی عنصری نہیں۔ اسی واسطے وہ نظر نہیں آسکتی۔ یہ جواب تحقیقی ہے اور تمہارے شبہ کی بنا اس پر ہے کہ تم نے میت کو جس کو ثواب و عذاب ہوتا ہے اس خاک کے ڈھیر کو جو اس کا مرکب تھا عرف عام کا اعتبار کر کے سمجھ لیا اور اسی قسم کے عنصری عذاب و ثواب تم نے اس کے لئے فرض کئے پھر تم نے جب اس کو ان سے خالی پایا تو تمہیں شبہ ہوا۔

الزامی جواب: اور الزامی گفتگو اس طرح پر ہے کہ خواب میں کوئی شخص تمہارے رُوبرو کچھ ثواب و عذاب دیکھے یا اپنی جائے نہایت تنگ دیکھے یا میدان وسیع میں جاوے یا کوئی مہیب چیز اس کو نظر آوے۔ سو یہ سب ممکن ہے، حالانکہ اس کا جسم تمہارے روبرو پڑا ہے۔ اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کو سچ جانتے ہو؟ اور خواب میں اس عالم میں یوں بعید ہے، خواب میں رُوح جسم سے بدستور متعلق رہتی ہے فقط توجہ اس کی ادھر نہیں رہتی۔ اس پہ وہ یہ کچھ معاملات دیکھتی ہے۔ اور ان کو تم سچ جانتے ہو پھر جب رُوح جسم سے بالکل الگ ہوگئی اور سیر وہاں اس پر کچھ اس عالم کے حالات گزرے اس کو تم خلاف عقل اور خلاف مشاہدہ کیوں قرار دیتے ہو؟ جس طرح تم خواب میں تنگ وسیع مکان میں ہونا مسلم رکھتے ہو اسی

طرح اس کی قبر کی کشادگی اور تنگی کو بھی مسلم رکھو۔ کیونکہ قبر کے تنگ اور وسیع ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپایا ہے وہ تنگ اور وسیع ہوتا ہے بلکہ اس عالم میں روح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے۔ ہاں عرف عام میں اس جسم کے اعتبار سے اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں۔

شبہ: بعض لوگوں کو آگ میں جلا دیتے ہیں اور بعض پانی میں غرق ہو جاتے ہیں اور بعض ہوا میں معلق لٹکے رہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پھر اُن کے لئے قبر نہ ہوئی اور منکر و نکیر کا سوال و جواب جو خاص قبر میں ہوتا ہے وہ بھی نہ ہوگا۔

جواب: ابھی ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ گڑھا قبرِ اصلی نہیں جس کو تم قبر سمجھتے ہو بلکہ مراد وہ ہے جو اَب بیان ہو چکا۔ خواہ کوئی غرق ہو یا جلے یا کوئی جانور اس کو کھا لے اس کی روح سے بہر طور یہ معاملات پیش آتے ہیں۔ اور وہاں ہی (برزخ) منکر و نکیر اس سے سوال و جواب کر لیتے ہیں اور وہاں ہی اس کی روح پر کشادگی اور تنگی وغیرہ ثواب و عذاب ہو چکتے ہیں۔

خلاصہ عقیدہ اسلامی اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب انسان اس منزلِ فانی کو چھوڑتا ہے تو وہ دوسرے عالم میں پہنچتا ہے۔ اس عالمِ غیر محسوس میں نیکوں کا مقام عالمِ بالا یعنی علیین ہے اور بدوں کا سجین جن کی روحیں کثافت و ظلمت کی وجہ سے اوپر نہیں چڑھ سکتیں، وہ اس ناپاک جگہ میں ڈالے جاتے ہیں۔ قبر عرفِ شرع میں اسی عالم کا نام ہے۔

(عقائد الاسلام (حقانی) صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰)

مرنے کے بعد رُوح زندہ رہتی ہے اور وہی انسان ہے، جسم کا لباس اُتر جاتا ہے، اسکو برابر حس و ادراک رہتا ہے مگر نظروں سے غائب دوسرے جہان میں۔ پھر اگر پاک روح ہے تو علیین میں جو عالمِ بالا ہے اور اگر ناپاک ہے کہ جسکو لذات و شہوات کی ظلمت نے گھیر رکھا تھا تو سجین میں رہتی ہے .... اور یہی دونوں جگہ اصلی قبر ہیں۔

(عقائد الاسلام حقانی، حاشیہ صفحہ ۱۶۹)

حضرت مولانا محمد نجم الغنی صاحب رئیس رامپوری رحمہ اللہ

از

تہذیبُ العقائد

وعذاب القبر للکافرین و لبعض عصاۃ المؤمنین وتنعیم اھل الطاعۃ فی القبر بما یعلمہ اللہ تعالیٰ و یریدہٗ۔

اور عذاب قبر کا کافروں اور بعضے گنہگار ایمان والوں کو اور آسائش فرمانبرداروں کو قبر میں اس چیز سے کہ جانتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اور جس کا وہ ارادہ کرتا ہے (حق ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ انہیں بعض گناہگار مومنوں کو قبر میں عذاب ہوگا جن کی تعذیب اللہ کو منظور ہوگی سب کے لئے عذاب کا ہونا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ حاکم اور قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے گنہگاران مومنین میں سے عذاب نہ بھی کرے۔ قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا اور آخرت میں واسطہ ہے۔ قبر سے مراد یہاں مدفن نہیں ہے۔ تاکہ یہ کیفیت شامل ہوان لوگوں کی نسبت بھی جو دریا میں ڈوب گئے ہیں یا آگ میں جل کر مرگئے ہیں یا کسی جانور نے ان کو کھا لیا ہے۔ (ص۴۰)

بعض آیات اور بہت سی احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری کے سوا ایک اور عالم (عالم مثال) ہے کہ جس میں اعمال واقوال وغیرہ اشیاء اپنے مناسب ایک صورت خاص میں متشکل ہوتے ہیں اور اس عالم میں پیشتر اشیاء موجود ہو چکتے ہیں، پھر اس عالم عنصری میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ (ص۴۱)

جب انسان لباس جسمانی اتارتا ہے تو اس کے اعمال اچھی یا بری صورتوں میں آکر

دکھائی دیتے ہیں۔ پھر جب جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو حظیرۃ القدس و عالم قدس میں روح اعظم کی
طرف اس طرح کھنچ کر جاتا ہے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔ اور اس حظیرۃ قدس کو
علیین بھی کہتے ہیں۔ پس وہاں ملائکہ مقربین اور ارواح طیبین سے ملاقات ہوتی ہے، اور
اس کی جسمانی باتیں مٹ جاتی ہیں اور اس کے اعمال و ادراکات اور اخلاص کو نہایت
عمدہ صورتوں میں اس کو دکھایا جاتا ہے۔ جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں اس کو آتی ہیں،
اور اس کی خواہش کے موافق نعمائے الٰہی اس کے لئے متشکل ہو جاتی ہیں۔ اور جو بدشغل
ہے تو اس کے اعمال منکر و نکیر کی نہایت بُری شکل میں اس کو عذاب کرتے ہیں۔ اس کا بخل و
شہوت اور دیگر اخلاقِ رذیلہ سانپ بچھو کی صورت میں ظاہر ہو کر اس کو ڈستے ہیں، اس پر
گرز پڑتے ہیں اور طبقہ ظلمانی میں جس کو سجین کہتے ہیں، اس کو محبوس کیا جاتا ہے اور یہ وہاں
اپنی ناز یبا باتوں سے نہایت رنج اٹھاتا رہتا ہے۔ اور اس سجین اور علیین کو عالم قبر کہتے ہیں۔
...... اور منکر و نکیر کا سوال کرنا ہر مردہ صغیر و کبیر سے ہوگا۔ اگرچہ کوئی پانی میں ڈوب گیا ہو یا
آگ میں جل گیا ہو یا کسی جانور نے اسے کھا لیا ہو۔ (صفحہ ۳۱)

حضرت علامہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت

موت کے لئے قرآن میں اکثر خدا کی طرف بازگشت یعنی خدا کی طرف لوٹ جانے کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے۔

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (جمعہ ۱)

کہدو بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس سے ملنا ہی ہے پھر تم اس (خدا) کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو حاضر و غائب کا جاننے والا ہے تو وہ تم کو تمہارے کرتوت بتائے گا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ (بقرہ ۱۹)

ہم سب خدا کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا۔ (مائدہ ۱۴)

تم سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یہ طرز ادا بیسیوں آیتوں میں اختیار کیا گیا ہے یہ بالکل بدیہی ہے کہ ہر رجوع، و بازگشت کے مفہوم میں ورود اور آمد داخل ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ارواحِ انسانی خدا کے یہاں سے اس جسم و قالب کی قید میں آئی ہیں اور موت کے وقت اس عناصر کی چہار دیواری سے نکل کر پھر ان کو وہیں واپس جانا ہے جہاں سے آئی تھیں۔ اس بازگشت کے سفر میں انکا زادِ راہ صرف وہی ہوگا جو اس دنیا سے

دارالعمل میں انہوں نے کمایا۔ یعنی ان کے اندرونی و بیرونی اعمال اور اس کے بعد جو ان کی زندگی ہوگی وہ ان کے ان ہی اعمال کی نوعیت پر منحصر ہوگی۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّٰكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (انعام ۷)

اور وہی خدا ہے جو تمہیں رات کو موت (نیند) دیتا ہے اور دن کو جو کما کے اس کو جانتا ہے۔ پھر تم کو دن میں جگا اٹھاتا ہے تاکہ مقررہ وقت (اصلی موت) پورا ہو، پھر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو تمہارے اعمال جتائے گا۔

ایک اور آیت ایسی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (یونس ۳)

اے انسانو تمہاری بغاوت کا نتیجہ تمہیں پر ہے، دنیا کی زندگی سے کچھ فائدہ اٹھانا پھر ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو ہم تم کو تمہارے اعمال جتائیں گے۔

اس میں دنیا کی زندگی کے بعد ہی خدا نے اپنی طرف واپس آجانے کی اطلاع دی ہے اور اہل تفسیر نے بھی اس رجوع الی اللہ سے موت ہی کے معنی سمجھے ہیں۔

(طبری ۱۱۔ ص ۹۴ مصر)

اب ہم ایک ایسی آیت پیش کرتے ہیں جس میں موت کا پورا نقشہ ہے اور اس کے بعد بیان ہے کہ اس دن مرنے کے بعد ہی خدا کے ہاں ہنکار کر لائے جاؤ گے گویا جس طرح جانور ہنکار کر لائے جاتے ہیں ویسے ہی گنہگاروں کی روحیں موت کے بعد نکال کر لائی جاتی ہیں۔ فرمایا:۔

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ۔ (قیامۃ ۱)

ہرگز نہیں جب روح ہانس (ہنسلی) تک آپہنچے اور لوگ کہیں اب کون ہے

جاڑ پھونک کرکے بچانے والا اور سمجھا کہ اب جدائی کا وقت آگیا اور پنڈلی سے لپٹ گئی اس دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہانکا جانا۔

لیکن سعید اور نیکوکار رُوحوں کو موت کے وقت یہ محبت بھری صدائے غیب سُنائی دیتی ہے:

یَآ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (فجر ۱)

اے مطمئن روح! تو اپنے مالک سے خوش اور تیرا مالک تجھ سے خوش اور تو اپنے مالک کے پاس واپس چلی جا۔

یہ کیسی دلآویز صدا اور کیسی دلکش واپسی ہوگی۔

اُس وقت کا سماں: وہ لمحہ جب اس رُوح کی مہلت کا زمانہ اور عمل کی فہرست ختم ہوتی ہے کتنا دردناک ہے اس وقت سے اس کی زندگی صرف اس کے گذشتہ اعمال کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ہر عمل کی صورت اس کو اپنے سامنے کھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور معیت کی کار کن صورتیں چلتی پھرتی دکھائی اور بولتی چالتی سنائی دیتی ہیں:

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ۔ (انعام ۱۱)

اور اگر تو کبھی دیکھے جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی میں ہوں اور فرشتے ہاتھ کھولے ہاں کہ نکالو (اپنے جسموں کے اندر سے) اپنی روحوں کو آج تم کو اس بدذات کی سزا ملے گی کہ تم خدا کی شان میں جھوٹ باتیں کہتے تھے اور اس کے حکموں کے ماننے سے غرور کرتے تھے اور تم ایک ایک کرکے (تنہا) جیسے ہم نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا ہمارے پاس آئے اور جو سامان و اسباب تم کو دیا تھا (جس نے تم کو مغرور بنایا تھا) اس کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت کس طرح فرشتے سامنے آتے ہیں' اور رُوح جسم سے جس وقت الگ ہوتی ہے اس کے گناہوں کی سزا کا دَور شروع ہوجاتا

ہے۔ اور یہی بات ایک اور موقع پر مذکور ہے:

وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ

اور اگر تو کبھی دیکھے جب وقت فرشتے کافروں کی جان لیتے ہیں ان کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو یہ تمہارے ہاتھوں کے پہلے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اس سے واضح ہے کہ یہ سزا موت ہی کے عالم سے شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ سزا نعوذ باللہ کسی انتقام کے سبب سے نہیں دیتا بلکہ وہ درحقیقت قانونِ عمل کے مطابق خود انسان کے کاموں کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔

نکوکاروں کا نقشہ اس سے بالکل الگ ہے، ان کو ہر طرف سے بشارتیں سنائی دیتی ہیں اور ہر سمت خوشی اور شادمانی کا سماں سامنے ہوتا ہے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ (واقعہ ۳)

پھر کیوں نہیں جس وقت روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس سے تمہاری نسبت زیادہ تر نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا تو اگر تم کسی اور کے حکم کے نیچے نہیں ہو تو کیوں نہیں اس رُوح کو پھر پلٹا دیتے ہو اگر تم (اپنے انکار و تکذیب میں) سچے ہو؛ تو اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہوا تو خوشی و آرام اور نعمت کی بہشت ہے اور اگر وہ (اس سے کچھ کم درجہ) دہنے والوں میں ہوا تو تجھ پر سلامتی دہنے والوں میں سے اور اگر وہ حق کو جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوا تو گرم پانی کی مہمانی اور دوزخ میں بیٹھنا ہے، بے شبہ یہ بات یقین کے لائق ہے۔

یہ تمام سماں موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہیں۔

★ برزخ کا عذاب و راحت ★

اوپر کی آیتوں سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی مفارقت کے بعد اچھی روحوں کے سامنے رحمت کے اور بری روحوں کے رُوبرو عذاب کے منظر گزرتے ہیں۔ قرآن پاک میں کچھ اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ یہ منظر نہ صرف روح کے سامنے ہی سے گزرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق رحمت یا زحمت کے اندر بھی داخل کر دی جاتی ہے۔ منافقین کی نسبت قرآن میں ہے۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ۔ (توبہ ۱۳)

ہم ان کو دو دفعہ عذاب دیں گے پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

عَذَابٍ عَظِيْمٍ سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے۔ اب اس عذاب دوزخ سے پہلے عذاب کے دو دور ان پر اور گذر چکے ہوں گے۔ ایک یہ دنیاوی عذاب ہے اور دوسرا موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے۔ قرآن میں آل فرعون کے ذکر میں ہے:

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَّيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ (مومن ۵)

اور فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب الٹ پڑا، آگ کہ اس پر وہ صبح اور شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت کی گھڑی کھڑی ہوگی (ندا ہوگی کہ) فرعون والوں کو (پہلے سے بھی) بڑھ کر عذاب میں ڈالو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ گنہگاروں کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم میں بھی عذاب کا کچھ نہ کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے۔ ایسا ہی نیکوکاروں کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے۔ اسی آیت پاک کی تشریح میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح و شام اس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے،

اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت اور اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو دوزخ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام اس وقت تک کے لئے کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا[1]۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ جنتی مُردہ کے سامنے جنت و دوزخ دونوں کے منظر سامنے کر کے کہتے ہیں کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرتا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا۔ مگر تیرے نیک عمل کے سبب سے اب یہ جنت تیرا مقام ہے[2]۔ اور اس دن تک کے لئے کہ لوگ اٹھائے جائیں اس پر سرسبزی بھر دی جاتی ہے[3]۔

مشرکوں اور قیامت کے منکروں کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغام الٰہی سچ ہے تو ہم کو فرشتے یا خدا نظر کیوں نہیں آتے۔ جواب میں کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئیں گے، اس دن ایمان بالغیب کہاں؟ اور اوپر کی آیتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہیں یا پھر قیامت میں نظر آئیں گے۔ اس لئے ارشاد ہے:

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا
وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ
خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ ۲۶
تَنْزِيْلًا اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا۔ ۲۲

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن ان گنہگاروں کو کوئی خوشخبری نہیں اور کہیں گے (کہ یہ ڈراؤنا منظر جو ہم کو نظر آرہا ہے) اب اوٹ میں روکا جائے اور ہم (خدا فرماتا ہے) ان کے کئے ہوئے کاموں کے پاس پہنچے اور ان کو اڑتا غبار بنا دیا (یعنی بے کار و بے سود و معدوم) جنت والے لوگ (یعنی جن کو جنت ملنے والی ہے) اس دن ان کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنۃ والنار باب عرض مقعد المیت جلد ۲ ص ۳۸۸ مصر و جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر حدیث حسن صحیح۔ و صحیح بخاری کتاب الجنائز باب عذاب القبر ص ۱۸۴ و سکرات الموت ص ۹۶۴۔ [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز ص ۱۸۴۔ [3] صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت ص ۳۹۰ مصر۔

نے خوب ٹھکانا اور دوپہر کے سونے کا مقام ہوگا۔ اور جس دن آسمان بادل سے پھٹ جائے گا اور فرشتے آہستہ آہستہ اتارے جائیں گے اس دن راج سچا خدا کا ہوگا اور وہ دن کافروں پر سخت ہوگا۔

کھلی بات ہے کہ آسمان بادل سے پھٹنا اور فرشتوں کا اترنا قیامت کا نقشہ ہے اب اس سے پہلے فرشتوں کے دکھائی دینے کا وہ دن جس میں گنہگاروں کے لئے کوئی خوشخبری نہیں اور وہ کہیں گے کہ کاش یہ ڈراؤنا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا اور جنت کے مستحقین کو ایک اچھا مستقر (قرارگاہ) اور دوپہر کی دھوپ سے بچانے والی خوابگاہ ملی ہوگی، قیامت سے پہلے اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے۔

سورۂ محمد میں موت کے وقت کا حال بیان ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان گنہگاروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہیں۔ فرمایا:

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (محمد ۳)

پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کو وفات دیں گے، اور ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوئے یہ اس لئے کہ انہوں نے اس کی پیروی کی جس نے خدا کو ان سے ناخوش کر دیا اور جنہوں نے خدا کی خوشنودی کو پسند نہ کیا تو خدا نے ان کے کاموں کو بے نتیجہ کر دیا۔

یہ غیبی ضرب خواہ اسی مادی جسم پر پڑتی ہو یا اس کے مثالی جسم پر یا روح پر، جو بھی کہئے بہرحال اس سے یہ ثابت ہے کہ گنہگار مردہ پر موت کے وقت ہی سے عذاب کا ایک رنگ شروع ہوتا ہے۔

سورۂ انعام میں اس سے زیادہ ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ۔ (انعام ۱۱)

اور اگر تو دیکھے جب گنہگار موت کی سکرات میں ہوں اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوں

کر نکالو (اپنے جسم کے اندر سے) اپنی روحوں کو۔ آج تمہیں ذلت کی سزا ملے گی۔
الیوم جس کے معنی آج کے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سے وہی زمانہ مراد ہے جس وقت سے فرشتے روح نکالتے ہیں۔ اس آج سے مقصود ہمارا دنیاوی آج نہیں ہے جو چوبیں گھنٹے میں ختم ہوجاتا ہے بلکہ برزخ کا پورا زمانہ ہے۔ (دیکھو فتح القدیر شوکانی، وتفسیر ابوالسعود، وتفسیر روح المعانی آلوسی)

قوم نوح کے غرق ہونے کے بعد ہی دوزخ میں جانے کا ذکر ہے۔

أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا (نوح ۲)
وہ ڈبو دیئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے تو انہوں نے خدا کے سوا مددگار نہیں پائے۔

حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی کافر بیویوں کی موت کے بعد ہی عذاب کا ذکر ہے
وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ (تحریم ۲)
اور کہا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی آگ میں داخل ہوجاؤ۔
یہ قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذاب ہلاکت کے بعد کے واقعات ہیں، اور اسی وقفہ کا نام برزخ ہے۔

سورۂ یٰسین میں ایک خیرخواہ قوم کا ذکر ہے جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتا رہا تھا۔ اور پھر وہ غالباً اسی حق کی راہ میں شہید ہوا۔ مرنے کے بعد جب اس کو بہشت ملی تو اس نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے معاف فرمایا اور عزت بخشی تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ ور ہو کر اس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی۔

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ (یٰس ۲)

کہا گیا جنت میں داخل ہو، اس نے کہا کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے

پروردگار نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں سے بنایا اور ہم نے اس کے مرنے کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ ہم اتارا کرتے ہیں۔

شہیدوں کی نسبت تو خاص طور پر ہے:

بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران ۱۷)

بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کو برزخ ہی میں کامل زندگی کے ساتھ جنت کی روزی ملتی ہے۔ اور عام نیکوکاروں کا یہ حال ہے کہ ان کو فرشتے اس وقت سلامتی اور جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ فرمایا:

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (نحل ۴)

جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک و صاف حالت میں وفات دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلے جنت میں چلے جاؤ۔

★ قبر کی اصطلاح ★

سطور بالا میں عالم برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں اور احادیث صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں وہ عموماً قبر کی اصلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اس لفظ قبر سے مقصود درحقیقت خاک کا وہ تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں بلکہ وہ عالم ہے جس میں

ؔلہ بعض معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں، یہ غلط فہمی ان کو اس لئے پیش آئی کہ قرآن میں لفظ قبر و قبور کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعد موت اور قبل قیامت ارواح انسانی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر موجود ہے تو ان کو اس انکار کی جرأت نہ ہوتی اور قرآن میں اس قسم کی متعدد آیتیں موجود ہیں۔

یہ مناظر پیش آتے ہیں۔ اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے مادی عناصر کی نہیں۔ اسی لئے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے اور ان ہی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر ہے اس عالم میں جو جسم نظر آتا ہے وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے، جو ہو بہو اس کے خاکی مطابق ہوتا ہے۔ تم نیند میں ہو اور تمہارا نیم مردہ و بے حس جسم بستر پر دراز ہے مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعینہٖ تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے یا باغ و بہار کی لذتوں میں مصروف ہے اور تم کو اس سے وہی راحت و تکلیف مل رہی ہے جو بیداری میں اپنے بستر پر پڑے ہوئے جسم کی تکلیف و راحت سے مل سکتی ہے اس خواب میں جس طرح تمہارے مادی جسم کے علاوہ تم کو ایک خیالی جسم نظر آتا ہے جو ہو بہو تمہارا مادی جسم ہے اسی طرح موت کے خواب میں بھی تم کو اپنا ایک[1] مثالی جسم نظر آئے گا جو اکثر حالتوں میں ہو بہو تمہارے اس خاکی جسم کے مطابق ہوگا اور تمہاری روح اسی جسم مثالی کے عذاب و راحت سے متاثر ہوگی کہ اعمال کی اصل ذمہ دار روح انسانی ہے جسم خاکی نہیں۔ فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ. (مدثر ۲)

یعنی ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گرو ہوگی۔ اس لئے اصل مکلف روح ہے جسم نہیں۔ جسم بمنزلہ آلہ کے ہے۔ دُنیا میں اس کا ایک خاکی جسم تھا برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہوگا۔ جو مادہ و مادیات سے پاک و بری ہوگا تاہم اس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مردوں کو اسی قبر میں جاتے دیکھتے ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیت اوپر گذر چکی ہے۔

---

[1] اس سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے لیکن اس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہیں آتا اور نیز اس شبہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب جسم سڑ گل جاتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کا احساس اس کو کیسے ہوتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ اَدْبَارَھُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۔ (انفال ۷)

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی رُوح قبض کرتے ہیں مارتے ہیں ان کے منہ اور پیٹھ پر اور (کہتے ہیں) چکھو جلنے کا مزہ۔

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگاروں پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مار ان کے منہ اور پیٹھ پر پڑتی ہے مگر یہ منہ اور پیٹھ وہ نہیں ہے جو بے جان لاشے کی صورت میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس آیت میں کافر کی روح کو جانور سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے (منہ پر) اور کبھی پیچھے (پیٹھ پر) مارتے ہیں۔ اسی طرح گویا کافر روح کو فرشتے زبردستی مارتے پیٹتے اور ہنکاتے ہوئے لے چلیں گے۔ اور کہیں گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو۔ یہی مفہوم صاف لفظوں میں اس آیت میں ہے:

اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ (قیامہ ۱)

اس دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہنکایا جانا۔

یعنی ایسی سعید روحیں بھی ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس برزخ میں جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا کہ مومن کامل کی رُوح پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی پھرتی ہے[1]۔ اور خصوصاً شہدا کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہوں گی اور اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رُویائے صادقہ پہلے گذرا ہے اس میں جن جسمانی قالبوں میں گناہگاروں کی سزا و تکلیف کی صورتیں دکھائی گئی ہیں وہ تمام تر مثالی ہی ہیں ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہدا کے وہ مثالی قالب اور گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام ان کے

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز

وہ قالب اور جسم نہیں ہیں جو ان کی قبروں میں سڑ گل کر فنا ہوگئے یا وہ آگ میں جل کر خاکستر ہوئے اور ذرّے ہوا میں اڑ کر منتشر ہوگئے یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کا جزو بدن بن گئے۔

بعض احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مٹی کی قبروں میں عذاب کے مشاہدات و مسموعات کا تذکرہ ہے تو ظاہر ہے کہ مادی زبان و منظر میں ان قوموں کے نزدیک جو گاڑتی ہیں اس میت کی یادگار اس دنیا میں اس کے اس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکے۔ ایک صحیح حدیث میں اس نیک مرد کا ذکر ہے جس نے خدا کے خوف سے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے تاکہ وہ خدا کے سامنے حاضر نہ کیا جاسکے مگر قدرت الٰہی نے اس کو مجسم کرکے کھڑا کر دیا اور اس کو اپنی رحمتوں سے نوازا۔[1]

★ سوال وجواب ★

احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ مُردوں سے توحید و رسالت کی نسبت سوال وجواب کرتے ہیں، اس کی تصدیق قرآن کی ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے:

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (نحل ۴)

جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک و صاف حالت میں وفات دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلے جنت میں چلے جاؤ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا

[1] صحیح بخاری جلد دوم ص ۹۵۹ کتاب الرقاق باب الخوف من اللہ۔

فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۔ (نساء ۱۴)

بیشک فرشتوں نے جن کی رُوحوں کو اس حالت میں قبض کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے وہ ان سے کہتے ہیں کس بات میں تھے: وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ملک میں بے یار و مددگار تھے، وہ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر باہر چلے جاتے۔

ایک اور آیت ہے:

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ۔ (اعراف ۴)

یہاں تک کہ جب ان جھٹلانے والوں کے پاس ہمارے فرشتے ان کی رُوحوں کو قبض کرنے آئیں گے اور کہیں گے کہاں ہے وہ جن کو تم خدا کے علاوہ پکارتے تھے (یعنی وہ مشرک) کہیں گے کہ ہمارے وہ دیوتا ہم سے کنارہ کش ہو گئے اور انہوں نے اپنے اوپر آپ گواہی دی کہ وہ کافر تھے، تب خدا فرمائے گا کہ تم بھی ان لوگوں میں جا ملو جو جن وانس میں سے تم سے پہلے آگ میں جا چکے ہیں۔

پہلی آیت میں عدمِ ہجرت کے گناہ کے مرتکب مسلمانوں کا اور دوسری میں کافروں کا حال بیان کیا ہے کہ ان سے ان کی موت کے بعد ہی یہ سوال کیا جائے گا۔ بہرحال یہ تو خاص خاص گناہوں کے مجرموں کا حال تھا۔ اب عام لوگوں سے جو سوال ہو سکتا ہے، وہ وہی ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے یعنی توحید و رسالت کی معرفت کا ان سے سوال ہوگا۔ قرآن پاک میں ایک جگہ کلمۂ طیبہ (اچھی بات یعنی کلمۂ توحید) اور کلمۂ خبیثہ (بری بات یعنی کلمۂ کفر) کی ایک ایک مثال ہے۔ کلمۂ طیبہ کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط گڑی ہیں، اسی کی شاخیں آسمانوں تک پھیلی ہیں اور اس میں سدا بہار پھل لگے ہیں اور کلمۂ خبیثہ کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑ زمین سے اکھڑی پڑی ہے وہ اب گرا اور تب گرا۔ اس کے بعد قرآن میں ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (ابراہیم ۳)

اللہ ایمان والوں کو پکی بات پر اس دنیا میں مضبوط رکھے گا اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو بچلاتا ہے۔

اس کی تفسیر صحیح حدیثوں میں یہ ہے کہ یہ برزخ کے اسی سوال وجواب سے متعلق ہے کہ صاحب ایمان اپنی زندگی میں جس طرح ایمان کی بات پر قائم تھا اسی طرح برزخ میں بھی اس پر قائم رہے گا۔ اور جو کافر و مشرک یہاں اس پر قائم نہ تھا وہاں وہ بھی قائم نہ رہے گا اور بہک جائے گا۔

ہر چند کہ رسول پاکؐ کی صحیح تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور استدلال کی حاجت نہیں تاہم تائیداً یہ عرض ہے کہ اس آیت میں اہل ایمان کے آخرت میں بھی قول ثابت پر ثابت قدم رہنے کی بشارت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آخرت سے قیامت اور بہشت و دوزخ کا دن تو مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ تو کشف راز کا دن ہے اس دن تو کافر بھی اس قول ثابت سے پلٹنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ پھر یہ اہل ایمان کے لئے کوئی خاص بشارت نہ ہوگی اور نہ یہ اس اظہارِ احسان کا مناسب وقت ہو سکتا ہے البتہ اس بشارت اور احسان کا اعلان و اظہار آخرت کے اس حصہ میں موزوں ہو سکتا ہے جہاں ہنوز اسرار پس پردہ کی پوری نقاب کشائی نہیں ہوتی اور وہ برزخ کا عالم ہے۔

اس آیت پاک کی تفسیر سے جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخرت کی وسعت مفہوم میں برزخ کا میدان بھی داخل ہے۔

حقیقت میں اس عالم برزخ کا سوال وجواب کوئی نیا واقعہ نہ ہوگا بلکہ ہر روح کی پہلی زندگی کی ایمانی کیفیت اقرار و انکار کی مثال ہوگی۔ یا یوں کہو کہ آج کے آئینہ میں کل کا عکس نمایاں ہوگا۔ یعنی اقرار و انکار کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہوگا وہی بعد کو سوال وجواب میں نمایاں ہوگی۔

برزخ میں ارواح کا مسکن

آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواح انسانی کا مسکن کہاں ہوگا؟ قرآن پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں میں ملتا ہے۔ سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ بالا آیات کے بعد ہے جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال وجواب کر چکیں گے تو خدا ان کی روحوں کو حکم دے گا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں۔ اس کے بعد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ۔ (اعراف ۵)

بیشک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے غرور کیا اوران کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے (یعنی کبھی نہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیات الٰہی کے منکروں اور جھٹلانے والوں کی روحیں مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کی حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی اور وہ فضائے زمین[1] میں آوارہ پھریں گی یا اپنے خاکی جسموں کے[2] کثافت جہاں وہ سپرد خاک ہوئے ہوں گے منڈلاتی رہیں گی اور وہیں سے دوزخ کا منظر دیکھیں گی اور تکلیف اٹھائیں گی۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔ (فجر ۱)

اے مطمئن روح! اپنے پروردگار کے پاس واپس چلی جا۔ تیرا پروردگار تجھ سے خوش اور تو اپنے پروردگار سے خوش۔ تو میرے بندوں میں شامل اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

ان سے بڑھ کر وہ پاکباز روحیں ہیں جنہوں نے اپنے خاکی جسموں، فانی زندگیوں، مادی خوشیوں اور زوال پذیر عشرتوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا تو ان کو خدا کی طرف

---

[1] جیسے بعض نے کہا ہے۔ [2] جیسے بعض علماء نے کہا ہے کہ ارواح افنیہ قبور پر رہتی ہیں جیسے ابن عبدالبر نے کہا۔ ۱۲

سے ایک تمثالی جسم غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و مسرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کر دی جاتی ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

جو خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

یہ پر مسرت زندگی کیسی ہوگی اس کی تفصیل دوسری سورت میں ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران ۱۷)

اور تو ان کو جو خدا کی راہ میں مارے گئے مردہ نہ گمان کر بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو روزی دی جاتی ہے۔ خدا نے اپنی مہربانی سے ان کو جو دیا ہے اس پر خوش ہیں اور ابھی ان کے پیچھے سے ان تک نہیں پہنچے ہیں، ان کی طرف سے بھی خوش ہیں کہ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ اللہ کے مہر و کرم سے مسرور ہیں اللہ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

یہ پر مسرت زندگی شہدا کرتے گی۔ اس زندگی کا مقام خدا کے پاس بتایا گیا ہے۔ الخ صحیحہ میں ہے کہ ان زندہ شہیدوں کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کر کے جب اڑتی ہیں تو وہ سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی ہے اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا نشیمن بنتی ہیں۔ اس کے بعد غالباً اتنا ہر ذی عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج و مراتب شہدا سے بہرحال اعلیٰ اور برتر ہیں۔ اس لئے ان کا مقام بھی اسی احاطہ قدس کے اندر ہوگا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر معراج اور اپنے رویائے صادقہ میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور بہشت کے مختلف مدارج میں دیکھا۔

بعض وہ سعید روحیں ہیں جو یہاں سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو جاتی ہیں جیسا کہ حضرت جعفر طیار کے متعلق احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنی دونوں

بازوؤں سے فرشتوں کے ساتھ عالم ملکوت میں اڑ رہے تھے۔ عالم برزخ کے یہ دو اڑنے والے بازو درحقیقت ان کے دونوں جسمانی بازوؤں کی مثال ہیں جو اس جنگ میں ان کے جسم سے کٹ کر گر گئے تھے اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کٹے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے پکڑے ہوئے تھے۔ عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہو:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ‎ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (حٰم السجدہ ۴)

بیشک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے، اُن پر فرشتے یہ خوشخبری لے کر اُترتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ اور غمگین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا تھا ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی۔

یہ آوازۂ بشارت اور فرشتوں کی رفاقت اسی برزخ کا دلکش سماں ہو سکتا ہے۔

(سیرت النبیؐ جلد ۴ صفحہ ۶۵۸ تا ۶۶۴)

دیگر علماء کرام کی تصریحات

گذشتہ عبارات علی سبیل التفصیل حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سابق مدرس دار العلوم دیوبند حضرت شیخ التفسیر والحدیث مولانا عبد الحق حقانیؒ صاحب تفسیر حقانی، حضرت مولانا نجم الغنی رئیس رامپور خلف بااشرف مولوی عبد الغنی خانؒ بن مولوی عبد العلیؒ خان بن مولوی عبد الرحمٰنؒ خان بن مولانا حاجی محمد سعیدؒ محدث، شاگرد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ تلمیذ خطیب سیرۃ رئیس التحریر حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ کی پیش کی ہیں اب طوالت کے خوف سے مندرجہ ذیل علماء کرام کی عبارات کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے جن کے اسمائے یہ ہیں:

حضرت مولانا شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ، وکیل احناف حضرت ملا علی القاریؒ حضرت نواب قطب الدینؒ تلمیذ ارشد حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ مہاجر مکی صاحب مظاہر الحق، شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا علامہ محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی مدیر الفرقان لکھنؤ، امام اہل سنت حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ، مولانا مولوی محمد احسن سنبھلیؒ، حضرت مولانا عبد الماجدؒ دریابادی۔ حضرت فقیہ النفس محقق اعظم مدقق فی العرب والعجم مفتی عالم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ۔ قائد تحریک آزادی اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی نبیرہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

★ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محقق و محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات کے صفحہ ۶۲ جلد اول اور صفحہ ۱۱۳ جلد اول میں فرمایا ہے:

"مراد بہ قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام۔ نہ گوئے کہ مردہ را در وگور کنند۔ چہ بسا مردگان کہ در آب غرق شوند و در آتش سوختہ گردند و در شکم جانوران بہ تحلیل روند۔"

یعنی قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ ہے اور اس کا تعلق ان دونوں مقاموں سے ہے۔ اور قبر سے یہ گڑھا مراد نہیں جس میں مردہ کو گاڑتے ہیں کیونکہ کئی مردے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پانی میں غرق ہو جاتے ہیں اور کئی آگ میں جلائے جاتے ہیں اور کئی جانوروں کے پیٹ میں تحلیل ہو جاتے ہیں (ان کی قبر نہیں کھودی جاتی جس میں مرے ہوئے کو گاڑیں)۔

پھر اسی طرح آپ نے اپنی عقائد کی کتاب تکمیل الایمان صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ:

"یکے از اعتقادات اہل سنت وجماعت عذاب قبر است و مراد بہ قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دار دنیا و دار آخرت۔"

یعنی اہل سنت وجماعت کے اعتقادات میں سے ایک عقیدہ عذاب قبر کا ہے اور یہاں قبر سے مراد برزخ کا جہان ہے جو دنیا کے جہان اور آخرت کے جہان کے درمیان واسطہ ہے۔

★ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ صفحہ ۱۹۷ میں فرمایا ہے:

کل موضع فیہ مقرہ فھو قبرہ۔ یعنی ہر ایسی جگہ جس میں میت قرار پکڑتا ہے (علیین یا سجین) وہی اس کی قبر ہے۔

★ نواب قطب الدین تلمیذ رشید حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مظاہر حق شرح مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۶۳ میں لکھا ہے: "مراد قبر سے عالم برزخ ہے۔"

★ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف کتاب الجواہر والیواقیت صفحہ نمبر ۱۷۶ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ:

ان اللہ تعالیٰ اذا قبض الارواح من الاجسام الطبعیۃ اودعھا صوراً جسدیۃ فی حضرۃ البرزخ الذی ھو صور اسرافیل۔ یعنی ان طبعی اجسام میں سے جب اللہ تعالیٰ ارواح کو کھینچ نکالتا ہے تو اسرافیل کے صور میں (جو برزخ میں گزرتا ہے) جسدی صورتوں میں ان کو ودیعت فرماتے ہیں۔

★ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عقیدہ طحاویہ کی شرح صفحہ ۳۲۰ و ۳۲۱ میں لکھتے ہیں:

واعلم ان عذاب القبر ھو عذاب البرزخ فکل من مات وھو مستحق للعذاب نالہ نصیبہ منہ قُبر او لم یقبر اکلتہ السباع او احترق حتیٰ صار رماداً او نسف فی الھواء او صلب او غرق فی البحر ..... فالحاصل ان الدور ثلث دار الدنیا ودار البرزخ ودار القرار وقد جعل اللہ لکل دار احکاماً تخصھا۔ یعنی یہ یقین کر لو کہ عذاب قبر عذاب برزخ ہی ہے سو جو بھی عذاب کا اہل مر جائے اسے اس عذاب میں سے اس کا حصہ ملتا ہے خواہ گڑھے میں اسے گاڑا جائے یا نہ گاڑا جائے، خواہ اس کو درندے کھا جائیں یا جل کر راکھ ہو جائے یا اسے ہوا میں اڑا دیا جائے یا اسے سولی چڑھا دیا جائے یا سمندر میں غرق ہو جائے ..... تو حاصل یہ ہے کہ گھر تین ہیں، ایک دنیا، دوسرا برزخ، تیسرا سدا رہنے کی جگہ یعنی جنت یا دوزخ اور اللہ تعالیٰ نے ہر گھر کے علیحدہ علیحدہ مخصوص مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔

★ مولانا محمد احسن سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد نسفیہ کے حاشیہ نظم الفرائد صفحہ ۱۷۱ میں لکھتے ہیں:

والمراد بالقبر لیس ما یحفر ویدفن فیہ المیت بل المراد بہ عالم البرزخ مما بعد الموت الی یوم النشور۔ یعنی جس قبر میں عذاب

و ثواب ہونے کا ہمارا عقیدہ ہے اس قبر سے مراد وہ قبر نہیں جس کو کھود کر اس میں مردہ
کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد عالم برزخ ہے جو مرنے کے بعد سے قیامت تک ہے۔
★ مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مالابدمنہ کے صفحہ ۷۴ کے حاشیہ
پر ہے کہ "مراد از قبر عالم برزخ است:
★ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ماجدی کے صفحہ ۱۱۶
جلد ۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ :
آگ میں جل کر، پانی میں غرق ہوکر، درندوں کی غذا بن کر، ہر حال میں ہر صورت سے
انسان جاتا عالم قبر ہی میں ہے؛
نیز صفحہ ۵۵۴ جلد ۳ میں فرماتے ہیں کہ :
خود برزخ جس عالم کا نام ہے وہ آخرت کی ہلکی منامی، رویائی شکل ہے۔
★ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب
جواہر الایمان ۷ میں لکھا ہے کہ :
"قبر سے مراد زمین کا گڑھا ہی نہیں بلکہ موت کے بعد آخرت سے پہلے کا زمانہ مراد ہے"
★ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ
يَلْبَثُوا کے تحت لکھا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ برزخ (قبر) میں ٹھہرنے
کی مدت کو ایک گھڑی کے برابر سمجھیں گے۔
لمعات التنقیح صفحہ ۱۸۹ جلد ۱ میں لکھا ہے کہ :
المراد بالقبر ههنا عالم برزخ وهو عالم بين الدنيا والآخرة. یعنی اس
جگہ عالم قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ایک جہان ہے۔
★ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے معارف الحدیث صفحہ ۳۳ جلد ۲ میں لکھا
ہے کہ :
"قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانا ہے۔
نیز معارف الحدیث صفحہ ۱۸۷ جلد ۱ میں فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام نے مابعد الموت یعنی عالمِ برزخ (عالمِ قبر) اور عالمِ آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو عقلاً ناممکن اور محال ہو۔

★ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند معارف القرآن صفحہ ۷۶، جلد ۶ میں فرمایا ہے کہ :

یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے مراد عالمِ قبر اور برزخ کا قیام ہو اور مطلب یہ ہو کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ قبر یعنی عالمِ برزخ میں قیام بہت طویل ہوگا اور قیامت بہت زمانہ کے بعد آئے گی مگر معاملہ برعکس ہو گیا کہ ہم برزخ میں تھوڑی ہی دیر ٹھہرنے پائے تھے کہ قیامت آگئی۔

نیز جلد نمبر ۸ صفحہ ۶۷۵ میں "قبر میں ثواب وعذاب" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ :

موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی رُوح قبض کر کے آسمان کی طرف لے جانا، پھر اس کے اچھے یا برے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، تکلیف یا راحت کے انتظامات کر دینا ان آیات مذکورہ سے ثابت ہو گیا۔ یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا، حشر کا عذاب و ثواب اس کے بعد ہے احادیث صحیحہ میں اس کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔

★ حضرت مولانا محمد ابراہیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المغالطات کے صفحہ ۱۵۹ میں رقمطراز ہیں کہ :

قبر اس گڑھے کا نام نہیں جہاں جسدِ خاکی مدفون کر کے خاک میں ڈالتے ہیں جہاں تک زندہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں اس گڑھے کو برائے نام یا بطور مجاز قبر کہتے ہیں، حقیقی قبر یہ نہیں۔ حقیقی قبر عالمِ برزخ ہے۔

★ حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی نبیرہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا العلام محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ۔ اپنی کتاب عقائد الاسلام قاسمی کے صفحہ ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

رُوح انسانی اگر دنیا سے پاک ہو کر جسم سے نکلتی ہے تو عالمِ قدس اس کا ٹھکانا ہو جاتا ہے جسے علیین کہتے ہیں اور اگر ناپاک ہو کر دنیا سے رخصت ہوتی ہے تو عالمِ ظلمت اس کا ٹھکانا ہوتا ہے جسے سجین کہتے ہیں۔

نیز صفحہ ۹۸ و ۹۹ پر رقمطراز ہیں کہ :

جو رُوحیں پاک اور مومن ہوتی ہیں ان کو حشر تک علیین میں رکھا جاتا ہے اور جو رُوحیں ظلماتِ کفر میں لپٹی رہتی ہیں ان کو سجین میں جگہ دی جاتی ہے۔ گویا یوں سمجھئے کہ یہ ہر دو مقامات ارواحِ بشریہ کے لئے بمنزلہ دو مسافر خانوں کے ہیں جہاں قیامت تک نیک و بد روحیں ثواب و عقابِ آخرت سے آشنا کرائی جاتی ہیں۔

علمأ بریلویہ کی تصریحات

ناظرین منیبین نے اس وقت تک تو اکابر علمأ اہل السنت والجماعت کے عقائد بابت قبر شرعی حقیقی کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائے ہیں اور اب مزید گنجائش اس بات کی نہیں تھی کہ بریلوی مکتبِ فکر کے علمأ کا عقیدہ بھی لکھا جاتا مگر پھر بھی مناسب یہی ہے کہ چند حوالہ جات بطور نمونہ "مشتے نمونہ از خروارے" کے ہاتھوں اس فرقہ سے بھی درج کر دیئے جائیں۔ چونکہ اصل سبب اس تمام بحث کا یہی فرقہ تھا مگر بعد میں کچھ ناسمجھ لوگوں نے اس بات کا انکار کر دیا کہ عالمِ برزخ بھی کوئی مقام ہے انہوں نے ظاہر بینی سے کام لیتے ہوئے اس عرفی قبر گڑھے ہی میں عذاب وثواب کا عقیدہ محض اس لئے اختیار کیا کہ ہم آسانی کے ساتھ اس طرح ان مُردوں سے کلام کر سکیں یا اتنا نہیں تو کم از کم ان کو اپنا حال تو سنا سکیں اور پھر ان سے اپنے لئے کچھ خیر طلب کر سکیں یا طلبِ خیر کے لئے ان کو سفارشی بنا سکیں۔ غرض کتنی ہی قباحتیں اس میں مضمر ہیں ان پر بحث شروع کر دی تو کلام طویل ہو جائے گا جس کے لئے دفتر کے دفتر کھولنے ہوں گے۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ منیب کے لئے اشارہ کافی ہے۔

اب کچھ حوالہ جات علمأ بریلویہ کے ملاحظہ فرمائیں اور دیانت داری سے فیصلہ خود فرمالیں۔ فافہم وتدبر۔

★ مولانا احمد رضا خاں بریلوی بانی فرقہ بریلویہ کی کتاب ملفوظات حصہ چہارم کے صفحہ ۲۵ و ۲۶ پر ایک سوال وجواب درج ہے:

عرض: برزخ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ شے جو متوسط ہو درمیان دو شے کے جسے دونوں سے علاقہ ہو سکے۔ جب صرف برزخ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس

کا مفہوم قبر ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ برزخ سے مُراد قبر ہے یا وہ زمانہ جو بعد مرنے سے قیامت یا حشر تک ہے۔

ارشاد: نہ قبر نہ وہ زمانہ بلکہ وہ مقامات جن میں ارواح بعد موت حشر تک حسب مراتب رہتی ہیں۔

پھر اسی صفحہ ۲۶ پر ایک اور سوال وجواب بھی درج ہے:

عرض: درجات برزخ علیین اور سجین اور ان کے سوا جو ہوں ارشاد ہوں۔

ارشاد: علیین اور سجین برزخ ہی کے مقامات ہیں اور ہر ایک میں حسب مراتب تفاوت بے شمار۔

★ مفتی احمد یار خان بدایونی گجراتی اسرار الاحکام بہ انوار القرآن میں لکھتے ہیں:
قبر سے مراد صرف یہ غار نہیں ہے جس میں مردہ دفن ہوتا ہے بلکہ اس سے عالم برزخ مراد ہے۔ مردہ کا جسم کہیں ہو مگر روح تو محفوظ ہے۔ اسی رُوح کو جسم کے اصل ذرات سے متعلق کر کے اس سے سوال وجواب ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دفن ہی نہ کیا گیا ہو یوں ہی میدان میں پھینک دیا گیا۔

★ مولوی رحیم بخش مؤلف کتب الاسلام نے اسلام کی گیارھویں کتاب کے صفحہ ۲۱۰ پر لکھا ہے کہ:

عالم برزخ یعنی عالم قبر کی حقیقت اس عالم دنیا کی حقیقت کے علاوہ ہے۔

اور اسی کے صفحہ ۲۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

عالم قبر جدا عالم ہے اور دنیا کے عالم سے جدا اور مبائن ہے اور اس کے لوازم جُدا ہیں اور اس کے جدا ہیں اس لئے اُس عالم کا اِس عالمِ دُنیا پر پُورا اور بعینہٖ قیاس نہیں ہو سکتا۔

الحاصل

ان تمام حوالجات سے یہ امر متیقن ہوگیا کہ قبر کی طرف جب عذاب و ثواب کی نسبت کی جائے تو اس سے مراد عالم برزخ ہوگا، یہ گڑھا جیسے کسیوں وغیرہ سے کھود کر اس میں میت کو دفن کرتے ہیں مراد نہیں ہوتا۔

اب یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن شریف میں ہر جگہ قبر بول کر یہی گڑھا مراد لیا گیا ہے۔

اول تو دعویٰ ہی غلط ہے کیونکہ کئی مقامات پر قبر کا لفظ قرآن پاک میں ہے مگر وہاں گڑھا مراد نہیں لیا گیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان اللہ یبعث من فی القبور، اور واذا القبور بعثرت یعنی جتنے بھی قبروں میں پڑے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر اٹھائے گا۔

ظاہر ہے کہ اگر قبر سے مراد یہی گڑھا ہو تو جن مُردوں کو اس گڑھے میں دفن نہیں کیا گیا بلکہ ان کو آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا اور ہوا میں اڑا دیا گیا یا اس کو جانور، درندے، یا مچھلیاں کھا گئی ہیں یا پانی میں ڈوب گئے ہیں تو ان کا بعث اور حشر نہ ہو حالانکہ یہ صریح غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں قبر سے گڑھا مراد نہیں لیا گیا بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا خواہ قبر میں دفن ہو یا نہ ہو کیونکہ ھو بکل خلق علیم اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ہر چیز کا علم تفصیلی ہے کہ کہاں کہاں ہے۔

دوسرے یہ کہ جہاں جہاں قرآن پاک میں قبر سے گڑھا مراد لیا گیا ہے وہاں وہاں عذاب و ثواب قبر کا ذکر نہیں ہے بلکہ وہاں دوسرے امور ذکر ہیں۔ مثلاً لا تقم علی قبرہ اور ظاہر ہے کہ کھڑا ہونا اسی عرفی قبر پر مامور اور منہی عنہ ہے، نہ عالم برزخ میں اسی طرح ثم اماتہ فاقبرہ یہاں اگر یہ معنی ہوں امر الناس بجعل المیت فی القبر یعنی لوگوں کو حکم دیا کہ میت کو قبر میں رکھیں (تفسیر مظہری ص ۱۰ ج ۲) تو پھر بھی قبر عرفی

مراد ہوگی کیونکہ دنیا پر زندہ رہنے والوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ میت کا اعزاز واحترام کرتے ہوئے اس کے لئے قبر کھود کر قبلہ رُخ کرکے رکھو ایسا نہ ہو کہ درندوں، پرندوں کی خوراک بنے کہ اس میں انسان کی تذلیل ہے۔ اور اگر اس کے معنی ہوں کہ جعلہ ذاقبر یا جعل لہ قبر[1] تو اس سے قبر عرفی مراد نہ ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبر والا بنا دیا، یا اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر بنائی اور اللہ تعالیٰ کا میت کی قبر بنانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مقر (قرارگاہ) بنایا کہ جہاں قیامت (یوم نشور) تک قرار پکڑے رہے گا۔ تو اس وقت عرفی قبر مراد نہ ہوگی۔ بلکہ وہ قرارگاہ مراد ہوگی جہاں قیامت تک روحیں رہیں گی۔ علیین ہو یا سجین۔ علی اختلاف العقائد والاعمال۔ اور وہیں جزاء و سزا ہوتی رہے گی۔ جیسے اُوپر کے حوالجات سے معلوم ہوگیا۔

رہا یہ کہنا کہ اکثر استعمال قبر عُرفی میں آیا ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جب عذاب وثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو تو اس وقت کبھی گڑھا مراد نہیں ہوتا ومن ادعی فعلیہ البیان۔

نیز ایسا ہی مرزائی کہہ سکتے ہیں کہ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ سے موت مُراد ہے، کیونکہ اکثر متوفی کا اطلاق موت پر آتا ہے تو یہ علماء زمانہ اس کا کیا جواب دیں گے؟ پس جو جواب وہ یہاں دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے یہاں بھی سمجھ لیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث وصدر مدرس دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہ العزیز کی عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسٰی علیہ السلام والی عبارت سوچ سمجھ کے پڑھ لیں اور اللہ کا تقویٰ دل میں رکھیں اور اپنی زبان کو طعن سے روکیں۔

---

[1] احکام القرآن جصاص

ظاہر بین حضرات کا ایک مشہور اعتراض

★★★

آجکل کے بعض ظاہر بین حضرات یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ انسان نیک و بد اعمال اس عنصری جسم سے کرتا ہے، اور قبر (عالم برزخ) میں سزا بھی تو اسی جسم عنصری کو ہی ملنی چاہئے، ایسا کیوں ہوتا ہے کہ نیک و بد کام کرے تو یہ جسم عنصری اور سزا ملنے کی باری آئی تو جسم مثالی کو ملے، کرے کوئی بھرے کوئی طویلے کی بلا بندر کے سر؟

سو اس کا جواب بھی ہم خود اپنی طرف سے دینا نہیں چاہتے اس لئے کہ

حجۃ الاسلام محقق اعظم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
رحمۃ اللہ علیہ

بانی دار العلوم دیوبند

اپنی محققانہ تصنیف

★ آب حیات ★

میں اس کا جواب پہلے ہی دے چکے ہیں جسے ہم آئندہ صفحات میں درج کر رہے ہیں، اگر اس کے بعد بھی کوئی تعصب کا مارا نہ سمجھے تو ہم اس کے لئے یہی دعا کریں گے کہ اللہ کریم اس کے دل سے تعصب کی اس مرض کو دور فرمائے اور حق کو سمجھنے اور اپنے اکابر اساتذہ الاساتذہ کے بتلائے ہوئے راستہ کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

★ اہلِ حقیقت کے نزدیک ★

حرکات سکنات ارادیہ میں جسم اپنے آپ متحرک اور ساکن نہیں بلکہ رُوح درپردہ کار پرداز حرکات و سکون ہے اور اس وجہ سے جسم فقط محل قیام حرکت ہو فاعل نہیں، فاعلِ حقیقی وہی رُوح ہے۔ چنانچہ ضرب و سبّ و شتم وغیرہ امور جو اعضائے مخصوصہ سے صادر ہوتے ہیں رُوح کے افعال سمجھے جاتے ہیں، جسم کے افعال نہیں سمجھے جاتے، ورنہ انعام اور پاداش میں اعضا جو مصدر افعال تھے محل اکرام و انعام و مورد عتاب و عقاب ہوا کرتے۔ حالانکہ سبّ و شتم کے عوض میں جو افعال لسانی ہیں بسا اوقات سر پھوڑا جاتا ہے اور دست و پا توڑے جاتے ہیں۔ اور زنا کی سزا میں جو بظاہر فعل عضوِ مخصوص ہے تازیانوں کی مار کمر پہ پڑتی ہے یا پتھروں کی بوچھاڑ سارے بدن پہ برستی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس مدح و ثنا یا خدمتِ دست و پا کی جزا میں تاج پہنایا جاتا ہے، طعامِ لذیذ کھلایا جاتا ہے۔ اگر فاعلِ حرکات جسم ہی ہوتا ہے تو یہ ظلم صریح کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ جان کوئی گنوائے اور مزے کوئی اڑائے کسی کے نزدیک روا نہ ہوتا۔ حالانکہ اس قسم کی جزا و سزا کے جواز میں متبعانِ عقل و نقل میں سے کسی کو تامل نہیں۔ ہاں فاعلِ حرکات رُوح کو کہئے تو اس اختلافِ محلِ طاعت و جرم اور مورد جزا و سزا کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ روح کو تمام بدن اور جملہ اعضاءِ بدن سے ربط و تعلق ہے اور ہر جزءِ بدن رُوح کے حق میں مصدرِ افعال و منبعِ آثار اور واسطۂ ایصالِ رنج و راحت اور سبیلِ حصولِ آرام و تکلیف ہے، چنانچہ خود جسم کو کاروبار سے کچھ تعلق نہیں آرام و تکلیف سے کچھ مطلب نہیں ورنہ منافع حرکات و سکنات بوسیلہ جسم جیب خاص رُوح سے باہر آتا ہے اور رنج و راحت سارے کا سارا

خزانہ رُوح میں جاتا ہے، بدن کو فقط چوبدار یا تحصیلدار سمجھئے اس سبب سے جس
عضو کے وسیلے سے کوئی فعل صادر ہوگا وہ رُوح ہی کا فعل ہوگا اور جو انعام و انتقام
کسی عضو پہ وارد ہوگا وہ رُوح پردہ نشین ہی پر وارد ہوگا۔ اس صورت میں اگر مصدر
طاعت و گناہ کوئی اور عضو ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، جو مطیع ہے وہی منعم و مرحوم
و محمود ہے اور جو عاصی ہے وہی مذموم و معتوب و مطرود ہے مصدر افعال بھی
وہی رُوح تھی اگرچہ کوئی عضو بدن اس کا مظہر ہو اور مورد انعام و انتقام بھی وہی
رُوح ہے اگرچہ کوئی جزء بدن اس کا مسلک ہو۔ الغرض حقیقت شناسان معانی
سنج کے نزدیک فاعل حقیقت میں رُوح ہے نہ بدن۔ اور منبع حرکات و سکنات
ارادیہ جان ہے، نہ تن، جسم و تن فقط محل قیام حرکات و سکنات اور ایک طرح
کا ظرف تحقق ارادیات ہے۔ گو ظاہر بینوں کو فاعل نظر آئے۔

ناظرین کرام سے

آخری گذارش

آپ نے رسالہ ہذا اول تا آخر دیکھ لیا۔ اور محققین و مدققین علماء حق اہل السنت والجماعت اور بریلوی مکتب فکر کے مشہور علما کی عبارات علی سبیل التفصیل پڑھ لیں۔ خصوصًا اکابر علماء دیوبند اور ان کے اساتذہ کے زریں اقوال۔

اب آپ علیحدگی میں بیٹھ کر دلجمی کے ساتھ جب کہ کسی قسم کے خیالات، تصورات اور خانگی حالات کا بوجھ آپ کے سر پر نہ ہو، سوچیں اور موجودہ علماء زمانہ کی کورانہ تقلید کو بالائے طاق رکھ کر تفکر اور تامل کریں پھر آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ حق بات کس کی ہے، اور غلط کس کی ہے اور ہم نے ایسا نہیں کیا کہ ٹکڑیاں ٹکڑیاں عبارتوں کی کاٹ کر آپ کے سامنے رکھیں بلکہ طوالت کا خیال نہ کرتے ہوئے ہم نے من وعن اکابر کی عبارات نقل کر دی ہیں تاکہ احقاق حق ہو جائے اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

اور اس کے بعد آپ بتائیں کہ قبر کے عذاب و ثواب کا منکر کون ہے، کیوں کہ اگر گڑھے کا نام قبر ہو تو ہندو و سکھ جو مُردوں کو جلا دیتے ہیں اور انکو گڑھوں میں دفن نہیں کرتے تو ان کے عذاب قبر کا انکار لازم آئیگا اسی طرح فرعون جس کی مورتی اب تک صحیح سلامت ہے اس کے عذاب قبر کا بھی انکار کرنا ہوگا حالانکہ قرآن میں اس کی تصریح ہے اور اس کا انکار کفر ہے، اسی طرح تمام فرعونیوں کے عذاب کا انکار لازم آئیگا جن کا ذکر بھی صراحتہً قرآن میں ہے۔ نیز قوم نوح جو پانی میں غرق ہو چکی تھی

اوران کی کسی نے قبر نہیں بنائی ان کے عذاب کا بھی انکار کرنا ہوگا حالانکہ ان کے عذاب
کی تصریح بھی بالفاظ اغرقوا فادخلوا نارا موجود ہے اور اس مرتد کو بھی عذاب
قبر سے مُبرا کہنا پڑے گا جس کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب
یہ مرجائے گا تو زمین اس کو قبول نہ کرے گی پھر واقعی جب وہ مرگیا اور اسے سات بار
دفن کیا مگر ہر بار وہ زمین سے باہر پڑا ہوا ہوتا تھا، یعنی اس گڑھے میں جس میں اسے
دفن کیا گیا تھا اس میں وہ مرتد نہیں رہنے دیا گیا۔ بلکہ زمین نے اس نامرادِ مردود کو اپنے
سے باہر پھینک دیا اور اپنے اندر جگہ نہ دی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کو عذاب قبر
ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

اسی طرح شہداء کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ثواب کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ کئی بیچارے
آگ میں جلائے گئے کئی پانی میں غرق ہوئے کئی زمین پر پڑے رہے اور انہیں درندے
پرندے کھا گئے۔ اگر قبر گڑھے کا نام ہو تو ان بیچارے شہیدوں کو ثواب و تنعیم سے
محروم کہنا پڑے گا حالانکہ قرآن کریم میں بلاتخصیص احدے ہر شہید کی تنعیم کا ذکر ہے
خواہ اس کی قبر بنا کر اس میں اسے دفن کریں یا اسے نذرِ آتش کر دیا جائے یا اسے سمندر
میں غرق کر دیا جائے یا اس کو پرندوں، درندوں کی خوراک کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل منکر عذاب و ثواب قبر کے وہ لوگ ہیں جو گڑھے کو عذاب
و ثواب کے لئے قبر سمجھتے ہیں اور اصل بشر مریسی اور ضرار بن سنان معتزلی کے مقلد
وہ لوگ ہیں نہ ہم جو کہ قبر کا وہ معنی کرتے ہیں جہاں ہر میت کو پہنچنا ہوتا ہے۔

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

قبر اطہر صلی اللہ علیہ وسلم

پر کونسا درود پڑھنا چاہیے؟

اور

اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال: آج کل بہت سے لوگ اپنے مُردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے مدرسوں سے طلباء کو بُلا کر قرآن پاک پڑھاتے ہیں اور بعد میں ان کو کھانا کھلاتے ہیں، شرعی لحاظ سے یہ عمل کیسا ہے؟ (کاشف ارشاد ایف ۶-۷ چھیاں جھیاں، راولپنڈی)

جواب: آج کل عوام میں "ایصالِ ثواب" کا جو طریقہ مُروّج ہے یہ سب بدعت ہے جو ہندوؤں سے ماخوذ ہے اس لیے یہ طریقہ واجبُ الترک ہے۔ کیونکہ قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ کہ جو شخص ہمارے اس دین کے کام میں کوئی ایسی چیز پیدا کرے گا جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔
- نیز فرمایا: اِیَّاکُمْ وَالْبِدْعَةَ کہ اپنے آپ کو بدعت سے بچاؤ۔
- نیز فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین کی روشنی میں "ایصالِ ثواب" کے موجودہ طریقہ کو چھوڑنا تمام مسلمانوں پر ضروری ہے۔

سوال: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کی زیارت کے وقت کونسا درود پڑھنا چاہیے۔ جبکہ بہت سے علماء کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ پڑھنا چاہیے۔ جبکہ ان کلمات کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ملتا۔ اس کے باوجود بعض دیوبندی علماء بھی اسی مصنوعی درود کے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ قرآن پاک میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم کن الفاظ میں آپؐ پر درود پڑھا کریں تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ

یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو درود ابراہیمی کی تعلیم فرمائی۔ تو کیا قبرِ نبیؐ کی زیارت کے وقت تعلیمِ نبویؐ کے خلاف مصنوعی درود پڑھنا جائز ہوگا یا ناجائز۔ (حافظ عبدالحق حقانی جوہر آباد ضلع خوشاب)

جواب: اوّل تو آج کل قبرِ نبیؐ کی زیارت ہونا ہی دشوار ہے، البتہ مقبرہ کی زیارت کی جا سکتی ہے، کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے اردگرد مضبوط دیواریں بنی ہوئی ہیں جن میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔

○ بہرحال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرۂ مبارک کے پاس پہنچ کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ پڑھنا چاہیے۔ یا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ پڑھیں۔ جیسا کہ:

○ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ جب وہ سفر سے واپس مدینہ منورہ میں تشریف لاتے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر حاضر ہو کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہتے تھے۔ (موطا امام محمدؒ ص ۳۹۶)

○ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے استاذ حضرت نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ نقل فرمایا ہے کہ آپؓ سفر پر جاتے ہوئے اور واپس تشریف لا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر حاضر ہو کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ کہا کرتے تھے۔ (مسند امام اعظم ص ۱۲۶)

○ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں سے صرف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی ایک ایسی شخصیت ہیں جو مدینہ منورہ سے باہر سفر پر جاتے، اور واپس تشریف لاتے وقت مسجدِ نبوی میں آ کر پہلے تو دو رکعت نفل پڑھتے اور پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے پاس حاضر ہو کر کہتے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ یا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

لیکن امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرزِ عمل پر نکیر فرماتے تھے۔

- اس سے معلوم ہوتا ہے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس معاملہ میں متفرد ہیں، جیساکہ جذبۂ اتباعِ رسولؐ کے پیشِ نظر ان سے بعض دیگر تفردات بھی منقول ہیں، جو جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل کے خلاف ہیں۔ مثلاً حضرت ابن عمرؓ بے وضو ہونے کی حالت میں سجدۂ تلاوت کرلیا کرتے تھے جیساکہ بخاری ج ۱ ص ۱۴۶ میں منقول ہے۔ اسی طرح سفر پر جاتے ہوئے اور سفر سے واپس تشریف لاکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر سلام کرنے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متفرد ہیں۔ جبکہ حالتِ اقامت میں پانچوں وقت کی نمازیں آپؓ مسجدِ نبویؐ ہی میں ادا فرماتے تھے تو اس وقت قبرِ نبیؐ پر سلام نہیں کرتے تھے۔ ان کے علاوہ کسی صحابی سے یہ عمل ثابت نہیں۔

- البتہ مسجد میں داخل ہوتے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور یہ صرف مسجدِ نبویؐ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت یا مسجد سے نکلتے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا چاہیے۔

- حضرت امام عبدالسلام مجدالدین ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الرد علی الاخنائی ص ۱۰۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے علاوہ دیگر جلیل القدر ائمۂ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اہلِ مدینہ کے لیے قبرِ نبویؐ پر وُقوف اور سلام کو مکروہ سمجھتے تھے۔ خلافتِ راشدہ کے دَور میں صحابۂ کرامؓ کا معمول یہ تھا کہ وہ مسجدِ نبویؐ میں نماز ادا کرکے اپنے اپنے گھروں کی طرف لَوٹ جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما آخر دم تک نماز ادا کرنے کے لیے مسجدِ نبویؐ ہی میں تشریف لاتے رہے،

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور ہونے تک اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب تک مدینۃ الرسول ﷺ میں مقیم رہے نماز ادا کرنے کے لیے مسجدِ نبوی ہی میں تشریف لاتے رہے۔ اور ان کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی مسجدِ نبوی ہی میں نماز ادا کرتے رہے، لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی نماز ادا کرنے کے علاوہ قبرِ نبوی ﷺ پر حاضری نہ دیتا اور نہ ہی کوئی وہاں کھڑے ہو کر دعا کرتا تھا۔

○ یاد رہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار میں قبرِ نبی ﷺ مسجدِ نبوی ﷺ سے باہر تھی۔ پھر اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہدِ خلافت (سنہ ۸۳ھ تا سنہ ۹۳ھ) میں قبرِ نبی ﷺ سے مشرف حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مسجدِ نبوی ﷺ کے احاطہ میں شامل کیا گیا تھا۔ پھر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہدِ خلافت (سنہ ۹۹ھ تا سنہ ۱۰۱ھ) میں حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ کو بند کر دیا گیا اور اس کے گرد ایک دیوار بنا دی گئی۔ اس کے بعد والیٔ دمشق سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ تعالیٰ (مات سنہ ۵۶۹ھ) نے اس دیوار کے اردگرد کئی دھاتوں کے مجموعے سے ایسا مضبوط گول گنبد بنوا دیا جس کی بنیادیں بہت ہی گہری اور مضبوط تھیں۔ اور اس میں کوئی سوراخ نہیں، پھر اس گنبد کے گرد شبکہ (جالی) بنائی گئی ہے۔ اس طرح قبر النبی ﷺ اور جالی کا درمیانی فاصلہ تقریباً اٹھارہ ہاتھ ہے۔

○ الردّ علی الاخنائی ص ۲۲۷ میں حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر سلام کہنے کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ تابعین رحمہم اللہ جو مدینۃ الرسول ﷺ میں قیام فرما تھے ان کا معمول یہ نہیں تھا کہ جب وہ مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہوں یا مسجدِ نبوی ﷺ سے باہر تشریف لائیں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر پہ جا کر سلام عرض کریں۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حیاتِ دُنیویہ کے ساتھ اس دُنیا میں زندہ تھے اور آپؐ مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما ہُوا کرتے تھے تو صحابۂ کرامؓ کو حکم تھا کہ وہ حضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا کریں۔ بلکہ جو شخص بھی مسجد میں داخل ہو اور مسجد میں کچھ لوگ موجود ہوں تو اس کے لیے اُنھیں سلام کرنا مسنون ہے۔ اسی طرح مسجد سے نکلتے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے۔

○ تو اگر قبرِ نبیؐ پر حاضر ہوکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کرنے کا حکم بھی اسی طرح ہوتا جیسا کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے دَوران تھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت قبرِ نبیؐ پر پہنچ کر ضرور سلام عرض کیا کرتے۔ لیکن عملِ صحابہؓ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

○ نیز اس قسم کے سلام کو قبرِ نبیؐ کے پاس مشروع قرار دینا جہاں اجماعِ اُمّت کے خلاف ہے وہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عادتِ معروفہ کے بھی خلاف ہے۔

○ اور اگر حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باہر سے سلام تحیۃ کہنا مستحب ہوتا تو اس کا استحباب عام ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء سلف رحمہم اللہ تعالےٰ اس مسئلہ میں عمومیّت کے قائل ہیں۔ اور اہلِ مدینہ اور دیگر لوگوں کے مابین فرق کے قائل نہیں اور نہ ہی حالتِ سفر اور غیر سفر میں کوئی فرق ہے۔

○ کیونکہ اہلِ مدینہ کے لیے مکروہیّت اور مدینہ منورہ سے باہر رہنے والوں کے لیے اِستحباب کا حکم دلیلِ شرعی کا محتاج ہے۔ جبکہ اس فرق کے لیے کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی محقق ثابت نہیں کرسکتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کو مدینہ منورہ سے الوداع ہوتے وقت قبرِ مبارک پر حاضری کو مشروع قرار دیا ہو۔ یا سفر سے واپس آکر قبرِ مبارک پر حاضر ہوکر سلام کرنے کو ضروری قرار دیا ہو۔ اسی طرح مدینۃ الرسولؐ سے باہر رہنے والوں کے لیے اس قسم کا کوئی حکم نہیں کہ وہ جب بھی مسجدِ نبوی میں داخل ہوں یا باہر نکلیں تو قبرِ مبارک پر سلام کے لیے آئیں۔

سلام کے منقول کلمات طیبات

① التحیات للہ والصلوٰت والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ (نسائی ص ۱۸۸ ومشکوٰۃ ص ۸۵)

② التحیات للہ الطیبات الصلوٰت للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ (ابوداؤد ص ۱۳۷)

③ التحیات للہ الطیبات الصلوٰت للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ (مسلم ج ۱ ص ۱۷۳ تم)

④ التحیات المبارکات الصلوٰت الطیبات للہ سلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسولہ (مسلم ج ۱ ص ۱۷۴ و مشکوٰۃ ص ۸۵)

⑤ التحیات المبارکات الصلوٰت الطیبات للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ (مسلم ج ۱ ص ۱۷۴ و مشکوٰۃ ص ۸۵)

⑥ التحیات الطیبات والصلوٰت والملک للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ..... (ابوداؤد ص ۱۳۷)

⑦ التحیات الصلوٰت الطیبات للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ..... (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۳)

⑧ التحیات والصلوٰت والطیبات السلام علیک..... (مصنف ج ۱ ص ۲۹۲)

⑨ التحیات الطیبات الصلوٰت الزاکیات للہ السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا..... (مصنف ج ۱ ص ۲۹۳)

(۱۰) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (موطا مالک ص ۳۱ و مسلم ج ۱ ص ۲۹۳)

(۱۱) اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ (موطا امام مالک ص ۳۱)

(۱۲) اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ (موطا امام مالک ص ۳۲)

(۱۳) اَلتَّحِيَّاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ .... (طحاوی)

(۱۴) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (ابوداؤد ص ۱۳۹)

(۱۵) بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۲)

(۱۶) بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ

الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ (ابن ماجہ ص ۶۵)

⑰ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ (نسائی ص ۱۸۸ و ۱۸۹ و مشکوٰۃ ص ۸۵)

⑱ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاءِ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَاهْدِنِيْ۔

⑲ بِسْمِ اللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ شَهِدْتُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ شَهِدْتُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (موطا امام مالک ص ۳۱)

⑳ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

○ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث مبارکہ میں منقول سلام کے مذکورہ بالا کلمات میں اکثر مقامات میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کے الفاظ آتے ہیں، جبکہ بعض جگہ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اور سَلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ بھی آئے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ اَلصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ یا اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وغیرہ کے الفاظ نہیں آتے۔ اور مذکورہ بالا کلمات میں صَلَوٰت کا جو لفظ آیا ہے اس سے مراد ہے "بدنی عبادتیں" جو محض اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ جبکہ لغوی اعتبار سے صلوٰۃ کے چار معنی ہیں: ① دعا ② تعظیم ③ رحمت ④ برکت۔

لیکن جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مجازاً صرف رحمت کے معنے مُراد ہوتے ہیں۔ (دیکھیے میرزاہد حاشیہ ملاجلال ص ۲ و مصباح المنیر ص ۲۲۳)

○ رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (۳۳:۵۶) میں يُصَلُّوْنَ کا معنی يُبَرِّكُوْنَ ہی کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں اور برکتیں نازل کرتا ہے اور فرشتے انھیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۰۷ مع حاشیہ)

○ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (۲:۱۵۷) میں صَلَوٰتٌ کا معنی شاباشیں کیا ہے۔

○ مرزا حیرت دہلوی ؒ نے اس مقام پر صَلَوٰتٌ کا معنی صد آفرین کیا ہے۔

○ جبکہ آفرین کا لفظ تحسین و حمد اور مبارکبادی کے لیے اِستعمال کیا جاتا ہے لیکن جب اِنسان کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کے معنے دُعا کرنے، برکت مانگنے، طلبِ رحمت یا نماز پڑھنے کے ہوتے ہیں۔

○ حضرت میر سید سند علی بن محمد بن علی ابوالحسن حسینی جرجانی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے التعریفات ص ۱۱۷ میں فرمایا ہے کہ صَلوٰۃ کا لغوی معنی "دُعا" ہے۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلٰى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ وَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ (مشکوٰۃ ص ۱۸۱) کہ جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے قبول کر لیا کرو۔ اور اگر تم نے روزہ رکھا ہُوا ہو تو دعوت کرنے والے کے حق میں دُعا کیا کرو۔ فلیدع

○ اسی طرح صلوٰۃ کا لفظ نماز کے معنوں میں بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴:۱۰۳) کہ بے شک اہلِ ایمان پر نماز فرض ہے جس کا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہُوا ہے۔

○ اسی طرح صلوٰۃ کا لفظ عبادت خانہ کے معنوں میں بھی اِستعمال ہوتا ہے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (۲۲ : ۴۰) کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہٹواتا نہ رہتا تو صابیوں کے عبادت خانے (صَوَامِعُ) اور نصاریٰ کے گرجے (بِيَعٌ) اور یہودیوں کے کنیسے (صَلَوٰتٌ) اور مسلمانوں کی عبادت گاہیں (مَسَاجِدُ) جن میں بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کے سب برباد اور ویران کر دیے جاتے۔

○ لیکن یہاں ہم جس "صلوٰۃ" کا ذکر کر رہے ہیں وہ ہے "درود شریف"! جو در اصل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی صفات کے لیے طلبِ رحمت کی دعا ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ الصلوٰۃُ عَلَى النَّبِيِّ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں طلبِ رحمت کی دعا مراد ہے۔ (دیکھیے التعلیق العجیب ص ۱۳)

○ حضرت علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مطول ص ۱۰ میں اَلصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ..... کے تحت شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا در اصل شارع علیہ السلام کے حق میں دعا ہے جنھوں نے علمِ شرائع والے قوانینِ کلیہ بتائے ہیں۔

درود شریف پڑھنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۳۳ : ۵۶) کہ اے اہلِ ایمان! تم بھی اپنے محسنِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بارگاہِ الٰہی میں نزولِ رحمت کی دعا کیا کرو اور انھیں شاباشیں دیا کرو کہ انھوں نے تم تک بے خوف ہو کر احکامِ الٰہی پہنچائے اور ان کی پوری پوری اطاعت کرو۔

درود شریف کے منقول کلماتِ مبارکہ

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد از نزولِ آیت دریافت کیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس طرح پڑھا کرو:

① اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (بخاری ص ۴۷۷ ومشکوٰۃ ص ۸۶)

○ درود شریف کے یہ کلماتِ مبارکہ سب سے افضل ہیں، جو نماز میں تشہد کے بعد پڑھتے ہیں۔ دیکھیے: جذب القلوب ص ۲۴۳ والحزب المنیع ص ۱۰۹ وفتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۹ وبحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳

○ نیز کتبِ احادیث میں اس کے علاوہ مختلف طریقوں سے درود شریف کے اور کلمات بھی آئے ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نیز اُن کے فضائل بھی کتبِ حدیث میں مذکور ہیں، تاہم جو فضیلت مذکورہ بالا درود ابراہیمی کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں۔

○ بہرحال درود شریف کے دیگر مختلف کلمات جو کتبِ حدیث میں ملتے ہیں ان میں چند مندرجہ ذیل سطور میں نقل کیے جاتے ہیں:

② اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ ۟النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (مشکوٰۃ ص ۸۷)

③ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (تاریخ کبیر بخاری قسم اول ج ۲ ص ۸۷ وکتاب الکنیٰ والاسماء جز ۱ ص ۱۸۳)

④ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رياض الصالحين ص ۴۹۳)

⑤ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رياض الصالحين ص ۴۹۳)

⑥ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (سنن ابی داؤد ص ۱۳۷)

⑦ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (كنز العمال ج ۱ ص ۴۹۷ و معجم كبير ج ۵ ص ۱۳)

⑧ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ. (ابوداؤد ص ۱۳۸)

⑨ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (كنز العمال ج ۱ ص ۴۹۵)

⑩ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (كنز العمال ج ۱ ص ۴۹۰)

⑪ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (كنز العمال ص ۴۹۲)

(١٢) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (سنن ابی داؤد ص ١٣٨)

(١٣) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (سنن ابی داؤد ص ١٣٨)

(١٤) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ ِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ ِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (دارقطنی ص ١٣٦ و بیہقی ج ٢ ص ٣٧٨)

(١٥) صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اجماع امۃ)

(١٦) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (کنزالعمال ج ١ ص ٣٩٥)

(١٧) اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّارْضَ عَنِّيْ رِضًا لَّا تَسْخَطُ بَعْدَهٗ اَبَدًا. (مسند احمد)

(١٨) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ ِالنَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (ابوداؤد ص ١٣٨)

(١٩) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ (نسائی ١٩١، ابن ماجہ ٦٥)

(٢٠) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ. (صحیح ابن حبان)

(٢١) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ. (نسائی ص ١٩١)

۲۲ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ
وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰٓى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (رواہ البیہقی)

۲۳ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج۱ ص۱۹۰)

۲۴ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج۱ ص۱۹۰)

۲۵ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواہ مسلم)

۲۶ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ
وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (نسائی ص۱۹۰)

۲۷ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ
وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج۱ ص۱۹۰)

۲۸ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج۱ ص۱۹۰)

۲۹ نَبِيُّ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (مسند احمد ج۳ ص۵۴۹ و ۵۵۰، ۵۵۳)

٢٠ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ابوداؤد ص ۱۳۸ و ابن ماجہ ص ٦٥)

٢١ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى
اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (سنن ابی داؤد ص ۱۳۸)

٢٢ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ
وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى
اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ابن ماجہ ص ٦٥)

٢٣ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ
اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (نسائی ص ۱۹۱)

٢٤ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ
وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ ابراهِيْمَ اِنَّكَ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواہ الطبرانی فی التہذیب)

٢٥ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ
وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ
مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ
عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ

إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (كنز العمال ج ٢ ص ٢٤٢)

۲۶ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعٰلَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (كنز العمال ٢٤٥/٢)

۲۷ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًى وَّلَهٗ جَزَاءً وَّلِحَقِّهٖ أَدَاءً وَّأَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ أَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ أَفْضَلَ مَا جَازَيْتَ نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَرَسُوْلًا عَنْ أُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ إِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصّٰلِحِيْنَ يَا أَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

۲۸ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ بَيْتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَصَلَوٰتُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ. (دار قطنی ص ١٣٥)

۲۹ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (كنز العمال ج ١ ص ٣٩٦)

۳۰ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (سنن كبرىٰ للبيهقي ص ٣٧٩)

۴۱ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج ۱ ص ۱۸۹)

۴۲ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ. (نسائی ج ۱ ص ۱۹۰)

۴۳ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا رَحِمْتَ اِبْرَاهِيْمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ. وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (كنز العمال ج ۲ ص ۲۸۳)

۴۴ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَ رَحْمَتَكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ. اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (كنز العمال ج ۱ ص ۴۹۷ و ابن ماجہ ص ۶۵)

۴۵ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ صَلَوٰتِكَ شَىْءٌ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ بَرَكَاتِكَ شَىْءٌ وَّسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ سَلَامِكَ شَىْءٌ. (كنز العمال ج ۲ ص ۲۷۸)

○ سطورِ بالا میں ہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی درود شریف کے پینتالیس کلماتِ طیبات بحوالہ کتبِ احادیثِ مبارکہ نقل کیے ہیں۔

○ درود شریف کے مذکورہ بالا پنتالیس کلمات طیبات میں سے ایک کلمہ کے علاوہ تمام کے تمام اَللّٰھُمَّ صَلِّ کے جملۂ دُعائیہ سے شروع ہوئے۔ اور کوئی بھی اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وغیرہ کلمات سے شروع نہیں ہوا۔

○ احادیثِ مبارکہ میں درود شریف پڑھنے کا بہت بڑا اجر و ثواب منقول ہے، لیکن یہ اجر و ثواب صرف اسی صورت میں حاصل ہوگا جب احادیثِ مبارکہ میں مذکور طریقے اور کیفیت کے مطابق پڑھا جائے۔

○ اور اس بات پر علماء اہلِ سُنّت کا اِتفاق ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وغیرہ پڑھنے سے درود شریف کا حق ادا نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم دیا تو اہلِ لسان اور زبان دان ہونے کے باوجود حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں عرض کیا کہ

○ یارسول اللہ! ہم اس بات کو سمجھ نہیں سکے کہ آپ پر "صلوٰۃ" کس طرح پڑھیں، تو اس کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

○ واقعی رحمتیں اور برکتیں نازل کرنا کسی بھی اِنسان کے اِختیار میں نہیں، یہ کام تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اِس لیے میرے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور طلبِ رحمت کی دُعا کرنا ہی تمھارا درود ہے۔ اِس لیے تمھیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (بزبانِ عربی) اِس طرح عرض کیا کرو:

○ اے اللہ! آپ اپنے نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور اُن کی آل اور اُن کی ازواجِ مطہرات اور اُن کی ذریت پر ایسی رحمتیں و برکتیں نازل فرمائیے جیسی رحمتیں اور برکتیں آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور اُن کی آل پر نازل فرمائیں۔

○ درود شریف کے مذکورہ بالا کلماتِ مبارکہ سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار پر درود پڑھنے کا جو طریقہ تعلیم فرمایا اس میں یہی ہے کہ تم میرے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں طلبِ رحمت کی دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

○ اب اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے کلماتِ مبارکہ کو پڑھا جائے تو اس سے خود پڑھنے والے پر بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے گا، جس کی خبر خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ معصوم سے دی ہے اور اس میں شک کرنا گمراہی ہے بشرطیکہ درود شریف پڑھنے والا مومن ہو۔

○ اس کے برعکس جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ درود شریف کے کلماتِ طیبات کو پس پشت ڈال کر خود اپنے یا اپنے سے پہلے لوگوں کے وضعی کلمات کو درود شریف کی جگہ پڑھ کر ثواب کی اُمید رکھتا ہے تو یہ اس کی نادانی ہے۔ بلکہ ایسے الفاظ جو احادیث میں مذکور نہ ہوں انھیں نیکی اور کارِ ثواب سمجھ کر پڑھنا اُلٹا باعثِ عذاب ہے کیونکہ یہ احداث فی الدین کے زمرے میں آکر حرام ہوجائے گا، اور اس پر اصرار کرنا باعثِ کفر ہے۔

○ اب رہا سائل کا یہ کہنا کہ "بعض دیوبندی علماء بھی اسی مصنوعی درود کے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علماءِ دیوبند ہوں یا کوئی اور ان کے اقوال پر اُسی صورت میں عمل کیا جاسکتا ہے جب ان کا قول قرآن وسنّت کی تعلیمات کے موافق ہو، ورنہ کسی عالم کے تسامح کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا خصوصاً جبکہ انہی علماء کے دیگر اقوال سے اس کی تردید بھی ہوتی ہو۔

- کیونکہ دلائل شرع کے چار ہیں: ① قرآن مجید ② احادیث مجموعہ متواترہ ③ اجماعِ اُمت، یعنی قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں کسی مسئلہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا متفق ہوجانا اور اس کا صحیح سند سے ثابت ہونا۔ اور ④ قیاس مجتہد کا جو قرآن و سُنّت سے مستنبط ہو۔
- اِس کے علاوہ کسی عالم کا قول قرآن و سُنّت اور اجماعِ اُمت، و قیاس مجتہد کے خلاف ہو تو وہ قابلِ اِحتجاج اور دلیل نہیں بن سکتا۔
- اب چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے پاس کھڑے ہوکر درود شریف پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں بھی نہیں ہے، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی قبر کے پاس کھڑے ہوکر درود پڑھنے کی تعلیم نہیں دی۔ اِسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کوئی صحابیؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مُبارک کے پاس کھڑے ہوکر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کے کلمات کہنے کے ساتھ ساتھ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وغیرہ کے الفاظ بھی کہتا ہو۔
- البتہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کے متعلق مؤطا امام محمد ص ۳۹۶ میں حضرت امام مالکؒ کی سند سے بواسطہ عمرو بن دینار ایک روایت منقول ہے جس میں صَلّٰی وَدَعَا کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابن عمرؓ قبرِ نبیؐ پر سلام سے پہلے درود پڑھتے ہوں گے، لیکن یہ بات اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ:
- سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ سے باہر سفر پر جاتے ہوئے اور سفر سے واپس تشریف لاکر مسجدِ نبوی میں حاضر ہوتے اور دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے اور قبرِ نبیؐ پر آکر سلام کہتے تھے۔

○ دُوسری ممکنہ صُورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس روایت میں فَصَلّٰی سے مُراد "دُعا" ہو، اور وَدَعَا میں و عطف تفسیری ہو۔ یعنی حضرت ابنِ عمرؓ قبرِ نبی پر حاضر ہوکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دُعا مانگتے تھے اور وہ دُعا تھی: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ کیونکہ اگر وہ دُعا یہ نہ ہوتی بلکہ اس سے مراد درود شریف ہی ہوتا تو وہ بھی کسی نہ کسی روایت میں ضرور مذکور ہوتا۔

○ جس سے معلوم ہُوا کہ اگر خوش قسمتی سے کسی کو قبرِ نبیؐ یا مقبرۂ نبیؐ کی زیارت نصیب ہو تو وہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ پر ہی اقتصار کرے۔ جیسا کہ مشہور درسی کتاب نور الایضاح ۳؎ ص ۲۲ پر شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

فضائل و احکامِ درود شریف

قرآن مجید میں اللہ تعالٰی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی ان کے حق میں دُعائے خیر کی جائے (دیکھیے ۳۳:۵۶)

○ نیز مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۸ و مستدرک حاکم ج ۱ ص ۵۵۰ میں ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالٰی کا ذکر نہ ہو اور نہ ہی اہلِ مجلس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا ہو تو وہ مجلس ان لوگوں کے لیے گھاٹے کا باعث بنتی ہے۔

بہرحال درود شریف سے متعلق چھ قسم کے احکام ہیں۔ مثلاً:

فرض: تمام عمر میں ایک دفعہ درود شریف پڑھنا فرض ہے، قرآن مجید کی آیت مُبارکہ اس کی دلیل ہے۔ (دیکھیے طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۱۹۲)

واجب: جب بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے تو درود شریف پڑھنا واجب (علی الکفایہ) ہے۔ (طحطاوی ص ۱۶۳)

○ حضرت امام ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صرف ایک مرتبہ ہی واجب ہے۔ (دیکھیے درمختار ج ۱ ص ۳۸۲ و ردالمحتار ج ۱ ص ۳۸۳ و بحرالرائق وغیرہ)

سُنّتِ مُؤکّدہ: نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور نمازِ جنازہ میں درود شریف پڑھنا سُنّتِ مؤکدہ ہے۔

مُستحب: متعدد مقامات پر درود شریف پڑھنا مُستحب ہے۔ مثلاً:

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مُبارک لکھتے وقت۔
○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرۂ مبارکہ کی زیارت کرتے وقت۔
○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواطن کی زیارت کرتے وقت۔ مثلاً
○ مسجدِ قبا ○ مدینہ منورہ ○ مسجدِ نبویؐ ○ وادیٔ بدر۔ اور ○ جبلِ اُحد وغیرہ
اِسی طرح آثارِ نبویؐ کی زیارت اور مشاہدہ کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے

○ علاوہ ازیں: ○ مسجد میں داخل ہوتے وقت ○ مسجد سے نکلتے وقت، ○ اذان سُننے کے بعد دُعائے وسیلہ پڑھنے سے پہلے ○ دُعا کرنے سے پہلے ○ دُعا کے دَوران ○ دُعا کے آخر میں ○ نمازِ وتر میں دُعائے قنوت پڑھنے کے بعد رکوع کرنے سے پہلے ○ تہجد کے لیے سوکر اٹھنے کے بعد ○ تہجد پڑھ چکنے کے بعد ○ جمعہ کی نماز پڑھ چکنے کے بعد ○ وضو اور تیمم کے بعد، ○ قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے ○ تلاوت کے بعد ○ حفظِ قرآن کی دُعا میں، ○ شبِ جُمعہ میں ○ جمعۃُ المبارک کے دِن ○ روزانہ صبح اور شام کے وقت ○ امام و خطیب کے لیے جمعہ، عیدین، نکاح، عرفہ، منیٰ اور اِستسقاء وغیرہ کے خطبوں میں ○ وعظ اور عُلومِ دینیہ کی نشر و اشاعت کے وقت، ○ حدیث شریف پڑھنے کی ابتداء میں ○ حدیث شریف پڑھنے کے بعد، ○ اِستفتاء اور فتویٰ لکھتے وقت ○ ہر مصنّف کے لیے تصنیف کا کام شروع کرتے وقت ○ سبق پڑھانے والے کو پڑھانے سے پہلے اور پڑھنے والے کو پڑھنے سے پہلے درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ اِسی طرح

○ ذکرِ الٰہی کرتے وقت ○ اجتماع کے وقت ○ منگنی کرتے وقت ○ نکاح کرتے وقت ○ نکاح کراتے وقت ○ وصیت نامہ لکھتے وقت ○ ارادۂ سفر کے وقت ○ سواری پر سوار ہوتے وقت ○ گھر سے بازار جاتے وقت ○ گھر آتے وقت ○ سحری کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ نیز ○ حاجی کو جب صفا پر چڑھ کر قبلہ رُخ ہوکر کھڑا ہو ○ مروہ پر چڑھ کر جب قبلہ رُخ کھڑا ہو ○ تلبیہ سے فارغ ہوکر ○ جمرۂ اُولیٰ اور جمرۂ وُسطیٰ کو رمی کرنے کے بعد ○ زیارتِ کعبہ کے وقت ○ استلامِ حجر کے وقت ○ طواف کے بعد ○ ملتزم کے پاس ○ مواقفِ حج میں۔ اور ○ ہر نیک کام کی ابتدا میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

مکروہ: بعض مواقع پر درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ مثلاً:
○ ضرورتِ انسانی یعنی پیشاب، پاخانہ اور جماع کے وقت ○ پھسلتے وقت ○ چھینک آنے کے بعد ○ تعجب کے وقت ○ جانور ذبح کرتے وقت ○ جب خطبۂ جمعہ و عیدین وغیرہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آجائے ○ تلاوتِ قرآن مجید کے دوران حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آجائے تو درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ اس کے علاوہ دورانِ نماز ○ بحالتِ قیام و قراءت ○ بحالتِ رکوع ○ بحالت سجود ○ بحالت قومہ ○ بحالتِ جلسہ بین السجدتین۔ اور ○ بحالت تشہدِ اُولیٰ درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ نفلی نماز میں قعدۂ اُولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

حرام: بعض مواقع ایسے بھی ہیں جہاں درود شریف پڑھنا حرام ہے۔ مثلاً:
○ تاجر اپنا سامان فروخت کرتے وقت خود کو نیک ظاہر کرنے کی غرض سے درود شریف پڑھے۔ یا ○ کسی بُرے اور حرام کام کے موقع پر درود شریف پڑھنا حرام ہے۔

درود شریف پڑھنے کی وجوہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی بہت سی وُجوہ ہیں؛ جن میں سے چند وجوہ اِس مقام پر تحریر کی جاتی ہیں:

- اُمّتِ محمدیہ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَن گِنت اِحسانات اور اپنی اُمّت سے بے پناہ محبّت اور شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے محسنِ عظیم کے حق میں رحمت و برکت کے نزول کی دُعا کی جائے۔
- کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کا حکم دیا (۵: ۶۷) لیکن اس کے باوجود آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے پر ہی اِکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی اُمّت کی اِصلاح کے لیے ہمہ وقت متفکر رہتے اور رات کا اکثر حصّہ بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہو کر اپنی اُمّت کے حق میں دُعا مانگتے رہتے تھے، اُمّت کے غم کو اپنا غم سمجھتے تھے، اور احسن طریقے سے اللہ تعالیٰ کا پیغام امت تک پہنچاتے رہے۔
- اس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت تک اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمٰی کے پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ بننے کے ساتھ ساتھ اپنی اُمّت کے عظیم محسن بھی ہیں۔ تو ایسی حالت میں انسانی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے محسنِ اعظم کے حق میں دِل سے دُعائیں نکلیں، خصوصاً اُس وقت جبکہ محسن کے احسانات کا بدلہ و مکافات ادا کرنے کی اور کوئی شکل نہ ہو،
- اور ظاہر ہے کہ اُمّتِ محمدیہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسانِ عظیم کا بدلہ تو اُتار نہیں سکتی، کیونکہ نبیؐ کے اِحسانات کا بدلہ اُتارنا اُمّتی کے بس کی بات نہیں اور "صلوٰۃ" یعنی مخصوص دُعاءِ رحمت سے بڑھ کر کوئی دُعا نہیں۔ اس لیے فطرتِ سلیمہ کے مُطابق اس اُمّت کو کہیں وجوباً اور کہیں استحباباً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ یعنی درود شریف پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

② حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے تو خود اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت ہے، اس لیے وہ کسی کی دُعا و درخواست کے بغیر خود ہی ہمہ وقت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا رہتا ہے، اس سلسلہ میں وہ کسی کی درخواست کا محتاج نہیں۔ اس لیے یہ دُعائے رحمت دراصل خود ہمارے ہی لیے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا باعث ہے کہ ہم اس کے محبوب ترین بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دُعائے خیر کریں تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام سے خوش ہوکر خود ہم پر رحم فرمائے۔

③ نیز اس درخواست میں خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق آپ کے شرفِ خاص یعنی عبدیتِ کاملہ کا اظہار ہے۔ کیونکہ باوجود محبوبِ الٰہی ہونے کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی آپ کو بھی ضرورت ہے۔

④ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بشریت، مادیت اور عنصریت میں اُمّت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض چیزوں مثلاً مالدار ہونے میں باقی لوگوں کے ساتھ مساوی بھی نہیں ہیں۔ اور بعض لوگ عام طور پر اس باہمی اشتراک اور عدمِ مساوات کی وجہ سے آپ کی عظمتِ شان کے منکر تھے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کُفّار کے ایک گروہ کا قول نقل فرمایا ہے:
أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (۲۳:۴۷) نیز کہتے ہیں:
أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ إِنَّآ إِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (۵۴:۲۴) نیز کہتے:
لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (۴۳:۳۱)

⑤ اس لیے درود شریف میں اس کا پورا علاج ہے، کیونکہ اس میں رحمتِ خاصہ کی دُعا ہے، تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ رحمتِ خاصہ کے مستحق ہونے میں سب سے ممتاز ہیں، اس لیے اس اشتراک کے ساتھ ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امتیاز کو بھی ضرور مدِنظر رکھنا چاہیے

جس کے سامنے دُوسروں کا اِمتیاز کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ نیز یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممنون ہیں، اور آپؐ کو اپنے مساوی سمجھنے کی بجائے اپنے سے کروڑوں درجہ بہتر اور افضل سمجھتے ہیں اور قرآنی تعلیم کے مُطابق آپ کے لیے اوصافِ جمیلہ بیان کرتے ہیں، جس میں اس بات کی تصریح ہوتی ہے کہ آپ نے اشاعتِ دینِ متین کے لیے بھرپور کوشش کی ہے جو ہم پر اُن کا اِحسانِ عظیم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ..... (۶۲:۲)
نیز فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ.... (۳:۱۶۴)

○ بہر حال اھلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ اپنے محسنِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے رہیں، خصوصاً جب آپؐ کا ذِکر ہو تو اس وقت درود پڑھنا مسلمانوں پر واجب (علی الکفایہ) ہے۔

○ البتہ بعض لوگوں پر توحیدِ باری تعالیٰ کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ اس غلبۂ توحید کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تہلیل میں زیادہ مستغرق رہتے ہیں اور صرف واجبات و سُنن مؤکدہ کی تعمیل پر اکتفا کرتے ہیں، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ انھیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں ہے، بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ در اصل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے محبت رکھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہی اسے اللہ تعالیٰ کا عرفان نصیب ہُوا ہے۔ اور ان ہی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی نعمت، کاملہ سے انسان کو نوازا ہے، اور انھوں نے ہی نماز روزہ وغیرہ عبادات اور تلاوتِ قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص احکامِ شریعت پر عمل کرتا ہے وہ محبتِ رسولؐ کی وجہ سے ہی کرتا ہے۔

- نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۳۳: ۵۶) کے حوالے سے قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے۔

- نیز خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو درود شریف پڑھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۸)
یعنی جس شخص کے سامنے میرا ذکر ہو رہا ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو اس کی ناک خاک آلودہ ہو۔

- نیز فرمایا: اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۹)
کہ جس شخص کے سامنے میرا ذکر ہو رہا ہو پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو وہ شخص بڑا بخیل ہے۔

- اور ظاہر ہے کہ بخل بہت بڑی بیماری ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَیُّ دَآءٍ اَدْوَءُ مِنَ الْبُخْلِ (جلاء الافہام ص ۲۳۱) کہ بخل سے بڑھ کر اور کونسی بیماری ہو سکتی ہے۔ یعنی بخل ایک ایسی بیماری ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی بیماری نہیں۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مُبارک اور آپؐ کا ذکر سُن کر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے، یعنی وہ سب سے بڑی اور مہلک بیماری میں مُبتلا ہے۔ اور اس مہلک بیماری سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ جب بھی آپ کے سامنے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو آپ کی زبان پر درود شریف ہونا چاہیے۔

- یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین و دیگر سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ جب بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مُبارک لیتے یا سُنتے تو ان الفاظ میں درود پڑھتے: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ہی باہر ہے۔ کیونکہ رحمتوں اور برکتوں اور سلامتی کا مالک یہ شخص نہیں ہے بلکہ یہ کام تو محض اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس لیے درود پڑھتے وقت کلمہ دُعائیہ ہی کہنا چاہیے کہ اے اللہ! آپ رحمتیں نازل فرمائیے۔ الخ

○ نیز مصنوعی درود میں یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صیغہ خطاب و ندا کا ہے جو موہم ہے اس بات کا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں، اور ہماری پکار سُن رہے ہیں، جیسا کہ آج کل کے عوام کا عقیدہ ہے، اور جن الفاظ سے عوام کا عقیدہ خراب ہو انہیں چھوڑ دینا ضروری ہے۔

ایک مُغالطہ کا جواب:

اس مقام پر بعض لوگ عوام کو مغالطہ دیتے ہیں کہ نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ پڑھتے ہیں، اگر اس کے پڑھنے سے عقیدہ خراب نہیں ہوتا تو اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہنے سے عقیدہ کیسے خراب ہو سکتا ہے؟

○ دراصل نماز میں یہ کلمات بطور حکایت کے بیان ہوتے ہیں۔ یعنی جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر لے جایا گیا تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں فرمایا: اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اور یہ مکالمہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ دورانِ نماز اس کے پڑھنے کا فرمایا۔ (دیکھیے مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۳۳۱ و اشعۃ اللمعات ص ۴۰۱)

○ بہرحال اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کے الفاظ نہ تو صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں، نہ سلف صالحین و مجتہدین اور محدثین نے ان الفاظ کو درود سمجھا اور نہ ہی یہ الفاظ درود کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں۔ اس لیے مقبرۂ نبوی کی زیارت کے وقت منقول کلماتِ مبارکہ ہی پڑھنے چاہییں۔

اور یہی ان کا معمول تھا اور اس پر سب کا اجماع تھا، تبھی تو تمام کتب حدیث میں جب بھی کسی صحابیؓ یا تابعی کا قول منقول ہوتا ہے تو اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں صلی اللہ علیہ وسلم ضرور لکھا جاتا ہے، مثلاً: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سمعنا والاتبعی صلی اللہ علیہ وسلم کہتا تھا۔

○ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی درود ہے، جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا۔ اور اگر یہ درود نہ ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس پر کبھی اکتفا نہ کرتے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اہلِ لسان عرب ہونے کے ساتھ ساتھ احکامِ الٰہی کو بخوبی سمجھنے والے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امت میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے۔

○ البتہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ دنیویہ میں خطاب کرکے اپنی طرف متوجہ فرماتے تو اس وقت درود شریف نہ پڑھتے تھے، بلکہ محض یارسول اللہ اور یانبی اللہ کے الفاظ پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ یعنی ندا کے وقت "صلی اللہ علیہ وسلم" کہنا صحابۂ کرامؓ کا معمول نہیں تھا اور نہ ہی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو اس کی تعلیم دی اور نہ عملِ صحابہؓ پر نکیر فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ندا کے وقت جیسا کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں صلی اللہ علیہ وسلم کہنا صحابۂ کرامؓ کا معمول نہیں تھا اسی طرح بعد از وفاتِ نبیؐ بھی صحابۂ کرامؓ حدیث کے بیان میں جب کلمۂ ندا کا استعمال کرتے تو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہتے تھے۔

○ معلوم ہوا کہ جب کسی حدیث میں بطورِ حکایت یارسول اللہ وغیرہ کا لفظ آجائے تو وہاں صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہا جائے اور جہاں قال النبیؐ یا قال رسول اللہؐ وغیرہ کے الفاظ آجائیں تو ایسے موقع پر صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہنا چاہیے، کیونکہ صحابۂ کرامؓ کا یہی معمول تھا۔

ایصال ثواب اور اہل سنت کا مذہب

حدیث نمبر۱ مشکوٰۃ شریف میں ہے حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے عرض کی یارسول اللہ سعد یعنی میری اماں جان فوت ہو چکی ہیں اب ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے کونسا صدقہ بہتر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پانی! یہ بات سن کر حضرت سعد نے ایک کنواں کھودا اور کہا کہ یہ کنواں صدقہ ہے سعد کی اماں کا یعنی اس کا ثواب ان کو پہنچے (مشکوٰۃ ص ۱۶۹)

حدیث نمبر۲ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی کہ میری ماں اچانک فوت ہوگئی اور اس کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ اگر اس کو بولنے کی ہمت ہوتی تو کچھ نہ کچھ اللہ کے لیے دینے کی وصیت کرتی پس اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ دوں تو میرے اس صدقہ کرنے کی ثواب اس کو مل جائے گا (یا نہیں؟) تو حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تیرے صدقہ کا ثواب تیری اماں کو پہنچے گا یہ روایت مسلم و بخاری کی ہے (مشکوٰۃ ص ۱۷۶)

حدیث نمبر۳ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردہ قبر میں ایسے پڑا ہوتا ہے کہ جیسے کوئی ڈوبنے والا فریاد کرنے والا اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑے یہ بھی اس انتظار میں ہوتا ہے کہ اس کو

باپ، ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے دعا پہنچے۔ پھر جب اس کو دعا پہنچ جاتی ہے تو اس کا پہنچنا اس کو دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے پیارا لگتا ہے اور حقیقت یہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ قبر والوں کو زمین والوں کی دعا کی وجہ سے پہاڑوں جتنا ثواب اور رحمت و مغفرت پہنچاتا ہے۔ اور واقعی زندوں کی طرف سے مردوں کو بڑا تحفہ یہی ہے کہ ان کیلئے استغفار کی جائے شعب الایمان میں بیہقی نے یہ روایت بیان کی ہے (مشکوۃ ۲۰۶)

حدیث نمبر ۴ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نیک بندے کے درجات بہشت میں بلند فرمائے گا۔ تو وہ بندہ عرض کرے گا یا اللہ! یہ درجہ مجھ کو کہاں سے حاصل ہو گیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ یہ درجہ تجھے اس وجہ سے ملا ہے کہ تیرے فرزند نے تیرے لئے استغفار کی ہے۔ یہ روایت امام احمد بن حنبل نے نقل کی ہے (مشکوۃ ۲۰۶)

حدیث نمبر ۵ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ عاص بن وائل نے وصیت کی میرے مرنے کے بعد میری طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں۔ چنانچہ اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ پھر اس کے دوسرے بیٹے (حضرت عمرو بن العاصؓ) نے چاہا کہ میں بھی اپنے ابا کی طرف سے سو میں سے باقی پچاس غلام جو رہ گئے ہیں آزاد کر دوں مگر ابھی تک یہ دل میں

سوچ آئی کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھ تو لوں کہ ابا کی طرف سے غلاموں کا آزاد کرنا روا اور مفید بھی ہے یا نہیں؟ تو اسلئے عمرو بن العاص رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ مسئلہ دریافت کرنے آئے۔ عرض کی میرے باپ عاص نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے سو باندھے آزاد کئے جائیں۔ سو میرے بھائی ہشام نے تو اس کی طرف سے پچاس غلام آزاد کر دئے ہیں باقی بموجب وصیت کے پچاس رہ گئے ہیں۔ اب کیا میں اس کی طرف سے باقی پچاس آزاد کر سکتا ہوں؟ تو رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اگر وہ مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ دیتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تب تو اس کو ثواب پہنچتا (مشکوٰۃ ص ۲۶۶۔ ابوداؤد ص ۴۳ ج ۲)

فائدہ عاص بن وائل نے اسلام کا زمانہ پایا لیکن مسلمان نہیں ہوا اور اس کے دو بیٹے تھے ہشام بن عاص اور عمرو بن عاص یہ دونوں مسلمان ہوئے تھے۔ اور صحابہ میں سے تھے رضی اللہ عنہما۔ اور حاصل حضرت ﷺ کے جواب کا یہ ہے کہ اگر عاص مسلمان ہوتا تو عبادات مذکورہ کا ثواب اس کو پہنچتا۔ چونکہ وہ مسلمان تھا نہیں اس لئے اس کا ثواب اس کو کچھ نہ پہنچا۔ پس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وغیرہ مفید نہیں کافر کے لئے اور اس کو چھٹکارا نہیں ہوتا عذاب سے سبب اس کے اور مسلمان کے لئے مفید ہے۔ از مظاہر حق (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۶ ج ۳)

حدیث نمبر ۱ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے مرنے کے بعد اس کے عمل اور اس کی نیکیوں میں سے جو چیزیں پہنچتی ہیں ان میں سے ایک تو علم ہے جسے اس نے سیکھا تھا اور اسے رواج دیا تھا اور ان میں سے دوسری نیک بخت اولاد جو چھوڑ گیا ہو اور ان میں سے تیسرا قرآن مجید جو وارثوں کے لئے چھوڑ گیا ہو اور ان میں سے چوتھا ہے مسجد جو نمازیوں کی عبادت کیلئے بنا گیا ہو۔ اور ان میں سے پانچواں سرائے جو مسافروں کے لئے بنا گیا ہو اور ان میں سے چھٹی نہر جو جاری کر گیا ہو اور ان میں سے ساتویں خیرات ہے جسے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنے حلال مال میں سے نکالی ہو تو اس کے مرنے کے بعد ان سب چیزوں کا ثواب اس کو پہنچتا ہے (یہ روایت ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کی (مشکوٰۃ ص ۳۶)

فوائد کلام اللہ کے حکم میں داخل ہیں علوم شرعیہ کے اور مسجد کے حکم میں داخل ہیں مدرسے علماء کے اور خانقاہیں ہیں کہ ذکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں یعنی ان کا بھی ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ بعد مرنے کے۔ سید علی (مظاہر حق ص ۱۰۱)

حدیث نمبر ۲ حضرت امام ثالث امام عثمان بن عفان ذی النورینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دفن میت سے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر کے قریب کھڑے ہو کر فرماتے کہ اپنے بھائی کے واسطے استغفار کرو پھر اس کے لئے اس

کی ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے

(مشکوٰۃ شریف)

فائدہ اس حدیث میں دلیل ہے اس پر کہ دعائے استغفار زندہ کی مفید ہے مردہ کے لئے۔ مذہب اہل سنت کا یہی ہے۔ اور ثابت قدمی کی دعا مانگنا سوائے تلقین میت کے ہے کہ بعد دفن کے کرتے ہیں۔ اور تلقین میت کی اکثر حنفیہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے (مظاہر حق ص ۲۶)

نوٹ مسئلہ تلقین میت پر مکمل بحث کسی اور موقعہ پر کی جائے گی انشاء اللہ تعالٰی (مرتب مضمون)

حدیث نمبر ۸ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے عمل کا ثواب باقی رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ، علم نافع، نیک اولاد جو اس کے واسطے دعا کرے (یہ روایت مسلم کی ہے۔ مشکوٰۃ ص ۳۲)

فائدہ یعنی نماز روزہ وغیرہ جو زندگی میں کرتا ہے ثواب اس کا تو ذخیرہ ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد ملے گا۔ لیکن آئندہ کو منقطع ہوا (سوائے شہداء کے) کے کمافی الحدیث) کیونکہ جب تک کرتا تھا پاتا تھا۔ اب نہ کریگا نہ پائے گا مگر ان تین چیزوں کا بعد مرنے کے بھی ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ جیسے کوئی زمین وغیرہ وقف کر گیا یا کنواں یا باؤلی بنا گیا۔ اور علم کہ نفع لیا جاتا ہے جیسے کتاب

کر گیا یا کسی کو علم پڑھا گیا۔ سید سند (مظاہر حق ا ص ۸۸)

حدیث نمبر ۹ حضرت عبدالرحمٰن بن عمرہ انصاری سے مروی ہے کہ ان کی اماں جان نے غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر آزاد کرنے میں صبح تک دیر لگادی پھر مر گئیں۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے قاسم بن محمد (ابن ابی بکر الصدیقؓ) سے پوچھا کہ ماں کی طرف سے میں غلام آزاد کر دوں تو میری ماں کو فائدہ پہنچے گا تو جناب قاسم بن محمد نے جواب دیا کہ سعد بن عبادہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ میرے اماں جان (اچانک) مر گئی ہے اب کیا میرا اس کی طرف سے غلام آزاد کرنا اس کو نفع دے گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں نفع کریگا (یہ روایت امام مالکؒ نے نقل کی مشکوٰۃ ص ۲۹۵)

فوائد ہاں نفع کرے گا یعنی اس کا ثواب اُس کو پہنچے گا۔۔ اتفاق ہے علماء کا کہ عبادت مالی کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور عبادت بدنی کے ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کا بھی ثواب پہنچتا ہے (مظاہر حق ۳ ص ۲۳۱)

حدیث نمبر ۱۰ حضرت یحیٰی بن سعیدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن امام ابی بکر الصدیقؓ سو رہے تھے اپنی اسی نیند میں (اچانک) فوت ہو گئے تو ان کی طرف سے ان کی ہمشیرہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے بہت سے غلام آزاد فرمائے یہ روایت بھی امام مالک نے نقل کی (مشکوٰۃ ص ۲۹۵)

فائدہ سبب غلام آزاد کرنے کا یا تو یہ تھا کہ ان پر غلام آزاد کرنے واجب تھے۔ زمت وصیت کی نہ پائی حضرت عائشہؓ نے اس کی طرف سے آزاد کئے اور یا یہ کہ ناگہانی موت میں ایک طرح کا نقصان ہے حضرت عائشہؓ غمگین ہوئیں اور بہت سے غلام آزاد کئے تا تدارک اس نقصان کا ہو۔ (مظاہر حق ج۳ ص۲۳۲)

حدیث نمبر۱۱ حضرت ابوسائب سے مروی ہے کہ ہم ابوسعید خدریؓ کے پاس گئے پس ہم اس وقت بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہم نے ان کے تخت کے نیچے ایک حرکت سنی۔ پس ہم نے دیکھا کہ اچانک ہی ایک سانپ تھا پس میں اس کو قتل کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حضرت ابوسعیدؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت ابوسعیدؓ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک حجرے کی طرف اشارہ کیا جو گھر میں تھا۔ پس فرمانے لگے کہ تو نے اس حجرے کو دیکھا؟ تو میں نے کہا جی ہاں! تو حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ ہم میں سے ایک نوجوان کا نیا بیاہ ہوا اس حجرے میں تھا پھر ہم مع اس نوجوان کے پیغمبر خدا ﷺ کے ہمراہ غزوۂ خندق کی طرف نکلے اور وہ نوجوان دولہن کی محبت کی وجہ سے دوپہر کے وقت حضور اکرم ﷺ سے گھر جانے کی اجازت مانگتے تھے اور پھر اپنے گھر آتے تھے اور رات کو گھر رہتے۔ صبح کو پھر آن شریک ہوتے۔ پس انہوں نے اجازت مانگی ایک دن حضور ﷺ سے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے اس اپنے

ساتھی کو ہتھیار لے لینے کا حکم فرمایا فرمانے لگے کہ مجھے خطر ہے۔ بنی قریظہ کے شر کا جو یہود کا قبیلہ ہے قریش کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کو آتا تھا۔ پس وہ نوجوان اپنے ہتھیار لے کر گھر کو لوٹا۔ پس ناگہان دونوں دروازوں کے درمیان اس کی بیوی کھڑی تھی۔ یعنی اندر اور باہر کے دروازے کے درمیان میں۔ پس وہ نوجوان اس بیوی کو تیر مارنے لگا اس لئے کہ عورت کے باہر آ کھڑے ہو جانے کی وجہ سے غیرت آئی۔ فوراً عورت بولی اپنا نیزہ روک لو اور پہلے اندر آ کر دیکھو (تجھے بجھ آ جائے گی کہ) میں باہر کیوں نکلی تھی۔ پس وہ نوجوان اندر جا کر دیکھتا ہے کہ ایک بڑا اژدہا کنڈلی منڈلی مارے بچھونے پر پڑا ہے پس اس نوجوان نے اس بڑے اژدہا کو نیزہ مار کر اسے نیزے میں پرولیا۔ پھر اندر سے نکل کر نیزے کو گھر کی انگنائی میں گاڑ دیا۔ اتنے میں اژدہا نے تڑپ کر اس نوجوان پر حملہ کیا۔ پس نہ معلوم ہو سکا کہ ان دونوں (اژدہا اور نوجوان) میں سے جلدی کون مرا یعنی دونوں ساتھ مرے۔ ابو سعید فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ سارا ماجرا آ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ذکر کیا۔ اور عرض کی کہ یا رسول اللہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ اس نوجوان کو اللہ تعالیٰ ہماری خاطر زندہ کر دے۔ آنحضرت نے فرمایا "اپنے یار کے حق میں استغفار کرو (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۰)

فائدہ لکھا ہے علماء نے کہ روش صحابہ کی یہ نہ تھی کہ اس طرح کچھ چاہیں حضرت

ہے گویا انہوں نے گمان کیا کہ یہ موت جوان کی موت حقیقی نہیں ہے بلکہ بے ہوشی ہے تاثیر زہر سے۔ اور استغفار کرو یعنی دعا زندہ کرنے کی کیا چاہتے ہو بخشش چاہو اس کیلئے کہ مفید ہو۔ نہ دعا زندہ کرنے کی کہ وہ برا خود گیا

(مظاہر حق ۳ ص ۶ ۴۷)

حدیث نمبر ۱۲ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کے ماں باپ دونوں مرجائیں یا ان میں سے ایک مرجائے اور زندگی میں وہ ان کا نافرمان رہا ہو لیکن اب ان کے حق میں دعا کرتا رہتا ہے اور ان کے حق میں استغفار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے (مشکوۃ شریف ص ۴۲۱)

فوائد یعنی دعا استغفار فرزند کی والدین کے لئے بعد از مرنے ان کے وہ فائدہ رکھتا ہے۔ کہ اگر ناراض ہو گئے ہوں تو بھی حق تعالیٰ ان کو راضی کریگا اس سے اور لکھے گا نام اس کا بیچ دیوان نیکی کرنے والوں کے ساتھ ماں باپ کے اور رضا جو یوں ان کے۔ ح۔ (مظاہر حق ۴ ص ۱۲۸)

حدیث نمبر ۱۳ حضرت صالح بن درہم تابعی سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بصرہ سے مکہ شریف کو حج کرنے گئے پس یکا یک ہم نے دیکھا کہ وہاں ایک شخص کھڑا تھا۔ یعنی ابو ہریرہؓ پس انہوں نے ہمیں فرمایا کہ کیا تمہارے

شہر کی کسی جانب میں ابلہ نام کی کوئی بستی ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ ہاں ہے فرمایا کہ کون ہے جو ذمہ لے اور متکفل ہو میرے لئے تم میں سے اس بات پر کہ مسجد عشاء میں دو یا چار رکعت میری نیت سے نماز پڑھے اور یوں کہے کہ یہ نماز (یعنی اس نماز کا ثواب) ابوہریرہ کے لئے ہے (کیونکہ) میں نے اپنے جانی دوست جناب ابوالقاسم ﷺ سے یوں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل قیامت کے روز مسجد عشاء سے ایسے شہید اٹھائے گا کہ ان کے سوا بدر کے شہداء کے ساتھ مرتبہ میں قبروں سے کوئی نہ اٹھیگا (مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۸)

فوائد اس سے معلوم ہوا کہ نماز ادا کرنی بزرگ مکان میں اور عبادت بدنی کی کرنی ان میں فضیلت عظیم رکھتی ہے اور بخشنا ثواب عبادت بدنی کا کسی کو خواہ زندہ ہو یا مردہ جائز ہے اور اور پہنچتا ہے۔ اور اکثر علماء اس پر ہیں۔ اور عبادت مالیہ کا (ثواب) بخشنا بالاتفاق جائز ہے (مظاہر حق ج۴ ص ۳۱۷)

حدیث نمبر ۱۲ حضرت حنش فرماتے ہیں کہ میں نے جناب خلیفہ چہارم امام علی کرم اللہ وجہہ کو دو دنبے قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے؟ یعنی قربانی میں کافی تو ایک دنبہ بھی ہے آپ دو کیوں کرتے ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ایک دنبی ان کی طرف سے بھی کیا کروں یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔ اس لئے میں ایک

دیتی ان کی طرف سے کرتا ہوں۔ یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی نے اپنی سنن اور جامع میں بیان کی ہے (مشکوۃ شریف ص)

فائدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا تو سوائے قربانی اپنی کے دو دنبے کی قربانی کرتے ہوں گے حضرت محمد ﷺ کی طرف سے جیسے حضرت محمد ﷺ دو کرتے تھے حالت حیات میں۔ یا ایک اپنی طرف سے کرتے ہوں اور ایک حضرت محمد ﷺ کی طرف سے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ہمیشہ کرتے ہوں گے۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس پر کہ جائز ہے قربانی کرنی میت کی طرف سے۔ اور بعض علماء جائز نہیں رکھتے۔ ابن مبارک نے کہا کہ دوست رکھتا ہوں یہ کہ للہ دیا جاوے میت کی طرف سے اور قربانی نہ کی جائے۔ پس اگر قربانی کرے اس کی طرف سے تو نہ کھاوے اس سے کچھ اور للہ دے بالکل۔ یعنی تمام اللہ کی راہ میں دیدے۔ (مظاہر حق ا ص ۴۸۱)

حضرت محمد باقر سے مروی ہے کہ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما اپنے والد امام علیؓ کی وفات کے بعد ان کی طرف سے غلام آزاد کیا کرتے تھے (نبراس)

اقوالِ فقہاء

❶ حضرت عالم محقق مدقق نظار ملک الفقہاء ربرہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی ہدایہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں الحج عن الغیر کے باب میں کہ اَلاَصلُ فِی ھٰذا البَاب (ای فی باب الحج عن الغیر) اَنَّ الاِنسَانَ لَہ اَن یجعَل ثَوَابَ عَمَلِہٖ لِغیرِہٖ صَلوٰۃً اَوصَوماً اَوصَدَقَۃً اَو غَیرَھَا عِندَ اَھلِ السُّنَّۃِ وَ وَالجَمَاعَۃِ لِمَارُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ عَلَیہِ السَّلَامُ اَنَّہٗ ضَحّٰی بِکَبشَینِ اَملَحَینِ اَحَدُ ھُمَا عَن نَفسِہٖ وَالاٰخَرَ عَن اُمَّتِہٖ مِمَّن اَقَرَّ بِوَحدَانِیَّتِہٖ تَعَالٰی و شَھِدَ لَہٗ بِالبَلَاغ . وَجَعَلَ تَضحِیَۃَ اِحدَی الشَّاتَینِ لِاُمَّتِہٖ (ھدایہ ۱ ص ۲۷۶)

یعنی قاعدہ یہ ہے اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اپنے ہر عمل کا ثواب دے سکتا ہے خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا اور کوئی عمل ہو۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے دو دنبے چتکبرے قربانی میں دیئے ایک قربانی اپنی طرف سے دی اور دوسری اپنی امت کی طرف سے جو جو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقراری ہو اور نبی کریم ﷺ کے حق میں شہادت دیتا ہو کہ آپ نے تمام احکام شرعیہ ہم تک پہنچا دیے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے ان دو دنبوں میں سے ایک دنبہ اپنی امت کی

خاطر قربانی میں دیا۔

❶ شرح عقائد نسفیہ ص۱۵۳، ۱۵۴ میں ہے وَ فِی دُعاء الاَحیَا ءِ لِلاَموَاتِ وَ صَدَقَتِھِم اَی صَدَقَۃِ الاَحیَاءِ عَنھُم اَی عَنِ الاَموَاتِ نَفعٌ بَنِی لَھُم اَی لِلاَموَاتِ خِلَافًا لِلمُعتَزِلَۃِ یعنی مردوں کے حق میں زندوں کے دعاء کرنے میں، اور مردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ کرنے میں مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن معتزلی اس مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعت کے مخالف ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیلؒ نے صراط مستقیم ص۵۳ میں لکھا ہے "اموات را بلا ریب ثواب عبادت احیا می رسد۔ یعنی اس مسئلہ میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ زندوں کی عبادت کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔

❷ ردالمحتار ۲ ص۳۴۳ میں لکھا کہ اَلاَصلُ اَنَّ کُلَّ مَن اَتٰی بِعِبَادَۃٍ مَّا اَی سَوَاءٌ کَانَت صَلٰوۃً اَو صَومًا اَو صَدَقَۃً اَو قِرَاءَۃً اَو ذِکرًا اَو طَوَافًا اَو حَجًّا اَو غَیرَ ذٰلِکَ مِن زِیَارَۃِ قُبُورِ الاَنبِیَاءِ عَلَیھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَ الشُّھَدَاءِ وَالاَولِیَاءِ وَالصَّالِحِینَ وَتَکفِینِ المَوتٰی وَجَمِیعِ اَنوَاعِ البِرِّ یعنی قاعدہ یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی عبادت کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے خواہ وہ عبادت نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قرآن پاک پڑھنا یا ذکر کرنا یا طواف بیت اللہ یا حج یا عمرہ یا ان کے علاوہ پیغمبر، شہیدوں،

اولیاؤں نیکوں کی قبروں کی زیارت یا مردوں کو کفن دینا اور سب طرح کی نیکیاں ان کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جا سکتا ہے۔

❷ ردالمختار ج ۲ ص ۲۴۳، ج ۲ ص ۹۷ فِی التَّارخانیة عَنِ الْمحِیط اِلافضلُ لِمَن یَتَصَدَّقُ نَفلًا اَن یَّنوِیَ لِجمِیعِ الْمُومِنِینَ وَالْمُومِنَاتِ لِاَنَّهَا تَصِلُ اِلیهِم وَلَا یُنقصُ مِن اَجرِہٖ شَیءٌ یعنی نفل صدقہ کرنے کیلئے افضل طریقہ یہ ہے کہ تمام مومن مردوں اور عورتوں کی نیت کر لے اس لئے کہ اس کے صدقہ کا ثواب ان سب کو پہنچ جائے گا اور صدقہ کرنے والے کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی

پھر ج ۲ ص ۲۴۳ ہی میں بحرالرائق سے نقل فرماتے ہیں کہ اِطلَاقُهُم شَامِلٌ لِلفَرِیضَةِ یعنی علماء کا مطلق عبادت کا لفظ بولنا فرض عبادت کو بھی شامل ہے کمافِی البَحرِ وَلَم اَرَ حُکمَ مَن اَخَذَ شَیئًا مِنَ الدُّنیَا لِیجعَلَ شَیئًا مِن عِبَادَتِہٖ لِلمُعطِی وَیَنبغِی اَن لَا یَصِحَّ ذٰلِکَ اھ ای لِاَنَّہٗ اِن کَانَ اَخَذَہٗ عَلٰی عِبَادَةٍ سَابِقَةٍ یَکُونَ ذٰلِکَ بَیعًا لَهَا وَذٰلِکَ بَاطِلٌ قَطعًا وَاِن کَانَ اَخَذَ لِیُصَلِّی یَکُونُ اِجَارَةً عَلَی الطَّاعَةِ وَهِیَ بَاطِلَةٌ" اَیضًا کَمَا نَصَّ عَلَیهِ فِی مَااستَثنَی الْمُتَاخِرُونَ مِن جَوَازِ الاِستِیجَارِ عَلَی التَّعلِیمِ وَالاَذَانِ وَالاِمَامَةِ وَعَلَّلُوہٗ بِالضَّرُورَةِ وَخَوفِ ضِیَاعٍ

الذین فی زمانِنا یعنی جو شخص دنیا کی کوئی چیز اس لئے دوسرے سے لیتا ہے کہ اس دوسرے دینے والے کو اپنی عبادت دے دیوے تو یہ کام صحیح نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ دنیا کی چیز کسی پہلی عبادت پر لی ہے تو یہ بیع بن جاتی ہے جو قطعاً باطل ہے۔ اور اگر اس نے دنیا کی چیز اس لئے لی ہے کہ اس کے بعد میں عبادت کر کے تجھے دوں گا تو اجارہ باطلہ ہے۔ جیسے متون شروح اور فتاووں میں صاف بیان ہے ہاں البتہ ضرورت کی بنا پر۔ تاکہ دین نہ ضائع ہو جائے ہمارے زمانہ میں متاخرین نے قرآنی تعلیم اور اذان اور امامت کے بدلے اجرت لینے کی اجازت دی ہے۔

پھر ص ۳۲۵ پر باقاعدہ دلائل بیان کر کے فرماتے ہیں فَهٰذا كُلّهٗ وَنَحوُهٗ مِمَّا تَرَكنَاهُ خَوفَ الإطَالةِيَبلُغُ القَدرُ المُشتَرَكُ بَينَهٗ وَهُوَالنَّفعُ بِعَملِ الغَيرِ مَبلَغَ التَّوَاتُرِ یعنی یہ دلائل تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہیں کہ دوسرے کے عمل سے انسان کو فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد نجم الغنی خان صاحب اپنی کتاب تہذیب العقائد میں فرماتے ہیں کہ دعا کرنے میں زندوں کے مردو کے لئے اور صدقہ دینے میں مردوں کی طرف سے نفع پہنچتا ہے ان مردوں کو حضرت انسؓ سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ تُطفِي غَضَبَ الرَّبِّ (صدقہ

بجھا دیتا ہے آتشِ غضب الٰہی کو) اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا الصدقۃ تطفیء الخطیئۃ کما یطفیء الماء النار صدقہ دینا بجھا دیتا ہے گناہ کو جس طرح بجھاتا ہے پانی آگ کو

علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے اس بات پر کہ مالی عبادت کا ثواب مردے کو پہنچتا ہے۔ مگر بدنی عبادت کے ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک صدقات اور عبادات مالی اور حج میں دوسرے کو ثواب پہنچانا جائز ہے۔ لیکن عبادتِ بدنی مثلاً روزہ اور نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ میں وصول (ثواب کا پہنچانا) جائز نہیں۔ مگر امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کا بھی ثواب پہنچتا ہے

معتزلہ کا مذہب

یہ ہے کہ عبادت کا ثواب سوائے فاعل کے (عبادت کرنے والے کے) غیر کو نہیں پہنچتا۔ خواہ عبادت مالی ہو یا بدنی خواہ مرکب ہو مال اور بدن سے۔ جیسے حج عمرہ وغیرہ۔

معتزلہ کے دلائل

دلیل نمبرا

(ا) قضاء یعنی تقدیر نہیں بدل سکتی پس دعا لغو ہے کیونکہ جس بات کی دعا کی جاتی ہے اگر وہ مقدر کے مطابق ہے تو اس کی دعا فعل عبث (بے کار) ہے اور اگر مخالف ہوگی تو اُس کا موجود ہونا ناممکن ہے۔

جواب نمبرا

قضاء کی دو قسمیں ہیں۔

نمبر1۔ بعض قضا سبب سے بدل جاتی ہے اس کو قضائے معلق کہتے ہیں یعنی جو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو۔

نمبر2۔ بعض سبب سے نہیں بدلتی یعنی قضائے مبرم جو اٹل ہے اور کسی شئے سے نہیں ٹلتی یعنی جو قضاء بدلتی ہے اس کو معلق کہتے ہیں۔ اور جو نہیں بدلتی اس کو مُبرم یعنی اٹل کہتے ہیں جیسے وحی، نبوت، اور انبیاء کی سعادت، قضاء مُبرم میں سے ہیں

اس پر کلام الٰہی دلیل ہے کہ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ (یعنی اللہ کی باتیں نہیں بدلتیں) اور مرض، شفاء، نیند، اور ہمارے تمام افعال واقوال قضاء معلق کے قبیل سے ہیں۔ قضائے معلق یعنی کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ مثلاً بانجھ عورت بچہ نہیں جنتی مگر کسی بانجھ کے بارے اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے کہ اگر فلاں مجھ کو بچہ کے بارے پکارے گا تو میں اس کو بچہ دوں گا۔ تو کسی نے اللہ سے دعا کی یا اللہ میں بے شک بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے مگر تیری قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ بچہ ایسی حالت میں دے دے تو اللہ اس قضائے معلق کو نافذ فرماتے ہوئے بچہ دے دیتا ہے۔ اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ تقدیر بدل گئی ہے تو انبیاء اولیا وغیرہم کی دعا قبول ہونا اسی قبیل سے ہے کہ قضائے معلق ہوتی ہے کہ فلاں دعا کرے گا تو میں اس کا یہ کام کر دوں گا۔ لیکن اس قضائے معلق کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہوتا۔ اسی بات کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ یعنی مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے جو چاہتا ہے۔ چنانچہ شقاوت ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرنے اور صدقہ دینے سے نیز اچھے کام کرنے سے ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر۲

دوسرا جواب یہ ہے کہ قضاء نہ بدلنا بھی ہمارے مدعا (دعویٰ) کو مضر نہیں۔ اس لئے

کہ زندوں کی دعا اور صدقہ سے مردوں کو نقصان پہنچنا یہ بھی احکام قضاء میں سے ہے۔ کہ اس مردے کی طرف سے کوئی کتنی ہی دعائیں کرتا ہے صدقہ خیرات کرتا ہے وغیرہ وغیرہ مگر اس کو نہ بخشوں گا۔

دلیل نمبر۲

جس شخص نے جو کچھ کیا ہے وہ ضرور اس کا بدلہ پائے گا غیر کے عمل کا بدلہ اسے کیسے مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا یعنی جس نے نیکی کی وہ اپنے واسطے ہے اور جس نے برائی کی وہ بھی اسی پر ہے۔

جواب

اس کا جواب قرآن اور حدیث کی ظاہری دلالت سے بلا ارتکابِ تاویل (تاویل کئے بغیر) ثابت ہے کہ جب کوئی شخص اپنا کوئی عمل کسی کو بخش دے تو ضرور دوسرے کے نامہء اعمال میں جگہ پاتا ہے۔ اور اس کو اس کا اجر ملتا ہے۔ تو اس صورت میں دوسرے کا کسب و عمل اس کا کسب اور عمل بھی سمجھا جائے گا جس کو عمل بخشا گیا ہے جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے۔

❶ سورۃ بنی اسرائیل میں بیٹے کو ارشاد ہوا کہ والدین کے لئے اس طرح دعا کر رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (اے رب! میرے والدین پر رحم کر

جیسا کہ لڑکپن میں مجھ کو انہوں نے پالا) تو اگر انسان کا عمل دوسرے کو نہ مفید ہوتا تو بیٹے کی دعاء والدین کے حق میں بے فائدہ ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ دعاء تعلیم کرنا عبث ہوا اور اللہ تعالیٰ عبث سے پاک ہے

❷ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ فرشتے مؤمنین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں

❸ حضرت امام ابوہریرۃؓ سے مسلم نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس وقت انسان مرتا ہے تو اس کے عمل کا ثواب موقوف ہو جاتا ہے مگر تین عملوں کا ثواب باقی رہتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اولاد صالح اس کے لئے دعا کرتی رہے۔ امام مالکؒ کی موطا میں سعید بن صالح سے روایت آئی ہے کہ بی بی عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰنؓ کی طرف سے (جو سوتے میں مر گئے تھے) بہت سے غلام آزاد کئے۔

❹ سعد بن عبادہؓ نے آں حضرت ﷺ سے کہا کہ میری ماں مر گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے صدقہ دوں؟ آپؐ نے فرمایا پانی پلانا۔ پس سعدؓ نے ایک کنواں بنوایا اور کہا یہ کنواں صدقہ ہے سعدؓ کی ماں کے واسطے۔ اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور امام مالک اور بخاری اور ابن عبدالبر نے روایت کیا ہے۔

دلیل نمبر ۳

ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جس کے جنازہ پر چالیس آدمی کھڑے ہو کر

نماز پڑھیں بشرطیکہ کسی نے خدا کے ساتھ شرک نہ کیا ہو اور وہ میت کی شفاعت کریں تو خدا ان کی شفاعت قبول کرتا ہے (رواہ مسلم عن کریب مولی ابن عباسؓ)
وَاَن لَّیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی انسان کو کوئی چیز نافع نہیں مگر جو کہ خود کیا۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ آدمی کو نفع نہیں بجز اس بات کے کہ بذاتِ خود سعی کی اور عمل کیا

معتزلہ کے جواب

1 گو ظاہر آیت اسی پر دلالت کرتی ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کو مفید نہیں۔ لیکن حکم دعائے والدین اور استغفار ملائکہ (فرشتوں کا بخشش مانگنا) مؤمنین کے حق میں اور اس کے علاوہ اور احادیث (متواترہ) ایصال ثواب کی ظاہر آیت کے مخالف ہیں تو قطعی طور پر ہم کو ثابت ہوا کہ ظاہر آیت اپنے اطلاق پر باقی نہیں بلکہ مقید ہے بقیدِ عدم ہبہ عاملِ۔ یعنی مراد آیت سے یہ ہے کہ انسان کو غیر کے عمل سے کچھ حاصل نہیں مگر جب کہ غیر اس کو بخش دے تو تو اس کو اس کا فائدہ ہو گا۔ اور آیت کا مقید کرنا بہتر ہے آیت کو منسوخ کرنے سے اس۔ لئے کہ مذکورہ آیت اخبار کے قبیلہ سے ہے (یعنی اس میں خبر دی گئی ہے) اور خبر میں نسخ واقع نہیں ہوتی یعنی خبر منسوخ نہیں ہوتی

❷ یہ آیت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی شریعتوں سے مخصوص ہے یعنی اخبار ہے ان کی شریعتوں سے۔ لیکن ہمارے نبی کی شریعت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ انسان کو اپنی سعی اور غیر کی سعی دونوں کام آتی ہیں۔

❸ اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہے تو مومن کے حق میں نفی نہیں یعنی مومن کو نفع ہوتا ہے کافر کو نہیں اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مراد انسان سے اس آیت میں ابوجہل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اور بعض نے کہا کہ ولید بن مغیرہ۔

❹ مراد انسان سے اس جگہ زندہ ہے نہ مردہ۔ یعنی زندہ انسان اگر عمل کرے گا تو اس کے عمل کا ثواب اسی کو ملے گا۔

❺ بطریق عدل غیر کو ثواب نہیں۔ لیکن بطریق فضل البتہ ثابت ہے۔

معتزلہ کے جواب کے ضمن میں امام مالک اور امام شافعی کے قول کی بھی تردید ہو گئی۔ یعنی احادیث اور اخبارِ سابقہ سے عباداتِ بدنیہ کا بھی ایصال ثواب ثابت ہو گیا۔ (تہذیب العقائد ص ۱۱۲،۱۱۳)

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی اپنی عقائد کی کتاب "عقائد الاسلام" میں فرماتے ہیں کہ زندہ مومنوں کی دعا اور صدقہ دینے سے مردہ مومن کو نفع پہنچتا ہے۔ اگر مردہ مومن عذاب میں مبتلا ہوگا تو اس کو دعا اور خیرات سے

تخفیف ہو جائے گی یا بالکل معاف ہو جائیگا اور اگر عذاب میں مبتلا ہوگا تو اس کو دعا اور خیرات سے اس کے وہاں درجات زیادہ ہو جاویں گے بہر طور اس کو نفع ہوتا ہے اور قرآن واحادیث واجماع امت واجماع صحابہؓ اس پر دلیل ہے کہ قال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ۔اور واسطے ان لوگوں کے جو انصار و مہاجرین کے بعد آئیں اور کہتے ہیں کہ الٰہی! ہم کو بخش، اور جو ہم سے پہلے مومن ہیں ان کو بخش۔

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دعا اموات کو بھی شامل ہے۔ اگر اس دعا سے سابقون کو کچھ نفع نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بعد والوں کی مدح میں ذکر نہ فرماتا۔ بلکہ ❶ یہ دعا فعل عبث شمار کیا جاتا ❷ اور جنازے کی نماز پڑھنا حضورؐ کے عہد سے اب تک جمہور اہل اسلام کے ہاں چلا آتا ہے اگر میت کو اس سے کچھ نفع نہیں تو گویا ایک فضول امر ہے اور کس طرح سے فضول ہو سکے۔ حالانکہ نبی ﷺ اس کی نسبت نہایت تاکید فرماتے ہیں۔ اور میت کو نفع ہونے کی صراحت کرتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ جس میت پر سو ۱۰۰ مسلمان نماز پڑھیں اور اس کے لئے شفاعت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے اور دوسری جگہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس میت پر چالیس آدمی جو مشرک نہ ہوں نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

اور طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں حضرت انسؓ سے اور انہوں نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے کہ میری امت پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ جو قبر میں گناہ گار داخل ہوں گے مسلمانوں کی دعا اور استغفار کے سبب قبر سے بے گناہ ہو کر اٹھیں گے۔

اور صدقہ کے نافع (نفع مند ہونا) ہونے میں بے شمار احادیث وارد ہیں چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ میری ماں اچانک بے وصیت مر گئی اور مجھے گمان ہے کہ اگر وہ کچھ بولتی تو وصیت کرتی، اگر میں صدقہ دوں تو اب اس کو ثواب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہوگا (بخاری، مسلم)

حضرت امام بخاری نے روایت کی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ میری ماں فوت ہوگئی ہے اگر اب میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو اسے نفع ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہوگا۔ حضرت سعدؓ نے کہا اب میں آپ ﷺ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ میری ماں کی طرف سے صدقہ ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے اپنی ماں کے لئے پوچھا کہ ان کو کون سا صدقہ نافع ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی کا صدقہ نافع ہے۔ پس حضرت

سعد بن عبادہؓ نے ایک کنواں کھدوا کر اپنی ماں کے نام سے صدقہ کر دیا۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر والے کسی میت کی طرف سے اس کی وفات کے بعد صدقہ دیتے ہیں تو حضرت جبرائیل نور کے طباقوں میں لگا کر اس کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ نہایت خوش ہوتا ہے کہ اور اس کے پاس والے کہ جن کے پاس کسی نے ہدیہ نہیں بھیجا غمگین ہوتے ہیں۔ (قال النیلوی و فیہ نظر لا یخفیٰ)

بیہقی اور دیلمی نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مردہ قبر میں غریق (پانی میں غرق ہونے والے) کی مانند دعا کا منتظر رہتا ہے پس جب ماں باپ یا دوست خالص کی طرف سے اسے دعا پہنچتی ہے تو اس کو دنیا و مافیہا سے محبوب سمجھتا ہے اور بلا شک زندوں کی دعا کو قبر میں پہاڑ کی مانند بنا کر بھیجا جاتا ہے اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے استغفار تحفہ ہے۔

غرض اور بہت سی احادیث اس مضمون کی کتب احادیث میں وارد ہیں اگرچہ الگ الگ اخبار آحاد (خبر واحد) میں سے ہیں لیکن احادیث کی کثیر تعداد کو دیکھ کر مسئلہ کا ثبوت یقینی ہو جاتا ہے اور سلف سے خلف تک کسی نے اس کا انکار نہ کیا ہو۔

دلیل نمبر ۴

لیکن معتزلہ اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر آدمی خاص اپنے اعمال سے نفع و

نقصان اٹھاتا ہے کیونکہ قرآن میں آیا ہے کہ وَاَن لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (اور انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے کوشش کی) اور نبی ﷺ نے فرمایا اَلنَّاسُ مُجْزُوْنَ بِاَعْمَالِھِم (آدمیوں کو جزا دی جائے گی ان کے اعمال پر)

جواب نمبر ۱

جواب آیت کا یہ ہے کہ اول تو یہ آیت ہمارے مدعیٰ کے مخالف ہی نہیں کیونکہ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جس کام کی انسان نیت کرے گا اس کام کے کرنے سے اس کی جزا ضرور ملی گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ لِكُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوٰی یعنی ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے کہ ثواب کی نیت سے کرے گا تو ثواب پائے گا اور نا امیدی کے لئے کرے گا تو اُس کا بدلہ وہی دیا جائے گا۔ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ دوسروں کے اعمال سے مردے کو نفع نہیں پہنچتا

جواب نمبر ۲

اس آیت میں لام تملیک اور استحقاق کے واسطے ہیں یعنی انسان کو استحقاق اور تملیک اپنے ہی اعمال میں ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوسرے کے اعمال سے اس کو نفع نہیں پہنچتا۔

جواب نمبر ۳

للانسان میں لام علیٰ کی معنی میں ہے اب اس آیت سے جس قدر آیات اور

احادیث اس مضمون کی ہیں مثلاً كُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ "(ہر آدمی نے جو کچھ کمایا ہے اس کے ساتھ پکڑا جائے گا) کیونکہ کسب سے مراد یہ ہے کہ کسی آدمی کو کسی کی بدی نہیں پہنچتی ۔ کیونکہ یہ خلاف انصاف ہے برائی میں ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں سزا پائے گا کسی کا عمل دوسرے کو نقصان نہ دے گا۔لیکن نیکی میں یہ حکم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کا عمل ضائع نہیں کرتا جس شخص نے کسی کے لئے کوئی نیکی کی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اس شخص کو بھی جس کے لئے نیکی کی ہے محروم نہیں رکھتا اور اس نیکی کرنے والے کو بھی اس کا اجر دیتا ہے۔

فقہی تفصیل

مالی عبادت کے ثواب پہنچنے میں سب اہل سنت متفق ہیں۔ ہاں البدنی عبادت میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ انکار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ ان ہی دلائل سے عموم سے اس کو ثابت کرتے ہیں

دوسری اور بہت سی احادیث ان کے لئے ہیں چنانچہ حضرت امام بخاری وحضرت امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جو شخص روزہ اپنے ذمہ پر لے کر مر جائے (یعنی اس کی ذمہ روزے رہ گئے ہیں) تو اس کی طرف سے کوئی قرابت دار ادا کردے۔ مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میری ماں پر دو مہینے کے روزے واجب تھے۔ اگر اس کی طرف سے میں ادا کردوں (یعنی ان کا کفارہ دے دوں) آیا کافی ہو جائیں گے۔ پھر اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہ کیا تھا۔ اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو اس کو کافی ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں!

روزہ کا بدنی عبادت ہونا تو خود ظاہر ہے لیکن حج بھی بدنی عبادت ہے کیونکہ جس قدر ارکانِ حج ہیں ان میں کہیں روپیہ کی ضرورت نہیں۔

اس لئے کہ جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتے ہیں ان کو روزے رکھنے کا حکم ہے۔

روپیہ فقط کعبہ پہنچنے کے لئے شرط ہے اور اسی سبب سے فقیر پر بھی کلے میں پہنچے سے حج واجب (فرض) ہو جاتا ہے۔ اور اسی لئے سب اہل مکہ پر حج فرض ہے۔

میت کو بدنی عبادت کا نفع پہنچنا صاف ثابت ہو گیا۔ اس لئے کہ میت پر کوئی چیز واجب نہیں رہتی۔ فقط زندگی میں تکلیف شرعی تھی (یعنی شریعت کے پابند تھے) پھر میت کی طرف سے واجب ادا کرنے کے یہی معنی ہیں کہ میت حالتِ حیات کے واجبات ترک کرنے کے سبب جو ماخوذ تھا (یعنی شریعت کی پکڑ میں تھا) اس وارث کے ادا کرنے سے رہا ہو گیا یہی نفع ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا کہ کل مالی عبادت کا ثواب اور بدنی میں حج اور روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے تو جمیع فقہاء اس بات پر متفق ہو گئے کہ قرآن کے پڑھنے کا اور اعتکاف اور نوافل وغیرہ عبادات بدنیہ کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

چنانچہ بیہقیؒ نے شعب الایمان میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے مردے کو بند کر کے نہ رکھا کرو جلدی لے جایا کرو اور اس کے پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کا اخیر پڑھا کرو۔

اور امام احمد اور امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے معقل بن یسار سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرمؐ فرمایا ہے کہ اپنے مردوں (قریب الموت) کے پاس سورۂ یٰسین پڑھا کرو (ص ۱۷۴ تا ۱۷۷)

حضرت مولانا حقانیؒ نے جو مطلب بیان کیا ہے آیت لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کا کسی آدمی کو کسی کی بدی نہیں پہنچتی کیونکہ یہ خلاف عدالت ہے بدی میں ہر شخص اپنے اپنے اعمال پائے گا کسی کا عمل اس کو ضرر نہ دے گا۔ یہی مطلب بعینہ کتب سابقہ میں ہمیں ملتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا حوالہ اپنے کلام میں دیا ہے اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی وَ اِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی اَنْ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی یعنی کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں کہ جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں ہے کہ کوئی گناہ کرنے والا دوسرے کے گناہ کو نہیں اٹھائے گا۔ اور انسان اسی چیز کا مالک ہے جو اس نے خود کمایا ہے۔

اب بھی ہم اس حوالہ کو بالکل صحیح پاتے ہیں باوجود یکہ تورات میں بہت زیادہ تبدیلی آ چکی ہے تاہم جس مقام اور جس مسئلہ کا حوالہ قرآن پاک میں موجود ہے ہم اب بھی تورات میں اس کو موجود پاتے ہیں جس سے اہل سنت کا مسلک ثابت ہوتا ہے اور عیسائیوں کے کفارہ کی تردید ہوتی ہے۔ دیکھئے تورات سفر استثناء ۲۴ اور ور ۱۶ میں ہے

"اولاد کے بدلے باپ دادے نہ مارے جائیں نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کی جائے۔ ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے"

اسی طرح کتاب حزقیل ۱۸:۲۰ میں ہے کہ جو جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مرے گی۔ بیٹا باپ کی بدکاری کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کی بدکاری کا بوجھ اٹھائے گا۔ اور شفاعت اور دعا کا دوسرے کے حق میں مفید ہونا بھی کتب سابقہ میں درج ہے چنانچہ تورات سفر العدد میں ۱۲:۱۹ میں ہے

موسیٰ کی دعا ہے کہ اب تو اپنی رحمت کی فراوانی سے اس امت کا گناہ بخش دیجئے جیسا تو مصر سے لے کر یہاں تک بخشتا رہا ہے۔ خداوند نے فرمایا کہ میں تو تیرے کہنے سے بخشتا رہا اور سفر خروج کا آٹھواں باب پورے کا پورا شفاعت کے بیان میں ہے۔ بنی اسرائیل نے جب گوسالہ پرستی کی اور ان پر خدا کا قہر ٹھیرا تھا تو اس وقت بھی حضرت موسیٰ کی شفاعت سے وہ قہر دفع ہوا چنانچہ سفر خروج باب ۳۲ میں ہے اور تواریخ دوم ۳۰:۱۸ تا ۲۱ میں حضرت حزقیاہ کی دعا سے قصور معاف ہونے کا ذکر ہے۔

قرآن پاک توارت کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے اور جس مسئلہ میں یہود یا نصاریٰ کا اختلاف ہو اس اختلاف کو ختم کرتا ہے چنانچہ جہاں ان کی تورات میں غلط بات لکھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں صحیح بات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ یعنی یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات جنہیں ہم ٹھیک ٹھیک پڑھ سناتے ہیں آپ کو۔ یہ لفظ اسی لئے

بڑھایا کہ یہ قصہ یہود سن کر تردید کریں گے اور کہیں گے یہ قصہ ہماری کتابوں میں اس طرح نہیں جس طرح قرآن نے بیان کیا ہے اس لئے یہودی تردید کو در خور اعتناء نہ سمجھنا کیونکہ ان کی کتابوں میں باغیوں نے غلط لکھ دیا ہے۔ صحیح بات یہی ہے جو میں نے پڑھ سنائی ہے۔ اسی طرح جہاں یہود یا نصاریٰ اختلاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس اختلاف کو ختم کرتا ہے چنانچہ فرمایا وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْہِ ہم نے تجھ پر یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے تا کہ آپ اس مسئلہ کو کھول کر اور واضح کر کے سنا دیں جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔

مگر جو مسئلہ صحیح تورات یا انجیل میں موجود ہو اس کا حوالہ قرآن میں دیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ کا یہی حال ہے اگر یہ غلط ہوتا تو قرآن پاک میں اس مسئلہ کی ضرور تردید آتی۔ جیسے مسئلہ کفارہ (جو عیسائیوں کا عقیدہ ہے) کی تردید جگہ جگہ قرآن میں وضاحت سے موجود ہے

الحاصل

کتب سابقہ، قرآن شریف کی آیات اور احادیث متواترہ سے یہ مسئلہ محقق اور مضبوط طریقے سے ثابت ہو گیا جس میں شک کی کچھ گنجائش نہیں اور یہی مسلک ہے ہمارے اور ہمارے مشائخ کا

تعیین

یوم - تاریخ - مکان

اب رہا یہ امر کہ عبادت جس کا ثواب دوسرے کو پہنچانا ہو اس کے لئے کوئی دن، مہینہ یا وقت یا کوئی جگہ معین و مقرر ہونی چاہیے یا نہیں؟

سو اس کے متعلق علمائے اصول نے لکھا ہے کہ اس امر کی دو قسمیں ہے ہیں ایک مطلق دوسرا موقت (مقررہ وقت)۔

امر مطلق وہ ہے جس کا وقت شرع شریف نے مقرر نہیں فرمایا جب چاہے ادا ہو جاتا ہے جیسے زکوۃ۔ اور امر موقت وہ ہے جس کا وقت شرع شریف نے مقرر فرمایا ہے جیسے پانچ وقت کی نماز۔ رمضان شریف کے روزے۔

صدقہ خیرات کا شرع شریف نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا ہے کہ خاص فلاں مہینہ میں یا فلاں تاریخ کو دیا کرو ورنہ گناہ عائد ہوگا اور قضاء کرنا ہوگا۔ چنانچہ زکوۃ سارے سال میں ایک دفعہ صاحب نصاب پر فرض ہے اس کا مہینہ اور تاریخ مقرر نہیں اور آج لوگوں میں رجب المرجب کا مہینہ زکوۃ ادا کرنے کے واسطے مشہور ہے اس کا کچھ اصل نہیں چنانچہ علامہ محمد طاہر فتنی نے تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۷ میں لکھا ہے وَمِمَّا يُفْعَلُ فِي هٰذِهِ الْأَزْمَانِ إِخْرَاجُ الزَّكٰوةِ فِي رَجَبَ دُوْنَ غَيْرِهٖ لَا أَصْلَ لَهٗ یعنی آج کل جو دوسرے مہینوں کو چھوڑ کر صرف

رجب کے مہینوں میں زکوۃ نکالتے ہیں یہ بے سند بات ہے اس کا کوئی اصل نہیں اس طرح تخصیص ایام کی بابت علامہ محمد طاہرؒ نے بیان فرمایا وَلِذَا اکثرۃ اعتماد اَھلِ مَکَّۃَ فِی رَجَبَ لَااَصْلَ لَہٗ یعنی مکہ شہر والوں کا خاص ماہ رجب میں کثرت سے عمرہ کرنے کی کوئی سند نہیں ہے اسی طرح فرمایا

وَمِمَّا اَحدَثَ العَوَامُ صِیَامُ اَوَّلَ خَمِیسٍ مِّنْ رَجَبَ وَ لَعَلَّہٗ یَکُونُ اٰخِرِ یَومٍ مِّنَ الجُمَادٰی و کلّہٗ بِدعَۃ

یعنی بعض ان امور میں سے جنہیں عوام نے اپنی طرف سے شرع میں نئی بات نکالی ہے ماہِ رجب کی پہلی خمیس کا روزہ ہے اور شاید جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہو اور یہ سب باتیں بدعت ہیں (تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۱۱۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں میں سے تہجد کی نماز کے لئے مخصوص نہ کرو اور نہ ہی دوسرے دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ رکھنے کے لئے مخصوص کرو مگر جن دنوں میں روزے رکھ رہا ہے (کفارہ یا قضاء کے یا رمضان کے یا ایام بیض وغیرہ کے) انہیں جمعہ کا دن آجائے تو اس جمعہ میں روزہ رکھنا جائز ہے۔ (مشکوۃ ص ۱۸)

فوائد جتنی تعظیم و تخصیص شرع میں آئی ہے وہ تو ثابت ہے۔ کرنی چاہیے اگرچہ مشابہت ہو کسی کے ساتھ۔ لیکن اپنی طرف سے تعظیم و تخصیص نہ کرے۔ یا

جب منع کا یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ سب اوقات میں عبادات و طاعات میں مشغول ہو اور ہمیشہ امیدوار رحمتِ الٰہی رہے ایک وقت کو مخصوص کرنا اور دیگر اوقات میں معطل رہنا کچھ نہیں (مظاہر حق ص ۱۷۹)

اسی لئے حضرت مُلا علی قاریؒ نے فرمایا کہ

أَرَادَ الشَّارِعُ أَنْ يَأْخُذُوا مِنْ كُلِّ وَقْتٍ حَظَّهُمْ مِنَ الصِّيَامِ وَلَا يَخُصُّوا كُلَّ نَوْعٍ مِنَ العِبَادَةِ بِبَعْضِ الأَيَّامِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ العَوَامِّ

(مرقاۃ ۴ ص ۲۹۵)

یعنی شارع کا مقصد تو یہ ہے کہ نماز روزہ کا حصہ ہر وقت کو دینا چاہیے یہ نہیں کر سکتے کہ عبادت میں سے کسی قسم کی عبادت کا اپنی طرف سے کوئی کوئی دن مخصوص کریں

مولانا قطب الدین صاحب نے لکھا ہے کہ دلیل پکڑی ہے ساتھ اس (حدیث) کے علماء نے اوپر مکروہ ہونے اس نماز مبتدعہ کے کہ نام اس کا صلوٰۃ الرغائب ہے کہ رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھتے ہیں اور علماء نے بہت سی کتابیں اس کی برائی میں اور گمراہی اسکے نکالنے والے کی میں لکھی ہیں الخ۔ (مظاہر حق ص ۱۷۹)

امام بخاریؒ نے باب ھل يخص شيئا من الايام کے تحت حدیث لکھی ہے کہ حضرت علقمہؒ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ کسی عبادت

کیلئے کوئی دن مقرر فرماتے تھے؟ تو حضرت ام المومنینؓ نے جواب دیا نہیں بلکہ آپ کا عمل دائمی ہوتا تھا (صحیح بخاری شریف ص ۲۶۷)

علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا عمل حسب خوشی ہوتا تھا آگے فرماتے ہیں کہ ابن التین نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اِنَّهٗ يُكْرَهُ اِنْ يَتَحَرّٰى يَوْمًا مِّنَ الْاُسْبُوْعِ بِصِيَامٍ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ کہ ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر کر کے روزہ رکھنا اسی حدیث کی وجہ سے مکروہ ہے

(عمدۃ القاری ۱۱ص ۱۰۷)

بحر الرائق میں ہے جب اللہ کا ذکر کسی مخصوص وقت میں کرنا مقصود ہو یا ایک خاص شے مقصود ہو تو وہ جائز نہ ہوگا جب تک کہ شرع میں اس کی تخصیص وارد نہ ہو۔

اسی طرح حضرت امام قرطبی نے تذکرہ قرطبیہ میں لکھا ہے کہ زمان یا مکان کے ساتھ کسی عبادت کو خاص نہیں کر سکتے جس میں نبی اکرم ﷺ نے تخصیص نہ فرمائی ہو اور اس کو عقائد میں شمار کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ وہ حرام ہے۔ آگے لکھا کہ جو لوگ کسی عبادت کا وقت معین کر لیتے ہیں (جس کا شرع نے وقت معین نہیں کیا) اور دعوی کرتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے دن کے کام میں فضیلت زیادہ ہوتی ہے تو وہ بدعتی ہیں الی آخر ما قال۔

تعیین یوم اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی

سوال:- تین برس کے بچے کی فاتحہ "دوجہ" کی ہونا چاہیے یا "سوم" کی ہونا چاہیے بینوا توجروا۔

جواب:- شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن۔ باقی یہ تعین عرفی ہیں جب چاہیں کریں۔ انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت و بدعت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم. کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (مجموعہ فتاویٰ ج۴ کتاب الحظر والاباحۃ قلمی ص ۳۱۰)

مطلق اور مقید

اصول فقہ کا قاعدہ یہ بھی ہے کہ حکم مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھیں اور مقید میں قید کا لحاظ رکھیں کیونکہ مطلق اور مقید ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے درمیان منافاۃ ہے تو مطلق کا حکم مقید کے حکم کے مطابق کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں

1. اطلاق والی صفت کو ناکارہ بنانا

❷ بغیر دلیل کے قید والی صفت ثابت کرنا

تو اسطرح مطلق حکم پر زیادتی کرنا لازم آئے گا اور مطلق میں وقت کی قید نہیں ہوتی چنانچہ علامہ سرخسیؒ اپنے اصول فقہ میں تحریر فرماتے ہیں بَیْنَ الْمُطلَقِ وَ الْمَقَیدِ مُغَایَرَۃٌ عَلٰی سَبِیلِ الْمُنَا فَاۃِ فَلا یَجُوزُ اَن یَّکُونَ حُکْمُ الْمُطلَقِ مَا هُوَ حُکْمُ الْمُقَیَّدِ فِیمَا یَثْبُتُ التَقیِیدُ بِہٖ لِاَنَّ فِی ذٰلِکَ اِلغَاء صِفَۃِ الاِطلاقِ وَاثباتُ المُقَیَّدِمِن غَیرِ دَلِیلٍ.................. اَلْمُطلَقُ غَیرُ المقَیَّدِ بِوَقتٍ (اصول سرخسی ج ۱ ص ۲۷ تا ۲۹)

پھر علامہ نظام الدین صاحب شاشی لکھتے ہیں وَلا یَتَمَکَّنُ العَبدُ مِن تَغیِیرِہٖ یعنی بندہ کے بس میں نہیں ہے کہ مطلق کو اپنی طرف سے قید بڑھا کر تبدیل کر دے۔ اصول شاشی

پھر فرمایا وَاِن لَّم یُعَیِّنِ الشَّرعُ لَہٗ وَقتاً فَلا یَتَعَیَّنُ العَبدِ بِا لنِیّہ یعنی اگر شرع شریف نے اس کا وقت مقرر نہیں کیا تو بندے کے معین کرنے سے نیت کے ذریعے معین نہیں ہوگا۔

پھر اسکی وجہ بتائی تَعیِینُ العَبدِ لایُغَیِّرُ حُکْمَ الشَرعِ (اصول شاشی ج ۲ ص ۳۶) بندے کا معین کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا شرع شریف کے حکم میں تبدیلی کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ المطلَقُ یَجرِی عَلٰی اِطلاقِہٖ وَلا یَتَقَیَّد

بوصف اَوقید مِن قِبَلِ الرَّایِ وَالسَّمعِ وَلَا یُحمَلُ عَلَی المُقَیدِ اِلَّا اِذَا تَعَذّرَ الجَمعُ یعنی مطلق مطلق ہی رہتا ہے اس کو اپنی رائے سے کسی صفت یا قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا اور مطلق کو مقید پر حمل نہیں کر سکتے۔ ہاں جہاں ناممکن ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جا سکتا ہے (حاشیہ اصول شاشی ص ٦)

توان قواعد کو مدنظر رکھ کر بھی ہم حکم خداوندی اَنفِقُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ کو مقید نہیں کر سکتے نہ کسی جگہ کے ساتھ نہ کسی وقت کے ساتھ نہ کسی کیفیت کے ساتھ نہ کسی کمیت کے ساتھ اور جو چیز راہِ خدا میں دی جا رہی ہے اس کی تخصیص بھی نہیں کر سکتے کیونکہ مطلق حکم خداوندی کو مقید کرنا اور عدم حکم خداوندی کو مخصوص کرنا بندہ کو جائز نہیں بندہ کو حکم شرع میں تبدیلی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بندہ محکوم ہے حاکم نہیں ہے۔ اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ

النَّذرُ لِغَیرِ اللّٰہِ

یاد رہے کہ یہ ساری تقریر جواب تک آپ پڑھ چکے ہیں یہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی چیز محض اللہ تعالیٰ کے نام پر دی جائے اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی رحمتِ غیر متناہیہ سے ثواب کا امیدوار ہوتے ہوئے یہ کہے کہ اے رب میں نے یہ چیز جو محض تیری رضا کے لئے دی ہے اس کا

جو ثواب تو اپنی رحمت وفضل سے مجھے عطا فرمائیگا یا جو عبادت تیری رضا کیلئے میں نے کی ہے اس کا جو ثواب تو اپنی رحمت وفضل سے مجھے دے گا وہ ثواب میں نے اپنی خوشی رضا سے فلاں بندے کو دیا ہے آپ اس کو دیں۔ اس کا جواز ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے مگر اپنی طرف سے زمان مکاں کم کیف وغیرہ کی قیدیں لگانا منع ہیں۔ اس طرح بدعت بن جاتی ہے یہ طریقہ ایصال ثواب کا سنت نہیں رہتا۔

اس کی ایک دوسری صورت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز اس لئے دیتا ہے کہ وہ پیر یا فقیر جس کے نام پر میں چیز دے رہا ہوں یہاں کا حصہ ہے وہ اس پر خوش ہوں گے وہ میری امداد فرمائیں گے اور اس خیر خیرات کی برکت سے ہمارے مال اور اولاد میں برکت اور ترقی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا حکم جدا ہے اس کی تفصیل سننے کے لئے پہلے نذر کا مفہوم بیان کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص مصیبت وغیرہ میں یوں کہے کہ اگر میری مصیبت ٹل جائے تو میں اللہ کے نام پر دودھ دوں گا یا جلیبیاں تقسیم کروں گا یا جانور ذبح کروں گا یا روزے رکھوں گا یا سو رکعت نماز نفل ادا کروں گا یا حج کروں گا یا اعتکاف بیٹھوں گا تو یہ نذر اللہ کی ہوگی اسی کو منت، منوتی اور نیاز بھی کہتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مصیبت زدہ نہ ہو یونہی کہہ دے کہ خدا کے نام کا میرے

ذمے ایک ہفتہ کا روزہ لازم ہے ایک عشرہ کا اعتکاف میرے ذمے لازم ہے یا میں اتنی چیزیں اللہ کے نام کر دوں گا اللہ تعالیٰ مجھ پر راضی ہو جائے اور مجھے ہر طرح کے مصائب سے محفوظ رکھے۔

نذر کی ان ہر دو صورتوں میں نذر ماننے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جس کے نام پر میں یہ نذر مان رہاں ہوں یعنی اللہ تعالیٰ وہ میری ہر بات کو جانتا ہے وہ عالم الغیب ہے اسے مافوق الاسباب طاقت ہے نافع وضار ہے اگر یہ نذر مان کر میں نے اس کو پورا نہ کیا تو مجھے تکلیف دے سکتا ہے۔

یہ نذر عبادت ہے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے جیسے بحرالرائق ۲ص ۲۹۸ ردالمختار ۲ص ۱۳۹ فتاویٰ خیریہ اص ۱۷ وعالمگیر ط ہنداص ۱۳۹ ونہر الفائق وغیرہ کتب میں صراحۃً موجود ہے

اب اگر یہ نذر کی دوصورتوں میں سے کوئی سی ایک صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غوث قطب وابدال پیر فقیر ولی نبی کے لئے مان لی جائے تو یہ نذر غیر اللہ کی اور عبادت غیر اللہ کی بن جائے گی کیونکہ ان دونوں صورتوں میں غیر اللہ کو غیب دان متصرف فی الامور مافوق الاسباب مانا گیا ہے لہٰذا ایسی نذر شرک ہوئی اگر غیر اللہ کے نام پر اس اعتقاد سے کوئی چیز حسب قول فقہا (خصوصاً فقہائے احناف کثر ہم اللہ تعالیٰ) حرام ہوگی چنانچہ ردالمختار میں لکھا ہے کہ اِعْلَم اَنَّ

النَّذرَ الَّذِی یَقَعُ لِلاَموَاتِ مِنَ العَوام وَمَا یُوخَذُ مِنَ الزَّیتِ وَالشَّمعِ وَ نَحوِهَا مِمَّا یُنقَلُ اِلٰی ضَرَائِحِ الاَولِیَاءِ الکِرَام تَقَرُّباً اِلَیهِم فَهُوَ بِالاِجمَاعِ بَاطِلٌ وَّ حَرَامٌ وَقَدِ ابتُلِیَ النَّاسُ بِذٰلِکَ وَلَا سِیَّمَا فِی هٰذِهِ الاَعصَارِ یعنی اکثر عوام جو مرے ہوؤں کے لئے نذر دیتے ہیں، اور جو تیل چراغ وغیرہ اولیاء کی قبور کی طرف ان کا قرب حاصل کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اس پر تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیۃ کا اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ سب کچھ باطل اور حرام ہیں اور خصوصاً عہد حاضر کے لوگ اس حرام کام میں مبتلا ہو چکے ہیں پھر ابن عابدین شامیؒ اس پر حاشیہ لکھتے ہیں وَلَو نَذَرَ زَیتًا لِاِیقَادِ قِندِیلٍ فَوقَ ضَرِیحِ الشَّیخِ اَوفِی المَنَارَةِ کَمَا تَفعَلُ النِّسَاءُ مِن نَذرِ زَیتِ سَیِّدی عَبدِ القَادِرِؒ وَیُوقَدُ فِی المَنَارَةِ جِهَةَ الشَّرقِ بَاطِلٌ وَاَقبَحُ مِنهُ النَّذرُ بِالقِرَاءَةِ فِی المَنَارَةِ مَعَ اشتِمَالِهٖ عَلَی الغِنَاءِ وَاَکعَبَ وَاِیهَابُ ثَوَابِ ذٰلِکَ اِلٰی حَضرَةِ المُصطَفٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ یعنی مزار پر یا منارہ میں چراغ روشن کرنے کے لئے تیل چراغ وغیرہ چیزیں اولیاء اللہ کے تقرب کے لئے اور مشرق میں منارہ کے اندر روشن کیا جاتا ہے باطل ہے اور اس سے بھی قبیح ترین امر یہ ہے کہ منارہ میں گانے بجانے کے ساتھ تلاوت قرآن مجید اور اس کا ثواب حضور ﷺ کو پہنچانے

کی نذر مانے۔

جب کوئی شخص اپنی حاجات میں اولیائے کرام کے تقرب کے لئے نذر مانتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب وہ ولی، نیک بندہ میری نذر پر مطلع ہے اور میری مدد کرے گا اسی کا نام تقرب ہے اسی لئے ابن نجیم نے حرمت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے وَمِنْهَا اَنَّهٗ ظَنَّ اَنَّ الْمَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِي الْاُمُوْرِ دُوْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ ذٰلِكَ كُفْرٌ وَاَنَّ الْاَوْلِيَاءَ الْكِرَامَ يَتَصَرَّفُوْنَ فِي الْاُمُوْرِ مِنَ النَّفْعِ وَالضَّرَرِ وَذٰلِكَ كُفْرٌ یعنی ان وجوہ حرمت میں سے ایک وجہ حرمت کی یہ بھی ہے کہ اس نذر ماننے والے نے یہ گمان کرلیا ہے کہ میت کاموں میں تصرف کرتا ہے اللہ کے نیچے حالانکہ یہ عقیدہ کفر ہے۔

حضرت ابن العابدین صاحبؒ نے فرمایا لَمْ يَثْبُتْ فِي الشَّرْعِ جَوَازُهٗ لِلْاِجْمَاعِ عَلٰى حُرْمَةِ النَّذْرِ لِلْمَخْلُوْقِ لِاَنَّهٗ حَرَامٌ بَلْ سُحْتٌ وَلَا يَجُوْزُ لِخَادِمِ الشَّيْخِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فَقِيْرًا فَيَجُوْزُ اَخْذُهٗ عَلٰى سَبِيْلِ الصَّدَقَةِ الْمُبْتَدَاءَةِ وَاَيْضًا مَكْرُوْهٌ تَحْرِيْمًا مَا لَمْ يَقْصِدِ النَّاذِرُ التَّقَرُّبَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَيَقْطَعِ النَّظْرَ عَنْ نَذْرِ الشَّيْخِ وَيَقْصِدُ صَرْفَهٗ عَلَى الْفُقَرَاءِ یعنی مخلوق کے لئے نذر ماننے کی حرمت پر اجماع ہونے کی وجہ سے شرع شریف میں اس کا جواز ثابت نہیں ہے کیونکہ یہ حرام ہے اور خادمِ شیخ

کے لئے بھی اس کا لینا جائز نہیں۔ ہاں فقیر ہو تو صدقہ کے طور پر لے لینا جائز ہے اور جب تک نذر دینے والا تقرب إلی اللہ کا ارادہ نہ رکھے۔ شیخ کی نذر سے قطع نظر نہ کرے اور فقیروں پر اس کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرے۔ اس کا لینا مکروہ تحریمی ہے۔

اور پہلے بحر الرائق کا حوالہ گزر چکا ہے کہ من جملہ وجوہ حرمت کے ایک وجہ حرمت کی یہ بھی ہے کہ نذر عبادت ہے اور عبادت کرنا غیر اللہ کی کفر ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر اللہ کی نذر دیں اور اعتقاد یہ ہو کہ فلاں پیر یا پیغمبر میرے حالات سے واقف ہیں اور مافوق الاسباب کام میں میرے متصرف ہیں تو ایسی نذر حرام ہے اور نذر دینے والا کافر ہے۔ اس صورت کو کسی نے مکروہ نہیں لکھا بلکہ تمام اسے کفر و شرک اور حرام قطعی کہتے ہیں۔ لینے اور کھانے کی اجازت صرف ایک صورت میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ مسلمان ہو مشرکوں پر فتح پائے ان کے بتوں کو توڑے ان کی نیازات چھین لے تو کھانا جائز ہے یا وہ نذر دینے والا عقیدۂ شرکیہ سے توبہ کرے پھر وہ چیز بطور ایصال ثواب دے تو اس کا لینا دینا اور کھانا کار ثواب ہے۔ ح۔

تفسیر احمدی

تفسیر احمدی میں جو لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کھانا جائز ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ ناذر کا مشرکانہ عقیدہ بدل گیا۔ تب اس کا کھانا جائز ہے جیسا کہ اس کے متعبہ سے مترشح ہوتا ہے اور شاہ عبد العزیز کا فرمان آرہا ہے

اگر کسی نے نذر غیر اللہ جانور اسی عقیدہ مشرکانہ کے تحت ذبح کر دیا اس کے بعد اس کا مشرکانہ عقیدہ اسلامی عقیدہ میں تبدیل ہو گیا تب بھی اس جانور کا کھانا حرام ہے کیونکہ اس کے مشرکانہ عقیدہ کے لئے اس کا فعل مختص ہو چکا ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ بوجہ ملک کسی کا بکرا وغیرہ کہنا درست ہے۔ مثلاً فلاں کی بھینس ہے یا فلاں کا بکرا ہے یہ جائز ہے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے یہ نسبت اضافۃ کی گئی ہے۔ مگر کسی کے تقرب کے لئے نامزد کرنا حرام ہے۔ مثلاً پیر کے لئے بکرا ہے کیونکہ پیر صاحب مالک نہیں (ان المیت لا یملک)

لا ید للمیت (۳ص ۲۱۰ ھدایہ) لان الید للحی لا للمیت ۳ص ۲۰۰ ھدایہ

یہاں تقرب ہوتا ہے اور اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب فلاں بزرگ کی روح کو پہنچے تو یہ جائز ہے بلکہ بطور صدقہ کسی کے نام پر کوئی چیز مقرر کرنا منع نہیں جس طرح حضرت سعدؓ نے اپنی ماں کے لئے کنواں بطور تصدق بنایا تھا۔

عبادات مالیہ کا ثواب بخشنا اتفاقاً جائز ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور غیر اللہ

کی نذر کی حرمت پر اجماع ہے۔ نزاع البتہ اس میں ہے کہ جو نذریں عوام دیتے ہیں کیا ان میں غیر اللہ کا تقرب مراد ہوتا ہے یا نہیں اس لئے اسے بعض نے مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ اور جو نذر اولیاء اللہ کے تقرب کے لئے دی جائے اس کو سب نے حرام قطعی لکھا ہے۔ کسی امام کا اس میں اختلاف نہیں اختلاف عوام الناس کی نذروں میں ہے کہ وہ غیر اللہ کی تقرب کے لئے ہوتی ہیں یا تصدق کے لئے اگر کوئی جانور اولیاء اللہ کے تقرب کے لئے نذر دیا جائے تو وہ ناذر (نذر ماننے والا) مرتد ہوگا اور اگر اسی ارادے کے تحت اس نے ذبح کیا تو وہ ذبیحہ مرتد کا ہوگا اگر چہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہے (تفسیر رازیؒ ۲ص ۸۱)

تفسیر نیشاپوری ۲ص ۱۲۰ میں ہے وقال علماء نا لو ان مسلماذبح ذبیحۃ و قصد بذبحھاالتقرب الیٰ غیر اللّٰہ صار مرتد او ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد ولو ذکر اسم اللّٰہ علیہ یعنی ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی مسلم نے جانور ذبح کیا اور اس سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کیا تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کا مذبوحہ مرتد کا مذبوحہ ہے اگر چہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے (فتاویٰ شاہ عبدالعزیز)

قَالَ فِی الروض ان المسلِمَ اذَا ذَبَحَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وسَلَّمَ کَفَرَ فَکَیفَ بِالذِّبحِ لِسَائِرِ الاَموَاتِ

صاحب الروض نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان نے نبی علیہ السلام کے تقرب کے لئے ذبح کیا تو کافر ہو گیا تو تمام دیگر اموات کے لئے ذبح کرنے سے کیسے کافر نہ ہوگا **وفی مسند احمد لَعنَ اللّٰهُ مَن ذَبَحَ لِغَیرِ اللّٰهِ ای لِتَعظِیمِ غَیرِ اللّٰهِ**

مسند احمدؒ میں ہے کہ جس نے غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا خدا اس پر لعنت کرے

فتاوی غرائب لابی عبید اور فتاوی ابواللیث میں ہے مہمان کی خاطر جانور ذبح کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ کی تعظیم اور اللہ کا قرب مقصود ہو تو اس سے وہ جانور حرام نہیں ہوتا دوسری صورت یہ ہے کہ مہمان کی تعظیم اور اس کا قرب مقصود ہو تو تب یہ جانور حرام ہوگا اور ذبح کرنے والا مشرک ہوگا کیونکہ ذبح کے معاملہ میں غیر اللہ کو اللہ کیساتھ تعظیماً شریک کیا تو **مَا اُهِلَّ لِغَیرِ اللّٰهِ** کے تحت آ گیا پھر اس کے حلال ہونے کی شرط ہے کہ اپنی خالص نیت تقرب اللہ کی کرے (پہلے عقیدہ سے توبہ کر کے) اور نئے سرے سے بسم اللہ اللہ اکبر کہے اور ذبح کرے اور اگر خالص تعظیم الٰہی کا ارادہ ذبح کے وقت نہ تھا بلکہ آدمی (وغیرہ) کا تقرب مقصود تھا تو اس جانور کے ذبح کے وقت اگرچہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھے تب بھی حلال نہ ہوگا سو اس بناء پر جو جاہل لوگ پیر فقیروں کے قبور

پر یہ کام کرتے ہیں.......... یہ سب حرام ہیں اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں بلکہ اس طرح وہ کافر ہو جاتے ہیں شیخ امام ابو عبداللہ خراخزی اور شیخ امام ابو حفص سکروری اور قاضی امام ابو علی نسفی اور حاکم ابو عبدالرحمٰن کاتب اور شیخ امام عبدالواحد اور شیخ ابو اسحٰق توقدی اور حاکم ابو محمد کنینی وغیرہ صاف اس کو کافر کہتے ہیں (فتاویٰ غرائب ورق ۲۹۹ ص ۱)

امیر (بادشاہ) اور اس کے سوا کسی بڑی ہستی کے آنے پر جو جانور ذبح کیا اگرچہ اس پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا جائے وہ ما اہل بہ لغیر اللہ ہے۔ لہٰذا وہ حرام ہے اور اگر مہمان کو کھلانے کے لئے ذبح کیا تو یہ حلال کیونکہ مہمان کی خاطر داری کرنا خدا کا حکم ہے۔ امام بزازیؒ نے کہا ہے کہ جو اس کو حلال نہیں سمجھتا ہے تو اس نے قرآن وحدیث اور عقل کے بھی خلاف کہا۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ قصّاب نفع کی خاطر جانور ذبح کرتا ہے۔ اگر اس کو یہ پتہ ہو کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح ہی نہ کرے تو اس جاہل پر لازم ہے کہ قصاب کا ذبح کیا ہوا نہ کھائے اور نہ وہ گوشت کھائے جو کہ ولیموں، شادیوں اور عقیقہ کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اور اصل میں فرق کرنے والی چیز یہ ہے کہ اگر کھانے کے لئے لایا ہے تو ذبح اللہ کی رضا کے لئے ہوئی اور فائدہ مہمان کو ہوا یا ولیمہ کا کھلانا ہوا یا شادی یا عقیقہ یا بیچ کر نفع مقصود ہے۔

اور اگر کھانے کے لئے نہیں لایا بلکہ دوسرے کی تعظیم مقصود ہے تو یہ لغیر اللہ بن کر حرام بن گیا اب رہی یہ بات کہ وہ ذبح کرنے والا کافر ہے یا نہ؟ اس میں دو قول ہیں منیہ کی کتاب الصید میں لکھا ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے مگر وہ آدمی کافر نہیں ہوتا کیونکہ مسلمان کے متعلق ہم یہ بدظنی نہیں رکھتے کہ مسلمان ہو کر کسی آدمی کا تقرب حاصل کرے اس ذبح کے ذریعے کیونکہ مسلمان کی شان سے یہ امر بعید ہے بلکہ ظاہر ہے (رد المحتار ۵ ص ۲۷۰، بحر الرائق ۸ ص ۲۶۹)

قرطبی نے لکھا ہے کہ ابن عطیہ نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ ان سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک عورت نے دعوت محض خاوند کی خوشنودی کے لئے بنائی جس میں کئی اونٹ ذبح کیے تو حسن بصری نے فتویٰ دیا کہ وہ گوشت نہ کھایا جائے کیونکہ یہ اونٹ صنم (بت) کے تقرب کے لئے ذبح کیئے گئے ہیں (گویا خاوند بمنزلہ بت کے سمجھا گیا)

نیز قرطبی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؓ سے پوچھا گیا کہ عجمی لوگ اپنی عیدوں کے دنوں میں جانور ذبح کر کے مسلمانوں کو بطور تحفہ کے بھیجتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے یا نہ؟ آپؓ نے فرمایا اس دن جو ذبح کیا گیا ہے اس میں سے مت کھاؤ۔ اور ان کے درختوں کے پھل کھا سکتے ہو (تفسیر ابن کثیر ۲ ص ۳۸۲)

تفسیر عبد الصمد میں ہے امام ابو عاصم عامری محمد بن احمد نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر بادشاہ شہر میں داخل ہوا اور لوگ اس کے تقرب کے لئے جانور ذبح کریں اور ان کا خون بہائیں تو اس میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں کیونکہ یہ ما اہل بہ لغیر اللہ ہے اور اس ذبح سے غیر کا تقرب حاصل کیا گیا ہے۔

امام جصاص حنفیؒ نے فرمایا ہے کہ ہمیں علم ہے کہ منکر اپنے جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھیں پھر بھی کھایا نہ جائے...... اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں اس امر کی تصریح فرمائی کہ مشرک لوگوں کی ذبیحہ حرام ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا نہ لیں (احکام القرآن ۳ ص ۷)

جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے یعنی مشہور کیا جائے تو اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر اس کو ذبح کیا جائے بہر حال وہ حرام ہے۔ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر ذبح میں غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو تو وہ خود مرتد ہے اور اس کا ذبیحہ حرام ہے (حاشیہ بیضاوی ص ۱۲۳)

یہ فعل حرام ہے اور مجوسی کے ذبح کردہ جانور کی طرح یہ ذبح حلال نہ ہوئی بلکہ مردار ہے (حاشیہ کنز ص ۸۸) جو مردوں کے معتقدین ان کی قبروں پر ذبح کرتے ہیں وہ ما اہل بہ لغیر اللہ ہے۔ بتوں کے نام ذبح کیا ہوا اور اسکے درمیان کچھ فرق نہیں ہے (فتح حاشیہ جامع البیان ص ۲۶)

اِمامِ رَبَّانیؒ کا عقیدہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا ہے جن جانوروں کو لوگ اپنے مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں کے سرہانے جا کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں فقہی روایات میں اس عمل کو شرک میں داخل کیا ہے اور اس معاملہ میں انہوں نے بڑا زور دیا ہے اور اس ذبح کو ان ذبائح جن کے قبیل سے شمار کیا ہے کہ یہ شرعی ممنوع ہے اور داخلِ شرک۔ اس عمل سے بھی بچنا چاہیے کہ اس میں شرک کی ملاوٹ ہے یہ کس کام کی بات ہے کہ جانور کے ذبح کی نذر مانیں اور اس کو ذبح کریں اور جنوں کی مذبوحہ کے ساتھ ملحق کر کے جن کے پجاریوں کے ساتھ تشبہ پیدا کریں (مکتوب ۴۱ دفتر سوم ص ۷۰ از مکتوبات امام ربانی)

قرآن مجید اور غیر اللہ کا نذرانہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا وَجَعَلُوا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الحَرثِ وَ الاَنعَامِ نَصِیباً فَقَالُو اھٰذَا لِلّٰہِ بِزَعمِھِم وَھٰذَا لِشُرَکَائِنَا فَمَا کَانَ لِشُرَکَائِھِم فَلَایَصِلُ اِلَی اللّٰہِ وَ مَاکَانَ لِلّٰہِ فَھُوَ یَصِلُ اِلٰی شُرَکَائِھِم سَاءَ مَایَحکُمُونَ ۔

اور یہ کافر اللہ کی پیدا ہوئی کھیتی اور اسی کے پیدا کئے ہوئے مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کا مقرر کر دیتے ہیں پھر یہ کافر اپنے خیال فاسد کی بنا پر یوں کہتے ہیں کہ اتنا حصہ اللہ کا اور اتنا حصہ ہمارے مقرر کردہ معبودوں کا ہے پھر جو حصہ ان کے مقرر کردہ بتوں کا وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کیلئے ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتا ہے کیا ہی برا ہے وہ حکم جو یہ کافر لگاتے ہیں۔

فوائد زمانہ جاہلیت میں مشرکین کا طریقہ تھا کہ وہ اپنی کھیتی میں سے اور مویشی کے بچوں میں سے اور درختوں اور تمام مالوں میں سے ایک حصہ تو اللہ تعالیٰ کا نکالتے تھے اور ایک حصہ بتوں کی نیاز نکالتے تھے تو جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کرتے تھے وہ مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کر دیتے تھے اور جو بتوں کے لئے مقرر کرتے اگر اس میں سے کچھ بتوں والوں کے حصہ میں مل جاتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر بتوں والوں کے حصہ میں سے کچھ اس میں ملتا تو اس کو نکال کر پھر بتوں ہی کے حصہ میں شامل کر دیتے اور بہانہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کا حصہ کم ہو جائے تو کیا پروا ہے خلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں (تماشا یہ ہے کہ وہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہ تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان کو معبود و مستعان ٹھہرانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ بہرحال ان آیات میں سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ سے مشرکین کی اس تقسیم کا رکارڈ کیا گیا ہے۔ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے

اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ لگانا، پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔ جو کوئی لنگر کی تعریف ہمارے نزدیک کریگا اس کو دونوں جہان میں خوشی ملے گی

کھنڈ ادھیائے ۳ ۷ص ۹۵ حصہ دوم گرشن نے فرمایا ہم دوارکا میں گئے اور واسطے حصول فتح کے دشمنوں پر آپ من کی ہدایت سے کا بدآ سرم میں سات ماہ تک شیو کی عبادت کی کھنڈ آ دھیائے اول ص ۷ ۷ا حصہ دوم بشن ان بیر ہما کو فرمایا چترک پہاڑ پر شہر آباد کر کے لنگ قائم کر۔ ہم وستر تھے کے اوتار لے کر وہاں مقیم ہوں گے۔ بہر ڈنڈک بن کو جا کر پرمیشور یعنی خداوند رام النگ کو قائم کریں گے اس کی خدمت کر کے بعد حصول بر کے رواں کو نابود کریں گے۔ بدوں خدمت شیو کے کوئی کام انجام پذیر نہیں ہوتا۔ یہ بات ہم راست کہتے ہیں اس لئے تم کو واجب ہے کہ شیولنگ کو قائم کر کے جنگ شروع کرو۔ ہم رام اوتار لے کر ان ستش اسی مقام پر کریں گے۔ کھنڈ ۱۱۸ دھیائے ۲ص ۱۱۰ حصہ ۱۰۔ چنانچہ شیو اس مقام پر ظاہر ہوئے جن کے درشن کو ہجوم دیوتوں و تیشر وں کا ہوا تھا اور تمام تیر تھ وڑا آئے بشن وغیرہ سب کے قول سے یہ قرار پایا کہ واسطے عبادت کے شیو سے زیادہ کوئی اور اعلیٰ نہیں کیونکہ بید کا یہی حکم پایا گیا۔ کھنڈ ۱۲ ادھیائے ۳۷ص ۲۱ حصہ اول امبری برمہا جی فرماتے ہیں وہاں سب جنگ شیو وغیرہ نے ان کی پوجا کر کے پر

نام کیا۔ اور جو کوئی ان کی پرستش کرتا ہے اس کے بلاشبہ سب کام برآتے ہیں۔ انہوں نے سب قسم کی اپنے بھگتوں کو نجات دی ہے

(حاشیہ تحفۃ الہند ص ۵۵ تا ۵۶)

کرشن یعنی کنہیا۔ رام چندر ہ دسرت کا بیٹا سیتا اس (رام چندر) کی بیوی۔ لچھمن اس (رامچندر) کا بھائی۔ ان کی مورتیں پوجتے ہیں اور ان کی تعظیم میں گاتے ڈھولک سارنگی وغیرہ بجاتے ناچتے کودتے (تحفۃ الہند ص ۵۴،۵۵)

دیکھئے بشن۔ مہادیو۔ سورج۔ نارائن۔ برہم۔ شیو۔ کرشن کنہیا۔ رام چندر۔ لچھمن۔ سیتا وغیرہ۔ یہ سب ہندوؤں کے اعتقاد میں بزرگ اور واجب التعظیم ہستیاں ہیں وہ انسان تھے جو فوت ہو چکے ہیں اب وہ ان کی مورتیاں بنا کر ان مورتیوں کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف منہ کر کے ان بزرگوں کی عبادت پوجا اور تعظیمی امور بجا لاتے ہیں وہ ان پتھروں کو جنہیں اپنے ہاتھ سے گھڑتے اور رکھتے پھرتے ہیں، وہ اتنا نہیں پوجتے جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے اسی لئے تحفۃ الہند والے نے ہندوؤں کے سوال اور مسلمانوں کی طرف سے جواب کو ذیل کی تعبیر سے ادا فرمایا ہے

اور جو کوئی ہندو یہ کہے کہ یہ معاملہ (عبادت اور پوجا پاٹ) اصل میں ان بزرگوں سے ہے جن کا نمونہ ہیں بت۔ تو اس کا جوب یہ ہے کہ عبادت اس کی کیجئے جس

نے سب کچھ بنایا اور سب اسی کے محتاج اور سوالی ہیں اور وہ سب کا سوال پورا کر سکتا ہے اور ہر چیز کو ہر وقت جانتا دیکھتا ہے اور ہر کسی کی فریاد ہر وقت سنتا اور پر لے سرے کا زور رکھتا ہے (ص ۵۴) اس سے پہلے لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے معبود بے شمار ہیں چنانچہ ان معبودوں کے نام پر طرح طرح کے بت بنا کر پوجتے ہیں اور ان کی تعظیم میں سولہ کام بجالاتے ہیں۔

1. آباہن یعنی منتر پڑھ کر دیوتا کو بلانا
2. سنگھاسن یعنی پیتل وغیرہ کا تخت بت کے نیچے رکھنا
3. سنان یعنی غسل دینا
4. لیپن یعنی چاول چڑھانا
5. اچھت یعنی پھول چڑھانا
6. پشپ یعنی پھول چڑھانا
7. نی وید یعنی بھوگ لگانا
8. اچمان یعنی پانی پلانا
9. تنبول یعنی پان وغیرہ چڑھانا
10. بستر یعنی پوشاک پہنانا
11. بھوشن یعنی زیور پہنانا

⓬ دھوپ یعنی خوشبو جلانا

⓭ دیپ یعنی چراغ دکھانا

⓮ یعنی دیپ یعنی چراغ دکھانا

⓯ استت یعنی سراہنا

⓰ پرکرما یعنی طواف کرنا

اور بعض اور امور تعظیم کے بھی کرتے ہیں چنانچہ

⓱ ساشٹانگ ڈنڈوت یعنی سات آٹھ اعضاء کی سجدہ کرنا اور اس سے دین و دنیا کی حاجات طلب کرنا پھر

⓲ بسرجن کرنا یعنی منتر پڑھ کر دیوتا کو رخصت کرنا۔

الحاصل تقریر بالا سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ مشرک اپنے بزرگوں کی پوجا کرتے ہیں جن کو وہ شکتی مان (مقدور والا) سمجھتے ہیں مثلاً چاند کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ چاند نرے من کا بڑا بیٹا ہے کہ پالنے والا جہان کا ہے (حاشیہ تحفۃ الہند ص ۶۰) اور بت صرف ان بزرگوں کی یادگار ہوتی تھی جیسے آج کل فوٹو یادگار رہوتے ہیں۔

ایک مشہور اعتراض

سوال:۔ یہاں سے ایک سوال اٹھتا ہے کہ یہ تو مذمت ان مشرکین کی ہے جو کہ بتوں کے نام کا ایک حصہ مقرر کر لیتے تھے اور آج کل جو مسلمان ہیں یہ بتوں کے لئے تو حصہ مقرر نہیں کرتے یہ تو خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ اولیاء اللہ پیر و فقیر اور پیغمبروں کو ماننے والے ہیں تم خواہ مخواہ ان عاشقانِ اولیاء اور فدایانِ انبیاء علیہم السلام پر بتوں والی آیات چسپاں کرتے ہو یہ کہاں کا انصاف ہے۔

اعتراض کا جواب

اس شخص کی زبانی سنیں جسکے آباؤ اجداد ہندو برہمن تھے اور خود بھی ایک عرصہ تک ہندو رہا پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے مشرف با اسلام کیا۔ پھر ہندوؤں کے ساتھ مناظرے بھی کرتا رہا اور اس طرح بہت سے ہندو سکھ مشرف با اسلام ہوئے یعنی عبید اللہ سابق اننت رام پسر کوٹے مل ساکن پایل ریاست پٹیالہ "مہا بھارت فصل راج دھرم میں ہے سری کشن گفت کہ من از روئے اعتقاد پرستش برہمناں می کنم و ہر صباح دست بر سینہ نہادہ ہزار بار نام مہادیو را تسبیح ی کنم "اسکندھ پوران ادھیائے ۲۱ بشن بھگواں نے فرماید" وقتیکہ جلندھر از دستِ من کشتہ نمی شد بسیار عبادتِ مہادیو کردہ ام اسکنڈھ پوران ادھیائے ۵۱۔ ایک دن

سورج نے کاشی میں آ کر نارائن کہ بصورت لنگ ہو وہاں تھا اس کی پوجا کرے اور عرض کیا کہ آپ سب کے خالق اور رب اور مارنے والے ہیں۔ کوئی آپ سے بڑا ہے۔ جس کو پوجتے ہو؟ فرمایا میں مہادیو کی پوجا کرتا ہوں۔

اسکندھ پوران ادھیائے ۹: ہر کہ پرستش سورج گذاشتہ دیگر دیوتا رامی پرستد بدوزخ می رود تمام بیدرا پرستش سورج ضرور است۔

مہابھارت کی موچھ دھرم میں ہے کہ نرآور فارا آن نے نارو سے کہا ہم اس کو پوجتے ہیں جو مخفی ہے اور اس کے سوا کوئی لائق پرستش کے نہیں اور برہما اور مہادیو وغیرہ اس کے حکم سے دیوتا اور بھیرون کو پوجتے ہیں۔

مہابھارت کے بن پرب میں ہے کہ کشن جیو نے پانڈوں سے آگ کی پوجا کرائی گنیش پوچھ دھرم میں ہے کہ بھیشم پابن نے کہا اول بیاس راسجدہ می کنم بعد ازاں کپل دو کیشر ان دیگراں را۔

شیو پوران گھنڈواں ادھیائے ۷ ص ۲۳ حصہ اول میں لکھا ہے کہ برہما بشن نے مہادیو سے کہا کہ ہم کو طریقہ پرستش کا بتلائے فرمایا۔ میں نے جو تم کو ہر لنگ کی صورت دکھائی تھی واجب ہے کہ اس کی پرستش کرو۔ دنیا وعقبیٰ میں خوشی ہوگی۔ آفت کے وقت ہمارے لنگ کی پرستش جو کوئی کرے گا اس کے تمام گناہ حل ہو جائیں گے۔

ہندوؤں کا اعتراض

اس مقام میں ہندوؤں کا یہ سوال ہے کہ اے مسلمانو! تم نے جو............... ہمارے دین پر اعتراض کئے ہیں سو یہ سارے اعتراض تمہارے دین پر بھی آتے ہیں اور سوائے خدا کے اوروں کو معبود ٹھیرانا اور حاجت روا اور نفع نقصان کا مختار سمجھنا تمہارے دین میں بھی ہے۔ ہم اکثر مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ کوئی کسی کی قبر کو پوجتا ہے، ناک رگڑتا ہے، چڑھاوا چڑھاتا ہے حاجات طلب کرتا ہے، کوئی سید سلطان کے نام کا جانور ذبح کرتا ہے، کوئی سوامن کا روٹ دیتا ہے، کوئی حضرت امام ضامن کا پیسہ بازو پر باندھ کر ان کو اپنا اپنا نگہبان جانتا ہے، اور کسی نے حضرت پیر دستگیر کو اپنا معبود ٹھیرا رکھا ہے اور اپنی حاجت روائی کے واسطے ان کی گیارہویں کرتا ہے اور کوئی ان کی قبر کی طرف منہ کر کے ہاتھ باندھ کر گیارہ قدم چلتا ہے اور کہتا ہے یاشیخ عبدالقادر شیاءً للّٰہ یعنی عبدالقادر کچھ دو واسطے خدا کے، اور کوئی کہتا ہے یا شیخ عبدالقادر المدد، اور کوئی کہتا ہے یا محی الدین تم بن کون لے میری خبر، اور کوئی کہتا ہے بوہر شتاب خبر لے میراں! کیوں اتنا چہ لایا ہے (یعنی دیر لگائی) اور کوئی کہتا ہے اول محی الدین آخر محی الدین ظاہر محی الدین باطن محی الدین، اور کوئی پیر دستگیر کے نام پر چراغ جلا کر ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے، اور کوئی پیر دستگیر کے نام پر جھنڈا کھڑا کر کے اس کی

تعظیم کرتا ہے اور کوئی حضرت امام حسینؓ کا تعزیہ بنا کر رزق اور اولاد طلب کرتا ہے کوئی سالار اور شاہ مدار سے حاجات مانگتا ہے، اور کوئی خواجہ معین الدین کی قبر سے مال وزر طلب کرتا ہے، اور کوئی پیروں سے نفع کی امید اور نقصان کا خوف رکھ کر ان کی نیاز دیتا ہے جیسے بابا فرید شکر گنج کی کھچڑی، شاہ عبدالحق کا توشہ، حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا کونڈا، حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی حاضری تین کوڑی کی نینز پیر نصیر کی، پیر نبوی کا نمک، بندگی صاحب کی قبر کا غلاف، اور کوئی حضرت شاہ قمیص کی قبر کو پوجا کرتا ہے، اور کوئی حضرت بو علی قلندر کی قبر کی پوجا کرتا ہے، اور کوئی حضرت شیخ صدر الدین مالیری کی قبر کو پوجتا ہے بکری وغیرہ چڑھاتا ہے، اور کوئی شاہ عنایت ولی کے نام پر چراغ جلاتا ہے اور نیاز مانتا ہے، اور کوئی کسی کے نام پر مٹھی نکالتا ہے اور کوئی کسی کے حق میں جب دعا کرتا ہے تو اللہ کے نام کے ساتھ اوروں کے نام ملا دیتا ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ اللہ اور پنج تن تجھ کو راضی رکھیں، اور کوئی کہتا ہے اللہ اور پیر تی مشکل آسان کریں، اور کوئی کہتا ہے اللہ اور رسول تجھ پر فضل کریں، اور کوئی کہتا ہے اللہ اور غوث الاعظم تیری مراد پوری کریں، اور کوئی کہتا ہے کہ پیر صاحب محبوب پاک تجھ کو خوش رکھے، اور بعض پیر زادے کہتے ہیں دادا پیر تجھ کو خوش رکھے، جدِّ پاک تیری حاجت برلاوے اور کوئی اللہ کے نام کی طرف بزرگوں کے نام کا وظیفہ کرتا ہے جیسے کوئی کہتا ہے یا علی کوئی

کہتا ہے یا حسین۔کوئی کہتا ہے یا میراں کوئی کہتا ہے یا بھیکہ اور یہ بھی جانتے ہیں یہ بزرگ ہماری فریاد ہر وقت سنتے ہیں۔اور ہمارے حال کی خبر رکھتے ہیں۔اور بعض لوگ اپنے پیر کی صورت کا تصور باندھتے ہیں اس عقیدہ سے کہ پیر کو ہمارے حال کی خبر ہے اور کوئی اپنے بیٹیوں کی زندگی اپنے پیروں سے مانگتا ہے اور اولاد کے جیتے رہنے کی ان کے نام پیروں کی طرف نسبت کرتا ہے۔کوئی اپنی اولاد کا نام امام بخش رکھتا ہے,کوئی پیر بخش,کوئی علی بخش,کوئی حسن بخش,کوئی حسین بخش, کوئی میراں بخش,کوئی سالار بخش,کوئی عبدالنبی,کوئی عبدالرسول اور کوئی اپنی اولاد کے سر پر کسی پیر کے نام کی چوٹی رکھتا ہے,کوئی کسی کے نام کی بدھی ڈالتا ہے۔ جیسے محرم میں لڑکوں کے گلے میں سرخ ڈورے ڈالتے ہیں۔سبز کپڑے پہناتے ہیں اور کوئی بابا فرید کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے اور کوئی کسی کے نام پر جانور ذبح کرتا ہے,اور کوئی کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے اور کوئی لڑکوں کی بیماری میں سیتلا کو پوجتا ہے کسی کی عورت میراں زین خان کے نام پر بیٹھک دیتی ہے,اور بعض مرد اور عورت جانوروں کی آواز سے بدشگونی وغیرہ لیتے ہیں اور بعض تمہارے ملاں کتاب میں فال دیکھ کر کسی کو بتلاتے ہیں کہ تجھ پر پیر صاحب خفا ہیں اس واسطے تیرا لڑکا بیمار ہے,کسی کو بتلاتے ہیں کہ تجھ پر سید سلطان کی خفگی ہے اس واسطے تجھ پر رزق کی تنگی ہے۔ان کی نیاز ادا کر یا اور کسی کو سیاہ پری لال پری کی ناراضگی

بتلاتے ہیں اور ان کی پوجا کرواتے ہیں۔
اور ہم جو اپنے معبودوں کے نام پر سالگرام اور مہادیو کا لنگ وغیرہ رکھ لیتے ہیں تم لوگ بھی اپنے پیروں کے نام کی چھڑی اور جھنڈی کھڑی کرتے ہو۔
اور ہم اپنے معبودوں کی مورتیں بنا کر پوجتے ہیں تم قبروں کی صورتیں بنا کر پوجتے ہو۔ جیسے تعزیہ، پیر خانہ، چلہ خانہ، چنانچہ لدھیانہ میں ایک خانقاہ پیر صاحب کے نام سے مشہور ہے اور وہاں جا کر سیکڑوں آدمی سجدہ کرتے ہیں چڑھاوا چڑھاتے ہیں، روشنی کرتے ہیں۔
اور ہم دیوی کے نام پر جت (چراغ) جلاتے ہیں اور تم بڑے پیر کے نام پر چراغ جلاتے ہو اور ہمارے بلدیو کا چبوترہ ہے۔ تمہارے امام کا چبوترہ ہے اور ہمارا ٹھاکر دوارہ ہے اور تمہارے امام کا دوارہ ہے امام باڑہ ہے۔
اور ہم کشن جی کی عبادت میں گاتے بجاتے ناچتے کودتے ہیں تم اپنے پیر کے نام پر مجلسیں تیار کر کے ڈھولک سارنگی طبلہ بجوا کر راگ سنتے ہو ناچتے کودتے ہو اور تمہارے دین کے بڑے بزرگ صوفی اس طور کی مجلس کو عبادت سمجھتے ہیں اور اس میں وضو کر کے بیٹھتے ہیں اور بعض مسلمان قبروں کی تعظیم میں کسبیاں بھی نچواتے ہیں اور ہم پر تم نے اعتراض کیا تھا کہ ہندو کھیل تماشے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ دیکھو یہ مجلس اور طبلہ سارنگی اور کسی کا ناچ بھی تو کھیل اور تماشا ہی ہے۔

پھر جب کہ یہ سب قباحتیں اور سوائے خدا کے اوروں کو نفع نقصان بخشنے والا سمجھنا تمہارے دین میں بھی موجود ہے پھر ہم پر تمہارا اعتراض بے جا ہے۔

اعتراض کا جواب

ہماری تمہاری گفتگو دین کے مقدمہ میں ہے۔ اور ہمارے دین کا اصل قرآن اور حدیث ہے اور تمہارے بید اور شاستر ہیں۔ سو ہم نے تمہارے دین کے جن کاموں پر اعتراض کیا ہے سو وہ سب کام تمہارے بید اور شاستروں میں روا ہیں۔ جو ہم نے جھوٹ کہا تو تم ہمارا ہاتھ پکڑ کر کہو کہ یہ بات تمہارے دین میں روا نہیں اور تم نے ہم پر جو اعتراض کیا ہے کہ تمہارے دین میں سوائے خدا کے اوروں کو معبود ٹھیرانا درست ہے اور سوائے اس کے اور بہت سی باتیں جو بے سمجھ مسلمانوں میں رائج ہیں ان پر تم نے من بھر کر اعتراض کر لئے۔ سو یہ اعتراض ہمارے دین پر نہیں آ سکتے۔ ان باتوں میں ہمارے دین میں ایک بھی روا نہیں اور یہ سب باتیں قرآن و حدیث کے برخلاف ہیں اور ایسی باتوں کو ہمارے دین میں شرک اور بدعت کہتے ہیں

شرک یعنی کسی اور کو اللہ کا شریک بنانا اور بدعت وہ کام ہے کہ حضرت پیغمبر ﷺ کے زمانے میں اور ان کے اصحاب ؓ کے وقت میں نہ ہو اور لوگ اس کو دین کا کام سمجھنے لگیں

اور ہمارے دین میں شرک اور بدعت کے برابر اور کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور یہ کام بعض جاہل مسلمانوں نے تمہارے ہندوؤں کی صحبت سے اختیار کر لئے ہیں سو ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ کچھ ہمارے دین میں یہ کام جائز نہیں بلکہ سراسر مخالفت حکم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ہیں اور ہمارے دین میں جتنا شرک کی برائی کا ذکر ہے اتنا اور چیز کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ یعنی اللہ شرک کو نہ بخشے گا اور سوا اس کے جس کو چاہے بخشے گا اور اپنے حبیب محمد ﷺ فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ یعنی تو کہہ دے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں اپنی جان کے بھلے برے کا مالک نہیں۔ مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی بات جانا کرتا تو بہت خوبیاں جمع کر لیتا اور مجھ کو برائی (تکلیف) کبھی نہ پہنچتی۔ میرا کام یہی ہے کہ عذاب سے ڈراتا ہوں اور بہشت کی خوشی سناتا ہوں ایمان والوں کو دیکھو کہ یاؤ: دیکھ حضرت رسول اللہ کا مرتبہ سارے جہان سے زیادہ ہے۔ اللہ نے نفع اور نقصان کا مالک اور غیب دان ان کو بھی نہیں کیا۔ پھر اور کسی سے نفع نقصان کی امید اور خوف رکھنا اور اس کو غیب دان سمجھ کر حاجت طلب کرنا

کہاں درست ہوا ۔حدیث شریف میں آیا ہے اَلطِّیَرَۃُ شِرکٌ یعنی جانوروں کی آواز وغیرہ سے شگون لینا شرک ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے مَن اَتٰی عَرَّافًا فَسَئَلَہٗ عَن شَیءٍ لَم یُقبَل لَہٗ صَلوٰۃُ اربَعِینَ لَیلَۃً یعنی جو کوئی آوے خبر غیب بتانے والے کے پاس یعنی جیسے کاہن اور نجومی اور رمل پھینکنے والے یا فال دیکھنے والے یا ہمن وغیرہ کے پاس غیب دان سمجھ کر کچھ پوچھنے جائے اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

جن آسمانوں پر جا کر کچھ خبریں فرشتوں سے سن کر سچ میں جھوٹ ملا کر بعض آدمیوں آ کر بتلا دیتے ہیں۔ان آدمیوں کو کاہن کہتے ہیں۔حضرت محمد ﷺ کے عہد میں جنوں کا آسمان پر چڑھنا بند ہو گیا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک نبی رمل کا خط کھینچا کرتا تھا۔جس کا خط اس کے موافق ہو وہ درست ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ ہم کو خط کا موافق ہونا معلوم نہیں۔ سو ہمارے لئے روا نہیں قرآن مجید سے فال دیکھنا مکروہ ہے

حدیث میں ہے کہ لَعَنَ اللّٰہُ مَن ذَبَحَ لِغَیرِ اللّٰہِ یعنی لعنت کرے اللہ اس شخص پر کہ سوائے خدا کے اور کی تعظیم میں جانور ذبح کرے

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے مَن حَلَفَ لِغَیرِ اللّٰہِ فَقَد اَشرَکَ یعنی جس نے قسم کھائی سوائے خدا کے اور کسی کی پس تحقیق وہ شخص مشرک ہوا۔

تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت محمد ﷺ سے کہا مَا شَاءَ اللّٰہُ وَ شِئْتَ یعنی جو اللہ اور تم چاہو وہ ہوگا۔ حضرت محمد نے فرمایا جَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا بَلْ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ یعنی تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھیرایا یوں نہیں بلکہ یہ کہو وہی ہوگا جو چاہیگا اللہ اکیلا۔ اس سے معلوم ہوا یوں کہنا کہ اللہ اور رسول تجھ کو خوش رکھے یا اللہ اور رسول گواہ ہیں اور اللہ اور پیر صاحب تیری حاجت روا کرے درست نہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یَسْأَلُ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْأَلَ الْمِلْحَ وَیَسْأَلُ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ یعنی ہر کسی کو چاہیے کہ اپنی حاجتیں اپنے رب سے مانگے یہاں تک کہ نمک بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے

غرض کہ سب چھوٹی بڑی حاجات اللہ ہی سے مانگے۔

نیاز غیر اللہ شرک؟

کتاب فوز الکبیر میں لکھا ہے کہ شرک آن ہست کہ غیر خدائے را صفات مخصہ خدا اثبات نماید۔ مثلِ تصرف در عالم بارادہ کہ تعبیر ازاں بہ کُن فَیَکُوْنُ می شود یا علم ذاتی و غیر اکتسابی بحواس و دلیل عقلی و منام یا الہام و مانند آں یا ایجادِ شفائے

مریض یا لعنت کردن و ناخوش بودن از وتا بسبب آن کراہیت تنگدست یا بیمار و شقی گردد۔ یا رحمت فرستادن بر شخصے تا بسبب آں رحمت فراخ معیشت و صحیح بدن باشد۔ یعنی شرک وہ ہے کہ اللہ کی خاص صفتوں میں کسی اور کو شریک بنادے یعنی اگر سوائے اللہ کے کسی اور کے حق میں یہ اعتقاد کرے کہ وہ جو چاہے اسی وقت ہو جائے یا اس کو بغیر حواس جیسے دیکھنے اور سننے وغیرہ کے اور بدون دلیل عقلی اور بدون خواب یا الہام کے علم حاصل ہوتا ہے یا وہ جس شخص پر خفگی اور پھٹکار کرے وہ شخص تنگدست یا بیمار یا آفت میں مبتلا ہو جائے اور جس شخص پر رحمت کرے وہ شخص تندرست یا فراخ گزران ہو جائے یا وہ کسی بیمار کو شفا بخش دے تو اس عقیدے سے شرک لازم آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کسی سے رزق یا بیماری کی صحت اور عمر درازی کا مانگنا اور اس کی خفگی سے ڈر کر یا اس کے نفع کی امید رکھ کر نیاز دینی شرک ہے۔

اولیاء اللہ کے نام کا ورد کرنا اور شرکیہ نام رکھنا

تفسیر عزیزی میں لکھا ہے لنا ہمسر کنندگاں در غیر عبادت پس بسیار از اں جملہ اند کسانیکہ ورد کردیگراں را بجا ہمسری کنند نام دیگراں را مانند نام خدا بہ طریق تقرب ذکری نمایند و از اں جملہ اند کسانیکہ ور ذبح و نذر و قربانیہا با خدا دیگراں را

ہمسری کنند وازاں جملہ اند کسانیکہ درنام نہادن پسر خود را بندۂ فلاں وعبد فلاں ال گویند این ہمہ شرک در تسمیہ است وازں جملہ اند کسانیکہ در دفع بلاہا دیگراں رای خوانند۔ وہم چنین در تحصیل منافع بدیگراں رجوع می نمایند بالاستقلال نہ آنکہ توسل باآں دیگراں نمایند آنتہی

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی مانند اور کسی کے نام کا وظیفہ کرنا اور عبدالرسول اور بندہ علی، اور عبدالنبی اور بندۂ حیدر علی ہذا القیاس حسین بخش پیر بخش میراں بخش۔ پیراں دیا۔ نگاہیہ۔ دسوندھیا۔ محبوب بخش۔ قلندر بخش۔ بوعلی بخش۔ امام بخش۔ سلطان بخش سلطانی مسانیا وغیرہ اولاد کے نام رکھنے اور سوائے خدا کے اور کے نام پر جانور ذبح کرنا یا نذر منت ماننی یا بلا کے دور ہونے کے واسطے کسی کو پکارنا اور نفع نقصان اس سے سمجھنا یہ سب کام شرک کے ہیں۔ اور کسی بزرگ کا وسیلہ پکڑنا جیسے یوں کہنا یا الٰہی میں فلاں حضرت کی محبت کا وسیلہ پکڑ کر تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری فلاں مشکل آسان کردے یا حل کردے۔

درمختار میں لکھا ہے کہ مَا یَفْعَلُوْنَ مِنْ تَقْبِیْلِ الْاَرْضِ بَیْنَ یَدَیِ الْعَلَمَاءِ الْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ وَ الْفَاعِلُ وَالرَّاضِیْ اِثْمَانِ یعنی علماء اور بزرگوں کے سامنے زمین بوسی کرنی حرام ہے اور کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں۔

غرض ہمارے دین میں سوائے اللہ کے کسی اور کو معبود ٹھیرانا اور حاجت روا مشکل کشا اور نفع نقصان کا مالک سمجھنا درست نہیں ہے بلکہ شرک ہے۔

طبلہ سارنگی بطور عبادت

اور یہ جو تم نے کہا کہ صوفی لوگ کھیل اور تماشے کی مجلس کو عبادت سمجھتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ صوفی بننا بہت مشکل ہے اور ہمارے دین میں صوفی اس کو کہتے ہیں کہ اپنے نفس کی خواہشوں کو چھوڑ کر بالکل شریعت کا تابع ہو اور ریاضت اور مجاہدہ سے اپنے دل کو صاف کرے

اور یہ لوگ جو طلبہ سارنگی وغیرہ سنتے ہیں سو بے سمجھی اور غفلت کے سبب سے ایسی مجلسوں میں آتے جاتے ہیں۔ سچے صوفی وہ ہیں جن کے افعال اور اخلاق بہت نیک ہوتے ہیں اور صوفیوں کے نزدیک ایک دم بھی خدا کی یاد سے غافل ہونا درست نہیں۔ کھیل اور تماشے کا تو ذکر کیا ہے۔ ہمارے دین میں کھیل اور تماشا بہت منع ہے جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام میں وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا یعنی چھوڑ دے ان کو جنہوں نے ٹھیرایا دین اپنا کھیل اور تماشا اور بھلا دیا ان کو دنیا کی زندگی نے۔

اور سورۃ لقمان میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ

سَبِیلِ اللّٰہِ بِغَیرِ عِلمٍ وَّ یَتَّخِذَ ھَا ھُزُوًا اُولٰٓئِکَ لَھُم عَذَابٌ مُّھِینٌ
یعنی بعض آدمی ایسے ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی باتوں کو تا کہ پھسلا دیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھیراویں اس کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے۔

قرآن کے مفسر لکھتے ہیں کہ یہ آیت راگ باجے کی مذمت میں نازل ہوئی ہے۔
اور مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے کہ اَمَرَنِي رَبِّي بِمَحقِ المَعَازِفِ وَالمَزَامِيرِ
یعنی حکم کیا مجھ کو میرے رب نے واسطے مٹانے معازف اور مزامیر کے۔ مَعَازِف ان باجوں کا نام ہے جو ہاتھوں سے بجائے جائیں۔ اور مزامیر وہ جو منہ سے بجائے جائیں۔

اور ہمارے دین کے چار امام مجتہد فقہ کے بڑے مشہور ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت امام مالکؒ سو ان چاروں کے نزدیک باجوں کے ساتھ راگ سننا حرام ہے۔

اور ہمارے صوفیوں کے اس زمانے میں چار طریق بڑے مشہور ہیں قادری سہروردی نقشبندی چشتی۔ سو ان چاروں طریقوں میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ قادری طریق کے امام ہیں انہوں نے کبھی ایسی مجلس نہیں کی۔ بلکہ کتاب غنیۃ الطالبین کہ ان کی تصنیف ہے اس میں انہوں نے یوں فرمایا ہے ھٰذَا اِذَا کَانَ خَالِیاً عَنِ المُنکَرِ فَاِن حَضَرَہٗ مُنکَرٌ

یٰ الطبل وَالمزمار وَالعود وَالنای وَ الرباب وَالمعازف وَالطنابیر وَالشین وَالشابۃ والجعفر ان الذی یلعب بہ الترک لایجلس ھناک لان کل ذلک محرم یعنی یہ مجلس جب جائز ہے کہ گناہ سے خالی ہو۔ سو اگر حاضر ہو اس میں کوئی گناہ کی بات جیسے طبلہ اور مزمار اور عود اور بانسری اور رباب اور معازف اور طنبورے اور شین اور شابہ اور جعفران جس سے ترک لوگ کھیلتے ہیں سو نہ بیٹھے اس جگہ کیونکہ یہ حرام ہیں۔

اسی طرح حضرت شہاب الدین سہروردیؒ طریق کے امام ہیں ان سے بھی اس طرح کی مجلس ثابت نہیں ہوئی بلکہ ان کے خاص مرید حضرت مصلح الدین سعدی شیرازیؒ نے کتاب گلستان میں لکھا ہے کہ میں اول بسبب ہوا و ہوس جوانی کے راگ سنا کرتا تھا پھر میں نے توبہ کی۔ اب دیکھو تو یہ گناہ سے ہوتی ہے نہ عبادت سے اور نقشبندی طریق کا حال تو ظاہر ہے کہ ان کو راگ پر سخت انکار ہے۔ باقی چشتی طریق۔ سو اس طریق کے پیشواؤں نے بھی باجے کے ساتھ راگ نہیں سنا۔ اور جو کوئی شخص کوئی روایت ان کے سننے کی بیان کرے سو محض غلط اور بے اصل اور افتراء ہے الی آخرہ (تحفۃ الہند ص ٦١ تا ٦٨)

نذر کا مفہوم لغوی و شرعی اور اس کا حکم

نذر کے لغوی معنے عہد و پیمان کرنا ہے اور اصطلاح شریعت میں نذر ایسے فعل کا نام ہے جو نذر ماننے والے کے ذمے نذر ماننے سے پہلے واجب نہ ہو مثلاً ایک شخص نے یوں کہا کہ اگر میرا فلاں مریض اچھا ہو گیا تو دس مسکینوں کو پانچ سیر مٹھائی تقسیم کروں گا تو یہ نذر ہو گئی اور نذر عبادت ہے جو سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کی نذر ناجائز ہے۔

بعض کو تفسیرات احمدیہ مصنفہ ملا جیون کی عبارت سے جواز کا شبہ ہوا ہے وہ عبارت یہ ہے البقرة المَنْذُورَةُ لِلاَوْلِيَاءِ اولیاء کی نذر کی ہوئی گائے حلال طیب ہے جیسے آج کل رسم ہے۔

سو جواباً عرض ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے لکھا ہے وَاَمَّا مَا وَقَعَ فِي البَيْضَاوِيِّ وَغَيْرِهِ مِنَ التَّفَاسِيرِ اَنَّهُم قَالُوا وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اي مَا رُفِعَ الصَّوتُ بِهٖ عِنْدَ ذِبْحِهٖ لِلصَّنَمِ فَمَبْنِيٌّ عَلٰى مَاجَرٰى عَادَةُ المُشْرِكِينَ فِي ذٰلِكَ الزَّمَانِ وَلَمَّا لَمْ يُفَرِّقُوا فِي التَّفَاسِيرِ القَدِيمَةِ بَيْنَ مَا ذُكِرَ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَبَيْنَ مَا قُصِدَ بِذِبْحِهٖ التَّقَرُّبُ اِلَى غَيْرِ اللّٰهِ لِاَنَّ مُشْرِكِي ذٰلِكَ الزَّمَانِ كَانُوا مُخْلِصِينَ فِي الكُفْرِ وَكَانُوا اِذَا قَصَدُوا التَّقَرُّبَ بِذَبْحِ بَهِيمَةٍ اِلَى غَيْرِ اللّٰهِ ذَكَرُوا واعلنها عِنْدَ الذَّبْحِ اسْمَ ذٰلِكَ

نام لینے سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے طریقہ پر ذبح ہوا حالانکہ فی الواقع یہ بھی ناجائز ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ذبح کا یہی طریقہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے خواہ اللہ کی تعظیم کے واسطے ہو یا غیر اللہ کی تعظیم کے لئے بعض لوگوں میں یہ عادت اب بھی جاری ہے مثلاً مشہور کرتے ہیں کہ فلاں شخص سید احمد کبیر کے واسطے جانور ذبح کرتا ہے اور اس میں اس کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا کہ جب گائے ذبح کی جائے تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے یا اللہ کا نام اس وقت نہ لیا جائے۔ پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں

وَاَمَّا مَا دَقَعَ فِی الْهِدَایَةِ وَغَیرِ هَا اَن یُذکَرَمَعَ اِسمِ اللّٰهِ تَعَالٰی شَیئاً اٰخَرَ وَ هُوَ اَن یَّقُولَ عِندَ الذَّبحِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّل مِن فُلَانٍ وَ هٰذِهٖ ثَلٰثُ مَسَائِلَ اِحدَاهَا اَن یَّذکُرَ مَوصُولًا لَا مَعطُوفًا فَیُکرَهُ وَلَا یُحَرِّمُ الذَّبِیحَةُ وَهُوَالمُرَادُ بِمَا قَالَ وَنَظِیرُهٗ اَن یُّقَالَ بِسمِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ رَّسُولُ اللّٰهِ لِاَنَّ الشِّرکَةَ لَم تُوجَد فَلَم یَکُنِ الذَّبحُ وَاقِعًا لَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ

ترجمہ: ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی دوسری چیز ذکر کی جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ذبح کے وقت کہے اَللّٰهُمَّ تَقَبَّل مِن فُلَانٍ یعنی اے میرے پروردگار اس ذبیحہ کو فلاں شخص کی طرف سے قبول فرما۔ تو اس مسئلہ میں تین صورتیں ہیں

پہلی صورت پہلی صورت یہ ہے کہ دوسری چیز کو اللہ کے نام کے ساتھ متصل ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر عطف نہ کرے تو یہ مکروہ ہے وہ ذبیحہ حرام نہیں مثلاً بوقت ذبح کہے بسم اللہ محمد رسول اللہ اس صورت میں ذبیحہ حرام نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کی شرکت نہیں۔ تو یہ ذبیحہ غیر اللہ کے لئے نہ ہوا البتہ مکروہ ہے کیونکہ بظاہر غیر اللہ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ ملایا گیا تو بظاہر صورت حرام کی ہوئی۔

دوسری صورت دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے نام کیساتھ متصل غیر اللہ کا نام لیا جائے بطریق عطف و شرکت کے مثلاً کہا جائے بسم اللّٰہِ واسم فلان یا بسم اللّٰہِ و محمدٍ رسول اللہ دال کے زیر کے ساتھ تب یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام آ گیا۔

تیسری صورت تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے نام سے غیر اللہ کا نام ظاہر او باطناً جدا ہو بایں بطور کہ پہلے غیر اللہ کا نام ذکر کرے پھر اس کے بعد جانور کو لٹا کر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے، یا ذبح کر چکنے کے بعد غیر اللہ کا نام ذکر کرے اس میں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ذبح کے بعد فرمایا اللھم تقبل ھذہ من امۃ محمد ممن شھدلک بالوحدانیۃ و لی بالبلاغ یعنی اللہ تو اس قربانی کو میری امت کی طرف سے قبول فرما یعنی ان کی طرف سے

جو تیری وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دے۔ اور ذبیحہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ صرف اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ذبح کے وقت صرف اللہ کا نام لو یہ مضمون ہدایہ کی عبارت کا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب ذبح سے مقصود ہی ہو حصولِ تقرب غیر اللہ تو ذبیحہ حرام ہوگا خواہ اس پر استقلالاً غیر اللہ کا نام لیا جائے یا بطور شرکت کے۔ ہر دو صورتوں میں ذبیحہ حرام ہے ہاں اگر حصولِ غیر اللہ کی نیت نہ ہو مگر غیر اللہ کا نام ذکر کیا جائے تو اس میں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ

❶ اگر غیر اللہ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ متصل ذکر کیا بلا واسطہ حرفِ عطف تو مکروہ ہے مثلاً بوقتِ ذبح یوں کہے بسم اللہ محمد رسول اللہ و اللھم تقبل من فلان اس طرح مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صورت حرام طریقہ ذبح کے ساتھ مشابہ ہے۔ اور حرام طریقہ ذبح کا یہ ہے کہ ذبح سے مقصود ہو تقرب غیر اللہ کا حصول۔ اور اسی غرض سے غیر اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور اگر غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کیساتھ بطریق عطف کے ذکر ہو تو ذبیحہ حرام ہوگا اگرچہ اس صورت میں ذبح سے منظور حصولِ تقرب غیر اللہ نہیں مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام بطورِ شرکت کے ذکر کیا گیا اور ظاہر امور میں حکم ظاہر کے موافق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نیت کا اعتبار نہیں

اور جب اللہ کے نام سے جدا کر کے غیر اللہ کا نام لیا جائے یعنی غیر اللہ کے نام نہ بطور عطف ذکر کیا اور نہ اللہ کے نام کے ساتھ متصل تو یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام۔ اس واسطے کہ اس صورت میں حرام طریقہ ذبح کے ساتھ مشابہت نہیں پائی جاتی نہ ظاہراً نہ معنیً مثلاً ذبح کرنے والا بسم اللہ کہے پھر ذبح کرنے کے بعد توقف کر کے کہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور اس ذبح سے حصول تقرب غیر اللہ نہ ہو تو یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صاحب ہدایہ نے اس بات کا حکم بتایا ہے کہ جس میں حصول تقرب غیر اللہ کی نیت نہ ہو اور نہ غیر اللہ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ متصل کیا جائے۔ تو اس مسئلہ کو ہمارے مسئلہ سے کچھ واسطہ نہیں۔ ہم اس مسئلہ کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جہاں حصول تقرب غیر اللہ منظور ہے اور یہ حرام ہے۔

اور ہمارے بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ تفسیر احمدی میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو رسم ہے اولیاء کے واسطے نذر کی جانے کی وہ جانور حلال طیب ہے کیونکہ اگرچہ اولیاء کیلئے گائے نذر تو کرتے ہیں مگر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیتے صرف اللہ کا نام لیتے ہیں۔ اس لئے وہ گائے حلال ہے سو یہ مسئلہ غفلت سے وہاں ذکر ہو گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے جو تیسری صورت لکھی ہے اس پر لحاظ نہیں کیا وہ صورت یہ ہے

کہ اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام اس طرح ذکر کیا جائے کہ ظاہر میں بھی اللہ کا نام کے غیر اللہ کا نام جدا رہے اور باعتبار معنی کے بھی جدا رہے۔ اس لئے کہ جب گائے کے بارے میں اولیاء اللہ کی نذر کی نیت ہوئی تو اس سے خاص یہی منظور ہوا کہ اس گائے کے ذبح کے وسیلہ سے اولیاء اللہ کا تقرب حاصل ہوئے اور ذبح کے وقت تک یہی نیت رہی تو معنی کے اعتبار سے غیر اللہ کا نام اللہ کے نام سے جدا نہ ہوا۔ اس لئے کہ اصول فقہ میں یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ نیت کا حکم عمل میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک کہ عمل پورا ہو جائے۔

تو صاحب ہدایہ نے تیسری صورت میں اس مسئلہ کی تحقیق لکھی ہے جس میں خالص اللہ کا نام ذکر ہو اور ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ جو جانور حصول تقرب غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے۔ تو یہ دو مسئلے جدا جدا ہیں جن کے فرق کی طرف ملا جیونؒ نے التفات نہیں کی حالانکہ ان میں بڑا فرق ہے یعنی جب صرف اللہ کے نام سے جانور ذبح کیا جائے اور تقرب غیر اللہ کی نیت ہو تو اگر چہ بوقت ذبح صرف اللہ کا نام لیا تب بھی وہ ذبیحہ حرام ہوگا (فتاوی عزیزی ص ۵۱ فخر المطابع لکھنو)

گیارھویں شریف

تاریخی پس منظر

امام سیوطیؒ تاریخ الخلفاص ۹۱ میں لکھتے ہیں کہ

ترجمہ:۔ یعنی حضرت عمرو بن عاصؓ کے ہاتھ سے مصر فتح ہوا اور وہ اس شہر میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ سے آ کر عرض کی کہ سیرابی کے لئے دریائے نیل کی ایک عادت اور طریقہ مقرر ہے جس کے بغیر وہ بہتا نہیں ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کہ وہ کیا رسم ہے؟

انہوں نے کہا کہ

ہر چاند کی گیارھویں تاریخ کو ایک جوان باکرہ (کنواری) لڑکی کو دلہن بنا کر اور تا امکان اعلیٰ اعلیٰ قسم کی پوشاک اور زیورات پہنا کر بعد حصول رضا مندی اس کے والدین کے دریائے نیل میں غرق کر دیتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا "اسلام ایسی لغو باتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے میں اس کی اجازت نہ دوں گا۔

چنانچہ یہ فعل نہ کیا گیا اور لوگ اس حال میں قائم رہے۔ اور دریا میں طغیانی نہ ہوئی اور اس کا پانی اس کے مطلوبہ راستہ سے بالکل نہ آیا۔ گو انہوں نے پانی لانے کی کوشش بہت کی۔

اس پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے خلیفہ وقت حضرت عمر بن الخطابؓ کو جملہ گذشتہ معمولہ واقعات کی اطلاع دی اور خط کو ملفوف کر کے بھیج دیا۔

آپ نے جواب دیا کہ

تم نے بہت خوب کیا اور بہت ٹھیک جواب دیا کہ اسلام ایسی لغو باتوں کو مٹانے آیا ہے۔ میں اس کے ساتھ ایک لفافہ ملفوف کرتا ہوں۔ اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔

جب خلیفہ وقت حضرت عمر بن الخطابؓ کا یہ لفافہ حضرت عمرو بن العاصؓ گورنر مصر کو پہنچا تو انہوں نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

من جانب عبداللہ عمر امیر المومنین بجانب دریائے نیل مصر جس کو یہ معلوم ہو کہ اگر تو پہلے۔ اپنے آپ سے طغیانی پر آتا ہے تو اب نہ چل اور اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو چلتا ہے تو میں خدائے واحد قہار سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے جاری کر دے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے رقعہ یوم صلیب سے ایک روز قبل دریائے نیل میں

ڈال دیا۔ دوسرے دن علی الصباح خدا تعالیٰ نے دریائے نیل کو سولہ گز مقام مطلوبہ پر روانی عطا کی۔ اس روز سے مصر کا یہ دستور بھی منقطع ہو گیا۔ انتہی (تاریخ الخلفاء باب کرامات عمرؓ) تاریخ کی اس شہادت سے ظاہر ہے کہ اہل مصر دریائے نیل کی گیارہویں اپنے ملکی مہینہ کی گیارہویں تاریخ کو انتہائی تزک و احتشام سے دیا کرتے تھے اسلام نے اس کو جبراً و حکماً بند کر دیا۔

مگر جس طرح دوسری نو مسلم اقوام میں ملکی و قومی توہمات و رسومات وغیرہ کچھ نہ کچھ باقی رہیں ویسے ہی اہل مصر اور اس کی ملحقہ ممالک میں اسلام سے ناواقف جہلاء میں گیارہویں کا تصور و خیال بھی باقی رہا۔

گیارھویں شریف؟

جو لوگ حضرت پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو غوث الاعظم، مشکل کشا، حاجت روا، مواشی عطا کرنے والا، اور کھیتی باڑی میں برکت دینے والا، مانتے ہیں۔ انہوں نے حضرت پیر صاحب کے نام پر گیارہویں شروع کر دی۔ اور عورت کی بجائے گھی، دودھ پھل فروٹ، شیرینی وغیرہ پر اکتفاء کیا یعنی مروجہ گیارہویں کا ڈھونگ کھڑا کر دیا۔ جسے حلوہ خوروں نے اپنی شکم پروری کا بہترین بہانہ سمجھ کر ایصال ثواب کے نام سے جائز قرار دیا اور اگر کوئی انہیں سمجھا جائے تو

اس سمجھانے والے پر فوراً فتویٰ جڑھ دیتے ہیں کہ یہ شخص معتزلی ہے یا وہابی ہے جو ایصال ثواب کو نہیں مانتا۔

گیارہویں کی نیاز میں دودھ اور چاولوں کو جو اہمیت حاصل ہے وہ مصری ذہن کی غمازی اور نشان دہی کا واضح ثبوت ہے یعنی مصری لوگ جس طرح انسانی وحیوانی ضرورت قلی کفالت کے لئے دریائے نیل کو قادر مانتے تھے ویسے ہی حضرت پیر صاحب کو مواشی دہندہ اور انسانی ضروریات کا محافظ داتا ماننے والے حضرت پیر صاحب کی گیارہویں دیتے ہیں۔

ازالہ شبہ اگر یہ کہا جائے کہ اہل مصر کی گیارہویں کنواری بالغہ لڑکی پرمنی تھی۔ اور مروجہ گیارہویں میں اس کا وہم وگمان بھی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

1. اہل مصر کی گیارہویں پوری قوم وملک کی طرف سے تھی اس لئے نوجوان لڑکی کو گیارہویں کی نیاز میں دینا آسان تھا۔ مگر یہاں قوم وملک تو کیا پورے شہر وبستی کی طرف سے بھی اجتماعی طور پر نہیں بلکہ انفرادی طور پر دی جاتی ہے۔ اس لئے لڑکی کو بطور نیاز دینا امر ناممکن ہے۔

2. اہل مصر نوجوان لڑکی کو دریائے نیل میں بہادیتے تھے۔ اور یہ امر کچھ زیادہ ار اور شرمندگی کا باعث اور موجب نہیں۔ مگر اس کے برعکس مروجہ گیارہویں میں عورت اگر بطور نیاز دی جائے تو پھر کون ایسا بے غیرت ہے جو اپنے سامنے حلوہ

خوردوں کو اپنی بیٹی سے عیاشی برداشت کرے۔

لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر عورت کو بطور نیاز دینا بند کر دیا گیا۔

ورنہ ان کے مذہب میں عورتوں کی بطور نیاز فوت شدہ بزرگوں کی قبروں پر پیش کرنا یا چڑھاوا چڑھانا جائز اور کار ثواب ہے۔

چنانچہ ان کے ایک مستند معتمد علیہ محقق و مدقق عالم کی تقریر ہے جو اس کی کتاب میں تقریر و تحریر ہے۔ حضرت سید عبدالوہاب اکابر اولیاء کرام میں سے ہیں۔

حضرت سید احمد بدوی کبیر کے مزار پر بڑا میلہ اور ہجوم ہوتا تھا۔ ایک مجمع میں چلے آتے تھے۔ ایک تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑی۔ فوراً نگاہ پھیر لی کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے

اَلنَّظرَۃُ الاُولٰی لَکَ وَ الثَّانِیَۃُ عَلَیکَ

یعنی پہلی نظر کا کچھ گناہ نہیں اور دوسری کا مواخذہ ہوگا۔ خیر نگاہ تو آپ نے پھیر لی مگر وہ آپ کو پسند آئی ۔ جب مزار شریف پر حاضر ہوئے ارشاد فرمایا عبدالوہاب! وہ کنیز آپ کو پسند ہے؟ عرض کیا ہاں، اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانا نہ چاہیے۔ ارشاد فرمایا اچھا ہم نے وہ کنیز تم کو ہبہ کی!

آپ سکوت میں ہیں کہ کنیز اس تاجر کی ہے اور حضور ہبہ فرماتے ہیں۔ معاً وہ تاجر حاضر ہوا خادم کو ارشاد ہوا۔ انہوں نے آپ کو نذر کر دی۔ ارشاد فرمایا۔

عبدالوہاب! اب دیر کا ہے کی ہے۔ فلاں حجرے میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ عورت بطور نیاز و تحفہ و فاتحہ یا بغرضِ ایصال ثواب بزرگاں کو دی جا سکتی ہے۔ اس میں نہ ہی شریعت میں ممانعت ہے اور نہ ہی دنیا کی ملامت۔ کیونکہ ان کے ہاں بزرگوں کو خوش کرنا عین عبادت اور موجب رضائے مولیٰ تعالیٰ ہے۔ خصوصاً پیر شیخ عبدالقادر جیلانی " کہ ان کو خوش کرنا بالکل رضائے الٰہی کا موجب مانتے ہیں۔

چنانچہ مذکورہ بالا ان کے محقق عالم کا بیان ہے کہ "حضور پرنور سید غوث الاعظم " حضور اقدس و انور سید عالم کے وارثِ کامل و نائب تام و آئینہ ذات ہیں...... تعظیم غوثیت میں عین تعظیم رسالت ہے اور تعظیم سرکار رسالت عین تعظیم حضرت العزت ہے جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم

برادرانِ اسلام! گیارہویں کی حقیقت اور تاریخی حیثیت آپ کے سامنے ہے۔ اب یہ آپ کا فرض ہے کہ اسے اصلی صورت میں ادا کریں یا ادھوری بہر حال آپ کو غور کرنا چاہیے کہ اسلام سے اس گیارہویں کو کیا لگاؤ ہے۔

نیز یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ گیارہویں والے حضرت پیر صاحب جیلانی کو افضل الاولیاء مانتے ہیں بلکہ آپ کو سید الکونین ﷺ پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ یہ

لوگ نہ تو رسول اللہ ﷺ کا یوم وصال گیارہویں کی طرح اہتمام سے مناتے ہیں اور نہ حضرت امامِ اعظم ابوبکرؓ کا یومِ وصال مناتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ان ہستیوں میں سے نہیں ہیں جن کے متعلق آپ ﷺ نے اپنی زبانِ معصوم سے خیر کی شہادت دی تھی اور فرمایا تھا خَیرُ القُرونِ قَرنِی ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم یعنی سب سے بہتر ہیں میرے صحابہ پھر دوسرے نمبر پر تابعین پھر تیسرے نمبر پر تبع تابعین بلکہ آپؒ پانچویں اور چھٹی صدی کے عالم باعمل بزرگ ہیں جو ۴۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۶۱ھ میں فوت ہوئے تھے۔ آپ کے عہد میں دنیائے اسلام میں ایک خلیفہ کی بجائے تین خلیفے خلافت کرتے رہے۔ دولت عباسیہ اور دولت اموبیہ اور دولت عبیدیہ مصر میں۔ آپ کے عہد میں رفض کا بغداد میں بھی زور رہا۔ آپ کی وفات سے چھ سال بعد ۵۶۷ھ میں سلطان صلاح الدین آیا جس سے افرنج کا زور بھی ٹوٹا اور ملکِ مصر جس پر رافضی تقریباً تین صدیوں سے قابض تھے شاہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے قبضہ میں آ گیا اور بغداد میں رفض کا زور ٹوٹ گیا۔ مسلمانوں کو سعادت عظمٰی نصیب ہوئی۔ یمن، برقہ، توزر، مصر، اسوان میں پھر سے خلیفہ عباسی مستضی باللہ کا نام خطبہ میں لیا جانے لگا۔ مگر حضرت پیر صاحب کے عہد میں رفض زوروں پر تھا اور رفض کی رسوم کثرت سے رائج ہوئی

تھیں من جملہ ان کے یوم شہادت حسین منایا جاتا تھا جس کے رد میں آپ غنیۃ الطالبین ص ۵۸۶ میں فرماتے ہیں وَ لَوْ جَازَ اَنْ یُتَّخَذَ یَوْمُ مَوْتِہٖ یَوْمُ مُصِیْبَۃٍ لَکَانَ یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ اَوْلٰی بِذٰلِکَ اِذْ قَبَضَ اللّٰہُ تَعَالٰی نَبِیَّہٗ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ کَذٰلِکَ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰہُ قُبِضَ فِیْہِ یعنی اگر یوم شہادت حسینؓ کو مصیبت کا دن منایا جائے تو یوم الاثنین (پیر کے روز) اس سے زیادہ احق ہے کیونکہ پیر کا روز نبی اکرمؐ اور امام اعظم ابوبکر صدیقؓ دونوں کی وفات کا دن ہے۔

آگے چل کر تعین وتقرر کا معیار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں لَوْ جَازَ اَنْ یُتَّخَذَ ھٰذَا الْیَوْمُ یَوْمَ مُصِیْبَۃٍ لَا تَخِذَہُ الصَّحَابَۃُ وَ التَّابِعُوْنَ لِاَنَّھُمْ اَقْرَبُ اِلَیْہِ عَنَّا وَاَخَصُّ بِہٖ (غنیۃ الطالبین ص ۵۸۷) یعنی اگر شہادت حسینؓ کے دن کو مصیبت کا دن منانا جائز ہوتا تو صحابہ اور تابعینؒ اس دن کو لازم ومقرر فرماتے کیونکہ وہ ان کے زیادہ قریبی تھے اور مرتبہ میں وہ ہم سے زیادہ خاص تھے

پیرانِ پیر کا عقیدہ

الغرض خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس رسم بد کی تردید فرما گئے ہیں کہ وفات پانے والی ہستی خواہ کس قدر مرتبہ میں اونچا مقام رکھتی ہو اس کے یوم وصال کو غم یا

ایصالِ ثواب کا دن مقرر کرنا جائز نہیں اور دلیل یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے یومِ وصال کا غم ایصالِ ثواب کا دن مقرر کرنا جائز ہوتا تو سب سے اول رسول اللہؐ اور امام اعظم حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یومِ وصال منایا جاتا اور صحابہؓ اس دن کو اہتمام سے مناتے۔

پس جب کہ صحابہؓ کے عہد میں نبی کریمؐ اور افضل الاولیاء امام اعظم ابوبکر صدیقؓ کا یومِ وصال نہیں منایا گیا تو پھر دوسرا کون بزرگ ان سے بڑھ کر ہو سکتا ہے کہ اس کے یومِ وصال کو اظہارِ غم یا ایصالِ ثواب کے طور پر منایا جائے۔ اور اگر کوئی عہد خیر القرون کے بعد از خود ایسی رسم ایجاد کرتا ہے تو وہ رسم مطابق ارشاد نبوی مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ یعنی جس نے نئی بات ہمارے اس دین میں نکالی جو اس دین میں نہیں ہے پس وہ مردود ہے اور رسم نکالنے والا بدعتی ہے۔

ایک عام اعتراض کا جواب

دن مقرر کرنے یا کوئی خاص وقت مقرر کرنے کے متعلق عموماً یہ لوگ یہ بات پیش کرتے ہیں کہ یوں تو شادی وغیرہ کی تاریخیں بھی منع ہونی چاہئیں۔ مگر ان کو اتنی بات ذہن میں نہیں آتی کہ بدعت اس کام کو کہتے ہیں کہ جس کو شریعت نے کارِ

ثواب نہ سمجھا ہو اور اس پر ثواب کی نیت کرے اور شادی وغیرہ کی تاریخوں کو کون بیوقوف کارِ ثواب سمجھتا ہے۔ یہ تو ایک دنیوی نظام ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ پیدائش اور موت کے دن اور وقت بھی متعین ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ یہ قدرت کا قانون ہے جس میں انسانی عقل کو دخل نہیں۔ بدعت اور گمراہی تو وہ ہے جس کو از خود ایجاد کر کے اس سے ثواب ونجات کی امید رکھی جائے۔

نیز گیارہویں شریف کے ثبوت اور جواز میں آیت قرآنی وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ (یعنی گزرے ہوئے واقعات اور ایام سے نصیحت حاصل کرو) پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر مقررہ دنوں کو دوبارہ یاد کرنا یا اس کی فضیلت کو دہرانا یا خصوصیت سے عبادت کرنا، کوئی شخص بدعت کہے اور اس پر حرمت کا فتویٰ لگائے تو دشمن قرآن ہے اور مشرک باللہ چنانچہ حدیث شریف میں بھی مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بزرگوں کے یوم وصال کو آیام اللہ فرمایا ہے چنانچہ کنز العمال جلد ۴ ص ۲۲۰ میں ہے إِنَّ عَاشُورَاءَ يَوْمٌ مِّنْ أَيَّامِ اللَّهِ (یعنی نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ عاشورا کا دن ایام اللہ میں سے ایک دن ہے بلکہ یہ دن تمام انبیاء کے انعامات کا دن ہے اسی واسطے ایسے مقررہ دنوں کو نبیؐ نے بھی منانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ باقی رہا گیارہویں کے تقرر کے متعلق تو اس کو بھی اسی وجہ سے منایا جاتا ہے۔ کہ اس دن میں حضرت غوث الاعظم پیران پیر محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے وصال کا

دن ہے اور یوم وصال کو منانا قرآن سے ثابت ہے۔ اسی واسطے حضرت پیران پیرؒ کے اسی مقرر شدہ دن یعنی یومِ وصال میں آپ کی طرف سے صدقہ خیرات دیا جاتا ہے۔

لیکن ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر یومِ وصال کا منانا قرآن سے ثابت ہوتا تو سب سے پہلے قرآن پاک کے مخاطب حضرت نبی پاک ﷺ تھے۔ جن پر قرآن پاک نازل ہوا تھا اور پھر آپؐ کے صحابہ کرامؓ جو اہل لسان بھی تھے۔ اور نبی پاک کے بعد قرآن دان بھی تھے۔ ان سے بڑھ کر قرآن دانی کا دعویٰ کرنے والا بلا شک کذاب ہے۔ انہوں نے اس آیت قرآنیہ سے یہ مطلب سمجھ کر ضرور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر یا کم وبیش کا یوم وصال منایا ہوتا اس کے علاوہ اور صالحین اقوامِ سابقہ کے یوم وصال بھی مناتے ہوتے پھر جناب رسالت مآب کے عہد اقدس میں جو جو صحابہ وفات پاتے رہے ان سب کے یومِ وصال مناتے پھر صحابہؓ کے عہد میں جو وفات پاتے رہے ان کے بھی یوم وصال منائے جاتے پھر ان کے بعد تابعین وتبع تابعین یومِ وصال مناتے۔

لیکن نہ نبی کریمؐ نے کسی کا یوم وصال منایا نہ آپ ؐ کا کسی نے یوم وصال منایا نہ کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین نے کسی کا یوم وصال منایا نہ ان کا کسی نے یوم وصال منایا اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ یومِ وصال منانے کا حکم اللہ تعالیٰ

نے قرآن پاک کی کسی آیت میں بیان نہیں فرمایا اور آیت قرآنیہ وَذَکِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ سے یوم وصال منانے کا حکم ثابت نہیں ہوتا

ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ اس آیت کا مطلب نہ تو نبی پاک کو سمجھ آیا (العیاذ باللہ) اور نہ صحابہؓ کی سمجھ میں آیا اور نہ امام ابوحنیفہؒ۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل اور امام بخاریؒ وغیرہ وغیرہ کی سمجھ میں آیا نہ کسی مفسر محدث فقیہ اصولی متکلم کی سمجھ میں آیا۔ اگر آیا سمجھ میں تو اس حلوا خور گیارھویں کو جائز کہنے والے چودھویں صدی کے مولوی کو آیا۔

مگر یہ تو بہتان عظیم ہے۔ لہٰذا کہنا پڑے گا کہ اس آیت سے گیارھویں شریف کا جواز نکالنا قرآن پاک کی تحریف کرنا ہے اور اپنی رائے سے تفسیر کرنا ہے۔ جس کی مذمت نبی کریمؐ مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِالرَّأیِ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ یعنی قرآن پاک کی تفسیر جس نے اپنی رائے اور قیاس سے کرنی ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اگر اس کا یہ مطلب ہوتا کہ عام بزرگوں کی وفات کا دن بطور ایام اللہ کے منانا جائز ہوتا تو پھر حضور اکرمؐ کا یوم وصال منانا واجب ہونا چاہیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پوری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے بعد نبیؐ کا مرتبہ مسلم ہے۔ جو اس کا انکاری ہے وہ کافر و ملعون ہے۔ لہٰذا گیارھویں اور یوم وصال منانا جائز کہنے والوں کے قول

کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا دن بڑا یوم من ایام اللہ ٹھیرا اور اس کا منانا اہتمام سے ہوتا۔ ان کے بعد حضرت امام الاعظم افضل الاولیاء من الاولین والآخرین امام ابوبکر صدیق ؓ کا یوم وصال منایا جانا ضروری ہوتا پھر امام عمرؓ پھر امام عثمانؓ پھر امام علیؓ پھر امام حسینؓ علیٰ ہذا القیاس۔

مگر ان ہستیوں کا یوم وصال نہ منانا جن کا ذکرِ پاک قرآن مجید میں ہے اور جو اشرف الخلوق ہیں اور یقیناً جنتی ہیں اور پانچویں چھٹی صدی کے ایک عالم ولی کا یوم وصال منانا اور بڑے اہتمام سے اس کی گیارہویں منانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ حضرت پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو بغیر کسی دلیل کے نبی پاک کے بیان کردہ مشہور لہم بالخیر خیر القرون بلکہ صحابہؓ بلکہ عشرہ مبشرہ بلکہ نبی پاک ﷺ سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ اور ہر ذی عقل سمجھتا ہے کہ یہ صریح کفر ہے۔

نیز اس میں روافض کے ساتھ تشبہ ہے۔ کیونکہ رافضی حضرت سید شباب اہل الجنۃ امام حسینؓ کا یوم وصال مناتے ہیں اور یہ لوگ اس یقینی جنتی کے یوم وصال منانے کی بجائے پیر صاحب کا یومِ وصال مناتے ہیں

پھر جس ہستی کا یوم وصال مناتے ہیں وہ خود یوم وصال منانے سے منع کرتے ہیں چنانچہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کیا اس ہستی کے سامنے یہ اہمیت قرآن کی نہیں تھی۔ کیا ان کو اس کا مطلب معلوم نہیں تھا کیا نعوذ باللہ وہ جاہل تھے؟

پھر دوسرے مستند علماء بھی منع کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محقق محدث دہلوی جو احناف کے مسلم امام اور شیخ ہیں فرماتے ہیں۔

مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص ضروری انگاشتن در شریعت ثابت نیست۔ صاحب نصاب الاحتساب آں را مکروہ نوشتہ۔ وہر روز یکہ خواہند ثواب بروح میت برسانند "یعنی خاص کرنا تیسرے یا کسی اور دن کا (مثلاً ۷، ۱۰، ۱۱، ۴۰ وغیرہ) ایصال ثواب میت کے لئے اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت محمدیہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں نصاب الاحتساب (جو فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہے) کے مصنف نے ان باتوں کو مکروہ لکھا ہے۔ البتہ بغیر تعیین وتقرر دن کے جب چاہیں، روح میت کو ثواب پہنچائیں

پھر نیاز، فاتحہ اور ختم مروّج سے متعلق بھی لکھتے ہیں این طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت ﷺ بود نہ در زمانِ خلفاء بلکہ وجودِ آن در قرونِ ثلثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نہ شدہ۔ یعنی مروجہ نیاز و فاتحہ اور ختم و ایصال کا معین طریق نہ ہی رسول اللہؐ کے زمانہ مبارک میں تھا نہ ہی عہد خلافت راشدہ میں بلکہ پورے خیر القرون یعنی ائمہ اربعہ کے زمانہ میں بھی اس کا رواج نہ تھا۔

حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی قدس سرہ العزیز گیارہویں مکتوب میں فرماتے ہیں۔

سوال ششم ملائکہ طعام بہ روح میت روزِ سوم ودہم وکل آ دن روز رسم از کجاست؟

نزد ما طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم وریا وثوابِ آں بمیت گزرانیدن بسیار خوب است وعبادت بزرگ اما تعین وقت, اصل معمود علیہ ظاہر نمی شود وروزِ سوم کل دادن بمردان بدعت ست" یعنی چھٹا سوال ہے کہ تیجے اور دسویں کے دن میت کی روح کو کھلنا پہنچانا اور پھول تقسیم کرنا کہاں سے ثابت ہے۔ میرے مخدوم! محض اللہ واسطے کھانا کھلانا اور بلا پابندی رسم ورواج اور بغیر دکھاوے کے اس کا ثواب میت کو پہنچانا بہت اچھا ہے اور بڑے ثواب کی بات ہے۔ لیکن تعین وقت کی کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے۔ اور تیجے کے دن مردوں پھولوں کی تقسیم بدعت ہے۔

حضرت امام ابو اسحاق شاطبیؒ (متوفی ۷۹۰ھ) اپنی بے نظیر کتاب "الاعتصام" میں بدعات کے متعلق فرماتے ہیں کہ

ترجمہ: اور انہیں بدعات میں سے خاص خاص عبادات کا التزام کر لینا ہے مخصوص اوقات میں درحالانکہ یہ تعین شریعت میں وارد نہ ہوئی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جس شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے استاذ امام عبدالوہاب متقی کی سے یہ بات پوچھی کہ آیا اس برتاؤ کی جو ہمارے ملک میں پھیل رہا ہے کہ مشائخ کا عرس ان کی وفات کے دن مناتے ہیں کچھ اصل ہے؟ تو انہوں نے

جواب دیا کہ سلف کے عہد میں تو یہ کچھ نہیں تھا متاخرین کا پسندیدہ امر ہے اس میں ان کی نیتیں تھیں۔ پھر فرماتے ہیں میں نے دوبارہ سوال کیا کہ اور سب دن چھوڑ کر صرف اس دن کو کیوں مقرر کیا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ مطلقا مہمانی تو سنت ہے۔ اب تم دن کی تعین سے قطع نظر کر دو۔

سبحان اللہ کیا بات فرما گئے ہیں صحیح شریعت کا مسئلہ بھی بیان فرما گئے ہیں کہ سلف میں تو تعین یوم نہ تھا اور نہ ہی یقین یوم شرع شریعت میں ہے اور پھر اپنے اکابر بزرگوں کو بھی بچا لیا کہ تعین یوم ان کا کسی اور مصلحت سے ہوگا۔ خدا ان کی نیتوں سے واقف ہے ہم ان کے بارے میں لب کشائی نہیں کر سکتے۔ ہاں البتہ تمہیں یہ کرنا چاہیے کہ چونکہ مطلقا مہمانی کرنا سنت ہے۔ اس لئے مہمانی تو کرو مگر تعین یوم نہ کرو۔ کیونکہ اس تعین و تخصیص یوم کی وجہ سے سنت کام بدعت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر اس مسئلہ کی آپ نے نظیریں پیش کیں کہ دیکھو مصافحہ کرنا ملاقات کے وقت سنت ہے مگر خاص نماز کے بعد جو مشائخ مصافحہ کرتے ہیں اس خصوصیت کی رو سے بدعت ہو جاتا ہے مطلقا سرمہ لگانا تو سنت ہے مگر خاص محرم کی دسویں تاریخ کو مخصوص کرنا بدعت ہوگا۔

مگر شیخ صاحب کے استاذ نے یہ جواب نہیں دیا کہ چونکہ بزرگوں کا یوم وصال یوم من ایام اللہ ہے اس لئے ان ایام کا منانا قرآن شریف سے ثابت ہے۔

استحسانِ متاخرین

اب رہا یہ مسئلہ کہ متاخرین نے جو مستحسن کہا یہ ہمارے لئے حجت ہے؟

یاد رکھیئے دلائل شرع کے صرف چار ہیں قرآن مجید، سنت رسول، اجماع امت، قیاس مجتہدین، ان چار کے علاوہ کوئی دلیل حجت نہیں۔ پس متاخرین کا استحسان عمل یا عقیدہ کے لئے دلیل نہیں بن سکتی دیکھئے صاحب ہدایہ نے جلد اص ۱۳۱ میں فرمایا ہے

وَاستَحسَنَ البعضُ الاستِرَاحَۃَ علیٰ خمسٍ تَسلیمَاتٍ و لَیسَ بِصَحِیحٍ

یعنی بعض علماء نے تراویح کی دسویں رکعت پر آرام کرنے کو مستحسن کہا ہے مگر ان کا یہ استحسان صحیح نہیں ہے

دیکھا صاحب ہدایہ نے استحسانِ بعض کو صحیح تسلیم نہیں کیا۔ اسی طرح یہاں بعض صوفیہ کا استحسان دلیل نہیں بن سکتا۔ لکل فنٍ رجال

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کرامت ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے آپ کو اس بدعت سے محفوظ رکھا ہے جیسے حضور نبی کریمؐ اور امام اعظم ابوبکر صدیقؓ اور امام عمرؓ کو اس بدعت سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ اس طرح کہ تاریخ وصال میں اختلاف پڑ گیا بعض کہتے ہیں کہ بروز یکشنبہ ۹ ربیع الآخر کو آپ کا انتقال ہوا چنانچہ

بڑے مشائخ سے ثقہ راویوں کی روایت سے بہجۃ الاسرار کے مصنف نے نقل کیا ہے اور یہی بات امام عبداللہ یافعی اور سیف الدین عبدالوہاب اور شیخ کامل عبدالوہاب قادری متقی مکی وغیرہ مشائخ علماء وصوفیاء کرام نے بیان کی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت پیر شیخ ؒ کی وفات ۱۷ ربیع الآخر کو ہوئی اور ہندوستان کے مشائخ میں یہ مشہور ہے کہ آپ کا وصال ۱۱ ربیع الآخر کو ہوا ہے۔

اب آپ خود غور فرمائیں کہ ان تین اقوال کا باہم تطابق کس طرح ہو سکتا ہے۔ اسی واسطے بعض نے اتنا فرما دیا کہ آپ کی وفات ربیع الآخر میں ہوئی تھی وہ اس تردد کی وجہ سے تاریخ بتاتے ہی نہیں صرف مہینہ بتاتے ہیں۔

پھر یہ دوسرا اختلاف ہے کہ اس ردو کد میں نہ پڑیں آپ حضرت پیر شیخ کے عاشق ہیں کہ حضرت پیر شیخ کا فرمان مانتے ہوئے دن، تاریخ مہینہ، وقت، جگہ، کیفیت اور کمیت وغیرہ قیود کو بالائے طاق رکھ کر جو چیز چاہیں خواہ عبادت زبانی ہو خواہ جانی ہو خواہ مالی ہو خواہ از قسم ماکولات ہو خواہ از قسم مشروبات خواہ از قسم ملبوسات ہو کچا رسد ہو یا پختہ ہو ایسے طور پر اللہ کی راہ میں دو کہ ساتھ والے کو بھی خبر نہ ہو مگر اس امر کو اپنے اوپر لازم بھی نہ سمجھو۔ مستحب بہر حال مستحب ہے پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ جو نہ دے اس کو ملامت بھی نہ کرو کیونکہ فقہ کا مسئلہ ہے خوشی کے کام میں کسی کو جبر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس امر پر زور بھی نہ ہو

جیسے نوافل کا دستور ہے اور عقیدہ بھی صحیح ہو یعنی حاضر ناظر، مختار کل، عالم الغیب، قادر مطلق، اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے اور یہ سمجھے کہ نفع نقصان، عزت ذلت، فتح وشکست، اولاد دینا نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے۔ خدا ہمارے ہر کام کی ہر وقت دیکھ بھال رکھتا ہے وہی ہر وقت ہر کسی کی پکار سنتا ہے۔ وہی داتا ہے وہی ہر کسی کی فریاد کو پہنچتا ہے۔ وہی غوث ہے وہ ہی ہر چیز میں برکت دینے والا ہے وہ اگر کچھ تکلیف پہنچا دے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس تکلیف کو ہٹا دے اور اگر وہ بھلائی دے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس بھلائی کو ہٹا دے۔ یہ تمام باتیں اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں سب جہان میں اسی کا تصرف ہے کوئی نائب نہیں نہ کسی کو خدا نے ذیل دار تحصیل دار بنا رکھا ہے۔ ہمارے خیرات نہ کرنے سے پیر صاحب نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ہمارے خیرات کرنے سے مال میں برکت نہیں ڈال سکتے بلکہ ہمارے خیرات کرنے نہ کرنے کا ان کو کچھ علم ہی نہیں ہے۔

اس طرح کی خیرات تو سود مند ہے اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ مع ہذا اگر کوئی اپنی نفلی عبادت کا ثواب اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، بھائی، بہن، اقارب اساتذہ، پڑوسی، دوست احباب کو پہنچائے تو یہ بہت اہم ہے اس کے ذمے ان کے حقوق بھی ہیں۔ حق داروں کو چھوڑ دینا اور دوسرں کو دینا یہ حق داروں کی حق تلفی ہے

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا ہے دن مقرر کرنے یا گیارہویں

نام رکھنے سے عوام کو اس لئے روکا جاتا ہے کہ ان کے عقائد فاسد ہوتے ہیں اور خواص کو اس لئے روکا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے عوام کے عقاء فاسد ہو جاتے ہیں۔ ورنہ مباحات اصلیہ کو غیر مباح کون کہہ سکتا ہے۔ پس ایصال ثواب اگر اس طور سے کرے جس میں فسادِ عقیدہ کا احتمال نہ ہو تو مضایقہ نہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ دن اور تاریخ کی تخصیص کرے نہ کسی خاص چیز کی۔ اور اغنیاء اور گھر والوں کو نہ دے اور اعلان کر کے نہ دے اور کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر کچھ نہ پڑھے اور یہ عقیدہ نہ رکھے کہ حضرت ہماری مدد فرمائیں گے اور یہ نیت نہ رکھے کہ اس عمل کی برکت سے ہمارے مال اور اولاد میں برکت اور ترقی ہوگی محض یوں سمجھے کہ انہوں نے ہمارے پر دین کا احسان کیا ہے کہ سیدھا راستہ کتابوں میں بتلا گئے ہم ان کے حق میں نفع کی دعا کرتے ہیں کہ ثواب سے ان کے درجات بلند ہوں گے۔ پس اس طرح کرنے میں حرج نہیں فقط واللہ اعلم (تتمہ جلد رابع فتاوی امدادیہ ص ۲۴۱،۲۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی امداد المفتین میں لکھتے ہیں ایصال ثواب جائز ہے بشرطیکہ گیارہویں کی تخصیص نہ کرے (۱ص ۹۶)

پھر یہ بھی لکھا کہ اموات کو ثواب پہنچانے میں کسی سورت کی تخصیص نہیں ہے۔ جس سورت کو پڑھ کر چاہیں ثواب پہنچائیں (۲ص ۷۷)

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ کی محققانہ تصنیفات

- کلمہ طیبہ اور نماز
- تفسیر فیض الجلیل تسہیل التنزیل
- مرآۃ القرآن
- مختصر خلاصۃ القرآن
- خیر الکلام تفصیل الابہام
- اعدل الکلام فی حکم الفاتحہ خلف الامام
- سوانح حیات حضرت مولانا حسین علیؒ
- تفسیر بے نظیر حاشیہ بدر منیر
- خلاصۃ البیان من کلام الرحمٰن
- الصراط المستقیم فی حیات النبی الکریمؐ
- الکلمات الصادقہ فی حکم الزنادقہ
- تبیین القرآن
- ندائے حق پر سہ حصص
- شفاء الصدور (عربی)
- شفاء الصدور (عربی مع اردو)
- رق منشور فی احکام الموتی والقبور
- رد منکرات فی حیات الاموات
- القول الرعی فی القمر الشرعی
- الفائض فی الدعا بعد الفرائض
- القول الاتم فی حیات عیسیٰ ابن مریم
- فتح الرحمٰن فی قیام رمضان
- مواہب رحمانی در مسائل قربانی
- عقد العقیان فی عنق جواہر القرآن
- حضرت معاویہؓ پر اعتراضات اور ان کے جوابات
- معراج النبی ﷺ حقائق کی روشنی میں
- طلاق دینے کا شرعی طریقہ
- الطیب الکلام فی نکاح یوسفؑ
- رفع عیسیٰؑ
- خاتم النبیین ﷺ
- عورتوں کا سر کے بال کٹوانا

رقِ منشور

فی

احکام الموتیٰ والقبور

مؤلفہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گھر میں موت ہو جانے کا بیان

مسئلہ ۱: جب آدمی مرنے لگے تو اس کو چت لٹا دو اور اس کے سر کو اونچا کر کے منہ قبلہ کی طرف کر دیں اور اس کے پاس بیٹھ کر کلمہ پڑھیں تاکہ سُن کر وہ خود بھی کلمہ پڑھنے لگے اور اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ دو کیونکہ وہ وقت بڑا مشکل ہے کیا معلوم اُس کے مُنہ سے کیا نکل جائے (شرح تنویر ص ۸۹۰)

مسئلہ ۲: جب وہ ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے تو چُپ ہو رہو۔ یہ کوشش نہ کرو کہ برابر کلمہ جاری رہے اور پڑھتے پڑھتے دم نکلے کیونکہ مطلب تو فقط اتنا ہے کہ سب سے آخری بات جو اُس کے منہ سے نکلے وہ کلمہ ہونا چاہیے اس کی ضرورت نہیں کہ دم ٹوٹنے تک کلمہ برابر جاری رہے۔ ہاں اگر کلمہ پڑھنے کے بعد پھر دُنیا کی بات چیت کرے تو پھر کلمہ پڑھنے لگو جب وہ پڑھ لے تو چُپ ہو رہو (شرح تنویر)

مسئلہ ۳: جب سانس اکھڑ جائے اور جلدی جلدی چلنے لگے اور ٹانگیں ڈھیلی پڑ جائیں کہ کھڑی نہ ہو سکیں اور ناک ٹیڑھی ہو جائے اور کن پٹیاں بیٹھ جائیں تو سمجھو کہ اس کی موت آگئی اس وقت کلمہ پڑھنا شروع کرو۔

(فتاوٰی ہندیہ ص ۸۵ جلد اوّل)

مسئلہ ۴: میت کے پاس سورۂ یاسین پڑھنا مستحب ہے اس سے موت کی سختی کم ہو جاتی ہے۔

(ہندیہ)

مسئلہ ۵: اُس وقت کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے اُس کا دل دُنیا کی طرف مائل ہو جائے کیونکہ یہ وقت دُنیا سے جدائی اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں حاضری کا وقت ہے ایسے کام کرو ایسی تدبیر کرو کہ دُنیا سے دل پھر کر اللہ کی طرف مائل ہو جائے کہ مُردہ کی خیر خواہی اسی میں ہے ایسے وقت بال بچوں کو سامنے لانا یا اور کوئی جس سے اُس کو زیادہ محبت تھی اسے سامنے لانا، ایسی

باتیں کرنا کہ اُس کا دل ان کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور ان کی محبت اس کے دل میں سما جائے بڑی بُری بات ہے۔

مسئلہ نمبر ۶:۔ مرتے وقت اُس کے مُنہ سے خدانخواستہ کفر کی کوئی بات نکلے تو اُس کا خیال نہ کرو نہ اُس کا چرچا کرو۔ بلکہ یہ سمجھو کہ موت کی سختی سے عقل ٹھکانے نہیں رہی اسی وجہ سے ایسا ہوا۔ اور عقل جاتے رہنے کے وقت جو کچھ ہو معاف ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی بخشش کی دُعا کرتے رہو۔

مسئلہ نمبر ۷:۔ جب مرجائے تو سب عضو درست کر دو اور کسی کپڑے سے اس کا منہ اس ترکیب سے باندھ دو کہ کپڑا ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر اُس کے دونوں سرے سر پر لے جاؤ اور گرہ لگا دو تاکہ مُنہ پھیل نہ جائے اور آنکھیں بند کر دو۔ اور پیر کے دونوں انگوٹھے ملا کے باندھ دو تاکہ ٹانگیں پھیلنے نہ پائیں پھر کوئی چادر اوڑھا دو اور نہلانے اور کفنانے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرو۔ (فتاوٰے ہندیہ ص ۱۰۰/۱)

مسئلہ نمبر ۸:۔ مُنہ وغیرہ بند کرتے وقت یہ دُعا پڑھو ؎ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ایضاً ص ۱۰۱/۱)

مسئلہ نمبر ۹:۔ مرجانے کے بعد اُس کے پاس لوبان وغیرہ کچھ خوشبو سلگا دی جائے اور حیض و نفاس والی عورت اور جس کو نہانے کی ضرورت ہو اُس کے پاس نہ رہے۔ (شرح تنویر ص ۸۹۳/۱)

مسئلہ نمبر ۱۰:۔ مرجانے کے بعد جب تک اُس کو غسل نہ دیا جائے اُس کے پاس قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ (شرح تنویر ص ۸۹۳/۱)

کفنانے کا بیان

جب آدمی مرجائے تو ایک چوڑی پٹی لے کر اور ٹھوڑی کے نیچے کو نکال کر سر پر لاکر گرہ دیدو اور آنکھیں بند کر دو۔ اور پیروں کے انگوٹھے ملا کر دھجی سے باندھ دو اور ہاتھ داہنے بائیں رکھو۔ سینے پر نہ رکھیں اور لوگوں کو مرنے کی خبر کر دو اور دفن میں بہت جلدی کرو۔

سب سے پہلے قبر کا بندوبست کرو۔ اور کفن دفن کے لیے سامان ذیل کی فراہمی کر لو جس کو اپنے اپنے موقع پر صرف کرو۔ دو گھڑے، ایک لوٹا غسل کا تختہ۔ لوبان۔ روئی۔ گل خیرو۔ کافور۔ تختہ یا لکڑی بہانے، پٹاؤ قبر بقدر پیمائش قبر۔ ایک بوریا بقدر قبر۔ کفن۔

کفن کی ترکیب مرد کے لیے یہ ہے کہ میت کے قد کے برابر ایک لکڑی لو اور اس میں ایک نشان کندھے کے مقابل لگا دو۔ اور ایک تاگا سینہ کے مقابل رکھ کر جسم کی گولائی میں کو نکالو کر دونو سرے اس تاگے کے دونو طرف کی پسلیوں بیچ پہنچ جائیں اور اس کو وہاں سے توڑ کر رکھ لو۔ پھر ایک کپڑا لو جس کا عرض اسی تاگے کے برابر یا قریب برابر کے ہو۔ اگر عرض اسقدر نہ ہو تو اس میں جوڑ لگا کر پورا کر لو۔ اور اس لکڑی کے برابر ایک چادر پھاڑ کر اس کو ازار کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسری چادر پھاڑو جو عرض میں تو اسی قدر ہو۔ البتہ طول میں ازار سے چار گرہ زیادہ ہو (اس کو لفافہ کہتے ہیں)، پھر ایک کپڑا لو جس کا عرض بقدر چوڑائی جسم میت کے ہو اور لکڑی کے نشان سے اخیر تک جس قدر طول ہو اس کا دگنا پھاڑ لو اور دونو سرے کپڑے کے ملا کر آدھا چاک کھولو کہ سر کی طرف سے گلے میں آجائے (اس کو قمیص یا کفنی کہتے ہیں)

عورت کے لیے یہ کپڑے تو ہیں ہی اس کے علاوہ دو اور ہیں ایک سینہ بند۔ دوسرا سربند جسے اوڑھنی کہتے ہیں۔ سینہ بند زیر بغل سے گھٹنے تک اور تاگے مذکور سے بقدر چوڑا۔ سربند نصف ازار سے تین گرہ زیادہ لمبا اور بارہ گرہ چوڑا۔ یہ کفن ہوا۔ اور کفن مسنون اسی قدر ہے اور بعض چیزیں کفن کے متعلقات سے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں ہے۔

تہبند بدن کی موٹائی سے تین گرہ زیادہ۔ بڑے آدمی کے لیے سوا گز طول کافی ہے اور عرض زیر ناف سے پنڈلی تک چودہ گرہ عرض کافی ہے۔ یہ دو ہونے چاہییں۔

دستانہ جو چھ گرہ طول اور تین گرہ عرض ہو بقدر پنجہ دست بنا لیں۔ یہ بھی دو عدد ہوں

چادر عورت کے گہوارہ کی جو بڑی عورت کے لیے ساڑھے تین گز طول اور دو گز عرض کافی ہو

تنبیہ:۔ کفن اور اس کے متعلقات کا بندوبست بھی گھڑوں وغیرہ کے ساتھ کر دیں۔

تنبیہ

اب مناسب ہے کہ ہر شخص کے کفن کو یکجائی جمع کر کے لکھ دیا جائے تاکہ آسانی ہو

نام پارچہ	طول	عرض	اندازہ پیمائش	کیفیت
ازار	اڑھائی گز	سوا تا ڈیڑھ گز	سر سے پاؤں تک	۱۴، ۱۵، یا ۱۶ گرہ عرض کپڑے کا ہو تو ڈیڑھ پاٹ
لفافہ	پونے تین گز	"	ازار سے چار گرہ زائد	
کفنی	اڑھائی تا پونے تین گز	"	کندھے سے آدھی پنڈلی تک	۱۴ گرہ یا ایک گز کے عرض کی تیار ہوتی ہے۔ دو برابر حصے کرکے اور چاک کھول کر گلے میں ڈالتے ہیں۔
سینہ بند	دو گز	سوا گرہ	زیر بغل پنڈلی تک	
سربند	ڈیڑھ گز	بارہ گرہ	جہاں تک آجائے	سر کے بالوں کے دو حصے کرکے اور اس میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ پر رکھ دیتے ہیں۔

تنبیہ: تخمیناً مرد کے کفن مسنون میں ایک گز عرض کا کپڑا دس گز صرف ہوتا ہے اور عورت کے لیے مع چادر گہوارہ ۲۱ گز اور سربند اور دستانہ اس سے جدا ہیں۔ بچہ کا کفن مناسب حال سابق۔

غسل اور کفنانے کا طریقہ

ایک گھڑے میں دو مٹھی بیری کے پتّے ڈال کر پانی جوش دے لو اور اُس کے دو گڑھے بنالو اور ایک گڑھا شمالاً جنوباً لمبا کھودو (یہ ضروری نہیں کہ اگر کوئی ایسا موقع ہو کہ پانی کسی نالی وغیرہ کے ذریعہ سے بہہ جائے تو اُس کے قریب تختہ رکھ لینا کافی ہے) اور اس پر تختہ اسی رخ پر بچھا کر تین یا پانچ دفعہ لوبان کی دھونی دے لو۔ اور مُردے کو اس پر لٹا دو اور کُرتہ انگرکھا وغیرہ کو چاک کر کے نکال لو اور تہہ بند ستر پر ڈال کر استعمالی پارچہ اندر ہی اندر اُتار لو اور پیٹ پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرو۔ نجاست خارج ہو یا نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں دستانہ پہنے ہوئے مٹی کے تین یا پانچ ڈھیلوں سے استنجا کرو۔ پھر پانی سے پاک کرو۔ پھر سر اور ڈاڑھی کو گل خیرو یا صابون سے دھو دو۔ پھر بارادہ وضو اول میت کا منہ دھوئیں۔ پھر روئی کا پھایا تر کر کے ہونٹوں اور دانتوں پر پھیر کر پھینک دو۔ اسی طرح تین دفعہ کرو اور اسی صورت سے تین دفعہ ناک اور رخساروں پر پھیرو۔ پھر منہ، ناک اور کان میں روئی اُڑا دو کہ پانی اندر نہ جائے پھر کہنیوں سمیت دونو ہاتھ دھوو۔ پھر سر کا مسح کرو پھر دونوں پاؤں دھوو پھر سارے بدن پر پانی بہا دو۔ پھر بائیں کروٹ لٹا کر پانی بہاؤ۔ پھر داہنی کروٹ پر ایسا ہی کرو۔ پھر دوسرا دستانہ پہن کر بدن کو صاف کر دو اور تہہ بند دوسرا بدل دو۔ پھر چارپائی بچھا کر اول اس پر لفافہ پھر اس پر ازار پھر اس پر نیچے کا حصہ کفنی کا بچھا کر باقی حصہ بالائی کو سمیٹ سرہانے کی طرف رکھ دو۔ پھر میت کو تختہ سے بآسانی اُٹھا کر اس پر لٹا دو۔ اور کفنی کے حصہ کو سر کی طرف اُلٹ دو کہ گلے میں آجائے اور پیروں کی طرف بڑھا دو اور تہہ بند نکال دو۔ اور کافور سر اور ڈاڑھی اور سجدہ کی جگہوں پر (پیشانی، ناک، دونو ہتھیلی، دونوں کہنیاں، دونو گھٹنوں پر) مل دو۔ پھر ازار کا بایاں پلہ لوٹ دو۔ اور لفافہ کو ایسا ہی کرو۔ اور ایک کترنے کو سرہانے اور پائنتی چادر کے گوشہ چُن کر باندھ دو۔

سینہ بند سے عورت کی چھاتیاں لپیٹ دو۔ سربند کا ذکر نقشہ میں ہو گیا۔ عورت کے گہوارے پر چادر ڈالی جاتی ہے۔ یہ پورا کفن ہے۔

تنبیہ: بعض کپڑے لوگوں نے کفن کے ساتھ ضروری سمجھ رکھے ہیں حالانکہ وہ کفن مسنون سے خارج ہیں میت کے ترکہ سے ان کا خریدنا جائز نہیں وہ یہ ہیں جائے نماز طول سوا گز عرض چودہ گرہ۔ پٹکا طول ڈیڑھ گز عرض چودہ گرہ۔ یہ قبر میں میت کو اتارنے کے لیے ہوتا ہے۔ بچھونا طول اڑھائی گز عرض سوا گز۔ یہ چارپائی پر بچھانے کے لیے ہوتا ہے۔ دامنی طول دو گز عرض سوا گز۔ بقدر استطاعت چار سے سات تک محتاجین کو دیتے ہیں جو محض عورت کے لیے مخصوص ہیں۔ چادر کلاں۔ مرد کے جنازہ پر طول تین گز عرض پونے دو گز جو چارپائی کو ڈھانک لیتی ہے البتہ عورت کے لیے ضروری ہے مگر یہ کفن سے خارج۔ اس لیے اس کا ہم رنگ کفن ہونا ضروری نہیں۔ پردہ کے لیے کوئی سا کپڑا ہو کافی ہے۔

تنبیہ۔ اگر جائے نماز وغیرہ کی ضرورت کبھی خیال میں آئے تو گھر کے کپڑے کام آسکتے ہیں۔ ترکہ میت سے ضروری نہیں۔ یا کوئی عزیز اپنے مال سے خرید دے۔

مسئلہ: سامان غسل و کفن میں سے اگر کوئی چیز پہلے سے گھر میں موجود ہو اور پاک صاف ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: کپڑا کفن کا اسی حیثیت کا ہونا چاہیے جیسا مردہ اکثر زندگی میں استعمال کرتا تھا۔ تکلفات فضول ہیں

مسئلہ: جو بچہ علامت زندگی کی ظاہر ہو کر مر گیا تو اس کا نام اور غسل اور نماز سب ہوگی اور اگر کوئی علامت نہ پائی گئی تو غسل دے کر اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر بدون نماز دفن کر دیں گے۔ اس کے بعد بقاعدہ معروف نماز پڑھیں اور دفن کر دیں۔

مختلف مسائل

اگر مُردہ نہانے کی حاجت میں یا حیض و نفاس میں مرجائے تو اس طرح سے منہ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے تاکہ طہارت مکمل حاصل ہوجائے (شرح التنویر ص۹۵) اور ناک اور منہ میں اور کانوں میں روئی بھر دو تاکہ وضو کراتے اور نہلاتے وقت پانی اندر نہ جانے پائے۔ (فتاویٰ ہندیہ ص۱)

جب وضو کرا چکو تو سر کو گل خیرو سے یا کسی اور چیز سے جس سے سر صاف ہوجائے جیسے بیسن یا کھلی سے مل کر دھوئے اور صاف کرکے پھر مُردے کو بائیں کروٹ پر لٹا کر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا پانی نیم گرم تین بار سر سے پیر تک ڈالے۔ یہاں تک کہ بائیں کروٹ تک پہنچ جائے۔ پھر داہنی کروٹ پر لٹائے اور اسی طرح سر سے پیر تک تین مرتبہ اتنا پانی ڈالے کہ داہنی کروٹ تک پہنچ جائے اس کے بعد مُردے کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر ذرا بٹھلائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اور دبائے۔ اگر کچھ پاخانہ نکلے تو اس کو پونچھ کر دھو ڈالے اور وضو اور غسل میں اس کے نکلنے سے کچھ نقصان نہیں اب نہ دہراؤ۔ اس کے بعد پھر اس کو بائیں کروٹ پر لٹائے اور کافور پڑا ہوا پانی سر سے پیر تک تین بار ڈالے پھر سارا بدن کسی کپڑے سے پونچھ کر کفنا دو۔ (〃)

اگر ایک ہی دفعہ سارے بدن کو دھو ڈالے تب بھی فرض ادا ہوگیا لیکن سنت طریقہ نہلانے کا وہی ہے جو اوپر بیان ہوچکا ہے (فتاویٰ ہندیہ ص۱)

اگر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا پانی نہ ہو تو یہی سادہ نیم گرم پانی کافی ہے (شرح الہدایہ ص۱۹۰) اور بہت تیز گرم پانی سے مُردے کو نہ نہلائے)

مسئلہ: جب مردہ کفن پر رکھو تو سر پر عطر لگا دو اور اگر مُردہ مرد ہو تو داڑھی پر بھی عطر لگا دو پھر ماتھے، ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دو (شرح الہدایہ ص۱۹۱) بعضے بعضے کفن پر عطر لگاتے ہیں اور عطر کی پھریری کان میں رکھ دیتے ہیں یہ سب جہالت ہے جتنا شرع میں آیا ہے اس سے زیادتی مت کرو۔ (بہشتی زیور ص۴۶ ج۲)

مسئلہ:- بالوں میں کنگھی نہ کرو، نہ ناخن کاٹو، نہ کہیں کے بال کاٹو، نہ ہاتھ پاؤں وغیرہ پر کسی جگہ مہندی لگاؤ۔ (شرح البدایہ ص ۱۷۱)

مسئلہ:- اگر نہلانے میں کوئی عیب دیکھے تو کسی کو نہ کہے اگر خدا نخواستہ مرنے سے اس کا چہرہ بگڑ گیا اور کالا ہو گیا تو یہ بھی نہ کہے اور بالکل اس کا چرچا نہ کرے کہ یہ سب ناجائز ہے ہاں! اگر کھلم کھلا کوئی گناہ کرتا ہو جیسے ناچتا ہو یا گانے بجانے کا پیشہ کرتا ہو یا شہور بدعتی ہو تو ایسی باتیں کہہ دینا درست ہیں تاکہ اور لوگ ایسی باتوں سے بچیں اور توبہ کریں اور اگر کوئی اچھی بات دیکھے جیسے چہرے پر نورانیت اور رونق کا ہونا۔ تو اس کا ظاہر کرنا مستحب ہے:- (رد المختار ص ۱۰۴)

مسئلہ:- بہتر یہ ہے کہ جس کا رشتہ دار زیادہ قریب ہو وہ نہلائے۔ اور اگر وہ نہ نہلا سکے تو کوئی دیندار نیک آدمی نہلائے۔ (رد المختار ص ۱۰۶)

مسئلہ:- عورت کا خاوند مرگیا ہو تو اس کا نہلانا کفنانا تو اس کا نہلانا اس کی بیوی کو جائز ہے۔ اور اگر بیوی مرجائے تو خاوند کو جائز نہیں کہ اس کے بدن کو ہاتھ لگائے البتہ دیکھ سکتا ہے اور کپڑے کے اوپر سے ہاتھ لگا سکتا ہے اس کو کوئی دیندار عورت نہلائے بشرطیکہ حیض و نفاس سے نہ ہو ورنہ مکروہ اور منع ہے۔ (شرح التنویر ص ۹۰)

مسئلہ:- اگر مرد مرگیا اور مردوں میں سے کوئی نہلانے والا نہیں ہے تو بیوی کے علاوہ کوئی عورت اس کو نہلا نہیں سکتی اگرچہ محرم ہی ہو۔ اگر بیوی بھی نہ ہو تو غسل نہ دیں تیمم کرا دیں لیکن اس کے بدن کو ہاتھ نہ لگے بلکہ اپنے ہاتھ میں پہلے دستانے پہن لے تب تیمم کرائے۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۶۰)

مرد کو تین کپڑوں میں کفنانا سنت ہے۔ ایک ازار ایک کرتہ ایک چادر، اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنانا سنت ہے۔ ایک ازار دوسرا کرتہ تیسرا سربند چوتھا سینہ بند پانچواں چادر۔ ازار سر سے لے کر پاؤں تک ہو اور چادر اس سے ایک ہاتھ بڑی ہو اور کرتہ گلے سے لے کر پاؤں تک ہو۔ نہ دو بغلیں نہ اس میں کلیاں ہوں نہ آستین۔ اور سربند تین ہاتھ لمبا ہو اور سینہ بند چھاتی سے لے کر رانوں تک چوڑا اور اتنا لمبا ہو کہ بندھ جائے (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۶۰، رد المختار ص ۹۱، ۹۲)

مسئلہ:- سینہ بند چھاتیوں سے لیکر ناف تک ہو تب بھی درست ہے لیکن ران تک ہونا زیادہ اچھا ہے۔ (رد المحتار ص۹۰۲ ج۱)

مسئلہ: اگر کوئی پانچ کپڑوں میں نہ کفنائے بلکہ فقط تین کپڑے کفن میں دیئے ازار، چادر، سر بند تو بھی درست ہے اور تین کپڑوں سے کم کفن عورت کا مکروہ اور بُرا ہے ہاں اگر مجبوری ہو تو دینا بھی درست ہے اور مرد کے کفن میں اگر صرف چادر اور ازار ہی ہوں اور کُرتہ نہ ہو تب بھی کچھ حرج نہیں اور بغیر مجبوری کے ایک ہی کپڑے میں کفنانا مکروہ ہے۔

مسئلہ:- لڑکے کو مرد کی طرح تین کپڑوں میں کفنائیں اور لڑکی کو عورت کی طرح پانچ کپڑوں میں۔

مسئلہ:- جو بچہ ماں کے پیٹ سے مرا ہوا ہی پیدا ہوا اس کو بھی اسی طرح نہلائے جیسے اوپر ذکر ہوا لیکن قاعدہ کے موافق کفن نہ دو بلکہ کسی ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دو اور اس کا نام بھی کچھ نہ کچھ رکھ دینا چاہیئے لیکن اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ (شرح تنویر ص۹۲۸ ج۱)

مسئلہ:- سینہ بند کو اگر سر بند کے بعد ازار لپیٹنے سے پہلے ہی باندھ دیا تو بھی جائز ہے اور اگر سب کفنوں سے اوپر سے باندھے تو بھی درست ہے۔ (رد المحتار ص۹۰۲ ج۱)

مسئلہ:- جو چادر جنازہ کے اوپر یعنی چارپائی پر ڈالی جاتی ہے وہ کفن میں شامل نہیں ہے کفن فقط اتنا ہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

مسئلہ: میت کے دونوں ہاتھ پاسوں میں رکھ دیں، سینے پر نہ رکھیں کہ سینہ پر کافر رکھتے ہیں۔ (رد المحتار ص۹۲۳ ج۱)

مسئلہ:- میت کو عمامہ باندھنا مکروہ ہے (مجتبیٰ، المحیط، زاہدی، رد المحتار ص۹۳۶ ج۱ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۳۴ ج۴، مشکوٰۃ ص۱۴۲ میں بحوالہ مسلم و بخاری۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں عمامہ نہ تھا۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ ص۹۸ ج۳ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میت کو پگڑی نہ باندھی جائے اسی طرح امام شعبی سے بھی نقل فرمایا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اپنی بھائی کو کفن دینے لگو تو اچھا کفن دو (مشکوٰۃ) اور
کفن اچھا یہ ہے کہ پورا ہو اور لطیف و سفید ہو بغیر اسراف کے پس اچھے سے مراد یہ نہیں کہ جو
اسراف والے کفن دیتے ہیں از راہ ناموری اور تکبر کے کیونکہ یہ سخت حرام ہے۔ اور نیا کپڑا اور دھویا
ہوا کپڑا دونوں برابر ہیں اور تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسراف کرنے والوں نے جو اختیار
کیا ہے کہ کپڑے بہت بھاری قیمت کے کفن میں دیتے ہیں وہ شرع میں منع ہے واسطے
ضائع ہونے مال کے (مظاہر حق)

حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
کفن میں بہت مہنگا کپڑا نہ لگاؤ کیونکہ وہ بہت جلد چھینا جاتا ہے یعنی بہت جلد پرانا اور خراب
ہو جاتا ہے پس کیا حاجت ہے نفیس اور بھاری قیمت کی۔ (مشکوٰۃ)

غرضیکہ کفن میں اسراف کرنا منع ہے اور اوسط درجہ کا مستحب اور بہتر ہے۔

پھر کفن کا کپڑا سفید رنگ کا ہو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے
کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خود بھی سفید کپڑے پہنو کہ تمہارے کپڑوں میں سے
یہ بہترین ہیں اور اپنے مُردوں کو بھی سفید ہی کپڑوں میں کفناؤ۔ (مشکوٰۃ ص۱۴۳)

مسئلہ: کفن میں یا قبر میں عہدنامہ یا اپنے پیر کا شجرہ یا کوئی اور دعا رکھنا درست نہیں
اسی طرح کفن یا سینہ پر کافور یا روشنائی سے کلمہ وغیرہ کوئی دعا لکھنا درست نہیں ہے نہ یہ
حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ کسی مجتہد سے ثابت ہے (ردالمحتار ص۶۹۳، ۱۹۹)

مسئلہ: جس شہر میں کوئی مرے وہیں اس کا گور و کفن کیا جائے دوسری جگہ لیجانا
بہتر نہیں ہے البتہ اگر کوئی جگہ کوس آدھ کوس دور ہو وہاں لے جانے میں کوئی حرج
بھی نہیں ہے۔ (مراقی الفلاح و طحطاوی ص۳۵۹)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اپنی بھائی کو کفن دینے لگو تو اچھا کفن دو (مشکوٰۃ) اور کفن اچھا یہ ہے کہ پورا ہو اور لطیف و سفید ہو بغیر اسراف کے پس اچھے سے مراد یہ نہیں کہ جو اسراف والے کفن دیتے ہیں از راہ ناموری اور تکبر کے کیونکہ یہ سخت حرام ہے۔ اور نیا کپڑا اور دھویا ہوا کپڑا دونوں برابر ہیں اور تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسراف کرنے والوں نے جو اختیار کیا ہے کہ کپڑے بہت بھاری قیمت کے کفن میں دیتے ہیں وہ شرع میں منع ہے واسطے ضائع ہونے مال کے (زنتا ھرق)

حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کفن میں بہت مہنگا کپڑا نہ لگاؤ کیونکہ وہ بہت جلد چھینا جاتا ہے یعنی بہت جلد پرانا اور خراب ہو جاتا ہے پس کیا حاجت ہے نفیس اور بھاری قیمت کی۔ (مشکوٰۃ۔)

غرضیکہ کفن میں اسراف کرنا منع ہے اور اوسط درجہ کا مستحب اور بہتر ہے۔

پھر کفن کا کپڑا سفید رنگ کا ہو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خود بھی سفید کپڑے پہنو کہ تمہارے کپڑوں میں سے یہ بہترین ہیں اور اپنے مُردوں کو بھی سفید ہی کپڑوں میں کفناؤ۔ (مشکوٰۃ ص۱۴۳)

مسئلہ: کفن میں یا قبر میں عہد نامہ یا اپنے پیر کا شجرہ یا کوئی اور دعا رکھنا درست نہیں اسی طرح کفن یا سینہ پر کافور یا روشنائی سے کلمہ وغیرہ کوئی دعا لکھنا درست نہیں ہے نہ یہ حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ کسی مجتہد سے ثابت ہے (ردالمحتار ص۶۹۹)

مسئلہ جس شہر میں کوئی مرے وہیں اس کا گور و کفن کیا جائے دوسری جگہ لیجانا بہتر نہیں ہے البتہ اگر کوئی جگہ کوس آدھ کوس دور ہو وہاں لے جانے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ (مراقی الفلاح وطحطاوی ص۳۵۹)

کفن پر لکھنا

رد المحتار ص۲۴۶ ج۱ میں ہے۔

قد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یاسین والکھف ونحوھما خوفاً من صدید المیت ط

ابن صلاح نے فتوے دیا ہے کہ بالکل جائز نہیں کہ کفن پر سورۂ یاسین و سورۂ کہف اور اس قسم کی کوئی اور چیز لکھی جائے کیونکہ میت کے پھٹنے سے اس کی پیپ لگنے کا خوف ہو

نہایہ میں ہے

لا یکتب علی الکفن بالمداد و علی الکاغذ لان فیہ اھانتہ والکاغذ لیس من جنس الاکفان ولا یصنع علی المیت شیئاً لیس من الاکفان۔

یعنے کفن پر سیاہی سیاہی وغیرہ سے نہ لکھا جائے اور نہ ہی کاغذ پر لکھ کر کفن کے ساتھ رکھا جائے کیونکہ اس میں توہین ہے نیز کاغذ کفن کی جنس سے نہیں اس لیے وہ کفن میں نہیں رکھ سکتے۔

بعض نے اس طرح لکھنا جائز کہا ہے جس سے حروف ظاہر نہ ہوں لیکن بات حق یہ ہے کہ خیر القرون میں یہ طریقہ نہ تھا۔ لہٰذا اگر نیکی سمجھ کے لکھیں گے تو احداث فی الدین ہونے کی وجہ سے بدعت ہے ورنہ لغو اور فضول اور مومنوں کی صفت ہے وَھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

اب رہا زاد اللبیب کا ص۴۳ میں کفایہ سے نقل کرنا۔ کہ کسی نے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد نہلا کر میرے ماتھے اور سینے پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھ دینا پھر بیٹے نے ایسا ہی کیا بیٹے کو باپ خواب میں ملا اور کہا کہ میرے پاس عذاب کے فرشتے آئے تو میرے سینے پر اور پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا دیکھ کر کہنے لگے اٰمِنْتَ مِنَ العذاب (تو عذاب سے بچ گیا) سو یہ واقعہ خواب کا ہے اور یہ مسلم امر ہے کہ خواب حجت نہیں ہوتی۔ نیز عذاب کا یہ مقام نہیں جو عام سمجھا جاتا ہے۔ عذاب عالم برزخ میں ہوتا ہے نیز ان کے کلام میں تعارض ہے کیونکہ ادھر کہتے ہیں کہ روشنائی سے تو نہ لکھے اس طرح لکھے کہ حروف ظاہر

نہ ہوں اور دوسری طرف لکھتے ہیں۔ وَاِنَّہٗ یَکْتُبُ بِالْمِدَادِ وَبِالتُّرَابِ۔ یعنی ڈھیلے یا مٹی سے لکھ سکتے ہیں۔ کیا مٹی اور ڈھیلے کے ساتھ لکھنے سے حروف ظاہر نہیں ہوتے؟ یا پھر سیاہی کی ممانعت میں کوئی خاص اثر ہے نیز اگر کافر کے کفن پر بسم اللّٰہ لکھ دی جائے تو فرشتے ہٹ جائیں گے ؟ نہیں! ہرگز نہیں! کفن پر سارا قرآن لکھ دیا جائے پھر بھی خدا جس کو عذاب دینے کا حکم دے گا۔ فرشتے ضرور اس کو عذاب دیں گے کیونکہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۔ فرشتے خدا کے حکم کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا خدا امر کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن اُبَی منافق کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ بھی پڑھا اور اس کے منہ میں لب مبارک بھی ڈالی۔ (مشکوٰۃ ص۱۴۳)

اور دیگر اپنے تن مبارک سے کرتہ مبارک اُتار کر اس کے بدن کے ساتھ لگایا اور اسی کرتہ کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا مگر یہ سب باتیں اس کو عذاب سے نہ بچا سکیں۔ کیا آج کل ہم گنہگاروں کا کفن پر لکھ دینا آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کرتے سے بڑھ گیا؟

نمازِ جنازہ۔

نمازِ جنازہ درحقیقت اس میت کے لیے دُعا ہے ارحم الراحمین سے (رد المحتار ص۴۱۲)

میت کی نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے اگر ایک دو آدمی بھی پڑھ لیں تو سب کے ذمہ سے فرض ساقط ہو گیا اور اگر کسی نے بھی نہیں پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے۔ (رد المحتار ص۴۰۹)

جنازہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے شرط ہے میت کا مسلمان ہونا، میت کا پاک ہونا، اس کے کفن کا پاک ہونا۔ ستر کا ڈھکا ہوا ہونا، میت کا نماز پڑھنے والے کے سامنے رکھا ہوا ہونا اور نماز پڑھنے والے کا باوضو ہونا، پاک کپڑے ہونا، جگہ پاک ہونا، قبلہ رُخ کھڑے ہونا، ستر عورت اور نیت دل کی، ہاں وقت اس کے لیے شرط نہیں، نیز اس کے لیے نماز نہ ملنے کے خیال سے تیمم کرنا جائز ہے۔ مثلاً نمازِ جنازہ ہو رہی ہو اور وضو کرنے میں یہ خیال ہو کہ نماز ختم ہو جائے گی تو تیمم کر لے۔ بخلاف اور نمازوں کے کہ ان میں اگر وقت کے چلے جانے کا خوف ہو تو تیمم

جائز نہیں۔ (بحوالہ بحر الرائق صفحہ ۱۶۹ اور رد المحتار صفحہ ۲۳۰ جلد ۱)

آجکل بعضے آدمی جنازے کی نماز جوتا پہنے ہوئے پڑھتے ہیں ان کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ وہ جگہ جس پر کھڑے ہوئے ہوں اور جوتے دونوں پاک ہوں اور اگر جوتا پیر سے نکال دیا جائے اور اس پر کھڑے ہوں تو صرف جوتے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اکثر لوگ اس کا خیال نہیں کرتے اور ان کی نماز نہیں ہوتی۔ (از بہشتی زیور صفحہ ۳۲)

میت اگر کافر یا مرتد حقیقۃً یا حکماً ہو تو اس کی نماز جنازہ صحیح نہ ہو گی۔ مسلمان اگرچہ فاسق ہو یا ایسا بدعتی جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچتی ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنا صحیح ہے۔ البتہ جس نے اپنے باپ یا ماں کو قتل کیا ہو اور اس کی سزا میں وہ مارا جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے زجراً، اور جو خودکشی کرے اس کی نماز جنازہ درست ہے۔

میت جس جگہ رکھی ہو وہ اگر پاک نہیں مگر میت پاک پلنگ یا تخت پر ہے تو نماز درست ہے۔ میت اگر نماز پڑھنے والوں کے سامنے نہ ہو پیچھے ہو یا میت وہاں حاضر نہ ہو تو نماز درست نہیں جیسے آج کل غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے سوا کسی کا نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھا اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں بھی غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہوتی تھی اور نجاشی کا واقعہ میں لکھا ہے کہ معجزہ کے طور پر اس کی چارپائی حبشہ سے اٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی گئی تھی حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس چارپائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو یہ معجزہ تھا اور آپ کی خصوصیت تھی (ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۲۴۴)

اگر میت کو لوگ اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوں یا کسی گاڑی یا جانور پر ہو اسی حالت میں اس کی نماز پڑھی جائے تو صحیح نہ ہو گی۔

نماز جنازہ میں دو چیزیں فرض ہیں ایک یہ کہ چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا یہاں ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے دوسرے قیام یعنی کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنا جس طرح فرض و واجب نمازوں میں قیام فرض ہے اور بغیر عذر کے اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔

نماز جنازہ میں تین چیزیں سنت ہیں (۱) اللہ کی حمد کرنا (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا (۳) میت کے لیے دعا کرنا۔ جماعت اس میں شرط نہیں پس اگر

ایک شخص بھی جنازہ کی نماز پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا خواہ وہ عورت ہو یا مرد، بالغ ہو یا نابالغ ——————— (بحوالہ بحر صفحہ ۱۹۹)

ہاں! یہ الگ بات ہے کہ یہاں جماعت کی ضرورت زیادہ ہے اس لیے کہ یہ دعا ہے میت کے لیے اور چند مسلمانوں کا جمع ہو کر بارگاہِ الٰہی میں کسی کے لیے دعا کرنا ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے نزولِ رحمت اور قبولیت کے لیے ——————— (بہشتی زیور صفحہ ۸۱۳۹)

نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ

نمازِ جنازہ پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو سامنے اس طرح رکھا جائے کہ سر اور پاؤں ہمارے علاقہ میں شمالاً جنوباً ہوں۔ پھر امام اس کے سینے کے مقابل قبلہ رخ کھڑا ہو جائے اور جنازہ پڑھنے والے باقی تمام لوگ صف باندھ کر امام کے پیچھے کھڑے ہو جائیں۔ اگر آدمی زیادہ ہوں تو تین، یا پانچ یا سات صفیں بنانا بہتر ہے۔ جب صفیں درست ہو جائیں تو نمازِ جنازہ کی نیت اس طرح کریں کہ "میں محض خدا تعالیٰ کے لیے اس جنازے کی نماز اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں۔" پھر امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر ناف کے نیچے باندھیں پھر امام اور مقتدی آہستہ آہستہ ثناء پڑھیں: سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ۔

اور یہ جو وَتَعَالٰی جَدُّکَ کے بعد وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ کا کلمہ نمازِ جنازہ میں پڑھنا لوگوں میں مشہور ہے اس کا ذکر مجتہدین مقلدین متقدمین و متاخرین نے نہیں فرمایا اور صحاح ستہ و دیگر کتب احادیث مشہورہ میں بھی مذکور نہیں۔ البتہ منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ کوئی پڑھے تو روکا نہ جائے اور جو نہیں پڑھتا اس کو حکم نہ دیا جائے۔ مگر صاحب منیہ نے بھی اس لفظ کو جنازہ کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا مطلق نماز کے طریقے میں اپنے مقام پر لکھا ہے۔ اور کبیری میں کتاب الدعاء لابن ابی شیبہ و ابن مردویہ کا حوالہ دیا اور ابن شجاع کی کتاب الفردوس کا جس کو محدثین نے آوذ موضوعات کہا۔ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ نہ تو نمازِ جنازہ میں وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ پڑھا جائے اور نہ ہی کسی دوسری نماز میں۔

ثناء پڑھنے کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے امام بآوازِ بلند تکبیر کہے اور مقتدی آہستہ سے۔ پھر دونوں درود جو نماز کے قعدہ اخیرہ میں پڑھے جاتے ہیں، امام

اور مقتدی سب آہستہ آہستہ پڑھیں۔ پھر دوسری کی طرح بغیر ہاتھ اٹھائے تیسری تکبیر کہیں۔ پھر حسبِ حال امام اور مقتدی میت کے لیے آہستہ آہستہ دعا پڑھیں۔

○ بالغ مرد یا عورت کا جنازہ ہو تو یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا. اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهِ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْاِيْمَانِ.

○ اور بعض حدیثوں میں یہ دعا بھی آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهِ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ.

○ اور بعض حدیثوں میں یہ دعا بھی آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

○ اور یہ لفظ بھی آئے ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ.

○ اور ایک روایت میں اس جگہ یہ لفظ ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ. (مشکوٰۃ ص ۱۳۶)

(مظاہر حق ص ۵۰ ج ۲، بحر الرائق ص ۱۸۳ ج ۲، فتح القدیر ص ۴۵۹ ج ۱، حزب النبی ص ۱۹)

○ اور اگر جنازہ نابالغ لڑکے کا ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا.

○ اور اگر جنازہ نابالغ لڑکی کا ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً.

اس کے بعد امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے چوتھی تکبیر کہیں اور پھر امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے پہلے داہنی طرف اور پھر بائیں طرف سلام پھیریں۔

نماز سے فارغ ہوتے ہی جنازے کو اٹھا کر لے چلیں اب جنازے کا یہاں رکھنا اور دعا کرنا اور ایسے ہی ایصال ثواب کے لیے کلموں تسبیحوں تکبیروں قرآن مجید کے ختموں کے جمع کرنے کی خاطر دیر لگانا منع ہے۔ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جلدی کرو جنازہ کے ساتھ۔

کیونکہ اگر وہ میت نیک ہے تو اس کے حق میں تمہاری یہی بھلائی ہے کہ اس کو بھلائی کی طرف جلدی پہنچا دو اور اگر وہ میت بدبخت یعنی بد ہے تو اس کو اپنی گردن سے جلدی جار رکھو اور جنازہ سے فارغ ہو کر پھر تمام ہی صورت میں دعا مانگنا اور دوسرے امور میں لگ کر جنازہ کے اٹھانے میں دیر لگانا۔ نہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نہ تابعینؒ اور نہ تبع تابعینؒ سے اور نہ کسی مجتہدؒ سے منقول ہے نہ مجتہدینؒ کے شاگردوںؒ اور ان کے مذہب کے ناقلوںؒ سے منقول ہے بلکہ ان سے اس دعا کی کراہت باصراحت منقول ہے چنانچہ (۱) امام ابوبکر بن حامد البخاری معاصر ابوالحفص الکبیر نے محیط میں صاف لکھا ہے۔

إِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ مَكْرُوْهٌ یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے

(۲) امام شمس الائمہ حلوانی حنفیؒ اور مفتی بخارا قاضی شیخ الاسلام علامہ سغدی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ لَا يَقُوْمُ الرَّجُلُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ ——————— (قنیہ ص ۵۶)

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے کوئی آدمی نہ ٹھیرے۔

(۴) امام طاہر بن احمد بخاری حنفیؒ نے لکھا لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ لِاَجْلِ الْمَيِّتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ وَقَبْلَهَا۔

یعنی جنازہ کی نماز سے پہلے اور پیچھے میت کے لیے قرآن پڑھ کر دعا نہ کریں

(خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۲۵ جلد اول)

(۵) علامہ سراج الدین حنفیؒ نے لکھا "إِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلٰوةِ لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ

(فتاویٰ سراجیہ صـ۲۳)

ترجمہ:- جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا کے لیے نہ ٹھیرے۔

(۶) امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری حنفیؒ نے کہا۔

لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ دَعَا مَرَّةً (بزازیہ صـ۲۹۳)

نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھیرے کیونکہ (جنازہ کے اندر) ایک بار دعا کر چکا۔

(۷) امام شمس الدین محمد خراسانی کوہستانی حنفیؒ نے کہا کہ لَا يَقُوْمُ دَاعِيًا لَهٗ (جامع الرموز صـ۱۲۵)

ترجمہ:- اور میت کے حق میں دعا مانگنے کے لیے نہ ٹھیرے۔

(۸) اور علامہ ابو حنیفہ ثانی ابن نجیم حنفیؒ نے کہا کہ لَا يَدْعُوْا بَعْدَ التَّسْلِيْمِ (بحر الرائق صـ۱۹۳)

یعنی سلام پھیر چکنے کے بعد دعا نہ کرے۔

(۹) اور مفتی محمد نصیر الدین حنفیؒ نے لکھا کہ "وبعد ایستادہ نہ ماند برائے دعا (فتاویٰ برہنہ صـ۳۶)

یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھیرے۔

(۱۰) اور مصنفؒ مجموعہ خانی نے صـ۱۱ میں لکھا ہے "و دعا نخواند و فتویٰ بریں قول است"

یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا نہ پڑھے اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔

(۱۱) حضرت ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صـ۱۴۹ میں لکھا:

وَلَا يَدْعُوْا لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ

یعنی نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

(۱۲) مفتی سعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں۔

خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن بر امر مسنون منع میکنند

(فتاویٰ سعدیہ صـ۱۴)

یعنی جنازہ کی نماز کے بعد دعا مانگنا کراہت سے خالی نہیں کیونکہ اکثر فقہاء اس لیے منع کرتے ہیں کہ امر مسنون پر زیادتی ہو جاتی ہے۔

(۱۳) مولینا نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مظاہر حق صـ۵۵ میں لکھا ہے اور نہ دعا کرے میت کے لیے بعد نماز جنازہ کے اس لیے کہ یہ مشابہ ہوتا ہے ساتھ زیادتی کے نماز جنازہ میں۔

(۱۴) مجالس الابرار ص۳۰۲ میں ملا احمد رومی نے فرمایا:

وَبَعْدَ الرَّابِعَةِ التَّسْلِيْمُ وَلَيْسَ بَعْدَهَا دُعَاءٌ سِوَى السَّلَامِ

یعنی چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہنا ہے اور اس چوتھی تکبیر کے بعد سلام کے بعد کوئی دعا نہیں۔ نہ سلام سے پہلے نہ سلام کے بعد۔

(۱۵) ملتقی الابحر ص۱۸۳ میں ہے۔

وَيُسَلِّمُ عَقِبَهَا بِلَا دُعَاءٍ بَعْدَ التَّسْلِيْمَتَيْنِ۔

یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دو سلام کہے جن کے بعد کوئی دعا نہیں۔

(۱۶) قاضی خان ص۹۲ میں ہے

وَيُسَلِّمُ بَعْدَ التَّكْبِيْرَةِ الرَّابِعَةِ وَلَا يَقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دو سلام کہے اور ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وغیرہ دعا نہ پڑھے

(۱۷) فتح المعین ص۳۵۲ میں ہے۔

وَتَسْلِيْمَتَيْنِ بَعْدَ الرَّابِعَةِ وَلَيْسَ الدُّعَاءُ بَعْدَ التَّكْبِيْرَةِ الرَّابِعَةِ سِوَى السَّلَامِ یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دو سلام کہے اور اس چوتھی تکبیر کے بعد سوائے سلام کے کوئی دعا نہیں یعنی نہ سلام سے پہلے اور نہ سلام کے بعد۔

(۱۸) مطلع الانہر ص۱۸۳ میں ہے وَيُسَلِّمُ عَقِبَهَا أَيْ بَعْدَ التَّكْبِيْرَةِ الرَّابِعَةِ بِلَا دُعَاءٍ سِوَى السَّلَامِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ۔

یعنی ظاہر روایۃ میں چوتھی تکبیر کے بعد سوائے سلام کے کوئی دعا نہیں۔

(۱۹) رد المحتار ص۲۴۴ میں ہے۔ وَيُسَلِّمُ بِلَا دُعَاءٍ هُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ

یعنی اور چوتھی تکبیر کے بعد بغیر دعا کے سلام پھیرے یہی ظاہر مذہب ہے۔

(۲۰) فتاوی غرائب قلمی میں ہے۔ لَا دُعَاءَ بَعْدَ الرَّابِعَةِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ

ظاہر الروایۃ میں چوتھی تکبیر کے بعد کوئی دعا نہیں نہ سلام سے پہلے نہ بعد۔

(۲۱) وصالِ احمد وصیت نامہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ ص۹ میں ہے بعد از جنازہ نماز توقف برائے دعا سنت سَنِیّہ نیست یعنے نماز جنازہ کے بعد دعا کیلئے

ٹھیرنا یہ کوئی سنت نہیں ہے۔

(۲۲) مشکوٰۃ شریف صـ۱۴۰ شہ میں ہے یُکْرَہُ الدُّعَـآءُ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ بِخِلَافِ الْمَکْتُوبَاتِ نماز جنازہ کے بعد دُعا تو مکروہ ہے بخلاف پنجگانہ فرض نمازوں کے کہ ان کی بعد دُعا مستحب ہے

(۲۳) نفع المفتی والسائل صـ۱۴۳ (۲۴) صلوٰۃ مسعودی صـ۲۵۸ (۲۵) مدخل صـ۲۲ (۲۶) المضمرات (۲۷) برجندی صـ۱۸۰ حاشیہ مختصر وقایہ (۲۸) زاد اللبیب صـ۵۳ (۲۹) قلمی قنیہ صـ۵۶ میں (۳۰) در مختار صـ۱۳ (۳۱) برہان شرح مواہب الرحمٰن صـ۱۵۲ و مجموعہ خوانی صـ۱۰۹ وغیرہ کتب فقہ میں اسی طرح ہے۔

(۳۳) مختار الفتاویٰ قلمی صـ۹۷ میں ہے کہ اِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلٰوۃِ لَا یَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دُعا کے لیے نہ ٹھیرے۔

(۳۴) بحر العلم فی شرح عین العلم صـ۴۱۶ میں ہے کہ "اور نماز جنازہ کی نماز کے بعد کھڑا ہونا پس خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ نہ قیام کیا جائے بعد نماز کے دُعا کے لیے اور جامع الرموز میں ہے اور قیام نہ کرے درد حالیکہ دُعا کرنے والا ہے۔

(۳۵) مصباح الہدایہ قلمی صـ۲۵ میں ہے کہ "بعد از تکبیر رابع سلام در راست و چپ بگوید و در آں حال دو دست بکشاید و بعد از سلام بقراءت قرآن و ہیچ دُعا مشغول نشود کہ مسنون نیست ....

مضمرات - از طحاوی آوردہ است کہ بعد از سلام راست و چپ امام چیزے خواندنی نیست"

یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دائیں بائیں سلام کہے اور اسی حال میں دونوں ہاتھ کھول دے اور بعد سلام کے قرآن پڑھنے اور کسی دُعا کے مانگنے میں نہ لگ جائے کیونکہ یہ مسنون نہیں۔

مضمرات نے طحاوی سے روایت کی ہے کہ امام کے دائیں بائیں سلام کے بعد کوئی چیز مانگنی یا پڑھنی جائز نہیں ہے۔

(۳۶) زاد الآخرۃ قلمی صـ۹۲ میں ہے "فصل شانزدہم در کراہیت خواندن دعا بعد از جنازہ - در کنز و ذخیرہ می آرد کہ خواندن دعا بعد از جنازہ مکروہ است زیرا نکہ مشابہ بزیادتی میشود نماز گزاردن بر جنازہ اتم کلام است۔ فصل نمبر ۱۶ - جنازہ کے بعد دُعا مانگنے کی کراہیت میں۔ کنز اور ذخیرہ میں لائے ہیں کہ جنازہ کے بعد دُعا مانگنا مکروہ ہے۔ کیونکہ مشابہ بزیادتی کے ہو جاتا ہے جنازہ پر نماز پڑھنی اتم اور مکمل کلام ہے۔

(۳۷) اسی زاد الآخرۃ کے حاشیہ پر صفحہ ۳ میں لکھا ہے
لَا یَجُوْزُ قِرَاءَۃُ الْفَاتِحَۃِ قَبْلَ الدَّفْنِ لِاَنَّ رُوْحَہٗ بِالْمَلَائِکَۃِ مَشْغُوْلٌ فِیْ اَمْرِ رَبِّہٖ ۔ (نقل ملتقط ناصری)
یعنی دفن سے پہلے فاتحہ کا پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کی روح فرشتوں کے ساتھ مشغول ہے اپنے رب کے امر میں۔

(۳۸) درہم الکیس صفحہ ۔۔ میں ہے لَا یَدْعُوْا بَعْدَ التَّسْلِیْمِ (صفحہ ۔۔) وَلَا یَدْعُوْا بَعْدَ السَّلَامِ ۔ یعنی بعد سلام کے دعا نہ کرے۔

(۳۹) جواہر النفیس صفحہ ۔۔ میں ہے لَا یَدْعُوْا بَعْدَ سَلَامٍ وَعَلَیْہِ الْفَتْوٰی کَذَا فِیْ مَجْمُوْعِ الْفِقْہِ ۔ سلام کے بعد۔ بعد نماز جنازہ کے دعا نہ مانگے اور اسی پر فتویٰ ہے مجموع الفقہ میں اسی طرح ہے۔

(۴۰) جواہر النفیس صفحہ ۔۔ کے حاشیہ میں ہے لَا یَقُوْمُ الرَّجُلُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ خلاصہ، سراجیہ، تاتارخانی۔ آدمی نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھیرے بحوالہ خلاصہ سراجیہ تاتارخانی

(۴۱) حمایۃ الفقہ صفحہ ۱۳۹ میں ہے۔ کُرِہَ صَلٰوۃُ الْجَنَازَۃِ فِیْ مَسْجِدِ جَمَاعَۃٍ وَکَذَا الْقِیَامُ بَعْدَھَا بِالدُّعَاءِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْھَا ۔ نماز جنازہ مسجد جماعت میں مکروہ ہے اور اسی طرح نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے ٹھیرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں اضافہ کردینے کے مشابہ ہے۔

(۴۲) حاشیہ شرح الیاس صفحہ ۲۲۸ میں ہے وَلَا یَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ
ترجمہ:۔ اور نہ ٹھیرے نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے۔

(۴۳) وجیز الصراط صفحہ ۲۴ میں ہے "در بعض کتب نوشتہ کہ بعد از نماز جنازہ نشستہ یا ایستادہ دعا خواندن مکروہ است کما فی مسائل جہتہ کہ بعد از نماز جنازہ بزودی او را دفن کنند و دعا وغیرہ کردن تاخیر در دفن مے آید"
ترجمہ: بعض کتابوں میں آیا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد بیٹھنا یا کھڑا ہونا دعا کرنے کے لیے مکروہ ہے جیسا کہ مسائل جہتہ میں ہے کہ نماز جنازہ کے بعد جلد از جلد اس کو دفن کریں اور

دُعا وغیرہ کرنے سے دفن میں دیر ہوتی ہے۔

(۴۴) حسن الفتاویٰ کے صفحہ ۱۱ میں بحوالہ فوائد جہیّہ صفحہ ۱۵۲ لکھا کہ امام ابوبکر بن حامد فرماتے ہیں کہ اِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ مَکْرُوْہٌ یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا مکروہ ہے۔

(۴۵) پکّی روٹی صفحہ ۵۰ میں ہے۔

"وقت سلام سجے آتے کہتے آکھے۔ وقت ہور دُعا کھلو کے نا پڑھے کیونکہ ہور دُعا پڑھنی بدعت ہے بعد نماز جنازہ دے"

(۴۶) وجیز کردری (۴۷) کشف الغطاء (۴۸) کافی شرح وافی (۴۹) مجموع الفقہ (۵۰) تحفۃ المحتاج شرح منہاج (۵۱) تجنیس (۵۲) زاد اللبیب (۵۳) وغیرہ کُتبِ فقہ میں مرقوم ہے

(۵۴) مفتی سعد اللہ صاحب نے حاشیہ مالابدمنہ صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے "بعد سلام برائے ایستادن هم نشاید بلکہ در حمل جنازہ مشغول شوند" یعنی جنازہ کے سلام کے بعد دُعا کے لیے کھڑا بھی نہ ہونا چاہیئے بلکہ جنازہ اُٹھانے لگ جائیں۔

(۵۵) انواع بارک اللہ صفحہ ۲۵۵ میں بزبان پنجابی یہ اشعار ہیں۔

دوجی بعد درود پڑھیے تریجی بعد دُعا ۔۔۔۔ چوتھی بعد سلام کہیئے وقت دُعا نہ کا
بعد فراغ نماز جنازے فِعل دُعا نہ کرنے ۔۔۔۔ نال شتابی چا کر میت کول قبر دے دھرنے

(۵۶) محیط برہانی قلمی ورق ۲۷، ۳۶۳ میں ہے لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلٰوۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ لان اکثر صلٰوۃ الجنازۃ الدعاء چونکہ نماز جنازہ میں ایک دفعہ دعا مانگ چکا ہے اس لیے اب نماز جنازہ کے بعد دعا کیلئے نہ ٹھہرے الخ

کُتبِ مذہبِ شافعی

میں بھی اسی طرح ہے چنانچہ فتاویٰ زکریا انصاری صفحہ ۱۰۱ میں ہے۔

سُئِلَ مِنَ الفَاتِحَۃِ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ وَجَنَازَتُہٗ مَوْضُوْعَۃٌ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنَ الْقِرَاءَۃِ هَلْ هُوَ حَسَنٌ اَمْ لَا؟ لِمُعَارَضَتِہٖ سُنَّۃَ الْاِسْرَاعِ وَاِذَا قُلْتُمْ بِهٰذَا فَهَلْ لِنَاهِیْ عَنْہُ یُثَابُ اَمْ لَا؟ فَاَجَابَ بِاَنَّ الْاَوْلٰی وَالْاَحْسَنَ الْاِسْرَاعُ بِالْجَنَازَۃِ وَالْقِرَاءَۃُ فِیْ هٰذَا الْمَحَلِّ خِلَافُ الْاَوْلٰی وَالنَّاهِیْ عَنْہُ مُثَابٌ۔

یعنی حضرت زکریا انصاری شافعیؒ سے نماز جنازہ کے متصل بعد فاتحہ پڑھنے کا سوال کیا گیا جب کہ جنازہ سامنے رکھا رہے یہاں تک فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو جائیں کیا یہ طریقہ اچھا ہے یا نہیں کیونکہ جنازہ میں جلدی کرنا مسنون ہے یہ طریقہ تو اس کے خلاف ہے اور اگر آپ اس طریقہ کے غیر مستحسن ہونے کے قائل ہیں تو پھر یہ بتائیں کہ جو شخص ایسا کرنے سے منع کرے وہ خدا کے ہاں ثواب کا مستحق ہے یا نہ؟ تو جناب زکریا انصاری شافعیؒ نے اس سوال کا جواب یوں دیا۔ کہ جنازہ کو جلد لے جانا ہی اولیٰ و احسن ہے اس موقعہ پر قراءت کرنا خلافِ اولیٰ ہے اور اس سے منع کرنے والا ثواب کا مستحق ہے

کُتب مذہب مالکی رح

میں بھی اسی طرح ہے چنانچہ ابن امیر الحاج نے المدخل ص۲۵۱ میں فرمایا۔

لٰكِنْ بَقِيَ شَيْءٌ لَمْ يَتَقَدَّمْ ذِكْرُهٗ فَتَعَيَّنَ التَّنْبِيْهُ عَلَيْهِ وَذٰلِكَ اَنَّ بَعْضَ مَا يَعْتَنُوْنَ بِهٖ مِنَ الْمَوْتٰى يَتْرُكُوْنَ بَعْدَ اَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ وَيَقِفُوْنَ عِنْدَهٗ يَدْعُوْنَ وَيُطَوِّلُوْنَ الدُّعَاءَ ...... وَالسُّنَّةُ التَّعْجِيْلُ بِالْمَيِّتِ وَفِعْلُهُمْ بِضِدِّ ذٰلِكَ فَلْيُحْذَرْ مِنْ هٰذَا وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

یعنی اس تمام بحث کے بعد ابھی ایک چیز باقی رہ گئی ہے جس پر تنبیہ کرنا ضروری اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ مُردوں کے ساتھ حد سے بڑھ کر اہتمام کرتے ہیں وہ انہیں جنازہ کے بعد رکھ چھوڑتے ہیں اور اس کے پاس کھڑے ہو کر دُعا مانگتے ہیں اور بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرتے ہیں۔ حالانکہ اس جگہ سُنت طریقہ یہ ہے کہ میّت کو قبرستان پہنچانے میں جلدی کی جائے اور ان لوگوں کا یہ فعل اس سنت طریقہ کے خلاف ہے اس لیے ان لوگوں کو اس کام سے بچنا ضروری ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

کتب مذہب حنبلیؒ

میں بھی اسی طرح ہے چنانچہ مختصر تذکرہ ص۳۶ عبدالوہاب الحنبلی میں ہے۔

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الْحَكِيْمُ التِّرْمِذِيُّ وَاِنَّهٗ اسْتُحِبَّ الْوُقُوْفُ لِلدُّعَاءِ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ الدَّفْنِ مَعَ اَنَّهُمْ دَعَوُا اللّٰهَ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ هُمْ وُقُوْفٌ فِي الْعَسْكَرِ بِبَابِ الْمَلِكِ فَيَشْفَعُوْنَ لَهٗ وَاَمَّا الْوُقُوْفُ عَلَى الْقَبْرِ لِسُؤَالِ التَّثْبِيْتِ فَهُوَ ثَمَرَةُ دُعَاءِ الْعَسْكَرِ فِي الصَّلٰوةِ عَلَيْهِ۔

یعنی حکیم ابو عبداللہ ترمذی فرماتے ہیں بے شک دفن کے بعد میت کے لیے دعا کرنا مستحب ہے، حالانکہ اس سے پہلے نماز جنازہ میں جماعت مسلمین کے ساتھ دعا مانگ چکے ہیں (یعنی جب ایک بار میت کے لیے دعا مانگ چکے ہیں تو دوسری بار قبر پر دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے) تو فرماتے ہیں کہ جنازہ میں جو دعا جماعت مسلمین نے مانگی تھی اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ کے دروازے پر مسلمانوں کا لشکر شفاعت کے لیے کھڑا تھا اور قبر پر کھڑا ہونا اس کی ثابت قدمی کے لیے دعا کرنا ہے جو نماز جنازہ میں مسلمین کے لشکر کی دعا کا ثمرہ ہے۔ سیوطیؒ کی شرح الصدور ص۲۹ میں بھی یونہی ہے

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ میت کے لیے صرف دو مقام پر دعا مانگی جاتی ہے۔ ایک جنازہ کے اندر کی دعا، اور دوسری قبر پر تثبیت کے لیے جو دعا مانگی جاتی ہے اور ان دو دعاؤں کے مابین کوئی دعا نہیں ہے۔

مغنی لابن قدامہ ص۴۹۲ میں ہے

رُوِيَ عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا صَلَّيْتَ فَلَا تَبْرَحْ مُصَلَّاكَ حَتّٰى تُرْفَعَ قَالَ وَرَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رض لَا يَبْرَحُ عَنْ مُصَلَّاهُ اِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ حَتّٰى يَرَاهَا عَلٰى اَيْدِي الرِّجَالِ۔ قَالَ الْاَوْزَاعِيُّ لَا تَنْقُضُ الصُّفُوْفُ حَتّٰى تُرْفَعَ الْجَنَازَةُ۔

یعنی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تو نماز جنازہ پڑھ چکے

تو جب تک جنازہ نہ اُٹھالیا جائے تب تک اپنی نماز کی جگہ سے نہ ہٹ۔ فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب وہ نماز پڑھ چکتے تھے تو وہ اپنی جائے نماز سے نہ ہٹتے تھے یہاں تک کہ دیکھ لیتے جنازہ مردوں کے ہاتھوں پر حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک جنازہ نہ اُٹھالیا جائے صفیں نہ توڑی جائیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد جنازہ اُٹھانے سے پہلے دُعا نہیں اور نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنا زمانہ حال کے اہلسنّت و جماعت کہلانے والے اہل بدعت حضرات اور

شیعہ حضرات

کا متفق علیہ عمل ہے چنانچہ ان کی نہایت معتمد و مستند کتاب تحفۃ العوام صفحہ ۲۱۶ میں لکھا ہے۔

"اور سنّت ہے کہ بعد فراغ نماز (جنازہ) کے کہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور سُنّت ہے کہ سب اسی جگہ ٹھیریں جب تک جنازہ اُٹھادیں خصوصاً پیش نماز"

مگر جب ہم سُنّت طریقہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے چنانچہ شرح سفر السعادت صفحہ ۲۶۶ میں ہے

"چوں (نبی) کریم صلے اللہ علیہ وسلم نماز بر میت گذاردے با وے ہمراہ شدے و پیادہ با بمدفن وے رفتے و فرمودے شتاب کنید در بردن"

ترجمہ:۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میت پر نماز جنازہ ادا کر چکتے تو فوراً ہی آپ جنازہ کے ساتھ ہو لیتے اور دفن کی جگہ تک پا پیادہ چلتے اور فرماتے کہ جلدی لے چلو۔ اور علامہ ابن قیم نے بھی زاد المعاد ج ا ص میں اسی طرح ذکر فرمایا یہی وجہ ہے کہ اکثر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک معمول سے کئی مسائل مستنبط فرماتے ہیں من جملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ تو یہی ہے کہ نماز جنازہ سے فارغ ہوتے ہی فوراً اُسے وہاں سے اُٹھالیا جائے چنانچہ تحفہ رحمانی شرح خلاصہ کیدانی صفحہ ۲۸۹

میں لکھا ہے۔

بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الصَّلٰوۃِ یُعَجِّلُ رَفْعُهٗ لِلدَّفْنِ۔

یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہوتے ہی میت کی چارپائی اٹھانے میں دفن کرنے کیلئے جلدی کی جائے۔

(۲) فتاوٰی سعدیہ صفحہ ۱۳۳ کافی کے حوالہ سے لکھا ہے۔

فَاِذَا فَرَغُوْا فَعَلَیْهِمْ اَنْ یَّمْشُوْا خَلْفَ الْجَنَازَۃِ اِلٰی اَنْ یَّنْتَهُوْا اِلَی الْقَبْرِ۔

یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہوتے ہی ان پر لازم ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلیں یہاں تک کہ قبر تک پہنچ جائیں۔

(۳) تجہیز الجنازہ صفحہ ۵۶ میں ہے۔

فَاِذَا فَرَغُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ رَفَعُوْهُ وَحَمَلُوْهُ۔

یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہوتے ہی میت کو اُٹھا لے چلیں۔

(۴) خلاصۃ الفقہ قلمی میں ہے۔

"بعدہٗ سلام دہد و مردم حاضر را رخصت کند"

یعنی چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہے اور حاضرین میں سے (جو واپس جانا چاہتے ہوں) انہیں رخصت دیدے۔

منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط فرمایا ہے کہ جو شخص دوسری یا تیسری تکبیر ہو چکنے کے بعد امام کے ساتھ ملے تو آئندہ تکبیر کی انتظار کرے جب امام تکبیر کہے گا تب نماز جنازہ میں تکبیر کہہ کر شریک ہو اور جو تکبیریں رہ گئی ہوں وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہے مگر ان تکبیروں کے سوا ثنا، درود اور دعا کچھ نہ پڑھے کیونکہ اگر وہ ثنا، درود اور دعا پڑھنے میں لگ گیا اور جنازہ اٹھا لیا گیا تو اس کی نماز جنازہ فاسد ہو جائے گی کیونکہ میت کا سامنے رکھا ہوا موجود ہونا نماز جنازہ کی صحت کی شرط ہے جیسے پہلے پڑھ چکے ہو۔

فتح القدیر صفحہ ۴۶۲ میں ہے۔

ثُمَّ الْمَسْبُوْقُ يَقْضِيْ مَا فَاتَهُ مِنَ التَّكْبِيْرَاتِ بَعْدَ سَلَامِ الْإِمَامِ نَسَقًا بِغَيْرِ دُعَاءٍ لِأَنَّهُ لَوْ قَضَاهُ بِهِ تُرْفَعُ الْجَنَازَةُ فَتَبْطُلُ الصَّلٰوةُ۔

یعنی پھر مسبوق فوت شدہ تکبیروں کو امام کے سلام کے بعد مسلسل قضا کرے بغیر دعا کے کیونکہ اگر دعا سمیت قضاء کرے گا تو جنازہ اٹھا لیا جائیگا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

(۲) فتاوی سمرقندی قلمی میں ہے۔

"باید کہ بعد از سلام امام آرد انرا پیش کہ جنازہ بردارند و بدعوات مشغول بود۔"

یعنی مسبوق کو سلام کے بعد صرف تکبیریں کہنی چاہئیں جنازہ اٹھایا جانے سے پہلے اور دعاؤں میں مشغول نہ ہو تاکہ اس کی نماز تباہ (فاسد) نہ ہو اور چاہیے کہ امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرے تاکہ بالاتفاق نماز ہو جائے۔

(۳) فتاوے اغرابیہ قلمی میں ہے۔

فِي الْقَضَاءِ هَلْ يَأْتِيْ بِالْأَذْكَارِ فِي التَّكْبِيْرَاتِ الْفَائِتَةِ ذَكَرَ الْحَسَنُ فِي الْمُجَرَّدِ إِنْ كَانَ يَأْمَنُ رَفْعَ الْجَنَازَةِ يَأْتِيْ وَإِلَّا لَا بَلْ يَأْتِيْ يُتَابِعُ بَيْنَ التَّكْبِيْرَاتِ وَلَوْ لَمْ يَفْرُغْ حَتّٰى يَضَعُوْهَا عَلَى الْأَكْتَافِ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُ۔

یعنی فتاووں میں ہے کہ کیا مسبوق فوت شدہ تکبیروں کی قضا میں اذکار مسنونہ بجا لائے یا نہ؟ تو اسکا جواب ہے حضرت حسنؒ نے المجرد میں ذکر کیا ہے کہ اگر جنازہ کے اٹھائے جانے کا خطرہ نہیں ہے تو پڑھ لے ورنہ نہ پڑھے بلکہ پے در پے تکبیر کہہ دے اور اگر تکبیروں سے فارغ نہیں ہوا حتیٰ کہ جنازہ اٹھا لیا گیا تو اس مسبوق کی نماز باطل ہو جائے گی۔

الجوہر النفیس قلمی میں ہے۔

إِنْ كَانَ حَفَظَةٌ لِأَجْلِ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ أَوْ لِرُؤْيَةِ الْغَائِبِ وَنَحْوِهِ لَا يَجُوْزُ بَلْ أَتَبِعُ وَيُبَادِعُهُ لِأَنَّ سُرْعَةَ الدَّفْنِ مِنَ الْوَاجِبَاتِ

یعنی اگر میت کو قرآن ختم کرنے کے لیے یا کسی غائب آدمی کے لیے روکے یا اس طرح کسی

وجہ سے تو یہ ناجائز ہے بلکہ زیادہ قبیح اور بدعت ہے کیونکہ جلدی کرنا دفن میں واجب ہے
بحر الرائق صفحہ ۱۹۱ میں ہے

لَوْ جَهَّزَ الْمَيِّتَ صَبِيْحَةَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ يُكْرَهُ تَاخِيْرُ الصَّلٰوةِ
وَدَفْنُهُ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ الْجَمْعُ الْعَظِيْمُ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ وَلَوْ
خَافُوْا فَوْتَ الْجُمُعَةِ بِسَبَبِ الدَّفْنِ يُؤَخَّرُ الدَّفْنُ ء

یعنے اگر جمعہ کے روز صبح کے وقت میت کی تجہیز ہو چکے تو اس پر نماز جنازہ اور دفن کو اس لیے مؤخر کرنا تاکہ نماز جمعہ کے بعد ایک بڑی جماعت اس پر نماز جنازہ پڑھیگی سو یہ مکروہ ہے البتہ دفن کو نماز کی وجہ سے اگر نماز جمعہ کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تب دفن میں تاخیر کی جاسکتی ہے جنازہ گاہ میں جب پہنچ جائے تو اس کی خاطر اتنی تاخیر بھی منع ہے کہ اس میں وضو کرلے سوا ولی و حاکم کے۔ بلکہ بے وضو آدمی تیمم کرلے تاکہ نماز جنازہ میں شامل ہو سکے۔

اگر وقت مکروہ میں جنازہ آگیا ہے تو اسی وقت پڑھ لو دیکھو مجالس الابرار صفحہ ۳۲۶ تجہیز الجنازہ صفحہ ۷ پڑھو۔ دیکھو مجلس الابرار صفحہ ۳۲۶ و کبیری صفحہ ۲۵۵ و بر ہنہ صفحہ ۲۵۸۔

نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنا

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور اُس کی نماز پڑھے اور پھر دفن تک اس کے ساتھ رہے اس کو دو قیراط ثواب ملے گا اور جو صرف نماز پڑھ کر واپس آئے اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۳) پس جنازے کے ساتھ جا کر نماز میں شریک نہ ہونا اور جماعت سے علیحدہ رہنا ایک غیر مستحسن امر اور شان اسلام سے بعید ہے۔ واللہ اعلم (دلیل الخیرات صفحہ ۹۲)

سوال:۔ لوگ جنازے کے ساتھ تو جاتے ہیں مگر جب نماز ہوتی ہے تو بہت سے اشخاص نماز میں شریک نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہی تو ہے اور جب کچھ لوگوں نے پڑھ لی تو سب کا فرض ساقط ہو جاتا ہے کیا ان کا یہ عمل درست ہے۔

جواب:۔ بے شک جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے اور کچھ لوگوں کے پڑھ لینے سے اور مسلمانوں

فرض ساقط ہو جاتا ہے لیکن اس خیال سے نماز سے علیحدہ رہنا مناسب نہیں کیونکہ ان کے ذمہ اپنے مُردہ بھائی کے حقوق میں سے اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے کا حق بھی تو ہے اور نماز جنازہ میں کثرت نمازیوں کی مستحسن ہے۔ اگر محض فرض نماز ساقط ہو جانے کا خیال ہو تو پھر اس کے ساتھ جانے اور دفن کرنے کا فرض بھی تو اُن کے ذمے سے اس وجہ سے ساقط ہو گیا کہ اوروں نے جنازہ لے جا کر دفن کر دیا۔

چند شبہات کے جوابات

سوال:- ابراہیم ہجری کہتے ہیں کہ ابن ابی اوفیٰ چوتھی تکبیر کے بعد کھڑے دُعا کرتے رہے اور فرمایا کہ جنازوں پر رسول اللہ اسی طرح کرتے تھے۔
معلوم ہوا کہ دُعا بعد الجنازہ درست ہے۔

جواب:- یہ دلیل شافعیوں کی طرف سے حنفیہ پر پیش کی جاتی ہے اس دُعا کے بارے میں جو چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے پڑھی جائے۔ شافعی جائز کہتے ہیں اور حنفی منع کرتے ہیں مگر سلام کے بعد دُعا مانگنا جس میں گفتگو ہماری تمہاری ہے اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں اس کا ثبوت ملتا ہے بلکہ سب مذہبوں میں منع ہے اس کی تشریح زاد المعاد صفحہ ۱۴۲ اور السنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۴۲ و ابن ماجہ صفحہ ۱۰۹ و مسند حمیدی صفحہ ۳۱۳ وغیرہ میں موجود ہے اور بیہقی نے تو باب بایں عنوان منعقد کیا ہے باب ما روی فی الاستغفار والدعاء بین التکبیرۃ الرابعۃ والسلام۔

پھر حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ابراہیم ہجری کو ابن معین، ابو حاتم وغیرہ ائمہ حدیث نے ضعیف کہا ہے (زاد المعاد صفحہ ۱۴۲ و میزان الاعتدال صفحہ ۶۵)

سوال:- فتح القدیر میں ہے کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کی شہادت کی خبر سُن کر فَصَلّٰی عَلَیْهِ وَدَعَا وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لَهٗ اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دُعا فرمائی اور صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اس کے لیے مغفرت کی دُعا کریں۔

جواب:- یہ بھی غائبانہ نماز جنازہ کے جواز پر شافعیہ کی دلیل ہے فتح القدیر میں اس کی تردید

کی کہ یہ حدیث مُرسل ہے قابلِ حجت نہیں ہے نیز اس کا راوی واقدی ہے جو کذاب ہے۔

نیز یہاں نمازِ جنازہ مراد ہی نہیں دیکھو کبیری صـ ۴۲۹ و فتح القدیر صـ ۵۶ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے میدانِ جنگ کا نظارہ فرمایا اور حضرت زیدؓ و جعفرؓ کی خبر شہادت یکے بعد دیگرے دی اور اسی حال میں منبر پر بیٹھے ہوئے ان کے لیئے یکے بعد دیگرے دُعا فرمائی اور صحابہ کرامؓ کو بھی دُعا کی تلقین فرمائی۔ کیا اسکو کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ نمازِ جنازہ تھی؟ ہرگز نہیں! بلکہ یہاں صلّٰے علیہ معنی دَعَالہٗ ہے اور دَعَالہٗ بذریعہ واؤ عطف تفسیری کر دیا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ صـ ۳۶۴ میں فرمایا "کہ حضرتؐ بر وے دعائے خیر کرد و یاراں را فرمود کہ برائے وے طلبِ آمرزش کنید۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زیدؓ کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اصحابؓ کو فرمایا کہ وہ بھی اسکے لیے دُعائے مغفرت فرمائیں۔

سوال:۔ نمازِ جنازہ کے بعد دعا سے جن فقہاء نے روکا ہے ان کی مراد ہے دعائے طویل سے روکنا کیونکہ اس کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوگی جو تعجیل مسنون کے خلاف ہے۔

جواب:۔ اول تو فقہاء کے کلام میں دعائے طویل کی قید نہیں۔ دوسرے ممکن ہے یہ وجہ بھی ان کو ملحوظ ہو یعنی کراہت کی دو نو وجہیں جمع ہو سکتی ہیں۔ اول اجتماع و اہتمام دوسرے لزومِ تاخیر۔ اور اسباب میں تزاحم نہیں ہوتا۔ پس اجتماع و اہتمام کے ساتھ مختصر دعا بھی مکروہ ہے کیونکہ کراہت کی ایک وجہ یعنی عدمِ ثبوت اجتماع و اہتمام) اس میں بھی موجود ہے۔ (دلیل الخیرات صـ ۳۸)

سوال:۔ قبرستان سے نکل کر دروازہ قبرستان پر یا راستہ میں دُعا کے لیئے اجتماع و اہتمام کرتے ہیں۔ پھر میّت کے مکان پر سب لوگ دُعا کے لیے جمع ہوتے ہیں اُس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ان دونوں موقعوں پر اوران کے بعد تمام مواقع پر دُعا کے لیے اجتماع و اہتمام کرنا اور اسے لازم یا مستحب سمجھنا مکروہ و بدعت ہے کیونکہ شریعت حقّہ سے اس کا ثبوت نہیں البتہ ہر شخص کو بجائے خود اجازت ہے کہ وہ میت کے لیے جس قدر چاہے اور جس وقت چاہے

بغیر التزام مالایلزم فرداً فرداً دعا کرے استغفار کرے قراءۃ قرآن وغیرہ کا ثواب پہنچائے
سوال:- صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بیان میں مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور ان کو غسل کے لیے لٹایا تو لوگوں نے ان کی نعش مبارک کو گھیر لیا اور ان کے لیے دعا اور ان کی ثنا وصفت اور سوال نزول رحمت کرتے رہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ کی نماز سے پہلے بھی میت کے لیے اجتماع و اہتمام کے ساتھ دعا مغفرت کرنا جائز ہے اور فعل صحابہ کرام سے ثابت ہے۔
جواب:- اس روایت میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ لوگ دعا کے لیے اجتماع و اہتمام سے جمع ہوئے تھے بلکہ علامہ عینیؒ نے تصریح کردی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت عمرؓ کو غسل کے لیے لٹایا تھا اور اس سے صاف واضح ہے کہ اس وقت وہی لوگ تھے جو غسل کے ضروریات کو انجام دینے والے تھے اور غسل کی انجام دہی کے لئے ہی حاضر ہوئے تھے اور ایسے وقت عموماً ہر شخص کے دل میں ایک خاص کیفیت اور رقت طاری ہوتی ہے اور وہ بے اختیار یا با اختیار میت کے لیے دعائے مغفرت کرتا جاتا ہے اور کوئی اہتمام و اجتماع کا قصد نہیں کرتا۔
سوال:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ جعفرؓ و زیدؓ بن حارثہ کے قتل کی خبر آئی مسجد میں بیٹھے تھے اور لوگ آتے تھے اور تعزیت کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل میت کو مسجد میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لیے آئیں جائز ہے۔ صاحب بحرالرائق نے بقالی سے نقل کیا۔
جواب:- رد المختار ص۶۶۴ میں ہے
يُجَابُ عنه بان جلوسه صلى الله عليه وسلم لم يَكُنْ مقصوداً للتعزية
یعنی اس استدلال کا یہ جواب دیا جائے گا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا اتفاقیہ تھا بطور تعزیت نہ تھا۔ لوگوں کی تعزیت کرنے سے یہ سمجھ کر بعض نے استدلال کر لیا کہ تعزیت کے لیے بیٹھے تھے۔
بحرالرائق ص۱۹۲ میں مجتبیٰ سے نقل ہے کہ اہل میت کو مسجد میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ

تعزیت کے لیے آئیں مکروہ ہے اسی طرح شرح منیہ ص۵۶۲ و فتح القدیر ص۴۲ میں کراہت کا ذکر ہے اور گھر میں بیٹھنے کو بھی بلفظ لا بأس ذکر کیا۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ گھر میں بیٹھنا بھی خلاف اولیٰ ہے اور لفظ لا بأس کے یہی حقیقی معنے ہیں اور وہی یہاں پر مراد ہیں (زاد اللبیب ص۱۰)

سلام پست آواز سے

سلام کو مخفی کہنا بہتر ہے اور جہر مباح ہے مناسب ہے کہ پہلے سلام کو ذرا جہر سے کہے اور دوسرا مخفی (فتاویٰ برہنہ ص۵۹) میں ہے "سلام و جلد و آواز بلند نہ کنند" مجموعہ خانی ص۱۰ میں ہے کہ "و چوں ہر دو جانب سلام گوید ساکن گوید و بلند نہ گوید" یعنے جب دونوں طرف سلام کہے آہستہ کہے اونچا نہ کہے۔

جواہر النفیس ص۴۲ میں ہے وَفِي الكَافِي لَا يَرْفَعُ الصَّوْتَ بِالتَّسْلِيمِ کافی میں ہے کہ جنازہ میں سلام کے ساتھ آواز اونچی نہ کرے۔

جامع الرموز ص۱۲۵ میں ہے وَيُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ غَيْرَ رَافِعٍ صَوْتَهُ" یعنے دائیں بائیں دونو جانب بغیر آواز بلند کیے سلام پھیرے۔

مراقی الفلاح ص۱۱۱ میں ہے لَا يَنْبَغِي اَنْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّسْلِيمِ فِيهَا جنازہ میں سلام کے ساتھ بلند آواز نہ کرنی چاہیئے۔

بحر الرائق ص۱۸۳ میں ہے کہ ظاہر روایت میں سلام کو بلند یا پست کہنے کا ذکر نہیں۔ حسن بن زیاد نے کہا سلام اونچا نہ کہے کیونکہ اونچی آواز آگاہ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد فوراً سلام کہا جاتا ہے اس لیے سلام اونچا کہنے کی ضرورت نہیں لیکن ہمارے زمانے میں اس کے خلاف عمل ہوتا ہے کہ لوگ اونچا سلام کہتے ہیں اھ۔ جواہر الفتاوی میں ہے کہ صرف ایک جانب جہراً کہے۔ اسی طرح تجہیز الجنازہ ص۷۶ زاد اللبیب ص۰۹ غایۃ الاوطار ص۴۱۴ عین العلم ص۶۱۲ میں ہے۔ رسالہ تجہیز و تکفین ص۱۱ میں ہے دہنی طرف سلام باآواز بلند کہے سنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۳ میں ہے کان (ابن عمر) اذا صلی علی جنازۃ سلم حتی یسمع من یلیہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب جنازہ پڑھاتے تو سلام کہتے اتنا اونچا کہ صرف ان کے پاس

والے سُن سکتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بھی جنازہ کا سلام بہت اونچا نہ کہتے۔ قدرے جہر سے کہتے انه یسلم تسلیمًا خفیفًا (سنن کبریٰ للبیہقی و المدونۃ الکبریٰ الکلام الموزون صہ ۳۲، جامع الرموز صہ ۱۲۵ میں سُنّ خَفْضُ الثانِیَۃِ دوسری طرف کے سلام کو پست کہنا سنت ہے۔

سلام میں نیّت

ظہیریہ میں ہے کہ لَا یَنْوِی الْاِمام المیت فِی تَسْلِیْمَتَیِ الْجنازۃ بَلْ یَنْوِی مَن عَنْ یَمِیْنِہٖ وَیَسَارِہٖ۔

یعنی جنازہ کے دونوں سلاموں میں امام میت کی نیت نہ کرے بلکہ ان کی نیت کرے جو اسکی دائیں بائیں ہیں (زاد اللبیب صہ ۴۹)

فتاوے عالمگیری صہ ۱۰۵ میں بحوالہ السراج الوہاج وقاضی خاں و ظہیریہ لکھا ہے وَلَا یَنْوِی الْمَیِّتَ فِی التَّسْلِیْمَتَیْنِ بَلْ یَنْوِی بالاُولٰی مَنْ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَبِالثَّانِیَۃِ مَنْ عَنْ یَسَارِہٖ۔ اس کا معنی بھی مذکورہ بالا عبارت کی طرح ہے۔

جوہرہ نیرہ کے حوالے سے طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح صہ ۳۵۴ میں لکھا ہے کہ بحرالرائق صہ ۱۸۳ میں لکھا ہے لیکن ظاہر بات یہی ہے کہ دونوں سلاموں میں میت کی نیت نہ کرے لِاَنَّ الْمَیِّتَ لَا یُخَاطَبُ بِالسَّلَامِ لِاَنَّہٗ لَیْسَ اَھْلًا لِلْخِطَابِ۔ کیونکہ میت سلام کا مخاطب نہیں بن سکتا کیونکہ میت خطاب کا اہل نہیں ہے۔

اور تبیین و فتح القدیر و اکمال الدرایہ شرح مختصر وقایہ میں میت کو سلام کہنے کو ترجیح دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ المقصود منه الدعاء لا الخطاب (طحطاوی صہ ۳۵۴) اس سلام سے مقصود دعا ہے نہ اس کو خطاب کرنا جیسے زیارت قبور کے وقت نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کرنا سکھایا ہے کہ یوں کہا کرو السَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ اسکی بھی مقصود دعا کرنا ہے اہل قبور کے حق میں نہ ان سے مخاطب ہونا کیونکہ خطاب کے اہل نہیں ہے اور جیسے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ میں خطاب کا صیغہ بولا جاتا ہے

مگر اصل مقصد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو سُنانا مقصود نہیں ہوتا (مرقاۃ ۲ صفحہ ۳۲۱)
نیز سب علماء کا اتفاق ہے کہ سلام دونو طرف پھیرتے وقت انبیاء کی نیت بھی نہ کرے
جیسے مُلّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۳ میں لکھا عند التسلیم بالخروج عن صلاۃ ایذوی
الانبیاء باتفاق العلماء۔

میت کا چہرہ دیکھنا

مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۴ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون
رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بوسہ دیا تھا۔ اسی طرح
امام اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد وفات النبی صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو بوسہ دیا۔ تو شاید
میت کا چہرہ دیکھنا بھی جائز ثابت ہوگیا مگر یہ جو رسم بن گئی ہے کہ نماز جنازہ پڑھ چکنے کے بعد میت کو
اس لیے رکھے رکھتے ہیں تاکہ لوگ اس کا چہرہ دیکھ لیں۔ چونکہ اس موقعہ پر چہرہ دیکھنے کو
جنازہ کے دفن میں تاخیر ہوتی ہے اس لیے یہ بھی ممنوع ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ اس عمل کو
ترک کر دیں۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ کفن دے چکنے کے بعد چہرہ میت کا نہ دیکھیں
بہرحال جنازہ کی نماز سے فارغ ہوتے ہی میت کو اٹھا کر قبر کی طرف لے جائیں

سوال:۔ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو جنازے کے آگے یا پیچھے کچھ لوگ باآواز بلند کلمہ
شریف پکار کر پڑھتے جاتے ہیں اور بعض جگہ ایک آدمی باآواز بلند کہتا ہے "کلمہ شہادت" پھر
میت کے ہمراہ جانے والے کلمہ شہادت باآواز بلند یا پست پڑھتے جاتے ہیں۔ قبرستان تک ایسا کرتے
ہیں۔

جواب:۔ جنازہ کے ساتھ کلمہ یا اور کچھ بلند آواز سے پڑھنا مکروہ اور بدعت ہے۔
جوہرنیرہ صفحہ ۔۔ میں ہے وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لہم رفع الصوت بالذکر والقراءۃ
یعنی جنازے کے پیچھے جانے والوں کو خاموش رہنا ضروری ہے اور آواز بلند کلمہ کہنا یا قراءت کرنا
یا قراءت کرنا ان کے لیے مکروہ ہے (مسائل عالمگیری صفحہ ۱۶۲)

سوال:۔ قرآن پاک میں دُعا مانگنے کا حکم ہے اور ہر میت کے لیے دُعا مانگنے کا حکم حدیث

اور ہر میت کے لیے بھی دُعا مانگنے کا حکم حدیث میں آیا ہے۔ مگر وہ کہنا مامور بہ کا حکم شرع کی مخالفت ہے۔

جواب الزامی ا:۔ قرآن پاک میں دُعا مانگنے کا حکم ہے اور نماز میں دُعا مانگنے کا حکم حدیثوں میں آیا ہے پس پہلے قعدہ کے بعد درود پڑھنے اور دُعا مانگنے سے کیوں منع کرتے ہو جب کہ احادیث میں ممانعت وارد نہیں ۲۔ اسی طرح اذان کے اخیر میں مؤذن صرف لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے محمد رسول اللہ نہیں کہتا کیا ممانعت وارد ہے؟ حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نہیں کہتا کیا ممانعت وارد ہے؟ ۳۔ اسی طرح عید کی نماز سے پہلے آپ اذان اور اقامت نہیں کہتے حالانکہ پانچوں نمازوں کے لیے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے اور کسی حدیث میں عید کی نماز سے پہلے اذان و اقامت کہنے سے ممانعت نہیں آئی ۴۔ اسی طرح نماز جنازہ سے پہلے اذان و اقامت نہیں کہتے حالانکہ ممانعت کہیں وارد نہیں ۵۔ رفع یدین سوائے تکبیر تحریمہ نہیں کرتے۔ ممانعت دکھاؤ ۶۔ آمین بالجہر نہیں کرتے ممانعت دکھاؤ۔

جواب نمبر ا:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحبؒ نے فرمایا۔

کہ اتباع وحی باید کرد کہ بسا امرے عموم کہ در حد ذات فضیلت دارد اما خصوص مقامے وارد نہ شدہ درست نیامدہ فالزیادۃ فی شکلہ نقصان فی الحقیقۃ کما لو زاد فی الاذان بعد التہلیل محمد رسول اللہ۔ یعنی وحی کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ کئی ایسے عام حکم ہیں کہ بذات خود فضیلت رکھتے ہیں لیکن خاص جگہ وہ حکم وارد نہیں ہوا اس کا کرنا اس جگہ درست نہیں ہوتا تو ایسی جگہ زیادتی کرنا دراصل نقصان ہے جیسے اذان میں لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ بڑھائے۔

جواب نمبر ۲:۔ فقہاء کرام سب اس دُعا سے منع کرتے ہیں اگر یہ دُعا جائز ہوتی تو وہ منع کیوں کرتے۔

جواب نمبر ۳:۔ اتباع سنت جیسے کام کرنے میں ہوتی ہے ایسے ہی کام کے ترک میں بھی ہوتی ہے رقات صفحہ ۳۹ والتابعۃ کما تکون فی الفعل تکون فی الترک ایضاً۔ زاد المعاد صفحہ ۱۲۵ میں ہے

فعلہ وترکہ سُنّۃٌ وترکہٗ سُنّۃٌ کما ان فعلہ سنۃٌ۔

مجالس الابرار صفحہ ۱۲۵ میں ہے ان فعل ما فعلہ علیہ السلام سنۃ کذالک ترک ماترکہ سنۃ کما ما ترکہ علیہ السلام مع وجود المقتضی وعدم المانع سنۃ ایضاً مثل الاذان فی الجمعۃ وترکہ فی العیدین کان ہما سنۃ"۔ جو کام آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اس کا کرنا سنت ہے ایسے ہی جو آپ نے سبب کے ہوتے ہوئے اور مانع نہ ہونے ہوئے ترک کیا ہے اس کا ترک کرنا سنت ہے جیسا کہ جمعہ کی اذان کہنا سنت ہے اور عیدین کی اذان نہ کہنا سنت ہے اسی طرح لمعات اور مظاہر حق وغیرہ کتب میں مصرح ہے اسی واسطے ہدایہ صفحہ ۱۵۲ میں ہے لا یتنفل فی المصلے قبل صلوٰۃ العید لان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لم یفعلہ مع حرصہ علی الصلوٰۃ۔

یعنی نماز عید سے پہلے عید گاہ میں نفل نماز نہ پڑھے کیونکہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز نفل نہیں پڑھی باوجود یکہ آپ نماز کے بڑے حریص تھے۔ اسی طرح کئی نظائر ہدایہ میں موجود ہیں۔

سوال ا:۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا صلیتم علی الجنازۃ فاخلصوا لہ الدعاء۔ یعنی جب تم جنازہ کی نماز پڑھ چکو تو اس کے بعد متصل تم بڑے خلوص سے دعا کرو۔

جواب نمبر ا:۔ یہ حدیث ابن ماجہ صفحہ ۱۰۹ میں باب الدعا فی صلوٰۃ الجنازۃ میں ذکر ہے یعنی اس باب میں وہ حدیثیں ہیں جن میں نماز جنازہ کے اندر دعا مانگنے کا ذکر آتا ہے ان حدیثوں میں سے پہلی وہی ہے جو سوال میں درج ہے اور چونکہ اس حدیث میں صرف یہ ذکر ہے کہ خلوص سے دعا مانگو۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کون سی دعا ہے اس لیے دوسری حدیث اس کے بعد متصل ذکر کی۔ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا صلے علے جنازۃ یقول اللھم اغفر لحینا ومیتنا (الی آخرہ) یعنی جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنازہ پر نماز پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم اغفر لحینا ومیتنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی حدیث کے یہ معنے ہیں۔ جب تم میت پر جنازہ کی نماز پڑھنے لگو تو اس میں جو دعا (اللھم اغفر لحینا ومیتنا۔ الی آخرہ) مانگو تو بڑے خلوص سے دعا مانگا کرو ورنہ باب کے ترجمہ کی حدیث باب کے ساتھ مطابقت نہیں رہے گی اور یہ محاورہ کے بھی

کے بھی مطابق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
اس کے یہ معنے نہیں کہ جب تو قرآن پڑھ چکے اس کے بعد اعوذ باللہ پڑھا کرو۔ بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب تو قرآن شریف پڑھنے لگے تو پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ اسی طرح۔ اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ یعنے تم جب طلاق دینے لگو تو عدت کا خیال رکھ کے طلاق دو۔ یہ معنے نہیں کہ جب تم ایک دفعہ طلاق دے چکو تو اس کے بعد متصل دوسری طلاق دینا بھی تم پر فرض ہے اسی طرح اذا قتلتم فاحسنوا القتل یعنے تم جہاد میں جب کافروں کو قتل کرنے لگو تو شرعی قانون کے مطابق احسن طریقے سے قتل کرو۔ مثلہ وغیرہ نہ کرو۔ اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ جب تم نے اس کافر کو ایک دفعہ قتل کر دیا تو دوبارہ پھر اس کو قتل کرو۔ اسی طرح یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ جنازہ کے اندر کی دُعا بڑے خلوص سے مانگو کیونکہ جنازہ خود دعا ہے (رد المحتار ص۳۱۱)
نیز یہ مطلب ہمارا گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ صاحب مشکوٰۃ ص۱۴۶ میں بھی یہ حدیث اسی باب میں لایا ہے اور اس کے بعد متصل دوسری حدیث لایا جس میں اس دُعا کی تشریح ہے یعنی خلوص سے جو دُعا مانگی جائے وہ یہ ہے اللھم اغفر لحینا الی آخرہ۔
سنن الہدیٰ ص۲۵ میں بھی یہی روایت الدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ کے عنوان کے تحت آئی ہے اور سنن ابی داؤد ص۱۰۲ میں باب الدعاء للمیت کے تحت یہ حدیث ذکر کی اور پھر اسی باب میں وہ حدیثیں لایا جن میں ان دُعاؤں کا ذکر ہے جو جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہیں جن میں سے ایک دُعا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا الی آخرہ بھی ہے۔

مجالس الابرار ص۳۴۳ میں ہے۔
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْجَنَازَةِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَآءَ۔ ہذا الحدیث من حسان المصابیح رواہ ابوھریرۃؓ وذکر فیہ الصلوٰۃ علی المیت مع اخلاص الدعاء فیھا۔ یعنے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ کے اندر کی دعا خلوص سے مانگیں۔
سنن کبریٰ ج۴ ص۱ والمدونۃ الکبریٰ ص۱۵۸ میں ہے عن زید بن اسلم ان رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم قال فی الصلوٰۃ علی المیت اخلصوا لہ الدعآء ۔ یعنی زید بن سلم فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اخلصوا لہ الدعآء فرمایا ہے سو اس دعا کے متعلق فرمایا ہے جو میت پر نماز جنازہ کے اندر مانگی جاتی ہے ۔ نیز المدونۃ الکبریٰ صفحہ ۱۷۵ میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تم اپنے بھائی کے لئے شفاعت کی غرض سے آئے ہو ۔ فاجتہدوا لہ الدعاء اس لیے اب تم اس کے حق میں خلوص کے ساتھ دعا کرنا ثم استقبل القبلۃ ۔ یہ کہہ کر قبلہ رخ ہو کر نماز جنازہ پڑھتے تھے ۔

مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۱۱ میں کیفیت نماز جنازہ کا ذکر کرتے ہوئے سعید بن المسیب تابعیؒ فرماتے ہیں ۔ درود شریف کے بعد (تکبیر کہہ) ثم یخلص الدعا للمیت بڑے خلوص کے ساتھ میت کے واسطے دعا کرے ۔۔۔۔ ثم یسلم فی نفسہ پھر آہستہ سے سلام کہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فاخلصوا لہ الدعا میں الدعا سے وہی دعا مراد ہے جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے ۔

فتاویٰ سعدیہ صفحہ ۱۳۰ میں ہے

آنچہ در سنن ابی داؤد ایں حدیث منقول است اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعآء مراد ازیں دعائے است کہ قبل از تکبیر چہارم می خوانند زیرا کہ نفرمودہ است اذا فرغتم من الصلوٰۃ ۔

یعنی ابوداؤد کی حدیث میں فاخلصوا لہ الدعاء سے وہ دعا مراد ہے جو چوتھی تکبیر سے پہلے پڑھتے ہیں کیونکہ آپ نے اذا فرغتم من الصلوٰۃ نہیں فرمایا ۔

سوال : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کی نماز ہو چکنے کے بعد پہنچے اور فرمایا ۔ **اِنْ سبقتمونی بالصلوٰۃ فلا تسبقونی بالدعاء** ۔ یعنی اگر نماز جنازہ تم مجھ سے پہلے پڑھ چکے ہو تو (خدارا) دعا مانگنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو (یعنی دعا میں تو مجھے شریک ہونے دو) اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد متصل اجتماعی دعا مانگنے کا دستور عہد صحابہؓ میں تھا

جواب : اس روایت میں دعا کے لفظ سے جنازہ کی نماز کے متصل بعد والی دعا سمجھنا صحیح نہیں کیونکہ جواہر الاخبار والآثار صفحہ ۱۱۲ میں ہے فلما فرغنا من دفنہ جاء رجل فقال یا رسول اللہ انی لم ادرک الصلوٰۃ افاصلی علی القبر قال لا ولکن قم علی قبر اخیک ۔

یعنی جب ہم دفن میت سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی نے آکر کہا یا رسول اللہ! میں نماز جنازہ نہیں پا سکا۔ کیا میں اب قبر پر نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ ہاں اپنے بھائی کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کر لو۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد دعا سے وہ دعا ہے جو بعد از دفن میت کی قبر پر اجتماعی طور مانگی جاتی ہے۔

فتح المعین میں ہے عن عبداللہ بن سلام لما فاتتہ الصلوٰۃ علے عمر رضی اللہ عنہ قال ان سُبِقتُ بالصلوٰۃ فلم اُسْبَق بالدُّعاء۔

یعنی جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جناب خلیفہ دوم امام عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز نہ ملی تو فرمایا کہ اگر نماز میرے سامنے سے پہلے ہو چکی ہے تو دعا کی بندش نہیں۔ میں اکیلے دعا کروں گا۔ (ترجمہ احمد رضا خان صاحب بریلوی در رسالہ النہی الحاجز عن تکرار الجنازہ)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی دعا صحابہ کی معیت میں نہ تھی۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر کا مطلب بھی یہی تھا کہ اگر میں نماز جنازہ سے رہ گیا ہوں تو دعا کی بندش نہیں اکیلے دعا کروں گا اس قدر کہ تم اس سے آگے نہیں نکل سکتے۔

سوال:۔ مفتاح الصلوٰۃ ص۱۱۲ میں ہے۔ چوں از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرۃ تا مفلحون طرف سر جنازہ و خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعضے احادیث بعد از دفن واقع است ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است۔

جواب:۔ فتاویٰ سعدیہ ص۱۳۰ میں ہے آنچہ در مفتاح الصلوٰۃ می گوید کہ چوں از نماز فارغ شوند مستحب است الی آخرہ فی الواقع حدیث بعد از دفن در حصن حصین موجود است یعنی بقرہ کی ابتداء و انتہا پڑھنا دفن میت کے بعد حدیث سے ثابت ہے نہ پہلے۔ اور پہلے پڑھنے کا کہنا کہ حدیث میں ہے وہم ہے۔

حصن حصین، سنن المصطفے، سنن الکبری للبیہقی، طبرانی، شعب الایمان للبیہقی، شرح الصدور للسیوطی میں تصریح ہے کہ فاتحہ کی ابتداء، و انتہا دفن کے بعد پڑھیں۔

نیز مفتاح الصلوٰۃ میں دعا بعد الجنازہ بہیئتِ اجتماعیہ کہاں ہے اس میں تو ایک آدمی کا پڑھنا ثابت ہے اور وہ بھی بقرہ کی ابتداء و انتہاء۔ دلیل دعویٰ کے موافق نہیں۔

سوال:۔ مجموعہ خانی میں ہے بعد تکبیر چہارم سلام بگوید و باید کہ ہر دو جانب بگوید دُعا بخواند و فتوٰی بریں قول است۔

یعنے چوتھی تکبیر کے بعد سلام دونو طرف پھیرے اور دعا پڑھے اور اسی پر فتوےٰ ہے

جواب:۔ محمدؐ کے کتب خانہ میں دو قلمی نسخہ مجموعہ خانی کے دو مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان دونو میں "دعا نخواند" ہے کا فرکوٹ ضلع پشاور میں ایک کتب خانہ میں مجموعہ خانی ہے اس میں بھی "نخواند" ہے اور مطبوعہ نسخہ میں "بخواند" غلط چھپ گیا۔ (الکلام الموزون)

سوال:۔ محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد متصل دعا مانگنے میں کچھ حرج نہیں۔ (لا بأس بہ)

جواب:۔ تمام فقہاء دعا بعد از جنازہ کو ناجائز، مکروہ، مکروہ تحریمی، بدعت کہتے ہیں صرف ایک فقیہ محمد بن فضل بھی جو لا بأس بہ کہتے ہیں، فرض، واجب، سنت، مستحب یہ بھی نہیں کہتے۔ اور لا بأس بہ کے متعلق فقہاء کے کا قول ملاحظہ ہو۔

حاشیہ حموی بر الاشباہ والنظائر ص۱۹۳ میں ہے "لا بأس" انے یستعمل لما ترکہ اولیٰ و ما ترکہ اولیٰ مرجعہ الی کراہۃ التنزیہ۔ یعنی لا بأس بہ کا لفظ اس عمل پر استعمال ہوتا ہے جس کا ترک کرنا اولیٰ اور بہتر ہو۔ اور انجام کار اس کا کراہت تنزیہی ہے۔

رد المختار ص۶۶۲ میں ہے لا باس دلیل علی ان المستحب غیرہ "لا باس" اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا غیر مستحب ہے۔ اس کا مآل بھی کراہت تنزیہی ہے جیسے تکملہ بحر الرائق ص۱۸۰ میں ہے المکروہ ضد المندوب والمحبوب ط

کبیری ص۶۶۲ میں ہے "لا بأس" عند عدم القرینۃ یدل علی خلاف الاولیٰ۔

یعنے قرینہ نہ ہو تو "لا بأس" دلیل ہے خلاف اولیٰ کی پھر ص۲۲۵ میں کہا انہ لا یاثم بفعلہٖ و ترکہٗ اولیٰ یعنے ایسے فعل کرنے سے گنہ گار تو نہیں ہوتا مگر اس کا ترک کرنا اولیٰ

ہے۔ اسی طرح ہدایہ ص۱۴۳ میں ہے "لاباس بہ" "یشیر الی انہ لا یوجر علیہ لکنہ لا یاثم بہ"

یعنی "لاباس" کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کام پر اجر نہ ملیگا لیکن گنہ گار بھی نہ ہوگا۔

منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق ص۲۰۶ ج۲ میں ہے "لاباس بہ" میں اس بات پر دلیل ہے کہ اس کا غیر مستحب ہے اسی طرح حاشیہ جامع صغیر میں بھی ہے (لہ ص۱۲۲)۔

فتاوی سعدیہ ص۱۳۰ میں ہے "چہ اصل استعمال لاباس بجائے کراہت تنزیہی است" آگے لکھا ہے بعضے می گویند "لاباس بہ" و کلمہ لاباس بہ "اکثر در کراہت تنزیہی مستعمل میشود"

فتح القدیر ص۴۶۵ میں ہے "لاباس" "اکثر استعمالہ فی المباح وما ترکہ اولی"۔

یعنے "لاباس" کا اکثر استعمال مباح میں اور اس چیز میں ہوتا ہے جس کا ترک اولی ہو۔

معلوم ہوا کہ محمد بن فضل بھی دعا بعد جنازہ کو ناپسند کرتا ہے۔

جنازہ اٹھانے کا طریقہ۔

ہدایہ ص۱۶۲ میں ہے کہ جنازہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کا اگلا حصہ اپنے دائیں کندھے پر رکھے جو کہ میت کا دایاں بنتا ہے اور چارپائی کا بایاں (بنایہ بر ہدایہ [illegible]) اس کے بعد اپنے دائیں کندھے پر جنازہ کا پچھلا حصہ رکھے۔ پھر جنازہ کا اگلا حصہ اپنے بائیں کندھے پر رکھے جو کہ میت کا بایاں بنتا ہے اور چارپائی کا دایاں۔ پھر جنازہ کا پچھلا حصہ اپنے بائیں کندھے پر رکھے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ ضروری نہیں کہ میت کے پیر قبلہ سے ہٹے ہوئے ہوں ورنہ تو اس جگہ فقہاء استثناء فرما دیتے بلکہ کبیری ص۵۷۳ میں بحوالہ محیط لکھا ہے کہ ہمارے ہاں کا عرف یہ ہے کہ بوقت جان کنی مرنے والے کی ٹانگیں قبلہ رخ کر کے چت لٹاتے ہیں کہ اس طرح روح بآسانی نکلتی ہے۔

شامی ص۹۵۶ میں ہے کہ ماوراء النہر میں ہمارے مشایخ نے اس کو مختار فرمایا ہے۔

عالمگیری ص۱۶۲ ج۱ میں بحوالہ مضمرات تصریح کی ہے کہ جنازہ لے جاتے وقت میت کا سر

اگلی طرف رکھنا چاہیئے یعنے جس طرف جارہے ہیں۔ فتاویٰ سراجیہ صـ۲۳ قاضی خاں صـ۹ فتح القدیر مع کفایہ و عنایہ صـ۹۵ شرح وقایہ صـ۲۵۶ میں بھی اسی طرح ہے۔

میت کی چارپائی چار آدمی اٹھائیں یہی سنت ہے البتہ اگر میت چھوٹا بچہ ہو تو ایک آدمی بھی اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا سکتا ہے (بحرالرائق صـ۱۹۰)

عورت کی چارپائی غیر محرم مرد بھی اٹھا سکتے ہیں۔ البتہ منہ نہیں دیکھ سکتے (فتاویٰ رحیمیہ صـ۲۳۳)

میت کی چارپائی ہاتھوں سے اٹھا کر کندھوں پر رکھنا چاہیئے مثل مال و اسباب کے شانوں پر لادنا مکروہ ہے۔ اسی طرح بلا عذر اس کا کسی جانور یا گاڑی وغیرہ پر رکھ کر لے جانا مکروہ ہے اگر عذر ہو تو بلا کراہت جائز ہے مثلاً قبرستان بہت دور ہے (مراقی الفلاح صـ۳۴۰)

جنازہ کا تیز قدم لے جانا مسنون ہے مگر نہ اسقدر کہ نعش کو حرکت و اضطراب ہونے لگے (رد المحتار صـ۵۹۲ و بحرالرائق صـ۱۹۰)

جو لوگ جنازے کے ہمراہ جائیں ان کو قبل اس کے کہ جنازہ شانوں سے اتارا جائے بیٹھنا مکروہ ہے ہاں! اگر کوئی ضرورت بیٹھنے کی پیش آئے تو کچھ مضائقہ نہیں (بحرالرائق صـ۱۹۱)

جو لوگ جنازہ کے ساتھ نہ ہوں بلکہ کہیں بیٹھے ہوتے ہوں ان کو جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا چاہیئے (مراقی الفلاح) صفحہ ۳۵۴

جو لوگ جنازہ کے ہمراہ ہوں ان کو جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے اگرچہ جنازے کے آگے بھی چلنا جائز ہے اگر سب لوگ جنازے کے آگے ہو جائیں تو مکروہ ہے۔

اسی طرح جنازے کے آگے کسی سواری پر چلنا بھی مکروہ ہے (بحرالرائق صـ۱۹۲)

جنازے کے ہمراہ پاپیادہ چلنا مستحب ہے اور اگر کسی سواری پر ہو تو جنازہ کے پیچھے چلے۔

جنازہ کے ہمراہ جو لوگ ہوں ان کو کوئی دعا یا ذکر بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے۔

فتاوے قاضیخاں صـ۹۳ میں ہے وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ جنازہ کے ساتھ بلند ذکر کرنا مکروہ ہے اور خلاصۃ الفتاوے صـ۲۲۵ میں ہے وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَيَذْكُرُ فِي نَفْسِهٖ جنازہ کے ساتھ بلند ذکر کرنا مکروہ ہے ہاں! دل میں ذکر کیا جاسکتا ہے۔ فتاوے سراجیہ صـ۲۳ میں ہے وَيُكْرَهُ النِّيَاحَةُ وَرَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ خلف

الْجَنَازَةِ وَقَوْلُهُمْ كُلُّ حَيٍّ يَمُوْتُ وَنَحْوُ ذَالِكَ بِدْعَةٌ. جنازے کے پیچھے پیچھے نوحہ کرنا اور بآواز بلند ذکر کرنا اور کل حی یموت (ہر زندہ مریگا) اور اس جیسے الفاظ کہنا بدعت ہے۔

بحر الرائق ص۱۹۹ میں ہے وَيَنْبَغِي لِمَنْ تَبِعَ الْجَنَازَةَ أَنْ يُطِيلَ الصَّمْتَ وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَغَيْرِهَا فِي الْجَنَازَةِ وَالْكَرَاهَةُ فِيهَا كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ. جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کے لیے مناسب ہے کہ خاموشی اپنی لمبی کرے اور ذکر اور قرآن پڑھنا اور اس کے ماسوا دوسری باتیں بآواز بلند کرنا مکروہ تحریمی ہیں اور ص۵۶ میں ہے۔ كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ ثَلٰثٍ الْجَنَائِزِ وَالْقِتَالِ وَالذِّكْرِ۔ آنحضور کے اصحاب تین اوقات میں آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ ایک جنازہ کے ساتھ، دوسرا جہاد میں۔ تیسرا ذکر میں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر ص۳۱۶ میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصَّمْتَ عِنْدَ ثَلَاثٍ عِنْدَ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعِنْدَ الزَّحْفِ وَعِنْدَ الْجَنَائِزِ۔ اللہ تعالے تین وقتوں میں خاموشی کو پسند کرتا ہے تلاوت قرآن کیوقت میدان جنگ کے دوران۔ اور جنازوں کے پاس۔

فتح القدیر ص۴۷۱ میں ہے ویکرہ لمن تبعہا رفع الصوت بالذکر والقرأۃ ویذکر فی نفسہ۔

اور فتح المعین ص۳۵۱ میں ہے لا یرفع الصوت بالذکر ولا بقراءۃ القرآن خلف الجنازۃ مخالفۃ لاھل الکتاب۔ یعنے جنازہ کے پیچھے چلتے وقت ذکر اور قراءۃ قرآن کے ساتھ آواز بلند نہ کرے واسطے مخالفت اہل کتاب کے ساتھ۔

حاشیہ مالابدمنہ ص۷۵ میں ہے کہ آواز بذکر بلند کردن مکروہ است کہ ایں فعل اہل کتاب است

نصاب الاحتساب ص۱۱۲ میں ہے جنازہ اٹھانے کے وقت واسطے ذکر کے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ اور ابراہیم رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلتے وقت لوگوں سے یہ کہنا

کہ استغفروا له، غفر الله لکم مکروہ ہے یعنی تم لوگ واسطے میت کے بخشش چاہو تم کو بھی اللہ بخشش دیگا۔

رسالہ تجہیز و تکفین صفحہ میں ہے جنازے کے ساتھ چلنے والے اپنے دلوں میں گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے چلیں۔ دنیا کی باتیں کرتے، ہنستے ہوئے نہ چلیں۔ بلکہ بالکل خاموش رہیں بے ضرورت بات نہ کریں۔ جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے کلمہ یا درود شریف یا قرآن شریف یا کوئی اور ذکر الٰہی پکار کر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ جیسے کہ عادت عوام الناس کی اس زمانہ میں ہے۔ بیشتر اس مسئلہ سے غافل اور بے خبر ہیں اس لیے کہ علماء کو چاہیئے کہ عوام الناس کو باز رکھیں لیکن اگر چاہیں تو دل میں پڑھیں۔

اسی طرح درمختار، شامی، غایۃ الاوطار، نور الایضاح، مراقی الفلاح، طحطاوی، محیط، زاد اللبیب، عالمگیری، جامع الرموز، تجہیز الجنازہ، مسائل موتی، تاتارخانیہ، فتاویٰ القرویہ، جوہرہ نیرہ، فتاوی برہنہ، انکار علی البدع والحوادث، حلیۃ الناجی، مضمرات، واقعات المفتین، صغیری، کبیری، شرح الیاس، حمایۃ الفقہ، کتاب الاذکار للنووی، تحفۃ النصائح، انوار ساطعہ، الوارق بارک اللہ، غنیۃ الطالبین وغیرہ کتب میں تصریح ہے کہ جنازہ کے پیچھے بلند ذکر کرنا مکروہ و بدعت ہے خواہ کلمہ شہادت ہو یا اللہ اکبر یا قرآن خوانی یا نعت خوانی یا درود شریف یا کوئی اور ذکر۔

میّت کی قبر

میّت کی قبر کم سے کم اس کے نصف قد کے برابر گہری کھودی جائے اور قد سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے اور موافق اس کے قد کے لمبی ہو، اور بغلی قبر (لحد) بہ نسبت صندوقی (شق) کے بہتر ہے۔ ہاں اگر زمین بہت نرم ہو کہ بغلی کھودنے میں قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر بغلی قبر نہ کھودی جائے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۹ و بحر الرائق ص ۱۹۳)

یہ بھی جائز ہے کہ اگر بغلی قبر نہ کھد سکے تو میت کو کسی صندوق میں رکھ کر دفن کر دیں خواہ صندوق لکڑی کا ہو یا پتھر یا لوہے کا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اس صندوق میں مٹی بچھا دی جائے۔ (بحر الرائق ص ۱۹۳)

جب قبر تیار ہو چکے تو میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اُتار دیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی جانب رکھا جائے اور اُتارنے والے قبلہ رو کھڑے ہو کر میت کو اٹھا کر قبر میں رکھ دیں۔ (بحر الرائق صـ ۱۹۳ ج ۲ و رد المحتار صـ ۵۹۹ ج ۱)

قبر میں اتارنے والوں کا طاق یا جفت ہونا مسنون نہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قبر مقدس میں چار آدمیوں نے اُتارا تھا (رد المحتار صـ ۶۰۰ ج ۱ بحر الرائق صـ ۱۹۳ ج ۲)

قبر میں رکھتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کہنا مستحب ہے (رد المحتار صـ ۱۲۵ ج ۱)

میت کو قبر میں رکھ کر داہنے پہلو پر اس کو قبلہ رو کر دینا مسنون ہے (بحر الرائق صـ ۱۹۴ ج ۲)

قبر میں رکھ دینے کے بعد کفن کی وہ گرہ جو کفن کے کھل جانے کے خوف سے دیگئی تھی کھول دی جائے۔ (بحر الرائق صـ ۱۹۴ ج ۲ عالمگیری صـ ۱۶۳ ج ۱ و رد المحتار صـ ۶۰۰ ج ۱)

اسکے بعد کچی اینٹوں یا نرکل سے بند کر دیں پختہ اینٹوں یا لکڑی کے تختوں سے بند کرنا مکروہ ہے ہاں جہاں زمین بہت نرم ہو کہ قبر کے بیٹھ جانے کا خوف ہو تو پختہ اینٹ یا لکڑی کے تختے رکھ دینا یا صندوق میں رکھنا بھی جائز ہے (بحر الرائق صـ ۱۹۴ ج ۲ و رد المحتار صـ ۶۰۰ ج ۱)

عورت کو قبر میں رکھتے وقت پردہ کر کے رکھنا مستحب ہے اور اگر میت کے بدن کے ظاہر ہو جانے کا خوف ہو تو پھر پردہ کرنا واجب ہے (رد المحتار صـ ۶۰۰ ج ۱)

مردوں کے دفن کے وقت قبر پر پردہ نہ کرنا چاہیئے ہاں اگر عذر ہو مثلاً پانی برس رہا ہو یا برف گر رہی ہو یا دھوپ سخت ہو تو پھر جائز ہے (بحر الرائق صـ ۱۹۴ ج ۲ و رد المحتار صـ ۶۰۰ ج ۱)

جب میت کو قبر میں رکھ چکیں تو جس قدر مٹی اس کی قبر سے نکلی ہو وہ سب اس پر ڈال دیں اسکے زیادہ مٹی ڈالنا مکروہ ہے جب کہ بہت زیادہ ہو کہ قبر ایک بالشت سے بہت زیادہ اونچی ہو جائے اور اگر تھوڑی سی ہو تو پھر مکروہ نہیں (مراقی الفلاح صـ ۳۵۶) کتاب الآثار للامام محمد)

امام بیہقی نے سنن الکبریٰ صفحہ ۳ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے متعلق فرمایا۔ ثُمَّ رَفَعَ قَبْرَهٗ مِنَ الْاَرْضِ نَحْوًا مِّنْ شِبْرٍ یعنی آپ کی قبر مبارک ایک بالشت کے قریب زمین سے اونچی تھی۔ اسی لیے حضرت امام نووی نے شرح صحیح مسلم صـ ۳۱۲ میں فرمایا

ہیں اِنَّ السُّنَّۃَ ان القبر لا یرفع علی الاَرضِ رفعًا کثیرًا۔۔۔۔۔۔
بَل یُرفَعُ نَحْوَ شِبرٍ یعنی سنت یہی ہے کہ قبر زمین سے بہت اونچی نہ ہو بلکہ صرف ایک بالشت کا اندازہ اونچی ہو۔

عالمگیری صفحہ۱ میں ہے وَیُسَنَّمُ القبرُ قَدرَ الشِّبرِ یعنے قبر کو اونٹ کی کوہان کی طرح صرف ایک بالشت کا اندازہ اونچا بنایا جائے۔

خلاصۃ الفتاوےٰ صفحہ۲۲ میں ہے وَان یکون القبر مسنما مرتفعا من الارض قدر شبر۔ یعنے قبر کوہان کی طرح ہو اور بالشت کا اندازہ زمین سے بلند۔ قاضیخاں صفحہ۹۲ میں اسی طرح ہے۔ بحر الرائق صفحہ۱۹۴ میں ہے ویکرہ ان یزادَ علی التراب الذی اخرج من القبر لان الزیادۃ علیہ بمنزلۃ البناءِ۔ جتنی مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ مٹی قبر پر ڈالنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ بنیاد ڈالنے کے قائمقام ہو جاتا ہے قبر پر۔

کتاب الآثار لابی یوسف صفحہ۸۵ میں ہے عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم قال کان یستحب ان یرفع القبر عن الارض حتّٰی یعرف انہ قبرٌ لکیلا
یعنی قبر زمین سے صرف اتنی اونچی ہو کہ پہچان ہو سکے کہ یہ قبر ہے تاکہ کوئی اس کو پامال نہ کرے کتاب الآثار محمد ص۴۳
میں ہے قال محمد وبہ ناخذ ولا نری ان یزاد علی ما اخرج منہ یعنی امام محمد نے فرمایا ہمارا بھی یہی فتویٰ ہے اور ہم جائز نہیں سمجھتے کہ قبر پر اس مٹی سے زیادہ ڈالا جائے جو قبر سے نکلی ہے پھر فرمایا وہو قول ابی حنیفہ یعنی امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔

اور کیوں نہ ہو جب حضرت امام علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت ابو الہیاج اسدیؓ (تابعی مفسر) کو فرمایا کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کام کے لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا اور وہ کام یہ ہے کہ "اَنْ لا تدعَ تمثالًا الّا طمستہٗ ولا قبرًا مُشرفًا الا سوّیتہٗ (مشکوٰۃ ص۱۴۸ مسلم ج۱ ص۳۱۲) کوئی تصویر مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور کوئی اونچی قبر برابر کیئے بغیر نہ چھوڑنا اور برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ای سوّیتہٗ بالقبور المعتادۃ (الجوہر النقی ص۳) ان قبروں کو ان قبروں کو برابر کر دیا جائے جن کا شرع شریف کی عادت سے ثبوت ہو چکا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکلی ہوئی مٹی سے زیادہ مٹی ڈالنا بھی قبر پر منع ہے تو پختہ قبر بنانا

کیسے جائز ہوگا۔

قبر میں مٹی ڈالتے وقت مستحب ہے کہ سرہانے کی طرف سے ابتدا کی جائے اور ہر شخص اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر قبر میں ڈال دے اور پہلی مرتبہ پڑھے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اور دوسری مرتبہ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تیسری بار وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى

(ردالمحتار ص۲۳۷)

قبر کا مربع بنانا مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ اٹھی ہوئی مثل کوہان شتر کے بنائی جائے اس کی بلندی ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ ہونا چاہیئے۔ (عالمگیری کذا بحرالرائق ص۱۹۴)

بعد مٹی ڈال چکنے اور کوہان شتر کی طرح بالشت کا اندازہ بلند کر چکنے کے قبر پہ پانی چھڑک دینا مستحب ہے۔ (ردالمحتار ص۲۳۶ و عالمگیری ص۱۰۱)

قبر پہ گچ کرنا اور یا اس پر مٹی لگانا یا لیپ کرنا منع ہے۔ مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ص۲۳۶)

ابن ماجہ ص۱۱۲ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نہی رسول اللہ صلعم عن تقصیص القبور یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ اور گچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

کتاب الآثار للامام محمد ص۴۲ میں ہے ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نہی عن تربیع القبور وتجصیصہا۔ قال محمد وبہ ناخذ وہو قول ابی حنیفۃ۔

یعنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چار کونہ بنانے اور چونہ گچ پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے محمد کہتا ہے کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی ہمارے استاذ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے

کبیری ص۵۹۹ میں ہے ویکرہ تجصیص القبر وتطیینہ وبہ قالت الائمۃ الثلاثۃ۔

یعنے قبر کو پختہ سیمنٹ یا گچ بنانا اور اس کی لپائی کرنا مکروہ ہے اور یہی تینوں کا مذہب ہے

قاضی خان ص۹۲ میں ہے ولا یجصص القبر لما روی عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ نہی عن التجصیص والتقضیض وعن البناء فوق القبر یعنے قبر کو پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور چاندی کے پانی سے جڑاؤ کرنے اور قبر پہ عمارت بنانے سے منع کیا ہے۔

فتح القدیر ص میں ہے۔ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نہی عن تربیع القبور وتجصیصہا نبی پاکؐ نے قبروں کو چوکس بنانے اور پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے اسی طرح عالمگیری ص۱۶۶ میں ہے۔

قبر پر پکی اینٹ لگانا بھی منع ہے۔ کتاب الآثار للامام محمد ص۱۲) اسی طرح ہدایہ شرح وقایہ، کنز، بدائع صنائع، قاضی خاں، خلاصۃ الفتاوی، مستخلص کبیری، صغیری، مختصر قدوری۔ کتب فقہ میں موجود ہے۔

قبر پر کوئی چیز یادداشت کے لیے لکھنا منع ہے (بحوالہ نسائی ص۲۸۵، ابن ماجہ ص۱۱۲ و ترمذی ص۱۳۹) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے قبریں پختہ بنانے اور ان پر لکھنے اور بناء کرنے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا ہے نیز دیکھو مسلم ج ۱ ص ۳۱۲)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهَا وَأَنْ (تُوْطَأَ)

کتاب الآثار ص۲۲ میں امام محمد نے بھی قبر پر لکھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ قبر کے اندر یا اوپر پختہ اینٹ رکھنا بھی مکروہ ہے اور اس کو پختہ بنانا یا اس کی لپائی کرنا بھی مکروہ ہے اور اس کے پاس مسجد بنانا یا جھنڈا گاڑنا بھی مکروہ ہے البتہ قبر پہ پانی چھڑک دینے میں کچھ حرج نہیں اور فرمایا کہ یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا۔ ویکرہ ان یجصص او یطین او یجعل عندہ مسجدًا او علمًا او یکتب علیہ ویکرہ الاجر ان یبنی بہ او یدخل القبر ولا نری برش الماء علیہ بأسًا وھو قول ابی حنیفۃ

ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث لکھ کر اس کی تصحیح فرمائی پھر لکھا اس حدیث پر کسی کا عمل نہیں کیونکہ مشرق و مغرب کے ائمہ مسلمین اپنی قبروں پر لکھتے ہیں اور یہ عمل پچھلوں نے پہلوں سے لیا ہے اس پر امام ذہبیؒ نے اپنی تلخیص میں لکھا ہے کہ یہ قبروں پر لکھنا محدث (بدعت) ہے اور جو لکھتے آتے ہیں شاید ان کو یہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کی حدیث نہ پہنچی ہو۔

(سندھی علی النسائی ص۲۸۵)

اور اس ممانعت کی علت بے فائدہ مال ضائع کرنا اور بلا اذن شریعت اتنی بڑی تنظیم کرنا قبروں کی (۔۔۔)

روح المعانی ص۱۴۳ میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کی حدیث موجود ہے اس لیے تینوں اماموں سے قبروں پر لکھنے کی کراہت بیان کی گئی ہے خواہ اس قبر پر اسی میت کا نام لکھیں یا کوئی تختی پر جو اس کے سر کے پاس نصب کی گئی ہے لکھیں یا کسی اور چیز پر لکھیں ہر حال میں مکروہ ہے۔

مصنف عبدالرزاق ص۵۰۲ میں حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر لکھنے سے منع فرمایا ہے نیز مصنف عبدالرزاق ص۵۰۳ میں حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

ان خیر قبورکم التی لا تعرف ، حضور کا فرمان ہے یعنی تمام قبروں سے بہتر وہ قبر ہے جو نہ پہچانی جائے۔

قبر پر دفن کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا یا دعائے مغفرت کرنا اور سر کی طرف سورۃ بقرہ کی ابتدائی آئتیں مفلحون تک اور پاؤں کی طرف سورہ بقرہ کی آخری آئتیں امن الرسول سے آخر سورۃ تک پڑھنا مستحب ہے (مشکوٰۃ ص۱۴۹)

حضرت ابن عمر رض کو یہ بات پسندیدہ تھی کہ دفن کے بعد قبر کے سرہانے ابتداء سورۃ بقرہ کی آیتیں اور قبر کی پائنتی میں سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھی جائیں (شامی ص۱۰۴۰)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہو جاتے اور اس پر کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے بخشش مانگو اور اس کے حق میں ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۰۳)

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے فرمایا بحالت سکرات موت کے کہ جب میں مر جاؤں تو کوئی بین کرنے والی عورت اور آگ میرے جنازہ جنازے کے ساتھ نہ جائے جب مجھے تم دفن کرو اور مٹی ڈال چکو تو میری قبر کے گرد اتنی دیر

کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کیا جائے۔ جب تم اُس کا گوشت تقسیم کرتے ہو اتنی دیر تاکہ مجھے تمہارے اس عمل سے اُنس پیدا ہو اور فرشتوں کے سوال کا جواب یقیناً دے سکوں۔ (مشکوٰۃ ص۱۴۹)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد استغفروا لاخیکم سے (بعد از دفن) دعا اجتماعی کا ثبوت ہو گیا۔ لہٰذا قبر پہ دفن کرنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھیرنا اور ذکر و دعا میں مشغول رہنا مستحب ہے۔ (دلیل الخیرات، ص۵۹ لاستاذی الالمعی اللوذعی بحرالہمام المفتی الاعظم فی الہند محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ)۔

اسی طرح جوہرہ نیرہ ص۱۱۱ و تجہیز الجنازہ و جواہر النفیس ص۱۲۱ و مصباح الصلوٰۃ علمی فرزاد اللبیب وغیرہ بہت سی کتب فقہ میں صراحۃً ذکر ہے اور اس عمل نبوی کو آج لوگوں نے ترک کر رکھا ہے۔

اور یہ قبر پر کھڑا ہونا قرآن مجید کی آیت پاک وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ ط (اور اس منافق کی قبر پہ کھڑے نہ ہونا) سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ مومنین کے قبر پر کھڑے ہو کر دعا و استغفار وغیرہ کے لیے توقف فرماتے تھے۔

البتہ جب قبر پہ کھڑے ہو کر دعا مانگیں تو ہاتھ اُٹھائیں یا نہ اُٹھائیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سامنے قبریں ہیں یا نہیں۔ اگر سامنے قبریں ہیں تب تو ہاتھ نہ اُٹھائیں کیونکہ دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ یہ قبروں والوں سے مانگ رہا ہے اور اس میں (عیاذاً باللہ) بُت پرستوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ (نور الانوار ۲) اور اگر سامنے قبریں نہ ہوں تو ہاتھ اُٹھا سکتے ہیں اور جو حدیث فتح الباری ص۱۲۳ میں بحوالہ صحیح ابن عوانہ بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موجود ہے کہ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَبْرِ عَبْدِ اللّٰہِ ذِی الْبِجَادَیْنِ۔۔۔۔ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ دَفْنِہٖ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ رَافِعًا یَدَیْہِ۔ یعنے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ ذی البجادین کی قبر پہ دیکھا۔۔۔۔ پس جب آپ اس کے دفن سے

فارغ ہوئے تو قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دُعا مانگی) یہ اس حالت پر محمول ہے کہ سامنے کی جہت (قبلہ) کی طرف کوئی قبر نہ ہو اور یہ بھی نہیں کہ ہمیشہ آپ قبلہ رُخ ہو کر دُعا مانگتے وقت سامنے قبر نہ ہونے کی صورت میں ہاتھ اُٹھاتے تھے کیونکہ یہ بیانِ حالِ واقعہ مخصوصہ ہے جو عبداللہ ذی البجادین کی قبر پہ آپ نے اس طرح دُعا کی اور اس قسم کے واقعہ سے سنیت ثابت نہیں ہوتی اور نہ کسی فقیہ نے اِس دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کو سُنّت کہا ہے۔ اسی طرح استاذی حضرت علامہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔

قبر پر اذان

ردالمحتار ص۲۳۵ میں ہے وفی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارۃ الی انہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الاٰن وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعۃ الخ (اور زیارت دوعا پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو دفن کرنے کے وقت اذان کہنا جیسا کہ آج کل عادت ہوگئی ہے مسنون نہیں ہے اور ابن حجر رحمہ اللہ نے تو اپنے فتاویٰ میں صاف فرمادیا ہے کہ قبر پر اذان کہنا بدعت ہے۔

وفی درر البحار من البدع التی شاعت فی الھند الاذان علی القبر

اور کتاب درر البحار میں ہے کہ ان بدعات میں سے جو ہندوستان کے بعض شہروں میں شائع ہوگئی ہیں ایک بدعت دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بھی ہے۔

وفی التوشیح شرح التنقیح لمحمود البلخی لیس بشیء اور محمود بلخی کی کتاب توشیح شرح تنقیح میں ہے کہ قبر پر اذان کہنا کوئی مشروع چیز نہیں۔

ہدیۃ المکۃ المشرفۃ رسالہ ملحقہ بہ مفتاح الصلوٰۃ ص۱۱ میں فتوے عبداللہ میر غنی حنفی مفتی مکہ معظمہ کا ہے سوال:- ھل یجوز الاذان عند القبر بعد دفن المیت فی المذھب الحنفی ام لا بینوا توجروا ومن اصر علیہ واعتقدہ من

السنة وغدم تاركه فما؟ أمصيب ام خاطئ مبتدع فبيّنوا بالصواب

الجواب:- الحمد لله رب العلمين رب زدنی علماً ذکر فی البحر الرائق ما نصه ویکره عند القبر کل ما لم یُعْهَدْ من السنة والمعهود منها لیس الا زیارتها والدعاء عندها قائماً کما کان یفعل صلی الله علیه وسلم فی الخروج الی البقیع انتهی ومنه یعلم الجواب والله سبحانه وتعالیٰ اعلم امر برقمه المقتصر عبد الله بن محمد میرغنی الحنفی مفتی المکة المکرمة کان الله لهما حامداً ومصلیاً ومسلماً صح احقر۔

یعنے میت کو دفنانے کے بعد قبر کے پاس اذان کہنا مذہب حنفی میں جائز ہے یا نہ۔؟ اور جو اس پر اصرار کرے اور اس کو سُنّت سمجھے اور اذان عند القبر کے تارک کو بُرا کہے وہ ٹھیک کہتا ہے یا خطاکار بدعتی ہے ٹھیک ٹھیک صاف کھول کر بتائیں۔

الجواب:- بحر الرائق میں نصّاً ذکر ہے کہ عند القبر تمام غیر مسنون کام مکروہ ہیں اور مسنون کام عند القبر صرف دو ہیں ایک قبر کی زیارت دوسرا قبر کے پاس کھڑے ہو کر دُعا کرنا جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بقیع کی طرف نکلنے میں کرتے تھے اسی عبارت سے عند القبر اذان کا جواب معلوم ہو گیا۔

یاد رہے کہ یہ فتوےٰ مولانا نواب قطب الدین خاں صاحب حنفی دہلوی مؤلف مظاہر حق اردو شرح مشکوٰۃ شریف نے مکہ معظمہ کے مفتی مذکور سے دریافت فرمایا تھا اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ فتویٰ مع مہر سمیت میرے پاس موجود ہے۔

اور جناب مفتی موصوف نے جو بحر الرائق کا حوالہ دیا ہے وہ بحر الرائق ص۱۹۶ ج۲ کے علاوہ عالمگیری ص۱۶۶ ، فتح القدیر ص۳۰۷ ج۲ وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ نے کتاب الآثار ص۱۱۲ میں فرمایا کہ زیارت قبور کی اجازت صرف دعا کو کے لیے ہے ۱۔ میت کے حق میں دُعا مانگنا اللہ تعالےٰ سے ۲۔ آخرت کو یاد کرنا دھو قول ابی حنیفۃ اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا۔

اگر بتی سلگانا اور چراغاں کرنا

قبر پر اگر بتی سلگانا بھی منع ہے اور چراغ جلانا بھی منع ہے۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق ص۲۱۹ میں ہے یُکْرَہُ الْاِجْمَارُ عِنْدَ الْقَبْرِ۔ یعنے قبر کے پاس دھونی دینا منع ہے نیز حاشیہ غنایہ ص۳۸۷ اور نسائی ص۲۲۱ و مشکوٰۃ ص۷۱ و ابوداؤد و طیالسی ص۳۵۷ میں ہے لَعَنَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اور اُن پر چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اسی لیے عمرو بن العاصؓ (صحابی رسول اللہ علیہ وسلم تھے) نے وصیت فرمائی تھی۔
فاذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار (مسلم ص۷۶)
یعنے جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ نوحہ کرنے والی عورت جائے اور نہ میرے ساتھ آگ ہو۔ اسی طرح اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے وصیت فرمائی ولا تتبعونی بنار (موطا امام مالک) ص۲۰۸ یعنے میرے ساتھ آگ نہ لے جانا امام محمدؒ نے کتاب الآثار ص۳۹ میں کہا کہ قبر کی طرف آخری سفر خرچ میت کا آگ نہ ہو۔ نووی نے شرح مسلم لے ص۷۶ میں فرمایا میت کے ساتھ آگ لے جانا حدیث کی رُو سے مکروہ ہے۔ کراہت کی وجہ اس کا شعار جاہلیت ہونا ہے اور ابن حبیب مالکیؒ فرماتے ہیں کہ آگ کی بد فالی اور بدشگونی کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری ص۱۰۱ میں ہے قبروں پر آگ جلانا جاہلیت کی رسم ہے اور مشکوٰۃ ص۲۷ میں ہے کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے نزدیک وہ شخص زیادہ مبغوض ہے جو اسلام میں جاہلیت کی رسمیں تلاش کرے۔
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحؒ نے ارشاد الطالبین ص۲۲ میں فرمایا کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پاس چراغ جلانے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے

زاد المعاد ص۱۴۲ میں بھی ہے۔

فتاوے شاہ رفیع الدین صاحب ص۱۴۲ میں محرمات کا ارتکاب مثلاً چراغ جلانا۔ قبروں کو لباس پہنانا اور گانا اور باجے بجانا بُری بدعتیں ہیں اور ایسی مجالس میں جانا بھی منع ہے۔

- روح المعانی ص۲۱۹ ج۱۵ میں وتجب ازالة کل قندیل وسراج علی قبر ولا یجوز وقفہ ونذرہٗ اور قبروں پہ جو بھی لالٹین یا چراغ ہو اس کا ہٹانا واجب ہے اور اس کا وقف کرنا اور نذر کرنا بھی ناجائز ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ نے فرمایا استغار رسوم جیسے عرس اور چراغاں کے ساتھ مقید نہ ہو (کلمات طیبات ص۸۹) پھر ص۹۳ میں لکھا کہ عرس اور چراغاں کی شرع میں کچھ قدر و منزلت نہیں۔

شرح سفر السعادت ص۲۷۰ میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مسجد بنانے اور چراغ جلانے سے روکا اور ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی اور یہ حدیث سنن ابی داؤد ص۱۰۵ ج۲ اور جامع ترمذی ص۱۳۶ میں ہے۔

فتاوے ستاریہ ص۹۹ ج۱ میں ہے قبرستان میں لوبان جلانا اور اگر بتی جلانا جائز نہیں یہ جملہ امور لوگوں کے تراشیدہ اور من گھڑت ہیں ان کا ثبوت شریعت محمدیہ میں نہیں ہے۔ نیز اس میں لکھا کہ قبرستان میں آگ جلانا اور روشنی کرنا رسم مجوسی ہے اور کتاب الزواجر ص۱۲۱ میں ص۱۲۱ میں ابن حجر نے بھی اس طرح لکھا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۔ میں ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ قبر پر چراغ جلانا اس لیے منع ہے کہ اس میں مال کا ضائع کرنا ہے نیز اس چراغ جلانے سے میت کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ نیز اس میں دوزخ کے آثار ہیں یا اس لیے منع فرمایا تاکہ قبروں کی تعظیم سے بچا و رہے یہ ایسے ہے جیسے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکا۔

تفسیر مظہری میں ص۶۵ ج۳ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے فرمایا جاہل لوگ اولیا

اور شہداء کی قبروں پر جو سجدہ کرتے ہیں، ان قبروں کے ارد گرد طواف کرتے ہیں اور ان پر چراغاں کرتے ہیں اور ان پر مسجدیں بناتے ہیں اور سال کے بعد عیدوں کی طرح وہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ سب ناجائز ہیں

قبر پر تلقین کرنا

قبر پر تلقین کرنا بھی منع ہے اور بدعت ہے۔ گو نووی نے ابن الصلاح کی تقلید میں دفن کے بعد تلقین کو مستحب فرمایا ہے مگر جمہور اُمت اس کو بدعت ہونے پر متفق ہیں کیونکہ اس کے بارے تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ کوئی حدیث ثابت نہیں صحیح حسن بلکہ ضعیف ہے، جیسے امام سیوطی رحمہ اللہ نے الحاوی للفتاوی ص۳۹۹ میں لکھا ہے نووی تبع ابن الصلاح فی استحباب التلقین بعد الدفن، جمہور الامۃ علیٰ انہ بدعۃ اولم یثبت فیہ حدیث صحیح ولا حسن بل حدیث ضعیف باتفاق المحدثین۔

فتاوے عالمگیری میں ہے واما بعد الموت فلا تلقین عندنا فی ظاہر الروایۃ کذا فی العینی شرح الہدایۃ ومعراج الدرایۃ۔ یعنی مرنے کے بعد میت کو تلقین کرنا ہمارے مذہب میں ظاہر الروایۃ میں نہیں ہے۔ عینی شرح ہدایہ اور معراج الدرایہ میں اسی طرح ہے۔

کفایہ شرح ہدایہ میں ہے والمراد من قولہ علیہ السلام لقنوا موتاکم الذی قرب من الموت ہو تسمیۃ الشیء باسم مایؤول الیہ کقولہ تعالیٰ انی ارانی اعصر خمراً ای عنباً۔ وقولہ صلے اللہ علیہ وسلم عش ماشئت فانک میت ومن قتل قتیلاً فلہ سلبہ وقیل ہو یجری علی حقیقتہ وہو قول الشافعیؒ لانہ تعالےٰ یحییہ، خلاصہ اس کا یہی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں جو لقنوا موتاکم آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مرنے لگا ہو اُسے تلقین کرو۔ نہ کہ جو مر جائے تو اُسے قبر میں دفن کرکے پھر تلقین کرو۔ سبیل النجاح میں شرح مصابیح سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے

الامر فی قولہ صلے اللہ علیہ وسلم لقنوا موتاکم للندب والاستحباب والتلقین المعروض ہو ان یقال عند المحتضر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ المراد بموتاکم المحتضرون مجاز مما یؤل الیہ فنبہ علیٰ ان یقال ذالک حتیٰ یظہر امارات الموت۔ وقولہ صلے اللہ علیہ وسلم لقنوا موتاکم یحتمل التلقین بعد الموت حملاً للفظ علی الحقیقۃ۔ وبہ قال الشافعی واصحابہ۔

ظہیریہ اور خیرۃ الفقہاء میں ہے جوّز بعض المشائخ التلقین بعد الدفن ولا آمرہ ولا انہی عنہ یُفعل۔ یعنے بعض مشائخ نے دفن کے بعد تلقین جائز کہا ہے مگر یہ میرا عقیدہ نہیں ہے۔

سراجیہ ص۲۴ میں ہے تلقین المیت عند اکثر مشائخنا لیس بشئی۔ وعند الشافعی سنۃ۔ یعنے اکثر مشایخ کے نزدیک میت کو تلقین کرنا کوئی مشروع شئی نہیں ہے۔

سراج ولمع شرح قدوری میں معراج سے نقل ہے۔ واما التلقین بعد الموت فلا یلقن عندنا فی ظاہر الروایۃ۔ مرنے کے بعد تلقین ہمارے مذہب میں ظاہر روایت میں ہے کہ نہ کی جائے۔

ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے وقیل وقت التلقین بعد الدفن بان یقال یا فلان اذکر دینک الذی کنت علیہ رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد نبیاً وبالقرآن اماماً وبالکعبۃ قبلۃً۔ وقیل ان کان موتہ علی الایمان فہو مستغن عن التلقین والا فلا ینتفع بہ۔

بعض نے تو تلقین کے کلمات بھی بتائے اور بعض نے کہا کہ ایمان پر موت آئی ہو تو تلقین کی ضرورت نہیں ورنہ تو تلقین بے فائدہ ہے۔

برجندی میں ہے۔ ولا یلقن بعد الدفن عندنا وعند الشافعی یلقن۔ وزعم بعض اصحابہ انہ مذہب اہل السنۃ۔ والاول مذہب المعتزلۃ۔ لکنا نقول ان کان مومناً فلا حاجۃ الیہ وان کان کافراً فلا ینفعہ التلقین۔

یعنے ہمارے مذہب میں ہے کہ دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے اور شافعی ؒ کے نزدیک تلقین کی جائے اور اس کے بعض اصحاب نے سمجھ لیا کہ تلقین کرنا اہلسنۃ کا مذہب ہے اور تلقین نہ کرنا معتزلہ کا مذہب ہے لیکن ہم حنفی کہتے ہیں کہ اگر میت مومن ہے تو اسے تلقین کی ضرورت ہی نہیں اگر کافر ہے تو تلقین بے سود ہے

فتاوٰے جامع الروایات میں عقائد الاسلام سے نقل کیا ہے کہ تلقین میت بعد دفن مے کنند نزدیک امام شافعی نفع نیست زیرا کہ اگر با ایمان رفتہ است خود فرشتگاں را جواب تلقین و آنچہ کہ حق است خواہد گفت وگرنہ تلقین چہ فائدہ کند کافی میں بھی اسی طرح لکھا ہے اور جامع الرموز میں جواہر سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے وانما اختص التلقین بالمحتضر لان تلقین المیت لم یجز عند الائمۃ الثلاثۃ وغیرہم من اصحابنا وعلیہ فتوے ائمۃ الثلاثۃ وغیرھم من اصحابنا وعلیہ فتوی ائمۃ بلخ وبخارٰی۔

یعنے تلقین صرف قریب الموت کے لیے مخصوص ہے کیونکہ میت کی تلقین ہمارے ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ امام محمدؒ وغیرہ اصحاب حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے اور ائمہ بلخ وبخارٰی کے اماموں کا فتوٰے ہے۔

مجمع البحرین میں ہے وتلقینہ الانسان ای حال کونہٖ محتضرًا لا بعد التلحید یعنی قال الشافعی یلقن بعد الدفن لقولہٖ صلے اللہ علیہ وسلم لقنوا موتاکم شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ ولنا ان الاحتضار فی وقت یتعرض فیہ الشیطان نعوذ باللہ من فساد اعتقادہ فیحتاج الی تذکرہ والمراد من قولہٖ لقنوا موتاکم من یقرب الی الموت مجازًا انتہٰی۔

تلقین صرف مرتے وقت ہوتی ہے نہ دفن کے بعد لیکن شافعیؒ حدیث کی وجہ سے دفن کے بعد تلقین کے قائل ہیں مگر ہم حنفی کہتے ہیں تلقین کی ضرورت تو اس وقت ہوتی ہے جب شیطان کے بہکانے کا وقت ہوتا ہے اور وہ یہی وقت ہے جب انسان مرنے لگتا ہے اور حدیث کا یہی مطلب ہے۔

سید احمد طحطاویؒ نے در مختار کے حاشیہ میں لکھا ہے قال فی النہر واختلفوا فی تلقینہٖ بعد الموت فقیل یُلَقَّنُ لظاہر قولہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام لقنوا موتاکم شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وقیل لا یلقن وہو ظاہر الروایۃ اذ المراد بموتاکم فی الحدیث من قرب من الموت۔ یعنے نہر فائق میں ہے کہ موت کے بعد تلقین کرنے میں اختلاف ہے بعض لقنوا موتاکم کے ظاہری الفاظ دیکھ کر جواز کے قائل ہیں بعض ناجائز کہتے ہیں اور یہی ظاہر روایت ہے کیونکہ حدیث میں موتٰی سے مراد وہ ہیں جو مرنے لگے ہوں

اور زیلعی شرح کنز میں بھی اسی طرح مرقوم ہے (تفہیم المسائل ص۱۲۱ تا ص۱۲۲)
تنویر الابصار میں ہے لا یلقن بعد تلحیدہ - یعنی میت کو دفنانے کے بعد تلقین نہ کی جائے۔

صلوٰۃ مسعودی میں ہے "و بر قول علماء را تلقین نہ کنند کہ آں حدیث در وقت نزاع است و آنکہ پیغمبر علیہ السلام مر ابراہیم پسر خویش را تلقین کردہ معجزہ بود کہ آواز فرزند خود بشنود - امّا ما از حالِ مردگاں خبر نداریم و آواز مُردہ بگوش ما نمی رسد پس دانستیم کہ تلقین وقتِ مُردن است۔

جامع الرموز میں ہے اما تلقین المیت فلم یجز عند علمائنا الثلاثۃ وعلیہ فتویٰ ائمہ بلخ و بخارا کما فی الجواہر (زاد اللبیب ص۳۶)

تفہیم المسائل ص۱۲۱ میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور دیگر حنفیہ کے نزدیک تلقین بعد موت ناجائز ہے۔ پھر لکھا کہ بعض علماء شافعیہؒ کا کہنا کہ تلقین کا عدمِ جواز معتزلہ کا مذہب ہے یہ محض غلط ہے پھر فرمایا کہ ان متذکرہ بالا اکابر کو معتزلی کہنا بہت بڑی جسارت ہے۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ امام شافعیؒ کی طرف جوازِ تلقین کی نسبت کرنا ٹھیک نہیں جیسے جوازِ متعہ کی نسبت امام مالکؒ کی طرف کرنا درست نہیں اور ارسالِ یدین فی قیام الصلوٰۃ کی نسبت امام مالکؒ کی طرف کرنا غلط ہے کیونکہ امام مالک کی اپنی کتاب مؤطا میں متعۃ النساء کو حرام لکھا اور باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ بھی مؤطا میں ہے پس سہو کاتب کہیں گے جہاں غلط نسبت کی گئی ہے یا کہیں گے کہ مالک سے مراد امام مالکؒ نہیں دوسرا کوئی شیعہ مالکی مراد ہے۔

بعینہٖ اسی طرح جن کتابوں میں جوازِ تلقین کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی گئی ہے یا تو اس سے مراد کوئی شیعہ شافعی ہے یا سہو کاتب ہے۔ امام شافعیؒ جوازِ تلقین کے قائل نہیں ہیں کیونکہ امام شافعی نے کتاب الاُمّ میں اس تلقین کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ کتاب الام میں ایک باب بایں الفاظ منعقد فرمایا۔

=باب مایقال بعد دفن المیت۔ اس باب میں جو مسنون طریقہ ثابت ہے وہ تو بیان کیا مگر مروجہ تلقین کا وہاں نام و نشان نہیں۔ البتہ یہ مروجہ تلقین کا ثبوت کتب فقیہ میں ہے۔

شیعہ کتب

چنانچہ توضیح المسائل صـ۱۱۷ تا صـ۱۱۸ تلقین میت کا باقاعدہ طریقہ بیان کیا اسی طرح من لایحضرہ الفقیہ صـ و تحفۃ العوام وغیرہ کتب میں تلقین کا مسئلہ مصرح ہے۔

رہی وہ حدیث جو غنیۃ الطالبین صـ۹۵ میں ابوامامہ سے مروی ہے۔ سو اس کے متعلق امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تمام محدثین کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے اور محمد بن طاہر فتنی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الموضوعات صـ۲۱۵ میں فرمایا حدیث تلقین المیت بعد الدفن ضعفہا ابن الصلاح ثم النووی وابن القاسم والعراقی وشیخنا فی بعض تصانیفہ والآخرون یعنی بعد دفنانے کے تلقین میت والی حدیث کو ابن صلاح، نووی، ابن القاسم عراقی اور ہمارے شائخ نے اپنی بعض تصانیف میں اور دوسرے محدثین نے بھی ضعیف کہا ہے اور المقاصد الحسنہ صـ۱۶۳ میں یونہی ہے۔ اور امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کو ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ ضعیف احادیث بھی اس میں ذکر کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ضعف بہت قوی ہے جو جامع الصغیر میں جگہ نہ لے سکی

اسی طرح عبدالوہاب شعرانی نے کشف الغمۃ صـ۱۸۱ میں لکھا ہے کہ قال راشد بن سعد التابعی رضی اللہ عنہ وکانوا یستحبون اذا سوّی علی المیت قبرہ وانصرف الناس عنہ ان یقال للمیت عند قبرہ یا فلان قل لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ ثلث مرات قل ربی اللہ ودینی الاسلام ونبیی محمد صلے اللہ علیہ وسلم ثم ینصرف القائل عنہ۔ یہ بھی اسی پہلی حدیث کی طرح ضعیف ہے اور مقاصد حسنہ صـ۱۶۲ صـ۱۶۳ بھی دیکھ لیا جائے۔

قرآن خوانی کے لیئے اجتماع

فتاویٰ بزازیہ ص ۸۱ میں ہے ویکرہ اتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ۔

ترجمہ:۔ اور قراءت قرآن کے لیے اور صلحاء اور قاریوں کو جمع کر کے ختم قرآن کے لیے دعوت کرنا بھی مکروہ ہے اسی طرح سورۃ انعام یا سورۃ اخلاص کے پڑھنے کے لیے کھانا تیار کرنا بھی مکروہ ہے۔

الحاصل۔ قراءت قرآن کے وقت کھانے کی خاطر طعام تیار کرنا مکروہ ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادۃ ص ۲۷۲ میں لکھا وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است یعنے عہد نبوی و صحابہؓ میں یہ عادت نہ تھی کہ میت کو ثواب پہنچانے کے لیے لوگ جمع ہوں اور قرآن پڑھیں اور ختم پڑھیں نہ قبر کے سرکے پاس اور نہ کسی دوسری جگہ اور یہ سب بدعت ہے۔

الدر المنظوم ص ۲۲ میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے مسجد میں قرآن خوانی کو مکروہ فرمایا ہے۔

طریقہ محمدیہ کے اخیر صفحہ پر کہا قرآن و کلمہ وغیرہ پڑھنے والوں کو پیسے دینا یا قبر پر چالیس روز تک یا کم و بیش ایام تک آدمی بٹھانا۔۔۔۔ یہ سب امور مکروہ ہیں۔

تجنیس کے فصل غسل میت میں ہے کہ سیپارہ خوانی اگر اس طرح ہو کہ ایک دوسرے کو سنائی نہ دے تو جائز ہے مگر پھر بھی سیپارہ خوانی میں اختلاف ہے کوئی جائز کہتا ہے کوئی ناجائز (زاد اللبیب ص ۸۹)

نصاب الاحتساب میں ہے ختم قرآن مل کر با آواز بلند جسے فارسی میں سیپارہ خوانی کہتے ہیں مکروہ ہے اور دلیل اس کی نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قرآن خوانی

کے وقت رفع صوت مکروہ ہے (صفحہ ۹)

شامی میں ہے کہ ایک آدمی کو اس لیے پیسے دینا کہ قبر پر بیٹھ کر قرآن پڑھے گا اس کو قرآن پڑھنے کا ثواب نہ پڑھنے والے کو ملے گا نہ نیت کو۔ (زاد اللبیب صفحہ)

شرح سفر السعادت میں ہے یہ جو قبر کے ارد گرد اس کے سرہانے بیٹھ کر پڑھتے ہیں مکروہ ہے۔ (.)

شرح عقیدہ طحاویہ صفحہ ۲۹۶ میں ہے واما استیجار قوم یقرءون القرآن ویہدونہ للمیت فہذا لم یفعلہ احد من السلف ولا امر بہ احد من ائمۃ الدین ولا رخص فیہ والاستیجار علی نفس التلاوۃ غیر جائز بلا خلاف۔

یعنے اجرت پر قرآن شریف پڑھ کر میت کو اس کا ثواب پہنچانا اسلاف میں سے کسی نے نہیں کیا اور نہ ہی آئمہ دین میں سے کسی نے اس کا حکم نہ رخصت دی اور نفس تلاوت پر بالاتفاق اجرت لینا ناجائز ہے۔

انوار ساطعہ صفحہ میں ہے کہ اگر حافظوں کو مزدوری دیکر قرآن پڑھوا دیں تو البتہ مکروہ ہے۔ اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے۔

نیز جوہرہ نیرہ صفحہ ۲۴۳ میں ہے لایجوز ہو المختار ناجائز ہے یہی مختار ہے:

قرآن خوانی

قبر پر قرآن خوانی کا صرف اس قدر ثبوت بسند صحیح ثابت ہے کہ سورۂ بقرہ کی ابتداء وانتہا میت کے سر اور پاؤں کی طرف کھڑے ہو کر پڑھا جائے یا اور کچھ آیتیں پڑھ لی جائیں بشرطیکہ میت کا جسم پھول یا پھٹ نہ جائے لیکن اس کے بعد قبر پر قرآن پاک پڑھنے کے جواز و عدم جواز میں علماء کرام کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ منع فرماتے ہیں۔

خلاصۃ الفتاوے صفحہ ۳۴۲ میں ہے رجل اجلس علی قبر اخیہ رجلاً یقرأ القرآن یکرہ عند ابی حنیفۃ رحمہ۔ یعنے اگر کوئی اپنے بھائی کی قبر پر کسی کو بٹھاتا ہے کہ یہاں قرآن پڑھے

تو یہ مذہب امام ابو حنیفہؒ میں مکروہ ہے اسی طرح ہے بحرالرائق صفحہ ۱۹۵ ج ۲ و سراجیہ صفحہ ۸ و عالمگیری صفحہ ۱۲۳ ج ۱ ورد المختار صفحہ ۶۶۲ میں۔

شرح سفر السعادۃ صفحہ ۲۷۳ میں شیخ عبدالحق محقق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے۔

و عادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند بر سر گور و نہ غیر آن آیں مجموع بدعت است و مکروہ نیز مدارج النبوۃ ۲ ج ۱ صفحہ ۱۱۲ میں بھی یہی لکھا ہے اور آگے لکھا آما این اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر و صرف مال بے وصیت از حق یتامی بدعت است و حرام است۔ اسکے آگے چلکر لکھتے ہیں و در قرآن خواندن بر سر قبر اختلاف است مگر آنچہ در زیارت خوانند شد اما آنچنانکہ قبر را گرد کردہ نشینند و بر سر مردے بخوانند مکروہ است اور یہی شیخ صاحب مدارج النبوۃ صفحہ ۱۵۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔

(امام احمد بن حنبلؒ گفتہ کہ قرأت بر قبر بدعت است" اور حضرت شیخ صاحب کے استاذ شیخ علی متقی نے رسالہ "رد بدعات" میں لکھا ہے الاجتماع للقراءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ یعنی میت پر قرآن خوانی کے لیے اجتماع قبرستان یا مسجد یا گھر میں بدعت مذمومہ ہے۔ کما فی نصاب الاحتساب شرح عقیدہ طحاویہ صفحہ ۳۸۷ میں ہے۔ فمن قال بکراہتہا کابی حنیفۃؒ ومالکؒ واحمد بن حنبل۔ قبر پر جو قرآن پڑھنا مکروہ کہتے ہیں جیسے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ بن حنبل۔ اس کے بعد ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ دفن کرنے کے بعد جو لوگ قرآن خوانی کے لیے باری باری قبر پر آتے ہیں سو یہ مکروہ ہے کیونکہ

لم تاتِ بہ السنۃ ولم ینقل عن احد من السلف مثل ذالک اصلاً نہ یہ کسی حدیث میں ہے اور نہ ہی ایسا کام کسی سلف سے منقول ہے پھر کہا کہ یہ قول دوسرے اقوال سے قوی تر ہے۔

محی الدین برکلی نقشبندی حنفیؒ طریقہ محمدیہ کے اخیر صفحہ پر لکھتے ہیں ان بدعات میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ موت کے دن یا اس کے بعد ضیافت طعام کی وصیت کرنا

اور قرآن و کلمہ وغیرہ پڑھنے والوں کو پیسے دینا یا قبر پہ چالیس روز تک یا کم و بیش ایام تک آدمی بٹھانا یا قبر پر قبہ بنانے کی وصیت کرنا یہ سب امور منکرہ ہیں۔

حسن بن علی ہندی نے طریقۃ السنۃ فی رد اہل البدعۃ میں لکھا۔ مناکیر کثیرہ کا بیان کرتے ہوئے منہا تخصیص یوم من الایام بفعل غیر معین وہو منصب الشارع فالتخصیص من عند نفسہ ادعاء منصبہ والقیاس علی تخصیص الشارع بدون علۃ مشترکۃ لیس بصحیح علیٰ انہ یشترط فیہ الاجتہاد۔

یعنی ایک برا کام یہ ہے کہ شرع نے جس کام کا دن معین نہیں فرمایا اس کام کو کسی ایک دن کے ساتھ مخصوص کر لینا کیونکہ یہ دن کا مخصوص کرنا شارع کا منصب ہے۔ پس اپنی طرف سے دن کی تخصیص کرنا شارع کے منصب کا دعویٰ کرنا ہے اور بغیر علت مشترکہ کے شارع کی تخصیص پہ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے علاوہ ازیں اس تخصیص کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے اور اجتہاد یہاں منتفی ہے۔

طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح ص۳۶۷ میں فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے امام ابو حنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ قبر پہ قرآن پڑھنا (ماسوا اس کے جو دفن کے بعد سورۃ بقرہ کی ابتداء و انتہاء پڑھا جاتا ہے) مکروہ ہے لانّ اہلہا جیفۃ (ایک تو اس لیے کہ قبر والا جیفہ ہے) ولم یصح فیہا شیٔ عندہ عنہ صلے اللہ علیہ وسلم (دوسرے اس لیے کہ امام صاحبؒ کے ہاں نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثبوت نہیں قبر پہ قرآن پڑھنے کا۔ لیکن امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں چونکہ حدیثوں سے ثابت ہے اس لئے قبر پہ قرآن کریم پڑھنا مستحب ہے، اور یہی پسندیدہ مذہب ہے، ۔ وہ حدیثیں کچھ مراقی الفلاح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور کچھ شرح عقیدہ طحاویہ میں حضرت ابن عمرؓ کی وصیت اور بعض مہاجرین کی وصیت ہے۔ مراقی الفلاح والی روایت کے متعلق ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں لم یصح فیہ حدیث (طحطاوی ص۳۶۷) اور ابن عمرؓ و بعض مہاجرینؓ کی وصیت متصلاً بعد دفن کے متعلق ہے جس کے استحباب میں شک و شبہ نہیں ہے۔

اصلی منع یہ ہے کہ بعد میں دفن کر کے چلا جانے کے پھر لوگوں کا آنا جانا اور

اور قبر پر اکٹھے ہونا قرآن خوانی کے لیے یا عرس کے دن حافظ لوگ قبر پر جمع ہو کر قرآن پاک پڑھتے ہیں اس کو آج تک کسی حنفی نے جائز نہیں کہا نہ کسی مالکی نے یا کسی حنبلی نے۔ چہ جائیکہ مختار کہیں خاص کر جب پڑھنے پر اجرت دیں لیں اسے سب ہی ناجائز کہتے ہیں نہ اس پڑھنے کا ثواب نہ پڑھنے والے کو نہ میت کو۔

البتہ اگر یوں ہی کوئی قبرستان میں جا کر اس طرح کہے السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون یا

یوں کہے السلام علیکم یا اہل القبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلف ونحن لکم خلف (او تبع) وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ یرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین اسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ یغفر اللہ لنا ولکم ویرحمنا اللہ وایاکم۔

اس کے بعد جتنا پڑھ سکے قرآن پاک کھڑے کھڑے پڑھ کر اس کا ثواب بخشے مردے کو اس کو صاحبین (امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) اور امام شافعیؒ جائز کہتے ہیں اسی کو صاحب فتح القدیر وغیرہ نے مختار کہا ہے۔ پھر سن لو یہ جو چالیس روز تک حفاظ کو قبر پر بٹھلاتے ہیں۔ قرآن خوانی کے لیے۔ اور ان کے خورد و نوش کا انتظام میت کے پس ماندگان کرتے ہیں اور چالیس روز کے بعد حفاظ کو مٹھی اور جیب گرم کر کے رخصت کرتے ہیں یہ اسراف بلکہ تبذیر میں داخل ہے جو حرام ہے اور اسے کوئی جائز نہیں کہتا اور نہ اس پڑھنے کا کوئی ثواب ہے۔ دیکھو حاشیہ جلالین ملہ منک۲

مالک للظالمین من انصار۔ امثلۃ وضع الانفاق فی غیر محلہ کثیرۃ لا یکاد ان یحصی منہ الانفاق فی الاعراس کاعطاء الدراہم للمغنیات والراقصات والمغنین وضاربہ المزامیر وغیرہم ولبس الثوب الرقیق للتفاخر والتکبر واطعام انواع الاطعمۃ للاغنیاء والمستغنی غیر للفقراء فی یوم الولیمۃ والزیادۃ فی الکفن کما وکیفا والاکل فوق الشبع من غیر حاجۃ واکل کل ما اشتہی واعطاء کل مالہ بان لا یبقی لاہلہ قوتا ---- والتکلف فی فروش المساجد وکثرۃ ایقاد الشموع والسرج من غیر حاجۃ وصرف الزیت وغیرہ فی المقابر واعطاء دراہم معدودۃ لمن یقرؤا القرآن لروح میت او یسبح لہ اھ

او یہلّل او بأن تبیت عند قبرہ رجال اربعین لیلۃً او اکثر او اقل او بان یبنی علی قبرہ وغیر ذالک فکل ہذہ الانفاق مذمومۃ ومعصیۃ وبدعۃ اعاذ اللہ عن ذلک

مکان میں قبر

گھر میں مکان کے اندر قبر بنانا منع ہے کیونکہ گھر میں مکان کے اندر مکان کا ہونا انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے درکن دین صلا ومراقی الفلاح ص۳۶۰ وفتاوٰے غرائب وزاد اللبیب ص۶۵ بحوالہ خزانۃ الروایات وخلاصۃ الفتاوٰے ج۱ ص۲۲۶ ورد المحتار ص۶۰۲ ج ۱ وبحر الرائق ص۱۹۳ ج۲، بہشتی زیور ص۹۲ ج۲ وواقعات ودیگر کتب فقہ مجموعہ خانی ص۱۱۳

بلکہ مناسب ہے کہ مقابر مسلمین میں اہل خیر کے پڑوس میں دفن کریں (زاد اللبیب ص۶۴)

اور اگر مرنے والے نے گھر میں دفن کرنے کی وصیت کی ہے تو یہ وصیت اس کی باطل ہے (" ص۶۵)

قبر پر مکان، قبّہ، گنبد، جھنڈا۔

بعد دفن کر چکنے کے قبر پر کوئی عمارت مثل گنبد یا قبّے وغیرہ بنانا بغرض زینت حرام ہے اور مضبوطی کی نیت سے مکروہ ہے (بحر الرائق ص۱۹۴ ج۲ ورد المحتار ص۶۰۱ ج۱ طوالع شرح در مختار وسراجیہ ومفید المستفید وابراہیم شاہی ومختار الفتاوٰی وفتاوٰی عجیب ومفید المومنین وامداد المفتاح ومحیط وحجۃ العلماء وشرعۃ الاسلام وخلاصۃ الفقہ وفتاوٰے برہنہ ودرہم الکیس وعقدۃ اللآلی وقاضی خان ورحمانیہ وعالمگیری وفتاوٰے عجیب وصغیری وکبیری وزیلعی وجوہرہ ونیرہ ومنح الغفار وشرح مجمع البحرین وجامع الرموز وطیبی وغیرہم (تفہیم المسائل ص۱۳،۱۲)

مصنف عبد الرزاق ص۵۰۴ ج۳ میں راشد بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نہی عن تقصیص القبور وتکلیلہا والکتابۃ علیہا) پختہ اور بلند بنانے

قبور سے منع کیا ہے اور قبور پر لکھنے سے بھی منع کیا۔

بجلی نے تکلیل کے معنے رفع القبور کیا اور زمخشری نے کہا کہ قبر کے گرد بناء کرکے احاطہ کرنا جس پر قبہ سا بنا ہو۔

اور ابن الاثیر نے کہا ہے کہ صومعہ اور قبہ کی طرح قبور کے ارد گرد بنا سے بلند کرنا یعنی جسے آج کل روضہ کہتے ہیں۔ عبدالرزاق ص۵۰۶ میں لکھا ہے۔

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہیٰ عن قبور المسلمین ان یُبْنیٰ عَلَیْہا او تجصص او تزرع فان خیر قبورکم التی لاتُعرفُ

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے قبور کے گرد بنا کرنے یا پختہ چونہ گچ بنانے یا کھیتی کرنے سے منع فرمایا اور تمہاری بہتر قبریں وہی ہیں جو پہچانی نہ جا سکیں یعنی دوسری قبور سے ممتاز شان ایک قبر کی نہ ہونی چاہیئے۔

مسلم ص۳۱۲ و ترمذی ص۱۲۶ و نسائی ص۲۸۵ و مصنف ابن ابی شیبہ ص — و دیگر کتب حدیث میں ہے۔

ملا بدمنہ ص۹۵ میں ہے آنچہ بر قبور اولیاء عمارت ہائے رفیع می کنند و چراغاں روشن می کنند و ازیں قبیل ہر چہ می کنند حرام است۔

مدارج النبوت ص۴۲۱ میں ہے۔ و گور را بلند نہ کردے و براں بنا از سنگ و خشت وغیر آں نہ کردے و بالائے گور عمارت و قبہ نساختے و ایں مجموع بدعت است و مکروہ۔ کذا فی سفر السعادۃ۔

کتاب الآثار للامام محمد ص۴۵ میں ہے کہ ہم قبروں کو چونہ گچ کرنے یا لپائی کرنے کو اور ان کے پاس مسجد بنانے یا جھنڈا لگانے یا اس پر لکھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں اور پختہ اینٹ کے ساتھ ان کے گرد بنانے یا قبر کے اندر پختہ اینٹ کو بھی داخل کرنے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں اور قبر پہ پانی چھڑکنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔

رد المحتار ص۹۳۲ میں ہے اما البناء علیہ فلم أر من اختار جوازہ۔

یعنے مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے عمارت بنانے کے جواز کو (قبر پر) پسند کیا ہو)

اور درمختار کی عبارت پر تنقید فرمائی کہ حوالہ مطابق اصل نہیں۔

مرقاۃ میں ملا علی قاری نے کہا بدعت ضلالت وہ ہے جس کا ائمہ مسلمین نے انکار کیا ہو جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور ان کو پختہ کرنا وہی ما انکرہ ائمۃ المسلمین کالبناء علی القبور وتجصیصہا (ص ۲۱۶ ج ۱)

سفر السعادت میں ہے گور را بلند نہ کردے و برائے بنیاد آجر و سنگ و خشت ہا غیر آن نکردے و بہ گچ و گل وغیر آن سخت نکردے و بالائے گور عمارت و قبہ نساختے و ایں مجموع بدعت است و مکروہ و مخالف طریق نبوی است (زاد اللبیب ص ۱۵۶)

تطیین القبور مکروہ کذا ذکر فی التجرید (سراجیہ ص ۷۵) رد المحتار (ص ۶۶۲)

روی عن ابی حنیفۃ انہ قال لا یجصص القبر ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء ولا سنقط (قاضی خاں ص ۹۳)

وعن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذالک (رد المحتار ص ۶۰۱) وکبیری ص ۵۵۳)

ویکرہ الآجر والخشب لانہما لاحکام البناء والزینۃ والقبر مکان البلاء والفناء وقد وصی الاسود بن یزید ان لا تجعلوا علی قبرہ آجراً وقال ابراہیم النخعی کانوا یکرہون الآجر فی قبورہم (کبیری ص ۵۵۲) وفتح القدیر ص ۱۰۲ ج ۱)

سوال:۔ مدارج النبوۃ میں مطالب المومنین سے منقول ہے کہ میں نے بخارا کی قبور دیکھیں کہ وہ خشتہائے تراشیدہ سے تعمیر شدہ ہیں اور اسماعیل جو مشاہیر فقہاء سے ہے وہ بھی اس کے مجوز ہیں۔

نیز فتاوٰے ہمایونی میں درمختار کی عبارت کے بعد لکھا ہے کہ پس ازیں عبارت معلوم شد کہ خشت پختہ بالائے قبر زدن جائز است۔

جواب:۔ حجت قرآن حدیث، اجماع امت اور قیاس مجتہد کا ہے غیر مجتہد کا قول حجت نہیں لہٰذا صاحب مذہب امام ابو حنیفہ ہی کا قول تسلیم کرنا ہوگا کہ آپ نے

قبر کی لپائی کرنے اور پختہ خشت قبر کے اندر یا باہر لگانے سے منع فرمایا ہے دیکھو کتاب الآثار للامام محمد رحمہ اللہ صفحہ [illegible]۔

سوال: عمر بن عبدالعزیز نے بحکم ولید بن عبدالملک حجرہ شریفہ کو منہدم کر کے منقش پتھروں سے تجدید کیا اور اس کے ظاہر پر ایک حظیرہ بھی بنا گیا (جذب القلوب ۱۳۳)

جواب: مکان میں قبر بنانا خاصہ انبیاء ہے جیسے گذر چکا۔ عمر ثانی نے صرف اس مکان کو پختہ کر دیا۔

زبدۃ المقامات صفحہ [illegible] میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی وصیت کا متن مذکور ہے جس میں یہ بات بھی ہے "وقبر مرا خام گزارید تا بانذک زمانے ازاں نشانے نماند" یعنی میری قبر کچی ہی بنا چھوڑنا تاکہ تھوڑی مدت کے بعد اس کا انکشاف قائم نہ رہے۔

مسلم صفحہ [illegible] میں سعد بن ابی وقاص کی وصیت لکھی ہے جو آپ نے مرض الموت میں کی تھی کہ مجھے دفن کرنے کے لیے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں نصب کرنا جس طرح صلے اللہ علیہ وعلے الہ واصحابہ وسلم کے ساتھ (بوقت دفن) کیا گیا تھا۔

مدارج النبوۃ صفحہ [illegible] میں ہے "وقبر آں حضرت رسالت صلے اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ نیز بزمین برابر است۔ یعنے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھی (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی قبریں زمین کے ساتھ برابر ہیں (یعنی بہت اونچی نہیں) کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اماں جان! مجھے قبر سے پردہ ہٹا کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے صاحبین کی قبریں دکھا دو تب انہوں نے پردہ ہٹا کر قبریں دکھائیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ قبریں نہ بہت بلند تھیں اور نہ زمین کے ساتھ لگی ہوئی برابر تھیں۔

بخاری میں ہے۔ عن سفیان التمار انہ رأی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسنمًا۔
یعنے حضرت سفیان تمار سے روایت ہے کہ آپ کی قبر کوہان نما دیکھی۔

مسلم میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے کا دروازہ پر پردہ بنایا
تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ سے جب تشریف لائے تو اس کپڑے کو کھینچ کر
پھاڑ دیا اور فرمایا ان اللہ لم یامرنا ان نکسوا الحجارۃ والطین -
یعنے خدا نے ہم کو پتھر اور گارے مٹی کو کپڑا اڑھانے کی اجازت نہیں دی -
ہدایہ صفحہ ۱۶۲ میں ہے ویکرہ الآجر والخشب لانہما لاحکام البناء والقبر موضع البلی
یعنے پختہ اینٹوں اور لکڑی کا استعمال قبر پر ناجائز ہے کیونکہ یہ چیزیں پائیداری اور
مضبوطی کی خاطر ہوتی ہیں اور قبر تو ویرانی کی جگہ ہے -
جوہرہ نیرہ صفحہ ۱۳۲ میں ہے - اس دلیل کو دیکھیں تو پتھروں کا استعمال بھی ناجائز ہوگا
قدوری صفحہ ۱۲ (کنز صفحہ ۴۶)

اکابر اسلام کا مسلک

مرقاۃ صفحہ ۹۹ میں ہے ،، قبروں پر بنی ہوئی عمارت گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد ہی ہو
نووی نے شرح صحیح مسلم صفحہ ۳۱۲ میں کہا ہے - فی کتاب الام للامام الشافعی رح ورأیت
الائمۃ بمکۃ یامرون بھدم ما یبنی ویؤید الھدم قولہ علیہ السلام ولا قبراً
مشرفا الا سویتہ (کوئی اونچی قبر گرائے اور برابر کئے نہ چھوڑنا - نبی کریم صلے اللہ علیہ
وسلم کا فرمان موجود ہے - یعنی میں نے مکہ میں اماموں کو دیکھا کہ وہ قبروں پر بنی ہوئی عمارتوں کو ڈھانے کا [illegible]
مجالس الابرار صفحہ ۱۳۱ میں ہے القباب التی بنیت علی القبور یجب ہدمہا -
قبروں پر بنائے ہوئے قبوں کا گرانا واجب ہے -
اسی طرح زاد المعاد صفحہ ۲ میں ابن القیم نے کہا - لا یجوز ابقاؤہا ویجب ہدمہا
یعنے ان قبوں کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہے اور ان کا گرا دینا واجب ہے ،
ابن حجر مکی نے کتاب الزواجر صفحہ ۱۴۳ میں لکھا ہے تجب المبادرۃ الی ہدمہا وہدم القباب
التی علیہا - یعنے ضروری ہے ان بلند عمارتوں کو ڈھانے کی طرف مبادرت کرنا اور ان
قبوں کو گرانے کی طرف بھی جو قبروں پر ہیں -

علامہ سید آلوسی روح المعانی صـ ۲۱۹ میں فرماتے ہیں۔ ثم اجماعاً فان اعظم المحرمات واسباب الشرک الصلوۃ عندھا واتخاذ ھا مساجد او بناء ھا علیہ وتجب المبادرۃ الی ہدمہا وہدم القباب التی علی القبور اذ ہی اضر من مسجد الضرار لانہا اسست علی معصیۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وتجب ازالۃ کل قندیل او سراج علی قبر ولا یجوز وقفہ ونذرہٗ۔

یعنے اس مسئلہ پر سب علماء کا اجماع ہے کہ حرام ترین اور اسباب شرک کی چیزوں میں سے قبروں کے پاس نماز پڑھنا ہے یا ان پر مسجدیں بنانا یا عمارتیں تعمیر کرنا ہے واجب ہے کہ اونچی قبروں کو اور جو ان پر قبے ہیں ان کو گرا دیا جائے۔ کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ مضر اور نقصان دہ ہیں۔ کیونکہ یہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں تعمیر کیے گئے ہیں۔ آپ نے تو اونچی قبروں کو ڈھانے کا حکم دیا ہے الی آخر ما قال۔ لالٹین یا چراغ جو قبر پر ہو اس کا ہٹانا بھی ضروری ہے اور ان کا وقف جائز نہ ان کی نذر۔ ابن تیمیہؒ نے تلخیص کتاب الاستغاثہ صـ ۲۹۸ میں بھی اسی کے قریب قریب کہا ہے مردوں کی قبروں پر قبے بنانا تو بجائے خود رہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو زندوں پر بھی قبہ بنانا پسند نہیں فرمایا۔

چنانچہ مشکوٰۃ صـ ۴۳۲ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایک روز نکلے اور ہم آپؐ کے ساتھ تھے فرأی قبۃ مشرفۃ پس آپ نے ایک اونچا قبہ (گنبد) دیکھا فقال ما ہذہ؟ آپ نے پوچھا یہ کیا؟ قال اصحابہٗ ہذہ لفلان رجل من الانصار۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یہ فلاں انصاری کا ہے فسکت پھر آپؐ خاموش رہے اور اس بات کو دل میں رکھا حتی لما جاء صاحبہا فسلم علیہ فی الناس فاعرض عنہ۔ پھر جب مالک مکان نے آکر آپ کو بھری مجلس میں السلام علیکم کہا تو آپؐ نے منہ پھیر لیا الی آخر الحدیث۔ آگے چل کر آتا ہے کہ جب اس شخص نے قبہ گرا دیا تب آپؐ اس سے راضی ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے قبوں کے گرانے کا حکم دیا اور روح المعانی صـ ۲۱۹ میں ہے۔ وقد افتی جمع بہدم کل ما بقرافۃ مصر من الابنیۃ حتی قبۃ الامام الشافعی علیہ الرحمۃ التی بناہا بعض الملوک وینبغی لکل احد ہدم ذالک

مالم یخش منہ مفسدۃ۔

یعنی علماء کی بہت بڑی جماعت نے ان تمام عمارتوں کے گرانے کا حکم دیا جو مصر میں تھیں حتیٰ کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قبہ جو کسی بادشاہ نے بنایا تھا اور ہر کسی کو گرانا مناسب ہے جب تک خطرہ نہ ہو فساد کا۔

دبل الغمام میں شوکانی ج۲ نے کہا فمان: اقبح ما ابتدعہ الجہلۃ من زخرفۃ القبور وتشییدہا وما اسرع ما خالفوا وصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ فجعلوا قبرہ علی ہذہ الصفۃ التی ہو علیہا الآن وقد شد من عضد ہدم البدعۃ۔

اسی طرح فتح المجید ص۲۸۲ میں ہے فان ہدم القباب التی صارت اعظم ذریعۃ الشرک والالحاد واکبر وسیلۃ الی ہدم الاسلام۔

اسی لیے کبیری ص۵۵۳ اور رد المختار ج۱ ص۶۶۲ میں کہا عن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذالک۔

یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ کوٹھا یا قبہ یا اس قسم کی عمارت قبر پہ بنانا مکروہ ہے۔

روضہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے اندر ہوئی اور حضرت امام اعظم خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول ما دفن نبی قط الا فی مکانہ الذی توفی فیہ۔ (موطا امام مالک ص۳۱۸ شمائل ترمذی ص۲۸)

میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی صرف اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جس جگہ ان کی وفات ہو۔

راوی کہتا ہے فحفر لہ فیہ (امام مالک شمائل) سو اسی جگہ آپ کی قبر کھودی گئی۔ تو آپ کی قبر مکان کے اندر بنائی گئی نہ کہ قبر کے ارد گرد بعد میں سقف و مکان تعمیر

کیا گیا تھا۔ ساڑھے پانچ سو سال تک یہی صورت حال رہی پھر ایک المناک واقعہ پیش آیا جس کو دیکھ کر سلطان نور الدین شہید محمود بن زنگی نے ۵۵۷ھ میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے گرد نہایت گہری دیوار میں سیسہ اور رانگ گلا کر اُسے بھر دیا اور مضبوط دیوار قائم کی (جذب القلوب الی دیار المحبوب صد ۹۶)

مگر یہ قبہ نہ تھا پھر حسب قول صاحب وفاء الوفا تاریخ مدینہ ۶۷۸ھ میں ملک منصور سلطان قلاوّن صالحی نے یہ گنبد خضراء (قبہ) جو کہ اب موجود ہے بنوایا تو یہ خاصہ ہے انبیاء کا۔ جن پر دوسروں کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے بلکہ دوسرے اولیاءؒ ومشایخ کی قبروں پر گنبد اور قبے بنانے میں اولیاء ومشائخ کو انبیاء کا مقام دینا ہے۔ اسی طرح انبیاء کی خصوصیت نہ رہنے کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین لازم آتی ہے۔ نعوذ باللہ من سوء الادب والخصوصیات لا یقاس علیہا ص ۲۶ زواجر

قبروں پر چادریں ڈالنا

رد المحتار ص ۲۶۶ میں الحجہ کے حوالہ سے لکھا ہے یکرہ الستور علی القبور قبروں کو کپڑوں وغیرہ سے مستور کرنا مکروہ ہے اور تنقیح فتاوٰے حامدیہ ص ۳۳ مصر میں ہے۔

وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والاولیاء کرہہ الفقہاء۔

یعنے ستر، پگڑیوں اور کپڑوں کا نیکوں اور اولیاء کی قبور پر رکھنے کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضے اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ ان اللہ لم یامرنا فیما رزقنا ان نکسو الحجارۃ واللبن (ابوداوٗد) ص ۲۱۹

یعنے اللہ تعالےٰ نے ہمیں پتھروں اور اینٹوں کو لباس پہنانے کا حکم نہیں دیا۔ جب حیطان وغیرہ کا ڈھانکنا مکروہ ہے باوجودیکہ اس میں کسی قدر حاجت بھی ہے تو قبور میں تو بدرجہ اولیٰ اشد درجہ کی کراہت ہو گی کیونکہ اس میں معتد بہ حاجت نہیں۔

مصنف عبد الرزاق ص ۵۰۳ میں ہے نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن تجلیلھا

بعض علماء نے تکلیل کے یہ معنے بھی کیے ہیں مضرب الکلۃ علیہا وہی ستر ورزع بعضہ علی القبور۔ یعنے قبور پر باریک پردہ ڈالنا اور ہروی نے کہا ہو ستر رقیق یخاط کالبیت یوتی فیہ من البق۔

زاد اللبیب صـ۳۰ میں ترغیب الصلوۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قبر کی لپائی نہ کرنی چاہیئے نہ گچ اور سفید اور قبر کے سر پہ چھت اور گنبد بھی نہ کرنی چاہیئے ......اور قبر کو جامہ پہنانا بھی اسی طرح منع ہے۔

زاد اللبیب صـ۴۲ میں خزانۃ الجلالی کے حوالہ سے لکھا ہے یہ جو تیسرے روز قبر کو کپڑے سے ڈھکتے ہیں اور پھول پتیاں اور شربت میوہ لے جاکر قبرستان میں کھاتے ہیں یہ سخت دلی کی دلیل اور مکروہ ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فتاوٰے عزیزی صـ۹۴،۹۵ میں لکھا ہے: "چادر پوشانیدن بر قبر حرکت لغو است نہ باید کرد۔ در حدیث شریف وارد است کہ نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان نکسوا الحجارۃ والطین۔ یعنے قبر پہ چادر غلاف چڑھانا بے ہودہ حرکت ہے۔ نہ کرنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ تم پتھروں اور گارے مٹی پر کپڑا چڑھاؤ۔

قبروں پہ پھول

خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اولیاء کی قبور پر پھول چڑھائے گئے ہوں یا چادریں۔

فتاوٰے قرطبیہ میں ہے لا یوضع الورد والریاحین علی القبور لانہ من باب الزینۃ (تفہیم المسائل صـ۳۴۰)

یعنے گلاب یا دوسرے خوشبودار پھول قبروں پر نہ رکھے جائیں کیونکہ یہ زینت کے باب سے ہے۔

مفید المومنین میں ہے وضع الورد والریاحین علی القبور بدعۃ (پھول گلاب اور دوسرے

خوشبودار پھولوں کا قبروں پہ رکھنا بدعت ہے۔ (تفہیم المسائل ص۳۰۳)

منہاج العارفین میں ہے۔ یکرہ وضع الورد علی القبور۔ قبروں پر پھول گلاب رکھنا مکروہ ہے (//)

عینی شرح بخاری ص۲۰۴ میں ہے مایفعلہ اکثر الناس من وضع ما فیہ الرطوبۃ من الریاحین والبقول علی القبور لیس بشیء۔ جو لوگ تری والی چیز مثلاً خوشبودار پھول اور سبزے قبور پر رکھتے ہیں یہ کوئی مشروع چیز نہیں ہے۔ تفہیم المسائل ص۳۰۳)

اور کہا ان الذی ینفع اصحاب القبور انما ہو الاعمال الصالحۃ۔

یعنے قبروں پہ پھول اور سبزہ ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں) قبر والوں کو تو ان کے اپنے نیک عمل ہی کا فائدہ ہو سکتا ہے اور بس:۔ (تفہیم المسائل) ص۳۰۳)

اور جریدتین کی روایت جو پیش کی جاتی ہے سو یہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ پھول ڈالنے اس حدیث کی رو سے جائز ہو جائے ورنہ اعلم الناس صحابہ کرامؓ ضرور اس پر عمل کرتے کیونکہ وہ کسی کارِ خیر میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے تھے

نیز یہ ٹہنیاں مخصوص ان درختوں کی تھیں جو بطور معجزہ کے آپؐ کے پاس چل کر آئے تھے اور پھر اپنے اپنے مقام پہ چلے گئے تھے۔ جیسے مسلم ص۴۱۸ میں بالتصریح موجود ہے نیز خطابیؒ نے اس استدلال کی تردید فرمائی ہے جیسے امام نوویؒ نے شرح مسلم ص۱۴۱ میں فرمایا۔

وقد انکر الخطابی ما یفعلہ الناس علی القبور من الاخواص ونحوہا متعلقین بہذا الحدیث وقال لا اصل لہ ولا وجہ لہ۔

یعنے جو لوگ اس حدیث سے دلیل لے کر کھجور کے پتے وغیرہ قبروں پہ رکھتے ہیں یہ بے اصل بات ہے اور اس کے جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے اور محمد بن طاہر فتنیؒ نے بھی مجمع البحار ص۲۹ میں فرمایا ولیس فی الجریدۃ معنی یخصہ۔ یعنی چھڑی میں کوئی خصوصیت نہیں۔

ابن ملکؒ نے شرح مصابیح میں لکھا لیس تخفیف العذاب بخاصیۃ الجریدۃ الرطبۃ لان الجمادات کالکعبۃ والمساجد لم یثبت نص فی تفضیل الرطب علی الیابس۔"

یعنے عذاب کی تخصیص تخفیف سبز چھڑی کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ کوئی ایسی نص ثابت
نہیں ہوئی کہ جس کو سبز سے خشک کی بزرگی ثابت ہو اور جمادات میں تو کعبہ شریف بھی ہے
اور مسجدیں بھی ہیں (کیا ان کی شان ہری شاخ سے کم ہے)
تورپشتیؒ نے شرح مصابیح میں فرمایا - وقول من قال وجہ ذالک ان الغصن الرطب
یسبح اللہ تعالٰے مادام فیہ الرطوبۃ فیکون مجیرا عن عذاب القبر لا طائل تحتہ ولا عبرۃ بہ عند
اہل العلم - یعنے جو لوگ یہ وجہ بتاتے ہیں کہ ہری شاخ میں جب تک رطوبت رہیگی اللہ
تعالٰے کی تسبیح پڑھتی رہے گی اس وجہ سے میت عذاب قبر سے بچا رہے گا سو یہ ان
لوگوں کی توجیہ بے سود ہے اور نہ ہی اہل علم کے نزدیک اس توجیہ کا اعتبار ہے -
در اصل حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کی تھی جس کی قبولیت کا وعدہ ہو گیا
کہ ہری شاخوں کے خشک ہونے سے پہلے ہی ان پر سے عذاب کی تخفیف ہو جائے گی
اور یہ تخفیف عذاب شفاعت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سبب سے ہوئی نہ ہری
شاخوں کی تسبیح کی وجہ سے چنانچہ خود یہ وجہ مسلم ص۴۱۸ میں مذکور ہے
قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انی مررت بقبرین یعذبان فاحببت بشفاعتی
ان یرفہ ذالک عنہما مادام الغصنان رطبین -
یعنے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دو قبروں کے پاس سے گزرا -
جن کو عذاب ہو رہا تھا تو میری شفاعت کی وجہ سے میری دعائیں قبول ہوئی کہ یہ دو سبز
شاخیں ابھی سبز ہی ہوں گی کہ ان سے عذاب ہلکا ہو جائے گا -
یہی مفہوم علامہ امام ابو زکریا محی الدین یحیٰی نوویؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث کے تحت
لکھا ہے - واما وضعہ صلے اللہ علیہ وسلم علی القبر فقال العلماء ہو محمول علی انہ صلے اللہ
علیہ وسلم سأل الشفاعۃ لہما فاجیبت شفاعتہ بالتخفیف عنہما الی ان ییبسا وقد ذکر
مسلمؒ فی آخر ہذا الکتاب فی الحدیث الطویل - حدیث جابرؓ فی صاحبی القبرین فاجیبت
بشفاعتی ان یرفہ ذالک عنہما مادام الغصنان رطبین (شرح نووی مسلم ص۱۴۱)
اسی طرح تورپشتیؒ ابن الملکؒ وعینیؒ وغیرہمؒ نے کہا کہ یہ تخفیف عذاب مخصوص ان

ان کے لیے تھا۔ آپؐ کے دست مبارک کی برکت سے جو خدا نے اس میں ڈالی تھی۔ ورنہ تو اصحاب قبور کو نفع وہ چیز اُن کے اعمال صالحہ ہیں نہ سبز شاخیں نہ پھول نہ سبزہ نہ کوئی اور چیز۔

اب رہی بریدہ بن حصیبؓ کی وصیت سو اُس کا جواب قسطلانی نے دیا ہے کہ حضرت بریدہؓ نے اپنے فہم کے مطابق حدیث مذکور کو عام سمجھا خاص نہ سمجھا (لیکن قاعدہ ہے کہ فہم راوی حجت نہیں ہوتا)۔

نیز یہ فعل حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا واقعہ جزئیہ ہے سنّت نہیں بن سکتا۔ جیسے ملا علی قاری نے فتوےٰ بعض آئمہ متاخرین اصحاب کا شرح مشکوٰۃ صفحہ ۳۵ میں نقل فرمایا ہے کیونکہ سنت کی تعریف یہی ہے الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین۔ یعنی سنت نام ہے اس طریقہ کا جو دین میں مروّج ہو اگر مروّج نہ ہو لگے ڈکّے عمل سے وہ سنت نہیں بنتا۔ اسی لیے صاحب ہدایہ نے صفحہ ۱۵۶ میں جماعت استسقا میں فرمایا فعلہ مرۃ وترکہ اخرٰی فلم یکن سنۃ۔ یعنے چونکہ حضورؐ نے ایک دفعہ کیا ایک دفعہ نہیں کیا لہٰذا سنت نہ ہوگا۔

اسی طرح ساری زندگی میں حضرت نے ایک دفعہ دو قبروں پر یہ عمل کیا ان کے علاوہ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں لوگ فوت ہوئے مگر آپؐ نے یہ عمل کسی قبر پر نہیں کیا باوجودیکہ آپ سے بڑھ کر کوئی شفیق نہ تھا۔ پس اس معمول نبوی سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر پر سبز شاخ وغیرہ نہ رکھنا سنت ہے اور رکھنا مکروہ ہے جیسے علماء نے لکھا ہے۔

قبر پر سجدہ

قبر ہو یا کوئی اور چیز غیر اللہ کو سجدہ کرنا بالاتفاق حرام ہے خواہ سجدہ عبادت کا ہو یا سجدۂ تحیہ فرق صرف اتنا ہے کہ سجدۂ عبادت غیر اللہ کے آگے کفر ہے اور سجدہ تحیہ حرام ہے نہ کفر۔

مشکوٰۃ ص۲۸۳ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم مہاجروانصار کی جماعت میں تشریف فرما تھے کہ اونٹ آیا اور حضور صلے
اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کی یارسول اللہ چوپائے
اور درخت آپ کو سجدہ کرتے ہیں اس لیے ہم آپکے آگے سجدہ کرنے میں احق ہیں۔
(یہ صحابہ کا قیاس تھا) تو آپ نے فرمایا عبادت تو صرف اپنے رب کی کرو۔ (معلوم ہوا کہ سجدہ
عبادت ہے) اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) عزت کرو۔
شیخ عبدالحق محقق و محدث دہلوی نے لمعات میں فرمایا کہ یہ لفظ تواضع کے طور
پر آپنے یہ تنبیہ کرنے کے لیے فرمایا کہ میں بھی سجدہ جائز نہ ہونے اور قابل عبادت نہ ہونے
میں انہی جیسا انسان ہوں (لمعات علی ص۲۸۳ مشکوٰۃ شریف)
مشکوٰۃ ص۲۸۲ میں حضرت قیس بن سعدؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم سے عرض کی۔ کہ میں نے ملک حیرہ میں جاکر لوگوں کو دیکھا کہ اپنے چوہدری کے آگے
سجدہ کرتے ہیں اس لیے یارسول اللہ۔ آپ کے آگے سجدہ کرنا بہت ہی مناسب معلوم
ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بتا کہ اگر تو میری قبر پر گزریگا تو میری قبر پر سجدہ کرے گا؟
میں نے عرض کی۔ جی نہیں۔ (تو آپؐ نے فرمایا پھر تو تم (اب بھی) سجدہ نہ کرو۔ کیونکہ اگر
میں کسی غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ تم اپنے خاوندوں
کو سجدہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مردوں کا عورتوں پر بہت بڑا حق مقرر فرمایا ہے۔

قبر کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا

قبر کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا بھی منع ہے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب
غنیۃ الطالبین ص۲۸ میں لکھا ہے "واذا زار قبرا لایضع یدہ علیہ ولا یقبلہ فانہ عادۃ الیہود"
یعنی جب کوئی قبر کی زیارت کرے تو نہ قبر پر ہاتھ رکھے اور نہ قبر کو بوسہ دے کیونکہ قبر کو ہاتھ
لگانا اور بوسہ دینا یہود کی عادت ہے۔
اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خالفوھم (مشکوٰۃ ص۱۳۷ و ص۳۸) یعنی یہود کی

کی مخالفت کیا کرو۔

مجموعہ خوانی صفحہ ۱۲ میں مضمرات سے نقل ہے کہ قبر کو بوسہ نہ دینا چاہیئے کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے اور صفحہ ۱۲ میں ہے کہ ہاتھ بھی قبر پر نہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ مکہ شریف کے علماء نے اسے مکروہ کہا ہے۔

ملا علی قاری کی المسلک المتقسط صفحہ ۳۴۶ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر پر زیارت کے آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا زیارت کرتے وقت دیوار کو ہاتھ نہ لگائے کیونکہ بے ادبی ہے۔ اسی طرح بوسہ بھی نہ دے کیونکہ بوسہ اور استلام کعبہ کے بعض ارکان (اور حجر اسود) کا خاصہ ہے اور اپنا پیٹ (اور جسم کا کوئی حصہ بھی) ساتھ نہ لگائے اور روضہ شریف کے ارد گرد طواف بھی نہ کرے۔ کیونکہ طواف خانہ کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے اسی لیئے انبیاء اور اولیاء کی قبور کے گرد طواف حرام ہے۔ اور عوام جاہلوں کے فعل کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ مشایخ اور علماء کی شکل میں ہوں۔ اور قبر کے سامنے جھکنا بھی نہ ہو اور نہ زمین کو بوسہ دے کیونکہ یہ سب کام بدعت اور مکروہ ہیں اور سجدہ کے حرام ہونے میں تو کچھ شک ہی نہیں اس لیے جاہلوں کے فعل کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ آئیں بلکہ علماء عاملین کی پیروی کرنی ضروری ہے۔

فتاوےٰ برہنہ صفحہ ۳۶۳ میں ہے قبر کو بوسہ نہ دیوے کہ نصاریٰ کی عادت ہے اور ہاتھ بھی اس پر نہ رکھے کہ مشائخ مکہ مکروہ کہتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے لا یمس القبر ولا یقبلہ کہ قبر کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے۔

مناوی نے شرح جامع صغیر میں کہا لکن لا یمس القبر ولا یقبلہ فانہ عادۃ النصاریٰ دوسری جگہ کہا۔ کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروہا یعنے بشرطیکہ قبر کو نہ مسح کرے نہ بوسہ دے کیونکہ یہ بدعۃ منکرہ ہے۔ جیسے سبکی رحمۃ اللہ نے فرمایا۔

شجرۃ الایمان میں ہے کہ جو قبرستان میں کچھ کھا دے یا پیئے یا سوئے یا قبر کو بوسہ دے یا سجدہ کرے یا ۔۱۰ ۲ ۔۔۔ جلاوے تو یہ سب کام مکروہ تحریمی ہیں۔

ترجمہ مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ قبر کو ہاتھ کے ساتھ مسح نہ کرے اور نہ اس کو بوسہ دے اور نہ جھکے اور نہ مٹی سے بھی نہ ملے کریہ عادت ہے نصاریٰ کی۔

کشف الغطاء میں شیخ الاسلام نے کہا کہ قبر پر ہاتھ نہ رکھے نہ اس کو مسح کرے نہ بوسہ دے نہ جھکے نہ منہ پر مٹی ملے کریہ عادت نصاریٰ کی ہے اور مشائخ ان امور کے منع کرنے میں بڑی سختی کرتے ہیں اسی طرح فقہ کی اکثر کتابوں میں ہے لیکن فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ قبر پر ہاتھ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حافظ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ جمہور فقہاء جو منع فرماتے ہیں وہی صحیح ہے زعفرانی نے فرمایا یہی مستند بات ہے اور آج کل جو عوام کرتے ہیں یہ شرعاً بدعات منکرہ سے ہے۔

حاصل ایسے امور کے بدعت زائدہ بے فائدہ ہونے میں کچھ شک نہیں اور صالحین کی تعظیم کا ان چیزوں کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے جیسا کہ جاہل لوگ سمجھتے ہیں۔

(مائۃ مسائل صتا و صتا)

شیخ امام علی بن ابی اسحٰق بن منصور نیشاپوریؒ فرماتے ہیں۔ لا یجوزان یدور الرجل حول مزارات الاولیاء والکرام تقرباً الیہم ولا یمس القبر ولا یقبلہ والاستغاثۃ بہم غیر مستحبۃ بالاجماع (تفہیم المسائل ص بحوالہ مقصد ثانی کتاب کاشف الاسرار)

یعنے اولیاء کرام کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان کی قبروں کے گرد گھومنا (طواف کرنا) ناجائز ہے اور نہ قبر کو ہاتھ لگائے نہ اس کو بوسہ دے اور اولیاء کرام سے مدد مانگنا بھی بالاجماع مستحسن نہیں۔

ابو کمال ادریس بن ابراہیم بن عیاض نے لباب کبیر میں باب الادب کے آخر میں لکھا

رأیت الشیخ الامام الاجل ابا القاسم منصور بن علی البخاری فی مقبرۃ سیدابی محمد عبد القادر الجیلانی طاب اللہ ثراہ فرای رجلاً یحنی مستقبلاً ویقبل الارض بمرقد السید طاب مضجعہ ویقول یا سیدی خذ بیدی الی حضرۃ اللہ تعالیٰ فمر الشیخ من بین یدیہ فقال الرجل یا ایہا الشیخ السلام علیک فرد السلام فقال انک مبتدع قولاً وفعلاً فاما قولک ہذا الاثر فی من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم واما فعلک بتقبیل الارض اقرب الی السجدۃ قبیح

فقلت اکفرٌ ان کانت السجدۃ فقط علٰی وجہ التحیۃ؟ فقال ان کانت علٰی وجہ العبادۃ فلا شک انہا کفر وان کانت علٰی وجہ التحیۃ لایکفر ولکن یصیر مرتکبا للکبیرۃ (تفہیم المسائل صفحہ)

یعنے ابوکمال فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ منصور کو شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کے مقبرہ میں دیکھا کہ انہوں نے سید صاحب کے مرقد پر ایک آدمی کو اس مرقد کی طرف منہ کرکے جھکا ہوا دیکھا اور وہ زمین کو بوسہ دے رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا اے میرے سید! میرا ہاتھ پکڑ کر خدا کی بارگاہ کی طرف لے چل۔ اس کے بعد شیخ صاحب جو اس کے آگے سے گذرے تو اس آدمی نے کہا شیخ صاحب! السلام علیکم۔ شیخ صاحب نے سلام کا جواب دیکر فرمایا تو بات کے لحاظ سے بھی بدبختی ہے اور فعل کے لحاظ سے بھی قول کے لحاظ سے تو یوں کہ ایسی بات نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مروی نہیں اور فعل کے لحاظ سے یوں کہ تیرا زمین بوسی کرنا جو سجدہ کے قریب ہو جاتی ہے قبیح امر ہے۔

میں نے عرض کی کیا زمین بوسی کفر ہے؟

"تو آپ نے فرمایا اگر بطور عبادت کے ہو تب تو اس کے کفر ہونے میں کچھ شک نہیں اور اگر بطور تحیۃ کے ہو تو کافر نہیں ہوتا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

(تفہیم المسائل صـــ)

قبر پر ذبحِ حیوانات

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے مکتوبات کے مکتوب ۴۱ دفتر سوم صفحہ میں لکھا ہے "وحیوانات راکہ نذر مشایخ می کنند و بر سر قبر ہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را داخل شرک ساختہ اند و دریں باب مبالغہ نمودہ وایں ذبح را از جنس ذبائح جن انگاشتہ اند کہ ممنوع شرعی ست و داخلِ شرک، ازیں عمل نیز اجتناب باید نمود کہ شائبہ شرک دارد چیہ در کارا ست کہ نذر ذبح حیوان کنند وار تکاب ذبح آں نمایند و بذبائح جن ملحق

حاجز نذر وتبث بہ اجہۃ و جن پیدا کند۔

خلاصہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جو لوگ جانور مشایخ کی نذر کرکے ان کی قبروں کے پاس لے جاکر انہیں ذبح کرتے ہیں۔ یہ ذبائح جن کے قبیلہ سے داخل شرک اور شرعًا حرام ہیں۔ ایسے عمل سے بچنا چاہیئے کہ اس میں جنوں کے بچاریوں کے ساتھ تشبہ ہے۔

ابو داؤد ص۱۰۵ میں ہے

عن انس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا عقر فی الاسلام قال عبد الرزاق کانوا یعقرون عند القبر۔ یعنے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں عقر نہیں۔ عبد الرزاق فرماتے ہیں کہ مشرکوں کی عادت تھی کہ قبروں کے پاس گائے بکری وغیرہ لیجا کر ذبح کرتے تھے۔

طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح ص۳۷۴ میں کہا۔

قال ابن الاثیر ہذا نفی لعادۃ الجاہلیۃ تحذیرًا منہا فانہم کانوا یعقرون الابل علی قبور الموتی ویقولون انہ کان یعقرہا للاضیاف فی حیاتہ فیکافأ بذالک بعد موتہ۔

یعنے ابن اثیر فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کی عادت کی نفی ہے اور اس عادت سے لوگوں کو بچانا منظور ہے۔ کیونکہ وہ لوگ مردوں کی قبروں پر اونٹ ذبح کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ میت اپنی زندگی میں مہمانوں کی خاطر اونٹ وغیرہ ذبح کرتا تھا اس لیئے اب اس ذریعہ سے اس کو برابر کا بدلہ دیا جاتا ہے۔

تجہیز الجنازہ ص۱۱۶ میں ہے فی التحفۃ عن کنز العباد لا یجوز ذبح الغنم والبقر عند القبور لقولہ علیہ السلام لا عقر فی الاسلام ملے لا یجوز ذبح البقر والغنم عند القبور یعنے تحفہ میں کنز العباد سے لکھا ہے کہ عند القبور گائے اور بھیڑ بکری کا ذبح کرنا منع ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

جواہر النفیس ص۱۷۱ میں بھی ہے۔ لا یجوز ذبح الغنم فی الاسلام عند القبور کذا فی

سنن ابی داؤد۔ اسی طرح نورالایمان صفحہ مؤلفہ مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم میں بذل المجہود صفحہ ۲ میں ہے قال الخطابی کان اہل الجاہلیۃ یعقرون الابل علی قبر الرجل الجواد و یقولون نجازیہ علی فعلہ لانہ کان یعقرہا فی حیاتہ ویطعمہا الضیافۃ فنحن نعقرہا عند قبرہ لتاکل السباع والطیر فیکون من بعد موتہ مطعما کما کان فی حیاتہ قال الشاعر۔

عقرت علی قبر النجاشی ناقتی	بابیض عضب اخلصتہ صیاقلہ
علی قبر من لو اننی مت قبلہ۔	لہانت علیہ عند قبری رواحلہ

ومنہم من کان یذہب فی ذالک الی انہ اذا عقرت راحلتہ عند قبرہ حشر راکبا ومن لم یعقر عند قبرہ حشر راجلا وکان ہذا علی مذہب من یری البعث منہم بعد الموت یعنی خطابی نے کہا ہے کہ جاہلیت کے دور میں لوگ سخی مرد کی قبر پر اونٹ ذبح کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس کے کام کا بدلہ دیتے ہیں جو زندگی میں اونٹ ذبح کر کے مہمانوں کو کھلاتا تھا۔ اب ہم اس کی قبر پر اونٹ ذبح کرتے ہیں تاکہ اسے درندے اور پرندے کھائیں پس وہ مرنے کے بعد بھی کھانا کھلانے والا ہو جیسے زندگی میں تھا شاعر نے کہا ہے

میں نے نجاشی کی قبر پر اپنی ایسی کاٹنے والی سفید تلوار کے ساتھ اونٹنی ذبح کی جو صیقل شدہ تھیں ایسے شخص کی قبر پر (ذبح کی) کہ اگر میں اس سے پہلے فوت ہو جاتا تو اس کی سواریاں میرے قبر کے پاس ذلیل ہوتی (یعنی وہ قیمتی سواریاں میری قبر پر ذبح کرتا) اور جاہلیت کے دور میں بعض کا یہ خیال تھا کہ جس کی قبر کے پاس اونٹنی ذبح کی جائے تو وہ قیامت کو سوار ہو کر اٹھے گا اور جس کی قبر کے پاس اونٹنی ذبح کی جائے تو وہ پیدل اٹھے گا اور یہ خیال ان لوگوں کا تھا جو قیامت کے قائل تھے۔

قبر والے سے مانگنا

میت کو دفن کرنے سے پہلے اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے جس میں مطابق فرمانِ نبوی: اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ یعنے جب میت پر نماز جنازہ پڑھنے لگو تو جنازہ کی نماز کے اندر اس کے حق میں بڑے خلوص سے دعا مانگا کرو۔ اگرچہ وہ میت ولی ہو یا صدیق یا شہید یا صالح یا فاسق یا بدکار، چور، زانی، قاتل، ڈاکو۔ بشرطیکہ مسلمان ہو۔ مگر جب وہ زیر زمین دفن کر دیا جاتا ہے تو پھر بھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہے کہ اس کے حق میں دعا کرو چنانچہ مشکوٰۃ ص۱۴۹ میں ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ذوالبجادین کو دفن فرماتے وقت رحمک اللہ فرمایا تھا اور مشکوٰۃ ص۲۶ میں ہے کہ امام عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دفن میت سے فارغ ہو جاتے تھے تو اس قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے۔ اِستغفروا لاخیکم۔ یعنے اپنے بھائی کے لیے خدا سے بخشش مانگو۔ پھر اس کے حق میں دعا کرو کہ اللہ تعالے اس کو فرشتوں کے سوال کا جواب دیتے وقت ثابت اللسان رکھے اور صحیح صحیح جواب دے سکے۔ اور یہ دفن شدہ صحابی رسول اللہ کے ہوتے تھے رضی اللہ عنہم جو تمام اولیاء سے مرتبے میں بہت اونچے تھے۔ اب اس کے بالکل برعکس قبر والوں سے دعا مانگنے میں حالانکہ غائبانہ پکار حاجات میں مخصوص اللہ کی ذات کے ساتھ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے مالابدمنہ ص۹۸ میں لکھا اولیاء کی قبروں پر سجدہ کرنا اور طواف کرنا اور ان سے دعا مانگنا اور ان کے لیے نذر قبول کرنا حرام ہے بلکہ بعض چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔

شجرۃ الایمان میں ہے۔ قبر کو سجدہ کرنا۔ بوسہ دینا۔ اس پر ہاتھ ملنا، طواف کرنا۔ قبر والے سے حاجت مانگنا اور قبرستان میں چراغ جلانے یہ سب مکروہ تحریمی ہیں۔

(تفہیم المسائل ص۵۶)

مجمع البحار صہ۲۳ میں ہے۔ من قصد لزیارۃ قبور الانبیاء و الاولیاء و الصلحاء ان یصلی عند قبور ہم و یدعو عندہا و یسئلہم الحوائج فہذا لا یجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادۃ و طلب الحوائج والاستغاثۃ حق للّٰہ وحدہٗ۔

یعنی انبیاء اور صلحاء کی قبروں کی زیارت اس ارادہ سے کرنا کہ ان کی قبروں کے پاس نماز پڑھے اور وہاں دُعا مانگے اور ان سے حاجتیں مرادیں مانگے یہ مسلمانوں کے علماء میں سے کسی ایک عالم کے نزدیک بھی جائز نہیں کیونکہ عبادت یعنی حاجتیں مرادیں مانگنا اور مددیں مانگنا صرف اللہ وحدہٗ کا حق ہے (کہ اُسی سے حاجتیں مرادیں مددیں مانگی جائیں)

مدارج العاملین میں ہے من اقبح العقائد طلب الحاجۃ من الموتیٰ والاستعانۃ بہم فان المیت لا یملک بنفسہٖ نفعاً ولا ضرًّا وھو اَحوج الناس الی الاحیاء للدعاء والاستغفار والصدقۃ علے نہج الشریعۃ (تفہیم المسائل صہ)

یعنے قبیح ترین عقیدوں میں سے ایک عقیدہ قبیحہ مُردوں سے حاجت مراد مانگنا اور امدادیں مانگنا ہے کیونکہ میت تو اپنے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں (چہ جائیکہ دوسرے کی حاجت پُوری کرے اور اُس کی مدد کرے) میت تو دوسرے لوگوں سے زیادہ زندوں کا محتاج ہے کہ زندے اس کے حق میں دُعا کریں اور خدا سے اس کے خطاؤں کی پردہ پوشی کا مطالبہ کریں اور صدقہ شرعی طریقے کے مطابق کر کے اس کا ثواب مُردے کو پہنچائیں۔

مجالس الطالبین میں ہے۔ من القبائح طلب الحاجۃ من الموتیٰ والاستعانۃ بہم والتوجہ الیہم لیشفعوا (تفہیم المسائل صہ)

یعنے مُردوں سے مراد مانگنا اور ان سے امداد مانگنا اور ان کی طرف اس واسطے توجہ کرنا کہ یہ سفارش کریں عقائد قبیحہ میں سے ہے۔

تنبیہ الرام میں شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی رحمۃ اللہ نے کہا لا یجوز الاستعانۃ با ھل القبور وعلیہ الجمہور (م) یعنے قبر والوں سے امداد مانگنا ناجائز ہے اور جمہور علماء اسی مذہب پر ہیں کہ

رنج سنتہ میں ملا عبداللہ سمرقندیؒ (معاصر ملا علی قاریؒ) نے لکھا یحرم الاستمداد بالقبور لکثیر من الفتور (۱) قبروں سے مدد لینا حرام ہے کیونکہ اس میں بہت سے نقصانات ہیں۔

احوال الآخرۃ میں قاضی عبدالرحمن صاحب تفسیر فتح الرحمن (معاصر صاحب ہدایہ) نے کہا ہے۔ ویکرہ الاستعانۃ بالموتی۔ (۲) مرے ہوؤں سے مدد مانگنا کریہ امر ہے۔

روضۃ الہدایہ میں ابو العلاء قرشی سنبلیؒ نے کہا لا یجوز الاستعانۃ بالاولیاء والفضلاء بعد موتہم (۳) اولیاء اور صلحاء کی وفات کے بعد ان سے امداد مانگنا ناجائز ہے۔

تاریخ المسلمین میں ہے یکرہ الانتفاع بالمقبرۃ (۴) قبر والے سے نفع حاصل کرنا کریہ امر ہے

جذبۃ القلوب الی دیار المحبوب میں ہے کہ ابو محمد مالکی فرماتے ہیں قصد انتفاع بمیت بدعت است۔ مطالب المؤمنین میں ہے یکرہ الانتفاع بالقبر قبر سے نفع حاصل کرنا مکروہ ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا۔ ارواحیکہ از ابدان مفارق شدہ اند و تاثیر آنہا در عالم اصلاً در شرع نیامدہ ہم باعتبار فلسفہ تاثیر آنہا در عالم اصلاً درست نمی آید زیرا کہ فلاسفہ ارواح مفارقہ را یا مشغول بلذات روحانی می دانند یا گرفتار آلام روحانی و آنہا را تصرف در امور عالم کجا۔ (تفہیم المسائل ص۲۳)

یعنے جو روحیں بدن سے جدا ہو جاتی ہیں جہان میں تاثیر کرنا ان کا شرع شریف میں بالکل نہیں آیا۔ اور فلسفہ کو دیکھیں تو تب بھی اُن کی تاثیر عالم میں اصلاً نہیں درست نہیں آتی۔ کیونکہ فلسفی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ بدن سے جدا ہونے والے ارواح یا تو روحانی لذتو میں مشغول ہوتی ہیں یا روحانی دکھوں میں مبتلا۔ تو ان حالات میں) امور عالم میں ان کا تصرف کرنا کجا رہا۔

شیخ امام اجل ابو صالح محمد بن ابراہیم شیرازیؒ نے فرمایا۔

ما یقع فی بلاد العجم من فرش البسط وضرب الخیام عند مقبرۃ الاولیاء والکرام العوام یستمدون بہم ویخشعون ویتضرعون الیہم فکلہ مکروہ والمکروہ اقرب الی الحرام (تفہیم المسائل بحوالہ نتائج المرام للسید عبدالشکور دولت آبادیؒ)

یعنی قلب مجمع میں جو اولیاء کرام کے مقبروں کے پاس بچھونے بچھاتے اور خیمے لگاتے ہیں اور عوام ان اولیاء اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور ان کے آگے خشوع و خضوع کرتے ہیں اور ان کے آگے گڑگڑاتے ہیں سو یہ سب مکروہ ہے حرام کے قریب۔

لمعات شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے ولیس القادر والفاعل والمتصرف الاھو اللہ تعالیٰ ....والاولیاء لافعل لھم ولاقدرۃ لھم ولاتصرف لھم یعنی قادر علی الاطلاق اور فاعل مختار اور ہر چیز میں تصرف کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں؛ اور اولیاء اللہ کا نہ تو کوئی فعل ہے اور نہ کوئی قدرت ہے اور نہ انکا کچھ تصرف ہے

روح المعانی ج ۲۵ ص ۱۴ میں علامہ سید آلوسیؒ نے لکھا ہے من سخفۃ العقول ان الاولیاء یتصرفون بعد وفاتھم بنحو شفاء المریض وانقاذ الغریق والنصر علی الاعداء وغیر ذلک مما یکون فی عالم الکون والفساد علیٰ معنی ان اللہ فوض الیھم ذلک ومنھم من خص ذلک بخمسۃ من الاولیاء والکل جھل یعنی یہ سمجھنا کم عقلی ہے کہ اولیاء کرام اپنی وفات کے بعد تصرف کرتے ہیں مثلاً بیمار کو شفاء دینا اور ڈوبتے کو بچانا اور دشمنوں سے روکنا اور اسی طرح اور ایسے کام ان کے علاوہ جو عالم کون و فساد میں ہوتے ہیں وہ سب اولیاء کرتے ہیں باین معنے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اولیاء کرام کے سپرد کر دیئے ہیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو پانچ اولیاء کے ساتھ ان چیزوں کو مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور یہ سب جہالت ہے۔

الفتح الربانی ص ۱۰۲ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا اتبعوا ولاتبتدعوا وافقوا ولاتخالفوا واطیعوا ولاتعصوا اخلصوا ولاتشرکوا وحدوا الحق وعن بابہ فلاتبرحوا سلوہ ولاتسئلوا غیرہ استعینوہ ولاتستعینوا بغیرہ توکلوا علیہ ولاتوکلوا علیٰ غیرہ یعنی خدا کے حکموں کی اتباع کرو اپنی طرف سے نئے حکم نہ نکالو۔ خدا کے حکموں کی موافقت کرو مخالفت نہ کرو خدا کا کہا مانو اس کی نافرمانی نہ کرو خالص اسی کو پکارو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ رکھو اور اس کے دروازے سے تو ذرا بھی نہ ہٹو۔ اسی سے مانگو اور اس کے سوا کسی سے نہ مانگو۔ مدد بھی اسی سے مانگو اور اس کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو۔ صرف اسی پر توکل رکھو اور اس کے سوا کسی پر توکل نہ رکھو۔

اور الفتح الربانی ص ۱۱۲ میں لکھا لَا تَسْأَلِ الْخَلْقَ شَيْئًا فَإِنَّهُمْ عَجَزَةٌ فُقَرَاءُ لَا يَمْلِكُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ وَلَا لِغَيْرِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا یعنی مخلوق سے کچھ نہ مانگ کیونکہ وہ سب عاجز و محتاج اور اپنا پرایا نفع و نقصان ان کے بس میں نہیں ہے۔

اور ص ۱۳۷ میں لکھا فَمَا يَمْلِكُ ضُرَّكَ وَلَا نَفْعَكَ وَلَا رِزْقَكَ غَيْرُ رَبِّكَ عَزَّوَجَلَّ كُنْ اَبَدًا فِيْ طَاعَتِهٖ یعنی تیرے رب عزّ و جلّ کے سوا کسی کے بس میں نہ تیرا نقصان ہے نہ تیرا فائدہ نہ تیری روزی۔ لہٰذا تو اسی کے کہنے میں رہ

اسی طرح حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ساری تصنیف توحید سے پُر ہے۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۹ میں باب اقسام الشرک میں مظاہر شرک بیان کرتے ہوئے فرمایا مِنْهَا اَنَّهُمْ كَانُوْا يَسْتَعِيْنُوْنَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فِيْ حَوَائِجِهِمْ مِنْ شِفَاءِ الْمَرِيْضِ وَغِنَاءِ الْفَقِيْرِ وَيَنْذُرُوْنَ لَهُمْ يَتَوَقَّعُوْنَ اِنْجَاحَ مَقَاصِدِهِمْ بِتِلْكَ النُّذُوْرِ وَيَتْلُوْنَ اَسْمَاءَهُمْ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا فَاَوْجَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ اَنْ يَقُوْلُوْا فِيْ صَلٰوتِهِمْ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ وَقَالَ تَعَالٰى فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ؕ وليس المراد من الدعاء العبادة كما قال بعض المفسرين بل هو الاستعانة لقوله تعالى بل اياه تدعون فيكشف ما تدعون اليه ان شاء

یعنی شرک کے مواقع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مشرک لوگ اپنی حاجات میں اللہ کے سوا دوسروں سے مدد مانگا کرتے تھے مثلاً بیمار کی شفا، فقیر کی غنا (دولت مندی) اور ان غیروں کے لئے نذریں نیازیں مانا کرتے تھے اس توقع پر کہ ان نذروں کے ذریعے ان کے مقاصد پورے ہوں گے اور ان کی مرادیں پوری ہوں گی۔ اور ان غیروں کے نام جپتے ہیں ان ناموں کا ورد کرتے ہیں ان ناموں کی برکات کی امید رکھ کر۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ عزّ و جلّ نے ان پر لازم اور واجب فرما دیا کہ وہ اپنی ہر نماز (کی ہر رکعت) میں ایاک نعبد و ایاک نستعین کہا کریں یعنی اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی تمام امور میں صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ کسی دوسرے سے مدد نہیں مانگتے

یعنے ملک عجم میں جو اولیاء کرام کے مقبروں کے پاس کھوپڑے کچلتے اور شیشے لگاتے ہیں اور عوام ان اولیاء اللہ سے مدد یں مانگتے ہیں اور ان کے آگے خشوع و خضوع کرتے ہیں اور ان کے گرد گھومتے ہیں۔ سو یہ سب مکروہ ہے حرام کے قریب۔

لمعات شرح مشکوۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے۔ ولیس القادر والفاعل والمتصرف الا ھو اللہ تعالیٰ .... والاولیاء لا فعل لھم ولا قدرۃ لھم ولا تصرف لھم۔

یعنے قادر علی الاطلاق اور فاعل مختار اور ہر چیز میں تصرف کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں اور اولیاء اللہ کا نہ تو کوئی فعل اور نہ کوئی قدرت ہے اور نہ کوئی ان کا کچھ تصرف۔

روح المعانی ص ۱۲ میں علامہ سید آلوسی نے لکھا ہے من تحفۃ العقول ان الاولیاء یتصرفون بعد وفاتھم نحو شفاء المریض وانقاذ الغریق والنصر علی الاعداء وغیرہ ذالک مما یکون فی عالم الکون والفساد علی معنے ان اللہ فوض الیھم ذالک ومنھم من خص ذالک بخمسۃ من الاولیاء والکل جہل۔

یعنے یہ سمجھنا کم عقلی ہے کہ اولیاء کرام اپنی وفات کے بعد تصرف کرتے ہیں مثلاً بیمار کو شفا دینا۔ اور ڈوبتے کو بچانا اور دشمنوں سے روکنا اور اسی طرح اور ایسے کام ان کے علاوہ جو عالم کون و فساد میں ہوتے ہیں وہ اولیاء کرتے ہیں۔ بایں معنے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان اولیاء کرام کے سپرد کر دیئے ہیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو پانچ اولیاء کے ساتھ ان چیزوں کو مخصوص سمجھتے ہیں اور یہ سب جہالت ہے۔

الفتح الربانی ص ۱۰ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے فرمایا اتبعوا ولا تبتدعوا وافقوا ولا تخالفوا۔ اطیعوا ولا تعصوا۔ اخلصوا ولا تشرکوا وحدوا الحق وعن بابہ فلا تبرحوا سلوہ ولا تسئلوا غیرہ۔ استعینوہ ولا تستعینوا لغیرہ۔ توکلوا ولا توکلوا غیرہ۔

یعنے خدا کے حکموں کی اتباع کرو اپنی طرف سے نیا حکم نہ نکالو خدا کے احکام کی موافقت کرو

مخالفت نہ کرو۔ خدا کا کہا مانو۔ اس کی نافرمانی نہ کرو۔ خالص اسی کو پکارو۔ اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اللہ تعالےٰ کی توحید کا عقیدہ رکھو اور اس کے دروازہ سے تو ذرا بھر نہ ہٹو اُسی سے مانگو اور اس کے سوا کسی سے نہ مانگو۔ مدد بھی اُس سے مانگو اور اس کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو۔ صرف اُسی پر توکل رکھو اور اس کے سوا کسی پر توکل نہ رکھو۔

اور ص۱۱۲ میں لکھا لا تسئل الخلق شیئاً فانہم عجزۃ فقراء لا یملکون لانفسہم ولا لغیرہم ضرّاً ولا نفعاً۔ یعنے مخلوق سے کچھ نہ مانگ کیونکہ وہ سب عاجز و محتاج اور اپنا پرایا نفع ونقصان ان کے بس میں نہیں۔

اور ص۱۲۲ میں لکھا ما یملک ضرک ولا نفعک والا رزقک غیر ربک عزّ وجل کن ابداً فی طاعتہ۔

یعنے تیرے رب عزّ وجل کے سوا کسی کے بس میں نہ تیرا نقصان نہ تیرا فائدہ نہ تیری روزی۔ لہٰذا تو ہمیشہ اُس کے کہے میں رہ۔

اسی طرح حضرت عبد القادر جیلانی ؒ کی ساری تصنیف توحید سے پُر ہے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے حجۃ اللہ البالغہ ص۶۳ میں باب اقسام الشرک میں مظان شرک بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ منہا انہم کانوا یستعینون بغیر اللہ فی حوائجہم من شفاء المریض وغناء الفقیر وینذرون لہم یتوقعون انجاح مقاصدہم بتلک النذور ویتلون اسماءہم رجاء برکتہا فاوجب اللہ تعالےٰ علیہم ان یقولوا فی صلواتہم ایاک نعبد وایاک نستعین وقال تعالیٰ فلا تدعوا مع اللہ احداً ولیس المراد من الدعاء العبادۃ کما قال بعض المفسرین بل ہو الاستعانۃ لقولہ تعالےٰ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ۔

یعنے شرک کے مواقع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مشرک لوگ اپنی حاجات میں اللہ کے سوا دوسروں سے مدد مانگا کرتے تھے مثلاً بیمار کی شفاء۔ فقیر کی غنا اور ان غیروں کے لیے نذریں مانا کرتے تھے اس توقع پر کہ ان نذروں کے ذریعے ان کے مقاصد پورے ہوں گے اور ان غیروں کے نام جپتے تھے ان کے نام کی برکت کی امید رکھ کر اس لیے اللہ تعالےٰ نے ان پر لازم قرار دیدیا کہ وہ اپنی ہر نماز میں ایاک نعبد وایاک نستعین کہا کریں

نیز فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی ایک کو بھی مت پکارو کر غائبانہ حاجات میں۔

اور اس دعا سے جیسے بعض مفسرین عبادات مراد لیتے ہیں وہ مراد نہیں بلکہ استغاثہ مراد ہے کیونکہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ"

عزیز الفتاویٰ صفحہ۱۷۷ میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے لکھا اولیاء اللہ سے مراد میں مانگنا اور ان کو متصرف جاننا دام شیطان ہے اور شرک۔

در المعارف میں حضرت صاحب نے فرمایا "کہ دُعا کردن و ندا کردن از غیر جناب الٰہی البتہ در شریعت ناروا است۔

یعنے اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو غائبانہ پکارنا یقیناً شریعت میں ناجائز ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد الطالبین میں لکھا ہے "و چنانچہ جہّال می گویند یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ شیئاً للہ یا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی جائز نیست"

شاہ عبد العزیز صاحبؒ محدث دہلویؒ نے فتح العزیز ص۱۱ میں انواع شرک کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرکین کی جہان میں کئی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ثنویہ۔ دوم صابئین۔ سوم ہنود چہارم پیر پرست۔ و پیر پرستاں گویند چوں مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب الدعوات و مقبول الشفاعۃ عند اللہ شدہ بود از ایں جہان میگذرد، روح اورا قوتے عظیم و وسعتے بس فخیم بہم میرسد ہر کہ صورت اورا برزخ سازد یا در مکان نشست و برخاستِ او یا بر گور او سجود و تذلل تمام نماید روح او بسبب وسعت و اطلاق بر آن مطلع شود و در دنیا و آخرت در حق او شفاعت نماید۔

یعنے چوتھی جماعت پیر پرستوں کی ہے۔ جب کوئی بزرگ آدمی جو بڑی محنت یا ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے خدا کے ہاں مستجاب الدعوات اور مقبول الشفاعۃ ہو جاتا ہے اس جہان (دُنیا) سے چلا جاتا ہے تو اس کی روح کو بڑی قوت اور بہت بڑی فراخت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس کی صورت کو آڑ بناتے ہیں یا اس بزرگ کے اُٹھنے بیٹھنے کی جگہ میں یا اس کی قبر پر سجدہ کرتے ہیں اور پوری ذلت کا اظہار کرتے ہیں اس کی روح بسبب وسعت اور آزادی کے اس پر مطلع ہو جاتی ہے اور دُنیا و آخرت میں اس کے حق میں

میں شفاعت کرتی ہے۔

مسلکِ سراج الامت امام ابوحنیفہؒ

غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے:

مر اتی الامام ابوحنیفۃؒ من یاتی القبور باھل الصلاح فیسلم و یخاطب ویتکلم ویقول یا اھل القبور ہل لکم من خبر وھل لکم من اثر انی اتیتکم ونادیتکم من شھور ولیس سؤالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفۃؒ یقول یخاطبہ بھم فقال ھل اجابوا لک قال لا فقال سحقا لک وتربت یداک کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور۔

(تفہیم المسائل صد)

امام ابوحنیفہؒ نے ایک آدمی کو دیکھا جو صلحاء کی قبروں پہ آ کر ان کو سلام کہتا اور ان سے مخاطب ہو کر باتیں کرتا۔ اور کہتا کہ اے قبر والو! کیا تمہیں کچھ خبر ہے کیا تمہیں کچھ علم ہے کہ میں تمہارے پاس آیا ہوں اور کئی مہینوں سے میں تمہیں پکار رہا ہوں اور میں تم سے کچھ نہیں مانگتا سوائے دعا کے اب کیا تم سمجھ رہے ہو یا بے خبر اور غافل ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے اُسے سُنا کہ قبر والوں سے خطاب کر رہا ہے۔ فرمانے لگے کیا ان قبروں والے صاحبین نے تیری بات کا کچھ جواب دیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ دوری ہو تیرے لیے اور تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تو ایسے جسموں سے کیسے باتیں کرتا ہے جو نہ جواب دے سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی چیز ان کے بس میں ہے اور نہ ہی وہ کوئی آواز سُنتے ہیں اور دلیل میں یہ آیت پڑھی جس کا مفہوم ہے کہ قبر والوں کو نہیں سُنا سکتا۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر صد ۵۵ میں انواعِ شرک کا بیان کرتے ہوئے چوتھی قسم شرک کی یوں بیان کی ہے۔ و رابعھا انھم وضعوا ھذہ الاصنام والاوثان علی صورۃ

انبیاءھم والاکابر وزعموا انھم متی اشتغلوا بعبادۃ ھذہ التماثیل فان تلک الاکابر تکون شفعاء لھم عند اللہ تعالیٰ ونظیرہ فی ھذا الزمان اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبور الاکابر علی اعتقاد انھم اذا عظموا قبورھم فانھم یکونون لھم شفعاء عند اللہ۔

یعنے چوتھی قسم شرک کی یہ ہے کہ مشرکوں نے اپنے پیغمبروں اور اکابر کی صورتوں پہ بُت اور مورتیاں بنا دیں اور ان کا خیال ہے کہ جب ان مورتیوں کی پکار میں مشغول ہوا کریں گے تو یہ اکابر خدا کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور اس زمانے میں اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت سے لوگ اکابر کی قبروں پر تعظیم کے اعتقاد سے مشغول ہوتے ہیں کہ جب ان کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو یہ اکابر اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔

ذیل الملل والنحل ص۳ میں ہے۔

وکان لحکماء المصر ثمة قبور یحج الیھا المصریون ویقدسونھا فدخل ھؤلاء الحکماء فی زمرۃ الآلھۃ مثل امنوتیس بن حابو المھندس المعماری البارع انتشرت عبادتہ فی طول البلاد واضحی قبرہ قبلۃ لمن یطلبون الشفاء من اوجاعھم۔

یعنے مصر کے حکماء کی قبریں تھیں جن کی طرف مصر کے لوگ قصد کرکے حج کرنے جاتے تھے اور ان قبروں کو مقدس سمجھتے تھے تو یہ حکماء لوگ آلہہ کے زمرہ میں داخل ہو گئے جیسے ایک ریاضی دان علم ھندسہ کا ماہر انجینئر امنوتیس بن حابو۔ اس کی پرستش دُور دُور کے شہروں میں پھیل گئی اور اس کی قبر ان لوگوں کی قبلہ بن گئی جو اپنے بدن کے دکھ دردوں سے شفاء چاہتے۔

بلاغ المبین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ لات برائے اہل طائف مرد نیک بخت برائے حاجیاں سویق لت کردہ می بخشید پس ہرگاہ بمُرد بر تربتش عاکف شدند مدتے بر منوال بگذشت باز تمثالش ادرا داشتہ تعظیم نمودند باز بنائے نمودند یعنے یعنے طائف والوں کا "لات" ایک نیک بخت مرد تھا۔ حاجیوں کی خاطر ستو بھگو کر

کر دیتا تھا جب وہ مر گیا لوگ اس کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے۔ کچھ مدت تو اس طرز پر گزارا اس کے بعد اس کی مورتی بنا کر رکھ لی۔ اب اس کی مورتی کی تعظیم کرنے لگے اس کے بعد عبادت بنا دی۔

بخاری شریف میں حدیث ہے ان من کان قبلکم کانوا اذا مات فیہم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجداً وصوّروا فیہ تلک الصور اولٰئک شرار الخلق عند اللہ۔

یعنے تم سے پہلے لوگوں کا دستور تھا۔ جب ان میں مرد صالح فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے تھے اور اس میں تصویر بنا دیتے وہ لوگ خدا کے ہاں بدترین مخلوق ہیں

ذیل الملل والنحل صفحہ ۹ میں ہے کانوا (الصینیون) یعبدون الاسلاف۔ یعنے چین کے باشندے اسلاف کی پرستش کرتے تھے۔ آگے لکھا ثم عبدوا ارواح الاجداد یعنی وہ دادوں کی روحوں کی پرستش کرتے تھے۔ آگے لکھا وکانوا یوقرون السلف من القدماء وزعماء الجماعات السالفۃ الی یومنا ھذا۔

یعنے قدیم زمانے کے اسلاف کی یا گذشتہ گروہوں کے رئیسوں اور سرداروں کی تعظیم کیا کرتے تھے ہمارے اس روز تک یہی سلسلہ ہے۔

آئینہ ملتان صفحہ ۱۸۳ میں ہے ہندو سندھ کے لوگ اس بت کو (ملتان بت کو) ایوب نبی کی تمثیل سمجھتے تھے اور بزعم خود یہاں حج کے لیے آتے تھے اور یہاں سر و ڈاڑھی بالکل منڈواتے تھے۔ یہ بت بشکل انسان بنا ہوا تھا۔ اسی لیئے محمد بن قاسم نے اسے انسان سمجھ کر اس کا سر اڑانے کے لیے تلوار نکال لی تھی۔ یہ بت سراپا سونے کا بنا ہوا تھا۔ نایاب جواہرات سے مرصع اور قیمتی لباس میں ملبوس تھا۔ اس مندر کے چاروں طرف سایہ دار درخت پھیلے ہوئے تھے۔ جن کے نیچے پجاری آرام کرتے تھے۔

روح المعانی صفحہ ۹۲ میں ہے وضعوا علی صور رجال صالحین وذوی خطر عندہم وزعموا انہم متی اشتغلوا بعبادتہا فان اولٰئک الرجال یشفعون لہم الخ

یعنے مشرکین نے وہ بت ان صالح مردوں کی صورتوں پہ بنائے تھے جو ان کے ہاں عالی مرتبہ والے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ جب یہ ان کی پرستش میں مشغول ہوتے

ہوتے ہیں تو وہ صالح مردان ہماری لوگوں کی خدا کے ہاں سفارش کرتے ہیں۔

ایک سوال کا جواب

حدیث شریف میں وارد ہے اِنَّ لِلّٰہِ ملائکۃ فی الارض یُسَمُّون الحفظۃ یکتبون مایقع فی الارض من ورق الشجرۃ فاذا اصاب احدکم حرجۃ واحتاج الی عون بفلاۃ من الارض فلیقل اعینونی عباد اللہ رحمکم اللہ فانہ یحصل انشاء اللہ رواہ ابن السنی والطبرانی من حدیث الحسن بن عمرو عن ابن حسان عن سعید بن ابی عروۃ عن قتادہ عن ابن بریدۃ عن ابن مسعود۔

یعنے اللہ کی طرف سے زمین میں فرشتے مقرر ہیں جن کو نگہبان کہتے ہیں جو پتا درخت کا گرتا ہے زمین میں وہ سب لکھ لیتے ہیں پس جب تم میں سے کسی ایک کو تکلیف پہنچے اور صاف چٹیل میدان میں اس کو مدد کی احتیاجی ہو تو یوں کہے۔ اعینونی عباد اللہ رحمکم اللہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اللہ تم پر رحم کرے تو انشاء اللہ اس کو مدد مل جائیگی۔ تو اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ غائبانہ غیر اللہ کو پکارنا جائز ہے۔

جواب:۔ ملا علی قاری نے اس روایت کو ابن سنی طبرانی بزار سے نقل کیا جسمیں ابن حسان راوی کو ہیثمی نے ضعیف کہا اور ایک راوی بن غزوان کو ابن حجرؒ نے تقریب میں مجہول الحال کہا۔ ابن حجرؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اور معروف (ابن حسان) کو لوگ (محدثین) منکر الحدیث کہتے ہیں جو اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد (اکیلا) ہے نیز ابن بریدہ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث سننا ثابت نہیں ہے ان کا بیچ کا راوی معلوم نہیں کہ کون ہے لہٰذا یہ روایت منقطع ہوئی جو علماء محدثین کے نزدیک مردود کی قسم ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔ فتح القدیر شرح جامع صغیر میں اسی طرح ہے (تفہیم المسائل ص۳۸)

جواب ۲:۔ اس کو جو خبر واحد ہے و مخالف و معارض ہے آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ اجماع اُمت اور تعامل قرون ثلٰثہ، اجماع اُمت کے اور موافق ہے عمل جاہلیت کے

کیونکہ عرب جاہلیت (قبل ظہور الاسلام) میں مسافروں کا یہ دستور تھا کہ جس وقت کہ
کہیں خالی میدان میں شام ہو جاتی (رات آجاتی) وہاں سے انہیں ڈر لگتا تھا کہ کہیں جن
دیو، بھوت، چڑیل مجھے نقصان نہ پہنچائیں تو وہ مسافر یوں کہتے اعوذ بسید ھذا الوادی
من شر سفہاء قومہ (اس میدان کے سردار کے پناہ میں آتا ہوں اس کی قوم کے
بے وقوفوں کے شر سے) تو وہ مسافر بڑے چین سے اور ان کے پڑوس میں رات گزارتے
حتیٰ کہ صبح ہو جاتی (مدارک) طبقات ابن سعد ص ۱۳۹ میں ہے وانہ کان رجال من الانس
یعوذون برجال من الجن. کما قال ابو رجاء العطاردی قال شیخنا انا نعوذ بعزیز ھذا الوادی
من الجن اللیلۃ فقلنا ذاک قال ابو رجاء فقیل لنا انما سبیل ھذا الرجل شہادۃ ان لا الہ الا
اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ فمن اقر امن علی دمہ ومالہ فرجعنا فدخلنا فی الاسلام وربما
قال ابو رجاء انی لاری ہذہ الآیۃ نزلت فی وفی اصحابی۔

یعنے جاہلیت چھوڑ کر جب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو مامون ہو گئے ہمارے حق
میں یہ آیت اتری اور پھر حکم ہوا۔ لا تدعوا مع اللہ احدا کہ غائبانہ کسی کو مت پکارو اللہ
کے سوا۔ اور پھر فرمایا " ان الذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر "

یعنے اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ گٹھلی پہ چھلکے باریک پردے کی مقدار کے بھی
مالک نہیں۔ ان تدعوہم لا یسمعوا دعاءکم۔ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنتے۔
نیز فرمایا ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وہم عن
دعائہم غافلون

یعنے اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارتا ہے کہ روز قیامت
تک اس کو جواب نہ دے جواب دینا تو درکنار انہیں تو تمہاری پکار کی خبر نہیں۔ اور
یہ تو صرف خدا کی ذات ہے کہ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان کہ کوئی پکارے وہ تو ہر کسی کو
دعوت دیتا ہے کہ ادعونی استجب لکم کہ صرف مجھے پکارا کرو میں ہی تو ہوں جو تمہاری
ہر بات کا جواب دیتا ہوں اور جو اس کو نہ پکارے اس پہ خدا کو غصہ آتا ہے۔
- ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین -

ترجمہ: جو مجھے پکارنے سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھتے ہیں تو دیر نہیں کہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔

اسی واسطے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ۔ (مشکوٰۃ ص۱۹۵) یعنی خدا کو اس شخص پر غصہ آتا ہے جو خدا سے نہ مانگے۔ خدا سے نہ مانگنے کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ یا تو سرے سے مانگے ہی نہیں ۲۔ یا مانگے تو غیر اللہ سے مانگے ۳۔ یا مانگے تو اللہ سے بھی اور دوسروں سے بھی۔

اللہ تعالےٰ کو ان تینوں حالتوں میں غصہ آتا ہے وہ کہتا ہے کہ صرف مجھ سے مانگو مانگنے سے میں خوش ہوتا ہوں جیسے ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّسْئَلَ ۔ (مشکوٰۃ ص۱۹۵)

یعنے اللہ سے اللہ کا فضل مانگا کرو اور مانگتے رہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آتی ہے کہ اس سے لوگ مانگیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر شے اللہ سے مانگیں اس لیے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِیَسْئَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْئَلَ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ۔ چاہیئے کہ سب حاجتیں مرادیں اپنے رب ہی سے مانگیں حتیٰ کہ جب جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اپنے رب ہی سے مانگیں اور حتےٰ کہ نمک بھی اسی سے مانگے (مشکوٰۃ ص۱۹۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بلا کر اور شرط لگواتے ہیں مجھ پر کہ لَا تَسْئَلِ النَّاسَ شَیْئًا۔ یعنے لوگوں سے کچھ نہ مانگنا میں نے کہا بہت اچھا؛ آپ نے فرمایا وَلَا سَوْطَکَ اِنْ سَقَطَ مِنْکَ حَتّٰی تَنْزِلَ اِلَیْہِ فَتَاْخُذَہٗ اگر تیرا کوڑا گر پڑے تجھ سے تو وہ بھی کسی سے نہ مانگ یہاں تک کہ تو خود اتر کے آپ اٹھالے۔ (مشکوٰۃ ص۱۶۳)

نواب قطب الدین صاحبؒ مظاہر حق میں ص۱۶۳ لکھا کہ کمال مبالغہ ہے ترک سوال میں کہ واقع میں یہ مانگنا نہیں ہے اس لیئے کہ اپنی گری ہوئی چیز مانگنا ہے لیکن از بس کہ

کہ نام بلکنے کا آیا مبالغۃً اس کو بھی منع فرمایا۔

ابن تیمیہ نے الفتاوے الکبرے صٓ٣ میں لکھا ہے کہ وفی المسندان ابا بکر رضی اللہ عنہ کان یسقط السوط من یدہ فلا یقول لاحد ناولنی ایاہ ویقول ان خلیلی امرنی ان لا اسأل الناس شیئًا یعنی امام اعظم خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کوڑا اگر پڑتا تھا تو ہم میں سے کسی کو نہ کہتے کہ یہ کوڑا مجھے پکڑاؤ کیونکہ میرے خلیل صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ کسی سے کچھ نہ مانگا کرو۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے وانہ علیہ صلے اللہ علیہ وسلم خواص اصحابہ ان لا یسألوا الناس شیئًا۔

یعنے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخصوص صحابہ کو بیعت فرمائی کہ کسی سے کچھ نہ مانگنا۔

اسی میں ہے وفی صحیح مسلم وغیرہ عن عوف بن مالک ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم بایعہ فی طائفۃ واسر الیہم کلمۃ خفیفۃ ان لا تسألوا الناس شیئًا فکان بعض اولئک النفر یسقط السوط من ید احدہم ولا یقول لاحد ناولنی ایاہ۔

یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ سے بیعت کرکے چپکے سے فرمایا کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگا کرو۔ پھر اس کا دستور بن گیا کہ کوڑا بھی کسی کے ہاتھ سے گر پڑتا تو کسی سے نہ کہتے کہ پکڑا دو۔

طبقات ابن سعد صٓ١٢١ میں ہے عن عبداللہ بن خلیفۃ قال ان شسع عمر رضی اللہ عنہ انقطع فاسترجع یعنے حضرت خلیفہ دوم امام عمر رضی اللہ عنہ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کسی کو یوں نہیں فرمایا کہ لاؤ میرا جوتے کا تسمہ گانٹھ دو یا گنٹھوا دو)

لمعات سے صٓ١٩٢ مشکوٰۃ میں نقل ہے کہ ابو علی دقاقؒ نے فرمایا کہ معرفت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ حاجتیں مرادیں کم ہوں یا زیادہ اللہ تعالے کے سوا نہ مانگے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب رؤیت باری تعالے (دیدار الٰہی)

کا شوق ہوا تو رب ہی کو پکارا اور عرض کی۔ رَبِّ أَرِنِيْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ (اے رب اپنا دیدار کرا دے) کہ میں آپکی ذات پاک دیکھ لوں۔ اور جب بھوک لگی تب بھی رب ہی کو پکار کر کہا کہ

رَبِّ إِنِّيْ لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۞

اے میرے رب بیشک میں اس بھلائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف اتاری ہے

قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر دنیا کی چیزوں میں سے کسی چیز کا احتیاج پہنچے تو اس کا عرض اللہ پاک سے کرے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نمک اور تسمہ جوتی کا بھی اسی سے مانگا کرو۔ (فتح و فوائد صفحہ پارہ ۲۰)

بہر حال یہ خبر واحد مقابل اصول اسلامیہ شرعیہ کے بالکل مردود اور نا قابل قبول ہے جیسا کہ توضیح تلویح میں ہے "یُرَدُّ خبر الواحد فی معارضۃ الکتاب لان الکتاب مقدم لکونہ قطعیًا متواتر النظم لا شبہۃ فی سندہ۔"

یعنے قرآن پاک کے مقابلہ خبر واحد مردود ہوتی ہے کیونکہ قرآن پاک مقدم ہے کیونکہ قطعی ہے جس کی نظم تواتر کو پہنچی ہے جس کی سند میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں۔

مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۳ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے خدا کے امر و نہی کو نگاہ رکھ اور اس کی رضا کا طالب رہ اللہ تعالے تجھے نگاہ رکھیگا (دنیا میں آفات و مکروہات سے اور آخرت میں عذاب سے) اور اللہ تعالے کے حق کو نگاہ رکھ یعنی ہمیشہ یاد رکھ۔ یعنی اس کی قدرتوں میں خوب فکر کر۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر بجا لا۔ اللہ کی رحمت کو اپنے سامنے پاویگا اور جب تو سوال کرنا چاہے تو صرف اللہ ہی سے سوال کر۔ اور جب تو دنیا و آخرت کے امور میں مدد مانگنا چاہے تو صرف اللہ ہی سے مدد مانگ اور یہ یقین جان کر سب خلق یعنے خاص و عام اور انبیاء اور اولیاء اور تمام امام اگر جمع ہوں یعنے متفق ہوں بالفرض والتقدیر اس بات پر کہ تجھ کو کسی چیز کے ساتھ نفع پہنچائیں (تیرے دین و دنیا کے امور میں) تو تجھ کو نفع نہیں پہنچا سکینگے مگر صرف اسیقدر جو اللہ نے تیرے لیے مقدر فرما رکھا اور اگر سب آدمی تجھے کسی چیز کے ساتھ ضرر پہنچانے پر جمع اور متفق ہو جائیں یعنی تیرے امر دین یا دنیا میں

تو وہ آدمی تجھے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر صرف اسی قدر جو اللہ نے تیرے لیے مقدر فرما رکھا ہے۔ اٹھائے گئے قلم اور خشک ہو گئے صحیفے۔

مظاہر حق ضمیمہ ۱ میں ہے کہ اللہ تعالٰی کی کتابوں میں آیا ہے کہ فرمایا اللہ تعالٰی نے قسم ہے اپنے عزت و جلال کی کہ البتہ انقطاع کرتا ہوں میں اس شخص سے کہ امید رکھتا ہے غیر میرے سے۔ اور پہناتا ہوں میں اس کو کپڑا ذلت کا نزدیک لوگوں کے یعنی ذلیل کرتا ہوں ان کے سامنے۔ اور محروم کرتا ہوں میں اس کو اپنے قرب اور البتہ دور کرتا ہوں اس کو اپنے وصل سے۔ پس البتہ دور کرتا ہوں میں اس کو متفکر حیران آیا امید رکھتا ہے غیر میرے سے شدائد میں اور حالانکہ شدائد میرے ہاتھ میں ہیں اور میں الحی القیوم ہوں۔ اور کھٹکھٹاتا ہے فکر میں دروازے غیر میرے کے اور حالانکہ میرے ہاتھ میں کنجیاں دروازوں کی ہیں اور وہ بند ہیں۔ اور دروازہ میرا کھلا ہوا ہے اس کے لیے کہ دعا کرے مجھ سے۔ انتہٰی۔

حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الغیب میں فرمایا کہ لائق ہے ہر مومن کو کہ کرے اس حدیث کو آئینہ اپنے دل کا۔ پس عمل کرے اس پر تمام حرکات و سکنات اپنے میں تاکہ سالم رہے دنیا اور آخرت میں اور پاوے دونوں جہانوں میں عزت بسبب رحمت اللہ تعالٰی کے۔

دفن سے واپسی

جب دفن سے فارغ ہو کر واپس جاتے ہیں تو بعض جگہوں میں دستور ہے کہ چالیس قدم پر جا کر یا قبرستان سے نکل کر بعض لوگوں کو بڑے اہتمام سے کہتے ہیں کہ ٹھہر جاؤ اب پھر اکٹھے ہو کر تمام قبر والوں کے لیے دعا کر لیں یہ اہتمام بھی شرع شریف میں کہیں ثابت نہیں۔

سوال: دفن کے بعد جب قبرستان سے واپس ہوتے ہیں تو راستہ میں ایک شخص پان کا ایک خوانچہ لیے کھڑا رہتا ہے وہ سب کو پان تقسیم کرتا ہے اور گلاب چھڑکتا چھڑکتا ہے جیسے شادی میں کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔

جواب :۔ اگر یہ پان اہلِ میت کی طرف سے تقسیم کیے جاتے ہیں تو اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اہلِ میت سے کسی قسم کی دعوت لینا مکروہ ہے اور وہ بدعت ہے، اور یہ پان تقسیم کرنا بھی ایک قسم کی دعوت ہے جو اس کے ذمے لازم کر دی گئی ہے یا اس نے خود لازم کر لی ہے۔ اسی طرح گلاب چھڑکنا بے اصل اور بدعت ہے کیونکہ اس موقع پر حاضرین پر گلاب چھڑکنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ اپنی ناموری اور ریاء مقصود ہو اس سے میت کو ثواب پہنچانا بھی تو مقصود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ کوئی عبادت اور قربت کا کام نہیں ہے نہ صدقہ ہے لہٰذا یہ فعل واجب الترک ہے۔
(دلیل الخیرات صلا)

تعزیت

مسئلہ :۔ تعزیت صرف ایک دفعہ کر سکتے ہیں دوبارہ مناسب نہیں کذا فی المضمرات (عالمگیری ص)

مسئلہ :۔ دفن کرنے کے بعد تین روز تک تعزیت کا وقت ہے اس کے بعد تعزیت مکروہ ہے ہاں تعزیت کرنے والا یا جس کی تعزیت کی جائے وہ غائب ہو تو تین روز کے بعد بھی اس تعزیت جائز ہے اور اگر اہلِ میت میں گھبراہٹ شدید ہو تو دفن سے پہلے بھی تعزیت جائز ہے۔ (عالمگیری ص)

مسئلہ : میت کے تمام چھوٹے بڑے مرد و زن اقارب کو تعزیت کرے ہاں جوان عورت کو صرف اس کے محرم ہی تعزیت کر سکتے ہیں (عالمگیری ص)

مسئلہ :۔ تعزیت کے الفاظ یہ ہیں

إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ أَجَلٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى غَفَرَ اللّٰهُ لِمَيِّتِكَ وَتَجَاوَزَ عَنْهُ وَتَغَمَّدَهُ بِرَحْمَتِهِ وَرَزَقَكَ عَلٰى مُصِيبَتِهِ وَأَجَرَكَ عَلٰى مُصِيبَتِهِ۔ یعنے اللہ تعالیٰ کا تھا جو اس نے لے لیا اور اللہ تعالیٰ کا ہی تھا جو اس نے دیا۔ اور ہر چیز کا اس کے ہاں وقت مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ تیرے میت کو بخشے اور اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے اور اس کو اپنی رحمت میں چھپا لے اور تجھے اس مصیبت پر صبر دے

صبر عطا فرمائے اور اس کی موت پر تجھے اجر عطا فرمائے (عالمگیری ص۱۶۷ ج۱ و رحمۃ الامۃ ص)
ہے۔

عالمگیری ص۱۶۷ ج۱ میں بحوالہ معراج الدرایہ لکھا کہ مصیبت کے وقت تین دن گھر بیٹھنے کی رخصت تو ہے مگر اس کا ترک کر دینا احسن ہے۔

اسی صفحہ میں ہے بلند آواز سے نوحہ کرنا ناجائز ہے۔ دل ہی دل میں رقت قلب کے ساتھ رونے میں مضائقہ نہیں۔ اور مردوں کو سیاہ لباس پہننا اور تعزیت کے لیے کپڑے پھاڑنا مکروہ تحریمی ہے۔

اسی صفحہ میں ہے رخساروں کو سیاہ کرنا اور ہاتھ کالے کرنا اور گریبان پھاڑنا اور چہرہ نوچنا اور بال پھیلانا اور سر پر مٹی ڈالنا اور ران اور سینہ پیٹنا اور قبروں پر آگ جلانا یہ سب جاہلیت کی رسومات میں ہیں اور باطل اور دھوکہ ہیں۔ کذا فی المضمرات۔

اور مشکوٰۃ ص۱۵۵ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی رسم دیکھ کر فرمایا

أبفعل الجاهلية تأخذون او بصنيع الجاهلية تشبهون لقد هممت ان ادعو عليكم دعوة ترجعون في غير صوركم۔

یعنی کیا جاہلیت کے فعل پر عمل کرتے ہو یا جاہلیت کے کام کے ساتھ مشابہت کرتے ہو؟ میں نے تو یہ دیکھ کر قصد کر لیا ہے کہ میں تم پر ایسی بد دعا کروں کہ تم اپنے گھروں کی طرف اپنی انسانی صورتوں کے سوا اور دوسری صورتوں میں یعنی سور یا بندر وغیرہ ہو کر جاؤ۔

اس مقام پر طیبی نے شرح میں لکھا ہے کہ جب ادنیٰ تغیر پر یہ وعید شدید وارد ہوئی تو کیا حال ہوگا اکثر رسمیں بُری برتنے پر (مظاہر حق)

تعزیت کے موقع پر ہاتھ اُٹھانا

یہ رواج عام ہو چکا ہے کہ تعزیت کے موقع پر جب چھوڑی پر لوگ بیٹھے ہوتے ہیں دنیوی باتیں کرتے ہیں حقہ بھی چلتے ہیں اور اگر دیر سے کوئی آتا ہے اور بیٹھ کر کہتا ہے فاتحہ پڑھو جی یا دعا خیر کہو جی۔ تو سب اہل مجلس تھوڑی دیر ہاتھ اٹھا کر منہ پر پھیر دیتے ہیں اور

بعض کا ایک ہاتھ حقّہ کی نڑی پر ہوتا ہے اور دوسرا ہاتھ اٹھا کر جب دوسرے مُنہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں یہ بھی اشارہ کر دیتا ہے اور اگر کوئی آدمی ہاتھ اس وقت نہ اُٹھائے تو اُسے مطعون کرتے ہیں یا آنے والا آ کر صرف مسنون الفاظ تعزیت کے کہے اور مجلس والوں کو یہ الفاظ "فاتحہ پڑھو جی" "یا دعائے خیر کرو جی" نہ کہے اور نہ ہاتھ اُٹھائے تو اس کو طعنے دیتے ہیں یہ سب رسم اس طریقہ سے بدعت بن جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس وقت پہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے چنانچہ صحیح مسلم صفحہ ۳ میں مذکور ہے۔ مگر یہ نہ سوچا کہ یہ اور بات ہے اور ہماری بحث اور ہے۔

حدیث کی بات اس طرح ہے کہ حضرت ابو عامر رضے اللہ عنہ نے مرتے وقت حضرت ابو موسےٰ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ جا کر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام عرض کرنا اور یہ کہنا کہ ابو عامرؓ درخواست کر رہا تھا کہ آپ میرے حق میں خدا سے بخشش مانگیں چنانچہ ابو موسےٰ رضی اللہ عنہ نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کا پیغام آ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا دیا تب آپ نے پانی منگوا کر تازہ وضو فرمایا پھر ہاتھ اُٹھا کر دعا کی۔ پھر میں نے اپنے لیے دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے میرے حق میں بھی دُعا فرمائی۔

تو یہ صورت اجتماعی تعزیت کی نہ تھی۔ بلکہ ابو عامرؓ کی موت کی خبر تھی اور ان کا پیغام پہنچانا تھا آپ نے وہ دُعا کی تھی۔ یہاں اجتماع اس غرض کے لیے کرتے ہیں جو سنت یا استحباب کے زُمرہ میں قطعًا داخل نہیں ہو سکتا۔

نیز یہ واقعہ حال ہے آپ کا معمول نہ تھا۔ اور ہمارے زمانہ کا مروّج طریقہ نہ عہدِ نبوی میں تھا نہ خیر القرون کے عہد میں تھا بعد میں رائج ہوا۔ بغیر اس رسمی صورت کے یونہی ہاتھ اُٹھا کر میّت کے لیے علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے گھر میں دُعا مانگنے سے کوئی نہیں روکتا

لوگوں کا اہل میّت کے مکان پر جمع ہونا اور اہل میّت کا انہیں پان، چائے، سگرٹ مٹھائی تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا یہ باتیں مکروہ ہیں اگرچہ تعزیت کے لیے تین دن تک لوگوں کو جانا جائز ہے اور اتفاقی طور پر وہاں دو چار آدمی جمع ہو جائیں تو مضائقہ نہیں۔ لیکن قصدًا جمع ہونا اور اجتماع کی شکل قصدًا پیدا کرنا مکروہ ہے اور میّت کا لوگوں کو کچھ کھلانا

یا کچھ تقسیم کرنا، سب مکروہ ہے۔

رد المحتار ج ۱ میں ہے اہل میت کو گھر میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ آئیں اور تعزیت کریں یہ مکروہ ہے بلکہ جب دفن سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو چاہیے کہ سب متفرق ہو جائیں لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور اہل میت اپنے کام میں۔

امداد میں ہے کہ ہمارے ائمہ حنفیہ میں بہت سے متاخرین نے فرمایا ہے کہ اہل میت کے مکان پر لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے اور گھر کے دروازہ پر اور قبر کے پاس بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔

گھر کے باہر چٹائی بچھانا

میت کے پس ماندگان کی تعزیت (تسلی دینا اور صبر کی تلقین کرنا) شرعی دستور کے مطابق سنت ہے جس کی حد تین دن ہے مگر گلی کوچوں اور گھروں کے سامنے بیٹھنا چٹائیاں، دریاں بچھا کر بیٹھنا وغیرہ امور ممنوع ہیں۔

امام زیلعی نے تبیین الحقائق ص ۲۴۶ ج ۱ میں کہا ولا باس بالجلوس لہا الی ثلثۃ ایام من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والاطعمۃ من اہل المیت لانہا تتخذ عند السرور۔ یعنی تعزیت کے لیے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس کے لیے خاص اہتمام سے چٹائی اور دری نہ بچھائی جائے کیونکہ یہ امر ممنوع ہے اور نہ میت کے اہل سے کھانا تناول کیا جائے کیونکہ یہ باتیں خوشی کے وقت کی ہیں نہ غمی کی۔

عالمگیریہ ص ۱۶۷ ج ۱ میں ولا باس لاہل المصیبۃ ان یجلسوا فی البیت او المسجد ثلثۃ ایام والناس یاتونہم ویعزونہم ویکرہ الجلوس علی باب الدار وما یفعل فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطریق من اقبح القبائح اھ

یعنی مصیبت والوں کے لیے مسجد یا گھر میں تین دن تک لوگوں کی تعزیت کے لیے بیٹھنا کوئی حرج نہیں کہ لوگ آئیں اور تعزیت کرکے چلے جائیں اور گھر کے دروازہ

پر بیٹھنا مکروہ ہے اور ملک عجم کے شہروں میں جو چٹائیاں دریاں بچھاتے ہیں اور راستوں کے بیچ میں بیٹھ جاتے ہیں یہ قبیح ترین امر ہے۔

شرح سفر السعادت ص۲۷۲ میں ہے: "نشستن بر در یا بر راہ برائے عزا مکروہ است اشد کراہت از جہت بودن آں عمل جاہلیت ..... تعزیت بایں کیفیت کہ الآن متعارف است و در ایام متعددہ کنند نبود۔

یعنی تعزیت کے لیے دروازہ یا راستہ میں بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ جاہلیت کے عہد کا کام ہے ...... اس طرح کی تعزیت جو آج کل متعارف ہے اور گنتی کے دنوں میں کرتے ہیں نہ ہووے۔

جب یہ امور ناجائز ہوئے تو وہاں بیٹھ کر دنیاوی باتیں کرنا گپیں ہانکنا، حقے پینا، چارپائیاں الٹی بچھانا، ایک ہاتھ حقے کی نڑی پر رکھنا اور دوسرا ہاتھ دعا کے لیے اٹھانا یہ کس قدر قبیح منظر ہے۔

میت کے گھر کا کھانا

مشکوٰۃ ص۱۵۱ میں ہے کہ جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ (اے گھر والو) جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کے پاس وہ چیز آئی ہے جو ان کو کھانا پکانے سے مانع ہے۔ اس کے فائدہ میں مظاہر حق ص۲۳ میں لکھا کہ اس حدیث میں دلیل ہے اس پر کہ مستحب ہے قرابتیوں اور ہمسایوں کو کھانا پکا کر بھیجنا اہل میت کے لیے اور کھانا اس قدر ہو کہ وہ پیٹ بھر کر کھا دیں۔ ایک رات دن۔ اور بعضوں نے کہا کہ حلال ہے تین دن تک کہ ایام تعزیت ہیں۔ اور اختلاف کیا ہے۔ علماء نے بیچ کھانے غیر اہل میت کے اس کھانے کو۔ اور ابو القاسم نے کہا کہ مضائقہ نہیں اس شخص کے لیے جو مشغول ہو میت کے لیے تجہیز و تکفین میں۔ پھر جب اہل میت کے لیے کھانا پکایا جائے تو سنت ہے کہ ان کو بہت سمجھا کر کھانے کے لیے تاکہ ان کو بسبب زیادتی غم کے حیاء کھانا نہ کھانے کے سبب ضعف نہ ہو جائیں۔

اور یہ کھانا نوحہ کرنے والیوں کو بھیجنا سخت حرام ہے اس لیے کہ مدد کرنی ہوتی ہے گناہ پر۔

اور میت کے گھر والوں کو کھانا تیار کرنا لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے بدعت اور مکروہ ہے۔ بلکہ ابن ماجہ ص۱۱۶ میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل ہے کنا نری الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ یعنے ہم (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) میت کے گھر جمع ہونے کو اور میت کے گھر جمع ہونا اور وہاں کھانا کھانا نوحہ جیسا جرم عظیم ہے جس پر صحابہؓ کا اجماع ہے اور کبیری ص۶۰۹ میں ہے کہ یہ سند صحیح ہے فتح القدیر ص۴۷۳ میں بھی یہی ہے ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا صحیح علی شرط البخاری ہے۔ اور دوسری سند کے متعلق کہا صحیح علی شرط المسلم ہے۔

فتح القدیر ص۴۷۳ میں ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ۔
یعنے میت کے گھر کھانا تیار کرنا مکروہ ہے کیونکہ کھانا کھلانا تو خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بہت ہی قبیح بدعت ہے۔

عالمگیری ص۱۱۱ میں ہے ولا یباح اتخاذ الطعام عند ثلثۃ ایام کذا فی التتارخانیہ
یعنے تین دن میت کے گھر کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔

قاضی خاں ص میں ہے۔ ویکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام واکلہا لانہا مشروعۃ للسرور (پہلا ترجمہ)

فتاویٰ بزازیہ قاضی خاں ص میں ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لانہا ایام تاسف فلا یلیق بہا ما کان للسرور۔ یعنے مصیبت کے دنوں میں مہمانی کرنا مکروہ ہے کیونکہ جو کام خوشی کے وقت ہو وہ غمی کے مناسب نہیں۔

جامع الرموز ص۱۴۴ میں ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ہذہ الایام (کذا کتبا (ترجمہ وہی)
خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۳۶ میں ہے ولا یباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلثۃ ایام لان الضیافۃ

تحفۃ فی السرور (د)

مغنی ص۴۱۳ ج۲ میں ابن قدامہ حنبلی نے کہا: اما صنع اہل المیت طعاماً للناس فمکروہ لان فیہ زیادۃ علٰی مصیبتہم وشغلاً لہم الی شغلہم وتشبیہا بصنع اہل الجاھلیۃ۔

یعنی اہل میت جو لوگوں کے لیے کھانا تیار کرتے ہیں وہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل میت کو مزید تکلیف اور شغل میں مبتلا کرنا ہے نیز اس کی مشرکین اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔

ابن امیر الحاج مالکی رحمہ اللہ نے مدخل ص۲۷۵ ج۳ میں کہا۔ اما اصلاح اہل المیت طعاماً وجمع الناس فلم ینقل فیہ شیئ وھو بدعۃ غیر مستحب۔

یعنی اہل میت کا کھانا تیار کرنا اور لوگوں کو جمع کرنا اس میں کچھ نقل نہیں بلکہ ناپسند بدعت ہے۔

منتقی الاخبار ص۱۱۲ میں ہے وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ۔

دفن کے بعد کھانا تیار کرنا از قسم نوحہ ہے۔

تسلیۃ المصاب ص۹۹ میں علامہ محمد بن محمد منبجی حنبلی نے بھی تقریباً اسی طرح لکھا ہے

شرح مقنع للکبیر ص۴۲۶ ج۲ میں امام شمس الدین بن قدامہ حنبلی نے بھی اسی طرح کہا ہے

ایک سوال کا جواب

مشکوٰۃ ص۵۴۴ میں ہے نبی پاک صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایک میت کو دفن کرکے فارغ ہوئے تو میت کی بیوی کا ایک حضرت کو کھانے کی دعوت دینے آیا۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقاۃ ص۲۲۳ میں لکھا ہے کہ بظاہر اس حدیث میں رد ہے۔ قول فقہاء کا جو پہلے تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد میت کے گھر سے کھانا ناجائز کہتے ہیں ورنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہرگز نہ کھاتے (انوار ساطعہ ص۱۰۹)

سو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد ص۱۱۷ ج۲ سے نقل فرمائی ہے جب ابوداؤد دیکھا تو اس میں "داعی امرأتہ" کے لفظ ہیں

"داعی امرأتہ" نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اصل لفظ مندرجہ کتب میں داعی امرأۃ ہے ابو داؤد ص۱۱۴ ج۲ ومشکل الآثار ص۱۳۲ ج۴ والمعتصر ص۱۱۹ ج۱ وشرح معانی الآثار ص۲۶ ج۲ ودار قطنی ص۵۴۵ ومسند احمد ص۲۹۳ ج۵ والسنن الکبریٰ ص۹۰ ج۶ وعقود الجواہر المنیفہ ص۶۲ ج۲ وخصائص الکبریٰ ص۱۳ ج۲ ومستدرک حاکم ص۳۳ ج۲ ومحلی ابن حزم ص۴۱۵ ج۶ وعون المعبود ص۲۴۹ ج۳ وبذل المجہود ص۲۳۹ ج۴ وغیرہ کتب میں موجود ہے اور ملا علی قاری کے ہاتھ جو نسخہ لگا وہ وہی غلط نسخہ تھا۔

اسی طرح علامہ حلبی کو بھی وہی غلط نسخہ ہاتھ لگا اس لیئے کبیری ص۲۰۹ وصغیری ص۳۰۳ میں اس روایت کی تاویلیں کرتے رہے۔

مگر اس کے بعد ملا علی قاری صاحبؒ کو اصل حقیقت کی آگاہی ہوئی تو اپنی آخری تصنیف شرح نقایہ ص۱۴۲ میں صاف لکھ دیا کہ میت کے گھر سے کھانا کھانا مکروہ اور بدعت مستقبحہ ہے۔

سوال:- نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام فوت ہوگئے تو حضرت ابو ذرؓ نے تیسرے روز کھجوریں، دودھ اور جو کی روٹی نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی اور آپ نے ان پر سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھ کر دعا فرمائی اور حضرت ابوذرؓ سے فرمایا یہ لوگوں میں تقسیم کردو اور فرمایا ان اشیاء کا ثواب میرے لخت جگر ابراہیم کو پہنچے۔

۱ اس روایت سے ایک تو تیجہ کا ثبوت ہوا اور دوسرا کھانا سامنے رکھ کر اس پر ختم پڑھنے کا ثبوت ہوا یہ روایت اوزجندی مصنفہ ملا علی قاری میں ہے۔

جواب:- مولوی عبدالحی صاحبؒ نے مجموعۃ الفتاوی ص۴۲ ج۲ میں لکھا ہے نہ کتاب اوزجندی تصنیف ملا علی قاری ست ونہ روایت مذکور صحیح ومعتبر است بلکہ موضوع است وباطل برآں اعتماد نشاید در کتب حدیث نشانے ازیں روایت یافتہ نمی شود یعنی اوزجندی کتاب یعنی اوزجندی کتاب نہ ملا علی قاری کی تصنیف ہے اور نہ یہ روایت صحیح اور معتبر ہے بلکہ موضوع ہے اور باطل۔ اس پر اعتماد نہ کرنی چاہیئے حدیث کی کتب میں ایسی روایت

کا کچھ نشان نہیں پایا جاتا۔

مولوی محمد صدر الدین نے کہا ہے یہ حدیث وضعی ہے اور بنانے والا اس کا کاذب اور مفتری ہے اور آفذ جندی کوئی کتاب ملا علی قاریؒ کی تصنیف سے نہیں ہے انتہی، محمد صلاح الدین صدر صدور دہلی، محمد قطب الدین، محمد بشیر و نذیر، سید محبوب علی جعفری دہلی، فقیر خواجہ ضیاء الدین احمد دہلوی حفیظ اللہ دہلوی، نوازش علی دہلوی، رحمت اللہ دہلوی، محمد عبد الرب دہلوی محمد تقی خاں دہلوی انتہی علاوہ بیسؒ اور علماء کی مواہیر ہیں (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۰۱)

الجواب صحیح، اور اس کا واضع ملعون ہے کہ فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہمت کرتا ہے فقط۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

تیجا، ساتواں، چالیسواں، سالانہ وغیرہ

علامہ حسام الدین علی متقی حنفیؒ نے فرمایا۔ ان ھذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصًا لیس فیہ فرضیۃٌ ولا فیہ وجوبٌ ولا فیہ سنۃٌ ولا فیہ استحبابٌ ولا فیہ منفعۃٌ ولا فیہ مصلحۃٌ فی الدین بل فیہ طعنٌ و مذمۃٌ و ملامۃٌ علی السلف حیث لم یتنبہوا بل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث ترک حقوق المیت بل علی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ حیث لم یکمل الشریعۃ وقد قال اللہ تعالیٰ: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ الآیۃ (تفہیم المسائل صفحہ ۱۴۵) فیکون حرامًا لتضمنہ ہذہ القبائح وغیرہا کما سیاتی۔

یعنی خصوصیت کے ساتھ تیسرے روز کا اجتماع نہ تو فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب، نہ اس میں دینی فائدہ نہ مصلحت، بلکہ اس میں طعن، مذمت اور ملامت ہے سلف پر، کہ انہوں نے بتایا نہیں بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن ہے کہ آپ نے میت کے حقوق بتانے چھوڑ دیئے بلکہ خدا پاک پر طعن ہے کہ شریعت مکمل نہیں کی اور ہماری بدعات کی محتاج ہے حالانکہ خدا کا فرمان ہے الیوم اکملت لکم دینکم یعنی آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے لہٰذا یہ خصوصی اجتماع کئی قبائح کو متضمن ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

امام نووی نے شرح المنہاج ص۲۲۳ میں لکھا۔ والطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ (انوار ساطعہ ص۲۴۰)

مخصوص دنوں میں کھانا کھلانا مثلاً تیجہ، پانچواں، ساتواں، نواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور سالیانہ یہ سب بدعۃ ممنوعہ ہیں۔

مرقاۃ ص۴۸۲ ج۵ میں ہے قرر اصحاب مذہبنا من انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع۔

ہمارے حنفی فقہاء نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ میت کے پہلے اور تیسرے روز اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ (تحریمی ہے)

فتاوٰے کبریٰ ص۷ میں ہے کہ ابن حجر مکیؒ سے سوال ہوا کہ دفن میت کے بعد تیسرے روز فقیروں وغیرہم کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اور ساتویں روز بھی تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے اس کا جواب دیا کہ جمیع ما یفعل مما ذکر فی السوال من البدع المذمومۃ

سوال میں مذکور سب چیزیں مذموم بدعت ہیں۔

ابن امیر الحاج مالکیؒ نے مدخل ص۲۷۵ میں کہا مما احدثہ بعضہم من فعل التثلیث للمیت وعملہم الاطعمۃ فیہ حتی صار عندہم کانہ امر معمول بہ۔

یعنی بعض نے تیجہ پر طعام تیار کرنے کی بدعت نکالی ہے اور ان کی معمول بہ بن گئی

فتاوٰے بزازیہ ص۸۱ میں ہے یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الی القبر فی المواسم۔

یعنی پہلے، تیسرے، ساتویں دن عیدوں کے موقع پر اور موسم موسم قبر کی طرف طعام لے جانا یہ سب باتیں مکروہ ہیں۔

مدارج النبوۃ ص۴۲۱ میں ہے و عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ بر غیر آں و ایں مجموع بدعت است نعم برائے تعزیۃ اہل میت و تسلیۂ و صبر فرمودن ایشان را سنت و مستحب است اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامٰے بدعت و حرام۔

یعنی خاص تیسرے روز کا اجتماع اور دوسرے تکلفات کرنے اور بغیر وصیت کے

یتیموں کے حق سے مال خرچ کرنا بدعت ہے، اور حرام۔ اسیطرح شرح سفر السعادۃ صفحہ ۲۹۲
واشعۃ اللمعات صفحہ ۳۵۲ میں بھی ہے۔

جامع البرکات میں ہے "وآنکہ بعد سالے یا ششماہی یا چہل روز دریں دیار پزند
ودرمیان برادراں بخشش کنند وآں را بھاجی می گویند چیزے داخل اعتبار نیست
بہتر آن است کہ نخورند۔ (مجموعہ فتاوے صفحہ ۲۴۳)

یعنے اس ملک میں سال یا چھ ماہ یا ۴۰ روز کے بعد کھانا پکا کر برادری کو دیتے ہیں
جسے بھاجی کہتے ہیں اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کھانا نہ کھائیں۔

کشف الغطاء میں شیخ الاسلام نے لکھا ہے "آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت
طعام را در سوم وقسمت نمودن آن میان اہل تعزیت واقران غیر مباح نامشروع است
وتصریح کردہ بدان در خزانہ۔ چہ شریعت دعوت نزد سرور است نہ نزد شرور۔

یعنے یہ جو تیسرے روز رواج ہے کہ مصیبت والے کھانا پکا کر تعزیت کرنے والوں اور
دوسرے ہم عصروں میں تقسیم کرتے ہیں یہ ناجائز ہے خزانۃ الروایات میں اس کی تصریح ہے
کیونکہ دعوت کرنا خوشی میں جائز ہے نہ غمی میں۔

مجموعۃ الفتاوے صفحہ ۲۴۳ میں ہے۔ مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص واورا ضروری
انگاشتن در شریعت محمدی ثابت نیست۔ صاحب نصاب الاحتساب آن را مکروہ نوشتہ
وراہ تخصیص بگذارند وہر روز یکہ خواہد ثواب بروح میت رسانند۔

یعنے خصوصیت کے ساتھ تیجا وغیرہ کا روز مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت
میں ثابت نہیں ہے نصاب الاحتساب والے نے اس کو مکروہ لکھا ہے اور تخصیص کی راہ
چھوڑ کر جس روز بھی میت کی روح کو ثواب پہنچانا چاہیں پہنچا دیجئے۔

تحفہ نصائح صفحہ ۴۳ میں ہے سہ بیدان زیارت سنت است لیکن زیارت قبور روز و شب
معہود سیوم ہفتے دان بدعتے لیکن حذر رہو۔

زیارت قبور سنت تو ہے لیکن زیارت کا وقت مقرر نہیں دن ہو یا رات، خاص
تیسرے، ساتویں کو بدعت سمجھ کر اس سے ہمیشہ پرہیز کرے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے تفہیمات الٰہیہ ص۲۹۴ وصیت نامہ ص۱۲ میں کہا

دیگر از عادات شنیعہ مامردم اسراف است در ماتمہا و سیوم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالیانہ واین ہمہ را درعرب اول وجود نبود مصلحت آن ست کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز و اطعام شاں یک شب و روز رسمے نباشد۔

یعنے ہم لوگوں کی بُری عادت میں سے ہے ماتم کے موقع پر فضول خرچی کرنا اور تیجا چالیسواں، چھ ماہی، سالانہ فاتحہ۔ جن کا کچھ وجود پہلے عرب میں نہ تھا۔ بھلائی اس میں ہے کہ تین روز تک میت کے وارثوں کی تعزیت، اور ایک رات دن ان کو کھانا کھلانے کے بغیر کوئی رسم نہ ہووے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے وصیت نامہ ملحقہ بہ مالا بدمنہ ص۱۶۰ میں فرمایا۔

بعد مُردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نکنند

یعنے میرے مرنے کے بعد دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھ ماہی برسی جیسی دنیوی رسمیں کچھ نہ کی جائیں۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے مکتوبات کے مکتوب۱۱ میں سوال ششم کے جواب میں لکھا

مخدوما طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم و ریا و ثواب آن بمیت گذرانیدن بسیار خوب ست و عبادت بزرگ۔ اما تعیین وقت اصل معتمد علیہ ظاہر نمی شود۔ و در روز سوم گل دادن بمردگان بدعت است۔

یعنے بغیر رسم اور ریا کے محض للہ کھانا کھلانا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا بہت خوب اور بڑی عبادت ہے لیکن تعیین وقت کی کوئی معتمد علیہ دلیل ظاہر نہیں ہوتا۔ اور تیسرے روز مُردوں کی قبروں پر پھول ڈالنا بدعت ہے۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت اپنے ملفوظات الدر المنظوم ص۸۳ میں فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں سیوم کے روز میت کی زیارت کے واسطے شربت اور برگ اور میوہ لے جاتے ہیں اور کھاتے ہیں۔۔۔ اور صندوق لے جاتے ہیں اور سیپارہ خوانی کرتے ہیں یہ مکروہ ہے

سوال:۔ ہدیۃ الحرمین میں ہے کہ حضرت نے اپنے بیٹے ابراہیم کے سیوم و دسواں و بیسواں و چہلم وغیرہ میں چھوہارے پر فاتحہ دیا اور اصحابوں کو کھلایا۔

جواب:۔ یہ قصہ جو ہدیۃ الحرمین لکھا ہے محض غلط ہے۔ کتب معتبرہ میں اس کا نشان نہیں ہے۔

واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو محمد عبدالغنی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

(فتاوٰے رشیدیہ ص۱۵۹)

مسئلہ اسقاط

جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اُس کے ذمہ جتنے روزے اور نمازیں وغیرہ ہوتی ہیں اس کے لیے ساڑھے باون سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف رکھتے ہیں اور مؤذن یا مُلا کو بُلا کر اُسے کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کے ذمہ جس قدر روزے نمازیں باقی ہیں ان کے عوض میں تمہیں یہ گیہوں اور قرآن مجید دیا جاتا ہے تم نے قبول کیا۔ وہ کہتا ہے ہاں قبول کیا۔ پھر وہ مُلا گیہوں اور قرآن شریف لے جاتا ہے۔ اس طریقے کو لوگ حیلہ کہتے ہیں (یا اسقاط یا حیلہ مستقاط کہتے ہیں)۔

یہ رسم تھوڑے تھوڑے اختلاف اور تفاوت کے ساتھ ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی رائج ہے اور اسے اسقاط کہتے ہیں۔ اس کی اصل یہ ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ فرائض اسلامیہ کی قضا باقی ہو جس میں نماز، روزے، کفارہ قسم قربانی وغیرہا داخل ہیں تو ان فرائض و واجبات کا فدیہ اس کی طرف سے ادا کرنے سے امید ہے کہ اس کا ذمہ بری ہو جائے پھر اگر میت نے وصیت کر دی ہو کہ میری تمام نمازوں روزوں کا فدیہ وغیرہ دیدیا جائے۔ جب تو وارث کو لازم ہے کہ جس قدر نمازیں اور روزے وغیرہ میت نے بتائے ہیں یا وارث کو معلوم ہیں اُن کا پورا فدیہ دے۔ اور ثلث مال تک اس میں خرچ کرے۔ اگر بصورت وصیت پورا فدیہ ثلث مال یا اس سے کم میں ادا ہو جاتا ہو تو پورے فدیہ سے کم ادا کرنے میں وارث گنہگار ہوگا (ملخصاً از اصلاح الرسوم ص۱۵۰)

اور اگر میت نے باوجود مال ہونے کے وصیت نہیں کی یا وصیت کی مگر جتنی نمازیں اور روزے اُس کے ذمے تھے ان سب کے فدیہ کی پوری مقدار کی وصیت نہیں کی تو پہلی صورت میں وارث کے ذمے فدیہ دینا اور دوسری صورت میں پُورا فدیہ دینا (جو کہ ثلث کے اندر ہو) ضروری نہیں اور مرنے والا ان دونوں صورتوں میں گنہگار ہوگا (دلیل الخیرات ص۱۵ بحوالہ رد المحتار)

اور جب کہ میت نے بالکل وصیت نہیں کی۔ یا مال نہیں چھوڑا۔ یا ثلث سے زائد وصیت کی۔ یا تھوڑے سے روزوں اور نمازوں کے فدیہ کی وصیت کی حالانکہ ثلث میں اس سے زیادہ گنجائش تھی۔ یہ چار صورتیں ہیں۔ پہلی چار صورتوں میں وارث کے ذمہ بالکل اور تیسری صورت میں زائد علی الثلث اور چوتھی صورت میں زائد علی الوصیت فدیہ دینا واجب نہیں۔ لیکن اگر وارث تبرعاً دینا چاہے تو دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وارث مالدار ہو اور میت کے ذمے جس قدر نمازیں روزے وغیرہ فرائض و واجبات شرعیہ ہیں ان سب کا پُورا حساب کر کے فدیہ دے تو اس کے جواز بلکہ استحسان میں کلام نہیں۔ بلاشبہ یہ فعل جائز اور مستحسن ہے۔ دوسری صورت یہ کہ وارث کے پاس بھی مال نہیں ہے یا ہے مگر وہ پورا فدیہ دینا نہیں چاہتا تو اس کے لیے فقہاء نے ایک صورت تجویز کی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ممکن ہے کہ میت کا ذمہ بھی بری ہو جائے گا اور میت پر بھی زیادہ بار نہ ہو۔

وہ یہ کہ جس قدر نمازوں کا وہ فدیہ دے سکتا ہو خواہ اپنے مال سے یا قرض لے کر اتنی نمازوں کی طرف سے وہ فدیہ کسی فقیر کو دے۔ مثلاً۔ اس کے پاس چار صاع گیہوں ہیں تو یہ کہے کہ یہ آٹھ نمازوں کا فدیہ ہے اور فقیر کو دے کر قبضہ کرا دے پھر وہ فقیر یہ گیہوں وارث کو ہبہ کر دے اور وارث قبضہ بھی کر لے۔ پھر یہ وارث وہی گیہوں اسی فقیر یا کسی اور فقیر کو اور آٹھ نمازوں کے بدلہ میں دے اور پھر وہ فقیر وارث کو ہبہ کر کے قبضہ کرا دے۔ اسی طرح اگر میت کے ذمہ اسی ۸۰ نمازیں تھیں تو دس ۱۰ مرتبہ دَور کرے یعنی وارث فقیر کو دے اور فقیر وارث کو ہبہ کرے اور ہر مرتبہ قبضہ کر لینا شرط ہے ورنہ صدقہ یا ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ پھر جب نمازیں پوری ہو جائیں تو روزوں کے بدلہ اسی

طرح کرے کہ یہ چار صاع آٹھ روزوں کے بدلہ میں دے اور پھر فقیر اسی طرح ہبہ کردے وعلیٰ ہذا۔ یہاں تک کہ روزے پورے ہو جائیں۔ پھر دیگر واجبات کو اسی طرح پورا کیا جائے اور جب سب سے فارغ ہو جائے تو اخیر میں خواہ فقیر وارث کو ہبہ نہ کرے لیکر چلا جائے یا ہبہ کردے تو وارث اپنی رضامندی سے فقیر کو یہ کل چار صاع یا اس کا کوئی حصہ دیدے۔

یہ ہے اسقاط کی وہ ترکیب جو فقہا نے بیان فرمائی ہے لیکن اس ترکیب کو استفاطہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے کوئی نہیں کرتا (دلیل الخیرات ص۱۶)

لیکن یہ اسقاط کا فعل (فعل مذکور) وارث کے ذمے اور ضروری نہیں بلکہ محض تبرع ہے اور ابراء ذمہ میت کے لیے ایک حیلہ ہے اگر اسے ضروری سمجھا جائے تو ناجائز اور بدعت ہو جائیگا۔

نیز۔ یہ بھی ضروری ہے کہ بصورت عدم وصیت میت کے ترکہ میں سے جبتک کہ تمام ورثہ بالغ اور حاضر نہ ہوں کوئی مقدار اسقاط میں نہ دی جائے اور ثلث تک کی وصیت میں زائد علی الثلث اور ثلث سے کم کی وصیت میں زائد علی الوصیت بدوں رضا تمام ورثہ کے اسقاط میں کوئی مقدار نہ دی جائے اگر کوئی دیگا وہ خود ضامن ہوگا۔

الحاصل:۔ سوال کا مندرجہ طریقہ بے اصل اور ناجائز ہے بے اصل ہونا تو اس لیے کہ اس خاص مقدار کے تمام فرائض و واجبات کی طرف سے کافی ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں اور ناجائز ہونا اس لیے کہ اس میں ساڑھے بارہ سیر کی تعیین بدعت ہے نیز قرآن مجید کی قیمت متعین نہیں کی جاتی۔ کہ اس کے لحاظ سے فدیہ کی مقدار معتین ہو کر کتنی نمازوں کا ہوا۔

تنبیہ:۔ یہ رسم بعض مقامات میں اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ صرف ایک قرآن مجید فقیر کو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ قرآن مجید چونکہ خدا کا کلام ہے اس لیے اس کی کوئی قیمت نہیں اور بوجہ بے قیمت ہونے کے تمام نمازوں اور روزوں اور دیگر واجبات کا جھگڑا

کفارہ میت کے ذمہ ہو اس سب کے بدلے میں ہم یہ قرآن شریف دیتے ہیں اور فقیر قبول کر لیتا ہے۔

یہ طریقہ بھی ناجائز ہے کیونکہ یہی حضرات جو فدیہ میں قرآن شریف کو بے قیمت بتاتے ہیں۔ جب فدیہ کے واسطے خریدنے جاتے ہیں تو بجائے روپیہ کے بارہ آنے اور بجائے ۱۲ کے ۱۰ کو جھگڑ جھگڑ کر خریدتے ہیں خریدتے وقت اس کا بے قیمت ہونا بھول جاتے ہیں اور یہ تقریباً محال ہے کہ دکاندار اگر اس کی قیمت ایک روپیہ بتلائے تو یہ بنظر قدر شناسی قرآن مجید اس کو دو دو روپیہ خود دے دیں۔

بہرحال، یہ قرآن مجید جو کاغذ پر لکھا یا چھپا ہوا ہوتا ہے شرعاً مال متقوم ہے اور کفارات و معاوضات میں اس کی اصل قیمت کا اعتبار ہوگا اور اس لیئے وہ صرف اتنی نمازوں کا فدیہ ہو سکے گا جتنی نمازوں کے فدیہ تک اس کی قیمت پہنچے گی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بعض مقامات میں لوگ کچھ غلہ فقیر کو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ میت کے ذمہ جو کچھ گناہ تھے وہ تم نے اپنے اوپر لیئے؟ اور جاہل فقیر کہتا ہے لیئے! اور وہ غلہ اُس کو دے دیا جاتا ہے۔

یہ صورت تمام صورتوں سے بدتر ہے اور اس میں ڈر ہے کہ لینے والوں اور دینے والوں کا ایمان بھی جاتا ہے۔ دینے والوں کا اس لیئے کہ انہوں نے صریح طور پر آیۂ قرآنی وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ اور وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کے خلاف یہ عقیدہ جمایا کہ میت کے گناہوں کے بدلے میں چند پیسوں یا چند روپیوں کا غلہ فدیہ بن گیا اور یہ گناہوں کا مواخذہ اصل مجرم سے ہٹا کر کسی دوسرے کے ذمہ بھی ڈالا جا سکتا ہے اور یہ دونوں باطل اور قطعاً باطل ہیں اور لینے والے جاہل کا ایمان بھی انہی وجوہ سے معرض خطر میں آگیا۔ نیز اس لیئے کہ اس نے خدا کے عذاب کو ہلکا سمجھا اور اس کو اپنے سر پر لینے کی جرأت کی۔ نعوذ باللہ (دلیل الخیرات ص۱۵)

مجوزہ حیلۂ اسقاط اور مروجہ حیلۂ اسقاط میں فرق

مروجہ حیلہ اسقاط	مجوزہ حیلہ اسقاط
فدیہ جنازہ کے ہمراہ لے جاتے ہیں۔	۱۔ فدیہ جنازہ کے ہمراہ نہیں لے جاتے
ہر شخص کیلئے ہر مفلس ہو یا غنی پر حیلہ ہوتا ہے۔	۲۔ جتنے شخص کیلئے حیلہ کیا جس کے ذمے فرائض ہوں
بعض جگہ ایک حلقے میں تین چار آٹھ دس شامل ہوتے ہیں جس میں بہت غنی بھی شریک ہو جاتے ہیں سید بھی۔	۳۔ باقاعدہ فرائض کا حساب کرکے حساب سے ادا کرتے ہیں
واجب سمجھا جاتا ہے نہ کرنے والوں کو بدعقیدہ سمجھتے ہیں	۴۔ فدیہ صرف فقیر و مسکین کو دینا ضروری ہے
اس حیلہ میں ریا اور استہزاء ہے	۵۔ یہ حیلہ مباح ہے نہ کرنے والا قابل ملامت نہیں
تملیک نہیں ہوتی۔	۶۔ اس حیلہ سے رجاء من اللہ ہے
قرآن کریم کی توہین ہوتی ہے۔	۷۔ تملیک شرط ہے
	۸ قرآن مجید نہیں لیتے

مروجہ اسقاط کی خرابیاں

(۱) بلاوجہ دفن میں تاخیر (۲) عوام اسے ضروری سمجھتے ہیں (۳) عوام ارکان اسلام کی ادائیگی میں سستی کرنے لگتے ہیں کہ حیلے سے فرض و واجب معاف ہو جائیں گے۔ (۴) مستحقین کو خیرات نہیں ملتی پیشہ ور لے جاتے ہیں۔ (۵) ریا اور نمود ہوتی ہے اخلاص شاذ و نادر (۶) غنی کے بچے بھی لینے آجاتے ہیں اس کے مانگنے کے عادی بن جاتے ہیں (۷) مساجد کے امام احساس کمتری کے شکار ہو جاتے ہیں۔

دوران قرآن

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے اپنے فتاویٰ میں حیلۂ اسقاط بصورت قرآن گردانی کا ثبوت حضرت امام عمر رضی اللہ عنہ سے دیا ہے۔

حدثنا العباس بن سفیان عن ابن علیۃ عن ابن عون عن محمد عن عبداللہ قال

قال عمر رضی اللہ عنہ ایہا المؤمنون اجعلوا القرآن وسیلۃً لنجاۃ الموتیٰ فتحلقوا وقولوا اللّٰہم اغفر لہذا المیت بحرمۃ القرآن المجید - وتناولوا بایدیکم متناوبۃ وفعل عمرؓ فی آخر الخلافۃ مثلہ فی زمانہ لامرأۃ ملقبۃ بجبیبۃ بنت عربد زوجۃ قلاب (وفی نسخۃ ملاب) بجزء القرآن من ما یلیہ الی عم یتساءلون وشاع فعلہ فی زمان خلافۃ عثمان رضی اللہ عنہ بانکار مروان بعناد وقال الامام السمرقندی ثم اشتہر فی خلافۃ ہارون الرشید من غیر انکار نکیر دوران القرآن لحیلۃ الاسقاط - فاصلہ ثابت عن عمرؓ وان لم یذکر فی الکتب المشہورۃ من الاحادیث ولکنہ مذکور فی الکتب من التواریخ بسند قوی کما قال المؤرخ صاحب الفتوح اخبرنا ابو عاصم عن ابن جریج عن ابن شہاب عن ابی سلمۃ عن ابی موسیٰ قال فعل عمر تعاور جزء القرآن فی حلقۃ عشرین رجلاً بعد صلوۃ الجنازۃ لامرأۃ ملقبۃ بجبیبۃ الخ ولرجل من قبیلۃ الانصار حفظنا آخرہ وثبت بہذا السند ایضاً - اخبرنا سعد عن ایوب عن جمیع من عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ انہ ادار دوران القرآن عمرؓ والقرآن شافع للمؤمنین حیاتاً وبعد مماتہ۔

یعنے بسند ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مومنو! قرآن کو مردوں کی نجات کا ذریعہ بناؤ پس حلقہ بنا کر کہو اے اللہ! اس میت کو اس قرآن کی حرمت سے بخش دے اور باری باری ایک دوسرے کے ہاتھوں سے قرآن کو لیتے رہو۔

خلافت عمرؓ کے آخری ایام میں جبیبہ بنت عربد قلاب کی بیوی کے لیے حیلہ کیا گیا تھا اور یہ طریقہ عہد عثمانیؓ میں مشہور ہو چکا ہے پارہ نمبر ۲۳ سے پارہ نمبر ۳۰ تک جو قرآن کریم کی جزء تھی اس کے ساتھ حیلہ کیا گیا۔

اور یہ طریقہ عثمانی عہد عثمانیؓ میں مشہور ہو چکا تھا البتہ مروان نے عناداً اس پہ اعتراض کیا تھا۔

امام سمرقندیؒ نے فرمایا کہ یہ طریقہ ہارون الرشید کی خلافت میں رائج ہو چکا تھا لہٰذا انہوں نے حیلہ اسقاط میں دوران قرآن بھی کیا اور اس پر کسی نے بھی انکار نہیں کیا تھا تو اس کی اصل حضرت عمرؓ سے ثابت ہے اگرچہ اس کا ذکر مشہور کتابوں میں نہیں ہے

لیکن تاریخ کی بعض کتابوں میں تو ی سند کے ساتھ اس کا ذکر ہے چنانچہ مؤرخ صاحب فتوح نے کہا ہے کہ بسند حضرت عمرؓ نے بیش آدمیوں کے حلقہ میں نماز جنازہ کے بعد جبلیہ نامی ایک عورت اور انصاری ایک مرد کے لیے دوران قرآن کیا اور دوسری سند سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ دوران قرآن کے موجد ہیں اور قرآن مومنوں کے لیے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی سفارش کرنے والا ہے۔

جواب عباس بن سفیان مجہول ہے کتب اسماء الرجال میں کہیں اس کا ذکر نہیں نیز یہ روایت منقطع ہے ان کے درمیان کئی راویوں کے نام حذف ہیں کیونکہ حضرت فقیہ الجماعت ۳۴ھ میں فوت ہوئے اور ابن عُلَیہ ۱۹۳ھ یا ۱۹۴ھ میں فوت ہوتے ان دو کے مابین ۱۸۹ سال کا عرصہ ہے۔ اتنے طویل عرصہ میں صرف ایک راوی کا ہونا تعجب سے خالی نہیں اور مؤرخ صاحب فتوح محمد بن عمر واقدی ہے جسے امام بخاریؒ ابن مبارکؒ ابن نمیرؒ اور اسماعیل بن زکریا نے متروک الحدیث کہا ابن معین نے ضعیف اور لیس بشئی کہا۔ احمد بن حنبل نے کذاب اسحٰق بن راہویہ وابوحاتم نے وضاع کہا بزار نے کہا۔ میں نے اس سے بڑا جھوٹا نہیں دیکھا۔

نسائی نے کہا واقدی ان چار کذابوں میں سے ہے جن نے جعلی حدیثیں گھڑ گھڑ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا۔ امام شافعیؒ نے کہا واقدی کی سب کتابیں نرا جھوٹ ہیں۔ پھر اس کی سند میں ابن جریج مدلس قبیح التدلیس ہے اور بلفظ عن روایت کرتا ہے امام مالکؒ نے اسے حاطب اللیل کہا احمد بن حنبل نے کہا کہ موضوع روایات نقل کرتا ہے۔

روایت میں ثقہ وغیر ثقہ کی تمیز نہ کرتا۔ ابن معین نے کہا ابن جریج کی روایت جو محمد بن شہاب زہری سے ہو وہ لیس بشئی ہے اور یہ روایت زہری ہی سے ہے نیز ابن جریج جواز متعہ کا قائل ہے بلکہ خود نوّے عورتوں سے متعہ کیا۔

(میزان الاعتدال ص۱۵۹ تہذیب التہذیب ج۶ ص۴۰۶)

اور تیسری سند کے سب راوی مجہول ہیں پس روایت کو حجت میں پیش نہیں کر سکتے

توجیہ النظر صلا۲۱۹ و فتح المغیث صلا۹ و مقدمہ ابن صلاح صلا۱ میں بیہقی کا قول نقل ہے

مَن جاء الیوم بحدیث لا یوجد عند الجمیع لا یقبل۔

یعنے آج جس نے ایسی حدیث پیش کی جو تمام محدثین کے نزدیک نہ ہوا ور انہوں نے ذکر نہ کیا ہو تو وہ مقبول نہیں۔ نیز درایۃً بھی روایت مردود ہے لفظ دُوّرَان وَاَوْ جَدُ سے اس کی وضع عیاں ہوتی ہے پھر حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے ذمے ایک ایسا کام ذمہ لگانا جس سے وہ متنفر تھے یعنی بدعت۔ پھر مروان کو قرآن دشمنی سے متصف کرنا۔ پھر کتب حدیث کا ناقص ہونا اور کتب تاریخ کا کامل ہونا ظاہر کرنا پھر ان رُواۃ کو نام لے کر جن کا کتب رجال میں نشان نہیں اس بات کی طرف اشارہ کرنا کہ علماء اہسنت کی کتب ناقص ہیں جن میں اُن رواۃ کا ذکر ہی نہیں یہ سب مردود ہونے پر صاف دال ہیں۔

سوال:۔ درس البرکۃ میں کتاب الحیل للامام محمدؒ کے حوالہ سے منقول ہے۔

قال الامام محمد اسہل طریقۃ ان یبیع الوارث علی الفقیر مصحفاً صحیحاً قابلاً للقراءۃ بغبن فاحش ثم یہب الفقیر لہ ثم و ثم حتی یستتم لعل اللہ یجعلہ فدیۃ فی مقابلۃ الصوم والزکوٰۃ والمنذورات الی آخرہ۔

یعنے امام محمدؒ نے فرمایا کہ آسان طریقہ یہ ہے کہ میت کا وارث ایک صحیح قرآنی نسخہ جو پڑھنے کے قابل ہونے کر فقیر پر بھاری رقم کے عوض بطور حیلہ کے فروخت کر دے پھر فقیر وارث کو ہبہ کر دے پھر وہ فقیر کو دے حتیٰ کہ نماز، زکوٰۃ اور منذورات وغیرہ کا حساب مکمل ہو جائے شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کا فدیہ بنا دے معلوم ہوا حیلہ شرعاً دُرست ہے۔

جواب:۔ یہ امام محمد پر بہتان ہے امام محمدؒ کی تصنیف کتاب الحیل نہیں۔

جواہر المضیئہ صلا۴۲ میں ہے کہ ابو سلیمان جرجانی نے فرمایا لوگوں نے امام محمدؒ پر جھوٹ کہا کتاب الحیل آپ کی تصنیف نہیں یہ وَرّاق کی تصنیف ہے۔ نیز یہ غبن فاحش خدا کے ساتھ دغا بازی کرنا ہے۔

تبھی احکام شریعت صلا۱۲۵ میں احمد رضا خان صاحب بریلوی نے لکھا جتنی قیمت

قرآن عظیم کی بازار میں جے لتنے سکا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

اور جاء الحق ص۲۶۶ و فتاوی نور الہدی ص۲۳ میں بھی اسی طرح ہے اور المجموع للرقعات میں لکھا ہے۔

ان دور ان القرآن لا زم عند الافلاس وعدم قدرۃ اداء الفدیۃ

بہرحال قرآن پاک ہاتھوں ہاتھ لینے دینے کی رسم حیلہ اسقاط کے لیے کوئی شرعی حکم نہیں گو کسی نے دو تین غیر مشہور کتابوں میں کسی نے لکھ مارا۔

چند اہم سوال اور انکے جوابات

سوال ۱:۔ جذب القلوب میں ہے کہ عقیلؓ بن ابی طالب نے اپنے گھر میں کنواں کھودا وہاں سے ایک پتھر (قبر کا) نکلا تھا جس پر لکھا تھا " قبر ام حبیبہ بنت صخر بن حرب " عقیل نے وہ کنواں بھر دیا "عمارتے بر بالائے قبر بنا کرد۔ اور اس قبر پر عمارت بنا دی اس معلوم ہوا کہ عہد صحابہؓ میں صحابہ کرامؓ سے بناء علی القبر ثابت ہے نیز امیر عمرؓ نے زینبؓ بنت جحش پر خیمہ لگایا اور محمد بن حنفیہ نے قبر ابن عباسؓ پر۔

جواب ۱:۔ اس بات کو جناب شیخ نے بغیر کسی حوالہ کے اور بغیر کسی سند کے بیان کیا اور صاحب ہدایۃ المرتاب نے ص۸ میں کہا حدیث کی صحت کی مدار اسناد با قاعدہ پر ہے نیز جو معنے بناء علی القبر کے منع ہونے کے لیے ہیں وہی اس حدیث میں موجود ہے تو جیسے اس حدیث میں موجود ہے۔ تو جیسے اس کا جواب آپ مرحمت فرمائیں گے وہی جواب ہماری طرف سے سمجھ لینا۔

سوال ۱:۔ بوجہ استراحت زائرین و فاتحہ خوانان قبر مبارک قبہ بنانا جائز ہونا چاہیے اس کو عبث اور کراہت پر حمل کرنا نا مناسب ہے۔

جواب ۱:۔ قبریں استراحت کا مقام نہیں عبرت کا مقام ہے اور فاتحہ پڑھنا قبر پر کوئی واجب فرض نہیں اور نہ ہی شریعت میں اس کا وقت معین ہے کہ اگر اسوقت قبر پر

فاتحہ پڑھنے نہ جائیں گے تو قضا واجب ہو جائے گی۔
دیکھئے! باجماعت نماز پڑھنا عند المحققین واجب ہے اور نماز ولی کے اوقات بھی معین۔ مگر بارش سخت ٹھنڈی ہوا یا آندھی یا ژالہ باری وغیرہ اعذار ایسے ہیں جن کے ہوتے ہوئے باجماعت نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں حاضر ہونا معاف ہو جاتا ہے جیسے نور الایضاح صفحہ ۸۶ و کبیری وغیرہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔ تو قبور کے لیے اہتمام کرنا قبوں کا اس غرض کو مد نظر رکھ کر اس امر کا غماز ہے کہ مساجد سے قبور کا اہتمام کرنا اہم ترین ہے۔
سوال:۔ عوام جن کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے اور بغیر ظاہری سامان کے ان کے دلوں میں عظمت بزرگوں کی تعظیم نہیں جچتی۔ ان کے بچانے کے لیے کہ ان کی آنکھوں میں تعظیم صاحبان عظمت کی نمایاں ہو تاکہ وہ معزز حضرات مقبورین کی تحقیر نہ کریں۔
جواب:۔ یہ تعلیل نص کے مقابلہ میں ہے جو مردود ہے کما ہو مصرح فی اصول الفقہ جتنا بڑا عالم ہے۔

خواب اور غیر مجتہد کا قول و فعل

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اخبار الاخیار صفحہ ۹۳ میں لکھا ہے۔
"لا مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب و سنت می باید"
یعنی پیر صاحب کا کوئی عمل دلیل نہیں۔ دلیل قرآن و حدیث سے چاہیے۔
شاہ ولی اللہ صاحب رح نے بلاغ المبین صفحہ ۵۵ میں کہا نصیر الدین محمود چراغ دہلوی خلیفہ نظام الدین (اولیاء) گفتہ است فعل مشائخ حجت نہ باشد۔ یعنی چراغ دہلوی نے فرمایا کہ مشائخ کا فعل دلیل نہیں ہوتا۔
مجدد الف ثانی رح نے مکتوبات دفتر اول صفحہ ۳۳۵۔ مکتوب صفحہ ۲۶۶ میں لکھا۔ عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست۔ ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم و مرایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم۔ اینجا قول امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف و امام محمد

معتبر نیست نہ عمل ابوبکر شبلی رحمہ و ابوالحسن نوریؒ۔

یعنے صوفیوں کا عمل حلال وحرام ہونے میں سند نہیں ہے۔ یہی کافی ہے کہ ہم اُن کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور اُن کا معاملہ خدا کے حوالے کریں۔ اس جگہ تو امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول معتبر ہوگا نہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوریؒ کا عمل (اسی طرح دوسرے صوفیاء کرام کا عمل)

نفائس الاظہار ترجمہ مجالس الابرار صـ۱۲ میں قاضی ابراہیمؒ نے لکھا " اور جو علماء و زاہد اہل اجتہاد نہیں وہ عوام میں داخل ہیں ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں سے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی۔

شیخ عبدالحق نے تکمیل الایمان صـ۲۳ میں کہا " در معتقدات و احکام کفر و ایمان از سواد اعظم بیروں نہ باید رفت و تابع ائمہ مجتہدین باید بود خصوصًا در مادہ اتفاق و اجماع، و در آداب و اخلاق تابع مشایخ باید بود و حُسنِ ظن و اعتقاد ایشاں باید داشت و توجیہ و تطبیق کلام ایشاں با کلام علماء و مجتہدین باید نمود۔

یعنے اعتقادیات اور کفر و ایمان کے احکام میں سواد اعظم سے باہر نہ جانا چاہیئے اور ائمہ مجتہدین کے تابع رہنا چاہیئے خاص کر جس مسئلہ میں سب کا اجماع اور اتفاق ہو اور آداب و اخلاق میں مشایخ کے تابع رہ کر ان کے حق میں حسن اور حُسنِ عقیدت رکھنی چاہیئے اور اور ان کے کلام کو علماء کے کلام سے منطبق کرنا چاہیئے۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فتاوٰے رشیدیہ صـ۲ میں کہا " بہر حال یہ تاویل یا مثل اِس تاویل کی کلام بزرگوں میں ضروری ہے اور جو کسی کے فہم میں معنے مراد نہ آویں تو سکوت کرنا چاہیئے کہ حجت ان کے کلام سے نہیں ہے۔ حجت کلام اللہ و سنت رسول اللہ و مجتہدین کے اقوال سے ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین صـ۲۲۶ میں لکھا ہے " اجماع اہل شرع است بر آنکہ ہیچ حکم از احکام شریعت بواقعات و منامات اتقیاں ثابت نمی شود "

یعنے اہل شرع کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت کے حکموں میں سے کوئی بھی حکم واقعات

اور اُمتیوں کے خوابوں سے ثابت نہیں ہو سکتا۔
فتاوے برہنہ ص۲۲ میں ہے "ترک مذہب بسبب رؤیا روا نہ"
یعنے خواب کی وجہ سے مذہب کا ترک کر دینا روا نہیں"

بدعت

ابوداؤد ص۲۷۹ میں ہے مَنْ صَنَعَ اَمْرًا عَلٰی غَیْرِ اَمْرِنَا فَھُوَ رَدٌّ"
یعنے جس نے ہمارے امر (دین) کے مغایر کام کیا تو وہ مردود ہے
مسلم ص۷۷ میں ہے مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ علیہ امرنا فھو ردٌّ "اسی طرح بخاری ۲ ص۱۰۹۲
میں ہے۔
فوائد الفواد ص۱۰ میں ہے "بدعت از معصیت بالاتر است و کفر از بدعت بالاتر
بدعت بکفر نزدیک است۔
بخاری ص۳۷۱، مسلم ص۷۷ ج۲، ابوداؤد ص۲۷۹ میں ہے مَنْ اَحْدَثَ فی امرنا ھذا
مالیس منہٗ فھو ردٌّ۔
یعنے جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہوگی۔
جامع العلوم والحکم ص۴۲ میں حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے فرمایا۔ کُلُّ مَنْ اَحْدَثَ
فی الدین مالم یأذن بہ اللہ ورسولہٗ فلیس من الدین فی شیءٍ۔
یعنے جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کا اذن اللہ تعالٰے اور اس کے رسول
نے نہیں دیا تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ آگے لکھا۔ وفی بعض الفاظہ مَنْ
اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا مالیس منہٗ فھو ردٌّ۔ اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں
"فی دیننا" کے الفاظ آئے ہیں یعنے جس نے ہمارے اس دین میں کوئی چیز نکالی تو وہ
مردود ہوگی۔
ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ص۲۳۱ میں "فی امرنا ہذا" کی تشریح یوں کی "والمراد
بہ من امر الدین"

علامہ عزیزی نے السراج المنیر صفحہ ۲۲۱ جلد ۳ میں کہا ہے لما ليس فی دین الاسلام۔
یونہی بذل المجہود صفحہ ۱۹۵ و فتح الملہم صفحہ ۲ جلد ۳ میں ہے اور مرقاۃ صفحہ ۱ جلد ۱ میں ہے قل اَحْدَثَ ای ابتدع فی الدین مالیس منہُ۔

یعنے جس نے دین میں ایسی چیز نکالی جو دین میں نہیں (وہ مردود ہے)
شیخ محدث عبدالحق دہلوی نے اشعۃ اللمعات صفحہ ۔ میں کہا: "رسیدہ است کہ نے احداث نمودہ و پیدا کردہ است در دین چیزے راکہ نبودہ است۔
یعنے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس شخص احداث کیا یعنے دین میں وہ چیز پیدا کی جو دین میں نہ تھی۔

چند مفید اور ضروری مسائل

مسئلہ مستورات کو اجنبی مرد کی میت کو دیکھنا ناجائز ہے۔ اپنے محرم کو دیکھ سکتی ہیں
مسئلہ مٹی دے کر ہاتھ کو پونچھنے یا دھونے میں شرعی ممانعت نہیں ہے
مسئلہ میت کے دفن کرنے والوں کو اولیائے میت سے دعوت لینا جائز نہیں۔
مسئلہ نابالغوں کے مال میں سے خیرات کرنا ناجائز ہے اور اس کھانے کو کھانا بھی جائز نہیں
مسئلہ ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے اور صدقہ فقراء کا حق ہے۔ اغنیاء کو صدقہ دینے سے صدقہ کا ثواب نہیں ہوتا

یہ کھانا جو (تیسرے یا جوتھے روز) اپنی طاقت کے موافق پکا کر مؤذن، امام اور غرباء کو کھلاتے ہیں اور ان کے ساتھ کچھ خویش و اقارب اور قوم کے آدمی بھی کھاتے ہیں اور اس میں کچھ مالدار بھی موجود ہوتے ہیں) اکثری طور پر رسم کے بموجب کیا جاتا ہے اور گر اس سے مقصد میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے تو اس کھانے کے مستحق نادار اور غریب لوگ ہیں خویش اقربا اور مالدار آدمی اس کے مستحق نہیں ہیں اس میں غیر مستحقین کو شریک ہونا مکروہ ہے
اہل میت کے گھر ضیافت کھانے کی جو رسم پڑ گئی ہے یہ یقیناً واجب الترک ہے صرف اہل میت کے وہ عزیز و اقارب جو دور دور سے آئے ہوں اور ان کی امروزہ واپسی نہ ہو سکے یا اہل

میت کی تسلی کے لئے ان کا قیام ضروری ہو وہ میت کے گھر کھانا کھائیں تو خیر باقی تمام تعزیت کرنے والوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا چاہئے نہ میت کے گھر قیام کریں نہ ضیافت کھائیں

میت کے قریبی رشتہ دار گھر والوں کے لائق کھانا بھیج دیں تو یہ جائز اور مستحب ہے اور یہ بھی صرف تین دن تک۔

مسئلہ قُل یا ختم کا یہ مروّجہ طریقہ غیر شرعی ہے اور اس کا قرونِ ثلاثہ میں وجود نہیں تھا

مسئلہ قبر کو بوسہ دینا اچھا نہیں کہ اس سے فسادِ عقیدۂ عوام کا خوف ہے

مسئلہ قبروں پر پھول چڑھانا جائز نہیں۔

مسائل متعلقہ پوسٹ مارٹم

مسئلہ دفن کے بعد قبر کو کھودنا اور میت کو پوسٹ مارٹم کی غرض سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ مسئلہ میت کی نعش کا احترام مثل زندہ کے احترام کے بلکہ بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ لازم ہے۔

مسلمان میت اگر عورت ہو تو اس کے پردے اور ستر کے احکام زندگی کے احکام سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کا شوہر بھی اس کے ننگے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ پوسٹ مارٹم کے لئے مسلمان عورت کے جسم کو غیر محرم ڈاکٹر کا دیکھنا قطعاً جائز نہیں۔ مسلمانوں کو کوشش کر کے اس قانون کو منسوخ کرانا چاہئے۔ اور جب تک منسوخ نہ ہو اور حکومت جبراً یہ کام کرے تو مسلمان معذور ہوں گے

طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں۔ جو ناجائز ہیں۔ اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہو تاہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر و احترام میت کا التزام ضروری ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جاسکے چیر پھاڑ مباح نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جاسکتی۔

مسئلہ بیوی کی میت کو شوہر دیکھ سکتا ہے مگر ہاتھ بغیر حائل کے جسم کو لگانا اس کے لئے منع ہے۔ جنازے کو کندھا دینے میں کوئی ممانعت نہیں۔ یہ تو بالکل اجنبی لوگوں کے لئے بھی جائز ہے۔ شوہر کی میت کو بیوی دیکھ بھی سکتی ہے اور اس کے بدن کو چھو بھی سکتی ہے اور ضرورت پڑے تو غسل بھی دے سکتی ہے

مسئلہ غلافِ کعبہ پر حروف منقش ہوتے ہیں اس لئے اس کو قبر میں میت کے ساتھ رکھنا درست نہیں اور اگر حروف سے خالی بھی ہو جب بھی ایک محترم چیز کو قبر میں دفن کر کے میت کی بدنی رطوبات میں ملوث ہونے کی صورت بہم پہنچانا اس کے احترام کے خلاف ہے۔

مسئلہ قبریں جب منہدم ہو جائیں ان پر مٹی ڈال دینا جائز ہے مگر عاشوراء کے دن کو اس کام کے لئے خاص کر لینے کی کوئی دلیل نہیں۔

مسئلہ قبرستان میں مردے کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم آگے چل کر ٹھہرنا اور یا دوبارہ فاتحہ پڑھنا یہ رسم بدعت ہے کیونکہ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور اس کے تارک صحیح اسلامی تعلیم کے متبع ہیں۔ ان کو وہابی کہنا اور بدنام کرنا سخت گناہ ہے

مسئلہ اپنی زندگی میں قبر تیار کرا لینا مباح ہے۔ لیکن اس میں غلہ بھر کر خیرات کرنا بدعت ہے خیرات کرنے میں حرج نہیں۔ مگر قبر میں بھرے بغیر جتنا چاہو خیرات کر دو۔

مسئلہ صاحبِ خانہ کو لفظ "اذن عام" بعد نماز جنازہ کے کہنا کچھ ضروری یا سنت نہیں ہے اسی طرح نماز کے بعد لوگوں کے لئے بہتر اور سنت طریقہ یہ ہے کہ دفن تک ساتھ رہیں۔ لیکن اگر لوٹ آئیں تو سوائے ثواب کی کمی کے اور کوئی مواخذہ اور گناہ ان کے ذمہ نہیں ہے۔ اگر صاحبِ خانہ سے اجازت لے کر لوٹیں تو ان کی دلداری اور تسلی کے لئے طلبِ اجازت کا مضایقہ نہیں۔ لیکن دفن میں شریک نہ ہونے کے سبب سے ثواب میں جو کمی ہوئی ہے وہ پوری نہ ہوگی۔ اور استیذان کو ثواب کے پورا کر دینے میں کوئی دخل نہیں۔ ہاں اہلِ میت کے لئے تطییبِ قلب ضرور ہے۔ اس لئے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ قبل از دفن لوٹنا چاہے تو اہلِ میت سے اجازت لے لے (عالمگیری بحوالہ محیط)

مسئلہ قمیض کو سی کر پہنانا بہتر ہے۔ کیونکہ قمیض کا اطلاق اس کفنی یا پیرہن پر نہیں ہوتا جو

صرف گلا پھاڑ کر میت کے نیچے اوپر ڈال دیا جاتا ہے۔ ہاں فقہاء نے یہ اجازت دی ہے کہ میت کی قمیص میں کلیاں نہ ڈالی جائیں تو مضایقہ نہیں۔

مسئلہ دفن کرنے کے بعد میت کا نکالنا درست نہیں ہے اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ امانۃً دفن کیا جائے یا نہیں۔ اور امانۃً دفن کرنا شریعت سے ثابت نہیں (کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ)

مسئلہ منہ دیکھنا میت کا درست ہے۔ لیکن ابعد کفن میں ڈھکنے کے کھولنا چہرہ کا اچھا نہیں ہے، امانۃً دفن کرنا شرعاً بے اصل ہے اس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے اور اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے کہ اگر امانۃً دفن کیا گیا تو میت تفسخ وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

تابوت بندشدہ کو کھولنا بھی جس میں میت ہے درست نہیں۔ (عزیز الرحمٰن)

فائدہ قبر کی پرستش متعاد ہے۔ نعش کی پرستش متعاد نہیں۔

اگر مُردہ شوئی بأجرت نہ ہو اور افعال خلافِ مروّت و خلافِ مکارمِ اخلاق امام سے سرزد نہ ہوتے ہوں تو اس کی امامت جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر غسال اجرت لیتا ہو اور بد اخلاقی کے اعمال اس سے صادر ہوتے ہوں تو اس کی امامت مکروہ ہوگی کیونکہ ایسے شخص لوگ نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں
کفایۃ المفتی ج ۴ ص ۳۰

عالم کی میت کے سر پہ عمامہ باندھنے کی اگرچہ بعض متاخرین نے اجازت دی ہے لیکن بہتر اور سُنّت کے موافق یہی ہے کہ عمامہ نہ باندھا جائے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمامہ نہیں باندھا گیا۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عمامہ کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے۔

نماز جنازہ کے وقت ولی یا امام کو میت کے اعمال کے متعلق شہادت لینا درست نہیں۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ میت کے محاسن یعنی نیکیوں اور خوبیوں کا ذکر کریں اور اس کی برائیوں کا تذکرہ نہ کریں۔

فقہاء کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ میت کے کفن میں ازار کے لفظ سے بھی چادر مراد ہے اور ازار بھی تہبند کی طرح ناف سے نہ رکھی جائے بلکہ سر سے قدم تک ہو۔ دیکھو طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح و جامع الرموز و کبیری و درمختار و شامی۔

مسئلہ جو مسلمان علانیہ شراب نوشی کرتے ہیں اور بغیر نکاح کے عورتیں ڈال رکھی

ہیں اور نماز روزہ سے بالکل علیحدہ ہیں۔ وہ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ ان کی تجہیز و تکفین میں پابند شریعت مسلمان شریک نہ ہوں تو جائز ہے

جب آدمی مرتا ہے تو اس کے دونوں سیدھے پھیلانے چاہئیں۔ سینے پر رکھنا اور انگوٹھے باندھنا نہیں چاہئے۔

مُردہ کو قبر میں لٹانے کے بعد سرہانے اور پائنتی اور کمر تینوں جگہ کی گرہیں کھول دینا چاہئیں

کفن مبلول بہ ماء زمزم (زمزم کے پانی سے بھگویا ہوا کفن) میرے نزدیک جواز کی جہت راجح ہے اور اس کو استنجاء بماء زمزم پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ استنجاء میں عین زمزم کی تعرض للنجاسۃ ہے اور ثوب مبلول بماء زمزم بصورتہ موجود نہیں ہے خشک ہو چکا ہے صرف کپڑے کا اس کے ساتھ گزشتہ زمانہ میں تلبس ہوا ہے اور اس قسم کے تلبس کو عدم جوازِ تکفین میں دخل نہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن ابی کو قمیص مبارک پہنانا ہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ صاحبزادی زینبؓ کو اپنا تہبند (حقو) عطا فرمانا اور اشعرنہا ایاہ کی ہدایت فرمانا اور ایک صحابی کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے تہبند مانگ لینا اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے اظہارِ ناراضگی پر اس کا یہ عذر ما سألتہ لالبسہا ولکن لتکون کفنی (میں نے پہننے کے لئے نہیں مانگا بلکہ اس لئے مانگا کہ یہ میرا کفن ہو) اور راوی کا یہ بیان فکانت کفنہ (پھر وہ تہبند اس کا کفن بنا) بخاری میں موجود ہے اس لئے تکفین بہ ثوب مبلول بماء زمزم تو تکفین بقمیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وازارہ وحقوہ سے اہون ہے

(کفایۃ المفتی ص ۳۳ ج ۴)

مسئلہ مسلمان میت کو کافر قبر میں نہ اتارے۔ نہ اس کی قبر میں اترے کیونکہ کافر پر خدا کی لعنت اترتی ہے اور مسلمان خدا کی رحمت کا محتاج ہے خصوصاً دفن کے وقت۔

اور مسلمان فاسقوں سے اتروانا اگرچہ حرام نہیں تاہم ان کو بھی علاحدہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ ارتکاب کبائر کی وجہ سے ان پر بھی خدا تعالیٰ کا عتاب ہوتا ہے

مسئلہ جنازے کے ساتھ چھتری لگا کر چلنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے ص ۳۴

مسئلہ عورت کا کفن کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے یہ قول امام ابو یوسف کا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے بشرطیکہ کسی عذر کی وجہ سے شوہر کے ذمہ سے عورت کا نفقہ ساقط نہ ہوا ہو۔ کیونکہ تجہیز

کفن، وجوب نفقہ کے ساتھ متعلق ہے ۔۔۔۔ خواہ متوفاۃ کا مال ہو یا نہ ہو ص ۴۴۳

اس سے مراد صرف کفن، خوشبو، کافور وغیرہ کی قیمت غسال اور قبر کھودنے کی اجرت

اور پٹاؤ کی لاگت ہے

جنازے کے ہمراہیوں کو اس کے ساتھ پیدل جانا افضل اور بہتر ہے لیکن سواری پر جانا بھی

جائز ہے مگر صرف خلاف اولیٰ ہے اور واپس آتے وقت سواری پر آنا خلاف اولیٰ نہیں ہے کیونکہ یہ بھی

پر آنا خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

مسئلہ لکڑی کے تختے قبر میں لگانا مکروہ ہیں لیکن اگر کوئی ضرورت ہو مثلاً بانس یا کچی اینٹیں

نہ ملیں یا ملیں لیکن لگ نہ سکیں تو مکروہ نہیں۔ لوہے کی میخیں بھی اسی حکم میں ہیں

مسئلہ قبر کے گرد پتھر لگانے سے بشرطیکہ قبر پختہ نہ ہونے پائے صرف یہی مقصود ہو سکتا

ہے کہ آثار قبر نہ مٹنے پائیں اس میں خوبصورت و بدصورت پتھر دونوں ایک ہی سا کام دیں گے۔

اور اگر یہ خیال ہو کہ لوگ دیکھ کر خوش ہوں اور ریا و سمعہ مقصود ہو تو اس صورت میں خوبصورت کیا

بدصورت لگانا بھی حرام ہو گا۔ اور اگر پتھر لگایا جائے تو میت کے مال سے لگانا جائز نہیں۔ ورثہ

خود اپنے مال سے لگا سکتے ہیں۔

مسئلہ پتھر پر تاریخ وغیرہ کندہ کرنا مکروہ ہے

مسئلہ ڈھیلوں پر سورۂ اخلاص پڑھ کر دم کر کے قبر میں رکھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ زمین کمزور ہے تو اس میں تابوت یعنی لکڑی کے صندوق میں میت کو رکھ کر اتارنا

جائز ہے یا پتھر کے چوکے کھڑے کر کے چوکھٹا بنا دیں۔ اینٹ کی چنائی سے احتراز کرنا چاہئے

مسئلہ قبر میں شجرہ رکھنا ناجائز ہے۔ اسی طرح اور لکھی ہوئی چیز مردے کے کفن یا قبر میں رکھنا

جائز نہیں۔ مسئلہ قبر میں عہدنامہ رکھ کر میت کو دفن کرنا مکروہ ہے اس سے عہدنامہ کی بے ادبی ہوتی

ہے۔ مسئلہ دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بھی بے ثبوت ہے اسے بھی ترک کرنا چاہئے۔ دیوبا

مسئلہ میت کی خبر سن کر دو رکعت نفل ادا کرنا بھی ثابت نہیں۔ اس کے لئے دعا

کرنا ثابت ہے۔ بس یہی کرنا چاہئے۔

مسئلہ یہ رسم (چنے اور الائچی دانوں پر قل خوانی) قابل ترک ہے کیونکہ اس نے

ایک مستقل صورت اختیار کر لی ہے اور التزام ما لا یلزم ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔
مسئلہ حافظ کو اجرت دے کر قبر پر قرآن مجید پڑھوانا ناجائز ہے۔

جنازہ اور فرضی نمازوں میں فرق

۱۔ فرضی نمازوں کا وقت مقرر ہے (ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا) نماز جنازہ کا وقت نہیں
۲۔ فرضی نمازوں کے لیے پہلے اذان کہنا پھر اقامت کہنا سنت مؤکدہ ہے۔ نماز جنازہ کے لیے نہ اذان نہ اقامت
۳۔ فرضی نمازوں میں سورۃ فاتحہ وضم سورۃ ہر دو واجب ہیں، نماز جنازہ میں نہ فاتحہ پڑھتے ہیں نہ سورۃ
۴۔ فرض نمازوں میں رکوع سجود قعدہ فرض ہیں، نماز جنازہ میں نہ رکوع نہ سجود نہ قعدہ
۵۔ فرض نمازوں میں صرف تکبیر اولیٰ فرض ہے باقی تکبیریں سنت ہیں، جبکہ جنازہ کی چاروں تکبیریں فرض ہیں
۶۔ فرض نمازوں کی جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ نماز جنازہ کی جماعت نہ واجب نہ سنت مؤکدہ
۷۔ فرض نمازوں کا پڑھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے نماز جنازہ فرض کفایہ ہے
۸۔ فرض نماز باجماعت میں مرد کے برابر عورت شریک جماعت کھڑی ہو تو مرد کی نماز فاسد، جنازہ میں فساد نہیں
۹۔ فرض نماز مسجد میں پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔
۱۰۔ فرض نماز کا امام عورت نہیں ہو سکتی۔ نماز جنازہ کی امامت عورت کر سکتی ہے (رغیرہ)
۱۱۔ فرض نمازوں میں صف اوّل کو فضیلت ہے نماز جنازہ میں صف اخیر کو فضیلت ہے (رصلوٰۃ مسعودیہ)
۱۲۔ فرض نمازوں میں امام بنانا سب سے پہلے اعلم بالقرآن والسنۃ ہے۔ نماز جنازہ میں سلطان ثم.....
۱۳۔ فرض نماز کی جماعت میں اکیلا صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے جنازہ میں کراہت نہیں (در و تبیین)

۱۴۔ فرض نماز میں امام بے وضو ہو جائے تو اسے تیمم کی اجازت نہیں جنازہ میں تیمم کر کے نماز تمام کرے۔

۱۵۔ فرض نماز کی جماعت عورتوں کو مکروہ ہے۔ جنازہ کی نماز باجماعت اکیلی عورتوں کو مکروہ نہیں (ذکرہ)

۱۶۔ فرض نمازوں میں سلام تحلیل واجب ہے، نماز جنازہ میں سلام تحلیل سنت ہے (رصاحب بحر)

۱۷ـ فرض نمازوں میں عاقل بالغ کا وضو قہقہے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ نماز جنازہ باطل نہیں ہوتی۔

۱۸ـ فرض نمازوں میں تشہد، تعوذ، بسملہ، آمین پڑھتے ہیں نماز جنازہ میں ان میں سے کچھ نہیں پڑھتے۔

۱۹ـ فرض نماز میں امام سلام پہلا اونچا، دوسرا پست کہے۔ نماز جنازہ میں ہر دو سلام کا پست کہنا بہتر ہے۔

۲۰ـ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر خفیہ دعا مانگنا مستحب ہے۔ نماز جنازہ میں سلام کے بعد دعا مانگنا مکروہ ہے ان کے علاوہ اور بھی کئی فرق ہیں۔

چند غیر معتبر کتب کی مختصر فہرست

(۱) بہجۃ الاسرار (۲) فضل العلماء لشرف الدین بلخی (۳) رسائل اخوان الصفا (۴) قوت القلوب للشیخ ابی طالب (۵) قنیہ للزاہدی المعتزلی (۶) شرح نقایہ للقہستانی (۷) شرح کنز لملا مسکین (۸) درمختار شرح تنویر الابصار (۹) شرح کنز للعینی (۱۰) نہر الفائق (۱۱) مفتاح الجنان۔ (۱۲) فتاوے واجد الدین نسفی (۱۳) اوراد راحۃ العابدین (۱۴) زاد اللبیب۔ (۱۵) خزانۃ الروایات (۱۶) جامع الرموز (۱۷) شرعۃ الاسلام (۱۸) ابو المکارم دلیل مجہول ولک کتابہ (۱۹) تفسیر مقاتل بن سلیمان (۲۰) تفسیر سدی (۲۱) تفسیر کلبی عن ابن ابی صالح عن ابن عباسؓ (۲۲) کتاب العجائب لمحمود بن حمزۃ الکرمانی (۲۳) حقائق التفسیر لعبد الرحمٰن السلمی (۲۴) تفسیر زمخشری (۲۵) تفسیر عبد الرحمٰن بن کیسان الاصم (۲۶) تفسیر جبائی (۲۷) تفسیر بغوی (۲۸) تفسیر واحدی حاطب اللیل (۲۹) تفسیر ثعلبی حاطب اللیل (۳۰) فصوص الحکم (۳۱) فتوحات مکیہ۔

ذیل کی کتب میں احادیث موضوعہ کی بھرمار ہے۔

احادیث تفسیر ابن جریر (۲) احادیث درمنثور سیوطی (۳) کتب المحاسبی (۴) احادیث تفسیر زمخشری (۵) احادیث صاحب نہایہ وسائر شراح ہدایہ (۶) احادیث غنیۃ الطالبین (۷) طبقات ابن سعد۔

❋❋❋❋

علامہ عزیزی نے السراج المنیر صفحہ ۳۲ میں کہا: "لیس فی دین الاسلام۔"
یونہی بذل المجہود صفحہ ۱۹۵ و فتح الملہم صفحہ ۳ میں ہے اور مرقاۃ صفحہ ۲۱۵ میں ہے قل آحدث
ای ابتدع فی الدین مالیس منہ۔
یعنے جس نے دین میں ایسی چیز نکالی جو دین میں نہیں (وہ مردود ہے)
شیخ محدث عبدالحق دہلوی نے اشعۃ اللمعات ص ۔ میں کہا: "رسیدہ است کہ ایں
احداث نمودہ و پیدا کردہ است در دین چیزے راکہ نبودہ است۔"
یعنے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس شخص احداث کیا یعنے
دین میں وہ چیز پیدا کی جو دین میں نہ تھی۔

چند مفید اور ضروری مسائل

مسئلہ مستورات کو اجنبی مرد کی میت کو دیکھنا ناجائز ہے۔ اپنے محرم کو دیکھ سکتی ہیں
مسئلہ مٹی دے کر ہاتھ کو پونچھنے یا دھونے میں شرعی ممانعت نہیں ہے
مسئلہ میت کے دفن کرنے والوں کو اولیائے میت سے دعوت لینا جائز نہیں۔
مسئلہ نابالغوں کے مال میں سے خیرات کرنا ناجائز ہے اور اس کھانے کو کھانا بھی جائز نہیں
مسئلہ ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے اور صدقہ فقراء کا حق ہے۔ اغنیاء کو صدقہ دینے سے
صدقہ کا ثواب نہیں ہوتا

یہ کھانا جو (تیسرے یا چوتھے روز اپنی طاقت کے موافق پکا کر مؤذن، امام اور غرباء کو
کھلاتے ہیں اور ان کے ساتھ کچھ خویش و اقارب اور قوم کے آدمی بھی کھاتے ہیں اور اس میں
کچھ مالدار بھی موجود ہوتے ہیں) اکثری طور پر رسم کے بموجب کیا جاتا ہے اور اگر اس سے
مقصد میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے تو اس کھانے کے مستحق نادار اور غریب لوگ ہیں۔ خویش اقرباً
اور مالدار آدمی اس کے مستحق نہیں ہیں۔ اس میں غیر مستحقین کو شریک ہونا مکروہ ہے
اہل میت کے گھر ضیافت کھانے کی جو رسم پڑ گئی ہے یہ یقیناً واجب الترک ہے صرف اہل میت
کے وہ عزیز و اقارب جو دور دور سے آئے ہوں اور ان کی امروزہ واپسی نہ ہو سکے یا اہل

میت کی تسلی کے لئے ان کا قیام ضروری ہو وہ میت کے گھر کھانا کھالیں تو خیر باقی تمام تعزیت کرنے والوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا چاہئے نہ میت کے گھر قیام کریں نہ ضیافت کھائیں

میت کے قریبی رشتہ دار گھر والوں کے لائق کھانا بھیج دیں تو یہ جائز اور مستحب ہے اور یہ بھی صرف تین دن تک۔

مسئلہ قل یا ختم کا یہ مروجہ طریقہ غیر شرعی ہے اور اس کا قرون ثلاثہ میں وجود نہیں تھا

مسئلہ قبر کو بوسہ دینا اچھا نہیں کہ اس سے فساد عقیدۂ عوام کا خوف ہے

مسئلہ قبروں پر پھول چڑھانا جائز نہیں۔

مسائل متعلقہ پوسٹ مارٹم

مسئلہ دفن کے بعد قبر کو کھودنا اور میت کو پوسٹ مارٹم کی غرض سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ مسلمان میت کی نعش کا احترام مثل زندہ کے احترام کے بلکہ بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ لازم ہے۔

مسلمان میت اگر عورت ہو تو اس کے پردے اور ستر کے احکام زندگی کے احکام سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کا شوہر بھی اس کے ننگے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ پوسٹ مارٹم کے لئے مسلمان عورت کے جسم کو غیر محرم ڈاکٹر کا دیکھنا قطعاً جائز نہیں۔ مسلمانوں کو کوشش کر کے اس قانون کو منسوخ کرانا چاہئے۔ اور جب تک منسوخ نہ ہو اور حکومت جبراً یہ کام کرے تو مسلمان معذور ہوں گے

طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں جو ناجائز ہیں۔ اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہو تاہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر و احترام میت کا التزام ضروری ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جاسکے چیر پھاڑ مباح نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جا سکتی۔

مسئلہ بیوی کی میت کو شوہر دیکھ سکتا ہے مگر ہاتھ بلا حائل جسم کو لگانا اس کے لئے منع ہے۔ جنازے کو کندھا دینے میں کوئی ممانعت نہیں۔ یہ تو بالکل اجنبی لوگوں کے لئے بھی جائز ہے۔ شوہر کی میت کو بیوی دیکھ بھی سکتی ہے اور اس کے بدن کو چھو بھی سکتی ہے اور ضرورت پڑے تو غسل بھی دے سکتی ہے۔

مسئلہ غلافِ کعبہ پر حروف منقش ہوتے ہیں اس لئے اس کو قبر میں میت کے ساتھ رکھنا درست نہیں اور اگر حروف سے خالی بھی ہو جب بھی ایک محترم چیز کو قبر میں دفن کر کے میت کی بدنی رطوبات میں ملوث ہونے کی صورت بہم پہنچانا اس کے احترام کے خلاف ہے۔

مسئلہ قبریں جب منہدم ہو جائیں ان پر مٹی ڈال دینا جائز ہے مگر عاشورا کے دن کو اس کام کے لئے خاص کر لینے کی کوئی دلیل نہیں۔

مسئلہ قبرستان میں مردے کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم آگے چل کر ٹھیرنا اور بآواز بلند فاتحہ پڑھنا یہ رسم بدعت ہے کیونکہ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور اس کے تارک صحیح اسلامی تعلیم کے متبع ہیں۔ ان کو وہابی کہنا اور بدنام کرنا سخت گناہ ہے

مسئلہ اپنی زندگی میں قبر تیار کرا لینا مباح ہے۔ لیکن اس میں غلہ بھر کر خیرات کرنا بدعت ہے خیرات کرنے میں حرج نہیں۔ مگر قبر میں بھرے بغیر جتنا چاہو خیرات کر دو۔

مسئلہ صاحبِ خانہ کو لفظ "اذن عام" بعد نماز جنازہ کے کہنا کچھ ضروری یا سنت نہیں ہے، اسی طرح نماز کے بعد لوگوں کے لئے بہتر اور سنت طریقہ یہ ہے کہ دفن تک ساتھ رہیں۔ لیکن اگر لوٹ آئیں تو سوائے ثواب کی کمی کے اور کوئی مواخذہ اور گناہ ان کے ذمہ نہیں ہے۔ اگر صاحب خانہ سے اجازت لے کر لوٹیں تو ان کی دلداری اور تسلی کے لئے طلب اجازت کا مضائقہ نہیں۔ لیکن دفن میں شریک نہ ہونے کے سبب سے ثواب میں جو کمی ہوئی ہے وہ پوری نہ ہوگی۔ اور استیذان کو ثواب کے پورا کر دینے میں کوئی دخل نہیں۔ ہاں اہلِ میت کے لئے تطییبِ قلب ضرور ہے۔ اس لئے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ قبل از دفن لوٹنا چاہے تو اہلِ میت سے اجازت لے لے (عالمگیری بحوالہ محیط)

مسئلہ قمیص کو سی کر پہنانا بہتر ہے۔ کیونکہ قمیص کا اطلاق اس کفنی یا پیرہن پر نہیں ہوتا جو

سوئی کو پھاڑ کر میت کے نیچے اوپر ڈال دیا جاتا ہے۔ ہاں فقہاء نے یہ اجازت دی ہے کہ میت کی قمیص میں کلیاں نہ ڈالی جائیں تو مضائقہ نہیں۔

مسئلہ دفن کرنے کے بعد میت کا نکالنا درست نہیں ہے اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ امانۃً دفن کیا جائے یا نہیں۔ اور امانۃً دفن کرنا شریعت سے ثابت نہیں (کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ)

مسئلہ منہ دیکھنا میت کا درست ہے۔ لیکن بعد کفن میں ڈھکنے کے کھولنا چہرہ کا اچھا نہیں ہے، امانۃً دفن کرنا شرعاً بے اصل ہے اس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے اور اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے کہ اگر امانۃً دفن کیا گیا تو میت تفسخ وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے

تابوت بند شدہ کو کھولنا بھی جس میں میت ہے درست نہیں۔ (عزیز الرحمٰن)

فائدہ قبر کی پرستش متعاد ہے۔ نعش کی پرستش متعاد نہیں۔

اگر مُردہ شوئی بأجرت نہ ہو اور افعال خلافِ مروّت وخلافِ مکارمِ اخلاق امام سے سرزد نہ ہوتے ہوں تو اس کی امامت جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر غسّال اجرت لیتا ہو اور بداخلاقی کے اعمال اس سے صادر ہوتے ہوں تو اس کی امامت مکروہ ہوگی کیونکہ ایسے شخص لوگ نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں کفایۃ المفتی ج ۴ ص ۳۰

عالم کی میت کے سر پہ عمامہ باندھنے کی اگرچہ بعض متاخرین نے اجازت دی ہے لیکن بہتر اور سُنّت کے موافق یہی ہے کہ عمامہ نہ باندھا جائے۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمامہ نہیں باندھا گیا۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عمامہ کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے۔

نمازِ جنازہ کے وقت ولی یا امام کو میت کے اعمال کے متعلق شہادت لینا درست نہیں۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ میت کے محاسن یعنی نیکیوں اور خوبیوں کا ذکر کریں اور اس کی برائیوں کا تذکرہ نہ کریں۔

فقہاء کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ میت کے کفن میں ازار کے لفظ سے بھی چادر مراد ہے اور ازار بھی تہبند کی طرح ناف سے نہ رکھی جائے بلکہ سر سے قدم تک ہو دیکھو طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح وجامع الرموز وکبیری و در مختار و شامی۔

مسئلہ جو مسلمان علانیہ شراب نوشی کرتے ہیں اور بغیر نکاح کے عورتیں ڈال رکھی

ہیں اور نماز روزہ سے بالکل علیحدہ ہیں، وہ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ ان کی تجہیز وتکفین میں
پابند شریعت مسلمان شریک نہ ہوں تو جائز ہے

جب آدمی مرتا ہے تو اس کے دونوں سیدھے پھیلا دینے چاہئیں۔ سینے پر رکھنا اور
انگوٹھے باندھنا نہیں چاہئے۔

مُردہ کو قبر میں لٹانے کے بعد سرہانے اور پائنتی اور کمر تینوں جگہ کی گرہیں کھول دینا جائز
کفن مبلول بہ ماء زمزم (زمزم کے پانی سے بھگویا ہوا کفن) میرے نزدیک جواز کی جہت راجح
ہے اور اس کو استنجاء بماء زمزم پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ استنجاء میں عین زمزم کی تعرض للنجاسۃ
ہے اور ثوب مبلول بماء زمزم بصورت تر موجود نہیں ہے خشک ہو چکا ہے صرف کپڑے کا اس کے ساتھ
گذشتہ زمانہ میں تلبس ہوا ہے اور اس قسم کے تلبس کو عدم جواز تکفین میں دخل نہیں۔ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن ابی کو قمیص مبارک پہنانا ہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ صاحبزادی
زینب رضی اللہ عنہا کو اپنا تہبند (حقو) عطا فرمانا اور اشعرنہا ایاہ کی ہدایت فرمانا اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا حضور
صلے اللہ علیہ وسلم سے تہبند مانگ لینا اور صحابہ کرام کی طرف سے اظہار ناراضگی پر اس کا یہ عذر
ما سألته لألبسه ولكن لتكون كفني (میں نے پہننے کے لئے نہیں مانگا بلکہ اس لئے مانگا کہ
میرا کفن ہو) اور راوی کا یہ بیان فكانت كفنه (پھر وہ تہبند اس کا کفن بنا) بخاری میں موجود ہے
اس لئے تکفین بہ ثوب مبلول بماء زمزم تو تکفین بقمیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وازارہ وحقوہ

(کفایۃ المفتی ص ۳۳ ج ۴)

سے اہون ہے

مسئلہ مسلمان میت کو کافر قبر میں نہ اتارے۔ نہ اس کی قبر میں اترے کیونکہ کافر پر خدا کی
لعنت اترتی ہے اور مسلمان خدا کی رحمت کا محتاج ہے خصوصاً دفن کے وقت۔

اور مسلمان فاسقوں سے اگرچہ (؟) حرام نہیں تاہم ان کو بھی علاحدہ رکھنا بہتر ہے
کیونکہ ارتکاب کبائر کی وجہ سے ان پر بھی خدا تعالیٰ کا عتاب ہوتا ہے

ص ۳۴ مسئلہ جنازے کے ساتھ چھتری لگا کر چلنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے
مسئلہ عورت کا کفن کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے یہ قول امام ابو یوسف کا ہے۔ اسی پر فتوی
ہے بشرطیکہ کسی عذر کی وجہ سے شوہر کے ذمہ سے عورت کا نفقہ ساقط نہ ہوا ہو۔ کیونکہ یہ

کفن وجوبِ نفقہ کے ساتھ متعلق ہے ..... خواہ متوفاۃ کا مال ہو یا نہ ہو ص ۴۴
اس سے مراد صرف کفن، خوشبو، کافور وغیرہ کی قیمت، غسال اور قبر کھودنے کی اجرت اور بٹھانے کی لاگت ہے۔

جنازے کے ہمراہیوں کو اس کے ساتھ پیدل جانا افضل اور بہتر ہے۔ لیکن سواری پر جانا بھی جائز ہے مگر صرف خلافِ اولیٰ ہے اور واپس آتے وقت سواری پر آنا خلافِ اولیٰ نہیں ہے کیونکہ ایسی پر آنا خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

مسئلہ: لکڑی کے تختے قبر میں لگانا مکروہ ہیں لیکن اگر کوئی ضرورت ہو مثلاً بانس یا کچی اینٹیں یا سلیں نہ لگ سکیں تو مکروہ نہیں۔ لوہے کی میخیں بھی اسی حکم میں ہیں

مسئلہ: قبر کے گرد پتھر لگانے سے بشرطیکہ قبر پختہ نہ ہونے پائے صرف یہی مقصود ہو سکتا ہے کہ آثارِ قبر نہ مٹنے پائیں اس میں خوبصورت و بدصورت پتھر دونوں ایک ہی سا کام دیں گے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ لوگ دیکھ کر خوش ہوں اور ریا و سمعہ مقصود ہو تو اس صورت میں خوبصورت کیا بدصورت لگانا بھی حرام ہوگا۔ اور اگر پتھر لگایا جائے تو میت کے مال سے لگانا جائز نہیں۔ ورثہ خود اپنے مال سے لگا سکتے ہیں۔

مسئلہ: پتھر پر تاریخ وغیرہ کندہ کرنا مکروہ ہے

مسئلہ: ڈھیلوں پر سورۂ اخلاص پڑھ کر دم کر کے قبر میں رکھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: زمین کمزور ہے تو اس میں تابوت یعنی لکڑی کے صندوق میں میت کو رکھ کر اتارنا جائز ہے یا پتھر کے چوکے کھڑے کر کے چوکھٹا بنا دیں۔ اینٹ کی چنائی سے احتراز کرنا چاہئے

مسئلہ: قبر میں شجرہ رکھنا ناجائز ہے۔ اسی طرح اور لکھی ہوئی چیز میت کے کفن یا قبر میں رکھنا جائز نہیں مسئلہ: قبر میں عہدنامہ رکھ کر میت کو دفن کرنا مکروہ ہے اس سے عہدنامہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ مسئلہ: دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بھی بے ثبوت ہے اسے بھی ترک کرنا چاہئے دیوبا۔

مسئلہ: میت کی خبر سن کر دو رکعت نفل ادا کرنا بھی ثابت نہیں۔ اس کے لئے دعا کرنا ثابت ہے۔ بس یہی کرنا چاہئے۔

مسئلہ: رسم (چنے اور الائچی دانوں پر قل خوانی) قابلِ ترک ہے کیونکہ اس نے

ایک مستقل صورت اختیار کر لی ہے اور التزام مالایلزم ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔
مسئلہ حافظ کو اجرت دے کر قبر پر قرآن مجید پڑھوانا ناجائز ہے۔

جنازہ اور فرضی نمازوں میں فرق

۱۔ فرضی نمازوں کا وقت مقرر ہے۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا۔ نماز جنازہ کا وقت نہیں
۲۔ فرضی نمازوں کے لئے پہلے اذان کہنا پھر اقامت کہنا سنت مؤکدہ ہے۔ نماز جنازہ کے لئے نہ اذان نہ اقامت
۳۔ فرضی نمازوں میں ہر رکعت فاتحہ و ضم سورۃ پڑھنا واجب ہیں۔ نماز جنازہ میں نہ فاتحہ پڑھتے ہیں نہ سورت
۴۔ فرض نمازوں میں رکوع سجود قعدہ فرض ہیں۔ نماز جنازہ میں نہ رکوع نہ سجود نہ قعدہ
۵۔ فرض نمازوں میں صرف تکبیر اولیٰ فرض ہے باقی تکبیریں سنت ہیں۔ صلوٰۃ جنازہ میں چاروں تکبیریں فرض ہیں
۶۔ فرض نمازوں کی جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ نماز جنازہ کی جماعت نہ واجب نہ سنت مؤکدہ
۷۔ فرض نمازوں کا پڑھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے
۸۔ فرض نماز با جماعت میں مرد کے برابر عورت شریک جماعت کھڑی ہو تو مرد کی نماز فاسد ہے۔ جنازہ میں فساد نہیں
۹۔ فرض نمازیں مسجد میں پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔
۱۰۔ فرض نماز کا امام عورت نہیں ہو سکتی۔ نماز جنازہ کی امامت عورت کر سکتی ہے (رحیمیہ)
۱۱۔ فرض نمازوں میں صف اول کو فضیلت ہے۔ نماز جنازہ میں صف آخر کو فضیلت ہے۔ (مسلم شریف)
۱۲۔ فرض نمازوں میں امام بننا سب سے پہلے اعلم بالقرآن والسنۃ ہے۔ نماز جنازہ میں سلطان ثم ....
۱۳۔ فرض نماز کی جماعت میں اکیلا صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ جنازہ میں کراہت نہیں (نماز مسنون۔ تہذیب)

۱۴۔ فرض نماز میں امام بے وضو ہو جائے تو اسے تیمم کی اجازت نہیں۔ جنازہ میں تیمم کر کے نماز تمام کرے۔

۱۵۔ فرض نماز کی جماعت عورتوں کو مکروہ ہے۔ جنازہ کی نماز با جماعت اکیلی عورتوں کو مکروہ نہیں (دیگر)

۱۶۔ فرض نمازوں میں سلام تحلیل واجب ہے۔ نماز جنازہ میں سلام تحلیل سنت ہے (درمختار) وغیرہ۔

۱۷- فرض نمازوں میں عاقل بالغ کا وضو قہقہہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ نماز جنازہ باطل ہو وضو نہیں۔

۱۸- فرض نمازوں میں تشہد، تعوذ، بسملہ، آمین پڑھتے ہیں۔ نماز جنازہ میں ان میں سے کچھ نہیں پڑھتے۔

۱۹- فرض نماز میں امام سلام پہلا اونچا، دوسرا پست کہے۔ نماز جنازہ میں ہر دو سلام کا پست کہنا بہتر ہے۔

۲۰- فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر خفیۃً دعا مانگنا مستحب ہے۔ نماز جنازہ میں سلام کے بعد دعا مانگنا مکروہ ہے ان کے علاوہ اور بھی کئی فروق ہیں۔

چند غیر معتبر کُتب کی مختصر فہرست

(۱) بہجۃ الاسرار (۲) فضل العلماء لشرف الدین محی (۳) رسائل اخوان الصفا (۴) قوت القلوب للشیخ ابی طالب (۵) قنیہ للزاہدی المعتزلی (۶) شرح نقایہ للقہستانی (۷) شرح کنز لملا مسکین (۸) درمختار شرح تنویر الابصار (۹) شرح کنز للعینی (۱۰) نہر الفائق (۱۱) مفتاح الجنان (۱۲) فتاویٰ واجد الدین نسفی (۱۳) اوراد راحۃ العابدین (۱۴) زاد اللبیب۔

(۱۵) خزانۃ الروایات (۱۶) جامع الرموز (۱۷) شرعۃ الاسلام (۱۸) ابو المکارم رجل مجہول وکذ کتابہ (۱۹) تفسیر مقاتل بن سلیمان (۲۰) تفسیر سدی (۲۱) تفسیر کلبی عن ابن ابی صالح عن ابن عباس رضی (۲۲) کتاب العجائب لمحمود بن حمزۃ الکرمانی (۲۳) حقائق التفسیر لعبد الرحمٰن السلمی (۲۴) تفسیر زمخشری (۲۵) تفسیر عبد الرحمٰن بن کیسان الاصم (۲۶) تفسیر جبائی (۲۷) تفسیر بغوی (۲۸) تفسیر واحدی حاطب اللیل (۲۹) تفسیر ثعلبی حاطب اللیل (۳۰) فصوص الحکم (۳۱) فتوحات مکیہ۔

ذیل کی کتب میں احادیث موضوعہ کی بھرمار ہے۔

(۱) احادیث تفسیر ابن جریر (۲) احادیث درمنثور سیوطی (۳) کتب المحاسبی (۴) احادیث تفسیر زمخشری (۵) احادیث صاحب نہایہ وسائر شراح ہدایہ (۶) احادیث غنیۃ الطالبین (۷) طبقات ابن سعد۔

ردِّ رضاخانیت پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد سوم

- حصہ اول عقائد
- شرائط ایمان
- غیب دانی پر علماء احناف کی تحقیق
- بشریت نبوی ﷺ
- الاَدلۃ المنصوصہ فی صفات اللہ المخصوصہ
- رفع الاشتباہ عن آیۃ ما اھل بہ لغیر اللہ
- ازالۃ الاشتباہ عن لفظ یا عباد اللہ
- اظہار حق

مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

تشریح کلمۂ توحید

از رئیس المفسرین مجدد مائۃ اربع عشرۃ حضرۃ مولٰنا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مع

شرائطِ ایمان

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اجمالی فہرست

جلد سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد فی الخازن عن ابن عباسؓ لکل شئ لباب ولباب القرآن الحوامیم الخ۔

حمٓ اول المؤمن سورۃ مؤمن تمام قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ باقی چھ سورۃ حمٓ میں اس مدعا پر جو شبہات وارد ہوتے ہیں ان کا دفعیہ ہے۔

مختصر خلاصہ سورۃ حمٓ مؤمن کا یہ ہے کہ یہ حکم نامہ بڑے بادشاہ کا ہے۔ ضرور ماننا۔ اور وہ یقین اور ظاہر ہے کہ اس میں صرف ضدی اور عنادی جھگڑا کریں گے۔ جس نے مان لیا فرشتے حملۃ العرش وغیرہ اس کے لیے اور اس کی اولاد و ازواج کے لیے دعائیں کریں۔ اور جس نے نہ مانا وہ اللہ کے مقت کے نیچے آجائیں گے۔

وہ حکم نامہ یہ ہے کہ ایک ہی اللہ تعالیٰ کو پکارو

اور یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ رفیع الدرجات نے یہی حکم کل انبیاء کی طرف بھیجا ہے

دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا تو ظاہر ہے۔ مثلاً کسی کو غنی اور کسی کو فقیر کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کیا کرتے ہیں؟ کریں کیا سن جان تو سکتے نہیں۔ کیونکہ سننا جاننا غیب سے اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

فرعون اور اس کی آل اسی مسئلہ کے نہ ماننے کی وجہ سے غرق ہوئے تھے۔ ملائکہ ناریوں کو کہیں گے کہ فادعوا اور تورات کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ لا تتخذوا من دونی وکیلا۔ قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین یعنی

فرماتا ہے رب تمہارا" خاص مجھ کو پکارو۔ قبول کرنے کی طاقت مجھ کو ہے ما نشاء لمن نرید۔ جو لوگ میرے پکارنے پر بند نہیں ہوتے وہ جہنم میں جائیں گے۔

عبادتی کا معنے دعائی ہے۔ ابن جریر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ابن کثیر نے عبادتی کا معنے دعائی کیا ہے
لیل کو لائق سکون اور نہار کو مبصر جس اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، وہی خالق لکل شئ ہے۔ ارض کو قرار اور آسمان کو بنا بنانے والا اور رزق دینے والا جو اللہ تعالیٰ ہے، وہی برکات دہندہ ہے۔ ھو الحی لے الحی الذی لا یموت لا الٰہ الا ھو لائق عبادت کے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ اسی کو پکارو اور حمد بھی اسی کی کیا کرو۔

مختصر خلاصہ ختم مؤمن کا یہ ہوا کہ ایک ہی کو پکارو۔ اور حمد اسی کی کرو۔
تفسیر مواہب الرحمٰن والے نے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری امت پر یہی ایک آیت نازل ہوتی تو کافی ہوتی۔ یعنی آیۃ فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً۔

ایضاً عمرؓ بن الخطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رات میں پڑھا فمن کان یرجو الخ۔ اس کے لیے نور ہوگا عدن سے مکہ تک نور کے ملائکہ ہوں گے۔ رواہ البزار وابن راہویہ شیرازی فی الالقاب وصححہ الحاکم۔ عمل صالح کرنا۔ اللہ تعالیٰ کو ماننا ضروری ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے انکار کیا وہ کافر دہریہ ہوگیا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مانا اور عبادت بھی کی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں شریک بھی کیا وہ بھی کافر (مشرک) ہوگیا۔

شرک کا معنی

شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور غیر اللہ کی بھی عبادت کرے۔
شاہد اس کا یہ ہے قال اللہ تعالیٰ ولا یشرک بعبادۃ ربہٖ احدا۔
شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا شرک یہ ہے کہ اللہ کی صفت (خاصہ) کسی اور میں جانے۔ مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے۔ یا وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یا ہمارا بھلا یا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے۔ مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے۔ اور اس سے حاجت مانگے اس کو مختار جان کر۔
شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مائۃ مسائل میں فرمایا شرک کے معنے شرع شریف میں ہے خدا پاک کی مختصہ صفات غیر خدا میں ثابت کرنا۔ فارسی عبارت یہ ہے شرک در شرع ثابت کردن صفاتِ مختصۂ او تعالیٰ را بغیرِ خدا۔
شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر میں لکھا ہے کہ غیر خدا کے لیے خدا کی مختصہ صفات کا ثابت کرنا شرک ہے مثلاً جہان میں تصرف کرنا ارادہ کے ساتھ جس کو کن فیکون کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ شرک آں ست کہ غیر خدا را صفاتِ مختصہ خدا اثبات نماید مثل تصرف در عالم بارادۂ کہ تعبیر ازاں بہ کن فیکون می شود۔ اور حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے حقیقۃ الشرک ان یعتقد انسان فی بعض المعظمین (کالانبیاء والاولیاء) من الناس ان الاثار العجیبۃ الصادرۃ منہ انما صدرت لکونہ متصفا بصفۃ من صفات الکمال مما لم یعھد فی جنس الانسان بل یختص بالواجب تعالیٰ یعنی نبی ولی جیسی واجب التعظیم ہستی کے بارے یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کے ہاتھ سے عجیب وغریب آثار اس لیے نمایاں ہوتے ہیں کہ وہ ہستی صفاتِ کمال میں سے ایسی صفت کاملہ کے ساتھ متصف ہے جو خدائے پاک کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور نوعِ انسانی میں ویسی صفت نہیں پائی جاتی۔

عبادت کا معنی

عبادت کا کیا معنے ہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حدثنا الحسن بن عرفۃ قال حدثنا یوسف بن الباھلی عن محسن بن ابی جعفر عن محمد بن جحادۃ عن نسیع الحضرمی عن نعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عبادتی ای دعائی ثم تلا ھذہ الآیۃ وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی قال ای عن دعائی۔ قولہ ان الذین یستکبرون عن عبادتی یقول ان الذین یتعظمون عن افرادی بالعبادۃ وافرادی بالالوھیۃ سیدخلون جھنم داخرین عن السدی عن عبادتی قال عن دعائی۔ ابن جریر عن عبادتی ای عن دعائی۔ ابن کثیر۔

خلاصہ قرآن شریف کا حم مؤمن ہے اور خلاصہ حم مؤمن کا یہ ہے فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین والحمد للہ رب العلمین یعنی خاص ایک ہی کو پکارو۔ اور حمد بھی خاص اسی کی کرو۔

لباب قرآن حم مؤمن میں ہے۔ اور لُبِّ لباب سورۃ جن میں موجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احداً الیٰ قولہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الخ یعنی ایک ہی کو پکاروں گا، شرک نہ کروں گا، عالم الغیب خاص اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یعنی اپنے غیب پر غالب کسی کو نہیں کرتا۔ لیکن رسولوں کے لیے فرشتے تیار ہیں واسطے پہنچانے وحی کے اور دفع شیاطین کے۔

قال تعالیٰ فی کلمۃ السورۃ من یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خالدین

فیہا ابدا یعنی غیر کو پکارنا اس اعتقاد سے کہ وہ میری باتوں کو سن لیتے ہیں یا بسبب علم
غیب کے شرک ہے۔ جو یہ بات نہ مانے وہ ہمیشہ آگ میں رہے گا۔ دفی تلک
السورۃ قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا یعنی
اللہ تعالیٰ کے قہر سے ڈر کر بتاتا ہوں؛ سورۂ یونس میں ہے انی اخاف ان
عصیت ربی عذاب عظیم غیر اللہ کو پکارنا غیب داں جان کر شرک ہے؛
فی سورۃ الاحقاف ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب
لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون ۔ فی سورۃ یونس لا تدع من
دون اللہ ما لا ینفعك ولا یضرك فان فعلت فانك اذاً من الظالمین د
غیر ذلک من الآیات کثیر

معنی عبادت
از ابن قیمؒ

فی ہامش مدارج السالکین جلد ۱ ص ۴۰ العبادۃ عبارۃ عن الاعتقاد و الشعور بان للمعبود سلطۃ غیبیۃ فوق الاسباب۔ یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ کسی کو تسلط فوق الاسباب قدرت میں ہے یا علم میں، یہ شرک اعتقادی ہے۔ اور جو اقوال و افعال تعظیمی اس اعتقاد سے پیدا ہوں وہ شرک فی العبادۃ ہیں فکل ثناء او دعاء او یصاحبہ ھذا الاعتقاد فھو عبادۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا مغز دعا کو کہا ہے۔ اس واسطے کہ مقصود عبادت سے یہی دعا ہوتی ہے۔ سورۂ جن میں بھی خدا نے فرمایا قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احدا۔ تفسیر ابن جریر صفحہ ۵۳ میں ہے ایاک نعبد ای نخشع لک اقرارا بربوبیتک لا لغیرک کذا عن ابن عباسؓ عبادت خاص واسطے اللہ تعالیٰ کے ہے اور حمد بھی خاص واسطے اللہ تعالیٰ کے ہے۔ فی تفسیر ابن جریر صفحہ ۴۵ الحمد خالصا للہ دون سائر ما یُعْبَدُ من دونہ عن ابن عباس رضؓ وغیرہ۔ وفی سورۃ جاثیۃ و للہ ملک السموٰت والارض الی قولہ فللہ الحمد یعنی بادشاہی خاص واسطے اللہ تعالیٰ کے ہے اور حمد بھی خاص واسطے اسی کے ہے۔

ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے ربنا لک الحمد اے رب حمد خاص واسطے تیرے ہے۔ خازن نے اول سورۂ سبا میں لکھا ہے الحمد للہ معناہ ان کل نعمۃ من اللہ تعالیٰ فلہ الحمد حصر اضافی ہے یعنی احیاء و اماتۃ وغیرہ یعنی ظاہری اسباب سے جو قدرت فوق ہے اس سے جو صادر ہوتے ہیں وہ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ بندہ فعل مختار ہے۔ بندہ کو عابد سخی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ حمد منع نہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد تتوالی وعلیٰ آلہ واصحابہ المتادبین

امابعد جیسے نماز کی شرطیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی ایسے ہی ایمان کی بھی شرطیں ہیں اگر ان میں سے ایک شرط بھی موجود نہ ہوگی تو اس آدمی کا ایمان نہ ہوگا۔ اگرچہ مومن کہلائے

شرائطِ ایمان

ایمان کی شرطیں سات ہیں ۱ غیب پر ایمان لانا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الذین یؤمنون بالغیب آگے سے وہی بچ سکیں گے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

۲ علمِ غیب کا خاصہ سمجھنا خدائے پاک کا جیسے اللہ پاک نے فرمایا ہے قل لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللّٰہ (کہہ کر جتنی مخلوقات آسمان میں اور زمین میں ہے ان میں سے غیب کی بات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا

۳ اپنے اختیار سے ایمان لانا۔ مجبوری کا ایمان اللہ تعالیٰ کا مطلوب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا اکراہ فی الدین یعنی دین میں زبردستی کا کچھ کام نہیں ہے

۴ جن چیزوں کو حق تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے ان کو حلال جاننا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے یاایھا الذین اٰمنوا لاتحرموا طیبٰتِ مااحل اللہ لکم مسلمانو! خدائے تعالیٰ نے جو ستھری چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔

۵ جن چیزوں کو حق تعالیٰ نے حرام کیا ہے ان کو حرام جاننا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا لاتحلوا شعائر اللہ مسلمانو! خدائے تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال نہ سمجھو (نیز خدائی آداب و ارکان کی بے توقیری نہ کرو۔)

۶ خدائے تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون اللہ کے عذاب سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو آخرکار برباد ہونے والے ہیں۔

۷ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تیاسوا من روح اللہ انہ لا ییاس من روح اللہ الا القوم الکفرون خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں

شرائط وجوب ایمان کے دو ہیں ۱ عقل ۲ بالغ ہونا

اور تمام عبادتوں کی شرط وجوب ایمان ہے

واجباتِ ایمان

واجبات شریعت کے سات ہیں

۱ صدقہ فطر کا ۲ قربانی کرنا ۳ نماز وتر ۴ قرابت والوں کو خرچہ دینا ۵ ماں باپ کی خدمت کرنا ۶ بی بی کو اپنے خاوند کی خدمت کرنا حج میں عمرہ بجالانا (عندالبعض)

اسلام کی سنتیں عات ہیں ۱ ختنہ کرنا ۲ مونچھیں کترانا ۳ ناک کے بال اکھیڑنا ۴ ناخن ترشوانا ۵ بغل کے بال مونڈوانا ۶ ناف کے نیچے کے بال مونڈنا ۷ ڈاڑھی بڑھانا ۸ نبی کریم کا نام سن کر درود شریف پڑھنا (ساری عمر میں ایک بار درود فرض ہے)

شریعت کے احکام

شریعت کے احکام آٹھ ہیں ۱ فرض ۲ واجب ۳ سنت ۴ مستحب ۵ حلال ۶ مباح ۷ مکروہ ۸ حرام

اقسامِ فرض

17

فرض دو قسم ہے فرضِ عین جیسے پانچ بناءِ اسلام کے اور ایمانیات کا علم، نماز، روزہ اور پاکی پلیدی کا علم، ماں باپ کی فرماں برداری، استادوں اور علماءِ حق کی فرماں برداری، بادشاہِ اسلام کا حکم ماننا، عمل کرنا قرآن و حدیث و اجماعِ امت اور قیاسِ مجتہد پر۔

فرض کفایہ جیسے سلام کا جواب دینا میت کا غسل و کفن اور نمازِ جنازہ کی اور دفن کرنا جلد کرنا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔ علمِ دین کا سیکھنا۔ سارا قرآن یاد کرنا

اسلام کے مستحبات

جمعہ کی نماز کے لیے غسل کرنا، عیدین کی نماز کے لیے غسل کرنا، عرفہ کے دن غسل کرنا۔ احرام باندھنے کے لیے غسل کرنا۔ سر اور داڑھی میں کنگھی کرنا۔ ولیمہ کرنا۔ دعوتِ ولیمہ قبول کرنا۔ اچھا کام دائیں ہاتھ سے اور گندا کام بائیں ہاتھ سے کرنا۔ عصا ہاتھ میں رکھنا۔ قبلہ رخ تشہد کی شکل پر بیٹھنا، عشاء کی نماز کے بعد آنکھوں میں سرمہ لگانا۔ دوپہر کے وقت قیلولہ کرنا۔ سحری کے وقت اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنا۔ روٹی کھاتے وقت ہر لقمہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا۔ کھانا کھانے کے بعد کلّی کرنا۔ دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا۔ جوتے اتار کر بیٹھ کر کھانا (تکیہ لگا کر اور پاؤں پھیلا کر یا کھڑے ہو کر کھانا پینا مکروہ ہے) باوضو کھانا مستحب ہے تین انگلیوں سے کھانا۔ مٹی یا لکڑی کے برتن میں کھانا۔ دونوں ہاتھوں سے روٹی توڑنا۔ بائیں پاؤں پر بیٹھ کر اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے کھانا۔ اپنے آگے

سے کھانا۔ برتن چاٹ کر صاف کرنا۔ تینوں انگلیاں چاٹ کر صاف کرنا۔ رنیچے گرے ہوئے صاف کر کے کھانا۔ کھانے کے بعد دانتوں کو خلال کرنا۔ کھانا کھلانے والے کے حق میں دعا کرنا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِصَاحِبِ الطَّعَامِ وَ اٰکِلِیْہِ وَمُوْکِلِیْہِ وَلِمَنْ اَعَانَ فِیْہِ اور کھانا کھا چکنے کے بعد یہ کہنا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا وَاٰوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ صحابی کا نام سن کر رضی اللہ عنہ کہنا اور اماموں کا نام سن کر رحمۃ اللہ علیہ کہنا بعض علما واجب کہتے ہیں اور بعض علما مستحب کہتے ہیں۔

ایمان مفصل

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ میں ایمان لایا ہوں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخری دن یعنی قیامت پر اور اس بات کا بھی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنے سے ہوتی ہے اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونے پر (وہ نیکی پر خدا راضی ہوتا ہے اور بدی پر ناراض)

ایمان مجمل

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ

میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ہوں جیسے وہ آپ ہے اپنے ناموں کے ساتھ اور اپنی صفتوں کے ساتھ اور میں نے اس کے کل احکام قبول کر لیے

خدا تعالیٰ کے نام جیسے اللہ رحمٰن عالم الغیب والشہادۃ قیوم قدوس مجیب خالق باری وغیرہ

خداپاک کو عاقل، عاشق، معشوق، ساقی، یزدان، سخی، طبیب، معلم کہنا منع ہے۔ نہ کل کہہ سکتے ہیں نہ بعض نہ کل نہ جز نہ جزئی نہ جسم

کبیرہ گناہ یہ ہیں

شرک ریاء غضب کینہ حسد تکبر خودپسندی نفاق بغاوت طمع لالچ کفر مداہنت عیب لوگوں کے پکڑنا قضاء و قدر پر راضی نہ رہنا شکرِ خدا بجانہ لانا مکر دھوکہ ضد اور عناد فقراء کے فقر کو دیکھ کر استہزاء کرنا دولت مند کی دولت کو دیکھ کر اسکی تعظیم کرنا۔
خدا کے بندوں سے مخول کرنا اور انکی حقارت توہین اور بے عزتی کرنا حق سے اعراض اور نفسانی خواہشات پر چلنا مسلمان پر بدگمان ہونا گناہ کر کے خوش ہونا گناہ پر اصرار کرنا خدا اور آخرت کو بھول جانا خدا کے قہر سے نڈر ہونا رحمتِ خدا سے ناامید ہونا خدا کی رحمت پر توکل کر کے گناہوں میں لگا رہنا علمِ دین نہ سیکھنا علمِ دین سیکھ کر اس پر عمل نہ کرنا دنیا کی خاطر علمِ دین سیکھنا سچا مسئلہ چھپانا بغیر بلوغ شرعی کے علمِ دین یا قرآن پڑھ کر فخر کرنا کوئی عبادت کر کے اس پر فخر کرنا جھوٹ بولنا خدا یا رسول پر جھوٹ بولنا برے طریقہ کی رسم ڈالنا فرض و واجب یا سنۃ کا چھوڑ دینا تقدیرِ خدا کو نہ ماننا عہد شکنی ظالموں اور فاسقوں سے پیار کرنا نیکوں سے بغض رکھنا اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنا اور ان کو دکھ دینا زمانہ کو گالی دینا اور ظالم کہنا احسان کرنے والے کے احسان کی ناقدری کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود نہ پڑھنا کبیرہ گناہ پر راضی ہونا کبیرہ گناہ کرنے والے کے ساتھ تعاون کرنا

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا سونے کی انگوٹھی پہننا صرف مردوں کو۔

قرآن یاد کرکے بھول جانا قرآن میں کمی بیشی کرنا پیشاب سے نہ بچنا بغیر ضرورت کے
ننگ کھولنا راستہ میں پیشاب پاخانہ کرنا بغیر تہبند کے حمام میں نہانا

حیض و نفاس کی حالت میں بیوی سے ہمبستری جان بوجھ کر نماز نہ پڑھنا بغیر
عذر کے نماز کو ٹلا کر پڑھنا یا قضا کرنا نماز وقت سے پہلے پڑھنا ایسی چھت پر سونا
جس پر منڈیر نہ ہو نماز میں کسی واجب کا ترک کرنا جسم پر پٹیاں لگانا اور لگوانا۔
دانتوں کو تیز اور نوکدار بنانا اور بنوانا نمازی کے آگے سے گذرنا۔ ترک جماعت
صف کو برابر نہ کرنا نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا۔ عورت کا اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگانا
قبروں کو بالشت سے اونچا اور پختہ بنانا قبروں پر قبے بنانا قبروں پر علم گاڑنا۔
عورت کا بغیر محرم یا خاوند کے سفر کرنا بدفال لینا اور سفر سے واپس آنا بغیر عذر کے نماز
جمعہ نہ پڑھنا مردوں کو ریشمی لباس پہننا عورت کا پیشانی کے بالوں کو اکھیڑنا ناخنوں
پر نوپالش لگانا مردوں کا عورتوں کے مشابہ اور عورتوں کا مردوں کے مشابہ بننا۔
عورت کو پتلا دوپٹا اوڑھنا پتلا کپڑا پہننا جس سے بدن دکھے ٹخنوں سے نیچے تہبند
رکھنا گھٹنوں کو ننگا رکھنا ناف سے نیچے کا حصہ ننگا کرنا اکڑ کر چلنا بغیر جہاد کے
سر اور داڑھی کو سیاہ رنگ کرنا چاند کا ہالہ دیکھ کر یہ عقیدہ رکھنا کہ کل بارش ہوگی۔
مصیبت کے وقت منہ پر تھپڑ مارنا خراشیں کرنا سر پر مٹی یا راکھ ڈالنا بال پھاڑنا پیٹنا
گریبان پھاڑنا رخسار پیٹنا واویلا کرنا سینہ کوبی کرنا۔
مشرکانہ تعویذ گلے میں ڈالنا گنڈا تاگا ڈالنا
زکوٰۃ نہ ادا کرنا یا مقدار واجب سے کم ادا کرنا ضرورت سے زائد مکان بنانا مکان میں بغیر ضرورت
پیسہ لگانا۔

اندھے کو راستہ سے بھٹکانا اس پر ہنسنا اندھے کا عصا چھپا لینا۔ 2 1
امانت میں خیانت کرنا اپنے شریک کے ساتھ خیانت کرنا وکیل کا موکل کے ساتھ خیانت کرنا
مریض کا قرض سے انکار کرنا وارث کو وصیت کرنا یا اس کے لیے قرض کا اقرار کرنا بغیر اجازت
مرض الموت" دوسرے وارثوں کے تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کرنا کسی کا مال ظلماً چھیننا
چوری ڈاکہ جھوٹی شہادت دے کر مال دلوانا سود جوا لوٹ رشوت لینا دینا اور
دلوانا سود لینا دینا دلوانا لکھنا لکھوانا گواہ بننا جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ہتھیا لینا۔
جھوٹے اشتہارات جاری کر کے روپیہ کمانا ناقص مال پورے داموں پر بیچنا حیلہ سازی
اور دغابازی سے پیسہ کمانا لاٹری اعلیٰ حکام کی خدمت میں نذرانے بھینٹ دینے دلانے
شاندار دعوتیں پیش کرنے والی کی اجرت گانے والی کی اجرت کاہن کی اجرت بیع
باطل اور فاسد حرام عقد فاسدہ اجارۂ فاسدہ اجرت دینے میں ٹال مٹول مرہونہ چیز
سے مرتہن کا نفع حاصل کرنا۔ اجنبیہ کی طرف نگاہ کرنا بغیر اشد ضرورت کے شہوت کے ساتھ
اس کو ہاتھ لگانا ایک کمرہ میں اکیلا ایک اجنبی عورت کے ساتھ ہونا اجنبی عورت سے فحش بولنا،
بے ریش لڑکے کے ساتھ یہ مذکورہ بالا کام غیبت کرنا خوشی سے غیبت سننا اور رد نہ کرنا
ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرنا مسلمان کے عیوب تلاش کرنا چغلی کرنا سخن چینی
دو رخی کرنا، بہتان، منگنی پر منگنی کرنا، اغلام بازی، زنا کرنا، جان دار کی
تصویر بنانا اور رکھنا اور خریدنا اور بیچنا، دعوت میں طفیلی بننا، ایک بیوی کے حقوق پامال
کر کے دوسری بیوی کی طرف جھکنا، بیوی کی حق تلفی، خاوند کی نافرمانی، بغیر عذر شرعی
بھائی مسلمان سے بائیکاٹ کرنا، مسلمان سے منہ پھیر لینا، عورت کا خوشبو لگا کر بناؤ سنگار
کے ساتھ خاوند کے گھر سے باہر نکلنا، بغیر اجازت خاوند کے عورت کا گھر سے نکلنا،
عورت کا خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنا، قسم کھا لینا عورت سے صحبت ہی نہ کرے گا

عورت کے ظہار کرنا۔ لواطت کرنا۔ پاکدامن مرد یا عورت کو زنا یا لواطت کی تہمت لگانا یا کسی کو زانیہ کا بیٹا بیٹی کہنا یا خاوند کو زانیہ کا خاوند کہنا، گالی دینا، اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگانا۔ کسی کو نسب کے بارے طعن کرنا۔ مطلقہ کا عدت پورا کرنے میں خیانت کرنا، عدت میں بیٹھنے والی عورت کا خاوند کے گھر سے باہر نکلنا بغیر اشد ضرورت کے، بیوہ عورت کا چار ماہ دس دن تک سوگ نہ منانا، خاوند کا بغیر شرعی حکم کے عورت کو روٹی کپڑا مکان کا بندوبست نہ کرنا، اولاد کو ضائع کرنا، ماں باپ دادا دادی نانا نانی کی نافرمانی کرنا (اگر شریعت کے خلاف بات منوائیں تو نہ ماننے لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ خدا پاک کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی بات نہ مانی جانے) قطع رحمی کرنا، غیر مسلم کے ساتھ دوستی گانٹھنا، بیگار لینا، مسلمان یا ذمی کو قتل کرنا (قصاص، زانی محصن مرتد کے علاوہ) خودکشی کرنا، ایسی مشقت والا کام اختیار کرنا جس سے ہلاکت کا احتمال غالب ہو، حقوق العباد کا تلف کرنا، مسلمان کو ڈرانا، ہتھیار وغیرہ مسلمان پر اٹھانا یا اس کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا، جادو سیکھنا، سکھانا، استعمال کرنا، غیب کی خبریں بتانا نجومی کا پیشہ، بدشگونی لینا، جادو منتر کے طور پر کنکری پھینکنا، احوالِ عالم معلوم کرنے کے لیے ستاروں کو دیکھنا، پرندہ اڑا کر شگون لینا، کاہن کے پاس غیب کی باتیں پوچھنے کا اور اس کو مان لینا، نجومی اور جادو منتر والے کے پاس احوال پوچھنے جانا اور اس کو مان لینا، بادشاہِ اسلام کے خلاف خروج اور بغاوت، بادشاہِ اسلام کی بیعت توڑنا کسی دنیوی مفاد کے لیے، خائن آدمی کو حاکم مقرر کرنا، خائن کا حاکم مقرر ہونا، خائن کا حاکم یا قاضی بننے کی درخواست کرنا، پیسہ خرچ کر کے حکومت کا عہدہ لینا، نیک آدمی کو معزول کر کے اس سے کم درجہ والے کو اس کی جگہ مقرر کرنا، امامِ وقت یا امیر یا قاضی کا ظلم کرنا بدعتی کو پناہ دینا، کسی مسلمان کو کافر، یہودی، بے ایمان، بدمعاش، زانی وغیرہ کہنا،

حدِ شرعی جس پر ثابت ہو جائے اس کے حق میں سفارش کرنا کہ حد نہ لگے ، مسلمان کی ہتکِ عزت اور بے حرمتی کرنا ، مسلمان کی عیب جوئی کرنا ، رسوا اور ذلیل کرنا ، زاہدوں اور نیک لوگوں کے لباس میں محرمات کا ارتکاب کرنا ، حدود قائم کرنے میں مداہنت سے کام لینا ، جانور سے بدفعلی کرنا ، عورت کا عورت سے بدفعلی کرنا ، بغیر ولی یا گواہوں کے نکاح کرنا اور اس کو استعمال کرنا ، متعہ کرنا ، نکاحِ موقت کرنا ، نوکرانی سے زنا کرنا ، زانی کی خاطر عورت کو روک رکھنا ، چوری ، شراب اور سرمست کرنے والی چیز کا استعمال اور شراب بنانا اور بنوانا اور اٹھانا اور اٹھوانا ، پینا اور پلانا اور خریدنا اور بیچنا اور بکوانا اور خرید کروانا اور اس کے داموں کا استعمال ، سود کا لکھنا لکھوانا گواہ بننا بنانا ، قتل یا لوٹنے بے عزتی یا ڈرانے دھمکانے کے ارادہ سے بے گناہ آدمی پر حملہ کرنا ، مالکِ مکان کی اجازت کے بغیر دروازہ کی جھریوں میں سے مکان کے اندر دیکھنا ، ختنہ نہ کرنا مرد کے حق میں جب کہ عذر بھی کوئی نہ ہو ، جہاد نہ کرنا ، سرحدوں کی حفاظت نہ کرنا ، باوجود قدرت کے نیکی کا حکم دینا ترک کرنا برائی سے نہ روکنا ، دوسروں کو نیک کام بتانا اور خود وہ کام باوجود استطاعت کے نہ کرنا ، اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر یہ چاہنا کہ لوگ میری تعظیم کے لیے کھڑے ہوں یا کھڑے رہیں ، میدانِ جنگ سے بھاگنا ، طاعون کی جگہ سے نکل بھاگنا ، مالِ غنیمت میں چوری کر لینا ، مالِ غنیمت میں چوری کرنے والے پر پردہ ڈالنا ، کسی کو امان دے کر پھر قتل کر دینا یا مال لوٹ لینا ، مثلہ کرنا ، کفار کے بچوں ، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنا بشرطیکہ وہ مقاتل یا مشیر یا وزیر یا بادشاہ نہ ہوں ، بغیر بتائے کے کفار سے جنگ شروع کر دینا ، کافروں کی کھیتیاں بغیر جنگی ضرورت کے تباہ کرنا اور ان کے پھلدار و سایہ دار درخت کاٹنا ، فخریہ طور پر یا نمائش کے لیے گھوڑے وغیرہ رکھنا ، جوئے میں جیتنے کی خاطر گھوڑوں وغیرہ کی دوڑ لگانا اسی طرح تیر اندازی وغیرہ جوئے میں

جیتنے کی خاطر کرنا ، جنگی سبق حاصل کرنے کے بعد اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے چھوڑ دینا جس کا نتیجہ یہ ہو کہ دشمن غلبہ پائے اور مسلمانوں کی آبرو ریزی ہو ، جھوٹی قسم کھانا ، غیر اللہ کی قسم کھانا مثلاً پیر ولی نبی قرآن کعبہ کی قسم کھانا ، امانت یا دیوی دیوتا یا کسی اور بت کی قسم کھانا ، یہ کہنا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں کافر ہوں یا یہودی یا نصرانی یا مجوسی وغیرہ ہوں یا میں اسلام سے بری ہوں ، نذر مان کر اس کا پورا نہ کرنا ، غلط کار کے ساتھ تعاون کرنا ، قاضی وغیرہ کو ایسے کام پر رضامند کرنا جس پر خدا ناراض ہو ، سفارش کی وجہ سے ہدیہ قبول کرنا ، ناجائز مقدمہ بازی ، بغیر شرعی علم کے وکالت کرنا ، حق مانگنے کے لیے سخت طریقے سے جھگڑنا ، مخالف اور مقابل کو ایذا دینے کے لیے جھوٹ بولنا ، اور اس پر غلبہ پانا ، مخالف پر غلبہ پانے کے ارادے سے محض ضد و عناد سے جھگڑنا ، تقسیم کرنے والے کا تقسیم میں بے انصافی کرنا ، اسی طرح قیمت پانے والے کا قیمت پانے میں بے انصافی کرنا ، جھوٹی شہادت دینا دلوانا اور اس کو قبول کر لینا ، بغیر عذر کے شہادت چھپانا ، جس جھوٹ میں حد ہو یا ضرر ہو ، شرابیوں اور دیگر فاسقوں فاجروں کے ساتھ انس و محبت رکھنا اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ، قاریوں عالموں کا فاسقوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ، نرد شطرنج اور ان کے علاوہ ہر قسم کی کھیل (البتہ نشانہ لگانے کے لیے تیر اندازی وغیرہ اور گھڑ دوڑ توپ بندوق وغیرہ چلانا اور اسلحۂ جنگ کا استعمال اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلحہ کے ساتھ ٹریننگ لینا اور دینا فرض ہے) بانسری ، دف ، ڈھولک ، ڈھول وغیرہ باجے بجانا ، گانے گانا ، آلات لہو و لعب کے ساتھ قرآن خوانی اور نعت خوانی اور مدح سرائی ، اور ایسی ہی سننا ، ناچ اور رقص کرنا ، عورتوں یا بے ریش بچوں کے محاسن و اوصاف بیان کر کے قصیدوں کی ذکر کرنا ، شعر خوانی جس میں کسی مسلمان کی ہجو ہو یا ایسے اشعار کا سننا لکھنا اور

ان کی اشاعت اگرچہ وہ شعر سچے ہوں، حد سے زیادہ کسی کی مدح اور خوبی بیان کرنا، اور اکثر وقت اس میں ضائع کرنا، حد سے زیادہ کسی کی مذمت بیان کرنا، چھوٹے گناہ پر اصرار کرنا اور اس کی عادت بنالینا، کبیرہ گناہ کرکے توبہ نہ کرنا، انصار و مہاجرین سے بغض رکھنا، کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعین یا سلف صالحین یا اولیاء کرام وصوفیاء عظام علماء حق کو گالی دینا، مردار کھانا، خون کا استعمال، سور کا گوشت کھانا،

نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، مالدار ہوکر حج نہ کرنا، زکوٰۃ نہ دینا، قربانی نہ کرنا، اور پیداوار کا عشر نہ دینا، کفار کی رسوم کو پسند کرنا، تعزیہ بنانا، کسی پیر فقیر نبی ولی اور جوگی کی قبر پہ سجدہ اور طواف کرنا، اور ان سے مرادیں مانگنا، ان کے نام کی منتیں ماننا، ان کے نام کی چوٹی رکھنا یا کپڑا پہننا، دیوی دیوتا، سیتلا، مسانی، ناتا، گنگا، بھوانی جمنا، سُتی، نل، صاحب مولا وغیرہ کی پوجا کرنا، ان کا تھان یادگار بنانا، ان کو نذر و نیاز اور بھینٹ چڑھانا، شادی میں دولہا کو سہرا، کنگنا، بدھی، زرد لباس پہننا، مہندی لگانا، دولہن کی سیول کرنا، نامحرموں کے ساتھ چوتھی کھیلنا، ناچ دیکھنا، نامحرم عورتوں یا بھانڈوں یا فاسقوں اور فاجروں کا گانا سننا، نجومی سے شادی کی گھڑی پوچھنا اس سے پھیرے کروانا، ہندؤں کی طرح چوکا دے کر کھانا اور پکانا، ان کے مشابہ نام رکھنا، ان کی سی صورت بنانا، ڈاڑھی منڈانا یا اتنی کتروانا کہ ایک مشت سے کم رہ جائے، مونچھیں بڑھانا، مرد کو عورت کے اور عورت کو مرد کے مشابہ صورت بنانا، اسراف کرنا یعنی حد سے زیادہ خرچ کرنا، تبذیر یعنی بے موقع و بے محل فضول خرچ کرنا، مرد آدمیوں کی باہم باتیں ہو رہی ہوں تو چھپ کے ان کو سننا،

مسئلہ: گناہ کبیرہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اگر ان گناہوں کا کرنے والا بغیر توبہ کے مرگیا تو بقدر گناہ کے دوزخ میں عذاب پائے گا۔ اور شرک کرنے والا تو

ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا

مسئلہ صغیرہ گناہ عبادات سے معاف ہو جاتے ہیں

مسئلہ حقوق العباد (بندوں کا حق) ادا کرنا یا معاف کرانا بھی ضروری ہے۔

معرفتِ باری تعالیٰ

من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ

یعنی جس شخص نے اپنی ذات اور حقیقت کو پہچان لیا' اس شخص نے اپنا رب پہچان لیا

یہی مضمون قدیم آسمانی کتابوں میں بھی مشہور و معروف ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی مثل آئینہ کے ہے۔ اگر انسان اپنے اندر بڑی غور فکر سے کام لیگا اور بڑے تعمق اور گہری نگاہ سے دیکھے گا تو خدا پاک کی حقیقت اور معرفت حاصل کر لیگا مگر بہت سے بندگانِ خدا اپنے اندر دیکھتے ہیں لیکن خدا کو نہیں پاتے۔ معلوم ہوا کہ کوئی خاص طریق ہے جس کے ذریعے سے آدمی خدا کو پہچان سکتا ہے اور اسی طریقہ سے آدمی 'معرفتِ الٰہی کا آئینہ بن جاتا ہے۔

وہ طریقہ جو ہر شخص کی سمجھ میں آسکتا ہے یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی و وجود سے خدا کی ہستی جانے۔ اپنی صفات سے اس کے صفات جانے۔ اور جس طور سے کہ انسان اپنی سلطنت اپنے جسم اپنے اعضاء میں تصرف کرتا ہے اسی پر قیاس کر کے خدائی تصرف تمام عالم میں پہچانے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب پہلے پہلے آدمی نے اپنی ہستی کو پہچان لیا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ اب سے چند سال پیشتر نیست و نابود تھا اس کا نام و نشان تک نہ تھا ہَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا واقعی انسان پر ایک زمانہ بھی رہا ہے کہ کوئی چیز نہ تھا جس کا ذکر کیا جاتا)

اور یہ بات عرفاً عقلاً اور شرعاً ہر طرح ثابت ہے کہ آدمی اپنی پیدائش سے پہلے منی کا ایک قطرۂ ناپاک تھا نہ اس میں عقل تھی نہ ادراک نہ ہاتھ نہ پاؤں وغیرہ بلکہ ایک سفید رنگ کا پانی تھا جسے دیکھ کر ہر ذی شعور آدمی نفرت کرے۔ پھر یہ عجیب و غریب صنائع اس میں کہاں سے آگئیں۔ کیا خود بخود پیدا ہوا یا کسی دوسرے نے پیدا کیا۔ وہ دوسرا اس کی ماں ہے یا باپ۔ یا اور تیسرا شخص صاحب قدرت ہے؟ خود بخود پیدا ہونا تو سمجھ میں نہیں آتا۔ اور کوئی اس کا قائل بھی نہیں۔ ہاں ایک فرقہ دہریہ جو بخت و اتفاق کا قائل ہے۔ اور اس کے نزدیک اس رنگا رنگ عالم کا وجود اتفاقاً ہو گیا۔ وہ تو یہ کہیں گے مگر ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ آدمی اس وقت بھی جب کہ درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے ایک بال پیدا کرنے پر تو قادر نہیں۔ اس وقت جب کہ قطرۂ منی تھا اس سے زیادہ عاجز و خوار اور بے اعتبار تھا۔

اس کے ماں باپ کا بھی حال یہی ہے کہ اس کی طرح یہ بھی کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے۔

بس معلوم ہوا کہ اس کا پیدا کرنے والا کوئی اور قادر توانا بے مثل حکمتوں والا ہے۔

انسان جب اپنے جسم کے اندر اور باہر کے اعضاء پر نظر کرے قدرت خالق لیل و نہار بخوبی عیاں ہو جائے گی۔ اور یقین حاصل ہوگا کہ اس کے خالق (پیدا کرنے والے) کو قدرت حاصل ہے، جو چاہے کر سکتا ہے، اسی کی قدرت کاملہ ہے کہ ایک ذلیل و خوار و بے اعتبار پانی کے قطرہ سے ایسی حسین و جمیل اور پاکیزہ صورت جس میں طرح طرح کی صنعتیں عجیب و غریب جتنیں موجود ہیں کتم عدم سے نکال کر منصۂ وجود میں لایا فتبارک اللہ احسن الخالقین ؎

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ است بر آب صورت گری

وہی یگانہ ذات ہے جو پانی کی بوند کو پری کی طرح حسین صورت عطا فرماتے۔ اور کون ایسا ہے جو پانی پر ایسی صورت بنانے میں اپنی کاری گری کر دکھائے۔

جب آدمی اپنے اعضاء کے منافع پر نظر کرے اور جانے کہ یہ عضو کس کام کے لیے پیدا کیا

ہے۔ اس کے نہ ہونے سے کیا نقصان تھا تو معلوم کر سکتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے میں وہ خوبیاں اور کمال ہیں جو دوسرے میں کسی طرح ممکن نہیں

مثلاً ہاتھ پاؤں آنکھ کان دانت زبان وغیرہ اعضاء ظاہری ہیں۔ جگر۔ تلی گردہ پتّا وغیرہ باطنی اعضاء ہیں۔ ان اعضاء کے کام دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ انسان کے اندر ان سب کو جمع کرنے والا بہت بڑا صاحب علم ہے اس کا علم وسیع ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی اور غائب نہیں ہے اور وہ سب پر قادر ہے اور سب سے توانا تر ہے۔ اگر روئے زمین کے بڑے بڑے حکیم و دانا فلاسفر ڈاکٹر جمع کرو اور ان کو برسوں کی عمریں دی جائیں۔ اور ان سے کہا جائے کہ ایک عضو خاص مثلاً ہاتھ بنائیں اور جو کام اس قدرتی ہاتھ سے ہوتے ہیں اس سے بڑھ کر یا اسی قدر اس ہاتھ سے لیں ممکن نہیں کہ وہ بنا سکیں بلکہ اس کی نقل بھی کیسا دانت جیسے بنے ہیں مثلاً اگلے چار دانت کہ ان کا سرا تیز نکیلا ہے اس غرض سے کہ سخت چیزیں کُترے ٹکڑے کریں۔ ڈاڑھیں چوڑی بنائیں تا کہ کھانا باریک کریں اور چکی کی طرح اس کو پیسیں۔ زبان دانتوں کے درمیان جیسے چکی کا کُگوا۔ اس کے سہارے سے کھانا دانتوں کے پاس پہنچتا ہے وہ چباتے ہیں۔ زبان میں قدرتی تیزی ہے جو غذا کو نرم اور پتلا کر کے پیسنے میں مدد دیتی ہے اور غذا کو تر کر کے حلق سے باآسانی اتار دیتی ہے۔ یہ باتیں دانتوں اور زبان سے متعلق ایسی ہیں کہ سارے عالم کے عقلمند مل کر ایک دانت اس سے بہتر کیا ایسا بھی نہیں بنا سکتے بلکہ ان کے وہم و خیال میں بھی اس سے اچھی صورت نہیں آتی۔

ہاتھ میں پانچ انگلیاں لگا دیں۔ چار برابر برابر۔ انگوٹھا کچھ دور رکھا اور کچھ چھوٹا بنایا اور اس وضع سے قائم کیا کہ چاروں انگلیوں سے مل کر کام کرتا ہے۔ اور سب سے مل سکتا ہے۔ پھر ہر انگلی کے تین تین پورے۔ ان پانچوں انگلیوں کو ہتھیلی کے ساتھ ملا کر ڈوئی کی صورت کر لو۔ چاہے انگلیاں سب ملاؤ۔ چاہے کشادہ رکھو۔ مگر

موقع ہو تو مٹھی باندھ کر دشمن کے مقابلہ کے لیے ایک ہتھیار بنا لو۔ خوب اس کے گھونسے جماؤ۔ اسی طرح بہت کچھ کام نکلتے ہیں۔

بھلا کون ہے جو اس سے بڑھ کر ہاتھ بنا سکے۔ اگر دنیا کے عقلمند جمع ہو کر ان انگلیوں کی ترتیب میں کوئی دوسری ترکیب و وضع پسند کریں مثلاً پانچوں انگلیاں برابر برابر ایک صف میں ہوں یا تین ایک طرف دو ایک طرف یا پانچ کی جگہ چھ ہوں یا چار، غرض جو کچھ سوچیں سراسر نقصان ہوگا۔ خوبی تو درکنار وہ ہاتھ یا پنجہ بدنما بلکہ شاید بیکار ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا نے انسان کے پیدا کرنے سے پہلے اس کی ترکیب اعضاء اس کے ہر عضو کے وضع کو خوب جان رکھا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر دوسری صورت کسی طرح ممکن نہیں۔ جیسی خدا نے بنائی ویسی ہی موزوں و مناسب تھی۔ خدا کا علم انسانی تصویر کے متعلق ہر طرح محیط تھا۔ اسی طرح انسان کے ہر جزو اور ہر عضو میں ہزاروں حکمتیں ہیں جس قدر غور کرو اسی قدر اس کی حکمتیں ظاہر ہوں گی اور جیسی اس کی حکمتیں زیادہ سمجھیگا تعجب و عظمت علم خدا کی زیادہ ہوتی جائے گی۔

آدمی اپنی حاجتوں اور ضرورتوں پر نظر کرے۔ تو سب سے پہلے خود اپنے ہی وجود کا محتاج ہے غذا، لباس، مکان، کھانے پینے کی پیدائش مینہ پر موقوف ہونا، ہوا اور جاڑے گرمی کی ضرورت، آلات کاشتکاری وغیرہ کے واسطے لکڑی لوہا تانبا پیتل وغیرہ درکار ہونا اور پھر ہر چیز بنانے کی ترکیب معلوم ہونا۔ ان سب پر غور کرنے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو بہت سے کام بند رہتے اور کس کی سمجھ میں آتا کہ مثلاً کپڑا سینے کے واسطے سوئی تاگا ہونا چاہیے۔ انسان یقین کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی دین ہے اور محض اس کی عنایت و رحمت ہے اور وہ اپنے بندوں پر ان کی ماں سے زیادہ مہربان اور باپ سے زیادہ شفیق ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ اپنی ذات و ہستی جاننے سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

خُدا کی صفاتِ مختصّہ

ربّ العٰلمین الرحمٰن مالک یوم الدین عالم الغیب علیم بذات الصدور حاضرِ کل ناظرِ کل مختارِ کل خالق رزاق مسبب الاسباب حاجت روا مشکل کشا وہاب حی قیوم محیط بکل شے۔ واہب الابناء مالک کل شی علی کل شئ قدیر سمیع کل الاصوات مدبّر بصیر بکل شئ مستعان ممسک السمٰوٰت والارض محیی ممیت دافع البلیات بارئی شافی الامراض حالی المشکلات رفیع الدرجات رب العرش مجیب الدعوات کاشف المہمات ارحم الراحمین القدوس الوہاب مُغنی سریع الحساب مُغیث کل برکات دہندہ مُلک الاملاک۔

عبادت کے اقسام

نماز روزہ حج زکوٰۃ عمرہ اعتکاف قربانی صدقہ سجدہ غائبانہ پکارنا فوق الاسباب امور میں مدد مانگنا، فوق الاسباب امور میں نذر ماننا طواف کرنا کفارہ ادا کرنا محشر اور نشرِ حشر سعی صفا و مروہ کی وقوفِ عرفہ عورت کا عدت بیٹھنا۔ توحید۔ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا۔

دین کے معنے

دین: مجبوری، دعا، طاعت، عبادۃ، بدلہ، حال
جزم، مذہب، غلبہ، عادۃ، ملک، قدرت، حکم، چال

۱۳۱

حصہ اول مسئلہ علم غیب

الادلۃ المنصوصہ

فی صفاتِ اللہ المخصوصہ

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبین وعلی الہٖ واصحبہٖ واھل بیتہٖ اجمعین ○ امابعد

میرے علم میں یہ بات لائی گئی کہ ایک مفتی صاحب نے اپنے فتوے میں لکھا ہے کہ جو شخص حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب' حاضر و ناظر' مختارِ کل'۔۔ ۔۔۔۔۔۔ وغیرہ نہیں سمجھتا وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ ہے۔ جبکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کفر ہے۔ مجھے اس فتوے کا جواب دینے کے لیے کہا گیا۔ لیکن وہ فتویٰ کہیں اوپر نیچے ہو گیا۔ اور مجھے اس وقت اس کے مندرجات کا پوری طرح علم نہیں کہ اس میں کیا کیا لکھا تھا۔ البتہ اس فتویٰ کی سب سے نمایاں بات یہی تھی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

○ بہر حال اس فتوے کا جواب دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بعض ایسے صفاتِ مختصہ کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے جن میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ مثلاً:

◘ ① الٰہ یا معبود ہونا ② رب العلمین ③ الرحمٰن ④ مالک یوم الدین ⑤ عالم الغیب ⑥ علیم بذات الصدور ⑦ حاضرِ کل ⑧ ناظرِ کل ⑨ مختارِ کل ⑩ خالق ⑪ رزاق ⑫ مسبب الاسباب ⑬ قاضی الحاجات (حاجت روا) ⑭ حال المشکلات (مشکل کشا) ⑮ وہاب (داتا) ⑯ حی ⑰ قیوم ⑱ محیط بکل شی ⑲ واہب الاولاد و الابناء ⑳ مالک کل شی ㉑ علی کل شی قدیر ㉒ سمیع کل الاصوات ㉓ مدبر الامر ㉔ بصیر بکل شی ㉕ مستعان ㉖ ممسک السمٰوت والارض

(۲۷) مُحیی (۲۸) مُمیت (۲۹) دافع البلیات (۳۰) الباری
(۳۱) شافی الامراض (۳۲) رفیع الدرجات (۳۳) ربّ العرش (۳۴) مُجیب
الدعوات (۳۵) کاشف المہمّات (۳۶) ارحم الراحمین (۳۷) القدوس
(۳۸) سریع الحساب (۳۹) مُغیث کل (۴۰) مالک الاملاک اور
(۴۱) برکات دہندہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور ان
مخصوص صفاتِ الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی اپنا
شریک نہیں بنایا۔ اور اس کا ثبوت قرآن و حدیث کی متعدد آیتِ
مبارکہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً

(1) الوہیت

"معبود" و "اِلٰہ" ہونا۔ یہ صفتِ مختصہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی
کو نہیں دی۔ حتّٰی کہ اپنے پیارے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو بھی یہ صفت عطاء نہیں فرمائی۔ اور سوائے چند گمراہ لوگوں کے اس پر
ہر کلمہ گو کا ایمان ہے۔ اور اسلام کا پہلا کلمہ ہی یہ ہے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ
کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اسی عقیدہ کی تعلیم حضرت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے دی۔ اور قرآن مجید میں بھی متعدد
مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مخصوص صفت کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً:

(1) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ (۴۷:۱۹)

(2) لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (۲:۱۶۳۔ ۲:۲۵۵۔ ۳:۲۔ ۳:۶۔ ۳:۱۸ (دوبار)
۴:۸۷۔ ۶:۱۰۲۔ ۶:۱۰۶۔ ۷:۱۵۸۔ ۹:۳۱۔ ۹:۱۲۹۔ ۱۱:۱۴۔
۱۳:۳۰۔ ۲۰:۸۔ ۲۰:۹۸۔ ۳۲:۱۶۔ ۲۷:۲۶۔ ۲۸:۷۰۔
۲۸:۸۸۔ ۳۵:۳۔ ۳۹:۶۔ ۴۰:۳۔ ۴۰:۶۲۔ ۴۰:۶۵۔
۴۴:۸۔ ۵۹:۲۲۔ ۵۹:۲۳۔ ۶۴:۱۳۔ ۷۳:۹۔)

(3) مَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللہُ (۳:۶۲۔ ۵:۷۳۔ ۳۸:۶۵)

④ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۲: ۱۶۳۔ ۱۶: ۲۲۔ ۲۱: ۱۰۸۔ ۴۱: ۶)

⑤ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (۷: ۵۹۔ ۷: ۶۵۔ ۷: ۷۳۔
۷: ۸۵۔ ۱۱: ۵۰۔ ۱۱: ۶۱۔ ۱۱: ۸۴۔ ۲۳: ۲۳۔ ۲۳: ۳۲۔

○ بہرحال قرآن مجید کی بے شمار آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السّلام نے اپنی اپنی قوم کو یہی مسئلہ سمجھایا۔

○ اب اگر کوئی شخص ان قرآنی آیات اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں خواہ کوئی کتنا ہی اللہ تعالیٰ کا مقرب ہو۔ اور کسی کو مسئلہ سمجھانے کی غرض سے ضرورت کے مطابق قدرے تفصیل کے ساتھ اگر یہ بھی کہدے کہ "نہ کوئی ولی نہ کوئی فرشتہ نہ کوئی نبی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب پیغمبر حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بھی معبود نہیں"۔ تو اس کی یہ بات بالکل درست ہوگی اور اس میں کسی قسم کی کوئی گستاخی نہیں۔ کیونکہ اس کی یہ بات قرآن مجید کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ اور اگر کوئی شخص قرآنی تعلیمات کے برعکس اس کو غلط سمجھے اور کہے کہ مخلوق میں بھی کوئی معبود ہے۔ یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطائی طور پر ہمارے معبود ہیں تو اسلام کی بنیادی تعلیمات کی رو سے ایسا کلمہ ادا کرنے والا شخص خود ہی سب سے بڑا گستاخِ رسول قرار پائے گا۔ کیونکہ محبتِ رسول کا دعویٰ کرنے کے باوجود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے عقیدۂ توحید کا انکار کرنا اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی گستاخی اور کفر و شرک ہے۔ جیسا کہ اہلِ عرب کا مشہور

مقولہ ہے: مَنْ مَدَحَكَ بِمَا لَيْسَ فِيْكَ مِنَ الْجَمِيْلِ وَ هُوَ رَاضٍ عَنْكَ كَمَنْ ذَمَّكَ بِمَا لَيْسَ فِيْكَ مِنَ الْقَبِيْحِ وَهُوَ سَاخِطٌ عَلَيْكَ۔

(مفید الطالبین ص ۱۲)

ترجمہ یعنی کوئی شخص خوشی کا اظہار کرتے ہوئے تیری طرف ایسی ایسی صفتیں، کمالات اور اخلاقِ عالیہ کی نسبت کرے جن کے بارے میں تجھے علم ہو کہ وہ صفتیں تجھ میں موجود نہیں ہیں تو وہ ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ کوئی شخص ناراض ہو کر تیری ایسی ایسی قباحتیں اور بُرائیاں بیان کرے جو تجھ میں نہ ہوں۔ مثلاً:

- کوئی شخص تیرے بارے میں کہے کہ تیری بہادری اور دلاوری کے کیا کہنے، تُو تو بس شیر ہے۔ اب اگر واقعۃً تو ایسا بہادر نہیں ہے تو یوں سمجھ کہ وہ دراصل تجھے شیر نہیں بلکہ تھو تھکار کرتے ہوئے جنگلی بکرا کہہ کر تیری بُرائی بیان کر رہا ہے کیونکہ تو اس قدر بزدل بھی تو نہیں کہ تجھے کوئی جنگلی بکرا کہے۔ تو گویا وہ شخص جو تجھے شیر کے نام سے موسوم کر رہا ہے وہ درحقیقت تیری ایسی برائی بیان کر رہا ہے جو تجھ میں پائی نہیں جاتی۔
- اہلِ عرب کے اس مقولے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے مخلوق میں سے کسی نبی یا ولی کی خلافِ واقعہ ایسی ایسی تعریفیں بیان کرے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان صفات میں اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں فرمایا تو وہ اس نبی یا ولی کی برائی ہے تعریف نہیں۔ اور یہ اس ہستی کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی کفر نہیں۔ جیسا کہ:
- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان نصاریٰ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جنھوں نے فرطِ محبت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا معبود مانا اور انھیں اللہ تعالیٰ کا بندہ کہنے میں ان کی توہین تھی۔
- اب اگر کوئی شخص نصاریٰ کے مقابلے میں کہنا شروع کر دے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے معبود ہیں۔ تو یہ سراسر غلط اور

اسلامی تعلیمات کے خلاف بغاوت ہوگی۔ اور ایسے کلمات کہنے والا اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ اور کافر ہوگا۔ جبکہ وہ شخص کفر کے فتوے سے بچنے کے لیے یہ بھی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الوہیت ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے الوہیت کی صفت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا کردی ہے۔ اس لیے ہم پر شرک کا الزام عائد کرنا غلط ہے۔ کیونکہ توحید اس لحاظ سے درست ہے کہ بالذات خدا صرف باپ ہے۔ لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی درست ہے۔ کیونکہ خداوند باپ نے خدائی کی یہ صفت بیٹے اور روح القدس کو عطا کردی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سب نصاریٰ کے ابیونی فرقہ کا جھوٹ ہے۔ کیونکہ الوہیت تو اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخصوص صفت ہے جو اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کی۔ اور قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں کسی مقام پر اس بات کی طرف معمولی سا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ مخصوص صفت کسی اپنے پیارے اور خاص بندے کو بھی عطائی طور پر ہمیشہ کے لیے یا کسی ایک لمحہ کے لیے مرحمت فرمائی ہو۔

○ اور اس بات کا اعتراف تو احمد رضا خان نے بھی اپنی تحریرات میں کیا ہے کہ: "ایک اللہ کی پوجا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں۔ لوگ اللہ کے سوا جن جن کو پوجتے ہیں وہ سب جھوٹے ہیں"۔

○ گو کہ اس مقام پر احمد رضا خان کی تضاد بیانیوں کا ذکر مقصود نہیں، تاہم اس کی یہ تضاد بیانی قابلِ دید ہے۔ ؎

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

حدائق بخشش حصہ اول ص ۹۴

○ یاد رہے کہ پوجا' بندگی اور عبادت ہم معنی الفاظ ہیں' اور جس ہستی کی عبادت کی جاتی ہے اسی کو معبود اور الٰہ کہا جاتا ہے۔ یعنی احمد رضا خان کے نزدیک عبادت اور بندگی کے لائق دراصل حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ادائگیِ فرائض کی حیثیت ہوا میں لہرانے والی شاخوں سے زیادہ کچھ نہیں۔

❷ رحمانیت

○ اسی طرح رحمانیت بھی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کی۔ اور قرآن مجید میں ۵۷ مقامات میں اپنی صفتِ رحمان بیان فرمائی۔ مثلاً :

○ (۱:۲۔ ۲:۱۶۳۔ ۱۳:۳۰۔ ۱۷:۱۱۰۔ ۱۹:۱۸۔ ۱۹:۲۶۔ ۱۹:۴۴۔
۱۹:۴۵۔ ۱۹:۵۸۔ ۱۹:۶۱۔ ۱۹:۶۹۔ ۱۹:۷۵۔ ۱۹:۷۸۔ ۱۹:۸۵۔
۱۹:۸۷۔ ۱۹:۸۸۔ ۱۹:۹۱۔ ۱۹:۹۲۔ ۱۹:۹۳۔ ۱۹:۹۶۔ ۲۰:۵۔
۲۰:۹۰۔ ۲۰:۱۰۸۔ ۲۰:۱۰۹۔ ۲۱:۲۶۔ ۲۱:۳۶۔ ۲۱:۴۲۔ ۲۱:۱۱۲۔
۲۵:۲۶۔ ۲۵:۵۹۔ ۲۵:۶۰ (دو بار)۔ ۲۵:۶۳۔ ۲۶:۵۔ ۲۷:۳۰۔
۳۶:۱۱۔ ۳۶:۱۵۔ ۳۶:۲۳۔ ۳۶:۵۲۔ ۴۱:۲۔ ۴۳:۱۷۔ ۴۳:۱۹۔
۴۳:۲۰۔ ۴۳:۳۳۔ ۴۳:۳۶۔ ۴۳:۴۵۔ ۴۳:۸۱۔ ۵۰:۳۳۔
۵۵:۱۔ ۵۹:۲۲۔ ۶۷:۳۔ ۶۷:۱۹۔ ۶۷:۲۰۔ ۶۷:۲۹۔
۷۸:۳۷۔ ۷۸:۳۸)

مگر مخلوق میں سے کسی پر رحمان کا اطلاق نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی اسماءِ گرامی میں "رحمٰن" کوئی نام نہیں۔

❸ علمِ غیب

○ اسی طرح "عالم الغیب" ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے

قرآن مجید میں "عالم الغیب" ہونا صرف اپنی صفت بیان فرمائی ہے۔ مثلاً

۱ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ (۶: ۵۹۔ ۹: ۹۴، ۱۰۵۔ ۱۳: ۸، ۲۳: ۹۲، ۳۲: ۶، ۳۴: ۳، ۳۹: ۴۶، ۵۹: ۲۳، ۶۲: ۸، ۶۴: ۱۸)

۲ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔ (۲: ۳۳)

۳ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ۔ (۱۰: ۲۰)

۴ وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۱۱: ۱۲۳، ۱۶: ۱۷)

۵ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (۲۷: ۶۵)

۶ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۳۵: ۳۸)

۷ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (۴۹: ۱۸)

۸ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (۵: ۱۰۹)

۹ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ (۱۶: ۱۹)

۱۰ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ (۱۶: ۲۳)

۱۱ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲۵: ۶)

۱۲ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ (۲۴: ۲۹)

○ قرآن مجید میں جہاں علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ بیان کیا گیا ہے وہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۳ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (۶: ۵۰)

۱۴ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَ مَا مَسَّنِیَ

الشّوْءُ (۷ : ۱۸۸)

۱۵ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (۹ : ۱۰۱)

○ اسی طرح اور بے شمار آیات ہیں جن میں علمِ غیب کو اللہ تعالیٰ کا خاصہ بتایا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی نفی بھی کی گئی ہے۔ اور کسی ایک آیت میں بھی کسی نبی، ولی کو "عالم الغیب" کی صفت سے متصف نہیں فرمایا۔

○ نیز اصحاب سیر نے جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی اسماءِ گرامی ذکر فرمائے ہیں، ان میں کسی نے بھی آپ کا صفاتی نام "عالم الغیب" نہیں لکھا۔ البتہ اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے کثیر تعداد میں غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا۔ جن کا تعلق ولادتِ نبوی سے پہلے اور وفاتِ نبوی کے بعد مختلف ادوار سے ہے۔ لیکن اسے اصطلاحِ شریعت میں "علمِ غیب" نہیں بلکہ "اطلاع علی الغیب" کہا جاتا ہے۔ اور یہ بطور معجزہ کے تھا۔

○ اسی طرح احادیثِ متواترہ بھی اس بارہ میں آئی ہیں۔ چنانچہ :

○ بخاری شریف ص ۷۰۴ میں حدیث ہے : یارسول اللہ متی الساعۃ؟ قال ما المسؤل عنها بأعلم من السائل۔

○ اور پھر ابن ماجہ ص ۳۱۸ میں ہے : قالت احدٰهن و فینا نبی یعلم ما فی غد فقال علیہ السّلام دعی ھذہ و قولی بالذی کنت تقولین لانہ لا یعلم ما فی غدٍ الا اللہ۔

○ نیز بخاری شریف ص ۶۶۶ میں ہے : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مفاتیح الغیب خمس۔

○ اور بخاری شریف ص ۱۰۸۷ میں ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی بات کا سوال ہوتا جس کی وحی نہ ہوئی ہو تو آپ ارشاد

فرماتے کہ "میں نہیں جانتا"۔ اور جب تک آپؐ پر وحی نہ آتی آپؐ اس سوال کا جواب نہ دیتے اور اپنی رائے اور قیاس سے بات نہ کرتے۔

○ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی بابت سوال ہوا تو آپؐ خاموش رہے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی : يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (بخاری)

○ اسی طرح اور بے شمار حدیثیں بھی آئی ہیں۔ جن میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں۔ مثلاً :

○ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو شخص یہ سمجھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کو ہونے والی بات کو جانتے ہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے : لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (ترمذی ج۲ ص ۱۳۷)

○ نیز حضرات تابعین کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ چنانچہ :

○ حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ پانچ باتیں تو غیب کی ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے اور ان پر کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسلؑ کو بھی مطلع نہیں کرتا۔

○ ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا الشاہ **حسین علی الوانی** رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر ایک استفتاء کے جواب میں فتویٰ تحریر فرمایا تھا، جس پر علاقہ چھچھ کے اکابر علماء کرام نے تصدیقی دستخط فرمائے۔ اور پھر وہ فتویٰ کتابی شکل میں شائع بھی ہوا، جو اب نایاب ہے۔ اس لیے موضوع کی مناسبت سے اسے سطورِ ذیل میں محض اس امید پر نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے لوگوں کے عقیدہ کی اصلاح ہوگی۔

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ایسے شخص کے حق میں جس کا یہ عقیدہ ہو کہ جناب رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام

مغیبات کو جانتے تھے۔ ہر چیز چھوٹی ہو یا بڑی' ماضی ہو یا مستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی اور تمام اشیاء پر ان کا علم محیط ہے۔ یا اس شخص کا یہ اعتقاد کسی دوسرے نبی کے حق میں ہو۔ یا ایسا اعتقاد کسی شخص کا اولیاء یا فرشتوں کے حق میں ہو۔ ایسا شخص جو کہ معتقد اعتقاد مذکورہ کا ہو مُصیب ہے یا مُخطی۔ بینوا توجروا

الجواب اعتقادِ مذکور شرک ہے۔ اور کتاب اللہ و احادیث نبویہ و اقوال مجتہدین و اجماعِ امت کے مخالف ہے۔ جو شخص کہ اعتقادِ مذکور کا معتقد ہو' وہ اگر امامِ مسجد ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ اور اگر مدعی پیری کا ہو تو اس سے بیعت کرنی حرام ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ معاملہ و اختلاط نہ کریں۔

ثبوت قرآن مجید سے:

قال تعالیٰ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (۷ : ۱۸۷)

ترجمہ یا رسول اللہ! قیامت کے متعلق آپؐ سے سوال کرتے ہیں کہ کب قائم ہوگی۔ آپؐ فرما دیجیے: سوا اس کے نہیں کہ علم اس کا میرے رب کے پاس ہے۔ نہیں ظاہر کرے گا اس کو مگر اللہ تعالیٰ۔

قال تعالیٰ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ (۷ : ۱۸۸)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپؐ فرما دیجیے کہ نہیں مالک میں واسطے نفس اپنے کے نفع کا اور نہ نقصان کا۔ مگر وہ جو چاہے اللہ تعالیٰ۔ اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو البتہ اپنے لیے بہت کر لیتا بھلائی کو اور مجھے نہ پہنچتی کوئی تکلیف۔

قال تعالیٰ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا

يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۔ (۲۷ : ۶۵)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپ فرما دیجئے کہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمین میں کوئی شخص غیب سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور نہیں جانتے وہ کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

قال اللہ تعالیٰ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔ (۳۱ : ۳۴)

ترجمہ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کیا کرے گا کل۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس زمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے۔

قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ (۶ : ۵۰)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپ فرما دیجئے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ اور میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اس بات کی تابعداری کرتا ہوں۔ جس کی مجھے وحی ہوتی ہے۔

ثبوت احادیثِ نبویہؐ سے

○ اور احادیثِ نبویہ جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علم جمیع مغیبات اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ لا تعد و لا تحصیٰ ہیں۔ اب چند احادیث بطور مشت نمونہ خروار کے نقل کی جاتی ہیں۔

حدیث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بعض صحابہ کو خیبر میں زہر کھلائی گئی۔ حتی کہ بعض صحابہؓ اس زہر کی وجہ سے شہید بھی ہوگئے تھے۔ اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وہ زہر بار بار تاثیر کرتی تھی۔ حتی کہ آخر الامر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس زہر کی وجہ سے دار فانی سے انتقال فرما گئے۔ اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان ہوتے تو خود کیوں زہر کھاتے۔ اور صحابہ کرام کو کیونکر زہر کھانے دیتے۔ یہ امر واقفانِ حدیث پر ظاہر ہے۔

حدیث اور قصہ افک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا صحیح بخاری و غیرہ کتب

حدیث میں موجود ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مغیبات کا علم نہ تھا۔ اگر علم تمام مغیبات کا ہوتا تو کس واسطے آپؐ پریشان ہوتے۔ اور صحابۂ کرام کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فراق میں مشورہ کرتے۔ اور کیوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیماری میں لطف ونرمی نہ فرماتے۔

حدیث اور صحیحین میں مذکور ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ ہو کر ابن صیاد کی باتوں کو سنتے تھے۔ اور ابن صیاد کی والدہ نے جب ابن صیاد کو روک دیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْتَرَكَتْهُ بَيَّنَ اگر اس کو چھوڑتی تو بیان کر دیتا۔

○ اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان ہوتے تو کس واسطے پوشیدہ ہو کر ابن صیاد کی باتیں سنتے۔ اور کس واسطے بطور تردد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے: اِنْ يَّكُنْ هُوَ لَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِيْ قَتْلِهٖ

ترجمہ فی الواقع اگر وہ دجال ہے تو تُو اس پر غلبہ نہیں کر سکے گا۔ اور اگر وہ دجال نہیں تو اس کے قتل کرنے میں تیرے لیے کوئی بہتری نہیں۔

○ اور اگر آپؐ عالم الغیب ہوتے تو ابن صیاد کے بارے میں کیونکر شک کرتے کہ وہ دجال ہے یا نہیں۔

حدیث فِي الْمِشْكٰوةِ عَنْ جَابِرٍؓ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُشْفِقًا اِنَّهٗ هُوَ الدَّجَّالُ۔

ترجمہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ ڈر رہتا تھا کہ شاید یہ ابن صیاد ہی دجال نہ ہو۔

○ وَ رَوَى الْبُخَارِيُّ فِيْ صَحِيْحِهٖ عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ رضی اللہ عنہا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّهٗ سَمِعَ خُصُوْمَةً بِبَابِ حُجْرَتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمْ قَالَ

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَ إِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ وَ لَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ فَأَقْضِيَ لَهُ بِذٰلِكَ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَتْرُكْهَا.

ترجمہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرے کے دروازہ پر کسی جھگڑے کو سنا۔ پس آپؐ ان کی طرف تشریف لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک بشر ہوں اور تحقیق میرے پاس جھگڑا (فیصلہ کے لیے) آتا ہے۔ اور شاید بعض تمہارا بعض سے بولنے میں زیادہ فصیح ہوتا ہو۔ پس میں اس کو سچا گمان کرکے اس بلیغ شخص کے حق میں فیصلہ کردوں۔ پس وہ شخص جس کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے دوسرے مسلمان کے مال میں سے دلوایا ہو تو (اس کے لیے) وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ پس اس کی مرضی ہے کہ لے لیوے اس کو یا چھوڑ دے۔

حدیث وَ رَوَى الشَّيْخَانِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَ مَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَ يَعْرِفُونَنِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَ بَيْنَهُمْ فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ "إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ" فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي.

ترجمہ تحقیق میں مُقتدا ہونے والا ہوں تمہارا اوپر حوض کے جو شخص میرے اوپر گذرے گا اس نے پی لیا۔ اور جس شخص نے پی لیا وہ کبھی ہمیشہ کے لیے پیاسا نہیں ہوگا۔ البتہ وارد ہوں گی میرے اوپر قومیں۔ میں ان کو پہچانوں گا۔ اور وہ مجھے پہچانیں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کردیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا کہ وہ میرے ہیں۔ پس مجھے کہا

جائے گا: "تحقیق تو نہیں جانتا کہ انھوں نے تیری وفات کے بعد کیا کیا بدعتیں کی ہیں"۔ پس میں کہوں گا: "دور کرو دور کرو اس شخص کو جس نے دین میں تغیر و تبدل کر ڈالا"۔

○ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اشیاء کو جانتے تو کیونکر مرتدین کے حق میں کہتے کہ: اِنَّھُمْ مِنِّیْ (تحقیق وہ میرے ہیں) اور کیونکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جاتا: اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ (تحقیق تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انھوں نے کیا کیا بدعتیں کی ہیں)

حدیث اور شفاعت کے بارے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارک جو کہ صحیحین میں مروی ہے۔ اس میں مذکور ہے: فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فَیَاْذَنُ لِیْ وَ یُلْھِمُنِیْ مَحَامِدَ اَحْمَدُہٗ بِھَا لَا تَحْضُرُنِی الْاٰنَ۔

ترجمہ پس اذن طلب کروں گا اپنے رب سے۔ پس اذن دے گا اللہ مجھ کو۔ اور الہام کرے گا مجھ کو محامد اور میں حمد کروں گا جو مجھے اب معلوم نہیں۔

○ اگر آپ ہر چیز کو جانتے تو قیامت کے دن محامد کا الہام کس طرح ہو گا۔ اور کیونکر فرماتے: لَا تَحْضُرُنِی الْاٰنَ۔

○ نیز اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مُغیبات کو جانتے تو نماز میں کس واسطے سجدۂ سہو کرتے۔ قصۂ سجدہ سہو کہ جس میں ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ دلیل واضح ہے اس بات پر کہ ہر چیز کو ہر وقت جاننا صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

○ اسی طرح قصہ موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کا حجت بینہ ہے۔

○ اور اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز ہر وقت جانتے تو وحی نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بات پوچھی جاتی تھی۔ جس کے بارے میں اب تک وحی نہیں ہوئی تھی تو کس واسطے

فرماتے : لَآ اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے۔

قال اللہ تعالیٰ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ (۴۶ : ۹)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ دنیا میں کیا کیا جائے گا۔ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو اس بات کی اتباع کرتا ہوں جس کی مجھے وحی کی جاتی ہے۔ نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا ظاہر۔

قال اللہ تعالیٰ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِيْطًا۔ (۴ : ۱۲۶)

ترجمہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا احاطہ کرنے والا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ (۶۵ : ۱۲)

ترجمہ اور تحقیق اللہ تعالیٰ ہی از روئے علم کے ہر شے کا احاطہ کرنے والا ہے۔

○ اور بی بی مریم کے قصہ میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے :

قال اللہ تعالیٰ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۔ (۳ : ۴۴)

ترجمہ یہ غیب کی خبروں سے ہے جو وحی کیا ہے ہم نے تیری طرف۔ اور نہیں تھا تو نزدیک ان کے جس وقت مریم کی کفالت کے لیے (بطور قرعہ اندازی) قلمیں ڈالتے تھے۔ اور نہیں تھا تو نزدیک ان کے جس وقت کہ وہ جھگڑتے تھے۔

○ اور سورۂ یوسف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے :

قال اللہ تعالیٰ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ (۱۲ : ۳)

ترجمہ ہم بیان کرتے ہیں اوپر تیرے اچھا قصوں کا ساتھ اس کے کہ وحی کیا ہے ہم نے۔ طرف تیری اس قرآن کو اور تحقیق تھا تو پہلے اس بیان کرنے کے بے خبروں میں سے۔

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ مبارک تھا کہ لوگوں کے کسی بات کی دریافت کرنے سے لَا اَدْرِیْ فرماتے۔ اور بعض اوقات خاموش رہ جاتے۔ بطور انتظارِ وحی کے۔ دیکھو صحیح بخاری جلد آخر پارہ ۲۹ کہ اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر باب باندھا ہے۔ فرماتے ہیں:

قول بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُسْئَلُ مِمَّا لَمْ يَنْزِلْ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَيَقُوْلُ لَآ اَدْرِيْ وَ لَمْ يُجِبْ حَتّٰى يَنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ وَ لَمْ يَقُلْ بِرَأْيٍ وَلَا بِقِيَاسٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔

ترجمہ باب اس امر کے متعلق کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات پوچھی جاتی جس کے متعلق وحی نہیں ہوئی ہوتی۔ تو آپؐ فرماتے لَا اَدْرِیْ کہ "میں نہیں جانتا"۔ اور جب تک وحی نازل نہیں ہوتی تھی جواب نہیں دیتے تھے۔ اور اپنی رائے اور قیاس سے کچھ نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح آپؐ کو سمجھایا ہے اس کے مطابق لوگوں کے باہمی فیصلے چکائیں۔

حدیث وَ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الرُّوْحِ فَسَكَتَ حَتّٰى نَزَلَتْ۔

ترجمہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی۔

حدیث وَ فِی فتح الباری جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَقَالَ لَآ اَدْرِیْ فَاَتَاہُ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَسَاَلَہٗ فَقَالَ لَآ اَدْرِیْ فَقَالَ سَلْ رَبَّکَ۔ (الحدیث) اخرجہ ابن حبان و الحاکم نحوہٗ۔

ترجمہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہا کہ کونسی جگہ اچھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "میں نہیں جانتا"۔ پس آیا آنحضرت ﷺ کے پاس جبریلؑ۔ پس اس سے پوچھا۔ جبریلؑ نے عرض کیا: لَآ اَدْرِیْ۔ پس فرمایا حضرتؐ نے کہ: "پوچھ اپنے رب سے"۔ الخ

ثبوت اقوال مجتہدین سے

○ اور فقہائے کرامؒ نے ایسے شخص کے حق میں کہ معتقد اعتقاد مذکور کا ہو۔ تصریح بہ کفر کی ہے۔ چنانچہ:

① فتاوی قاضی خان صفحہ ۸۸۳ ج ۳ ب الارتداد میں ہے:

قولہ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَاَۃً بِغَیْرِ شُہُوْدٍ فَقَالَ الرَّجُلُ لِلْمَرْاَۃِ "خدائے را و پیغمبر را گواہ کردم" قَالُوْا یَکُوْنُ کُفْرًا۔ لِاَنَّہٗ اعْتَقَدَ اَنَّ الرَّسُوْلَ ﷺ یَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ وَ ہُوَ مَا کَانَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ حِیْنَ کَانَ فِی الْاَحْیَاءِ فَکَیْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ۔

ترجمہ ایک شخص ہے کہ جس نے نکاح کیا ہے کسی عورت کے ساتھ بغیر گواہوں کے پس کہا اس شخص نے واسطے اس عورت کے کہ: "میں نے خدا اور پیغمبر کو گواہ کیا ہے"۔ فقہا نے کہا ہے کہ ایسا کہنا کفر ہوگا۔ واسطے اس امر کے کہ اس نے اعتقاد کیا ہے کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ جب وہ زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو پھر موت کے بعد کس طرح جانیں گے۔

② وَ رَجُلٌ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ الْمَسْرُوْقَاتِ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ

مُحَمَّدُ ابْنُ الْفَضْلِ هٰذَا الْقَائِلُ وَ مَنْ صَدَّقَهُ يَكُوْنُ كَافِرًا قِيْلَ لَهُ فَاِنْ قَالَ هٰذَا الْقَائِلُ اَنَا اُخْبِرُ بِاِخْبَارِ الْجِنِّ اِيَّايَ بِذٰلِكَ قَالَ هُوَ وَ مَنْ صَدَّقَهُ كَافِرٌ بِاللّٰهِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ فِيْ مَا قَالَ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ لَا الْجِنُّ وَ الْاِنْسُ۔

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص کہے کہ (میں) مالِ مسروقہ کو جانتا ہوں (کہ وہ کس نے چرایا ہے یا یہ کہ وہ کہاں چھپایا گیا ہے۔) تو شیخ الاسلام محمد بن الفضل نے فرمایا ہے کہ یہ بات کہنے والا شخص اور وہ آدمی جو اس کو سچا جانے دونوں کافر ہیں۔ نیز کہا گیا ہے۔ پس اگر وہ کہنے والا کہے کہ میں اس چوری کی خبر جن کے جتلا دینے سے دیتا ہوں۔ فرمایا ہے کہ وہ شخص اور جس نے اس کی تصدیق کی کافر ہو گیا ساتھ اللہ تعالیٰ کے۔ اس لیے حضرت نبی کریم علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ: "جو شخص کہ آیا کسی کاہن کے پاس۔ پس تصدیق کی اس کی جو کچھ کہ کہا اس کاہن نے۔ پس تحقیق کفر کیا اس نے ساتھ اس چیز کے کہ نازل ہوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ نہیں جانتا غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ جن اور نہ انسان"۔

(۳) اِمْرَاَةٌ قَالَتْ لِزَوْجِهَا : "تو سِرِّ خدا دانی" فَقَالَ نَعَمْ۔ قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ الْفَضْلِ يَكْفُرُ الرَّجُلُ لِاَنَّ السِّرَّ وَ الْغَيْبَ وَاحِدٌ۔

ترجمہ: کسی عورت نے اپنے خاوند کو کہا کہ: "تو خدا کے راز جانتا ہے"۔ پس اس نے کہا کہ ہاں جانتا ہوں۔ شیخ الامام ابوبکر بن الفضل نے فرمایا کہ وہ شخص کافر ہو گیا۔ اس لیے کہ سِرّ اور غیب دونوں ایک ہیں۔

(۴) وَمَنِ ادَّعٰى عِلْمَ الْغَيْبِ كَانَ كَافِرًا۔

ترجمہ: اور جس شخص نے دعوے کیا علمِ غیب کا تو وہ کافر ہو گیا۔

⑤ وَ عَنْ شداد ابن حکیم اَنَّ امْرَاَتَہٗ بَعَثَتْ اِلٰی زَوْجِہَا السُّحُوْرَ فِیْ رَمَضَانَ عَلٰی یَدَیِ الْجَارِیَۃِ فَاَبْطَأَتِ الْجَارِیَۃُ فِی الرُّجُوْعِ اِلَی الْمَرْاَۃِ فَاتَّہَمَتِ الْمَرْاَۃُ فَقَالَ شَدَّادُ بْنُ حَکِیْمٍ لِامْرَاَتِہٖ اَتَعْلَمِیْنَ الْغَیْبَ فَقَالَتْ نَعَمْ فَکَتَبَ شَدَّادٌ اِلٰی مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ وَ ہُوَ مِنْ اَصْحَابِ زُفَرَ" فَاَجَابَ مُحَمَّدٌ اَنْ جَدِّدِ النِّکَاحَ فَاِنَّہَا کَفَرَتْ۔ انتہٰی

ترجمہ روایت ہے شداد بن حکیم سے کہ تحقیق اس کی عورت نے ماہ رمضان میں سحور کے وقت کا کھانا اپنے خاوند کی طرف لونڈی کے ہاتھ بھیجا۔ لونڈی نے عورت کی طرف واپس ہونے میں دیر کی پس عورت نے تہمت لگائی۔ پس شداد نے کہا ہم نے آپس میں کچھ نہیں کیا۔ پس شداد اور اس کی عورت کے درمیان گفتگو لمبی چھڑ گئی۔ پس شداد بن حکیم نے اپنی عورت سے کہا کیا تو غیب جانتی ہے پس عورت نے کہا ہاں۔ پس شداد نے محمد بن الحسن کی طرف جو کہ امام زفر کے ساتھیوں میں سے تھا لکھا۔ پس امام محمد نے جواب دیا کہ نئے سرے سے نکاح کر۔ پس تحقیق اس نے کفر کیا ہے۔

⑥ وَ فِی العالمگیریۃ صفحہ ۴۱۲ سطر ۲۱ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَاَۃً وَ لَمْ یَحْضُرِ الشُّہُوْدُ قَالَ: "خدائے را و رسول را گواہ کردم" اَوْ قَالَ: "خدائے را و فرشتگان را گواہ کردم" کَفَرَ۔

ترجمہ کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور گواہ حاضر نہیں ہیں۔ کہا کہ خدا اور رسول کو گواہ کیا ہے۔ یا یہ کہا کہ خدا اور فرشتوں کو میں نے گواہ کیا ہے۔ کافر ہو گیا۔

⑦ وَلَوْ قَالَ "فرشتۂ دست راست را گواہ کردم۔ و فرشتۂ دست چپ را گواہ کردم" لَا یَکْفُرُ۔

ترجمہ اور اگر کہا کہ "میں نے دائیں ہاتھ والے فرشتے اور بائیں ہاتھ والے فرشتے کو گواہ کیا ہے" تو کافر نہیں ہوگا۔

⑧ وَ فِي شرح الفقهِ الأكبر لِملا علي القاري صفحه ۸۵ سطر ۲۱
ثُمَّ اعلَمْ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَام لَمْ يَعْلَمُوا الْمُغِيبَاتِ مِنَ الْاَشْيَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ اَحْيَانًا وَ ذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيحًا بِالتَّكْفِيرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَتِهِ:

قرآن پاک قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

ترجمہ پھر جان لے کہ تحقیق انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کو نہیں جانتے تھے۔ مگر وہ کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ بعض اوقات ان کو جتلا دے۔ اگر کوئی باسوائے اس کے عقیدہ رکھے۔ تو حنفیہ نے صریح طور پر تکفیر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ساتھ اس اعتقاد کے کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے: "یارسول اللہ! آپ فرما دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی شخص غیب نہیں جانتا"۔

⑨ وفی الفتاوی البزازیہ علی ہامش الفتاوی الھندیہ جلد سادس صفحہ ۳۲۵ سطر اخیر قال "رسول را و فرشتگان را گواہ کردہ ام" يَكْفُرُ. لِاَنَّهُ اعْتَقَدَ اَنَّ الرَّسُوْلَ وَ الْمَلَكَ يَعْلَمَانِ الْغَيْبَ بِخِلَافِ قَوْلِهٖ۔ "میں نے فرشتوں کو گواہ کیا ہے" تو کافر ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اور فرشتے غیب جانتے ہیں۔ بخلاف قول اس شخص کے جو کہے کہ: میں نے دائیں اور بائیں ہاتھ والے فرشتوں کو گواہ کیا ہے۔ اس بات کے کہنے سے کافر نہیں ہوتا۔

⑩ و فی الجواھر الاخلاطیة اِنْ زَعَمَ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَام يَعْلَمُ الْغَيْبَ يَكْفُرُ فَمَا ظَنُّكَ فِي غَيْرِهٖ۔

ترجمہ اگر اس شخص نے گمان کیا کہ تحقیق نبی علیہ السلام غیب جانتے ہیں۔ کافر ہو گیا۔ پس کیا گمان ہے تیرا کسی غیر کے حق میں۔

⑪ وفی المسامرۃ صفحہ ۱۹۹ لَا یَعْلَمُ النَّبِیُّ مِنَ الْمُغِیْبَاتِ اِلَّا مَا اَعْلَمَہُ اللّٰہُ اَحْیَانًا وَ ذَکَرَ الْحَنَفِیَّۃُ تَصْرِیْحًا بِالتَّکْفِیْرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَعْلَمُ الْغَیْبَ لِمُعَارَضَتِہٖ:

قرآن قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔

ترجمہ اور مسامرہ میں ہے کہ نہیں جانتے نبی علیہ السلام مُغیبات سے مگر وہ کہ جتلا دے ان کو اللہ تعالیٰ کبھی کبھی۔ اور حنفیہ نے صریحا تکفیر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ساتھ اس اعتقاد کے کہ تحقیق نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے۔ بسبب خلاف قول باری تعالیٰ کے۔ قل لا یعلم من فی السموت الآیۃ

⑫ و فی الشامی صفحہ ۳۰۲۔ دعوی علم الغیب مُعَارَضَۃٌ لِنَصِّ الْقُرْآنِ فَیَکْفُرُ بِھَا۔

ترجمہ دعویٰ علمِ غیب کا نصِّ قرآن کے خلاف ہے۔ پس کافر ہو جاتا ہے۔ ساتھ اس دعویٰ کے۔

⑬ و فی فتاویٰ مولوی عبد الحی صاحب جلد اول صفحہ ۲۷ و ۳۳

استفتاء ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ دریں مسئلہ کہ عادت عوام ایں دیار است کہ در مُصیبت و حاجت از دور و قریب انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام را بالطریق استمداد میخوانند۔ و اعتقاد میدارند کہ ایشاں حاضر و ناظر اند در ہمہ حال و ہر وقت۔ ما مردم ایشاں را میخوانیم مطلع گشتہ در انجام مقاصد مدد میکنند۔ ایں صورت جائز است یا نہ۔ بینوا توجروا۔

جواب ہو الموفق للصواب۔ صورت مذکورہ حرام بلکہ شرک صریح است چہ ایں صورت متضمن اعتقاد علم غیب است برائے غیر او تعالیٰ و اعتقادِ مذکور

شرک صریح است۔ بیانش آنکہ شرک در شرع عبارت است از شریک
گردانیدن غیراو تعالیٰ را در ذات یا صفات مختصہ یا عبادت باو عزوجل
و علم غیب از صفات مختصہ بوے سبحانہ و تعالیٰ است کما ہو مصرح فی
کتب العقائد و نیز دریں فتاوی در موضع دیگر است۔

استفتاء ما قولکم فی ہذہ المسئلۃ : اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت
"غوثِ اعظم" کو یہ قوت حاصل ہے کہ جس مقام سے کوئی ان کو
پکارے اس کی ندا کو سنتے ہیں۔ اور اس کے حال کی طرف متوجہ ہوتے
ہیں تو موافق قواعد شرعیہ کے یہ عقیدہ کیسا ہے۔

جواب یہ عقیدہ خلاف عقائدِ اہل اسلام بلکہ مجرالی الشرک ہے۔ ہر شخص کی ندا کو
ہر جگہ سے ہر وقت سُننا خاص ہے پروردگارِ عالم کے ساتھ۔ کسی مخلوق
میں یہ صفت نہیں۔

⑭ و فی الفتاوی الرشیدیۃ الگنگوہیۃ صفحہ ۱۲ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم
غیب نہ تھا نہ کبھی اس کا دعویٰ کیا۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ آپؐ کو علمِ غیب
تھا صریح شرک ہے۔

⑮ و فی البحر الرائق صفحہ ۱۳۴ قال علمآءنا من قال اَرواح
المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر۔

⑯ اور اسی طرح بزازیہ صفحہ ۳۲۶ سطر ۹ میں ہے۔

⑰ وفی الخازن صفحہ ۳۳ فی اٰخر تفسیر سورۃ لقمان قال
ابن عباس رضی اللہ عنہ ہذہ الخمسۃ لا یعلمہا ملک مقرب
ولا نبی مرسل فمن ادعی انہ یعلم شیئا من ہذہ فانہ کفر
بالقرآن لانہ خالفہ۔

ترجمہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ پانچ چیزیں نہیں جانتا ان کو کوئی
مقرب فرشتہ اور نہ کوئی نبی مرسل۔ پس جس شخص نے دعویٰ کیا کہ ان

میں سے کسی شئے کو کوئی جانتا ہے۔ پس تحقیق اس نے کفر کیا۔ ساتھ قرآن کے اس واسطے کہ مخالف ہے اس کے۔

(۱۸) علم غیب خاصۂ واجب است درمیان واجب و ممکن فرق ضروری است۔ برتقدیر علم غیب حاجت وحی غیب نماند۔ برایشاں انکار وحی لازم خواہد شد۔ المجیب نصیر الدین سکنہ غور غشتی

(۱۹) فقد اصاب من اجاب فقیر سعد اللہ الجلالوی بقلمہ

(۲۰) العبد عبد الرحمن حمیدی

(۲۱) جواب نہایت صحیح ہے۔ اور درست ہے۔ فما ذا بعد الحق الا الضلال
خادم العلماء محمد رمضان عفی عنہ از چھاپری والا

(۲۲) المجیب مصیب محمد قطب الدین غور غشتی۔

(۲۳) العبد مولوی عبد الکریم الجلالوی عفی عنہ

(۲۴) للہ در المجیب کیف استقصی الکلام و کشف المرام فجوابہ حسن صواب لا ریب و ارتیاب۔
خویدم العلماء افقر خادم العلماء غلام سید رسول کامل پوری

(۲۵) علم غیب اور علم جمیع کائنات خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو جو کچھ اللہ تعالیٰ جتلا دیتا ہے۔ وہی جانتے ہیں۔
احمد بخش عفی عنہ ساکن قریہ گدائی

(۲۶) اصاب من اجاب العبد قدوری عبد اللہ جان جلالوی عفی عنہ بقلم خود

(۲۷) المجیب مصیب احقر محمد یوسف جلالوی

(۲۸) جملہ مغیبات پر علم خاصہ الرب الودود علام الغیوب کا ہے۔ البتہ بعض امور مخفیہ کا بالواسطہ علم کسی انسان کو ہو تو وہ در حقیقت غیب نہیں ہے۔ العبد خادم العلماء فقیر عبد الحق غور غشتی۔

(۲۹) البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے: فی الخانیۃ و الخلاصۃ

لَوْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لَا يَنْعَقِدُ وَ يَكْفُرُ لِاعْتِقَادِهٖ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ انتھیٰ۔

(۳۰) وَ فِي الْبِيْرِيْ حَاشِيَةِ الْاَشْبَاهِ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَ غَيْرِهَا مِنْ كُتُبِ الْمَذْهَبِ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَاءَةً وَلَمْ يَحْضُرْ شَاهِدٌ فَقَالَ تَزَوَّجْتُ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ يَكْفُرُ لِاَنَّهٗ يَعْتَقِدُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِذْ لَا شَهَادَةَ لِمَنْ لَّا عِلْمَ لَهٗ بِهٖ وَ مَنِ اعْتَقَدَ هٰذَا كَفَرَ وَ بِهٖ قَالَ الشَّيْخُ ابو القاسم الصفار۔ انتھیٰ۔

ترجمہ اگر نکاح کیا اللہ اور اس کے رسول کی گواہی کے ساتھ۔ نکاح بھی نہ ہوگا۔ اور کافر بھی ہوجائے گا۔ اس اعتقاد پر کہ تحقیق نبی ﷺ غیب جانتے ہیں۔ انتھیٰ۔ اور بیری اور ولوالجیہ وغیرہ کتب مذہب میں ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا اللہ اور اس کے رسول کی گواہی کے ساتھ تو وہ کافر ہوجائے گا۔ اس لیے کہ وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ غیب جانتے ہیں۔ کیونکہ اس شخص کی گواہی نہیں ہے جس کو اس کا علم نہ ہو۔ اور جس نے یہ اعتقاد کیا کافر ہوگیا۔

اقوالِ اولیائے کرام

(۱) و در ملفوظات حاجی دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ تعالیٰ مذکور است کہ

نص فقہ اولیاء را علم غیب نباشد۔ مگر آنچہ از مغیبات بطریقِ خرق یا بالہام آنہارا خدا تعالیٰ علم دہد۔ علمِ غیب اولیاء را گفتن کفر است۔ انتھیٰ کلامہ۔

ترجمہ اولیاء کو علمِ غیب نہیں ہوتا۔ مگر جو کچھ مُغیبات سے بطریق خرق یا بالطریق الہام ان کو خدا تعالیٰ علم دیوے۔ اولیاء کو علمِ غیب کہنا کفر ہے۔

(۲) و در مکتوبات معصومیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جلد ثالث۔ مکتوب نوزدہم

نص فقہ ہر گاہ بسید انبیاء علیہ و علی آلہ افضل الصلوٰت حکم است :

قُلْ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ
بدیگراں چہ رسد۔

ترجمہ مکتوبات معصومیہؒ جلد ثالث مکتوب ۱۹ میں ہے کہ جس وقت سید عالم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ فرمادیجیے : لو کنت اعلم الغیب تو دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے۔

③ و در مکتوبات امام ربانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس در مکتوب صدو ہفتم

قولہ عوام دریں ضلالت فرو نشستہ اند و خیال کردہ اند کہ ولی رامیباید کہ اکثر اشیاء بروے منکشف شود۔ و ھو کما تری من الظنون الفاسدۃ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ انتہیٰ۔ (باختصار)

ترجمہ مکتوب نمبر ۱۰۷ میں ہے کہ عام لوگ اس گمراہی میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اور خیال کیا ہوا ہے۔ کہ ولی کو چاہیے کہ اکثر اشیاء اس پر ظاہر ہوجائیں۔ یہ گمان فاسد اور بے ہودہ میں سے ہے۔ اور تحقیق بعض گمانوں کا گناہ ہے۔ انتہیٰ (اختصار کے ساتھ)

④ وفی غنیۃ الطالبین مطبوعہ مصر صفحہ ۶۱ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

قولہ و الذی اِتَّفَقَتْ عَلَيْهِ طَوَائِفُ الرَّافِضَةِ اَنَّ الْاِمَامَ يَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ .... اِلٰى قَوْلِهٖ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ جَحَدُوا التَّنْزِيْلَ۔ انتہیٰ۔ (باختصار)

ترجمہ رافضیوں کے گروہ نے اتفاق کیا ہے اس بات پر کہ تحقیق امام جانتا ہے ہر شئے کو جو ہوچکی ہے۔ اور جو آگے ہونے والی ہے (تا قول) لعنت ہو اللہ تعالیٰ کی ان پر۔ انکار کیا ہے انھوں نے قرآن کا۔ انتہیٰ۔ (اختصار کے ساتھ)

⑤ و فی غنیۃ الطالبین صفحہ ۴۴

قولہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ اِلَّا عَرَفْتُهٗ اِلَّا فِيْ

صُوْرَتِہٖ ھٰذَا وَ قَالَ (ای الراوی عمرؓ) لَا یَعْرِفُہٗ مِنَّا اَحَدٌ۔

ترجمہ فرمایا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کبھی جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اس کو پہچانا ہے۔ مگر اس صورت میں میں نے نہیں پہچانا کہا حضرت عمرؓ نے کہ ہم صحابہ میں سے بھی اس کو کوئی شخص نہیں پہچانتا۔

فائدہ کوئی چیز بغیر شرط کے صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے نماز بغیر وضو کے اور نکاح بغیر عدت گزرنے کے۔ اور دیگر اُمورِ شرعیہ کے لیے مختلف شرائط ہیں۔ اسی طرح تمام اعمالِ صالحہ کے لیے بھی ایک شرط ضروری ہے۔ جس کے بغیر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ سب لغو اور مردود ہیں۔

قولہ تعالیٰ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔

ترجمہ پس نہیں قائم کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے دن ترازو۔ کیونکہ:

قولہ تعالیٰ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

ترجمہ ان کے عمل ضائع و برباد ہیں۔

تشریح ترازو تو تب قائم کی جاتی ہے کہ ایک پلے میں نیکیاں ہوں۔ اور دوسرے میں بدیاں۔ جب نیکیاں کافور ہو چکی ہوں۔ اور سب بدیاں ہی بدیاں باقی ہوں۔ تو پھر ترازو کی ضرورت ہی کیا رہی۔

قولہ تعالیٰ وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا

ترجمہ اور متوجہ ہوئے ہم طرف اس کے جو عمل کیا انھوں نے عمل سے پس کیا ہم نے اس عمل کو خاکستر پراگندہ۔ ہوا میں اڑنے والا (یعنے جلا کیا ہم نے)۔

○ اور وہ شرط جس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں۔ وہ ایمان ہے۔ کیونکہ:

قولہ تعالیٰ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ۔

ترجمہ وہ شخص کہ عمل کرتا ہے نیکیوں سے اور شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو۔

قرآن مجید مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (۱۶ : ۹۷۔ ۴۰ : ۴۰)

ترجمہ وہ شخص جو عمل کرے نیک مرد اور عورت سے اور شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو۔

○ جیسے اور اعمال صالحہ کے لیے ایمان کا ہونا شرط ہے۔ ویسے ایمان کے لیے بھی شرائط ہیں۔ بغیر شرائط کے ایمان درست نہیں۔ اور ایمان کی دوسری شرط ہے کہ علم غیب خاصہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہ مسئلہ کلام فقہاء میں مذکور ہے۔ قرآن شریف سورہ بقرہ سے تا آخر حوامیم تک ہر سورۃ میں مذکور ہے۔

قرآن مجید لَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ۔ وغیر ذلك

○ اب علم غیب کا سمجھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ "غالب علی الغیب" کوئی نہیں۔ یعنی اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی شخص ہر چیز جانتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ جس وقت چاہے ضرور جان لیتا ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ اگر حق تعالیٰ کسی وقت جتادے۔ تو جتلادیتا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ ؎

لیک ایں در اختیارِ عبد نیست
بندہ را جہدے بجز در کسب نیست

قرآن مجید لَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ....

ترجمہ غالب نکند بر غیب خویش ہیچکس را .... لیکن اپنے رسولوں کے لیے فرشتے مقرر کیے ہیں وحی پہنچانے کے لیے۔ اور شیاطین کو دفع کرنے کے لیے۔

○ یاد رہے کہ ہر چیز کے بارے میں وحی نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض چیزوں کے بارے میں وحی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

قرآن مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰی اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ اِنْ يُّوْحٰی اِلَیَّ اِلَّا اَنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○

ترجمہ نہیں ہے مجھے کچھ علم ساتھ اس جماعت بلند قدر فرشتوں والی کے۔ جب جھگڑتے تھے آپس میں (بطور جواب سوال کے) نہیں وحی بھیجی جاتی میری طرف۔ مگر واسطے اس امر کے کہ میں ڈرانے والا ہوں ظاہر (یعنے ہر ایک بات کے متعلق مجھے وحی نہیں ہوتی)

مولوی حسین علی عفی عنہ خود ساکن واں بھچراں ضلع میانوالی

○ المجیب مُصیب۔ بلاشک و شبہ علم الغیب خاص بخدا تعالیٰ ہے۔ اور جو تعلیم الغیب جس قدر خدا تعالیٰ جس برگزیدہ بندہ کو عطا فرمادے قادر ہے۔ اور لیس کمثلہ شئ نص محکم ہے۔ پس مجیب مُصیب ہے اور مخالف مُبطل و گمراہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر احمد عفی عنہ بقلمہ مدرس جامع ڈیرہ اسمٰعیل خان

بغداد شریف والے پیر صاحب کا فتویٰ در بارہ علم غیب مع تشریح

○ حضرت پیر پیران عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب غُنیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ: "رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امام سب کچھ جانتے ہیں۔ جو گزر چکی ہے یا آنے والی ہے۔ خدا تعالیٰ انکو لعنت کرے۔ یہ تو قرآن شریف کے منکر ہوگئے"۔

تشریح حضرت پیر صاحب کے کلام کی تشریح یہ تھی کہ قرآن شریف میں ہے:

قرآن قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

حاصل اس کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اپنے محبوب کو کہ: آپؐ پر فرض ہے کہ لوگوں سے فرمادیں کہ غیب کو نہیں جانتے وہ لوگ کہ آسمان میں ہیں یعنی جبریل اور دوسرے فرشتے۔ اور نہ وہ لوگ کہ زمین میں ہیں یعنی پیغمبر وغیرہ مگر ایک حق تعالیٰ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

غیب کا معنی

○ اب غیب کا معنی سمجھنا چاہیے۔ ہزاروں خبریں غیب کی حق تعالیٰ بذریعہ وحی و کشف کے اپنے بندوں کو جتا دیتا ہے۔ لیکن تمام غیبی باتیں جان لینا یا یہ کہ کسی کو قدرت ہو جو چاہے جان لے۔ یہ حق تعالیٰ نے کسی کو نہیں دی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فرمانِ الٰہی وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ

ترجمہ اس (اللہ تعالیٰ) کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی۔ نہیں جانتا ان کو مگر وہی۔

تشریح یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے بندوں کے واسطے ظاہر کی چیزیں دریافت کرنے کو کچھ راہیں بتا دی ہیں۔ جیسے آنکھ دیکھنے کو' کان سننے کو' ناک سونگھنے کو' زبان چکھنے کو' ہاتھ ٹٹولنے کو' عقل سمجھنے کو' اور وہ راہیں ان کے اختیار میں کر دی ہیں۔ کہ اپنی خواہش کے موافق ان سے کام لیتے ہیں۔ جیسے جب کچھ دیکھنے کو جی چاہا تو آنکھ کھول دی' نہ چاہا تو بند کر لی۔ جس چیز کا مزہ دریافت کرنے کا ارادہ ہو' منہ میں ڈال لیا نہ ارادہ ہو نہ ڈالا۔ گویا ان چیزوں کے دریافت کرنے کو کنجیاں ان کو دی ہیں۔ جیسے جس کے ہاتھ کنجی ہوتی ہے قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب چاہے کھولے جب چاہے نہ کھولے۔ اسی طرح ظاہر کی چیزوں کو دریافت کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اختیار دے دیا ہے۔ جب چاہیں کریں جب چاہیں نہ کریں۔ سو اس طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہیں کر لیں' یہ کسی نبی اور ولی کو جن اور فرشتے کو پیر اور شہید کو امام اور امام زادے کو بھوت اور پری کو اللہ صاحب نے یہ طاقت نہیں بخشی کہ جب وہ چاہیں غیب کی بات معلوم کر لیں۔ بلکہ اللہ صاحب اپنے ارادے سے کسی کو جتنی بات چاہتا ہے خبر دیتا ہے۔ سو یہ اپنے ارادے کے موافق' نہ کہ ان

کی خواہش پر۔ چنانچہ:

○ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ بعضی بات کے دریافت کرنے کی خواہش ہوئی اور وہ معلوم نہ ہوئی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا تو ایک آن میں بتادی۔

○ فتاویٰ رشیدیہ جلد ثالث ص ۷ میں ہے:

استفتاء بعض لوگ انبیاء کرام علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے علمِ غیب ماسوائے اللہ تعالیٰ کے اس آیۃ سے جو سورۃ قُلْ اُوْحِیَ میں ہے: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الاٰیۃ) ثابت کرتے ہیں۔ اور دلیل اس آیۃ کو گردانتے ہیں۔

○ مسلمانوں کو ایسا عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں۔
○ اور معتقد (یہ عقیدہ رکھنے والا) کافر ہوگا یا نہیں۔
○ "یارسول اللہ" دور سے پکارنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب علم الغیب میں تمام علماء کا عقیدہ اور مذہب یہ ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے اس کو کوئی نہیں جانتا۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: "حق تعالیٰ ہی کے پاس علم غیب کا ہے کہ کوئی نہیں جانتا اس کو سوائے اس کے"۔ پس اثبات علم الغیب غیر حق تعالیٰ کے لیے شرک صریح ہے۔ مگر ہاں جو بات کہ حق تعالیٰ اپنے کسی مقبول کو بذریعہ وحی یا کشف بتادیوے وہ اس کو معلوم ہوجاتا ہے۔ اور پھر وہ مقبول کسی کو خبر دیوے تو اس کو بھی معلوم ہوجاتا ہے۔ جیسا علم جنت اور دوزخ وغیرہ کا حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بتلادیا۔ اور پھر انھوں نے امت کو خبر دی۔ چنانچہ سورۃ جن کی اس آیت سے معلوم ہوا۔

حاصل اس آیت کا یہ ہوا کہ جس امر غیب کی خبر حق تعالیٰ اپنے مقبول کو

دیوے تو اس کی خبر اس کو ہوجاتی ہے۔ نہ یہ کہ تمام مُغیبات حق تعالیٰ کے نبی کو کشف ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ:

○ اگر اس کے یہ معنے ہوں کہ تمام علمِ غیب رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوجاتا ہے تو دوسری آیت صاف اس کے خلاف کہہ رہی ہے:

قرآن قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ

ترجمہ فرما دیجیے کہ میں نہیں مالک اپنے نفس کے واسطے کسی نفع اور کسی ضرر کا۔ مگر جو خدا تعالیٰ چاہے۔ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائی جمع کرلیتا' اور مجھے کوئی تکلیف پہنچتی۔

○ پس صاف روشن ہوگیا کہ مُغیبات آپؐ کو معلوم نہیں۔ اپنا نفع اور ضرر بھی آپؐ کے اختیار میں نہیں۔ تو یہ عقیدہ (جو سوال میں درج ہے) البتہ خلاف نص قرآن کے شرک ہوا۔

○ نیز دوسری آیت میں موجود ہے:

قرآن لَآ اَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِىْ وَ لَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ

ترجمہ میں نہیں جانتا کہ (اس دنیا میں) کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ بجز اس چیز کے کہ میری طرف وحی کیا گیا۔

○ پس جب صاف ظاہر ہوگیا کہ حضرت رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز بجز اس چیز کے کہ آپؐ کی طرف وحی کیا گیا علم غیب نہیں مگر جس قدر اطلاع دی جائے۔ اور اس پر بہت آیات اور احادیث شاہد ہیں۔ تو خلاف اس کے عقیدہ رکھنا کہ انبیاء کرام علیہم السلام سب غیب جانتے ہیں شرک قبیح جلی ہوگا۔ معاذ اللہ ۔ حق تعالیٰ سب مُسلمانوں کو عقیدہ فاسدہ سے نجات دیوے۔ آمین۔ پس ایسے عقیدے والا مشرک ہوا۔ اور جب انبیاء کرام علیہم السلام کو علمِ غیب نہیں تو "یارَسُول اللہ" کہنا بھی

ناجائز ہوگا۔

○ اگر یہ عقیدہ رکھ کر کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے۔ اور اگر یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں۔ مگر کلمہ مشابہ بکفر ہے۔

کتبہ الراجی ربہ رشید احمد گنگوہی

○ الاجوبۃ صحیحۃ محمد محمود عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند

○ الاجوبۃ کلھا صحیحۃ ابو المکارم محمد اسحٰق فرخ آبادی عفی عنہ

○ الجوب صحیح اصاب المجیب عزیز الرحمٰن مفتی مدرسہ عالیہ دیوبند

○ اصاب من اجاب محمد ریاض الدین عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ

○ ناظر حسن دیوبندی

○ بندہ محمود عفی عنہ مدرس اول مدرسہ دیوبند

○ الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

○ ھذا ھو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال احمد حسن الحسینی الامروہی غفرلہ

○ الجواب صحیح خاکسار سراج احمد عفی عنہ میرٹھ

○ الجواب صواب عبد المؤمن مدرس مدرسہ میرٹھ

○ علم غیب خاصہ حق تعالیٰ کا ہے۔ اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

○ فتاوٰی رشیدیہ حصّہ سوم ص ۳۲ میں ہے:

استفتاء کیا فرماتے ہیں علماء محققین احناف رحمہما اللہ تعالیٰ مسئلہ ہذا میں کہ زید کہتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا۔ اور اب بھی آپؐ مخلوق کے ہر ایک حال ظاہر و باطن، خیر و شر سے بخوبی واقف ہیں۔ یہاں تک کہ مچھر کے پر ہلانے کا بھی آپؐ کو علم ہو جاتا ہے۔ اور ہر ایک

کی آواز خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں، خود سن لیتے ہیں۔ پس یہ عقیدہ کیسا ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مذہب احناف اور کتب معتبرہ حنفیہ کی رو سے مسلمان رہا یا کافر مشرک ہو گیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا معتقد ہے، سادات حنفیہ کے نزدیک قطعاً مشرک و کافر ہے۔

○ صاحب بحر الرائق کتاب النکاح میں صاف تحریر فرماتے ہیں کہ جو کوئی نکاح کے شاہدین اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقرر کرے اور اعتقاد یہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں وہ یقیناً کافر ہے۔ اور مشرک تو اس کو کہتے ہیں کہ کسی مخلوق کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ کسی وصفِ ذاتی مثل علم کے اور قدرت کے یا عبادت کے شریک کرے۔ اس واسطے کہ اشراک فی الذات یعنی تعدد الٰہ (یعنی خالق) کا قائل تو بہت ہی کم ہوا ہو گا۔

○ شامی نے رد المختار کے کتاب الارتداد میں صاف طور سے ایسا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کی ہے۔

○ اور یہ جو کہتے ہیں کہ علم غیب جمیع اشیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے، محض باطل اور خرافات میں سے ہے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محشر میں بھی بعض لوگوں کے قابل سقائے بار کوثر ہونے کا احتمال، اور باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا۔

حدیث انك لا تدری ما احدثوا بعدك۔ الحدیث۔ از صحیح البخاری

○ الاجوبۃ صحیحۃ ابو الخیرات سید احمد عفی عنہ مدرس دوم مدرسہ عالیہ دیوبند

○ الاجوبۃ صحیحۃ محمد یعقوب عفی عنہ مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند

○ الاجوبۃ صحیحۃ احمد ہزاروی عفی عنہ

○ الاجوبۃ کلہا صحیحۃ عزیز الرحمن دیوبندی کان اللہ لہٗ

○ الاجوبۃ صحیحۃ عبداللہ انصاری عفی عنہ

○ الاجوبۃ صحیحۃ محمد محمود عفی عنہ

مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند

○ الاجوبۃ کلہا صحیحۃ ابو المکارم محمد اسحاق فرخ آبادی عفی عنہ

○ ترجمہ عبارت **سید انور شاہ** صاحب کشمیری مدرس دارالعلوم دیوبند محدث مشہور: "بڑا تعجب ہے اس شخص سے جو زمرۂ علماء میں ہو ایسے شخص کی تکفیر میں تردد کرے اور قطعاً اس کو کافر نہ کہے۔ بھلا کوئی عالم کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خدا کے بتلانے سے بھی بعض چیزوں کی خبر نہ ہو‘ ہرگز نہیں۔ بڑا فتور تو وہ شخص برپا کر رہا ہے جو ہر جگہ یہ کہتا پھرتا ہے کہ آپ کو جمیع اشیاء کا علم دیدیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ صریحاً شرک ہے اور تمام فقہاء متفق اللفظ ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں۔ یہ شخص کس دلیل سے حجت پکڑتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام احادیث کے مخالف ہے۔

بحوالہ تذکیر الاخوان ص ۲۵۵

○ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۱۱۳ میں ہے:

سوال جو شخص رسول اللہ ﷺ کو غیب داں جانے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہ۔

الجواب از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ: جو شخص رسول اللہ ﷺ کو علم غیب جو خاصہ حق تعالیٰ کا ہے‘ ثابت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز نادرست ہے‘ لانہ کفر‘ فلایصح الاقتداء بہ اصلا‘ کذا فی الدر المختار۔

○ مجموعہ فتاویٰ مولوی عبدالحئی صاحب ج ا میں ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

سوال آپ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے‘ اس مسئلہ میں آپ کا قول کیا ہے کہ اس ملک کے لوگ مصیبت اور حاجت کے وقت انبیاء علیہم السلام یا

اولیاء کرام کو دور سے بطور استمداد کے پکارتے ہیں' اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ لوگ حاضر و ناظر ہیں اور ہر حال اور ہر وقت جب ہم پکارتے ہیں خبردار ہوتے ہیں۔ اس صورت سے کہنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب صورت مذکورہ حرام' بلکہ صاف شرک ہے۔ کیونکہ یہ صورت اعتقادِ علمِ غیب کو شامل ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور غیر کے لیے علمِ غیب کا اعتقاد رکھنا کھلم کھلا شرک ہے۔ جس کا خلاصہ بیان یہ ہے کہ شرع میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفاتِ مختصہ اور عبادت میں کسی غیر کو شریک کرنا شرک ہے۔ اور علمِ غیب بھی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں سے ہے۔ جیسا کہ عقائد کی کتابوں میں بالتصریح موجود ہے۔ اختصاراً ملا علی قاریؒ کی عبارت لکھی جاتی ہے' جو شرح فقہ اکبر میں ہے۔

ترجمہ علمِ غیب ایک ایسی بات ہے جس کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے' غیر کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو نبی یا ولی کو معجزہ اور کرامت کے طور پر غیب پر خبردار کر دے۔ یا کسی علامت کے ساتھ غیب پر مطلع فرما دے۔ اسی طرح بغیر علامتِ ظاہری کے کوئی شخص پانی برسنے کی خبر دے تو کفر ہے اور حنفیہ نے اس کو بھی کافر بتایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کا قائل ہو۔ کیونکہ آپؐ کی غیب دانی اس آیتِ قرآنی کے مخالف واقع ہوگی۔

قال تعالیٰ "اے نبی! آپؐ فرما دیں کہ آسمان اور زمین کی غیبی باتوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا"۔

- ○ واقع میں یہ اعتقاد کہ انبیاء اور اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور ہر حال میں دور سے ہماری پکار سنتے ہیں' شرک ہے۔ کیونکہ یہ صفات حق جل جلالہٗ کے ساتھ مخصوص ہیں۔
- ○ فتاویٰ بزازیہ میں ہے: اگر کسی نے بغیر شواہد کے نکاح کیا اور یہ کہا کہ

میں نے خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ کیا تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ اس میں رسول اور فرشتے کی غیب دانی کا اعتقاد پایا جاتا ہے۔

○ (دستخط) العبد مولوی امان اللہ خان ملتانی

○ (دستخط) حافظ محمد ابراہیم سجادہ نشین موسیٰ زئی نقل از اشتہار ملتانی

○ اور ہمارے علماء اس بات کے بھی قائل ہیں کہ مشایخ کی ارواح کو حاضر جاننا کفر ہے۔ انتہیٰ

مسلمانو! حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قولہ من یعتقد ان محمدا ﷺ یعلم الغیب فھو کافر' لان علم الغیب صفۃ مختصۃ باللہ سبحانہٗ۔ مرأۃ الحقیقۃ ص ۱۸ سطر ۷ مطبوعہ مصر۔

ترجمہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں' وہ شخص کافر ہے۔ کیونکہ غیب دانی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفتوں سے ایک خاص صفت ہے۔ نقل از کتاب تنزیہ الرحمٰن مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰۔

○ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۱۵ میں ہے:

○ ندا غیر اللہ کو کرنا دور سے شرکِ حقیقی جب ہوتا ہے کہ یہ اعتقاد کرے کہ جن کو پکارتا ہوں وہ سُن رہے ہیں۔ اور جس جگہ مقصود سنانا نہیں ہوتا اور نہ یہ عقیدہ ہوتا ہے' وہاں شرک نہیں ہوتا۔

سوال یہ مسئلہ کس کس کتاب میں ہے۔

الجواب (یہ مسئلہ بہت سی کتب میں مذکور ہے۔ مثلاً:)

① بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲

② عینی بخاری (عمدۃ القاری) ج ۱۱ ص ۵۲۰

③ فتح الباری ج ۱۳ ص ۳۸ و ج ۸ ص ۳۹۵ و ج ۱ ص ۱۱۵

④ مسامرہ ص ۹۷ مطبوعہ انصاری دہلی

⑤ فتاویٰ مولوی عبدالحی ج ۲ ص ۳۹۰

⑥ خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۵۴

⑦ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ نولکشور ج ۱ ص ۴۱۲

⑧ فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۱۶۸ مطبوعہ مطبع مصطفائی

⑨ شرح فقہ اکبر ص ۱۳۶

⑩ خازن فی آخر سورۃ لقمان ص ۴۴۳

⑫ ردالمختار ج ۳ ص ۳۰۶ و ۲۹۷

⑬ تجنیس لصاحب الہدایہ کذا فی الفصول العمادیہ ص ۶۳

⑭ مختار الفتاویٰ لو تزوج امرأۃ بشہادۃ اللہ و رسولہ لا ینعقد النکاح و یکفر لاعتقادہ ان النبی ﷺ یعلم الغیب

⑮ جواہر اخلاط میں ہے: إن زعم ان النبی ﷺ یعلم الغیب یکفر فما ظنك بغیرہ

⑯ (تفسیر) فتح العزیز ص ۱۳۰

⑰ فتاویٰ بزازیہ ص ۳۲۵

⑱ فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص ۲۷ و فی ص ۵۰۵ و در جلد دوم ص ۴۴ و فی الجلد الثالث ص ۵

⑲ بیری حاشیہ اشباہ

ان سب کتابوں میں حکم کفر لکھا ہے۔ سہ (تینوں) اماموں کی طرف سے۔

⑳ قرآن شریف کی پچاس (۵۰) سورتوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

㉑ اور ایک ہزار احادیث بخاری شریف میں اس پر شاہد ہیں کہ کسی کو دور سے (بغیر آلات کے) پکارنا' اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی ہے' شرک ہے۔

㉒ تعلیم الدین ص ۱۶۔

(۴۳) مولانا اشرف علی صاحب (تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بہشتی زیور ص ۳۷ میں لکھا ہے: کسی کو (بغیر آلات کے) دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی ہے شرک و کفر ہے۔

(۴۴) حضرت پیر صاحب کی غُنیہ ص ۶۱

(۴۵) فتویٰ امام جعفر صادق۔ تذنیب تقریب ص ۵۴

(۴۶) مکتوباتِ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ ج ۱ مکتوب ۱۰۷

(۴۷) مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصومؒ ج ۲ مکتوب نوازدہم (۱۹)

(۴۸) ملفوظات حضرت مولانا حاجی دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ تعالیٰ موسیٰ زئی شریف

(۴۹) ارشاد الطالبین مصنفہ قاضی ثناء اللہ (پانی پتیؒ) میں ہے: "یا شیخ عبد القادر و یا خواجہ شمس الدین پانی پتی چنانچہ عوام می گویند شرک و کفر است"۔

(۵۰) فتویٰ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیم (دارالعلوم) دیوبند بحوالہ پرچہ اخبار امرتسر ۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۷ء: "ان عقائد باطلہ پر مطلع ہو کر انھیں کافر مرتد، ملعون، جہنمی نہ کہنے والا بھی ویسا ہی مرتد و کافر ہے۔ پھر اس کو جو ایسا نہ سمجھے وہ بھی ایسا ہی ہے"۔

(۵۱) کوکب الیمانی علی اولاد الزوانی

(۵۲) کوکب الیمانین علی الجعلان و الخراطین

(۵۳) توضیح المراد لمن تخبط فی الاستمداد

(۵۴) کالا کافر

○ ان کتابوں میں ثابت کیا گیا ہے کہ ایسے عقائد والے "کالے کافر" ہیں۔ ان کا نکاح کوئی نہیں۔ سب زانی ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمدٍ و الہ و اصحابہ اجمعین

غیر اللہ کو عالم الغیب سمجھنے کی خرابیاں

○ اللہ تعالیٰ کی غیب دانی یعنی عالم الغیب ہونے کی صفتِ مختصہ غیر اللہ میں تسلیم کرنے سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں اور ہر ذی عقل مسلمان خصوصاً اہل السنۃ و الجماعۃ اس سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بیشمار ضروریاتِ دین کا انکار لازم آتا ہے۔ اور ضروریاتِ دین کے مسائل میں سے ایک مسئلہ کے انکار کرنے سے بھی انسان کافر و مرتد ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء ربانیین نے اس مسئلہ کو بھی ضروریاتِ دین میں شمار فرمایا ہے۔

○ لیکن آج کل کے بعض نام نہاد مصلحین کہتے ہیں کہ ایسے عقائد سے کسی کو سختی کے ساتھ منع کرنے سے فرقہ وارانہ انتشار پیدا ہوتا ہے اس لیے ایسے مسائل بیان کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس دور میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی دعویدار اس قوم کو کفر و شرک کی اس اندھیری وادی میں تیزی کے ساتھ گرتے ہوئے دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے' جس کی آخری منزل ابدی جہنم ہے۔

○ اس لیے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کے دعویدار "رسمی مسلمانوں" سے ہمدردی کے طور پر اس عقیدۂ بد کی کچھ خرابیوں کا بیان اس امید پر ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید ان خرابیوں کو دیکھ کر لوگوں میں آخرت کے دائمی عذاب سے بچنے کی فکر پیدا ہوجائے۔ اور وہ ایسے عقائدِ بد سے توبہ کرکے صحیح معنوں میں جنت کے وارث ہوجائیں۔ اگر کوئی شخص ہماری اس ہمدردانہ کاوش کو فرقہ وارانہ منافرت کا رنگ دینے کی کوشش کرے گا تو وہ عند اللہ مجرم ہوگا۔

○ ہم ایسا ہرگز نہیں چاہتے کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والی قوم باہم

جنگ و جدال کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو جائے' بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کی دعویدار گم کردہ راہ قوم کو راہِ راست کی نشاندہی کی جائے۔ اور جو عقائدِ باطلہ اغیار کی سازشوں کے نتیجے میں لاعلمی کی وجہ سے عوام نے اختیار کر لیے ہیں' جبکہ بعض علماء بھی جانتے بوجھتے ہوئے جاہل عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے تئیں ایسے عقائد سے وابستہ ہونے کا اظہار کرتے ہیں جو بہت ہی بری بات ہے۔ اس لیے اصل حقائق سے آگاہی حاصل کر کے' گروہی' جماعتی اور فرقہ وارانہ وابستگیوں سے قطع نظر صحیح اسلامی عقائد کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ تاکہ آخرت سنور جائے۔

○ نیز یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھیں کہ مخلوق میں سے کسی کو عالم الغیب سمجھنے میں بظاہر تو اس ہستی کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے' لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور اس عقیدہ سے کئی خرابیاں لازم آتی ہیں جن سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اس لیے سطورِ ذیل میں اس عقیدہ کی چند خرابیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

خرابی وحی جلی و خفی کا انکار

○ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو عالم الغیب ماننے سے وحی جلی (قرآن مجید) اور وحیِ خفی (حدیث نبوی) کا انکار لازم آتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

قرآن وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (۵۳ : ۳-۴)

ترجمہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ کچھ نہیں کہتے مگر وحی سے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

○ انبیاء کی طرف وحی کے آنے کا عقیدہ رکھنا ضروریاتِ دین سے ہے۔

اور وحی کی ضرورت اسی پیغمبر کو ہو سکتی ہے جو عالم الغیب نہ ہو۔ اور جو عالم الغیب ہو، اسے کسی قسم کی وحی یا الہام کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ:

○ کسی بھی پیغمبر کو عالم الغیب سمجھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی یا فرشتہ نہیں آتا تھا۔ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ عالم الغیب کو نہ وحی کی ضرورت ہے اور نہ فرشتہ کے آنے کی۔

خرابی

کشف و الہام اور رؤیاء صالحہ کا انکار

○ اولیاء اللہ کو غیب دان (عالم الغیب) ماننے سے کشف، الہام، اور رؤیائے صالحہ کا انکار بھی لازم آتا ہے۔ کیونکہ:

① کشف کے معنے پردہ ہٹانے کے ہوتے ہیں کہ پہلے ایک چیز پردہ میں مستور تھی اب پردہ ہٹانے سے وہ غائب چیز حاضر ہو گئی۔

② الہام کے معنے ہیں دل میں اچھی بات ڈالنا۔

③ رؤیائے صالحہ کے معنے نیک خوابیں۔

○ اب ظاہر ہے کہ عالم الغیب کو نہ کشف کی ضرورت ہے، نہ الہام کی، نہ خوابوں کی۔ جبکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کشف، الہام اور رؤیائے صالحہ کے درست ہونے پر سب اہل السنۃ و الجماعۃ متفق ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو حضرات بھی اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کشف، الہام اور رؤیائے صالحہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اولیاء کرام عالم الغیب نہیں ہوتے۔ اور جو لوگ اولیاء اللہ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں وہ درحقیقت کشف و الہام اور رؤیائے صالحہ کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب اولیائے کرام تمام غیبی چیزوں کو پہلے ہی جانتے ہیں تو انھیں کشف و الہام اور رؤیائے صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس طرح یہ عقیدہ رکھنے والے حضرات شاید نادانستہ طور پر اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

عقائد نسیانِ انبیاءؑ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار

غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے قرآن مجید کی ان آیاتِ کریمہ کا انکار لازم آئے گا جن میں پیغمبروںؑ کی طرف نسیان یعنی بھول ہوجانے کی نسبت کی گئی ہے۔ مثلاً:

① اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

قرآن وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○ (۲۰ : ۱۱۵)

ترجمہ اور بیشک ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ (آدم علیہ السلام اس تاکیدی حکم کو) بھول گئے۔ اور ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔

② نیز حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہما السلام کے متعلق فرمایا:

قرآن فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا ○ (۱۸ : ۶۱)

ترجمہ پھر جب وہ دونوں (حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہما السلام) دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے، تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے۔

③ اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے عہد کرلیا تھا کہ میں کوئی بات ابتداءً نہ پوچھوں گا۔ پھر آپؑ نے حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی پھاڑنے پر یہ سوال کرلیا کہ: "کیا سواروں کے ڈبونے کے لیے آپؑ نے کشتی کو پھاڑا ہے؟"۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ: "کیا میں نے نہ کہا تھا کہ آپؑ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے؟"۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قرآن لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ (۱۸ : ۷۳)

ترجمہ میری بھول پر میری گرفت نہ کیجیے۔

✿ اس عقیدۂ بد سے ان احادیثِ نبویہ کا بھی انکار لازم آئے گا جن میں

انبیاءِ کرام علیہم السلام خصوصاً حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسیان کی نسبت کی گئی ہے۔ حالانکہ وہ احادیث صحیح ہیں اور مشہور و مستفیض ہیں۔ مثلاً:

① سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بہم فسہا فسجد سجدتین (ترمذی ص ۵۲)

ترجمہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اس میں آپ بھول گئے جس کی وجہ سے آپ نے دو سجدے سہو کے فرمائے۔

② اسی طرح بھول جانے کی روایت حضرت عبد اللہ بن بحینہ اسدی رضی اللہ عنہ

③ اور سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ دیکھیے: ترمذی ص ۵۱۔

④ نیز سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

⑤ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

⑥ سیدنا ذی الیدین رضی اللہ عنہ سے (ترمذی ص ۵۳)

⑦ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ج ۱ ص ۵۸) ابوداؤد ص ۱۴۷ و ابن ماجہ ص ۸۶ مشکوٰۃ ص ۹۲ و نسائی ص ۱۸۴ و ص ۱۸۵ و ۱۸۶ و ابن ماجہ ص ۸۵ و مسلم ۲۱۲ و ص ۲۱۳ میں مذکور روایات صحیحہ۔ جن میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ۔

ترجمہ یعنی میں انسان ہی تو ہوں جیسے تمھیں بھول ہوجاتی ہے مجھے بھی ہو سکتی ہے اس لیے جب کبھی میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلادیا کرو۔

فائدہ اگر نسیان کی نسبت کو غلط کہیں کہ یہ نبی پاک کی شان میں گستاخی ہے تو ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے ماتحت بیسیوں راویوں اور روایت کرنے والے تمام محدثین پر اس گستاخی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

بے ادبی کا فردِ جرم عائد ہوگا جو بالاتفاق کفر ہے۔

○ اسی طرح اس عقیدۂ بد کی وجہ سے تمام فقہائے کرام حنفی شافعی مالکی حنبلی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر بھی گستاخی کا الزام عائد ہوگا۔ کیونکہ انھوں نے انھی حدیثوں سے سجدۂ سہو کے مسائل اخذ کیے ہیں جن میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں بھولنے کا ذکر ہے۔

○ اسی طرح تمام اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر بھی یہی الزام عائد ہوگا۔ کیونکہ یہ اولیائے کرام ان چاروں اماموں میں سے کسی نہ کسی کے ضرور مقلد ہوئے ہیں۔ مثلاً:

① حضرت شیخ عبد القادر جیلانی حنبلی مذہب کے تھے۔

② امام غزالی شافعی مذہب کے تھے۔

③ حضرت قاضی عیاض مالکی مسلک سے متعلق تھے۔

④ ابن العربی و ابن عربی مالکی مذہب کے تھے۔

○ اسی طرح ⑤ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ⑥ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ⑦ معین الدین اجمیری ⑧ نظام الدین اولیاء ⑨ سلطان باہو ⑩ علی ہجویری حنفی تھے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

○ علی ھذا القیاس اس عقیدۂ بد کی وجہ سے تمام اولیاء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا الزام عائد ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام بزرگ نماز کے دوران بھول جانے کی صورت میں سجدۂ سہو کر لینے سے نماز درست ہوجانے کے لیے انھی احادیث سے استدلال کرتے تھے جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھولنے کا ذکر آیا ہے۔

فائدہ ہر وقت کا علمِ غیب اور نسیان کا جمع ہونا محال ہے۔ کیونکہ علم اور جہل کے مابین تقابل عدم و ملکہ کا ہے پس عالم الغیب کو نسیان عارض نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

قرآن: وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا

ترجمہ: اور تیرا رب بھولنے والا نہیں'

○ نیز ارشاد فرمایا:

قرآن: وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

ترجمہ: یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں۔

خلاصہ: یہ ہوا کہ جس کی طرف نسیان کی نسبت ہو وہ عالم الغیب نہیں ہوسکتا۔

○ نیز علمِ اصول کے ماہرین نے تحریر فرمایا ہے کہ نسیان جہل کی قسم ہے۔ (دیکھیے: نور الانوار ص ۲۹۳)

خرابی: انبیاءؑ میں عوارضاتِ بشریہ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار

○ انبیاءؑ و اولیاءؒ کی طرف علمِ غیب کی نسبت کرنے سے ان آیات و احادیث کا انکار کرنا پڑتا ہے جن میں حوادثات و عوارضات کی نسبت انبیاءؑ و اولیاءؒ کی طرف کی گئی ہے' مثلاً غشی' نیند' اونگھ' مرض' جادو' زخمی ہونا' شہادت' موت وغیرہ۔ چنانچہ:

● حضرت امام بخاریؒ نے باب ما اصاب النبی ﷺ من الجراح یوم احد کے عنوان سے باب منعقد فرمایا۔ یعنی ان زخموں کا بیان جو جنگِ احد میں آپ ﷺ کو لگے۔ اس کے بعد حدیثیں بیان کرتے ہیں' جن میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے دندانِ مبارک زخمی ہونے کا ذکر ہے۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانِ عالی شان بھی منقول ہے کہ:

حدیث: اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ دَمَّوْا وَجْهَ نَبِيِّ اللّٰهِ (بخاری ص ۵۸۳)

ترجمہ: اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہے' جس نے اللہ کے نبی کا چہرہ خون آلود کردیا ہے۔

○ اس حدیثِ مبارک کے راوی سیدنا ابوہریرہؓ' سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہم ہیں۔

❷ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضِ وفات کے بیان میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایۃ میں یہ لفظ آتے ہیں :

حدیث .... فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ (بخاری شریف ص ۹۵)

ترجمہ کہ جب غسل فرما کر نماز کے لیے اٹھنے لگے تو آپؐ پر غشی طاری ہو گئی۔

❸ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے اور آپؐ کی دائیں جانب خراش سی آ گئی۔ اس تکلیف کی وجہ سے آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ (بخاری ص ۹۶)

❹ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزاری تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر گھر آئے تو چار رکعت پڑھ کر سو گئے۔ پھر نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے' میں بھی آ کر آپؐ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ تو آپؐ نے مجھے اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ پھر آپؐ نے پانچ رکعتیں پڑھیں پھر دو پڑھیں پھر سو گئے۔ حتیٰ کہ میں نے آپؐ کے خراٹوں کی آواز سنی پھر صبح کی نماز کے لیے نکلے۔ (بخاری ص ۹۷)

○ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ سو رہے تھے' اتنے میں مؤذن آیا تب آپؐ گھر سے نکلے اور نماز پڑھی۔

❺ اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشیت الٰہی کے مطابق وفات پائی۔ اور اسلامی دستور کے مطابق تجہیز و تکفین اور جنازہ کے بعد ان کے جسدِ خاکی کو حجرۂ عائشہؓ میں دفن کیا گیا۔ جس سے کسی کو انکار نہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق ذخیرۂ احادیث میں بکثرت روایات وارد ہیں اور اس کے رواۃ اس قدر کثیر ہیں جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے۔ مثلاً :

① امامِ اول خلیفۂ بلافصل امیرالمومنینؓ سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'

② امام ثانی امیرالمومنینؓ سیدنا امام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ'

③ امام ثالث امیر المومنینؓ سیدنا امام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ '
④ امام رابع امیر المومنینؓ سیدنا امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
⑤ صاحب النعلین و العصا و الوسادۃ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ '
⑥ عم زادۂ رسول اللہ رأس المفسرین سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما '
⑦ سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما '
⑧ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما '
⑨ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ '
⑩ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ '
⑪ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ '
⑫ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ '
⑬ سیدنا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ '
⑭ سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ '
⑮ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ '
⑯ سیدنا سالم بن عبید اللہ الاشجعی رضی اللہ عنہ '
⑰ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ '
⑱ سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ '
⑲ امام القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ '
⑳ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ '
㉑ سیدنا غنیم بن قیس رضی اللہ عنہ '
㉒ سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ '
㉓ سیدنا ابو الطفیل رضی اللہ عنہ '
㉔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ '
㉕ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ '

(۲۵) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

(۲۶) سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

(۲۷) سیدنا مالک بن اوس رضی اللہ عنہ

(۲۸) سیدنا ابو موہبہ رضی اللہ عنہ

(۲۹) سیدنا ابو عبیدہؓ بن الجراح رضی اللہ عنہ

(۳۰) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۳۱) سیدنا ابوبردہ رضی اللہ عنہ

(۳۲) سیدنا قیس بن جریر رضی اللہ عنہ

(۳۳) سیدنا عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ

(۳۴) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ

(۳۵) سیدنا جندب رضی اللہ عنہ

(۳۶) سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

(۳۷) سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(۳۸) سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

(۳۹) سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ

(۴۰) سیدنا عبیداللہ بن عدی بن الخیار رضی اللہ عنہ

(۴۱) سیدنا صنابحی رضی اللہ عنہ

(۴۲) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

(۴۳) ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

(۴۴) سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا

(۴۵) سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا

(۴۶) سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

(۴۷) سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

۴۸ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا،

۴۹ سیدہ خبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ،

۵۰ سیدنا سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ،

۵۱ سیدنا سالم بن عتیک رضی اللہ عنہ، وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین

○ اور ان سے روایت کرنے والے تابعین۔ پھر تابعین سے روایت کرنے والے تبع تابعین، آپ خود اندازہ لگالیں کہ کس قدر ہوں گے۔ وفاتِ نبوی سے متعلق ان احادیث متواترہ کے کسی راوی پر بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا الزام نہیں لگایا گیا۔

● نیز ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوجانے کا ذکر بھی موجود ہے۔ جس میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کرچکتے تھے پھر بھی آپؐ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ یا آپؐ نے کوئی کام نہ کیا ہوتا تو آپؐ سمجھتے کہ میں نے یہ کام کرلیا ہے۔ حتی کان یریٰ انہ یأتی النساء ولا یأتیھن، حتی انہ لیخیل الیہ انہ فعل الشیء وما فعلہ۔ (بخاری شریف ص ۸۵۸)

خلاصہ یہ تمام حوادث و واقعات انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کے صریح نافی ہیں۔ کیونکہ "اغماء" ایک ایسا مرض ہے جس سے انسان کے ادراک کرنے والے قویٰ میں ضعف آجاتا ہے۔ جبکہ جنون ایک ایسا مرض ہے جس میں عقل زائل ہوجاتی ہے۔ اور اس سے انبیاءِ کرام علیہم السلام محفوظ رہے۔ چنانچہ:

○ قمر الاقمار ص۳ حاشیہ نور الانوار ص ۲۹۴ میں ہے: کان الانبیاء معصومین عن الجنون لانہ یزیل العقل وما کانوا معصومین عن الاغماء فان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اغمی علیہ فی مرضہ کما شھدت بہ

احادیث الصحاح۔ یعنی انبیاء علیہم السلام جنون سے تو معصوم ہوتے ہیں مگر اغماء سے نہیں۔ کیونکہ خود ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مرض میں اغماء (غشی) طاری ہو گئی تھی۔ کتب صحاح کی حدیثیں اس کی شاہد ہیں۔

○ لیکن نیند ایک ایسی حالت کا نام ہے جو کہ غیر طبعی امراض اغماء اور جنون کے علاوہ ایک طبعی سستی ہے' جو انسان کو حادث ہوتی ہے اور اس کے بس میں نہیں ہوتی۔ اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی طاقت استعمال کرنے سے عاجز ہوجاتا ہے۔ عقل ہونے کے باوجود ادراکات حسیہ و عقلیہ و افعال اختیاریہ پر قدرت کا استعمال نہیں کرسکتا۔ (نور الانوار ص ۲۹۴)

○ اور موت خود ایسی چیز ہے جس سے تمام حواس ختم ہوجاتے ہیں۔ اور عذاب و ثواب کا ادراک جو روح کو ہوتا ہے سو اس کا تعلق ان حواس دنیویہ سے نہیں یہ عالم برزخ سے متعلق چیزیں ہیں۔ وتفصیلہ مقام آخر

○ اور جادو کے اثر سے خود حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نہ کیے ہوئے کام کو کیا ہوا خیال کرلیتے اور کیے ہوئے کام کو نہ کیا ہوا خیال فرماتے۔ یہ اثر تھا اس جادو کا۔ پس عالم الغیب وہی ہوسکتا ہے جو ان عوارض سے پاک ہو۔ جیسا کہ:

○ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق ارشاد فرمایا:

قرآن اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ (۲۵۵ : ۲)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ایسی ہستی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہمیشہ جیتا ہے سب کا تھامنے والا۔ نہیں پکڑتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ نیز فرمایا:

قرآن وَ تَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ (۲۵ : ۵۸)

ترجمہ اور بھروسہ صرف اسی ذات پر کر جو ہمیشہ جیتا ہے جو نہیں مرے گا۔

○ اور وہ وہ ذات ہے جسے کوئی بھی کسی طرح کبھی بھی نقصان نہیں پہنچاسکتا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن لَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا (۳ : ۱۴۴)

ترجمہ وہ کبھی نہ بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ۔

عنوان انبیاءؑ پر خوف و غم طاری ہونے سے متعلق آیات و احادیث کا انکار

○ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان تمام آیات کا انکار لازم آتا ہے جن میں انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف حزن، خوف، غم، گھبراہٹ اور پچھتانے کی نسبت کی گئی ہے۔ مثلاً:

قرآن فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ (۱۱ : ۷۰)

ترجمہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان فرشتوں سے ڈر گئے۔ فرشتوں نے کہا کہ آپؑ مت ڈریں۔

قرآن فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ (۱۱ : ۷۵)

ترجمہ پھر جب چلا گیا ابراہیم علیہ السلام سے ڈر۔

قرآن وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (۲۹ : ۳۳)

ترجمہ اور جب کہ پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کا آنا ان لوط علیہ السلام کو ناگوار ہوا اور ان کے سبب دل تنگ ہوا۔ تب ان فرشتوں نے کہا نہ ڈر نہ غم کر۔

○ برادرانِ یوسف علیہ السلام جب اباجی سے تقاضا کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیجو تو حضرت یعقوب علیہ السلام یوں نہیں فرماتے کہ مجھے پتہ ہے کہ تم باہم مشورہ کرکے اسے اندھے کنوئیں میں ڈالنا چاہتے ہو، بلکہ فرمایا:

قرآن اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ

عَنْهُ غَافِلُوْنَ (۱۲ : ۱۳)

ترجمہ یعنی مجھے رنج دے گی یہ بات کہ تم اسے لے جاؤ اور اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا لے اور تمھیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔

○ پھر فراقِ یوسف علیہ السلام میں آپؑ فرمایا:

قرآن یٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ (۱۲ : ۸۴)

ترجمہ ہائے افسوس یوسف (علیہ السلام) کی جدائی پر۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں۔ سو وہ اپنے آپ کو گھونٹ رہے تھے۔ پھر فرمایا:

قرآن اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ (۱۲ : ۸۶)

ترجمہ میں تو کھولتا ہوں اپنا احوال اور غم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا عصا ڈال۔ ڈال کر دیکھا تو وہ رینگنے لگا' اور وہ اس کو سانپ سمجھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو درج ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

قرآن وَلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ (۲۷ : ۱۰)

ترجمہ حضرت پیٹھ پھیر کر چل دیے اور مارے ڈر کے پلٹ کر نہ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مخاطب ہو کر فرمایا:

قرآن يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ (۲۸ : ۳۱)

ترجمہ اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو مت آپ کو کچھ خطرہ نہیں آپ کو امان ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرعونیوں کی طرف پیغام پہنچانے کا حکم دیا تو آپؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

قرآن رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (۲۸ : ۳۳)

ترجمہ اے میرے رب! میں نے ان میں سے ایک جی کا خون کیا ہے اس

لیے مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔

○ اس قسم کی بیشمار آیات و احادیث ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ڈر، خطرہ، غم، گھبراہٹ اور پچھتاوا اسی کو لاحق ہوتا ہے جسے اصل بات کا علم نہ ہو اور عالم الغیب کو ڈر، خطرہ، غم، گھبراہٹ اور پچھتاوا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے آگے ہر چیز روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے۔ اس لیے اگر ان آیات کو تسلیم کریں تو انبیاء و اولیاء سے علم غیب کلی کی نفی کرنی ہوگی۔ اور اگر انبیاء و اولیاء کو عالم الغیب مانیں تو ان آیات کا انکار کرنا ہوگا، جو صریح کفر ہے۔

خرابی تنبیہ النبیؐ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار

○ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان آیات کا انکار کرنا لازم آتا ہے جن میں انبیاء یا مؤمنین صالحین کو زیرِ عتاب کیا گیا ہے۔ مثلاً:

قول باری لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (۹ : ۴۳)

ترجمہ تم نے انھیں کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور جان نہ لیتے آپ جھوٹوں کو۔

○ اس آیت کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ص ۱۵۸ تفسیر جلالین میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو اپنے اجتہاد سے گھر میں رہنے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی تھی اس لیے یہ آیت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور عتاب کے نازل ہوئی۔

○ نیز صاحب شرح صاوی نے ج ۲ ص ۱۲۹ میں تحریر فرمایا ہے:

قول وَ عِتَابُ اللّٰهِ لَهٗ اِنَّمَا هُوَ عَلٰى فِعْلِ اَمْرٍ مُبَاحٍ لَهٗ فَهُوَ مِنْ بَابِ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ لَا عَلٰى وِزْرٍ فَعَلَهٗ

فَاعْتِقَادُ ذٰلِكَ كُفْرٌ۔

ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر مباح کے کرنے پر عتاب تھا نہ کسی کام کے بوجھ پر کیونکہ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے تو یہ اس قبیلہ سے ہے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائیاں ہوتی ہیں۔

- اسی طرح تفسیر رازی ج ۱۰ ص ۳۴۳ و ۳۴۴' و ابن جریر ج ۱۰ ص ۹۹' و تفسیر نیشاپوری ص ۹۳ و تفسیر ابو السعود ج ۵ ص ۱۳۳' و ابن کثیر پ۱۰ ص ۱۷۷' و معالم التنزیل پ۱۰ ص ۱۷۷' و تفسیر مظہری ج ۴ ص ۲۲۲' و تنویر المقیاس پ۱۰ ص ۱۳۳' و بیضاوی پ۱۰ ص ۱۳۳' و خازن پ۱۰ ص ۱۳۳' و مدارک پ۱۰ ص ۱۳۳ وغیرہ تفاسیر میں ہے۔
- نیز حضرت راس المفسرین ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور تلامذہ میں سے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔
- اور یہی تفسیر حضرت عمرو بن میمون و عون و سفیان بن عیینہ و عطاء خراسانی و مورق عجلی وغیرہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔
- اس لیے اگر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کلی غیب کا مالک تسلیم کریں تو مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ کا انکار کرنا ہوگا یا ان مفسرین و محدثین کو بے ادب گستاخ کہنا ہوگا اور ان کی تفسیر کو تحریف کا لقب دینا ہوگا اگر آیات کو صحیح تسلیم کریں اور مفسرین پر بھی الزام نہ دھریں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کلی کا انکار کرنا ضروری ہو جائے گا۔ کیونکہ عالم الغیب ہونا اور معتوب ہونا یہ دونوں باتیں ایک ہی شخصیت میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ جسے علم ہو کہ اس کام سے مجھ پر عتاب ہوگا تو وہ کام ہرگز نہیں کرے گا۔ یہ مسئلہ تو اجلی بدیہیات سے ہے۔

خرابی تسلیۃ النبیؐ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار

- غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان آیات کا انکار لازم آتا ہے جن

میں انبیاء کرامؑ و دیگر مؤمنین کو تسلی دی گئی ہے' یا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر فعلِ عبث کا قبیح دھبہ لگتا ہوگا۔ مثلاً کفار کے بکواسات سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی ذات نے آپؐ پر تسلی کی آیات نازل فرمائیں۔ منجملہ ان آیات کے فرمانِ الٰہی ہے:

قرآن كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (۲: ۱۱۸)

ترجمہ جیسے یہ کافر لوگ آپؐ کو کہتے ہیں اسی طرح کر چکے ہیں اگلے کافر بھی پہلے پیغمبروں کے ساتھ انہیں کی سی بات۔ ایک سے ہیں دل بھی ان کے۔

○ اس جگہ جلالین ص۱۶ میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں: فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین خاطر کی گئی ہے کہ آپؐ ان کی سرکشی اور معاندانہ باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں پچھلے کفار بھی انبیاء کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ تسلی مغموم اور محزون ہی کو دی جاتی ہے۔

○ اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ مغموم و محزون عالم الغیب نہیں ہوسکتا ورنہ تو غیر مغموم و محزون کو تسلی دینا ایک امر عبث ہے۔ جس کے تسلیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر عبث کا کام کرنے کا دھبہ آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ حکیم کا انکار لازم آئے گا اور یہ دونوں امر صریح کفر ہیں۔ اور جو امر مستلزم کفر ہو وہ بھی کفر ہوتا ہے۔

خرابی ۹ انبیاء و اولیاء کی طرف کذب بیانی کی نسبت

○ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے معاذ اللہ انبیاء و اولیاء کو جھوٹا کہنا پڑے گا۔ مثلاً:

① اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں بیان فرمایا ہے:

قرآن فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (۲: ۲۵۹)

ترجمہ یعنی اللہ تعالیٰ نے مارے رکھا حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال پھر اسے زندہ کرکے اٹھادیا۔

قرآن قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (۲:۲۵۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام سے امتحاناً سوال فرمایا کتنی دیر یہاں تو ٹھہرا؟ حضرت عزیر علیہ السلام نے عرض کی کہ دن بھر ٹھہرا ہوں۔ بلکہ دن سے بھی کم!

قرآن قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ (۲:۲۵۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں! تو دن بھر یا دن بھر سے کم نہیں ٹھہرا بلکہ تو پورے سو سال یہاں ٹھہرا ہے۔

○ ظاہر ہے کہ ایک دن ٹھہرنے اور سو سال ٹھہرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔

○ اگر کہیں کہ اللہ کا فرمان سچ ہے اور عزیر علیہ السلام عالم الغیب بھی ہیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ نعوذ باللہ حضرت عزیر علیہ السلام نے عمداً جھوٹ بولا۔

○ اگر عزیر علیہ السلام کو سچا مانیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر معاذ اللہ کذب بیانی لازم آئے گی۔

○ لیکن اللہ تعالیٰ بھی سچا ہے اور عزیر علیہ السلام بھی سچے ہیں تو ماننا پڑے گا آپؑ عالم الغیب نہ تھے آپؑ کو سو سال کے حالات کا کچھ علم نہ ہوسکا۔ کیونکہ آپؑ نے صرف یہ خیال کرکے کہ شروع دن میں میں سویا تھا اب جاگتے وقت سورج غروب ہورہا ہے۔ یہ سمجھے کہ یہ وہی دن ہے جس دن میں سویا تھا۔ جیسا کہ:

○ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے تحریر فرمایا ہے: فَظَنَّ أَنَّهُ يَوْمُ النَّوْمِ (تفسیر جلالین ص۳۸) کہ ان کو یہ اندازہ ہوا کہ یہ وہی دن ہے جس دن میں سویا تھا۔

○ اور ظاہر ہے کہ ظن اور اندازہ کرنے کی ضرورت عالم الغیب ہستی کو

نہیں ہو سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ آپؐ کو عالم الغیب کہنے میں ضروریات دین کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ جس کے باعث انسان کافر ہوجاتا ہے۔ اس لیے ایسے عقیدۂ بد سے توبہ کرنی چاہیے۔

④ اسی طرح اصحابِ کہف کے واقعہ میں یہ بات وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ وہ محبوبانِ الٰہیؒ عالم الغیب نہیں تھے۔ دیکھیے: (۱۸: ۱۹)

دلائل انبیاء و اولیاء میں خداداد اجتہادی قوّت کا انکار

○ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے انبیاء، اولیاء و علماء مجتہدین کو اجتہاد کی صفتِ مادحہ سے محروم کہنا ہوگا۔ کیونکہ اجتہاد کی ضرورت وہیں محسوس ہوتی ہے جہاں حکم منصوص نہ ہو۔ کیونکہ:

جوازِ قیاس کے لیے شرط ہے: ”عَدَمُ وُجُوْدِ النَّصِّ فِی الْفَرْعِ“ یعنی ”مقیس کا حکم منصوص نہ ہو“۔ (دیکھیے: نور الانوار ص ۲۲۳)

○ قیاس کے لیے علماءِ اصول کی مذکورِ بالا شرط حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درج ذیل ارشادِ گرامی سے مستنبط ہے:

حدیث اِنَّمَآ اَقْضِیْ بَیْنَکُمَا بِرَأْیِیْ فِیْمَا لَمْ یُنْزَلْ عَلَیَّ فِیْهِ۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲۷)

ترجمہ میں تم میں عقل و اجتہاد سے صرف اس قضیّہ میں فیصلہ کرتا ہوں جس کے بارے میں مجھ پر وحی نہ اتری ہو۔

○ اگر عالم الغیب کا عقیدہ انبیاء اولیاء و علماء مجتہدین کے بارے درست ہو تو انھیں اجتہاد کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ علمائے اصول نے اجتہاد کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے:

تعریف اِسْتِفْرَاغُ الْفَقِیْهِ الْوُسْعَ لِیَحْصُلَ لَهٗ ظَنٌّ بِحُکْمٍ شَرْعِیٍّ

ترجمہ فقیہ کا اپنی پوری طاقت لگانا تاکہ شرعی حکم کے متعلق اس کو ظنِ غالب

حاصل ہوجائے۔ (تعریفات میر سید سندؒ ص ۵)

○ اسی طرح شرح شرح عقائد میں رمضان آفندیؒ کا یہ قول منقول ہے:
بَذْلُ الْمَجْهُوْدِ لِنَيْلِ الْمَقْصُوْدِ سو اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

○ اور ظاہر ہے کہ علم (یقین) کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی طرف رجوع کرنا جس کا ماہیت ہی میں ظن داخل ہے' ترقی معکوس کا مرادف ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام' تابعین' تبع تابعین و من بعد ہم سب اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ صرف فرق اتنا ہے' کہ نبی کے اجتہاد میں غلطی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر نبی کے اجتہاد میں بتقاضائے بشریت کچھ لغزش ہوجاتی تو فوراً وحی آجاتی تھی جس سے اس کی اصلاح ہوجایا کرتی تھی۔ اور صحابۂ کرام و من بعد ہم کے اجتہاد میں صواب و خطاء کا احتمال موجود ہوتا ہے۔ اگر ان ہستیوں کو علم غیب ہوتا تو انھیں اجتہاد سے کام لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

حرابت انبیاءؑ کے قتل و زخمی ہونے سے متعلق آیات و احادیث کا انکار

○ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان آیات و احادیث کا انکار لازم آتا ہے جن میں انبیاء علیہم السلام کے قتل' زخمی ہونے' زد و کوب کیے جانے اور زہر کھانے کا بیان ہے۔ مثلاً:

① يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ (۲ : ۶۱)

② يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ (۳ : ۱۱۲)

③ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ (۴ : ۱۵۵)

○ اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف میں زخمی ہونا۔

○ یوم اُحد میں آپؐ کے دندانِ مبارک کا شہید ہونا۔

○ یہودیہ کا کھانے میں زہر ملانا اور بعض کا لاعلمی میں کھانا۔ اور اس کے نتیجے میں شہادت پانا۔

○ اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ پر بھی اس زہر کا اثر کرنا حتی کہ مرض الوفات میں بھی اس زہر کا اثر محسوس ہونا وغیرہ۔

○ اگر مخلوق میں علم غیب کے عقیدہ کو درست کہا جائے تو ان تمام حقائق کا انکار کرنا پڑے گا۔ لیکن چونکہ تواتر کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے غیر اللہ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کا عقیدہ رکھنا ہی ضروری ہوجائے گا۔

خرابی (۱) انکارِ حدیث بصورت نسبتِ کذب بہ محدثین

مخلوق کو غیب دان ماننے سے ان احادیثِ صحیحہ کا انکار کرکے منکرِ حدیث ہونے کی لعنت کو اپنے گلے کا ہار بنانا پڑے گا جن میں آتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے کسی چیز کے مخفی رہنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ اور اگر ان احادیث کو صحیح مانیں تو نعوذ باللہ خاکم بدہن حضرت نبی کریم ﷺ کو کذب بیانی کا مرتکب کہنا پڑے گا جو کہ صریح کفر ہے۔ یا پھر راویان اور جامعینِ حدیث پر جھوٹ کا الزام عائد کرنا ہوگا جنھوں نے اس قسم کے واقعات کی نسبت حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف کی ہے۔ اور ان محدثین کو گستاخ، بے ادب اور کافر کہنا پڑے گا، جن کے وسیلے سے ہم تک دین اپنی اصلی شکل میں پہنچا۔ اور اس کے نتیجے میں ان محدثین کی بیان کردہ دیگر احادیث پر بھی اعتماد نہ رہے گا۔ اور پورے ذخیرۂ احادیث کو ناقابلِ یقین کہنا پڑے گا۔ جو سراسر بے دینی ہے۔

○ اور چونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس لیے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (۳ : ۵)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔

آمد دجال سے متعلق ایک حدیث کا انکار

حضرت نبی کریم ﷺ کو عالم الغیب ماننے سے اس حدیث کا انکار کرنا ہوگا جس میں آتا ہے کہ ایک یہودی عورت کا بچہ ہوا جس کی (دائیں) آنکھ مٹی ہوئی اور ہموار کی ہوئی تھی اور اس کی کچلیاں نکلی ہوئی تھیں پس حضرت نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کی خاطر ڈر پیدا ہوا کہ شاید یہی دجال ہو۔ تب حضور ﷺ اس کو دیکھنے آئے تاکہ اس کا حال تحقیق کریں۔ پس اس کو اس حالت میں پایا کہ چادر میں لپٹا ہوا چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے جو سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ پھر اس لڑکے کی ماں نے اس کو آگاہ کیا کہ اے عبداللہ یہ ابو القاسم (محمد ﷺ) کھڑے ہیں۔ خبردار ہو۔ اور ان سے کلام کرنے کے لیے مستعد ہو۔ تب وہ چادر سے نکلا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس عورت کو کیا ہو گیا۔ اللہ اس کو غارت کرے۔ اگر یہ اس کو چھوڑ دیتی اور خبر نہ دیتی اس کو تو یہ اپنا حال ظاہر کر دیتا۔------ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! اجازت دیجیے کہ میں اسے قتل کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا اگر ابن صیاد ہی وہ دجال ہے' تو تو اس کا قاتل نہیں (اس کا قتل عیسیٰ بن مریم کے حصے میں ہے) اس کے سوا کسی کو اس کے قتل کرنے کی قدرت نہیں۔ اور اگر ابن صیاد وہ دجال نہیں ہے تو تجھے ایک ذمی مرد کے قتل کرنے کی اجازت نہیں۔ پس آنحضرت ﷺ کو اپنی امت پر اس بات کا خطرہ رہا کہ شاید یہ ابن صیاد ہی وہ دجال ہو۔ (مشکوٰۃ ص۴۷۹)

پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو پورا حال معلوم ہوا تب آپؐ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ابن صیاد وہ دجال نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خطرہ جب ہی ہوسکتا ہے جب علم غیب نہ ہو۔ علم غیب

رکھنے والے پر خطرہ وارد ہی نہیں ہوتا۔

خرافات: غضِ بصر سے متعلق آیات و احادیث کا انکار

○ انبیاء و اولیاء کو عالم الغیب ماننے سے لازم آتا ہے کہ

قرآن: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (۲۴:۳۰)

ترجمہ: مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

○ اگر مخلوق میں سے کسی برگزیدہ ہستی کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ صحیح ہو تو غضِ بصر کے اس حکم الٰہی سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اور اولیاء و مشائخ عظام کو مستثنیٰ کرنا ہوگا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی اس حکم سے مستثنیٰ قرار دینا ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ولیہ تھیں۔ اور اس استثنیٰ کی وجہ یہ ہے کہ جو ہستی پوشیدہ اور مخفی چیزوں سے واقف ہے اس سے پردہ کرنا لغو اور بے سود ہے۔ لیکن گزشتہ چودہ صدیوں میں آج تک کسی مفسر، محدث، فقیہ اور مجتہد نے ان ہستیوں کو کسی تفسیر، حدیث، اور فقہ کی کتاب میں غضِ بصر یعنی پردہ کے حکم سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ بلکہ احادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ آپ خود بھی نامحرم عورتوں سے پردہ فرمایا کرتے تھے۔ اور صحابۂ کرام و ازواج مطہرات کو بھی پردہ کرنے کا لازمی حکم فرماتے تھے۔ چنانچہ:

○ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے اشارہ کیا جس کے ہاتھ میں ایک خط تھا جو کسی نے لکھ کر اس عورت کے ہاتھ میں دے کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا تھا تو ہاتھ پر نظر پڑتے ہی آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور وہ خط نہ

لیا۔ پھر فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا۔ تب وہ عورت بولی کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا "اگر تو عورت ہوتی تو عورتوں کے شعار کی رعایت کرتی اور اپنے ہاتھ کے ناخنوں کو مہندی لگاتی" (مشکوۃ ص ۳۸۳)

○ اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا قسم ہے اللہ کی کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ اور حبشی برچھیوں کے ساتھ مسجد میں کھیل رہے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنی چادر کے ساتھ میرا پردہ کر رہے تھے۔ تاکہ میں حضور ﷺ کے کانوں اور کندھوں کے درمیان میں سے ان کے کھیل کی طرف دیکھ سکوں۔ الخ (مشکوۃ ص ۲۸۰)

○ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ حبشی صحابہ اولیاء اللہ تھے اگر ان کو عالم الغیب مانیں تو حضرت نبی کریم ﷺ کا چادر سے پردے کا انتظام کو بے فائدہ کام کہنا پڑے گا۔ جبکہ کسی بے مقصد اور لا یعنی کام کی نسبت حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنا صریح کفر ہے۔ والعیاذ باللہ۔

○ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ (ام سلمہ) اور ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس تھیں۔ اچانک حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صحابی رسول ؐ نابینا آ گئے۔ حضور ﷺ نے دونوں بی بیوں کو فرمایا "اس سے پردہ کرو" ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یارسول اللہ! کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ ہمیں تو نہیں دیکھ سکتا۔ آپ ؐ نے فرمایا تو پھر کیا تم بھی اندھی ہو (تم تو

اسے نہ دیکھو) (مشکوۃ ص ۲۶۹)

○ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا اے علی! نظر کے پیچھے نظر نہ ڈال یعنی اگر اجنبیہ عورت پر ایک دفعہ اچانک نظر جاپڑی ہے تو پھر نہ دیکھ اس کو۔ اس لیے کہ بغیر قصد و ارادہ کے جو پہلی دفعہ نظر پڑ گئی ہے وہ تیرے لیے (معاف) ہے۔ اب دوبارہ نظر کرنا تیرے لیے جائز نہیں ہے۔ (مشکوۃ ص ۲۶۹)

○ اس سے معلوم ہوا کہ (خواہ جتنا بڑے سے بڑا ولی ہو) اسے بھی کسی اجنبیہ (غیر منکوحہ و غیر مخطوبہ) کے چہرہ کی طرف نظر کرنا حلال نہیں ہے جیسے امیرالمومنینؓ سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ (معانی الآثار ج ۲ ص ۹)

○ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا اپنی ران نہ کھول۔ اور نہ زندہ آدمی کی ران کو دیکھ نہ مردہ کی ران کو دیکھ۔ (مشکوۃ ص ۲۶۹)

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی نبی، ولی، صوفی، پیر، شیخ کی تخصیص کیے بغیر فرمایا ہے:

قولہ تعالیٰ يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ (۳۳ : ۵۹)

ترجمہ یارسول اللہ! اپنی بیبیوں صاحبزادیوں اور تمام مومنوں کی عورتوں کو فرما دیجیے کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں۔

○ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اولیاء اللہ تھے، ان کو ان کو مستثنیٰ کیے بغیر سب سے پردہ کا حکم دیا۔ اگر اولیاء اللہ عالم الغیب ہیں تو پردہ کا حکم کیوں دیا گیا۔

○ سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت نبی پاک ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اپنی نگاہ پھیر لے۔

ازالہ ولی کو اشکال پیدا ہونے سے متعلق احادیث کا انکار

○ عالم الغیب کو کسی معاملہ میں اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر اولیاء اللہ کو عالم الغیب مان لیں تو اس حدیث کی تردید کرنی ہوگی جو مشکوٰۃ ص ۳۲۵ میں بحوالہ رزین حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت امام ثالث امام عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! میں تو دو مردوں کے درمیان فیصلہ نہیں کروں گا۔ حضرت امامؓ نے فرمایا کہ آپ کے اباجی (امام ثانی امام عمر رضی اللہ عنہ) تو فیصلے کرتے تھے۔ تو آپؓ نے کہا کہ میرے اباجی کو (عہد نبوی میں) اگر کسی فیصلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا تھا تو حضرت سو صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرتے تھے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشکال ہو جاتا تھا تو آپؐ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمالیا کرتے تھے۔ اور میں ایسی ہستی نہیں پاتا جس سے پوچھ سکوں اور اپنا اشکال حل کرا سکوں

○ اب ظاہر ہے کہ عالم الغیب کو نہ اشکال ہوتا ہے اور نہ اس کو کسی کے تلقین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہاں تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

قول اللہ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۶ : ۱۰۶)

○ اسی پر چلو جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ نیز فرمایا:

قول اللہ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (۴ : ۱۰۵)

ترجمہ یارسول اللہ! ہم نے آپؐ کی طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح اللہ تعالیٰ آپؐ کو دکھائے۔ اور عالم الغیب کسی کے کہنے پر نہیں چلتا۔ نیز فرمایا:

قول اللہ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ (۵ : ۱)

ترجمہ اللہ کسی کا تابع فرمان نہیں نہ کسی کا محتاج وہ جو چاہے حکم فرماتا ہے۔

قرآن وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (۱۳ : ۴۱)

ترجمہ اور اللہ تعالی حکم فرماتا ہے اور کوئی نہیں جو پیچھے ڈالے اس کا حکم۔

○ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث اِنِّيْ لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَ لَا اُحِلُّ حَرَامًا (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۰)

ترجمہ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ نیز فرمایا:

حدیث لَيْسَ لِيْ تَحْرِيْمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لِيْ

ترجمہ اللہ تعالی نے جو چیز میرے لیے حلال کی ہے' اس کے حرام کرنے کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں (دیکھو مسلم شریف ج ۱ ص ۲۰۹)

○ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت اس معنے میں ہے کہ نبی کا قول اللہ تعالی کے حلال و حرام کرنے کی قطعی نشانی ہے۔ اور ان معنوں میں نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے حلال و حرام کیا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۴۹)

○ ہدایہ ج ۱ ص ۴۰۰ میں ہے حاملہ عورت کے خاوند نے لعان کیا تو حمل خاوند کا تصور کیا جائے گا یا نہ؟ اس میں شافعیوں اور حنفیوں کا اختلاف ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حاکم خاوند کا حمل نہ بنائے۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہلال اور اس کی حاملہ بیوی نے لعان کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بچہ ہلال کا نہ بنایا۔ لیکن ہمارے حنفی رحمہم اللہ تعالی اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ حمل ہلال کا نہیں انہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عَرَفَ قِيَامَ الْحَبْلِ بِطَرِيْقِ الْوَحْيِ پھر اس پر صاحب عنایہ حاشیہ ۳ نے

لکھا وَ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يُعْرَفُ اِلَّا بِطَرِيقِ الْوَحْيِ یعنی جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس شکل و صورت کا بچہ پیدا ہو تو خاوند کا ہے اور اگر اس شکل و صورت کا بچہ پیدا ہو تو خاوند کا نہیں اس طرح کی بات وحی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔

○ ہدایہ شریف کی اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ حنفیہ کے مذہب میں یہی مسئلہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو نہ علمِ غیب کلی حاصل ہے اور نہ ہی انھیں حلال و حرام کرنے میں کچھ اختیار ہے۔

○ مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۳ میں خلاد بن سائب کے والد صاحب سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے یہ حکم دے گئے کہ میں اپنے اصحاب کو حکم دوں کہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں۔

خرابی نبی کریم کے مامور و منہی ہونے سے متعلق آیات واحادیث کا انکار

○ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان آیات و احادیث کا انکار لازم آتا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کو مامور اور منہی فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:

قرآن قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ (۷ : ۲۹)

ترجمہ یارسول اللہ! فرما دیجیے کہ میرے ربّ نے حکم دیا ہے انصاف کا۔ اور فرمایا:

قرآن اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (۵ : ۴۲)

ترجمہ اور اگر آپ فیصلہ فرمائیں تو ان میں انصاف کا فیصلہ فرمائیں۔ اور فرمایا:

قرآن قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ (۱۳ : ۳۶)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرما دیجیے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کروں اللہ تعالیٰ کی اور شریک نہ کروں اس کے ساتھ۔

○ نیز سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حدیث كَانَ النَّبِيُّ ﷺ عَبْدًا مَامُوْرًا مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۴)

ترجمہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ماًمور بندے ہیں۔

فائدہ: یہاں یہ بات خوب سمجھ لیں کہ جو ہستی عالم الغیب ہو وہ مامور نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کو حکم دینا ایک بے فائدہ امر ہے۔ البتہ عالم الغیب سے زاری عاجزی اور انکساری کے ساتھ سوال اور دعاء کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس ذات عالم الغیب کو دل کی گہرائی میں چھپی ہوئی چیز کا علم ہے 'مگر وہ بندہ کی عاجزی و انکساری پر خوش ہوتا ہے' اور عاجزی و انکساری کرنے والے شخص کی حاجت براری جلد فرماتا ہے۔ اس ذات پاک کے ساتھ کسی کو تشبیہ دینا حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قرآن: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ

ترجمہ: اس (اللہ تعالیٰ) جیسا کوئی بھی نہیں۔

فائدہ: حضرت نبی کریم کے بارے میں نفی علم غیب سے متعلق آیات و احادیث کا انکار

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ماننے سے مندرجہ ذیل آیات کا انکار لازم آتا ہے۔

1 قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (٦ : ٥٠۔ ١١ : ٣١)

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔

○ اسی طرح سورۃ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے یہی الفاظ منقول ہیں۔

2 فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ (١٠ : ٢٠)

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ غیب کی خبر تو بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

3 وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ○ وَ انْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ---- (١١ : ١٢١۔ ١٢٣۔ ١٦ : ٧٧)

ترجمہ یارسول اللہ! جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے فرمادیجیے کہ تم اپنی جگہ عمل کرو ہم مسلمان اپنی جگہ عمل کرتے ہیں۔ اور تم بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی انتظار کرو اور ہم مسلمان بھی منتظر ہیں۔ اور آسمان و زمین میں جو غیب کی باتیں ہیں ان کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ الخ

۴ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (۲۷ : ۶۵)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ آسمانوں اور زمین کے بسنے والوں میں سے کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور ان کو خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

۵ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ (۱۸ : ۲۶)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ جتنی مدت تک اصحابِ کہف غار میں رہے اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے زیادہ جانتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا علمِ غیب اسی کو ہے' جو عجب سنتا دیکھتا ہے۔

۶ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (۲ : ۳۳)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ میں (اللہ تعالیٰ) ہی جانتا ہوں پردے آسمان اور زمین کے اور مجھے ہی معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

۷ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۳۵ : ۳۸)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے آسمانوں اور زمین کے بھید جاننے والا۔ اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہو دلوں میں۔

۸ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

تَعْمَلُوْنَ (۴۹ : ۱۸)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ دیکھتا رہتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

۹ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۵ : ۱۰۹)

ترجمہ جس دن اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تم پیغمبروں کو مخلوق کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تو پیغمبر جواب دیں گے کہ ہمیں اپنی قوم کے اخلاص کا کچھ علم نہیں۔ کیونکہ اے باری تعالیٰ علام الغیوب تو صرف آپ ہی کی ذات ہے آپ ہی جانتے ہیں کہ ایمان لانے میں کون مخلص ہے اور کون منافق۔ کذافی تفسیر مدارک التنزیل للنسفی الحنفیؒ

۱۰ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۷ : ۱۸۸)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ نفع نقصان میرے اختیار میں نہیں مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا فائدہ کرلیتا اور مجھ کو کسی طرح گزند ہی نہ پہنچتا۔ میں تو ان لوگوں کو جو ایمان لانا چاہتے ہیں دوزخ کا ڈراوا اور بہشت کی خوش خبری سنانے والا ہوں اور بس۔

۱۱ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (۶ : ۵۹)

ترجمہ اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی۔ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔

۱۲ وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا (۱۰ : ۲۰)

ترجمہ اور کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں

اتری۔ یارسول اللہ! آپؐ ان کے جواب میں فرمادیں کہ غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

۱۳ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (۹:۱۰۱)

ترجمہ یارسول اللہ! خود اہلِ مدینہ میں سے بھی جو لوگ نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں آپؐ ان کو نہیں جانتے' ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

۱۴ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (۷۴:۳۱)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ کے رب کے لشکروں کی تعداد تو بس وہی جانتا ہے۔

۱۵ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ (۳۶:۶۹)

ترجمہ اور ہم نے ان (یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر و شاعری نہیں سکھائی۔ اور نہ وہ ان کے شایانِ شان ہے۔

۱۶ وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (۱۷:۸۵)

ترجمہ یارسول اللہ! یہ لوگ روح کے بارے میں آپؐ سے پوچھتے ہیں آپؐ فرمادیجے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہی ہے اور تمھیں تو تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔

۱۷ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ (۴:۱۶۴)

ترجمہ یارسول اللہ! دوسرے پیغمبروں پر جن کا حال اس سے قبل ہم آپؐ سے بیان کر چکے ہیں یعنی ہم نے وحی بھیجی ہے۔ اور ایسے پیغمبروں پر بھی جن کا حال ہم نے آپؐ سے بیان نہیں کیا۔

۱۸ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ (۴۰:۷۸)

ترجمہ یارسول اللہ! ہم نے آپ سے پہلے بہت پیغمبر بھیجے ہیں جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

○ آئندہ کے حالات اور قیامت کے علم کی نفی

۱۹ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا (۷۲ : ۲۵)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرمادیجئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ قریب آگئی ہے یا اس کے لیے میرے رب نے کوئی مدت دراز مقرر فرما رکھی ہے۔

۲۰ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ○ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ○ وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ○ (۲۱ : ۱۰۸۔۔۱۱۱)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرمادیجئے کہ میری طرف تو اسی بات کی وحی آتی ہے کہ اللہ واحد ہی تمہارا معبود ہے۔ کیا تم اس کے فرمانبردار بندے بنتے ہو یا نہیں۔ پھر اگر یہ نہ مانیں تو ان سے فرمادیں کہ میں نے تم سب کو یکساں طور پر خبر کردی ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کا وقت قریب آگیا ہے یا ابھی دور ہے۔ وہ اللہ اس بات کو بھی جانتا ہے جو پکار کر کہی جائے اور اس کو بھی جانتا ہے جو تم لوگ چھپاتے ہو۔ اور میں نہیں جانتا شاید اللہ تعالیٰ کو اس مہلت سے تمہاری آزمائش منظور ہو اور یہ غرض ہو کہ ایک وقتِ خاص تک تمہیں دنیاوی فائدے پہنچتے رہیں۔

۲۱ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ (۴۲ : ۱۷)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ کو کیا خبر ہو سکتا ہے قیامت قریب ہی ہو۔

۲۲ یَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ
مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا (۳۳ : ۶۳)

ترجمہ یارسول اللہ! یہ لوگ آپؐ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے
ہیں۔ آپؐ (ان کے جواب میں) فرما دیجئے کہ اس کا علم تو بس اللہ تعالیٰ
ہی کو ہے۔ آپؐ کیا جانیں شاید قیامت قریب آ گئی ہو۔

۲۳ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ
لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (۱۰ : ۴۸ ـ ۴۹)

ترجمہ اور یہ کفار آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ عذاب کا وعدہ
کب پورا ہوگا۔ یارسول اللہ! آپؐ ان کو جواب میں فرما دیں (کہ تم تو
قیامت کے وقت کو پوچھتے ہو جس کا تعلق تمام مخلوق سے ہے۔) میں
تو اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی
کے زیر مشیت ہے۔

۲۴ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ
عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۶۷ : ۲۵ ـ ۲۶)

ترجمہ یارسول اللہ! یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اگر آپؐ سچے
ہیں۔ آپؐ فرما دیجئے کہ متعین علم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور میں تو بس
ایک نذیر مبین ہوں۔

۲۵ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ قُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا (۱۷ : ۵۱)

ترجمہ اور کہیں گے کہ کب ہے وہ؟ تو آپؐ ان کے جواب میں فرما دینا کہ
شاید نزدیک ہی ہو گا۔

۲۶ یَسْأَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا

إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا
(۷۹: ۴۲-۴۵)

ترجمہ: یا رسول اللہ! یہ لوگ آپؐ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ سو اس کے بیان کرنے سے آپؐ کو کیا سروکار۔ یعنی آپؐ کو جب خود ہی اس کا معین وقت نہیں بتایا گیا تو آپؐ انھیں کیا بتائیں گے۔ اس کا مدار تو صرف آپؐ کے رب کے پاس ہے۔ آپؐ تو بس اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو اس کا خوف رکھتا ہو۔ یعنی آپؐ کے ڈرانے سے فائدہ اسی کو ہوگا جو اس سے خوف رکھتا ہے۔

۲۷ يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ لَا تَأْتِيْكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُوْنَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۷: ۱۸۷)

ترجمہ: یا رسول اللہ! یہ لوگ آپؐ سے قیامت کی بابت دریافت کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ آپؐ (ان کے اس سوال کے جواب میں) فرما دیجیے کہ اس کا علم تو بس میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اس کا وقت کوئی نہ ظاہر کرے گا بجز اس اللہ تعالیٰ کے وہ بھاری حادثہ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ یعنی وہ ایسا پر ہیبت واقعہ ہے کہ آسمان زمین کوئی بھی اس کے برداشت کی قوت نہیں رکھتے۔ اس وقت وہ سب ٹوٹ پھوٹ کر رہیں گے۔ وہ تم پر اچانک ہی آ پڑے گی۔ آپؐ سے دریافت کرتے بھی ہیں تو اس طرح کہ گویا آپؐ اس کی تحقیق فرما چکے ہیں۔ آپؐ فرما دیجیے کہ اس کا علم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ قیامت کے وقت کا تفصیلی علم ہرگز لازمۂ نبوت نہیں ہے۔

۲۸ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ (۴۱ : ۴۷)

ترجمہ اسی (اللہ تعالیٰ ہی) کی طرف قیامت کے علم کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔

۲۹ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۴۳ : ۸۵)

ترجمہ اور صرف اسی کے پاس ہے علم قیامت کا اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

۳۰ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ (۶ : ۲)

ترجمہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے بنایا تم کو مٹی سے پھر ٹھیرایا ایک وعدہ (یعنی مرنے کا) اور ایک وعدہ (قیامت کا) ٹھیر رہا ہے اس (اللہ تعالیٰ) کے پاس۔ پھر بھی تم شک لاتے ہو؟ سو ایک اجل ہے ہر شخص کی وہ نہیں جانتا پر فرشتے جانتے ہیں جن کے ذمے جان نکالنے کی ڈیوٹی لگی ہوتی ہے اور ایک اجل ہے سب خلق کی سو کوئی نہیں جانتا۔

۳۱ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (۳۱ : ۳۴)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کو قیامت کے آنے کا علم ہے۔ اور وہی ایک مقرر وقت پر جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا مینہ برساتا ہے۔ اور نر و مادہ جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے وہی اس کو بھی جانتا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ خود کل کیا کرے گا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب باتوں کا جاننے والا اور ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔

۳۲ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ وَ كُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ

مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (۱۳ : ۱۰)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور جو بڑھتے ہیں۔ اور ہر چیز کی اس کے پاس گنتی ہے۔ جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا۔ سب سے بڑا، اوپر۔ برابر ہے تم میں جو چپکی بات کرے اور جو کہے پکار کر۔ اور جو چھپ رہا ہے رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو۔ آیت کا سیاق بتا رہا ہے کہ وہ علیم و خبیر اپنی اس شان میں منفرد اور لاشریک ہے۔

۳۳ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۶ : ۵۹)

ترجمہ اور جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے۔ اور کوئی پتا تک درختوں پر سے نہیں گرنے پاتا مگر وہ اس کو جانتا ہے۔ اور زمین کے اندھیروں کے پردوں میں جو دانہ ہو۔ اور دنیا کی سب تر اور خشک چیزیں اس کے علم میں ہیں۔

۳۴ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ (۵۳ : ۵۵-۵۸)

ترجمہ ---------- (آیہ ۵۷ ـ ۵۸) وہ قریب آجانے والی چیز یعنی قیامت قریب آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔

○ عالم بالا کے علم کی نفی

۳۵ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ اِنْ يُّوْحٰى اِلَيَّ ---------- (۳۸ : ۶۹-۷۰)

ترجمہ مجھ کو عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہیں تھی جبکہ وہ فرشتے آپس میں گفتگو کر رہے

تھے۔ مجھے تو صرف وحی کے ذریعے معلوم ہوا۔

۳۶ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ○ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ وَ اذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ وَ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ○ (۱۸: ۲۳-۲۴)

ترجمہ اور نہ کہیو کسی کام کو کہ میں کروں گا کل مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور یاد کرلے اپنے رب کو جب بھول جائے اور کہہ امید ہے میرا رب مجھ کو اس سے نزدیک راہ نیکی کی۔

○ امورِ ماضیہ کے علم کی نفی

۳۷ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (۱۱: ۴۹)

ترجمہ یہ سارا واقعہ اس بتانے سے پہلے نہ تو آپؐ جانتے تھے اور نہ ہی آپؐ کی قوم۔

۳۸ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَ اللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ وَ اللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ لَوْ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۸: ۶۷-۶۸)

ترجمہ کسی نبی کو لائق نہیں کہ اس کے یہاں قیدی آویں جب تک نہ خون کرے ان کا ملک میں۔ تم چاہتے ہو سامان دنیا کا اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے آخرت۔ اور اللہ تعالیٰ زور آور ہے حکمت والا۔ اگر نہ ہوتی ایک بات جو لکھ چکا اللہ تعالیٰ آگے تو تم کو آپڑتا اس لینے میں بڑا عذاب۔

خلاصہ اس آیت کا مختصرا یہ ہے کہ جنگِ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں پر احسان کیا جائے اور کچھ

فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس سے ہم کو مالی قوت بھی حاصل ہوگی۔ اور پھر یہ بھی امید ہے کہ کسی دن یہ لوگ راہِ راست پر آجائیں گے اور اسلام قبول کرلیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! حق تعالیٰ نے ان کے فدیہ سے آپ کو مستغنی فرمادیا ہے اور یہ سب ائمۂ کفر اور سرداران مشرکین ہیں۔ اگر ان کو یہیں تہِ تیغ کر دیا جائے تو کفر کی بڑی طاقت ٹوٹ جائے گی۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ ہم میں سے جس کا جو عزیز قریب ان میں ہو وہ اسی کے حوالہ کیا جائے اور وہی اس کی گردن مارے۔ میرا فلاں عزیز میرے حوالہ کردیا جائے۔ علی کا فلاں بھائی ان کے ہاتھ میں' حمزہ کا فلاں بھائی ان کے ہاتھ میں' دیا جائے۔ اور ہم خود اپنے ان عزیزوں کو قتل کریں۔ رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند نہیں فرمایا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو اختیار فرمایا۔ اور ان تمام قیدیوں کو معاوضہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں آپ کو بتلایا گیا کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا مناسب نہ تھا۔ انھیں تہِ تیغ ہی کردینا چاہیے تھا۔

○ یہ واقعہ مفصلاً و مختصراً حضرت عمر بن الخطاب' حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے کتب مختلفہ میں مروی ہے۔ (دیکھیے: مسند احمد ص ۳۵۰' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' ابن جریر' مستدرک حاکم' ابن کثیر)

○ باوجود اختلافِ الفاظ و عنوانات اتنی چیز بطورِ قدر مشترک کے ان تمام روایات سے نکلتی ہے کہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی اور یہی صریحاً آیت محررہ بالا کا مفاد ہے۔ پس اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم تفصیلی محیط اس

وقت تک بھی حاصل ہوتا تو آپؐ اس رائے کو اختیار نہ فرماتے جو حق اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ نہ تھی۔

۳۹ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (۶۶ : ۳)

ترجمہ جب نبیؐ نے اپنی ایک بی بی سے راز ظاہر کردیا پھر جب وہ اس کا ذکر کر بیٹھی اور اللہ تعالیٰ نے اسے نبیؐ پر ظاہر کردیا تو نبیؐ نے اسے کچھ جتایا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی پھر جب نبیؐ نے اسے اس کی خبر دی تو بولی کہ آپؐ کو کس نے بتایا ہے؟ فرمایا مجھے علم والے خبردار یعنی اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔

○ دیگر انبیاء سے علم غیب کی نفی

۴۰ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا: وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (۱۱ : ۳۱)

○ میں غیب نہیں جانتا۔

۴۱ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام فرماتے ہیں: رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (۱۴ : ۳۸)

ترجمہ اے ہمارے رب! تو تو جانتا ہے جو ہم چھپا دیں یا جو ظاہر کریں۔ اور چھپا نہیں اللہ تعالیٰ پر کچھ زمین میں نہ آسمان میں۔

۴۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کو فرمائیں گے: تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۵ : ۱۱۶)

ترجمہ یا باری تعالیٰ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا۔

۴۳ ہُدہُد نے آکر حضرت سلیمان علیہ السلام (جن کو اللہ تعالیٰ نے علم کثیر

عطا فرمایا اور پرندوں کی بولیاں بھی سکھا دیں۔ چیونٹی کی بات بھی سنا اور سمجھا دی۔ مگر باوجود اس کے آپؑ) کو کہا: أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ (۲۷: ۲۲)

ترجمہ میں ایک ایسی چیز کی نئی خبر لے کر آیا ہوں کہ آپؑ کو اس کی خبر نہ تھی۔

○ فرشتوں سے علمِ غیب کی نفی

۲۴ فرشتوں نے بھی کہا: لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (۲: ۳۲)

ترجمہ تو سب سے نرالا ہے ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ تو ہی ہے اصل دانا پختہ کار۔

۲۵ اور اللہ نے بھی فرشتوں کو فرمایا: إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (۲: ۳۰)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔

○ اولیاء سے علمِ غیب کی نفی

۲۶ وَ أَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ...... لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (۸: ۶۰)

ترجمہ اور تیار رکھو ان کے لیے جو قوت تمھیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے تم باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ تعالیٰ کے دشمن اور تمھارے دشمن ہیں۔ ان کے سوا کچھ اوروں کے دلوں میں جنھیں تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔ (یہ اولاً خطاب صحابہ کرام کو ہے' جو سب سے بڑے ولی تھے' کوئی ولی ان کے برابر کا نہیں)

۲۷ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُودَ وَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللّٰهُ (۱۴: ۹)

ترجمہ کیا نہیں پہنچی تم کو ان کی خبر جو پہلے تھے تم سے قوم نوح اور عاد اور

ثمود اور جو ان سے پیچھے ہوئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتے کتنے تھے۔

۴۸ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲ : ۲۱۶)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (کہ تمہارے حق میں کیا بہتر ہے تو تم پر لازم ہے کہ حکم الٰہی کی اطاعت کریں اور اسی کو بہتر سمجھیں چاہے وہ تمہارے نفس پر گراں ہو) یاد رہے کہ اولین مخاطب اس امر کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو تمام دلیلوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

◎ اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور مخلوق سے احاطہ علمی کی نفی

۴۹ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ
(۲ : ۲۵۵)

ترجمہ جو کچھ لوگوں کو پیش آرہا ہے وہ اور جو کچھ ان کے بعد ہونے والا ہے وہ اس کو سب معلوم ہے اور لوگ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس نہیں رکھتے مگر جتنی وہ چاہے۔ اس کا علم آسمانوں اور زمین سب پر حاوی ہے۔ اور ان کی حفاظت اس پر مطلق گراں نہیں۔ اور وہ بڑا عالی شان اور عظمت والا ہے۔

۵۰ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا
(۲۰ : ۱۱۰)

ترجمہ وہ جانتا ہے سب کے اگلے اور پچھلے حالات کو اور لوگ اس کا اپنے علم سے احاطہ نہیں کر سکتے۔

۵۱ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (۶۵ : ۱۲)

ترجمہ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اپنے علم سے گھیرے ہوئے ہے۔

۵۲ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (۴۱ : ۵۴)

ترجمہ سنو! بیشک اس (اللہ تعالیٰ) نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

۵۳ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۲ : ۲۹۔ ۶ : ۱۰۱۔ ۵۷ : ۳)

ترجمہ اور وہی ہے جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

۵۴ وَ اتَّقُوا اللهَ وَ اعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۲ : ۲۳۱)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۵۵ وَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۲ : ۲۸۲۔ ۴ : ۱۷۶۔ ۲۴ : ۳۵۔ ۲۴ : ۶۴۔ ۴۹ : ۱۶۔ ۶۴ : ۱۱)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۵۶ وَ أَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۵ : ۹۷)

ترجمہ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۵۷ إِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۸ : ۷۵۔ ۹ : ۱۱۵۔ ۲۹ : ۶۲۔ ۵۸ : ۷)

ترجمہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۵۸ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (۳۶ : ۷۹)

ترجمہ وہی سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔

۵۹ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۴۲ : ۱۲)

ترجمہ اس میں کچھ شک نہیں وہی (اللہ تعالیٰ) ہی ہے ہر چیز کا جاننے والا۔

۶۰ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِيْنَ (۲۱ : ۸۱)

○ ہم (اللہ تعالیٰ) ہی ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔

۶۱ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (۴ : ۳۲)

ترجمہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۶۲ وَ كَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (۳۳ : ۴۰۔ ۴۸ : ۲۶)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ ہی ہمیشہ سے ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

۶۳ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (۳۳ : ۵۴)

ترجمہ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۶۴ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (۶ : ۸۱)

ترجمہ (حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ) میرا رب تو علم کے لحاظ سے سب چیزوں پر حاوی ہے۔

۶۵ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (۷ : ۸۹)

ترجمہ (حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ) ہمارا رب علم و آگہی کی رو سے تمام چیزوں پر حاوی ہے۔

۶۶ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (۲۰ : ۹۸)

ترجمہ اس (اللہ تعالیٰ) کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے۔

۶۷ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (۴۰ : ۷)

ترجمہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے۔

۶۸ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۲ : ۲۵۵)

ترجمہ اس (اللہ تعالیٰ) کا علم تمام آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ (کرسیّ بمعنی علم)

۶۹ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (۱۶ : ۱۹)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کو بھی جو کچھ تم چھپاتے ہو اور اس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو۔

۷۰ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (۶۴ : ۴)

ترجمہ اور وہ جانتا ہے اس کو بھی جو کچھ تم چھپاتے ہو اور اس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو۔

۷۱ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ (۱۶ : ۲۳)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ ضرور جانتا ہے اس کو بھی جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور اس کو بھی جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔

۷۲ وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى (۲۰ : ۷)

ترجمہ اور اگر تو پکار کر بات کہے، چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے۔

۷۳ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ (۲۱ : ۱۱۰)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔

۷۴ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ (۲۷ : ۲۵)

ترجمہ اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب کو جانتا ہے۔

۷۵ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ (۲۷ : ۷۴)

ترجمہ اور بیشک آپؐ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اس کو بھی خوب جانتا ہے۔

۷۶ وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ (۲۸ : ۶۹)

ترجمہ اور آپؐ کا رب سب کی خبر رکھتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے رہتے ہیں۔

۷۷ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى (۸۷ : ۷)

ترجمہ وہ ہر ظاہر اور ہر مخفی کو جانتا ہے۔

۷۸ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ (۱۳ : ۴۲)

ترجمہ اور وہی جانتا ہے کہ ہر شخص کیا کچھ کرتا رہتا ہے۔

۷۹ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (۱۶ : ۹۱)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو۔

۸۰ وَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (۴۲ : ۲۵)

ترجمہ اور وہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو۔

۸۱ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (۱۶ : ۹۱)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

۸۲ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا (۲۴ : ۶۳)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں۔

۸۳ قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ (۲۴ : ۶۴)

ترجمہ اور اس کو بھی جانتا ہے جس حالت پر تم اب ہو۔

۸۴ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا (۳۳ : ۱۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ۔

۸۵ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ (۴۷ : ۳۰)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

۸۶ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى ۔۔۔۔ (۷۳ : ۲۰)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپؐ کا رب خوب جانتا ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ رات کی دو تہائی اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات کھڑے رہتے ہیں۔ اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اسے پورے احاطے میں نہیں لا سکتے۔

۸۷ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (۲ : ۱۹۷)

ترجمہ اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہوتا ہے۔

۸۸ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ (۲:۲۷۰)

ترجمہ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا جو نذر مانتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

۸۹ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ (۴۷:۱۹)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم سب کے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کو۔

۹۰ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ (۳۳:۵۱)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔

۹۱ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ (۴۸:۱۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا جو مبایعین کے دلوں میں تھا۔

۹۲ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (۴۰:۱۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو کچھ کہ سینوں میں چھپا ہوا ہے۔

۹۳ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۹:۷۸)

ترجمہ کیا انھوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی دل کی چھپی بات اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔

۹۴ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ (۴۷:۲۶)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔

۹۵ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (۱۱:۳۱)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔

۹۶ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ (۲۹:۱۰)

ترجمہ کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں خوب معلوم نہیں۔

97 تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَ مَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ (60 : 1)

ترجمہ تم ان سے چپکے چپکے محبت کرتے ہو اور مجھے خوب علم ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔

98 وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ (84 : 23)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو یہ لوگ اپنے جی میں رکھتے ہیں۔

99 اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِىْ كِتٰبٍ (22 : 70)

ترجمہ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کا واقف ہے جو آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب نامۂ اعمال میں بھی درج ہے۔

100 قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِىْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (25 : 6)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ اس قرآن مجید کو اس ذات نے اتارا ہے جسے آسمانوں اور زمین کے ہر راز کی خبر ہے۔

101 وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (27 : 75)

ترجمہ اور کوئی مخفی چیز آسمان اور زمین میں ایسی نہیں جو کتاب مبین میں درج نہ ہو۔

102 يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (29 : 52 ، 64 : 4)

ترجمہ اسے ہر چیز کی خبر ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے

103 اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ (58 : 7)

ترجمہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے غور نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

۱۰۴ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (۴۹ : ۱۶)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا بخوبی علم ہے۔

۱۰۵ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ .... (۳۴ : ۲)

ترجمہ وہ سب جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔

۱۰۶ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ .... وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ (۵۷ : ۴)

ترجمہ وہ سب جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

۱۰۷ أَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ (۲ : ۲۳۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔

۱۰۸ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِكُمْ (۴ : ۲۵)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو۔

۱۰۹ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ (۲ : ۱۸۷)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے۔

۱۱۰ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (۲ : ۲۲۰)

ترجمہ اور خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والوں سے۔

۱۱۱ أَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (۶ : ۱۲۴)

ترجمہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

۱۱۲ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ (۴۰ : ۱۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر ان کا کچھ حال چھپا نہ ہوگا۔

۱۱۳ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ (۳ : ۷)

ترجمہ: اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔

○ اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ بخوفِ طوالت اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان البلاغۃ میں باب القصر کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا ہے : العمدۃ من طرقہ ① انما ② والعطف ③ والنفی والاستثناء ④ والتقدیم۔ یعنی حصر کے معتمد علیہ طریقے چار ہیں : ① انما ② عطف بلا و لکن ③ نفی واستثناء ④ تقدیم ما حقہ التاخیر۔

قرآن مجید کی مذکورِ بالا آیاتِ مبارکہ میں بعض وہ آیات ہیں جن میں حصر کی چار معتمد علیہ اقسام میں سے تین طرح کے حصر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علمِ غیب کی خصوصیت بیان کی گئی ہے۔ اور اہلِ معانی کا

فائدہ: ہے کہ جہاں حصر ہو وہاں دو جملے ہوتے ہیں۔ ایک موجبہ (مثبتہ) اور دوسرا سالبہ (منفیہ)۔

○ اس قانون کے مطابق ان آیات میں حصر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو علمِ غیب والی صفت ثابت ہے لیکن غیر اللہ کے لیے یہ صفت ثابت نہیں۔ جیسا کہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ میں حصر ہے۔ اور بظاہر یہ ایک ہی جملہ ہے مگر یہ دو جملوں کو متضمن ہے۔ ① نَعْبُدُكَ ② لَا نَعْبُدُ غَيْرَكَ پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور دوسرے جملے کا مطلب ہے کہ یا اللہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ جیسا کہ رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ اسی طرح لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں بھی حصر ہے جو دو جملوں کو متضمن ہے۔ ① غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِلّٰهِ کہ آسمانوں اور زمین کا علمِ غیب اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ② لَیْسَ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِمَا سِوَی اللّٰهِ۔ یعنی آسمانوں اور زمین کا علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کو نہیں۔

○ اور بعض وہ آیات ہیں جن میں ماسوی اللہ کے لیے علمِ غیب کی نفی صراحت کے ساتھ کی گئی ہے۔ جیسے: لا تعلمهم اور لا تعلمونهم۔

○ اور بعض وہ آیات ہیں جن میں صرف یہ بیان ہے کہ فلاں فلاں چیز کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ان کے اندازِ بیان سے اہلِ لسان خود سمجھ لیتے ہیں کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں۔ اس لیے حصر کا کلمہ لانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔

خلاصہ قرآن مجید میں سینکڑوں آیات ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ ان میں سے مشتے نمونہ از خروارے چند آیات اوپر ذکر کی گئی ہیں۔ لیکن اگر اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے صریح الدلالت آیت سارے قرآن مجید میں ایک بھی ہوتی تو اس پر عقیدہ رکھنا فرض اور اس کا انکار کفر ہوتا۔ جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر سارے قرآن مجید میں صریح الدلالت صرف ایک ہی لفظ ہے۔ جو سورۂ احزاب کی آیت ۴۰ میں مذکور ہے۔ تو اس پر اعتقاد رکھنا فرض اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔ اور اس میں تاویل کرنا حرام اور تحریف ہے۔ جس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ جبکہ علمِ غیب کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت پر قرآن مجید کی سینکڑوں آیات موجود ہیں۔ جن میں تاویل یا تحریف کسی کو وادیٔ کفر میں

گرنے سے نہیں بچا سکتی۔

○ پھر صرف قرآنی آیات ہی نہیں جن میں صراحۃً یہ عقیدہ مذکور ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور غیر اللہ کو عالم الغیب کہنے سے سینکڑوں آیاتِ قرآنیہ کا انکار لازم آتا ہے۔ ایسے ہی غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے بہت سی احادیثِ صحیحہ صریحہ متواترہ کا بھی انکار لازم آتا ہے۔

○ ہمارے پیرو مرشد رئیس المفسرین حضرت مولانا الشاہ **حسین علی** الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح بخاری میں غیر اللہ سے علمِ غیب کلی محیط کی نفی پر ایک ہزار احادیث کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جبکہ دیگر کتب حدیث میں بھی اس قسم کی سینکڑوں حدیثیں موجود ہیں۔ جن کا بیان اس جگہ طوالتِ کلام کا باعث ہوگا۔ تاہم بطورِ نمونہ چند احادیث زیورِ قرطاس کی جاتی ہیں۔

حدیث ان حبرا من اليهود سأل النبی ای البقاع خير فسكت عنه و قال اسكت حتى يجئ جبريل فسكت فجاء جبرئيل فسأل فقال ما المسئول عنها با علم من السائل و لكن اسال ربی تبارك و تعالی ثم قال جبرئيل يا محمد انی دنوت من الله دنوا ما دنوت منه قط قال و كيف كان يا جبرئيل قال كان بينی و بينه سبعون الف حجاب من نور (مشکوٰۃ ص ۷۱)

ترجمہ ابو امامہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عالم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسی جگہ بہتر ہے پس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جواب دینے سے خاموش رہے۔ اور اپنے دل میں سوچا کہ چپکا رہوں گا۔ یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام آجائیں۔ آپؐ چپکے رہے اور جبرائیل علیہ السلام آگئے۔ آپؐ نے ان سے دریافت کیا۔ تو جبرائیلؑ نے فرمایا کہ اس بات کے

نہ جانتے ہیں نبی اور آپؐ ہر دو برابر ہیں۔ جیسا آپؐ نہیں جانتے ویسے ہی میں بھی نہیں جانتا۔ لیکن میں اپنے رب سے پوچھوں گا جو بابرکت اور بلند قدر ہے۔ الخ

حدیث مشکوٰۃ ص ۷۳ میں ہے: عن ابی سعید ن الخدری قال بینما رسول اللہ ﷺ یصلی باصحابہ اذ خلع نعلیہ فوضعہما عن یسارہ فلما رای ذلک القوم القوا نعالھم فلما قضی رسول اللہ ﷺ صلوتہ قال ما حملکم علی القاء کم نعالکم قالوا رأیناك القیت نعلیك فالقینا نعالنا فقال رسول اللہ ﷺ ان جبرائیل اتانی فاخبرنی ان فیھما قذرًا اذا جاء احدکم المسجد فلینظر فان رأی فی نعلیہ قذرًا فلیمسحہ و لیصل فیھما۔

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے۔ اچانک دونوں جوتے اتار دیے' پھر بائیں طرف رکھ دیے۔ صحابہؓ نے بھی یہ دیکھ کر اپنے جوتے اتار دیے۔ جب حضور نماز پڑھ چکے تو فرمایا تمھیں جوتے اتارنے پر کس نے برانگیختہ کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا آپؐ کو دیکھ کر ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر مجھے بتایا کہ ان جوتوں میں نجاست ہے۔ جب بھی تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھ لیوے۔ اگر جوتوں میں نجاست دیکھے تو پونچھ کر ان میں نماز پڑھ لے۔

حدیث حضرت جابرؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے (وفات سے مہینہ پہلے) سنا کہ تم قیامت کی بابت مجھ سے پوچھتے ہو۔ حالانکہ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ اس کا علم تو صرف اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۷۶)

حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: کان رسول اللہ ﷺ لا یعرف فصل السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مشکوٰۃ ص ۱۹۳)

ترجمہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت کا دوسری سورت سے فرق اس وقت تک نہ پہچانتے تھے جب تک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل نہ ہوتی۔

حدیث ایک غلام نے آکر ہجرۃ پر بیعت کی اور آپ کو اس کا غلام ہونا معلوم نہ ہوسکا۔ اس کا مالک اسے لینے آیا۔ آپ نے فرمایا مجھ پر بیچ دے: پس دو کالے غلام دے کر اس سے خرید لیا۔ اس کے بعد آپ اس وقت تک بیعت نہیں لیتے تھے جب تک یہ نہ پوچھ لیتے کہ وہ حر ہے یا غلام۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۵ و ترمذی ج ۱ ص ۱۹۰)

حدیث سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کو ایک دینار ملا۔ وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ کا رزق ہے۔ پھر آپ نے بھی اس میں سے کھایا اور علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما نے بھی۔ اس کے بعد عورت دینار تلاش کرتی ہوئی آئی۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! دینار اس عورت کو ادا کر دے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۶۲)

فائدہ یاد رہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے: ضالۃ المسلم حرق النار مسلمانوں کی گم شدہ چیز آگ کا انگارا ہے۔

حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک لڑکی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہہ دیا: وفینا نبی یعلم ما فی غد یعنی ہم میں ایک بڑی شان والا نبی ہے' جو وہ بات بھی جانتا ہے جو کل میں ہوگی۔ آپ نے یہ فقرہ سن کر اس لڑکی کو ٹوکا اور فرمایا یہ فقرہ کہنا چھوڑ اور

وہی کہہ جو دوسرے مضمون کے شعر اس سے پہلے تو کہہ رہی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۷۱)

○ ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تُو یہ بات نہ کہہ۔ کیونکہ: لا یعلم ما فی غدٍ الا اللّٰہ۔ کل کی بات اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (ابن ماجہ ص ۱۳۸)

حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے باغ کا پھل کاٹ رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ پاک میں تشریف آوری کی خبر سنی۔ آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آکر عرض کیا کہ میں آپؐ سے ان تین باتوں کا سوال کرتا ہوں جنھیں نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ - - - - - - - حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَخْبَرَنِیْ بِھِنَّ جِبْرِئِیْلُ اٰنِفًا (الحدیث) (مشکوٰۃ ص ۵۳۰)

ترجمہ یعنی حضرت جبرائیل نے ابھی ابھی ان تینوں باتوں کی خبر مجھے دی ہے۔

حدیث حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کھڑے ہو کر جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ کی فضیلت بیان فرمائی۔ پھر ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسُول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جاؤں تو میری خطائیں مجھ سے معاف ہوجائیں گی؟ آپؐ نے فرمایا بیشک بشرطیکہ صبر کرے اور قتل کو موجب ثواب سمجھے اور منہ کرنے والا ہو اور پیٹھ دینے والا نہ ہو۔ کچھ دیر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے کس طرح کہا پھر اس نے وہی سوال دہرایا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں (سب گناہ معاف ہوجائیں گے) الا الدّین مگر قرض بندوں کا جو دینا ذمہ ہو وہ اس فی سبیل اللہ شہید ہونے سے معاف نہ ہوگا۔ فانّ جبرائیل قال لی ذٰلک یہ لفظ میں نے اس لیے بڑھائے کر

جبرائیل علیہ السلام نے یہ لفظ مجھ سے کہے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳۰)

حدیث سیدنا مسلمۃ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارا مال اور ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا یا مال اختیار کر لو یا قیدی۔ ہوازن نے قیدی واپس لینے کو اختیار کر لیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا میں نے ہوازن کے قیدی واپس کر دینے کو مناسب سمجھا ہے اب جو تم میں سے بخوشی قیدی واپس کرنا چاہے تو واپس کر دے اور جو اپنے حصہ پر قائم رہنا چاہتا ہے حتی کہ ہم اس کو اس قیدی کے عوض میں وہ مال دیں جو غنیمت میں سے اللہ تعالیٰ ہم پر انعام کرے گا تو اس طرح کر لے۔ تو سب نے کہا یا بعض نے بغیر تمیز کے کہ یا رسول اللہ! ہم اس پر خوش ہیں تب حضور نے فرمایا: إِنَّا لَا نَدْرِيْ مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوْا حَتّٰى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ (مشکوٰۃ ص ۳۴۵)

ترجمہ ہم نہیں جانتے کہ کون راضی ہوا تم میں سے اور نہیں امتیاز کر سکے ہم ان کا ان دوسروں سے جو راضی نہیں ہوئے اب جاؤ۔ حتی کہ تمہارے سردار ہماری طرف بالتفصیل تمہارا یہ معاملہ لے آویں۔ تب لوگ گئے اور ان کے سرداروں نے ان سے بات کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بتا دیا کہ سب رضامند ہیں۔

حدیث حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں لیلۃ القدر کی تعیین بتانے کو میں نکلا تھا۔ فلاں فلاں بندے آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ اس لیے اس کی تعیین اٹھ گئی۔ اور شاید تمہاری اسی میں بہتری ہو۔ اب تلاش کرو لیلۃ

القدر کو ساتویں نویں اور پانچویں میں۔ (بخاری ج ا ص ۱۲)

حدیث سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کے سوراخ میں سے جھانکا۔ آپ کے پاس کنگھی تھی جس سے اپنا سر کھجا رہے تھے۔ (اسے دیکھ کر) فرمایا: لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُنِي لَطَعَنْتُ بِهٖ فِيْ عَيْنِكَ (مشکوٰۃ ص ۳۰۵)

ترجمہ اگر یقیناً مجھے علم ہوتا کہ تو مجھے قصداً دیکھ رہا ہے تو میں یہ کنگھی تیری آنکھوں میں چبھو دیتا۔

حدیث ایک یہودی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند ایسے سوال کیے۔ اور کہا کہ ان کے بارے میں نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالوں کے جواب دیے۔ پھر فرمایا: مالی علم بشئ منه حتی اتانی الله به کہ اس نے مجھ سے ایسی بات کی بابت پوچھا ہے جب تک اللہ تعالیٰ مجھے نہ بتائے مجھے اس میں سے کسی کا علم نہیں۔ (مسلم ج ا ص ۱۴۶)

حدیث سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حدود آپس میں ایک دوسرے سے معاف کروالیا کرو۔ کیونکہ جب میرے پاس حد کا معاملہ پہنچ جائے گا تو حد کا جاری کرنا واجب ہوجائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب دان نہ ہونا امت کے لیے باعث رحمت ہے ورنہ سب کو حد لگتی۔

حدیث سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ نے سواری کے اونٹ رباح غلام کے ساتھ بھیجے اور میں بھی اس کے ساتھ تھا جب صبح ہوئی تو عبد الرحمٰن فزاری کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لوٹ کر لے گیا۔ میں ٹیلہ پر کھڑے ہوکر مدینہ کی طرف منہ کرکے تین دفعہ پکار کر کہا یا صباحاہ خبردار ہوجاؤ۔ دشمن پاس ہے۔ پھر میں ان

لٹیروں کے پیچھے نکلا۔ انہیں تیر مارتا ہوا رجز پڑھتا ہوا:

انا ابن الاکوع الیوم یوم الرُّضَّع

کہ میں ہوں اکوع کا بیٹا اور آج دن ہے بروں کے ہلاک ہونے کا۔ پس میں انھیں تیر مارتا رہا اور ان کی سواریوں کے کھونچ کاٹتا رہا حتی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اونٹ اپنی پس پشت ڈالے۔ پھر تیر مارتا ہوا ان کے پیچھے ہولیا۔ پس وہ تیس سے زیادہ چادریں اور نیزے پھینک کر ہلکے ہوتے ہیں۔ میں ان چیزوں پر پتھر کی نشانی رکھتا جاتا تھا تا کہ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیچھے سے آ دیں تو اس کو پہچان سکیں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۴۸)

حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کبھی کبھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے بعد مٹی سے تیمّم کر لیتے تھے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! پانی تو آپ سے نزدیک ہے۔ یعنی اس قدر دور نہیں جس سے آپ تیمّم کریں۔ آپ نے فرمایا: مایدرینی لعلی لا ابلغہ میں کیا جانوں شاید میں اس پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ یعنی میں ڈرتا ہوں کہ عمر وفا نہ کرے اور اجل آ پہنچے اور وضو کرنے کی فرصت نہ پاؤں۔ اس لیے تیمّم کر لیتا ہوں کہ ایک طرح کی طہارت حاصل رہے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۰)

حدیث شبِ معراج میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں ایک محل دیکھ کر فرمانے لگے یہ محل کس کا ہے؟ فرشتوں نے کہا یہ محل ایک قریشی جوان کا ہے۔ فَظَنَنْتُ اَنِّیْ اَنَا هُوَ آپ فرماتے ہیں میرے گمان میں یہ بات آئی کہ شاید وہ جوان قریشی میں ہی ہوں مگر مع ہذا میں نے پوچھ لیا مَنْ هُوَ وہ جوان قریشی کون ہے؟ تو جبرئیل نے جواب دیا لعمر بن الخطاب کہ یہ جوان قریشی عمر بن الخطاب ہے رضی اللہ عنہ (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۹)

حدیث: انی لا ادری مابقائی فیکم مجھے علم نہیں کہ کتنی مدت میں تم میں رہوں گا اس لیے فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر اس لیے میرے مرنے کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۷ و مسلم ص ۴۱۹)

حدیث: سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے بکواس بکا تھا جس کا ذکر میں نے اپنے چچا کے آگے کر دیا چچا نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپؐ نے مجھے بلایا۔ میں نے بات بتائی۔ پھر آپؐ نے ابن ابی کے پاس بندہ بھیجا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے جھوٹی قسم کھالی۔ تب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا کہا اور ان کو سچا۔ اس وجہ سے مجھے اتنا دکھ پہنچا کہ اتنا دکھ کبھی نہیں پہنچا۔ چچا نے بھی طعنہ دیا۔ تب آیت اتری اذا جاءك المنافقون پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف بندہ بھیجا۔ پھر یہ آیت پڑھ سنائی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کر دی ہے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۶۴)

حدیث: امیر المومنینؓ سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک آ ظاہر ہوا ہم پر ایک شخص نہایت سفید کپڑوں والا بہت سیاہ بالوں والا۔ نہ اس پر سفر کا نشان معلوم ہوتا تھا اور نہ ہی ہم میں سے کوئی پہچانتا۔ (مشکوٰۃ ص ۳)

○ صحابہ تو کیا پہچانتے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر فرماتے ہیں: والذی نفس محمد بیدہ ماجاء نی قط الا و انا اعرفہ الا ان تکون ھذہ المرۃ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۸۵ و فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۲) بخدا جب بھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آتے تھے میں ان کو پہچان لیتا تھا مگر اس دفعہ میں نہیں پہچان سکا۔

○ عن ابی موسیٰ الاشعری جاء رسول اللہ ﷺ جبرئیل فی صورۃ

اعرابی و رسول اللہ ﷺ لایعرفہ الحدیث" (کنز العمال ج۱ ص۱۷) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ایک اعرابی کی صورت میں آئے۔ جسے آپؐ نہیں پہچان سکے (کنز العمال ج۱ ص۲۹)

○ عن عبد الرحمٰن بن غنم انہ اتاہ جبرائیل فی صورۃ لم یعرفہ فیھا۔ الحدیث)۔ (کنز العمال ج۱ ص۱۷) سیدنا عبد الرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ایسی صورت میں آپؐ کے پاس آئے کہ اس صورت میں آپؐ اسے نہیں پہچان سکے۔

○ سیدنا سلیمان تیمی رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے: ثم نھض فولّی پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَلَیَّ بِالرَّجُلِ اس مرد کو میرے پاس لاؤ۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں فَطَلَبْنَاہُ کُلَّ مَطْلَبٍ فلم نقدر علیہ ہم نے اس کو سب جگہ تلاش کیا مگر ہم اس پر قادر نہ ہوسکے۔ یعنی وہ ہمیں نہیں ملا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فقال ھل تدرون من ھذا" ھذا جبریل اتاکم یعلمکم دینکم خذوا عنہ فوالذی نفسی بیدہ ماشبہ عَلَیَّ منذ اتانی قبل مرتی ھذہ و ما عرفتہ حتی ولّی (عمدہ" فتح) تمہیں پتہ لگا ہے کہ یہ کون تھا۔ یہی تو جبرئیل تھا" جو تمہیں دین سکھانے آیا۔ اس کی یہ بات پکڑ لو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب سے میرے پاس جبرائیل آنے لگا ہے مجھ پر مشتبہ نہیں ہوا اس باری سے پہلے۔ اس دفعہ میں اس کو نہیں پہچان سکا جو چلا گیا۔

○ حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تنبیہات تحریر فرمائی ہیں" اور فرمایا کہ یہ ہماری ذکر کردہ روایات اس پر دال ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ السلام کو اس موقعہ پر اخیر حال میں پہچان سکے ہیں۔

اور اس دفعہ جبرائیل علیہ السلام اچھی ہیئت میں مگر غیر معروف صورت میں آئے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۲)

حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: من اخبرك ان محمدا ﷺ رأى ربه او كتم شيئا مما امربه او يعلم الخمس التى قال الله تعالى ان الله عنده علم الساعة و ينزل الغيث و يعلم ما فى الارحام و ماتدرى نفس ما ذا تكسب غدا و ماتدرى نفس بأى ارض تموت ان الله عليم خبير۔
(مشکوۃ ص ۵۰۱)

ترجمہ جو کوئی خبر دے تجھ کو کہ محمد ﷺ نے دیکھا اپنے پروردگار کو شب معراج میں یا خبر دے کہ آنحضرت نے چھپایا کچھ اس چیز سے کہ حکم کیے گئے ساتھ اظہار اس کے کے یا خبر دے کہ جانتے ہیں آنحضرت ﷺ وہ پانچ چیزیں کہ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور اتارنے مینھ کا۔ تو اس نے بڑا بہتان لگایا [الخ]

حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خود کو حطیم میں کھڑے دیکھا اور قریش کی جماعت شب معراج میں سفر کی بابت مجھ سے سوال کرتے تھے تو مجھ سے بیت المقدس کی کئی چیزیں پوچھیں جو اس وقت مجھے یاد نہیں تھیں اس واسطے میں اتنا غمگین ہوا کہ اس سے پہلے ایسا غمگین کبھی نہ ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ نے میری خاطر بیت المقدس کو بلند کیا اور میں اسے دیکھ رہا تھا۔ یعنی درمیان میں سے پردہ اٹھالیا تا کہ میں اسے دیکھ دیکھ کر لوگوں کو بتاتا جاؤں پس جو بھی مجھ سے پوچھتے تھے تو میں اسے دیکھ دیکھ کر بتاتا جاتا تھا۔ اگر حضور ﷺ کو علم غیب تھا تو غمگین کیوں ہوئے؟ (مشکوۃ ص ۵۲۹)

حدیث سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو جائے بنی قریظہ کے پاس اور ان کی خبر مجھ تک پہنچائے' جو اس قوم کی خبر میرے پاس لادے؟ پس زبیرؓ نے کہا کہ میں قوم کی خبر لاتا ہوں۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کے مدد گار ہوتے ہیں اور میرا مدد گار زبیرؓ ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۵)

فائدہ یہاں سیدنا زبیرؓ کہہ سکتے تھے کہ حضرت آپؐ تو علمك مالم تكن تعلم ہیں عالم الغیب ہیں۔ ہم آپؐ کو پوری خبر قوم کی بابت کیسے بتاسکتے ہیں۔ جتنی خبر آپؐ کو ہے مگر کسی نے نہیں کہا۔

حدیث سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کتنا ہے میرا باقی رہنا تم میں یعنی مدت تھوڑی ہے یا بہت پس تم میرے پیچھے جو دو خلیفے ہوں گے۔ یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ ان کی اقتدا کرنا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۰)

حدیث ام المؤمنینؓ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اپنی درد سر پر افسوس کرتے ہوئے کہا: "ہائے میرا سر دکھتا ہے" یا "ہائے میں مری" تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اے عائشہؓ! اگر تو میری زندگی میں مر گئی تو میں تیرے حق میں تیری برائیوں کے مٹنے کے لیے بخشش کی دعا کروں گا اور تیرے درجات کی بلندی کی اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا۔ (مشکوٰۃ ۵۴۵)

حدیث سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل خیبر میں سے ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملادیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفۃً بھیجا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کا ہاتھ لیا اور اس میں سے کھایا اور صحابہؓ میں سے بھی بعض نے کھایا' پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ روک لو اور مت کھاؤ اور اس یہودی عورت کی طرف آدمی بھیجا۔ وہ

بلالایا تو حضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا اس بکری میں تو نے زہر ملائی ہے؟ تو اس نے کہا کہ تمھیں کس نے خبر دی اس بات کی یعنی اللہ تعالیٰ نے یا کسی مخلوق نے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس نے خبر دی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے' اس نے کہا جی ہاں! [۲۱] (مشکوٰۃ ص ۵۴۱)

فائدہ اگر آپؐ کو علم غیب ہوتا تو آپؐ صحابہؓ کے کھانا کھانے سے پہلے کھانا سامنے آتے ہی یا کھانا آنے سے پہلے ہی صحابہؓ کو بتا دیتے کہ اس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے تو نہ کھانا۔ اس طرح صحابہؓ کرام مثلاً بشر بن براء بن معرور وغیرہ اصحابؓ بھی زہر سے شہید نہ ہوتے۔ اور ان کے قصاص میں عورت بھی قتل نہ ہوتی۔ اور حضرت ﷺ کا یہ معجزہ دیکھ کر کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو کھانا پہنچ سے پہلے ہی بتا دیا ہے۔ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجاتی' جیسا کھانا کھانے کے بعد بتلانے پر وہ مسلمان ہوگئی تھی۔ ایک پنتھ دو کاج ہوجاتے۔ معلوم ہوا کہ علم غیب نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا انہیں غیب پر مطلع فرمایا' اور گویا گوشت کو فرمایا کہ بول میں زہر آلودہ ہوں مجھے مت کھائیں۔

حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ خندق سے لوٹ کر تشریف لائے اور جنگ سے فراغت کے بعد اپنے بدن سے ہتھیار اتار دیے اور غسل کرنے کا ارادہ فرمایا اتنے میں جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے جب کہ آپؐ یا جبریل علیہ السلام اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے۔ جو غزوۂ خندق میں پڑگئی تھی' تو جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: یا حضرت! آپؐ نے تو ہتھیار اتار دیے ہیں' بخدا میں نے تو ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔ نکلو ان کافروں کی طرف۔ تب حضور ﷺ نے پوچھا کہ پھر کہاں کا قصد کروں اور کن کی طرف نکلوں؟ تو جبریل

علیہ السلام نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف نکلے۔ (مشکوۃ ص ۵۳۲)

فائدہ معلوم ہوا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو جبرئیل کے کہنے کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ کن کی طرف نکلوں۔

حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ حضرت کے خیال میں ڈالا جاتا تھا کہ انہوں نے ایک کام کیا ہے۔ حالانکہ وہ کام کیا نہ ہوتا تھا یعنی امور دنیا میں نہ دینی امور میں (چالیس روز تک یہی سلسلہ رہا) حتی کہ ایک روز میرے گھر میں آکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور بہت دعا کی۔ پھر فرمایا کیا اے عائشہ رض تجھے پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کے بارے مجھے ابھی ابھی بتایا ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا ہے' پھر میرے پاس دو فرشتے آئے بصورت دو مردوں کے' ایک میرے سرہانے بیٹھا' دوسرا پائینتی کی طرف' ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس کو کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا اسے جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس نے جادو کیا' دوسرے نے کہا لبید بن اعصم یہودی نے' پہلے نے پوچھا کس چیز میں دوسرے نے کہا کہ کنگھی اور بالوں میں۔ جو کنگھی کرنے سے جھڑتے ہیں اور درخت کھجور کے غلاف شگوفہ میں' پہلے نے کہا اسے رکھا کہاں ہے' دوسرے نے کہا ذردان کنوئیں میں ہیں۔ اس کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رض کے ساتھ اس کنوئیں پر گئے اور فرمایا کہ یہ کنواں مجھے دکھایا گیا ہے اس کنوئیں کا پانی مہندی کا سا تھا اور کھجور کے شگوفے جو اس میں دفن کیے گئے تھے ایسے لگتے تھے جیسے سر ہوتے ہوں' شیطان کے' بدہیئت اور وحشت ناک ہونے میں۔

(مشکوۃ ص ۵۴۴) (۱۰م۱۸ مظ)

○ اسی طرح ہزاروں حدیثیں ہیں جو حضرت نبی کریم ﷺ کی غیب دانی کی نفی کرتی ہیں۔ بخوفِ طوالت اسی پر اکتفار کیا جاتا ہے۔

اولیاء اللہ کے علمِ غیب کی نفی

حدیث حضرت امام اعظم امیر المومنین سیدنا امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امام عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتے وقت فرمایا تھا: لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ (جلالی ج ۲ ص ۱۱۱ بحرالکلام ص ۹۱) کہ میں غیب نہیں جانتا۔ (کامل مبرد ج ۱ ص ۱۱)

حدیث امیر المومنین سیدنا امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام آپؓ کو خراج دیا کرتا تھا۔ اس میں سے آپؓ کھایا کرتے تھے ایک روز وہ کچھ لایا آپؓ نے اس میں سے کھالیا تو غلام نے کہا آپؓ کو علم ہے کہ یہ کیا تھا؟ آپؓ نے کہا تو کیا تھا؟ اس نے کہا عہدِ جاہلیت میں کہانت کا کام کرتا تھا۔ اس میں سے مجھے یہ شیرینی ملی تھی۔ جو آپؓ نے کھائی آپؓ نے فوراً منہ میں ہاتھ ڈال کر سب الٹی کر دی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۳)

حدیث امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے دودھ پلایا مزیدار لگا۔ پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی اونٹنیوں کا دودھ ہے۔ فوراً ہی امام نے منہ میں ہاتھ ڈال کر الٹی کر دی۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۲)

حدیث ابوداؤد میں ہے بادل کے دن میں سورج غروب ہوتا سمجھ کر حضرت امام عمر و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے روزہ افطار کر دیا پھر بادل پھٹا دھوپ نکل آئی۔ آپؓ نے فرمایا ایک روزہ قضا کر لیں گے ہم نے قصداً تو روزہ نہیں توڑا۔

○ حضرت رسول اللہ ﷺ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد کا ذکر ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو "السلام علیکم" کہا۔ حضرت عثمانؓ نے غم کے باعث نہ سلام سنا اور نہ جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی دونوں حضرت عثمانؓ کے پاس آئے۔

حضرت امام ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپؓ نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ عمرؓ سلام کہے اور میں جواب نہ دوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہاں بخدا میں نے سلام دیا تھا اور آپؓ نے مجھے جواب نہیں دیا۔ الخ۔ اس حدیث سے تینوں صحابہ کے غیب کی نفی ثابت ہوئی۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶)

حدیث مجمع البحار ج ۳ ص ۱۷۹ میں ہے حضرت امام علی رضی اللہ عنہ مرتد کے جلانے پر نادم ہوئے ندم علیؓ بخطأته فی احراق المرتد و اخطأ فی فروع کثیرۃ کقبول شہادۃ الصبیان علی مثلھم و غیرھم۔ مشکوٰۃ ص ۳۰۷ مع حاشیہ ۲

حدیث مجمع البحار ج ۳ ص ۱۷۹ میں ہے کان ابن عباس لا یعرف الغسلین و الرقیم والحنان و غیرھا ولہ اقاویل فی الفقہ منبوذۃ۔

ترجمہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما غسلین، رقیم، حنان اور ان کے علاوہ ان کے علاوہ اور کئی الفاظ کا مرادی معنی نہ پہچانتے تھے۔ اور اسی طرح ان کے الفاظ ہیں۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۲۶۴ میں ہے ایک نانی امیرالمؤمنینؓ سیدنا امام ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس میراث مانگنے آئی تو امام نے فرمایا کتاب و سنت میں تیرا حق نہیں۔ اب جائیں صحابہ سے پوچھوں گا۔ پھر مغیرۃ بن شعبہ نے فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نانی کو چھٹا (۱/۶) حصہ دلایا تھا۔ امام نے کہا اور بھی کوئی تیرے ساتھ ہے محمد بن مسلمہ نے کہا میں ہوں تب امام نے ۱/۶ دلایا۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۲۶۴ میں ہے کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیٹی کو ۱/۲ بہن کو ۱/۲ دے کر پوتی کو محروم کیا اور کہا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی جاکر پوچھ لو وہ بھی اسی طرح بتائیں گے۔ ان کے پاس سائل گیا انھوں

نے فرمایا میں اس کے موافق فتویٰ دوں تو گمراہ ہوں۔ فیصلہ نبوی یہ ہے کہ بیٹی ½ پوتی ⅙ بہن عصبہ ⅓ تب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک یہ عالم (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) تم میں ہے مجھ سے نہ پوچھا کرو۔

- اسی طرح اور صحابہ سے مرویات ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم غیب داں نہ تھے۔ حالانکہ الصحابۃ اولیاء اللہ حقاً (الاعتصام ص ۲۱۴)
- بزرگتر از ہمہ اولیاء ابوبکر صدیق ست (مجموعہ خانی ص ۱۲۵)
- احمد رضا خان بریلوی سے پوچھا گیا تھا کہ اولیاء میں سب سے زیادہ کس کا مرتبہ ہے تو جواب لکھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا۔ (عرفانِ شریعت ص ۵)

ائمۂ مجتہدینؒ کے علمِ غیب کی نفی

- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا ادری انھم (اطفال المشرکین) فی الجنۃ ام فی النار۔ کہ مجھے معلوم نہیں کہ مشرکین کے چھوٹے بچے مرجاتے ہیں وہ جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں۔ (بحر الکلام ص ۵۴)
- اسی طرح امام مالکؒ سے کئی مسئلے پوچھے گئے بعض کا جواب آپ نے دیا اور بعض کے متعلق فرمایا: لا ادری کہ میں نہیں جانتا۔
- اور علمائے احناف کے بہت سے حوالے ہیں جو نفی علم عما سوی اللہ پر دلالت کرتے ہیں۔ بخوفِ طوالت اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

چند سوالوں کے جواب سنیں

ذاتی عطائی کا فرق

شبہ مشہور مقولہ "ملا آں باشد کہ چپ نہ شود" کے مصداق قرآن مجید، احادیثِ نبویہ اور دیگر معتبر حوالہ جات کے بعد اب بھی اگر کوئی شخص اپنے ضدی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں انبیاء و اولیاء سے علمِ غیب کی نفی آئی ہے اس سے مراد علمِ غیب ذاتی

ہے اور ہماری مراد ذاتی علم نہیں بلکہ علمِ غیب سے عطائی علم مراد ہے۔
لہٰذا انبیاء و اولیاء کو عالم الغیب کہنا شرک نہیں۔

جواب صفاتِ الٰہیہ میں سے جو صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً الوہیت اور رحمانیت اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کی مخصوص صفات ہیں۔ اور اسلام کا دعویٰ کرنے والے رسمی مسلمانوں میں جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے کوئی ایسا نہیں جو ان مخصوص صفاتِ الٰہیہ میں مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتا ہو۔ یہاں تک کہ انبیاء و اولیاء کو عالم الغیب سمجھنے والے لوگ بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مخصوص صفاتِ الٰہیہ میں شریک سمجھنے والے کو مشرک کہیں گے۔

○ بالکل اسی طرح علمِ غیب اور ہر چیز پر شہید اور مطلع ہونا اور سب مخلوق کو دیکھنا اور سب کی آوازیں سننا اللہ تعالیٰ ذوالجلال کی مخصوص صفات میں سے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر آیات غیر اللہ کی الوہیت کی نفی میں ہیں ان سے زیادہ وہ آیات ہیں جو غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کرتی ہیں۔ مثلاً:

○ قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت رحمانیت کا ذکر ہے وہاں غیر اللہ سے اس صفت کی نفی نہیں کی گئی۔ یعنی قرآن مجید میں انما الرحمٰن هو الله یا لا رحمٰن الا الله یا الرحمٰن هوالله لا غیره یا الرحمٰن الله کہیں نہیں آیا۔ یعنی حصر کے طرقِ اربعہ معتمدہ میں سے کوئی ایک طریقہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسلام کا دعویٰ کرنے والے رسمی مسلمانوں نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے محب بننے کے دعوی دار ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمانیت کی صفت سے متصف نہیں کیا۔ بہت زور مارتے ہیں تو آپ کو رؤف و رحیم کہہ کر عوام کو دھوکہ دینے کی سعی کرتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے

قرآن مجید میں جس طرح اپنے متعلق ان اللہ بالناس لرؤف رحیم فرمایا ہے' اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی قرآن شریف میں قد جاء کم رسول ۔۔۔۔۔ بالمؤمنین رؤف رحیم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤف رحیم ہونا جس طرح کہ اللہ تعالٰی کی صفت ہے اسی طرح حضرت رسول اللہ ﷺ کی صفت بھی ہے۔ حالانکہ یہ ان کی زیادتی ہے۔ کیونکہ:

- ہم تو ان صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو اللہ تعالٰی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسے الوہیت' رحمانیت' عالم الغیب ہونا' علیم بکل شے' سمیع بکل شے' بصیر بکل شے' علی کل شے شہید ہونا۔ اور جو علماء قرآن مجید میں سے اس قسم کی آیات کے حوالے نکال کر عوام کو سنا کر دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں' وہ صفات مختص باللہ نہیں ہیں۔ جیسے شفقت کرنا' مہربانی کرنا' علم رکھنا' سننا' دیکھنا' مطلع ہونا' شہادت دینا' یہ صفات مخصوص باللہ نہیں۔ یہ تو وہ صفات ہیں جو صرف انبیاء و اولیاء میں ہی نہیں بلکہ عام انسانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ جس کے لیے ان کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں۔ کیونکہ:
- ارشادِ باری تعالٰی ہے: فجعلناہ سمیعاً بصیرا ( )
- اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالٰی نے مذہب و قوم سے قطع نظر ہر انسان کو سمیع اور بصیر کہا ہے۔
- اسی طرح جادوگروں پر علیم کا اطلاق فرمایا۔ دیکھیے (۷ : ۱۱۲ و ۱۰ : ۷۹ و ۲۶ : ۳۴)
- اسی طرح حضرت یوسفؑ پر حفیظ و علیم کا اطلاق فرمایا۔ دیکھیے: (۱۲ : ۵۵)
- اسی طرح حضرت اسحاقؑ پر بھی علیم کا اطلاق فرمایا۔ دیکھیے: (۱۵ : ۵۳)

○ اسی طرح گواہی دینے والے پر شہید کا اطلاق فرمایا۔ دیکھیے: (ے:۲۸۲)

○ مگر حیرت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ حصر کے ساتھ جن مخصوص صفاتِ الٰہیّہ پر سینکڑوں آیتیں نازل فرمائی ہیں رسمی مسلمانوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ کسی طرح یہ حصر ٹوٹ جائے اور صفت مخصوص اللہ تعالیٰ کی نہ رہے۔ چنانچہ قرآنی آیات میں نامعقول تاویلیں اور ہیراپھیری سے کام لینا شروع کردیا۔ جس سے وہ کم علم عوام کو دھوکہ دینے میں کسی حد تک کامیاب ہوجاتے ہیں مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے وہ ان کے چکروں میں نہیں آسکتے۔

○ کم علم عوام کو ایک چکر تو یہ دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب اور غیراللہ کے علمِ غیب میں کئی قسم کا فرق ہے۔ مثلاً

○ "اللہ کا علم ذاتی ہے اور غیراللہ کا علم عطائی ہے"۔

○ یہ سن کر ان کے اندھے معتقد عوام عش عش کر اٹھتے اور سر دھننے لگتے ہیں۔ مگر اتنا نہیں سوچتے کہ نبیؐ کا علمِ غیب تو عطائی ہوا۔ لیکن وہ کونسی صفت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ہے۔

○ کیا یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرماکر آپؐ کو وجود عطاء فرمایا۔ اور آپؐ کو قویٰ عطا فرمائے۔ اور آپؐ کو عقلِ کامل عطاء فرماکر اعقل الناس بنایا۔ آپؐ کو جمالِ کامل عطاء فرماکر اجمل الناس بنایا۔ پھر آپؐ کو نبوت و رسالت عطا فرمائی۔ اپنی آخری کتاب عطا فرمائی اور اس کے علاوہ ایسے بے شمار کمالات و اعزازات عطاء فرمائے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے اور کسی کو عطا نہیں فرمائے۔ اور وہ کمالات کسی کے شمار میں نہیں آسکتے۔

○ کیا ہمارا یہ کہنا درست نہیں کہ علمِ غیب کے مسئلہ میں ذاتی اور عطائی کا

فرق بیان کرنا کم علم لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے برابر ہے۔

○ یاد رہے کہ عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عالم الغیب سمجھتے ہیں، وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ذاتی علم غیب کے نہیں بلکہ عطائی طور پر علم غیب کے قائل ہیں۔ جیسا کہ "الوہیت مسیح" ص ۲۱ میں پادری فیروزالدین تنک کاشمیری نے لکھا ہے: "عالم الغیب خدا نے ذاتی طور پر خداوند یسوع ابن مسیح پر یہ سب باتیں منکشف کر دی تھیں۔ کیونکہ وہ خدا میں سے خدا، نور میں سے حقیقی نور تھا"۔

○ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگر اپنے پیغمبر میں علم غیب کلی جیسی صفاتِ الٰہیہ بیان کرنے کا نام ہی پیغمبر کی تعظیم ہے تو "رسمی مسلمانوں" سے زیادہ تو ان "رسمی عیسائیوں" نے اپنے پیغمبر کی تعظیم کی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے عطائی طور پر الوہیت کے بھی قائل ہیں۔ جیسا کہ محولہ بالا کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔

○ بہر حال ذاتی اور عطائی کا فرق کرنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اس میں عیسائیت کے ساتھ تشبہ ہے۔ اور آیاتِ قرآنیہ میں بے جا تاویل، ہیرا پھیری اور تحریف ہے جو حرام اور کفر ہے۔

○ نیز ظاہر نص قرآنی آیات کے خلاف بات ہے جو اب سب کی سب محکم اور ناقابل نسخ ہیں اور اب ان آیاتِ قرآنیہ کے عموم کو مخصوص کرنا اور مطلق کو مقید کرنا اصولی طور پر نسخ ہے جس کا حق بندے کو نہیں۔

○ نیز قرآن مجید میں کئی ایسے مقام ہیں جہاں یہ خود ساختہ تاویل بھی ہو نہیں سکتی جیسا کہ لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر۔ اس کے معنے اس تاویل کے مطابق اس طرح ہوں گے کہ میں غیب بالذات نہیں جانتا بالعرض جانتا ہوں۔ تو جب آپ بالعرض جانتے ہیں تو آپ نے استکثار خیر (اپنا بہت سا فائدہ) کیوں نہ حاصل کر لیا تو علم غیب بالذات

کی طرح علم غیب بالعرض بھی استکثار من الخیر (بہت سا فائدہ حاصل کرلیا) اور عدم مس السوء (کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنا) ہو جاتا ہے۔

○ ایسا ہی ان ادری اقریب ماتوعدون (۷۲ : ۲۵) جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ نزدیک ہے۔۔۔۔۔)

○ اسی طرح تلك من انباء الغیب (۱۱ : ۴۹) یہ غیب کی چند خبریں ہیں جو وحی کے ذریعے ہم تم کو پہنچاتے ہیں۔ اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے بالذات نہ تو آپ جانتے تھے اور نہ ہی آپ کی قوم کے لوگ (اور اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے بالعرض آپ بھی جانتے تھے اور آپ کی قوم کے لوگ بھی جانتے تھے)

○ اسی طرح لا یحیطون بشئ من علمہ الا بماشاء (۲ : ۲۵۵) اور لوگ اللہ تعالٰی کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس نہیں رکھتے مگر جتنی وہ چاہے یہاں یہ معنے نہیں ہوسکتا کہ لوگ بالعرض اللہ اللہ تعالٰی کے تمام معلومات پر دسترس رکھتے ہیں۔

○ اسی طرح لم اذنت لھم حتی یتبین لك الذین صدقوا و تعلم الکاذبین (۹ : ۴۳) آپؐ نے ان کو پیچھے رہ جانے کی اجازت ہی کیوں دی۔ اس وقت تک انتظار کیا ہوتا کہ تم پر سچے علیحدہ ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو الگ معلوم کرلیتے۔ اب یہاں یہ معنے نہیں ہوسکتا کہ آپؐ کو سچوں اور جھوٹوں کا علم گو بالعرض تھا مگر جب تک آپؐ کو سچوں اور جھوٹوں کا علم بالذات نہ ہو جاتا اس وقت تک آپؐ ان کو اجازت نہ دیتے۔ الٹا اس سے یہ بات نکل سکتی ہے کہ آپؐ کو لوگوں کے سچ جھوٹ کا علم بالذات بھی ہوتا ہے جب ہی اس کو غایت بنایا۔

تنبیہ یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ کسی خاص واقعہ میں اللہ تعالٰی کا اپنے پیاروں کو غیبی خبر جتلا دینا برحق ہے۔ اس کا کوئی مسلمان منکر نہیں۔ مگر اس

سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غیب کا جاننا ان پیاروں کے اختیار میں ہے
ہے کہ جس وقت ان کا ارادہ ہو غیب کی بات جان لیں۔ یا کوئی یوں
کہے کہ عیسٰیؑ نے فلاں بیمار کو شفا دے دی۔ کیونکہ وہ فرما گئے ہیں کہ
میں جو کچھ کہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کہ رہاں ہوں۔ میرے
اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

○ الغرض نبی کے اختیار میں علم غیب کا ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہوتا۔
اختیار میں ہونے کی صورت ایسی ہے جیسے مشاہدہ کی چیزوں کو آنکھوں
سے دیکھنا اپنے اختیار میں ہے۔ آنکھیں کھولے دیکھ لے۔ اسی طرح
سُننا' سونگھنا' چکھنا اور ٹٹولنا یا چھونا اپنے اختیار میں ہے۔ یا یوں کہیں کہ
یہ حواس خمسہ پانچ چابیاں ہیں چابی لگائی تالا کھل گیا۔

فائدہ قرآن مجید کی ان آیاتِ مبارکہ میں تاویل و تحریف کرنے والوں کا کہنا
ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے علمِ غیب کی نفی کرنے میں آپؐ
کی توہین ہے۔ جبکہ توہینِ رسالت کفر ہے۔ اور خود ان قرآنی آیات میں
ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جن سے حضرت رسول اللہ ﷺ کی کئی
طرح سے توہین ہوتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم حضرت رسول اللہ ﷺ
کے علم کو علمِ الٰہی کے مساوی نہیں کہتے کہ جس سے شرک لازم آئے۔
حالانکہ ظاہر ہے کہ مساوات مقدار میں ہوتی ہے تو جب علمِ الٰہی کی مقدار
زیادہ ہے اور علمِ رسول اللہ کی مقدار کم ہے اور بقول ان کے حضرت
رسول اللہ ﷺ کا علم اس طرح ہے جس طرح سمندر کے مقابلے میں
ایک قطرہ ہو۔ تو خود انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے علم کو گھٹا دیا۔
اور خود ان کے بقول حضور کے علم کو گھٹانا توہین ہے۔ تو اس توہین اور
گستاخی کے مرتکب وہ خود ہو رہے ہیں۔ اور اس کے باوجود دعویٰ
کرتے ہیں کہ ہم حضور کی تعظیم کرتے ہیں۔

○ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا وہ عقیدہ کہاں گیا جس کے مطابق وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان و مایکون کا علم حاصل ہے۔ یعنی ہر اس چیز کا علم انہیں حاصل ہے جو ہو چکی ہے یا جو ہونے والی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت یہ لوگ محض عوام کو خراب کرکے اپنی دال روٹی سیدھی کرنے کے چکر میں ہیں اصل بات وہی ہے جو اہلِ توحید کہتے ہیں۔ اور جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ آپ نے سطورِ بالا میں ملاحظہ کرلیا ہے کہ وہ علمِ الٰہی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں کس طرح فرق بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہی فرق علمِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے بارے میں ہے۔ تو اس طرح گویا ان لوگوں نے محض عوام کو بدھو بنایا ہوا ہے۔ کیونکہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود اور مخلوق کا علم محدود ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی اور مخلوق کا علم عطائی ہے۔ اسی طرح باقی فروق بھی غور سے ملاحظہ فرمالیجیے۔ تو اس طرح ان کے بے سروپا عقیدہ کے مطابق عام مخلوق اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں کیا فرق رہ جائے گا۔ اور کیا یہ توہینِ رسالت نہ ہوگی کہ مذکورِ بالا فروق بیان کرکے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں مساوات قائم کی جارہی ہے۔ کیا توہینِ رسالت کے کوئی سینگھ لگے ہوتے ہیں۔

کسرِ نفسی والی تاویل

سوال بعض رسمی مسلمان کہتے ہیں جہاں انبیاء و اولیاء نے اپنے سے علم غیب کی نفی کی ہے وہ بطورِ کسرِ نفسی کی ہے۔

جواب کسرِ نفسی کے دو معنے ہیں۔ ① کسرِ نفسی کرتا ہوں لہٰذا جھوٹ

کہتا ہوں یہ معنی تو ظاہر البطلان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کذب کفر ہے۔ ② دوسرے معنے ہیں کہ اے میرے حبیب! تم کہہ دو کہ میں عبد ہوں اور غیب کا جاننا عبد کے قابو میں نہیں ہے۔ اور نہ جان سکتا ہے۔ میں عاجز ہوں تاکہ لوگ تم کو غیب دان کہہ کر تیری عبادت نہ کرنے لگیں۔ اور تجھ کو میرا شریک نہ بنالیں۔ یہ معنے البتہ ٹھیک ہے۔ (ماخوذ از خازن) قال الرازی المراد منه ان یظهر من نفسه التواضع والخضوع والاعتراف بعبودیته حتی لا یعتقد فیه مثل اعتقاد النصاری فی المسیح" (بلغة الحیران ص ۱۳۲)

غیب کے معنے

○ "غیب" لغت میں "شہود" کی ضد ہے۔ اور غیب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے چھپی ہوئی ہو یا مشاہدہ و تجربہ سے باہر ہو۔ یعنی اس شے یا ان اشیاء کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قویٰ کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہیں اور اس کے مقابل لفظ شہادت ہے۔ دیکھیے: سیرۃ النبی ج ۴ ص ۷۰

○ حضرت امام بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قول: الغیب الخفی الذی لا یدرکه الحس ولا یقتضیه بدهة العقل

ترجمہ: جو مخفی چیز عقل و حواس سے بالاتر ہو وہ غیب ہے۔

علم غیب سے مراد

○ علم غیب بمعنی قدرت و غلبہ و قبضہ علی الغیب کے ہیں اور یہ صفت صفاتِ مختصہ باری تعالیٰ میں سے ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص صفتِ علم غیب بغیر اللہ ثابت کرے اور عقیدہ رکھے کہ انبیاء اولیاء ملائکہ

جنات وغیرہ کسی کو یہ صفت حاصل ہے، بایں طور کہ خدا کی دی ہوئی قدرت علی الغیب سے یہ بات یا ان میں سے کوئی بھی حاضر و ناظر و علم الغیب ہیں ان پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ جمیع ما کان و ما یکون کو جانتے ہیں اور سب اشیاء چھوٹی بڑی مخفی و ظاہر سے عالم ہیں۔ وہ شخص بوجۂ انکار آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ صحیحہ متواترہ مرفوعہ و انکارِ اقوالِ صحابہ کرام و انکارِ فتاویٰ ائمۂ اربعہ کے اجماعاً کافر و مشرک ہوگا۔

سوال انبیاء و اولیاء کو علم کلی ہوتا ہے۔ کیونکہ جزئی علم تو ہندو کو بھی ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ

جواب توبہ۔ رسول و ولی کو ہندو کے برابر کردیا۔ آیا ہندو کو بھی وحی من جانب اللہ ہوتی ہے؟ لاحول و لاقوۃ الا باللہ۔ ہندو کو ظن، وہم، اور محض شیطانی وسواس ہوتے ہیں۔ علمِ غیب نہیں ہوتا۔ اور رسول کو وحی من جانب اللہ ہوتا ہے۔ علمِ غیب پر خدا مطلع فرماتا ہے۔ مگر رسول کو علمِ غیب پر قابو (قدرت) نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب کی کنجی کسی کے ہاتھ میں دی ہے۔ یہی معنے ہیں علم بالذات کے۔ فلسفیوں والا بالذات و بالعرض مراد نہیں۔ (خلاصہ بلغۃ الحیران ص ۷۷ و ۷۸)

محلِ نزاع کی تعیین

○ مدعیانِ علمِ غیب کے بیانات میں بہت بڑا تعارض و تناقض ہے۔ مثلاً:

❶ علمِ غیب کلی ہے بلا استثناء یا باستثناء

اور استثناء کن کن چیزوں میں ہے، جن کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں

① بعض جاہل واعظ بلا استثناء تمام غیوب کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرتے ہیں۔

② بعض صرف ذات و صفاتِ خداوندی کا استثناء کردیتے ہیں۔

③ بعض تمام ممکناتِ حاضرہ و غائبہ کے علمِ محیط کے مدعی ہیں۔ (الکلمۃ العلیا

ص ۳ نعیم الدین مراد آبادی)

④ بعض صرف ابتدائے آفرینش عالم سے قیامت تک کا علمِ محیط مانتے ہیں۔ (انباء المصطفے ص ۳)

❺ **علمِ غیب کلی ملنے کا وقت**

○ مدعیانِ علمِ غیب کا اس بات میں بھی عجیب تعارض ہے۔ مثلاً:

① بعض کہتے ہیں آپؐ شکمِ مادر میں تھے اس وقت ہی آپؐ کو یہ ماکان و مایکون کا علم حاصل ہوچکا تھا۔ (انوار آفتابِ صداقت ص ۱۳۷ از قاضی فضل احمد لدھیانوی)

② بعض کہتے ہیں کہ وہ علم ماکان و مایکون معراج کی رات کو حاصل ہوا تھا۔ (الکلمۃ العلیا ص ۴۳ و ص ۶۳)

③ احمد رضاخان کا عقیدہ ہے کہ آپؐ کو یہ علم ماکان و مایکون تدریجی طور پر آغازِ نبوت سے بذریعہ قرآن پاک وقتاً فوقتاً عطا ہوتا رہا اور جس روز قرآن عزیز کا نزول ختم ہوا اسی دن اس علم کی تکمیل ہوئی۔

○ **اہلِ سنت کا عقیدہ** ہے کہ علم ذاتی و محیط تفصیلی جو بلا استثناء تمام معلومات کو حاوی ہو خواص باری تعالیٰ سے ہے' البتہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے بذریعہ وحی یا الہام عالمِ شہادت کی طرح عالم غیب کی بھی بہت سی چیزیں اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو معلوم ہو جاتی ہیں۔

❻ **شہید**

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے سب کے کام اللہ تعالیٰ دیکھتا جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

۱ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (۳ : ۵)

ترجمہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسی ذات ہے کہ اس

ہے کوئی چیز مخفی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔

۲ وَ مَا يَخْفَى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ (۳۸:۱۴)

ترجمہ زمین و آسمان میں کوئی چیز اللہ تعالٰی پر مخفی نہیں۔

۳ لَا يَخْفَى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ (۱۶:۴۰)

ترجمہ ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالٰی پر مخفی نہیں۔

۴ وَ مَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ (۷:۷)

ترجمہ ہم غائب نہیں ہیں۔

۵ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۵۳:۴۱)

ترجمہ اللہ تعالٰی ہر چیز پر مطلع ہے۔

۶ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ (۱۰۸:۴)

ترجمہ آدمیوں سے تو چھپتے ہیں اور اللہ تعالٰی سے تو نہیں چھپ سکتے کیونکہ اللہ تعالٰی علم و قدرت کے لحاظ سے ان کے ساتھ ہے۔

۷ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۴:۵۷)

ترجمہ اور وہ اللہ تعالٰی تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ تعالٰی تمہارے سارے کام دیکھ رہا ہے۔

۸ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ (۳۵:۴۷)

ترجمہ اور اللہ تعالٰی تمہارے ساتھ ہے۔

۹ وَ مَا تَكُوْنُ فِي شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ (۶۱:۱۰)

ترجمہ اور تم کسی کام میں ہو اور اس کی طرف سے کچھ قرآن مجید پڑھو اور تم لوگ کوئی کام کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس کو شروع کرتے ہو۔

۱۰ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا (۵۸ : ۷)

ترجمہ جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور پانچ ہوں تو چھٹا وہ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور اس سے کم ہوں یا اس سے زیادہ ہوں وہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں ہوں۔

۱۱ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا (۴ : ۷۹ و ۱۶۶ - ۱۰ : ۲۹ - ۴۸ : ۲۸)

۱۲ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (۴۶ : ۸)

۱۳ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا (۳۳ : ۵۵)

۱۴ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا (۲۹ : ۵۲)

۱۵ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (۱۳ : ۴۳ و ۱۷ : ۹۶)

۱۶ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (۱۰ : ۲۹)

○ سارے قرآن مجید میں کہیں بھی کسی مخلوق کے بارے یہ صفت نہیں کہ فلاں ولی یا فرشتہ یا فلاں نبی سے کوئی چیز مخفی نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں اور نہ یہ ہے کہ فلاں نبی یا ولی یا فرشتہ ہر چیز پر مطلع ہے اور ہر ایک آدمی کے ساتھ ہے جہاں کہیں وہ ہو اس کے سارے کام دیکھ رہا ہے۔ اور کہیں غائب نہیں ہر جگہ کی چیزیں ہر وقت اس کے سامنے رہتی ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس مخلوق سے اس صفت کی نفی قرآن مجید میں موجود و مذکور ہے۔ خصوصًا افضل الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔ چنانچہ:

① اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرکے فرمایا:

قرآن ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ (۱۲ : ۱۰۲)

ترجمہ یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمھاری طرف وحی کرتے ہیں۔ اور تم ان (برادرانِ یوسفؑ) کے پاس نہ تھے جب انھوں نے اپنا کام پکا کیا اور وہ داؤں چل رہے تھے۔

(۲) اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرکے فرمایا:

قرآن وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ (۲۸ : ۴۴)

ترجمہ آپؐ طور کی مغربی جانب میں تو نہ تھے جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کا حکم بھیجا۔

(۳) نیز فرمایا:

قرآن وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (۲۸ : ۴۴)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپؐ اس وقت وہاں حاضر نہ تھے ۔۔۔۔

(۴) نیز فرمایا:

قرآن وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (۲۸ : ۴۵)

ترجمہ اور نہ آپؐ اہلِ مدین میں قیام پذیر تھے کہ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں لیکن ہم آپؐ ہی کو رسول بنانے والے تھے اس لیے آپؐ کو یہ سب صحیح صحیح خبریں وحی سے بتا دیں۔

(۵) اسی طرح فرمایا:

قرآن وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (۲۸ : ۴۶)

ترجمہ اور نہ آپؐ طور کے پہلو میں اس وقت موجود تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی تھی لیکن آپؐ اپنے پروردگار کی رحمت سے نبی بنائے گئے تاکہ آپؐ ایسے لوگوں کو آگاہ کریں ۔۔۔۔۔ یعنی یہ امور

آپؐ کو مشاہدہ سے معلوم نہ ہو سکتے تھے۔ ہماری وحی ہی سے معلوم ہو رہے ہیں۔ نہ آپؐ کو جسماً وہاں حاضری حاصل تھی اور نہ یہ چیزیں آپؐ کے مشاہدہ میں آئیں پھر آپؐ جو انھیں اتنا صاف و صحیح واقعات بتا رہے ہیں اس کا بجز وحی کے اور کیا ذریعہ ہے۔

⑥ اسی طرح حضرت زکریا، مریم و عمران و یحییٰ علیہم السلام کے حالات بیان کر کے فرمایا:

قرآن ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ (۳: ۴۴)

ترجمہ یہ واقعات غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم آپ پر ان کی وحی کر رہے ہیں اور آپؐ تو ان لوگوں کے پاس تھے ہی نہیں اس وقت جب کہ وہ اپنے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے۔ اور نہ ہی آپؐ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔

○ مطلب صاف ہے کہ اے نبی! یہ واقعات وہ ہیں جو آپؐ سے کئی سو سال پہلے ایک دوسرے ملک میں پیش آئے تھے اور اب دنیا سے ان کی صحیح تاریخ تک مٹ چکی ہے۔ اور ان کے علمِ واقعی کا کوئی ذریعہ بھی اب بجز وحی الٰہی کے باقی نہیں رہا۔ آپؐ کو بالکل ٹھیک ٹھیک وحی کے ذریعے سے القاء کیے جا رہے ہیں اور یہ بجائے خود آپؐ کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔

⑦ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرما کر کہا:

قرآن تلك من انباء الغیب نوحیها الیك ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا (۱۱: ۴۹)

ترجمہ یہ قصہ اخبارِ غیب میں سے ہے ہم نے اسے وحی کے ذریعے سے آپؐ تک پہنچا دیا اس واقعہ کو اس بتانے سے پہلے نہ آپؐ ہی جانتے تھے اور نہ ہی آپؐ کی قوم۔

○ یعنی نوح علیہ السلام کے واقعات کا صحیح اور مستند و مفصل علم اہلِ تاریخ اور اہلِ تورات کے ناقص اور غلط سلط بیانات سے قطع نظر اب آپؐ کو وحی الٰہی سے ہی یاد کرایا جا رہا ہے۔

فائدہ ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جتنے واقعات رونما ہوئے ہیں ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ اس وقت حاضر موجود نہیں تھے۔ بلکہ ان واقعات کا صحیح صحیح علم آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے بتایا اور کوئی آیتِ قرآنی ایسی نہیں جس میں یہ ہو کہ ان گزشتہ واقعات میں آپؐ حاضر موجود تھے اور وہ ہر ہر واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں۔

○ اسی طرح کسی حدیثِ صحیح میں یہ نہیں آیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ آسمان زمین اللہ تعالیٰ نے میرے روبرو بنائے' یا میرے سامنے آدم کو مٹی سے بنایا' یا میرے سامنے سوائے ابلیس لعین کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا یا نہ کیا۔ اس کے متعلق آپؐ نے کیا فرمایا ہے کہ میں نے سجدہ کیا تھا یا نہ کیا تھا۔ جب آپؐ اس وقت موجود تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا یا نہ۔

○ اسی طرح یہ بھی کہیں نہیں آیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا ہو کہ میرا جسم تو ان واقعات میں موجود نہ تھا مگر میری روح ان تمام حالات و واقعات کو دیکھتی رہی ہے۔

○ اور یہ بات نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث میں ہے اور نہ کسی صحابی کا

عقیدہ ہے اور نہ ہمارے امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور نہ کسی فقیہ کا ہے نہ کسی عقائد کی کتاب میں ہے کہ یہ عقیدہ رکھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور جس کا یہ عقیدہ نہو وہ گستاخِ رسول اور کافر ہے۔ یہ سب من گھڑت عقیدہ ہے جو محض مومنوں میں تفریق پیدا کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے۔

قرآن و حدیث میں وارد محولہ بالا واضح دلائل سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت باسعادت سے پہلے دنیا میں رونما ہونے والے کسی واقعہ میں حاضر موجود نہ تھے۔ اور شاید آج کل کے بد عقیدہ لوگوں کو منہ توڑ جواب دینے کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ واقعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان واقعات میں آپ کی عدم موجودگی کا کھلے الفاظ میں ذکر فرمادیا ہے کہ آنے والے ادوار میں بعض ایسے بد عقیدہ لوگ بھی پیدا ہوں گے جو نصاریٰ کی تقلید میں' بلکہ ان سے دو ہاتھ آگے بڑھ کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر ناظر سمجھنے لگیں گے۔

بہر حال قرآن مجید کی اس سچی خبر کو بیان کرنے اور اس کی تلاوت اور ترجمہ و تشریح کرنے میں کسی قسم کی کوئی گستاخی نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہی مدح ہے۔ معاذ اللہ کوئی ایسا لفظ قرآن مجید میں نہیں جس سے آپ کے حق میں کسی قسم کی گستاخی ہوتی ہو' بلکہ اس کے برعکس جو شخص یہ کہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید کی فلاں آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی ہے تو وہ خود اللہ تعالیٰ ' اور قرآن مجید کا گستاخ اور کافر ہو جائے گا' جس کی نماز' روزہ' حج' قربانی اور تمام عبادات اس ایک جملہ کے ادا

کرنے کے ساتھ ہی فوراً غارت ہو جائیں گی۔ اعاذنا اللہ منہ

فائدہ یاد رہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:
إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کہ تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ اور جب تک کوئی شخص اپنے دل کی بات کو ظاہر نہ کرے اس پر کسی قسم کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ تاہم اظہارِ حقیقت کے لیے اس بات کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ ایسی آیاتِ مبارکہ کی تلاوت کرتے وقت اپنے دل میں انقباض اور تنگی محسوس کرتے ہیں جن سے ان کے مزعومہ عقائدِ باطلہ کی تردید ہورہی ہو' اور ان آیات کی تلاوت کو قصداً ترک کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ طریقۂ تبلیغ کے خلاف خواہ مخواہ کسی کو چڑھانے اور تنگ کرنے کے لیے بے موقع بار بار ایسی آیات کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ بھی جائز نہیں۔ البتہ کسی مسئلہ پر بحث ہورہی ہو دلیل کے طور پر قرآن مجید کی آیت اور حدیثِ رسول پیش کرنا فرض ہوجاتا ہے۔

احادیثِ صحیحہ سے زیرِ بحث مسئلہ کے دلائل

○ اب ہم احادیثِ صحیحہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس وقت آپؐ کسی ایک مقام پر تشریف فرما ہوتے تھے تو اس وقت دوسرے مقام پر نہیں ہوتے تھے۔ مثلاً:

حدیث عن سهل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ قال انطلق رسول الله ﷺ الی قوم من الانصار ليصلح بينهم فجاء حين الصلوة وليس ﷺ بحاضر فتقدم ابوبكر رضی اللہ عنہ فبينما هو كذلك اذ جاء رسول الله ﷺ فصفح القوم فاشار رسول الله ﷺ ان يثبت فابى ابوبكر رضی اللہ عنہ حتى نكص فتقدم رسول الله ﷺ فصلى فلما قضىٰ صلوته قال لابی بكر رضی اللہ عنہ ما

منعك ان تثبت كما امرتك؟ قال لم يكن لا بن ابي قحافة ان يتقدم امام رسول الله ﷺ (شرح معاني الآثار ج۱ ص۲۵۹۔ از امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامة ازدی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ)

ترجمہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم انصار کی طرف ان کے مابین صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے، پھر نماز کا وقت آ گیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں حاضر موجود نہ تھے اس لیے جماعت کرانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ پھر اتنے میں کہ وہ اسی طرح نماز پڑھا رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جب نمازیوں کو آپؐ کی آمد کا علم ہوا تو نمازیوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپؐ کی آمد کا علم ہوجائے تو وہ پیچھے ہٹ جائیں۔ پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے سمجھایا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہیں۔ مگر اس کے باوجود (بہ تقاضائے ادب) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ تب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ پھر جب آپؐ نے نماز مکمل کر لی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب میں نے آپ کو اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کے لیے کہا تھا تو پھر کیوں نہ ٹھہرے؟ تو اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ابن ابی قحافہ یعنی میرا یہ مقام نہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا رہوں۔ انتہی (اور اسی طرح مؤطا امام مالک ص۵۷ میں بھی ہے)

حدیث ان رسول الله ﷺ بلغه ان بني عمرو بن عوف كان بينهم شئ فخرج رسول الله ﷺ يصلح بينهم في اناس معه فجلس رسول

الله ﷺ وحانت الصلوة فجاء بلال الى ابى بكر رضی اللہ عنہ فقال يا ابا بكر ان رسول الله ﷺ قد حُبِس وقد حانت الصلوة فهل لك ان تؤم الناس؟ قال نعم ان شئت فاقام بلال و تقدم ابوبكر رضی اللہ عنہ فكبر للناس وجاء رسول الله ﷺ يمشى فى الصفوف حتى قام فى الصف فاخذ الناس فى التصفيق و كان ابوبكر رضی اللہ عنہ لا يلتفت فى صلوته فلما اكثر الناس التفت فاذا رسول الله ﷺ فاشار اليه رسول الله ﷺ يأمره ان يصلى فرفع ابوبكر رضی اللہ عنہ يديه فحمد الله و رجع القهقرى وراءه حتى قام فى الصف فتقدم رسول الله ﷺ فصلى للناس فلما فرغ اقبل على الناس فقال يا ايها الناس مالكم حين نابكم شئ فى الصلوة اخذتم فى التصفيق؟ انما التصفيق للنساء. من نابكم شئ فى صلوته فليقل "سُبحَانَ اللهِ" فانه لا يسمعه احد حين يقول سُبحَانَ اللهِ الا التفت. يا ابابكر مامنعك ان تصلى للناس حين اشرت اليك؟ فقال ابوبكر رضی اللہ عنہ ماكان ينبغى لابن ابى قحافة ان يصلى بين يدى رسول الله ﷺ

(صحيح بخارى باب الاشارة فى الصلوٰة ص۱۶۵ بروايت سيدنا سهل بن سعد الساعدى رضی اللہ عنہ)

ترجمہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبائل بنی عمرو بن عوف میں کچھ جھگڑا سا ہو گیا ہے اس لیے آپ چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر ان کی باہم صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں آپ کو رُکنا پڑا اور نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آ کر عرض کی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ تو وہیں رُک گئے ہیں' اور نماز کا وقت آ گیا ہے۔ کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں گے؟۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں اگر تمھاری

خواہش ہے تو میں نماز پڑھا دوں گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر نماز کے لیے اَللّٰہُ اَکْبَرْ کہا، اتنے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے، اور صفوں میں ہوتے ہوئے اگلی صف میں جا کر کھڑے ہوگئے، لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صف میں کھڑا پایا۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے حکم دیا کہ نماز پڑھاتے رہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر شکریہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر ایڑیوں کے بل آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہٹتے صف میں آ کر کھڑے ہوگئے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: لوگو! کیا وجہ ہے کہ جب نماز میں کوئی حادثہ پیش آجائے جیسے تم کو پیش آگیا تھا تو تم نے تالیاں بجانی شروع کردیں۔ جس شخص کو نماز میں کوئی حادثہ یا ضرورت پیش آجائے تو "سُبْحٰنَ اللّٰہ" کہنا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہ شخص سنے گا تو وہ ضرور اس کی طرف التفات کرے گا۔ تالیاں بجانے (یا ہاتھ پر ہاتھ مارنے) کا حکم عورتوں کے لیے ہے۔ اس کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے ابوبکر! جب میں نے تم کو اشارہ کردیا تھا تو پھر کونسی چیز نماز پڑھانے سے تمھیں مانع آئی؟۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ابوقحافہ کے بیٹے کو مناسب نہیں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھائے۔

فائدہ اس حدیث شریف سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ قومِ انصار کے مابین صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے تو اس وقت آپ

مسجدِ نبوی میں حاضر موجود نہ تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے مصلے پر تشریف لے گئے۔ پھر جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف لے آئے تو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مصلے پر ٹھہرنے کی بجائے پیچھے ہٹ گئے۔ اور آپؐ کے حاضر ہونے کے بعد آگے کھڑا ہونا مناسب نہ سمجھا۔ معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حیاتِ دنیویہ کے دوران بھی ہر جگہ حاضر ناظر نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے یہ عقیدہ رکھنا نہ گستاخی ہے نہ بے ادبی۔

حدیث ان اسود رجلا او امرأة كان يكون فی المسجد فمات ولم يعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بموته فذكره ذات يوم فقال علیہ السلام مافعل ذلك الانسان قالوا مات يارسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ۔ قال علیہ السلام افلا اٰذنتمونی؟ فقالوا انه كان كذا و كذا قصته قال فحقروا شانه فقال علیہ السلام دلونی علی قبره فصلی علیه۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی القبر ص ۱۷۸ بروایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ ایک حبشی مرد یا عورت مسجد میں رہا کرتا تھا اور مسجد میں جھاڑو دیتا تھا ایک روز اس کا انتقال ہو گیا اور حضورؐ کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ اتفاقاً ایک روز یاد فرمایا اور ارشاد فرمایا فلاں شخص کہاں گیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اس کا تو انتقال ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت رسول اللہ نے فرمایا تم نے اس کی اطلاع مجھے کیوں نہ دی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ ایسا ہی معمولی شخص تھا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤ لوگوں نے قبر بتائی آپؐ نے قبر پر تشریف لے جا کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

○ اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ آپؐ اپنی حیاتِ دنیویہ کے دوران بھی ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہوتے تھے۔ نیز دیکھو بخاری ج ۱ ص ۶۵ و مسلم ج ۱

ص۳۰۹ و مسند طیالسی ص۳۲۱ مشکوٰۃ ص۱۴۵

حدیث سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی نے مرتے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کردیا تھا جب کہ اس کے پاس ان چھ غلاموں کے سوا اور کوئی مال نہ تھا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپؐ نے ان غلاموں کو بلا کر ان کے تین حصے کردیے۔ پھر قرعہ ڈالا۔ پھر ان میں سے دو کو آزاد کردیا اور چار کو غلام رکھا اور اس مرنے والے کے بارے میں بہت سخت الفاظ کہے۔ (مشکوٰۃ ص۲۹۴ میں بحوالہ مسلم و نسائی)

- اور نسائی کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ میں اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھوں گا۔
- اور ابو داؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس کے دفن کیے جانے سے پہلے میں وہاں حاضر موجود ہوتا تو میں اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہ کرنے دیتا۔
- معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی کے دفن ہوتے وقت وہاں حاضر موجود نہ تھے۔

حدیث مشکوٰۃ شریف ص۲۳۸ میں بروایت ابی شریح العدوی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خطبہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ آپؐ نے خطبہ کے آخر میں فرمایا تھا: فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ جو اس جگہ حاضر موجود ہے اس کا فرض ہے کہ میرے خطبہ کے بیان کردہ تمام مسائل ان لوگوں تک جا پہنچائے جو غائب ہیں۔

فائدہ اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس مسلمان کو کسی مسئلہ کا علم ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ دوسروں تک بھی وہ مسئلہ پہنچائے۔ اور دوسرے اس حدیث سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے جاہلانہ عقیدہ کی نفی بھی ہوگئی۔

○ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے حکم فرمایا: يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (٥: ٦٧) کہ یا رسول اللہ جو کچھ آپؐ پر آپؐ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے یہ سب کچھ آپؐ لوگوں تک پہنچا دیجیے۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ کہ اگر آپؐ نے یہ نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا ہی نہیں۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دنیوی حیات کے ساتھ ہر جگہ حاضر موجود ہونے کا عقیدہ رکھنا ہی اصل گستاخی ہے۔ کیونکہ:

○ اس عقیدۂ باطلہ سے علماء پر فریضۂ تبلیغ عائد نہیں ہوگا اور اگر علماء اپنا فریضہ کچھ کر عوام کو مسائل بتائیں گے تو عوام کہہ سکیں گے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود حیاتِ دنیویہ کے ساتھ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو وہ خود ہمیں کیوں نہیں بتاتے' ہماری غلط کاریوں کو خاموشی کے ساتھ دیکھ رہے ہیں اور منع نہیں فرماتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ٹھیک کر رہے ہیں۔ اس لیے علماء کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

○ اور اگر کوئی عقل کا اندھا یہ کہہ دے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اچھے برے کام خاموشی کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور خود منع نہیں کرتا' اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموشی کے ساتھ ہمارے تمام اچھے برے کاموں کو دیکھ رہے ہیں۔ تو ایسے بے وقوف لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا کلمہ زبان سے نکالتے ہی آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا صریح شرکیہ کلمہ بکنے کی جرأت تو مشرکین مکہ

نے بھی نہیں کی تھی۔

نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ دنیویہ کے ساتھ ہر جگہ حاضر ناظر سمجھنے کی تعلیم دینے والے علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اپنی امت کو حکم دیا تھا: من رای منکم منکراً فلیغیرہ [۱۱] کہ تم میں سے جو شخص کوئی برا کام ہوتا دیکھے تو اسے بدل دے' ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے۔ اور دل میں برا سمجھنے کو کمزور ایمان کی علامت بتلایا۔ تو اس حکم سے خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ زندگی بھر اس اصول پر سختی سے عمل کرتے رہے۔ جبکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ رکھنے سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار دینا ہوگا۔

حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فسأل (موسی) اللہ ان یدنیه من الارض المقدسة رمیة بحجر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلو کنت ثمّ لاریتکم قبره الی جانب الطریق عند الکثیب الاحمر۔ (صحیح بخاری ص ۱۷۸ و مسلم ج ۲ ص ۲۶۷)

ترجمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ مجھے ارضِ پاک (بیت المقدس) سے ایک پتھر پھینکنے کی مقدار کے برابر پہنچادے (تاکہ میں وہاں دفن ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو موسیٰؑ کی قبر سرخ ٹیلے کے پاس راستہ کے کنارہ پر دکھا دیتا۔

فائدہ آپؐ نے یوں نہیں فرمایا کہ اگر تم وہاں ہوتے تو میں تمھیں دکھا دیتا بلکہ اپنے متعلق فرمایا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ آپؐ نہ اس وقت وہاں موجود تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ

واقعہ پیش آیا، اور نہ ہی اس وقت وہاں موجود تھے جب صحابۂ کرامؓ کے سامنے اس واقعہ کا ذکر فرمارہے تھے۔ اور قبرِ موسیٰ کا یہ علم آپؐ کو وحی کے ذریعے ہوا۔

حدیث ان رسول اللّٰہ ﷺ اتی المقبرۃ فقال السّلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللّٰہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا قالوا اولسنا اخوانك یارسول اللّٰہ قال انتم اصحابی. و اخواننا الذین لم یاتوا بعد فقالوا کیف تعرف من لم یات من امتك یارسول اللّٰہ فقال ارأیت لوان رجلا له خیل غرّ محجلین بین ظھری خیل دُھم بھم الایعرف خیله؟ قالوا بلی یارسول اللّٰہ قال فانھم یاتون غرا محجلین من الوضوء و انا فرطھم علی الحوض. (صحیح مسلم ص۱۲۷ و موطا امام مالک ص۱۰ و مشکوٰۃ ص۴۰ بروایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبرستان میں آکر قبرستان والوں کے حق میں دعا کی السّلام علیکم دار قوم ..... الخ مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم تو میرے اصحاب بھی ہو۔ اور وہ جو صرف میرے بھائی ہیں وہ ابھی نہیں آئے۔ صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ! آپؐ کی امت میں سے جو آپؐ کے پاس نہیں آئے آپؐ ان کو کیسے پہچانیں گے؟ تو آپؐ نے فرمایا: بھلا یہ بتاؤ کہ کسی آدمی کے گھوڑے ہوں جن کا ماتھا اور چاروں ٹانگیں سفید ہوں وہ مشکی گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑے نہ پہچانے گا۔ صحابہؓ نے کہا کیوں نہ پہچانے گا، ضرور پہچان لے گا۔ آپؐ نے فرمایا بعد میں آنے والی میری امت کے منہ اور ہاتھ پاؤں وضوء کی وجہ سے سفید

چمکدار ہوں گے اور میں حوض پر پانی پلانے کیلیے ان سے پہلے پہنچوں گا۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ اب اس دور کی امت کو حضرت رسول اللہ ﷺ علامات سے پہچانیں گے نہ کہ وہ ہم میں حاضر موجود ہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ ہر جگہ حاضر موجود ہیں ورنہ ایسا سوال ہی نہ کرتے کہ آپ ان کو کیونکر پہچانیں گے اور اگر حضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو صاف فرما دیتے کہ تمھیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ میں ہر جگہ حاضر ناظر ہوتا ہوں اور سب کو دیکھتا' پہچانتا ہوں۔ بلکہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو دیکھتا اور پہچانتا رہوں گا۔ جیسا کہ آج کل رسمی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

حدیث قال رسول اللہ ﷺ انا اول من یؤذن له بالسجود یوم القیمة و انا اول من یؤذن له ان یرفع رأسه فأنظر الی مابین یدی فأعرف امتی من بین الامم و من خلفی مثل ذلك و عن یمینی مثل ذلك و عن شمالی مثل ذلك. فقال رجل یارسول اللہ کیف تعرف امتك من بین الامم فی مابین نوح الی امتك؟ قال علیه السّلام هم غر محجلون من اثر الوضوء لیس احد کذلك غیرهم و اعرفهم انهم یؤتون کتبهم بایمانهم و اعرفهم تسعی بین ایدیهم ذریتهم۔ (مشکوٰۃ ص ۴۰ میں بحوالہ مسند احمد بروایت سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ)

ترجمہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جسے قیامت کے دن سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور میں ہی پہلا شخص ہوں گا جسے سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر میں اپنے آگے سے دیکھوں گا پھر تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا اور اپنے پیچھے سے بھی اسی طرح اور دائیں بائیں سے بھی اسی طرح۔ پھر ایک آدمی (صحابی) نے عرض کی کہ آپ نوح علیہ السّلام کی امت سے

لے کر اپنی امت تک تمام امتوں میں سے اپنی امت کو کس طرح پہچان سکیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ:

① ایک تو میری امت کے چہرے اور ہاتھ پاؤں سفید چمکدار ہوں گے وضوء کے اثر کی وجہ سے

② دوسرے اس بات سے پہچان لوں گا کہ ان کو اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جارہے ہوں گے۔

③ تیسرے اس بات سے بھی میں اپنی امت کو پہچان لوں گا کہ ان کی اولاد ان کے آگے بھاگی بھاگی جارہی ہوگی۔

فائدہ اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ نبی ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہوتے۔

حدیث حضرت جابر اور اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے میدان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا افعالِ حج کا صحیح صحیح طریقہ مجھ سے حاصل کر لو اور یاد کر لو لعلی لا اراکم بعد عامی ھذا کہ شاید اس سال کے بعد میں آپ کو نہ دیکھوں۔ یعنی میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا اور تم کو نہ دیکھوں گا۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۰ و ص ۱۰۸ و مشکوۃ ص ۲۳۰)

فائدہ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ آپؐ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو اس حدیث کو غلط کہنا ہوگا۔ جب کہ امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ اور اگر اس کو صحیح کہیں تو بقول ان کے جو حضور کو حاضر ناظر سمجھتے ہیں ترمذی بھی گستاخ بنتا ہے اور اس کے سارے استاذ صحابہؓ تک گستاخ بنتے ہیں۔ یا معاذ اللہ حضورؐ کی بات غلط نکلے گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں مردود ہیں۔ اور جس عقیدہ سے ان مردود باتوں کو عقیدہ بنانا پڑے وہ

عقیدہ باطل ہے بس یہ عقیدہ حضورؐ کو ہر جگہ حاضر ناظر جانتے کا عقیدہ باطل ہوا بلکہ اس عقیدہ والے آپ گستاخ ہیں جو اصدق الصادقین حبیب اللہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کو نہیں مانتے' بلکہ اپنی منواتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ و اتقوا اللہ

حدیث امیر المومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق و اسماء بنت ابی بکر و انس بن مالک و حذیفۃ بن یمان و سمرۃ بن جندب و ابو الدرداء و ابن عباس و ابن مسعود و ابن عمرو وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہ سیجاء برجال من امتی فیؤخذ منھم ذات الشمال فاقول یارب اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ (بخاری ص ۹۷۴)

ترجمہ میری امت میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے۔ پھر ان کو میرے پاس سے بجانب چپ ہٹا دیا جائے گا تو میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ (امتی ہیں) تو جواب ملے گا کہ آپؐ کو اس کا علم نہیں ہے کہ آپؐ کے بعد انہوں نے کیا کچھ بدعتیں کی ہیں۔

فائدہ اور ایک روایت میں (بخاری ص ۹۷۵ و ص ۹۷۴) لا تدری کی جگہ انک لا علم لک کے الفاظ ہیں۔ پس اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا کہ درایت کی نفی ہے علم کی نفی تو نہیں۔ اگر تسلیم کریں کہ آپؐ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو اس حدیث کا انکار کرنا پڑے گا۔

حدیث سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم افتقد ثابت بن قیسؓ ------ الخ (صحیح بخاری ص ۵۱۰)

ترجمہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت قیسؓ کو غائب پایا۔ سعد بن عبادہؓ نے آکر عرض کی کہ میں ثابت کی حالت معلوم کرکے آپؐ سے عرض کروں گا۔ چنانچہ سعدؓ ثابتؓ کے پاس پہنچے اور مکان کے اندر ان کو سرنگوں بیٹھا پایا۔ پوچھا کیا حال ہے؟ ثابت نے کہا برا حال ہے میں اپنی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی کرتا تھا اور ایسے شخص کے اعمال اکارت جائیں گے اور وہ دوزخی ہوگا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا اور دوبارہ بشارۃ عظیم لے کر ثابتؓ کے پاس پہنچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دوزخی نہیں بلکہ اہل بہشت سے ہو۔

حدیث امام جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ نے الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۳۹ میں بحوالہ بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت عروۃ بن الزبیر رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایت لکھی ہے جو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ امیرالمومنینؓ کے بھانجے اور حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں اور ان کے والد ماجد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں امت کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: ایھاالناس اصنعوا ما اقول لکم فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی ھذا الموقف۔ اسمعوا ایھاالناس قولی فانی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ لن تضلوا' کتاب اللّٰہ و سنتی

ترجمہ اے لوگو! جو میں تم کو کہتا ہوں وہ ہی کرو (اور غنیمت سمجھو) کیونکہ مجھے کچھ علم نہیں شاید میں اس سال کے بعد تم سے ملاقات نہ کرسکوں۔ لوگو! اس موقع پر میری بات سن لو۔ میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے اور ان پر عمل کرنا اپنے اوپر لازم کرلو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اور وہ دو چیزیں ہیں

اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور میری سُنّت اور طریقہ۔

حدیث سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم النحر میں (۱۰ ذی الحجۃ) کو دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جمرۃ العقبہ کو کنکریاں مار رہے تھے اور یہ بھی کہہ رہے تھے: خذوا عنی مناسککم فانی لاادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ (الخصائص الکبریٰ ج۲ ص۳۹ بحوالہ صحیح مسلم)

ترجمہ مجھ سے تمام افعالِ حج سیکھ لو کیونکہ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں شاید اپنے اس حج کے بعد حج نہ کر سکوں۔

حدیث حضرت عاصم بن حمید سکونی سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا۔ پھر آپ بھی (بطور مشایعت کے) معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور راستہ میں اس کو وصیت بھی کرتے جا رہے تھے۔ پھر جب آپ وصیت سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: یا معاذ انک عسی ان لا تلقانی بعد عامی و لعلک ان تمر بمسجدی و قبری فبکی معاذ۔ (الخصائص الکبریٰ ج۲ ص۳۹ بحوالہ مسند احمد و بیہقی)

ترجمہ اے معاذ! ہوسکتا ہے کہ میرے اس سال کے بعد تو میری ملاقات نہ کر سکے اور شاید تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گذرے پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ کی یہ بات سن کر رو پڑے۔

حدیث حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ان یخرج و انا فیکم فانا حجیجہ دونکم و ان یخرج و لست

فیکم فامرا حجیج نفسه و الله خلیفتی علی کل مسلم (سنن ابی داؤد ج۲ ص۲۳۵)

ترجمہ اگر دجال ایسے وقت میں آگیا جب میں تم میں موجود ہوں تو میں آپ ہی اس کے ساتھ بحث مباحثہ کرکے دلائل میں اس کو مغلوب کرلوں گا' تمہاری ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ ایسے وقت میں آگیا جب میں تم میں نہ ہوں گا تو پھر ہر آدمی اپنا آپ اس کے ساتھ بحث مباحثہ کرکے دلائل میں اس کو مغلوب کرے۔ اور ہر مسلم پر اللہ تعالیٰ میری طرف سے خلیفہ ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسے دلائل القاء کردے گا جس سے دجال مغلوب ہوتا رہے گا۔

فائدہ اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ آپؐ اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد فتنۂ دجال کو ختم کرنے کے لیے ہر مسلمان کے پاس حاضر موجود نہ ہوں گے۔ اگر یہ عقیدہ رکھیں گے کہ آپؐ ہر مسلمان کے پاس حاضر موجود ہیں تو آپؐ یوں کیوں فرماتے کہ اگر میں تم میں نہ ہوں تو ہر مسلمان خود اس کا مقابلہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی امداد کرے گا۔

حدیث امام بخاری نے باب من لم یدخل بیتاً فیه صورة (جس گھر میں تصویر ہو اس میں داخل نہ ہونے کا بیان) کے تحت حدیث نقل فرمائی ہے: القاسم بن محمد عن عائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ انها اخبرته انها اشترت نمرقة فیها تصاویر فلما رأها رسول الله ﷺ قام علی الباب فلم یدخل ۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری ص۸۸۹)

ترجمہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں مجھے (میری پھوپھی) عائشہ صدیقہ زوج النبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ میں نے ایک تصویر دار پردہ خریدا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس

کو دیکھا تو دروازے پر ہی کھڑے ہوگئے اندر داخل نہیں ہوئے۔ میں نے چہرۂ مبارک پر کراہیت اور ناپسندیدگی کے آثار پائے میں نے عرض کی یارسُول اللہ! مجھ سے جو قصور ہوا ہے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سامنے اس سے توبہ کرتی ہوں۔ فرمایا یہ پردہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپؐ کے بیٹھنے اور تکیہ لگانے کے لیے میں نے خریدا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ تصویریں بنانے والے قیامت کے دن عذاب دیے جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ جو چیز تم نے بنائی تھی اب اس کو زندہ بھی کرو۔ آپؐ نے فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

فائدہ اس حدیث سے اس عقیدہ کا بطلان واضح ہوگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ جب کہ آپؐ اس گھر میں نہیں داخل ہوئے جس میں تصویریں تھیں یا اس عقیدہ والے یہ کہیں کہ معاذ اللہ امیر المومنینؓ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے غلط بات کہی ہے یا یہ کہیں کہ آپؐ کی روح مبارک کا بلا جسد تصویر والے گھروں میں جانا جائز ہے۔ مگر ہر دعویٰ بلا دلیل کوئی نہیں سُنتا۔

حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لما اغرق اللہ فرعون قال اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ فقال جبرئیل یا محمد لو رأیتنی و انا اٰخذ من حال البحر و ادسه فی فیه مخافة ان تدركه الرحمة۔ (جامع ترمذی کتاب التفسیر ج۲ ص۱۴۳)

ترجمہ جب فرعون کو اللہ تعالیٰ غرق کرنے لگا تو فرعون نے کہا میں ایمان لاتا ہوں کہ بجز اس کے کوئی الٰہ نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں

اور میں مٹی میں داخل ہوتا ہوں تو جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سناتے ہوئے کہتے ہیں یا محمد! اگر اس وقت آپ مجھے دیکھتے جس وقت میں سمندر کی گاد (سیاہ مٹی) لے کر اس کے منہ میں ٹھونس رہا تھا اس ڈر کے مارے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجائے اور اس مردود کی بخشش ہوجائے جو ساری زندگی اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتا رہا تھا تو آپ کو ایک عجیب ہی منظر نظر آتا۔

فائدہ اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ یہ عقیدہ صریح غلط ہے کہ آپ گذشتہ حالات سب کے سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ اور یہی عقیدہ صحیح ہے کہ آپ اس وقت حاضر موجود نہ تھے۔ نیز یہ کہ آپ کو اگلے لوگوں کے حالات اور پچھلے لوگوں کے ہونے والے حالات اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بتائے اور وحی کے ذریعے بتائے ہوئے حالات مشاہدہ سے بھی بڑھ کر قطعی یقینی اور واجب الاعتقاد ہوتے ہیں جن کا انکار کفر ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس دنیا جہان کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں تو اس سے وحی کا انکار لازم آتا ہے جو کہ کفر ہے۔

قرآن و حدیث میں مذکور چند واقعات

① علاوہ ان نصوص قرآنیہ اور احادیث مشہورہ کے قرآن مجید میں سورۃ یوسف کو غور سے پڑھیں۔ جس میں یہی بات بتائی گئی ہے کہ حضرت یوسف ؑ پر کس قدر مصائب آئے برادرانِ یوسف ؑ نے ان کو کس طریقہ سے والد ماجد کی نظروں سے غائب کیا راستہ میں کیا کیا اذیتیں پہنچائیں۔ پھر کنوئیں میں ڈالا۔ پھر قافلہ نے یوسف علیہ السلام کو مصر میں لے جا کر بیچ دیا' وہاں ایک فاحشہ عورت سے سابقہ پڑا' پھر مصر کی عورتوں کے ساتھ سابقہ پڑا' پھر جیل میں پہنچایا گیا' وہاں کتنی مدت رہے' پھر

اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند منصب پر پہنچایا' پھر سات سال گذرے' پھر قحط پڑا۔ جس نے ملک شام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا' پھر برادران یوسف نے سنا کہ عزیز مصر غلہ دیتا ہے' وہ گئے' غلہ مانگا' حضرت یوسف علیہ السلام پہچان گئے' برادران یوسف نہ پہچان سکے۔ بنیامین کے بارے بات ہوئی' وعدہ کیا کہ پھر جب آئیں گے تو اس کو ساتھ لائیں گے۔ واپس جاکر والد صاحب سے بنیامین کا مطالبہ کیا' کافی سوال جواب کے بعد کچھ شرطوں کے ساتھ بھیجا۔ غرض ان تمام مصائب کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام کو کچھ علم نہیں کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا گزرتی رہی ہے اور بنیامین کے ساتھ کیا ہوا۔ اور یوسف ؑ کو بھی کچھ علم نہیں کہ میرے والد صاحب پر کیا گزر رہی ہے۔ حالانکہ باپ بیٹا ہر دو نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو "شہید" قرار دیا ہے۔ جیسا کہ:

○ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید (۴ : ۴۱)

ترجمہ پھر کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جب سب لوگ (قیامت کے دن) جمع ہوں گے۔ اور ہم ہر ہر امت سے ایک ایک گواہ یعنی رسول کو طلب کریں گے۔

○ اس ارشادِ باری تعالیٰ کے بعد اب بھی جو شخص شہادت کے لیے شہید کا اپنی آنکھوں سے دیکھنا ضروری سمجھتا ہے' اس کے لیے تو یہ واقعات فرضی کہانیوں سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

④ دوسرا واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے کہ جب حضرت نبی کریم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ یہاں حدیبیہ میں کسی طرح مشہور ہو گیا کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے

لڑنے کی بیعت کی کہ لڑنا مرنا منظور ہے ہم اب پیچھے نہ ہٹیں گے۔ اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے تمام حال جانتے دیکھتے ہوتے خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اعمال جانتے ہوتے ان کی پانچوں وقت کی نمازیں پڑھنا دیکھتے اور ان کے ہر تشہد میں السّلام علیك ایھا النبی کے الفاظ اپنے معصوم کانوں سے سنتے ہوتے تو آپؐ جو پوری دنیا کے لیے پیغام امن لے کر مبعوث ہوئے اور پرامن طریقے سے عمرہ کرنے کی اجازت لینے کے لیے اپنا خاص ایلچی بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ کرنے کے بعد شہادتِ عثمان کی افواہ اڑنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کفارِ مکہ کے ساتھ جنگ کرنے کی بیعت ہرگز نہ کرتے۔ بلکہ اس غلط افواہ کی تردید کرتے ہوئے مسلمانوں کو تسلی دیتے کہ گھبراؤ نہیں یہ غلط افواہ اڑائی جارہی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحیح سلامت ہیں کسی نے ان کو شہید نہیں کیا ان کی نمازوں کا سلام و درود مسلسل سنتا رہتا ہوں۔ اگر وہ شہید ہوگئے ہوتے تو میں ان کے درود و سلام نہ سنتا بلکہ اہلِ مکہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین جو بات چیت ہورہی ہے میں وہ سب اپنے ان کانوں سے سن سمجھ رہا ہوں۔ پھر ایسی صورت میں بیعت کی نوبت ہی پیش نہ آتی۔ بلکہ اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی مدینۃ الرسولؐ سے مکے تک کا طویل ترین سفر کرنے کی نوبت آتی۔

خلاصہ یہ کہ ایسے واقعات جو قطعی ہیں، اور قرآن مجید ان کی تصدیق کرتا ہے۔ ان سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو قبل از ولادت انبیاء و دیگر امتوں کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں اور نہ اپنی حیاتِ دنیویہ کے دوران وفاتِ حسرتِ آیات تک امت کے تمام احوال اپنی آنکھوں سے دیکھتے

تھے اور نہ ہی بعد از وفات امت وغیرہ کے احوال دیکھتے ہیں اور نہ ہی وہ ان پر نگران ہیں۔ البتہ :

○ امم سابقہ اور انبیاء وغیرہم کے جو احوال و واقعات آپؐ نے بیان فرمائے ہیں وہ سب وحی من اللہ کے ذریعے تھے جو سب برحق اور مطابق واقع تھے۔ اور اپنی آنکھوں کے ساتھ مشاہدہ کرنے سے جتنا انسان کو یقین آتا ہے اس سے بڑھ کر وہ بات یقینی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتائی ہو۔ اسی طرح آپؐ کے انتقال کے بعد کے واقعات جن کا تاحال وقوع نہیں ہوا' اور آپؐ نے بتائے وہ بھی برحق قطعی اور یقینی ہیں' جن کا یقینی ہونا ان واقعات سے بڑھ کر ہے جو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیتا ہو' یہاں تک کہ اگر کسی کا مشاہدہ اور وحی کے مابین تخالف واقع ہو تو ہم اس مشاہدہ کو غلط قرار دیں گے۔ اور آپؐ کی بتائی ہوئی وحی کو صحیح قطعی اور یقینی قرار دیں گے۔ بشرطیکہ قرآن کی نص سے ثابت ہو جائے' یا حدیث متواتر سے یا اجماع صحابہ سے۔

فتاویٰ فقہائے اعلام اصحاب مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

① شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۸۹ میں امام محدث فقیہ حنفی ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الازدی مصری طحاوی رحمۃ اللہ نے امام مجتہد ابو یوسف (تلمیذ ابی حنیفہ) کے بارے لکھا ہے :

عبارت و قد کان ابو یوسفؒ قال مرۃ لا یُصَلّٰی صلوۃ الخوف بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و زعم ان النّاس انما صلوھا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما صلوھا لفضل الصلوۃ معہ

ترجمہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے کہا تھا کہ صلوۃ خوف اس دور میں یعنی عالم دنیا سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد نہ

پڑھی جائے اور انھوں نے یہ سمجھا کہ اس وقت لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی جیسے بھی پڑھی تھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت بہت ہے۔ اور اس کی دلیل یہ دی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واذا کنت فیهم فاقمت لهم الصلوٰة فلتقم طائفة منهم معك (۴: ۱۰۲) یارسول اللہ! جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کے لیے نماز قائم کریں تب تو چاہیے کہ ان میں کا ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے------

تو اس آیتِ کریمہ میں صلوٰۃ خوف پڑھنے کا حکم اس وقت دیا رہا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک اُن میں موجود ہو' اور اب جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک ان میں نہیں ہیں اس لیے اب یہ حکم منقطع ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے اس عالمِ دنیا سے انتقال فرما کر عالمِ برزخ میں تشریف لے گئے ہیں اس وقت سے آپ دنیا میں حاضر موجود نہیں۔ یہ عقیدہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کا تھا جو احناف اہلِ انصاف کا مسلّم امام ہے۔

اور دوسرے علماء اگرچہ سب کے سب بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جوازِ صلوٰۃ الخوف کے قائل ہیں مگر کسی مخالف نے بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اس قول کی وجہ سے گستاخ اور کافر نہیں کہا۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول کی تردید میں دلائل تو دیے مگر ان چودہ صدیوں میں کسی ایک عالم نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو گستاخی اور کفر نہیں کہا۔

علامہ بدر الدین زرکشی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی البرہان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۱۹ میں یہی لکھا ہے: واذا کنت فیهم فاقمت لهم الصلوٰة ---- .. و جری ابو یوسف رحمه الله علی الظاهر فقال ان صلوة الخوف من

خصائص النبی ﷺ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت : واذا کنت فیھم کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ صلوۃ خوف خصائص نبوی ﷺ میں سے ہے۔

○ اسی طرح فقیہ اعظم علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل (متوفی ۵۹۳ھ) نے اپنی مشہور درسی کتاب ھدایہ ج ۱ ص ۱۵۷ میں لکھا ہے: و ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ و ان انکر شرعیتھا فی زماننا فھو مرجوح علیہ بما روینا یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ہمارے زمانہ (ما بعد النبی) میں صلوۃ الخوف کے مشروع ہونے کا انکار کرتے ہیں مگر دلیل کے لحاظ سے ان کا قول مغلوب اور مرجوح ہے۔ کیونکہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر آئے ہیں۔ مگر صاحب ہدایہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ پر گستاخ اور کافر ہونے کا فتوی نہیں لگایا۔

فائدہ یاد رہے کہ آخر کار امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول سے رجوع فرما لیا تھا۔

④ نمازی نماز کے آخر میں سلام پھیرتا ہے اس وقت حکم ہے کہ اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو صرف فرشتوں کی نیت کرے : ویسن نیۃ المنفرد الملئکۃ فقط (مراقی الفلاح ص ۱۶۵)

دلیل دی کہ: اذ لیس معہ غیرھم کیونکہ اکیلے نماز پڑھنے والے کے ساتھ سوائے فرشتوں کے اور کوئی نہیں۔

○ اگر حضرت رسول اللہ ﷺ کے بارے یہ عقیدہ ہو کہ وہ ہر جگہ حاضر موجود ہیں تو فقہاء کا یہ مسئلہ غلط ہو جائے گا اور جتنے فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے وہ سب گستاخ بے ادب اور کافر قرار پائیں گے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

⑤ ملا علی القاری رحمۃ اللہ نے مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۲

ص ۳۵۷ میں تحریر فرمایا ہے:

قولہ عند التسلیم بالخروج عن الصلوۃ لا ینوی الانبیاء علیہم السلام باتفاق العلماء

ترجمہ نماز سے باہر نکلنے کے لیے جو سلام پھیرا جاتا ہے۔ یعنی ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ﴾ کہا جاتا ہے تو اس وقت انبیاء کرام علیہم السلام کی نیت نہ کرے۔ اور اس پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے۔

○ اس کی دلیل صاحب ہدایہ نے ص ۹۴ میں دی ہے:

قولہ لان الخطاب حظ الحاضرین۔

ترجمہ خطاب تحیہ کا ان کو کیا جاتا ہے جو حاضر موجود ہوں۔

○ حضرت ملا علی قاری اور صاحب ہدایہ رحمہما اللہ تعالیٰ کی مذکورِ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ تمام فقہاء مجتہدین کے نزدیک بھی انبیاء کرام علیہم السلام ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔

○ اور التحیات میں جو السلام علیک ایہا النبی کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ نبی پاک حاضر ناظر ہیں بلکہ اس کی وجہ خود ہی ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی:

قولہ وانہ علی حکایۃ معراجہ علیہ السلام فی اٰخر الصلوۃ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۳۱)

ترجمہ السلام علیک ایہا النبی میں خطاب بطور حکایۂ معراج کے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا۔ اس لیے نہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے نمازیوں کے پاس حاضر موجود ہیں۔

④ فتاویٰ عالمگیری پر فتاویٰ بزازیہ ج ۲ ص ۳۲۶ میں اور معلم الفقہ ج ۱ ص ۹۰ میں ہے: من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر جو شخص یہ کہے کہ مشائخ کے ارواح حاضر موجود ہیں اور جانتے ہیں تو وہ بندہ کافر

ہو جاتا ہے اسی طرح بحرالرائق ج ۵ ص ۱۲۴ میں بھی ہے۔

⑤ شامی کے حاشیہ پر یہ مسئلہ لکھا ہے: تزوج بشهادة الله و رسوله لم يجز بل قيل يكفر. والله اعلم کہ جو نکاح کرے اور گواہ بنایا اللہ اور اللہ کے رسول کو تو یہ ناجائز ہوگا۔ بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کافر ہو گیا۔ (درمختار)

⑥ اس کی دلیل میں علامہ شامی نے لکھا ہے: لانه اعتقد ان رسول الله ﷺ عالم الغيب (شامی ج۲ ص ۳۰۰)

⑦ بحرالرائق ص ۸۸ میں بھی یہی ہے۔

⑧ عالمگیری ص ۲۶۸۔ میں بھی یہی ہے۔

⑨ بزازیہ ص ۳۳۴۔ میں بھی یہی ہے۔

⑩ اگر نبی کریم ﷺ ہر جگہ حاضر موجود ہوتے تو نکاح ہو جاتا اور فقہاء کفر تک کا فتویٰ اس پر نہ لگاتے۔

صوفیاء کرام کے فرامین

① ارشاد الطالبین ص ۲۸ میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے فرمایا: اگر کسے گوید کہ خدا و رسول بریں عمل گواہ اند کافر شود۔ اگر کوئی کہے کہ اس عمل پر خدا اور رسول گواہ ہیں وہ کافر ہو جاتا ہے۔

② حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف دلیل العارفین ص ۲۴ میں تحریر فرمایا ہے:

ارشاد: بعد ازاں فرمود (خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہٗ نے) کہ وقتے حضرت رسالت پناہ ﷺ آرزوئے دیدن اصحاب کہف کرد فرمان آمد کہ ما حکم کردیم تو در دنیا ایشاں را نہ بینی۔

ترجمہ: یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت خاتم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کہف

کے دیکھنے کی آرزو کی فرمان آیا کہ ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ آپ اس دنیا میں ان کو نہ دیکھو گے۔

③ معلم الفقہ ج ۱ ص ۷۵ میں ہے اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث اعظم کو یہ طاقت (قوت) حاصل ہے کہ جس مقام سے کوئی ان کو پکارے اس کی ندا کو وہ سنتے ہیں اور اس کے حال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں -------- تو یہ عقیدہ خلافِ عقیدۂ اہل اسلام بلکہ مجرالی الشرک ہے۔ ہر شخص کی ندا کو ہر وقت سُننا پروردگارِ عالم کے ساتھ خاص ہے۔ کسی مخلوق میں یہ صفت نہیں ہے۔ اور حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم بھی مخلوق ہیں۔

④ نعیم الدین مراد آبادی نے و ما محمد الا رسول کے حاشیہ ص ۲۵۶ میں لکھا ہے: اور رسولوں کی بعثت کا مقصود رسالت کی تبلیغ اور حجت کا لازم کردینا ہے نہ کہ اپنی قوم کے درمیان ہمیشہ موجود رہنا (ترجمہ قرآن مجید احمد رضا خان مع تفسیر نعیم الدین صاحب ص ۱۰۰)

فائدہ یہاں تو نعیم الدین مراد آبادی کے قلم سے بھی حق بات نکل ہی گئی' جو اس کے اپنے عقیدہ سے بالکل متضاد ہے۔ کہا جاتا ہے:

مقولہ الحق ما شهدت به الاعداء

ترجمہ حق وہی ہے کہ دشمن بھی اس کی شہادت دینے لگے۔

⑤ حضرت خواجہ شمس العارفین سیال شریف والے اپنے ملفوظات "مرأۃ العاشقین" میں لکھتے ہیں۔ حضرت حق تعالیٰ سبحانہ و تعالیٰ ہمہ جا حاضر است و در حال ظاہر و باطن ہمہ ناظر زہے خسارت کہ تواز لقائے او برداشتہ سوئے دیگری نگری و طریق رضائے او بگذاشتہ راہِ دیگری سپری

⑥ حزب البحر ص ۲۸ مطبوعہ شیخ غلام حسین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور اور ص ۲۲ (مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور) میں اللہ تعالیٰ کو خطاب ہے:

یا حاضراً لیس بغائب اے وہ ذات جو ہمیشہ حاضر ہے اور کبھی غائب نہیں ہے۔

⑦ سیدی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالےٰ (متوفی ۵۶۱ھ) نے اپنی مشہور کتاب "الغنیۃ" (غُنیۃ الطالبین) مطبع مصر ص ۵۷ میں تحریر فرمایا ہے: ویجوز وصفہ بأنہ ناظر اللہ تعالیٰ کی یہ وصف بیان کرنا جائز ہے کہ وہ اللہ ناظر ہے۔ معنے یہ ہے کہ سب چیزوں کو دیکھتا اور ادراک کرتا ہے۔ اور آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: ویجوز وصفہ بأنہ حاضر اللہ تعالیٰ کی یہ وصف بیان کرنا جائز ہے کہ وہ اللہ حاضر ہے۔

اس مُفتریٰ اعتقاد کا اصل مأخذ

○ نبی و غیر اللہ کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ اہلِ اسلام کا نہیں بلکہ کفار کا عقیدہ ہے۔ من جملہ ان کے عیسائی ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں جس جگہ بھی "عشاءِ ربانی" کی رسم ادا کی جاتی ہے یسوع مسیح علیہ السلام وہاں آموجود ہوتے ہیں۔ متی ۲۸: ۱۸۔ ۲۰ میں لکھا ہے جو آخری آیت ہے انجیل متی کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بہتان باندھتے ہوئے کہا "اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمھارے ساتھ ہوں"

○ اور الوہیت مسیح ص ۱۹ میں ہے: "المسیح حاضر کل ناظر کل ہے"۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ عیسائیوں سے لیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہے اور جو اس عقیدہ کو نہ مانے اس کو گستاخ اور کافر قرار دیا جاتا ہے۔ جب کہ قرآن و حدیث کے واضح دلائل سے ثابت ہوچکا ہے کہ مخلوق کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھنے کا عقیدہ کفار کا تو ہوسکتا ہے "مسلمانوں کا نہیں۔

○ غایۃ الامانی ج ۱ ص ۳۴ میں لکھا ہے سید فاضل علامہ بدر الدین جلی نے اپنی کتاب "الارشاد والتعلیم" میں "مقالات الامم" کے عنوان سے لکھا

ہے کہ اسلام میں ان کے شنیع مقالات میں سے ایک یہ قول بھی ان کا ہے کہ ان النبی ﷺ لا یخلو منہ زمان و لا مکان مطلب ان کا یہ ہے کہ نبی ہر جگہ ہر وقت موجود ہے۔ لیکن یہ مقالہ علم کلام کے متقدمین و متاخرین علماء میں سے کسی ایک عالم کا بھی ہم نے نہیں دیکھا اور نہ ہی ہم نے یہ مقالہ کتب عقائد میں دیکھا' اور نہیں اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی عالم یہ شنیع قول کرے۔

○ بہت سی کتابوں کے مصنف شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی بیروتی نے برہان حلبی سے نقل کرتے ہوئے ایک منظوم کلام بنام طیبۃ الغراء لکھی ہے جس میں کہا ہے کہ برہان حلبی نے اس موضوع پر ایک رسالہ تالیف کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد کہا کہ نبی کریم ﷺ کی شان پاک میں غلو کرنے میں یہ مقالہ شنیعہ ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جس شان مقام اور مرتبہ عالیہ پر اللہ تعالٰی نے آپ کی ذات مقدس کو رکھا ہے اس شان سے فائق مقام پر ان کو جا اتارا۔ یہ مقالہ شنیعہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالٰی کی ذات کے ساتھ جو صفات مختص ہیں ان میں حضرت نبی اکرم کو شریک گردانا ہے۔

○ اہل تشیع کے اسماعیلی فرقہ میں سے ایک شاخ آغانیوں کی ہے۔ ان کا عقیدہ اپنے امام کے بارے میں بھی یہی ہے چنانچہ تجانب اہل سنۃ ص ۱۷۲ میں ان کی کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں "ہمارے امام حاضر امام (آغاخان) کا بھی فرمان ہے کہ میں ہمیشہ جماعت خانہ میں حاضر ہوں۔ دور نہیں ہوں۔ تمھارے ہاتھ سے بھی زیادہ نزدیک ہوں"

○ نیز اس سے بھی بڑھ کر مجموعہ مقدس گینان ص ۲۹۷ میں لکھا ہے کہ : اس دنیا میں جو مومن پہلے تھے اور جو اس وقت ہیں اور جو آئندہ

ہوں گے یہ سب مومن شاہ پیر امام کی عبادت کرتے تھے، کر رہے ہیں، اور کرتے رہیں گے۔

○ نیز پیر شاہ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے ص ۱۲ میں لکھا ہے:
امام حاضر کو ہم پیر شاہ کہتے ہیں۔

○ نیز ان کی مذہبی اصطلاح میں "مولیٰ علی" بھی وہی نام نہاد شہزادہ ہے جسے یہ لوگ اپنا امام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب "مجموعہ مقدس گینان" کے ص ۸ پر لکھا ہے: "امام حاضر کو ہم مولیٰ علی کہتے ہیں"۔

○ احمد رضا خان نے صرف حضرت رسول اللہ ﷺ کے ہر جگہ حاضر ناظر ہونے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ملفوظات ج ۱ ص ۱۳۰ میں یہ بھی لکھا ہے:

عرض: غوث کو مراقبہ سے حالات منکشف ہوتے ہیں؟

ارشاد: نہیں بلکہ انہیں ہر حال یونہی مثل آئینہ کے پیش نظر ہے۔

○ محمد یار گڑھی والے نے حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے اپنے عقیدہ اور عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے:

او حاضر ہر مکان اندر تے ناظر ہر زمان اندر
مکان و لا مکان اندر رہے ہر شے نال کیا نجیدیں
(دیوان محمدی ص ۱۳۸)

○ نیز یہ عقیدہ ظاہر البطلان ہے بچند وجوہ:

① جہادِ نبوی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک غزوہ، دوسرا سریہ۔ غزوہ تو اسے کہتے ہیں جس میں حضرت رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود شریک ہوئے ہوں۔ اور سریہ وہ ہے جس میں آپؐ بذاتِ خود شریک نہ ہوئے ہوں بلکہ اس فوج پر اپنے اصحاب میں سے کسی کو امیر بنایا ہو۔ اب اگر یہ عقیدہ ہو کہ آپؐ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں تو یہ تقسیم لایعنی ہوئی۔ کیونکہ اس عقیدہ کی رو سے سریہ میں بھی آپؐ حاضر موجود ہوتے تھے۔

(۲) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمام امت خصوصاً اہل السنۃ والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے کچھ حصہ میں بیت اللہ شریف سے بیت المقدس تک پھر بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں سے بھی آگے تک بہ نفسِ نفیس (بجسدہٖ و روحہٖ) تشریف لے گئے۔ پھر اسی رات واپس تشریف لے آئے۔ یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس سے مشرکین منکر ہوگئے تھے۔ اور کچھ کچے مسلمان (نومسلم) مرتد ہوگئے تھے۔

(۰) اگر یہ بات درست ہوتی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو معراج النبیؐ کے اس عظیم واقعہ کو معجزہ کہنا ہی درست نہ ہوگا۔ اور معراج النبیؐ کا انکار لازم آئے گا۔ اور بیت اللہ سے بیت المقدس تک جانے کے واقعہ (جسے اسراء کہتے ہیں) کا بھی انکار لازم آئے گا۔ اور جو اسراء کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ اگرچہ بیت المقدس سے آگے تک جانے کے منکر کو کافر کہنے یا نہ کہنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ تاہم یہ عقیدہ برحق ہے اور ثابت ہے۔ اور اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر ناظر مانیں تو نہ اسراء ثابت ہوتا ہے نہ معراج۔ اور تو اور اس طرح قرآن مجید کا انکار بھی لازم آتا ہے جو صریح کفر ہے۔

(۳) اسی طرح اگر آپؐ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے عقیدہ کو صحیح مانیں تو آپؐ کی ہجرت کا بھی انکار کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہجرت کے معنے ہیں "اپنا وطن چھوڑ کر دوسری جگہ کو وطن بنالینا"۔ جب آپؐ کو مدینہ میں آکر بھی مکہ وغیرہ تمام مقامات میں حاضر موجود مانا جائے تو کہنا پڑے گا کہ آپؐ نے نہ وطن چھوڑا نہ آپؐ مہاجر ہوئے۔

(۴) نیز اس عقیدۂ بد سے یہ مسئلہ بھی ختم ہوجاتا ہے کہ آپؐ مقیم ہوکر رباعی نماز چار اور سفر میں دو رکعتیں پڑھاتے۔ کیونکہ ہر جگہ حاضر ناظر کہنے کے

عقیدہ کے مطابق آپؐ مقیم ہی مقیم ہیں۔ جیسے آپؐ مدینہ طیبہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے چار رکعتیں پڑھاتے تھے ذی الحلیفہ و دیگر مقامات میں جہاں نماز کا وقت آتا چار ہی پڑھتے۔ مکہ مکرمہ میں بھی چار پڑھتے۔ عرفات' مزدلفہ اور منیٰ میں بھی چار ہی پڑھتے۔ جب کہ تواتر سے ثابت ہے کہ آپؐ نے سفر میں دو دو رکعت پڑھی تھیں۔

⑤ آپؐ نے بادشاہوں کو خطوط کیوں بھیجے تھے جب کہ آپؐ ہر ملک کے بادشاہ کے سامنے حاضر موجود تھے۔ انہیں اپنی زبان مبارک سے تلقین فرما دیتے۔ ایلچیوں کو زحمت نہ دیتے جو دوسرے ملکوں کے سفر کی صعوبتیں جھیلتے رہے۔

⑥ آپؐ جب ہر جگہ حاضر ناظر موجود ہیں تو بعد از وفات بھی جہاد میں ضرور جاتے ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قاتل فی سبیل اللّٰہ لا تکلف الا نفسک

⑦ اسی طرح آپؐ تبلیغ بھی کرتے ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: یآ ایھآ الرسول بلغ مآ انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فمآ بلغت رسالتہ و اللّٰہ یعصمک من الناس۔

⑧ اسی طرح خلافت کا مسئلہ بھی غلط ہوگا۔ کیونکہ خلیفہ اسی کا ہوتا ہے جو فوت ہوجائے۔ اور اس کی وفات کے بعد وہ خود شرعی احکام نافذ کرسکے۔ جیسا کہ امیرالمومنینؓ کو کسی نے خلیفۃ اللّٰہ کہہ دیا' تو آپ نے فرمایا کہ: "میں خلیفۃ اللہ نہیں' بلکہ خلیفۃ رسول اللّٰہ ہوں"۔

⑨ جب لڑائی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انآ انزلنآ الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بمآ اراک اللّٰہ (۴ : ۱۰۵) کہ یارسول اللّٰہ! ہم نے جو کتاب برحق آپؐ پر نازل کی ہے تو اس لیے کہ جیسا آپؐ کو

اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکادیا کریں۔ اس آیت کی رو سے بجائے اس کے کہ خلفاء و قضاۃ فیصلہ کریں ساری دنیا کے معاملات کا فیصلہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے' نہ کسی قاضی کی ضرورت ہوتی نہ خلیفہ کی۔

فائدہ اگر کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ اس آیت کا تعلق تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیویہ کے ساتھ تھا اب ان کی وفات کے بعد اس آیت کا حکم ان پر نافذ نہیں ہوتا۔ تو یہ شبہ اس لیے غلط ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں حیات دنیویہ یا حیات اخرویہ اور برزخیہ کی کوئی قید نہیں' بلکہ حکم عام ہے۔ اور علماء کا

قاعدہ ہے: العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔ اس لیے چاہیے کہ براہ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرالیں جو آپ فیصلہ فرمادیں وہ سب کو بسرو چشم منظور کرلینا چاہیے بلکہ دنیا جہان میں جہاں کہیں لوگوں میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں ان سب کا فیصلہ آپ سے کروائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ (۴: ۵۹) اگر تمہارا آپس میں تنازع ہوجائے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف رجوع کرلیا کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

○ اس آیت کریمہ میں شرائطِ ایمان میں سے دو ایسی شرطوں کے ساتھ مشروط کرکے کہ جن میں سے ایک کے انکار سے بھی آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے' مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر تمہارا ایمان ہے تو باہمی تنازعہ کی صورت میں فیصلہ کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا کرو۔

○ اس آیت کریمہ میں "اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب ہے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی طرف رجوع کرلیا کرو"۔ کیونکہ باہمی تنازعات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کرنے کا طریقہ ہی یہ ہے کہ وہ اس کام کے لیے کتاب اور پیغمبر بھیجتا رہا ہے۔ تاکہ باہمی تنازعات کی صورت میں اس کتاب کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ رسول فیصلے کیا کرے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ کہ یارسول اللہ! ہم نے آپ پر یہ کتاب محض اس لیے نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کے مابین اس کے مطابق فیصلے فرمایا کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے۔

○ نیز فرمایا: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (۵: ۴۸)

○ نیز فرمایا: وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (۵: ۴۹)

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باہمی تنازعات کی صورت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے فیصلہ فرمانے کی درخواست کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت رسول اللہ کی وفات کے بعد عہد صحابہ و من بعدہم میں آج تک کسی کا اپنے باہمی تنازعات کے تصفیہ کے لیے حضرت نبی کریم سے درخواست نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات دنیویہ کے ساتھ زندہ سمجھتے ہوئے آپ کو حاضر و ناظر سمجھنا" محض بے بنیاد اور فرضی عقیدہ ہے۔ جس کا مقصد امت محمدیہ میں انتشار و افتراق کے سوا کچھ نہیں۔

○ حقیقت یہ ہے کہ مذکور بالا آیتِ کریمہ میں فَرُدُّوْہُ...... اِلَی الرَّسُوْلِ (الأیۃ) سے مراد سُنّتِ رسول ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ وفاتِ نبوی کے بعد تا قیامت مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے متنازعہ امور کا فیصلہ قرآن و سُنّت کے مطابق کیا کریں۔ تمام مفسرینِ کرام کا اس پر اجماع ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ خود حضرت رسول اللہ ﷺ ہی تا قیامت مسلمانوں کے باہمی تنازعات کے فیصلے فرماتے رہیں گے۔ چنانچہ:

① تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۶۶ میں ہے: والرسول ...... والی رسوله ﷺ ما دام حیًّا و بعد وفاته فردوه الی سنّته

② تفسیر درمنثور ص ۵۷۹ میں حضرت میمون بن مہران اور قتادہ و سدی سے منقول ہے: والرد الی رسوله ما دام حیًّا فاذا قبض فالی سنّته

③ تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۹۵ میں ہے: والرسول بالسؤال عنه فی زمانه والمراجعة الی السنة بعدهٗ

④ تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۶۱ میں ہے: والی رسوله بالسؤال عنه فی حیاته او بالنظر فی سنّته بعد وفاته

⑤ کتاب التسہیل ص ۱۴۶ میں ہے: والرسول الی الرسول هو سواله فی حیاته والنظر فی سنّته بعد وفاته

⑥ تفسیر جلالین ص ۷۷ میں ہے: والرسول مدة حیاته و بعده الی سنّته

⑦ تفسیر جامع البیان بر حاشیہ جلالین ص ۷۷ میں ہے: والرسول فی زمانه و بسنته بعده

⑧ تفسیر معالم التنزیل ص ۲۳۷ میں ہے: والی رسوله ما دام حیًّا و بعد وفاته الی سنّته

⑨ تفسیر بحر محیط ج ۳ ص ۲۷۹ میں ہے : قال مجاھد و قتادہ و السدی و الاعمش و میمون بن مھران فردوہ الی کتاب اللہ و الی رسول اللہ ﷺ فی حیاتہ و الی سنتہ بعد وفاتہ.

○ اور اگر حضرت رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھنے کا عقیدہ صحیح ہوتا تو وہ لوگ جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں انھیں اپنے متنازعہ امور کا تصفیہ کرانے کے لیے انگریزی قوانین کے مطابق قائم عدالتوں کی طرف رجوع کرتے وقت کچھ شرم ضرور آنی چاہیے کہ ہم کہتے تو یہ ہیں کہ "ہمارے آقا و مولیٰ نہ صرف اپنی امت کے ہر ہر فرد کی ہر ہر حالت سے پوری طرح آگاہ ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کی پوری مخلوق کی ہر ہر حالت سے ہمہ وقت آگاہ رہتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز ان کے سامنے ایک رائی کے دانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اور وہ پوری کائنات میں اپنا تصرف رکھتے ہیں۔ جس چیز کو جس وقت چاہیں الٹ کر رکھ دیں۔ اسی طرح ہر وقت ہر جگہ حاضر موجود ہیں۔ ہماری ہر بات ہر وقت سنتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔وغیرہ" مگر جب باہمی تنازعہ پر فیصلہ کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو قرآن و سنت کو چھوڑ کر انگریزی قوانین کے مطابق قائم ہونے والی غیر اسلامی عدالتوں کی طرف رجوع کرتے وقت حضرت رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کا خوف بھی ان کے دل میں نہیں آتا کہ ہم حضرت رسول اللہ ﷺ جیسی پاک معصوم ہستی کی عدالت کو چھوڑ کر ایک عام مسلمان ہی نہیں بلکہ ایک فاسق فاجر شخص سے اس بات کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے کھڑے ہیں جس کا فیصلہ کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

○ اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ جو سراپا عصمت ہیں ان کا فیصلہ تمام غیر معصوموں سے فائق اور قابل عمل ہوگا۔ مگر اس عقیدہ کے اپنانے والے

اس حکم پر عمل کیوں نہیں کرتے جو اللہ اور اللہ کے رسول کا فیصلہ چھوڑ کر غیر معصوموں کے فیصلے کی طرف لپکتے ہیں اور کئی اس عقیدہ کے اپنانے والے اپنے عقیدۂ بد کی تایید میں موضوع من گھڑت حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے عقیدہ کے مطابق اگر واقعی حضرت نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو براہ راست حضرت نبی کریم ﷺ سے مسئلہ کیوں حل نہیں کرا لیتے اور سیدھی بات ہے کہ اگر حضرت نبی کریم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو براہ راست ان سے پوچھا جاسکتا ہے کہ یا رسول اللہ یہ حدیث لوگوں میں عام مشہور ہے 'کیا آپؐ نے یہ بات سچ فرمائی ہے یا لوگوں نے آپؐ پر جھوٹ گھڑا ہے۔

○ اسی طرح اگر قرآن مجید کی کسی آیت کریمہ کی تفسیر میں علماء کا باہم اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ بھی حضرت نبی کریم ﷺ سے کروایا جاسکتا ہے۔ تاکہ سب جھگڑا ہی مٹ جائے 'پھر آپؐ جو فیصلہ فرمائیں گے' اگر کسی نے مان لیا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سچا پکا مسلمان ہے اور جو نہ مانے گا اس کا کفر ارتداد اور گستاخ ہونا سب پر عیاں ہوجائے گا۔ اور اس کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ:

○ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۴: ۶۵) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہ ہوں گے جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کا آپس میں ہو آپؐ کو حکم (فیصل) نہ بنالیں پھر جو فیصلہ آپؐ کردیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں۔

○ مگر آج کے دور میں عقیدہ بھی ان کا یہ ہے کہ حضور ﷺ ہر جگہ حاضر موجود ہیں مگر فیصلے آپؐ سے نہیں کراتے بلکہ عیسائیوں سے

یہودیوں سے دہریوں سے رسول کے دشمنوں سے اپنے متنازعہ امور کے فیصلے کرواتے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں باقی سب کافر مرتد گستاخ ہیں۔

○ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنے کا عقیدہ درست ہوتا تو امتِ محمدیہ کو فقہی مسائل معلوم کرنے کے لیے ائمۂ مجتہدین کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اور نہ ہی ان کی تقلید کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالنے کی حاجت ہوتی۔ کیونکہ جس مسئلہ کے بارے میں کچھ اشکال ہوتا فوراً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے۔ نہ کسی کتاب کی ضرورت تھی نہ کسی استاذ کی۔ نہ کتبِ حدیث کی ضرورت ہوتی نہ کتبِ تفسیر کی۔ امتِ محمدیہ کے تمام افراد براہِ راست حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی علم حاصل کرتے۔ جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست علم حاصل کیا۔

○ یہاں ایک بات اور بھی ذہن نشین رکھیں کہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کی پوری تعلیم براہِ راست حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل نہیں کی۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے دینی مسائل معلوم کرلیا کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ تھی ان میں سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہمہ وقت دربارِ نبوی میں حاضری نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں جو مدینہ منورہ کے باسی ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے مسائل معلوم کرتے رہتے تھے۔ جس سے یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ نہ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ کے دوران ہر جگہ حاضر و ناظر تھے۔

اور نہ ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ یہ عقیدۂ بد تو محض نصاریٰ اور ہنود کی نقالی میں وضع کیا گیا ہے۔ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے والے صحابی کا مرتبہ بھی اس قدر بلند ہے کہ قیامت تک آنے والے اولیاء کے مراتب کو جمع کرنے سے بھی اس صحابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بوجہ عدم حضوری کے دینی علم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے کی بجائے دیگر صحابۂ کرام سے حاصل کیا' تو اس سے صاف عیاں ہے کہ جس طرح اپنی حیاتِ طیبہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوا کرتے تھے اسی طرح افضل الاولیاء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے تھے۔ جس کے بے شمار شواہد مل سکتے ہیں۔ بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے کے سامنے اخبارِ نبوی بیان کرنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ فافہم۔

علاوہ ازیں ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ بھی یہی ہے' جن کی فقہ کا قلادہ ہم نے اپنی گردن میں ڈال رکھا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے جو مسئلہ آتا ہے اس کے حل کے لیے میں سب سے پہلے قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہوں۔ اگر قرآن مجید میں اس مسئلہ کا حل مل جائے تو اسے معمول بہ بنالیتا ہوں۔ اور اگر قرآن مجید میں اس مسئلہ کا حل نہ ملے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں قول یا عمل تلاش کرتا ہوں۔ اور اگر اس مسئلہ کے بارے میں مجھے کوئی حدیث نہ مل سکے تو امیر المومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں میں اس

کا حل تلاش کرتا ہوں .... اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظمؒ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمان و مکان میں حاضر و ناظر نہیں، اسی طرح حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی حاضر و ناظر نہیں جن کا مقام و مرتبہ تمام صحابۂ کرام سے بڑھ کر ہے۔

○ نیز خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں فرمایا کہ میں اپنی بعثت سے پہلے بھی تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے تمام واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا ہوں، اور اب بھی تمہاری ہر بات سُنتا ہوں اور ہر کام دیکھتا ہوں، اور اپنے انتقال کے بعد بھی میں سب کے اعمال دیکھتا رہا کروں گا، اور نماز میں سب کا درود و سلام سُنتا رہوں گا۔

○ اسی طرح نہ کسی صحابیؓ کا عقیدہ تھا اور نہ امام ابوحنیفہؒ اور نہ خیر القرون مشہودلہا بالخیر میں سے کسی اور محدث و مجتہد نے یہ عقیدہ رکھنے کو کہا کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر مکان ہر زمان میں ہمیں دیکھ رہے ہیں اور ہماری باتیں سن رہے ہیں۔

○ اب نماز کے التحیات میں السّلام علیك ایھاالنبی سے یہ سمجھ لینا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ پاک ہر وقت عالم کے ذرہ ذرہ پر ہے اور نماز و تلاوتِ قرآن و محفلِ میلاد شریف اور اسی طرح صالحین کی نمازِ جنازہ میں خاص طور پر اپنے جسم مبارک سے تشریف فرماتے ہیں اور عالم کی ہر چیز کو دیکھتے ہیں اور دور و نزدیک کی آواز سنتے ہیں یہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ جن علماء نے اس خطاب کے متعلق بحث کی ہے وہ ان کا عقیدہ نہیں، کیونکہ عقیدہ متزلزل نہیں ہوتا۔

○ اور اس خطاب کی کئی توجیہیں کی گئی ہیں:

① سلام کہنے والا اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپؐ کی

ذاتِ پاک کو حاضر جان کر کہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ۔

○ یہ توجیہ قرآن و حدیث سے مبرہن دلائل کی رو سے واجب الرد ہے۔

② اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ سے روضۂ شریفہ کا قصد ہو۔

○ یہ ایک عجیب بات ہے کہ نام تو لیا جائے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ارادہ ہو روضۂ شریفہ کا۔

○ نیز جس زمانے میں موجودہ طرز کا روضہ نہیں تھا اس وقت سلف صالحین کس چیز کا قصد کرتے تھے۔ بلا دلیل بات مسموع نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ توجیہ بھی قابلِ توجہ نہیں۔

③ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ سے یہ قصد کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کرتا ہے۔ اور سلام کا انشا مقصود ہو اخبار نہ ہو۔

○ اس کا مطلب اگر یہی ہے کہ ہر آدمی کا سلام سننے کے لیے اللہ تعالیٰ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک اور جسمِ اطہر کے ملاپ سے آپؐ کو زندہ کرتا ہے۔ اور سلام سننے کے بعد پھر جسم اور روح کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔

○ یہاں دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں۔

○ ایک تو یہ کہ "حیات النبی" کا مشہور مسئلہ کہاں گیا؟۔

○ اور دوسرے یہ کہ ہر ہر آدمی کا سلام سننے کے لیے معاذ اللہ آپؐ کا بار بار موت و حیات کی کشمکش میں رہنا کس کے جرم کا کفارہ ہے۔ کیونکہ خود تو آپؐ معصوم ہیں۔

○ کیا اس عقیدۂ بد کی کڑیاں بھی عیسائیت ہی سے ملتی ہیں؟ جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گناہگاروں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے مصلوب ہوئے۔ لیکن ان کا عقیدہ بھی یہ نہیں وہ بار بار مصلوب ہوتے ہوں۔ بہر حال یہ توجیہ بھی ناقابلِ التفات ہے۔

④ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کا خطاب اس اعتبار سے ہے کہ "حقیقتِ محمدیہ" سب میں سرایت کر گئی ہے۔

○ لیکن قرآن و حدیث میں "حقیقۃ محمدیہ" کی اصطلاح کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کے بارے میں قرآن مجید اور حدیثِ صحیح سے کوئی دلیل درکار ہے۔ ورنہ اس توجیہ کا بھی وہی حال ہے جو دیگر توجیہات کا ہے۔

⑤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود و حاضر ہیں۔

○ دعویٰ تو عام تھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ہیں، لیکن مذکورہ بالا توجیہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہونے کو صرف نمازیوں کے ساتھ مخصوص کرکے آپؐ کے ہر جگہ حاضر ہونے کے عموم کو منسوخ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لیے یہ توجیہ بھی ناقابلِ التفات ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ نے جسدِ نبویؐ کو قدرت دی ہے کہ جہاں چاہیں تشریف لے جائیں۔ خواہ بعینہٖ خواہ بمثالِ جسمِ مثالی۔ خواہ آسمان پر، خواہ قبر میں۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔

○ اس کے لیے قرآنی آیت یا حدیثِ متواتر سے دلیل درکار ہے۔ کیونکہ عقیدہ کے اثبات کے لیے اہلِ اصول اسی کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔

⑦ آپؐ امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ امت کے احوال و اعمال پر مطلع ہیں اور اپنے مقرب و خاصان کو فیض پہنچانے والے حاضر و ناظر ہیں۔

○ ہر دعویٰ کے لیے دلیل چاہیے جو صریح قرآنی آیت ہو یا حدیثِ متواتر۔ لیکن اقوال الرجال کوئی شرعی دلیل نہیں۔ کیونکہ عقیدہ کے معاملے میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ہی حجت ہیں۔

◻ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر موجود سمجھنے کا عقیدہ صحیح ہوتا تو علماء کو باہم مناظروں اور مباہلوں کی کوئی ضرورت نہ ہوتی، اور نہ ہی امتِ محمدیہ ہونے پر ناز کرنے والی اس قوم میں باہم رنجشیں پیدا ہوتیں۔

اور نہ ہی غیر اقوام کو مدعیان اسلام پر ہنسنے کا موقع ملتا۔

سوال حضرت نبی کریم ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر نہ ماننے والوں کو نعوذ باللہ گستاخ رسول کا طعنہ دینے والوں سے چند سوال :

۱ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ غزوات میں تشریف لے جاتے تھے تو نماز پڑھانے کے لیے مدینہ میں اپنا نائب چھوڑ جاتے تھے۔ کبھی سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو' اور کبھی کسی اور کو۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جب غزوہ میں تشریف لے جاتے تھے تو مدینہ منورہ میں حاضر موجود نہ ہوتے۔

۲ اگر واقعی ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ ہر وقت ہر جگہ حاضر موجود ہیں تو اس عقیدہ کے معتقدین کا فرض ہے کہ جب مسجدوں میں باجماعت نماز پڑھتے ہیں تو آگے امام مقرر نہ کریں۔ کیونکہ جب حضرت رسول اللہ ﷺ ہر ہر مسجد میں حاضر موجود ہیں تو ان کی موجودگی میں دوسرے کو امام بنانا آپ کی گستاخی ہے۔ اور اگر یہ گستاخی نہیں تو پھر بتائیں کہ گستاخی کس بلا کا نام ہے۔

○ حضرت امام ابو بکر صدیق تو حضرت نبی کریم کی تشریف آوری کے وقت پیچھے ہٹ جائیں اور کہیں کہ ابن ابی قحافہ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے نماز پڑھائے۔ کیا پندرھویں صدی کے امام مسجد حضرت امیر المومنین سیدنا امام ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اونچی شان رکھتے ہیں۔ جو حضرت رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کو اپنے عقیدہ کا جزو اعظم سمجھنے کا دعویٰ کرنے کے باوجود بھاگ کر مصلے پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ جبکہ :

○ اگر امام مسجد کا استاذ یا پیر آجاتا ہے تو خود امام مسجد مصلے پر کھڑا ہونے کی جرأت نہیں کرتا' بلکہ امام صاحب اور تمام مسجد کے نمازی پیر استاذ کو مصلے پر کھڑا ہونے کی درخواست کرتے ہیں کہ یا حضرت! آپ ذرا راہ

کرم ہمیں نماز پڑھائیں۔ آپ کا جماعت کرانا ہمارے لیے باعث صد افتخار اور سعادت مندی ہے۔

○ مگر جب عقیدہ یہ ہو کہ حضور ﷺ یہاں موجود ہیں اور پھر امام صاحب جماعت کرا رہے ہیں۔ خود ہی سوچیں کہ کیا یہ حضور ﷺ کی تعظیم ہے؟ اعاذنا اللہ من ھذا الاعتقاد الباطل۔

○ اور اگر کوئی کہے کہ ہم تو اقتداء کرتے ہیں اپنے امام کی اور ہمارا امام اقتداء کرتا ہے حضرت رسول اللہ ﷺ کی۔ تو یہ بتائیں کہ حنفی مسلک میں مقتدی قراءت نہیں کرتا اگر تمہارا امام حضور ﷺ کا مقتدی ہے تو قراءت کیوں کرتا ہے۔ جب کہ مقتدی کو قراءت کرنا منع ہے۔

○ یا فقہ حنفی میں یہ جزئی دکھاؤ جس میں یہ لکھا ہو کہ اصل امام تو نبی پاک ہوتے ہیں مگر ہمارے امام کو قراءت کرنا فرض ہے اگرچہ اس نے حضور کی اقتداء کی ہوئی ہو۔ اس سوال کا حل امام ابو حنیفہؒ نے کس طرح کیا۔ صاحبین، زفر، حسن بن زیاد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کس طرح حل کیا۔

۳ نیز یہ بتائیں کہ امام صاحب کی نماز تو فرض ہے لیکن حضرت نبی کریم ﷺ کی نماز فرض ہے یا نفل۔ اگر نفل ہے تو نفل والے (مُتنفل) کے پیچھے فرض پڑھنے والے (مُفترض) کی نماز نہیں ہوتی۔ اور اگر حضرت رسول اللہ ﷺ کی نماز فرض ہے تو کیا وفات کے بعد بھی آپؐ پر احکام فرضی بدستور فرض ہیں۔ اور اس کی دلیل کیا ہے۔ اگر نماز پڑھنا بعد از وفات بھی بدستور فرض ہے تو پھر دیگر فرائض کا ادا کرنا بھی فرض ہوگا۔ مثلاً حج، تبلیغ، جہاد، اور فیصلے کرنا۔

۴ عموماً آدمی کسی بزرگ (استاذ پیر) کے پاس بیٹھا ہو تو زبان کو سنبھال کر بولتا ہے اونچا نہیں بولتا۔ زبان سے نامناسب اور نازیبا الفاظ بولنے سے

اجتناب کرتا ہے اور حضور کا حاضر موجود ہونے کا دعویٰ کرنے والے اونچی آوازوں کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ کیا یہ گستاخی اور قرآن مجید کی مخالفت نہیں جس میں آیا ہے:

قول تعالیٰ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾

ترجمہ اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آوازوں سے بلند مت کیا کرو۔ اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو۔ کبھی تمھارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ بیشک جو لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خاص کر دیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

۵ ارشادِ باری تعالیٰ:

قول تعالیٰ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۔

ترجمہ بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب رسول اللہ کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لیے مجمع کیا گیا ہے۔ اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔ یا رسول اللہ! جو لوگ آپ سے ایسے مواقع پر اجازت لیتے ہیں پس وہی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے

رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

○ یہ رکی مسلمان اپنے اجتماعات کے اختتام پر حضرت نبی ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود آپ سے اجازت لے کر نہیں اٹھتے۔ تو اپنے اس عقیدۂ بد پر قائم رہتے ہوئے قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کریمہ کے مطابق ان کا اللہ اور رسولؐ پر ایمان ہی نہیں۔

۶ اور یہ عقیدہ رکھنے والے جب کسی مقدمہ میں پھنس جاتے ہیں تو حضور ﷺ کی موجودگی میں حضور ﷺ سے اپنے فیصلے کروانے کی بجائے ان لوگوں سے فیصلے کرواتے ہیں جن میں سے اکثر مسلمان بھی نہیں ہوتے۔ کیا یہی رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہے؟۔

۷ فرمانِ الٰہی کے مطابق حضرت نبی کریم ﷺ پر تبلیغ اسی طرح فرض ہے جس طرح کہ آپؐ پر نماز "فرض" ہے۔ تو کیا حضرت رسول اللہ ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھنے والے یہ بتلا سکیں گے کہ اب آپؐ اس فریضہ کو ادا کرنے کے مکلف کیوں نہیں رہے۔

۸ اس عقیدہ والے اپنے استاذ کے سامنے مسئلہ بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتے' اگر کوئی بیان کرنا شروع کرے بھی تو دوسرے لوگ ٹوک دیتے ہیں کہ تو کون ہے ہم تو اپنی تحقیق پیر استاذ سے کروانا چاہتے ہیں۔ تو بڑا شوخ ہے جو اپنے پیر استاذ سے پہلے ہی بولنے لگ گیا۔ تو حضور ﷺ کے سامنے دعوت و تبلیغ کی جرأت کیسے کرتا ہے۔

۹ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر دجال ایسے وقت میں آئے جب میں تم میں نہ ہوں۔ یہ حضورؐ کا یہ فرمان سچ ہے یا غلط؟۔ اگر سچ ہے تو یہ عقیدہ غلط۔ اور اگر معاذ اللہ کوئی اس فرمان رسول کو غلط کہے تو حضور ﷺ کی بات کو غلط کہنے کے باوجود اس شخص کو مسلمان کہا جاسکتا ہے یا اسے گستاخ رسول اور کافر و مرتد کہا جائے گا۔

۱۰ کیا یہ صحیح ہے کہ آپؐ نے فرمایا تصویر والے گھر میں فرشتے اور نبی نہیں جاتے۔ اگر صحیح ہے تو یہ عقیدہ غلط ہوا کہ حضور ہر جگہ حاضر ہیں۔ اور اگر نعوذباللہ حضور کا یہ فرمان غلط ہے تو آپؐ کے فرمان کو غلط کہنے والا مسلمان رہ جاتا ہے یا کافر و مرتد اور گستاخ۔

۱۱ کسی مجلس میں پیر یا استاذ موجود ہو اس جگہ انسان قضائے حاجت کے لیے نہیں بیٹھتا' بلکہ وہاں سے اٹھ کر کسی دوسری مخفی ستر والی جگہ میں جائے گا۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں تو قضائے حاجت کے لیے کہاں جائے گا۔

۱۲ نماز میں درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے۔ جس کا طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار پر خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے۔ اور یہ پست آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنے والے نماز میں تو وہی درود پڑھتے ہیں۔ مگر نماز سے باہر اسے چھوڑ کر اپنا ایجاد کردہ درود باآوازِ بلند یہ سمجھ کر پڑھتے ہیں کہ آپؐ ہمارا پڑھا ہوا درود سن رہے ہیں۔ یہ کئی وجوہ سے گستاخی بنتی ہے۔ مثلاً:

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا درود شریف بلاوجہ چھوڑ دینا۔ جبکہ آپؐ کا بتایا ہوا درود شریف وحی سے ثابت ہے۔

② وحی سے ثابت شدہ درود پر اپنے ایجاد کردہ درود کو ترجیح دینا۔

③ اپنے ایجاد کردہ درود کی اشاعت کرنا۔

④ درود ابراہیمی کو اپنی رائے سے نماز کے ساتھ مخصوص کرنا۔ جبکہ آپؐ نے نماز کے ساتھ اس درود کو مخصوص نہیں فرمایا۔ اور نہ ائمۂ مجتہدین میں سے کسی امام نے درود ابراہیمی کو نماز کے ساتھ مخصوص کیا۔

⑤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا کہ ہمارا ایجاد کردہ درود آپؐ کے بتلائے ہوئے درود سے افضل ہے۔ اسی لیے ہم نے آپؐ کے بتائے ہوئے درود کی

جگہ یہ درود ایجاد کیا ہے۔ کیونکہ اس عقیدہ کے معتقدین کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ نعوذباللہ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کا بتلایا ہوا درود شریف قرآن مجید میں مذکور طریقۂ درود و سلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ درود شریف سے پہلے تشہد میں "سلام" پڑھو۔ اور صلوٰۃ اس کے بعد الگ پڑھو۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾

یعنی صلوٰۃ و سلام اکٹھا پڑھو' جس میں صلوٰۃ پہلے اور سلام بعد میں ہو۔ تو اس طرح عملاً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہوا۔ جبکہ نبی پر اعتراض کرنا کفر ہے۔

⑥ نیز قرآن مجید کی آیت: صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا میں جو واو حرف عطف ہے اس میں ان لوگوں نے اصولی طور پر کئی غلطیاں کھائی ہیں۔ مثلاً:

① انھوں نے سمجھا کہ عبارت میں دو باتوں کا اکٹھا آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ حکم میں بھی دونوں اکٹھے ہیں۔ اس لیے صلوٰۃ و سلام ایک ہی عبارت میں پڑھنا چاہیے۔ اگر قران فی العبارت دلیل قران فی الحکم کی ہو تو ان لوگوں کو چاہیے کہ جب بھی گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلیں تو ساتھ ہی جیب میں کچھ نقدی بھی ڈال لیں کہ نماز کے ساتھ غریبوں کو زکوٰۃ بھی دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ (۲: ۴۳) عبارت میں نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھا بیان کیا ہے۔ اس لیے نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھا ہی ادا کرنا چاہیے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اصول اور نحو میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ واو معیت کے لیے نہیں بلکہ جمعیت کے لیے ہوتی ہے۔

③ تیسری بات یہ ہے یہ بھی اصولی قاعدہ ہے کہ واو ترتیب کے لیے نہیں ہوتی۔ اور یہ قاعدہ قرآن مجید کی کئی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

○ صلوۃ و سلام کا بلند آواز سے پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔ کیونکہ درود شریف دعاء ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۷ : ۵۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ سے جو تمام عالم کے پروردگار ہیں دعا کیا کرو تذلل ظاہر کرکے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ اور حقیقت ہے کہ جو لوگ حدِ ادب سے نکل جاتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

○ مفسرین نے لکھا ہے کہ حدِ ادب سے نکلنے کی تین صورتیں ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ کو پکارنا۔

② جہراً اونچی اونچی دعاء مانگنا۔

③ ناممکن چیز مانگنا۔

○ نیز دوسری آیتِ کریمہ کے بھی خلاف ہے جس میں ہے: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اور اس عقیدہ والے آنحضرت ﷺ کو حاضر ناظر سمجھ کر پھر اونچی آواز کرتے ہیں۔ کیا آنحضرت ﷺ تمہاری قرآنی مخالفت دیکھ کر راضی ہوں گے۔ جبکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ۔ مگر آپؐ خاموش رہتے ہیں۔ حالانکہ آپؐ نے خود فرمایا کہ صرف دل سے برا سمجھنا کمزور ایمان کی دلیل ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حاضر ناظر کا عقیدہ رکھنا آنحضرت ﷺ کو نعوذ باللہ ضعیف الایمان کہنے کے مترادف ہے۔ جبکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی گستاخی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہر وقت ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ صریح کفر ہے۔ کیونکہ اس عقیدہ کی وجہ سے بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ صریحہ متواترہ کا انکار لازم آتا ہے۔ جبکہ

آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ صحیحہ متواترہ کا انکار کفر ہے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کے ایک کلمہ کا انکار بھی کفر ہے۔ اور اس عقیدۂ بد کو درست ثابت کرنے کے لیے تو بے شمار آیاتِ قرآنیہ کا انکار لازم آتا ہے۔ اس لیے ایسے کافرانہ عقائد سے توبہ کرنی چاہیے۔

○ اب آخر میں اعلم الصحابہ حبیبۂ رسول اللہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایسے بد عقیدہ لوگوں کو جھنجوڑ دینے والا ایک فتویٰ نقل کیا جارہا ہے جو اس سلسلے میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ

○ عن مسروق قال كنت مُتَّكِئًا عند عائشة رضي الله عنها. فقالت (عائشة رضي الله عنها) يا ابا عائشة (مسروق بن الاجدع رضي الله عنه)

ثلث من تكلم بواحدةٍ منهن فقد اعظم الفرية على الله.

❶ من زعم أن محمدًا رأى ربه فقد اعظم الفرية على الله.

والله يقول:

① ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾

② ﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ﴾

(قال مسروق) و كنت مُتَّكِئًا فجلست. فقلت:

يا ام المؤمنين! انظريني، ولا تعجليني.

اليس الله تعالى يقول:

① ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴾

② ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴾

قالت (ام المؤمنين) انا والله اول من سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن هذا.

قال (عليه السلام): انما ذلك جبريل، ما رأيته في الصورة

التی خلق فیہا غیر ھاتین المرتین۔ رأیتہ منہبطاً من السماء ساداً عظم خلقہ ما بین السماء والارض۔

❷ ومن زعم ان محمداً کتم شیئاً مما انزل اللہ علیہ فقد اعظم الفریۃ علی اللہ۔ یقول اللہ:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾

❸ ومن زعم انہ یعلم ما فی غدٍ فقد اعظم الفریۃ علی اللہ۔ واللہ یقول:

﴿ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾

ھذا حدیث حسن صحیح۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۶۲)

○ حضرت ابو عائشہ مسروق بن الاجدع تابعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قریب تکیہ لگائے ہوئے تھا فرمانے لگیں: اے ابو عائشہ! (کنیت مسروق کی) تین باتیں ایسی ہیں کہ جو ان میں سے ایک بات بھی کرے گا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بہتان باندھا۔

① ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص یہ باطل خیال رکھے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بہتان باندھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: "اللہ تعالیٰ کو کسی کی نگاہ ادراک نہیں کر سکتی بلکہ اللہ تعالیٰ آپ ہی یگانہ ذات ہے جب کہ سب پر اس کی نگاہ ہے اور وہ آپ ہی ہے بڑا باریک بین باخبر"۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "کسی انسان کی یہ شان نہیں اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے۔ مگر تین طریقوں سے یا تو وحی و الہام سے' یا حجاب کے باہر سے' یا کسی فرشتے کو بھیج دے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو

اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے"۔

○ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی یہ بات سن کر مسروق تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے: اے ام المؤمنینؓ! ذرا مجھے سمجھنے کے لیے مہلت دیجیے۔ اور جلدی نہ فرمائیے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اسی قرآن مجید میں یہ نہیں فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا۔

○ نیز فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو آسمان کے صاف کنارہ پر بھی دیکھا ہے۔

○ مسروق کی زبانی یہ بات سن کر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: واللہ ان آیتوں کے بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والوں میں سے پہلی میں ہوں۔ میرے سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: کہ ان آیتوں میں مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام جس صورت میں پیدا کیے گئے ہیں اس صورت میں میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا سوائے دو مرتبہ کے۔ میں نے اس کو اپنی خلقی شکل میں آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا کہ اس کی عظیم خلقت نے آسمان زمین کے درمیان کی ساری جگہ کو روک رکھا تھا۔

○ اس کے بعد ام المؤمنینؓ نے دوسری بات بتائی کہ:

(۲) جو شخص یہ باطل خیال رکھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے "ما انزل اللہ" سے ذرا سی بات بھی چھپا رکھی تھی تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: یا رسول اللہ! آپؐ کے رب کی طرف سے جتنا بھی نازل گیا ہے وہ سارے کا سارا لوگوں تک پہنچا دیں۔

(۳) پھر تیسری بات بتائی کہ: جو شخص یہ باطل خیال رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بہتان باندھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ: یا رسول اللہ! آپؐ

فرمادیں کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں ان میں سے کوئی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔

غور فرمائیے کہ ام المومنین جو اعلم الصحابہ ہیں انہوں نے ان لوگوں پر کتنا وزنی فتویٰ لگایا ہے کہ جو یہ کہے کہ آپؐ نے باری تعالیٰ کا دیدار کیا ہے یا کہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ احکام میں سے بعض بیان نہیں کیے بلکہ چھپائے رکھے یا کہے کہ آپؐ کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بہتان باندھا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھنے والوں کے بارے میں قرآنی فیصلہ:
فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۳ : ۹۴) سو جو شخص اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان لگائے تو وہ ظالم ہے۔ اور فرمایا: وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲ : ۲۵۴) اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔ نیز فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲ : ۳۹) یعنی جو لوگ کفر کریں اور ہمارے احکام کی تکذیب کریں یہ دوزخ والے ہوں گے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی میرے احکام چھوڑ کر یا ان کو بدل کر بصورت تخصیص عام یا تقییدِ مطلق یا ان کو چھپا کر عوام الناس سے دنیائے ذلیل و قلیل کو وصول کرنا یہ بھی تکذیب ہے۔

سبحٰنك اللّٰهم و بحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك و اتوب اليك

اللّٰهم صل على سيدنا محمد و على آله و اصحابه و اهل بيته اجمعين

○

حصہ دوم مسئلہ مختار کل

الادلۃ المنصوصہ

فی صفات اللہ المخصوصہ

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی علیہ الرحمۃ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین و علی الہ و اصحبہ و اہل بیتہ اجمعین اما بعد

تیسری صدی میں خلفاءِ عباسیہ میں سے خلیفہ مامون، معتصم اور واثق کے دور میں اہلِ اعتزال نے ایک نیا مسئلہ خلقِ قرآن کے نام سے کھڑا کیا۔ اسلامی ملک میں بڑا ادھم مچایا۔ اور ان خلفاء کو طریقے طریقے سے اپنا ہمنوا بنا کر ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ جو عالم اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ ضال، مُضِل اور کافر ہے۔

چونکہ یہ نظریہ ان علماءِ حق کے خلاف تھا جنھوں نے قرآن و سنت کی تعلیم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مایۂ ناز تلامذہ سے حاصل کی تھی۔ ان خلفاء نے معتزلہ کے اشارے پر علماءِ حق کو سزائیں دینے کا حکم جاری کیا۔ جن میں امام اہلِ سنت حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے۔ ان کو بڑی بڑی تکلیفیں دی گئیں۔ مگر وہ اپنے قرآنی موقف پر ڈٹے رہے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ مسئلہ پہلے تو نہیں تھا۔ آپ ان لوگوں سے اختلاف کرکے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں اور خاموش رہیں۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

ارشاد كُنَّا نَرَى السُّكُوتَ عَنْ هٰذَا قَبْلَ اَنْ يَّخُوضَ هٰؤُلَاۗءِ فَلَمَّا اَظْهَرُوْا لَمْ نَجِدْ بُدًّا مِنْ مُّخَالَفَتِهِمْ (طبقات حنابلہ ج ۱ ص ۱۴۳)

ترجمہ اس معاملہ میں اہلِ بدعت کے کود پڑنے سے پہلے تو ہم خاموش رہنا ہی مناسب سمجھتے تھے۔ مگر جب انھوں نے اس معاملے کو تمام ملک میں پھیلا دیا تو ہمیں ان کی مخالفت کرنے سے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔

(الطبقات: حنابلہ ابن رجب زین الدین ابی الفرج عبد الرحمن بن شہاب الدین احمد حنبلی ج ۱، ص ۱۴۳)

اسی طرح دورِ حاضر میں بعض مدعیانِ علم نے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت یہ مسئلہ چھیڑ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب، حاضر ناظر اور مختارِ کل تھے۔ اور کہنے لگے کہ جو شخص یہ عقیدہ نہ رکھے وہ گمراہ، گستاخِ رسول اور کافر ہے۔ اور ہر ممکن طریقے سے اہلِ حق کے خلاف تحریراً و تقریراً سارے ملک میں یہ کام شروع کیا۔ بے شمار کتابیں لکھیں، جلسوں، اور جمعہ و عیدین کی خطبوں میں عوام کو ورغلایا۔ اور اہلِ حق کو وہابی کے لقب سے ملقب کیا۔

یہ مسئلہ بڑا نازک ہے۔ جس میں ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اہم اور بنیادی عقیدہ ہے۔ اور دوسری طرف افضل الرسل امام الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا شان کے بارے میں نہایت اہم عقیدہ۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنی مخصوص صفات کے ساتھ مختص سمجھا جاتا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخصوص صفات کے ساتھ مختص سمجھا جاتا۔ یعنی اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَاٰمَنْتُ بِمُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ۔ مگر انھوں نے اس پر اکتفاء نہ کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت کرنے لگے۔ اور اپنے زعم میں یہ سمجھنے لگے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان بیان کرتے ہیں۔ اور جو ہماری طرح آپؐ میں یہ صفتیں نہیں مانتا وہ آپؐ کا گستاخ اور کافر ہے۔ چنانچہ:

کچھ عرصہ قبل ایک مفتی صاحب نے اپنے فتوے میں لکھا کہ جو شخص حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختارِ کل نہیں سمجھتا وہ گستاخِ رسول ہے۔ بندہ نے اس کا جواب لکھا۔ اس کا پہلا حصہ اَلْاَدِلَّةُ الْمَخْصُوْصَةُ فِیْ صِفَاتِ اللّٰهِ الْمَخْصُوْصَةِ کے نام سے گزشتہ شمارے میں طبع ہوچکا ہے۔ جس میں الوہیت، رحمانیت، علمِ غیب اور شہید کے موضوع پر قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے موقف کی وضاحت کی گئی تھی۔ اور اب "مختارِ کل" کے مسئلہ پر اسی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاکہ عوام اس سلسلے میں اصل حقائق سے آگاہی حاصل کرکے عقائدِ بد سے توبہ کرسکیں۔

یاد رہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور مدح و ثناء اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں کرسکتا۔ اور جو یوں کہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی مدح بیان کرتا ہوں جو قرآن و حدیث میں نہیں ہے تو وہ خلاف واقعہ بات کہنے والا "کذاب اشر" ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے کلام پاک میں مختلف ناموں سے ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً: عبداللہ، نذیر، بشیر، خاتم النبیین، بالمؤمنین رؤف رحیم۔ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے پیارے پیارے ناموں سے یاد فرمایا ہے۔ اور کتب سیر میں علماء کرام نے قرآن و سنت کی روشنی میں آپ کے سینکڑوں نام جمع فرمائے ہیں۔ مگر ان میں آپ کا نام عالم الغیب اور حاضر و ناظر کہیں نہیں ملتا۔ اور شہید کا لفظ جس معنے میں یہ لوگ عوام کو بتاتے ہیں استعمال نہیں ہوا۔ اسی طرح جس معنے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل سمجھتے ہیں اس معنے میں بھی استعمال نہیں ہوا۔

اسی مسئلہ کی وضاحت کے لیے یہ رسالہ پیش خدمت ہے۔ جس کا مقصد اظہار حقیقت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس میں قرآن و حدیث سے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ فقہاء کرام اور اولیاء و صوفیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے عقائد بھی سپرد قلم کیے گئے ہیں۔

وَاللهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

⑤ مُختارِ کُل

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختارِ کل ہونے نہ ہونے کی بحث شروع کرنے سے پہلے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ لفظ "مختار" کے معنے کیا ہیں، تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی رہے۔ اور اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات یاد رکھیں کہ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور عربی میں بھی۔ ان میں سے کئی وہ ہیں جن کے معنی اردو اور عربی میں ایک ہی ہیں۔ اور کئی وہ ہیں جن کے معنے اردو میں اور ہیں اور عربی میں اور، جیسے شراب۔ اردو میں نشہ آور مشروب خاص پر بولتے ہیں۔ اور عربی میں مطلق پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں۔ جسے پنجابی میں "پیوَن" کہا جاتا ہے۔ اور پانی، لسی، دودھ، شربت اور چائے وغیرہ پر اس کا اطلاق کرتے ہیں۔

○ اسی طرح "خضاب"۔ اردو میں ایک خاص طریقے سے بنائے ہوئے سیاہ رنگ کو کہتے ہیں، جس سے سر اور داڑھی رنگتے ہیں۔ مگر عربی میں مطلق رنگ پر "خضاب" کا اطلاق ہوتا ہے۔ خواہ سیاہ ہو، خواہ نیلا، پیلا وغیرہ۔

○ اسی طرح "مختار" کا لفظ ان الفاظ میں سے ہے کہ جس کا اطلاق عربی میں، اردو اور فارسی کے استعمال سے مختلف ہے۔ کیونکہ اختیار اجوف یائی (خیر) باب افتعال کی مصدر ہے۔ جس کا معنی عربی لغت والوں نے "اصطفاء" لکھا ہے۔ یعنی تَنَاوُلُ صَفْوَةِ الشَّیْءِ کہ پسندیدہ شے کو ہاتھ بڑھا کر لینا۔ اور طَلَبُ مَاهُوَ خَيْرٌ أَوْ فِعْلُهُ یعنی انسان کا وہ چیز حاصل کرنا جسے خیر اور اچھا سمجھے۔ یعنی چننا۔ اور یہی معنے "اجتبار" کے بھی ہیں۔

○ "مختار" اسی "اختیار" سے مشتق ہے۔ جو اسم فاعل بھی بن سکتا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے: چننے والا پسند کرنے والا۔ اور اسم مفعول بھی ہے۔ جس کے

معنے ہیں۔ چیدہ' پسندیدہ' برگزیدہ اور چنا ہوا۔ اور مصطفیٰ و مجتبیٰ کے بھی یہی معنے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام ہیں۔ اس طرح مختار' مصطفیٰ اور مجتبیٰ تینوں ہم معنی ہوئے۔

○ "مختارِ کل" (عربی لفظ) کے معنے ہیں سب کا چیدہ' پسندیدہ' برگزیدہ اور چنا ہوا۔ اور اس معنے کی رو سے تمام اہلِ اسلام کا پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے علوِّ مرتبت' جلالتِ شان اور ختمِ نبوت کے لیے صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو چنا اور منتخب فرمایا۔ اور اس شان اور صفت میں آپ کا کوئی نظیر نہیں۔ اس معنے کی رو سے آپ مختارِ کل ہیں۔ اور اس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں۔ لیکن :

○ پاک و ہند اور اہلِ فارس کے عرف میں جو "مختارِ کل" کہا جاتا ہے اس کے معنے ہیں : قدرت' قبضہ اور حکومت۔ جیسے مثل ہے : "اختیار بدستِ مختار" یعنی حکومت حاکم کے ہاتھ ہے۔ صاحبِ اختیار جو چاہے سو کرے۔ اسی طرح "اختیار چلنا" یعنی زور چلنا' قابو ہونا۔

(دیکھیے : فیروز اللغات وغیرہ کتبِ لغتِ اردو)

○ ہم نے اپنی بحث میں "مختارِ کل" کا لفظ اسی معنے کی رو سے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں عرفِ عام میں اس کا یہی معنی سمجھا جاتا ہے۔ اس معنے کی رو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر "مختارِ کل" کا اطلاق صریح آیاتِ قرآنیہ' احادیثِ متواترہ اور عقائدِ اہلُ السنّت والجماعت و صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے۔ اس لیے امتِ محمدیہ کے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ ایسے عقائدِ کفریہ سے توبہ کرے جس سے اہلِ اسلام کے توحیدِ باری تعالیٰ جیسے اہم اور بنیادی عقیدے پر ضرب آئے۔

○ ہمارے عرف میں لفظ "مختارِ کل" ان معنوں میں بولا جاتا ہے کہ اس ہستی کو کلی اختیارات حاصل ہوں' اور اس کی حکومت اور قبضہ سب پر

ہو، اور اپنے ماتحتوں پر اس کا پورا زور چلتا ہو، جو کام کرے اپنی مرضی سے کرے۔ اور اس کو کوئی روکنے والا نہ ہو۔ اس معنیٰ کی رو سے مختارِ کُل ایک ہی ذات واحد و یکتا ہے۔ جو سب کا خالق اور مالک ہے۔ سب کے حال سے واقف ہے۔ اور سب کو روزی پہنچانے والا ہے۔ اور اس کو کسی سے ڈر خطرہ نہیں۔ مخلوق میں سے کوئی بڑے سے بڑا بھی اس کی مرضی میں دخل نہیں دے سکتا۔ نہ کسی سے مشورہ لیتا ہے نہ کسی کا محکوم و مامور ہے۔ اور نہ ہی اسے کسی کا ڈر ہے۔ نہ کوئی اس کو کسی کام سے روک سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس کے کام کی باز پرس کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس کو کوئی نصیحت کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس کو کوئی عتاب کر سکتا ہے، نہ تنبیہ۔ کیونکہ سب کچھ اسی کے ملک اور تصرف میں ہے۔ اور یہ صفت اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دی۔

۱ اللہ تعالیٰ اپنی صفت آپ بیان کرتا ہے: مَالِكَ الْمُلْكِ سارے جہان کا حکمران۔ ہر ذرہ ذرہ پر قدرت اور قبضہ رکھنے والا بادشاہ، حاکم اعلیٰ، با اقتدار۔ جس کے ہاتھ میں امر و نہی کی مستقل طاقت ہے۔

۲ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (اَلْمَآئِدَۃ۔۵:۱۷۔۱۸)

ترجمہ سب آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب پر اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے اور اسی اکیلے کا تصرف ہے۔ اسی طرح:

۳ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ (اَلْمَآئِدَۃ۔۵:۱۲۰)

۴ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اَلنُّوْر۔۲۴:۴۲)

۵ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اَلْفُرْقَان۔۲۵:۲۔ اَلزُّمَر۔۳۹:۴۴)

۶ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۲:۴۹۔۴۵:۲۷۔۴۸:۱۴)

۷ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اَلتَّوْبَۃ۔۹:۱۱۶)

۸ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ (اَلْفَاطِر۔۳۵:۱۳)

9 يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ (التَّغَابُن-۶۴: ۱)

ترجمہ: جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو مخلوق زمین میں ہے سب ہی تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں' بس اسی کی سلطنت ہے۔

10 فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (یٰسٓ-۳۶: ۸۳)

ترجمہ: اسی کی ذات پاک ہے جس کے قبضہ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے۔

11 قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (الْمُؤْمِنُوْن-۲۳: ۸۸)

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ وہ کون ہے جس کے قبضہ میں ہر چیز کا اختیار ہے۔

12 لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (بَنِیْ اِسْرَآءِیْل-۱۷: ۱۱۱۔ الْفُرْقَان-۲۵: ۲)

ترجمہ: دونوں جہانوں کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

13 مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (الْقَمَر-۵۴: ۵۵)

ترجمہ: ہر قسم کی قدرت والا بادشاہ۔

○ البتہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن: وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ (الْبَقَرَة-۲: ۲۴۷)

ترجمہ: اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ چنانچہ:

○ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب و حکمت اور عظیم مملکت عطا کرنے کا ذکر کچھ اس طرح فرمایا ہے:

قرآن: فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ (النِّسَآء-۴: ۵۴)

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کو ہم نے کتاب بھی دی اور علم بھی دیا اور ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

قرآن وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ (اَلْبَقَرَۃ-۲: ۲۵۱)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سلطنت بھی دی اور انتظامی عقل اور سمجھ بھی عطا فرمائی۔ نیز فرمایا:

قرآن وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ (صٓ-۳۸: ۲۰)

ترجمہ اور ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت کو بہت مضبوط کر دیا۔

○ اللہ تعالیٰ کی عطا کا یہ سلسلہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام تک ہی محدود نہیں' اگر وہ چاہے تو کافروں کو بھی سلطنت دے دیتا ہے۔ جیسا کہ نمرود کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ (اَلْبَقَرَۃ-۲: ۲۵۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت دے رکھی تھی۔ کیونکہ:

○ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (اَلْاَعْرَاف-۷: ۱۲۸)

ترجمہ زمین تو خود اللہ تعالیٰ کی ہی ہے وہ جس کو چاہے اپنے فرمانبردار یا نافرمان بندوں میں سے کسی کو بھی اس کا مالک بنا دے۔ اس کی مرضی۔

مافوق الاسباب چیزیں اسی سے مانگیں

○ انبیاء و اولیاء بھی اللہ تعالیٰ سے ہی دعاء مانگتے رہے۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے انھیں دعا کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

دعاء قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ (اٰلِ عِمْرَان-۳: ۲۶)

ترجمہ اے اللہ! سارے ملک کے مالک! تو ہی جس کو چاہے سلطنت دے اور تو ہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔ اور تو ہی جسے چاہے عزت بخشے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی اور برائی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس لیے تیری درگاہِ عالیہ میں ہماری دعا ہے کہ تو ہی ہماری ہر حاجت پوری فرما۔ کیونکہ:

قرآن تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آلِ عمران-۳: ۲۷)

ترجمہ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔ اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تو ہی بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے۔ اور تو ہی جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے۔ سو تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ غرض تقلبات و تصرفاتِ کائنات کا ہر ہر جزئیہ تیری ہی مشیت و قدرت کے تابع و محکوم ہے۔ تو مسلمان کو محض اپنے فضل و کرم سے ملک داری اور دنیاوی عزت سے بھی حصہ عطا فرما۔ کیونکہ:

ہمارا عقیدہ ہے:

قرآن مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ (اَلْفَاطِر-۳۵: ۲)

ترجمہ اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں۔ اور جو وہ بند کر دے اس کے بعد اس کا جاری کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ اور وہی ہے غلبہ والا۔ یعنی وہی اللہ ہے جو نعمتوں کے بند کرنے پر بھی قادر ہے اور کھولنے پر بھی وہی قادر ہے۔ اور ہر پہلو مصلحت و حکمت ہی کی بناء پر اختیار کرنے والا ہے۔ چنانچہ:

رات دن کا ادل بدل کرنا:

۱ وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (اَلْقَصَص-۲۸: ۷۳)

ترجمہ اور یہ اس کی رحمت ہی تو ہے کہ اس اللہ نے تمھارے لیے رات اور دن بنا دیے۔ تاکہ تم رات میں آرام بھی کرلو اور دن میں اس کی روزی بھی تلاش کرتے رہو اور اس لیے بھی تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے رہو۔ لیکن:

۲ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ (اَلْقَصَص-۲۸: ۷۱)

ترجمہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ ہے جو تمھارے لیے روشنی کردے' تو کیا تم سنتے نہیں ہو؟

۳ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (اَلْقَصَص-۲۸: ۷۲)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپ فرما دیجیے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو تمھارے لیے رات لے آئے جس میں تم آرام پاؤ۔ تو کیا تم نہیں دیکھتے۔

بارش کا ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے

۱ وَ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَ هُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ (اَلشُّوْرٰى-۴۲: ۲۸)

ترجمہ اور وہی یگانہ اللہ ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد مینھ برساتا ہے۔ اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے۔ اور وہی بڑا کارساز ہے ہر طرح قابلِ حمد۔ لیکن:

۲ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ (الْمُلْكُ-۶۷:۲۱)

ترجمہ بھلا وہ کون ہے جو تمہیں روزی پہنچاسکے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کردے۔ یعنی نفع پہنچانے پر بجز اللہ کے کوئی قادر نہیں۔

زمین کی تسخیر اور آسمان کا تھامنا

۳ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِّزْقِهِ (الْمُلْكُ-۶۷:۱۵)

ترجمہ وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر اور تابع کردیا ہے سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی دی ہوئی رزق میں سے کھاؤ پیو۔

۴ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۵﴾ (الحج-۲۲:۶۵)

ترجمہ اور وہ اللہ آپ ہی آسمان کو اس سے روکے ہوئے ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے۔ مگر ہاں اسی کا حکم ہو جائے اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر بڑا شفقت والا بڑا رحمت والا ہے۔

۵ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا

(الْفَاطِرُ-۳۵:۴۱)

ترجمہ بیشک اکیلا اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔ اگر وہ ٹلنے لگیں بھی تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی انہیں تھام نہیں سکتا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑا حلم والا ہے بڑا ہی مغفرت والا ہے جو

کافر انسان کی ایسی کفریہ باتوں پر فوری گرفت نہیں کرتا۔ جو اس قدر سخت اور بھاری ہیں کہ:

قرآن تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ (مَرْيَم-۱۹: ۹۰-۹۱)

ترجمہ کچھ بعید نہیں کہ آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں' اس بات سے کہ یہ لوگ اللہ رحمٰن کی طرف بیٹے اور نائب کی نسبت کرتے ہیں۔

○ نیز مکذبین کو زجر کرتے ہوئے فرمایا:

قرآن ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا (اَلْمُلْك-۶۷: ۱۶-۱۷)

ترجمہ کیا تم اس سے نڈر ہوگئے ہو جس کی سلطنت' حکومت و تصرف آسمانوں میں بھی ہے' وہ کہیں تم کو زمین میں دھنسا نہ دے' اور وہ تھرتھرانے لگے۔ یا کیا تم اس سے نڈر ہوگئے ہو کہ جس کی حکومت' سلطنت اور تصرف آسمانوں میں بھی ہے وہ تمہارے اوپر تند ہوا بھیج دے' پھر تمہیں پتہ لگے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔ نیز فرمایا:

قرآن اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (سَبَا-۳۴: ۹)

ترجمہ ہم اگر چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں۔ یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔

○ نمونہ کے طور پر قارون کو ہی دیکھ لو۔ جس کے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ (اَلْقَصَص-۲۸: ۸۱)

ترجمہ پھر ہم نے اس قارون کو مع اس کے مکان کے زمین میں دھنسا دیا۔ سو کوئی جماعت اس کے لیے ایسی نہ ہوئی جو اسے اللہ کے مقابلے میں بچالیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے آپ کو بچا سکا۔ یعنی نہ اس کی اپنی ہی ہنر مندی اور کاروائی کام آئی جس پر اس کو ناز رہتا تھا۔ اور نہ ہمدردوں کا وہ جتھا ہی کام آیا جو اس نے بنا لیا تھا اور جس پر اسے بڑا گھمنڈ تھا۔

کشتیوں کا مسخر کرنا

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بے شمار انعامات میں سے ایک نعمت بیان فرمائی:

قرآن وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ (ابراهیم۔۱۴: ۳۲)

ترجمہ اور تمہارے نفع کے لیے کشتی کو اپنی قدرت سے مسخر کر دیا تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلے۔

قرآن وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ ﴿٤٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾ (یٰس۔۳۶: ۴۳۔۴۴)

ترجمہ اور اگر ہم چاہیں تو ان (کشتی سواروں) کو غرق کر دیں تو نہ ان کا کوئی فریاد رس ہو اور نہ یہ رہائی پائیں۔ مگر یہ ہماری ہی مہربانی ہے کہ ان کو صحیح سلامت سمندر پار کر دیتے ہیں۔ اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا مقصود ہے۔ اسی لیے اس قادر مطلق اور حکیم برحق نے مہلت دے رکھی ہے۔

آنکھ کان وغیرہ انعامات الٰہیہ

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت یہ بھی بیان فرمائی:

قرآن أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ (البلد۔۹۰: ۸)

ترجمہ کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔

○ لیکن ان کے کرتوتوں کی وجہ سے:

قرآن لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ (یٰسٓ-٣٦: ٦٦)

ترجمہ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کر دیتے۔ پھر یہ راستہ کی طرف دوڑتے پھرتے۔ سو ان کو کہاں نظر آتا۔

قرآن وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ (الملک-٦٧: ٢٣)

ترجمہ تمہارے لیے سننے کو کان، دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دل بنائے۔ مع ہذا:

قرآن وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ (البقرۃ-٢: ٢٠)

ترجمہ اور اگر اللہ چاہے تو ان کے دیکھنے اور سننے کی قوتیں سلب کر لے۔

رحمِ مادر میں صورت گری

قرآن هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (آل عمران-٣: ٦)

ترجمہ وہ وہی یگانہ ذات ہے جو تمہاری صورت رحموں کے اندر بناتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔

قرآن يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (الانفطار-٨٢: ٦، ٨)

ترجمہ اے انسان تجھے آخر کس چیز نے اپنے رب کریم سے متعلق بھول میں ڈال رکھا ہے، وہ رب کریم جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا پھر تجھے اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں بھی چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔ یعنی انسان کی سیرت و صورت جو کچھ بھی ہے تمام تر اللہ تعالیٰ یکتا کے اپنے ارادہ و مشیت کا نتیجہ ہے۔ باہر سے کوئی قوت اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو مجبور یا متاثر کرنے والی نہیں۔ اور فرمایا:

قرآن فَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (التغابن-٦٤: ٣)

ترجمہ او انسانو! اسی واحد ذات نے تمہاری صورت اور تمہارا نقشہ بنایا۔

سو تمہاری کیسی حسین صورت بنائی، اچھا نقشہ بنایا۔

قرآن: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین-۹۵: ۴)

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ ہم نے انسان کو اچھی صورت پر بنایا۔

○ لیکن اللہ تعالیٰ نے منکر انسانوں کے بارے یہ بھی سمجھا دیا کہ اپنے حسن پر ناز نہ کیا کرو۔

قرآن: وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ (یٰس-۳۶: ۶۷)

ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو ان کی یہ صورتیں دنیا ہی میں جہاں کی تہاں مسخ کر ڈالتے۔ نہ یہ آگے چل سکتے نہ پیچھے کو لوٹ سکتے۔ یہ سب ہمارے امکانِ قدرت میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت

قرآن: وَإِذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (الرعد-۱۳: ۱۱)

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کا مددگار رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو فرشتے انسانوں کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں۔ وہ بھی اب بحکم الٰہی اس کی حفاظت سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔

قرآن: وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ (الرعد-۱۳: ۱۳)

ترجمہ: وہ اللہ یگانہ ذات ہے جو بڑا زبردست قوت والا ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا:

قرآن: وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ أَنْشَأَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ (الانعام-۶: ۱۳۳)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپؐ کا رب غنی ہے، صاحبِ رحمت ہے۔ لیکن اگر وہ چاہے تو تم سب کو دنیا سے اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ لا بسائے جس طرح تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا۔ نیز فرمایا:

قرآن إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَ يَأْتِ بِآخَرِينَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيرًا (النّسآء-۴: ۱۳۳)

ترجمہ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اے لوگو تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے۔ نیز فرمایا:

قرآن إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۶﴾ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ﴿۱۷﴾ (الفاطر-۳۵: ۱۶-۱۷)

ترجمہ وہ اللہ اگر چاہے تو تم کو فنا کردے اور ایک نئی مخلوق موجود کردے اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ مشکل نہیں۔ نیز فرمایا:

قرآن وَ إِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا (الدّھر-۷۶: ۲۸)

ترجمہ اور ہم ہی جب چاہیں انہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں۔ نیز فرمایا:

قرآن وَ إِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (محمّد-۴۷: ۳۸)

ترجمہ اور اگر تم تعمیلِ احکام سے روگردانی کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا۔ پھر وہ تعمیلِ احکام میں تم جیسے نہ ہوں گے۔

○ بہرحال اللہ تعالیٰ خود اپنی مرضی ہی سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کی رائے اور مشورے کا محتاج نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (إبراھیم-۱۴: ۲۷)

قرآن إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (الحجّ-۲۲: ۱۸)

قرآن قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (البقرۃ-۲: ۴۰)

قرآن إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ (البروج-۸۵: ۱۶)

قرآن وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (اَلْبَقَرَۃ-۲: ۲۵۳)

○ لیکن اللہ تعالیٰ بتقاضائے قدرتِ کاملہ وہی کرتا ہے جو ارادہ کرلیتا ہے۔ بمقتضائے حکمتِ بالغہ یعنی نہ اس کی قدرت و قوت فاعلہ پر کوئی قیدیں اور حد بندیاں عائد ہیں اور نہ اس کی تجویزوں، ارادوں میں کسی غلطی یا سہو و خطا کا امکان ہے۔ چھوٹی بڑی اچھی بری کوئی بھی شے ہو بہرحال مشیت الٰہی سے باہر نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (اَلرَّعْد-۱۳: ۴۱)

ترجمہ اور اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ کوئی شخص اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ کیونکہ:

قرآن اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یُوْسُف-۱۲: ۴۰)

ترجمہ تمام جہان میں حکومت تو بس ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

قرآن اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (اٰلِ عِمْرَان-۳: ۱۵۴)

ترجمہ سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔

قرآن اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ (اَلْاَعْرَاف-۷: ۵۴)

ترجمہ سن رکھو پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے اور حکومت تصرف اور حکم بھی اسی کا ہے۔

○ حتیٰ کہ راہِ راست پر لگا دینا اور منزلِ مقصود پر پہنچا دینا بھی اسی کا کام ہے۔ جیسے خود فرمایا:

قرآن وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (اَلسَّجْدَۃ-۳۲: ۱۳)

ترجمہ اور اگر ہم کو یہی منظور ہوتا تو ہم ہر ایک جی کو راہِ راست پر لگا دیتے اور منزلِ مقصود تک پہنچا دیتے۔

قرآن وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (اَلْاَنْعَام-۶: ۳۵)

ترجمہ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ضرور ہدایت پر جمع کر دیتا۔

قرآن فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (اَلْاَنْعَام-۶: ۱۴۹ و اَلنَّحْل-۱۶: ۹)

ترجمہ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دے دیتا یعنی راہ

راست پر لگا کر منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا۔

قرآن لَوْ شَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا (اَلرَّعْدُ-۱۳: ۳۱)

ترجمہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سارے انسانوں کو راہِ راست پر لگا کر منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا۔

قرآن وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (اَلنَّحْلُ-۱۶: ۹۳)

ترجمہ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ اسی طرح:

قرآن وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (اَلشُّوْرٰى-۴۲: ۸)

قرآن وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (يُوْنُسَ-۱۰: ۹۹)

ترجمہ اور اگر آپؐ کا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔

قرآن وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (اَلْاَنْعَامُ-۶: ۱۱۱)

ترجمہ اگر ہم ان منکرین پر فرشتے بھی اتار دیتے اور خواہ ان سے مُردے بھی باتیں کرنے لگتے اور خواہ ہم ہر چیز کو ان کے پاس ان کے سامنے لا کر جمع بھی کر دیتے، تب بھی یہ منکرین ایمان نہ لاتے۔ یعنی بالفرض ان کی فرمائشیں پوری کر دی جائیں اور دنیا بھر کے خوارق بھی انھیں دکھا دیے جائیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

قرآن وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا (اَلْاَنْعَامُ-۶: ۱۰۷)

ترجمہ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہوتی تو یہ لوگ شرک ہی نہ کرتے۔

خلاصہ یہ کہ سب اختیارات، سلطنت، حکومت اور حکم اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے اس کے حکموں میں کوئی شخص دخل نہیں دے سکتا۔ اور نہ کوئی اس پر

اعتراض کرسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے محبوب افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھی نہ ملنے اور نہ ان کی دعاء قبول کرے اور چاہے تو ابلیس لعین جیسے مطرُود و مردُود کی دعاء بھی قبول و منظور فرمالے۔ اس کی مرضی۔

○ دیکھیے ابلیس لعین کو حکم نہ ملنے کی وجہ فرمایا:

قرآن فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ (الْأَعْرَاف۔۷: ۱۳)

ترجمہ تو اس جنت سے اتر۔ تُو اس لائق نہیں کہ یہاں رہ کر بڑائی کرے۔ ابھی نکل۔ کیونکہ تُو ذلیلوں میں سے ہے۔

○ اور دُوسری جگہ فرمایا:

قرآن فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَّ إِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ (الْحِجْر۔۱۵: ۳۴ و ۳۵)

ترجمہ اب تو تُو نکل یہاں سے۔ تُو مردُود ہو گیا ہے۔ اور بیشک تجھ پر روزِ قیامت تک لعنت رہے گی۔

○ مگر باوجود اس کے ابلیس نے اپنے رب سے ان الفاظ میں دعاء کی:

قرآن رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (الْحِجْر۔۱۵: ۳۶)

ترجمہ اے میرے رب! تُو اب تو مجھے مُہلت دے اس دن تک کے لیے جس دن لوگ دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔

○ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاء قبول کرتے ہوئے فرمایا:

قرآن فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ (الْحِجْر۔۱۵: ۳۶ و ۳۷)

ترجمہ اچھا تو تجھے مُہلت ہے' وقتِ معلوم کے دن تک یعنی جب تک اس عالمِ ناسوت کی عمر قائم ہے' تجھ پر گرفت نہ ہوگی۔

○ اب کوئی بڑے سے بڑا محبوب ولی یا نبی نہیں پوچھ سکتا کہ یا اللہ اس کمینے کی دعاء کیوں کر قبول کرلی جب کہ وہ راندۂ درگاہ بھی ہوچکا ہے۔

دوسرا رُخ

○ اور اُدھر دوسرا رُخ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات سے محبوب تر ہستی جن کی مدح میں سارا قرآن مجید مشحون ہے۔ اور جن کے متعلق کہا جاتا ہے:

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

لیکن اس کے باوجود آپؐ کی کئی دُعائیں قبول نہیں کیں۔ مثلاً:

○ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز تک صبح کی نماز کی دوسری رکعت کے قومہ میں کھڑے ہو کر صفوان بن امیہ' حارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو اور قریش کے نام لے کر بددُعا کرنی شروع کی۔

○ اسی طرح اُحد کی لڑائی میں عتبہ بن ابی وقاص اور ابن قمیہ وغیرہ پر جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا تھا آپؐ نے بددعا کی۔

○ اسی طرح رعل' ذکوان اور عصیہ ان تین قبیلوں کے لوگوں پر آپؐ نے بددعا کی تھی جنھوں نے ستر صحابہ کو شہید کر ڈالا تھا۔ جس کو بیر معونہ کا واقعہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

قرآن لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (آلِ عِمْرَان ۳: ۱۲۸)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں اور آپؐ کا کچھ اختیار نہیں' اللہ تعالیٰ خواہ ان کی توبہ قبول کرے یعنی انہیں قبولِ اسلام کی توفیق دیدے۔ جیسا کہ مکہ کے کافروں میں سے اکثر لوگ ایمان لے آئے۔ اور خواہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے۔ کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ جیسے ابن قمیہ اور عتبہ بن ابی وقاص۔

○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

قرآن قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ

تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (الانعام۔ ٦: ٦٥)

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمہارے اوپر کوئی عذاب مسلط کرے۔ تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا تمہیں گروہ گروہ کرکے پھوٹ ڈال کر لڑائی کا مزہ چکھادے۔

○ نزولِ آیت کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی کہ یا اللہ میری اُمت کو ان تینوں قسموں کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر اور نیچے سے عذاب کے متعلق تو دعاء قبول فرمالی کہ اس اُمت پر اوپر سے پتھر نہ برسیں گے۔ اور نہ زمین میں دھنسیں گے۔ مگر تیسری دعاء کہ میری اُمت آپس کے تفرقے اور جنگ و جدال سے محفوظ رہے' یہ منظور نہیں ہوئی۔

○ ابوطالب کی وفات کے وقت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے پاس گئے اور کہا اے چچا اس وقت بھی تم منہ سے کلمۂ طیبہ کہہ لوگے تو مجھ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کا موقع مل جائے گا۔ لیکن اس وقت ابوجہل اور ابن اُمیہ بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ابوطالب کو بہکایا اور کہا اے ابوطالب کیا آخری وقت میں تم عبدالمطلب کے طریقے سے پھرتے ہو؟ اس لیے آخر وقت پر ابوطالب نے یہی کہا کہ میں عبدالمطلب کے طریقہ پر دنیا سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر جب تک اللہ تعالیٰ مجھ کو منع نہ فرمائے گا میں اپنے چچا ابوطالب کے لیے مغفرت کی دعاء کرتا رہوں گا۔

○ نیز جنگِ تبوک کے بعد مکہ کے قبرستان میں عمرہ کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر بہت دیر تک دعاء کرتے رہے۔ آپ کو روتا ہوا دیکھ کر آپ کے ساتھ جو اس وقت تقریباً ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

تھے ' وہ سب بھی رو دئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا یہ میری والدہ آمنہ کی قبر ہے
میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے حق میں دعائے مغفرت کا اذن چاہا
تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے ممانعت فرمادی :

قرآن مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبۃ۔ ۹: ۱۱۳)

ترجمہ نبی اور تمام مومنوں کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ مشرکین دعا مانگنے والے کے رشتہ دار ہی ہوں۔ جب ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ وہ مرے ہوئے دوزخی ہیں۔

⊙ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی مرنے کے قریب ہوا تو اس کا بیٹا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ : یارسول اللہ! میرا باپ قریب الموت ہے۔ آپ چل کر اس کے واسطے استغفار کریں اور نماز جنازہ پڑھیں۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا حباب بن عبداللہ۔ آپؐ نے فرمایا: "حباب" تو شیطان کا نام ہے۔ تیرا نام عبداللہ بن عبداللہ ہے۔ اور پھر آپؐ اس کے ہمراہ ہوئے اور اپنا کرتہ ابن ابی کو پہنا دیا اور آپؐ نے اس کیلیے مغفرت کی دعا کی۔ تب یہ آیت اتری :

قرآن اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (التوبۃ۔ ۹: ۸۰)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ ان منافقین کے لیے استغفار کریں خواہ ان کے لیے استغفار نہ کریں۔ اگر آپؐ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں گے' تب بھی اللہ تعالیٰ انھیں نہیں بخشے گا۔ اس لیے کہ مغفرت کی بنیاد تو ایمان ہے وہ ہی سرے سے مفقود ہے۔ کیونکہ:

قرآن ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (التوبۃ۔ ۹: ۸۰)

ترجمہ یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ منافقین کے حق میں دعاء اور عدمِ دعاء' عدمِ نفع کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ گو سبعین مرۃ (ستر بار) محاورۂ عرب میں تحدید کے لیے نہیں ہوتا۔ صرف تکثیر کے لیے آتا ہے۔ مگر آپؐ مجسم رحمت و شفقت تھے۔ اور منافقین و منکرین کی تالیفِ قلوب کی مصلحت بھی آپؐ کی نگاہِ دُور رس میں تھی۔ باوجود اہلِ لسان ہونے کے آیت میں تاویل فرمائی اور لفظی گنجائش نکال کر ارشاد فرمایا کہ: مجھے تو اختیار دیا گیا ہے۔ استغفار کروں چاہے نہ کروں' ستر بار تک مغفرت نہ ہوگی تو میں اس سے زیادہ استغفار کروں گا۔ اور باوجود اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا دامن پکڑا کہ آپؐ تو نمازِ جنازہ سے منع کر دیے گئے ہیں۔ آپؐ نے نماز پڑھادی۔ اس کے بعد پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

قرآن لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (اَلتَّوْبَةُ۔ ۹: ۸۴)

ترجمہ اور ان منافقین میں سے جو کوئی مرجائے اس پر کبھی بھی نمازِ جنازہ نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہو کر مرے ہیں۔

حاصل اللہ تعالیٰ یگانہ ذات ہے جو سب سے مستغنی ہے اور سب خلق اس کی محتاج ہے۔ اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کی بات کوئی رد نہیں کرسکتا اور وہ سب مخلوق میں سے اپنے محبوب ترین ہستی کو روک سکتا ہے۔ اور اس نے آپؐ کو روک بھی دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مختارِ کُل نہ تھے۔ جیسا کہ ایک حکومت میں دو مختارِ کل نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ہر ایک اپنی اپنی من مانی کرے گا۔ جس سے نقصِ امن کا شدید خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (اَلْاَنْۢبِيَآءُ۔۲۱: ۲۲)

ترجمہ اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی کوئی اِلٰہ ہوتا تو یہ دونوں درہم برہم ہوگئے ہوتے۔

⊙ یاد رہے کہ "اِلٰہ" کے تصور اور تعریف ہی میں یہ امر داخل ہے کہ وہ مطلق الارادہ اور مُطلق الاختیار اور مالکِ کُل ہو۔ اگر اس کے اختیارات یا اس کی ملک محدود اور مُقید ہوتی تو وہ اِلٰہ کیونکر کہلاسکتا۔ اگر مختارِ کل نے اپنا ارادہ کسی مصلحت سے ترک کیا یا اپنے ارادہ پر کوئی پابندی لگائی تو مختارِ کُل نہ رہا۔

خلاصہ اللہ تعالیٰ وہ مستقل ہستی ہے جس کا سب پر دباؤ ہے اور اس پر کسی کا دباؤ نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے مُتعلق خود فرماتا ہے:

قرآن وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (اَلْاَنْعَامُ-۶: ۶۱ ـ اَلْاَنْعَامُ-۶: ۱۸)

ترجمہ اور وہ ہی ہے جو اپنے سب بندوں پر غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (اَلرَّعْدُ-۱۳: ۱۶)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور وہی یکتا ہے اپنی ساری مخلوقات پر غالب و حاکم ہے' خود اس کے اوپر کوئی ہستی یا کوئی قانون ساز' حاکم و متصرف نہیں۔ نیز فرمایا:

قرآن قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (صٓ-۳۸: ۶۵)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ میں تو محض آگاہ اور خبردار کرنے والا ہوں اور اِلٰہ تو کوئی بھی نہیں ہے بجز اللہ واحد اور یکتا کے جو سب پر غالب اور حاکم ہے' اور اس پر کوئی بھی حاکم و متصرف نہیں۔ نیز فرمایا:

قرآن سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (اَلزُّمَرُ-۳۹: ۴)

ترجمہ وہ اللہ پاک ہے کہ اس کو کسی ارادہ کی ضرورت ہو۔ انسان کو اولاد کی ضرورت اور خواہش جن جن اغراض سے بھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان سب سے

پاک و برتر ہے۔ وہ ہی اللہ واحد یکتا ہے وہ زبردست غالب ہے اس جیسا غلبے والا کوئی نہیں۔

○ نیز دعا مانگنا ہی عجز اور مختارِ کل نہ ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ مختارِ کل کسی کے آگے دستِ دعا نہیں پھیلاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق نبی ہو یا ولی' اللہ سے ہی دعائیں مانگتے رہے۔ خواہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر ماسوی اللہ کو مختارِ کل مانیں تو ان تمام آیات کا انکار لازم آئے گا جن میں پیغمبروں کی دعائیں مذکور ہیں۔ اور احادیثِ متواترہ کا انکار بھی لازم آئے گا' جو کفر ہے۔

پیغمبروں کی دُعائیں

○ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (اَلْبَقَرَةُ-۲: ۳۵)

ترجمہ اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

○ مگر اس کے بعد خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قرآن وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰهٰ-۲۰: ۱۱۵)

ترجمہ مجھے اپنی شانِ حاکمیت کی قسم ہے کہ بہت زمانہ قبل ہم آدم (علیہ السلام) کو ایک حکم دے چکے تھے۔ سو ان سے بھول ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور نہ ہی ارادہ پایا۔ یعنی گناہ کا قصد انھوں نے کیا ہی نہیں محض ایک بے احتیاطی ان سے سرزد ہو گئی۔ اور

قرآن فَاَكَلَا مِنْهَا (طٰهٰ-۲۰: ۱۲۱)

ترجمہ پھر ان دونوں (آدم اور حوا) نے اس درخت سے کھا لیا۔

قرآن وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ (۷: ۲۲)

ترجمہ اور ان دونوں کے رب نے ان کو پکار کر فرمایا کہ میں نے تمھیں منع نہیں کر دیا تھا اس درخت کے قریب جانے سے؟ تو وہ بولے:

دُعاء رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الْاَعْرَافُ-۷: ۲۳)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا ہے۔ اور اگر تُو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

○ اسی طرح جب حضرت نوح علیہ السلام کو ساڑھے نو سو سال قوم نے خوب ستایا تو آپؑ نے اپنے رب کو پکارا۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

دُعاء اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (الْقَمَرُ-۵۴: ۱۰)

ترجمہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعاء کی کہ میں مغلوب ہوں اور عاجز و ناتواں ہوں میں ان لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سو تو آپ ہی بدلہ لے لے۔

○ نیز حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

دُعاء رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (الْمُؤْمِنُوْنَ-۲۳: ۲۶)

ترجمہ اے میرے رب! میرا بدلہ لے کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔

○ نیز حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی:

دُعاء رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِيْ وَ مَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الشُّعَرَآءُ-۲۶: ۱۱۷ و ۱۱۸)

ترجمہ اے میرے رب! میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا ہوا فیصلہ کر دیجیے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انھیں نجات دیجیے۔

○ نیز آپؑ نے دُعاء فرمائی:

دعاء رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْٓا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ إِلَّا تَبَارًا (نوح-۷۱: ۲۶ـ۲۸)

ترجمہ اے میرے رب اس دھرتی پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی جیتا مت چھوڑ۔ اگر تو نے انھیں رہنے دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ ہی کرتے رہیں گے۔ اور ان کے محض کافر و فاجر ہی اولاد پیدا ہوتی رہے گی۔ اے میرے رب مجھے بخش اور میرے ماں باپ کو بھی اور جو بھی میرے گھر میں داخل ہو۔ بحیثیت مومن کے اور کل ایمان والوں اور ایمان والیوں کو بھی بخش۔ اور ان ظالموں کی ہلاکت تو بڑھاتا ہی جا۔

○ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا طوفان میں غرق ہونے لگا تھا۔ اس پر آپؑ نے ان الفاظ میں اپنے رب کو پکارا:

دعاء رَبِّ إِنَّ ابْنِيْ مِنْ أَهْلِيْ وَ إِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ أَنْتَ أَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ (هُوْد-۱۱: ۴۵)

ترجمہ اے میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور تیرا وعدہ بھی بالکل سچا ہے کہ تمہارے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی ایمان لے آئے گا بچا دیا جائے گا۔ اور تو تو تمام حاکموں کے اوپر حاکم ہے تیری قدرت لاانتہا، تیرے اختیارات غیر محدود۔ تیرے لیے کیا دشوار ہے کہ اسے بھی اسے مومن بنا کر اس کی نجات کا سامان کر دے۔ اس پر:

قرآن قَالَ يٰنُوْحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّيْٓ أَعِظُكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (هُوْد-۱۱: ۴۶)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیرا بیٹا (گو تیرا نسبی بیٹا ہے مگر دینی اعتبار سے آپؑ

کے) گھر والوں ہی میں سے نہیں۔ ہمارے ازلی علم میں یہ ایک تباہ کار شخص ہے جو ایمان کا قصد ہی نہیں کرتا۔ اس واسطے مجھ سے ایسی چیز کی درخواست ہی نہ کریں جس کی آپؐ کو خبر بھی نہ ہو۔ میں آپؐ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپؐ آئندہ کہیں ناوانوں میں سے نہ بن جائیں اور آئندہ پھر کبھی ایسی ہی درخواست پیش کرنے لگیں۔

○ حضرت نوح علیہ السلام نے اس اجتہادی لغزش سے جو محض فہم و تعبیر کی بنا پر تھی معذرت کرتے ہوئے عرض کی:

دعاء رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ (التوبۃ ۔۹: ۴۷)

ترجمہ اے میرے رب میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں آئندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا۔

فائدہ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام مختارِ کل نہیں تھے۔ اگر وہ مختارِ کل ہوتے تو بارگاہِ الٰہی میں اس طرح کی زاری و عاجزی نہ کرتے۔

○ اور قوم کے شر سے بچانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کو خود فرمایا کہ دعاء کرتے وقت اس طرح کہا کریں:

دعاء رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (المؤمنون ۔۲۳: ۲۹)

ترجمہ اے میرے رب مجھے برکت کا اتارنا اتاریو۔ اور تو سب اتارنے والوں سے اچھا ہے۔

○ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان الفاظ کے ساتھ شکر بجا لاؤ:

دعاء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (المؤمنون ۔۲۳: ۲۸)

ترجمہ خوبی اور کمال صرف اس ذات اللہ تعالیٰ کا ہے جس نے ہم لوگوں کو ان

ظالم لوگوں سے نجات دی۔

○ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام نے دعاء کی:

دعاء رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُوْنِ (المؤمنون۔ ۲۳: ۳۹)

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو ابو الانبیاء ہیں اور انھوں نے اپنے والد کے حق میں مغفرت مانگنے کا وعدہ اس طرح فرمایا تھا:

قرآن سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۖ إِنَّهُ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (مریم۔ ۱۹: ۴۷)

ترجمہ اب میں آپ کے لیے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا' بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔

○ پھر آپؑ وہ وعدہ پورا بھی کیا اور اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعاء مانگی:

دعاء اغْفِرْ لِأَبِيْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّيْنَ (الشعراء۔ ۲۶: ۸۶)

ترجمہ اور میرے باپ کی مغفرت کر کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔

○ اس کے بعد آپؑ کو اپنے باپ کے بارے میں مغفرت کی دعا مانگنے سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبۃ۔ ۹: ۱۱۴)

ترجمہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے حق میں دعاء مغفرت کرنا تو محض اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انھوں نے اس سے کرلیا تھا (اور آپؑ کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ اس کی موت کفر پہ ہوگی۔ پھر جب ان پر ظاہر ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ یعنی کفر کی حالت پر اس کی موت ہوئی ہے تو اس سے بے تعلق ہوگئے اور اس کے حق میں دعائے مغفرت چھوڑ دی۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی نرم دل اور

بردبار تھے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ باپ نے کیسی کیسی سختیاں کیں آپ برابر حلم ہی سے کام لیتے رہے یہاں تک کہ جوشِ شفقت سے طلبِ مغفرت کا وعدہ بھی کر لیا۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے والد اور قوم سے کنارہ کش ہوئے تو فرمایا:

قرآن وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَنْ لَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا (مَرْيَمَ۔١٩: ٤٨)

ترجمہ اور میں کنارہ کرتا ہوں تم لوگوں سے بھی اور ان سے بھی، جنھیں تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو۔ اور میں اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ یقین ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ ہوں گا۔

فائدہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ اس کے باوجود بھی دعویٰ کے ساتھ یہ نہیں کہتے کہ میری دعاء ضرور ہی قبول ہوجائے گی۔ بلکہ عبدیت کی پوری شانِ تواضع کے ساتھ اس کی صرف امید ظاہر کرتے ہیں۔

○ آپؑ نے اپنے والد کو کہا تھا:

قرآن لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (اَلْمُمْتَحِنَةُ۔٦٠: ٤)

ترجمہ میں تمہارے لیے استغفار کروں گا اور مجھے اللہ تعالیٰ کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں کہ اس سے اپنی دعاء و عرض داشت خواہ مخواہ قبول ہی کرا لوں۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء ضرور کروں گا کہ وہ تمھیں زندگی ہی میں راہِ ہدایت دکھائے تاکہ مرنے کے بعد اسے نجات حاصل ہوجائے۔

○ والد سے زیادہ کوئی شفقت و خیر خواہی کا مقام نہیں۔ مگر ان کے حق میں استغفار کا وعدہ تو کر لیا مع ہذا صاف صاف یہ بھی کہا کہ دعاء کا قبول کرنا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ میرے بس سے باہر ہے۔ جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام مختارِ کل نہیں ہوتے۔

○ حالانکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کے بارے فرمایا ہے:

قرآن وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلاً (النساء: ۴-۱۲۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور خاص دوست بنا لیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے والد کے حق میں دُعاء قبول نہیں فرمائی۔ کیونکہ وہ تنہا مختارِ کل ہے۔ اس کی مرضی کسی کی دعاء قبول کرے یا نہ۔ اور اس کے علاوہ کوئی مختارِ کل نہیں۔

○ پھر جب مسلمان کفار سے مقاطعہ کریں گے تو اغلب ہے کہ مادی اور مالی نقصان ہوگا۔ ایسے موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارا:

دُعاء رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (الْمُمْتَحِنَة-۶۰: ۴)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم تجھ پر ہی توکل کرتے ہیں۔ اور تیری ہی طرف ہی رجوع کرتے ہیں اور آخر کار تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

دُعاء رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَآ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الْمُمْتَحِنَة-۶۰: ۵)

ترجمہ اے ہمارے رب ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنانا اور اے ہمارے رب ہماری کوتاہیاں معاف کردے۔ بیشک تُو ہی ہے زبردست حکمت والا تیرے لیے ہماری عرضداشت قبول کرنا کوئی مشکل نہیں۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ترکِ وطن (ہجرت) کے بعد اولادِ صالح کیلئے دُعا کی:

دُعاء رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصّٰفّٰت-۳۷: ۱۰۰)

ترجمہ اے میرے رب مجھے ایک صالح فرزند عطا فرما۔

○ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر مکہ میں خانہ کعبہ کے قریب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

اوران کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لاکر چھوڑ گئے تو اپنے رب کو پکارتے ہوئے کہا:

دعاء رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراهيم ۱۴: ۳۵)

ترجمہ اے میرے رب! اس شہر مکہ کو امن والا بنادے اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ مورتی کی پوجا کرنے لگیں۔ نیز دعا کی:

دعاء رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ (ابراهيم ۱۴: ۳۷)

ترجمہ اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کردیا ہے تیرے معظم و محترم گھر کے قریب۔ (تاکہ)

دعاء رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (ابراهيم ۱۴: ۳۷)

ترجمہ اے ہمارے رب وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں۔ سو تو کچھ ان لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انھیں کھانے کو پھل دے جس سے شکر گزار رہیں۔ پھر آپ نے یہ دعاء بھی کی:

دعاء رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراهيم ۱۴: ۴۰ و ۴۱)

ترجمہ اے میرے رب! مجھ کو بھی نماز کا پابند رکھیے اور میری نسل میں سے بھی کچھ کو۔ اے ہمارے رب ہماری دعاء قبول فرما۔ اے ہمارے رب میری مغفرت کردے اور میرے والدین کی بھی اور ایمان والوں کی بھی اس دن رو حساب و کتاب قائم ہو۔ نیز آپ نے دعاء کی:

دعاء رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾

وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَۙ ﴿۸۶﴾ وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَۙ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَۙ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍؕ ﴿۸۹﴾ (الشعرآء-۲۶: ۸۳ تا ۸۹)

ترجمہ اے میرے رب مجھے حکمت (دین کی سمجھ) عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر اور میرا ذکر خیر آیندہ آنے والے لوگوں میں جاری رکھ تاکہ وہ لوگ میرے طریق پر چلیں اور میرے لیے اضافۂ ثواب و حسنات کا باعث ہوں اور مجھے جنتِ نعیم کے مستحقین میں سے کر دے اور میرے باپ کی مغفرت کر کہ وہ گمراہوں میں سے ہے اور مجھے رسوا نہ کرنا اس دن جب سب اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد۔ مگر ہاں جو اللہ تعالیٰ کے پاس پاک دل لے کر آئے۔

فائدہ آپؑ کی یہ دونوں دعائیں ممانعت وارد ہونے سے پہلے کی ہیں۔

○ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام دونوں باپ بیٹوں نے خانۂ کعبہ کی بنیادیں بلند کرتے وقت اپنے رب ہی کو پکار کر کہا:

دعا رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ (البقرۃ-۲: ۱۲۷)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم سے یہ ہمارا ٹوٹا پھوٹا عمل جیسا بھی ہے ہم سے قبول فرما۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تو ہی ہے ہماری زبان سے نکلے ہوئے لفظ کا سننے والا سب کچھ جاننے والا دل کے اخلاص کو بھی تو ہی جانتا ہے۔ نیز یہ دعا کی:

دعا رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَاۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ (البقرۃ-۲: ۱۲۸)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمان بردار بنائے رکھ اور ہماری نسل سے ایک فرمان بردار امت پیدا کر اور ہم کو ہمارے دینی

قاعدے بتادے اور ہمارے حال پر توجہ رکھ۔ یقیناً تُو ہی بڑا توجہ فرمانے والا ہے بڑا مہربان ہے۔ نیز آپؑ نے دعاء کی:

دُعاء رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۲: ۱۲۹)

ترجمہ اے ہمارے رب ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے بھیج جو انھیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب الٰہی اور دانائی کی تعلیم دے اور انھیں پاک و صاف کرے۔ یقیناً تُو تو بڑا زبردست ہے۔ ہر دعا قبول کرنے پر ہر آرزو کے پورا کرنے پر قادر ہے۔ اس کی مشیت پر مانع اور غالب کوئی چیز نہیں آسکتی۔ بڑا حکمت والا ہے۔ یعنی وہی دعائیں قبول کرتا ہے اور بندوں کی وہی آرزوئیں پوری کرتا ہے جو قانون حکمت کے مطابق و ماتحت ہوتی ہوں۔

○ حضرت لوط علیہ السّلام نے اپنی قوم کو بہتیرا سمجھایا اور عذابِ الٰہی سے ڈرایا مگر انھوں نے کہا:

قرآن ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ (اَلْعَنْكَبُوْت۔۲۹: ۲۹)

ترجمہ ہم پر عذاب لے آ اگر تو سچا ہے۔

○ قوم کی بیہودہ بات پر حضرت لوط علیہ السّلام نے اپنے رب کو پکارتے ہوئے کہا:

دُعاء رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ (اَلْعَنْكَبُوْت۔۲۹: ۳۰)

ترجمہ اے میرے رب مجھے اس مفسد قوم پر غالب کردے۔ نیز آپؑ نے فرمایا:

دُعاء رَبِّ نَجِّنِي وَ أَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ (اَلشُّعَرَآء۔۲۶: ۱۶۹)

ترجمہ اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو نجات دے اس کام کے وبال سے جو یہ کرتے رہے ہیں۔

فائدہ حضرت لوط علیہ السّلام نے قوم کے جواب میں یوں نہیں کہا کہ لو میں عذاب لا رہا ہوں اب اپنا بندوبست کرلو۔ بلکہ رب کو پکارا۔

○ حضرت یعقوب علیہ السلام کو فراقِ یوسفؑ میں غم ہوا اور آپؑ نے فرمایا:

دعاء إِنَّمَآ أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِيٓ إِلَى اللَّهِ (یُوسُف-۱۲: ۸۶)

ترجمہ میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اللہ تعالیٰ ہی سے کر رہا ہوں۔

فائدہ اگر آپؑ مختارِ کل ہوتے تو مغموم نہ ہوتے بلکہ اپنے کلی اختیار سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیتے اور یوں نہ فرماتے:

قرآن فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ (یُوسُف-۱۲: ۱۸)

ترجمہ سو میرا کام اب صبر ہی اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ ہی مدد کرے۔

○ حضرت یوسف علیہ السلام نے زنانِ مصر کے کید و مکر اور فریب سے بچنے کے لیے اپنے رب کو پکارا:

قرآن رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِيٓ إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَٰهِلِينَ (یُوسُف-۱۲: ۳۳)

ترجمہ اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس کام کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ عورتیں بلا رہی ہیں۔ اور اگر تو ان کے اس مکر و فریب کو مجھ سے دفع نہ کرے گا تو میں انہی کی صلاح کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔ اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ یعنی ربا آپؐ ہی مجھے سنبھالے رکھیے۔ جیسا کہ اب تک سنبھالے رکھا ہے۔ ورنہ مجھ بشر کی کیا بساط ہے کہ ان ترغیبات کے سامنے ثابت قدم رہ سکوں۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ میں ایک تو عصمتِ خداداد کا اظہار ہے۔ دوسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہونے کے باوجود اپنی عصمت پر اعتماد اور ناز نہیں کرتے۔ تو ان کا مختارِ کل ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔

○ جب بنیامین اور ان کے بڑے بھائی مصر میں روک دیے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو بتایا گیا تو فرمایا:

قرآن بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (یُوسُف-۱۲: ۸۳)

ترجمہ ابھی نہیں۔ بلکہ تمہارے لیے تمہارے دل نے ایک بات گھڑلی ہے۔ میں صبر ہی کروں گا جو بہتر ہے۔ اس میں شکایت کی ذرا آمیزش نہیں۔ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ تک پہنچادے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہی ہے بڑا عالم بڑا حکمت والا۔ اسی کو خوب خبر ہے کہ ان میں سے کون کون کس حال میں کہاں کہاں ہے اور وہی جب ملانا چاہیگا تو اپنی حکمت سے اسباب اور تدبیریں بھی ایسی پیدا کرے گا۔ میرا حالِ زار بھی اس پر خوب روشن ہے اور مجھے جو اس ابتلاء میں اسی نے ڈالا ہے وہ بھی کسی حکمت و مصلحت ہی سے ہے۔

○ حضرت یوسف علیہ السلام نے آخری وقت رب سے دعا کی:

دُعاء رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ (یُوسُف-۱۲: ۱۰۱)

ترجمہ اے میرے رب تونے مجھے حکومت بھی دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی دیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں، مجھے دنیا سے اٹھا تو اپنا فرمانبردار بناکر اور مجھے صالحین میں جاملا۔

○ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی امت نے بارگاہِ الٰہی میں اس طرح دعا کی:

دُعاء رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (الْاَعْرَاف-۷: ۸۹)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم میں اور ہماری قوم میں جو جھگڑا آپڑا ہے تو ہی اس کا حق حق فیصلہ کر اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اتفاقاً ایک قبطی مرگیا۔ ایک نادان

اسرائیلی نے اس کی شکایت کر دی حکومتی کارندوں نے آپؑ کا تعاقب کیا۔ کارندوں کے پہنچنے سے پہلے ایک خیر خواہ آدمی پہنچ گیا۔ اس نے کہا: آپؑ کے قتل کے منصوبے بن رہے ہیں اس لیے آپؑ جان بچا کر نکل جائیں۔ تو آپؑ نے جاتے ہوئے رب سے دعا کی:

دعاء رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (اَلْقَصَص۔۲۸: ۲۱)

ترجمہ اے میرے رب! مجھے اس ظالم قوم سے نجات دے۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دورانِ سفر بھوک لگی تو انہوں نے رب سے کھانا مانگتے ہوئے عرض کی:

دعاء رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (اَلْقَصَص۔۲۸: ۲۴)

ترجمہ اے میرے رب! تو جو نعمت بھی مجھے دیدے میں اس کا حاجت مند ہوں۔

فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی دعاء میں اپنی محتاجی اور فقر کا اظہار کیا ہے۔ جبکہ مختارِ کل اس طرح اپنی محتاجی اور فقر کا اظہار نہیں کرتا۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ (طٰهٰ۔۲۰: ۲۴)

ترجمہ تم فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کی:

دعاء رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ (طٰهٰ۔۲۰: ۲۵ تا ۳۵)

ترجمہ اے میرے رب میرا حوصلہ مزید فراخ کردے اور میرا کام مجھ پر آسان کردے اور میری زبان سے تنگی اور لکنت دور کردے۔

تاکہ لوگ میری بات خوب سمجھ سکیں اور میرے گھر والوں میں سے ایک معاون مقرر کر دے یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں۔ میری قوت کو ان کے ذریعے سے مضبوط کر دے اور ان کو میرے اس تبلیغی کام میں شریک کر دے تاکہ ہم دونوں مل کر دعوت و تبلیغ کے وقت فرعونیوں کے سامنے شرک اور نقائص سے آپ کی خوب کثرت کے ساتھ پاکی بیان کریں۔ اور اُن کے سامنے آپ کے اوصافِ کمال کا خوب کثرت کے ساتھ ذکر کریں۔ بیشک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں اور ہماری احتیاجی سے خوب واقف ہیں۔

فائدہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام مختارِ کل ہوتے تو اس دعاء کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ خود ہی اپنا اختیار استعمال کر کے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب چن لیتے۔

○ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو قوم بنی اسرائیل میں یہ کہہ کر چھوڑ گئے:

قرآن اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ (الْاَعْرَافِ-۷: ۱۴۲)

ترجمہ بھائی! میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی روش پر نہ چلنے لگنا۔ لیکن سامری نے اس قوم کو گمراہ کر دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

قرآن وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ (طٰہٰ-۲۰: ۸۵)

ترجمہ اور سامری نے انھیں گمراہ کر دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قرآن فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِیَ (طٰہٰ-۲۰: ۸۸)

ترجمہ اس سامری نے ان لوگوں کے لیے ایک گوسالہ (بچھڑا بنا کر) نکالا کہ وہ ایک قالب (دھڑ) تھا۔ جس میں بچھڑے کی سی آواز تھی۔ سو کچھ لوگ

آپس میں کہنے لگے کہ یہی تو ہے تمہارا بھی اور موسیٰ کا بھی الہ۔ سو موسیٰ تو اسے بھولے سے چھوڑ چھاڑ کر طور پر چلے گئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو بہتیرا سمجھایا اور کہا:

قرآن یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ (طٰهٰ-۲۰: ۹۰)

ترجمہ اے میری قوم تم اس بچھڑے کی وجہ سے ابتلاء میں پڑ گئے ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب تو الرحمٰن ہے۔ سو تم میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ مگر قوم نے آپ کی اس اصلاحی تقریر پر کچھ کان نہ دھرا۔ الٹا طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ اور:

قرآن قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى (طٰهٰ-۲۰: ۹۱)

ترجمہ وہ کہنے لگے ہم تو اسی بچھڑے کی عبادت پر جمے رہیں گے تا آنکہ موسیٰ ہماری طرف لوٹ آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا:

قرآن فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ (طٰهٰ-۲۰: ۸۵)

ترجمہ آپ کی قوم کو تو ہم نے آپ کے بعد ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ انھیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔

قرآن فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا (طٰهٰ-۲۰: ۸۶)

ترجمہ موسیٰ علیہ السلام غیرتِ دینی کی بنا پر غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے قوم کے پاس آ کر قوم کو بھی ڈانٹا اور اپنے بھائی ہارون کے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے اور فرمایا:

قرآن مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ (طٰهٰ-۲۰: ۹۲ و ۹۳)

ترجمہ: اے ہارون! تمھیں کونسا امر مانع ہوا اس بات سے کہ میرے پاس چلے آتے۔ جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ بھٹک گئے ہیں، تو کیا تم نے میرے کہے کے خلاف کیا۔ ہارونؑ نے فرمایا:

قرآن: اِبْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (الاعراف۔۷: ۱۵۰)

ترجمہ: اے میرے ماں جائے! قوم کے لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ہی ڈالیں۔ سو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسواؤ اور مجھے ان ظالم لوگوں کے زمرے میں داخل نہ کرو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صحیح صورت کا علم ہوگیا تو فوراً موسیٰ کلیم اللہ استغفار اور مناجات میں مشغول ہوگئے اور رب کے حضور عرض کی:

دعا: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الاعراف۔۷: ۱۵۱)

ترجمہ: اے میرے رب مجھ سے اور میرے بھائی سے درگزر فرما اور ہم دونوں کو اپنی رحمتِ خاص میں داخل کر اور تُو سب رحم کرنے والوں میں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے تو استغفار اس امر پر کی کہ غیرتِ توحید سے بے خود ہو کر قبل از تحقیق حضرت ہارون علیہ السلام پر اتنی سخت گیری کیوں شروع کر دی تھی۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے استغفار اس امر پر کی کہ دفعِ فتنہ پر پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے۔ نیز اس لیے بھی کہ وہ اس سے خوش ہوجائیں اور اس لیے بھی کہ ان پر سے شماتت اور جگ ہنسائی دفع ہوجائے۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کی شدید کارروائیوں سے تنگ آ کر رب کے حضور دعا کی:

دعا رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ

(یونس-۱۰: ۸۸)

ترجمہ اے ہمارے رب تُو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ تجمل اور طرح طرح کے مال دُنیوی زندگی میں دیے ہی تھے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ انھوں نے لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کیا۔ اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست و نابود کردے اور ان کے دلوں کو اور زیادہ سخت کردے سو یہ ایمان نہ لائیں۔ یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔

○ فرعون نے کہا:

قرآن ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْيَدْعُ رَبَّهٗ (المؤمن ۴۰: ۲۶)

ترجمہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور یہ اپنے رب کو پکارے پھر دیکھیں کہ وہ عتاب سے اسے کیونکر بچا لیتا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا:

دعا اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ

(المؤمن ۴۰: ۲۷)

ترجمہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں ہر بڑائی مارنے والے سے جو روزِ حساب پر یقین نہیں رکھتا

فائدہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے قول کے بعد۔ مذ مخض ور ... یوں نہیں فرمایا کہ اے فرعون! تو کیا کر سکتا ہے میری ... کو تہس نہس کرنا میرے اختیار میں ہے۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہمراہ کوہِ طور پر لے جانے کے لیے اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کیے۔ پھر طور پر جا کر انھوں نے گستاخی کی اور

اللہ تعالیٰ کی ذات کو عیاناً دیکھنے پر اصرار کیا تو انھیں زلزلہ نے آپکڑا، تو موسیٰ علیہ السلام نے رب کے حضور عرض کی:

دعاء رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ۚ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۚ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۚ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ (الاعراف-۷: ۱۵۵)

ترجمہ اے میرے رب! اگر تجھے یہی منظور تھا تو تُو نے اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کردیا ہوتا۔ تو کیا تُو ہمیں اس حرکت پر ہلاک کردے گا جو ہم میں سے چند بے وقوفوں نے کی۔ یہ تو بس تیری طرف سے ایک آزمائش ہے۔ تُو جس کو چاہے گمراہی میں ڈالے رکھے اور جس کو چاہے ہدایت کی توفیق دے تُو ہی ہمارا کارساز ہے۔ ہماری مغفرت کر۔ ہم پر رحم کر اور تُو ہی بہترین مغفرت کرنے والا ہے۔

فائدہ دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں کس طرح اظہارِ عجز کررہے ہیں۔ بھلا مختارِ کل بھی ایسی عاجزی اور فروتنی کرتا ہے؟

○ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہلِ مقدمہ بجائے دروازہ سے آنے کے عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر حجرہ میں داؤد علیہ السلام کے پاس آگئے تو اہلِ مقدمہ کے یوں بے اجازت اور ناوقت آنے سے فطری طور پر حضرت داؤد علیہ السلام کو ہراس پیدا ہوا کہ کہیں یہ کوئی خونی اور ڈاکو تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن فَفَزِعَ مِنْهُمْ (ص-۳۸: ۲۲)

ترجمہ پھر وہ داؤد علیہ السلام ان سے گھبرا گئے تو اہلِ مقدمہ نے کہا:

قرآن لَا تَخَفْ (ص-۳۸: ۲۲)

ترجمہ ہمارے اس طرح بے قاعدہ اور بے وقت آنے سے آپ ڈریے

نہیں۔ ہم دشمن نہیں۔ دوست اور خیر خواہ ہیں۔ آپؑ کی رعایا ہیں۔ ایک مقدمہ لے کر آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

○ پھر آپؑ نے ضعیف کی بات سننے کے بعد دوسرے فریق کی بات نہ سنی اور جلدی سے دوسرے پر ظلم کا حکم صادر فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصور پر حضرت داؤد علیہ السلام کو کہا کہ واقعی ضعیف کی امداد تو کرو لیکن تفتیش کے بعد اور قواعد البیّنہ کے مطابق۔ کیونکہ:

حدیث اَلْبَيِّنَةُ لِلْمُدَّعِيْ وَ الْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ

ترجمہ مدعی کے ذمے گواہ پیش کرنے ہیں اور گواہ نہ ہونے کی صورت میں منکر سے قسم لی جا سکتی ہے) ایک خدائی قانون ہے۔

○ ان سب باتوں کو دیکھ کر حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں توبہ کی۔ اور اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح محفوظ فرمایا:

قرآن ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ (صٓ-۳۸: ۲۴)

ترجمہ داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے اس لیے انھوں نے اپنے رب کے سامنے استغفار کی اور توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے آگے جھک گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ (صٓ-۳۸: ۲۵)

ترجمہ سو ہم نے اسے معاف کر دیا۔

○ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

دعاء رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ (اَلنَّمْل-۲۷: ۱۹)

ترجمہ اے میرے رب! مجھے اس پر مداومت دے کہ میں تیری نعمتوں کا

شکر ادا کیا کروں جو تُو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں اور اس پر بھی مداومت دے کہ میں نیک کام کیا کروں جس پر تُو راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت سے داخل رکھ نیک بندوں میں اور کبھی بھی اس نعمتِ قرب کو بُعد سے تبدیل نہ کر۔

○ حضرت سُلیمان علیہ السلام کسی امتحان میں مبتلا ہوئے، ان کو تنبہ ہوا جس پر فوراً توبہ استغفار کیا اور عرض کی:

دُعاء رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِيٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ (صٓ-۳۸: ۳۵)

ترجمہ اے میرے رب! میرا قصور معاف کر اور مجھے ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو بیشک تُو بڑا دینے والا ہے۔

○ اسی طرح حضرت ذوالنون یونس علیہ السلام وحیِ الٰہی کی انتظار کیے بغیر دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر قیاس کرکے اس خیال سے شہر سے نکل گئے کہ ان منکرین پر عذاب آنے والا ہے اس لیے میں ابھی سے نکل جاؤں۔ دریا میں کشتی پر سوار ہوگئے۔ کشتی والوں نے ان کو دریا میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے:

قرآن فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ (اَلصّٰفّٰت-۳۷: ۱۴۲)

ترجمہ مچھلی نے انھیں نگل لیا۔

○ حضرت یونس علیہ السلام نے سمجھا کہ میں چونکہ ترکِ عزیمت کا مرتکب ہوا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے شہر سے نکلا ہوں یہ مجھ سے قصور ہوگیا اور کوتاہی کر بیٹھا ہوں اس لیے مچھلی کے پیٹ ہی میں اللہ تعالیٰ کو پکارا:

دُعاء لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّٰلِمِينَ (اَلانبیاء-۲۱: ۸۷)

ترجمہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں تُو ہی سب نقائص سے پاک ہے۔ واقعی میں ہی قصور وار ہوں کہ میرے منصب کے مناسب وحیِ الٰہی کا انتظار کرتا تھا

اور میں بغیر اس انتظار کے نکل کھڑا ہوا۔

فائدہ آپ اپنے اوپر ظالم کا اطلاق اسی معنے میں کر رہے ہیں کہ عزیمت اور افضلیت کو ترک کیا۔ ہر نعمت ایک خاص مقام عبودیت کو مقتضی ہوتی ہے اور ایک خاص درجہ ادائے حقوق کا چاہتی ہے اس درجہ اور مرتبہ کے ادائے حقوق میں کمی یا کوتاہی رہ جانا ظلم ہے۔ آپ اپنے حق میں ظلم کا اطلاق اسی معنے میں کر رہے ہیں۔ بہر حال ظلم کلی مشکک ہے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے۔ جس پر انبیاء کرام علیہم السلام اطلاق کرتے ہیں اور اس درجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ استغفار کرتے ہیں۔ اور ایک ظلم وہ ہے جو انتہاء کو پہنچا ہوا ہے جس سے اوپر کوئی درجہ ظلم کا نہیں ہے اور وہ ہے کفر و شرک جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قرآن إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لُقْمٰن۔۳۱: ۱۳)

ترجمہ اس میں کچھ شک نہیں کہ شرک بڑا بھاری ظلم ہے کہ اس کے سامنے سارے ظلم ہیچ ہیں۔

ظلم کے معنے: حضرت میر سید سند رحمہ اللہ تعالیٰ نے "التعریفات" میں ظلم کے معنے لکھے ہیں: وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ یعنی کسی شے کو اس کے خلاف محل میں رکھنا۔ اور شرک میں اس کا ظہور کامل ترین صورت میں ہوتا ہے۔ اور اس کے نیچے ظلم کے بے شمار انواع و اقسام و افراد ہیں۔

○ حضرت ایوب علیہ السلام کو تکلیف ہوئی تو اس تکلیف میں انھوں نے اپنے رب ہی کو پکارا:

قرآن أَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الْأَنْبِيَآء۔۲۱: ۸۳)

ترجمہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے سو تو میری تکلیف کو بھی دور کر دے۔

○ اور ایک جگہ آیا کہ آپ نے یہ دعا بھی فرمائی:

دُعاء اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ (صٓ-۳۸:۴۱)

ترجمہ شیطان نے مجھے رنج و آزار پہنچایا۔ یعنی مجھے آلام دماغی و جسمانی میں مبتلا کر دیا۔

○ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے اولاد مانگی:

دُعاء رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ (الانبیآء-۲۱:۸۹)

ترجمہ اے میرے رب مجھ کو اکیلا یعنی بے اولاد نہ چھوڑ اور یوں تو تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے۔ نیز آپؑ نے دعا کی:

دُعاء رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ (اٰلِ عمران-۳:۳۸)

ترجمہ اے میرے رب اپنی جناب سے مجھ کو بھی نیک اولاد عطا فرما کیونکہ سب کی دعائیں سننے والا تو ہی ہے۔ نیز فرمایا:

دُعاء رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ﴿۴﴾ وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ﴿۵﴾ یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿۶﴾ (مریم-۱۹:۴-۶)

ترجمہ اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی آگ سے بھڑک اٹھا۔ اور اے میرے رب تیری جناب میں دعاء کر کے میں کبھی محروم نہیں ہوا اور اپنے مرنے کے بعد مجھ کو اپنے بھائی بندوں سے خوف ہے کہ کہیں میرے بعد دین میں کچھ خرابی نہ ڈالیں۔ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ پس اپنی طرف سے مجھ کو ایک جانشین یعنی فرزند عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور نسل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ یعنی دین کو سنبھالے۔ اور اے میرے رب اس کو مقبولِ خاص و عام بھی کر۔

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کو بھی علم تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اتنا اختیار نہیں کہ آسمان سے مائدہ اتاریں اس لیے عیسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں:

قرآن: هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ (المآئدۃ-۵: ۱۱۲)

ترجمہ: کیا تیرے رب سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے۔

○ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

قرآن: اِتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (المآئدۃ-۵: ۱۱۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم میں ایمان ہے۔

○ یعنی بلا ضرورت خرقِ عادت کی طلب و فرمائش آدابِ ایمانی کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ ایسے معجزات تعیین کے ساتھ طلب کرنا تحکّم اور تعنّت کے مترادف ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ آزمائے، کہ میرا کہا مانتا ہے یا نہیں۔

○ حواریین نے کہا کہ:

قرآن: نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (المآئدۃ-۵: ۱۱۳)

ترجمہ: سوال سے ہماری غرض بے ادبی نہیں اور نہ محض معجزہ بجھنے کی حیثیت سے ہے۔ بلکہ مقصود صرف اس قدر ہے کہ ہم اس آسمانی غذا سے کچھ کھائیں اور اس سے لذت و برکت حاصل کریں۔ اور اپنے دلوں کو مطمئن کرلیں۔ یعنی اس خرقِ عادت کے مشاہدہ سے ہمارا ایمان مزید ترقی حاصل کرے اور مزید یقین کرلیں کہ آپؑ ہم سے سچ بولتے ہیں اور آپؑ اپنے دعوئ نبوت میں بالکل سچے ہیں اور اس کے بعد ہم دوسروں کے سامنے بھی گواہی دے سکیں کہ ہاں ہم نے خود اپنی آنکھوں سے ایسا معجزہ دیکھا ہے۔ اور اس طرح ان کی ہدایت کا ذریعہ بھی بن جائے۔

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھ لیا کہ حواریوں کی غرض فاسد نہیں تو اب ان کے فرمائشی معجزہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء و مناجات کی:

دعاء اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (اَلْمَآئِدَةُ-۵: ۱۱۴)

ترجمہ اے اللہ تعالیٰ ہمارے رب ہمارے لیے ایک خوان (طعام) آسمان سے ایسا اتار دے کہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں کے لیے ایک عید اور جشن بن جائے اور تیری طرف سے ایک نشان ہوجائے۔ تُو ہمیں عطا کر تیرے سوا کوئی روزی دینے والا نہیں۔ کیونکہ تو آپ ہی ہے بہترین عطا کرنے والا۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب امام الانبیاء افضل الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائیں سکھائیں کہ مجھ سے اس طرح اور ان الفاظ میں دعا کیا کریں:

دعاء اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

ترجمہ اے اللہ! ہمیں اسی سیدھی راہ پر پختہ رکھ جو ان بزرگوں کی راہ ہے جن پر تو نے ربطِ قلب والا انعام فرمایا۔ اور ان لوگوں کی راہ سے دور رکھنا جن پر مہر جباریت لگنے سے تیرا غضب نازل ہوا۔ اور ان لوگوں کی راہ سے بھی دور رکھنا جو صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں۔

دعاء قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ، وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ، بِيَدِكَ الْخَيْرُ ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اٰلِ عِمْرٰن-۳: ۲۶)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ ان الفاظ میں مجھ سے دعا مانگا کریں کہ اے سارے ملکوں کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے دے اور تو جس سے چاہے حکومت چھین لے۔ اور تو جسے چاہے اپنی حکومت کاملہ کے مطابق عزت دے اور تو جسے چاہے اس کی پاداشِ عمل میں ذلت

دے۔ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تو ہر ہر چیز پر قادر ہے۔ نیز فرمایا:

دعاء قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (الزُّمَر-۳۹: ۴۶)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ یوں دعاء کیا کریں کہ اے اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا جن امور میں یہ اختلاف کرتے رہتے تھے۔

○ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے پہلے یہ دعاء سکھائی کہ:

دعاء وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (بَنِيْ اِسْرَآءِيْل-۱۷: ۸۰)

ترجمہ اور آپ یوں کہتے رہیں کہ اے میرے مالک مجھے پہنچائیو پہنچانے کے وقت اور پہنچانے کی جگہ خوبی کے ساتھ اور مجھے مکہ سے نکالتے وقت بھی خوبی کے ساتھ نکالیو اور مجھے اپنے پاس سے غلبہ دیجیو اپنی نصرت کے ساتھ ملا ہوا۔

دعاء وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (اَلْمُؤْمِنُوْن-۲۳: ۱۱۸)

ترجمہ اور آپ یوں کہیے کہ اے میرے مالک میری مغفرت کر اور مجھ پر رحم کر اور تُو تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔

دعاء وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (اَلْمُؤْمِنُوْن-۲۳: ۹۷ و ۹۸)

ترجمہ اور آپ یوں کہیے کہ اے میرے مالک میں تیری پناہ میں آتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے اور اے میرے مالک میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ وہ شیطان میرے پاس بھی آئیں۔

دعاء قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ

الظّٰلِمِيْنَ (اَلْمُؤْمِنُوْنَ-۲۳: ۹۳-۹۴)

ترجمہ آپؐ مجھ سے دعا کرتے ہوئے اس طرح کہیں کہ: اے میرے رب جس عذاب کا وعدہ ان کافروں سے کیا جارہا ہے اگر وہ آپؐ مجھے دکھادیں تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالموں میں شامل نہ کرنا۔

دُعاء وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰهٰ-۲۰: ۱۱۴)

ترجمہ اور آپؐ کہیے کہ اے میرے مالک بڑھادے میرے علم کو۔

دُعاء قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤ (اَلْفَلَقِ-۱۱۳: ۱-۵)

ترجمہ آپؐ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور اندھیری رات کے شر سے جب رات چھا جائے اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

دُعاء قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ⑥ (اَلنَّاسِ-۱۱۴: ۱-۶)

ترجمہ آپؐ کہیے کہ میں انسانوں کے رب کی' انسانوں کے بادشاہ کی' انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے وسوسے ڈالنے والے شیطان کے شر سے وہی جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

○ اور کتب احادیث میں حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بے شمار دعائیں منقول ہیں اور کلمات استعاذہ و کلمات استغفار ذکر ہیں جو ایسے امور سے متعلق ہیں جو کسبی اور اختیاری نہ ہوں۔

فائدہ یہ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (الأنبياء: ۲۱-۹۰) اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ جتنے پیغمبر ہو گذرے ہیں خواہ ان کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے یا نہیں آیا یہ سب کے سب نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے۔ اور توقع اور ڈر رکھ کر صرف ہم ہی کو پکارا کرتے تھے۔ اور ہمارے سامنے ہی عاجزی کرتے اور دب کر رہتے تھے۔

امم سابقہ کی دعائیں

① حضرت شعیب علیہ السلام کے اصحاب نے کفار کی دھمکیاں سن کر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا۔ جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں کے ضمن میں قبل ازیں گزر چکا ہے کہ انھوں نے ان الفاظ میں دعا کی:

دعاء رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ

② حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے بھی مصائب کے وقت اپنے رب ہی کو پکارا:

دعاء عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (يُونُس-۱۰: ۸۵-۸۶)

ترجمہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔ اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختۂ مشق نہ بنا۔ اور ہم کو اپنی رحمت کے صدقے سے ان کافروں کے شر سے نجات دے۔

③ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے نومسلم جادوگروں نے فرعون کی دھمکی سن کر اپنے رب ہی کو پکار کر کہا:

دعاء رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ (الأعراف-۷: ۱۲۶)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم پر صبر کا فیضان فرما۔ اور ہماری جان حالتِ اسلام پر نکال۔

④ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گوسالہ پرست قوم نے اپنی گوسالہ پرستی پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی اور کہا:

دعاء لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْلَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الْاَعْرَافِ-۷: ۱۴۹)

ترجمہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا یہ گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے اور بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔

⑤ فرعون کی مسلمان بیوی نے بارگاہِ الٰہی میں اس طرح دعا کی:

دعاء رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (اَلتَّحْرِيْم-۶۶: ۱۱)

ترجمہ اے میرے رب میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنا۔ اور مجھ کو فرعون کے شر سے اور اس کے کفریہ اعمال کے ضرر اور اثر سے محفوظ رکھ۔ اور مجھ کو تمام ظالم یعنی کافر لوگوں کے شر سے محفوظ رکھ۔

⑥ حضرت طالوت بادشاہ کی فوج نے کفار کے ساتھ جہاد کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی:

دعاء رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ (اَلْبَقَرَة-۲: ۲۵۰)

ترجمہ اے ہمارے رب! ہم پر صبر کی پچھالیں انڈیل دے اور معرکۂ جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح دے۔

⑦ اسی طرح انبیاء سابقین کی امتیں کافروں کے ساتھ جہاد کرتے وقت اس طرح دعاء کیا کرتی تھیں:

دعاء رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (اٰلِ عِمْرَان-۳: ۱۴۷)

ترجمہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ معاف کر اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہو گئی ہیں ان سے درگزر فرما۔ اور دشمنوں کے مقابلے میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں کے گروہ پر ہم کو فتح دے۔

⑧ ملکہ سبا نے اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح عرض کی:

دعاء رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اَلنَّمْلُ-۲۷: ۴۴)

ترجمہ اے میرے رب میں جو اتنے دنوں سورج کی پوجا کرتی رہی ہوں اس سے میں نے اپنا ہی نقصان کیا۔ اور اب میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہو کر اللہ رب العلمین پر ایمان لائی۔

⑨ اصحاب کہف نے بھی مصیبت کے وقت اپنے رب کو ہی پکارا:

دعاء رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (اَلْكَهْفُ-۱۸: ۱۰)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم پر اپنی جناب سے رحمت نازل فرما۔ اور ہمارے اس ارادے کی کامیابی کے سامان مہیا کر۔

⑩ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی جان اور حضرت عمران علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی نے نذر مانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح عرض کی:

دعاء رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (اٰلِ عِمْرٰن-۳: ۳۵)

ترجمہ اے میرے رب میرے شکم میں جو بچہ ہے اس کو میں دنیا کے کام کاج سے آزاد کر کے تیری نذر کرتی ہوں۔ تو میری طرف سے یہ نذر قبول فرما کیونکہ تو ہی ہے سب کی سننے والا اور سب کی نیتوں کو جاننے والا۔

⑪ پھر جب حضرت مریم علی نبینا و علیہا الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت ہو چکی تو اس طرح دعا کی:

دُعاء إِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ (اٰلِ عِمْرٰن۔۳: ۳۶)

ترجمہ میں نے اس کا نام مریم (عابدہ) رکھا ہے۔ اور اس کو اور اس کی نسل کو شیطان مردود کے اغواء سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

(۱۲) حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں نے اپنے ایمان کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں اس طرح عرض کی:

دُعاء رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (اٰلِ عِمْرٰن۔۳: ۵۳)

ترجمہ اے ہمارے رب تو نے جو انجیل اتاری ہے ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم نے تیرے رسول یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیروی اختیار کی ہے۔ اس لیے تو ہمارا نام بھی ان کی تصدیق کرنے والوں میں لکھ دے۔

عہدِ نبویؐ کے مسلمانوں کی دعائیں

(۱) حبشہ کے بادشاہ نجاشی رحمہ اللہ تعالٰی اور اس کے درباریوں نے اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں اس طرح دعا کی:

دُعاء رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (اَلْمَآئِدَة۔۵: ۸۳)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں اس لیے تو ہمارا نام بھی تصدیق کرنے والوں میں لکھ دے۔

(۲) مکہ مکرمہ میں ہجرت کے بعد جو مسلمان مرد عورتیں اور بچے محبوس و محصور تھے وہ اس طرح دعا کیا کرتے تھے:

دُعاء رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (اَلنِّسَآء۔۴: ۷۵)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی (مکہ) سے باہر نکال جس کے باشندے

سخت ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے اپنی قدرت سے کوئی دوست پیدا کر دے۔ اور ہمارے لیے اپنی قدرت سے کوئی حامی کھڑا کر دے۔

(۳) حج کرنے والے اس طرح دعا کیا کرتے تھے:

دعا: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (اَلْبَقَرَة-۲: ۲۰۱)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی خیر و برکت اور فتح عطا فرما۔ (اولاد دے تو نیک، مال دے تو طیب، جو نیک کاموں میں لگے، اور اس سے جو ہمارا خون پیدا ہو اس کے ذریعے ہم سے نیک کام سرزد ہو۔ علم دے تو نافع، جس پر ہم خود بھی عمل کریں اور اس علم کے ذریعے ہم سے لوگوں کو ہدایت نصیب ہو۔ اور وہ علم نہ دے جو وبالِ جان بنے۔ اور دوسروں کے لیے ہم ضلالت کا موجب بنیں، حکومت دے تو اس میں عدل و انصاف، رعیت پروری، انسدادِ مظالم اور مظلوم کی دادرسی کی توفیق عطا فرما) اور آخرت میں بھی خیر و برکت اور ثواب عطا فرما۔ قبر یعنی برزخ میں بھی آسائش ہو۔ برزخی عذاب سے بھی بچا۔ محشر میں بھی تکالیف سے بچے رہیں۔ ہمارا شمار صالحین کے زمرے میں ہو۔ ہمارا ٹھکانا جنّتِ مأوٰی ہو۔ وہاں پاک لوگوں کی رفاقت نصیب ہو اور عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں آگ کے عذاب سے بچا۔

(۴) عباد الرحمٰن یعنی اللہ کے خاص بندوں کے دعائیں:

دعا: رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا (اَلْفُرْقَان-۲۵: ۶۵-۶۶)

ترجمہ: اے ہمارے رب عذابِ دوزخ کو ہم سے دور رکھ۔ کیونکہ دوزخ کا عذاب بڑی بھاری مصیبت ہے۔ کیونکہ اس عذابِ دوزخ میں تھوڑی دیر ٹھہرنا اور ہمیشہ رہنا دونوں حالتوں میں برا ہے۔

قرآن رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (اَلْفُرْقَان-۲۵: ۷۴)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (راحت) عطا فرما۔ یعنی خانہ داری کے جھگڑے بکھیڑے ہم کو ایذا نہ دیں۔ اور ہم کو شرک سے بچنے والے پیشواؤں کا پیرو کار بنا۔

قرآن رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (۱۰۹:۲۳)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں اس لیے تو ہمارے قصور معاف کر اور ہم پر رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

قرآن سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ (اَلْبَقَرَة-۲: ۲۸۵)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم نے تیرا ارشاد سنا اور تسلیم کیا۔ اے ہمارے رب بس تیری ہی مغفرت درکار ہے۔ اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ۥ وَ اغْفِرْ لَنَا ۥ وَ ارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ (اَلْبَقَرَة-۲: ۲۸۶)

ترجمہ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو ہم کو اس کے وبال میں نہ پکڑ اور اے ہمارے رب جو لوگ ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں (جیسے یہود) جس طرح ان پر تو نے ان کے گناہوں کی پاداش میں سخت احکام کا بوجھ ڈالا تھا ویسا بوجھ ہم پر نہ ڈال۔ اے ہمارے رب اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم کو طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا۔ اور ہمارے قصوروں سے درگزر فرما۔ اور ہمارے گناہ معاف کر اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا حامی و مددگار ہے۔ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

قرآن رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران-۳: ۹)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم کو راہ راست پر لگانے کے بعد ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کر اور اپنی سرکار سے ہم کو رحمت خاصہ کی خلعت عطا فرما۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب وہ دن جس کے آنے میں کسی طرح کا شبہ نہیں تو لوگوں کو اعمال کی جزسزا کے لیے اکٹھا کرے گا تو اس دن ہم پر تیری مہربانی کی نظر ہو۔ بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور اس کا وعدۂ قیامت ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

قرآن رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران-۳: ۱۶)

ترجمہ اے ہمارے رب ہم تجھ پر ایمان لائے ہیں تو ہماری خاطر ہمارے گناہ معاف فرما۔ اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا۔

قرآن رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر-۵۹: ۱۰)

ترجمہ اے ہمارے رب ہمارے اور ہمارے ان مہاجرین و انصار بھائیوں کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں۔ اور جو لوگ پہلے ایمان لاچکے ہیں ان کی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے۔ اے ہمارے رب تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے۔

قرآن رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (الاحقاف-۴۶: ۱۵)

ترجمہ اے میرے رب مجھ کو اس بات کی توفیق دے کہ تو نے جو مجھ پر اور

میرے ماں باپ پر احسانات کیے ہیں تیرے ان احسانات کا شکریہ ادا کرتا رہوں۔ اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو راضی ہو۔ اور میری اولاد میں نیک بختی پیدا کر کے میرے لیے موجبِ راحت ہو۔ میں اپنی تمام حاجتوں میں تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں۔ اور میں تیرے، فرمانبردار بندوں میں سے ہوں۔

قرآن رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۶۶:۸)

ترجمہ اے ہمارے رب ہماری اس روشنی کو ہمارے لیے اخیر تک قائم رکھ اور ہمارے گناہ معاف فرما۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ (اٰل عمران-۳: ۱۹۳-۱۹۴)

ترجمہ اے ہمارے رب یہ جتنی مخلوق ہم دیکھ رہے ہیں تو نے بیکار نہیں بنائی

- جو تیری کمال قدرت پر دلالت نہ کرتی ہو کیونکہ تیری ذات عبث کام کرنے سے پاک ہے۔ ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ اس عالم دنیا کا تو ایک دن خاتمہ ہونے والا ہے۔ اور دوسرے عالم میں نیکی و بدی کی جزا و سزا ملے گی اس لیے ہم نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ عذابِ جہنم سے بچا۔ اے ہمارے رب ہمیں اس بات کا یقین کامل ہے کہ جس کو تو نے دوزخ میں داخل کردیا اس کو تو نے بہت ہی خوار کیا۔ اور ہمیں اس بات پر بھی پورا یقین ہے کہ آخرت میں مشرکوں کا تو کوئی بھی سفارشی اور عذاب سے بچانے والا نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب ہم تو نہ ظالم ہیں اور نہ مشرک۔ ہم نے تو ایک منادی کرنے والے یعنی حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ندا سنی ہے۔

جو لوگوں کو یہ کہ کر ایمان کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم دوسرے معبودانِ باطلہ کو چھوڑ کر صرف اپنے رب کو معبود مان لو۔ سو ہم نے اس منادی کی دعوت کو سن کر قبول کرلیا۔ اور فوراً اس پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! اس ایمان کے وسیلے سے ہمارے قصور معاف فرما۔ اور ہم پر سے ہمارے گناہوں کو دور فرمادے۔ اور ہمیں نیکوں میں شمار کرکے خاتمہ بالخیر فرما۔ اے ہمارے رب ہمیں وہ نصرت اور ثواب اور دیگر وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا تھا۔ اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا۔ کیونکہ تُو تو کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ماں باپ کے حق میں اولاد کی دعاء

قرآن رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا (بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ-١٧: ٢٤)

ترجمہ اے میرے رب میرے ان والدین پر رحمت فرما جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا اور پرورش کی۔

فرشتوں کی دعاء

قرآن رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَ مَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (اَلْمُؤْمِنُ-٤٠: ٧-٩)

ترجمہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم سب چیزوں پر حاوی ہے تو جو لوگ (تیری جناب میں) توبہ کرتے اور تیرے دین کے رستے پر

چلتے ہیں ان کو بخش دے۔ اور نیز ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

بزرگوں سے دعاء کروانا

○ انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتیں بھی سمجھتی تھیں کہ ہمارے نبی مختارِ کل نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے در کے سوالی۔ اگر ان امتوں کو ضرورت پڑتی تو اپنے پیغمبر کو کہتیں کہ ہمارے لیے اپنے رب کو پکارو کہ وہ ہماری مشکل آسان کردے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سے دعا کروائی اور کہنے لگے:

قرآن یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا (اَلْبَقَرَۃُ۔۲:۶۱)

ترجمہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم سے ایک ہی طرح کے کھانے پر کبھی صبر نہ ہوسکے گا اس لیے آپ اپنے مالک سے ہماری خاطر دعا کریں کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار ساگ ککڑی گیہوں یا لہسن مسور اور پیاز پیدا کرے۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا:

قرآن اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً (اَلْبَقَرَۃُ۔۲:۶۷)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔

○ اس پر انھوں نے اپنے پیغمبر سے کچھ سرسری گفتگو کے بعد کہا:

قرآن اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ (اَلْبَقَرَۃُ۔۲:۶۸)

ترجمہ اپنے مالک سے دعا کرکے ہم کو بتلائیے کہ وہ گائے کیسی ہو۔ اسی طرح اور بھی دو سوال کیے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

اِنَّهٗ یَقُوْلُ (اَلْبَقَرَۃُ۔۲:۶۸۔۶۹۔۷۱) کہ وہ اللہ فرماتا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

① اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال کرتے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے جواب نہ دیتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار فرماتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آگئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بتا دیتے تھے۔ مثلاً:

① يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ (البقرۃ-۲: ۱۸۹) تجھ سے چاندوں کی بابت پوچھتے ہیں۔ یعنی گھٹتے بڑھتے کیوں ہیں تو آپ نے اپنی رائے سے اس کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (البقرۃ-۲: ۱۸۹)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ ان کے سوال کا جواب اس طرح دیں کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کا یہ فائدہ ہے کہ لوگوں کو وقت معلوم ہو اور حج کے لیے شناختِ اوقات کا ذریعہ ہے۔ نیز:

② يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ (البقرۃ-۲: ۲۱۵)

③ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ (البقرۃ-۲: ۲۱۷)

④ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (البقرۃ-۲: ۲۱۹)

⑤ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامٰى (البقرۃ-۲: ۲۲۰)

⑥ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ (البقرۃ-۲: ۲۲۲)

⑦ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ (المآئدۃ-۵: ۴)

⑧ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ (الانفال-۸: ۱)

⑨ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ (طٰہٰ-۲۰: ۱۰۵)

⑩ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ (بنی اسرائیل-۱۷: ۸۵)

⑪ يَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ (الکہف-۱۸: ۸۳)

○ ان سب سوالوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلادیا، جو قرآن مجید میں محفوظ ہے۔

○ اور بسا اوقات آپ سے ایسا سوال کیا جاتا جس کے جواب میں آپ کو من جانب اللہ کہا جاتا کہ اس کا علم صرف رب کو ہے۔ مثلاً:

سوال یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا (الْاَعْرَاف-۷: ۱۸۷)

ترجمہ یہ لوگ آپ سے قیامت کی بابت دریافت کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جواب قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ (الْاَعْرَاف-۷: ۱۸۷)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ اس کا علم تو بس میرے رب ہی کے پاس ہے۔

سوال یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا (۷: ۱۸۷)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ سے اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ کرید کرید کر اس کی تحقیق پوری کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اس طرح سکھایا:

جواب قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۷: ۱۸۷)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ ان کفار کو اس طرح جواب دیں کہ اس قیامت کا علم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہ اتنی موٹی بات بھی نہیں جانتے کہ وقتِ قیامت کا تفصیلی علم ہرگز لازمۂ نبوت نہیں۔ اسی طرح:

سوال یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ

جواب قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (الْاَحْزَاب-۳۳: ۶۳)

سوال یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا

جواب فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (النّٰزِعٰت-۷۹: ۴۲-۴۳)

ترجمہ بھلا تجھ کو اس کے ذکر سے کیا فائدہ؟ کہیں یہ بات معلوم ہو سکتی ہے۔ قیامت کا علم تو تیرے مالک ہی پر جا کر ٹھیرتا ہے۔ یعنی پوچھتے پوچھتے اسی تک پہنچتا ہے بیچ میں سب بے خبر ہیں۔

یہ کہ مختارِ کل صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق میں سے کوئی ایک بھی مختارِ کل نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ مخصوص صفت کسی کو عطا فرمائی ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی اللہ تعالیٰ کا مقرب ہو۔ صفی اللہ ہو' نجی اللہ' خلیل اللہ ہو' کلیم اللہ ہو' کلمۃ اللہ ہو' حبیب اللہ ہو۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بلکہ :

○ عام مسلمانوں سے لیکر مقرب ترین ہستی تک سبکے سب اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور انکساری کے ساتھ ہاتھ پھیلا پھیلا کر درخواستیں کرتے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ قبول کرے یا نہ کرے۔ مثلاً :

① علمِ نافع کے حصول ② شرحِ صدر
③ اصلاحِ قلب اور اصلاحِ نفس ④ لکنت دور کرنے
⑤ حلِ مشکلات ⑥ دفعِ بلیات
⑦ نیک و صالح اولاد کے حصول ⑧ بیوی کا بانجھ پن دور ہونے
⑨ نیک ارادے میں حصولِ کامیابی ⑩ ظالموں سے بچاؤ
⑪ دشمن پر فتح پانے ⑫ عادلانہ حکومت ملنے
⑬ دینی عزت کے حصول ⑭ رزقِ حلال حاصل کرنے
⑮ اچھی جگہ منتخب کرنے ⑯ ایمان پر موت واقع ہونے
⑰ قبولیتِ دعاء ⑱ تبلیغی کام میں اپنا امدادی مانگنے
⑲ کفر و شرک' وساوسِ شیطانیہ اور ہر برائی سے بچنے
⑳ بھول چوک اور خطاؤں کی معافی مانگنے
㉑ ماں باپ' بیٹا' چچا اور دیگر اقارب اور دوستوں کے حق میں دعاءِ مغفرت
㉒ عذابِ قبر اور جہنم سے بچنے کیلئے ۔۔۔۔۔ اور :
㉓ دیگر ہر قسم کے مافوق الاسباب امور میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے۔ بلکہ :

خواص یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاءِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ تو ماتحت الاسباب امور میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔

- کسی بڑے سے بڑے مقرب الٰہی نے اس طرح نہیں کہا کہ:
  - (ا) مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب کاموں کا اختیار دیا گیا ہے۔
  - (ب) چیزوں کے حلال و حرام کرنے میں مجھے اختیار دیا گیا ہے۔
  - (ج) میں پاپیوں کے گناہ معاف کر سکتا ہوں۔ وغیرہ۔
- اب اگر یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب اختیارات حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی امام کو دیدیے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزانہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا مانگنا ایک بے معنی سی بات ہوگی۔
- بہرحال دعا مانگنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مخلوق کا ہر ہر فرد عاجز اور اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ مخلوق میں سے ایک فرد بھی اس معنی میں مختارِ کُل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام طاقتیں دے رکھی ہیں۔
- جس طرح دعا مانگنا مختارِ کُل نہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔ اسی طرح اور کئی ایسے امور ہیں جن کے پیشِ نظر قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق میں سے کوئی ایک فرد بھی ذاتی یا عطائی طور پر تکوینی یا تشریعی امور میں مختارِ کُل نہیں۔ کیونکہ:

مختارِ کُل سفارشی نہیں ہوسکتا

- مختارِ کُل کسی کے آگے سفارش کا ہاتھ نہیں پھیلاتا بلکہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے متفقہ عقیدہ ہے کہ آپؐ شفیع المذنبین ہیں' اور شفاعتِ کبریٰ تو آپؐ کے لیے مخصوص ہے۔ اور اس پر شیعہ اور معتزلہ کے سوا تمام اُمت کا اجماع ہے۔ لیکن آپؐ کو مختارِ کُل ماننے سے اس کا انکار لازم آئے گا۔ جس کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔

مختارِ کُل کو کوئی روک نہیں سکتا

مختارِ کُل کو کسی کام سے کوئی روک نہیں سکتا' ورنہ وہ مختارِ کُل نہیں رہتا۔

اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے کئی باتوں سے روکا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم و حوا کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (اَلْبَقَرَةُ-۲: ۳۵)

ترجمہ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم دونوں نقصان پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

○ پھر جب بھولے سے کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ (اَلْاَعْرَافُ-۷: ۲۲)

ترجمہ کیا ہم نے تم کو اس درخت کے کھانے سے روکا نہیں تھا۔

○ اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اَلْاَنْعَامُ-۶: ۵۶ و اَلْمُؤْمِنُ-۴۰: ۶۶)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپ ان لوگوں سے فرمادیں کہ مجھ کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان معبودوں کی عبادت کروں جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا حاجت پڑنے پر بلاتے ہو۔

قرآن وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ (۱۸: ۲۸)

ترجمہ اور اس شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔ اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔

قرآن وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ (۳۳: ۴۸)

ترجمہ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں اور انکی اذیت رسانی کا خیال نہ کریں۔

قرآن فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨ وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ⑩ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ⑪ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ⑫ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ⑬ (اَلْقَلَمُ-۶۸: ۸ تا ۱۳)

ترجمہ پس آپ تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانیے۔ یہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں

یہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ آپؐ ڈھیلے پڑجائیں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور آپؐ ایسے شخص کا بھی کہنا نہ مانیں جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل ہے۔ طعنہ باز ہے چلتا پھرتا چغل خور ہے' نیک کام سے روکنے والا ہے' سخت گنہگار ہے' بدمزاج ہے' اس کے بعد بدنصیب بھی ہے۔

قرآن فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (الدّھر-۷۶: ۲۴)

ترجمہ پس آپؐ اپنے رب کے حکم پر مستقل رہیں اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آئیں۔

قرآن وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام-۶: ۱۱۶)

ترجمہ اور جو لوگ زمین پر آباد ہیں ان میں سے اکثر کا کہنا اگر آپؐ ماننے لگیں تو وہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا کر رہیں گے کیونکہ دنیا کی اکثریت تو منکروں اور گمراہوں ہی پر مشتمل ہے۔

مختارِ کل کسی دوسرے کا محکوم اور مامور نہیں ہوتا

- مختارِ کل کسی دوسرے کا محکوم اور مامور نہیں ہوتا اور مخلوق میں سے ہر چیز محکوم اور مامور ہے حتیٰ کہ فرشتے اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی۔ چنانچہ:
- فرشتوں کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قرآن لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۶۶: ۶)

ترجمہ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اسے فوراً بجالاتے ہیں۔

- اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت شریعت (تورات) اور ہم کلامی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا:

قرآن فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (الْاَعْرَاف-۷: ۱۴۴)

ترجمہ سو اب لو جو کچھ میں نے تم کو عطا فرمایا ہے اور شکر گزاروں میں سے رہو۔ نیز فرمایا

قرآن فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا (۷: ۱۴۵)

ترجمہ ان مسائل اور احکام دین کو قوت اور مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے اچھے اچھے احکام کو لازم کرلیں۔ یعنی اے موسیٰ کوشش اور اہتمام کے ساتھ ان پر عمل کرو۔

○ ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے اعلان کروایا:

قرآن قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الْاَنْعَام-۶: ۱۴)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپ فرما دیجیے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور یہ کہ تم کہیں مشرکوں میں نہ ہو جانا۔

قرآن وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ (الْاَنْعَام-۶: ۷۱ و ۷۲)

ترجمہ اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ سارے جہانوں کے رب کے پورے مطیع ہو جائیں اور یہ کہ نماز کے پابند رہیں اور اسی سے ڈرتے رہیں۔

قرآن خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (۷: ۹۹)

ترجمہ درگزر اختیار کیجیے اور نیک کام کا حکم دیتے رہیے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کیجیے۔

قرآن وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (۷: ۲۰۰)

ترجمہ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجیے۔

قرآن وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ (طٰهٰ-۲۰: ۱۳۲)

ترجمہ اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے روزی نہیں چاہتے۔ روزی ہم خود تم کو دیتے ہیں۔

قرآن لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (الْاَنْعَامِ-٦: ١٦٣)

ترجمہ اس (اللہ تعالیٰ) کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں' نہ بہ حیثیت اقنوم نہ بہ حیثیت مظہر' نہ اور کسی حیثیت سے۔ اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے بہ حیثیت فرد بھی اور بہ حیثیت نبی بھی۔ یعنی اس دین کو میں خود بھی اختیار کروں اور اس کی دعوت دوسروں کو بھی دوں اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں۔

قرآن وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (اَلنَّمْلُ-٢٧: ٩١)

ترجمہ اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں رہوں۔

○ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ اس طرح کہیں:

قرآن وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (يُوْنُسَ-١٠: ١٠٤)

ترجمہ اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں بھی ایمان والوں میں ہوں۔

قرآن قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَآ اُشْرِكَ بِهٖ (اَلرَّعْدُ-١٣: ٣٦)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرما دیجیے کہ مجھے تو بس اس کا حکم ملا ہے کہ میں ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کا شریک کسی کو نہ کروں۔

قرآن وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ (اَلزُّمَرُ-٣٩: ١٢)

قرآن وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (اَلْمُؤْمِنُ-٤٠: ٦٦)

ترجمہ اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں صرف رب العلمین کے آگے گردن جھکاؤں۔

قرآن قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (اَلزُّمَرُ-٣٩: ١١)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرما دیں کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت خالص اسی کی پکار کرتے ہوئے کروں۔

قرآن إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا
(اَلنَّمْلَ-۲۷: ۹۱ و ۹۲)

ترجمہ مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں عبادت کروں اس شہر کے مالکِ حقیقی کی جس نے اسے محترم بنایا ہے اور سب چیزیں اسی کی ملک ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرماں بردار رہوں۔

قرآن وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (اَلشُّوْرٰی-۴۲: ۱۵)

ترجمہ اور مجھے حکم ملا ہے کہ اپنے اور تمہارے درمیان انصاف کروں۔

قرآن وَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ (اَلشُّوْرٰی-۴۲: ۱۵)

ترجمہ اور دینِ حق پر قائم رہیں جس طرح آپؐ کو حکم ملا ہے اور ان کفار کی خواہشوں پر نہ چلیں۔

قرآن فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (اَلْحِجْر-۱۵: ۹۴)

ترجمہ آپؐ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف سنا دیجیے اور مشرکوں کی پرواہ نہ کیجیے۔

قرآن اِتَّبِعْ مَآ أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (اَلْاَنْعَام-۶: ۱۰۶)

ترجمہ یا رسول اللہ! پیروی کیے جائیں اس کی جو آپؐ کے پروردگار کی جانب سے وحی کیا گیا ہے۔

قرآن وَاتَّبِعْ مَآ أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (اَلْاَحْزَاب-۳۳: ۲)

قرآن وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰى إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِينَ
(يُوْنُس-۱۰: ۱۰۹)

ترجمہ اور آپؐ اس کی پیروی کیے جائیں جو آپؐ پر وحی کیا جاتا ہے۔ اور صبر کیے رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ صادر کردے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

قرآن ثُمَّ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا (اَلنَّحْل-۱۶: ۱۲۳)

ترجمہ: پھر ہم نے آپؐ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر چلیں جو بالکل ایک رخ کے تھے۔

قرآن: ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا (اَلْجَاثِيَةُ-۴۵: ۱۸)

ترجمہ: پھر ہم نے آپؐ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا۔ سو آپؐ اسی پر چلتے رہیں اور بےعلموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔

○ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی آیا ہے:

قرآن: وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (يُوْنُسَ-۱۰: ۷۲)

مختارِ کُل کسی سے ڈرتا نہیں

○ مختارِ کُل کو کسی سے ڈر اور خوف و ہراس نہیں ہوتا اور یہ بات بھی بدیہی اور واضح ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کی قوم کو ان کے گناہوں کے بدلے میں ایسی سزا دی کہ بڑے زور کی کڑک نے ان کو آلیا تو وہ اپنے گھروں میں ہی گھٹنوں کے بل گر کر مرگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا:

قرآن: فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (اَلشَّمْسُ-۹۱: ۱۴ و ۱۵)

ترجمہ: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر ان کے رب نے ان کے گناہوں کے بدلے میں ہلاکت نازل کی اور سب پر ان کی ہلاکت کو یکساں کردیا اور اللہ تعالیٰ کو قوم ثمود کی ہلاکت کے انجام سے ذرا اندیشہ اور ڈر نہ ہوا۔

○ لیکن انبیاءِ کرام علیہم السلام کو بسا اوقات خوف اور ڈر لاحق ہوجاتا تھا۔ مثلاً:

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کے آگے کھانا رکھا۔ لیکن انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے تو آپؐ ان سے خوفزدہ ہوگئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قرآن فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً (هُوْد-۱۱: ۷۰)

ترجمہ پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو ان سے متوحش ہوئے اور دل میں ان سے خوفزدہ ہوئے۔

○ ان مہانوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینانِ خاطر کیلیے کہا:

قرآن لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ (هُوْد-۱۱: ۷۰)

ترجمہ کہ ڈریے نہیں۔ ہم تو فرشتے ہیں جو قوم لوط (علیہ السلام) کی طرف ایک خاص مقصد کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

○ نیز آپ نے فرشتوں سے فرمایا:

قرآن اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ (اَلْحِجْر-۱۵: ۵۲)

ترجمہ کہ ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے۔ (کیونکہ تم میرا پیش کردہ ماحضر قبول نہیں کرتے کیا تم کہیں دشمنی کے ارادہ سے تو نہیں آئے۔)

○ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا:

قرآن لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ (اَلْحِجْر-۱۵: ۵۳)

ترجمہ آپ ڈریے نہیں ہم آپ کو بشارت دیتے ہیں ایک صاحبِ علم فرزند کی۔

○ پھر جب وہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی حرکاتِ بد کے باعث پریشان اور مغموم ہو گئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قرآن وَ لَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا (اَلْعَنْكَبُوْت-۲۹: ۳۳)

ترجمہ کہ جب ہمارے وہ قاصد (فرشتے) حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ ان کے آنے سے مغموم ہو گئے۔

○ لیکن فرشتوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

قرآن لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (اَلْعَنْكَبُوْت-۲۹: ۳۳)

ترجمہ اس پر ان فرشتوں نے کہا کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور مغموم نہ ہوں، ہم بچالیں گے آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بجز آپ کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا۔ فرعون کے درباریوں نے آپؑ کو قتل کرنے کا مشورہ کیا تو شہر کے پرلے کنارہ سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ یہاں سے چلے جائیے۔ میں آپؑ کا بڑا خیر خواہ ہوں۔

قرآن فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (اَلْقَصَص-۲۸: ۲۱)

ترجمہ تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف و اندیشہ کے ساتھ۔ اور عرض کی: اے میرے رب! مجھے ظالم لوگوں سے بچا۔

○ پھر جب طور پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن اَلْقِ عَصَاكَ (اَلْقَصَص-۲۸: ۳۱)

ترجمہ آپؑ اپنا عصا ڈال دیں۔ جب ڈالا تو وہ سانپ کی طرح حرکت کرنے لگا۔ تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ (اَلْقَصَص-۲۸: ۳۱)

ترجمہ اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو مت تم ہر طرح امن میں ہو۔

○ ایک جگہ فرمایا:

قرآن خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى (طٰهٰ-۲۰: ۲۱)

ترجمہ اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت ہم فوراً اس کی پھر وہی حالت کر دیں گے۔

○ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو رسول بنا کر فرعون کی طرف بھیجا تو عرض کی:

قرآن رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (۲۸: ۳۳)

ترجمہ کہ اے میرے رب! میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا سو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ نیز آیا:

قرآن وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ (الشُّعَرَآء۔۲۶: ۱۴)

ترجمہ ان کا مجھ پر قتل کا دعویٰ ہے اس لیے مجھے ڈر لگتا ہے کہ اس کے بدلے مجھے مار ڈالیں۔

○ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہر دو نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کی:

قرآن رَبَّنَآ إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيْنَآ أَوْ أَنْ يَطْغٰى (طٰهٰ۔۲۰: ۴۵)

ترجمہ اے ہمارے رب! ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ فرعون کہیں ہم پر زیادتی نہ کرے یا اور زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن لَا تَخَافَآ إِنَّنِيْ مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرٰى (طٰهٰ۔۲۰: ۴۶)

ترجمہ ڈرو نہیں تم دونوں کے ساتھ تو میں ہوں، میں سب سنتا اور دیکھتا ہوں۔

○ پھر آپ فرعون کے دربار میں گئے تو فرعون نے یہی کہا:

قرآن فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (الشُّعَرَآء۔۲۶: ۱۹)

ترجمہ اور تو نے ایک حرکت اور بھی کی تھی جو کی تھی یعنی قبطی کا خون کیا تھا۔ اور تو بڑا ہی ناشکرا ہے۔

○ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قرآن فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ (۲۶: ۲۰، ۲۱)

ترجمہ میں ان دنوں نادانی سے وہ حرکت کر بیٹھا۔ پھر جب مجھ کو تم سے ڈر لگا تو میں تمہارے یہاں سے بھاگ گیا۔ پھر ایک عرصے کے بعد میرے رب نے مجھ کو پیغمبری عطا فرمائی اور پیغمبروں میں سے مجھ کو بھی ایک پیغمبر بنایا۔

○ پھر جب جادوگروں نے اپنا کرتب دکھایا کہ ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ان کے جادو کے زور سے ایسی نظر

آنے لگیں کہ گویا وہ دوڑ پھر رہی ہیں' تو اس سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قرآن فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ (طٰهٰ-۲۰: ۶۷)

ترجمہ اس سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔

○ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قرآن لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ (طٰهٰ-۲۰: ۶۸)

ترجمہ ڈرو نہیں' غالب تو یقیناً تم ہی رہو گے۔

○ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں اہل مقدمہ کی خبر بیان فرمائی:

قرآن إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ (صٓ-۳۸: ۲۱ و ۲۲)

ترجمہ جب وہ عبادت کے دن بجائے دروازہ سے آنے کے عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر حجرۂ عبادت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آ گئے۔ پھر ان اہل مقدمہ کے یوں بلا اجازت اور بے وقت آنے کی باعث ان سے گھبرا گئے۔

○ قرآن مجید میں آتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے عرض کی:

قرآن لَا تَخَفْ (صٓ-۳۸: ۲۲)

ترجمہ کہ آپ ہمارے اس طرح بے قاعدہ اور بے وقت چلے آنے سے ڈریے نہیں۔ ہم دشمن نہیں آپ کی رعایا ہیں ایک مقدمہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

○ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے خدشہ کا اظہار کیا:

قرآن إِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا (مَرْيَم-۱۹: ۵)

ترجمہ میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں کہ وہ میرے بعد اس مرکز توحید کی خدمات دینی اور علوم عالی کو سنبھال نہ سکیں گے۔ آپ کو ان

کی طرف سے یہی اندیشہ تھا کہ یہ بدمذہب ' بدعمل لوگ ہیکل کی خدمت سے قاصر رہیں گے۔ اور ادھر میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ سو تو ہی مجھے خاص اپنے پاس سے وارث دے ' جو میرا بھی وارث ہو اور اولادِ یعقوب کا بھی۔

○ اللہ تعالیٰ کی معصوم آسمانی مخلوق فرشتوں میں بھی خشیتِ الٰہی کی صفت موجود ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قرآن: یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ (اَلنَّحْل-۱۶: ۵۰)

ترجمہ: فرشتے بھی اپنے رب سے جو بالائے عرشِ بریں ان کے اوپر ہے۔ ہمہ وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

مختارِ کُل کسی کا محتاج نہیں ہوتا

○ مختارِ کُل وہی ہوتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مختارِ کُل ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (اَلْفَاطِر-۳۵: ۱۵)

ترجمہ: لوگو! تم سب ہی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہر لحاظ سے بے نیاز ہے ' تمام خوبیوں والا ہے۔ یعنی اسے مخلوق کی امداد و اعانت کی حاجت نہیں۔ وہ تو اس کی مملوکیت و عبدیت کے تعلق سے بھی بے پرواہ ہے۔ لیکن اس کا غناء محض غناء ہی نہیں ' وہ تو ہمارے فقر و درماندگی کا چارہ ساز بھی ہے۔

فائدہ: انسان اپنے وجود اور بقاء و فناء میں اور جملہ حاجات میں اسی ذات واجب الوجود کا محتاج ہے۔ وجود اور بقاء و فناء وغیرہ میں تو یہ محتاجی ظاہر ہی ہے۔ لیکن جن چیزوں میں بظاہر اختیار معلوم ہوتا ہے ' مثلاً

بولنے چالنے، دیکھنے اور سننے وغیرہ میں بھی ہر ہر حرکت مشیت اور اذن الٰہی کی ہی محتاج ہے۔

مختارِ کُل کو صبر کی تلقین نہیں کی جاتی

○ مختارِ کُل کو کسی قسم کی تکلیف پہنچنا امر محال ہے۔ جبکہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کفار کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف سے بھری پڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو کفار کے ایذا پر کئی بار صبر کی تلقین فرمائی۔ مثلاً:

قرآن فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (الاحقاف۔۴۶: ۳۵)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپ صبر کیجیے جیسا کہ ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔ اور ان (کفار) کے حق میں جلدی نہ کیجیے۔

قرآن وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَ أُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا (الانعام۔۶: ۳۴)

ترجمہ اور آپ سے پہلے بھی پیغمبر خوب جھٹلائے گئے ہیں۔ سو انھوں نے اس پر صبر کیا کیونکہ ان کی تکذیب کی گئی اور انھیں ایذاء دی گئی یہاں تک کہ انھیں ہماری نصرت آ پہنچی۔

قرآن وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ (یونس۔۱۰: ۱۰۹)

ترجمہ اور آپ اس کی پیروی کیے جائیں جو آپ پر وحی کیا جاتا ہے اور منکرین کی ایذا رسانی پر صبر کیے رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ صادر کر دے۔

قرآن وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ (النحل۔۱۶: ۱۲۷)

ترجمہ آپ صبر کیے رہیں اور آپ کا صبر تو بس اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے اور

آپؐ ان کے حال پر غم نہ کریں اور ان چالوں سے جو یہ کفار چلتے ہیں تنگ دل نہ ہوں۔

۵ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (طٰهٰ-۲۰: ۱۳۰)

ترجمہ سو آپؐ صبر کیجیے ان کی باتوں پر۔

۶ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (الطُّوْر-۵۲: ۴۸)

۷ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (الْقَلَم-۶۸: ۴۸۔ الدَّهْر-۷۶: ۲۴)

۸ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ (الْحِجْر-۱۵: ۹۷)

ترجمہ اور یقیناً ہم کو معلوم ہے کہ یہ کافر لوگ جو کچھ کہتے رہتے ہیں اس سے آپؐ کا دل تنگ ہوتا رہتا ہے۔ سو آپؐ اس کا علاج ذکر و تسبیح اور حمد سے کریں۔

۹ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ (الْاَعْرَاف-۷: ۲)

ترجمہ قرآن مجید کے ذریعے آپؐ لوگوں کو آگاہ کرتے رہیں۔ پھر آپکے دل میں اس خیال سے بالکل تنگی نہ آئے کہ بہت سے لوگ اس سے انکار و تکذیب کے بھی مرتکب ہوں گے۔

۱۰ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (هُوْد-۱۱: ۱۲)

ترجمہ ان کفار کو امید لگی ہوئی ہے کہ شاید آپؐ کچھ حصہ ان قرآن مجید میں سے چھوڑ دیں جو آپؐ کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اور آپؐ کا دل ان کی اس بات سے تنگ ہو رہا ہے کہ اس شخص پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا۔ یا اس شخص کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ یارسول اللہ! آپؐ تو ایک مبلغ، منادی کرنے' اور نافرمانوں کو متنبہ کرنے والے ہیں۔ رسول کے اختیار میں اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور ہر چیز کا کارساز تو بس اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

○ اس آیت میں اللہ اور رسول کے حدود الگ الگ بتا دیے گئے ہیں کہ

رسول کا کام تو محض پیام الٰہی صداقت و دیانت سے پہنچا دینا اور نافرمانوں کو متنبہ کرنا ہے۔ باقی تکوینیات میں ہر شے کا بہم پہنچانا، یہ اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔ یہ امور کسی بڑے سے بڑے برگزیدہ رسول یا نبی کی دسترس میں بھی نہیں۔

مختارِ کُل کو کوئی تنبیہ یا عتاب نہیں کر سکتا

○ مختارِ کُل کو کوئی تنبیہ یا عتاب نہیں کر سکتا۔ یہ عقیدہ تو سب مسلمانوں کا ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے اعلیٰ افضل اور اولیٰ ہیں۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر آپ کو تنبیہیں فرمائیں۔ مثلاً:

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تبلیغ کا ابھی ابتدائی زمانہ تھا کہ ایسے وقت میں آپکے پاس ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن امّ مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے۔ اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے، جب کہ آپکے پاس عُتبہ بن ربیعہ، ابوجہل عمرو بن ہشام، اُبَیّ بن خلف، اُمیّہ بن خلف اشرافِ قریش بیٹھے تھے۔ آپ ان کو دعوتِ توحید دے رہے تھے۔ اور اس موقع کو غنیمت سمجھ کر دعوتِ توحید میں مستغرق تھے۔ ایسے موقع پر ایک نابینا صحابی کی نادانستہ مداخلت آپ کو ناگوار گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

قرآن عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۝۲ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤی ۝۳ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ۝۶ وَ مَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ۝۷ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی ۝۸ وَ هُوَ یَخْشٰی ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ۝۱۰ (عبس ۸۰: ۱۔۱۰)

ترجمہ میرے اس پیغمبر نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا آیا۔ اور یا رسول اللہ آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور ہی جاتا

یا نصیحت قبول کرلیتا اور اس کو نصیحت کرنا فائدہ ہی پہنچاتا۔ سو جو شخص دین سے بے پروائی کرتا ہے آپؐ اس کی فکر میں پڑجاتے ہیں۔ حالانکہ آپؐ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے۔ اور جو شخص آپکے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خشیت (دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف) رکھتا ہے تو آپؐ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ ہرگز ایسا نہ کیجیے۔

○ اسی طرح ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المؤمنین میں سے کسی ایک کی دلجوئی کیلیے عہد کرلیا تھا کہ آئندہ میں فلاں نعمت سے نفع حاصل نہ کروں گا۔ یہ عمل اگرچہ بجائے خود بالکل جائز تھا۔ ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ جس حلال چیز سے چاہے کسی وجہ سے ہمیشہ کے لیے دستبردار ہوجائے۔ لیکن یہ کام افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان نہ تھا اور وہ بھی ایک داعیٔ ضعیف کی بنا پر۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تنبیہ فرمائی:

قرآن يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (اَلتَّحْرِيْمُ۔۶۶:۱)

ترجمہ یانبی اللہ! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپکے لیے حلال کیا ہے اسے آپؐ حرام کیوں کررہے ہیں۔

○ اسی طرح جنگِ تبوک کے موقع پر بعض منافقین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر وطن میں رہ گئے۔ اجازت ملنے پر ان کو ایک گونہ بے فکری ہوگئی۔ آپؐ کا اجازت دینا کوئی معصیت نہ تھی، البتہ حالات وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ (اَلتَّوْبَةُ۔ ۹: ۴۳)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو معاف تو فرمادیا۔ لیکن:

قرآن لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (اَلتَّوْبَةُ۔ ۹: ۴۳)

ترجمہ آپنے ان کو پیچھے رہ جانے کی اجازت ہی کیوں دے دی، اس وقت تک

انتظار کیا ہوتا کہ آپ پر سچے لوگ علیحدہ ظاہر ہوجاتے اور جھوٹوں کو الگ معلوم کر لیتے۔

مختارِ کل کسی سے مشورہ نہیں کرتا

○ مختارِ کل کسی سے مشورہ نہیں لیتا اور نہ ہی اسے مشورہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین و ما بینہما تمام مخلوق پیدا کی اور کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اور مشورہ کس سے لیتا۔ جبکہ ان کی تخلیق سے پہلے کوئی تھا ہی نہیں۔ وہی یگانہ ذات تھی۔ اور پھر جو جو چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے کسی سے مشورہ نہیں لیتا۔ اور ذوی العقول مخلوق کو باہمی مشورے کا حکم دیا۔ خصوصاً افضل الرسل، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

قرآن شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۳ : ۱۵۹)

ترجمہ معاملات میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیتے رہیں۔

قرآن وَ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ أَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ (۴۲ : ۳۸)

ترجمہ جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کی پابندی کی اور ان کا اہم کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے اور ہمارے دیے میں سے وقتاً فوقتاً میرے حکم کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں۔

○ اس آیت میں سب مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ ایمان، نماز، اور زکوٰۃ وغیرہ فرائض الہیہ کی طرح مسلمانوں کو جو قابل مشورہ اہم کام ہو باہمی مشورے سے کریں۔ اور اس کی ایک صورت یہ ہے کہ حکومت شوریٰ ہو۔ جیسے خلفائے راشدین کی حکومت تھی۔ اور عباسی خلفاء کے دور میں جب باہمی مشاورت کا سلسلہ ختم ہوکر مطلق العنانی آنے لگی تب سے مسلمانوں کی طاقت کمزور پڑنی شروع ہوگئی۔

مختارِ کُل سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا

○ اللہ تعالیٰ جو کام کرتا ہے اس کی مخلوق اس سے باز پرس نہیں کر سکتی کہ یہ کام تو نے کیوں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ مخلوق سے باز پرس کرے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

قرآن لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ (۲۱ : ۲۳)

ترجمہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جا سکتی۔ اور مخلوق سے باز پرس کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام جن کی شان تمام مخلوق سے بالا ہے ان سے بھی پوچھ ہوگی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے :

قرآن فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (۷ : ۶)

ترجمہ سو ہم ان لوگوں سے بھی ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ اور پیغمبروں سے بھی ہم ضرور پوچھیں گے۔ یعنی ان امتوں سے تو یہ سوال ہوگا کہ تم نے انبیاء کی دعوت کہاں تک قبول کی۔ اور پیغمبروں سے یہ سوال ہوگا کہ تمہاری دعوت کہاں تک قبول کی گئی۔ اور بطور نمونے کے اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرنے اور آپؑ کے جواب دینے کا مفصل ذکر سورت المائدۃ-۵:۱۱۶ میں ہے۔

مختارِ کُل کسی سے معافی نہیں مانگتا

○ اللہ تعالیٰ ہی گناہ معاف کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قرآن وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ (آل عمران-۳: ۱۳۵)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہے جو گناہ بخشے۔

○ کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں' اس کی مرضی جس کے چاہے گناہ معاف کرے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قرآن یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ (اٰلِ عِمۡرَان۔۳: ۱۲۹)

○ اور کفر کے بعد اسلام قبول کرنے پر ماضی کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔

قرآن اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا (اَلزُّمَر۔۳۹: ۵۳)

ترجمہ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی برکت سے سب گناہ بخش دے گا۔

○ اور اگر کفر و شرک پر موت ہو تو وہ اپنی مرضی سے بھی نہیں بخشے گا اور نہ ہی کسی سفارشی کی سفارش کام آئے گی۔

قرآن اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ (اَلنِّسَآء۔۴: ۴۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ یہ گناہ نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ لیکن اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔

قرآن ثُمَّ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ (مُحَمَّد۔۴۷: ۳۴)

ترجمہ جو کفر کی حالت میں مر گئے اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا۔

○ اور انبیاء علیہم السلام معمولی لغزش پر بھی استغفار کرتے رہے۔ مثلاً:

آدم علیہ السلام (۷: ۲۳) نوح علیہ السلام (۱۱: ۴۷)

ابراہیم علیہ السلام (۲۶: ۸۶) موسیٰ علیہ السلام (۲۸: ۱۶)

داؤد علیہ السلام (۳۸: ۲۴) سلیمان علیہ السلام (۳۸: ۳۵)

○ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا رسول اللہ! آپ اس طرح کہا کریں:

قرآن رَّبِّ اغۡفِرۡ وَ ارۡحَمۡ وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ (۲۳: ۱۱۸)

ترجمہ اے میرے رب مجھے معاف فرما اور مجھ پر رحم فرما اور تو تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔

○ یہ امر بدیہی ہے کہ معافی وہی مانگتا ہے جو عاجز ہو اور جس سے معافی مانگتا ہے اس کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔ اور عاجز مختارِ کل نہیں ہوتا۔

مختارِ کل کسی کا غلام اور بندہ نہیں ہوتا

- مختارِ کل کسی کا غلام یا بندہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کی بندگی کرے اور اللہ تعالٰی سب کا مالک اور آقا ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام تک سب مخلوق اللہ تعالٰی کی غلام ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا: اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا (۱۷ : ۳) کہ وہ ہمارے شکر گزار بندے تھے۔
- حضرت سلیمان اور حضرت ایوب علیہما السلام کے متعلق فرمایا: نِعۡمَ الۡعَبۡدُ (۳۸ : ۳۰ و ۴۴)
- اسی طرح حضرت ابراہیم اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں فرمایا: عِبٰدَنَاۤ (۳۸ : ۴۵)
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: اِنۡ ہُوَ اِلَّا عَبۡدٌ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بس ہمارے ایک بندے تھے۔
- حضرت الیاس علیہ السلام کے متعلق فرمایا: اِنَّہٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (۳۷ : ۱۳۲) کہ حضرت الیاس علیہ السلام ہمارے ایمان والے بندوں میں سے ہیں۔
- حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق فرمایا: اِنَّہُمَا مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (۳۷ : ۱۲۲) کہ بیشک وہ دونوں ہمارے ایمان والے بندوں میں سے ہیں۔
- اسی طرح ہمارے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ کے الفاظ بیان فرمائے۔
- اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام "عبد اللہ" بھی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰہِ یَدۡعُوۡہُ (اَلۡجِنّ۔۷۲ : ۱۹) کہ جب حضرت عبد اللہ یعنی سیدِ عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطنِ نخلہ میں بوقتِ فجر اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے لیے

کھڑے ہوتے ہیں۔ [الخ]

○ اسی طرح اللہ تعالٰی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (۱۵ : ۹۹) کہ یارسول اللہ! آپ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں' یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔ یعنی مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں۔

○ اور فرشتوں کی عبدیت کے بارے میں کفار کے عقیدۂ بد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قرآن وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا

ترجمہ بد عقیدہ مشرک کہتے ہیں کہ اللہ مہربان نے ان فرشتوں کو اپنا نائب بنایا ہے۔ (اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں اس کے کئی جواب دیے)

جواب ۱ سُبْحٰنَهٗ ؕ

ترجمہ اللہ تعالٰی کی ذات تو نائبوں اور شریکوں وغیرہ سے بالکل پاک اور منزہ ہے۔

جواب ۲ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ

ترجمہ فرشتے اللہ تعالٰی کے نائب نہیں ہیں۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالٰی کے معزز بندے ہیں۔

جواب ۳ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ

ترجمہ حکم الٰہی کے اتنے پابند ہیں کہ اللہ تعالٰی سے بات کرنے میں پیش قدمی نہیں کرتے۔

جواب ۴ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ

ترجمہ اور باوجود محترم اور مقرب ہونے کے حکم الٰہی کے کاربند رہتے ہیں۔

جواب ۵ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

ترجمہ اللہ تعالٰی ان فرشتوں کا اگلا پچھلا سب حال جانتا ہے۔

جواب ۶ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى

ترجمہ نیز وہ فرشتے کسی کی سفارش تک نہیں کرسکتے مگر صرف انھی کی جن کے

حق میں اللہ تعالیٰ ان کی سفارش پسند کرے۔

آیت وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ

ترجمہ اور وہ فرشتے ہر وقت اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

آیت ۸ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۔ كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ

ترجمہ اور باوجود مغلوبیت اور محکومیت کے ان فرشتوں میں سے جو بھی یہ کہدے کہ اللہ تعالیٰ سے نیچے میں بھی کارساز' حاجت روا' مشکل کشا اور متصرف ہوں' تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ کیونکہ ہمارا اصول ہے کہ ہم ظالموں مشرکوں کو ایسی ہی سزا اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

مختارِ کُل کو کسی کے آگے انکساری کرنے کی ضرورت نہیں

○ مختارِ کُل کو کسی کے آگے انکساری کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ دوسرے لوگ اس کے آگے اپنی انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک اسمِ مبارک "المتکبر" ہے۔ اور کبریائی اسی ذات کی صفتِ مختصہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۵ : ۳۷)

ترجمہ آسمانوں اور زمین میں بس اسی کے لیے بڑائی ہے۔

○ صفتِ کبریائی میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ اور انبیاءِ کرام علیہم السلام تک سب مخلوق اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ منکسرانہ گڑگڑا گڑگڑا کر اپنی درخواستیں پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ قبل ازیں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعاؤں میں گزر چکا ہے۔ اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی صفاتِ عالیہ میں سے تواضع اور عبودیت ان کی بہت بڑی اور بارگاہِ الٰہی میں سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ صفت ہے۔

مختارِ کُل جزا سزا کا اختیار رکھتا ہے

○ مختارِ کُل جزا سزا کا اختیار رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سزا دے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ (۲۹ : ۲۱)

○ مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھ میں جزا سزا نہیں۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے کافروں نے عذاب کا مطالبہ کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

قرآن اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ (۱۱ : ۳۳)

ترجمہ اس عذاب کو تو بس اللہ ہی تمہارے سامنے لائے گا۔ اگر اس کی مشیت ہوئی۔ یعنی میں عذاب نہیں لاسکتا۔

○ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ۔ تو اس کے جواب میں حضرت ہود علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا کہ لو یہ عذاب آیا۔ بلکہ ان کو پھر نصیحت کے الفاظ فرمائے اور کہا کہ اگر تم عذاب ہی مانگتے ہو تو:

قرآن فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (۷ : ۷۱)

ترجمہ تم بھی عذاب کی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔

○ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا۔ مگر انہوں نے عذاب کا مطالبہ کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم لوگ بجائے نیکی کے عذاب کو کیوں مانگ رہے ہو۔ مگر وہ باز نہ آئے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب آ ہی گیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ (۷ : ۷۸)

ترجمہ پس ان کو زلزلہ نے آلیا۔ تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گر کر

مر گئے۔ یعنی زلزلہ نے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ کہیں کو نکل بھاگیں۔

○ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر کو کہا کہ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو۔ تو اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

قرآن رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۲۶ : ۱۸۷)

ترجمہ جو کچھ تم کر رہے ہو میرا رب اس کو خوب جانتا ہے۔ یعنی وہ تم کو ضرور سزا دے گا۔ پھر بھی انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا۔ تو ان کو یوم الظلۃ کے عذاب الٰہی نے آلیا۔

○ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ عذاب لے آؤ۔ اس کے جواب میں حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا:

قرآن رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ (۲۹ : ۳۰)

ترجمہ اے میرے رب تو آپ ہی مجھے ان مفسد لوگوں پر غالب کر۔ لیکن یوں نہیں فرمایا کہ لو میں عذاب لا رہا ہوں۔

○ مکے شہر کے کافروں نے ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بطور تمسخر کے کہا تھا کہ: "اے ہمارے رب جو کچھ ہماری قسمت کا عذاب لکھا ہے وہ قیامت سے پہلے ہی جلدی سے دے ڈال"۔ کفار کی یہ باتیں سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

قرآن اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ (۳۸ : ۱۶)

ترجمہ یارسول اللہ! یہ لوگ جیسی جیسی باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کریں۔ اور ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا واقعہ یاد کریں جنھوں نے ایسے ہی موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تھا۔

○ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جزا سزا کا اختیار نہ تھا۔

مختارِ کُل سب پر غالب ہوتا ہے

○ مختارِ کُل سب پر غالب اور عوارض بشریہ سے پاک ہوتا ہے۔

(۱) اونگھ اور نیند سے پاک ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ (اَلْبَقَرَة-۲: ۲۵۵)

ترجمہ اس کو نہ اونگھ آسکتی ہے نہ نیند' چہ جائیکہ بیہوشی طاری ہو یا جنون۔

(۲) وہ بڑے بڑے کام کر کے تھکتا بھی نہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (قٓ-۵۰: ۳۸)

ترجمہ اور ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا سب صرف چھ دن کی مقدار میں پیدا کر دیا اور ہم کو تھکان نے چھوا تک نہیں۔

قرآن وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ (اَلْاَحْقَاف-۴۶: ۳۳)

ترجمہ اور وہ ان کے پیدا کرنے سے ذرہ بھی نہیں تھکا۔

(۳) اور وہ بھولتا بھی نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (مَرْيَم-۱۹: ۶۴)

ترجمہ اور آپؐ کا رب بھولنے والا نہیں۔

(۴) وہ نہ بہک سکتا ہے نہ بھول سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى

ترجمہ نہیں وہ بہک سکتا اور نہ بھول سکتا ہے۔

(۵) وہ کھلاتا پلاتا ہے' اور خود کھاتا پیتا نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (اَلْاَنْعَام-۶: ۱۴)

ترجمہ وہ سب کو کھلاتا پلاتا ہے خود کھلایا پلایا نہیں جاتا۔ یعنی کھانے پینے سے پاک اور منزہ ہے۔

(۶) وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب خلقت اس کی محتاج ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (مُحَمَّدٌ-۴۷: ۳۸)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں اور تم سب اس کے محتاج ہو۔ نیز فرمایا:

قرآن اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اَلْاِخْلَاصُ-۱۱۲: ۲)

ترجمہ اللہ تعالیٰ وہی ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا بھی محتاج نہیں۔

(۷) اور وہ سب پر غالب ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (اَلْاَنْعَامُ-۶: ۱۸ و ۶۱)

ترجمہ قوت اور قدرت کے لحاظ سے وہی ساری مخلوقات پر غالب ہے۔ یعنی اس کا سب پر دباؤ ہے مگر اس پر کسی کا دباؤ نہیں۔ نیز فرمایا:

قرآن وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ (اٰلِ عِمْرَانَ-۳: ۴)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے ہر سزا پر قادر ہے۔ اور ہر حال میں سب سے بالا دست اور قوی تر ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ مومنوں پر رحیم ہے ایسے ہی مجرموں اور سرکشوں سے بدلہ لینے والا بھی ہے۔

(۸) اور اس ذات پر موت بھی وارد نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن اَلْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (اَلْفُرْقَانُ-۲۵: ۵۸)

ترجمہ ایسا زندہ کہ جسے کبھی موت نہیں آتی۔

○ لیکن انبیاءِ کرام علیہم السلام بعض عوارضِ بشریہ سے بھی دوچار ہوتے رہے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

قرآن وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (۲۶ : ۸۰)

ترجمہ اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو مجھے شفا دیتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی زندگی میں دیگر تکالیف کے علاوہ بیمار بھی ہوتے رہے ہیں۔

○ اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کے علیل ہونے کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ جس سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپؑ بارگاہِ الٰہی میں دعاء کیا کرتے تھے۔ جس کا ذکر قبل ازیں انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں میں گزر چکا ہے۔

○ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے غمگین ہونے کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔

○ اسی طرح انبیاءِ کرام علیہم السلام کے طبعی خوف کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔

○ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کئی عوارض بشریہ کا ذکر احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ مثلاً:

① آپؐ کبھی کبھی بیمار بھی ہوجاتے تھے۔
② آپؐ کو بھوک پیاس بھی لگتی تھی۔
③ آپؐ کھاتے پیتے بھی تھے۔
④ آپؐ کو نیند اور اونگھ بھی آتی تھی۔
⑤ آپؐ کو کبھی کبھی بخار اور درد سر بھی ہوجاتا تھا۔
⑥ بیماری کی حالت میں کبھی کبھی آپؐ پر غشی بھی طاری ہوجاتی تھی۔
⑦ کفار کے پتھر وغیرہ مارنے سے آپؐ زخمی بھی ہوئے۔
⑧ کفار کی باتوں سے تنگ دل اور بے چین ہوجایا کرتے تھے۔
⑨ ایک نابکار یہودی نے آپؐ پر جادو بھی کیا تھا۔
⑩ ایک یہودی عورت نے آپؐ کے کھانے میں زہر ملادی تھی۔ جس کا اثر آپؐ کی وفات حسرت آیات کے موقع پر ظاہر ہوا۔

○ ایسے فطری عوارض سے دوچار ہونے والا ان معنوں میں مختارِ کل نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالٰی نے انھیں حلال و حرام کے تمام اختیارات دے دیے ہیں۔ جیسا کہ انبیاءِ سابقین کے متعلق مشرکین کے عقائد تھے۔

انبیاء کرام و رسل کا فریضہ تبلیغ اور انذار و تبشیر

○ انبیاء کرام علیہم السلام صرف پیغام الٰہی پہنچانے انذار و تبشیر یعنی دوزخ کے عذاب سے ڈرانے اور جنت کی بشارت سنانے کے ذمہ دار ہیں۔ منکرین کو عذاب دینا ان کے بس میں نہیں۔ اور منکرین کے دلوں میں اپنی تقریر کو متاثر کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا:

قرآن أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ (الاعراف۔۷: ۶۲)

ترجمہ میں تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں۔

○ اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا تھا:

قرآن أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (۷ : ۶۸)

ترجمہ میں پہنچاتا ہوں تمھیں اپنے رب کے پیغامات اور میں تمھارا سچا خیر خواہ ہوں۔

○ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا:

قرآن يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (الاعراف۔۷: ۷۹)

ترجمہ اے میری قوم میں نے تو تمھیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور میں نے تمھاری خیر خواہی کی لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے۔

○ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

قرآن يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (الاعراف۔۷: ۹۳)

ترجمہ اے میری قوم میں نے تو تمھیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے تھے اور تمھاری خیر خواہی کی تھی تو میں کیوں غم کروں کافر لوگوں پر۔

○ اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی کام تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

قرآن فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ (اَلرَّعْد-١٣: ٤٠)

ترجمہ آپؐ کے ذمے صرف احکام کو پہنچا دینا ہے اور حساب لینا تو ہمارے ذمہ ہے۔ نیز فرمایا:

قرآن فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (اَلنَّحْل-١٦: ٨٢)

ترجمہ پھر اگر وہ کافر روگردانی کیے رہیں تو آپؐ کے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

○ مگر اس تبلیغ کا نافع ہونا اور لوگوں کے دلوں میں مؤثر ہونا نبی کے اختیار میں نہیں۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا:

قرآن وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ (هُوْد-١١: ٣٤)

ترجمہ اور میری خیر خواہی تمھیں نفع نہیں پہنچا سکتی گو میں تمھارے ساتھ کیسی ہی خیر خواہی کرنا چاہوں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کو تمھارے عناد اور استکبار کی بنا پر تمھارا گمراہ رکھنا منظور ہو۔ وہی ہے تمھارا مالک اور پروردگار۔

○ اسی طرح کسی نبی کے اختیار میں نہیں کہ ان کافروں کی ضد اور عناد کی وجہ سے عذاب دے سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا:

قرآن يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (هُوْد-١١: ٣٢)

ترجمہ کہ اے نوح (علیہ السلام) آپ ہم سے بحث کر چکے پھر بحث بھی خوب کر چکے۔ اب لے آؤ ہمارے سامنے وہ چیز جس سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو اگر تم سچے ہو۔

○ تو ان کفار کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

قرآن إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ (۱۱: ۳۳)

ترجمہ اس عذاب کو تو بس اللہ تعالیٰ ہی تمہارے سامنے لائے گا اگر اس کی مشیت ہوئی۔ اور تم اسے ہرا نہیں سکتے۔

○ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختارِ کل ہوتے تو کافروں کے دلوں میں اپنی نصیحت کو متاثر بنالیتے اور کافروں کی مارپیٹ کھاتے۔ بلکہ خود ان کو عذاب میں مبتلا کردیتے۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے کہا:

قرآن لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ (العنکبوت-۲۹: ۵۰)

ترجمہ اس پیغمبر پر اس کے رب کی طرف سے ہماری خواہش اور فرمائش کے مطابق کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔

قرآن قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (۲۹: ۵۰)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپ ان کو اس طرح جواب دیجیے کہ نشان تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں۔ اور میں تو بس صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن مجید میں یہ بار بار کہلایا گیا ہے کہ واقعات و حوادث تکوینی تمام تر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ چنانچہ خوارق و معجزات بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ میں جس طرح کسی واقعہ مطابق عادت کی تکوین میں بے بس محض ہوں اسی طرح واقعات خارقِ عادت میں بھی بے بس ہوں۔

قرآن وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۖ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٣﴾ (۱۷: ۹۰-۹۳)

ترجمہ اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دو گے۔ یا تمہارے لیے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پیدا ہوجائے۔ پھر اس کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ نہریں جاری کر دو۔ یا تم ہم پر آسمان گرا دو۔ جیسا کہ تم دعویٰ رکھتے ہو۔ یا تم اللہ تعالیٰ اور فرشتوں ہی کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو۔ یا پھر تمہارے لیے کوئی گھر ہی سونے کا ہو۔ یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ۔ اور ہم تو تمہارے آسمان پر چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک کہ تم وہاں سے ہمارے لیے ایک نوشتہ نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ لیں۔

قرآن قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ (۱۷: ۹۰۔۹۳)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ میں تو بجز ایک آدمی اور رسول کے اور کیا ہوں۔ میرے اختیار میں یہ عجائب نمائی نہیں ہے۔ رسول کا کام تو ہے امانت دیانت اور صداقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا پیغام اور شریعت کے احکامات پہنچانا۔

قرآن وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ
(اَلرَّعْدُ۔۱۳: ۳۸ و اَلْمُؤْمِنُ۔۴۰: ۷۸)

ترجمہ اور کسی رسول کے بس میں نہیں کہ ایک آیت بھی بغیر حکم الٰہی کے لاسکے۔ خواہ وہ آیت مکتوبی تنزیلی ہو یا تکوینی ہو معجزہ و خارق عادت یعنی ظہور معجزات و خوارق پیغمبر کے اختیار کی چیز نہیں ہوتی۔ یہ تمام تر تصرف خداوندی ہی ہے کہ جب کسی خارق یا معجزہ کا ظہور قرین حکمت ہوتا ہے کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

قرآن وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ (اَلرَّعْدُ۔۱۳: ۷ و ۲۷)

ترجمہ اور کافر کہتے ہیں کہ ان (مدعی نبوت) پر فلاں معجزہ ان کے پروردگار کی

طرف سے کیوں نہیں اترتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے رسول! اس میں شک نہیں کہ آپؐ تو بس ان کو آگاہ اور خبردار کرنے والے ہیں اور آپؐ کا اصل کام سرکشوں کو آگاہ کرنا اور انہیں راہ بتانا ہے۔ نہ کہ ہر فرمائشی معجزہ کی تعمیل کرتے رہنا۔ یعنی پیغمبر محض معجزے دکھا کر لوگوں کو حیران کرنے کیلیے نہیں، بلکہ انذار و تبشیر کیلیے بھیجے جاتے ہیں۔

قرآن وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْآ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (يُوْنُس۔۱۰: ۲۰)

ترجمہ اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اترتا سو آپؐ کہہ دیں کہ غیب کی خبر تو بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے سو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

○ اس آیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف صاف یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میرا دخل کسی معجزہ کے وقوع و عدم وقوع میں بالکل نہیں ظہور معجزات تمام تر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پردۂ غیب سے جو کچھ بھی ظہور میں آئے جہاں تم وہیں ہم۔ انتظار کرنے میں ہم سب شریک ہیں۔

قرآن وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (الْاَنْعَام۔۶: ۱۰۹)

ترجمہ اور انہوں نے بڑے زور سے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں گے۔ یارسول اللہ! آپؐ فرما دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔ اور تم خبر نہیں رکھتے کہ جب وہ نشان آجائے گا تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یعنی معجزات و خوارق کا وقوع پیغمبر یا کسی بندہ کے ہاتھ میں نہیں۔ تمام تر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے کہ معجزہ کی حقیقت نظام

کائنات کے کسی مستمر اور بندھے ہوئے معمول میں کچھ ترمیم کرنا اور ان کا تمامتر فاطرِ کائنات ہی کے اختیار میں ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وہی اس پر قدرت بھی رکھتا ہے اور وہی اس کا علم بھی رکھتا ہے کہ کس معجزہ کا وقوع موافقِ حکمت ہوگا اور کس کا مخالفِ حکمت۔ پس کسی مخصوص و متعین معجزہ کی فرمائش ہی سرے سے بے جا ہے۔

قرآن فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ (اَلرَّعْدُ-۱۳: ۴۰)

ترجمہ آپکے ذمے تو صرف احکام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔

فائدہ اس آیت میں اس حقیقت کو خوب واضح کیا گیا ہے کہ رسالت اور الوہیت کے حدود بالکل جداگانہ ہیں۔ غلط کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ رسول کا کام صرف تبلیغ احکام اور تبلیغ دین ہے باقی اس پر سزا و جزا' سوال و بازپرس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔

قرآن وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (اَلنَّمْلُ-۲۷: ۹۲)

ترجمہ اور جو گمراہ رہے گا تو آپ فرما دیجیے کہ میں تو بس آگاہ اور متنبہ کرنے والا ہوں۔ یعنی میرا کام تو صرف حکم پہنچا دینا' تبلیغ احکام کر دینا ہے۔ باقی جو کوئی مانے گا تو وہ خود اپنے اجر و ثواب اور نجات کیلیے اور جو نہ مانے گا وہ بھی خود ہی بھگتے گا۔ میرا نہ اس سے کوئی نفع اور نہ اس سے کوئی ضرر۔

◻ تمام انبیاء علیہم السلام کو اس لیے بھیجا گیا کہ تبلیغ کے بعد جو مان جائے اسے جنت کی خوشخبری سناؤ اور جو نہ مانے اس کو جہنم کا ڈر سناؤ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ (اَلْاَنْعَامُ-۶: ۴۸ و اَلْكَهْفُ-۱۸: ۵۶)

ترجمہ اور ہم پیغمبروں کو تو بشارت دینے والے اور متنبہ کرنے والے ہی کی حیثیت سے بھیجتے ہیں۔

○ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہر پیغمبر کی حیثیت محض مبشر و منذر کی ہوتی ہے اس کا کام محض تبشیر و انذار ہوتا ہے۔ نتائج کی ذمہ داری اس پر ذرا سی بھی نہیں۔

○ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پیغمبر سے خواہ مخواہ معجزات و خوارق کی فرمائشیں کرتے رہنا ایک لغو امر ہے۔

قرآن: فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ (اَلْبَقَرَۃ-۲: ۲۱۳)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے اہل ایمان کو خوشخبری سنانے والے اور اہل کفر کو خبردار اور متنبہ کرنے والے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نذیر و بشیر ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (هُوْد-۱۱: ۱۲)

۲ وَ قُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ (اَلْحِجْر-۱۵: ۸۹)

۳ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (اَلْحَجّ-۲۲: ۴۹)

۴ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۲۹ : ۵۰)

۵ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ (اَلرَّعْد-۱۳: ۷)

۶ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنْذِرٌ (اَلْقَصَص-۲۸: ۶۵)

۷ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا (اَلنّٰزِعٰت-۷۹: ۴۵)

۸ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ (اَلْفُرْقَان-۲۵: ۲۳)

۹ اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (صٓ-۳۸: ۷۰)

۱۰ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (اَلْاَحْقَاف-۴۶: ۹)

۱۱ فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (اَلذّٰرِيٰت-۵۱: ۵۰)

۱۲ وَ لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (اَلذّٰرِيٰت-۵۱: ۵۱)

۱۳ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ إِنَّمَآ أَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۹۲ : ۱۱)

۱۴ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (اَلْفَاطِرُ-۳۵: ۲۴)

۱۵ وَ مَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (اَلْفُرْقَان-۲۵ ۵۶ و بَنِیْٓ إِسْرَآئِيْل-۱۷: ۱۰۵)

۱۶ وَ مَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (۳۴: ۲۸)

۱۷ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (اَلْأَحْزَاب-۳۳: ۴۵ و ۴۸ : ۸)

ترجمہ یا نبی اللہ! ہم نے آپؐ کو مسلکِ حق بتانے والا بنا کر بھیجا ہے "تو جو کوئی مان جائے اسے جنت کی خوشی سنا دیں اور جو نہ مانے اسے خبردار کر دیں کہ نہ مانو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

۱۸ يٰٓأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ (اَلْمُدَّثِّر-۷۴: ۱ و ۲)

ترجمہ اے مدثر (کپڑے میں لپٹنے والے) اٹھیے پھر ان کفار کو ڈرایئے یعنی فرائض رسالت کی ادائیگی کیلئے تندہی اور سرگرمی سے مستعد ہو جائیے۔

۱۹ وَ أَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ (اَلشُّعَرَآء-۲۶: ۲۱۴)

ترجمہ آپؐ اپنے کنبہ کے عزیزوں کو آگاہ کرتے رہیے۔

۲۰ وَ أَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيْهِمُ الْعَذَابُ (إِبْرَاهِيْم-۱۴: ۴۴)

ترجمہ آپؐ آگاہ کریں لوگوں کو اس دن سے جس میں ان پر عذاب آ پڑے گا۔

۲۱ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ أُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (يٰسٓ-۳۶: ۶)

ترجمہ قرآن مجید اس لیے اتارا تاکہ آپؐ ان لوگوں کو آگاہ کریں جن کے باپ دادوں کو آگاہ نہیں کیا گیا اس لیے وہ اس سے بے خبر ہیں۔

۲۲ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ أَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (اَلسَّجْدَة-۳۲: ۳)

ترجمہ قرآن مجید اس لیے اتارا تاکہ آپؐ اس قوم کو آگاہ کریں جن کے پاس

آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا نہ آیا تھا۔ شاید یہ لوگ راہ پر آجائیں۔

۲۳ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ (اِبْرٰهِيْمَ۔۱۴: ۵۲)

ترجمہ یہ قرآن مجید لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے اور تاکہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

۲۴ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الْاَنْعَامِ۔۶: ۱۹)

ترجمہ اور میری طرف یہ قرآن مجید بطور وحی کے بھیجا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعے سے تمھیں بھی آگاہ کروں اور ان کو بھی جن جن تک قرآن مجید کی دعوت پہنچے۔

۲۵ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ (الْاَنْبِيَآءِ۔۲۱: ۴۵)

ترجمہ آپ کہہ دیجیے کہ میں وحی کے ذریعے سے تمھیں صرف آگاہ کرتا ہوں اور بہرے تو پکار سنتے ہی نہیں جب آگاہ کیے جاتے ہیں۔

۲۶ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (الْاَعْرَافِ۔۷: ۲)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ اس کتاب کی وجہ سے تنگ دل نہ ہونا چاہیے۔ یہ اس لیے اتری ہے تاکہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اور اس کی نصیحتوں سے اہلِ ایمان نفع اٹھائیں۔

۲۷ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (۶: ۹۲)

ترجمہ اور یہی کتاب بابرکت ہے جسے ہم نے اتارا، تصدیق کرنے والی ہے ان صحیفوں اور کتابوں کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں۔ تاکہ آپ اس کے ذریعے آگاہ کریں امّ القریٰ یعنی مکہ کے باشندوں کو بھی اور اس کے ارد گرد والے سارے جہان والوں کو۔

۲۸ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا (اَلشُّوْرٰی-۴۲: ۷)

ترجمہ اسی طرح آپ پر یہ قرآن مجید عربی زبان میں وحی کیا گیا ہے تاکہ آپ سارے عالم کے مرکز مکہ والوں کو بھی یوم حشر سے آگاہ کریں اور ان کو بھی جو مکہ کے اردگرد سارے عالم کے باشندوں کو بھی اس یوم حشر سے آگاہ کریں۔

۲۹ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا (اَلْاَحْزَاب-۳۳: ۴۷)

ترجمہ ایمان والوں کو اس بات کی خوشخبری سنا دیں کہ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

۳۰ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (اَلْبَقَرَۃ-۲: ۲۵)

ترجمہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے ان کو خوشخبری سنا دیجیے کہ ان کیلیے بہشت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔

۳۱ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (۳۹: ۱۷-۱۸)

ترجمہ میرے ان بندوں کو خوش خبری سنا دیں جو میرے کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں اور اس کی باتوں پر چلتے ہیں جو سب اچھی ہی اچھی ہیں۔

۳۲ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اَلْبَقَرَۃ-۲: ۲۲۳ و اَلتَّوْبَۃ-۹: ۱۱۲ و يُوْنُس-۱۰: ۸۷ و اَلصَّف-۶۱: ۱۳)

۳۳ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (اَلْحَجّ-۲۲: ۳۷)

ترجمہ خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنا دیں۔

۳۴ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ (اَلْحَجّ-۲۲: ۳۴)

ترجمہ سر جھکانے والے موحدین کو جنت کی خوشخبری سنا دیں۔

تحلیل و تحریم کا اختیار

○ احکامِ شرعیہ میں بھی تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (التحریم-۶۶:۱)

ترجمہ یارسول اللہ! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے حلال کیا ہے اسے آپؐ حرام کیوں کر رہے ہیں۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث وانی لست أحرم حلالاً ولا أحل حراماً (بخاری ص ۴۳۸ و مسلم ج ۲ ص ۲۹۰ و سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۹۰)

ترجمہ نہ میں حلال کو حرام کر سکتا ہوں اور نہ حرام کو حلال۔

حدیث ایها الناس انه لیس لی تحریم ما احل الله و لکنها شجرة اکره ریحها (مسلم ج ۱، ۲۰۹)

ترجمہ لوگو! جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے مجھے اس کے حرام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، لیکن لہسن ایک ایسا پودا ہے جس کی بُو کو میں پسند نہیں کرتا۔

حدیث ایها الناس انه و الله ما لی ان أحرم ما احل الله و لکنی اکره ریحه (مسند ابی عوانه ج ۱ ص ۴۱۲)

ترجمہ لوگو! واللہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے مجھے اس کے حرام کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن میں اس لہسن کی بُو کو ناپسند کرتا ہوں۔

○ طبقات ابن سعد "باب وفاۃ النبی" میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کی حالت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بھی وصیت کی تھی کہ حلال و حرام کرنے کی نسبت میری طرف نہ کرنا۔ میں نے وہی چیز حلال بتائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور وحی میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام

بتائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے۔

○ کسی چیز کا حلال یا حرام کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے یہ صفت اللہ تعالیٰ نے کسی کو تفویض نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قرآن إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ (اَلْاَنْعَام-٦: ٥٧ و یُوْسُف-١٢: ٤٠ و ٦٧)

ترجمہ حکم تو اور کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔

قرآن اَلَا لَهُ الْحُكْمُ (اَلْاَنْعَام-٦: ٦٢)

قرآن اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اَلْاَعْرَاف-٧: ٥٤)

ترجمہ یاد رکھو کہ خاص اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور خاص اسی کا حکم چلتا ہے۔

○ اہل اصول نے بھی یہی لکھا: لا حکم الا من اللہ۔ کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں سے جاری ہوتا ہے۔ دیکھیے: مُسلم الثبوت ص ١٢ توضیح تلویح ص ٢٥ شرح تحریر الاصول ج ٢ ص ٧٩ شرح منہاج الاصول للاسنوی ج ١ ص ٢٢۔

○ ابن الہمام نے "التحریر" ج ٢ ص ٨٩ میں تحریر فرمایا ہے: الحاکم لا خلاف فی انہ اللہ رب العلمین۔ کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حاکم بس اللہ رب العلمین ہے۔

○ الناسخ و المنسوخ ص ٦ میں ابوجعفر نحاس نے تحریر فرمایا ہے: و ھکذا سبیل الاحکام انما تکون من قِبَلِ اللہ عز و جل۔

○ حضرت ملا علی القاری نے عمدۃ القاری ص ٥٣٧ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے: ان التحلیل و التحریم من عند اللہ لا مدخل للبشر فیہ۔ کہ چیز کا حلال و حرام کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہوتا ہے اس میں کسی بشر کو کوئی دخل نہیں ہے۔

○ اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا:
مذہب صحیح آن است کہ امر تشریع مفوض بہ پیغمبری نہ باشد زیرا کہ منصب پیغمبری منصب رسالت و ایلچی گری ست نہ نیابت خدا و نہ

شرکت در کار خانۂ خدائی. آنچہ خدائے تعالیٰ حلال و حرام فرماید آن را رسول تبلیغ می کند و بس واز طرف خود اختیارے ندارد۔
یعنی یہ مذہب یہ ہے کہ شریعت بنانے کا امر پیغمبر کو سپرد نہیں کیا جاتا کیونکہ پیغمبری کا منصب رسالت اور پیغام رسانی کا منصب قرار پایا ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کی نیابت (نائب ہونا) اور نہ کارخانۂ خداوندی میں شرکت۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام فرمایا ہے نبی اس کی تبلیغ کرتا ہے اور بس۔ اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ نیز آپ نے فرمایا:

بدیہی ست کہ امام بلکہ نبی نیز شارع نیست شارع حق تعالیٰ است۔ یعنی واضح بات ہے کہ امام بلکہ نبی بھی شارع نہیں ہوتا' شارع صرف حق تعالیٰ ہے۔

○ نیز آپ نے تحریر فرمایا: حاکم بشرائع و احکام خدا تعالیٰ است و حکم وے قدیم است۔ انبیاء علیہم السلام رسانندۂ آن احکام اند۔ (اشعۃ اللمعات ج۔ص ۱۷۸) شرائع اور احکام کا حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا حکم قدیم ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام ان احکام کے پہنچانے والے ہیں۔

○ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و نحن نعلم ان الشارع هو الله ـــــــ وانه مبلغ عن الله احكامه فيما اراد الله۔ لا ينطق قط عن هوى نفسه ولا ينسىٰ شيئاً مما امره بتبليغه اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۳۲)

ترجمہ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے ـــــــ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بھیجے ہوئے احکامات کے پہنچانے والے ہیں' جیسا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہشِ نفسانی سے کبھی نہیں بولتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کو نہیں بھولتے جن کے پہنچانے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا۔ کیونکہ وہ صرف وحی ہوتی ہے جو ان کو پہنچائی جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختارِ کل نہ ہونے کے قرآنی دلائل

١ وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا

(بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل-١٧: ٨٦ و ٨٧)

ترجمہ یارسول اللہ! اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپؐ کی طرف کی ہے وہ سلب کرلیں۔ پھر اس کے لیے آپؐ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے۔ مگر یہ صرف آپؐ کے رب ہی کی رحمت ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا۔ بیشک آپؐ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے۔

○ اس آیت میں ان لوگوں کے اس خیالِ بد کا رد ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار اور ارادہ سے قرآن تصنیف کرلیتے تھے یا کرسکتے تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کمالِ عظمت کا بیان ہے کہ وہ اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کمالِ وحی بھی سلب کرسکتا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔

٢ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ؕ وَ یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (اَلشُّوْرٰی-٤٢: ٢٤)

ترجمہ یارسول اللہ! کیا یہ لوگ آپؐ کی نسبت کہتے ہیں کہ اس شخص نے قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے۔ سو وہ سن لیں کہ اللہ تعالیٰ تو اس بات پر بھی قادر ہے کہ اگر چاہے تو آپؐ کے دل پر مہر لگا دے۔ اور آپؐ ایسے کلام کے بنانے کا ارادہ بھی نہ کرسکیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے جھوٹ کو مٹاتا ہے اور حق کو جماتا ہے۔ اور وہ لوگوں کے دلی خیالات تک سے بھی واقف ہے۔

۳ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (الْاَعْرَاف-۷: ۱۸۸)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ فرمادیں کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی ضرر کا۔ مگر اسی قدر جتنا کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

۴ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (یُوْنُس-۱۰: ۴۹)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ فرما دیجیے میں تو اپنی ذات کے لیے کسی نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی نفع کا مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ چاہے۔ بس اتنے ہی نفع و نقصان پر قادر ہوتا ہوں۔ اور جس امر میں اس کی مشیت مجھے اختیار دینے کی مقتضی نہیں ہوئی اس میں ہر بشر کی طرح میں بھی بالکل عاجز و بے بس ہوں۔ اور تم پر عذاب لے آنا میرے بس میں نہیں۔

○ یہ بے اختیاری عین شانِ عبدیت کے مطابق جب افضل البشر افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی تو مشایخ و اولیاءِ امت کا مقام تو ان سے کہیں نیچے ہی ہے۔

۵ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا (الْجِنّ-۷۲: ۲۱)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ فرما دیجیے کہ میں نہ تو کسی نفع نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت و ضلالت کا۔ یعنی میرے اختیار میں تو اتنا بھی نہیں کہ تم پر عذاب لے آؤں۔ یا ایمان پر تمھیں مجبور کروں۔ اختیار سارا اللہ تعالیٰ کو ہے۔

۶ وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ (الْاَنْعَام-۶: ۶۶ و ۶۷)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ کی قوم نے اس قرآن مجید کی تکذیب کی اور جھوٹ بتلایا۔ حالانکہ وہی حق ہے۔ آپؐ فرما دیجیے کہ میں تمھارے اوپر کچھ داروغہ تو ہوں نہیں۔ کہ عذاب کے واقع کردینے پر قادر ہوں۔ میں تو اس کی

تفصیلات کا علم تک نہیں رکھتا۔ یعنی میرا یہ منصب نہیں ہے کہ تمہاری تکذیب پر میں خود عذاب نازل کر دوں یا اس کے وقت یا نوعیت وغیرہ کی تفصیل بتلا دوں۔ میرا کام تو تم کو باخبر اور متنبہ کر دینا ہے آگے ہر چیز کے وقوع کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور ہر ہر خبر کیلیے ایک وقت مقرر ہے تو جب وہ وقت آجائے گا تو فوراً تم خود ہی اس کو جان لوگے۔

۷ وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ (الانعام-۶: ۳۵)

ترجمہ یا رسول اللہ! آپ پر اگر ان کفار کا اعراض کرنا گراں گزرتا ہے۔ اور اس پر آپ چاہتے ہیں کہ ان کے فرمائشی معجزے بھی کسی نہ کسی طرح پورے ہو کر رہیں تو اگر آپ کے بس میں ہو کہ زمین میں گھسنے کے لیے کوئی سرنگ یا آسمان پر چڑھنے کے لیے کوئی زینہ ڈھونڈ لیں تو آپ ضرور کوئی نشان ان کے لیے لے آئیں۔

فائدہ مطلب یہ ہوا کہ ہم ان کی فرمائش بہ وجہ عدم ضرورت و لزوم ضرر پوری نہیں کریں گے۔ البتہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو ہی جائیں تو اگر آپ کے بس میں ہو تو اس کا انتظام خود ہی کیجیے۔ یہ آیت کریمہ اس امر میں نص قطعی ہے کہ حصول مراد کے لیے بندے کا ارادہ قطعی اور لازمی نہیں ہے۔

قرآن وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (الانعام-۶: ۳۵)

ترجمہ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

○ یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے ہماری مشیت ہی ہوتی تو چھوٹے بڑے سب کو بلا استثناء راہِ ہدایت دکھادی جاتی۔ اس میں کوئی مانع نہ ہوتا۔ اور نہ ہی دنیا میں اختلافِ مسلک و عقیدہ کی گنجائش رہتی۔ اور طلبِ معجزات وغیرہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ پھر فرمایا:

قرآن فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (الانعام-۶: ۳۵)

ترجمہ تو آپؐ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں کہ ایسی ان ہونی بات کی توقع کرنے لگیں۔

○ مطلب یہ ہوا کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے اور ارادہ کی قوت سونپی گئی ہے اس کے معنے ہی یہ ہیں کہ روشِ اختلاف باقی رہے۔ جبری ہدایت تو اس بنیادی اور مرکزی نقطۂ تکوینی ہی کے منافی ہے اور ایسی روشن اور بنیادی حقیقت سے بے خبر رہنا عین جہالت ہے۔

○ کافر کہتے تھے کہ اس قرآن مجید کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی میں ترمیم کر دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۸ قُلْ مَا يَكُونُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۱۰: ۱۵)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ ان کو اس طرح جواب دیجیے کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم کر دوں۔ میں تو بس اسی کی پیروی کروں گا جو میرے پاس وحی سے پہنچتا ہے۔ کیونکہ اگر میں اپنے مالک کی نافرمانی کروں تو مجھے یوم عظیم کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔

○ احکام الٰہی کا اتباع آپؐ پر بھی اسی درجہ میں ضروری تھا جتنا کسی اور فرد بشر پر تو مختارِ کل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۹ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس-۱۰: ۱۶)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ یوں بھی کہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو میں تم کو یہ کلام پڑھ کر سنا ہی نہ سکتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع کرتا اور پھر میں تو تمھارے درمیان اس سے پہلے بھی اتنے حصہ عمر تک رہ چکا ہوں۔ تم میری ایک ایک خو بو سے واقف ہو۔ میری بولی میرے اندازِ کلام کو تم خوب اچھی طرح جان چکے پہچان چکے۔ تمھیں قرآن میں نیا اور

میرے کلام میں کوئی فرق نظر نہیں آتا؟۔ میں چاہوں بھی تو قرآن مجید جیسے ممتنع النظیر کلام پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اگر اب تک میرا کوئی کلام اس کے مقابلے کا نہیں ہوا تو آج کیسے ہو سکتا ہے؟۔

۱۰۱ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (الْاَنْفَال-۸: ۶۲-۶۳)

ترجمہ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعے قوت دی اور اسی نے ان کے دلوں میں الفت، محبت اور اتفاق پیدا کر دیا۔ اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت محبت اور اتفاق و اتحاد پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہی ان میں اتحاد و الفت اور محبت پیدا کر دی ہے۔ کیونکہ وہی ہے بڑا قدرت والا بڑا حکمت والا۔ وہ جو چاہے اپنی قدرت سے اور جس طریق مناسب سے چاہے اپنی حکمت سے کر دکھائے۔

○ حبیبہ بنت زید بن ابی زبیر نے اپنے شوہر سعد بن ربیع کے حکم کے خلاف کوئی ایسی بات کی جس پر اس کو سعد نے طمانچہ مارا، حبیبہ نے اپنے باپ سے شکایت کی تو اس کا باپ بیٹی کو لے کر حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور صورتِ حال بتائی۔ آپ نے فرمایا کہ بیوی کو اپنے شوہر سے بدلہ لینے کا حق ہے۔ پھر فوراً ہی فرمایا واپس چلے جاؤ یہ جبرائیلؑ آ گئے ہیں۔

○ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

۱۱ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (اَلنِّسَآءِ-۴: ۳۴)

ترجمہ مرد عورتوں کے منتظم، کفیل اور ادب آموز ہیں، جس کے دو سبب ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے بعض یعنی مردوں کو بعض یعنی عورتوں پر طبعی اور قانونی فضیلت دی ہے۔ طبعی

فضیلت اس طرح کہ جسمانی توانائی' دل کی مضبوطی اور دماغی قوئی میں مرد کو عورت پر خلقی برتری حاصل ہے۔ اور قانونی اور معاشرتی فضیلت اس طرح ہے کہ عورت خرچ میں مرد کی زیر نگر رہتی ہے۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ مردوں نے عورتوں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے روٹی کپڑا اور مکان کی صورت میں اپنا مال خرچ کیا۔

○ پھر آپؐ نے فرمایا: ہم نے کچھ چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا' اور منظورِ خدا ہی بہتر ہے۔ (الدرالمنثور بحوالہ عبد بن حمید و ابن جریر و فریابی و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ عن الحسنؓ و علیؓ ص ۵۱۲ و ص ۵۱۳)

○ یہ روایت اس بات پر صریح دلیل ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ مختارِ کل نہیں۔

۱۳ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (اٰلِ عِمْرٰن-۳: ۱۲۸)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے' خواہ ان کو عذاب دے اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔

○ یہ آیت اس وقت اتری جب آپؐ نے چند شدید اور موذی قسم کے کافروں کے حق میں بد دعاء کی تھی۔ تو جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپؐ ان پر بد دعا کرنے سے رک گئے۔ جیسا کہ ابن جریر نے حضرت ربیع سے روایت نقل کی ہے:

فَكَفَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الدُّعَآءِ عَلَيْهِمْ

۱۴ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (يُوْنُس-۱۰: ۹۹)

ترجمہ اور اگر آپؐ کا مالک چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ سو کیا آپؐ لوگوں پر جبر کر سکتے ہیں جس کے باعث وہ ایمان لے ہی آئیں۔

قرآن وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ، وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (يُوْنُس-١٠: ١٠٠)

ترجمہ حالانکہ کسی شخص کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ ایمان لے آئیں بجز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے۔ اس لیے آپ تسلی رکھیں سب کے ایمان نہ لانے سے مغموم و محزون نہ ہوں۔ کیونکہ:

قرآن إِنْ نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (الشُّعَرَآء-٢٦: ٤)

ترجمہ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسا نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جاتیں اور چاروناچار ایمان لے ہی آتے۔

○ یعنی اگر مشیت یہ ہوتی کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں تو غیب کے کوئی نہ کوئی ایسا کھلا ہوا نشان دکھا دیا جاتا جس کے بعد تردد و تأمل اور ردّ و انکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی اور سب کے سب ایمان لانے پر مجبور و مضطر ہو جاتے۔

١٤ إِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (النَّحْل-١٦: ٣٧)

ترجمہ اگر آپ کو ان کفار کے راہِ راست پر آنے کی تمنا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے ہدایت کی توفیق ہی سلب کر لیتا ہے جنھیں وہ ان کے عناد کے باعث گمراہی کے گرداب میں ہی پھنسے رہنے دے اور ان کا کوئی حامی نہ ہوگا۔

١٥ وَ مَآ أَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (يُوْسُف-١٢: ١٠٣)

ترجمہ اکثر لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ آپ جتنا بھی چاہیں وہ ایمان لانے والے نہیں۔

١٦ أَفَأَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (الْفُرْقَان-٢٥: ٤٣)

ترجمہ یارسول اللہ! کیا آپ ان خواہش پرستوں کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں کہ ان کو گمراہ نہ ہونے دیں۔ یعنی آپ ان پر مسلط کر کے تو بھیجے نہیں گئے۔ پھر آپ ان کی بے راہی پر غم کیوں کرتے ہیں۔

١٧ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا (بنی اسرائیل-١٧: ٥٤)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کو کسی طرح گمراہ نہ ہونے دیں۔ پھر آپ ﷺ کو ان کے لیے اتنا زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

١٨ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۔ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ (٣٩: ١٩)

ترجمہ: بھلا جس شخص پر عذاب کی بات محقق ہو چکی ہے تو کیا آپ ﷺ ایسے شخص کو جو دوزخ کی آگ میں ہو گا چھڑا سکتے ہیں۔

○ مطلب یہ ہے کہ جو ایمان کا قصد ہی نہ کرے اور اپنے آپ کو اسباب ہلاکت سے بچانے کی فکر ہی نہ رکھے' اسے ایمان پر مجبور کرنا اور اسے نقطۂ ایمان پر لے آنا آپ ﷺ کے امکان اور اختیار سے خارج ہے اور ایسے شخص پر تاسف اور تردد ہی بے کار ہے۔

○ منکرین طنز کے لہجہ میں رسول اللہ ﷺ سے بار بار کہتے تھے کہ سچے ہو تو ہم پر عذاب الٰہی لا دکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کو کفار کے اس طنز کا جواب اس طرح سکھلایا:

١٩ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ۔ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔ يَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ (٦: ٥٧)

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ ﷺ فرما دیں کہ میرے پاس تو دلیل ہے میرے رب کی طرف سے' اور تم اسی کو جھٹلاتے ہو۔ اور جس عذاب کا تم تقاضا کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ حکم تو اور کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ وہی اپنی حکمتِ مطلقہ کے مطابق ٹھیک اور مناسب وقت پر اپنا ناطق فیصلہ صادر فرمائے گا اور وہی ہے بہترین فیصلہ کرنے والا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ (الانعام-٦: ٥٨)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ یوں فرمادیں کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کرتے ہو تو اب تک میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا قصہ فیصل ہوچکا ہوتا۔

۲۰ وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (اَلْمَآئِدَۃ-۵:۴۱)

ترجمہ اور جن ضدی کافروں کا اللہ تعالیٰ ہی کو گمراہی میں رہنا منظور ہو تو یارسول اللہ! ان پر آپ کا زور اللہ تعالیٰ کے قانونِ تکوینی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں چل سکتا کہ آپ ان کی گمراہی کو ان سے سلب کردیں۔ کیونکہ یہ لوگ تو اپنی اصلاح کا قصد ہی نہیں کرتے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو پاک و صاف کرنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہی نہیں۔

۲۱ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَ مَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اَلزُّخْرُف-۴۳:۴۰)

ترجمہ یارسول اللہ! کیا آپ بہروں کو سناسکتے ہیں یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں رستہ دکھاسکتے ہیں؟ یعنی ایسے ارادی کج رو اور گمراہوں کی ہدایت آپ کے اختیار سے باہر ہے۔ آپ ذرا بھی اس کے درپے نہ ہوں۔ کیونکہ آپ کا کام ہے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا۔ پھر جو مان جائے اسے جنت کی بشارت دیں اور جو نہ مانے اور ضد کرے اسے دوزخ سے آگاہ کردیں۔

۲۲ فَذَكِّرْ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۸۸:۲۱،۲۲)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ لوگوں کو سمجھائیں کہ آپ تو خالی سمجھا دینے والے ہیں اور بس۔ آپ ان پر کچھ داروغہ مسلط نہیں ہیں۔ اس لیے آپ کو زیادہ تردد اور فکر اور تعب میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

۲۳ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ (اَلْبَقَرَۃ-۲:۲۷۲)

ترجمہ یارسول اللہ! ان کافروں کی ہدایت یعنی منزلِ مقصود تک پہنچانا آپ کے ذمے نہیں۔ کیونکہ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے۔ یعنی ہدایت کا پیغام دنیا

تک پہنچادینا۔ باقی رہا کس کو قبولِ حق کی توفیق ہوتی ہے' اور کس کو نہیں اس کا تعلق تکوینی مشیتِ الٰہی سے ہے۔ اس لیے فرمایا:

قرآن وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ (اَلْبَقَرَة-٢: ٢٧٢)

ترجمہ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے منزلِ مقصود تک پہنچادیتا ہے۔

٢٤ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (اَلْقَصَص-٢٨: ٥٦)

ترجمہ یارسول اللہ! بیشک آپ اپنی خواہش کے مطابق جس کو چاہیں ہدایت کی توفیق نہیں دے سکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ وہ اللہ ہی راہ پر آنے والوں کے حال سے خوب واقف ہے۔

٢٥ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ (اَلْحِجْر-١٥: ٩٧-٩٨)

ترجمہ اور یقیناً ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے رہتے ہیں اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا رہتا ہے۔ سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد کرتے رہیں۔ اور سجدہ کرنے والوں میں رہیں۔ اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں۔

فائدہ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تنگیٔ دل کا علاج یہ ہے کہ ذکر و عبادت میں لگ جائے۔ جس سے دنیا بالکل حقیر لگتی ہے۔ اور طبیعت ہلکی اور بے فکر ہوجاتی ہے۔

٢٦ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (هُوْد-١١: ١٢)

ترجمہ یارسول اللہ! ان کافروں کو یہ امید لگی ہوئی ہے کہ شاید کچھ حصہ اس میں سے چھوڑ دیں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اور آپ کا دل ان کی اس بات سے تنگ ہورہا ہے کہ اس شخص پر کوئی خزانہ کیوں نہ اترا۔ یا اس کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ آپ تو ڈرانے والے ہیں اور ہر چیز کا کارساز اللہ ہی ہے۔

○ اس آیت میں اہلِ جاہلیت کی غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے اور صاف بتایا گیا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ کے حدود الگ الگ ہیں۔ رسول کا کام تو محض پیامِ الٰہی صداقت اور دیانت سے پہنچا دینا اور نافرمانوں کو متنبہ کر دینا ہے۔ باقی تکوینیات میں ہر شے کو بہم پہنچانا یہ اختیارات حضرت اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

یہ امور کسی بڑے سے بڑے برگزیدہ رسول یا نبی کی دسترس میں بھی نہیں۔

○ کفارِ مکہ کہتے تھے کہ آپؐ کے اس کلام میں نصیحت کی اچھی اچھی باتیں ہیں۔ مگر ہر جگہ شرک پر عیب دیا ہے۔ یہ بدل ڈالیں تو ہم اس کو سنیں گے اور مسلمان ہوجائیں گے۔ مگر کفار راہ پر آنے والے کب تھے۔ ان کی بڑی کوشش تو یہ رہی ہے کہ کسی طرح آپؐ خالص توحید کی دعوت پیش کرنے سے باز آجائیں۔ یا ان احکام کا ایک حصہ چھوڑ دیں یا بدل دیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو دیے جارہے ہیں۔ یا قرآن مجید سے وہ حصہ حذف کردیں جس میں شرک اور بت پرستی وغیرہ کی مذمت ہے۔ تو ہم ایمان لانے کے لیے تیار ہیں۔ اور ان کفار نے آپؐ کو مقصد سے پھیرنے کے لیے کبھی فریب کاریوں سے کبھی لالچ سے اور کبھی دھمکیوں سے بہتیرے جتن کیے لیکن آپؐ کا جواب ہر موقع پر یہی رہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج (یعنی سونا چاندی) رکھ دیں تب بھی میں اس کام کو چھوڑنے والا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے کیا ہے۔ آپؐ کی اس ثابت قدمی اور کفار کو کوراسا جواب دینے پر اللہ تعالیٰ نے خوش ہوکر یہ آیت نازل فرمائی:

۲۷ وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا (بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْل-۱۷: ۷۳)

ترجمہ یارسول اللہ! یہ کافر تو آپؐ کو ان احکام سے جو ہم نے آپؐ کی طرف بھیجے ہیں بہکانے ہی کو تھے۔ اور ان کا مطلب تھا کہ آپؐ معاذ اللہ ہم پر جھوٹ

افتراء باندھیں۔ اگر بالفرض آپؐ ایسا کرتے اور ان کی مرضی کے موافق جھوٹا قرآن گھڑ لیتے تب وہ آپؐ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ مگر آپؐ نے یہ بہت اچھا کیا کہ ان کو صاف جواب دیا۔ لیکن یہ آپؐ کا کمال نہیں۔ میں نے ہی آپؐ کو معصوم' مضبوط اور ثابت قدم بنایا ہے اور یہ آپؐ پر میرا فضل کبیر اور فضل عظیم اور میری طرف سے آپؐ پر رحمت عظیمہ ہے۔

قرآن وَ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا (بنیٓ اسرآءیل۔۱۷: ۷۴۔۷۵)

ترجمہ اور اگر ہم ہی نے آپؐ کو نورِ نبوت سے مضبوط' ثابت قدم اور معصوم نہ بنایا ہوتا تو ممکن تھا کہ آپؐ کے دل میں ان کی طرف ان کے ایمان کی طمع کے خیال سے تھوڑا سا جھکنے کا خیال آ ہی جاتا۔ اور اگر خدا نہ خواستہ آپؐ ایسا کرتے یعنی ان کی طرف جھکنے کے قریب بھی ہوتے تو ہم آپؐ کو اس زندگی میں بھی دوہری سزا دیتے اور مرنے کے بعد بھی دوہری سزا کا مزہ چکھاتے۔ پھر آپؐ کو ہمارے مقابلے میں کوئی چھڑانے والا مددگار نہ ملتا۔

○ کیونکہ جتنا کسی کا مرتبہ ہوتا ہے اسے گناہ کرنے سے اتنی ہی سخت سزا ملتی ہے۔ جیسے ازواج مطہرات کے متعلق فرمایا:

قرآن يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (الاحزاب۔۳۳: ۳۰)

ترجمہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تم میں سے جو کوئی صریح حیا کے خلاف جرأت کرے یعنی متبنّٰی کی مطلقہ کے ساتھ جوازِ نکاح کا مسئلہ چھپائے اس کو قیامت میں بنسبت دوسری عورتوں کے دوہری سزا دی جائے گی۔

○ تفسیر قرطبی میں ہے کہ جب آیت : وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ نازل ہوئی تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی : اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ کہ اے اللہ! میں

آپؐ کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَكِلْنِي اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ اے اللہ! مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا اور اپنی ہی حفاظت میں رکھنا۔ وَ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ۔ میرے تمام حال کی اصلاح فرمائے رکھ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ تیرے سوا کوئی پکار سننے والا نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختارِ کل نہ ہونے کے دلائل احادیث نبویہ سے

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہا شفقت سب انسانیت کے لیے تھی، خصوصاً اہلِ عرب 'پھر آپؐ کے رشتہ دار۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا: وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کہ آپؐ اپنے کنبے والوں کو ڈراتے رہیں، تو آپؐ اس حکم الٰہی کی تعمیل میں صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور "یاصباحاہ" کہہ کر قریش کو پکارا۔ سب عام خاص جمع ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا: "بتاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے کچھ گھوڑ سوار تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم مجھے سچا سمجھوگے"۔ انھوں نے کہا: (مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا) کہ "ہاں ہمارا تجربہ ہے کہ آپؐ سچ ہی بولتے ہیں"۔ اس لیے جو آپؐ فرماتے ہیں فرمائیے۔ تو آپؐ نے فرمایا: "میری لائی ہوئی تعلیم کو قبول کرلو' ورنہ یاد رکھو میں تمھیں عذابِ الٰہی سے آگاہ اور باخبر کرتا ہوں"۔

○ یہ سُن کر آپؐ کا سگا چچا ابولہب (عبدُالعزیٰ بن عبدُالمطلب) کہنے لگا: تَبًّا لَّكَ سَآئِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا۔ کہ تو تباہ ہو۔ کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔ آپؐ صفا پہاڑی سے اترے تو یہ آیت نازل ہوئی:

قرآن تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ (اَللَّهَب-۱۱۱:۱)

ترجمہ دو ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور وہ برباد ہوگیا یعنی اس کی قوتیں بیکار ہو گئیں اور اس کی تدبیریں بے اثر رہیں۔

قرآن مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ (۱۱۱ : ۲)

ترجمہ: نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مختارِ کل ہے اپنا فیصلہ کرتے وقت یہ پروا نہیں کی کہ اپنے حبیب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا ہے۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے آپؐ کی ولادت باسعادت پر خوشیاں منائی تھیں، اور اس خوشی میں اپنی کنیز "ثویبہ" کو آزاد کیا تھا، جو کہ آپؐ کی رضاعی ماں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اس چچا کے متعلق یہی قطعی حکم فرما دیا کہ تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ اور آپؐ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کے بعد کیا کہہ سکتے تھے۔ باوجودیکہ آپؐ کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

○ معلوم ہوا کہ حکم الٰہی سب پر غالب ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن: وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى أَمْرِهٖ (یُوْسُف-۱۲: ۲۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ زبردست ہے جو کام چاہتا ہے یعنی ہر قسم کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

قرآن: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (الْاَنْعَام-۶: ۶۱)

ترجمہ: اور زبردست ہے اپنے بندوں پر یعنی اپنے بندوں پر کامل غلبہ اور اقتدار رکھتا ہے۔ یعنی اس کا سب پر دباؤ ہے اور اس پر کسی کا دباؤ نہیں۔ یعنی خود قادر ہونے کے ساتھ دوسرے کو مراد حاصل کرنے سے روکنے والا قاھر اور قہار ہے۔

قرآن: وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (اَلرَّعْد-۱۳: ۱۶)

قرآن: اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (صٓ-۳۸: ۶۵)

○ ایک روایت میں اس طرح بھی آتا ہے کہ اس موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا نام لے لے کر فرمایا:

① یا بنی کعب انقذوا انفسکم من النار!
② یا بنی مرۃ بن کعب انقذوا انفسکم من النار!
③ یا بنی عبد شمس انقذوا انفسکم من النار!
④ یا بنی عبد مناف انقذوا انفسکم من النار!
⑤ یا بنی ہاشم انقذوا انفسکم من النار!
⑥ یا بنی عبد المطلب انقذوا انفسکم من النار!

اپنے آپ کو نارِ جہنم سے بچاؤ! یعنی میری لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان لاؤ۔
○ آخر میں اپنی پیاری صاحبزادی فاطمۃ الزہراءؓ کا نام لے کر فرمایا:

⑦ اِنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ! فَاِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔

ترجمہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچا!۔ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑانے کا ذرا اختیار نہیں رکھتا۔ (صحیح مسلم ص ۱۱۴)

○ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے معشر قریش' بنی عبدالمطلب' عباس بن عبدالمطلب' صفیہ بنت عبدالمطلب کو خطاب کر کے فرمایا:

حدیث لَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔

ترجمہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ آخر میں فرمایا:

حدیث اَلَآ اِنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا (صحیح مسلم ص ۱۱۴) ہاں تمہارا مجھ سے قریبی رشتہ ہے جس کا میں دُنیا میں خیال رکھوں گا۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ تم دنیا میں شرک کرتے رہو اور میں آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بچالوں۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۰)

○ ابو الشیخ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ عتبہ بن شیبہ اور ابوجہل وغیرہم اکٹھے ہو کر آپؐ سے کہنے لگے:

قرآن اَسْقِطِ السَّمَآءَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ اٰتِنَا بِعَذَابٍ اَوْ اَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

ترجمہ (یا محمد!) ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادے۔ یا ہم پر کوئی اور عذاب لے آ۔ یا ہم پر آسمان سے پتھر برسادے۔

جواب اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: "یہ میرا کام نہیں میں تو تمہاری طرف اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ کلمۂ توحید: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی دعوت دوں۔ پھر اس دعوت کو جو دل و جان سے مان لے اس کو جنّت کی خوشخبری سنادوں، اور جو اس دعوت کو مسترد کردے اس کو دوزخ کے عذاب سے آگاہ کردوں"۔

○ اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختارِ کُل کہیں تو ان تمام احادیث صحیحہ کا انکار لازم آئے گا جو کہ کفر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قرآن فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (اَلشُّعَرَآء ۲۶: ۲۱۶)

ترجمہ پھر اگر وہ مشرک آپؐ کا کہنا نہ مانیں تو آپؐ ان سے فرمادیجیے کہ میں تمہارے کاموں سے الگ اور بیزار ہوں۔ یعنی تمہارے بُرے کاموں کا مواخذہ تم ہی سے ہوگا۔ میں اس سے بری الذمہ ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف جو کوئی کرے اس سے آپؐ الگ اور بیزار رہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنے والا خواہ اپنا ہو یا پرایا، کم ہوں یا زیادہ آپؐ کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں جو زبردست بھی ہے کہ اس کے مقابلہ میں کسی کی چل نہیں سکتی، اور مہربان بھی ہے وہ اپنی مہربانی سے آپؐ کے حال پر نظرِ عنایت رکھتا ہے۔ (دیکھیے: موضح قرآن)

چچا ابو طالب کے حق میں دعا

○ حضرت امام محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح بخاری ص۱۸۱ و ص۵۴۸ میں: بَابُ اِذَا قَالَ الْمُشْرِكُ عِنْدَ الْمَوْتِ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

حدیث انه لما حضرت اباطالب الوفاة جاء ہ رسول الله ﷺ فوجد عنده اباجهل بن هشام و عبدالله بن ابي امية بن المغيرة قال رسول الله ﷺ لابي طالب: ياعم قل: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" كلمة اشهدلك بها عند الله. فقال ابوجهل و عبدالله بن امية: "يااباطالب اترغب عن ملة عبدالمطلب". فلم يزل رسول الله ﷺ يعرضها عليه و يعودان بتلك المقالة. حتى قال ابوطالب آخر ما كلمهم: هو على ملة عبدالمطلب، و ابى ان يقول: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ". فقال رسول الله ﷺ: اما و الله لاستغفرن لك ما لم انه عنك. فانزل الله تعالى فيه: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (۹ : ۱۱۳)

ترجمہ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ابوطالب کے انتقال کا وقت قریب آ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے ابوطالب سے فرمایا:
"چچا! "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" ایک بار کہہ دو۔ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے اس کی شہادت دوں گا"۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بولے: "ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے مذہب سے روگردانی کرتے ہو"۔ چنانچہ دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ابوطالب کے سامنے کلمۂ شہادت پیش کرتے رہے۔ اور ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ وہی بات دہراتے رہے۔ آخر کار ابوطالب نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کہنے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا کہ: "میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ پاک کی قسم میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے اس وقت تک دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے منع نہ کر دیا جائے"۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل

فرمائی : مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ ..... (الخ) یعنی نبی اور مومنوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں اگر چہ وہ مشرکین رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر یہ بات ظاہر ہو چکے کہ وہ مرنے والے اہلِ دوزخ ہیں۔

○ اس حدیثِ مبارک سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص کفر پر مرا وہ جنّتی ہے۔ وہ نہ شفاعت کا مستحق ہے نہ اس کو مقربین و انبیاء کی قرابت کچھ نفع دے گی۔ رسُول اللہ ﷺ کو بھی مشرک کے حق میں دعائے مغفرت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا۔

ابوطالب کا مذہب

حدیث مشکوٰۃ ص ۱۶ میں ہے : من قبل منی الکلمۃ التی عرضت علی عمی فردھا فھی لہ نجاۃ جو کلمہ میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تھا پھر اس نے اس کو ٹھکرا دیا‘ وہی کلمہ جو بھی قبول کرلے گا تو وہ اس کیلیے موجب نجات ہوگا۔

حدیث نسائی ج ۱ ص ۴۱ میں امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر کہا : اِنَّ اَبَا طَالِبٍ مَاتَ. کہ ابوطالب مر گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "اِذْهَبْ فَوَارِهِ" کہ "جا اس کو (گڑھا کھود کر) دبا دے"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ : "اِنَّهُ مَاتَ مُشْرِكًا" کہ "وہ تو مشرک مرا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "اِذْهَبْ فَوَارِهِ". "جا اس کو دبا دے"۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی‘ اور ابوطالب کو گڑھا کھود کر دبا دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : "پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا : "اِغْتَسِلْ" کہ "نہا لے"۔

حدیث مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۴۲ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ان عمك الشيخ الضال قد مات. و فی روایۃ ان عمك الشيخ الكافر قد مات. یارسول اللہ! آپ ﷺ کا گمراہ / کافر بڈھا چچا مر گیا ہے۔

حدیث ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۲ فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۸ و اصابہ ج ۴ ص ۱۴۲ میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ان عمك الشیخ الضال قدمات۔ نیز دیکھیے: ① ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۶ مع حاشیہ الشیخ مجتبائی۔ ② کفایہ ج ۲ ص ۹۴ ③ عنایہ ج ۲ ص ۹۴ ④ البحرالرائق ج ۲ ص ۱۹۰ ⑤ عیون الاثر ج ۱ ص ۱۳۲ ⑥ البدایہ و النہایہ ج ۳ ص ۱۲۲، ج ۳ ص ۱۲۹ ⑦ زرقانی ج ۱ ص ۲۹۱ ⑧ اصابہ ج ۴ ص ۱۱۵ ⑨ فقہ اکبر ص ۱۵ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ابوطالب عمہ علیہ السلام مات کافرا۔ آپؐ کا چچا ابوطالب بحالت کفر مرا۔

⑦ ہدایہ اخیرین ج ۴ ص ۶۶۴ ابوطالب ادرك الاسلام و لم یسلم ابوطالب نے اسلام کا زمانہ پایا مگر اسلام نہیں لایا۔

○ شامی ج ۳ ص ۳۱۰ میں ہے اطبقوا علی کفر ابی طالب

○ جامع البیان ص ۳۴۰ میں ہے: أیة إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ نزلت حین عرض رسول اللہ ﷺ الایمان علی ابی طالب فی حین موته فأبی و ردّ۔ کہ یہ آیت إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب پر اس کی موت کے وقت ایمان کی دعوت پیش فرمائی، تو اس نے انکار کر دیا اور مسترد کر دیا۔

○ جامع البیان کے حاشیہ الوجیز میں ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن مردویہ اور بیہقی کے حوالے سے تحریر فرمایا: قد اجمع اهل الدین علی انها (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ) نزلت فی ابی طالب و حدیثه مسطور فی الصحیحین۔ تمام اہل دین کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں اتری ہے۔ اور یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

○ تفسیر ابن جریر ج ۲۰ ص ۵۹ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے

فرمایا کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے نازل ہوئی۔

○ الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۸ میں ہے: ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت لکھی ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں اتری۔

○ تفسیر نیشاپوری ص ۵۷ میں ہے: قال الزجاج اجمع المسلمون علی انها نزلت فی ابی طالب۔ زجاج نے کہا تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں اتری۔

○ نیز ① تفسیر رازی ج ۶ ص ۴۴۹ ② کشاف ج ۳ ص ۱۷۶ ③ مدارک ص ۵۷۳ ④ حسینی ص ۱۵۷ ⑤ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۲ و ج ۱ ص ۱۲۳ میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

○ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۳ میں ہے: و هکذا قال ابن عباس و مجاهد والشعبی و قتادة انها نزلت فی ابی طالب۔

○ اسی طرح بغوی ج ۳ ص ۳۵۳ مقاتل کے حوالے سے لکھا ہے: انه لم یومن حتی مات هو الصحیح کہ یہی صحیح ہے کہ ابوطالب ایمان نہیں لایا۔ حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ نیز تفسیر صاوی ج ۲۰ ص ۸۴ میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

○ نیز ابو السعود ج ۷ ص ۳۶۱ و بیضاوی ص ۵۷۳ و خازن ص ۵۷۳ و صاوی ج ۳ ص ۱۷۳ میں ہے: والجمهور علی انها نزلت فی ابی طالب کہ جمہور علماء کا مسلک ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں اتری۔ کیونکہ: قال و لکنی سوف اموت علی ملة الاشیاخ عبدالمطلب و هاشم و عبدمناف ابوطالب نے کہا تھا کہ میں اپنے اشیاخ عبدالمطلب، ہاشم، عبد مناف کے دین پر مروں گا۔

○ مگر شیعہ اور ان کے مفسرین کہتے ہیں کہ ائمۂ اہل بیت کا اجماع ہے کہ ابوطالب مسلمان تھا اور آپ کے اکثر قصائد اس کے شاہد ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کی روایات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ (روح المعانی ج ۲۰ ص ۸۴)

○ اگر سلیم الطبع والعقل سوچے تو اس کا صاحب ذہن یہی رائے دے گا کہ واقعی ابوطالب آخر وقت تک کفر پر ہی قائم رہا۔ کیونکہ مشرکین مکہ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے کلمۂ توحید سن کر مخالفت شروع کر دی اور آخر دم تک مخالفت پر کمر بستہ رہے مگر کفار میں سے ابوطالب کی مخالفت کسی نے نہیں کی۔

○ اگر ابوطالب موحد ہوتا تو مشرکین جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق اور امین ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود مخالفت کرتے تھے ابوطالب کے بھی خلاف ہو جاتے مگر مرتے دم تک ابوطالب کعبہ شریف کا متولی رہا اور معبودوں کی قربانیوں کا محافظ رہا اور ان کے بدلے نذریں لیتا رہا جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے۔

○ ان شواہد سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب مرتے دم تک کافر ہی رہا۔ اور احادیث صحیحہ متواترہ بھی اس کی شاہد ہیں اور فرقہ شیعہ اور بعض صوفی مزاج لوگوں کے سوا تمام مسلمانوں کا ابوطالب کے کفر پر اتفاق و اجماع ہے۔

ابوطالب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت

○ لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت ابوطالب نے کی تھی، یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اصلیت پر پردہ ڈالتے ہوئے اپنے مخصوص مقاصد کے لیے لوگوں نے اس کے متعلق کئی من گھڑت باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ مثلاً:

(۱) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کے سلسلے میں قرعہ ڈالا گیا تو ابوطالب کے نام کا قرعہ نکلا۔

(۲) عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سگے چچا زبیر اور ابوطالب آپکے کفیل بنے۔

③ زبیر کی وفات کے بعد اکیلے ابوطالب نے آپؐ کی تربیت کی۔

④ آپؐ کی عمر چودہ برس کی تھی کہ زبیر فوت ہوگئے، پھر ابوطالب اکیلے آپؐ کے کفیل بنے۔ (دیکھیے: سیرتِ حلبیہ ج ۱ ص ۱۳۶)

⑤ آپؐ کے دادا جان عبدالمطلبؓ نے آپؐ کی کفالت کی وصیت اپنے صاحبزادے زبیر کو کی تھی۔ (طبقاتِ ابن سعد ج ۱ ص ۹۳)

○ پہلی چاروں باتیں صحیح نہیں کیونکہ قرعہ مساوات کے وقت ڈالا جاتا تھا۔ لیکن ان دونوں بھائیوں میں مساوات نہ تھی۔ کیونکہ زبیر کی مالی حالت اچھی تھی اور آل ہاشم کے علمبردار تھے۔ اور ابوطالب کی مالی حالت کمزور تھی، اور لنگڑے بھی تھے، اور اپنے بچوں میں سے ایک بچہ اپنے بھائی عباس کو دیا کہ اس کی کفالت تم کرو اور حضرت علی کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھا۔

○ دوسرے قول میں بھی کچھ وزن نہیں۔ کیونکہ دو کی کفالت ایک مہمل سی بات ہے۔ اور زبیر کی وفات حلف الفضول اور حرب الفجار کے بعد ہوئی، جو عام الفیل سے بیس سال کے بعد ہوئی۔ اور اس وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بھی بیس سال تھی۔ اور آپؐ اس عمر میں کفالت سے مستغنی تھے۔ (دیکھیے: طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۸ و ص ۱۲۹)

○ اور ابوطالب کی کفالت کی روایات کا ماخذ محمد بن اسحٰق کی کتاب ہے۔ جسے طبری نے نقل کیا ہے۔ ایسی روایات کا علماء حق کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں۔

○ نیز ابوطالب نے آپؐ کو رشتہ دینے سے بھی انکار کیا تھا۔ جیسا کہ:

① محمد بن حبیب نے المحبر ج ۱ ص ۹۸ میں

② محمد بن سعد نے الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۵۲ میں اور

③ حافظ ابن حجر نے الاصابہ ج ۴ ص ۵۰۳ میں لکھا ہے کہ آپؐ نے زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے بعد اپنے چچا ابوطالب کو کہا کہ میری چچازاد بہن

تمھاری بیٹی ہند بنتِ ابی طالب (اُمِّ ہانی) سے میرا عقدِ نکاح کر دو۔ تو بجائے اس کے کہ اپنے اکلوتے بھتیجے کو اپنی بیٹی نکاح کر دیتا۔ اس نے ہبیرۃ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم سے اپنی بیٹی ہند کا نکاح کر دیا۔

اس پر حضرت نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

چاچاجی! "تم نے اپنی بیٹی ہند کا نکاح ہبیرہ سے کر دیا اور مجھے چھوڑ دیا ہے"۔

ابوطالب نے جواب دیا:

بھتیجے! ○ ان کے ساتھ میرا سسرالی تعلق تھا۔

○ اور شریف آدمی کا کام ہے کہ شریف کی مکافات کرے۔

○ هل جزاء الاحسان الا الاحسان

پھر ہبیرہ کے تین بیٹے: ① ہانی، ② یوسف، اور ③ جعدہ۔ اُمِّ ہانی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اسی لیے ان کی کنیت اُمِّ ہانی ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اُمِّ ہانی مشرف باسلام ہوگئیں۔ لیکن ان کا شوہر ہبیرۃ بحالتِ کفر ہی مرا۔

○ اسی طرح اور بے شمار واقعات بھی کتبِ احادیث میں موجود ہیں جن سے اس بات کا واضح اور غیر مبہم ثبوت ملتا ہے کہ حضرت نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین کی طرف سے طرح طرح کی تکالیف پہنچائی جاتی رہیں اور آپؐ ہمیشہ صبر سے کام لیتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ کو اپنے آبائی شہر سے ہجرت کرنی پڑی۔

○ صرف لفظِ ہجرت میں ہی غور کر لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ کو مختارِ کُل سمجھنے والے بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اگرچہ آپؐ کی ہجرت میں بہت سے راز پنہاں ہیں، تاہم کفار کی طرف سے قتل کیے جانے کے خوف سے باذنِ الٰہی اپنا آبائی شہر اور گھربار چھوڑنا آپؐ کے مختارِ کُل نہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

حدیث بخاری ج ۲ ص ۸۸۷ و مسلم ج ۲ ص ۲۵۴ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک بچے کو بوسہ دے رہے ہیں۔ کہنے لگا کہ آپ بھی بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم تو ایسا نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا: اَوَاَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے شفقت نکال دی ہے تو اس میں میرا کیا اختیار ہے کہ دل سے شفقت نکلنے ہی نہ دوں یا تیرے دل میں شفقت ڈال دوں۔

فائدہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ کسی کے دل میں شفقت ڈالنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے کسی کے دل میں شفقت ڈالنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۱۵۵ میں ایک لمبی حدیث میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے حق میں وعید بیان فرمائی۔ کسی نے صراحت کروائی تو اونٹ' گائے' بھینس' بھیڑ' بکری اور گھوڑے کے بارے میں آپ نے جواب دیا۔ پھر گدھوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مَا اُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ اِلَّا هٰذِهِ الْاٰيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال-۹۹: ۷، ۸) یعنی گدھوں کے بارے مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا سوائے اس آیت کے جو منفرد اور جامع ہے کہ جو کوئی ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بھی بدی کی اسے بھی دیکھ لے گا۔

فائدہ زکوٰۃ وغیرہ احکام شرعیہ میں کلی اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم زکوٰۃ میں اپنی طرف سے معین مقدار بتانے کا اختیار نہیں۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۲۵۲ میں ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا:

یارسول اللہ! اگر میں صبر کرتے ہوئے اور موجب ثواب سمجھتے ہوئے سینہ سپر ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مارا جاؤں اور پیٹھ نہ دکھاؤں تو اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرما دے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا: "ہاں!"۔ پھر وہ آدمی جا رہا تھا کہ آپؐ نے اس کو آواز دی اور فرمایا کہ: "ہاں تیری سب خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ سوائے قرض کے۔ اسی طرح جبرائیل نے مجھے بتایا ہے"۔

○ اور جبرائیلؑ بھی بغیر حکم الٰہی کے کچھ نہیں فرماتے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قرآن فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرۃ ۲: ۹۷)

اس آیت کریمہ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے جبرائیل نے آپؐ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ استثناء نازل فرمایا۔

قرآن وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ (مریم ۱۹: ۶۴)

ترجمہ یارسول اللہ! ہم فرشتے بغیر حکم الٰہی کے نہیں آسکتے۔

فائدہ اگر آپؐ مختارِ کل ہوتے تو جبریل علیہ السلام کے کہنے پر فرما دیتے میں نے جو حکم دیا ہے وہی ٹھیک ہے۔ قرضے کے استثناء کی ضرورت نہیں۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۲۶۴ میں ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوی ان کی دو بیٹیوں کو لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: ان دونوں کا باپ احد کی لڑائی میں شہید ہو گیا اور ان کا سارا مال ان کا چچا لے گیا اور ان کے لیے کوئی مال نہیں چھوڑا اور بچیوں کا نکاح بغیر مال کے نہیں ہو سکتا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔ تب میراث کی آیت نازل ہوئی۔ پھر آپؐ نے ان کے چچا کی طرف پیغام بھیجا کہ ان دو بیٹیوں کو کل مال کی دو تہائی (⅔) دے اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ (⅛) دے اور باقی تیرا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور مختارِ کل نہ تھے۔ بلکہ حکم الٰہی کے منتظر رہتے تھے۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۲۸۹ میں ہے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ فُریعہ بنت مالک کا خاوند اپنے غلاموں کی تلاش میں نکلا تو ان غلاموں نے اسے قتل کر دیا تو فُریعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے خاوند نے گھر میں کچھ خرچہ وغیرہ نہیں چھوڑا تو کیا میں اپنے میکے جا سکتی ہوں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں" پھر فریعہ جاتے ہوئے ابھی حجرہ یا مسجد ہی میں تھی کہ آپ نے پھر بلایا اور فرمایا: "عدت ختم ہونے تک اپنے گھر میں ہی رہ۔ تو چار ماہ دس دن اپنے گھر میں ہی گذار۔ اللہ تعالیٰ کا حکم رد نہیں ہو سکتا" اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختارِ کل نہیں۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۳۵۱ میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کی کوہان کے بال لے کر فرمایا: "لوگو! اس مال فئ میں سے کچھ لینے کا مجھے بھی کوئی اختیار نہیں اور نہ بن لتنے سے بالوں کا اختیار ہے"۔ پھر اپنی انگلی اٹھا کر فرمایا: "الا الخمس۔ سوائے خمس کے۔ اور خمس بھی تمہاری طرف لوٹایا جائے گا۔ اس لیے سوئی تاگے تک ادا کر دو"۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ آپ مختارِ کل نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے لیے کچھ رکھنے کی اجازت نہ تھی۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۱۶۱ و ص ۱۶۲ میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر کہا کہ مجھے صدقہ دو۔ تو آپ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں کسی نبی یا غیر نبی کے فیصلہ پر راضی نہیں۔ حتیٰ کہ خود اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرماتے ہوئے آٹھ مصرف بتا دیے۔ اگر تو بھی ان آٹھ مصارف میں سے ہے تو میں تجھے صدقہ دیدیتا ہوں۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۴۸۹ میں قیامت کے دن شفاعت کے بارے ایک لمبی حدیث ہے جس میں یہ بات بھی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رب ائذن لی فیمن قال لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ"۔ اے میرے رب! جس شخص نے

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہا ہو اس کے بارے میں مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دیجیے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ لیس لك ذٰلك یعنی ایسے آدمی کا نکالنا آپ کے حوالے نہیں یہ تو میں اپنے فضل و کرم سے نکالوں گا۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۴۹۰ میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کہیں گے رَبَّنَا مابقی فیہا احد ممن امرتنا بہ اے ہمارے رب اب اس دوزخ میں ایسا کوئی آدمی باقی نہیں رہا جس کے متعلق سفارش کرنے کا حکم تو نے ہم کو دیا۔

○ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر شفعاء مجازین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کرنے میں پابندی ہوگی کہ اس حد سے باہر کسی کی سفارش نہ کرسکیں۔ جس سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی عنایت کے ساتھ بہت سے اختیارات حاصل ہونے کے باوجود انبیاء کرام علیہم السلام و دیگر تمام شفعاء مختارِ کل نہیں ہوتے۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۵۷۸ میں امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا مِنْ غَيْرِ مَشُوْرَةٍ لَاَمَّرْتُ عَلَيْهِمُ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ۔ کہ اگر میں بغیر مشورہ کے کسی کو امیر بناتا تو ابنِ امِ عبد یعنی حضرت عبد اللہ بِن مسعود رضی اللہ عنہ کو امیر بناتا۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو خلیفہ یا امیر بنانے کا اختیار نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا امیر بنایا۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۴۸۸ میں ایک لمبی حدیث ہے جس میں ہے کہ قیامت کے دن لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پاس علی الترتیب شفاعت کرانے جائیں گے۔ سب جواب دیں گے۔ کہ ہمارا یہ مقام نہیں۔ آخر شفیع المذنبین، امام الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔ آپ فرمائیں گے کہ میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا، اجازت مل جائے گی تو شفاعت

کروں گا۔ پھر آپؐ مقام محمود میں سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ سجدے کی حالت میں مجھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھائیں' جو آپؐ کہیں گے اس کی شنوائی ہوگی۔ شفارش کریں' سفارش مانی جائے گی اور مانگیے ملے گا۔ اور میں اس وقت اپنے رب کی وہ ثناء و تمید بیان کروں گا جو اس وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا۔ پھر سفارش کے لیے بھی اللہ تعالیٰ ایک حد مقرر فرمائیں گے۔ اس حد سے باہر آپؐ کو کسی کی سفارش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ آپؐ حکم الٰہی کے پابند ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا: إِنَّ الشَّفَاعَةَ أَمْرُهَا إِلَى اللهِ۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۴۹ میں بحوالہ ابوداؤد (ص ۳۷) حدیث ہے کہ پہلے ۵۰ نمازیں فرض ہوئی تھیں اور غسل جنابت سات بار فرض تھا۔ پھر کپڑے پر پیشاب لگ جائے تو سات دفعہ دھونے کا حکم تھا۔ پھر حضرت محمد ﷺ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کی تخفیف کے لیے اپنے رب سے سوال کرتے رہے حتی کہ نمازیں پانچ کر دی گئیں اور غسل جنابۃ ایک دفعہ فرض کیا گیا اور کپڑے پر لگے ہوئے پیشاب کو ایک بار دھونے سے پاک ہو جانے کا حکم دیا۔

○ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ رسول اللہ ﷺ کسی چیز کے فرض یا حرام کرنے میں خود مختار نہ تھے۔ بلکہ حکم الٰہی کے تابع تھے۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۴۶ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ چلو بھر پانی لے کر حنک کے نیچے داخل کر کے خلال کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے: هٰكَذَا أَمَرَنِي رَبِّي میرے رب نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۴۷ میں ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم تھا خواہ پہلے وضو ہو یا نہ ہو۔ پھر جب آپؐ پر یہ حکم شاق ہوا تو آپؐ کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم ملا۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۵۴ میں ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے پاؤں دھونے کے دونوں موزوں پر مسح کر لیا۔ میں نے کہا: آپ پاؤں دھونے بھول گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نہیں بلکہ تو بھولا ہے۔ مجھے میرے رب نے یہی حکم دیا ہے۔

تنبیہ موزوں پر مسح کرنے کی حدیث چونکہ تواتر سے ثابت ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں پاؤں دھونے کے حکم عام کو اس حدیث متواتر سے خاص کیا گیا ہے۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۲۷۹ میں ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کی باری کی خوب حفاظت کرتے اور عدل و انصاف کرتے تھے اور فرماتے: "اے اللہ تعالیٰ یہ حفاظت و عدل ان امور میں سے ہے جن میں میرے اختیار کا تعلق ہے اور جو ایسی چیز ہو جس میں تیرا اختیار ہے اور میرے اختیار سے باہر ہے اس میں میرا مواخذہ نہ کرنا"۔

حدیث ابوداؤد ج ۲ ص ۵۳ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ میں داتا ہوں اور نہ میں کسی کو دینے سے روکنے والا ہوں۔ میں تو بس ایک خزانچی ہوں۔ جہاں مجھے من جانب اللہ حکم ملتا ہے میں یہ مال وہیں رکھتا ہوں"۔

○ کتاب الخراج ص ۴۹ میں حضرت امام ابو یوسف تلمیذ امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہی مسلک احناف اصحاب انصاف کا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختارِ کل نہیں ہیں۔

حدیث ابوداؤد ج ۲ ص ۶۴ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو کنت جاعلا لمشرك دية جعلت لاخيك۔ اگر میرے بس میں مشرک کی دیت ہوتی تو میں تیرے بھائی مشرک کے لیے حکم دیتا۔

حدیث مشکوٰۃ ص ۳۲۷ بحوالہ ابی داؤد میں ہے آپ نے فرمایا: انما اقضی بینکما فی مالم ینزل علی فیه۔ میں اپنی رائے سے فیصلہ صرف اسی صورت میں کرتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کا حکم مجھ پر نازل نہ ہوا ہو۔

حدیث بخاری ص ۱۰۹۵ میں ہے لا ینبغ، للنبی لبس لامتہ فیضعہا حتی یحکم اللہ۔ کسی نبی کو یہ مناسب نہیں کہ اپنی زرہ پہن کر اتار دے جب تک اللہ تعالیٰ حکم نہ دے۔

حدیث ابوداؤد ج ۲ ص ۸۷ میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کرنے آئے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ پر غشی طاری ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی تو عبداللہ نے آپؐ کی آواز کا کچھ جواب نہ دیا۔ تو آپؐ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور فرمایا: غلبنا علیك یا ابا الربیع یعنی ہم تو چاہتے تھے آپؐ کی حیات کو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب ہے۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے مغلوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تمہاری وفات کا ہے۔

- مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱۰ ص ۱۱۵ میں ہے: قد لا اغنی عنکم من اللہ شیئاً۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کچھ بھی تم سے نہ ہٹا سکتا ہوں اور نہ دور کر سکتا ہوں۔
- نیز مرقات ج ۱۰ ص ۱۰۴ میں ہے کہ اس (مذکورِ بالا) حدیث کے معنے یہ ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کرے تو تم سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کچھ کمی کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں ہے۔
- اور یہ حدیث اقتباس ہے قرآن مجید کی ان آیتوں میں سے:

قرآن قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (الفتح۔ ۴۸: ۱۱)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ ان منافقین سے پوچھیے کہ وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے کسی چیز کا بھی اختیار رکھتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے۔ کوئی نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارے سب اعمال سے خوب باخبر ہے اور وہی تخلف کے اصلی وجوہ سے بھی مطلع کر سکتا ہے۔

○ عقیلی، ابنِ عدی، ابنِ مردویہ، دیلمی، ابنِ عساکر اور ابنِ نجار نے امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

حدیث بعثت داعیاً و مبلغاً و لیس الی من الھدٰی شیٔ

ترجمہ مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ کلمۂ توحید: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی شہادت دینے کی طرف لوگوں کو دعوت دوں اور مبلّغ بنا کر مجھے مبعوث کیا گیا ہے اور لوگوں کو منزلِ مقصود تک پہنچانا میرے بس میں نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کے لیے استغفار سے ممانعت

حدیث حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① میں نے اپنے ربّ سے اجازت مانگی کہ میں اپنی اماں جان کے حق میں استغفار کر سکتا ہوں؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اس کی اجازت نہیں ملی۔

② پھر میں نے اجازت مانگی کہ میں اپنی اماں جان کی قبر کی زیارت کر سکتا ہوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت دیدی۔ (صحیح مسلم ص ۳۱۴)

حدیث دوسری روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اماں جان کی قبر کی زیارت فرمائی تو اتنا روئے کہ ارد گرد (کم و بیش ایک ہزار) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی رُلا دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ: "میں نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ میں اپنی اماں جان کے حق میں استغفار کر سکتا ہوں تو مجھے اجازت نہ ملی"۔ الخ (صحیح مسلم ص ۳۱۴)

○ مسند احمد میں ہے کہ امیرالمؤمنینؓ سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے رونے کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے اس کے جواب میں وہی ارشاد فرمایا جو مذکورِ بالا حدیث میں گزرا ہے۔

○ تفسیر ابنِ جریر میں ہے: فما رئی باکیا اکثر من یومئذ۔ یعنی آپؐ اتنا

روئے کبھی ایسا نہیں روئے۔ عینی شرح بخاری میں بھی اسی طرح ہے۔

○ طبرانی میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

حدیث فَأَخَذَنِي مَا يَأْخُذُ الْوَلَدَ لِلْوَالِدِ. پس میں بہ تقاضائے بشریت رو پڑا۔ مجھے میری ماں پر رحم آیا۔ تب جبرائیلؑ نے آکر فرمایا:

حدیث فَتَبَرَّأْ مِنْ أُمِّكَ كَمَا تَبَرَّأَ إِبْرَاهِيمُ مِنْ أَبِيهِ (طبرانی)

ترجمہ یارسول اللہ! آپ بھی اپنی ماں سے بیزار ہو جائیے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے بیزار ہو گئے تھے۔

حدیث حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ:

قرآن مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبۃ ۹: ۱۱۳)

ترجمہ اس نبی اور مومنوں کو یہ روا نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں، اگرچہ وہ مشرکین رشتہ دار ہی ہوں۔ جب ان پر یہ بات ظاہر ہوجائے کہ وہ مرے ہوئے دوزخی ہیں .... نازل ہوئی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث أُمِرْتُ أَنْ لَا أَسْتَغْفِرَ لِمَنْ مَاتَ مُشْرِكًا

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کی مغفرت نہ مانگو جو شرک پر مرا ہو۔

حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے آکر کہا:

یارسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ جنت میں یا دوزخ میں؟

آپؐ نے فرمایا: دوزخ میں ہے۔

پھر وہ آدمی رنجیدہ خاطر ہو کر واپس جا رہا تھا تو آپؐ نے اس کو واپس بلایا اور فرمایا کہ: "میرا باپ بھی اور تیرا باپ بھی جہنم میں ہیں"۔ کیونکہ زمانۂ فترت کے اہل عرب نے دعوت ابراہیمی کے خلاف زندگی گزاری۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۴)

حاصل حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے حق میں دعا کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے قبول نہ فرمایا۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے حق میں دعائے مغفرت کی، وہ بھی نہ مانی گئی۔

○ حضرت محمد ﷺ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو منع کر دیا گیا۔

○ اسی طرح آپؐ نے اپنی اماں جان کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ اس سے بھی آپؐ کو روکا گیا۔ لیکن اس کے برعکس :

حدیث جب آپؐ نے ابوسفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمروؓ اور صفوان بن امیہ پر لعنت اور بددعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آیت : لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (آل عمران۔۳: ۱۲۸) نازل فرما کر ان لوگوں کے متعلق بددعاء کرنے سے روک دیا۔ فَنَهَىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الدُّعَاءِ عَلَيْهِمْ۔ اور جن کے حق میں آپؐ بددعاء کر رہے تھے فَتِيْبَ عَلَيْهِمْ كُلِّهِمْ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے مشرف باسلام کر دیا۔ (درمنثور ج ۲ ص ۳۱۲)

حدیث اسی طرح ایک مرتبہ آپؐ نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں قبیلہ مضر، لحیان، رعل، ذکوان اور عصیہ کے حق میں باآوازِ بلند بددعائیں کرتے رہے۔ پھر جب آیت : لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ نازل ہوئی تو آپؐ نے بددعاء کرنا چھوڑ دیا۔ (درمنثور ج ۲ ص ۳۱۳)

حدیث اسی طرح ایک قریشی آدمی کے حق میں آپؐ نے لعنت کی اور بددعاء کی۔ اسی آیت سے آپؐ کو اس کی بددعاء سے روکا گیا۔ آخر کار وہ بھی مشرف باسلام اور پکا مسلمان ہو گیا۔

○ شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے موضح قرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ : اس آیت میں پیغمبر علیہ السلام سے فرمایا کہ بندے کو اختیار نہیں۔

ہر قسم کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

حدیث نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت پر قحط کا ایسا عذاب نہ آئے جس میں سب ہلاک ہوجائیں اور طوفان نہ آئے جس میں سب غرق ہوجائیں۔ یہ دونوں باتیں تو اللہ تعالیٰ نے منظور کرلیں۔ اور میں نے یہ دعا بھی کی تھی کہ میری امت میں آپس کا تفرقہ اور پھوٹ نہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول نہیں فرمائی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۰۴ عن سعد بحوالہ صحیح مسلم)

○ ابو الانبیاء خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے وعدہ فرمایا تھا: لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (طٰہٰ۔ ۲۰: ۴) میں تمہارے لیے استغفار تو ضرور کروں گا کہ وہ تمہیں زندگی ہی میں راہِ ہدایت نصیب فرمائے جس سے تیرے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں۔ مگر یہ بات ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں کہ میں اس سے اپنی دعا، عرض داشت خواہ مخواہ قبول کرا ہی لوں۔ مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور صرف درخواست کرسکتا ہوں۔ نفع و نقصان کا مجھے اختیار نہیں یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے وہ اگر چاہے تو میری درخواست قبول فرما کر تمہیں بخش دے گا ورنہ میں اس سے زبردستی تمہاری بخشش نہیں کراسکتا۔

○ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ صریحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام مختارِ کل نہ تھے۔ کیونکہ مختارِ کل کو کسی کے سامنے دستِ دعا دراز کرنے کی قطعًا ضرورت نہیں ہوتی۔ اور انبیاءِ کرام خصوصًا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہِ الٰہی میں دعا کرنا اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ آپ مختارِ کل نہیں تھے۔

○

فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

○ حضرت ابو بکر سرخسیؒ نے اصول سرخسی ج ۱ ص ۱۲۳ میں لکھا ہے: مشیتِ تامہ اور اختیارِ کامل عبد کو اصلاً ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اختیارِ کامل ربوبیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ (اَلْقَصَصْ-۲۸: ۶۸) کا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کے اختیارات میں کوئی اس کا رفیق ہو۔

○ امام طحاویؒ نے مشکل الآثار ج ۱ ص ۸۹ میں ایک حدیث بیان فرمائی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ باریاں بنائی تھیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ "یہ باریاں بنانا تو میرے اختیار میں تھا اور قلبی لگاؤ بعض کی طرف ہونا میرے بس سے باہر ہے اس میں مجھے ملامت نہ کرنا"۔ اس حدیث کے تحت حضرت امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے: "و ھو غیر ملوم فی ذلک اذ کان ذلک مما لا فعل (اختیار) له ﷺ فیه" کہ آپؐ کو قلبی میلان کی وجہ سے ملامت نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں آپؐ کو کوئی اختیار نہیں۔

○ امام ابو یوسف (تلمیذ ابی حنیفہؒ) نے کتاب الخراج ص ۴۸ و ۴۹ میں تحریر فرمایا ہے: "حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چیزوں کا سستا اور مہنگا ہونا من جانب اللہ ہوتا ہے۔ ہمیں جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر میں دخل دیں"۔

○ مصباح المنیر ص ۱۳۹ میں ہے: تمام مخلوقات مخلوق کے کسی ایک فرد کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ یعنی مخلوق میں سے کوئی بھی مختارِ کل نہیں ہو سکتا ہے

ہر چیز میں تصرف کا اختیار ہو۔

○ الصارم المکی ص ۲۴۵ میں ہے: انبیاء اور رسل کا اپنی اپنی امتوں کو نفع پہنچانا ہدایت، ارشاد اور تعلیم کے ذریعے اور ان چیزوں کے ذریعے ہوتا ہے جو اس کے معین اور امدادی ہوں۔ رہا ان کے ماسوا نفع و ضرر، سو اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن: قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۔

اقوالِ اولیاء و صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

○ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکتوبات دفتر اول حصۂ چہارم ص ۱۱۴ میں لکھا ہے: "انبیاء کرام علیہم السلام مراعاتِ اسباب می نمایند و تفویضِ امر بحضرتِ حق می فرمایند"۔ یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام اسباب کی رعایت کرتے ہیں۔ اور اپنے کام حضرتِ حق تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں۔

○ نیز آپ نے دلیل العارفین ص ۲۴ میں تحریر فرمایا ہے: "حضرت رسالت پناہ آرزوئے دیدنِ اصحابِ کہف کرد۔ فرمان آمد کہ ما حکم کردیم کہ تو در دنیا ایشاں را نہ بینی"۔ یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ کہف کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ ہم حکم کر چکے ہیں کہ آپ اس دنیا میں اصحابِ کہف کو نہ دیکھیں گے۔

○ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "سیفِ چشتیائی" ص ۵۲ میں تحریر فرمایا ہے: هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۹۳) میں بذاتِ خود نہیں ہوں مگر اس کا بندہ بھیجا ہوا ہوں۔ لہٰذا ان امور کے سوال کرنے کا بھی بغیر اجازت اس کی کے مختار نہیں ہوں۔

غیر مسلموں کا عقیدہ

❶ غیر مسلم مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مختارِ کل ہیں۔ اور اس عقیدۂ بد کو درست ثابت کرنے کے لیے انھوں نے کلامِ الٰہی میں جو تحریف کی ہے اس کے چند نمونے سطورِ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

١ انجیل متی ٢٨ : ١٨ میں ہے : "یسوع نے پاس آکر ان سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے"۔

فائدہ اس میں صاف بتایا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو کل اختیار ذاتی طور پر نہیں بلکہ یہ اختیار ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ بھی مشیت الٰہی اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

٢ "باپ نے سب چیزیں میرے ہاتھ میں کردی ہیں" (یوحنا ١٣ : ٣)

٣ "میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا ہے"۔ (لوقا ١٠ :)

٤ "اس نے اٹھ کر ہوا کو اور پانی کے زور شور کو جھڑکا اور دونوں تھم گئے اور امن ہو گیا"۔ (لوقا ٨ : ٢٤)

٥ "یہ تو ہوا اور پانی کو حکم دیتا ہے اور وہ اس کی مانتے ہیں"۔ (لوقا ٨ : ٢٥)

٦ "اے یسوع خدا کے بیٹے ۔۔۔۔ تیری منت کرتا ہوں کہ مجھے عذاب میں نہ ڈال"۔ (لوقا ٨ : ٢٨)

٧ "اس کا کلام اختیار سے تھا"۔ (لوقا ٤ : ٣٢)

٨ "وہ اختیار اور قدرت سے ناپاک روحوں کو حکم دیتا ہے اور وہ نکل جاتی ہیں"۔ (لوقا ٤ : ٣٦)

٩ "ابن آدم کو زمین پر گناہوں کے معاف کرنے کا اختیار ہے"۔ (مرقس ٢ : ١٠)

۱۰ "پس ابن آدم سبت کا بھی مالک ہے"۔ (مرقس ۳ :)

۱۱ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بنی آدم کے سب گناہ اور جتنا کفر وہ بکتے ہیں معاف کیا جائے گا"۔ (۲۸ : ۳)

۱۲ یوحنا : ۱۷ و ۱۸ میں ہے یسوع نے کہا : "کوئی اسے مجھ سے چھینتا نہیں بلکہ میں اسے آپ ہی دیتا ہوں۔ مجھے اس کے دینے کا بھی اختیار ہے اور پھر اسے لینے کا بھی اختیار ہے"۔

۱۳ حقیقی عرفان ص۸۱ میں ہے : "خداوند عیسیٰ مسیح جس کا اختیار کل آسمان زمین پر ہے جو ہر ایمان دار کو نجات بخشتا ہے"۔

۱۴ اور ص۲۲ میں ہے : "مسیح باختیارِ خود قدرت دکھاتا رہا"۔ یوحنا : ۱۷ و ۱۸ میں ہے : "مسیح نے کہا کوئی اسے مجھ سے چھینتا نہیں بلکہ میں اسے آپ ہی دیتا ہوں مجھے اس کے دینے کا بھی اختیار ہے اور پھر اسے لینے کا بھی اختیار ہے یہ حکم میرے باپ سے مجھے ملا ہے"۔

۲ اسی طرح ہندو بھی اپنے رسولوں کے بارے میں مختارِ کل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ مثلاً :

۱ کفر توڑ ص۲۶ میں ہندوؤں کا عقیدہ لکھا ہے کہ : "مینہ برسانا، پیدا کرنا وغیرہ رشی (رسول) کے اختیار میں ہوتا ہے"۔

۲ نیز ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ : "برہما، بشن، مہادیو تینوں دیوتے مظہر اور نائبِ خدا بلکہ ایک خدا کے تین خدا اور بالکل حاکم و مختار سارے جہان کے ہیں"۔ (تحفۃ الہند ص۹)

۳ اسی طرح اہلِ تشیع کے آغاخانی فرقے سے تعلق رکھنے والوں کا عقیدہ ہے : "پیر شاہ ہمارے گناہ بخش دیتے ہیں"۔ (آغاخانیت سبق ۴ ص۱۲)

۴ اسی طرح اہلِ تشیع کے اثنا عشری فرقے سے تعلق رکھنے والوں کا اپنے اماموں کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ "تحلیل و تحریم کا اختیار رکھتے ہیں"۔

جیسا کہ اصول کافی ج ا ص ۴۴۱ میں ہے :

۱ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى لَمْ يَزَلْ مُتَفَرِّدًا بِوَحْدَانِيَّتِهٖ ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَ عَلِيًّا وَ فَاطِمَةَ فَمَكَثُوْا اَلْفَ دَهْرٍ ثُمَّ خَلَقَ جَمِيْعَ الْاَشْيَاءِ فَاَشْهَدَهُمْ خَلْقَهَا وَ اَجْرٰى طَاعَتَهُمْ عَلَيْهَا وَ فَوَّضَ اَمْرَهَا اِلَيْهِمْ فَهُمْ يُحِلُّوْنَ مَا يَشَآءُوْنَ وَ يُحَرِّمُوْنَ مَا يَشَآءُوْنَ.

ترجمہ واقعی اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت میں متفرد ہے پھر اس نے محمد ﷺ علی اور فاطمہ کو پیدا کیا۔ ایک ہزار سال تک یونہی رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں پیدا کیں۔ اور پیدا کرتے وقت ان تینوں کو گواہ بنایا اور ان تینوں کی اطاعت و فرمان برداری ان چیزوں پر فرض کی اور یہ تمام چیزیں ان تینوں کے سپرد کردیں۔ اب وہ جو چاہتے ہیں حلال کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں حرام کرتے ہیں۔

۲ اسی طرح اصول کافی ج ا ص ۴۳۸ میں عبداللہ بن سلیمان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ سے "امام" کے بارے میں دریافت کیا کہ: کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف تمام چیزیں تفویض فرمادی ہیں جیسا کہ حضرت سلیمان بن داؤد کی طرف تمام امور تفویض فرمادیے۔ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ "ہاں"۔

○ نیز ان کا عقیدہ ہے کہ: "موت و حیات ائمہ کے اختیار میں ہے"۔

جیسا کہ اصول کافی ج ا ص ۲۵۸ میں ہے :

۳ اِنَّ الْاَئِمَّةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يَعْلَمُوْنَ مَتٰى يَمُوْتُوْنَ وَ اَنَّهُمْ لَا يَمُوْتُوْنَ اِلَّا بِاخْتِيَارٍ مِّنْهُمْ.

ترجمہ اس میں شک نہیں کہ ائمہ علیہم السلام جانتے ہیں کہ وہ کب مریں گے اور یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے اختیار کے ساتھ مرتے ہیں۔

۵ حضرت میر سید سند رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح مواقف ص ۷۵۴ میں تحریر فرمایا

ہے کہ فرقہ مفوضہ سے تعلق رکھنے والوں کا عقیدہ ہے :

۱ إِنَّ اللّٰهَ فَوَّضَ خَلْقَ الدُّنْيَا إِلَى مُحَمَّدٍ أَيْ خَلَقَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا وَفَوَّضَ إِلَيْهِ خَلْقَ الدُّنْيَا فَهُوَ الْخَلَّاقُ لَهَا وَلِمَا فِيهَا۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرما کر تمام دنیا کی پیدائش آپؐ کے سپرد کر دی۔ چنانچہ اب دنیا و مافیہا کے خالق آپؐ ہیں۔

۲ غُنْیَۃُ الطَّالِبِین میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ : "فرقہ مفوضہ والے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تدبیر ائمہ کو سونپ دی ہیں اور نبی پاک کو جہان کے پیدا کرنے اور اس کی تدبیر کرنے کی قدرت عطا کر دی ہے"۔

خلاصۃ الکلام

○ ماحصل اس تمام بحث کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی خالق ارض و سما' ربّ کلّ شئ' قادر علی الإطلاق' واحدِ قہار' بااقتدار' یگانہ ذات ہے جسے تمام امور میں کلّی اختیار ہے۔ خواہ تکوینی ہوں یا تشریعی۔ کوئی نبی اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام نہیں کر سکتا اور نہ اس کی حرام کردہ چیز کو حلال کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قرآن لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (الْكَهْفُ-۱۸:۲۶)

ترجمہ وہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا تکوینی ہو یا تشریعی۔

○ وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ (۱۴:۲۷)

○ وہ جو چاہتا ہے وہی حکم دیتا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ (۵:۱)

○ حکم اسی کا چلتا ہے۔ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ (الْأَنْعَامُ-۶:۶۲)

○ اس کے حکم کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ (الرَّعْدُ-۱۳:۴۱)

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ

○ وہ آپ ہی چاہے تو حکم منسوخ کر دے یا باقی رکھے۔
يُثْبِتُ (الرَّعْدُ۔۱۳:۳۹)

○ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا:

قرآن: اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (الْاَنْعَامُ۔۶:۱۰۷)

ترجمہ: یارسول اللہ! قرآن مجید جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجا گیا ہے' اسی کی ہدایت پر چلے جاؤ۔

قرآن: ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الْجَاثِيَةُ۔۴۵:۱۸)

ترجمہ: پھر اے نبی! ہم نے آپ کو دین کی ایک شریعت یعنی (اسلام) پر لگا دیا ہے۔ تو آپ اسی رستے پر چلے چلو۔ اور ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلو جن کو ان باتوں کا علم نہیں۔ کیونکہ:

قرآن: اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا (الْجَاثِيَةُ۔۴۵:۱۹)

ترجمہ: اللہ کے مقابلے میں یہ لوگ آپ کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اس لیے:

قرآن: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ پر اتارا ہے آپ بھی اسی کے مطابق ان لوگوں میں حکم دیں۔ اور جو حق بات آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ بلکہ:

قرآن: فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (النِّسَآءُ۔۴:۸۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کے ساتھ قتال کریں۔

○ ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کو اپنی طرف سے احکام شرعیہ میں فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اسی لیے آپ وحی کی انتظار میں رہتے تھے۔ اس کے بغیر آپ فیصلہ نہ فرماتے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی دعاؤں کے ذریعے ہاتھ پھیلا پھیلا کر درخواستیں پیش کرتے۔ اور اُمت کے حق میں

دعائیں فرماتے۔ آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی' قبول کرے یا نہ کرے۔ بلکہ بسا اوقات بعض دعاؤں سے آپؐ کو منع بھی کیا گیا۔ اور زیادہ تر دعائیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں۔ بلکہ بعض احکام ایسے ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی نسبت زیادہ پابند ہیں۔ اور اُمت پر تخفیف کی گئی۔ مثلاً: تہجد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (بنی اسرائیل - ۱۷:۷۹)

ترجمہ یارسول اللہ! آپؐ رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھ لیا کریں۔ جو آپؐ کے حق میں ایک زائد جانی عبادت ہے۔ (خواہ بطور زائد فرض کے خواہ بطور نفل کے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبؐ کے ثواب کی کثرت منظور ہے)

- اور اسی طرح قربانی کا حکم دیا اور فرمایا: وَانْحَرْ (الکوثر ۱۰۸:۲) کہ اپنے رب کے نام کی قربانی کریں جو مالی عبادت ہے۔
- اسی طرح آپؐ پر ہر نماز کے وقت وضو فرض تھا۔ خواہ پہلے وضو ہو۔ پھر وضو ہونے کی صورت میں آپؐ کے لیے صرف مسواک کرنے کا حکم ضروری ہوا۔ اور اُمت پر اسی وقت وضو فرض ہے جب بے وضو ہو۔
- اور بعضے احکام ایسے ہیں جن کے کرنے کی آپؐ کو رخصت تھی' امت کو منع ہیں۔ جیسے بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھنا اُمت پر حرام ہے۔ مگر آپؐ کو نو بیویوں تک اجازت تھی۔
- اس طرح اگر کوئی عورت آپؐ کو تن بخشی کرے تو اس سے بغیر مہر کے نکاح جائز تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری اللہ تعالیٰ ہے:

قرآن وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الاحزاب ۳۳:۵۰)

ترجمہ اور کوئی سی مسلمان عورت اگر مفت میں یعنی بغیر مہر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنا چاہے تو وہ پیغمبر کے نکاح میں آسکتی ہے۔ بشرطیکہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نکاح میں لینا چاہیں۔ اور یا رسول اللہ! یہ بات خاص آپ ہی کے لیے ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے نہیں۔ کیونکہ :

○ اُمت کے کسی فرد کو جائز نہیں کہ جو عورت تن بخشی کرے تو مرد بغیر مہر کے اس کے ساتھ نکاح کرلے۔ بلکہ نکاح کے لیے مہر مقرر کرنا فرض ہے۔ اگرچہ بعد میں عورت معاف ہی کردے۔

○ اسی طرح روزہ وصال کا رکھنے کی آپؐ کو رخصت تھی۔ اور اُمت کو روزۂ وصال سے منع کیا گیا۔ بہرحال سب احکام الٰہیہ کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اختیار کلی کسی کو نہیں۔

○ نیز قرآن مجید کی کسی آیت میں اور کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حلال حرام کا اختیار دیا ہے۔

❻ الخالق

○ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں سے ایک مخصوص صفت "خلق" ہے۔ یعنی کتم عدم میں سے نکال کر عالم وجود میں لانا۔ اس لیے اس کا نام "الخالق" ہے۔ آسمان زمین اس نے بنائے عرش اس نے بنایا' خلق الانسان انسان کو اس نے بنایا' خلق الجان جنات کو اس نے بنایا' فرشتوں کو اس نے بنایا' والانعام اور چوپائے اس نے بنائے۔ درندے' پرندے اس نے بنائے' بحروبر اس نے بنائے' چاند' سورج' ستارے اس نے بنائے' پہاڑ اس نے بنائے' رات دن اس نے بنائے' روشنی اور اندھیرے اس نے بنائے۔ الغرض ہر ہر چیز اس نے بنائی۔ خلق کل شئی (۶:۱۰۱) خالق کلشئ (۶:۱۰۲) اس وصف میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

قرآن هذا خلق الله فاروني ماذا خلق الذين من دونه (۳۱:۱۱)

ترجمہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوئی اب مجھے دکھاؤ کہ اس اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو ہیں

انھوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں۔ پھر فرمایا:

افمن یخلق کمن لا یخلق (۱۶ : ۱۷)

اچھا تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اسی جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں کر سکتا۔

مکہ کے مشرک بھی مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں۔

(دیکھیے : ۱۰ : ۳۱ و ۴۳ : ۹ و ۸۷)

رب العٰلمین

یہ صفت بھی خاص اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آسمان زمین کا رب وہی ہے 'عرش عظیم اور انسانوں کا رب وہی ہے۔ الغرض وہی ہے ھو رب کل شئ (۶ : ۱۶۴) اور وہی ہے ہر چیز کا رب یعنی اس کی ربوبیت جزوی اور ناقص نہیں۔ کوئی صفتِ کائنات' کوئی شعبۂ موجودات اس کی ربوبیت سے خارج نہیں ربوبیت کے معنے ہیں کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف دھیمے دھیمے نشوو نما دیتے رہنا تا آنکہ وہ حدِ کمال تک پہنچ جائے۔

الصمد

صمدیت بھی اللہ تعالیٰ کی صفتِ مختصہ ہے۔ جس کے معنے ہیں وہ سید الکل جو کسی کا محتاج نہیں اور سب مخلوق اسی کی محتاج ہے۔ اس کی سیادت کامل اس کی عظمت کامل اور ہر قسم کی بزرگی کامل اور یہ شان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں ممکن نہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ھو المستغنی عن کل احد المحتاج الیہ کل احد

الحی الذی لا یموت

وہ ایک ہی ذات ہے جو ازلی ابدی زندہ ہے اس کی زندگی دوسری صفات کی طرح ذاتی ہے۔ کسی کی عطا کردہ نہیں اور موت نہ تو اس پر کبھی طاری ہوئی اور نہ کبھی ہوگی۔ اس کی موت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' یعنی دائم البقاء زندہ نہ میرندہ ہے۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ کوئی خدا بھی ہو اور ساتھ ہی فانی بھی ہو۔

❿ **القیوم**

○ وہ جو بذاتِ خود قائم ہے۔ اور دوسری چیزوں کو کامل طور پر اپنی مشیت سے قائم رکھنے والا ہے۔ اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے سب محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ انتظام عالم کو برقرار رکھنے والا رازق حافظ۔ ایک آن بھی کسی چیز کا قیام اس کی قیومی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ابو البقاءؒ نے اپنی کلیات میں تحریر فرمایا ہے کہ قیومیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی صفت نہیں۔

⓫ **الرزاق**

○ یہ صفت بھی خاص اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مکہ کے مشرک بت پرست بھی مانتے تھے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رازق نہیں۔ (یونس) کہ تمام مخلوق کو روزی عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

قرآن اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ (۶۷: ۲۱)

ترجمہ بھلا وہ کون ہے جو تمھیں روزی پہنچا سکے اگر وہ اپنی روزی بند کرلے۔

قرآن اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ (۵۱: ۵۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کو روزی دینے والا ہے قوۃ والا مضبوط ہے۔

⓬ **الوھاب۔ داتا**

○ وہ ذات جو بغیر استحقاق کے اور بغیر غرض اور عوض کے بے انتہا نعمتیں عطا کرے۔ اگرچہ منعم علیہ اس کا انکار کرے یا گالیاں دے۔ یہ صفت بھی خاص اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مخلوق میں سے کوئی اس صفت کے ساتھ متصف نہیں ہوسکتا۔

○ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

○ بیشک تو ہی ہے عطا فرمانے والا۔ اولاد بھی وہی بخشتا ہے۔

قرآن یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ (۴۲: ۴۹۔۵۰)

ترجمہ جس کو چاہے اولاد مادہ دے اور جس کو چاہے اولاد نرینہ دے یا ان کو نر و مادہ کی

صورت میں جمع کر دے اور جس کو چاہے لاولد رکھے۔ اس کی قوت بھی غیر محدود ہے جس کو جب اور جس طرح چاہے پیدا کرے۔

۱۳ الفتاح ــــــ مشکل کشا

○ یہ صفت بھی خاص اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اسی طرح کاشف الضر بھی خاص صفت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کاشف الضر کے معنے ہیں دکھ دور کرنے والا ضرر کی گھٹا دور کرنے والا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ (۳۵ : ۲)

ترجمہ اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں اور جو وہ بند کر دے اس کے بعد کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں۔

قرآن وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۱۰ : ۱۰۷)

ترجمہ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے تکلیف دے تو کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں بجز خود اسی کے اور اگر وہ تجھے راحت پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کا ہٹانے والا نہیں وہ اپنا فضل بندوں میں سے جس پر چاہے کر دے۔

قرآن اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۚ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (۲۷ : ۶۲)

ترجمہ کون ہے جو بے قرار کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے۔

قرآن قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۚ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (۳۹ : ۳۸)

ترجمہ یارسول اللہ! ان کفار سے فرمادیں کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو اگر اللہ مجھے تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی دی ہوئی تکلیف دور کرسکتے ہیں' یا اللہ مجھ پر عنایت کرنا چاہے تو یہ اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں۔

⑭ المعز المذل

○ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قرآن وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (۳ : ۲۶)

ترجمہ تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔

قرآن سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (۳۷ : ۱۸۰)

ترجمہ پاک ہے تیرا رب عزت والا اور بجپال ان باتوں سے جو کافر کیا کرتے ہیں۔

○ اب مخلوق میں سے کسی بزرگ ہستی کو "بجپال" کہنے کا مطلب ہے کہ وہ اسے "ربُّ العزت" تسلیم کرکے صریح کفر و شرک کا مرتکب ہورہا ہے۔

⑮ المتکبر

○ بڑائی اور کبریائی والا ہر ایسی چیز سے برتر ہے جو اس کی شان جلال و جمال کے لائق نہیں۔ یعنی وہ ذات جس کے آگے مخلوق کی ساری عظمتیں ہیچ ہیں اور جس کی تحقیر یا تصغیر کا وہم تک بھی نہیں کیا جاسکتا۔ عظمت و کبریائی خاص اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اس میں کسی فرد مخلوق کو ذرہ برابر مجازاً بھی شرکت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قرآن وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۵ : ۳۷)

ترجمہ آسمانوں اور زمین میں بس اسی کے لیے بڑائی ہے اور اس میں کوئی شریک وسہیم نہیں نہ زمین میں' نہ آسمان میں اور نہ کائنات کے کسی گوشہ میں۔ اور وہی زبردست ہے حکمت والا۔

⑯ الجبار

○ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے ایک صفت الجبار ہے۔ یعنی اپنی مخلوق کے

کام درستی سے کرنے والا اور بہتری کے ساتھ ان میں تصرف کرنے والا۔ شکستہ حال کو درست کرنے والا۔ دباؤ والا۔ (۵۹ : ۲۳)

○ لیکن ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (۵۰ : ۴۵)

ترجمہ آپؐ ان پر جبر کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

○ ان مخصوص صفاتِ الٰہیہ میں سے کسی ایک کا اطلاق مخلوق میں سے کسی ایک ہستی پر اگرچہ عطائی سمجھ کر کیا جائے' یہ شرک کہلائے گا۔ یہ مشرک آج تو کہتے ہیں کہ ان صفات کا بزرگ ہستیوں میں ماننا عین اسلام ہے اور نہ ماننے والا گستاخ اور کافر ہے۔ مگر قیامت کے دن یہی مشرک قسم کھا کر کہیں گے:

قرآن تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۶ : ۹۷۔۹۸)

ترجمہ اللہ کی قسم ہم تو دنیا میں صاف گمراہی میں تھے۔ جب ہم تم کو سارے جہان کے مالک کے برابر سمجھتے تھے۔

قرآن وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ (۷ : ۳۷)

○ اور اپنے خلاف خود گواہی دیں گے یعنی اقرار کریں گے کہ واقعی وہ کافر تھے۔

○ اور ان بزرگ ہستیوں میں مخصوص صفاتِ الٰہیہ کا انکار کرنے سے ان کی گستاخی لازم نہیں آتی۔ بلکہ یہ مخصوص صفاتِ الٰہیہ ان ہستیوں میں ماننے سے اللہ تعالیٰ کی گستاخی بھی لازم آتی ہے۔ اور قرآن و حدیث کا انکار بھی لازم آتا ہے۔ اور ان بزرگ ہستیوں کی گستاخی اور ہتکِ عزت بھی لازم آتی ہے۔ جیسے کوئی مغلوب کو کہے کہ یہ بڑا شیر یا رستمِ زمان ہے۔ یا کسی کم علم کو کہے کہ یہ علامۃ الدہر ہے۔ یا کسی کم مایہ کو رئیسِ اعظم کہے۔

○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قرآن اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۳: ۳۳۔۳۴)

ترجمہ اس میں شک نہیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے آدم نوح خاندان ابراہیم اور خاندان عمران (علیہم السلام) کو سارے دنیا جہان پر برگزیدہ کیا ہے۔ اور ہیں تو ایک دوسرے کی اولاد۔ مگر ہر کسی کی سننا اور تمام کے حالات سے واقف ہونا یہ ان کی صفت نہیں۔ کیونکہ ایک اللہ ہی وہ ذات ہے جو ہر ایک کی آواز کو سنتا ہے اور ہر چیز کا عالم ہے۔ حتیٰ کہ دل کے اندر کے تمام جذبات اور خیالات کو بھی جانتا ہے۔ اور اسی کی صفت ہے:

قرآن إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۱۱: ۵)

ترجمہ وہ لوگوں کے دلوں کے اندر کی باتوں سے بھی واقف ہے۔

○ اگر کہیں کہ برگزیدہ ہستیوں کو بھی دل کی باتوں کا ہمہ وقت علم رہتا ہے تو اس میں اللہ کی توہین بھی ہوئی اور قرآن مجید کی آیات کا انکار بھی ہوا۔ اور ان بزرگ ہستیوں کے ساتھ مزاق اور ان کی ہتکِ عزت بھی ہوئی۔ اسی کو اہلِ علم کی اصطلاح میں کہتے ہیں: اَلذَّمُّ بِمَا يُشْبِهُ الْمَدْحَ یعنی تعریف کے رنگ میں کسی کی مذمت کرنا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ تِلْكَ الْهَفَوَاتِ

تتمہ

○ اب تک تو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا بیان ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ مخلوق میں نہیں ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی صفات کا بیان ہوگا جن میں سے کچھ محدود حصہ مخصوص وقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض کو عطا فرمایا ہے۔ تو وہ جب چاہے وہ صفت اس سے چھین لے۔ مثلاً:

❶ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (۱۹: ۶۷)

ترجمہ کیا آدمی اس وقت کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے پہلے اس کو پیدا کیا تھا۔

حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ پھر کچھ مدت تک زندہ رکھ کے زندگی چھین لے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ (۲۲: ۶۶)

ترجمہ اور اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھیں زندہ کیا۔ پھر تمھیں مارے گا۔ پھر تمھیں زندگی دے گا۔

○ انسان کی زندگی محدود وقت کے لیے ہوئی۔ نہ ابدی ہے نہ ازلی۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے زندہ رکھے گا۔ اور جب چاہے گا زندگی چھین لے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی زندگی ذاتی ہے۔ کسی کی عطا کردہ نہیں۔ ازلی ابدی ہے جس کی موت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (۲۵: ۵۸)

ترجمہ وہ زندہ اور دائم البقاء ہے' جس کو موت نہیں۔

● اسی طرح علم ایسی صفت ہے جو پہلے انسان میں نہ تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا (۱۶: ۷۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا۔ اور اس وقت کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے علم کے اسباب بنائے۔ جیسا کہ فرمایا:

قرآن وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ (۱۶: ۷۸)

ترجمہ اور تم کو کان دیے سننے کے لیے اور آنکھیں دیں دیکھنے کے لیے اور دل دیے سمجھنے کے لیے۔

○ پھر یہ علم بھی محدود ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد بعض سے وہ علم چھین لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ (۱۶: ۷۰)

ترجمہ اور کچھ تم میں سے ایسے بھی ہیں۔ جنھیں نکمی اور ناکارہ عمر تک پہنچایا جاتا ہے۔

جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اچھا بھلا علم والا ہونے کے بعد ایسا ہو جاتا ہے کہ کچھ بھی نہیں جان سکتا۔ واقعی اللہ ہی وہ ذات ہے جو ذاتی طور پر ازلی ابدی علم رکھنے والا ہے۔ اور سب قدرتیں رکھتا ہے۔

○ اور کل اشیاء کا علم اللہ تعالٰی کی ذاتی ازلی ابدی غیر محدود اور لازوال صفت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالٰی ہے:

④ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲۳: ۳۵۔۶۴ و ۲۹: ۱۶ و ۹۴: ۱۱ و ۲: ۲۸۲ و ۳: ۴۰
۲: ۲۹ و ۶: ۱۰۱ و ۵۷: ۸۳: ۷۵ و ۹: ۱۱۵ و ۲۹: ۶۲ و ۴۲: ۱۲)

⑤ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (۳۳: ۴۰ و ۴۸: ۲۶) ۳۳: ۵۴)

⑥ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ (۲۱: ۸۱)

⑦ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (۱۶: ۸۰ ۷: ۹۸ ۲۰: ۹۸)

⑧ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (۴۰: ۷)

⑨ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (۶۵: ۱۲)

⑩ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (۷۲: ۲۸)

● اسی طرح قدرت ایک ایسی صفت ہے جو اللہ تعالٰی نے انسان کو عطا فرمائی ہے، مگر محدود۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

قرآن وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ (۳۴: ۱۰)

ترجمہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو بھی ملائم کر دیا تھا۔ کہ اس کی اچھی پوری پوری زرہیں بناؤ۔ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ مناسب کا خیال رکھو۔ نیز فرمایا:

قرآن وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ (۲۱: ۸۰)

ترجمہ اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے تم لوگوں کے لباس جنگ یعنی زرہ کا بنانا بھی سکھا دیا تھا۔ تاکہ تم کو ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔

○ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

قرآن وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ (۸۱:۲۱)

ترجمہ اور ہم نے زوردار ہوا کو بھی سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے ملکِ شام کی طرف کو چلتی۔ جس میں ہم نے طرح طرح کی برکتیں دے رکھی تھیں۔

○ لیکن اللہ تعالٰی کو ہر چیز پر قدرت ہے' جو ذاتی ازلی ابدی غیر محدود اور لازوال۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالٰی ہے:

① عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲:۲۸۴ ـ ۳:۲۹ـ ۱۸۹ـ ۵:۱۹ـ ۴۰ـ ۸:۴۱ـ ۹:۳۹ـ ۵۹:۲۶:۲۰ـ ۱۰۶ـ ۱۰۹ـ ۱۴۸ـ ۲۵۹ـ و ۳:۱۶۵ـ ۱۶:۷۷ـ ۴۳:۴۵ـ ۲۹:۲۰ـ ۳۵:۱ـ ۶۵:۱۲ : ۶۷:۱۲ : ۵۱۷ : ۱۲۰ـ ۱۱ : ۴ـ ۳۰:۵ـ ۴۲:۹ـ ۵۷:۲۴۲ : ۶ـ ۴۱:۳۱ـ ۴۶:۳۳ : ۳۴۳ : ۲۶ـ ۶۶:۸)

② وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا (۳۳:۲۷ـ ۴۸:۲۱)

③ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (۱۸:۴۵)

❹ اسی طرح حاضر و ناظر ہونا ہر شے پر اللہ تعالٰی کی ذاتی ازلی ابدی غیر محدود اور لازوال صفت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالٰی ہے:

⑪ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۵۸:۶ـ و ۸۵:۹ : ۳۴۳ : ۲۲۷ : ۴۱۱۷ : ۹۳)

⑫ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (۳۳:۵۵ و ۴:۳۳)

❺ اسی طرح کارسازی اللہ تعالٰی کی ذاتی ازلی ابدی اور غیر محدود صفت ہے۔

⑬ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (۱۱:۱۲ : ۶:۱۰۲ و ۳۹ : ۶۲)

❻ اسی طرح مخلوق کی حفاظت کرنا اللہ تعالٰی کی ذاتی ازلی ابدی اور غیر محدود صفت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالٰی ہے:

⑭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (۱۱:۵۷ : ۳۴ : ۲۱)

❼ اسی طرح احاطہ علمی اللہ تعالٰی کی ذاتی ازلی ابدی اور غیر محدود صفت ہے۔

⑮ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (۴۱:۵۴)

(۱۶) وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا (۴ : ۱۲۶)

❽ اسی طرح ہر چیز کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کی ذاتی ازلی ابدی اور غیر محدود صفت ہے۔

(۱۷) إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ (۶۷ : ۱۹)

❾ اسی طرح مخلوق کی نگرانی اور حفاظت اللہ تعالیٰ کی ذاتی ازلی ابدی غیر محدود اور لازوال صفت ہے۔

(۱۸) وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا (۴ : ۸۵)

❿ اسی طرح حساب کر کے جزا دینا اللہ تعالیٰ کی ذاتی ازلی ابدی غیر محدود اور لازوال صفت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱۹) وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا (۳۳ : ۵۲)

⓫ اسی طرح حساب لینا اللہ تعالیٰ کی ذاتی ازلی ابدی اور غیر محدود صفت ہے۔

(۲۰) إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا (۴ : ۸۶)

ان آیاتِ مذکورہ بالا کی روشنی میں ثابت ہوا کہ کسی بزرگ ہستی کے متعلق یہ کہنا کہ اس کو عطائی طور پر یہ مقام حاصل ہے کہ اس کے سامنے سب چیزیں ایسی ہیں جیسے کوئی چیز ہتھیلی پر ہوتی ہے، وہ سب چیزوں کو دیکھتا ہے، حاضرِ کل، ناظرِ کل، عالمِ کل، مختارِ کل ہے۔ سو یہ شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کی گستاخی اور آیاتِ قرآنیہ کا انکار ہے اور بزرگوں کے مقام کو ان کی شان سے بڑھا کر ان کا تمسخر اڑانے کے مترادف ہے۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ

إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ

إِلَيْكَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ

وَّاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ

أَجْمَعِيْنَ

○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

غیب دانی

پر

علماء احناف کی تحقیق

مؤلفہ

پیر طریقت رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اضافات و فوائد

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

فتویٰ علماء چہرہ و حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ درباره علم غیب

اِستفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ایسے شخص کے حق میں جس کا یہ عقیدہ ہو کہ جناب رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مغیبات کو جانتے تھے۔ ہر چیز چھوٹی ہو یا بڑی ماضی ہو یا مستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی۔ اور تمام اشیاء پر اُن کا علم محیط ہے یا اس شخص کا یہ اعتقاد کسی دوسرے نبی علیہ السلام کے حق میں ہو۔ یا ایسا اعتقاد کسی شخص کا اولیاء یا فرشتوں کے حق میں ہو۔ ایسا شخص جو کہ معتقد اعتقادِ مذکور کا ہو مُصیب ہے یا مُخطی۔ بینوا توجروا

الجواب

اعتقادِ مذکور شرک ہے اور مخالفِ کتاب اللہ تعالیٰ و احادیث نبویہ و اقوالِ مجتہدین و اجماعِ اُمت کے ہے۔ جو شخص کہ معتقد اعتقادِ مذکور کا ہو وہ اگر امام مسجد ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز ہے۔ اگر مدعی پیری کا ہو تو اس سے بیعت کرنی حرام ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ معاملہ و اختلاط نہ کریں۔

ثبوت قرآن مجید سے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی کِتَابِہِ الْمَجِیْدِ پارہ نہم سورہ اعراف یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰہَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُہَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْہَا لِوَقْتِہَآ اِلَّا ھُوَ ترجمہ سوال کرتے ہیں تجھ سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے متعلق کہ کب قائم ہوگی؟ کہہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوا اس کے نہیں کہ علم اس کا میرے رب کے نزدیک ہے نہیں ظاہر کرے گا اس کو اپنے وقت پر مگر اللہ تعالیٰ

(۲) پارہ نہم سورہ اعراف قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا

شَاءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ
ترجمہ: فرما دیجئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مالک نہیں اپنے نفس کے واسطے بھی نفع و نقصان کا مگر وہ جو چاہے اللہ تعالیٰ۔ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لئے بہت بھلائی کر لیتا اور نہ مجھے پہنچتی کوئی برائی

(۳) پارہ ۲۰ سورۂ نمل قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○ فرما دیجئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص آسمانوں اور زمینوں میں غیب نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور نہ ہی وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

(۴) پارہ ۲۱ سورۂ لقمان قال اللہ تعالیٰ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ ترجمہ: اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کیا کچھ کمائے گا کل کو اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس زمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

(۵) پارہ ۷ سورۂ انعام قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ترجمہ: فرما دیجئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ اور میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اُس بات کی تابعداری کرتا ہوں جس کا مجھے وحی ہوتا ہے۔

ثبوت احادیث نبویہ سے

اور احادیث نبویہ جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علم جمیع مغیبات اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى (بے شمار) ہیں۔ اب چند احادیث بطور مشت نمونہ از خروارے کے نقل کی جاتی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بعض صحابہ کو خیبر میں زہر کھلائی گئی۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ اس زہر کی وجہ سے شہید بھی ہو گئے تھے۔ اور آنجناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وہ زہر بار بار

زہر کر دی تھی۔ حتیٰ کہ آخر الامر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس زہر کی وجہ سے دارِ فانی سے انتقال فرما گئے۔ اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان ہوتے تو خود کیوں زہر کھاتے۔ اور صحابہ کرامؓ کو کیوں کر زہر کھانے دیتے۔ یہ امر واقفان حدیث پر ظاہر ہے۔

اور قصہ افک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنجنابؐ کو تمام مغیبات کا علم نہ تھا۔ اگر علم تمام مغیبات کا ہوتا تو کس واسطے آپ پریشان ہوتے۔ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فراق میں مشورہ کرتے۔ اور کیوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بیماری میں لطف نہ فرماتے۔

اور صحیحین میں مذکور ہے کہ آں جنابؐ پوشیدہ ہو کر ابن صیاد کی باتیں سنتے تھے اور ابن صیاد کی والدہ نے جب ابن صیاد کو روک دیا تو آں جنابؐ نے فرمایا لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ اگر اس کو چھوڑتی تو بیان کر دیتا۔ اگر آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان ہوتے تو کس واسطے پوشیدہ ہو کر ابن صیاد کی باتیں سنتے اور کس واسطے بطور تردد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے اِنْ يَّكُنْهُ هُوَ لَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ، وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِيْ قَتْلِهٖ (فی الواقع اگر وہ دجال ہے تو تو اس پر غلبہ نہیں پا سکتا اور اگر وہ دجال نہیں ہے تو اس کے قتل کرنے میں تیرے لئے کوئی بہتری نہیں ہے۔ اور اگر آپ غیب دان ہوتے تو کس واسطے ابن صیاد میں شک کرتے کہ وہ دجال ہے یا کہ نہیں۔

فی المشکوٰۃ:۔ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُشْفِقًا اَنَّهٗ هُوَ الدَّجَّالُ، وَرَوَى الْبُخَارِيُّ فِيْ صَحِيْحِهٖ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَمِعَ خُصُوْمَةً بِبَابِ حُجْرَتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّاِنَّهٗ يَاْتِيْنِي الْخَصْمُ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسِبُ اَنَّهٗ صَادِقٌ فَاَقْضِيْ لَهٗ بِذٰلِكَ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْيَاْخُذْهَا اَوْ لِيَتْرُكْهَا (ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے حجرے کے دروازے پر کسی جھگڑے کو سُنا۔ پس آپ تشریف لائے اُن کے پاس
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بات یہ ہے کہ میں ایک بشر (انسان) ہی تو ہوں اور تحقیق میرے
پاس جھگڑا (فیصلہ کیلئے) آتا ہے۔ اور شاید بعض تمہارا بعض سے بولنے میں زیادہ فصیح بلیغ ہو
تو میں اس کو سچا گمان کر کے اس فصیح بلیغ کے حق میں فیصلہ کر دوں تو جس فصیح بلیغ کو
کسی مسلمان کے حق میں سے کچھ فیصلہ کر کے دیا ہے تو وہ ایک ٹکڑا ہے آگ کا۔ اب اس کی
مرضی ہے کہ اسے لے لیوے یا چھوڑ دے

وروی الشیخان عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ
صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَیَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ یَظْمَأْ
اَبَدًا. لَیَرِدَنَّ عَلَیَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُھُمْ وَیَعْرِفُوْنَنِیْ ثُمَّ یُحَالُ بَیْنِیْ وَبَیْنَھُمْ
فَاَقُوْلُ اِنَّھُمْ مِنِّیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ. فَاَقُوْلُ
سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ (یعنی میں تمہارا مقتدا ہوں گا حوض پر۔ جو شخص
میرے پاس سے گذرے گا اس نے تو پانی پی لیا۔ اور جس نے پانی پی لے وہ ہمیشہ کیلئے
کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ کئی لوگ میرے پاس وارد ہوں گے جنہیں میں پہچانونگا
اور وہ مجھے پہچان لیں گے پھر میرے اور اُن کے درمیان حائل کی جائیگی۔ تب میں کہوں گا
کہ یہ تو میرے ہیں۔ تو مجھے کہا جائے گا کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نہیں جانتے جو کچھ انہوں نے
آپ کی وفات کے بعد کیا کیا بدعتیں کی ہیں۔ تب میں کہوں گا "دُوری ہے دُوری ہے
اس شخص کیلئے جس نے میرے بعد تغیر تبدل کر ڈالا

اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اشیاء کو جانتے تو کیوں کر مرتدین کے حق میں یہ کہتے کہ اِنَّھُمْ مِنِّیْ
(بیشک وہ مجھ سے ہیں) اور کیوں کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جاتا اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا
اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ (حقیقت یہ ہے کہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں کیں

اور شفاعت کے بارے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں روایت ہے
اس میں مذکور ہے فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فَیَاْذَنُ لِیْ وَیُلْھِمُنِیْ مَحَامِدَ اَحْمَدُہٗ بِھَا
لَا تَحْضُرُنِی الْاٰنَ (پس میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے اذن عطا

فرمائیں گے اور الہام فرمائیں گے مجھے جس سے میں اپنے رب کی وہ محامد بیان کروں گا جو مجھے اس وقت معلوم نہیں۔

اگر آں جناب ہر چیز کو جانتے تو قیامت کے دن محامد کا الہام کس طرح ہوگا اور کیونکر فرماتے لَاتَحْضُرُنِيْ الْاٰنَ

نیز اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مغیبات کو جانتے تو نماز میں کس واسطے سجدۂ سہو کرتے۔ قصۂ سجدۂ سہو کہ جس میں ذوالیدین کا ذکر ہے دلیل واضح ہے اس بات پر کہ ہر چیز کو ہر وقت جاننا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

اور قصۂ موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کا حجت بینہ ہے۔

اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہر چیز ہر وقت جانتے، تو وحی نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بات پوچھی جاتی تھی۔ جس کے بارے میں اب تک وحی نہیں ہوئی تھی تو کس واسطے فرماتے لَآ اَدْرِيْ (میں نہیں جانتا) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے پارہ ۲۶ سورہ احقاف قُلْ مَاكُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (کہہ دیجئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو صرف اس چیز کے پیچھے چلتا ہوں جس کا مجھے وحی کیا جاتا ہے۔ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں ظاہر۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر شئے کے ساتھ احاطہ کرنے والا ہے۔

اور پارہ ۲۸ سورۃ الطلاق قال اللّٰہ تعالیٰ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (اور تحقیق اللہ تعالیٰ ہی از روئے علم کے ہر شئے کے ساتھ احاطہ کرنے والا ہے)

اور پارہ ۳ سورۂ آل عمران میں بی بی مریم کے قصہ میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ

(یہ غیب کی خبروں سے ہے جو وحی کیا ہم نے آپ کی طرف۔ اور نہیں تھے آپ ان کے پاس حاضر موجود جس وقت کہ مریم علیہا السلام کی کفالت کے لئے (بطور قرعہ اندازی) قلمیں ڈالتے تھے اور نہ ہی آپ اس وقت اُن کے پاس حاضر موجود تھے جس وقت کہ وہ جھگڑ رہے تھے۔

اور سورۃ یوسف میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے قال اللہ تعالیٰ

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ (ہم بیان کرتے ہیں اوپر تیرے اچھے قصوں کا ساتھ اس کے کہ وحی کیا ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن۔ اور بیشک آپ اس کے بیان کرنے سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ مبارک تھا کہ لوگوں کے کسی بات کے دریافت کرنے سے لَا اَدْرِیْ فرماتے۔ اور بعض اوقات خاموش رہ جاتے بطور انتظار وحی کے

دیکھو صحیح بخاری ص — جلد آخر پارہ ۲۹ کہ جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر باب منعقد کیا۔ فرماتے ہیں بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْئَلُ مِمَّا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ وَلَمْ يُجِبْ حَتّٰى يُنْزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ وَلَمْ يَقُلْ بِرَاْيٍ وَلَا بِقِيَاسٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ

باب اس بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات پوچھی جاتی اس امر کے متعلق کہ جس کا وحی نہیں ہوا ہوتا تو آپ فرماتے لَا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) اور جب تک وحی نازل نہیں ہوتی تھی، جواب نہیں دیتے تھے، اور اپنی رائے اور قیاس سے کچھ نہیں فرماتے تھے بموجب قول باری تعالیٰ کے (ساتھ اس کے کہ دکھایا تجھ کو اللہ تعالیٰ)

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَنِ الرُّوْحِ فَسَكَتَ حَتّٰى نَزَلَتْ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی بابت سوال ہوا تو آپ خاموش رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَفِی مُعْجَمِ الطَّبْرَانِیِّ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَقَالَ لَا اَدْرِیْ فَاَتَاهُ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ لَا اَدْرِیْ فَقَالَ سَلْ رَبَّكَ الحدیث اَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَلِلْحَاكِمِ نَحْوَهٗ۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ کونسی جگہ اچھی ہے؟ آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے اُن سے دریافت فرمایا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی لَا اَدْرِیْ تب حضرت نے فرمایا اپنے رب تعالیٰ سے پوچھ لو آخر حدیث تک۔

ثبوت اقوال مجتہدینؒ سے

اور فقہائے کرام نے ایسے شخص کے حق میں کہ معتقد اعتقاد مذکور کا ہو۔ تصریح کفر کی ہے:

فی فتاوی قاضی خان ص۸۸۳ فی باب الارتداد رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَاَةً بِغَیْرِ شُهُوْدٍ فَقَالَ الرَّجُلُ لِلْمَرْاَةِ خدائے را وپیغمبر را گواہ کردم قَالُوْا یَکُوْنُ کُفْرًا لِاَنَّهٗ اعْتَقَدَ اَنَّ الرَّسُوْلَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ یَعْلَمُ الْغَیْبَ وَهُوَ مَا کَانَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ حِیْنَ کَانَ فِی الْاَحْیَاءِ فَکَیْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ

ذقافے قاضی خان ص۸۸۳ باب الارتداد میں ہے ایک شخص نے بغیر گواہوں کے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا بایں صورت کہ مرد عورت کو کہے کہ میں نے خدا اور رسول (پیغمبر) کو گواہ کیا ہے۔ اس بارے فقہاؒ نے کہا ہے کہ ایسا کہنا کفر ہوگا اس لیے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا ہے کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں حالانکہ جب وہ زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو پھر موت کے بعد کس طرح جانیں گے

وَرَجُلٌ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ الْمَسْرُوْقَاتِ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ هٰذَا الْقَائِلُ وَمَنْ صَدَّقَهٗ یَکُوْنُ کَافِرًا قِیْلَ لَهٗ فَاِنْ قَالَ هٰذَا الْقَائِلُ اَنَا اُخْبِرُ بِاِخْبَارِ الْجِنِّ اِیَّایَ بِذٰلِكَ؟ قَالَ هُوَ وَمَنْ صَدَّقَهٗ کَافِرٌ بِاللّٰهِ لِقَوْلِهٖ

علیہ السلام مَنْ اَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَهٗ فِیْ مَا قَالَ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ لَا الْجِنُّ وَلَا الْاِنْسُ (یعنی) اور اگر کوئی شخص کہے کہ میں مال مسروقہ (چوری کا مال) جانتا ہوں۔ تو شیخ الاسلام محمد بن الفضل نے فرمایا ہے کہ یہ بات کہنے والا شخص بھی اور وہ آدمی بھی جو اس کو سچا جانے دونوں کافر ہیں نیز کہا گیا ہے کہ اگر وہ کہنے والا کہے کہ میں اس چوری کی خبر جن کے جتلا دینے سے دیتا ہوں۔ فرمایا ہے کہ وہ شخص اور جس نے اس کی تصدیق کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا ہو گیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کاہن کے پاس آئے پھر اس کی بات کی تصدیق کرے تو بیشک اس چیز کے ساتھ اس نے کفر کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا نہ کوئی جن اور نہ کوئی انسان۔

اِمْرَأَةٌ قَالَتْ لِزَوْجِهَا تُو سِرِّ خُدا دانی؟ فَقَالَ نَعَمْ! قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ اَبُوْ بَکْرِ بْنُ الْفَضْلِ یَکْفُرُ الرَّجُلُ لِاَنَّ السِّرَّ وَالْغَیْبَ وَاحِدٌ یعنی کسی عورت نے اپنے خاوند کو کہا کہ "تو خدا کا راز جانتا ہے" تو اس (خاوند) نے جواب دیا کہ ہاں جانتا ہوں! الشیخ الامام ابوبکر بن الفضل نے فرمایا ہے کہ وہ شخص کافر ہو گیا اس لئے کہ سِر اور غیب دونوں ایک ہیں۔

وَمَنِ ادَّعٰی عِلْمَ الْغَیْبِ کَانَ کَافِرًا اور جس نے دعوے کیا (اپنے لئے) علم غیب کا تو وہ کافر ہو گیا

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ حَکِیْمٍ اَنَّ امْرَأَةً بَعَثَتْ اِلٰی زَوْجِهَا السُّحُوْرَ فِیْ رَمَضَانَ عَلٰی یَدَیِ الْجَارِیَةِ فَاَبْطَأَتِ الْجَارِیَةُ فِی الرُّجُوْعِ اِلَی الْمَرْأَةِ فَاتَّهَمَتِ الْمَرْأَةُ فَقَالَ شَدَّادُ بْنُ الْحَکِیْمِ لَمْ یَکُنْ بَیْنَنَا شَیْءٌ وَطَالَ الْکَلَامُ بَیْنَ شَدَّادٍ وَبَیْنَ امْرَأَتِهٖ فَقَالَ شَدَّادُ بْنُ الْحَکِیْمِ لِاِمْرَأَتِهٖ اَتَعْلَمِیْنَ الْغَیْبَ فَقَالَتْ نَعَمْ فَکَتَبَ شَدَّادٌ اِلٰی مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ وَهُوَ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فَاَجَابَ مُحَمَّدٌ اَنْ جَدِّدِ النِّکَاحَ فَاِنَّهَا کَفَرَتْ یعنی شداد بن حکیم سے روایت

ہے کہ اس کی بیوی نے ماہِ رمضان میں سحری کا کھانا اپنے خاوند کی طرف لونڈی کے ہاتھ بھیجا لونڈی نے واپس بیوی کی طرف آنے میں دیر لگائی۔ تو بیوی نے تہمت لگا دی۔ پھر شداد نے کہا کہ ہم نے آپس میں کچھ نہیں کیا۔ پس شداد اور اس کی بیوی کے درمیان لمبی گفتگو چھڑ گئی پس شداد بن حکیم نے اپنی بیوی سے کہا "کیا تو غیب جانتی ہے" تو بیوی نے جواب دیا کہ "ہاں" پھر شداد نے محمد بن الحسن کی طرف جو امام زفرؒ کے ساتھیوں میں سے تھے لکھا پس امام محمدؒ نے جواب دیا "نئے سرے سے نکاح کر کیونکہ وہ (تیری بیوی) کافر ہو گئی۔

وفی العالمگیریۃ ص۲۳۲ سطر ۳۱ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ یَحْضُرِ الشُّهُوْدُ قَالَ خدائے را و رسول را گواہ کردم اَوْ قَالَ خدائے را و فرشتگاں را گواہ کردم کَفَرَ۔ یعنی ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا اور گواہ حاضر نہیں ہیں اور کہا کہ خدا اور رسول کو میں نے گواہ کیا ہے یا یوں کہا کہ خدا اور فرشتوں کو میں نے گواہ کیا ہے تو وہ مرد کافر ہو گیا۔

وَلَوْ قَالَ فرشتۂ دستِ راست را گواہ کردم و فرشتۂ دستِ چپ را گواہ کردم لَا یَکْفُرُ یعنی اور اگر کہا کہ میں نے دائیں ہاتھ والے فرشتے اور بائیں ہاتھ والے فرشتے کو گواہ کیا ہے تو کافر نہیں ہوگا:

وفی شرحِ الفقہِ الاکبرِ لِمُلَّا علی القاریؒ ص۱۸۵ سطر ۲۱ ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ لَمْ یَعْلَمُوا الْمُغَیَّبَاتِ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ اَحْیَانًا۔ وَذَکَرَ الْحَنَفِیَّةُ تَصْرِیْحًا بِالتَّکْفِیْرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ لِمُعَارَضَتِهٖ قَوْلَهٗ تَعَالٰی قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی پھر جان لو کہ تحقیق انبیاء علیہم السلام اشیائے مغیبات کو نہیں جانتے تھے مگر وہ کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ بعض اوقات ان کو جتلا دے۔ اگر کوئی اسوائے اس کے عقیدہ رکھے تو حنفیہ نے صریح طور پر تکفیر کا حکم لگا دیا ہے اس اعتقاد پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں کیونکہ یہ عقیدہ خدائے تعالیٰ کے فرمان کے خلاف ہے وہ فرمان یہ ہے کہ یا رسول اللہ آپ فرما دیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص غیب نہیں جانتا۔

وَفِی الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ ج۶ ص۳۲۵ سطر۷ قَالَ رسول را و فرشتگان را گواہ کردم یکفر لانہ اعتقد ان الرسول والملک یعلمان الغیب ۔ بخلاف قولہ فرشتگان دست راست را و دست چپ را گواہ کردم لا یکفر یعنی اگر کوئی شخص کہے کہ رسول اور فرشتوں کو میں نے گواہ کیا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ فرشتے اور رسول غیب جانتے ہیں بخلاف قول اس شخص کے جو کہے کہ دائیں اور بائیں ہاتھ والے فرشتوں کو میں نے گیا ہے اس طرح کہنے سے کافر نہیں ہوتا۔

وفی الجواہر الاخلاطیۃ ان زعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب یکفر فما ظنک فی غیرہ یعنی اگر کسی نے گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں تو وہ کافر ہو گیا۔ اب کسی غیر کے حق میں تیرا کیا گمان ہے

وَفِی المسامرۃ ص۱۹۹ لا یعلم النبی من المغیبات الا ما اعلمہ اللہ احیانا ۔ وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ السلام یعلم الغیب لمعارضتہ قولہ تعالٰی قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ یعنی اور مسامرہ میں ہے کہ نبی علیہ السلام مغیبات میں سے نہیں جانتے مگر وہ جو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ان کو جتلا دے۔ اور حنفیہ نے صراحۃً حکم کفر لگایا اس عقیدہ رکھنے پر کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف ہے جو یہ ہے قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ

وفی الشامی ص۳ دعوی علم الغیب معارضۃ لنص القرآن فیکفر بھا یعنی دعویٰ علم غیب کا نص قرآن کے خلاف ہے پس اس دعویٰ کے ساتھ بندہ کافر ہو جاتا ہے

وفی فتاوی المولوی عبد الحی ج۱ ص۳۲۶ و۳۳ استفتاء ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی درایں مسئلہ کہ عادت عوام ایں دیار است کہ در مصیبت و حاجت از دور و قریب انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام را بطریق استمداد می خوانند و اعتقاد می دارند کہ ایشاں حاضر و ناظر اند در ہمہ حال و ہر وقت ، ما مردم ایشاں را می خوانیم مطلع گشتہ در انجام مقاصد

مدد می کنند۔ ایں صورت جائز ست یا نہ بینو توجروا الجواب ھو الموفق للصواب صورت مذکورہ حرام بلکہ شرک صریح ہست۔ چہ ایں صورت متضمن اعتقاد علم غیب ست برائے غیر او تعالیٰ۔ و اعتقاد مذکور شرک صریح ہست بیانش آنکہ شرک در شرع عبارت ہست از شریک گردانیدن غیر او تعالیٰ را در ذات و صفات مختصہ یا عبادات باو عزوجل۔ و علم غیب از صفات مختصہ بوئے سبحانہ و تعالیٰ ہست کما ہو مصرح فی کتب العقائد۔ و نیز دلیل آن در موضع دیگر ہست

استفتاء ما قولکم فی ھذہ المسئلۃ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث اعظم کو یہ قوت حاصل ہے کہ جس مقام سے کوئی ان کو پکارے، اس کی ندا کو سنتے ہیں اور اس کی حال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو موافق قواعد شرعیہ کے یہ عقیدہ کیسا ہے

الجواب: یہ عقیدہ خلاف عقائد اہل اسلام بلکہ منجر الی الشرک ہے۔ ہر شخص کی ندا کو ہر جگہ سے ہر وقت سننا خاص ہے پروردگار کے ساتھ۔ کسی مخلوق میں یہ صفت نہیں۔

وفی الفتاوی الرشیدیہ الگنگوہی ... پر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا۔ نہ کبھی اس کا دعویٰ کیا۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے

وفی بحر الرائق ... قال علماءنا من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر اور اسی طرح

بزازیہ ... سطر ۹ میں ہے۔

وفی الخازن ... فی اخر تفسیر سورۃ لقمان قال ابن عباس رضی اللہ عنہ ھذہ الخمسۃ لا یعلمھا ملک مقرب ولا نبی مرسل فمن ادعی انہ یعلم شیئا من ھذہ فانہ کفر بالقرآن لانہ خالفہ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ پانچ چیزیں نہیں جانتا ان کو کوئی مقرب فرشتہ اور نہ کوئی نبی مرسل پس جس شخص نے دعویٰ کیا کہ ان میں سے کسی شے کو جانتا ہے تو اس نے قرآن پاک کے ساتھ کفر کیا اس لئے کہ یہ عقیدہ اور دعویٰ قرآن پاک کے مخالف ہے۔

علم غیب خاصہ واجب ہست۔ و درمیان واجب و ممکن فرق ضروری ہست۔ بر تقدیر

علم غیب حاجت وحی نماند۔ بر ایشاں انکار وحی لازم خواہد شد

المجیب نصیر الدین عفی عنہ غورغشتی	المجیب مصیب فقیر قطب الدین عفی عنہ غورغشتی	العبد علی محمد عفی عنہ گولڑوی
فقد اقام من اجاب فقیر سعد الدین الجلالوی بقلمہ	اصاب من اجاب۔ العبد فذون عبد السبحان جلالوی عفی عنہ بقلم خود	المجیب مصیب جعفر محمد یوسف
		العبد عبد الرحمٰن حمیدی

جواب نہایت نیک ہے اور درست ہے فماذا بعد الحق الا الضلال۔ خادم العلماء محمد رمضان عفی عنہ از مجاہد ...

للہ در المجیب کیف استقصی الی الکلام وکشف المرام فجوابہ حسن وصواب لا ریب ولا ارتیاب۔ خویدم العلماء افقر خادم العلماء غلام سید رسول کاملپوری ۔

علم غیب اور علم جمیع کائنات خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو جو کچھ اللہ تعالیٰ جتلا دیتا ہے وہی جانتے ہیں احمد بخش عفی عنہ ساکن قریہ گداق۔

جملہ مغیبات پر علم خاصہ رب الودود علام الغیوب کا ہے۔ البتہ بعض امور مخفیہ کا بالواسطہ علم کسی انسان کو ہو تو وہ درحقیقت غیب نہیں ہے العبد خادم العلماء فقیر عبد الحق غورغشتی

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے فی الخانیۃ والخلاصۃ لو تزوج بشہادۃ اللّٰہ وَرَسُوْلِہٖ لَا یَنْعَقِدُ ، وَیَکْفُرُ لِاعْتِقَادِہٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ انتہٰی

وفی البیری حاشیۃ الاشباہ فی الولوالجیۃ وَغَیْرِھَا مِنْ کُتُبِ الْمَذْھَبِ رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَۃً وَلَمْ یَحْضُرْ شَاھِدٌ . فَقَالَ تَزَوَّجْتُ بِشَہَادَۃِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یَکْفُرُ لِاَنَّہٗ یَعْتَقِدُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِذْ لَا شَہَادَۃَ لِمَنْ لَا عِلْمَ لَہٗ بِہٖ وَمَنِ اعْتَقَدَ ھٰذَا کَفَرَ وَبِہٖ قَالَ الشَّیْخُ اَبُو الْقَاسِمِ الصَّفَّارُ انتہٰی ؛

یعنی اگر کسی نے نکاح کیا کسی عورت سے اور گواہ کوئی حاضر موجود نہیں اور کہتا ہے کہ اللہ و رسول کی گواہی کے ساتھ میں نے نکاح کیا تو نکاح بھی نہ ہوگا اور کافر بھی ہو جائیگا اس اعتقاد کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ انتہی۔ بیری و ولوالجیہ وغیرہ کتب مذہب میں ہے کہ اگر کسی نے ایک عورت سے اللہ و رسول گواہ بنا کر نکاح کیا تو کافر ہو جائیگا کیونکہ اس شخص کی گواہی نہیں جس کو علم نہ ہو اُس کا۔ اور جس نے یہ اعتقاد کیا وہ کافر ہو گیا

اقوال اولیائے کرامؒ

و در ملفوظات حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ مذکور است کہ اولیاء را علم غیب باشد مگر آنچہ از مغیبات بطریق خرق یا بالہام آنچہ را خدا تعالیٰ علم دہد۔ علم غیب اولیاء را گفتن کفر است انتہیٰ سوائے یعنی اولیاء کو علم غیب نہیں ہوتا مگر جو کچھ کہ مغیبات سے بطریق خرق عادت و کرامت یا بطریق الہام ان کو خدا تعالیٰ علم دیوے۔ اولیاء کو علم غیب کہنا کفر ہے۔

وعبارت ارشاد الطالبین قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ علم غیب اولیاء را گفتن کفر است

و در مکتوبات معصومیہ جلد ثالث مکتوب نوزدہم ص۱۹ ہرگاہ بسید انبیاء علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات حکم ہست وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ، بہ دیگراں چہ رسد۔ یعنی مکتوبات معصومیہ جلد ثالث مکتوب ص۱۹ میں ہے کہ جس وقت سید عالم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ الخ تو دوسروں کی کیا مجال ہے یعنی دوسروں کو کیا پہنچے۔

و در مکتوبات امام ربانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس در مکتوب صد و ہشتم ص۱۰۸۔ عوام دریں ضلالات فرو رفتہ اند و خیال کردہ اند کہ ولی را می باید کہ اکثر اشیاء بروے منکشف شود وَهُوَ كَمَا تَرَى مِنَ الظُّنُونِ الْفَاسِدَةِ وَإِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ انتہیٰ باختصار۔ یعنی مکتوب ص۱۰۸ میں ہے کہ عام لوگ اس گمراہی میں سر جھکائے بیٹھے ہیں اور یہ خیال کیا ہوا ہے کہ ولی کو چاہیے کہ اکثر اشیاء اس پر ظاہر ہو جائیں۔ یہ گمان فاسد اور بیہودہ کو ہے۔ اور حقیقت ہے کہ بعض گمانوں کا گناہ ہے۔

وفی غنیۃ الطالبین (مصری ص۹۶) وَالَّذِي اتَّفَقَتْ عَلَيْهِ طَوَائِفُ الرَّافِضَةِ أَنَّ الْإِمَامَ يَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ الیٰ قولہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ جَحَدُوا التَّنْزِيلَ یعنی رافضیوں (شیعوں) کے تمام گروہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ امام ہر اس چیز کو جانتا ہے جو ہو چکی ہے اور جو آگے ہونے والی ہے ...... لعنت ہو اللہ تعالیٰ کی ان پر۔ انہوں نے تو قرآن پاک (کی آیات) کا (یہ کہہ کر) انکار کر دیا ہے۔

وَفِی غنیۃ الطالبین ص۳۳ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ اِلَّا عَرَفْتُہٗ اِلَّا فِیْ صُوْرَتِہٖ ھٰذِہٖ وَقَالَ رَاوِی عمرؓ رضی اللہ عنہ راوی الحدیث، لَا یَعْرِفُہٗ مِنَّا اَحَدٌ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کبھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں میں نے جیسے ان کو پہچانا ہے۔ مگر اس صورت میں میں نے نہیں پہچانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم اصحاب میں سے کوئی شخص ان (جبرئیل علیہ السلام) کو نہیں پہچانتا

مسئلہ کوئی چیز بغیر شرط کے صحیح نہیں ہوتی جیسے نماز بغیر وضو کے، نکاح بغیر عدت گزرنے کے، امور شرعیہ کے واسطے مختلف شرائط ہیں۔ اسی طرح تمام اعمال صالحہ کے لئے بھی ایک شرط ضروری ہے جس کے بغیر نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ سب لغو و مردود ہیں قولہ تعالیٰ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا یعنی پس نہیں قائم کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے روز ترازو۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ یعنی ان کے عمل ضائع برباد ہیں ترازو تب قائم کی جاتی ہے کہ ایک پلے میں نیکیاں ہوں اور دوسرے میں بدیاں۔ جب نیکیاں کافور ہو چکی ہوں اور سب بدیاں ہی بدیاں باقی ہوں تو پھر ترازو کی ضرورت ہی کیا رہی وقولہ تعالیٰ وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا اور متوجہ ہوئے ہم ان کے اعمال کی طرف سو ہم نے اس عمل کو خاکستر پراگندہ ہوا میں اڑنے والا کر دیا یعنی حبط کر دیا۔ اور وہ شرط جس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں وہ ایمان ہے لقولہ تعالیٰ مَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ یعنی جو عمل کرتا ہے نیکوں سے اور شرط یہ ہے کہ وہ مؤمن ہو وقولہ تعالیٰ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ (نحل وتم مؤمن) یعنی جو کوئی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور شرط یہ ہے کہ وہ مؤمن ہو۔

مسئلہ جیسے اور اعمال صالحہ کیلئے ایمان کا ہونا شرط ہے ویسے ہی ایمان کیلئے بھی شرائط ہیں۔ بغیر شرائط کے ایمان درست نہیں۔ اور ایمان کی دوسری شرط ہے کہ علم غیب خاصہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہ مسئلہ کلام فقہاء میں مذکور ہے۔ قرآن شریف سورۂ بقرہ سے آخر حوامیم تک ہر سورۃ میں مذکور ہے

سورۃ البقرہ وقولہ تعالیٰ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ذکرہ تک

اب علم غیب کا معنیٰ سمجھنا ضروری ہے وہ یہ کہ غالب علی الغیب کوئی نہیں یعنی اگر کوئی کہے
کہ سوا خدا تعالیٰ کے کوئی شخص ہر چیز جانتا ہے وہ بھی کافر ہے (۲) اگر کوئی کہے کہ جس
وقت چاہے ضرور جان لیتا ہے۔ یہ بھی کفر ہے (۳) اگر حق تعالیٰ کسی وقت بتا دے تو
جتلا دیتا ہے یہ صحیح ہے

لیک ایں در اختیار عبد نیست — بندہ را جہدے بجز در کسب نیست

لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا غالب نمی کند بر غیب خویش ہیچ کس را لیکن اپنے رسولوں
کے لئے فرشتے مقرر کئے ہیں واسطے پہنچانے وحی کے اور دفع کرنے شیاطین کے
اور ہر چیز بھی وحی نہیں ہوتی بلکہ بعض چیز جو خدا تعالیٰ چاہے مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ
بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
یعنی اس جماعت بلند قدر فرشتوں والی کا مجھے کچھ علم نہیں جب جھگڑتے تھے آپس میں (بطریق
جواب سوال کے) نہیں وحی بھیجا جاتا میری طرف مگر اس امر کے واسطے کہ میں ڈرانے والا ہوں
ظاہر (یعنی ہر ایک بات کے متعلق مجھے وحی نہیں ہوتا)

(مولوی) حسین علی صاحب بقلم خود ساکن واں بھچراں ضلع میانوالی

المجیب مصیب سید محمد ولد مولوی عبد الغفار صاحب مرحوم غفرلہما ڈیروی

لقد صح الجواب وسرد المجیب بما اجاد کتبہ العبد المفتقر الی اللہ محمد عبد اللہ جیب اللہ عفا عنہ اللہ
الحنفی مذہبا والدیروی مسکنا

بلاشک و شبہ علم الغیب خاص بخدا تعالیٰ ہے اور جو تعلیم غیب جس قدر خدا تعالیٰ جس کو چاہے
بندہ کو عطا فرمائے قادر ہے اور لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ نص محکم ہے پس مجیب مصیب ہے
اور مخالف مبطل و گمراہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر احمد عفی عنہ بقلمہ

من جامع ڈیرہ اسماعیل خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیب دانی (عالم الغیب ہونے) کی صفت مختصہ باری تعالیٰ کی اگر غیر اللہ میں تسلیم کر لی جائے تو اس سے اس قدر خرابیاں لازم آئیں گی جو ہر ذی عقل مسلمان خصوصاً اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ والے کبھی نہیں مانیں گے کیونکہ ان کے بیشمار ضروریات دین کا انکار لازم آتا ہے اور ضروریات دین کے مسائل میں سے ایک مسئلہ کے انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء ربانیین نے اس مسئلہ کو بھی ضروریات دین میں شمار فرمایا ہے

من جملہ ان خرابیوں کے ایک خرابی یہ ہے کہ

1 انبیاء کرام علیہم السلام کو عالم الغیب ماننے سے وحی جلی (قرآن کریم) اور وحی خفی (حدیث نبوی) کا انکار لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى یعنی حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے اور انبیاء کیلئے وحی ماننا ضروریات دین سے ہے

2 اولیاء اللہ کو غیب دان (عالم الغیب) ماننے سے کشف، الہام، اور رؤیائے صالحہ کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ کشف کے معنے پردہ ہٹانے کے ہوتے ہیں کہ پہلے ایک چیز پردہ میں مستور تھی اب پردہ ہٹانے سے وہ غائب چیز حاضر ہو گئی۔ الہام کے معنے ہیں دل میں اچھی بات ڈالنا، رؤیائے صالحہ کے معنے نیک خواب ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عالم الغیب کو نہ کشف کی ضرورت ہے نہ الہام کی نہ خوابوں کی اور نہ وحی کی کیونکہ وہ ان کے بغیر ہی سب پردہ کی چیزیں جانتا ہے

حالانکہ اولیاء کرام کا کشف، الہام، اور رؤیائے صالحہ سب اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں متفق علیہ ہے

3. عالم الغیب غیر اللہ کو ماننے سے ان آیات کا انکار لازم آئے گا جن میں پیغمبروں

کی طرف نسیان (بھول ہو جانے) کی نسبت کی گئی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ یعنی اور بیشک ہم نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ (آدم علیہ السلام کو وہ تاکیدی حکم) بھول گئے۔ اور ہم نے اُن کا قصد نہ پایا۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کے متعلق فرمایا فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا یعنی پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے، تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے۔ اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے عہد کر لیا تھا کہ میں کوئی بات ابتداءً نہ پوچھوں گا پھر آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی پھاڑنے پر یہ سوال کر دیا کہ کیا کشتی پھاڑی سواروں کے ڈبانے کو تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کیا میں نے نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے؟ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ کہ مجھ کو میری بھول پر گرفت نہ کرو۔

نیز ان احادیث کا انکار لازم آئیگا جن میں انبیاء علیہم السلام خصوصاً جناب سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسیان کی نسبت کی گئی ہے حالانکہ وہ احادیث صحیح ہیں اور مشہور و مستفیض ہیں مثلاً حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بہم فسہا فسجد سجدتین (ترمذی ص۵۲) یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اس میں آپ بھول گئے جس کی وجہ سے آپ نے دو سجدے سہو کے کئے اور اسی طرح بھول جانے کی روایت حضرت عبداللہ بن بحینہ اسدی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے بھی ہے دیکھو ترمذی ص۵۱، نیز ابی ہریرہؓ و عبداللہ بن عمرو ذی الیدین سے (ترمذی ص۵۳) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے (بخاری ص۵۸، ابوداؤد ص۱۳۶، ابن ماجہ ص۸۶، مشکوٰۃ ص۹۲ و نسائی ص۱۸۲ و ص۱۸۵ و ص۱۸۶، ابن ماجہ ص۸۵ و مسلم ص۲۱۲ و ص۲۱۳ جن میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ یعنی میں انسان ہی تو ہوں جیسے تمہیں بھول ہو جاتی ہے مجھے بھی ہو سکتی ہے اس لئے جب کبھی میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔

اگر نسیان کی نسبت کو غلط کہیں کہ اس طرح نبی پاک کی گستاخی ہے تو ان صحابہ کرام

اور ان کے ماتحت جیسوں راویوں اور روایت کرنے والے تمام محدثین پر یہ گستاخی اور
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کا فرد جرم عائد ہوگا جو گستاخ کفر ہے بلکہ تمام فقہائے
کرام حنفی شافعی مالکی حنبلی وغیرہ پر بھی الزام عائد ہوگا کیونکہ انہوں نے انہیں محدثوں سے
سجدۂ سہو کے مسائل اخذ کئے ہیں بلکہ اولیائے کرام پر بھی یہی الزام عائد ہوگا کیونکہ یہ
اولیائے کرام ان چاروں اماموں میں سے کسی نہ کسی کے ضرور مقلد ہوئے ہیں جیسے حضرت
سید شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ حنبلی مذہب کے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ شافعی مذہب
کے تھے۔ قاضی عیاض مالکی اور ابن العربی و ابن عربی مالکی مذہب کے تھے اور مجدد الف ثانی
قاضی ثناء اللہ پانی پتی، معین الدین اجمیری، نظام الدین اولیاء، سلطان باہو، علی ہجویری رحمہم
اللہ حنفی تھے۔ علی ہذا القیاس تمام اولیاء پر گستاخی رسول کا الزام عائد ہوگا

اور اصول کے ماہرین نے لکھا ہے کہ نسیان ... کی قسم ہے (دیکھو نور الانوار ص۲۹۳)
اور ہر وقت کا علم غیب اور نسیان کا جمع ہونا ... علم اور جہل کے مابین تقابل عدم و
ملکہ کا ہے پس عالم الغیب کو نسیان عارض نہیں ہوتا۔ کما جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق
ارشاد فرمایا ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا اور تیرا رب بھولنے والا نہیں، اور فرمایا
وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین
کی چھپی چیزیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جس کی طرف نسیان کی نسبت ہو وہ عالم الغیب نہیں ہو سکتا

۴ انبیاء و اولیاء کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے سے ان آیات و احادیث کا
انکار کرنا پڑتا ہے جن میں حوادثات و عوارضات کی نسبت انبیاء و اولیاء کی طرف کی گئی ہے،
مثلاً غشی، نیند، اونگھ، مرض، جادو، زخمی ہونا، شہادت، موت وغیرہ

بخاری ص۹۵ میں مرض وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں بروایت ام المؤمنین
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ لفظ آتے ہیں فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ (جب غسل فرما کر آپ نماز
کے لئے اٹھنے لگے تو آپ پر غشی طاری ہوگئی

بخاری ص۹۶ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
گھوڑے پر سوار تھے پھر گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کی دائیں جانب کو خراش سی آگئی
تو اس تکلیف کی وجہ سے آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔

بخاری ص۲۹ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گذاری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی پھر گھر آئے تو چار رکعت پڑھ کر سو گئے پھر نماز کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، میں بھی آکر آپ کی بائیں جانب اٹھ کھڑا ہوا۔ تو آپ نے مجھے اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ پھر آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں پھر دو پڑھیں پھر سو گئے حتیٰ کہ آپ کے خراٹوں کی آواز میں نے سنی پھر صبح کی نماز کیلئے نکلے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ سو رہے تھے۔ اتنے میں مؤذن آیا تب آپ گھر سے نکلے اور نماز پڑھی

بخاری نے ص۵۸۳ میں باب منعقد فرمایا باب ما اصاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم من الجراحات یوم احد یعنی ان زخموں کا بیان جو جنگ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئے۔ اس کے بعد حدیثیں بیان کرتے ہیں جن میں حضرت کے وقت زخمی ہونے کا ذکر ہے اور حضرت کی یہ کلام بھی نقل ہے کہ اشتد غضب اللہ علی قوم دموا وجہ نبی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہے اس قوم پر جس نے نبی اللہ کا چہرہ خون آلود کر دیا ہے اس کے راوی ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عباس اور سہل بن سعد ہیں

اور حضرت کی وفات کے رواۃ اس قدر کثیر ہیں جن پر جھوٹ کا گمان نہیں ہو سکتا مثلاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے امام اول خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ، امام ثانی امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، امام ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، امام رابع امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، و صاحب النعلین والعصا والوسادۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ورئیس المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ابن زبیر، ابن عمر، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر، ابو ہریرہ، انس بن مالک، مغیرۃ بن شعبہ، عرباض بن ساریہ، عباس بن عبد المطلب، سالم بن عبید اللہ الاشجعی، ابو سعید خدری، ابو جحیفہ، ابی بن کعب، ابو الدرداء، غنیم بن قیس، ابو سلمہ، ابو الطفیل، سہل بن سعد، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، حذیفہ بن الیمان، مالک بن اوس، ابو مویہبۃ، ابو عبیدۃ بن الجراح، زید بن ثابت، ابو بردہ، قیس بن جریر، عمرو بن الحارث، جبیر بن مطعم، جندب، طلحہ بن عبید اللہ، ابو ذر، اسید

بن حضیر، وحشی، عبید اللہ بن عدی بن الخیار، صنابحی، عائشہ، امّ سلمہ، ام ایمن، ام الفضل، فاطمۃ الزہراء، اسماء بنت عمیس، حفصہ، جبیر بن نفیر، سلیمان بن ابی حثمہ، سالم بن عتیک، وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان سے روایت کرنے والے پھر اُن سے روایت کرنے والے آپ خود اندازہ لگا لیں کہ کس قدر ہوں گے۔

بخاری ص۸۵۸ میں بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہو جانے کا ذکر ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کر چکتے تھے تاہم آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ میں نے یہ کام نہیں کیا یا آپ نے کام نہیں کیا اور آپ سمجھتے تھے کہ میں نے یہ کام کر لیا حتیٰ کان یُریٰ انہ یاتی النساء ولا یاتیھن، حتی انہ لَیُخَیَّلُ الیہ انہ فعل الشیء وما فعلہٗ

الحاصل یہ تمام حوادث صریح نافی ہیں انبیاء و اولیاء کے عالم الغیب ہونے کے کیونکہ مثلاً اغماء یہ ایک ایسا مرض ہے جس سے انسان کے ادراک کرنے والے قویٰ میں ضعف آجاتا ہے کان الانبیاء معصومین عن الجنون لانہ یزیل العقل وَمَا کَانُوا مَعْصُوْمِیْنَ عَنِ الْاِغْمَاءِ فَاِنَّ نَبِیَّنَا صلی اللہ علیہ وسلم اغمی علیہ فی مرضہٖ کما شہدت بہ اَحَادِیْثُ الصحاح قرالاقمار ص۲ نور الانوار ص۲۹۴) یعنی انبیاء علیہم السلام جنون سے تو معصوم ہوتے ہیں، مگر اغماء سے معصوم نہیں ہوتے کیونکہ خود ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مرض میں اغماء (غشی) طاری ہو گئی تھی کتب صحاح کی حدیثیں اس کی شاہد ہیں۔

اور نیند ایک طبعی سستی ہے جو انسان کو حادث ہوتی ہے اور اس کے بس میں نہیں ہے۔ اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی طاقت استعمال کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ عقل ہونے کے باوجود ادراکات حسیّہ و عقلیّہ و افعال اختیاریہ پر قدرت کا استعمال نہیں کر سکتا۔ (نور الانوار ص۲۹۴)

اور موت خود ایسی چیز ہے جس سے تمام حواس ختم جاتے ہیں۔ اور عذاب ثواب کا ادراک جو روح کو ہوتا ہے سو اُس کا تعلق اِن حواس دنیویہ سے نہیں یہ عالم برزخ سے متعلق چیزیں ہیں۔ وللتفصیل مقام آخر

اور جادو کے بارے خود حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ نہ کئے ہوئے کام کو

آپ کیا بڑا خیال کر لیتے اور کئے ہوئے کام کو نہ کیا ہوا خیال فرماتے۔ یہ اثر تھا اس جادو کا۔ پس عالم الغیب وہی ہو سکتا ہے جو ان عوارض سے پاک ہو جیسے خدا کی نے اپنے متعلق فرمایا اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ہمیشہ جیتا ہے سب کا تھامنے والا۔ نہیں پکڑتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اور فرمایا وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِىْ لَا يَمُوْتُ اور بھروسہ صرف اسی ذات پر کر جو ہمیشہ جیتا ہے جو نہیں مرے گا۔ اور وہ وہ ذات ہے جسے کوئی بھی کسی طرح کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا وہ کبھی نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ۔

۵ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان تمام آیات کا انکار لازم آتا ہے جن میں انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف حزن، خوف، غم، گھبراہٹ، اور پچھتانے کی نسبت کی گئی ہے مثلاً فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً پھر ابراہیم علیہ السلام ان فرشتوں سے ڈر گئے۔ فرشتے بولے مت ڈر، فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ پھر جب گیا ابراہیم علیہ السلام سے ڈر، وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اور جب کہ پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس تو ان کا آنا ان لوط علیہ السلام کو ناگوار ہوا اور ان کے سبب دل تنگ ہوا تب ان فرشتوں نے کہا نہ ڈر نہ غم کر۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام جب اباجی سے تقاضا کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیجو تو حضرت یعقوب علیہ السلام یوں نہیں فرماتے کہ مجھے پتہ ہے کہ تم باہم مشورہ کر کے اسے اندھے کنوئیں میں ڈالنا چاہتے ہو، بلکہ فرمایا اِنِّىْ لَيَحْزُنُنِىْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ یعنی مجھے رنج دے گی یہ بات کہ تم اسے لے جاؤ اور اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا لے اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔ پھر آگے چل کر فراقِ یوسف علیہ السلام میں آپ کا قول اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ہائے افسوس یوسف (علیہ السلام) کی جدائی پر۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں سو وہ اپنے آپ کو گھونٹ رہے تھے۔ پھر آگے ہے اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْٓ اِلَى اللّٰهِ میں تو کھولتا ہوں اپنا احوال اور غم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا عصا ڈال۔ ڈال کر دیکھا لہراتا ہوا گویا یہ سانپ ہے وَلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ حضرت پیٹھ پھیر کر چلدئے اور مارے ڈر کے مڑ کر نہ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مخاطب ہو کر فرمایا یَا مُوْسٰی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّکَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو مت آپ کو کچھ خطرہ نہیں آپ کو امان ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرعونیوں کی پیغام پہنچانے کو فرمایا تو عرض کی رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ اے میرے رب! میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کیا ہے اس لئے مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔

اس قسم کی بیشمار آیات و احادیث ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ڈر خطرہ غم گھبراہٹ اور پچھتانا اسی کو لاحق ہوتا ہے جسے اس چیز کا علم اس سے مستور ہو اور عالم الغیب کو ڈر خطرہ غم گھبراہٹ اور پچھتانا نہیں ہوتا کیونکہ اس کے آگے ہر چیز روشن ہوتی ہے اس لئے اگر ان آیات کو تسلیم کریں تو انبیاء و اولیاء سے علم غیب کلی کی نفی کرنی ہوگی اور اگر انبیاء و اولیاء کو عالم الغیب مانیں تو ان آیات کا انکار کرنا ہوگا یا خدا کو جھوٹا کہنا ہوگا یا روافض کی طرح صحابہ کرام پر الزام دھرنا ہوگا کہ اس قسم کی آیتیں اپنی طرف سے بنا کر قرآن شریف میں لکھ دیں لیکن یہ تو حقیقت ہے کہ آیتیں برحق ہے خدا بھی سچا ہے صحابہ بھی بہتان سے محفوظ ہیں لہذا کہنا ہوگا کہ انبیا اولیا عالم الغیب نہیں۔

۶ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان آیات کا انکار کرنا لازم آتا ہے جن میں انبیاء یا مؤمنین صالحین کو عتاب کیا گیا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور جان نہ لیتے آپ جھوٹوں کو۔ اس آیت کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے صفحہ ۱۵۹ تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کو اپنے اجتہاد سے گھر میں رہنے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی تھی اس لئے یہ آیت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور عتاب کے نازل ہوئی۔ پھر صاحب شرح صاوی نے صفحہ ۱۲۹ میں لکھا وَعِتَابُ اللّٰهِ لَهٗ اِنَّمَا هُوَ عَلٰی فِعْلِ اَمْرٍ مُبَاحٍ لَهٗ فَهُوَ مِنْ بَابِ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ لَا عَلٰی [illegible] [illegible] فَاعْتِقَادُ ذٰلِكَ كُفْرٌ یعنی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر مباح کے کرنے پر عتاب تھا نہ کسی کام کرنے کی وجہ پر کیونکہ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے تو یہ اس قبیلہ سے ہے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح تفسیر [illegible] و ابن جریر [illegible] و تفسیر نیشاپوری [illegible] و تفسیر ابو السعود [illegible] و ابن کثیر [illegible] و معالم التنزیل [illegible] و تفسیر مظہری [illegible] و تنویر المقباس [illegible] و بیضاوی [illegible] وغیرہ تفاسیر میں ہے اور حضرت رئیس المفسرین صحابی و ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور تلامذہ میں سے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔ اور یہی تفسیر تابعین سے مروی ہے مثلاً عمرو بن میمون و عون و سفیان بن عُیَیْنَہ و عطا خراسانی و مورق عجلی وغیرہ۔

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کلی غیب کا تسلیم کریں تو ان آیات کا انکار کرنا ہوگا یا ان مفسرین و محدثین کو بے ادب و گستاخ کہنا ہوگا اور ان کی تفسیر کو خلاف حقیقت ماننا ہوگا اگر آیات کو صحیح تسلیم کریں اور مفسرین پر بھی الزام نہ دھریں تو علم غیب کلی کا قول غلط ہوگا کیونکہ عالم الغیب ہونا اور معتوب ہونا یہ دونوں باتیں ایک ہی شخصیت میں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ جسے علم ہو کہ اس کام سے مجھ پر عتاب ہوگا تو وہ کام ہرگز نہیں کرے گا یہ مسئلہ تو اجلیٰ بدیہیات سے ہے۔

۶ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان آیات کا انکار کرنا پڑتا ہے جن میں انبیاء کرام و دیگر مومنین کو تسلی دی گئی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر فعل عبث کا قبیح دھبہ لگانا ہوگا۔ مثلاً کفار کے کفریات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی ذات نے آپ پر تسلی کی آیات نازل فرمائیں من جملہ ان آیات کے فرمانِ الٰہی كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی جیسے یہ کافر لوگ آپ کو کہتے ہیں اسی طرح کر چکے ہیں اگلے کافر بھی پہلے پیغمبروں کے ساتھ انہیں کی سی بات۔ ایک سے ہیں دل بھی ان کے۔ اس جگہ جلالین [illegible] میں علامہ جلال الدین محلی لکھتے ہیں فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِّلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین خاطر کی گئی ہے کہ آپ ان کی سرکشی اور معاندہ باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں پچھلے کفار بھی انبیاء کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ تسلی مغموم اور محزون ہی کو دی

جاتی ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ مفہوم و مخزون عالم الغیب نہیں ہو سکتا ورنہ تو غیر مفہوم و مخزون کو تسلی دینا ایک امر عبث ہے۔ جس کے تسلیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر عبث کا کام کرنے کا دھبہ آئے گا اور خدا کی صفتِ حکیم کا انکار لازم آئے گا اور یہ دونوں امر صریح کفر ہیں اور مستلزم کفر بھی کفر ہے۔

۷ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے انبیاء و اولیاء کو جھوٹا کہنا پڑے گا یا قرآن کو کہنا ہوگا یا خدا کو جھوٹا کہنا ہوگا (العیاذ باللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرمایا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے مارے رکھا حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال پھر اسے زندہ کرکے اٹھا دیا قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام سے امتحاناً سوال فرمایا کتنی دیر یہاں تو ٹھیرا؟ حضرت عزیر علیہ السلام نے عرض کی کہ دن بھر ٹھیرا ہوں بلکہ دن سے بھی کم! قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں! تو دن یا دن بھر سے کم ٹھیرا بلکہ تو پورے سو سال یہاں ٹھیرا ظاہر ہے کہ ایک دن ٹھیرنے اور سو سال ٹھیرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر کہیں کہ اللہ کا فرمان صحیح ہے اور عزیر علیہ السلام عالم الغیب بھی ہیں تو نعوذ باللہ حضرت عزیر علیہ السلام عمداً جھوٹ بول رہے ہیں اگر عزیر علیہ السلام کو سچا مانیں تو صحابہ کرام پر تحریفِ قرآن کا قبیح الزام لگانا ہوگا کہ انہوں نے یہ مکالمہ غلط انداز میں لکھ دیا حقیقۃً امر واقع یوں نہ تھا۔ اگر صحابہ کرام کو بھی الزام سے بری کہیں اور خدا پاک کو سچا مانیں اور عزیر علیہ السلام کو سچا مانیں تو لازماً یہ کہنا ہوگا کہ آپ عالم الغیب نہ تھے آپ کو سو سال کے حالات کا کچھ علم نہ ہو سکا صرف یہ خیال کرکے کہ شروع دن میں میں سویا تھا اب جاگتے وقت سورج غروب ہو رہا ہے یہ سمجھے کہ یہ وہی میرے سو جانے کا ہی دن ہے فَظَنَّ أَنَّهُ يَوْمُهُ الَّذِي نَامَ فِيهِ (جلالین ۴۲) تو اندازہ اور ظن سے بتایا اور ظن اور اندازہ کرنے کی ضرورت عالم الغیب کو نہیں ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ آپ کو عالم الغیب کہنے میں ضروریاتِ دین کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اصحابِ کہف کے واقعہ میں اسی طرح کا بیان ہے۔ خوب سمجھ لو۔

۸ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے انبیاء و اولیاء و علماء مجتہدین کو اجتہاد کی صفت سے محروم کہنا ہے۔ کیونکہ اجتہاد کی ضرورت وہیں محسوس ہوتی ہے جہاں حکم منصوص نہ ہو

کیونکہ جواز قیاس کے لئے شرط ہے کہ مقیس کا حکم منصوص نہ ہو عدم وجود النص فی الفرع (نور الانوار صـ۲۳۳) اور مشکوٰۃ شریف صـ۳۲۴ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ إِنَّمَا أَقْضِي بَيْنَكُمْ بِرَأْيِي فِيمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيهِ یعنی میں عقل و اجتہاد سے تم میں فیصلہ صرف اس قضیہ میں کرتا ہوں جس قضیہ میں مجھ پر وحی نہ اتری ہو اگر عالم الغیب کا عقیدہ انبیاء اولیاء و علماء مجتہدین کے بارے درست ہو تو اجتہاد کی ضرورت انہیں کیا تھی کیونکہ اجتہاد کی تعریف علمائے اصول نے یہ کی ہے اِسْتِفْرَاغُ الْفَقِيْهِ الْوُسْعَ لِيَحْصُلَ لَهُ ظَنٌّ بِحُكْمٍ شَرْعِيٍّ یعنی فقیہ کا اپنی پوری طاقت لگانا تاکہ شرعی حکم کے متعلق اس کو ظن غالب حاصل ہو جائے (تعریفات میر سید سنہ صـ۴) رمضان آفندیؒ کا شرح شرح عقائد میں یہ قول ہے بَذْلُ الْمَجْهُوْدِ لِنَيْلِ الْمَقْصُوْدِ سو اس کا بھی یہی مطلب ہے اور ظاہر ہے کہ علم (یقین) کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی طرف رجوع کرنا جس کی ماہیت ہی میں ظن داخل ہے، ترقی معکوس کا مرادف ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام تابعین، تبع تابعین و من بعدہم سب اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ صرف فرق اتنا ہے، کہ نبی کا اجتہاد میں غلطی ہوتی نہیں اگر کچھ لغزش ہو بھی جائے تو فوراً وحی آجاتی ہے اور صحابہؓ کرام و من بعدہم کے اجتہاد کبھی صواب کبھی خطاء۔ اگر ان ہستیوں کو علم غیب ہوتا تو انہیں اجتہاد کی کیا ضرورت تھی۔

۸ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان آیات و احادیث کا انکار لازم آتا ہے جن میں انبیاء علیہم السلام کے قتل، زخمی ہونے، زدوکوب، اور زہر کھانے کا بیان ہے مثلاً يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ، يَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ، وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَاءَ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف میں زخمی ہونا، یوم احد میں آپ کے دندانِ مبارک کا شہید ہونا، یہودیہ کا کھانے میں زہر ملانا اور بعض کا اعلمی میں کھا کر شہادت پانا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس زہر کا اثر کرنا حتیٰ کہ مرض الوفات میں بھی اس زہر کا اثر محسوس ہونا وغیرہ سب کا انکار کرنا ہوگا لیکن تواتر کا انکار تو ہو نہیں سکتا لہٰذا غیر اللہ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کا عقیدہ رکھنا ہوگا۔

۹ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے معاذ اللہ نبی کریم پر بہت بڑا سنسنی خیز بے غیرتی اور

بے حیائی کا الزام عائد کرتا آتا ہے لیکن غزوۂ بنی المصطلق میں جب واقعۂ افک پیش آیا اور حضرت
ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار ٹوٹ گیا جسے آپ تلاش فرماتی رہیں قافلہ کو کوچ
کرنے کا حکم ہوا اس میں آپ کی ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دی اور یہ سمجھ کر چل دئے کہ حضرت
ام المؤمنین ہودج میں بیٹھی ہیں اور آپ کے ہلکا پھلکا ہونے کی وجہ سے ہودج کا بوجھ محسوس
نہیں ہوا۔ لشکر جا چکا تھا۔ آپ کو ہار ملا۔ وہیں بیٹھ گئیں اس خیال سے کہ جب ڈھونڈ ہوگی
تو تلاش میں آئیں گے۔ نبوی حکم و دستور کے مطابق حضرت صفوان بن معطل سلمی اس لئے پیچھے
چھوڑے جاتے [illegible] حضرت ام المؤمنین سو گئیں حضرت
صفوان رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جس سے آپ بیدار ہو گئیں فوراً چہرہ مبارک
اوڑھنی سے چھپا لیا۔ بغیر بات چیت اور بغیر گفتگو کے صفوان رضی اللہ عنہ نے اونٹنی بٹھائی آپ
پر آپ پیچھے سے سوار ہوئیں اور لشکر کو جا ملیں۔ یہ دیکھ کر منافقین نے دور دور دھوم مچایا کہ الامان
آنحضرت۔ مدینہ منورہ پہنچے تو منافقین نے بڑا پروپیگنڈہ کیا۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں
کہ آتے ہی میں بیمار ہو گئی اور پہلی کی سی ملاطفت نبی پاک میرے ساتھ نہیں کرتے تھے
ایک رات ام مسطح کے ساتھ باہر نکلی واپسی پر ام مسطح پھسل کر گر پڑی اور کہا ہائے! مسطح مرے!
میں نے کہا بدری کو گالی دے رہی ہے۔ ام مسطح نے کہا تجھے معلوم نہیں اس نے کیا کہا پھر سارا واقعہ
سنایا۔ یہ سنتے ہی میرے مرض میں اور اضافہ ہو گیا۔ گھر آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میکے
جانے کی اجازت مانگی میرا مطلب یہ تھا کہ ماں باپ سے تحقیق بات دریافت کروں۔ آپ نے
اجازت دے دی پھر اماں جان سے دریافت کیا انہوں نے کہا غم نہ کر ایسا ہی ہر اس عورت
کے ساتھ ہوتا ہی رہتا ہے جس کی سوتنیں ہوں اور وہ عورت خاوند کو پیاری لگتی ہو۔ میں نے
کہا واقعی لوگ میرے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ خیال کر کے مجھے اتنا رونا آیا کہ ساری رات
میرے آنسو نہ تھمے۔ نیند تو کیا آتی تھی۔ صبح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی آنے میں دیر
محسوس کی تو امام علی واسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو مشورہ کے لئے بلایا الیٰ آخرہ (بخاری ج ۲ ص ۵۹۵)
جب تک وحی نہیں آئی تھی اس وقت تک اس واقعہ کی وجہ سے نبی پاک پر کیا گذر رہی ہوگی
جن کی پاک دامن اہلیت پر تہمت لگی اور خود ام المؤمنین پر کیا گذری ہوگی۔ ان کے ماں باپ اور اقارب
پر اور مخلص مومنین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کیا گذر رہی ہوگی۔ ہمیں نہیں کیا علم۔ اگرچہ تمام

بیبیاں عالم الغیب ہوتیں تو! گم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ نہ ہودج خالی ہونے کی حالت میں اونٹ پر رکھا جا سکتا ہے۔ نہ صفوان کو پیچھے چھوڑنے کا تصور ہو سکتا ہے۔ نہ گری ہوئی چیز کا سوال ہو سکتا ہے۔ نہ ابن سلول تہمت لگا سکتا ہے۔ نہ اس جماعت منافقین کی طوفان اڑا سکتا ہے۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ازواج کے ساتھ ملاطفت میں کمی واقع ہو سکتی ہے اور نہ ام المؤمنین کو رونا اور رت جگا آ سکتا ہے اور نہ ہی حالات کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے میکے جانے کی اجازت لینی پڑتی ہے اور نہ ہی حالات بتانے کے بعد یہ احساس ہو سکتا ہے کہ مرض بڑھ جائے۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی انتظار کرنی پڑتی نہ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی وغیرہ وغیرہ۔ بہ عالم الغیب ماننے کی صورت میں ایک غیر مسلم کو اعتراض کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے کہ معاذ اللہ نبی غیر محرموں کو پیچھے چھوڑتا ہے تاکہ اس نبی کی بیوی کے ساتھ نامحرم کو اٹھنے بیٹھنے کا موقع مل سکے اور مصداق آ بیل مجھے مار اپنے ذمے اپنی بیوی کی تہمت کا وبال لے لیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

۱۰۔ مخلوق کو غیب دان ماننے سے ان احادیث کا انکار لازم آتا ہے جن میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف کسی چیز کے اپنے اوپر مخفی رہنے کی نسبت کی ہے۔ یا اگر حدیث کو صحیح مانیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کذب یا غلط بیانی کی نسبت کرنا ہوگی جو صریح کفر ہے یا اس کو موضوع کہنا ہوگا اور بغیر تحقیق کے موضوع ہونے کے جس محدث نے اسے بیان کیا ہے اس کو گستاخ، بے ادب اور کافر کہنا ہوگا

اور اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے اس لئے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔

۱۱۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ماننے سے اس حدیث کا انکار کرنا ہوگا جس

ہں ہے کہ ایک یہودی عورت کا بچہ ہوا جس کی دونوں آنکھ مٹی ہوئی اور ہموار کی ہوئی تھی اور اس کی کچلیاں نکل ہوئی تھیں پس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی خاطر ڈر پیدا ہوا کہ شاید یہی دجال ہو۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھنے آئے تاکہ اس کا حال تحقیق کریں۔ پس اس کو اس حالت میں پایا کہ چادر میں لپٹا ہوا چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے جو سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ پھر اس لڑکے کی ماں نے اس کو آگاہ کیا کہ اے عبداللہ یہ ابوالقاسم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں۔ خبردار ہو۔ اور ان سے کلام کرنے کے لئے مستعد ہو۔ تب وہ چادر سے نکلا۔ پھر نبی پاک نے فرمایا اس عورت کو کیا ہو گیا۔ اللہ اس کو غارت کرے۔ اگر یہ اس کو چھوڑ دیتی اور خبر نہ دیتی اس کو تو یہ اپنا حال ظاہر کر دیتا ...... پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ اجازت دیجئے میں اسے قتل کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا اگر ابن صیاد وہی دجال ہے تو تُو اس کا قاتل نہیں (اس کا قتل عیسیٰ بن مریم کے حصے میں ہے) اس کے سوا کسی کو اس کے قتل کرنے کی قدرت نہیں۔ اور اگر ابن صیاد وہ دجال نہیں ہے تو تجھے ایک ذمی مرد کے قتل کرنے کی اجازت نہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر اس بات کا خطرہ رہا کہ شاید یہی ابن صیاد ہی وہ دجال ہو (مشکوٰۃ ص ۴۷۹) پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا حال معلوم ہوا تب آپؐ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ابن صیاد وہ دجال نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خطرہ جب ہی ہو سکتا ہے جب علم غیب نہ ہو علم غیب والے پر خطرہ وارد نہیں ہوتا

۱۱ انبیاء و اولیاء کو عالم الغیب ماننے سے لازم آتا ہے کہ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچے رکھیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں) اس حکم سے پیغمبر، صحابہ کرامؓ، اولیاء و مشائخ عظام سب کے سب مستثنیٰ ہوں اور نبی پاک ازواج مطہرات بھی مستثنیٰ ہوں کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ولیہ تھیں کیونکہ جو پوشیدہ اور مخفی چیزوں سے واقف ہے اس سے پردہ کرنا لغو اور بے سود ہے۔ لیکن ان چودہ صدیوں میں آج تک کسی معتبر محدث، فقیہ اور مجتہد نے ان ہستیوں کو کسی تفسیر، حدیث، اور فقہ کی کتاب میں حکم خداوندی پردہ سے مستثنیٰ نہیں کیا بلکہ احادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ آپؐ خود بھی نامحرم عورتوں سے پردہ فرمایا کرتے تھے اور صحابہؓ کرام و ازواج مطہرات کو بھی پردہ کرنے کا لازمی حکم فرماتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ

اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے اشارہ کیا جس کے ہاتھ میں ایک خط تھا جو کسی نے لکھ کر اس عورت کے ہاتھ میں دے کر حضور کی طرف بھیجا تھا تو ہاتھ پر نظر پڑتے ہی آپ نے اپنا ہاتھ اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ خط نہ لیا۔ پھر فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا۔ تب وہ عورت بولی کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تو عورت ہوتی تو عورتوں کے شعار کی رعایت کرتی اور اپنے ہاتھ کے ناخنوں کو مہندی لگاتی (مشکوٰۃ ص۳۸۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا قسم ہے اللہ کی کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ اور حبشی برچھیوں کے ساتھ مسجد میں کھیل رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر کے ساتھ میرا پردہ کر رہے تھے تاکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں اور مونڈھوں کے درمیان میں سے اُن کے کھیل کی طرف دیکھوں۔ الخ (مشکوٰۃ ص۲۷۲) یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ حبشی صحابہ اولیاء اللہ تھے اگر ان کو عالم الغیب مانیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک لغو اور بیہودہ کام (چادر سے پردہ کرنے کا انتظام) منسوب کرنا ہوگا جو صریح کفر ہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ (ام سلمہ) اور میمونہ رضی اللہ عنہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں۔ اچانک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صحابی رسول نابینا آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بیبیوں کو فرمایا "اس سے پردہ کرو" ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ ہمیں تو نہیں دیکھ سکتا۔ آپ نے فرمایا تو پھر کیا تم بھی اندھی ہو (تم تو اسے دیکھو) (مشکوٰۃ ص۲۶۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اے علی! نظر کے پیچھے نظر نہ ڈال یعنی اگر اجنبیہ عورت پر ایک دفعہ اچانک نظر جا پڑتی ہے تو پھر نہ دیکھ اس کو۔ اس لئے کہ بغیر قصد و ارادہ کے جو پہلی دفعہ نظر پڑ گئی ہے وہ تو تیرے لئے (معاف) ہے اب دوبارہ نظر کرنا تیرے لئے جائز نہیں ہے (مشکوٰۃ ص۲۶۹) اس سے معلوم ہوا کہ (خواہ کتنا بڑے سے بڑا ولی ہو) اسے بھی کسی اجنبیہ (غیر منکوحہ وغیر مخطوبہ) کے چہرہ کی طرف نظر کرنا حلال نہیں ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (صلاح الآثار ص۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا اپنی ران نہ کھول۔ اور نہ زندہ آدمی کی ران کو دیکھ اور نہ ہی مردہ کی ران کو۔ (مشکوٰۃ ص۲۶۹)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی نبی ولی غوث یا شیخ کی تخصیص کئے بغیر فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (اے نبی! اپنی بیبیوں صاحبزادیوں اور تمام مومنوں کی عورتوں کو فرما دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں)

عہد نبوی میں صحابہ اولیاء اللہ تھے ان کو خالق نے بغیر سبب پردہ کا حکم دیا۔ اگر اولیاء اللہ عالم الغیب ہیں تو پردہ کا حکم کیوں؟ جریر بن عبداللہ نے فرمایا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے پر سوال کیا تو آپ نے فرمایا اپنی نگاہ پھیر لے۔

۱۲۔ عالم الغیب اگر رسول یا پیر اولیاء کو مانیں تو کہنا پڑے گا کہ انہیں کسی مسئلہ میں مشکل نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ عالم الغیب کو کسی معاملہ میں مشکل پیش نہیں ہو سکتا۔ جب یہ بات ہو تو اس حدیث کی تردید کرنی ہوگی جو مشکوٰۃ ص۳۲۴ میں بحوالہ رزین حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت امام ثالث امام عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا اے امیر المومنین! میں تو دو مردوں کے درمیان بھی فیصلہ نہیں کروں گا۔ حضرت امام نے فرمایا۔ آپ کے ابا جی امام ثانی امام عمر رضی اللہ عنہ تو فیصلے کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا اگر میرے ابا جی کو (عہد نبوی میں) اگر کسی فیصلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا تھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرتے تھے اور اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اشکال ہو جاتا تھا تو آپ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرما لیا کرتے تھے۔ اور میں ایسی ہستی نہیں پاتا جس سے پوچھ سکوں اور اپنا اشکال حل کرا سکوں۔

اب ظاہر ہے کہ عالم الغیب کو نہ اشکال ہوتا ہے اور نہ اس کو کسی کی تلقین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہاں تو نبی اکرم کو بھی حکم ربانی ہے اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اسی پر چلو جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے اور فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ یعنی یا رسول اللہ! ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح اللہ تعالیٰ آپ کو دکھائے۔ اور عالم الغیب کسی کے کہنے پر نہیں چلتا اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ

اِضافات و فوائد

از

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

یعنی اللہ کسی کا تابع فرمان نہیں نہ کسی کا محتاج وہ جو چاہے حکم فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے اور کوئی نہیں جو پیچھے ڈالے اس کا حکم۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنِّی لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا (ابوداؤد ذہبی) یعنی میں حلال کو حرام نہیں کرسکتا اور حرام کو حلال نہیں کرسکتا۔ اور فرمایا لَیْسَ لِیْ تَحْرِیْمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لِیْ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو چیز میرے لئے حلال کی ہے، اس کے حرام کرنے کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں دیکھو مسلم شریف ص ۲ اور نبی کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت بایں معنے ہے کہ نبی کا قول اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام کرنے کی تعلیم نشانی ہے نہ بایں معنے کہ نبی نے خود اپنی طرف سے حلال و حرام کیا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۹)

ہدایہ ص ۲ میں ہے حامل عورت کے خاوند نے لعان کیا تو حمل خاوند کا تصور کیا جائے گا یا نہ؟ اس میں شافعیوں اور حنفیوں کا اختلاف ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ حاکم خاوند کا حمل نہ بنائے دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہلال اور اس کی حامل بیوی نے لعان کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بچہ ہلال کا نہ بنایا۔ لیکن ہمارے حنفی رحمہم اللہ اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ حمل ہلال کا نہیں انہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عَرَفَ قِیَامَ الْحَبْلِ بِطَرِیْقِ الْوَحْیِ پھر اس پر صاحب عنایہ نے لکھا وَمِثْلُ ذٰلِکَ لَا یُعْرَفُ اِلَّا بِطَرِیْقِ الْوَحْیِ یعنی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس شکل و صورت کا بچہ پیدا ہو تو خاوند کا ہے اور اگر اس شکل و صورت کا بچہ پیدا ہو تو خاوند کا نہیں اس طرح کی بات وحی کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی

ہدایہ شریف کی اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ حنفیہ کے مذہب میں یہی مسئلہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ علم غیب کلی حاصل ہے اور انہیں حلال و حرام کرنے میں اختیار ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۳ میں خلاد بن سائب کے والد صاحب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے یہ حکم دیے گئے کہ میں اپنے اصحاب کو حکم دوں کہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں

۱۳ غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے ان آیات و احادیث کا انکار لازم آتا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور اور منہی فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْ اُمِرْتُ

بِالْقِسْطِ فرما دیجئے یا رسول اللہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا۔ اور فرمایا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور اگر آپ فیصلہ فرمائیں تو ان میں انصاف کا فیصلہ فرمائیں۔ اور فرمایا قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ فرما دیجئے یا رسول اللہ مجھ کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کے ساتھ۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا مَّامُوْرًا مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى (ابوداؤد ص ۱۳۳) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بندے ہیں جو خدا کی طرف سے مامور ہیں اور ظاہر ہے کہ عالم الغیب مامور نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو حکم دینا ایک لغو امر ہے۔ البتہ عالم الغیب سے زاری عاجزی اور انکساری کے ساتھ سوال اور دعا کی جا سکتی ہے کیونکہ اس ذات عالم الغیب کو دل کی گہرائی میں چھپی ہوئی چیز کا علم ہے مگر وہ بندہ کی عاجزی انکساری پر خوش ہوتا ہے اور ایسے کی جلدی حاجت براری فرماتا ہے۔ اس ذات پاک کے ساتھ کسی کو تشبیہ دینا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ نہیں اس جیسا کوئی

۴۔ نبی پاک کو عالم الغیب ماننے سے مندرجہ ذیل آیات کا انکار لازم آتا ہے

آیت نمبر ۱ قُلْ .... لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ فرما دیجئے یا رسول اللہ! ...... میں نہیں جانتا غیب

آیت نمبر ۲ اِنَّمَا الْغَيْبُ عِنْدَ اللّٰهِ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ غیب تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے

آیت نمبر ۳ قُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فرما دیجئے یا رسول اللہ! کہ غیب تو صرف اللہ کے لئے ہے۔

آیت نمبر ۴ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ ہی کیلئے ہیں آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں

آیت نمبر ۵ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ یعنی یا رسول اللہ! آپ ان منافقین کو نہیں جانتے ہم ان منافقین کو جانتے ہیں۔

آیت نمبر ۶ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ فرما دیجئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں اور زمین کے بسنے والوں میں سے کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور ان کو خبر نہیں وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

آیت نمبر ۷ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر وہی ذات

آیت نمبر ۸ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اور ہم نے نہیں سکھایا اس (نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق بھی نہیں

آیت نمبر ۹ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا یعنی
فرما دیجئے یا رسول اللہ روح جو ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو خبر دی ہے بہت تھوڑی سی

آیت نمبر ۱۰ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ
عَلَیْكَ اور کئی رسولوں کا احوال سنایا ہم نے آپ کو یا رسول اللہ! اور کئی رسولوں کا احوال
ہم نے آپ کو نہیں سنایا۔ اسی طرح

آیت نمبر ۱۱ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ
مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ یعنی ہم نے بہت سے اولوالعزم رسول آپ سے پہلے بھیجے ہیں بعض
تو وہ ہیں جن کا احوال آپ کو سنایا اور بعض کا احوال نہیں سنایا۔

آیت نمبر ۱۲ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا
فرما دیجئے یا رسول اللہ! میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا
میرا رب اسے کچھ وقفہ دے گا۔

آیت نمبر ۱۳ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ
مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى
حِیْنٍ اور میں نہیں جانتا کہ پاس ہے یا دور ہے وہ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے دیکھو کہ یہ
ایک واضح حقیقت ہے کہ صرف اللہ ہی جانتا ہے آواز کی بات اور جانتا ہے جو تم چھپاتے
ہو۔ اور میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ شاید یہ کوئی تمہاری آزمائش ہو اور برتاؤ ایک وقت تک

آیت نمبر ۱۴ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ تم کیا جانو شاید قیامت قریب ہو

آیت نمبر ۱۵ یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یُدْرِیْكَ
لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا یا رسول اللہ! لوگ آپ سے قیامت کا پوچھتے ہیں۔ آپ (ان
کے جواب میں) فرمائیں اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے؛ آپ کیا جانیں شاید قیامت پاس
ہی ہو (ماخوذ از ترجمہ احمد رضا خان مع تغیر یسیر)

آیت نمبر ۱۶ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا
اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا یا رسول اللہ آپ سے قیامت پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لئے ٹھہری
ہوئی ہے۔ یا رسول اللہ! آپ کا اس کے بیان سے کیا تعلق۔ اس کی انتہا تو آپ کے رب ہی تک ہے

ہی پوچھتے پوچھتے سب اوسی تک پہنچتے ہیں۔ بیچ میں سب بے خبر ہیں (موضح القرآن)

آیت نمبر ۱۷ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ آ پہنچی آنے والی کوئی نہیں اس کو اللہ کے سوا کھول دکھانے والا۔

آیت نمبر ۱۸ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ؟ اگر تم سچے ہو۔ فرما دیجئے یا رسول اللہ! یہ علم تو ہے اللہ ہی کے پاس۔ اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر۔

آیت نمبر ۱۹ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ اسی (اللہ ہی) کی طرف حوالہ ہے علم قیامت کا مخلوق کو اس کا علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیامت کا وقوع بھی نہ ہوگا۔

آیت نمبر ۲۰ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ حقیقت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور وہی اتارتا ہے مینہ۔ اور صرف وہی جانتا ہے جو کچھ ہے ماؤں کے رحموں میں۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کیا کرے گی کل۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے سب کچھ جاننے والا خبردار۔

آیت نمبر ۲۱ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ یا رسول اللہ آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کی بات کہ کس وقت ہے اس کا ٹھیراؤ۔ (یا رسول اللہ! آپ ان کے اس سوال کے جواب میں) فرما دیجئے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اُسے وہی اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں۔ تم پر آوے گی تو بے خبر اچانک۔ یا رسول اللہ! آپ سے ایسا پوچھتے ہیں گویا آپ نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے۔ آپ ان کو جواب میں فرمائیے کہ اس کا علم تو خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ اس مسئلہ پر یقین نہیں رکھتے۔

آیت نمبر ۲۲ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ
مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ کیا نہیں پہنچی تم کو ان کی خبر جو پہلے تھے تم سے قوم نوح
علیہ السلام کی اور عاد اور ثمود اور جو ان سے پیچھے ہوئے۔ نہیں اللہ ہی جانے کتنے تھے
آیت نمبر ۲۳ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ
اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وہی (اللہ تعالیٰ ہی) جانتا ہے جو کچھ
ہے خلق کی روبرو اور جو کچھ اس کے پیچھے ہے۔ اور وہ نہیں گھیر سکتے (پاتے) اس کے علم
میں سے مگر جتنا وہ چاہے (ماخوذ از کنز الایمان) اس کا علم تمام آسمان اور زمین میں وسیع
ہے (کرسی بمعنے علم وغیرہ بخاری صفحہ ۶۵۰)۔
آیت نمبر ۲۴ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا یعنی حقیقت واقعہ یہی ہے کہ
اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسی ذات ہے جس کا علم ہر چیز کو محیط (گھیرے ہوئے) ہے
آیت نمبر ۲۵ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے
(کہ تمہارے حق میں کیا بہتر ہے تو تم پہ لازم ہے کہ حکم الٰہی کی اطاعت کریں اور اسی کو بہتر
سمجھیں چاہے وہ تمہارے نفس پر گراں ہو) یاد رہے کہ اولین مخاطب اس امر کے صحابہ کرام
ہیں جو تمام ولیوں سے افضل و اعلیٰ ولی ہیں۔
آیت نمبر ۲۶ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ اور اسی کے پاس ہیں
کنجیاں غیب کی۔ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔
آیت نمبر ۲۷ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور صرف اسی کے پاس ہے
علم قیامت کا۔ اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔
آیت نمبر ۲۸ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ
ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ وہی (اللہ) ہے جس نے بنایا تم کو مٹی سے پھر ٹھیرایا ایک وعدہ (یعنی
مرنے کا) اور ایک وعدہ (قیامت کا) ٹھیر رہا ہے اس (اللہ) کے پاس۔ پھر بھی تم شک کرتے
ہو؟ (سو ایک اجل ہے ہر شخص کی وہ نہیں جانتا۔ یہ فرشتے جانتے ہیں جن کے ذمے جان
نکالنے کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے اور ایک اجل ہے سب خلق کی سو کوئی نہیں جانتا۔
آیت نمبر ۲۹ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا اور کہیں گے کہ

کب ہو گا؟ تو آپ ان کے جواب میں کہہ دیں کہ شاید نزدیک ہی ہو گا

آیت نمبر ۳۰ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اور کہتے ہیں کہ کب ہے یہ وعدہ؟ اگر تم سچے ہو یا رسول اللہ آپ ان کو جواب میں فرما دیں (کہ تم تو قیامت کے وقت کو پوچھتے ہو، جس کا تعلق تمام مخلوق سے ہے) میں تو اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا وہ بھی خدا ہی کے زیر مشیت ہے

آیت نمبر ۳۱ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ جس دن اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تم پیغمبروں کو مخلوق کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تو پیغمبر جواب دیں گے کہ ہمیں اپنی قوم کے اخلاص کا کچھ علم نہیں کیونکہ اے باری تعالیٰ علام الغیوب تو صرف آپ ہی کی ذات ہے آپ ہی جانتے ہیں کہ ایمان لانے میں کون مخلص ہے اور کون منافق کذا فی تفسیر مدارک التنزیل مصنفہ الحنفی رحمہ

آیت نمبر ۳۲ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ صرف اسی اللہ ہی کے پاس ہیں چھپے بھید آسمانوں اور زمین کے۔ عجیب دیکھتا سنتا ہے۔

آیت نمبر ۳۳ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ حقیقت یہ ہے کہ میں (اللہ) ہی جانتا ہوں پوشیدہ آسمان اور زمین اور مجھے ہی معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

آیت نمبر ۳۴ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ حقیقت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے آسمانوں اور زمین کے بھید جاننے والا۔ اسی کو خوب معلوم ہے جو بات ہو دلوں میں۔

آیت نمبر ۳۵ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہے اور اللہ دیکھتا رہتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

آیت نمبر ۳۶ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ

كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ یا رسول اللہ! آپ فرما دیجئے میں نہیں مالک اپنی جان کے بھلے کا نہ برے کا (میں خود مختار نہیں) مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں جانا کرتا غیب کی بات تو بہت خوبیاں لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی یعنی اگر میں شادابی اور قحط کے زمانہ کو جانتا تو قحط کے سال کے لئے بہت سا مال و متاع پہلے سے جوڑ لیا کرتا اور مجھے تکلیف نہ ہوتی اور ناداری اور بھوک میرے پاس نہ پھٹک سکتی۔ (معالم التنزیل ج۲ ص۲۶)

آیت نمبر ۳۷ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۔ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۔ اللہ ہی جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور جو بڑھتے ہیں۔ اور ہر چیز کی اس کے پاس گنتی ہے۔ جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا۔ سب سے بڑا اوپر۔ برابر ہے تم میں جو چھپی بات کرے اور جو کہے پکار کر۔ اور جو چھپ رہا ہے رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو۔ آیت کا سیاق بتا رہا ہے کہ وہ علیم و خبیر اپنی شان میں منفرد اور لاشریک ہے۔

آیت نمبر ۳۸ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ کسی نبی کو لائق نہیں کہ اس کے یہاں قیدی آویں جب تک نہ خون کرے ان کا ملک میں۔ تم چاہتے ہو سامان دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت۔ اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔ اگر نہ ہوتی ایک بات جو لکھ چکا اللہ آگے تو تم کو آپڑتا اس لینے میں بڑا عذاب

اس آیت کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں پر احسان کیا جائے اور کچھ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس سے ہم کو مالی قوت بھی حاصل ہوگی

اور پھر یہ بھی امید ہے کہ کسی دن یہ لوگ راہِ راست پر آجائیں گے اور اسلام قبول کر لیں گے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حق تعالیٰ نے ان کے فدیہ سے آپ کو مستغنی فرما دیا ہے اور یہ سب ائمۂ کفر اور سردارانِ مشرکین ہیں۔ اگر ان کو یہیں تہ تیغ کر دیا جائے تو کفر کی جڑی طاقت ٹوٹ جائے گی۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ ہم میں سے جس کا جو عزیز قریب ان میں ہو وہ اسی کے حوالہ کیا جائے اور وہی اس کی گردن مارے۔ میرا فلاں عزیز میرے حوالہ کر دیا جائے۔ علی کا فلاں بھائی ان کے ہاتھ میں، حمزہ کا فلاں بھائی ان کے ہاتھ میں، دیا جائے۔ اور ہم خود اپنے ان عزیزوں کو قتل کریں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند نہیں فرمایا۔ اور حضرت ابوبکر کے مشورہ کا انتخاب فرمایا۔ اور ان تمام قیدیوں کو معاوضہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو بتلایا گیا کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا مناسب نہ تھا انہیں تہ تیغ ہی کر دینا چاہئے تھا۔ یہ واقعہ مفصلاً و مختصراً حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے کتب مختلفہ میں مروی ہے (مسند احمد ص۳۵ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن جریر۔ مستدرک حاکم۔ ابن کثیر)

باوجود اختلافِ الفاظ و عنوانات اتنی چیز بطورِ قدرِ مشترک کے ان تمام روایات سے متحقق ہے کہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی اور یہی صریحاً آیت محررہ بالا کا مفاد ہے پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم تفصیلی محیط اس وقت تک بھی حاصل ہوتا تو آپ اس رائے کو اختیار نہ فرماتے جو حق تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ نہ تھی۔

آیت نمبر ۳۹ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا اور کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔ یا رسول اللہ! آپ ان کے جواب میں فرما دیں کہ غیب تو صرف اللہ ہی کیلئے ہے

آیت نمبر ۴۰ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ جب نبی نے اپنی ایک بی بی سے راز ظاہر کر دیا پھر جب وہ اس کا ذکر کر بیٹھی اور اللہ نے اسے نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے اسے کچھ جتایا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی پھر جب نبی نے اسے اس کی خبر دی بولی کہ آپ

کو کس نے بتا دیا؟ فرمایا مجھے علم والے خبردار نے بتا دیا۔

آیت نمبر ۴۱ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اور میں نہیں جانتا غیب کو۔

آیت نمبر ۴۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کو فرمائیں گے تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ یا باری تعالیٰ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا۔

آیت نمبر ۴۳ ہُدہُد نے آکر حضرت سلیمان علیہ السلام (جن کو اللہ تعالیٰ نے علم کثیر عطا فرمایا اور پرندوں کی بولیاں بھی سکھا دیں، چیونٹی کی بات بھی سنا اور سمجھا دی مگر باوجود اس کے آپ) کو کہا اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا کی ایک خبر لے کر تحقیق میں آگے چل کے کہا اللہ ہی جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو۔

آیت نمبر ۴۴ فرشتوں نے بھی کہا لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ تو سب سے نرالا ہے ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا۔ تو ہی ہے اصل دانا پختہ کار۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرشتوں کو فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ حقیقت یہ ہے کہ مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔

آیت نمبر ۴۵ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام فرماتے ہیں رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اے ہمارے رب! تو جانتا ہے جو ہم چھپا دیں یا جو ظاہر کریں۔ اور چھپا نہیں اللہ پر کچھ زمین میں اور آسمان میں۔

آیت نمبر ۴۶ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا اور نہ کہیو کبھی کام کو کہ میں کروں گا کل مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کر لے اپنے رب کو جب بھول جائے اور کہہ امید ہے میرا رب مجھ کو اس سے نزدیک راہ نیکی کی۔

آیت نمبر ۴۷ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ...... لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ اور

تیار رکھو اُن کے لئے جو قوت تم سے بن پڑے اور جتنے گھوڑے تم باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے سوا کچھ اوروں کے دلوں میں جنہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ ان کو جانتا ہے۔ (یہ اولاً خطاب صحابہ کرام کو ہے)

۴۸۔ لَاجَرَمَ اَنَّ اللہ یعلم ما یسرون وما یعلنون ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں اور جو جتاتے ہیں

۴۹۔ ولا یکتمون اللہ حدیثا ۔ کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔

۵۰۔ واللہ یعلم ما فی قلوبکم اور اللہ ہی جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے

۵۱۔ واللہ یعلم متقلبکم ومثواکم اور اللہ ہی جانتا ہے دن کو تمہارا پھرنا اور رات کو تمہارا آرام کرنا

۵۲۔ اللہ یعلم ما فی انفسکم اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

۵۳۔ اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العالمین کیا اللہ نہیں جانتا جو کچھ جہان والوں کے سینوں میں ہے

۵۴۔ واللہ اعلم بایمانکم اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو۔

۵۵۔ یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے

۵۶۔ علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم اللہ کو علم ہے کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے

۵۷۔ وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ اور تم جو بھلائی کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے

۵۸۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والوں سے

۵۹۔ قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا بیشک اللہ جانتا ہے جو تم میں چھپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر

۶۰۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

۶۱۔ لا یخفی علی اللہ منہم شیء اللہ پر ان کا کچھ حال چھپا نہ ہوگا

۶۲۔ واللہ اعلم بما یوعون اور اللہ خوب جانتا ہے جو اپنے جی میں رکھتے ہیں

۶۳۔ واللہ یعلم اعمالکم اور اللہ تمہارے اعمال جانتا ہے

۶۴۔ واللہ یعلم اسرارھم اور اللہ ان کی چھپی ہوئی جانتا ہے

۶۵۔ انّ اللہ یعلم سرّھم ونجوٰھم وان اللہ علام الغیوب یہ کہ اللہ ہی ان کی دل کی چھپی بات اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔

۶۶۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔

اس طرح بہت سی آیات ہیں اکتفا کرنے سے رسالہ ضخیم ہو جائیگا

غیر اللہ کو عالم الغیب ماننے سے بہت سی احادیث صحیحہ کا انکار لازم آئیگا صرف صحیح بخاری میں ایک ہزار حدیث ہے جو غیر اللہ سے علم غیب کلی محیط کی نفی کرتی ہے اور دوسری کتب حدیث میں اس قسم کی سیکڑوں حدیثیں ہیں مثلاً ان حبراً من الیہود سال النبی ای البقاع خیر فسکت عنه وقال اسکت حتی یجیء جبریل فسکت وجاء جبریل فسال فقال ما المسئول عنها باعلم من السائل ولکن اسال ربی تبارک وتعالیٰ ثم قال جبرئیل یا محمد انی دنوت من اللہ دنواً ما دنوت منه قط قال کیف کان یا جبرئیل قال کان بینی وبینه سبعون الف حجاب من نور (مشکوٰۃ ص) ابو امامہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عالم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسی جگہ بہتر ہے پس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جواب دینے سے خاموش رہے اور اپنے دل میں سوچا کہ چپکا رہوں گا یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام آجائیں پس چپکے رہے اور جبرائیل علیہ السلام آگئے پس حضرت نے ان سے دریافت کیا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بات کے نہ جاننے میں اور آپ ہر دو برابر ہیں۔ جیسا تم نہیں جانتے ویسے میں بھی نہیں جانتا لیکن میں اپنے رب سے پوچھوں گا کہ بابرکت اور بلند قدر ہے الخ

مشکوٰۃ ص میں ہے عن ابی سعید الخدری قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باصحابه اذ خلع نعلیه فوضعهما عن یساره فلما رای ذلک القوم القوا نعالهم فلما قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰته قال ما حملکم علی القاء کم نعالکم قالوا رأیناک القیت نعلیک فالقینا نعالنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جبرائیل اتانی فاخبرنی ان فیهما قذراً اذا جاء احدکم المسجد فلینظر فان رای فی نعلیه قذراً فلیمسحه ولیصل فیهما حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے۔ اچانک دونوں جوتے اتار دیئے پھر بائیں طرف رکھ دیئے صحابہ نے بھی یہ دیکھ کر اپنے جوتے اتار دیئے جب حضور نماز پڑھ چکے تو فرمایا تمہیں جوتے اتارنے پر کس نے برانگیختہ کیا۔ صحابہ نے عرض کیا آپ کو دیکھ کر ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر مجھے بتایا کہ ان جوتوں میں نجاست ہے۔ جب بھی تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھ لیوے اگر جوتوں میں نجاست دیکھے تو پونچھ کر ان میں نماز پڑھ لے۔

مشکوٰۃ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے (وفات سے مہینہ پہلے) سنا کہ تم قیامت کی بابت مجھ سے پوچھتے ہو حالانکہ انما علمها عند اللہ اس کا علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے

مشکوٰۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آنحضرت ایک سورت کا دوسری سورت سے اس وقت تک فصل نہ پہچانتے تھے جب تک بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ اترتی

مشکوٰۃ و ترمذی میں ہے کہ ایک غلام نے آکر بیعت ہجرت کی اور آپ کو اس کا غلام ہونا معلوم نہ ہو سکا۔ اس کا مالک اُسے لینے آیا آپ نے فرمایا مجھ پر بیچ دے پس دو حبشی غلام دے کر اس سے خرید لیا۔ اس کے بعد آپ اس وقت تک بیعت نہیں لیتے تھے جب تک یہ نہ پوچھ لیتے کہ وہ حر ہے یا غلام

مشکوٰۃ میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دینار ملا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے پھر حضور سے مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا یہ اللہ کا رزق ہے پھر آپ نے بھی اس میں سے کھایا اور علی و فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کے بعد عورت دینار تلاش کرتی ہوئی آئی تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! دینار اس عورت کو ادا کر دے۔ یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے ضالۃ المسلم حرق النار مسلمان کی گمشدہ چیز آگ کا انگارہ ہے

مشکوٰۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک لڑکی نے حضور کی تعریف میں کہہ دیا وفینا نبی یعلم ما فی غد یعنی ہم میں ایک نبی ہے بڑی شان کا جو وہ بات بھی جانتا ہے جو کل میں ہوگی۔ آپ نے یہ فقرہ سن کر اس لڑکی کو ٹوکا اور فرمایا یہ فقرہ کہنا چھوڑ اور وہی کہہ جو دوسرے مضمون کے شعر اس سے پہلے تو کہہ رہی تھی۔ ابن ماجہ کے حضرت کے یہ الفاظ مروی ہیں یہ بات تو نہ کہہ کیونکہ لا یعلم ما فی غد الا اللہ کل کی بات اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مشکوٰۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام اپنے باغ کا پھل کاٹ رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ پاک میں تشریف آوری کی خبر سنی آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آکر عرض کرتے ہیں کہ میں آپ سے وہ تین باتوں کا سوال کرتا ہوں جنہیں نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا .... حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخبرنی بھن جبرئیل

اخفاہ الآن حضرت جبرائیل نے ابھی ابھی ان تینوں باتوں کی مجھے خبر دی ہے۔

مشکوٰۃ صت۳۳ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں کھڑے ہو کر جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ کی فضیلت بیان فرمائی پھر ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول خدا یہ بتاؤ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو میری خطائیں مجھ سے معاف ہو جائیں گی؟ آپ نے فرمایا بیشک بشرطیکہ صبر کرے اور قتل کو موجب ثواب سمجھے اور سامنے مقابلہ کرنے والا ہو اور پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو کچھ دیر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے کس طرح کہا پھر اس نے وہی سوال دہرایا۔ آپ نے فرمایا ہاں (سب گناہ معاف ہو جائیں گے) اِلَّا الدَّیْنَ مگر قرض بندوں کا جو دینا ذمہ ہو وہ اس فی سبیل اللہ شہید ہونے سے معاف نہ ہوگا۔ فَاِنَّ جبرائیل قَالَ لِیْ ذٰلِکَ یہ لفظ میں نے اس لئے بڑھائے کہ جبرائیل علیہ السلام نے یہ لفظ میرے سے کہے ہیں

مشکوٰۃ ص۳۴۵ میں مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر حضور کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارا مال اور ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ آپ نے فرمایا یا مال لے لو یا قیدی۔ ہوازن قیدی واپس لینے کو اختیار کر لیا حضور نے صحابہ کرام سے فرمایا میں نے ہوازن کے قیدی واپس کر دینے کو مناسب سمجھا ہے۔ اب جو تم میں سے بخوشی قیدی واپس کر دے تو واپس کر دے اور جو اپنے حصہ پر قائم رہنا چاہتا ہے حتیٰ کہ ہم اس کو اس قیدی کے عوض میں وہ مال دیں جو غنیمت میں سے اللہ تعالیٰ ہم پر انعام کرے گا تو اس طرح کرے۔ تو سب نے کہا یا بعض نے بغیر تمیز کے کہ یا رسول اللہ ہم اس پر خوش ہیں تب حضور نے فرمایا اِنَّا لَا نَدْرِیْ مَنْ اَذِنَ مِنْکُمْ مِمَّنْ لَمْ یَاْذَنْ فَارْجِعُوْا حَتّٰی یَرْفَعَ اِلَیْنَا عُرَفَاؤُکُمْ اَمْرَکُمْ ہم نہیں جانتے کہ کون راضی ہوا تم میں سے اور نہیں امتیاز کر سکتے ہم ان کا ان دوسروں سے جو راضی نہیں ہوئے اب جاؤ۔ حتیٰ کہ تمہارے سردار ہماری طرف بالتفصیل تمہارا یہ معاملہ لے آویں۔ تب لوگ گئے اور ان کے سرداروں نے ان سے بات کی پھر حضور کی خدمت میں آ کر بتا دیا کہ سب رضامند ہیں

بخاری ص۱۱ میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں لیلۃ القدر کی تعیین بتانے کو میں نکلا تھا۔ فلاں فلاں بندے آپس میں جھگڑ رہے تھے اس لئے اس کی تعیین اٹھا لی گئی۔ اور شاید تمہاری اسی میں بہتری ہو اب تلاش کرو لیلۃ القدر کو ساتویں نویں اور پانچویں میں۔

مشکوٰۃ ص۳۰۵ میں سہل بن سعد سے روایت ہے کہ کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کے دروازہ کے سوراخ میں سے جھانکا۔ آپؐ کے پاس ہشت خار تھا جس سے آپ سر کھجا رہے
تھے۔ اسے دیکھ کر فرمایا لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُنِىْ لَطَعَنْتُ بِهٖ فِىْ عَيْنِكَ اگر یقیناً مجھے
علم ہوتا کہ تو مجھے قصداً دیکھ رہا ہے تو میں یہ ہشت خار تیری آنکھوں میں چبھو دیتا
مسلم ص۱۴۱ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے میرے سے ایک بات کی بابت پوچھا
ہے حالانکہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے نہ بتلائے مجھے اس چیز کا کسی کا علم نہیں ما لى علم بشئ منه حتى انبانى الله به
عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا حدود آپس میں ایک دوسرے سے معاف کر دیا کرو کیونکہ جب میرے پاس حد کا معاملہ پہنچ
جائیگا تو حد کا جاری کرنا واجب ہو جائیگا اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا غیب دان نہ ہونا امت
کے لئے باعث رحمت ہے ورنہ سب کو حد لگتی۔
مشکوٰۃ ص۳۴۵ میں حضرت سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے کہ حضورؐ نے سواری کے اونٹ رباح
غلام کے ساتھ بھیجے اور میں بھی اس کے ساتھ تھا جب صبح ہوئی تو عبدالرحمٰن فزاری کافر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لوٹ کر لے گیا۔ میں ٹیلہ پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ پکار
کر کہا یا صباحاہ خبردار ہو جاؤ۔ دشمن پاس ہے پھر میں ان لٹیروں کے پیچھے نکلا انہیں تیر مارتا ہوا رجز
پڑھتا ہوا کہ انا ابن الاکوع الیوم یوم الرضع میں ہوں اکوع کا بیٹا اور آج دن ہے کمینوں کے
ہلاک ہونے کا پس میں انہیں تیر مارتا رہا اور ان کی سواریوں کے کھونچ کاٹتا رہا حتیٰ کہ نبی پاک صلی
اللہ علیہ وسلم کے تمام اونٹ اپنی پس پشت ڈالے پھر تیر مارتا ہوا ان کے پیچھے ہو لیا پس انہوں
نے تیس سے زیادہ چادریں اور نیزے پھینک کر ہلکے ہوتے ہیں۔ میں ان چیزوں پر پتھر کی
نشانی رکھتا جاتا تھا تاکہ اس کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پیچھے سے آویں تو اس
پہچان سکیں الخ
مشکوٰۃ ص۵۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کبھی کبھی رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم قضائے حاجت کے بعد مٹی سے تیمم کر لیتے تھے۔ میں کہتا یا رسول اللہ پانی تو آپ سے نزدیک
ہے یعنی اس قدر دور نہیں جس سے آپ تیمم کریں آپ فرماتے مَا يُدْرِيْنِىْ لَعَلِّىْ لَا اَبْلُغُهٗ میں کیا جانوں
شاید میں اس پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ یعنی میں ڈرتا ہوں کہ عمر وفا نہ کرے اور اجل آ پہنچے اور
وضو کرنے کی فرصت نہ پاؤں اس لئے تیمم کر لیتا ہوں کہ ایک طرح کی طہارت حاصل رہے۔

آپ اسے نہیں پہچان سکے (عن ابی موسیٰ الاشعری اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل فی صورۃ رجل ورسول اللہ صلی اللہ علیہ لا یعرفہ الحدیث۔ عن عبد الرحمٰن بن غنم اتاہ جبرائیل فی صورۃ فلم یعرفہ نبیا الحدیث) سلیمان تیمی کی روایت میں آتا ہے ثم نہض فولّٰی پھر وہ اٹھ کر چلا گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَیَّ بِالرَّجُلِ اس مرد کو میرے پاس لاؤ۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں فَطَلَبْنَاہُ کُلَّ مطلبۃ فلم نقدر علیہ ہم نے اس کو سب جگہ تلاش کیا مگر ہم اس پر قادر نہ ہو سکے یعنی وہ ہمیں نہیں ملا۔ تب آنحضرت نے فرمایا تمہیں پتہ لگا ہے کہ یہ کون تھا یہی تو جبرئیل تھا جو تمہیں دین سکھانے آیا۔ اس کی یہ بات بھی ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب سے میرے پاس جبرائیل آنے لگا ہے مجھ پر مشتبہ نہیں ہوا اس باری سے پہلے۔ اس دفعہ میں اس کو نہیں پہچان سکا جو چلا گیا فقال ھل تدرون من ھٰذا ھٰذا جبریل اتاکم یعلمکم دینکم خذوا عنہ فوالذی نفسی بیدہ ما شبہ علیّ منذ اتانی قبل مرتی ھٰذہ وما عرفتہ حتی ولّٰی (عمدہ۔ فتح) صاحب فتح الباری نے یہاں تنبیہات لکھی ہیں اور فرمایا ہے یہی ذکر کردہ روایات اس پر دال ہیں کہ نبی پاک جبرائیل کو اس موقع پر اخیر حال میں پہچان سکے ہیں اور اس دفعہ جبرائیل علیہ السلام اچھی ہیئت میں مگر غیر معروف صورت میں آئے (فتح الباری ص۱۰۲)

اسی طرح ہزاروں حدیثیں ہیں جو حضور کی غیب ذاتی کی نفی کرتی ہیں لکھنے سے رسالہ بہت ضخیم ہو جائیگا

حضرت امام اعظم امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امام عمر کو خلیفہ بناتے وقت فرمایا تھا لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ (جلالی ص۱۱۱۔ بحر الکلام ص۹۱) میں غیب نہیں جانتا۔ کمال المبرد ص۱۱۔

مشکوٰۃ ص۲۴۳ میں ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام آپ کو خراج دیا کرتا تھا اس کا آپ کھایا کرتے تھے ایک روز وہ کچھ لایا آپؓ نے اس میں سے کھا لیا تو غلام نے کہا آپ کو علم ہے کہ یہ کیا تھا؟ آپؓ نے کہا تو کیا تھا اس نے کہا عہد جاہلیت میں کہانت کا کام کرتا تھا اس میں سے مجھے یہ شیرینی ملی تھی جو آپ نے کھائی آپ نے فوراً منہ میں ہاتھ ڈال کر سب الٹی کر دی

مشکوٰۃ ص۱۶۲ میں حضرت امام ثانی امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے دودھ پلایا مزہ آنے لگا۔ پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی اونٹنیوں کا دودھ ہے۔ فوراً ہی امام نے منہ میں ہاتھ ڈال کر الٹی کر دی۔

11 ترمذی ج۲ ص۲۰۹ میں معراج کا واقعہ بیان ہے کہ آپؐ جنت میں ایک محل دیکھ کر فرمانے لگے یہ محل کس کا ہے؟ فرشتوں نے کہا یہ محل ایک قریشی جوان کا ہے فَظَنَنْتُ اَنِّیْ اَنَا ھُوَ آپ فرماتے ہیں میرے گمان میں یہ بات آئی کہ شاید وہ جوان قریشی میں ہی ہوں مگر میں نے پوچھ لیا کہ وہ جوان قریشی کون ہے؟ تو جبرئیل نے جواب دیا لعمر بن الخطاب کہ یہ جوان قریشی عمر بن الخطاب ہے رضی اللہ عنہ۔

ترمذی ج۲ ص۲۰۷ و مسلم ج۲ ص۲۱۹ میں ہے انی لا ادری ما بقائی فیکم مجھے علم نہیں کہ کتنی مدت میں تم میں رہوں گا اس لئے فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر اس لئے میرے مرنے کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرنا

ترمذی ج۲ ص۱۶۴ میں زید بن ارقم کی روایت ہے کہ عبد اللہ ابن ابی نے جو اس کا چچا تھا جس کا ذکر میں نے اپنے چچا کے آگے کر دیا چچا نے نبی پاک کو بتایا آپؐ نے مجھے بلایا میں نے بات بتائی پھر آپ نے ابن ابی کے پاس بندہ بھیجا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے جھوٹی قسم کھائی تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا کہا اور ان کو سچا۔ اس وجہ سے مجھے اتنا دکھ پہنچا کہ اتنا دکھ کبھی نہیں پہنچا چچا نے بھی طعنہ دیا تب آیت اتری اذا جاءک المنافقون پھر حضورؐ نے میری طرف بندہ بھیجا پھر یہ آیت پڑھ سنائی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کر دی ہے

مشکوٰۃ ص۱۱ میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک آ ظاہر ہوا ہم پہ ایک شخص نہایت سفید کپڑوں والا بہت سیاہ بالوں والا۔ نہ اس پہ سفر کا نشان معلوم ہوتا اور نہ ہی ہم میں سے کوئی پہچانتا تھا یعنی غبار وغیرہ بھی مسافروں کی طرح اس پہ نہ تھا اور نہ شہر کا معلوم ہوتا تھا کہ ہم پہچانتے صحابہ تو کیا پہچانتے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر فرماتے ہیں والذی نفسی محمد بیدہ ما جاءنی قط الا وانا اعرفہ الا ان تکون ھذہ المرۃ (عمدۃ القاری ج۱ ص۲۸۵ و فتح الباری ج۱ ص۱۰۲) جب بھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آتے تھے میں ان کو پہچان لیتا تھا مگر اس دفعہ میں نہیں پہچان سکا۔ کنز العمال ج۱ ص۲۹ میں بھی ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ایک اعرابی کی صورت میں آیا جب آپ نہیں پہچان سکے اسی طرح کنز العمال ج۱ ص۳ میں عبد الرحمٰن بن غنم سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ... جو آپ کے پاس آیا لوگوں کی صورت میں

مشکوٰۃ ص۵۰۱ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا من اخبرك ان محمدا رأى ربه او كتم شيئا مما
امر به او يعلم الخمس التى قال الله تعالىٰ ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما فى الارحام و
ما تدرى نفس ماذا تكسب غدا وما تدرى نفس باى ارض تموت ان الله عليم خبير۔
جو کوئی خبر دے تجھ کو کہ محمدؐ نے دیکھا اپنے پروردگار کو شب معراج میں یا خبر دے کہ آنحضرتؐ نے چھپایا
کچھ اس چیز سے کہ حکم کئے گئے ساتھ اظہار اس کے کے یا خبر دے کہ جانتے ہیں آنحضرتؐ پانچ چیزوں
کو فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور اتارتا ہے مینہ
کا الخ تو اس نے بڑا بہتان لگایا الخ

مشکوٰۃ ص۵۲۹ میں ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
میں نے اپنے آپ کو حطیم میں کھڑے دیکھا اور قریش کی جماعت میرے سب معراج میں سفر کی
بابت مجھ سے سوال کر رہے تھے تو مجھ سے بیت المقدس کی کئی چیزیں پوچھیں جو اس وقت مجھے یاد
نہیں تھیں اس واسطے میں اتنا غمگین ہوا کہ اس سے پہلے ایسا غمگین کبھی نہ ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ
نے میری خاطر بیت المقدس کو بلند کیا جو میں اسے دیکھ رہا تھا۔ یعنی درمیان میں سے پردہ
اٹھا لیا تاکہ میں اسے دیکھ دیکھ کر لوگوں کو بتاتا جاؤں پس جو بھی مجھ سے پوچھتے تھے تو میں
اسے دیکھ دیکھ کر بتاتا جاتا تھا۔ اگر حضورؐ کو علم غیب تھا تو غمگین کیوں ہوئے؟

مشکوٰۃ ص۵۶۵ میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کون ہے جو جائے بنی قریظہ کے پاس اور ان کی خبر مجھ تک پہنچائے جو اس قوم کی
خبر میرے پاس لاوے؟ پس زبیرؓ نے کہا کہ میں قوم کی خبر لاتا ہوں۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ
ہر نبی کے مددگار ہوتے ہیں اور میرا مددگار زبیرؓ ہے۔

ف: یہاں حضرت زبیرؓ کہہ سکتے تھے کہ حضرت آپ تو علاوہ علم ذکی علم میں عالم
الغیب ہیں۔ ہم آپ کو پوری خبر قوم کی بابت کیسے بتا سکتے ہیں جتنی خبر آپ کو ہے مگر
کسی نے نہیں کہا۔

مشکوٰۃ ص۵۶۰ میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
بے شک میں نہیں جانتا کہ کتنا ہے میرا باقی رہنا تم میں یعنی مدت تھوڑی ہے یا بہت پس تم میرے
پیچھے جو دو خلیفے ہوں گے یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ ان کی اقتدا کرنا۔

مشکوٰۃ ص۵۴۷ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی سر دردی پر

افسوس کرتے ہوئے فرمایا: ہائے میرا سر دُکھتا ہے۔ اتنے میں مرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ اگر تو میری زندگی میں مرگئی تو میں تیرے حق میں تیری برائیوں کے مٹنے کے لئے بخشش کی دعا کروں گا اور تیرے درجات کی بلندی کی خدا سے دعا کروں گا۔

مشکوٰۃ ص۵۴۱ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل خیبر میں سے ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملا دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفۃً بھیجا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کا ہاتھ لیا اور اس میں سے کھایا اور صحابہؓ میں سے بھی بعض نے کھایا، پھر حضرتؐ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ روک لو اور مت کھاؤ اور اس یہودی عورت کی طرف آدمی بھیجا وہ بُلا لایا تو حضرتؐ نے اس سے پوچھا کہ کیا اس بکری میں تو نے زہر ملائی ہے تو اس نے کہا کہ تمہیں کس نے خبر دی؟ اس بات کی یعنی اللہ تعالیٰ نے یا کسی مخلوق نے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس نے خبر دی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے، اس نے کہا جی ہاں: الخ۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا تو آپؐ صحابہؓ کے کھانا کھانے سے پہلے کھانا سامنے آتے ہی یا کھانا آنے سے پہلے ہی صحابہؓ کو بتا دیتے کہ اس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے تم نہ کھانا۔ اس طرح صحابہؓ کرام مثلاً بشر بن بر۔ بن معرورؓ وغیرہ اصحابؓ بھی زہر سے مرتے اور ان کے قصاص میں عورت بھی قتل نہ ہوتی اور حضرتؐ کا یہ معجزہ دیکھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو کھانا پہنچنے سے پہلے ہی بتا دیا ہے کہ زہر آلود ہے وہ عورت فوراً مسلمان ہو جاتی، جیسا کہ کھانا کھانے کے بعد بتلانے پر وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ ایک پنتھ دو کاج ہو جاتے۔ معلوم ہوا کہ علم غیب نہیں تھا بلکہ خدا نے جب چاہا انہیں غیب پر مطلع فرمایا، اور گوشت کو گویا فرمایا کہ بول میں زہر آلودہ ہوں مجھے مت کھاؤ۔

مشکوٰۃ ص۵۴۳ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ خندق سے پھرے اور جنگ سے فراغت کے بعد اپنے بدن سے ہتھیار اُتار دیئے اور غسل فرمانے کا ارادہ فرمایا اتنے میں جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے جب کہ آپؐ یا جبریلؑ اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے جو غزوۂ خندق میں پڑ گئی تھی، تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا یا حضرتؐ آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے ہیں بخدا میں نے تو ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔ نکلو ان کافروں کی طرف۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ پھر کہاں کا قصد کروں اور کن کی طرف نکلوں؟ تو جبریل علیہ السلام نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف نکلے۔ معلوم ہوا کہ اگر حضورؐ

کو علم غیب ہوتا تو جبریلؑ کے کہنے کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ کن کی طرف نکلوں۔

مشکوٰۃ صفحہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ حضرت کے خیال میں ڈالا جاتا تھا کہ انہوں نے ایک کام کیا ہے حالانکہ وہ کام کیا نہ ہوتا تھا یعنی امور دنیا میں نہ دینی امور میں (چالیس روز تک یہی حال رہا) حتیٰ کہ ایک روز میرے گھر میں آکر اللہ سے دعا کی اور بہت دعا کی۔ پھر فرمایا کیا اے عائشہؓ تجھے پتہ ہے کہ اللہ نے اس امر کے بارے مجھے ابھی ابھی بتایا ہے جو میں نے اللہ سے پوچھا ہے، پھر میرے پاس دو فرشتے آئے بصورت دو مردوں کے، ایک میرے سرہانے بیٹھا، دوسرا پائنتی کی طرف، ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس کو کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا اسے جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس نے جادو کیا، دوسرے نے کہا لبید بن اعصم یہودی نے، پہلے نے پوچھا کس چیز میں دوسرے نے کہا کہ کنگھی اور بالوں میں جو کنگھی کرنے سے جھڑتے ہیں اور درخت کھجور کے غلاف شگوفہ میں، پہلے نے کہا اسے رکھا کہاں ہے، دوسرے نے کہا ذروان کنوئیں میں۔ اس کے بعد حضرتؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ اس کنوئیں پر گئے اور فرمایا کہ یہ کنواں مجھے دکھایا گیا ہے اس کنوئیں کا پانی مہندی کا سا تھا اور کھجور کے شگوفے جو اس میں دفن کئے گئے تھے ایسے لگتے تھے جیسے سر ہوتے ہوں شیطان کے بدہیئت اور وحشت ناک ہوتے ہیں (مشکوٰۃ ۵۱۸ مفہ)

ابوداؤد میں ہے بادل کے دن میں سورج غروب ہوتا سمجھ کر حضرت عمر و دیگر صحابہ نے روزہ افطار کر دیا پھر بادل چھٹا دھوپ نکل آئی آپ نے فرمایا ایک روزہ قضا کریں گے ہم نے قضا تو روزہ نہیں توڑا۔

مشکوٰۃ صفحہ ۲۱ میں ہے بعد وفات النبی حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو السلام کہا حضرت عثمان نے علم میں نہ سلام سنا نہ جواب دیا حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی دونو حضرت عثمان کے پاس آئے ابوبکرؓ نے پوچھا تم نے جواب سلام نہیں دیا حضرت عثمان نے کہا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ عمر سلام دے اور میں جواب نہ دوں حضرت عمرؓ نے کہا ہاں قسم بخدا میں نے سلام دیا تھا اور تم نے مجھے جواب نہیں دیا الخ اس حدیث سے تینوں صحابہ کے غیب کی نفی ثابت ہوئی۔

نجم البلاغہ صفحہ ۱۷۹ میں ہے حضرت امام علی مرتضیٰ کے جو سنے پر نادم ہوئے علوم حق عن الحکمۃ

لمعرفة المرتد واختلاف الزوجين كثيرة كقبول شهادة الصبيان على بعضهم وغيرهم وانظر مشکوٰۃ ص میں ہے کہ

بحر الرائق میں ہے وکان ابن عباس لا یعرف الغسلین والرقیم والحنان وغیر ذلک وله اقاویل فی الفقه منبوذة۔

مشکوٰۃ ص ۲۶۳ میں ہے کہ ایک نانی امام ابوبکرؓ کے پاس میراث مانگنے آئی تو امام نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تیرا حق نہیں اب جا میں صحابہ سے پوچھوں گا پھر مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا حضور نے نانی کو ⅙ دلایا امام نے کہا اور بھی کوئی تیرے ساتھ ہے محمد بن مسلمہ نے کہا میں ہوں تب امام نے ⅙ دلایا۔

مشکوٰۃ ص ۲۶۳ میں ابو موسیٰ نے بیٹی کو ½ بہن کو ½ دے کر پوتی کو محروم کیا اور کہا ابن مسعود سے بھی جا کر پوچھ لو وہ بھی اسی طرح بتائیں گے ان کے پاس سائل گیا انہوں نے فرمایا میں اس کے موافق فتویٰ دوں تو گمراہ ہوں فیصلہ نبی کا یہ ہے بیٹی کو ½ پوتی کو ⅙ بہن عصبہ ہے تب حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا جب تک یہ عالم (ابن مسعودؓ) تم میں ہے مجھ سے نہ پوچھا کرو۔

اسی طرح اور صحابہ سے روایات ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ غیب دان نہ تھے حالانکہ الصحابة اولیاء الله حقاً (الاعتصام ص ۲۱۴) بزرگتر از ہمہ اولیاء ابوبکر صدیق ست (المیزان ص ۱۳۵) احمد رضا خان صاحب بریلوی سے پوچھا گیا تھا اولیاء میں سب سے زیادہ کس کا مرتبہ ہے تو جواب لکھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واللہ اعلم (عرفان شریعت ص ۵)

بحر الکلام ص میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لا ادری انهم (اطفال المشرکین) فی الجنة ام فی النار مجھے پتہ نہیں کہ مشرکین کے چھوٹے بچے جو مر جاتے ہیں وہ جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں اسی طرح امام مالکؒ سے کئی مسئلے پوچھے گئے بعض کا جواب آپ نے دیا اور بعض کے متعلق فرمایا لا ادری میں نہیں جانتا۔

اور علمائے احناف کے بہت سے حوالے ہیں جو نفی علم ما سوی اللہ پر دلالت کرتے ہیں قلت کاغذ کی وجہ سے لکھ نہیں سکتا بلغة الحیران وغیرہ سے دیکھ لیں۔ اب چند سوالوں کا جواب سنیے۔

★

۱۱۱۱

ذاتی عطائی کا فرق

سوال جہاں انبیاء و اولیاء سے علم غیب کی نفی ہے اس سے مراد ذاتی ہے اور جہاں مراد علم غیب ہے عطائی علم ہے نہ ذاتی علم۔

جواب :۔ یہ کہنا کہ غیر اللہ کو علم غیب بالعرض ہے یعنی خدا نے غیب دانی ان کے اختیار میں دیدی ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم غیب بالذات ہے تو صاف آیات کی تاویل ہے یہ بھی کفر ہے۔ دوسرا یہ کہ کئی جگہ یہ تاویل بھی نہیں ہو سکتی جیسا کہ لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر اس کے معنے یہ ہیں کہ میں بالذات نہیں جانتا بالعرض جانتا ہوں۔ تو حضورؐ نے استکثار خیر اپنے لئے کیوں نہ کی۔ اگر بالعرض ہو تو بھی موجب استکثار من الخیر و عدم مس السوء ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان ادری اقریب ما توعدون اسی طرح تلک من انباء الغیب، ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ، ولا یحیطون بشیٔ من علمہ الا بما شاء اور کسی خاص واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا خبر غیبی کو بتلانا اپنے پیاروں کو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غیب کا جاننا ان کے قابو میں ہے کہ جب وقت اُن کا ارادہ ہو جان لیں یا یہ کہ کسی کو عیسیٰؑ نے شفا دی۔ کیونکہ وہ خود کہہ گئے ہیں کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کر رہا ہوں میرے اختیار میں تو کچھ نہیں۔ الغرض ان کے قابو میں ہونا ثابت نہیں ہو سکتا جیسے شاہد کی چیزوں کو آنکھوں سے دیکھنا اپنے بس میں ہے آنکھیں کھولے دیکھ لے۔ سننا سونگھنا چکھنا ٹٹولنا اپنے اختیار میں ہے یہ حواس خمسہ پانچ چابیاں ہیں چابی لگائی تالا کھل گیا وغیرہ عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک .... سے بھی بالذات و بالعرض والے معنی نہیں بن سکتے

کسر نفسی والی تاویل

سوال بعض رسمی مسلمان کہتے ہیں جہاں انبیاء و اولیاء نے اپنے سے علم غیب کی نفی کی ہے وہ بطور کسر نفسی کے نفی کی ہے

جواب : کسر نفسی کے دو معنے ہیں ① کسر نفسی کرتا ہوں یعنی جھوٹ کہتا ہوں یہ معنے تو ظاہر البطلان ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کذب کفر ہے ② دوسرے یہ معنے ہیں کہ اے میرے حبیب! تم کہہ دو کہ میں عبد ہوں اور غیب کا جاننا عبد کے قابو میں نہیں ہے اور نہ جان سکتا ہے۔ میں عاجز ہوں تاکہ لوگ تم کو غیب دان سمجھ کر تیری عبادت نہ کرنے لگیں

اور مجھ کو میرا شریک نہ بنالیں۔ یہ معنے البتہ ٹھیک ہے (ماخوذ از خازن) قال الرازی المراد منہ ان یظہر من نفسہ التواضع والخضوع والاعتراف بعبودیتہ حتیٰ لا یعتقد فیہ مثل اعتقاد النصاریٰ فی المسیح (بلغۃ الحیران ص۱۳۲)

غیب کے معنے

غیب لغت میں شہود کی ضد ہے ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے چھپی ہوئی ہو یا مشاہدہ و تجربہ سے باہر ہو علم غیب کہتے ہیں۔ یعنی اس شے یا ان اشیاء کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قویٰ کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہیں اور اس کے مقابل لفظ شہادت ہے۔ (سیرۃ النبی ص۲) امام بیضاوی فرماتے ہیں الغیب الخفی الذی لا یدرکہ الحس ولا یقتضیہ بداھۃ العقل یعنی جو مخفی چیز عقل و حواس سے بالاتر ہو وہ غیب ہے

علم غیب سے مراد

علم غیب یعنی قدرت و غلبہ و قبضہ علی الغیب کے ہیں اور یہ صفت صفات مختصہ باری تعالیٰ میں سے ہے یعنی اگر کوئی شخص صفت علم غیب بغیر اللہ ثابت کرے اور عقیدہ رکھے انبیاء اولیاء ملائکہ جنات وغیرہ کسی کو یہ صفت حاصل ہے بایں طور کہ خدا کی دی ہوئی قدرت علی الغیب سے ہر بات یا ان میں سے کوئی بھی حاضر و ناظر و عالم الغیب ہیں ان پر کوئی چیز مخفی نہیں جمیع ماکان و مایکون کو جانتے ہیں اور سب اشیاء چھوٹی بڑی مخفی و ظاہر سے عالم ہیں وہ شخص بوجہ انکار احادیث صحیحہ متواترہ بر قوعدہ و انکار اقوال صحابہ کرام و انکار فتاویٰ ائمہ اربعہ کے اجماعاً کافر و مشرک ہوگا۔

سوال انبیاء و اولیاء کو علم کلی ہوتا ہے کیونکہ جزئی علم تو ہندو کو بھی ہوتا ہے نعوذ باللہ

جواب: توبہ رسول و ولی کو ہندو کے برابر کر دیا۔ آیا ہندو بھی وحی من جانب اللہ ہوتی ہے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ہندو کو ظن و وہم اور محض شیطانی وساوس ہوتے ہیں۔ علم غیب نہیں ہوتا اور رسول کو وحی من جانب اللہ ہوتا ہے علم غیب پر خدا مطلع فرماتا ہے۔ مگر رسول کو علم غیب پر قابو نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے علم غیب کی کنجی کسی کے ہاتھ میں دی ہے یہی معنے ہیں علم بالذات کے خصیصی والا بالذات و بالعرض مراد نہیں (خلاصہ بلغۃ الحیران ص۱۵۶،۱۵۷)

محل نزاع کی تعیین

مدعیانِ علم غیب کے بیانات میں بہت بڑا تعارض و تناقض ہے

۱) بعض جاہل واعظ بلا استثناء تمام غیوب کا علم حضور کے لیے ثابت کرتے ہیں

۲) بعض صرف ذات و صفاتِ خداوندی کا استثناء کر دیتے ہیں

۳) بعض تمام ممکنات حاضرہ و غائبہ کے علم محیط کے مدعی ہیں (الکلمۃ العلیا ص۶۳ نعیم الدین مراد آبادی)

۴) بعض صرف ابتدائے آفرینش عالم سے قیامت تک کا علم محیط مانتے ہیں (دنبا والمصطفیٰ ص۳)

ہمارے رسول کو علم کلی کب عطا ہوا؟

مدعیانِ علم غیب کا اس بات میں بھی عجیب تعارض ہے

۱) بعض کہتے ہیں آپ شکم مادر میں تھے اس وقت ہی آپ کو یہ ماکان وما یکون کا علم حاصل ہو چکا تھا (انوار آفتاب صداقت ص۱۳۵ از قاضی فضل احمد لدھیانوی)

۲) بعض کہتے ہیں کہ وہ علم ماکان وما یکون معراج کی رات کو حاصل ہوا تھا (الکلمۃ العلیا ص۲۳)

۳) احمد رضا خان کا عقیدہ ہے آپ کو یہ علم ماکان وما یکون تدریجی طور پر آغازِ نبوت سے بذریعہ قرآن پاک وقتاً فوقتاً عطا ہوتا رہا اور جس روز قرآن عزیز کا نزول ختم ہوا اسی دن اس علم کی تکمیل ہوئی۔

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ علم ذاتی و محیط تفصیلی جو بلا استثنا تمام معلومات کو حاوی ہو خواص باری تعالیٰ سے ہے، اللہ کی عطا سے بذریعہ وحی یا الہام عالم شہادت کی طرح عالم غیب کی بھی بہت سی چیزیں اللہ کے مقرب بندوں کو معلوم ہو جاتی ہیں۔

★

علم غیب کے بارے حضرت پیران پیر بغداد والوں کا فتویٰ

حضرت پیر پیران سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ رافضیوں (شیعوں) کا یہ عقیدہ ہے کہ امام سب کچھ جانتے ہیں جو گذر چکی ہے یا آنے والی ہے۔ خدائے تعالیٰ ان کو لعنت کرے۔ یہ تو قرآن شریف کے منکر ہو گئے۔

نیز حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف مرأۃ الحقیقۃ صفحہ ۱۸ سطر ۲ مطبوعہ مصر میں فرمایا ہے۔ مَنْ یَعْتَقِدُ اَنَّ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَهُوَ کَافِرٌ لِاَنَّ عِلْمَ الْغَیْبِ صِفَةٌ مُخْتَصَّةٌ بِاللّٰهِ سُبْحٰنَهٗ

ترجمہ: جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حضرت نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، وہ شخص کافر ہے۔ کیونکہ غیب ذاتی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفتوں میں سے ایک خاص صفت ہے (نقل از کتاب تنزیہ الرحمٰن مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰)۔

غنیۃ الطالبین جلد اول صفحہ ۷۱ سطر ۶ مطبوعہ مصر کی یہ عبارت ہے ومن ذلك ان الامام یعلم کل شیئ ما کان وما یکون من امر الدنیا والدین حتی عدد الحصی وقطر الامطار وورق الاشجار مطلب اس عبارت کا یہ ہے شیعوں کے جتنے فرقے ہیں ان سب کا جن جن مسئلوں پر اتفاق ہے ان میں سے ایک متفق علیہ مسئلہ ان کا یہ بھی ہے کہ ہر ہر فرد امام کا ان کے مزعومہ ائمہ معصومین میں سے، ہر چیز کا عالم ہے جو پہلے ہو چکی یا آئندہ ہوگی خواہ دنیا کے امور میں سے ہو یا دین کے امور میں سے ہو۔ حتیٰ کہ کنکریوں کی گنتی اور بارشوں کے قطروں کی گنتی اور دنیا کے تمام درختوں کے پتوں کی تعداد اور گنتی بھی جانتا ہے

پھر یہی عبارت واقعی شیعہ کی کتابوں میں موجود ہے من جملہ ان کے شیعہ کی معتبر ترین کتاب کافی کلینی کے صفحہ ۱۵۹ میں ہے ان الائمۃ یعلمون علم ما کان وما یکون وانہ لا یخفی علیہم شیئ۔ اور صفحہ ۱۵۰ میں ہے ان الائمۃ یعلمون متی یموتون وانھم لا یموتون الا باختیار منہم یعنی امام اپنی موت کا وقت بھی جانتے ہیں نیز موت ان کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے جب چاہتے ہیں اپنے اختیار سے مرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی دوسری کتابوں میں یہ مسئلہ وضاحت سے لکھا ہے۔

تمت

بشریت نبوی ﷺ

مؤلف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله الذی قال فی کتابه وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیهم وقل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا والصلوٰة والسلام علی سید البشر محمد واٰله وصحبه اجمعین

اَمَّا بَعْدُ آج کے پرفتن دور میں یہ بات عام لوگوں میں پھیلائی جا رہی ہے کہ چودہ سو سال میں کسی مسلمان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر، انسان، مرد، آدمی نہیں کہا اور عوام چرب زبانی سے اپنی طرف مائل کرتے اور اہل حق سے متنفر کرتے ہیں۔ اب ہم یہ بات قرآن وسنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین، مجتہدین، علمائے کرام، صوفیاء ومشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

سب سے پہلے بسم اللہ کر کے قرآن شریف کھولتے ہیں پارہ ۱۶ ع ۱۵ میں ہے قل انما انا بشرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَیَّ تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو تم جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے۔ (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی) پارہ ۱۵ رکوع ۱۰ میں ہے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا تم فرماؤ پاک ہے میرے رب کو۔ میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی) پارہ ۱۳ رکوع ۱۳ میں ہے قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ تم اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی) اسی طرح قرآن پاک میں بہت آیات ہیں عاقل کے لئے اشارہ کافی ہے اور بے سمجھ کے لئے کتابوں کا انبار بھی بے سود ہے البتہ اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلیۃً فرما دیا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَيْهِمْ اور ہم نے تم سے

پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے۔ جنہیں ہم وحی کرتے (سورۃ یوسف رکوع ۱۲ ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم کی معصوم زبان سے سنئے آپ کیا فرماتے ہیں؟

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم إنی فیما لم یوح إلیّ کأحدکم اخرجہ الطبرانی وابن شاہین فی السنۃ عن معاذؓ (جامع صغیر سیوطی ص ۱۰۳ ط مصر) یعنی صرف وحی میں میں تمہاری طرح نہیں ہوں باقی انسان ہونے میں سجدہ اور عبادت میری ناجائز ہونے میں عالم الغیب اور حاضر ناظر نہ ہونے میں میں تمہارے جیسا ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إنما أنا بشر مثلکم میں تو تم جیسا انسان ہوں (مشکوٰۃ ص ۹۲ و ص ۲۸ و ص ۳۲۷۔ بخاری ص ۵۸ و ص ۳۳۲ و ص ۱۰۳ و مسلم ص ۲۱۲ و ص ۲۲۳ و ص ۲۹۳ و ص ۲۲۳ و بخاری ص ۴۹۷ و ص ۲۸۵ و ص ۳۳۵ وغیرہ) اور اس حدیث کو روایت کرنے والے بڑے بڑے اولوالعزم صحابہ کرام ہیں جن پر جھوٹ کا گمان شیعہ تو کر سکتے ہیں مگر ہم اہل السنت والجماعت تو اس تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً امام ابوبکرؓ ص ۵۳۳ خ امام عمرؓ ص ۲۱۷ خ امام عثمانؓ امام علیؓ امام ... عبد اللہ بن مسعودؓ ص ۵۸ خ ابوسعید خدریؓ ص ۹۶ خ ابوذر غفاریؓ ص ۴۹۹ رافع بن خدیجؓ ص ۲۶۴ مسلم عمران بن حصینؓ ص ۴۹ خ وغیرہ۔

اب ہم اُن محفوظ ہستیوں کی محفوظ زبان سے دریافت کرتے ہیں جنہوں نے حضور پرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ زندگی گذاری اور ان کی محبت اور ان کا عشق ہم جیسوں سے کروڑہا بلکہ اربہا اور کھربہا درجہ اقویٰ اعلیٰ اولیٰ اور اکمل تھا یعنی آپ کے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔ بعلاوہ آپؐ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر

ہمارا اور ان کا عقیدہ ایک ہی ہو تو چشم ما روشن دل ماشاد اور اگر ہمارا عقیدہ ان سے مختلف ہو تو ہمیں اپنے عقیدہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا فرمان

ام المؤمنین ذکی و ذہین صاحب فراست بنت صدیق حبِ رسول اللہ اعلم بکتاب اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کَانَ (النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم) بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ (شمائل ترمذی ص۲۹) یعنی آپ انسانوں میں سے انسان تھے اس کا فارسی ترجمہ حضرت شیخ المشائخ مصلح الدین لاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شمائل نبوی ص۹۵ میں لکھا "بود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آدمی از آدمیاں۔

حضرت خلیفہ اوّل اعلم الناس بعد رسول اللہ امام اعظم امام ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ھُوَ عَبْدٌ (صحیح بخاری ص۱/۹۶۷) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اصل بندے ہیں۔ نیز جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عقبہ بن ابی معیط و دیگر مشرکین مکہ نے اذیت پہنچائی تو امام اعظم نے فرمایا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ (صحیح بخاری ص۵۲۰) یعنی کیا ایک مرد کو اس پر مار سے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور بیشک وہ روشن نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے لائے۔

حضرت خلیفۂ دوم امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ھُمَا الْمَرْءَانِ اَقْتَدِیْ بِہِمَا (صحیح بخاری ص۱۰۷۲) یعنی وہ دونوں (نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم و امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ایسے کامل مرد ہیں جن کی میں پیروی کرتا ہوں۔ نیز آپ (رضی اللہ عنہ) نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کے بارے مدحیہ نظم کہی ہے جس میں ایک شعر یہ ہے ؎

لَوْ کُنْتَ مِنْ شَیْءٍ سِوٰی بَشَرٍ　　کُنْتَ الْمُنَوِّرَ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ

(المواہب اللدنیہ للعلامۃ الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۵۱ ج ۵ مصر) یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ بشر کے سوا کوئی اور مخلوق ہوتے تو آپ چودھویں رات کو منور کرنے والے چاند ہوتے۔

حضرت عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مدینہ طیبہ میں جا رہا تھا تو اچانک میرے پیچھے ایک انسان ہے جو مجھے کہتا ہے "تہ بند اونچا رکھ" میں نے پیچھے لوٹ کر جو دیکھا تو وہ انسان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا شان تھے (شمائل نبوی ص ۹)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا بَلَغَنَا اَنَّہٗ قَدْ خَرَجَ ھٰھُنَا رَجُلٌ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ (صحیح بخاری ص ۴۹۹) یعنی ہمیں یہ خبر پہنچی کہ یہاں ایک مرد مبعوث ہوئے ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نبی ہوں۔

حضرت انیس غفاری رضی اللہ عنہ برادر حقیقی حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ لَقَدْ رَاَیْتُ رَجُلًا یَاْمُرُ بِالْخَیْرِ وَیَنْھٰی عَنِ الشَّرِّ (صحیح بخاری ص ۴۹۹) یعنی اللہ کی قسم میں نے یقیناً ایک ایسے مرد دیکھے ہیں جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرمایا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلًا مَرْبُوْعًا (شمائل ترمذی ص ۲) یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانے قد کے مرد تھے۔

حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بَعَثَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَیْنَا نَبِیًّا مِنْ اَنْفُسِنَا نَعْرِفُ اَبَاہُ وَاُمَّہٗ (صحیح بخاری ص ۴۴۷) یعنی زمین و آسمان کے مالک نے

ہماری طرف ہماری اپنی ہی قوم کا بندہ نبی بنا کر بھیجا جن کے باپ کو بھی ہم پہچانتے ہیں اور ان کی اماں کو بھی۔

رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امام اعظم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مٹی سے پیدا ہوئے (موجب جنتی)

حضرت محمد بن حنیفہؒ نے اپنے والد ماجد اسداللہ الغالب امام علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کونسا انسان آپ کے نزدیک بہترین انسان ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ (امام اعظم) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین انسان ہیں۔

یہ تھے نمونہ از خروارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے اقوال نقل کئے ہیں اب امام ابوحنیفہ کا قول پڑھئے۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کا فرمان

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کون تھے؟ آپ نے جواب دیا بَشَرٌ لَا کَالْبَشَرِ بَلْ هُوَ یَاقُوْتٌ فِی الْحَجَرِ یعنی آپ بشر ہیں لیکن عام بشر کی طرح نہیں جیسے یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں۔

ایک شاعر نے اس مسئلہ کا حل ایک اور پیرایہ میں کیا ہے چنانچہ لکھتا ہے۔ ؎

وَاِنْ تَفُقِ الْاَنَامَ وَاَنْتَ مِنْهُمْ　　فَاِنَّ الْمِسْکَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ

یعنی انسانوں میں سے ہو کر پھر باقی تمام انسانوں پر جو آپ کو فوقیت حاصل ہے تو اس بات پر کسی کو تعجب نہ کرنا چاہئے کیونکہ کستوری بھی تو ہرن کا خون ہی ہے دوسرے خون

کلیوں میں بہادتے جاتے ہیں اور کستوری سیکڑوں روپے کا تولہ ملتا ہے۔

امام علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی جمع کیے ہیں اُن میں سے ایک نام بَشَر بھی فرمایا ہے۔ (المواہب اللدنیہ ص ۱۸۲)

صوفیائے کرام مشایخ عظام کا فرمان

حضرت پیر امام العارفین سید محمد وفا شاذلی رحمہ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں نعتیہ قصیدہ تحریر فرماتے ہیں۔ اس قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے ؎

سُبْحٰنَ مَنْ اَنْشَاہٗ مِنْ سُبْحَانِہٖ
بَشَرًا بِاَسْرَارِ الْغُیُوْبِ مُبَشِّرٗ

یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی پاک قدرت سے ایسا بشر پیدا فرمایا ہے جو پوشیدہ رازوں سے (مسلمین کو) خوشخبری سناتے ہیں (مواہب اللدنیہ ص ۲۵۲)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں پیغمبر ہم آدمی است قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (کیمیائے سعادت ص ۱۴) یعنی پیغمبر بھی آدمی ہے قرآن پاک کی آیت کریمہ اس کی شاہد صادق ہے۔

حضرت امام العارفین مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور قصیدہ بردہ ص ۲۵ میں فرمایا ہے ؎

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِیْہِ اَنَّہٗ بَشَرٌ
وَاَنَّہٗ خَیْرُ خَلْقِ اللّٰہِ کُلِّہِمٖ

یعنی ہمارے علم و اعتقاد کا منتہٰی یہی ہے آپ کے بارے میں کہ آپ بے شک واقعی بشر

انسان) کامل ہیں۔ ورنہ واقعی آپ تمام مخلوقِ خدا سے بہترین چنے ہوئے اور برگزیدہ ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی مولائے روم رحمۃ اللہ اپنی بے نظیر تصنیفِ لطیف مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔ بشر ابنا بشر انم ہم بھی بشر ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی بشر ہی ہیں لیکن مرتبہ، رتبہ، درجہ و فضیلت کا فرق ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ مکتوبات شریف ص۱۰ میں اپنا عقیدہ تحریر فرماتے ہیں اے برادر! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باآں علوِ شان بشر بودند۔ و بہ داغِ حدوث و امکان متسم۔ یعنی اے بھائی! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ آپ کی شان بہت بلند ہے بشر ہی تھے اور حدوث اور امکان کے داغ سے متصف تھے۔

حضرت شاہ اہل اللہ رحمہ اللہ (برادرِ حقیقی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) اپنی کتاب چار باب ص میں عقیدہ کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں **عقیدہ** انبیاء علیہم صلوٰۃ اللہ وسلامہ بندگان اند کہ او سبحانہ تعالیٰ تبلیغِ احکام خود بطرفِ عبادِ خویش فرستادہ یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بندے ہیں جنہیں حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے احکام پہنچانے کے لئے اپنے بندوں کی طرف بھیجا۔

فصول الحواشی ص میں صاحب معدن نے کہا الرسولُ بشر بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحی الیہ ..... والنبی بشر بعثہ اللہ لتبلیغ ......

علمائے عقائد و فقہ و اصول کا فرمان

امام ابوبکر رازی جصاصؒ فرماتے ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر مثلھم (احکام القرآن ج۳ ص۳۰۶) یعنی آپ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اُن دوسرے انسانوں جیسے بشر (آدمی) ہی تھے۔

محب اللہ بہاری اپنی مشہور تصنیف مسلم الثبوت ص۱۶۲ میں فرماتے ہیں اَلنَّبِیُّ مِنْ الارض من جنس البشر زمین پر نبی بھی انسان کی جنس میں سے ہے۔
رشحات الاقلام فی عقیدۃ ابی حنیفۃ الامام ص۱۷ میں ہے اَلرُّسُلُ مِنْ جِنْسِنَا مِنَ الْبَشَرِ یعنی تمام رسول پیغمبر ہماری ہی جنس میں سے یعنی انسانوں میں سے ہی ہوتے ہیں۔
فتاوی خیریہ ص۱۰۲ و ص۱۰۳ میں ہے اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم بَشَرٌ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر (انسان) ہیں۔
شرح عقائد جلالی میں ص۸ ہے اَکْمَلُ الْاِنْسَانِ الْاَنْبِیَآءُ یعنی تمام انسانوں میں سے کامل ترین انسان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔
عبدالعزیز پرہاروی نے نبراس شرح شرح العقائد النسفیہ ص۵۶۲ میں تحریر فرماتے ہیں اَکْمَلُ النَّاسِ فِی الْمَحَبَّۃِ وَالْاِیْمَانِ ھُمُ الْاَنْبِیَآءُ خُصُوْصًا حَبِیْبُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی محبت الٰہیۃ اور ایمان میں انسانوں میں سے کامل ترین انسان صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہوتے ہیں خصوصاً حبیب اللہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی۔
امام طحاوی (حنفی) نے مشکل الآثار ص۲/۱۳۰ میں فرماتے ہیں اَلنَّبِیُّ مِنْ جِنْسِ سَائِرِ النَّاسِ یعنی نبی بھی باقی انسانوں کی جنس میں سے ہوتا ہے۔
ابن نجیم نے کنز الدقائق کی شہرۂ آفاق شرح بحر الرائق ص۱/۳۳۳ میں لکھا ہے یَنْقَسِمُ الْبَشَرُ عَلٰی قِسْمَیْنِ خَوَاصٌّ وَھُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَعَوَامٌّ انسان کی دو قسمیں ہیں ایک خواص اور وہ ہیں انبیاء کرام علیہم السلام اور دوسرے عوام ہیں۔
زبدۃ العقائد ص۲۲ میں ہے وَاِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُھُمْ وَخَاتَمُھُمْ وَاَنَّہٗ مِنَ الْاِنْسِ لَا مِنَ الْجِنِّ وَاَنَّہٗ مِنَ الْعَرَبِ لَا مِنَ الْعَجَمِ وَاَنَّہٗ

قُرَشِيٌّ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاَنَّ اَبَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یعنی اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل ہیں اور سب سے بڑے پیغمبر ہیں اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ انسانوں کی جنس میں سے ہیں نہ جنوں (وغیرہ) کی جنس سے۔ اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ عرب میں سے ہیں نہ عجم میں سے۔ اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ قریشی ہیں ہاشم کی اولاد میں سے۔ اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کے والد صاحب عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ ہیں۔

عقیدہ کی ایک کتاب بدء الامالی صہ میں ہے ؂

وَمَا كَانَ نَبِيًّا قَطُّ اُنْثٰى،
وَلَا عَبْدٌ وَّ شَخْصٌ ذُوْ افْتِعَالٍ

یعنی نہ کوئی عورت کبھی نبی بنی نہ بن سکتی ہے اور نہ کوئی غلام اور نہ کوئی جھوٹا۔

عقیدہ کی کتاب مسامرہ ص۱۸۱ ہے فَالنَّبِيُّ عَلٰى هٰذَا اِنْسَانٌ اُوْحِيَ اِلَيْهِ بِشَرْعٍ سَوَاءٌ اُمِرَ بِتَبْلِيْغِهٖ وَالدَّعْوَةِ اِلَيْهِ اَمْ لَا فَاِنْ اُمِرَ بِذٰلِكَ فَهُوَ نَبِيٌّ رَسُوْلٌ وَاِلَّا فَهُوَ نَبِيٌّ غَيْرُ رَسُوْلٍ یعنی پس اس تعریف کے مطابق نبی انسان ہوتا ہے جس کی طرف شریعت کی وحی ہو خواہ اس کو دعوت و تبلیغ کا حکم ہو یا نہ، اگر حکم ہو تو وہ نبی رسول ہے ورنہ نبی ہے رسول نہیں۔

علامہ نفسیؒ نے بحر الکلام ص۳۰ میں لکھا ہے فَهٰذَا الْمُخَاطَبُوْنَ اَرْبَعَةُ اَنْوَاعٍ اَلْمَلٰئِكَةُ وَبَنُوْ اٰدَمَ وَالشَّيَاطِيْنُ وَالْجِنُّ یعنی جو لوگ خدا کے حکم کے مخاطب ہیں وہ چار قسم کے ہیں فرشتے[۱]، آدم کی اولاد[۲]، شیاطین[۳]، جنات[۴]۔ اور ظاہر ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا کے حکم کے مخاطب ہیں فرشتے وغیرہ کی جنس میں تو ہیں نہیں پس ثابت ہوا کہ سب نبی حضرت

آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

مسلم العلوم کے حاشیہ میں صفحہ ۸۱ ملا باجوری لکھتے ہیں معنی الرسول انسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام ومعنی النبی انسان اوحی اللہ الیہ بشرع وان لم یؤمر بتبلیغہ رسول کے معنی ہیں ایسا انسان جس کی طرف شریعت کی وحی ہو جس پر خود بھی عمل کرے اور لوگوں تک پہنچانے کا حکم ہو اور نبی کے معنے ہیں ایسا انسان جس کی طرف شرع کی وحی کی جائے اگرچہ اس کی تبلیغ کا حکم نہ ہو۔

ملا عبد الغفور لاری شرح جامی کے حاشیہ صفحہ ۶ میں لکھتے ہیں هو (النبی) فی الشرع عبارۃ عن انسان بعثہ اللہ تعالیٰ علی عبادہ للتبلیغ یعنی شریعت میں نبی کے معنے ہیں انسان جسے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ احکام کے لئے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہو۔

نور دار الوصول لسعد اللہ صفحہ ۶ میں بھی یہی لکھا ہے۔

شرح چغمینی میں لکھا ہے نبی وہ انسان ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے خلق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے مبعوث ہو۔ نبی رسول سے عام ہے کیونکہ رسول وہ خاص قسم کا نبی ہے جس کی طرف کتاب اور وحی بھیجی جائے مگر محمد عباد الدین شیر کوٹی نے حاشیہ مرقاۃ صفحہ ۲ پر رسول و نبی کا فرق نہیں رکھا۔

میر سید سندؒ نے التعریفات صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے الرسول انسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام رسول ایک انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ احکام کیلئے مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔

علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی صفحہ ۲ میں لکھا ہے معنے الرسول انہ انسان اوحی الیہ بشرع وامر بتبلیغہ فان لم یؤمر فنبی فقط یعنی رسول ایسے انسان کو کہتے ہیں

جن کی طرف شرع کی وحی کی جائے اور اس کے پہنچانے کا حکم دیا جائے۔ اور اگر یہ حکم نہ ہو تو وہ صرف نبی ہے۔

علامہ جامی کی شرح صـ۲ پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ رسول یا تو ہم معنے ہے نبی کا جیسے ایک جماعۃ کا مذہب ہے یعنی اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلَی الْخَلْقِ بِشَرِیْعَةٍ سَوَاءٌ اُمِرَ بِتَبْلِیْغِهَا اَمْ لَا یعنی ایسا انسان رسول ہے جسے اللہ نے مخلوق کی طرف شریعت دے کر بھیجا ہو خواہ اس کی تبلیغ کا حکم ہو یا نہ اور بعض کہتے ہیں کہ رسول نبی سے خاص ہے پھر خاص کہنے والوں میں دو خیال کے لوگ ہیں اور بعض ایسے ہیں جو رسول کو نبی سے عام مانتے ہیں اور وہ اس طرح کہ رسول انسان بھی ہوتے ہیں اور فرشتے بھی لیکن نبی کا لفظ صرف انسان کے لئے مختص ہے۔

ابن سیدہؒ لغوی نے المحکم والمحیط الاعظم صـ۲۳۵ــ۲ میں لکھا ہے وَالنَّبِیُّ صلی اللّٰه علیه وسلم دَاعِیُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے داعی ہیں۔

ابو منصور ازہریؒ لغوی نے تہذیب اللغۃ صـ۱۴ــ۲ میں لکھا ہے۔ النَّبِیُّ دَاعِی الْاُمَّةِ اِلٰی تَوْحِیْدِ اللّٰهِ تعالٰی وَطَاعَتِهٖ یعنی اللہ کی توحید و طاعت کی طرف امت کو دعوت دینے والا نبی ہوتا ہے۔

علامہ فیومی لغوی نے مصباح المنیر صـ۱۳۶ــ۲ میں لکھا ہے اَلنَّبِیُّ مَنْ هُوَ دَاعِی الْخَلْقِ اِلَی التَّوْحِیْدِ یعنی خدائے تعالیٰ کا اپنا منتخب کردہ مبلغ توحید نبی کہلاتا ہے۔

علامہ مہائمیؒ نے تفسیر تبصیر الرحمٰن صـ۳ــ۲ میں لکھا ہے بَعَثَهُ اللّٰهُ تعالٰی دَاعِیًا اِلٰی تَوْحِیْدِهٖ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے توحید کا داعی بنا کر بھیجا ہے اندریں ظاہر بات ہے کہ توحید کا داعی جن تو بن نہیں سکتا جیسے بدنوالاعمال اور زبدۃ عقائد کے

حوالے گذر چکے ہیں اور توحید کا داعی اُمّت فرشتہ بھی نہیں بن سکتا جیسے اللہ پاک نے فرمایا۔
وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا
قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا
یعنی اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا۔ تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے (کیونکہ وہ اُن کی جنس سے ہوتا) لیکن جب زمین میں آدمی بستے ہیں تو اُن کا ملائکہ (فرشتوں) میں سے رسول طلب کرنا نہایت ہی بے جا ہے۔
دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے جواب میں جو کہتے تھے "کوئی فرشتہ کیوں نہ رسول بنا کر بھیجا" جواب دیتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہم اتارتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا اور فرشتہ کو اصلی صورت میں دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے دیکھتے ہی ہیبت سے بیہوش ہو جاتے یا مرجاتے۔ اس لئے اگر فرشتہ رسول بالفرض بنایا ہی جاتا تو جب بھی اُسے مرد ہی بنا کر بھیجا جاتا تاکہ لوگ اُسے دیکھ سکیں اس کا کلام سن سکیں۔ اس سے دین کے احکام معلوم کرسکیں تو اس صورت میں انہیں پھر وہی کہنے کا موقع رہتا کہ یہ بشر ہے، تو فرشتے کو نبی بنا کر بھیجنے کا کیا فائدہ اس لئے لازماً انسان ہی کو نبی بنایا تاکہ دنیا اپنے ہم جنس کے فیض سے بآسانی فیض یاب ہو سکے۔

بریلوی صاحبان کے معتمدین مشائخ کا فرمان

جناب حکیم ابوالعلاء محمد امجد علی اعظمی رضوی سنی حنفی قادری برکاتی اپنی مشہور تصنیف بہار شریعت حصہ اول ص۹ میں تحریر فرماتے ہیں **عقیدہ** نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ

...یا بھی رسول ہیں عقیدہ انبیاء سب بشر تھے اور مرد۔ نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔

سید نعیم الدین مراد آبادی نے کتاب العقائد ص۲ میں لکھا ہے انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

مولوی اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی الملفوظ ص۲۸ میں فرماتے ہیں اللہ نے اپنے بندوں کو سچا رستہ دکھانے کے لئے اپنے بندے بھیجے جنہیں نبی اور رسول کہتے ہیں۔ اور ... میں بھی لکھا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔

امام طائفہ بریلویہ مولوی عبد السمیع صاحب رام پوری انوار ساطعہ ص۲۱۳ میں لکھتے ہیں آیت إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا منکر کوئی اہل اسلام نہیں سب کا یہی اعتقاد ہے کہ آں حضرت ... علیہ وسلم بشر ہیں۔

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب "شان حبیب الرحمٰن" ص۹۸ میں لکھتے ہیں "مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اور نبی وہ انسان ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف سے احکام شرعیہ کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

علامہ ابو الحسنات محمد احمد صاحب قادری خطیب مسجد وزیر خان لاہور "حنفی سلسلہ دینیات حصہ اول ص۱۵ و ۱۶ میں فرماتے ہیں۔ نبی وہ بشر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کیلئے آئے۔ اور احکام الٰہیہ اس پر خدا کی طرف سے بذریعہ وحی نازل ہوں۔ انبیاء سب بشر تھے۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب کے ملفوظات ص۲۳ میں ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نہ دوسروں جیسے۔

شیخ القرآن مولانا عبد الغفور صاحب ہزاروی خطیب جامع مسجد وزیر آبادی عام تقریروں میں اپنا عقیدہ واضح الفاظ میں بیان فرماتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر مانتے ہیں

جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا منکر ہے وہ کافر ہے اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بایں معنے مانتا ہے کہ آپ خدا کے ٹکڑے ہیں یعنی خدا سے جدا ہوئے ہوئے ہیں وہ بھی کافر ہے اسی طرح احمد رضا خان نے بھی کہا ہے۔

علامہ محمد حسن صاحب مجددی سجادہ نشین درگاہ ٹنڈو سائیں داد اپنی کتاب العقائد الصحیحہ فی تردید الوہابیۃ النجدیہ "ص۱۴۹ میں لکھتے ہیں " مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ حضور سے بشریت کی نفی کیوں کرتے ہیں حالانکہ بشریت ہی آپ کی رسالت کی تصدیق اور آپ کے معجزات اور خرق عادات کی تصدیق کا سبب ہے کیونکہ انسان سے جب معجزات صادر ہوں یا خرقِ عادات تو یہی تصدیق رسالت کا سبب بنتی ہیں ورنہ اگر یہ سب کچھ فرشتوں سے صادر ہو یا جن اور شیطان سے پیدا ہو تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ کیونکہ خرقِ عادات فرشتوں اور شیطانوں سے ایک مسلمہ اور عادی امر ہے بلکہ معجزہ اور خرقِ عادات کی حقیقت ہی انسان سے تعلق قائم کرتے کے ساتھ پیدا ہوا کرتی ہے کہ دوسرے انسان انبیاء علیہم السلام کے بغیر ایسا کرنے سے عاجز ہوا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر معجزہ کو خرقِ عادات کا نام دیا گیا ہے یعنی معجزہ بنی آدم کی روزمرہ عادات کے خلاف ہوتا ہے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ وہ معجزہ فرشتوں یا شیاطین کی طاقت سے بھی باہر ہوتا ہے۔ صوفی یا مولوی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور ہیں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا نور آیا ہے اور روشن کتاب لایا ہے اس لئے آپ کو بشر کہنا صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمیں بھی تسلیم ہے اور ہمارا بھی ایمان ہے کہ آپ نور ہیں مگر نورانیت انسان اور بشر ہی کیلئے تعریف کا سبب بنتی ہے جب کہ وہ کثافتِ بشری سے نکل کر اصلی نورانیت کے بلند مراتب پر ترقی کر جائے اور جب انسان کے بغیر کوئی مثلاً فرشتہ نورانیت سے موصوف ہو جائے تو اس کی تعریف شمار نہ ہوگی کیونکہ نورانیت اس میں فطرۃً ہوتی ہے بعد میں حاصل نہیں ہوتی

خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَالْقَمَرَ نُوْرًا کہ ہم نے چاند کو نور بنایا تو چاند نے کثیف مادے سے
نورانیت کی طرف ترقی نہیں کی بلکہ خدا نے اسے منور ہی پیدا کیا ہے تو اس کی نورانیت فطری
ہوئی جس میں نہ تو تعریف نکلتی ہے اور نہ قابل مدح روح پیدا ہوتی ہے کہ خدا نے فرمایا ہے
یہدی اللہ لنورہ مَنْ یَّشَاءُ خدا جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے پس
بشریت جو نفسانی کدورتوں سے صاف ہو ایک بڑی تعریف اور مدح ہے اور بڑا کمال
ہے مجھے اپنے لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ کمال کو وہ نقص کیسے کہتے ہیں اور کس طرح مدح کو
مذمت سمجھ رہے ہیں۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف والے فتاویٰ مہریہ صفحہ میں لکھتے ہیں۔
اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظِ بَشَر کے معنے میں بحسب لغتِ عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت؟
میری ناقص رائے میں لفظِ بَشَر مفہوماً و مصداقاً متضمن بکمال ہے۔ پھر صفحہ۱۱ میں لکھا بشر ہی کو
کمال استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقصِ مظہریت کمال سے محروم ٹھہرے۔
اور حقیقتاً یہ بات صحیح ہے کیونکہ ابن فارس بن زکریا معتاییس اللغۃ صفحہ۲۵۱ میں لکھتے ہیں

الباء والشین والراء لہ اصل واحد یدل عَلٰی ظُهُوْرِ الشَّیْءِ مَعَ حُسْنٍ وَّجَمَالٍ
.... والبشیر الحسن الوجه یعنی بَ شَ رَ کا ایک ہی معنیٰ ہے یہ تینوں حرف دلالت
کرتے ہیں اس معنے پر یعنی حسن و جمال کے ساتھ کسی چیز کا ظاہر ہونا .... اور بِشارت کے معنے
بھی حسن و جمال اور بشر کے معنے ہیں خوبرو معلوم ہوا کہ بشر کے معنے میں تو ہین نہیں بلکہ مدح اور
تعریف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حرز منیع صفحہ۳۶ میں ہے کہ حضور پاک کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام البشر ہے
آپ کو معلوم ہوگا کہ رسول آدمی ہوتا ہے اور رسول اللہ کے معنے ہیں اللہ کا رسول
اور تمام مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جس کے معنے ہیں حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں پس جو کہے کہ آپ انسان انسان نہیں تو وہ کفر کے اس حصہ کا منکر ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے جیسے مواہب لدنیہ صـ۲۶۳، کتاب الزواجر صـ۲۳، زاد اللبیب صـ۲۲۵، فتاویٰ عالمگیریہ طبع ہند صـ۱۹۱ جلد ۲، فتاویٰ بربنہ صـ۱۳۹، روح المعانی صـ۱۱۳، اور جامع الفصولین صـ۳۰۳ جلد ۲ وغیرہ کتب میں صراحتہً لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ بشر اور انسان تھے ایمان کی شرط ہے نواقض الاسلام مثلاً اگر کوئی شخص شک کرے اور کہے خدا کو معلوم ہے میں نہیں جانتا کہ آپ انسان ہیں یا کوئی چیز اور یا کہے وہ قریشی نہ تھے یا کہے آپ عربی نہ تھے یا کہے آپ انسان نہ تھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے کذا فی فصول العمادیہ اور مطالع المسرات صـ۲۲۲ میں عربی عبارت یہ ہے وَهٰذِهِ الاوصاف

المذکورۃ ههنا مما یجب اعتقادہ فی حقه صلی اللہ علیه وسلم اذ هی من جملة مشخصاته المعینة له ؛ فمن قال لیس بعربی او لیس بقرشی فکافر کما اذا قال لیس الذی بمکة او لم یکن بالمدینة ولا توفی فیها ؛ لان هذا کله جحد له صلی اللہ علیه وسلم ؛ وکذا لو قال انه لم یخلق من نطفة وانما هو کعیسیٰ وآدم او قال انه لم یکن بشرًا آدمیًا . فکل ذٰلك نصّ العلماء علی کفر قائله ومدعیه اهـ

کتاب الزواجر میں اس کی وجہ یہ لکھی کہ لان وصفه صلی اللہ علیه وسلم بغیر صفته صلی اللہ علیه وسلم تکذیب له صلی اللہ علیه وسلم . ویؤخذ منه ان کل صفة اجمعوا علی ثبوتها له علیه السلام یکون انکارها کفرًا ؛

فتویٰ شیخ ولی الدین العراقی وقد سئل الشیخ ولی الدین العراقی هل العلم بكونه صلى الله عليه وسلم بشرًا ومن العرب شرط فی صحة الایمان او من فروض الكفاية؟ فاجاب بانه شرط فی صحة الایمان! ثم قال فلو قال شخص اؤمن برسالة محمد صلى الله عليه وسلم الى جميع الخلق، لكن لا ادری هل هو من البشر او من الملئكة او من الجن او لا ادری هل هو من العرب او العجم؟ فلا شك فی كفره لتكذيبه القرآن وجحده ما تلقته قرون الاسلام خلفا عن سلف وصار معلوما بالضرورة عند الخاص والعام؟ ولا اعلم فی ذلك خلافًا. فلو كان غبيا لا يعرف ذلك وجب تعليمه اياه. فان جحده بعد ذلك حكمنا بكفره انتهى۔ (روح المعانی ج ص ۱۱۳)

احقر الثقلین طالب الخیر فی الکونین
محمد حسین صانہ اللہ عن الشین
۱۱ صفر لیلۃ الجمعۃ ۱۳۹۶ھ

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ

رفع الاشتباہ

عَنْ آيَةِ

مَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ

مؤلفہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

عرض مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ و السلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد ایک آدمی کسی چک سے ایک سوال دے گیا تھا کہ اس سوال کا جواب دو۔ اور وہ دے کر چلا گیا۔ میں نے علی سبیل الاختصار اس کا جواب دیا مگر وہ آدمی جواب وصول کرنے کے لئے نہ آیا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس جواب کو ذرا تفصیل سے لکھ دیا جائے تاکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچ جائے۔ اس لیے اب رسالہ کی شکل بن گئی اور اس رسالہ کا نام میں نے رفع الاشتباہ عن آیۃ ما اہل بہ لغیر اللہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ دین کی بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سب سے پہلے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اردو فارسی میں جن مترجمین نے نظم قرآنی ما اھل بہٖ لغیر اللہ کے ترجمے کیے ہیں پہلے وہ ذکر کیے جائیں۔ تاکہ ناظرین کو تقابل سے ترجموں کا فرق معلوم ہو۔ اس کے بعد اہلال کے وہ معنے واضح کیے جائیں جو اہل لغت نے بیان کیے ہیں۔ پھر مفسرین نے جو معنے بیان کیے وہ لکھے جائیں۔ پھر فقہاء اہل سنت کے فتوے لکھے جائیں۔ پھر ان شبہات کے جواب دیے جائیں جو بعض لوگوں کی طرف سے عوام میں پھیلائے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق والتدقیق

محمد حسین صانہ اللہ عن الشین والافتراء فی الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ

اما بعد عام طور پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ (جو چار جگہ قرآن شریف میں معمولی لفظی تغیر کے ساتھ وارد ہوا ہے) اس کے آخری فقرہ یعنی ما اہل لغیر اللہ بہ پر عالم نما الجھتے الجھاتے رہتے ہیں اور عوام کے لیے کچھ نہیں پڑتا۔ اس لیے متقدمین ومتاخرین علماء کی تحقیق آپ کے سامنے کھول کر رکھ دی جاتی ہے تاکہ خود حق و باطل کا فیصلہ کر لیں اور کسی کے کہنے میں نہ آئیں

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے معنی جو مترجمین نے کیے

۱ جو کچھ پکارا جائے اوپر اس کے واسطے غیر اللہ کے (شاہ رفیع الدین)

۲ جس پر نام پکارا گیا اللہ کے سوا کا (سید امیر علی ملیح آبادی)

۳ جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو (مرزا حیرت دہلوی)

۴ جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کا (شاہ عبدالقادر)

۵ اس چیز کو کہ اللہ کے سوا اور کے نام سے پکاری گئی ہو (احمد علی صاحب لاہوری)

۶ جس چیز پر نام پکارا جائے اللہ کے غیر کا (عاشق الٰہی میرٹھی)

۷ اور جو اللہ کے سوا غیر کے نام سے پکاری ہو (ثناء اللہ امرتسری)

۸ جس پر پکارا گیا ہو اللہ کے غیر کا نام (قاضی ثناء اللہ پانی پتی مترجم)

۹ جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جاوے (فتح محمد جالندھری)

۱۰ جو چیز نامزد کی جائے واسطے غیر اللہ کے (محمد ابراہیم میر سیالکوٹی)
۱۱ اس چیز کو کہ جو اللہ کے سوا اور کے نام سے پکاری گئی ہو (عبد الحق حقانی)
۱۲ جو چیز کہ صرف نام ہی لیا جائے اس پر غیر اللہ کا تعظیماً (عبد اللہ چکڑالوی)
۱۳ کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو (مودودی)
۱۴ جو چیز پکارا سیا گیا نال اس دے واسطے غیر اللہ دے (حافظ محمد لکھوکے)

ما سے صرف جانور مراد لینے والے مترجمین

۱ وآنچہ آواز بلند کرده شود در ذبح وے بغیر خدا (شاہ ولی اللہ)
۲ وہ جانور بلند کیا گیا ہو جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام (کرم شاہ بھیروی)
۳ آن جانور کہ آواز برآورده شد و شہرت داده شد در حق آن جانور کہ برائے غیر خدا است (شاہ عبد العزیز محدث دہلوی)

۴ جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا (شیخ الہند)
۵ ایسے جانور کو جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو (حکیم الامۃ تھانوی)
۶ اور جو (جانور) غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو (ماجدی)
۷ وہ جانور جس کو خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کے لیے حلال اور نامزد کیا جائے (ڈپٹی نذیر احمد دہلوی)
۸ وہ جانور جس پر اللہ کے سوا اللہ کے کسی اور کا نام پکارا جائے۔ (مولوی عبد الستار محدث دہلوی)
۹ وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے نام پر پکارے جائیں (مولانا ابو الکلام آزاد)
وہ جانور جو خدا کے سوا دوسرے کے نام نامزد کر دیا گیا ہو (یعنی تقرب

کی نیت سے (سبحان اللہ)

وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (مودودی صاحب در تفسیر سورۂ مائدہ تفہیم القرآن ص۴۳)

وہ جانور جس پر (وقتِ ذبح) خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا گیا ہو۔ (فرمان علی شیعی)

جس ذبیحہ پر خدا کے سوا اور کا نام لیا گیا ہو (مقبول احمد شیعی)

اُہِلَّ بمعنی ذبح کرنے والا مترجم

۱ وہ جانور جو غیرِ خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو (احمد رضا خان بریلوی)

۲ وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (مودودی)

اہلال کے معنے اہلِ لغت کے ہاں

۱ ابن فارس نے مقاییس اللغۃ ص۱۱ میں لکھا الھاء واللام اصل صحیح یدل علی رفع صوت (ہ اور لام مشدد کا اصل صحیح آواز کے بلند کرنے پر دال ہے)

۲ فیومی نے مصباح المنیر ص۱۹۰ میں لکھا ہے اَہَلَّ المحرِمُ رفع صوتہ بالتلبیۃ عند الاحرام احرام کے وقت بلند آواز سے تلبیہ کہنا وکل من رفع صوتہ فقد اَہَلَّ اِہلالاً یعنی جو بھی اپنی آواز بلند کرے اس کے بارے عربی محاورہ میں کہا جاتا ہے اَہَلَّ اِہلالاً۔ ضَرَبَ کے باب سے ظَہَرَ کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ چاند دیکھتے وقت بلند آواز کریں کہ دیکھو وہ رہا چاند تو کہتے ہیں اُہِلَّ الہلال واستہللناہ

اور اَہَلَّ الرجل کے معنے ہیں کہ کسی نعمت ملنے پر یا کسی عجیب چیز دیکھنے

کے وقت ذکر الٰہی سے آواز بلند کی۔

۳ زمخشری نے اساس البلاغہ ص۷۰۲ میں لکھا اُہِلَّ بذکر اللہ اس نے اللہ کا ذکر بلند آواز سے کیا

۴ امام راغب نے المفردات ص۵۶۶ میں لکھا ہے الاہلال رفع الصوت عند رؤیۃ الھلال نیا چاند دیکھتے وقت بلند آواز کرنا کہ دیکھو یہ ہے چاند۔ اور پھر ہر آواز کے لیے اہلال کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور لڑکے نومولود کی آواز (اہلال) بھی اسی مشابہت سے ہے اور ما اہل بہ لغیر اللہ کے معنے ہیں کہ اللہ کے نام کے سوا کوئی اور نام اس جانور پر یاد کیا جائے اور وہ یہ ہوتا تھا کہ بتوں کی خاطر جانور کو ذبح کیا جاتا تھا۔

۵ ابو العباس لغوی کا حوالہ دے کر علامہ زبیدیؒ نے تاج العروس شرح قاموس للفیروز آبادی ص۱۷۲ میں لکھا کہ نئے چاند کو ہلال اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نئے چاند کی خبر دیتے وقت لوگ اپنی آوازیں بلند کرتے ہیں۔

۶ اصمعی لغوی کا حوالہ دیتے ہوئے امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اصل معنے اہلال کے رفع صوت ہیں۔ تو ہر بلند آواز کرنے والے کو مُہِل کہتے ہیں۔ یہ ہیں اہلال کے معنے لغت میں۔ پھر محرم کو اسی لیے مُہِل کہتے ہیں کہ وہ تلبیہ بلند آواز سے کہتا ہے۔ اور ذبح کرنے والے کو اس لیے مُہِل کہتے ہیں کہ عرب (مشرک) ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے اور اور اپنے بتوں کا ذکر بلند آواز سے کرتے تھے۔ اور نومولود بچہ پیدا ہوتے ہی آواز بلند کرتا ہے اسی وجہ سے محاورۂ عرب میں کہتے ہیں استھل الصبی

۷ صراح ص۴۴۳ میں لکھا ہے ما اہل بہ لغیر اللہ اے نودی علیہ بغیر اسم اللہ اور اصل معنے اہلال کے ہیں رفع الصوت۔

۸ ناصر الدین مطرزی لغوی نے المغرب میں ہے اہلوا الہلال و استہلوا الہلال کا مطلب ہے کہ نیا چاند دیکھتے وقت انہوں نے اپنی آوازیں بلند کیں پھر جب چاند دیکھا جائے تو کہا جاتا ہے اُہِلَّ الہلال اُر و اُستُہِلَّ بصیغہ مجہول (مبنی للمفعول) اور استہلال الصبی کے معنے ہیں نومولود بچہ کا ولادت کے وقت بلند آواز سے رونا۔ اور حدیث پاک میں جو آیا ہے اذا استہل الصبی ورث اس کا یہی مطلب ہے کہ جب ولادت کے وقت بچہ نے آواز کی ہو تو وارث ہوگا کیونکہ اس کی آواز کرنے سے اس کی حیات کا علم ہو گیا اور جو لوگ اس عبارت کا یہ معنے کرتے ہیں کہ جو بچہ ماں کے پیٹ سے زندہ گرے (یہ اس کے لغوی معنے نہیں بلکہ) تدریسی معنے ہیں کہ استاذ اپنے شاگرد کو پڑھاتے وقت اس طرح سمجھاتا ہے۔ اور بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ کہنے پر اہلال کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور ما اہل بہ لغیر اللہ بھی اسی قبیل سے ہے اور اہل المحرم بالحج کے معنے ہیں کہ اس نے تلبیہ میں اپنی آواز بلند کی

۹ محمد طاہر فتنی نے مجمع البحار میں لکھا ہے اہلال کے معنے ہیں تلبیہ میں بلند آواز کرنا۔ اور مُہَلّ احرام باندھنے کی جگہ (میقات) اور احرام باندھنے کا وقت۔ اور احرام باندھنا۔ اور اہلال الہلال و استہلال الہلال اسی قبیل سے ہے جو اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جب چاند دیکھتے وقت بآواز بلند تکبیر کہتے ہیں۔ اور نومولود کی بوقت ولادت بلند آواز کرنے کو استہلال الصبی کہتے ہیں۔

۱۰ زبیدی نے تاج العروس میں لکھا اصل لغوی معنے اہلال کے رفع الصوت اور احرام کو اہلال اسی لیے کہتے ہیں کہ محرم تلبیہ میں آواز بلند کرتا ہے

۱۱ ثعالبی نے فقہ اللغۃ میں لکھا ہے حج و اہلال کے ایک معنے ہیں تلبیہ میں

کو اہلال کہا جاتا ہے۔ یہاں اہلال کے وہی لغوی اور عربی معنے یعنی نامزد کرنا۔ آواز لگانا اور ذکر کرنا مراد ہیں۔ پس جانور کو بھی اللہ کے سوا کسی غیر کی نذر سے نامزد کیا جائے خواہ وہ غیر بت ہو یا جن یا خبیث روح یا پیر یا پیغمبر یا کوئی مکان یا تھان۔ اور اس نیت سے ذبح کیا جائے کہ اس سے ان کی خوشنودی اور تقرب حاصل ہوگا اور وہ اس کی حاجت روائی کریں گے سو وہ جانور حرام اور ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے اور ایسا کرنے والا مشرک اور دائرۂ توحید سے خارج ہے۔ خواہ وقت ذبح ذبیحہ پر بسم اللہ کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ اسی وہ جانور جس پر وقت ذبح اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے۔

عبدالماجد دریابادیؒ نے لکھا: اہلال کے اصلی معنے آواز بلند کرنے پکار کر دینے شہرت دے دینے کے ہیں (اس سے آگے حوالے لکھے

آواز بلند کرنا۔ تہلیل کے معنے ہیں بآواز بلند لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا اور بوقت ولادت نومولود کا چیخنا استہلال ہے۔

۱۲ بیہقی لغوی نے تاج المصادر ج ۲ ص ۲۳۲ میں لکھا ہے الاہلال۔۔۔۔ آواز بر داشتن ومنہ قولہ تعالیٰ وما اہل بہ لغیر اللہ ای نودی علیہ بغیر اسم اللہ

۱۳ منتخب اللغات میں ہے اہلال در لغت آواز بر داشتن

۱۴ مولوی بدیع الزمان نے لغات القرآن برہامش سبیکۃ الذہب ص میں لکھا ہے اُہِلَّ آواز بلند کردہ شود

۱۵ لغات القرآن ص ۳۰۳ میں ہے اُہِلَّ پکارا گیا۔ اہلال سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ اہلال کے معنے اصل میں چاند دیکھتے وقت آواز لگانے اور پکارنے کے ہیں۔ پھر آواز کے متعلق اس کا استعمال ہونے لگا

چنانچہ ولادت کے وقت بچے کے رونے اور حاجیوں کے لبیک کہنے
کو اہلال کہا جاتا ہے۔ یہاں اہلال کے وہی لغوی اور عرفی معنے یعنی نامزد کرنا،
آواز لگانا اور ذکر کرنا مراد ہے۔ پس جس جانور کو بھی اللہ کے سوا کسی غیر کی
نذر سے نامزد کیا جائے خواہ وہ غیر بُت ہو یا جن یا خبیث رُوح یا پیر یا
پیغمبر یا کوئی مکان یا تھان اور اِس نیت سے ذبح کیا جائے کہ اس سے ان
کی خوشنودی اور تقرب حاصل ہوگا اور وہ اس کی حاجت روائی کریں گے
سو وہ جانور حرام اور مااہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے۔ اور ایسا کرنے
والا مشرک اور دائرۂ توحید سے خارج ہے۔ خواہ وقتِ ذبح ذبیحہ پہ
بسم اللہ کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ اسی طرح وہ جانور جس پر وقتِ ذبح
اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے

11

ما اھل بہ لغیر اللہ
کا مفہوم
علماء تفسیر کے نزدیک

مولانا سید احمد حسن صاحبؒ نے احسن الفوائد ص۳۲ میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ سے یہ مراد ہے کہ کسی جانور کے ذبح کے وقت سوائے خدا کے اور کسی کا نام لے کر اس کو ذبح کیا جائے۔ جس طرح مشرکین مکہ بتوں کے نام لے کر جانور ذبح کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جانور کے ذبح کے وقت خدا کے سوا کسی اور کا نام لے کر اسے ذبح کیا جائے جس طرح مشرکین مکہ بتوں کے نام لے کر جانور ذبح کرتے تھے یا ذبح سے پہلے خدا کے سوا کسی اور شخص کی تعظیم کی غرض سے کسی جانور کو اس شخص کے نام کا ٹھیرا کر ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت بطور عادت اور رسم کے اللہ کا نام لیا جائے' یہ سب حرام ہے۔

صحابہؓ اور تابعینؒ نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح سمجھی ہے جس طرح کا مطلب اوپر بیان ہوا ہے۔ اور اسی طرح صحابہؓ اور تابعینؒ نے فتوے دیے ہیں

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ عجمی لوگ اپنی عیدوں میں جو جانور ذبح کرتے ہیں اور اُن جانوروں کا گوشت مسلمانوں کو تحفہ کے طور پر بھیجتے ہیں وہ گوشت کھانا چاہیے یا نہیں؟۔

آپؓ نے فرمایا کہ نہیں۔

ایک عورت نے اپنی گڑیا کا بیاہ کیا۔ اور اس بیاہ میں کچھ جانور

ذبح کیے۔ ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے اس گوشت کی بابت مسئلہ پوچھا۔ فرمایا کہ یہ ذبیحہ بُت کا کہلائے گا۔ اس کا گوشت حرام ہے۔

اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا ذکر اور اس میں علماء کا جو کچھ اختلاف ہے اس کا تفصیلی ذکر سورۂ مائدہ میں آوے گا لیکن حاصل کلام اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ ہے کہ

اگر معلوم ہو جائے کہ کسی اہلِ کتاب نے اللہ کے نام کے سوا جانور کو مثلاً مسیح کے نام پر ذبح کیا ہے تو بہ موجب اس آیت کے حرام ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اہلِ کتاب نے کس نام سے یہ جانور ذبح کیا ہے تو وہ گوشت مسلمان کو بہ موجب آیت وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ جائز ہے۔

مولنا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ نے اس آیت کے فائدہ میں لکھا یعنی جس جانور پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لے کر ذبح کیا جاوے تو حرام ہے۔ اسی حکم میں وہ جانور ہے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نامزد کر دیا جاوے جیسے میران کا بکرا وغیرہ خواہ اس کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لے کر اور بسم اللہ پڑھ کر کیوں نہ ذبح کریں۔ لیکن پھر بھی اس کا کھانا حرام ہے۔

مولنا فتح محمد صاحب جالندھری نے اس آیت کے فائدہ میں لکھا ہے کہ یہ معنے (جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جاوے) لغوی معنے

کے بنا پر کیا گیا ہے۔ لغت میں اِہلال کے معنے آواز بلند کرنے کے ہیں مفسرین جو اس لفظ کے معنوں میں ذبح کا لفظ شامل کرتے ہیں وہ شانِ نزول کے لحاظ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ جاہلیت میں جو جانور غیرِ خدا کے لیے مقرر کیا جاتا تھا ذبح کرنے کے وقت بھی اس پر اسی غیر کا نام لیا جاتا تھا۔ ورنہ حقیقت میں جو چیز غیرِ خدا کے لیے مقرر کی جائے خواہ وہ جانور ہو یا اور کچھ وہ حرام ہے اس لیے کہ آیت میں حرف مَا استعمال فرمایا گیا ہے جس کے معنے ہیں "جو چیز" اور وہ عام ہے ذبح حیوان اور اور چیزوں کو خواہ وہ کھانے کی ہوں یا پہننے کی یا اور طرح استعمال کرنے کی سب کو شامل ہے۔

چونکہ لغت مقدم ہے اس لیے ہم نے لغوی معنے اختیار کیے ہیں حرمت و حلت میں نیت کو بڑا دخل ہے۔ مثلاً جو جانور غیرِ خدا کے لیے مقرر کیا گیا ہو اس پر ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے یا غیرِ خدا کا حرمت کے لحاظ سے برابر ہے۔ خدا کا نام لینے سے وہ حلال نہ ہوگا۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور غیرِ خدا کے تقرب کے لیے ذبح کیا تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا اور وہ جانور ایسا ہوگا جیسے مرتد کا ذبح کیا ہوا۔

بہرحال نذر کی نیت خدا ہی کے لیے کرنی چاہیے۔ اور ذبح کرنے کے وقت اسی پر اسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کا نام لینا چاہیے کیونکہ وہ اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرانا چاہتا۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ نے لکھا ہے

مراد یہ ہے کہ جس جانور کو بہ طریق تعظیم و عبادت یا بہ قصد تقرب کسی مخلوق کے لیے نامزد کر دیا جائے اور نیت کسی مخلوق کی نذر و نیاز یا بھینٹ کی کر لی جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے خواہ اس کے ذبح کے وقت بسم اللہ بھی کیوں نہ پڑھ لی جائے۔

شیخ سدو کے نام کے بکرے اور اس قبیل کی تمام چیزیں اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں ولا خلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اہل بہا لغیر اللہ (جصاص)

در حدیث صحیح وارد است کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بہ ذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا گیرد زیرا کہ چوں شہرت داد کہ این جانور برائے فلانے است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد (تفسیر فتح العزیز)

جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کارروائی کرائیں گے جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہوتی ہے کہ اس نیت سے بکرا، مرغا وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا ہو۔ البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کر لے پھر حلال ہو جاتا ہے (تھانوی ؒ)

بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم یا سردار کے آنے پر بطور بھینٹ کے ذبح کرے گا تو بھی وہ حرام ہو جائے گا اگرچہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو ...... (در مختار)

بلکہ فقہاء نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ کوئی مسلمان اگر جانور کو تقرب غیر اللہ کے قصد سے ذبح کرے گا تو مرتد ہو جائے گا۔ اور اس کا ذبیحہ مرتد کا

ذبیحہ سمجھا جائے گا۔۔۔ (کبیرہ)

معجز نما کلاں قرآن شریف مترجم بہ دو ترجمہ مع حاشیوں والا میں اسی آیت کے تحت سورۂ مائدہ ص۱۴۲ میں ف۱ میں لکھا ہے

جس چیز پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ چیز حرام ہے۔ اشباہ والنظائر میں لکھا ہے اگر ذبح کیا جائے امیر کے آنے کے وقت یا کسی رئیس کے آنے کے وقت وہ ذبیحہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ کام ان کے لیے دعوت کے طور پر کیا جاتا ہے جو سنت ہے اور ما اہل لغیر اللہ میں داخل نہیں ہے اور فتاویٰ غرائب میں ہے کہ اگر کوئی شخص مہمان کے لیے ذبح کرے وہ جائز ہے۔ کہ ایسی مہمانی کرنی سنت ابراہیمؑ ہے۔

اور ص۲۰۱ میں آیۃ اَوْ فسقا اہل لغیر اللہ بہ کے ف۳ میں لکھا ہے کہ

وہ چیز جس پر نام غیر اللہ کا پکارا گیا ہے جس کا رواج مشرکینِ عرب میں کثرت کے ساتھ تھا،

موجودہ زمانہ میں اس کی مثال مطلب سمجھنے کے لیے اگر معلوم کرنا چاہو تو وہ یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے کسی بزرگ کے مزار کی نذر مانی کہ فلاں کام کے ہونے پر وہاں جا کر یا ان کے نام سے اپنے گھر میں بکرا یا گائے حلال کر دوں گا۔ مثلاً جیسا کہ لوگ مان لیتے ہیں بکرا شیخ سدو کا۔ گائے سید احمد کبیر کی۔ مرغا زین خان کا۔ توشہ شاہ عبدالحق کا صحنک بی بی فاطمہؓ کی نذر نیاز فلاں پیر فقیر کی یہ سب ہے جب غیر اللہ کا نام کسی شے پر لگا تو اس کا کھانا حلال نہ رہا کہ نذر و نیاز کی بابت خدا کے سوا کسی کے سوا کسی کے حق میں اقرار کرنا شرع میں جائز نہیں ہے۔

ما اھل بہ لغیر اللہ کی
تفسیری تعبیرات کی باہم تطبیق

علماء مفسرین نے اہلال کا مفہوم مختلف انداز میں سمجھایا۔ نداء[1]۔ صیحہ[2]۔ رفع صوت[3]۔ ذکر[4]۔ قصد ذبح[5]۔ مگر مقصد میں ان کے تعارض نہیں ہے کیونکہ بعض نے اہلال کے لغوی معنے بتائے اور بعض نے اس معنے سے پیدا ہونے والے اشکال کو رفع کیا۔ اور بعض نے شانِ نزول کو مدنظر رکھ کر دورِ جاہلیت کا حال بتایا۔ اور بعض نے حرمت کی علت سمجھا دی۔ اور بعض نے ما اہل بہ لغیر اللہ کو سائبہ بحیرہ وصیلہ اور حامی سے ممتاز ہونا بتایا سو جن مفسرین نے نداء یا صیحہ یا رفع صوت کے معنے کیے ہیں وہ اہلال کے لغوی بتائے

اور مراد سب کی ہے تشہیر کہ یہ چیز فلاں بزرگ کے تقرب خوشنودی اور تعظیم کے لیے پیش کی گئی ہے اور اگر وہ چیز جانور ہے تو اس کی تشہیر کی جائے کہ یہ اس جانور کی جان فلاں بزرگ کے تقرب کے لیے نثار کرنے کو پیش خدمت ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اس بزرگ کا نام لے یا نہ لے اور اگر اس بزرگ کا نام لے تو اونچے اونچے پکار کر لے (جیسے دورِ جاہلیت میں مشرک لوگ خاص ذبح کے وقت بھی بزرگوں کا نام اونچے اونچے پکار کر باسم اللات والعزیٰ کہتے تھے) یا پست آواز سے بزرگ کا نام لے۔ ہر صورت میں وہ جانور مذبوح حرام ہے۔

اور جن مفسرین نے اہلال کے معنے ذکر کے کیے ہیں ان کی مراد بھی تشہیر ہے خواہ جانور ہو یا غیر جانور اور اگر جانور ہو تو ذبح کے وقت اس

بزرگ کا نام (سرًّا یا جہرًا) لے یا نہ لے بہرحال وہ چیز یا جانور ذبیحہ حرام ہے

اور جن مفسرین نے اہلّ کے بعد قصد بتایا ہے ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ اہلّ کے معنے قصد کے ہیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ ما اہلّ کی حرمت کی اصل علت غیر اللہ کی تعظیم و تقرب و رضا کے لیے ذبح کرنے کی قصد ہونیت ہو خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے یا نہ لے وہ ذبیحہ حرام ہے۔

اور جن مفسرین نے اہلّ کی تفسیر ذبح کے ساتھ کی ہے ان کا مقصد ہے ما اہل بہ لغیر اللہ کا بحیرہ سائبہ وصیلہ حامی سے ممتاز کرنا۔ کیونکہ بحیرہ سائبہ وصیلہ حامی میں نا ذر کا مقصد ان کا ذبح کرنا نہیں ہوتا۔ اور ما اہل بہ لغیر اللہ میں نا ذر کی غرض اراقۃ الدم لغیر اللہ تعالیٰ کے تقرب رضا اور تعظیم کے لیے جانور کی جان نثار کرنا اور خون بہانا ہے۔ اسی لیے بحیرہ سائبہ وصیلہ حامی کے بارے فرمایا کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً ان عرب قبائل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا جو بعض جانوروں (بحیرہ۔ سائبہ وصیلہ حامی) کو بتوں کے لیے خاص کر لیتے تھے۔ اور ان کی سواری اور ان کے گوشت کو حرام سمجھتے تھے۔ کہ اے لوگو! زمین میں جو چیزیں موجود ہیں ان میں سے وہ چیزیں جو شرعًا حلال و پاکیزہ ہوں ان کو کھاؤ

اور اہل لغیر اللہ بہ کو فسق فرمایا جو تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے نام پر نامزد کیا ہو۔ یعنی کسی جانور کو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا ہو اور نیت بھی تقرب کی ہو تو ایسا جانور حرام ہے خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے یا اللہ کا۔

اور یہ سمجھنا کہ اہلّ کے معنے ذبح کے ہوتے ہیں یہ خلاف واقع اور غلط ہے

اور جن مفسرین نے وما اہل بہ لغیر اللہ کا مطلب یہ بیان کیا ای ماذکر

علی ذبحہ غیر اللہ تعالیٰ اس کا مطلب ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ذبائح اہل کتاب کے حلال ہیں اگرچہ ذبح کرتے وقت باسم المسیح یا باسم عزیر کہا گیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ذبائح کو حلال فرمایا ہے۔

اور جن مفسرین نے عند ذبحہ للصنم کا لفظ کہا ہے ان کا مطلب ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے کے مطابق تفسیر کرنا کیونکہ ان کے نزدیک اہل کتاب کا باسم المسیح کہہ کر ذبح کرنا حرمت کا موجب نہیں اس لیے وہ ما اہل بہ لغیر اللہ کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں ما ذبح للصنم والطواغیت

اور زہری نے جو ما اہل بہ لغیر اللہ کے معنے کیے ہیں ما ذکر علیہ اسم المسیح یہ بھی رد ہے ان کا جو اہلِ کتاب کے اس ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں جس کو باسم المسیح یا باسم عزیر کہہ کر ذبح کیا ہو

اور محققین کے نزدیک وہ حرام ہے کیونکہ صدر المفسرین امامنا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم یہود و نصاریٰ کو ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیتے ہوئے سُن لو تو وہ مت کھاؤ اور جب نہ سنو تو کھا لیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ذبائح حلال کیے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ کیا کچھ کہتے ہیں

اور یہی مذہب ہے عائشہ صدیقہؓ کا اور ابن عمرؓ کا۔ اور یہی مذہب ہے حسن بصریؒ، طاؤسؒ، ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ، زفرؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کا ذبح کنندہ وقت جس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے (خواہ حضرت عیسیٰؑ کا نام ہو خواہ عزیرؑ کا نام ہو خواہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہو) وہ حرام ہے نہ کھایا جائے کیونکہ وہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے (تفسیر خازن ص۱۰۲ ج۱)

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر نصرانی حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم کا نام لے کر ذبح کرے یا یہودی حضرت عزیر کے نام سے ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حلال ہے اور یہی مسلک ہے عطاءؒ مکحولؒ حسنؒ شعبیؒ سعید بن مسیبؒ لیثؒ اور اوزاعی کا۔ وہ کہتے ہیں کہ وما اہل بہ لغیر اللّٰہ کے عموم سے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم فرماکر ذبائح اہل کتاب کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے

قاسم بن مخیمرہ فرماتے ہیں نصرانی اگر کنیسہ (چرچ) معبد نصاریٰ کے نام پہ ذبح کرے تو وہ بھی حلال ہے۔ زہری۔ ربیعہ۔ شعبی۔ مکحول سے بھی یہ قول مروی ہے۔ ابوالدرداء و عبادہ بن صامت سے بھی مروی ہے (قرطبی تفسیر)

امام مالک سے ایک روایت کراہت کی ہے (〃)

گویا طبری کہتا ہے کہ اہل کتاب کی ذبیحہ مطلقاً حلال ہے تسمیہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ تسمیہ میں غیر اللہ کا نام لے یا نہ لے۔ کیونکہ ذبح کے وقت تسمیہ شرط نہیں

ذبح کے وقت نیت کا لحاظ ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے نحر کے بارے نیت کا لحاظ فرمایا تھا جو غالب ابو الفرزدق نے نحر کیا تھا اور فرمایا کہ یہ ما اُہِلَّ بہ لغیر اللہ ہے اور آپؓ نے غالب سے یہ نہ پوچھا تھا کہ ذبح کرتے وقت تو نے غیر اللہ کا نام لیا تھا یا نہ۔ معلوم ہوا کہ اگر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا مذبوحہ کی حرمت کے لیے شرط ہوتی اور صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنے سے مذبوحہ حلال ہوتا تو آپؓ اس اونٹ کو ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل کرنے سے پہلے ضرور استفسار فرماتے کہ تو نے اس اونٹ کو نحر کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں اگر کہتا کہ ہاں میں نے نحر کرتے وقت غیر اللہ کا نام

لیا تھا تب آپؓ اس کو حرام کہتے اور ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل کرتے۔ مگر آپؓ نے اس سے استفسار کیے بغیر اس کو ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل کر کے حرام فرمایا جب کہ غالب مسلمان تھا اور مسلمان کے بارے نیک گمان ہی رکھنا چاہیے ظنوا المؤمنین خیراً۔ قرطبی ص۲۲۴/۲ میں ہے الا تری ان علی بن طالب راعی النیۃ فی الابل التی نحرھا غالب ابو الفرزدق فقال رضا انہا مما اہل بہ لغیر اللہ فترکہا الناس۔ اسی طرح بحر محیط ص۴۸۸ میں دراعی علی النیۃ فی ذلک یعنی حضرت علیؓ نے غالب کے نحر کردہ اونٹ کے بارے نیت کا خیال رکھ کر اس کو ما اہل بہ لغیر اللہ کے قبیل سے بنایا۔ اس لیے لوگوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ مبارکہ سن کر اس اونٹ کا کھانا چھوڑ دیا۔

اسی لیے تفسیر عبد الصمد میں ہے کہ امام ابو عاصم عامری محمد بن احمد نے ہمارے اصحاب سے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شہر میں بادشاہ آگیا ہو تو لوگ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کہ خون بہلنے سے وہ ہم پہ خوش ہوگا جانور ذبح کریں تو اس میں سے ذرا سا بھی لینا جائز و حلال نہیں ہے کیونکہ وہ ما اہل بہا لغیر اللہ ہے جو غیر خدا کا قرب اس ذبح کے ذریعے حاصل کیا جا رہا ہے اور (حکم جب مشتق پہ ہوتا ہے تو اشتقاق کا مبدأ حکم کی علت ہوتا ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ حرمت کی علۃ کا مدار تقرب الی غیر اللہ ہے) اور اس میں یہ فرق نہیں کیا گیا کہ ذبح کے وقت اگر غیر اللہ کا نام لیں تب تو حرام ہے ورنہ حلال ہے۔ یہ فرق کیے بغیر کہا کہ مذبوحہ سلطان کے تقرب کے لیے جو ہوا وہ حلال نہیں کیونکہ وہ ما اہل بہا لغیر اللہ ہے اور ذبح سے سلطان کا تقرب مقصود تھا

فتاوٰی عالمگیریہ میں جوہرہ نیرہ شرح قدوری کے حوالے سے لکھا کہ مہمان کے دیکھتے ہی اس کی تعظیم کے لیے جو جانور ذبح کیا گیا ہے اس کا کھانا حلال نہیں اسی طرح امیر وغیرہ کی آمد پر اس کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کیا جائے تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں۔ ہاں البتہ جو جانور مہمان کی غیبوبت میں محض مہمانی کے ذبح کیا جائے اور اس مہمان کی تعظیم اور تقرب مقصود نہ ہو تو اس کا کچھ مضایقہ نہیں ہے۔

حموی بر اشباہ ص۳۵۴

در مختار ص۵۲۳ میں ہے کہ امیر وغیرہ کسی بڑے کے تقرب کے لیے جانور حرام ہے اگرچہ اس پر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے ما اہل بہ لغیر اللہ ہے۔ اور اگر مہمان کی مہمانی کے لیے ذبح کیا جائے اور مہمان کی تعظیم و تقرب و خوشنودی مقصود نہ ہو تب حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور مہمان کی عزت و احترام سے اللہ کے حکم کا احترام ہے۔

دستور القضاۃ میں ہے کہ اگر کسی قوم کی خوشنودی کی خاطر یا کسی بڑے کی آمد پر اللہ تعالیٰ کا نام پہ ذبح کیا گیا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں کیونکہ وہ ذبح اس (قوم یا عظیم انسان) کی تعظیم کے لیے کی گئی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے۔ (اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر اس جانور کو ذبح کیا گیا ہے)

فتاوٰی قاضی خان میں ہے اگر کسی آدمی نے کسی انسان کے منہ کو (اس کی خوشنودی کے لیے) پوشاک پہناتے وقت اور دعوتوں میں مبارکبادی کے وقت جانور ذبح کیا تو اس کے بارے شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا ہے کہ یہ تو کفر ہے اور مذبوح مردار ہے اس کو نہ کھایا جائے اور شیخ امام اسمٰعیل

زاہد نے فرمایا ہے کہ جب کوئی آدمی دعوتوں یا جماعتوں میں گلے یا اونٹ ذبح کرے تو علماء کی جماعت کہتی ہے کہ یہ کفر ہوتا ہے

الاشباہ[۴۴] والنظائر میں ابن نجیمؒ نے فرمایا ہے کہ جانور کا ذبح کبھی تو کھانے کے لیے ہوتا ہے اور ایسی ذبح یا مندوب ہوتی ہے یا مباح - اور یا جانور کی ذبح قربانی کے لیے ہوتی ہے تو ایسی ذبح عبادت ہوتی ہے - اور یا جانور کی ذبح کسی امیر یا کسی عظیم کی آمد پر ہوتی ہے تو ایسی ذبح حرام ہے یا کفر ایک کے مطابق (المبحث الاول سے فی النیۃ ص۴۴)

اور کتاب تصحیح الذبح والاضحیہ میں لکھا ہے کہ امیر یا کسی عظیم کی آمد کے موقعہ پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں (ق ص۴۵)

اس مقام پر حموی دیکھیں ص۴۵

ابو الفتح مرغینانی نے فصول الاحکام فی اصول الاحکام المعروف بہ فتاویٰ عمادی یا الفصول العمادیہ میں لکھا ہے باب مایکون کفراً...... جو آدمی کسی انسان کے منہ کو اس کی آمد پر ذبح کرے اور دعوت کرے تو وہ ذبح کرنے والا کافر ہوگیا اور مذبوحہ مردار ہے - فتاویٰ ذخیرۃ میں بھی اسی طرح ہے -

ابو عبیہ نے فتاویٰ غرائب (قلمی ورق ۲۹۹ و ۲۹۱) میں لکھا ہے کہ جانور کے ذبح کرنے میں یہ شرط ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح کے وقت اکیلی ذات اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی قصد و نیت کے ساتھ تسمیہ کو دوسروں سے مجرد رکھے - اب اگر ذبح میں خالص اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا قصد و نیت فوت ہوگئی باین طور کہ اس ذبح سے مقصود اس عظیم آدمی کا تقرب ہو تو وہ جانور حلال نہ ہوگا اگرچہ اس کے عین ذبح کے وقت بسم اللہ کہے - تو اس بنا پر یہ جو جاہل لوگ قبورِ مشایخ و شہداء وغیرہم پر ذبح کرتے ہیں اور کسی مکان کی خرید

پر یا نیا مکان بنانے پر اور کنواں اور حوض بنانے پر اور شہر میں امیر کی آمد پر اور گھوڑوں گدھوں اور خچروں کا اصطبل وغیرہ کے بناو کے موقعہ پر ذبح کرتے ہیں یہ جب غیر اللہ کے لیے ہو احرمت کا موجب ہے اگرچہ بوقتِ ذبح اس پر اللہ کا نام لیں۔ اور ایسا کرنے سے یہ لوگ کافر ہو جاتے ہیں)۔ اور یہ وہ مسئلہ ہے جس سے خواص لوگ (علماء) بھی غفلت میں ہیں پھر عام لوگوں کے بارے کیا کہا جائے (۱)

امام اسمٰعیل زاہد نے فرمایا ہے کہ جب کوئی آدمی اونٹ یا گائے دعوتوں میں اس لیے ذبح کرتا ہے کہ فلاں حج یا غزوہ سے واپس آیا ہے (اور وہ میرے اس عمل سے خوش ہوگا) تو اس ذبح کرنے والے بارے میں حضرت ۱ شیخ امام ابو عبداللہ خراجری، ۲ شیخ امام ابو حفص سفکردری، ۳ قاضی امام ابو علی نسفی، ۴ حاکم امام ابو عبد الرحمٰن کاتب، ۵ شیخ امام عبد الواحد بن دبیر الحدیہ، ۶ شیخ امام ابو اسحاق نوقدی، ۷ حاکم امام ابو محمد کوفی (کنفی) نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (حنفی ہیں)

بستان الفقیہ اور کنز العباد میں بھی اسی طرح کی عبارتیں ہیں۔ اور فتاویٰ عمادیہ میں بھی انہی علماء کے فتوے اسی طرح نقل کیے ہیں۔

مطالب المؤمنین، نصاب الاحتساب، غرائب الفقیہ، فتاویٰ ابراہیم شاہی میں بھی حرمت کا فتویٰ دیا اگرچہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہو۔

امام نووی شافعی نے شرح صحیح مسلم ص ۱۶۰ ج ۲ میں اور نیل الاوطار ص ۱۴۵ ج ۸ میں تحت حدیث لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ کے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کی خاطر ذبح کیا ہو مثلاً صنم یا صلیب یا موسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام یا کعبہ (یا چرچ) وغیرہ کے لیے ذبح کرے تو یہ سب

حرام ہے۔ اور اس ذبیحہ کا کھانا حلال نہیں خواہ اس کا ذبح کرنے والا مسلمان ہو خواہ کافر۔ اور یہی مذہب ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا۔ اور اس کے اصحاب کا۔ پھر اگر اس عمل کے ساتھ اس ذبح کرنے والے کے قصد اور نیت میں ہو تعظیم غیر اللہ کی اور عبادت اس کی تو یہ کفر ہو جائیگا پس اگر وہ ذبح کرنے والا اس سے پہلے مسلمان تھا تو اب اس ذبح کی وجہ سے مرتد ہو گیا۔

اور شیخ ابراہیم مروزیؒ نے جو اصحاب شافعی میں سے ہے ذکر فرمایا ہے کہ جس نے سلطان کے استقبال کے وقت اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا تو اہل بخارا اس کی تحریم کا فتویٰ دیا کیونکہ یہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں سے ہے۔

ابو حلبی علیہ الرحمۃ نے ہدایۃ المہتدی میں لکھا کہ اگر اللہ کا نام لے کر مہمان کی ضیافت کے لیے جانور ذبح کیا تو اس کا کھانا حلال ہے کہ یہ ذبح صرف اللہ کے لیے ہے اسی لیے وہ خود بھی اپنے آگے رکھ کر کھاتا ہے اور اگر امیر یا کسی عظیم کی آمد پر ذبح کیا تو اگرچہ بوقت ذبح بسم اللہ کہی ہو پھر بھی وہ حرام ہے کیونکہ یہ ذبح اس کی تعظیم کے لیے ہے نہ اللہ کی تعظیم کے لیے اسی لیے اس میں سے وہ خود نہیں کھاتا بلکہ دوسرے کو دیتا ہے۔ (حموی ص ۴۵۰)

مطالب المومنین میں ہے کہ اگر اللہ کا نام لے کر مہمان کی مہمانی کے لیے جانور ذبح کیا تو حلال ہے اور اگر امیر یا کسی عظیم کی آمد پر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہو تو حلال نہیں کیونکہ جو مہمان کی مہمانی کے لیے ذبح کیا گیا ہے وہ اللہ کے رضا کے لیے ہے و نفع مہمان کا ہے اسی لیے اس کے آگے وہ گوشت رکھتا ہے اور وہ اس میں سے کھاتا ہے اور جو امیر وغیرہ

کی آمد پر ذبح کیا گیا ہے اس میں امیر کی تعظیم ہے نہ اللہ کی۔ اسی لیے اس کے پاس گوشت نہیں رکھتا بلکہ دوسروں کو دیتا ہے قنیۃ یونہی ہے

بزازیہ

تحفۃ الفقہاء میں ہے نیا مکان بنانے کے بعد اور مکان خریدنے کے وقت ذبح کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبائح الجن سے منع فرمایا ہے محدث بیہقی نے سنن کبریٰ میں امام زہری سے روایت کی اور اس کی تفسیر محقق ابن اثیر جزری نے النہایہ میں کی کہ جاہلیت کے دور میں ان لوگوں کی عادت تھی کہ جب لوگ کوئی مکان خریدتے یا کوئی چشمہ نکالتے یا کوئی مکان بناتے تو جنوں کی تکالیف سے ڈر کر جانور ذبح کرتے تھے تاکہ جنات انہیں دکھ نہ دیں تو ان ذبائح کی نسبت ان کی طرف کرتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے۔ احمد بن حنبل و مسلم نے اسے روایت کیا۔ یہاں بھی نیت کا لحاظ رکھا گیا

بستان الفقیہ اور کنز العباد میں ہے کہ قبروں کے پاس گائے یا بکری کا ذبح کرنا جائز نہیں۔ سنن ابی داؤد میں اسی طرح ہے۔ اور اسی طرح نئے مکان بنانے یا خریدنے کے موقع پر جانور کا ذبح کرنا ناجائز ہے کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبائح الجن سے اسی بناء پر منع فرمایا کہ لوگ ان جنات کا عزت و احترام کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا اور اس جاہلی عمل سے روک دیا

اور شیخ عبداللہ شمس الدین نے فرمایا کہ جانور کا ذبح کرنا محض مہمان کی عزت و احترام کے لیے ہے جس کی علامت یہ ہے کہ ذبح کر کے ڈال دیا جائے

اور اس مہمان پر نثار کیا جائے کھانا مقصود نہ ہو تو وہ ذبیحہ حرام ہے
مولنا احمد حسن صاحب نانوتوی اور مولنا خرم علی صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ فتاوٰی درمختار کے فوائد میں لکھا ہے ا یہ جو ہندوستان میں جاہلوں میں رواج ہے کہ منت مان کر سید احمد کبیر کی گائے اور شیخ سدو کا بکرا ذبح کرتے ہیں وہ گائے اور بکرا مُردار ہے اس واسطے کہ ذبح سے تعظیم غیر خدا اور تقرب مخلوق کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور یہ جو بعضے لوگ کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت خدا کا نام ذکر کرنے سے وہ ذبیحہ حلال و پاک ہو جاتا ہے۔ گو نیت عوام کی خراب ہو سو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ درصورت تعظیم غیرِ خدا ذبیحہ مردار ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بوقت ذبح اللہ کا خاص نام لیا جائے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے حدیث مرفوع مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعن اللّٰہُ مَن ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہ یعنی خدا لعنت کرے اس پر جو غیر خدا کے واسطے ذبح کرے۔ (غایۃ الاوطار ص ۱۸۰/۴)

مختصر درمختار (ص ۹۵/۴) میں ہے ذبح کیا حاکم کے آنے پر یا حاکم مانند کسی اور جلیل القدر شخص کے آنے پر تو وہ ذبیحہ حرام ہے اگرچہ ذابح نے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو اس واسطے کہ اسے غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا

سید عبدالدائم جلالی نے لغات القرآن (ص ۳/۱۰۴) میں لکھا ہے کہ پس جس جانور کو بھی اللہ کے سوا کسی غیر کی نذر سے نامزد کیا جائے خواہ وہ غیر بت ہو یا جن یا خبیث روح یا پیر یا پیغمبر یا کوئی مکان یا تھان۔ اور اس نیت سے ذبح کیا جائے کہ اس سے ان کی خوشنودی اور تقرب حاصل

ہوگا اور وہ اس کی حاجت روائی کریں گے تو وہ جانور حرام اور مَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل ہے۔ اور ایسا کرنے والا مشرک اور دائرۂ توحید سے خارج ہے۔ خواہ وقتِ ذبح ذبیحہ پر بسم اللہ کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ اسی طرح وہ جانور جس پر وقتِ ذبح اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے

عزیز الفتاویٰ ص۹۰ میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ جو قول شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ کا ہے وہی حنفیہ کا مذہب اور قول ہے در مختار ردو غیرہا میں اس کی تصریح ہے۔

اور مفسرین نے جو قید عند الذبح کی لگائی ہے وہ اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ موافق عادت کفار کے ہے کہ وقت ذبح کے غیر اللہ کے نام پکارتے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ما اہل بہ لغیر اللہ حلال ہے

اور ص۹۰ میں لکھا: وہ جانور (جو کسی پیر جیسے شیخ سدو وغیرہ کے نام سے کیا ہو یعنی نذر غیر اللہ ہو جائے اور بوقتِ ذبح اس پر بسم اللہ اللہ اکبر بھی پڑھ لیا جائے تو یہ بکرا / ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے تسمیہ عند الذبح سے وہ حلال نہیں ہوتا۔ اور ما اہل بہ لغیر اللہ رفع الصوت عند الذبح کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ کتبِ فقہ حنفیہ میں ایسا ہی ہے۔ اور تحقیق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی بھی اس بارہ میں یہی ہے وہی احق بالقبول ہے۔

عند الذبح کی قید احترازی نہیں بلکہ باعتبار رواج غالب اہل عرب کے ہے

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ نے یہ جو فرمایا ہے کہ مفسرین نے جو قید عند الذبح کی لگائی ہے وہ...... موافق عادت کفار کے ہے۔ یہ بجا ہے چنانچہ بیضاوی نے ص۱۳۲ ج۲ میں ہے لما جرت العادۃ ان یرفع الصوت بالتکبیر اذا ذبح سمی ذلک اہلالاً

تفسیر مدارک میں ہے و ذلک لانہم کانوا یذبحون لاصنامہم یتقربون بذبحہا فحرم اللہ کل ذبیحۃ یتقرب بذبحہا الی غیر اللہ تعالیٰ ولذلک قال الفقہاء ان الذابح لو سمی النبی ص مع اللہ فقال بسم اللہ و محمد حرمت الذبیحۃ

نیشاپوری نے ص۹۵ میں کہا وکانوا یقولون عند الذبح باسم اللات والعزی

ابن قتیبہ نے غریب القرآن ص۶۹ میں کہا وانما قیل ذلک لانہ یذکر عند ذبحہ غیر اسم اللہ

امام رازی نے ص۳۵۶ ج۱ میں کہا وکانوا یقولون عند الذبح باسم اللات والعزی فحرم اللہ ذلک۔

تفسیر ابو السعود ص۲۲۶ ج۱ میں ہے ما جرت العادۃ برفع الصوت بالتکبیر عند ما سمی ذلک اہلالاً۔ ثم قیل لرفع الصوت وان کان لغیرہ

تفسیر ابن جریر ص۵۰ ج۲ میں ہے وانما قیل وما اہل بہ لانہم کانوا اذا ارادوا

ذبح ما قربوه لآلهتهم سموا اسم آلهتهم التي قربوا ذلك لها وجهروا بذلك
اصواتهم فجرى ذلك من امرهم على ذلك حتى قيل لكل ذابح يسمي اولم يسم
جهر بالتسمية اولم يجهر محل - فرفعهم اصواتهم بذلك هو الاهلال الذي ذكره
الله تعالى الخ

تفسیر خازن ج۱ ص۱۰۲ سورۂ مائدہ میں ہے ما اهل لغير الله به يعني ما ذكر على
ذبحه غير اسم الله وذلك ان العرب في الجاهلية كانوا يذكرون اسماء
اصنامهم عند الذبح فحرم الله ذلك بهذه الآية

کتاب التسهيل لعلوم التنزيل ج۱ ص۶۶ میں محمد بن احمد بن جزی الکلبی رح
نے لکھا ما اهل به لغير الله اي صيح لانهم كانوا يصيحون باسم من ذبح له - ثم
استعمل في النية في الذبح

شیخ زادہ نے شرح بیضاوی ج۱ ص۴۳۰ میں لکھا والباء بمعنى في ولابد من
حذف مضاف اي في ذبحه لان المعنى ما صيح في ذبحه لغير الله - والعرب كانوا
يسمون الاوثان عند الذبح ويرفعون اصواتهم عند ذبحهم بذكرها - فمعنى قوله
وما اهل به لغير الله ما ذبح للاصنام والطواغيت

اور ص۹۲ تکملہ جلد اول میں کہا وكانوا يقولون عند الذبح باسم اللات
والعزى فحرم الله تعالى ذلك بقوله وما اهل به لغير الله اي ما ذكر عليه غير اسم الله
. اسماعیل حقی نے روح البیان ج۱ ص۲۷۴ میں لکھا ہے وكانوا اذا ذبحوا لآلهتهم
يرفعون اصواتهم بذكرها ويقولون باسم اللات والعزى فجرى ذلك من
امرهم حتى قيل لكل ذابح وان لم يجهر بالتسمية مهل .

تفسیر مظہری ج۱ ص۱۶۱ میں مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح نے لکھا ہے وكان
الكفار اذا ذبحوا لآلهتهم يرفعون اصواتهم بذكرها فجرى ذلك من امرهم

حتی قیل لکل ذابح وان لم یجہر مُہِل

تفسیر کبیر طبع جدید ج ۵ ص ۱۲ میں امام فخر الدین رازی رح نے لکھا ہے لان العرب کانوا یسمون الاوثان عند الذبح ویرفعون اصواتہم بذکرہا

تفسیر مدارک ص ۲۲۶ میں علامہ نسفی رح نے لکھا ہے وہو قولہم باسم اللات والعزی عند ذبحہ۔

معالم التنزیل ص ۲۳۶ میں مفسر بغوی رح نے لکھا ہے وکانوا اذا ذبحوا لآلہتہم یرفعون اصواتہم بذکرہا فجری ذلک من امرہم حتے قیل لکل ذابح وان لم یجہر بالتسمیۃ مہل

خازن ص ۱۰۳ میں ہے وذلک انہم کانوا یرفعون اصواتہم بذکر آلہتہم اذا ذبحوا لہا فجرے ذلک مجری امرہم وحالہم حتی قیل لکل ذابح مُہِلٌّ وان لم یجہر بالتسمیۃ

اسی طرح دوسری تفاسیر میں علماء مفسرین نے تحریر فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام علماء اسلام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی قصد و نیت سے کوئی جانور ذبح کرے گا وہ مسلمان مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور مرتد کا ذبیحہ اور مردار ہوگا اور یہ کسی عالم نے فرق نہیں کیا کہ اس تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرتے وقت اس مذبوح لہ کا نام لینے سے تو مرتد ہوگا۔ اور اگر صرف اللہ تعالیٰ کا نام لے گا تو نہ وہ مسلمان مرتد ہوگا اور نہ ہی اس کی ذبیحہ مردار ہوگی۔

چنانچہ تفسیر نیسابوری ص ۲۰ میں ہے قال العلماء (وفی نسخۃ اجمع العلماء) لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحۃ

ذبیحۃ ذبیحۃ مرتد

اور تفسیر کبیر ص۸۱ میں بھی بعینہٖ یہی عبارت ہے

اور روح البیان ص۲۷ج۲ میں اسماعیل حقی نے بھی یہی کہا کہ قال العلماء لو ذبح مسلم ذبیحۃ وقصد بہا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدًا و ذبیحتہ میتۃ ۔ حاشیہ بیضاوی ص۲۲۱ج۲ میں شیخ زادہ نے یہی عبارت لکھی-

اور تفسیر عبد الصمد میں ہے وذکرہ الامام ابو عاصم العامری محمد بن احمد عن اصحابنا ان سلطانًا لو دخل بلدًا فذبح الناس الذبائح تقربًا الیہ بذبحھا واراقۃ دمہا لم یحل تناول شئ منہا لانہ قد اہل بہا لغیر اللہ و یتقرب بذبحہا الی غیرہ ۔

تفسیر جلاد میں ہے فحرم اللہ کل ذبیحۃ یتقرب بذبحہا الی غیر اللہ یہاں اس حرمت کے کوئی قید نہیں لگائی اس لیے کہ حرمت دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ ذبح کرتے وقت صرف اللہ کا نام لیا جائے یا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام بھی لیا جائے۔

اور دیگر جمیع فقہاء نے عند الذبح کی قید نہیں لگائی بلکہ مطلقا حرمت کا فتویٰ لگایا۔

پھر بعض مفسرین نے کلمہ تمثیل کا ذکر فرمایا جس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کے کلمات نہ کہ بعینہ یہی کلمات خاص ذبح کے وقت بولیں تب یہ لوجہ حرام ہوگا ورنہ حرام نہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مفسرین کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب ۔ لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسباب نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں ہوتا۔ دیکھو قرطبی ص ـــ بحر المحیط ص

تفسیری تعبیراتِ مختلفہ کی تطبیق کی وضاحت مثال سے

بعض کے اذہان اس بات کو نہیں سمجھتے کہ مفسرین کرام ایک آیت کی مختلف تفسیریں کر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اختلاف کیوں ہے؟

دراصل ان کی عادت یہ نہ تھی کہ آیت کے تمام مصادیق بیک وقت بتا دیں۔ وہ شاگرد کی حالت اور استعداد وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر ایک شرح کر دیتے تھے اور خاص مصداق کا ذکر کر دیتے تھے۔ ان کا مقصد عام کی تخصیص کرنا یا مطلق کو مقید کرنا نہ ہوتا تھا۔ آج کل کے لاعلم لوگ ان کی عادت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے ان تفسیروں میں تضاد سمجھ لیتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایک ہی مفسر کی مختلف تفسیریں سن کر حیران پریشان ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کا باہم کوئی تعارض نہیں ہوتا۔

اس لیے ہم اس کو ایک دو مثالیں دے کر واضح کرنا چاہتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم میں اولی الامر کے مفہوم بتانے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔

۱ جابر بن عبداللہؓ مجاہدؒ مالکؒ کے نزدیک اہل القرآن والعلم ہیں

۲ ضحاکؒ کے نزدیک فقہاء و علماء فی الدین

۳ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے اشارہ ہے تمام ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف

۴ مجاہد سے ایک روایت ہے کہ مراد اولی الامر سے خاص صحابہؓ محمدﷺ ہیں۔

۵ ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، سدی، ابن زید نے فرمایا امراء مراد ہیں۔

۶ میمون، مقاتل، کلبی کہتے ہیں کہ سرایا کے امراء مراد ہیں۔

۷ تبریزی نے کہا کہ مراد مہاجرین و انصار ہیں۔

۸ بعض نے کہا کہ اولی الامر سے مراد صحابہؓ و تابعین رحؒ ہیں
۹ بعض نے کہا کہ اولی الامر سے مراد خلفاء اربعہ رضؓ ہیں۔
۱۰ شیعہ کہتے ہیں کہ مراد اولی الامر سے علی رضؓ ہیں یا ائمہ اہل بیت -
۱۱ زمخشری نے کہا کہ مراد اولی الامر سے امراء حق ہیں نہ امراء ظلم و جور
۱۲ بعض نے کہا کہ متدین علماء مراد ہیں جو لوگوں کو دین حق سکھلاتے ہیں اور ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔
۱۳ ابن حیان نے النہر المادۃ ج۲ میں لکھا کہ اولی الامر سے ہر وہ ولی مراد ہے جس کو ولایۃ صحیحہ شرعیہ حاصل ہو۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کا شان نزول امراء سرایا بتایا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ اولی الامر کی جو تفسیر میمونؒ مقاتلؒ اور سدی نے کی ہے وہ بھی شان نزول کو سامنے رکھ کی ہے) اور اس کے بعد دوسرے اقوال نقل کر کے فرمایا کہ ظاہر قرآن مجید کی عبارت شریفہ کا یہ ہے کہ امراء ہوں یا علماء، اولی الامر ان سب کو شامل ہے اتو تمام مفسرین کی تفسیر میں تباین یا تناقض اور تعارض نہیں ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اولی الامر کے ضمن میں ابوبکر عمر علی خلفاء اربعہ بلکہ سب صحابہ مہاجرینؓ و انصارؓ و تابعینؒ بلکہ تمام امراء حق مراد ہیں جن کو ولایت صحیحہ شرعیہ حاصل ہے، اور تدین کے وصف کے ساتھ متصف ہوں اور لوگوں کو دین حق سکھاتے ہوں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوں خواہ وہ سرایا کے امیر ہوں یا وُلاۃ و قضاۃ و سلاطین و خلفاء و علماء و فقہاء مجتہدین بشرطیکہ معصیۃ کا حکم نہ دیں ورنہ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ (تو یہی صحیح کی بات ہے -آیت کے عموم ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مراد ہے اور یہ بھی مراد ہے نہ کہ یہی ایک مراد ہے، دوسرا نہیں

اور مثال سنیے فرمان الٰہی ہے قد جاءکم من اللہ نور۔ میں نور سے مراد کیا ہے۔ ۱۔ بعض کہتے ہیں کہ نور سے مراد قرآن مجید ہے۔
۲۔ بعض نے رسول اللہ صلعم مراد لیا ۳۔ بعض نے اسلام (دین) مراد لیا۔
۴۔ بعض نے موسیٰ علیہ السلام مراد لیا ۵۔ بعض نے نور سے اول قصہ (؟)
قضیہ مراد لی ہیں جیسے تفسیر رحمانی میں مفسر مہائمی نے لکھا ہے
مگر ان تمام تفاسیر میں نہ تباین ہے نہ تعارض و تناقض۔ کیونکہ ان سب پر نور کا اطلاق درست ہے۔

امام الہند شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کا فتویٰ

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فتاوی عزیزی ص ۴۳ پر سوال و جواب کی صورت میں لکھا جو درج ذیل ہے۔

سوال کسی شخص نے یہ نیت کی کہ اگر فلاں کام کا انجام میرے حسب خواہ ہو جائے تو سید احمد کبیر کی گائے یا شیخ سدو وغیرہ کا بکرا میں دوں گا۔ پھر جب مراد اس کی پوری ہوئی تو اس نے خدا کا نام لے کر گائے ذبح کی۔ مگر اس نے دل میں سید احمد کبیر یا شیخ سدو کے ساتھ گائے کی نسبت کی۔ اور یہ حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات یعنی عمل کا دارو مدار نیت پر ہے اور دوسری حدیث میں ہے ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم ونیاتکم۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی صورتوں کی طرف نہیں نظر کرتا بلکہ تم لوگوں کے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے ونیۃ المؤمن خیر من عملہ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیت کو ضرور دخل ہے تو صورت مذکورہ میں ایسی گائے وغیرہ کا گوشت کھانا درست ہے یا نہیں

جواب: یہ امر کہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام اس کا دار و مدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے۔ اگر اُس کی یہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں نزدیکی حاصل ہو یا یہ غرض ہو کہ اس کا گوشت خود کھاوے یا یہ منظور ہو کہ وہ گوشت فروخت کیا جاوے اور اس سے نفع حاصل ہو یا اس ذبح سے کوئی اور امر جائز مقصود ہو تو ان سب صورتوں میں وہ ذبیحہ حلال ہے۔ اور اگر ذبح سے کوئی دوسری غرض فاسد ہے تو وہ ذبیحہ حرام ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں کلام پاک اللہ جل شانہٗ وما اهل به لغير الله کی تفسیر میں لکھا ہے قال العلماء: ولو ان مسلما ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتدا وذبيحته ذبيحة مرتد یعنی علماء کا قول ہے کہ اگر کسی مسلمان نے

کوئی ذبیحہ ذبح کیا اور اس ذبح سے اس کا یہ مقصود ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی نزدیکی حاصل ہو تو وہ شخص مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ مرتد کے ذبیحہ کے مانند ہو گیا

وفی الدر المختار ذبح لقدوم الامير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله تعالى- ولو ذبح للضيف لا يحرم لانه سنة الخليل عليه السلام واكرام الضيف اكرام الله تعالى- والفارق انه ان قدمها لياكل منها كان الذبح لله تعالى والمنفعة للضيف او للوليمة او للمربح- وان لم يقدمها لياكل بل يدفعها لغيره كان لتعظيم غير الله فيحرم- وهل يكفر؟ قولان! بزازيه وشرح وهبانية- قلت وفي صيد المنية انه يكره ولا يكفر لانا لانسيئ الظن بالمسلم انه يتقرب الى الآدمي بهذا النحر ونحوه في شرح الوهبانية عن الذخيرة ونظمه فقال ؎

و فاعلہٗ جمہورہم قال کافر، و فضل و اسمٰعیل یقین نکفر

کذا فی مطالب المؤمنین والاشباہ والنظائر

یعنی درمختار میں لکھا ہے کہ کوئی جانور ذبح کیا گیا امیر وغیرہ کسی بڑا کے آنے کی خوشی میں تو وہ ذبیحہ حرام ہے کیونکہ اس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا اگرچہ وہ جانور اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو۔ اور اگر مہمان کے واسطے ذبح کیا تو وہ ذبیحہ حرام نہیں اس واسطے کہ یہ سنت حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی ہے اور مہمان کی تعظیم کرنا گویا اللہ کی تعظیم کرنا ہے اور فرق ذبیحہ کے حلال اور حرام ہونے میں یہ ہے کہ اگر اس ذبح سے گوشت کا کھانا مقصود ہو تو ذبح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے واسطے ہوگا۔ اور یہ مقصود ہوگا کہ مہمان کو اس سے فائدہ ہو یا وہ گوشت طعام ولیمہ میں صرف ہوگا اور یا وہ گوشت فروخت کیا جائے گا تا اس سے نفع حاصل ہو۔ اور اگر وہ گوشت کھانے کے واسطے مہمان کو نہ دیا بلکہ کسی غیر کو دے دیا تو وہ ذبح غیر اللہ کی تعظیم کے لیے ہوا تو وہ ذبیحہ حرام ہو گیا اور ایسا ذبح کرنے والا کیا کافر ہو جائے گا ؟ اس میں دو قول ہیں یہ بزازیہ اور شرح وہبانیہ میں ہے

میں یہ کہتا ہوں کہ منیہ میں شکار کے بیان میں ہے کہ اس طور سے ذبح کرنا مکروہ ہے اور ذابح کافر نہ ہوگا اس واسطے کہ ہم لوگ مسلمان کے بارہ میں بدگمانی نہیں کر سکتے کہ مسلمان اس نیت سے ذبح کرے گا کہ آدمی سے نزدیکی حاصل کرے۔ اور ایسا ہی شرح وہبانیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے۔ اور اس مسئلہ کو نظم میں بیان کیا ہے اس کا مضمون یہ ہے

ایسا ذبح کرنے والا جمہور کے نزدیک کافر ہے اور فضل اور اسمٰعیل کے

نزدیک کافر نہیں - ایسا ہی مطالب المؤمنین اور اشباہ والنظائر میں ہے -
وفی الحدیث لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ رواہ احمد وایضا ملعون من ذبح
لغیر اللہ رواہ ابو داؤد - وفی غرائب ابی عبید وبستان الفقیہ وکنز العباد
انہ لایجوز ذبح البقر والغنم عند القبور لقولہ علیہ السلام لاعقر فی الاسلام یعنی
عند القبور کذا فی سنن ابی داؤد وکذا لایجوز علی البناء الجدید وعند شراء
الدار لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن ذبائح الجن بناء علی انہم یکرمون -
فابطل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونہی عنہ وکذا فی کتب الشافعیۃ کما قال
النووی فی شرح صحیح مسلم فی تفسیر ما خرجہ عن قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ
من لعن والدہ ولعن اللہ من ذبح لغیر اللہ فالمراد بہ ان یذبح بغیر اسم اللہ کمن
ذبح للصنم او للصلیب او لموسی او لعیسی علیہما السلام او للکعبۃ ونحو ذلک
فکل ہذا حرام - ولا تحل ہذہ الذبیحۃ سواء کان الذابح مسلما او نصرانیا او
یہودیا کما نص علیہ الشافعی - واتفق علیہ اصحابنا - فان قصد مع ذلک تعظیم
المذبوح لغیر اللہ والعبادۃ لہ کان ذلک کفرا - فان کان الذابح مسلما قبل
ذلک صار بالذبح مرتدا - وذکر الشیخ ابراہیم المروزی عن اصحابنا ان ما یذبح
عند استقبال السلطان تقربا الیہ افتی اہل بخارا بتحریمہ لانہ مما اہل بہ لغیر اللہ
وقال الرافعی ہذا انما یذبحونہ استبشارا بقدومہ فہو کذبح العقیقۃ لولادۃ
المولود - ومثل ہذا لایجری فیہ التحریم - واللہ اعلم -

یعنی حدیث میں ہے کہ لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اس پر جس نے غیر اللہ کی
تعظیم کے لیے ذبح کیا اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا - اور یہ بھی
حدیث میں ہے کہ وہ ملعون ہے جس نے غیر اللہ کی تعظیم کے لیے ذبح کیا -
اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا -

اور کنز العباد میں ہے کہ اور بستان الفقیہ اور مذاہب ابی عبید اور بعض کو قبروں کے نزدیک اس واسطے جائز نہیں ہے ذبح کرنا گائے اور بکری کو قبروں کے نزدیک ذبح کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا عقر یعنی قبروں کے نزدیک ذبح کرنا اسلام میں نہیں۔ ایسا ہی سنن ابی داؤد میں ہے۔ اور ایسا ہی نہیں جائز ذبح نئی عمارت بنانے کے وقت اور مکان خریدنے کے وقت اس واسطے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا جن کے ذبیحہ سے اور ہم کہ اس ذبح سے جن کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ذبیحہ کو باطل فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا اور ایسا ہی شافعیہ کی کتب میں ہے۔

چنانچہ نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے تفسیر میں آن حضرت صلعم کی اس حدیث کے کہ لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اس پر جس نے اپنے باپ پر لعنت کی اور لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اس پر جس نے غیر اللہ کی تعظیم کے لیے ذبح کیا۔ تو اس سے یہ مراد ہے کہ ذبح کرے غیر اللہ کے نام سے۔ مثلاً ذبح کرے بغرض تعظیم بت یا صلیب یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے یا کعبہ وغیرہ کی تعظیم کے لیے تو یہ سب حرام ہے اور ایسا ذبیحہ حلال نہیں خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی۔ ایسا ہی امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے۔ اور اسی پر ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے۔ تو اگر باوجود اس کے ذابح کا یہ ارادہ ہو کہ اس ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت ہو تو یہ کفر ہے۔ پس اگر ذابح مسلمان ہوگا تو اس ذبح سے مرتد ہو جائے گا۔ اور شیخ ابراہیم مروزی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے کہ جو ذبح کیا جاتا ہے بادشاہ کی پیشوائی کے وقت اس سے نزدیک

حاصل ہونے کے لیے ایسے ذبیحہ کے بارہ میں اہل بخارا نے حرمت کا فتویٰ دیا ہے اس واسطے کہ وہ ان ذبیحہ میں سے ہے جن پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ اور کہا رافعیؒ نے کہ یہ ذبح بادشاہ کے آنے کی خوشی میں ہوتا ہے۔ تو یہ ذبح مانند ذبح عقیقہ کے ہے جو لڑکے کی پیدائش کے سبب سے ہوتا ہے۔ اور ایسی صورتوں میں حرمت کا حکم نہیں واللہ اعلم بالصواب

فان قیل قولہ تعالیٰ وما لکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ وکذا قولہ تعالیٰ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بآیاتہ مؤمنین عام یتناول ما قصد بہ التقرب الی اللہ وغیرہ فیکون الکل حلالا

قلنا ہذہ الآیات عامۃ مخصصۃ بالنص الآخر وہو قولہ تعالیٰ فی سورۃ المائدۃ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اہل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب۔ فلو ان رجلا مسلما خنق شاۃً وذکر اسم اللہ علیہا لا تحل مع انہ ذکر اسم اللہ علیہا۔ وکذا لو ذبح شاۃً علی نصب من الانصاب او علی قبر من القبور وقصد بہ التقرب الی صاحب القبر او صاحب النصب وذکر اسم اللہ علیہا لا تحل بہذا النص الصریح۔

ومدار کل ذلک علی قصد التقرب الی غیر اللہ او تغییر الطریق المشہور فی الذبح من استعمال الآلۃ المحددۃ ونحو ذلک فعلمنا انہا الی قولہ وقد فصل لکم حوالۃ علی ما ذکر فی الآیاتِ الاخر کالمائدۃ وغیرہا

وکان سبب نزول ہذہ الآیات شبہۃ المشرکین حیث کانوا یقولون للمسلمین بطریق الالزام انتم لا تاکلون المیتۃ وقد قتلہا اللہ وتاکلون ما تقتلون بایدیکم فقد رجحتم مقتولکم علی مقتول اللہ فاجاب اللہ تعالیٰ

عن ذلک بان المیتۃ لم یذکر معہا اسم اللّٰہ فلذلک حرمت وکذا لموقوذۃ والمنخنقۃ والمتردیۃ لم تقتل علی الوجہ الماذون فیہ من اللّٰہ فحرمت وما قتلناہ بایدینا انما صار حلالاً لان قتلہا وقع باذن اللّٰہ تعالیٰ وبالوجہ المشروع بحیث خرج منہ الدم المسفوح ومع ذکر اللّٰہ فتحلیل ہذا وتحریم ذلک عین التعظیم لامر اللّٰہ۔ واما حدیث القتل فمغالطۃ وہمیۃ لان الکل مقتول اللّٰہ سواء کان بایدینا او بایدی غیرنا او مات حتف انفہا اذ لاموت عندنا الا باذن اللّٰہ کما قال اللّٰہ تعالیٰ اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتہا ولذلک اجمع اہل السنۃ والجماعۃ علی ان المقتول میت لاجلہ۔ واللّٰہ اعلم۔

یعنی اگر یہ شبہ ہو کہ اللّٰہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اور کیا سبب ہے کہ تم لوگ نہیں کھاتے ہو اس کو جس پر اللّٰہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ نے تفصیل فرمادی تم لوگوں کے لیے حرام چیزوں کی مگر بہ حالت اضطرار وہ حرام بھی کھانا بقدر جان بچانے کے جائز ہے اور یہ بھی اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور کھایا کرو تم اس کو جس پر اللّٰہ تعالیٰ کا نام لیا جاوے اگر تم لوگ اس کی آیتوں پر ایمان لائے ہو اللّٰہ تعالیٰ کا یہ کلام عام ہے ذبح سے اللّٰہ تعالیٰ کا تقرب مقصود ہو یا غیر اللّٰہ کا سب کو یہ کلام پاک شامل ہے تو سب حلال ہو

اس شبہ کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں عام ہیں ان کی بعض صورتیں خاص کرلی گئی ہیں ان کے بارے میں دوسری نص میں دوسرا حکم ہے۔ وہ نص سورۂ مائدہ میں ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حرام کیا گیا تم لوگوں پر مُردار' خون' سور کا گوشت اور جس پر غیر اللّٰہ کا نام پکارا جائے' گلا گھونٹا ہوا' عصا سے مار ڈالا ہوا' جو اوپر سے گر کر

مرجائے، وہ جانور جس کو دوسرے جانور نے سینگ سے مار ڈالا ہو، وہ جانور جس کو درندہ نے کھایا ہو مگر ان میں سے وہ جانور حلال ہے جس کو تم لوگ زندہ پاؤ اور اس کو ذبح کرو، اور وہ جانور بھی حرام ہے جو بتوں پر ذبح کیا جائے۔

تو اگر کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کسی بکری کا گلا گھونٹ تو وہ بکری حلال نہیں باوجود یکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا۔ اور اس صریح نص سے ثابت ہے کہ وہ بکری بھی حلال نہیں جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کے کسی بت پر ذبح کیا اس غرض سے کہ اس بت سے تقرب حاصل ہو یا اس کو کسی قبر کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا اس غرض سے کہ صاحب قبر سے تقرب حاصل ہو۔ ان سب صورتوں میں حرمت کا مدار اس پر ہے کہ ان میں بعض صورتوں میں یہ غرض ہے کہ غیر اللہ سے تقرب حاصل ہو اور بعض صورتوں میں یہ خلل ہے کہ وہ جانور ذبح کے مشہور طریقے کے موافق ذبح نہیں کیا گیا۔ مثلاً تیز آلہ سے ذبح کرنا اور ایسا ہی بعض امور کہ ذبح کرنے میں اس پر لحاظ ہونا چاہیے اس کا لحاظ نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں جو ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کی تفصیل فرما دی ہے تو اس سے مراد وہ چیز ہے کہ اس کی تفصیل دوسری آیتوں میں مثلاً سورۂ مائدہ وغیرہ میں ہے۔

اور آیت مذکورہ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ کا شان نزول یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشرکین الزام دیتے تھے کہ تم لوگ مردار نہیں کھاتے ہو حالانکہ اس کی موت محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے اور اپنا ذبیحہ کھاتے ہو کہ اس کو خود تم لوگ قتل کرتے ہو۔ تو لوگ اللہ تعالیٰ کے مقتول سے اپنا

مقتول اچھا جانتے ہو۔
تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کا جواب فرمایا کہ مردار پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا۔ اس واسطے وہ حرام ہے۔ اور ایسا ہی وہ جانور بھی حرام ہے جو عصا سے مار ڈالا جائے یا اس کا گلا گھونٹا جائے یا وہ اوپر سے گر کر مرجائے تو یہ سب جانور اس واسطے حرام ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کا جو طریقہ مقرر فرمایا ہے اس طور سے ذبح نہیں کیے گئے۔
اور ہمارا ذبیحہ اس واسطے حلال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق شرعی طور پر ذبح کیا جاتا ہے یعنی اس جانور سے خون نکالا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہے۔ اور مُردار شرعی طور پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح نہیں کیا جاتا اس واسطے وہ حرام ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے نام اور حکم کی عین تعظیم ہے
اور مشرکین کا شبہ محض مغالطہ و تمویہ ہے کہ اہل اسلام جس جانور کو ذبح کرتے ہیں وہ مسلمانوں کا مقتول ہوتا ہے۔ یہ شبہ سراسر غلط ہے اس لیے کہ ہر حال میں موت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے خواہ اہل اسلام ذبح کریں یا غیر اہل اسلام ذبح کریں یا بغیر ذبح کے خود مرجائے۔ اس واسطے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ سب کی موت صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتہا یعنی اللہ تعالیٰ موت دیتا ہے جان کو جب اس کی موت کا وقت آتا ہے اور اسی وجہ سے اہل السنۃ والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ مقتول اپنی موت سے مرتا ہے۔ واللہ اعلم
واما وقع فی البیضاوی وغیرہ من التفاسیر انہم قالوا وما اہل بہ لغیر اللہ ای ما رفع

الصوت به عند ذبحه للصنم فمبنی علی ما جری علی عادة المشرکین فی ذلک الزمان ولذا لم یفرقوا فی التفاسیر القدیمة بین ما ذکر اسم غیر الله علیه وبین ما قصد بذبحه التقرب الی غیر الله لان المشرکین فی ذلک الزمان کانوا مخلصین فی الکفر وکانوا اذا قصدوا التقرب بذبح بهیمة الی غیر الله ذکروا علیها عند الذبح اسم ذلک الغیر۔ بخلاف مشرکی المسلمین فانهم یخلطون بین الکفر والاسلام فیقصدون التقرب بالذبح الی غیر الله ویذکرون اسم الله علیها وقت الذبح فالاول کفر صریح والثانی کفر صورته صورة الاسلام۔ وکانوا یعتقدون ان لا طریق للذبح الا هذا سواء کان لله او لغیر الله وقد یجری هذه العادة فی زماننا ایضا۔ فانهم یشتهرون فلان تذبح بقرة لاجل سید احمد کبیر مثلا سواء ذکروا اسم الله علیها عند امرار السکین اولا

یعنی بیضاوی وغیرہ کتب تفاسیر میں مذکور ہے کہ مفسرین نے وما اہل بہ لغیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور حرام ہے جس پر آواز بلند کریں جب اس جانور کو بُت کے واسطے ذبح کریں۔ تو مفسرین کا یہ قول صرف اس بناء پر ہے جو مشرکین کی عادت سابق زمانہ میں تھی۔ اور اس وجہ سے تفاسیر قدیمہ میں کچھ فرق نہ کیا ہے اس جانور میں جو غیر اللہ کے نام سے پکارا جائے اور اس جانور میں جو غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے۔ اس واسطے کہ اُس زمانہ میں مشرکین کا خالص کفر تھا۔ جب ان کا ارادہ ہوتا تھا کہ کوئی جانور ذبح کریں کہ اس کے ذبح سے غیر اللہ کا تقرب حاصل ہوئے تو مشرکین وہ جانور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے تھے اور یہ صریح کفر ہے۔ پھر ایسے لوگ ہوئے کہ اپنے کو مسلمان جانتے تھے اور فی الواقع شرک کرتے تھے وہ لوگ کفر اور اسلام میں خلط کرتے تھے۔ کبھی ایسا کرتے تھے کہ جانور ذبح کرتے تھے کہ اس ذبح کے وسیلے سے غیر اللہ کا تقرب حاصل ہووے اور ذبح کے وقت

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے طریقہ پر ذبح ہوا۔ حالانکہ فی الواقع یہ بھی کفر ہے۔
ان لوگوں کا خیال تھا کہ ذبح کا یہی طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے خواہ یہ منظور ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے ذبح کیا جاوے یا یہ غرض ہو کہ غیر اللہ کی تعظیم کے لیے ذبح کریں۔

بعض لوگوں میں یہ عادت اس زمانہ میں بھی جاری ہے۔ ایسے لوگ مثلاً مشہور کرتے ہیں کہ فلاں شخص سید احمد کبیر کے واسطے گائے ذبح کرتا ہے۔ اور اس میں اس کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا ہے کہ جب وہ گائے ذبح کی جائے تو بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جاوے یا اس وقت اللہ کا نام نہ لیا جاوے۔

(۱) ما وقع فی الہدایۃ وغیرہا ان یذکر مع اسم اللہ تعالیٰ شیئا آخر وہو ان یقول عند الذبح اللہم تقبل من فلان۔ وہذہ ثلث مسائل احدہا ان یذکر موصولا لا معطوفا فیکرہ ولا یحرم الذبیحۃ وہو المراد بما قال ونظیرہ ان یقول بسم اللہ محمد رسول اللہ لان الشرکۃ لم توجد فلم یکن الذبح واقعا لہ الا انہ یکرہ لوجود القران صورۃ فیتصور بصورۃ المحرم (۲) والثانیۃ ان یذکر موصولا علی وجہ العطف والشرکۃ بان یقول بسم اللہ واسم فلان او یقول بسم اللہ وفلان او بسم اللہ ومحمد رسول اللہ بکسر الدال فیحرم الذبیحۃ لانہ اہل بہ لغیر اللہ۔ (۳) والثالثۃ ان یقول مفصولا عنہ صورۃ ومعنی بان یقول قبل التسمیۃ وقبل ان یضجع الذبیحۃ او بعد الذبح۔ وہذا لا باس بہ لما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بعد الذبح اللہم تقبل ہذہ من امۃ محمد ممن شہد لک بالوحدانیۃ ولی بالبلاغ والشرط ہو الذکر الخالص المجرد علی ما قال ابن مسعود جردوا التسمیۃ انتہی فی الہدایۃ صریح فی ما ذکرنا من ان قصد التقرب الی غیر اللہ محرم للذبیحۃ سواء کان بطریق

الاستقلال او بطریق الشرکة۔ نعم لو ذکرہ مجرداً من غیر قصد التقرب الی غیر الله ففیه تفصیل فان ذکر موصولاً لا معطوفاً یکرہ مثلاً ان یقول بسم الله محمد رسول الله اللهم تقبل من فلان لا یحرم الذبیحة لعدم قصد التقرب الیه وانما کرہ لاجل المشابهة فی ذلک بذکر اسم غیر الله لقصد التقرب ولو ذکرہ معطوفاً یحرم ایضاً ان لم یکن فیه معنی التقرب لکنه صریح فی الشرکة۔ والصریح لا یحتاج الی النیة۔ واذا ذکر مفصولاً لا بطریق العطف ولا بطریق الوصل لا یکرہ ولا یحرم لانتفاء المشابهة صورةً ومعنی مثلاً ان یقول بسم الله وتوقف ثم قال محمد رسول الله من غیر قصد التقرب الی غیر الله

واذا عرفت معنی هذا الکلام عرفت ان صاحب الهدایة وضع المسئلة فی ما اذا لم یکن المذکور مقروناً بقصد التقرب الی الغیر ذکراً مجرداً فهو بمعزل من مسئلتنا الموضوعة فیما قصد التقرب الی غیر الله فانها حرام مطلقا

وعرفت ایضاً ان ما وقع فی التفسیر الاحمدی من تفریع قوله علی ما وقع فی الهدایة ونقله فی ذلک التفسیر کما ذکرنا وهو قوله ومن ههنا

ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولیاء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم غیر الله وقت الذبح وان کانوا ینذرونها لهم انتهی۔ مبنی علی الغفلة عن قول صاحب الهدایة وهو قوله والثالثة ان یقول مفصولاً عنه صورةً ومعنی۔ فان الانفصال المعنوی کیف یتصور اذا کان النذر للاولیاء فانه عین التقرب الیهم فینتهی دائماً الی وقت الذبح فلا انفصال معنی اصلاً لما تقرر فی قواعد الفقه من استدامة النیة الی آخر العمل۔ وایضاً مبنی علی عدم الفرق بین الذکر المجرد الذی وضع صاحب الهدایة المسئلة فیه وبین ما قصد به التقرب الی غیر الله الذی وضعنا المسئلة فیه وان ... لک یعنی هدایه

وغیرہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی دوسری چیز ذکر کی جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ذبح کے وقت کہو اللھم تقبل من فلان یعنی اے میرے پروردگار اس ذبیحہ کو فلاں شخص کی طرف سے قبول فرما تو اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دوسری چیز کو اللہ کے نام بعد متصل ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر اس کا عطف نہ کرے۔ تو یہ مکروہ ہے اور ایسا ذبیحہ حرام نہیں مثلاً ذبح کے وقت کہے بسم اللہ محمد رسول اللہ۔ اس صورت میں ذبیحہ حرام نہیں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کی شرکت نہیں تو ایسا ذبح غیر اللہ کے واسطے نہ ہوا البتہ مکروہ ہے اس واسطے کہ بظاہر غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملایا گیا تو بظاہر صورت حرام کی ہوئی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ متصل غیر اللہ کا نام لیا جائے اور غیر اللہ کا نام بطریق عطف و شرکت کے مذکور ہوئے۔ مثلاً کہا جائے بسم اللہ واسم فلان یا بسم اللہ و فلان یا بسم اللہ و محمد رسول اللہ ساتھ کسرہ دال کے کہے اس صورت میں ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔ اس واسطے کہ اس ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لیا گیا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام اس طور سے ذکر کرے کہ غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے ظاہر اور باطن میں جدا ہو اس طور پر کہ پہلے غیر اللہ کا نام ذکر کرے پھر اس کے بعد جانور کو لٹا دے اور بسم اللہ کہے یا ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیوے اس میں مضائقہ نہیں اس واسطے کہ روایت ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے بعد فرمایا اللھم تقبل ہذا من امۃ محمد ممن شہد لک بالوحدانیۃ ولی بالبلاغ یعنی اے میرے پروردگار تو قبول فرما اس ذبیحہ کو امت محمدیہ کی طرف سے کہ ان لوگوں نے تیری وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دی اور ذبیحہ

کے حلال ہونے کے لیے شرط ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا جائے چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ذبح کرنے کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہیے۔ "

یہ مضمون ہدایہ کی عبارت مذکورہ بالا کا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب ذبح سے مقصود ہوئے کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہوئے تو ذبیحہ حرام ہوگا خواہ غیر اللہ کا نام مستقل طور پر کہا جائے یا غیر اللہ کا نام بطور شرکت کے مذکور ہو دونوں صورتوں میں ذبیحہ حرام ہے البتہ جب نیّت نہ ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہوئے مگر غیر اللہ کا نام ذکر کیا جائے تو اس صورت میں تفصیل کی ضرورت ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام متصل ذکر کیا جائے مگر غیر اللہ کا نام بطریق عطف کے مذکور نہ ہو تو یہ مکروہ ہے مثلاً ذبح کے وقت کہے بسم اللہ محمد رسول اللہ واللہم تقبل من فلان تو ذبیحہ حرام نہ ہوگا اس واسطے کہ اس صورت میں غیر اللہ سے تقرب حاصل ہونا مقصود نہیں مگر یہ مکروہ ہے صرف اس واسطے کہ اس صورت میں مشابہت اُس حرام طریقۂ ذبح کے ساتھ ہوتی جس میں ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے اور وُہ حرام طریقہ ذبح کا یہ ہے کہ ذبح سے منظور ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہوئے اور اسی غرض سے غیر اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور اگر غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ بطریق عطف کے مذکور ہو تو ذبیحہ حرام ہوگا، اگرچہ اس صورت میں ذبح سے منظور نہیں کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہوئے مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام بطریق شرکت کے ذکر کیا گیا اور ظاہر امور میں حکم ظاہر کے موافق ہوتا ہے ایسی حالت میں نیّت کا اعتبار نہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے نام سے

جدا کر کے غیر اللہ کا نام لیا جاوے یعنی غیر اللہ کا نام نہ بطورِ عطف کے مذکور ہو وے اور نہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ متصل مذکور ہووے تو یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام ہے۔ اس واسطے کہ اس صورت میں حرام طریقۂ ذبح کے ساتھ مشابہت نہیں پائی جاتی۔ مشابہت ظاہر میں ہے نہ باعتبار معنے کے ہے۔ مثلاً ذبح کرنے والا بسم اللہ کہے پھر ٹھہر جاوے پھر کچھ دیر کے بعد محمد رسول اللہ کہے اور یہ منظور نہ ہو کہ اس ذبح سے غیر اللہ سے تقرب حاصل ہو وے تو یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام ہے۔

اب ظاہر ہوا کہ صاحب ہدایہؒ نے اُس مسئلہ کا حکم لکھا ہے جس میں نیت نہ ہو کہ غیر اللہ سے تقرب حاصل ہووے اور غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ متصل نہ مذکور ہو تو اِس مسئلہ کو ہمارے مسئلہ سے کچھ واسطہ نہیں ہم اُس مسئلہ کا حکم بیان کرتے ہیں کہ ذبح سے منظور ہو کہ غیر اللہ سے تقرب حاصل ہووے اور یہ حرام ہے۔ اور ہمارے بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ تفسیر احمدی میں اسی قول کی بنا پر لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو رسم ہے کہ اولیاء اللہ کے واسطے گائے نذر کی جاتی ہے یہ حلال و طیب ہے اس واسطے کہ اگرچہ اولیاء اللہ کے لیے نذر گائے کرتے ہیں مگر جب وہ گائے ذبح کرتے ہیں تو غیر اللہ کا نام نہیں لیتے یعنی صرف اللہ تعالیٰ کا نام اُس وقت ذکر کرتے ہیں اس واسطے وہ گائے حلال ہے۔

تفسیر احمدی میں غفلت سے یہ مسئلہ اس طور پر غلط مذکور ہو گیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے جو تیسری صورت لکھی ہے اُس پر لحاظ نہ ہوا۔ وہ صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام جس طور سے ذکر کیا جاوے کہ ظاہر میں بھی غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے جدا ہے اور باعتبار معنے کے بھی

جُدا رہے۔ تفسیر احمدی میں جو صورت مذکور ہے اس میں غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے باعتبار معنے کے جدا نہیں اس واسطے کہ جب گائے کے بارہ میں اولیاء اللہ کے نذر کی نیت ہوئی تو اس سے خاص یہی منظور ہوا کہ اس گائے کے ذبح کے وسیلہ سے اولیاء اللہ کا تقرب حاصل ہوئے اور ذبح کے وقت تک یہی نیت رہی تو باعتبار معنے کے ہرگز غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے جُدا مذکور نہ ہوا۔ اس واسطے کہ اصولِ فقہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ نیت کا حکم عمل میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک کہ وہ عمل تمام ہو جاوے

صاحبِ ہدایہ نے تیسری صورت میں اُس مسئلہ کی تحقیق لکھی ہے جس میں خاص اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جاوے اور ہم نے اُس مسئلہ کا حکم لکھا ہے جس میں یہ منظور ہو کہ غیر اللہ سے تقرب حاصل ہوئے

تفسیر احمدی میں ان دونوں صورتوں کے فرق کی جانب لحاظ نہ کیا گیا حالانکہ ان دونوں صورتوں میں بہت فرق ہے۔ یعنی جب کوئی جانور خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا جائے اور یہ ہرگز منظور نہ ہو کہ غیر اللہ سے تقرب حاصل ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ اور اگر یہ نیت ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہوئے تو اگرچہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں تب بھی وہ ذبیحہ حرام ہوگا۔

حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کا فتویٰ

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی سے کسی نے سوال کیا کہ ہنود خصی اور بکری وغیرہ کو گنگا پر چڑھاتے ہیں اور پانی میں زندہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس گھاٹ کے زمیندار ہندو اور دوسرے لوگ جانوروں کو گنگا سے نکال کر بیچتے ہیں اور چڑھانے والے کچھ تعرض نہیں کرتے پس ان جانوروں کو خرید کر یا نکال کے ذبح کرنے کے بعد کھانا حلال ہے یا حرام۔ اور ما اہل بہ لغیر اللہ کے کیا معنے ہیں اور ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ الخ کا کیا مطلب ہے تو آپؒ نے مجموعۃ الفتاوےٰ جلد ۲ کتاب الحظر والاباحۃ ص۲۱ میں یہ جواب دیا

جواب: ما اہل بہ لغیر اللہ سے وہ جانور مراد ہے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے تقرب کی غرض سے ذبح کیا جائے۔ اور اراقۃ الدم سے غیر خدا کی تعظیم مقصود ہو اور خاص غیر کے لحاظ سے جان دینا مقصود ہو۔ ایسا جانور حرام ہے اگرچہ بسم اللہ کہہ کے ذبح کیا جائے۔

درمختار میں ہے : ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اہل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ علیہ ولو ذبح للضیف لایحرم امیر کے آنے کے لیے یا بڑوں میں سے کسی کے آنے پر کچھ ذبح کرنا حرام ہے کیونکہ وہ ان چیزوں میں سے ہیں جو خدا کے سوا کسی اور کے لیے ذبح کیا گیا ہو۔ اگرچہ اس پہ خدا کا نام لیا جائے۔ اور اگر مہمان کے لیے ذبح کیا تو حرام نہیں ہے۔

اور نیشا پوری کی تفسیر میں ہے قال العلماء لوان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد۔ علماء کہتے ہیں کہ اگر مسلمان نے ذبح کیا جس سے اس کا مقصد تقرب الی

غیر اللہ تھا تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔

اور تفسیر درمنثور میں ہے اخرج ابن المنذر عن ابن عباسؓ وما اھل قال ذبح واخرج ابن ابی حاتم عن مجاھد وما اھل قال ماذبح لغیر اللہ ابن منذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اھل کے معنی ذبح کے ہیں۔ اور ابن ابی حاتمؒ نے مجاہدؒ سے روایت کی ہے کہ ما اہل کے معنے ماذبح لغیر اللہ کے ہیں

پس شیخ سدو وغیرہ کا بکرا کہ اس میں خاص غیر خدا کے لیے جان دینا اور غیر اللہ کے لیے خون بہانا مقصود ہوتا ہے حرام ہے۔ نہ ذبیحہ فاتحہ بزرگان جس میں خون بہانا اللہ کے لیے ہوتا ہے اور ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے۔

اور جو جانور ہنود زندہ چھوڑ دیتے ہیں وہ آیت میں داخل نہیں ہیں اور اس آیت سے ان کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہاں ذبح نہیں ہوتا بلکہ زندہ چھوڑ دینا ہوتا ہے۔

اور آیت ماجعل اللہ من بحیرۃ کی تفصیل یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے جانوروں میں اپنی رائے سے تحلیل وتحریم کر دی تھی۔ کبھی مادہ شتر کو کان چیر کر جنوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اس کا دودھ کسی کو نہ دیتے تھے اور اس کے ذبح کو حرام سمجھتے تھے اور اس کے اکرام میں خوشنودیٔ اصنام تصور کرتے تھے۔ اسی کو بحیرہ کہتے ہیں۔ اور سائبہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جائے۔ اور اس سے کسی قسم کی باربرداری کی محنت نہ لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کا ان سے ابطال کر دیا۔ اور وماجعل اللہ من بحیرۃ الخ ارشاد فرمایا

پس آیت سے صرف ان کے احکام کا بطلان ثابت ہوتا ہے نہ تحریم ذبح بحیرہ وسائبہ۔

جب یہ امر ممہد ہوگیا تو سمجھنا چاہیے کہ جو جانور گنگا پر چڑھ جائے جاتے ہیں یا بتوں کے نام پر چھوڑ دیے جاتے ہیں ان کو پکڑ کے یا نکال کے داس وجہ سے حرام ہیں کہ وہ وما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہیں اور نہ اس وجہ سے کہ بحیرہ وسائبہ کا ذبح حرام ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ جانور اس رہا کرنے سے ملک مالک سے خارج نہیں ہوتے ہیں پس بے مالک کے اجازت کے ان کا حکم مغصوب ومسروق کا ہوگا۔ اور اگر مالک اجازت دے دے یا اباحت عامہ کر دے تو ان کو بسم اللہ کہہ کے ذبح کرنا اور کھانا درست ہوگا۔ اور حرکت قبیحہ اور نیت شنیعہ رہا کرنے والے سے حکم حرمت کا نہ ہوگا

رد المحتار میں ہے المختار فی الصید ان لایملکہ اذالم یبحہ وکذا فی الدابۃ اذا سیبھا کما بسطہ الشرنبلالی فی شرحہ یعنی شکار کے بارے میں مختار یہ ہے کہ اس کا مالک نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کے لیے مباح نہ کر دیا جائے۔ یعنی جانور کے چھوڑنے والا تاوقتیکہ اجازت نہ دے اگر اس کا شکار کرے تو وہ جانور مباح نہ ہوگا) یہی حال چوپایہ کا ہے جب کہ وہ چھوڑ دیا گیا ہو۔ جیسا کہ شرنبلالی نے اس کی شرح میں اس کی وضاحت کی ہے۔

اور زیلعی شرح کنز میں ہے ان کان مرسلاً فھو مال الغیر فلا یجوز تناولہ الا باذن صاحبہ اگر جانور چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ دوسرے کا مال ہے اس کا کھانا بے مالک کی اجازت کے جائز نہیں ہے۔

لاتاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ اور فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ کے بارے کسی نے کسی سے گفتگو کی جو درج ذیل ہے

زید کہتا ہے کہ کسی بدعتی اور مشرک اور کافر کا ذبیحہ حلال نہیں ہے سوائے موحد باللہ اور متبع سنتِ رسول اللہ کے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ مجھے اس امر کی تصدیق کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولاتاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ۔ اس کو کھاؤ جس پہ اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اس کو نہ کھاؤ جس پہ اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اس آیت میں محض اللہ کے نام کی قید ہے نہ کافر یا مشرک یا بدعتی کی۔ اور حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ان قوما حدثوا عهدا بجاهلية ياتونا بلحمان لاندری ذکروا اسم اللہ علیہا ام لم یذکروا انا کل منہا؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سموا اللہ وکلوا یعنی ایک قوم نے پوچھا کہ عہد جاہلیت کے مطابق ہمارے پاس لوگ گوشت لاتے ہیں۔ جس کے متعلق ہم کو یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے اس پہ خدا کا نام لیا ہے یا نہیں ہم اسے کھائیں یا نہ کھائیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کا نام لو اور کھاؤ۔ پس میرے نزدیک آیت کے عام ہونے کی وجہ سے اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مطابق اور علماء محققین مثل علامہ شوکانی وغیرہ کی تحقیق کے موافق اس کی حرمت معلوم نہیں

پس مشرک ہو یا بدعتی یا کافر جب اس پہ اللہ کا نام لے گا تو میں اسے کھاؤں گا۔

پس دونوں کے درمیان میں آپ کے نزدیک قولِ فیصل کیا ہے؟

حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب نے مجموعۃ الفتاوی ج۲ میں اس

سوال کا جواب اس طرح دیا کہ عمرو کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔ اور یہاں بالاتفاق طعام سے ذبیحہ مراد ہے۔ پس اگر ہر شخص کا ذبیحہ حلال ہوتا حتےٰ کہ مشرکین کا بھی، تو اہلِ کتاب کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ تھی۔

اور فکلوا مما ذکر اسم اللہ اور ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وغیرہ میں صرف شرطِ حلتِ ذبیحہ کے وقت ذبح کی بیان ہے۔ اور ان سے فقط اسی قدر مقصود ہے کہ بے بسم اللہ کے ذبیحہ حلال نہیں۔ اور ذابح کا عموم وخصوص اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا ہی ان آیات کے اطلاق سے استناد لیا جائے تو بابِ اطلاق مذبوح میں اس پر عمل کرنا پڑیگا۔ کیونکہ ان آیتوں میں مذبوح کو خاص نہیں کیا بلکہ جس پر اسم اللہ کا ذکر ہو اس پر حلت کا حکم ہو۔ پس لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کتا یا سور یا کوئی اور جانور جس کا گوشت حلال نہیں ہے بسم اللہ کہہ کے ذبح کرے تو اس کا کھانا درست ہو جائے اس تقریر سے کہ اللہ نے ان آیتوں میں صرف اسم اللہ کی قید کی ہے نہ کسی خاص ذبیحہ کی۔ حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے

الحاصل ان آیتوں میں فقط ذبح کی کیفیت کا اور ذبح کے وقت شرطِ حلت کا بیان ہے۔ ذابح کے اور مذبوح کے اطلاق وتخصیص سے ان میں کچھ غرض نہیں ہے۔ پس جس طرح مذبوح کی تخصیص دوسری آیات واحادیث سے ثابت ہوئی اسی طرح سے ذابح کی تخصیص بھی اور جگہ سے ثابت ہوئی۔ ایک تو آیتِ سابقہ۔ دوسرے وہ حدیث جو مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے

کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آتش پرست کے حق میں فرمایا ہے من اسلم منھم قُبِلَ ومن لم یسلم ضربت علیھم الجزیۃ غیر ناکحی نسائھم ولا اٰکلی ذبائحھم جو ان میں سے اسلام لائیگا اس کا اسلام قبول ہوگا۔ اور جو اسلام نہ لائے گا اس سے جزیہ لیا جائے گا۔ مگر ان کی عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے گا۔ اور ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا۔ اسی طرح اور احادیث و آثار صحابہ بھی اس باب میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سوا اہل کتاب کے کسی کافر کا ذبیحہ درست نہیں ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ ذبیحہ ہر فرد مسلم کا حلال ہے کیونکہ اس حدیث میں ان لوگوں کے ذبیحہ سے سوال کیا گیا ہے جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور جاہلیت رسموں میں پھنسے ہوئے تھے۔ نہ ذبیحہ کافر سے۔

اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا انتقال ۱۲۵۰ھ یا ۱۲۵۵ھ میں ہوا ہے۔ گو علم ادب میں ان کی تحقیق اچھی ہے مگر ان کا اجتہاد اور فتوی ائمہ اربعہ اور مجتہدین سابقین رحمہم اللہ کے اجتہاد اور فتوی کے مقابلہ میں اعتبار کے قابل نہیں ہے

اور اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ بلکہ اکثر مجتہدین یہی تحقیق کر گئے ہیں کہ مسلمان اور کتابی کے سوا کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ پس اب شوکانی رحمہ اللہ جو اس صدی کے علماء میں سے تھے اگر اس کے خلاف لکھیں تو ان کے لکھنے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

کا فتویٰ

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد الگنگوہی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ کہ جو جانور غیر اللہ کے نام کا ہو اس کو اسی نیت سے ذبح کرنا بسم اللہ کہہ کر بھی حرام ہے۔ اور وہ جانور حرام ہی رہتا ہے۔ ایسے جانور کو ذبح نہ کرے اور کسی کا بکرا کہنا بوجہ مالک ہونے کے درست ہے۔ مگر کسی کی تعظیم وقربت کا کہنا حرام ہے

اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب لوجہ اللہ کسی کو پہنچے اس میں کوئی حرج نہیں غیر کی تعظیم کے لیے ذبح کرنے سے حرام ہوتا ہے۔ نہ مالک ہونے کے۔ ان دونوں میں فرق ہے (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۷ و ۹۸)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے حاشیہ قرآن مجید ص ۱۳۲ میں لکھا ہے: ما اہل بہ لغیر اللہ کا یہ مطلب ہے کہ ان جانوروں پر اللہ کے سوا بت وغیرہ کا نام پکارا جائے یعنی اللہ کے سوا کسی بت یا جن یا کسی روح خبیث یا پیر یا پیغمبر کے نامزد کرکے اور اس جانور کی جان ان کی نذر کرکے ان کے تقرب یا رضا جوئی کی نیت سے ذبح کیا جائے اور محض ان کی خوشنودی کی غرض سے اس کی جان نکالنی مقصود ہو تو ان سب جانوروں کا کھانا حرام ہے، گو بوقتِ ذبح تکبیر پڑھی ہو اور اللہ کا نام لیا ہو۔ کیونکہ جان کو جان آفرین کے سوا کسی دوسرے کے لیے نذر و نیاز کردینا ہرگز درست نہیں اس لیے جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر کی جائے تو اس کی خباثت مردار کی خباثت سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ مردار میں تو یہی خرابی

تھی کہ اس کی جان اللہ کے نام پر نہیں نکلی۔ اور اس کی جان تو غیر اللہ
کے نامزد کر دی گئی ہے جو عین شرک ہے۔

جیسے خنزیر اور کتے پر بوقت ذبح تکبیر کہنے سے حلت نہیں ہو سکتی
اور مُردار پر اللہ کا نام لینے سے ہرگز ہرگز کوئی نفع اور حلت اس میں نہیں
آسکتی۔

البتہ اگر غیر اللہ کے نامزد کر دینے کے بعد اپنی نیت سے توبہ اور رجوع
کر کے ذبح کریگا تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی بادشاہ کے آنے پر اس کی تعظیم
کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے یا کسی جن کی اذیت سے بچنے کے لیے
اس کے نام کا جانور ذبح کیا جائے یا توپ کے چلنے یا اینٹوں کے پزاوہ کے
پکنے کے لیے بطور بھینٹ جانور ذبح کیا جائے تو وہ جانور بالکل مردار اور
حرام اور کرنے والا مشرک ہے اگرچہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ یعنی جو غیر اللہ کے
تقرب اور تعظیم کی نیت سے جانور کو ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو
ذبح کے وقت اللہ کا نام پاک لے یا نہ۔

البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جانور کو اللہ کے نام پہ ذبح کر کے
فقراء کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی قریب یا پیر اور بزرگ کو پہنچا دے
یا کسی مُردہ کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس کو دینا چاہیے
کیونکہ یہ ذبح غیر اللہ کے لیے ہرگز نہیں۔

بعضے اپنی کج روی سے یہ حیلہ ایسے مواقع میں بیان کرتے ہیں کہ
پیروں کی نیاز وغیرہ میں ہم کو تو یہی مقصود ہوتا ہے کہ کھانا پکا کر مُردہ

کے نام سے صدقہ کر دیا جائے۔

تو اول تو خوب سمجھ لیں کہ اللہ کے سامنے جھوٹے حیلوں سے بجز مضرت کوئی نفع نہیں ہو سکتا

دوسرے ان سے پوچھا جائے کہ جس جانور کی تم نے غیر خدا کے لیے نذر مانی ہے، اگر اسی قدر گوشت اس جانور کے عوض خرید کر اور پکا کر فقیروں کو کھلا دو تو تمہارے نزدیک بے کھٹکے وہ نذر ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر بلا تامل تم اس کو کر سکتے ہو اور اپنی نذر میں کسی قسم کا خلل تمہارے دل میں نہیں رہتا تو تم سچے۔ ورنہ تم جھوٹے اور تمہارا یہ فعل شرک، اور وہ جانور مردار اور حرام۔

سائبہ اور ما اہل بہ لغیر اللہ کے مابین فرق ہے

عام طور پر علماء کرام کے ذہن میں بھی یہ سوال ابھرتا ہے کہ ما اہل بہ لغیر اللہ اگر غیر اللہ کے نامزد ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ تو بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی کیوں حلال ہیں؟ ان کے کھانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے کیونکر دیا ہے جب کہ وہ بھی غیر اللہ کے نامزد کر کے چھوڑ دیے جاتے ہیں؟ تو اس کا جواب نہایت اہم ہے اس سوال کا اصل بنا یہ ہے کہ بحیرہ، سائبہ، حامی، وصیلہ میں اور ما اہل بہ لغیر اللہ میں مابہ الامتیاز فرق ذہن میں نہیں آیا۔ جب فرق سمجھ آجائے گا تو بات بھی واضح ترین ہو جائے گی۔ اس لیے ہم علماء کرام سے ان کے مابین فرق پوچھتے ہیں

حکیم الامۃ نے بیان القرآن میں بطور تنبیہ کے لکھا ہے

تنبیہ: اس مسئلہ میں بعض خواندہ لوگوں کو غلطی ہو گئی ہے اور وجہ غلطی کی دو ہیں

اول یہ کہ آیت سابقہ یا ایہا الناس کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ جو لوگ سانڈ وغیرہ کی تحریم کرتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سانڈ وغیرہ حلال ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی تحریم اور تحریم مذکی میں چند فرق ہیں۔

اول یہ کہ وہاں تحریم کے معنے ہیں ایسا فعل کرنا جس سے حرمت پیدا ہو جائے جیسے خود سانڈھ وغیرہ چھوڑنا۔ اور یہاں تحریم کے معنے ہیں کہ جب کوئی ایسا فعل کرے تو حرمت کا حکم ہو جائے گا۔

دوسرے ان کی تحریم اس جانور کی تعظیم اور ادب کے اعتقاد سے تھی اور یہ تحریم اس جانور کے خبث اور نجاست سے ہے۔

تیسرے وہ تحریم ان کے اعتقاد میں مؤبد تھی کہ کسی طرح قابل انتفاع نہ تھی۔ اور یہ تحریم غیر مؤبد ہے کہ جب توبہ کر دے مرتفع ہو جائے اور یہ مرتفع کر دینا واجب بھی ہے۔ پس اس تحریم کی نفی یا نہی یا انکار سے اس تحریم کی نفی لازم نہیں آتی۔

دوسری وجہ غلطی کی یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے اُہلّ کی تفسیر ذبح علی اسم غیر اللہ کی ہے۔ معلوم ہوا وہی جانور مراد ہے جس کو بجائے بسم اللہ کے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہو۔

جواب یہ ہے کہ اس تفسیر سے حصر لازم نہیں آتا بلکہ یوں کہا جائیگا کہ اسم حرام کی

اسی حرام کی ایک فرد یہ بھی ہے۔
چونکہ جاہلیت میں اس کا زیادہ رواج تھا اس لیے یہ تفسیر کردی گئی۔ غایۃ مافی الباب یہ تفسیر مذکور دوسری فرد سے ساکت ہے گی سو اس میں کچھ مضر نہیں جب کہ اور دلائل حرمت کے موجود ہیں۔ جن میں ایک تو یہی آیت ہے کیونکہ اھلال لغۃً عام ہے مطلق نامزد کرنے میں خواہ کسی کے نام پہ ذبح ہو۔ پھر دوسری آیت اس سے زیادہ صریح ہے۔ سورۂ مائدہ میں کہ بعد ما اہل لغیر اللہ بہ کے ما ذبح علی النصب جدا فرمایا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس ذبح سے تقرب و تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ حرام ہو جاتا ہے۔
تیسرے صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ اور ظاہر ہے کہ ایسی ذبیح متنازع فیہ پر ذبح لغیر اللہ صادق آتا ہے۔ چنانچہ کتب میں یہاں تک مصرح ہے کہ اگر کسی حاکم کے آنے پر بطور بھینٹ کے ذبح کرے گو اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو مگر وہ ما اہل لغیر اللہ میں داخل ہو کر حرام ہو جاتا ہے کذا فی الدر المختار وغیرہ۔ اور نوویؒ نے بھی حدیث مذکور کی شرح میں ایسے مذبوح لقدوم الامیر کی حرمت اسی بنا پر شیخ ابراہیم مروزی شافعیؒ سے نقل کی ہے۔

حضرت مفتی اعظم فقیہ العصر مولنا کفایت اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے لیے جانور کے نامزد کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے نام پر خدمت اور کام لینے سے آزاد کر دیا جائے۔ اس کی جان قربان کرنا مقصود نہ ہو۔ یہ سائبہ ہے

جن کو ہم سانڈ کہتے ہیں۔ سانڈ کا مالک اس کو کسی بت یا دیوتا کے نام
پر کام و خدمت لینے سے آزاد کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں
ہوتا کہ اس کی جان کسی غیر اللہ کے لیے قربان کرے (سانڈ مالک کی ملک
سے خارج نہیں ہوتا اس لیے مالِ غیر ہونے کی بنا پر اس کو کھانا حرام ہے)
اس قسم کے جانور کو خریدنا اگر مالک فروخت کرے جائز ہے۔ اور وہ
خریدنے کے بعد خریدار کی ملک ہو جاتے ہیں پھر اُن کو ذبح کر کے کھانا
بھی جائز ہے۔ کیونکہ جب مالک ان کے بیچنے کے لیے تیار ہو گیا اور اس
نے بیچ ڈالا تو یہ دلیل اس امر کی ہے کہ اس نے جانور سے کام نہ لینے کی
جو نیت کی تھی، وہ بدل ڈالی ورنہ وہ ہرگز نہ بیچتا۔
مگر ایسے جانور (یعنی سانڈ) کو اگر کوئی شخص اس کے مالک سے خریدے
بغیر او اس کی اجازت کے بغیر پکڑ کے ذبح کرے تو اُس کا کھانا حرام ہے،
مگر اس کا حرمت مالِ غیر ہونے کی بنا پر ہے نہ کہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل
داخل ہونے کی بنا پر۔ یہ سائبہ جانور اپنے مالک یعنی چھوڑنے والے
کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔
دوسری قسم نامزد کرنے کی یہ ہے کہ مالک اس جانور کی جان کسی
(منذور لہٗ) غیر اللہ پر قربان کرنے کے لیے اس کے نام پہ جانور کو نامزد کرتا
ہے۔ یہ جانور (منذور لغیر اللہ) اگر مالک کی اسی نیت پر ذبح ہو جائے
(اسی وقت یا سال دو سال کے بعد ذبح کرنے کا ارادہ ہو) تو حرام اور مردار
ہو جاتا ہے اور ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے، اگرچہ ذبح کرنے والا بسم اللہ
پڑھ کر ذبح کرے جب بھی وہ حرام اور مردار ہی رہیگا جیسے کہ اکثر ہندو
دیبی یا کسی بت کے نام پہ جانور کی جان قربان کرنے لیے لاتے ہیں۔ مگر

اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے۔ کوئی مسلمان وہاں ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ اس کو ذبح کر دو، وہ بسم اللہ کہہ کر اس کو ذبح کر دیتا ہے۔ تو اس کی بسم اللہ سے وہ حلال نہیں ہوں گے۔ یا ڈیہی مالک اپنی نیت کے موافق اس جانور کو اپنے سامنے ذبح نہیں کراتا بلکہ پجاری کو دے جاتا ہے کہ اس کو دیبی کے اوپر قربان کر دینا۔ پجاری ان جانوروں کو فروخت کر دیتا ہے اور مسلمان خرید کر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر لیتے ہیں۔ یہ بھی حرام ہیں۔ کیونکہ ان میں نیت ان کے اصل مالک ہی کی معتبر ہوگی۔ اور اس کی نیت یہ تھی کہ ان کی جان غیر اللہ کے لیے قربان ہو۔ پجاری کے فروخت کرنے اور مسلمان کے خریدنے سے وہ نیت کالعدم نہ ہوگی۔ بلکہ پجاری کی بیع باطل ہوگی۔ (کفایت المفتی صفحہ ۲۵۷)

ایک جگہ سائبہ (سانڈ) کے بارے لکھا کہ اس سے جانور میں کوئی حرمت نہیں آتی اور جانور اسی مالک کی ملک میں رہتا ہے جس نے اسے چھوڑا ہے۔ اگر وہ کسی کو اجازت دے دے کہ ذبح کر کے کھا لو اور کوئی اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر لے تو وہ حلال ہے۔ اور مالک کی اجازت کے بغیر کوئی ذبح کر لے تو بوجہ ملکِ غیر ہونے کے حرام ہوگا۔ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہ ہوگا۔

آپؒ نے صحیح بخاری پڑھاتے وقت فرمایا تھا کہ سانڈ وغیرہ مالک کے ملک سے نہیں نکلتا۔ سو اگر کسی اور نے ذبح کر کے کھا لیا تو اس پر اس جانور کی قیمت مالک کو دینا واجب ہوگی اگرچہ مالک کہے کہ وہ جانور میرے ملک میں نہیں ہے اور اس کھانے والے پر غیر کا مال کھانے کا گناہ ہوگا۔ اور

سانمٌہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں ہے۔ (نیلوی عفراسلہ لہ ولاساتذتہ
نیز آپ نے لکھا کسی غیر اللہ کے نام کر دینے سے اکثری طور پر یہ مقصد ہوتا
ہے کہ اس جانور کی جان اس غیر اللہ کے لیے نذر کی جائے گی یعنی ان کے
تقرب کے لیے ذبح کیا جائے گا۔ تو ایسا جانور حرام ہو جاتا ہے اور بوقت
ذبح بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔

لیکن اگر مقصد اس جانور کی جان کو غیر اللہ کے لیے نذر کرنا نہ ہو
بلکہ صرف گوشت کا صدقہ کرنا ہو تو یہ حرام نہیں ہوتا۔ مگر یہ جب ہے کہ
مالک کو اس میں تردد اور تامل نہ ہو کہ اس جانور کو ذبح کرے۔ یا
اس کو چھوڑ کر دوسرا جانور ذبح کرے۔ یا اس قدر گوشت بازار
سے خرید کر صدقہ کر دے۔ اگر اس نے اس تبدیلی کو منظور نہ کیا اور
اسی جانور کو ذبح کرنا ہی ضروری سمجھا تو یہ دلیل ہو گی اس بات کی کہ
اس کا مقصد جانور کی جان کو ہی نذر کرنا ہے۔ اور اس صورت میں
حرمت کا فتویٰ دیا جائے گا (کفایت المفتی جلد ۸ صفحہ ۲۵۴)

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ نے کشف الرحمٰن صفحہ ۴۳ میں لکھا ہے
ما اہل بہ لغیر اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بت یا دیوی یا
کسی بزرگ یا پیر اور پیغمبر کے لیے کوئی جانور نامزد کر دیا جائے اور اس کی
ذبح سے محض غیر اللہ کا تقرب اور ان کی خوشنودی مقصود ہو۔ ایسے نامزد جانور
کو خواہ اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے کر ذبح کیا جائے تب بھی اس کا کھانا حرام ہے
ضروری فائدہ: اس موقعہ پہ ایک بات تو یہ سمجھ لینی چاہیے کہ ہمارے
زمانہ میں عوام اور بعض خواص اس ما اہل بہ میں بہت الجھتے ہیں۔ ان کا

خیال یہ ہے کہ جب ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے تو وہ جانور پھر حرام نہیں ہونا چاہیے خواہ وہ غیر اللہ ہی کے نام کا ہو۔ لیکن ان لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنا کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ اگر یہ بات ہوتی تو ہر حرام جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کے بعد کھا سکتے۔ حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے۔ اللہ کے نام کی بجائے اگر غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال جانور بھی حرام ہو جائے گا۔ لیکن اگر حرام جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہو سکتا۔

اس اصول کو ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ جو جانور تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے ساتھ نامزد کیا اس میں محض اس نیت اور نامزدگی کی وجہ سے حرمت آ گئی۔ کیونکہ نیت کرنے والے کا مقصد یہ ہے کہ میں اس جانور کو فلاں شخص کی خوشنودی کے لیے ذبح کروں گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر اس سے یہ کہا جائے کہ تو اتنا گوشت لے کر خیرات کر دے اور اس جانور کو ذبح نہ کر تو وہ اس پر رضامند نہیں ہوتا بلکہ اس جانور کو ذبح کرنا ہی اس بزرگ کے تقرب کا موجب سمجھتا ہے۔

ہمارے فقہاء نے تو یہاں تک تصریح کی ہے کہ اگر کسی رئیس یا بادشاہ کے آنے پر اس کے احترام اور اس کو خوش کرنے کی غرض سے کچھ جانور ذبح کیے جائیں تو اُن کا گوشت کھانا بھی حرام ہے۔

اسی طرح ہمارے شہر (دہلی) میں ایک دستور ہے کہ دولہا کے آنے پر دو تین بکرے اس کے سامنے ذبح کر دیتے ہیں اور دُلہن کو جب لے جاتے ہیں تو اس کے قدموں پر مُرغا ذبح کرتے ہیں۔ یہ سب ذبیحے

جو غیر اللہ کی تعظیم تقرب اور خوشنودی کی غرض سے کیے جائیں سالہل
بہ لغیر اللہ میں داخل ہیں۔ خواہ ایسے جانوروں کو بسم اللہ اللہ اکبر ہی
کہہ کر لیا نہ ذبح کیا جائے۔

ایصالِ ثواب اور صدقہ دوسری چیز ہے۔ عوام نے اس کو مخلوط کر
دیا ہے اور اس خلط کی وجہ سے الجھتے ہیں۔ ورنہ مسئلہ صاف ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ۔
اور منشا میں لکھا: اھلال کے معنے ہیں دفع الصوت اسی معنے کی مناسبت
سے ہم نے ترجمہ کیا" اور وہ جانور بھی جو تقرب کی نیت سے اللہ کے سوا کسی
دوسرے کے نامزد کیا گیا ہو

آواز بلند کرنے کا (۱) ایک مطلب تو یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ
کا نام لیا جائے (۲) دوسری شکل یہ ہے کہ جانور کو تقرب کی نیت سے کسی
غیر اللہ کے نامزد کر دیا جائے جیسے شیخ سدو کے نام کا مرغا یا بکرا۔
(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ بلا نیتِ تقرب محض ملکیت کی وجہ سے کسی
شخص کے ساتھ منسوب کر دیا جائے جیسے عبداللہ کی بکری یا حافظ جی کا بکرا
(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ ایصالِ ثواب کی غرض سے کسی شخص کے ساتھ
منسوب کر دیا جائے۔ مثلاً اس جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کا ثواب
فلاں شخص کو پہنچائے گا۔

اسی طرح ذبح کرتے وقت یہ کہہ دینا اللھم تقبل منی یا اللھم
تقبل من فلان

غرض یہ کہ ان تمام صورتوں میں پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے کہ ذبح
کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ اور دوسری صورت کہ تقرب کی نیت

سے غیر اللہ کے نامزد کیا جائے۔ خواہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر ہی کہا جائے۔ یہ صورت علماء محققین کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔ اور ایسے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے اور یہی اپنے اکابر کا مسلک ہے۔ البتہ اس زمانہ میں بعض مبتدعین نے علماء محققین سے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت کھانا حرام نہیں ہے۔

باقی سب صورتیں بالاتفاق جائز ہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔

گیارھویں صدی کے شافعی فقیہ کا فتویٰ

سائبہ بحیرہ وصیلہ حامی مالک کے ملک سے نہیں نکلتے۔ چنانچہ

شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ بن شہاب الدین الرملی المنوفی المصری الانصاری الشہیر بالشافعی الصغیر (المتوفی ۱۰۰۴ھ) اپنی مشہور کتاب نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج فی الفقہ علی مذہب الامام الشافعی ص ۱۳۶ میں لکھتے ہیں: ومتی ملکہ لم یزل ملکہ عنہ بانفلاتہ کما لو ابق العبد۔ ومن اخذہ لزمہ ردہ لہ وان توحش۔ وکذا بارسال المالک لہ فی الاصح لان رفع الید لا یقتضی زوال الملک کما لو سیّب دابتہ۔ بل لا یجوز ذلک لانہ یشبہ السوائب فی الجاہلیۃ وقد قال اللہ تعالیٰ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام۔ ومحل کلامہ فی غیر المحترم۔ واما لو اخرم ومنی مکدسیہ فانہ سائبۃ ویزول عنہ ملکہ ...... ویستثنی من عدم الجواز ما اذا خیف ... (محبس) ما صادہ فیتجہ وجوب ارسالہ صیانۃ لروحہ۔

... اس عبارت ... ہے کہ شکار سے مالک نے اگر چھ ...

عمرہ کا احرام باندھ لیا ہو تو اس پر اس شکار کا چھوڑ دینا ضروری اور واجب ہو جاتا ہے اور وہ شکار اس کے ملک سے نکل جاتا ہے۔ اور اگر شکار کو بند کرنے سے اس کے بچوں کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تب بھی اس پر ضروری ہے کہ اس شکار کو آزاد چھوڑ دے اور وہ شکار اس کی ملک سے نکل جائیگا۔

ان دو صورتوں کے علاوہ مالک اگر اپنی مملوکہ چیز کو آزاد چھوڑ دے تو وہ چیز اس کے ملک سے نہیں نکلتی۔ جیسے بھاگا ہوا غلام اس آقا کے ملک سے نہیں نکلتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی اور آدمی نے اس غلام کو پکڑ لیا ہو تو اس پکڑنے والے پر اس بھاگے ہوئے غلام کو اس کے مالک کو واپس کرنا لازم اور ضروری ہے۔ اسی طرح اگر اس مالکِ غلام نے اس غلام کو یونہی چھوڑ دیا نہ اس سے کام لیتا ہے اور نہ اس آزاد کرتا ہے تو اس طرح وہ غلام اس مالک کے ملک سے نہیں نکلتا۔

کیونکہ مالک کا اپنی مملوکہ چیز سے ہاتھ ہٹا لینا" اس امر کا مقتضی نہیں کہ وہ مملوکہ چیز اس مالک کے ملک سے نکل جائے۔ بلکہ اس مالک کا یہ کام کہ اپنی مملوکہ چیز سے اپنا ہاتھ ہٹا لے اور اس سے کام نہ لے مثلاً دودھ دینے والے جانور کا دودھ دوہے اور سواری والے جانور پر سواری نہ کرے یہ اس کا کام ناجائز ہے۔ کیونکہ اس کی مثال ایسی ہو جاتی ہے جیسے جاہلیت کے دور میں مشرک لوگ بحیرہ سائبہ وصیلہ حامی غیر اللہ کی رضا اور تقرب کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بے ہودہ عمل کی تردید کرتے ہوئے ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام یعنی اللہ تعالیٰ نے نہ تو بحیرہ کو مقرر اور مشروع کیا ہے اور نہ

سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو (بحیرہ اونٹنی ہے جس نے پانچ بچے دے دیے ہوں اس کا کان چیر اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اس کو قابلِ احترام سمجھتے تھے۔ نہ اس پر سواری کرتے اور نہ ہی اس کا دودھ دوہتے۔ اور سائبہ اونٹنی ہے جو دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دی جاتی اور اس کو متبرک سمجھ کر اس کی سواری یا اس کے بال کترنے چھوڑ دیتے اور اس کا دودھ بھی نہ پیتے۔ اور وصیلہ وہ بکری ہے جو پہلوٹھی کے اوپر تلے دو مادہ بچے دے دے اس کو متبرک سمجھ کر چھوڑ دیتے اور اس کا دودھ اور اُون استعمال نہ کرتے۔ اور حامی وہ اونٹ جس کی نسل سے دس بچے ہو جائیں اس کو متبرک سمجھ کر چھوڑ دیتے اور اس سے کوئی کام نہ لیتے)

اور فرمایا کہ جب میں نے بحیرہ سائبہ وصیلہ حامی کو یوں ہی بیکار چھوڑ دینے کا حکم نہیں دیا تو تم اب اپنے اس عقیدۂ بد اور باطل سے باز آؤ۔ اور ان جانوروں سے بدستور کام لو اور ان کو ذبح کر کے کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں میں نے تمہارے کھانے کو پیدا کی ہیں حلال طیب ہیں اور تمہارے ملک میں کی ہیں

جب یہ چیزیں مالک کے ملک میں ہوئیں۔ اور بدوں اس کے کہ مالک ان چیزوں کو کسی کے ہاتھ بیچے یا کسی کو ہبہ کرے یا صدقہ کرے یونہی محض بیکار چھوڑ دینے سے یہ چیزیں مالک کے ملک سے نہیں نکلتیں۔ انتہی لہٰذا اب

یا تو ان جانوروں کے مالک کو حکم ہے کہ اپنے اس باطل عقیدہ سے تائب ہو کر اپنے ان جانوروں کو اپنے کام میں لائے اور یا ان کو

ذبح کرکے کھائے اور کھلائے یا کسی ضرورت مند کو صدقہ کرے یا ہبہ کرے یا کسی کے ہاتھ بیچ دے اور اب وہ مصدق یا موہوب لہٗ یا مشتری اس جانور سے جو کام لینا چاہیں وہ کام لیں یا ذبح کرکے کھائیں کھلائیں

مگر بغیر ان حالتوں کے کوئی دوسرا آدمی ان جانوروں کو پکڑ کر اپنے گھر لے آئے اور ان سے کام لینا شروع کردے ان پر سوار ہو یا ان کا دودھ پیے یا ان سے ہل جوتنے کا کام لے یا ذبح کرکے کھائے سو یہ اس کے لیے حرام ہے۔

مگر اس حرمت کی یہ وجہ نہیں کہ یہ سائبہ بحیرہ وصیلہ حامی ہیں بلکہ اس کی حرمت کی وجہ ہے ملکِ غیر میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا اور بغیر اجازت کے ملکِ غیر میں تصرف کرنا شرعًا حرام ہے۔ ہدایہ ص۔ میں ہے

اس تفصیلی بیان کے بعد سائبہ بحیرہ وصیلہ حامی سے ما اہل بہ لغیر اللہ کا واضح فرق معلوم ہو گیا کہ بحیرہ سائبہ وصیلہ حامی چونکہ مالک کے ملک میں ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے مالک کے ملک سے نہیں نکلا اس لیے مالک تو اس کو استعمال کرے جیسے بھی چاہے خواہ بیچے یا ہبہ کرے یا صدقہ کرے یا خود ذبح کرکے کھائے کھلائے یا کسی کو ذبح کی اجازت دے دے تو اس مالک کو یہ سب اجازت کہ اپنے مملوکہ چیز میں اس کو ہر طرح کے تصرف کرنے کا حق شریعت نے اس کو دے رکھا ہے مگر دوسرے شخص کو یہ شرع نے اجازت نہیں دی کہ وہ پرائے ملک میں کسی قسم کا تصرف کرے جب تک کہ خود مالک اپنی مملوکہ چیز میں تصرف

کرنے کی اجازت اس کو نہ دے۔

رہا ما اہل بہ لغیر اللہ سو اُس میں خبث آنے کی وجہ سے شریعت نے اس کو حرام کر دیا جب تک کہ اس میں خبث رہیگا تو یہ حرمت لذاتہا نہیں ہے بلکہ حرمت لغیرہا ہے۔ اسی لیے مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے) محرمات کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا یعنی وہ جانور جو اپنی ذات کے اعتبار سے حلال و طیب ہے مگر مالک حقیقی کے سوا کسی اور کی نیاز کے طور پر نامزد کر دیا گیا ہو اس کا کھانا بھی نیت کی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی بنا پر حرام ہے۔ کسی جاندار کی جان صرف اسی مالک و خالق کے حکم اور نام پر لی جا سکتی ہے جس کے حکم اور ارادہ سے اس پر موت و حیات طاری ہوتی ہے (تفسیر شبیری ص۱۴۳ سورۂ مائدہ)

حکیم الامت نے لکھا مسئلہ جس جانور کو غیر اللہ کے نام نامزد اس نیت سے کر دیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کارروائی کر دیں گے جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہے کہ اسی نیت سے بکرا مرغا وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں وہ حرام ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو۔ البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کر لے، پھر وہ حلال ہو جاتا ہے (بیان القرآن جلد اول صفحہ ۹۷)

نیز آپ نے لکھا کہ سوائب ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں۔ کیونکہ ناذر کا مقصد اُن کا ذبح نہیں۔ پس ان کی حرمت کسی دوسرے عارضہ سے ہوئی ہیں کہ ان کے ارتفاع سے حرمت اکل بعد الذبح مرتفع ہو جائے گی۔ چنانچہ بکثرت مفسرین نے آیت یایہا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً کا سبب نزول اسی تحریم سوائب کو لکھا ہے۔ اور آیت سے حلت کا اثبات اور

اور اسکی حرمت کی نفی کی ہے۔

اور بعض نے جو دوسرا سبب نزول لکھا ہے انہوں نے بھی اس حلت کی نفی اور حرمت کا اثبات نہیں کیا۔ تو مسئلہ متفق علیہ ہوگیا۔

آگے چل کر لکھا کہ منذور بہ لغیر اللہ میں ایسا تصرف جس میں ناذر کی غرضِ باطل کی تقریر ہو وہ حرام ہے لان اعانۃ الحرام حرام۔ اور جس تصرف میں ناذر کی غرضِ باطل کا ابطال ہو وہ جائز ہے۔

پس ما اہل بہ لغیر اللہ کے ذبح وتناول میں ناذر کی غرض اراقۃ الدم کی تقریر ہے اس لیے حرام ہے۔ اور سوائب کے ذبح وتناول میں ناذر کی غرض تسییب کا ابطال ہے اس لیے حرام نہیں

تحقیق انیق

از پیر طریقت حضرت مولنا حسین علی الوانی قدس سرہٗ

رئیس المفسرین من العلماء المتاخرین حضرت علامۂ دوران محقق زمان مولنا حسین علی الوانی (واں بھچراں) رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی املائی تفسیر مسمیٰ بلغۃ الحیران میں ارقام فرمایا

فالحاصل وفا کنید بہ عہد ہائے کہ بجذا بستہ اید در التزام احکام او تعالیٰ بہائم را حلال دانید تحریم را دور کنید - فی سورۃ البقرہ کلوا مما فی الارض حلالا طیبا و لا تتبعوا خطوات الشیطان

فی سورۃ المائدہ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ـــــ و قال لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا

وفی سورۃ الانعام وقالوا ہذہ انعام وحرث حجر لا یطعمہا الا من نشاء بزعمہم وانعام حرمت ظہورہا وانعام لا یذکرون اسم اللہ علیہا افتراء علیہ ـــ وقال قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اہل لغیر اللہ بہ

وفی سورۃ الاعراف قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔

وفی سورۃ النحل فکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا واشکروا نعمۃ اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اہل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان اللہ غفور رحیم ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب

ہٰذا حلال وہٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب

فہٰذہ الآیات تنفی تحریم ما احل اللہ ومہنیۃ لقولہ تعالیٰ فی سورۃ المائدۃ

احلت لکم بہیمۃ الانعام

پس بداں اے برادر کہ یک مسئلہ این ست۔

وسئلہ دوم اینکہ چیزے کہ بنام غیر ذبح شدہ باشد یا تعظیم او برائے او

مقرر شدہ باشد

فی سورۃ البقرۃ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اہل بہ لغیر اللہ۔

وفی سورۃ المائدۃ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اہل لغیر اللہ بہ۔

وقال وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام

وفی المائدۃ ایضا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل

الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون

وفی سورۃ الانعام قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان

یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اہل لغیر اللہ بہ۔

وفی سورۃ الانعام ایضاً وجعلوا للہ مما ذرأ من الحرث والانعام نصیبا فقالوا

ہٰذا للہ بزعمہم وہٰذا لشرکائنا ـــــ وقال ایضا وکذلک زین لکثیر من

المشرکین قتل اولادہم شرکاؤہم لیردوہم ولیلبسوا علیہم دینہم

وفی سورۃ الانعام ایضا واتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین

وقال تعالیٰ لا تسرفوا اے لا تشرکوا الاصنام (ومافی حکمہا) فی الحرث والانعام

(تفسیر صوفی خازن)

وفی سورۃ الاعراف انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منہا وما بطن والاثم و

البغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمو(ن)

وفی سورۃ النحل انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اہل لغیر اللہ بہ ____ ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ہٰذا حلال وہٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون۔

وفی سورۃ الحج واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق لیشہدوا منافع لہم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر ثم لیقضوا تفثہم ولیوفوا نذورہم ولیطوفوا بالبیت العتیق ____ واحلت لکم الانعام الا ما یتلی علیکم فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء للہ غیر مشرکین بہ ____ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب

فی الصراح اہل المحرم اذا رفع صوتہ بالتلبیۃ واہلت التسمیۃ علی الذبیحۃ۔

تجرید الباء ہو لفظ یرفع بہ الصوت ای اسم اللہ مثلاً

فقولہ تعالیٰ وما اہل بہ لغیر اللہ معناہ بقاعدۃ اللغۃ حرم علیکم لفظ وقول رفع بہ الصوت لتعظیم غیر اللہ ولتقربہ

فحرمتہ توجیہۃ والمنسوب لغیر اللہ بسبب ہذا اللفظ

فالتفسیر بما ذبح علی غیر اسم اللہ او ما نودی علیہ بغیر اسم اللہ انما ہو تفسیر بالحاصل۔ والا یلزم بناءً علی تفسیرہ بما نودی علیہ بغیر اسم اللہ ان یکون الباء فی ما اہل بہ لغیر اللہ بمعنی علی واللام فی لغیر اللہ بمعنی الباء وحذف المضاف ووضع اللام فی موضع الباء۔ وہذا ظاہر۔

الا ترئ انہ تعالیٰ قال فی سورۃ الحج اجتنبوا قول الزور ای قول الشرک کذا فسرہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی اول سورۃ المؤمنین

وفی سورۃ الانعام او فسقا اهل لغیر الله به ای اللفظ (لفظ الفسق الذی یخرج به الانسان من الایمان) الذی اهل به لتعظیم غیر الله۔

فکل ما جعل لتعظیم الله حرم بسبب هذه اللفظة

ولو سلمنا ان المعنی ما قالوا ففی تحریم ما جعل لغیر الله آیات اخر منصوصة الا تری فی سورة النحل ویجعلون لما لا یعلمون نصیبا مما رزقناهم ۔ تالله لتسئلن عما کنتم تفترون

وفی سورة الانعام وآتوا حقه یوم حصاده ولا تسرفوا ۔ قال مقاتل لا تسرفوا ای لا تشرکوا الاصنام فی الحرث والانعام۔

وفی سورة الانعام وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث والانعام نصیبا فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشرکائنا الی آخر الآیة

ثم جعل لتعظیم الاصنام فلا شک لاحد من العلماء فی حرمته الا بان یاخذ السلطان کرها او المسلمون الی ما بلغوا دار الاسلام بالسرقة من دار الحرب او بان یسلم المشرکین ۔ فاذا ارادوا هذه النیة فتحل ۔ وانما یحرم الاخذ ان اعطوا علی تلک النیة فالاخذ منهم لیفعلهم

واما یقع من المسلمین فقد قال فی الدر المختار قبیل باب الاعتکاف

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل وحرام ۔ ما لم یقصدوا صرفها لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک ولا سیما فی هذه الاعصار ۔ وقد بسطه العلامة قاسم فی شرح درر البحار ۔ انتهی

وفی البحر الرائق ... مفصل وبه افتی المولوی عبد الحی رح ... بالتحریم و نقل کلامه

وفی فتاوی المولوی عبدالحی مع من الجلد الثانی غیر اللہ کی نذر و منت حرام
اور منذور غیر خدا کی شیرینی یا فرنی کھانا ہر امیر و فقیر پر حرام ہے۔
اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ ان رجلا نذر ان ینحر ابلا فی موضع سماہ
فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہل فیہ وثن من اوثان الجاہلیۃ تعبد قال لا
قال اوف بنذرک
فتاوی رشیدیہ میں ہے جلد ثانی ص۱۱ : جو جانور غیر کے نام کا ہو اس کو
اسی ہی نیت سے ذبح کرنا بسم اللہ کہہ کر بھی حرام ہے
پھر ص۲۱ میں لکھا سورہ بقرہ یا ایہا الذین اٰمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم
واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون ۔ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما
اہل بہ لغیر اللہ۔
مائدہ : احلت لکم بہیمۃ الانعام الا ما یتلی علیکم غیر محلی الصید وانتم حرم ان اللہ
یحکم ما یرید ۔ اور حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اہل لغیر اللہ
بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی
النصب وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق۔ اور یا ایہا الذین اٰمنوا لا
تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین وکلوا مما
رزقکم اللہ حلالا طیبا واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون اور ما جعل اللہ
من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ
الکذب۔
وفی سورۃ الانعام فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بآیاتہ مؤمنین وما لکم الا
تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ وان کثیرا
لیضلون باہوائہم بغیر علم ان ربک ہو اعلم بالمعتدین ۔ اور ولا تاکلوا

مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق

اور فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بآیاتہ مؤمنین کا معنے یہ ہے کہ تم یہ ذکر و کہ جس کو بحیرہ اور سائبہ بنا چکے ہو اللہ کا نام ذکر کر دو۔ اور ذبح کر دو تو پھر بھی نہ کھاؤ۔ یہ نہیں بلکہ بحیرہ اور سائبہ حلال ہیں جب اللہ کا نام لے کر ذبح کیے جائیں

اور قول الزور سے مراد مفسرین نے شہادت کاذبہ لی ہے۔ مگر یہ معنے سیاق و سباق کے مخالف ہے۔ بلکہ قول زور سے مراد یہ کہنا کہ فلاں جانور فلاں طاغوت پر قربان ہے۔ اور ما اہل بہ لغیر اللہ میں لفظ ما سے مراد وہ کلمہ ہے جس سے غیر اللہ کے بلانے کے واسطے آواز کیا جائے۔ تو اس طرح قول الزور اور ما اہل بہ لغیر اللہ دونوں کا مؤدی اور مطلب ایک ہی ہوا۔

والمراد من ما اہل بہ لغیر اللہ الجعل لغیر اللہ سواء کانت انعاما او غیرہا من جنس الدراہم والدنانیر واللبن والحلواء۔

ومعنے واجتنبوا الرجس من الاوثان اے عن ان یجعل النذور لہا

ومعنے واجتنبوا قول الزور اے اجتنبوا الفاظا یرفع بہ الصوت لتعظیم غیر اللہ والتقرب الیہ وعبادتہ وہو المراد من قولہ تعالیٰ اَوْ فِسْقًا اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ اے حرم علیکم قول التقرب لغیر اللہ ولہ یحرم المال الذی تقرب بہ لغیر اللہ اے بذکر ہذا القول

ہذہ مسئلۃ اجماعیۃ: یعنی ما تقرب بہ شیئا للصنم فاخذ ذلک المال بحیث اخذ من المعطی بہذہ التسمیۃ وصار متمہا لہا فہو حرام بل سحت فکذلک ما یؤخذ اسم اللہ ضرائح الاولیاء تقربا الیہم فہو بالاجماع حرام و باطل منصوص علیہ۔ فمن قال انہ حرام لکونہ اسرافا فقد خبط خبطا بینا۔

اما تنازع اہل الاسلام فلیس مرادہم ان بعضہم : الیٰ للاولیاء حلال - بل مرادہم ان المسلمین لا یعتقدون ان الاولیاء یعلمون الغیب ولا ینادونہم - ولا یتقربون الیہم بل العبادۃ للہ تعالیٰ وایصال الثواب لارواحہم فلیس التنازع فی المسئلۃ - بل المسئلۃ اجماعیۃ - والتنازع : بفعل فعل العوام بل ہو داخل فی ہذا الامر لا - خلاصہ ہماری مبحث کا یہ ہے کہ مسئلے چار ہیں

۱ پہلا مسئلہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھنا شرط ہے ایمان کی

۲ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو بندہ حرام نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو اس کا فرض بنتا ہے کہ قسم توڑے اور اس کا کفارہ ادا کرے اور اگر کھانے کی چیز ہے تو اسے اللہ کا نام لے کر کھائے - بہرحال بندہ کے حرام کرنے سے حلال چیز حرام نہیں ہوتی

۳ - تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نذر للہ برحق ہے اسے بجا لانا چاہیے - ایفاء نذر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

۴ - چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ نذر چونکہ عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت حرام اور شرک ہے اس لیے نذر غیر اللہ کی بھی حرام اور شرک ہوگی - اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو کبھی ما اہل بہ لغیر اللہ کے ساتھ تعبیر کیا اور کبھی فسقاً اہل لغیر اللہ بہ کے ساتھ تعبیر کیا - اور واجتنبوا قول الزور کے ساتھ تعبیر کیا ہے - بہرحال نتیجہ اور مطلب سب کا ایک ہی ہے - فرق صرف تعبیری ہے اور بس -

اب یہ کہنا کہ حلال چیز کو حرام کیوں کہتے ہو یہ غلط ہے کیونکہ ہم نے نہیں بلکہ اللہ نے حرام کیا ہے واللہ یحکم ما یرید - نیز من طلاق سے حلال بیوی حرام کون ...

اِزالۃُ الاشتباہ

عن اخبار

یَاعِبَادَاللہ

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

○ قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ صریحہ سے بطریقِ احسن ثابت ہو چکا ہے کہ حاجت براری۔ مشکل کشائی۔ شفائے مرضیٰ۔ فتح افواج مومنین و دیگر مافوق الاسباب امور کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو پکارا جا سکتا ہے اور غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے۔ اگرچہ وہ غیر اللہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہی عقیدہ سچا پکا مضبوط اور حق ہے۔ اس میں کچھ تردد قلق اضطراب شک و ارتیاب نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کے باوجود بعض مبتدعین عوام کو دھوکہ دینے کے لیے بعض موضوع، من گھڑت اور خود ساختہ احادیث پیش کرتے ہیں۔ اصلاح عقیدہ کے لیے ان بے سروپا حدیثوں کی حقیقت کا بیان ضروری ہے۔ چنانچہ:

پہلی روایت:

○ مبتدعین اپنے استدلال میں ایک حدیث تو وہ بیان کرتے ہیں جسے حضرت حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں ذکر کیا ہے۔

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحٰقَ التُّسْتَرِيُّ ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَحْيٰى الصُّوْفِيُّ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَنْجَانَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عِيْسٰى عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ عَنْ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَ هُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيْسٌ فَلْيَقُلْ "يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَغِيْثُوْنِيْ ۔ يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَغِيْثُوْنِيْ" فَإِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ وَ قَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ۔ (المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۱۱۷)

یعنی جب تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز گم کر دے یا مددگار چاہتا ہو اور وہ خود ایسے علاقہ میں ہو جہاں اس سے انس کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس طرح کہے کہ: "اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ تعالیٰ کے بندو میری مدد کرو۔ کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں جو ہمیں نہیں دکھتے۔ اور یہ عمل مجرب ہے۔

○ محقق علماءِ کرام نے اس حدیث کے کئی جواب دیے ہیں، مثلاً:

① یہ حدیث قرآن مجید کے صریح خلاف ہے۔

② یہ حدیث نہ طبقۂ اولیٰ کی ہے نہ طبقۂ ثانیہ کی اور نہ طبقۂ ثالثہ کی بلکہ طبقۂ رابعہ کی کتاب میں منقول ہے۔ جو نہ عقیدہ کے لحاظ سے معتبر ہے اور نہ عمل کے لحاظ سے۔

③ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی (متوفی ۸۰۷) نے مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کے بعض راوی گو ثقہ تو ہیں مگر بعض راوی ضعیف ہیں۔

○ نیز یہ کہ اس حدیث میں ایک راوی "زید بن علی" ہے۔ جس نے سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہی نہیں پایا کہ جن سے وہ براہِ راست سنتا۔ اب معلوم نہیں کہ ان دونوں کے درمیان کونسا راوی ہے۔ اس طرح اس روایت کی سند منقطع ہوئی۔ اس لیے یہ روایت ناقابلِ استدلال ہے۔ اور اگر بالفرض صحیح سند سے ثابت ہوتی پھر بھی قابلِ قبول نہ ہوتی۔ کیونکہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کے سخت خلاف ہے۔

دوسری روایت

○ ایک اور روایت بھی بدعتین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے جسے ابن سنی نے عَمَلُ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ بَابُ مَا یَقُوْلُ اِذَا انْفَلَتَتِ الدَّابَّۃُ میں نقل فرمایا ہے۔
یعنی اس بات کا بیان کہ جب چوپایہ چھوٹ جائے تو کیا پڑھے۔

اخبرنا ابویعلی ثنا الحسن بن عمر بن شقیق ثنا معروف بن حسان ثنا ابومعاذ السمرقندی عن سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن ابی بردۃ عن ابیہ عن عبداللہ بن مسعود انہ قال قال علیہ السّلام اذا انفلتت دابۃ احدکم بارض فلاۃ فلیناد: "یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا". فان للہ حاضرا فی الارض سیحبسہ. رواہ ابو یعلیٰ و الطبرانی و زاد سیحبسہ علیکم. (عمل الیوم واللیلۃ ص۲۰۱) یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی کا چوپایہ کسی جنگل میں چھوٹ جائے تو بلند آواز سے کہے کہ: "اے اللہ کے بندو روکو، اے اللہ کے بندو روکو، کیونکہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ روکنے والے ہیں، وہ اس چوپائے کو روک لیں گے۔

- اس روایت میں ایک راوی "معروف بن حسان" ہے۔ جو ضعیف ہے (مجمع الزوائد ج۱۰ ص۱۳۲)
- حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور معروف بن حسان منکر الحدیث ہے یعنی ایسا راوی ہے جو فحش غلطیاں اور بہت غفلت کرتا ہے، اس کا فسق ظاہر ہے۔ اور پھر روایت کرنے میں یہ اکیلا ہے کوئی دوسرا راوی یہ روایت بیان نہیں کرتا۔ اور پھر ابن ابی بردہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان راوی ہے جو بیان نہیں کیا گیا۔ تو سند منقطع ہوئی جو قابل قبول نہیں ہوتی۔ (ظفر الجلیل ص۱۴۱)
- نیز عمل الیوم واللیلہ میں جو ابی بردہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان عَنْ اَبِیْہِ لکھا ہوا ہے یہ کسی کاتب نے غلطی سے لکھ دیا ہے (الاحادیث الضعیفہ ج۲ ص۱۰۸) اور ظفر الجلیل میں جو سند منقول ہے۔ اس میں عَنْ اَبِیْہِ کا لفظ نہیں ہے۔

قاعدہ ہے کہ جس حدیث کا راوی منکر ہو وہ حدیث اعتقاد اور عمل کے لائق

نہیں ہوتی۔ جیسے نخبۃ الفکر اور اصولِ حدیث کی دیگر کتابوں میں اس کی تصریح ہے۔

○ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث کے مورد کو تحصیل منافع پر اور ضرروں کے دفع کرنے پر اور فراخی رزق و صحت و فرزند کے طلب کے سبب پر اور مال وجاہ و مراتب اور تمام حاجتیں غیر اللہ سے مانگنے پر حمل کریں تب بھی روا نہیں۔ کیونکہ اس مقصد کی تردید میں بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ صریحہ متواترہ موجود ہیں۔ اور اجماع اُمت اور تعامل خیر القرون (قُرُونِ ثلٰثہ) بھی اس کو رد کرتے ہیں۔

○ نیز یہ خبر واحد ہے۔ اور خبر واحد اگر صحیح بھی ہو تب بھی قرآن مجید کے معارض اور مقابل ہو تو وہ قابل عمل نہیں ہو سکتی۔

○ اس طرح مبتدعین کی وضع کردہ یہ حدیثیں اگر صحیح الاسناد بھی ہوتیں تب بھی رد ہوجاتیں۔ چہ جائیکہ یہ حدیثیں صحیح ہی نہیں بلکہ راوی منکر ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

○ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں قرآن مجید کے مخالف ہیں۔ اور قاعدہ ہے: یرد خبر الواحد فی معارضۃ الکتاب لان الکتاب مقدم لکونہ قطعیا متواتر النظم لاشبھۃ فی سندہ کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں خبرِ واحد رد کردی جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید قطعی اور متواتر النظم ہونے کی وجہ سے مقدم ہے۔ اس کی سند میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ (دیکھیے: توضیح تلویح)

○ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مافوق الاسباب امور میں غائب ہستیوں کو پکارنے سے بے شمار آیات میں منع فرمایا ہے۔ مثلاً:

① لَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ (۷۲:۱۸) کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارا کرو۔

② نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ۔ (۱۰:۱۰۶) کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہ پکارنا، کیونکہ وہ تجھ کو نہ تو کسی قسم کا نفع پہنچا سکتا ہے، اور نہ ہی کسی قسم کا نقصان پہنچانا اس کے بس میں ہے۔

③ نیز فرمایا: اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّكُمْ۔ (۲۱:۶۶) کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تمھیں کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

④ نیز فرمایا: اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا۔ (۵:۷۶) کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جن کے اختیار میں تمھارا نفع اور نقصان کچھ بھی نہیں۔

⑤ نیز فرمایا: هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ۔ (۲۶:۷۳) کہ جب تم ان کو پکارتے ہو کیا یہ تمھاری کچھ سنتے بھی ہیں یا تمھیں کوئی فائدہ یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟

⑥ نیز فرمایا: اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا وَّ لَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا۔ (۲۰:۸۹) کہ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا الٹ کر جواب دے سکتا ہے، اور نہ ہی ان کے نقصان اور نفع کا مالک ہے۔

⑦ نیز ارشاد فرمایا: یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ۔ (۲۲:۱۲) کہ اپنی حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کو بلاتا ہے وہ نہ تو اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی اس کو نفع پہنچا سکتے ہیں۔

⑧ نیز ارشاد فرمایا: قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا۔ (۶:۷۱) کہ یا رسول اللہ! آپ فرما دیجیے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنی مدد کے لیے ان کو بلائیں جو نہ ہم کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور

نہ ہی نقصان۔

⑨ نیز فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا۔ (۷۲:۲۰) کہ یا رسول اللہ! آپؐ فرمادیجیے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ اور کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔

⑩ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (۱۱:۱۰۱) کہ عذابِ الٰہی کا حکم آجانے کے بعد اب وہ معبود ان کے کچھ بھی کام نہیں آئے جن کو مشکل وقت میں وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا کرتے تھے۔

⑪ نیز فرمایا: وَاَنَّمَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ (۳۱:۳۰) کہ یہ منکر اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی حاجت براری کے لیے جن جن کو پکارتے ہیں وہ سارے کے سارے لغو اور باطل ہیں۔

⑫ نیز فرمایا: وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ۔ (۲۲:۶۲) کہ یہ منکر اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی حاجت براری کے لیے جن جن کو بھی پکارتے ہیں وہ سارے کے سارے باطل اور لغو ہیں۔ یعنی ان کی پکار لغو ہے۔

⑬ نیز فرمایا: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا۔ (۱۷:۵۶) کہ یا رسول اللہ! آپؐ فرما دیجیے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کو بھی الوہیت میں شریک سمجھتے ہو' حاجت پڑنے پر بھلا ان کو بلا کر تو دیکھو' وہ نہ تو تم سے کوئی تکلیف ہی دور کرسکتے ہیں اور نہ اس تکلیف کو بدل سکتے ہیں۔

⑭ نیز فرمایا: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ۔ (۳۴:۲۲) کہ یا رسول اللہ! آپؐ فرمادیجیے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کو بھی الوہیت میں شریک سمجھتے ہو' حاجت پڑنے پر بھلا ان کو بلا کر تو دیکھو' تمھیں معلوم ہوجائے گا

کہ وہ نہ تو آسمانوں ہی میں ذرہ برابر کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں۔

(۱۵) نیز ارشاد فرمایا: وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ۔ (۸۶:۴۳)
کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن لوگوں کو پکارتے ہیں وہ تو محض سفارش تک کا اختیار بھی نہیں رکھتے۔

(۱۶) نیز ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ .....
(۲۰:۴۰) کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ اچھے یا برے کسی طرح کے کام کا بھی حکم نہیں دے سکتے۔

(۱۷) نیز ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ..... (۱۴:۱۳) کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ تو ان کی کوئی بات بھی نہیں سنتے، مگر ویسا ہی بے کار مُنتا، جیسے ایک شخص اپنے دونوں ہاتھوں کو پانی کی طرف پھیلائے تاکہ خود بخود پانی اس کے منہ میں آجائے۔

(۱۸) نیز فرمایا: وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ۔
(۲۰:۱۶) کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن لوگوں کو حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔

(۱۹) نیز ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ۔
(۱۳:۳۵) کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ تو اتنا سا اختیار بھی نہیں رکھتے جتنی کہ کھجور کی گٹھلی کے اوپر کی جھلی ہوتی ہے۔

(۲۰) نیز ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ
(۱۹۴:۷) کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو اپنی مدد کے لیے بلاتے ہو، وہ بھی تم جیسے ہی بندے ہیں۔ ان کو بھلا کیا طاقت ہے کہ وہ کسی کی حاجت براری کر سکیں۔

۲۱ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ (۱۹۷:۷) کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن لوگوں کو اپنی مدد کے لیے پکارتے ہو وہ نہ تو تمھاری مدد کرنے پر قادر ہیں، اور نہ ہی وہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

۲۲ نیز فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (۷۳:۲۲) کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اس مکھی کو پیدا کرنے کے لیے وہ سب کے سب بھی اکٹھے ہو جائیں۔

۲۳ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ (۱۴:۳۵) کہ تم ان کو کتنا ہی بلاؤ اول تو وہ تمھارے بلانے کو سنیں گے ہی نہیں، اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمھاری فریادرسی نہ کر سکیں گے اور قیامت کے دن تمھارے شرک سے مکر جائیں گے۔

○ قرآن مجید کی یہ آیاتِ مبارکہ گو بتوں کے بارے میں ہیں۔ مگر **قاعدہ ہے:** اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ

(ظفر جلیل ص ۱۳۷)

○ اس کے علاوہ قرآن مجید میں جگہ جگہ حاجات و مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے اور یاد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً:

۱ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ ---- ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (۶۲:۲۷) کہ بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی شخص بے قرار ہو کر اس سے فریاد کرے اور اس کی فریاد کو پہنچے اور اس کی مصیبت کو ٹال دے ---- کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ کوئی اور بھی مصیبت کو ٹالنے والا ہے؟

② نیز فرمایا: فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (۴۰:۱۴) کہ ہر شائبۂ شرک سے، اور آمیزش کفر سے پاک صاف ہو کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاجات و مشکلات میں پکارا کرو۔

③ نیز فرمایا: فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (۴۰:۶۵) کہ ہر شائبۂ شرک سے، اور آمیزش کفر سے پاک صاف ہو کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاجات و مشکلات میں پکارا کرو۔

④ نیز فرمایا: وَ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (۷:۲۹) کہ ہر شائبۂ شرک سے، اور آمیزش کفر سے پاک صاف ہو کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاجات و مشکلات میں پکارا کرو۔

⑤ نیز فرمایا: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً (۷:۵۵) کہ گڑگڑا گڑگڑا کر اور چپکے چپکے اپنے رب سے ہی دعا کیا کرو۔

⑥ نیز فرمایا: قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (۴۰:۶۰) کہ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ صرف مجھے ہی پکارا کرو (جلد یا بدیر جیسے مصلحت ہوگی) میں ہی تمہاری درخواست قبول کروں گا۔

⑦ نیز فرمایا: وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (۷:۵۶) کہ عذاب کے ڈر سے، اور فضل کی امید رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی سے دعائیں مانگتے رہو۔

⑧ نیز فرمایا: اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲:۱۸۶) کہ جب کبھی کوئی مجھ سے دعا کرے تو میں ہر ایک دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں، اور مصلحت ہو تو قبول بھی کر لیتا ہوں۔

○ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء اور اولیاء بھی بارگاہِ الٰہی میں یہی عرض کرتے تھے:

① اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ (۳:۳۸) کہ اے اللہ تعالیٰ صرف آپ ہی سب کی دعائیں سنتے ہیں۔

② اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (۱۴:۳۹) کہ بے شک صرف میرا رب ہی ہے

جو دعا کو سنتا ہے۔

③ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۱۲۷:۲ و ۳۵:۳) کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ اے اللہ! صرف آپ ہی سب کی فریادیں سننے والے اور سب کی نیتوں سے واقف ہیں۔

④ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (۱:۱۷ و ۵۶:۴۰) کہ اصل سننے والا اور دیکھنے والا یعنی غیب دان وہی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

⑤ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲۰۰:۷)

⑥ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۶۱:۸ و ۳۴:۱۲ و ۲۲۰:۲۶ و ۶:۴۱ و ۶:۴۳ و ۳۶:۴۱) کہ صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کی دعائیں سنتا اور اچھا اور برا سب کچھ جانتا ہے۔

⑦ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ (۵۰:۳۴) کہ بے شک صرف وہی ہے جو سب کی فریادیں سنتا ہے اور فریاد کرنے والے ہر شخص کے قریب ہے۔

⑧ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ (۶۱:۱۱) کہ بے شک میرا رب ہر ایک کے قریب ہے، سب کی فریادیں سنتا ہے، اور دعا قبول کرتا ہے۔

○ اسی طرح قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں، مثلاً:

⑨ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۱۳۷:۲)

⑩ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۱:۸۱ و ۸:۱۷ و ۵۳)

⑪ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲:۲۵۶ و ۳:۳۴ و ۱۲۱ و ۹:۵۸ و ۲۴:۲۱ و ۲۴:۶۰)

⑫ إِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (۴۲:۸)

⑬ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ (۲۱:۲۸ و ۲۲ و ۷۵ و ۵۸:۱)

⑭ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (۲۰:۴۰)

⑮ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (۵۸:۴)

⑲ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا ، بَصِيْرًا (۱۳۴:۴)

○ قرآن مجید کی ان تمام آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث روایت قرآن مجید کی تعلیمات کے خلاف کسی سازش کا نتیجہ ہے۔

○ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث ایک صحیح حدیث کے معارض ہے۔ اور وہ معجم طبرانی اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۹۰ میں ہے۔ حدثنا (سلیمان بن حیان الازدی) ابو خالد الاحمر الکوفی عن (محمد) بن عجلان عن عمر بن کثیر بن افلح عن ابن عمر فی الضالة یتوضا و یصلی رکعتین و یتشهد و یقول "يَاهَادِيَ الضَّالِّ وَ رَآدَّ الضَّآلَّةِ ارْدُدْ عَلَيَّ ضَآلَّتِي بِعِزَّتِكَ وَ سُلْطَانِكَ فَاِنَّهَا مِنْ عَطَآئِكَ وَ فَضْلِكَ"۔ یعنی اگر کوئی چیز گم ہوجائے تو وضوء کرکے دو رکعت نفل پڑھے اور تشہد پڑھ کر (درود کے بعد) یوں کہہ کر دعا کرے: "اے گم شدہ چیز کی رہنمائی کرنے والے اور گم شدہ چیز کو واپس لانے والے میری گم شدہ چیز مجھے واپس دے دے۔ اپنے غلبہ اور تسلط کے ساتھ۔ کیونکہ وہ تیری ہی عطا کردہ چیز ہے اور تیرا ہی فضل ہے"۔

○ بعض روایات میں اس طرح بھی آیا ہے کہ جب کوئی چیز گم ہوجائے، یا کوئی غلام بھاگ جائے تو اس وقت اس طرح دعا مانگا کرو: اَللّٰهُمَّ رَآدَّ الضَّآلَّةِ وَ هَادِيَ الضَّلَالَةِ اَنْتَ تَهْدِيْ مِنَ الضَّلَالَةِ اُرْدُدْ عَلَيَّ ضَآلَّتِي بِقُدْرَتِكَ وَ سُلْطَانِكَ فَاِنَّهَا مِنْ عَطَآئِكَ وَ فَضْلِكَ کہ اے اللہ! گم شدہ چیز کے پھیر دینے والے تو ہی بھول اور گمراہی سے راہ پر لاتا ہے۔ اس لیے اپنی قدرت اور غلبے سے میری گم شدہ چیز کو مجھ تک پھیر لا۔ کیونکہ وہ چیز تیری بخشش اور احسان میں سے ہے۔

○ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابوخالد احمر جن کا نام سلیمان بن حیان ہے یہ ثقہ اور صحاح ستہ والوں کے راوی ہیں۔ جرح و تعدیل کے امام حضرت

علامہ ابن معین اور ابن مدینی ان کو ثقہ بتاتے ہیں۔ کسی نے ان کو غیر ثقہ نہیں کہا۔ پھر ابو خالد احمر کے استاذ محمد بن عجلان مدنی صدوق ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور ابن معین نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ پھر ان کے استاذ کثیر بن افلح مدنی مولی ابی ایوب مدنی بھی ثقہ ہیں اور ان کے استاذ صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور:

قاعدہ ہے: اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف میں بے شمار آیات نازل فرمائی ہیں۔

- اور اگر بالفرض یہ حدیث سنداً ضعیف بھی ہوتی پھر بھی قابلِ اعتماد تھی۔ کیونکہ اس کی تائید قرآن مجید کرتا ہے۔ اور جس کی تائید قرآن مجید کرے تو اس کے قابلِ اعتماد ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔
- پانچویں وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک صحابی ایسا نہیں جس کے متعلق صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو کہ اس نے غیر اللہ سے مدد مانگی ہو۔ اور اگر کوئی شخص ایسی بات کسی صحابی کی طرف منسوب کرے، اول تو وہ بے سند ہوگی، اور اگر کوئی باسند روایت مل جائے تو اس کی سند میں کوئی نہ کوئی سقم ضرور ہوگا۔ جس کی وجہ سے وہ قابلِ اعتماد نہ ہوگی۔
- اور اگر بالفرض والتقدیر اس کی سند صحیح بھی مل جائے تو بھی مخالفِ قرآن ہونے کی وجہ سے نامقبول ہوگی۔ جیسا کہ دوسری روایت کے ضمن میں قاعدہ اصولیہ قبل ازیں لکھا جاچکا ہے۔

تیسری روایت

- مبتدعین کی طرف سے ایک اور روایت بھی ملا علی قاری کی کتاب عین العلم کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے: اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باھل القبور۔ کہ جب تم کسی کام میں متحیر ہوجاؤ تو قبر والوں سے مدد حاصل کرو۔

○ اسی طرح اذا اعیتکم الامور فعلیکم بالقبور کہ جب تمہیں کئی کام تھکادیں تو قبروں کو لازم کر پکڑو۔ اس روایت کے متعلق حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۴ میں تحریر فرمایا ہے: ولیس بحدیث کما توھم اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اصحاب القبور ای اصحاب النفوس الفاضلۃ المتوفین یعنی اذا تحیرتم۔۔۔۔ کہ سرے سے یہ حدیث ہی نہیں ہے' جیسا کہ لوگوں کا وہم ہے۔

○ نیز یہ دونوں حدیثیں قرآن و حدیث کے مخالف ہیں۔ قرآن مجید کے مخالف اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے: اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰہِ وَ اصْبِرُوْا (۷:۱۲۸)

○ نیز یہ حدیث تو احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ:

○ حدیث شریف میں تو آتا ہے: فاذا استعنت فاستعن باللہ کہ جب تو مدد مانگنا چاہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا کر۔

○ نیز فرمایا: سلوا اللہ من فضلہ کہ اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا فضل مانگا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے مانگنا پیارا لگتا ہے۔

○ نیز فرمایا: جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو مانگتا ہی نہیں۔ یا مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے مدد مانگتا ہے۔

○ نیز فرمایا: جو چاہتا ہے کہ سختی کے وقت میری دعا قبول ہو تو اسے چاہیے کہ سکھ میں بھی اللہ ہی سے مانگا کرے۔

○ نیز فرمایا: اپنی سب حاجتیں اپنے رب سے ہی مانگا کرو۔

○ نیز الدعوات پر بہت سے محدثین نے مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

○

چوتھی روایت:

○ تمیز الطیب من الخبیث ص ۱۳۹ میں حدیث ہے: لو حسن احد کم ظنہ بحجر لنفعہ کہ اگر کوئی شخص کسی پتھر پر بھی حسن ظن رکھے گا تو وہ پتھر اس کو نفع پہنچائے گا۔

○ اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا: لا اصل لہٗ کہ اس حدیث کا کوئی اصل نہیں۔ یعنی یہ حدیث بے سند ہے۔

○ اور ابن تیمیہؒ نے اس کو موضوع کہا۔

○ اور اس روایت کو محض اس لیے حدیث کہا گیا ہے کہ اس کی شکل حدیث جیسی ہے۔ لیکن بے سند ہونے کی وجہ سے نامقبول اور مردود ہے۔ نیز یہ ہے بھی خبرِ واحد۔ اور اگر بالفرض یہ واقعۃً حدیث ہوتی اور کسی صحیح سند کے ساتھ کہیں سے مل جاتی، تب بھی مردود ہوتی۔ کیونکہ اہلِ عقائد کا:

قانون ہے کہ عقائد کے باب میں خبرِ واحد صحیح بھی مقبول نہیں ہوتی۔

○ نیز قرآن مجید کے نزول کا سب سے بڑا سبب ہی یہی تھا کہ لوگ حاجت روائی مشکل کشائی کے لیے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دے رکھے ہیں، اس لیے وہ لوگوں کی حاجتیں مرادیں سنتے اور پوری کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ سے کہہ کر ان کی حاجتیں پوری کروادیتے ہیں۔

○ اگر یہ حدیث صحیح مانی جائے تو سارے قرآن مجید کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا، اور مشرکینِ مکہ کی مخالفت کا مسئلہ ایک کھیل تصور ہوگا۔

○ اور حضرت ذوالقرنین علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ جو امور تحت الاسباب ہیں ان میں تم لوگ میری امداد کرو یعنی مجھ سے تعاون کرو۔ لوہے کی سلیں لاؤ، ان کو اوپر تلے رکھو، آگ جلاؤ، ان سلوں کو دھونکی کے ساتھ دھونکو، جب سب سلیں لال انگارا بن جائیں گی

تو پگھلا ہوا تانبا لاکر اس پر پلٹ دو۔

○ اس قسم کی استعانت جو ماتحت الاسباب ہو، انبیاء اولیاء اور مؤمنین سب ہی کرتے رہے ہیں۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ افطار کرنے کے لیے اپنے ہم سفر صحابیؓ سے فرمایا کہ ستو گھول۔

○ اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنا گھوڑا مجھے دو، میں اس پر سوار ہو کر حالات کا جائزہ لے آؤں۔

○ قربانی کی بکری خریدنے کے لیے ایک صحابیؓ کو دینار دیا کہ قربانی کے لیے بکری خرید لائے۔

○ اس طرح کے ہزاروں واقعات حدیثوں میں موجود ہیں ان کو استدلال میں پیش کرنا عقلمندی نہیں۔ مگر اموات سے مدد مانگنا دور سے یا قبر کے پاس سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نہ کسی نبی نے کیا نہ ولی نے نہ کسی صحابی نے اور نہ کسی مومن نے۔ اور نہ ہی کسی نے وفات یافتہ نبی یا ولی یا صحابی کو کہا کہ میری فریاد رسی کرو۔

○ امیر المومنین سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں ۴۰ یا ۴۸ روز (علی اختلاف الروایات) بلوائیوں کی وجہ سے نظر بند کیے گئے۔ مگر آپ نے حجرۂ عائشہؓ میں مدفون حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد نہیں مانگی۔ بلکہ بڑے بڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تکالیف پہنچیں مگر انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے کبھی مدد نہیں مانگی۔

○ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ بالواسطہ یا بلاواسطہ کی تشریح نہیں فرمائی اور نہ کسی شاگرد نے۔ تو یہ تفسیر بالرائی ہے جو مردود ہے۔

پانچویں روایت:

رسالہ درۃ الفاخرۃ فی کشف احوال الاخرۃ میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے

منقول ہے: وفی الحدیث الصحیح ان رسول اللہ ﷺ قال ما من احدیمر بقبر اخیہ المؤمن فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام یعنی حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو آدمی اپنے مومن بھائی کی قبر پر جا کر السلام علیکم کہتا ہے تو وہ قبر والا اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کو اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

○ نیز فرمایا: وقد ورد ایضاً انھم یسمعون قرع نعالھم فاذا کان یسمع قرع نعالھم فھو لماسواہ اسمع اور حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ دفن کیے ہوئے مردے دفن کرکے واپس گھروں کو جانے والے لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتے ہیں۔ تو جب وہ مدفون میت اسے دفن کرکے اپنے گھروں کو واپس جانے والوں کے جوتوں تک کی آوازیں بھی سن لیتے ہیں تو دوسری باتیں تو بطریق اولیٰ سن سکتے ہیں۔

○ اس روایت اور اس سے کیے جانے والے استدلال کا:

جواب: امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بلاغ المبین" میں تحریر فرمایا ہے: "اینہا و امثال این احادیث بسیار اند کہ صریح مناقضِ دین اسلام است بسبب وضع علیدان اصنام مقابریہ نزد جہال و اہلِ ضلال رواج یافتہ اند"۔ کہ یہ حدیثیں اور ان جیسی اور بہت سی حدیثیں ہیں جو اسلام کے صریح خلاف ہیں اور قبروں کے پجاریوں کے وضع کرنے کی وجہ سے جاہل اور گمراہ لوگوں کے ہاں رواج پا گئی ہیں۔

فائدہ: یاد رہے کہ جب وضع احادیث سے لوگ باز نہیں آئے تو بزرگوں کی کتابوں میں ایسی ایسی ناروا باتیں گھڑ کر داخل کرنے سے ان کو کونسا امر مانع ہے۔ خصوصاً ایسی کتابیں جو داخلِ درس نہیں اور مدارس میں پڑھی پڑھائی نہیں جاتیں۔ اور گزشتہ زمانے میں مطابع نہ ہونے کی وجہ سے قلمی کتابیں لکھی جاتی تھیں۔ اور پھر بڑی ضخیم اور کئی کئی جلدوں میں کتابیں لکھی ہوتی تھیں۔ ناقلین

نے موقع محل دیکھ کر مضمون کی مناسبت سے اپنی سمجھ کے مطابق کچھ اضافہ کر دیا۔ بعد والوں کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت مصنف کی اپنی ہے یا کسی ناقل کا اضافہ ہے۔ جبکہ مطالعہ کرنے والا اسے مصنف کی عبارت سمجھ کر مصنف کی علوشان کو دیکھتے ہوئے تسلیم کر لیتا ہے' اگرچہ وہ بات قرآن مجید اور سنتِ نبویہ کے صریح متضاد ہو۔ جیسے:

① امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم میں ہے: من یستمد بہ فی حیاتہ یستمد بہ بعد وفاتہ یعنی دنیوی زندگی میں جس سے مدد مانگی جاتی ہو اس کی وفات کے بعد بھی اس سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔ حالانکہ یہ بات صریح غلط ہے۔ اور جو شخص اس قول کو اپنے عقیدے کی دلیل سمجھتا ہے وہ خود اس پر عامل نہیں ہے۔ کیونکہ:

○ اگر کوئی شخص کسی حاذق حکیم کی زندگی میں اس سے علاج کرواتا رہا ہے' لیکن اس حکیم یا معالج کی وفات کے بعد اس سے علاج نہیں کرواتا بلکہ کسی اور زندہ حکیم سے علاج کرواتا ہے۔ خواہ وہ حکیم اس مرنے والے حکیم کی طرح ماہر نہ ہو۔

○ اسی طرح قاضی' حاکم یا جج کی زندگی میں تو اس سے فیصلے کرواتا تھا لیکن اس کے مرنے کے بعد اس سے فیصلے نہیں کرواتا۔

○ اسی طرح وکیل کی زندگی میں اس سے کام لیتا تھا اس کے مرنے کے بعد اس سے کام نہیں لیتا بلکہ نیا وکیل پکڑتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس ______

○ ان امثلہ سے معلوم ہوا کہ "احیاء العلوم" میں منقول اموات سے امداد طلب کرنے والا یہ عقیدہ اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ عقلی طور پر بھی غلط اور مضحکہ خیز ہے۔

○ دوسری بات یہ کہ مشہور محدث و نقاد حضرت امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں میں تحریر فرمایا ہے کہ "احیاء العلوم" میں موضوع احادیث

بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اس لیے امام غزالی کی یہ کتاب غیر معتبر ہے۔

○ تیسرے یہ کہ امام غزالی ہو یا کوئی اور بزرگ، اس کا قول جو خلاف قرآن مجید ہو اس کا رد کرنا واجب ہے جب کہ اس حدیث (خبر واحد) کو بھی رد کر دیا جاتا ہے جو نص قرآنی کے خلاف ہو جیسا کہ:

○ حضرت امام طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ لا یجوز ان یؤخذ بحدیث یدفعه نص الکتاب (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۸۲) یعنی ایسی حدیث کو قبول کرنا جائز نہیں جس کو قرآن مجید کی صریح عبارت رد کر رہی ہو۔

④ خزانۃ الروایات میں ہے: من یتبرك به فی حیاته یتبرك بزیارته بعد وفاته یعنی کہ جس کے مشاہدہ سے دنیوی زندگی میں برکت حاصل کی جاتی ہے اس کی وفات کے بعد بھی اس کی قبر کی زیارت سے برکت حاصل کی جا سکتی ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ کیونکہ:

○ قرآن مجید میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ برکات دہندگی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے ہے۔ اور اس صفت میں کسی کو شریک سمجھنا کفر ہے۔ مثلاً:

① تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ (۵۵:۷۸)

② تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (۶۷:۱)

③ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ (۲۵:۱)

○ اسی طرح اور بھی بے شمار آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی برکات دہندہ ہے، اور مخلوق میں سے کوئی بھی برکات دہندہ نہیں۔

○ اسی طرح نماز کے شروع میں تَبٰرَكَ اسْمُكَ ـــــ اور آخری قعدہ میں اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ ـــــ پڑھتے ہیں۔

○ نیز "خزانۃ الروایات" کا شمار غیر معتبر کتابوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ

ہمارے استاذ الاستاذ حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنی تصانیف میں "خزانۃ الروایات" کا تذکرہ غیر معتبر کتابوں میں فرمایا ہے۔ جبکہ کسی غیر معتبر کتاب سے ایسے عقیدے کا اثبات جائز نہیں جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے اسلامی عقائد کے خلاف ہو۔

③ شرح المصابیح میں ہے: للارواح الصافیة تاثیرات فی الامداد لاسیمابعد انخلا لها من عقد الطبع وقید النفس وربط الجسد حال الملمات کہ دنیا کی آلائشوں سے پاک صاف بزرگوں کی ارواح طیبہ دوسروں کی امداد کرنے میں اپنا اثر رکھتی ہیں۔ خصوصاً وفات کے بعد جب کہ وہ ارواح قیدِ نفس سے آزاد ہوجاتی ہیں۔

④ اسی طرح کہتے ہیں کہ شیخ مغرب سید احمد زروقؒ نے کتاب الحکم کی شرح میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی سے میں نے خود پوچھا کہ: "امداد کرنے کی قوت زندوں میں زیادہ ہوتی ہے یا مردوں میں"؟ تو انھوں نے مجھے یوں جواب دیا کہ: "اگرچہ ایک گروہ تو کہتا ہے کہ امداد کی قوت زندوں میں قوی ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ امداد کی قوت مردوں میں قوی تر ہے" اور شیخ نے کہا کہ: "یہی برحق ہے"۔

⑤ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ اموات کی منزلت کی قربت جناب کبریائی میں ہے۔ اسی واسطے ممکن ہے کہ ان کی ارواح کی قدرت اتنی ہو کہ وہ اپنے متوسلین اور زائرین کے باب میں وہ مرے ہوئے بزرگ بارگاہِ الٰہی میں دعاءِ شفاعت اور طلبِ حاجات کریں۔

○ مذکورہ بالا عبارات اور اس قسم کی دوسری عبارات جو بزرگوں کی کتابوں میں ملتی ہیں، یہ قرآن مجید کی صریح آیات کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ رد ہیں۔ اور ان مخالفِ قرآن باتوں پر عقیدہ رکھنا اور یقین کرنا بہت بڑا

گناہ اور ظلم عظیم ہے۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے کہ کسی عالم کے قول کی صحت اور ضعف معلوم کرنے کا معیار قرآن مجید اور احادیث صحیحہ متواترہ ہیں۔ اور اگر کسی عالم کا قول ان دونوں کے موافق ہو تو فبہا' ورنہ اس کو دیوار پر پھینک مارو یعنی اسے رد کر دو۔

○ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض غیر ذمہ دار اور بد عقیدہ لوگوں نے بعض نامور علماء کرام اور اولیاء عظام کی کتابوں' خصوصاً غیر متداول یا غیر درسی کتابوں میں دسیسہ کاری سے کام لیتے ہوئے تغیر و تبدل کر کے اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ مذکورہ بالا مشرکانہ عبارات بھی انہی بد عقیدہ لوگوں کی کارستانیوں کا نتیجہ ہوں۔ اور یہ عبارات خود ان بزرگوں کے قلم سے نہ نکلی ہوں۔ اور اگر واقعی یہ عبارات انہی بزرگوں نے لکھی ہوں' پھر بھی قرآن مجید کی صریح آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں۔

○ نیز یہ بھی یاد رہے کہ دلائل شرع کے چار ہیں۔ ① قرآن مجید ② حدیث صحیح یا حسن ③ اجماع امتِ محمدیہ' یعنی جس رائے پر امتِ محمدیہ کے مجتہدین فقہاء کا اجماع ہو جائے ④ مجتہد کا وہ قیاس جو قرآن و سنت اور اجماع امت سے مستنبط ہو۔

○ مگر اثباتِ عقیدہ کے لیے قرآن مجید کی نص اور حدیث متواتر اور اجماع صحابہ نطقی کے علاوہ اور کسی چیز کا کچھ اعتبار نہیں۔

○

فائدہ: یاد رہے کہ جو اجماع امت شرعی طور پر حجت تسلیم کیا جاتا ہے اس کی بھی چار اقسام ہیں۔ اور اجماع کی یہ چاروں قسمیں مقامِ حجیت میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اور ان کے احکام جدا جدا ہیں۔ مثلاً:

اجماعِ اُمت کی اقسام

① اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم نصّاً

کسی واقعہ کے حکم پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نصًا اجماع۔ یعنی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا صراحۃً اس حکم کا بیان کرنا۔ اور یہ اجماع قرآن مجید کی آیت کی طرح حجتِ قطعیہ ہے۔ جس کا منکر کافر ہوتا ہے۔

② اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سکوتی

کسی واقعہ کے حکم پر بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نصًا یعنی تصریح کے ساتھ قول کرنا' اور ان کے قول کا علم ہونے کے باوجود باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کا' خاموش رہنا۔ اس کا نام اجماع سکوتی ہے۔ اور یہ اجماع بمنزلہ حدیثِ متواتر کے ہے اور قطعی واجب العمل ہے۔ البتہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ بعض صحابہ کی خاموشی میں کئی احتمال ہو سکتے ہیں۔ یعنی بعض صحابہ کی خاموشی میں اس بات کا احتمال بھی ہے کہ وہ کسی مسئلہ کے بارے میں دو قسم کے احکام میں سے کسی ایک حکم کو ترجیح نہ دے سکے ہوں۔ یا ان کی اس خاموشی میں کوئی اور مصلحت ہو۔

③ اجماع من بعد الصحابہ من المجتہدین ۱

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد والے اہلِ رائے اور مجتہدین کا کسی ایسے حکم پر اجماع جس کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک عہد میں کوئی حکم وارد نہ ہوا ہو۔ اور یہ اجماع بمنزلہ حدیثِ مشہور کے ہے۔ اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ جس کا منکر فاسق ہے' لیکن کافر نہیں۔

④ اجماع من بعد الصحابہ من المجتہدین ۲

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کسی مسئلہ پر ان کا باہم اختلاف رہا ہو۔ یعنی بعض کی رائے بعض کے موافق نہ تھی۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے اہلِ رائے اور مجتہدین نے ان دو قولوں میں سے ایک قول پر اتفاق

کرلیا۔ یہ اجماع بمنزلہ خبرِ واحد صحیح کے ہے۔ اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے قیاس کا کچھ اعتبار نہیں۔

○ فصول الحواشی شرح اصول شاشی کے ص ۲۹۷ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ اہلِ رائے و اجتہاد کے اجماع کے خلاف نہ تو عوام کے کسی قول کا اعتبار ہے اور نہ علم عقائد والوں کا اور نہ ہی ان محدثین کے کسی قول کا کچھ اعتبار ہے جو اصولِ فقہ میں بصیرت نہ رکھتے ہوں۔ جبکہ عقائد کا معاملہ فقہی مسائل سے زیادہ اہم اور نازک ہے۔ اس لیے عقائد کے باب میں تو قرآن مجید کی صریح آیت کے خلاف کسی عالم کا قول قطعی طور پر مردود ہوگا۔

○ اسی طرح اجماع کی پہلی دو قسموں کے سوا کسی کی بات عقائد میں نہیں مانی جا سکتی اور عمل میں اجماع کی باقی دو قسموں پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔ جن کا منکر گو کافر تو نہیں مگر فاسق ضرور ہے۔

فائدہ: خبرِ متواتر اور خبرِ مشہور تو قرآن مجید کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ البتہ اگر خبرِ واحد قرآن مجید کے خلاف ہو تو علماءِ اسلام کا متفقہ

قانون ہے کہ خبرِ واحد کے مقابلے میں قرآن مجید کو ہرگز نہ چھوڑا جائے۔ اب رہی حدیث یعنی خبرِ واحد تو اگر اس کی کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہو جس سے قرآن مجید کے مفہوم میں کسی قسم کی تبدیلی نہ آئے تو اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور اگر خبرِ واحد ایسی ہے جس سے قرآن مجید کا مفہوم بدل جائے اور اس کی کوئی مناسب تاویل بھی نہ ہو سکتی ہو تو سند کے لحاظ سے صحیح ہونے کی صورت میں بھی اس حدیث پر عمل کرنا ممنوع ہے۔ اور اگر وہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی صحیح نہ ہو تو اس صورت میں وہ حدیث باتفاقِ علماء واجب الرد ہے۔ اور اگر وہ حدیث موضوع ہو تو اسے حدیث کا نام دینا ہی درست نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس کی شکل حدیث جیسی

ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا حرام ہے۔ اور اس کا رد کیے بغیر اس کو بیان کرنے والا مِنْ خَدَمِ الشَّیْطٰن یعنی مفت میں شیطان کا خادم ہے۔

○ نیز علماءِ اسلام نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ افعال مشائخ مثبت احکام شرعیہ نہیں۔ چنانچہ:

○ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "مشرب پیر حجت نیست، دلیل از کتاب و سنت می باید"۔ یعنی عقائد و شرعی امور میں پیر و مرشد کا مسلک حجت نہیں۔ شرعی امور میں ہمیشہ قرآن و سنت سے ہی دلیل لینی چاہیے۔ (دیکھیے: اخبار الاخیار ص ۹۳)

○ اسی طرح مشہور صوفی شاعر حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور مثنوی میں تحریر فرمایا ہے: ؎

نیست حجت قول و فعلِ ہیچ پیر
قولِ حق و فعلِ احمد را بگیر

○

عصرِ حاضر کے بعض "مفسرین" کے اوہام

وھم ۱ عصرِ حاضر کے "مفسر" نعیم الدین مراد آبادی نے کنز الایمان کے حاشیہ میں لکھا ہے: اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں یہ تعلیم فرمائی ہے کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عونِ الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، عقیدہ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امدادِ الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر

نہیں۔ اگر اس آیت کے یہ معنے ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں: اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اور اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کیوں وارد ہوتا اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی؟

○ احمد رضا خان کے ترجمۂ قرآن مجید مسمّی بہ کنز الایمان کے حاشیہ میں نعیم الدین مراد آبادی کی یہ تفسیر بہ چند وجوہ باطل ہے۔

اولاً: اس لیے کہ یہ تفسیر اور کسی مفسر نے نہیں لکھی۔

ثانیاً: اس لیے کہ قرآن مجید کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔

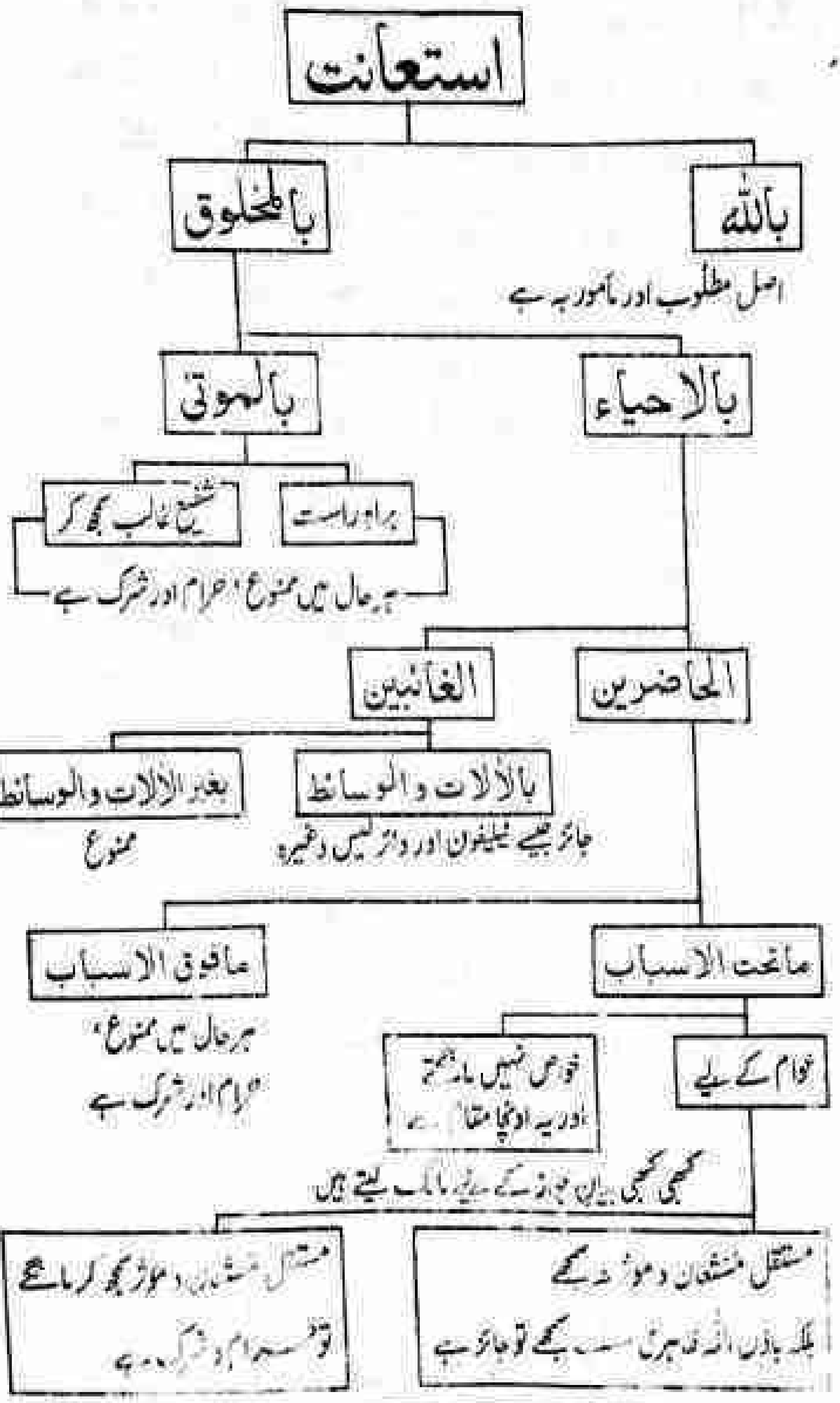
ثالثاً: یہ کہ قرآن مجید کی کسی آیت اور احادیث صحیحہ میں سے کسی حدیث میں یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کسی نبی ولی و سائر المؤمنین میں سے کسی نے اپنی حاجت براری، دفع بلیات، ازالۂ مصائب یا رزق یا اولاد یا فتح و کامرانی کے لیے غیر اللہ (مثلاً فرشتوں رسولوں ولیوں میں سے کسی) سے امداد مانگی ہو یا کسی صحابی، تابعی، تبع تابعی، سلف صالحین، اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے یہ مسئلہ سمجھایا ہو کہ اس طرح نبی ولی یا فرشتوں و دیگر مقربان الٰہی سے امداد مانگنا اللہ تعالیٰ ہی سے امداد مانگنا ہے، اس لیے تم فرشتوں، نبیوں، رسولوں، ولیوں اور مقربانِ الٰہی سے مدد مانگا کرو۔ اور ہم بھی مانگتے ہیں۔ اور آیتِ قرآنیہ میں جو اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ آیا ہے اس کے یہی معنی ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کی دعائیں منقول ہیں ان میں سے کسی میں بھی غیر اللہ کی پکار نہیں جیسا کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کی تحقیق المعانی میں نقل کیا جاچکا ہے۔

○ اگر یہ صورت جائز ہوتی تو کوئی نہ کوئی نبی یا صحابی، یا تابعی یا امام مجتہد بیانِ جواز کے لیے غیر اللہ سے استمداد و استعانت کرتا یا علماء عقائد میں سے کوئی ماتریدی، اشعری، حنبلی یا اور کوئی امام علم کلام یہ مسئلہ واضح کرتا کہ واقعی مقربانِ الٰہی سے استمداد اللہ تعالیٰ ہی سے استمداد ہے۔ بلکہ ابو الانبیاء حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر مشرک لوگ آگ میں ڈالنے لگے تو جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اے ابراہیمؑ اگر کہو تو میں تمھاری مدد کروں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمھاری مدد نہیں چاہتا۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات بہت پسند آئی اور اللہ تعالیٰ ہی نے ان کی مدد فرمائی۔ اگر فرشتوں وغیرہ مقربانِ الٰہی سے استمداد جائز ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے آڑے وقت میں حضرت جبرائیل سے مدد لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی یہ سبق دے گئے کہ کسی وقت بھی غیر اللہ سے استمداد نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو۔

○ بہر حال نعیم الدین مراد آبادی صاحب کا بعض موضوع روایات کو استعانت لغیر اللہ کی دلیل بنانا سراسر غلط ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موضوع حدیث کو تو حدیث نبوی کہنا ہی جائز نہیں۔ اور اس کو قصداً اپنے عقیدۂ بد کے لیے دلیل کے طور پر پیش کرکے امتِ محمدیہ کو کفر و شرک کی اندھیری وادی میں دھکیلنے کی کوشش ہے۔

رابعاً: اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں استعانت بواسطۂ مقربانِ الٰہی کفار کا معمول بتا کر اس کا رد فرمایا: وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (۳۹:۳) اس کا مطلب حضرت قتادہ، زید بن اسلم اور ابن زید وغیرہم نے یوں بیان کیا: مانعبد ھذہ الالھۃ الالیشفعوالنا عند اللہ۔ یعنی ہم ان بزرگوں (فرشتوں، عزیرؑ، عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ مقربانِ الٰہی) کو اس لیے پوجتے ہیں اور ان کے نام پر نذر و نیاز اس لیے دیتے ہیں کہ یہ مقربانِ الٰہی ہستیاں اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں اور ان کے پوجنے سے اللہ تعالیٰ کے پاس قربت حاصل کریں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور لاڈلے ہیں۔


استعانت
باللہ
اصل مطلوب اور مامور بہ ہے
بالمخلوق
بالاحیاء
بالموتی
براہ راست
شفیع غالب سمجھ کر
ہر حال میں ممنوع، حرام اور شرک ہے
الحاضرین
الغائبین
بالآلات والوسائط
جائز جیسے ٹیلیفون اور وائرلیس وغیرہ
بغیر الآلات والوسائط
ممنوع
ماتحت الاسباب
مافوق الاسباب
ہر حال میں ممنوع، حرام اور شرک ہے
عوام کے لیے
مستقل متشفان و موثر نہ سمجھے
بلکہ باذن اللہ تدبیر سبب سمجھے تو جائز ہے

فائدہ: اس سے یہ بات صراحت سے ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے کٹر مشرک بھی اپنے معبودوں اور مقربان الٰہی کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کا بندہ ہی سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے۔ مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننا اور نذر و نیاز دینا اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا ہی ان کا کفر اور شرک تھا۔

○ حضرت علامہ محمد طاہر فتنیؒ نے مجمع البحار میں تحریر فرمایا ہے کہ بعض ایسے لوگ ہیں جو نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کی طرف جاتے ہیں وہاں ان کی قبروں کے پاس نماز پڑھتے ہیں اور دعاء مانگتے ہیں اور ان بزرگوں سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں سو یہ کام جائز نہیں۔

○ نیز امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تفہیمات میں صراحت سے فرمایا کہ اجمیر وغیرہ مزارات پر ان سے طلب حاجات کے لیے جانے والا خونی اور زانی سے بھی بڑھ کر گنہگار ہے 'لات' عزّیٰ اور منات کے پجاریوں جیسا ہے۔

○ روضۃ الہدایہ میں ہے کہ اولیاء اور بزرگوں کے فوت ہونے کے بعد ان سے مدد مانگنا ناجائز ہے۔

خامسًا: اگر تسلیم کرلیں کہ مقربان الٰہی سے مدد مانگنا اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنا ہے تو دنیا میں کسی کو مشرک نہیں کہا جاسکے گا۔ بلکہ ہندوؤں اور سکھوں کو بھی موحد ماننا پڑے گا۔ جیسا کہ وہ خود کو موحد کہتے ہیں۔ چنانچہ:

○ سراؤگی اور جینی ہندو کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں ہیں۔ ہم سوائے خدا کے کسی اور کو سزاوارِ پرستش کے نہیں جانتے۔ نہ کشن بشن کو نہ مہادیو کو نہ کسی دیوی کو نہ گنگا جمنا وغیرہ کو۔

○ اسی طرح ہندو نانک پنتھی بھی کہتے ہیں کہ ہم شرک سے خالی ہیں اور

ہمارے بابا نانک اور دوسرے گوروں نے شرک نہیں کیا اور بابا نانک کے کلام میں توحید کا مضمون ہے۔ اور حضرت محمد صاحب ﷺ کو رسول بھی مانتا ہے۔ چنانچہ گرونانک کہتا ہے۔

پہلا نام خدا دا لیئے' دوجا نام رسول

تیجا کلمہ پڑھ لے نانکا جو درگہ پوے قبول

○ نیز لکھتا ہے۔

باجھ محمد بھگت آیا نہ

یعنی حضرت محمد ﷺ کو مانے بغیر عبادت منظور نہیں۔ مگر باوجود اس کے ان کے دن گرنتھی پوتھی میں لکھا۔

پرتھی بھگوتی سمر لے گورو نانک لئے دھیائے

انگت گورتی امرداس دراندا سی ہوئے سوائے

یعنی اول دیوی کو پوج لے کہ گورو نانک نے اس سے مدد مانگی' دیوی انگت اور امرداس اور رام داس کی مددگار ہوئی۔

یہ سمر وارجن ہر گوبند سمر دسری ہر رائے

سری ہر کشن جی دھیا ی جس ڈٹھے سب دکھ جائے

یعنی اے لوگو! ارجن' ہر گوبند' ہر رائے کا نام جپو' ہر کشن کو یاد کر کے مدد چاہیے جس کے [illegible] جاتا رہے۔

تیغ بہادر سمر تے گھر نوندھ آوے

جی سب تھائیں ہوئے سہائے

یعنی تیغ بہادر کا نام جپنا چاہیے تاکہ گھر میں دوڑ کر نعمت آوے' اے

ممدوح تمام جگہ میری مدد کیجو۔

○ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ ہندو اور سکھ جو خود کو مُوحّد کہلاتے ہیں اپنے اشعار میں کس طرح غیرُ اللہ سے امداد کے طالب ہیں۔ ان اشعار کی بنا پر تو "مفسّر" موصوف بھی ہندوؤں اور سکھوں پر کفر و شرک کا فتویٰ لگائے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ حالانکہ ہندو اور سکھ اپنے بزرگوں کو بھگوان یا پرماتما کے اوتار یعنی مظہرِ الٰہی سمجھ کر پکارتے ہیں۔ اسی طرح مشرکین مکہ اپنے بزرگوں کو مقربانِ الٰہی سمجھ کر پکارا کرتے تھے۔ لیکن آج کل کے کلمہ گو، پیر پرست اور رسمی مسلمان اپنے بزرگوں کو نہ صرف مقربانِ الٰہی سمجھ کر بلکہ ہندوؤں اور سکھوں کی طرح مظہرِ الٰہی سمجھ کر مافوق الاسباب امور میں غائبانہ طور پر انھیں حاضر و ناظر تصور کرتے ہوئے امداد کے لیے پکارتے ہیں، جو کہ صریح شرک ہے۔

سادسًا یہ کہ اگر اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہی ہے کہ استعانت عام ہے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ سب خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے بھی یہی معنے ہوں گے۔ کیونکہ دونوں جملوں کی ہیئت ترکیبیہ ایک ہی جیسی ہے۔ تو اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے معنے اس طرح ہوں گے کہ عبادت اور پوجا عام ہے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ سب خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور عبادت اور پوجا نبیوں ولیوں فرشتوں اور دیگر مقربانِ الٰہی کی اللہ تعالیٰ ہی کی پوجا اور عبادت ہوگی۔ اور ان کے حضور سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے حضور سجدہ ہوگا، اور ان کے نام کی قربانی اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی قربانی ہوگی اور ان کی نذر اللہ تعالیٰ ہی کی نذر ہوگی اور ان کی نماز اللہ تعالیٰ کی نماز ان کا روزہ اللہ تعالیٰ کا روزہ ان کی تسبیح اللہ تعالیٰ کی تسبیح ان کی بندگی اللہ تعالیٰ کی بندگی۔

○ شاید یہی وجہ ہے کہ جیسے عبداللہ عبدالرحمٰن نام رکھے جاتے ہیں ایسے ہی عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالحسین، عبدالمصطفیٰ وغیرہ نام رکھے جاتے ہیں۔

اور احمد رضاخان نے اپنا نام یہی رکھا۔ اور جیسے اللہ بخش' یا خدا بخش نام رکھتے ہیں ایسے ہی امام بخش' حسین بخش اور رسول بخش وغیرہ نام رکھے جاتے ہیں۔

○ شاید یہی مذہب ہے احمد رضاخان صاحب کا جنھوں نے حدائق بخشش حصہ اول ص ۹۳ میں لکھا ہے:۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

اور سید المرسلین ص ۳۵ و ۳۶ میں لکھا ہے:۔

خدا کے سب ہیں بندے پر خدا ملتا نہیں ان کو
خدا ملتا ہی ان کو ہے جو ہیں بندے محمدؐ کے

○ اور یہی عقیدہ اہل تشیع کے اسماعیلی فرقہ کا ہے۔ چنانچہ کلام الٰہی اور فرمان امام ص ۵۴ میں لکھا ہے:

امام کا ظہور اللہ کا ظہور ہے۔ جس کی پہچان' اللہ کی پہچان ہے۔ جس کی بندگی' اللہ کی بندگی ہے۔ جس کی حمد اللہ کی حمد ہے۔ جس کی بیعت اللہ کی بیعت ہے۔ جس کی فرمان برداری' اللہ کی فرمانبرداری ہے۔
(بحوالہ آغاخانیت ص ۳۶)

○ مگر مراد آبادی صاحب کا نَسْتَعِیْنُ میں واسطہ کی تعمیم کرنا اور نَعْبُدُ کی تشریح میں واسطہ و بلا واسطہ کی تعمیم نہ کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ واللہ اعلم

○ اور اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ کے متعلق یہ معنے لینا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔ کیونکہ صبر اور نماز دونوں غیر اللہ ہیں' سو یہ غلط ہے۔ کیونکہ اس آیت میں کسی مخلوق سے مدد مانگنے کی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ مدد ح

جناب باری تعالیٰ سے مانگنے کا ہی حکم ہے اور صبر و صلوٰۃ کو جو خود اس مدد مانگنے والے کا ہی اپنا فعل ہے ایک ذریعہ مانگنے کا قرار دیا ہے۔ یعنی صبر کرنے اور نماز پڑھنے کو ذریعہ بتایا ہے حصول امداد الٰہی کا۔ لہٰذا اس آیت قرآنی سے غیر اللہ سے مدد مانگنے پر استدلال کرنا محض مغالطہ ہے۔

قال اللہ تعالیٰ قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

روئیداد مناظرہ سمندری

مسمّٰی بہ

اظہار الحق

مُرتّبہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی محمد حسین شاہ نیلوی [illegible]

[illegible] مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ تَتْوَلّٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْمُتَادِیْنَ بِاٰدَابِہٖ اَمَّا بَعد اشتہار مناظرہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ حقیقت کو کس طرح مسخ کیا گیا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ چک نمبر ۴۶۸ گ ب تحصیل سمندری ضلع لائل پور میں جو مناظرہ ہوا اہل فہم پر روشن ہے کہ مولوی عبدالرشید صاحب بنا دعوی اہل سنت علمائے دیوبند کی کتابوں سے نہیں دکھا سکے اور جو جو عبارتیں وہ دکھاتے تھے، ان سے ان کے دعوے کو دور کا واسطہ بھی نہ تھا، سب سے پہلے دعویٰ یہ تھا کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے کہ شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگانا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔ مگر تین گھنٹے کے وسیع وقت میں حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں سے یہ عبارت نہ دکھا سکے اور جو عبارت دکھاتے تھے وہ صِرَاطِ مُسْتَقِیْم کا اردو ترجمہ تھا جو کسی نامعلوم آدمی کا لکھا ہوا تھا اور مطبع شہر دیوبند کا چھپا ہوا تھا اور وہ ترجمہ بھی غلط تھا، اصل مفہوم صراط مستقیم کا نہ تھا۔ میں مسمّٰی مُحَمَّد حُسَیْن شاہ نے کہا کہ اصل کتاب سامنے لاؤ جو فارسی زبان میں ہے اور یہ عبارت بھی حضرت شاہ صاحب کی اپنی نہیں، یہ باب دوسرے آدمی نے لکھا ہے جس کا بیان خود شاہ صاحبؒ نے شروع کتاب میں کیا ہے۔ مولوی عبدالرشید صاحب نے فرمایا عبارت کا ترجمہ صحیح ہے، میں نے کہا

نہ ہوتے، مولوی صاحب نے فرمایا اصل کتاب آپ کے پاس ہے؟ میں نے کہا جی ہاں...... یہ لو اصل کتاب اس کے صفحہ ۸۲ پر یہ صرف ہمت کے لفظ ہیں، جن کے معنے ہیں کہ نماز جو محض اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری دینے کا مقام ہے اور اسی ذات وحدہٗ لاشریک کے آگے سر نیاز خم کرنے کا وقت ہے اس نماز میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے خیال پھیر کر یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات لم یزل سے دھیان ہٹا کر ان ہستیوں کی طرف دل جمانا جو قابل تعظیم ہیں اور صرف انہی ہستیوں کا تصور دل میں بٹھانا یہ بہت بُرا ہے، کیونکہ نماز عبادت ہے، جس میں اعلیٰ درجے کی تعظیم ہوتی ہے جس سے بڑھ کر اور درجہ تعظیم کا نہیں ہے اور ایسی تعظیم اور ایسا اجلال صرف ذات وحدہٗ لاشریک کے ساتھ مخصوص ہے، کسی اور ہستی کے لئے نہیں، اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ دیکھو قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ جس میں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعظیم وتوقیر کی تاکید کی گئی ہے اور اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ نماز سے باہر تو تعظیم کرو مگر نماز کے اندر تعظیم نہ کرو بلکہ خدا تعالیٰ نے ہر مسلمان پر فرض کیا ہے کہ ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو خواہ نماز میں ہو خواہ نماز سے باہر، میں نے کہا نماز چونکہ محض اللہ کی تعظیم کے لئے وضع ہے۔ اس لئے غیر اللہ کا تصور کرنا اور خدا کے تصور کو دل سے نکال دینا اور دفع کر دینا ٹھیک نہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عین اللہ تو نہیں ہیں۔ جب عین اللہ نہیں تو غیر اللہ ہوئے اور غیر اللہ کے تصور کا مقام نماز نہیں، مولوی صاحب نے فرمایا کہ تو پھر

رسول اللہ کو غیر اللہ کہدیا۔ میں نے کہا کہ اگر غیر اللہ نہیں تو عین اللہ ہیں؟ کہنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں، نور من نور اللہ ہیں۔ میں نے کہا جب رسول اللہ کہتے ہو تو غیر اللہ ہی ہوتے نہ کہ عین اللہ۔ کچھ دیر تک تو اسی پانی میں مدھانی پڑی رہی مولوی صاحب نے مکھن نکالنے کی بڑی کوشش کی مگر نہ مکھن نکلنا تھا نہ نکلا آخر کار مولوی صاحب نے اسی پر زور دیا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہر حال میں فرض ہے خواہ نماز کی حالت ہو خواہ باہر مگر مولانا (محمد حسین شاہ) کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے باہر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کر سکتے ہو مگر نماز میں تعظیم نہ کرو۔ اگر نماز میں تعظیم کروگے تو مشرک بن جاؤگے۔ میں نے کہا نہ میرا مطلب ہے نہ شاہ صاحب کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ خاص تعظیم جو اللہ تعالے کو مناسب ہے۔ وہ تعظیم دوسری معظم ہستی کی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ وہ مخصوص تعظیم جس کو عطف تفسیری اجلال کے ساتھ حضرت شاہ صاحب نے خود بیان فرمایا ہے وہ وہی عبادت والی تعظیم ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے شایان شان ہے۔ مطلقاً تعظیم کی کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ تعظیم کلی مشکک ہے اس کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک کئی مراتب ہیں مثلاً بڑے بھائی کی تعظیم ہوتی ہے، ماں باپ کی بھی تعظیم ہوتی ہے، پیر و مرشد کی بھی، استاد کی بھی، اولیاء اللہ کی بھی، صحابہ کرام کی بھی، انبیاء علیہم السلام کی بھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ کی بھی اعلیٰ مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ اب مذکورۃ الصدر سب ہستیاں قابل تعظیم تو ہیں مگر نماز جو عبادت ہے یہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اس میں تمام ما سوائے اللہ کو دل سے نکال کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کے تصور کو دل میں بٹھانے کا حکم ہے پھر جو شخص منہ سے تو کہے اللہ اکبر۔ سبحانک اللہ۔ الحمد للہ۔ اعوذ

باللہ۔ بسم اللہ مگر دل میں اللہ تعالیٰ کی بجائے ان معظم اور قابل تعظیم ہستیوں کا خیال دل میں جمالے اور اللہ تعالیٰ کے خیال سے اپنے دل کو پھیر دے تو یہ کتنی بُری حرکت ہے بلکہ یہ ایک منافقانہ چال ہے کہ زبان سے کچھ کہتا ہے اور دل میں کچھ اور ہی خیال لا رہا ہے۔ مولانا صاحب! آپ نے تو فرمایا تھا کہ حضرت کا خیال آنا بُرا ہے مگر کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خیال دل سے نکال کر شیخ اور دیگر قابل تعظیم ہستیوں کا دل میں خیال جمانا بُرا ہے، آپ کی بات تو کتاب میں نہیں لکھی اور جو کتاب میں لکھا ہے وہ آپ کا دعویٰ نہیں یعنی تقریب تام نہ ہوئی اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ "صرف" کا معنی ہے خیال لگانا، میں نے کہا صرف کے معنی ہیں ایک طرف سے دوسری طرف پھیرنا، نہ کہ خیال لگانا۔ کیونکہ صرف کے معنی سب اہل لغت پھیرنا ہی لکھتے ہیں۔ مگر مولوی صاحب نے یہ بات اخیر تک تسلیم نہیں کی، وہ وہی خیال لگانا اور خیال آنا کے معنے کرتے رہے۔ جب میں نے پھیرنے کے معنے کئے اور کہا کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیال پھیر کر دوسری قابل تعظیم ہستیوں کا خیال دل میں جمانا تو جھٹ سے دوسرا پینترا بدلا کہ یہاں "اللہ سے" کا لفظ کہاں لکھا ہے۔ میں نے کہا اگرچہ یہاں "اللہ سے" کا لفظ عبارت میں تو نہیں مگر عبارت کے سیاق سباق سے یہی مراد ہے نیز ظاہر ہے کہ نمازی جب نماز پڑھنے لگتا ہے تو ہاتھ اٹھا کر، اللہ اکبر کہتا ہے۔ اللہ کا تصور دل میں آیا پھر پڑھتا ہے سبحانک اللھم... اعوذ باللہ... بسم اللہ... الحمد للہ... قل ھو اللہ... سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ، سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد... التحیات للہ... السلام علیکم

درجستر اللہ سب نماز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، زبان پر بھی، دل میں بھی شروع نماز اللہ کے لفظ سے ہوتی ہے اور اللہ ہی کے لفظ پر ختم بھی ہوتی ہے اب جو شخص نماز میں دوسری قابل تعظیم ہستیوں کا تصور دل میں جمائیگا تو صرف ہمت اللہ تعالیٰ ہی کے تصور سے ہوگا نہ کہ کسی اور چیز سے۔ یعنی جو خیال نماز کے شروع اور نماز کے درمیان اور نماز کے اخیر میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا تو ظاہر ہے کہ اس دل کے خیال کو ہٹانا ہی مراد ہو سکتا ہے ذکر غیر کا، اب اس ظاہر بات کو خواہ مخواہ تحریر میں لے آنا کوئی ضروری نہیں تھا، مگر حضرت مولوی صاحب وہی مرغی کی ایک ٹانگ کرتے رہے، اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ آگے یہ لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آنے سے دوبارہ چار رکعت کی بجائے سو رکعتیں پڑھنی ہوں گی، میں نے کہا کہ وہاں یہ بات نہیں بلکہ یہ لفظ ہیں کہ سوائے وسوسۂ مذکور یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسوسہ اور خیال کے علاوہ دوسرے خیالات کی بابت احتیاط یہ حکم ہے چنانچہ وہ عبارت مولوی صاحب کافی دیر تک دیکھتے رہے، پھر کہنے لگے آگے دیکھو یہ عبارت لکھی ہے، میں نے کہا دکھاؤ! مولوی صاحب نے اس عبارت پر لکیریں کھینچ کر میری کتاب کو بدنما کر دیا خیر جب میں نے وہ عبارت دیکھی تو اس میں بحضور کے لفظ تھے جس کے معنے یہ تھے کہ نماز کا کچھ حصہ تو ایسا پڑھا کہ خدا کے حضور میں تھا اور دوسرے خیالات سے خالی اور کچھ حصہ ایسا پڑھا جو خیالات (غیر اللہ) کی آلودگی کے ساتھ ملوث تھا تو ایسی نماز کا کیا حکم ہے، مگر مولوی صاحب نے یہ مطلب بتایا کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا مراد ہے۔ میں نے کہا بھیاں

بحضور کا لفظ ہے حضور نبیؐ۔ فرمانے لگے مترجم نے یہی ترجمہ لکھا ہے، میں نے کہا کہ بحضور میں ب کا ترجمہ ماں گیا۔ پھر ساری عبارت دیکھ کر مجھے اس کا کیا مطلب ہے، الفاظ سے کام لو، صاف اور سیدھی سادی عبارت میں ہیرپھیر نہ کرو۔ آخر آپ عالم ہیں عالم تو کتاب دان ہوتا ہے، مجھے تو آپ سے کتاب دانی کی بو تک نہیں آتی۔ فرمانے لگے کیا ترجمہ غلط ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ ترجمہ غلط ہے۔ انہوں نے کہا یہاں لکھ دو! میں نے کہا بہت اچھا میں لکھ دیتا ہوں، چنانچہ میں نے لکھ دیا کہ صراطِ مستقیم کا یہ ترجمہ جو لکھا ہوا ہے اور شہر دیوبند میں طبع ہوا ہے یہ غلط ہے پھر انہوں نے کہا کہ ساتھ یہ بھی لکھ دو کہ صراطِ مستقیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہے۔ میں نے کہا میں یہ کیوں لکھوں جب کہ صراطِ مستقیم میں کوئی ایک لفظ بھی توہین آمیز نہیں ہے۔ پھر انہوں نے دوسری کتاب اٹھائی کہ لو یہ دیکھو توہین لکھی ہے۔ میں نے کہا کیا یہ مسئلہ صراطِ مستقیم کا حل ہو گیا؟۔ انہوں نے فرمایا ہاں ہاں بس صراطِ مستقیم میں توہین آمیز الفاظ ہیں۔ میں نے کہا کہ اتنی سمع خراشی کے باوجود آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی، پھر میں نے کہا بھائی صاحب! کتاب میں صرف ہمت کا لفظ ہے خیال آمدن نہیں ہے جو بات آپ کہتے ہیں وہ اس کتاب میں نہیں اور جو اس کتاب میں ہے وہ آپ کہتے نہیں پھر میں نے ان کو دوبارہ عملاً صرف کے معنی بتلانے اس طرح کہ میں نے اپنا منہ مولوی صاحب سے پھیر کر کرسی کی طرف پھیر دیا اور میری بابت مولوی صاحب کی طرف ہو گئی۔ پھر میں نے کہا یہ ہے صرف۔ یہ ہے منہ پھیرنا جیسے یہ منہ کا پھیرنا ہے ر

ں نے جب تم سے منہ پھیر کر کرسی کی طرف کر دیا ، اسی طرح خیال کا پھیرنا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیال پھیر کر غیر اللہ کی طرف خیال کرنا یہ ہے "صرفِ ہمت" مگر اتنی بات بھی نہ مانی پھر دوسری کتاب کی اردو عبارت فرفر پڑھنے لگے۔

القصہ مولوی صاحب بار بار دوسری عبارتیں دکھانے کی کوشش میں رہے مگر میں یہی کہتا رہا کہ "خیال آنا" دکھاؤ مگر انہوں نے یہی کہہ کر ٹال دی کی کہ توہین آمیز لفظ ہیں، یہ ترجمہ اسی عبارت کا ہے، پھر ساتھ مولانا تھانوی کی اُردو عبارت فرفر پڑھنے لگے، میں نے کہا جناب! آپ کا تو دعویٰ ہے کہ مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) بچوں، پاگلوں اور حیوانوں جیسا علم ہے۔ یہ عبارت دکھاؤ کہاں ہے مگر بڑی کوشش کے باوجود ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی یہ لفظ نہ دکھا سکے، اس کے بعد لمبی چوڑی مقررانہ انداز میں تقریر کی جس میں فرمانے لگے قرآن پاک میں سب کچھ موجود ہے اور سارے قرآن کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا لہٰذا آپ ہر شئے کے عالم ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ اس پر میں نے اعتراض کیا کہ آپ اپنی زبان سے اقرار کر رہے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ ہے، میں اور کچھ نہیں کہتا۔ آپ مجھے سر گوڈھا کا لفظ قرآن میں دکھا دیں، دوسرے یہ کہ عَلَّمَ الْقُرْآنَ سورۂ رحمان میں ہے جو مکہ شریف میں اتری تھی۔ اب یہ فرمائیں کہ جب مکہ شریف میں سارا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا جا چکا تھا تو مدینہ پاک میں کیا چیز اترتی رہی۔ اس بات پر پندرہ منٹ گزر گئے مگر ان باتوں کا جواب مولوی صاحب نہ دے سکے بلکہ الٹا مجھے ڈانٹ کر کہنے لگے کیا تم نہیں مانتے کہ خدا تعالیٰ نے حضور پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کو سارا قرآن سکھایا ؟ میں نے کہا میرا یہ سوال نہیں، سوال صرف اتنا ہے کہ جب اللہ پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ ہی میں سارا قرآن سکھا دیا تھا تو پھر مدینہ میں کیا اترتا رہا۔ دس سال کے عرصہ میں اور کیا چیز نازل ہوئی، پھر ایک اور آیت پڑھ دی تلك من انباء الغیب نوحیھا الیك یہ سب غیب کی خبریں ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ میں نے کہا "من" کونسا ہے ؟ مولوی صاحب نے فرمایا مِن بیانیہ ہے۔ میں نے کہا مِنْ بیانیہ کی کیا علامت ہے ؟ انہوں نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا بلکہ کہنے لگے کہ عَلَّمَ الْقُرْآنَ پر خازن نے لکھا ہے کہ سب ماکان وما یکون کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا میں نے کہا سوال وہی ہے کہ عَلَّمَ الْقُرْآنَ کی آیت مکہ شریف میں اتری ہے جب مکہ میں سارا قرآن اتر چکا تھا اور سارا قرآن سکھا دیا گیا تھا پھر مدینہ پاک میں کیا اترتا رہا، یا کہ مدینہ پاک میں کوئی سورت نہیں اتری کیا مدنی سورتیں قرآن میں نہیں ہیں ؟

مولوی صاحب نے تنگ آکر ایک تیسری کتاب نکالی، کہنے لگے تقویۃ الایمان میں لکھا ہے ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے بڑا کے لفظ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی آگئے۔ میں نے کہا اس مخلوق کے لفظ میں چمار داخل ہے یا نہ ؟ اگر چمار داخل ہے تو لازم آئے گا مفضل (جس کو فضیلت دی گئی) ومفضل علیہ (جس پر فضیلت دی گئی) ایک ہی ذات ہو جہتہ واحدۃ سے جو جہل امر ہے یعنی چمار سے چمار ہی ذلیل تر ہو اور اگر داخل نہیں اور لفظ مخلوق سے چمار خارج ہے تو جس طرح چمار کو خارج سمجھتے ہو اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خارج سمجھو، میرے اس سوال کا جواب مولوی صاحب نے قطعاً نہیں دیا، شاید

میرا سوال ان کی سمجھ میں بھی نہیں گیا، پھر میں نے ایک اور سوال کر دیا الشفعۃ فی کل شیئ فرمان نبوی ہے، یہ فرمایئے کہ کپڑا جوتی روٹی میں بھی شفعہ ہے، اگر نہیں اور صرف غیر منقولہ جائیداد میں شفعہ ہے تو کل شیئ کے کیا معنی؟ اگر یہاں کل کے باوجود تخصیص کر سکتے ہو تو اس عبارت میں تخصیص نہ کرنے کی کیا وجہ؟ مگر مولوی صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا، اور نہ جواب دیا پھر میں نے کہا ایسی محتمل عبارت کو کیوں پیش کرتے ہو، تصریح دکھاؤ جس میں صاف لکھا ہو کہ نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان خدا کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ مگر یہ عبارت قیامت تک نہیں دکھا سکتے۔

پھر مولوی صاحب نے ایک چوتھی عبارت پیش کی کہ یہ بھی دیکھو تقویۃ الایمان میں مولوی اسمٰعیل نے لکھا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات [illegible] میں بھی مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ میں نے کہا اس کے یہ معنی ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کی [illegible] ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، بلکہ یہ ایسے ہے کہ جیسے کوئی کہے میں فلاں وقت [illegible] اس میں کیا توہین ہے؟ کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات [illegible] اور آپ کا جسد اطہر قبر میں تشریف فرما نہیں؟ مگر یہاں بھی مولوی صاحب لا نسلم ہی کے قاعدہ پر رہے۔

پھر پانچویں عبارت پڑھی کہ نانوتوی لکھتے ہیں سو عوام کے خیال میں تو آپ سب سے آخری نبی ہیں پھر اپنی زبان میں تشریح کی کہ نانوتوی کہتے ہیں کہ آخری نبی سمجھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عوام اور جاہلوں کا خیال ہے اس سے نبی پاک اور صحابہ کرامؓ سب کو جاہل کہہ گئے کیونکہ سب کا عقیدہ ختم زمانی کا تھا۔ میں نے کہا کہ مولانا نانوتویؒ

خود دوسری جگہ عوام کے معنی بتا گئے ہیں کہ باب تفسیر میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور راسخین فی العلم کے اور سب عوام ہیں اور اہل فہم سے مراد انبیاء اور راسخین فی العلم ہیں، پھر میں نے کہا حضرت نانوتوی خود تصریح فرماتے ہیں کہ ختم نبوت زمانی نہ ماننے والے کو میں کافر کہتا ہوں، اسی تحذیر الناس میں لکھا دیکھ لو (صفحہ ا) پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ نانوتوی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ تمہاری یہ توجیہ وہ ہے جسے خود مصنف اس کی تردید کر رہا ہے۔ اس اثنا میں حضرت مولانا محمد لعیم صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن میانوالی نے فرمایا گستاخی معاف! میں بھی ایک دو لفظ کہہ سکتا ہوں؟ مولوی صاحب نے فرمایا ہاں کہو! تو آپ (مولوی صاحب موصوف) نے فرمایا مولانا نانوتوی تو دو قسم کی ختم نبوت کے قائل ہیں یعنی ختم نبوت زمانی بھی ہے اور ختم نبوت ذاتی بھی۔ تو یہ معنی ختم نبوت کے اور اونچی شان رکھتے ہیں مگر اس بات کی طرف مولوی صاحب نے کوئی توجہ نہیں دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جواب مولوی صاحب کے پاس نہیں تھا

پھر یہی عبارت مولانا تھانوی کی تفسیر بیان القرآن میں سے پڑھنے لگے اور اس کا مطلب یہ بتایا کہ تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بھی خطا کار تھے اور بعد میں بھی خطا کار تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دیں، میں نے کہا کہ یہ عبارت کہیں نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا اس عبارت کا مطلب یہی بنتا ہے۔ میں نے کہا اگر عیسائی کہہ دے کہ تمہارے قرآن

میں لکھا ہے اللہ یستھزئ بھم یعنی اللہ تعالیٰ ٹھٹھے کرتا ہے تو تم اس کا کیا جواب دوگے؟ مولوی صاحب کہنے لگے نسبت کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں۔ میں نے کہا یہ بات تو اہل اسلام کے مسلم ہے مگر عیسائی کا منہ بند کرنے کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟ جب کہ وہ یہ کہے گا کہ لفظی ترجمہ کرو، کیا اس میں توہین نہیں؟ مگر اس کا جواب بھی ان کے پاس نہ تھا۔

پھر ساتویں عبارت نکال کر دیکھو یہ لکھتے ہیں ہمیشہ رب تعالےٰ کو ایمان دار اور منافق معلوم نہیں فی الحال بھی اسے معلوم نہیں ابھی وہ جاہل ہے، ہاں ایمان داروں اور منافقوں کو معلوم کرکے رہے گا، میں نے کہا یہ عبارت بھی یہاں نہیں۔ فرمانے لگے اس کا مطلب یہی ہے میں نے کہا اچھا پھر یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ ازلی خالق ہے یا نہیں؟ کہنے لگے ہاں اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہے میں نے کہا تمہارے قاعدہ کے مطابق لقد خلقنا الانسان کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے خالق نہ تھا، مگر وہ اس کا جواب بھی نہ دے سکے۔

میں نے آخر تنگ آکر کہا مولوی صاحب کیا آپ نے قسم کھا رکھی ہے کہ جو بات محمد حسین کہے گا اس کا جواب دینا مجھ پر حرام ہے۔ کہنے لگے جواب دے تو رہا ہوں۔ میں نے کہا کیا خاک جواب دیا ہے؟

پھر آٹھویں عبارت مرثیہ شیخ الہندؒ کا پیش کیا ؎

مردوں کو زندہ کیا، زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریمؑ

اور شعر پڑھ کر کہنے لگے دیکھا اس شعر میں عیسیٰؑ کی توہین کی۔ اس کا جواب خود مولوی صاحب کے ثالث احمد دین آڑھتی نے خود ہی میری طرف سے دیدیا کہ محاورہ میں ایسی بات کہتے رہتے ہیں، یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ اردو محاورہ میں کہتے ہیں فلاں قوم زندہ ہے یعنی وہ خوش حال ہے، فلاں قوم مردہ ہے یعنی بدحال ہے۔ میں نے سوچا چلو ٹھیک ہو گیا میری طرف کے جواب ہو گیا، میرے بولنے کی اب کیا ضرورت ہے مگر مولوی صاحب اپنا ہی گیت گاتے رہے۔

پھر تو یہ عبارت فتاویٰ رشیدیہ کی بیان کی کہ کوّا حلال ہے بلکہ اس کا کھانا کارِ ثواب ہے، جس کوّے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق کہا جس کو حل و حرم ہر جگہ مارنے کی اجازت دی ہے، جیسے چیل، چوہا، کتا، کاٹنے والا بچھو وہ حرام ہیں اسی طرح کوّا جو عام پھرتا اڑتا رہتا ہے مشہور و معروف کوّا یہ بھی حرام ہے مگر مولوی رشید احمد کہتے ہیں کہ یہ کوّا حلال ہے بلکہ اس کا کھانا ثواب ہے۔ میں نے کہا جس کوّے کو شریع نے فاسق فرمایا ہے وہ اور ہے اور وہ خالص سیاہ ہوتا ہے بلکہ سیاہی میں ضرب المثل ہے، لیکن جس کوّے کے متعلق مولانا رشید احمد صاحبؒ حلال فرماتے ہیں وہ کوّا اور ہے۔ کہنے لگے نہیں، یہ ہی عام معروف کوّا مراد ہے۔ میں نے کہا بہت اچھا، یہ فرماؤ کہ اس کوّے کے حرام ہونے کی علت کیا ہے؟۔ کہنے لگے کہ گندگی کھاتا ہے۔ میں نے کہا اچھا اس

کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مشہور کوّا گندگی کھاتا ہے اور جو جانور گندگی کھاتے وہ حرام ہے، اس لئے کوّا حرام ہے، کہنے لگے ٹھیک ہے۔ میں نے کہا مرغی اور بھیڑ گندگی کھاتے ہیں، کیا یہ دونوں چیزیں بھی حرام ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہم احناف کا باہم مجتہد فیہ ہے، امام ابو حنیفہؒ اس کو بلا کراہت جائز کہتے ہیں اور صاحبین مکروہ کہتے ہیں۔

پھر مولوی صاحب کے شاگرد نے گیارہویں کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ میں نے کہا دو چیزیں ہیں، ایک تو ایصال ثواب سو اس کا کوئی بھی منکر نہیں سوائے معتزلہ کے دوسری چیز ہے نذر لغیر اللہ سو یہ ما اہل لغیر اللہ میں داخل ہو کر حرام ہو جاتا ہے جس کی بابت "عالمگیری" اور "شامی" میں سے عبارتیں دکھائیں، مگر انہوں نے صاف کہا کہ ہم صرف اللہ کا نام لیتے ہیں اور صرف بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں، ہمارا مقصد تقرب لغیر اللہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ہم ان کو نافع ضار سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا پھر ایسا کیوں کہتے ہو کہ یہ گیارہویں پیر صاحبؒ کے نام کی ہے۔ اتنے میں چوہدری احمد دین آڑھتی صاحب بولے کہ جو چیز کسی غیر اللہ کی طرف منسوب ہو وہ اگر حرام ہو جاتی ہے تو بیوی شوہر پر حرام ہو کیونکہ وہ شوہر کی بیوی کہلاتی ہے، اسی طرح اپنے باپ ماں کے نام کی قربانی نہ دیا کرو کہ اس پر بھی غیر اللہ کا نام آ گیا، اسی طرح اور کئی مثالیں دیں۔ اس پر حضرت مولانا محمد امین صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام اترا (نزد تاندلیانوالہ) بولے کہ نسبت کئی قسم کی ہوتی ہے، ملکی، نسبی، تقربی اور اس جگہ جو حرام ہے وہ نسبت تقربی ہے نہ دوسری نسبتیں، یعنی مال دینا یا جانور ذبح

کرنا اس اعتقاد سے کہ پیر صاحبؒ کو میری اس بات کا علم ہے اور میرے اس کام پر خوش ہوں گے اور مجھے فائدہ پہنچائیں گے، اگر میں گیارہویں نہ دوں تو میرے مال میں نقصان ہوگا، پیر صاحبؒ ناراض ہوں گے، یہ صورت حرام ہے۔ انھوں نے کہا ہمارا یہ مقصد نہیں ہوتا۔ ہم نے کہا نیتوں کو خدا جانتا ہے اگر یہی بات ہے تو پیر صاحبؒ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟۔ کہنے لگے چونکہ شیعہ ان کے دشمن ہیں اس لئے ہم ان کو جلانے کے لئے ان کا نام خصوصیت سے لیتے ہیں۔ میں نے کہا شیعوں کے سب سے بڑے دشمن تو خلفائے ثلثہ ہیں، پھر ان کے نام کی چیز کیوں نہیں دیتے، کہنے لگے ہم ان کو بھی ساتھ ملا لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ایسے عذر بارد نہ کرو مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے۔ صحیح اور معقول بات نہ کرتے تھے۔

پھر میں نے کہا کہ یہ کتنی نامناسب بات ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ میں ہتھیار لے رکھے ہیں اور مجھے بے ہتھیار کر رکھا ہے یعنی تم تو ہمارے اکابر کی عبارتیں پیش کرتے ہو جس میں تم اپنی نظروں میں خواہ مخواہ توہین سمجھتے ہو مگر ہمیں کوئی اجازت نہیں کہ ہم بھی تمہارے بڑوں کی عبارتیں پیش کریں۔ اتنے میں مولانا محمد امین صاحب نے "فوائد فریدیہ" میں سے بریلویوں کا کلمہ پیش کیا کہ بریلویوں کا کلمہ یہ ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ شِبْلِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ اور یہ قول بھی دکھایا کہ فرید صاحب کہتے ہیں میں جبرائیل ہوں میں میکائیل ہوں میں اسرافیل ہوں میں موسیٰ ہوں میں عیسیٰ ہوں وغیرہ۔ تو مولوی صاحب کتاب کو دیکھ کر مبہوت سے ہوئے، پھر

جھٹ سے کہا میں اس کتاب کا ذمہ دار نہیں ہوں میں تو صرف اعلیٰ حضرت کی کتابوں اور عبارتوں کا ذمہ دار ہوں، ہم نے کہا کیا یہ تمہارے بریلوی بھائی نہیں؟ کہنے لگے میں انہیں نہیں جانتا کون ہیں۔ ہم نے کہا بہت اچھا۔ مولانا محمد امین صاحب نے بریلویوں کے اعلیٰ حضرت کا مترجم قرآن شریف پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار علم ہونے کا علم نہ ہوا، مولوی صاحب کہنے لگے علم تو تھا مگر ظاہر [illegible] یا، ہم نے پوچھا کیوں؟ فرمانے لگے تاکہ عائشہؓ کی بابت براءت کی [illegible] نازل ہوں۔ پھر میں نے کہا اگر علم تھا تو مغموم ہونے کے کیا معنی؟ [illegible] کا جواب مولوی صاحب پی گئے۔

پھر مولانا محمد امین صاحب نے دوسری عبارت دکھائی جس میں لکھا تھا کہ وسیلہ ڈھونڈنا اکابر کا طریقہ نہ تھا۔ مولوی صاحب نے کہا یہ غلط ہے تاج کمپنی والوں نے چھاپا ہے، اس میں وہابیوں کے ہاتھ لگے ہوئے ہیں۔ مولانا محمد امین صاحب نے سرورق پر لکھا ہوا دکھایا القرآن الحکیم ترجمہ از مولانا مولوی مفتی شاہ محمد احمد رضا خان صاحب، اس کا جواب بھی مولوی صاحب نے وہی دیا کہ یہ غلط ہے۔ میں نے کہا مولوی صاحب! یہ عجیب بات ہے کہ جو عبارتیں تم دکھاؤ وہ تو صحیح ہوں اور مطلب بھی اس کا وہی ہو جو تم نے اپنے زعم فاسد میں سمجھا ہے، اور اگر ہم تمہارے اکابر کی کتابوں میں دکھائیں وہ وہاں بڑوں کی سازش بتا دو، یہ کوئی انصاف نہیں، یہ ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

خلاصہ یہ کہ اس گفتگو میں تقریباً چھ گھنٹے (۱۰½ بجے رات سے ۴½ بجے صبح تک) گذر گئے مگر مولوی **عبدالرشید صاحب** نے اپنے دعویٰ کے مطابق کوئی عبارت نہیں دکھائی، باوجود اس کے اعلان میں کہلوایا کہ ہم نے عبارتیں دکھا دیں، ہمارے ثالث نے کہا ہمیں بھی اعلان کرنے دو مگر لاؤڈ سپیکر والوں نے اعلان نہ کرنے دیا، ہم نے اخیر سمندری میں جا کر اعلان کر دیا۔

یہ ہے حقیقت حال جس کو مسخ کر کے مناظرہ کے اشتہار میں اور اور باتیں لکھ دیں اور کہا کہ محمد حسین نے لکھ کر دیدیا ہے کہ اس کتاب صراط مستقیم مطبوعہ دیوبند و دیگر کتب دیابنہ وہابیہ میں حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی اور توہین موجود ہے ...... اور گستاخی اور توہین کرنے والا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کافر ہو جاتا ہے۔

دستخط

محمد حسین صدر مدرس ضیاء العلوم

حالانکہ یہ صریح جھوٹ ہے، میرا خط پہچانا جاتا ہے، میرا لکھا ہوا مولوی صاحب کے پاس موجود ہے، یہ مندرجہ بالا عبارت دیکھی جا سکتی ہے اگر یہ عبارت پیش کردہ مولوی عبدالرشید صاحب سے مل جائے تو ہم پر فرد جرم عائد کریں، اگر یہ عبارت نہ ملے تو ہمارا فریق مخالف ہی موردِ عتاب ہے، کیا اسے اللہ تعالیٰ کے رُوبرو حاضری کا خطرہ محسوس نہیں ہوتا؟ کیوں دوسروں پر تہمت لگا کر عوام الناس کو بدراہ کرتے ہیں؟ جھوٹ خود بولتے ہیں اور دوسروں کو سناتے ہیں۔ **لَعنتُ اللہِ علی الکاذبین** ؏

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

دوسرا جھوٹ یہ لکھا کہ چک مذکورہ کے سینکڑوں لوگ پختہ سنی بریلوی بن گئے، بھلا آپ ان میں سے چند ایک کے نام تو گنائیں جو پہلے دیوبندی مسلک رکھتے تھے پھر اس مناظرہ کے بعد بریلوی بن گئے۔

تیسرا جھوٹ یہ لکھا کہ وہ مسجد جو اُن دیوبندیوں کے قبضہ میں تھی اس پر اسی وقت سنی قابض ہو گئے۔ حالانکہ اس چک کی دونوں مسجدوں پر بریلویوں کا قبضہ تھا پھر وہ سارا چک۔ سنی نما بریلویوں، مشرکوں کا تھا، سارے چک میں دیوبندی علما کا ہم خیال صرف ایک گھر ہے جسے بریلوی بنانے کے لئے سارا چک ایڑی چوٹی کا زور لگا چکا ہے حتیٰ کہ اس چک کا نمبردار بھی کٹر بریلوی ہے جو اس بیچارے کو ناجائز تنگ کر رہا ہے، مگر باوجود اتنی کوشش کے وہ اب تک صحیح عقیدہ اہل سنت والجماعت پر قائم ہے جو مسلک علماء دیوبند کا ہے، نہ وہ بریلوی بنا اور نہ ہی مسجد اس کے قبضہ میں تھی

اس مسجد کا امام وہی پرانا چلا آرہا ہے جو سنا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں دیوبندی کہلاتا تھا مگر اس واقعہ مناظرہ سے کئی سال پہلے بریلوی علماء کے اغواء سے بریلوی بن گیا تھا۔ فرار ہونے کی کوشش کا الزام **جمعیت اشاعت التوحید والسنت** کے علماء پر سراسر افتراء ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ صبح کی اذان کہتے ہی کوئی دیوبندی وہابی مولوی مسجد اور گاؤں میں نہ ٹھہرا بھی غلط ہے۔ ہم اسی گاؤں میں رہے اور وہیں نماز پڑھی مگر مسجد میں نماز نہ پڑھنے پر فرار کا اطلاق وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اپنی شکست کا یقین ہو محض لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے ایسی بات گھڑلی کر دیے کوئی بات علماء کے بارے میں کہہ نہیں سکتے چلو یوں کہہ دو۔

آگے لکھا ہے کہ مسلمان خود فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ بالا عبارات توہین آمیز لکھنے والے اور لکھنے والوں کو اچھا ماننے والے مسلمان ہو سکتے ہیں؟ ۔ واقعی آپ ٹھیک فرما رہے ہیں کہ اگر یہ عبارتیں مندرجہ اشتہار مل جائیں تو وہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے، مگر یہ بھی بتائیں کہ اگر مندرجہ بالا عبارتیں ان کتابوں میں نہ ہوں محض کھینچ تان کر ان عبارتوں کو غلط انداز میں پیش کریں جس سے ان نیک طینت علمائے حق کو ناحق کافر کہا جائے تو ایسے مسلمانوں کو کافر کہنے والے کے حق میں کیا فتویٰ ہے۔ کیا ایک مسلمان کو بلا وجہ کافر کہنے والا مسلمان رہ سکتا ہے؟

بینوا توجروا

پھر لکھا ہے کہ اگر اس پر بھی بس نہیں تو وہی مناظرین اسی موضوع پر دوبارہ طبع آزمائی فرما سکتے ہیں۔ یہ ہے گھوڑا اور یہ ہے میدان۔ معلوم ہوتا ہے کہ

مولوی صاحب کو اس موضوع کے سوا کوئی دوسرا موضوع آتا ہی نہیں اسی لئے طبع آزمائی کے چیلنج کرتے ہیں۔ ہم نے اس مناظرہ میں دیکھ لیا ہے کہ مولوی صاحب کتنے پانی میں ہیں۔ قرآن وسنت سے بالکل کورے ہیں صرف علماء دیوبند کی چند کتابیں رکھ رکھی ہیں جن کے بعض مقامات پر ان کے استادوں نے نشان دہی کر رکھی ہے کہ یہاں یوں اعتراض ہوتا ہے اور یہاں یوں۔ جیسے عیسائی، مجوسی اپنے مدرسوں میں بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں اور اس میں ان کو نشان لگا دیتے ہیں کہ ان مقامات کو پڑھ کر مسلمانوں کو بدراہ کرو اور مسلمانوں کے مولویوں سے مناظرے کرو۔ اسی طرح مولوی صاحب انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں مگر صاف ظاہر ہے کہ جیسے ان ہندوؤں آریوں اور عیسائیوں کے اعتراض قرآن پاک پر بیجا ہیں اسی طرح قرآن وسنت کے ماہرین پر بریلویوں کے اعتراض بھی بیجا ہیں۔ ان مولویوں میں اتنی اہلیت کہاں ہے کہ علمائے حق کی عبارات غامضہ کو سمجھ سکیں چہ جائے کہ قرآن وسنت کی سمجھ سے بہرہ ور ہوں کیونکہ قرآن وسنت کا سمجھنا گو بہت سہل ہے (ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر) مگر لعن آخر ہذہ الامۃ اولہا (مشکوٰۃ ص ۲۷۰) کے مصداق لوگوں کو کسی طرح سمجھ نہیں آتے۔

یاد رکھو جو جو سوال اس رات ہوئے تھے اس کا جواب اب دیدو تو غنیمت ہے۔ چار ماہ کی مہلت میں ان سوالوں کا جواب تو سوچ ہی لیا ہوگا۔

تصویر کا دُوسرا رُخ

پھر یہ لوگ علمائے دیوبند پر تو جہالت کرتے ہیں مگر اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتے۔ آیئے ہم آپ کو تصویر کا دُوسرا رُخ بھی دکھائیں، مشتے نمونہ از خروارے چلتے چلتے ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی کچھ گستاخیاں دیکھتے جائیے:

اوّلاً : یہ کہ جناب رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ صرف حضرت یا حضور پُر نور لکھتے ہیں مگر احمد رضا خان کے نام کے ساتھ "اعلیٰ حضرت" لکھتے ہیں۔ کیا احمد رضا خان نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اعلیٰ ہیں ؟

ثانیاً : صحابہ کرام کے نام کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ الی آخرہٖ اور احمد رضا خان کے بارے میں "اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ" لکھتے ہیں۔ کیا احمد رضا خان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اعلیٰ ہیں ؟ کیا اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین نہیں؟ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توہین نہیں ہے ؟۔

ثالثاً : حضرت عائشہ صدیقہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بابت حدائق بخشش حصہ سوم ص ۳۷ میں یہ شعر لکھے ہیں : ؎

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا اُبھار

پھٹی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

احمد رضا خان صاحب کا دل گوارا کرتا ہے کہ ایسے شعر اپنی ماں بہن کے متعلق بنائیں اور کتابوں میں چھاپیں؟

رابعًا: اولیاء اللہ کو کرشن کنہیا کافر حرام زادہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، فرماتے ہیں اگر وہ (اولیاء) چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ کی دعوت قبول کر سکتے ہیں.... شیخ نے فرمایا کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا (الملفوظ ص۱۳۸ حصہ اول)

خامسًا: مولوی برکات احمد صاحب مرحوم کہ میرے پیر بھائی اور پیر مرشد برحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فدائی تھے کم ایسا ہوا ہوگا کہ حضرت پیر مرشد کا نام پاک لیتے اور ان کے آنسو رواں نہ ہوتے جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی (الملفوظ ص۳۹ حصہ دوم)

دیکھا اپنے پیر بھائی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر بنا یا کہ بلا مبالغہ یعنی حقیقت ہے، سچ ہے، اس میں مبالغہ کی بات نہیں ہے کہ جیسے پہلی بار روضۂ انور کے قریب خوشبو محسوس ہوئی تھی وہی اس پیر بھائی کی قبر پہ محسوس ہوئی۔

سادسًا: سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لئے جاتے ہیں عرض کی یا رسول اللہ حضور کہاں تشریف لئے جاتے ہیں؟ فرمایا فرمایا برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے، الحمد للہ یہ جنازہ مبارکہ میں نے

پڑھایا (ملفوظ صہ ۲۹ حصہ دوم)

دیکھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جنازہ میں شریک ہوں تو بجائے اس کے کہ نبی پاک صلعم کو امام بناتے، احمد رضا خان صاحب آگے کھڑے ہوگئے۔ احمد رضا خان امام الانبیاء کے بھی امام ہوئے۔؟ واہ بھئی واہ .... اس میں تو توہین نہ ہوگی؟ شاباش عاشقو!

سابعًا: حضرت سیدی عبدالوہاب اکابر اولیائے کرام میں سے ہیں، حضرت سیدی احمد بدوی کبیر کے مزار پر بہت بڑا میلہ اور ہجوم ہوتا تھا اس مجمع میں چلے آتے تھے، ایک تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑی فورًا نگاہ پھیر لی کہ حدیث میں ارشاد ہوا **النظرۃ الاولیٰ لک والثانیۃ علیک** پہلی نظر تیرے لئے ہے اور دوسری تجھ پر یعنی پہلی نظر کا کچھ گناہ نہیں اور دوسری کا مواخذہ ہوگا۔ خیر نگاہ تو آپ نے پھیر لی مگر وہ آپ کو پسند آئی۔ جب مزار شریف پر حاضر ہوئے ارشاد فرمایا کہ عبدالوہاب! وہ کنیز تمہیں پسند ہے؟ عرض کی ہاں، اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانا نہ چاہیئے، ارشاد فرمایا اچھا ہم نے تم کو وہ کنیز ہبہ کی، اب آپ سکوت میں ہیں کہ کنیز تو اس تاجر کی ہے اور حضور ہبہ فرماتے ہیں، معًا وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کی، خادم کو اشارہ ہوا، انہوں نے آپ کی نذر کر دی، ارشاد فرمایا عبدالوہاب اب دیر کاہے کی ہے فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو (الملفوظ صہ ۳۸ حصہ سوم)

دیکھو! کتنا بڑا بہتان ہے جو اس بزرگ ہستی پر لگایا کہ تاجر کی کنیز صاحب

قبر ہبہ کر رہے ہیں بھلا یہ کونسا فقہی مسئلہ ہے کہ آدمی مزار پر کنیز ہبہ کرے تو صاحب قبر اس کا مالک بن جاتا ہے۔ کیا فقہ کا مسئلہ نہیں ہے کہ المیت لایملک جب وہ مالک ہی نہیں تو دوسرے کو چیز ہبہ کرنے کا صاحب قبر کو کیا حق ہے، کیا یہ سیدی عبدالوہاب کا کنیز کے ساتھ برتنا زنا نہ ہوا۔ لاحول۔ پھر صاحب قبر حضرت شیخ کا زنا کا حکم دینا۔ مزید براں۔

ثامناً: حقیقی موحد اور حقیقی مشرک خدا جل شانہٗ ہے (فوائد فریدیہ صـ۸۲)

تاسعاً: ؎ لاکھوں جلائے آپؐ نے ٹھوکر کے زور سے
اٹھتا نہیں مسیحؑ سے مارا فرید کا

(دیوان محمدی صـ۸۶)

عاشراً: حضرت ابوالحسن خرقانی نے فرمایا کہ صبح سویرے اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کشتی کی اور ہمیں پچھاڑ دیا ...... اور یہ بھی فرمادیا کہ میں اپنے رب سے دو سال چھوٹا ہوں (فوائد فریدی صـ۸۷)

تلک عشرۃ کاملۃ

(باقی آئندہ)

فوائد

۱؎ قال الزجاج معنى العبادة في اللغة الطاعة مع الخضوع (تہذیب اللغۃ ص ۲۳۴ ج ۲) قال ابن جريج يقال فلان عابد وهو الخاضع لربه المستسلم لقضائه المنقاد لامره .... قيل في قوله اياك نعبد اياك نوحد والعابد الموحد (ایضاً)

۲؎ واداء العبادة عبارة عن فعل يكتسبه العبد عن اختيار ليكون معظماً لربه (اصول سرخسی ص ۹۵ ج ۱) ومن عبد من دون الله الٰها فهو من الخاسرين (تہذیب ص ۲۳۵ حصہ ۲)

۳؎ بلکہ ضمیر کا نبی کی طرف راجع کرنا بعید از قیاس ہے کیونکہ انتشار فی الضمائر لازم آتا ہے۔ بلکہ وتعزروه وتوقروه کی ضمیریں سب اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں جیسے کہ وتسبحوه کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور جیسے کہ رسولہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے چنانچہ امام زرکشی نے لکھا ہے الضمائر لله والمراد بتعزير الله تعزير دينه ورسوله ومن فرق الضمائر فقد ابعد (البرہان فی علوم القرآن ص ۳۴ ج ۱) اور مصر جیاتی نے لکھا ہے تعزروه اے تعتقدوا قوته بحيث لا يحتاج الى شريك فتوحدوه وتوقروه اے تعتقدوا عظمته بحيث لا يشاركه شیء في صفاته (تعبیر الرحمٰن ص ۲۸۳ ج ۲)

۴؎ لغت کی کتاب اقرب الموارد ص ۶۴۳ میں ہے صرفه صرفاً رده عن وجهه وكفّه ومنه ماوجدت عنه مصرفاً ردفعه۔ اور لسان العرب ص ۹ ج ۱ میں ہے الصرف رد الشيء عن وجهه اور تاج العروس ص ۱۶۳ ج ۶ میں ہے صرف عن وجهه يصرفه صرفاً رده فانصرف صرف الله قلوبهم اي اضلهم مجازاة على فعلهم سأصرف عن آياتي اي اجعل جزاءهم الاضلال عن هداية آياتي اور مفردات راغب ص ۲۹۲ میں ہے الصرف رد الشيء من حالة الى حالة او ابداله بغيره فانصرف قال ثم صرفكم عنهم "الا يوم يأتيهم ليس مصروفاً عنهم" ثم انصرفوا صرف الله قلوبهم - فما يستطيعون صرفاً ولا نصراً اي لا يقدرون ان يصرفوا عن انفسهم العذاب وان يصرفوا انفسهم عن النار وقيل ان يصرفوا الامر من حالة الى حالة في التغيير ومنه قول

العرب لا یقبل منہ صرف ولا عدل و
قولہ واذ صرفنا الیک نفرا من الجن ۔ ای
اقبلنا بھم الیک وان الاستماع منک
والتصریف کالصرف الا فی التکثیر و
اکثر ما یقال فی صرف الشیء من حالۃ الی
حالۃ ومن امر الی امر وتصریف الریاح
ھو صرفھا من حال الی حال ۔ اردو منجد ص۴۹۶
میں ہے صرفہ صرفا واپس کرنا، ہٹانا۔ صرف
اللہ الریاح اللہ کا ہواؤں کو ایک طرف سے
دوسری طرف پھیر دینا اصرفہ عن کذا مڑ کرنا
ہٹانا۔ مصباح اللغات ص۴۷۳ میں ہے صرفہ صرفا
پھیرنا، ہٹانا، دفع کرنا، واپس کرنا۔ پھر مولانا
احمد رضا خاں نے اپنے ترجمہ میں جگہ جگہ صرف کے
معنے پھیرنے کے لکھے ہیں ثم صرفکم عنھم
پھر تمہارا منہ ان سے پھیر دیا (ص۱۰۴) صرف
اللہ قلوبھم اللہ نے ان کے دل پلٹ دیئے
(ص۲۹۹) فصرف عنہ کیدھن اور اس سے
عورتوں کا مکر پھیر دیا (ص۳۴۵) الا تصرف
عنی کیدھن اور اگر تو مجھ سے ان کا مکر نہ پھیریگا
(ص۳۴۵) ساصرف عن آیاتی اور میں اپنی آیتوں
سے انہیں پھیر دوں گا (ص۲۳۳) فما تستطیعون
صرفا ولا نصرا تو اب تم نہ عذاب پھیر سکو
نہ اپنی مدد کر سکو (ص۵۲۳) واذ صرفنا الیک
نفرا من الجن اور جبکہ ہم نے تمہاری طرف
کتنے جن پھیرے (ص۷۳۱)

ٹہ نیز وہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ بھی نہیں ہے،
جیسے دوسرے مقامات پر حضرت شاہ صاحب
نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ
لکھا ہے۔

ھ فتاوی دار العلوم دیوبند عزیز الفتاوی ص۲۳۶ میں
ہے: سوال ۵۴۵ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا اگر خیال آجاوے تو نماز ہو جاوے گی یا؟
اگر نماز میں خیال لایا جائے تو کیا حکم ہے؟ الجواب
جب نماز میں خود التحیات میں اور درود شریف
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے تو خیال آنا
تو ضروری ہوا۔ باقی نماز خالص عبادت اللہ کے
لئے ہے، غیر اللہ کا خیال علی سبیل التعظیم والعبادت
نہ آنا چاہئے اور نماز ہر حال صحیح ہے کیونکہ خیال
پر باز پرس نہیں ہے فقط واللہ تعالی اعلم
کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ

ٹہ حقیقت یہ ہے کہ "من" بیانیہ کی نہ کوئی علامت ہے
نہ کسی مفسر نے لکھا۔ یہ محض مولوی صاحب کی خوش
فہمی ہے، ہم نے تو "من" تبعیضیہ کہا تھا جس کی
دلیل تمام مفسرین کا اجماع ہے چنانچہ بیضاوی
ص۲۳۲/۱۲ میں ہے تلک من انباء الغیب
ای بعضھا مدارک ص۲۳۲/۱۲ میں ہے ای ھذہ
تلک القصۃ بعض انباء الغیب الخ
کشاف ص۲۲۰/۲ میں بھی یہی عبارت ہے تفسیر مظہری
ص۹۲ میں ہے من انباء الغیب ای ماغاب
عنک یعنی بعضھا روح المعانی ص۳۵/۱۲ میں
ہے ای اخبارہ التی لھا شان وکونھا
بعض ذلک باعتبار انھا علی التفصیل
لم تبق لطول العھد معلومۃ لغیرہ
تعالی۔ ابن جریر ص۳۵/۱۲ میں ہے یقول
تعالی ذکرہ لنبیہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم ھذہ القصۃ التی انبأتک
بھا من قصۃ نوح وخبرہ
وخبر قومہ من انباء الغیب یقول

ھی من اخبار الغیب التی لم
تشہدھا فنعلمها نوحیها الیك
حدثنا بشر ثنا یزید ثنا سعید
عن قتادۃ قولہ تلك من انباء
الغیب .... من قبل ھذا القرآن
وما کان علم محمد وقومہ ما صنع
نوح وقومہ لولا ما بین اللہ لہ فی
کتابہ (...)

؎ مشہور ہے کہ علی سبیل الاجمال اس طرح تو کہہ سکتے ہیں اللہ خالق کل شیء (اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے)، مگر یہ نہیں کہہ سکتے اللہ خالق الخنزیر والبول والبراز بلکہ اس طرح کہنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اور یہاں بھی عبارت اسی طرح ہے لایجوز ان یقال یا خالق الدیدان و القردۃ والقردان بل واجب تنزیہ اللہ عن مثل ھذہ الاذکار وان یقال خالق الارض والسموات یا مقیل العثرات یا ارحم العبرات الٰی غیرها من الاذکار الجمیلۃ الشریفۃ (تفسیر رازی ص...) تحت آیت وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ اسی طرح یہاں بھی شاہ صاحب نے اجمالی طور پر یہ لفظ کہے ہیں اور اگر صراحۃً نبی صلی اللہ کا نام لکھتے تو توہین ہوتی اور کفر بنتا، لیکن جب تصریح نہیں تو کفر نہیں جیسے تفسیر تیسیر الرحمٰن میں ہے۔ ان کل من فی السموات والارض وان بلغ بعضہم من الکمال ما بلغ الا آتی الرحمٰن عبداً ذلیلاً بالنظر الٰی کمالاتہ (ص۱۳...)

نیز ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ مسلمان تھے یا نہ، اگر مسلمان تھے تو انہوں نے شاہ صاحب سے بھی زیادہ توہین کی ہے جیسا کہ کہتے ہیں۔ "ایمان کے تمام نہ شود تا ہمہ خلق نزد او ایں چنیں ننماید کہ پشک شتر" (فوائد الفواد ص۱۴۳) پھر عوارف المعارف میں بھی اس کو عربی زبان میں یوں بیان کیا: لا یکمل ایمان امرئ حتی یکون الناس عندہ کالاباعر (ص۲۵) یعنی جب تک تمام لوگ اس کی نظروں میں اونٹ کی مینگنیوں کی طرح نہ ہوں اس کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ اب ان دونوں حضرات کے متعلق تمہارا کیا حکم ہے؟ آیا یہ مسلمان ہیں یا نہ؟

؎ یہ تصریح مکتوب نمبر ۲ ص... میں حضرت نانوتویؒ نے کی ہے۔

؎ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اول المخلوقات ہونا بھی اسی طرف مشیر ہے عن العرباض بن ساریۃ رفعہ انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ (مشکوٰۃ ص۵۱۳) کیونکہ یہ حدیث کے معنے جب ہی صحیح ہو سکتے ہیں جبکہ آپ کے لئے ختم ذاتی بھی تسلیم کریں، اس وقت ختم زمانی کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ختم نبوت ذاتی کا مسئلہ علیم کا نہیں نہ صرف مولانا نانوتویؒ کا ہے۔ بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے بیان فرمایا ہے۔ مولانا روم نے بھی مثنوی شریف میں خاتم کے معنی کو ختم زمانی میں منحصر نہیں رکھا اسی طرح اس کی شرح بحر العلوم میں بھی ہے اور احمد حسن کانپوری نے بھی یہی

لکھا ہے۔ ؎

بیرون خاتم شد است اوکہ بجود
کس او نے برونے خواہد بود!!
چونکہ در صنعت برد استاد دست
نے تو گوئی ختم صنعت بر تو ہست

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب خاتم اس واسطے ہوا ہے کہ جود وکرم میں آپ کی مثل کوئی ہوا نہ ہوگا جس طرح کہ جب کوئی استاد کسی فن میں خاص کمال حاصل کر لیتا ہے تو کہتے ہیں یہ فن تجھ پر ختم ہے۔ بحر العلوم نے حاشیہ میں ان دونوں شعروں کے لکھا ہے کہ ازیں جہت کہ استاد دست وبالا دست برانبیاء والا بود و مجود افاضت مثل ندار د بود اطلاق صفت ختم بر دست پس معلوم ہوا خاتم النبیین سے ختم زمانی کے معنی پر حصر کا قول الجسانی کہنا غلط ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

؎ اس شعر کے دوسرے مصرع میں تمنا کی گئی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جو احیاء موتیٰ کا معجزہ دکھاتے تھے، کاش وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ "غلام احمد قادیانی" کے اس فیض کو دیکھتے پھر خوش ہوتے۔ بتاؤ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ہے یا توہین؟

؎ فی الخانیۃ ؎ ونوع یخلط یاکل الحب مرۃ والجیف مرۃ اخریٰ وھو غیر مکروہ عند ابی حنیفۃ ومکروہ عند ابی یوسف کوے کی ایک قسم وہ ہے جو کبھی دانے کھا لیتا ہے، اور کبھی گندگی اور مردار کھا لیتا ہے، ایسا کوا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں اور ابو یوسف کے نزدیک مکروہ ہے خزانۃ المفتیین میں ہے یوکل علی الاصح (یعنی مسلک یہی ہے کہ یہ کوا کھا سکتے ہیں) عالمگیری ص... میں ہے: امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ اس کوے کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے جیسے مرغی جس طرح اس طرح ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں عقعق (عام کوا) کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ گو گندگی بھی کھاتا ہے جیسے مرغی اور امام ابو یوسف سے روایت ہے مکروہ چونکہ زیادہ تر مردار کھاتا ہے اس لئے مکروہ ہے اسی طرح السراج المنیر، جامع الرموز، عینی، زیلعی، قاضی خان، فتح القدیر، در مختار، سراج قدوری کی شرح مختصر کرخی، بحر الرائق، چلپی حاشیہ، شرح وقایہ، کفایہ وغیرہ کتابوں میں صراحتاً موجود ہے اور مولانا گنگوہی خود فرماتے ہیں کتب فقہ میں تعیین اقسام غراب میں الفاظ مختلف ہیں مگر جب یہ فیصلہ خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ مدار اس کی حرمت کا پر ہے پس یہ کوا جو ان بستیوں میں پایا جاتا ہے اگر یہ عقعق نہ ہو تو بھی اس کی حلت میں شبہ نہیں ہے، اس لئے کہ جب وہ بھی خلط کرتا ہے اور نجاست و غلہ و دانہ سب کچھ کھاتا ہے تو اس کی حلت بھی مثل عقعق کے معلوم ہوگی خواہ اس کو عقعق کہا جائے یا نہ کہا جائے فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رہی وہ حدیث سو اس سے اس کے کھانے کی حرمت قطعی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ "فسق" کے

۔ اس میں بھی شروع ذکر کھانا، یہاں لکھنے سے کیا مراد ہے؟ سو میں نے فرمایا کہ جیسے دوسرے درندے وغیرہ کو ابتداءً قتل کرنا حرام ہے۔ اس حکم سے یہ پانچ جانور خارج ہیں یعنی ان کو ابتداءً مارنا حل وحرم ہر دو جگہ جائز ہے تو فقہاء نے اس حکم کی علت بیان کی، یہ بیان کرنا ان کا کھانا حرام ہے بلکہ دو باتوں میں سے ایک بات علت ہے: ایذاء اور خبث۔ اور ایذاء موثر صرف ناب (کچلی) اور مخلب (پنجہ) کے ساتھ ہی ہوتا ہے جیسے فقہاء نے تصریح کی ہے اور یہ ایذاء کوے میں مفقود ہے، وزغ (جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فویسق فرمایا) میں علت خبث ہے اور بچھو میں ایذا علت ہے۔

له النذر لغير الله حرام لانه من انواع الكفر لان هذا عبادة والعبادة لغير الله كفر (خلاصة الفتاوى صـ۳۴۹/۴ وصـ۲۶۱/۱)

واما النذر الذي ينذرونه اكثر العوام كان يقول يا سيدي فلان يعني به وليا من الاولياء او نبيا من الانبياء ان رد غائبي او عوفي مريضي او قضيت حاجتي فلك من الذهب والفضة او الطعام او الشراب او الزيت كذا فهذا باطل بالاجماع لانه نذر لمخلوق وهو لا يجوز لانه اي النذر عبادة فلا تكون لمخلوق والمنذور له ميت والميت لا يملك وانه ظن ان الميت يتصرف في الامور كفر (فتاوى خيريه صـ۱۳۰)

ومثله في صـ۲۹۸ البحر الرائق ومثله في ذبح لقدوم الامير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله تعالى (در مختار بر شامي صـ۲۲۹/۵ وصـ۱۹۵/۲)

واعلم ان النذر الذي يقع للاموات من اكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم فهو بالاجماع باطل وحرام ما لم يقصدوا صرفها لفقراء الانام (انظر عالمگيري صـ۲۱۶/۱)

له آنگاه حکایت فرمود کہ یکے بخدمت شیخ شبلی آمد و گفت کہ من مرید تو می شوم، شبلی گفت بشرط ارادت تو قبول می کنم کہ آنچہ من فرمایم بجا آری، مرید گفت همچنان کنم، شبلی گفت تو کلمہ طیبہ چگونہ می گوئی؟ مرید گفت من همچنین می گویم: لا اله الا الله محمد رسول الله، شبلی گفت همچنین بگو لا اله الا الله شبلی رسول الله، مرید برهمچنان گفت بعد از آن شبلی گفت کہ شبلی یکے از چاکران کمینۂ آن حضرت ست رسول الله محمد است من اعتقاد ترا امتحان می کردم (فوائد الفواد صـ۲۹۲ / ملفوظات نظام الدین اولیاء)



احسن التفسیر



تفسیر

تبیین القرآن

کامل چار حصے



مراۃ القرآن

مکتبہ اشاعۃ العلوم

۱۷۹۰، کلاں محل، دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)

ردِ رضاخانیت پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

حصہ دوم (اعمال)

- الکلمات الصادقۃ فی حکم الزنادقۃ
- خیر الکلام فی تقبیل الابہام
- القول المبین فی وقت قیام المقتدین
- رفع العذر عن قضاء العمر
- عید میلاد النبی اور وفات نبوی ﷺ
- پیرانِ پیر عبدالقادر جیلانی تاریخ کے آئینہ میں

شیخ التفسیر والحدیث مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حسین علی الوانی

مکتبۃ اشاعۃ العلوم

عظیم الشان خوشخبری

★ اب مکتبہ اشاعت آپ کے جیب میں ★

دنیامیں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاؤن لوڈ کریں۔

انسٹال / ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاون لوڈ کریں نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

Whataspp:03201914145

نوٹ

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاً تفاسیر ، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاً بوقتاً Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ و تفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

ویب سائیٹ maktabatulishaat.com (مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام)

روزانہ کی بنیاد پر ہم ویب سائیٹ اور پلے سٹور میں مزید تصانیف شامل کر رہے ہیں اور ان میں مزید بہتری لا رہے ہیں۔ نئے شامل شدہ تصانیف کے لئے آپ وقتاً فوقتاً ویب سائیٹ اور پلے سٹور کو چیک کیا کریں مزید بہتری کے لیے اپنے قیمتی تجاویز سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

ردِ رضاخانیت پر حضرت نیلوی رحمہ اللہ کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

تلمیذ رشید
مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

و تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز
امام اہل السنت حضرت [illegible]
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

حصہ دوم اعمال

مکتبہ اشاعۃ العلوم

اجمالی فہرست

جلد چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

الکلماتُ الصّادقۃ

فی حکمِ

الزّنادقۃ

تصنیفِ لطیف

استاذ العلماء شیخ الحدیث و التفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی مدظلہ

جس میں

قرآن و سنت کی روشنی میں

اہلِ کتاب کے اطلاق و مصداق پر

محدثین و مفسرین اور ائمہ مجتہدین کے فتوے اور

مرتد و زندیق کا بیان احسن طریقے سے کیا گیا ہے

مرتب و ناشر

سید حسن وسطی

ادارہ گلستانِ طٰہٰ منہری مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

پوسٹ کوڈ ۴۰۱۰۰

حرفِ آغاز

زیرِ نظر کتاب "الکلمات الصادقہ فی حکم الزنادقہ" محدث العصر شیخ الحدیث و التفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلوی مدظلہ العالی کے ایک فتویٰ پر مشتمل ہے، جو کہ ماہنامہ "گلستانِ اسلام" کے متعدد قارئین کی طرف سے موصول ہونے والے درج ذیل سوالوں کے جواب میں لکھا گیا۔ مثلاً:

سائلین کے خطوط سے ماخوذ سوالنامہ

(۱) کیا موجودہ زمانہ کے نصاریٰ جو مشرک ہیں اہل کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ جن کی عورتوں سے نکاح جائز اور ان کی ذبیحہ از روئے قرآن حلال ہے۔

(۲) کیا مسلمانوں پر بھی اہلِ کتاب کا اطلاق جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو کیا صحابۂ کرامؓ و من بعدہم الیٰ یوم القیامۃ تمام مسلمان اہلِ کتاب کہلائیں گے۔

(۳) ہفت روزہ ضربِ مومن کے حوالے سے ماہنامہ گلستانؒ میں ایک فتویٰ شائع ہوا، جس میں لکھا تھا کہ: "جو لوگ آپ ﷺ کو عالم الغیب، حاضر ناظر اور مختارِ کل سمجھتے ہیں اور ان کی بشریت کے انکار کا عقیدہ رکھتے ہیں، ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، یہ لوگ زندیق ہیں۔ لہٰذا ان کا ذبیحہ حرام ہے"۔ لیکن یہ سمجھ نہیں آئی کہ زندیق کا مطلب کیا ہے۔

(۴) کیا زندیق اور مرتد میں کوئی فرق بھی ہے یا محض لفظی اختلاف ہے۔

⑤ مُطلق کافر و مشرک کے لفظ سے کیا مراد ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے کفریہ عقائد کی مثال مشرکین مکہ سے دی گئی ہو۔ اور اس کے کفر کو ابو جہل کے کفر سے تشبیہ دی گئی ہو۔

⑥ رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے شاگردوں، مثلاً:

① شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ،
② شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ،
③ شیخ التفسیر مولانا محمد امیرؒ،
④ مولانا قاضی شمس الدینؒ،
⑤ خطیب اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ

اور اشاعت التوحید والسنت سے منسلک دیگر علماء کرام کا مسلک اس بارہ میں کیا ہے۔

⑦ کیا رافضی، قادیانی اور مشرک کی ذبیحہ کو ذبیحہ اہل کتاب کی طرح حلال قرار دینا درست ہے۔ جبکہ چند برس قبل ہر سال آپ کے مدرسہ کی طرف سے مسنون قربانی کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا جاتا رہا ہے، جس میں ذبح کا طریقہ اس طرح لکھا جاتا تھا کہ: "اگر ذبح کرنا جانتا ہو تو خود ذبح کرے ورنہ مسلمان موحد سے ذبح کرائے۔ مرزائی، رافضی، مشرک کی ذبح حلال نہ ہوگی"۔ اور اس کے برعکس آج کل بعض علماء سے سُنا جا رہا ہے کہ موجودہ دور کے مشرکین اہل کتاب کے حکم میں ہیں، اس لیے ان کی ذبیحہ حلال ہے۔

⑧ جو شخص مرتد ہو جائے اسے بھی اہل کتاب کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ جبکہ وہ خود کو مسلمان کہے اور قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ کرے۔

⑨ مرتد کی اولاد اپنے والدین کے عقائد پر قائم رہتے ہوئے مسلمان ہونے اور ایمان بالقرآن کا دعویٰ کرے تو اسے اہل کتاب کہا جا سکتا ہے یا نہیں، جیسا کہ مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

۱۰ احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں اکثر علماء سب صحابہؓ کو کفر و ارتداد قرار دیتے ہیں۔ لیکن، مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب صحابہؓ کفر نہیں اس لیے بھی شیعہ کا ذبیحہ حلال ہے۔

۱۱ اہل القبلہ سے کون لوگ مراد ہیں۔

۱۲ کیا موجودہ دور کے جاہل عوام پر کفر کا فتویٰ لگانا درست ہے؟ جبکہ انھیں زبانی کلمہ کے علاوہ امورِ دین میں سے اور کسی بات کا علم نہ ہو۔

○ اس فتویٰ میں سائلین کے مذکورِ بالا تمام شبہات اور استفسارات کا مکمل اور تسلی بخش جواب دیا گیا ہے۔ یہ فتویٰ قبل ازیں (محرم تا ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ) ماہنامہ گلستانِ اسلام میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد متعدد قارئین اور اہلِ علم حضرات کی طرف سے حوصلہ افزا خطوط موصول ہوئے۔ اور اس کی مانگ میں روز بروز اضافہ کے پیشِ نظر اب مستقل کتابی صورت میں اسے دوبارہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

فقط والسلام

سید حسن وسطی (ایڈیٹر)
ماہنامہ گلستانِ اسلام
سنہری مسجد بلاک اے سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین خاتم النبیین و علی الہ و اصحابہ اجمعین۔

اما بعد البسملۃ و الحدلۃ و التصلیۃ فیقول العبد الضعیف المفتقر الی اللہ الغنی العلیم الحکیم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یا ایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ نے جو ستھری چیزیں تمھارے لیے حلال کر دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے بھی نہ بڑھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اعتدال کا درس دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ستھری چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے حد مقرر فرما دی کہ یہ چیزیں ستھری ہیں اور یہ کہ ان کے کھانے میں اس مقرر حد تک رہنا۔ اس حد سے آگے تجاوز نہ کرنا۔ جیسا کہ جنت میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حد بندی کرتے ہوئے فرمایا: وکلا من حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ۔ کہ جہاں سے چاہو کھا سکتے ہو مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔

احکامِ الہیّہ میں اوامر بھی ہیں اور نواہی بھی ہیں۔ اوامر کرنے کے کام ہیں اور نواہی نہ کرنے کے کام ہیں۔ اس لیے جو شخص ان حدود کا خیال نہ کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا و من یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظلمون۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حد بندیاں ہیں' ان سے آگے مت بڑھو۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے آگے بڑھیں گے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں گے۔

نیز فرمایا: و من یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ۔ کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدود سے باہر قدم رکھا تو اس نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

○ ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حدود اللہ کا لحاظ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اور اس پر بھی تمام امت کا اجماع ہے کہ جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو' یا اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے کسی ایک صفت میں بھی غیر اللہ (انبیاء کرامؑ و اولیاء اللہؒ) میں سے کسی کو ذاتی یا عطائی طور پر شریک سمجھے۔ مثلاً غیر اللہ کو عالم الغیب' ہر جگہ حاضر ناظر' نفع نقصان کا مالک' مختارِ کل' حاجت روا' مشکل کشا' بگڑی سنوارنے والا' اولاد دینے والا سمجھے۔ تو وہ اس کفریہ عقیدہ کی وجہ سے کافر ہے۔ جس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں :

① اگر پہلے وہ صحیح العقیدہ تھا پھر کسی کے بہکانے سے اپنا صحیح عقیدہ بدل کر مشرکانہ عقیدہ اپنالیا تو وہ مرتد ہے۔ اگرچہ وہ قرآن مجید کو ماننے کا زبانی اقرار کرتا ہو۔ اس کا مسلمان عورت کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اگر پہلے سے نکاح ہو تو اس ارتداد کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس کی ذبیحہ حرام ہوگی۔ اگرچہ بوقتِ ذبح اس پر اللہ کا نام لیوے۔

② اور اگر اس کے باپ دادا کا مشرکانہ عقیدہ تھا اور یہ اپنے باپ دادا کے اسی مشرکانہ عقیدہ پر قائم ہے۔ اور سمجھانے سے سمجھتا بھی نہیں' تو اسے مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے مشرکانہ عقیدے پر قائم ہونے کی وجہ سے نسلی کافر ہے۔

نسلی کافر کے حکم میں اختلاف

○ اب رہا یہ کہ وہ نسلی کافر اہلِ کتاب کے زمرے میں داخل ہیں جن کی ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ یا مشرکینِ عرب کے حکم میں شمار کیے جائیں گے جن کی ذبیحہ حرام اور ان کی عورتوں سے ناجائز ہے۔

○ سو بعض حضرات نے بعض فقہی عبارات کو دیکھ کر ایسے شخص کو اہلِ کتاب میں داخل سمجھا ہے۔ جیسے :

فتح القدیر میں مذکور "الکتابی" کی تعریف

○ فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳ میں حضرت علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کتابی کی تعریف کچھ اس طرح بیان فرمائی ہے: "الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب" یعنی کتابی وہ شخص ہے جو کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی کتاب کا اقرار کرتا ہو۔

○ اور وہ نسلی کافر چونکہ خاتم النبیینؐ پر ایمان رکھتا ہے اور قرآن مجید کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے اس تعریف کی رو سے وہ اہل کتاب ہے۔

○ مگر کتابی کی اس تعریف پر ظاہر معنی کی رو سے علماء حق نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تعریف "مانع" نہیں ہے۔ کیونکہ اس تعریف میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ سچا پکا مسلمان بھی آجاتا ہے۔ اور اس تعریف کے ظاہر معنی کی رو سے کہا جاسکتا ہے کہ سب کے سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اہل کتاب تھے۔ اور تابعینؒ، تبع تابعینؒ، سلف صالحینؒ، ائمہ مجتہدینؒ، محدثینؒ، مفسرینؒ الی یوم القیمہ سب اہل کتاب ہیں۔

○ اور اس تعریف کی رو سے جس طرح ایک موحد مسلم پر اہل کتاب کا اطلاق درست ہوا، اسی طرح اس شخص پر بھی اہل کتاب کا اطلاق درست ہوگا جو تمام دین اسلام پر ایمان رکھتا ہو، فقط ایک کلمۂ کفر بکنے سے مرتد ہوگیا ہو۔ حالانکہ گزشتہ چودہ صدیوں میں علماء اسلام میں سے کسی نے بھی کسی مرتد کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا۔ چنانچہ:

مرتدین کے ساتھ اہل اسلام کا سلوک

(۱) اعلم الصحابۃؓ ثانی اثنین امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں گیارہ قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تھا۔ ان منکرین زکوٰۃ کو مرتد کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ منکرین زکوٰۃ دین اسلام کو چھوڑ کر مشرکین مکہ کے ہم عقیدہ بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے یہودیت یا نصرانیت یا کوئی اور مذہب اختیار کیا تھا۔ بلکہ وہ لوگ اپنے آپ کو پکا سچا

مسلمان کہتے تھے۔ کلمۂ شہادۃ بھی پڑھتے تھے۔ قرآن مجید بھی پڑھتے تھے۔ نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ حج بھی کرتے تھے۔ بلکہ تمام شریعت کے عامل و عامل تھے۔ ان لوگوں نے صرف زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور اس انکارِ زکوٰۃ پر قرآن مجید سے ہی استدلال کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں اٰتوا الزکوٰۃ حکم الٰہی برحق ہے، مگر زکوٰۃ لینے کا حق صرف ہمارے پیغمبرؐ ہی کو تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ لینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

دلیل خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (اَلتَّوْبَة - ۹: ۱۰۳) یارسول اللہ! یہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ دیں تو ان کے مال کی زکوٰۃ لے لیا کریں۔ کیونکہ زکوٰۃ کے قبول کرنے سے آپؐ ان کے گناہوں سے پاک صاف کرنے کا سبب بنیں گے۔ اور ان کو دعائے خیر دیں۔ کیونکہ آپؐ کی دعا ان کیلئے تسکین کا باعث ہوتی ہے۔

○ اس پر امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ نے ان کے شبہات کو بہت احسن طریقہ سے دور کرنے کی کوشش کی اور سمجھایا، مگر وہ بضد رہے۔ آخر کار آپؓ نے فرمایا واللہ اگر وہ لوگ زکوٰۃ کے اونٹ کی رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ کیونکہ زکوٰۃ بھی اسلام کے پانچ فرائض میں داخل ہے۔

○ ایک جلیل القدر صحابیؓ نے امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ قبائل عرب جو طوفان اٹھا رہے ہیں وہ ایک طرف،

خانہ ساز نبی اپنی جگہ شور مچا رہے ہیں،

یہود و نصاریٰ کا فتنہ الگ ہے۔

مصلحتِ وقت کا تقاضا ہے کہ ابھی ان کی تالیفِ قلوب کی جائے،

جب اساسِ خلافت مستحکم ہو جائے گی اس وقت ان کا تعاقب کرنا۔

○ آپؓ نے فرمایا وفاتِ نبیؐ کے بعد سلسلۂ وحی بند ہو گیا۔ سارا عرب دشمن ہے واقعی مجھے اپنی حربی کمزوری کا احساس ہے۔ لیکن باین ہمہ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ لوگ جس قدر زکوٰۃ نبیؐ کے حضور بھیجتے تھے اگر اس میں سے ایک حبہ بھی کم کریں گے تو میں ان سے لڑوں گا۔ اگر آپؓ نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں اکیلا لڑوں گا۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام کا کوئی رکن توڑا جائے اور شعائرِ الٰہیہ کی توہین ہو۔

○ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپؓ بجا فرما رہے ہیں لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کفار سے اسی وقت تک لڑو جب تک کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ کہیں۔ مگر موجودہ صورت میں جب وہ اقرارِ توحید و رسالت میں ہمارے شریک حال ہیں آپؓ ان سے کیوں لڑتے ہیں۔

○ اس پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایسے لوگوں پر جو کلمۂ شہادت اور نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتے ہیں ضرور لشکر کشی کروں گا۔ آخر کار مرتدین پر حملہ کر کے ان کو شکست دی۔

○ ان قبائل عرب پر الکتابی کی یہ تعریف الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب پوری طرح صادق آتی تھی۔ اس کے باوجود ان پر ارتداد کا فتویٰ تو لگا۔ مگر اہلِ کتاب نہیں کہا۔

(۳) امیر المؤمنین سیدنا امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابو ثمامہ مسیلمۃ بن کبیر بن حبیب' الکذاب کے ساتھ بھی جہاد کیا۔ جس نے عقائد و احکام اسلام ہی سے لیے تھے جن میں الحاد و زندقہ کی آمیزش کر دی۔

○ وہ کہتا تھا کہ یہ غلط ہے کہ اللہ نے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ابلیس کو دیا۔ کیونکہ اللہ غیر کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیتا۔

○ نیز کہتا کہ اللہ کا جسم اور آنکھ کان ناک ہاتھ پاؤں سب کچھ ہے مگر ہمارے جیسے نہیں۔ اور استدلال میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتا تھا: بل یداہ مبسوطتان، واصنع الفلك باعیننا۔ ویبقی وجہ ربك۔

○ نیز اس نے کہا کہ ہر نبی اپنی امت کے لیے گواہ ہوتا ہے۔ اور ایک کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ اس لیے دو نبی ہوتے ہیں جو گواہی دیں گے۔ جیسے بنی اسرائیل کی طرف دو پیغمبر موسیٰؑ اور ہارونؑ مبعوث ہوتے۔ اسی طرح اس امت کے بھی دو نبی ہیں۔ ایک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا میں۔ ہم دونوں گواہ ہوں گے۔

○ امیر المومنینؓ نے اعلان کیا کہ تمام بالغ سیلمیوں کو ارتداد کے جرم میں قتل کیا جائے۔ چنانچہ اسے بعہد صدیقیؓ ۱۲ھ میں اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا گیا۔ حالانکہ فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی ویقر بکتاب ان فرقوں پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔

(۳) ابو اسحٰق مختار ثقفی پہلے خارجی تھا۔ پھر اپنے آپ کو شیعہ اور محب اہل بیت ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ پھر نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھتا تھا۔ اور کتاب اللہ قرآن مجید کو مانتا تھا۔ کسی کو پیش گوئی کی کہ تمہیں فتح ہوگی آخر شکست ہوئی۔ اس نے کہا کہ تمہاری پیش گوئی غلط نکلی تو کہنے لگا یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب

○ مختار ثقفی کو دعویٰ نبوت کے جرم میں بعہد عبدالملک بن مروان ۶۹ھ میں قتل کیا گیا۔ حالانکہ ظاہر معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی ویقر بکتاب اس پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن اسے اور اس کے متبعین کو کسی نے اہل کتاب نہیں کہا۔

(۴) بیان بن سمعان یمنی مدعی نبوت بھی اپنی نبوت کے لیے قرآنی آیات سے استدلال کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے قرآن مجید کا صحیح مفہوم سمجھایا گیا ہے اور آیات قرآنیہ کا وہ مطلب اور مفہوم نہیں جو عوام سمجھتے ہیں اور اس کے پیرو کہتے تھے کہ قرآنی آیت: ھذا بیان للناس و ھدی و موعظۃ للمتقین بیان ہی کی شان میں وارد ہوئی ہے اور بیان نے خود بھی کہا تھا: انا البیان وانا الھدی والموعظۃ

○ نیز کہتا تھا کہ معبود ازلی نوری شخص ہے۔ جس کا تمام بدن چہرہ کے سوا فنا ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: کل شئ ھالك الا وجھه، کل من علیھا فان و یبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام

○ نیز کہتا تھا آسمان کا معبود الگ ہے اور زمین کا الگ دلیل میں قرآن کی آیت پیش کرتا تھا: وھوالذی فی السمآء اله وفی الارض اله

○ نیز کہتا تھا آسمان کا الٰہ زمین کے الٰہ سے افضل ہے۔

○ بیان بن سمعان کو ۱۸۷ھ میں آگ میں جلایا گیا۔ اس کے پیروکاروں کو بیانیہ کہا جاتا ہے۔ جو کئی صدیوں تک رہے۔

○ علامہ عبدالقاہر بغدادیؒ الفرق بین الفرق میں لکھتے ہیں فرقہ بیانیہ ملت اسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بیان کو معبود یقین کرتے ہیں اور اس گروہ کے جو افراد بیان کو نبی سمجھتے ہیں وہ بھی اسی شخص کے مانند ہیں جو مسیلمۃ الکذاب کو نبی گمان کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں فرقے اسلامی فرقوں سے خارج ہیں۔ حالانکہ ظاہر معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب ان فرقوں پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن امت محمدیہ ﷺ میں سے آج تک کسی نے ان فرقِ ضالہ کو اہل کتاب نہیں کہا۔

⑤ ابو منصور عجلی حضرت جعفر صادقؒ کا معتقد اور غالی رافضی تھا۔ جب حضرت جعفر صادقؒ کو اس کے غلو کا علم ہوا تو اس کو اپنے یہاں سے نکال دیا۔ اس نے اپنی الگ جماعت بنالی اور کہا کہ میں امام محمد باقر کا جانشین ہوں۔ ان کا درجۂ امامت میری طرف منتقل ہوگیا۔ قرآن مجید کا منکر نہیں تھا۔ قرآنی آیات کی عجیب و غریب تاویلیں کرتا تھا۔ پھر کہتا تھا کہ نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ قیامت تک رسول آتے رہیں گے۔ اس کو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں یوسف بن عمر ثقفی والی عراق نے اس کی تعلیمات کفریہ کے باعث گرفتار کراکے سولی چڑھا دیا۔ حالانکہ ظاہر

معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب اس پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن اسے کسی نے اہل کتاب نہیں کہا۔

(۶) اسحاق اخرس مغربی کلمۂ شہادت پڑھتا تھا قرآن مجید کو بھی آسمانی کتاب سمجھتا تھا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا تھا۔ البتہ اتنا کہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقل نبی تھے اور میں ان کا متبع ظلی اور بروزی نبی ہوں۔

(۱) اسحٰق اخرس بعہد خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی عساکر اسلام سے مقابلہ میں قتل ہوا۔ اس کے پیروکار مدتوں رہے۔ چھٹی صدی میں حضرت ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ تک ان کا وجود تھا۔

(۲) اور وہ کہا کرتا تھا کہ جو شخص اللہ پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مجھ پر ایمان لے آیا اس نے فلاح پائی اور جس نے میری نبوت سے انکار کیا اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو بے کار کردیا۔ ایسا منکر ابدالآباد جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔ یہ فرقہ بھی متفقہ طور پر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ حالانکہ ظاہر معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی ویقر بکتاب اس پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن اسے کسی نے اہل کتاب نہیں کہا۔

(۷) فرقہ قرامطہ میمونیہ مزدکیہ اور باطنیہ کا بانی ابوعبداللہ میمون بن ویصان قداح اہوازی حضرت جعفر صادقؒ کا غلام تھا۔ دراصل مجوسی اور اسلام کا دشمن تھا۔ اس نے اسلام میں الحاد و زندقہ کے نظریات داخل کیے۔ جس طرح پولس یہودی نے دین عیسٰیؑ میں کفر و شرک کی آمیزش کرکے اسے بگاڑا تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نے میمون کے پیروکاروں کا نام فرقہ میمونیہ رکھا۔ مگر باطنیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد قرامطہ و مزدکیہ کے نام سے عراق میں اور ملاحدہ و مزدکیہ کے نام سے خراسان میں مشہور ہوئے۔

ان کا کہنا تھا کہ شرائع اسلام برحق ہیں مگر مولویوں نے جو کچھ سمجھا ہے وہ غلط ہے۔ اس کے ظاہری معنے قطعاً مراد نہیں۔ یہ لوگ دہریوں اور بت پرستوں سے بھی بدتر ہیں۔ حالانکہ ظاہر معنی کی رو سے فقہاء کی بیان کردہ الکتابی کی تعریف الکتابی من یؤمن بنبی و یقر بکتاب ان پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ لیکن انھیں کسی نے اہل کتاب نہیں کہا۔

▢ اسی طرح گزشتہ چودہ صدیوں میں اور بھی متعدد مرتدین ایسے ہو گزرے ہیں جنھیں جرم ارتداد میں قتل کیا گیا۔ ان میں سے کسی کو بھی کسی فقیہ نے اہل کتاب نہیں کہا۔ اور نہ ہی انھیں فی حکم اہل الکتاب کہا گیا۔ مثلاً :

(۸) عیہلہ بن کعب بن عوف اسود عنسی مدعیٔ نبوت مقتول صحابہؓ بعہدِ نبویؐ ۱۰ھ

(۹) حارث بن عبدالرحمٰن بن سعید دمشقی مدعیٔ نبوت مقتول بعہدِ عبدالملک۔

(۱۰) ابو مسلم خراسانی مدعیٔ الوہیت بھی خلیفہ ابو منصور عباسی کے عہدِ خلافت میں قتل کیا گیا۔

(۱۱) حکیم عطاء ہاشم مقنع خراسانی مدعیٔ الوہیت ۱۶۳ھ میں بعہدِ خلیفہ مہدی عباسی لشکرِ اسلام کے حملوں سے گھبرا کر اپنی فوج سمیت قلعہ بند ہو کر خود سوزی کر کے جل مرا۔

(۱۲) جاودان مجوسی مسلمان ہوا پھر نبوت کا دعویٰ کر کے مرتد ہو گیا۔ ۱۲۸ھ میں مارا گیا۔

(۱۳) استاذ سیس خراسانی مدعیٔ نبوت بعہدِ خلیفہ منصور ۱۵۰ھ میں قتل ہوا۔

(۱۴) مغیرۃ بن سعید عجلی مدعیٔ نبوت ۱۸۲ھ میں جلایا گیا۔

(۱۵) بہبود زنگی مدعیٔ نبوت ۲۲۶ھ میں بعہدِ معتصم قتل ہوا۔

(۱۶) یوز مدعیٔ نبوت ۲۵۶ھ میں بعہدِ معتمد قتل ہوا۔

(۱۷) علی بن محمد خارجی ازاراقی مدعیٔ نبوت کو خلیفہ موفق کی اسلامی فوج نے ۲۷۰ھ میں سخت مقابلہ کے بعد قتل کیا۔

(۱۸) ابوالقاسم یحییٰ زکرویہ قرمطی مدعیٔ مہدویت نے خود کو محمد بن عبداللہ بن محمد

بن اسماعیل بن جعفر صادق ظاہر کیا۔ بعہد خلیفہ مکتفی باللہ ۲۸۹ھ میں اسلامی افواج کے ساتھ مقابلہ میں قتل ہوا۔

(۱۹) حسین بن زکرویہ صاحب الشامہ مدعی مہدویت کو خلیفہ مکتفی باللہ عباسی نے ۲۹۱ھ میں دو سو درے لگوائے اور پھر صلیب پر چڑھا دیا۔

(۲۰) عیسیٰ بن مہرویہ ملقب بہ مدثر مدعی مہدویت ۲۹۱ھ میں قتل ہوا۔

(۲۱) طائفہ قرامطہ کا بانی ابوسعید حسن بن بہرام جنابی تھا۔ جو دولت عباسیہ کے دور میں اپنے باطل دعوے کی وجہ سے ۳۰۱ھ میں قتل ہوا تھا۔

(۲۲) علی بن فضل یمنی مدعی نبوت و الوہیت کو ۳۰۳ھ میں زہر پلا کر قتل کیا گیا۔

(۲۳) ابوجعفر محمد بن علی شلمغانی مدعی الوہیت کو بعہد خلیفہ راضی باللہ اپنے رفیق ابن ابی عون کے ساتھ ۳۲۲ھ میں مصلوب کیا گیا۔

(۲۴) عبدالمؤمن افریقی مدعی نبوت ۳۰۰ھ میں قتل ہوا۔

(۲۵) عبدالعزیز باسندی نے ۳۲۲ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ علاقہ صغانیان کے حاکم ابوعلی بن مظفر کے حکم سے قتل کیا گیا۔

(۲۶) ابوطاہر سلیمان قرمطی مدعی الوہیت ۳۱۲ھ میں چیچک سے مرا۔

(۲۷) عبیداللہ افریقی مدعی مہدویت ۳۲۰ھ میں مرا۔

(۲۸) ابوجعفر محمد بن علی شیعی ارتدادی کلمات بکنے کی وجہ سے ۳۲۲ھ میں اپنے متعدد ساتھیوں کے ساتھ قتل ہوا۔

(۲۹) احمد بن حسین کوفی ابوالطیب مدعی نبوت ۳۷۷ھ میں قتل ہوا۔

(۳۰) نبی نہاوند مدعی نبوت ۴۹۹ھ میں قتل ہوا۔

(۳۱) حسن بن صباح اپنے ارتدادی کلمات کی وجہ سے ۵۱۸ھ میں قتل ہوا۔

(۳۲) نبی البانہ مدعی نبوت محمد بن مظفر کے دور میں قتل ہوا۔

(۳۳) نبی کاوہ عطار مقنع بعہد مہدی اپنے ساتھیوں سمیت خود آگ میں جل مرا۔

(۳۴) آدم خراسانی عثمان بن نہیک مدعی بروز آدم بعہد منصور قتل ہوا۔

۳۵ مدعی بروزِ نوح خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں سولی دیا گیا۔
۳۶ الحاکم بامراللہ مصری مدعیٔ الوہیت۔ ۲۵ سال تبلیغ کی۔
۳۷ عبداللہ بن تومرث ۲۵ سال تبلیغ کی ۲۰ سال حکومت کی۔
۳۸ میر محمد حسین دمشقی نے نمازوں کے اوقات میں اضافہ کیا۔ مکروہ اوقات میں بھی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ عالمگیر کے دور میں لاہور آیا۔ بعہدِ محمد شاہ دہلی میں جا مرا۔
۳۹ یحییٰ مسافر کہیں سے سندھ میں آیا۔ اور مہدی یحییٰ ہونے کا دعویٰ کیا۔
۴۰ خود مدعیٔ نبوت حضرت امام ابن تیمیہؒ کے ساتھ وفاتِ مسیحؑ پر بحثیں کرتا رہا۔
۴۱ یحییٰ بہاری مُلقب بہ الہ اللہ اس نے کہا کہ یحییٰ اصل میں یاجوج تھا۔
۴۲ ہندوستان میں فرقہ مہدویت کا بانی سید محمد مہدی جون پوری مدعیٔ مہدویت سالہاسال کی خانہ بدوشی کے بعد غریب الوطنی کے عالم میں فراہ واقع خراسان میں ۹۱۰ھ میں مرا۔
۴۳ بایزید انصاری جالندھری مدعیٔ نبوت المعروف بہ روشن پیر کو اکبر بادشاہ کے حکم سے کابل کے صوبہ دار نے فوج کشی کر کے قتل کیا۔
۴۴ ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن محمد سجلماسی المعروف بہ ابن ابی محلی مدعیٔ مہدویت ۱۰۲۲ھ میں اپنے متعدد ساتھیوں کے ساتھ طالبان کے ہاتھوں مراکش میں قتل کیا گیا۔
۴۵ حاجی محمد خراسانی مدعیٔ مسیحیت کو سندھ کے حکمران نے حراست میں لے کر اس کا سر قلم کیا اور شہر کی عام گزرگاہ پر لٹکا دیا۔
۴۶ مرزا علی محمد باب شیرازی مدعیٔ مہدویت ۱۲۶۶ھ میں مارا گیا۔
۴۷ مُلّا محمد علی بارفروشی مدعیٔ رجعتِ محمدی، یہ مرزا علی محمد باب کا مرید تھا۔ نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ مقتول ہوا۔
۴۸ صبحِ ازل یہ باب کا مرید تھا۔ اس نے بھی مہدویت کا دعویٰ کیا۔
۴۹ مرزا حسین علی بہا مدعیٔ مہدویت۔ ۷۵ سال کی عمر میں قتل کیا گیا۔

⑤⓪ زرّین تاج معروف بہ قرۃ العین طاہرہ قزوینیہ جس نے مظہرِ فاطمہؓ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ۱۸۵۲ء میں بابی مذہب کی تبلیغ کے جرم میں خچر کی دم سے اس کے بال باندھ کر خچر کو دوڑایا گیا۔ جس سے وہ مرگئی۔ اور اس کی لاش کو ایک کنوئیں میں ڈال کر پتھروں سے کنواں بھر دیا گیا۔

○ یہ چند واقعات بطورِ نمونے کے ذکر کیے گئے ہیں جن سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ فتح القدیر میں مذکور کتابی کی تعریف ظاہر پر مبنی نہیں بلکہ ان کا مقصد وہی ہے جو کتبِ عقائد میں مذکور ہے۔ جس سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ کتبِ عقائد میں مذکور کتابی کی تعریف فقہاء کی بیان کردہ تعریف کی تشریح ہے نہ کہ مخالف۔ اور اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

○ اس تعریف سے تو صرف مندرجہ ذیل کافر نکلتے ہیں۔

① دہریہ منکرینِ صانع۔

② ثنویہ منکرینِ توحید و رسالت۔

③ وثنیہ منکرینِ توحید و رسالت۔

④ فلاسفہ توحید کے قائل منکرِ بعثتِ رسل۔

○ مگر اس تعریف میں ہنود اور سکھ داخل رہتے ہیں۔ کیونکہ ہندو رشیوں یعنی رسولوں کے قائل ہیں اور کتابوں کا اقرار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم چار ویدوں کو مانتے ہیں۔ اور سکھ بھی کہتے ہیں کہ ہم باوا نانک کو مانتے ہیں اور اپنی کتاب گرنتھ صاحب کو بھی اپنے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ مسلمان جس قدر قرآن مجید کی عزت کرتے ہیں ہم اس گرنتھ کی اس سے زیادہ تکریم کرتے ہیں۔ بلکہ سورت نساء آیت ۱۷۴ یا ایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نوراً مبیناً کی رو سے وہ بھی اہلِ کتاب میں داخل ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ :

ہندو، سکھ اور دھریئے بھی اہلِ کتاب ہیں؟

○ اگر محض اس وجہ سے مسلمانوں کو اہلِ کتاب کہا جائے کہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمانی کتاب نازل ہوئی ہے تو قطع نظر دین و ملت کے دنیا بھر میں رہنے والے تمام بنی نوعِ انسان کو اہلِ کتاب کے زمرے میں شامل کر کے ان کی ذبیحہ کو حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز سمجھنا چاہیے۔ خواہ وہ مذہباً سکھ ہوں یا ہندو۔ اسی طرح کوئی منکرِ خدا دہریہ ہو یا مذہب کو افیون قرار دینے والا اجونی۔ کیونکہ:

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام بنی نوعِ انسان کو مخاطب کر کے فرمایا: یا ایہا الناس قد جاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً (۴: ۱۷۴) یعنی دنیا کے رہنے والے انسانو! سنو! تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک راہنما (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس آ چکے ہیں۔ اور ان کی شہادت کے لیے ہم نے کھلا نور یعنی قرآن مجید تمہاری (روئے زمین پر بسنے والی ہر قوم اور ملت کی) طرف اتارا ہے۔ خواہ تم میں سے کوئی اہلِ کتاب یہودی ہے یا نصرانی، کوئی ہندو ہے یا دہریہ یا مجوسی، قرآن تم سب کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

○ شاید یہی وجہ ہے کہ حسب فرمان حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ مصر کے مشہور عالم مفتی عبدہٗ سے ایک سخت لغزش ہوگئی ہے۔ جس کے غلط اور قرآن و سنت اور جمہورِ امت کے خلاف ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ موصوف سے تفسیر المنار میں اس جگہ دوہری غلطی ہوئی ہے اول تو اہلِ کتاب کے مفہوم میں دنیا کے کفار مجوس، ہندو، سکھ وغیرہ سب کو داخل کر کے اتنا عام کر دیا کہ پورے قرآن میں جو کفار اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب کی تقسیم و تفریق کی گئی ہے وہ بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔ الخ (معارف القرآن ۵: ۵ صفحہ ۵۸)

- لہٰذا اس اعتراض سے بچنے کے لیے بعض فقہاء نے دیناً سماویاً کی قید لگا دی ہے۔ جس سے ہندو سکھ دہریے فلسفی وغیرہ خارج ہو جاتے ہیں۔
- حضرت مولانا مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع دیوبندی نے معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۷ پر اسی قید کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا: باتفاق امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو۔ جیسے تورات، انجیل، زبور، صحف موسیٰ و ابراہیم وغیرہ۔
- اس لیے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن و سنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں، وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہیں ہوں گی۔ جیسے مشرکین مکہ، مجوس، بت پرست ہندو، بدھ، آریہ، سکھ وغیرہ۔
- مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ اس تعریف کی رو سے تو مشرکین مکہ بھی اہل کتاب میں داخل رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو حنیفی کہلاتے تھے۔ اور ان کا دعویٰ تھا کہ ہم ملت ابراہیم کے متبع اور پیروکار ہیں۔ اور باپ دادوں سے ملت ابراہیم پر کاربند ہیں۔ اعتقاداً بھی اور عملاً بھی۔ گو ہمارے پاس اس وقت کوئی آسمانی کتاب موجود نہیں مگر ہم اپنے باپ دادوں سے جو اباً عن جدٍ سنتے آئے ہیں وہی صحیح اور سچا آسمانی دین ہے جو اس دین پر نہیں وہ صابی اور بے دین ہے۔ مگر وہ اہل کتاب نہیں۔ لیکن:

مشرکین مکہ بھی اہل کتاب ہیں؟

- اگر محض اس وجہ سے مسلمانوں کو اہل کتاب کہا جائے کہ ان کی طرف کتاب اتری ہے۔ اور دلیل میں قرآن مجید کی بعض آیات پیش کی جائیں۔ مثلاً:

لقد انزلنا الیکم اٰیات (۲۴ : ۳۶)

یا اولی الالباب الذین اٰمنوا قد انزل اللّٰہ الیکم ذکراً (۶۵ : ۱۰)

قولوا اٰمنا باللّٰہ وما انزل الینا (۲ : ۱۳۶) وغیر ذٰلک من الاٰیات

اس طرح تو مکہ کے رہنے والے ان پڑھ امی مشرک قریشیوں کو بھی اہل کتاب کہنا چاہیے۔ کیونکہ:

- الله تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لقد انزلنا الیکم کتاباً فیه ذکرکم (الانبیاء۔۲۱:۱۰) یعنی اے مکہ کے رہنے والے مشرک قریشیو! مجھے اپنی ذات کبریائی کی قسم ہے ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب بھیجی ہے جس میں تمھارے لیے نصیحت کی باتیں ہیں۔
- نیز فرمایا: افغیر الله ابتغی حکماً و هو الذی انزل الیکم الکتب مفصلاً (الانعام۔۶:۱۱۴) یعنی اے مکہ کے رہنے والے مشرک قریشیو! کیا میں الله تعالیٰ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اسی نے تمھاری طرف مفصل کتاب اتاری ہے۔
- قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مکہ کے رہنے والے بے ایمان ان پڑھ مشرک بھی اہل کتاب ہیں۔ کیونکہ ان کی طرف بھی مفصل کتاب یعنی قرآن مجید نازل ہو چکا ہے۔ ان آیات کریمہ کی رو سے کہا جائے گا کہ مکہ کے مشرک لوگ بھی اہل کتاب ہیں۔ اس لیے ان کی ذبیحہ بھی حلال ہے۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے۔ جبکہ وہ بھی اپنی نسبت ملت سماویہ ابراہیمیہ کی طرف ہی کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ بھی منسوب الیٰ ملت سماویہ ہیں

- نیز اگر یوں کہا جائے کہ حلت ذبیحہ اور عورتوں سے نکاح کے جواز کے لیے منسوب الیٰ ملت سماویہ ہونا کافی ہے تو مکہ کے مشرک قریشیوں کا ذبیحہ بھی حلال ہونا چاہیے اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ مشرکین مکہ بھی اپنے آپ کو ملت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور اپنے آپ کو حنیفی کہتے تھے۔ جیسا کہ:
- تفسیر جامع البیان میں شیخ الاسلام حضرت شیخ معین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آیت

ان ابراھیم کان امۃ ...... (۱۶: ۱۲۰) کے تحت تحریر فرمایا ہے: زعم قریش انھم علی ملۃ ابراھیم وھم مشرکون یعنی باوجود شرک کرنے کے مشرکین قریش کا دعویٰ تھا کہ وہ ملت ابراہیمؑ پر ہیں۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ہم ملت ابراہیمؑ پر ہیں۔ اور ملت ابراہیمؑ ملت سماوی ہی تو تھی۔ اس لیے یہود و نصاریٰ کی طرح خود کو ملت سماویہ ابراہیمیہ کی طرف منسوب کرنے والے مشرکین مکہ کا ذبیحہ بھی حلال ہونا چاہیے۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ:

مشرکین مکہ کے عقائد

(۱) ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا خالق ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔
(۲) اللہ تعالیٰ ہی آسمان زمین کا خالق ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔
(۳) اللہ تعالیٰ ہی اوپر سے پانی اتار کر بنجر زمین کو آباد کرتا ہے۔
(۴) اللہ تعالیٰ ہی ساتوں آسمانوں اور عرش کریم عظیم کا رب ہے۔
(۵) بڑے بڑے امور کی تدبیر کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔
(۶) اللہ تعالیٰ کی ذات ہر اس چیز سے منزہ ہے جو اس کے مناسب نہیں۔ اور اس کے ناموں میں الحاد کرنا منع اور حرام ہے۔
(۷) اللہ تعالیٰ کی قضاء و فیصلہ مبرم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔
(۸) اللہ تعالیٰ اپنے مقرب لوگوں کی دعاء قبول کرتا ہے۔
(۹) ان کا عقیدہ تھا کہ دعاؤں کا اثر ہوتا ہے۔
(۱۰) ان کا عقیدہ تھا کہ ملائکہ و صالحین کی دعاء میں کچھ تاثیر ہے۔
(۱۱) سخت مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔
(۱۲) اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رازق ہے۔
(۱۳) اللہ تعالیٰ ہی ہمارے کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے۔
(۱۴) اللہ تعالیٰ ہی تمام ملک کا مالک و مختار ہے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ ہی مَلِکُ الاملاک ہے۔
(۱۵) اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہر چیز کی شاہی ہے۔
(۱۶) اللہ تعالیٰ ہی پناہ دہندہ ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دیتا۔
(۱۷) اللہ تعالیٰ ہی مردے کو زندے سے اور زندہ کو مردے سے نکالتا ہے۔
(۱۸) اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کا مدبر ہے۔
(۱۹) اللہ تعالیٰ ہی نجات دہندہ ہے۔
(۲۰) اللہ تعالیٰ ہی بیٹے اور بیٹیاں دیتا ہے۔
(۲۱) اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔
(۲۲) اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو دل کی باتیں بھی جانتا ہے۔
(۲۳) اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو سختیوں اور تکلیفوں کو ہٹاتا ہے۔
(۲۴) اللہ تعالیٰ کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔
(۲۵) فرشتوں کے وجود کے قائل تھے۔ جو مقرب الٰہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عالم دنیا میں تدبیریں کرتے ہیں۔ جن میں سے بعض عرش کو اٹھانے والے ہیں۔
(۲۶) ان کا عقیدہ تھا کہ چار فرشتوں نے عرشِ معلّٰی کو اٹھا رکھا ہے۔
(۲۷) فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔
(۲۸) فرشتے نہ کھاتے پیتے ہیں نہ بول و براز کرتے ہیں نہ شادی بیاہ کرتے ہیں۔
(۲۹) فرشتے نیک آدمیوں کے پاس آ کر ان کو بشارت اور خوف دلاتے ہیں۔
(۳۰) جنات کا وجود بھی مانتے تھے۔
(۳۱) موت کو برحق مانتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔
(۳۲) یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔
(۳۳) حشرِ اجساد کے قائل تھے۔
(۳۴) ان کا عقیدہ تھا کہ مرے ہوئے واپس دنیا کی طرف نہیں آتے۔
(۳۵) ان کا عقیدہ تھا کہ موت تمام تعلقاتِ دنیویہ کی قاطع ہے۔

(۳۷) انکا عقیدہ تھا کہ موت کے بعد مرنے والا زندوں کے حالات سے بے خبر ہوتا ہے۔

(۳۸) ان کا عقیدہ تھا کہ میت کی آنکھیں نہیں دیکھتیں۔

(۳۹) ان کا عقیدہ تھا کہ میت کے کان نہیں سنتے۔

(۴۰) ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد حساب کتاب برحق ہے۔

(۴۱) قبروں پر جاکر میت کو دعا دیتے اور سلام تحیت بجالاتے تھے۔

(۴۲) میت کے لیے ایصالِ ثواب کے قائل تھے۔

(۴۳) تقدیر کے قائل تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ بحوالہ حسن بصری)

(۴۴) ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی آدمی کو لوگوں کی طرف مبعوث کرتا ہے۔ جس پر وحی نازل کرتا ہے فرشتے اس کے پاس بھیجتا ہے اس کی اطاعت لوگوں پر فرض ہے یعنی بعثتِ انبیاء علیہ السلام کو تسلیم کرتے تھے۔

(۴۵) یہ عقائد اہل مکہ میں حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ سے وراثۃً چلے آرہے تھے۔ ورنہ ان پر رد کیا جائے۔

(۴۶) مشرکین مکہ کا زندقہ یہ تھا کہ بڑے امور کے علاوہ فرشتوں اور ارواح میں سے بعض ایسے ہیں جو بڑے امورِ انتظامیہ کے علاوہ اہل زمین کے دوسرے امور کے مدبر ہیں۔ اور بزرگ ہستیاں اللہ تعالیٰ کی مقرب ہیں۔ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔ کیونکہ ہم نیچ ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اکبر اعلیٰ ہے۔ وہ ہماری نہیں سنتا اور ان بزرگوں کی ٹالتا نہیں۔

(۴۷) اب ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد مشرکین مکہ میں نسلاً بعد نسلٍ مسلسل زبانی چلے آرہے تھے۔ اور اس وجہ سے اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی میں شمار کرتے تھے۔ اور اس پر مضبوطی سے قائم تھے۔ یہاں تک کہ جب کوئی شخص ان شرکیہ عقائد کے خلاف آواز اٹھاتا تو اس کو صابی اور بے دین کہتے تھے۔ جیسا کہ آج کل موحدین کو وہابی کہا جاتا ہے۔

مشرکین مکہ کے اعمال

○ مشرکینِ مکہ درج ذیل احکام کو سنّتِ ابراہیمیؑ سمجھتے تھے اور ان تمام کاموں کو بڑے اہتمام سے بجالاتے تھے۔

① مشرکینِ مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام سے متعلق بندوں پر احکام مقرر کیے ہیں۔

② اعمال کی جزاء سزاء کے قائل تھے۔ اور کہتے تھے اللہ تعالیٰ ہی نیک عمل کی جزاء اور بدعملی کی سزاء دیتا ہے۔

③ قوم و تمدن کے متعلق مفید امور پر عمل کرتے تھے۔

④ اصول نیکی کے معتقد تھے۔

⑤ استنجاء کرنا۔

⑥ وضو کرنا۔ اور حکماء عرب اس کے پابند تھے۔

⑦ کلی کرنا۔

⑧ مسواک کرنا۔

⑨ استنشاق و استنثار یعنی ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا۔

⑩ مونچھیں کاٹنا۔

⑪ سر کے بالوں کے درمیان ناک کی سیدھ میں مانگ نکالنا۔

⑫ ناخن تراشنا۔

⑬ بغلوں کے بال اکھیڑنا۔

⑭ زیر ناف بالوں کو صاف کرنا۔

⑮ ڈاڑھی رکھنا۔

⑯ ختنہ کرنا۔

⑰ عقیقہ کرنا۔

⑱ ہر کام کو دائیں طرف سے شروع کرنا۔

(۱۹) جنابت کا غسل کرنا۔

(۲۰) میت کو نہلانا۔

(۲۱) میت کو کفن پہنانا۔

(۲۲) جنازہ کی نماز پڑھنا۔

(۲۳) میت کے حق میں دعائے مغفرت کرنا۔

(۲۴) میت کو دفن کرنا۔

(۲۵) نماز پڑھنا۔ جس میں سجدہ لازم تھا۔ اور دیگر تعظیمی افعال کی پابندی کرتے تھے۔

(۲۶) نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرتے تھے۔

(۲۷) زکوۃ صدقہ خیرات کرنا۔

(۲۸) خمس بھی ادا کرتے تھے۔

(۲۹) زکوۃ کا مصرف مہمان کو سمجھتے تھے۔ زکوۃ کا پیسہ مہمان نوازی مسافر نوازی نفقۂ اہل وعیال یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ صلہ رحمی میں صرف کرتے تھے۔

(۳۰) مسجد میں اعتکاف بھی بیٹھتے تھے۔

(۳۱) قربانی کرنا۔

(۳۲) غلام آزاد کرنا۔

(۳۳) عاشوراء کے دن صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا۔

(۳۴) شعائر اللہ اور ادب والے مہینوں کا احترام کرتے تھے۔

(۳۵) حرم کی طرف ہدی بھیجتے تھے۔

(۳۶) ہدی کے گلے میں قلادہ ڈالتے تھے تاکہ کوئی اس کو اپنے استعمال میں نہ لائے۔

(۳۷) اونٹ کا اشعار بھی کرتے تھے۔

(۳۸) بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ حج ان کے دین کے اصول میں سے تھا۔

(۳۹) عمرہ کرنا۔

(۴۰) احرام باندھنا۔

(۴۲) دورانِ طواف بیت اللہ شریف کے گرد سات چکر لگانا۔
(۴۳) حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا۔
(۴۴) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔
(۴۵) تلبیہ یعنی لبیك اللھم لبیك لاشریك لك ...... کہنا۔
(۴۶) ذی الحجہ کی نو (۹) تاریخ کو عرفات کے میدان میں وقوف کرنا۔
(۴۷) سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات کے میدان سے واپس ہونا۔
(۴۸) مزدلفہ میں رات کو قیام کرنا۔
(۴۹) سورج طلوع ہونے کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلنا۔
(۵۰) منیٰ میں ہدی ذبح کرنا۔
(۵۱) وہ ذبیحہ کا اوپر اگلا نہ کاٹتے، نہ کاٹ کر پھینکتے اور نہ ہی پیٹ چاک کرتے تھے۔
(۵۲) اونٹ کا نحر کرتے تھے۔
(۵۳) غنم بقر کو ذبح کرتے تھے۔ جو ابتداء سے سنتِ انبیاء علیہم السلام چلی آرہی ہے اور ملّتِ حنیفیہ کے شعائر میں سے ہے۔
(۵۴) مردار کو حرام سمجھتے تھے۔
(۵۵) گدھے کو حرام سمجھتے تھے۔
(۵۶) خنزیر کو حرام سمجھتے تھے۔
(۵۷) بندر اور کتے کو حرام سمجھتے تھے۔
(۵۸) جمرات یعنی تین ڈھیریوں کو کنکریاں مارنا۔
(۵۹) میدانِ عرفات میں وقوف کرنا۔
(۶۰) اشہرِ حُرُم یعنی رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم کی تعظیم اور تکریم کرنا۔
(۶۱) اشہرِ حُرُم میں لڑائی نہ کرنا، ہتھیار نہ اٹھانا۔
(۶۲) حرم شریف میں کسی پر زیادتی کو حرام سمجھنا۔
(۶۳) طوافِ کعبہ سے فارغ ہو کر غفرانك غفرانك کا ورد کرنا۔

(۶۴) نکاح کے لیے عورت کے باپ، بھائی، چچا یا عمزاد کی طرف سے خطبہ (منگنی) کرنا ان کا معمول تھا۔

(۶۵) ایک سے چار تک عورتوں سے نکاح کو جائز سمجھنا۔

(۶۶) ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی اور خالہ سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔

(۶۷) حیض و نفاس کی حالت میں عورت سے جماع کو حرام سمجھتے تھے۔

(۶۸) شریف زادیوں کو پردے کا حکم دیتے تھے کہ لوگوں کی آنکھوں سے اپنا منھ ڈھانکیں۔

(۶۹) نکاح کے بعد ولیمہ کرنا۔

(۷۰) پڑوسی کا اکرام۔

(۷۱) مہمان کا اکرام۔ اور یہ سب کام ان کے ہاں ممدوح سمجھے جاتے تھے۔ اور یہی سب امور انسان کا کمال اور سعادت سمجھتے تھے۔

(۷۲) میاں بیوی میں نااتفاقی کی صورت میں طلاق دینا۔

(۷۳) ایک یا دو طلاقیں رجعی اور تین طلاقیں مغلظ سمجھی جاتی تھیں۔

(۷۴) اکٹھی تین طلاقیں نہ دینا۔ بلکہ الگ الگ طہر میں طلاق دینا۔

(۷۵) ایلاء کرنا یعنی قسم کھا کر عورت سے کہنا کہ میں اتنی مدت تیرے پاس نہیں آؤں گا۔

(۷۶) ظہار کرنا یعنی اپنی بیوی کو اپنے کسی محرم کے ستر کے ساتھ تشبیہ دینا۔

(۷۷) طلاق نہ بننے کی صورت میں عورت کا خلع کرنا۔ یعنی کچھ دے کر طلاق لے لینا۔

(۷۸) طلاق کے بعد عورت کا خاوند کے گھر عدت بیٹھنا۔

(۷۹) خاوند کی وفات کے بعد پورا سال عدت بیٹھنا۔

(۸۰) غیر عورت کے بوسہ کو برا سمجھنا۔

(۸۱) بچہ پیدا ہونے کے بعد عقیقہ کرنا۔

(۸۲) ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا۔

(۸۳) معانقہ کرنا۔

(۸۴) ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا۔

(۸۵) مصائب حق میں امداد کرنا۔

(۸۶) وعدہ وفائی کرنا۔

(۸۷) عہد شکنی کو حرام سمجھنا۔

(۸۸) نذر ماننا اور نذر پوری کرنا۔

(۸۹) بیت اللہ شریف کی تعمیر کو کار ثواب سمجھنا۔

(۹۰) بیت اللہ شریف کی تعمیر پر حرام مال لگانے کو جائز نہ سمجھنا۔

(۹۱) مہمان نوازی کرنا۔

(۹۲) ہمدردی کرنا۔

(۹۳) اہل قرابت سے صلہ رحمی فرض سمجھتے تھے۔

(۹۴) حاجیوں کو پانی پلانا۔ ستو پلانا اور ان کی دعوت کرنا۔

(۹۵) قطع رحمی کو حرام سمجھتے تھے۔ بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قطع رحمی کا طعنہ دیتے تھے۔

(۹۶) خورد و نوش، دعوتوں اور میلوں میں ان کے مخصوص اصول تھے۔ جو ان کی پابندی نہ کرتا قابل ملامت سمجھا جاتا۔

(۹۷) عقائد اور اعمال میں آباؤ اجداد کی مخالفت کو حرام سمجھتے تھے۔

(۹۸) قیدیوں کو آزاد کرانا اعلیٰ عمل اور کار ثواب سمجھتے تھے۔

(۹۹) پرایا مال کھانے کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۰) مار پٹائی کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۱) فساد کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۲) جھوٹ کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۳) دھوکہ دہی کو حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۴) آبائی دین کو بدلنا حرام سمجھتے تھے۔

(۱۰۵) باہم صلح کرنے کرانے کو بہترین عمل سمجھتے تھے۔
(۱۰۶) پرایا مال کھانے کو حرام سمجھتے تھے۔
(۱۰۷) تجارت ان کا آبائی پیشہ تھا۔
(۱۰۸) مرابحۃ یعنی فروخت کرتے وقت قیمت خرید سے کچھ زیادہ لینے (نفع) کو جائز سمجھتے تھے۔
(۱۰۹) تولیۃ (یعنی فروخت کرتے وقت صرف قیمت خرید وصول کرنے) کو جائز سمجھتے تھے۔
(۱۱۰) مناسرہ (نیلام) قیمت خرید سے کم لینا بھی ان کے یہاں جائز تھا۔
(۱۱۱) اقالہ یعنی طے شدہ انہی پیسوں میں واپس لے لینا۔
(۱۱۲) مضاربہ یعنی ایک آدمی کے پیسے اور دوسرے کا عمل اس شرط پر کہ منافع میں دونوں شریک ہوں گے جائز سمجھتے تھے۔
(۱۱۳) زمین کا شفعہ لینا دینا جائز سمجھتے تھے۔
(۱۱۴) قرض خواہ کا قرض دار سے کوئی چیز رہن رکھ لینا جائز سمجھتے تھے۔
(۱۱۵) چور کا ہاتھ کاٹنا۔
(۱۱۶) ڈاکو کو سولی کی سزا دیتے تھے۔
(۱۱۷) قاتل کو قصاص میں قتل کر ڈالتے تھے۔
(۱۱۸) قاتل سے قصاص نہ لینے کی صورت میں سو اونٹ دیت لیتے تھے۔
(۱۱۹) قسامہ کی سزا بھی ان کے یہاں مقرر تھی۔
(۱۲۰) بھٹکے ہوؤں کو راہ بتانا ثواب کا کام سمجھتے تھے۔
(۱۲۱) مرنے والے کا مال وراثت میں تقسیم کرتے تھے۔
(۱۲۲) ٹخنوں سے نیچے تہ بند لٹکانے کو برا اور فاجروں کا کام سمجھتے تھے۔
(۱۲۳) ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا عورتوں کا کام سمجھتے تھے۔
(۱۲۴) ظلم کھلا زنا قبیح اور حرام سمجھتے تھے۔
(۱۲۵) قریب الموت آدمی کا کسی کے حق میں وصیت کرنا ان کا معمول تھا۔

(۱۲۶) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہوئے رو رو کر دعا کرنا خصوصاً جب ان کی کشتی بھنور میں آجائے۔

(۱۲۷) علم نجوم کے قائل نہ تھے۔

(۱۲۸) ستاروں اور علم طبعی کے دقائق میں نہ پڑنے میں ملّتِ ابراہیم کے پیروکار تھے۔

(۱۲۹) پیش بینی کے لیے ان کے یہاں خواب اور گزشتہ انبیاء کی بشارات تھیں۔

(۱۳۰) اپنے مال میں اللہ تعالیٰ کا حصہ بھی رکھتے تھے۔

(۱۳۱) اللہ تعالیٰ کی قسم بھی کھاتے تھے۔

(۱۳۲) پیر فقیر اور اولیاء اللہ کی تعظیم کرتے تھے۔

(۱۳۳) وہ بعض بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کے باوجود اپنے آپ کو دینِ ابراہیمؑ کا پابند سمجھتے تھے۔

(۱۳۴) جب تک عمرو بن لحی پیدا نہ ہوا بنی اسماعیل برابر اپنے جد امجد حضرت اسماعیل کی روش پر ثابت قدم رہے۔

حوالہ جات کے لیے دیکھیے قرآن مجید، حجۃ اللہ البالغہ از حضرت شاہ ولی اللہؒ، السنن الکبریٰ للبیہقی، مشکوٰۃ المصابیح، دعوت الحق از شیخ التفسیر مولانا محمد امیرؒ، ردِّ تقیہ از مولانا عبدالرؤف صاحب بوچھالویؒ، تفسیر جواہر القرآن از شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ، المعلقات السبع، دیوان حماسہ، بلوغ الارب و دیگر کتب تاریخ و ادب۔

○ البتہ اتنا ضرور ہے کہ جس طرح زمانہ حال میں مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے لوگ، خود کو کتاب اللہ کی طرف منسوب کرنے، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الزمان نبی ماننے کے ساتھ ساتھ عقائد میں بے اصولی اور اعمال میں بے راہ روی کے مرتکب ہیں۔ اسی طرح عہدِ جاہلیت کے مشرک بھی خود کو ملل سماویہ میں سے ملّتِ ابراہیمیؑ کی طرف منسوب کرنے کے باوجود عقائد و اعمال میں ملّتِ ابراہیمیؑ سے ہٹ کر کوسوں دور نکل گئے تھے۔

ایک دوسرے کو ناحق قید کرنا، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت، زنا، نکاح فاسد، سود خوری خوب پھیل گئی۔ نماز اور ذکر الٰہی کو اکثر لوگوں نے بالکل ترک کر دیا تھا۔ اس کے باوجود منسوب الی ملّتِ سماویہ تو مشرکین مکہ بھی تھے۔ کیونکہ وہ خود کو ملتِ ابراہیمؑ پر عامل کہتے تھے۔ یعنی نماز روزہ اور دیگر فرائض سے انکار نہیں کرتے تھے۔ البتہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی۔ اور نہ ہی وہ اس بات کے دعوے دار تھے کہ ہمارے پاس اللہ تعالٰی کی طرف سے نازل شدہ کوئی آسمانی کتاب ہے۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ان کے عقائد و اعمال میں اپنے کفریہ نظریات کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل بھی نہیں تھی۔ چنانچہ:

- اللہ تعالٰی نے ان کے نظریاتِ فاسدہ کی تردید میں تینبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ام اٰتینٰھم کتٰبًا فھم علٰی بینۃ منہ (۳۵: ۴۰) یعنی کیا ہم نے ان کو کتاب دی ہے کہ اس کی دلیل پر یہ لوگ قائم ہیں؟۔
- نیز فرمایا: ائتونی بکتٰب من قبل ھٰذا او اثٰرۃ من علم ان کنتم صٰدقین (۴۶: ۴) یعنی تمھارے پاس اس قرآن مجید سے پہلے کوئی کتاب ہے تو لاؤ یا کوئی علمی دلیل پیش کرو جو کسی منطقی فلسفی اصول پر مبنی ہو۔ اگر تم سچے ہو تو ضرور ایسا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھ بحث کرنے میں کسی سابقہ کتاب کا حوالہ پیش کر دیا عقلی دلیل لاؤ۔
- نیز فرمایا: قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا یعنی آپؐ ان مشرکین مکہ کو فرما دیں کہ کیا تمھارے پاس کوئی عقلی یا نقلی علمی دلیل ہے؟ جو ہمیں بتلا سکو۔
- بے شک مشرکین مکہ کے پاس آسمانی کتاب تو نہ تھی (صحفِ ابراہیمؑ کو ضائع کر بیٹھے تھے) مگر اپنے آباؤ اجداد پر حسنِ ظن ضرور رکھتے تھے کہ وہ ملّتِ ابراہیمؑ کے پیروکار تھے۔ اور جو دین ہم نے ان سے پایا ہے وہ یہی ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ اور یہی اللہ تعالٰی کا بتایا ہوا دین حق ہے۔ اور ہمارے

باپ دادے جھوٹے نہ تھے۔ اور ننگے طواف کرتے تھے۔ اور جب کوئی ان کو ٹوکتا تو یہی کہتے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طریقہ پر چلتے پایا اور یہی حکم خداوندی ہے۔ چنانچہ:

○ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا (۷: ۲۸) کہ جب وہ بے حیائی (ننگے طواف کرتے ہیں تو کسی کے ٹوکنے پر کہتے ہیں کہ) ہم نے بڑوں کو اسی طریقہ پر چلتے پایا ہے۔ (اور ہمارے بڑے کوئی غلط کار نہ تھے۔ بلکہ بڑے نیک تھے اور ملت ابراہیمی کے کاربند تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ کرتے تھے، اس لیے ہم بڑے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں۔) واللہ امرنا بھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس (ننگے طواف کرنے) کی اجازت دی ہے۔

○ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ فرمادیں کہ (باپ دادوں کو دیکھ کر یہ حکم لگا دینا صریح غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ننگے طواف کرنے کی اجازت دی ہوئی ہے اور یہ بات ملت ابراہیمی میں ہے۔ کیونکہ بے حیائی کا کام کرنا، پھر باپ دادوں کا حوالہ دینا پھر اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھنا بڑی نادانی ہے۔ دین حق کی پہچان فقط گمان سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کلام کا تمسک ضروری ہے۔ اور وہ تمہارے پاس ہے نہیں۔ دیکھو!) اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف۔ ۷: ۲۸) کیا جن باتوں کو تم نہیں جانتے تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہو، اور تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس بے حیائی کا حکم دیا ہے۔ نہ تمہارے پاس نقلی دلیل ہے نہ عقلی بلکہ سراسر افتراء ہے۔

○ ان کو اپنے اس باطل دین پر جس کو ملت ابراہیمی سمجھتے تھے اور ان کو جس پر پایا تھا، اتنا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے کہ

اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم (۸ : ۳۲) اے اللہ یہ دینِ اسلام جس کی طرف ہمیں دعوت دی جارہی ہے اگر یہی دینِ حق ہے اور تیری طرف سے اترا ہے اور پھر ہم نہیں مانتے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل فرما۔

- بہرحال آسمانی کتاب نہ ہونے کے باوجود مشرکینِ مکہ بھی ملتِ سماویہ (ملتِ ابراہیمی) کی طرف ہی خود کو منسوب کرتے تھے۔ اس لیے مشرکینِ مکہ کی ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کے حرام ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہنا غلط ہے کہ عہدِ اہلبیت کے مشرک کتاب نہ ہونے کی وجہ سے منسوب الی ملتِ سماویہ نہیں تھے۔
- آج کل کے کلمہ گو مشرکین عقائد میں بھی ملتِ ابراہیمیؑ کی اتباع کے مدعی ہیں۔ گو مشرکینِ مکہ کی طرح بعض عقائد میں ملتِ ابراہیمی سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور عملاً بھی بہت سے اعمال میں ملتِ ابراہیمیؑ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ مثلاً:

کلمہ گو مشرکین کے عقائد

- زمانۂ حال کے کلمہ گو باوجودیکہ مشرکینِ مکہ کی طرح اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک و رازق اور بارش برسانے والا محیی و ممیت وغیرہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ:

1. مشرکینِ مکہ کی طرح ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر نامی اولیاء عظام کو پکارنے کی بجائے دیگر اولیاء کرام کو حاجت روائی مشکل کشائی شفاء مرض اور نرینہ اولاد حاصل کرنے کے لیے دور و نزدیک سے پکارتے ہیں۔
2. بت پرستی کی جگہ قبر پرستی کرتے ہیں۔ بیت اللہ شریف کے طواف کی طرح اولیاء اللہ کی قبروں کا طواف کرتے ہیں اور ان اولیاء عظام کو عالم الغیب مشکل کشاء ہر جگہ حاضر ناظر اولاد دہندہ نفع نقصان پہنچانے والے اور

بگڑی سنوارنے والے سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اولیاء کاملین کی روحیں دنیا میں تصرف کرتی ہیں دوستوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو سزا دیتی ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس دوسرے مشرکانہ عقائد میں بھی مشرکین مکہ کے مقلد ہیں بلکہ ان سے بھی چند قدم آگے نکل گئے ہیں۔ مثلاً:

❸ وہ مشرکین مکہ تو کہتے تھے کہ یہ مرے ہوئے بزرگ جن کو ہم پکارتے ہیں نہ تو یہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ (۲۶: ۷۲۔۷۴) لیکن یہ کلمہ گو کہتے ہیں کہ یہ بزرگ جن کو ہم پکارتے ہیں وہ مرے ہوئے ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ اور اس کی دلیل: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (البقرۃ۔ ۲: ۱۵۴) پیش کرتے ہیں۔ اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ محبوبان الٰہی اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد:

(۱) ہماری پکار سنتے ہیں، ہمیں دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔

(۲) نفع اور نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔

(۳) ان کو دنیا میں رہنے والے زندوں کی خبر ہے۔

(۴) اور ہماری ضرورت بذاتِ خود پوری کر دیتے ہیں۔

(۵) اور بعض کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہماری ضرورت پوری کروا دیتے ہیں۔

(۶) اور بعض کہتے ہیں کہ قبولیتِ دعاء کے لیے ان کا وسیلہ ضروری ہے۔ اور دلیل میں قرآن مجید کی آیت: وابتغوا الیہ الوسیلۃ پیش کرتے ہیں۔

❹ اسی طرح اگر مشرکین مکہ کی کشتی بھنور میں آجاتی تو وہ مدد کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ (۱۰: ۲۲) اور جب اِن لوگوں کی کشتی بھنور میں آجائے تو بجائے اللہ کے آگے گڑگڑانے کے بہاؤ الحق کو پکارتے ہیں۔

○ اسی طرح اعمال کی بے راہ روی میں بھی یہ کلمہ گو مشرک اُن ابدی جہنمی مشرکین مکہ سے بڑھ کر ہیں۔ چنانچہ:

کلمہ گو مشرکین کے اعمال

○ مشرکین مکہ کے اعمال اوپر بیان ہو چکے ہیں جن پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ خود کو فخر کے ساتھ ملت ابراہیمی پر قائم اور حامل سمجھتے تھے۔ لیکن موجودہ دور کے کلمہ گو ان اعمالِ صالحہ کے خلاف عمل کرتے ہیں اور اس بدعملی پر فخر کرتے ہیں۔ مثلاً:

① مونچھیں بڑھاتے ہیں۔
② ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔
③ ڈاڑھی والے پر ہنستے ہیں۔
④ بعض مخنث الرجال کی طرح ڈاڑھی کترواتے ہیں۔
⑤ اور سر کے بالوں میں فرنگیوں کی طرح ٹیڑھی مانگ نکالتے ہیں۔
⑥ عزت والے مہینوں کی ان کے یہاں کوئی عزت نہیں۔ قتل و غارت برابر جاری رہتا ہے۔
⑦ پرایا مال کھا کر ڈکار بھی نہیں لیتے۔
⑧ جھوٹ بولتے ہیں۔ بلکہ اسے ہنر سمجھتے ہیں۔
⑨ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔
⑩ جھوٹی شہادت دیتے ہیں۔
⑪ غیر اللہ کی قسم کو اللہ تعالیٰ کی قسم سے زیادہ وزنی سمجھتے ہیں۔
⑫ غیر اللہ کی نذریں دیتے ہیں۔
⑬ دھوکہ دہی میں غیر مسلم اقوام سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔
⑭ عہد شکنی کرتے ہیں۔
⑮ طلاقیں دیتی ہوں تو گنتی تین بلکہ سو سو بھی دے ڈالتے ہیں۔
⑯ اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ میری بیوی طہر میں ہے یا نہیں۔
⑰ عورتوں سے کوئی پردہ نہیں۔ بلکہ پردہ کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ عورتیں

غیر محرم مردوں کی مجالس میں بے پردہ چلی جاتی ہیں۔ تقریریں کرتی ہیں، گانے گاتی ہیں۔ مرد بھی ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر اظہارِ مسرت کرتے ہیں۔ اور اپنی اس بے عملی کو کسی درجہ میں معیوب بھی نہیں سمجھتے۔

(۱۸) اگر کوئی منع کرے تو اسے دقیانوسیت سے منسوب کرتے ہیں۔

(۱۹) اگر اسلام نے باامر مجبوری مقدمات وغیرہ میں عدالت کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مطلقاً مجمع المحاسن چہرے کے پردے سے انکار کرتے ہیں۔

(۲۰) مرد ٹخنوں سے نیچے تہبند، شلوار، پتلون لٹکاتے ہیں۔

(۲۱) اور اگر کوئی شخص حکم شرع کے مطابق ٹخنوں سے اوپر تہبند کرلے تو اس کا مذاق اڑاتے اور جنگلی سمجھتے ہیں۔

(۲۲) مرد ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانے کو برا نہیں سمجھتے۔

(۲۳) چور کی شرعی سزا ہاتھ کاٹنے کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲۴) حدود شرعیہ کو ظالمانہ سزا قرار دیتے ہیں۔

(۲۵) قاتل سے شرعی حکم کے موافق قصاص نہیں لیتے۔

(۲۶) قاتل کو غیر اسلامی طریقہ سے پھانسی دے کر قتل کردیتے ہیں۔

(۲۷) قاتل سے قتل کی دیت نہیں لیتے۔

(۲۸) ڈاکو کو شرعی سزا نہیں دیتے۔

(۲۹) شراب کی حد تو دور کی بات ہے خود شراب پیتے ہیں۔

(۳۰) غیر مسلم عورتوں کو دیکھ کر اپنا دین مذہب بھی رخصت کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔

(۳۱) دھوکہ دہی ان کے نزدیک ہنر ہے۔

(۳۲) وراثت کی شرعی تقسیم کی بجائے رواج کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۳۳) حیض نفاس والی عورت سے بغیر پاک ہونے کے جماع بھی کرلیتے ہیں۔

(۳۴) یہودیوں کے کہنے میں آکر منصوبہ بندی کرکے اولاد کا قتل بھی کرتے ہیں۔

(۲۵) نماز قضاء کرنے کو برا نہیں سمجھتے مگر خود ساختہ نام نہاد اسلامی رسوم و بدعات کے ترک کو بدترین گناہ سمجھتے ہیں۔

○ اور کون کونسی خرابی ہے جوان کلمہ گو بے دین لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ پھر بھی یہی رٹ لگاتے جانا کہ چونکہ یہ کلمہ گو قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے یہ اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ یاللعجب ولضیعۃ الدین

○ جب فقہاء کی بیان کردہ تعریف میں بظاہر یہی اشکال پیدا ہوتے ہیں اس لیے ایسی تعریف تلاش کرنی چاہیے جس سے اشکال پیدا نہ ہوں۔ اس لیے کتبِ عقائد کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ کیونکہ کفر اسلام اور ردّت کی تعریف اور تقسیم کے لیے وہی معیار ہے۔

○ اب چونکہ کفر و ایمان بابِ اعتقاد سے ہے جیسے فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ النوازل صفحہ ۱۸۰ پر فرمایا: الکفر من باب الاعتقادات اور ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۵ میں ہے: الردۃ تتعلق بالاعتقاد اور جواز و عدمِ جواز اور حلت و حرمت و کراہت اور صحت و فسادِ عمل کا تعلق فقہ سے ہے۔ لہٰذا کتبِ فقہ میں کتابی کی جو تعریف ہے اس کو علمِ کلام پر پیش کریں گے کیونکہ وہ اس باب میں بمنزلہ شرح کے ہے۔ اس لیے علمِ عقائد کی کتابوں سے اس کو حل کریں گے۔ اس طریقے سے علمِ فقہ اور علمِ عقائد کا باہم امتزاج ہوگا۔ اور یہ کہنا درست نہیں کہ علمِ عقائد کی بیان کردہ تعریف کو ناقابلِ اعتبار قرار دے کر علمِ فقہ کی محتمل تقییدِ مطلق عبارت کو اصل قرار دیا جائے۔ ورنہ اس مطلق محتمل التقیید تعریف کو اپنے اطلاق پر رکھنے سے بہت سے محظور لازم آئیں گے۔ جن سے معتبر فقہاء کی عبارت غیر معتبر اور واضح البطلان ہو جائے گی۔

○ اس لیے سطورِ ذیل میں کتبِ عقائد میں سے محقق علماء کی بیان کردہ "اہلِ کتاب" کی تعریف نقل کی جاتی ہے۔

اہلِ کتاب کی تعریف:

(۱) شرح المقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ میں "الکتابی" کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: وان کان متدینا ببعض الادیان والکتب المنسوخۃ خص باسم الکتابی کالیهودی والنصرانی اگر کوئی دین اختیار کرے اور منسوخ کتاب کی طرف اپنی نسبت کرتا ہو تو اسے کتابی کے نام کے ساتھ مختص کرتے ہیں جیسے یہودی اور نصرانی۔ (یہودی اپنی نسبت تورات کی طرف کرتے ہیں جو کتبِ منسوخہ میں سے ہے اور نصرانی اپنی نسبت انجیل کی طرف کرتے ہیں جو کتبِ منسوخہ میں سے ہے)

(۲) اور علامہ عکبریؒ نے کلیات ابوالبقاء صفحہ ۳۰۵ میں لکھا ہے: وان کان متدینا ببعض الادیان والکتب المنسوخۃ فهو الکتابی۔

(۳) نیز کمال پاشاؒ مفتی الدولۃ العثمانیۃ نے "تحقیق معنی الزندیق وحکمہ" صفحہ ۷ میں تحریر فرمایا ہے: وان کان متدینا ببعض الادیان والکتب المنسوخۃ خص باسم الکتابی کالیهودی والنصرانی۔

نیز دیکھیے: غیاث اللغات وا کفار الملحدین صفحہ ۱۳ اور ۱۷ و حاشیہ خیالی صفحہ ۱۲۴ و حاشیہ امداد الاحکام جلد ۱ صفحہ ۲۷ و حاشیہ امداد الفتاوی جلد ۶ صفحہ ۸۱۔

سماویہ کے ساتھ منسوخ کی قید

○ اس تعریف کی رو سے فتح القدیر وغیرہ کتبِ فقہ کی عبارتوں کا مطلب یہ ہوگا: الکتابی من یؤمن بنبی سابق و یقر بکتاب سماوی منسوخ۔ کیونکہ لفظ مطلق تقیید کا احتمال رکھتا ہے۔ جیسا کہ:

○ ہدایہ اولین صفحہ ۳۸۴ میں ہے: المطلق یحتمل المقید۔

○ نیز اُصولِ فقہ کا یہ بھی ایک مسئلہ اور متفق ہے کہ مطلق کو دلالت عرف کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ: **فائدہ**

○ حضرت امام سرخسی فقیہ حنفی متوفی ۴۸۳ھ نے شرح سیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۹ پر تحریر فرمایا ہے: المطلق من الکلام یتقید بدلالۃ العرف

○ اسی طرح ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ میں ہے: المطلق ینصرف الی المتعارف یعنی مطلق کلام کو دلالتِ عرف کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے۔

○ چونکہ عرف میں مسلمان کو اہلِ کتاب نہیں کہا جاتا۔ جیسے کوئی مسلمان مسیحی یا یہودی بن جائے تو اسے مرتد تو کہتے ہیں مگر اہلِ کتاب نہیں۔ اور نہ اس پر اہلِ کتاب کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس اصول کے تحت فقہائے حنفیہ کی بیان کردہ "الکتابی" کی تعریف میں جس طرح "کتاب" سے مراد "کتاب سماوی" کی قید ملحوظ ہے اسی طرح "منسوخ" کی قید ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

○ شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ الحرانی نے اپنے مجموعۃ الفتاوی جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ میں تحریر فرمایا ہے: الوجه الرابع ان یقال قوله تعالی: لم یکن الذین کفروا من اهل الکتب والمشرکین وقوله تعالی: وقل للذین اوتوا الکتب والامیین ءاسلمتم فان اسلموا فقد اهتدوا وامثال ذلك انما هو خطاب لهؤلاء الموجودین واخبار عنهم۔

○ المراد بالکتاب هو الکتاب الذی بایدیهم الذی جری علیه من النسخ والتبدیل ما جری۔ لیس المراد به من کان متمسکًا به قبل النسخ والتبدیل فان اولئك لم یکونوا کفارًا ولا هم ممن خوطبوا بشرائع القرآن ولا قیل لهم فی القرآن یا "اهل الکتب" فانهم قد ماتوا قبل نزول القرآن۔ واذا کان کذلك فکل من تدین بهذا الکتاب الموجود عند اهل الکتاب فهو من اهل الکتب۔ و هم کفار تمسکوا بکتاب مبدل منسوخ و هم مخلدون فی نار جهنم کما یخلد سائر انواع الکفار والله تعالی مع ذلك سوغ اقرارهم بالجزیة واحل طعامهم ونسائهم۔

○ ان دو آیتوں اور ان کی مثل دیگر آیات میں خطاب ان اہلِ کتاب کو ہے جو

نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے۔ اور انھی اہلِ کتاب کے بارے خبریں دی جارہی ہیں تو الکتٰب سے مراد وہی کتاب ہے جو ان کے ہاتھوں میں تھی جس میں ان لوگوں نے نسخ و تبدیل کر دی تھی۔ اور اہلِ کتاب سے مراد وہ لوگ نہیں جو اس کتاب میں نسخ و تبدیل سے پہلے اس سے تمسک پکڑتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ کافر نہ تھے اور نہ ہی وہ قرآنی شریعتوں کے مخاطب تھے اور نہ ہی قرآن مجید میں ان کو یا اھل الکتٰب کہا گیا۔ کیونکہ وہ تو نزولِ قرآن سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اور جب بات اس طرح ہے تو اب ہر وہ شخص جو اس کتاب کو دین سمجھتا ہے جو اس عہدِ نبویؐ میں موجود اہلِ کتاب کے پاس ہے تو وہ اہلِ کتاب ہے اور وہ اہلِ کتاب کافر تھے۔ جنھوں نے اس تبدیل شدہ منسوخ کتاب کے ساتھ تمسک کر رکھا تھا۔ اور وہ ہمیشہ دوسرے کفار کی طرح نارِ جہنم میں رہیں گے۔ اور باوجود اس کے اللہ تعالےٰ نے ان پر جزیہ کا حکم نافذ کیا اور ان کا ذبیحہ اور عورتیں حلال کیں۔

نبی کے ساتھ نبی برحق اور سابق کی قید

○ جس طرح "کتابِ سماوی" کے ساتھ "کتابِ منسوخ" کی قید ضروری ہے۔ اسی طرح "نبی" کے ساتھ "نبیِ برحق" اور "سابق" کی قید بھی ضروری ہے۔

اہلِ کتاب اور اہلِ ایمان میں تباین

○ یاد رہے کہ اسی عرف کے مطابق قرآن مجید میں نواسی (۸۹) مقام پر مؤمنین کو یا ایھا الذین اٰمنوا سے مخاطب کیا گیا ہے۔ جن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے اپنا آبائی مذہب اوثان پرستی اور آتش پرستی جیسے شرک کو چھوڑ کر ایمان اور اسلام قبول کیا۔ اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے یہودیت، نصرانیت وغیرہ مذاہب چھوڑ کر ایمان اور اسلام قبول کیا۔

○ اسی طرح بارہ (۱۲) مقامات پر یہود و نصاریٰ کو یا اھل الکتٰب کے کلمہ سے خطاب کرتے ہوئے نصیحت کی اور ایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب دی اور ان

کو اپنی حرکاتِ قبیحہ پر ٹوکا اور مسلمانوں کو ان سے ہشیار رہنے کی تلقین کی۔ اور فرمایا کہ تم ان جیسے نہ ہو جانا۔

- اور کہیں یہود و نصاریٰ کو الذین اوتوا الکتاب کہہ کر خطاب فرمایا۔
- اسی طرح کہیں مؤمنین کو الذین اوتوا الکتاب پہ عطف کیا۔ اور کہیں اھل الکتاب کا مؤمنین پر عطف کیا گیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ عطف تغایر کے لیے ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین اور اہلِ کتاب ایک دوسرے کے مغایر ہیں۔ یعنی مؤمنین پر اہلِ کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور اہلِ کتاب پر مؤمنین کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ:

اھلِ کتاب اور مشرکین میں تباین

- بعض مقامات پر مشرکین کا بھی اہلِ کتاب پر عطف کیا گیا ہے۔ مثلاً:
- و لتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم و من الذین اشرکوا اذیً کثیراً (آلِ عمران-۳:۱۸۶)
- اسی طرح لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب و المشرکین منفکین (اَلْبَیِّنَۃُ-۹۸:۱)
- اسی طرح ان الذین کفروا من اھل الکتاب و المشرکین فی نار جھنم (اَلْبَیِّنَۃُ-۹۸:۶)
- قرآن مجید کی ان آیاتِ مبارکہ میں مشرکین کا اہلِ کتاب پر عطف کرنے سے معلوم ہوا کہ مشرک اور اہلِ کتاب کے درمیان بھی تغایر ہے۔ کیونکہ زبانِ شرع میں مُطلق مشرک کا لفظ اہلِ کتاب پر نہیں بولا جاتا۔ جیسا کہ
- امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ کی کتاب الحجۃ جلد ۳ صفحہ ۳۳۸ کے حاشیہ میں لکھا ہے: مطلق لفظ المشرك اذا ذكر فی لسان الشرع لا ينصرف الی اهل الكتاب و ان صح لغة فی طائفة [۲۶] یعنی لسانِ شرع میں مُطلق مشرک سے مراد اہلِ کتاب نہیں ہوتے۔ اگر چہ لغت کی رو سے اہلِ کتاب

کو مشرک کہنا درست ہے۔ جن مفسرین نے اہلِ کتاب کو مشرک کہا ہے انھوں نے لغت کے لحاظ سے ہی ان پر شرک کا اطلاق کیا ہے۔

○ نیز کتاب الحجۃ جلد ۳ صفحہ ۳۸۶ میں ہے: اطلاق اسم المشرکات لا یتناول الکتابیات یعنی مشرکات کا لفظ کتابی عورتوں کو شامل نہیں۔

○ نیز مُطلق مشرک سے مراد زبان شرع میں اہلِ کتاب نہیں ہوتے۔ ان مطلق الشرك اذا ذکر فی لسان الشرع لا ینصرف الی اهل الکتاب۔ دیکھیے: قرطبی جلد ۳ صفحہ ۶۸، فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۳۷۲، البحرالرائق جلد ۳ صفحہ ۱۰۳، البدائع والصنائع جلد ۲ صفحہ ۲۷۱، تبیین الحقائق جلد ۲ صفحہ ۱۱۰، شرح نقایہ جلد ۲ صفحہ ۵۷، جصاص جلد ۱ صفحہ ۳۳۳، طحطاوی جلد ۲ صفحہ ۲۱، ردّالمحتار جلد ۲ صفحہ ۲۹۷، عمدۃ الرعایہ جلد ۲ صفحہ ۱۵، کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۳ صفحہ ۲۲۲۔

○ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا: ان الشرك المُطلق فی القرآن لا ید خل فیه اهل الکتاب و انما ید خلون فی الشرك المقید قال تعالی: لم یکن الذین کفروا............ فوصفهم بأنهم مشرکون. و سبب هذا ان اصل دینهم الذی انزل الله به الکتب و ارسل به الرسل لیس فیه شرك کما قال تعالی و ما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون.................. و قال تعالی: و لقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله و اجتنبوا الطاغوت و لکنهم بدلوا و غیروا فابتدعوا من الشرك مالم ینزل به الله سلطانا فصار فیهم شرکا باعتبار ما ابتدعوا لا باعتبار اصل الدین.

(مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۱۵۴)

یعنی قرآن مجید میں جہاں مُطلق شرک بولا جاتا ہے تو اس میں اہلِ کتاب داخل نہیں۔ اہلِ کتاب تو شرک مُقید میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لم یکن الذین کفروا ... اس آیت میں المشرکین کو اهل الکتب سے الگ

دوسری قسم بتایا۔ اسی طرح ان الذین امنوا ۔۔۔ میں اہل کتاب کو الذین اشرکوا (المشرکون) سے الگ قسم بتایا۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ لا تنکحوا المشرکات' میں کتابی عورتیں داخل نہیں۔ اور والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم سے کتابی عورتوں کا استثناء کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ:

فائدہ یہ کہ: "مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے"۔

ناسخ منسوخ کا قول محقق نہیں

○ قرآن مجید کے اندازِ بیان سے ثابت ہوگیا کہ مومن' مشرک' اور اہل کتاب تینوں کا اصطلاحاً باہم تباین کلی ہے۔ اس لیے بعض علماء کا اہل کتاب کو مشرکات کے حکم (نہی عن النکاح) میں داخل سمجھ کر نہی کے حکم کو مخصوص عنہ البعض قرار دینا یا مستثنیٰ کہنا یا منسوخ کہنا خلاف اصل ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کے فرمان: والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم میں علماء متقدمین کے چار اقوال ہیں۔ بعض مستثنیٰ کہتے ہیں' بعض ناسخ' بعض مخصص اور بعض ان تینوں کے قائل نہیں۔

مخصوص عنہ البعض کہنا درست نہیں

○ مخصوص عنہ البعض کہنا تو اس لیے ٹھیک نہیں کہ اصطلاح اصول فقہ میں تخصیص کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکم عام کے تمام افراد میں سے مستقل عبارت کے ساتھ جو حکم عام کے ساتھ متصل ہو بعض افراد کے ساتھ بند کردینا تخصیص کہلاتا ہے۔ اور ما نحن فیہ میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ حرمت نکاح المشرکات کا حکم سورۃ بقرہ میں ہے۔ یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اور حلتِ نکاح کتابیات کا حکم سورۃ مائدہ میں ہے۔ جو کئی سال بعد نازل ہوئی۔ اس لیے المشرکات کو عام مخصوص عنہ البعض کہنا صحیح نہ ہوگا۔

مُستثنیٰ کہنا بھی درست نہیں

○ اسی طرح سورت بقرہ کی آیت کو مستثنیٰ منہ اور سورت مائدہ کی آیت کو مستثنیٰ کہنا بھی صحیح نہیں۔ ہاں حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ ۱۷۱ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل فرمائی ہے: فی قولہ تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ثم استثنیٰ نساء اھل الکتاب فقال والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم احل لکم [۲۶] مگر اس استثناء سے مراد اصطلاحی معنیٰ نہیں۔ بلکہ یہ استثناء بمعنیٰ نسخ ہے۔ جیسا کہ:

○ بحرالعلوم عبدالعلی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹ میں فرمایا ہے: وما وقع فی روایۃ البیہقی عنہ رضی اللہ عنہما لفظ استثنیٰ اللہ من ذلک فالمراد بہ النسخ اذلا حقیقۃ للاستثناء و المعنی انہ اخرج اللہ من ذلک التحریم الذی کان ثابتاً وھو النسخ۔

○ اور اس امر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو خود امام بیہقی نے السنن الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن نسخت و احل من المشرکات نساء اھل الکتاب یعنی لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن منسوخ ہے۔ اور مشرکات میں سے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال قرار دیا گیا۔

فائدہ یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نسخ سے مراد بھی وہ نسخ نہیں جو اصطلاح اصولیین میں استعمال ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اصطلاح بعد میں آنے والے مجتہدین کی ہے۔ عہدِ صحابہؓ کے لوگ تخصیص عام اور تقیید مُطلق پر بھی نسخ کا اطلاق کرتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے پانچ سو آیات سے زائد آیات کو منسوخ قرار دیا گیا۔

نسخ کا قول بھی درست نہیں

○ اسی طرح نسخ کا قول بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ جو حضرت سعید بن جُبیر، مجاہد، سدی، اور مقاتل سے مروی ہے کہ لا تنکحوا المشرکات میں مشرکات سے مراد بت پرست ہیں۔ عن مجاهد فی قوله تعالی ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن یعنی نساء اهل مکة المشرکات ثم احل لهم نساء اهل الکتاب...... عن حماد قال سألت سعید بن جبیر عن قوله تعالی و لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن قال اهل الاوثان قال الشیخ رحمه الله و بمعناه ذکره السدی و مقاتل بن سلیمان المفسر

ترجمہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ لا تنکحوا المشرکات سے مراد اہلِ مکہ کی مشرک عورتیں ہیں۔ اس کے بعد اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا۔ نیز حماد نے سعید بن جُبیر سے پوچھا کہ لا تنکحوا المشرکات سے کونسی عورتیں مراد ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد بت پرست ہیں۔ اور شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سدی اور مقاتل بن سلیمان مفسر نے بھی یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔

○ مفسرین کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں دو حکم ہیں۔ ایک حکم سورۂ بقرہ میں مذکور ہے کہ بت پرستوں کی عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ اور ایک حکم سورۂ مائدہ میں ہے کہ جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب ملی ہے یعنی تورات والے اور انجیل والے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ اور یہ دونوں حکم اپنی اپنی جگہ محکم ہیں۔ ان میں سے نہ کوئی حکم ناسخ ہے نہ منسوخ۔ (دیکھیے: بیہقی جلد ۷ صفحہ ۱۷۱)

بقرہ اور مائدہ کی آیات کے مُتعلق صحیح قول

○ سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ کی ان آیات کے متعلق صحیح قول وہ ہے جو حضرت امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ تابعین مفسرین سے نقل فرمایا ہے۔

○ امام شافعیؒ نے فرمایا: لا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن قیل فی ھذہ الأیۃ انھا نزلت فی جماعۃ مشرکی العرب الذین ھم اھل الاوثان یحرم نکاح نسائھم کما یحرم ان ینکح رجالھم المؤمنات۔

یعنی اس حکم میں تمام مشرک عورتیں آگئیں۔ کیونکہ یہ آیت عرب کی اس مشرک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بتوں کے پجاری تھے۔ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ہمارے لیے اسی طرح حرام ہے۔ جس طرح ہماری مسلمان عورتوں سے مشرک مردوں کو نکاح کرنا حرام ہے۔ پھر فرمایا: فان کان ھذا ھکذا فھذہ الأیۃ ثابتۃ لیس فیہا منسوخ۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی جلد۷ صفحہ۱۷۱) کہ اگر یہ بات اسی طرح ہے تو یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ (نیز دیکھیے معالم التنزیل و روح المعانی) اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے۔ کیونکہ:

○ مابین الدفتین قرآن مجید میں جتنے احکام مذکور ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی منسوخ نہیں۔ بلکہ تمام احکام محکم اور تاقیامت ناقابل نسخ ہیں۔ جیسا کہ:

"لا تنکحوا المُشرکات" میں کتابیات داخل نہیں

○ ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا **حسین علی الوانی** رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق عمیق حقیق بالقبول ہے۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ اور مفسرین نے واضح فرمایا ہے کہ لا تنکحوا المشرکات میں کتابیات سرے سے داخل ہی نہیں۔ بلکہ مشرکات سے مراد ماسوی الکتابیات ہیں۔ کیونکہ جب مطلق مشرک بولا جاتا ہے تو اس سے اہل کتاب مراد نہیں ہوتے۔ کیونکہ اصولی

قاعدہ ہے: المُطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل۔ کہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں فرد کامل وہی مشرک ہیں جو غیر کتابی ہیں۔ جیسا کہ:

○ تفسیر رازی میں ہے: انما خص عبدۃ الاوثان فی ھذہ الأیات

بھذا الاسم تنبیھا علی کمال درجتھم فی ھذا الکفر یعنی ان آیات میں بت پرستوں کی تخصیص سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بت پرست کفر میں کامل ہیں۔ بخلاف اہلِ کتاب کے کہ وہ کہتے ہیں: التوحید فی التثلیث والتثلیث فی التوحید. وہ شرک بھی کرتے ہیں اور توحید کے بھی مدعی ہیں۔ اور مشرکین یعنی بت پرستوں کا تو کہنا ہی یہ تھا: اجعل الألھة الٰھا واحدا ان ھذا لشیٔ عجاب (ص-۳۸:۵) اس (محمد ﷺ) نے تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی کو لے لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک عجیب بات ہے جو دنیا بھر میں کوئی بھی نہیں کہتا۔

ناسخ و منسوخ کوئی نہیں

○ اصولِ فقہ کی کتابوں میں آیاتِ قرآنیہ کے نسخ کی بابت علماء نے بہت طویل بحث لکھی ہے۔ اور تقریباً پانچ سو آیاتِ قرآنیہ کے منسوخ ہونے کا قول کیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ اس نسخ سے مراد اصطلاحی اور اصولی نسخ نہیں ہے۔ کیونکہ تخصیصِ عام تقییدِ مطلق اور اطلاقِ مقید پر بھی نسخ کا اطلاق کر دیا جاتا تھا۔ بلکہ اخبار میں بھی نسخ کا قول کیا جاتا تھا۔ جبکہ واقعات، اخبار، قصص اور امورِ قطعیہ عقلیہ (مثلاً: اللہ موجود) میں نسخ محال ہے۔

○ اسی طرح امورِ حسیہ میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً دن کی روشنی اور رات کی تاریکی۔

○ اسی طرح دعاؤں میں اور ان احکام میں جو اپنی ذاتی حیثیت سے واجب ہے۔ مثلاً: اٰمنوا لا تشرکوا. اور ابدی احکام میں جو ابداً سے منصوص ہوں۔ جیسے: لاتقبلوا لھم شھادۃ ابداً یا الی یوم القیامۃ کا لفظ ہو۔ جیسے: الجھاد ماض الی یوم القیمۃ. میں نسخ واقع نہیں ہو سکتا۔

○ جن احکام کا وقت معین ہے ان کا نسخ وقتِ معین سے پہلے محال ہے۔ جیسے فاعفوا واصفحوا حتی یأتی اللہ بامرہ جو مکی زندگی میں مسلمانوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ کفار کے ظلم و ستم کا جواب نہ دو۔ تاوقتیکہ جہاد کا حکم نہ آئے۔

اور ان مقامات میں متقدمین میں سے جنھوں نے منسوخ ہونے کا قول کیا ہے اس سے مراد اصطلاحی نسخ نہیں۔ جبکہ اصطلاح اصول میں نسخ کے معنے ہیں:
کسی عملی حکم کی مدت کی انتہاء بتانا جو اپنی تمام شرائط کو جامع ہو۔ یعنی وجود اور عدم ہر دو کا احتمال رکھتا ہو۔ اور دائمی نہ ہو۔ اور نہ کسی وقت سے مخصوص ہو۔ اور ان احکامات کو احکاماتِ مُطلقہ کہتے ہیں۔ بشرطیکہ زمانہ، مُکلّف، اور صورت متحد نہ ہو۔ بلکہ تینوں میں یا بعض میں اختلاف ہو۔ یعنی جس زمانے میں جس شخص کو جس صورت کے ساتھ ایک کام کا حکم دیا گیا ہے یہ ناممکن ہے کہ اسی زمانے میں اسی شخص کو اسی صورت میں اس کام سے منع کر دیا جائے۔ بلکہ نسخ میں یا زمانہ بدلے گا یا وہ شخص یا صورت یا تینوں بدلیں گے۔

○ نیز اس نسخ کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیا جس کا انجام معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رائے بدل گئی اس لیے وہ حکم ختم کر دیا۔ کیونکہ اس قول سے جہلِ باری تعالیٰ لازم آتا ہے، جو محال ہے۔ اگرچہ ہم یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو انجام تو معلوم تھا تب بھی اس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں قباحت کی نسبت لازم آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس عیب سے بلند و بالا ہے۔ بلکہ:

○ نسخ کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہی یہ بات معلوم تھی یہ حکم انسانوں پر فلاں وقت تک باقی رکھا جائے گا پھر اس حکم کی جگہ دوسرا حکم رکھا جائے گا پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرا حکم بھیج دیتا ہے جس سے اس حکم میں کمی بیشی ہونا یا اس حکم کا بالکل ختم ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے۔ تو درحقیقت یہ صرف پہلے حکم کی مدت اور انتہاء کا بیان اور اظہار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے۔ مگر بندوں کے سامنے پہلے حکم میں وقتِ اختتام کو ذکر نہیں کیا گیا اس لیے دوسرے حکم کے آنے پر ہم اپنی کوتاہ فہم کی بنا پر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ حکم میں تبدیلی ہوئی ہے۔

عدم نسخ پر شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق

○ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں تحریر فرمایا ہے کہ علماء متقدمین مطلق تغیر و تبدل کو نسخ کہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے پانچ سو سے بھی زیادہ آیات کو منسوخ کہا ہے۔ یعنی خاص کو ناسخ عام کا کہا۔ اور مقید کو ناسخ مطلق کہا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن:

○ متاخرین آیت کا حکم مع التلاوت یا بدون تلاوت بدلنے کو نسخ کہتے ہیں۔ اس معنے کی رو سے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سے زیادہ آیات کا نسخ نہیں مانا۔ جیسا کہ تفسیر اتقان میں ہے۔ اور امام الہند حضرت شاہ صاحبؒ نے ان بیس آیات میں سے بھی صرف پانچ کی نسخ مانی ہے اور باقی پندرہ آیات کا جواب علمی رنگ میں دیا ہے کہ ان پر نسخ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد ہمارے پیر و مرشد سلطان العارفین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پانچ آیات کے نسخ کا بھی انکار کیا اور اسی انداز پر جواب دیا جس انداز پر حضرت امام الہندؒ نے جواب دیا تھا۔ دیکھیے تفسیر بلغۃ الحیران صفحہ ۲۱ و ۲۲۔

عدم نسخ پر شیخ الوانیؒ کی تحقیق

۱ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۰ میں مرنے والے کے ذمے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حکم پہلے دیا گیا تھا پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "لا وصیۃ لوارث" سے یہ حکم قرآنی منسوخ ہوگیا۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے۔ اور خبر واحد آیت قرآنی کی ناسخ نہیں ہوسکتی۔

○ قرآن مجید میں عام طور پر کُتِبَ بمعنیٰ فُرِضَ آتا ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ میں:

① کُتِبَ کا معنیٰ فُرِضَ نہیں۔ بلکہ اُستُحِبَّ ہے۔ اور:

۲ اَلْوَصِیَّۃُ میں الف لام عہد خارجی ہے۔ جس سے مُراد وہ وصیت ہے جس کا ذکر سورۂ نساء کی آیت ۱۱ میں ہے۔ یعنی یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ۔ اور:

۳ بِالْمَعْرُوْفِ کے معنے ہیں: "دستورِ شرع کے مطابق"۔

○ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے ماں باپ اور دیگر وارثوں کے حق میں دستورِ شرع کے مطابق مال تقسیم کرنے کو کہہ مرے۔ جس کا ذکر سورت نساء کی آیت ۱۱ و ۱۲ اور ۱۷۶ میں کیا گیا ہے۔ اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ سورۂ البقرہ کی آیت ۱۸۰ منسوخ نہیں۔ بلکہ پوری طرح قابلِ عمل ہے۔

لا وصیۃ لوارثٍ کا مطلب

○ اب رہی وہ حدیث جس میں لا وصیۃ لوارث آیا ہے۔ سو اس سے مراد وہ وصیت ہے جو تہائی مال متروکہ میں سے کسی کے حق میں کی جائے۔ وہ وصیت ورثاء کے حق میں کرنا منع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وارثوں میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا حصہ خود مُعیّن فرمادیا ہے۔ نیز یہ حدیث خبرِ واحد بھی نہیں۔ بلکہ سات صحابہؓ سے مروی خبرِ مشہور ہے۔

① سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ
④ سیدنا خارجہ بن عمرو جُمحی رضی اللہ عنہ
⑤ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما
⑥ سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ
⑦ سیدنا عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ

دیکھیے: کنزالعمال جلد ۱۶ صفحہ ۶۱۳ و ۶۱۵ و ۶۱۶ و ۶۱۷ و ۶۲۲ و ۶۲۶۔ و مسند ابی یعلیٰ جلد ۳ صفحہ ۷۸۔ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۶۴۔

○ علاوہ ازیں امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں اور علامہ نسفیؒ نے بھی تفسیر مدارک میں ایسے جواب دیے جس سے نسخ کا انکار ہوتا ہے۔

۲ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ان یکن منکم عشرون صٰبرون یغلبوا مائتین (الانفال۔۸:۶۵)

پھر دوسری آیت میں فرمایا: فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین (الانفال۔۸:۶۶)

کہا جاتا ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں آیتیں جملہ خبریہ ہیں۔ اور اصول کا

فائدہ ہے کہ: "اخبار میں نسخ نہیں ہوتا"۔ بلکہ اگر نسخ ہو تو احکام میں ہوتا ہے۔ اور یہاں حکم نہیں۔ بلکہ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دینا مقصود ہے۔

○ یعنی ان ہر دو آیات میں مجاہدین اسلام کے دو طبقوں کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں طبقۂ اولیٰ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم کافروں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر لڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری امداد اس طرح کرے گا کہ اگر تم ڈٹ کر لڑنے والے بیس بھی ہو گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے تم دو سو پر غالب ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم سو ہو گے اللہ تعالیٰ کی امداد سے ہزار کافروں پر غالب ہو جاؤ گے۔

○ اس کے بعد اگلی آیت میں مجاہدین اسلام کے دوسرے طبقے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ کافروں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر لڑو۔ اگر تم میں سے سو آدمی دشمن کے مقابلے میں ڈٹا رہے گا تو دو سو پر غالب ہو جائے گا۔ اور اگر تم میں سے ہزار مقابلہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار کافروں پر غلبہ پائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کا حامی و مددگار ہے جو کافروں کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں۔

○ اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ان میں سے کوئی آیت نہ ناسخ ہے نہ منسوخ۔

۳ سورت احزاب آیت ۵۰ میں فرمایا: یاایھا النبی انا احللنا لک ازواجک (الآیہ) اور آیت ۵۲ میں ہے: لا یحل لک النساء من بعد یہاں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت منسوخ اور دوسری اس کی ناسخ ہے۔ کہ پہلی آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کرنے کی عام اجازت دی گئی ہے۔ اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ کو اب مزید عورتوں سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ لیکن نہ تو پہلی آیت منسوخ ہے اور نہ ہی دوسری آیت اس کی ناسخ۔ کیونکہ دوسری آیت میں من بعد کے معنے ہیں ما سواھا یعنی پہلی آیت میں عورتوں کی چار اقسام میں سے تو آپ ﷺ کو نکاح کرنے کی بدستور عام اجازت قائم ہے۔ مگر ان چار اقسام کے ماسوا اور کسی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور وہ چار اقسام یہ ہیں:

① جن بیویوں کا مہر آپ ﷺ ادا کر چکے ہیں۔

② آپ ﷺ کی مملوکہ باندیاں، خواہ تعداد میں کتنی ہی ہوں، ان کی کوئی حد نہیں۔

③ آپ ﷺ کی چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بہنیں جو دین اسلام کی خاطر ہجرت کر کے مدینہ میں آگئی ہیں۔ خواہ وہ تعداد میں کتنی ہی ہوں۔

④ جو مومن عورت آپ ﷺ کو تن بخشی کر دے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکاح کرنا چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ اور یہ اجازت بھی صرف آپ ﷺ کی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہے۔ دوسرے مومنوں کے لیے اتنی عورتوں سے نکاح کرنے کی عام اجازت نہیں۔ بلکہ صرف چار تک اجازت ہے۔ بشرطیکہ باقاعدہ حقوق کی ادائیگی کی جائے۔ ورنہ ایک ہی کافی ہے۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں عورتوں کی چار قسموں میں سے جس سے چاہیں آپ ﷺ کو نکاح کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ان چار قسم کی عورتوں کے علاوہ اور کسی عورت سے آپ ﷺ کو نکاح کی اجازت نہ تھی۔

۴ سورت مجادلہ کی آیت ۱۲ میں مومنوں کو خطاب ہے: اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ یعنی اے مومنو جب تم کو پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنی ہو تو کان میں عرض مطلب کرنے سے پہلے کچھ خیرات لاکر آگے رکھ دیا کرو۔ اور آیت ۱۳ میں فرمایا: فاذلم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا اللہ ورسولہ یعنی جب تم اس حکم کی تعمیل نہ کرسکو اور اللہ نے تمہارا یہ قصور معاف کردیا اب اسلام کے ضروری احکام کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ بس نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو۔

⊙ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے آیت ۱۲ کا حکم منسوخ ہوگیا۔ اور آیت ۱۳ کا حکم اس کا ناسخ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پہلا حکم وجوبی نہ تھا۔ بلکہ استحبابی تھا۔ اور دوسری آیت میں اس کی وضاحت ہوگئی۔ اور تاب اللہ علیکم کا معنیٰ قصور معاف کرنا نہیں بلکہ اس کا معنیٰ ہے کہ تم پر اللہ تعالےٰ کی خصوصی توجہ اور نظر کرم ہے۔ اور اس حکم کے وجوبی حکم نہ ہونے کا قرینہ آیت ۱۲ میں ذٰلک خیر لکم واطہر ہے۔ یعنی یہ صدقہ کرنا تمہارے حق میں بہتر ہے اور دلوں کی صفائی میں اس کو بڑا دخل ہے۔ ایسا کلمہ وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہی آسکتا ہے۔ اور اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ: اگر تم صدقہ نہیں کرسکتے تو کوئی بات نہیں اللہ تعالےٰ کی تمہارے اوپر بڑی توجہ ہے بس فرض ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔

۵ سورت مزمل کی آیت ۲ میں ہے: قم الیل الا قلیلاً یعنی کچھ حصہ رات کا چھوڑ کر باقی رات بھر نماز میں کھڑے رہو۔ پھر آیت ۲۰ میں فرمایا: فاقرءوا ما تیسر من القراٰن یعنی جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھو مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رات کو نماز پڑھنے کا حکم فرض تھا۔ پھر دوسری آیت میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ لیکن

دراصل بات اس طرح نہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلا حکم بھی فرض نہیں تھا۔ بلکہ استحباب کے لیے تھا جس کا قرینہ آیت ۲۰ کے شروع میں و طائفة من الذين معك ہے۔

فائدہ اصولِ فقہ کی درسی کتب میں بیان کیا گیا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۰ منسوخ ہے۔ جس میں حکم ہے کہ متوفیٰ عنہا زوجہا پورا سال خاوند کے گھر بیٹھے۔ اور مرنے والا خاوند وارثوں کو اپنی بیوی کے بارے وصیت کر جائے کہ اس کو گھر سے نہ نکالا جائے۔ پھر آیت ۲۳۴ ناسخ ہے۔ جس میں حکم ہے کہ متوفیٰ عنہا زوجہا صرف چار ماہ اور دس دن خاوند کے گھر عدت بیٹھے۔ تو ناسخ منسوخ دونوں قرآن میں موجود ہیں۔ مگر محققین نے اس کا جواب یہ دیا کہ دونوں میں سے کوئی حکم منسوخ نہیں۔ بلکہ محکم اور ناقابلِ نسخ ہیں۔ جن پر تا قیامت عمل رہنا چاہیے۔ وہ اس طرح کہ آیت ۲۳۴ میں حکم وجوبی ہے۔ اور آیت ۲۴۰ میں حکم استحبابی ہے۔ جیسا کہ حضرت مجاہد اور عطا ابن ابی رباح نے فرمایا ہے۔ دیکھیے بخاری کتاب التفسیر باب والذین یتوفون منکم صفحہ ۶۵۰ مع حاشیہ۔

فائدہ وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم کی تفسیر میں چار قول ہیں۔

① اکثر مفسرین جیسے سیدنا عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اور حسن بصریؒ مجاہدؒ ابراہیم نخعیؒ قتادہؒ سدیؒ اور جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اہلِ کتاب کی ذبیحہ مراد ہے۔ بشرطیکہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ اور حضرت علیؓ عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت طاؤسؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے: وان كان النصرانی يقول عند الذبح باسم المسيح واليهودی يقول باسم عزير وذلك لانهم يدينون على الملة یعنی یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ اس صورت میں بھی حلال ہے کہ نصرانی ذبح کے وقت باسم المسیح کہے۔ اور اسی طرح

اگرچہ یہودی ذبح کے وقت باسم عزیر کہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے طریقے پر ذبح کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا قول حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا ہے۔ جو فرماتے ہیں: کل من ذبیحۃ النصرانی وان قال باسم المسیح وان اللہ قد اباح ذبائحہم وقد علم ما یقولون یعنی نصرانی کا ذبح کیا ہوا جانور کھالے۔ اگرچہ اس نے ذبح کے وقت باسم المسیح کہا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذبیحہ مباح کی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ذبح کے وقت کیا کہتے ہیں۔

○ اسی طرح حضرت قاسم بن مخیمرہؒ نے فرمایا: کل من ذبیحتہ وان قال باسم سرجس نصرانی کی ذبیحہ کھالے۔ اگرچہ اس نے ذبح کے وقت اپنے عبادت خانے سرجس کا نام لیا ہو۔ اور یہی قول ہے حضرت ابوالدرداء اور عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہما اور زہری ربیعہ شعبیؒ اور مکحولؒ کا۔

(۴) چوتھا قول حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جو فرماتے ہیں: اذا ذبح الیہودی والنصرانی فذکر اسم غیر اللہ وانت تسمع فلا تأکلہ و اذا غاب عنک فکل فقد احل اللہ لک یعنی جب یہودی اور نصرانی غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے اور تو نے سن لیا ہے تب تو نہ کھا اور اگر تیری عدم موجودگی میں اس نے ذبح کیا ہے تو کھالے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے وہ حلال کر دیا ہے۔

کتب منسوخہ سے کونسی کتب مراد ہیں

○ اب رہا یہ کہ کتب منسوخہ سے کونسی کتابیں مراد ہیں سو علماء کرامؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ وہ صرف توراۃ اور انجیل ہیں۔ جن کو ماننے والے کتابی یا اہل کتاب کہلاتے ہیں، ان کے سوا زبور وغیرہ مراد نہیں۔

○ اس لیے جو شخص قرآن شریف پر ایمان رکھ کر اور فرشتوں اور رسولوں پر ایمان رکھ کر کفر و شرک کرتا ہے تو وہ محقق علماء اسلام کے نزدیک اہل کتاب نہیں

ہے۔ کیونکہ قرآن مجید تاقیامت واجب العمل محکم ناقابلِ نسخ کتاب ہے۔ اس لیے جو لوگ اس کو مان کر پھر تحریف معنوی اور ہیرا پھیری کرتے ہیں تو وہ کسی طرح نہ اہلِ کتاب ہیں اور نہ اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں۔ بلکہ فی حکم المرتدین ہیں۔ جبکہ ان کے اکثر عقائد مشرکین مکہ کے سے ہیں۔ جیسے مخلوق میں سے کسی برگزیدہ ہستی کو قبل الموت یا بعد الموت عالم الغیب، حاضر ناظر، مختارِ کل، حاجت روا مشکل کشا ماننا۔

○ نیز جن علماء کے نزدیک محض میت کے سننے کا عقیدہ رکھنے والا یا اس سے متعلق روایت بیان کرنے والا شخص بھی زندیق ہے، اُن کے نزدیک میت کو حاجت براری کے لیے پکارنے والا تو بطریقِ اولیٰ کافر و زندیق ہونا چاہیے۔ جس کے ذبیحہ کو کسی طرح بھی حلال نہیں کہا جاسکتا۔

○ عقد العقیان فی عنق جواہر القرآن کے نام سے میرا فتویٰ جب نغمۂ توحید میں شائع کیا گیا تو اس پر ادارہ نغمۂ توحید کی طرف سے حاشیہ میں لکھا گیا کہ:

"جن روایات سے قبر مبارک کے نزدیک صلوٰۃ و سلام کے سماع اور جواب کا مسئلہ انھوں نے مشہور کر رکھا ہے ان کے رواۃ کا یہ حال ہے کہ قریباً ۲۴ ائمۂ عظام نے انھیں کذاب، زندیق، اکذب الناس، خبیث اور رافضی کے القابات دیے ہیں۔ ان ائمۂ عظام نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید امام یحییٰ بن سعید القطان پھر ان کے تلامذہ میں سے امام یحییٰ بن معین امام احمد بن حنبل علی بن مدینی پھر ان کے تلامذہ امام بخاری امام مسلم امام ابو زرعہؒ وغیرہ شامل ہیں۔ اب قارئین کرام دنیوی حقیقی حیات اور سماع صلوٰۃ و سلام اور جواب نیز استشفاع کے بارے میں قرآن حکیم کی نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں ان مفتیان کراچی کی موضوع روایات سُن کر خود ہی اندازہ کرلیں ہم تو ان کے حق میں سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا عرض کرسکتے ہیں۔ (ادارہ نغمۂ توحید) دیکھیے: نغمۂ توحید جنوری ۱۹۹۳ء

مسلمان اہل کتاب نہیں

- نیز علماء نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہے کہ اہل کتاب کا لفظ مسلمانوں پر اطلاق نہیں کیا جاتا جس طرح یہود و نصاریٰ کا لفظ مسلمانوں پر نہیں بول سکتے۔ چنانچہ:
- بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۴۲۲ میں ہے: اطلاق لفظ اهل الكتاب ينصرف الى اليهود و النصارىٰ دون المسلمين و دون سائر الكفار و لا يطلق على مسلم انه من اهل الكتاب كما لا يطلق عليه يهودى ولا نصرانى۔
- جو لوگ اہل کتاب کا اطلاق مسلمانوں پر جائز سمجھتے ہیں انہیں چاہیے کہ یہود و نصاریٰ کا اطلاق بھی مسلمانوں پر جائز سمجھیں۔ کیونکہ جس طرح یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل شدہ آسمانی کتاب تورات پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر مسلمان کامل طریقے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اولوا العزم پیغمبروں میں سے سمجھتے ہیں۔ اور تورات شریف کو بھی آسمانی کتاب سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور انجیل مقدس کو برحق آسمانی کتاب مانتے ہیں، مسلمان ان سے کہیں بڑھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کما حقہ باسمائہ و صفاتہ اولوا العزم پیغمبروں میں سے برحق نبی مانتے ہیں۔ اور انجیل مقدس کو برحق آسمانی کتاب سمجھتے ہیں۔ جیسے وہ آسمان سے اتری تھی۔ مگر اس کے باوجود کوئی مسلمان اپنے آپ کو یہودی یا نصرانی کہلانے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی گزشتہ چودہ صدیوں میں آج تک مسلمانوں کو یہودی یا نصرانی کے لقب سے پکارا گیا۔
- اور باوجود اس کے کہ یہود و نصاریٰ کا شرک اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:
- وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله
- نیز فرمایا: لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم
- نیز فرمایا: لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلثة

○ مگر باوجود ان کا شرک ثابت کرنے کے مشرک کا لفظ ان پر اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ کافر کا لفظ استعمال کیا۔ جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس طرح عرف عام میں اہل کتاب اور مشرک کے اطلاق میں فرق ہے اسی طرح زبان شرع میں بھی ان کے اطلاق میں فرق ہے۔ اور کفر کے اطلاق میں دونوں مساوی ہیں۔ یعنی جو مشرک لوگ اہل کتاب نہیں ان پر تو شرعاً و عرفاً مشرک کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ لیکن جو اہل کتاب شرک کریں تو باوجود ان کے شرک کرنے کے شرعاً و عرفاً ان پر کافر کا اطلاق تو کیا جاتا ہے مگر مشرک کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

اصل اہل الکتاب کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے نہ تو مشرک غیر اہل کتاب مراد ہوتے ہیں اور نہ ہی مومن۔ خواہ شرک سے تائب ہوکر مومن ہوئے ہوں خواہ اہل کتاب میں سے مومن ہوئے ہوں۔ بلکہ اہل کتاب کا لفظ تورات اور انجیل ماننے والوں پر ہی بولا جاتا ہے۔ اور عرف عام بھی یہی ہے۔

فائدہ روافض جو توحید کے بھی مدعی ہیں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق اور خاتم النبیین ماننے کے مدعی ہیں قرآن مجید کو بھی برحق کہتے ہیں۔ اور اپنی کتابوں میں قرآن مجید کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ اور اہل بیت رسولؐ سے محبت کا دعوی کرتے ہیں۔ البتہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو محض اس بہتان کے نتیجے میں نہیں مانتے کہ نعوذ باللہ انھوں نے قرآن مجید کے خلاف احکام نافذ کیے اور غیر شرعی خلافت قائم کی۔ مگر مع ہذا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے روافض کے متعلق فرمایا: احکامھم احکام المرتدین یعنی ان کے احکام مرتدوں کے سے ہیں۔ اور نیز فرمایا: لا یحل ذبائحھم یعنی ان کی ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ نیز فرمایا: لا ینکح نساؤھم یعنی ان کی عورتوں سے نکاح بھی نہ کیا جائے۔

○ اس دور کے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اگر اس دور میں ان کلمہ گو مشرکوں کو دیکھ لیتے تو روافض و قرامطہ و جہمیہ کی طرح ان کے بارے بھی یہی کچھ فرماتے۔

تنبیہ خوب سمجھ لیں اور یاد رکھیں کہ جس طرح مشرکین عرب کو اہل کتاب کے زمرے میں شمار نہیں کیا جاسکتا اسی طرح وہ شخص بھی اہل کتاب کے زمرے میں داخل نہیں ہیں جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی دوسرے دین سے نکل کر یہودی یا نصرانی دین میں داخل ہوجائے۔ یا کوئی مسلمان اپنا دین مذہب چھوڑ کر مرتد ہوجائے اور یہودی یا نصرانی دین اختیار کرلے۔ حالانکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اہل کتاب کی تعریف

"من یؤمن بنبی و یقر بکتاب"

بظاہران پر بھی برابر صادق آتی ہے۔

○ اور اسی طرح مسلمانوں میں پیدا ہونے والے فرقے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں اور قرآن مجید پر ایمان لانے کے مدعی ہیں۔ جیسے زنادقہ کے فرقے جن کی بابت فقہاء کرام نے اہل کتاب کی بجائے ان پر فی حکم المرتدین کے فتوے لگائے۔

○ نیز یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ ہم نے فقہاء کا جو فتویٰ نقل کیا ہے اس میں فی حکم المرتدین کا لفظ ہے، مرتدین کا نہیں۔ کیونکہ مرتدین کی مشہور تعریف کی رو سے نسلی روافض کو مرتد کہنا درست نہ ہوگا۔

○ تاہم بعض علماء اسلام نے نسلی روافض کو بھی مرتد ہی کہا ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں یعنی اگر انھیں مرتد کہا جائے تب بھی اور اگر مرتد نہ کہا جائے بلکہ زندیق کہا جائے تب بھی ان پر حکم مرتدین والا ہی جاری ہوگا۔ بلکہ علماء نے تو زندیق کا حکم مرتد سے بھی زیادہ سخت بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ زنادقہ کی بحث میں آئے گی۔

○ بہر حال اہل کتاب صرف وہی ہیں جو کتب سابقہ منسوخہ کا اقرار کرتے ہوں اور کسی نہ کسی برحق نبی اللہ کو مانتے ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر من قبلکم کی قید لگا کر وضاحت بھی فرمادی ہے۔ مثلاً:

قرآن مجید میں مِنْ قَبْلِكُمْ کی قید

① والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم (۵ : ۵)
② ولتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم (۳ : ۱۸۶)
③ ولقد وصینا الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم وایاکم (۴ : ۱۳۱)
④ لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم (۵ : ۵۷)
⑤ الذین اٰتینٰھم الکتٰب من قبلہ ھم بہ یؤمنون (۲۸ : ۵۲)
⑥ والکتٰب الذی انزل من قبل (۴ : ۱۳۶)
⑦ ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتٰب من قبل (۵۷ : ۱۶)
⑧ فاسئل الذین یقرؤن الکتٰب من قبلك (۱۰ : ۹۴)
⑨ ان الذین اوتوا العلم من قبلہ (۱۷ : ۱۰۷)
○ اور قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر جہاں من قبلہ کی قید نہیں وہاں پر یہی قید ملحوظ ہوگی۔ مثلاً :

① ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب (اَلْبَقَرَۃ ۔ ۲ : ۱۰۵)
② ود کثیر من اھل الکتاب (اَلْبَقَرَۃ ۔ ۲ : ۱۰۹)
③ قل یا اھل الکتٰب تعالوا (اٰلِ عِمْرَان ۔ ۳ : ۶۴)
④ یا اھل الکتاب لم تحاجون (اٰلِ عِمْرَان ۔ ۳ : ۶۵)
⑤ ودت طائفۃ من اھل الکتاب (اٰلِ عِمْرَان ۔ ۳ : ۶۹)
⑥ یا اھل الکتاب لم تکفرون (اٰلِ عِمْرَان ۔ ۳ : ۷۰)
⑦ قل یا اھل الکتاب لم تکفرون (اٰلِ عِمْرَان ۔ ۳ : ۹۸)
⑧ یا اھل الکتاب لم تلبسون (اٰلِ عِمْرَان ۔ ۳ : ۷۱)
⑨ قل یا اھل الکتاب لم تصدون (اٰلِ عِمْرَان ۔ ۳ : ۹۹)
⑩ ولو اٰمن اھل الکتاب (اٰلِ عِمْرَان ۔ ۳ : ۱۱۰)

(۱۱) لیس بامانیکم ولا امانی اهل الکتاب (النساء ۔۴:۱۲۳)

(۱۲) یسئلك اهل الکتاب (النساء ۔۴:۱۵۳)

(۱۳) وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به (النساء ۔۴:۱۵۹)

(۱۴) یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم (النساء ۔۴:۱۷۱)

(۱۵) قل یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم (المائدة ۔۵:۷۷)

(۱۶) یا اهل الکتاب قد جاءکم رسولنا (المائدة ۔۵:۱۵و۱۹)

(۱۷) قل یا اهل الکتاب هل تنقمون (المائدة ۔۵:۵۹)

(۱۸) ولو ان اهل الکتاب اٰمنوا واتقوا (المائدة ۔۵:۶۵)

(۱۹) قل یا اهل الکتاب لستم علی شیٔ (المائدة ۔۵:۶۸)

(۲۰) ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب (التوبة ۔۹:۲۹)

(۲۱) ولا تجادلوا اهل الکتاب (العنکبوت ۔۲۹:۴۶)

(۲۲) وانزل الذین ظاهروهم من اهل الکتاب (الاحزاب ۔۳۳:۲۶)

(۲۳) لئلا یعلم اهل الکتاب (الحدید ۔۵۷:۲۹)

(۲۴) هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب (الحشر ۔۵۹:۲)

(۲۵) یقولون لاخوانهم الذین کفروا من اهل الکتاب (الحشر ۔۵۹:۱۱)

(۲۶) لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب (البینة ۔۹۸:۱)

(۲۷) ان الذین کفروا من اهل الکتاب (البینة ۔۹۸:۶)

(۲۸) لیستیقن الذین اوتوا الکتاب (المدثر ۔۷۴:۳۱)

(۲۹) ولا یرتاب الذین اوتوا الکتاب (المدثر ۔۷۴:۳۱)

○ ان سب آیات قرآنیہ میں کتاب سے مراد قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابیں ہیں۔

○ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ اصل قیود میں ان کا احترازی ہونا ہے اور اتفاقی ہونا کسی قرینہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر یہ قید اتفاقی ہوتی تو مفسرین میں سے کوئی تو

کہنا کہ یہ قید اتفاقی ہے۔ تاکہ قرآن مجید پر ایمان لانے والے بھی اہل کتاب میں شامل ہو سکیں۔

○ نیز جمہور کا کہنا کہ یہاں یہود و نصاریٰ ہی مراد ہیں، یہ صریح دلیل ہے اس امر کی کہ من قبلکم کی قید احترازی ہے، اتفاقی نہیں۔ نیز کوئی کہ سکتا ہے کہ من قبلکم بڑھانے میں نکتہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منزل کلام حکم سے خالی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر کوئی عالم اپنی طرف سے کوئی نکتہ بیان کرے گا تو اسے کسی عالم کی سند بیان کرنی ہوگی۔ ورنہ تفسیر بالرائی کا مرتکب ہوگا۔

قرآن مجید میں بعض صحابۂ کرام پر اہلِ کتاب کا اطلاق

قرآن مجید میں بعض مقامات پر اہل کتاب میں سے مومن ہوجانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اہل الکتاب کا لفظ بولا گیا ہے۔ مثلاً:

من اھل الکتاب امۃ قائمۃ اور:

من اھل الکتاب من ان تأمنہ بقنطار

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ماضی قریب میں اہل کتاب رہ چکے تھے، مجرد ایمان لاکر اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرنے لگے۔ اس لیے باعتبار ماکان کے مجازی طور پر ان کو اہل کتاب کہا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ایمان لانے کے بعد بھی اہل کتاب ہی رہے۔ دیکھیے: کتاب الحجۃ جلد ۳ صفحہ ۳۳۳۔

البتہ یہودیت یا نصرانیت چھوڑ کر مسلمان ہوجانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی بجائے اہل الذکر فرمایا ہے۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ جتنے فقہائے اسلام ہیں حنفیہ ہوں یا مالکیہ، شافعیہ ہوں یا حنابلہ کسی ایک نے بھی مرتد کو اہل کتاب کے حکم میں شامل کرکے اس کے ذبیحہ کو حلال نہیں کہا۔ جبکہ وہ مرتد اس ارتدادی کلمے کے سوا تمام اعمال و عقائد میں مسلمانوں جیسا ہے۔ کلمہ پڑھے، قرآن مجید کا حافظ ہو، نمازی، حاجی ہو اور نام بھی عبداللہ یا عبدالرحمٰن ہو۔

○ مگر "الکتابی" کی جو تعریف فقہائے حنفیہؒ نے بیان کی ہے اگر اس کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو یہ تعریف مرتد پر بھی مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ مثلاً:

○ مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتا ہوں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتا ہوں۔ اور اس قرآن مجید پر بھی اسے ایمان کا دعویٰ ہے۔ بلکہ اپنے کئی مزعومہ دعوے قرآن مجید سے ثابت کرتا ہے۔ اور منکرِ حدیث بھی نہیں۔ بلکہ اپنے کئی باطل دعوے اپنے زعم کے مطابق احادیثِ نبویہ کے حوالے سے ثابت کرتا ہے۔ اور باوجود اس کے علمائے کرام متفقہ طور پر اسے مرتد ہی قرار دیتے ہیں۔ اور اہل کتاب نہیں کہتے۔ کیونکہ "کتابی" کی تعریف میں نبی سے مراد نبی برحق ہے۔ اور کتاب سے مراد غیر منسوخ کتاب سماوی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کے ماننے والوں کو اہل کتاب نہ کہا جائے گا۔ نہ کسی مجتہد نے انہیں اہل کتاب سمجھا اور نہ صحابہ کرامؓ و سلف صالحینؒ میں سے کسی نے انھیں اہل کتاب کہا اور نہ ہی کسی فقیہ نے ان پر اہل کتاب کا حکم لگایا۔

○ اس مفصل تنقیح کے بعد یہ بات تو بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ "اہل کتاب" کی اصطلاح میں نہ تو قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے بہتر فرقے شامل ہیں اور نہ ہی مطلقاً منسوب الی ملتِ سماویہ مراد ہیں اور نہ ہی تمام دنیا کے دوسرے لوگ مراد ہیں۔ بلکہ صرف اور صرف وہ لوگ مراد ہیں جو برحق انبیاءِ سابقین کے دین پر ہونے کا دعویٰ کریں اور خود کو سابقہ منسوخ کتبِ سماویہ کی طرف منسوب کریں۔ اگرچہ شرک کے مرتکب ہوں۔

○ اور مشرکین عرب اس لیے اہل کتاب کے زمرے میں نہیں آتے کہ اگرچہ وہ اپنے زعم میں ملتِ ابراہیمؑ کے مدعی تھے اسی لیے خود کو حنفی کہلاتے تھے۔ اور سوائے چند بدعملیوں کے عقائد و اعمال میں ملتِ ابراہیمیؑ پر کاربند تھے۔ مگر ان کے پاس سوائے زبانی یادداشتوں کے کوئی کتاب نہ تھی۔

اہلِ کتاب کے اطلاق میں فقہاء کے دو ۲ گروہ

- اب رہا یہ کہ قرآن مجید سے پہلے آنے والی جتنی کتابیں منسوخ ہیں ان میں سے کون کونسی کتاب کا اقرار کرنے والوں کا لقب "اہل الکتاب" ہے۔ سو اس میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء متقدمین میں اختلاف ہے۔ اور اس مسئلے میں فقہاء کے دو ۲ گروہ ہیں۔
- ایک گروہ تو اس بات کا قائل ہے کہ اہل کتاب کی اصطلاح صرف یہود و نصاریٰ میں منحصر ہے۔
- اور دوسرے گروہ کا قول ہے کہ قرآن مجید سے پہلے جتنی کتابیں یا صحیفے نازل ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کتاب یا صحیفے کے ساتھ اپنی وابستگی کا دعویٰ کرنے والے بھی اہل کتاب ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کو اہل کتاب نہیں کہتا۔ چنانچہ:

ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ
صرف یہود و نصاریٰ ہی اہلِ کتاب ہیں

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ

① رأس المفسرین ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:
انما احلت ذبائح الیہود و النصاریٰ من اجل انہم اٰمنوا بالتوراۃ و الانجیل (اسنی المطالب جلد ۱ صفحہ ۵۵۲ بحوالہ حاکم) یعنی یہود و نصاریٰ کی ذبیحہ اس لیے حلال کی گئی ہے کہ ان کا توراۃ انجیل پر ایمان تھا۔
- سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان سے جمہور نے یہی سمجھا ہے کہ تورات انجیل کو ماننے والے ہی اہل کتاب ہیں۔

امام شافعیؒ کے فتوے

(۲) حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام جلد ۴ صفحہ ۲۶۶ میں فرمایا ہے: کتابیات من اهل الکتاب المشہور من اهل التوراة و الانجیل وهم الیهود والنصاری یعنی اہل کتاب جو اہل تورات اور اہل انجیل کے نام سے مشہور ہیں ان کی عورتوں سے مسلمان کو نکاح کرنا جائز ہے۔ اور وہ اہل کتاب صرف یہودی اور نصرانی ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ کا قاعدہ ہے کہ مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔ اور اس قانون کے تحت آپؒ کا کہنا کہ اہل کتاب یہودی اور نصرانی ہیں۔ یہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے علاوہ کتب منسوخہ میں سے کسی کتاب کے ماننے والے کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اس لیے قرآن مجید کے ماننے والے کافر کو وہ کسی طرح اہل کتاب نہیں کہ سکتے۔

(۳) نیز آپ نے فرمایا: لا یحل نکاح مشرکۃ غیر کتابیۃ یعنی جو عورت کتابی نہ ہو اور شرک کرے یعنی نہ اہل تورات میں سے ہو اور نہ اہل انجیل میں سے ہو تو اس سے نکاح جائز نہیں۔ (کتاب الام جلد ۴ صفحہ ۲۶۹)

فائدہ اُس دور میں وہ روافض بھی موجود تھے جو قرآن مجید پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ساتھ الوہیت علیؓ کے بھی قائل تھے۔ جیسے نصاریٰ الوہیت مسیحؑ کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت امام شافعیؒ نے انکو اہل کتاب نہیں کہا۔

(۴) نیز آپ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لا تأکلوا ذبائح نصاری بنی تغلب فانهم لم یتمسکوا من دینهم الا بشرب الخمر۔ یعنی بنو تغلب کے نصاریٰ کا ذبیحہ مت کھاؤ۔ کیونکہ وہ لوگ شراب خوری کے سوا نصرانیت کی اور کسی بات پر عمل نہیں کرتے۔ (کتاب الام جلد ۲ صفحہ ۲۳۲)

فائدہ ظاہر ہے کہ نصاریٰ بنی تغلب اپنی نسبت ملت سماویہ عیسویہ کی طرف کرتے

تھے۔ مع ہذا صحابیٔ رسول حضرت امام علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اہلِ کتاب نہیں کہا۔ بلکہ ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا۔

② نیز آپ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ما نصاری العرب باھلِ کتاب ولا تحل لنا ذبائحھم وما انا بتارکھم حتی یسلموا او اضرب اعناقھم یعنی عرب کے نصاری اہلِ کتاب نہیں۔ اور نہ ہی ان کی ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے۔ اور نہ ہی میں ان کو چھوڑوں گا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کریں۔ ورنہ میں ان کی گردنیں اڑادوں گا۔ (کتاب الام جلد ۲ صفحہ ۲۳۲)

فائدہ: یہ اس قدر واضح تصریح ہے کہ گویا تغلب اپنے آپ کو نصاری کہ کر اپنی نسبت ملت سماویہ عیسویہ کی طرف کرتے ہیں۔ مگر خلیفۂ رسول اللہ حضرت امام عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا: ما نصاری العرب باھل کتاب یعنی عرب کے نصاری اہلِ کتاب نہیں۔

امام ابن قدامہ حنبلیؒ کا فتویٰ

③ شیخ الاسلام حضرت امام ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ المقدسی الحنبلیؒ نے المغنی جلد ۳ صفحہ ۳ میں فرمایا ہے: ویباح نکاح حرائر الکتابیات لقولہ تعالیٰ ﴿والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم﴾ وھم الیھود والنصاریٰ یعنی کتابی حرہ عورتوں سے نکاح کرنا مباح ہے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم اور وہ صرف یہود و نصاریٰ ہیں۔

امام مرداوی حنبلیؒ کا فتویٰ

④ حضرت امام علاؤ الدین ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الانصاف جلد ۳ صفحہ ۲۱۷ میں تحریر فرمایا ہے: اھل الکتٰب وھم الیھود والنصاریٰ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔

فائدہ اس عبارت کی نحوی ترکیب میں غور فرمائیں۔ اس عبارت میں حصر کیا گیا ہے۔ کیونکہ مبتداء اور خبر دونوں معرفے ہیں۔ جو مفید حصر ہیں۔

امام تقی الدین حصنیؒ کا فتویٰ

⑤ امام تقی الدین ابوبکر بن محمد حسینی حصنی الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الاخیار فی حل غایۃ الاختصار جلد ۲ صفحہ ۲۲ میں فرمایا ہے: یعتبر فی الذابح لحل الذبیحۃ اما کونہ مسلما او کتابیا سواء کان یہودیا او نصرانیا یعنی ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا ضروری ہے۔ خواہ وہ کتابی یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ شیخ ادریسی یا اسرائیلی نہ کہا۔

○ نیز آپ نے فرمایا: والاصل فی ذلک قولہ تعالیٰ ..... وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم یعنی کتابی کا ذبیحہ حلال ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان وطعام الذین اوتوا الکتاب ہے۔

○ نیز آپ نے مجوسیوں کے ذبیحہ کے متعلق تحریر فرمایا: واما تحریم ذبائح المجوس فالدلیل علیہ قولہ علیہ الصلوۃ والسلام سنوابھم سنۃ اہل الکتاب غیر اٰکلی ذبائحھم وناکحی نسائھم یعنی مجوسیوں کے ذبیحہ کو حرام کرنے کی دلیل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو سوائے اس کے کہ ذبیحہ کھائی جائے یا ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے

○ نیز آپ نے فرمایا: لا یحل ذبح نصاری العرب وھم نجران وتنوخ وتغلب لانہ علیہ الصلوۃ والسلام نھی عن ذبح نصاری العرب کہ عرب کے رہنے والے نصاریٰ کی ذبح بھی حلال نہیں جو نجران اور تنوخ اور بنو تغلب ہیں۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے نصاریٰ کا ذبیحہ کھانے سے منع کیا ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا: قال عمر رضی اللہ عنہ لیس نصاری العرب باھل کتاب

ولا تحل لنا ذبائحهم ولا تحل لنا ذبائح بنی تغلب لانهم لم يأخذوا من دين اهل الكتاب الا شرب الخمر و اكل الخنزير کہ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عرب کے نصاریٰ اہل کتاب نہیں۔ اور نہ ہی ان کی ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے۔ اور بنو تغلب کی ذبیحہ بھی ہمارے لیے حلال نہیں۔ کیونکہ انھوں نے اہل کتاب کے دین میں سے سوائے شراب خوری اور خنزیر کھانے کے اور کچھ نہیں لیا۔

○ نیز آپ نے فرمایا: و اعلم ان الزنادقة كالمجوس و كذا الدروز لا تحل ذبائحهم کہ یاد رکھو کہ زندیق اور فرقہ دروز کے لوگ بھی مجوسیوں کی طرح ہیں اس لیے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

امام قسطلانی کا فتویٰ

⑥ حضرت امام ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد الساری شرح صحیح البخاری جلد ۸ صفحہ ۳۸۱ میں "باب جواز اکل ذبائح اہل الکتاب" کے تحت تحریر فرمایا: و المراد باهل الكتاب اليهود والنصارى و من دخل فى دينهم قبل بعثة نبينا صلى الله عليه وسلم فاما من دخل فى دينهم بعد المبعث فلا تحل ذبيحته کہ اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں اور وہ لوگ بھی جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کے دین میں داخل ہوئے تھے۔ اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہود و نصاریٰ کے دین میں داخل ہوئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ان پر اہل کتاب کا حکم نہیں لگایا۔

امام سیوطی کا فتویٰ

⑦ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں تحریر فرمایا ہے:
انما احلت ذبائح اليهود و النصارى من اجل انهم آمنوا بالتوراة و الانجيل (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۵)

امام قرطبیؒ کا فتویٰ

(۸) حضرت امام قرطبیؒ نے تفسیر جامع احکام القرآن جلد ۶ صفحہ ۷۶ میں فرمایا ہے:
ان اللّٰہ سبحانہ اذن فی طعامھم و قد علم انھم یسمون غیرہ علی ذبائحھم و لکنھم لما تمسکوا بکتاب اللّٰہ و تعلقوا بذیل نبی جعلت لھم حرمۃ علی اھل الانصاب۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ یہود و نصاریٰ اپنے ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ کتاب اللہ سے تمسک کرتے ہیں۔ اور ایک سابق نبی کا دامن پکڑ رکھا ہے۔ اس لیے ان کو بت پرستوں پر فوقیت دیتے ہوئے ان کا احترام کیا۔

○ نیز آپؒ "الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا: یعنی ذبیحۃ الیھود و النصاریٰ وان کان النصرانی یقول عند الذبح باسم المسیح و الیھودی یقول باسم عزیر و ذلک لانھم یذبحون علی الملۃ۔ مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ تم مسلمانوں کے لیے کھانا جائز ہے، اگرچہ نصرانی ذبح کے وقت حضرت مسیحؑ کا نام لے، اور یہودی حضرت عزیرؑ کا نام لے۔ کیونکہ وہ اپنے دین مذہب پر ذبح کرتے ہیں۔

فائدہ: اس جگہ مفسرین کے مختلف قول ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ ذبح کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیرؑ کا نام لیتے تھے۔ تو اس لحاظ سے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اور یہ کہنا غلط ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ ذبح کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ اور عزیرؑ کا نام نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کرنے کی وجہ سے ان کی ذبیحہ حلال ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے دین کے مطابق جیسے ان کے یہاں طریقہ رائج تھا ویسے ہی ذبح کرتے تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ان کی ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے۔ اور یہ

ان کی خصوصیت ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا: وقال عطاء کل من ذبیحة النصرانی. وان قال باسم المسیح لان اللہ عزوجل قد اباح ذبائحهم وقد علم مایقولون. کہ حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ نصرانی کا ذبیحہ کھالے۔ اگرچہ اس نے مسیح کا نام لے کر ذبح کیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحوں کو مباح کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ذبح کے وقت کیا کچھ کہتے ہیں۔

○ نیز آپ نے فرمایا: وقال القاسم بن مخیمرة کل من ذبیحته. وان قال باسم سرجس. اسم کنیسة لهم. کہ حضرت قاسم بن مخیمرہ فرماتے ہیں کہ نصرانی کا ذبیحہ کھالے۔ اگرچہ وہ بوقتِ ذبح سرجس گرجے کا نام لے۔

○ حضرت قاسم بن مخیمرہ کا قول نقل فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا: وهو قول الزهری وربیعة والشعبی ومکحول. کہ حضرت امام زہری اور ربیعہ اور شعبی اور مکحول کا قول بھی یہی ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا: وروی عن الصحابیین عن ابی الدرداء وعبادة بن الصامت. کہ دو صحابۂ کرام حضرت ابو الدرداء اور عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

فائدہ مذکورہ بالا صحابہؓ اور علماء تابعینؒ کے نزدیک جب یہود و نصاریٰ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو موحد مسلمان کے لیے اس کا کھانا جائز ہے۔ اب جو لوگ مشرکین زنادقہ کو اہلِ کتاب کہتے ہیں یا اہلِ کتاب کے حکم میں داخل کرتے ہوئے ان کی ذبیحہ کو حلال قرار دیتے ہیں ان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جس طرح غیر اللہ کے نام سے ذبح کی ہوئی اہلِ کتاب کی ذبیحہ بلا تأمل کھالینے کا حکم ہے اسی طرح مشرکین زنادقہ کا اولیاءِ کرامؒ اور دیگر غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حلال قرار دیا جاسکتا ہے؟۔ اگر جواب نفی میں ہو تو یقین کرلیں کہ کلمہ گو زنادقہ نہ اہلِ کتاب ہیں اور نہ اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔

○ دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ زنادقہ صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ ان کے بارے میں کسی عالم نے یہ نہیں کہا ہے کہ وہ اہلِ کتاب ہیں یا اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ اور ان کی ذبیحہ حلال ہے۔ خواہ وہ بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے یا غیر اللہ کا۔

○ نیز قال الحسن اذا ذبح الیھود والنصرانی فذکر اسم غیر اللہ وانت تسمع فلا تأکلہ و اذا غاب عنک فکل فقد احل اللہ لک یعنی حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب ذبح کرتے وقت یہودی اور نصرانی نے غیر اللہ کا نام لیا ہو اور تو نے سن لیا ہو تو مت کھا۔ اور جب تیری غیر حاضری میں اس نے ذبح کیا ہو تو کھالے۔ کیونکہ اس کا کھانا تیرے لیے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ (خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے)

امام ابن کثیرؒ کا فتویٰ

(۹) حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ثم ذکر حکم ذبائح اھل الکتابین من الیھود و النصاری (مختصر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۴۹۰) پھر اللہ تعالیٰ نے دو کتابوں والوں یعنی یہود و نصاریٰ کی ذبیحہ کا حکم ذکر کیا۔

امام بغویؒ کا فتویٰ

(۱۰) حضرت علامہ بغویؒ نے تفسیر معالم التنزیل جلد ا صفحہ ۱۷ میں فرمایا ہے: یرید ذبائح الیھود والنصاری و من دخل فی دینھم من سائر الامم قبل مبعث محمد حلال لکم۔ کہ الذین اتوا الکتاب من قبلکم سے یہود و نصاریٰ کے ذبائح مراد ہیں۔ اور ان لوگوں کے ذبائح بھی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دوسری قوموں سے آکر ان کے دین میں داخل ہوگئے تھے۔

امام خازنؒ کا فتویٰ

(۱۱) حضرت امام علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل جلد ا صفحہ ۴۳۱ میں تحریر فرمایا ہے: وھم الیھود و

النصارٰی ومن دخل فی دینھم من سائر الامم قبل مبعث النبی ﷺ فاما من دخل فی دینھم بعد مبعث النبی ﷺ وھو متنصر والعرب من بنی تغلب فلا تحل ذبیحتہ کہ الذین اتوا الکتاب من قبلکم سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ اور وہ لوگ بھی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دوسری قوموں سے آ کر ان کے دین میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن جو لوگ بعثت نبوی کے بعد ان کے دین میں داخل ہوئے ہیں۔ اور بنی تغلب کے عرب تو ان کی ذبیحہ حلال نہیں۔

امام بیضاویؒ کا فتویٰ

(۱۲) حضرت ابو سعید قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاویؒ نے تفسیر انوار التنزیل جلد ۲ صفحہ ۱۳ طبع مصر میں فرمایا: و یعم الذین اوتوا الکتاب الیھود و النصارٰی۔ یعنی الذین اوتوا الکتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ سب کو شامل ہے۔

علامہ شیخ زادہؒ کا فتویٰ

(۱۳) حضرت علامہ محمد محی الدین شیخ زادہ نے تکملہ جلد ۱ صفحہ ۵۹ میں تحریر فرمایا ہے: ویعم الذین اوتوا الکتاب الیھود و النصارٰی کہ الذین اوتوا الکتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ سب کو شامل ہے۔

امام ابو حیان اندلسیؒ کا فتویٰ

(۱۴) حضرت مفسر محمد بن یوسف ابو حیان اندلسی غرناطی رحمۃ اللہ تعالٰی نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں تحریر فرمایا: و ظاھر قولہ ﴿ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ﴾ انہ مختص ببنی اسرائیل و النصارٰی الذین نزل علیھم التوراۃ و الانجیل (بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۴۳۱ و ابن جریر و ابن کثیر و علیہ الصحابۃ و التابعون و جمہور الائمۃ) کہ ظاہر عبارۃ الذین اوتوا الکتاب سے مراد یہ ہے کہ یہ حکم بنی اسرائیل اور ان نصاریٰ کے ساتھ مختص ہے کہ جن پر تورات و انجیل نازل ہوئی۔ اور صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور جمہور امت بھی اسی مسلک پر ہیں۔

◎ نیز آپ نے فرمایا: اطلاق لفظ اھل الکتاب ینصرف الی الیھود و النصاری دون المسلمین و دون سائر الکفار۔ ولا یطلق علی مسلم انه من اھل الکتاب کما لا یطلق علیه یھودی ولا نصرانی (بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۲۲۲) کہ مطلق اہل کتاب کے لفظ سے مراد یہود و نصاریٰ ہی ہوتے ہیں۔ مسلمان اور دیگر کفار مراد نہیں ہوتے۔ اور مسلمان کے لیے اہل کتاب کا لفظ بالکل اسی طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا' جس طرح کہ مسلمان کے لیے یہودی یا نصرانی کا لفظ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

فائدہ حضرت ابو حیان اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر صراحت کے ساتھ صاف صاف بیان فرمایا کہ جس طرح مسلمان کو یہودی یا نصرانی نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح مسلمان پر اہل کتاب کا اطلاق بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کے برعکس اتنی وضاحت کے ساتھ کسی مفسر یا محدث یا فقیہ نے یہ بیان نہیں کیا کہ مسلمان پر بھی اہل کتاب کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

امام ابوبکر رازی جصاص حنفی کا فتویٰ

⑮ حضرت علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفیؒ فرماتے ہیں: علی طائفتین من قبلنا۔ قال ابن عباس والحسن ومجاھد وقتادۃ والسدی وابن جریج اراد بھما الیھود و النصاری۔ کہ رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' اور حضرت حسن بصری' مجاہد' قتادہ' سدی اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علی طائفتین من قبلنا سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

◎ نیز آپؒ نے فرمایا: و فی ذٰلک دلیل علی ان اھل الکتاب ھم الیھود و النصاری و ان المجوس لیسوا اھل کتاب لانھم لو کانوا اھل کتاب لکانوا ثلث طوائف و قد اخبر اللہ تعالیٰ انھم طائفتان۔ (احکام القرآن للجصاص جلد ۳ صفحہ ۲۲) یعنی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب صرف یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔ اور مجوسی لوگ اہل کتاب نہیں۔

کیونکہ اگر وہ بھی اہلِ کتاب ہوں تو پھر اہلِ کتاب کے تین گروہ بنتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ صرف دو گروہ ہی ہیں۔

فائدہ اس عبارت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ زبور کو ماننے والے یہود و نصاریٰ سے الگ کوئی تیسرا فرقہ نہیں ہے۔ کیونکہ زبور کے ماننے والے وہی یہود تھے۔ جن کا ایمان تورات پر تھا۔ اور زبور احکام و نواہی کی کتاب نہ تھی۔ وہ تو صرف نصائح مواعظ اور ادعیہ کا مجموعہ تھا۔

امام شیخ الاسلام ابو یحییٰ انصاریؒ کا فتویٰ

(۱۶) شیخ الاسلام والمسلمین زین الملت والدین ابو یحییٰ زکریا انصاریؒ نے اپنی کتاب اسنی المطالب شرح روض الطالب جلد ۳ صفحہ ۱۹۰ میں تحریر فرمایا ہے: تحرم مناكحة غير اهل الكتابين التوراة و الانجيل ـ ـ ـ ـ ـ فالمراد من الكتاب التوراة و الانجيل دون سائر الكتب قبلهما۔ یعنی کتابی ہونے کا مطلب ہے یہودی ہونا یا نصرانی ہونا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان تقولوا انما انزل الكتب على طآئفتين من قبلنا۔ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ کتاب تو بس ان دو گروہوں پر اتاری گئی ہے جو ہم سے پہلے تھے۔ پس کتابی وہ نہیں جو زبور وغیرہ کے ساتھ تمسک کرتے ہیں۔ جیسے حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے ماننے والے۔ کیونکہ ایسوں کی عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہیں۔ اس لیے کہ زبور وغیرہ میں شریعت کے احکامات نہ تھے۔ بلکہ احکامات کی محض حکمتیں بیان تھیں اور وعظ و نصیحت کی باتیں تھیں۔ پس کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہی ہے۔ اور ان سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں ہیں وہ مراد نہیں۔

○ نیز آپ نے تصریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا: كعبدة الشمس والقمر والصور و النجوم و المعطلة و الزنادقه و الباطنيه یعنی دوسرے کافروں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ جیسے سورج پرست' چاند پرست' مورت پرست'

ستارہ پرست، معطلہ اور زندیق اور باطنی فرقے ان سب سے نکاح حرام ہے۔
(اسنی المطالب جلد ۳ صفحہ ۱۶۰)

فائدہ معلوم ہوا کہ جب صرف تورات کو ماننے والے اور انجیل کو ماننے والے ہی اہل کتاب ہوئے تو ان کے علاوہ سب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ جبکہ وہ اشرف الکتب قرآن مجید کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

امام محمد بن احمد بن جزیؒ کا فتویٰ

⑰ شیخ الاسلام حافظ مفسر محمد بن احمد بن جزیؒ نے اپنی کتاب التسہیل لعلوم التنزیل صفحہ ۱۶۹ میں تحریر فرمایا ہے: والذین اوتوا الکتاب ھم الیھود والنصاری کہ "والذین اوتوا الکتاب" سے مراد وہی یہود و نصاریٰ ہیں۔

ملا جیونؒ کا فتویٰ

⑱ حضرت ملا جیون حنفیؒ نے تفسیرات احمدیہ میں تحریر فرمایا ہے: ویعم الذین اوتوا الکتاب الیھود والنصاری۔ واستثنی علی رضی اللہ عنہ نصاری بنی تغلب ...... (تفسیرات احمدیہ صفحہ ۳۴۰) کہ "الذین اوتوا الکتاب" میں سب یہود و نصاریٰ شامل ہیں۔ البتہ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنی تغلب کو اس حکم سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ یعنی ان سے نکاح بھی حرام ہے، اور ان کی ذبیحہ بھی حرام ہے۔ کیونکہ وہ لوگ محض نام کے نصرانی تھے، اور سوائے شراب نوشی کے نصرانیت کی اور کسی بات پر عامل نہیں تھے۔

امام شمس الدین رملیؒ کا فتویٰ

⑲ نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج جلد ۶ صفحہ ۲۹۰ میں شمس الدین رملی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: والکتابیۃ یھودیۃ او نصرانیۃ لقولہ تعالیٰ ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا لامتمسکۃ بالزبور وغیرہ کصحف شیث وادریس وابراھیم فلا تحل لہ۔ کتابی عورت، یہودی ہے یا نصرانی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان تقولوا انما انزل الکتاب [الآیۃ]

○ نیز نہایۃ المحتاج جلد۶ صفحہ۲۹۱ کے حاشیہ میں ہے : ان الزبور و نحوہ حکم و مواعظ لا احکام و شرائع۔

مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالحق حقانی کا فتویٰ

(۴۰) تفسیر حقانی میں حضرت مولانا عبدالحق حقانی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا: اہل کتاب سے جمہور کے نزدیک یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خاص بنی اسرائیل۔ اور جمہور کے نزدیک مجوس اہل کتاب نہیں۔

مولانا عبدالقادر حصاری کا فتویٰ

(۴۱) حضرت مولانا عبدالقادر حصاریؒ نے فرمایا کہ : اہل کتاب شرع کی اصطلاح میں یہود و نصاریٰ ہیں۔ ان کے بغیر کوئی دوسرا اہل کتاب نہیں ہوسکتا۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد۴ صفحہ۱۷)

مولانا عبدالستار دہلویؒ کا فتویٰ

(۴۲) مولانا ابو محمد عبدالستار دہلویؒ نے بھی اسی طرح فرمایا۔ (دیکھیے : فتاویٰ ستاریہ جلد۴ صفحہ۱۷)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا فتویٰ

(۴۳) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد دکن (ہندوستان) فرماتے ہیں : احکام کے لحاظ سے اسلام نے غیر مسلموں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اہل کتاب دوسرے عام غیر مسلم۔ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا کے وجود رسالت اور وحی و الہام کے قائل ہوں اور کسی ایسے نبی اور ان کی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں جن کی نبوت کی خود اسلام توثیق کرتا ہو۔ ایسی قومیں دنیا میں دو ہی ہیں۔ یہودی اور عیسائی۔ (جدید فقہی مسائل حصہ۱ صفحہ۱۳۱)

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ

(۴۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن، جلد ۳

صفحہ ۸۸ میں تحریر فرمایا: وطعام الذین..... ﴿۱﴾ جو لوگ تم سے پہلے آسمانی کتاب دیے گئے ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ' ان کا ذبیحہ بھی تم کو حلال ہے۔

○ نیز آپ نے کافر کتابیہ عورت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ: "وہ کافر عورت کتابیہ ہو یعنی یہودیہ یا نصرانیہ ہو"۔ (بیان القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۲)

○ نیز آپؒ نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

مسئلہ: اسی طرح جو مرد ظاہری حالت سے مسلمان سمجھا جاتے۔ لیکن عقائد اس کے کفر تک پہنچے ہوں' اس سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں۔ (بیان القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۲)

فائدہ: یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جو شخص مسلمان ہونے کا نہ صرف دعویٰ کرے بلکہ اس کی ظاہری حالت بھی مسلمانوں جیسی ہو' یعنی وہ بظاہر شریعت کا پابند ہو' نماز روزہ بھی کرتا ہو' اس نے حج بھی کیا ہوا ہو' زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو' لیکن اگر عقائد قطعیہ ضروریہ میں سے کسی ایک عقیدے کا بھی انکار کردے گا' تو حضرت تھانویؒ نے اس کو اہل کتاب میں شامل کرنے کی بجائے اس کے ساتھ کافروں کا سا معاملہ کرنے کا حکم لگایا ہے۔ اسی طرح دیگر اکابرین اہل السنّت والجماعت کا مسلک بھی یہی ہے۔ چنانچہ:

سحبان الہند مولانا احمد سعید واعظ دہلویؒ کا فتویٰ

(۲۵) مفسر قرآن سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید واعظ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کشف الرحمٰن میں فرمایا: ذبیحہ کے متعلق بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کتابی غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تب بھی جائز ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اصلی کتابی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس نے ذبح کیا ہو' تو وہ ذبیحہ مسلمانوں کو کھانا جائز ہوگا۔ اصل کتابی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی

مُسلمان مرتد ہوکر عیسائی نہ ہوا ہو۔ (۵ : ۵)

○ نیز آپؒ نے فرمایا: اوتوا الکتاب سے مراد عام طور سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ اور یہی قید کتابی عورتوں کے ساتھ بھی ہے۔

○ حضرت تحیان الند رحمہ اللہ تعالیٰ نے لاتنکحوا المشرکات کے تحت تفسیر تیسیر القرآن میں تحریر فرمایا: مطلب (اس آیت کا) یہ ہے کہ مُسلمان کسی مشرکہ سے نکاح نہیں کرسکتا۔ خواہ وہ بت پرست ہو یا کواکب پرست ہو یا کسی اور مخلوق کو پوجتی ہو۔ اسی طرح مُسلمان عورت کسی مشرک اور کافر کے نکاح میں نہیں دی جاسکتی خواہ وہ بت پرست ہو یا کواکب پرست ہو۔ یا کسی اور مخلوق کو پوجتا ہو۔ اور خواہ وہ کافر اہلِ کتاب ہو۔ البتہ: مُسلمان ایک کتابیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ میں آجائے گا۔ غرض یہ چار صورتیں ہیں:

① مرد مُسلمان ہو اور عورت مشرکہ ہو۔

② مرد مُسلمان ہو اور عورت کتابیہ ہو۔ مثلاً یہودیہ ہو یا نصرانیہ ہو۔

③ عورت مُسلمان ہو اور مرد مشرک ہو۔

④ عورت مُسلمان ہو اور مرد کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔

ان چاروں صورتوں میں صرف دوسری صورت جائز ہے۔ باقی تینوں صورتیں حرام ہیں۔ دوسری صورت جو جائز ہے اس میں اس امر کی پابندی ضروری ہے کہ وہ کتابیہ صحیح معنی میں کتابیہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ نہ وہ خدا کی قائل ہو، نہ حضرت عیسیٰؑ کو مانتی ہو، نہ انجیل پر ایمان رکھتی ہو۔ جیسا کہ آج کل ہمارے تعلیم یافتہ حضرات یورپ اور امریکہ کی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اہلِ کتاب ہیں۔ حالانکہ وہ نہ عیسائی ہوتی ہیں اور نہ صحیح معنی میں یہودی ہوتی ہیں۔ اس لیے بغیر تحقیق کے ان کا مذہب معلوم کیے بغیر ان سے نکاح کرنا نہیں چاہیے۔

○ اسی طرح بعضے مسلمان بھی آج کل نئے نئے عقائد اختیار کررہے ہیں اور عقائد' اعمال میں یورپین اقوام کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ نکاح سے پہلے ان کے بھی خیالات و عقائد کی خوب تحقیق کرلینی چاہیے۔ اور شرک کی بھی حالت یہی ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علم یا قدرت میں یا اور دوسری صفتِ خداوندی میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا مماثل سمجھتا ہو تو وہ مشرک ہے۔ خواہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا مدعی کیوں نہ ہو۔ نکاح کا معاملہ چونکہ اہم ہے' اس لیے نکاح سے پہلے ان امور کی تحقیق ضروری ہے۔

(دیکھیے کشف الرحمٰن مع تفسیر القرآن اَلْبَقَرَۃ-۲:۲۲۱)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا فتویٰ

(۲۶) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفسیر عثمانی میں وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم کے تحت حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ:

کوئی یہودی یا نصرانی بشرطیکہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو۔ اگر حلال جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے تو اس کا کھانا مسلمان کو حلال ہے۔ مرتد کے احکام جداگانہ ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کا فتویٰ

(۲۷) اگر کوئی مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں داخل نہیں بلکہ وہ مرتد ہے۔ اس کا ذبیحہ باجماعِ امت حرام ہے۔ اسی طرح جو مسلمان ضروریات اور قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے اگرچہ وہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتا ہو تو وہ بھی مرتد ہے اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ محض قرآن پڑھنے یا قرآن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے سے وہ اہل کتاب میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۵۹ و ۶۰)

○ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: اس زمانے میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی

موجود ہیں ان میں صرف یہود و نصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہلِ کتاب میں شمار ہو سکتی ہیں۔ باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہلِ کتاب میں داخل نہیں۔ آتش پرست یا بت پرست ہندو یا سکھ آریہ' بدھ وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں۔ کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہلِ کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کے اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی کتاب اور وحیِ الٰہی ہونا قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ تو تورات و انجیل ہی ہیں۔ جن کی ماننے والی کچھ قومیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔

○ باقی زبور اور صحفِ ابراہیم علیہ السلام نہ کہیں محفوظ و موجود ہیں نہ کوئی قوم ان کے اتباع کی دعویدار ہے۔ اور وید اور گرنتھ یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحیِ الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحفِ ابراہیمؑ کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا وید یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے یہ امکانِ محض اور احتمالِ محض ہے جو ثبوت کے لیے کافی نہیں۔

○ اس لیے باجماعِ امت ثابت ہو گیا کہ موجودہ زمانے کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے۔ اور کسی قوم کی عورت سے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے نکاح حرام ہے۔

○ آیتِ قرآن مجید ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن اسی مضمون کے لیے آئی ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ اور اہلِ کتاب کے سوا دوسری قومیں سب مشرکات میں داخل ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۹۱)

مولانا سید عبد الدائم جلالیؒ کا فتویٰ

(۴۸) فاضلِ اجل حضرت مولانا سید عبد الدائم جلالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر بیان السبحان صفحہ ۱۱۳۰ پارہ ۶ میں و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم کے تحت تحریر فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔ طعام سے مراد ذبیحہ اور اہلِ کتاب سے صرف یہودی اور عیسائی ہیں۔ ابن عباسؓ، مجاہد، مکحول، ابو امامہ، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطا، حسن، نخعی، سدی، مقاتل وغیرہ مفسرین نے بھی یہی معنے مراد لیے ہیں۔ دیکھو کمالین اور فتح البیان وغیرہ۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ دیگر اقوام عالم کا ذبیحہ حرام ہے۔ ہندو ہوں یا پارسی یا سکھ یا اور کسی مذہب والے۔

○ نیز آپؒ نے لغات القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۰ میں فرمایا: قرآن مجید کی اصطلاح میں اہلِ کتاب سے صرف یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: اگر یہود و نصاریٰ کے علاوہ اہلِ کتاب میں کوئی تیسری جماعت اور داخل ہوتی تو پھر طائفتین کی بجائے طوائف ہونا چاہیے تھا۔ (دیکھیے لغات القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۰)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا فتویٰ

(۴۹) شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ میں و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم (المَآئِدَةُ ۵:۵) کے تحت زیرِ عنوان مسائل و احکام تحریر فرمایا: اہلِ کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو مذہباً اہلِ کتاب ہوں۔ نہ کہ وہ صرف قومیت کے لحاظ سے یہودی یا نصرانی ہوں، خواہ عقیدۃً وہ دہریہ ہوں۔ اس زمانے کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں۔ ان میں بکثرت ایسے ہیں جو نہ خدا کے قائل ہیں اور نہ مذہب کے قائل۔ اور نہ

آسمانی کتاب کے قائل۔ ایسے لوگوں پر اہلِ کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کا حکم اہلِ کتاب کا سا نہ ہوگا۔

مولانا فتح محمد جالندھریؒ کا فتویٰ

(۳۰) حضرت مولانا فتح محمد خان جالندھری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم کے تحت حاشیہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تفسیر موضح قرآن کے حوالے سے تحریر فرمایا:

"پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت ناتا جاری تھا' اس آیت سے حرام ٹھہرا۔ اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔۔۔۔ یہود و نصاریٰ کی عورت سے نکاح درست ہے۔ ان کو مشرک نہیں فرمایا۔

○ حضرت شاہ صاحبؒ کے یہی الفاظ فتح القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی تفسیر جواہر القرآن میں نقل فرمائے ہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا فتویٰ

(۳۱) شیخ الحدیث حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اعلاء السنن جلد ۱۱ صفحہ ۲۱ میں فرمایا: اهل الكتاب هم اهل التوراة و الانجيل اليهود و النصارى لا غير. یعنی اہلِ کتاب تورات انجیل والے یہود اور نصاریٰ ہی ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں۔ (نیز دیکھیے الجوہر النقی جلد ۹ صفحہ ۱۹۰)

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کا فتویٰ

(۳۲) مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ معارف الحدیث جلد ۱ صفحہ ۲۹ میں فرمایا: قرآن کی زبان میں اہلِ کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہوتے ہیں۔

فائدہ گزشتہ چودہ صدیوں میں کسی عالم نے بھی ایسے بد عقیدہ شخص کو اہلِ کتاب نہیں کہا' البتہ ائمہ مجتہدینؒ اور فقہائؒ میں سے بعض کا خیال ہے کہ وہ اقوام بھی اہلِ کتاب کہلانے کی مستحق ہیں جو بعثتِ نبویؐ سے قبل تورات و انجیل کے علاوہ دیگر کتبِ سماویہ منسوخہ کو ماننے کی دعویدار تھیں۔ مثلاً:

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ

سب منسُوب الیٰ مِلّتِ سماویہ اہلِ کتاب ھیں

○ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے کہ اہلِ کتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ میں ہی منحصر نہیں۔ بلکہ :

① صحفِ شیثؑ کے ماننے والے'
② صحفِ ادریسؑ کو ماننے والے'
③ صحفِ ابراہیمؑ کو ماننے والے'
④ زبور کو ماننے والے'
⑤ تورات کو ماننے والے'
⑥ انجیل کو ماننے والے'

○ ان کے علاوہ دوسری کتبِ منسوخہ کے ماننے والے بھی اہلِ کتاب میں شامل ہیں۔ مگر ان کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں کہ وہ کتنے ہیں اور کون کونسے ہیں۔ بہرحال اہلِ کتاب کا لفظ سب کو حاوی ہے۔

○ اور اگر مجوس پر بھی کوئی آسمانی کتاب اتری ہے تو اس کے ماننے والے بھی "اہل الکتاب" کے زمرے میں آگئے۔

○ اور اگر صابئین پر بھی کوئی کتاب اتری ہے تو اس کے ماننے والے بھی "اہل الکتاب" کے زمرے میں آگئے۔ اور اگر مجوس اور صابئین پر کوئی کتاب نہیں اتری تو وہ "اہل الکتاب" نہیں۔

○ بہرحال احناف نے جن کو اہلِ کتاب کہا ہے وہ انھی لوگوں کو کہا ہے جو منسوخ شدہ کتب و صحفِ آسمانی کے قائل تھے۔ مگر اس بات کی تصریح ائمۂ احناف میں سے کسی نے نہیں کی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جن لوگوں نے قرآن مجید مان کر کفر اختیار کیا ہے' جیسے اس دور کے

روافض و خوارج جو صدیوں تک حکومتیں کرتے رہے۔ ان کو اہلِ کتاب میں شمار کیا ہو۔ اور نہ کسی صاحبِ فتاویٰ حنفی نے لکھا ہے کہ خود امام ابو حنیفہؒ نے یا ان کے شاگردانِ گرامی حضرت امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ یا امام زفرؒ یا امام حسنؒ وغیرہم نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ نے قرآن مجید کے ماننے والے کافروں کو اہلِ کتاب میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ ان کے دور میں روافض اور خارجیوں کی نسلیں چل پڑی تھیں۔ بلکہ صاحبِ فتاویٰ ظہیریہ متوفی ۶۱۹ھ اور صاحب شرح نقایہ عبدالعلی برجندی متوفی ۶۳۲ھ اور صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ متوفی ۷۸۶ھ وغیرہم ان کو مرتد ہی کہتے آئے۔

مُسلمان کو اھلِ کتاب کہنے کی ممانعت

○ گزشتہ تحریر سے ثابت ہوا کہ علماءِ حق کا ایک گروہ اہلِ کتاب کا اطلاق صرف یہود و نصاریٰ پر کرتا ہے اور دوسرا گروہ اہلِ کتاب کا اطلاق منسوخہ مبدلہ کتب میں سے کسی ایک کے ماننے والے فرقہ پر کرتا ہے۔ مگر منسوخہ مبدلہ کتب کے ماننے کا دعویٰ کرنے والوں میں بالفعل زمانۂ حال میں 'بلکہ گزشتہ چودہ سو سال میں روئے زمین پر سوائے یہود و نصاریٰ کے کوئی نہیں پایا جاتا۔ یعنی وہ فرقے افراد مقدرہ میں سے ہیں مختفۃ الوجود نہیں۔

○ مگر علماءِ اسلام میں سے کوئی تیسرا گروہ ایسا نہیں جو کتابِ مقدس قرآن مجید کو منزل من اللہ ماننے والے پر بھی اہلِ کتاب کا اطلاق کرتا ہو۔ اگرچہ صحفِ شیثؑ و ادریسؑ و ابراہیمؑ کو دل و جان سے مانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیثؑ و ادریسؑ و ابراہیمؑ پر جو صحیفے نازل فرمائے تھے وہ برحق اور قابلِ عمل تھے۔

○ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر ان کے دور میں تورات شریف نازل فرمائی تھی وہ برحق ہے اور اس عہد میں تا بعثتِ عیسیٰؑ قابلِ عمل رہی۔ اگر ہم بھی اس دور میں ہوتے تو بہ توفیقِ الٰہی اس پر عمل کرتے۔

- پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ پر انجیل مقدس نازل فرمائی تھی وہ بھی برحق ہے۔ اور اس عہد میں تا بعثت نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قابل عمل رہی۔ اگر ہم بھی اس دور میں ہوتے تو بہ توفیق الٰہی اس پر عمل کرتے۔ مگر:
- ان کتب منسوخہ کو ماننے اور برحق سمجھنے کے باوجود، ہم مسلمان نہ شیثی ہیں نہ ادریسی نہ ابراہیمی۔ نہ موسوی (اہل التورات) نہ عیسائی (اہل الانجیل) نہ اہل الصحف اور نہ ہی اہل الکتاب۔ بلکہ ہم مسلمان اہل القرآن ہیں۔ اور ہمارا یہ نام قدیم زمانہ سے اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے۔ جیسا کہ:
- ارشاد باری تعالیٰ ہے: ملة ابیكم ابراھیم ھو سماكم المسلمین من قبل (۲۲ : ۷۸) یعنی تمھارے لیے وہی دین تجویز کیا جو تمھارے باپ ابراہیمؑ کا تھا اسی اللہ تعالیٰ نے اگلی کتابوں میں پہلے سے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے)
- نیز ہمارے جدامجد حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے ہمارے بارے دعا فرمائی تھی: ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك (۲ : ۱۲۸) اے ہمارے رب ہم کو مسلمان (اپنا فرمان بردار بندہ) بنا اور ہماری نسل سے امة مسلمة پیدا کر۔ یعنی ایک گروہ پیدا کر جو تیرا فرمان بردار ہو۔
- اور ہمارے روحانی باپ اشفق الناس اعلم الناس افضل الناس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا نام اہل القرآن رکھا۔ چنانچہ:
- امیر المؤمنین سیدنا علی و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عمرو و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا یا اھل القرآن (ترمذی صفحہ ۷۰) اللہ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے اس لیے اے اہل القرآن (یعنی مومنو!) وتر پڑھا کرو۔ اسی لیے سب مومنوں پر وتر کا حکم برابر چلا آرہا ہے (وجوباً یا سنۃً)

○ پس ہم امت مسلمہ ہیں مسلمان ہیں اہل القرآن ہیں ہم اسی پر شکراً للہ فخر کرتے ہیں۔ ہمیں مسلمان کہلانے سے خوشی محسوس ہوتی ہے ہم نہ اھل الکتاب ہیں اور نہ اہل الکتاب کہلانے سے خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ ناراض ہوتے ہیں۔

○ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا قرآن بھی کتاب ہی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلك الکتاب لا ریب فیه (۲:۲) اس کتاب میں کسی قسم کے شک و تردد کا کوئی احتمال تک نہیں ہوسکتا۔ انا انزلنا الیك الکتاب بالحق (۴:۱۰۵) اے نبی ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ کتاب (قرآن) برحق اتاری۔ و ھذا کتاب انزلناہ مبارك (۶:۱۵۶) اور یہ کتاب (قرآن) بھی ہم ہی نے اتاری ہے بڑی برکت والی ہے۔ وغیر ذٰلک من الآیات۔

○ مگر ہمارا لقب اہلِ کتاب نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہم کو اہل الکتاب کہہ کر پکارا جیسے ان کافر مشرک یہودیوں اور نصرانیوں کو بطورِ طنز عار دلانے کے لیے اہل الکتاب کہہ کر پکارا کہ اے یہودیو اور نصرانیو! تمھیں شرم آنی چاہیے کہ تم لوگ دعویٰ تو آسمانی کتاب پر ایمان رکھنے کا کرتے ہو لیکن تمہارے کرتوت ان پڑھ جاہلوں جیسے ہیں۔ چنانچہ:

○ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: كذٰلك قال الذين لا يعلمون مثل قولهم۔ ایسی باتیں تو ان پڑھ مشرکینِ عرب بھی کہتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے۔ (۲:۱۱۳)

○ نیز مسلمانوں کو اہلِ کتاب کہنا منع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو اہلِ کتاب نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا لقب ہے۔ اور مسلمان کو یہ لقب اختیار کرنا تشبہ کی وجہ سے منع ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من تشبه بقوم فهو منهم یعنی جس طرح دیگر امور میں تشبہ بالیہود والنصاریٰ ممنوع ہے اسی طرح یہود و نصاریٰ کا لقب اختیار کرنا بھی مسلمان کے لیے ممنوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

- سلف صالحینؒ ' ائمہ مجتہدینؒ ' محدثینؒ ' مفسرینؒ ' اہل کلام میں سے (جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے) کسی نے اپنے آپ کو اہل کتاب کے لقب سے ملقب نہیں کیا۔ اور امت محمدیہ ﷺ کے تمام علماء یہودی نصاریٰ ہی کو اہل کتاب کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان خود کو اہل کتاب نہ کہے۔ حدیث نبویؐ کی رو سے خود کو اہل کتاب کہنا ممنوع ہے۔
- جب افضل الکتب خاتم الکتب کے ماننے والوں کو اہل کتاب نہیں کہا جاسکتا تو منکرین یا موولین یا محرفین کو کیونکر اہل کتاب یا اہل کتاب کے حکم میں کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کو مرتد کہا جائے گا یا زندیق۔

فقہاءِ حنفیہ کی عبارات سے تائید

- اور فقہاء حنفیہؒ کی عبارتیں اپنے فتاویٰ میں اسی مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔ یعنی ایسے لوگوں کو مرتدین کے حکم میں بیان کیا جاتا ہے جو کلمہ پڑھ کر کافرانہ عقائد کے حامل ہوں۔ جیسے بعض رافضی ' قرامطہ ' اور بعض اصحاب اہواء۔ چنانچہ :

قدیم ترین فرقہ شیعہ روافض کے متعلق فتوے

مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کا فتویٰ

سوال ہمارے ملک میں جو فرقہ شیعہ اثنا عشریہ ہے ' یہ مسلمان ہے یا کافر۔ اور ان کے ساتھ مناکحت جائز اور ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام۔ اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا یا اپنے جنازہ میں ان کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ نیز اگر شیعہ تعمیر مسجد کے لیے چندہ دینا چاہیں تو وصول کیا جائے یا نہیں۔۔۔

جواب شیعہ اثنا عشریہ رافضیہ قطعاً خارج از اسلام ہیں ' ہمارے علماءِ سابقین کو چونکہ ان کے مذہب کی حقیقت کما ینبغی معلوم نہ تھی بوجہ اس کے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں اور کتابیں بھی ان کی نایاب تھیں۔

لہٰذا بعض محققین نے بنابراحتیاط ان کی تکفیر نہیں کی تھی، مگر آج ان کی کتابیں نایاب نہ رہیں اور ان کے مذہب کی حقیقت منکشف ہوگئی۔ اس لیے تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہوگئے۔

○ ضروریات دین کا انکار قطعاً کفر ہے۔ اور قرآن شریف ضروریات دین میں سب سے اعلیٰ و ارفع چیز ہے اور شیعہ بلااختلاف ان کے متقدمین اور متاخرین سب کے سب تحریفِ قرآن کے قائل ہیں اور ان کی معتبر کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات تحریفِ قرآن کی موجود ہیں جن میں پانچ قسم کی تحریفِ قرآن بیان کی گئی ہے۔

۱۔ کمی بیشی، ۲۔ تبدل الفاظ، ۳۔ تبدل حروف، ۴۔ خرابی ترتیب، ۵۔ خرابی ترتیب سورتوں، آیتوں اور کلمات میں بھی۔

○ پھر ان پانچ قسم کی روایات کے ساتھ ان کے علماء کا اقرار ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں اور تحریفِ قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں اور انہی کے مطابق اعتقاد قائم ہے۔

○ بانیانِ مذہب شیعہ نے جب سے اس مذہب کی بنیاد ڈالی ہے اب تک ان پر تین دور گزرے ہیں۔ دورِ اول میں شیعہ کا کوئی بھی متنفس عدمِ تحریف اور کاملیتِ قرآن کا قائل نہیں تھا۔ البتہ دورِ ثانی میں گنتی کے چار آدمی از روئے تقیہ عدمِ تحریفِ قرآن کے قائل ہوئے ہیں:

اول: ابو جعفر ثانی محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی علامہ صدوق متوفی ۳۸۱ھ۔

دوم: شریف مرتضیٰ ابو القاسم علی بن حسین بن موسیٰ بغدادی علم الہدیٰ متوفی ۴۳۶ھ۔

سوم: شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسین علی طوسی مفسر متوفی ۴۶۰ھ اور

چہارم: ابو علی طبرسی امین الدین فضل بن حسین بن فضل مشہدی مصنف تفسیر مجمع البیان متوفی ۵۴۸ھ۔

○ یعنی دورِ ثانی ۳۸۱ھ سے لے کر ۵۴۸ھ تک صرف ۴ آدمی عدمِ تحریف کے قائل ہیں۔ چونکہ ان کے اقوال محض بے دلیل اور روایات متواترہ کے خلاف ہیں' اس لیے دورِ ثانی کے شیعی علماء نے ان کو رد کر دیا ہے۔ پوری تحقیق اس بحث پر میری کتاب "تنبیہ الحائرین" اور "الاول من المائتین" میں ہے۔ من شاء فلیطالعہ۔

○ علامہ بحر العلوم فرنگی محلی پہلے شیعوں کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ مگر تفسیر مجمع البیان کے دیکھنے سے ان کو معلوم ہوا کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں' لہٰذا انھوں نے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں شیعوں کے کفر کا فتویٰ دیا اور لکھا کہ قرآن شریف کی تحریف کا جو قائل ہے وہ قطعاً کافر ہے۔

○ المختصر شیعوں کا کفر بربنائے عقیدہ تحریفِ قرآن ہی محلِ تردد نہیں۔ بلکہ علاوہ اس کے دوسرے وجوہِ کفر بھی ہیں۔ مثلاً عقیدہ بدا و قذفِ ام المؤمنینؓ وغیرہ۔

○ لہٰذا شیعوں سے مناکحت ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام اور ان کا چندہ ناجائز اور ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازوں میں شریک کرنا شرعاً قطعاً ناجائز ہے۔ سنی جنازہ میں یہ لوگ میت کے لیے بددعا کرتے ہیں۔ کما فی کتبھم۔

(آتش کدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۶۸ تا ۷۰)

فائدہ امام اہلِ سنت محقق و مدقق حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحۃً شیعہ کی ذبیحہ کو حرام کہا ہے۔ جو تیرہ صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ چلے آرہے ہیں۔ مگر شیعہ کو اہلِ کتاب میں شامل نہیں فرمایا۔ اور نہ فی حکم اہل الکتاب کہا۔ اور اس کے ساتھ ماضی میں شیعوں پر فتویٰ نہ لگانے کی وجہ بھی احسن طریقہ سے بیان فرما دی۔ آپ کو براہِ راست شیعہ کے ساتھ سابقہ پڑتا رہا۔ ان کی تحقیق آخری ہے۔

فقہاءِ کرام کا مُتّفقہ فتوے

خارجُون عن مِلّۃِ الاسلام واحکامہم احکامُ المُرتدین

① فتاوئ عالمگیریہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ طبع ہند میں فتاوئ ظہیریہ (مصنفہ قاضی فقیہ ظہیرالدین ابوبکر محمد بن احمد قاضی بخارا متوفی ۶۱۹ھ) کے حوالے سے لکھا ہے کہ رافضی جو کہ مردوں کے دنیا کی طرف واپس آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے کفریہ عقائد بیان کرنے کے بعد تحریر فرمایا: و ھٰؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین یعنی رافضیوں کو کافر سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں سے کئی رجعت کے قائل ہیں۔ اور تناسخ ارواح وغیرہ کے قائل ہیں۔ اور یہ لوگ ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہیں۔ اور ان کا حکم وہی ہے جو دوسرے مرتدین کا ہے۔

فائدہ قاضی ظہیرالدین کے دور تک پانچ صدیاں گزر گئیں۔ اور رافضی لوگ نسلاً بعد نسلٍ کلمہ پڑھتے آرہے ہیں، اور نماز روزہ بھی کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی تفسیریں بھی لکھتے ہیں۔ پھر بھی علماء نے ان کو خارج از ملّتِ اسلام قرار دیا۔ اور ان کے احکام مرتدین کے احکام بتائے۔ اہلِ کتاب نہیں کہا۔ اور اس فتوے پر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اور پانچ سو علماء کے دستخط ہیں۔

② حضرت علامہ عالم بن العلاء انصاری اندرپتی دہلوی ہندی متوفی ۸۶ ۷ھ نے فتاوئ تاتارخانیہ جلد ۵ صفحہ ۵۳۸ میں فصل من یجب اکفارہ من اھل البدع (ان اہلِ بدعت کا بیان جن کو کافر کہنا ضروری اور واجب ہے) میں لکھا ہے: یجب اکفار الروافض فی قولھم برجع الاموات الی الدنیا۔۔۔ ۔۔۔ و ھٰؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام و احکامھم

احکام المرتدین یعنی رافضیوں کو کافر سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں سے کئی رجعت کے قائل ہیں اور اموات کے منتقل ہونے اور تناسخ ارواح وغیرہ کے قائل ہیں۔ اور یہ لوگ ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہیں۔ اور ان کا حکم وہی ہے جو مرتدین کا ہے۔

فائدہ رافضیوں کی ابتدار امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہو چکی تھی۔ اور سات صدیاں گزر جانے کے بعد بھی صاحبِ فتاویٰ نے ان کو فی حکم المرتدین کہا۔ اور فی حکم اھل الکتاب نہیں کہا۔ جیسا کہ بعض علمار کا خیال ہے۔

(۳) حضرت علامہ عبد العلی برجندیؒ متوفی ۹۳۲ھ نے شرح نقایہ میں تحریر فرمایا ہے: و ھٰؤلاء خارجون عن ملۃ الاسلام و احکامھم احکام المرتدین۔ یعنی یہ غالی رافضی اور فرقہ اسماعیلی وغیرہما دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام وہی ہیں جو مرتدین کے احکام ہیں۔

فائدہ اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ قاضی برجندیؒ نے دسویں صدی تک نسلاً بعد نسلٍ غالی رافضی اور فرقہ اسماعیلیہ کو خارج از اسلام قرار دیا اور ان پر مرتدین کے احکام نافذ کیے لیکن ان کو اہلِ کتاب کے حکم میں شمار نہیں کیا۔

○ حضرت مولانا محمد ادریس بجرای رحمہ اللہ کا فتویٰ حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنی تصدیق و تصحیح کے ساتھ اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ اس فتویٰ پر حضرت مولانا محمد امان الحق رحمہ اللہ کے دستخط بھی موجود ہیں۔ سطورِ ذیل میں یہ فتویٰ بھی نقل کیا جاتا ہے:

سوال کتاب کبریٰ کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ درست ہے۔ چنانچہ اسی قاعدے کے موافق علمار کبار نے یہود و نصاریٰ کے ذبیحے کو درست فرمایا ہے۔ پس اہلِ تشیّع کا فرقہ بھی داخلِ کتاب ہے یا نہیں۔ اور ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں۔

جواب صورتِ مسئولہ میں جو روافض ایسے ہیں کہ ان کے عقائد مجر بارتداد و کفر ہیں۔ مثلاً غلاۃ (غالی شیعہ) اور فرقہ اسماعیلیہ وغیرہما ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے۔ اس لیے کہ مرتد کا ذبیحہ حرام ہے۔ کتب فتاویٰ اس امر سے مشحون ہیں اور ایسے روافض کا ارتداد عامہ فتاویٰ میں مذکور ہے۔ چنانچہ برجندیؒ نے شرح نقایہ میں لکھا ہے: ھٰؤلاء خارجون من ملۃ الاسلام و احکامھم احکام المرتدین یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں۔ اور ان کے احکام وہی ہیں جو مرتدوں کے احکام ہیں۔ بلکہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تحفہ اثنا عشری سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روافض حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر فاروق یا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہوں یا ان کے دخول جنت و قابلیت و لیاقتِ خلافت کا باعتبار اوصاف دینی مثل علم و عدالت و تقویٰ و ورع انکار کرتے ہوں وہ کافر ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں بزبان فارسی تحریر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت امیر (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی تکفیر کرنے والے یا ان کے بہشتی ہونے کا انکار کرنے والے یا ان کی لیاقتِ خلافت کا انکار کرنے والے اوصاف دینی کے اعتبار سے مثل علم و عدالت و تقویٰ و ورع کافر ہیں۔ اور ہم (شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ) کہتے ہیں ایسا ہی حکم ہے حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرنے والوں کا بھی۔ انتہیٰ۔ اور جو روافض ایسے عقائد نہ رکھتے ہوں جیسے تفضیلیہ ان کا ذبیحہ درست ہے۔ واللہ اعلم۔

(مجموعہ فتاویٰ عبدالحی لکھنویؒ جلد ۳ صفحہ ۲۲۵)

سوال اہل تشیع کیا باشندگانِ لکھنؤ اور کیا باشندگانِ جوارِ لکھنؤ جو فی زمانا موجود ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں۔ اور ان کے گھروں کا پکا ہوا کھانا کھانا درست ہے یا نہیں۔۔۔۔۔

جواب جو شیعہ ضروریاتِ دین کے منکر ہیں مثلاً جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہتے ہیں یا جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہیں

کافر ہیں۔ ان کا ذبیحہ ناجائز ہے۔ اور جو شیعہ ایسے نہیں اگرچہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دیتے ہوں کافر نہیں ہیں۔ بلکہ فاسق ہیں۔ ان کا ذبیحہ درست ہے۔

فائدہ سب صحابہ بھی کفر ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔ تاہم اسے ان کا ذاتی خیال کہا جاسکتا ہے۔ لیکن انھوں نے حلت ذبیحہ کے لیے شیعہ کو اہل کتاب کے زمرے میں تو شامل نہیں کیا۔ جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔

(۳) قرامطہ کے متعلق بھی ابو محمد عبد الکریم بن محمد رحمہ اللہ کا فتویٰ فتاویٰ تاتارخانیہ جلد ۵ صفحہ ۵۳۰ میں منقول ہے: انہم (القرامطة) فی الحقیقة کفار مرتدون وفسادهم فی دین الاسلام اعظم الفساد وضررهم اشد الضرر یعنی قرامطہ درحقیقت کافر و مرتد اور دین اسلام میں ان کا فساد بہت بڑا فساد ہے۔ اور ان کا نقصان بہت سخت نقصان ہے۔ حالانکہ قرامطہ کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور توحید و ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار بھی کرتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہاء نے ان کلمہ گو کفار کو مرتدین کے حکم میں شمار کیا ہے۔ اور اہل کتاب نہیں سمجھا۔ نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز سمجھتے ہیں۔ اور نہ ان کا ذبیحہ حلال سمجھتے ہیں۔

فائدہ حضرت الفقیہ اندرپتی دہلوی ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ ۷۸۶ھ میں وفات پاتے ہیں۔ اور طائفہ قرامطہ کا بانی ابوسعید حسن بن بہرام جنابی تھا۔ جو دولت عباسیہ کے دور میں اپنے باطل دعوے کی وجہ سے ۳۰۱ھ میں قتل ہوا تھا۔ پھر اس کا بیٹا ابوطاہر سلیمان اس کا جانشین ہوا پھر نسلاً بعد نسل پھیلتے گئے۔ اس اثناء میں چار سو بچاسی برس کی طویل مدت میں ان کی کتنی نسلیں گزر چکی تھیں۔ مگر فقیہ العصر اندرپتی نے ان کے متعلق یہی فتویٰ لگایا: کفار مرتدون لیکن ان کو اہل کتاب نہیں کہا۔

سبِّ صحابہؓ کفر ہے

① حضرت علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۱۳۶ میں فرمایا: الطعن فیھم ان کان مما یخالف الادلۃ القطعیۃ فکفر کہ صحابہؓ کو گالی دینا اور ان کو مطعون کرنا کفر ہے۔

② حضرت علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جامع صغیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ میں مسند احمد اور مستدرک حاکم کے حوالے سے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیثِ نبویؐ نقل فرمائی ہے: من سب علیا فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللّٰہ یعنی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے دراصل مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی۔

③ مسند ابو یعلی جلد ۲ صفحہ ۳۴۲ کے حاشیہ میں ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا روایت کے بارے میں لکھا ہے: ھو حدیث متواتر کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے اور گالی دینے کو بجائے جرم کے کارِ ثواب سمجھنے والے کو علمائے کرامؒ نے کافر کہا ہے۔

④ حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نبراس شرح شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۵۵۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ امام دار الہجرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: من شتم احداً من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا بکر او عمر او عثمان او معاویۃ او عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم فان قال کانوا علی کفر و ضلال قتل۔ یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان یا معاویہ یا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کو بھی سب وشتم کرے یا پھر اگر یوں کہے کہ یہ صحابہؓ کفر اور گمراہی پر تھے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ جبکہ حکم قتل مرتد یا زندیق پر وارد ہوتا ہے۔

⑤ جامع صغیر جلد ۱ صفحہ ابن عساکر کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حب ابی بکر و عمر من الایمان و بغضھما کفر۔ و حب الانصار من الایمان و بغضھما کفر۔ و حب العرب من الایمان و بغضھما کفر۔ و من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ یعنی حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیار رکھنا ایمان کی جزو ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر ہے۔ اور انصار کے ساتھ پیار رکھنا بھی ایمان کی جزو ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر ہے۔ اور ان عرب مسلمانوں کے ساتھ پیار رکھنا بھی ایمان کی جزو ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر ہے۔ اور جو میرے اصحاب کو گالی دے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

(۹) تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۲۹۸ میں ہے: فمن نسبہ او واحداً من الصحابۃ الی کذب فھو خارج عن الشریعۃ مبطل للقرآن طاعن علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جو شخص کسی ایک صحابی کو بھی جھوٹا کہتا ہے وہ شریعت (دین اسلام) سے خارج ہے۔ قرآن مجید کو باطل قرار دینے والا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے والا ہے۔

(۱۰) نیز آپ نے صفحہ ۲۹۹ میں فرمایا کہ خلیفہ عباسی ہارون الرشید رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بات کا جواب دیتے ہوئے عمر بن حبیب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: فیہ ازدراء علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و علی ما جاء بہ۔ اذا کان اصحابہ رضی اللہ عنہم کذابین فالشریعۃ باطلۃ و الفرائض و الاحکام فی الصلوۃ و الصیام و الطلاق و النکاح و الحدود کلہ مردود غیر مقبول یعنی اس کلام میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اس پیغام (قرآن، سنت) کی توہین کی گئی ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کی طرف سے ہم تک لے آئے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نعوذ باللہ کذاب اور جھوٹے ہوئے تو شریعت سب ہی باطل ہوئی اور فرائض اور نماز روزہ نکاح طلاق اور حدود کے سب احکام مردود اور نامقبول ٹھہرے۔

(۷) حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مالابد منہ صفحہ ۱۲۴ میں فرمایا کہ شیخین کو گالی دینے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

(۸) اتحاف البصائر والابصار طبع مصر جلد ا صفحہ ۱۸۶ میں ہے: کافر تاب فتوبتہ مقبولۃ فی الدنیا والأخرۃ الا جماعۃ الکافر بسب النبی ﷺ وسائر الانبیاء و بسب الشیخین او احدھما یعنی جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کو گالی دے اور شیخین یا ان میں سے ایک کو گالی بکے وہ کافر ہے۔ اس کی توبہ دنیا اور آخرت میں مقبول نہیں۔ اور اس کے علاوہ جو کوئی کافر توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔

(۹) فتاویٰ خیریہ طبع مصر جلد ا صفحہ ۹۴ و ۹۵ میں بھی اسی طرح ہے۔

(۱۰) علامہ ابن وہبان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نظم الفرائد منظومہ مع حاشیہ طبع مصر صفحہ ۴۰ میں فرمایا: ؎

و من لعن الشیخین او سب کافر

یعنی جو شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر لعنت بھیجے یا گالی بکے وہ کافر ہے۔

(۱۱) حضرت علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ کی کتاب السیر میں تحریر فرمایا ہے: الرافضی اذا سب ابابکر و عمر ولعنھما یکون کافرا۔ رافضی جب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے یا ان پر لعنت کرتا ہے تو وہ کافر ہوتا ہے۔

(۱۲) حضرت علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے در مختار کے حاشیہ طبع مصر جلد ا صفحہ ۲۴۴ میں اسی طرح لکھا ہے۔

(۱۳) صاحب بحر الرائق علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الاشباہ والنظائر فن ثانی کتاب السیر صفحہ ۲۹۳ طبع ہند میں تحریر فرمایا ہے: سب الشیخین ولعنھما کفر۔

(۱۴) خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۳۸۱ میں ہے: الرافضی ان کان یسب الشیخین و یلعنھما العیاذ باللہ فھو کافر۔

(۱۵) فتاویٰ بزازیہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۹ میں بھی یہی عبارت ہے کہ رافضی اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا ہے تو والعیاذ باللہ وہ کافر ہے۔

(۱۶) فتاویٰ غرائب قلمی ورق ۱۳۳ میں بھی یہی عبارت ہے کہ الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنھما العیاذ باللہ فھو کافر۔

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عبدالعزیز العنقری الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الروض المربع کی شرح جلد ۳ صفحہ ۳۳۱ میں فرمایا: ومن سب الصحابۃ اوواحدا منھم ..... فلا شك فی کفرھذا بل لا شك فی کفرمن توقف فی تکفیرہ یعنی جو شخص تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دے گا ..... تو اس کے کفر میں کچھ شک نہیں ہے۔ بلکہ جو شخص اس کو کافر کہنے میں توقف کرے گا تو اس کے کفر میں بھی کچھ شک نہیں ہے۔

(۱۸) حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: واگر بر کسے سب شیخین العیاذ باللہ ثابت مے شود او را قتل باید کرد۔ (مکتوبات حاجی دوست محمد قندھاری ص ۱۰۶)

(۱۹) حضرت شاہ اہل اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "چہارباب" صفحہ ۷ میں تحریر فرمایا ہے: زہے حماقت فرقہائے ضالہ کہ سب اصحاب رضی اللہ عنہم و لعن احباب رضی اللہ عنہم را کیش خود قرار دادہ امید وار اجر جزیل می باشند و عداوت احبائے رسول را موجب ثواب جمیل می شناسند۔ یعنی گمراہ فرقوں کی حماقت کے کیا کہنے، جنھوں نے اصحاب رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور احباب رسول کو لعنت کرنا اپنی عادت بنا رکھا ہے۔ اس کے باوجود بہت بڑے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں کی عداوت کو ثواب جمیل کا باعث سمجھتے ہیں۔

(۲۰) شیخ المشایخ حضرت مولانا دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مکتوبات شریف میں مکتوب ۲۸ قاضی حیدر شاہ صاحب کے نام تحریر فرمایا۔ یہ مکتوب کافی طویل ہے۔ جس میں سے بعض عبارات پیش خدمت ہیں:

- از روایت امام مالکؒ معلوم مے شود صریحاً کہ کسیکہ سبِ اصحاب ازراہ غیظ کند کافر است۔ چہ جای شیخینؓ کہ ایشان بمزید مناقب آں صحابہؓ اند رضوان اللہ علیہم اجمعین۔
- نیز حضرت حاجی صاحبؒ نے قرآنی آیات اور بارہ صحابہؓ سے مروی احادیث نقل فرماکر ثابت کیا کہ شیخینؓ کی محبت ایمان کی جز ہے۔ اور ان کا بغض کفر ہے۔ پھر فرمایا:
- وما تلیت علیك عن قریب من الایات و الاحادیث و الروایات قد حکم کثیر من العلماء الکرام بکفر ساب الشیخین رضی اللہ عنہما و عدم قبول توبتہ فی تلك الایام۔ الرافضی اذا کان یسب الشیخین و یلعنہما العیاذ باللہ فھو کافر و ان کان یفضل علیا کرم اللہ تعالی وجہہ علی ابی بکر رضی اللہ عنہ لا یکون کافرا الا انہ مبتدع۔ (عالمگیری)
- او الکافر بسب الشیخین او بسب احدھما فی البحر عن الجوھرۃ معزیا للشھید من سب الشیخین او طعن فیھما کفر ولا تقبل توبتہ۔
- وبہ اخذ الدبوسی و ابو اللیث و ھو المختار للفتوی و جزم بہ فی الاشباہ واقرہ المصنفؒ قائلا وھذا یقوی القول بعدم قبول توبۃ الساب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو الذی ینبغی التعویل علیہ فی الافتاء و القضاء رعایۃ لجانب حضرۃ المصطفی ﷺ (الدر المختار)
- فی البزازیۃ عن الخلاصۃ ان الرافضی اذا کان یسب الشیخین و یلعنھما فھو کافر۔ (رد المحتار)
- و نقل بعضھم عن اکثر العلماء من سب ابابکر او عمر (رضی اللہ عنہما) کان کافرا (زواجر)

(ترجمہ) مثبتا للمقدمۃ الممنوعۃ کہ سب شیخین کفر است واحادیث صحیح براں دال است کما اخرج المجاهد و الطبرانی و الحاکم عن عویمر بن الساعدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اختارنی و اختارلی اصحابا وجعل فیهم وزراء وانصارا واصهارا فمن سبهم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا تقبل منهم صرفا ولا عدلا۔

○ و کما اخرج الدارقطنی عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سیأتی من بعدی قوم لهم نبز یقال لهم الرافضۃ فان ادرکتهم فاقتلهم فانهم مشرکون قال قلت یا رسول اللہ ما العلامۃ فیهم قال یفرطونک بما لیس فیک ویطعنون علی السلف۔

○ و اخرجہ عنہ عن طرق اخری نحوہ۔ و زاد عنہ وایۃ ذلک انهم یسبون ابابکر و عمر من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ و الناس اجمعین۔

○ و امثال ایں احادیث بسیار آمدہ کہ ایں رسالہ گنجائش آں ندارد۔ وایضا سب شیخین و بغض ایشاں کفر است بالخبر من ابغضهم فقد ابغضنی ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ وایضا اخرج ابن عساکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال حب ابی بکر و عمر ایمان و بغضهما کفر۔

(مکتوبات حاجی دوست محمد قندھاری صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۶ ملخصا)

صحابہؓ کی بے ادبی کفر ہے

(۴۱) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرمایا: ما آمن برسول اللہ ﷺ من لم یوقر اصحابہ رضی اللہ عنہم کہ اس شخص کا رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہی نہیں جو ان کے اصحابؓ کی توقیر و تعظیم نہیں کرتا۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۴ جلد ۲ صفحہ ۳۶)

(۴۲) حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے کہ جو شخص صحابہ کرامؓ کا احترام نہیں کرتا اس کا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہیں۔ (نسیم الریاض جلد ۴ صفحہ ۵۸)

تکفیر صحابہؓ کفر ہے

(۴۳) حضرت امام حافظ ابو الفضل عیاض بن موسیٰ قاضی یحصبی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۵۴۴ھ نے الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ میں فرمایا: نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ و تکفیر جمیع الصحابۃ یعنی ہم ایسی بات کہنے والے ہر شخص کو قطعی کافر کہتے ہے جس سے ساری امت محمدیہ ﷺ کی تضلیل یا تمام صحابہؓ کی تکفیر لازم آئے۔

(۴۴) حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السیف المسلول صفحہ ۱۹۷ میں تحریر فرمایا ہے: شیعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ اور جملہ اصحابؓ مرتد ہو گئے۔ یہ صریح کفر ہے۔ اور بے شمار آیاتِ قرآن کا انکار۔ جو کہ صریح ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

(۴۵) حضرت علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الزواجر صفحہ ۲۳ و ۲۴ میں فرمایا ہے کہ: من انواع الکفر...... تکفیر الصحابۃ یعنی صحابہ کرام کو کافر کہنا بھی اقسام کفر میں سے ایک قسم ہے۔

(۴۶) حضرت امام ابو یحییٰ زکریا الانصاری الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح روض الطالب من اسنی المطالب جلد ۴ صفحہ ۱۱۸ و ۱۱۹ میں فرمایا: من... کفر الصحابۃ... کفر یعنی جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔

(۴۷) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد صفحہ میں فرمایا ہے کہ: رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) کافر تھے۔ اس لیے سب کے سب رافضی بالاجماع کافر ہیں۔ اس میں کسی کو کوئی نزاع نہیں۔

خلافتِ شیخینؓ کا انکار کفر ہے

(۲۸) حضرت علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مراقی الفلاح طبع مصر صفحہ ۱۹۸ کے حاشیہ میں تحریر فرمایا: ان انکر خلافۃ الصدیق کفر۔

(۲۹) حضرت علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۳۱ میں فرمایا: یکفر بانکارہ صحبۃ ابی بکر وبانکارہ امامتہ رضی اللہ عنہ علی الصحیح۔

(۳۰) العقود الدریہ طبع مصر جلد ا صفحہ ۹۲ و ۹۳ میں ہے: الروافض کفرۃ جمعوا بین اصناف الکفر منہا انہم ینکرون خلافۃ الشیخین و منہا انہم یسبون الشیخین سود اللہ وجوھھم فی الدارین فمن اتصف بواحد من ھذہ الامور فھو کافر یعنی رافضی کافر ہیں۔ ان میں کفر کے کئی اصناف جمع ہیں۔ ایک تو شیخین کی خلافت کے منکر ہیں۔ دوسرے شیخین کو گالیاں دیتے ہیں۔ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ ان کے چہرے سیاہ کرے۔ اس لیے جس شخص میں ان باتوں میں سے ایک بات بھی پائی گئی تو وہ کافر ہے۔

(۳۱) حضرت علامہ احمد شلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ التبیین طبع مصر جلد ا صفحہ ۱۳۵ میں تحریر فرمایا ہے: وان انکر خلافۃ الصدیق او عمر رضی اللہ عنہما فھو کافر۔ یعنی اگر حضرت امام ابوبکر صدیق اور امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کی خلافت کا بھی منکر ہے تو وہ کافر ہے۔

(۳۲) حضرت امام کردری رحمۃ اللہ تعالیٰ الوجیز طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۳۱۸ میں فرماتے ہیں: من انکر خلافۃ ابی بکر فھو کافر فی الصحیح ومن انکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فھو کافر فی الاصح یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا منکر ہے تو صحیح مذہب میں وہ کافر ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا منکر بھی کافر ہے۔

(۳۳) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر طبع قسطنطنیہ جلد ا صفحہ ۱۰۵ میں ہے: وان انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔

(۳۴) الدرّ المختار طبع ہاشمی صفحہ ۶۳ میں ہے : ان انکر خلافۃ الصدیق کفر۔

(۳۵) خزانۃ المفتین میں بھی اسی طرح ہے۔

(۳۶) علامہ کمال بن ہمام نے فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۰۴ میں فرمایا : ان انکر خلافۃ الصدیق کفر۔

(۳۷) فتاوی علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ملا احمد اللہ پشاوری نے تحفۃ الاخوان فی التفرقۃ بین الکفر و بین الایمان صفحہ ۴۹ میں فتاوی بدیعیہ ـــ حوالے سے لکھا ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار کرے وہ کافر ہے ــــ اسی طرح جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے وہ بھی کافر ہے۔

صحابیتِ شیخینؓ کا انکار کفر ہے

(۳۸) ملا احمد للہ پشاوریؒ نے تحفۃ الاخوان فی التفرقۃ بین الکفر و بین الایمان صفحہ ۶۳۱ میں فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے انکار کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اور آپ کی امامت اور خلافت کے انکار سے بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے انکار کی وجہ سے بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

(۳۹) علامہ سید ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ردّ المحتار جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ میں تحریر فرمایا ہے : نعم لا شك فی تکفیر من ــــ انکر صحبۃ الصدیق رضی اللہ عنہ یعنی ہاں جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

صحابہؓ سے بغض رکھنا کفر ہے

(۴۰) حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے العقیدۃ الطحاویہ مع شرحہا صفحہ ۵۲۸ میں فرمایا : و بغضهم کفر و نفاق و طغیان یعنی صحابۂ کرام کے ساتھ بغض رکھنا کفر، نفاق اور حد اسلام سے باہر ہو جانا ہے۔

فائدہ اہل حق علماء نے جس طرح سب صحابہؓ کو کفر قرار دیا۔ اسی طرح صحابہؓ کی بے ادبی' ان کی تکفیر' اور خلافتِ شیخینؓ اور ان کی صحابیت کا انکار اور ان سے بغض رکھنے کو بھی کفر قرار دیا ہے۔ اور یہ تمام کفریات آج کل کے شیعوں میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ امت نے شیعوں پر بالاتفاق کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ البتہ جن علماء نے بعض شیعہ فرقوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کہا ہے ان کی مراد وہ تفضیلی شیعہ ہیں' جن میں تفضیلیت کے سوا اور کفریہ بات کوئی نہ ہو۔ اور جن علماء نے سبِ صحابہؓ کو کفر قرار نہیں دیا تو وہ جمہور کے خلاف ان کا تفرد ہے۔ حلال و حرام کے معاملے میں ان کے تفرد کا کچھ اعتبار نہیں۔

○ اب سطورِ ذیل میں شیعوں کے متعلق چند فتوے مزید نقل کیے جاتے ہیں۔ جن میں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ شیعہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اور ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان کفار سے زیادہ خطرناک ہیں جو خود کو اسلام کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔ اور ان کی ذبیحہ حرام اور ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز ہے۔ چنانچہ:

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فتویٰ

○ امام العلماء والصوفیا عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مفتیٔ اعظم بغداد متوفی ۵۶۱ھ نے شیعی عقائدِ کفریہ مثل تحریفِ قرآن "عصمتِ ائمہ" توہینِ ملائکہ وغیرہ کے بیان میں شیعہ کو کافر اور خارج از اسلام و ایمان کہا ہے۔ و صرودوا علی کفرھم و ترکوا الاسلام و فارقوا الایمان۔ (غُنیۃ الطالبین صفحہ ۳۲۰ جلد ۱)

○ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا: جو شخص نبی پاکؐ کی سیرت' احادیث صحیحہ' آپؐ کے اقوال و افعال سے' آپؐ کے صحابہؓ کے آثار سے تفسیر کرے وہ ہمارے سر آنکھوں پر' لیکن جو شخص قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر خود گھڑے جو قرآن کریم کے متن' ارشاداتِ رسولؐ اور تفسیرِ صحابہؓ کے

خلاف ہو وہ فاسق و فاجر ہے ایسا شخص آسمان کی رفعتوں سے اڑتا ہوا آئے' پانی کی لہروں پر کشتی کے بغیر چلتا آئے اور اس کے پاؤں بھی نہ بھیگیں' اسی طرح دوسری کرامتیں بھی دکھاتا رہے تو میں واشگاف لفظوں میں کہوں گا کہ: وہ زندیق ہے' جہنم کا ایندھن ہے۔

(نغمۂ توحید فروری مارچ ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۴)

فائدہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کس قدر صاف اور واضح الفاظ میں زندیق کی تعریف بھی کر دی اور شیعہ پر زندقہ کا فتویٰ بھی لگا دیا۔ لیکن اہلِ کتاب کا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ پانچ صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ اس عقیدہ کو اپنانے والے شیعہ آرہے تھے۔

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

○ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ "الصارم المسلول صفحہ ۵۷۵" میں فرماتے ہیں قال ابوبکر بن ھانی لا توکل ذبیحۃ الرافضۃ والقدریۃ کما لا توکل ذبیحۃ المرتد مع انہ توکل ذبیحۃ الکتابی۔ لان ھولاء یقومون مقام المرتد۔ امام ابوبکر بن ہانی نے فرمایا کہ روافض اور قدریہ کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں جیسے کہ مرتد کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں۔ حالانکہ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ روافض اور قدریہ کا ذبیحہ کھانا اس لیے جائز نہیں کہ شرعی حکم سے یہ مرتد کے قائم مقام ہیں۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۸۶)

فائدہ امام الموحدین حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روافض اور قدریہ کو مرتد کے حکم میں داخل فرمایا کہ ان کا ذبیحہ جائز نہیں۔ جبکہ صدیوں سے اس عقیدے والے آرہے تھے۔ اور اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کو جائز فرمایا۔ لیکن ان کو نہ اہلِ کتاب کہا اور نہ اہلِ کتاب کے حکم میں داخل فرما کر ان کی ذبیحہ کو جائز قرار دیا۔

مولانا ریاض الدینؒ دیوبندی کا فتویٰ

○ شیعوں کا حضرت صدیقؓ کی صحابیت کا منکر ہونا' حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ ام المؤمنینؓ پر قذف (تہمت کرنا) کافر کرتا ہے' علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں لا شك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ عنہا او انکر صحبة الصدیق (شامی جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ ۱۲۸۸ء) علامہ موصوف نے دوسرے مقام پر اسی کتاب میں شیعوں کو مرتد اور واجب القتل لکھا ہے: فانه مرتد یقتل صفحہ ۲۸۳ جلد دوم شامی مطبوعہ ۱۲۸۸ء۔

○ جو کلام اللہ کی تحریف کا قائل ہو وہ مرتد اور کافر ہے اہل کتاب بھی نہیں' ان سے مناکحت اور تعلقات رکھنا اشد حرام ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: ان الذین یحادون اللہ و رسوله اولئك فی الاذلین۔۔۔۔ لا تجد قوما یؤمنون باللہ و الیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسوله ولو کانوا اباء هم او ابناء هم او اخوانهم او عشیرتهم جو اللہ اور رسولؐ کا مقابلہ کرتے ہیں وہ بہت زیادہ ذلیل و خوار ہیں اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والوں سے آپ کسی ایک شخص کو بھی نہیں پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی کرے جو اللہ اور رسولؐ کے دشمن ہوں' اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے بھائی اور اہل کنبہ کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا ان کی شادی غمی اور جنازہ میں شرکت نہ کی جائے ایسے عقیدہ کے شیعہ کافر ہی نہیں بلکہ اکفر ہیں۔ (آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۰)

مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ دیوبندی کا فتویٰ

○ مقاصد مذکورہ فی السؤال کے روافض صرف مرتد اور کافر' خارج از اسلام ہی نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بھی اس درجہ کے ہیں کہ دوسرے فرق کم نکلیں گے مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے جمیع مراسم اسلامیہ ترک کرنا چاہییں بالخصوص مناکحت۔ کیونکہ اس میں خود یا دوسروں کو زنا اور فواحش میں مبتلا کرنا ہے۔ (آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۱)

مولانا اعزاز علیؒ دیوبندی کا فتویٰ

○ فرق الروافض کثیرۃ عقائدھم شتی وظنون باطلۃ فمنہا ما یوجب تکفیرھم (کشیعۃ اثنا عشریۃ) وعدم الصحبۃ معھم بل عدم جواز جمیع المراسم الاسلامیۃ خذلہم اللہ تعالیٰ شیعہ روافض کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کے مختلف عقائد اور ظنون باطل ہیں۔ بعضوں کی تکفیر واجب ہے جیسے اثنا عشریہ شیعہ ہیں اس لیے ان سے مناکحت ناجائز بلکہ تمام مراسم اسلامیہ کا ترک کرنا ضروری ہے۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۱)

صاحب نبراس الساری مولانا عبد العزیزؒ کا فتویٰ

○ شیعہ اثنا عشریہ کافر اور مرتد ہیں۔ کیونکہ یہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔ فقط

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۱)

مولانا مسعود احمدؒ کا فتویٰ

○ شیعہ اپنے عقائد کی بنا پر خارج از اسلام اور کافر ہیں لہٰذا ان سے مراسم اسلامیہ مثلاً ① مناکحت کرنا' ② ان کا ذبیحہ استعمال کرنا' ③ ان کا جنازہ پڑھنا' ④ ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا' ⑤ قربانی میں ان کو شریک کرنا' ⑥ ان کو اپنے نکاحوں میں گواہ بنانا' ⑦ ان سے مسجد کے لیے چندہ لینا وغیرہ کا ترک کرنا واجب ہے۔ جو شخص شیعوں سے ترک مراسم نہیں کرتا وہ اسلام سے خارج اور انہی کی مثل کافر ہے۔ فھو کافر مثلھم فقط واللہ اعلم۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۱)

مفتی اعظم ہند مولانا محمد کفایت اللہؒ کا فتویٰ

○ شیعہ واقعی کافر ہیں۔ کیونکہ وہ قذف ام المؤمنین اور سب الشیخین کے علاوہ تحریف فی القرآن کے قائل ہیں۔ کما فی کتبھم۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۷۲)

مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اور
مولانا ممتاز احمد مفتی جامعہ اشرفیہ کا فتویٰ

شیعہ حضرات تحریفِ قرآن کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس پردہ میں قرآن پاک کی قرآنیت کے انکار کرتے ہیں۔ ثبوت کے لیے دیکھیں صافی شرح کافی جلد۶ صفحہ ۶۵ مراد بقرآن قرآن محفوظ نزد ائمہ علیہم السلام است کہ ہفدہ ہزار آیت است۔ یعنی قرآن سے مراد وہ قرآن ہے جو ائمہ کے پاس محفوظ ہے اور جس کی سترہ ہزار آیتیں ہیں۔ ان کے نزدیک یہ موجودہ قرآن "قرآن ہی نہیں۔ چند کتابوں کے نام اور ان کے صفحات درج ہیں جن سے یہ مسئلہ محقق ہوجائے گا:

① احتجاج طبرسی (ایران صفحہ ۱۲۸)' ② فصل الخطاب (علامہ نوری صفحہ ۳۰) ③ رجال کشی (بمبئی) ④ اصول کافی صفحہ ۶۰۱' ⑤ تفسیر صافی مقدمہ ششم صفحہ ۱۰' ⑥ تفسیر قمی روضۃ کلینی صفحہ ۲۵' ۹۱ ⑦ اصول کافی صفحہ ۱۴۶' صفحہ ۳۳۹'

اصول کافی ایسی کتاب ہے جو اس مضمون سے بھری پڑی ہے۔ اب ان چار عاموں کا حال سنیے یا اور جو بھی یہ دعویٰ کرے کہ ہم موجودہ قرآن کو مانتے ہیں یہ کہنا از راہِ تقیہ ہے۔ کیونکہ تقیہ ان کے نزدیک ایمان کا جزو ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۴۸۲) لا دین لمن لا تقیہ لہ صفحہ ۴۸۲۔ لا ایمان لا تقیۃ لہ معلوم ہوا جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے بے ایمان ہے۔ احتجاج طبرسی (صفحہ ۱۲۸ ایران) لو شرحت لك كل ما اسقط و حرف و بدّل و مما يجرى هذا المجرى لطال و ظهر و تحظر التقية اظهاره۔ یعنی قرآن سے جو کچھ ظاہر نکالا گیا یا اس میں تحریف درد و بدل وغیرہ کی گئی ہے اگر میں ان سب کو بیان کروں تو بات لمبی ہو جاتی ہے اور وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کے اظہار کی تقیہ اجازت نہیں دیتا۔

خلاصہ یہ کہ ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔ اور ضروریات دین میں سے قرآن اعلیٰ اور ارفع ہے۔ شیعہ بلا تفریق کیا ان کے متقدمین کیا ان کے متاخرین

سب کے سب تحریف قرآن کے معتقد ہیں۔ قرآن کی قرآنیت کے منکر ایسے لوگوں کے خارج از اسلام ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ اقرار کا اعتبار اس لیے نہیں تقیہ ان کے ہاں عبادت ہے۔ پس اقرار پر کیسے اعتبار کر لیا جائے۔ واللہ اعلم۔
(آتش کدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۸۱ و ۸۲)

مولانا عبدالستار تونسوی مدظلہٗ کا فتویٰ

سوال تبرائی رافضی شیعہ اثنا عشریہ جن کی معتبر کتابوں میں جن سے وہ اپنے احکام مسائل اخذ کرتے ہیں یہ مذکور ہے کہ موجودہ قرآن مجید محرف اور مبدل ہے اور اس میں پیش کی گئی ہے در ان کی روایات متواترہ صحیح کے مطابق شیعہ مشائخ کا اعتقاد ہے کہ موجودہ قرآن کامل مکمل نہیں بلکہ محرف مبدل و مغیر ہے اور شیعوں نے لکھا ہے ہماری زائد از زائد دو ہزار روایتیں تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں۔ ان الاخبار الدالة علی ذلك تزيد علی الفی حديث (فصل الخطاب صفحہ ۲۵۱)

- اور شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اصلی قرآن اور پورا قرآن امام مہدی کے پاس ہے جب امام مہدی آئیں گے۔
- امام محمد باقر نے فرمایا "چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا برا و حد بزند" (حق الیقین صفحہ ۳۴۷ حیات القلوب صفحہ ۶۱۱ جلد ۲)
- اور حضرت عباس و عقیل کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان پورا نہیں تھا۔ ضعیف الیقین اور ذلیل النفس تھے۔ (حیات القلوب صفحہ ۶۱۸، ۶۱۹ جلد ۲)
- اب ان عبارات اور عقائد کی موجودگی میں یہ مسلمان ہیں یا کافر؟ ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے یا نہیں؟ ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر شیعہ تعمیر مسجد کے لیے چندہ دیں تو ان سے وصول کیا جائے یا نہ؟

بینوا وتوجروا

جواب رافضی تبرائی شیعہ جن کی معتبر کتابوں میں مذکورہ عبارات ہیں' خارج از اسلام ہیں' جن علماء نے اس کی تکفیر میں تامل کیا ہے ان کو ان کے تقیہ اور کتمان کی وجہ سے حقیقت کما ینبغی معلوم نہیں ہو سکی۔ مگر آج ان کی کتابیں نایاب نہیں رہیں' ان کے مذہب کی حقیقت منکشف ہو گئی ہے اس لیے تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہو چکے ہیں۔ ضروریات دین کا انکار قطعاً کفر ہے۔ قرآن شریف ضروریات دین میں سے اعلیٰ و ارفع چیز ہے ان کی کتابوں میں معتبر صحیح اور متواتر زائد از دو ہزار روایتیں پائی جاتی ہیں کہ موجودہ قرآن پورا نہیں۔ ایک صحیح واضح روایت بھی کسی ایک امام سے نہیں ملتی جو اس بات پر دلالت کرے کہ موجودہ قرآن کامل مکمل صحیح ہے۔

○ المختصر شیعی تبرائیوں رافضیوں کا کفر بربناء عقیدہ تحریف قرآن ہی محل تردد نہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے وجوہ کفر بھی ہیں۔ مثلاً: عقیدہ بداء' و قذف ام المومنینؓ وغیرہ۔ لہٰذا شیعوں رافضیوں سے مناکحت ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ اور ان کا چندہ لینا ناجائز اور ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ سنی کے جنازہ میں بددعا کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ ابوبکرؓ کو پہلا خلیفہ مانتے ہیں کتے اور ولد الزنا سے بدتر ہیں۔ ان کی کتاب فروع کافی کتاب الروضہ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۳۵ مطبوعہ تہران صفحہ ۲۸۵ پر ہے کہ ان الناس کلھم اولاد بغایا ما خلا شیعتنا اور تفسیر بیان جزا صفحہ ۸۷ پر بھی یہی الفاظ ہیں۔

(آتشکدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۸۳ و ۸۴)

فائدہ حضرت علامہ تونسوی مدظلہٗ نے نسلی شیعوں کو اہل کتاب قرار دے کر ان کی ذبیحہ کو حلال نہیں کہا بلکہ جمہور اہل السنت کے مطابق ان کے ذبیحہ کو حرام کہا۔ جبکہ وہ قرآن کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ بھی قرآن ہے لیکن یہ قرآن ناقص ہے پورا قرآن امام مہدی کے پاس ہے۔

مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کا فتویٰ

سوال چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو کہتا ہے کہ ذبیحہ اہل بدعت کا جن کی بدعت کفر تک پہنچ گئی ہو' حلال ہے' قیاساً علی اہل الکتاب۔ پس حکم ان کا مانند حکم اہل کتاب کے ہے' نہ مانند اہل ارتداد کے۔ اور زید کہتا ہے کہ قول عمرو کا سراسر خطا ہے۔ بلکہ کفر ہے۔ کیونکہ منکر ضروریات دین کا مرتد ہے۔ اور مرتد کو حکم اہل کتاب کا دینا سراسر انکار ہے ضروریات دین سے۔ پس ان دونوں سے کونسا مصیب ہے۔

جواب زید مصیب ہے۔ اہل بدعت جن کی بدعت کفر کو پہنچی ہے کسی صورت سے اہل کتاب کا حکم نہیں پاسکتے۔ بلکہ مرتد کہلائیں گے۔ اور ان کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جاوے گا۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من بدل دینه فاقتلوه رواه البخاری و عنه ایضاً مرفوعاً من خالف دینه دین الاسلام فاضربوا عنقه اخرجه الطبرانی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنے دین کو بدل دے اس کو قتل کر دو۔ اور فرمایا جو دین اسلام سے پھر جائے اس کو قتل کر دو۔ (بخاری)۔

منکر ضروریات اسلام و مبتدع بہ بدعت مکفرہ کو اہل کتاب پر قیاس کرنا بالکل بے اصل بات ہے۔ نہ کسی نے سلف و خلف میں سے ایسا قیاس کیا اور نہ کوئی سمجھ دار کر سکتا ہے۔ اگر کتابی پر قیاس کر لیا جائے اور اس کو مثلاً یہود اور نصرانی قرار دیا جائے تو بھی وہ از روئے شریعت محمدیہ ﷺ مرتد مسدود ہوگا اور اس کا معاملہ مرتدین کا ہوگا۔ جیسا کہ اوپر والی حدیثوں سے ظاہر ہوا۔

وعن معاذ بن جبل فی رجل اسلم ثم تهود لا اجلس حتی قتل قضاء اللہ و رسوله فامر به فقتل متفق علیه۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے متعلق کہا جو پہلے مسلمان تھا لیکن بعد میں یہودی ہو گیا' کہ میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔ پھر

اس کے قتل کے متعلق حکم دیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔ (بخاری و مسلم) واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ نذیریہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۳)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا فتویٰ

○ یہ بات صحیح ہے کہ جن مبتدعین مسلمانوں کی بدعت کفر کو پہنچی ہے وہ اہل کتاب کا حکم نہیں پا سکتے۔ رہی یہ بات کہ وہ مرتد کہلائیں گے یا نہیں اور ان کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جاوے گا یا نہیں، سو اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایسے امر کا انکار کرے جس کا ثبوت علیٰ سبیل التواتر ہو اور اس کے ثبوت میں علماء کا اختلاف نہ ہو' بلکہ اس کا ضروریات دین سے ہونا متفق علیہ ہو تو ایسا شخص مرتد کہلاوے گا۔ اور اس کے ساتھ معاملہ مرتدین کا سا کیا جاوے گا۔ اور جو مسلمان شخص ایسا نہ ہو وہ نہ مرتد کہلائے گا اور نہ اس کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جاوے گا۔

○ حافظ ابن حجر شرح نخبۃ میں بدعت کی بحث میں جو اسباب جرح سے ایک سبب ہے لکھتے ہیں: والتحقیق انہ لا یرد کل مکفر ببدعۃ لان کل طائفۃ تدعی ان مخالفیھا مبتدعۃ وقد تبالغ فتکفر مخالفیھا فلو اخذ ذلک علی الاطلاق لاستلزم تکفیر جمیع الطوائف فالمعتمد ان الذی ترد روایتہ من انکر امرا متواترا من الشرع معلوما من الدین ضرورۃ و کذا من اعتقد عکسہ فاما من لم یکن بھذہ الصفۃ وانضم الی ذلک ضبط لما یرویہ مع ورعہ وتقواہ فلا مانع من قبولہ انتھی۔ تحقیق یہ ہے کہ ہر ایسے شخص کی روایت رد نہ کی جائے گی جسے کوئی آدمی بدعتی یا کافر کہہ دے۔ کیونکہ ہر فرقہ اپنے مخالفین کو بدعتی کہتا ہے تو اس طرح تو کوئی آدمی کفر اور بدعت کے فتویٰ سے نہ بچ سکے گا۔ ہاں جو شخص کسی امر متواتر یا شریعت کے کسی ایسے حکم سے منکر ہو جس کا اسلام سے ہونا یقینی ہو یا اس طرح کا عقیدہ رکھے تو اس کی روایت مردود ہوگی' اور جو اس طرح کا نہ ہو اور اس کے ساتھ

ہی متقی اور پرہیزگار بھی ہو تو اس کی روایت قبول ہوگی۔ حافظ کے اس کلام سے تفصیل مذکور کا ثبوت ظاہر ہے۔ (فتاوٰی نذیریہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۳، ۳۴۴)

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی اہل تشیع گوسفند ذبح کرے تو اہل تسنن کو اس کا گوشت کھانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب ہوالموفق: اہل تشیع میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو حضرت علیؓ کو خدا کہتے ہیں، جیسے فرقہ خطابیہ، اس فرقہ خطابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ بڑے خدا ہیں اور امام جعفر چھوٹے خدا ہیں، سو اہل تشیع و دیگر اہل اہواء کے اس قسم کے مشرک و کافر فرقوں کا ذبیحہ ہرگز حلال نہیں ہے۔ (فتاوٰی نذیریہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۸)

مولانا عبدالقادر حصاریؒ کا فتویٰ و مولانا عبدالستار دہلویؒ کا فتویٰ

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ایسے شخص کے متعلق جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ماکان و مایکون سمجھتا ہے۔ نذر و نیاز غیر اللہ کا قائل ہے۔ باوجود سمجھانے کے اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتا۔ اور اپنے عقیدہ پر مضبوط رہتا ہے اور ساتھ ہی کلمہ پڑھتا ہے۔ کیا یہ شخص یا ایسا عقیدہ رکھنے والے اشخاص مشرک ہیں یا نہیں۔ اگر مشرک ہیں تو پھر مرتدین کی جماعت میں شمار ہوں گے اور ان کا ذبیحہ حرام ہوگا یا باوجود مشرک ہونے کے اہل کتاب کا حکم رکھتے ہیں۔

جواب ایسے عقیدہ اور اعمال مشرکانہ کرنے والا شخص مسلمان نہیں ہے۔ نہ اس کا ذبیحہ جائز ہے اور نہ اس کا جنازہ جائز ہے نہ ایسے کی اقتدار کرنی جائز ہے نہ اس سے مناکحت کرنا جائز ہے۔ اہل کتاب اصطلاح میں یہود و نصاریٰ ہیں۔ ان کے بغیر کوئی دوسرا اہل کتاب نہیں ہوسکتا۔ وہ کافر اسلام سے خارج کہلائے گا۔ خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھے۔

(فتاوٰی ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۱)

یہ کہ اہل کتاب کے اطلاق میں علماء کے دو گروہ ہیں۔

① ایک گروہ تخصیص کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ اہل کتاب صرف تورات یا انجیل کو ماننے والے ہیں۔ اور:

② دوسرا گروہ تعمیم کا قائل ہے جو کہتا ہے کہ اہل کتاب سے مراد صرف تورات اور انجیل والے ہی نہیں بلکہ قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والے تمام آسمانی صحیفوں اور کتابوں کو ماننے والے اس میں شامل ہیں۔ لیکن ان دونوں گروہوں کا باہمی اختلاف مثمر نہیں ہے۔ کیونکہ:

○ عہدِ نبویؐ میں تورات اور انجیل کے علاوہ دوسری کتابوں کے ماننے والوں کا وجود ہی نہ تھا۔ اور نہ ہی قرآن مجید میں ان کا کہیں ذکر ہے۔ البتہ صحفِ ابراہیمؑ کا ذکر موجود ہے۔ جن کے ماننے والوں کے متعلق کچھ علم نہیں کہ وہ کون تھے اور کہاں بستے تھے۔ صرف مکہ کے مشرک تھے جو خود کو ابراہیمؑ حنفی اور ملت ابراہیمؑ کا پیروکار کہتے تھے۔ مگر ان کے پاس صحفِ ابراہیمؑ میں سے ایک صحیفہ بھی نہ تھا۔ ممکن ہے کہ حوادثاتِ زمانہ سے وہ صحیفے ضائع ہو گئے ہوں۔ اب صرف اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ہی دینِ حق سمجھتے تھے۔ اور اس مذہب کے مخالف کو بے دین قرار دیتے تھے۔

○ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کی بعثت سے پہلے عمرو بن لُحی کے آنے کی وجہ سے دو تین صدیاں شرک کی حالت میں گزری ہیں۔ اور اس سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی تمام اولاد نسلاً بعد نسلٍ دینِ ابراہیمیؑ پر قائم تھی اور وہ لوگ موحد تھے۔ اور توحید کے علاوہ سوائے چند نااہلوں اور بدعملوں کے اعتقاداً و عملاً و اخلاقاً سب لوگ دینِ ابراہیمیؑ کے پابند تھے۔ جیسا کہ قبل ازیں مشرکین مکہ کے عقائد و اعمال میں گزر چکا ہے۔

○ اور تیسرا گروہ کوئی ایسا نہیں جو کہتا ہو کہ قرآن مجید کو ماننے والے یا قرآن مجید کو مان کر کفر کرنے والے بھی اہلِ کتاب ہیں۔

اسلام اور کفر کے درمیان فرق

○ اسلام اور کفر کے درمیان نسبت تبایُن کلّی کی ہے۔ اور شرک، کفر ہی کی ایک قسم ہے۔ جبکہ اسلام کی بس ایک ہی قسم ہے، جس کے قائل کو مُسلم، مؤمن یا مُسلمان کہا جاتا ہے۔

○ اگرچہ معاملات اور اعمال کے لحاظ سے مُسلمان کئی قسم کے ہیں۔ لیکن بلحاظ عقیدہ کے مُسلمان صرف موحد ہی ہوتا ہے اور اس کی کوئی دوسری قسم نہیں ہوتی۔ پڑھنے لکھنے میں یہ کہیں نہیں آیا کہ مُسلمانوں کی دو قسمیں ہیں:

① ایک مسلمان موحد۔ اور ② دوسرے مسلمان مشرک۔

بلکہ شرک کا مرتکب تمام اہلِ اسلام کے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

○ اور جو شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا وہ دائرۂ کفر میں داخل ہوگیا۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ وہ ہے تو کافر و مشرک مگر فرقِ اسلامی میں داخل ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شخص پہلے اسلامی فرقوں میں سے فلاں فرقہ میں تھا مگر کفر کا ارتکاب کر کے اب مُسلمانوں میں سے نکل کر کافر ہوگیا ہے۔

○ محقق علماءِ اسلام نے لکھا ہے کہ اسلامیات کے بیان کی بہ نسبت اس بات کا بیان زیادہ ضروری ہے کہ انسان کن کن باتوں سے کافر ہو جاتا ہے۔ اس لیے سطورِ ذیل میں اگرچہ اسبابِ کفر درج نہیں کیے جارہے تاہم کفر کی اقسام کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

کُفر کی اقسام (تمہید)

○ جمیع ما جاء بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے ماننے والا عند اللہ مؤمن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے۔

○ اور اگر اس نے زبان سے بھی اقرار کرلیا ہے تو وہ مُسلمان ہے اور اس پر مُسلمانوں کے تمام احکام جاری ہوں گے۔

◙ اگر سچے دل سے مانتا ہو مگر زبان سے کچھ نہیں کہتا تو اس کی دو صورتیں ہیں:

① اگر وہ بچہ ہے تو اپنے ماں باپ کے تابع ہے۔

② اور اگر بڑا ہے تو اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا جب تک صاف صاف ہاں یا نہ نہ کرے۔

○ اور اگر سچے دل سے نہیں مانتا مگر زبان سے اقرار ایمان کرتا ہے تو وہ منافق ہے یا زندیق اور ملحد۔ جس کی تفصیل کتب عقائد میں مذکور ہے۔

○ اور اگر جمیع ماجاء بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے نہیں مانتا تو اس کی کئی قسمیں ہیں:

○ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے تو اسے بے دین' لا مذہب یا دہریہ کہتے ہیں۔

○ اور اگر اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں سے کسی ایک صفت میں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو متصف کرتا ہے تو وہ مشرک ہے۔ جس کی کئی قسمیں کتب عقائد میں مذکور ہیں۔

○ اور اگر اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لا شریک لہٗ مانتا ہے' مگر نبوت و رسالت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ (جیسے یونان کے فلاسفہ) تو وہ بھی کافر ہے۔

○ اور اگر اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبیوں' رسولوں اور کتابوں کو بھی مانتا ہے۔ لیکن ان میں سے بعض انبیاء کا قائل ہے اور بعض کا منکر ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اس قسم کے کفار کئی ہوئے ہیں۔ مثلاً:

① حضرت شیث علیہ السلام اور صحف شیث کو ماننے والے۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام اور صحفِ ابراہیم کو ماننے والے۔

③ حضرت ادریس علیہ السلام اور صحفِ ادریس کو ماننے والے۔

④ حضرت داؤد علیہ السلام اور زبور کو ماننے والے۔ مگر:

ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب نہیں کہا۔ نہ ہی ان پر یہود و نصاریٰ کے احکام نافذ کیے۔ اور نہ ہی عہدِ نبوی میں کوئی شیثی' ادریسی' یا داؤدی تھا۔

⑤ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کو ماننے والے۔ جنھیں یہود اہل کتاب کہا جاتا ہے۔

⑥ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو ماننے والے۔ جنھیں نصاریٰ اہل کتاب کہا جاتا ہے۔

اھلِ کتاب کی اقسام

○ پھر یہود و نصاریٰ میں سے بعض شرک بھی کرتے ہیں۔ جیسے:

① بعض اہلِ کتاب یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو "ابن اللہ" کہتے ہیں۔

② بعض اہلِ کتاب نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "ابن اللہ" کہتے ہیں۔

③ بعض تین خدا' خداوند خدا باپ' خداوند خدا ماں اور خداوند بیٹا کہتے ہیں۔

④ بعض خداوند خدا باپ' خداوند بیٹا اور خداوند روح القدس کہتے ہیں۔

⑤ بعض کہتے ہیں کہ آسمان و زمین سب میں حضرت عیسیٰ کا تصرف ہے۔

○ یہود و نصاریٰ کی ان تمام اقسام کو اللہ تعالیٰ نے اھل الکتاب یا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم یا طآئفتان من قبلنا سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے شرک کے باوجود ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی اور ان کی ذبیحہ کو جائز اور حلال قرار دیا۔ بشرطیکہ توراۃ و انجیل کو آسمانی کتاب مانیں۔ مگر زمانۂ حال میں ایسے لوگ گنتی میں بہت ہی نادر الوجود ہیں۔

بعثتِ نبوی سے پہلے والے یہود و نصاریٰ

○ اور بعض غیر قومیں عرب وغیرہ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے پہلے یہود و نصاریٰ کے دین میں داخل ہوگئیں ان کو بھی اہل کتاب کے حکم میں شامل فرمایا۔

بعثتِ نبوی سے بعد والے یہود و نصاریٰ

○ اور جو لوگ بعثتِ نبوی کے بعد یہود و نصاریٰ کے دین میں داخل ہوئے تو وہ کفار بھی دو قسم کے ہیں۔ مثلاً:

① اگر وہ پہلے غیر مسلم قومیں تھیں پھر یہودیوں یا نصرانیوں کا مذہب اختیار کیا۔ تو ان پر یہود و نصاریٰ کے وہ احکام جو مسلمین کے لیے بیان کیے گئے ہیں' یعنی ان کی عورتوں سے نکاح کا جواز اور ان کے ذبیحہ کی حلت' تو ان پر وہ احکام جاری ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

② اور اگر کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ کے دین میں داخل ہوگیا تو اسے اہلِ کتاب نہیں کہا جاتا' بلکہ وہ مرتد ہے۔ اور اس پر مرتدین کے احکام نافذ ہوں گے۔ ان کا ذبیحہ بھی بالاتفاق حرام ہے۔

مُرتد

○ اگر اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک کہتا ہے اور تمام انبیاء و کتبِ سماویہ کو مانتا ہے لیکن مع ہٰذا کسی اور نبی یا رسول کا اضافہ کرتا ہے وہ بھی کافر اور مرتد ہے۔

زندیق

○ اور اگر اسلام کا مدعی ہو اور اپنے کفریہ عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کفریہ عقائد کو اسلام قرار دیتا ہو تو وہ زندیق ہے۔ اور زندیق مرتد سے بھی زیادہ خطرناک اور مضر ہے۔

مُرتد کی تعریف

○ حضرت امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وھو الرجوع من الاسلام الی الکفر۔ یعنی کسی مسلمان کا دینِ اسلام سے پھر جانا۔ (المفردات صفحہ ۱۹۳)

○ ارتداد عام ہے' خواہ صریحاً اسلام سے منحرف ہو جائے اور کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے۔ مثلاً یہودی ہو جائے یا نصرانی یا مجوسی وغیرہ۔ یا اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کردے۔ اور ضروریاتِ دین وہ تمام قطعی احکام ہیں جو نصِ قرآنی سے ثابت ہوں یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہوں' ان میں سے کسی ایک حکم کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے۔ یا کوئی شخص دعوائے ایمان کے

باوجود تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے۔ یا ختم نبوت پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی کسی امتی میں نبی کی سی صفات تسلیم کرتا ہے' مثلاً اسے معصوم عن الخطاء اور افضل الانبیاء قرار دیتا ہے تو یہ شخص مرتد اور زندیق ہے جو عام کفار کی بہ نسبت کہیں زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح پورے دینِ اسلام کو ترک کر دینا کفر و ارتداد ہے ایسے ہی دین کی قطعی اور بدیہی باتوں میں سے کسی ایک بات کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے' گو کہ ایسا شخص دین کی بقیہ تمام باتوں کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہو' اپنے تئیں پابندِ عمل اور دیندار ہو۔ جیسا کہ :

○ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ : کوئی قوم اگر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے' نماز قائم کرے' زکوٰۃ دے' رمضان المبارک کے روزے رکھے اور حج بیت اللہ کرے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کے متعلق یوں کہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ یا اس حکم کے تسلیم کرنے میں دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرک و کافر ٹھہرے گی۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی : فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. (النسآء۔۴:۶۵) یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے ربِ ذوالجلال کی قسم کہ ایمان کے زبانی دعویدار اپنے متنازع امور میں شیطان یعنی غیر مسلموں کو فیصلہ کرنے کے لیے حکم تسلیم کرنے والے یہ کلمہ گو اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ لوگ اپنے تمام باہمی جھگڑوں اور متنازع امور میں آپ ﷺ ہی کو منصف و حکم نہ بنائیں۔ پھر جو فیصلہ آپ ﷺ فرما دیں اس پر اپنے دلوں میں کسی قسم کی معاندانہ و منکرانہ گرانی اور تنگی بھی محسوس نہ کریں اور آپ ﷺ کے فیصلے کو کسی طرح کی ناگواری کے بغیر دل و جان سے پوری طرح تسلیم نہ کر لیں۔ (روح المعانی صفحہ ۷۱ جلد ۵)

زندیق کی تعریف

① کلیات ابو البقاء میں زندیق کی تعریف اس طرح لکھی ہے: وان کان مع اعتراف بنبوۃ النبی ﷺ یبطن عقائد ھی کفر بالاتفاق فھو الزندیق یعنی اگر وہ شخص حضرت نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے عقائد دل میں چھپائے ہوئے ہے جو باتفاق المسلمین کفر ہیں تو وہ شخص زندیق ہے۔

② البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۳۶ میں ہے: الزندیق من لا یتدین بدین و یظھر تدینہ بالاسلام یعنی زندیق وہ ہے جس کا کوئی دین مذہب نہیں ہوتا۔ اور اپنا تدین اور دینداری اسلام کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔

③ نیز فرمایا: الزندیق۔۔۔ ان یکون مُبطناً کفرہ الذی ھو عدم التدین بدین و یظھر تدینہ بالاسلام۔

④ غیاث اللغات صفحہ ۲۱۰ میں "زندیق" کے معنے لکھے ہیں: آنکہ ایمان ظاہر کند و باطن کافر باشد۔

④ تاج العروس جلد ۶ صفحہ ۳۷۳ میں ہے: الزندیق من یبطن الکفر و یظھر الایمان والفرق بینہ و بین المنافق مشکل جداً۔

⑤ المنجد صفحہ ۳۰۸ میں ہے: الزندقۃ الکفر باطناً مع التظاھر بالایمان۔

⑥ رسالہ فی تحقیق معنی الزندیق و حکمہ لابن کمال باشا مفتی الدولۃ العثمانیہ صفحہ ۷ میں ہے: الزندیق من یکون مُبطناً للکفر معترفاً بنبوۃ نبینا ﷺ

⑦ سلطان العلماء حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسند الامام الاعظم صفحہ ۲۰۶ میں زندقہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: الزندقۃ وھی الخروج عن الشریعۃ باطناً مع انقیادھا ظاھراً یعنی زندقہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر شریعت کا منقاد متبع اور پابند رہنا۔ اور ذہنی طور پر شریعت کی حدود سے باہر رہنا۔

⑧ شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے میزان شعرانی جلد ۲ صفحہ ۱۶۵ میں فرمایا: ھو (الزندیق) الذی یسر الکفر ویتظاھر بالاسلام۔ یعنی زندیق وہ ہوتا ہے جو اپنا کفر چھپا رکھتا ہے اور عوام میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتا ہے۔

⑨ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وشک نیست کہ شیخین از اکابرِ صحابہؓ بلکہ افضلِ ایشاں پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشاں موجبِ کفر و زندقہ و ضلالت باشد کما لا یخفیٰ۔ یعنی اس میں شک نہیں کہ شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ بلکہ ان سب سے افضل ہیں۔ پس ان کی تکفیر بلکہ تنقیص موجبِ کفر و ضلالت اور زندقہ ہے۔ (مکتوبات مکتوب ۲۱)

⑩ فتاویٰ دار العلوم دیوبند صفحہ ۱۲ و ۱۳۸ میں مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ نے زندیق کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: دراصل ملحد اور زندیق اصطلاح میں وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو اصولِ اسلام قرآن و حدیث کو ماننے کے مدعی ہیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر نصوصِ شرعیہ میں تحریفات کرکے ان کے ظواہر کے خلاف اور جمہور سلف کے خلاف نئے نئے معنے تراشتے ہیں۔

⑪ احسن الفتاویٰ جلد ۶ صفحہ ۳۸۷ میں مفتیِ اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی نے زندیق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"زندیق وہ ہے جو اسلام کا مدعی ہو اور اپنے عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کفریہ عقائد کو اسلام قرار دیتا ہو"۔

خلاصہ ان تمام اقوال کا یہ ہے کہ زندیق وہ بے دین ہے جو زبان سے کہتا ہے کہ میں نبوتِ محمدیہ ﷺ اور قرآن مجید کو دل و جان سے مانتا ہوں۔ مگر آیاتِ قرآنی کا وہ مطلب نہیں جو ملا لوگ سمجھے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم وہ ہے جو میں کہتا ہوں۔ اس طرح اپنا کفر اسلام کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔

زندیق کا حکم

○ علماء اسلام نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ زندیق کا حکم مرتد سے بھی زیادہ سخت ہے کہ مرتد اگر توبہ کرلے تو اسے قتل کرنا جائز نہیں۔ لیکن زندیق کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ چنانچہ:

سیدنا امام علیؓ اور سیدنا ابن عباسؓ کا فتویٰ

○ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کشف الغمہ عن جمیع الامہ فصل فی حکم الزنادقہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ میں تحریر فرمایا ہے: وأتي علیؓ رضی اللہ عنہ بزنادقة فأحرقهم فبلغ ذلك ابن عباس رضی اللہ عنہما فقال لو كنت انا لم أحرقهم لنهي رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن التعذيب بالنار و كثيراً ما كنا نسمع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لا تعذبوا بعذاب الله وانما كنت اقتلهم بغير النار لقوله عليه الصلوة والسلام: "من بدل دينه فاقتلوه"۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضور میں زندیق لوگ پیش کیے گئے۔ تو آپؓ نے ان کو آگ میں ڈلوا دیا جس سے جل کر وہ مر گئے۔ اس بات کی اطلاع حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ملی تو انھوں نے فرمایا کہ اگر میں اس موقع پر حاضر ہوتا تو میں ان کو جلانے کا حکم نہ دیتا۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کا عذاب دینے سے منع فرمایا ہے۔ اور میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آگ کا عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تم آگ کا عذاب کسی کو نہ دو۔ اس لیے میں تو انھیں آگ میں ڈالے بغیر صرف تلوار سے قتل کردیتا۔ کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا دین بدل ڈالے تو اسے قتل کردو۔

فائدہ خلیفۂ رابع امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں زندیق (خارجی) لوگوں کے بارے میں آج تک کسی نے نہیں کہا کہ وہ اسلام

لانے کے بعد پھر دائرۂ اسلام سے نکل کر مرتد ہوگئے تھے۔ بلکہ مرتے دم تک اپنے آپ کو پورا پورا پابندِ شریعت ظاہر کرتے تھے۔ اور ہر وہ شخص جس سے گناہِ کبیرہ سرزد ہو جاتے (مثلاً جھوٹ بولے یا نماز چھوڑ دے) تو قرآن و حدیث کے حوالے سے اس پر کفر کا فتویٰ لگاتے تھے۔ حتیٰ کہ امیر المؤمنین سیدنا امام معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو یہ بہتان لگا کر کافر کہتے تھے کہ نعوذ باللہ ان کی حکومت میں قرآن و سنت کے خلاف احکام نافذ کیے جا رہے ہیں۔ بلکہ خود خلیفہ برحق امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ پر بھی تحکیم قبول کرنے کی وجہ سے کفر کا فتویٰ جڑ دیا۔

(دیکھیے البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۵ تا ص ۳۰)

○ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک عورت نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسئلہ دریافت کیا کہ حیض و نفاس والی عورت پاک ہونے کے بعد رمضان کے فوت شدہ روزے تو قضا کرتی ہے لیکن نماز جو دین کا ستون ہے اس کی قضاء نہیں کرتی۔ یہ بات تو سراسر عقل و فہم کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں ام المؤمنینؓ نے فرمایا کہ کیا تو حرورا کی رہنے والی تو نہیں۔ (جو خارجی لوگوں کا مرکز ہے جو اپنے آپ کو بہت ہی پابندِ شریعت ظاہر کرتے ہیں) ہمیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس قسم کے عوارض لاحق ہوتے تھے تو ہمیں آپ ﷺ روزوں کی قضاء کا حکم فرماتے تھے مگر نمازوں کی قضاء کا حکم کبھی نہیں دیا تھا۔ (بس دین وہی ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں ملا ہے۔ اس پر اضافہ کرنے کا کسی مسلمان کو کوئی حق نہیں۔)

فائدہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد بدعت شکن ہے کہ جو عمل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی نیکی کا کام معلوم ہوتا ہو، اس کا کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ وہ بدعت ہے۔

امام مالک کا فتویٰ

○ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: معنی من بدل دینه فاقتلوه ان من خرج من الاسلام الی الردة یستتاب فان تاب و الا قتل. هذا اذا لم یکن زندیقاً واما الزنادقة فلا یستتابون لانه لا یعرف توبتهم لاسرارهم بالكفر واعلامهم بالاسلام. (کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱) یعنی من بدل دینه فاقتلوه کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دینِ اسلام میں داخل تھا پھر دینِ اسلام سے نکل کر مرتد ہو جائے تو پہلے تو اس سے توبہ کروائی جائے اگر توبہ کرلے اور کفریہ عقیدے سے باز آجائے تو اس کو چھوڑ دو اور کچھ نہ کہو۔ ورنہ اسے قتل کر دو۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ شخص زندیق نہ ہو۔ اور زندیق لوگوں کا حکم یہ ہے کہ ان سے توبہ کا مطالبہ ہی نہ کیا جائے۔ کیونکہ زندیق لوگوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنا کفر اپنے اندر چھپائے رکھتے ہیں۔ اور خود لوگوں کے سامنے مسلمان اور اسلام کا پابند ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی توبہ کا علم نہیں ہو سکتا۔

امام ابوزرعہ کا فتویٰ

○ فتح المغیث صفحہ ۳۷۵ میں حضرت امام ابوزرعہ نے فرمایا: اذا رأیت الرجل ینقص احداً من اصحاب رسول اللہ ﷺ فاعلم انه زندیق و ذلك ان القرآن حق و الرسول حق وما جاء به حق وما ادی ذلك الینا كلا الا الصحابة رضی اللہ عنہم فمن جرحهم انما اراد ابطال الكتاب و السنة فیكون الجرح به الیق و الحكم علیه بالزندقة و الضلالة اقوم و احق یعنی جب تو دیکھے کہ کوئی شخص حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک کی تنقیص بیان کر رہا ہے تو سمجھ لے کہ وہ زندیق اور بے دین ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید برحق ہے اور رسول بھی برحق ہیں اور جو کچھ وہ لائے ہیں وہ بھی برحق ہے۔ اور سارے کا سارا ہم تک صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کے سواکسی ۔نے نہیں پہنچایا۔ تو جو شخص ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح کرتا ہے تو اس کا اصل مطلب قرآن و سنت کو باطل قرار دینا ہے تو ایسا شخص اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس کی جرح کی جائے۔ اور اس پر زندقہ اور گمراہی کا حکم لگایا جائے۔

امام ابوالبرکات حنبلیؒ کا فتویٰ

○ شیخ امام مجدالدین ابو البرکات الحنبلی نے اپنی کتاب المحرر جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ میں تحریر فرمایا ہے: ولا تقبل توبۃ الزندیق وھو من یظھر الاسلام و یبطن الکفر۔ یعنی زندیق کی توبہ قبول نہیں۔ اور زندیق وہ ہے جو خود کو مسلمان ظاہر کرے اور اپنا کفر چھپائے رکھے۔

فائدہ زندیق کے متعلق شرعی حکم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپؒ نے زندیق کی مختصر الفاظ میں تعریف بھی بیان فرمادی ہے۔

علامہ تمرتاشیؒ کا فتویٰ

○ حضرت شیخ شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاشی غزی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تنویر الابصار متن درِ مختار مع ہاشمی صفحہ ۳۱۹ میں تحریر فرمایا: کل مسلم ارتد فتوبتہ مقبولۃ الا الکافر لسب النبی او الشیخین او احدھما۔ یعنی جو مسلمان مرتد ہوجائے تو اس کی توبہ مقبول ہے سوائے اس کافر کے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا حضرت ابوبکر و عمر دونوں کو یا ایک کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول نہیں۔

○ علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں زندیق کا لفظ استعمال نہیں فرمایا لیکن ان کا مطلب یہی ہے کہ سب شیخین کا مرتکب زندیق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے توبتہ مقبولۃ سے اسے بطور استثناء کے لکھا۔ اور فرمایا کہ اس کی توبہ قبول نہیں۔ یعنی توبہ کرنے تب بھی اور توبہ نہ کرے تب بھی اسے ہر حال میں قتل ہی کیا جائے۔ جبکہ مرتد اگر توبہ کرلے تو اسے قتل کرنا جائز نہیں۔

فائدہ گزشتہ چودہ صدیوں میں جس قدر بھی زندیق ہوئے ہیں وہ سب خود کو ملت سماویہ محمدیہ ﷺ کی طرف ہی منسوب کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی نہ تو کلمۂ اسلام کا انکار کیا نہ رسالت محمدیہ ﷺ کا اور نہ ہی قرآن مجید کا۔ ان کا کام صرف یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے خود کو مسلمان ظاہر کیا جائے۔ اور کفریہ عقائد کو قرآن مجید میں تأویل اور تحریف معنوی کرکے اسلام کے رنگ میں ظاہر کیا جائے۔ ایسے زنادقہ عہد صحابہؓ ہی میں ظاہر ہو چکے تھے۔ جیسا کہ:

شاہ ولی اللہؒ کا فتویٰ

○ امام الہند عالم ربانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح موطا امام مالک المسوی جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ میں تحریر فرمایا:

قولہ ھٰؤلاء القوم ھم الخوارج الذین خرجوا فی زمن علیؓ حتی استاصلھم

قولہ لا یجاوز حناجرھم معناہ لاتقبل ولاترفع فی الاعمال الصالحۃ۔

قولہ یمرقون من الدین ای یخرجون و ھذا حکم بکفرھم و اباحۃ لدمائھم۔

○ و قد روی اصرح من ذٰلک فی المتفق علیہ و لفظہ فأین لقیتموھم فاقتلوھم فأن فی قتلھم اجرا لمن قتلھم

قولہ من الرمیۃ ھی الصید الذی تقصدہ فترمیہ۔

قولہ تنظر الی اخرہ معناہ مرمرا سریعاً فی الرمیۃ لم یعلق بہ شی من الفرث و الدم فکذلک دخول ھٰؤلاء فی الاسلام ثم خروجھم منہ لم یتمسکوا منہ بشیٔ۔

○ قال الشافعیؒ و لو ان قوما اظھروا رأی الخوارج و تجنبوا الجماعات و اکفروھم لم یحل بذلک قتالھم۔ بلغنا ان علیاؓ سمع رجلا یقول لاحکم الا للّٰہ فی ناحیۃ المسجد۔ فقال علیؓ کلمۃ حق ارید بھا

الباطل لکم علینا ثلث لا نمنعکم مساجد اللہ ان تذکروا فیھا اسم اللہ ولا نمنعکم الفیٔ مادامت ایدیکم مع ایدینا ولا نبدأکم بقتال۔

○ وقال اھل الحدیث من الحنابلۃ یجوز قتلھم۔

اقول الظاھر عندی درایۃ و روایۃ قول اھل الحدیث اما روایۃ فلقولہ ﷺ فاین لقیتموھم فاقتلوھم۔ و اما قول علیؓ فمعناہ ان الانکار علی الامام و الطعن فیہ لا یوجب قتلاً حتی ینزع یدہ من الطاعۃ فیکون باغیاً او قاطع طریق و اذا انکر ضروریاً من ضروریات الدین یقتل لذلک لا للانکار علی الامام۔

○ بیان ذلک ان المفتی اذا سئل عن بعض افعال زید حکم بالجواز و اذا سئل عن بعضھا الآخر حکم بالفسق ثم اذا سئل عن بعضھا الآخر حکم بالکفر فھٰھنا لم یظھر ھذا الرجل عندہ الا الانکار فی مسئلۃ التحکیم۔ فحکم حسب ما اظھر و لو انہ اظھر انکار الشفاعۃ یوم القیامۃ او انکار الحوض الکوثر و ما یجری مجری ذلک من الثابت بالدین بالضرورۃ یُحکَمُ بالکفر و اما حدیث اولٰئک الذین نھانی اللہ عنھم ففی المنافقین دون الزنادقۃ۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خوارج جو حضرت علیؓ کے دور میں ظاہر ہوئے تھے ان کے بارے حضرت رسول اللہ ﷺ نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ دین سے نکل جائیں گے۔ اس میں ان کے کفر کا حکم ظاہر ہوتا ہے۔ اوران کے خون کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کا قاتل اجر پائے گا۔

○ اور شکار میں سے تیر کے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تیر اس تیزی سے شکار سے نکلتا ہے کہ شکار کا گوبر اور خون نکلنے سے پہلے ہی باہر نکل جاتا ہے۔ اور گوبر خون اس کے ساتھ نہیں لگتا۔ یعنی وہ لوگ اسلام میں داخل ہوکر اسلام سے ایسے نکلے کہ اسلام کا کچھ حصہ بھی انھوں نے حاصل نہ کیا۔

○ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول میں کچھ نرمی ہے اور اہلِ حدیث حنبلی کہتے ہیں کہ ان کا قتل جائز ہے۔ اور میرے نزدیک یہی قول درست ہے۔ روایت کی رو سے بھی اور درایت کی رو سے بھی۔ روایت کی رو سے اس واسطے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ وہ لوگ جہاں تمہیں ملیں ان کو قتل کردو۔

○ باقی رہا حضرت علیؓ کا کہنا کہ اس خارجی کا وہ قول لا حکم الا للہ ہے تو ٹھیک مگر اس کا مطلب غلط لے رہا ہے۔

○ سو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی امامت کا انکار اور اس میں طعن کرنا یہ موجبِ قتل نہیں۔ جب تک امام کی اطاعت سے ہاتھ اٹھائے۔

○ لیکن جب ضروریات دین میں سے کسی ضروری امر کا انکار کرے گا تو اس انکار کی وجہ سے اسے قتل کیا جائے نہ کہ امام کی امامت سے انکار کرنے پر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی کے بارے میں اس کے کسی کام کے متعلق سوال ہوتا ہے تو مفتی صاحب اس کے جواز کا حکم دیں گے۔ اور کسی دوسری بات کے متعلق سوال ہوتا ہے تو اس پر فسق کا فتویٰ لگائیں گے۔ اور جب کسی اور بات کے متعلق سوال ہوتا ہے تو کفر کا فتویٰ لگائیں گے۔

○ اسی طرح یہاں بھی اس آدمی نے حضرت علیؓ کے سامنے صرف بظاہر مسئلہ تحکیم کا انکار کیا تھا۔ تو آپؓ نے صرف اس کے مطابق حکم لگایا۔

○ اور اگر وہ اپنا عقیدہ ظاہر کرتا کہ قیامت کے دن شفاعت نہ ہوگی۔ حوضِ کوثر کوئی چیز نہیں یا اور کسی ایسی چیز کا انکار کرتا ہے جو دین میں یقیناً داخل ہے تو آپؓ اس پر کفر کا فتویٰ لگاتے۔

○ باقی حدیث میں جو آیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے مجھے روک دیا ہے وہ منافقوں کے بارے میں ہے نہ کہ زندیقوں کے بارے۔

دلیل یہ کہ زندیق کا حکم مرتد سے زیادہ سخت ہے۔ اس لیے جو فتویٰ مرتد کے متعلق ہوگا زندیق پر اس کا اطلاق بطریق اولیٰ ہوگا۔

زندیق اور منافق کا فرق

○ محقق علماء کرام نے زندیق اور منافق کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ منافق تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا دل سے اعتراف نہیں کرتا۔ اور زندیق حضرت نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتا ہے۔ اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کافر، منافق اور زندیق کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

○ بیان ذٰلك ان المخالف للدین الحق ان لم یعترف به و لم یذعن له لا ظاهرا و لا باطنا فهو کافر و ان اعترف بلسانه و قلبه علی الکفر فهو المنافق و ان اعترف به ظاهرا لکنه یفسر بعض ما ثبت من الدین ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة و التابعون و اجتمعت علیه الامة فهو الزندیق. کما اذا اعترف ان القرآن حق و ما فیه من ذکر الجنة والنار حق. لکن المراد بالجنة الابتهاج الذی یحصل بسبب الملکات المحمودة و المراد بالنار هی الندامة التی تحصل بسبب الملکات المذمومة ولیس فی الخارج جنة ولا نار فهو الزندیق۔

○ و **قوله** صلی الله علیه و سلم اولٰئك الذین نهانی الله عنهم فی المنافقین دون الزنادقة ۔ و اما درایةً فلان الشرع کما نصب القتل جزاءً للارتداد لیکون مزجرة للمرتدین و ذبا عن الملة التی ارتضاها فکذٰلك نصب القتل فی هذا الحدیث و امثاله جزاءً للزنادقة لیکون مزجرة للزنادقة و ذبا عن تأویل فاسد فی الدین لا یصح القول به۔ ثم التأویل تأویلان۔

○ تأویل لا یخالف قاطعا من الکتاب والسنة واتفاق الامة

○ و تأویل یصادم ما ثبت بقاطع فذٰلك الزندقة فکل من انکر رویة الله تعالٰی یوم القیمة او انکر عذاب القبر او سوال المنکر و النکیر او انکر الصراط و الحساب سواء قال لا اثق بهولاء الرواة او

قال اتق بهم لكن الحديث مأوّل ثم ذكر تاويلاً فاسداً لم يسمع من قبله فهو الزنديق.

○ وكذلك من قال فى الشيخين ابى بكر وعمر مثلا ليسا من اهل الجنة مع تواتر الحديث فى بشارتهما او قال ان النبى صلى الله عليه و سلم خاتم النبوة ولكن معنى هذا الكلام انه لا يجوز ان يسمى بعده احد بالنبى واما معنى النبوة و هو كون الانسان مبعوثا من الله تعالى الى الخلق مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب و من البقاء على الخطا فيما يرى فهو موجود فى الائمة بعده فذلك هو الزنديق.

○ وقد اتفق جماهير المتأخرين من الحنفية والشافعية على قتل من يجرى هذا المجرى. والله اعلم. (المسوّی شرح موطا امام مالکؒ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)

خلاصہ یہ کہ دینِ حق کا مخالف اگر ظاہری طور پر بھی اس دین کا اعتراف نہیں کرتا اور دل سے بھی قبول نہیں کرتا تو وہ کافر ہے۔ اور اگر زبان سے اعتراف کرتا ہے مگر اس کے دل میں کفر ہے تو وہ منافق ہے۔ اور اگر زبان سے اعتراف کرتا ہے لیکن اس حکم شرعی کی ایسی تاویل کرتا ہے جو صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور اجماعِ امت کی تفسیر کے خلاف ہے تو وہ **زندیق** ہے۔ مثلاً:

○ ایک شخص اعتراف کرتا ہے کہ یہ قرآن برحق ہے اور اس میں جنت دوزخ کا ذکر ہے وہ بھی برحق ہے لیکن جنت دوزخ کا خارج میں کوئی وجود نہیں بلکہ جنت سے مراد وہ خوشی ہے جو اچھے عمل کرنے کے بعد انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے جو انسان کو مذموم کام کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اور تاویلیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک ایسی تاویل جو قرآن کی قطعی الدلالۃ آیۃ اور سُنّتِ قطعیہ اور اجماعِ امت کے خلاف نہ ہو۔ اور دوسری ایسی تاویل جو قطعی الثبوت دلائل کے خلاف ہو' ایسی تاویل کرنا زندقہ ہے۔ اور ایسی تاویل کرنے والا **زندیق** ہے۔

- اب جو شخص یہ بات نہیں مانتا کہ جنت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا یا عذابِ قبر کو نہیں مانتا یا عالمِ قبر میں انسان سے منکر نکیر کے سوال جواب کو نہیں مانتا یا پل صراط یا حساب کتاب کا منکر ہے۔ خواہ وہ کہے کہ مجھے ان روایات پر وثوق اور اعتماد نہیں جو احادیث میں وارد ہیں۔ یا کہے کہ اعتماد تو ہے مگر یہ حدیثیں ظاہر پر محمول نہیں۔ بلکہ مؤول ہیں پھر تاویل بھی ایسی کرتا ہے جو فاسد ہے اور اس سے پہلے کسی عالم سے منقول نہیں تو ایسا شخص زندیق ہے۔
- اسی طرح جو کہے کہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جنتی نہیں ہیں تو وہ بھی زندیق ہے۔ کیونکہ ان کے جنتی ہونے کی بشارت احادیثِ متواترہ میں موجود ہے۔
- اسی طرح جو کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی خاتم النبیین ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی کے نام سے نہ پکارا جائے گا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی طرف ایسے انسان مبعوث ہوتے رہیں گے جن کی اطاعت انسانوں پر فرض ہوگی اور گناہوں سے معصوم ہوں گے۔ تو ایسے ہی لوگ زندیق ہیں۔ اور انہی کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور اسی پر جمہور حنفیؒ شافعیؒ سب متفق ہیں۔

زندیق اور دہریہ کا فرق

- دہریہ وہ کافر ہوتا ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتا۔ اور حوادثات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے سے انکار کرتا ہے۔ جبکہ زندیق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار بھی کرتا ہے اور حوادثات کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے۔

زندیق اور مرتد کا فرق

- مرتد اور زندیق میں نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے۔ بعض زندیق بھی

ہوتے ہیں اور مرتد بھی۔ اور بعض زندیق تو ہوتے ہیں لیکن مرتد نہیں ہوتے۔ اور بعض مرتد ہوتے ہیں مگر زندیق نہیں ہوتے۔ مثلاً :

○ "محض مرتد" وہ ہے جو دینِ حق کو بجھ کر مان لینے کے بعد اس کا انکار کردے۔ اور ادیانِ سماویہ باطلہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرلے۔ مثلاً کوئی مسلمان عیسائی یا یہودی بن جائے۔ یا باوجود ایمان کے باختیارِ خود کوئی کلمہ کفر کا بک دے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۵۳۔ شامی جلد ۳ صفحہ ۳۱۰۔ بحرالرائق جلد ۵ صفحہ ۱۱۹ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ میں ہے : رکن الردۃ اجراء کلمۃ الکفر بعد وجود الایمان۔ عاقل بالغ ہوکر اپنے اختیار کے ساتھ کفر کا کلمہ ظاہر کرے۔ اگرچہ ہنسی کے طور پر کہے۔

○ "محض زندیق" وہ ہے جو اپنا ارتداد ظاہر نہیں کرتا بلکہ دل ہی دل میں چھپائے رکھتا ہے۔ اور بظاہر کلمہ بھی پڑھتا ہے۔ نماز روزہ بھی کرتا ہے اور اپنے آپ کو دیندار ظاہر کرتا ہے۔

○ "مرتد زندیق" وہ ہے جو پہلے صحیح العقیدہ مسلمان تھا پھر زندیق ہوگیا۔ یعنی اپنے باطنی کفریہ عقیدے کی دعوت دیتا ہے۔ جیسے قرامطہ' باطنیہ' رافضی اور بعض اہلِ ہوا۔ دیکھیے : ہدایہ صفحہ ۶۷۴ و ۱۲۷

زنادقہ کی اقسام

○ زندیق تین قسم کے ہیں :

① جو اصلاً کافر ہو۔ جیسے مشرکینِ عرب مجوسی وغیرہ۔

② ذمی جو زندیق بن جائے۔

③ وہ مسلمان جو زندیق بن جائے۔ اور ان کی دو قسمیں ہیں۔

① زندیق بمعنی منافق۔ یعنی اسلام کا مدعی ہو اور کفریہ عقائد چھپاتا ہو۔

② جو شخص عقائدِ اسلام میں تاویلاتِ باطلہ کرتا ہو' اور اپنے عقائدِ کفریہ کو پوشیدہ رکھنے کی بجائے اسلام کے نام سے اس کی اشاعت بھی کرتا ہے۔

مرتد سے زندیق زیادہ خطرناک ہے

○ اور مرتد سے زندیق زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ مرتد نے اپنا کفر ظاہر کر دیا جو اس کی اپنی ذات تک محدود ہے۔ اور زندیق بظاہر بڑا مسلمان دیندار اور بزرگ بنا پھرتا ہے۔ عشق رسولؐ کا دعویٰ کرتا ہے نماز روزہ بھی کرتا ہے اور اپنے کفریہ عقیدہ کو دین اسلام کا رنگ دے کر عوام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جس سے لوگ بہک جاتے اور اسی کو حقیقی اسلام سمجھتے ہوئے اس کو اپنا مذہب بنا لیتے ہیں۔ اس لیے زندیق کا شر و فساد مرتد کے شر و فساد سے بڑھ کر ہے۔ اس کے ساتھ تعلقات رکھنے، رشتہ ناتا کرنے اور اس کا ذبیحہ کھانے میں اور زیادہ شر پھیلتا ہے۔

مفتی ابن کمال پاشا کا فتویٰ

○ حضرت مفتی ابن کمال پاشا نے اپنے رسالہ تحقیق معنی الزندیق و حکمہ میں تحریر فرمایا ہے: و قتل مثل ھذا افضل من قتل مائۃ کافر اذ ضررہ فی الدین اعظم یعنی اس طرح کے زندیق کو قتل کرنے کا ثواب سو کافروں کو قتل کرنے سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ دین میں اس زندیق کا وجود بہت بڑا مضر اور نقصان دہ ہے۔

مفتی رشید احمد لدھیانوی کا فتویٰ

○ احسن الفتاویٰ جلد ۶ صفحہ ۳۸۷ میں محقق العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے: عوام بلکہ اکثر خواص بھی شیعہ اور قادیانی وغیرہ زنادقہ کو مرتد ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے احکام مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

○ سطورِ ذیل میں بعض زنادقہ کی تأویلاتِ فاسدہ کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں، تاکہ اچھی طرح وضاحت ہو جائے کہ یہ لوگ کس طرح اپنے باطل نظریات کو اسلام کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

زنادقہ کی تاویلات

ابو منصور عجلی کی تاویلات:

○ ابو منصور عجلی مدعی امامت قرآن مجید کی تفسیر اس طرح کرتا تھا کہ جہاں جنت۔ دوزخ کا ذکر آتا تو کہتا کہ یہاں جنت سے مراد دنیا کی نعمتیں ہیں۔ اور دوزخ سے مراد دنیا کی مصیبتیں ہیں۔ اور بعض مقامات پر کہتا کہ یہاں جنت سے مراد وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی محبت واجب ہے۔ اور وہ ائمہ اہل بیت ہیں۔ اور دوزخ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عداوت فرض ہے۔

○ اور قرآن مجید میں جہاں فرائض کا ذکر آتا تو کہتا کہ اس سے مراد حضرت علیؓ اور ان کی اولاد ہے۔ اور جہاں محرمات کا ذکر آتا تو کہتا کہ اس سے مراد ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ وغیرہ ہیں۔

○ نیز کہتا کہ قیامت تک نبی مبعوث ہوتے رہیں گے۔ اور قرآن مجید میں جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے اس کے وہ معنے نہیں جو عوام سمجھتے ہیں۔

قرامطہ کی تاویلات

○ اسی طرح فرقہ قرامطہ کے لوگ جو مصر کے علاوہ دیگر کئی علاقوں پر صدیوں تک حکمرانی کرتے رہے ہیں "کلمہ نماز قرآن نبی سب کے قائل ہیں۔

○ اس فرقہ کے بانی میمون کے بیٹے عبداللہ بن میمون کا کہنا تھا کہ اسلامی شریعت میں جس قدر احکام وارد ہیں ان کے ظاہری معنے قطعاً مراد نہیں۔ بلکہ شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے تنزیل کہتے ہیں۔ اور ایک باطن ہوتا ہے جسے تاویل کہتے ہیں۔ ظاہر باطن کا مظہر ہے۔ اور باطن ظاہر کا مصدر ہے۔ اور کوئی ظاہر ایسا نہیں جس کا باطن نہ ہو۔ ورنہ وہ فی الحقیقت لاشے محض ہے۔ اور کوئی باطن ایسا نہیں جس کا ظاہر نہ ہو۔ ورنہ وہ محض خیالی

ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ مگر ظاہر جو لغت سے مفہوم ہوتا ہے ہرگز قابلِ اعتقاد و عمل نہیں بلکہ حقیقی مقصود اور قابلِ اعتقاد و عمل وہی ہے جو اس کا باطن ہے۔ مثلاً:

- نماز کا باطن امام وقت کی اطاعت ہے۔
- روزے کا باطن یہ ہے کہ اپنے مذہب اور مسلک کو اغیار سے مخفی رکھو۔
- حج کا باطن امام کے حضور میں پہنچنا ہے۔
- ملائکہ سے مراد باطنی فرقہ کے داعی ہیں۔
- جبرائیل سے مراد حضرت محمد ﷺ کی عقل و فراست ہے۔
- یاجوج ماجوج اور شیاطین سے مراد ہے ظاہر پر عمل کرنے والے۔
- جن سے مراد ہے گاؤدی اور گنوار لوگ۔
- نبی سے مراد ناطقِ حق۔
- وحی سے مراد اساسِ حق گوئی۔
- زکوٰۃ سے مراد دل کی صفائی اور پاکیزگی۔
- غسل سے مراد توبہ کرکے امام سے دوبارہ عہدِ وفا کرنا۔
- وضوء سے مراد امام سے آئینِ مذہب حاصل کرنا۔
- تیمم کے معنے امام کی غیبت میں نقیب سے آئینِ مذہب حاصل کرنا۔
- جنابت سے مراد بھید ظاہر کرنا۔
- احتلام سے مراد نادانستہ غیروں سے افشائے راز کرنا۔
- زنا سے مراد امام کا راز فاش کرنا۔
- طواف سے مراد ائمۂ طاہرینؑ کے گھر کا چکر۔
- تلبیہ سے مراد دعوت قبول کرنا۔
- باب سے مراد حضرت علیؓ۔
- کعبہ سے مراد حضرت محمد ﷺ۔

- اذان سے مراد لوگوں کو امام کی اطاعت پر آمادہ کرنا۔
- قیامت سے مراد کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف عود کرنا۔
- طوفانِ نوح سے مراد نوحؑ کے علم کی کثرت۔
- کشتیٔ نوح سے مراد وہ جزیرہ جس میں نوحؑ کی امت محصور ہوئی۔
- عصائے موسیٰ سے مراد موسیٰؑ کی دلیل۔
- موسیٰؑ اور فرعون کے مکالموں سے مراد روح اور نفس کی کشمکش ہے۔
- نارِ ابراہیمؑ سے مراد نمرود کے غصے کی آگ۔
- ذبحِ اسماعیلؑ سے مراد اسماعیلؑ سے جدید عہد لینا۔
- مسیحؑ کا مردے زندہ کرنے سے مراد دلوں کو علم وہدایت سے زندہ کرنا۔

بہائیوں کی تاویلات

- محمد علی باب مدعیٔ مہدویت کا خلیفہ بہاء اللہ بھی منسوب الی ملتِ سماویہ ہی تھا۔ قرآن مجید پر ایمان کا دعوے دار تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی قائل تھا۔ البتہ محمد علی باب کو اس کے دعوی کے موافق مہدی تصور کرتا تھا۔
- یاد رہے کہ محمد علی باب نے نہ تو نبوت کا دعویٰ ہی کیا تھا اور نہ ہی شریعت محمدیہ ﷺ کو منسوخ کرنے اور نہ ہی نئی شریعت لانے کا دعویدار تھا۔ البتہ اس نے قرآن مجید کے احکام میں اس قسم کی تاویلات کیں جن سے مستقبل میں کسی جھوٹے مدعیٔ نبوت کا رستہ ہموار ہوسکے۔ مثلاً :
- قیامت سے مراد ہے کسی نبی کا ظہور یا مظہرِ الٰہی کا عہدِ تبلیغ۔
- نفخ صور سے مراد ہے نئے نبی کا اعلانِ نبوت۔
- خلقِ جدید سے مراد ہے پہلی نبوت سے دست بردار ہوکر نبوتِ جدیدہ کو ماننا۔
- صراطِ مستقیم سے مراد شریعتِ جدیدہ ہے۔
- اشراقِ ارض سے مراد نبوتِ جدیدہ کی روشنی ہے۔

- یوم الحساب سے مراد نبوت جدیدہ کو ماننا یا انکار کرنا ہے۔
- جنت سے مراد ہے نبوت جدیدہ کو تسلیم کرنا۔ اور عبادات سابقہ سے دست بردار ہوجانا۔
- نار سے مراد ہے نبوت جدیدہ سے انکار اور عبادات میں پابندی۔
- کسوف و خسوف سے مراد ہے شریعت سابقہ کی عبادات میں تاثیر نہ رہنا۔
- تکویر شمس سے مراد ہے شریعت محمدیہ ﷺ کا منسوخ ہوجانا۔
- انکدار نجم سے مراد علماء اسلام کا بگڑ جانا۔
- لقاء اللہ سے مراد مدعیٔ نبوت جدیدہ کو تسلیم کرنا۔
- ارض و سماء سے مراد ہے دل اور اس کی ترقی۔
- سحاب سے مراد ہے پہلی شریعت کی ظلمت۔
- صوم سے مراد ہے مظہر الٰہی کی فرمانبرداری۔
- صلوٰۃ سے مراد ہے مظہر الٰہی کی طرف توجہ۔
- حج سے مراد ہے مظہر الٰہی کا قصد زیارت۔
- طواف سے مراد ہے مظہر کی خدمت میں حاضر باشی۔
- حشر سے مراد ہے تابعداروں کا مظہر کے پاس جمع ہونا۔
- نشر سے مراد شریعت جدیدہ مان کر نئی زندگی حاصل کرنا۔
- مظہر سے مراد ہے وہ انسان جو غیریت کے سات پردے اتار کر ذات باری سے متحد ہوگیا ہو۔
- نبی سے مراد وہ انسان ہے جو فرشتے کے ذریعے خدا سے تعلیم پائے۔
- رجعت سے مراد کسی کا دوبارہ پیدا ہونا۔
- بروز کے معنے ہیں رجعت انسانی۔
- الرب الاعلیٰ سے مراد جناب بہاء اللہ
- باب سے مراد باب العلوم یا باب الوصول الی اللہ۔

فائدہ جو زنادقہ خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں وہ دینی امور کا انکار براہِ راست نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ براہِ راست انکار کرنے سے کوئی آدمی ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اس لیے ان کا انکار اس نہج پر ہوتا ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ شخص شریعت کا بڑا پابند ہے۔ اور جو بات کر رہا ہے یہ دل کو بھاتی ہے۔ واقعی جس طرح یہ کہتا ہے شریعت کا حکم اسی طرح ہوگا۔ یعنی ان کا مطلب تسلیم کے رنگ میں حقیقی احکام شریعت کا انکار ہوتا ہے۔ مثلاً:

نیچریوں کی تاویلات

- نیچریوں کے نام نہاد ریفارمر Reformers نے بھی قرآن مجید کو ماننے کا دعوے کیا تھا۔ اس نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ جس میں امت کے مسلمہ معانی کے خلاف اپنی طرف سے نئے معانی بیان کیے ہیں۔ مثلاً:
- آدم علیہ السلام کے متعلق لکھا کہ آدم وہ نہیں ہے جسے ملا بابا آدم کہتے ہیں۔ آدم سے مراد نوع انسانی ہے۔
- اسی طرح انسان مجموعہ قوائے ملکوتیہ اور قوائے بہیمیہ کا نام ہے۔
- انسان خدا کا نائب ہے۔
- اسماء سے مراد قوتیں ہیں۔
- انسان کا سن درشد کو پہنچنا دراصل یہی معرفتِ خیر و شر کے درخت کا پھل کھانا ہے۔
- انسان کا بدیوں کو چھپانا ہی جنتی درخت کے پتے ڈھانکنا ہے۔
- قرآن مجید میں غیر مقصودی (بے مقصد) کلام کثرت سے ہے۔
- ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بے انتہاء قدرتوں (قوائے ملکوتی) کے ظہور کو کہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں پیدا کی ہیں۔
- شیطان قوتِ بہیمیہ کلیہ کا نام ہے۔ اور یہی نفس امارہ ہے۔
- ابلیس قوتِ بہیمیہ کی ذریات ہے۔

- جبرائیل و میکائیل وغیرہ یہودیوں کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔ جن کا کوئی ثبوت نہیں۔
- جبریل دراصل ملکۂ نبوت ہے۔ جو باعثِ وحی ہے۔ اسی ملکہ کو جبریل کہویا کچھ اور۔ فرشتے دراصل کوئی وجود نہیں رکھتے۔
- روح القدس سے مراد بھی ملکۂ نبوت ہے۔
- نبوت فطری چیز ہے۔ جو دوسری قوتوں کی طرح نبیوں میں پائی جاتی ہے۔ جو فطرت کے موافق فوارہ کی طرح اچھل کر اسی پر گرتی ہے۔ اور یہی معنے ہیں نزولِ وحی کے۔
- وحی اور الہام فطری خیالات کا جوش ہے۔
- نبوت تعلیم وتربیت کا فطری ملکہ ہے۔ جس طرح انسان میں صدہا فطری ملکات ہیں۔ پھر یہ پیغمبری کسی شخص اور کسی زمانے میں منحصر نہیں۔ بلکہ ہر ملک اور ہر زمانے میں ایسے لوگ جو ریفارمر کہلاتے ہیں نبی ہیں۔ جیسے ہندوستان میں دیانند سرسوتی اور بنگالہ میں بابو کسیب چندرسین اور انگلستان میں بھی ایک دو نبی ہیں۔
- نبی ریفارمر جس میں وعظ گوئی کا ملکہ ہو۔
- نبوت ہر زمانے میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ ہر قوم اور پیشہ وروں میں۔
- لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔
- طبیب بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔
- اور شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہوسکتا ہے۔ جیسے مشہور ہے کہ جامی اور نظامی پیغمبران سخن تھے۔
- نبی کے لیے معجزہ کوئی شرط نہیں۔ معجزہ ہونا پرانے خیالات ہیں۔
- جنت خوشی کا نام ہے۔ اور قرآن شریف میں محض رغبت دلانے کے لیے حور قصور باغات اور میووں کے ساتھ تشریح کردی گئی ہے۔ ورنہ جنت کی حقیقت کو بیان کرنا خدا کو بھی محال ہے۔

- دوزخ غمی کو کہتے ہیں۔ اور قرآن شریف میں محض خوف دلانے کے لیے آگ، زقوم، حمیم وغیرہ کے ساتھ تشریح کر دی گئی ہے۔ ورنہ جنت سے مراد انسان کا غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہونا ہی ہے۔
- چین سے رہنا ہی بہشت میں رہنا ہے۔
- سماء آسمان کوئی مجسم چیز نہیں۔ بلکہ بلندی جو اور وسعت مراد ہے۔ جو ہر شخص اپنے سر کے اوپر دیکھتا ہے۔ چونکہ یہ بعد غیر متناہی اور متصل بایک دیگر ہے اس لیے اس کو سبع سماوات کے ساتھ تعبیر کر دیا۔
- رسالت اب تک رسالت ہی کا وجود ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ خدا اور بندوں کے درمیان مساوات نہیں۔ جبکہ رسول (ایلچی) اور جس کی طرف ایلچی بھیجا جاتا ہے ان کے درمیان مساوات ہوتی ہے۔
- جن سے مراد وہ جنگلی قوم جو لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔
- یہ دعویٰ کہ قرآن کی مثل کوئی نہیں کہہ سکتا یہ اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔
- معجزہ کوئی چیز نہیں۔ خرق عادت سے رسالت کو کیا تعلق ہے۔
- جنت میں مسلمانوں کی خاطر قرآن مجید میں جو ہر طرح کی آسائش اور آرائش کا ذکر ہے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے ڈرامائی انداز میں اس طرح بیان کیا: اگر یہی جنت ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ دراصل بہشت کی چیزیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں محض تمثیلی ہیں ان کی کچھ حقیقت نہیں اور نہ تاحال جنت اور دوزخ کا کوئی وجود ہے۔
- موسیٰؑ نے پہاڑ میں بیٹھ کر تختیوں پر تورات کو کھود لیا تھا۔
- یہ کہنا کہ بحر قلزم سے موسیٰؑ نے لاٹھی مار کر آپ اور اپنی قوم کو خشک پار کر دیا یہ ملاں کی سمجھ ہے۔ جو یہودیوں کی تورات کو دیکھ کر قرآن کی تفسیروں میں لکھ مارا۔ دراصل جوار بھاٹا تھا۔

- شجرۃ الخلد کے پھل تک نہ پہنچنے کا مطلب ہے دائمی بقا نہ ہونا۔
- ھذہ الشجرۃ سے مراد عقل و تمیز کا درخت ہے۔
- ترقی تجارت کے لیے جو سود بینکوں سے لیا دیا جاتا ہے۔ مجھے قرآن پاک میں اس کی حرمت کی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ فقہاء نے بلاشبہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے ایسی قیدیں لگائی ہیں جن سے ربوا کا حکم تجارت کی ترقی کا مانع قوی ہوگیا ہے۔

منکرین حدیث کی تاویلات

- منکرین حدیث کا کہنا ہے کہ یہ ملا اپنی طرف سے حدیثیں بنا بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بے جا الزام تراشی کرتے ہیں۔ جبکہ ایسی باتیں عقل سے کوسوں دور ہیں' کیا قرآن مجید عقل کے خلاف بھی کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ اور اگر ملا کی یہ باتیں برحق ہوتیں تو قرآن مجید میں کیوں نہ بیان ہوتیں۔ اور خود یہ ملا قرآن شریف کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔
- اسی طرح اقیموا الصلوۃ کے معنے جو روایتی ملا کرتا ہے کہ "نماز پڑھو"۔ یہ غلط ہے۔ پھر اسی کو دین کا اہم قرار دیا جاتا ہے۔ تاکہ اسلام کے اندر میری سرداری قائم رہے۔
- اسی طرح زکوۃ کے معنے صفائی ستھرائی کے ہوتے ہیں۔ روایتی ملا نے اس کی آڑ میں لوگوں کی جیبیں جھاڑنی شروع کر دیں اور کہا کہ یہ حکم الہٰی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اتوا الزکوۃ کا مفہوم یہ تھا کہ صاف ستھرے رہو۔
- اور بعض کہتے ہیں کہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ نہ فرض ہے' نہ واجب' اور نہ ہی سنت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ساری زندگی کبھی بھی کسی عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا۔ ماحول و حالات کے مطابق عورت کو چہرے کا پردہ کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ شریعت نے اس بارے کوئی پابندی نہیں لگائی۔

قادیانی تاویلات

- متنبئ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی مدعیٔ نبوت و مہدویت نے بھی اپنے پیش رو بے دین ملاحدہ و زنادقہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن و حدیث میں بہت سی تاویلات و تحریفات کی ہیں۔ بعض آیات کا معنی ایسا کیا جو گزشتہ تیرہ صدیوں میں بڑے بڑے مؤولین و محرفین بے دین ملاحدہ و زنادقہ کی سمجھ میں بھی نہ آسکے تھے۔ مثلاً:
- خاتم النّبیّین سے مراد جامع النبوات اور چانسلر۔
- خاتم النّبیّین کا معنے عدیم النظیر یعنی بے مثل۔
- خاتم کا معنی انگوٹھی اور انگوٹھی کا معنی زینت۔
  اور خاتم النّبیّین کا معنی زینت النّبیّین۔
- خاتم بمعنی مہر اور خاتم النّبیّین کا معنی مہر زدہ نبی۔
- خاتم بمعنی مہر اور مہر بمعنی سند اور خاتم النّبیّین کا معنی سند النّبیّین۔
- خاتم بمعنی نمبردار جس کے پاس تصدیقی مہر ہو۔
- خاتم الخلفاء تمام خلافتوں کا جامع۔
- خاتم الاولاد کا معنی ہے صرف اپنی نسل چلانے والا۔
- جن: پوشیدہ رہنے والا۔
- ظل: ماتحت رہنا۔
- مہدی اہم علم نہیں اس لیے مسیح موعود بھی مہدی بن سکتا ہے۔
- دجال: حق پر پردہ ڈالنے والی جماعت۔
  یا ملک میں پھیلنے والی مکار اور شریر جماعت۔
- دجال کا مطلب ہے ایک تاجرانہ جماعت۔
- نبی اور مرسل خدا سے دعا یا باتیں کرنے والا۔
- برزخ کا معنی اس کی کمائی انتہاء کو پہنچ گئی۔

- یأجوج ماجوج آگ سے کام لینے والا۔
- بروز کسی کی مانند اخلاق حاصل کرنا۔
- عکس فوٹو یا تصویر بننا۔
- تجدید کے معنے ہیں اسلامی تعلیم کو بدل ڈالنا۔
- قیامت کے معنے دوسرے جہان میں چلے جانا۔
- جنت کے معنے دوسرے جہان میں روحانی لذت پانا۔
- نار کے معنے دوسری دنیا میں تکلیف اٹھانا۔
- زقوم ذق انك انت العزیز الکریم کا مختصر ہے۔
- کدعہ قادیان کا نام ہے۔
- لُد (مقتلِ مسیح الدجال) کا معنیٰ ہے لُدھیانہ شہر۔
- زنجبیل زنا اور جبر سے مرکب ہے۔
- خنزیر اصل میں اراہ خنزاً یعنی نجساً۔
- صلیب سے مراد پیٹھ کی ہڈی توڑنا۔ اور صلیب پر مرجانا۔
- وجیھاً فی الدنیا سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر کشمیر میں سکہ رائج ہوا۔
- أویناھما الی ربوۃ سے ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر میں مسیحؑ اور مریمؑ دونوں نے یہودیوں سے ڈر کر پناہ لی تھی۔
- اہل الذکر سے مراد اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے پادری ہیں۔
- علاوہ ازیں مرزا قادیانی نے قرآن مجید کی تیس آیتوں میں تحریف کرتے ہوئے وفاتِ مسیحؑ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان تحریفات و تأویلات سے ہزاروں جاہل متأثر ہو کر مرتد ہوگئے۔ مرزا قادیانی کی ان تحریفات کا جواب میں نے "القول الاتم فی حیاتِ عیسٰیؑ ابنِ مریمؑ" میں تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔

دعاویٔ مرزا

○ کہا جاتا ہے کہ ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنے جھوٹے دعویٰ نبوت کو ثابت کرنے کے لیے سینکڑوں جھوٹ بولے۔ اور وہ جھوٹ اپنی کتابوں' رسالوں اور اشتہاروں میں شائع بھی کرتا رہا۔ مثلاً :

○ مبشراً برسول یأتی من بعد اسمه احمد کا مصداق میں ہوں۔

(ازالۂ اوہام طبع اول صفحہ ۶۷۳)

○ مسیح موعود جن کے آنے کی خبر احادیث میں آئی ہے وہ میں ہوں۔

(ازالۂ اوہام طبع اول صفحہ ۶۹۵)

○ میں مہدی معہود ہوں۔ اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔

(معیار الاخیار صفحہ ۱۱)

○ ان قدمی علی منارة ختم علیه کل رفعة۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵)

○ لا تقیسونی بأحد ولا احداً بی۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۹)

○ میں مسلمانوں کے لیے مسیح مہدی اور ہندوؤں کے لیے کرشن ہوں۔

(لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۳)

○ میں امام حسینؓ سے افضل ہوں۔ (دافع البلاء صفحہ ۱۳)

○ و انی قتیل الحب لکن حسینکم
قتیل العدیٰ فالفرق اجلی و اظهر

(اعجاز احمدی صفحہ ۸۱)

○ یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زناکار تھیں۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)

○ یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)

○ یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے۔ اس کے پاس بجز دھوکے کے اور کچھ نہ تھا۔ (ازالۂ اوہام صفحہ ۳۰۲، ۳۲۲ و ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷)

○ میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لیے مخصوص ہے۔
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

○ مجھے الہام ہوا: یاأیھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔
(معیار الاخیار صفحہ ۱۱)

○ میرا منکر کافر ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳)

○ میرے منکروں بلکہ متأملوں کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں۔
(فتاویٰ احمدیہ اول)

○ مجھے خدا نے کہا اسمع ولدی اے میرے بیٹے سن۔ (البشریٰ صفحہ ۴۹)

○ لولاک لما خلقت الافلاک۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۹)

○ میرا الہام ہے: وما ینطق عن الھویٰ (اربعین صفحہ ۳)

○ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۲)

○ انک لمن المرسلین۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷)

○ أتانی مالم یؤت احداً من العالمین۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷)

○ اللہ معک یقوم این ما قمت۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۷)

○ مجھے حوض کوثر ملا ہے۔ انا اعطیناک الکوثر۔
(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۸۵)

○ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو اللہ ہوں۔ رئیتنی فی المنام عین اللہ وتیقنت انی ھو۔ فخلقت السموت والارض۔
(آئینہ کمالات مرزا صفحہ ۵۶۴، ۵۶۵)

○ میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں۔ (فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۷)

فائدہ مرزا قادیانی کے سینکڑوں بے بنیاد دعووں میں سے نمونہ کے طور پر چند دعووں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ اگر اس کے دعووں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب کی شکل بن جائے گی۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

اہل الذکر کی تعیین میں علماء کا اختلاف

○ اس میں شک نہیں کہ اہل الذکر کے مصداق کی تعیین میں علماءِ اسلام کا باہم اختلاف ہے۔ لیکن مرزا قادیانی نے تمام امت سے مختلف معنے کرتے ہوئے اھل الذکر سے مراد پادری وغیرہ بیان کیے ہیں۔ حالانکہ امتِ محمدیہ ﷺ میں سے کسی عالم یا مفسر یا محدث نے یہ معنی نہیں کیا۔

○ یاد رہے کہ اہل الذکر کی تفسیر میں علماء مفسرین کے کئی قول ہیں:

① بعض اہلِ کتاب مراد لیتے ہیں ② بعض اہلِ قرآن

③ بعض اہلِ توراۃ ④ بعض علماءِ یہود و نصاریٰ۔ اور:

⑤ بعض منیب' اہلِ علم' اہلِ تدبر' صاحب بصیرت' منصف مزاج اہلِ ایمان مراد لیتے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ البتہ:

○ ابن زید سے مروی ایک روایت میں آتا ہے کہ اہل الذکر سے مراد اہلِ قرآن ہیں۔ لیکن وہ بے سند ہے۔ اسی لیے صاحب بحر محیط نے جلد ۶ صفحہ ۲۹۸ میں ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: وقیل ھم اھل القرآن۔

○ اسی طرح امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت ہے کہ آپؓ نے اپنے متعلق: نحن اھل الذکر۔ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ لیکن یہ صحیح سند سے ثابت نہیں۔ بلکہ اس کا راوی جابر جعفی ہے۔ جس کی بابت حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ یہ کذاب ہے۔ لہٰذا یہ قول صحیح نہیں۔

○ نیز اہل الذکر سے اہل القرآن مراد لینا اس لیے بھی درست نہیں کہ مشرکین تو مسلمانوں کے دشمن تھے۔ ان سے سوال کرنا بے معنی ہے۔ جیسا کہ بحوالہ ابن عطیہ' صاحب بحر محیط نے فرمایا ہے: لا یصلح ان یکون المسئول اھل القرآن فی ذلک الوقت لانھم کانوا خصومھم۔ کہ اس وقت اہلِ قرآن کو مسئول ہونا مناسب نہ تھا۔ کیونکہ اہلِ قرآن تو مشرکین کے دشمن تھے۔ تو وہ اہل القرآن کی بات سے ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

- نیز حضرت امام رازیؒ نے لا یبعد کہہ کر کلام چلائی ہے تو اہل علم سے مخفی نہیں کہ یہ ضعف کے مقام پر بولا جاتا ہے۔ اس لیے یہ بات تو محقق ہے کہ اہل الذکر سے مطلق اہل قرآن ہرگز مراد نہیں۔

مرزا قادیانی کی تحریف

- مرزا قادیانی نے فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۱ : ۷) میں تحریف کرتے ہوئے اس آیت کو وفات عیسٰیؑ کی دلیل بنایا ہے۔ اور اس آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: "اگر تمہیں ان بعض امور (اشکال) کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں، تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو"۔ تو گویا مرزا قادیانی یہ کہنا چاہتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی صلیب پر موت واقع ہونا، اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھنا اور پھر آسمان پر چلے جانا اور خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھ جانا اور خدائی میں "خداوند باپ" کا شریک ہونا، یعنی جو کچھ بھی بائیبل میں لکھا ہوا ہے اسے من وعن تسلیم کرکے تمام مرزائیوں کو اعتقادی طور پر عیسائی ہو جانا چاہیے۔
- اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالٰی نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے منکرین کو اہل علم و صاحب بصیرت لوگوں سے یہ بات دریافت کرنے کا مشورہ دیا ہے کہ ان سے پہلے جو رسول آئے وہ انسان ہی ہوا کرتے تھے یا وہ نوری فرشتے ہوتے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور نہایت پختگی کے ساتھ جاگزیں تھا کہ رسول کوئی نوری مخلوق یا فرشتہ ہوتا ہے، انسان رسول نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس خاکی انسان پر وحی الٰہی کا نزول نہیں ہوسکتا، نوری مخلوق ہی وحی الٰہی کی متحمل ہوسکتی ہے اور یہ کام بشر کے بس سے باہر ہے۔
- مرزا قادیانی نے قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کا ایک جملہ لکھ کر اس آیت کا غلط معنی کرکے لوگوں کو عیسائیت کی ترغیب دینے کی بھونڈی کوشش کی ہے۔ جبکہ پوری آیت مبارکہ اس طرح ہے:

قرآن وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (۲۱ : ۷)

○ اللہ تعالیٰ اس آیتِ کریمہ کے شروع میں وِاستینافیہ بیانیہ لائے ہیں جو سوال مقدر کے جواب میں لائی جاتی ہے۔ اور چونکہ اس مقام پر مشرکینِ مکہ کا سوال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے رسُول کو انسان نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسان لوازماتِ بشریت سے متصف ہوتا ہے' بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے' کھاتا پیتا ہے اور شادی بیاہ کرتا ہے۔ جبکہ فرشتہ یا ایسی کسی نوری مخلوق میں یہ لوازماتِ بشریت نہیں پائے جاتے۔ اس لیے کسی نوری مخلوق کو رسُول ہونا چاہیے جو ان عیوب سے پاک ہو۔ چنانچہ:

○ مشرکین کے انہی لغو تصورات اور عقائد و نظریات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا:

ترجمہ یا رسُول اللہ! ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی کسی کو رسُول بنا کر نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ سب آدمی ہی ہوتے تھے' جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

○ اس کے بعد منکرینِ رسالت اور مشرکین کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (۲۱ : ۷) کہ اے منکرینِ رسالت! یہ تو ایسی واضح حقیقت ہے کہ کسی شخص کو بھی اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس بات سے تو سب ہی واقف ہیں' لیکن اگر تمھیں اتنی آسان بات بھی معلوم نہیں اور تم اتنا بھی نہیں جانتے تو پھر اہلِ علم سے ہی پوچھ لو کہ کیا پہلے رسُول بھی بشر ہی ہوا کرتے تھے یا وہ فرشتے یا کوئی اور نوری مخلوق ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ اس آیت میں مسئول عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ مگر اس آیتِ کریمہ کے ابتدائی جملہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر مسئول عنہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جانے والا "رسُول" انسان ہوتا ہے یا فرشتہ یا کوئی دوسری نوری مخلوق؟۔

- لیکن مرزا قادیانی نے اس آیت کا جو معنی کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قرآن خواہ صحابہؓ ہوں یا من بعد ہم تمام مسلمانوں کو عقائد و اعمال سے متعلق ہر اس معاملے میں عیسائیوں اور یہودیوں کے پادریوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس میں مسلمانوں کو کسی قسم کا تردد ہو۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ:
- اول تو اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو نہیں بلکہ مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمھیں یقین نہیں آتا تو اپنے معتمد علیہ اہل الذکر سے پوچھ لو۔
- دوسرے یہ کہ دینی امور سے متعلق عبریات بھی اہلِ کتاب سے دریافت کرنے کو نہیں کہا' اور نہ ہی خود مرزا قادیانی اہلِ کتاب کی عبریات کو مانتا ہے۔
- اور یہ بھی ممکن ہے کہ "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" کے مصداق بظاہر تو مرزا نے یہی رٹ لگائے رکھی تھی کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر سے زندہ ہی اتار لیے گئے تھے اور پھر مرہم عیسیٰ کے استعمال سے تندرست ہو کر کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور ایک سو بیس برس کے ہو کر انھوں نے وفات پائی۔ لیکن فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ کا جو معنی مرزا نے کیا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلیب پر موت کے واقع ہونے کا جو تصور عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں مشہور ہے اسی پر مرزا کا ایمان ہے۔
- بہرحال یہ آیتِ کریمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت و حیات سے متعلق نہیں ہے' اگر اس آیت کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے تو وہ صرف اتنا ہے کہ نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ تمام انبیاءِ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام انسان اور مرد ہوا کرتے تھے اور پیغامِ رسالت کو قوم کے سامنے مردانگی سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاحِ انسانیت کے لیے بذریعۂ وحی پیغام نازل ہوتے تھے۔

اہل الذکر سے مُراد پادری نہیں

○ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منکرینِ رسالت کو تحریف شدہ انجیل اور موقوف انجیل پادریوں سے مسئلہ دریافت کرنے کیلئے ہرگز مشورہ نہیں دیا۔ بلکہ "اہل الذکر" سے پوچھنے کو کہا ہے۔ یہودی اور عیسائی علماء سے مسائل معلوم کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیا۔ نیز یہودی اور عیسائی علماء اور پادریوں کو "اہل الذکر" کہنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ :

○ سید الانبیاء و آخر الرسل و الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور پوپ پادریوں سے کسی بھی قسم کے مسائل دینیہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں تاریخی واقعات سے متعلق کسی قسم کا استفسار کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ :

اہلِ کتاب سے سوال کی ممانعت

○ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ فَإِنَّهُ لَنْ يَهْدُوكُمْ وَقَدْ ضَلُّوا فَإِمَّا أَنْ تُصَدِّقُوا بِبَاطِلٍ أَوْ تُكَذِّبُوا بِحَقٍّ فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ مُوسَىٰ حَيًّا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ مَا حَلَّ لَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۳۸) کہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے دینی امور کے ساتھ متعلق کوئی چیز بھی نہ پوچھا کرو۔ کیونکہ وہ تمھیں کبھی سیدھا راستہ نہ بتائیں گے۔ جبکہ وہ تو خود بھی گم کردہ راہ اور بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس لیے جب تم ان اہلِ کتاب سے کوئی بات پوچھو گے تو اس میں دو طرح کا احتمال ہو سکتا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ وہ تمھیں جھوٹی اور من گھڑت بات بتادیں اور تم ان کی بتلائی ہوئی اس باطل اور غلط بات کی تصدیق کر دو گے اور سمجھو گے کہ یہی حقیقت ہے تو اس طرح تمھارے ایمان میں خلل واقع ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ وہ لوگ تمھیں حقیقی اور سچا واقعہ بتائیں لیکن وہ

تمھاری سمجھ میں نہ آئے' جس کی وجہ سے تم ایسی بات کا انکار اور تکذیب کر بیٹھو گے' سو یہ بھی غلط ہے۔

○ اس لیے تمھیں چاہیے کہ صرف ان باتوں پر ایمان لاؤ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں' یا میں تمھیں بتلاتا ہوں۔ کیونکہ میری اتباع تم پر فرض ہے۔ بلکہ اب اگر تمھارے درمیان حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انھیں بھی میری اتباع کے بغیر کوئی کام حلال نہ ہوتا۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ ذی شان سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ "اہل الذکر" سے مراد یہود و نصاریٰ نہیں' بلکہ منیب اہل علم اور اہل تدبر و صاحب بصیرت منصف مزاج اہل ایمان مراد ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اوصافِ حمیدہ کسی مؤمن میں ہی ہوسکتے ہیں۔ کافر ان اوصاف کا اہل ہر گز نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ:

○ مؤمنین کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق من ربك فیؤمنوا بہ فتخبت لہ قلوبھم وان اللہ لھاد الذین اٰمنوا الی صراط مستقیم (الحج ۲۲: ۵۴) کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کو اور یقین ہوجائے کہ وحی برحق ہے تمھارے رب کی طرف سے اتری ہے۔ اور یہ سمجھ کر اپنے اس ایمان پر پختہ رہیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑائیں گے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان مومنوں کو سیدھا راستہ دکھاتا رہتا ہے۔

○ اور کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا یزال الذین کفروا فی مریۃ منہ حتیٰ تاتیھم الساعۃ بغتۃ او یاتیھم عذاب یوم عقیم (۲۲: ۵۵) اور یہ ڈھیٹ کافر تو قرآن مجید کی طرف سے ہمیشہ شک ہی میں پڑے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ایک بڑے منحوس دن کا عذاب یکایک ان پر آنازل ہو۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انھم قوم لا یفقھون (اَلْاَنْفَال - ۸: ۶۵) یعنی کافر تو ایسی قوم ہے جو سمجھتی ہی نہیں۔

○ ان آیاتِ کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ: "اہل الذکر" سے مراد نہ یہود نصاریٰ ہیں اور نہ دیگر کفار۔ بلکہ منیب اہل علم اور اہل تدبر و صاحب بصیرت منصف مزاج اہل ایمان مراد ہیں۔ جیسا کہ:

○ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے اہل کتاب یہودی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی عطاء فرمائی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کو "اہل الذکر" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ نیز خود حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں فرمایا: انا من اھل الذکر (بحر محیط جلد ۶ صفحہ ۲۹۸)

○ اور اسی صورت میں یہ آیت جوازِ تقلید کی دلیل بھی بن سکتی ہے۔ جیسا کہ علماء کرام نے اس آیت سے تقلید کا مسئلہ مستنبط فرمایا ہے۔

فائدہ قادیانی کہتے ہیں کہ ہم اصلی مسلمان ہیں اور دوسرے سرکاری مسلمان ہیں۔ اور اپنے دعوی کے لیے قرآنی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور کلمہ پڑھتے ہیں اور قبلہ رخ ہوکر نماز بھی پڑھتے ہیں اور تہجد نوافل اور درود کے پابند ہیں۔ اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے ہندؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظرے بھی کیے۔ اور ان کے خلاف بے شمار کتابیں رسالے تصنیف کیے۔ اور اس فرقہ کے علماء نے قرآن مجید اور حدیثوں کی شرح بھی کی اور یہ لوگ پابندیوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح حج کرنے بھی چلے جاتے ہیں۔ اور نکاح بھی اسلامی طریقے سے کرتے ہیں۔ اور غیر اللہ کو پکارتے بھی نہیں۔ اور نہ ہی غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ محض حیاتِ مسیح کے انکار، ترکِ جہاد اور دعویٰ نبوت و مہدیت کے باعث پوری امت محمدیہ کے علماء نے ان کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کا مقالہ

○ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کا یہ مقالہ قادیانیوں اور دُوسرے کافروں کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے موضوع پر مشتمل ہے۔ جو دراصل حضرت لدھیانوی کی ایک پُر مغز تقریر ہے' جو آپ نے دبئی کی مسجد شیوخ میں یکم اکتوبر ۱۹۸۵ء کو بعد نمازِ عشاء فرمائی۔ اور اسے محترم منظور احمد الحسینی صاحب نے مرتب کیا اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان نے اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

○ حضرات! اس وقت مجھے بہت اختصار کے ساتھ چند باتیں گذارش کرنی ہیں۔ قادیانیوں اور دوسرے کافروں کے درمیان کیا فرق ہے؟ سب سے پہلے مجھے ایک سوال کا جواب دینا ہے۔ اور یہ سوال ہمارے بہت سے بھائیوں کے ذہن کا کانٹا بنا ہوا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ مان لیا جائے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ لیکن دنیا میں غیر مسلم تو اور بھی بہت ہیں۔ یہودی ہیں' عیسائی ہیں' ہندو ہیں' سکھ ہیں فلاں ہیں فلاں ہیں لیکن یہ کیا بات ہے کہ قادیانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مستقل تنظیم اور مستقل جماعت موجود ہے جس کا نام "عالمی مجلس ختم نبوت" ہے۔ جس نے یہ فرض اپنے ذمہ لے رکھا ہے کہ جہاں جہاں قادیانی پہنچے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد اور اپنے مسلمان بھائیوں کے تعاون کے ساتھ وہاں پہنچتے ہیں اور قادیانیوں کو بے نقاب کرتے ہیں' کسی اور کافر فرقہ کے مقابلے میں ایسی مستقل اور عالمی تنظیم موجود نہیں' تو آخر کیا بات ہے کہ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے لے کر شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ تک اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے لے کر حضرت اقدس مولانا مفتی محمودؒ تک سب اکابر نے قادیانی کفر کو اتنی اہمیت دی اور اس کے

تعاقب کے لیے عالمی سطح کی تنظیم "مجلس تحفظ ختم نبوت" قائم کی گئی۔۔۔
سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانیوں میں اور دوسرے غیر مسلموں میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب عرض کرنے سے پہلے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ شریعت میں شراب ممنوع ہے شراب کا پینا' اس کا بنانا' اس کا بیچنا تینوں حرام ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ شریعت میں خنزیر حرام اور نجس العین ہے۔ اس کا گوشت فروخت کرنا' لینا دینا' کھانا پینا قطعی حرام ہے۔ یہ مسئلہ سب کو معلوم ہے۔ اب ایک آدمی وہ ہے جو شراب فروخت کرتا ہے یہ بھی مجرم ہے' اور ایک دوسرا آدمی ہے جو شراب فروخت کرتا ہے اور مزید ستم یہ کرتا ہے کہ شراب پر زمزم کا لیبل چپکاتا ہے۔ یعنی شراب بیچتا ہے اس کو زمزم کہہ کر مجرم دونوں ہیں۔ لیکن ان دونوں مجرموں کے درمیان کیا فرق ہے؟ وہ آپ خوب سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ایک آدمی خنزیر فروخت کرتا ہے مگر اس کو خنزیر کہہ کر فروخت کرتا ہے۔ وہ صاف کہتا ہے کہ یہ خنزیر کا گوشت ہے جس کو لینا ہے لے جائے اور جو نہیں لینا چاہتا وہ نہ لے۔ یہ شخص بھی خنزیر بیچنے کا مجرم ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں ایک اور شخص ہے جو خنزیر اور کتے کا گوشت فروخت کرتا ہے بکری کا گوشت کہہ کر۔ مجرم وہ بھی ہے اور مجرم یہ بھی' مجرم دونوں ہیں۔ لیکن ان دونوں کے جرم کی نوعیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک حرام کو بیچتا ہے حرام کے نام سے' دوسرا حرام بیچتا ہے حلال کے نام سے۔ جس سے ہر شخص کو دھوکہ ہو سکتا ہے اور وہ اس کے ہاتھ سے خنزیر کا گوشت خرید کر اور اسے حلال اور پاک سمجھ کر کھا سکتا ہے۔ پس جو فرق خنزیر کو خنزیر کہہ کر بیچنے والے کے درمیان اور خنزیر کو بکری یا دنبہ کہہ کر بیچنے والے کے درمیان ہے۔ ٹھیک وہی فرق یہودیوں' عیسائیوں' ہندوؤں' سکھوں کے درمیان اور قادیانیوں کے درمیان ہے۔

○ کفر ہر حال میں کفر ہے۔ اسلام کی ضد ہے۔ لیکن دنیا کے دوسرے کافر اپنے کفر پر اسلام کا لیبل نہیں چپکاتے اور لوگوں کے سامنے اپنے کفر کو اسلام کے نام سے پیش نہیں کرتے مگر قادیانی اپنے کفر پر اسلام کا لیبل چپکاتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ اسلام ہے۔ یہ میں نے عام فہم انداز میں بات سمجھائی ہے۔ اب علمی انداز میں اس بات کو سمجھاتا ہوں۔

○ یوں تو کفر کی بہت سی قسمیں ہیں مگر کفر کی تین قسمیں بالکل ظاہر ہیں۔ ایک کافر وہ ہے جو علانیہ کافر ہو' ایک کافر وہ ہے جو اندر سے کافر ہو اور اوپر سے اپنے آپ کو مسلمان کہے' اور ایک کافر وہ ہے جو اپنے کفر کو اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرے' یہ پہلی قسم کے کافر کو مطلق کافر کہتے ہیں۔ اس میں یہودی' عیسائی' ہندو وغیرہ سب داخل ہیں۔ مشرکینِ مکہ بھی اسی میں داخل تھے۔ یہ کھلے اور پکے کافر ہیں۔

○ دوسری قسم والے کو منافق کہتے ہیں جو زبان سے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتا ہے مگر دل کے اندر کفر چھپاتا ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ منافق جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔

○ منافقوں کا کفر عام کافروں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ انھوں نے کفر اور جھوٹ کو جمع کیا' پھر یہ کہ انھوں نے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر کفر اور جھوٹ کا ارتکاب کیا۔ حضرت امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں ابراہیم بن علیہ کا ہر چیز میں مخالف ہوں حتیٰ کہ اگر وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھے اس میں بھی اس کا مخالف ہوں۔ مطلب یہ کہ

بعض لوگ جھوٹ میں اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ وہ کلمہ طیبہ میں بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھیں تب بھی وہ جھوٹے ہیں اور ان کا کلمہ بھی جھوٹ کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ ان منافقوں سے بڑھ کر تیسری قسم والوں کا جرم ہے کہ وہ کافر ہیں مگر اپنے کفر کو اسلام کہتے ہیں۔ ہے خالص کفر' لیکن یہ اس کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن کریم کی آیات سے' احادیثِ طیبہ سے' صحابہؓ کے ارشادات سے اور بزرگانِ دین کے اقوال سے توڑ موڑ کر اپنے کفر کو اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو شریعت کی اصطلاح میں "زندیق" کہا جاتا ہے۔ پس یہ کل تین ہوئے۔ ایک کھلا کافر' دوسرا منافق' تیسرا زندیق۔۔۔۔۔ پس اوپر کی تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ کافر وہ ہے جو ظاہر و باطن سے خدا اور رسول کا منکر یا علانیہ کفر کا مرتکب ہو۔

- منافق وہ ہے جو دل کے اندر کفر چھپائے ہوئے ہو اور زبان سے جھوٹ موٹ کلمہ پڑھتا ہو۔
- زندیق وہ ہے جو اپنے کفر پر اسلام کا ملمع کرے اور اپنے کفر کو عین اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرے۔
- اب ایک مسئلہ اور سمجھیے۔ ہماری کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے اور چاروں فقہوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو کر مرتد ہو جائے' نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ اسلام سے پھر جائے۔ اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے۔ اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسے سمجھایا جائے اگر بات اس کی سمجھ میں آجائے اور وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائے تو بہت اچھا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی زمین کو اس کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ یہ مسئلہ "قتلِ مرتد" کا مسئلہ کہلاتا ہے اور اس میں چاروں ائمہ دین میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

مرتد کی سزا

○ تمام مہذب ملکوں، حکومتوں اور مہذب قوانین میں باغی کی سزا موت ہے اور اسلام کا باغی وہ ہے جو اسلام سے مرتد ہو جائے۔ اس لیے اسلام میں مرتد کی سزا موت ہے۔ لیکن اس میں بھی اسلام نے رعایت دی ہے۔ دوسرے لوگ باغیوں کو کوئی رعایت نہیں دیتے۔ گرفتار ہونے کے بعد اگر اس پر بغاوت کا جرم ثابت ہو جائے تو سزائے موت نافذ کر دیتے ہیں۔ وہ ہزار معافی مانگے، توبہ کرے اور قسمیں کھائے کہ آئندہ بغاوت کا جرم نہیں کروں گا۔ اس کی ایک نہیں سنی جاتی اور اس کی معافی ناقابلِ قبول سمجھی جاتی ہے۔ اسلام میں بھی باغی یعنی مرتد کی سزا قتل ہے۔ مگر پھر بھی اتنی رعایت ہے کہ تین دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کو تلقین کی جاتی ہے کہ توبہ کرلے، معافی مانگ لے تو سزا سے بچ جائے گا۔ افسوس ہے کہ پھر بھی اسلام میں مرتد کی سزا پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

○ اگر امریکہ کے صدر کا باغی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے اور اس کی سازش پکڑی جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ روس کی حکومت کا تختہ الٹنے والا پکڑا جائے یا جنرل ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والا پکڑا جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر دنیا کے کسی مہذب قانون اور کسی مہذب عدالت کو کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی پر اگر سزائے موت جاری کی جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ سزا نہیں ہونی چاہیے۔

○ اسلام تو باغی مرتد کو پھر بھی رعایت دیتا ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دی جائے۔ اس کے شبہات دور کیے جائیں اور کوشش کی جائے کہ وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے۔ معافی مانگ لے تو کوئی بات نہیں اس کو معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر تین دن کی مہلت اور کوشش کے بعد بھی وہ اپنے

ارتداد پر اڑا رہے توبہ نہ کرے تو اللہ کی زمین کو اس کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ ناسور ہے۔

○ خدانخواستہ کسی کے ہاتھ میں ناسور ہوجائے تو ڈاکٹر اس کا ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔ اگر انگلی میں ناسور ہوجائے تو انگلی کاٹ دیتے ہیں اور سب دنیا جانتی ہے کہ یہ ظلم نہیں، بلکہ شفقت ہے۔ کیونکہ اگر ناسور کو نہ کاٹا گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرایت کر جائے گا جس سے موت یقینی ہے' پس جس طرح پورے بدن کو ناسور کے زہر سے بچانے کے لیے ناسور کو کاٹ دینا ضروری ہے اور یہی دانائی اور عقلمندی ہے۔ اسی طرح ارتداد بھی ملّتِ اسلامیہ کے لیے ایک ناسور ہے۔ اگر مرتد کو توبہ کی تلقین کی گئی۔ اس کے باوجود اس نے اسلام میں دوبارہ آنے کو پسند نہیں کیا تو اس کا وجود ختم کر دینا ضروری ہے۔ ورنہ اس کا زہر رفتہ رفتہ ملّتِ اسلامیہ کے پورے بدن میں سرایت کر جائے گا۔

○ الغرض مرتد کا حکم ائمۂ اربعہ کے نزدیک اور پوری امت کے علماء اور فقہاء کے نزدیک یہی ہے کہ جو میں عرض کر چکا ہوں اور یہی عقل و دانش کا تقاضا ہے اور اسی میں امت کی سلامتی ہے۔

زندیق کا حکم

○ اور زندیق جو اپنے کفر کو اسلام ثابت کرنے پر تلا ہوا ہو۔ اس کا معاملہ مرتد سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ امام شافعیؒ اور مشہور روایت میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حکم بھی مرتد کا ہے۔ یعنی اس کو موقع دیا جائے گا کہ وہ توبہ کر لے' اگر تین دن میں اس نے توبہ کر لی تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا' اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ بھی واجب القتل ہے۔ پس ان حضرات کے نزدیک تو مرتد اور زندیق دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ لیکن:

○ امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ "قبل توبۃ الزندیق" میں زندیق کی توبہ قبول

نہیں کروں گا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں اگر پتہ چل جائے کہ یہ زندیق ہے۔ اپنے کفر کو اسلام ثابت کرتا ہے اور پکڑا جائے پھر کہے کہ جی! میں توبہ کرتا ہوں۔ آئندہ میں ایسی حرکت نہیں کروں گا تو اس کی توبہ کا قبول کرنا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہم تو اس پر قانون سزا نافذ کریں گے۔ اس کے وجود کو باقی نہیں رکھیں گے۔ جیسے :

○ زنا کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ بہرحال اس پر سزا جاری کی جاتی ہے۔ چاہے آدمی توبہ ہی کرلے۔ (خواہ خود اقرارِ جرم کرلے یا شہادت کے بعد) یا جیسا کہ چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا ملتی ہے اور یہ سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ کوئی شخص چوری کرنے اور پکڑے جانے کے بعد توبہ کرلے تب بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اسی طرح امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ "لا اقبل توبۃ الزندیق" کہ میں زندیق کی توبہ قبول نہیں کرتا۔ یعنی زندیق کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوگی اس پر سزائے موت لازماً جاری کی جائے گی خواہ ہزار بار توبہ کرلے۔ اور یہی ایک روایت ہمارے امام ابو حنیفہؒ سے اور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی منقول ہے۔

○ لیکن درمختار، شامی اور فقہ کی دوسری کتابوں میں ہے کہ اگر کوئی زندیق از خود آکر توبہ کرلے۔ مثلاً کسی کو پتہ نہیں تھا کہ یہ زندیق ہے۔ اسی نے خود ہی اپنے زندقہ کا اظہار کیا اور اس نے توبہ بھی کی تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ اسی طرح اگر یہ تو معلوم تھا کہ یہ زندیق ہے مگر اس کو گرفتار نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت دے دی اور وہ اپنے آپ آکر تائب ہوگیا اور اپنے زندقہ سے توبہ کرلی۔ جی! میں مرزائیت سے توبہ کرتا ہوں تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اس پر سزائے ارتداد جاری نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرتا ہے تو توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ چاہے سو دفعہ توبہ کرے۔

مرتد اور زندیق میں فرق

○ تو مرتد کے لیے توبہ کی تلقین کا حکم ہے اگر وہ توبہ کرلے تو سزا سے بچ جائے گا۔ لیکن زندیق کے بارے میں امام مالکؒ' اور امام ابو حنیفہؒ اور ایک روایت میں احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہیں۔ کیونکہ اس نے زندقہ کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ یعنی کفر کو اسلام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتے کا گوشت بکری کے نام سے فروخت کیا ہے۔ شراب پر زمزم کا لیبل چپکایا ہے' یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ اس پر قتل کی سزا ضرور جاری ہوگی۔ تو یہ بات۔۔۔۔۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ مرزائی زندیق ہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کافر ہیں۔ قطعاً کافر ہیں۔ جس طرح کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" میں شک نہیں کہ یہ ہمارا کلمہ ہے اور جو اس میں شک کرے وہ مسلمان نہیں۔

○ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کے کافر ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں' کوئی شک نہیں' اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی مسلمان نہیں۔ اس وقت مجھے یہ نہیں بتانا ہے کہ وہ کیوں کافر ہیں' ان کے کافر ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ مجھے تو یہ بتانا ہے کہ وہ کافر اور پکے کافر ہونے کے باوجود اپنے کفر کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ :

○ جی! ہم تو "جماعت احمدیہ" ہیں' ہم تو "مسلمان" ہیں' لندن میں اپنی بستی کا نام رکھا ہے "اسلام آباد"۔ اور کہتے ہیں کہ جی ہم تو اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ جب بھی کسی مسلمان سے بات کرتے ہیں تو یہ کہہ کر دھوکا دیتے ہیں کہ جی! مولوی تو ویسے ہی باتیں کرتے ہیں' دیکھو ہم نماز پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' یہ کرتے ہیں' وہ کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں۔ جی! ہمارے تو شرائط بیعت میں لکھا ہوا ہے کہ میں صدق دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہوں۔

مرزائی کیوں زندیق ہیں؟

○ تو مرزائی زندیق ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے کفر پر اسلام کو ڈھالتے ہیں۔ وہ شراب اور پیشاب پر نعوذ باللہ زمزم کا لیبل چپکاتے ہیں۔ وہ کتے کا گوشت حلال ذبیحہ کے نام سے فروخت کرتے ہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ مسلمانوں کا وہ عقیدہ ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ "ایها الناس انا اٰخر الانبیاء وانتم اٰخر الامم "لوگو!" میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو"۔ دو سو سے زیادہ احادیث ایسی ہیں' جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف عنوانات سے' مختلف طریقوں سے' مختلف اسلوبوں سے' مختلف انداز سے ختم نبوت کا مسئلہ سمجھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔

آخری نبی کا مفہوم

○ یہ مطلب نہیں کہ پہلے کا کوئی نبی زندہ نہیں اگر بالفرض پہلے کے سارے نبی آجائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں۔ اور آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم بن جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی آخری نبی ہیں۔ کیونکہ آپ کے بعد کسی کو نبوت نہیں دی گئی۔ انبیاء کرامؑ کے ناموں کی جو فہرست اللہ تعالٰی کے علم میں تھی اس میں آخری نام نامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آپ کی تشریف آوری سے انبیاء کرامؑ کی وہ فہرست مکمل ہوگئی۔

آخری نبی اور آخری اولاد کا مفہوم

○ جس بچے کو ماں باپ کی آخری اولاد کہا جائے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ہاں سب اولاد کے بعد پیدا ہوا۔ اس کے بعد کوئی بچہ ان ماں باپ کے ہاں پیدا نہیں ہوا۔ آخری اولاد کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ

وہ سب اولاد کے بعد تک زندہ بھی رہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پیدا بعد میں ہوتا ہے لیکن انتقال اس کا پہلے ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود آخری اولاد کہلاتا ہے۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ میری آخری اولاد وہ بچہ تھا جو انتقال کر گیا۔

○ آخری نبی یا خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے سر پر تاج نبوت نہیں رکھا جائے گا۔ اب کوئی شخص نبوت کی مسند پر قدم نہیں رکھے گا۔ جو پہلے نبی بنا دیے گئے ان پر تو ہمارا پہلے سے ایمان ہے۔ وہ ہمارے ایمان میں پہلے سے داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص خلعت نبوت سے سرفراز نہیں ہوگا اور نہ امت کو ایسے نبی پر ایمان لانا ہوگا۔

خاتم النبیین میں قادیانیوں کی تحریف

○ لیکن قادیانی مرزائی کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کا یہ مطلب نہیں کہ آپ، آخری نبی ہیں' نہ یہ کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے' بلکہ یہ مطلب ہے کہ آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے نبی بنا کریں گے۔ ٹھپا لگتا ہے اور نبی بنتا ہے (حماقت تو دیکھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھپے سے چودہ سو سال کی امت میں نبی بنا بھی تو صرف ایک' اور وہ بھی بھینگا اور ٹنڈا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نے صرف ایک نبی بنایا۔ (اور وہ بھی صرف قادیانی اعور دجال نعوذ باللہ)

○ الغرض خاتم النبیین کے معنی یہ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کی آمد سے نبیوں کی آمد بند ہوگئی۔ ان پر مہر لگ گئی۔ اب کوئی نبی نہیں بنے گا۔ لفافہ بند کر کے لفافے پر مہر لگا دیتے ہیں۔ جس کو "سیل کرنا" کہتے ہیں۔ ختم کے معنی "سیل کر دینا" خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی آمد سے نبیوں کی فہرست سربمہر کر دی گئی۔ اب نہ تو اس فہرست سے کسی کو

نکالا جاسکتا ہے اور نہ اس میں کسی اور کا نام داخل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مرزائیوں نے اس میں یہ تحریف کی کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں نبوت کے پروانوں کی تصدیق کرنے والا۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ جو کاغذ پر دستخط کرکے مُہر لگا دیا کرتے ہیں کہ کاغذ کی تصدیق ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی معنوں میں خاتم النبیین ہیں۔ یعنی نبیوں کے پروانوں پر مہر لگا کر نبی بناتے ہیں۔ پہلے نبوت اللہ تعالیٰ خود دیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ محکمہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مہریں لگائیں اور نبی بنائیں۔

○ یہ ہے زندقہ "کہ نام اسلام کا لیتے ہیں" لیکن اپنے کفریہ عقائد پر قرآن کریم کی آیات کو ڈھالتے ہیں۔ اسی طرح کے ان کے بہت سے کفریہ عقائد ہیں جن کو یہ اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ کہنا یہ ہے یہ مرزائی زندیق ہیں کہ عقائد ایسے رکھتے ہیں جو اسلام کی رو سے خالص کفر ہیں۔ لیکن یہ اپنے کفریہ عقائد کو اسلام کا نام دیتے ہیں اور قرآن و حدیث کو اپنے کفریہ عقائد پر ڈھالنے کے لیے ان کی تحریف کرتے ہیں۔ یہ خنزیر اور کتے کا گوشت بیچتے ہیں مگر حلال ذبیحہ کہہ کر، اور شراب بیچتے ہیں۔ مگر زمزم کا لیبل چپکا کر۔

○ اگر یہ لوگ اپنے دین و مذہب کو اسلام کا نام نہ دیتے بلکہ صاف صاف کہہ دیتے کہ ہمارا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تو واللہ العظیم ہمیں ان کے بارے میں اس قدر متفکر ہونے کی ضرورت نہ ہوتی۔

بہائی مذہب

○ دنیا میں بہائی ٹولہ بھی موجود ہے۔ وہ ایران کے بہاء اللہ کو رسول مانتا ہے۔ وہ دنیا میں موجود ہے۔ ہم ان کو بھی کافر سمجھتے ہیں لیکن انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ نہیں، ہمارا دین، اسلام سے الگ ہے۔ سو بات ختم ہوگئی۔ جھگڑا ختم ہوگیا۔ لیکن قادیانی اپنے تمام

کفریات کو اسلام کے نام سے پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

اس لیے یہ صرف کافر اور غیر مسلم ہی نہیں بلکہ مرتد اور زندیق ہیں۔ مسلمانوں کی غیر مسلموں کے ساتھ صلح ہو سکتی ہے مگر کسی مرتد اور زندیق سے کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔

قادنیوں کو مسلمان کہلانے کا کیا حق ہے

○ قادیانیوں کو یہ حق آخر کس نے دیا ہے کہ وہ غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول کہیں اور پھر اسلام کا دعویٰ بھی کریں؟ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ کو منسوخ کر کے اس کی جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کو محمد رسول اللہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس کا کلمہ جاری کروائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی (قرآن کریم) کے بجائے مرزا کی وحی کو واجب الاتباع اور مدار نجات قرار دیں اور پھر ڈھٹائی کے ساتھ یہ بھی کہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور غیر احمدی کافر ہیں۔ مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے:

○ "ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا یا محمدؐ کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے"۔ (کلمۃ الفصل صفحہ ۱۱۰)

قادیانیوں کا کلمہ

○ قادیانی دعوے کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو دفعہ دنیا میں آنا مقدر تھا۔ پہلی دفعہ آپ مکہ مکرمہ میں آئے اور آپ کی یہ بعثت تیرہ سو سال تک رہی۔ چودھویں صدی کے شروع میں آپ مرزا قادیانی کے روپ میں قادیاں میں دوبارہ مبعوث ہوئے۔ اس لیے ان کے نزدیک غلام احمد قادیانی خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ سے مرزا مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

○ "مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہیں جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے' اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں! اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی"۔
(کلمۃ الفصل صفحہ ۱۵۸)

○ گویا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے معنی ان کے نزدیک ہیں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مرزا رسول اللہ" (نعوذ باللہ) جو دوبارہ قادیان میں آیا ہے۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے۔ ہمارے نزدیک مرزا خود محمد رسول اللہ ہے اور ہم مرزا کو محمد رسول اللہ مان کر اس کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اس لیے ہمیں نیا کلمہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

قادیانی' محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کو کفر کہتے ہیں

○ کہنا یہ ہے کہ انہوں نے نبی الگ بنایا' قرآن الگ بنایا (جس کا نام "تذکرہ" ہے اور جس کی حیثیت مرزائیوں کے نزدیک وہی ہے جو مسلمانوں کے نزدیک توریت' زبور' انجیل اور قرآن کریم کی ہے) امت الگ بنائی' شریعت الگ بنائی' کلمہ الگ بنایا' وہ اپنے دین کا نام اسلام رکھتے ہیں۔۔۔ ۔۔۔اور ہمارے دین کا نام کفر رکھتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا لایا ہوا دین قادیانیوں کے نزدیک (نعوذ باللہ) کفر ہو گیا اور مرزا کا دین ان کے نزدیک اسلام ہے۔ ہم قادیانیوں سے پوچھتے ہیں کہ تم ہمیں جو کافر کہتے ہو' ہم نے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دین کی کسی بات کا انکار کیا ہے؟ کیا مرزا کے آنے سے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دین کفر بن گیا؟ مرزا سے پہلے تو محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دین اسلام کہلاتا تھا اور اس کو ماننے والے مسلمان کہلاتے تھے۔ لیکن مرزا آیا اور اس کی سبز قدمی سے محمد رسول اللہ کا دین کفر بن گیا اور اس کو ماننے والے کافر کہلائے۔ (العیاذ باللہ)

- اس سے بڑھ کر غضب کیا ہو سکتا ہے؟ مرزا کے دو جرم ہوتے۔ ایک یہ کہ نبوت کا دعویٰ کر کے ایک نیا دین ایجاد کیا اور اس کا نام اسلام رکھا۔ دوسرا جرم یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو کفر کہا۔ مرزا کے دین کے ماننے والے مسلمان اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ان کے نزدیک کافر۔
- مجھے بتائیے کہ کیا کسی یہودی نے، کسی عیسائی نے، کسی ہندو، سکھ نے، کسی چوہڑے چمار نے، کسی پارسی مجوسی نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے؟
- اب تو آپ کی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ مرزا قادیانی اور مرزائیوں کا کفر کس قدر بد ترین ہے۔ اور یہ دنیا بھر کے کافروں سے بد تر کافر ہیں۔

مسلمانوں کا قادیانیوں سے رعایتی سلوک

- یہ زندیق ہیں جو اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام کہتے ہیں اور شریعت کے مطابق زندیق واجب القتل ہوتا ہے۔ یہ قادیانیوں کے ساتھ ہماری (حکومتِ پاکستان کی) رعایت ہے کہ ان کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے۔
- یہ دنیا میں شور مچاتے ہیں کہ پاکستان میں ہم پر ظلم ہو رہا ہے۔ یہ حکومت پاکستان کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ حکومت نے ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ ان کو صرف یہ کہا کہ تم محمد رسول اللہ کے دین کو کفر اور اپنے دین کو اسلام نہ کہو۔ قادیانیوں پر اس سے زیادہ اور کوئی پابندی نہیں لگائی۔
- شریعت کے فتویٰ سے تم واجب القتل ہو۔ حکومت پاکستان نے تمہیں رعایت دے رکھی ہے۔ تم پاکستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو۔
- اس کے باوجود کبھی اقوام متحدہ میں، کبھی یہودیوں اور عیسائیوں اور نہ معلوم کن کن لوگوں کی عدالتوں میں تم فریاد کرتے ہو کہ حکومت پاکستان نے ہمارے حقوق غصب کر لیے ہیں، حکومت پاکستان نے تمہارے کیا حقوق

غصب کر لیے؟ ہم نے تمھارا کیا قصور کیا ہے؟ پاکستان کی حکومت نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟

- تم سے صرف یہ کہا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" ہمارا ہے۔ ہم کیسے اجازت دیں کہ تم شراب پر زمزم کا لیبل چپکا کر بیچتے رہو؟ ہم کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ تم کتے اور خنزیر کا گوشت حلال ذبیحہ کے نام سے فروخت کرتے رہو؟
- ہم کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ تم مرزا کانے کو محمد رسول اللہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرو؟ ہم کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ تم اپنے کفر اور زندقہ کو اسلام کے نام سے پھیلاؤ؟
- تمھارے منہ سے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے منافقانہ الفاظ ادا کرنا ہمارے کلمہ طیبہ کی توہین ہے۔ ہمارے نبی کی توہین ہے' ہمارے اسلام کی توہین ہے۔ ہم تمھیں اس توہین کی اجازت کس طرح دیں؟ تم کلمہ پڑھ کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہو اور ہم اس کے جواب میں وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمائی۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ منافقین جھوٹے ہیں

خلاصہ گفتگو

- اب تک میں ایک ہی سوال کا جواب دے سکا ہوں کہ قادیانیوں میں اور دوسرے غیر مسلموں میں فرق کیا ہے؟
- جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دوسرے کافر تو سادے کافر ہیں اور قادیانی صرف کافر اور غیر مسلم نہیں بلکہ وہ کفر کو اسلام کہنے اور اسلام کو کفر قرار دینے کے بھی مجرم ہیں لہٰذا یہ زندیق ہیں۔ اور زندیق مرتد کی طرح واجب القتل ہوتا ہے۔

مرتد کی نسل کا حکم

○ اب میں ایک اور مسئلہ کا ذکر کرتا ہوں۔

○ اصول یہ ہے کہ مرتد کو تین دن کی مُہلت کے بعد قتل کر دیا جاتا ہے لیکن مرتدوں کی ایک جماعت بن جائے' ایک پارٹی بن جائے اور اسلامی حکومت ان پر قابو نہ پا سکے' اس لیے وہ قتل نہ کیے جاسکیں اور رفتہ رفتہ اصل مرتد مرکھپ جائیں اور ان مرتدوں کی نسل جاری ہو جائے۔ مثال کے طور پر کسی بستی کے لوگوں نے متفقہ طور پر عیسائیت قبول کر لی تھی (نعوذ باللہ) عیسائی بن گئے تھے۔ اب کسی نے ان کو پکڑ کر قتل نہیں کیا یا وہ پکڑ میں نہیں آسکے۔ اس کے بعد یہ لوگ جو خود عیسائی بنے تھے مر کر ختم ہو گئے۔ پیچھے ان کی نسل رہ گئی جو خود مسلمان سے عیسائی نہیں ہوئی تھی بلکہ انھوں نے اپنے آباؤ اجداد سے عیسائی مذہب لیا تھا۔ تو مرتد کی صلبی اولاد تو تبعاً مرتد ہے' اصالۃً مرتد نہیں۔ اس لیے اس کو حبس و ضرب کے ساتھ اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔ مگر قتل نہیں کیا جائے گا' اور مرتد کی اولاد کی اولاد نہ اصالۃً مرتد ہے اور نہ تبعاً بلکہ وہ اصلی کافر کہلائے گی ــــ اور ان پر سزائے ارتداد جاری نہیں ہوگی کیونکہ اولاد کی اولاد مرتد نہیں وہ سادہ کافر ہے۔ اس لیے اس کا حکم مرتد کا نہیں۔ الغرض مرتد کی پیڑھی بدل جائے تو دوسری پیڑھی مرتد نہیں کہلاتی۔

زندیق مرزائی کی نسل کا حکم

○ لیکن قادیانیوں کی سو نسلیں بھی بدل جائیں تو ان کا حکم زندیق اور مرتد کا رہے گا۔ سادہ کافر کا حکم نہیں ہوگا۔ کیونکہ؟ اس لیے کہ ان کا جو جرم ہے یعنی کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر کہنا' یہ جرم ان کی آئندہ نسلوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

○ الغرض قادیانی جتنے بھی ہیں خواہ وہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوئے ہوں' قادیانی زندیق بنے ہوں یا وہ ان کے بقول "پیدائشی احمدی" ہوں' قادیانیوں کے

گھر میں پیدا ہوئے ہوں اور یہ کفر ان کو ورثے میں ملا ہو' ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔ یعنی مرتد اور زندیق کا۔۔۔۔۔ کیونکہ ان کا جرم صرف یہ نہیں کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر کافر بنے ہیں۔ بلکہ ان کا جرم یہ ہے کہ دین اسلام کو کفر کہتے ہیں۔ اور اپنے دین کفر کو اسلام کا نام دیتے ہیں اور یہ جرم ہر قادیانی میں پایا جاتا ہے خواہ وہ اسلام کو چھوڑ کر قادیانی بنا ہو یا پیدائشی قادیانی ہو۔۔۔ اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیجیے۔ بہت سے لوگوں کو قادیانیوں کی صحیح حقیقت معلوم نہیں۔

قادیانیوں کے بارے میں مسلمانوں کو غیرت سے کام لینا چاہیے

- قادیانیوں کے جرم کی پوری وضاحت میں نے آپ حضرات کے سامنے کر دی۔ اب مجھے آپ حضرات سے ایک بات کہنی ہے۔ پہلے ایک مثال دوں گا۔ مثال تو بھدی سی ہے مگر سمجھانے کیلئے مثال سے کام لینا پڑتا ہے۔
- ایک باپ کے دس بیٹے تھے جو اس کے گھر پیدا ہوئے وہ ساری عمر ان کو اپنا بیٹا کہتا رہا۔ باپ مر گیا۔ اس کے انتقال کے بعد ایک غیر معروف شخص اٹھا اور یہ دعویٰ کیا کہ میں مرحوم کا صحیح بیٹا ہوں۔ یہ دسوں کے دس لڑکے اس کی ناجائز اولاد ہیں۔
- میں یہ مثال فرض کر رہا ہوں اور اس سلسلے میں آپ سے دو باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ دنیا کا کوئی صحیح الدماغ آدمی اس شخص کے دعوے کو قبول کرے گا۔ یہ غیر معروف مدعی جس نے مرحوم کی زندگی میں کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں فلاں شخص کا بیٹا ہوں' نہ مرحوم نے اپنی زندگی میں کبھی یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ کیا دنیا کی کوئی عدالت اس شخص کے دعویٰ کو سن کر یہ فیصلہ دے گی کہ یہ شخص مرحوم کا حقیقی بیٹا ہے اور باقی دس لڑکے مرحوم کے بیٹے نہیں؟

○ دوسری بات مجھے آپ سے یہ پوچھنی ہے کہ یہ شخص جو باپ کے دس بیٹوں کو حرامزادہ کہتا ہے وہ ان کو ان کے باپ کے جائز اولاد تسلیم نہیں کرتا' ان دس لڑکوں کا ردِ عمل اس شخص کے بارے میں کیا ہوگا؟

○ ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھ کر سنیے!

ہم بحمد للہ! حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ آپ کے لائے ہوئے پورے دین کو مانتے ہیں۔ الحمد للہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہیں۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی مومنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

○ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امتی کو اپنی ذات سے اتنا تعلق نہیں جتنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر امتی کی ذات سے تعلق ہے۔

○ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ "اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں"۔۔ اور ایک قراءت میں ہے وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہماری مائیں بنیں' چنانچہ ہم سب ان کو "امہات المومنین" کہتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ' ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ' ام المومنین میمونہ' ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہن ہم تمام ازواج مطہرات کے ساتھ ام المومنین کہتے ہیں۔ تو جب یہ ہمارے مائیں ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روحانی باپ ہوئے۔۔۔ اولاد میں کوئی ماں باپ کا زیادہ فرمانبردار ہوتا ہے کوئی کم' کوئی زیادہ خدمت گذار ہوتا ہے کوئی کم' کوئی زیادہ ہنرمند ہوتا ہے کوئی کم' کوئی زیادہ سمجھدار اور عقلمند ہوتا ہے کوئی کم۔۔۔ اولاد ساری ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ان میں فرق ضرور ہوتا ہے لیکن ساری کی ساری باپ ہی کی اولاد کہلاتی ہے۔

○ تیرہ صدیوں کے مسلمان حضور ﷺ کی روحانی اولاد تھی۔ چودھویں صدی کے شروع میں مرزا غلام احمد قادیانی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ حضور ﷺ کی روحانی اولاد صرف میں ہوں۔ باقی سارے مسلمان کافر ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پوری امت کے مسلمان حضور ﷺ کی روحانی اولاد نہیں بلکہ نعوذ باللہ ناجائز اولاد ہیں۔ حرامزادے ہیں۔

○ مجھے معاف کیجیے! میں مرزا غلام احمد کے صاف صاف الفاظ نقل کر رہا ہوں۔

○ ہم پوری دنیا کی مہذب عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کر کے کہتے ہیں کہ اگر کسی مجہول النسب کا یہ دعویٰ لائق سماعت نہیں کہ میں مرحوم کا حقیقی بیٹا ہوں۔ باقی دس کے دس بیٹے ناجائز اولاد ہیں۔ تو غلام احمد کا یہ ہذیانی دعویٰ کیونکر لائق سماعت ہے کہ وہ (مجہول النسب ہونے کے باوجود) آنحضرت ﷺ کا روحانی بیٹا ہے، اور آنحضرت ﷺ کی ساری کی ساری امت کافر ہے۔ ناجائز اولاد ہے۔۔۔۔۔ آخر کس جرم میں پوری امت کا رشتہ آنحضرت ﷺ سے کاٹ کر ان کو کافر اور ناجائز اولاد قرار دیا گیا۔

○ ہم آنحضرت ﷺ کے پورے دین کو الف سے لے کر یا تک مانتے ہیں۔ ہم نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ ہم نے کوئی عقیدہ نہیں بدلا۔ عقیدہ غلام احمد نے بدلا، اور کافر اور حرامزادے پوری امت کو کہا۔

○ اور قادیانی سے میری گفتگو ہوئی، میں نے اس سے کہا کہ تیرہ صدیوں سے مسلمان چلے آتے تھے۔ مرزا غلام احمد کے دعوے پر ہمارا اختلاف ہوا اور چودہویں صدی سے یہ اختلاف شروع ہوا۔ اب میں آپ سے انصاف کی بات کہتا ہوں کہ اگر ہمارے عقیدہ تیرہ صدیوں کے مسلمانوں کے مطابق ہیں تو تم ان کو مان لو اور غلام احمد کو چھوڑ دو۔ اور تمہارے عقیدہ تیرہ صدیوں کے مسلمانوں کے مطابق ہیں تو ہم تم کو سچا مان لیں گے۔ یہ لیجیے ہمارا تمہارا اختلاف فوراً ختم ہو سکتا ہے۔ یہ انصاف کی بات ہے اور دونوں فریقوں

کے لیے برابر کی بات ہے۔ وہ قادیانی سیالکوٹ کا پنجابی تھا۔ میری بات سن کر کہنے لگا کہ "جی پکی بات ایہہ ہے کہ اسی تاں مرزا صاحب توں سوا باقی ساریاں نوں جھوٹے سمجھنے آں" یعنی "پکی بات تو یہ ہے کہ ہم تو مرزا صاحب کے سوا باقی سب کو جھوٹا سمجھتے ہیں"۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے، مرزا یہ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے کہ صرف میں حضور ﷺ کا روحانی بیٹا ہوں باقی سب مسلمان ناجائز اولاد ہیں اور یہ شخص اپنے آپ کو روحانی بیٹا کہہ کر پوری دنیا کو گمراہ کر رہا ہے۔

○ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر ان دس بیٹوں کا حرامزادہ ہونا کوئی شخص تسلیم نہیں کرے گا جو اس کے گھر پیدا ہوئے۔ اس کی بیوی سے پیدا ہوئے اور ایک غیر معروف اور مجہول النسب آدمی، جس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ وہ کسی میراثی کی اولاد ہے، اگر وہ آکر ایسا دعویٰ کریگا تو کوئی اس کے دعوے کو نہیں سنے گا۔

○ میں کہتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں میں ان دس "بیٹوں جتنی بھی غیرت نہیں۔ آپ قادیانیوں کی یہ بات کیسے سن لیتے ہیں۔ کہ دنیا بھر کے مسلمان غلط ہیں اور مرزا ٹھیک ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان کافر ہیں۔ اور مرزائی مسلمان ہیں۔ وہ تمھیں یہ سبق پڑھانے کے لیے تمہاری مجلسوں میں آتے ہیں اور آپ بڑے اطمینان سے ان کی باتیں سن لیتے ہیں۔

○ میں کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی عقلمند ایسا نہیں ہوگا جس کی عدالت میں یہ مقدمہ لے جایا جائے اور وہ ایک مجہول النسب شخص کے دعوے پر دس بیٹوں کے حرامزادے ہونے کا فیصلہ کر دے اور ان دس بیٹوں میں کوئی ایسا بے غیرت نہیں ہوگا جو اس مجہول النسب شخص کے دعوے کو سننا بھی گوارا کرے لیکن کیسے تعجب کی بات ہے ہمارے بد حواس بھائی قادیانیوں کے اس دعوے کو سن لیتے ہیں۔ اور انہیں ذرا بھی غیرت نہیں آتی۔

○ میرا اور آپ کا ہر مسلمان کا فرض کیا ہونا چاہیے؟ قادیانیت نے ہمارا رشتہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں۔ حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مانتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جس کو ہم مانتے ہیں' وہ تو کفر نہیں ہوسکتا۔ جو شخص ہمیں کافر کہتا ہے' وہ ہمارے دین کو کفر کہتا ہے' وہ ہمارا رشتہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹتا ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ سب ناجائز اولاد ہیں۔

○ اب مسلمانوں کی غیرت کا تقاضا کیا ہونا چاہیے؟ ہماری غیرت کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ دنیا میں ایک قادیانی بھی زندہ نہ بچے۔ پکڑ پکڑ کر خبیثوں کو مار دیں۔ یہ میں جذباتی بات نہیں کر رہا بلکہ حقیقت یہی ہے۔ اسلام کا فتویٰ یہی ہے۔ مرتد اور زندیق کے بارے میں اسلام کا قانون یہی ہے۔ مگر یہ دارو گیر حکومت کا کام ہے۔ ہم انفرادی طور پر اس پر قادر نہیں۔ اس لیے کم از کم اتنا تو ہونا چاہیے کہ ہم قادیانیوں سے مکمل قطع تعلق کریں۔ ان کو اپنی کسی مجلس میں' کسی محفل میں برداشت نہ کریں۔ ہر سطح پر ان کا مقابلہ کریں اور جھوٹے کو اس کی ماں کے گھر تک پہنچا کر آئیں۔

○ الحمد للہ! ہم نے جھوٹے کو اس کی ماں کے گھر تک پہنچا دیا ہے۔ برطانیہ قادیانیوں کی ماں ہے۔ جس نے ان کو جنم دیا۔ اب ان کا گرو مرزا طاہر اپنی ماں کی گود میں جا بیٹھا ہے اور وہاں سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو للکار رہا ہے۔

○ یورپ' امریکہ' افریقہ کے وہ بھولے بھالے مسلمان جو نہ پوری طرح اسلام کو سمجھتے ہیں نہ ان کو قادیانیت کی حقیقت کا علم ہے۔ وہ قادیانیت کو نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے؟ ان کو اہل علم کے پاس بیٹھنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔

○ ہمارے ان بھولے بھالے بھائیوں کو قادیانی' مرتد بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور وہ اس کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس کے لیے اربوں کھربوں کے

میزائیل بنا رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" نے بھی حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا پوری دنیا میں بلند کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

- جس طرح پاکستان میں قادیانیوں کی حقیقت کھل چکی ہے' اور وہ مسلمانوں سے کاٹے جا چکے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز پوری دنیا میں' دنیا کے ایک ایک حصے میں قادیانیوں کی قلعی کھل کر رہے گی۔
- ایک وقت آئے گا کہ پوری دنیا اس حقیقت کو تسلیم کرے گی کہ مرزائی مسلمان نہیں۔ بلکہ :

یہ اسلام کے غدار ہیں۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غدار ہیں۔

پوری انسانیت کے غدار ہیں۔

- انشاء اللہ پوری دنیا میں قادیانیت کے خلاف تحریک چلے گی اور آخری فتح محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے غلاموں کی ہوگی۔
- پاکستان میں بھی یہ لوگ ایک عرصے تک مسلمان کہلاتے رہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی قربانیاں رنگ لائیں اور قادیانی ناسور کو جسد ملت سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا۔ انشاء اللہ پوری دنیا میں دیر سویر یہی ہوگا۔
- الحمد للہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے عالمی سطح پر کام شروع کر دیا ہے۔ میں ہر اس مسلمان سے' جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا خواستگار ہے' یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ ختم نبوت کے جھنڈے کو پورے عالم میں بلند کرنے کے لیے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے بھرپور تعاون کرے۔ اور تمام مسلمان قادیانیوں مرزائیوں کے بارے میں ایمانی و دینی غیرت کا مظاہرہ کریں۔۔۔۔ ہر مسلمان اس سلسلے میں جو قربانیاں پیش کر سکتا ہے وہ پیش کرے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

کلمہ گو مشرکین کی تاویلات

○ جس طرح مرزا قادیانی نے خاتم النبیین کے وہ معنے کیے جو سلف صالحین و دیگر تمام اہلِ اسلام کے بیان کردہ معنے کے خلاف ہیں' اسی طرح کلمہ گو مشرکین کے علماء نے بھی قرآن مجید میں کئی مقامات پر سلف صالحینؒ و دیگر تمام اہلِ اسلام کے بیان کردہ معنے کے خلاف معنے کر کے قرآن مجید میں معنوی تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ اور قادیانیوں کی طرح اسی کو اصل اسلام اور امتِ محمدیہ ﷺ کے مسلمہ معانی کو کفر قرار دیتے ہیں۔ مثلاً:

ایاک نستعین کے معنے میں تحریف

○ "ایاک نستعین میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عونِ الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے۔ اور ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے 'عقیدہ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امدادِ الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنے ہوتے جو وہابیہ سمجھے' تو قرآن پاک میں اعینونی بقوۃ اور استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کیوں وارد ہوتا۔ اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی"۔

○ حالانکہ یہ معنے سلف صالحین و دیگر تمام اہلِ اسلام کے مسلمہ معنے کے خلاف ہیں۔ اور اولیاءؒ و انبیاءؑ سے استعانت کو شرک کی بجائے عین توحید قرار دینا شرک کی تعلیم اور سراسر زندقہ و الحاد ہے۔ کیونکہ:

فائدہ ہے: طلب الحوائج منہا اثبات الالوھیۃ لھا۔ یعنی مافوق الاسباب امور میں کسی سے حاجات طلب کرنا اس میں صفتِ الوہیت ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا صریح شرک ہے۔

○ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں دو جملے بیان فرمائے: ① ایاك نعبد اور ② ایاك نستعین دونوں ایک ہی طرز کی عبارتیں ہیں۔ یعنی دونوں میں حصر ہے۔ جس طرح ایاك نعبد کے معنے ہیں "ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں"۔ یعنی تیرے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اور جس طرح اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی اور ولی کی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے۔ اسی طرح ایاك نستعین کے معنے ہیں "ہم صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں"۔ لیکن یہاں وفات یافتہ نبی ولی سے استعانت کو اللہ ہی سے استعانت قرار دینا قرآن مجید میں کھلی تحریف ہے۔

○ اصل بات یہ ہے کہ استعانت کی دو قسمیں ہیں: ① ایک مافوق الاسباب امور میں جیسے اولاد دینا' بارش برسانا' فتح دینا' وغیرہ۔ اور ② دوسرے وہ امور ہیں جو ماتحت الاسباب ہیں۔ جیسے کھانے کو روٹی دینا' پینے کو پانی یا دودھ پکڑانا' وغیرہ۔ اور قرآن و سنت سے ماتحت الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت کا جواز ثابت ہے۔ جیسے اعینونی بقوۃ مگر مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت حرام ہے۔ جس کی تعلیم نہ نبیؐ نے دی نہ کسی صحابیؓ نے اور نہ کسی مفسر' محدث نے دی۔

○ اور یہ حقیقت ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ پیغمبروں کی اولاد نہ ہوتی تو اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارتے کسی نبی ولی کو نہیں کہا کہ مجھے اولاد دے۔ یا اللہ سے دلوا دے۔

○ اسی طرح قحط میں بارش اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی۔ کسی نبی ولی سے نہیں مانگی۔ نہ بالواسطہ نہ بلاواسطہ۔

○ درحقیقت خود اللہ تعالیٰ نے ایاك نعبد کی تشریح واو تفسیریہ کے ذریعے ایاك نستعین کے ساتھ بیان کر دی کہ ایاك نعبد کا مفہوم ایاك نستعین ہے۔ یعنی ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مافوق

الاسباب تمام امور میں ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یعنی مثلاً:

○ اولاد کا حصول مافوق الاسباب ہے۔ اس لیے اولاد صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں۔ نہ نبی سے نہ ولی سے۔ اسی طرح بارش برسنا مافوق الاسباب ہے بارش کا سوال بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے کرتے ہیں۔ اسی طرح فتح دینا بھی مافوق الاسباب ہے اس لیے فتح کی دعاء بھی اللہ تعالیٰ ہی سے کرتے ہیں۔ البتہ:

○ اتنا ضرور ہے کہ جس طرح مافوق الاسباب امور میں ہم خود اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ اسی طرح کسی زندہ ولی سے کہہ دیا جائے کہ آپ بھی ہمارے حق میں دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد عطاء فرمادے یا بارش برسادے یا فتح دے دے۔ تو یہ جائز ہے۔ مگر اس کو استعانت بالولی نہیں کہتے۔

○ اور جو نبی ولی وفات پاچکے ہیں ان سے استعانت کا جواز نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں ہے۔ اور نہ کسی مسلمان کا عقیدہ ہے۔ اور جو غیر معتبر کتابوں میں قصے کہانیاں بیان ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔ ان کو عقیدہ کی بنیاد بنانا درپردہ قرآن و سنت کی تکذیب ہے۔

○ یہ کہنا کہ اولیاءؒ و انبیاءؑ مظہر عون الٰہی ہیں۔ یہ عقیدہ اہل اسلام کا نہیں۔ نہ ہی قرآن مجید کی کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی حدیث سے۔ اور علم عقائد کی کتابوں میں بھی اس کا بیان کہیں نہیں۔ البتہ:

○ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۶۳ میں ایک حدیث آتی ہے: لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بی وبصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا۔ یعنی میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا قرب چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

- اس حدیث سے غالیوں نے یہ عقیدہ نکالا ہے کہ جب انسان خوب عبادت اور ریاضت کرتا ہے تو وہ اللہ کا عین ہوجاتا ہے یا عین اللہ ہو جاتا ہے۔ یعنی ظاہر میں تو وہ صورتِ بشری میں ہوتا ہے۔ لیکن باطن میں وہ اللہ ہوجاتا ہے۔ لیکن اس حدیث سے حجت پکڑنا اور اسے اپنے عقیدۂ بد کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے۔ کیونکہ:
- اول تو یہ حدیث خبرِ واحد ہے۔ اور اس کا مخرج صرف امام بخاری ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۳۰۱) جبکہ اثباتِ عقیدہ کے لیے دلیل قطعی ضروری ہے۔ جو قرآن مجید کی نصِ قطعی ہو یا حدیثِ متواتر ہو۔
- دوسرے یہ کہ اس کا راوی خالد بن مخلد غالی بی شیعہ تھا۔ صحابۂ کرام کو گالی دیتا تھا۔ اور اپنے مذہب بد کا کھلم کھلا اعلان کرتا تھا۔ جب اس سے پوچھا جاتا کہ تیرے پاس مناقب صحابہؓ کی حدیثیں ہیں تو کہتا کہ مناقب نہیں میرے پاس تو مثالبِ صحابہ کی روایات ہیں۔ (دیکھیے: میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۳۰۰ و تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۱۷)
- تیسرے یہ کہ اس نے ایسی حدیث بیان کی ہے جس میں اس کے مذہب شیعیت کی تائید ہوتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اہلِ تشیّع کا عقیدہ ہے کہ امیر المؤمنین امام علیؑ اور دیگر ائمہ اللہ تعالیٰ کی زبان، منھ، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور پسلیاں ہیں۔ جیسا کہ اصول کافی جلد ا صفحہ ۱۹۹ میں ہے کہ: امام ابوجعفر محمد باقر نے فرمایا کہ ہم خدا کی حجت ہیں۔ ہم خدا کا دروازہ ہیں۔ ہم خدا کی زبان منھ اور آنکھ ہیں۔
- نیز اس نے کہا کہ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم خدا کی آنکھ، خدا کا ہاتھ، خدا کا پہلو اور خدا کا دروازہ ہیں۔
- تفسیر عزیزی جلد ا صفحہ ۲۴۲ میں ہے کہ یہودیوں اور ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے

فائدہ ہے کہ جو مبتدع راوی ایسی حدیث بیان کرے جس سے اس کے عقیدۂ بد کی تائید ہوتی ہو تو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتی۔ (دیکھیے نخبۃ الفکر صفحہ ۲۰)

○ چوتھے یہ کہ خالد بن مخلد غالی بی شیعہ کا استاذ صرف شریک ہے وہ حافظ الحدیث نہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۳۰۱)

○ بہرحال اسلامی فرقوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ نبی ولی مظہر عون الٰہی ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ تو دراصل نصاریٰ کا عقیدہ تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ کبریائی کی قسم کھا کر فرمایا: لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم کہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم اللہ ہی ہے۔

دعاء کے معنے

○ لا تدع مع اللہ الٰھا اٰخر کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: دعاء بمعنے عبادت ہے۔ جب کہ یہ معنیٰ نہ لغۃً ثابت ہے نہ اصطلاحًا و شرعًا۔ کیونکہ عبادت کے معنے تو دعاء آتے ہیں' جیسا کہ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: اے عن دعائی۔ یعنی یہاں عبادت کا معنی دعاء ہے۔ اور دعاء کے بارے میں فرمایا الدعاء مخ العبادۃ کہ دعاء عبادت کا مغز ہے۔ لیکن دعاء کے معنے عبادۃ نہیں ہوتے۔

○ اس آیت میں ایک عالم نے دعاء بمعنی عبادت کر کے اپنے زندقہ کا اظہار کیا ہے کہ غیر اللہ کو غائبانہ طور پر اپنی حاجات و مشکلات میں پکارنا شرک نہیں۔ بلکہ شرک تب ہوگا جب ان کی عبادت کی جائے۔ حالانکہ:

فائدہ ہے: طلب الحوائج منھا اثبات الالوھیۃ لھا۔ تو اس قاعدہ کی رو سے کسی کو طلب حاجت کے لیے پکارنا ہی عبادت ہے۔ اور یہ سراسر شرک ہے۔ اور یہ معنیٰ قرآن مجید کی کھلی تحریف ہے اور اس پر زندقہ کی تعریف پوری طرح صادق آتی ہے۔

نبی کے معنے

○ اسی طرح نبی کے معنے "غیب کی خبریں بتانے والا"۔ کیے جاتے ہیں۔ جب کہ یہ معنی بھی نہ لغۃً ثابت ہے اور نہ ہی اصطلاح شرع میں۔ بلکہ غیب کی خبریں بتانے کو عربی زبان میں "کہانت" اور غیب کی خبریں بتانے والے کو "کاہن" کہتے ہیں۔ جبکہ حضرت نبی کریمؐ کو کاہن کہنا کفر ہے۔ لیکن سادہ لوح عوام اس زندقہ کو عین محبت بلکہ عشق رسول قرار دیتے ہیں۔ اور اس زندقہ پر جان قربان کرنے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں۔

بشر کے معنے

○ اسی طرح بشر کے معنے کرتے ہیں: "ظاہری صورت میں انسان"۔ ان کا کہنا ہے کہ دراصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کے نور میں سے نور ہیں مگر ظاہری صورت ان کی انسان والی ہے۔ اور یہ تاویل تاویل فاسد ہے۔ جو قرآن و حدیث اور اجماع امت مسلمہ کے خلاف ہے۔ اور یہ قول کہنے والا محمد رسول اللہ کا منکر ہے جو کلمہ کی جز ہے اور قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے۔

رسول کے معنے

○ رسول کے معنے ہیں: انسان بعثه الله تعالى الى الخلق لتبليغ الاحكام وله كتاب وشرع یعنی رسول' اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ انسان کامل ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے احکام پہنچانے کے لیے کتاب اور شریعت دے کر مخلوق کی طرف مبعوث فرماتا ہے۔

○ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول انسان نہیں ہوتا بلکہ وہ نورانی مخلوق ہے جو انسانی صورت میں ظاہر ہو کر (جنوں اور) انسانوں کو تبلیغ کرنے کیلیے مبعوث ہو۔ کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں اور عرش معلیٰ تک تشریف لے گئے۔ اور انسان کی وہاں تک پہنچ نہیں ہو سکتی۔ اور یہ عقیدہ مرزا قادیانی کے عقیدہ سے بالکل الٹ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ انسان تھے۔ اور کوئی انسان آسمانوں پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہ دونوں عقیدے زندقہ ہیں۔

○ اسی طرح انما انا بشر مثلکم کے معنے کیے جاتے ہیں: تم از روئے ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں آپ ﷺ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کے لیے حکم فرمایا گیا۔ اور سورۃ بقرہ کی آیت ۸ میں من الناس کے تحت لکھا:

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ اور در حقیقت انبیاءؑ کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔

○ یہ بات پیچ دے کر نصِ قرآنی کا در پردہ انکار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بارے دو جگہ بشر کا اطلاق فرمایا۔ سورت حجر آیت ۲۸ میں فرمایا: انی خالق بشراً من صلصال من حماً مسنون یعنی میں آدمی کو بنانے والا ہوں بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے۔

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انی خالق بشراً من طین (صٓ۔۳۸:۷۱) میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔

○ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو بشر کہہ کر خلافِ ادب بات کہی؟

○ اور دو جگہوں پر بشر کو بطور احسان جتانے کے بیان فرمایا۔ خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون (الرّوم۔۳۰:۲۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم انسان ہو کہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہو۔

○ نیز فرمایا: هو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسباً و صهرا (الفرقان۔۲۵:۵۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی کی بوند سے بشر بنایا۔ پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کیے کہ نسل چلے۔

○ اور بشر کی شان اس قدر بلند ہے کہ اسے عرفِ عام میں اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اور امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہلِ ایمان کا عقیدہ ہے: ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

○ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کریں یا عقیدۂ توحید میں شرک کی ملاوٹ کریں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے بدعمل لوگوں کے متعلق فرمایا: اولٰئک کالانعام بل ھم اضل (الاعراف۔۷:۱۷۹) یعنی وہ بدعمل لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ۔

○ یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ میں بعض قوموں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کو انسانی شکل پر رہنے ہی نہیں دیا۔ بلکہ ان کو بندروں کی شکل میں بدل دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: و لقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنالھم کونوا قردۃ خاسئین (البقرۃ۔۲:۶۵) اور بیشک ضرور تمھیں معلوم ہے کہ تم میں کے وہ لوگ جنھوں نے ہفتے میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ ہوجاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔

○ جبکہ انسانی شکل کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۹۵:۴) بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔

○ نیز فرمایا: ولقد کرمنا بنی آدم (بنی اسرائیل۔۱۷:۷۰) اور بیشک ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے کہ صورت معتدل قامت اور عقل و علم اور گویائی وغیرہ عطا فرمائی۔

○ معلوم ہوا کہ انبیاءؑ کے لیے بشر کا لفظ بولنا بے ادبی نہیں۔ البتہ انبیاء کرامؑ کا مرتبہ و مقام بوجہ قربِ الٰہی باقی انسانوں سے بہت بلند ہے۔ اسی لیے باقی انسانوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

علم غیب

○ علمِ غیب کے متعلق بھی بڑی تاویلیں کرتے ہیں۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاءؑ و اولیاءؒ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس عقیدہ سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ مثلاً:

① وحی جلی و خفی کا انکار
② کشف و الہام اور رؤیاء صالحہ کا انکار
③ نسیانِ انبیاءؑ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
④ انبیاءؑ میں عوارضاتِ بشریہ کا انکار
⑤ انبیاءؑ پر خوف و غم طاری ہونے سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑥ تنبیہ النبیؐ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑦ تسلیۃ النبیؐ سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑧ انبیاءؑ و اولیاءؒ کی طرف کذب بیانی کی نسبت
⑨ انبیاءؑ و اولیاءؒ میں خداداد اجتہادی قوت کا انکار
⑩ انبیاءؑ کے قتل و زخمی ہونے سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑪ انکار حدیث بصورت نسبۃ کذب بہ محدثین
⑫ آمدِ دجال کے متعلق ایک حدیث کا انکار
⑬ غضِ بصر سے متعلق آیات و احادیث کا انکار
⑭ ولی کو اشکال پیدا ہونے سے متعلق احادیث کا انکار
⑮ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور و منہی ہونے سے متعلق آیات و احادیث کا انکار۔
⑯ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نفی علمِ غیب سے متعلق آیات و احادیث کا انکار۔

○ عقیدۂ علمِ غیب کی مذکورِ بالا خرابیوں کا تفصیلی بیان دیکھنے کے لیے "الادلۃ المنصوصہ فی صفات اللہ المخصوصہ" کا مطالعہ کیجیے۔

○ یہ لوگ اسماعیلی، آغاخانی، روافض، اور مرزائیوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے عقائدِ باطلہ پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے آپ کو اہل سنت و جماعت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اعمال میں تصنع کرتے ہیں۔ بدعات کو سنت کا نام دیتے ہیں۔ مستحبات و نوافل اور صدقہ خیرات کی ترغیب دیتے ہیں۔ راستے میں، چوراہوں میں، سٹیشنوں پر، کچہریوں اور اڈوں پر جہاں عوام کی زیادہ آمد و رفت ہو عوام سے چندے مانگ مانگ کر مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔ لوگ ان نیک کاموں کو دیکھ کر متأثر ہوتے اور ان کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ اور اسی کو اصل اسلام سمجھنے لگتے ہیں۔

○ اسی طرح یہ لوگ شریعت میں غیر ضروری پابندیاں عائد کر کے اپنی مسلمانی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور جو شخص ان کی خود ساختہ پابندیوں پر عمل نہ کرے اس کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہابی کا لفظ گالی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جب اللہ کی توحید اور اس کی قدرتوں کا ذکر آتا ہے تو خاموش رہتے ہیں۔ اور جب بزرگوں کی کرامتوں کا ذکر آجائے تو عش عش کر اٹھتے ہیں۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق سیدنا عمر فاروق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کا ذکر آجائے تو جب تک ترغیب نہ دی جائے اپنی زبان سے رضی اللہ عنہم کا دعائیہ کلمہ بھی ادا نہیں کرتے۔ اور جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام آجائے تو بے ساختہ یا علی مدد کا نعرہ بلند کرنے لگتے ہیں۔ موحدین پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، اولیاء اللہ اور پیروں فقیروں کی گستاخی کا بے جا الزام لگاتے ہیں۔ بزرگوں کے مقامات کا ادب و احترام علاً اللہ تعالیٰ کے گھر سے بڑھ کر بجالاتے ہیں۔ مسجد میں جوتا رکھنے کو معیوب نہیں سمجھتے مگر بزرگ کے مزار پر جوتا ہاتھ میں رکھنا یا فرش پر رکھنا بھی گناہِ عظیم اور بزرگ کی بے ادبی سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض تو بزرگ کے مزار پر جانے کے لیے ننگے پاؤں دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ مسجد میں اونچی آواز سے چیخ چیخ کر بولتے ہیں مگر کسی بزرگ کی قبر کے پاس

بیٹھ کر بالکل خاموش رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہاں بزرگ آرام فرمارہے ہیں۔ لہٰذا آواز کا بلند کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ انھیں ہماری سب حرکات وسکنات نظر آتی ہیں۔

○ نیز کہتے ہیں کہ ان وفات یافتہ ہستیوں کی جگہ پر کوئی ہدیہ رکھ جائے تو یہ بزرگ دعائیں دیتے ہیں اور خوش ہوکر اللہ تعالیٰ سے کام کروادیتے ہیں اولاد تک دلوادیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری دعا براہِ راست تو سنتا نہیں مگر ان بزرگوں کی رد نہیں کرتا۔ گویا ان بزرگوں کو لالچی سمجھا جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا وہ بے ایمان اور پیروں فقیروں اور اولیاء اللہ اور انبیاءؑ کا گستاخ ہے۔ اور جن آیات میں غیر اللہ کے حاضر وناظر، مختارِ کل یا عالم الغیب ہونے اور غیر اللہ کو غائبانہ پکارنے کی نفی ہے ان سب میں ہیرا پھیری سے قرآن مجید میں تحریف کرتے ہیں۔ پھر دعویٰ یہ ہے کہ ہم سچے پکے مسلمان ہیں۔

○ پھر جب ان کے ساتھ تعلقات قائم کیے جائیں گے اور ان کی شادیوں بیاہوں میں آمد ورفت عام کی جائے گی اور ان کے ساتھ خورد ونوش کی عام اجازت دی جائے گی تو ان زندیقوں کو عوام میں تلقین کرنے کا خوب موقعہ مل جائے گا۔ اور ان کا معاملہ یہود ونصاریٰ کے معاملے کے برعکس ہے۔ یہود ونصاریٰ کی لڑکیوں سے نکاح کی اجازت تو تھی مگر علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ مکروہ ہے۔ بغیر اشدِ ضرورت کے ان کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے۔ جیسے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الوجیز میں تحریر فرمایا ہے۔

○ اور آج کل کے یہود ونصاریٰ اس دور کے یہود ونصاریٰ کی طرح نہیں جن کی لڑکیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کی اجازت دی تھی۔ بلکہ یہ آج کل کے یہود ونصاریٰ نام کے یہود ونصاریٰ ہیں۔ ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور نہ ہی ان کا ذبیحہ حلال ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ماجدی وجدید فقہی مسائل جلد ا صفحہ ۱۳۲۔

کلمہ گو مشرکین کا حکم

○ گزشتہ بحث کی روشنی میں یہ بات تو بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ کلمہ گو مشرکین نہ منافق ہیں، نہ دہریہ، نہ مرتد، نہ اہلِ کتاب۔

○ منافق تو اس لیے نہیں کہ منافق حضرت نبی کریمؐ کی نبوت و رسالت کا دل سے یقین ہی نہیں کرتا صرف مصلحۃً مسلمانوں کے سامنے اظہارِ اسلام کرتا ہے۔ اور یہ لوگ آپؐ کی نبوت کا دل سے یقین اور زبان سے اقرار کرتے ہیں۔

○ اور دہریہ اس لیے نہیں کہ دہریہ نبیؐ کی رسالت و نبوت کے بھی منکر ہیں اور حوادثات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کے بھی منکر ہیں۔ لیکن یہ لوگ ان دونوں چیزوں کے قائل ہیں۔

○ اور مرتد اس لیے نہیں کہ مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے دینِ حق (یعنی اسلام) پر قائم ہو اور پھر دینِ اسلام ہی سے پھر جائے یا کوئی کفر کا کلمہ قصداً کہہ دے اور اس پر پختہ ہو جائے۔ جبکہ یہ لوگ نسلاً بعد نسلٍ اپنے مشرکانہ عقیدے پر چلے آرہے ہیں۔

○ اور اہلِ کتاب اس لیے نہیں کہ اہلِ کتاب وہ ہوتا ہے جو قرآن مجید سے پہلے کی کسی منسوخ آسمانی کتاب کو ماننے کا مدعی ہو۔ اور قرآن کو نہ مانتا ہو۔ لیکن یہ لوگ تو منسوخ آسمانی کتابوں کو بھی مانتے ہیں اور قرآن مجید کو بھی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید تا قیامت ناقابلِ نسخ اور محکم کتاب ہے۔

○ ان کی مثال ایسی ہے جیسے صحابۂ کرامؓ کے دور سے آج تک کفار مختلف رنگوں میں مختلف روپ دھار کر سامنے آتے رہے۔ بظاہر کلمہ گو مسلمان ہوتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار بھی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ اور قرآن مجید کو بھی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور سادہ لوح عوام ان کے دامِ تزویر میں آجاتے ہیں۔ اس لیے یہ لوگ **زندیق** ہیں۔

زنادقہ اہل کتاب نہیں

○ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ زنادقہ اہل کتاب ہیں، تو یہ درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا اطلاق ان لوگوں پر کیا ہے جن کو اس قرآن مجید سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔ البتہ مجتہدین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اہل کتاب کی اصطلاح صرف یہود و نصاریٰ پر منحصر ہے یا قرآن مجید سے پہلے جتنی کتابیں یا صحیفے نازل ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کتاب یا صحیفہ پر ایمان کا دعویٰ کرے۔ مگر کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ جو شخص قرآن مجید کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہوئے کفر کا ارتکاب کرتا ہے وہ بھی اہل کتاب ہے۔ یا اس کی اولاد یا اولاد در اولاد اہل کتاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بلکہ ان کو تیرہ صدیوں میں مرتد یا مرتد کے حکم میں یا زندیق ہی قرار دیا ہے۔ البتہ:

○ تیرھویں چودھویں صدی میں بعض علماء نے اپنے فتاویٰ میں ایسے نسلی کلمہ گو کافروں کو اہل کتاب کے حکم میں شامل فرمایا ہے۔ مگر اس کی دلیل انھوں نے نہیں دی۔ بلکہ انہی صدیوں میں کئی علماء نے ان کو اہل کتاب کی بجائے زندیق کہا یا فی حکم المرتدین۔ اس لیے اصول فقہ کے لحاظ سے ترجیح کا قول کرنا پڑے گا۔ یعنی یا تو ان علماء کے قول کو ترجیح دی جائے گی جو ان لوگوں کو اہل کتاب کے حکم میں شامل کرتے ہیں یا ان علماء کے قول کو ترجیح دی جائے گی جو ان لوگوں کو اہل کتاب کے حکم میں شامل نہیں کرتے۔

○ نیز یہ لوگ بھی قادیانیوں کی طرح اسلام کو کفر اور اپنے کفریہ عقائد کو اسلام کہتے ہیں۔ ان کے علماء پوری دنیا میں انہی کفریہ عقائد کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ پاکستانی موحدین کو کافر کہتے ہیں بلکہ سعودی عرب اور دیگر عرب ریاستوں کے موحدین کو بھی بے دین اور کافر قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ حج کے موقع پر نمازیں بھی سعودی امام کی اقتداء نہیں کرتے۔ اپنی نماز علیحدہ پڑھتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

○ جو شخص دین کی باتوں سے بالکل کورا ہے سوائے زبانی کلمہ کے اور کچھ نہیں جانتا' جب اسے دین کی بات بتائی جائے تو کہتا ہے مجھے کچھ علم نہیں۔ کیونکہ وہ بھی قرآن پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تم بھی قرآن پڑھ پڑھ کر سناتے ہو۔ ہمیں بھی نہیں آتی کہ کون سچا ہے۔ اس لیے نہ تو میں تمھیں غلط سمجھتا ہوں اور نہ ہی ان کو۔ اور وہ اہل حق کو برا بھلا بھی نہیں کہتا۔ قبروں پر سجدہ بھی نہیں کرتا۔ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز بھی نہیں دیتا۔ مشرکین کے مخصوص نعرے بھی نہیں لگاتا۔ اور نہ ہی مشرکین کی مالی امداد کرتا ہے۔ اور نہ ہی کسی مشرک پیر کے ہاتھ پر اس نے بیعت کی ہے۔ تو اس شخص پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا۔ البتہ دین اسلام کا سیکھنا ہر عاقل بالغ پر فرض ہے۔ یعنی :

توحید اور اس کے متعلقات کا سیکھنا' رسالت اور اس کے متعلقات کا سیکھنا' ایمان کی شرائط اور صفتیں سیکھنا' پاکی پلیدی اور نماز روزے کے مسائل سیکھنا ہر عاقل بالغ پر فرض ہے۔ (خواہ وہ لکھا پڑھا ہو یا ان پڑھ) اگر نہ سیکھے گا تو وہ معذور نہ ہوگا۔ اور قیامت میں اس کی پوچھ ہوگی۔ پھر معاملہ اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے جو چاہے کرے۔

○ لیکن آج کل کے عوام ایسے نہیں۔ ان کو توحید کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو بحث کرنے لگتے ہیں۔ اپنے علماء کی بتلائی ہوئی شرکیہ باتوں کا حوالہ دے کر اپنے عقائد کو صحیح اور علماء حق کے بیان کردہ عقائد کو غلط قرار دیتے ہیں۔ موحدین کو وہابی بلکہ کافر کہتے ہیں' اور ان سے اظہارِ نفرت کرتے ہیں۔ موحد علماء کی توہین کرتے ہیں۔ شرکیہ افعال پابندی سے بجالاتے ہیں۔ شرک و بدعت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ سنتوں کے نام سے بدعات بلکہ شرک کو رواج دیتے ہیں۔ اپنے مخصوص مشرکانہ شعائر کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ شرکیہ نعرے لگاتے ہیں۔ شرکیہ کلمات اکثر وردِ زبان رکھتے ہیں۔ مشرکین کی محفلوں' جلسوں

اور جلوسوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ مشرکین کی مالی امداد کرتے ہیں۔ مشرک پیروں سے بیعت کرتے ہیں۔ شادی غمی میں غیر اسلامی رسوم بد کو پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ ہندوانہ رسوم کو اسلامی رسوم کا نام دے کر ان کی پابندی کرتے ہیں۔ اور ان رسوم سے منع کرنے والے کو وہابیت کا طعنہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ اس قسم کے جاہل نہیں ہیں جن پر کفر و زندقہ کا فتویٰ نہ لگایا جاسکے۔ ان کو معذور نہیں کہا جاسکتا۔

○ موجودہ دور کے وہ کلمہ گو مشرک جو آباء واجداد سے اسی عقیدۂ باطلہ پر چلے آرہے ہیں اور اسی کو اسلام سمجھتے ہیں' سمجھانے سے سمجھتے بھی نہیں اور موحدین کو بے دین سمجھتے ہیں وہ زندیق ہیں۔ البتہ اگر کوئی صحیح العقیدہ شخص کسی زندیق کی چکنی چپڑی تقریر سے متاثر ہو کر صحیح مسلک چھوڑ دے اور اس زندیق کا مسلک اختیار کرتے ہوئے غیر اللہ کی نذر و نیاز دینی شروع کردے' اولیاء اللہ کی قبروں پر سجدہ کرنا شروع کردے' یا شرکیہ نعرے لگانا شروع کردے' تو وہ مرتد ہو جائے گا۔ لیکن اسے زندیق نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس پر زندیق کی تعریف صادق نہیں آتی۔

○ یاد رہے کہ لفظ زندیق ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جیسا کہ مرتد' مشرک' کافر' اہل کتاب وغیرہ اصطلاحی الفاظ ہیں۔ اب اگر کوئی عالم کسی شخص کو اس کے کفریہ عقائد کی بناء پر مرتد کہتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اب اس کے ساتھ مسلمانوں کو کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ رشتہ ختم کردینا چاہیے۔ اس کے ہاتھ کی ذبیحہ کو حرام سمجھنا چاہیے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی متبحر عالم دین کسی شخص کو زندیق قرار دیتا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ نہ تو مناکحت جائز ہے اور نہ ہی اس کے ہاتھ کی ذبیحہ حلال ہے۔ اور وہ شخص نماز روزہ وغیرہ کرنے کے باوجود بے دین اور کافر ہے۔ اور اس پر مرتدین والے تمام احکام نافذ ہوں گے۔

کلمہ گو مشرکین کے متعلق فتوے

(۱) دارالعلوم کراچی کے مفتی حضرت مولانا محمد اقبال صاحبؒ نے اس قسم کے ایک استفتاء کے جواب میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب ظلہ کی تصدیق سے فتویٰ تحریر فرمایا: "مسلمانوں میں سے جو لوگ بد عقیدہ مشرک اور بدعتی ہیں اگر تحقیق سے ان کے عقائد و اعمال سے ان کا کافر و مشرک ہونا ثابت ہوجائے تو وہ مرتد کے حکم میں ہوں گے۔ جس کا ذبیحہ حرام ہے اور نکاح ایسی عورت سے ناجائز ہوگا۔ اور جن کا کافر و مشرک ہونا ثابت نہ ہو ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا معاملہ ہوگا"۔ (فتویٰ نمبر ۱۲۱۳۳۲، ۸، ۱۴۰۲ھ)

(۲) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب ظلہ کا اس بارے میں فتویٰ ہے کہ: "اہلِ اسلام کی طرف نسبت رکھنے والا کوئی شخص اگر عقائدِ کفریہ رکھتا ہو تو اس کا حکم اہلِ کتاب کا نہیں، بلکہ مرتد کا ہے"۔ (۲۹ شوال ۱۴۰۰ھ)

(۳) حضرت مولانا مفتی ضیاء الحق دہلوی صاحب ظلہ دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا کہ: "اہلِ کتاب یعنی تورات و انجیل کے ماننے والوں کے علاوہ سب قوموں کے ساتھ نکاح حرام ہے"۔ (۷ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ)

(۴) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مفتی دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد فرماتے ہیں کہ اہلِ تشیع کے بعض فرقے وہ ہیں جن کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ مثلاً جو لوگ حضرت علیؓ کو خدا مانتے ہوں، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ پر تہمت لگاتے ہوں یا قرآن کی صحت اس کے غیر محرف اور ترمیم و حذف سے پاک ہونے میں شک کرتے ہوں وہ کافر ہیں۔ اور ظاہر ہے ان سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ ان الرافضی ان کان یسب الشیخین و یلعنهما فهو کافر۔ (خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ صفحہ ۳۸۱) اس لیے اہلِ تشیع سے نکاح سے احتراز کرنا چاہیے۔ (جدید فقہی مسائل حصہ اول صفحہ ۱۴۵)

○ نیز آپ نے فرمایا: کمیونزم' فکر و اعتقاد سے لے کر معیشت تک ہر باب میں ایک مستقل نظام اور تصور رکھتا ہے۔ اس کی فکری بنیاد الحاد اور مذہب و آخرت کے انکار ہے۔ اسی طرح جو آدمی ان تمام نظریات کے ساتھ کمیونسٹ ہو وہ نہ مسلمان ہی باقی رہتا ہے اور نہ اس کا شمار اہل کتاب ہی میں کیا جاسکتا ہے' وہ کافروں کے زمرہ میں ہے۔ اور ان سے نکاح مطلقاً جائز نہیں ہے۔

○ نیز آپ نے فرمایا: جو لوگ اسلام سے قادیانیت کی طرف گئے ہیں وہ مرتد ہیں اور ان سے نکاح کے جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ نسلی طور پر قادیانی ہیں وہ بھی زندیق اور بد دین ہیں۔ اور ان سے بھی نکاح جائز نہیں ...... قادیانی اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں بلکہ زندیق ہیں۔ اور ان سے کسی قسم کا شادی بیاہ کا تعلق جائز نہیں۔ (جدید فقہی مسائل حصہ ا صفحہ ۱۳۶)

⑤ دارالافتاء والارشاد کراچی کے مفتیانِ کرام حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب' حضرت مولانا احمد صاحب اور حضرت مولانا موسیٰ صاحب نے اپنے مشترکہ فتویٰ مطبوعہ ہفت روزہ ضرب مومن کراچی بابت ۷ر ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ میں تحریر فرمایا کہ: جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب' حاضر ناظر اور مختارِ کل سمجھتے اور ان کی بشریت کے انکار کا عقیدہ رکھتے ہیں' ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں' یہ لوگ زندیق ہیں۔ لہٰذا ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

○ نیز مسائل قربانی کے بیان میں چند سنگین غلط فہمیوں کا ازالہ کے زیر عنوان ہفت روزہ ضرب مومن ۷ر تا ۱۳ر ذی الحج ۱۴۱۸ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد صاحب استاذ دارالافتاء والارشاد کراچی نے تحریر فرمایا کہ: شرکاء میں سے ہر شریک کا صحیح العقیدہ مسلمان ہونا صحت اضحیہ کیلیے شرط ہے۔ اگر کوئی ایک شریک بھی غیر مسلم ہو تو کسی ایک شریک کی قربانی بھی درست نہیں ہوگی۔ سب کی قربانی ضائع ہوجائے گی۔ اس لیے اچھی طرح یہ اطمینان کرلینا چاہیے کہ ہر شریک صحیح العقیدہ مسلمان ہو۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

○ "صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی تمام ضروریات دین پر کامل ایمان رکھتا ہو۔ کسی امر ضروری کا منکر نہ ہو۔ کسی امر ضروری کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے" اس قاعدہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل عقائد رکھنے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں' ان کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک نہ کیا جائے:

(۱) عقیدۂ ختم نبوت کا منکر۔

(۲) حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو نعوذ باللہ مرتد کہنے والا' قرآن کے محرف ہونے کا عقیدہ رکھنے والا' ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والا۔

(۳) منکر حدیث۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نفع نقصان کا مالک سمجھنے والا۔

(۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا منکر یا اس جیسے دوسرے عقائد رکھنے والا۔

○ نیز آپ نے ۷ر تا ۱۳ر ذی الحجۃ ۱۴۱۹ھ کو شائع ہونے والے ضرب مومن میں مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

○ شرک یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات یا کسی صفت میں مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ مثلاً غیر اللہ کو مختارِ کل یا نفع و نقصان کا مالک سمجھنا یا ہر جگہ حاضر و ناظر خیال کرنا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو دین کے کسی ایسے حکم کا انکار کرتا ہو جس کا ثبوت قطعی اور اس کا دینی حکم ہونا ہر عام و خاص کو معلوم ہو۔

○ مندرجہ بالا عقائد رکھنے والوں کا ذبیحہ بھی حرام ہے' ان سے ذبح نہ کرائیے' ورنہ قربانی نہیں ہوگی۔

مولانا رشید احمد لدھیانوی کی وضاحت

○ نیز دارالافتاء والارشاد۔ کے بانی و سرپرست اعلیٰ فقیہ العصر مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی نے احسن الفتاویٰ جلد ۶ صفحہ ۳۸۷ پر زنادقہ اور ان کے احکام بیان کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ:

○ عوام بلکہ اکثر خواص بھی شیعہ اور قادیانی وغیرہ زنادقہ کو بھی مرتد ہی سمجھتے ہیں' حالانکہ ان کے احکام مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

زندیق کی تعریف

○ جو اسلام کا مدعی ہو اور اپنے عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کفریہ عقائد کو اسلام قرار دیتا ہو۔

دور حاضر کے زنادقہ

(۱) شیعہ' یہ زنادقہ کا قدیم ترین فرقہ ہے اور سب سے بڑا دشمن اسلام اور سب سے زیادہ بدترین خبیث' زنادقہ کے اس اخبث الخبائث فرقہ نے اسلام اور مسلمانوں کو جتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے اور پہنچا رہے ہیں اتنا نقصان زنادقہ کے دوسرے سب فرقوں کا مجموعہ بھی نہیں پہنچا سکا۔ بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکا۔

(۲) مرزائی' قادیانی و لاہوری
(۳) آغاخانی' اسماعیلی
(۴) بوہری
(۵) بہائی
(۶) مہدوی' اور اس کی شاخیں ذکری وغیرہ
(۷) منکرین حدیث' چکڑالوی اور پرویزی وغیرہ
(۸) انجمن دینداران' مدعی الوہیت "چن بسوشور" کے بندے۔

زنادقہ کے احکام

(۱) حکومت پر فرض ہے کہ ان کے قتل کا حکم دے' خواہ کوئی خود زندیق بنا ہو یا باپ دادا سے اس مذہب میں چلا آتا ہو' جبکہ مرتد کی اولاد واجب القتل نہیں' اسی طرح عورت مرتدہ ہو جائے تو واجب القتل نہیں۔ مگر زندیقہ عورت بھی واجب القتل ہے۔

(۲) گرفتار ہونے کے بعد ان کی توبہ قبول نہیں' جبکہ مرتد کی توبہ گرفتاری کے بعد بھی قبول ہے۔

(۳) ان کے کسی مرد یا عورت سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔

④ ان کا ذبیحہ حرام قطعی ہے۔

⑤ ان سے کسی قسم کا کوئی معاملہ بھی جائز نہیں۔ تجارتی لین دین میں سخت مجبوری کا حکم "کتاب الحظر والاباحۃ" میں ہے۔

⑥ ان کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں۔

⑦ مسلمانوں بلکہ کافروں کے قبرستان میں بھی دفن کرنا جائز نہیں، کہیں گڑھا کھود کر اس میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے۔ واللہ الهادی الی سبیل الرشاد۔

مفتی صاحب کا شیعہ کو اہلِ کتاب کہنے سے رجوع

○ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب سے شیعوں کے اہلِ کتاب ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: "معتزلہ کے بارے میں تحریر شامیہ کی بنا پر میں شیعہ کو اہلِ کتاب کہتا تھا۔ بعد میں تنبیہ ہوا کہ یہ لوگ زندیق ہیں۔ اس لیے انھیں اہلِ کتاب میں داخل کرنا صحیح نہیں"۔ (احسن الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۸۸)

فائدہ عہدِ نبیؐ و صحابہؓ کے یہود و نصاریٰ نے اگرچہ توراۃ و انجیل میں تحریف جیسے جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا، کفر و شرک سے اپنی عاقبت خراب کی۔ اور ان جرائم کے باعث عذابِ جہنم کے مستحق قرار پائے۔ مگر اس کے باوجود نہ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مرتد قرار دیا۔ نہ ہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور نہ کسی امام مجتہد یا محدث نے۔ اور نہ کسی نے مشرکین مکہ کو مرتد کہا۔ لیکن جو لوگ قرآن مجید اور انبیاءِ کرامؑ اور فرشتوں اور آخرت پر ایمان لانے کا اقرار کرنے کے بعد قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے کسی صریح اور قطعی حکم میں تحریف کے مرتکب ہوں تو انھیں اصطلاحِ شریعت میں یا مرتد کہا جاتا ہے یا زندیق۔ اور یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ گزشتہ چودہ سو سال میں آج تک کسی محقق نے محرفین قرآن مرتدین اور زنادقہ کو اہلِ کتاب میں شمار نہیں کیا۔

اساطین اشاعۃ التوحید والسنۃ کے فتوے

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کا فتویٰ

○ جو شخص .... یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ ہماری تمام پکاریں کو سنتے جانتے ہیں اور ہمارے کام کرادیتے ہیں اس کے متعلق حضرت پیر صاحب بغدادی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ کافر و مشرک ہے اور اس کا کوئی نکاح نہیں ہے۔ (مقدمہ تفسیر جواہر القرآن جلد ا صفحہ ۴۱)

○ نیز آپؒ نے موجودہ مشرکین کے عقائدِ باطلہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: ایسے عقائدِ باطلہ پر مطلع ہو کر جو انہیں کافر و مشرک نہ کہے وہ بھی ویسا ہی کافر ہے۔ کوکب الیمانی .... کالا کافر" ان سب کتابوں میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسے عقائد والے لوگ بالکل پکے کافر ہیں۔ اور ان کا کوئی نکاح نہیں۔ (مقدمہ تفسیر جواہر القرآن جلد ا صفحہ ۴۲)

○ نیز آپؒ نے شرک فی الدعاء کے زیر عنوان تحریر فرمایا کہ: یہی شرک مشرکین مکہ میں تھا۔ (مقدمہ تفسیر جواہر القرآن جلد ا صفحہ ۴۴)

○ نیز دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب میں خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: .... فتنہ و فساد اور الحاد و زندقہ کی ان آندھیوں اور طوفانوں میں نانوتویؒ اور فرزندانِ نانوتویؒ نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے چراغ روشن کیے۔ (صراطِ مستقیم شوال ۱۴۰۹ھ صفحہ ۱۲)

فائدہ حضرت شیخ القرآنؒ نے کلمہ گو مشرکین کے شرک کو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے شرک سے تشبیہ نہیں دی بلکہ مشرکین مکہ کے شرک سے تشبیہ دے کر بات واضح فرمادی کہ ان کے نزدیک کلمہ گو مشرکین پر اہل کتاب کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ملحد و زندیق یعنی فی حکم المرتدین ہیں۔

شیخ القرآن امام محمد طاہر پنج پیری کا فتویٰ

○ شیخ القرآن حضرت مولانا امام محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر اپنے فتویٰ میں ایک شبہ کا جواب اس طرح تحریر فرمایا:

○ آج کل اس مسئلہ میں اکثر لوگوں کو شبہ پڑ گیا ہے کہ نصِ صریح میں تو اہل کتاب کے ذبائح کو حلال اور تزویج نسائھم کو سورۂ مائدہ میں جائز قرار فرمایا ہے۔ اور سورۂ بقرہ میں آیت: لاتنکحوا المشرکات سے نکاح حرام فرمایا ہے۔

○ یہ شبہ اس وجہ سے پڑ گیا کہ ان لوگوں نے اہلِ کتاب کو مشرکین کا مقابل اور دونوں کو ضدان لایجتمعان سمجھا ہے۔ حالانکہ ان میں تقابل مراد نہیں۔ بلکہ اہل کتاب ایک قسم کفار و المشرکین سے ہے۔

○ اور اہلِ کتاب اور مشرکین میں عموم خصوص من وجہ ہے اگر سابقہ اہلِ کتاب مراد ہوں۔ یا عموم خصوص مُطلق ہے اگر موجودہ اہلِ کتاب مراد لیا جائے۔

○ خداوند کریم جل مجدہٗ نے اہلِ کتاب کو یہ دو خصوصیتیں عطاء فرمائی ہیں: "حِلّتِ ذبائح" اور "تزویج نسائہم" جو اور (دیگر) کفار اور مشرکین کو نہیں دیا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مشرکین نہ تھے یا کفار' بلکہ باوجود ان کے کفر اور شرک کے یہ خصوصیت ان کو دی گئی ہے' اس پر اور کفار یا مشرکین کو قیاس کرنا "تشریع من عند نفسہ" ہے۔ جیسا کہ مغرب کی تین رکعات فرض پر نوافل یا اور اوقات کے سُنَن کو قیاس کرنا غلط ہے۔

○ جو لوگ موجودہ عقائدِ شرکیہ والوں کو جیسے بریلوی وغیرہ کو اہلِ کتاب کہتے ہیں یہ ان کی صریح نادانی اور غلطی ہے۔ بلکہ اگر یہ لوگ اول سے ایسے عقائد پر آئے ہوں تو وہ کمشرکی عرب ہیں اور اگر اسلام لانے کے بعد ایسے عقائد شرکیہ غیر اللہ کو غائبانہ پکار کر معتقدین لسمعھم و نصرھم او ینذرون باسماءھم تو وہ مرتدین ہیں۔

○ اور آیت سورۂ مائدہ سے و من یرتد منکم سے یہی لوگ مراد ہیں، اگر مرتد نہ ہوں تو فقہاء نے باب مرتدین کیوں باندھا ہے۔ اور اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتدین نہیں تو اس آیت اور حدیث : لا یزالون مرتدین سے آخر کیا مراد ہے۔

○ اہل کتاب کو یہ درجہ حرمۃ علی اھل الانصاب دیا گیا ہے۔ ان اللہ سبحانہ اذن فی طعامھم و قد علم انھم یسمون غیرہ علی ذبائحھم و لکنھم لما تمسکوا بکتاب اللہ و تعلقوا بذیل نبی جعلت لھم حرمۃ علی اھل الانصاب۔ کما فی احکام القرآن لابن العربی جلد ۲ صفحہ ۵۵۶۔ و ھکذا فی القرطبی جلد ۶ صفحہ ۷۶۔ (۲۲ جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ)

فائدہ حضرت شیخ القرآن پنج پیریؒ نے نہایت واضح الفاظ میں اس خیال کی تردید فرمادی جو آج کل لوگوں میں مشہور ہورہا ہے کہ کلمہ گو مشرکین اہل کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ بلکہ حضرت شیخ القرآن امام محمد طاہر پنج پیریؒ تو اپنی زندگی میں ہر سال دورۂ تفسیر القرآن کے دوران اس بات کی وضاحت فرمایا کرتے تھے کہ موجودہ مشرکین کا ذبیحہ مردار ہے۔ چنانچہ :

سورۃ مائدہ کی آیت چار میں درسِ قرآن کی پشتو تقریر

د سورۃ المائدہ آیۃ څلورم درس :

○ هغه شیخ چه ګیره ئے منکز کړے وی او بریت ئے خریلی وی او پیښے ئے اوچتے کړے وی او مسواك ورسره وی خوچه مشرك وی نو د هغه ذبیحه مرداره ده او هغه سپے چه تعلیم والا وی نو د هغه حلاله ده نو مشرك د سپی نه هم بدتر شو۔

یعنی دورۂ تفسیر القرآن میں سورۃ مائدہ کی آیت ۴ کے تحت شیخ القرآن حضرت مولانا امام محمد طاہر پنج پیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ :

وہ صوفی جس نے داڑھی میں کنگھی بھی کی ہوئی ہو اور مونچھیں بھی کٹوائی ہوئی ہوں اور پائنچے بھی ٹخنوں سے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں اور مسواک بھی اس کے پاس ہو (ان تمام خوبیوں کے باوجود) اگر وہ مشرک ہو تو اس کا ذبیحہ مردار ہے۔ اور وہ کتا جو سدھایا ہوا ہو تو اس کی ماری ہوئی حلال ہے۔ اس لیے مشرک کتے سے بھی بدتر ہوا۔

فائدہ حضرت شیخ القرآن پنج پیریؒ نے یہ وضاحت کلمہ گو مشرکین کی عام ذبائح کے متعلق فرمائی ہے۔ مااھل بہ لغیر اللہ والی ذبیحہ کے متعلق نہیں فرمائی۔ کیونکہ وہ حضرت شیخ الوانیؒ کے خصوصی تلامذہ اور تربیت یافتہ لوگوں میں سے تھے۔ اور عام طور پر واں بھچراں میں اپنے قیام کے دوران پیش آنے والے بعض ناقابلِ فراموش واقعات بیان فرماتے رہا کرتے تھے۔ مثلاً:

واں بھچراں کا کھیر والا واقعہ

○ څه چه کله د حضرت صاحب (مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ) سره وومر. نو ځما یو استاذ وو. مولانا عبد الحلیم صاحب فارسی بان. نو ما ورته خط او لیکلو چه راشه څه بیمار یم. (که ما داسے وئیلے وے چه راشه. نو عالم وو. بیا خو نه راتلو) نو چه هغه راغے. نو ما ورته اووئیل چه څه بیمار نه یم خو ما دے له دا اوغوښتي چه دا د قرآن یو ډیر لوئي عالم دے. نو قرآن ترینه او وایه بیا به ملك ته ځے. نو هغه ماته کنځل شروع کړو چه ځما پشان څوك عالم شته؟ ډیر اوقاریدو. څه غلے وومر. نو ما ورته وے چه خیر دے. ته ځے درس واوره. نو هغه اووئیل چه دے پنجابي وانی. نو ما اووئیل چه خیر دے فارسی به وائی.

○ نو ما حضرت صاحب ته اووئیل چه نن به مونږ ته فارسی کښې درس کئے. (داسے مے نه وئیل چه ملا راغلے دے) او

حضرت صاحب له فارسي ډېره خه ورتله. او مونږ هم پښته. شپږ کسان وو او په فارسي پوهيدو. نو مغه سورة النساء واوريده نو ما ترينه تپوس اوکړو. نو مغه اووئيل چه دے خما غوږ ته پوهه دے او بيا بله ورځ مے ترينه بيا تپوس اوکړو نو مغه اووئيل چه خه عالم دے. خو که په فارسي کښې درس کوی نو خه به پاتے شم.

○ نو دے چه کله راغے نو خما يو ملګرے وو ملتانے. او څمونږ پښته ميانشئے تيرے شوے وے او مونږ غوښه نه وه ليدلے او د کلو غوښه مونږ نه خوړه. ځکه مغه مشرکان وو. نو مونږ په پښته آنے يوه چرګه واغسته او په لس پيسے مونږ سير غوړی واغستو چرګه پخه شوه مونږ ډوډۍ ته کيناستو نو دا ملتانے وائی چه ځه مولانا له "کهير راوړم". نو ما ورته په خوله لاس کيخودو چه چپ شه سړيه خير مغه بيا اووئيل نو مولانا ورته اووئيل چه "کير درزن کن"

○ نو ملتانے خفه شو چه ماته ئې کنځل اوکړو او مولانا هم خفه شو. چه ماته ئې کنځل اوکړو. او مغه د طبيعت نه سخت وو. دواړه پاسيده (او ما ترينه نيمه چرګه او خوړه) او بيا مے دواړه پوهه کړو چه ستاسو د خبرے مطلب دا دے. نو دواړه خفه شو.

○ چه دا خو واقعي مونږ غلطي کړے ده. بيا مے روغ کړو ما اووئيل چه ژبه نه درځي نو مه وايه.

○ دا واقعه او بيان د سورة ابراهيم اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ باندے بيان کړے ده.

یعنی جب میں حضرت صاحب (مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے یہاں رہتا تھا۔ تو میرے ایک استاذ مولانا عبدالحلیم صاحب فارسی بان تھے۔ میں نے

انھیں خط لکھا کہ میں بیمار ہوں۔ لہٰذا آپ تشریف لائیں۔
(میرے وہ استاذ صاحب عالم تھے اگر میں ان کو یہ نہ لکھتا کہ میں بیمار ہوں تو شاید وہ تشریف نہ لاتے)

○ تو جب وہ تشریف لائے تو میں نے کہا کہ میں بیمار نہیں ہوں مگر میں نے آپ کو اس لیے زحمت دی کہ یہ (مولانا حسین علی) قرآن مجید کے بہت بڑے عالم ہیں۔ لہٰذا آپ بھی ان سے قرآن مجید پڑھ لیں۔ تو اس پر وہ مجھ سے ناراض ہونے لگے اور کہا کہ بھلا مجھ سے بھی بڑا کوئی عالم ہے؟۔ لہٰذا میں ان کی یہ بات سن کر خاموش ہو گیا۔ اور کہا کہ خیر ہے جی آپ درس قرآن پاک سن تو لیں۔

○ تو اس پر انھوں نے فرمایا کہ یہ تو پنجابی میں تفسیر بیان کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ خیر ہے حضرت صاحب فارسی میں تقریر فرمائیں گے۔ تو میں نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ آج ہمیں فارسی میں درس دیں۔ (میں نے حضرت صاحب سے یہ نہ کہا کہ ایک عالم تشریف لائے ہوئے ہیں) اور حضرت صاحب کو فارسی پر مکمل عبور حاصل تھا اور ہم پانچ چھ ساتھی بھی فارسی سمجھتے تھے۔

○ تو استاذ (عبد الحکیم صاحب) نے سورۃ النساء کا درس سنا تو میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت صاحب کیسے عالم ہیں؟

○ اس پر انھوں نے فرمایا کہ مجھ جیسے عالم ہیں۔

○ پھر دوسرے دن میں نے ان سے پوچھا تو فرمانے لگے کہ یہ اچھے عالم ہیں۔ اگر حضرت صاحب روزانہ فارسی میں ہی درس دیں تو میں رہنے کو تیار ہوں۔

○ جب میرے یہ استاذ (مولانا عبد الحکیم صاحب) تشریف لائے تو میرے ساتھ ایک ملتانی ساتھی بھی رہا کرتے تھے۔ اور ہم نے پانچ ماہ سے گوشت کا منہ تک نہ دیکھا تھا اور بستیوں کا گوشت ہم نہیں کھاتے تھے۔ کیونکہ وہ (بستیوں میں رہنے والے لوگ) مشرک تھے۔

○ لہٰذا ہم نے پانچ آنے کی مرغی اور دس پیسے کا گھی خریدا۔ مرغی تیار ہوئی اور ہم کھانے کے لیے بیٹھے تو ملتانی ساتھی نے کہا کہ میں استاذ صاحب کے لیے کھیرا لاتا ہوں۔ تو میں نے منہ پر انگلی رکھ کر اس ملتانی ساتھی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

○ اس کے باوجود اس ملتانی ساتھی نے پھر کہا کہ میں مولانا صاحبؒ کے لیے "کھیرا لاتا ہوں"۔

○ تو مولانا صاحب نے اسے کہا: "کیشر دررزن کن"۔

○ تو ملتانی ساتھی ناراض ہونے لگے کہ مولانا صاحب نے مجھے گالی دی ہے۔ اور مولانا صاحب بھی اپنی جگہ ناراض ہوئے کہ اس نے مجھے گالی دی ہے۔ اور استاذ صاحب طبیعت کے بھی سخت تھے۔ لہٰذا دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ (اور میں آرام سے مرغی کھاتا رہا)

○ پھر میں نے دونوں کو سمجھایا کہ (کھیرا اور کیشر میں یہ فرق ہے) تو اس پر دونوں پشیمان ہوئے کہ واقعی ہم نے غلطی کی ہے۔ اور میں نے دونوں کی باہم صلح کروادی۔

○ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ کو زبان نہیں آتی تو نہ بولا کریں۔

○ شیخ القرآن حضرت مولانا طاہر صاحب پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہ واقعہ سورۃ ابراہیم کی آیۃ الا بلسان قومہ کے تحت بیان فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ شیخ القرآن امام محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم بستیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے کیونکہ وہ مشرک تھے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ بستیوں کا گوشت نہ کھانے کی وجہ یہی تھی کہ ذبح کرنے والے مشرک تھے۔ لیکن یہ وجہ نہ تھی کہ بستی کہیں دور ہے۔ اور اب ظاہر ہے کہ ان کو یہ سبق حضرت پیر و مرشد ہی سے ملا تھا۔ ورنہ وہ ایسا لفظ نہ کہتے۔ کیونکہ حلال کو حرام کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ جیسا کہ:

○ ہمارے پیرو مرشد شیخ الوانی عام طور پر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا ایمان کی شرطوں میں سے ہے۔

○ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ اسی طرح کسی حرام کام کو حرام سمجھتے ہوئے بلاعذر قصداً اس کا ارتکاب کرنا بھی کفر ہے۔ البتہ غیر ارادی طور پر سہواً کسی حرام کام کا مرتکب ہوجانے سے کفر لازم نہیں آتا۔ اس لیے ان کا کہنا بجا تھا کہ مشرک کی ذبیحہ حرام ہے۔

○ اور اس وقت ان کو یہی سبق ملا تھا اور آخر دم تک اسی پر عامل رہے۔ اور فتوے بھی اسی کے مطابق دیتے رہے کہ مشرک کا ذبیحہ حرام ہے۔ اور آپؒ نے موجودہ دور کے مشرکوں کو نہ اہل کتاب کہا' نہ اہل کتاب کے حکم میں فرمایا۔ بلکہ اس کی پرزور الفاظ میں تردید فرمائی۔

○ یاد رہے کہ اس واقعہ میں حضرت شیخ القرآنؒ نے جس گوشت کا ذکر کیا ہے اس سے واں بچراں کے عام مشرک قصائیوں کی ذبیحہ مراد ہے' جو بازار میں فروخت کرنے کی غرض سے ذبح کیا جاتا تھا۔

○ اس سے مراد ما اھل بہ لغیر اللہ والا ذبیحہ نہیں۔ اس کا مسئلہ تو اس مسئلے سے بالکل مختلف اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کے حرام ہونے میں تو شاید کسی کو بھی اختلاف نہ ہو۔ بلکہ تاویل کے بعد اس مسئلہ میں تو کلمہ گو مشرکین کو بھی اختلاف نہیں۔

○ یہ واقعہ شیخ محمد طاہر صاحب پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب پٹھان کالونی کراچی والوں نے پشتو میں بیان کر کے اس کا ترجمہ بھی کیا۔ اور کہا کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اپنی آواز میں کیسٹ پر بھی یہ بیان محفوظ ہے۔ اور اس کی تصدیق مولانا حافظ ولی سید رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

واں بھچراں کا ایک اور واقعہ
بروایت مولانا حافظ ولی سید رحمہ اللہ تعالیٰ

○ شیخ القرآن حضرت امام محمد طاہر پنج پیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد خاص حضرت مولانا حافظ ولی سید رحمہ اللہ تعالیٰ (کالوخان ضلع صوابی) ایک مرتبہ مجھ سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت انھوں نے سیدنا ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مجھ سے سوال کیا۔ (ان کے سوال کا جواب ماہنامہ گلستانِ شیخ جنوری فروری ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا تھا) اور دورانِ گفتگو واں بھچراں میں حضرت شیخ القرآن کے قیام کے دوران گوشت نہ کھانے کے متعلق انھوں نے ایک واقعہ سنایا:

○ شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت صاحب (مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ) سے پوچھا کہ کئی ماہ سے گوشت نہیں دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے۔ تو آپؒ نے فرمایا: "نیک بختا! مشرکاں دی کُٹھی حرام ہوندی اے"۔ یعنی مشرکوں کی ذبیحہ حرام ہوتی ہے۔

فائدہ اس واقعہ میں بھی "مشرکاں دی کُٹھی" سے مشرکین کے ہاتھ کی وہی ذبیحہ مراد ہے جو بازاروں میں فروخت کرنے کی غرض سے کی جاتی ہے۔ اس سے مراد ما اھل بہ لغیر اللہ والی ذبیحہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ جن لوگوں نے حضرت صاحبؒ کو اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کردیا تھا وہ نذر لغیر اللہ کے جانور ذبح کرکے طلباء کے لیے حضرت صاحبؒ کے ڈیرے پر بھیجیں۔ ان کی حالت تو یہ تھی کہ اگر کوئی دور دیس کا مسافر حضرت صاحبؒ کی ملاقات کے لیے آتا تو ڈیرے کا رستہ بھی نہیں بتلاتے تھے۔ مسافر کو کسی دوسرے رستے پر ڈال دیتے تھے۔ تاکہ یہ حضرت صاحبؒ سے ملاقات کرکے ان سے قرآن مجید کی تفسیر نہ سن لے۔

شبہ کی بناء پر حرام کو حلال سمجھنے والوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہو

⊙ شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مضمون "مشتبہ چیزوں کو ترک کرنا دین کا حصہ ہے" میں مشتبہ چیزوں سے بچنے کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے محقق علماءِ اعلام کے فتووں کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

① دارمی نے امام اوزاعیؒ سے نقل کیا ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ: "عبادت کے بغیر فقیہ ہونے کا دعویٰ کرنے والوں اور شبہ کی بناء پر حرام کو حلال سمجھنے والوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہو"۔ (الدارمی صفحہ ۳۶)

② اور دارمی نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ولاتتبعوا السبل" (یعنی کئی ایک راستوں پر مت چلو) کے ذیل میں امام مجاھد سے "السبل" کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ: "اس سے مراد "وہ بدعتیں اور شبہات" (کھٹکنے والی چیزیں) ہیں"۔ (الدارمی صفحہ ۳۸)

③ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: حسان بن ابی سنانؒ کہتے ہیں کہ: "میں نے "ورع" اور پرہیزگاری سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی (یعنی یہ کہ) کھٹکے کی چیزوں کو چھوڑ دو اور بے کھٹکی چیزوں کو اختیار کرو"۔

④ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: امام خطابیؒ کا ارشاد ہے کہ: "ہر وہ چیز جس میں تجھے شک ہو جائے تو پرہیزگاری یہی ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے"۔ (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۵۰ وکذا فی شرح العینی جلد ۱ صفحہ ۳۵۰)

⑤ پس وہ امور جن کے حلال اور حرام ہونے میں اشتباہ ہو تو ان سے اجتناب ہی مناسب ہے۔ خیال رہے کہ یہ اشتباہ ایسے علماء پر نہیں ہوتا جو علم کے اعتبار سے پختہ ہوں۔ (قال ابن رجب فی جامع العلوم والحکم صفحہ ۵۶)

(دیکھیے: نغمۂ توحید اپریل ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۶ و ۱۷)

مولانا ولی اللہ کابلگرامی کی شہادت

○ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ اور شیخ القرآن حضرت امام محمد طاہر پنجپیریؒ کے شاگرد اور اپنے علاقہ کے مشہور عالم دین اور نفاذ شریعت کے امیر حضرت مولانا ولی اللہ صاحب کابلگرامی مدظلہٗ العالی سے محترم رضوان اللہ صاحب کابلگرامی نے یکم شوال ۱۴۱۹ھ کو دریافت فرمایا:

سوال

① اہل کتاب شرک کرتے تھے یا نہیں؟

② باوجود شرک کے ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

③ اگر باوجود شرک کے ان کا ذبیحہ حلال ہو تو آیا موجودہ مشرکین کو اہل کتاب پر قیاس کرکے ان کے ذبیحہ کو حلال کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

④ موجودہ مشرکین کو اہل کتاب پر قیاس کرکے ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

⑤ مندرجہ بالا سوالات کے بارے شیخ محمد طاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نظریہ کیا تھا؟

رضوان اللہ کابلگرامی

الجواب واللہ الہادی والموفق للصواب

① اہل کتاب شرک کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاٰخر ولا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید و ھم صاغرون ○ وقالت الیھود عزیر ن ابن اللہ و قالت النصارٰی المسیح ابن اللہ ذٰلک قولھم بافواھھم یضاھئون قول الذین کفروا من قبل قاتلھم اللہ انی یؤفکون ○ اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابًا من دون اللہ و المسیح ابن مریم و ما امروا الا لیعبدوا الٰھًا واحدًا لا الٰہ الا ھو سبحٰنہٗ عما یشرکون ○ (التوبۃ - ۹: ۲۹-۳۱)

(۲) ذبیحہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم (المآئدۃ۔۵:۵)

(۳) موجودہ مشرکین کو اہل کتاب پر قیاس کر کے ان کے ذبیحہ کو حلال نہیں کہا جاسکتا۔ یہ مشرکین اہل کتاب نہیں ہیں۔ مقیس جزئیہ میں خود نصوص حرمت موجود ہیں۔ پہلی آیت میں تخصیص حلت ذبیحہ اہل کتاب دلیل ہے۔ عدم حلت ذبیحہ مشرکین پر۔

(۴) قیاس صحیح نہیں موجودہ مشرکین اہل کتاب نہیں ہیں۔ یا وثنی ہیں یا مرتد ہیں۔ اور ان دونوں کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے۔

○ پہلی بات کہ یہ کتابی نہیں اس لیے کہ اہل کتاب بحیثیت صفتی نام کے صرف یہود و نصاریٰ کے لیے اصطلاح شریعت میں خاص ہے۔ دوسرے کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

○ دوسری بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن۔۔۔ ولا تنکحوا مشرکین حتی یومنوا (البقرۃ۔۲:۲۱۷)

(۵) یہی قول حضرت شیخ (امام محمد طاہر پنج پیری) نوراللہ مرقدہ کا تھا۔ اور یہی تعلیم تھا ان کا۔ واللہ اعلم

مزید تحقیق کے لیے علماءِ ربانیین سے رجوع کرلیں۔

(حضرت مولانا) **ولی اللہ کابلگرام** ۲ر شوال ۱۴۱۹ھ

فائدہ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب ظلہ کا یہ فتویٰ بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔ اس میں آپ نے سائل کے جواب میں اس بات کی وضاحت بھی فرمادی کہ حضرت شیخ القرآن پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی تھا کہ موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین اہل کتاب نہیں اور نہ ہی ان کی ذبیحہ حلال ہے۔ جیسا کہ خود حضرت شیخ القرآن پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ سے واضح ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

شیخ التفسیر مولانا محمد امیر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

○ حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تلمیذِ رشید شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر بندیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ بانی جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا نے اپنی مایہ ناز تصنیف **دعوۃ الحق** صفحہ ۴۸ سے صفحہ ۶۰ تک آیات دربیان علوم مختصہ باری تعالیٰ بیان کرنے کے بعد فائدہ میں فرمایا:

○ آیات مذکورہ سے یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ علم غیب کلی بجمیع اشیاء ماکان و ما یکون کا ایک ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ کسی نبی اور ولی فرشتہ اور جن کو قدرت اور قبضہ علم الغیب پر نہیں دیا۔ یہ خاصہ واجب الوجود کا ہے۔ کوئی ممکن الوجود اس کے لائق نہیں۔ اگر کسی نبی یا ولی میں اس علم غیب کا عقیدہ رکھے یا جن اور فرشتے کو عالم الغیب سمجھے کہ ان کو ہر چیز معلوم ہے حتیٰ کہ مغیبات خمسہ کا بھی ان کو علم دیا گیا ہے۔ اور جمیع ماکان وما یکون میں سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ ان کو تمام غیوبات پر قدرت ہوتی ہے۔ تو: ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک اور کافر ہے۔ نصوص قطعیہ کا منکر کتاب اللہ کا محرف **زندیق** اور بے دین ہے۔

فائدہ مندرجہ بالا عبارت میں شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر بندیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرکیہ عقائد بیان کرنے کے بعد "ایسا عقیدہ رکھنے والا" کے الفاظ استعمال فرمائے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ: "وہ پہلے موحد ہو پھر شرکیہ عقیدہ اختیار کرلے"۔ یعنی وہ توحید کا اقرار کرنے کے بعد مرتد ہو جائے۔ بلکہ فرمایا: "ایسا عقیدہ رکھنے والا"۔ یعنی نسلی طور پر باپ دادا کی اتباع میں ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص زندیق اور بے دین ہے۔

○ اس مقام پر حضرت بندیالوی نے نسلی مشرک کے بارے میں ہی قرآنی آیات کی روشنی میں اپنا مسلک بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگ مرتد نہیں بلکہ زندیق ہیں جن کا حکم مرتدین سے زیادہ سخت ہے۔

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا خوب اچھی طرح علم تھا کہ زندیق کون ہوتا ہے اور اس کے بارے میں کیا شرعی احکام کیا ہیں۔ وہ بہت بڑے اور متبحر عالم دین تھے۔ وہ محدث بھی تھے مفسر بھی تھے فقیہ بھی تھے مناظر بھی تھے اور خطیب بھی تھے۔ حکمت کے ساتھ بات کرنے اور سمجھانے کا سلیقہ انھیں وراثۃً ملا تھا۔ وہ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ کونسی بات اس وقت عوام کے لیے قابل برداشت ہے اور کونسی بات کو کس انداز میں تدریجاً بیان کرنا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دعوۃ الحق آپ کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے۔ جو انھوں نے سرگودھا تشریف لانے سے قبل ڈیرہ جاڑہ میں تحریر فرمائی تھی۔ اس علاقہ میں اکثریت انھی جاہل عوام کی ہے جو قبر پرستی اور ندا لغیر اللہ برائے استعانت واستمداد مافوق الاسباب میں مبتلا ہیں۔ اور اس کتاب میں انھوں نے انھی کلمہ گو مشرکین کے شرکیہ عقائد بیان کرنے بعد ان پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگایا۔ اس کے بعد اگر زندگی وفا کرتی تو یقیناً پوچھنے والے بھی ان سے پوچھتے کہ زندیق کسے کہتے ہیں اور اس کے احکام کیا ہیں۔ اور وہ یقیناً زندیق کی وہی تعریف بیان کرتے جو ان کے پیش رو اکابرین امت بیان کر گئے ہیں۔ جیسا کہ آج ہم سے پوچھا جا رہا ہے۔

اس کے بعد صفحہ ۱۱۷ سے صفحہ ۱۲۷ تک : "تحقیق ما اھل بہ لغیر اللّٰہ" کے زیر عنوان مسئلۂ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت امام رازیؒ کے حوالے سے آپؒ نے فرمایا : قال العلماء لو ان مُسلماً ذبح ذبیحۃ و قصد بذبیحتھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتداً و ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد یعنی جو مسلمان کوئی ذبیحہ ذبح کرے اور ذبح کرنے سے مقصد اس کا یہ ہو کہ جس کے نام پر اس کو ذبح کیا گیا ہے وہ خوش ہوگا۔ اور اس ذبح میں اس کی رضا مقصود ہے۔ وہ میری ذبح کو جان رہا ہے۔ پس اس ذبح سے وہ شخص

مرتد ہوگیا۔ اور اس کی ذبح مرتد کی ذبح کے برابر ہے۔ یعنی وہ شخص اس عقیدہ تقرب الیٰ غیر اللہ سے مرتد ہو جائے گا۔

○ نیز آپؒ نے صفحہ ۱۲۵ پر بھی یہی عبارت تفسیر نیشاپوری کے حوالے سے نقل فرمائی۔ یہاں انھوں نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا کہ اگر بالفرض مسلمان ذبح کرے اور ذبح کرنے سے اس کا مقصد تقرب الیٰ غیر اللہ ہے تو اس عقیدے سے وہ مسلمان مرتد ہو جائے گا۔ اور اس کی ذبیحہ مرتد کی ذبیحہ ہوگی۔

○ لیکن جہاں انھوں نے کلمہ گو مشرکین کی بات کی ہے وہاں انھیں مرتد نہیں بلکہ زندیق اور بے دین کہا ہے۔ (دیکھیے: دعوۃ الحق ص ۶۰، ۶۱)

○ نیز جس طرح آپؒ نے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کو زندیق قرار دیا ہے اسی طرح آپؒ نے صفحہ ۲۳ پر مشرکین عرب کو بھی زندیق کہا ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت مولانا محمد امیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے دعوۃ الحق صفحہ ۲۳ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے حوالے سے مشرکین مکہ کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: جو اصول اہل جاہلیہ میں مسلم تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آسمان اور زمین اور جو چیز آسمان اور زمین کے درمیان ہے ان سب کا خالق خدا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ بے شک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہدیں گے کہ خدا نے پیدا کیا ہے۔ لیکن ان کے **زندیق** ہونے کی ایک بات یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بعض فرشتے اور ارواح ایسے ہیں جو علاوہ بڑے بڑے انتظامات کے امور اہل زمین کے مدبر ہوا کرتے ہیں۔

○ پھر صفحہ ۱۵ پر عرب کے ان زنادقہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کے بارے میں فرمایا: جو کوئی کسی ولی کو یا جن یا فرشتہ کو' یا امام و امام زادے کو' یا پیر و شہید کو' یا نجومی و رمال کو' یا جفار کو' یا

فال دیکھنے والے کو' یا برہمن کو' یا بھوت پری کو' ایسا جانے' یا اس کے حق میں یہ عقیدے رکھے سو وہ ابو جہل کی طرح مشرک و کافر ہے۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت مولانا محمد امیر بندیالوی رحمہ اللہ تعالے کا مسلک یہی تھا کہ موجودہ زمانے کے کلمہ گو مشرکین دائرۂ اسلام سے خارج اور مشرکین مکہ کی طرح زندیق اور بے دین ہیں جن کے ہاتھ کی ذبیحہ بھی حرام ہے اور ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح بھی کسی مسلمان کا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین تو شرک میں ان مشرکین عرب سے دو قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ:

○ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ اُس زمانہ کے مشرک عین مُصیبت میں ایک اللہ کو پکارا کرتے تھے اور مُصیبت کے ٹل جانے کے بعد پھر اپنے معبودوں کو اللہ کے شریک ٹھہرا کر مشرک بن جاتے اور توحید کو بھول جاتے تھے۔ لیکن آج کل کے مشرکوں کا تو یہ حال ہے کہ ہر حال میں سختی ہو یا نعمت' دریاؤں میں ہوں یا جنگلوں میں اوروں کو پکارتے ہیں۔ کوئی شیخ عبدالقادر کو پکارتا ہے' کوئی شاہ عبدالحق کو پکارتا ہے' کوئی یا علیؓ اور یا حسینؓ کے نعرے لگاتا ہے' کوئی اپنے پیر کو پکارتا ہے۔ یہ پیر پرست' نام کے مسلمان اُس زمانہ کے مشرکوں سے شرک میں دو قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں اور شرک میں زیادہ پکے ہیں اور پھر باوجود زیادہ شرک کرنے کے اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

○ نیز آپؒ نے "التوحید" صفحہ ۴۸ میں فرمایا کہ: "انبیاء اور اولیاء کے معجزات و کرامات سنا کر اختیار ان کا ثابت کرنا یہ کتاب اللہ کی صریح تحریف ہے"۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپؒ کے نزدیک موجودہ زمانہ کے کلمہ گو مشرکین زندیق ہیں۔ کیونکہ زندیق اسی کو کہا جاتا ہے جو نصوص شرعیہ کے مسلّمہ معانی میں تحریف کرے۔

○ نیز آپؒ نے التوحید صفحہ ۹ پر ارشادِ باری تعالیٰ لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن (الآیہ) نقل فرمائی۔ جو صریح دلیل ہے اس بات کی آپؒ کے نزدیک موجودہ زمانہ کے کلمہ گو مشرکین مکہ کے مشرکوں کی طرح کے شرک میں مبتلا ہیں جن کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود آپؒ نے ردِّ شرک پر متعدد قرآنی آیات نقل کرنے کے بعد صفحہ ۱۲ پر **تبصرہ** کا عنوان قائم کرکے فرمایا:

○ اگرچہ اس قسم کے مضمون کی آیات کتاب اللہ میں اکثر ہیں، لیکن یہاں تو بمنزلہ مشتے نمونہ از خروارے ہدیۂ ناظرین ہیں۔ قارئین پر سطورِ بالا میں اتنا واضح ہو چکا ہوگا کہ ذاتِ بابرکات باری تعالیٰ نے باوجود بے پایانی رحمت اور بے انتہائی شفقت کے مشرک پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔ جو ایک بڑی رحمت کا مقام ہے۔ اور اس کیلئے مغفرت کا وعدہ فرمایا اور مشرک کو تعمیرِ مَسجِدِ اللّٰہ سے روکا گیا بلکہ قربِ مساجد سے بھی منع فرمایا گیا۔ اور شرک کو ظلم عظیم فرمایا۔ اور مشرک کے جمیع اعمالِ صالحہ کے حبط کا حکم دیا۔ اور مومن و مشرک کو رشتۂ مناکحت کرنے سے روکا۔ اور مشرک کے لیے استغفار اور جنازہ اور دعائے مغفرت اور قیام علی قبور المشرکین وغیرہ معاملاتِ شرعیہ سے منع فرمایا۔

فائدہ اس مقام پر حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کس قدر واضح الفاظ میں کلمہ گو مشرکین کی مشرکین عرب سے مماثلت بیان کرنے کے بعد قرآنی آیت کی روشنی میں مومن و مشرک کو رشتۂ مناکحت سے روکنے کا ذکر فرما کر مسئلہ کھول دیا ہے۔ اگر اب بھی کسی کے پلے بات نہ پڑے اور اب بھی اگر کوئی کلمہ گو مشرکین کے ساتھ مناکحت کو جائز سمجھے یا ان کی ذبیحہ کو حلال قرار دے تو اس میں حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا کوئی قصور نہیں۔ انھوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور انھیں جنت کے اعلیٰ مقام میں ترقی عطا فرمائے۔ اظہارِ حق میں ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلائے۔ آمین۔

○ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر بندیالوی مدظلہ نے قرآن مجید کی آیت کریمہ : و جعلوا للہ مما ذرء من الحرث و الانعام (الانعام۔ ۱۳۰) کی تفسیر میں فرمایا : اس آیت میں مشرکین کے شرک فعلی کا بیان ہے۔ جو کھیتی باڑی اور مویشی جانوروں میں اللہ کے سوا اوروں کے حصے مقرر کر کے شرک کرتے ہیں۔

○ کھیتی میں اللہ کے نام کے حصے دیتے۔ کیونکہ وہ اللہ کو مانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کو خالق' رازق' مالک' محیی' ممیت' مدبر' جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے حصے دے کر خدا کو بھی خوش کرتے اور کھیتوں میں حضرت ابراہیمؑ' حضرت اسماعیلؑ اور لات بزرگ کے حصے مقرر کر کے بعقیدہ تقرب الی اللہ اور شفیع مان کر ان کو بھی راضی کرتے اور بزرگوں کے نام پر بھی چھوڑتے تھے۔ فرق اتنا ہوتا تھا کہ اگر کوئی جانور اچھا دیکھا جو اللہ کے نام کا دیا ہوا ہوتا وہ بزرگوں کے نام کی طرف بدل دیا۔ مگر بتوں کے نام کی چیز اللہ کی طرف نہیں بدلا کرتے تھے۔ کیونکہ ان سے زیادہ ڈرتے تھے کہ یہ بزرگ ناراض ہو گئے تو پھر جو چاہیں کریں' یہ مختار ہوتے ہیں' ان کو پھر کوئی روکنے والا نہیں۔ لہٰذا ان سے زیادہ ڈر رکھتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس غلّہ وغیرہ میں بھی یہی صورت اختیار کر رکھی تھی۔

○ یہاں نذر و نیاز کا بیان ہے جو غیر اللہ کے نام پر غلّہ اور جانوروں کی نذریں مانتے تھے۔ اس کو قرآن نے شرک فرمایا ہے۔

○ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح آج کل اللہ کے نام کے بھی حصے دیے جاتے ہیں' مثلاً زکوٰۃ' عشر' صدقات' قربانی وغیرہ اور غیر اللہ کے نام پر بھی چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ اور جانور مقرر کیے جاتے ہیں۔ دودھ' کپڑے' مرغے' آٹے' شیرینیاں دی جاتی ہیں۔ مثلاً بکرا شیخ سدو کا' گائے شیخ کبیر کی' صحنک بی بی فاطمہؓ کی' گیارھویں حضرت پیرؒ کی' کونڈے امام جعفرؒ کے' وغیر ذلک۔ زندیق مولوی عوام کو نیکی کا کام کہہ کہہ کر ان سب

کاموں کی ترغیب دیتے رہتے ہیں

○ جس طرح سابقہ زمانہ میں بطورِ تقرب اور محبت ان اشیاء کو بزرگوں کے نام کی طرف منسوب کرتے تھے اسی طرح آج کل بھی محبت اور خوشنودی کی خاطر یہ نذر دی جاتی ہیں۔ نظریہ بھی ایک اور طریقہ بھی ایک۔ نام میں فرق ہے کام میں نہیں۔

○ آیات مذکورۃ الصدر میں مختلف قسم کے نظریات و افعال شرکیہ بیان کیے گئے۔

خلاصہ: جن کا یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی جزء بنانا یا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں شریک ٹھہرانا' مثلاً ان کو عالم الغیب سمجھنا بایں طور کہ دنیا کے ذرہ ذرہ کا ان کو علم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں' ان سے بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام عالم کے غیوبات اور مستورات پر اطلاع دی ہے۔ ہماری کوئی آواز اور ہماری کوئی حرکت ان سے مخفی نہیں ہے۔ یہ حاضر و ناظر ہیں۔ پھر ان کو مختارِ کل سمجھنا کہ جو چاہیں سو کریں جس طرح اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر مختار ہے یہ عطائی طور پر مختار ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر سنتا دیکھتا ہے' یہ عطائی طور پر سنتے دیکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے آگے سفارشی بنتے ہیں اور کام کروادیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا بہت بڑا لحاظ ہے۔ ان کی سفارش کو موڑتا نہیں۔ جب ان کو پکارا جائے' یہ ہماری پکاریں سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ ہمیں دیکھتے ہیں اور جب ان کے نام کی نیازیں دی جائیں اور ان کے نام پر مویشی چھوڑے جائیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور جب ان کی مزاروں پر طواف کیا جائے اور بوسہ دیا جائے یا ہاتھ لگایا جائے یا غلاف چڑھایا جائے تو راضی ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنتے ہیں۔ وغیر ذلک۔ ان تمام حرکات اور خیالات و ظنونات کو اللہ تعالیٰ نے شرک فرمایا ہے۔ (التوحید مؤلفہ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۴۳ تا ۴۵)

○ حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ نے جہاں خوبصورت اندازِ تحریر میں مشرکین عرب اور کلمہ گو مشرکین کی باہم مماثلت بیان کر کے حکم کا فیصلہ قارئین پر چھوڑا ہے۔ وہاں قرآنی الفاظ میں خدائی فیصلہ بیان کرتے ہوئے انہی کلمہ گو مشرکین کو دعوت توحید اور شرک کو چھوڑنے کی ترغیب دیتے ہوئے التوحید صفحہ۹ پر اپنے مخصوص انداز میں آیت: لاتنکحوا المشرکات تحریر فرمائی۔

○ اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ نے انہی کلمہ گو مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کی عورتوں سے مسلمان کو نکاح کرنا حرام ہے۔ لہٰذا جب ان کی عورتوں سے نکاح حرام ہے تو ان کی ذبیحہ بھی یقیناً حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسائل قربانی کے بیان میں آپ اس مسئلہ کا واضح الفاظ میں ذکر فرمایا کرتے تھے کہ کلمہ گو مشرکین سے جانور ذبح نہ کرایا جائے۔ اور اس کے لیے اول تو خود ذبح کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ بصورت دیگر موحد قصائی سے ذبح کرانے کا حکم فرماتے تھے۔ چنانچہ:

○ حضرت مولانا محمد امیر رحمہ اللہ کے زمانے میں مدرسہ ضیاء العلوم سرگودھا کی طرف سے مسائل قربانی کے موضوع پر شائع ہونے والے اشتہار میں ذبح کرنے کا طریقہ اس طرح لکھا جاتا تھا کہ: "اگر ذبح کرنا جانتا ہو تو خود ذبح کرے ورنہ مسلمان موحد سے ذبح کرائے۔ اہل کتاب کی ذبح مکروہ ہے۔ مرتد اور مجوسی کی ذبح حلال نہ ہوگی"۔ (یہ اشتہار ہمارے پاس موجود ہے)

○ نیز آپ نے رسالہ "احکام قربانی" صفحہ ۱۹ و ۲۰ میں تحریر فرمایا: اگر ذبح کرنا جانتا ہو تو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ کسی اور سے ذبح کرالے۔ بشرطیکہ مسلمان موحد ہو اور ذبح کا طریقہ جانتا ہو۔ اور آپ پاس کھڑا دیکھے۔ اگر پردہ دار عورت پردے کی وجہ سے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی تو حرج نہیں۔

○ اہل کتاب کا قربانی ذبح کرنا مکروہ ہے۔ مرتد اور مجوسی وغیرہ ذبح کرے تو اس کی ذبح حلال نہ ہوگی۔

شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کے ساتھ فرمادیا کہ اگر آپ ذبح کرنا نہ

فائدہ حضرت جانتا ہو تو دو شرطوں کے ساتھ کسی اور سے ذبح کروالے : ① ذبح کرنے والا مُسلمان موحد ہو۔ ② ذبح کا طریقہ بھی جانتا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ شرط وہی ہوتی ہے جس کے بغیر ماله الشرط کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اور:

قاعدہ ہے : اذا فات الشرط فات المشروط۔ جب شرط مفقود ہو تو مشروط بھی مفقود ہوتا ہے۔ اس شرط سے واضح ہوگیا کہ اگر ذبح کرنے والا مُسلمان موحد نہ ہو بلکہ مشرک ہو تو ذبح حلال نہ ہوگی۔ اسی مسئلہ کی وضاحت میں آپؒ نے فرمایا کہ : مرتد، مجوسی وغیرہ کی ذبح حلال نہ ہوگی۔ البتہ شبہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید میں تو و طعام الذین اوتوا الکتب حل لکم آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔ جبکہ اہل کتاب تو شرک بھی کرتے تھے۔ جن کے شرک کا ذکر صراحۃً قرآن مجید میں موجود ہے۔ سو جواب شبہ کے طور پر فرمایا کہ : اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ذبیحہ حلال تو ہے مگر حسب تصریح علماء متقدمین و متأخرین مکروہ ہے۔ جیسا کہ :

○ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ میں تحریر فرمایا کہ : ان آیات میں ذبیحہ کی حلت اور نکاح کی اباحت سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ چیزیں فی حد ذاتہ جائز ہیں۔ معاذ اللہ ترغیب دینا مقصود نہیں کہ تم خواہ مخواہ مُسلمان عورتوں کو اور اپنے خاندان کی لڑکیوں کو چھوڑ کر کتابیات سے نکاح کیا کرو۔ بلکہ تنگی دفع کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی وقت ضرورت اور مصلحت داعی ہو تو اہل کتاب کی عورتوں سے فی حد ذاتہ نکاح جائز ہے۔ بشرطیکہ خارجی اثرات اور حالات سے کسی مضرت اور مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اگر خدانہ خواستہ یہ اندیشہ ہو کہ ان کے جال میں پھنس کر اپنے دین و ایمان کو تباہ کرے گا تو ان حالات میں کتابیات سے نکاح کی حلت مبدل بہ حرمت ہوجائے گی۔ جو چیز شرعاً حلال ہو مگر اس حلال

سے منتفع ہونے میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑے تو وہ حلال بھی حرام ہو جاتا ہے۔

○ مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۶۲ میں فرمایا کہ: ایک مرتبہ میمون بن مہران نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم ایک ایسے ملک میں آباد ہیں جہاں اہلِ کتاب زیادہ بستے ہیں۔ تو کیا ہم ان کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو جواب میں یہ دونوں آیتیں پڑھ کر سُنادیں۔ ایک وہ جس میں مشرکات کے نکاح کو حرام فرمایا ہے (لاتنكحوا المشركٰت) دوسری یہ آیت مائدہ جس میں اہلِ کتاب کی عورتوں کی حلت بیان کی ہے (والمحصنٰت من الذين اوتوا الكتٰب من قبلكم) میمون بن مہران نے کہا یہ دونوں آیتیں تو میں بھی قرآن مجید میں پڑھتا ہوں اور جانتا ہوں۔ میرا سوال تو یہ ہے کہ ان دونوں (آیتوں) کے پیشِ نظر میرے لیے حکم شرعی کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پھر یہی دونوں آیتیں پڑھ کر سُنادیں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کے نزدیک اگرچہ از روئے قرآن اہلِ کتاب کی عورتوں سے فی نفسہٖ نکاح حلال ہے۔ لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اور خرابیاں اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے بلکہ پوری امتِ اسلامیہ کے لیے از روئے تجربہ لازمی طور پر پیدا ہوں گی ان کی بنا پر اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

○ جصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دیدو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لیے حرام ہے؟۔ تو پھر امیرالمؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر

فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا۔ لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے۔ اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہو جائے۔

○ اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو بروایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو اس کے یہ الفاظ تھے: اعزم علیك ان لا تضع کتابي حتی تخلي سبیلها فاني اخاف ان یقتدیك المسلمون فیختاروا نساء اهل الذمة لجمالهن وکفی بذلك فتنة لنساء المسلمین (کتاب الآثار صفحہ ۱۵۶) یعنی آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دیکر آزاد کردو۔ کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتداء کریں اور اہلِ ذمہ اہلِ کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں۔ تو مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی۔

○ اس واقعہ کو نقل کر کے حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فقہاءِ حنفیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اس نکاح کو حرام تو نہیں کہتے لیکن دوسرے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں۔

○ اور علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ حذیفہؓ کے علاوہ طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ انھوں نے آیتِ مائدہ کی بنا پر اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیا۔ تو جب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو سخت ناراض ہوئے۔ اور ان کو حکم دیا کہ طلاق دیدیں۔

○ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ ہے۔ جب اس کا کوئی احتمال نہ تھا کہ کوئی یہودی، نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر سکے۔ اس وقت تو صرف یہ خطرات

سامنے تھے کہ کہیں ان میں بدکاری ہو تو ان کی وجہ سے ہمارے گھرانے گندے ہو جائیں۔ یا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں۔ مگر فاروقی نظر دوربین اتنے ہی مفاسد کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو طلاق پر مجبور کرتی ہے۔ اگر آج کا نقشہ ان حضرات کے سامنے ہوتا تو اندازہ کیجیے کہ ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا۔ اول تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدے کی رو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں۔ نہ ان کا تورات و انجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر۔ وہ عقیدے کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریے ہیں۔ محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں۔

○ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمان کے لیے کسی طرح حلال نہیں۔ اور بالفرض اگر وہ اپنے مذہب کے پابند بھی ہوں تو ان کو کسی مسلمان گھرانے میں جگہ دینا اپنے پورے خاندان کے لیے دینی اور دنیوی تباہی کو دعوت دینا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اس راہ سے اس آخری دور میں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ جن کے عبرت نامے روز آنکھوں کے سامنے آتے ہیں کہ ایک لڑکی نے پوری مسلم قوم اور سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ حلال و حرام سے قطع نظر بھی کوئی ذی ہوش انسان اس کے قریب جانے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔

○ الغرض قرآن و سنت اور اسوۂ صحابہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں۔

○ اور حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے تفسیر معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ میں فرمایا: بلکہ موجودہ زمانے کے یہود اور نصاریٰ کے ساتھ

بے ضرورت اختلاط اور ان کے ساتھ بیٹھ کر طیبات کا کھانا بھی خالی از فتنہ نہیں۔ مناکحت تو بڑی چیز ہے ان کے ساتھ تو محض مواکلت اور مشاربت (کھانے پینے) کا یہ اثر ہے کہ کفر سے مانوس اور اسلام سے بیزار اور اہل اسلام سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اعوذ باللّٰہ من الکفر والفقر آمین۔

○ راقم الحروف کہتا ہے کہ آج کے دور کا مُسلمان یہود و نصاریٰ کو اچھا نہیں سمجھتا۔ بلکہ یہودی اس کے نزدیک گالی ہے۔ اس کے باوجود مشاہدہ ہے کہ یہی مُسلمان جب یورپ اور امریکہ میں چلا جاتا ہے تو قطع نظر ایمان باللّٰہ و الرسول و القرآن' یہود و نصاریٰ کے ظاہری اخلاق و عادات و معاملات کو دیکھ کر بہت متأثر ہو جاتا ہے اور ان کا مداح بن جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ فراڈ نہیں کرتے۔ معاملات میں کھرے ہیں وغیرہ۔ اور یہ چیز دیکھ کر بعض تو وہیں کی شہریت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور وہیں کی میموں سے شادی کر لیتے ہیں۔ اور اگر ان کی پہلی بیوی ہو تو اس کا خرچہ بند کر دیتے ہیں۔ بالآخر طلاق بھی دے ڈالتے ہیں۔

کتابی کا ذبیحہ اور نکاح کی حلت خلافِ قیاس ہے

○ اہلِ کتاب کی ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کے بارے قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جیسے ان کی نماز' نماز نہیں اور ان کی کوئی عبادت مقبول نہیں۔ بلکہ ان کے تمام اعمالِ صالحہ ضائع ہیں۔ ایسے ہی ان کی ذبیحہ بھی حلال نہ ہونی چاہیے اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہونا چاہیے۔ لیکن باایں ہمہ نصِ قرآنی نے ان دونوں حکموں کو اس قیاس سے خارج کر دیا اور اللّٰہ تعالیٰ نے اس امتِ مُسلمہ پر ان کے ذبیحہ کے استعمال کرنے کی رُخصت مرحمت فرمائی۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا۔ جیسا کہ:

○ تفسیر قرطبی جلد ۶ صفحہ ۷۷ میں ہے: فلما کان القیاس ان لا تجوز ذبائحهم کما نقول انهم لاصلوٰۃ لهم ولا عبادۃ مقبولۃ رخص اللّٰہ تعالیٰ فی

ذبائحھم علی ھذہ الامۃ واخرجھا النص عن القیاس علی ما ذکرناہ من قول ابن عباس۔

○ اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن جلد ۱۱ صفحہ ۳۱ میں تحریر فرمایا: فاذا کان جواز نکاح الکتابیات علی خلاف القیاس بآیۃ المائدۃ لابد ان یقتصر علی الکتابیات۔

○ نیز فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۵۲۰ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح فرمایا ہے۔

○ اور جو حکم خلاف قیاس وارد ہو تو اس کو اپنے مورد پر بند رکھا جاتا ہے۔ اور اس کی علت متعدیہ نہیں نکالی جاتی۔ جیسا کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے۔ جیسے:

○ نماز کاملہ (ذات رکوع و سجود) میں اونچا ہنسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اب اس پر ان لوگوں کو قیاس کرنا کہ جو خارج از نماز اونچا ہنسے یا نابالغ ہنسے یا نماز جنازہ میں ہنسے تو یہ قیاس صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ حکم قیاس کے خلاف ہے۔ اور اس کی علت نکالنا غلط ہوگا۔ نیز دیکھیے: ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، ۱۹۹، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۹۹۔

○ اسی طرح واقعہ بدر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر پر کھڑے ہو کر مرے ہوئے کافروں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقًا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقًا۔ تو اس حدیث میں مرے ہوئے کافروں کو خطاب اور ان کا سننا معجزہ ہے۔ اس پر قیاس جائز نہیں۔ یعنی یہاں سے قیاس کرنا کہ سب مردوں کو خطاب کیا جا سکتا ہے اور وہ سنتے ہیں۔ یہ قیاس فاسد ہوگا۔

قربانی اور غیر قربانی کا فرق

○ بعض لوگوں نے قربانی کا جانور مرزائی رافضی اور مشرک کے ذبح کرنے سے حلال نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ قربانی عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب بھی کافر ہے۔ اس دلیل کی رو سے اس کی ذبیحہ بھی حلال نہ ہونی چاہیے۔ جبکہ:

○ کتاب الاضحیہ میں علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ کتابی سے قربانی کا جانور ذبح کروایا جائے تو اس کی ذبح مکروہ ہے (حرام نہیں) کیونکہ قربانی قربت اور عبادت ہے۔ اور کتابی عبادت کے اہل نہیں۔ البتہ:

○ اگر مالک نے کتابی کو قربانی کا جانور ذبح کرنے کا حکم دیا تو اس کتابی کی ذبیحہ حلال ہوگی۔ کیونکہ حلت اور کراہت جمع ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ:

○ حضرت شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا کہ: "کتابی کی ذبیحہ مکروہ ہے"۔ (یعنی حلال مع الکراہت ہے)

○ پھر فرمایا کہ: "مرتد مجوسی وغیرہ کی ذبح حلال نہیں"۔ اس "وغیرہ" میں قادیانی، مشرک، اور دیگر اسلام کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے سبھی آ گئے۔ نیز علماء کرام کی عبارت ذبیحۃ المسلم و الکتابی حلال سب ذبیحوں کو شامل ہے۔ خواہ ذبیحہ قربانی کا ہو یا غیر قربانی کا۔ اس میں کسی کی تخصیص یا استثناء نہیں۔

○ یہاں سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ حلت اور کراہت جمع ہوتی رہتی ہیں۔ اور جب مطلق مکروہ بولا جائے تو مراد مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ کیونکہ اصولی

فائدہ ہے: المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل۔

○ نیز فقیہ کبیر ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن مسعود نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کنز الدقائق کتاب الکراہیۃ صفحہ ۴۲۲ میں تحریر فرمایا: المکروہ الی الحرام اقرب کہ مکروہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔

○ اور بعض قرائن کی وجہ سے بعض مقامات پر مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہوتی ہے۔ لیکن اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔ جیسا کہ نام حق میں مولانا شرف الدین نے فرمایا: ع

در مکروہ مباش بے اندوہ
یعنی مکروہ سے بھی بے غم نہ ہو

○

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ کے فتوے

○ خطیب اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جامع مسجد تھڑے والی لالہ موسیٰ میں ۲۱ جنوری ۱۹۸۳ء کو بعد نمازِ عشاء قرآن کریم کی اہمیت کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح بیان فرمایا کہ: پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا: جو شخص نبی پاکؐ کی سیرت، احادیثِ صحیحہ، آپؐ کے اقوال و افعال سے، آپؐ کے صحابہؓ کے آثار سے تفسیر کرے وہ ہمارے سر آنکھوں پر لیکن جو شخص قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر خود گھڑے جو قرآن کریم کے متن، ارشادات رسولؐ اور تفسیر صحابہؓ کے خلاف ہو وہ فاسق و فاجر ہے ایسا شخص آسمان کی رفعتوں سے اڑتا ہوا آئے، پانی کی لہروں پر کشتی کے بغیر چلتا آئے اور اس کے پاؤں بھی نہ بھیگیں، اسی طرح دوسری کرامتیں بھی دکھاتا رہے تو میں واشگاف لفظوں میں کہوں گا کہ: وہ زندیق ہے، جہنم کا ایندھن ہے۔

○ نیز حضرت شاہ صاحب نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا یہ فتویٰ بیان کرنے کے بعد مزید ارشاد فرمایا کہ: "یہی فتویٰ ہے:

(۱) حضرت جنید بغدادیؒ کا،

(۲) صوفیائے کرام کے امام و پیشوا، سہروردی سلسلے کے رہنما، عوارف المعارف والے حضرت امام سہروردیؒ کا۔ اور

(۳) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کا، خدا کی رحمتوں کی بارش ہو ان بزرگانِ دین کی قبروں پر، ان سب کا یہی فیصلہ ہے۔ (یعنی جو شخص قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر خود گھڑے جو قرآن کریم کے متن، ارشادات رسولؐ اور تفسیر صحابہؓ کے خلاف ہو وہ زندیق ہے۔)

دیکھیے: نغمۂ توحید فروری مارچ ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۴۔

فائدہ دیکھیے حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کس طرح صاف واضح الفاظ میں زندیق کی تعریف بیان فرمادی۔ جو موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین پر سولہ آنے صحیح صادق آتی ہے۔ بال برابر فرق نہیں۔ ہر اہلِ علم اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ انصاف شرط ہے۔ ولا یفلح الظّٰلمون○

کلمہ گو مشرکین قرآن مجید کو نہیں مانتے

○ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت: واذ صرفنا الیك نفرا من الجن (الاحقاف۔۴۶: ۲۹) پر جامع مسجد مدنی گھاریاں میں ۱۳ر مارچ ۱۹۸۷ء کو بعد نمازِ عشاء تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

○ ذرا سوچیے! جنات کی جماعت کو قرآن کتنا پیارا لگا۔ وہ قرآن کی آواز سن کر خاموش ہوگئے۔ لیکن کتنے بدبخت ہیں آج کل کے وہ مُلّا اور پیر، جنھیں قرآن راس نہیں آتا۔ وہ قرآن کریم کے مقابلہ میں مختلف کتابیں لے آتے ہیں۔ اور ان کتابوں پر تو پورا یقین رکھتے ہیں، لیکن اللہ کی کتاب کی آیات ماننے کو تیار نہیں۔ (نغمۂ توحید جنوری ۱۹۹۳ء صفحہ ۵۸)

فائدہ جو لوگ کلمہ گو مشرکین کو اہلِ کتاب کہتے ہیں ان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جو لوگ بقول حضرت شاہ صاحبؒ سرے سے قرآن مجید کو مانتے ہی نہیں بلکہ قرآن مجید کے مقابلہ میں مختلف کتابیں پیش کرتے ہیں، وہ بدبخت کس اصول اور قاعدے کی رو سے اہلِ کتاب ہوسکتے ہیں۔ جن کی ذبیحہ کو حلال قرار دیا جاسکے۔ فافہم

کلمہ گو مشرکین کی مشرکین مکہ سے تشبیہ

○ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص انداز میں "اپر کلاس" اور "لوئر کلاس" مشرکین کی قسموں کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اپر کلاس مشرک:

○ کچھ لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے خود انبیاء و اولیاء کو اختیارات دے رکھے ہیں۔ وہ جسے چاہیں نفع دیں' جسے چاہیں نقصان دیں۔ یہ اپر کلاس مشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید یوں فرمائی:

قرآن مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (اَلْقَصَصْ۔۲۸:۶۸)

ترجمہ "وہ اختیار نہیں رکھتے"۔

لوئر کلاس مشرک:

○ دوسرے درجے کے مشرک کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہیں۔ ہم انھیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کی قبروں پر نہیں جاتے۔ بلکہ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں وہ ہماری درخواست سن کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ یہ لوئر کلاس مشرک ہیں۔ یہ مشرکینِ مکہ کی طرح کہتے ہیں:

قرآن هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یُوْنُس۔۱۰:۱۸)

ترجمہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

(نغمۂ توحید جنوری ۱۹۹۳ء صفحہ ۶۰ و ۶۱)

کسیکہ فعلِ حرام را مُستحسن داند مرتد می گردد

○ نیز آپؒ نے شجرۂ بدعات صفحہ ۱۸ میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ:

① حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں: "عملِ صوفیاء در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم۔ اینجا قول امام ابی حنیفہؒ و امام ابی یوسفؒ و امام محمدؒ معتبر است نہ عمل ابی بکر شبلی و ابی حسن نوری' صوفیان خام ایں وقت عمل پیرانِ خود را بہانہ ساختہ سرود رقص را دین و ملت خود گرفتہ اند و طاعت و

عبادت ساختہ اولئک الذین اتخذوا دینہم لہواً و لعباً واز روایتِ سابق معلوم شدہ است: کہ فعل حرام را مستحسن داند از زمرۂ اہل اسلام برمے آید و مرتدمے گردد۔"

یعنی صوفیوں کا عمل حرام اور حلال میں سند نہیں ہے۔ یہی بات کافی ہے کہ ہم انھیں معذور جانیں اور ملامت نہ کریں۔ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کریں۔ یہاں (یعنی حلال و حرام کے مسائل میں) تو فقہاء امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے فیصلے معتبر ہیں نہ کہ صوفیاء ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کے۔ کچھ صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر گانا اور ناچنا مذہب میں داخل رکھا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ اور سابقہ روایت سے معلوم ہوگیا کہ جو شخص فعلِ حرام کو اچھا جانے زمرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔

(مکتوبات جلد ا مکتوب ۲۶۶ صفحہ ۱۷۰)

فائدہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا جو فتویٰ نقل فرمایا ہے اس میں نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ کسی قسم کے حرام کام کو اچھا سمجھنے والا شخص دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات رکھنا جائز نہیں۔ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے نہ اس کے ساتھ رشتہ قائم کیا جائے اور نہ ہی اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔

تعامل حجت نہیں

○ جو کام پہلے سے ہو رہا ہے اسے سند بنانے کے متعلق فرماتے ہیں: "تعامل دلیلِ استحسان نیست تعاملے کہ معتبر است ہماں است کہ از صدرِ اول آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ الاتری لو تعاملوا علیٰ بیع الخمر و علی الربوا لاتفتی بالحل۔ (مکتوبات جلد ۲ صفحہ ۱۰۳)

یعنی کسی کام کا پہلے سے چلے آنا اس کے اچھا ہونے کی دلیل نہیں، تعامل وہی معتبر ہے جو صدرِ اول سے آرہا ہو یا اجماعِ امت سے حاصل ہو۔ اگر شراب کے کاروبار یا سود پر لوگ تعامل کرنا شروع کردیں، تو اس کی حلت کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ (شجرۂ بدعات صفحہ ۱۸، ۱۹)

○ اس وقت صوفی اگر انصاف پر آئیں تو بناوٹی چیزوں کو پیروں کے عمل کے بہانہ سے نہ کریں۔ سنت کی اتباع یقیناً نجات دینے والی ہے۔

(مکتوبات شریف دفتر ۲ مکتوب ۲۳ صفحہ ۶۲)

کلمہ گو مشرک مرتد ہیں

"اگر اہلِ کتاب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے تھے تو آج کا مشرک بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتا ہے۔ پھر یہ کیا بات ہوئی کہ موجودہ دور کے مشرک کو مرتد کہا جائے اور پہلے دور کے مشرکین کے بارے میں فتویٰ نرم ہو"۔ (نغمۂ توحید اپریل ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۰)

○ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے یہود و نصاریٰ کا کفر و شرک قرآن مجید کی آیاتِ مقدسہ سے ثابت کرکے مسئلہ واضح فرمادیا۔ لہٰذا ان لوگوں کو اپنے اس قول سے رجوع کرلینا چاہیے جو:

① پہلے دور کے یہود و نصاریٰ کے مشرک و کافر ہونے میں شک کرتے ہیں۔ یا:

② ان کے بارے میں کسی طرح سے بھی نرم رویہ رکھتے ہیں۔ یا:

③ اس زمانے میں موجود بدمذہب زندیق قسم کے نام نہاد یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کو جائز اور ان کی ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ یا:

④ یہودیوں اور عیسائیوں پر قیاس کرتے ہوئے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرک زنادقہ کی عورتوں سے نکاح کو جائز اور ان کی ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں۔

فائدہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کلمہ گو مشرکین کے مرتد ہونے کی نفی نہیں بلکہ تصویب فرمائی ہے۔

○ نیز حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارات میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ وہ کلمہ گو مشرکین کو اہلِ کتاب کی بجائے زندیق اور مرتدین کے حکم میں ہی سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی یہ عبارات بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں۔ پھر ان کے ساتھی اور پیر بھائی شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن حضرت امام محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالرؤف بوچھالوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی تھا کہ یہ کلمہ گو مشرکین اہلِ کتاب نہیں۔ اس لیے بعض حضرات کا یہ کہنا کسی غلط فہمی پر مبنی ہوگا کہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کلمہ گو مشرکین کو اہلِ کتاب کہتے تھے۔ جبکہ خود حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تحریر میری نظر سے ایسی نہیں گزری جس میں انھوں نے اس قسم کا کوئی لفظ استعمال کیا ہو۔ تاہم حلال و حرام کے معاملے میں اگر پیر کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے جو اجماعِ امت کے خلاف ہو تو اسے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ جیسا کہ

○ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے البلاغ المبین صفحہ ۵۵ میں فرمایا: فعلِ مشایخ حجت نہ باشد"۔ کہ پیر کا فعل شرعی حجت نہیں تھا۔

○ اسی طرح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا: "مشرب پیر حجت نیست، دلیل از کتاب و سنت می باید"۔ یعنی عقائد و شرعی امور میں پیر و مرشد کا مسلک حجت نہیں۔ شرعی امور میں ہمیشہ قرآن و سنت سے ہی دلیل لینی چاہیے۔ (دیکھیے: اخبار الاخیار صفحہ ۹۳)

○ اسی طرح مشہور صوفی شاعر حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور مثنوی میں تحریر فرمایا ہے: ؎

نیست حجت قول و فعلِ ہیچ پیر
قولِ حق و فعلِ احمد را بگیر

مودودی صاحب کا مسلک

○ نغمۂ توحید میں ہے کہ : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ایک دفعہ گجرات میں منظور خاں صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔ انھوں نے خطیبِ اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کو بھی دعوت دی۔ حضرت شاہ جیؒ تشریف لے گئے۔ باتوں باتوں میں یہ مسئلہ چلا کہ جن کلمہ گو لوگوں کے عقائد و اعمال صریح مشرکانہ ہیں ان کی اقتداء میں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

○ مولانا مودودی مرحوم کہنے لگے : "میں تو انھیں مشرک نہیں کہتا بلکہ اہلِ کتاب سمجھتا ہوں۔ اور اہلِ کتاب اگرچہ شرک میں مبتلا تھے لیکن قرآن پاک میں ان کے لیے مشرک کا لفظ استعمال نہیں ہوا"۔

○ حضرت شاہ جیؒ نے فرمایا : "قرآن پاک میں شرک کرنے والے اہلِ کتاب کے لیے مشرک کا لفظ استعمال ہوا ہے"۔ اس کے بعد حضرت شاہ جی نے قرآن مجید منگوا کر سورۃ توبہ کی آیت ۳۰ تا ۳۳ اور سورۃ انعام کی آیت ۱۲۱ کی تلاوت فرما کر ثابت کیا کہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے لیے قرآن مجید میں مشرک کا لفظ استعمال ہوا ہے"۔

○ مودودی صاحب اور حضرت شاہ جیؒ کے اس مکالمے سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اس مکالمہ سے قبل مودودی صاحب کلمہ گو مشرکین کو اہلِ کتاب قرار دے کر نہ صرف مناکحت اور ذبیحۂ مشرک کو حلال سمجھتے رہے' بلکہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے رہے تھے۔ پھر حضرت شاہ جیؒ کے سمجھانے سے بات سمجھ آگئی تو مودودی صاحب کہنے لگے : "شاہ صاحب! بات سمجھ آگئی ہے۔ مَیں خود تو پہلے ہی ایسے لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے احتیاط برتتا ہوں' آئندہ دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کو کہوں گا"۔ (دیکھیے : نغمۂ توحید ستمبر ۱۹۹۰ء صفحہ ۶ و ۷)

○ اس مکالمہ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کا مسلک یہ

تھا کہ کلمہ گو مشرکین باوجود شرک کرنے کے مشرک نہیں بلکہ اہلِ کتاب ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ انھیں اہلِ کتاب سمجھنے کے ساتھ ساتھ مشرک بھی سمجھتے تھے۔ حالانکہ بات ایسی نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ مودودی صاحب اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کو شرک میں مبتلا ہونے کے باوجود مشرک نہیں کہتے تھے، اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک نہیں کہا۔ جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مودودی صاحب کے اس قول کی اصلاح فرمائی ہے۔ اور قرآنی آیات سے ثابت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک کہا ہے۔ اس مکالمہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کلمہ گو مشرکین کو اہلِ کتاب کہتے تھے۔ کیونکہ اول تو انھوں نے یہ کہا ہی نہیں کہ کلمہ گو مشرک اہلِ کتاب ہیں، نیز اہلِ کتاب کی جو تعریف علماءِ عقائد نے بیان کی ہے وہ ان پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ یہ لوگ قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید محکم اور ناقابلِ نسخ کتاب ہے۔ اور اہلِ کتاب وہ ہوتا ہے جو کتبِ منسوخہ میں سے کسی پر ایمان لانے کا مدعی ہو۔ جیسے تورات و انجیل۔ اور قرآن مجید پر ایمان لانے کے مدعی کافر و مشرک کو متقدمین میں سے کسی نے اہلِ کتاب نہیں کہا بلکہ زندیق کہا، یا فی حکم المرتدین۔

○ نیز مودودی صاحب کے استدلال سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مودودی صاحب اہلِ کتاب کی اقتدار میں نماز پڑھنے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر مودودی صاحب کراچی میں یہودیوں کی عبادت گاہ میں تشریف لے گئے تھے۔ گو انھوں نے ان کی اقتدار میں نماز پڑھنے کا ذکر تو نہیں کیا مگر مشینی ذبح کے جواز یا عدمِ جواز پر یہودیوں سے گفتگو کی۔ اور اس سلسلے میں ان سے معلومات حاصل کرتے رہے۔ یہ واقعہ مزنگ چونگی ٹیمپل روڈ لاہور کی مسجد میں برادرم مولانا عبدالحلیم قاسمیؒ، شیخ التفسیر مولانا محمد انظر اور میرے سامنے خود مودودی صاحب نے بیان کیا تھا۔

4/16

اھل الکتاب اور اھل الشرک دو مختلف شرعی اصطلاحیں ھیں

○ اصل بات یہ ہے کہ اہل الکتاب اور اہل الشرک یہ علماءِ کرام کی مخصوص اصطلاحیں ہیں۔ اہل الکتاب اگرچہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مگر اصطلاحِ علماء میں بلکہ قرآنی زبان میں ان کا لقب اہل الکتاب ہے۔ اور اہل الکتاب ہی کے لقب سے ان کو پکارا جاتا ہے۔ جیسا کہ:

اھل الکتاب

○ شیخ ابو القاسم حسین بن محمد بن فضل الراغب الاصفہانیؒ نے اپنی کتاب مفردات القرآن صفحہ ۴۲۳ میں تحریر فرمایا ہے: و حیث ما ذکر اللہ تعالیٰ اہل الکتاب فانما اراد بالکتاب التوراۃ والانجیل و ایاھم جمیعاً۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں اہل الکتاب کا ذکر فرمایا ہے وہاں وہاں کتاب سے توراۃ اور انجیل مراد لی ہے۔ اور اہلِ کتاب تمام یہود و نصاریٰ ہیں۔

○ بلکہ احادیثِ مبارکہ میں بھی جہاں اہلِ کتاب کا ذکر ہے وہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہود و نصاریٰ ہی مراد لیے ہیں۔ جیسا کہ ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: فقال اہل الکتاب ھٰؤلاء اقل عملا منا و اکثر اجرا ای قال اہل التوراۃ (مجمع بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۲۶) یعنی یہود نے کہا کہ یہ مسلمان عمل میں تو ہم سے کم ہیں اور اجر میں ہم سے بڑھ گئے ہیں۔

○ اسی طرح ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: رجل من اہل الکتاب۔ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہی لیا ہے۔

○ اسی طرح تتبع کرنے سے بہت سی احادیث مل سکتی ہیں۔ اور:

اھل الشرک

○ اصطلاحِ شرع میں اہل الشرک کا لفظ ان مشرکوں پر بولا جاتا ہے جن کے پاس کتاب نہیں۔ اگرچہ بعض مقامات پر مشرک بمعنی کافر لے کر کتابی و غیر کتابی

سب پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے تمتع کا لفظ قرآن مجید میں بالمعنی الاعم قران کو بھی شامل ہے۔ مگر اصطلاح شریعت میں تمتع اور قران میں فرق ہے۔ اسی طرح لا تنکحوا المشرکین میں مشرکین بالمعنی الاعم مطلق کافر مراد ہیں۔ خواہ کتابی ہوں یا غیر کتابی۔ مگر اصطلاح شرع میں اہل الشرک ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جو لوگ کتابی نہ ہوں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے تحریر فرمایا ہے: "باب نکاح المشرك"۔ اس سے مراد صاحب عنایہ نے صفحہ ۵۰۲ پر اور بدر الدین عینی نے صفحہ ۱۸۴ اور محمد حسن سنبھلی نے جلد ۲ صفحہ ۴۲ پر تحریر فرمایا ہے: وهم اهل الشرك الذی لا كتاب لهم یعنی اہل شرک سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس آسمانی کتاب نہ ہو۔ اور صاحب فتح القدیر نے اہل الشرک سے بالمعنی الاعم مطلق کافر مراد لیا ہے' جس کا قرینہ یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے باب نکاح اهل الشرك میں یہود و نصاریٰ کے نکاح کے احکام بھی بیان کیے ہیں۔ اور دوسرے علماء نے اصطلاحی معنے کو ملحوظ رکھا اور یہود و نصاریٰ کا ذکر تبعاً کیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ "ان کو مشرک نہیں فرمایا"۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو المشرکون کے لفظ سے مخاطب نہیں فرمایا۔ جیسا کہ کوئی شخص اگر اپنے کپڑے دھوئے تو اسے دھوبی کا خطاب نہیں دیا جاتا۔ اپنے لیے روٹی پکانے والے کو نان بائی کے نام سے مخاطب نہیں کیا جاتا۔ اپنے لیے جانور ذبح کرنے والا ہر شخص قصائی نہیں' چٹھی لکھنے سے ہر آدمی کاتب نہیں کہلاسکتا' دو جھگڑنے والوں کے بیان سن کر فیصلہ کرنے والے ہر شخص کو مجسٹریٹ یا جج نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح مطلق مشرک بولا جائے تو اس سے مراد یہود و نصاریٰ نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ پر اہل الشرک کا اطلاق نہ تو قرآن مجید میں ہوا ہے نہ حدیث نبویؐ میں اور نہ ہی اصطلاح علماء میں۔ اسی طرح مطلق اہل کتاب کہا جائے تو اس سے مراد یہود و نصاریٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

اہل الکتاب اور اہل الشرک کے درمیان نسبت

○ اہل الشرک اور اہل الکتاب کے مابین نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے۔ جس کے تین مادے ہوتے ہیں۔ جن میں سے دو مادے افتراقی ہیں۔

① ایک تو یہ کہ مشرکینِ مکہ، بت پرست، آتش پرست وغیرہ پر اہل الشرک کا لفظ صادق آتا ہے۔ اہل کتاب کا لفظ ان پر صادق نہیں آتا۔

② دوسرا مادہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بہت سے موحد یہود و نصاریٰ پر اہل الکتاب کا لفظ صادق آتا تھا اور اہل الشرک کا لفظ ان پر صادق نہیں آتا تھا۔

③ اور ایک مادہ اجتماعی ہے۔ یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کثرت کے ساتھ یہود و نصاریٰ پر اہل الکتاب کا لفظ اللہ تعالیٰ نے خود اطلاق فرمایا اور کئی مقامات پر ان کا شرک بھی بیان فرمایا۔ اس طرح یہ لوگ اہل الکتاب بھی ہوئے اور اہل الشرک بھی ہوئے۔ البتہ:

○ عند الجمہور اہل الکتاب یہود و نصاریٰ کا لقب ہے۔ اور ان کے علاوہ سب کافروں کا لقب اہل الشرک ہے۔ لیکن کسی مسلمان کا لقب اہل الکتاب نہیں۔ کیونکہ:

○ اگر وہ توحید کا قائل ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قائل ہے۔ اور جمیع ماجاء بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے تو وہ مومن اور مسلم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ورنہ وہ یا مشرک ہے یا مرتد یا زندیق۔ البتہ:

○ یہود میں سے مسلمان ہونے والے صحابۂ کرامؓ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، ثعلبہ، ابن یامین، اسد بن کعب، اسید بن کعب، سعید بن عمرو، قیس بن زید اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم وغیرہ پر اہل کتاب کا اطلاق کیا گیا ہے تو وہ مجاز ہے باعتبار ماکان کے۔ نہ کہ اب بھی ان کا لقب اہل کتاب ہے۔

اہلِ اسلام کا قرآنی لقب

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کو متعدد مقامات پر اہل الکتاب کے لقب کے ساتھ یاد فرمایا اور ہم کو مُسلمون کا لقب دیا۔ چنانچہ:

○ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران۔۳: ۶۴) یا رسول اللہ! آپ ﷺ فرمادیں کہ اے اہلِ کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف رجوع کرو جو تمہارے اور ہمارے درمیان یکساں مانی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ سمجھے۔ چنانچہ:

○ توراۃ شریف، انجیلِ مقدس اور قرآن مجید میں یہ مسئلۂ توحید برابر موجود ہے۔ مثلاً:

○ استثناء ۶: ۱۴۔۱۵ میں ہے: لا تسیروا وراء الٰهة اخرىٰ من الٰهة الامم التی حولکم۔ لان الرّب الهکم اله غیور فی وسطکم لئلا یحمی غضب الرب الهکم علیکم، فیبیدکم عن وجه الارض۔ ”تم اور قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو۔ کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے۔ سو ایسا نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور تمھیں روئے زمین سے فنا کردے“۔

○ نیز استثناء ۵: ۷۔۹ میں ہے: لا یکن الٰهة اخرىٰ امامی۔ لا تصنع لك تمثالا منحوتا صورة ما مما فی السماء من فوق و ما فی الارض من اسفل وما فی الماء من تحت الارض۔ لا تسجد لهن ولا تعبدهن لانی انا الرّب الملك اله غیور۔ یعنی میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، جو اُوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت

کرنا۔ کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔

○ اور انجیل متی ۴ : ۱۰ میں ہے : للرب الهك تسجد و اياه وحده تعبد "تو خداوند خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر"۔

○ اور قرآن مجید ۱۷ : ۲۳ : وقضى ربك ان لا تعبدوا الا اياه یعنی تیرے رب نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی ایک رب کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا۔

○ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میں فرمایا : فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (۳ : ۶۴) یعنی اتنا سمجھانے کے بعد اب بھی اگر یہ اہل کتاب روگردانی کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں۔

○ حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے اسی مقام پر لکھا ہے کہ مسلمون کے لفظی معنی "فرمانبردار" کے ہیں اور یہی اصطلاحی نام بھی اس امت کا پڑ گیا ہے۔ اور اشهدوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس بات پر گواہ رہو۔۔۔ کیا شان ہے یہود و نصاریٰ آج بھی مسلمانوں کی توحید خالص کی شہادت دے رہے ہیں۔

اصول اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کے لفظ سے یاد فرمایا اور ہم کو مسلمین کا لقب دیا۔ نہ کہ اہل کتاب کا۔

○ اسی طرح قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ہمارا لقب مسلمون رکھا ہے۔ مثلاً :

○ هو سمٰكم المسلمين من قبل وفى هذا (الحج۔ ۲۲ : ۷۸) یعنی اسی اللہ تعالیٰ نے اگلی کتابوں میں پہلے ہی سے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ یعنی فرمانبردار بندے۔ اور اس قرآن مجید میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا۔

○ ولا تموتن الا وانتم مسلمون (۳ : ۱۰۲) یعنی مسلمانی کی حالت پر ہی مرنا۔

○ فاعلموا انما انزل بعلم الله و ان لا اله الا هو فهل انتم مسلمون (۱۱ : ۱۴) اب جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم کے ساتھ قرآن مجید اترا ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو کیا اب اس حجت کے تمام

ہونے کے بعد بھی تم مسلمان ہوگے یا نہیں۔

- قل انما یوحیٰ الی انما الٰهکم اله واحد فهل انتم مسلمون (۲۱ : ۱۰۸) یا رسول اللہ! آپ ﷺ فرما دیجئے کہ میری طرف تو اسی بات کی وحی آتی ہے کہ صرف اللہ واحد ہی تمہارا معبود ہے۔ کیا اب بھی تم مسلمان ہوگے یا نہیں۔
- لا شریك له و بذلك امرت و انا اول المسلمین (الانعام۔ ۶ : ۱۶۳) اس رب العالمین کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے پہلا مسلمان ہوں۔
- و امرت ان اکون اول المسلمین (۱۰ : ۷۲ و ۲۷ : ۹۱) اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں سب مسلمانوں میں سے اول میں ہوں۔
- و امرت لان اکون اول المسلمین (۳۹ : ۱۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔
- و من احسن قولا ممن دعاء الی الله و عمل صالحًا و قال اننی من المسلمین (۴۱ : ۳۳)
- ہمارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے مسلم کا نام عطا فرمایا: ما کان ابراهیم یهودیا و لا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما (۳ : ۶۷)
- مسلمانوں کو مؤمن کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ جیسے: انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبهم و اذا تلیت علیهم ایٰته زادتهم ایمانا و علی ربهم یتوکلون الذین یقیمون الصلوة و مما رزقنهم ینفقون اولٰئك هم المؤمنون حقا (۸ : ۲-۴)
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے فرمایا کہ آپ ﷺ یوں کہیں: امرت ان اکون من المؤمنین (۱۰ : ۱۰۴)
- اسی طرح اور بہت سی آیات میں اہلِ ایمان کا نام مسلمان اور مومن آیا ہے۔

مولانا عبد الرؤوف بوچھالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

⑦ رئیس المفسرین والمحدثین حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے معتمد علیہ مرید اور اشاعت التوحید والسنۃ کے مشہور مبلغ حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب بوچھالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

⊙ اگر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو حاضر ناظر سمجھ کر اور یہ عقیدہ رکھ کر کہ میری پکار فریاد اور حاجت کی اس بندۂ بزرگ کو خبر ہے کیونکہ وہ ہر وقت میرے حال پر مطلع ہے۔ یا جس وقت ارادہ کرے جان لیتا ہے۔ یہ فاسد عقیدہ خواہ پیغمبر کے حق میں رکھے یا فرشتہ یا بزرگ پیر ولی یا بابت جن وغیرہ کے حق میں رکھ کر پکارے گا تو کافر مشرک ہوگا۔

فائدہ اور ایسا عقیدہ رکھ کر بکرا مرغا روٹ طعام شیرینی مٹھائی اچھار دانہ پیسہ یا رھویں دودھ چاول وغیرہ منت نذر مانے گا تو ماننے والا مشرک ہوگا اور وہ منذورہ یعنی نذر منت جو چیز بھی ہو حرام مثل خنزیر کے ہے۔ اب بسم اللہ پڑھ کر حرام سؤر کو حلال نہیں کرسکتا۔ بسم اللہ پڑھ کے حرام مردار کتے کو کھانے والا آلو جاہل یہودی ہے یا کوئی اور بلا۔ (یاد رہے کہ یہودی کا لفظ اس علاقہ میں بطور گالی کے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بھی اسی معنے میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد فی حکم اہل الکتاب نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ ایسے مشرک کا حکم اس کے بعد خود انھوں نے بتلادیا ہے کہ کلمۂ توحید کے منکر کا معاملہ مرتد جیسا ہوگا) ــــ اور اگر توحید کے دلائل سمجھانے کے بعد بھی اس گندۂ شرکیہ عقیدہ کو ترک نہ کرے تو ایسا شخص قطعاً کافر مشرک ہے۔ اور جو اس کی تکفیر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس فافہم۔ اور اس کلمہ توحید کے منکر کا معاملہ مرتد (جیسا) ہوگا۔ مثلاً نکاح جنازہ طلاق امامت پیری مریدی نماز حج روزہ زکوٰۃ ذبیحہ شادی غمی سب مثل دیگر کفار کے ہوگا۔

(رؤفیہ تشریح کلمہ طیبہ صفحہ ۴۷)

فائدہ حضرت بوچھالوی کے الفاظ اس قدر واضح ہیں کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ اشاعت التوحید والسنۃ کے قافلۂ اولین کے شاہسوار کلمہ گو مشرکین کی ذبیحہ کو حلال سمجھتے تھے۔

مولانا میاں محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان

○ حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذِ رشید و خلیفۂ مجاز حضرت مولانا علامہ ابو السیف میاں محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب السم النافذفی کبد المشرک والقاذف المعروف بہ "التوحید المقبول" صفحہ ۸۹ میں فرمایا: غیر اللہ کو غیب دان جانے اور حاجات میں ان کو پکارے ان کی نذر و نیاز مانے اموال میں ان کے حصے مقرر کرے ان کا سجدہ طواف غلاف چراغ جلائے بوسہ دینا روا رکھے ان کے نام کا ورد کرے اور ان کو وسائل مقرب الی اللہ فی الحاجات سمجھ کر امور تعظیمیہ عبادتیہ بجالائے اسی طرح ہزارہا امور شرکیہ جو اہل البدعۃ والاہواء میں مروج ہیں بجالائے تو وہ بلا شک کافر ہے۔ گو وہ نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ احکام شرعیہ بھی پابندی سے ادا کرتا رہے اور کلمہ طیبہ کا ورد بھی جاری رکھتا ہو کیونکہ وہ کلمہ طیبہ کی اول جزو کا معنیٰ منکر ہے اگرچہ بظاہر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی ثانی جزو کلمہ طیبہ کا معترف ہے۔ بلکہ ابوجہل و ابولہب اور ایسے مشرک میں بالکل فرق نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

فائدہ حضرت مولانا میاں محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کو اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ نہیں دی۔ اور نہ ہی ان کو اہل کتاب فرمایا۔ اور نہ ہی اہل کتاب کے حکم میں۔ بلکہ انھوں نے زمانۂ حال کے مشرکوں کو ابوجہل ابولہب (مشرکینِ مکہ) کے ساتھ تشبیہ دے کر فاعتبروا یا اولی الابصار کے الفاظ سے سمجھا دیا کہ جس طرح ابوجہل اور ابولہب کی ذبیحہ حرام ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح حرام ہے اسی طرح کلمۂ اسلام پڑھنے والے ان مشرکوں کا ذبیحہ بھی حرام ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی حرام ہے۔

مولانا سید ضیاء اللہ بخاری کا فرمان

○ جمعیت اشاعت التوحید و السنت گجرات کی طرف سے شائع ہونے والے ماہنامہ نغمۂ توحید کی خصوصی اشاعت نظریۂ پاکستان کانفرنس جلد ۸ شمارہ ۷ دسمبر ۱۹۹۶ء صفحہ ۲۰ تا ۲۳ "مجھے ہے حکم اذاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے زیر عنوان مدیر اعلیٰ (مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری) کا مضمون صراطِ مستقیم مئی ۱۹۸۷ء کے حوالے سے شائع ہوا۔ جس میں آپ نے فرمایا:

○ فرعونی نظام میں بت پرستی کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی تو ہمارے ہاں بھی صدر، وزیر اعظم اور وزرائے اعلیٰ کی طرف سے مزارات پر غلاف چڑھانے کی تقریبات ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے مشتہر کر کے شرک و بدعت کی سرپرستی کی جا رہی ہے۔ اور پھر ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے دعویدار حکمران کر رہے ہیں۔

○ فرعونی قوم سے اس کلی مماثلت کے بعد بادلِ نخواستہ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں میں تخریب کاری اور بموں کے دھماکوں کے واقعات کے بعد مجرموں کا انتظامیہ اور عدلیہ کی گرفت سے بچ نکلنا یہ بتا رہا ہے کہ صرف فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حق میں دعاؤں کی قبولیت کے صدقہ ہم مکمل تباہی سے محفوظ ہیں۔ ورنہ ہمارا نظام اور اس نظام کا پروردہ ہمارا مزاج تو ہمیں اس بریکٹ میں فٹ کر رہا ہے جس میں فرعونی فٹ تھے۔ نصرتِ الٰہی ہمارے شاملِ حال نہیں، ورنہ پنجاب پولیس اس طرح ناکام نہ ہوتی کہ تخریب کار انسانی جانوں اور املاک کی تباہی کے بعد بچ نکلتے اور پولیس عمارتوں کے ملبے اور انسانی اعضاء کے بکھرے ہوئے ٹکڑے چھپاتی پھرے، تاکہ عوام انھیں دیکھ کر بھڑ نہ جائیں۔ براہِ راست اس درندگی کا شکار ہونے والے طبقے جلے جلوس کے ذریعے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

○ ہم بھی پورے زور و شور سے اور صدقِ دل سے اس مطالبہ کی حمایت کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے سازشیوں کو جلد از جلد ڈھونڈ نکالنا چاہیے جو ہمارے پیارے وطن کی بربادی کی سازشیں تیار کر رہے ہیں۔ ان بکاؤ بدقماشوں کا جلد از جلد گرفتار ہونا ضروری ہے جن کو زیادہ مہلت دینے سے ملک کی سلامتی خطرے میں ڈالنے کا سبب بن سکتی ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اگر ہمیں اس گھناؤنی سازش کو واقعۃً ناکام بنانا ہے تو ہمیں بنیادی طور پر فرعونی نظام سے مماثلت رکھنے والے نظام کو ترک کر کے نظام مصطفٰے کو اپنانا ہوگا۔ جس میں سربراہ ایک اللہ کی عبادت کے مراکز تعمیر کرتا اور ان کی سرپرستی کرتا ہے۔

○ مندروں' گرجوں' اور مزارات اولیاء کے پردے میں بنے ہوئے شرک کے مراکز کی سرپرستی اس کے لیے جائز نہیں ہوتی۔ وہ داماد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کیوں نہ ہو' اسے عدالت ایک عام آدمی کی طرح طلب کر سکتی ہے۔ وہ یک مثالی حکمران عمر ہی کیوں نہ ہو' اسے ایک بڑھیا بھی برسر منبر ٹوک سکتی ہے۔

○ اس نظام کے حامل ملک میں کوئی بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے والا غیر خدا کی عبادت کا مرتکب ہو تو وہ مرتد اور واجب القتل گردانا جاتا ہے۔ اسے وزارت یا عدالت کے منصب سے سرفراز کیے جانے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

تبصرہ حضرت مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ان کا مسلک بھی یہی ہے کہ کوئی بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے والا غیر خدا کی عبادت کا مرتکب ہو تو وہ مرتد اور واجب القتل ہے۔ وہ اس کافرانہ فعل کے ارتکاب کے بعد اہل کتاب میں شامل نہیں ہو جاتا۔ مزید تفصیل کے لیے شاہ صاحب سے رجوع کریں۔

مشرکوں سے نکاح کی ممانعت

○ ماہنامہ نغمۂ توحید کے ابتدائی صفحات میں قوم کی اصلاح کے لیے تنبیہ کے طور پر "عرش وکرسی" اور "منبر ومحراب" کے عنوان سے دو صفحات تقریباً ہر ماہ مختص کیے جاتے ہیں۔ اور ان میں پہلے صفحہ پر قرآن مجید کی کوئی آیت اور دوسرے صفحہ میں ایک حدیث نبویؐ تحریر کی جاتی ہے۔ اسی سلسلے میں مئی ۱۹۹۱ء کے نغمۂ توحید صفحہ ۲ پر "عرش وکرسی" کے زیر عنوان "مشرکوں سے نکاح کی ممانعت" کے متعلق سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۱ : وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۲۲۱) مع ترجمہ کے نقل کی گئی ہے۔ جس میں مشرکین سے مناکحت کی ممانعت کا حکم دیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نغمۂ توحید کے سرپرست اعلیٰ پیر طریقت حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نغمۂ توحید کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی کا مسلک بھی یہی ہے کہ کلمہ گو مشرکین اہل کتاب نہیں۔ اور نہ ہی اہل کتاب کے حکم میں ہیں۔ اور اس دور میں اس آیت کریمہ کا مصداق یہی کلمہ گو مشرک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ :

○ نغمۂ توحید مارچ ۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب مدظلہ نے امام الموحدین حضرت شیخ الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید اور میرے خالہ زاد بھائی حضرت مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہور صاحب مدظلہ مدرس دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کا مضمون "شرک اور اس کی حقیقت" شائع فرمایا۔ جس میں کلمہ گو مشرکین کو پوری طرح اس آیت کریمہ کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ :

مشرک مرد اور عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت

○ شرک انسان کی تمام خوبیاں ختم کر دیتا ہے۔ ذاتی اور خاندانی عظمت و بزرگی، کسی کمالات اور موروثی خصوصیات کو مٹا دیتا ہے اور انسان کسی سوسائٹی میں عزت و احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

○ اسلام نے مشرک سے خواہ مرد ہو یا عورت، مومن مرد اور مومنہ عورت کو رشتہ گانٹھنے، ازدواجی تعلقات جوڑنے اور آپس میں اس قسم کا ربط و راہ و رسم بڑھانے سے منع کیا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ ع ٢٧

○ تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن لونڈی مشرکہ آزاد شریف زادی سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تمھیں بہت پسند ہو۔ اور اسی طرح مشرک مردوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اپنی عورتوں کا نکاح بھی نہ کرنا۔ کیونکہ مشرک (مرد) سے خواہ وہ تم کو کیسا ہی بھلا لگے مومن غلام بہتر ہے۔ یہ (مشرک لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔

○ کیونکہ جو لوگ تمھارے دین کی وجہ سے تمھارے دشمن ہو گئے ہیں اور تمھیں صراطِ مستقیم سے برگشتہ اور راہِ حق سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے ساتھ تمھارا ازدواجی رشتہ کبھی فلاح و سعادت کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ایک لونڈی سے جو اولاد ہو گی وہ بھی غلام بن کر اسی کی مِلک میں چلی جائے گی جس کی لونڈی ہے۔ مگر نسل کے غلام بن جانے کا نقصان اور محکومی کی ذلت برداشت کیے جا سکتے ہیں اور ایک مشرکہ عورت کو گھر میں لا کر تمام خاندان اور آئندہ نسل

کو نجاستِ شرک سے ملوث کرنا نہیں برداشت کیا جاسکتا۔

○ میاں بیوی کا ساتھ عمر بھر کے لیے ہوتا ہے دونوں نے مل کر راحت و آرام سے زندگی کی گاڑی کو چلانا ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے دکھ سکھ' خوشی اور غمی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی عزت و آبرو نام و ناموس اور جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ جو قرب و اتصال لباس کو وجود سے ہوتا ہے وہی زوجین کو ایک دوسرے سے ہے۔

○ اس لیے میاں بیوی کی رفاقت کو پائیدار بنانے کے لیے ضروری ہے کہ زوجین میں دلی رافت و رفق اور باہمی قلبی مناسبت اور موانست ہو' دونوں کا تعلق اتنا پُر خلوص اور اس قدر گہرا اور مضبوط ہو کہ کسی بھی قیمت پر ایک دوسرے کی جدائی اور مفارقت قبول نہ کرسکیں۔ دنیوی مال و دولت' سیم و زر' جاہ و حشمت اگر سدِ سکندری بن کر بھی میاں بیوی کے درمیان پھوٹ ڈالنا چاہیں تو ان کی محبت' الفت اور مناکحت کا رشتہ منقطع نہ ہونے پائے۔ کسی قسم کی تکلیف و امتحان کیوں نہ ہو' مصائب کے پہاڑ کیوں نہ ٹوٹ پڑیں' حوادث کی بجلیاں کیوں نہ برسیں مگر وہ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہ ہوں۔

○ دیکھیے جب مدینہ طیبہ کے آس پاس یہود کی زمینوں اور ان کے املاک کے مالک بفضلہ تعالیٰ مسلمان ہوگئے اور فتح خیبر وغیرہ سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت اچھی ہو گئی اور سب صحابہؓ نہال اور آسودہ حال ہوگئے تو اس وقت ازواج مطہرات نے بھی (جو کہ اب تک فقر و فاقہ اور تنگ دستی کی زندگی بسر کر رہی تھیں) اپنے نان و نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ مطالبہ اگرچہ ناجائز نہیں تھا۔ مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فطری سادگی اور قناعت کی وجہ سے بہت تکلیف محسوس فرمائی اور مہینہ بھر تک گھر تشریف نہ لائے۔ بالآخر خداوند تعالیٰ کی طرف سے آیۂ تخییر نازل ہوئی جس میں واضح طور پر

ازواجِ مطہرات کو ہدایت کردی گئی کہ:

إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب۔۳۳:۲۸۔۲۹)

○ یعنی تم دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت اور اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی ذات اور دارِ آخرت کے درجات میں سے ایک کا انتخاب کرلو۔

○ پہلی صورت میں دامنِ رافت و سایۂ رحمت سے محرومی ہوگی اور اپنے مہربان آقا اور شفیق و رحیم خاوند سے جدائی ہوگی۔ دوسری صورت میں حضور ﷺ کی ابدی معیت اور جاودانی رفاقت کے علاوہ آخرت کے درجاتِ عالیہ بھی ہوں گے۔ تو ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات نے ساری دنیا اور اس کی زیب و زینت اور دنیا کے عیش و عشرت کو تو قربان کردیا مگر اپنے سراپا رحمت اور سرمایۂ دنیا و آخرت شوہر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن زوجیت نہ چھوڑا۔

○ لیکن اس قسم کی وابستگی اور غایت درجہ کے قرب و اتصال کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب عقائد میں اتفاق اور خیالات میں یک جہتی ہے۔ اگر بیوی کو شوہر سے اس قدر مغایرت ہو اور اس درجہ منافرت ہو کہ وہ اس کی ساری شعوری اور اختیاری زندگی کے اصل اصول یعنی توحید کے عقیدہ ہی میں اختلاف رکھتی ہو تو دونوں میں باہمی کم سے کم درجہ میں مناسبت اور قلبی تعلق موجود ہوگا۔ زندگی کے کسی موڑ پر جاکر یہ سلسلہ منقطع ہوجائے گا۔ لہٰذا مومن مرد کو ایسی مشرکہ عورت کے ساتھ عمر بھر نباہ کرنے کا خیال ہی ترک کردینا چاہیے۔

○ نیز اگر مشرک اور مومن کے مابین ازدواجی رشتہ قائم ہوجائے۔ تو جہاں اس امر کا امکان ہے کہ مومن شوہر یا بیوی کے اثر سے مشرک شوہر یا بیوی پر اور

اس کے خاندان اور آئندہ نسل پر اسلامی عقائد اور طرزِ زندگی کا نقش ثابت ہوگا۔ وہیں یہ بھی امکان ہے کہ مشرک شوہر یا بیوی کے خیالاتِ فاسدہ اور عقائدِ باطلہ سے نہ صرف مومن شوہر یا بیوی بلکہ اس کا خاندان اور دونوں کی نسل تک متاثر ہوں گے۔ اور اس امر کا بھی قوی امکان ہے کہ ایسے ازدواج سے اسلام اور کفر و شرک کی ایک ایسی معجونِ مرکب اس گھر اور خاندان میں تیار ہوگی جس کو اسلام کسی طرح پسند کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جو شخص صحیح معنوں میں مومن ہو وہ محض اپنی خواہشاتِ شہوانی اور جذبات کی تسکین کے لیے کبھی بھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ اس کے گھر اور اس کے خاندان میں کافرانہ و مشرکانہ خیالات اور طور وطریقے پرورش پائیں اور وہ خود بھی نادانستہ اپنی زندگی کے کسی شعبے اور پہلو میں کفر و شرک سے متاثر ہوجائے۔ ایمان کا اقتضاء تو یہی ہے کہ اگر بالفرض کوئی مرد مومن کسی مشرک کے عشق و محبت میں بھی مبتلا ہوجائے تو وہ اپنے خاندان، اپنی نسل، اور خود اپنے دین، اخلاق پر اپنی شخصی خواہشات و جذبات کو قربان کردے۔ مگر آج مرد اور عورت کو آپس میں بنیادی اور اعتقادی مناسبت کا خیال کیے بغیر جکڑ دیا جاتا ہے۔ محض مال و منال، جاہ و جلال اور حسن و جمال ہی کی جستجو اور تلاش رہتی ہے اور پروا تک نہیں کی جاتی کہ ایک بداعتقاد اور بداخلاق مرد یا عورت کے اختلاط سے خطرناک اور موذی جراثیم پھیلتے رہیں گے۔

فائدہ اور یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ قادیانی لوگ کسی کو اپنے مذہب پر لانا چاہیں تو ان کے حربوں میں سے ایک کارگر حربہ یہ ہے کہ اپنی قادیانی لڑکی کا اس سے نکاح کردیتے ہیں۔ اس چکر میں آکر وہ مسلمان آدمی قادیانی ہوجاتا ہے۔

اسی طرح آغاخانیوں اور اسماعیلیوں کا بھی یہی مجرب حربہ ہے۔

○ قادیانیوں اور اسماعیلیوں سے بڑھ کر کلمہ گو مشرک ہشیار ہیں۔ سادہ لوح مسلمان کو دلائلِ شرعیہ پیش کرنے کی بجائے اکابر کی بعض ذو معنیین عبارتیں

ان کی کتابوں سے دکھا کر اور چکر دے کر انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی گستاخی کا الزام اہلِ حق اکابر پر ثابت کرتے ہیں۔ جیسے ہندو قرآن مجید میں سے مکر اللہ اور اللہ یستھزء بھم اور اس جیسی دوسری عبارتیں دکھا کر کہتے ہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی توہین کی گئی ہے۔ پھر جب ان کے ساتھ مناکحت کا سلسلہ جاری ہوگیا تو مرد کو سسرال والے گمراہ کرنے کی پوری کوشش کریں گے اور اگر وہ خود گمراہ نہ ہوا تو اس کی اولاد کو ضرور گمراہ کرلیں گے۔

○ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ مشرکین کی لڑکی لے لینی چاہیے مگر مشرک کو موحد لڑکی نہ دی جائے تو یہ محض زبانی بات ہے۔ عمل اس کے خلاف ہے۔ اگر بالفرض موحد آدمی مشرک خاندان میں شادی کرتا ہے تو جیسے عام دستور بنا ہوا ہے کہ مشرک خاندان والے موحد لڑکی مانگ سکتے ہیں۔ اب اگر انکار کریں تو فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے کہ لیتے ہو اور دیتے نہیں۔ پھر جو اولاد پیدا ہوگی نانہال کا اس کے ساتھ پیار ہوگا وہ اس اولاد کو غلط پٹڑی پر لگائیں گے۔ مشرکوں کے مدرسوں میں تعلیم دلا کر اولاد کو مشرک مبلغ مناظر بننے میں مدد دیں گے۔ اور اگر موحد لڑکی عام دستور کے مطابق مشرک خاندان میں بیاہی گئی تو اس کی اولاد اور اولاد در اولاد مشرک ہی بنے گی بلکہ مشرکوں کے مدرسے میں تعلیم حاصل کر کے ڈبل مشرک مبلغ اور پیر بن بیٹھیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

○ بخلاف عہد سلف صالحین کے کہ وہ لوگ بفضلہ تعالیٰ اپنے دین پر مضبوط تھے اور شریعت پر کماحقہ عمل پیرا ہونے کی سعی بلیغ کرتے تھے۔ جن کو دیکھ کر غیر مسلم متاثر ہوجاتے تھے۔ تو اہلِ کتاب کی لڑکی مسلم خاندان میں بیاہ کر دوسرے غیر مسلم لوگوں کے اسلام پر لانے کا داعیہ بن جاتی تھی۔ اس طرح غیر مسلم کشاں کشاں دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتے تھے۔ مگر باوجود اس بات کے سلف صالحین اہلِ کتاب لڑکی کو نکاح میں لینے کو پسند نہیں کرتے

تھے مکروہ کہتے تھے۔ دیکھیے المدونۃ الکبریٰ اور کتاب الام وغیرہ۔

مگر آج کا ماحول بالکل اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ منطقی کلیہ (الناس تبع للاخس الارذل ۔۔۔۔ یعنی لوگ نتیجے کی طرح رذیل اور خسیس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ (میر ایسا غوجی للسید الشریف علی بن محمد الجرجانی) کے مطابق لڑکی لیں تب بھی ننھیال کے پیار کی وجہ سے اولاد کے بے دین ہونے کا احتمال ہے۔ اگر لڑکی دیں تو اس سے بڑھ کر فساد دین ہے۔

یہ فتویٰ علیٰ سبیل التنزل ہے۔ یعنی اس صورت میں کہ جب ان کلمہ گو مشرکین کو اہل کتاب کے زمرے میں داخل کریں۔ جبکہ گزشتہ چودہ صدیوں میں علماء حق میں سے کسی نے بھی اہل اسلام کو تو مرے سے اہل کتاب کہا ہی نہیں۔ اسی طرح بدعقیدہ مدعیان اسلام کے متعلق بھی گزشتہ ایک دو صدیوں سے پہلے تک کبھی کسی نے اہل کتاب کا لفظ استعمال نہیں کیا اور نہ فی حکم اہل الکتاب کہا۔ البتہ: بالکتاب

اس دور کے بعض علماء کرام نے اسلام کا دعویٰ کرنے والے کفار و مشرکین کو اہل کتاب یا اہل کتاب کے حکم میں داخل سمجھا ہے۔ جبکہ اس دور میں بھی اکثریت انہی علماء کی رہی ہے جو ایسے لوگوں کو نہ تو اہل کتاب سمجھتے ہیں اور نہ ہی اہل کتاب کے حکم میں۔ اور یہی مسلک قوی اور احق بالقبول ہے۔

نیز مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلۃ العالی نے قادیانیوں سے متعلق اپنے تحقیقی مقالہ میں اس مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائی ہے۔ جو اوراق سابقہ میں نقل کیا گیا ہے۔ اگر حضرت لدھیانوی مدظلۃ العالی کی اس تقریر میں قادیانیوں کی جگہ کلمہ گو مشرکین یا اہل تشیع کے عقائد باطلہ اور ان کی تاویلات و خرافات کا خیال ذہن میں رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان فرق ضالہ کو بھی زندیق اور فی حکم المرتدین قرار دیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

پروفیسر صاحبزادہ صفی الرحمٰن کی گواہی

○ رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پوتے پروفیسر صاحبزادہ صفی الرحمٰن بن صاحبزادہ عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایم اے کے مقالہ میں تحریر فرمایا کہ: "فقہ میں بھی آپؒ (مولانا حسین علی الوانیؒ) نے بڑا نام پایا، طلباء کو فقہی مسائل بڑی محنت سے پڑھاتے۔ حلال و حرام کی تمیز پوری طرح سمجھاتے۔ مثلاً جانور ذبح کرتے تو طلباء کو حلقوم اور اس کی وریدوں کے بارے میں آگاہ کرتے"۔ (نغمۂ توحید اپریل ۱۹۹۲ء صفحہ ۲۹)

فائدہ پروفیسر صاحبزادہ صفی الرحمٰن صاحب کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے جدِ امجد رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ طلباء کو خصوصیت کے ساتھ ذبح کا طریقہ سمجھاتے تھے۔ جس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ طالب علم ذبح کا طریقہ سمجھ لیں۔ عقدہ یعنی گھنڈی کے نیچے سے ذبح کریں۔ کیونکہ اگر گھنڈی نیچے رہ گئی تو دو رگیں کٹنے سے رہ جائیں گی اور ذبیحہ حرام ہو جائے گی۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اکثر قصاب بدعقیدہ اور مشرک ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی ذبیحہ حرام ہوتی ہے لہٰذا تم خود ذبح کرنا سیکھو۔ اور مشرکوں کے ذبح کیے ہوئے جانور سے پرہیز کرو۔ آپؒ اس قدر شفیق تھے۔ دوسرے علماء دین سے زیادہ شفقت کرتے ہوئے طالب العلموں کو گھر سے کھانا دیتے۔ زمینداری کا کام خود کرتے۔ طالب العلموں کو مفت پڑھاتے۔ اور جو بات مشاہدہ کی محتاج ہو اس کا مشاہدہ کرادیتے۔ جیسا کہ یہی ذبیحہ کا مسئلہ ہے تو ذبح کرکے سمجھا دیتے۔

○ صاحبزادہ صاحب کے بیان سے شیخ القرآن حضرت امام محمد طاہر پنج پیریؒ کے اس بیان کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے۔ جس میں آپؒ نے فرمایا کہ بستیوں کا گوشت ہم نہیں کھاتے تھے کیونکہ وہ مشرک تھے۔ جبکہ قبل از بعثت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اسی طرح ملتا ہے۔ چنانچہ:

حضرت رسول اللہ ﷺ کا عمل

○ قبل از بعثت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شکار کرکے گوشت تناول فرمایا کرتے تھے۔ اور اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ معاذ اللہ آپ ﷺ مشرکین کی ذبیحہ کھاتے ہوں گے۔ کیونکہ وہ مشرکین اپنے مزعومہ معبودوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اس لیے ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ خود شکار کرتے تھے۔ اور بنفس نفیس خود اپنے مبارک ہاتھوں سے ذبح فرماتے تھے۔ (دیکھیے تکملہ بحرالرائق جلد ۸ صفحہ ۱۶۸)

○ اور اگر کہیں اتفاق سے کسی مشرک کی دعوت پر چلے بھی جاتے تو وہاں کھانا نہ کھاتے۔ بلکہ اس دور میں بعض عرب موحد بھی دعوتوں میں شریک ہوتے تو کھانا نہ کھاتے۔ چنانچہ ایک دعوت کے موقع پر کوئی عرب موحد بھی آگیا۔ لیکن کھانا نہ کھایا۔ اس پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تو پیچھے کیوں ہٹ گیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ نذر غیر اللہ کی ہے' جو میں نہیں کھاتا۔ تو آپ ﷺ نے اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے عمل کی تصویب فرمائی۔ بلکہ:

○ آپ ﷺ نے قبل از بعثت تو کسی اہل کتاب کافر یہودی یا نصرانی کی ذبیحہ بھی نہیں کھائی۔ البتہ بحیرا۔ راہب نے آپ ﷺ کی دعوت کی تھی' وہ مسلمان تھا۔ حضرت عیسیٰ کی نبوت کا قائل تھا۔ اور آخر الزمان پیغمبر کی آمد کا بھی قائل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قریش سے کہدیا تھا کہ تم اس کی پوری طرح حفاظت کرو۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ وہی آخر الزمان نبی ہوگا جس کے یہود و نصاریٰ اور باقی مشرک دشمن ہوجائیں گے۔

○ اور بعد از ہجرت غزوۂ خیبر کے بعد ایک یہودی عورت کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ جب گوشت کی بوٹی زبان پر رکھی تو فوراً قدرت الٰہی سے بوٹی بولی کہ مجھے نہ کھانا مجھ میں زہر شامل کیا گیا ہے۔ اور ایک صحابیؓ بیچارہ تو اسی گوشت کو کھانے کی وجہ سے شہید ہوگیا تھا۔

شیخ القرآن مولانا محمد طیب طاہری مدظلہٗ کا فتویٰ

○ اشاعت التوحید و السنۃ کے امیر شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طیب طاہری صاحب مدظلہٗ سے خود احقر نے موجودہ زمانہ کے کلمہ گو مشرکین کی ذبیحہ کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں ان کا مسلک دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ: میں (موجودہ دور کے کلمہ گو) مشرک کا ذبیحہ نہیں کھاتا اور ان کی ذبیحہ کو حرام سمجھتا ہوں۔ پھر انھوں نے بطورِ تائید مجھے سعودی عرب سے شائع ہونے والا اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ و الافتاء کا مطبوعہ فتاویٰ دکھایا۔ جس میں اس موضوع پر کئی فتوے موجود تھے۔ مثلاً:

سعودی علماء کے فتوے

○ سعودی عرب سے شائع ہونے والا فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ و الافتاء جلد ا صفحہ ۱۳۱ میں سعودی عرب کے محقق مفتیان کرام نے موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کی ذبیحہ کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنے متفقہ فتویٰ میں تحریر فرمایا:

○ غیر اللہ کا ذکر جپنا اور غیر اللہ کو غائبانہ طور پر پکارنا شرک ہے۔ اور ایسے شخص کے ذبیحہ کا حکم مردار کا حکم ہے۔ اور اس کا کھانا حلال نہیں۔ اگرچہ بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے۔

غیر اللہ کو پکارنے والے بڑے مشرک ہیں

○ فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ و الافتاء ج ۲ ص ۲۶۵ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ان محقق مفتیان کرام نے تحریر فرمایا کہ: جب واقعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے ذکر کیا کہ وہ لوگ غیر اللہ یعنی علی حسن حسین (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کو پکارتے ہیں وہ بڑے مشرک ہیں ملۃ اسلامیہ

سے خارج ہیں۔ اس لیے اپنی مسلمان عورتوں کا ان کو نکاح میں دینا حلال نہیں۔ اور ان کی مشرک عورتوں سے نکاح کرنا ہمیں حلال نہیں۔ اور ان کا ذبیحہ کھانا ہمارے لیے حلال نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن۔

اس کے بعد حضرت امیر صاحب نے سعودی علماء کا ایک اور فتویٰ بھی دکھایا۔ جس میں دورِ حاضر میں متنازعہ فیہا مسئلہ کے متعلق حد سے بڑھ جانے والے لوگوں کے لیے احتیاط کا درس موجود ہے۔ چنانچہ:

ذبیحۂ مشرک کو حلال کہنے والا کافر نہیں

سوال من احل ذبیحة المشرك وهو يحتج بقول الله تعالى فكلوا مما ذكر اسم الله عليه الاية ويقول ان هذه الاية لا تحتاج الى تفصيل وهو دائم على هذه الاية ولم يسمع قول احد بعد هل يكون كافرا

ترجمہ جو شخص مشرک کا ذبیحہ حلال سمجھے اور دلیل میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھے: فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ الآیۃ اور کہے کہ آیت تفسیر کی محتاج نہیں اور وہ اسی بات پر قائم ہے اور کسی کی نہیں سنتا کیا وہ کافر ہے۔

الجواب من احل ذبيحة مشرك الشرك الاكبر لذكر اسم الله عليها فهو مخطئ لكنه ليس بكافر لوجود الشبهة و لا حجة له فى الأية لان عمومها مخصص بالاجماع على تحريم ذبيحة المشرك

ترجمہ جو شخص شرکِ اکبر کرنے والے مشرک کی ذبیحہ کو حلال کہتا ہے کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے تو غلطی پر ہے۔ مگر کافر نہیں۔ کیونکہ اس کو شبہ پڑ گیا ہے۔ اور یہ آیت اس کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ آیت (فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ) بالاجماع مخصوص عنہ البعض ہے۔ کیونکہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ مشرک کی ذبیحہ حرام ہے۔

(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء جلد ۱ صفحہ ۱۳۰)

خلاصہ یہ کہ علماءِ متقدمین و متأخرین مجتہدین و مقلدین میں سے سبھی نے زنادقہ کو خارج از اسلام قرار دیا اور احکامھم احکام المرتدین بتایا اور ان کے ذبیحہ کو حرام بتایا اور ان کی عورتوں سے نکاح حرام کہا خواہ وہ زندقہ کے بانی تھے یا ان کے متبعین یا ان کے بعد نسلاً بعد نسلٍ آنے والے ان کے پیروکار۔ اور صدیوں ان کا سلسلہ جاری رہا مگر کسی نے ان کی نسل کو اہلِ کتاب نہیں کہا۔ فتاویٰ عالمگیری تک تمام اہلِ فتویٰ ان لوگوں کو خارجون عن الاسلام واحکامھم احکام المرتدین۔ ہی کہتے آئے۔ حالانکہ:

○ تمام زنادقہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ جبکہ اسلام ملّتِ سماویہ ہے جس کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی مخالفت کو کفر کہتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ چونکہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے فیصلے نصوص قرآنیہ کے خلاف ہیں اس لیے ان کی خلافتیں منہاج النبوت پر نہ تھیں۔ اور معاذ اللہ ابوبکرؓ اور عمرؓ خارج از اسلام ہوگئے۔

○ ان میں سے بعض وہ تھے جو خلافتِ شیخین کو برحق سمجھتے تھے۔ اور حضرت عثمانؓ پر یہ اعتراض تھا کہ ان کی خلافت پہلے چھ سال صحیح رہی، اس کے بعد خلافِ قرآن کرکے معاذ اللہ حضرت عثمانؓ بھی کافر ہوگئے۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت کے متعلق وہ کہتے تھے کہ سنّتِ نبویہ کے خلاف ہے۔ اور حضرت علیؓ کی خلافت کو برحق اور سنّتِ نبویہ کے موافق سمجھتے تھے۔ مگر جب ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاص کو حَکَم بنایا گیا تو حضرت علیؓ بھی کافر ہوگئے۔ کیونکہ انھوں نے قرآن مجید کا حکم ان الحکم الا للہ کی مخالفت کی۔ اس دور کے صحابۂ کرامؓ نے ایسے لوگوں کے ساتھ مناظرے کیے لڑائی تک نوبت پہنچی پھر ان لوگوں کو زندیق قرار دے کر حضرت علیؓ نے آگ میں جلانے کا حکم دیا۔

○ اور بعض اہلِ اعتزال ایسے تھے کہ اس دور کے فقہاء اور علمِ عقائد والوں کا اس

بات پر اجماع ہوگیا کہ اگر نماز پڑھانے والا امام معتزلی ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ اور اگر وہ مرجائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ اور اس کی ذبیحہ حلال نہیں۔ اور اس کو سلام کا جواب نہ دیا جائے۔ اور کئی ایسے بھی تھے جو اہل السنت والجماعت کے پیچھے جمعے اور عیدیں نہیں پڑھتے تھے۔ تو ان کی بداعتقادی کی وجہ سے علمائے حق نے ان کے متعلق مرتدین کا سا حکم نافذ کیا۔ اور امام ابویوسفؒ نے ان پر زندیق کا حکم لگایا۔ اور تابعین ہی کے دور میں ان کے خلاف کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ:

زنادقہ کے خلاف علماء مُتقدمین کا قلمی جہاد

○ خلیفۂ بر حق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے خلاف رسالہ تصنیف کیا۔ اور زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے رد میں رسالہ لکھا۔ اور عامر شعبی اور ابن شہاب زہری نے بھی ان کے خلاف فتوے دیے۔ پھر حضرت جعفر صادق نے بھی ان کے خلاف تین رسالے لکھے۔ ایک رسالہ قدریہ کے رد میں۔ ایک رسالہ خوارج کے رد میں۔ اور ایک رسالہ غالی رافضیوں کے رد میں۔ اور فقہاء مجتہدین میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی الفقہ الاکبر لکھوائی اور ایک اور رسالہ لکھوایا جس میں اہل السنت والجماعت کے عقیدے کی تائید ہوتی تھی۔

○ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی علم عقائد میں دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک میں براہمہ کا رد تھا۔ اور دوسری میں اہل اہواء کا رد تھا۔ جن میں خوارج، رفضہ اور قدریہ، جہمیہ، نجاریہ، مجسمہ وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اہل اہوا میں سے جن لوگوں میں ان خوارج اور روافض وغیرہ کی سی بدعات مکفرہ ظاہر نہ ہوں ان کا حکم مُحکم المؤمنین والا ہے۔ اور جن فرقوں میں بدعاتِ مکفرہ پائی گئیں انھیں اہل کتاب میں شمار نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کی ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کو مباح قرار دیا۔

زنادقہ کے مُتعلق علماء کا فتویٰ

○ مُتقدمین کے اس دور کے بعد مناظروں اور تصنیفات کا سلسلہ جانبین سے عام ہوگیا۔ خلافتِ اسلامیہ کے خاتمہ تک یہی حال رہا۔

○ اس کے بعد جو نئے نئے فرقے پیدا ہوئے جیسے قادیانی وغیرہ۔ ان میں سے جس جس فرقے نے کفریہ کلمات کہے اس کے مُتعلق علماءِ حق نے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا۔ اور نسلی یا غیر نسلی کی قید کے بغیر اس بات کی صراحت کی ہے کہ کلمہ گو مرتدین و مشرکین اہلِ کتاب نہیں ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ نہ تو نکاح درست ہے اور نہ ہی ان کے ہاتھ کی ذبیحہ حلال ہے۔ اور ان علماء میں درج ذیل نام نمایاں ہیں :

① مولانا ریاض الدین دیوبندیؒ ② مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ
③ مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ ④ مولانا عبدالعزیزؒ
⑤ مولانا مسعود احمدؒ ⑥ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
⑦ مولانا عبدالستار تونسوی ⑧ سید نذیر حسین دہلویؒ
⑨ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ ⑩ مولانا عبدالقادر حصاریؒ
⑪ مولانا عبدالستار دہلویؒ ⑫ شیخ القرآن پنج پیریؒ
⑬ مولانا حافظ ولی سیدؒ ⑭ مولانا ولی اللہ کابلگرامی
⑮ مولانا محمد طیب طاہری صاحب ⑯ مولانا مفتی محمد اقبال
⑰ مولانا مفتی ضیاء الحق دہلوی ⑱ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
⑲ مولانا محمد یوسف لدھیانوی ⑳ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی
㉑ مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب ㉒ مولانا مفتی احمد صاحب
㉓ مولانا مفتی محمد صاحب ㉔ مولانا مفتی موسیٰ صاحب

○ مگر ان کے علاوہ بعض علماء نے ان کلمہ گو مرتدین و مشرکین کی اولاد کے مُتعلق دائرۂ اسلام سے خارج ہونے اور کفر کا فتویٰ تو برقرار رکھا۔ لیکن

اختلاف اس بات میں کیا جاتا ہے کہ ان کو اہلِ کتاب کے حکم میں شامل کیا جائے یا ان پر زندقہ و ارتداد کا حکم نافذ کیا جائے۔ اور ان علماء میں میرے استاذ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور میرے دادا استاذ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ گرامی بھی شامل ہیں۔ اور انھوں نے کسی دلیل کے بغیر ایسا حکم لگایا ہے۔ جس کی وجہ بظاہر کچھ معلوم نہیں ہو سکی۔ لیکن ان میں سے کسی مفتی نے زنادقہ کو اہلِ کتاب تو سرے سے کہا ہی نہیں۔ مسئلہ صرف حکم کا ہے کہ:

① ان نسلی مرتدین کا حکم مرتد والا ہے، جس کی ذبیحہ حرام اور ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز ہے۔ یا:

② کچھ نرمی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے ان پر ارتداد کی بجائے اہلِ کتاب والا حکم نافذ کیا جائے۔

موجودہ دور کے علماء کی رائے

○ لیکن زمانۂ حال کے بعض مفتیان موجودہ شیعوں اور مرزائیوں کو نئی حکم اہلِ الکتاب کی بجائے اس سے بھی نرمی میں ایک قدم آگے بڑھ کر انھیں اہلِ کتاب کہنے لگے ہیں۔ سو ان کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ:

○ علماءِ حق نے صراحت فرمائی کہ زنادقہ، اسماعیلیہ، سبائیہ بھی اہلِ کتاب نہیں ہیں۔ جبکہ وہ لوگ صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ اپنے مذہب پر پختہ ہیں اور اپنے آپ کو برملا مسلمان کہنے کے ساتھ ساتھ:

① کلمۂ اسلام بھی پڑھتے ہیں۔

② آسمانی کتاب قرآن مجید کو امام منتظر کے پاس محفوظ مانتے ہیں۔ اور سنیوں کے پاس جو قرآن مجید ہے اسے محرف کہتے ہیں۔

③ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔

④ کما حقہ نہ سہی توحید باری تعالیٰ کے بھی قائل ہیں۔

⑤ حُبِّ اہلِ بیت کو جُزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض بتقاضائے محبت حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ جیسے اہلِ کتاب نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور ان کی ذبیحہ حلال ہے۔ مع ہذا ان کلمہ گو قائلینِ الوہیتِ علیؓ کو مرتد زندیق بے دین کہنے کی اور اہلِ کتاب نہ کہنے کی کیا وجہ ہے؟ فاعتبروا یااولی الابصار

فائدہ شامی نے لکھا ہے کہ مجوسی اگر کہہ دے کہ میں مُسلم ہوں یا مُسلمان ہوں یا دینِ محمدیﷺ پر ہوں یا حنیفی ہوں تو اس کو مسلمان سمجھا جائے گا۔ کیونکہ مجوسی لوگ مسلمان کا لفظ بطور گالی کے استعمال کرتے ہیں۔ اگر وہ اسلام کا اقرار کرتا ہے تو ہم اسے سچا مسلمان سمجھیں گے۔

○ اسی طرح اگر آج کے دور کے یہود و نصاریٰ کہہ دیں کہ ہم مسلمان ہیں تو ان کا اسلام قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسلام اور مسلمان کو برا سمجھتے ہیں۔ بخلاف ان زنادقہ کے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنی نسبت ملتِ سماویہ محمدیہﷺ کی طرف کرتے ہیں۔ اور خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور پھر اصل مسلمان اہل السنت والجماعت کو بطور گالی کے سرکاری مسلمان کہتے ہیں۔

نسلی مرتدین کے متعلق حکم کا اختلاف

○ نسلی مرتدین یعنی زنادقہ مثلاً قادیانی وغیرہ کے حکم سے متعلق فرنگی عہد کے مفتی صاحبان رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف الرائے ہیں۔

① بعض شیعہ اور قادیانیوں کو کافر کہنے کے ساتھ ساتھ اہلِ کتاب کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔

② اور بعض ان پر مرتدین کا حکم نافذ کرتے ہیں۔

○ اس لیے پہلے تو ہم ان دونوں قسم کی آراء کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ پھر اصولی قاعدے کو نظر میں لاتے ہوئے ترجیح کا راستہ تلاش کریں گے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے فتوے

کلمہ گو مشرک اہلِ کتاب کے حکم میں نہیں

ہمارے شیخ الشیخ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی موضوع پر ایک استفسار کے جواب میں اپنا تحقیقی فتویٰ تحریر فرمایا۔ یہ فتویٰ مع سوال کے سطورِ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

سوال زید کہتا ہے کہ کسی بدعتی اور مشرک اور کافر کا ذبیحہ حلال نہیں ہے سوائے موحد باللہ اور متبع سنت رسول اللہ کے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ مجھے اس امر کی تصدیق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ اس کو کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اس آیت میں محض اللہ کے نام کی قید ہے نہ کافر یا مشرک یا بدعتی کی اور حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ان قوما حدثوا عهدا بجاهلية يأتوننا بلحمان لا ندري ذكروا اسم الله عليها ام لم يذكروا انأكل منها فقال رسول الله ﷺ سموا الله و كلوا ایک قوم نے پوچھا کہ عہدِ جاہلیت کے مطابق ہمارے پاس لوگ گوشت لاتے ہیں جس کے متعلق ہم کو یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے اس پر خدا کا نام لیا ہے یا نہیں ہم اسے کھائیں یا نہ کھائیں پس حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا نام لو اور کھاؤ۔ پس میرے نزدیک آیت کے عام ہونے کی وجہ سے اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق اور علمائے محققین مثل علامہ شوکانی وغیرہ کی تحقیق کے موافق اس کی حرمت معلوم نہیں۔ پس مشرک ہو یا بدعتی یا کافر جب اس پر اللہ کا نام لیگا تو میں اسے کھاؤں گا پس دونوں کے درمیان میں آپ کے نزدیک قول فیصل کیا ہے؟

جواب عمرو کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے: وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔ اور یہاں بالاتفاق طعام سے ذبیحہ مراد ہے پس اگر ہر شخص کا ذبیحہ حلال ہوتا حتیٰ کہ مشرکین کا بھی تو اہلِ کتاب کے تخصیص کی کوئی وجہ نہ تھی اور فکلوا مما ذکر اسم اللہ اور ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وغیرہ میں صرف شرطِ حلتِ ذبیحہ کے وقت ذبح کی بیان ہے اور ان سے فقط اسی قدر مقصود ہے کہ بے بسم اللہ کے ذبیحہ حلال نہیں اور ذابح کا عموم و خصوص اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا ہے اور اگر ایسا ہی ان آیات کے اطلاق سے استناد لیا جائے تو باب اطلاق مذبوح میں اس پر عمل کرنا پڑیگا۔ کیونکہ ان آیتوں میں مذبوح کو خاص نہیں کیا بلکہ جس پر اسم اللہ کا ذکر ہو اس پر حلت کا حکم ہو پس لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کتا یا سور یا اور کوئی جانور جس کا گوشت حلال نہیں ہے بسم اللہ کہ کے ذبح کرے تو اس کا کھانا درست ہو جائے۔ اس تقریر سے کہ اللہ نے ان آیتوں میں صرف اسم اللہ کی قید کی ہے، نہ کسی خاص ذبیحہ کی۔ حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے۔

الحاصل ان آیتوں میں فقط ذبح کی کیفیت کا اور ذبح کے وقت شرطِ حلت کا بیان ہے ذابح اور مذبوح کے اطلاق و تخصیص سے ان میں کچھ غرض نہیں ہے پس جس طرح مذبوح کی تخصیص دوسری آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح سے ذابح کی تخصیص بھی اور جگہ سے ثابت ہے ایک تو آیتِ سابقہ، دوسری وہ حدیث جو مصنف عبد الرزاق میں مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آتش پرست کے حق میں فرمایا ہے: من اسلم منهم قبل و من لم يسلم ضربت عليه الجزية غير ناكحي نسائهم ولا آكلي ذبائحهم جو ان میں سے اسلام لائے گا اس کا اسلام مقبول ہوگا اور جو اسلام نہ لائے گا اس سے جزیہ لیا جائے گا۔ مگر ان کی عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے گا اور ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے گا۔

○ اسی طرح اور احادیث و آثارِ صحابہؓ بھی اس باب میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سوا اہلِ کتاب کے کسی کافر کا ذبیحہ درست نہیں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ ذبیحہ ہر فردِ مسلم کا حلال ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ان لوگوں کے ذبیحہ سے سوال کیا گیا ہے جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور جاہلیت کی رسموں میں پھنسے ہوئے تھے نہ ذبیحۂ کافر سے اور علامۂ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا انتقال ۱۲۵۰ھ یا ۱۲۵۵ھ میں ہوا ہے گو علم ادب میں ان کی تحقیق اچھی ہے مگر انکا اجتہاد اور فتوے ائمۂ اربعہ اور مجتہدین سابقین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجتہاد اور فتوے کے مقابلہ میں اعتبار کے قابل نہیں ہے اور اس مسئلہ میں ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ بلکہ اکثر مجتہدین یہی تحقیق کر گئے ہیں کہ مسلمان اور کتابی کے سوا کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

○ پس اب شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ جو اس صدی کے علماء میں سے تھے اگر اس کے خلاف لکھیں تو ان کے لکھنے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

فائدہ اس فتویٰ میں حضرت مولانا لکھنویؒ نے مسلمان اور کتابی کے ماسوا سب کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا خواہ کوئی ہو۔ نسلی اور غیر نسلی کا کوئی فرق نہیں کیا۔

○ اسی طرح آپؒ کا ایک اور فتوے بھی لائق مطالعہ ہے۔ یہ فتویٰ بھی مع سوال کے نقل کیا جاتا ہے:

کس قسم کے شیعہ کافر ہیں

سوال شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں۔ اور ان کے ساتھ اکل و شرب کرنا اور ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنا چاہیے یا نہیں۔ ان امور کی حلت اور حرمت کا حکم اسناد متصل اور مرفوع اور متواتر سے بحوالۂ کتب اس طرح ثابت فرمایئے کہ پھر چون و چرا کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور امر حق ثابت ہو جائے۔ یہ بھی واضح رہے کہ جواب ایسا ہونا چاہیے جس میں نفسانیت اور تعصب ذرہ برابر بھی داخل نہ ہو۔ آج کل یہاں اس امر پر مباحثہ اور مناظرہ ہو رہا ہے۔ سنی غُنیۃ

الطالبین کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ اور ان کے ساتھ اکل و شرب کرنا اور ان کی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنا بھی درست نہیں ہے۔ بلکہ جن سنیوں نے شیعوں کے یہاں کھایا پیا ہے ان کو سُنّیت کے دائرے سے خارج کردیا ہے۔ اور سنّی انھیں اپنی مساجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ بلکہ ان کو کافر اور مرتد کہتے ہیں۔ اور ان سنیوں کے ساتھ دوسرے سنّی کھانے پینے میں اجتناب کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ جو دائرۂ سُنّیت سے خارج کیے گئے ہیں یہ دلائل پیش کرتے ہیں کہ:

- کیا اہلِ تشیّع اہلِ قبلہ نہیں ہیں۔ یا توحید یا نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ یا ان کے یہاں سوا تکبیر معلومہ اور مروجہ کے کوئی اور تکبیر مروّج ہے۔ پس اہلِ تشیّع کے ساتھ کھانے پینے سے سُنّی لوگ کیوں ہم کو دائرۂ سُنّیت سے خارج کرتے ہیں۔
- ہندوستان میں امورِ مذکورہ پر کبھی ایسی بحث نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ وہاں برابر ایک دوسرے میں شادیاں ہوتی ہیں۔ اور شیعہ سنّی باہم کھانے پینے میں پرہیز نہیں کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ میرے یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ تو جائز اور شیعوں کا ذبیحہ ناجائز ہو۔ اب کس کا قول آپ کے نزدیک صحیح ہے۔ اور ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے۔

جواب اگرچہ فقہاء کے ایک گروہ نے سبِ شیخین رضی اللہ عنہما کی وجہ سے مطلقاً اہلِ تشیّع کو کافر لکھا ہے۔ اور اسی بناء پر ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے کو اور ان کے ذبیحہ کو حرام ٹھرایا ہے۔ مگر مرجح اور مفتی بہ اور منقح قول یہ ہے کہ کافر فقط وہی شیعہ ہیں جو ضروریاتِ دین کا انکار کرتے ہیں۔ اور انھیں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ اور انھیں کے ساتھ مناکحت جائز نہیں ہے۔ اور جو ایسے نہ ہوں اگرچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہوں وہ فاسق ہیں۔ کافر نہیں ہیں۔ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔ اور ان کے ساتھ مناکحت بھی درست ہے۔

فائدہ اس فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے جو فرقے کافر ہیں اور نسلاً بعد نسل صدیوں سے چلے آرہے ہیں ان کے ذبیحے بھی حرام اور ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز ہے۔ اگر ان نسلی کافر شیعوں کو اہلِ کتاب یا اہلِ کتاب کے حکم میں سمجھا جائے تو نہ ان کا ذبیحہ حرام ہوتا اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز۔

نیز آپ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فرمایا:

ابو شکور سالمی کا فتویٰ

○ ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب التمہید فی التوحید میں لکھتے ہیں: کلام الروافض مختلف فبعضہ یکون کفراً و بعضہ لا فلو قال ان علیاً رضی اللہ عنہ کان الٰھاً نزل من السماء کفر ولو قال النبوۃ کانت لعلی رضی اللہ عنہ و جبرائیل علیہ السلام اخطأ کفر و منھم من قال ان علیاً رضی اللہ عنہ افضل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھذا کلہ کفر اما الذی یکون بدعۃ ولا یکون کفراً فھو قولھم ان علیاً رضی اللہ عنہ افضل من الشیخین رضی اللہ عنہما و منھم من قال یجب اللعن علی من خالف علیاً رضی اللہ عنہ کعائشۃ و معاویۃ رضی اللہ عنہما و ھذا کلہ و ما اشبھہ یکون بدعۃ و لیس بکفر لانہ صادر عن تأویل۔ روافض کی حالت مختلف ہے۔ بعض کافر ہیں اور بعض کافر نہیں ہیں۔ پس اگر کوئی کہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا تھے۔ جو آسمان سے نازل ہوئے تو وہ کافر ہے۔ اور جو کوئی کہے کہ نبوت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے غلطی ہوگئی تو کافر ہے۔ اور بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں تو وہ بھی کافر ہیں۔ اور بعض روافض کی بعض باتیں بدعت ہیں کفر نہیں ہیں۔ جیسے ان کا یہ کہنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ اور بعض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف جیسے (حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) پر لعنت کو واجب لکھتے ہیں تو یہ اور ان کے مشابہ تمام امور بدعت ہیں۔ کفر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تاویل کے بعد کیے جاتے ہیں۔

فائدہ حضرت علامہ محمد بن عبدالسید بن شعیب الکشی ابو شکور سالمی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کے بعض فرقے کافر ہیں اور بعض کافر نہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شیعوں کے کافر فرقے اہل کتاب کے حکم میں ہیں یا مرتدین کے۔ حضرت علامہ لکھنوی نے اپنے فتوے کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے حضرت علامہ بحر العلومؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا:

علامہ بحر العلوم کا فتویٰ

○ اور بحر العلوم مولانا عبدالعلی رحمۃ اللہ القوی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں:

الصحیح عند الحنفیۃ ان الروافض لیسوا بکفار و الوجہ فیہ ان تدینھم او دفعھم فی ما دفعوا زعما منھم انھم علی الدین المحمدی وان کان زعمھم ھذا باطلاً و ما کذبوا محمداً ﷺ فھم غیر ملتزمین للکفر و التزام الکفر کفر دون لزومہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ روافض کافر نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ دین رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ کرتے ہیں بجھ کے کرتے ہیں کہ یہی دین محمدیؐ ہے۔ اگرچہ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ لیکن وہ نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کو اپنے نزدیک نہیں جھٹلاتے ہیں۔ پس کفر کو خود اپنے سر نہیں لیتے ہیں۔ اور کفر کو لازم لے لینا کفر ہے۔ نہ کہ اس کا لازم آجانا۔

فائدہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ بحر العلوم عبدالعلیؒ کے متعلق اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا کہ بحر العلوم نے شیعہ پر کفر کا فتویٰ اسی وقت تک نہیں لگایا تھا جب تک انھوں نے شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان نہ دیکھی تھی۔ پھر جب مجمع البیان کا مطالعہ فرمایا تو ان پر شیعہ کا کفر عیاں ہوگیا۔ تب کھل کر شیعہ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ (دیکھیے: آتش کدۂ ایران اور شیعہ کی اصلیت صفحہ ۶۸ تا ۷۰) اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی فتوے میں مزید فرمایا:

اور درِّ مختار میں ہے : فی النھر تجوز مناکحۃ المعتزلۃ لانا لا نکفر احداً من اھل القبلۃ وان وقع الزاماً فی المباحث النہر الفائق میں ہے کہ معتزلہ کے ساتھ مناکحت درست ہے۔ کیونکہ ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں سمجھتے۔ اگر مباحثہ میں الزاماً بعض اوقات ان کے کفر کو ثابت کرتے ہیں۔

اور فتح القدیر میں ہے : اما المعتزلۃ فمقتضی الوجہ حلّ مناکحتھم لان الحق عدم تکفیر اھل القبلۃ وان وقع الزاماً فی المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومۃ بالضرورۃ من الدین مثل القائل بقدم العالم ونفی العلم بالجزئیات۔ معتزلہ کے متعلق دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ نکاح درست ہے۔ کیونکہ تمام اہلِ قبلہ کی عدم تکفیر ہی مناسب ہے۔ اگرچہ الزاماً بحثوں میں ایسا ہوجاتا ہو۔ برخلاف ان لوگوں کے جو قطعیات میں سے ان چیزوں کی مخالفت کرتے ہوں جن کا دین سے ثابت ہونا بدیہی ہے۔ مثلاً وہ لوگ جو قدمِ عالم کے قائل ہیں اور خدا کو جزئیات کا عالم نہیں مانتے ہیں۔

اور رد المحتار میں ہے : بھذا ظھر ان الروافض ان کان ممن یعتقد الالوھیۃ فی علی رضی اللہ عنہ و ان جبرائیل علیہ السلام غلط فی الوحی کان کافراً و ان کان ینکر صحبۃ الصدیق رضی اللہ عنہ او یقذف عائشۃ رضی اللہ عنہا فھو کافر۔

اس سے معلوم ہوا کہ روافض اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خدا ہونے یا حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وحی میں غلطی ہونے کے قائل ہوں تو کافر ہیں۔ اور اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے منکر ہوں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہوں تو کافر ہیں۔

(مجموعۃ الفتاویٰ عبدالحی لکھنوی جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۵)

فائدہ یاد رہے کہ اس فتویٰ میں جن شیعوں کے کافر نہ ہونے کا ذکر ہے اس سے وہ تفضیلی شیعہ مراد ہیں جو فضیلتِ علی بر خلفاءِ ثلٰثہ کے علاوہ ضروریاتِ دین میں سے کسی امر کے منکر نہ ہوں۔ اور اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ کوئی مسئلہ خواہ اعتقادی ہو یا عملی ایسا نہیں جس میں ان کے یہاں مختلف روایات نہ پائی جاتی ہوں۔ حتّٰی کہ ان کے بنیادی مسائل میں سے عِصمتِ ائمہ کے مسئلہ میں بھی ان کے یہاں مختلف روایات موجود ہیں۔ تاکہ بوقتِ ضرورت ایک روایت کو امام کا اصل مذہب اور اس کی مخالف روایت کو تقیہ کہا جاسکے۔ البتہ تبدیلیٔ قرآن کا مسئلہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک تمام شیعوں کے یہاں متفق علیہ ہے۔ جیسا کہ:

شیعوں کا مُتفق علیہ کفریہ عقیدہ

- الملل والنحل میں ہے: ومن قول الامامیہ کلھا قدیماً و حدیثاً ان القرآن مبدل زید فیہ ما لیس منہ و نقص فیہ کثیر و بدل منہ کثیر (الملل والنحل جلد ۲) کہ تمام امامیہ خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین سب کا یہی قول ہے کہ قرآن بدلا گیا ہے۔ اور اس میں ایسی چیزیں بڑھائی گئی ہیں جو اصل قرآن میں نہیں تھیں اور اس میں جو حصہ کم ہوا ہے وہ بھی بہت ہے اور جو بدلا گیا ہے وہ بھی بہت ہے۔
- اسی طرح تمام شیعہ بداء کے قائل ہیں۔ جیسا کہ اصول کافی "باب البداء" میں امام علی رضا کی طرف منسوب روایت میں ہے: ما بعث اللہ نبیاً قط الا بتحریم الخمر وان یقر اللہ بالبداء اللہ تعالٰی نے کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر حرمِ خمر اور اقرار بالبداء کے ساتھ۔ (اصول کافی صفحہ ۸۶)
- نیز اس فتویٰ میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے سبِّ شیخین کو کفر قرار دینے سے اجتناب فرمایا ہے۔ انھیں اس مقام پر نہ جانے کیا مغالطہ ہوگیا۔ ورنہ تمام امتِ محمدیہ ﷺ کا اس پر اجماع ہے کہ سبِّ شیخین کفر ہے۔ چنانچہ:

سبِّ شیخین کفر ہے

○ پانچ سو مفتیانِ کرام کا متفقہ فتویٰ ہے: الرافضی اذا کان یسب الشیخین و یلعنهما العیاذ باللہ فهو کافر ـــــ من انکر امامة ابی بکر ن الصدیق رضی اللہ عنہ فهو کافر علی قول بعضهم و قال بعضهم هو مبتدع و لیس بکافر و الصحیح انه کافر. وکذلک من انکر خلافة عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال کذا فی الظهیریة اگر کوئی رافضی شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دے اور ان پر لعنت بھیجے العیاذ باللہ تو وہ کافر ہے ـــــ اسی طرح جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار کرے تو وہ بعض کے قول میں کافر ہے۔ اور بعض اس کو مُبتدِع کہتے ہیں، کافر نہیں کہتے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔ اور اسی طرح جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ بھی کافر ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ طبع ہند)

○ نیز ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۳۲۱ میں ہے: لا شك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ عنہا او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الوصیة فی علی ـــ او نحو ذلك من الکفر الصریح المخالف للقرآن یعنی جو حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائے یا ان کے والد کی صحابیت کا انکار کرے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھے یا اس قسم کے ایسے کفریہ کلمات بولے جو قرآن مجید کے صریح مخالف ہیں تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

روافض کو کافر کہنے کا وجوب

○ شیعہ روافض کو کافر کہنا واجب ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ میں ہے: یجب اکفار الروافض ـــــ و هولاء القوم خارجون عن ملة الاسلام احکامهم احکام المرتدین، کذا فی الظهیریه شیعہ روافض کو ان کے عقائدِ کفریہ کے باعث کافر کہنا واجب ہے اور یہ لوگ دینِ اسلام سے بالکل خارج ہیں اور ان کا حکم بعینہٖ مرتدین کا حکم ہے۔

فائدہ تمام علماء جو شیعوں کو کافر قرار دے رہے ہیں یا انھیں کافر سمجھنے کو واجب بتلا رہے ہیں اور اس میں نسلی اور غیر نسلی کا کوئی فرق نہیں کرتے۔

○ حضرت مولانا مفتی مرتضیٰ حسن ناظم تعلیم دارالعلوم دیوبند ندائے غیر اللہ اور علم غیب جیسے کفریہ عقائد رکھنے والے کے متعلق اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا: "ان عقائد باطلہ پر مطلع ہو کر انھیں کافر، مرتد، ملعون، جہنمی نہ کہنے والا بھی ویسا ہی مرتد و کافر ہے۔ پھر اس کو جو ایسا نہ سمجھے وہ بھی ایسا ہی ہے"۔ دیکھیے: بلغۃ الحیران از پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ صفحہ ۴

تنبیہ تفسیر بلغۃ الحیران ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی املائی تفسیر ہے۔ جسے حضرت مولانا نذر شاہ عباسیؒ ساکن جوکالیاں ضلع گجرات نے بہ تعاون شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ املاء کر کے حضرت صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی جسے دیکھ کر آپؒ خوش ہوئے۔ اور اس کی طباعت کے سلسلے میں کوشش کی۔ دریں اثناء حضرت صاحبؒ چنیوٹ تشریف لائے، اس وقت میں بچہ تھا کتاب "مالابد منہ" پڑھتا تھا۔ حضرت صاحبؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا فضل حق مانسہرہ والے خطیب شاہی مسجد چنیوٹ کو علم ہوا تو انھوں نے حضرت صاحبؒ کو دعوت دی۔ آپؒ مع خان صاحب ملتان والوں کے تشریف لائے۔ اور بطور نمونے کے سورۂ اعراف کے مضمون کے مطبوعہ چار صفحے ان کے پاس تھے۔ جنھیں میں نے خود دیکھا تھا۔ پھر کچھ مدت کے بعد تفسیر بلغۃ الحیران طبع ہو گئی۔ جس کا ایک نسخہ حضرت صاحبؒ نے میرے چچا حضرت مولانا محمد شاہ جہلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو تحفۃً ارسال فرمایا تھا۔ اسی میں فتوے پیر صاحب بغداد شریف والا دربارہ علم غیب مع تشریح بھی شامل تھا۔ جن کے آخر میں مولانا فاضل لاثانی یار محمد ملتانی کا نام چھپا ہوا ہے۔ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتوے بلغۃ الحیران کے ساتھ انھی فاضل لاثانی صاحبؒ نے شائع کیے ہوں گے۔ لیکن یہ کہنا بہت بڑی زیادتی ہوگی کہ ان فتووں کو

حضرت صاحبؒ کی تائید و حمایت حاصل نہیں تھی۔ کیونکہ اگر ان فتووں کو حضرت صاحبؒ کی تائید حاصل نہ ہوتی اور حضرت صاحبؒ کا یہ مسلک نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنی کتاب کے ساتھ ان فتووں کو شائع کرنے کی اجازت نہ دیتے۔

○ نیز شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ تفسیر جواہر القرآن میں تلخیصاً یہی فتویٰ شائع کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک تھا۔

○ اسی طرح تفسیر جواہر القرآن کے مرتب حضرت مولانا ابو احمد سجاد بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی تھا۔ ورنہ وہ اس پر کچھ اعتراض ضرور کرتے۔ آخر وہ ایک ذمہ دار صاحب قلم تھے۔

○ اسی طرح اس فتویٰ پر ان تمام اکابرین امت کو بھی اعتماد تھا جنھوں نے تفسیر جواہر القرآن پر تقاریظ تحریر فرمائیں۔ جن میں درج ذیل علماء حق کے نام نمایاں طور پر شامل ہیں:

(۱) مؤرخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲) شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا نصیر الدین غورغشتی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۳) استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا ولی اللہ صاحب (میانوال) رحمہ اللہ تعالیٰ

(۴) شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۵) استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(۶) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب بہبودی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۷) پیر طریقت حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۸) استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(۹) حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۰) حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۱) حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ

مُفتیٔ اعظم ھند رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فتوے

☒ میرے استاذِ مکرم مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ شاہجہان پوری ثم الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وافرۃً کاملۃً کے فتوے باہم مختلف ہیں۔ جن میں سے بعض فتوے یہ ہیں کہ غالی تبرائی شیعے جو کفریہ عقائد رکھتے ہیں ان کو اہلِ کتاب میں شمار کیا ہے اور بعض میں نہیں۔ چنانچہ :

1 عرف میں شیعہ اس گروہ کو کہتے ہیں جن کا تعلق مذہب اہل السنت والجماعت کے مذہب کے بالمقابل ہے۔

شیعۃ کی اصل تفضیلیۃ ہے :

☒ جو حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفۂ بلا فصل اور تمام صحابہؓ سے افضل مانتے ہیں۔ اس گروہ میں بھی مختلف فرقے ہیں۔ (مثلاً)

تفضیلیۃ کی شاخیں :

(۱) بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ خدا ہیں۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت علیؓ کے اندر حلول کیا ہے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ وحی حضرت علیؓ کی طرف اتاری گئی تھی۔ مگر جبرائیل علیہ السلام نے غلطی سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچا دی۔

(۴) بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن جو اس وقت موجود ہے' وہ قرآن نہیں ہے جو آسمان سے اتارا گیا تھا۔ بلکہ یہ بیاضِ عثمانیؓ ہے۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چند صحابہؓ کے علاوہ تمام مسلمان مرتد ہو گئے تھے۔ اسی قسم کے بہت سے کفریہ عقائد رکھتے ہیں۔

ش پس لفظ شیعہ اور رافضی اور روافض (تفضیلیہ کے) ان فرقوں کے لیے (عرفاً) استعمال ہوتا ہے۔ کفایت المفتی ج ۱ صفحہ ۲۸۲، ۲۸۳)

بعض تفضیلی شیعہ کے متعلق فتوے

۲ جو لوگ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو خلفائے ثلثہ (رضی اللہ عنہم) پر صرف افضل مانتے ہوں' ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ ان لوگوں (تفضیلی شیعوں) کی لڑکیوں سے نکاح کرلینا بھی جائز ہے۔ مگر انھیں اپنی لڑکیاں نہیں دینا چاہیے۔ بلا ضرورت ان سے سلام کرنا یا خلا ملا رکھنا بھی اچھا نہیں۔
(کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۲۷۶)

۳ شیعہ اگر حضرت علیؓ کو دوسرے صحابہؓ پر فضیلت دیتا ہے۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی بات اس میں شیعیت کی نہیں تو یہ کافر نہیں۔ اور ایسے شیعہ کے ساتھ سُنی لڑکی کا نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔
لیکن اگر شیعہ:
① غلطئ وحی۔ یا
② الوہیتِ علیؓ۔ یا
③ افکِ صدیقہؓ کا قائل ہو۔ یا
④ قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا معتقد ہو۔ یا
⑤ صحبتِ صدیقؓ کا منکر ہو۔ تو ایسے شیعوں کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

○ اور چونکہ شیعوں میں تقیہ کا مسئلہ شائع اور معمول ہے۔ اس لیے یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ فلاں شیعہ قسم اول (تفضیلیہ) میں سے ہے یا قسم دوم (روافض) میں سے۔ اس لیے لازم ہے کہ محض (تفضیلی) شیعوں کے ساتھ بھی مناکحت کا تعلق نہ رکھا جائے۔

○ (تفضیلی) شیعہ کی لڑکی کے ساتھ سنی مرد کا نکاح درست ہے۔ لیکن یہ تعلق پیدا کرنا اکثر حالات میں مضر ہوتا ہے۔ اس لیے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔
(کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۲۷۸)

فرقہ رافضیہ کے متعلق فتوے

۴ رافضیوں کا وہ فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (عیاذاً باللہ) خدا یا اور کچھ اسی طرح جو شرعاً کفر ہو مانتا ہو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا درست نہیں۔ (جلد ا صفحہ ۲۷۶)

۵ شیعوں کے بہت فرقے ہیں۔ بعض فرقے کافر ہیں، مثلاً:

① جو حضرت علیؓ کو الوہیت یا حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یا

② غلطی الوحی۔ یا

③ افکِ عائشہ صدیقہؓ۔ یا

④ قرآن مجید میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔

ایسے شیعوں کے ساتھ رشتہ کرنا ناجائز ہے۔

○ اور جو لوگ کہ حدِ کفر تک نہیں پہنچے ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔

○ یہ صحیح ہے کہ شیعوں کے یہاں تقیہ کا مسئلہ ہے اور اس بناء پر ان کے خیالات اور عقائد کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ اور جو شخص اس بات سے واقف ہے وہ شیعوں میں رشتہ ناتہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ (کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۲۷۸)

فرقہ مہدویہ کے متعلق فتوے

۶ فرقہ مہدویہ جو اطراف دکن میں پایا جاتا ہے کافر ہے۔ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں۔ (کفایۃ المفتی جلد ا صفحہ ۳۲۱ و جلد ۸ صفحہ ۲۶۷)

فائدہ فرقہ مہدویہ کے پیروکار خود کو مسلمان اور اپنے دین کو اسلام ہی بتاتے ہیں۔ بلکہ ان کا کہنا ہے کہ جو اسلام سے خارج ہے وہ کافر ہے۔ ان کے پیشوا سید محمد جونپوری نے حج کے موقع پر ہی مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حج کے بھی قائل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کوہ مراد کی زیارت کو بھی حج سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لوگ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ روزے بھی مجموعی طور پر سوا تین ماہ رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود مہدویہ کے ذبیحہ کو حضرت مفتی صاحبؒ نے حرام قرار دیا ہے۔

سنی شیعہ بننے والے کے متعلق فتوے

۷ اگر نذیر احمد غالی شیعہ ہو گیا ہے۔ یعنی :

① حضرت عائشہؓ پر تہمت کا قائل ہے۔ یا

② قرآن مجید کو صحیح اور کامل نہیں سمجھتا۔ یا

③ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت کا منکر ہے۔ یا

④ حضرت علیؓ کو وحی کا اصل مستحق سمجھتا ہے۔ یا

⑤ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہے۔ تو بیشک وہ کافر ہے۔

○ اور (مولانا مسعود احمد صاحب نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کے درج ذیل فتوے کی تائید میں فرمایا کہ) اس صورت میں سب جواب صحیح ہیں۔

مولانا مسعود احمد کا فتویٰ

سوال نذیر احمد قوم نداف ساکن نجیب آباد معہ متعلقین جو عرصہ تقریباً ڈیڑھ سال سے اپنا مذہب ترک کر کے رافضی ہو گیا ہے اور اب تمام کام وہی کرتا ہے جو رافضی کرتے ہیں۔ اور خلفائے راشدین خصوصاً سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی کر رہا ہے وہ شرعاً مرتد ہے یا مسلمان۔ نذیر احمد مذکور کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہیے ہم لوگوں کی برادری کی پنچایت ہے۔ شرعاً ہمیں نذیر احمد سے ترک تعلقات کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر برادری کی پنچایت نذیر احمد کو برادری سے خارج نہ کرے تو تمام برادری گناہگار ہوگی یا نہیں۔ نذیر احمد مذکور سے اور اس کے متعلقین سے جو رافضی ہو چکے ہیں سلسلۂ مناکحت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب (از مفتی مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) اگر فی الواقع نذیر احمد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے اور سب شیخین کرتا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے تو وہ مرتد ہے۔ فتاویٰ عالمگیری باب المرتد میں ہے : الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما العیاذ باللہ فهو کافر

اول نذیر احمد کو بری بھلایا جائے اور اس باطل مذہب سے اس کو ہٹانے کی کوشش ہر تدبیر کے ساتھ کی جائے۔ اگر وہ کسی طرح اور کسی صورت سے باز نہ آوے تو اس سے تعلقات برادرانہ منقطع کردیے جائیں۔ اگر باوجود سمجھانے کے اور باوجود کوشش کے بھی نذیر احمد راہِ راست پر نہ آوے تو اس سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے۔ اگر برادری اس سے قطع تعلق نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی۔ ان لوگوں سے سلسلۂ مناکحت کرنا اہل سنت والجماعت کو ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ مسلمان اور کافر میں نکاح صحیح اور منعقد نہیں ہوتا۔ کذا فی الشامی باب المحرمات فقط واللہ تعالیٰ اعلم (کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۰)

شیعہ اسلامی فرقوں میں سے ہے

۸ شیعہ اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعۃ فرقہ ناجیہ ہے اور باقی تمام فرق ناجیہ نہیں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے موافق شیعوں کے کئی فرق اسلام سے خارج ہیں۔ یہ فرقے فرقۂ شیعہ کی ضمنی شاخیں ہیں۔ باوجود اس کے ادعائی طور پر وہ فرقہائے اسلام میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا حکم اہل کتاب کی طرح ہے کہ وہ باوجود کفریہ عقائد کے (مثلاً الوہیت مسیح علیہ السلام یا ابنیت مسیح علیہ السلام کے) دوسرے غیر کتابی کفار سے جداگانہ حکم رکھتے ہیں۔ (کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۲۸۳)

○ نیز کفایت المفتی جلد ۵ صفحہ ۲۲۲ میں ہے: شیعہ جو غالی تبرائی ہیں ان کا حکم اہل کتاب کا ہے کہ شیعہ عورت سے سنی مرد کا نکاح جائز ہے۔ مگر سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے جائز نہیں۔

نسلی مرزائی مرتد کے حکم میں نہیں

۹ جو شخص پہلے مسلمان تھا پھر قادیانی ہوجائے وہ مرتد کے حکم میں ہے۔ اور جو ابتدائے شعور سے ہی قادیانی ہو وہ اگرچہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے مگر مرتد کے حکم میں نہیں ہے۔ (کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۳۲۰)

نسلی مرزائی اہلِ کتاب کے حکم میں ہے

۱۰ نسلی مرزائی کو اہلِ کتاب کا حکم دیا جائے گا۔ اور خود مرزائی بننے والا مرتد کے حکم میں ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۸ صفحہ ۲۶۸)

فائدہ حضرت مفتی صاحبؒ نے جہاں اہلِ تشیع پر مرتد کا حکم نافذ کیا ہے وہاں بعض فتووں میں اہلِ تشیع اور قادیانیوں کو اہلِ کتاب فرمایا' یا اہلِ کتاب کے حکم میں۔ جبکہ:

قاعدہ ہے: خذوا بالمجمع علیہ اس بات کو اختیار کرو جس پر سب کا اتفاق ہو۔ نیز:

قاعدہ ہے کہ سلف کا اجماع ہوتے ہوئے خلف کا اختلاف معتبر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ:

ہدایہ اخیرین صفحہ ۱۲۵ میں ہے: فی ما اجتمع علیہ الجمہور (اے اجل الناس واکثرھم) لایعتبر مخالفة البعض۔ یعنی جلیل القدر جمہور علماء کرام کی اکثریت کا جب ایک مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو اس کے بعد بعض علماء کی مخالفت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ نیز اہلِ اصول کا:

قاعدہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں متقدمین کے دو قول ہوں اور اس کے بعد آنے والے علماء ان میں سے ایک قول پر اجماع کرلیں تو وہ اجماع معتبر ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس اگر متقدمین علماء کا ایک مسئلے پر اتفاق ہو اور اس کے بعد ایک، دو عالم اس مجمع علیہ قول کے خلاف فتویٰ دیں تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً: حنفیہ شافعیہ مالکیہ حنابلہ اور ظاہریہ سب کا اتفاق ہے کہ مجلسِ واحد میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان کے بعد شیخ الاسلام حضرت امام حافظ ابن تیمیہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مجلس میں تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں۔ اس لیے ان دو علماء کی وجہ سے مذاہبِ خمسہ کے اجماع کو ترک نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح حضرت مفتی صاحبؒ کے فتووں پر جمہور کے متفق علیہ فتاویٰ کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ حضرت مفتی صاحبؒ کو اس مسئلہ میں تسامح ہو گیا ہے۔

لہ: دیکھیے: ہدایہ اولین صفحہ ۲۰۷ حاشیہ ۱۳

○ اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ کسی جلیل القدر عالم سے تسامح ہو جانا کوئی مستبعد امر نہیں ہے۔ بڑے بڑے جید جلیل القدر نظار اصولی فقیہ علماء سے تسامحات ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ:

○ صاحب ہدایہ حضرت علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ جن کی کتاب چھٹی صدی سے تمام مدارس میں سبقاً مسلسل پڑھی پڑھائی جارہی ہے۔ ان کی کتاب ہدایہ میں متعدد مقامات پر تسامحات موجود ہیں۔ جن کی نشاندہی میرے شیخ الشیخ حضرت مولانا محمد عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ہدایہ اولین کے مقدمہ صفحہ ۲۴ و ۲۵ میں فرمائی ہے۔

○ اسی طرح خود صاحب ہدایہ نے صاحب المختصر ابوالحسن قدوری حنفی عراقی پر ہدایہ اخیرین صفحہ ۳۶۳ میں رد کیا ہے۔

○ اسی طـــرح متقدمین علماء کے کئی تسامحات ہیں۔ جن کی نشاندہی متاخرین نے فـــرمائی ہے۔ چنانچہ:

○ میرے شیخ الشیخ حضرت مولانا محمد عبدالحی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ردع الاخوان صفحہ ۷۵ میں تحریر فرمایا ہے: جلالۃ قدر العالم لا یستوجب قبول کل ما نقل الا تری الی جلالۃ صاحب احیاء العلوم مع جلالۃ قدرہ اورد فی کتابہ احادیث لا اصل لھا فلم یعتبر بھا کما یظھر من مطالعۃ تخریج احادیثہ للحافظ العراقی۔ و ھذا صاحب الھدایۃ مع کونہ من اجلۃ الحنفیۃ اورد فیھا اخباراً غریبۃ و ضعیفۃ فلم یعتمد علیھا کما یظھر من مطالعۃ تخریج احادیثھا للزیلعی و ابن الحجر العسقلانی رحمہما اللہ تعالیٰ۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک جلیل القدر عالم کی ہر بات قبول کی جائے۔ دیکھیے احیاء العلوم کے مصنف حجۃ الاسلام حضرت امام محمد بن محمد ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کس قدر بلند پایہ جلیل القدر متقی عالم باعمل ہیں مگر اس کے باوجود اپنی کتاب احیاء العلوم میں کئی ایسی حدیثیں لائے ہیں

جن کا کچھ اصل نہیں، سند نہیں۔ اس لیے ان کا کچھ اعتبار نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ امام حافظ حجۃ ابوالفضل زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی الکردی کی کتاب تخریج احادیث احیاء العلوم کے مطالعہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے۔ اور یہ صاحب ہدایہ جن کی کتاب متداول ہے۔ اور جلیل القدر حنفی علماء محققین میں سے ہیں۔ اسی کتاب میں کئی غریب اور ضعیف حدیثیں لائے ہیں۔ جن پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ حنفیہ میں سے حضرت امام جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی کی کتاب نصب الرایہ اور شافعیہ میں سے حضرت امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی کی الدرایہ کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے۔

○ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تسامح کا ذکر محض اظہارِ حقیقت کی بناء پر کیا گیا ہے۔ ان کے فرمان کی تردید مقصود نہیں۔ اور نہ ہی میرا یہ مقام ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اس دور میں ہمارے استاد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی بہت سے جید اور محقق علماء ہیں جنھوں نے روافض اور قادیانیوں کو اہل کتاب کے حکم میں داخل کرنے کی بجائے زنادقہ اور مرتدین کے حکم میں داخل کرتے ہوئے ان کی ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام کہا ہے۔ جن کا ذکر قبل ازیں کیا جاچکا ہے۔

○ نیز میرے شیخ الشیخ حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ترویح الجنان صفحہ ۱۰ میں تحریر فرمایا ہے: قال الفقہاء لو کان فی شئ وجوہ شتیٰ توجب الحل والجواز و وجہ واحد یوجب الحرمۃ و عدم الجواز یرجح جانب الحرمۃ احتیاطاً۔ یعنی کسی چیز کی حلت کے کئی مختلف وجوہ پائے جائیں مگر ایک وجہ اس کی حرمت کی بھی پائی جائے تو ایسے موقع پر احتیاطاً حرمت کی جانب کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لیے جن علماء نے حرمت کا فتویٰ دیا ہے وہ راجح سمجھا جائے گا۔

یہ کہ موجودہ دور کے کلمہ گو مشرک مرتد نہیں بلکہ زندیق ہیں۔ جن کا حکم مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق میں سے بعض برگزیدہ ہستیوں کو حاضر و ناظر، عالم الغیب، مختارِ کل نفع نقصان کا مالک وغیرہ سمجھتے ہیں اور اسی کو اصل دینِ اسلام قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی واضح آیات میں تاویلاتِ فاسدہ اور تحریفات کے مرتکب ہیں۔ اور یہ کفریہ عقائد بڑی چرب زبانی سے بیان کرتے ہیں۔ البتہ یہ درست ہے کہ متاخرین میں سے بعض علماء نے مرتدین کی اولاد در اولاد کو اہلِ کتاب کے حکم میں لکھا ہے۔ لیکن بعض دیگر علماء نے انھیں فی حکم المرتدین لکھا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارات سے بیان کیا جاچکا ہے کہ انھوں نے روافض، قرامطہ، جہمیہ وغیرہ کو فی حکم المرتدین کہا ہے۔ جبکہ ان کے دور میں روافض اور قرامطہ اور جہمیہ کے بانی مبانی نہ تھے اور نہ ہی ان کی اولاد تھی بلکہ کئی پشتوں سے رافضی، قرامطہ اور جہمیہ چلے آرہے تھے۔ اس لیے ان دونوں باتوں میں سے اصولی طور پر کسی ایک بات کو ترجیح دینے کی ضرورت ہوگی کہ ان میں سے کونسی بات راجح اور قابلِ عمل ہے۔ چنانچہ:

حلت پر حرمت کو ترجیح

① حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایہ کے حاشیہ پر تخریج احادیث الہدایہ للمحدث الزیلعی کے حوالے سے فقیہ اعظم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمانِ ذیشان نقل فرمایا ہے: ما اجتمع الحلال والحرام الا وغلب الحرام (ہدایہ اخیرین ج۲: صفحہ ۳۹۴) ص ۵۰۸

② شمس الائمہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سیر کبیر جلد ا صفحہ ۲۵۱ میں تحریر فرمایا ہے: اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام علی الحلال۔ یعنی جب حلت اور حرمت کا تقابل آجائے اور دلائل دونوں طرف ہوں تو حلت پر حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

○ نیز آپؒ نے فرمایا: و فی الموضع الذی یتحقق المعارضة یترجح جانب الحرمة علی الحلال۔ (تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۱۵۲)

○ نیز آپؒ نے فرمایا: عند اجتماع الحظر و الاباحة یغلب الحظر (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۴۷)

(۳) ھدایہ اخیرین جلد ۳ صفحہ ۱۲۹ میں ہے: الاصل عند الامام الاعظم (رحمه الله) الحظر۔

○ نیز صاحب ہدایہؒ نے فرمایا: الاصل فی الاشیاء الحرمة (ہدایہ اخیرین جلد ۳ صفحہ ۴۱۰)

○ نیز فرمایا: و المعنی (العلة) تغلیب جهة الحرمة (ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۲)

○ نیز فرمایا: لانه اجتمع المبیح و المحرم فیغلب جهة الحرمة نصاً او احتیاطاً۔ (ھدایہ اخیرین جلد ۳ صفحہ ۳۹۲)

○ نیز فرمایا: الاصل (ای الامر الکلی) ان سبب الحرمة و الحل اذا اجتمعا و امکنت التحرز عما ھو سبب الحرمة ترجح جهة الحرمة احتیاطاً۔ (ھدایہ اخیرین جلد ۳ صفحہ ۳۹۵)

(۴) اسنی المطالب جلد ا صفحہ ۵۳۹ میں ہے: التحریم یثبت بالشبهة لان الاصل فی الباب التحریم یعنی شبہ سے بھی تحریم ثابت ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اصل اس باب میں تحریم ہی ہے۔

مشتبہات سے پرہیز ضروریاتِ اسلام سے ہے

○ بیہقیٔ وقت مفسرِ قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مالابد منہ صفحہ ۲۱ کتاب التقویٰ کے شروع میں لکھا ہے: بعد اتیان ارکان اسلام دانستن حرام و مکروہ و مشتبہ و پرہیز از مشتبہات بناء بر احتیاط از وقوع در حرام و مکروہ از ضروریات اسلام است۔ یعنی اسلام کے ارکان پر عمل کرنے کے بعد حرام، مکروہ، اور مشتبہ چیزوں کا جاننا اور ان مشتبہات سے بناء بر

احتیاط سے بچنا اور حرام و مکروہ میں واقع ہونے سے بچنا بھی ضروریات اسلام میں سے ہے۔

مندرجہ بالا تقریر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ موجودہ دور کے کلمہ گو مشرکین کی ذبیحہ کے حلال یا حرام ہونے کے متعلق علماء کرام کی دو مختلف آراء میں سے اصولی طور پر حرمت کی رائے کو ترجیح ہے۔ مگر اس کے باوجود علی سبیل التنزل فرامین نبویؐ کے پیش نظر احتیاط کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کلمہ گو مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت ہی کا فتویٰ دیا جائے گا۔

فرمان نبویؐ

علیٰ صاحبہ الف صلوۃ و تحیۃ

1 سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپؐ نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے اس منبر پر (منبر رسول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: الحلال بین والحرام بین۔ وما بینھما مشتبھات۔ لایعلمھا کثیر من الناس۔ فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ و عرضہ۔ و من وقع فی الشبھات وقع فی الحرام۔ کالراعی حول الحمیٰ یوشك ان یرتع فیہ (یواقعہ) الا! وان لکل ملك حمیٰ۔ الا! و ان حمی اللہ فی ارضہ محارمہ۔
(بخاری صفحہ ۱۳ باب فضل من استبرأ لدینہ)

تشریح حلال بھی ظاہر اور واضح ہے۔ اور حرام بھی ظاہر اور واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ الحکم ہیں۔ جن کا حکم تعیین کے ساتھ معلوم نہیں ہوسکتا۔ اور بہت سے لوگ اس کی حلت و حرمت کو یقین کے ساتھ معلوم نہیں کرسکتے۔ سو جو شخص ایسی مشتبہ الحکم چیزوں سے بچا رہا تب تو

اس نے اپنا دین بھی بچالیا اور اپنی عزت بھی بچالی۔ اور جو شخص ان مشتبہ الحکم چیزوں میں پڑ گیا تو سمجھو کہ وہ حرام میں پڑ گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنا جانور ایک چراگاہ (باڑ، یا رکھ) کے ارد گرد چرا رہا ہو۔ تو کچھ بعید نہیں کہ کسی وقت وہ جانور چراگاہ کے اندر ہی چلا جائے۔

سُن رکھو! ہر بادشاہ کی باڑ ہوتی ہے۔

سُن رکھو! اللہ تعالیٰ کی رکھ اس زمین میں اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔

○ یہی حدیث سُنن ابنِ ماجہ صفحہ ۲۹۶ پر بھی موجود ہے۔ اس کے حاشیہ مسمّٰی بہ انجاح الحاجہ میں ہمارے شیخ المشایخ شاہ عبدالغنی محدّث دہلوی (مہاجر مدنی) رحمۃ اللہ تعالیٰ نے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے تحریر فرمایا:

اتفق العلماء علی عظم موقع ھذا الحدیث وکثرۃ فوائدہٖ فأنہ احد الاحادیث التی علیہا مدار الاسلام۔

یعنی تمام علماءِ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث کا مقام بہت عظیم ہے۔ اور اس کے فوائد بے شمار ہیں۔ کیونکہ یہ حدیث منجملہ ان حدیثوں کے ہے جن پر پورے اسلام کی دارومدار ہے۔

۲ سیدنا حسن بن علی، سیدنا انس بن مالک، سیدنا وابصہ بن معبد، سیدنا عبداللہ بن عمر سے مرفوع روایت مسند احمد، نسائی، طبرانی، ترمذی، اور صحیح ابنِ حبان کے حوالے سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دع ما یریبك الی مالا یریبك۔ کہ جس کام میں قلق و اضطراب شک اور تردد پیدا ہوجائے تو اسے چھوڑ کر وہ کام اختیار کرو جو قلق و اضطراب اور شک و تردد سے خالی ہو۔ اور یہ امر وجوبی ہے۔ کیونکہ اصولِ فقہ کا:

فائدہ ہے: الامر للوجوب۔ صیغہ امر کا وجوب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور باقی معانی مجازی ہیں۔ جو کہ قرآن سے ثابت ہوتے ہیں۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمانِ ذیشان کے ذریعے مومن کو

یہ تعلیم دی ہے کہ جب کسی مسئلہ کے حل و حرمت میں شک اور تردد پیدا ہو جائے۔ یعنی علماء کی آراء مختلف ہو جائیں۔ بعض کہیں کہ حلال ہے، اور بعض اس کو حرام کہیں۔ تو ایسی صورت میں اس چیز سے اجتناب ضروری ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ:

- اگر وہ چیز فیما بینہ وبین اللہ حرام ہے تو اس کا ترک واجب ہوگا۔
- اور اگر حلال ہے تو اس کا استعمال نہ تو فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت ہے، اور نہ مستحب ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ مباح ہے۔ جس کا کرنا مامور نہیں۔ اور اس کا ترک گناہ نہیں۔
- اگر عند اللہ حرام ہو اور ہم اس کو استعمال کرنے لگ جائیں تو بروز قیامت ہم سے باز پرس ہوگی کہ تو نے ایک حرام چیز کو محض چکا اور لذت حاصل کرنے کے لیے کیوں استعمال کیا۔
- اور اگر حلال ہو تو اس کے استعمال نہ کرنے پر باز پرس نہیں ہوگی۔ اور یہی احتیاط کا تقاضا ہے۔ اور یہی ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سارے مذہب کا نچوڑ ہے۔ جیسا کہ میرے شیخ شفیق أستاذي المکرم علی حضرت مولانا محمد شاہ جہلمی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ سابغۃ وافیۃ فرمایا کرتے تھے۔
- لہٰذا احتیاط کا تقاضا پورا کرتے ہوئے زندیق کے ذبیحہ کو کسی صورت بھی حلال نہ سمجھا جائے۔ یعنی: اگر کلمہ گو مشرکین کو اہل کتاب کے زمرے میں شامل سمجھا جائے تب بھی غلب الحرام علی الحلال کے متفقہ قانون کی رو سے ان کی ذبیحہ کو حرام کہے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔
- نیز حضرت مولانا حسن بن حسین بن محمد علوی حنفی تلمیذ مولانا محمد حسن علی ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**رسالہ بیانِ احکامِ اضحیہ و وجوبہا آں**" صفحہ ۱۷۲ میں فرمایا:

مسئلہ افضل است کہ اضحیہ خود را خود ذبح نماید اگر واقف باشد از طریق ذبح۔ و الا استعانت جوید از دیگر و خود حاضر باشد بر مکانِ ذبح. یعنی اگر ذبح کا طریقہ جانتا ہو تو اپنا جانور خود ذبح کرنا افضل ہے۔ اور اگر ذبح کا طریقہ نہیں جانتا تو کسی اور سے مدد لے سکتا ہے۔ لیکن خود وہاں حاضر رہے۔

مسئلہ مکروہ است ذبح نصرانی و یہودی و حرام است ذبیحہ مجوسی و بت پرست و مرتد۔ یعنی یہودی اور نصرانی کا ذبیحہ مکروہ ہے۔ اور مجوسی (آگ کی پرستش کرنے والے) اور بتوں کی پوجا کرنے والے اور دینِ اسلام سے پھر جانے والے (مرتد) کا ذبیحہ حرام ہے۔

ذبح کے احکام میں قربانی اور غیر قربانی، یا عبادت اور غیر عبادت کا کوئی فرق نہیں

○ اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ کافر قربانی کا جانور ذبح کرے تو عبادت ہونے کی وجہ سے اس کی مذبوحہ حرام ہے لیکن قربانی کے علاوہ دوسری ذبیحہ حلال ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت حسن بن محمد ابن حنفیہ (بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کتب رسول اللہ ﷺ الی مجوس ھجر یعرض علیھم الاسلام فمن اسلم قبل منہ و من ابی ضربت علیھم الجزیۃ علی ان لا تؤکل لھم ذبیحتھم ولا تنکح لھم امراۃ۔ یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجوس ہجر کی طرف خط لکھا کہ ان پر اسلام پیش کیا جائے۔ پھر ان میں سے جو مسلمان ہوگیا اس کا اسلام قبول کیا جائے اور ان میں سے جو جو شخص انکار کرے ان پر جزیہ مقرر کیا جائے۔ البتہ ان کی ذبیحہ نہ کھائی جائے اور نہ ہی ان کی کسی عورت سے نکاح کیا جائے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ صفحہ ۲۸۵)

○ حضرت امام بیہقیؒ نے اس کے بعد تحریر فرمایا: و اجماع اکثر الامۃ علیہ یؤکدہ۔ یعنی اکثر امت کا اس پر اجماع، اس کو اور مؤکد کر دیتا ہے۔

- اس فرمانِ نبویؐ میں مطلقاً مجوسی کی ذبیحہ کو حرام فرمایا گیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ مجوسی وغیرہ قربانی کا جانور ذبح کرے تو عبادت ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی، اس کے علاوہ مجوسی کے ہاتھ کی عام ذبیحہ حلال مجھ کر کھالیا کرو۔
- امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لابأس بطعام المجوس انما نُهِيَ عن ذبائحهم۔ یعنی مجوسیوں کی ذبح سے منع کیا گیا ہے۔ اور مجوسیوں کے یہاں سے ذبیحہ کے علاوہ دوسرا کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ صفحہ ۲۸۵)
- امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں قربانی اور غیر قربانی یا عبادت اور غیر عبادت کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔
- سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کُل من صيد اهل الكتاب و لا تأكل من صيد المجوس۔ یعنی اہلِ کتاب کا شکار کیا ہوا کھاسکتے ہو، اور مجوسی کا شکار کیا ہوا مت کھاؤ۔ (السنن الکبریٰ جلد ۹ صفحہ ۲۴۵)
- سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نُهِيَ عن ذبيحة المجوسي و صيد كلبه وطائره۔ یعنی مجوسی کی ذبیحہ سے منع کیا گیا ہے۔ اور جو مجوسی اپنے کتے اور باز وغیرہ کے ساتھ شکار کرے اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ (السنن الکبریٰ جلد ۹ صفحہ ۲۴۵)
- اس میں مجوسی کے شکار سے بھی روکا گیا ہے۔ حالانکہ شکار کی قربانی نہیں ہوتی۔
- حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لا بأس بذبائح اهل الكتاب وكره ان يدفع المسلم شاته الى اليهودي يذبحها۔ یعنی اہلِ کتاب کی ذبیحہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ یہ بات مکروہ ہے کہ مسلمان اپنی بکری ذبح کرنے کے لیے یہودی کو دے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۴۸۷)
- مشہور تابعی حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں بھی قربانی و غیر قربانی یا عبادت اور غیر عبادت کا کوئی امتیاز نہیں کیا گیا۔ اور مطلق اہلِ کتاب کی

ذبیحہ کو حلال قرار دیا' اگرچہ وہ مُسلمان کی قربانی کا جانور ذبح کرے۔ جبکہ اہلِ کتاب بھی عبادت کے اہل نہیں۔ البتہ اس کی ذبیحہ مکروہ ہے۔ خواہ جانور کسی مُسلمان کی قربانی کا ہو یا کوئی مُسلمان اس سے قربانی کے علاوہ کوئی جانور ذبح کرائے۔

- نیز آپؒ نے فرمایا: لاتؤکل ذبیحۃ المجوسی وآن ذکراللہ۔ یعنی مجوسی ذبح کرتے وقت اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے پھر بھی اس کی ذبیحہ نہ کھائی جائے۔ (مُصنّف عبدالرزاق جلد ۶ صفحہ ۱۲۱)
- اس میں بھی تعمیم ہے۔ قربانی کا جانور ہو یا غیر قربانی کا' مجوسی کی ذبیحہ حرام ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے۔
- حضرت سعید بن جُبیر اور مرہ بن شراحیل رحمہما اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ: المجوسی یذکر اسم اللہ اذا ذبح؟ قالا: لا تأکل۔ یعنی مجوسی ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے تو کھائیں یا نہ کھائیں؟۔ تو آپؒ نے فرمایا کہ مت کھاؤ۔ (مُصنّف عبدالرزاق جلد ۶ صفحہ ۱۲۱)
- حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے بھی فرمایا: لاتأکل صید کلب المجوسی و لا ما اصاب سھمہ ولا بأس بخبزہ۔ یعنی مجوسی کے کتے کا کیا ہوا شکار مت کھاؤ اور نہ وہ جانور کھاؤ جس کو مجوسی کا تیر لگا ہو۔ البتہ مجوسی کی (بغیر گوشت کے محض سادہ) روٹی کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ (مُصنّف عبدالرزاق جلد ۴ صفحہ ۴۶۹)

فائدہ ان تمام صحابہؓ اور تابعینؒ نے ذبیحہ مشرک واہلِ کتاب کے حکم میں قربانی اور غیر قربانی اور عبادت و غیر عبادت کا کوئی فرق بیان نہیں فرمایا۔ مطلقاً اہلِ کتاب کی ذبیحہ کو حلال فرمایا خواہ جانور قربانی کا ہو یا غیر قربانی کا۔ البتہ اہلِ کتاب کو ذبح کرنے کے لیے اپنا جانور دینا مکروہ ہے۔ خواہ وہ جانور قربانی کا ہو یا غیر قربانی کا۔ اور مجوسی کی ذبیحہ کو حرام فرمایا۔ خواہ جانور قربانی کا ہو خواہ غیر

قربانی کا۔ خواہ بوقتِ ذبح اس پر اللہ کا نام لے یا نہ لے۔ ہر حال میں اس کی ذبیحہ حرام ہے۔ قربانی اور غیر قربانی یا عبادت اور غیر عبادت کا فرق محض ذہنی اختراع ہے۔ اس کے لیے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ بلادلیل ذہنی اختراعی مسئلہ بیان کرکے اہلِ توحید کو مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔

○ یاد رہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ ذی شان میں آپ ﷺ کا مقصد مجوسی کی تخصیص نہیں۔ بلکہ آپ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ: اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے سوا جو کافر بھی ہو جس مذہب کا ہو خدا کا ماننے والا ہو یا خدا کا منکر ہو، دہریہ ہو یا وثنی (بت پرست) یا مانوی یا مَنی، ہندو یا سکھ یا بدھ مت کا پیروکار یا بابی، بہائی، آغاخانی، مہدوی، ذکری، قادیانی، نیچری، کلمہ گو مشرک اور مرتد اصلی یا نسلی۔

○ غرض اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے سوا سب پر مجوسی والا حکم ہی لاگو ہوگا۔ اسی طرح روافض، قرامطہ، باطنیہ وغیرہ تمام ملحدین و زنادقہ پر یہی حکم لاگو ہوگا۔ اگرچہ ان کا زبانی دعویٰ یہی ہو کہ ہم خدا، رسول اور قرآن مجید کو مانتے ہیں۔ جیسے عہدِ اسلامی کے علماء متقدمین و متاخرین صریح اور صاف حکم لگا گئے ہیں۔ خارجون عن ملة الاسلام، فی حکم المرتدین۔ اور قرآن و سنت اور اقوالِ صحابہؓ و سلف صالحینؒ و ائمۂ مجتہدینؒ اور متقدمین و متاخرین فقہاء کرام کے فتاویٰ اسی بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

○ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ قربانی چونکہ عبادت ہے اس لیے مجوسی وغیرہ کی ذبح کی ہوئی قربانی تو حرام ہے۔ لیکن قربانی کے علاوہ مجوسی وغیرہ کی عام ذبیحہ حلال ہے۔ اور نہ ہی گزشتہ چودہ صدیوں میں کسی عالم نے ایسا کہا ہے۔ بلکہ ایسا کہنا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا انکار ہوگا۔ اعاذنا اللہ منہ۔ کیونکہ فرمانِ رسول مطلق ہے۔ اس میں مجوسی وغیرہ کفار کی ہر قسم کی ذبیحہ شامل ہے۔ اس مطلق کو مقید کرنا کسی شرعی دلیل کے بغیر شرعی حکم کو

منسوخ کرنے کے مترادف ہے۔ جس کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں۔

○ اس لیے ان علماء کا قول جمہور کے فتاویٰ کے خلاف مرجوح سمجھا جائے گا۔ جو کلمہ گو مشرکین و کفار پر اہلِ کتاب کا حکم نافذ کرتے ہوئے ان کی ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہ حلت و حرمت کا مسئلہ ہے۔ ایسی صورت میں احادیث کی رو سے علماء کرام حرمت ہی کو ترجیح دیتے آئے ہیں۔ بشرطیکہ وہاں حلت کی کوئی صریح نص نہ ہو۔ مثلاً:

① زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے نہ ہونے میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ مگر ترجیح ثبوتِ حرمت کو ہے۔

② اسی طرح اجنبیہ کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ مگر ترجیح ثبوتِ حرمت کو ہے۔

③ اسی طرح مچھلی کے سوا پانی میں رہنے والے دوسرے جانوروں کی حلت و حرمت میں مجتہدین کا باہم اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

④ اسی طرح اونٹ کے پیشاب کی حلت و حرمت میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

⑤ اسی طرح شطرنج وغیرہ کھیلوں کی حلت و حرمت میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

⑥ اسی طرح طلاقِ ثلاثہ کے متعلق بعض متأخرین کا تمام متقدمین کے ساتھ اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

⑦ اسی طرح ہاتھی کی حلت و حرمت میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ مگر ترجیح حرمت کو ہے۔

○ یہ چند چیزیں بطور نمونے کے بیان کی گئی ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ لیکن:

○ کفر و اسلام کے متعلق جب اختلاف واقع ہو تو وہاں احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الوسع کفر کے فتویٰ سے اجتناب کیا جائے۔

حلت وحرمت میں عُموم بلویٰ کا قاعدہ ملحوظ نہیں ہوتا

○ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں موحد قصائی تو تلاش بسیار کے بعد بھی شاید ہی کہیں ملے۔ اس لیے "عموم بلویٰ" کے قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے حلت کا فتویٰ دیا جانا چاہیے۔ لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ الحمدللہ ہمارے ملک میں موحد قصاب موجود ہیں۔ اور تبلیغ واصلاح کے بعد ان کی تعداد میں مزید اضافہ کی راہ بھی مسدود نہیں۔ نیز حلال و حرام کے معاملے میں عموم بلویٰ کا یہ اصول سرے سے ملحوظ ہوتا ہی نہیں۔ جیسا کہ:

○ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ترویح الجنان صفحہ ۵۷ میں فرمایا: ان عموم البلوی انما یؤثر فی باب الطہارۃ والنجاسۃ لا فی باب الحرمۃ والاباحۃ۔ یعنی عموم البلویٰ طہارت ونجاست کے باب میں تو مؤثر ہے، حرمت اور اباحت کے باب میں مؤثر نہیں۔

○ نیز حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے اسی (عموم بلویٰ) کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے سود کی حلت یا حرمت کے متعلق سوال ہوا:

سوال احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سود لینا بھی حرام ہے اور سود دینا بھی حرام ہے۔ مگر ایک شخص کسی اشد ضرورت کی وجہ سے سود پر قرض لے کر رفع ضرورت نہ کرے تو مر جائے گا۔ اس صورت میں بقدر جان بچانے کے سودی قرض لینا جائز ہے۔ جیسا کہ آج کل ہندوستان میں سود دینے کا نہایت رسم ورواج ہو گیا ہے۔ تو اس وجہ سے عموم بلویٰ کے خیال سے سود دینا جائز ہوگا؟

جواب عموم بلویٰ کی وجہ سے کوئی حکم دینا صرف طہارت اور نجاست میں ثابت ہے اور عموم بلویٰ کا لحاظ حل وحرمت میں کچھ نہیں۔ (فتاویٰ عزیزی مترجم جلد ۱ صفحہ ۳۰۸)

فائدہ چونکہ مسئلۂ ذبیحہ کا تعلق بھی حلال و حرام کے قبیل سے ہے اس لیے "عموم بلویٰ" کے قاعدہ کا لحاظ کیے بغیر ذبیحۂ مشرک سے اجتناب ضروری ہے۔

خلاصہ

- فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کی جو تعریف بیان فرمائی ہے: من یؤمن بنبي ویقر بکتاب۔ یہ "رسمِ ناقص" ہے، "حدِ تام" نہیں۔ اگر اس کو حدِ تام سمجھیں تو مرتدین مسیلمۃ الکذاب اور اسود عنسی اور ان کے ماننے والے بھی اس تعریف میں داخل ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ ان کو کسی نے اہلِ کتاب نہیں کہا۔
- نیز اس تعریف کی رو سے صحابۂ کرامؓ کے فہم کی تغلیط بھی لازم آتی ہے کہ انھوں نے ان کو مرتد قرار دیا اور مرتد کے احکام نافذ کیے۔ مگر اہلِ کتاب نہیں سمجھا۔ اسی طرح تابعینؒ تبع تابعینؒ سلف صالحینؒ وائمۂ مجتہدینؒ پر اعتراض لازم آتا ہے کہ انھوں نے نسلی زنادقہ کو مرتد کہا، اہلِ کتاب نہیں کہا۔ جبکہ فرقہ بیانیہ، عجلیہ، اخرسیہ، میمونیہ، قرامطہ، مزدکیہ، باطنیہ، مقنعیہ، ازارقہ، مہدویہ، بابیہ، بہائیہ، اور روافض جو نسلاً بعد نسلٍ مدتوں تک رہے۔ ان کو زندیق کہا اور ان پر مرتدوں کے احکام نافذ کیے۔ مگر اہلِ کتاب نہیں کہا۔
- اگر ادعائے ملتِ سماویہ کی قید لگائی جائے تو فقہائے کرامؒ کی مندرجہ بالا تعریف میں تعمیم کو بدل کر تخصیص کرنی ہوگی۔ اس طرح جو اعتراض ہم پر واقع ہوتا ہے وہی اعتراض ان لوگوں پر عود کرتا ہے جو اس تعریف کو حدِ تام کہہ کر عقائد کی کتابوں میں بیان کردہ اہلِ کتاب کی تعریف پر اعتراض کرتے ہیں۔
- بلکہ اس تعریف میں ہندو سکھ اور آریہ بھی داخل ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ بھی رشیوں (رسُولوں) کے قائل ہیں اور ویدوں کو آسمانی کتاب مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم موحد ہیں مشرک نہیں، ہم بجز خدا کے کسی اور کو سزاوارِ پرستش نہیں جانتے۔ نہ کشن بشن کو، نہ مہادیو کو، نہ دیوی کو، نہ گنگا جمنا وغیرہ کو۔

○ اسی طرح نانک پنتھی بھی کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں، ہمارے بابا نانک اور دوسرے گرؤوں نے شرک نہیں کیا۔ اور بابا نانک کا کلام توحید سے پُر ہے۔ اس تعریف کی رو سے ان کو بھی اہلِ کتاب کہنا پڑے گا۔ حالانکہ یہ لوگ بالاتفاق اہلِ کتاب نہیں۔

○ نیز اگر ملّتِ سماویہ کی قید لگا کر فقہاء کی تعریف کو جامع مانع کہا جائے تو اس صورت میں تخصیص تعمیم کے علاوہ مشرکینِ مکہ کو بھی اہلِ کتاب کہنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ ہم حنیفی ہیں اور ملّتِ ابراہیمی پر قائم ہیں۔ ہم اہلُ اللہ ہیں، ہم بیتُ اللہ کے مجاور ہیں، مگر آج تک کسی نے ان کو اہلِ کتاب نہیں کہا اور نہ قرآن مجید نے ان کو اہلِ کتاب کہا۔

○ اور اگر کہا جائے کہ اہلِ کتاب وہ ہیں جن کی طرف آسمانی کتاب نازل ہوئی ہے تو اس اعتبار سے دنیا میں رہنے والا ہر فرد خواہ وہ مسلمان ہو یا اہلِ کتاب یہودی یا نصرانی، وہ مکہ کا مشرک ہو یا ہندو، سکھ، یا بدھ مت کا پیروکار، سب کو اہلِ کتاب کہنا پڑے گا۔ بلکہ منکرِ خدا و بے دین دہریے بھی اہلِ کتاب کہلانے کے مستحق قرار پائیں گے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: "میں نے یہ قرآن مجید بلاقید مذہب و ملّت قیامت تک آنے والے سب لوگوں کی طرف نازل کیا ہے"۔ اس لیے یہ بات بھی ظاہر البطلان ہے۔

○ بعد اللتیا والتی ماننا ہوگا کہ فقہاء نے رسم ناقص کر کے صرف نشان دہی کی ہے۔ بیانِ حدِ تام ان کا مقصد نہ تھا، اور نہ ہی ان کا وظیفہ ہے۔ بس حدِ تام وہی ہے جو علمِ عقائد والوں نے کی ہے: من کان متدینا ببعض الادیان و الکتب المنسوخة خص باسم الکتابی کہ جو شخص کوئی سا دین اختیار کرے اور کتبِ منسوخہ میں سے کسی کی طرف اپنی نسبت کرے خاص اس کو اہلِ کتاب یا کتابی کہتے ہیں۔

○ اب رہا یہ کہ اہلِ کتاب سے مراد کون ہیں؟ بعض علماء تو تعمیم کے قائل ہیں۔ اور

صحفِ شیثؑ صحفِ ادریسؑ صحفِ ابراہیمؑ اور صحیفۂ داؤدؑ کو ماننے والے سبھی آجاتے ہیں۔ مگر داؤد علیہ السلام کی زبور پر ایمان لانے والے یہودی ہی ہیں۔ علیحدہ فرقہ کوئی نہیں۔ اور شیثؑ و ادریسؑ کے صحیفے ماننے والوں کا روئے زمین پر وجود ہی نہیں۔ اور صحفِ ابراہیمؑ کہیں ضائع ہوگئے۔ ان کے ماننے والے بھی مدتوں سے موجود نہیں۔ اس لیے جمہور یہی کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب سے مراد قرآن مجید کی زبان میں صرف یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور علماء میں سے کسی نے رسالتِ محمدیہؐ اور قرآن پر ایمان لانے والوں کو اہلِ کتاب نہیں کہا۔ بلکہ رسالتِ محمدیہؐ اور قرآن پر ایمان کا دعویٰ کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی اہلِ کتاب نہیں۔

① **اہلِ حق موحدین۔** قرآنی زبان میں ان کا نام مُسلم، مؤمن اور امت مسلمہ ہے۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے ان کو اہل القرآن بھی فرمایا۔ ان موحد مسلمانوں کو اہلِ کتاب کہنا منع ہے۔ جیسے ان کو یہودی اور نصرانی کہنا منع ہے۔ اور ان کو اہلِ کتاب کہنا تشبہ کی وجہ سے بھی منع ہے۔ کیونکہ اہلِ کتاب وہ تھے جو رسالتِ محمدیہؐ کے منکر تھے۔ اور جو رسالت محمدیہؐ کا اقراری ہو وہ اہلِ کتاب نہیں ہوسکتا۔

② **کلمہ گو غیر مُسلم** موحدین کے علاوہ رسالتِ محمدیہؐ اور قرآن مجید کو ماننے کے مدعی دوسرے تمام فرقِ باطلہ بھی جیسا کہ مسلمان نہیں ایسے ہی اہلِ کتاب بھی نہیں ہوسکتے۔ اور ان فرقِ باطلہ کے پیروکار دو قسم کے ہیں:

① ان میں سے جو شخص موحد مسلمان ہونے کے بعد مذہب بدلے وہ مرتد کہلائے گا۔ اسی طرح اس کی صلبی اولاد۔

② اور جن کے باپ دادے دینِ اسلام چھوڑ کر دوسرے فرقے میں داخل ہوکر مرتد ہوگئے۔ جیسے نسلی روافض، قادیانی، چکڑالوی، قرامطہ، باطنیہ، سبائیہ، عجلیہ، بہائیہ، نیچریہ، اسماعیلیہ، منکرین حدیث، اور کلمہ گو مشرک جو

بعض ضروریاتِ دین کے منکر ہیں، بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، توحید باری تعالیٰ کے قائل ہیں، رسالتِ محمدیہ ﷺ کا بھی اقرار کرتے ہیں، قرآن مجید کو کلامِ الٰہی مانتے ہیں، مگر قرآن مجید میں ایسی ایسی تاویلات کرتے ہیں جو اجماعِ امت کے خلاف ہیں تو یہ لوگ نہ اہلِ کتاب ہیں نہ مسلمان اور نہ مرتد بلکہ زندیق ہیں۔ جو مرتد سے زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہیں۔ اور اپنے کفریات کو عینِ اسلام سمجھتے ہیں۔

○ اسلامی عہد میں صدیوں پہلے سے اہلِ حق علماءِ کرام ایسے لوگوں کی ذبیحہ کو حرام قرار دیتے آئے ہیں، اور ان علماء نے صراحۃً انھیں دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا اور ان پر مرتدین کے احکام نافذ فرمائے۔

○ اسی طرح موجودہ دور کے علماء نے بھی کہا ہے کہ یہ کلمہ گو مشرک اہلِ کتاب نہیں، بلکہ زندیق ہیں۔ ان کی ذبیحہ حلال نہیں۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ اور یہ علماء کلمہ گو مشرکین کی تشبیہ اہلِ کتاب کے ساتھ نہیں دیتے بلکہ ان کی تشبیہ مشرکینِ مکہ کے ساتھ دیتے ہیں۔

منطقی انداز میں دلیل

① کلمہ گو مشرک مدعیِ اسلام ہیں اور کفریہ عقائد کو عینِ اسلام قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن و حدیث میں اپنی طرف سے ایسی ایسی تاویلات گھڑتے ہیں جو سلف صالحین سے منقول نہیں۔ (صغریٰ)

اور جو اس قسم کا مدعیِ اسلام ہو وہ اصطلاحِ شرع میں زندیق ہے۔ (کبریٰ)

پس یہ لوگ زندیق ہیں۔ (نتیجہ شکلِ اول ضربِ اول)

② کلمہ گو مشرک حضرت محمد ﷺ رسول اللہ کی رسالت کے قائل ہیں۔ (صغریٰ)

اور اہلِ کتاب حضرت محمد ﷺ رسول اللہ کی رسالت کے قائل نہیں۔ (کبریٰ)

پس یہ کلمہ گو مشرک اہلِ کتاب نہیں۔ (نتیجہ شکلِ ثانی، اختلاف دونوں صغریٰ وکبریٰ کا ایجاب وسلب میں اور کلیۂ کبریٰ کی)

ضروری وضاحت

○ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۷۹ میں حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۴۵۸ھ کی کتاب شعب الایمان جلد ۵ صفحہ ۶۷ و ۶۸ سے اپنی اسناد سے حدیث نقل فرمائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل احدکم علی اخیہ المسلم فلیأکل من طعامہ ولا یسأل و یشرب من شرابہ ولا یسأل. یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے مسلم بھائی کے پاس جائے پھر وہ کھانا پیش کرے تو بلا تأمل کھالے اور یہ نہ پوچھے کہ یہ کھانا کیسا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اور اگر وہ کوئی مشروب پیش کرے تو بلا تردد پی لیا کرے۔ اور یہ نہ پوچھے کہ یہ مشروب کیسا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اس کو اپنے مسلم بھائی پر حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اور پوچھنے سے اس مسلمان بھائی کا دل دکھے گا۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وجہ نہ پوچھنے کی یہ ہے کہ جو کامل مسلمان ہو یعنی فاسق نہ ہو تو وہ اپنے مسلم بھائی کو وہی چیز کھلائے پلائے گا جو اس کے نزدیک حلال ہوگی۔ کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ کوئی مومن اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جس وقت تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

○ حضرت عمران بن حصین کی حدیث میں جو آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فاسق راہ راست سے ہٹا ہوا ہے اس لیے اغلب یہی ہے کہ وہ حرام سے اجتناب نہ کرے گا۔

○ اس مقام پر حضرت نواب قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مظاہر حق جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ میں اپنے شیخ حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی محدث رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تقریر

نقل کرتے ہوئے فرمایا: "مگر ہاں جبکہ معلوم ہو کہ اس کا کھانا وجہِ حرام سے ہے تو نہ کھائے۔ اور اگر ایک شخص کا کھانا اکثر حرام کا ہے تو بھی نہ کھائے"۔

○ حضرت مولانا محمد حسین تتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مایۂ ناز درسی کتاب **مالابدمنہ** کے ساتھ "اظہار الحلال والحرام" کے نام سے ایک رسالہ ملحق فرمایا ہے۔ جس کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا: "سمجھ لو کہ دنیائے جیفہ (مردار) کے چند روز گوشت سے صبر کرنا آسان ہے، بہشت کی نعمتوں سے محروم رہنا اور دوزخ کی آگ پر صبر کرنا مشکل پڑے گا"۔

○ حضرت علامہ محمد حسین تتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ رسالہ میرے پاس موجود ہے۔ (افسوس کہ آج کل مالابدمنہ کے ساتھ یہ رسالہ شائع نہیں کیا جاتا۔) حضرت علامہ تتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس علمی رسالہ پر اُس دور کے درج ذیل مایۂ افتخار علماء اور محدثین و مفسرین مثلاً:
① صدر الصدور حضرت مولانا محمد صدر الدین ② نواب قطب الدین محدث دہلوی صاحب مظاہر حق ③ مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب اظہار الحق ④ مولانا نوازش علی ⑤ مولانا محمد کریم اللہ ⑥ مولانا احمد علی ⑦ مولانا حفیظ اللہ ⑧ مولانا سعادت علی ⑨ مولانا محمد روشن علی ⑩ مولانا مشتاق احمد ⑪ مولانا شیخ محمد عبید اللہ ⑫ مولانا سید نذیر حسین دہلوی، کے تصدیقی دستخط موجود ہیں۔

ذبیحۂ مشرک کھانے والا کافر نہیں

○ نیز یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ذبیحۂ مشرک کھانے والا بھی مشرک و مرتد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مشرک اسے کہتے ہیں جس کا عقیدہ مشرکانہ ہو اور ذبیحۂ مشرک کھانا عملی بدگی ہے بدعقیدگی نہیں۔ اس لیے اگر کوئی موحد کسی مشرک کا ذبیحہ کھالے تو اس سے وہ مشرک نہیں ہو جاتا بلکہ موحد ہی رہتا ہے۔ البتہ:

خوارج کا عقیدہ

○ خوارج کا عقیدہ ہے کہ جو مُسلمان گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے مثلاً جھوٹ بولے، یا حرام کھائے، یا کسی پر تہمت لگائے، یا کسی کی غیبت کرے، یا جوا کھیلے، یا غیر محرم عورتوں سے پردہ نہ کرے، یا چوری کرے، یا زنا کرے، تو وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔

مُعتزلہ کا عقیدہ

○ مُعتزلہ کا عقیدہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب دائرۂ اسلام سے تو خارج ہو جاتا ہے مگر دائرۂ کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یعنی وہ نہ مُسلمان ہے اور نہ ہی کافر۔ مگر:

اہلِ سُنّت کا عقیدہ

○ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ مُسلمان کسی گناہ کی وجہ سے فاسق تو ہو جاتا ہے مگر کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ:

○ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ثلٰث من اصل الایمان الکف عمن قال لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل (سوی الکفر) الخ ایمان کی جڑ میں سے تین چیزیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل اور مُعتقد ہو تو اس سے کوئی گناہ سرزد ہونے کی وجہ سے کافر مت کہو (جیسے خارجی کہتے ہیں) اور اس کی طرف کفر کی نِسبت نہ کرو کفر و شرک کے سوا اس کو کسی بد عملی کی وجہ سے خارج از ایمان بھی نہ کہو (جیسے مُعتزلی کہتے ہیں) دیکھیے: مشکوۃ صفحہ ۱۸/۱۷

○ بد عملی یا کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ البتہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو اصطلاحِ شریعت میں فاسق کہا جاتا ہے۔ اس لیے کبیرہ گناہوں سے بچنا ہر مُسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ سطورِ ذیل میں کبیرہ گناہوں میں سے چند کا ذکر کر دینا بھی بر محل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ:

کبیرہ گناہ۔ جن سے بچنا ضروری ہے

○ شرک کے بعد جس گناہِ کبیرہ کا ذکر سب سے پہلے کیا جاتا ہے وہ زنا ہے۔ زنا کی طرف اٹھنے والا ہر قدم گناہ کا باعث ہے۔ جبکہ غیر محرم عورتوں سے بے حجاب ہونا اس کا پہلا قدم ہے۔ اسی طرح:

① کسی کو ناحق قتل کرنا، یا قتلِ ناحق میں اعانت کرنا۔ ② کسی پر ظلم کرنا۔ ③ چوری، ڈاکہ اور غبن کے ذریعے پرایا مال کھانا۔ ④ یتیموں کا مال کھانا۔ ⑤ جھوٹ بولنا، جھوٹی شہادت دینا، جھوٹی قسم کھانا۔ ⑥ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم کھانا۔ ⑦ غیبت یعنی کسی کو اس کے پیچھے بدی سے یاد کرنا۔ ⑧ کسی پر زنا کی تہمت لگانا۔ ⑨ بہتان یعنی جھوٹا الزام لگانا۔ ⑩ عہد شکنی کرنا۔ ⑪ امانت میں خیانت کرنا۔ ⑫ ماں باپ اور استاذ کی نافرمانی کرنا اور ان کو ستانا۔ ⑬ بلا عذر نماز قضا کرنا۔ ⑭ اللہ تعالیٰ کے کسی فرض کو چھوڑ دینا۔ جیسے نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ۔ ⑮ لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔ ⑯ گالی دینا۔ ⑰ ڈاڑھی منڈانا۔ ⑱ شراب پینا۔ یا کوئی اور نشہ آور اشیاء استعمال کرنا۔ ⑲ دھوکہ دینا۔ ⑳ اپنے گھروں اور کمروں میں تصویریں لگانا۔ ㉑ ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا۔ ㉒ فضول خرچی کرنا۔ ㉓ کسی کا عیب ڈھونڈنا۔ ㉔ کسی سے مسخرہ پن کر کے بے حرمت اور شرمندہ کرنا۔ ㉕ سود لینا یا دینا۔ یا اس میں اعانت کرنا۔ ㉖ رشوت لینا یا دینا۔ یا اس میں اعانت کرنا۔ ㉗ جوا کھیلنا اور جواریوں کی معاونت کرنا۔ ㉘ ناچنا اور ناچ دیکھنا، خواہ محفل میں ہو یا ٹیلی ویژن یا سینما کی فلم میں۔ ㉙ شادی بیاہ اور دیگر مواقع پر ویڈیو فلم بنوانا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ ㉚ قدرت ہونے پر نصیحت نہ کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ ㉛ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا، اور اللہ تعالیٰ کے قہر سے بے خوف ہونا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ ㉜ اسی طرح کسی مسلمان کو کافر یا بے ایمان یا اللہ کی مار، یا اللہ کی پھٹکار یا اللہ کا دشمن کہنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

○ بے شک ان کبیرہ گناہوں سے بچنا ہر مُسلمان کے لیے لازمی امر ہے۔ تاہم ان کبیرہ گناہوں میں سے کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو فاسق کہا جاتا ہے۔ چنانچہ:

○ مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

① جو کوئی ایسا گناہ کرے جس میں کفر یا شرک پایا جاتا ہو وہ مُسلمان نہیں رہتا۔ بلکہ کافر اور مشرک ہو جاتا ہے۔

② اور جو کوئی بدعت کا کام کرے تو وہ مُسلمان تو رہتا ہے لیکن اس کا اسلام اور ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو مُبتدع اور بدعتی کہتے ہیں۔

③ اور جو کوئی کفر و شرک اور بدعت کے علاوہ کوئی کبیرہ گناہ کرے وہ بھی مُسلمان تو ہے لیکن ناقص مُسلمان ہے۔ اسے فاسق کہتے ہیں۔

دیکھیے: تعلیم الاسلام چوتھا حصہ صفحہ ۱۵۸

○ اس لیے کسی مُسلمان موحد کو صرف گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر کہنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ بلکہ کسی موحد مُسلمان کو کافر کہنے سے خود کہنے والے کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ بیشک علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ حرام، مکروہ اور مُشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ لیکن ایسی چیزوں کے مرتکب کو کافر کہنا بہت بڑی جسارت ہے۔ لہٰذا اس قسم کی باتوں سے اجتناب نہایت ضروری ہے۔

○ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواہر الفقہ جلد ۱ صفحہ ۳۴ میں اصولِ تکفیر کے تحت "**تنبیہ**" کا عنوان قائم کر کے تحریر فرمایا ہے کہ:

○ کسی مُسلمان کو کافر کہنے کے معاملے میں آج کل ایک عجیب افراط و تفریط رونما ہے۔ ایک جماعت ہے کہ جس نے مشغلہ یہی اختیار کر لیا ہے کہ ادنیٰ معاملات میں مُسلمانوں پر تکفیر کا حکم لگا دیتے ہیں۔ اور جہاں ذرا سی کوئی خلافِ شرع حرکت کسی سے دیکھتے ہیں تو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔

اور دوسری طرف تو تعلیم یافتہ آزاد خیال جماعت ہے جس کے نزدیک کوئی قول و فعل خواہ کتنا ہی شدید اور عقائدِ اسلامیہ کا صریح مقابل ہو کفر کہلانے کا مستحق نہیں۔ وہ ہر مدعیٔ اسلام کو مسلمان کہنا فرض سمجھتے ہیں اگرچہ اوس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے موافق نہ ہو اور ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہو۔

○ نیز آپ نے "**ضابطۂ تکفیر**" کے زیر عنوان تحریر فرمایا: تکفیر مسلم کے بارہ میں ضابطۂ شرعیہ یہ ہوگیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویل صحیح کی گنجائش ہو اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا اوس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمۂ اجتہاد میں واقع ہو، اوس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے۔ (دیکھیے: جواہر الفقہ جلد ا صفحہ ۳۶)

○ نیز آپ نے امداد الفتاویٰ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ: اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا۔ حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں ان دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔ یعنی اس سے نہ عقدِ مناکحت کی اجازت دیں گے نہ اس کی اقتداء کریں گے نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔

○ بہر حال گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اس سے بچنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ بلکہ صغیرہ گناہ کو معمولی سمجھنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح گناہِ کبیرہ کو معمولی سمجھنے سے ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اور اگر کوئی گناہِ کبیرہ کو گناہ ہی نہ سمجھے تو وہ شخص کافر ہوجاتا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنے

ایمان کو بچانے کی فکر کرے۔ آخرت میں کوئی کسی کو اس کے گناہوں کی سزا سے بچانے والا نہ ہوگا۔ صرف تقویٰ ہی آخرت میں کام آئے گا۔

○ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ فتویٰ سے قطع نظر تقویٰ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ذبیحۂ مشرک سے اجتناب کرے۔ اور ہمہ وقت بارگاہِ الٰہی میں عجز و عاجزی کے ساتھ خاتمہ بالخیر کی دعا کرے۔ اور استغفار کرکے تجدیدِ ایمان کرتا رہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِهٖ تُبْتُ عَنْهُ وَ تَبَرَّاْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَ الشِّرْكِ وَ الْكِذْبِ وَ الْغِيْبَةِ وَ الْبِدْعَةِ وَ النَّمِيْمَةِ وَ الْفَوَاحِشِ وَ الْبُهْتَانِ وَ الْمَعَاصِیْ كُلِّهَا وَ اَسْلَمْتُ وَ اَقُوْلُ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ ○ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

○

اغلاط نامہ

- دورانِ کتابت بعض مقامات پر کتابت کی غلطیاں تقریباً اکثر کتابوں میں رہ جاتی ہیں۔ ہمارے اس رسالے میں بھی کتابت کی غلطیاں موجود ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ درج ذیل اغلاط نامہ کے مطابق اصلاح فرمالیں۔
- اس رسالہ کے پہلے حصّہ (گلشتانِ اسلام بابت محرم و صفر ۱۴۲۰ھ) میں
- صفحہ ۴۲ سطر ۱۸ میں پیش کتے ہیں کی بجائے پیش کرتے ہیں۔
- صفحہ ۵۰ سطر ۱۵ میں الا توحیه الیه کی بجائے الا توحی الیه پڑھیں۔
- صفحہ ۶۴ سطر ۱۹ میں ابو زدعہ کی بجائے ابو زرعہ پڑھیں۔
- صفحہ ۶۸ سطر ۹ میں ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتب۔۔۔ (۱۶:۵۷) پڑھیں۔
- صفحہ ۷۶ سطر ۷ میں الزناقة کی بجائے الزنادقة پڑھیں۔
- صفحہ ۱۱۲ سطر ۱۱ میں امام ابن تیمیہؒ کا سن وفات ۲۰۸ھ کی بجائے ۷۲۸ھ پڑھیں۔
- اس رسالہ کے دوسرے حصّہ (گلشتانِ ربیع الاول و ربیع الآخر ۱۴۲۰ھ)
  صفحہ ۲۵۳ سطر ۱۲ میں "فی حکم المرتدین" کی جگہ "فی حکم اہل الکتاب" پڑھیں۔
- اس کے علاوہ بھی بعض مقامات پر کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں انھیں درست کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ قارئین بھی اغلاط کی نشاندہی فرماسکتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

خیر الکلام فی تقبیل الابہام عند سماعِ ذکرِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

محترم قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ہم نے ماہنامہ گلستانِ اسلام کی گزشتہ اشاعت میں آئندہ (موجودہ) شمارہ میں استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا سید محمد حسین نیلوی مدظلہ کی ایک تحقیقی کتاب

"خیر الکلام فی تقبیل الابہام"

عند سماع ذکر خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

شائع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اور الحمد للہ ہم اس کی اشاعت میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔

حضرت علامہ نیلوی مدظلہ العالی کی یہ نادر تصنیف سب سے پہلے ۱۹۷۰ء میں شائع کی گئی تھی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ۱۹۸۰ء میں بھی اسے شائع کیا گیا۔ اور اس کے بعد یہ کتاب مناسب اضافوں کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں ادارہ گلستانِ اسلام کی طرف سے شائع ہونے والے ماہنامہ "عارفین" میں بھی شائع کی جا چکی ہے۔

قارئین کی طرف سے اس کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر گزشتہ کچھ عرصہ سے اس کو ایک بار پھر شائع کرنے کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اس لیے اب چوتھی بار نظر ثانی اور ضروری اضافوں کے بعد "خطِ واسطی" میں کمپیوٹر کتابت کی خوبی کے ساتھ اسے ماہنامہ "گلستانِ اسلام" میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ امید ہے گلستانِ اسلام کے محترم قارئین ہماری اس کوشش کو ضرور پسند فرمائیں گے۔

والسلام

سید حسن واسطی

ایڈیٹر ماہنامہ گلستانِ اسلام

شہری مسجد بلاک اے سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی قال فی کتابہ: "وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ"۔ وقال: "مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا"۔ والصلوٰۃ والسلام علی من قال: "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"۔ وعلی الہ وصحبہ الہداۃ الی کاملین فی اطاعۃ نبیھم الاخیار۔ امابعد:

○ عموماً عوام حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر خصوصاً اذان واقامت میں اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں کو لگاتے ہیں۔ اور بعض لوگ تو اسے بہت ہی ضروری سمجھتے ہیں، اور جو ایسا نہ کرے اسے بہت نفرت و حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اور بعض اسے سنت اور بعض مستحب سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور یہ بہت بری بدعت ہے۔ اور بدعت ایک ایسا گناہ ہے جس سے بدعتی کو کبھی بھی توبہ و استغفار نصیب نہیں ہوتی۔ ابلیس لعین کا کہنا ہے کہ میں نے گناہوں کے ذریعے بنی آدم کی کمر توڑ دی ہے اور بنی آدم نے توبہ و استغفار کے ذریعے میری کمر توڑ دی ہے۔ لیکن میں نے ان کے لیے نیکی کی صورت میں کچھ ایسے گناہ نکالے ہیں کہ جن سے وہ نہ استغفار کریں گے نہ توبہ۔ چونکہ بدعتی ہر بدعت کے کام کو عبادت، نیکی اور کارِ خیر سمجھ کر کرتا ہے، اس لیے اس کو بدعت سے توبہ نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور یہی حال مشرکین کا ہے کہ وہ اپنے شرکیہ عقائد و اعمال کو برا سمجھنے کی بجائے کارِ خیر سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ جس سے توبہ کا خیال آنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

○ بعض بدعتی یوں کہتے ہیں کہ جن افعال و اقوال کی صریح ممانعت نہیں آئی وہ حرام اور ناجائز نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہؒ نے نقل

کیا ہے کہ صبح صادق کے بعد فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعتوں کے سوا نوافل پڑھنا مکروہ ہیں۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس وقت میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں، اس طرح حضرت نبی کریم ﷺ کے نہ کرنے کو دلیل کراہت کہا گیا۔

○ نیز حضرت امام ابن الہمامؒ نے فرمایا ہے کہ جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہو تو اس کام کو چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ بدعت کا چھوڑنا ضروریاتِ دین سے ہے جبکہ سنت کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بدعت اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کامل و اکمل دینِ اسلام اور حضرت نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور ان کے طریقہ و سنت کو نعوذ باللہ ناقص و ادھورا سمجھتے ہیں۔ تبھی تو نت نئی بدعات گھڑتے رہتے ہیں۔ حالانکہ:

○ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝ کہ اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر چکے ہیں اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا ہے، اور ہم نے تمہارے لیے اسی دینِ اسلام کو پسند فرمایا۔

○ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ اياكم و محدثات الامور فان كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة (و فى رواية) كل ضلالة فى النار۔ کہ میرے بعد جو شخص تم میں سے جیتا رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔ اس وقت (ان اختلافات سے ہٹ کر) میرے اور میرے ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدینؓ کے معمول اور طریقے کو لازم پکڑے رکھنا۔ اور مضبوطی سے اس معمول پر قائم رہنا اور پچھلے دانتوں یعنی ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوط پکڑ لینا۔ اور دین میں نئے نئے ایجاد کردہ کاموں سے بچتے رہنا۔ کیونکہ دین میں نیا ایجاد کردہ ہر کام بدعت ہے اور ہر

بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ کی آگ میں لے جانے والی ہے۔

○ پس جو شخص دین میں اپنی طرف سے ایجاد کر کے کوئی نیا کام داخل کرتا ہے اور اسے دین کا جزء بناتا ہے اور اسے نیکی کا کام سمجھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کامل و اکمل دین اسلام اور حضرت نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور آپ کے طریقہ و سنت کو ناقص و نامکمل سمجھا، تبھی تو اس نے دین میں کوئی نیا کام اپنی طرف سے ایجاد کر کے داخل کیا ہے۔

○ دراصل بدعتی لوگ محبتِ نبی ﷺ کے دعوے میں جھوٹے ہیں، یوں سمجھیں کہ وہ خود منصبِ نبوت پر بیٹھنا چاہتے ہیں اور اس میں حضرت نبی کریم ﷺ کی کھلی توہین اور بغاوت ہے۔ جیسا کہ:

○ ایک مرتبہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ نمازِ مغرب کے بعد ایک جماعت مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر اللہ اکبر، سبحٰن اللہ اور الحمد للہ کا ورد کارِ خیر سمجھ کر کرتی ہے، باوجودیکہ ان کلمات کا پڑھنا حضرت رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات سے ثابت بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس جماعت کے پاس تشریف لے گئے، ان کو ذکر کرتے ہوئے دیکھا، پھر آپؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ: "میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یا تو تم لوگ ایک تاریک اور گھناؤنی بدعت میں مبتلا ہو گئے ہو، یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ سے بڑھ گئے ہو"۔

○ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جن اذکار و اعمال، اور حرکات و سکنات کی اصل بھی موجود ہو، تب بھی خاص مسنون طریقہ سے زائد اضافہ کر کے اسے جزوِ دین بنانا بدعت ہے۔ تو جس قول یا فعل کا ثبوت خیر القرون (صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے) میں نہ ہو، اس کو ثواب سمجھ کر کرنا تو یقیناً بدعتِ سیئہ ہے۔

○ تفصیلِ ابھامین سے متعلق یہ مضمون تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہوگا، اور خاتمہ میں بعض اعتراضوں کا جواب ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

باب اوّل

کلیات و اُصولِ موضوعہ

(۱) اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (اٰلِ عِمْرٰن-۳: ۱۳) یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری (یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) پیروی کرو، (میرے بتلائے ہوئے طریق اور میری سنت پر عمل کرو) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔ مطلب یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو اس طرح محبت کرو جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، محبت کا تقاضا یہ نہیں کہ محبوب کی مرضی اور خواہش کے خلاف اپنی مرضی سے کوئی کام کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیں اور ان کے حکم اور بتلائے ہوئے طریقوں سے سرمو روگردانی نہ کریں۔ اور اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے تجاوز کر کے محبوب حقیقی کو الٹا ناراض نہ کریں۔ تب اللہ تعالیٰ بھی ہم سے محبت کرے گا اور ہمارے گناہ بھی اپنے فضل و احسان سے معاف فرمائے گا۔

(۲) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (اَلْحَشْر-۵۹: ۷) یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو کچھ عنایت فرمائیں وہ تو لے لو، مگر جس چیز سے وہ منع فرمادیں اسے فوراً چھوڑ دو۔ اس مقام پر یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ شانِ نزول کے لحاظ سے تو بیشک یہ آیت مالِ فَی کی تقسیم سے متعلق ہے، لیکن "ما" عموم کے لیے ہوتا ہے، اس لیے "مَا اٰتٰىكُم" ہر امر کے لیے، اور "مَا نَهٰىكُم عنه" ہر نہی کے لیے ہے۔ یعنی

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر اور تمام نواہی کو ماننا فرض ہے۔

(۳) نیز اللہ تعالیٰ کا فرمانِ ذی شان ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یُوسف۔۱۲:۱۰۸) یعنی یارسول اللہ! آپ فرمادیجیے کہ خود میں اور میری اتباع کرنے والے پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور دعوت دیتے ہیں اور یہی میرا طریق ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علمِ کلام اور علمِ اصول درحقیقت پیغمبرانہ علم ہیں۔ اور ان حضرات کی بعثت خلق کی جانب انہی علوم سے کام لینے کے لیے ہوا کرتی ہے، جیسا کہ حضرت مفسر امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وهذه الأية تدل على ان حرفة الكلام و علم الاصول حرفة الانبياء عليهم الصلوة و السّلام و ان الله ما بعثهم الى الخلق الا لاجلها۔

(تفسیر رازی جلد ۵ صفحہ ۲۷۳)

(۴) حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری صفحہ ۳۷۱) کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ مردود اور قابلِ تردید ہے۔

○ اس فرمانِ نبوی میں سنت اور بدعت کے درمیان ایسا صاف اور روزِ روشن کی طرح واضح فرق نظر آرہا ہے، جس میں کسی سمجھدار آدمی کے لیے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس فرمانِ ذی شان میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے "مَنْ" کا عمومی کلمہ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی کوئی کتنا بڑا عالم فاضل ہو، بڑے سے بڑا قاضی یا مفتی ہو، کوئی پیر یا صوفی ہو، علامہ یا مجتہد ہو، یا لوگ اسے غوث، قطب، ابدال اور قیومِ زماں کہتے ہوں یا اسے غریب نواز و لجپال کے القاب سے ملقب کرتے ہوں، وہ کوئی بادشاہ ہو یا وزیر، غریب ہو یا امیر، خطیب ہو یا واعظ، کوئی شیخ الحدیث ہو یا شیخ التفسیر۔ اس فرمانِ نبوی میں کوئی تخصیص نہیں، بلکہ عموم ہے کہ جو کوئی بھی "اَحْدَثَ" کوئی نئی بات گھڑ نکالے، جس کا ثبوت اور وجود پہلے سے نہ ہو۔ "فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا" ہمارے اس امر یعنی دین میں "فَهُوَ رَدٌّ" تو وہ مردود اور قابل

تردید ہے۔ نیز اس میں صرف "أَحْدَثَ" نہیں فرمایا اور "أَحْدَثَ" کے بعد "لِأَمْرِنَا" یا "لِغَيْرِ أَمْرِنَا" یا "فِي غَيْرِ أَمْرِنَا" نہیں فرمایا، بلکہ "فِي أَمْرِنَا" فرمایا۔ اس طرح عقلاً "إِحْدَاث" کی چار اقسام ہو سکتی ہیں:

① احداث فی امرنا یعنی ہمارے دین میں نئی بات نکالنا۔

② الاحداث فی غیر امرنا یعنی ہمارے دین کے سوا کسی دوسری چیز میں کوئی نئی بات نکالنا۔

③ الاحداث لامرنا یعنی ہمارے اس دین کی خاطر یعنی اشاعت دین اور لوگوں تک دین کی باتیں پہنچانے کے لیے کوئی نئی بات نکالنا۔

④ الاحداث لغیر امرنا یعنی ہمارے اس دین کے سوا کسی اور چیز کی خاطر کوئی نئی بات نکالنا۔

○ ان چار قسموں میں سے صرف پہلی قسم یعنی احداث فی امرنا کو ہی حضرت نبی کریم ﷺ نے مردود فرمایا ہے۔ اور یہی بدعت شرعی ہے جو کہ بدعت سیئہ ہی ہوتی ہے، جسے اسلام میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اسی کے متعلق حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: کل محدثة (ای فی دیننا ھذا) بدعة و کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار یعنی ہمارے دین میں ہر نئی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی آگ میں ڈالنے والی ہے۔

○ اس کے علاوہ احداث کی باقی تینوں قسمیں بدعت شرعیہ یا بالفاظ دیگر بدعت سیئہ یا بدعت ضلالت نہیں ہو سکتیں۔ البتہ انھیں لغوی بدعت کہہ سکتے ہیں اور وہ بدعت مباحہ ہوگی۔ بشرطیکہ وہ بدعت اور نئی بات محرمات و مکروہات میں سے نہ ہو۔ پس جو نئی بات دینی مصالح و ضروریات اور اشاعت دین کی غرض سے ایجاد کی جائے، مثلاً علوم مروجہ کی تدوین اور کتب کی تالیف و تصنیف اور دینی تعلیم کو سہل و آسان بنانے کے لیے نئے اور جدید طریقوں کی دریافت اور ایجادات وغیرہ بدعت شرعیہ و سیئہ میں ہرگز داخل نہیں ہیں، بلکہ ایسے امور میں اپنے اجتہاد سے بھی کام

لیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:
"اجتہاد را در اختراع اعمال تصرفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج الطبار نسخہائے قرابادین"۔ اس سے بدعات کو اپنے قیاس سے نکالنے اور رائج کرنے کی گنجائش نکالنا جیسے بعض نے کہا ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔

⑤ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جُعِلَ الذِّلَّةُ وَ الصَّغَارُ عَلٰی مَنْ خَالَفَ اَمْرِیْ (بخاری صفحہ ۴۰۸) اس شخص پر ذلت و خواری ہے جس نے میرے کسی حکم کی مخالفت کی۔

⑥ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے: دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ (بخاری صفحہ ۲۷۵) یعنی جو چیز تجھے شک میں مبتلا کرتی ہو اسے چھوڑ کر ایسی چیز کی طرف جاؤ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ اور اضطراب بالکل بھی نہ ہو۔

⑦ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ کہ جو شخص بھی جانتے بوجھتے ہوئے مجھ پر جھوٹ باندھے گا تو لے چاہیے کہ پہلے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

⑧ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا، جبکہ تمہیں فتنہ گھیرے گا، جس میں بڑا تو بوڑھا ہو جائے گا اور چھوٹا بڑا ہو جائے گا، فتنہ ایسا پھیل جائے گا کہ لوگ اسے سنت سمجھیں گے۔ اگر تم اس کو بدلو گے تو کہیں گے کہ اس شخص نے سنت کو بدل دیا۔

⑨ نیز فرمایا کہ ایجاد شدہ بدعتوں سے بچتے رہو۔ کیونکہ ایمان تمہارے دلوں سے دفعۃً نہیں جائے گا، لیکن شیطان تمہارے لیے بدعتیں پیدا کرتا رہے گا یہاں تک کہ تمہارے دلوں سے ایمان نکل جائے گا۔ (ملخصاً از مجالس الابرار صفحہ ۱۸۴)

○

○ سطورِ ذیل میں اصولِ حدیث و فقہ کے چند اہم قوانین درج کیے جاتے ہیں، تاکہ زیرِ بحث مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اُصولِ حدیث و فقہ کے چند اہم قوانین

قانون لا یقبل الحدیث الا باسناد صحیح (نووی بر مسلم صفحہ ۱۲) یعنی کوئی ایسی حدیث قابل قبول نہیں جس کا اسناد صحیح نہ ہو۔

قانون لا یقبل الحدیث الا من الثقات من اھل السنۃ (نووی بر مسلم صفحہ ۱۱) یعنی صرف ان لوگوں کی حدیث ہی قبول کی جا سکتی ہے، جو علم حدیث میں پختہ ہوں اور ہوں بھی اہل السنۃ والجماعت میں سے۔

قانون وینظر الی اھل البدع فلا یؤخذ حدیثھم (نووی بر مسلم صفحہ ۱۱) یعنی اہل بدعت کی طرف کڑی نظر ہونی چاہیے۔ کیونکہ اہل بدعت کی بیان کردہ حدیث کو نہیں لیا جاسکتا۔

قانون فی روایۃ العدل عن المجھول ذھب الجماھیر الی انہ لیس بتعدیل و ھذا ھو الصواب (نووی صفحہ ۱۹) یعنی اگر کوئی عادل آدمی کسی مجہول الحال شخص سے روایت کرے تو جمہور علماء کا مذہب اس بارے میں یہی ہے کہ صرف عادل کا کسی مجہول الحال شخص سے روایت کر دینا اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ مجہول راوی بھی عادل ہی ہو۔ اور یہی جمہور کا مذہب اور صحیح ہے۔

قانون کسی بدعت کے جواز میں کسی ضعیف حدیث کا ڈھونڈ نکالنا بدعت کے اس کام سے بدعت کا دھبہ نہیں دھو سکتا۔ جیسا کہ حضرت امام نووی نے مسلم کی شرح صفحہ ۱۸۱ میں تحریر فرمایا ہے: ولا یُسَنُّ زیادۃ وَبَرَکَاتُہٗ وان کان قد جاء فیھا حدیث ضعیف و اشار الیھا بعض العلماء ولکنھا بدعۃ اذ لم یرو فیھا حدیث صحیح۔ یعنی نماز سے فارغ ہوتے وقت السّلام علیکم و رحمۃ اللہ کے بعد وبرکاتہ کا لفظ بڑھانے کے بارے میں اگرچہ ایک ضعیف سی حدیث بھی آئی ہے اور جس کی طرف بعض علماء نے ارشارہ بھی فرمایا ہے۔ مع ہذا نماز کے اختتام پر السّلام علیکم و رحمۃ اللہ کے بعد "وبرکاتہ" کا لفظ بڑھانا مسنون نہیں، بلکہ بدعت ہے۔ کیونکہ اس بارے میں کوئی حدیث صحیح طریق سے مروی نہیں۔

فائدہ جب ضعیف حدیث سے ثابت ہوجانا بھی اس عمل کو بدعت ہونے سے نہیں نکال سکتا تو پھر موضوع اور من گھڑت حدیث کسی عمل کو بدعت ہونے سے کسی طرح بھی خارج نہیں کرسکتی۔ خوب سمجھ لو۔

قانون هو (الموضوع) كالعدم۔ یعنی موضوع حدیث کالعدم ہے۔ گویا اس کا وجود ہی نہیں۔ (شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۸۸ از علامہ ابن حجرؒ)

فائدہ پس جواہر شرعی کسی موضوع حدیث سے ثابت ہیں وہ بے دلیل اور بے سند سمجھا جائے گا۔ اور موضوع حدیث کے انکار کی وجہ سے کسی کو منکر حدیث کہنا اس پر بہتان ہوگا۔

قانون موضوع اور من گھڑت حدیث کا سننا بھی حرام ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے طبقات الحنفیہ میں تحریر فرمایا ہے: لا يحل سماعها۔ کہ موضوع روایت کا سننا حلال نہیں، یعنی حرام ہے۔ (النافع الکبیر صفحہ ۱۱)

تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۷ میں حضرت علامہ محمد طاہر فتنیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام مالک کے جلیل القدر استاذ حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ موضوع اور من گھڑت روایات پر عمل کرنے والے شیطان کے خادموں میں سے ہیں۔

مفتی احمد یار خان گجراتی نے مرآۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۸۶ میں لکھا ہے کہ: حدیث گھڑنا بھی گناہ اور دیدہ دانستہ موضوع حدیث بیان کرنا بھی گناہ ہے۔ بلکہ جس حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا گمان غالب ہو اسے بھی بیان نہ کرے۔

قانون حدیث منقطع کسی کتاب کی معارض حدیث بخاری کے نہیں ہوسکتی، کیونکہ معارضہ میں مساوات شرط ہے باتفاق جمہور محدثین۔ (مجموعہ فتاویٰ عبدالحی جلد ۱ صفحہ ۲۷۲)

قانون جب اختلاف ہو علماء میں درمیان سنت ہونے اور بدعت ہونے کے یعنی بعضے کہیں سنت ہے، بعضے کہیں بدعت ہے، پس احتیاط اس جگہ یہ ہے کہ ایسی چیز کو ترک کیجیے۔ چنانچہ یہ بات ایک جگہ فتاویٰ عالمگیری سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی طرح: جب اختلاف ہو درمیان کراہت اور مستحب ہونے کے، اس کو ترک کیجیے۔ (مظاہر حق جلد ۱ صفحہ ۱۹)

فائدہ: دین کے باب میں کوئی دعویٰ بغیر دلیل معتبر کے مسموع نہ ہوگا۔

(تفسیر ماجدی صفحہ ۱۰۰۳)

فائدہ: اگر کوئی فقہی مسئلہ بیان کیا جائے تو اس میں غور کرنا چاہیے کہ:

① اگر اس کا ماخذ کتاب و سنت اور اجماع سے معلوم اور مشہور ہو تو اس میں کسی کو کچھ جھگڑا نہیں۔

② اور اگر اس کا ماخذ معلوم نہیں ہے، بلکہ وہ مسئلہ اجتہادی ہے، سو اگر اس کا بیان کرنے والا مجتہد ہے تو ہر شخص پر جو مقلد ہو، اس کی پیروی کرنا لازم ہے اور اس سے دلیل طلب کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے کہ مجتہد کا بیان ہی اس کی دلیل ہے۔

③ اور اگر اس کا ناقل مجتہد نہیں ہے بلکہ مقلد ہے، سو اگر اس نے کسی مجتہد سے نقل کیا ہے اور اس نقل کا ثبوت بھی دے دیا ہے تو اس میں بھی اتباع لازم ہے۔

④ اور اگر مجتہد سے نقل نہیں کیا، بلکہ اپنی طرف سے بیان کیا ہے، یا کسی دوسرے مقلد کی طرف سے یا گول رکھا ہے، تو اگر اس کے بارے میں کوئی دلیل شرعی بیان کی ہے تو اس کے ماننے میں اس صورت میں بھی کوئی کلام نہیں۔

⑤ اور اگر دلیل بیان نہیں کی تو غور کرنا چاہیے کہ اگر اس کا کلام اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہے اور کوئی بات اس میں خلاف نہیں ہے، تو اس پر عمل جائز ہے۔ لیکن عمل کرنے والے کو چاہیے کہ صرف تقلید پر نہ ٹھہر جائے، بلکہ اس بیان پر اس سے دلیل مانگے۔ اور اگر اس کا کلام اصول اور معتبر کتابوں کے مخالف ہو تو اس کی طرف بالکل توجہ نہ کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ علماء تصریح کر چکے ہیں کہ جس بات کی صحت یقینی معلوم نہ ہو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کا باطل ہونا بھی معلوم نہ ہو، چہ جائے کہ اس کا باطل ہونا بھی معلوم ہو جائے۔

(مجالس الابرار صفحہ ۱۷۵)

فائدہ ۱۲: کسی پیشہ یا صوفی کا مذہب حجت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ امام اہل السنہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "البلاغ المبین" میں تحریر فرمایا ہے:

"مشربِ پیر حجت نیست۔ دلیل از کتاب و سنت می باید"

یعنی کسی پیر کا مذہب و مشرب (عقیدہ و عمل میں) حجت نہیں بن سکتا۔ کیونکہ کسی مسئلہ کی دلیل تو قرآن و سنت سے ہی تلاش کرنی چاہیے' نہ کہ پیر کے قول و عمل سے۔

قانون ۱۳ جو حدیثیں پہلی صدیوں میں نہیں تھیں اور بعد والوں نے انھیں روایت کیا وہ قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتیں چہ جائیکہ ان سے عقیدہ یا عمل کے اثبات میں دلیل پکڑی جاسکے۔ جیسا کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"احادیث کہ نام و نشانِ آنہا در قرونِ سابقہ معلوم نہ بود و متأخرین آنرا روایت کردہ اند' پس حالِ آنہا از دو شق خالی نیست' یا سلف تفحص کردند و آنہارا اصلے نیافتہ اند تا مشغول بروایتِ آنہا می شدند یا یافتند و دراں قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہارا بر ترکِ روایتِ آنہا۔ و علی کل تقدیر ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثباتِ عقیدہ یا عملے بہ آنہا تمسک کردہ شود" یعنی جن جن احادیث کا پہلی صدیوں میں نام و نشان نہ تھا اور پچھلوں نے اسے روایت کیا ہو تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں' یا تو سلف نے چھان بین کی اور اصل ان کا کوئی نہ پایا' تاکہ ان کی روایت کرنے میں مشغول ہوتے۔ یا یہ صورت ہے کہ ان کا اصل یعنی سند تو مل گئی لیکن ان میں کچھ جرح و قدح اور علت ایسی دیکھی جو ان روایات کے بیان نہ کرنے کا باعث ہوئی۔ بہر حال ایسی حدیثیں اعتماد کے قابل نہیں جن سے کسی عقیدہ یا عمل کے اثبات میں دلیل پکڑی جاسکے۔ (عجالۂ نافعہ صفحہ ۷)

فائدہ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر اور ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ محقق علماءِ اہل السنت والجماعت نے انتشار و نفاق بین المسلمین کا سبب بننے کی وجہ سے مندرجہ ذیل کتابوں کو غیر معتبر قرار دیا ہے:

① زاہدی معتزلہ کی شرح قدوری ② ابو طالب مکی کی کتابیں
③ بہجۃ الاسرار ④ احادیثِ احیاء العلوم
⑤ قہستانی کی کتابیں ⑥ کنز العباد

(۷) وظائف واوراد کی کتابوں میں درج حدیثیں

(۸) صلوٰۃ مسعودی
(۹) فتوح الاوراد
(۱۰) درِ مختار
(۱۱) مفتاح السعادۃ
(۱۲) جامع الرموز
(۱۳) جامع المضمرات
(۱۴) موجبات الرحمۃ
(۱۵) غنیۃ الطالبین کی حدیثیں
(۱۶) معارج النبوۃ
(۱۷) سیوطیؒ کی بعض کتب
(۱۸) تفسیر بغوی
(۱۹) تفسیر عبد الرحمٰن بن کیسان الاصم
(۲۰) تفسیر جبائی
(۲۱) تفسیر زمخشری
(۲۲) تفسیر مقاتل بن سلیمان
(۲۳) تفسیر سدی
(۲۴) تفسیر کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
(۲۵) تفسیر ابن جریر واحادیثہ
(۲۶) حقائق التفسیر لعبد الرحمٰن السلمی
(۲۷) تفسیر ثعلبی
(۲۸) تفسیر واحدی
(۲۹) تفسیر جویبر عن ضحاک عن ابن عباسؓ
(۳۰) تفسیر آدم بن ایاس
(۳۱) تفسیر اسحاق بن راہویہ
(۳۲) تفسیر ابی بکر بن ابی شیبہ
(۳۳) تفسیر روح بن عبادۃ
(۳۴) تفسیر حاکم
(۳۵) تفسیر در منثور
(۳۶) تفسیر سفیان بن عیینہ
(۳۷) تفسیر عبد بن حمید
(۳۸) تفسیر وکیع بن الجراح
(۳۹) تفسیر شعبۃ بن الحجاج
(۴۰) تفسیر عبد الرحمٰن بن ابی حاتم
(۴۱) تفسیر یزید بن ہارون
(۴۲) تفسیر ابن ابی الشیخ
(۴۳) تفسیر ابی قاسم ابراہیم بن اسحٰق انماطی
(۴۴) تفسیر ابن جریج
(۴۵) تفسیر عبد الرزاق
(۴۶) تفسیر ابن حبان
(۴۷) تفسیر ابن مردویہ
(۴۸) تفسیر ابن منذر
(۴۹) تفسیر ابن قتیبہ
(۵۰) تفسیر ابی حنیفہ دینوری

(۵۱) تفسیر روح البیان (۵۲) تفسیر صاوی

(۵۳) تفسیر بیضاوی (فضائل سور میں)

(۵۴) تفسیر بکر بن سہیل دمیاطی عن عبدالغنی بن سعید عن موسیٰ بن محمد عن ابن جریج

(۵۵) تفسیر ابن عبدالرحمن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری (مجموعۂ خرافات)

قانون ۱۴ جب کسی مباح کام کے کرنے سے عوام کے عقیدہ میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو اور اس بات کا خطرہ ہو کہ عام لوگ اس مباح کو سنت یا ضروری سمجھنے لگ جائیں گے تو وہ فعل مباح نہیں رہتا بلکہ منع ہو جاتا ہے۔

قانون ۱۵ لا یجوز الافتاء من التصانیف الغیر المشهورة (مقدمہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۱۱) یعنی غیر مشہور کتابوں سے اخذ کر کے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

قانون ۱۶ کره اهل الحق ۔۔۔ ان یجاوز وافعل النبی ﷺ (بخاری صفحہ ۲۵) یعنی اہلِ حق علماء نے حضرت نبی کریم ﷺ کے مبارک فعل سے تجاوز کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔

قانون ۱۷ سنت نام ہے اس طریقہ کا جو عہدِ نبوی و صحابہؓ سے مروج ہو۔ اگر فعل اس وقت مروج تھا تو وہ فعل سنت ہوگا اور اگر اس وقت ترکِ فعل مروج تھا تو اس فعل کا ترک کرنا ہی سنت ہوگا۔ جیسا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عید فطر و عید قربانی کی نماز کے لیے اذان و اقامت کے ترک کرنے کو سنت کا نام دیتے ہوئے فرمایا: و تلك السنة التي لا اختلاف فيها عندنا (مؤطا امام مالک صفحہ ۶۲) یعنی عیدین کی نماز کے لیے اذان اور اقامت کا ترک کرنا ہی سنت ہے، جس میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قانون ۱۸ استحسان بعض العلماء لا یثبت به الاحکام (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۴۸) یعنی بعض علماء کے استحسان سے احکام ثابت نہیں ہوتے۔

○ روي عندهم من صيغ التمريض (مسامرہ صفحہ ۲۰۲) یعنی محدثین کے نزدیک رُوِیَ کا صیغہ ضعف کی علامت ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا ہر قول قابلِ عمل ہے اور آپکے سوا کسی اور شخصیت کی بات خصوصاً جو قرآن و حدیث سے مؤید نہ ہو تو وہ قابلِ عمل نہیں ہو سکتی۔ جیساکہ:

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً روایت فرمایا: لیس احد الا یوخذ من قولہ و یدع غیر النبی ﷺ
یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کی تو ہر بات قابلِ عمل ہے، مگر آپکے سوا اور کوئی بھی ہو تو اس کی بات قابلِ عمل بھی ہو سکتی ہے اور اس بات کو چھوڑا بھی جاسکتا ہے۔
یعنی اگر اس کا قول کسی دلیل شرعی پر مبنی ہے تو مقبول ہے ورنہ مردود۔
(معجم کبیر للطبرانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۳۹)

بابِ ثانی

دلائل مُجوّزین مع جوابات

○ اس باب میں انگوٹھے چومنے والوں کی طرف سے عام طور پر پیش کیے جانے والے دلائل مع ان کے جوابات کے بیان کیے جائیں گے۔ پہلے باب میں بیان کردہ اہل سنت و جماعت کے متفقہ قوانین و براہین کو مد نظر رکھتے ہوئے دلائل مجوزین اور جواباتِ مانعین کا انابت کے ساتھ مطالعہ فرما کر قارئین سے فیصلہ کی درخواست ہے۔

دلیل مُجوزین ۱ :

○ اذان میں موذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کا مبارک کلمہ سُن کر اپنے انگوٹھوں کو چومنا احادیثِ قدسیہ سے ثابت ہے۔

جواب ۱ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ علمائے سلف و محدثین رحمہم اللہ تعالٰی احادیث مبارکہ کی کتابوں کو مندرجہ ذیل چند اقسام میں تقسیم فرماتے ہیں :

○ ① جامع، ② سُنن، ③ مسانید، ④ مراسیل، ⑤ اجزاء، ⑥ اربعین، ⑦ معاجم، ⑧ ثلثیات، ⑨ مُستدرک، ⑩ مستخرج، ⑪ غرائب و مفردات، ⑫ تجرید، ⑬ موضوعات، ⑭ آثار۔

○ سطورِ ذیل میں کتبِ احادیث کی ان اقسام کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے :

اقسام کُتبِ احادیث کا اجمالی تعارف

① جامع : مثلاً : بخاری، مُسلم، ترمذی۔ ان میں درج ذیل عنوانات کے تحت احادیث جمع ہوتی ہیں :

سِیَر آداب و تفسیر و عقائد فتن، اشراط و احکام و مناقب

② سُنن : مثلاً : ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ۔ ان میں ابوابِ فقہ کی ترتیب پر احادیث مبارکہ کی تخریج ہوتی ہے۔

③ مسانید : مثلاً : مسند احمد، مسند ابی داؤد طیالسی۔ ان میں صحابۂ کرام کی

ترتیب پر احادیثِ مبارکہ کی تخریج ہوتی ہے۔

(۴) مراسیل۔ مثلاً : مراسیل ابی داؤد، مراسیل ابن ابی حاتم۔ ان میں مرسل حدیثیں جمع ہوتی ہیں، یعنی تابعی کا قول ہو کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا ہے۔

(۵) اجزاء۔ مثلاً : جزء رفع یدین للبخاری، جزء القراءۃ للبخاری۔ اس میں کسی ایک مسئلہ کے متعلق احادیث جمع ہوتی ہیں۔ اسے "الرسالۃ" بھی کہتے ہیں۔

(۶) اربعین۔ مثلاً : اربعین بیہقی، اربعین ملا علی قاری، اربعین شاہ ولی اللہ۔ ان میں کسی ایک موضوع مثلاً تہذیب اخلاق، روز مرہ کی ضروریات وغیرہ پر چالیس احادیث یکجا جمع ہوتی ہیں۔

(۷) معاجم۔ مثلاً : معجم صغیر و اوسط و کبیر طبرانی کی۔ شیوخ کی ترتیب پر احادیث مبارکہ کی تخریج۔

(۸) ثلثیات۔ مثلاً : ثلثیات بخاری۔ جن میں مصنف اور حضرت نبی کریم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطوں کا فصل ہو۔

(۹) مستدرک۔ مثلاً : مستدرک حاکم۔ کسی مصنف کی کتاب سے کچھ ایسی حدیثیں رہ گئی ہوں جو اس کی شرائط و قیود کے مطابق ہوں، ان کو کسی کتاب میں یک جا جمع کر دیا جائے تو اسے مستدرک کہتے ہیں۔

(۱۰) مستخرج۔ مثلاً : مستخرج ابو عوانہ (صحیح مسلم کی اسانید پر) کسی مصنف کی کتاب میں اسانید جمع ہوں، پھر ان کے علاوہ اور سندوں پر اطلاع ہو جائے۔ تو وہ اسانید جس کتاب میں جمع ہوں اسے مستخرج کہتے ہیں۔

(۱۱) غرائب و مفردات۔ مثلاً : مرویات ابی ہریرہ، مرویات عمر بن عبدالعزیز۔ ان میں صرف ایک تلمیذ کی وہ حدیثیں بیان ہوتی ہیں جو اپنے شیخ سے دیگر تلامذہ ذکر نہیں کرتے۔

(۱۲) تجرید۔ مثلاً : تجرید الصحیحین، ان میں سند کے بغیر احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

(۱۳) موضوعات۔ مثلاً : تذکرۃ الموضوعات، موضوعات کبریٰ۔ ان میں موضوع اور

من گھڑت حدیثیں جمع ہوتی ہیں' تاکہ لوگ ان پر عمل سے پرہیز کریں۔

(۱۴) آثار مثلاً: کتاب الآثار للامام محمدؒ۔ ان میں عموماً صحابہؓ' تابعینؒ اور ان کے بعد کے بزرگوں کے اقوال نقل ہوتے ہیں۔

○ علماء سلف نے کتب احادیث کی اور قسمیں بھی بیان کی ہیں مگر ان میں کتب احادیث قدسیہ کا ذکر نہیں ملتا۔ اور پھر حدیث کی قسموں میں سے بھی اصطلاح محدثین میں حدیث قدسی نام کی کوئی قسم نہیں۔ چنانچہ اقسام احادیث کا اجمالی تذکرہ بھی اس موقع پر بیان کیا جاتا ہے۔

اقسام احادیث کا اجمالی تعارف:

○ محدثین عظام نے حدیث کی کئی تقسیمیں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً:

(۱) انتہائے سند اور نسبت کلام کے اعتبار سے۔

(۲) حدیث کے راویوں کی قلت وکثرت کے اعتبار سے۔

(۳) سند اور طرق روایت کے اعتبار سے۔

(۴) قابل حجت ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے۔

○ اب مذکورہ بالا تقسیموں کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

❶ انتہائے سند اور نسبت کلام کے اعتبار سے حدیث تین قسم ہے:

(۱) مرفوع: جو حدیث حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو۔

(۲) موقوف: جو حدیث کسی صحابی کی طرف منسوب ہو۔

(۳) مقطوع: جو حدیث کسی تابعی یا تبع تابعین کی طرف منسوب ہو۔

○ پھر ان تینوں (مرفوع' موقوف' مقطوع) میں سے ہر ایک کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) قولی' (۲) فعلی اور (۳) تقریری۔

(۱) قولی فرمان کو کہتے ہیں'

(۲) فعلی عمل کو کہتے ہیں' اور

(۳) تقریری کسی کے عمل کو دیکھ کر رضامندی کے اظہار کو کہتے ہیں۔

اس طرح اس پہلی تقسیم کی کل نو قسمیں ہوئیں۔
① مرفوع قولی، ② مرفوع فعلی، ③ مرفوع تقریری، ④ موقوف قولی،
⑤ موقوف فعلی، ⑥ موقوف تقریری، ⑦ مقطوع قولی، ⑧ مقطوع فعلی،
⑨ مقطوع تقریری۔

❷ حدیث کے راویوں کی قلت وکثرت کے اعتبار سے حدیث چار قسم کی ہوتی ہے۔
① متواتر، ② مشہور، ③ عزیز، ④ غریب۔

① متواتر: جس کو ہر زمانے میں ایک بہت بڑی جماعت روایت کرے جن کا جھوٹ پر جمع ہونا ناممکن ہو۔

○ پھر تواتر کی چار اقسام ہیں:
① تواتر اسناد، ② تواتر طبقہ، ③ تواتر عمل، ④ تواتر معنوی۔

② مشہور یا مستفیض: جس کے راوی ہر زمانے میں تین یا تین سے زیادہ ہوں۔

③ عزیز: جس کے راوی کسی زمانے میں دو سے کم نہ ہوں۔

④ غریب یا فرد: جس کا راوی سلسلۂ حدیث میں صرف ایک ہو۔

○ اس دوسری تقسیم میں "متواتر" کے علاوہ باقی تینوں قسموں (یعنی مشہور عزیز اور غریب) پر "خبر واحد" کا اطلاق کرتے ہیں۔

❸ سند اور طرق روایت کے اعتبار سے حدیث دو قسم کی ہوتی ہے۔

① متصل: جس کی سند حضرت نبی کریم ﷺ تک موتیوں کے ہار کی طرح جڑی ہوئی ہو، درمیان میں کسی زمانہ میں کوئی راوی ساقط نہ ہو۔ اس کو مسند بھی کہتے ہیں۔

② منقطع: جس کی سند ایک یا ایک سے زائد مقامات سے جڑی ہوئی نہ ہو، اور یہ منقطع پھر چار قسم ہے: ① معلق، ② معضل، ③ مرسل، ④ مدلس۔

① معلق: جس کی سند کے ابتداء سے ایک یا کئی راوی حذف ہوں، جیسے تعلیقات بخاری واحادیث مشکوٰۃ۔

② معضل: جس کی سند میں دو یا دو سے زائد راوی حذف ہوں۔

③ مرسل : جس کے آخری راوی حذف ہوں، مثلاً تابعی کہے : قال رسول اللہ ﷺ ....

④ مدلس : جس کا راوی اپنے شیخ یا شیخ الشیخ کا نام حذف کر دے۔

❸ اور قابلِ حجت ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے حدیث دو قسم ہے :

① مقبول، ② مردود۔

① مقبول : جس پر عمل واجب ہے۔ اور اسے چھ قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

① صحیح لذاتہ : سند متصل کے ساتھ بیان کردہ روایت، جس کے تمام راوی عادل اور کامل الحفظ ہوں۔

② حسن لذاتہ : سند متصل کے ساتھ بیان کردہ روایت جس کے تمام راوی عادل تو ہوں مگر کامل الحفظ نہ ہوں۔ یعنی کوئی راوی کمزور حافظہ والا ہو۔

③ صحیح لغیرہ : روایت حسن لذاتہ جو کئی طرق سے مروی ہو۔

④ حسن لغیرہ : ادنیٰ درجہ کی ضعیف، جو کثرتِ طرق کی وجہ سے قابلِ حجت ہو۔

⑤ معروف : جو شاذ نہ ہو۔

⑥ محفوظ : جو منکر نہ ہو۔

② مردود : اسے علماءِ سلف و محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دس اقسام میں منقسم فرمایا ہے۔

① ضعیف : جو مقبول کے اقسام ستہ میں سے نہ ہو۔

② موضوع : جس کا راوی کذاب ہو اور من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والا ہو۔

③ متروک : جس کا راوی عام گفتگو میں غلط بیانی کرتا ہو، اگرچہ حدیث کے نقل کرنے میں محتاط ہی ہو۔

④ منکر : جس کا راوی غفلت یا بدکرداری کی وجہ سے حدیث کے بیان کرنے میں عموماً غلطی کرے۔ یا ضعیف راوی جو ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے والا ہو۔

⑤ شاذ : جس کا راوی ثقہ تو ہو، لیکن دوسرے ثقہ راویوں کے خلاف روایت بیان کرے۔

⑥ معلول یا مُعلّل : جس کا راوی وہمی ہو۔ اور متن اور سند کو صحیح طرح سے بیان نہ کر سکے۔

⑦ مُضطرب : جس کا راوی سند یا متن میں ایسا اختلاف پیدا کرے جس میں ترجیح یا تطبیق کی صورت نہ بن سکے۔ ● اگر سند میں اختلاف ہے تو مُضطرب الاسناد ہے۔ اور ● اگر متن میں اختلاف ہے تو مُضطرب المتن ہے۔

⑧ مقلوب : جس کا راوی سند یا متن کو تبدیل کر دے یا مقدم و مؤخر کر دے۔ ● متن میں تقدیم و تاخیر ہو تو مقلوب المتن ہے۔ اور ● سند میں تقدیم و تاخیر ہو تو مقلوب السند ہے۔

⑨ مدرج : جس کا راوی اپنی ذاتی رائے سے سند یا متن میں دخل اندازی کرے۔ ● اگر متن میں دخل اندازی ہو تو مدرج المتن ہے۔ اور ● اگر سند میں ہو تو مدرج الاسناد ہے۔

⑩ مصحف یا محرف : جس کا راوی متن یا سند کے صحیح تلفظ اور حظ کو اپنے انداز میں بدل ڈالے۔

○ کتبِ احادیث کی اقسام کے بعد ہم نے احادیث کی تمام اقسام کا ذکر بھی آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے، جو محدثینِ عظام کی اصطلاح میں متداول ہیں۔ اور اصولِ حدیث کی کتب مثلاً :

① نخبۃ الفکر مع شرح و شرح الشرح
② تدریب الراوی
③ مقدمہ ابنِ صلاح
④ مقدمہ اصولِ حدیث از میر سید سند بر ترمذی
⑤ مقدمہ اشعۃ اللمعات از شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ اور
⑥ ابو عبد اللہ حاکم کی معرفۃ علوم الحدیث کے علاوہ دیگر ائمۂ حدیث میں سے بھی کسی نے اقسامِ حدیث کے ضمن میں حدیث قدسی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

○ اگر اقسام حدیث میں حدیث قدسی بھی کوئی قسم ہوتی یا ایسی کتابیں ہوتیں جن میں احادیث قدسیہ کو یکجا جمع کیا گیا ہوتا، تو ضرور کہیں نہ کہیں ان کا تذکرہ مل جاتا۔

○ اب اگر کوئی بٹ مار یونہی کسی جگہ لکھ دے کہ میرے نزدیک حدیث قدسی بھی احادیث کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، تو یہ محض اس کی بعینہٖ زوری، اور رجماً للغیب ہے۔ جیسا کہ صاحب "مفتاح النجاح" نے لکھ دیا ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

جواب دوسری بات یہ ہے کہ خود یہ حدیث اور اس کے علاوہ دوسری حدیثیں بھی جو اس بارے میں پیش کی جاتی ہیں مجوزین کے امام و اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے رسالہ "ابر المقال" کے صفحہ ۱۲ میں لکھا ہے کہ:

○ محط کلام محدثین کرام محققین اعلام کہ در تصحیح و تضعیف و جرح و توثیق راہ تساہل و تشدید نسپردہ اند آنست کہ دریں باب حدیثے از حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدرجۂ اتم صحت فائز نشدہ۔ الخ یعنی محقق اور غیر متعصب ماہرین حدیث کا کہنا ہے کہ اذان میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سُن کر انگوٹھے چومنے کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔ اس کے بعد احمد رضا خان بریلوی نے کتابوں کے حوالہ جات بھی پیش کیے۔

○ اب فرمائیے! جب احمد رضا خان بریلوی خود بھی یہی لکھ رہے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔ اور آپ ہماری اس کتاب کے باب اوّل میں قاعدہ ۱ کے تحت قانون پڑھ چکے ہیں کہ کوئی ایسی حدیث قابل قبول نہیں ہوتی جس کا اسناد صحیح نہ ہو۔ تو ثابت ہو گیا کہ ایسی بے سند حدیثوں کو نہ تو علمی رو سے قبول کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان پر عمل کرنا جائز ہے۔ پھر ایسی غیر صحیح حدیث کو حدیث قدسی کے نام سے تعبیر کرنا گناہ پر گناہ ہوا۔ اور اس کی قباحت میں کوئی شک نہیں۔

دلیل مجوزین ۲ :

○ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمانہ قیام جنت میں حضرت نبی کریم ﷺ کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ حضرت محمد ﷺ آپ کے صلب میں موجود ہیں اوران کا ظہور آخری زمانہ میں ہوگا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کا اشتیاق زیادہ ہوا تو حق تعالیٰ جل جلالہ نے حضور اکرم ﷺ کی صورت مبارک حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کی صاف سطح میں ظاہری فرمادی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام نے فرطِ محبت سے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ پس یہ انگوٹھوں کو چوم کر محبت کے ساتھ آنکھوں سے لگانا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے لیے اپنے دادا کی سنت ہوئی۔ اس قصہ کا بیان جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرا نام اذان میں سنا اور انگوٹھوں کو چوم کر محبت سے آنکھوں پر پھیرا تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

جواب عام طور پر بریلوی مسلک کے علماء اس روایت کا ذکر عوام کے سامنے کرتے رہتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی وہ کتابیں، جنھیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی میں بھی یہ روایت موجود نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ روایت ان کتابوں میں ہو جن میں لوگوں کی گھڑی ہوئی اور بناوٹی یا موضوع روایات کا ذخیرہ اس لیے جمع کیا گیا ہے تاکہ علماء کو حدیث نبوی اور بناوٹی روایات میں امتیاز ہوجائے۔ اور احمد رضا خان بریلوی نے اس حقیقت کا اقرار بھی کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔ اور موضوع حدیث کے متعلق پہلے باب میں علماءِ اہلِ سنت کا قول بطورِ قانون آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

دلیلِ مُجوّزین ۳ :

○ تفسیر ابوطالب مکی میں بھی یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔

جواب اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوطالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک بلند پایہ صوفی اور نیک و صالح بزرگ تھے اور وہ خود عمداً اپنی طرف سے موضوع حدیث بیان نہیں کر سکتے تھے، البتہ بعد کے لوگوں نے اپنی طرف سے موضوع روایات کا ان کی کتابوں میں اندراج کر کے ان کی کتابوں کو معیوب کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۲۰۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ: ابوطالب مکی کی کتابیں موضوعات یعنی من گھڑت روایات سے پُر ہیں۔ اور چونکہ حضرت ابوطالب مکی محدث تو تھے نہیں اس لیے صحیح اور موضوع روایت میں تمیز بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ حدیث کی جرح و قدح اور تنقید کا فن صرف محدثین کے حصے میں آیا ہے اور:

قاعدہ ہے: لکل فن رجال۔ جیسا کہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رسائل خمسہ صفحہ ۲۷ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ نیز صوفیاء کرام اور نیک و صالح بزرگوں کو حدیث کے صحیح یا موضوع ہونے کے بارے میں مغالطہ ہوتا رہتا ہے اور انھیں صحیح اور غلط کی پہچان نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں اس حقیقت کا برملا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام مسلمؒ نے تحریر فرمایا: عن محمد بن یحیی بن سعید القطان عن أبیہ قال لم نر الصالحین فی شئ اکذب منھم فی الحدیث قال ابن ابی عتاب فلقیت انا محمد بن یحیی بن سعید القطان فسألتہ عنہ فقال عن ابیہ لم تر اھل الخیر فی شئ اکذب منھم فی الحدیث قال مسلمؒ یقول یجری الکذب علی لسانھم و لا یتعمدون الکذب۔ یعنی حضرت یحیٰی بن سعید قطانؒ نے فرمایا کہ ہم نے حدیث کے بیان کرنے میں نیک اور صالح لوگوں سے زیادہ اکذب (خطا کرنے والا)

کوئی نہیں دیکھا۔ امام مسلمؒ خود فرماتے ہیں کہ ان کی زبان پر غیر ارادی طور پر کذب (خطا) صادر ہوتا ہے۔ دیکھیے مقدمہ مسلم صفحہ ۱۳ و ۱۴۔

○ اس کے حاشیہ پر علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں: لکونھم لا یعانون صناعۃ اھل الحدیث فیقع الخطأ فی روایاتھم و لا یعرفونہ و یروون الکذب و لا یعلمون انہ کذب (نووی بر مسلم صفحہ ۱۳ و ۱۴) یعنی اس کی وجہ ہے کہ ان نیک و صالح لوگوں کا مشغلہ علمِ حدیث تو ہوتا ہی نہیں، اس لیے ان لوگوں کی روایات میں خطا واقع ہو جاتی ہے، اور وہ پہچانتے نہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ اس حدیث میں کیا غلطی ہے۔

○ بہر حال حضرت یحییٰ بن سعید قطان، حضرت امام مسلم اور حضرت امام نووی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ان اقوال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی جسارت بھی نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے حق میں ناحق زبان درازی کی جائے۔ اور نہ بغیر تحقیق کے آنکھیں بند کر کے ان کی ہر بات کو بہ سر و چشم مانتے چلا جانا چاہیے۔ کیونکہ یہ لوگ معصوم تو ہوتے نہیں اور فنِ حدیث میں بھی مہارت نہ رکھنے کی وجہ سے ان کی بیان کردہ حدیث کو قابلِ عمل نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ ہی اس روایت کو حدیث کہہ سکتے ہیں۔

دلیلِ مُجوّزین ۳:

○ ایک دوسری روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ مولائے کریم نے اپنے محبوب ﷺ کے نورِ مبارک کو انسان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں آئینے کی طرح چمکایا۔

جواب حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الموضوعات الکبریٰ" میں ایک

قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ: "جس حدیث کو عقلِ سلیم رد کرے تو سمجھو کہ وہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے"۔ اور یہ روایت عقل کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاکیزہ نور کا وجود اگر انسان کے کسی عضو میں رکھنا ہی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو اس عضو میں رکھا جاتا جو عضو انسان کے تمام اعضاء میں سے اشرف تھا۔ یعنی چہرہ یا آنکھ یا جبین۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ہاتھ ان اشرف اعضاء میں سے نہیں ہیں۔ خصوصاً بایاں ہاتھ تو ایسا ہے جس کو شرع میں ادنیٰ امور کے لیے معین کیا گیا ہے۔ مثلاً ناک جھاڑنا' استنجا کرنا وغیرہ۔ اگر نورِ نبوتؐ ناخنوں میں ہی ہوتا تو اس قسم کے ادنیٰ کام ہاتھ سے کرنے ہرگز جائز نہ ہوتے۔ کیونکہ اس میں نورِ نبوتؐ کی سخت توہین ہے جو صریح اور کھلا کفر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ روایت کسی بے علم کی گھڑی ہوئی ہے اور اس کو حدیث کہنا ہی گناہ ہے چہ جائے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

دلیلِ مجوزین ۵ :

○ تفسیر بحر العلوم نسفی میں ہے کہ تخلیقِ آدم علیہ السلام کے بعد نورِ محمدی ﷺ ان کی پشت میں امانت رکھا گیا تھا' جناب آدم علیہ السلام جب بھی آسمانوں پر تشریف لے جاتے اور عالمِ کروبیاں کے فرشتوں سے ملاقات فرماتے تو تمام فرشتے آپؑ کے جلو میں عزت و احترام کے ساتھ چلتے۔

○ ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس استقبال و متابعت کے سلسلے میں حضرت حق سے سوال کیا۔ خطاب باری ہوا کہ اے آدمؑ! یہ استقبال و احترام اس نورِ مبارک کے لیے ہے جو تمہاری پشت میں ودیعت ہے اور تمہارے سرور کا سبب ہے' یہ تمام فرشتے اس نور کی تعظیم کرتے ہیں۔

○ حضرت آدمؑ نے عرض کیا: الٰہی! کیا اچھا ہو کہ نورِ مبارک کو میرے جسم کے کسی ایسے حصے میں منتقل کر دیا جائے۔ جس کو میں بھی دیکھوں اور فرح و سرور حاصل کروں۔

○ اللہ رب العالمین نے اس نور کو آپؑ کے انگوٹھے کے پاس دائیں انگلی میں منتقل فرما دیا۔ جب آدم علیہ السلام نے اس نور کی زیارت فرمائی تو انگلی اٹھا کر دو مرتبہ شہادت دی۔ اسی دن سے اس انگلی کو انگشتِ شہادت کہا جانے لگا۔ اور وقتِ شہادت (گواہی) حضرت آدم علیہ السلام کی یہ سنت جاری ہو گئی۔

○ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے انگلی کو چوما اور آنکھوں سے لگایا' اور بارگاہِ

نبی آخر الزمان ﷺ پر ہدیۂ درود و سلام پیش فرمایا۔

○ کہا جاتا ہے کہ اذان میں أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ سن کر انگشتِ شہادت چومنا اور آنکھوں سے لگانا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔ اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔

جواب یہ قصہ بھی بالکل بے اصل ہے۔ مجموعہ احادیثِ صحیحہ میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ اور اس واقعہ کو تقبیلِ ابہامین کی دلیل بھی نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ اس کا تعلق تو انگشتِ شہادت سے ہے۔ انگوٹھے سے نہیں۔

○ نیز یہ بے سروپا واقعہ تفسیر بحر العلوم نسفی کے حوالے سے ملا معین واعظ کاشفی نے اپنی کتاب "معارج النبوت" میں نقل کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب زٹلیات سے بھرپور ہے۔ اور اس کتاب میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

ملا معین کاشفی کی زٹلیات

○ انگشتِ شہادت میں نورِ محمدی ﷺ کے مشاہدہ کے بعد آدم علیہ السلام نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: الٰہی! اس نور کا کوئی حصہ میری پشت میں باقی ہے؟ خطابِ باری ہوا کہ: ابھی خلفائے نبی آخر الزمان کا نور باقی ہے۔

○ جنابِ آدمؑ نے عرض کیا کہ اس بقیہ نور کو بھی میری دوسری انگلیوں میں ظاہر فرمایا جائے۔ اس طرح:

① نورِ صدیقؓ درمیانی انگلی میں۔
② نورِ فاروقؓ اس کی برابر کی انگلی میں۔
③ اور چھنگلیا میں نورِ عثمانؓ کو دکھایا۔
④ اور حضرت علیؓ کے نور کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ظاہر کیا گیا۔

○ یاد رہے کہ ملا معین نے خلفائے ثلٰثہ کے نور کا ذکر کرتے ہوئے دائیں یا بائیں ہاتھ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جبکہ حضرت علیؓ کے نور کا ذکر کرتے ہوئے خاص طور پر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت

نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگشت شہادت کے ناخن کی بجائے انگوٹھے کے ناخن ہی چومنے کا رواج ہے۔ ممکن ہے اس میں بھی اہل تشیع ہی کی کوئی کارستانی ہو۔

○ بہر حال اس کے بعد ملا معین صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ان انگلیوں کی طرف نظر کر کے ان انوار کی زیارت کرتے اور ان انگلیوں سے نور کی شعاعیں ظاہر ہوتی تھیں۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آدم علیہ السلام نے شجر گندم سے کچھ نہ کھایا تھا۔

○ جب آپؑ نے شجرِ گندم سے کچھ کھایا تو وہ نور حسب سابق پشت میں منتقل ہو گیا۔ (معارج النبوت جلد ا صفحہ ۳۴)

○ اب بہ نظرِ انصاف دیکھیے کہ جب بقول ملا معین کاشفی کے وہ نور انگلیوں سے منتقل ہو کر دوبارہ اپنے اصلی مستقر یعنی پشت میں چلا گیا تو اب انگلیوں کو چومنے کا جواز کیا رہا۔

○ اور اگر کہا جائے کہ کچھ مدت یہ نور انگلیوں میں رہا ہے اس لیے انگلیوں کو چوما جاتا ہے تو یہ بات بھی لایعنی ہے۔ کیونکہ ان بیہودہ گو لوگوں کے بقول نورِ محمدیؐ کا اصل ٹھکانہ تو پشت تھا۔ حضرت آدمؑ کی درخواست پر اس نور کو وقتی طور پر ان کی انگشت شہادت میں منتقل کر دیا گیا۔ اور شجر گندم سے کچھ کھا لینے کے بعد پھر یہ نور اپنے اصل مستقر پشت میں ہی چلا گیا۔ اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ نورِ محمدیؐ کے اصل مستقر یعنی پشت کو چوما جائے۔ بلکہ ہر اس مقام اور عضو کو چوما جائے جہاں جہاں سے اس نور کا گزر ہوا۔ جیسا کہ:

○ ملا معین کاشفی نے نور محمدیؐ کے ایک صلب سے رحم میں منتقل ہونے اور پھر اس کی پیدائش و پرورش کے بعد دوسرے رحم میں' پھر تیسرے رحم میں' پھر چوتھے رحم میں علیٰ ہذا القیاس حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب تک اور پھر حضرت آمنہ تک نہایت گھٹیا اور سوقیانہ انداز میں پہنچایا ہے۔ جس کو نقل کرتے ہوئے بھی ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے۔ لیکن مسئلہ کی وضاحت کے لیے مجبوراً نمونے کے طور پر اس سے کچھ

اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں، تاکہ ان بدباطن گستاخانِ رسولؐ کے چہروں سے بہروپ ہٹنے کے بعد ان کا اصلی چہرہ پہچاننے میں آسانی ہو سکے۔ چنانچہ:

○ گستاخِ رسولؐ مُلّا معین کاشفی نے "معارج النبوت" جلد۱ میں نورِ محمدیؐ کی پیدائش اور کائنات میں اس کی سرگردانی اور پھر اس نور سے دیگر مخلوق کی پیدائش کا حال نہایت بیہودہ، واہیات اور سُوقیانہ طریقے سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

نورِ محمدیؐ کی تخلیق اور تقسیم

○ نورِ محمدی ﷺ تمام موجودات سے نو لاکھ سال پہلے تخلیق کیا گیا تھا۔ وہ نور اس بساطِ عالم کے گرد مصروفِ طواف رہا۔ اس نور سے ایک جوہر کو پیدا فرمایا، وہ جوہر پانی پانی ہو گیا۔ پھر اس جوہر کو دس حصوں میں تقسیم کیا۔

① اس کی پہلی قسم سے عرش ② دوسرے حصہ سے قلم
③ تیسرے حصہ سے لوح (تختی) ④ چوتھے حصہ سے چاند، اور
⑤ پانچویں سے سورج ⑥ چھٹے سے بہشت
⑦ ساتویں سے دن ⑧ آٹھویں سے ملائکہ
⑨ نویں سے کرسی کو، اور ⑩ دسویں حصہ سے حضور (ﷺ) کے جسم کے نور کو پیدا فرمایا۔ اور اسکو عرشِ اعظم کے دائیں جانب جگہ عطا فرمائی۔

نورِ محمدیؐ مرغ کی شکل میں

○ وہ (نورِ محمدیؐ) ایک سفید مرغ کی شکل میں چار ہزار سال تک تیرتا رہا۔ جب نورِ مبارک شکلِ بشری میں جلوہ گر ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کے جسدِ مبارک پر چار ہزار ایک سو بیس بال تھے، ہر بال سے ایک قطرہ پانی ٹپکا اور اس سے ایک نبی کا نور پیدا کیا گیا۔ جس سے پیغمبروں کی ارواح پیدا کی گئیں۔

○ شاید مُلّا معین یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انبیاء کی کل تعداد بھی صرف چار ہزار ایک سو بیس ہے۔ کیونکہ جب یہ نور سفید مرغ کی شکل سے بشری شکل میں جلوہ گر ہوا تو اس کے جسم پر اتنے ہی بال بتلائے۔ اور پھر کہا کہ ہر بال سے ایک ایک قطرہ

پانی ٹپکا، اور ہر قطرہ سے ایک ایک نبی کا نور پیدا ہوا۔ اور اس طرح اپنی شاطر قلم سے ملاعین نے کم وبیش ایک لاکھ بیس ہزار پیغمبروں کو نورِ محمدی سے محروم قرار دیا۔ جبکہ سطورِ ذیل میں ملاعین کی عبارت سے ظاہر ہورہا ہے کہ اجنہ اور شیاطین کے علاوہ نجس مخلوق بھی اسی نور سے پیدا ہوئی۔

○ گستاخِ رسولؐ ملاعین کاشفی نے مزید لکھا کہ: اس نور نے بحرِ معرفت سے باہر آنے کے بعد چار ہزار ایک سو بیس مرتبہ سانس لیے۔

① ہر سانس سے ایک نبی کی روح عالمِ وجود میں موجود ہوئی۔

② ارواحِ انبیاءؑ کے بعد صدیقین کی ارواح

③ اور صدیقین سے زاہدین کی،

④ زاہدوں سے مطیعین،

⑤ اور مطیعین سے نافرمانوں کی ارواح کو پیدا کیا۔

⑥ انبیاء کی ارواح سے اولیاء کی ارواح،

⑦ اور ان (اولیاء) کی ارواح سے عام مسلمانوں کی ارواح،

⑧ مومنین کی ارواح سے گناہگاروں کی،

⑨ اور گناہگاروں سے ارواحِ منافقین و کفار کی تخلیق ہوئی۔

⑩ اس طرح اصنافِ ارواحِ انسانی سے ارواحِ ملکی،

⑪ اور ارواحِ ملکی سے ارواحِ اجنہ،

⑫ اور ارواحِ اجنہ سے ارواحِ شیاطین کو،

⑬ اور ارواحِ شیاطین سے مردودِ بارگاہ ابلیس اور اس کی ذریت کی ارواح تخلیق کی گئیں۔

⑭ اس کے بعد ارواحِ انسانی کے مادہ سے حیوانات کی ارواح تخلیق کی گئیں۔

⑮ اس کے بعد ملکوتیوں کے چند گروہ اور تمام موجودات،

⑯ نباتات زمنی وغیرہ،

⑰ مرکبات و مفردات کے عناصر کو پیدا فرمایا۔

⑱ اس طرح تمام مکنونات علوی و سفلی، ملکی و ملکوتی نور سید المرسلین ﷺ کا پرتو ہیں۔

گستاخ رسول ملا معین کاشفی نے انہی گستاخیوں پر بس نہیں کی۔ بلکہ اپنی آتش انتقام کو بجھانے کے لیے اس نے اس سے بھی زیادہ گستاخیاں اپنی کتاب میں بیان کی ہیں۔ ہمارے ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کو ہرگز نقل نہ کیا جائے۔ ۔ن کیا کریں ان گستاخانِ رسولؐ نے نعت اور تعریف کے نام سے اس قسم کے بے سروپا واقعات بیان کر کے کلمہ گو سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنا کر ان کی دولتِ ایمان چھین لینے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اس لیے مجبوراً سطورِ ذیل میں حضرت آدم علیہ السّلام کی پشت سے نورِ محمدیؐ کے پشت در پشت منتقل ہونے اور حضرت آمنہ کے بطن میں پہنچنے تک کی کیفیت ملخصاً معارج النبوت سے نقل کی جا رہی ہے۔

آدمؑ تا آمنہ نورِ محمدیؐ کی منتقلی

○ تخلیقِ آدم علیہ السّلام کے بعد نورِ محمدی ﷺ ان کی پشت پر امانت رکھا گیا تھا۔

○ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے تخلیقِ آدم اسی نورِ محمدیؐ سے ہوئی۔ جبکہ وہ نور بقول ملا معین ایک سفید مرغ کی شکل میں تھا۔ اور پھر جسدِ بشری میں آنے کے بعد اس کے بالوں میں سے جو قطرے گرے ان سے دیگر پیغمبروں کے ساتھ ساتھ حضرت آدم علیہ السّلام بھی پیدا ہوئے۔ اور اس نور سے تمام مکنونات علوی و سفلی، ملکی و ملکوتی وجود میں آئے۔ لیکن یہی وہ نور ہے جسے حضرت آدم علیہ السّلام کی پشت میں امانت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ ہرچہ بادا باد۔ یہ نور کس طرح منتقل ہوتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی پشت تک اور پھر حضرت آمنہ تک پہنچا۔ اس کا تفصیلی ذکر تو ملا معین کاشفی کی کتاب "معارج النبوت" جلد ا میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہم اس کا خلاصہ سطورِ ذیل میں بیان کر کے دراصل یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ شخص پرلے درجے کا پلید آدمی تھا۔ اور اس نے کس انداز میں اپنی اسلام

دشمنی کو طمع کاری سے پیش کر کے مسلمانوں کا ایمان خراب کرنے کی سرتوڑ کوشش کی ہے۔ چنانچہ :

○ ملا معین کاشفی لکھتا ہے کہ : جناب آدم صفی اللہ اور جناب حوا ایک دن ایک پُر فضا مقام پر بیٹھے تھے' وہاں صاف شفاف پانی کا ایک چشمہ رواں دواں نظر آیا۔ جناب جبرائیل امین بھی ملائکہ کی جماعت کے ساتھ آئے۔ ان ملائکہ کے ہاتھوں میں جنتی میوہ جات سے بھرے ہوئے طبق تھے۔ فرشتوں نے کہا ان کو کھائیے تاکہ نطفۂ محمدی علیہ التحیۃ والثناء جو آپؑ کے صلب میں ہے' کا نورِ برہان زیادہ ہو' اور اس جوئبارِ جنت میں غسل فرما کر جناب حوا سے صحبت فرمائیے۔ کیونکہ اب اس نورِ مقدس کے منتقل ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

○ جبریل امینؑ اور دوسرے فرشتوں کے کہنے کے مطابق آدم و حوا علیہما السلام نے عمل کیا' پہلے جنتی میوے کھائے' جناب حوا سے ہمبستر ہوئے۔ جناب حوا سے صحبت کے نتیجے میں نورِ محمدیؐ جناب آدمؑ سے حضرت حوا کو منتقل ہو گیا۔ اور فرشتوں کی توجہ جناب آدمؑ سے حضرت حوا کی طرف منتقل ہو گئی۔ تمام اعزاز واکرام حضرت حوا کے حصے میں آ گئے۔

○ جب آدمؑ نے بارگاہِ احدیت میں اس رویہ کی شکایت کی تو جوابِ الٰہی ہوا : اے آدمؑ! یہ مقام شکایت نہیں۔ یہ سب نورِ محمدیﷺ کے تابع ہیں۔ آج تک یہ نور تمہارے پاس تھا' تو سب تمہارے تابع فرمان تھے۔ اب یہ نور رحمِ حوا میں جلوہ گر ہے' تو ملکوت و جبروت کے عالم کے بادشاہ اور رعایا ان کے تابع فرمان ہیں۔

○ اس نورِ سراپا کے منتقل ہونے سے حضرت شیثؑ کی ولادت تک ابلیس لعین کو سرگرداں پردوں کے پیچھے مقید کر دیا گیا۔

○ جناب شیثؑ سن بلوغ کو پہنچے تو وہ فضل و کمال' حسن و جمال کا پیکر تھے اور نورِ محمدیﷺ ان کی جبین مبارک میں درخشاں و تاباں تھا۔

حضرت شیثؑ کا عہد نامہ

- آدم علیہ السلام، روح القدس اور ستر ہزار ملائکہ مقربین نے ایک عہد نامہ حضرت شیث علیہ السلام سے لیا، اس عہد نامہ کا مضمون یہ ہے:
"اس نور کی حفاظت میں سعی بلیغ کریں گے اور اس نور کو اصلابِ طیبہ اور ارحامِ طاہرہ کو منتقل کیا جائے گا"۔
- جناب شیثؑ نورِ مصطفوی علیہ التحیۃ کی محافظت میں نہایت اہتمام کرتے تھے۔
- رب تعالیٰ نے حضرت شیثؑ کے لیے بے ماں باپ کے ایک حور کو پیدا فرمایا۔ اس حور کا نام محوائلہ تھا۔
- بعض مورخین نے محوائلہ کو اجنہ میں سے لکھا ہے۔
- ان سے شادی کے بعد شب باشی کے لیے یاقوت زرد کا قبہ بھی بنایا۔
- جب محوائلہ حاملہ ہوئیں اور آثارِ حمل ظاہر ہوئے تو وہ اطراف و جوانب سے آنے والی آوازیں سنتی تھیں کہ: "تم نور محمدی ﷺ کی حامل ہو"۔ یہاں تک کہ انوش پیدا ہوئے۔ نورِ مصطفویؐ ان (انوش) کی پیشانی میں چمکتا تھا۔

انوش کا عہد

- جب انوش بالغ ہوئے تو جناب شیثؑ نے عہد لیا کہ: "یہ نور حلال طریقہ کے علاوہ منتقل نہ کیا جائے"۔
- جب انوش کی عمر نوے سال ہوئی تو اللہ نے انھیں ایک فرزند قینان عطا فرمایا۔
- جب قینان کی عمر ستر سال ہوئی تو ان کے گھر فرزند تولد ہوئے جن کا نام مہلائیل رکھا گیا۔
- جب مہلائیل کی عمر پینسٹھ سال ہوئی تو یارد متولد ہوئے۔
- جب ان کی عمر ایک سو باسٹھ سال ہوئی تو انھوں نے بردہ نامی عورت سے شادی کی۔ ازدواج کے نتیجہ میں ایک فرزند حضرت ادریس علیہ السلام پیدا ہوئے۔
- آپ پینسٹھ سال کی عمر میں بروفا نامی ایک عورت کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔

اوراس ازدواج کے نتیجہ میں ایک فرزند متوشلخ پیدا ہوئے۔

- ادریس علیہ السلام سے نورِ محمد ﷺ متوشلخ کو منتقل ہوا۔
- جب متوشلخ کی عمرایک سو پچاسی سال ہوئی تو انھوں نے عربانا نامی ایک عورت سے شادی کی اوران سے لامک پیدا ہوئے۔
- جب لامک کی عمرایک سو بیاسی سال ہوئی تو انھوں نے قینوش نامی عورت سے عقد کیا۔ ان کے بطن سے جناب نوح علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ آپؑ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں میں سے سام کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔
- جب ہود علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے تو چہار دانگ عالم میں آواز گونجی کہ ان کی پیشانی میں نورِ محمدی ﷺ جلوہ گر ہے۔
- انھوں نے ایک عورت لیثا سے شادی کی' اس سے شالخ پیدا ہوئے۔ نورِ نبویؐ جناب ہودؑ سے ان (شالخ) کی پیشانی میں منتقل ہوا۔
- ان (شالخ) سے قانغ کے پاس آیا' جن کا عبرانی نام قاسم تھا۔ ان کی والدہ کا شجرۂ نسب یہ ہے: غزوہ بنت صفونی بن عوئلم بن سام بن نوحؑ۔
- نورِ محمدی ﷺ قانغ سے اشردغ کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ کا نام عثـــروہ ہے۔ جو کوثل کی بیٹی تھیں۔
- اشـــردغ سے نورِ پاک ناخور کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ کا نام تملکہ ہے۔ جو مراحیل کی بیٹی ہیں۔
- ناخور نے ایک عورت سے شادی کی جس کا نام سکتین تھا۔ جن کے بیٹے کا نام آزر ہے۔ سیدِ عالم ﷺ کا نورِ پاک ناخور سے آزر کو منتقل ہوا۔ آزر کی شادی ادنی بنت نمرود سے ہوئی۔ جن سے حضرت ابراہیمؑ متولد ہوئے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کی ولادت نمرود بن کنعان بن سخاریب بن انوش بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی۔
- نمرود نے خوفناک و ہولناک خواب دیکھا۔ منجموں نے کہا کہ تمھاری حکومت

زوال پذیر ہونے والی ہے۔ اور یہ ایک ایسے فرزند کی وجہ سے ہوگا جو عزت وعظمت میں منفرد ہوگا۔ وہ فرزند اس سال پیدا ہوں گے۔ ان کی وجہ سے تمہاری سلطنت کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ اور حکومت تیرے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

○ نمرود نے کہا کہ ہم ایک پولیس فورس بنائیں جو اس امر کی نگرانی کرے کہ کوئی مرد عورت کے پاس نہ جا سکے۔ اٹھارہ ہزار سپاہیوں کے دستے متعین کر دیے گئے کہ کوئی مرد کسی عورت سے مخالطت نہ کر سکے۔ چونکہ آزر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے اور نمرود کے دربار کی ایک اہم شخصیت تھے، اس لیے ان پر کسی نگران کو متعین نہ کیا گیا۔ اسی طرح نگران عورتوں کی ایک جماعت حاملہ عورتوں پر متعین کر دی گئی۔ اس سال اس بدبخت کی وجہ سے ایک لاکھ بچے اس کے ظلم کا شکار ہوئے۔

○ منجم اور کاہن نمرود کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا کہ اس مولود کے استقرار حمل کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور وہ آج رات رحم مادر میں منتقل ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ آئندہ شب کوئی مرد شہر میں نہ رہے، تمام عورتیں شہر میں رہیں۔ دروازوں پر ذمہ دار عہدیداروں کو حفاظت کے لیے متعین کر دیا گیا۔ ایک دروازہ پر آزر کی ڈیوٹی لگی۔ نمرود بھی اپنے رفقاء کے ساتھ بستر سے باہر چلا گیا۔

○ ادھر عورتیں شہر میں آزادی کے ساتھ گھومتی پھر رہی تھیں۔ جب شام ہوئی اور تاریکی شب کا شامیانہ عروسِ عالم پر نصب ہو گیا۔ اتفاقاً حضرت ابراہیمؑ کی والدہ ماجدہ گھومتی ہوئی اس دروازہ تک آ گئیں جہاں ان کے شوہر اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے تھے۔ جیسے ان کی نظر اپنی حسین و جمیل بیوی پر پڑی، محبت کی آگ دل میں بھڑک اٹھی، اور شہوت کا شعلہ فزوں تر ہو گیا، موقع میسر آ گیا اور بیوی سے اختلاط ہوا، فطری تقاضا پورا کیا۔ نطفۂ ابراہیمؑ صلبِ آزر سے رحم مادر میں منتقل ہوا۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارا سے نکاح کیا۔ سارا لاولد تھیں۔ سارا نے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں ہاجرہ کو پیش کر دیا۔

○ جناب ہاجرہ نو عمر اور حسین و جمیل تھیں۔ جب وہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی مصاحبت سے مشرف ہوئیں، اسی شب نطفہ صلب پدر (ابراہیمؑ) سے رحم ہاجرہ میں منتقل ہو گیا۔ اور نورِ محمدی ﷺ رحم ہاجرہ میں جلوہ افروز ہو گیا۔ اور مدتِ حمل پورا ہونے پر حسب تمنا فرزند تولد ہوا۔ ان کا نام اسموئیل رکھا۔ جو بعد میں کثرتِ استعمال سے اسماعیل ہو گیا۔

○ نورِ محمدی ﷺ کی امانت کی وجہ سے جنابِ اسماعیلؑ کی ذاتِ مقدس ایسی مرجع خلائق ہوئی کہ جو کوئی انہیں دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا۔

○ اور یہ نور صلبِ اسماعیل علیہ السلام سے رحم ہالہ میں منتقل ہوا۔ پھر وہ نور ان سے منتقل ہو کر صلبِ قیذار میں آیا۔ پیدائش کے وقت وہ نور ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔

○ قیذار کو اللہ تعالیٰ نے سات صفات عطا کی تھیں جو اس دور میں کسی دوسرے شخص کو نہ ملی تھیں۔

① آپ مایۂ ناز شکاری تھے۔ ہرن کو بھاگ کر پکڑ لیتے تھے۔

② قادر تیرانداز تھے۔ ان کا تیر کبھی نشانہ سے خطا نہ ہوتا تھا۔

③ بہترین شہسوار تھے۔

④ آپ کی پکڑ نہایت سخت تھی۔

⑤ چہرہ نہایت پُر ہیبت تھا۔

⑥ بڑے بہادر تھے۔

⑦ قوتِ مردمی کا یہ عالم تھا کہ شب و روز میں اسی مرتبہ مجامعت کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔

○ قیذار کے والد بزرگوار حضرت اسماعیلؑ نے بیٹے سے یہ عہد لیا تھا کہ یہ نور صرف ارحام طیبہ و طیبات کو تفویض کیا جائے۔ لہٰذا قیذار نے یہ خیال کیا کہ اولادِ اسحاق علیہ السلام اس وقت تمام نسلوں میں بزرگ تر تھے۔ لہٰذا اولادِ اسحاقؑ سے ایک سال میں سو شادیاں کیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی حمل نہ رہا۔

○ حضرت قیذار اپنے والد کی طرح شکار کے دلدادہ تھے۔ جب وہ جنگل میں جاتے تو جنوں کی عورتیں انسانی شکل میں ان کے پاس آتیں اور شاہانہ تحفہ پیش کر کے کہتیں کہ ہم انسان بادشاہوں کی نسل سے ہیں۔ ہمیں اپنی زوجیت میں لے لیں۔

○ جب آپ ان سے گفتگو کرنی چاہتے تو ہر جن مصروف تکلم ہو جاتا اور کہتا: اے قیذار! تم نورِ نبی آخر الزماںؐ کے حامل ہو۔ لہٰذا ان کو حلال ذریعہ کے علاوہ منتقل نہ ہونے دینا۔ اس لیے آپ محتاط ہو جاتے اور ان سے اعراض فرماتے۔ وہ عورتیں رونے لگتیں، اور زبانِ حال سے کہتیں خوشا وہ عورت جس کے رحم میں نورِ محمدی ﷺ قرار پکڑے۔

○ ان کی عمر دو سو سال ہو چکی تھی، لیکن اس وقت تک اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔ خواب میں دیکھا کہ ایک ندا کرنے والے نے کہا کہ یہ نور جو تمھاری پیشانی میں چمک رہا ہے وہ نورِ محمدیؐ ہے، جن کی وجہ سے سارا عالم پیدا کیا گیا۔ اور اس نور کی حامل کوئی غیر عربی عورت نہ ہوگی۔ اور عرب کی ایک عورت جس کا نام غاضرہ ہے۔ اس سے نکاح کرو، تاکہ یہ امانت اس کو بھی مل جائے۔

○ قیذار نیند سے بیدار ہو کر خوش خوش روانہ ہوئے۔ راستہ کی تمام چیزیں اس نور کی وجہ سے انھیں سجدہ کر رہی تھیں اور زبانِ حال سے گویا تھیں کہ وہ وقت آ گیا ہے یہ نورِ مبارک تمھاری صلب سے منتقل ہو جائے۔

○ قیذار نے گھر آ کر اطراف و اکناف میں آدمی روانہ کیے، تاکہ غاضرہ نامی عورت کو تلاش کر کے لائیں۔

○ الغرض تفتیش سے معلوم ہوا کہ غاضرہ نامی عورت بنی جراہم کے بادشاہ (جو قحطان کی نسل سے ہے) کی بیٹی ہیں۔ لہٰذا آپ نے اس (کو شادی) کا پیغام دیا، اور اس سے شادی کر لی۔ زفاف کے نتیجہ میں وہ نورِ مبارک ان کے صلب سے رحم غاضرہ میں منتقل ہو گیا۔

○ قیذار تابوت سکینہ لے کر حضرت یعقوبؑ کے پاس روانہ ہوئے۔ اور اپنی بیوی

غاضرہ کو نصیحت کی کہ آپ حاملہ ہیں۔ قدرت آپ کو لڑکا عنایت فرمائے گی اس نومولود کا نام حمل رکھنا۔

○ یعقوب علیہ السلام نے ان سے معلوم کیا کیا بات ہے تمہارے چہرہ پر رنج وغم کے آثار نظر آرہے ہیں۔ کہنے لگے رنج یہ ہے نورِ محمدی جو میرے پاس تھا اب میرے پاس نہیں ہے' اور وہ نور میری پیشانی سے میری بیوی کے رحم میں منتقل ہوگیا ہے۔

○ قصہ مختصر یہ کہ قیذار نے تابوت حضرت یعقوبؑ کے سپرد کیا اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب گھر آئے تو دیکھا کہ بیوی ولادت سے فارغ ہوچکی ہیں۔ اور حمل کے عروج کا آفتاب درجۂ کمال کو پہنچا ہے۔ اور نورِ محمدیؐ ان کی پیشانی میں درخشاں و تاباں ہے۔

○ حمل نے سعیدہ نامی ایک عورت سے شادی کی اور اس کے نتیجہ میں ایک لڑکا ہوا۔ جس کا نام بنت رکھا گیا۔ جو نورِ محمدی ﷺ کے حامل ہوئے۔

○ نورِ محمدیؐ ان (بنت بن حمل بن قیذار بن اسمٰعیل بن ابراہیمؑ) کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔

○ ان سے یہ نور ہمیسع کو منتقل ہوا۔

○ ان کی اولاد سے جو اولاد ہوئی انھوں نے حبیبہ بن قحطان سے شادی کی۔ اور یہ نور اُدَاَن کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ کا نام سلمٰی بنت حارث تھا۔

○ ان سے نورِ نبوت عدنان کو تفویض ہوا۔ ان کی والدہ کا نام بلیات بنت یعرب بن قحطان تھا۔

○ عدنان سے یہ نور معد کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ امیہ بھی بنو عدنان سے تھیں۔

○ معد سے نورِ نبوت نزار کو ملا۔ ان کی والدہ کا نام معاذہ ہے۔ جو جوشن بن عدی کی بیٹی ہیں۔

○ نزار سے نورِ نبوت مضر کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ کا نام عنکلات بنت عدی بن عدنان تھا۔

- مضر سے یہ نورِ کامل الیاس کے حصہ میں آیا۔ الیاس کی والدہ کا نام عزیزہ تھا۔
- الیاس سے نورِ محمدیؐ مدرکہ کے حصے میں آیا۔ ان کی والدہ کا نام جندعہ بنت عامر تھا۔
- مدرکہ نے نورِ محمدیؐ خزیمہ کے سپرد کیا۔ ان کی والدہ سلمٰی بنت اسد تھیں۔
- مدرکہ کو خواب میں بشارت ملی کہ برہ بنت اذ بن طابخہ سے نکاح کر دیا۔ اس شادی کے نتیجہ میں کنانہ پیدا ہوئے۔ اور یہ نور ان کے حصہ میں آ گیا۔
- نورِ محمدیؐ ان حضرات سے منتقل ہوتا ہوا کنانہ سے نضر کے پاس آیا۔ اور جمہور مؤرخین کے مطابق انہی کا لقب قریش تھا۔
- نبی آخر الزماںؐ کا نور جو اس وقت نضر کی صلب میں تھا' جن کی والدہ کا نام برہ تھا' ان کے بعد یہ نور مالک کے حصہ میں آیا۔ ان کی والدہ جندلہ بنت حارث ہیں۔
- مالکؒ سے یہ نور فہر کو منتقل ہوا۔ ان کا دوسرا نام عامر تھا۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ تھا۔
- فہر سے یہ مبارک نور لوئی کے پاس امانت رکھا گیا۔ ان کی والدہ کا نام سلمٰی بنت عمر تھا۔
- لوئی سے یہ مبارک امانت کعب کے پاس آئی۔ ان کی والدہ کا نام وحشیہ بنت شیبان ہے۔ (کعب سے یہ نور مبارک مرہ کے پاس آیا)
- مرہ نے اس ذمہ داری کو کلاب کے سپرد کیا' جن کی والدہ کو جندہ بنت شرق کہا جاتا ہے۔
- کلاب نے اس نورِ مبارک کو قصی کی تحویل میں دیا۔ ان کی والدہ کا نام رند ہے۔
- قصی سے نورِ مبارک عبدِ مناف کو منتقل ہوا۔ ان کی والدہ حیا بنت خلیل ہیں۔
- عبدِ مناف نے عاتکہ کی بیٹی سے شادی کی' جن سے ہاشم اور عبد الشمس پیدا ہوئے۔
- یہ دونوں بچے جڑواں تھے۔ اور ایک خاص بات یہ تھی کہ ان دونوں کی پیشانی بھی

آپس میں جڑی ہوئی تھی۔ کوشش کے باوجود یہ پیشانیاں علیحدہ نہ ہوسکیں۔ بالآخر انھیں تلوار سے علیحدہ کیا گیا۔ عرب کے ایک تجربہ کار نے کہا کہ مناسب یہ تھا کہ کسی دوسری چیز سے ان کو علیحدہ کیا جاتا۔ اب مستقبل میں ان کے درمیان تلوار چلتی رہے گی۔ اور جیسا کہ اس نے کہا تھا' ویسا ہی ہوا۔

○ عبدِ مناف کے دو بیٹے اور بھی تھے۔ نوفل و مطلب۔

○ ہاشم حضور علیہ السلام کے والد حضرت عبداللہ کے جدِ امجد تھے۔ اسی طرح عبدالشمس بنی امیہ کے جدِ اعلیٰ' نوفل جد جُبیر بن مطعم کے مورث اعلیٰ' اور مطلب مشہورِ زمانہ امام شافعیؒ کے اجداد میں سے تھے۔

○ ہاشم کا دوسرا نام عبدالعلی تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق ان کا نام عمر تھا۔ انھوں نے کئی شادیاں کیں' لیکن نورِ نبویؐ منتقل نہ ہوا۔

○ یہاں اس امر کا اظہار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب تک نورِ نبویؐ ان کی پیشانی پر چمکتا رہا یہ کسی بت کو سجدہ نہ کرسکے۔ جب تک یہ نور ان کے پاس رہا تمام اہلِ کتاب ان کی دست بوسی کرتے اور جس طرف ان کا گزر ہوتا تمام چیزیں ان کو سجدہ کرتیں۔ عرب کے قبائل یہ تمنا کرتے کہ ان کی لڑکی ان کے حرم میں داخل ہوجائے۔

○ نور کے اثرات جو ان کے چہرے سے ظاہر ہوئے تھے اور ان کی تعریف و توصیف کتبِ سماوی میں دیکھ کر قیصرِ روم نے اپنی بیٹی کو ان کے نکاح میں دینے کی خواہش کی۔ لیکن آپ نے اس کو قبول نہ کیا۔ آپ نے عہد کیا کہ دورکی تقدس مآب خاتون سے نکاح کریں گے۔ مکہ سے یثرب کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور یہاں آکر عمرو بن زید بن عارث بن نجار کی بیٹی سلمٰی کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔

○ سلمٰی کو عبدالمطلب کا حمل رہا۔ عبدالمطلب کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جب کبھی اہلِ عرب پر کوئی افتاد پڑتی عبدالمطلب کے وسیلے سے دعائیں مانگتے۔ قربانی کرکے خون کو بتوں پر ڈالتے۔ نورِ محمدی علیہ التحیۃ والثناء کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ ان مصائب وآلام کو دور فرما دیتا۔

- آپ نے متعدد شادیاں کیں۔ جس کے نتیجے میں متعدد اولادیں ہوئیں۔ حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ بنت عمرو بن عار مخزومی سے شادی کی۔ اس کے نتیجہ میں نورِ مصطفوی علیہ التحیۃ والثناء صلب عبدالمطلب سے رحم فاطمہ میں منتقل ہوا۔
- اور وہ (فاطمہ بنت عمرو بن عار مخزومی) جناب عبداللہ کے حمل سے مشرف ہوئیں۔ جس رات جناب عبداللہ کی ولادت ہوئی' ملک شام کے مہندس و عالمانِ اہلِ کتاب نے ایک دوسرے کو متنبہ کیا کہ پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے والد بزرگوار ام القری مکہ میں تولد ہو چکے ہیں۔
- جناب عبداللہ نے اپنے والد عبدالمطلب سے کہا کہ میری پشت میں نور چمکتا ہوا ظاہر ہوتا ہے۔ جب میں زمین پر بیٹھتا ہوں تو زمین سے آواز آتی ہے:
  ① اے وہ شخص جس کی پشت میں نورِ محمدی امانت ہے آپ پر سلامتی ہو۔
  ② خشک درخت کے نیچے بیٹھا تو سرسبز و شاداب ہو گیا اور مجھ پر سلام کرتا ہے۔
- عبدالمطلب نے کہا تمہاری صلب سے رحم مادر میں ایسا نطفہ منتقل ہوگا جو تمام مخلوقِ الٰہی کی بزرگ ترین شخصیت ہوگا۔
- جب جناب عبداللہ سن بلوغ کو پہنچے تو صورت و سیرت میں منفرد تھے۔ لوگ یہ تمنا کرتے کہ کاش یہ ہمارے داماد ہوتے۔
  ① نورِ محمد علیہ التحیۃ والثناء ان کے بشرے سے ظاہر و باہر تھا۔
  ② اور اس نور کی شعاعیں دیکھ کر ہر ایک کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔
  ③ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ عورتیں ان پر والہ و شیدا تھیں۔
  ④ فرطِ جذبات سے بے قابو ہو کر وہ سرِ راہ بیٹھ کر انھیں اپنی طرف راغب کرتیں۔
  ⑤ کچھ (اجنہ کی) عورتیں انسانی لباس میں آتیں۔ لیکن جناب عبداللہ ان پری وشوں کی طرف نظرِ التفات نہ فرماتے۔
- وہب نے اپنی بیوی کو عبدالمطلب کی خدمت میں روانہ کیا کہ میری بیٹی کو عبداللہ کی زوجیت کیلئے قبول کرلیں۔ عبدالمطلب نے اس تجویز کو قبول کرلیا۔

- جناب عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب آگئے تاکہ اس فریضہ سے عہدہ برآ ہو جائیں۔
- راستہ میں ام قتال جو مشہور اہل کتاب عالم ورقہ بن نوفل کی بہن تھیں' اس کو یہ علم تھا کہ جناب عبداللہ حامل نورِ نبوتؐ ہیں' خود کو عبداللہ کی غلامی میں پیش کیا۔
- جناب عبداللہ نے فرمایا کہ اب تو میں اپنے والد کے ساتھ کام سے جارہا ہوں' واپسی میں اس عقدہ کا مناسب حل پیش کرکے اس معاملہ کو طے کریں گے۔ اس کے بعد وہ شعب ابی طالب آگئے۔
- اسی دن شعب ابی طالب میں جناب آمنہ (بنت وہب) حضرت عبداللہ کے نکاح میں آئیں۔ اور رات میں وہیں قیام کے دوران شب زفاف میں نورِ محمدیؐ صلب عبداللہ سے رحم آمنہ میں منتقل ہو گیا۔
- نورِ محمدیؐ کے منتقل ہونے کے بعد حضرت عبداللہ کو ام قتال اور اس کی پیش کش کا خیال آیا۔ لہٰذا وہ ام قتال کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ام قتال کے گھر آئے اور ام قتال نے حضرت عبداللہ کے چہرے کو دیکھا کہ وہ نور جو ان کی پیشانی میں تھا' اب نظر نہیں آرہا تو دریافت کیا کہ وہ نور جو تمہاری پیشانی میں درخشاں تھا کہاں گیا؟ تو عبداللہ نے کہا کہ رحم آمنہ میں منتقل ہو گیا۔ اس نے کہا میرا اب آپ سے کوئی واسطہ نہیں' میں تو صرف نورِ محمدیؐ کی طالب تھی' وہ آمنہ کو منتقل ہو گیا۔
- اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ فاطمہ شامیہ کا ہے۔ اس نے نورِ محمدی ﷺ کے ظہور کا وقت عقل و نقل حسابات کے ذریعے معلوم کر لیا تھا کہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ایک شخص کی صلب سے نطفۂ پاک جسدِ خاکی میں منتقل ہوگا۔
- شہزادی فاطمہ مال و دولت لاؤ لشکر لے کر شام سے مکہ آئی۔ اور جناب عبداللہ سے درخواست کی کہ مجھے اپنے حبالۂ عقد میں لائیں۔ جناب عبداللہ نے فرمایا کہ آپ مجھے مہلت دیں کہ میں غور و خوض اور مشورہ کے بعد حتمی جواب دے سکوں۔

4/23

○ جناب عبداللہ اپنے گھر آئے اور اسی شب جناب آمنہ کے ساتھ ہمبستری کی جس کے نتیجہ میں نورِ محمد ﷺ رحم آمنہ میں منتقل ہوا۔

○ دوسری صبح جناب عبداللہ اپنے والد ماجد سے اجازت لےکر فرحاں و شاداں فاطمہ شامیہ کے پاس آئے۔ اور والد ماجد کی اجازت سے اس کو مطلع کیا۔ لیکن جب دورانِ گفتگو فاطمہ نے چہرۂ عبداللہ کو دیکھا تو اس میں وہ نور نہ پایا۔

○ فاطمہ نے عبداللہ سے کہا: اے عبداللہ! میں نے دور دراز کا سفر صرف اس لیے کیا تھا کہ تمھاری پیشانی میں چمکنے والا نور میرے رحم میں منتقل ہوجائے۔

حضرت آمنہ کی شبِ زفاف میں پیش آنے والے واقعات

① دو سو عورتیں رشک و حسد سے مر گئیں۔

② اور بہت سی عورتیں امراضِ قلب میں مبتلا ہوئیں۔

③ اس انتقالِ نطفہ کی رات ملائکہ نے جشن منایا۔

④ جبریلِ امین نے فرشِ زمین پر آکر بامِ کعبہ پر ہلالی پرچم لہرایا۔ اور خطۂ ارض کو بشارت دی کہ آج رات نورِ محمدی ﷺ صلبِ پدر سے رحمِ مادر میں منتقل ہوگیا ہے۔

⑤ جس رات نورِ محمدی ﷺ حضرت آمنہ کے سپرد ہوا اس کی تمام کاہنوں کو اطلاع ہوئی اور وہ ایک دوسرے سے مشورے کرنے لگے۔

⑥ مشرق و مغرب کے چرند و پرند اور بحری جانوروں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔

⑦ قریش کے پالتو جانوروں نے آپس میں کہا کہ جنابِ آمنہ نورِ مصطفےٰ ﷺ سے مشرف ہوگئی ہیں۔

⑧ جب جنابِ آمنہ حمل سے سرفراز ہوئیں تو بارانِ رحمت کا نزول ہوا۔ قحط سالی دور ہوئی، گھروں کو سیراب کرنے والی نہریں رواں دواں ہوئیں۔ درخت سرسبز و شاداب ہوگئے اور مصیبت زدوں کی پریشانی دور ہوئی

اور ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔ چنانچہ اس سال کو سَنَۃُ الفتح خوشی و مسرت کا سال کہا گیا ہے۔ اور یہ سب نورِ محمدی ﷺ کی برکت تھی۔

(یہ جھوٹی داستان "معارج النبوت" جلدا سے بطورِ اقتباس اخذ کی گئی)

○ محترم قارئین! مندرجہ بالا مضمون جو ہم نے بادلِ ناخواستہ محض حقیقتِ حال کو واضح کرنے کے لیے ملا معین کاشفی کی کتاب معارج النبوت کی پہلی جلد سے بطورِ اقتباس نقل کردیا ہے' اگر آپ نے اسے پڑھ لیا ہے تو پھر اس پر سر دھننے کی بجائے دل و دماغ سے کام لیتے ہوئے بحیثیت ایک مسلمان کے غور فرمائیں کہ کیا یہ واقعۃً افضل المخلوقات' سید الکائنات' امام الانبیاء' خاتم النبیین' شفیع المذنبین' ہُدًی للعٰلمین رسولِ اعظم و معظم' نبی مکرم' سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پاک و معصوم اور مقدس و اقدس روحِ مبارک علٰی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ و ثنا کی مدح سرائی ہے یا "ادبی گالیاں" ہیں۔

○ یاد رہے کہ اہل المعانی والبیان کی اصطلاح میں اسے الذم بما یشبہ المدح کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی مذمت اور برائی ایسے انداز سے کرنا کہ بادی النظر میں خوبی' مدح اور تعریف معلوم ہو۔ اور ملا معین کاشفی کا یہ اندازِ تحریر و بیان حضرت رسول اللہ ﷺ کی نعت و تعریف نہیں ہے' بلکہ مدح کے رنگ میں مذمت ہے۔ اور اس قسم کا اندازِ بیان مسلمان کی شان کے خلاف ہے' جیسا کہ ملا معین نے اختیار کیا ہے۔

○ اور پھر اس کی تقلید میں علم و دانش سے بے بہرہ اور جاہل لوگ ان واقعات کو "محافلِ میلاد شریف" میں مزے لے لے کر پڑھتے ہیں۔ اور یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ ان محافل میں عورتیں ہی پیش پیش ہوتی ہیں۔ تو جو بات ایک سیدھا سادھا مسلمان تو کیا کسی بھی مذہب کا پیروکار جو طبعی طور پر شریف النفس ہو' کسی ادنیٰ شخص کے بارے میں بھی نہیں کہہ سکتا' وہ بات افضل المخلوقات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے متعلق نہایت بے شرمی و

بے حیائی سے سرِعام بیان کی جاتی ہے اور مائی بہنوں، بہو بیٹیوں اور معصوم بچیوں کی بھی شرم نہیں کی جاتی۔ اور عقل کے اندھے سامعین بھی ان مغلظات پر بجائے اس کے کہ بے حیائی کی ان باتوں پر ملاں جی کی گرفت کریں، الٹا "سبحان اللہ سبحان اللہ" کہتے ہیں اور "یارسول اللہ" کے نعرے بلند کرتے ہیں اور محفل میں موجود مرد و زن اس پر سر دھنتے ہیں۔

○ اندازِ خطابت میں خوش الحانی اور سریلی آواز کے ساتھ مذمت۔ رسولؐ کی ان محافل میں کچھ عجیب و غریب سماں دیکھنے میں آتا ہے۔ سب لوگ حواس باختہ ہو کر بیٹھے ہوتے ہیں گویا ہوش اڑے ہوئے ہیں، سامعین کی طرف سے واہ واہ کے مستانہ نعروں کی بھوار برستی ہے، مستی میں کیا سے کیا کہے جاتے ہیں، جانو بے خوری سے بدمست ہو رہے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ معاملہ کس ذاتِ اقدس کا ہے۔ کچھ کہنا ہو تو ہوش سے کہو۔ تعریف کرنی ہو تو اس انداز سے کریں جو شریعت و شرافت کے دائرہ کے اندر اندر اور حقیقت کے مطابق ہو۔

○ خالقِ کائنات سے بڑھ کر حضرت نبی کریم ﷺ کی تعریف کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہی تعریف کرنی چاہیے جو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے۔ اور مبالغہ سے کام نہیں لینا چاہیے۔

○ اسی لیے حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ ابن مریم۔ یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تعریف میں نصاریٰ نے مبالغات سے کام لیتے ہوئے کہاں سے کہاں تک ان کو پہنچا دیا۔ اے میری امت! تم ان نصاریٰ کی طرح میری تعریف میں ایسی مبالغہ آمیز باتیں نہ کرنا۔

○ اس کے بعد مزید وضاحت کے لیے ارشاد فرمایا: وانما انا عبداللہ ورسولہ۔ کہ اتنا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

○ یہی وجہ ہے کہ ہر نماز کی دو رکعتوں کے بعد اور آخری رکعت کے بعد تشہد پڑھنے کو

فرض عملی (واجب) قرار دیا گیا ہے۔ اور اس میں اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ بھی سب پڑھتے ہیں۔ اور جو نہ پڑھے اس کی نماز ادھوری ہوتی ہے۔

○ اسی طرح دوسرے کلمہ میں بھی اسی کا اقرار کیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ میں دل کی گہرائی سے گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور یہ الفاظ نعت رسول کے لیے بہت ہی اعلیٰ و ارفع مقام رکھتے ہیں۔ عبودیت و رسالت سے اونچی صفت و نعتِ رسول اور کوئی نہیں ہے۔

○ اور وہ کیسا مسلمان ہے جو ان کلموں میں حضرت نبی کریم ﷺ کی تعریف نہیں سمجھتا اور اس کا دل اتنے پر مطمئن نہیں ہوتا اور آپ ﷺ کے حق میں اپنے پاس سے ایسی باتیں کرتا ہے اور ایسے ایسے اوصاف بیان کرتا ہے جو آپ ﷺ میں پائے ہی نہیں جاتے' یا یوں کہیے کہ وہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں۔ مثلاً:

○ عالم الغیب ہونا' مختارِ کل ہونا' حاجت روا و مشکل کشا ہونا' حی و قیوم ہونا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نور من نور اللہ ہیں' آپ رزق تقسیم فرماتے ہیں' آپ کو اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی چیز کو حرام یا حرام کردہ چیز کو حلال قرار دیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ سب اوصاف حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں بیان کرنا نصوصِ قطعیہ قرآنیہ کے خلاف ہیں اور نرا جھوٹ ہیں۔

○ پھر اس جھوٹ کو سچ سمجھنا اور اس کو عوام کے سامنے بیان کرنا اور اسے کارِ ثواب سمجھنا کئی کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے' جن میں سے شرک سرِ فہرست ہے۔

○ اہلِ عرب کا محاورہ ہے: من مدحك بما ليس فيك و هو راض عنك كمن ذمك بما ليس فيك و هو ساخط عليك. یعنی جو شخص تجھ سے خوش ہو کر تیری تعریف میں ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جو تجھ میں نہ ہوں تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی ناراض ہو کر تیری ایسی برائی کرے جو تجھ میں نہ ہو۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ایسی "تعریف" دراصل تعریف نہیں بلکہ مذمت ہے۔ جبکہ کسی پیغمبر کی مذمت بیان کرنے سے انسان مسلمان نہیں رہتا۔ اعاذنا اللہ من ھفوات الناس۔

دلیل مجوزین ۶ :

○ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے رہے تھے اور انھوں نے جب کلمہ : أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ پکارا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: اے عُمَر! تو نے یہ کیا کیا؟ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اذان میں سنا اور محبت کے غلبہ کی وجہ سے اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوما اور ان کو اپنی آنکھوں سے لگایا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص حضرت عمرؓ کی طرح کرے گا تحقیق میں اس کو قیامت کے دن صفوں میں سے تلاش کر کے جنت میں لے جاؤں گا۔

جواب یہ بھی حدیث نہیں ہے۔ اور پھر عقل کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ عقلی طور پر تو اس چیز کو چومنا چاہیے جو محبت یا انوار کا منبع ہو' جیسا کہ حجرِاسود اور رکن یمانی کو چومتے ہیں اور یہ دونوں انوارِ الٰہیہ کا منبع اور مظہر ہیں۔ اسی طرح اس جگہ اگر بوسہ کا حکم ہوتا تو اس چیز کو بوسہ دینے کا حکم ہوتا جہاں سے اس معصوم اور پاک ہستی کا مبارک نام ظاہر ہو رہا ہے۔ لیکن سامع کا اپنے انگوٹھے چومنا تو بالکل بے محل معلوم ہوتا ہے۔

○ نیز یہ فرمانِ نبیؐ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسی محبِ رسولؐ ہستی نے اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے پر اپنے انگوٹھوں کو کبھی نہیں چوما اور نہ ہی کسی اور صحابیؓ نے یہ عمل کیا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو تمام صحابہ کرامؓ میں یہ عمل مشہور ہوتا اور تمام صحابہؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومتے۔ مگر اس عمل کا تذکرہ کوئی ایک صحابیؓ بھی نہیں کرتا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کیا ان کو جنت میں جانے کی خواہش نہیں تھی۔ اور اگر یہ کام تمام صحابہؓ کرتے تھے تو محدثین اور ائمۂ مجتہدینؒ اس کو کم از کم مستحبات میں ہی شمار کرتے۔ آخر اتنے اعلیٰ اور مفید کام سے بے اعتنائی برتنے کی کیا وجہ ہے۔

○ نیز امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے انگوٹھے چومنے کی جو وجہ اس موضوع اور من گھڑت حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ محبت کا غلبہ ہے۔ اور جب غلبۂ محبت علّت ہے تو پھر اذان کی تخصیص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ :

قاعدہ ہے : متی وجد العلة وجد المعلول کہ جونہی علّت پائی جائے تو ساتھ ہی معلول بھی پایا جاتا ہے، جیسا کہ جونہی سورج طلوع ہوتا ہے ساتھ ہی دن ہو جاتا ہے۔

○ اور اگر انگوٹھے چومنے کی علّت غلبۂ محبت ہے تو پھر اذان کی تخصیص بے معنی ہے۔ جبکہ اس موضوع حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی تخصیص فرمائی تھی۔ پھر مطلق فرمان نبی کو اپنی طرف سے قیدیں لگا کر مقید کرنا کسی اصول کے تحت جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اہل السنت و الجماعت حنفیہ کا :

اصول ہے کہ مطلق کو مقید کرنا اس حکم کو منسوخ سمجھنے کے مترادف ہے۔ اور وحی کا سلسلہ بند ہو چکے یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کا حکم منسوخ کرنے کا حق حاصل نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ جو لوگ انگوٹھے چومنے کو جائز کہتے ہیں وہ بھی اس "مبارک حکم" کو اذان کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ چنانچہ :

○ جب ایک موقع پر امام بریلویت احمد رضا خان بریلوی سے قرآن مجید کی ان پانچ آیتوں کے بارے میں پوچھا گیا جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آتا ہے کہ ان آیات کو سن کر انگوٹھے چومنے چاہئیں یا نہ؟ تو امام بریلویت نے جواب دیا کہ : "پنج آیت" کے وقت اس فعل (یعنی انگوٹھے چومنے) کا ذکر کسی کتاب میں نہ دیکھا گیا اور فقیر (احمد رضا خان بریلوی) کے نزدیک یہاں بربنائے مذہب ارجح واصح غالباً ترک زیادہ انسب و الیق ہونا چاہیے۔ (ابر المقال صفحہ ۱۲)

○ اب قارئین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اصولاً کس کا قول صحیح ہے؟ اور امام بریلویت احمد رضا خان بریلوی کا "پنج آیت" کے وقت انگوٹھے چومنے کے فعل کو ترک کرنے کو انسب کہنا اور مذہب ارجح واصح کہنا کس اصول پر مبنی ہے، جبکہ حنفیہ کے اصول تو اس سے آبی و انکاری ہیں۔

○ نیز یہ بھی دیکھیں کہ "پنج آیت" کی تلاوت کے وقت حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کے فعل کو ترک کرنے کے بارے میں احسن البیان کہہ کر امام بریلویت احمد رضا خان نے مسلک جمہور کے مطابق شان رسالت میں کس قدر گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "امام بریلویت" کو حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات پاک کی محبت کے غلبہ کا دعویٰ محض زبانی تھا۔ اور دل میں محبت نہ تھی، ورنہ اپنے مسلک کے خلاف ایسا لفظ کبھی استعمال نہ کرتے۔

○ بہرحال یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے خلاف بھی ہے اور خلاف اصول بھی۔ لہٰذا یہ موضوع روایت مردود اور ناقابل عمل ہے۔

دلیل مجوزین ۷:

○ فردوس دیلمی میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو ایسا کرے اس کی شفاعت میرے ذمہ ہے۔

جواب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عجالہ نافعہ صفحہ ۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ فردوس دیلمی طبقہ رابعہ کی کتاب ہے، جس کی حدیثوں پر عمل کرنا، اعتماد کرنا، ان سے عقیدہ یا عمل ثابت کرنا جائز نہیں۔ نیز فرمایا کہ یہ کتاب تودۂ موضوعات ہے۔

○ نیز اگر یہ عمل حضرت نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا موجب ہوتا تو اس اہم امر کو دوسرے محدثین بھی ضرور بیان کرتے۔

دلیل مجوزین ۸:

○ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی حضور ﷺ کا نام سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے چومتے اور آنکھوں پر مسح فرماتے اور یہ الفاظ فرماتے: رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا۔

جواب اس حدیث کی نہ سند بیان نہیں کی جاتی اور نہ کوئی حوالہ پیش کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ حدیث بھی قاعدہ ۱ کی رو سے مردود اور ناقابل عمل ہے۔

دلیل مجوزین ۹ :

○ فتوح الاوراد میں ملا فتح محمد محدث لکھتے ہیں کہ : "اذان سننے والا بوقت شہادت ثانیہ اپنی دونوں انگشت شہادت کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایسا ہی معمول تھا"۔

جواب فتوح الاوراد نامی کتاب ایک تو غیر مشہور ہے اور دوسرے یہ کہ یہ کتاب اوراد و وظائف کی کتاب ہے۔ اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے :

فائدہ بیان فرمایا ہے : "لا یجوز الافتاء من التصانیف الغیر المشہورۃ" کہ غیر مشہور کتابوں سے مواد لے کر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔ (مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۱) نیز :

فائدہ ہے : کونہم من اصحب الاوراد و الوظائف او من ارباب تصفیۃ الطائف لایجوز الافتاء کہ صوفیاء کا درود و وظائف کا اہل ہونا اور لطائف کی صفائی کا مالک ہونا، اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ ان کے عمل پر فتویٰ دینا بھی جائز ہے۔ (رسائل خمسہ صفحہ ۲۷)

○ نیز اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا عام معمول رہا ہے۔ تو اگر واقعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عام معمول یہ عمل ہوتا تو ان کے شاگردوں اور رفقاء و احباب کو تو معلوم ہوتا اور پھر وہ لے سے بیان کرتے اور مشہور کرتے یہاں تک کہ ان کا یہ معمول محدثین تک پہنچتا اور وہ لے سے اپنی حدیث کی کتابوں میں نقل فرماتے۔ حالانکہ اس کے برعکس حدیث کی معتبر کتب میں سرے سے اس حدیث کا نشان تک کہیں نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خیر القرون و محقق محدثینؒ کے بعد ہی کسی شریر شخص نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرف یہ بات ناحق منسوب کی ہے۔

○ نیز امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا دار الخلافہ کوفہ تھا۔ اور صاحب مناقب اعظم کے بقول کوفہ چار ہزار صحابہؓ کا مسکن تھا، جن کا علم اکناف عالم میں پھیلا۔ اور

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ علم پہنچا۔ اب اگر امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا معمول یہ عمل ہوتا تو ان چار ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کم از کم تین چار صحابہؓ کو تو اس کا ضرور علم ہوتا؟ اور ان کے واسطہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو اور امام صاحبؒ کے واسطہ سے امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسن بن زیادؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ اور امام صاحبؒ کے دیگر ہزاروں شاگردوں کو اس عمل کا علم ضرور ہوتا۔

○ لیکن اس کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان علماء نے اس مسئلہ کی بُو تک نہیں سونگھی، اور نہ امام محمدؒ نے اپنی کتب میں کہیں اس مسئلہ کا تذکرہ کیا۔ نہ ظاہر الروایۃ والی کتب جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط اور زیادات میں، اور نہ غیر ظاہر الروایۃ والی کتب کتاب الآثار، موطا امام محمدؒ، ہارونیات، کیسانیات، کتاب الحج وغیرہ میں ہے۔ اور نہ اس مسئلہ کا تذکرہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دیگر متعدد شاگردوں میں سے کسی نے کیا۔

○ علاوہ ازیں حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی نے اپنی کتاب میں اس عمل کا ذکر نہیں فرمایا۔

○ اسی طرح فقہ حنفی کی کسی مشہور متداول کتاب، مثلاً: مختصر طحاوی، مختصر قدوری، کنز، شرح وقایہ، ھدایہ، البحر الرائق، سراجیہ، فتاویٰ قاضی خان، خلاصۃ الفتاویٰ، النہر الفائق، ملتقی، عینی اور زیلعی وغیرہ میں اس عمل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

○ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کا اگر واقعی یہ عمل ہوتا تو ان ہستیوں پر یہ عمل کس طرح مخفی رہا۔ اور یا پھر یوں کہو کہ نعوذ باللہ ان حضرات نے جان بوجھ کر اس اہم مسئلہ کو چھپائے رکھا۔

○ بہر حال فتوح الاوراد نامی کتاب میں مذکور یہ عمل اصولی اعتبار سے مردود و ناقابلِ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فعل سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

دلیل مجوزین ۱۸ :

○ ① درِّ مختار، ② شامی، ③ قہستانی، ④ کنز العباد، ⑤ صلوٰۃ مسعودی، ⑥ مفتاح السعادت، ⑦ فتاویٰ مولانا جمال الدین بن عبداللہ بن عمر، ⑧ جامع الرموز، ⑨ موجبات الرحمۃ للشیخ احمد الرداد، ⑩ طحطاوی شرح مراقی الفلاح۔

ان دس کتب میں یہ انگوٹھے چومنے والا مسئلہ درج ہے۔ اور یہ سب فقہ حنفی کی کتابیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حنفیہ کی دوسری کتب اس مسئلہ پر خاموش ہیں، بہرحال یہ مسئلہ ثابت اور صحیح ہے۔

جواب سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ درِ مختار میں سرے سے یہ مسئلہ مذکور ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ شامی نے اگر یہ مسئلہ لکھا بھی ہے تو کنز العباد اور قہستانی کے حوالے سے لکھا ہے۔ لیکن کسی کی عبارت نقل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کا اپنا مسلک بھی یہی ہے۔ اور نہ ہی کسی کی عبارت نقل کرنے کے بعد اس کا جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔ تاہم اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ اس کا رد بھی کردیا ہے:

لم یصح فی المرفوع من هذا شیٔ کہ کسی صحیح مرفوع حدیث سے یہ عمل ثابت نہیں ہے۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس امر کے قائل ہیں کہ یہ مسئلہ حضرت نبی کریم ﷺ سے بالکل ثابت نہیں ہے۔ اور جو امر حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہی نہ ہو تو اسے کسی طرح بھی بلا کراہت جائز نہیں کہا جاسکتا۔

○ نیز شامی کی نقل کردہ یہ عبارت جواب کے بغیر نقل کرکے عوام کو دھوکا دینا ایک بہت بڑی علمی خیانت اور حرام ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیے۔

○ نیز اس مسئلہ کے جواز میں جن دیگر کتب کا حوالہ دیا جاتا ہے، ان میں سے اکثر غیر معروف، غیر متداول اور غیر معتبر ہیں۔ اور ایسی کتابوں سے اخذ کرکے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے باب میں قانون ۱۲ کے تحت گزر چکا ہے۔

○ نیز حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ النافع الکبیر صفحہ ۱۳ میں غیر معتبر کتب کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں : وکذا کنز العباد فانه مملوء من المسائل الواهية و الاحاديث الموضوعة لاعبرة له لا عند الفقهاء و لا عند المحدثين قال علی القاری فی طبقات الحنفية. علی بن احمد الغوری له کتاب جمع فيه مکروهات المذهب سماه مفيد المستفيد وله کنز العباد فی شرح الاوراد. قال العلامة جمال الدين المرشدی فيه احاديث سمجة موضوعة لايحل سماعها. اه.

○ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علی بن احمد غوری کی کتاب "مفید المستفید" اور اوراد کی شرح میں ان کی کتاب "کنز العباد" یہ دونوں کتابیں بودے اور کمزور مسائل اور مذہب میں ناپسند امور اور موضوع حدیثوں کا مجموعہ ہیں جن پر عمل کرنا تو رہا درکنار ان کا تو محض سننا بھی حلال نہیں۔ (یعنی حرام ہے)

○ نیز حضرت علامہ لکھنوی نے قہستانی صاحب کے متعلق بھی اپنی تحقیق النافع الکبیر صفحہ ۱۱ میں اس طرح بیان فرمائی ہے : والمولی شمس الدين محمد الخراسانی القهستانی نزيل بخارا و مرجع الفتوی بها. . . . لم يكن من تلامذة شيخ الاسلام الهروی لا من اعاليهم و لا من اداينهم و انما كان دلال الكتب فی زمانه و لا كان يعرف الفقه و لا غيره من اقرانه و يؤيده انه يجمع فی شرحه هذا (ای شرح النقايه) بين الغث و السمين و الصحيح من غير تصحيح و لا تدقيق فهو كحاطب الليل جامع بين الرطب و اليابس. یعنی قہستانی صاحب حضرت شیخ الاسلام ہروی کے شاگرد نہیں ہیں، البتہ ان کے دور میں یہ ایک کتب فروش تھے، فقہ کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی کتاب "شرح نقایہ" ہمارے اس دعویٰ کو مضبوط کرتی ہے، جس میں رطب ویابس اور صحیح وضعیف سبھی کچھ جمع ہے، جیسا کہ رات کے وقت لکڑیاں چنیں تو اس میں گیلی اور سوکھی کا امتیاز نہیں ہو سکتا۔

○ اور یہی حال صلوٰۃ مسعودی کا ہے، جس میں مصنف نے "روی عن النبیؐ" کے الفاظ کے ساتھ اس بات کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں دیکھیے باب اول میں قانون ۱۹۔ نیز صاحب صلوٰۃ مسعودی نے بھی یہ مسئلہ کنز العباد اور قہستانی سے ہی نقل کیا ہے، جن کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

○ اسی طرح طحطاوی نے بھی یہ مسئلہ انہی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اور مفتاح السعادت کا منبع اور ماخذ یہی غیر معتبر کتابیں ہیں۔ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

○ اسی طرح مولانا جمال الدین بھی کوئی غیر مشہور عالم ہیں اور ان کا فتاویٰ بھی نہ تو مشہور ہے نہ متداول اور نہ ہی داخل درس ہے۔ لہٰذا یہ بھی غیر معتبر ہوا، کیونکہ ایسی غیر مشہور اور غیر متداول کتب میں صحیح، ضعیف اور رطب و یابس سب کچھ شامل ہو جاتا ہے، خصوصاً جبکہ ان کے اصل ماخذ سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہو کہ اس کتاب کی یہ بات خلاف واقعہ ہے، تو پھر اس پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

○ نیز "جامع الرموز" نامی کتاب بھی قہستانی اور کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ کی طرح غیر معتبر ہے اور ایسی کتابوں کے متعلق النافع الکبیر صفحہ ۱۳ میں:

قانون ہے: لا یجوز العمل بما فیہا الا اذا علم موافقتہا للاصول۔ کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اصل ماخذ کے ساتھ اس کی موافقت ہے یا نہیں اس وقت تک اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ یعنی ان کے اندر جو مسائل ہیں ان پر صرف اسی صورت میں عمل کیا جا سکتا ہے جب کتب اصول کے ساتھ ان کی موافقت ہو، اور چونکہ یہ شرط اس میں نہیں پائی جاتی اس لیے اس کا یہ مسئلہ ناقابل عمل ہوا۔

○ رہی شیخ احمد رزاد کی کتاب "موجبات الرحمت"۔ سو وہ "اوراد" کی کتاب، ایسی کتابوں کے متعلق ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ کتابیں غیر معتبر اور ناقابل عمل ہیں۔ دیکھیے جواب دلیل مجوزین ۹۔

دلیل مجوزین ۱۱ :

○ شیخ زادہؒ نے "شرح وقایہ" میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ یہ فعل سنت ہے۔ اور خلفاء عظام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا' بوقت کلمۂ شہادت کے انگوٹھوں کو بوسہ دے کر یہ کہنا چاہیے : اللھم احفظ علینی نورھما۔

جواب "شرح وقایہ" نامی فقہ کی مشہور کتاب کے مصنف شیخ عبیداللہ بن مسعودؒ ہیں' یہ کتاب شیخ زادہؒ کی ہے ہی نہیں۔ البتہ شیخ زادہؒ کی مشہور کتاب تو "بیضاوی شریف" کی شرح ہے۔ لیکن اس میں یہ مسئلہ کہیں نہیں۔ اسی طرح مشہور متداول کتاب "شرح وقایہ" میں بھی اس مسئلہ کا کہیں ذکر نہیں' البتہ حضرت شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الرومی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جہاں دیگر متعدد کتب کی شروح لکھی ہیں وہاں کتاب "الوقایہ" کی شرح بھی لکھی ہے۔ لیکن یہ کتاب چونکہ غیر متداول ہے اس لیے غیر معتبر اور ناقابلِ عمل ہے۔

دلیل مجوزین ۱۲ :

○ مقاصدِ حسنہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت خضر علیہ السلام سے بھی اس سلسلہ میں روایت منقول ہے۔

جواب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے منسوب کردہ یہ روایت حضرت امام سخاویؒ نے مقاصدِ حسنہ صفحہ ۳۸۴ پر مندرجہ ذیل سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے :

سند عن الفقیہ محمد بن سعید الخولانی عن ابی الحسن علی بن محمد بن حدید الحسینی عن زاھد الہلالی عن الحسن۔

○ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ روایت بیان کرنے والے راوی کون ہیں جن کے نام امام سخاویؒ نے تحریر فرمائے ہیں۔ لہٰذا ہم نے ان تمام راویوں کا حال معلوم کرنے کیلئے اصول کے مطابق اسماء الرجال کی معتبر اور متداول کتابیں دیکھیں' لیکن ہمیں کہیں بھی ان راویوں کا تذکرہ نہیں مل سکا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی گمنام یا فرضی راوی ہیں' جن کے نام نامعلوم کس وجہ سے امام سخاویؒ نے مقاصدِ حسنہ میں تحریر

فرمادیے۔ باوجود اس کے آخر میں خود امام سخاویؒ نے اس امر کا برملا اعتراف کیا ہے کہ مذکورہ روایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس وضاحت کے بعد مقاصد حسنہ کے حوالے سے اس روایت کا بیان کرنا اصولاً غلط بات ہے۔

○ نیز حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اس بارہ میں کوئی ایک روایت بھی ثابت ہوتی تو عام محدثین کرامؒ اپنی مؤلفہ کتب حدیث میں اس روایت کو ضرور تحریر فرماتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس "فضیلت" والے کام کو وہ اپنا معمول بھی ضرور بنالیتے۔ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ مجتہدینؒ میں سے بھی کم از کم کوئی ایک امام مجتہد تو ضرور اس "کارِ خیر" کو اپنے معمولات میں شامل کرتا" خواہ دوسرے ائمہ مجتہدینؒ اس سے اختلاف ہی کیوں نہ کرتے، جیسا کہ دیگر کئی مسائل میں ائمہ مجتہدینؒ کا آپس میں اختلاف رہا ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بقول مؤلف مقاصد حسنہ حضرت امام سخاویؒ یہ روایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ثابت ہی نہیں ہے تو کوئی امام مجتہد اس کا قائل کس طرح ہوتا۔

○ اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کی طرف منسوب روایات کے متعلق یہ:

قانون یاد رکھنا چاہیے: اوردہ الشیخ احمد الرداد فی کتابہ موجبات الرحمۃ بسند فیہ مجاھیل مع انقطاعہ عن الخضر علیہ السلام وکل مایروی فی ھذا فلا یصح رفعہ البتۃ۔ کہ جس شخص سے بھی حضرت خضر کی روایت ثابت ہے، ایک تو اس میں راوی مجہول ہیں، دوسرے یہ کہ وہ منقطع ہیں۔ اور:

قاعدہ ہے کہ: جس حدیث کے راوی مجہول ہوں وہ مقبول نہیں ہوتی۔ نیز:

قاعدہ ہے کہ: جس روایت کی سند منقطع ہو وہ بھی مقبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ جس راوی کا نام درمیان سے چھوٹا ہوا ہے وہ عادل شخص تھا یا کوئی فاسق شخص تھا۔ (دیکھیے اقسام حدیث)

○ پھر اسی مقاصد حسنہ میں حضرت امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک روایت بغیر سند کے نقل کی گئی ہے، یہ بھی حجت نہیں ہے۔

○ نیز صاحب مقاصد حسنہ حضرت امام سخاویؒ نے دلیل میں طاؤسی کا قول نقل کیا' اور فرمایا کہ اس نے یہ روایت شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری خواجہ سے سُنی ہے۔ لیکن یہ دونوں ہی نامعلوم اور مجہول آدمی ہیں۔

○ پھر لکھتے ہیں کہ فقیہ محمد بن بابا سے ایک ایسا آدمی روایت کرتا ہے جس کو میں نہیں جانتا کہ وہ کون شخص ہے۔

○ اب دیکھیے کہ ایک تو یہ راوی مجہول الاسم ہے' اور دوسرے خود فقیہ محمد بن بابا بھی مجہول ہے۔ البتہ اگر یہ شخص حسن بن محمد بن بابا ہوتا تو یہ ضرور جانی پہچانی شخصیت ہے۔ کیونکہ :

○ حسن بن محمد بن بابا کا نام شیعہ اسماء الرجال کی مشہور کتاب "رجال کشی" میں شیعہ راوی کی حیثیت سے موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محمد بن بابا اسی مشہور شیعہ راوی کا باپ ہو۔ لیکن اس کے باوجود خود محمد بن بابا کا حال شیعہ کی کتب اسماء الرجال سے بھی نہیں مل سکا۔ جس سے معلوم ہو کہ یہ شخص کون تھا۔ کہاں کا رہنے والا تھا۔ اور اس کا تعلق کس مذہب سے تھا۔ بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے کہ یہ بھی کوئی شیعہ ہی ہے۔ واللہ اعلم

○ نیز حضرت امام سخاویؒ نے حضرت خضرؑ کی مذکورہ روایت محمد بن صالح مدنی کے حوالے سے بھی نقل کی ہے۔ جو فقیہ محمد بن زرندی سے روایت کرتے ہیں۔ اور فقیہ محمد بن زرندی کسی معین استاذ سے نہیں بلکہ عراق یا عجم کے بعض مجہول الاسم شیوخ سے روایت کرتے ہیں۔

○ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ محمد بن صالح مدنی کون ہیں؟

○ ایک محمد بن صالح مدنی تو مشہور و معروف محدث ہو گزرے ہیں۔ اگر یہ وہی محدث ہیں تو ان کے اساتذہ میں سے کسی کا نام محمد بن زرندی نہیں ہے' بلکہ محمد بن زرندی نام کسی محدث کا ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اسماء الرجال کی کسی کتاب میں محمد بن زرندی کا نام نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی محمد بن زرندی نام کا غیر معروف

آدمی ہو بھی تو پھر ہو سکتا ہے کہ کوئی محمد بن صالح مدنی نام کا اس کا شاگرد بھی ہو جس نے حضرت خضرؑ سے منسوب یہ روایت بیان کی ہو۔ بہرحال یہ محمد بن صالح مدنی وہ نہیں ہیں جو مشہور محدث ہو گزرے ہیں۔

○ اب غور فرمائیے کہ حضرت خضرؑ سے منسوب انگوٹھے چومنے کی یہ روایت اس غیر مشہور بلکہ فرضی راوی محمد بن صالح مدنی کے حوالے سے منقول ہے جسے محمد بن زرندی کا شاگرد بتایا جاتا ہے۔ جبکہ محمد بن زرندی نام کا کوئی محدث پیدا ہی نہیں ہوا، یعنی یہ بھی ایک فرضی نام ہے اور پھر اس فرضی محدث کے بارے میں یہ لکھا جاتا ہے کہ اس نے حضرت خضرؑ کی بیان کردہ مذکورہ حدیث بعض شیوخ سے سنی ہے۔ یعنی اس نے عراق یا عجم کے بعض شیوخ سے تحصیل علم کے بعد محمد بن صالح مدنی کو یہ علم منتقل کیا۔

○ اب یہ بات کون بتا سکتا ہے کہ یہ بعض شیوخ کون تھے، کیسے تھے اور کس مسلک کے مبلغ یا پیشہ ور کار تھے۔ ان کا نام کیا تھا۔ کس خاندان کے تھے۔ کس علاقے میں تھے۔ یا یہ لوگ کس عہد میں ہوئے ہیں۔ گویا اس روایت میں اوّل سے آخر تک سب کے سب راوی فرضی ہیں، اس لیے یہ روایت بھی کسی اصول کے تحت قابل عمل نہیں ہو سکتی۔ اب :

سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر یہ تمام روایات مردود و غیر مقبول ہیں تو حضرت امام سخاویؒ نے ان روایات کو بیان ہی کیوں فرمایا ہے؟۔ سو اس کا :

جواب یہ ہے کہ حضرت امام سخاویؒ نے عوام میں مشہور ان روایات کو بیان کرنے کے بعد ان کی تردید بھی فرمائی ہے۔ اور یہی حضرت امام سخاویؒ کا مقصد تھا۔ چنانچہ :

○ اس قسم کی تمام گھڑنتو روایات بیان کر چکنے کے بعد "سو سنار کی، ایک لوہار کی" کے مصداق مقاصد حسنہ صفحہ ۳۸۵ پر فرماتے ہیں : "ان ھذا الحدیث لم یصح فی المرفوع من الحدیث" کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے تو یہ حدیث ثابت ہے ہی نہیں۔ یعنی یہ روایت من گھڑت اور ناقابل عمل ہے۔

○ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ حضرت امام سخاویؒ نے مقاصدِ حسنہ میں مشہورِ عام اس من گھڑت حدیث کو جن کتب سے اخذ کر کے تحریر فرمایا ہے وہ تمام کتابیں غیر معروف اور غیر متداول ہیں۔ اور اس قسم کی غیر معروف و غیر متداول کتابوں کے بارے میں علماءِ کرام کا متفقہ

فائدہ: ہے: نقل الاحادیث النبویۃ و المسائل الفقھیۃ و التفاسیر القرآنیۃ لایجوز الا من الکتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علی غیرھا من وضع الزنادقۃ و الحاق الملاحدۃ بخلاف الکتب المحفوظۃ۔

کہ عام دستیاب ہونے والی اور عام طور پر پڑھی پڑھائی جانے والی متداول کتابوں کے علاوہ دوسری ایسی کتابوں سے جو علماء کے مطالعہ میں نہ رہتی ہوں احادیثِ نبویہ، مسائلِ فقہیہ اور تفسیرِ آیاتِ قرآنیہ کا نقل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (رسائلِ خمسہ و مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۰)

○ چہ جائیکہ اس پر عمل کیا جائے، یا عام لوگوں میں اس کی تشہیر کر کے اس پر عمل کرنے کے لیے زور دیا جائے۔ اور اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو اس کی توہین کی جائے اور اسے سنت کا تارک کہا جائے۔ کیونکہ ایسی کتابوں پر کچھ اعتماد نہیں۔ ممکن ہے کہ کسی بے دین اور ملحد نے اپنی طرف سے حدیث گھڑ کے اس میں لکھ دی ہو۔ یا کسی ملحد نے اپنی مرضی سے کوئی فقہی مسئلہ یا قرآن پاک کی کسی آیت کی تفسیر اپنی طرف سے لکھ کر اس میں شامل کر دی ہو۔ البتہ:

○ محفوظ کتب میں جو اکثر و بیشتر علماءِ کرام کے مطالعہ میں رہتی ہیں وہ بے دین لوگوں کی دست اندازی سے اکثر محفوظ رہتی ہیں۔ اور ملحدین عام طور پر ان کتب میں اپنی من مانی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

○ پس انگوٹھے چومنے کا یہ مسئلہ بھی چونکہ غیر معروف اور غیر متداول کتابوں سے ہی ماخوذ ہے، نیز اس بارے میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ بھی غیر مشہور و غیر متداول کتابوں سے ہی اخذ کر کے نقل کی جاتی ہیں، اس لیے مندرجہ بالا قانون

کی رو سے ان کا نقل کرنا، ان پر عمل کرنا، عوام میں اس مسئلہ کی تشہیر کرنا، لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا، اس موضوع پر رسالے اور اشتہار چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرنا اور اس ناجائز عمل سے منع کرنے والے علماءِ حق پر گستاخِ رسولﷺ ہونے کے فتوے لگانا، اور ان علماءِ کرام کو توہین آمیز القاب سے یاد کرنا یہ سب ناجائز کام ہیں۔

باند از دیگر:

○ باب دوم میں ہم نے حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک اذان واقامۃ میں سُن کر اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے چومنے کے جواز کے قائلین کی وہ باتیں لکھی ہیں جن کو وہ لوگ اپنے خیال میں دلیل سمجھتے ہیں اور پھر یہی باتیں عوام کے نارسا ذہنوں میں بٹھانے کی بے جا سعی و کوشش کرتے ہیں۔ ہم نے ان کی انہی باتوں کو "__دلائل مجوزین__" کے عنوان سے لکھ کر ان کا جواب دیا ہے۔ جسے پڑھ کر ان شاء اللہ تعالیٰ غیر متعصب عوام کے ذہن تو صاف ہوسکتے ہیں، لیکن جو کوئی تعصب کی عینک لگا کر پڑھے گا اس کے لیے یہ کچھ مفید نہیں ہوگا۔

○ بہر حال مجوزین تقبیلِ ابہامین کے بقول ان کا یہ دعویٰ کہ "__حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک اذان واقامت میں سُن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر لگائیں__"۔ چار طرح کے دلائل پر مبنی ہے:

① __احادیث مرفوعہ، موقوفہ و مقطوعہ۔__

② __فقہی کتابوں کے بعض اقتباسات۔__

③ __اوراد و وظائف کی کتب کے اقتباسات۔__

④ __مشائخ عظام میں سے کسی کا معمول۔__

○ اب دیکھتے ہیں کہ مجوزین کے ان دلائل کی حقیقت کیا ہے۔ ہم پہلے تفصیل کے ساتھ اس سلسلے میں اپنا موقف واضح کر چکے ہیں، البتہ بطورِ خلاصہ ان چاروں اقسام کے دلائل کی حقیقت و اصلیت مزید وضاحت کے لیے اس مقام پر لکھی جاتی ہے:

1 پہلی قسم کے دلائل کے بارے میں حقیقت تو یہ ہے کہ احادیث مرفوعہ موقوفہ اور مقطوعہ میں سے کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو میزانِ اسناد پر بھی پوری اترتی ہو اور میزانِ عقل پر بھی' جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اذان و اقامت کے دوران حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرنا چاہیے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ باتیں جن کو حدیث کا نام دے کر تشہیر کی جاتی ہے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی زور دار انداز میں ترغیب دی جاتی ہے اور منع کرنے والے علماءِ حق کو انھی روایات کی وجہ سے گستاخِ رسول کہا جاتا ہے وہ روایات سند کے اعتبار سے بھی مردود ہیں اور عقلاً بھی مسترد ہیں۔

⊙ یہی وجہ ہے کہ جس دور میں یہ روایت گھڑی گئی ہے اس دور کے محدثین عظام نے اس روایت کا کماحقہٗ رد فرمایا ہے۔ چنانچہ:

① مشہور محدث حضرت ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو موضوع' بناوٹی اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

② مشہور محدث حضرت خطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس روایت کو مختلق یعنی من گھڑت اور بناوٹی قرار دیا ہے۔

③ حضرت محدث ابواسحاق کابلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ تو وہ گھڑ نتوبات ہے جو کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں۔

④ صاحب مجمع الغرر نے فرمایا کہ: اس گھڑتل بات کا اصل کسی ضعیف روایت سے بھی نہیں ملتا۔

⑤ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے صحیح و ضعیف حدیث کے امتیاز میں تساہل محدث' جو کئی جگہ موضوع اور من گھڑت روایت کو بھی حدیث صحیح یا حسن کہہ دیتے ہیں' انھوں نے بھی اس گھڑ نتوبات کے بارے میں کھل کر فیصلہ فرمادیا ہے کہ: اس بارے میں جس قدر بھی روایات بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔

○ اب ان اجلہ علماءِ کرام و محدثین عظام کی تصریح اور وضاحت کے بعد یہ تو صاف معلوم ہو گیا کہ جن علماءِ کرام نے اس من گھڑت روایت کے بارے میں لا یصح یعنی "یہ صحیح نہیں" کا لفظ تحریر فرمایا ہے، ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ احادیث صحیح نہیں، بلکہ من گھڑت اور موضوع ہیں، ان کا کوئی ثبوت نہیں، نہ کسی صحیح سند کے ساتھ اور نہ کسی ضعیف سند کے ساتھ۔ معلوم ہوا کہ یہاں لا یصح کے معنی ہیں: لا یثبت یعنی اس کا کسی صحیح سند سے بھی ثبوت نہیں اور کسی ضعیف سند سے بھی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے۔ اور پہلے باب میں اصولِ حدیث کا قانون لکھا جا چکا ہے کہ: من گھڑت حدیث کو بیان کرنا بھی حرام ہے۔ اور اگر کوئی بیان کرتا بھی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس کا موضوع اور من گھڑت ہونا بھی اس کے ساتھ ہی بیان کر دے۔

○ نیز یہ روایت تو کئی وجہ سے عقلاً بھی مسترد ہے۔ کیونکہ:

① پہلی بات تو یہ ہے کہ واجب التعظیم تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نام مبارک ہے جو اذان اور اقامت کہنے والے کے منہ سے نکلا ہے اور سننے والے کے کانوں میں پہنچا ہے۔ اب اگر اس پاک ہستی کے اسمِ گرامی کی تعظیم کرنی ہی مقصود ہے تو پھر اس شخص کے منہ کو بوسہ دینا چاہیے جس کے منہ سے یہ نام مبارک نکلا۔ اور اگر یہ ناممکن ہو تو کم از کم ان کانوں کو چومنا چاہیے جنھوں نے یہ نام مبارک سنا ہے، کہ وہ کس شان کا منہ اور زبان ہے جس سے حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک نکلا ہے، یا وہ کس شان کا کان ہے جس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی سنا ہے۔

○ لیکن انگوٹھوں اور آنکھوں کا تو بولنے اور سننے کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں، اس لیے اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر خود اپنے انگوٹھوں کو چومنا اور پھر اپنی ہی آنکھوں پر پھیر لینا ایک لایعنی اور فضول سی حرکت ہے، جسے عقلِ سلیم رکھنے والا کوئی شخص بھی ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس عمل کو صرف اذان و اقامت کے ساتھ ہی کیوں مخصوص کیا جاتا ہے۔ نماز کے دوران بھی تو تشہد اور درود شریف میں کئی بار حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک لیا جاتا ہے تو اس مواقع پر اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرنے کی ترغیب کوئی نہیں دیتا، جبکہ خود حضرت نبی کریم ﷺ نے یا صحابہ کرامؓ نے یا تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی نے بھی دورانِ نماز تشہد اور درود شریف میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک پڑھتے وقت اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرنے سے ہرگز منع نہیں فرمایا، تو پھر کیا وجہ ہے کہ نماز کے دوران یہ عمل نہیں کیا جاتا۔

○ کیا اذان و اقامت کے علاوہ دیگر مقامات پر حضرت نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سُن کر یا پڑھ کر اس نام کی عظمت و علوِ شان کے اظہار میں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرنا منع ہے؟۔ اگر منع ہے تو پھر اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سُن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرنے کے قائلین کو چاہیے کہ وہ اذان و اقامت کے علاوہ دیگر مقامات پر انگوٹھے نہ چومنے کے بارے میں کوئی حدیث دکھائیں۔ ورنہ ہمارے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے:

○ حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سُن کر درود شریف پڑھیں اور اذان و اقامت میں وہی کلمات دہرائیں جو مؤذن کہتا ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اسی طرح ارشاد فرمایا ہے۔ اور چُوم کر پھیرنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ اس کی تعلیم حضرت نبی کریم ﷺ نے نہیں دی اور اس کا ثبوت کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے بھی نہیں ملتا۔ اور اس بارہ میں جو حدیثیں آتی ہیں وہ سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی سُن کر تو تعظیم و ادب اور عقیدت و محبت کے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا نام مبارک سُن کر عقیدت و محبت اور تعظیم و ادب کے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر نہیں پھیرتے۔ کیا حضرت نبی کریم ﷺ کے

نام مبارک کی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے نام سے بھی زیادہ تعظیم واحترام ہے۔

۲ دوسری قسم کے دلائل بعض فقہی کتابوں کے اقتباسات ہیں۔ ان کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ جن کتب سے اس بارے میں مجوزین تقبیل ابہام دلیل جواز پیش کرتے ہیں ان میں سے زیادہ تر تو غیر معتبر، غیر مشہور اور غیر متداول ہیں، جو مدرسین اور فتویٰ دینے والے علماءِ کرام کے مطالعہ میں نہیں رہتیں۔ اور پھر ان کتابوں میں بے دین، مخالفین اسلام اور ملحد لوگوں کی دسیسہ کاری اور اضافوں کا شدید احتمال ہوتا ہے۔ اس لیے ایسی کتابوں سے استدلال کرنا اور ان کتابوں سے مسئلہ اخذ کر کے فتویٰ دینا اور لوگوں کا اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ البتہ:

○ ایسی کتابیں جو مشہور بھی ہیں اور علماءِ کرام انھیں معتبر بھی سمجھتے ہیں، تو ان میں سے بھی بعض کتب تو ایسی ہیں جن کے مصنفین بے شک فقہ حنفیہ میں تو مہارت رکھتے ہیں، لیکن فن حدیث میں ان کو وہ مقام حاصل نہیں جو محدثین عظام کا ہوتا ہے، اس لیے ان کی بیان کردہ وہ حدیث جو اصولِ حدیث کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو تو وہ معتبر نہیں۔ البتہ جو فقہاء معتبر بھی ہیں اور حدیث کے فن میں بھی خوب مہارت رکھتے ہیں۔ جیسے سید ابن عابدینؒ، تو ایسے فقہاء ان احادیث کا ذکر فرما کر ساتھ ہی ان کا رد بھی تحریر فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ اسی مسئلہ کے بارے میں ردالمحتار (صفحہ ۲۹۳) دیکھی جاسکتی ہے۔

۳ تیسری قسم کے دلائل اوراد و وظائف کی کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں اس بات کا التزام بھی نہیں کیا جاتا کہ ان میں صحیح حدیثیں ہی بیان ہوں گی اور یہ کہ اس میں ضعیف حدیث یا کوئی موضوع روایت ہرگز بیان نہ کی جائیں گی۔ اس لیے:

① حضرت امام محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "احیاء العلوم"۔
② حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "غنیۃ الطالبین"۔
③ اور مشہور صوفی ابن عربی مالکی کی کتابیں
④ اور صاحب قوت القلوب ابو طالب مکی جیسے امام الصوفیہ کی کتابیں، تو

خاص طور پر موضوع اور من گھڑت روایات پر ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ میں اور صاحب اسنی المطالب نے صفحہ ۲۰۵ میں لکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرامؒ کی اوراد و وظائف کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں درج شدہ احادیث پر اہل تحقیق محدثین کرامؒ توجہ ہی نہیں فرماتے' اگرچہ ان کتابوں کے مصنفین فن تصوف کے امام اور اعلیٰ مرتبے کے اولیاء عظامؒ ہوں۔

۴ چوتھی قسم کے دلائل مشائخ عظامؒ و صوفیائے کرام کے معمولات پر مشتمل ہیں۔ سو ان کے یہ معمولات نہ فرض ہوتے ہیں' نہ واجب اور نہ ان کو سنت کہا جا سکتا ہے' نہ مستحب۔ اور یہ صوفیائے کرامؒ خود بھی اپنے ان معمولات کو فرض' واجب' سنت یا مستحب قرار نہیں دیتے۔ اور نہ ہی یہ صوفیائے کرامؒ اپنے معمولات پر عمل کرنے کے لیے زور دیتے ہیں' اور ان معمولات پر عمل نہ کرنے والوں کو برا بھلا بھی نہیں کہتے۔ اور یہ بات تو تمام اہل السنۃ و الجماعۃ کے یہاں متفق علیہ ہے کہ مشائخ کا معمول حجت نہیں ہو سکتا' جب تک دلائل شرعیہ سے ثابت نہ ہو۔ اور دلائل شرع کے صرف چار ہیں' اور وہ یہ ہیں:

① قرآن مجید' ② حدیث صحیح'

③ اجماع امت محمدیہ۔ یعنی جس رائے پر امت محمدیہ کے مجتہدین فقہاء کا اتفاق ہو جائے۔

④ مجتہد کا وہ قیاس جو قرآن و سنت اور اجماع امت سے مستنبط ہو۔

ان چار کے علاوہ اور کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی مشہور و متداول کتاب "اخبار الاخیار" صفحہ ۹۳ میں وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ: "مشرب پیر حجت نیست' دلیل از کتاب و سنت می باید" یعنی (امور شرعیہ میں) پیر و مرشد کا مسلک حجت نہیں ہے' شرعی امور میں دلیل ہمیشہ قرآن و سنت سے لینی چاہیے۔

نیز مشہور صوفی شاعر حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں: ؎

نیست حجت قول و فعل ہیچ پیر
قول حق و فعل احمدﷺ را بگیر

- اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ پیروں اور مشائخ کرام کے ارشادات اور ان کے معمولات ہر گز شرعی دلیل اور حجت نہیں بن سکتے۔ بلکہ امور شرعیہ میں صرف حق تعالیٰ شانہ کے احکام و فرامین اور حضرت نبی کریم ﷺ کے اعمال و افعال اور احکام و ارشادات سے ہی دلیل اور حجت پکڑنی چاہیے۔
- علاوہ ازیں اصول فقہ کی تمام مشہور و متداول کتابوں میں یہی قانون لکھا ہے کہ دلائل شرع کے صرف چار ہیں پانچواں کوئی نہیں، یہاں تک کہ "اصول شاشی" جیسی درسی کتاب میں بھی یہی قانون موجود ہے۔ جسے پڑھے بغیر کوئی حنفی عالم مسند خطابت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ بات ناقابل تردید ہے کہ ان چار دلائلِ شرع کے علاوہ دیگر بزرگوں اور پیشروں کی تحریریں یا معمولاتِ مشائخ کسی لحاظ سے بھی شرعی دلیل اور حجت نہیں بن سکتے۔ مثلاً:

① قیافہ۔
② کسی غیر مجتہد پیر یا عالم کا قول۔
③ کسی پیر، بزرگ یا عالم دین کا ایسا خواب جس کی تائید وحی سے نہ ہوتی ہو، یعنی کسی غیر نبی کا خواب۔
④ غیر مشہور و غیر متداول کتابوں کے اقتباسات۔
⑤ اوراد و وظائف کی کتابیں، خواہ وہ متداول ہوں یا غیر متداول۔
⑥ بزرگوں اور مشائخ کے ارشادات و فرمودات جو قرآن و سنت کے مطابق نہ ہوں۔
⑦ معمولات مشائخ۔
⑧ سیر و تاریخ کی کتابیں خواہ مشہور ہوں یا غیر مشہور۔
⑨ بعض شروح ہدایہ کی بیان کردہ وہ احادیث جو میزان اسناد پر پوری نہ اتریں۔

⑩ غیر محتاط مفسرین کی تفسیریں۔
⑪ اہلِ کلام کی بیان کردہ ایسی حدیثیں جو مسئلہ ان اسناد پر پوری نہ اتریں۔
⑫ اقوالِ مخمین۔
⑬ استحسانِ مشائخ، اور:
⑭ استحسانِ علماء، نیز:
⑮ قرآن مجید کے پہلے کی آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا شرع محمدیؐ میں کچھ اعتبار نہیں۔

مُجوّزین کا اضطراب:

○ جو لوگ اذان اور اقامت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سُن کر اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں اور اس عمل کو نہایت درجہ کا ادب اور کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور نہ چومنے والے کو برا سمجھتے ہیں، اسے گھور گھور کر دیکھتے ہیں، ملامت کرتے ہیں، اور اسے وہابی اور گستاخِ رسولؐ جیسے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ بتاسکتے ہیں کہ ان کے نظریات و عقائد کے اعتبار سے یہ عمل فرض، واجب، سنت، مستحب یا مباح کاموں میں سے کس درجہ میں ہے۔

○ اس سلسلہ میں یہ بات تو یقینی اور محقق ہے کہ اس عمل کو آج تک کسی نے بھی فرض یا واجب نہیں کہا۔

○ اگر کوئی اسے فرض سمجھتا ہے تو اس کے نزدیک یہ عمل نہ کرنے والا کافر ہونا چاہیے۔ کیونکہ فرض کا منکر تو بالاتفاق کافر ہوتا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ فرائض میں سے کسی کا انکار کردے تو وہ کافر ہوجاتا ہے۔ البتہ جو شخص فرائض کا منکر تو نہ ہو، لیکن فرائض و واجبات کا تارک ہو تو ایسا شخص گو کافر تو نہیں ہوتا مگر فاسق ہوجاتا ہے۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنم کے عذاب میں گرفتار کرے گا۔ بہرحال مجوزینِ تقبیلِ ابہامین کے کئی گروہ ہیں۔

① بعض لوگ بحوالہ شرح وقایہ از شیخ زادہ اور جامع المضمرات اس عمل کو سنت کہتے ہیں۔ اگر صرف ان دو غیر مشہور اور غیر متداول حوالوں کو دیکھ کر ہم اس عمل کو

سنت سمجھ لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص اس سنت پر عمل نہ کرے گا وہ فاسق اور بدکردار ہوگا۔ اور ایسا شخص لائق ملامت ہوتا ہے۔ اور قیامت کے دن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا۔ لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ عمل سُنّت نہیں ہے۔

○ اگر یہ عمل سنت ہوتا تو فقہاءِ کرام اس کا بیان ضرور کرتے۔ مگر سوائے ان دو حوالوں کے چودہ صدیوں میں لکھی جانے والی لاتعداد فقہی کتب کے مصنفین اس عمل کے مسنون ہونے کا بالکل بھی ذکر نہیں کرتے۔ اور نہ اذان واقامت کی سنتوں میں اس عمل کا کہیں ذکر کیا گیا ہے۔

○ اگر واقعی یہ عمل سنت تھا جس کا تارک گنہگار اور بدکردار اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم ہوتا ہے، تو تمام مصنفین اس اہم عمل مسنون کا ذکر اپنی کتابوں میں ضرور کرتے۔ لیکن اس عمل کا ذکر کسی نے نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل سنت نہیں ہے۔

○ اور جن دو کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے تو اس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ خود ان کتابوں کے مصنفین نے نہیں لکھا، بلکہ کسی بے دین ملحد نے تفریق بین المومنین کے ارادے سے ان کتابوں میں جو قلمی ہوا کرتی تھیں اپنے ہاتھوں سے دسیسہ کاری کی ہے، جبکہ یہ بات محقق ہے کہ ملحد بے دینوں نے موقع پا کر اکثر غیر متداول اور غیر مشہور کتب کے قلمی نسخوں میں اس طرح کی بے شمار کارستانیاں کی ہیں، تاکہ آئندہ آنے والے علماء میں سے اگر کسی کی نظر سے یہ مسئلہ گزرے گا تو "کل جدید لذیذ" کے تحت وہ آگے اس کا بیان ضرور کرے گا۔ اور یہ مسئلہ باعث نزاع بن جائے گا، اس طرح مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوگی، یہ آپس میں متحد نہ رہیں گے، ایک دوسرے کو برا بھلا کہیں گے، آخرکار ایک دوسرے کو کافر اور گستاخ رسول کہیں گے اور کفار مجوسیوں، یہودیوں اور نصرانیوں کے خلاف جہاد کرنے والی یہ بہادر قوم آپس میں ہی ایک دوسرے کا گلا کاٹنا شروع کر دے گی۔

④ بعض لوگ فتاویٰ جمال الدین، کنز العباد اور قہستانی کے حوالے سے اس عمل کو بجائے سنت کے مستحب قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ تینوں کتب بھی غیر دری، غیر مشہور اور غیر متداول ہیں۔ خیر ہرچہ بادا باد، ان تینوں کتابوں کے فتویٰ کے مطابق انگوٹھے نہ چومنے والا شخص نہ گنہگار ہوتا ہے نہ بدکردار اور نہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم ہے گا، صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک فضیلت کا کام تھا جو اس نے نہیں کیا۔ اور ایسے شخص کو جو مستحب کا تارک ہو شرعاً ملامت کرنا جائز نہیں ہے۔

⑤ نیز مستحب کے تارک کو وہابی اور گستاخِ رسول کہنا اور ایک مسلمان کا دل دکھانا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ فضیلت کے کام کو ترک کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں، البتہ ثواب میں کمی آجاتی ہے، جیسا کہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کسی طرح بھی مستحب نہیں، بلکہ بدعت اور مکروہ ہے۔ جس میں بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہے۔ اس عمل کے مکروہ ہونے کی وجوہ آئندہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ آرہی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

⑥ بعض کہتے ہیں کہ اس عمل میں مضائقہ نہیں اور انگوٹھے نہ چومنے میں مواخذہ نہیں، جیسا کہ آج کل کے اہلِ بدعت کے امام احمد رضا خان بریلوی نے اپنے رسالہ "ابر المقال" صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے کہ: اذان و اقامت میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنے میں مضائقہ نہیں اور انگوٹھے نہ چومنے میں مواخذہ نہیں ہے۔ تو اس طرح احمد رضا خان بریلوی کے اس قول کے مطابق یہ عمل نہ سنت ہے نہ مستحب۔ بلکہ اس سے پہلے خود موصوف نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے کہ جو اسے مسنون (سنت) و مؤکد جانے یا نفسِ ترک کو باعثِ زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے۔

⑦ اب یہاں ہمارا سوال ہے کہ احمد رضا خان بریلوی کے پاس ان کتب کی شرح وقایہ،

جامع المضمرات، فتاویٰ جمال الدین، کنزالعباد اور قہستانی کی کتب تھیں یا نہیں۔ اگر ان کے پاس یہ کتابیں نہیں تھیں تو ہمارے قول کی تصدیق ہو گی کہ یہ کتابیں واقعی نایاب، غیر مشہور اور غیر متداول ہیں۔ جو علماء اور مفتیان کرام کو بھی دستیاب نہ تھیں۔ اور نہ ہی ان کے زیر مطالعہ رہیں۔ ورنہ احمد رضا خان بریلوی اپنی عادت کے مطابق ان غیر مشہور و غیر متداول کتابوں کے حوالے سے اپنے دعوی کو مضبوط کرنے کی کوشش ضرور کرتے۔

○ یا دوسری صورت میں ان کے پاس یہ کتابیں تھیں، لیکن وہ تھیں اصلی، جن میں یہ مسئلہ درج نہیں تھا۔ اس طرح ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ ملحدین نے غیر متداول کتب میں دسیسہ کاری کر کے تفریق بین المومنین کی کوشش کی ہے۔

○ اور جو نسخے احمد رضا خان بریلوی کے ہاں تھے ان میں یہ مسئلہ موجود نہیں تھا اور جو نسخے اب دستیاب ہوتے ہیں ان میں یہ مسئلہ موجود ہے جو ملحدین کی کارستانیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

○ اور اگر احمد رضا خان بریلوی کے پاس ان کتابوں کے وہی نسخے موجود تھے جن میں یہ مسئلہ موجود تھا اور اس کے باوجود انھوں نے اس عمل کو نہ سنت سمجھا نہ مستحب، بلکہ ان سب کتابوں کو غیر معتبر سمجھتے ہوئے ابرالمقال صفحہ ۱۰۱ میں ان کے خلاف مسئلہ بیان کیا۔ کیونکہ پہلی دو کتابوں میں انگوٹھے چومنے کے عمل کو مسنون لکھا ہے اور بریلوی صاحب لکھتے ہیں کہ: جو اس کو مسنون و مؤکد جانے بے شک غلطی پر ہے۔

○ اور بعد کی تین کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ عمل مستحب ہے، جبکہ بریلوی صاحب لکھتے ہیں کہ انگوٹھے چومنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اس لفظ کی جگہ فقہاء کرام "لا باس بہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جس سے مراد ہوتا ہے کہ یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے۔ اور مکروہ تنزیہی مستحب کے خلاف ہوتا ہے۔ کیونکہ:

○ مستحب پر عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے جبکہ مکروہ تنزیہی شرعاً ممنوع ہے اور اس

پر عمل کرنے سے قطعاً ثواب نہیں ملتا۔

○ پس احمد رضا خان بریلوی کے فتوے کے مطابق یا تو یہ پانچوں کتابیں نایاب اور غیر متداول ہیں جن میں مخالفین کی دسیسہ کا احتمال غالب ہے۔ یا ان کتب کے جو نسخے انھیں دستیاب ہوئے وہ مخالفین ملحدین کی دسیسہ کاری سے محفوظ رہیں' اور ان میں یہ مسئلہ موجود نہیں تھا۔ یا پھر یہ پانچوں کتابیں انھوں نے غیر معتبر سمجھیں اور ان کے مطابق فتویٰ نہ دیا۔ تو اب بعد میں آنے والے بریلوی صاحب کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ جن کتابوں سے احمد رضا خان بریلوی نے استدلال نہیں پکڑا وہ انہی کتابوں کے حوالے سے اس ناجائز کام کے جواز کا حکم صادر کریں۔ اور کبھی انگوٹھے چومنے کو سنت کہیں اور کبھی اسے مستحب اور کارِ ثواب قرار دیں۔

نتیجہ ○ انگوٹھے چومنے میں "مضائقہ" ہے

○ ہماری مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اہل السنۃ والجماعت کا مسلک ہے کہ اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر اپنے انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں پر رکھنا شرع محمدی کی رو سے نہ سنت ہے نہ مستحب' اور یہ کہنا بھی ہرگز درست نہیں کہ "انگوٹھے چومنے میں مضائقہ نہیں"۔ کیونکہ ہم اہل السنۃ والجماعت کہتے ہیں کہ انگوٹھے چومنے میں مضائقہ ہے۔ جس کی کئی صورتیں ہیں' جو ہم ذیل میں تحریر کر رہے ہیں:

① پہلی صورت مضائقہ کی یہ ہے کہ ایسا عمل کرنے والا شخص ایک من گھڑت بات کو حدیثِ نبوی سمجھ کر اس پر عمل کرنے سے گناہ اور ایک حرام کام کا مرتکب ہوا اور بغیر تنخواہ کے مفت میں شیطان کا خادم اور نمائندہ بن گیا' جیسا کہ حضرت امام مالکؒ کے جید استاذ مفسر قرآن حضرت زید بن اسلمؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔

② دوسری صورت مضائقہ کی یہ ہے کہ اگر کسی نے یہ عمل دوسرے آدمی کے سامنے کیا تو وہ دیکھنے والا اسے دیکھ کر اس عمل کو فرض یا واجب نہ سہی سنت یا

مستحب اور موجب اجر و ثواب تو ضرور سمجھے گا، اس لیے وہ بھی اس پر عمل کرکے درحقیقت ثواب نہیں بلکہ حرام کے گناہ میں ملوث ہوگا، تو یہ گناہ ایسا نہیں جو صرف اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کی اپنی ذات پر منحصر ہو، بلکہ یہ عمل واللہ اعلم کہاں کہاں تک اپنی شاخیں پھیلائے گا۔ پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ وہ لوگ ان لوگوں پر طرح طرح کے طعن لگائیں گے جو انگوٹھے نہیں چومتے۔ یہ لوگ انگوٹھے نہ چومنے والوں پر بے ایمان، وہابی، مسلم نما ہندو اور گستاخ رسولﷺ جیسے بے بنیاد الزامات لگائیں گے، انھیں مسجدوں میں آنے سے روکیں گے۔ اس طرح یہ عمل بجائے اتحاد بین المسلمین کے تفریق بین المومنین کا سبب بنا۔ اور جو عمل تفریق بین المومنین کے اسباب میں سے ایک سبب ہو وہ یقیناً حرام ہے۔

(۳) تیسری صورت مضائقہ کی یہ ہے کہ جو مسلّم اور مانے ہوئے محدثین کرام ہوگزرے ہیں، جنھوں نے کسی ایک امر مستحب کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا، جیسے:

(۱) حضرت امام مالکؒ بن انس انصاری مدنیؒ،
(۲) حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ تلمیذ حضرت امام مالکؒ و حضرت امام ابوحنیفہؒ،
(۳) حضرت امام ابو یوسفؒ تلمیذ حضرت امام ابو حنیفہؒ،
(۴) حضرت امام عبد الرزاقؒ تلمیذ حضرت امام ابو حنیفہؒ و معمرؒ صاحب المصنف،
(۵) حضرت امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ،
(۶) حضرت امام شافعیؒ،
(۷) حضرت امام احمد بن حنبلؒ،
(۸) حضرت امام ابوداؤد طیالسیؒ،
(۹) حضرت امام دارمیؒ صاحب مسند،
(۱۰) حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ،
(۱۱) حضرت امام مسلمؒ بن حجاج قشیری نیشاپوریؒ،
(۱۲) حضرت امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذیؒ،

⑬ حضرت امام احمد بن علی نسائیؒ،
⑭ حضرت امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانیؒ،
⑮ حضرت امام ابن ماجہؒ۔ اور:
⑯ حضرت امام دارقطنیؒ۔ وغیرہم

○ ان محدثینؒ میں سے کسی نے اس من گھڑت حدیث کا ذکر اپنی مشہور و متداول کتب میں نہیں فرمایا۔ کیا یہ من گھڑت روایت غیر متداول کتابوں سے نکال کر عوام کے سامنے پیش کرنے سے عوام میں ان تمام بڑے بڑے محدثین کے تبحرِ علمی کے بارے میں شکوک و شبہات اور بدگمانی پیدا نہ ہوگی کہ یہ بڑے بڑے محدثین یا تو گستاخِ رسولؐ اور وہابی تھے جنھوں نے اتنی شان اور فضیلت والی یہ حدیث بیان ہی نہیں کی، یا پھر یہ سب حضرات کم علم بلکہ جاہل تھے، جن کو یہ حدیث نہ ملی۔ تو چونکہ اس بدگمانی اور زبان درازی کا سبب بھی یہی من گھڑت روایت اور انگوٹھے چومنے کا ناجائز عمل ہے، لہٰذا انگوٹھوں کے چومنے میں مضائقہ ہوا۔

④ چوتھی صورت مضائقہ کی یہ ہے کہ یہ ایک من گھڑت بات ہے، جسے قصہ گو لوگوں نے اپنی چرب زبانی سے عوام کے سامنے صحیح حدیث بنا کر پیش کیا۔

○ اور یہ روایت کئی وجوہ سے مضطرب بھی ہے۔ اور مضطرب روایت مردود کی اقسام میں سے ہے، جس کا بیان ہم نے دلیل مجوزین ۱ کے جواب میں تفصیل سے کر دیا ہے، جس میں ہم نے ثابت کیا تھا کہ اقسامِ احادیث میں سے حدیث قدسی نام کی کوئی حدیث کی قسم نہیں ہے۔ اب دیکھیے اضطراب کس طرح ہے؟

اضطراب کی صورتیں:

① اضطراب کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ بوسہ کس چیز کو دینا چاہیے؟ تو اس سلسلے میں کئی طرح کی روایات ہیں۔ چنانچہ:

① ایک روایت میں مطلق انگوٹھے چومنے کا ذکر ہے۔
② ایک روایت میں انگوٹھوں کے ناخن چومنے کا ذکر ہے۔

③ ایک روایت میں شہادت کی انگلی چومنے کا ذکر ہے۔
④ ایک روایت میں شہادت کی انگلی کا پوروا چومنے کا ذکر ہے۔

(۲) اضطراب کی دوسری صورت یہ ہے کہ چومنے چاٹنے کا یہ عمل کرتے وقت زبان سے کیا الفاظ ادا کرے؟ اس سلسلے میں بھی کئی طرح کی روایات ہیں۔ چنانچہ:

① ایک روایت میں ہے کہ بوسہ دیتے وقت یہ الفاظ پڑھے: قرۃ عینی محمد بن عبد اللہ ﷺ
② ایک روایت میں ہے کہ یہ الفاظ پڑھے: اللھم احفظ حدیقتی ونورھما ببرکۃ حدیقتی محمد رسول اللہ ونورھما صلی اللہ علیہ وسلم
③ ایک روایت میں ہے: قرۃ عینی محمد بن عبد اللہ۔ اللھم متعنی بالسمع والبصر
④ ایک روایت میں ہے: صلی اللہ علیک یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی ویا نور بصری ویا قرۃ عینی
⑤ ایک روایت میں ہے: اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد ﷺ نبیا۔

○ اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا بیک وقت ان تمام روایات کو معمول بہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اگر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ان تمام روایات پر ایک وقت میں عمل کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک روایت پر عمل کیا جائے اور دوسری تمام روایات میں مذکور اوراد کو ترک کردیا جائے۔ لیکن اس صورت میں بھی دو خرابیاں تو ضرور لازم آئیں گی۔

اور وہ خرابیاں یہ ہیں:

خرابی بغیر کسی معقول وجہ ترجیح کے ان میں سے کسی ایک کو راجح سمجھ کر اس کو اپنا معمول بنایا جائے اور باقی تمام اوراد کو ترک کردیں۔ اصطلاح محدثین میں اسے "ترجیح بلا مرجح" کہا جاتا ہے جو ناجائز ہے۔ بہرحال خود اضطراب ہی ایک ایسی چیز ہے جو حدیث

کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے سوائے اس کے کہ کسی معقول طریق سے اس اضطراب کو حل کرنے کی کوئی بہتر صورت نظر آجائے۔

خرابی ۲ اس من گھڑت بات پر عمل کرنے سے وہ مسنون طریقہ چھوٹ جاتا ہے جو بطریقِ شہرت بلکہ تواتر کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، جسے محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے اپنے ذخیرۂ احادیث میں نقل فرماتے ہیں۔ مثلاً:

جوابِ اذان کے مُتعلق احادیثِ صحیحہ:

حدیث ۱ ① حضرت امام ابو عوانہؒ نے اپنی مسند صفحہ ۳۳۹ جلد ۱ میں،

② حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ جلد ۱ میں،

③ حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ نے اپنی سُنن صفحہ ۸۵ جلد ۱ میں،

④ حضرت امام مُسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوریؒ نے اپنی صحیح مُسلم جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ میں،

○ حضرت امیرالمومنین سیدنا امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے صحیح اسناد کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وہ شخص جنت میں جائے گا جو ایمان کی شرطوں اور صفات وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر مؤذن کی اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر سُن کر اللہ اکبر اللہ اکبر کہے، اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ سُن کر اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہے۔ اور اشہد ان محمداً رسول اللہ سُن کر اشہد ان محمداً رسول اللہ کہے اور حی علی الصلوٰۃ سُن کر لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہے اور حی علی الفلاح سُن کر بھی لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہے اور پھر جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو سننے والا بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہے اور جب مؤذن کہے لا الٰہ الا اللہ تو یہ سننے والا بھی سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہے۔

حدیث ۲ ① حضرت امام دارمیؒ نے اپنی مسند جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ میں،

② حضرت امام طحاویؒ نے اپنی شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ جلد ۱ میں،

③ حضرت امام ابو عوانہؒ نے مسند جلد ۱ صفحہ ۳۳۸ میں،

④ حضرت امام حمیدیؒ نے اپنی مسند صفحہ ۲۷۵ میں،

⑤ حضرت امام سیوطیؒ نے الجامع الصغیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ میں

○ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ زوجِ النبیؐ بنت ابوسفیانؓ کے برادرِ حقیقی، کاتبِ وحی و مبلغ اسلام امیر المومنین سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے صحیح اسناد کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مؤذن کے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر کہا، پھر جب موذن نے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہا تو حضرت معاویہؓ نے بھی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہا، پھر موذن نے اشھد ان محمداً رسول اللہ کہا تو حضرت معاویہؓ نے بھی اشھد ان محمداً رسول اللہ کہا، پھر جب موذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہؓ نے جواب میں لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہا، پھر موذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہؓ نے جواب میں پھر لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہا، پھر موذن نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر تو حضرت معاویہؓ نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا، پھر موذن نے لا الٰہ الا اللہ کہا تو حضرت معاویہؓ نے بھی لا الٰہ الا اللہ کہا پھر حضرت معاویہؓ نے ارشاد فرمایا کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

○ ایک روایت میں یوں الفاظ ہیں کہ جو کوئی موذن کے الفاظ سن کر اس کے مناسب الفاظ دہراتا جائے تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا موذن کو ملتا ہے۔

حدیث ۳ حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ میں

○ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب موذن کی آواز سنتے تھے تو اسی کی مثل الفاظ آپؐ خود بھی ادا فرماتے تھے، یہاں تک کہ موذن اذان کہہ کر خاموش ہو جاتا۔

حدیث ۴ ① حضرت امام ابوعوانہؒ نے اپنی مسند صفحہ ۳۳۶ میں،

② حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۵ میں،

③ حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ نے اپنی سنن صفحہ ۸۴ میں،

④ حضرت امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوریؒ نے اپنی صحیح مسلم صفحہ ۱۶۶ میں،

○ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جب بھی تم لوگ مؤذن کی آواز سنو تو اسی کے مناسب الفاظ تم بھی اس کے ساتھ ساتھ کہتے رہا کرو۔

حدیث ۵

① حضرت امام ابوعوانہؒ نے اپنی مسند صفحہ ۳۳۷ میں'

② حضرت امام دارمیؒ نے اپنی مسند صفحہ ۱۴۱ میں'

③ حضرت امام ابوداؤدؒ نے اپنی سُنن صفحہ ۸۳ میں'

④ حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۵'

⑤ حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے اپنے موطا، صفحہ ۸۵ میں'

⑥ حضرت امام سیوطیؒ نے بہ رمز حج جامع صغیر میں صفحہ ۲۷ میں

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جب تم مؤذن کی اذان سنو تو تم بھی اس کے ساتھ ساتھ اسی جیسے الفاظ کہتے رہا کرو۔

حدیث ۶

حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ میں

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ (مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی جب مؤذن کی اذان سے تو جیسے جیسے الفاظ مؤذن کہتا جاتا ہے تو ویسے ہی سننے والا بھی اس کے ساتھ ساتھ کہتا جائے' البتہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے اس وقت سننے والا لا حول و لا قوۃ الا باللہ. کہے۔

(عمل الیوم واللیلہ صفحہ ۳۱ میں ابن سنی نے بھی یہی لکھا ہے)

حدیث ۷

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی مسند صفحہ ۴۶ میں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مؤذن کی اذان سنتے تھے تو جیسے جیسے مؤذن کہتا جاتا تھا تو آپ بھی اس کے ساتھ ساتھ وہی الفاظ کہتے جاتے تھے۔

حدیث ۸ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۹۵ میں بحوالہ صحیح مسلم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت منقول ہے۔

حدیث ۹ ① حضرت ابو عوانہؒ نے اپنی مسند صفحہ ۳۴۰ میں "

② حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۷ میں

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔ صرف اتنا اضافہ ہے کہ: اشهد ان لا اله الا الله کے بعد فرمایا: رضيت بالله ربا و بالاسلام دينا و بمحمد نبيا اور ارشاد فرمایا کہ جو اس طرح کرے گا اس کے اگلے پچھلے (صغیرہ گناہ) بخش دیے جائیں گے۔

حدیث ۱۰ حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار صفحہ ۸۶ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل فرمایا ہے۔

حدیث ۱۱ حضرت امام ابو داؤد سجستانیؒ نے اپنی سُنن صفحہ ۸۵ میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔

حدیث ۱۲ حضرت امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذیؒ نے اپنی جامع الترمذی صفحہ ۵۱ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور:

حدیث ۱۳ سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایتیں آئی ہیں۔ یہ حضرات بھی اسی طرح بیان فرماتے ہیں جس طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات گرامی اوپر بیان ہوئے ہیں۔

○ ہم نے یہاں پر صرف ۱۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات پر اکتفا کیا ہے، جنھیں مشہور و جید محدثین کرام نے صحیح اسناد کے ساتھ اپنے اپنے ذخیرۂ احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ تتبع اور استقراء سے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بارے میں مزید روایات بھی ان شاء اللہ تعالیٰ مل سکتی ہیں۔

○ بہرحال یہ احادیث صحیحہ مشہورہ مستفیضہ بلکہ متواترہ ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان پر آج کل لوگوں نے عمل کرنا ترک کر دیا ہے۔ اگر اس پر عمل شروع کر دیا جائے تو حسب فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو شہید کا ثواب ملے گا۔

مردہ سُنت کو زندہ کرنے کا ثواب :

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : من تمسک بسنتی عند فساد امتی (ای عند غلبة البدعة و الجهل) فله اجر مائة شهيد. کہ میری امت کے فساد کے دور میں یعنی جہالت اور غلبۂ بدعت کے دور میں جو شخص میری سنت پر پوری طرح عمل کرے گا اور مضبوطی سے قائم رہے گا تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا (مشکوٰۃ صفحہ ۳۰)

خیر یہ تو باتوں میں بات آ گئی تو ہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کر دیا ہے کہ جس دور میں بدعات عام ہو جائیں اور سنت کو ترک کر دیا جائے یا قرآن و سنت کے علم کو کماحقہ حاصل کرنا چھوڑ دیا جائے اور لوگ قرآن و سنت کے علوم سے استفادہ چھوڑ کر صرف بزرگوں اور پیروں کے ارشادات و اقوال پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ کوئی کسی پیر کا پیروکار ہو۔ کوئی دوسرے پیر کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالے پھرے۔ اور امت تفرقہ پرستی کے جال میں پھنس کر فساد کا شکار ہو جائے، تو ایسے وقت میں جو شخص قرآن و سنت کی روشنی میں میرے اصل طریقے کو معلوم کر کے اس پر عمل کرے گا اور اہل بدعت اور فرقہ پرستوں کے طعنوں، گالیوں اور مار پیٹ کی پرواہ نہیں کرے گا تو ایسے پکے سچے مسلمان کو سو شہیدوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

بہرحال آپ نے دیکھ لیا ہے کہ احادیث صحیحہ مشہورہ متواترہ سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ مؤذن کے منہ سے کلمات اذان سن کر سننے والا شخص بھی انہی کی مثل کلمات اپنی زبان سے ادا کرے۔ اور یہ عمل خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی وہی کلمات ادا فرماتے تھے جو مؤذن کہتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ کلمات ادا کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ اور پھر ان کلمات کے ادا کرنے کا اجر و ثواب بھی بیان فرماتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ وہ من گھڑت عمل اور ورد نو متاخرین میں سے واللہ اعلم

کس نے ایجاد کیا ہے وہ عمل نہ تو حضرت نبی کریم ﷺ کی قولی سنت، نہ فعلی سنت اور نہ تقریری سنت۔ اور نہ ہی وہ عمل اور ورد مستحب ہے کہ جس پر عمل کرنا باعث فضیلت ہو، ورنہ سلف صالحینؒ اور خیر القرون میں اس عمل کا رواج ضرور ہوتا اور مجتہدین عظام میں سے کسی نہ کسی مجتہد کا اس پر عمل کرنے کے بارے میں قول ضرور ملتا، اس لیے کہ وہ لوگ ﴿یسارعون فی الخیرات﴾ امور خیر اور نیکی کے کاموں کی طرف بہت تیزی کے ساتھ لپک کر پہنچتے تھے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ احمد رضا خان بریلوی کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ: "انگوٹھے چومنے میں مضائقہ نہیں"۔ کیونکہ عوام خصوصاً اُردو دان طبقہ اس علمی اصطلاح کو نہیں سمجھتا، جو انھوں نے "لا بأس بہ" کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

○ اس کے بعد اب ہم یہ بتائیں گے کہ جس عمل کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے مضائقہ نہ ہونے کے متعلق لکھا ہے، وہ عمل کئی وجوہ سے مکروہ بھی ہے۔

انگوٹھے چومنے کی وجوہ کراہت:

کراہت ۱ "حسامی" وغیرہ میں اصول فقہ کا قاعدہ لکھا ہے: الامر بالشئ یقتضی کراھۃ ضدہ۔ کہ شریعت جب کسی چیز کا حکم دیتی ہے تو یہ اس چیز کا متقاضی ہوتا ہے کہ اس کے خلاف عمل کرنا مکروہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ عمل حکم شریعت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس قانون کے تحت اس من گھڑت عمل کو مکروہ کہا جائے گا۔

کراہت ۲ جو شخص اس من گھڑت عمل کو اپنا معمول بناتا ہے تو حضرت نبی کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے مسنون کام پر عمل نہیں کرسکتا۔ اور اگر وہ اپنے من گھڑت عمل کے ساتھ ساتھ حضرت نبی کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے مسنون عمل کو بھی بجالاتا ہے تو اول تو یہ عمل متعذر و متعسر اور مشکل ترین ہے۔ اور اگر کسی نے ان دونوں پر عمل کر ہی لیا تب بھی اس میں کراہت ہے۔ کیونکہ:

○ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری صفحہ ۲۰ میں فرمایا ہے: کرہ اھل الحق ... ان یجاوزوا فعل النبی ﷺ کہ اہل حق نے حضرت نبی کریم ﷺ کے فعل

سے تجاوز کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ اور یہاں دو طرح کا تجاوز پایا گیا۔
① ایک تو الفاظ بڑھانے کے لحاظ سے۔
② اور دوسرے انگوٹھے چومنے کے لحاظ سے۔
اس طرح یہ عمل دو وجہ سے مکروہ، ناقابل عمل اور واجب الترک ہے۔

تیسری وجہ یہ معمولات اذکار کے قبیل سے ہیں اور اذکار میں اصل توقیف ہے، یعنی جو ذکر حضرت نبی کریم کی معصوم زبان مبارک سے صادر ہوا ہے اسی پر اکتفاء کرنا ضروری ہے۔ (دیکھیے: ہدایہ صفحہ ۸۴)

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے صادر شدہ عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کمی بیشی وغیرہ جائز نہیں، چاہے اس کی نفی اور حرمت صراحت کے ساتھ نہ آئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اذان میں، مخصوص و منصوص الفاظ پر زیادتی کرنے کو فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے، جیسا کہ:

○ البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۲ میں ہے: یکرہ الزیادۃ فی الاذان۔

○ نیز حاشیہ اللہ داد بر ہدایہ صفحہ ۸۵ میں ہے کہ:

① رکوع میں سبحان ربی العظیم کی جگہ سبحان ربی الاعلٰی پڑھنا خلاف سنت ہے۔

② اسی طرح سجدہ میں سبحان ربی الاعلٰی کی جگہ سبحان ربی العظیم پڑھنا بھی خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

③ اسی طرح تکبیر تحریمہ کے موقع پر اللہ اکبر کی جگہ اللہ الاکبر، اللہ کبیر، اللہ اجل، اللہ اعظم یا لا الٰہ الا اللہ پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ حالانکہ معنی تعظیمی جو عظمت الٰہی پر دلالت کرنے والا ہو، ان تمام کلمات میں موجود ہے۔

(دیکھیے ہدایہ صفحہ ۸۴)

○ اسی طرح سورۃ فاتحہ جو قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ایک سورت ہے۔ اس کے بارے میں علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے

التحیات للہ... کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص قصداً ایسا کرے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوگی، نئے سرے سے نماز پڑھنی پڑے گی۔

○ اسی طرح تین یا چار رکعتوں والی فرض اور واجب نمازوں کے پہلے قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد فوراً تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا ضروری ہے اور اس تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے سے بیشک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع بھی نہیں فرمایا، لیکن اس کی تعلیم بھی نہیں فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ علماء حق و فقہاء کرام کا اس بارہ میں اتفاق ہے کہ اگر کسی نے تیسری رکعت کی طرف اٹھنے سے پہلے بھولے سے صرف اللھم صل علی محمد پڑھ لیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر جان بوجھ کر اللھم صل علی محمد تک یا اس سے زیادہ پڑھے گا تو اس کی نماز ہی نہ ہوگی، اور نماز لوٹانی پڑے گی۔

○ اسی طرح اذان کے کلمات میں حی علی الصلوٰۃ کے بعد حی علی خیر العمل کہنے کے بارے میں ضعیف حدیث موجود ہے، اور جہاں تک ہماری معلومات ہیں محدثین میں سے کسی نے اسے موضوع نہیں کہا، اور علماء کرام فرماتے ہیں کہ اوراد و اذکار اور فضائل میں کمزور اور ضعیف روایتوں پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے۔ مگر باوجود اس کے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اذان میں حی علی خیر العمل کہنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ایک تو اس حدیث کا ضعف غیر معمولی ہے اور کراہت کی دوسری وجہ تشبہ بالروافض ہے۔

اذکار و اعمال کے توقیفی ہونے کی چند مثالیں:

(۱) حضرت امام محمدؒ نے اپنے موطا، صفحہ ۳۸۵ میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت محمد بن عمرو بن عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ اس دوران ایک یمنی شخص نے آکر کہا: "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" پھر اس پر ایک کلمہ مزید

بڑھا دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ یہ "سلام" کرنے والا شخص کون ہے؟ (ان دنوں آپؓ کی بینائی جاچکی تھی) لوگوں نے بتایا کہ یہ شخص یمنی ہے، جو اس سے پہلے بھی آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے۔ پھر لوگوں نے اس کا تعارف کرایا۔ یہاں تک کہ آپؓ نے اسے پہچان لیا۔ پھر آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ: "سلام" وبرکاتہ پر ختم ہوجاتا ہے، یعنی اس کے بعد اور کوئی لفظ بڑھانا نہیں چاہیے۔

- اس کے بعد حضرت امام محمدؒ نے تحریر فرمایا کہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے، وبھذا ناخذ اور ہم اسی کو لیتے ہیں کہ جب آدمی السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو یہیں رک جائے۔ کیونکہ سنت کی پیروی سے ہی فضیلت ملتی ہے۔ فان اتباع السنۃ افضل۔ حالانکہ سنن ابی داؤد صفحہ ۳۵۹، اور عمل الیوم واللیلہ لابن السنی صفحہ میں مغفرتہ کا اضافہ بھی موجود ہے۔ لیکن چونکہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہیں اس لیے حضرت امام محمدؒ نے ان کا اعتبار نہیں کیا اور فرمایا کہ لیکفف فان اتباع السنۃ افضل۔ یعنی السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تک کہہ کر رک جانا چاہیے۔ کیونکہ اتباع سنت ہی فضیلت والی چیز ہے۔
- نیز حضرت امام نوویؒ نے بھی "الاذکار" میں ومغفرتہ والی حدیث کی اسناد کو ضعیف کہا ہے۔
- معلوم ہوا کہ اذکار و اوراد اور فضائل کے سلسلے میں بھی جس قدر صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہو وہ تو ٹھیک ہے لیکن کسی ضعیف حدیث کا سہارا لے کر اس پر زیادتی کرنا اتباع سنت کے خلاف ہے۔
- نیز حضرت علامہ محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے ضعف کی وجہ بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "تذکرۃ الموضوعات" صفحہ ۲۶۹ میں فرمایا ہے کہ: اس حدیث کا ایک راوی ابو مرحوم عبدالرحمٰن بن میمون ہے، جسے حضرت امام یحییٰ اور حضرت امام ابو حاتمؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

② حضرت امام نوویؒ نے شرح مسلم صفحہ ۱۸۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ نماز کا سلام پھیرتے وقت صرف السلام علیکم و رحمۃ اللہ پر ہی اکتفا کرنا چاہیے، اس کے بعد وبرکاتہ کا لفظ بڑھانا مکروہ اور بدعت ہے۔ اگرچہ اس کے بارے میں بھی ایک حدیث آئی ہے، لیکن وہ ضعیف اور ناقابل عمل ہے۔

③ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھنے والے کسی آدمی نے چھینکا اور کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ۔ یہ الفاظ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں بھی مانتا ہوں السلام علی رسول اللہ۔ لیکن اس چھینک کے موقع پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ہمیں "الحمد للہ علی کل حال" کہنے کی تعلیم دی ہے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۶)

④ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔ عید ین کی نمازوں کے لیے نہ اذان ہے اور نہ اقامت۔ اور یہی طریقہ ہمارے ہاں "سنت" ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آرہا ہے کہ عیدین کی نمازوں کے لیے نہ اذان کہی جاتی ہے اور نہ اقامت۔ (دیکھیے مؤطا امام مالکؒ صفحہ ۶۲)

⑤ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دینی عبارت کا خوب خیال رکھتے تھے، اگر کوئی شخص اس میں ذرا سا بھی رد و بدل کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ٹوک دیتے اور اصل عبارت بتلا کر اس کی اصلاح فرما دیتے تھے، جیسا کہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح صفحہ ۹۳۴ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

① حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو ایک دعا بتلائی تھی جس میں وبنبیک کا لفظ آتا تھا۔ پھر جب حضرت براءؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دعا پڑھ کر سنائی تو انھوں نے وبنبیک کی جگہ وبرسولک پڑھ دیا تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جگہ وبرسولک کے لفظ نہیں ہیں، بلکہ یہاں پر وبنبیک کے الفاظ ہیں، اس لیے وبرسولک مت پڑھو، بلکہ وبنبیک پڑھو۔ حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول بھی ہیں۔ اور

رسول کا لفظ ایسا ہے جس میں آپؐ کے نبی ہونے کا اقرار بھی پایا جاتا ہے' اور نبی کے ضمن میں رسول کا آنا ضروری نہیں ہے۔ اور خود قرآن مجید میں کئی مقامات پر رسول کے ساتھ ارسال کے لفظ بھی آئے ہیں' مثلاً:

○ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ (۱۳ : ۳۸)۔

○ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرٰی (۲۳ : ۴۴)

○ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (۴ : ۷۹) وغیرذٰلک۔

مگر باوجود ان سب باتوں کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصوص و مخصوص لفظی رعایت کو خاص طور پر مدنظر رکھا۔ اور وبرسولك الذی ارسلت کہنے پر نکیر فرمائی اور وبنبیك الذی ارسلت کہنے پر زور دیا۔

○ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس عبارت کی رعایت رکھنا بہت ہی اہم ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبان سے صادر ہوئی ہو' ان الفاظ میں تغیر تبدل اور کمی بیشی کرنے کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ کسی کو حق ہے۔

حدیث میں نقل نہ ہونا مکروہ و بدعت ہونے کی دلیل ہے

○ فقہاء کرام نے متعدد مقامات میں جہاں کسی عمل کو مکروہ' بدعت یا خلاف سنت کہا ہے تو اس کی دلیل میں وہ یہی فرماتے ہیں: لانہ لم ینقل کہ یہ عمل نقل ہو کر نہیں آیا' یعنی کسی صحیح حدیث سے یہ عمل ثابت نہیں اس لیے بدعت' مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے اس کی چند مثالیں تحریر کی جاتی ہیں:

(۱) ہدایہ صفحہ ۱۵۶ میں ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ نے فرمایا کہ کسوف الشمس یعنی سورج گہن کی نماز سے پہلے یا بعد میں خطبہ نہ دیا جائے اور اس کی دلیل میں لانہ لم ینقل کا لفظ تحریر فرمایا۔

(۲) ہدایہ میں لکھا ہے کہ دن کے وقت پڑھے جانے والے نفل ایک سلام کے ساتھ چار رکعت سے زیادہ نہ پڑھے۔ اور رات کے وقت پڑھے جانے والے نفل ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت سے زیادہ نہ پڑھے کیونکہ مکروہ ہے۔ اور اس کی

کراہت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: دلیل الکراھۃ انہ علیہ السلام لم یزد علی ذلک ولولا الکراھۃ لزاد تعلیما للجواز (ہدایہ صفحہ ۱۴۷) یعنی دن میں بیک سلام چار رکعتوں سے زیادہ نفل پڑھنے اور رات کو بیک سلام آٹھ رکعتوں سے زیادہ نفل پڑھنے کی دلیل کراہت یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے دن میں بیک سلام چار رکعتوں سے زیادہ اور رات کو بیک سلام آٹھ رکعتوں سے زیادہ نفل نہیں پڑھے۔ اور اگر بیک سلام چار اور آٹھ رکعتوں سے زیادہ نفل پڑھنے مکروہ نہ ہوتے تو حضرت نبی کریم ﷺ خلاف معمول صرف بیان جواز کے لیے بیک سلام دن میں چار سے زیادہ اور رات کو آٹھ سے زیادہ نفل زندگی میں ایک بار تو ضرور پڑھ لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ: حضرت نبی کریم ﷺ کا کوئی کام نہ کرنا بھی سنت ہے اور اس کام کا کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

(۳) ہدایہ صفحہ ۴۹۱ میں ہے کہ مرد کو رجم کرنے کیلئے گڑھا نہ کھدوا جائے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرتے وقت گڑھا نہیں کھدوایا تھا۔

(۴) ہدایہ صفحہ ۴۹۲ میں ہے کہ محصن (یعنی جو مسلمان حر عاقل بالغ شادی شدہ ہو اور اس نے نکاح کے بعد وطی کی ہوئی ہو اور زانی اور زانیہ دونوں ان اوصاف سے متصف ہوں تو ایسے محصنوں) کی سزا صرف رجم ہے اور یہ جائز نہیں کہ پہلے تو محصن کو کوڑے مارے جائیں اور بعد میں رجم بھی کیا جائے۔ اور اس کی دلیل یہ بیان فرمائی: لان النبی ﷺ لم یجمع کہ جلد یعنی کوڑے مارنا اور رجم یعنی پتھروں سے ماردینا ان دونوں سزاؤں کو حضرت نبی کریم ﷺ نے جمع نہیں فرمایا۔

(۵) ہدایہ صفحہ ۴۹۱ میں ہے کہ رجم کرنے کے لیے محصن مرد کو باندھنا ناجائز ہے۔ والربط و الامساک غیر مشروع۔ اور پھر اس کے غیر مشروع ہونے کی دلیل یہ دی: لان ماعزا رضی اللہ عنہ لم یربط ولم یمسک۔ کہ محصن مرد کو باندھ کر رجم کرنا اس لیے ناجائز ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرتے وقت بندھوایا نہیں تھا۔

⑥ ہدایہ میں ہے کہ ثناء (سبحانك اللھم۔۔۔۔) اور تعوذ (اعوذ باللہ۔۔۔۔) نماز کی صرف پہلی رکعت کے شروع میں ایک بار پڑھنا جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسری رکعتوں میں ثناء و تعوذ پڑھنا جائز نہیں ہے، اور نہ یہ سنت ہے اور نہ ہی مستحب۔ کیونکہ کسی دلیل سے ان کے پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔

⑦ البحر الرائق جلد ا صفحہ ۲۶۱ میں ہے کہ اذان میں "حی علی خیر العمل" پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ سچے اور صحیح کلمات بھی اذان میں بڑھانا اور پڑھنا مکروہ، بدعت اور خلافِ سنت ہیں:

① اشھد ان القرأن کلام اللہ

② اشھد ان الکعبۃ بیت اللہ

③ اشھد ان ابا بکر الصدیقؓ خلیفۃ رسول اللہ

④ اشھد ان ابرھیم خلیل اللہ

⑤ اشھد ان اسمٰعیل ذبیح اللہ

⑥ اشھد ان موسٰی کلیم اللہ

⑦ اشھد ان عیسٰی روح اللہ و کلمتہ وغیرہ۔

حالانکہ یہ سب کلمات بذاتِ خود برحق ہیں اور ہمارے ایمان میں داخل ہیں اور قرآن مجید جیسی قطعی کلام اللہ سے ثابت بھی ہیں، مگر ان کلمات کا اذان و اقامت میں اضافہ کرنا اس لیے مکروہ و بدعت ہے کہ ان کلماتِ حقہ ایمانیہ کا اضافہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

⑧ موطا امام محمدؒ صفحہ ۳۸۵ کے حاشیہ میں حضرت عروہؒ بن زبیرؓ کی روایت منقول ہے کہ ایک آدمی نے آپؓ کو آ کر کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اس پر حضرت عروہؒ نے فرمایا کہ تُو نے تو ہمارے لیے فضل کہنے کا موقع ہی نہ چھوڑا، کیونکہ سلام تو وبرکاتہ پر ختم ہو گیا ہے، اب ہم تمھاری دعا میں کیا لفظ بڑھائیں۔

⑨ اسی طرح حضرت یحیٰی بن سعیدؒ نے اپنے موطا میں نقل فرمایا ہے کہ کسی نے حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو لمبا چوڑا سلام کیا اور السّلام علیک و رحمۃ اللہ وبرکاتہ الغادیات الرائحات کہا، تو آپؓ نے اس سلام کہنے والے کے اس سلام کو برا محسوس کیا۔

(۱۰) نمازِ عید سے پہلے نفل پڑھنا اس لیے منع ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عید سے پہلے نفل نہیں پڑھے تھے، جبکہ آپؐ نماز پڑھنے کے بہت شوقین تھے۔ (دیکھیے: ہدایہ جلد ا صفحہ ۱۶۵ باب العیدین)

(۱۱) مؤطا امام محمدؒ صفحہ ۱۴۵ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت نہ پڑھی جائے۔

○ نیز التعلیق المجد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک اور روایت بھی منقول ہے جس میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنا بدعت ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ بھی صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔

(۱۲) البحرالرائق میں ہے کہ حلقوم کا مسح کرنا مکروہ بلکہ بدعت ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

(۱۳) قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتیں ہیں، ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی اور پڑھی جاتی ہے، لیکن سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی جاتی ہے اور نہ پڑھی جاتی ہے۔ حضرت امیرالمومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ تو لکھنے کا حکم دیا اور نہ پڑھنے کا۔
(دیکھیے: جلالین صفحہ ۱۳۵ بحوالہ مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۶۰)

(۱۴) سوائے سورۂ توبہ کے ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو پڑھا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ کوئی اور لفظ نہیں بڑھایا جا سکتا، اگرچہ قرآن مجید کی ہی چھوٹی سی آیت کریمہ مثلاً: الحمد للہ رب العلمین ہو اگر کوئی شخص ہر سورت کے شروع

میں لکھے یا پڑھے تو علماء دین نے اس پر فتویٰ لگایا ہے کہ وہ شخص زندیق، بے دین اور واجب القتل ہے۔ جیسا کہ:

○ تلویح علی التوضیح صفحہ ۱۵۷ میں ہے: من یلحق بالمصحف آیات مکررۃ مثلا ان یکتب فی اول کل سورۃ الحمد للہ رب العلمین فانہ یعد زندیقا فیقتل، او مجنونا فیداوی۔ کہ جو شخص ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی طرح الحمد للہ رب العلمین لکھنا شروع کر دے تو اگر وہ عقلمند ہے، لیکن سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا تو ایسے شخص کو زندیق اور بے دین لوگوں میں شمار کیا جائے اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ اور اگر وہ مجنون اور پاگل ہے تو اس کا علاج کیا جائے۔

(۱۵) بیضاوی میں ہے کہ سورۂ فاتحہ کے آخر میں اگرچہ آمین کہنا مسنون، باعث فضیلت اور کار ثواب ہے، لیکن الحمد شریف کے آخر میں اس کا لکھنا ممنوع اور بدعت ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر آمین کا لفظ لکھنے کا حکم نہیں فرمایا۔

(۱۶) جس وقت قرآن مجید میں یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما کا حکم الٰہی نازل ہوا تو باوجود اہل لسان اور فصیح و بلیغ ہونے کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی رائے اور مرضی سے درود شریف کے لیے خوبصورت الفاظ تلاش کرنے کی بجائے خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہمیں ان الفاظ کی تعلیم فرمائیے جن کے ذریعے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیں، تب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عبارت بتائی کہ ان الفاظ میں مجھ پر درود پڑھو، اور یہ نہیں فرمایا کہ آپ لوگ تو عرب ہو، اہل لسان اور فصیح و بلیغ ہو، اس لیے اپنی صوابدید اور اپنی رائے اور مجھ کے مطابق اچھے سے اچھے الفاظ میں مجھ پر درود بھیجیں۔

○ معلوم ہوا کہ اذکار و اوراد کا دارومدار شارع علیہ السلام کے بیان پر موقوف ہے۔ اس لیے جو جو الفاظ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں ہمیں بھی انہی الفاظ میں درود شریف پڑھنا چاہیے۔ ان الفاظ میں تغیر تبدل اور کمی بیشی منع ہے، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کا سوال ہی نہ کرتے۔

(۱۷) حضرت امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں تحریر فرمایا ہے کہ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد..... کے بعد اللھم ارحم محمدا وآل محمد کما رحمت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم..... پڑھنا بدعت ہے۔ حالانکہ بعض روایات میں یہ الفاظ وارد بھی ہیں، مگر پھر بھی حضرت امام نوویؒ نے بدعت کا فتویٰ لگایا ہے۔

○ اور حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ میں اس کے بدعت ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: جن حدیثوں میں یہ الفاظ آتے ہیں وہ حدیثیں ضعیف ہیں۔ یعنی ان حدیثوں کا ضعف اس قدر شدید اور غیر معمولی ہے کہ اگرچہ ان کو موضوع بھی نہیں کہا جاسکتا تاہم ان پر عمل کرنا بدعت و ناجائز ہے۔

○ اس قسم کی تمام باتوں کو جمع کریں تو بہت ضخیم کتاب بن جائے گی، اور مطالعہ کرنے والے تنگ پڑ جائیں گے۔ اس لیے ہم اسی مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ منیب آدمی اسے پڑھ کر ضرور ہدایت پاجائے گا۔ لیکن ضدی اور معاند قسم کے لوگوں کو تو قرآن مجید جیسی معجز اور قطعی کتاب اللہ پر بھی یقین نہیں آتا تھا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم ومحفوظ زبان سے صادر ہوتی تھی۔

○ ارشاد باری تعالیٰ ہے: من یھدی اللہ فھو المھتد و من یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا۔ یعنی اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے وہی ہدایت پر آتا ہے اور جسے گمراہی میں رکھے وہ کوئی ایسا دوست نہیں پائے گا جو اس کی رہنمائی کرسکے۔

○ بہرکیف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تمام خیر القرون میں یہی عمل رہا ہے کہ وہی کام کیا جائے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معمول تھا اور یہی طریقہ اہل السنت و الجماعت کا ہے۔ اگر وہ صحیح اسناد کے ساتھ منقول نہیں ہے تو سمجھیے کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معمول بھی نہیں تھا۔ اب اگرچہ وہ کام بظاہر کتنا ہی خوشنما اور باعث اجر و ثواب اور موجب برکات کثیرہ معلوم ہوتا ہو وہ بہرحال بدعت، مکروہ اور خلاف سنت ہی ہوگا۔

اذان کے آخر میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کیوں نہیں کہا جاتا؟

○ اب ذرا غور کیجیے کہ ہم دن رات میں مختلف مساجد سے متعدد بار اذان سنتے ہیں، مؤذن خواہ کسی عقیدہ یا کسی فرقہ کا مدعی ہو، دیوبندی ہو یا بریلوی، اہلِ حدیث ہو یا شیعہ سبھی سب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر اذان ختم کر دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اذان واقامت کے دوسرے کلمات کی طرح باآوازِ بلند مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہیں کہتا۔ البتہ بعض ناواقف بیچارے پست آواز سے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لیتے ہیں۔

○ اب اگر کوئی ان سے پوچھے کہ اذان واقامت کے دوسرے تمام کلمات تو آپ نے بلند آواز سے پڑھے ہیں لیکن اب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے وقت اپنی آواز کو پست کیوں کرتے ہو، اس کی کوئی معقول وجہ بیان کریں، اس کے جواب میں یا تو وہ خاموش ہو جائیں گے اور اگر کچھ جواب میں کہیں گے تو بس اتنا کہ تو کوئی وہابی اور گستاخِ رسول معلوم ہوتا ہے، اور یا پھر وہ جواب میں وہی بات کہیں گے جو ہم کہتے ہیں کہ اذان و اقامت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد اذان واقامت میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا کہیں منقول نہیں۔

○ اب دیکھیے کہ اس مقام پر "منقول" نہ ہونا عدمِ جواز کی کتنی واضح اور متفق علیہ دلیل بن رہی ہے، تو اب اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ اذان واقامت کے آخر کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مطلقاً نہ پڑھا جائے، نہ پست آواز سے اور نہ بلند آواز سے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ادوار میں اس کا نہ تو بلند آواز سے اور نہ ہی پست آواز سے پڑھنا منقول ہے۔ اور جو بات زمانہ خیر القرون میں منقول نہ ہو وہ بظاہر کتنی بھی نیکی کی بات معلوم ہو، امورِ شریعت میں وہ مقبول نہیں، بلکہ خلافِ سنت، بدعت اور مکروہ ہے۔

تنبیہ: بعض حضرات اذان و اقامت میں اشهد ان محمد رسول اللہ کے الفاظ سن کر صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قدرے بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور باقی کلمات اذان واقامت

کا جواب نہیں دیتے، یہ سب خلاف سنت ہے۔

○ قبل ازیں ہم احادیث صحیحہ نقل کر چکے ہیں جن سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اذان و اقامت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق محمدا رسول اللہ کے جواب میں بھی اشھد ان محمدا رسول اللہ ہی کہنا چاہیے۔ جن حضرات کو صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہنے کی عادت ہے وہ اذان و اقامت میں اسے چھوڑ دیں تاکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ ﷺ کے طریقے کی صحیح پیروی ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سنت کا عامل بنائے۔ آمین۔

خلاصہ ہماری بیان کردہ انگوٹھے چومنے کی وجہ کراہت ۳ کا ماحصل یہ ہوا کہ اذکار و اعمال سب توقیفی ہیں، یعنی اجازتِ شارع پر موقوف ہیں۔ جن جن اذکار و اعمال کی شریعتِ مطہرہ اجازت دے گی وہ تو جائز ہوں گے لیکن جن اذکار و اعمال کی اجازت شریعت نے نہیں دی اور نہ ہی کسی دلیل شرعی سے نقل ہو کر آئے ہیں تو ایسے اذکار و اعمال ممنوع، مکروہ، خلافِ سنت اور بدعت ہیں۔ اور جو ایسے غیر منقول اعمال کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں وہ گناہ کے مرتکب ہیں، خواہ بظاہر کتنا ہی نیکی کا کام ہو، وہ گناہ ہے۔ کیونکہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ سنت طریقہ کی مخالفت کرنے والا یا غیر منقول اعمال کو اپنا معمول بنا کر اسے نیکی کا کام سمجھنے والا مسیئ یعنی گنہگار، بدکردار اور مبتدع یعنی بدعتی ہے۔ جیسا کہ:

○ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ میں ہے: بدعۃ وھی خلاف السنۃ۔

○ صفحہ ۲۷۱ میں ہے: اخطأ السنۃ فیصیر مسیئاً۔

○ صفحہ ۲۲۸ میں ہے: یصیر مسیئاً بترکہ (ای السنۃ)

○ صفحہ ۲۲۳ میں ہے: اساء بترکہ الاقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

○ ... صفحہ ۱۵۴ میں ہے: مسیئ لانہ خالف السنۃ۔

○ ... صفحہ ۱۰۳ میں ہے: مسیئ لمخالفتہ المنقول۔

○ ... صفحہ ... میں ہے: مسیئ لمخالفتہ (ای السنۃ)

اور مکروہ کام اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے؛ جیسا کہ: "شریعۃ الاسلام" میں بحوالہ مجموعہ نوادرات قلمی ورق ۴۴ کا سطرا تحریر فرمایا ہے: المکروہ لیس بمرضی عند اللہ۔ پس انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرنا' اور قرۃ عینی بک وغیرہ پڑھنا مکروہ اور بدعت ہوا۔ اور اس کا عامل سیئہ کا مرتکب ہوگا۔

جب کسی مباح کام کے کرنے سے عوام کے عقیدہ میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو اور اس بات کا اندیشہ اور خطرہ ہو کہ اس مباح کام کو دیکھ کر کم علم عوام الناس اسے ضروری یا سنت سمجھنے لگیں گے تو ایسے حالات میں وہ مباح کام بھی مباح نہ رہے گا بلکہ ممنوع اور مکروہ ہو جائے گا۔ یہ اہل اصول کا قانون ہے جسے اہل بدعت بریلوی فرقہ کے امام احمد رضا خان بریلوی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے فتاویٰ افریقیہ صفحہ ۳۵ میں لکھا ہے: تکرہ السجدۃ بعد الصلوۃ لان الجہلۃ یعتقدونہا سنۃ او واجبا و کل مباح یؤدی الیہ مکروہ۔ یعنی نماز پڑھ چکنے کے بعد سجدہ کرنا مکروہ ہے' کیونکہ کسی بزرگ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر جاہل لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ یا تو یہ سجدہ سنت ہے یا واجب ہے تو ایسا مباح کام بھی مباح نہیں رہتا بلکہ مکروہ بن جاتا ہے۔ اور یہ مسئلہ بیان کرنے کے بعد امام بریلویت نے البحرالرائق اور ردالمحتار وغیرہما کتب کے حوالجات بھی بطور تائید و دلیل کے تحریر کیے ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۸۰ میں ایک حدیث ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں الٓمٓ تنزیل السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا کہ شافعیہ کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ آج کل بہتر یہ ہے کہ امام فجر کی نماز میں جمعہ کے دن یہ دونوں سورتیں نہ پڑھے' کیونکہ آج کل عام لوگ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ان دونوں سورتوں کے پڑھنے کو واجب سمجھ رہے ہیں' اور جو امام یہ

سورتیں نہ پڑھے اس پر نکیر اور اعتراض کرتے ہیں' اس لیے دونوں فتوے اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ مباح عمل کا مقام تو رہا' حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ایسا معمول جس پر عمل کرنے کے لیے نہیں فرمائی یعنی سنت غیر مؤکدہ جو صحیح سند کے ساتھ منقول بھی ہو تب صورت میں جبکہ عوام الناس اس سنت غیر مؤکدہ اور معمول ہی کو ضروری اور واجب سمجھنے لگیں تو اسے چھوڑ دینے کا حکم ہے۔

© اب ظاہر ہے کہ جس مسئلہ پر ہم یہ کتاب لکھ رہے ہیں یعنی انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا' تو چونکہ عوام الناس اس عمل کو ضروری سمجھتے ہیں' جس کی علامتوں میں سے ایک علامت تو یہی ہے کہ یہ لوگ انگوٹھے نہ چومنے والوں کو برا سمجھتے ہیں اور یہ عمل نہ کرنا حب رسولؐ کے منافی اور گستاخی رسولؐ کی بڑی علامت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس میں شک نہیں کہ جو عمل حب رسولؐ کے منافی ہو اور اس سے گستاخی رسولؐ ٹپکتی ہو تو وہ حرام اور مُفضی الی الکفر ہی نہیں بلکہ کھلا اور صریح کفر ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

کراہت ⑦ یہ عمل مردود سنت مشہورہ معمولہ و محفوظہ کے ترک کر دینے کا موجب اور سبب ہے' جیسا کہ اضطراب کی دوسری صورت میں ہم بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ اور جو عمل سنت مشہورہ' معمولہ و محفوظہ کے ترک کا سبب بنے وہ مکروہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عمل مکروہ ہوگا۔ اور یہ ایسا منحوس عمل ہے جس کی نحوست کا اتنا بڑا اثر ہوا کہ اس کی وجہ سے ایک سنت مؤکدہ پر عمل رہ گیا اور وہ متروک العمل ہوگئی۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما احدث قوم بدعة الا رفع اللہ مثلها من السنة (مشکوٰۃ صفحہ ۳۱) یعنی بدعت وہ مذموم اور منحوس عمل ہے جس کی نحوست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سنت اور اس کی برکات اٹھا لیتا ہے اور پھر لوٹ کر ان کا آنا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مُبتدعین حضرات اجابت مسنونہ یعنی اذان کے جواب کا سنت طریقہ عوام کے سامنے بیان کرنے کی

ہمت نہیں کرتے بلکہ اس کے مقابلے میں اس بدعت عمل کو اپنا معمول بنانے پر زور دیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ اسی عمل بد کی نحوست ہے کہ اجابت مسنونہ سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی۔

یخفا اس عمل کو نصاریٰ کے عقیدہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کی ابتداء اہل اسلام میں کس نے کی، کس نے ہمارے ذخیرۂ احادیث میں چپکے سے حدیث قدسی کے نام سے لے داخل کیا۔ اس سلسلے میں تو پہلے کافی کچھ لکھا جا چکا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ وضعی اور من گھڑت مسئلہ ہے، لیکن اس کا اصل ماخذ معلوم نہ ہو سکا تھا۔

○ بہرحال تلاش بسیار کے بعد معلوم ہو گیا کہ دراصل یہ نصرانیوں کی کارستانی ہے، جو انہوں نے موقع پا کر صدیوں پہلے کی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے راویوں کا کچھ علم نہیں ہو سکا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کسی زندیق کی دسیسہ کاری ہو۔ جس نے اپنا نام ظاہر کیے بغیر نصرانی عبارت میں روح القدس کی جگہ نور محمدی کا لفظ لکھ کر مسلمانوں کے عقائد میں شرک کا بیج بونے کی کوشش کی۔ چنانچہ مشہور عالم:

① محمد عمر اچھروی نے اپنی مشہور کتاب "مقیاس حنفیت" صفحہ ۲۰۳ پر اور
② احمد یار خان بدایونی ثم گجراتی نے "جاء الحق" صفحہ ۳۷۹ و ۳۸۰ میں نصرانیوں کی کتاب "انجیل برنباس" صفحہ ۶۰ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:
"حضرت آدم علیہ السلام کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں روح القدس کا نور چمکایا گیا تو انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا"۔

○ انجیل برنباس کا حوالہ دے کر ان دونوں علماء نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کر لیا ہے کہ درحقیقت انگوٹھے چومنے کا عمل مسیحیوں کا معمول ہے۔ اور ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بھی انہی جیسا عمل روح القدس کی بجائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کریں۔ اس طرح اس عمل میں مسیحیوں کے ساتھ مشابہت بھی ہو گئی۔ اور اس عمل کے مکروہ اور واجب الترک ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

غیر قوموں سے مشابہت کی ممانعت:

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو غیر قوموں کے ساتھ مشابہت کرنے سے سخت لہجہ میں منع فرمایا ہے' اس لیے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے علماءِ حق ہمیشہ ایسے کاموں سے روکتے رہے ہیں' جن میں غیر قوموں کے ساتھ مشابہت ہو۔ چنانچہ:

حدیث ۱: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من تشبه بقوم فهو منهم (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۰۳) کہ جس شخص نے کسی غیر قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی تو وہ (ہماری بجائے) انہی میں شمار ہوگا۔

حدیث ۲: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تشبهوا باليهود (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۵) کہ یہودی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔ اس روایت کے دیگر راوی ① سیدنا جُبیر' ② سیدنا عبداللہ بن عباس' ③ سیدنا جابر' ④ سیدنا ابوذر' ⑤ سیدنا انس' ⑥ سیدنا ابو رمثہ' ⑦ سیدنا جہدمہ' ⑧ سیدنا ابوالطفیل' ⑨ سیدنا جابر بن سمرہ' ⑩ سیدنا ابو جحیفہ۔ اور ⑪ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

حدیث ۳: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میری ہمشیرہ حضرت مُغیرہ رضی اللہ عنہا میرے بچپن کے زمانے میں مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئیں' میرے سر پر بالوں کے دو جوڑے تھے' جنہیں دیکھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے سر سے یہ دونوں جُوڑے منڈا دو' یا فرمایا کہ کاٹ دو۔ کیونکہ یہ یہودیوں کا شعار ہے۔ احلقوا هذين او قصوهما فان هذا زي اليهود (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)

حدیث ۴: سیدنا ابوالملیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن جلود السباع ان تفترش (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷) کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھالوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔

۵ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے مجوس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: انهم يوفرون سبالهم و يحلقون لحاهم فخالفوهم (معجم اوسط جلد ۲ صفحہ ۳۲) کہ مجوسی اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں، اس لیے تم ان کی مخالفت کرو، یعنی مونچھیں کٹاؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔

○ اس مقام پر محشی نے حضرت حافظ ابن حجرؒ کی شرح سے نقل فرمایا ہے: انهم كانوا يقصون لحاهم و منهم من كان يحلقها۔ کہ بعض مجوسی لوگ اپنی ڈاڑھیاں کترواتے تھے اور بعض بالکل ہی منڈوا دیتے تھے۔ (دیکھیے: التَّبْيِيْنُ فِيْ أَنَّ إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ فِي الدِّيْنِ مطبوعہ: گلستانِ رمضان ۱۴۳۰ھ)

۶ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لا تسلموا تسليم اليهود و النصارى فان تسليمهم بالاكف و الرؤس و الاشارة کہ یہود و نصاریٰ کی طرح سلام نہ کیا کرو، کیونکہ وہ ہتھیلیوں، سروں اور اشارے سے سلام کرتے ہیں۔ (عمل الیوم و اللیلہ صفحہ ۱۱۹)

۷ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے سرخ رنگ والی مجوسیوں کی مخصوص زین پوش سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۲۵)

○ نیز ترمذی صفحہ ۳۰۶ میں یہی روایت ① امیر المومنین سیدنا امام علیؓ اور
② امیر المومنین سیدنا امام معاویہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

۸ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ناخن سے ذبح نہ کرو، کیونکہ یہ حبشی (کفار) کی چھری ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۵۷)

○ بہرحال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور تمام سلف و خلف نے حضرت نبی کریم ﷺ کے انہی ارشادات و فرمودات کی وجہ سے ہر قسم کی مشتبہانہ تبدیلیٔ ہیئت اور تبدیلیٔ معاشرت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور وہ ہمیشہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں سے اپنے دور میں نئے پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کرتے تھے۔ مثلاً:

غیر قوموں کی مشابہت سے اجتناب کا حکم:

① ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرماتی تھیں، کیونکہ یہ یہود کا کام ہے۔ (بخاری صفحہ ۴۹۱)

② سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا، آپ نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ اس تقریب میں کچھ عجمی رسمیں ادا کی گئی ہیں، لہٰذا آپ واپس ہو گئے اور فرمایا: من تشبہ بقوم فھو منھم (صراط مستقیم از ابن تیمیہ)

③ حضرت حسن بصریؒ نے من تشبہ بقوم فھو منھم کے تحت فرمایا: قلما تشبہ رجل بقوم الا کان منھم کہ بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت کی ہو اور وہ آخر کار اسی قوم سے نہ ہو گیا ہو۔

④ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ: قبر پر ہاتھ رکھنا اور قبر کو بوسہ دینا منع ہے۔ کیونکہ یہ یہودیوں کا کام ہے۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۴۸)

○ نیز تشبہ بالیہود والنصاریٰ کی وجہ سے قبر کو بوسہ دینے کی ممانعت سے متعلق یہی بات دیگر کتب کثیرہ میں بھی صراحۃً موجود ہے۔ مثلاً:

① علامہ مناوی کی شرح جامع صغیر ② الصواعق الالٰہیہ
③ مضمرات ④ فتاویٰ تاتارخانیہ
⑤ فتاویٰ کبریٰ ⑥ المفیدۃ المستفیدہ
⑦ احیاء العلوم از امام غزالیؒ، وغیرہ نیز:
⑧ زعفرانیؒ نے کہا کہ قبر و مثل قبر پر ہاتھ رکھنا اور بوسہ دینا بدعت ہے۔
⑨ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیکھا تو اسے منع فرمایا۔ نیز:
⑩ حضرت امام مالکؒ ⑪ حضرت امام شافعیؒ۔ اور:
⑫ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس عمل کا سختی سے انکار کرتے تھے۔
(استخراج از فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۸۹ جلد ۳)

⑤ حضرت علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبروں پر چراغاں کرنا منع ہے۔ کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے۔ (کتاب الزواجر صفحہ ۲۲۰)

⑥ ہدایہ میں ہے کہ امام محراب کے اندر کھڑا نہ ہو۔ کیونکہ اس پر اہل کتاب کا عمل ہے۔

⑦ بزرگوں کا ہاتھ چومنا اعاجم یعنی ایرانی کفار کی عادت تھی' اس لیے مسلمانوں کو ایسا کرنا منع ہے۔ (فتاویٰ برہنہ صفحہ ۵۳)

⑧ بلند آواز سے دعاء مانگنا اور عبادت کے وقت سر کو ننگا اور کھلا رکھنا اس لیے بدعت ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی عادت ہے کہ مجلس وعظ و عبادت میں پوری جماعت کے ساتھ مل کر بآوازِ بلند دعاء مانگتے ہیں اور ان کا سر ننگا ہوتا ہے۔ (فتاویٰ برہنہ صفحہ ۳۲۱ و ۳۲۲)

⑨ فقیروں اور غنیوں کو میت کے گھر میں بطور مہمانی کے کھلانا ناجائز ہے۔ کیونکہ جاہلیت عرب اور ہندوستان کے تمام ہنود کی رسم ہے اور اس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ صفحہ ۹۷)

⑩ چپ کا روزہ ممنوع ہے اس لیے کہ اس میں مجوس کے ساتھ مشابہت ہے۔

⑪ چلنے میں میانہ روی اختیار کرے۔ یہود کی سی پوبیا چال اور نصاریٰ کا سا آہستہ آہستہ چلنا اختیار نہ کرے' کیونکہ ہمیں یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔ (فتاویٰ برہنہ صفحہ ۵۱)

⑫ سیوم و دہم چہلم جملہ رسوم ہنود کی ہیں۔۔۔۔ بدعت و مکروہ تحریمہ ہیں۔ یعنی تیجا' دسواں اور چالیسواں اس لیے بدعت و مکروہ تحریمہ ہیں کہ یہ تمام ہندوؤں کی رسمیں ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۰)

⑬ میت کے گھر والوں سے کھانا لینا تشبہ بالکفار ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ صفحہ ۹۷)

⑭ توشہ (وہ کھانا جو مردے کے ساتھ لے جاتے ہیں اور اسے دفن کرنے کے بعد فقراء میں تقسیم کر دیتے ہیں' یا اناج وغیرہ) مردہ کے ساتھ لے جانا عادت یہود و ہنود و کفار کی ہے۔۔۔ سو اس کا کرنا بدعت اور گناہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ صفحہ ۹۱)

(۱۵) نرد شیر (یعنی شطرنج) کھیلنا بالاجماع حرام ہے۔ کیونکہ یہ مجوس یعنی ایرانی کفار کی سُنت ہے۔ (اسنی المطالب صفحہ ۳۶۵)

(۱۶) کفایت المفتی جلد ۹ میں مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اظہارِ مسرت کے لیے مجامع میں تالیاں بجانا کفارِ یورپ کا خاص طریقہ ہے... کفارِ یورپ کی مشابہت ہے۔ (صفحہ ۱۰۲) نیز صفحہ ۱۵۸ میں فرمایا:

(۱۷) دھوتی باندھنے کی وہ صورت جس میں غیر مسلموں سے مشابہت ہو (یعنی لنگوٹی کی طرح) یا ستر کھلا رہے یا کھلنے کا احتمال ہو (جیسے وسطِ پنجاب کے لوگ باندھتے ہیں) ناجائز ہے۔

(۱۸) دھوتی اس طرح باندھے کہ سترِ عورت چھپ جائے یعنی بغیر شلوار کے یہ ہیئت مشابہت ہنود کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۱۴۸)

(۱۹) سیاہ شیروانی یا سیاہ عمامہ وغیرہ ایک سیاہ کپڑا عمامہ پر یا بازو یا کسی دوسرے موقع پر لگانا ناجائز اور شعارِ روافض سے ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۱۴۹)

(۲۰) انگریزی وضع کے بال رکھنا مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (صفحہ ۱۷۰)

(۲۱) انگریزی لباس، کوٹ پتلون پہننا بوجہ مشابہت کفار کے مکروہ ہے۔ کوٹ، سوٹ، بوٹ یورپین اقوام کی وضع ہے۔ (صفحہ ۱۵۹،۱۶۰) نیز صفحہ ۲۷۱ میں فرمایا:

(۲۲) ورزش کے بہت سے طریقے ہیں جن میں سے بعض طریقے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص قوم کفار کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً کرکٹ، فٹ بال، ہاکی وغیرہ کہ ان میں یورپین کفار کی مشابہت کی وجہ سے کراہت ہے۔ تاہم اگر ان چیزوں میں مشغولی کی وجہ سے نماز یا اور کسی امرِ شرعی میں نقصان نہ آئے تو صرف تشبہ کی وجہ سے کراہت ہوگی۔

(۲۳) شادی بیاہ کے موقع پر مختلف ہندوانی رسمیں ادا کی جاتی ہیں، مثلاً:

① منگنی کے موقع پر دولہا دولہن کو آمنے سامنے بٹھاتے ہیں، دولہن کی بہنیں اور سہیلیاں دولہا سے مذاق کرتی ہیں اور بھونڈے گاتی ہیں۔

② شادی کی گانٹھ یا تاریخ مقرر کرنے کے موقع پر عورتوں کا ہولی کی طرح مردوں پر رنگ پاشی کرنا۔

③ گھڑولی کی رسم جس میں عورتیں جلوس کی شکل میں ڈھول باجے کے ساتھ ناچتی گاتی ہوئی دولھا کو نہلانے کے لیے پانی لاتی ہیں۔
④ دولھا کو نہلانے کے لیے نائی کا آنا اور دیگر رسوم۔
⑤ دولھا کی سہرابندی اور اس موقع کی دیگر خرافات۔
⑥ دولھا کو گھوڑے پر سوار کرنے کی رسم۔
⑦ دولھا کے ہاتھ میں لوہے کا ہتھیار، چھری وغیرہ پکڑانا
⑧ برات کے ساتھ دولھا کی ماں کو نہ لے جانا۔
⑨ ساچق یا رسم حنا کے موقع پر دیگر خرافات کے علاوہ نوجوان لڑکیوں کا رقص اور گانے گانا۔
⑩ دلہن کو مائیوں بٹھانا، اور اس موقع پر کئی کئی روز عورتوں کا ڈھولک بجانا اور گانے گانا۔
⑪ شہ بالا بنانا۔
⑫ نکاح کے بعد دولھا کی رونمائی کے موقع پر دودھ پلائی کی رسم میں دلہن کی سہیلیوں کا دولھا سے مذاق کرنا اور بے حجاب ہونا۔
⑬ دیگر غیر اسلامی رسوم کے علاوہ دھنگانے کی رسم میں بے پردگی۔
⑭ جہیز کی رسم۔
⑮ برات کی واپسی پر گیت۔
⑯ رخصتی کے موقع پر زر پاشی۔
⑰ دولھا کے گھر دلہن کی رونمائی، جس میں تمام رشتہ دار مرد اور عورتیں دلہن کا منھ دیکھتے ہیں۔
⑱ دلہن کی گود میں بچہ بٹھانا۔
⑲ چوتھی کی رسم کی ادائیگی کے موقع پر دلہن کی سہیلیاں اور بہنیں آٹے وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے بت یا پتلے بنا کر دولھا کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے نام سے موسوم کرکے گالیاں دیتی ہیں اور بیہودہ مذاق کیے جاتے ہیں۔ یہ سب رسوم و رواج تشبہ بالہنود کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہیں۔

۴۳ شادی کے بعد حمل، اور پھر اس کے بعد بچے کے ولادت سے جوانی تک مختلف غیر اسلامی رسوم ادا کی جاتی ہیں، مثلاً:

① ستوانسا، حمل ہونے کے بعد ساتویں مہینہ کی رسوم۔
② نوماسا، نویں مہینہ کی رسوم۔
③ بچے کی ولادت کے موقع پر مختلف رسوم میں پان، بتاشے کی تقسیم، گھٹی، پتی اور چھٹی کی رسوم اور رقص، ڈھولک اور گانا وغیرہ بھی ہوتا ہے۔
④ چھوچھک کی رسم۔
⑤ زچہ کو تارے دکھانے کی رسم۔
⑥ بجیر بچہ کی رسم۔
⑦ سروان کرنے کی رسم۔
⑧ رسم دھمن جس میں سات دن تک مسلسل آگ جلائی جاتی ہے۔
⑨ نام رکھنے کے موقع پر غیر اسلامی کام۔
⑩ بڑا چلا نہا کر عورت کا اپنے میکے پاؤں پھیرنے کے لیے جانا۔
⑪ مرنڈوں کی رسم۔
⑫ دانت نکلنے کی رسم۔
⑬ برس گانٹھ یا سالگرہ کی رسم۔
⑭ دودھ چھڑانے کی رسم۔
⑮ ختنہ جیسے اسلامی فریضہ کی ادائیگی کے موقعے پر ڈھول باجے بجانا۔
⑯ بچے کو گھوڑی چڑھانے کی رسم۔
⑰ بسم اللہ کی رسم میں بچے کو دولھا بنانا۔
⑱ مونچھوں کا کونڈہ، اور:
⑲ چھٹی، دودھ چھٹائی، سالگرہ، بسم اللہ کی رسم اور شادی بیاہ کے موقعوں پر رتجگا کرنا اور ساری رات گلگلے تلنا۔ یہ تمام رسم و رواج غیر اسلامی ہیں اور تشبہ بالہنود کی

وجہ سے ناجائز اور حرام ہیں۔

(۲۵) برات کے جلوس اور ڈھول باجے بجانا اور ہندوؤں کے مشابہ جلوس نکالنا ناجائز ہے اور ایسے جلوس کی شرکت بھی ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی جلد۹ صفحہ ۱۹۰)

(۲۶) رواج کو شریعت پر مقدم کرنا اور ترجیح دینا کفر ہے۔ (کفایت المفتی جلد۹ صفحہ ۲۶۵)

(۲۷) جو رواج شریعتِ اسلامیہ کے صریح خلاف ہو اس کو بمقابلہ شریعت کے اختیار کرنا مسلمانوں کو شریعت سے خارج کر دیتا ہے۔ (کفایت المفتی جلد۹ صفحہ ۲۷۴)

(۵) شریعت مطہرہ میں تشبہ بالکفار کی طرح تشبہ بالنساء بھی ناجائز ہے جیسا کہ: حضرت مفتیِ اعظم ہند استاذی المکرم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کفایت المفتی جلد۹ صفحہ ۱۵۱ میں تحریر فرمایا ہے:

(۲۸) مرد کو ایسی چیزیں استعمال کرنا جو عورتوں سے تشبہ پیدا کریں مکروہ ہے۔

(۲۹) مرد کے لیے ریشم کا لباس اور کفار و فساق کے مشابہ لباس اور ٹخنوں سے نیچا اور عورتوں سے مشابہ لباس منع ہے۔ (جلد۹ صفحہ ۱۵۸) نیز صفحہ ۲۶۹ میں فرمایا:

(۳۰) رنگین لباس جو عورتوں یا ہیجڑوں یا فساق فجار کے لباس کے مشابہ ہو پہننا ناجائز ہے۔

(۶) بہرحال ہمارا موقف یہ ہے کہ جس طرح دیگر متعدد رسوم صرف تشبہ بالکفار، تشبہ بالہنود والیہود کی وجہ سے ناجائز، بدعت اور مکروہ ہیں، اسی طرح انگوٹھے چومنے کا عقیدہ رکھنا بھی تشبہ بالنصاریٰ کی وجہ سے بدعت اور مکروہ ہے۔

کراہت ۲ اپنا یا دوسرے مرد وزن کا ہاتھ چومنے کو علماء و فقہاءِ عظام نے مطلقاً منع فرمایا ہے اور علماءِ دین و فقہاءِ شرعِ مبین اسی چیز کو منع فرماتے ہیں جو کہ شرعِ محمدی میں قبیح ہو۔ چنانچہ:

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ جلد۱ صفحہ ۳۱۰ میں ہے کہ: لو قبل ید نفسه یکره و لو قبل ید الآخر کذلك عند اصحابنا۔ یعنی اپنا ہاتھ چومنا بھی مکروہ ہے اور اسی طرح دوسرے شخص کا ہاتھ چومنا بھی ہمارے اصحاب (حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذۂ کرام حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام زفرؒ اور حضرت امام حسن بن زیادؒ وغیرہم) کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۴) فتاوی عالمگیریہ جلد ۶ صفحہ ۳۳۴ میں ہے: واما الکلام فی تقبیل الید فان قبل ید نفسہ لغیرہ فھو مکروہ۔ کہ اور رہی بات اپنا ہاتھ چومنے کے بارے میں، سو اگر یہ شخص اپنا ہاتھ ہی کسی دوسرے شخص کی تعظیم کی خاطر چومتا ہے تو بھی یہ مکروہ ہے۔

(۵) محقق فقہاء میں سے کسی فقیہ نے اس قاعدۂ کلیہ میں کسی واجب التعظیم ہستی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا، بلکہ مطلقاً کراہت کا فتویٰ لگایا ہے، اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہوتے تو یہ فقہاء اس قاعدہ سے آپ کو ضرور مستثنیٰ فرماتے۔ معلوم ہوا کہ ہاتھ چومنا مطلقاً مکروہ ہے، خصوصاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر اپنا ہاتھ چومنا تو دیگر کئی مکروہات کا بھی حامل ہے، جن کا تفصیلی بیان پہلے کیا جا چکا ہے۔

باب ثالث

دلائلِ مانعین

○ اہلِ اصول نے قانون بیان کیا ہے کہ : "دعویٰ کی دلیل مدعی کے ذمے ہوتی ہے اور مدعا علیہ (یا مانع) کے ذمے نہ دعویٰ ہے نہ اثباتِ دلیل"۔ اس لیے جو لوگ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنے کو سنت، مستحب یا موجبِ اجر و ثواب سمجھتے ہیں، ان پر واجب ہے کہ اپنے دعویٰ کو دلائلِ اربعہ (نصِ قرآنی، حدیثِ صحیح، اجماعِ اُمتِ مسلمہ، قیاسِ مجتہد مثلاً : قال ابو حنیفة یا قال ابو یوسف یا قال محمد وغیر ذلك. میں سے کسی دلیلِ شرعی سے ثابت کریں۔ اور اگر ان کی پیش کردہ دلیل میں کچھ سقم یا عیب ہے گا تو مدعا علیہ صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ تمھاری دلیل درست نہیں۔ البتہ اس کے ساتھ اپنے قول کی تائید میں سند بھی بیان کرے تو بہت اچھا ہے۔

○ اسی طرح انگوٹھے چومنے سے منع کرنے والے اور اس عمل کو مکروہ اور بدعت قرار دینے والے کیلیے صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ عمل حضرت نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے، اور کسی صحابیؓ کا معمول بھی نہیں تھا، اور نہ خیرالقرون سے بسندِ صحیح نصاً ثابت ہے یعنی سلف صالحینؒ کے زمانہ میں بھی یہ معمول بہ نہیں تھا، اس لیے ہم اس عمل کو خلافِ سنت، ممنوع، مکروہ اور بدعت کہتے ہیں۔

○ اور جو روایتیں مجوزین تقبیلِ ابہامین اپنے جھوٹے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں وہ صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہیں۔ ان روایات کو دلیل میں پیش کرنا سراسر غلط ہے۔ کیونکہ دلیل تو (دلائلِ اربعہ میں سے) حدیثِ صحیح ہوتی ہے۔ اور مجوزین کی بیان کردہ روایات میں سے کوئی حدیث صحت اور سند کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ چنانچہ ہم نے بابِ ثانی میں ان روایات کے سقم اور عیب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سطورِ ذیل میں ان محدثین کرامؒ کے اسمائے گرامی لکھے جاتے ہیں، جنھوں نے اس روایت کو ناقابلِ عمل قرار دے کر اس کی تردید کی ہے۔

اسمائے مانعین تقبیل ابہامین

① حضرت امام سخاویؒ
② حضرت علامہ محمد طاہر فتنیؒ
③ حضرت علامہ سید ابن عابدینؒ
④ حضرت ملا علی قاریؒ
⑤ حضرت امام شوکانیؒ
⑥ حضرت علامہ نابلسیؒ
⑦ صاحب مجمع الغرائب
⑧ حضرت شیخ جلال الدین سیوطیؒ
⑨ حضرت علامہ محدث حطابؒ
⑩ حضرت علامہ عینیؒ
⑪ صاحب شرح الیمانیؒ
⑫ حضرت محدث ابو نعیم اصفہانیؒ
⑬ حضرت امام جراحیؒ
⑭ حضرت علامہ محمد یعقوب البنانیؒ
⑮ حضرت علامہ ابو اسحاق بن عبد الجبار کابلیؒ
⑯ حضرت امام ابو الحسن عبد الغافر فارسیؒ
⑰ شیخ الاسلام عبد الرحمٰن بن علی اثری شافعیؒ صاحب تمییز
⑱ حضرت علامہ محمد بشیر الدین قنوجیؒ تلمیذ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ
⑲ شیخ الاسلام حضرت علامہ عبد الرحمٰن بن علی شافعی اثریؒ

○ ان محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے چند ایک کی عبارات بطور نمونہ از خروارے اس مقام پر تحریر کی جاتی ہیں:

محدثین کے اقوال:

① حضرت علامہ ابو اسحٰق بن عبد الجبار کابلیؒ نے عبد السلام لاہوریؒ کے رسالہ کی شرح میں تحریر فرمایا ہے:

عبارت قد تکلموا فی احادیث وضع الابہامین علی العینین فلم یصح شیٔ منہا بروایۃ ضعیفۃ ایضاً ولذا صرح بعضہم بوضع کلہا۔ کہ علمائے کرامؒ نے ان احادیث میں کلام کیا ہے جن میں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنے کا ذکر ہے۔ سو ان احادیث میں سے کوئی ایک حدیث کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے صاف اور واشگاف الفاظ میں

فرمایا ہے کہ: یہ سب کی سب حدیثیں موضوع اور من گھڑت ہیں۔

(۲) حضرت امام ابوالحسن عبدالغافر فارسیؒ نے "مفہم شرح مسلم" اور "مجمع الغرائب فی کتاب اقوال الاکاذب" میں تحریر فرمایا ہے:

والروایات فی هذا الباب کثیرة لا اصل لها بسند ضعیف ایضا وقال الحافظ ابو نعیم الاصفهانی ما روی فی ذٰلك موضوع۔ کہ اس باب میں کثرت سے روایات ہیں جن کا کوئی اصل نہیں۔ سند ضعیف سے بھی ثابت نہیں۔ اور حضرت حافظ ابو نعیم اصفہانیؒ نے فرمایا کہ: اس باب میں جس قدر روایات ہیں سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔

(۳) حضرت علامہ محمد بشیر الدین قنوجیؒ تلمیذ رشید حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلویؒ نے کنز الدقائق کے حاشیہ صفحہ ۱۰ میں تحریر فرمایا ہے:

قال الشیخ جلال الدین السیوطیؒ فی تیسیر المقال فی المتون والرجال و الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل و جعلها علی العینین عند سماع اسمه ﷺ من المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات۔ یعنی حضرت شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے تیسیر المقال میں فرمایا ہے کہ: مؤذن سے کلمۂ شہادت میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سُن کر اپنی انگلیوں کے پوروں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں جتنی احادیث بھی مروی ہیں وہ تمام کی تمام موضوع اور من گھڑت ہیں۔

(۴) حضرت امام سخاویؒ کی کتاب مقاصدِ حسنہ ص ۳۸۵ میں محشی نے تحریر فرمایا ہے: وحکی الحطاب فی شرح مختصرہ خلیل حکایة اخری غیر ما ههنا وتوسع فی ذٰلك ولا یصح شیٔ من هذا فی المرفوع کما قال المؤلف بل کله مختلق کہ شرح مختصرِ خلیل میں اس حکایت کے علاوہ ایک اور حکایت بھی علامہ حطابؒ نے بیان فرمائی ہے جس میں انہوں نے تفصیل کر بحث فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ اس بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

جیسا کہ حضرت مولف (امام سخاوی) نے فرمایا ہے۔ بلکہ سب روایات گھڑتو ہیں۔

○ بہرحال مانعین کے ذمے دلیل پیش کرنا نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود عنوان میں "دلائل مانعین" کا لفظ لکھا ہے۔ سو یہ عوام کو بھی لیے لکھا گیا ہے۔ ورنہ اصل میں یہ اپنے موقف پر "سند" قائم کرتا ہے۔

○ اور اس سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمادیا ہے کہ: "الیوم اکملت لکم دینکم" یعنی آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرمادیا ہے۔

○ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وما ھو علی الغیب بضنین" کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں یعنی جنت، دوزخ، نیکی، بدی اور امور ثواب وعذاب کے بتانے میں جو انہیں وحی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں، بخل سے کام نہیں لیتے۔ تو جیسے دوسرے امور شرعیہ کی تبلیغ میں آپ نے بخل سے کام نہیں فرمایا۔ ایسے ہی اذان کے کلمات کے جواب میں وحی من اللہ کے پہنچانے میں آپ نے بخل سے کام نہیں لیا۔ اور جو ثواب حاصل کرنے کی چیز تھی وہ صاف صاف ارشاد فرمادی۔ جیسا کہ باب ثانی میں تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیث صحیحہ مشہورہ متواترہ سے ثابت کیا جاچکا ہے۔

○ اور اگر وہ عمل جو مجوزین پیش کرتے ہیں اور اس پر سختی سے عمل کرتے ہیں وہ واقعی عمل خیر ہوتا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو وہ عمل ضرور تعلیم فرماتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر ضرور عمل ہوتا۔ اور مجتہدین کرام میں سے کوئی نہ کوئی تو ضرور اس کا قائل ہوتا۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مانعین اس من گھڑت عمل کو خلاف سنت، بدعت اور مکروہ قرار دیتے ہوئے اس عمل سے روکتے ہیں اور بطور سند مشہور فقہائے کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ:

○ سطور ذیل میں ہم مشہور فقہاء کرام کے فتوے بطور سند کے پیش کر رہے ہیں۔

متقدمین فقہاءِ کرام کے فتوے:

فتویٰ ۱ مجموع النوازل کے حوالے سے حضرت علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی ہندی (متوفی ۷۸۶ھ) نے اپنے "فتاویٰ تاتارخانیہ" صفحہ ۵۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ: اگر کوئی انسان قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہو اور اثنائِ تلاوت میں اپنی مسجد کے مؤذن کی آواز سن لے تو قرآن مجید کی تلاوت چھوڑ کر مؤذن کے کلماتِ اذان کا جواب دے۔

فتویٰ ۲ حضرت امام ظہیر الدین سے دریافت کیا گیا کہ: مؤذنین کی اذانوں کی آوازیں بیک وقت کئی سمتوں سے آنے لگیں تو کس کی اذان کا جواب دیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: بالفعل اپنی مسجد یعنی جس میں وہ نماز پڑھتا ہے اس مسجد کی اذان کا جواب دینا ضروری ہے۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ صفحہ ۵۲)

فائدہ معلوم ہوا کہ یہ بدعت آٹھویں صدی ہجری تک دیارِ ہند میں نہیں پہنچی تھی۔

فتویٰ ۳ حضرت قاضی حسن منصور بن محمود اوزجندی (متوفی ۵۹۲ھ) نے "فتاویٰ قاضی خان" صفحہ ۳ میں تحریر فرمایا ہے: اذان سننے والے کے ذمے ضروری ہے کہ ان کلمات کا جواب دے جو مؤذن کہہ رہا ہے۔

فتویٰ ۴ "فتاویٰ سراجیہ" صفحہ ۱۷ میں ہے: قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے نے جب اذان کی آواز سنی تو اس کے لیے فضیلت کی بات یہی ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت چھوڑ دے اور اذان سنے۔ فتاویٰ قاضی خان جلد ۱ صفحہ ۳۸ میں بھی اسی طرح ہے۔

فتویٰ ۵ حضرت علامہ ابن نجیم نے "البحر الرائق" جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ میں تحریر فرمایا ہے: ولا یشغل بشئ سوی الاجابۃ۔ یعنی مؤذن کی اذان سننے والا مؤذن کے کلمات کا جواب دینے کے علاوہ (انگوٹھے چومنے، تلاوتِ قرآن یا تسبیح اور دیگر) کسی طرح کے کام میں مشغول نہ ہو۔

فتویٰ ۶ "معدن" صفحہ ۱۱۴ میں ہے: ولا یشتغل بشئ من الاعمال سوی الاجابۃ کذا فی التحفۃ۔ یعنی تحفہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے کہ مؤذن کے

کلمات کا جواب دینے کے سوا (انگوٹھے چومنے یا تسبیح یا تلاوت کی طرح) اور کسی کام میں مشغول نہ ہو۔

فتویٰ ۷ حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ نے اپنی فقہ کی کتاب "مختصر الطحاوی" صفحہ ۲۵ فرمایا ہے: ومن سمع المؤذن ولیس فی صلوٰۃ قال کما یقول المؤذن الا فی قولہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح فانہ یقول مکان ذلک لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔ یعنی جو شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو اور مؤذن کی اذان اس کے کانوں میں پڑ جائے تو ویسے ہی کلمات کہتا جائے جیسے کلمات مؤذن کہہ رہا ہے، مگر جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے یا حی علی الفلاح کہے تو ان لفظوں کی جگہ اذان سننے والا لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کہے۔

فائدہ یہ فقہاء کرام کا بتلایا ہوا متفق علیہ قانون ہے کہ: فقہاء کرام کے کلام میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔ تو اس قانون کے مطابق حضرت امام طحاویؒ کی اس عبارت کا بھی یہی مطلب ہوا کہ: اذان سننے والا ان کلمات کے سوا اور کچھ نہ کہے اور نہ کچھ کرے۔

فتویٰ ۸ "مختلص" صفحہ ۱۱۵ میں ہے: ولا یجوز ما سوی ذلک من الکلام۔ یعنی اذان اور اقامت کا جواب دینے کے علاوہ اور کوئی کلام (یا کوئی کام) جائز نہیں ہے۔

فتویٰ ۹ حضرت علامہ محدث عینیؒ نے شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۱۸ میں تحریر فرمایا ہے: ینبغی ان لا یتکلم فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یقرأ القرآن ولا یسلم ولا یرد السلام ولا یشتغل بشیءٍ من الاعمال سوی الاجابۃ یعنی ضروری ہے کہ اذان اور اقامت کے دوران کوئی بات نہ کرے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی نہ کرے، اور کسی شخص کو سلام بھی نہ کرے اور کسی کے سلام کا جواب بھی نہ دے۔ اور اذان و اقامت کے کلمات کا جواب دینے کے سوا کوئی کام نہ کرے۔

فتویٰ ۱۰ "فتاویٰ عالمگیری" جلد ۱ صفحہ ۳۵ میں ہے: ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یشتغل بقراءۃ القرآن ولا بشیءٍ من الاعمال سوی الاجابۃ۔ یعنی اذان اور اقامت کے دوران کلمات سننے والے کو کسی قسم کی باتیں

کرنا مناسب نہیں اور قرآن مجید کی تلاوت میں بھی مشغول نہ ہو' اور اذان واقامت کے کلمات کا جواب دینے کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔

حضرت علامہ کاسانی نے "بدائع صنائع" جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ میں تحریر فرمایا ہے:

ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یشتغل بقراءۃ القراٰن ولا بشئ من الاعمال سوی الاجابۃ۔ ولو کان فی القراءۃ یقطع و یشتغل بالاستماع والاجابۃ کذا فی الفتاوی۔ یعنی اذان واقامت کے دوران سننے والے کو باتیں کرنا بہت ہی نامناسب ہے اور اس دوران تو قرآن مجید کی تلاوت بھی نہ کرے۔ اور اس مسئلہ کو بہت سے مفتیان کرام نے اپنے اپنے فتاووں میں درج فرمایا ہے۔

فائدہ متقدمین فقہاء کرام کے فتووں سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جب اذان ہو رہی ہو تو قرآن مجید جیسی مقدس وقطعی کلام الٰہی کا پڑھنا بھی ممنوع ہے' بلکہ جو شخص قرآن مجید کی تلاوت میں پہلے مشغول ہو' جب اس کے کانوں میں مؤذن کی اذان کے کلمات پڑجائیں تو وہ بھی تسبیح یا قرآن مجید کی تلاوت چھوڑ کر کلمات اذان سنے اور ان کا جواب دے۔

- اس وضاحت کے بعد یہ بات تو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اگر اذان کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کرنا بھی منع ہے اس لیے دوران اذان کوئی دوسرا کام کرنا بطریق اولی ناجائز ہوگا۔
- اور اگر اب بھی کوئی شخص بضد ہو کہ قرآن مجید کی تلاوت کو موقوف کرنے کی صراحت تو موجود ہے' اس لیے اذان کی آواز کے شروع ہوتے ہی تلاوت کلام کو تو موقوف کردینا چاہیے' لیکن اذان کے دوران حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر عقیدت کے اظہار میں انگوٹھے تو چومنے ہی چاہئیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر ایسا کیا جائے تو اس طرح بدعت کی تعظیم اور قرآن مجید کی توہین لازم آئے گی اور یہ دونوں کام حرام اور مفضی الی الکفر ہیں۔

علماءِ متاخرین کے فتوے:

فتویٰ ۱۲ حضرت علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے لطائف المنن کے حاشیہ لواقح الانوار القدسیہ جلد ا صفحہ ۵۵ میں تحریر فرمایا ہے: اخذ علینا العھد العام من رسول اللہ ﷺ ان نجیب المؤذن بما ورد فی السنۃ ولا نتلاھی عنہ قط بکلام اٰخر ولا غیرہ ادبًا مع الشارع علیہ السلام فان لکل سنۃ وقتا یخصھا فلا جابۃ المؤذن وقت و للعلم وقت و للتسبیح وقت و لتلاوۃ القراٰن وقت کما انہ لیس للعبد ان یجعل موضع الفاتحۃ استغفارا ولا موضع التسبیح للرکوع ولا السجود قراءۃ ولا موضع التشھد غیرہ و ھکذا. یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہم سے یہ عہد لیا جاچکا ہے کہ ہم صرف انہی الفاظ کے ساتھ اذان کا جواب دیا کریں جو الفاظ صحیح سند کے ساتھ حدیث شریف میں آئے ہیں۔ ان کلمات مسنونہ میں کبھی اور کلام یا کام کے ذریعے کبھی بھی سنت طریقہ سے غفلت اور بے پرواہی نہ برتیں۔ اس لیے کہ حضرت شارع علیہ السلام کا ادب صرف اسی طریقہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک سُنّت کا اپنا اپنا مخصوص وقت ہوتا ہے۔ مثلاً:

① مؤذن کی اذان کا جواب دینے کے لیے اس کا اپنا یہ خاص وقت ہے۔

② اور حصول علم کے لیے اپنا وقت مقرر ہے۔

③ اور تسبیح پڑھنے کا الگ وقت مقرر ہے۔

④ اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے الگ وقت مقرر ہے۔

○ بندے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ نماز پڑھتے وقت قیام کی حالت میں سورۂ فاتحہ کی جگہ استغفار پڑھنا شروع کردے۔

○ اور اس کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں تسبیحات کی بجائے سورۂ فاتحہ یا قرآن مجید کی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھنی شروع کردے۔

○ اور نہ ہی اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ نماز میں بحالتِ قعدہ تشہد (التحیات للہ۔۔۔) کی جگہ کچھ اور پڑھنا شروع کردے۔

اور اسی طرح شریعت کے بیان کردہ تمام احکام کو اس پر قیاس کر لیجیے۔

فتویٰ ۱۲ امام المسند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے حوالے سے "فتاویٰ عثمانی" جلد ۲ صفحہ ۷۵ میں لکھا ہے کہ شاہ صاحب نے فرمایا ہے: دروقت اذان سوائے جواب کلمات اذان (ﷺ) چیزے دیگر ثابت نشدہ ودر وقت ذکر نام آن حضرت ﷺ سوائے فرستادن درود و سلام بر آن حضرت ﷺ چیزے دیگر ثابت نشدہ۔ وازیں عمل از روئے احادیث معتبرہ در زمانہ آن حضرت ﷺ و زمانہ خلفائے راشدینؓ نبود۔ پس این عمل را وقت اذان یا وقت شنیدن نام آن حضرت ﷺ سنت یا مستحب دانستہ کردن بدعت است۔ ازیں امر احتراز باید کرد۔ وآنچہ در بعضے کتب فقہ این می نویسند آن کتب چنداں اعتبار نہ دارند۔ (فتاویٰ عزیزی) یعنی اذان سنتے وقت ان کلمات اذان کا جواب دینے کے سوا اور کوئی چیز حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہوئی۔ اور معتبر احادیث کی رو سے یہ عمل (یعنی انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا) حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ پاک میں نہ تھا، اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی یہ عمل نہیں تھا۔ پس اذان سنتے وقت یا حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سنتے وقت سنت یا مستحب سمجھ کر یہ عمل کرنا بدعت ہے، اس کام سے بچنا چاہیے۔ اور فقہ کی جن کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے ان کا کچھ اعتبار نہیں۔

فتویٰ ۱۳ حضرت علامہ وحید الزمانؒ نے "شرح موطا امام مالکؒ" صفحہ ۶۷ میں تحریر فرمایا:
افسوس ہے کہ اس زمانہ اخیر میں اذان بھی رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر نہ رہی۔

(۱) بعض لوگوں نے اذان کے کلمات میں بھی کمی بیشی کی۔

(۲) کسی نے اول آخر میں نئی دعائیں تراش لیں۔

(۳) کسی نے ترنم کی۔

(۴) کسی نے انگلیوں کا چومنا۔ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا ضروری جان کر اذان کے جواب کو جو سنت تھا چھوڑ دیا۔

⑤ کسی نے راگ کی طرح اذان میں گانا شروع کر دیا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

فتوی ۱۵ "فتاوی عثمانی" جلد ۲ صفحہ ۵۷ میں ہے کہ: اذان اور اقامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے۔ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

○ جو اس مضمون کی احادیث پائی بھی جاتی ہیں کہ انگوٹھوں کو چوما جائے مگر کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ سب ضعیف ہیں۔

فتوی ۱۶ "فتاوی دارالعلوم دیوبند" جلد ۱ صفحہ ۶۸ میں ہے کہ:

○ علامہ شامیؒ نے قہستانی وغیرہ کے حوالے سے اس تقبیل کا استحباب نقل کر کے بعد میں جراحی سے نقل فرمایا ہے: ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شئی لہٰذا سنت سمجھ کر اس کو نہ کرنا چاہیے۔

○ اور چونکہ عوام اس کو سنت جانتے ہیں اور تارک کو ملامت کرتے ہیں لہٰذا ترک اس کا ضروری ہو گیا۔

فتوی ۱۷ حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی نے بھی "نفع المفتی والسائل" صفحہ ۶۲ میں بحرالرائق جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

○ ولا یقرأ السامع و لا یسلم و لا یرد السلام و لا یشتغل بشئ سوی الاجابۃ ولو کان السامع یقرأ یقطع قرأتہ۔ کہ اذان کے کلمات سننے والا قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے اور نہ کسی کو سلام کرے اور نہ کسی کے سلام کا جواب ہی دے۔ اور اذان کے کلمات کا جواب دینے کے سوا اور کسی کام اور کلام میں مشغول نہ ہو۔

○ اور اگر اذان سننے والا قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو تو تلاوت کرنا بند کر دے۔

فتوی ۱۸ "نفع المفتی والسائل" صفحہ ۲۳ میں العیون کے حوالے سے لکھا ہے: قاریٔ سمع الاذان فالافضل ان یمسک و یستمع الاذان بہ ورد الاثر۔ یعنی قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے کانوں میں اذان کے کلمات پڑ جائیں تو فضیلت اسی

میں ہے کہ تلاوت روک کر اذان کے کلمات سنے۔ کیونکہ حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے۔

فتویٰ ۱۹ "فتاویٰ ظہیریہ" کے حوالے سے "نفع المفتی والسائل" میں ہے:

○ ان المجیب یقول مثل ما یقول المؤذن فی الجمیع کہ جواب دینے والا تمام اذان میں اسی طرح کہے جس طرح مؤذن کہتا ہے۔

فتویٰ ۲۰ حضرت مفتی اعظم ہند استاذی المکرم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ محدث دہلوی نے کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۳۵۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

○ انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے' اس لیے اس کو شرعی حکم سمجھ کر کرنا نہیں چاہیے۔

▣ بہرحال یہ بات تو تمام محدثین اور فقہاء کرام کے ہاں متفق علیہ ہے کہ جب مؤذن کی آواز آپ کے کانوں میں پڑ جائے خصوصاً اس مسجد کے مؤذن کی اذان کی آواز جس میں آپ نماز پڑھتے ہیں تو کان لگا کر اذان سنیں اور جو جو کلمات مؤذن کہتا ہے اس کے جواب میں وہی کلمات آپ بھی کہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں' جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

○ اور ان حوالہ جات سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اگر آپ تسبیح کر رہے ہیں یا تلاوت کلام پاک میں مشغول ہیں اور اذان کی آواز آپ کے کانوں میں پڑ گئی تو اسے موقوف کر کے اذان سنیں اور اذان کے کلمات کا جواب دیں اور من گھڑت باتوں پر عمل کر کے بجائے ثواب کے گناہ کے مرتکب نہ ہوں' اور انگوٹھے چومنے کے کام کا گناہ ہونا تو اچھی طرح واضح کیا جا چکا ہے' پھر اگر کسی کے ذہن میں کوئی اعتراض پیدا ہوتا ہو تو آئندہ صفحات میں ان کا جواب بھی ملاحظہ فرمایئے:

خاتمہ:

بعض اعتراضوں کے جوابات

اعتراض: ہم نے وجہ کراہت ۳ میں لکھا ہے کہ "حضرت نبی کریم ﷺ کی معصوم زبان مبارک سے صادر شدہ عبارت میں کسی قسم کا تغیر تبدل اور کمی بیشی وغیرہ جائز نہیں ہے"۔ اس پر معترضین مبتدعین اعتراض کر سکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو کہ اتباع سنت رسول اللہ ﷺ میں ضرب المثل ہیں: وہ "تلبیہ" میں الرشادِ نبوی سے زائد کلمات بھی پڑھا کرتے تھے۔ تو کیا معاذ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی بھی مبتدع تھے۔ جیسا کہ:

○ ترمذی صفحہ ۱۱۲ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے: كان تلبية النبي ﷺ لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك۔

○ آگے چل کر لکھتے ہیں: والعمل عليه عند اهل العلم من اصحاب النبي ﷺ وغيرهم وهو قول سفيان الثوري، والشافعي واحمد واسحق، یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کے اصحابؓ اور ان کے بعد آنے والے اہلِ علم کے ہاں اسی حدیث پر عمل ہے۔ اور سفیان ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحقؒ (مالکؒ و ابو حنیفہؒ و اصحابہؒ) کا بھی یہی قول ہے کہ "تلبیہ" کے الفاظ یہی ہیں جو کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔

○ اس کے بعد امام ترمذیؒ نے تحریر فرمایا: قال الشافعي وانما قلنا لا باس بزيادة تعظيم الله فيها لما جاء عن ابن عمر رضي الله عنهما وهو حفظ التلبية عن رسول الله ﷺ ثم زاد ابن عمر رضي الله عنهما في تلبيته من قبله لبيك والرغباء اليك والعمل۔ کہ البتہ امام شافعیؒ نے اتنا فرمایا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کے لیے دوسرے الفاظ ان الفاظ پر زیادہ کیے جائیں۔

کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسے الفاظ نقل ہو کر آئے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابن عمرؓ کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی تلبیہ خوب یاد تھی' اس کے باوجود پھر بھی تلبیۃ النبی پر اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیتے تھے: لبیك والرغبی الیك والعمل۔

- اس سے معلوم ہوا کہ جو عبارات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ماثور و منقول ہیں' ان پر زیادتی کرنا جائز ہے۔ ممنوع مکروہ یا بدعت نہیں ہے' اور نہ ہی یہ کوئی قانون ہے جو مانعین بیان کرتے ہیں۔

جواب ہمارا یہ کہنا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی معصوم زبان مبارک سے صادر شدہ عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کمی بیشی وغیرہ جائز نہیں۔ بالکل درست اور حقیقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اذکار و اعمال سب توقیفی ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم نے انگوٹھے چومنے کی وجہ کراہت ۳ کے ضمن میں بڑی تفصیل کے ساتھ صحابہ کرامؓ' محدثین عظامؒ اور فقہاء کے اقوال بیان کیے۔

- بہتر ہوگا کہ گزشتہ اوراق میں وجوہ کراہت' خصوصاً وجہ کراہت ۳ کا دوبارہ بغور مطالعہ کر لیا جائے' جسے ہم نے باب ثانی میں خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

- حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تلبیہ میں مسنون کلمات منقولہ سے زائد پڑھا کرتے تھے' یہ کہنا ایک بڑی غلطی اور کم علمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ تمام بڑے بڑے اولوالعزم صحابہ کرامؓ کی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی حضرت نبی کریم ﷺ کی معصوم زبان مبارک سے صادر شدہ اذکار و اعمال میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی کو ناجائز سمجھتے تھے۔ البتہ تلبیہ کے متعلق معترضین کا خیال جسے ہم نے اوپر نقل کیا ہے بظاہر اس مسلمہ اصول کے خلاف معلوم ہوتا ہے' سو اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ:

سُنّت تین قسم کی ہے :

(۱) سنت قولی' جو حضرت نبی کریم ﷺ کے فرمان سے ثابت ہو۔

(۲) سنت فعلی' جس پر خود حضرت نبی کریم ﷺ نے عمل کیا ہو۔

(۳) سنت تقریری' کوئی کام کسی کو کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت نبی کریم ﷺ خاموش رہے ہوں یا اس کی تحسین فرمائی ہو۔

سُنّت تقریری کی مثال :

○ ایک مرتبہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تحت کل شعرۃ جنابۃ. یعنی ہر بال کے نیچے جنابت یعنی صحبت یا احتلام کی ناپاکی ہوتی ہے' اس لیے سر کے بال خوب اچھی طرح دھویا کرو' تاکہ بالوں کے نیچے چمڑا خوب تر ہو جائے یہ سن کر امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کے بال منڈوانے شروع کر دیے' اور بعد ازاں ہمیشہ سر کے بال منڈواتے رہے۔ اور فرمایا کرتے تھے: فمن ثم عادیت راسی و من ثم عادیت راسی و من ثم عادیت راسی. یعنی جب سے میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی معصوم زبان مبارک سے سنا ہے: تحت کل شعرۃ جنابۃ. اس وقت سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہو گیا۔ یہ لفظ انھوں نے تین مرتبہ ادا فرمایا۔

○ اور سر کے بال منڈوانے سے آپؓ کا مطلب یہ تھا کہ اس طرح چمڑے تک پانی پہنچنے میں مشکل نہ ہوگی۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ وہ تو سر منڈائے ہوئے ہیں' یا سر منڈواتے ہی رہتے ہیں' تو اس پر آپؐ خاموش رہے' اور آپؐ نے پھر کبھی بھی سر کے بال منڈانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع نہیں فرمایا۔ جبکہ :

○ خود حضرت نبی کریم ﷺ کے سر مبارک پر لمبے لمبے بال تھے جو عام طور پر کانوں کے نیچے تک رہتے تھے۔ اس طرح سر کے بال منڈانا سُنّت تقریری ہوئی جبکہ سر کے بال رکھنا سُنّت فعلی ہے' اور یہ سُنّت فعلی بھی اور فعلی سنتوں کی بھی

حائل ہے۔ مثلاً تیل لگانا کنگھی کرنا، مانگ نکالنا اور کانوں کی لو تک بال کتروانا۔

○ اسی طرح مزاج شناسانِ رسول ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تلبیہ کے سلسلے میں یہ سمجھا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مقصد انہی کلمات پر حصر کرنا نہیں ہے۔ اور اصل تلبیہ بھی وہی ہے جس کی تعلیم حضرت نبی کریم ﷺ نے خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی ہے۔ لیکن چونکہ بعض صحابہ کرامؓ نے اس تلبیہ کے کلمات میں تعلیمات نبوی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ اور پھر وہ زائد عبارت سن کر حضرت نبی کریم ﷺ نے انھیں روکا نہیں، جیسا کہ سیدنا براء بن عازبؓ کو بنبیك کی جگہ برسولك پڑھنے پر حضرت نبی کریم ﷺ نے روک دیا تھا اور ان کی اصلاح فرمادی تھی۔ اب اگر تلبیہ کے معاملے میں آپؐ خاموش رہے ہیں تو یہ سنت تقریری کہلائے گی۔

تلبیہ پر محدثین کی تحقیق:

① حضرت حافظ ابن حجر کنانی عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت بیان فرمائی ہے کہ خود تو حضرت نبی کریم ﷺ اس طرح تلبیہ پڑھتے تھے: لبیك اللهم لبیك، لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد و النعمة لك و الملك لا شریك لك۔ اور بعض دوسرے لوگ اس تلبیہ پر لبیك ذی المعارج اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ بڑھاتے تھے۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ ان کے اضافہ کردہ یہ الفاظ سن کر تردید نہ فرماتے۔

○ اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، جسے ابوداؤدؒ نے بیان کیا ہے۔ اور اس کا اصل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے جسے مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔

○ اب ظاہر ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے سامنے ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اور وہ اضافہ شدہ الفاظ خود حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے معصوم کانوں سے سنے۔ اور آپؐ نے اس اضافہ سے نہ تو منع فرمایا اور نہ ہی اس کی تردید فرمائی۔

یہی وجہ ہے کہ جن صحابہ کرامؓ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سُن کر خاموشی اختیار فرمائی تو یہ سُنّتِ تقریری ہوئی۔ اور سنت تقریری بھی آخر سُنّت ہی ہے، اگرچہ اس (سُنّتِ تقریری) کا درجہ سُنّتِ قولی و سُنّتِ فعلی سے کم ہے۔

○ اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ الفاظ سُن کر منع فرمایا ہے، ان کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ الفاظ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے گئے تھے، اور یہ سُن کر آپؐ خاموش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ صحابیؓ کسی کو تلبیہ میں یہ الفاظ بڑھاتے ہوئے سنتے تھے تو اسے روک دیتے تھے۔ جیسا کہ:

② حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں حدیث بیان کی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو تلبیہ میں اس طرح اضافہ کرتے ہوئے سنا: لبیك ذا المعارج ... اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ذو المعارج تو واقعی ہیں، اور اس میں کچھ شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن جب ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو ہم اس طرح تلبیہ نہ پڑھتے تھے جس طرح آپ تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ یعنی آپ بھی اسی طرح تلبیہ پڑھیں جس طرح ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق تلبیہ پڑھا کرتے تھے۔

○ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تلبیہ کے ان الفاظ پر زیادتی کرنا خلافِ سُنّت ہے۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، جیسے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، بلکہ خود سیدنا عبداللہ بن عمرؓ منقولہ الفاظِ نبویؐ پر اضافہ کرنے سے منع فرمادیا کرتے تھے۔ جیسا کہ انگوٹھے چومنے کی وجہ کراہت ۳ میں گزر چکا ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عبدالبر مالکیؒ نے تو صاف بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام مالکؒ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ تلبیہ کے الفاظ پر زیادتی کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

③ اسی طرح ترمذی کے اندازِ بیان سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سُفیان

ثوریؒ واحمدؒ واسحاقؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

④ اور حضرت امام شافعیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ میرے نزدیک محبوب ترین امر یہی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ تلبیہ کے کلمات سے زیادہ نہ پڑھا جائے بلکہ اسی پر اقتصار کیا جائے۔ احب الیّ ان اقتصر علی تلبیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

⑤ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو مزید واضح کرنے کے لیے ذی المعارج جیسے الفاظ کا اضافہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح سند سے ثابت ہے۔

⑤ حضرت امام محمدؒ نے اپنے موطا صفحہ ۱۹۶ میں تحریر فرمایا ہے: وبھذا ناخذ التلبیۃ هی التلبیۃ الاولی التی روی عن النبی ﷺ وما زدت فحسن وهو قول ابی حنیفۃ و العامۃ من فقہائنا۔ یعنی ہمارا فتوی تو اسی پر ہے کہ تلبیہ تو دراصل صرف وہی تلبیہ ہے جو خود حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ اور جو کوئی ان الفاظ پر (سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی بسند صحیح حدیث کے پیش نظر) اضافہ کرے تو بھی اچھا ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے دیگر فقہاء کرام کا بھی یہی قول ہے۔

① بہرحال محدثینؒ و فقہاءؒ کے اقوال اور صحابہ کرامؓ کے ارشادات کی روشنی میں ہمارا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی معصوم زبان مبارک سے صادر شدہ عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کمی بیشی وغیرہ جائز نہیں۔

⑥ اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کا اجتہاد بھی اسی طرف گیا ہے کہ ان الفاظ کی پابندی ضروری ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ عبارت اگر صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس کا پڑھنا بھی اچھا ہے۔ اور اگر زیادہ عبارت صحیح کی بجائے ضعیف سند کے ساتھ ثابت ہوتی ہو تو اس پر عمل کرنا مکروہ ہے۔

⑦ حضرت امام شافعیؒ کا اجتہاد بھی یہی کہتا ہے کہ اصل تو ان الفاظ کی پابندی کرنا ہے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان معصوم سے نکلے ہیں، لیکن اگر صحیح سند کے ساتھ اس سے زیادہ الفاظ ثابت ہو جائیں تو ان کا پڑھنا نہ تو سنت ہوگا اور نہ ہی مستحب، بلکہ لا بأس بہ کے درجہ میں ہوگا۔ اور اگر ضعیف سند سے ثابت ہوں تو ان کا پڑھنا مکروہ ہے۔

(۸) اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ الفاظ کی پابندی ضروری ہے اور اس کے خلاف کرنا خلافِ سنت ہے، خواہ وہ خلاف صحیح سند سے ثابت ہو یا ضعیف سند سے۔

○ بہر حال ضعیف سند کے ساتھ ثابت شدہ حدیث پر عمل کرنے کو کسی بھی امام نے سنت یا مستحب نہیں کہا اور نہ ہی لا بأس بہ کے زمرے میں شامل کر کے یہ حکم لگایا ہے کہ اس عمل کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

○ اور جہاں تک انگوٹھے چومنے والی روایت کا تعلق ہے تو اس بارے میں یہ بات ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت، خلافِ سنت اور مکروہ تحریمی بلکہ حرام ہے۔

اعتراض: ہم نے انگوٹھے چومنے کی وجہ کراہت ۳ میں یہ بھی لکھا تھا کہ: "حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ عیدین کی نمازوں کے لیے نہ اذان ہے اور نہ اقامت۔ اور یہی طریقہ ہمارے ہاں "سنت" ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آ رہا ہے"۔ اس پر معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ جب حضرت امیر المومنین سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما عیدین کے لیے اذان و اقامت کہلایا کرتے تھے تو یہ "سنۃ الخلفاء الراشدین" کے زمرے میں داخل ہو کر سنت کا مقام رکھتی ہے یا بدعت کہلائے گی۔ جبکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تلمیذ کبیر حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الآثار صفحہ ۵۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ ان معاویۃ کان اول من اذن فی العیدین۔ یعنی عیدین کے لیے سب سے پہلے اذان کہلانے والے حضرت معاویہؓ تھے۔ جن کا عہد خلافت ۴۱ھ تا ۶۰ھ ہے

تو اس حدیث کی رو سے جمعہ کی اذان کی طرح عیدین کی اذان کو بھی سنت سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر سیدنا امام معاویہ رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ بدعتی قرار دینا پڑے گا۔

جواب سرے سے یہ بات ہی غلط اور امیر المومنین خلیفۂ راشد سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما پر بہتان ہے کہ انھوں نے عیدین کے لیے اذان کہنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

○ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ میں حضرت محدث ابن العربی مالکیؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث کا راوی پختہ نہیں۔ بلکہ :

○ حضرت امام شاطبیؒ نے "الاعتصام" جلد ۲ صفحہ ۱۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ عیدین کی نماز سے پہلے اذان واقامت کی بدعت اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک بن مروان بن الحکم نے نکالی تھی۔ جس کا عہد خلافت ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ ہے، جبکہ امیر المومنین خلیفۂ راشد سیدنا امام معاویہؓ کا عہد خلافت ۴۱ھ تا ۶۰ھ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی اذان والی بدعت خلیفۂ راشد امیر المومنین سیدنا امام معاویہؓ کے عہد خلافت سے تقریباً نصف صدی بعد ایجاد ہوئی۔

○ اور جس طرح بہتان باندھنے والوں نے اس بدعت کی نسبت امیر المومنین سیدنا امام معاویہؓ کی طرف کی ہے اسی طرح امیر المومنین سیدنا علیؓ کے مقرر کردہ گورنر فارس حضرت زیادؒ پر بھی یہی بہتان لگاتے ہیں کہ انھوں نے اپنے صوبے فارس (موجودہ ایران) میں یہ بدعت جاری کی۔ اس طرح بالواسطہ یہ بہتان خلیفۂ راشد امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر لگایا جاتا ہے کہ ان کے دورِ خلافت میں فارس کے گورنر نے یہ بدعت ایجاد کی۔ اور تو اور بعض عاقبت نااندیش قسم کے لوگوں نے تو معاذ اللہ سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ذمے اس بدعت کی ایجاد لگائی ہے۔ (دیکھیے بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۲۰۵)

○ لیکن اس بارے میں صحیح اور محقق بات یہی ہے کہ دوسری صدی میں اموی ہشام بن عبدالملک بن مروان بن الحکم نے اس بدعت کو ایجاد کیا۔
کہیں مُبتدعین نئی بدعت ایجاد کرتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ مُبتدعین کا مُنہ و سنت کو زندہ کرنے کے لیے باہمت' نڈر اور بیباک علماء کو بھی پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اس دور کے علماءِ حق و ائمہ دینِ مُبین میں سے کسی ایک امام نے بھی اس اموی خلیفہ کا یہ حکم تسلیم نہیں کیا' بلکہ تمام ائمۂ دین نے بالاتفاق خلیفہ کے اس حکم کی پرزور طریقے سے تردید کی۔ کیونکہ یہ ایسا عمل تھا جو نہ عہدِ نبوی میں تھا اور نہ ہی عہدِ صحابہؓ میں۔ اس لیے اس عمل کو خلافِ سنت اور بدعت قرار دیتے ہوئے اس دور کے ائمۂ دین نے اس کی تردید کو اپنا فرض سمجھا اور خلیفۂ وقت کے حکم کو نوکِ پا سے ٹھکرا دیا۔ کیونکہ :

○ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے : لا طاعة للمخلوق فی معصية الخالق کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہو رہی ہو وہاں مخلوق کی بات ماننا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بدعت شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔

○ البتہ اس سلسلے میں کسی کے ذہن میں یہ خیال اس سے پہلے بھی ابھرا تھا' اور یہ اس دور کی بات ہے جب سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جیسی اولوالعزم ہستیاں زندہ موجود تھیں۔ اس نے اپنے ذہن میں خیال آنے کے بعد انہی دونوں بزرگ ہستیوں سے اس بارے میں استفسار کیا کہ : اذان میں کلمات خیر ہی کہے جاتے ہیں' جن کا مقصد لوگوں کو نماز کے لیے دعوت دینا ہوتا ہے' تو عیدین کی نمازوں کے لیے اذان کیوں نہیں دی جاتی۔

○ اس سوال کے جواب میں حضرت نبی کریم ﷺ کے چچیرے بھائی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور خلیفۂ راشد امیرالمومنین سیدنا امام عمرؓ کے لختِ جگر سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ : "حضرت نبی کریم ﷺ جب عید کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے نماز ادا فرماتے تھے اور اس کے بعد

خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور اذان و اقامت کا کوئی ذکر نہیں فرماتے تھے"۔
ن کا مطلب یہ تھا کہ اگر حضرت نبی کریم ﷺ عیدین کی نمازوں کے لیے اذان و اقامت کا اہتمام نہیں فرماتے تھے تو ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ ہم اذان و اقامت کا اہتمام کریں۔

حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ نے اپنی سُنن صفحہ میں سیدنا جابر بن سمرہؓ کا قول نقل فرمایا ہے کہ: "میں نے کئی بار حضرت رسُول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدین کی نمازیں بغیر اذان و اقامت کے پڑھی ہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ائمۂ کرام کا: **مُتفقہ فیصلہ** ہے کہ: اذان و اقامت صرف پانچ وقت کی یومیہ نمازوں اور نماز جُمعہ کے لیے کہنا تو سُنّت مؤکدہ ہے۔ لیکن ان کے علاوہ دوسری نمازوں (مثلاً نمازِ تراویح، تہجد، اِشراق، صلوٰۃ ضحیٰ، سورج گہن، چاند گہن، اوابین اور نمازِ جنازہ وغیرہ) کے لیے نہ اذان کہنا سنت ہے اور نہ اقامت۔ بلکہ اذان و اقامت کا نہ کہنا سُنّت ہے۔ جیسا کہ:

- حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤطا صفحہ ۶۲ میں تحریر فرمایا ہے: وتلك السنة التي لا اختلاف فيها عندنا۔ یعنی عیدین کی نمازوں کے لیے اذان اور اقامت کا نہ کہنا ہی سنت ہے۔ اور اس مسئلہ میں ہمارے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔
- بہرحال یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ: جو کام حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں معمول نہیں تھا، اور بعد میں ایجاد ہوا تو اس کا ترک کرنا بھی سنت کہلائے گا۔ اور انگوٹھے چومنے کا مسئلہ جو حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد ایجاد ہوا تھا، اس کا ترک کرنا بھی اسی طرح سنت قرار پائے گا۔

اعتراض ۳ ہم نے دلیل مجوزین ۲ کے ضمن میں حضرت امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں لکھا تھا کہ: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فردوس دیلمی کی اس روایت کا رد کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: "اس کی

حدیثوں پر عمل کرنا' اعتماد کرنا اور ان سے عقیدہ یا عمل ثابت کرنا جائز نہیں

ممکن ہے کوئی معترض اس پر اعتراض کر بیٹھے کہ اہل سنت کے عالم حضرت ملا علی قاریؒ نے الموضوعات الکبریٰ صفحہ ۶۳ میں تحریر فرمایا قلتُ و اذا ثبت رفعهٗ علی الصدیق رضی اللہ عنہ فیکفی العمل بہ۔ کہ (ملا علی قاریؒ) کہتا ہوں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس روایت کا رفع ثابت ہو گیا تو اس پر عمل کرنا کافی ہوگا۔ لقوله علیه الصلوٰة والسلام علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا معمول اور میرے بعد خلفاء راشدینؓ کا معمول اپنے ذمے لازم کرلو۔

○ تو صاف واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ عمل صحیح سند سے ثابت ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد خلفاء راشدینؓ کے معمول کو لازم کرلو۔ اس لیے یہ عمل سنت مؤکدہ ہوا۔

جواب سب سے پہلے تو یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت ملا علی قاریؒ کی اس عبارت کا یہ مفہوم نہیں ہے جو معترض سمجھتا ہے کہ جب رفع ثابت ہو گیا تو اس روایت پر عمل کرنا کافی ہوگا۔ کیونکہ اگر ملا علی قاریؒ کی عبارت کا یہی مطلب لیا جائے تو اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ مثلاً:

خرابی ۱ تمام محدثین متقدمین و متاخرین کی تحقیق کے خلاف بات ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام علماء حدیث نے حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب اس روایت کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ اس لیے بغیر کسی واضح دلیل کے حضرت ملا علی قاریؒ کی یہ بات کس طرح سنی یا تسلیم کی جا سکتی ہے' خصوصاً جب کہ خود حضرت ملا علی قاریؒ اس سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب اس روایت کو حضرت امام سخاویؒ صاحب مقاصد حسنہ کے حوالے سے "لا یصح" کے الفاظ سے غیر صحیح بھی قرار دے چکے ہیں۔

خرابی ۲ اگر اس عبارت کے یہی معنے مراد لیے جائیں تو پھر اس سے دوسری خرابی یہ لازم

آئے گی کہ اس عمل کو مستحب یا مباح ہرگز نہیں کہنا چاہیے بلکہ اس عمل کو تو سنّت مؤکدہ یا سنّت قولی کہنا چاہیے۔ جیسے ایک امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ تراویح کی بیس رکعات پڑھنے کا اہتمام اور جمعہ کی پہلی اذان سُنن مؤکدہ میں سے ہیں۔ اور تمام علماء اہلِ سنت اور فقہاءِ اسلام کا ان سنتوں پر مسلسل عمل ہوتا آرہا ہے' اور کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ کیونکہ:

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی جو اس روایت میں بھی موجود ہے: علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین تو برحق ہے۔ اور اگر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا عمل خلیفۂ راشد امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوتا تو تراویح اور جمعہ کی پہلی اذان کی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بطور سنتِ مؤکدہ اس پر عمل ہوتا۔ اور مجتہدین عظام بھی اس کو اپنا معمول بنا لیتے بلکہ اس عمل پر سب کا اجماع ہوجاتا۔ کیونکہ:

حضرت رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق و امیرالمومنین سیدنا امام عُمر فاروق رضی اللہ عنہما کا نام لے کر قیامت تک آنے والی تمام اُمت کو حکم فرمایا: اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر و عمر کہ میرے بعد میرے اصحابؓ میں سے خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرتے رہنا۔ جیساکہ ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۷، مستدرک حاکم صفحہ ۷۵، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۸۵، ابن ماجہ صفحہ ۱۰، مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۰، ۵۷۸ میں منقول ہے۔

اور بقول مُجوِّزین' انگوٹھے چومنے کی یہ روایت جس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' جیساکہ دلیل مجوزین ۱ ' ۷ اور ۸ میں مع جوابات کے گزر چکا ہے۔ تو بقول مجوزین تقبیل' شیخین (امام ابوبکر صدیق و امام عمر فاروق) رضی اللہ عنہما کا بھی اس مسئلہ پر اتفاق ہوا۔ اور علماءِ اہل السنۃ و الجماعت کا متفق قاعدہ و:

قانون ب : قول الشیخین حجۃ اذا اتفقا لا یجوز العدول عنہ و ان اتفاق الائمۃ الاربعۃ ایضا حجۃ. کہ حضرات شیخینؓ کا اتفاق شرعی دلیل ہے، جس سے روگردانی کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح کسی مسئلہ پر چاروں اماموں (امام ابوبکرؓ امام عمرؓ، امام عثمانؓ اور امام علیؓ) کا اتفاق بھی شرعی دلیل ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲)

(۱) مگر اس کے باوجود قرونِ اولیٰ میں سے کوئی بھی انگوٹھے چومنے کے عمل سے آشنا اور واقف نہیں ہے۔ اور پہلی چار صدیوں میں کسی فقیہ یا محدث نے اس عمل کا ذکر نہ تو اثبات میں کیا ہے اور نہ ہی نفی میں۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ: اس عمل کا ظہور کہیں پانچویں صدی میں ہوا۔

(۲) ہم اپنے اس دعویٰ کی تائید میں پہلی چار صدیوں کے مشہور محدثین عظام، و فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی مع ان کے سن وفات کے درج کر رہے ہیں، جن کی کسی کتاب میں اذان کے دوران یا کسی اور موقع پر حضرت نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنے اور پھر انھیں فرطِ محبت سے آنکھوں پر لگانے سے متعلق زیرِ بحث مسئلے کا نہ تو کسی قسم کا کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی اس مسئلہ کی تردید میں کوئی لفظ ملتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ پہلی چار صدیوں میں تو بالکل ہی عنقا تھا۔

اسمائے محدثین مع سن وفات :

	اسمائے محدثین	سن وفات
(۱)	امام اعظم ابو حنیفہؒ	۱۵۰ھ
(۲)	امام مالکؒ	۱۷۹ھ
(۳)	امام ابو یوسفؒ	۱۸۲ھ
(۴)	امام محمد بن حسن شیبانیؒ	۱۸۹ھ
(۵)	امام محمد بن ادریس شافعیؒ	۲۰۴ھ
(۶)	امام ابو داؤد طیالسیؒ	۲۰۴ھ

سن وفات	اسمائے محدثین
۲۱۱ھ	(۷) امام عبد الرزاقؒ
۲۱۹ھ	(۸) امام حمیدیؒ
۲۲۹ھ	(۹) امام سعید بن منصورؒ
۲۳۵ھ	(۱۰) امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ
۲۴۱ھ	(۱۱) امام احمد بن محمد بن حنبلؒ
۲۴۹ھ	(۱۲) امام عمرو بن حمید بن نصر کشیؒ
۲۵۵ھ	(۱۳) امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمیؒ
۲۵۶ھ	(۱۴) امام بخاریؒ
۲۷۳ھ	(۱۵) امام مسلمؒ
۲۷۳ھ	(۱۶) امام ابن ماجہؒ
۲۷۵ھ	(۱۷) امام ابوداؤد سجستانیؒ
۲۷۹ھ	(۱۸) امام ترمذیؒ
۲۸۰ھ	(۱۹) امام عثمان بن سعید دارمیؒ
۲۸۱ھ	(۲۰) امام ابن ابی الدنیا ابوبکر عبد اللہ بن محمدؒ
۲۸۳ھ	(۲۱) امام ابن خراش محمد بن یوسفؒ
۲۸۵ھ	(۲۲) ابوعبد اللہ حکیم ترمذیؒ
۲۹۲ھ	(۲۳) احمد بن عمرو بزار
۲۹۵ھ	(۲۴) محمد بن مہران ابوبکر اسماعیلی
۲۹۷ھ	(۲۵) محمد بن عثمان بن ابی شیبہؒ
۳۰۰ھ	(۲۶) فریابی عبد اللہ بن محمد بن یسار
۳۰۱ھ	(۲۷) محمد بن عبد الرحمٰن الہروی شیخ ابن حبانؒ
۳۰۳ھ	(۲۸) ابوعبد الرحمٰن احمد شعیب نسائیؒ

	اسمائے محدثین	سن وفات
(۲۹)	ابو یعلیٰ موصلی	۳۰۷ھ
(۳۰)	زکریا بن عبدالرحمٰن ساجیؒ	۳۰۷ھ
(۳۱)	محمد بن جریر طبریؒ	۳۱۰ھ
(۳۲)	ابو بشر دولابیؒ	۳۲۰ھ
(۳۳)	محمد بن اسحٰق بن خزیمہ	۳۱۱ھ
(۳۴)	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰقؒ	۳۱۳ھ
(۳۵)	محمد بن ابراہیم بن منذر	۳۱۸ھ
(۳۶)	احمد بن محمد بن سلامہ امام ابو جعفر طحاویؒ	۳۲۱ھ
(۳۷)	محمد بن عمرو بن موسیٰ عقیلیؒ	۳۲۲ھ
(۳۸)	ابن ابی حاتم ابو محمد عبدالرحمٰن بن محمدؒ	۳۲۷ھ
(۳۹)	ابن حبان ابو حاتم محمد بن حبان بن احمدؒ	۳۵۴ھ
(۴۰)	سلیمان بن احمد طبرانیؒ	۳۶۰ھ
(۴۱)	احمد بن محمد ابوبکر ابن السنیؒ	۳۶۴ھ
(۴۲)	ابو الشیخ عبداللہ بن محمدؒ	۳۶۹ھ
(۴۳)	احمد بن ابراہیم ابوبکر اسماعیلیؒ	۳۷۱ھ
(۴۴)	امام علی بن عمر دارقطنیؒ	۳۸۵ھ
(۴۵)	محمد بن عبداللہ ابو عبداللہ حاکم نیشاپوریؒ	۳۰۵ھ
(۴۶)	احمد بن محمد مالینیؒ استاذ بیہقی و خطیب وغیرہما	۴۱۲ھ
(۴۷)	احمد بن حسین ابوبکر بیہقیؒ	۴۵۸ھ
(۴۸)	ابن حزم علی بن احمدؒ	۴۵۶ھ
(۴۹)	امام یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر قرطبیؒ	۴۶۳ھ
(۵۰)	ابوبکر بن علی خطیب بغدادیؒ	۴۶۳ھ

فائدہ :

○ ہم نے باب ثالث کی ابتداء میں حضرت امام ابوالحسن عبدالغافر فارسیؒ کے حوالے سے لکھا تھا کہ حضرت حافظ ابونعیم محدث اصفہانیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اس بارے میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ:

○ حضرت حافظ ابونعیمؒ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس من گھڑت بات کی تردید فرمائی ہے۔ سو یہ محدث ابونعیم (احمد بن عبداللہ بن احمد) اصفہانیؒ جو ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے، حدیث میں حضرت امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ (متوفی ۳۶۰ھ) کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے اس بدعت کی تردید کی ہے، حالانکہ ان کی وفات تک یہ بدعت کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہیں ملتی، جبکہ ان کی وفات ۴۳۰ھ میں ہوئی۔ اور ان کی وفات سے پندرہ سال بعد ۴۴۵ھ میں ابوشجاع حافظ شیرویہ محدث دیلمی پیدا ہوئے، جبکہ ان کی وفات ۵۰۹ھ میں ہوئی۔

○ اور یہ وہی محدث دیلمی ہیں جن کی کتاب "مسند فردوس" میں امیرالمومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت لکھی ہوئی ملتی ہے، اور یہ کتاب اب تک نایاب بھی رہی، اسی لیے عام علماء محدثین و فقہاء مفتین کے ہاتھوں میں نہیں آئی۔ اب معلوم نہیں کہ محدث دیلمی نے "فردوس" میں یہ روایت خود تحریر کی ہے یا ان کے بھی بعد کسی دوسرے شخص نے دسیسہ کاری کے ذریعے محدث دیلمی کی کتاب میں لکھ دی ہے۔

○ اگر یہ روایت محدث دیلمی نے خود لکھی ہے تو اس کا ماخذ کیا ہے، اور کس کے حوالے سے لکھی ہے، یہ کچھ معلوم نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ روایت محدث دیلمی کی پیدائش سے پہلے کسی شخص نے وضع کی ہے اور یہ روایت ضبط تحریر میں آنے سے پہلے زبانی طور پر کسی نے کسی کو بتلائی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت امام ابونعیم محدث اصفہانیؒ سے کسی نے اس روایت کے بارے

میں استفسار کیا ہو تو انھوں نے اس کی تردید فرمادی۔

○ بہر حال یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ: اس بدعت کی ایجاد پانچویں صدی ہجری میں ہی ہوئی ہے جو کہ ملحدانہ عقائد کا دور تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ:

○ مشہور عالم دین اور مفسر قرآن حضرت مولانا سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے "التذہیب لتعقیب التقریب" صفحہ ۵۸ میں پانچویں صدی ہجری کے بارے میں تحریر فرمایا ہے: وقد نبعت فی زمانہ الفتن فی الاسلام انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کہ اس زمانے (پانچویں صدی ہجری) میں ملحدانہ فتنے چشموں کی طرح پھوٹ پڑے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

○ حضرت حافظ ابو نعیم محدث اصفہانیؒ کے شاگرد خاص حضرت امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادیؒ جو ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے' اور قریب ۴۱۰ھ تک حضرت ابو نعیم اصفہانیؒ کے تلمذ میں رہے ہوں گے۔ لیکن اس وقت تک بھی یہ بدعت کم از کم اصفہان تک تو نہیں پہنچی تھی۔ پھر جب حضرت امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادیؒ اصفہان سے بغداد چلے گئے اور وہاں تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ لیکن کسی کتاب میں اس بدعت کا ذکر نہ اثبات میں کیا ہے اور نہ ہی نفی میں۔

○ اور خطیب بغدادیؒ کی زندگی میں یہ بدعت اگر بغداد میں پہنچ جاتی تو کسی نہ کسی طریقے سے وہ اپنی کسی تحریر میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔ جبکہ خطیب بغدادی کی وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعت ایرانیوں نے ایجاد کی۔ جو دیلم' ہمدان اور اصفہان میں بھی کہیں ۴۱۰ھ کے بعد ہی تھوڑی بہت متعارف ہوئی۔

○ اسی طرح اندلس میں بھی اس بدعت کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ وہاں بہت بڑے بڑے محدثین ہو گزرے ہیں' جن میں سے ایک صاحب تصانیف عالم و امام المحدثین حضرت امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی اندلسیؒ ہیں'

جو ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ لیکن اس بدعت کا ذکر ان کی کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ ان کی وفات بھی ۴۶۳ھ میں ہوئی۔

○ بہرحال یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے سے متعلق یہ بدعت کم از کم ۴۱۰ھ تک تو کہیں بھی جاری نہ ہوئی تھی اور نہ اس بارے میں کوئی حدیث اس وقت تک بیان کی جاتی تھی۔ معلوم ہوا کہ ۴۱۰ھ کے بعد کسی ملحد نے حضرت شیخینؓ کی طرف منسوب کرکے یہ روایت مشہور کردی جس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ خیرالقرون میں جس کے متعلق علماء اہل سنت متفق ہیں کہ ۲۴۱ھ یعنی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی وفات تک ہے، یہ عمل تو سرے سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا حضرت ملا علی قاریؒ کی اس عبارت کا یہ مطلب نہیں جو معترض نے سمجھا ہے۔

خرابی ۳ اگر ہم حضرت ملا علی قاریؒ کی اس عبارت کا معنی یہی لیں جو معترض کی سمجھ میں آیا ہے تو اس سے ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ خود ملا علی قاریؒ کی ایک دوسری عبارت کے ساتھ تعارض واقع ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے حضرت امام سخاویؒ کے حوالے سے خود ملا علی قاریؒ اس روایت کے بارے میں "لا یصح" کا فتویٰ لگا چکے ہیں۔ اور اب معترض یہ سمجھ رہا ہے کہ ملا علی قاریؒ اس روایت کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک بتلا رہے ہیں۔

خرابی ۴ اس سے اگر یہی مراد لیں تو چوتھی خرابی یہ واقع ہوگی کہ حضرت ملا علی قاریؒ جو کہ بہت بڑے صاحب قلم ہیں وہ کسی عبارت کا مفہوم سمجھنا اور سمجھانا بھی خوب جانتے ہیں۔ اگر ان کا مطلب یہی ہوتا جو معترض سمجھ رہا ہے تو اسلوب بیان کا تقاضا تھا کہ پہلے تو قال السخاوی "لا یصح" کی تردید فرماتے کہ مطلقاً سخاویؒ کا "لا یصح" کہنا صحیح نہیں ہے، بلکہ انھیں یوں کہنا چاہیے تھا: "لا یصح رفعه علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و لکن یصح عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ" پھر اس دعویٰ کو کسی صحیح

روایت سے ثابت کرتے، پھر کہتے "قلت واذا ثبت رفعه علی الصدیق" [۱] مگر ملا علی قاریؒ نے پہلے تو امام سخاویؒ کے قول "لا یصح" کا رد نہیں فرمایا اور پھر امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کسی روایت کے ذریعے ثبوت مہیا کیے بغیر "قلت واذا ثبت رفعه علی الصدیق رضی اللہ عنہ" کہنا سراسر بے جوڑ ہے، جو معترض کی غلط فہمی کی وجہ سے لازم آ رہا ہے۔

اصل مطلب :

○ معترض کی غلط فہمی کی وجہ سے حضرت ملا علی قاریؒ جیسے محقق پر ان خرابیوں کا لزوم آتا ہے۔ اس لیے ہم اس کا ایسا معنی کرتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ومنہ وکرمہ حضرت ملا علی قاریؒ کی عبارت اور حضرت علامہ سخاویؒ کی عبارت کا مطلب بھی حل ہو جائے اور اعتراض کی صورت نہ رہے۔ اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں :

① یہاں اصل لفظ "واذا" ہے ہی نہیں، بلکہ اصل لفظ "ولو" ہے۔ جس کا رسم الخط اس طرح تھا "ولو" پھر مرورِ زمانہ کی وجہ سے بعض جگہ سے روشنائی اڑ گئی اور لفظ مدھم پڑ گیا، بعد کے ناقل نے اسے واذا پڑھا اور اسی طرح نقل کر دیا اور مطبوعہ نسخہ میں بھی واذا ہی ہو گیا۔

② علم نحو کا قاعدہ ہے کہ حروفِ شرط ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے : "اِذْ" کا لفظ "اِذَا" کے معنے میں، اور "اِنْ" بمعنے : "اِذْ" تعلیلیہ، یا "اِنْ" بمعنے : "اِذَا" استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

○ اسی طرح یہاں بھی سیاق و سباق اور اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر "اِذَا" بمعنے : "لَوْ" استعمال کیا گیا ہے۔

○ اب دیکھیے کہ حضرت ملا علی قاریؒ کیا فرما رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں : "میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس لیے معمول بہ نہیں، اور جب کبھی امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک سند کے ساتھ اس حدیث کا ثبوت (رفع) مل جاتا، اگرچہ اس کی سند ادنیٰ ضعف سے ہی ثابت ہو تو وہ عمل کے لیے کافی

ہوتا۔ کیونکہ ادنیٰ ضعف عمل سے مانع نہیں ہوتا۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين".

○ اب دیکھیے کہ ملا علی قاریؒ کی تحریر کا مطلب کس قدر واضح ہو گیا۔ اور جو معنیٰ ہم نے کیا ہے اس سے یہ ان تمام خرابیوں سے بھی محفوظ رہا جو ہم نے اوپر بیان کیں۔ جو کہ معترض کے معنوں سے ان پر لازم آتی تھیں۔

○ نیز اس کے بعد حضرت ملا علی قاریؒ نے تحریر فرمایا ہے: "بعض علماء کا کہنا ہے کہ بندہ خود تو یہ عمل نہ کرے لیکن کوئی دوسرا شخص یہ عمل کر رہا ہو تو اس کو منع بھی نہ کرے"۔ یہ قول نقل فرمانے کے بعد حضرت ملا علی قاریؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: "یہ حکم بھی عجیب و غریب ہے جس کا عجیب و غریب ہونا اہل عقل و دانش پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس عمل کا سرے سے ثبوت ہی نہیں ہے تو پھر یہ عمل خلاف سنت، مکروہ اور بدعت ہونا چاہیے اور اگر اس کا ثبوت صحیح سند سے ہے تو اس پر عمل کرنا سنت مؤکدہ ہونا چاہیے۔ اور اگر اس کا ثبوت ادنیٰ ضعف والی سند سے ہے تو پھر اس پر عمل کرنا مستحب ہوتا۔ اور مستحب پر عمل کرنا تو فضیلت کی بات ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مستحب پر خود تو عمل نہ کرے مگر کرنے والے کو منع بھی نہ کرے"۔

○ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح وضو کے دوران گردن کے مسح کو سب ائمہ مستحب کہتے ہیں اور مستحب پر عمل بھی کرتے ہیں، لیکن ایسا کوئی نہیں جو کہے کہ خود تو گردن کا مسح نہ کریں مگر جو مسح کرے اسے منع بھی نہ کریں۔

○ بہرحال اگر اب بھی معترض کی سمجھ میں بات نہ آئے اور وہ اسی بات پر ڈٹا رہے کہ: بس جی ملا علی قاریؒ نے لکھ دیا ہے کہ اس کا ثبوت ہے۔ تو اب ہمیں بھی اس بات کا حق حاصل ہے کہ ہم اس دعویٰ کے ثبوت کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ:

○ ملا علی قاریؒ کا قول دلائل اربعہ میں سے تو ہے نہیں کہ ہم اسے بسر و چشم قبول کر لیں۔ ان کے قول کو تو صرف تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے، بطور دلیل نہیں۔

اور دلیل تو قرآن مجید کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ کا قول یا صحابۂ کرامؓ خصوصاً خلفاء راشدینؓ کا عمل جو صحیح سند سے ثابت ہو' یا ائمۂ مجتہدینؒ کا قیاس ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی بات حجت نہیں' اور نہ ہی بغیر دلیل کے کسی کی بات کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

○ حضرت امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ (متوفی ۳۶۰ھ) نے معجم کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۳۹ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لیس احد الا یؤخذ من قولہ ویدع غیر النبی ﷺ یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کی تو ہر بات قابلِ قبول ہے' مگر آپ ﷺ کے علاوہ امت میں سے کوئی بھی ہو تو اس کی بات اگر کسی شرعی دلیل پر مبنی ہے تو قبول کی جائے گی اور اگر اس کی بات شرعی دلیل کے بغیر ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

○ تو اسی قاعدہ کے مطابق اگر حضرت ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ اس عمل کا ثبوت حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے تو ہم حق بجانب ہیں کہ اس ثبوت کی صحت کا مطالبہ کریں۔ لیکن حضرت ملا علی قاریؒ اس وقت خود تو موجود نہیں کہ ہم ان سے اس بارے میں استفسار کرسکیں۔

○ البتہ آج کے ان مدعیان علم سے اس روایت کی صحت کے ثبوت کا مطالبہ کرتے ہیں جو حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ عبارت اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

○ یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ہم حضرت ملا علی قاریؒ کی مذکورہ عبارت پر نہ تو تنقید کررہے ہیں اور نہ ان کا رد کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ ہم نے حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا جو مطلب سمجھا ہے اسے ہم صحیح سمجھتے ہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ البتہ اس عبارت کا جو مفہوم معترض سمجھتا ہے اس پر اعتراض بھی ہوسکتا ہے۔ اور اس کا جواب دینا اور اس روایت کا ثبوت مہیا کرنا اب معترض کے ذمے ضروری ہے۔

اعتراض ۳ حضرت علامہ سخاویؒ اور حضرت ملا علی قاریؒ نے اس رایت کی صحت کی تو نفی کی ہے، لیکن صحت کی نفی سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث "حسن" ہو، اور "حسن" قابل عمل ہوتی ہے۔

جواب اہل علم کے یہاں لا یصح کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

لا یصح کے اصطلاحی معنے

① غیر معتبر ہے۔

② اس کا ثبوت نہیں ہے۔

③ اصطلاحی معنے اس پر صادق نہیں آتے۔

پھر اس میں کئی احتمال ہیں۔ مثلاً:

① صحیح نہیں بلکہ حسن ہے۔

② نہ صحیح ہے نہ حسن، بلکہ منقطع ہے۔

③ شاذ یا منکر ہے۔

④ موضوع اور من گھڑت ہے۔

○ اس لیے اب تحقیق کرنی چاہیے کہ اس جگہ لا یصح سے کونسے معنے مراد ہوں گے۔ اور بغیر تحقیق کے نہ "موضوع" کہہ سکتے ہیں نہ "حسن"۔

○ اور اس سلسلہ میں ہم محققین علماء کی تحقیق کے محتاج ہیں، اس لیے ہم نے ان محققین کی تصنیفات کا بغور مطالعہ کیا، جن میں سے ہمیں کوئی ایسا عالم نہیں ملا جس نے اسے "حسن" کہا ہو۔ بلکہ ائمۂ محدثین اور اسماء الرجال کے سب ماہرین نے اس روایت کو "موضوع" ہی قرار دیا ہے۔ اس لیے "لا یصح" کے تمام احتمالی معنوں کو ترک کر کے صرف اس احتمال کو معین کر لیا کہ یہاں "لا یصح" کے معنے ہیں: "اس کا کچھ شرعی ثبوت یعنی دلیل نہیں ہے"۔ اور جس عمل کا شرعی ثبوت نہ ہو وہ "موضوع" ہی ہوتا ہے۔ اور اس پر "لا یصح" یا "لیس بصحیح" کا اطلاق بھی کرتے رہتے ہیں۔ جس کے کئی نظائر ہیں:

لا یصح بمعنٰی موضوع

(۱) ایک روایت میں ہے کہ: ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اور اس امت کا فرعون (خاکم بدہن) معاویہ بن ابی سفیانؓ ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۱۰۰)

○ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ محمد طاہر فتنیؒ نے فرمایا: "لیس بصحیح"

اب صاف ظاہر ہے کہ یہاں صحیح نہ ہونے کا مطلب ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

(۲) اسی طرح تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۱۶۱ میں ہے کہ: "گلاب کا پودا حضرت رسول اللہ ﷺ کے پسینۂ مبارک سے پیدا ہوا ہے"۔ پھر فرمایا کہ: یہ صحیح نہیں۔

○ اس کے بعد حضرت علامہ محمد طاہر فتنیؒ نے اپنے شیخ حضرت علامہ ابن حجرؒ کے حوالے سے صاف لفظوں میں اس روایت کو موضوع بھی لکھ دیا ہے۔

○ نیز ابن عساکرؒ نے بھی اسے موضوع ہی کہا ہے۔

○ اسی طرح علامہ نوویؒ نے بھی اسے موضوع قرار دیا۔ (اسنی المطالب صفحہ ۱۲۷)

(۳) حضرت ابو عبداللہ محمد بن درویش الحوت البیروتی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۲۷۶ھ) نے اسنی المطالب صفحہ ۱۶۸ میں ایک روایت نقل فرمائی کہ: "خیبر میں حضرت نبی کریم ﷺ سے ایک گدھے نے گفتگو کی"۔ پھر فرمایا کہ: اس بات کا ثبوت نہیں اس لیے یہ "موضوع" ہے۔ گویا کسی روایت کا ثبوت نہ ہونا بھی اس کے موضوع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۴) حضرت شیخ محمد بن درویش البیروتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسنی المطالب صفحہ ۱۷۹ میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ: "معراج کی رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نبی کریم ﷺ سے کہا گیا کہ جوتے سمیت تشریف لے جائیے"۔ پھر فرمایا کہ: اس حدیث کا کچھ اصل اور سند نہیں لہٰذا یہ روایت "موضوع" ہے۔

(۵) ایک روایت میں ہے کہ: "زبان کی فصاحت سے انسان کا جمال معلوم ہوتا ہے"۔ (اسنی المطالب صفحہ ۱۷۶) پھر فرمایا کہ: اس حدیث کی جتنی سندیں

ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ان میں ایک راوی کذاب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جس روایت کی سندیں زیادہ ہوں تو وہ "حسن" کے درجے میں آجاتی ہے اور قابل عمل ہو جاتی ہے، بلکہ جس روایت کا کوئی ایک راوی تمام طریقوں سے مطعون بہ فسق ہو وہ "حسن" کے درجے تک نہیں پہنچ سکتی۔

نیز ضعیف حدیثوں کے کئی مدارج ہیں جو التذنیب صفحہ ۱۹ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

علاوہ ازیں جن روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس پر عمل کرنے والے کی نہ تو کبھی آنکھیں دکھیں گی، اور نہ ہی وہ کبھی نابینا ہوگا۔ ان روایات میں سے کوئی بھی صحیح سند کے ساتھ متصل نہیں ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ چنانچہ:

اس سلسلہ کی پہلی روایت جو حضرت خضرؑ کی طرف منسوب ہے۔ اس روایت کے بارے میں خود حضرت امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ صفحہ ۳۸۳ میں تحریر فرمایا ہے:

وكذا ما اورده ابوالعباس احمد بن ابی بكر الرداد (الشهير با بن الرداد) اليمانی المتصوف فی كتابه موجبات الرحمة و عزائم المغفرة بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام انه من قال حين يسمع المؤذن يقول اشهد ان محمدا رسول الله مرحبا بحبيبی و قرة عينی محمد بن عبدالله صلی اللہ علیہ وسلم ثم يقبل ابهاميه و يجعلهما علی عينيه لم يرمد ابداً۔

یعنی "پہلی حدیث کی طرح وہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے جسے ایک صوفی (جو محدث نہیں) ابوالعباس احمد بن ابی بکر ابن الرداد یمانیؒ نے اپنی کتاب "موجبات الرحمۃ و عزائم المغفرۃ" میں مجہول راویوں اور منقطع سند کے ساتھ حضرت خضرؑ سے بیان کی ہے جو مؤذن سے اشہد ان محمدا رسول اللہ کے الفاظ سُن کر مرحبا بحبیبی و قرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے گا اور پھر اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے پوروں کو بوسہ دیکر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھے گا تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی"۔ اس عبارت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

① حضرت امام سخاویؒ خود اعتراف فرمارہے ہیں کہ: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ چونکہ اس کی سند منقطع ہے، اور اس کے راوی بھی مجہول ہیں۔ اور وہ راوی کون ہیں؟ ان کا کچھ ذکر نہیں۔

② موجبات الرحمۃ کے مؤلف ابوالعباس احمد بن ابی بکر (صوفی تیمی، زبیدی، شافعی، قرشی، متوفی ۸۲۱ھ) محض ایک صوفی ہیں، محدث نہیں ہیں۔ اور بغیر سند کے کسی صوفی کی بات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ اصول حدیث کے مطابق تو سند کے بغیر کسی محدث کی بات کو بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

③ ابن رداد غیر مشہور صوفی ہے، اور اس کی کتاب "موجبات الرحمۃ" بھی غیر مشہور و غیر متداول ہے جو فقہاء اور مفتیوں کے زیر مطالعہ نہیں رہتی۔ اس لیے علماء کرام و مفتیان عظام کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

④ یہ روایت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں ہے۔ بلکہ حضرت خضر علیہ السلام سے منسوب ہے، جو تقریباً ۱۶۰۰ ق۔م میں ہوگزرے ہیں۔ بینھما بفاوز لا تنقطع کہ حضرت خضرؑ سے حضرت رسول اللہ ﷺ تک اس قدر جنگلات ہیں جو طے نہیں ہوسکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔

⑤ مروجہ اذان تو ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دور میں نازل ہوئی، جس میں اشہد ان محمدا رسول اللہ ہے۔ اس سے پہلے یہ اذان نہ تھی، حضرت خضرؑ نے اس عمل کی ترغیب کس طرح دی۔

○ ممکن ہے کسی منچلے کے ذہن میں یہ خیال بات مچلنے لگے کہ: "خضرؑ تو زندہ ہیں" اس لیے انھوں نے عہد نبوی پایا، اور یہ روایت خضرؑ نے براہ راست حضرت نبی کریم ﷺ سے لی ہے۔ تو اس دعوی کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

○ نیز اس بات کا ثبوت بھی ضروری ہے کہ حضرت خضرؑ نے یہ روایت کس کو بتائی۔

○ پھر یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ اس روایت کی سند بھی صحیح ہے یا نہیں۔

○ حقیقت یہ ہے کہ کوئی محدث بھی حیاتِ خضر کا قائل نہیں اور محدثین نے تو الٹا وفاتِ خضر کے متعلق مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ دیکھیے: اسنی المطالب صفحہ ۶۱۶

❷ حضرت امام سخاویؒ نے مقاصدِ حسنہ صفحہ ۳۸۴ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایت بھائی محمد بن بابا سے ایسی سند کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ جن کے راویوں کو میں (شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبد الرحمن السخاوی) نہیں پہچان سکا۔

○ اور یہ محمد بن بابا اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ: "ایک مرتبہ تیز ہوا چل رہی تھی کہ ایک کنکری میری آنکھ پر پڑ گئی، اسے نکالتے نکالتے میں تھک گیا اور سخت تکلیف ہوئی، پھر جب موذن کی زبان سے اذان میں "اشهد ان محمدا رسول الله" سنا تو یہی عمل کیا (انگوٹھے چومے) جس سے وہ کنکری نکل گئی"۔

○ آپ نے دیکھا کہ اس جگہ بھی امام سخاویؒ فرما رہے ہیں کہ میں اس کے راوی کو نہیں جانتا یعنی اس کا راوی مجہول ہے۔ پھر یہ بھی علم نہیں کہ یہ محمد بن بابا کون ہیں، کس سن یا صدی میں ہوئے ہیں۔ نیز وہ اپنا ذاتی قصہ بتا رہے ہیں۔ کسی مجتہد یا امام کا نام نہیں لیتے۔ پھر یہ "مرفوع حدیث" کس طرح بن سکتی ہے؟۔

❸ حضرت امام سخاویؒ نے الشمس محمد بن صالح مدنی کی حکایت تحریر فرمائی ہے جو انھوں نے ایک قدیم مصری "المجد" سے اپنی تاریخ میں لکھی ہے کہ: محمد بن صالح نے اس قدیم مصری سے یوں کہتے ہوئے سنا ہے کہ: "جو موذن کی زبان سے اشهد ان محمدا رسول الله سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں اور انگوٹھوں کو اکٹھا کر کے ان کا بوسہ لے اور پھر اپنی دونوں آنکھوں پر پھیرے تو اس کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی"۔

○ اب غور فرمائیے کہ یہ روایت بھی حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں، اور اس کے راوی "شمس محمد بن صالح" کا علم نہیں کہ یہ کون ہیں؟ اور انھوں نے یہ بات کس کتاب میں لکھی ہے، صرف تاریخ کہنے سے بات سمجھ میں نہیں آتی۔

○ نیز یہ روایت نہیں، بلکہ ایک حکایت ہے، جو طفل تسلی کے لیے لوگ بنا لیتے

ہیں۔ اس کے علاوہ "مجشد" نام کا وہ قدیم مصری کون ہے، کتنا قدیم ہے۔ کیا یہ "خضشر" ہی کا نام تو نہیں ہے؟ اس کا کچھ ذکر نہیں۔ اور یہ بھی کوئی محدث یا ناقد نہیں بتلاتا کہ یہ شخص کس سن یا صدی میں ہوا ہے۔

○ نیز اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قدیم مصری کا ذاتی عمل ہے، اس میں بھی نہ کسی مجتہد کا ذکر ہے اور نہ ہی سلف صالحین میں صحابہؓ تک کسی کا نام ہے، اور نہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ پس یہ ایک حکایت ہے روایت نہیں۔

❹ حضرت امام سخاویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ محمد بن صالح نے فرمایا کہ میں نے فقیہ محمد بن الزرندی سے سنا ہے جو عراق یا عجم کے شیوخ میں سے کسی ایک سے روایت کرتا ہے کہ: "جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنتے تو اپنی دونوں آنکھوں پر ہاتھ ملتے اور دونوں شیخ یہ لفظ پڑھتے: صلی اللہ علیك یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی و یا نور بصری و یا قرۃ عینی"۔ تو ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہ عمل کر کے مجھے دکھایا اور کہا کہ میری آنکھیں نہ دکھیں گی"۔ ابن صالح نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے جب سے ان دونوں کی زبانی یہ سنا تو میں نے بھی اسے معمول بنالیا۔ اور پھر میری آنکھیں نہیں دکھیں۔ اور امید ہے کہ آئندہ بھی آنکھیں دکھنے کی بیماری سے بچا رہوں گا۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ اندھے پن سے بھی بچا رہوں گا۔

○ یہ بھی ایک حکایت ہے، روایت نہیں۔ پھر اس میں جتنے نام ہیں وہ مجہول اور نامعلوم ہیں۔ اور پھر یہ ان کا اپنا معمول ہے اور تجربہ ہے۔ یہ نہ تو کسی مجتہد کا قول ہے اور نہ سلف صالحین میں سے کسی کا معمول ہے اور نہ ہی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ لوگ کس سن یا صدی میں ہو گزرے ہیں جن کا تعلق اس حکایت سے ہے۔

❺ امام سخاویؒ نے کسی کتاب کا حوالہ دیے بغیر تین واسطوں سے نواسۂ رسول سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

① فقیہ محمد بن سعید خولانی، جو کہتا ہے کہ مجھے خبر دی:

② فقیہ عالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید حسینی نے، اور وہ کہتا ہے کہ مجھے خبر دی:

③ فقیہ زاہد بلال نے کہ حضرت حسنؓ (بن علیؓ) نے فرمایا کہ:

"جو شخص مؤذن سے "اشہد ان محمدا رسول اللہ" سن کر "مرحبا بحبیبی و قرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہے اور اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے تو نہ اندھا ہوگا اور نہ ہی اس کی آنکھیں دکھیں گی۔"

○ اس سے معلوم ہوا کہ امیرالمومنین سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما جو چالیس دن تپ دق میں مبتلا رہنے کے بعد یکم ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پاچکے تھے، ان کے اور امام سخاویؒ جو کہ ربیع الاول ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے تقریباً ۸۳۰ سال کا وقفہ ہے، جبکہ امام سخاویؒ ۹۰۲ھ میں فوت ہوئے۔ تو اس عرصے میں سیدنا امام حسنؓ سے امام سخاویؒ تک گویا صرف تین راوی ہیں۔ اور اتفاق سے ان تینوں راویوں کا تذکرہ بھی اسماء الرجال کی کسی کتاب میں نہیں ہے، یعنی تینوں سے یہ راوی بھی مجہول ہیں، ورنہ ثقہ معتبر راویوں کا تذکرہ کتب اسماء الرجال واصول حدیث میں ضرور مل جاتا، اس لیے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ روایت بھی منقطع ہے۔

○ نیز اس روایت میں امیرالمومنین سیدنا امام حسنؓ کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی شیعہ و رافضی کی گھڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ شیعوں کا شعار ہے۔ جیسا کہ:

○ "شرح فقہ اکبر" میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"ائمہ کرام کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھنا روافض کے شعار میں سے ہے۔"

○ نیز یہ روایت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔ کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا جان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف انیس (۱۹) حدیثیں سنی ہیں۔ جو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں "مسند حسنؓ" کے زیر عنوان نقل فرمائی ہیں۔ لیکن ان میں یہ حدیث نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بھی من گھڑت ہے۔

⑥ حضرت امام سخاویؒ نے ایک مجہول الحال راوی طاؤسی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ: انھوں نے الشمس محمد بن ابی نصر بخاری خواجہ سے سنا ہے کہ: "جو شخص مؤذن سے اشھد ان محمدا رسول اللہ سن کر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو بوسہ دے کر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھتے ہوئے اللھم احفظ حدقتی و نورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ ﷺ و نورھما کہے گا" تو نابینا نہیں ہوگا"۔

○ اس روایت کے راویوں میں سے بھی نہ تو طاؤسی کے بارے میں معلوم ہو سکا کہ یہ کون صاحب ہیں' کہاں کے رہنے والے ہیں اور کس دور میں ہو گزرے ہیں اور نہ ہی شمس محمد بن ابی نصر بخاری خواجہ کا کوئی اتا پتا معلوم ہو سکا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی سند بھی بیان نہیں کرتے۔

ان تمام روایات کے متعلق امام سخاویؒ کا فتویٰ:

○ اذان میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے یا انگلیوں کے پوروں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرنے یا لگانے سے متعلق حضرت امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ صفحہ ۳۸۴ و ۳۸۵ میں جتنی روایات بھی نقل کی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں' چنانچہ ان تمام روایات کو لکھنے کے بعد امام سخاویؒ وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں: ولا یصح فی المرفوع من کل هذا شیء یعنی اوپر جس قدر روایات بیان کی گئی ہیں ان میں سے کوئی بھی مرفوع میں صحیح نہیں۔

اعتراض اب اگر کوئی معترض یہ کہے کہ آپ کی بات درست ہے کہ انگوٹھے چومنے سے متعلق تمام روایات من گھڑت ہیں۔ لیکن آنکھوں کے دکھنے اور اندھے پن سے بچنے کے لیے بطور علاج اس عمل کے کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے علاج اور دوا کا مشورہ بھی تو صحابہ کرامؓ کو دیا تھا۔

جواب جہاں تک علاج و دوا کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں سیدنا اسامۃ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو دریافت کیا کہ: کیا ہم دوا استعمال کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں ہاں، اللہ کے بندو! دوا لے لیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کے علاوہ تمام بیماریوں کے لیے دوا بنائی ہے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۸ بحوالہ مسند احمد، جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اس سلسلہ میں مروی ہیں، اگر انھیں یہاں لکھیں تو بات لمبی ہوجائے گی۔ جسے شوق ہو وہ طب نبوی وغیرہ کتب میں دیکھ لے، جو اسی موضوع پر لکھی ہوئی عام دستیاب ہیں۔ البتہ:

آنکھوں کے علاج کے سلسلے میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ: خیبر کے وقت قلعوں میں سے ایک قلعہ "قموص" پر حملہ کے لیے سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کی کمان میں بھیجے گئے لشکر کی تیاری کے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "رایہ" (یعنی چھوٹا جھنڈا، عَلَم مراد نہیں) دینے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا، جبکہ ان کی آنکھیں دکھنے آئی ہوئی تھیں۔ پھر جب وہ تشریف لائے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو تندرست فرمادیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۳ بحوالہ بخاری و مسلم)

نیز یہ واقعہ طبقات ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) میں بھی مذکور ہے۔

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھی، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ دکھنے کا واقعہ بھی سامنے تھا، یہ انتہائی مناسب و موزوں موقع تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں کے دکھنے کا علاج اس عمل کے ذریعے کرنے کا طریقہ بتلاتے تاکہ امت محمدیہ میں کبھی کسی کی آنکھیں اول تو خراب ہی نہ ہوں، اور اگر انگوٹھے نہ چومنے کی وجہ سے کسی کی آنکھیں خراب ہوجائیں تو فوراً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیر لے، یعنی "ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ چڑھے چوکھا" کے مصداق آنکھوں کے علاج کے سلسلے میں کم از کم مسلمانوں کو تو کسی دوا کی محتاجی نہ رہتی۔ اور آنکھوں کے ہسپتالوں میں کروڑوں روپے کے

بے جا مصارف سے دنیا بھر کے مسلمان محفوظ رہتے۔ اور یہود و نصاریٰ امراضِ چشم کے بہانے مسلمانوں کے خون پسینے کی کمائی سے اپنی تجوریاں نہ بھرتے۔

○ ہماری اس بات پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ بات تو صرف یقین اور اعتماد کی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص یقین کامل کے ساتھ یہ عمل کرے تو پھر اس کو فائدہ بھی ہو جائے گا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ صحابہ کرامؓ کامل الیقین نہ تھے۔

○ بہرحال ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ طریقہ نہیں بتایا کہ اس طرح انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیر لیا کرو تو نہ کبھی تمہاری آنکھیں دکھیں گی اور نہ ہی کوئی نابینا ہوگا۔ کیونکہ اس موقع پر موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کئی صحابیؓ بعد میں نابینا ہو گئے، اگر حضرت نبی کریم ﷺ نے یہ عمل بتایا ہوتا تو صحابہ کرامؓ میں سے تو کوئی بھی نابینا نہ ہوتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ تو حضرت نبی کریم ﷺ کے اشارے پر جان قربان کر دیا کرتے تھے اور کسی حکم کے خلاف رائی بھر فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ لیکن ہمیں کئی ایسے صحابہ کرامؓ کے نام بھی ملتے ہیں جنھوں نے ناموسِ رسالت کے لیے نمایاں کارنامے انجام دیے، لیکن آخر میں نابینا ہو گئے۔ مثلاً:

① سیدنا عبداللہ بن عمر ② سیدنا ابی بن کعب
③ سیدنا حسان بن ثابت ④ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری
⑤ سیدنا براء بن عازب ⑥ سیدنا کعب بن مالک
⑦ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی ⑧ سیدنا عتبان بن مالک
⑨ سیدنا قتادۃ بن النعمان ⑩ سیدنا سعید بن یربوع مخزومی
⑪ سیدنا ولید بن عقبۃ بن ابی معیط ⑫ سیدنا ابو اسید ساعدی مالک بن ربیعہ بدری رضی اللہ عنہم اجمعین

○ یہ ان صحابہ کرامؓ کے نام تھے جنھوں نے خیبر کی لڑائی میں شرکت فرمائی اور سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے مذکورِ بالا واقعہ کے گواہ ہیں۔

- حضرت نبی کریم ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو ایسی محبت اور بھائی چارے کی تعلیم دی اور ایسا سبق دیا کہ صدیوں کی دشمنیاں ختم کرکے سب آپس میں شیر و شکر ہو گئے اور ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔
- اللہ تعالیٰ نے ان کی باہم بھائی بندی کی شہادت دیتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: أَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (۳: ۱۰۳) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی' اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔
- اب چونکہ صحابہ کرامؓ سب کے سب آپس میں بھائی بن چکے تھے' نقصان یا فائدے کی باتوں سے ایک دوسرے کو ہر وقت مطلع رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ خیر خواہی اور بھائی چارگی کا یہی اصول ہے۔
- اگر حضرت نبی کریم ﷺ کسی ایک صحابیؓ کو نیکی کے کسی کام کی تعلیم دیتے تو وہ سب کو بتلاتا' پھر وہ اپنے گھر والوں اور اولاد کو بتلاتے' پھر اپنے شاگردوں کو بتلاتے اور صحابہ کرامؓ کے شاگرد اپنے شاگردوں کو بتلاتے' حتیٰ کہ دین کی تمام باتیں اسی طرح ایک دوسرے کی معرفت ہم تک بھی پہنچ گئیں۔ الحمد للہ علی ذلک۔
- بہر حال ہمارا مقصد یہ ہے کہ خیبر کے موقع پر اگر حضرت نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کو انگوٹھے چومنے کے متعلق بتلاتے کہ یہ اندھے پن کا علاج ہے تو جو صحابہؓ اس موقع پر موجود تھے وہ یہ عمل ضرور کرتے اور ان میں سے کوئی ایک بھی نابینا نہ ہوتا' وہ ان صحابہؓ کو بتلاتے جو خیبر میں موجود نہیں تھے' یعنی جو صحابہؓ اس وقت چھوٹے بچے تھے یا جو خیبر کے بعد مسلمان ہوئے' بھائی چارگی کے اصول کے تحت سب کو اس عمل کا علم ہونا چاہیے تھا۔ جس کے نتیجے میں کوئی صحابیؓ نابینا نہ ہوتا۔
- لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کئی دیگر صحابہؓ بھی نابینا ہوئے۔ جنگ خیبر میں شریک صحابہ کرامؓ جو بعد میں نابینا ہو گئے تھے وہ تعداد میں بارہ تھے۔ اب دیکھیے ان کے علاوہ دیگر دس صحابہؓ ہیں جو خیبر میں تو شریک نہ تھے کہ انھیں اس موقع پر براہ راست حضرت نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بات سننے کا موقع ملتا' تاہم

اگر حضور ﷺ ارشاد فرمایا ہوتا تو ان کو اس کی اطلاع ضرور ہوتی۔ اور اس عمل کو وہ اپنا معمول بنا لیتے اور کبھی نابینا نہ ہوتے۔ ان صحابۂ کرامؓ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

⑬ عمِ رسول اللہ ﷺ سیدنا عباس بن عبد المطلب

⑭ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب

⑮ سیدنا ابوسفیان صخر بن حرب (خسرِ رسول اللہ ﷺ)

⑯ سیدنا حکم بن ابی العاص

⑰ سیدنا ابوقحافہ عثمان عامر بن عمرو، والد ماجد سیدنا ابوبکرؓ صدیق

⑱ سیدنا فاکہہ بن مغیرہ

⑲ سیدنا عمرو بن ام مکتوم

⑳ سیدنا حارث بن عباس

㉑ سیدنا ابوامامۃ الباہلی صُدی بن عجلان

㉒ سیدنا عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

○ ان کے علاوہ مشہور اخباری نسابہ ابو جعفر محمد بن حبیب بن امیہ بن عمرو ہاشمی بغدادی متوفی ۲۴۵ھ نے کتاب المحبّر صفحہ ۲۹۶ سے ۲۹۹ تک متعدد صحابی اور غیر صحابی اشراف نابیناؤں کی ایک طویل فہرست لکھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ عمل ہرگز اندھے پن کا علاج نہیں ہے۔

نیز مصنّف عبدالرزاق کے مصنّف عبدالرزاق بن ہشام محدثؒ خود نابینا ہو گئے تھے اور پھر اسی حالت میں ۲۱۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

○ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ یعنی انسان جو چیز اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے، وہ چیز جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے گا تو اس وقت تک اس کے دل میں مکمل طور پر ایمان جاگزیں نہیں ہوگا۔

مشورہ اس حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ جب

اذان ہو رہی ہو تو اس وقت حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے نہ چوما کریں۔ کیونکہ یہ بدعت ہے۔ جس سے بجائے ثواب یا کسی طبی فائدے کے گناہ بھی ہے اور مختلف جسمانی بیماریوں کا خطرہ بھی۔ کیونکہ انسان کے ہاتھ ضروری نہیں کہ ہر وقت پاک صاف ہوں' جب یہ عادت پڑی ہوئی ہوگی تو خواہ ہاتھ صاف ہوں یا نہ جب بھی حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک کانوں میں پڑا فوراً اس عبث کام کے لیے ہاتھ آپ کے منہ اور آنکھوں تک جائیں گے' جو طبی لحاظ سے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔

اعتراض اس بات کی وضاحت کے بعد واقعی یہ تمام روایات موضوع ہیں' لیکن کوئی کہے کہ موضوع ہیں تو کیا ہوا' اگر قواعد کے مطابق ہو تو اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں' جیسا کہ احمد رضا خان بریلوی نے "فتاویٰ افریقیہ" صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے کہ:

"یہ ٹھیک ہے کہ موضوع حدیث پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے لیکن یہ "قاعدہ" اس صورت میں ہے کہ جب شرعی قواعد کے مخالف ہو اور اگر قاعدہ کلیہ عام میں داخل ہو تو پھر اس موضوع حدیث پر عمل کرنے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے' مگر اس پر عمل کرنا اس رو سے نہیں کہ یہ حدیث سے ثابت ہے' بلکہ اس پر عمل اس وجہ سے کیا کہ اصل عام کے تحت داخل ہے"۔ وہ اس طرح کہ عام قاعدہ ہے کہ شریعت نے مطلقاً دوا کرنے کا حکم دیا ہے۔

جواب بریلویہ کے امام اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا بیان کردہ یہ "قاعدہ" ان کا اپنا خانہ ساز' من گھڑت اور قواعد شرع کی رو سے غلط اور بے بنیاد ہے' جو کئی وجوہ سے باطل اور قابل رد ہے۔

وجوہ بطلان:

❶ ان کے کلام میں ایک ہی مقام پر تناقض' تعارض اور تخالف ہے' کیونکہ:

○ پہلے تو کہا کہ: یہ ٹھیک ہے کہ موضوع حدیث پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ (سالبہ کلیہ دائمہ مطلقہ)

○ پھر کہا کہ: جب شرعی قواعد کے مخالف ہو تو موضوع پر عمل ناجائز ہے۔ اور اگر قاعدۂ کلیہ عام میں داخل ہو تو پھر اس موضوع حدیث پر عمل کرنے سے کوئی رکاوٹ نہیں۔ (مُطلقہ عامہ موجبہ جزئیہ) بعض اوقات موضوع حدیث پر عمل جائز ہے۔ اور بعض اوقات موضوع حدیث پر عمل ناجائز ہے۔ جبکہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ: موضوع حدیث پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

○ پھر تیسری دفعہ "مگر" کے ساتھ لکھا کہ: اس پر عمل کرنا اس رو سے نہیں کہ یہ حدیث سے ثابت ہے بلکہ اس پر عمل کرنا اس وجہ سے ہے کہ اصل عام کے تحت داخل ہے۔ تو یہ بات پہلی بات کے خلاف ہے کہ: اس پر عمل کرنا اس وجہ سے ہے کہ بعض اوقات موضوع حدیث پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے۔

● عوام تو حدیثیں سننے کی خواہش رکھتے ہیں اور ان حدیثوں میں نیک کاموں کے متعلق ترغیبات سننے کی تمنا کرتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو احادیثِ صحیحہ کی بجائے موضوع اور من گھڑت روایات سنائی جائیں گی تو یہ ان کے ساتھ فریب کاری ہوگی، عوام کو دھوکے میں رکھنے کی بجائے صاف کیوں نہیں کہا جاتا کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث تو ہے نہیں، مگر شرع میں چونکہ اس کی ممانعت بھی نہیں ہے اس لیے اس پر عمل جائز ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی سراسر غلط ہوگا۔ کیونکہ موضوع حدیث کا بیان کرنا بھی ناجائز ہے، اور اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔

● یہ "قانون" صرف چودھویں صدی کے خان صاحب بریلوی کا خانہ ساز ہے۔ کیونکہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں متقدمین و متأخرین علماءِ حق میں سے کسی نے اس شرط کے ساتھ یہ قانون بیان نہیں کیا۔

○ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے استاذ حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ: جس حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہو جائے تو اس کا عامل شیطان کا خادم ہے۔

○ نیز حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کوئی شرط لگائے بغیر فرمایا: الموضوع کالعدم۔

٥ اس شرط کو ملحوظ رکھیں تو دنیا میں بدعت کا وجود ہی نہ رہے گا۔ کیونکہ ہر نئی بدعت نکالنے والا کہہ سکتا ہے کہ : یہ قاعدہ کلیہ "عام" کے تحت داخل ہے۔ اور اس طرح بدعات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جس کے ذمہ دار احمد رضا خان بریلوی ہوں گے۔

٦ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمانِ عالی شان : من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد اور کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ بے معنی ہو کر رہ جائیں گے جو محال بھی ہے۔ اور اس میں حضرت نبی کریم ﷺ کی کسرِ شان بھی ہے۔ استغفر اللہ تعالیٰ۔

اعتراض ممکن ہے اس کتاب کو دیکھ کر مجوزینِ تقبیلِ ابہامین کو غصہ آجائے اور کہیں کہ تم تو دیوبندی ہو، ہر "نیک کام" کو بند کرتے ہو۔ مثلاً : پختہ قبریں بنانا بند، قبروں پر چراغاں بند، عرس بند، قوالی بند، تیجا بند، ساتا بند، دہابند، چہلم بند، ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کی رسم بند، حیلۂ اسقاط بند، جنازہ کے بعد دعا بند، رجب کے کونڈے بند، شب برات بند، عید میلاد بند، اور اب تو حضرت نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا بھی بند۔ ان تمام نیک کاموں کو بند کرنے کا نام دیوبندیت ہے۔ اور نیکی کے کام سے روکنا تو ظاہر ہے شیطان کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

جواب یہ کتاب پڑھنے سے ان تمام باتوں کا جواب آسانی سے مل سکتا ہے اور اس بارے میں ایک سیدھا سادھا اصول ہے کہ : جس کام کا حکم شریعت میں نہ ہو وہ خواہ کتنا ہی نیکی کا کام معلوم ہو وہ بدعت ہے، اس کے بارے میں پہلے باب کے چوتھے اصول میں بدعت کی اقسام اگر دوبارہ پڑھ لیں تو ہمیں امید ہے کہ اس کی حقیقت اچھی طرح سمجھ آجائے گی۔

٧ بہرحال فقہائے کرام نے جن جن کاموں سے منع فرمایا ہے تو وہ اس کی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ کام حضرت نبی کریم ﷺ سے منقول نہیں، اس کی وضاحت دوسرے باب میں وجۂ کراہت ۳ کے تحت کی گئی ہے، اگر اسے دوبارہ

پڑھ لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمام شکوک رفع ہو جائیں گے۔

○ جو کام بظاہر تو بھلے معلوم ہوتے ہیں لیکن شریعت مطہرہ میں ان کا حکم نہیں ہے تو سمجھو کہ اس کام کے کرنے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کام کے کرنے میں اگر واقعی نیکی ہوتی اور وہ کام عبادت یا کارِ ثواب ہوتا تو خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نیکی کے کاموں کے بہت ہی زیادہ حریص اور شوقین تھے، وہ یہ کام ضرور کرتے یا اپنی امت کو اس کا حکم ضرور دیتے۔ کیونکہ وہ تو اپنی امت کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے۔ بالمؤمنین رؤف رحیم۔ اور سب سے بڑی خیر خواہی نیک کاموں کی ترغیب اور برائی سے روکنا ہوتی ہے۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بھی یہ کام نہ کرنا اور اپنی امت کو بھی ایسے کاموں کی تعلیم و ترغیب نہ دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کاموں میں کوئی نیکی نہیں ہے، بلکہ الٹا ممنوع ہیں، جس کی مثالیں آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ گرچہ ہماری نظروں میں یہ کام کتنے ہی نیکی کے کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ ایسے نئے نئے کاموں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منع فرمایا ہے جو ہمیں نیکی کے کام معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس طرح کے کاموں میں کوئی نیکی اور اجر و ثواب نہیں ہے۔ مثلاً: "الصلوٰۃ خیر موضوع" یعنی نماز پڑھنا شریعِ محمدیؐ میں تمام معمولات سے بہترین عمل ہے۔ مگر اس کے باوجود طلوعِ شمس، غروبِ شمس اور نصف النہار کے اوقات میں نماز پڑھنا بھی منع ہے، خواہ ادا ہو خواہ قضا، خواہ فرض ہو یا واجب (وتر یا نذر) خواہ سنت ہو یا نفل، ان اوقات میں کوئی نماز بھی نہیں پڑھ سکتے البتہ نمازِ جنازہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

○ اسی طرح صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک نمازِ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے علاوہ کوئی اور نفل نہیں پڑھ سکتے، البتہ قضاء نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح عصر کے فرض ادا کرچکنے کے بعد غروبِ آفتاب تک کوئی نفل نہیں پڑھ سکتے، البتہ سورج کا رنگ زرد پڑنے سے پہلے پہلے قضاء نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

○ اسی طرح روزے رکھنا بھی بہت بڑا نیکی کا کام ہے۔ مگر رمضان کے علاوہ مسلسل روزے رکھنا منع ہیں' البتہ قضا روزے مسلسل رکھے جاسکتے ہیں' اور کفارے کے ساٹھ روزے تو ویسے ہی مسلسل رکھنے ضروری ہیں۔ اگر کسی نے انسٹھ روزے مسلسل رکھنے کے بعد ساٹھواں روزہ ایک دن کے وقفہ سے رکھا تو کفارہ ادا نہ ہوگا اور نئے سرے سے مسلسل ساٹھ روزے رکھنے پڑیں گے۔

○ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کرنا بھی کتنا بڑا نیکی کا کام ہے' لیکن رکوع اور سجود میں قرآن مجید کی تلاوت منع ہے۔ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت بھی قرآن مجید کی تلاوت منع ہے۔ بعض مقامات میں تلاوتِ قرآن مجید سے صراحۃً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

○ اسی طرح محدثین اور فقہاء نے ارشادات و معمولاتِ نبویؐ کی روشنی میں یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ: اذان کے وقت سننے والا قرآن پاک کی تلاوت نہ کرے' حالانکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً منع نہیں فرمایا۔ لیکن چونکہ خود بھی ایسا نہیں کیا تو محدثین و فقہاء نے اسے بدعت مکروہ اور خلافِ سنت قرار دیا' ان کا موقف یہ ہے کہ یہ کام اس موقع پر بھی کارِ ثواب ہوتا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ خود عمل کرتے بلکہ اپنی امت کو بھی حکم فرماجاتے۔

○ اسی طرح درود شریف پڑھنا بھی بہت بڑی فضیلت کا کام ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور صحابہ کرامؓ میں سے:

① سیدنا انس بن مالک ② سیدنا عبداللہ بن مسعود
③ سیدنا ابوہریرہ ④ سیدنا ابوطلحہ
⑤ سیدنا ابی بن کعب ⑥ سیدنا فضالۃ بن عُبید
⑦ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق ⑧ امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب
⑨ سیدنا عبداللہ بن عمرو ⑩ سیدنا عبدالرحمن بن عوف
⑪ سیدنا رویفع ⑫ سیدنا براء بن عازب

⑬ سیدنا عمار بن یاسر ⑭ سیدنا ابو الدرداء
⑮ سیدنا ابو سعید خدری ⑯ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ
⑰ سیدنا کعب بن عجرہ ⑱ سیدنا عبدالرحمن بن بشیر
⑲ سیدنا عبداللہ بن عباس ⑳ سیدنا جابر بن عبداللہ
㉑ سیدنا مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہم درود شریف کے فضائل بتلاتے ہیں۔

○ اگر ان صحابہ کرامؓ کے بیان کردہ فضائل لکھنے شروع کر دیں تو یہ ایک مستقل کتاب بن جائے گی اور بات اپنے موضوع سے ہٹ جائے گی، اصل بات جو ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب درود شریف پڑھنے کے اس قدر فضائل ہیں اور اذان سے پہلے اس کا پڑھنا منع بھی نہیں ہے تو علماء نے اس سے کیوں منع فرمایا ہے، تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جن حضرات کو مؤذن ہونے کا شرف اور فضیلت حاصل ہوئی ان میں :

① سیدنا بلال ② سیدنا ابو محذورہ اور
③ سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہم کے نام قابل ذکر ہیں۔
ان میں سے کسی نے بھی اذان سے پہلے درود نہیں پڑھا۔

○ یہی وجہ ہے کہ محدثین اور فقہاء کرام کے بیان کردہ قانون کی رو سے علماء اذان سے پہلے درود شریف پڑھنے کو بدعت اور خلاف سنت کہتے ہیں۔ اور یہی حال اذان سے پہلے تعوذ و تسمیہ پڑھنے کا ہے۔ جبکہ یہ بھی کلمات خیر ہی ہیں۔ البتہ :

○ اذان کے بعد پست آواز سے درود شریف اور دعائے وسیلہ کا پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، مگر اس پر عام لوگ عمل نہیں کرتے۔

○ شیطان بھی کیسا خبیث ہے، اس نے عوام کی توجہ نیکی کے سب کاموں سے ہٹادی اور بدعات کو نیکی کے رنگ میں پیش کر دیا اور عوام بھی ایسے بدھو ہے کہ جو چیز صحیح تھی اسے تو شیطان کی پیروی میں ترک کر دیا اور جو چیز غلط تھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ بہرحال یہ الزام غلط ہے کہ ہم نیکی کے کام سے روکتے ہیں۔

ہمارا ایک سوال

آخر میں مجوزین تقبیلِ ابہامین سے ہمارا ایک سوال ہے کہ: مؤذن جب اذان میں "اشہد ان محمدا رسول اللہ" کہتا ہے تو خود اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر کیوں نہیں پھیرتا؟ کیا مؤذن کو اس کی ممانعت ہے؟۔

اسی طرح: قرآن مجید میں چار جگہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک "محمد" اور ایک جگہ "احمد" آتا ہے، تو کیا تراویح میں قرآن مجید سنانے والا اور اس کے مقتدی ان پانچوں مقامات پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرتے ہیں؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟۔

ہمارے اس سوال کا جواب دے کر شکریہ کا موقع دیجیے۔ ہم جواب کے منتظر رہیں گے۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان
لا اله الا انت استغفرك واتوب
اليك. اللهم صل على سيدنا
ومولانا محمد وآله
واصحابه
اجمعين

○

القول المبین

فی وقت

قیام المقتدین

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال محیط کے حوالے سے فتاویٰ عالمگیری اور دُرِّ مختار میں لکھا ہے کہ جب نماز کی اقامت ہوری ہو تو مقتدی کھڑا نہ رہے بیٹھ جائے۔ جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تو مقتدی کھڑا ہوجائے۔ لیکن بعض مساجد میں اس پر عمل کیا جاتا ہے اور بعض مساجد میں اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

(السائل محمد یوسف چک نمبر ۱۱۲ جنوبی ڈاکخانہ خاص تحصیل و ضلع سرگودھا)

جواب دلائل شرع کے چار ہیں۔ ① قرآن مجید ② حدیث صحیح ③ اجماع امت ④ قیاس مجتہد کا۔ اور یہ مسئلہ قرآن مجید میں تو ہے نہیں۔ البتہ حدیث شریف میں اس کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ:

① حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ میں مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے حضرت امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت نقل فرمائی ہے۔ جس میں آتا ہے: ان الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" یقومون الی الصلوٰۃ۔ فلا یأتی النبی ﷺ مقامہ حتی تعدل الصفوف۔ کہ عہد نبوی میں صحابہ کرام کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب مؤذن (اقامت کہنے والا) "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" سے اقامت شروع کرتا تو صحابہ کرام فوراً نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ اس وقت تک اپنے مقام یعنی مصلے پر کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک کہ صفیں درست نہ ہوجاتیں۔

○ اس حدیثِ مبارک سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ اقامت شروع ہوتے ہی صحابۂ کرامؓ کھڑے ہوکر صفیں درست کرنی شروع فرمادیتے تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لیے صفوں کو درست کرنا اور مل کر کھڑے ہونا اس قدر ضروری اور اہم ہے کہ جب تک صفیں درست نہ ہوجاتیں حضرت رسول اللہ ﷺ مصلے پر تشریف نہ لاتے تھے۔ اور جب صحابۂ کرامؓ کو تسویۂ صفوف کی اہمیت کا علم ہوا تو صحابۂ کرامؓ نے اقامت کے شروع ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفوں کو درست کرنا شروع کردیا۔ اور پھر حضرت نبی کریم ﷺ کے مصلے پر تشریف لانے سے پہلے پہلے ہی درست طریقے سے صف بندی کرلیا کرتے تھے۔ جیسا کہ:

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ ﷺ فیأخذ الناس مصافهم قبل ان یقوم النبی ﷺ مقامہ۔ یعنی جب نماز کے لیے اقامت شروع ہوتی تو لوگ (یعنی صحابۂ کرامؓ) حضرت نبی کریم ﷺ کے مصلے پر تشریف لانے سے پہلے ہی اپنی اپنی صفیں درست کرنے میں مشغول ہوجایا کرتے تھے۔

○ احادیثِ مبارکہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اہم حکم جس پر احادیثِ مبارکہ میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ نہیں کہ اقامت شروع ہونے کے بعد مقتدی یا امام اقامت کے کس لفظ پر کھڑا ہو۔ بلکہ اصل مسئلہ تسویۂ صفوف کا ہے۔ یعنی صفوں کو برابر کرنا اور جڑ کر کھڑے ہونا۔ آگے پیچھے نہ ہونا۔ جیسا کہ:

○ سُنن ابی داؤد صفحہ ۱۰۳ اور مشکوٰۃ صفحہ ۹۸ میں ہے: کان رسول اللہ ﷺ یسوّی صفوفنا اذا قمنا الی الصلوٰۃ فاذا استوینا کبّر۔ یعنی جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو حضرت نبی کریم ﷺ پہلے ہماری صفیں سیدھی کیا کرتے تھے، پھر جب ہم اپنی صفیں سیدھی کرچکتے تو حضرت نبی کریم ﷺ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع فرماتے تھے۔

○ اصولِ حدیث کی اصطلاح میں یہ حدیث "مشہور" ہے۔ جس کے راوی متعدد

صحابہ کرامؓ ہیں۔ مثلاً: ① سیدنا ابوسعید خدری ② سیدنا عبداللہ بن مسعود ③ سیدنا انس بن مالک ④ سیدنا ابوہریرہ ⑤ سیدنا ابو امامہ باہلی ⑥ سیدنا ابو مسعود انصاری ⑦ سیدنا جابر بن سمرہ ⑧ سیدنا عبداللہ بن عمر ⑨ سیدنا نعمان بن بشیر وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

○ اس حدیثِ مبارک سے تسویۂ صفوف کی اہمیت خوب واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ ایک موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: سووا صفوفکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ (مشکوٰۃ صفحہ ۹۸) کہ صفیں سیدھی کیا کرو۔ کیونکہ تسویۂ صفوف اقامتِ صلوٰۃ کی ایک اہم جزو ہے۔ اور چونکہ اقیموا الصلوٰۃ (الآیہ) میں اللہ تعالیٰ نے اقامت الصلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اقامت صلوٰۃ میں ازفرمانِ نبیؐ اقامتِ صلوٰۃ کے اہم جزو تسویۂ صفوف کا لحاظ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ:

○ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ نماز پڑھانے کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے درِاقدس سے تشریف لائے۔ اور مصلے پر کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہنے لگے تو اچانک ایک ایسے شخص پر نظر پڑ گئی جس کا سینہ دوسرے لوگوں سے قدرے آگے کو بڑھا ہوا تھا۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عباد الله لتسون صفوفکم او لیخالفن الله بین وجوھکم۔ کہ اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں درست کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۹۷ و ۹۸)

○ تسویۂ صفوف کے بارے میں جب صحابۂ کرامؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاکیدی حکم سنا تو آپؐ کی تعمیلِ حکم کرتے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لانے سے پہلے ہی تسویۂ صفوف یعنی صفیں سیدھی کرکے کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کے

بلیے جاتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ پھر آپ ﷺ تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔

○ کبھی کبھی بعض دینی مشاغل کے باعث آپ ﷺ کو دیر بھی ہو جاتی تھی۔ اس زمانے میں وقت معلوم کرنے کے لیے آج کل کی طرح گھڑیاں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے کبھی کبھی صحابہ کرامؓ تسویہ صفوف کی حالت میں کافی دیر تک حضرت نبی کریم ﷺ کی انتظار میں کھڑے بھی رہتے تھے۔ چنانچہ:

○ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفیں سیدھی کر کے اس انتظار میں کھڑے تھے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے درِ اقدس سے تشریف لاتے ہی ہماری صفیں سیدھی دیکھ کر نماز پڑھانی شروع کر دیں گے۔ اور آپ ﷺ کو صفیں سیدھی کروانے کی زحمت برداشت نہ کرنی پڑے گی۔ پھر جب حضرت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو دیکھا کہ تمام صحابہ کرامؓ صفیں سیدھی کر کے میری انتظار میں کھڑے ہیں تو آپ ﷺ نے شفقت کے طور پر فرمایا: اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی. (بخاری صفحہ ۸۸ و ۱۳۲ و مسلم صفحہ ۲۲۰) کہ جب تک تم لوگ مجھے نہ دیکھ لو اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔ یعنی بیٹھے رہا کرو۔ کیونکہ ان کا تسویہ صفوف کی حالت میں زیادہ دیر تک کھڑے رہنا تکلیف کا باعث بھی ہو سکتا تھا۔ اس فرمانِ نبویؐ کے بعد صحابہ کرامؓ کھڑے ہونے کی بجائے سیدھی صف بنا کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لاتے تو حضرت بلالؓ اقامت کہنا شروع کر دیتے۔ اور آپ ﷺ اقامت کا جواب دیتے جاتے۔ اور حضرت بلالؓ کے اقامت ختم کرنے سے پہلے حضور ﷺ مصلے پر پہنچ جاتے۔ اور صفیں سیدھی دیکھتے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز پڑھانی شروع فرما دیتے۔ جیسا کہ:

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لا یقیم حتی یخرج النبی ﷺ فاذا خرج اقام الصلوٰۃ حین یراہ (مسلم صفحہ ۲۲۱) کہ جب تک حضرت نبی کریم ﷺ گھر سے نہ نکلتے اس وقت تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت شروع نہ فرماتے۔ پھر آپ ﷺ کو دیکھتے ہی اقامت شروع فرما دیتے۔

○ نیز آپؓ فرماتے ہیں: کانت تقام لرسول اللہ ﷺ فیأخذ الناس مصافهم قبل ان یقوم النبی ﷺ مقامه۔ (مسلم صفحہ ۲۲۰) یعنی اقامت کہی جاتی تھی اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے مُصلّے پر کھڑے ہونے سے پہلے لوگ اپنی اپنی صفوں کو درست کرنے میں مصروف ہوجاتے تھے۔

○ دوسری روایت میں ہے: اقیمت الصلوٰۃ و صف الناس صفوفهم و خرج رسول اللہ ﷺ فقام مقامه۔ (مسلم صفحہ ۲۲۰) یعنی نماز کے لیے اقامت کہی گئی اور لوگوں نے اپنی اپنی صفیں درست کرلیں اتنے میں حضرت رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے اور مُصلّے پر کھڑے ہوگئے۔

○ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جب تک امام مُصلّے پر نہ آئے اس وقت تک اقامت کہنے والا اقامت شروع ہی نہ کرے۔ کیونکہ عہد نبوی میں ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ اقامت ہورہی ہوتی تھی اور حضرت رسول اللہ ﷺ کسی آدمی سے گفتگو فرمارہے ہوتے تھے۔ جیسا کہ:

○ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اقیمت الصلوٰۃ فعرض النبی ﷺ رجل فحبسه بعد ما اقیمت الصلوٰۃ (بخاری صفحہ ۸۹) یعنی نماز کے لیے اقامت ہوگئی تو ایک آدمی نے حضرت نبی کریم ﷺ کو اقامت کے بعد تک روکے رکھا۔

○ اس لیے اقامت سے پہلے نمازیوں کو اپنی اپنی صفیں درست کرکے جُڑ کر بیٹھے رہنا چاہیے۔ اور جب اقامت شروع ہوجائے تو آدابِ مسجد و تسویہ صفوف کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام نمازی کھڑے ہوجائیں۔ اور اقامت کا جواب بھی اسی طرح دینا چاہیے جیسا کہ اذان کا جواب دیا جاتا ہے۔ اور جب اقامت ختم ہوجائے تو امام تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کردے۔ اور اگر امام دیکھے کہ صفیں سیدھی نہیں ہوئیں تو اسے چاہیے کہ پہلے صفیں سیدھی کرائے اور پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے۔

○ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اقامت کے دوران امام بھی مُصلّے پر ہی بیٹھا رہے اور

حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح کے وقت ہی اٹھے۔ کیونکہ کسی حدیث میں ایسا حکم نہیں آیا۔ اور نہ ہی امام ابوحنیفہؒ نے کہیں کہا ہے کہ امام اور مقتدی حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح پر اٹھیں۔

○ اور کنز الدقائق صفحہ ۲۲ میں جو آداب الصلوۃ کے تحت حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک لکھا ہے: اٰدابہا...... القیام حین قیل حی علی الفلاح۔ یعنی امام اور مقتدی اس وقت پوری طرح کھڑے ہو جایا کریں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حی علی الفلاح تسویۂ صفوف کا لحاظ رکھتے ہوئے امام اور مقتدیوں کے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جانے کی آخری حد ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اقامت شروع ہو جانے کے باوجود بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری و عذر کی وجہ سے اٹھ کر کھڑا نہیں ہو سکا تو وہ بھی اقامت کہنے والے کے حی علی الفلاح کہنے تک بہر صورت کھڑا ہو جائے۔

○ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اقامت شروع ہو جانے کے باوجود جلدی سے کھڑے ہونے کی طاقت کے باوجود جان بوجھ کر تسویۂ صفوف کے تاکیدی حکم کی تعمیل میں سستی سے کام لیتے ہوئے بیٹھا رہے اور خواہ مخواہ حی علی الفلاح کا لفظ سن کر ہی کھڑا ہو۔ کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مخالف ہرگز نہیں ہو سکتا۔

○ اور اگر بالفرض والتقدیر ثابت ہو جائے کہ حضرت امام اعظمؒ کا قول فرمانِ نبویؐ کے خلاف ہے تو اس پر عمل کرنا خود حضرت امام اعظمؒ کے فرمان کی رو سے قابلِ رد قرار دیا جائے گا۔ جبکہ:

○ صحیح مسلم کے حوالے سے قبل ازیں اس بارے میں احادیث بیان کی جا چکی ہیں۔ جن میں مقتدی اور امام دونوں کے لیے واضح طور اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اقامت شروع ہوتے ہی سب کو کھڑا ہو جانا چاہیے۔ اور اقامت ختم ہونے سے پہلے پہلے اپنی اپنی صفوں کو خوب اچھی طرح درست کر لینا چاہیے۔

اور حضرت امام اعظمؒ کے فرمان کے مطابق زیادہ سے زیادہ تاخیر ہونے کی صورت میں بھی مؤذن کے حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر پہنچنے تک بہرصورت تسویہ صفوف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے پوری صفوں کو نماز کے لیے تیار ہو کر اچھی طرح کھڑے ہو جانا چاہیے۔ تاکہ اگر کوئی امام سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب درج ذیل ضعیف روایت پر عمل کرتے ہوئے قد قامت الصلوٰۃ پر ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز پڑھانی شروع کر دے تو اس صورت میں بھی تمام مقتدی تکبیر تحریمہ میں امام کی اقتداء سے محروم نہ رہیں۔ اور وہ قراءت شروع ہونے سے پہلے پہلے ثناء پڑھ سکیں۔ چنانچہ:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کان بلالؓ اذا قال قد قامت الصلوٰۃ نھض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر۔ کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ قد قامت الصلوٰۃ کہتے تو حضرت رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ شروع فرمادیتے تھے۔ (یہ روایت مسند بزار میں ہے۔ جس کے بارے میں مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ اور لسان المیزان جلد ۱ صفحہ ۱۷۹ میں ہے کہ بیہقی نے اسے ضعیف کہا ہے) لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اقامت کے وقت امام مصلے پر ہی بیٹھا یا کھڑا ہوا ہو۔ کیونکہ:

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کان بلال رضی اللہ عنہ یؤذن اذا دحضت (ای زالت الشمس) فلا یقیم حتی یخرج النبی ﷺ فاذا خرج (النبی ﷺ) اقام (بلال) الصلوٰۃ حین یراہ۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۲۱) کہ حضرت بلالؓ سورج ڈھلنے کے بعد (ظہر کی) اذان کہتے۔ پھر جب تک حضرت رسول اللہ ﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف نہ لاتے اس وقت تک اقامت نہ کہتے۔ پھر حضرت نبی کریم ﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لاتے تو آپ کو دیکھتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کے لیے اقامت کہنا شروع فرمادیتے۔

اسی طرح مقتدیوں کے کھڑے ہونے کا تعلق بھی امام کی رضا و اجازت کے ساتھ شروع ہونے والی اقامت پر ہی موقوف ہے۔ جیسا کہ:

○ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلاتقوموا حتی ترونی. (بخاری صفحہ ۸۸ و ۱۳۳ و مسلم ۲۲۰) یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اقامت ہو چکے تو جب تک مجھے دیکھ نہ لو اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔

○ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا اقامت کے وقت مصلے پر موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے امام مسجد سے باہر ہو تو اس صورت میں بھی اقامت کہی جا سکتی ہے۔

○ نیز احادیث مبارکہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کو کلماتِ اقامت کے جواب دینے کا ثبوت بھی موجود ہے۔ فقہائے کی اس ظاہر عبارت سے اس حدیث پر عمل نہیں ہو سکتا۔

○ نیز سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مذکورِ بالا ضعیف روایت سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل روایت کے بھی خلاف ہے۔ جس میں آتا ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہتے تو حضرت رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ ساتھ انہی کلمات کا جواب دیتے جاتے تھے۔ اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ قد قامت الصلوٰۃ کہتے تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ ﷺ فرماتے : اقامھا اللہ و ادامھا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۶۶)

○ نیز در مختار جلد ا صفحہ ۳۶۳ میں ہے : و یجیب الاقامۃ ندباً اجماعاً کالاذان و یقول عند قد قامت الصلوٰۃ اقامھا اللہ و ادامھا. یعنی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اذان کی طرح اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے۔ اور قد قامت الصلوٰۃ کے جواب میں اقامھا اللہ و ادامھا کہنا چاہیے۔

○ اسی طرح غنیۃ المستملی المعروف بہ کبیری صفحہ ۳۶۵ میں حضرت امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم کبیرؒ نے اور البحرالرائق جلد ا صفحہ ۳۰۴ میں فقیہ ابن نجیمؒ نے اور فتاویٰ عالمگیری جلد ا صفحہ ۵۷ میں لکھا ہے : جواب الاقامۃ مستحب. "کہ اقامت کا جواب دینا مستحب ہے۔" نیز فرماتے ہیں : و اذا بلغ قولہ قد قامت الصلوٰۃ یقول

السامع اقامها الله وادامها ما دامت السمٰوٰت والارض وفی سائر الکلمات یجیب کما یجیب فی الاذان. یعنی جب اقامت کہنے والا قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچے تو سننے والا کہے : اقامها الله وادامها ما دامت السمٰوٰت والارض. اور باقی کلمات کے جواب میں اسی طرح جواب دے جس طرح اذان کے کلمات کا جواب دیا جاتا ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد رشید حضرت امام قاضی ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یشرع اذا فرغ من الاقامة (البحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۳۰۴) کہ جب اقامت کہنے والا اقامت کہہ چکے تو اس کے بعد امام نماز شروع کرے۔ اس میں امام اور مقتدیوں کا اس امر مستحب پر بھی عمل ہو جائے گا جو نصاً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہے۔

○ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے شاگرد حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : فاذا قام المؤذن الصلوٰة کبر الامام. وھو قول ابی حنیفة (مؤطا امام محمد صفحہ ۸۹) کہ جب مؤذن اقامت سے فارغ ہو جائے تو اس وقت امام اللہ اکبر کہے۔ (اور پھر تحریر فرمایا کہ) یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ پہلے مقتدی صفیں درست کرلیں۔ جس کی تاکید حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ اور وہ اسی وقت درست ہو سکتی ہیں جب کہ نمازی شروع اقامت میں کھڑے ہوں۔ خصوصاً جب کہ نمازیوں میں کمزور اور ضعیف لوگ بھی ہوں۔ اور انہیں اٹھتے اٹھتے اور مخنے اور کندھے ملاتے وقت دیر لگ سکتی ہو۔

خلاصہ یہ کہ مبحوث فیہ مسئلہ میں فی زمانہ دو قسم کے لوگ ہیں۔

(۱) اقامت کہنے والا اقامت کہتا ہے تو امام اور مقتدی حی علی الفلاح کہنے تک بیٹھے رہنے کو نہ صرف مستحب بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اس سے پہلے کھڑا ہو جائے تو اسے برا بھلا کہتے ہیں۔

③ اور اس کے برعکس دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اقامت کے وقت امام کا مصلے پر موجود ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ جب تک امام مصلے پر نہ آئے اس وقت تک مؤذن اقامت شروع ہی نہیں کرتا۔ اور جب امام کی آمد کے بعد اقامت شروع کی جاتی ہے تو مقتدی صفیں سیدھی کیے بغیر کیفما اتفق کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور جزُ کر بھی کھڑے نہیں ہوتے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اقامت کا جواب بھی نہیں دیتے۔ حالانکہ ان دونوں قسم کے لوگوں کا معمول احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ اور ان دونوں میں سے کوئی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ:

④ اصل طریقہ یہ ہے کہ مؤذن یا اقامت کے لیے مجاز شخص امام کو آتا ہوا دیکھ کر یا نماز کے لیے مقرر کردہ وقت پر اقامت کہنی شروع کردے۔ اور اقامت کے شروع میں اللہ اکبر اللہ اکبر کے الفاظ سنتے ہی مقتدی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرنی شروع کردیں۔ اور آپس میں باتیں نہ کریں۔ بلکہ اقامت کا جواب دیں۔ اور اقامت ختم ہونے کے بعد اگر امام مصلے پر آگیا تو وہ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرے اور اس کے متصل بعد تمام مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں امام کی اقتدار کریں۔ اور سبحانک اللّٰھم پڑھنا شروع کریں۔

⑤ اب رہا یہ کہ محیط کے حوالے سے فتاویٰ عالمگیری اور درِّ مختار میں ہے کہ جب نماز کی اقامت ہورہی ہو تو مقتدی کھڑا نہ رہے بلکہ بیٹھ جائے۔ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو مقتدی کھڑا ہوجائے۔ جیسا کہ سائل نے لکھا ہے۔ تو اس سلسلے میں مذکورہ بالا بحث کے بعد مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم یاد رکھیں کہ اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال کتب فقہ میں منقول ہیں۔ مثلاً:

① اقامت کے شروع میں مقتدی کھڑے ہوں۔

② اقامت ختم ہونے پر کھڑے ہوں۔

③ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو مقتدی کھڑے ہوں۔

④ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تب کھڑے ہوں۔

⑤ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تب کھڑے ہوں۔

○ ان تمام اقوال میں بظاہر اختلاف ہے۔ لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ کیونکہ اقامت شروع کرتے ہی کھڑے ہونے کے متعلق غیر مبہم اور واضح احادیث کی موجودگی میں ان تمام اقوال کو باہم منطبق کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

○ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہو جائیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے تو بیٹھے رہیں اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہو جائیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حی علی الفلاح آخری حد ہے۔ اس وقت تو لازماً کھڑا ہو جائے۔ اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ حدیث رسول کے خلاف نہیں کر سکتے۔

○ اسی طرح باقی اقوال کا بھی یہی حال ہے۔ کسی کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اقامت شروع ہونے کے باوجود اگر بیٹھے ہیں تو کھڑے نہ ہوں اور بیٹھے ہی رہیں۔ اور اقامت کا فلاں کلمہ سن کر ہی کھڑے ہوں۔ اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔

○ نیز امام اور مقتدیوں کا شروع اقامت میں بیٹھے رہنا اور خواہ مخواہ حی علی الفلاح پر ہی کھڑا ہونا حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک و مذہب نہیں ہے۔ اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی روایت جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے وہ ان کا مذہب نہیں۔ جیسا کہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ میں ہے۔ اس لیے اس روایت کے پیشِ نظر حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک و مذہب کہنا منظور فیہ ہے۔ چہ جائے کہ اس پر نہایت سختی سے عمل کیا جائے اور جو شخص اس پر عمل نہ کرے اسے برا بھلا کہا جائے۔

○

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك

اللهم صل على سيدنا محمد وعلى جميع اصحابه واتباعه وعلينا معهم اجمعين

دفع العذر

عن

قضاء العمر

مؤلف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال قضائے عمری مروجہ در جمعہ اخیر ماہ رمضان مستحب ہے یا بدعت؟

○ قرآن مجید' حدیث نبویؐ' فقہ حنفی سے ثابت ہے یا نہیں؟

○ مجوزین قضاءِ عمری بعض کتب فقہ کی عبارتیں اور احادیث پیش کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کی تحقیق کیا ہے۔ (قاری محمد ادریس جامعہ فاروقیہ شکور مسلم آباد)

جواب رمضان المبارک کے آخری جمعۃ المبارک میں قضاءِ عمری کا جو رواج ہے یہ بے اصل' ممنوع' ناجائز' بدعت اور واجب الترک ہے۔ اور جن کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے وہ قضاءِ عمری یعنی فوت شدہ نمازوں کے بارے میں نہیں بلکہ ان ادا شدہ نمازوں کی احتیاطاً قضاء کے بارے میں ہے جن میں غفلت کی وجہ سے کچھ کمی کوتاہی رہ گئی ہو۔ مثلاً:

○ فتاویٰ عالمگیری جلد ا صفحہ ۱۲۴ میں ہے: فی العتابیة عن ابی نصر رحمه الله فیمن یقضی صلوات عمره من غیر انه فاته شئ یرید الاحتیاط فان کان لاجل النقصان و الکراهة فحسن و ان لم یکن لذلك لا یفعل۔ و الصحیح انه یجوز الا بعد صلوٰة الفجر و العصر۔ وقد فعل ذلك کثیر من السلف بشبهة الفساد۔ کذا فی المضمرات (مسائل متفرقة باب قضاء الفوائت)

○ خلاصۃ الفتاویٰ جلد ا صفحہ ۱۹۲ فصل ۱۹ میں ہے: فی قضاء الفوائت وفی نسخة القاضی الامام الاجل رجل یقضی صلوات عمره مع انه لم یفته شئ۔ اختلف المشائخ رحمهم الله واجمعوا انه لا یقضی بعد العصر وبعد طلوع الفجر۔ اذا فاتته صلوات عن وقتها ینبغی ان یقضیها فی بیته ولا یقضیها فی المسجد۔

○ غُنیۃُ المستملی فی شرح منیۃ المصلی صفحہ ۴۹۷ میں ہے: ومن اراد ان یقضی صلوات صلّٰہا ان کان لاجل نقصان دخلہا او کراھۃ فحسن والا فقیل یکرہ و قیل لا یکرہ لانہ اخذ بالاحتیاط الا بعد الفجر والعصر لانہ نفل ظاہراً و ھو مکروہ بعدھما۔ (قبیل فصل فی صلوٰۃ المسافر)

○ یہ تین علمائے احناف کی عبارتیں "مشتے نمونہ از خروارے" نقل کی گئی ہیں۔ مگر ان عبارات میں سے کسی ایک میں بھی قضاء عمری کا یہ مروجہ طریقہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ مروجہ طریقہ یہ ہے کہ رمضان شریف کا آخری جمعہ ہو (جسے جمعۃ الوداع کہتے ہیں) اس میں سب لوگ مل کر اعلان کرکے اور قضاء عمری کے مفروضہ فضائل بیان کرکے باجماعت چار رکعت نفل اس نیت سے پڑھتے ہیں:

مفروضہ قضاء عمری کی نیت

○ نویت ان اصلی اربع رکعات تقصیراً و تکفیراً لما فات منی من جمیع عمری صلوٰۃ نفل۔ لیکن مذکورہ بالا عبارات میں یہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں کے سوا جو نمازیں پڑھتا ہے ان میں اگر کچھ کمی رہ گئی ہوگی یا کوئی مکروہ کام کیا گیا ہوگا اب وہی ادا کی ہوئی نمازیں احتیاطاً قضاء کرنا حسن ہے۔ اور یہ قول بھی ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی کا نہیں۔ بلکہ ابونصر کا قول ہے، جسے بعض سلفؒ نے محض اس خیال سے اختیار کیا کہ شاید پڑھی ہوئی نمازوں میں کچھ فساد ہوگیا ہوگا۔ ورنہ اس کی کراہت اور عدم کراہت میں بھی اختلاف ہے۔ مگر مروجہ قضاء عمری کے بارے کسی فقیہ نے جواز کا قول نہیں کیا بلکہ سب فقہاءؒ نے مروجہ قضاء عمری کو بدعت و ممنوع کہا ہے۔ نیز ان عبارات میں رمضان شریف کے آخری جمعہ کی قید بھی نہیں۔

○ عزیز الفتاوی صفحہ ۲۵۴ میں ہے: قضاء عمری عند الحنفیہ مشروع نیست۔ پس التزام آن خصوصا در آخر جمعہ رمضان المبارک کہ چہار رکعت نفل بہ نیت قضاء عمری ادا کردہ شود شرعاً بے اصل است۔ و این چنین اعتقاد کردن کہ از چہار رکعت نفل قضاء صلوات فائتہ عمر حاصل شود خلاف نصوص صحیحہ و صریحہ و قواعد شرعیہ است۔

لا یعتقد هذا الاعتقاد الفاسد الا الجاهل الذی لا یعرف الدین ولا یمیز الغث من الثمین۔ قال فی الدر المختار ولا یصلی بعد صلوٰۃ مفروضۃ مثلها قرأۃ او فی الجماعۃ ولا تعاد عند توهم الفساد للنهی۔ وما نقل ان الامام قضی صلوٰۃ عمرہ فان صح نقول کان یصلی المغرب والوتر اربعاً بثلث قعدات الخ قوله ما نقل الخ جواب عن سوال وارد علی الوجه الثالث فان هذا المنقول ینافی حمل هذا النهی علیه اذ یبعد ان یکون ما صلّٰه الامام اولا مُشتملا علی خلل مُحقق من مکروہ او ترك واجب بل الظاهر انه اعاد ما صلّٰه بمجرد الاحتیاط وقوع الفساد فینا فی حمل النهی فی مذهبه علی الوجه الثالث۔ والجواب اولا انه لم یصح نقل ذٰلك عن الامام۔ وثانیا انه لو صح نقول انه کان یصلی المغرب الخ (رد المحتار) وفیه قبیله عن البحر الرائق و ان کان ذٰلك لخلل غیر مُحقق بل نشأ من وسوسۃ و هو مکروہ۔
پس ازیں تصریحاتِ محققین ثابت شد کہ محض بتوہم فساد قضاء نماز مکروہ است۔ خصوصاً وقتیکہ التزام آن بجہ تا کند و لزوم رسد کراہت قضاء بالضرور ثابت خواہد شد و ہمین ست جواب روایت عالمگیریہ وغیرہ۔ وانیٔ کراہت در نفس قضاء عمری است۔ وآنچہ در رمضان المبارک چہار رکعت نفل از قائم مقام قضاء عمری می فہمند آن محض اختراع و احداث است از ہیچ نقل صحیح و قاعدہ شرعیہ ثابت نیست۔

○ اور یہی حکم قضاء عمری کا ہے بشرطیکہ اس کا قضاء ہونا معلوم ہو۔ اور جو محض وہم یا احتیاط کی وجہ سے قضاء کی جائے وہ اس وقت یعنی بعد عصر و فجر کے نہ پڑھی جائے۔
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند صفحہ ۶۶)

○ فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل جلد ۴ صفحہ ۳۳۰ قضا نمازوں کی ادائیگی کے باب میں مروجہ قضاء عمری کے متعلق لکھا ہے کہ: اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ اور اس ترکیب سے نفل پڑھنے میں قضاء عمری حاصل نہیں ہوتی۔ اول تو خود قضاء عمری کی کچھ اصل نہیں ہے بلکہ فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔ اور ثانیاً اس ہیئت اور کیفیت کے ساتھ پڑھنا قضاء

عمری کے لیے ثابت نہیں ہے۔ اور یہ طریق قضاء کا خلاف قواعدِ شرعیہ ہے۔ جبکہ :

فائدہ یہ ہے کہ جس قدر نمازیں کسی کے ذمہ فائتہ ہوں یقین یا بظنِ غالب' ان کو قضاء کرے اور محض توہم کی بناء پر قضاء عمری ثابت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ شامی میں دُرِ مختار کے اس قول پر وما نقل ان الامام قضی صلوٰۃ عمرہ (صفحہ ۳۶۹)۔ انہ لم یصح ذلک عن الامام فالوجہ کراھۃ القضاء لتوھم الفساد استاذی المکرم المحترم المعظم محدث اعظم ابوحنیفۂ عصر فقیہ اکبر مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ شاہجہان پوری ثم الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً نے کفایت المفتی میں تحریر فرمایا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ قضاء عمری کے نام سے جو نماز مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں نمازِ جمعہ کے بعد اوقاتِ خمسہ کی نماز باجماعت یا علیحدہ علیحدہ قضاء عمری کے نام سے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ نماز تمام عمر بھر کی قضاء نمازوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ یہ بدعت اور بے اصل ہے اور اصولِ شرع کے خلاف ہے اور واجب الترک ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ ہاں اگر کسی کی کچھ نمازیں جاتی رہی ہوں تو ان کو پڑھے۔ اگر ان کا شمار معلوم ہو تو اس کے موافق۔ اور اگر صحیح تعداد یاد نہ ہو تو اندازہ سے ان کا شمار معین کرے اور پھر ان کو ایک ہی دفعہ یا آہستہ آہستہ ادا کرتا رہے۔ زمانۂ بلوغ میں چھوٹی ہوئی نمازوں کا پورا کرنا فرض ہے۔ ہر نماز کو قضاء کرتے وقت قضاء نماز کی نیت کرے۔ مثلاً :

- اگر فجر کی نماز پڑھتا ہے تو اس طرح نیت کرے کہ فجر کی جتنی نمازیں میرے ذمے ہیں ان میں سے پہلی نماز پڑھتا ہوں۔ اسی طرح ہر روز فجر کی قضاء کرتے وقت یہی نیت کرے یہاں تک کہ سب نمازیں پوری ہو جائیں۔
- فوت شدہ نمازوں کو ہر نماز کے ساتھ ساتھ ادا کرنا لازم نہیں۔ مگر جس قدر جلدی ادا کر سکے کر لے۔ ایک وقت میں متعدد نمازیں قضاء پڑھ سکتا ہے۔
- اور بعض جگہوں میں پانچ نمازیں اذان اور اقامت کے ساتھ اور بعض جگہوں میں چار رکعت

نفل باجماعت ادا کی جاتی ہیں۔ یہ محض بے اصل اور اختراعی ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ نہ کسی حدیث میں آئی ہے نہ صحابہ کرامؓ کے قول و فعل سے ثابت ہے نہ ہی مجتہدینِ امت سے منقول ہے۔

- فتاویٰ واجد ین نسفی کوئی غیر مشہور اور غیر معتبر کتاب ہے اس میں اگر لکھا ہے کہ "ہر کہ ابا کند ازیں نماز، ضال و مضل است واز دائرۂ اسلام خارج است"۔ تو وہ کتاب یقیناً غلط اور خود اس حکم کی مستحق ہے۔ کیونکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا حکم قطعیات کے انکار پر دیا جاسکتا ہے۔ اس نماز قضاءِ عمری کا تو ابھی ثبوت ہی نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ اس کے منکر کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے۔
- کوئی ایسی حدیث کہ یہ نماز سات سو نمازوں کا کفارہ ہوتا ہے ہماری نظر میں نہیں ہے۔ جو صاحب ایسی حدیث بیان کرتے ہیں وہ اس کی سند اور حوالہ بتائیں۔ اور یہ بھی بتائیں کہ اس حدیث میں اس قضاءِ عمری کی مختلف صورتوں میں سے کس صورت کا ذکر ہے؟ اور دوسری صورت جو گھڑی گئی ہے وہ کہاں سے لی گئی ہے؟
- اور ابوداؤد صفحہ ۱۲۵ میں: کل صلوۃ لا یتمھا صاحبھا تتم من تطوعہ (یعنی جس نمازی کی نماز میں کچھ سقم رہ جائے وہ اس کے نفلوں سے دور ہو جاتا ہے) سے قضاءِ عمری کا مسئلہ کشید کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس روایت کے اس نماز کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو تمام عبادات میں فرائض کے نقصان کو حضرت حق تعالیٰ اپنی رحمت سے نوافل سے پورا فرمادے گا نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا زکوٰۃ اور وہ نوافل سال بھر کے نوافل کو شامل ہیں۔ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی خاص تاریخ کے نفلوں میں یہ خاصیت ہے کہ وہ عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ ہو جائیں۔
- پھر ان نفلوں کو جماعت سے پڑھتے ہیں اور حنفیہؒ کے نزدیک سوائے نمازِ کسوف، خسوف، استسقاء اور تراویح کے باجماعت نفل پڑھنا مکروہ ہیں۔ اور فقہ حنفی کی کسی کتاب میں قضاءِ عمری کا ذکر نہیں۔ نہ اس کی جماعت کو کراہت کے حکم سے مستثنیٰ کیا گیا۔ اور جو تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ نفل باجماعت جائز ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

○ فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۵۱ میں ہے: کیف جاز النفل بجماعة وهو بدعة۔ نیز دیکھیے کبیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۴۰۶ و ۴۱۱، البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۷، ورد المحتار صفحہ ۵۲۳، عالمگیری جلد ا صفحہ ۵۲، فتاویٰ بزازیہ جلد ا صفحہ ۵۶، فتاویٰ سراجیہ صفحہ ۱۵ حاشیہ مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۹۵۔ اسی طرح فقہ کی کئی کتابوں میں لکھا ہے۔

○ اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ نفل باجماعت مکروہ تنزیہی ہے اور ہمارے ملک میں آیۃ الکرسی اور اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کا پڑھنا بھی نہیں جانتے۔ اس لیے اس میں جماعت کے نماز پڑھنا اولیٰ ہے، کیونکہ:

○ فقہاء جب مطلق مکروہ بولتے ہیں تو ان کی مراد مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ بلکہ:

○ کنز الدقائق میں ہے: نَصَّ مُحَمَّدٌ عَلٰى اَنَّ كُلَّ مَكْرُوْهٍ حَرَامٌ۔ کہ حضرت امام محمدؒ نے ثابت کیا ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے۔

○ بہر حال اگر مکروہ تنزیہی بھی ہو تو یاد رکھیں کہ یہ بھی کوئی معمولی چیز نہیں۔ کیونکہ مکروہ "شرعی ممنوع" ہوتا ہے، جس میں ثواب کی امید رکھنی احکام شریعت کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ اور جس چیز کو شریعت منع کرتی اور مکروہ بتاتی ہے اس میں ثواب نہیں ملتا۔ اگر ثواب ہوتا تو وہ ممنوع اور مکروہ نہ ہوتی۔

○ نیز شریعت ثواب کے کام کو منع بھی نہیں کر سکتی۔ خوب سمجھ لیں کہ نیکی کا کام وہی ہے جو اصول شرعیہ کے موافق ہو۔ ورنہ تو تمام بدعات بظاہر نیکی کے کام نظر آتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کام (بدعات) شرعاً بے اصل ہوتے ہیں اس لیے وہ ناجائز اور ممنوع قرار دیے جاتے ہیں۔ پس اس مصنوعی قضاءِ عمری کو ترک کرنا ہی شریعت کے موافق ہے۔ کیونکہ یہ بدعت، بے اصل، ناقابلِ اعتماد ہے۔ جس سے عقیدہ میں فساد لازم آتا ہے۔ بدعت کا انکار کرنے والے ہی حق پر ہیں۔ اور کوئی نفل نماز، فرض کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی چار رکعت نفل سے ظہر یا عصر کی چار رکعتیں معاف ہو سکتی ہیں۔ چہ جائیکہ سینکڑوں یا ہزاروں نمازوں کی قضاء کے قائم مقام ہو جائیں۔

○ نیز یہ معاملہ توقیفی ہے، جس کے لیے صاف و صریح آیت یا حدیث کا ہونا ضروری ہے۔

محض قیاسی طور پر ثابت نہیں کی جا سکتا۔ اور حق تو یہ ہے کہ کوئی قیاسی دلیل بھی اس نماز کے لیے نہیں ہے۔

الحاصل قضاء عمری کی نماز بے اصل، بدعت، بے کار، اصول شرعیہ کے خلاف، ناجائز، ممنوع اور واجب الترک ہے۔ اور مفروضہ قضاء عمری کا جماعت سے پڑھنا بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔ بلکہ :

قضاء کا صحیح طریقہ

○ اصل طریقہ یہ ہے کہ اگر بالغ ہونے کے بعد ساری عمر میں اس کی کوئی نماز قضاء نہیں ہوئی، اب پہلی دفعہ اس کی ایک نماز قضاء ہو گئی ہے تو دوسرے وقت میں وقتی نماز سے پہلے قضاء نماز ادا کرے۔ اگر قضاء نماز پڑھے بغیر وقتی نماز پڑھے گا تو وقتی نماز نہیں ہوگی۔ اور اگر قضاء نماز پڑھے بغیر پانچ وقتی نمازیں پڑھتا گیا تو کوئی وقتی نماز ادا نہ ہوئی سب باطل ہوئیں۔ اور اگر وقتی نمازیں پانچ پڑھ لیں تو اب صاحب ترتیب نہ رہا اور اس کی پانچ نمازیں ادا ہو گئیں۔ اب وہ رہی ہوئی قضاء نماز جب بھی پڑھے فرض ادا ہو جائے گا۔ اور اگر اکٹھی چھ نمازیں قضاء ہو گئیں تب بھی چونکہ صاحب ترتیب نہیں اس لیے رہی ہوئی نمازیں جب بھی پڑھے گا اس کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا۔ مگر جب ان قضاء شدہ نمازوں کو پڑھے گا تو ان قضاء شدہ نمازوں کی تعیین کرنی ہوگی۔ مثلاً :

قضاء نمازوں کی نیت

○ پرسوں کی نمازِ فجر پڑھتا ہوں، پرسوں کی نمازِ ظہر پڑھتا ہوں، علیٰ ہذا القیاس پرسوں کی عصر، پرسوں کی مغرب، پرسوں کی عشاء، پھر کل کی فجر، کل کی ظہر، کل کی عصر، مغرب، عشاء، پھر آج کی فجر، ظہر، عصر وغیرہ۔

○ اور اگر بہت سی نمازیں قضاء ہوئیں اور کوئی علم نہیں کہ کونسے دن کی نمازیں قضاء ہوئی ہیں۔ تو ان قضاء شدہ نمازوں کی نیت اس طرح کرے کہ : "فجر کی جتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں ان میں سے پہلی فجر کی نماز پڑھتا ہوں"۔ پھر "ظہر کی جتنی

نمازیں میرے ذمے ہیں ان میں سے پہلی ظہر کی نماز پڑھتا ہوں"۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے دن کی نمازوں کی قضاء کرتے وقت بھی یہی نیت کرے۔ حتیٰ کہ سب نمازیں پوری ہو جائیں۔ تمام نمازیں تخمینہ کرکے پڑھتا جائے۔ فوت شدہ نمازوں کو ہر وقتی نماز کے ساتھ ساتھ ادا کرنا ضروری نہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ جس قدر جلدی ادا کر سکے کرلے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ایک وقت میں کئی کئی قضاء شدہ نمازیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

دیگر فرائض وواجبات کی قضاء

- اسی طرح رمضان شریف کے روزے قضاء ہوگئے ہوں تو ان کی قضاء بھی فرض ہے۔ عیدین اور ذی الحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳ کو روزے نہ رکھے۔ اور ظاہر ہے کہ رمضان میں بھی قضاء روزے نہیں رکھ سکتا۔ باقی گیارہ مہینوں میں جب چاہے قضاء کرے اور سستی نہ کرے۔
- اسی طرح اگر کئی سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو حساب کرکے ہر سال کی زکوٰۃ ادا کرنے میں بھی سستی نہ کیجے۔
- اسی طرح وتروں کی قضاء بھی لازمی ہے۔ البتہ سنتوں اور نفل نمازوں کی قضاء نہیں ہوتی۔ اگر آج نمازِ فجر کی سنتیں فرضوں سے پہلے نہیں پڑھ سکا تو سورج نکلنے سے پہلے نہ پڑھے۔ پھر جب سورج اس قدر چڑھ آئے کہ اس کی طرف نگاہ کرنے سے آنکھیں چندھیانے لگیں تب ادا کرلے۔ اور اگر ظہر کا وقت آگیا تو فجر کی سنتوں کی قضاء بھی نہ رہے گی۔ بس اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگیے۔
- اسی طرح تراویح کی قضاء بھی نہیں ہے۔ قضاء شدہ نمازوں کے بارے میں اصل شرعی حکم یہی ہے۔ اس کے سوا دوسری تمام باتیں اختراعی ہیں۔ جن کو نیکی سمجھ کر کرنا بدعت اور واجب الترک ہے۔
- سطور ذیل میں مجوزین قضاء عمری کے مفروضہ دلائل کا جواب اور اس کی خرابیاں بیان کی جاتی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

مجوزین قضاءِ عمری کے دلائل

دلیل ۱ قضاءِ عمری کے جواز میں مجوزین قضاءِ عمری ایک روایت یہ پیش کرتے ہیں:

من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی اٰخر جمعۃ من رمضان کان ذٰلک جابر الکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ.

الجواب اس کے بارے میں حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ نے الموضوعات الکبریٰ صفحہ ۲۷ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث قطعی طور پر باطل اور موضوع ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں تمام اُمت کا اجماع ہے کہ کوئی عبادت کئی سالوں کی فوت شدہ عبادتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ اور یہ روایت اس متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اگر صاحب نہایہ و دیگر شارحین ہدایہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ کیونکہ اول تو یہ لوگ محدث نہ تھے' اور دوسرے یہ کہ انھوں نے کسی تخریج کرنے والے محدث کی طرف نسبت کر کے اس حدیث کی سند بھی بیان نہیں کی۔

دلیل ۲ الفوائد المجموعۃ صفحہ ۵۴ میں علامہ شوکانی نے روایت اس طرح تحریر فرمائی ہے:

من صلّی صلوٰۃ فی اٰخر جمعۃ من رمضان الخمس الصلوٰات المفروضۃ فی الیوم و اللیلۃ قضت عنہ ما اخل بہ من صلوٰۃ سنۃ.

مفروضہ قضاءِ عمری کے جواز میں مجوزین یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ:

الجواب خود علامہ شوکانی نے صراحت کی ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ اور اس کے موضوع ہونے میں کچھ شک نہیں۔ البتہ جن علماء نے اپنی کتابوں میں موضوع حدیثیں جمع کی ہیں ان میں سے کسی کتاب میں میں نے نہیں پایا۔ لیکن ہمارے اس زمانہ میں صنعا شہر میں جعلی فقیہوں کی ایک جماعت کے یہاں یہ حدیث شہرت پا چکی ہے اور ان میں سے اکثر اس کے عامل ہیں۔ اور کچھ معلوم نہیں کہ یہ حدیث کس نے وضع کی ہے۔ اللہ تعالیٰ برا کرے جھوٹوں کا۔

موضوع حدیث بیان کرنے کی ممانعت

○ آثار مرفوعہ میں ہے کہ تمام فقہاء اور محدثین نے اپنی کتابوں میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ موضوع کا روایت کرنا، ذکر کرنا، نقل کرنا اور اس پر عمل کرنا سب حرام ہے۔ ① عمدۃ الاصول میں ہے کہ تمام اسباب وضع بالاجماع حرام ہیں اور تمام اہل علم کے نزدیک گناہِ کبیرہ ہے۔ اور اگر کوئی موضوع حدیث کے بیان کو جائز اور حلال سمجھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ ② شرح نخبۃ الفکر میں ہے کہ موضوع روایت بیان کرنے کی حرمت پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ ③ مفتاح الجنان اور زاد اللبیب اور ان کے علاوہ جن فتاووں میں مروجہ قضاء عمری کا جواز لکھا ہے اور موضوع حدیث نقل کی ہے وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی کتابوں میں رطب و یابس سب ہی جمع کرتے ہیں، اس لیے کسی مسلمان کو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر یہ کتابیں بھی عام متداول اور مشہور نہیں ہیں۔ ④ علامہ حموی فرماتے ہیں کہ غیر متداول اور غیر مشہور کتابوں سے دیکھ کر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ ⑤ اسی طرح فتاویٰ حامدیہ میں رسائل زینیہ سے منقول ہے کہ غریب اور غیر مشہور کتابوں سے فتویٰ دینا حلال اور جائز نہیں ہے۔ ⑥ تذکرۃ الموضوعات میں ہے کہ قواعد معلومہ کلیہ میں سے ایک یہ ہے کہ غیر متداول کتب سے احادیثِ نبویہ، مسائل فقہیہ اور تفاسیر قرآنیہ کا نقل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان پر اعتماد نہیں تا ان میں زندیق اور بے دین لوگوں نے کئی باتیں لکھ دیں اور ملحد لوگوں نے ان میں الحاق کر دیا۔ نیز ان کے مصنفین بھی فقیہ نہیں ہوتے۔ ⑦ فتح القدیر میں امام ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ غیر فقہاء کی بات کا اعتبار نہیں۔

دلیل ۳ تذکرۃ الواعظین میں ہے: عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال لو اراد اللہ ان یعذب المؤمنین من امۃ محمد ﷺ لما اکرمھم بشھر رمضان فشھر رمضان امان اللہ لامۃ محمد ﷺ فمن صلی الفائتۃ اخیر الجمعۃ من شھر رمضان بین الظھر والعصر فکانما صلی سبعین سنۃ. کہ اگر اللہ تعالیٰ امت

محمد ﷺ کے مومنوں کو عذاب دینا چاہتا تو رمضان کے روزے مرحمت نہ کرتا تو اُمت محمد ﷺ کے لیے رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امان ہے تو جو فوت شدہ نمازیں رمضان کے آخری جمعہ کی ظہر و عصر کے درمیان پڑھے گا تو گویا اس نے ستر سال کی نمازیں پڑھ لیں۔

دلیل ۴ اعلام المؤمنین میں ہے: عن النبی ﷺ انه قال من قضی خمس صلوات من الفرائض فی اخیر الجمعة من شهر رمضان کانت جبرة لکل صلوة فائتة فقضاه الی سبعین سنة۔ کہ جس شخص نے ماہ رمضان کے آخری جمعہ میں پانچ فرض نمازوں کی قضاء کرلی تو اس کی ستر سال کی فوت شدہ نمازوں کا نقصان پورا ہوگیا۔

الجواب یہ دونوں حدیثیں واعظین کی من گھڑت اور موضوع ہیں۔ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کی بھی سند نہیں۔ ایسی بے سند حدیثوں کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ نیز اس سے راستہ مل جاتا ہے انہدام شرع محمدیہ ﷺ کا۔ پھر عبارت بھی کسی عجمی کی بنائی ہوئی ہے خصوصاً خط کشیدہ الفاظ کی عربی عبارت اس طرح نہیں ہوسکتی چہ جائے کہ حضرت علیؓ و نبی کریم ﷺ کی زبان سے نکلے۔

○ پھر اصول حدیث کے قاعدہ کی رو سے یہ حدیثیں من گھڑت اور موضوع ہیں۔ کیونکہ:

قاعدہ بے کہ علامات وضع حدیث و کذب راوی چند چیز ست ------ پنجم آنکہ مخالف مقتضی عقل و شرع باشد و قواعد شرعیہ آن را تکذیب نمایند مثل قضاء عمری و مانند آن (عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ صفحہ ۲۲) یعنی حدیث کے موضوع گھڑنے اور راوی کے جھوٹا نکلنے کی کئی علامتیں ہیں جن میں سے ---- پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ روایت عقل و شرع کے مقتضی کے خلاف ہو اور قواعد شرعیہ اس کی تکذیب کریں، جیسے قضاء عمری یا اسی جیسی چیزیں ---- ساتویں علامت یہ ہے کہ لفظ اور معنی کا رکیک ہونا یعنی ایسے لفظ سے روایت کرے جو بلحاظ قواعد عربیہ کے درست نہ ہو۔ اور یہ عبارت بھی صحیح عرب کی نہیں بلکہ عبارت اس طرح ہوتی: فی الجمعة الآخرة من شهر رمضان۔

قضاءِ عمری کی خرابیاں

خرابی قضاء عمری کی رسم ڈالنے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں فرض نمازوں کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ اور ہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ روزانہ پانچوں وقت نماز پڑھنا اور اپنا کاروبار چھوڑ کر مسجد میں جانا اور سردیوں میں سرد پانی سے وضو کرنے کی تکلیف برداشت کرنا کوئی لازمی امر نہیں ہے۔ بس جب رمضان شریف کے مہینے کا آخری جمعہ آئے گا تو چار رکعت نفل پڑھ لیں گے' عمر بھر کی قضاء ہو جائے گی۔ نہ اتنی مسجدوں کی ضرورت ہے' اور نہ ہی امام رکھنے اور مؤذن مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔

خرابی عمر بھر میں انسان پر نماز کے علاوہ دیگر کئی اعمال بھی فرض ہیں۔ مثلاً: ہر سال رمضان شریف کے روزے بھی فرض ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ ہر سال روزے رکھنا مشکل ہے تو جس طرح رمضان شریف کے جمعۃ الوداع میں چار نفل پڑھنے سے ساری عمر کی نمازوں کا ثواب مل جاتا ہے' اسی طرح رمضان شریف کے بعد کسی دن ایک نفل روزہ رکھنے سے عمر بھر کے روزوں کا ثواب بھی مل جانا چاہیے۔ کیونکہ اگر چار رکعت نماز نفل ساری عمر کی فرض نمازوں کی قائم مقام ہو سکتی ہیں تو ایک دن کا نفلی روزہ بھی ساری عمر کے روزوں کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔

○ اسی طرح ہر سال ذی ثروت آدمی پر زکوٰۃ ادا کرنا بھی فرض ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے کی بجائے ایک سال رمضان شریف میں ایک آدمی کو نفلی صدقہ دیدیں گے تو قضائے عمری کی طرح ہر سال کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جانی چاہیے۔ اور اگر اسی طرح کا قیاس تمام فرائض شرعیہ میں جاری ہوگا تو شریعت محمدیہ ﷺ کا حلیہ ہی بگڑ جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

○ قضاء عمری میں اور بھی بے شمار خرابیاں ہیں۔ اگر قضاء عمری فرض سمجھ کر پڑھتا ہے تو اس میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ:

خرابی قضاء عمری میں امام اور مقتدیوں کی قضاء شدہ نمازیں الگ الگ ہیں۔ نیز کسی کی کم

ہیں اور کسی کی زیادہ جن کے حال کا کچھ علم نہیں اور امام اور مقتدی کی نماز کا اتحاد صحتِ اقتداء کے لیے شرط ہے۔ جیسے قدوری وغیرہ کتب فقہ میں ہے ایک فرض والے کے پیچھے دوسرے فرض والا نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ہدایہ میں وجہ لکھی ہے کہ اقتداء شرکت اور موافقت ہوتی ہے اس لیے اتحاد ضروری ہے ایک کی نماز دوسرے کی نماز کے مغایر نہ ہو۔ مثلاً امام کل کی ظہر پڑھ رہا ہے اور اس کی اقتداء میں مقتدی آج کی ظہر پڑھ رہا ہے یا پرسوں کی تو یہ درست نہیں۔ یا امام عصر کے فرض پڑھ رہا ہے اور مقتدی ظہر کے، تو یہ درست نہیں۔

خرابی ۴ نیز ایک خرابی یہ بھی ہے کہ قضاء میں نماز کی تعیین ضروری ہے۔ مثلاً کل کی نمازِ عصر قضاء کرتا ہوں" اور قضاء عمری میں یہ شرط مفقود ہے۔ البحرالرائق میں ہے:

وللفرض شرط تعيينه كالعصر مثلا و كذا في قضاء الصلوة لا يجوز ما لم يعين الصلوة و يومها بأن يعين ظهر كذا مثلا۔ یعنی ادائے فرض کے لیے تعیین ضروری ہے۔ مثلاً ظہر یا عصر کی نماز۔ اسی طرح قضاء نماز بھی اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کی تعیین نہ کی جائے اور دن کی تعیین جب تک نہ ہو کہ یہ فلاں دن کی نمازِ ظہر ہے یا عصر' تب بھی نماز درست نہ ہوگی۔

خرابی ۵ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ قضاء عمری پر قضاء کی تعریف ہی صادق نہیں آتی۔ کیونکہ:

قضاء کی تعریف

○ القضـاء اسقاط الواجب بمثل من عنده و هو حقه (حسامی)

یعنی اپنے پاس سے واجب کی مثل مستحق کے حوالے کرنا قضاء کہلاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قضاء عمری جو چار رکعت کی نماز ہے متعدد اور کثیر نمازوں کے قائم مقام نہیں سکتی بلکہ ایک نماز کے قائم مقام بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کا اداء غیر مشروع ہے۔ نیز یہ نماز نہ تو "کم" کے لحاظ سے مثل ہے اور "کیف" کے لحاظ سے' اور نہ ہی "وقت" کے لحاظ سے۔

خرابی ۶ نیز اس غیر مشروع نماز کی ایک خرابی یہ ہے کہ مسجد میں قضاء عمری پڑھنے میں

معصیت و گناہ کبیرہ کا اظہار ہے۔ جبکہ اظہارِ معصیت بھی معصیت ہے۔ چنانچہ:

- "تنویر الابصار" میں ہے: ویکرہ قضاءھا فیہ (ای فی المسجد)۔
یعنی فوت شدہ نماز کا مسجد میں قضاء کرنا مکروہ ہے۔

- صاحب "الدر المختار" نے مسجد میں قضاء نماز پڑھنے کی کراہت پر دلیل دیتے ہوئے تحریر فرمایا: لان التاخیر بلا عذر معصیۃ فلا یظھرھا۔ کہ بغیر عذر کے فرض نماز کا اپنے وقت سے مؤخر کرنا معصیت ہے۔ اس لیے اس کو ظاہر نہ کرے۔

- نیز فرمایا: وینبغی ان لایطلع غیرہ علی قضاءھا لان التاخیر معصیۃ فلا یظھرھا۔ کہ ضروری ہے کہ قضاء پر دوسرے کو اطلاع نہ ہو۔ کیونکہ تاخیر نماز گناہِ کبیرہ ہے اس لیے اس کو ظاہر نہ کرے۔

- "رد المحتار" میں ہے کہ قضاء نماز کا مسجد میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مسلم و بخاری میں حدیث نبویؐ ہے کہ: "میری اُمت کے گناہ معاف ہوسکتے ہیں سوائے ان گناہوں کے جو ظاہر کرکے کریں"۔ اور یہ بھی جہار کے قبیلے سے ہے کہ رات کو گناہ کرتا ہے پھر صبح اٹھ کر کہتا ہے کہ میں نے آج رات کو ایسا ایسا کیا ہے۔ حالانکہ اس کے رات والے کام پر اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا تھا۔

خرابی: نیز ایک خرابی یہ ہے کہ اس کی فرض نمازیں کامل قضاء ہوئی تھیں، جبکہ کامل ناقص سے ادا نہیں ہوتی۔ جیسے کل کی عصر آج سورج زرد ہونے کے بعد نہیں ادا کرسکتا، تو قضاء عمری سے کامل فرض کس طرح ادا ہوسکتے ہیں؟ جب کہ قضاء عمری شرعاً سرے سے ہے ہی باطل۔

خرابی: نیز ایک خرابی یہ ہے کہ قضاء عمری کو جائز سمجھنے والا موضوع حدیث سے دلیل پکڑتا ہے جس پر عمل کرنا بالاجماع حرام ہے۔ بلکہ موضوع حدیث کا بیان کرنا بھی حرام ہے۔ جب تک کہ اس کے موضوع ہونے کی وضاحت نہ کرے۔ دیکھیے رسالہ اصول حدیث از سید سنڈ وغیرہ۔

- اور اگر قضاء عمری نفل سمجھ کر پڑھتا ہے تو بھی اس میں کئی خرابیاں ہیں۔ مثلاً:

خرابی ۹ ایک خرابی تو یہ کہ تین سے زیادہ آدمیوں کا نفل نماز کو باجماعت ادا کرنا سوائے تراویح، کسوف، خسوف اور استسقاء کے مکروہ تحریمی اور بدعۃ قبیحہ ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔ دیکھیے کتب فقہ۔

خرابی ۱۰ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ اس قضاء عمری میں امام بلند آواز سے قراءت کرتا ہے۔ جبکہ دن کے نوافل میں جہر کرنا جائز نہیں اور مخافت واجب ہے۔ دیکھیے: کنز الدقائق، البحر الرائق، عینی، ہدایہ وغیرہ کتب فقہ۔

خرابی ۱۱ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ قضاء عمری کے مشروع کہنے سے لوگ فرض نمازوں کے اداء کرنے میں تکاسل اور سستی سے کام لیتے ہوئے رمضان کے جمعۃ الوداع میں قضاء عمری پڑھنے پر اکتفاء کرنے لگیں۔ اور سب علماءِ اسلام کے یہاں مُسَلَّمہ

قاعدہ ہے کہ: جو کام حرام کام کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہوتا ہے۔ (خطابی و احیاء العلوم)

خرابی ۱۲ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ شرعِ شریف میں ایک نماز نفل کثیر فائتہ نمازوں کے قائم مقام ہونا محال ہے۔ علامہ ابن نجیم نے "الاشباہ والنظائر" میں تحریر فرمایا ہے کہ سوائے تین مسائل کے فرض کو نفل پر فضیلت ہے: ① تنگدست مقروض کو قرض ادا کرنے میں مہلت دینے سے معاف کر دینا افضل ہے۔ ② ابتداء بالسلام مستحب ہے، اور اس مستحب کام کو سلام کا جواب دینے پر فضیلت ہے، جبکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ ③ قبل از وقت وضو کرنے (مستحب) کو فضیلت ہے وقت پر وضو کرنے سے۔ جو فرض ہے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ایسا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔

خرابی ۱۳ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ قضاء عمری کا قول اس فرمانِ نبوی کے خلاف ہے: من نسی صلوٰۃ فلیصلھا اذا ذکرھا لا کفارۃ لھا الا ذٰلک (ابو داؤد) کہ جو وقت پر نماز پڑھنا بھول جائے تو جوں ہی یاد آئے اسے پڑھ لے اس کے سوا اس کے کفارہ کی کوئی صورت نہیں۔

خرابی ۱۴ نیز ایک خرابی یہ ہے کہ آخری جمعہ ماہِ رمضان کی تخصیص کرنا جس کی شریعت مطہرہ میں کوئی نص نہیں۔ کیونکہ قضاء امر غیر موقت ہے۔

تاریخ ولادت اور وفات نبوی ﷺ

عید میلاد النبی ﷺ

اور اُس کی شرعی حیثیت

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

تاریخ ولادت اور وفات نبوی ﷺ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مفتی سید محمد حسین نیلوی مد ظلہ العالی

(از فتاویٰ حسینیہ)

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات کی ایک ہی تاریخ ہے یا جُدا، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن کو عید کا دن کہہ سکتے ہیں یا نہ، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن خوشی کرنا صحیح ہے، جس طرح عید کے موقع پر خوشی کی جاتی ہے اور مختلف کھانے پکائے جاتے ہیں۔ صحابہؓ و تابعینؒ سے کہیں ثابت ہے کہ انھوں نے ولادت کی خوشی کا دن مقرر کیا ہو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن خوشی کے طور پر کثرتِ عبادت کرنے میں تو کوئی حرج نہیں۔ (محمد نواز شہباز بھکھی کلاں)

جواب: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات ان ہر دو کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ خاص سے مبہم رکھا ہے۔ تاکہ لوگ ان ایام میں اقوام سابقہ کی طرح بدعات کا ارتکاب نہ کریں۔

تاریخِ ولادت: اس سلسلہ میں صرف تاریخ ہی نہیں بلکہ اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ آپؐ کس ماہ میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپؐ ربیع الآخر میں پیدا ہوئے، بعض ماہ صفر، بعض رجب اور بعض رمضان المبارک میں آپؐ کی پیدائش بتلاتے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تو ۱۰ محرم الحرام کو آپ کا یوم پیدائش قرار دیا ہے۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۷ طبع مصر (و مترجم از شمس بریلوی ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ص ۴۲۹) میں فصل بیان کی ہے: واختلف العلماء فی التسمیتہ بیوم عاشوراء۔ کہ ۱۰ محرم الحرام کا نام "عاشوراء" کس طرح پڑا،

تو اس میں علماء کرام کے نظریات مختلف ہیں۔ پھر حضرت شیخ جیلانیؒ نے علماء کرام کے مختلف نظریات بیان کرتے ہوئے دسویں نمبر پر تحریر فرمایا:
العاشرۃ وُلِدَ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فیہ کہ دسویں بات یہ ہے کہ ۱۰ محرم الحرام کو ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ ہرچند کہ یہ قول شاذ ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپؐ کی پیدائش ربیع الاوّل میں ہی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود حضرت شیخ جیلانیؒ نے ۱۰ محرم الحرام کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے قائل علماء کا یہ قول نقل فرمانے کے بعد اس کی تردید نہیں فرمائی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیرِ پیران شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ خود بھی اُن معدودے چند علماء کی صف میں شامل ہیں جو ۱۰ محرم الحرام کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن قرار دیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وفاتِ رسول اللہ ﷺ کب ہوئی؟

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ربیع الاوّل میں ہی ہوئی تھی لیکن صحیح تاریخ کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں، البتہ مشہور یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو آپؐ نے اس دارِ فانی سے عالمِ برزخ کی طرف اِنتقال فرمایا۔ نیز احادیث کی روشنی میں یہ بات تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ آپؐ کی ولادت اور وفات ربیع الاوّل کے مہینے میں کسی پیر کے دِن ہی ہوئی۔ اب اگر ربیع الاول کا وہ پیر تلاش کرنا ہو جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو اس کے لیے کسی ایسے مشہور واقعہ کا انتخاب کرنا ہوگا جس کا دِن اور تمام صحابہ کرامؓ اور محدثین کے ہاں متفق علیہ ہو، تاکہ اس مشہور دن سے حساب لگا کر ربیع الاوّل کے اس پیر کی تاریخ متعین کرنے میں ہماری رہنمائی ہوسکے جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِنتقالِ پُر ملال ہوا۔

یوم عرفہ ۱۰ھ سے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ تک تواریخ کا تقابل:

احادیث میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں وقوف فرمایا تھا اور وہ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ اب جبکہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو جمعۃ المبارک کا دن تھا، اور یہ متفق علیہ بات ہے تو اس دن سے حساب لگانا چاہیے کہ ربیع الاول کے اس پیر کو کیا تاریخ تھی جس میں یہ حادثۂ عظیمہ ہوا۔

(۱) اب اگر یہ کہا جائے کہ ذی الحجہ ۲۹ دن کا تھا تو یہ جمعرات کا دن بنتا ہے اور یکم محرم ۱۱ھ کو جمعۃ المبارک کا دن ہونا چاہیے، پھر آٹھ کو جمعہ اور پھر پندرہ کو، پھر بائیس کو اور پھر انتیس کو جمعہ کا دن ہونا چاہیے۔ پھر اگر محرم بھی ۲۹ دن کا ہو تو صفر کی یکم ہفتہ کو ہوگی، اسی طرح ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی ہفتہ ہی کو ہوں گے۔ پھر اگر صفر بھی ۲۹ ہی کا ہو تو یکم ربیع الاول اتوار کو ہوگی، جبکہ ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی اتوار ہی کو ہوں گے۔ اور اس حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو جمعرات کا دن بنتا ہے۔

(۲) اور اگر کہا جائے کہ ۱۰ھ کا ذی الحجہ ۳۰ دن کا تھا تو اس دن جمعہ ہوگا اور یکم محرم ۱۱ھ کو ہفتہ کا دن ہونا چاہیے۔ پھر ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی ہفتہ کے دن ہوں گے۔ پھر اگر محرم بھی ۳۰ دن کا ہو تو یہ دن اتوار کا ہوگا اور یکم صفر پیر کو ہوگی۔ پھر ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی پیر کو ہوں گے پھر اگر صفر بھی ۳۰ کا ہو تو یہ دن منگل کا اور یکم ربیع الاول بدھ کے دن ہوگی، پھر ۸، ۱۵، ۲۲ اور ۲۹ بھی بدھ کے دن ہی ہوں گے۔ اور اس حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو اتوار کا دن ہوتا ہے۔

(۳) اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ تو ۲۹ دن کا تھا اور محرم و صفر ۳۰، ۳۰ دن کے تھے تو اس طرح یکم محرم کو جمعہ اور ۳۰ محرم کو ہفتہ اور یکم صفر کو اتوار کا دن اور ۳۰ صفر کو پیر کا دن بنتا ہے، اس طرح یکم ربیع الاول منگل کے

دن ہوئی۔ اس حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو ہفتہ ہونا چاہیے۔

④ اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ ۳۰ دن کا، محرم ۲۹، اور پھر صفر ۳۰ دن کا تھا تو اس طرح یکم محرم ہفتہ کو اور یکم صفر اتوار کو یکم ربیع الاول منگل کو بنتی ہے، جبکہ ۱۲ ربیع الاول ہفتہ کے دن ہونی چاہیے۔

⑤ اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ اور محرم تو ۳۰۔۳۰ دن کے تھے لیکن صفر ۲۹ دن کا تھا، تو اس طرح یکم محرم ہفتہ کو اور یکم صفر پیر کو بنتی ہے جبکہ یکم ربیع الاول منگل کے دن اور ۱۲ ربیع الاول ہفتہ کے دن بنتی ہے۔

⑥ اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ اور محرم ۲۹۔۲۹ دن کے تھے اور صفر ۳۰ دن کا تو اس طرح یکم محرم جمعہ اور یکم صفر ہفتہ اور یکم ربیع الاول پیر کو بنتی ہے اس طرح ۱۲ ربیع الاول جمعۃ المبارک کو ہوگی۔

⑦ اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ ۲۹، محرم ۳۰، اور صفر پھر ۲۹ کا تھا، تو اس طرح یکم محرم جمعہ کو، یکم صفر اتوار کو اور یکم ربیع الاول پیر کو بنتی ہے۔ اور اس حساب سے بھی ۱۲ ربیع الاول کو جمعہ کا دن بنتا ہے۔

⑧ اور اگر کہا جائے کہ ذی الحجہ ۳۰ کا اور محرم و صفر ۲۹۔۲۹ دن کے تھے تو اس طرح یکم محرم ہفتہ کو، یکم صفر اتوار کو اور یکم ربیع الاول پیر کے دن بنتی ہے جبکہ ۱۲ ربیع الاول کو جمعہ ہی ہوتا ہے۔

اب اس کا خلاصہ جدول کی صورت میں بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

شمار	ذی الحجہ		محرم الحرام		صفر المظفر		ربیع الاول	
۱	۹ جمعہ	۲۹ جمعرات	یکم جمعہ	۲۹ جمعہ	یکم ہفتہ	۲۹ ہفتہ	یکم اتوار	۱۲ جمعرات
۲	۹ ۰	۳۰ جمعہ	۰ ہفتہ	۳۰ اتوار	۰ پیر	۳۰ منگل	۰ بدھ	۰ اتوار
۳	۹ ۰	۲۹ جمعرات	۰ جمعہ	۳۰ ہفتہ	۰ اتوار	۳۰ پیر	۰ منگل	۰ ہفتہ
۴	۹ ۰	۳۰ جمعہ	۰ ہفتہ	۲۹ ۰	۰ ۰	۳۰ ۰	۰ ۰	۰ ۰
۵	۹ ۰	۳۰ ۰	۰ ۰	۳۰ اتوار	۰ پیر	۲۹ ۰	۰ ۰	۰ ۰
۶	۹ ۰	۲۹ جمعرات	۰ جمعہ	۲۹ جمعہ	۰ ہفتہ	۳۰ اتوار	۰ پیر	۰ جمعہ
۷	۹ ۰	۲۹ ۰	۰ ۰	۳۰ ہفتہ	۰ اتوار	۲۹ ۰	۰ ۰	۰ ۰
۸	۹ ۰	۳۰ جمعہ	۰ ہفتہ	۲۹ ۰	۰ ۰	۲۹ ۰	۰ ۰	۰ ۰

ہم نے ممکنہ تمام صورتوں میں حساب لگاکر دیکھ لیا لیکن کسی صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول کو پیر کا دن نہیں بنتا۔ البتہ دوسری صورت میں یعنی اگر ذی الحجہ، محرم اور صفر تینوں مہینے پورے تیس تیس دن کے مان لیے جائیں تو پھر بھی ۱۲ ربیع الاول اتوار کو بنتی ہے، لیکن چونکہ احادیث کی رُو سے ربیع الاول اور پیر کا دن طے شدہ ہیں اور مشہور تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ہے۔ تو ان تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ پیر ۱۳ ربیع الاول کو آپ نے اس دارِ فانی سے انتقال فرمایا اور عوام میں بارہ کا ہندسہ اس لیے مشہور ہوگیا کہ ربیع الاول کے ۱۲ دن پورے ہونے کے بعد یہ سانحۂ عظیمہ پیش آیا جیسا کہ کوئی صاحب اگر مہینے کی دو تاریخ کو فوت ہوں تو کہتے ہیں کہ اس نے فلاں ماہ کا ایک دن دیکھا لیکن اس صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وفات قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہماری مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ ۱۲ ربیع الاول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ تو یوم ولادت ہے اور نہ ہی یوم وفات۔ البتہ پیر کے دن پر سب کا اتفاق ہے۔

باقی رہا یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو عید کا دن کہنا اور اس دن عید کی طرح خوشی کرنا اور مختلف کھانے پکانا یا اس دن میں کثرت سے عبادت کرنا وغیرہ، تو جب اس کے لیے کوئی تاریخ ہی طے نہیں ہوسکتی تو ان کاموں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو عیدوں کا حکم دیا ہے تیسری عید منانا اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم سے تجاوز کرنا ہوگا جو کہ انتہائی درجہ کا ناپسندیدہ کام ہے۔ نیز اس کا قطعاً ثبوت نہیں ملتا۔ تفصیل کے لیے میری کتاب "عید میلاد النبی اور اس کی شرعی حیثیت" کا مطالعہ کیجیے۔

عید میلاد النبی ﷺ اور اس کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین،

ربیع الاول میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ملک بھر میں حکومتی اور عوامی سطح پر عید میلاد النبیؐ منائی جاتی ہے۔ حکومتی سطح پر چند سال سے اس کا اہتمام کیا جانے لگا ہے اور سنجیدگی و شائستگی کا عنصر بھی اس میں دکھائی دیتا ہے لیکن عوامی سطح پر ہر قسم کی [illegible]ن و اخلاقی قدروں کو پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

اس روز علی الصبح بڑے بڑے جلوس اس طرح نکالے جاتے ہیں کہ بیل گاڑیوں اونٹ گاڑیوں، گدھا گاڑیوں اور تانگوں کو خوب سجا کر اس پر ناچتے کودتے ہیں اور لاؤڈ سپیکروں پر نعتوں اور قوالیوں کے ریکارڈ نشر کرتے ہیں اور بسوں، ٹرکوں اور کاروں کے ساتھ ٹریکٹر، ٹرالے اور رکشے بھی اس جانداروں کی دوڑ میں شریک دکھائی دیتے ہیں۔ تمام بازاروں کو جھنڈیوں سے سجایا جاتا ہے۔ ڈھول باجے بجائے جاتے ہیں، مختلف قسم کے ناچ ناچے جاتے ہیں عشقِ رسولؐ کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ رات کو چراغاں کیا جاتا ہے لیکن نماز پڑھنے کے لیے نہ ان کے علما ہی ان کو تاکید کرتے ہیں اور ان کو خود تو خیال آنا ہی مشکل ہے۔ بس جلوس میں شامل ہو گئے یا مولویوں کو بلا کر کھلا پلا دیا، قوالی سن لی، میلاد پڑھوا لیا نماز کی ضرورت ہی نہیں۔

اس روز جو غلو کیا جاتا ہے اس سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہے اس لیے یہاں ان باتوں کی بجائے اس کی شرعی حیثیت معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عید میلاد النبی کب سے منائی جانے لگی، اس کی تحقیق پر کوئی امر شرعی تو موقوف نہیں ہے کیونکہ بدعت تو بہر حال میں بدعت ہی ہے خواہ اس کی ایجاد کا زمانہ معلوم ہو یا نہ ہو، البتہ اتنا علم ہونا ضروری ہے کہ خیر القرون مشہود لہا بالخیر کے دور میں معمول بہ نہ رہا ہو، تاہم اس کی ایجاد کا زمانہ ہم بتا بھی دیتے ہیں تاکہ مزید اطمینان ہو جائے کہ اس بدعت کا زمانۂ ایجاد خیر القرون کے مدتوں بعد کا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ اپنے رسالہ احسن المقاصد فی عمل المولد میں تحریر فرماتے ہیں واول من احدث ذلك ابن المظفر ابو سعید بن زین الدین علی یعنی مجلس میلاد کا موجد اوّل ابن المظفر ابو سعید بن زین الدین بن علی ہے۔

اسی طرح حضرت حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ نے اپنی اپنی تواریخ میں تحریر فرمایا ہے۔

اور علامہ ابن خلکان "وفیات الاعیان" میں سب سے زیادہ اس کی تفصیل لکھتے ہیں کہ: "اس کا موجد مظفر الدین صاحب اربل ہے۔ اس کے عہد (۶۰۴ھ) میں ایک شخص عمر بن محمد نامی نے مولود ایجاد کیا۔ اس کے بعد شاہ اربل کے بیٹوں اور قائم مقاموں نے اس کو بہت رواج دیا۔ چنانچہ اس محفل مولد النبیؐ کو حسن کر اور اس کے اس حسن عقیدت کو دیکھ کر ہر سال دور دور سے لوگ جمع ہوتے۔ محرم الحرام سے لے کر ربیع الاوّل کے پہلے ہفتے تک لوگ برابر آتے رہتے تھے اور سلطان موصوف ان لوگوں کے لیے چار چار پانچ پانچ منزل کے عارضی مکان بنواتا اور صفر سے پہلے ان مکانات کی زیبائش اور آرائش شروع ہو جاتی تھی۔ ہر مکان میں ایک گروہ گویوں کا ایک گروہ اصحاب حال کا اور ایک گروہ تاشے، باجے، طبلے وغیرہ بجانے والوں کا ہوتا اور کوئی منزل ایسی نہ رہتی جس میں ان گروہوں میں سے کوئی گروہ نہ ہوتا، ان دنوں

میں لوگوں کے کاروبار خراب ہوجاتے اور ان کا اس کے سوا کوئی شغل نہ ہوتا کہ ان گانے بجانے والوں کا تماشا دیکھتے پھرتے۔" اربل عراق میں موصل کے قریب واقع تھا۔

حضرت علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے مراۃ الزمان میں لکھا ہے کہ:

"ویعمل للصوفیۃ سماعا من الظهر الی العصر ویرقص بنفسہ معھم" یعنی صوفیوں کی خاطر ظہر سے عصر تک مجلسِ سماع (راگ) منعقد کراتا اور شاہِ اربل بھی ان لوگوں کے ساتھ ناچتا تھا۔ (فتاویٰ میلاد ص ۱۰)

مؤرخین کے اس مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ اس مجلس کا موجد اور مخترع ایک مُسرف بلکہ مُبذِر بادشاہ تھا جس کی یہ محض ایک رسمی تقریب تھی جو اس نے صرف خوشنودیٔ طبع اور ہوا پرستی کے لیے قائم کی تھی۔

اُس زمانے کے علماءِ کرام رحمہم اللہ نے اس نو ایجاد کردہ بدعت کو بڑے شدّ ومد کے ساتھ رد فرمایا تھا۔ جن میں حضرت علامہ تاج الدین فاکہانیؒ، ابن امیر الحاج مالکیؒ عبدالرحمٰن حنفیؒ، نصیر الدین شافعیؒ، شرف الدین حنبلیؒ، قاضی شہاب الدین دولۃ آبادیؒ حنفی جیسی ہستیاں قابلِ ذکر ہیں۔ ان جیسی ہستیاں اور بھی کثرت سے تھیں۔

اور جیسا کہ دستورِ زمانہ ہے کہ ہر دَور میں دو قسم کے علماء ہوتے ہیں۔ ایک دُنیادار قسم کے اور دُوسرے دین دار حق کے علمبردار۔ دُنیادار دین کو دُنیا کے عوض میں بیچ ڈالتے ہیں۔ لیکن دین دار حق کے اظہار میں تکالیف، شدائد و مصائب کی پروا نہیں کرتے، ظالم حاکم کے سامنے حق بات کھول کر بیان کر دیتے ہیں کہ افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر۔ یعنی ظالم بادشاہ کے سامنے سچی بات کر دینا افضل جہاد ہے۔

اُس زمانے میں بھی بعض دُنیا پرست عُلماء کا گروہ تھا جنھوں نے بادشاہ اربل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عید میلاد النبیؐ کے منانے کے جواز و استحباب پر

رسالے اور کتابیں لکھیں اور اپنے ذہن نارسا سے اجتہادی رنگ جماتے ہوئے اس مجلس بدعی کے موجب ثواب ہونے پر قرآن و سنت سے دلائل گھڑ گھڑ کر پیش کیے۔

مگر بادشاہ نے جو شروع شروع میں اس محفل کو احداث کیا تھا اس نے دلائل شرعیہ کی بناء پر اس محفل کو ایجاد نہیں کیا تھا، بلکہ اُس نے اس مسئلہ میں عیسائیوں کے بڑے دِن "کرسمس ڈے" کی نقل اُتاری تھی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ شاہ اربل نے کسی بُری نیت سے ایسا کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اُس کی نیت اچھی ہو۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس فعل کی نیت اچھی ہو، خود وہ فعل بھی اچھا ہی ہو دیکھو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کی قوم نے بُت پرستوں کو بُت پرستی کرتے دیکھ کر اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ اِجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ یعنی ہمیں بھی ایک بُت بنا دیجیے جیسے اُن کے بُت ہیں۔ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط۔ یعنی ہمیں بھی تلواریں لٹکانے والا بنا دو جیسے ان کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس بارے میں اصحاب موسیٰ علیہ السلام اور اصحاب نبینا صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نیتیں بُری نہ تھیں، بلکہ صرف لاعلمی کی وجہ سے انھوں نے ایسی درخواست کی تھی۔

پس اس بادشاہ نے بھی اپنی ناواقفی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشی عیسائیوں کو مناتے دیکھ کر خیال کیا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم ان کی ولادت کی خوشی منائیں۔ اس لیے اُس نے یہ محفل ایجاد کی۔

اور جب درباری مولویوں کے دلائل پر علماءِ حق رحمہم اللہ تعالیٰ نے نظر ڈالی تو جوازِ میلاد کے دلائل تارِ عنکبوت (مکڑی کے جالے) سے بھی زیادہ بودے اور کمزور پائے۔ تاہم اُن کی تردید کے لیے قلم اُٹھایا۔

مع ہذا زمانۂ حال کے مولوی نما گویوں اور قوالوں نے عوام کی آنکھوں میں دُھول ڈالنے کے لیے برائے نام کچھ قرآن و سُنّت میں تحریف کر کے اپنے زعم میں دلائل دینے شروع کیے ہیں اور منبروں اور سٹیجوں پر بیان کر کے عوام سے دادِ تحسین حاصل کرتے ہیں۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ دلائل نہیں۔ اور محققین عُلماءِ کرام نے صریح طور پر اس جواز کا جواب دیا اور اُن کے بیان کردہ دلائل کا اصل مفہوم بیان فرمایا۔ جس سے واضح ہو جائے کہ ان آیات اور احادیث کا اس موضوع کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہیں جو مجوزین ان سے کشید کرتے ہیں۔

ان محققین عُلماءِ حق کی پُوری فہرست تو ہم نہیں لکھ سکتے نہ ہمیں ان سب کا علم ہے البتہ بطور نمونہ کے ان میں سے بعض کا نام سپردِ قلم کیے دیتے ہیں۔ مثلاً

١ حضرت ابوالحسن علی بن المفضل مقدسی مالکیؒ صاحب کتاب جامع المسائل

٢ حضرت امام ربانی مُجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

٣ حضرت امام الہند شاہ عبدالعزیز صاحب مُحدّث و مُفسّر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

٤ شیخ الاسلام حضرت علامہ ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

٥	علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	١٣	محمد بشیر الدین قنوجیؒ صاحب کشف المبہم
٦	علامہ فضل اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	١٤	مولانا عزالدین حسن خوارزمیؒ
٧	قاضی نصیرالدین گجراتیؒ	١٥	مولانا محمد یعقوب رامپوریؒ
٨	امام عبداللہ بن الحاجؒ	١٦	مولانا محمد عبدالکریم رامپوریؒ
٩	حسن بن علیؒ صاحب طرائق السنۃ	١٧	احمد بن محمد بن بصری مالکیؒ
١٠	صاحب ذخیرۃ السالکینؒ	١٨	شیخ احمد رامپوریؒ
١١	امام ابن الحاجؒ	١٩	عبدالسمیع رامپوریؒ
١٢	مولانا احمد علی سہارنپوریؒ محشی بخاری	٢٠	قاضی محمد انعام الحق رامپوریؒ

۲۱ محمد اسحاق تھنوریؒ	۳۲ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ
۲۲ محمد عبدالحق رامپوریؒ	۳۳ مولانا سعادت سہارنپوریؒ
۲۳ امیر حسن رامپوریؒ	۳۴ مولانا محمد حسن سہارنپوریؒ
۲۴ علاؤالدین رامپوریؒ	۳۵ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
۲۵ مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ	۳۶ مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ
۲۶ مولانا نور الحسن کاندھلویؒ	۳۷ مفتی عزیز الرحمٰنؒ دیوبند
۲۷ مولانا شیخ محمد تھانویؒ محشی نسائی	۳۸ مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ
۲۸ مولانا عبدالرحیم تھانویؒ	۳۹ مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
۲۹ مولانا مملوک العلی نانوتویؒ	۴۰ مولانا احمد علی لاہوریؒ
۳۰ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	۴۱ مولانا عبدالشکور مرزاپوریؒ
۳۱ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ	۴۲ نواب صدیق حسن خان بھوپالی

جوازِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل

① پہلی دلیل تو قرآنِ پاک کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے:
وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (آل عمران:۸۱) یعنی اور جب لیا اللہ تعالیٰ نے اقرار عہد و پیمان نبیوں کا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم و حکمت پھر آجائے تمہارے پاس ایک رسول عظیم المرتبہ کہ سچ بتادے تمہارے ہاں کی کتاب کو تو ضرور اس پر ایمان

فقط اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے اس بات کا عہد لیا گیا تھا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے زمانے میں رسول بنا کر بھیجے جائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ لیکن اس مضمون کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر اس روایت میں یہ مضمون ہوتا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے زمانے میں پیدا ہوں تو تم ان کی پیدائش کی اسی طرح خوشی منانا جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشی مناتے ہیں، تب تو بے شک ان کا مدعا ثابت ہوتا۔ لیکن واقعہ یوں نہیں، تو پھر ان کا مدعا کیونکر ثابت ہو۔

تیسرے یہی آیت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سُنی، پڑھی اور یاد کی، انھوں نے اس کا مفہوم اور مطلب سمجھا۔ اگر یہ آیت عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل تھی تو انھوں نے اس آیتِ شریفہ پر کیوں عمل نہیں کیا اور عید میلاد النبیؐ کیوں نہ منائی۔

اگر آیتِ کریمہ کا مطلب یہی ہے جو ہمیں عہدِ حاضر کے واعظین بتلاتے ہیں تو سب سے پہلے اس آیت پر عمل کرنا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ترک کیا تو وہ مجرم و گنہگار ٹھہرے، والعیاذ باللہ۔ پھر بتاؤ شیعہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے صحابہؓ نے قرآن پر عمل چھوڑا اور اپنی من مانیاں کیں اور مرتد ہو گئے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ شیعہ یہ بات کہہ دیں تو بے ایمان اور کافر کہلائیں، یہی بات تم کہہ دو تو پکے مسلمان۔ کیوں؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآن فہمی برحق ہے، اس کے خلاف جو قرآن فہمی کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا اور محرفِ قرآن ہے۔

(۲) مجوزین کی دُوسری دلیل یہ قرآنی آیت ہے:

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مریم: ۳۳)

یعنی اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن کھڑا ہوں جی کر۔

مجوزین نے یہاں سے یہ نکالا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے یہ فقرہ استعمال کیا کہ میں بچا رہا ہوں شیطان کے چھونے سے جب میں پیدا ہوا اور یہ بچا رہنا شیطان کے شر سے بہت خوشی کی بات ہے جس پر وہ خوشی میں یہ لفظ کہہ رہے ہیں۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے برتر ہیں اس لیے ہمیں بھی ان کی ولادت پر خوشی منانی چاہیے۔

لیکن یہ استدلال بھی بچند وجوہ باطل ہے۔

اوّل تو اس لیے کہ اس آیت کریمہ کو مروجہ میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔

ثانیاً اگر تعلق ہو بھی تو اس سے عیسائیوں کے بڑے دن "کرسمس ڈے" منانے کا جواز تو ثابت ہو سکتا ہے مگر عید میلاد النبیؐ کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیا مجوزین اس آیت کی آڑ میں کرسمس ڈے بھی منایا کرتے ہیں یا مسلمان عامۃ الناس کو کرسمس ڈے منانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواز اگر اس آیتِ کریمہ سے نکالا جاتا ہے تو کرسمس ڈے پر قیاس کر کے ہی تو نکالا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اصل حکم کرسمس ڈے کو تو چھوڑ دیا اور جس کو اصل حکم پر قیاس کیا جاتا ہے اس پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ جو عید میلاد النبیؐ کے جواز کا قائل نہیں وہ کافر ہے۔ اور اگر خود کرسمس ڈے نہ منائیں تو بھی عاملِ قرآن اور مسلمان رہیں۔ جبکہ اصل نص سے ثابت شدہ حکم قطعی ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر، اور قیاس سے ثابت شدہ حکم ظنی ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

ثالثاً اگر اس آیت سے جشنِ میلاد اور عید میلاد النبیؐ کا ثبوت ملتا ہے تو بعینہٖ اسی آیت سے بلا تفاوت جشنِ وفات کا ثبوت بھی ملتا ہے کیونکہ ان مجوزین کی مزعومہ تقریر کے مطابق اس آیت میں یومِ وفات اور یومِ ولادت کو ایک حیثیت میں رکھا گیا ہے۔ اب کیا وجہ ہے کہ جشنِ میلاد تو بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں اور جشنِ وفات نہیں مناتے

ظاہر ہے کہ عیسائیوں بلکہ پوپوسیوں کی تقلید کے سوا اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

رابعاً یہ کہ اگر یہ آیت کریمہ مُروّجہ میلاد کے جواز کی دلیل ہے تو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ و تبع تابعینؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ جیسے مجتہدین دین متین اور اُن کے تلامذہ علماءِ محققین، محدثین، مفسرین، فقہاء، ساتویں صدی کے اوائل تک کسی ایک کو یہ قیمتی دلیل کیوں نہ سوجھی۔ کیا مرزا قادیانی کی طرح تمہارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ قرآن فہمی میں والعیاذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطی ہوگئی ہے۔ کیا ان ہستیوں کو اجتہاد و استنباطِ مسائل کا طریقہ نہیں آتا تھا یا یہ ہستیاں قصداً قرآنی حکم سے منحرف رہیں۔ والعیاذ باللہ۔ یا کوئی اور مانع تھا جس کی وجہ سے وہ اس بابرکت عبادت سے محروم رہے، یا ان چھ صدیوں میں عید میلاد منانے کے وہ شرائط و اسباب و علل مفقود تھے جو عہدِ حاضر میں اُبھر آئے ہیں۔ اگر وہ شرائط و اسباب و علل اب موجود ہیں تو کون کونسے ہیں اور کس مجتہد نے ان کو بیان کیا ہے۔

(۳) مجوزین یہ دلائل بھی پیش کرتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

یعنی تمہارے پاس پہنچ گئی تمہارے رب کی طرف سے سند۔

یقیناً آچکا تمہارے پاس رسولؐ۔

اے نبیؐ ہم نے آپؐ کو بھیجا گواہ، خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

وہی اللہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسولؐ راہِ راست پر اور سچے دین پر۔

لیکن ان آیات میں بھی ذکرِ ولادت ہے نہ یوم ولادت اور نہ جشنِ میلاد کا ذکر، بلکہ بعثت اور ارسال کا ذکر ہے جو ولادت سے چالیس سال بعد کا واقعہ ہے۔ پس اگر آپ کے مزعوم قول کے مطابق ان آیات کی روشنی میں جشنِ ولادت منانا صحیح ہو سکتا ہے تو بعینہٖ انہی آیات کی روشنی میں جشنِ بعثت بھی منانا چاہیے۔ لیکن آیاتِ متعلقہ سے نہ جشنِ بعثت ہی ثابت ہوتا ہے اور نہ جشنِ ولادت۔ ورنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ، تبع تابعینؒ مجتہدینؒ وسلف صالحینؒ ضرور اس کو کرتے اور پابندی کے ساتھ اس پر عمل کرتے اور لوگوں سے عمل کرواتے اور ہمارے لیے اس کا حکم کر جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہُوا۔

(۴) مجوزین یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر۔

لیکن یہ بھی عید میلاد النبیؐ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ نعمت میں ولادت کی تخصیص نہیں۔ اگر ولادت کی تخصیص ہوتی تو یہ حکم براہِ راست نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کی تبعیت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب ہے، تو چاہیے یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جشنِ ولادت کا حکم نافذ فرماتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپؐ خدائے پاک کی نعمتیں بیان کرو۔ اور ظاہر ہے کہ آپؐ نے جشنِ ولادت نہیں منایا تو اس کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ اس آیت میں جشن کا حکم ہی نہ تھا۔ اور اس آیت سے جشن کا حکم سمجھ لینا خود اہلِ بدعت کی غلطی ہے۔

یا اگر اس آیت میں جشن کا حکم تھا مگر نعوذ باللہ اس آیت سے یہ حکم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ نہ سکے۔ یا سمجھ کر قصداً اس پر عمل نہ کیا تو ایسی بات کہنا یا تصور کرنا اہلِ بدعت ہی کے دل گردے کا کام ہے۔ وہی آپؐ کی ذاتِ گرامی پر

ایسا اِلزام عائد کر سکتے ہیں اور تحریفِ قرآن مجید کا سا گناہِ کبیرہ سر پر اٹھا لینا انہی کا کام ہے۔ ایسا تصوّر اور الزام و تحریف اہلِ سُنّت کا کام نہیں۔

⑤ مجوزین یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

یعنی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اس کی مہر سے سو اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

لیکن اس آیت سے بھی جشن کا استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس آیت سے پہلے یہ ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ. یعنی اے لوگو! تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے دل کے روگ چنگے کرنے کو اور راہ سمجھانے کو اور مہربانی یقین لانے والوں کو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بِذٰلِكَ (اسی پر) میں اشارہ ہے نصیحت آنے اور شفا و ہدایت و رحمت آنے کی طرف۔ اور اسی پر خوش ہونے کا حکم ہے اور معنے یہ ہوئے کہ: "فرما دیجیے کہ نصیحت، شفاء، ہدایت اور رحمت تمہارے پاس خدا تعالیٰ کے محض فضل و رحمت سے آچکے ہیں۔ سو اس چیز کے آجانے پر تمہیں تو خوش ہو جانا چاہیے۔"

سو اس میں بھی ولادت کا ذکر نہیں۔ اگر ان مجوزین کی بات مان لیں کہ اشارہ فضل و رحمت کی طرف ہے تب بھی ان کا مدعیٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس فضل و رحمت کا تعلق اوّلی بھی اسی مجیئ موعظت وغیرہ سے ہے نہ کہ ولادت سے۔ پھر اگر فضل و رحمت کو عام کیا جائے تب بھی ولادت کی تخصیص استدلال بے معنیٰ ہے۔ اور اگر فضل و رحمت کو عام کیا جائے تب بھی ولادت کی تخصیص بے معنیٰ ہے بلکہ ہر ایک فضل و رحمت پر جشن منانا چاہیے۔

دُوسرے فَلْيَفْرَحُوا کے معنے ہیں "خوش ہو جاؤ"۔ اور خوش ہونا دل سے متعلق ہے جو طبعی کیفیت ہے اور کسی خوشی والے واقعہ کے وقت پیدا ہوتی ہے نہ خوشی منانے وقت، جس کا تعلق جشن منانے سے ہے۔ پس فَلْيَفْرَحُوا کے معنے ہُوئے کہ ان کو اس سے خوش ہونا چاہیے، نہ کہ ان کو اس کی خوشی کرنی اور بطورِ جشن کے خوشی منانی چاہیے۔ جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ اور اگر اس کے معنے جشن منانے کے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا۔

پھر اس کے مخاطب عامۃ الناس ہیں نہ کہ خاص مؤمنین۔ کیونکہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا يَآ أَيُّهَا النَّاسُ (اے لوگو) اس سے معلوم ہُوا کہ فَلْيَفْرَحُوا کے معنے جشن منانے کے نہیں اور نہ ہی محض سرورِ قلبی کے ہیں بلکہ اس کے لازمی (التزامی) معنے مُراد ہیں یعنی فلیتقبلوہ بطیب النفس یعنی اس کو بطیبِ خاطر قبول کرو۔ اور اس صُورت میں بنائے استدلال ہی منہدم ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، خُدا کا سب سے بڑا فضل و رحمت ہے اور اس پر مسرّت کا نام عید میلاد ہے۔ لیکن یہ دعویٰ غلط ہے کہ ولادتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کا سب سے بڑا فضل و رحمت ہے کیونکہ آپ کو عطائے نبوّت و کمالاتِ نبوّت ضرور اس سے بڑھ کر فضل و رحمت ہے۔ کیونکہ انہی کمالات کی وجہ سے ولادت کو شرف حاصل ہُوا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ولادت ذریعہ ہے ان کے کمالات کا۔ اگر ولادت نہ ہوتی تو وہ کمالات کیسے حاصل ہوتے۔ تو یہ اس سے بھی بڑھ کر جہالت ہوگی۔ کیونکہ ذرائع ہمیشہ مقاصد سے ادنیٰ ہوتے ہیں۔ ورنہ تو آپؐ کے والدِ ماجد کی ولادت کو آپؐ کی ولادتِ باسعادت سے بھی معاذاللہ افضل کہنا پڑے گا۔ کیونکہ آپؐ کے والدِ ماجد کی ولادت ہی آپؐ کی ولادتِ باسعادت کا ذریعہ ہے۔

پھر ان کا یہ کہنا کہ "اس پر مسرت کا نام عیدِ میلاد ہے"۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ مسرت اور چیز ہے اور عیدِ میلاد اور چیز ہے۔ کیونکہ مسرت کا تعلق دل سے ہے جو کسی خوشی والے واقعہ کے وقت طبعی طور پر ہوتی ہے اور عیدِ میلاد جشن ہے جو مسرت کے اظہار کے لیے منعقد کیا جاتا ہے۔ اور اس کا اہم جز ناچ اور گانا ہے جو اسلام میں قطعاً حرام ہے۔

پھر ولادت کا تحقق تو بروقت ہے اس لیے بروقت جشن منانا چاہیے اور خاص دن میں خوشی منانے کے معنے سوائے پولوسیوں کی تقلید کے اور کچھ نہیں ہو سکتے۔

(۶) مجوزین یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ (ابراھیم: ۵)

اور ان کو یاد دلاؤ بڑے بڑے مشہور اور قابلِ یادگار واقعات۔

اور کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن عظیم المرتبت ہے، اس کی یاد دلانا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا۔

لیکن یہ دلیل بھی عیدِ میلاد النبیؐ کی نہیں ہو سکتی۔

اولاً اس لیے کہ یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم پر کس طرح عمل کیا۔ اُنھوں نے بنی اسرائیل کو اپنی ولادت کا دن یاد دلایا اور ان کو اس دن جشن منانے کی ہدایت کی یا ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت کے دن یاد دلائے یا ان پر جشن منانے کی تعلیم دی؟

اگر کہو کہ یہ بات نہیں اور اُس وقت اس کے یہ معنی نہیں تھے تو ہم دریافت کریں گے کہ اب اس کے یہ معنی کیسے ہو گئے جو شریعت موسویہ کے لیے تو نہ تھے، اور شریعت محمدیہ میں ہو گئے۔ پھر حدیث نبویؐ سے اس کا ثبوت بھی ضروری ہے۔

آیت کا اصل مطلب یہ تھا کہ اپنی قوم کو وہ واقعات سنائیے جو نافرمان قوموں کو پیش آئے ہیں، اور ان کو نافرمانی سے روکیے اور اطاعت پر آمادہ کیجیے اس کے یہ معنے نہیں کہ ان کو خدا کے دن یاد دلائیے۔ کیونکہ یہ ترجمہ تو ذَكِّرْهُمْ اَيَّامَ اللّٰهِ کا ہے نہ کہ ذَكِّرْهُمْ بِاٰيَّامِ اللّٰهِ کا۔ اور دونوں میں جو فرق ہے وہ ایک معمولی استعداد والے طالب علم پر مخفی نہیں۔ اور اگر یہی مطلب ہو تو اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں لہٰذا ہر روز اور ہر کام کے لیے جشن منانا چاہیے۔

⑦ مجوزینِ عید میلاد النبیؐ ایک دلیل اس آیت کو بھی بناتے ہیں:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشرح: ۴)

اور آپؐ کی خاطر آپؐ کے ذکر کو ہم نے بلند کیا۔

اور کہتے ہیں کہ جب خدا نے پاک ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند فرمائیں تو ہمارا بھی فرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کریں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اتنی بات تو مُسلَّم ہے کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کا ذکر بلند فرمایا ہے اور اس کے لیے خاص طریقوں کی تعلیم دی مثلاً ① اذان میں جب اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوبار بآوازِ بلند کہتے ہیں تو اس کے بعد متصل اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی دوبار بآوازِ بلند کہو ② التحیات پڑھو تو اس میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ بھی پڑھو ③ التحیات ہی میں جب اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو تو اس کے بعد متصل وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ بھی پڑھو ④ اور جب دُعا مانگنے لگو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کہو پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر درود شریف بھی ضرور پڑھو پھر دُعا مانگو ورنہ دُعا منظور نہ ہوگی ⑤ اذان کہنے اور اذان سُننے کے بعد پہلے آپؐ کی ذاتِ گرامی پر درود پڑھیں پھر دُعاء وسیلہ پڑھیں ⑥ اور جہاں اطاعۃ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہاں

اطاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حکم ہے ⑦ نیز صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے انسان مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا بھی عقیدہ نہ رکھے ⑧ نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد ہمارے نزدیک درود شریف پڑھنا سنّت مؤکدہ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے ⑨ جمعہ کے روز کثرت سے درود شریف پڑھنا ثواب ہے ⑩ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت دُعاء سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا ⑪ وتروں میں دُعاءِ قنوت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ پڑھنے کا بہت اجر ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ جس طرح ہمارا دل چاہے آپؐ کا ذکر ایجاد کریں، جب چاہیں، جہاں چاہیں، جیسے چاہیں ذکر کریں۔ اگر اس ذکر سے خود رسول پاکؐ کی ذاتِ گرامی بھی روکے تو ہم اُن کی بھی نہ مانیں۔ مثلاً ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی فرض نماز کی دُوسری رکعت کے بعد تشہد پڑھیں اور عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ کر بجائے اُٹھنے کے بیٹھ کر درود شریف پڑھنا شروع کر دیں تو یہ ناجائز ہوگا۔ اگر قصداً درود شریف پڑھے تو پڑھنے والا گناہگار ہوگا اور نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور اگر بھولے سے درود شریف پڑھا گیا بلکہ اگر درود شریف کے تین کلمے بھی بھولے سے پڑھ لیے تو سجدہ سہو کے بغیر نماز درست نہ ہوگی۔ اور یہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے منافی نہیں ہے۔

اب بتائیں کہ آیت کریمہ سے عید میلاد النبیؐ کا ثبوت کیسے ہوا۔

نیز یہی آیت کریمہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پڑھی اور اس کا مفہوم سمجھا اگر اس آیت سے عیدِ میلاد کا حکم مستنبط ہوتا تو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت پر عمل کرتے ہوئے جشنِ عید میلاد النبیؐ ضرور مناتے۔ یا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

یا کوئی اور مجتہد اس آیت کریمہ سے استنباط کرکے جشنِ میلاد کا حکم صادر فرماتے۔ لیکن کسی مجتہد سے یہ استنباط ثابت نہیں۔ سو معلوم ہوا کہ قرآنِ پاک کی اس آیت سے جشنِ میلاد النبیؐ کا استنباط محض تحریفِ قرآن ہے۔

(۸) مجوزین عید میلاد النبیؐ اپنی تائید میں یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی (الضحیٰ: ۱، ۲)

یعنی اے پیغمبرؐ ہم کو چاشت کے وقت کی قسم اور رات کی قسم جب سب چیزوں کو ڈھانک لے۔

اور کہتے ہیں کہ علماء نے ضُحٰی سے روزِ ولادتِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مُراد لی ہے اور وَاللَّیْلِ سے شبِ ولادتِ رسولؐ۔

مگر یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ علماءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے شفاف قلوب میں ایسی لغو اور بیہودہ باتیں جگہ نہیں پکڑتیں۔ یہ تو کسی جاہل کی اختراع و ایجاد ہے۔ قرآنِ پاک کی اس آیت کے یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ضحیٰ کے معنے "ولادت" نہ لغت میں ہیں نہ عُرف میں۔ اسی طرح لیل کے معنے بھی ولادت کسی طرح نہیں ہیں اور اگر استعارہ بناؤ تو بھی غلط ہے۔ اور اگر علیٰ سبیل التنزل مان ہی لیں تو استعارہ اصطلاح اصولِ فقہ میں مجاز کو کہتے ہیں اور علمِ بیان کی اصطلاح میں مجاز کی ایک قسم ہے۔ بہرحال مجازی معنے مُراد لینے کے لیے شرط یہ ہے کہ حقیقت متعذرہ ہو یا متعسرہ یا مہجورہ۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ مجازی معنیٰ مُراد لینے کے لیے قرینہ صارفہ بھی ہو۔ اور یہاں تو یہ شرطیں بالکل مفقود ہیں۔

اسی طرح لیل سے شبِ ولادت مراد لینے کا کوئی قرینہ نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس لفظ اِذَا سَجٰی مجازی معنے مُراد لینے سے روکتا ہے۔ کیونکہ اِذَا کا لفظ اصل وضع میں مستقبل کے لیے آتا ہے۔ اور شبِ ولادتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانۂ ماضی میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا یہ معنے ہر طرح سے غلط ثابت ہوا۔ سو ایسے معنے

جو خلافِ قوانینِ شرعیہ ہوں، مُراد لینا تحریفِ قرآن پاک ہے۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ یا مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِهٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ یعنی جو شخص محض اپنی رائے سے قرآن مجید میں بات کہے تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے۔

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس تحریف کے بعد بھی یہ بدعت ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت کر سکو گے کہ خدا پاک نے آپؐ کے روزِ ولادت اور شبِ ولادت کی قسم کھائی ہے۔ تو اب یہ بتائیے کہ اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ جشنِ میلاد منانا جائز ہے۔ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے ہر والد و مولود کی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ یعنی میں قسم کھاتا ہوں جننے والے کی اور اس کی جو جنا گیا۔ ہم نے آدمی بنایا محنت میں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو چاند، سُورج، رات، دن، ہَوا، زیتون، گھوڑوں اور فرشتوں وغیرہ کی بھی قسم کھائی ہے۔ کیا ان سب کا جشن منانا جائز ہوگا؟

⑨ مجوزینِ عید میلاد النبیؐ درج ذیل حدیث کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں:

اخبرکم باول امری دعوۃ ابراھیم وبشارۃ عیسٰی و رؤیا امی التی رأتھا حین وضعتھا قد خرج منھا نور اضاء لھا منه قصور الشام.

یعنی میں اپنی بابت اول بات بتاؤں کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق اور اپنی اماں جان کی خواب کی تعبیر ہوں جو اُنھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ اُن سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو منور کر دیا۔

مگر اس روایت کو جشنِ میلادُ النبیؐ سے کیا تعلق؟ اگر آپؐ نے کسی موقع پر کسی

سلسلۂ گفتگو میں فرمادیا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ ہُوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق اور اپنی والدۂ ماجدہ کی خواب کی تعبیر ہوں۔ تو اس کے یہ معنے کب ہُوئے کہ تم ہر سال پولوسیوں، کرشنیوں، زردشتیوں اور بُدھ مت کے پیروکاروں کی تقلید میں میری ولادت کا جشن منایا کرو۔

قرآن مجید میں ولادت موسیٰ و عیسیٰ و یحییٰ و مریم علیہم السلام بلکہ جن و انس، آسمان اور زمین وغیرہ کی پیدائش کے تذکرے موجود ہیں۔ تو کیا مُسلمانوں نے ان کی ولادت کے جشن منائے؟ اگر نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنا فرما دینے سے کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت، اور اپنی والدہ ماجدہ کی خواب کی تعبیر ہوں تو جشنِ میلاد کا جواز کیسے ثابت ہو گیا۔

(۱۰) مجوزین ایک یہ ۔۔۔ یث بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ. الخ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھوا دیتے۔

لیکن یہ استدلال کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس میں نہ ولادت کا ذکر ہے اور نہ یوم ولادت کا۔ بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جس طرح مُسلمان کُفار کے حملوں کا جواب تلوار سے دیتے تھے۔ اسی طرح جب کُفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں قصیدے لکھتے تھے تو مُسلمان اس کا جواب قصائد کی صُورت میں دیتے تھے۔ اور اسے جہادِ لسانی کہا جاتا ہے۔ اور اس جہادِ لسانی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنا ایک نمایاں مقام رکھتے تھے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے منبر رکھوا دیتے تھے۔ سو اس بات کا جشنِ میلاد سے کیا تعلق ہے؟

(11) مجوزین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ لیکن جب تک اس ذکر کی نوعیت معلوم نہ ہو اور یہ بھی نہ معلوم ہو کہ اس مروجہ جشنِ میلاد کے طریقہ پر ہوتا تھا اس وقت تک اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور یہ ثابت ہونا محال ہے۔ اور صرف ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلاقید زمان ومکان تو مستحسن ترین امر ہے۔ اس کو کون جاہل ناجائز کہہ کر اپنی عاقبت برباد کرتا ہے۔

اس کی مثال تو یوں ہوئی کہ کوئی جاہل جنازہ کی چارپائی جنازہ گاہ کی طرف آتی ہوئی دیکھ لے نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے اذان کہہ دے اور نماز پڑھانے کے لیے امام مصلے پر کھڑا ہو تو اقامت تکبیر کہنا شروع کر دے۔ اور جب کوئی اس کو ٹوکے تو جواب میں کہے نماز کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی تو اذان واقامت کہا کرتے تھے۔ یا کہے کہ اذان واقامت مستحسن کلمات ہیں۔ میں نے اگر کہہ دیے تو کونسا جرم ہوگیا آخر اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی تو بلند کیا ہے اور لوگوں کو نماز اور بھلائی کی دعوت ہی تو دی ہے کوئی کفریہ کلمات تو نہیں بکے۔

اسی طرح عید کی نماز کے لیے کوئی اذان واقامت کہہ کر یہی موقف اختیار کرے اور کہے کہ ان کلماتِ اذان واقامت کو کفریہ کلمات کہنے والا پرلے درجے کا بے ایمان اور کافر ہے۔ اور کہے کہ یہ وہی اذان تو ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہی اور چودہ صدیوں سے یہی مسلمانوں کا طریقہ چلا آتا ہے کہ نماز کے لیے اذان واقامت کہی جائے۔

یا کوئی شخص اذان کے آخری کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اضافہ کرے اور منع کرنے والے کو جواب دے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ نیز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھے بغیر تو کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کلمۂ طیبہ میں یہ الفاظ پڑھتے تھے اور قرآن پاک میں یہی الفاظ خود اللہ

تعالیٰ نے بھی استعمال کیے ہیں اور جو شخص نہ مانے وہ منکرِ قرآن اور منکرِ خدا و رسولؐ اور گستاخ ہے۔ اور کہے کہ جو ذکرِ رسولؐ سے منع کرتا ہے وہ کافر ہے۔

توکیا خیال ہے اس قسم کی خرافات اور دلائل صحیح تسلیم کیے جا سکتے ہیں؟

(۱۴) مجوزین یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ "مجالس ذکر اللہ میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں" لیکن اتنی بات سے مُروّجہ بدعت کا استدلال کس طریقے سے ہو سکتا ہے؟

الحاصل یہ دلائل نہیں، دل بہلاوے ہیں۔ مُقررین ان سے اپنا دل بہلاتے ہیں اور عوام کو بے وقوف بنا کر اپنی روٹیاں بناتے ہیں۔

اگر واقعی یہی دلائل ہیں تو یہ بتائیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہوا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو قرآنِ پاک کے اوّلین مخاطب تھے، اُن کو ان دلائل کی سمجھ کیوں نہ آئی، یا قصداً اِن دلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان پر عمل نہیں کیا اور جشنِ میلاد نہیں منایا۔

اگر عہدِ نبویؐ میں یا صحابۂ کرامؓ کے دور میں یا خیر القرون کے زمانہ میں جشنِ میلاد منایا جاتا تو آپؐ کی ولادت باسعادت میں اس قدر اختلاف کیوں ہوتا۔

تاریخِ ولادت کا اختلاف

چنانچہ اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس ماہ میں پیدا ہوئے۔ زرقانی ج ۱ ص ۱۳۰ میں لکھا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الآخر میں پیدا ہوئے۔ بعض علماء ماہِ صفر میں آپ کی پیدائش بتاتے ہیں۔ بعض رجب میں اور بعض رمضان المبارک میں

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش بتاتے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؐ کی ولادت باسعادت ماہِ محرم میں لکھی ہے (دیکھو غنیۃ الطالبین)
مگر مشہور اور محقق مسلک یہی ہے کہ آپؐ کی پیدائش کا مہینہ ربیع الاول ہے۔
اور شیعہ مسلک کے پیروکار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش بالاتفاق ۱۷ر ربیع الاول بیان کرتے ہیں۔

اِسی طرح آپؐ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے ۲ر ربیع الاول بتائی اور بعض نے ۸ر اور بعض نے ۹ر اور بعض نے ۱۲ر ربیع الاول بتائی ہے۔ اور اہلِ تشیع کے نزدیک ۲۸ر صفر کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا دن قرار دیا جاتا ہے۔ طیبی ؒ نے ۱۲ر ربیع الاول بتائی ہے جو تحقیق کے خلاف ہے۔

ماثبت بالسنۃ ص ۷۵ میں حضرت ابن عباس و جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم کا قول ۸ر ربیع الاول کا منقول ہے۔ حمیدی، ابن حزم، امام قضاعی اور اکثر محدثین و اربابِ سِیَر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ریاضی دان ۹ر ربیع الاول بتلاتے ہیں۔ اور یہ قول اقرب الی الحق ہے اور قاعدہ اصولیہ کے تحت ۸ر و ۹ر کے مابین تطبیق ممکن بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمین کو بدعات سے محفوظ رکھا کہ آپؐ کی قبرِ مبارک پر سجدہ نہیں ہو سکتا اور نہ آپؐ کی پیدائش کے روز عید میلاد منائی جا سکتی ہے اور نہ آپؐ کی قبر پر عُرس ہوتا ہے اور نہ چراغاں ہو سکتا ہے اور نہ کوئی بدعت ہو سکتی ہے جو دوسرے بزرگانِ عظام کی قبروں پر بدعات مشاہدہ کی جاتی ہیں۔

(۱۳) مجوزین رُوح البیان اور ہدایۃ الحرمین کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔
اوّل تو صاحب رُوح البیان اسمٰعیل حقی غیر معتبر اور مجہول ہے۔ دُوسرے اس

کا قول سلف کے عمل کے خلاف ہے۔ تیسرے اس کا قول بدعت کو سُنّت نہیں بنا سکتا چوتھے صاحب رُوح البیان نے اس عملِ مولد کو اس شرط کے ساتھ مشروط کرتے ہُوئے تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتایا اذا لم یکن فیہ منکر یعنی جس میں کوئی غیر شرعی کام نہ ہو۔

یہی حال ہدیۃ الحرمین کا ہے جس کا مُصنّف عبدالحکیم دہلوی بتایا جاتا ہے۔ بہرحال ان ہر دو مصنّفین کا اپنا خیال ہے جو کہ کسی شرعی دلیل کے ساتھ مُدلّل نہیں اور کسی مخلوق کی بات اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا ثبوت صحیح دلیل سے نہ ملے۔ خواہ وہ قول بڑے جید عالم کا ہی ہو۔

(۱۴) مجوزین دافع الاوہام مُصنّفہ عبدالسمیع رام پُوری کی یہ عبارت بھی پیش کرتے ہیں:

"اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ جس امرِ جدید میں خیر ہو وہ بالاتفاق جائز بلکہ مستحسن ہے دیکھو سیرتِ حلبیہ وغیرہ۔"

"نیز ابنِ حجرؒ نے کہا عمل المولد و اجتماع الناس لہٗ امرٌ مستحسنٌ۔ سیوطیؒ، نوویؒ، شیخ عبدالحقؒ، شاہ ولی اللہ جیسے تخمیناً ۳۲ عُلماء کا یہی قول ہے۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ پہلا قاعدہ ہی غلط ہے۔ کیا یہ "جنتیاں" عید کی نماز کے لیے اقامت کہا کرتے تھے؟ یا اذان و اقامت کہنا مستحسن کام نہیں؟

کیا جیسے آخری تشہد میں درود شریف پڑھتے ہیں ایسے ہی چار یا تین رکعت والے فرضوں کے پہلے تشہد میں درود شریف یہ "جنتیاں" پڑھا کرتے تھے؟ کیا درود شریف امرِ مستحسن نہیں ہے؟

کیا یہ بزرگ نماز کے اندر قیام، رکوع، سجود میں درود شریف پڑھتے تھے؟ یا آپ لوگ پڑھتے ہو؟ کیا درود شریف پڑھنا امرِ مستحسن نہیں ہے؟

اور نووی کے بارے میں امداد المسلمین میں لکھا ہے کہ یہ ان پر تہمت ہے۔ اور سیوطی

اور ابن حجر ہیتمی محض عملِ مولد کے قائل ہیں۔ مگر مُروّجہ جشنِ میلاد کو وہ بھی بُرا کہتے ہیں۔ دیکھو شیخ عبدالحق کی مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۔ یہ الگ بات ہے کہ بدعات سے خالی عمل کے جواز میں اہلِ حق کا شیخ صاحبؒ کے قول کے ساتھ اتفاق نہیں۔

⑮ مجوزین ہدیۃ الحرمین، طریقۂ محسنہ مصنفہ رحمٰن علی، معراج المسلمین، منہاج و ماثبت بالسُّنّۃ کے حوالوں سے پیش کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے خواب میں دیکھا کہ پیر کے دن ابولہب کو عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آپؐ کی ولادت کی خوشی میں باندھی آزاد کی تھی تو ہم مولد پڑھ کر صدقہ کریں تو ثواب نہ ہوگا؟"

لیکن اس واقعہ کو خدا تعالیٰ نے رد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (سورۂ لہب: ۲) یعنی ابولہب کے کام نہ آیا اس کا مال اور نہ اس کا کوئی اور کمایا ہوا عمل۔ نیز یہ خواب ہے جو حجت نہیں۔ نیز حضرت عباسؓ نے خود اس پر عمل کیوں نہیں کیا۔ پھر جن کو خواب سُنایا انھوں نے جشن منایا؟ اگر منایا ہے تو تاریخی یا حدیثی ثبوت دو۔ اگر نہیں منایا تو نہ منانے کی وجہ کیا تھی۔

⑯ رسالہ تنویر مُصنفہ شیخ ابوالخطاب میں ہے کہ ایک روز حضرت ابن عباسؓ اپنے گھر میں لوگوں کو ولادتُ النبیؐ کے واقعات بتا رہے تھے۔ لوگ خوش ہوتے، خُدا کی حمد کرتے، درود پڑھتے، اتنے میں آپؐ آگئے۔ فرمایا میری شفاعت تمہارے لیے حلال ہوگئی

لیکن سُیوطی نے تدریبُ الراوی میں، ابنِ حجر نے لسان المیزان میں، ابنِ نجار نے اپنی تاریخ میں، اور ذہبی و ابنِ عساکر و حافظ ضیاء مقدسی، ابراہیم سنوری، اور ابوالحسن بن مفضل نے کہا ہے کہ رسالہ تنویر کا واضع ابن دحیہ شیخ ابوالخطاب کذّاب تھا۔ احمق اور بدمذہب تھا۔ بڑا مغرور اور اماموں کو بُرا کہنے والا تھا، حدیثیں گھڑتا تھا۔ یہی تو وہ درباری مولوی ہے جس نے ملک مظفر شاہ اِربل کی خاطر جشنِ میلاد منانے کے جواز پر یہ رسالہ تصنیف کیا اور اس کے صلہ میں ایک ہزار درہم انعام پایا اور اس رسالہ کی تردید اسی

دَور کے عُلماءِ حق نے کر دی تھی جن میں سے اُس دَور کے عالم تاج الدین قاکھانی ہیں۔

(۱۷) مجوزین فیوض الحرمین از شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بھی پیش کرتے ہیں۔ مگر اُن کی پُوری عبارت جب پڑھیں تو مجوزین کا مطلب حل نہیں ہوتا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مکۂ معظمہ میں "مولد النبیؐ" کے نام سے ایک جگہ ہے جہاں آپؐ کی ولادت باسعادت ہُوئی تھی اور میں وہاں تھا اور دُوسرے لوگ بھی وہاں بیٹھ کر درود شریف پڑھ رہے تھے، اس وقت میں نے ایک نُور دیکھا۔

اس عبارت سے مُروجہ محفلِ میلاد اور جشنِ میلاد النبیؐ کا جواز ثابت کرنا محض سینہ زوری ہے۔ نیز سوال ہے کہ جیسے آپ لوگ جشنِ میلاد النبیؐ مناتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ بھی جشنِ میلاد النبیؐ منایا کرتے تھے۔ کیا اس کا تاریخی ثبوت کہیں سے ملتا ہے؟ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر بالفرض حضرت شاہ صاحبؒ کا جشنِ میلاد منانا ثابت بھی ہو جائے پھر بھی شرعی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کا عمل بھی حُجت نہیں سمجھیں گے اور نہ ہی اس پر عمل پیرا ہوں گے کیونکہ دلائلِ شرع میں شاہ صاحبؒ کا عمل داخل نہیں۔

(۱۸) مجوزین امام ربانی مُجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات جلد سوم کے مکتوب نمبر ۷۲ سے بھی جواز نکالتے ہیں۔ مگر اس کے بعد جو تردید ہے وہ اس تردیدی عبارت کو نہیں پڑھتے۔ وہ عبارت یہ ہے:

"مخدوما! میرے دل میں خیال آتا ہے کہ جب تک اس دروازہ کو بند نہ کریں گے اس وقت تک یہ ابوالہوس لوگ باز نہیں آئیں گے۔ اگر تھوڑی سی چیز جائز کہیں گے تو یہ لوگ حد سے تجاوز کر جائیں گے۔"

دیکھا حضرت مُجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نفس قصائد و نعت کو بھی عوام کی اعتقادی کمزوریوں اور کم علمی کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔ اس سے مجلسِ مولود کا جواز سمجھنا اور ہیئتِ کذائیہ کا نکالنا نہایت ہی عجیب امر ہے۔

(۱۹) مجوزین طریقۂ حسنہ سے سیوطیؒ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آپؐ نے نبوّت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔ تو آپؐ نے یہ کام محض ادائے شکر کے لیے کیا کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃٌ للعٰلمین بنایا۔ پس آپؐ کی پیدائش کا ذکر ہمارے لیے مستحب ہُوا۔

لیکن مواہبِ لدنیہ میں ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ شرح مہذّب میں ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اور فتح الباری میں ہے کہ اس حدیث کا کوئی ثبوت نہیں۔ سیرۃ حلبیہ میں بھی اس حدیث کو منکر کہا گیا ہے۔ منیح القویم میں شہاب الدین بن بدر الدین شافعیؒ نے اس حدیث کو باطل کہا ہے۔

دُوسرے اس روایت کا تو مطلب یہ ہے کہ عقیقہ موقت نہیں۔ ولادت سے چالیس سال بعد بھی اپنا عقیقہ کر سکتے ہیں۔ یہ مطلب کہاں سے نکلا کہ ہر سال سرور کا اعادہ جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حسنین کی ولادت کی خوشی میں عقیقہ کیا تھا لہٰذا یہ بُرُود مُولُودی ہر سال حسنین کا عقیقہ سُنّت سمجھ کر کیا کریں۔ کیوں نہیں کرتے۔ کیا تمھیں ولادتِ حسنینؓ کی خوشی نہیں۔ او ظالمو! جس کی ولادت کی خوشی حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کریں تمھیں کونسی چیز مانع ہے۔ معلوم ہُوا کہ تم حسنینؓ کے دشمن ہو، ان کی پیدائش پر تمھیں کوئی مسرت اور خوشی نہیں ہوئی، اگر خوشی ہے تو اُن کا عقیقہ کرنے سے کونسا امر مانع ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ولادتِ حسنینؓ کی خوشی میں میں نے جو عقیقہ کیا ہے یہ میری خصوصیت ہے تم میرے بعد ولادتِ حسنینؓ کی خوشی میں عقیقہ نہ کرنا۔

(۲۰) مجوزین مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۰ میں ہے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کے استحباب سے یہ بات نکالتے ہیں کہ گزشتہ نعمت پر مُعیّن دن میں ہر سال اعادۂ شکرِ خداوندی جائز ہے۔ نیز حضرت قتادہؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز اس لیے روزہ رکھتے تھے کہ آپؐ اس روز پیدا ہُوئے تھے۔ معلوم ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

خود اپنی ولادت کا شکر روزہ کے ذریعے ادا فرماتے اور تعیین یوم میلاد میں بھی اصل ہے۔
لیکن حقیقت یہ ہے کہ یوم عاشوراء کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے ہاں ازلی ہے۔
اس روز قریش مکہ بھی روزہ رکھتے تھے۔ ہجرت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یہ روزہ رکھتے تھے تو یہ آپؐ کا روزہ حسبِ عادتِ قدیمہ کا تھا۔ اس روزہ کا استحسان آپؐ کو پہلے ہی سے معلوم تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کے شکریہ کے اعادہ میں یہ روزہ رکھتے تھے۔ دیکھو کتبِ احادیث وغیرہ۔

اور یہود کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہود کو الزام دینے کے طور پر تھا کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کے دعویٰ میں کیسے سچے ہو تم تو اصل الاصول میں اُن کے مخالف ہو، تمہارا دعویٰ جھوٹ ہے۔

اور فصامہ کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت قدیمہ کے مطابق برابر روزہ رکھتے رہے۔ پس اس روزہ کو اعادۂ شکر نجاتِ موسیٰ علیہ السلام کا سمجھ لینا حدیث و رواۃ و شراح کے خلاف ہے۔

اور پیر کے روز آپؐ اس لیے روزہ رکھتے تھے کہ پیر کے روز اعمال پیش ہوتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں' جیسا کہ ترمذی میں ہے۔ نیز اس دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مغفرت کرتا ہے اس واسطے میں پیر کو روزہ رکھتا ہوں۔ (ابن ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دن ازل سے فضیلت والا ہے۔ اس روز عرضِ اعمال، اور مغفرتِ مؤمنین آپؐ کی ولادت سے پہلے بھی تھی۔ آپؐ کی ولادت و بعثت بھی اسی فضیلت والے دن میں ہوئی تاکہ آپؐ کی ذاتِ مبارک کا ظہور اور نزولِ وحی مبارک اس مبارک دن میں ہو' اسی لیے آپؐ نے فرمایا فیہ ولدت وفیہ انزل الیّ تو اس فرمان سے آپؐ کا مقصد ہے اس دن کی شرافت کا اظہار جس سے روزہ رکھنے کی

وجہ معلوم ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس دن میں پیدا ہونے اور مبعوث ہونے کی وجہ سے شکر اور سرور کا اعادہ ہفتہ وار کرتے تھے۔ پس سرور کے واسطے تعیین روز ولادت باطل ہو گیا۔

نیز شارع علیہ السلام نے اس دن کو روزہ کا دن بنایا اور مولودیوں نے سرور کا روز منایا۔ یہ ظاہری مخالفت ہے اصطلاح شریعت اور شارع علیہ السلام کی۔ کیونکہ شارع نے صوم کو خلافِ سرور فرمایا اور سرور اور عید کے دن روزہ رکھنا منع فرمایا۔ اس لیے دین میں زیادتی اور بدعت مذمومہ ہوئی۔

نیز آپ نے اپنی طرف سے یوم عید یا یوم صوم نہیں بنایا اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۃ و النجم، آیت نمبر ۳ و ۴) "یعنی اور نہیں بولتے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہشِ نفس سے، یہ تو ایک حکم ہے جیجا ہوا خدا کی طرف سے۔" تو دوسرے کو کب حق پہنچتا ہے کہ اپنے پاس سے کسی دن کو سرور یا روزے کا دن متعین کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے یہ بدعت جاری ہوئی ہے علماءِ حق بدستور اس کی تردید کرتے آرہے ہیں۔ آٹھ سو سال ہو رہے ہیں، یہ بدعت کے حواری بھی ہیں اور اس بدعت کی تردید بھی بدستور جاری ہے۔

یہ تھے مولودیوں کے بیان کردہ دلائل اور اُن کے منصفانہ جوابات جبکہ بعض محض الزامی جوابات بھی شامل کیے گئے ہیں انھیں ہمارا مسلک تصور نہ کر لیا جائے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ خود مولودیوں کے اپنے اکابر جن پر اُن کو کلی اعتماد ہے، اُن کا اس مُروّجہ میلاد اور جشن میلاد منانے کے بارے میں فتویٰ درج کر دیا جائے۔ اسے بہ نظرِ انصاف غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ آپ کدھر جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ دے۔

نیز یہ یاد رکھیں کہ ہم آپ کے خیر خواہ ہیں آپ کی بھلائی کے لیے ہی یہ لکھا گیا ہے، محض دشمنی اور مخالفت ہمارا مقصد نہیں ہے اور آپ کا بھی یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے۔

مولویوں کے اکابرؒ کے فتوے

مسئلہ: ایک جگہ عُرس ہے، لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہورہی ہے کہ ایک ڈھول، دو سارنگیاں بج رہی ہیں۔ قوال پیرانِ پیر دستگیرؒ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہؒ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں ..... ایسی قوالی جائز ہے یا نہ؟

الجواب: ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عُرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے نے جو قوالوں کو بُلایا ہے اس وجہ سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمّے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو، نہیں! بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پُورا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جُدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ۔ **وجہ یہ کہ** حاضرین کو عُرس کرنے والے نے بُلایا۔ ان کے لیے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے اُسے سُنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ سُناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے۔ اس لیے ان سب کا گناہ ان دونوں پر پڑا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہُوا۔ وہ نہ کرتا نہ بُلاتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے، لہٰذا قوالوں کا گناہ بھی اس بلانے والے پر ہُوا۔ الخ

(احکام شریعت ج ۱ ص ۴۷، ۴۸)

فقیر غفرلہٗ المولیٰ القدیر نے اپنے فتاویٰ میں ثابت کیا ہے کہ ان پیروانِ ہوائے نفس کا حضرات اکابر چشت قدست اسرارہم کی طرف سماعِ مزامیر کی نسبت کرنا محض دروغ بے فروغ ہے۔ ان کے اعاظم اجلہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے مشائخ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر افتراء ہے۔ نیز ان کے تمام تمسکات واہیہ کا ایک اجمالی جواب صحیح صواب ان لفظوں میں گزارش کر دیا ہے کہ بعض جہال بدمست یا نیم ملا ہوس پرست یا جھوٹے صوفی باد بدست کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ کلمے پیش کرتے ہیں۔ انھیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے مقابل ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے آگے متشابہ واجب الترک ہے۔

(مسائل سماع از احمد رضا بریلوی ص ۸)

مسئلہ: سیدی ابوعلی رود باری رضی اللہ عنہ .... سے سوال ہوا کہ ایک شخص مزامیر (ڈھول باجے) سنتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے لیے یہ حلال ہیں اس لیے کہ میں ایسے مقام تک پہنچ گیا ہوں کہ احوال کا اختلاف مجھ پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔

فرمایا: ہاں پہنچا تو ضرور! مگر کہاں تک؟ (پھر خود ہی فرمایا) جہنم تک۔

(فتاویٰ افریقیہ ص ۱۳۸)

افعال مذکورہ (بے نماز، شرابی، ڈاڑھی کترے، یا بڑی مونچھوں والے، ایسے وضع بے ادب گستاخ سے من گھڑت روایتوں کے ساتھ اکیلے یا دو چار آدمیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر مولود شریف پڑھنا پڑھانا وغیرہ) سخت کبائر ہیں اور ان کا مرتکب اشد فاسق و فاجر مستحق عذاب نیران و غضب رحمٰن اور دنیا میں مستوجب ہزاران ذلت ہوا۔ خوش آوازی یا کسی علت نفسانی کے باعث اسے مجرد مسند پر کہ حقیقۃً مسند حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تعظیماً بٹھانا، اس سے مجلس مبارک پڑھوانا حرام ہے ..... روایت موضوعہ پڑھنا بھی حرام، سننا بھی حرام۔ ایسی مجالس سے اللہ عزوجل اور حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کمال ناراض ہیں۔ ایسی مجالس اور پڑھنے والا اور اس حال سے آگاہی پاکر بھی حاضر ہونے والے سب مستحق غضب الٰہی ہیں۔ یہ جتنے حاضرین ہیں سب وبال میں جدا جدا گرفتار ہیں اور ان سب کے وبال کے برابر اس پڑھنے والے پر وبال ہے۔

اور خود اس کا گناہ اس پر طرّہ۔ مثلاً ہزار شخص حاضرین مذکور ہوں تو ان پر ہزار گناہ۔ اور اس کذاب قاری پر ایک ہزار ایک گناہ اور بانی پر دو ہزار دو۔ ایک ہزار حاضرین کے اور ایک ہزار ایک اس قاری کے اور ایک خود اپنا۔ اور پھر یہ شمار ایک ہی بار نہ ہوگا بلکہ جس قدر روایات موضوعہ، جس قدر کلماتِ نامشروعہ وہ قاری جاہل جری پڑھے گا ہر روایتاً ہر کلمہ پر یہ حساب وبال و عذاب تازہ ہوگا۔

مثلاً فرض کیجیے کہ ایسے سو کلمات مردودہ اس مجلس میں اس نے پڑھے، تو اُن حاضرین میں ہر ایک پر سو سو گناہ اور اس قاری و علم دین سے عاری پر ایک لاکھ ایک سو گناہ اور بانی پر دو لاکھ دو سو گناہ۔ وقس علیٰ ہذا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پاک و منزہ ہیں اس سے کہ ایسی ناپاک جگہ تشریف فرما ہوں۔ البتہ وہاں ابلیس شیاطین کا ہجوم ہوگا العیاذ باللہ رب العالمین۔ ذکر شریف حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا باوضو ہونا مستحب ہے اور بے وضو بھی جائز ہے۔ الخ

کتبہٗ عبدالمذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ
(فتاویٰ رضویہ باب الحظر والاباحۃ ص ۳۹۱ تا ۳۹۳)

بارہ ربیع الاوّل کو کاروبار کرنا؟

دُنیا کا کاروبار بند کر دینا مسلمانوں کے لیے بغرضِ اظہارِ غم عاشورا کے روز بھی شرعاً اَدلّہ شرعیہ اربعہ میں کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں۔ اسی طرح ۱۲ ربیع الاوّل کو کاروبار کی بندش کو قیاس کرنا صحیح ہو سکتا ہے۔ خلفاء راشدین و ائمہ مجتہدین و سلف صالحین کے زمانہ میں ۱۲ تاریخ میں دُنیا کا کاروبار بند کرنا ثابت نہیں اور اسی طرح پر محفل

میلاد کا منعقد کرنا بھی اس مُروّج طور پر ثابت نہیں اور شرعاً کسی میت پر تین روز سے زائد صدمہ کا اظہار کرنا جائز نہیں، ماسوائے بیوہ عورت کے کہ اس کے لیے صرف چار مہینے دس دن مقرر ہیں کہ ان ایام میں زینت و آرائش نہ کرے۔ لیکن دُنیاوی ضروری کام کے ترک کر دینے کا حکم شرعی اس کے لیے بھی نہیں۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی ۱۲ تاریخ کے روز اگر اس زمانہ میں دُنیاوی روزگار و بار کا بند کرنا جاری کر دیا جائے گا تو چند سال کے بعد عوام الناس اس حکم کو شرعی و ضروری ٹھیرانے کی وجہ سے گنہگار و گمراہ ہوں گے اور ایسا کام جو ذریعہ معصیت کا ہوتا ہے تو وہ بھی ناجائز اور گناہ ہو جاتا ہے۔ (اجابۂ وکتبۂ حبیبُ المرسلین نائب مُفتی مدرسہ امینیہ دہلی)

جواب صحیح ہے، بیشک اس روز کاروبار بند کرنا کوئی شرعی حُکم نہیں ہے، اس کو شرعی حیثیت دے کر تعطیل جاری کرنا ایک ایجاد و احداث فی الدین ہے۔

(محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ صدر جمعیۃ علماء ہند دہلی)

بغرضِ اظہارِ غم کاروبار بند کرنا یہ ایک دُنیاوی رسم ہے۔ شرعاً اس کا ثبوت نہیں، اور اظہارِ عظمت کے واسطے بھی کاروبار بند کرنے کا شرع میں بالکل ثبوت نہیں۔

(محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی)

محفلِ میلاد مُروّجہ ساتویں صدی کی بدعت اور اس دن کاروبار بند کرنا چودھویں صدی کی بدعت ہے۔ بدعتی خُدا و رسولؐ کے دشمن ہیں، اس دن دکانیں بند کرنے والے دُنیاوی نقصان کے ساتھ اُخروی نقصان بھی کرتے ہیں۔ مُسلمانوں کو مل جُل کر اس بدعت کو اُٹھا دینا چاہیے۔ واللہ الموفق (محمد ایڈیٹر محمدی دہلی)

الجواب صحیح دستخط مولوی احمد اللہ شیخ الحدیث دہلی۔ و مولوی عبدالسلام مدرس مدرسہ حاجی علی جان دہلی۔ و ابویحییٰ عبداللطیف صدر دہلی۔ و محمد اسحٰق محلہ گڑھیا دہلی۔ و ابوالفضل عبدالحنان دہلی۔ و محمد موسیٰ خان مدرس مدرسہ حُسینیہ دہلی۔ و محمد یونس مدرس

مدرسہ حضرت میاں صاحب دہلی۔ اصل جواب اور بعد کی تصدیقات از رُوئے ادلۂ اربعہ شرعیہ صحیح ہیں۔ بندہ محمد میاں مدرسہ حسین بخش دہلی۔

آئندہ صفحات میں عید میلاد النبیؐ کے مُوجد سیّد مُمتاز علی ایڈیٹر تہذیب نسواں لاہور کی کتاب سبیل الرشاد سے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ کتاب دراصل اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو اس کتاب کی اشاعت سے قبل پچیس سال میں تہذیب نسواں میں طبع ہُوئے۔ جن میں قارئینِ تہذیب کے مضامین بھی شامل ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کس طرح غیر اقوام مثلاً عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، برہمو سماجیوں اور قادیانیوں کی تقلید کی گئی اور قرآن و حدیث و فقہ اسلامی سے انحراف کرتے ہُوئے اسراف و تبذیر کا درس دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے موجدین کے خیالاتِ باطلہ سے محفوظ و مامون رکھے اور کتاب و سُنّت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو حُبِّ رسولؐ کی اصل علامت ہے۔

زمانہ حال میں عید میلاد کی ترویج

متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے عید میلاد کا تذکرہ ۱۹۰۴ء میں ملتا ہے جو کہ ریاست ٹونک کے نواب صاحب کے اہتمام سے ان کے محل میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی اور سات دن تک کچہریاں بند رہتی تھیں اور محل کے ایک کمرے میں چار ستون چاندی کے اور اُن پر پھولوں کی چھت اور پھولوں کی دیواریں بنائی جاتی تھیں اور روشنی کے لیے دس ہزار چھ سو چھوٹی بڑی لالٹینیں، اگربتیاں سُلگانے کے لیے سونے کا گلدستہ جس میں سینکڑوں اگربتیاں سلگتی تھیں اور شمعدان سونے اور چاندی کے بنے ہوتے تھے۔ سات روز تک نواب صاحب کی اپنی تصنیف کردہ کتاب مولودات کو نو بجے سے صبح ۲ یا ۴ بجے تک پڑھی جاتی تھی

چھ سات ہزار آدمی جمع ہوتے تھے ان سب کو عطر ملا جاتا، پھولوں کے ہار پہنائے جاتے اور گلاب پاشی ہوتی، فی آدمی دس دس لڈو تقسیم کیے جاتے۔ بعض لوگ مولود سن کر حال کھیلتے اور نعرے مارتے۔ پیدائش رسول کے دن صبح چار بجے سو توپوں کی سلامی ہوتی، قیدی رہا کیے جاتے۔ چاندی کی صراحیوں اور چاندی کے کٹوروں میں پانی دیا جاتا، برف کے طباق بھی چاندی کے ہوتے اس کے سوا دودھ شربت کھجوریں لڈو اور چاندی کے ورقوں والے پان سب کو تقسیم کیے جاتے۔ مختصراً از سبیل الرشاد طبع ۱۹۳۴ء ص ۱۷۔۱۸۔۱۹)

یہ تو تھا ایک نواب کا تذکرہ اب دیکھتے ہیں عوامی سطح پر اس عید میلاد کو محلوں سے باہر گلیوں اور بازاروں میں کون گھسیٹ لایا اور اس کا اصل سبب کیا چیز بنی ؟

اس سلسلے میں پہلے پہل تہذیب نسواں" کے ایڈیٹر سید ممتاز علی نے تحریک شروع کی وہ لکھتے ہیں کہ" عرصہ ہوا مجھے ایک مرتبہ اپنے ایک عیسائی دوست کے ہاں کرسمس" کی رات مہمان ہونے کا اتفاق ہوا۔ اس رات میں نے ان کی عبادت کا جوش وخروش اور اگلے دن اس تقریب کی خوشیوں کا جو سامان واہتمام دیکھا میں اس پر دنگ رہ گیا۔ اور یہ خیال کر کے دل ہی دل میں بے حد نادم وشرمسار ہوا کہ اس کے مقابلہ میں ہماری مجالس میلاد کس قدر ہیچ وحقیر ہوتی ہیں۔" (دیباچہ سبیل الرشاد)

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں: "اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ اول اول میلاد نبوی کی تحریک عیسائیوں کے بڑے دن کے ذکر کے ساتھ شروع ہوئی۔" (ص ۶۵)

پھر لکھا کہ: "میں نے لاہور میں دیکھا ہے کہ شالامار باغ کے میلے کی تیاری کے لیے لوگ مہینوں پہلے فوق البھڑک جوڑے تیار کراتے اور اس دن بڑے شوق سے پہنتے عمدہ عمدہ کھانے کھاتے اور کھلاتے اور خوب خوشی مناتے ہیں۔" (ص ۷۵)

۷ر فروری ۱۹۱۴ء کے تہذیب میں جناب حبیب صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا جو اس طرح شروع ہوتا ہے: "کل مہذب ممالک کا یہ دستور ہے کہ وہ بڑے آدمی

کی یادگار قائم کرتے ہیں۔ کسی کے نام سے مدرسہ بنتا ہے، کسی کا بُت قائم کیا جاتا ہے، کسی کے نام پر شفاخانہ بنایا، یا باغ لگایا جاتا ہے یہ تو دُنیا والوں کا ذکر ہے۔ اب دین والوں کا حال سنو۔ بنی اسرائیل آج تک اُس دن خوشی مناتے اور عید کرتے ہیں جس دن انھیں حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے پنجے سے رہائی دلائی تھی۔ ہنود سری رام چندر جی کے بارہ برس بن باس رہ آنے۔ لنکا کو فتح کر کے اپنی بیوی کو چھڑا لانے اور پھر اپنے تخت پر بیٹھ کر حکومت کرنے کی خوشی میں ہر سال دُسہرے کا تہوار مناتے ہیں۔ مسیحی عشاء ربانی کے نام سے اس دن کی یادگار قائم کرتے ہیں جس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُنیا سے رُخصت ہونے سے پہلے اپنے شاگردوں کو روٹی اور پانی دے کر گناہ سے پاک کیا تھا سکھوں میں جس محبت ادب اور شان و شوکت کے ساتھ بابا نانک کی پیدائش کے دن کی یادگار منائی جاتی ہے اس کی مثال ان کی اور خوشیوں میں مشکل سے ملے گی۔" (ص ۸۲)

پھر عباسی بیگم صاحبہ کے مضمون میں لکھا ہے کہ "ہر قوم، ہر مذہب وملت کے لوگوں پر غور کیجیے وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی یادگار کے ساتھ جلسوں میں کس قدر قومی مسرّت کا اظہار کرتے ہیں۔ مسیحی قوموں کو دیکھو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے دن کی کیسی عزت وعظمت دُنیا کو دکھاتے ہیں اور کتنی ہی مہینوں پہلے اس کی تیاریاں شروع کرتے ہیں۔ پھر اپنے ملک کے ہندو بھائی بہنوں کو دیکھیے کہ وہ اپنے کرشن مہاراج کی پیدائش کے دن کو جسے وہ جنم اشٹمی کہتے ہیں کس قدر مقدس و متبرک جانتے اور اس روز عبادت صدقات، خیرات کرتے ہیں۔" (ص ۸۴)

پھر ہندوؤں کے فرقہ برہمو سماج کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سال گرہ منانے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مندر میں ہر سال راجہ رام موہن رائے مرحوم کی سال گرہ کا جلسہ بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ ۴۔ ۵ سال کا ذکر ہے کہ لاہور میں اس سالگرہ کا جلسہ ہونے والا تھا اور ان کے ایک معزز مشنری (واعظ) نے مجھ سے یہ

درخواست کی کہ میں بھی اس جلسہ میں شامل ہوں اور راجہ رام موہن رائے کی بابت جلسے میں تقریر کروں۔ میں نے خوشی سے اس فرمائش کو منظور کیا مگر اس شرط سے کہ وہ اپنے مندر میں ربیع الاوّل کی مقررہ تاریخ کو جناب رسولِ خدا صلعم کی سال گرہ بھی منائیں۔ ان لوگوں نے نہایت مہربانی سے میری اس درخواست کو منظور کیا۔ میں راجہ رام موہن رائے کی سالگرہ میں شامل ہوا اور اور سینکڑوں مسلمانوں کو بھی لے گیا۔ اور اس بزرگ نے وحدانیت کی اشاعت میں جو بیش بہا خدمتیں کیں ان کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ بے شک تمام مُلک کو ان خدمتوں کا دل سے شکر گزار ہونا چاہیے۔

چند روز کے بعد ربیع کا مہینہ بھی آپہنچا اور مندر کی مُنتظمہ کمیٹی نے اپنے وعدہ کے بموجب جناب رسولِ مقبول کی سال گرہ کا اعلان کیا۔ وہ جلسہ درحقیقت دیکھنے کے قابل تھا۔ تمام ہال آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہُوا تھا تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ جناب پیغمبرِ خُدا کی سال گرہ اور تمام برہمو لوگ خوشی میں پھولوں کے ہار پہنے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں کو بھی ہار پہنائے گئے۔"

پھر اس جلسے میں کچھ تقریر حضور علیہ السلام کے بارے اور کچھ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے بارے معمولی سی تقریر سید ممتاز علی صاحب نے کی، اس کے بعد: "برہمو نیک دل بزرگوں میں سے بابو ابناش چندر موزمدار اُٹھے اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا قصہ دوبارہ انگریزی میں بے اِنتہا مؤثر طور پر انگریزی خوان ہندو نوجوانوں کو سُنایا۔ بابو صاحب ممدوح جوشِ محبت رسولِ مقبول سے بالکل از خود رفتہ معلوم ہوتے تھے اور ان کے مُنھ سے ایک ایک لفظ تاثیر سے بھرا ہُوا نکلتا تھا اور حاضرین کے دِلوں میں بیٹھتا تھا بابو صاحب ممدوح پر رِقت کا یہ عالم تھا کہ آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے تھے، اور اُن کی تمام ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ اور تمام مجمع محوِ حیرت تھا۔"

سید ممتاز علی نے لکھا کر: "اس طرح نیک دِل شکر گزار برہمو لوگوں نے حبیبِ خُدا

رسولِ مقبول کی سال گرہ منائی۔"

پھر لکھتے ہیں کہ "میں نے اس جلسے کا ذکر اپنی بیوی مرحومہ سے کیا۔ ان پر اس کا اس قدر اثر ہُوا کہ وہ اس جلسے کی شکر گزاری میں ہمیشہ اس مندر کی زنانہ مجالس میں جاکر شریک ہوتیں اور اکثر برہمو لیڈیاں بھی اُن سے ملنے گھر پر آتی تھیں۔" (ص ۲۲-۲۳)

سید صاحب نے یہ بھی لکھا کہ "اس مضمون کی اشاعت سے مقصود یہ تھا کہ مسلمان برہمو سماجیوں سے سبق سیکھیں۔ اور تحریک عید میلاد کی جانب توجہ کریں۔" (ص ۲۱)

نیز سید صاحب نے اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے: "ہمارے احمدی (قادیانی) بھائیوں نے اختلاف کرکے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی یعنی وہ عید میلاد کے نام کی بجائے یوم النبیؐ کے نام سے ایک تقریب علیحدہ منانے لگے۔" یاد رہے کہ مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ۱۹۲۷ء اس تقریب کی طرح ڈالی تھی۔

سید صاحب نے کہا کہ "اس بات سے اس قدر صدمہ پہنچا ہے کہ میں کسی طرح بیان نہیں کرسکتا ہوں اور میری بے چینی اور میری بے کلی جو موجودہ حالت کو دیکھ کر ہوئی ہے وہ دُور نہ ہوگی جب تک میں تمام ہندوستان کے مسلمان گھروں میں عید میلاد منائے جانے کی خبر نہ سُن لوں گا۔"

سید صاحب نے عیسائیوں کی عید کا حال بڑی حسرت سے بیان کیا ہے۔ بڑے زور شور سے گھنٹے بجنا، پھر خوش آوازی اور شیریں نغمہ کے ساتھ، باجے، بینڈ عیسائیوں کے گھر گھر پھرنا تمام عیسائی مرد اور عورتوں کا نہا دھو کر اور لباس فاخرہ پہن کر گرجاؤں میں جانا، بچوں کا عمدہ عمدہ لباس پہننا، مکان دکان، شہر کوچہ و بازاروں کی سجاوٹ اور آرائش، عیسائیوں کے کرسمس کیک طرح طرح کی مٹھائیاں، خوشی کے جلسے سید صاحب کے لیے مشعل راہ بنے۔ وہ فرماتے ہیں:

"مسلمان اگر عید میلاد کو کرسمس کے سے تکلف و اہتمام سے منانے کی ہمت و قدرت نہیں رکھتے تو اس موقع پر کم از کم اتنا کریں کہ شام کے وقت جس کی صبح کو عید ہو بستی کے چاروں طرف اس طرح گولے چلائے جائیں جس طرح عید کا چاند دیکھ کر چلائے جاتے ہیں۔" (دیباچہ)

"عید کے موقعوں پر جو طریقے اظہار فرح و سرور کے عام طور پر اختیار کیے جاتے ہیں، وہ اس عید پر بھی اختیار کیے جائیں اس میں حدیث یا فقہ کے رُو سے بال کی کھال نکالنی فضول ہے"۔ (ص ۳۵)

"اور عید کے دن کی طرح مُتکلف لباس اور مکلف کھانوں سے اظہار خوشی و خرمی کریں"۔ (ص ۱۹۱)

"میلادِ پاک کی عیدین سے زیادہ خوشی منایا کریں .... جس میں دُھوم دھام سے میلے ہوں"۔ (ص ۴۱)

"بعد نماز بچیوں کے اور سب کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے جائیں اور تکلف سے ناشتا کھانا چاہیے جس میں دُودھ میں بھیگے ہُوئے چھوہارے ضرور ہوں، جو صاحب مقدور رکھتے ہوں قربانی کریں ... ملاپ داروں کے ہاں عمدہ عمدہ تازہ مٹھائی اور پھل تحائف کے طور پر بھیجنے چاہئیں۔ نیز مبارک باد عید میلاد کے کارڈ بنوانے اور ایک دوسرے کے پاس بھیجنے چاہئیں"۔ (۴۸)

اس کے بعد سیّد صاحب نے لکھا کہ: "سب سے پہلی عید ۲۹ مارچ ۱۹۱۰ء کو منائی گئی"۔ (ص ۱۱۷) یعنی ان کی کوششیں بارآور ثابت ہوگئیں۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ
أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ
وَبَارِكْ
وَسَلِّمْ

قال اللہ تعالیٰ إن الذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشيء إلا كباسط كفيه إلى الماء

الآية

ليبلغ فاه وما هو ببالغه

پیرانِ پیر

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ کی روشنی میں

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ [illegible]
محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد یہ مہینہ مبارک ربیع الآخر کے نام سے بلایا جاتا ہے اسی میں حضرت پیر سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات ہوئی ہے

حضرت شیخ سید محی الدین ابو محمد عبد القادر بن جنگی دوست ابو صالح موسیٰ بن ابی عبد اللہ یحییٰ بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ الجون بن عبد اللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن بن علی ابن ابی طالب ایران کے شہر گیلان میں ۱ رمضان المبارک ۴۷۱ھ میں دولت عباسیہ کے خلیفہ المقتدی بامر اللہ کے مبارک عہد میں پیدا ہوئے۔ اسی سال خلیفہ عباسی کے شہزادہ المستظہر باللہ ابو العباس احمد بن المقتدی بامر اللہ پیدا ہوئے۔ یہ عباسی خلیفہ خود بہت عالم دین زاہد اور متقی تھے، صابر و صادق اور اعلیٰ درجہ کے خوش خط محسن اور عادل خلیفہ تھے جو ان کے پاس آتا تھا اس کو محروم نہ جانے دیتے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے متعلق تفریح الخواطر وغیرہ کتب میں کئی کرامات درج ہیں جن میں سے اکثر زبان زدِ عوام بھی ہیں۔ مثلاً ان کی گردن پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک رکھنا، ایک مسلمان اور عیسائی کے جھگڑے کے موقع پر مردہ کو زندہ کرنا۔ آپؒ کا ملک الموت سے ارواح کا چھڑوانا، آپؒ کا لڑکی کو لڑکا بنانا، منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ایک فاسق فاجر آدمی کا "عبد القادر" کہہ کر نجات پانا، آپؒ کے کھانے کے لئے آسمان سے کھانے کا اترنا، آپؒ کا وفات پا چکنے کے بعد سالکین و طالبین کو کھلے طور پر واصل باللہ کرنا، بروفقہ اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا آپؒ سے ہاتھ ملانا اور مصافحہ کرنا، آپؒ پر مچھلیوں کا سلام کرنا اور آپؒ کے ہاتھ پاؤں کو چومنا اور بوسہ دینا، آپؒ کے مدرسہ قادریہ کا گھاس کھانے اور پانی پینے سے طاعون کی بیماری سے

نجات پانا، آپؒ کو ایک تاجر کے غائبانہ بچانے سے، تاجر کو گم شدہ اونٹ مع اسباب کے مل جانا، آپؒ کا رمضان المبارک میں بیک وقت ۷۰ گھروں میں افطار کرنا، آپؒ ایک ایسی عورت کو اولاد عطا کرنا جس کے لوحِ محفوظ پہ اولاد لکھی ہوئی نہ تھی، خبیث جنوں کا آپؒ کی قید میں مقید ہونا، آپؒ کا ایک ایسے مرید کو منکر نکیر کے عذاب سے چھڑانا جو آپؒ کے نام کے علاوہ اور کچھ نہ جانتا تھا، آپؒ کا مرغی کو زندہ کرنا، آپؒ کا ایک بڑھیا کے بیٹے کو غرق کرنا، اور بارہ سال کے بعد اسے صحیح سلامت دریا سے باہر نکال دینا وغیرہ وغیرہ

ان مناقب میں سے بعض تو ایسی باتیں ہیں جن کو کرامات کہا جاسکتا ہے۔ اگر صحیح سند کے ساتھ ان کا ثبوت بہم پہنچ جائے تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ہم اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ "کرامات الاولیاء حق" اور درحقیقت کراماتِ اولیاء کا ثبوت قرآن پاک سے ملتا ہے اور احادیثِ نبویہ سے بھی ملتا ہے۔

لیکن ان مناقب میں سے وہ امور ہیں جو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذات کے مخصوص ہیں کیونکہ وہ صرف خدائی اختیارات ہیں۔ ان امور کی نسبت بڑے پیر صاحب کی طرف نسبت کرنے کا یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص اختیارات حضرت پیر صاحب کو دے رکھے تھے، وہ جو چاہتے تھے وہی کر سکتے تھے۔ تکوینی امور پر بھی ان کی سلطنت اور حکومت تھی۔

عیسائیوں، ہندوؤں اور دیگر مشرکوں کے عقائد اپنے بزرگوں کے بارے

اور یہی نظریہ پولوسی مسیحیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھا

چنانچہ یوحنا ۵: ۲۱، ۲۲ میں ہے اس باپ (خداوند خدا) نے عدالت کا سارا کام بیٹے (خداوند یسوع مسیح) کے حوالے کر دیا ہے۔

حقیقی عرفان ص ۴۹: تمام دینی و دنیوی انتظام کا خداوند یسوع مسیح مالک ہے۔

متی ۲۸: ۱۸ میں ہے یسوع نے پاس آکر کہا کہ آسمان و زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے

مرقس ۲: ۵–۱۲ میں ہے ابنِ آدم (یسوع) کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے

سدیوں ۱۰: ۱۲، ۱۳ میں ہے وہ سب بھی نجات پاتے ہیں جو اس (مسیح) کو پکارتے ہیں

تحقیقِ عرفان ص ۷ میں ہے خود مسیح ان کے محافظ اور نگہبان ہیں

کرنتھیوں ۳:۵ میں ہے نجات صرف خداوند یسوع المسیح کے اور اسی کے ذریعہ ہے

اعمال ۱۲:۱۰، ۳۹ میں ہے نجات صرف خداوند یسوع المسیح کے وسیلے اور خداوند کے فضل سے ملتی ہے نجات ہماری اپنی لیاقت اور کاموں کے وسیلہ سے نہیں ملتی۔

الوہیتِ مسیح میں ہے کہ دنیا میں جس جگہ بھی عشائے ربانی کی رسم ادا کی جاتی ہے مسیح وہاں آموجود ہوتے ہیں۔

تحقیقِ عرفان ص ۲۸ میں مکاشفات ۲:۱۸ سے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک قول منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عالم ارواح اور موت کی کنجیاں میرے پاس ہیں

یوحنا ۱۶:۱۵ میں آپ کی طرف یہ قول منسوب کیا "جو کچھ باپ (خدا) کا ہے وہ سب میرا ہے

متی ۸:۲ میں ہے کوڑھی نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) سجدہ کیا۔ اور کہا اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔

لوقا ۸:۲۴، ۲۵ میں ہے مسیح تو ہوا اور پانی کو حکم دیتا ہے اور وہ اس کی مانتے ہیں

الوہیتِ مسیح میں ہے یسوع خدا کے برابر حمد و ستائش اور عزت و تعظیم کے لائق ہے

نیز لکھا وہ مسیح سب کو پالتا پوستا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے

نیز لکھا اس کو بیماریوں پر بھی پورا پورا اختیار تھا ..... اس کو موت پر بھی پورا اختیار تھا

نیز لکھا وہ مسیح ازلی ابدی ہے ... حی و قیوم ہے ..... عالم الغیب ہے .... یہ مسیح یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے ..... وہ مسیح ہمارا مشکل کشا ہے

بدھ مت والوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ بُدھ وہ ہے جس میں بُدھ (عقل) کامل ہو اور اسے قدرتِ الٰہی حاصل ہو۔ مگر یہ وہی بن سکتا ہے جو دھرم میں خوب محنت کرے

اسی طرح ہندوؤں کا مذہب ہے چنانچہ لکھا ہے بشن نے نارد کو سمجھایا کہ سدا مہادیو کل مخلوقات کے مالک ہیں۔ ان کے حکم سے برہما خلقت کو موجود کرتے ہیں۔ اور ہم بھی ان کی سیوا خدمت کر کے جہان کی پرورش کرتے ہیں۔

اور لکھا کہ شیو نے گورجا کو آغوش میں اٹھا لیا اور بڑی خوشامد کی کہ ..... تینوں جہان

کے تمام کام سب تمہارے اختیار میں ہیں

نیز لکھا گوری جا نے اپنے جسم سے میل نکال کر ایک مورت تیار کی اور گنیپت نام رکھ کر زندہ کیا

زمانۂ حال کے مسلمانوں کا عقیدہ حضرت پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے

اسی طرح حضرت پیر صاحب کے متعلق ان لوگوں کا یہی عقیدہ ہے چنانچہ گلزار رضوی میں ہے

جس نے یا غوث مصیبت میں پکارا دل سے　　کام سب اس کے بناتے ہیں یا غوث الاغواث

ے حضور فرماتے ہیں غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو کوئی مصیبت میں مجھے پکارے مجھ سے مدد چاہے میں اس کی مصیبت کو اس سے دور فرما دوں اور جو کوئی میرے توسل سے اللہ تعالیٰ سے حاجت چاہے اس کی حاجت پوری ہو (برکات قادریہ صفحہ ۳۱) (گلزار رضوی ص ۴۶)

سرکار کی مٹھی میں ہیں سب عالم کے قلوب　　دم میں دلوں کو پھیر دیتے ہیں غوث الاغواث

ے حضرت سیدی عمر بزار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں ۵ اجمادی الآخر ۵۶۲ھ بروز جمعہ کو حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ جامع مسجد کو جاتا تھا۔ راہ میں کسی نے آپ کو سلام نہ کیا مجھے یہ کیفیت دیکھ کر سخت استعجاب ہوا اور دل میں کہنے لگا آج کیا ماجرا ہے۔ خلائق ہجوم کیوں نہیں کرتی یہ خیال آنا تھا کہ حضور نے تبسم فرماتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ معاً عوام تسلیم مجرا کیلئے چار طرف سے دوڑ پڑے اور اس قدر ہجوم ہوا کہ میں حضور سے بہت دور رہ گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس سے تو وہی پہلا حال اچھا تھا کہ حضور سے قرب نصیب تھا۔ یہ خطرہ دل میں آتے ہی معاً حضور نے میری طرف پھر کر دیکھا اور تبسم فرما کر ارشاد فرمایا۔ اے عمر! تمہیں تو اس کی خواہش تھی کیا تمہیں نہیں معلوم کہ لوگوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں چاہوں تو اپنی طرف متوجہ کر لوں (برکات قادریہ صفحہ ۰ ے)

لوح محفوظ میں تثبیت کا حق ہے حاصل　　مرد و عورت سے بنا دیتے ہیں غوث الاغواث

ے شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ ۔ ۔ ۔ کی والدہ ماجدہ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ حضور دعا فرمائیں میرے لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے لوح محفوظ میں دیکھا اس میں لڑکی مرقوم تھی آپ نے فرما دیا کہ تیری تقدیر میں لڑکی ہے وہ بی بی یہ سن کر واپس ہوئیں راستہ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے آپ کے استفسار پر انہوں نے سارا

خبر بیان کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ جا۔ تیرے لڑکا ہوگا۔ مگر وضع حمل کے وقت لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ بی بی بارگاہ غوثیت میں اس مولود کو لے کر آئیں اور کہنے لگیں حضور لڑکا مانگوں اور لڑکی ملے۔ فرمایا یہاں تو لاؤ۔ اور کپڑا اٹھا کر ارشاد فرمایا۔ دیکھو تو یہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ دیکھا تو لڑکا تھا۔ اور وہ بڑے ہو کر شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ تھے آپ کے حلیہ مبارکہ میں ہے کہ آپ کی پستان مثل عورتوں کے تھیں۔

بار بیڑے کو لگاتے ہیں غوث الاغواث   ڈوبی ناؤں کو ترا دیتے ہیں غوث الاغواث

سے حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مدرسہ کے طلباء کہتے ہیں کہ حضور ہمیں درس دے رہے تھے کہ یکا یک آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا دست اقدس اپنی چادر میں پوشیدہ فرما لیا۔ تھوڑی دیر میں دست اقدس نکالا تو آستین سے پانی ٹپک رہا ہے اور ہاتھ تر ہے۔ ہم بوجہ جلال و ہیبت کے دریافت نہ کر سکے۔ مگر وہ دن اور تاریخ اپنے پاس لکھ لیا۔ دو ماہ بعد کچھ سوداگر حاضر ہوئے اور نذر و تحائف پیش کئے۔ حضور نے بات آگاہ ہونے کیلئے ان سے کیفیت پوچھی انہوں نے عرض کیا کہ یہاں سے دو ماہ کے فاصلہ پر ہمارا جہاز ڈوبنے لگا اور ہم نے یا شیخ عبد القادر الجیلانی المدد کا نعرہ لگایا۔ اسی وقت دریا میں سے ایک ہاتھ برآمد ہوا جس نے ہمارے جہاز کو کنارے لگا دیا۔ تاریخ و دن ملایا تو صحیح و مطابق پایا (برکات قادریت صفحہ ۳۵) از گلزار رضوی صفحہ ۲۵

کرامات کے ہم منکر نہیں مگر یہ بات ماننے سے ہمیں قرآن پاک روکتا ہے کہ ناؤ والوں نے دو ماہ کے فاصلے سے حضرت شیخ کو اس طرح پکارا ہو تو حضرت پیر صاحب رح نے ان سے یہ بات سن کر خموشی اختیار فرمائی ہو کیونکہ حضرت رح شرک کا ادنیٰ درجہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کی ساری زندگی اشاعت توحید اور ردِ شرک میں گزری تھی۔ لہٰذا یہ واقعہ قرآنی تعلیمات اور پیر صاحب رح کی تعلیم کے خلاف ہے۔ غائبانہ پکار مافوق الاسباب امور میں صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ دوسری ہستی کے بارے یہ عقیدہ رکھنا شرک صریح اور ان بزرگ ہستیوں پر بہتان عظیم ہے۔

الفت سعید بریلوی نے ایک نعت میں یہ کہا

پتہ ای بھلا پیر توں کیوں آکھدے نے دستگیر   اک پیار ربّ سی تے بیڑہ لبا سی پیر نے

کہندے نے اک دن ربّ تے پیر عبد القادر جیلانی نہتھاں وچ ہتھ پا کے بہشت دی

نیر کر رہی سی۔ تے اچانک رب دا پیر تلک پیا۔ رب ڈگ پین لگا سی۔ تے پیر صاحب نے جھیتی نال پھڑ لیا۔ ایس واسطے پیر صاحب نوں دستگیر کہیا جاندا اے (حاشیہ جھگڑے پچھل ص ۱۱۵)

ان عقائد کی تردید از قرآن مجید

مگر اللہ تعالیٰ نے ان تمام غلط عقائد کا جواب صریح طور پر قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ واللہ یقضی بالحق والذین یدعون من دونہ لا یقضون بشیٍٔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسی ذات ہے جو حق حق فیصلہ فرماتی ہے اس کے سوا جس جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا فیصلہ نہیں کر سکتے نہ عیسیٰ نہ موسیٰ نہ عزیر نہ کوئی اور۔ نیز فرمایا لہ الحکم حکم صرف اس ذات کا ہی چلتا ہے نہ عیسیٰ کا نہ کسی اور کا نیز فرمایا فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شیٍٔ پس پاک ذات ہے وہ جس کے قبضے میں ہر چیز کا کامل اختیار ہے نہ عیسیٰ کے قبضے میں ہے نہ کسی اور کے

نیز فرمایا لله ملك السمٰوٰت والارض یعنی آسمانوں اور زمین کا سب اختیار صرف اللہ ہی کو ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نہ کسی اور کو

نیز فرمایا ومن یغفر الذنوب الا الله اور بندوں کے گناہ معاف کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نہ کوئی اور

نیز فرمایا ولا تدع من دون الله ما لا ینفعك ولا یضرك فان فعلت فانك اذا من الظٰلمین اور خدا کے سوا کسی کو نہ پکارنا۔ کہ وہ تجھ کو نہ تو نفع ہی پہنچا سکتا ہے اور نہ تجھ کو نقصان ہی پہنچا سکتا ہے خواہ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں خواہ کوئی اور۔ اور اگر تو نے ایسا کیا تو اس وقت تو بھی ظالموں میں شمار ہوگا چہ جائے کہ دوسروں کو پکارنے سے نجات ملے

نیز فرمایا قل من یکلؤکم باللیل والنهار یعنی اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو تو کہ خدائے رحمٰن کے عذاب سے رات کا وقت ہو یا دن کا تمہاری کون پاسبانی کر سکتا ہے تو اُن کو خدا سے ڈرنا چاہیئے وھو علیٰ کل شیٍٔ وکیل وہی خدا آپ ہی تو ہے ہر چیز کا نگہبان۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ ہمارے محافظ ہیں نہ نگہبان جب کہ سید الرسل خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

...ذمہ ہی فرماتے ہیں وما انا علیکم بحفیظ کہ میں تو تم لوگوں کا محافظ نہیں ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے فرمایا وما جعلنٰک علیہم حفیظا یعنی ہم نے تم کو (اے میرے حبیبؐ!) ان لوگوں پر محافظ تو مقرر نہیں کیا وما انت علیہم بوکیل اور نہ ہی تم ان پر تعینات ہو

نیز فرمایا لست علیہم بمصیطر تم تو ان لوگوں پر کچھ دار وغہ کی طرح تعینات نہیں ہو

نیز فرمایا وھو معکم اینما کنتم یعنی صرف خدا پاک کی ذات کی یہ صفت ہے کہ تم لوگ کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے مخلوق میں یہ صفت نہیں ہے نہ عیسیٰ ہو میں نہ کسی اور میں۔ اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے سامنے پولوسیوں مسیحیوں کے عقیدہ باطلہ کی تردید کریں گے اور فرمائیں گے وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علیٰ کل شیئ شہید اور جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا میں ان کا نگران حال رہا پھر جب تو نے مجھ کو دنیا سے آسمان کی طرف اٹھا لیا تو تُو آپ ہی ان کا نگہبان تھا اور تو آپ ہی تمام چیزوں کی خبر رکھتا ہے (نہ میں ان کا محافظ اور نگہبان تھا اور نہ مجھے یہ خبر کہ میرے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد وہ کیا کچھ کرتے رہے آیا میری تعلیم پر چلتے رہے یا میری تعلیم چھوڑ کر شیطان کے کہنے پر چلنے لگ گئے۔

اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی قیامت کے روز وہی بات کہوں گا جو بات عبد صالح یعنی حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے لہ مقالید السمٰوٰت والارض آسمان وزمین کے خزانوں کی کنجیاں صرف اسی اللہ کے پاس ہیں نہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ہیں اور نہ کسی اور کے پاس۔

نیز فرمایا واتخذوا من دونہ الٰھۃ لا یخلقون شیئا وھم یُخلقون ولا یملکون لانفسہم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیاۃ ولا نشورا اور کافروں نے خدا کے سوا جن جن کو پکار کے لائق سمجھ رکھا ہے وہ کسی چیز کو پیدا تو کر نہیں سکتے بلکہ وہ خود دوسرے کے بنائے اور پیدا کئے ہوئے ہیں اور خود ان کا اپنا برا بھلا نفع نقصان بھی ان کے اختیار میں نہیں اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ جینا ان کے اختیار میں ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد جی اٹھنا

ان کے اختیار میں ہے۔ خواہ وہ عیسٰی علیہ السلام ہوں یا اور کوئی بزرگ ہستی ہو۔

نیز فرمایا اللہ یتوفی الانفس حین موتہا... فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمی مرتے وقت لوگوں کی روحیں اللہ تعالیٰ ہی کھینچ نکالتا ہے۔ ...تو جن کی نسبت خدا نے موت کا حکم صادر فرمادیا ہے تو اُن کو اپنے ہاں روکے رکھتا ہے دوسرے کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کے پاس روکی ہوئی روحوں کو چھین کر یا ہاتھ مار کر اُڑا لے جو واپس اپنے ان ابدان عنصریہ میں واپس آئیں۔ اور باقی سونے والی روحوں کو ایک مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے بہرحال کسی کی موت پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ اختیار نہیں خواہ عیسٰی علیہ السلام ہو یا کوئی اور بزرگ ہستی اور نہ ہی عالم ارواح کی کنجیاں اللہ کے سوا کسی کے پاس ہیں اور نہ ہی اللہ تعالےٰ نے عالم ارواح کی چابیاں کسی کو دیں خواہ عیسٰی علیہ السلام ہوں خواہ کوئی اور۔

نیز اللہ تعالیٰ نے جد انبیاء کرام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرمایا کہ واذا مرضتُ فھو یشفین اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو صرف اللہ ہی ہے جو مجھ کو شفا بخشتا ہے والذی یمیتنی ثم یحیین اور اللہ ہی ہے جو مجھے مارے گا اور پھر مارنے کے بعد وہی مجھے زندہ کرے گا اور اسی سے مجھے توقع ہے کہ قیامت کے روز میری کوتاہیاں معاف کرے گا۔ اس کے سوا کسی دوسرے کے قبضے میں ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں۔

نیز فرمایا فللہ الحمد رب السمٰوٰت ورب الارض رب العٰلمین ولہ الکبریاء فی السمٰوٰت و الارض وھو العزیز الحکیم اور پھر حمد وستائش تو صرف اللہ ہی کی ہے جو آسمانوں کا مالک ہے اور زمین کا بھی مالک ہے بلکہ تمام جہانوں کا بھی وہی مالک ہے جو پالتا پوستا ہے اور سب کی پرورش وہی خود کرتا ہے نہ عیسٰی یا عزیر اور نہ کوئی اور۔ اور آسمانوں اور زمین میں صرف اسی اللہ کی بڑائی ہے اور وہی زبردست ہے حکمتوں والا نہ کوئی اور

نیز فرمایا واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان اور اے پیغمبر! جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارے میں دریافت کریں تو اُن کو سمجھا دو کہ ہم ان کے پاس ہیں۔ جب کبھی کوئی تم میں سے ہم کو پکارتا ہے تو ہم اس کی پکار سن لیتے ہیں اور اس کے مناسب حال اس کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں اور اس کو ناکام نہیں چھوڑتے اور میرے سننے کے لئے کسی واسطے وسیلے کی کوئی ضرورت نہیں

نیز فرمایا ھو الاول و الآخر وہ اللہ تعالیٰ ہی شروع سے ہے اور وہی آخر تک رہیگا یعنی وہی ازلی ابدی ہے نہ عیسیٰ ؑ نہ کوئی اور۔ یعنی تمام موجودات کو اسی نے پیدا کیا تو وہی سب سے پہلے ہوا لیکن اس کے واسطے نہ کوئی ابتدار ہے نہ انتہا ہے اور وہی آخر ہے یعنی ہر چیز کے بعد ہے پس سب چیز فنا ہوگی اور وہی باقی ہے پس اس کے واسطے کوئی انتہا نہیں ہے۔

نیز فرمایا ھو الحی القیوم یعنی وہ اکیلا اللہ ہی ہے جو حی و قیوم ہے نہ عیسیٰ ؑ اور کوئی اور یعنی وہی ہے دائم البقاء زندہ نہ مرنیوالا اس کی حیاۃ ذاتی صفت ہے اس کی جنس پر موت طاری نہ ہوگی اور عیسیٰ ؑ ایک نہ ایک دن وفات پائیں گے اس لئے وہ زندہ تو ہیں مگر نہ مرنیوالا نہیں دائم البقاء نہیں۔ اور صرف اللہ ہی قیوم ہے جو ہر چیز کی حفاظت کرتا اور سب جیوں کو روزی دیتا ہے آپ بذات خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ تمام کارخانۂ عالم کو سنبھالنے والا وہ آپ ہی ہے نہ عیسیٰ نہ کوئی اور

نیز عیسیٰ ؑ کی زبانی یہ بات خدائے پاک نے نقل فرمائی ہے کہ انک انت علام الغیوب یعنی اے خدا غیب کی باتیں تو تو آپ ہی خوب جانتا ہے۔ نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں نہ کوئی اور نبی و ولی پیر فقیر

نیز فرمایا وان ربک لیعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین یعنی اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جیسی جیسی باتیں لوگوں کے دلوں میں مخفی ہیں اور جو کچھ یہ علانیہ کرتے ہیں تمہارے پروردگار کو سب معلوم ہیں اور آسمان زمین میں ایسی کوئی مخفی بات نہیں جو علم الٰہی میں نہ ہو۔ انہ علیم بذات الصدور وہ اللہ ہی ہے جو دلوں کے بھید تک کا جاننے والا ہے۔ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون اے پیغمبر! ان لوگوں کو یہ سمجھا دو جتنی مخلوقات آسمان میں اور زمین میں ہے ان میں سے غیب کی بات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ ان لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ قیامت کب ہوگی اور کب دوبارہ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔ قیامت کا معین سال نہ نبی کریم ؐ کو معلوم ہے نہ کسی اور کو۔ ہاں اتنا بتایا کہ جمعہ الحرم کو ہوگی

نیز فرمایا امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض بھلا یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے کہ جب کوئی شخص بے قرار ہوکر اس سے فریاد کرے تو وہ اس بے قرار کی فریاد کو پہنچے اور اس کی مصیبت کو ٹال دے۔ صرف اللہ میں یہ صفت ہے نہ کہ ولی پیر فقیر میں یہ صفت نہیں

نیز فرمایا وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ

خدائے پاک مجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی تکلیف کو دور کرنے والا نہیں اور اگر مجھکو کسی قسم کا فائدہ پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں ہے۔ وہ بخش دیتا ہے جس پر فضل۔

نیز فرمایا ما یفتح الله للناس من رحمة فلا ممسك لها وما يمسك فلا مرسل له من بعده وهو العزيز الحكيم یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا لنگر جو لوگوں کے لئے کھولے تو کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں۔ اور جو وہ بند کرلے تو اس کے بند کئے پیچھے کوئی اس کو جاری کرنے والا نہیں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا۔ نہ عیسیٰ ؑ اور نہ کوئی اور ہستی

نیز فرمایا قل افرایتم ما تدعون من دون الله ان ارادنی الله بضر هل هن کاشفات ضره او ارادنی برحمة هل هن ممسکات رحمته قل حسبی الله علیه یتوکل المتوکلون یعنی آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا کے سوا عیسیٰ، روح القدس، مریم، عزیر، لات، عزیٰ، منات، ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، ہبل، دوار وغیرہ وغیرہ جن جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اگر خدا مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے کیا یہ معبود اس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دور کرسکتے ہیں؟ یا اگر خدا مجھ پر اپنا فضل کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کے فضل کو روک سکتے ہیں؟ اے پیغمبر! آپ فرمادیں کہ مجھ کو تو خدا تعالیٰ ہی بس ہے اور بھروسا رکھنے والے اسی پر بھروسا رکھا کرتے ہیں

فائدہ:- یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم تو پیروں فقیروں اولیاؤں اور پاک پیغمبروں کو پکارتے ہیں اور مشرک تو بتوں اور پتھروں کو پوجا کرتے تھے جو سراسر حماقت اور جہالت ہے۔

سو یہ غلط ہے کیونکہ مشرک دراصل اپنے بزرگوں پیغمبروں ولیوں پیروں فقیروں کو پوجا کرتے تھے چنانچہ

ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر (صنم) صالح مردوں کے نام تھے (بخاری ص ۷۳۲) تفسیر عزیزی پارہ تبارک میں ہے ہبل ایک آدمی تھا اس کے مرنے کے بعد مشرکوں نے ایک پتھر تراش کے رکھا اور کہا کہ یہ ہمارا ہبل ہے اور اپنے زعم میں کہا کہ ہبل تمام اس پتھر میں آجاتا اور دعویٰ کرلیا کہ وہ اس میں آگیا اور دعویٰ کیا کہ اس میں قدرت ہے کہ ہم کو بیٹا رزق صحت وغیرہ دیتا ہے اور اگر کوئی مہم پیش ہو تو خدا کو اطلاع کرتا ہے اور وہاں سے ... دلواتا ہے (مواہب الرحمٰن پ ص ۱۶۸)

اور زمانۂ کفر میں لات ایک شخص تھا جو موسم حج میں اپنے رستہ پر بیٹھتا اور جتنے حاجی اُدھر نکلتے تھے ان کے لئے ستو گھی میں حل کرتا اور کھلاتا۔ تو جب وہ مرگیا تو لات اس کا نام رکھ کر اس کی قبر پر چڑھاوے چڑھانے لگے۔ رفتہ رفتہ اس کی صورت کا بت بنا کر یہ تصور باندھا کہ اس کی روح اس پتھر میں حلول کر گئی (مواہب الرحمٰن پ۲۷ ص ۱۹ و بخاری ص ۷۲۰)

عزیٰ ایک بڑھیا تھی اس کی یہاں تک عظمت تھی کہ اسی بڑھیا کی مدد سے بزعم قریش اُحد کی لڑائی میں فتح ہوئی ابوسفیان نے کہا تھا اعلُ عزیٰ (عزیٰ کی جے) لنا العزی ولا عزی لکم۔

بی بی منات بھی ایک بڑھیا تھی جو مکہ و مدینہ کے بیچ میں بمقام مشلل رکھی گئی تھی اور قبیلہ خزاعہ و اوس و خزرج اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں اسی بڑھیا کی پرستش کیا کرتے تھے (مواہب الرحمٰن پ۲۷ ص ۱۹ و بخاری ۷۲۰)

حضرت عیسیٰ و مریم و روح القدس و عزیر کی پرستش تو سب کو معلوم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان ہستیوں کو کوئی بت نہیں کہتا۔ اور عیسائی ان کی پوجا کرتے ہیں

عیسائی عبادت میں کہتے ہیں سلام اے مریم! پُر فضل۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ تو عورتوں میں مبارک ہے اور مبارک ہے تیرے پیٹ کا پھل یسوع۔ اے مقدسہ مریم! خدا کی ماں! ہم گناہ گاروں کے واسطے دعا کر اب اور ہماری موت کے وقت۔ آمین۔

اے یسوع جو دل سے حلیم اور فروتن ہے۔ میرے دل کو اپنے دل کے موافق بنا

اے یسوع کے پاک دل! میں تجھ پر کامل بھروسہ رکھتا ہوں۔ اے یسوع کے پاک دل! عنایت کر کہ میں تجھے ہمیشہ پیار کرتا رہوں۔

اور مرے ہوئے بزرگوں کی پوجا (پتر پوجا) ہندوستان میں بھی ہوتی ہے ارواح بزرگاں کو اپنی حاجات و مشکلات میں پکارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہاں بعض انسانی ارواح جاکر دیوتا بن جاتی ہیں اس لئے ان کو پوجا جاتا ہے

جاپانی بھی اجداد پرستی کرتے تھے۔ مصری یونانی اور چینی بھی ارواح پرستی کرتے تھے جیسے یجر وید (ہندوؤں کی الہامی کتاب) میں صراحۃ موجود ہے کہ وہ لوگ اپنے آباء واجداد کو پکارتے ہوئے کہتے تھے دادا مجھ کو پاک کریں۔ پر دادا مجھ کو پاک کریں۔ ہمارے

پتھر (مرے ہوئے بزرگ) سب نذر و نیاز سے لطف اندوز ہونے کے لئے جمع ہو گئے ہیں وہ نذر کھاتے ہیں وغیرہ ذلک

ہندو کو جب مسلمان کہتا ہے کہ عقلمند بے عقل کو اور قوی عاجز کو (بُت) کیسے بلاتا ہے تو ہندو جواب دیتا ہے یہ معاملہ اصل میں ان بزرگوں سے ہے جن کا نمونہ بُت ہیں اور وہ بزرگ شکتی مان ہیں۔ اللہ تعالیٰ (پرمیشور) کی طرف سے ان کو یہ طاقتیں ملی ہوئی ہیں۔ دیکھو تحفۃ الہند ص ۵۴۳)

مسلمان کہتا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی۔ مصائب اور مشکلات میں اور مافوق الاسباب امور میں پکارنا غائبانہ طور پر صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے جس نے سب کچھ بنایا اور سب اسی کے محتاج اور سوالی ہیں اور وہ سب کا سوال پورا کر سکتا ہے اور ہر چیز کو ہر وقت دیکھتا جانتا ہے اور ہر کسی کی فریاد ہر وقت سنتا اور پرے سے پرے کا زور رکھتا ہے۔

پیر صاحب کی طرف منسوب ان کہانیوں کی تردید تاریخ کی روشنی میں مندرجہ ذیل میں دیکھیے

پھر جب ہم اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو بڑے بڑے چوٹی کے مؤرخین ان اہم واقعات کا ذکر نہیں کرتے جو زبان زد عوام ہیں حالانکہ یہ مؤرخین اہل السنۃ والجماعت کے اعلیٰ افراد ہیں اور کراماتِ اولیاء کے قائل ہیں جیسے علامہ شمس الدین ذہبی رح علامہ ابن کثیر رح علامہ سیوطی رح۔ پس ان کرامات کا درج نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک یہ واقعات مستند نہیں ہیں۔

اب انہی بزرگوں کی کتابوں سے حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ کے عہد کے حالات نقل کئے دیتا ہوں اور یہ بات ملحوظ رہے کہ دینی امور میں محنت اور ملک میں لادینیت کا زبانی سنانی مقابلہ بہت ہی اہم امر ہے بہ نسبت اس امر کے کہ بڑھیا کا بجرا تیرایا یا ڈبویا جائے ایک نظرِ قہر سے بیچاری غیر مکلف چیل کی جان نکالی جائے یا ایک نظرِ مہر سے چیل کو زندہ کیا جائے یا والعیاذ باللہ عزرائیل علیہ السلام کے ہاتھوں ارواح کی زنبیل کھونس لی جائے اور مرے ہوئے پھر زندہ ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اس دور میں تین خلافتیں تھیں مشرق میں عباسی خلافت .

مغرب میں اموی خلافت اور درمیان میں عبیدیوں کی باطنی اور لادینی خلافت جس سے
حرمین شریفین بھی متاثر ہوتے بغداد میں فسادات جہاں آپ کی رہائش تھی مگر آپ کا یہاں کوئی
کارنامہ نظر نہیں آتا۔ تاریخ یکسر خاموش ہے۔ خدا معلوم کیوں؟

آئیے اب تاریخ کی ورق گردانی کریں

۲۹۶ھ میں مغرب میں حکومت بنی عباس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ مہدی فاطمی کہلانے والے
عبیداللہ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور مصر سے لے کر بحر اوقیانوس تک اس کی حکومت کا
دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ سسلی اور سارڈینیا پر بھی قابض ہو گیا۔ گویا دنیائے اسلام میں تین
خلافتیں ہو گئیں ۱۔ دولت عباسیہ ۲۔ دولت امویہ ۳۔ دولت عبیدیہ

۳۰۱ھ اطروش زیدی شیعہ طبرستان پر قابض ہوا۔ سکندریہ وفیوم پر مہدی فاطمی قابض ہوا

۳۰۲ھ یعقوب بن لیث الصفاری کی دور ولایت میں فاطمی مہدی کا داعی ملتان آیا

۳۰۶ھ القائم محمد بن مہدی فاطمی کا مصر کے شہر مسعود پر قبضہ

۳۰۸ھ 〃 〃 〃 〃 〃 کا جزیرہ فسطاط پر قبضہ

۳۵۲ھ معز الدولہ اور ابن بویہ دیلمی کے حکم سے بغداد دار الخلافہ میں پہلے دن بدعت ماتم
کی ابتداء ہوئی۔ خصوصاً عورتوں نے بال کھول کر منہ پر طمانچے مارے۔ پھر یہ رسم رائج ہو
گئی۔ عاشورا کے روز حکماً بازار بند کرائے گئے۔ باورچیوں اور نانبائیوں کو کھانا
اور سالن پکانے سے روکا گیا۔

۱۸ ذی الحجہ کو باجوں گاجوں کے ساتھ عید غدیر خم منائی گئی۔ اور منائی جانے لگی۔

۴۶۸ھ شیعہ کی اذان اور دیگر شعار شیعہ کو باطل کیا گیا

۴۶۹ھ بغداد میں حنابلہ و اشاعرہ کا فتنہ اٹھا

۴۷۰ھ مقتدی بامراللہ (خلیفہ عباسی) کے عہد میں حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی پیدا ہوئے

۴۷۸ھ بغداد میں شیعہ سنی فساد ہوا

۴۸۴ھ مرابطین نے الفونسو کو شکست دی۔ تمام اسلامی ہسپانیہ اپنی افریقی قلمرو میں شامل کر لیا
نیز 〃 〃 غرناطہ میں بنی زیری کی حکومت کو ختم کر دیا۔

۴۸۳ شیعہ سنی فساد۔ شیعہ کا نقیۃً مساجد کرخ میں خیر الناس بعد رسول اللہ ابو بکر لکھنا

۴۸۴ھ جزیرہ صقلیہ جو ۲۱۲ھ سے مسلمین کے قبضہ میں تھا، سارے کا سارا فرنگیوں کے قبضہ میں چلا گیا

نیز مرابطین نے امراء اشبیلیہ کو بھی ختم کر دیا — پیر صاحب ۱۴ سال کے تھے

۴۸۵ھ ابن تاشفین عیسائی کے ہاتھوں دولت آل عباد کا سقوط

۴۸۷ھ روم کی عیسائی حکومت کا بلنسیہ پر قبضہ ہوگیا

۴۸۸ھ شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ بغداد کے مدرسہ میں بحیثیت استاد کے تعینات ہوئے

۴۹۰ھ تقیہ (تو کیو) پر فرنگی قابض ہو گئے۔ قتل و غارت کی۔ اپنی مرضی کے مطابق کفر جاری کیا

۴۹۲ھ اصفہان میں باطنیہ نے زور پکڑا۔ ادھر فرنگیوں نے بیت المقدس کو ڈیڑھ سال

قلعہ بندی کے بعد فتح کر لیا۔ اور یہ قبضہ ۵۸۳ تک رہا۔ ۷۰ ہزار سے زائد عباد و زہاد

اور علماء کو شہید کیا۔ یہود کو کنیسہ میں جمع کر کے آگ لگا دی۔ باقی لوگ بغداد بھاگ گئے

۴۹۳ھ بیت المقدس پر فرنگیوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ پیر صاحب کی عمر ۲۳ سال تھی

۴۹۴ھ عراق میں باطنیہ فرقہ کا زور۔ مسلمین کا قتل عام۔ شافعی مسلک کے شیخ رویانی

رحمہ اللہ کو شہید کر دیا۔ ڈر کے مارے امراء نے کپڑوں کے نیچے زرہیں پہننا شروع

کر دیں۔ سروج، حیفا، ارسوف اور قیساریہ پر فرنگیوں کا قبضہ ہو گیا۔ پیر صاحب مدرس تھے

۴۹۷ھ سے پہلے بغداد میں جو عام فساد شروع تھا۔ خزانہ لوٹ لیا گیا تھا۔ خونریزی ہو رہی

تھی۔ شہر کے شہر تباہ ہو گئے تھے۔ لوگوں نے سلطنت پر دست تطاول دراز

کیا تھا سلطان محمد اور برکیا روق کی باہمی رقابت کی وجہ سے۔ اب ان میں صلح ہو گئی

۴۹۹ھ نواحی نہاوند میں ایک نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بڑی تعداد میں لوگ ان کے پیروکار

ہو گئے۔ آخر کار پکڑا گیا اور قتل کر دیا گیا

۵۰۲ھ قہستان میں باطنیہ دوبارہ زور پکڑ گئے۔ لوگوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کیا۔

مگر باطنیہ فرقہ والوں نے انہیں چن چن کر قتل کیا — پیر صاحب اس وقت ۳۲ سال کے تھے

۵۰۳ھ دو سال حصار کے بعد فرنگیوں نے طرابلس پر قبضہ کر لیا جو حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہو کر مسلمین کے قبضہ میں اب تک رہا تھا۔ پیر صاحب مدرس تھے

ان کا شہر غرق کر دیا گیا

۵۰۷ھ مودود شاہ موصل اور فرنگیوں کے مابین جنگ ہوئی۔ مودود دمشق پہنچے۔ وہاں
ایک باطنی کے حملہ سے شہید ہو گئے۔

۵۰۹ھ حضرت سید شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کا حج کیا

۵۲۰ھ وعظ کہنا شروع فرمایا۔

۵۲۵ھ خلیفۃ المسلمین اور سلطان مسعود کی باہم اَن بن ہوئی۔ خلیفۃ المسلمین کو شکست ہوئی۔
قلعۂ ہمدان میں ان کو قید کر دیا گیا (پیر صاحب علوم کی تعلیم و وعظ میں مصروف ہیں)

۵۲۸ھ بغداد میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی جس کا نام تھا مدرسہ قادریہ اس میں
حضرت سید شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تادم زیست (۳۳ سال) پڑھاتے رہے۔

۵۲۹ھ خلیفۃ المسلمین المسترشد باللہ کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بعد اُن کے شاہزادہ الراشد
باللہ کو خلیفہ بنایا گیا

۵۳۰ھ سلطان مسعود نے خلیفہ راشد باللہ کا خلع کرا کے ان کے چچا المقتفی لامر اللہ کو خلیفہ مقرر
کیا۔ الراشد نے فوج کشی کی۔ فوج میں مال تقسیم کیا۔ ہمدان میں فساد مچا۔ قتل و غارت
ہوئی۔ لوگوں کو سولی دی گئی۔ علماء کی ڈاڑھیاں مونڈی گئیں۔ اصبہان میں لوٹ
مار ہوئی۔ (پیر صاحب مدرسہ میں پڑھا رہے ہیں اور وعظ فرما رہے ہیں۔ تزکیۂ نفس میں مشغول ہیں)

۵۳۱ھ سلطان مسعود نے بغداد میں دربارِ خلافت کی تمام اشیاء لوٹ لیں
۵۳۲ھ ۱۶ رمضان المبارک میں عجمیوں نے خیمے میں گھس کر خلیفہ الراشد کو چھریوں سے قتل
کر دیا۔ پھر ان کے مصاحبین کو قتل کر دیا۔ یہ خبر بغداد پہنچی۔ صفِ ماتم بچھ گئی۔

۵۳۶ھ عیسائیوں نے سرقسطہ میں امرائے تجیبی و ہودی کے سلسلہ کو ختم کر دیا
۵۴۱ھ سلطان مسعود نے بغداد میں آکر دار الضرب (ٹکسال) کی بنیاد ڈالی۔ خلیفہ المقتفی لامر اللہ
نے سکہ بنانے والے کو گرفتار کر لیا۔ اُدھر سے سلطان مسعود نے المقتفی لامر اللہ کے
حاجب (دربان) کو گرفتار کر لیا۔ خلیفہ کو غصہ آیا۔ تین روز تک مسجدوں کے دروازے
بند رہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے قیدی کو چھوڑا۔ تب فساد مٹا۔ ابن عبادی
کے وعظ و نصیحت سے سلطان مسعود نے محصول معاف کیا۔ اور تختیاں لکھ کر نصب

کرائیں۔ جو الناصر لدین اللہ (مولود ۵۵۳ھ) کے عہدِ حکومت تک رہیں۔ پھر الناصر لدین اللہ نے اپنے دورِ حکومت میں ان تختیوں کو اکھڑوا دیا کہ عجمی رسم ہے

۵۴۳ھ تونس کی اسلامی حکومت کو سسلی کے عیسائی بادشاہ راجیر نے ختم کر دیا

۵۴۴ھ بغداد میں شدید زلزلہ آیا۔ حلوان کا پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑا

۵۴۵ھ زبید میں علی بن مہدی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور ۵۷۹ھ تک حکومت کرتا رہا

۵۴۶ھ خلیفۃ المسلمین المقتفی لامر اللہ کو سلطان مسعود بہت تنگ کرتا تھا۔ لوگوں نے تنگ آ کر سلطان مسعود پر بد دعا کرنی شروع کی اور ۲۹ رجمادی الاولیٰ سے ۲۹ رجمادی الاخریٰ تک پورا مہینہ قنوت نازلہ نمازوں میں پڑھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی۔ چنانچہ سلطان مسعود ہلاک ہو گیا۔ پھر ملک شاہ کی سلطنت پر سب کا اتفاق ہوا

۵۴۸ھ سلطان سنجر پر حملہ ہوا اور گرفتار ہو گیا۔ ادھر حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مدرسہ قادریہ کی عالی شان تعمیر مکمل ہوئی

۵۵۶ھ خراسان اور افغانستان میں بدامنی پھیلی (پیر صاحب مدرسہ میں پڑھاتے رہے)

۵۶۱ھ حضرت سید شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بن جنگی دوست صوفی کامل صاحب غنیۃ الطالبین و فتوح الغیب و الفتح الربانی وغیرہ نے ۸ ربیع الاول یا ۱۷ ربیع الآخر بروز شنبہ یا دوشنبہ میں وفات پائی۔ اور باب الازج میں مدفون ہوئے (کل عمر ۹۰ یا ۹۱ سال)

۵۶۲ھ سلطان نور الدین زنگی رح امیر اسد الدین شیرکوہ کو بھیجا دو مہینے مصر کا محاصرہ کئے رکھا۔ عبیدی فاطمی کی طرف سے مقرر شدہ والی مصر نے فرنگیوں سے مدد مانگی۔ لڑائی ہوئی۔ فرنگی تہ تیغ ہوئے امیر اسد الدین کو فتح ہوئی۔ اس نے صعید کا خراج معاف کر دیا۔ فرنگیوں نے سکندریہ کا قصد کیا۔ مگر علم ہوتے ہی امیر اسد الدین کے بھتیجے سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب ایوبی رح کا وہاں قبضہ ہو چکا تھا۔ فرنگی مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ بھاگ گئے۔ حرمین شریفین (مکہ مدینہ) جو مدت سے مصر کی جزو بنے رہے اور عبیدی فاطمی اسمٰعیلی رافضی باطنیوں کے قبضے میں تھے واگزار کرائے گئے

۵۶۴ھ فرنگی مصر کے شہر بلبیس پر قابض ہو گئے پھر قاہرہ کا محاصرہ کیا۔ مصر کا والی العاضد نے ڈر کر

قاہرہ میں آگ لگادی۔ سلطان نورالدین کو مدد کیلئے لکھا۔ صلاح الدین لشکر لے کر آیا فرنگی سن کر بھاگ گئے

۵۶۵ھ سلطنت غزنویہ کا آخری سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنویؒ دہلی آگرہ اودھ گجرات کاٹھیاواڑ وغیرہ فتح کرچکا

۵۶۷ھ ۱۰ محرم الحرام کو مصر میں دولت فاطمیہ کا خاتمہ ہوگیا ۳۴۶ھ تک ملک مصر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے زیر نگیں رہا۔ ادھر بغداد میں بھی روافض کا زور ٹوٹ گیا یمن برقہ توزر مصر اسوان سب خلیفہ عباسی کے تحت ہوگئے

۵۶۹ھ دجلہ وفرات میں طغیانی آئی جس کی وجہ سے بغداد غرق ہوا۔ زلزلہ بھی ہوئی۔ عبیدیین کا فتنہ پھر اٹھنا شروع ہوا۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کو بروقت اطلاع ہوگئی۔ انہوں نے مجرموں کو سولی پر چڑھایا۔

پیر صاحب کی گیارہویں

گیارہویں شریف کی رسم جس کو عوام نے فرض وواجب کی طرح سمجھ رکھا ہے بلکہ بہت سے لوگ جو نماز روزہ کے پاس نہیں جاتے بس گیارہویں شریف کو کافی سمجھتے ہیں یہ محض بدعت وناجائز ہے اگر کہا جائے کہ مقصود اس سے ایصال ثواب ہے تو تجربہ شاہد ہے کہ یہ خیال محض غلط ہے۔ کیونکہ اگر ایصال ثواب ہی مقصود ہے تو خاص گیارہویں تاریخ کو اس میں کیا دخل ہے۔ ثواب تو ہر وقت ہر تاریخ میں پہنچ سکتا ہے۔ دوسرے خاص حضرت غوث اعظمؒ ہی کی کیا تخصیص ہے۔ کبھی ایصال ان کو کیا جاتا اور کبھی دوسرے بزرگوں کو جو ان کے بھی بڑے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ جس شان اور جس درجے کے ولی کامل اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے تھے صحابہ کرامؓ ان سے بھی زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔ لیکن ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ کوئی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے گیارہویں یا بارہویں کرتا ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ محض ایک رسم ہوگئی جس کا اتباع جاہلانہ طور پر لوگ کرتے ہیں ورنہ ایصال ثواب غرض نہیں۔ اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ حضرت غوث اعظمؒ کو ایصال ثواب اس طرح کرے کہ اس میں بدعات شامل نہ ہوں تو بلاشبہ جائز و مستحسن ہے۔ بدعات شامل نہ ہونے کی

بہتر صورت یہ ہے کہ روپیہ نقد بالکل خفیہ طور پر غرباء و مساکین میں تقسیم کر کے ثواب پہنچائے کیونکہ نقد دینے میں زیادہ ثواب ہے اور خفیہ دینے میں بھی بہ نسبت علانیہ کے زیادہ ثواب ہے اور کھانا بھی کھلانا ہو تو بلا التزام تاریخ معین جب دست ہو تو کھلوائے اس میں مضائقہ نہیں۔ کذا فی العالمگیریۃ ج ۲ ص ۲۳۸) امداد المفتین ج ۵ ص ۱۳)

ہمارا مقصد یہ ہے کہ تاریخ بتاتی ہے کہ پیران پیر شیخ جیلانی بڑے عالم نیک بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ دین پڑھا۔ پڑھایا تبلیغ دین میں ساری زندگی گذار دی۔ لوگوں کو توحید کا سبق دیا۔ تزکیہ نفس پر زور دیا۔ شریعت کے متبع تھے۔ تکوینی امور میں ان کا کچھ دخل نہ تھا۔ مرنجان مرنج تھے کفر شرک بدعات و رسوم جاہلیہ کے خلاف وعظ کرتے رہے کتابیں لکھتے رہے۔ مگر خدائی اختیارات کے مالک نہ تھے؛ مگر باوجود اس کے بریلوی مولوی احمد رضا خان الملفوظ ص ۱۰۳ میں لکھتے ہیں: بغیر غوث کے آسمان و زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے حالانکہ خدا پاک نے فرمایا ان اللہ یمسک السموٰت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ یعنی صرف اللہ ہی تو ہے جس اکیلے نے آسمانوں اور زمین کو اپنی جگہ سے ٹلنے سے روک رکھا ہے۔ اگر یہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو اللہ کے سوا اور کون تھامنے والا ہے۔

اب آپ لوگ کس قدر قرآن مجید کی مخالفت کرنے والے کے بارے کیا نظریہ ہے

مصنف گلزار رضوی فرماتے ہیں

سجادہ پاک ارض محترم ۔۔۔ پڑ گئی نجدی کے پالے غوث پاک
کیسے کیسے ظلم اس ملعون نے ۔۔۔ خلق پر توڑے ہیں والے غوث پاک
کیا مشیت ہے فنا ہوتا نہیں ۔۔۔ کیسے ڈوبے اس بنے والے غوث پاک
جور کو ابدال تم نے کر دیا ۔۔۔ ہر زوالے را کمالے غوث پاک
نامرادوں کو مرادیں دیجئے ۔۔۔ کر رہے ہیں آہ و نالے غوث پاک
دستگیرا عیب پوش بندگاں ۔۔۔ بندہ در کو بچالے غوث پاک
حرم کی زمین اور نجدی کا قبضہ ۔۔۔ ستم ہے ستم ہے تم غوث اعظم

مسلمانوں کے انحطاط کا دور تھا اور بغداد میں جو عراق کا دارالخلافہ تھا وہاں روافض کا زور تھا۔ جو تیسری صدی ہجری سے شروع ہوا اور حضرت شیخ کی زندگی میں مسلسل فتنہ اور فساد رہا اہل فرنگ بھی مسلمانوں کے شہروں پر حملے اور قبضے کرتے رہے نیز اس دور میں دولت عباسیہ میں نابالغ بچے گود میں لیکر تخت خلافت پر بیٹھائے گئے جن کے مشیر بقول ان کے ان کی مائیں اور بہنیں ہوتیں اور وزارت عظمیٰ پر شیعہ رہنماؤں کا قبضہ رہا اور ملک مصر میں تو بڑے زور سے دولت عبیدیہ ۲۹۶ھ سے قائم ہوئی جو ۵۶۷ھ تک رہی اور اس دور میں اذان میں حی علی خیر العمل کا اضافہ کیا گیا۔ اللہ جانے اس دور میں کیا کچھ اودھم مچا رہا اس وقت اس فتنہ کا انسداد تمام امور سے اہم امر تھا۔ اتنا تو مسلم ہے کہ آپ نے شیعوں کے خلاف تحریری کام کیا اور وعظ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ مگر جیسے عوام میں مشہور ہے کہ خدائی اختیارات بھی ان کے قبضے میں تھے اور مجلس وعظ میں بیٹھے بیٹھے دریا میں ڈوبتی ناؤ کو کنارے لگا دیا لڑکی کو دیکھا تو لڑکا بن گیا اور بارہ سال کی ڈوبی کشتی کو زندہ نکال دیا۔ اور حضرت عزرائیل کے ہاتھ سے زنبیل چھین لی۔ اور مردے دوبارہ زندہ ہو گئے۔ یہ زیادہ اہم امور تھے یا کہ مذہبی فتنہ کو مٹانا زیادہ اہم اور بہت ضروری کام تھا؟

اور اگر یہ ڈھکوسلے جو حضرت شیخ کی طرف منسوب ہیں سچے مان لیے جائیں تو اس کا نتیجہ کچھ الٹ ہی نکلتا نظر آتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت شیخ ان پیدا شدہ فتنوں پر دل سے معاذ اللہ خوش تھے جب ہی تو خدائی اختیارات جو معاذ اللہ ان کے بس میں تھے ان کو استعمال

....

رافضیوں کا زور ٹوٹ گیا اور سعادت عظمی نصیب ہوئی اور شام کے اکثر فرنگی مقبوضہ علاقے فتح کیے گئے اور بیت المقدس جس پر فرنگیوں کا ۹۱ سالہ قبضہ تھا فتح ہو گیا اور بیت المقدس کے پاس کنیسے مسمار کر کے مدرسہ شافعیہ قائم کیا الحمد للہ رب العلمین ہمارا عقیدہ ہے۔

للہ ملک السموت والارض وما فیھن وھو علی کل شئی قدیر۔

ردِ غیر مقلدیت پر حضرت نیلویؒ کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ



المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد پنجم

ردِ غیر مقلدیت

- اعدل الکلام
- فتح الرحمٰن فی قیام رمضان
- کیا عورت امام بن کر صلوٰۃ التسبیح پڑھا سکتی ہے؟
- فضل المعبود
- الرأی الصائب فی حکم الصلوٰۃ علی الغائب

شیخ التفسیر والحدیث مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ اشاعۃ العلوم

بسم الله الرحمن الرحيم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

[illegible]

ردِ غیر مقلدیت پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دھلی ہندوستان

جلد پنجم

ردِ غیر مقلدیت

- اعدل الکلام
- فتح الرحمٰن فی قیام رمضان
- کیا عورت امام بن کر صلوٰۃ التسبیح پڑھا سکتی ہے؟
- فضل المعبود
- الرأی الصائب فی حکم الصلوٰۃ علی الغائب

تلمیذ رشید
مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

و تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز
امام اہل السنت رئیس المفسرین الشیخ علامہ
حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

اعدل الکلام فی حکم الفاتحۃ خلف الامام

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اجمالی فہرست

جلد پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

محترم قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اس مرتبہ ہم **"اعدل الکلام فی حکم الفاتحۃ خلف الامام"** کے نام سے ایک ایسا اہم مضمون شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس کی ضرورت ہمارے قارئین کے ساتھ ساتھ دوسرے حضرات بھی محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ کچھ عرصہ سے ملک بھر میں ایک مخصوص جماعت کی طرف سے نہایت تیزی کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ باجماعت نماز پڑھتے ہوئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی نماز ہوتی ہی نہیں۔ گویا جس شخص کی کبھی تکبیر تحریمہ بھی فوت نہ ہوئی ہو اس کا شمار بھی بے نمازوں میں کیا جا رہا ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر کوئی تحقیقی مضمون شائع کیا جائے۔ تاکہ بہت سے حضرات جو اس مخالف پروپیگنڈے کے زیرِ اثر پریشان ہیں ان کی پریشانی کا مداوا ہو سکے۔

یاد رہے کہ اسی موضوع پر حضرت علامہ نیلوی مدظلہ العالی کا ایک فتویٰ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں بھی شائع کیا گیا تھا۔ اور اس مضمون میں بھی دراصل اسی فتویٰ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اور اس موضوع پر مزید جن امور کی ضرورت محسوس کی گئی اسے اس میں شامل کیا گیا ہے۔ گویا اصلاح و اضافہ اور نظرِ ثانی کے بعد وہی فتویٰ دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ع

گر قبول افتد زہے عزو شرف

والسلام

سید حسن وسطی

شہری مسجد بلاک اے سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا — ایڈیٹر ماہنامہ گلستانِ ...

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین○ اما بعد:

○ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو اور وہ امام کی فاتحہ پر اکتفاء کرتے ہوئے خود فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس بارے میں سو سے زیادہ روایات ہیں۔ جبکہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کے پاس صرف ایک حدیث ہے۔ حالانکہ ان کا یہ کہنا درست نہیں۔

○ باجماعت نماز پڑھتے وقت فاتحہ خلف الامام سے متعلق مسئلہ کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لینی چاہییں:

○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں زبانی تعلیم ہوتی تھی۔ کتابی صورت نہیں تھی۔ کتابی صورت میں صرف قرآن مجید کو جمع کر لیا گیا تھا، لیکن اس کی تشریح و تفسیر کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ جو ہر پیش آمدہ مسئلہ کا جواب اول تو قرآن مجید میں تلاش فرماتے تھے، اور اگر انھیں وہ مسئلہ قرآن مجید میں نہ ملتا تو پھر اس بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل، یا آپ کے فرمان کی روشنی میں اس مسئلے کا حل تلاش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تھا تو وہ لوگ حضرات صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع فرماتے اور صحابہ کرامؓ اس بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا عمل پیش فرما کر وہ مسئلہ سمجھا دیا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ کے بیان کیے ہوئے انہی اقوال کو حدیث کہتے ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ہو۔

○ جب کسی صحابیؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اس بارے میں جو حدیث بیان کرتے تو اول سے آخر تک مکمل تقریر نہیں کرتے تھے کہ اس کا یاد رکھنا ہی مشکل ہو جائے، بلکہ موقع

محل کو دیکھ کر جس امر کی اشد ضرورت سمجھتے تھے وہ بیان فرمادیتے تھے، پھر شاگردوں (تابعینؒ) نے اس موقع پر جتنا سنا اسی قدر آگے بیان کر دیتے تھے۔ مثلاً:

❶ نماز کا بیان ہی لے لیجیے۔ کسی صحابیؓ نے نماز پڑھنے کا پورا طریقہ ایک وقت میں اس طرح بیان نہیں فرمایا کہ:

نمــــاز پڑھنے کا طریقہ

① سب سے پہلے نیت کریں،

② پھر قبلہ رُخ کھڑے ہوں، اور پاؤں کی انگلیاں سیدھی قبلہ رُخ رکھیں،

③ پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائیں اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں سیدھی قبلہ کی طرف رکھیں،

④ پھر تکبیرِ تحریمہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ① ہاتھ نیچے کھلے چھوڑ کر سیدھے کھڑے ہوجائیں، ② یا ہاتھ سینے پر باندھیں، ③ یا ناف سے اوپر، ④ یا ناف سے نیچے اس طرح باندھیں کہ ⑤ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ہو، ⑥ اور اپنی نظر سجدے کی جگہ پر رکھیں،

⑤ پھر سبحنك اللهم ۔۔۔ [آخر] بلند یا پست آواز سے پڑھیں،

⑥ پھر تعوذ اور تسمیہ بلند یا پست آواز سے پڑھ کر ① سورۃِ فاتحہ بلند یا پست آواز سے پڑھیں، ② پھر آمین بلند کہیں یا پست،

⑦ پھر کوئی لمبی یا چھوٹی سورت بلند یا پست آواز سے پڑھیں،

⑧ پھر ہاتھ اٹھا کر یا بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جائیں، ① رکوع کی حالت میں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھیں، ② کمر بھی سیدھی رہے، ③ سر کو زیادہ نہ جھکائیں، ④ پھر بلند یا پست آواز سے تین، پانچ یا سات بار تسبیح پڑھیں،

⑨ رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے یا بغیر ہاتھ اٹھائے سمع الله لمن حمده کہے۔ اور اس کے بعد ① ربنا ولك الحمد یا: ② ربنا لك الحمد یا: ③ اللهم ربنا ولك الحمد یا: ④ اللهم ربنا ولك الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه بلند یا پست آواز سے کہے۔

(۱۰) پھر ہاتھ اٹھا کر یا بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہتے ہوئے سجدے میں اس طرح جائے کہ :
(۱) پہلے زمین پر گھٹنے رکھے۔ (۲) پھر ہاتھ۔ (۳) پھر ناک۔ (۴) پھر پیشانی
(۵) اور پاؤں ملا کر پاؤں کی انگلیاں زمین پر رکھے (۶) اور ران سے پیٹ کو اور پہلو سے بازوؤں کو دور رکھے۔ (۷) پھر بلند یا پست آواز سے تین یا پانچ یا سات بار تسبیحات پڑھے۔

(۱۱) پھر ہاتھ اٹھا کر یا بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہتا ہوا سجدے سے اٹھ کر اس طرح بیٹھے کہ :
(۱) بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے (۲) اور دایاں پاؤں انگلیوں کے بل کھڑا رکھے۔ (۳) پھر اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی واجبرنی وارفعنی سارا یا بعض پڑھے۔

(۱۲) پھر ہاتھ اٹھا کر یا ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدے میں چلا جائے۔ اور پہلے سجدے کی طرح دوسرا سجدہ بھی کرے۔

(۱۳) پھر دوسرے سجدے سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

(۱۴) پھر قعدۂ استراحت کرے۔ یا اس کے بغیر سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور دوسری رکعت، پھر تیسری اور چوتھی رکعت ادا کرے۔

بہرحال کسی صحابیؓ سے ایسی کوئی حدیث مروی نہیں جس میں ساری نماز کا مسلسل بیان ہو۔ البتہ موقع محل کے مطابق جس قدر ضرورت ہوتی یا موضوعِ گفتگو کا جو تقاضا ہوتا اس قدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے شاگرد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے سامنے بیان فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ :

○ کتبِ احادیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک صحابیؓ اگر کسی واقعہ کے ایک حصے کا بیان فرماتے ہیں تو دوسرے صحابیؓ کے قول سے اس واقعہ کا دوسرا حصہ بھی سامنے آتا ہے۔ مثلاً :

○ سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے صحیح سند کے ساتھ صرف لا نکاح الا بولی کے الفاظ مروی ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ کیونکہ

اس وقت یہی مسئلہ درپیش تھا' اس لیے ان دونوں بزرگوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ ذی شان سے یہ حصہ بیان فرمادیا۔

○ لیکن دوسرے موقع پر سیدنا عمران بن حصینؓ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا: لانکاح الا بولی وشاھدی عدل کہ ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا' ان ہستیوں نے یہ بات اس لیے بیان فرمائی کہ اس وقت یہی مسئلہ درپیش تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک دو عادل گواہوں کے بغیر محض ولی کی اجازت سے ہی نکاح ہو جاتا ہے۔

❷ بسااوقات بظاہر حکم عام ہوتا ہے مگر دوسری حدیثوں یا قرائن سے اس حکم کی تخصیص کرنی پڑتی ہے' جیسے:

○ امامنافی الدین سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ لا یقبل صلوۃ احدکم اذا احدث حتی یتوضأ (بخاری صفحہ ۲۵) کہ بے وضو آدمی کی نماز اللہ تعالیٰ اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک کہ وہ آدمی وضو نہ کرلے۔ اس ارشادِ نبویؐ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان معذور اور غیر معذور سب کے لیے یکساں ہے۔

○ لیکن کوئی ایسا شخص جسے پانی دستیاب نہ ہو' یا وہ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو وہ اس حدیث کو دیکھ کر کہ جب بغیر وضو کے نماز قابلِ قبول ہی نہیں تو پھر وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بھی وضو کے لیے پانی کا استعمال کرنے کی کوشش ضرور کرے گا' اور جب تک اسے پانی کے استعمال پر قدرت حاصل نہ ہوگی تب تک وہ مضطرب اور بے چین رہے گا' لیکن جب اسے یہ بتادیا جائے گا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ ذی شان معذور شخص کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تو پانی کے استعمال پر قدرت رکھنے والے غیر معذور شخص کے لیے ہے' اور معذور شخص تو حکمِ الٰہی سے نماز کے لیے تیمم بھی کر سکتا ہے' جیسا کہ دوسری احادیثِ مبارکہ سے بھی معلوم ہوتا ہے'

- اسی طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت حضرمیؒ نے دریافت کیا کہ آدمی کس چیز سے بے وضو ہوتا ہے، یا وضو کس چیز سے ٹوٹتا ہے، تو اس کے جواب میں سیدنا ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ : آواز کے ساتھ یا بغیر آواز کے ذریعے خارج ہونے والی ہوا سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وضو توڑنے والی چیز صرف گوز ہی ہے، حالانکہ نواقضِ وضو اور بھی بہت ہیں، جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن کسی صحابیؓ نے بھی نواقضِ وضو کی فہرست بنا کر ایک ساتھ ہی بیان نہیں فرمائی۔ کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ بے موقع بات نہیں کرتے تھے اور جہاں موقع ہوتا وہاں اسی قدر بیان فرماتے جتنی ضرورت ہوتی تھی۔ مثلاً :

- خلیفۂ رابع امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : مذی نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔
- سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ : ایسی نیند سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے جو لیٹنے یا کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگانے سے آئی ہو۔
- اسی طرح پیشاب اور پاخانہ سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے۔
- علیٰ ہٰذا القیاس وضو توڑنے والی چیزوں کا ذکر الگ الگ تو احادیث میں آتا ہے لیکن تمام نواقضِ وضو کا بیان کسی ایک روایت میں یکجا کہیں نہیں ملتا۔ بعد میں حضرات فقہاءِ کرامؒ نے تمام احادیثِ مبارکہ کو سامنے رکھتے ہوئے فہرست کی صورت میں تمام نواقضِ وضو جمع کر کے ہماری سہولت کے لیے یک جا تحریر فرما دیے۔

(٣) اسی طرح ہم لوگ کلمۂ طیبہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے ہیں۔ اور اس کا معنیٰ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کلمہ میں "لا" نفی جنس کا ہے، اس لیے اس "لا" میں نوری، ناری اور خاکی وغیرہ تمام مخلوق کی عبادت کی نفی ہو گئی کہ کوئی مخلوق بھی عبادت کے لائق نہیں۔ لیکن یہ قاعدہ ہر جگہ

جاری نہیں ہوتا۔ کیونکہ بے شمار ایسے مقامات ہیں جہاں "لا" سے مطلق شے کی نفی نہیں بلکہ کمال کی نفی ہوتی ہے۔ مثلاً:

① سیدنا انس بن مالکؓ سے مرفوعاً روایت ہے: لا ایمان لمن لا امانۃ لہ اس کا معنی یہ نہیں کہ جس شخص نے امانت میں ذرا سی بھی خیانت کی تو بس وہ خارج از ایمان، اور کافر و مرتد ہوگیا، جبکہ مرتد واجب القتل ہوتا ہے۔ بلکہ اس حدیثِ مبارک کا معنی یہ ہے کہ: خائن کا ایمان ناقص اور ادھورا ہے۔

② اسی طرح لا دین لمن لا عہد لہ اس کے معنے بھی یہ نہیں کہ عہد شکنی کا ارتکاب کرنے والے شخص کا ایمان بالکلیہ سلب ہوگیا اور وہ کافر و مرتد اور واجب القتل ہوگیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ: عہد شکن ناقص الایمان ہے۔ البتہ خیانت اور عہد شکنی گناہِ کبیرہ ہیں، اور جو شخص کسی ایک گناہِ کبیرہ کو بھی گناہ نہ سمجھے وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔

آمدم بر سرِ مطلب

○ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہدِ مبارک کا واقعہ ہے کہ کسی مجلس میں یہ بحث چل پڑی کہ جب قیام کی طرح رکوع و سجود بھی فرض ہیں تو اس میں بجائے تسبیحات کے قرآن مجید کی تلاوت ہی کر لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

○ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے رکوع میں قرآن مجید پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔ (ترمذی صفحہ ۴۴)

فائدہ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۸۷ میں ہے: نہانی رسول اللہ ان اقرأ راکعاً او ساجداً۔ (رواہ مسلم)

○ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (۷۳: ۲۰) کہ نماز کے دوران قرآن مجید میں سے جو حصہ تمہیں آسان معلوم ہو وہ پڑھا کرو۔ لیکن قرآن مجید میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ قراءۃ قرآن کا محل نماز میں کیا ہے۔ اس لیے:

قانون یہ ہے کہ: جو مسئلہ قرآن میں نہ ملے وہ احادیث میں تلاش کیا جائے۔

○ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کی حالت میں قراءۃ قرآن مجید سے منع فرمایا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نماز میں قراءۃ قرآن کا محل کیا ہے۔ قیام کی حالت، یا قعدہ میں۔ لیکن سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قراءۃ قرآن مجید کا محل قیام ہے۔ چنانچہ:

نماز میں قراءۃِ قرآن کا محل

○ امامنا فی الدین سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص (خلاد بن رافعؓ) مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خلاد نے نماز سے فارغ ہوکر بارگاہِ رسالت میں حاضری دی اور السلام علیکم کہا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور پھر سے نماز پڑھو۔ کیونکہ آپ کی نماز نہیں ہوئی۔ تو حضرت خلادؓ نے دوبارہ نماز پڑھی اور پھر آکر سلام پیش کیا۔ حضرتؐ نے پھر انھیں لوٹا دیا اور ایک بار پھر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح آپؐ نے انھیں تین بار نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد انھوں نے عرض کی:

○ یارسول اللہ! میں تو اس سے بہتر نماز نہیں جانتا، اس لیے آپؐ مجھے نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ بتلائیں۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوں تو پہلے اللہ اکبر کہیں، پھر قرآن مجید میں سے جونسا حصہ آسان لگے وہ پڑھیں اور پھر رکوع کریں۔ الخ (بخاری صفحہ ۱۰۵و۱۰۹ و ابوداؤد صفحہ ۱۳۱)

○ اس حدیثِ مبارک سے نماز میں قرآن مجید پڑھنے کا موقع محل تو معلوم ہو گیا کہ رکوع سے پہلے قیام کی حالت میں قرآن مجید کی قرات کرنا فرض ہے۔ نیز یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہورہی ہے کہ: نماز کی حالت میں دورانِ قیام مطلق قرآن مجید کی تلاوت ضروری ہے، جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

○ نیز اس حدیثِ مبارک سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ: حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا یہ طریقہ اس شخص کو بتایا جو اکیلے بغیر جماعت کے نماز پڑھ رہا تھا، اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ کیونکہ : آداب قرآن میں سے ایک اہم امر یہ بھی ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جا رہا ہو اس وقت خاموشی سے قرآن مجید سنا جائے۔ جیسا کہ :

○ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے : اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف - ۷ : ۲۰۴) کہ جب قرآن مجید کی قرأت ہو رہی ہو تو اگر تمہیں آواز آ رہی ہو، یعنی قرأت بالجہر ہو رہی ہو تب تو کان لگا کر غور سے سنو، اور اگر تمہیں قرأتِ قرآن کی آواز سنائی نہ دے رہی ہو، یعنی مخافتۃً قرأت ہو رہی ہو۔ یعنی امام پست آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو۔ جیسا کہ سری نمازوں یعنی ظہر و عصر میں ہوتی ہے، یا قرأت تو بالجہر ہی ہو لیکن تم لوگ امام یا قاری سے دُور ہونے کی وجہ سے قرأت سننے پر قادر نہ ہو تب بھی تم ضرور خاموش رہا کرو۔ تاکہ تم لوگوں پر رحم کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ میں تحریر فرمایا ہے۔

○ تفسیر قرطبی جلد ۷ صفحہ ۳۵۴ میں ہے کہ اس بات پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ (مذکورہ بالا آیت میں) یہ حکم فرض اور غیر فرض نمازوں (تراویح وغیرہ) کے لیے ہے۔

○ سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ : یہ آیت مبارکہ قرأۃ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی۔ (حاشیہ مسند اعظم صفحہ ۶۵ بحوالہ تفسیر ابن مردویہ)

○ نیز کسی شخص نے سیدنا ابن مغفلؓ سے پوچھا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو تو کیا ہر سننے والے پر اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟۔ تو اس کے جواب میں سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ : نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ : دراصل یہ آیت مبارکہ نماز میں امام کی قرأت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرأت کر رہا ہو تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ اسے کان لگا کر سنیں اور خاموش رہیں۔ (در منثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۵)

- رأسُ المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ : یہ آیت مبارکہ فرض نمازوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۴)
- نیز آپؓ نے فرمایا کہ : جب حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قراءت شروع فرمائی تو ان کے پیچھے بعض لوگوں نے بھی قراءت شروع کردی، اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۴)
- سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ : یہ آیت مبارکہ قراءتِ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی تھی، اس لیے قراءتِ قرآن سننے کیلیے خاموش رہو جیسا کہ حکم ہوا ہے، اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ امام کی قراءت تم مقتدیوں کے لیے کافی ہے۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۵)
- امیرالمومنین سیدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ کے تلمیذِ رشید حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ : حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت نماز پڑھتے تھے تو بعض صحابہ کرامؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ قراءت شروع کردیتے تھے، تو اس وقت قرآن مجید کی یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۵)
- سیدنا عبداللہ بن عُمر اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے تلمیذِ رشید حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ : حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز میں قراءت فرمارہے تھے اور مقتدیوں میں سے ایک انصاری صحابیؓ نے بھی حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھنا شروع کردیا، تو اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۴ و مسند امام اعظم صفحہ ۶۵)
- حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ : حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءت فرماتے تھے تو آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے مقتدی بھی پڑھنا شروع کردیتے تھے، اس لیے یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۶۳۶)
- حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ : تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ نماز کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ (حاشیہ مسند اعظم صفحہ ۶۵ بحوالہ بیہقیؒ)

○ بہر حال یہ بات تو متفق علیہ اور محقق ہے کہ یہ آیت مبارکہ اذا قرئ القران فاستمعوا لہ نماز ہی کے بارے میں ہے۔

○ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جب امام قراءت کر رہا ہو تو اس وقت اس آیت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے نزدیک والے تو کان لگا کر قراءت سنیں اور جو لوگ امام سے دور ہوں وہ بھی خاموش رہیں اور خود قراءت نہ کریں۔

ایک معمہ

"فاقرءوا ما تیسر من القران"

کا مطلب صحابۂ کرامؓ نے کیا سمجھا؟

○ لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالٰی نے "فاقرءوا ما تیسر من القران" کا حکم بھی تو فرمایا ہے۔ جو کہ نماز ہی کے بارے میں ہے۔ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے اور وہ آیت کیا حکم دے رہی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ نے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زندگی گزاری تھی، اور انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست فیض حاصل کیا تھا۔ لہٰذا ان کے لیے ان آیات کا ظاہری تعارض اور اختلاف کسی قسم کی الجھن کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔ البتہ:

○ تابعینؒ کے لیے یہ بات ایک معمہ بن گئی اور ان کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ اگر ہم پہلی آیت مبارکہ اذا قرئ القران فاستمعوا لہ پر عمل کرتے ہوئے امام کے پیچھے خاموش کھڑے رہیں تو دوسری آیت "فاقرءوا ما تیسر من القران" پر عمل کس طرح ہو سکتا ہے۔ پھر اس معمے کو حل کرنے کے لیے تابعینؒ نے صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کیا تو صحابہ کرامؓ نے احادیث نبویؐ کے حوالے سے جس طرح یہ معمہ حل کیا، آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

اذا قرأ الامام فانصتوا

① سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ : جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو تو (وہ قراءت نہ کرے، کیونکہ) امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہو جاتی ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۶۱، طحاوی صفحہ ۱۲۸، مؤطا امام محمد صفحہ ۹۸ و ۹۹، مسند امام اعظم صفحہ ۶۱)

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ عالی شان سے معلوم ہوا کہ مقتدی گو کہ خاموشی کے ساتھ ہی کھڑا ہو تب بھی حُکماً وہ ایسا ہی ہے گویا وہ خود قراءت کر رہا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی مذکورہ بالا دونوں آیات مبارکہ پر عمل ہو گیا۔ یعنی امام کی قراءت تو حقیقی ہے جبکہ مقتدی کی قراءت کو حکمی کہا جائے گا۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی دونوں آیات مذکورہ کا باہم کوئی تعارض نہیں۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کا پڑھنا ہر نمازی پر فرض ہے۔ لیکن جب امام قراءت کر رہا ہو تو امام کی قراءت کو ہی مقتدی کی قراءت بھی سمجھا جائے گا۔ گویا کہ مقتدی بھی خاموش ہونے کے باوجود حکماً قراءت ہی کر رہا ہے۔ یعنی اُسے نماز میں قراءت کا پورا پورا ثواب مل رہا ہے۔ نیز :

(۲) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جس نماز میں سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز ناقص اور ادھوری ہے۔ لیکن جو نماز امام کے پیچھے پڑھی جائے گی وہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر ہی مکمل ہے۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۴)

(۳) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لیے امام کی قراءت ہی کافی ہے۔ (مؤطا امام محمد صفحہ ۹۸)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ امام کے پیچھے خاموش رہنے سے متعلق ارشاداتِ نبوی بیان کرنے میں سیدنا جابرؓ تنہا نہیں ہیں، بلکہ دیگر صحابۂ کرامؓ کے بیانات سے بھی ان کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ :

(۴) امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جب امام پڑھنا شروع کر دے تو تم خاموش ہو جایا کرو۔

(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۶)

۵) امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کے پوچھنے پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: امام کے پیچھے خاموشی کے ساتھ کھڑے رہا کرو۔ (دار قطنی صفحہ ۱۲۵)

۶) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص کا امام (قراءت کر رہا) ہو تو امام کا پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود مقتدی پڑھ رہا ہے۔ (دار قطنی صفحہ ۱۲۴)

۷) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب امام قراءت شروع کر دے تو تم خاموش ہو جایا کرو۔ (لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۲۴)

۸) نیز آپؓ نے فرمایا کہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ ایسا کرنے (یعنی امام کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنے) سے منع فرمایا۔ (طحاوی صفحہ ۱۲۸)

۹) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب امام قراءت شروع کر دے تو تم خاموش ہو جایا کرو۔ اور جب غیر المغضوب علیہم و لا الضالین کہے تو پھر تم آمین کہا کرو۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۸ و صفحہ ۲۰۱، نسائی صفحہ ۱۴۶، مُسلم صفحہ ۱۷۴، ابن ماجہ صفحہ ۶۱ باب اذا قرأ الامام فانصتوا، دار قطنی صفحہ ۱۲۵)

۱۰) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب امام قراءت شروع کر دے تو تم لوگ خاموش ہو جایا کرو۔ (مسند ابی عوانہ صفحہ ۱۳۳، مُسلم صفحہ ۱۷۴، دار قطنی صفحہ ۱۲۵)

۱۱) سیدنا عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قراءت ہی مُقتدی کی قراءت ہوگی۔ (مؤطا محمد صفحہ ۱۰۱)

۱۲) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ : تمھیں امام کی قراءت ہی کافی ہے، خواہ امام پست پڑھے یا اونچی آواز سے۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۶)

○ نیز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی تعلیم نبوی کے مطابق مستفتین کو فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں منقول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے فتوے

فتویٰ ۱ امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے کسی سائل کو فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا کہ تیرے لیے امام کی قراءت ہی کافی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

فتویٰ ۲ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے وہ فطرت پر نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ و دارقطنی صفحہ ۱۲۵)

فتویٰ ۳ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے آکر پوچھا کہ میں امام کے پیچھے قراءت کیا کروں یا نہ؟ تو آپؓ نے جواب دیا کہ تیرے لیے امام کی قراءت ہی کافی ہے۔ (موطا امام محمد صفحہ ۱۰۱ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

فتویٰ ۴ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو مشہور کاتب وحی ہیں، قراءت خلف الامام کے بارے میں فتویٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے کوئی قراءت نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

فتویٰ ۵ نیز آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے، خواہ امام اونچی آواز سے قراءت کر رہا ہو یا پست۔ (مسلم صفحہ ۲۱۵ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

فتویٰ ۶ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد حضرت ابو ہارونؒ نے قراءتِ خلف الامام کے بارے میں سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ تیری قراءت کے لیے امام ہی کافی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷)

فتویٰ ۷ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب دریافت کیا جاتا تو آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت ہی اس کے

لیے کافی ہے۔ (مؤطا امام مالک صفحہ ۲۹، مؤطا امام محمد صفحہ ۹۵ و ۹۸، طحاوی صفحہ ۱۲۹، فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۵)

فتویٰ ۸ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

فتویٰ ۹ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو مشہور جوشیلے صحابی ہیں، شاید بار بار کے سوالات اور سیدنا انس کے بقول حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمادینے کے باوجود قرأت خلف الامام سے باز نہ آنے والوں کے عمل سے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق غصے کے ساتھ یہاں تک فرمادیا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے مقتدی کے منہ میں چنگاری پڑے۔ (ایضاً جلد ۱ صفحہ ۳۷۶)

فتویٰ ۱۰ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب امام جماعت کرا رہا ہو تو ان کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔ یعنی مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (نسائی صفحہ ۱۴۶، طحاوی صفحہ ۱۲۷)

○ مفسر قرآن و مشہور تابعی حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ میرے اساتذۂ کرام میں سے دس صحابہ کرامؓ تو بہت سختی کے ساتھ قرأتِ خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مانعین فاتحہ خلف الامام کے اسمائے گرامی

① امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
② امیر المؤمنین سیدنا امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ
③ امیر المؤمنین سیدنا امام عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
④ امیر المؤمنین سیدنا امام علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
⑤ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
⑥ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
⑦ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

⑧ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

⑨ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

⑩ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

تنبیہ یاد رہے کہ ان دس صحابۂ کبار میں سے پانچ ہستیاں تو وہ ہیں. جنھیں ان کی زندگی میں ہی حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دے دی تھی، ان خوش قسمت ہستیوں کو عشرہ مبشرہ کے لقب سے پہچانا جاتا ہے اور باقی پانچ صحابۂ کرامؓ بھی مشہور مفسرِ قرآن ہوئے ہیں۔ اور حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بقول: یہ تمام جلیل القدر صحابۂ کرامؓ قرارت خلف الامام سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کرتے تھے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ بزرگ خود بھی امام کے پیچھے قرارتِ قرآن مجید نہیں فرماتے تھے، اور صرف امام کی قرارت پر ہی اکتفاء فرماتے تھے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات کا شمار بے نماز لوگوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ احناف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قرارتِ خلف الامام نہ کرنے کی وجہ سے ان کا شمار بے نمازوں میں ہوگا۔ نعوذ باللہ۔ حالانکہ نماز اسلام کا وہ اہم اور اولین حکم ہے۔ جس کے متعلق قیامت کے دن سب سے پہلے سوال کیا جائے گا۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسشِ نماز بود

○ اور جس شخص کی نماز ہی ادھوری ہو اس کے متعلق جنت کی بشارت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الصلوٰۃ عماد الدین من اقامها فقد اقام الدین ومن ترکها فقد هدم الدین کہ نماز دین کا ستون ہے۔ جس شخص نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کو سیدھا رکھا۔ اور جس نے نماز چھوڑ دی اس نے دین کو ڈھادیا۔ (غُنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی المعروف بہ کبیری لابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی تلمیذ علامہ ابن ہمام صفحہ ۱۰)

○ اور احناف کو فاتحہ خلف الامام کے بغیر مقتدی کی نماز ناقص ہونے کا طعنہ دینے

والوں کو یہ بھی ضرور سوچنا چاہیے کہ اس طعنہ کی زد میں مذکورِ بالا صحابہ کبار بھی آجاتے ہیں۔ اور ان ہستیوں کی نماز ناقص ہونے کے طعن سے شیعیت کی تائید ہوتی ہے۔ جو ان ہستیوں کو نعوذ باللہ سرے سے مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔

فرمانِ رسول ﴿لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ﴾ پر

سیدنا عبادۃ بن الصامت کے عمل سے متعلق مشہور حدیث

- یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جہاں مذکورِ بالا جلیل القدر صحابہ اُمّ فاتحہ خلف الامام سے منع فرماتے ہیں وہاں "السابقون الاولون" میں سے مشہور و جلیل القدر صحابی سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کی روشنی میں اس کے خلاف بیان کیا جاتا ہے۔
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی عہد میں مدینہ منورہ (یثرب) سے بیت اللہ شریف کے حج کی غرض سے تشریف لانے والے سرداروں میں سے ایک سردار سیدنا عبادۃ بن الصامت بن قیس خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے اپنے ہمسفر سرداروں کے ساتھ لیلۃ العقبہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سن کر اسلام قبول کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت فرما کر "السابقون الاولون" میں شامل ہونے کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی۔

نیز آپؓ کا نام ان پانچ جامعینِ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔ جنھیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمعِ قرآن کی عظیم ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

- پھر وفاتِ نبویؐ کے بعد امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آپؓ کو مبلغِ اسلام بنا کر شام بھیجا گیا تھا۔ آپؓ نے ۳۴ھ میں بعمر ۷۲ سال وفات پائی۔
- سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں امامت بھی کراتے تھے، ایک دن اتفاقاً فجر کی نماز پڑھانے کے لیے آپ ٹھیک وقت پر نہ پہنچ سکے تو لوگوں نے

حضرت ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ کو نماز پڑھانے کے لیے مصلے پر کھڑا کر دیا۔ پھر سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ بھی پہنچ گئے تو پچھلی صف میں کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت نافع (بن محمود بن ربیع) بھی ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے، جو کہ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے۔ کیونکہ:

- انھوں نے اپنے اساتذہ صحابہ کرامؓ سے یہی پڑھا تھا کہ امام کے پیچھے سری و جہری کسی نماز میں بھی قراءت نہ کی جائے۔ لیکن سیدنا عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فاتحہ پڑھنی شروع فرمادی، جس کی آواز حضرت نافعؒ نے سن لی۔ تو انھوں نے نماز کے بعد دریافت فرمایا کہ: آپ نے امام کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے سورۂ فاتحہ کس طرح پڑھ لی؟
- سیدنا عبادہؓ نے جواب دیا کہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" یعنی فاتحہ کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ (ابوداود صفحہ ۱۳۱)
- اس حدیث کے راوی حضرت نافعؒ ہیں۔ لیکن یہ نافعؒ کون ہیں؟ اس کے متعلق سطورِ ذیل میں بحث کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے راوی نافع کون ہیں؟

- اس حدیث کے راوی حضرت نافعؒ دراصل حضرت ابونعیم محمود بن ربیعؓ (ابن سراقہ بن عمرو بن زید بن عبدۃ بن عامر بن عدی بن کعب بن خزرج) کے بیٹے اور سیدنا عبادۃ بن الثابت رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں۔
- حضرت ابونعیم محمود بن ربیع کا شمار چھوٹے صحابہؓ یا کبار تابعینؒ میں ہوتا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ یعنی حضرت نافع کے والد ماجد کل چار سال کے تھے۔ اس طرح انھیں رؤیۃً صحابی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ نافع صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔ اور ہیں بھی مدلس۔
- اور حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کے نانا جان اور حضرت ابونعیم محمود بن ربیع انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ کے سسر، صحابیٔ رسولؐ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ

نے ۳۴ھ میں وفات پائی۔

○ ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نافع بن محمود بن ربیع نے جب اپنے نانا جان سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہوکر اپنے والد حضرت ابو نعیم کی اقتدار میں نمازِ فجر ادا فرمائی تھی اس وقت وہ تقریباً سات سالہ بچے تھے۔

○ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ عام طور پر کنیت بڑے بیٹے کے نام پر ہوتی ہے اور حضرت محمود بن ربیع کی کنیت "ابو نعیم" کے علاوہ "ابو محمد" بھی ملتی ہے۔ لیکن ان کی کنیت "ابو نافع" کہیں نہیں ملتی۔

○ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نافع سے بڑے ان کے دو بھائی اور بھی تھے۔ اور یہ واقعہ ۳۴ھ میں سیدنا عبادۃؓ کی وفات سے ممکن ہے چند سال پہلے کا ہو، جبکہ حضرت نافع اپنے والدین کے ساتھ یا ممکن ہے صرف اپنے والد حضرت ابو نعیم کے ساتھ اپنے نانا جان کو ملنے کے لیے مدینہ منورہ سے بیت المقدس تشریف لائے ہوں گے۔

○ نیز حکم ہے کہ سات سالہ بچے کو پیار سے نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ تو ظاہر ہے کہ حضرت نافعؒ نے سات سال سے پہلے مدینہ منورہ میں مدینہ منورہ کے علماء سے نماز کے احکام سیکھ لیے ہوں گے، جیسا کہ خیر القرون میں تمام مسلمانوں کا معمول تھا۔

○ حضرت نافع نے علماءِ مدینہ سے یہ مسئلہ بھی سن رکھا ہوگا کہ جماعت کی صورت میں امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے، مقتدی نہ تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور نہ ہی قرآن مجید کا کوئی اور حصہ۔ جیسا کہ مدینہ منورہ میں رہنے والے متعدد صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی مرفوع روایات اور فتاویٰ سے صاف ظاہر ہے جو قبل ازیں لکھے جا چکے ہیں۔

○ بہرحال جب حضرت نافع نے اپنے نانا جان سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا تو ان کو یہ بات انوکھی لگی، اور وہ اس کے بارے میں پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔ اور آپ نے دریافت فرمایا کہ نانا جان! امام کی اقتدار میں

آپ نے سورۂ فاتحہ کیوں پڑھی؟ تو معصوم نواسے کا یہ سوال سُن کر سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ حضرت نافع اس وقت بچے تو تھے ہی، پھر ادب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اپنے ناناجان کے سامنے خاموش ہوجاتے، اس لیے وہ خاموش ہو گئے۔

○ نیز یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اس حدیث کے راوی حضرت نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ محدثین میں شمار نہیں ہوتے۔ ان کا ذکر نہ تو امام بخاریؒ نے فرمایا، اور نہ ہی ابن ابی حاتمؒ نے۔ انھوں نے صرف یہی ایک روایت بیان کی ہے جو قراءتِ خلف الامام کے بارے میں سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اور حدیث یا تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ اور اگر اس کے علاوہ ان کی حدیث کوئی اور ہو بھی تو وہ معروف نہیں۔

○ حضرت امام ابنِ حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے انھیں ثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی حدیث مُعلّل ہے۔

○ حضرت نافعؒ نے جب یہ حدیثِ نبویؐ اپنے ناناجان سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے سُنی تو اس کا ذکر اپنے والد حضرت ابونعیم محمود بن ربیعؒ کے سامنے بھی کر دیا۔ لیکن اس بات کا ثبوت کہیں نہیں ملتا کہ حضرت نافعؒ یا حضرت ابونعیمؒ نے اس حدیث کو سننے کے بعد امام کے پیچھے خود بھی فاتحہ پڑھنی شروع کر دی ہو۔

○ حضرت ابونعیمؒ نے اس حدیثِ نبویؐ کا ذکر اپنے شاگرد حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ سے بھی کر دیا، لیکن حضرت زہریؒ کو انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے یہ حدیثِ مبارک اپنے بیٹے نافعؒ سے سُنی ہے اور میرے بیٹے نے اپنے نانا سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے سُن کر مجھے بتائی تھی۔

○ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے استاذ حضرت ابونعیمؒ سے یہ حدیث مبارک سُنی۔ لیکن اسے اپنا معمول نہیں بنایا۔ البتہ امام زہریؒ نے اپنے استاذ حضرت ابونعیمؒ کے حوالے سے اپنے شاگرد حضرت سفیان بن عیینہؒ کے سامنے یہ حدیث

نبویؐ بیان فرمائی، تو انھوں نے چونکہ دیگر کئی اساتذۂ کرام سے حدیث نبویؐ پڑھ رکی تھی، وہ فوراً سمجھ گئے کہ اس حدیث مبارک میں کس بات کا حکم ہے، چنانچہ:

○ آپنے فرمایا کہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یا لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً کا حکم مقتدی کے لیے نہیں، بلکہ مخصوص اس شخص کے لیے ہے جو تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور امام کی اقتداء نہ کر رہا ہو، جیسا کہ:

○ سُنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۶ میں ہے: قال سفیان (بن عیینہ) لمن یصلی وحدہٗ۔

وجوہِ توجیہ

حضرت امام سفیان بن عُیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس توجیہ کی دو وجوہ ہیں

وجہ ۱ حضرت سُفیان بن عُیینہ بچپن ہی سے تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے تھے، اور تمام اہلِ عراق اور اہلِ حجاز کی بیان کردہ احادیث کے جامع اور حافظ تھے۔ انھیں اپنے اس مجموعہ میں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جس میں حکم ہو کہ امام کے پیچھے مقتدی بھی فاتحہ پڑھا کرے، اسی لیے وہ خود بھی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا قرآن مجید کی کوئی دوسری آیات قیام کی حالت میں نہیں پڑھتے تھے۔

وجہ ۲ نیز قرآن مجید میں حکمِ الٰہی ہے: واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ اور سیدنا عبادہؓ کی مروی حدیث بظاہر قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے اصولی قاعدہ کے مطابق قرآن مجید کو اپنے حال پر چھوڑ کر خبر واحد میں ایسی توجیہ کی کہ قرآن اور حدیث دونوں پر برابر عمل رہے۔ کیونکہ "عام" میں تخصیص کرنا تو عموماً ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ کے نزول کا سبب کچھ بھی ہو اس کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے: العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔ کہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، سبب کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن مجید کے حکم عام کو اپنے عموم پر رکھا اور حدیث میں عام کو خاص کر دیا۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے کہ: "عام قطعی" کی تخصیص، خبر واحد بلکہ کسی ظنی کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے۔

تنبیہ یاد رہے کہ حضرت ابو نعیم محمود بن ربیع مدلس ہیں، اور انھوں نے یہ روایت "عن" کے ساتھ بیان کی ہے۔ اس لیے ان کی یہ روایت مقبول نہیں۔ کیونکہ:

قاعدہ یہ ہے کہ: مدلس کی روایت اگر "عن"، "عنہ" یا "قال" کے ساتھ آئے، اگرچہ وہ مدلس عادل بھی ہو، تب بھی مقبول نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ مدلس "سمعت" یا "حدثنا" نہ کہے۔ (نخبۃ الفکر صفحہ ۵۳)

○ اب چونکہ حضرت ابو نعیم محمود بن ربیع مدلس ہیں، اور ان کی یہ روایت صحاح ستہ کی تمام کتب میں "عن" کے ساتھ ہی آئی ہے اس لیے یہ حدیث مقبول نہیں۔ حوالہ کے لیے دیکھیے درجِ ذیل کتبِ صحاحِ ستہ:

① صحیح بخاری صفحہ ۱۰۴ ② صحیح مسلم صفحہ ۱۶۹ ③ جامع ترمذی صفحہ ۵۷ ④ سُنن نسائی صفحہ ۱۴۵ ⑤ سُنن ابن ماجہ صفحہ ۶۰ ⑥ سُنن ابی داوٗد صفحہ ۱۲۶ فیہ فصاعداً

○ اسی طرح دیگر کتبِ حدیث میں بھی یہ روایت "عن" کے ساتھ ہی آئی ہے۔ مثلاً:

① مسند دارمی صفحہ ۱۳۶ ② صحیح ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۱۴۰ ③ مسند ابی عوانہ صفحہ ۱۲۴ ④ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱ ⑤ سُنن دارقطنی صفحہ ۱۲۰ ⑥ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۳۲۸

○ اسی طرح حضرت امام زہریؒ بھی مدلس ہیں، اور یہ روایت انھوں نے بھی "عن" کے ساتھ ہی بیان کی ہے، گو کہ یہ عادل تو ہیں لیکن "عن" کی وجہ سے ان کی یہ روایت مقبول نہیں۔ البتہ:

○ حضرت امام محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ کے شاگرد رشید حضرت امام سُفیان بن عُیینہ گو کہ مدلس تو نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے یہ روایت "حدثنا" کہہ کر بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ انھوں نے یہ روایت براہِ راست حضرت امام زہریؒ سے سُنی ہے۔

○ اور چونکہ حضرت سُفیان بن عُیینہ تدلیس نہیں کرتے اس لیے اگر یہ "حدثنا" کی بجائے "عن"۔ "عنہ" یا "قال" کے ساتھ بھی کوئی

روایت بیان کریں تب بھی ان کی روایت مقبول ہوتی ہے۔

○ بہر حال حضرت سفیان بن عُیینہؒ نے جب یہ روایت سُنی جو دراصل حضرت نافع بن محمود بن ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے اور دو مدلس راویوں کے واسطے سے ان تک پہنچی ہے، تو انہوں نے اس کا انکار نہیں کیا، بلکہ "لمن یصلی وحدہ" کے الفاظ سے اس حدیث کی مناسب توجیہ فرمادی۔ تاکہ اس حدیث پر بھی عمل ہوتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ "اذا قرأ فانصتوا" جیسی حدیثِ مشہور پر بھی عمل برقرار رہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکمِ قرآن بھی معمول بہ رہے۔

○ نیز اس حدیثِ مبارک کی یہ مناسب اور برمحل توجیہ کرنے میں حضرت سفیان بن عُیینہؒ ہی منفرد اور اکیلے نہیں ہیں، بلکہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس روایت کی یہی توجیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت امام احمد بن حنبل، ابوعبداللہ شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القراٰن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام. قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ (ترمذی صفحہ ۵۰) کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے آدمی کی نماز سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نہیں ہوتی۔

○ حضرت امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی یہ توجیہ نقل فرمانے کے بعد تحریر فرمایا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے دلیل میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا فرمان بیان فرمایا کہ آپؓ نے فرمایا تھا کہ: جو شخص ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ کے بغیر ایک رکعت بھی پڑھے گا تو ایسا ہوگا جیسے اس

نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ البتہ جس شخص نے امام کی اقتداء میں نماز شروع کر رکھی ہو تو بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے کے اس کی نماز ہو جاتی ہے۔

○ نیز حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالی نے یہ بھی فرمایا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں' انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے یہی مطلب سمجھا اور (بالواسطہ) ہمیں سمجھایا کہ : یہ فرمانِ نبوی مقتدی کے لیے نہیں بلکہ اکیلے نماز پڑھنے والے شخص کے لیے مخصوص ہے۔

مکحول کی روایت

○ سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ کی مذکورہ بالا روایت کے راوی حضرت نافع بن محمود بن ربیع اور ان کے والد کی روایات اور ان کی مناسب توجیہات ملاحظہ فرمانے کے بعد اس بات میں تو کوئی شک نہیں رہتا کہ : امام کے پیچھے قراءت کے معاملے میں سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ تمام صحابہ کرام اور مجتہدینؒ و محدثینؒ سے جداگانہ مسلک رکھتے ہیں' اور مذکورہ بالا توجیہات کے بعد اب اس روایت پر مزید کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم یہ بیان کرنا ابھی باقی ہے کہ سیدنا عبادہؓ سے روایت کرنے والے ایک اور بزرگ بھی ہیں' جن کا نام حضرت "مکحول" رحمۃ اللہ تعالی ہے۔

○ حضرت مکحولؒ کے والد کا نام شہراب بن شاذان بن شردوان بن یزدک بن یغوث بن کسریٰ تھا۔ ان کا تعلق کابل یا ہرات سے تھا۔ عہد صحابہؓ میں جب یہ علاقے فتح ہوئے تو اسلامی سپاہ کے ہاتھوں قید ہو کر دارِ اسلام میں آئے۔ پھر کسی امویہ یا ہذلیہ عورت کے غلام رہے' پھر آزاد کر دیے گئے۔ آپؒ نے متعدد بلادِ اسلام کا سفر کیا' دین سیکھا اور سکھایا۔ آپؒ کئی صحابہؓ کے حوالے سے حدیث بیان فرماتے تھے' لیکن انھوں نے صرف :

(۱) سیدنا واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۵ھ)

(۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (متوفی ۹۳ھ) اور

(۳) سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ یا سیدنا ابوہند رضی اللہ عنہ سے براہِ راست حدیثیں سنی ہیں۔ اور

ان تین صحابہؓ کے علاوہ اور کسی صحابیؓ سے براہِ راست علمِ حدیث حاصل نہیں کر سکے۔

○ انھوں نے صحابہؓ کے شاگردوں سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ آپؒ چونکہ عجمی تھے، اس لیے مخصوص عربی الفاظ کا تلفظ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً : "قل" کی بجائے "کل" کہتے تھے۔ اہلِ شام میں آپؒ بہت بڑے فقیہ تھے، حتی کہ امام زہریؒ سے بھی زیادہ فقیہ تھے۔ آپؒ پہلے تقدیر کے منکر تھے پھر تائب ہو گئے۔

○ حضرت مکحولؒ نے چونکہ مذکورہ بالا تین صحابہ کرامؓ کے علاوہ اور کسی صحابیؓ سے براہِ راست حدیث نہیں سُنی، اور اپنے استاذ کا نام بتلائے بغیر "عن" کے ساتھ صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں، اس لیے مدلس ہیں۔ نیز ان کی روایت کردہ زیرِ بحث حدیث متناً اور سنداً دونوں لحاظ سے مُضطرب بھی ہے۔ چنانچہ :

○ سطورِ ذیل میں اس روایت کی سند کے لحاظ سے اضطراب کی مختلف صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔

سند کے لحاظ سے اضطراب کی صورت

① کہیں آتا ہے : مکحول عن عبادۃ (دارقطنی صفحہ ۱۲۱، ابوداؤد صفحہ ۱۲۶)

② کہیں آتا ہے : مکحول عن نافع بن محمود عن عبادۃ (ابوداؤد صفحہ ۱۲۶)

③ کہیں آتا ہے : مکحول عن محمود بن ربیع عن عبادۃ (ترمذی صفحہ ۴۹، ابوداؤد صفحہ ۱۲۶، مُستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۶۴، دارقطنی صفحہ ۱۲۰)

④ کہیں آتا ہے : مکحول عن محمود بن ابی نعیم انہ سمع عبادۃ (مُستدرک صفحہ ۳۶۴، دارقطنی صفحہ ۱۲۱)

⑤ کہیں آتا ہے : مکحول عن نافع عن محمود عن عبادۃ (دارقطنی صفحہ ۱۲۱، و ابوداؤد صفحہ ۱۲۶)

⑥ کہیں آتا ہے : مکحول عن عبداللہ بن عمرو (ماردینی)

⑦ کہیں آتا ہے : مکحول عن رجاء بن حیوۃ عن عبداللہ عمرو (ماردینی)

⑧ کہیں آتا ہے : مكحول عن رجاء بن حيوة عن محمود موقوفا على عبادة (ماردینی)

○ اب آپ بنظرِ انصاف دیکھیں کہ حضرت مکحولؒ کہیں تو سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہیں، نافعؒ سے، کہیں محمود بن ربیعؒ سے کہیں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اور کہیں رجاء بن حیوةؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اسی کو سند کے لحاظ سے اضطراب کہا جاتا ہے۔ اور اس اضطرابِ شدید کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ:

① یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف، متصل ہے یا منقطع۔ بلکہ:

② یہ بھی معلوم کرنا مشکل ہے کہ سیدنا عبادہؓ نے یہ روایت حضرت نافعؒ کے سامنے بیان فرمائی تھی، جو اُن کے نواسے تھے، یا حضرت ابو نعیم محمود بن ربیعؒ کے سامنے بیان فرمائی جو اُن کے داماد تھے۔

③ اسی طرح یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ ابو نعیم محمود بن ربیعؒ کے علاوہ ان کے ہمعصر کوئی اور ابو نعیم بھی تھے جنھوں نے نماز پڑھائی، جیسا کہ مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۳۶۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمودؒ فرماتے ہیں کہ : میں سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

④ نیز یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا ہے یا سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا۔

⑤ نیز یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ عہدِ نبویؐ کا ہے یا وفاتِ نبویؐ کے بعد کا۔

⑥ نیز اس روایت کے راوی نافع مجہول ہیں اور ابو نعیم کی تعیین بھی نہیں ہو سکتی کہ یہ کون ہیں۔

○ اس لیے ایسی مضطرب حدیث کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی۔

متن کے لحاظ سے اضطراب کی صورت

① ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ معمول باجماعت نماز پڑھائی تو ان کے پیچھے بعض صحابہؓ نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا : هل تقرأون في الصلوة معي؟ کہ

میرے ساتھ نماز میں تم قراءت کرتے رہتے ہو؟ تو ہم نے عرض کیا نعم کہ یا حضرتؐ! ہم پڑھتے رہتے ہیں۔ اس پر حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: فلا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو۔

○ پھر فرمایا: فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا کیونکہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ (سُنن ابی داوٗد صفحہ ۱۲۶، ترمذی صفحہ ۴۹)

② اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلا تفعلوا الا بامّ القرآن سرًّا فی انفسکم کہ سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو، اور یہ بھی خاموشی سے دل میں پڑھا کرو۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۱، کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۱۱۲)

③ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلا یقرأن احد منکم شیئًا من القرآن اذا جھرت بالقراءۃ الا بامّ القرآن کہ جب میں اونچی آواز سے قراءت شروع کردوں تو تمھارے میں سے کوئی ایک شخص بھی سوائے ام القرآن کے قرآن مجید میں سے کوئی ایک لفظ بھی ہرگز ہرگز نہ پڑھا کرے۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۱)

④ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قرأ خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھنا ہی چاہے تو فاتحۃ الکتاب پڑھ لیا کرے۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

⑤ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب امام او غیر امام کہ امام ہو یا غیر امام یعنی اکیلا ہو یا مقتدی، سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۱۱۱)

⑥ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امّ القرآن عوض من غیرھا و لیس غیرھا منھا عوض کہ قرآن مجید کی آیات کے بدلے میں سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ کے عوض میں قرآن پاک کی دوسری آیات نہیں۔ (دارقطنی صفحہ ۱۲۲، باب وجوب قراءۃ ام الکتاب فی الصلوٰۃ وخلف الامام)

(۷) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فلا تقرأوا بشئ من القرآن اذا جهرت الابأم القرآن کہ جب میں بلند آواز سے پڑھنا شروع کردوں تو اس وقت ام القرآن کے سوا قرآن مجید میں سے بھی کچھ نہ پڑھا کرو۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۲۶ و مثلہ فی الدارقطنی صفحہ ۱۲۱)

(۸) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کہ فاتحۃ الکتاب پڑھے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ (بخاری صفحہ ۱۰۴)

(۹) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا صلوٰۃ الا بفاتحہ الکتاب وأیتین معھا کہ فاتحۃ الکتاب اور اس کے ساتھ دو آیتیں ملائے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۱۵)

(۱۰) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدا کہ فاتحۃ الکتاب اور پھر اس سے کچھ اوپر (دو چار آیتیں) پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۲۶)

○ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا روایات کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح یہ روایت سنداً مضطرب ہے اسی طرح متن کے لحاظ سے بھی یہ روایت شدید اضطراب کا شکار ہے۔ کیونکہ عام طور پر ایک واقعہ کو اگر کئی راوی بیان کرنے والے ہوں اور ہر راوی کا بیان مختلف ہو تو ایسی روایت کو مضطرب کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ ایک ہی موضوع پر ایک ہی راوی کے مختلف بیانات ہیں۔ یعنی اس روایت کو مضطرب ہونے میں ایسا کمال حاصل ہے جو کہیں اور ملنا مشکل ہے۔ لہٰذا یہ روایت کسی طرح بھی قابلِ عمل نہیں ہو سکتی۔

○ نیز اس حدیث کی ایک سند میں حضرت مکحولؒ نے استاذ کا نام محمود بن ربیع اور دادا استاذ کا نام ابو نعیم بتلایا ہے۔ یعنی سیدنا عبادۃؓ سے ابو نعیم نے سنا، اور ابو نعیم سے محمود بن ربیع نے سنا۔ حالانکہ اول تو ابو نعیم، حضرت محمود بن ربیع کی کنیت ہے، اور دوسرے یہ کہ اس دور میں ابو نعیم کسی دوسرے محدث کی کنیت ثابت نہیں، جو

ابو نعیم محمود بن ربیع کا استاذ ہو۔

○ البتہ تابعین میں تو ایک ابو نعیم ضرور ملتے ہیں، لیکن ان کا سماع سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ ابو نعیم جن کا نام وہب بن کیسانؒ ہے سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی وفات (۳۴ھ) کے بعد پیدا ہوئے ہیں، اور صغر سنی یعنی کم عمری کی وجہ سے بمشکل سیدنا ابوہریرہؓ کی زیارت سے مشرف ہوسکے ہیں، جن کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔ لیکن انھوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بھی نہیں پڑھی، البتہ:

(۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (متوفی ۶۸ھ)

(۲) سیدنا ابوسعید خدریؓ (متوفی ۶۵ھ)

(۳) سیدنا جابر بن عبداللہ (متوفی بعد از ۷۳ھ)

(۴) سیدنا عبداللہ بن زبیر (استشہد ۷۳ھ)

(۵) ربیب النبی سیدنا عمرو بن ابی سلمہؓ (متوفی ۸۳ھ)

سے انھوں نے دین سیکھا ہے۔

○ اور ۵۸ھ میں جب سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا ممکن ہے اس وقت حضرت وہب بن کیسان ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ تین چار سال سے بھی چھوٹے ہی ہوں گے۔ اسی لیے تو انھوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صرف زیارت فرمائی ہے، ان سے پڑھا نہیں۔ کیونکہ:

○ اس زمانے میں دستور یہی تھا کہ جب بچہ بولنے لگتا تو سب سے پہلے دین کی باتیں سکھائی جاتی تھیں، بلکہ بچہ پیدا ہونے کے بعد صحابۂ کرامؓ کی زیارت کرانے کو باعثِ سعادت سمجھا جاتا تھا، خواہ اس میں بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت ابھی پیدا نہ ہوئی ہو۔

○ ان شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت وہب بن کیسان ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ اور سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی ملاقات یا ان سے کچھ پڑھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان ابو نعیمؒ کی تو ولادت بھی سیدنا عبادہؓ کی وفات سے بیس بائیس

سال کے بعد ہی بن سکتی ہے، جبکہ آپؒ کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی۔ اور آپؒ کے مشہور شاگردانِ گرامی میں :

① حضرت عُبید اللہ بن عمرؒ (۷۰ھ ۔ ۱۴۵ھ یا ۱۴۷ھ)

② حضرت ہشام بن عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ (۶۱ھ ۔ ۱۴۶ھ)

③ حضرت محمد بن اسحاقؒ (۸۰ھ ۔ ۱۵۰ھ)

④ حضرت امام مالکؒ (۹۳ھ ۔ ۱۷۹ھ)

کے نام شامل ہیں، حضرت وہب بن کیسان ابو نعیمؒ کے شاگردوں میں حضرت محمود بن ربیع ابو نعیم تو رہے درکنار، مُطلق محمود بھی کسی کا نام نہیں ہوا۔

○ مذکورہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اس روایت کی سند اصل میں یہ تھی : مکحول عن محمود ابی نعیم لیکن کسی نامعلوم ناقل یا کاتب نے محمود اور ابی نعیم کے درمیان غلطی سے "عن" لکھ دیا۔ اور بعد کے علماء نے سمجھا کہ خود محمود بن ربیع نے اپنے استاذ کا نام ابو نعیم بتلایا ہے۔ اور پھر ان کے بعد آنے والے علماء نے ابو نعیم سے مراد محمود بن ربیعؓ کی بجائے وہب بن کیسانؒ لے لیا۔ حتی کہ حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح تحریر فرمادیا۔ چنانچہ :

○ المستدرک علی الصحیحین جلد ا صفحہ ۳۶۴ میں تحریر فرمایا ہے : وقد ادخل محمود بن الربیع بینه وبین عبادة وهب بن کیسان۔ کہ محمود بن ربیعؓ نے اپنے اور سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے درمیان وہب بن کیسانؒ کو داخل کیا ہے حالانکہ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔

○ اور حضرت علامہ ذہبیؒ نے حاشیہ میں اس کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے : ذکر المؤلف ان ابا نعیم هو وهب بن کیسان فاخطأ، وهب صغیر۔ کہ مؤلف (امام حاکمؒ) نے ابو نعیم کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ وہب بن کیسانؒ ہیں۔ سو اس میں (امام حاکمؒ کو) غلطی لگ گئی ہے۔ کیونکہ وہب تو چھوٹے ہیں۔

○ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت جسے محض ایک دو راویوں نے کئی

مختلف انداز سے بیان کر کے ناقابلِ عمل بنا دیا ہے۔

○ البتہ ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک دو بار یہ واقعہ ضرور پیش آیا ہے کہ بعض صحابہؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہوئے قراءت کی تھی اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بعد صحابہؓ سے اس بارے میں دریافت فرمایا کہ: تم میں سے میرے پیچھے قراءت کس نے کی تھی، تو بعض صحابہؓ کے اقرار پر حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبانِ معصوم سے جو الفاظ ارشاد فرمائے ان کے بارے تعیین نہیں کی جاسکتی کہ وہ الفاظ کیا تھے۔

○ چونکہ یہ واقعہ نماز کا ہے، اس لیے نماز میں موجود تقریباً تمام صحابہؓ کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ بعض لوگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہوئے قراءت کی تھی جس پر حضرت رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ پھر جب صحابہ کرامؓ نے اپنے شاگردوں کو یہ واقعہ سنایا تو اکثر صحابہؓ نے مختلف الفاظ بتلائے۔

○ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگردوں نے جب اپنے شاگردوں کے سامنے یہ واقعہ بیان فرمایا تو الفاظ کچھ اور بدل گئے، جیسا کہ اس واقعہ کے بارے میں دیگر روایات سے صاف ظاہر ہے۔ مثلاً:

دیگر روایات

(۱) سیدنا ابو قتادہ، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فلا تفعلوا الا بام القرآن کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر کچھ بھی نہ پڑھا کرو۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۰ و ۲۹۲) اس حدیث میں سری یا جہری نماز کا کوئی ذکر نہیں۔

(۲) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الامام یقرأ کہ امام جو پڑھتا ہے۔ یعنی جب امام پڑھتا ہے تو مقتدیوں کو پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ خاموش رہا کریں۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲)

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اقرأوا

بفاتحۃ الکتاب کہ سورۂ فاتحہ پڑھا کرو۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۰) یعنی خواہ امام سراً پڑھے یا جہراً سورۂ فاتحہ تو ہر حال میں پڑھا کرو۔

(۴) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک جہری نماز کے بعد) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اقول مالی انازع القران کہ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میری قرارت میں کش مکش ہو رہی ہے۔

○ سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد لوگ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے سے رک گئے۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۰)

○ لیکن سری نمازوں میں پھر بھی بعض لوگ امام کے پیچھے بدستور پڑھتے رہے۔ جیسا کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت فرمایا کرتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳)

(۵) امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے تو کسی شخص نے آپ کے پیچھے پڑھنا شروع کر دیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے میری ساتھ قرارت کی ہے، تو ایک شخص بولا: جی ہاں یارسول اللہ! میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھتا رہا ہوں۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انی اقول مالی انازع القرآن کہ تبھی تو میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے، میرے ساتھ قرارت میں کش مکش کیوں ہو رہی ہے۔ پھر فرمایا: اما یکفی احدکم قراءۃ امامہ کہ کیا تم میں سے کسی کو امام کی قرارت کافی نہیں؟

○ پھر فرمایا: انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا قرأ فانصتوا کہ امام تو ہوتا ہی اس لیے ہے کہ اس کی اتباع کی جائے، اس لیے جب امام قرارت کر رہا ہو تم خاموش ہو جایا کرو۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۶)

(۶) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا

عصر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد دریافت فرمایا کہ میرے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ کس نے پڑھی تھی۔ جب کسی نے جواب نہ دیا تو آپ ﷺ نے پھر یہی فرمایا، تین بار دریافت فرمانے کے بعد ایک شخص نے عرض کی کہ جی ہاں: یارسول اللہ! میں نے پڑھی ہے۔ تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے (تو کچھ نہ پڑھے کیونکہ) اس کی قرارت مقتدی ہی کی قرارت متصور ہوتی ہے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۷)

⑦ سیدنا عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: میری قرارت میں کش مکش ہورہی ہے تو یہ سن کر لوگ قرارت کرنے سے رک گئے تھے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲)

⑧ سیدنا ابوقلابہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: آئندہ ایسا نہ کیا کرو یعنی امام کے پیچھے نہ پڑھا کرو۔ بلکہ لیقرأ احدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه۔ یعنی تم (مقتدیوں) میں سے ہر شخص کو اپنے دل ہی دل میں فاتحۃ الکتاب پڑھ لینی چاہیے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳ و ۲۹۴)

قراءۃ فی نفسہ کا مفہوم

○ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے شاگرد حضرت ابوالسائب مولیٰ ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کو دورانِ تدریس یہ بتلا رہے تھے کہ: ام القرآن بڑی فضیلت والی سورت ہے۔ یہ سورت نماز میں ضرور پڑھا کرو۔ اور یہ کہ اس کے بغیر نماز ادھوری ہوتی ہے۔ اس پر حضرت ابوالسائبؒ نے دریافت فرمایا کہ: یا حضرتؓ! ہم لوگ بسا اوقات امام کی اقتدار میں نماز پڑھتے ہیں، تو کیا اس وقت بھی سورۂ فاتحہ پڑھ لینی چاہیے؟ حضرت ابوالسائبؒ کے دل میں یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ وہ امام کے پیچھے قرارت نہیں فرماتے تھے۔ اور جب اپنے استاذِ مکرم اور صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس بات سے اشکال پیدا ہوا تو ان

کی خدمت میں سوال پیش فرما دیا۔

- سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالسائبؒ کو جواب میں ارشاد فرمایا: اقرأبها في نفسك یا فارسی کہ اے فارسی! سورۂ فاتحہ کی قراءت زبان کے ساتھ پست آواز سے نہیں بلکہ زبان کو حرکت دیئے بغیر محض دل میں اس کا خیال کرلیا کرو، اور اس کے مضامین کو ذہن میں رکھا کرو۔

- اقرأبها في نفسك سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ امام کے پیچھے پست آواز سے زبان کے ساتھ قراءت کیا کرو۔ کیونکہ یہ معنے ایک طرف تو قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے مخالف ہوں گے، تو دوسری طرف حضرت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بھی خلاف جائیں گے جو خود ① سیدنا ابوہریرہؓ ② سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ ③ سیدنا ابوسعید خدریؓ ④ سیدنا جابر بن عبد اللہؓ وغیرہم سے مروی پہلے گزر چکا ہے کہ: حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اذا قرأ فانصتوا کہ جب امام پڑھنا شروع کردے تو تم (امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے) لوگ خاموش ہوجایا کرو۔

- اس لیے اقرأبها في نفسك یا فارسی سے یہ مراد لینا ہی زیادہ صحیح اور مناسب ہے کہ زبان کو حرکت دیئے بغیر محض دل میں قرآن مجید کے خلاصہ اور محور سورۂ فاتحہ کا تصور اور خیال کرلیا کرو۔ کیونکہ:

- زبان کے ساتھ پست آواز سے پڑھنے کو "قراءت في النفس" نہیں کہتے، بلکہ اسے "مخافتت" کہتے ہیں، جو ضد ہے "جہر" کی۔ (دیکھیے: تاج العروس جلد ا صفحہ ۵۴۲)

- نیز قرأ في نفسه یا قال في نفسه کا معنی ہے: دل میں خیال کرنا یا ذہن میں تصور کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ (۵۸: ۸) کہ اپنے جی میں یہ کہتے ہیں، اور اپنے دل میں خیال کرتے ہیں۔ (دیکھیے: مقامات حریری حاشیہ ۴ صفحہ ۱۸)

○ نیز اصطلاحِ منطق میں "قضیۂ ملفوظہ" اور "قضیۂ معقولہ" دونوں کو قول کہتے ہیں۔ (التعریفات صفحہ ۱۵۸)

○ معلوم ہوا کہ کلام دو قسم کی ہوتی ہے۔

کلام کی قسمیں

① "کلامِ لفظی" جو زبان سے بلند یا پست آواز کے ساتھ الفاظ ادا کرنے سے ہوتی ہے۔

② "کلامِ نفسی" وہ ہے جو دل میں متصور ہو۔

○ درحقیقت ہر کلام بنیادی طور پر "کلامِ نفسی" ہی ہوتی ہے، جو انسان کے دل میں ہوتی ہے اور جب اس کلام نفسی کو دوسرے پر ظاہر کرنا منظور ہو تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ① زبان کے ساتھ بولنے سے، ② لکھنے سے، ③ اشارہ کے ساتھ۔ جیسا کہ شرح شرح العقائد النسفیہ صفحہ ۲۱۴ میں وضاحت کی گئی ہے۔ نیز:

○ کلیات ابی البقاء صفحہ ۲۸۳ میں ہے کہ: "قول" اسے کہتے ہیں "جو دل میں متصور ہو"۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎:

ان الکلام لفی الفؤاد و انما

جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

○ یعنی اصل کلام تو ہوتی ہی وہ ہے جو دل میں ہو، اور یہ زبان تو دل کی بات کو دوسروں پر اس کلام کو ظاہر کرنے کا ایک آلہ ہے۔

○ نیز سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل یخفض طوراً و یرفع طوراً (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۶) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں کبھی تو پست آواز سے پڑھتے تھے اور کبھی بلند آواز سے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں کیا کہ زبان کو حرکت دیے بغیر محض دل میں قرآن مجید کا تصور فرما لیتے ہوں۔ جیسا کہ:

امام کے پیچھے قراءت کرنے والے کو آئندہ کیلیے امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع

فرماتے ہوئے خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ کہ تم سب سرًا یا مخافتۃً نہیں بلکہ زبان ہلائے بغیر محض دل میں ام الکتاب کے مضامین کی طرف دھیان رکھا کرو، یہی مقتدی کی قراءت ہے۔

○ بہر حال زبان سے پست آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کو "قراءت فی النفس" کہنا درست نہیں۔ اور "قراءت فی النفس" سے درحقیقت یہی مراد ہے کہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے والا جب امام کے پیچھے کھڑا ہو تو اس اثناء میں سورۂ فاتحہ کا تصور اپنے دل میں قائم کرے اور اس میں غور و تدبر کرتا رہے، ورنہ انسان کا ذہن ادھر اُدھر دنیا کے کاموں میں قلابازیاں کھاتا رہے گا، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہونگے کہ میرے دربار میں ہاتھ باندھے کھڑا ہے لیکن اسکا دل اور خیالات دنیا کے کاموں میں کہاں کہاں چکر لگا رہا ہے، اور یہ کیا سمجھتا ہے کہ میں علیم بذات الصدور نہیں ہوں۔ اس کی نماز کس طرح قبول ہوگی۔ اس لیے امام کی اقتداء میں نماز پڑھتے وقت دل میں سورۂ فاتحہ کا تصور کرنا بہت ہی اہم ہے۔ لیکن فرض نہیں۔

○ بعض علماء مالکیہ وغیرہم نے بھی یہی معنی مراد لیا ہے کہ یہاں قراءۃ سے قراءۃ لسانی مراد نہیں بلکہ قراءۃ نفسی مراد ہے۔ چنانچہ کلمہ فی نفسک اس معنے کی مؤید ہے۔

○ شرح موطا میں حضرت امام زرقانیؒ نے اور عمدۃ القاری میں حضرت علامہ عینیؒ نے یہی لکھا ہے: یحمل ذلک علی ان المراد تدبر ذلک وتفکرہ۔ یعنی سیدنا ابوہریرہؓ کے کلام کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ان کی مراد سورۂ فاتحہ میں تدبر و تفکر ہے۔

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا یہی مطلب اس لیے متعین کیا گیا ہے کہ آپؓ مسجد کے منذنہ پر مغرب کی اذان دیتے تھے تو منذنہ سے اتر کر صف تک پہنچنے میں کچھ دیر لگ جاتی تھی، تو امام مسجد والیٔ مدینہ حضرت مروانؒ کسی اور کو اقامت کا حکم دیتے تھے کہ آپ اقامت کہیں اور مؤذن کے آنے کی انتظار نہ کریں۔ کیونکہ مغرب کی نماز کا وقت بہت تھوڑا ہوتا ہے، اس لیے اس میں تاخیر ٹھیک نہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پہنچنے تک حضرت مروانؒ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دوسری

سورۃ پڑھنی شروع کر دیتے تھے۔ اس لیے سیدنا ابوہریرہؓ نے حضرت مروانؒ سے فرمایا: لا تفتنی بآمین کہ مجھے آمین میں تو شامل ہو لینے دیا کریں، تاکہ جمع مسلمین کی دعاؤں میں بھی شریک ہو جایا کروں۔ (دیکھیے صحیح بخاری صفحہ ۱۰۷)

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر سورۂ فاتحہ رہ جانے کا اس قدر افسوس نہیں فرمایا جتنا کہ آمین رہ جانے پر افسوس کا اظہار فرمایا۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک تھا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔

مفہوم حدیث

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وامثاله

○ ہم ابتداء میں لکھ چکے ہیں کہ عربی زبان میں لا نفی جنس کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔

① مطلق شے کی نفی ہو، جیسے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں "اللہ" کے سوا مطلق "الٰہ" کی نفی ہے۔

② "لا" سے مطلق شے کی بجائے اس کے کمال کی نفی ہوتی ہے۔

○ اور زیرِ بحث مسئلہ میں اگر پہلا مفہوم مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ: جو نماز بھی سورۂ فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے گی تو وہ نماز سرے سے ہوگی ہی نہیں۔ خواہ وہ نماز امام کے پیچھے پڑھے یا تنہا۔ یا جس نماز میں امام جہراً پڑھے یا سراً مخافتۃً، خواہ مقتدی نماز میں امام کے ساتھ رکوع میں ملا ہو یا سجدے میں۔

○ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ "لا" نفی کمال کے لیے ہے، تو اس صورت میں اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ: جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا، اس کی نماز تو ہو جائے گی مگر اس کی وہ نماز ادھوری نامکمل اور ناتمام ہوگی، بشرطیکہ وہ مقتدی نہ ہو، اور مقتدی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ امام کی قرارت ہی مقتدی کے لیے کافی ہے۔

○ اگرچہ بعض علماءِ کرامؒ و محدثینِ عظامؒ کے نزدیک پہلا مفہوم راجح ہے، تاہم حنفیہ

کے نزدیک پہلے کی نسبت دوسرا مفہوم راجح اور اولیٰ بالترجیح ہے۔ کیونکہ:

دُوسرے مفہوم کے اولیٰ بالترجیح ہونے کی وجہ

○ عہدِ نبویؐ اور بعد ازاں عہدِ صحابہؓ میں چند ایک (سیدنا عبادہؓ و سیدنا ابی بن کعبؓ وغیرہما) کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے پڑھنے کی بجائے خاموش کھڑے رہنے کے قائل تھے، جن میں سے بعض صحابہ کرامؓ تو قراءت خلف الامام سے نہایت سختی کے ساتھ منع بھی فرمایا کرتے تھے۔ لیکن صحابہ کرامؓ تابعینؒ، تبع تابعینؒ سلف صالحینؒ و ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی ایک نے بھی ان صحابہ کرامؓ کے بارے میں بے نماز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ اس بارے میں کوئی مناظرہ ہوا، اور نہ ہی کسی نے اس کی تشہیر کی۔

○ البتہ بعض علماء سری نمازوں میں تو فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے لیکن جہری نمازوں میں وہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے، جیسے حضرت امام زہریؒ اور حضرت امام مالکؒ، لیکن اس دور سے آج تک کسی عالم نے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کیوں نہیں پڑھتے تھے، اور نہ ہی کسی نے ان کے متعلق یہ فتویٰ دیا ہے کہ ان کی جہری نمازیں یعنی فجر، مغرب عشاء، جمعہ و عیدین وغیرہ ضائع اور برباد ہیں۔

○ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ جو کہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، انھوں نے کبھی اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے ہم مسلک کوئی علماء پر فتویٰ نہیں لگایا جو سری نمازوں میں بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے کہ ان کی سری و جہری کوئی نماز بھی نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ میں خود تو امام کے پیچھے پڑھتا ہوں مگر میری رائے یہ ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز بھی جائز اور صحیح ہے۔ (دیکھیے جامع ترمذی صفحہ ۵۰)

○ حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حدیثِ مبارک لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں اکیلے اور تنہا پڑھنے والے کو حکم ہے اور مقتدی کے

لیے یہ حکم نہیں ہے۔ البتہ میرا مختار مسلک یہی ہے کہ اگرچہ امام کے پیچھے ہی ہو تب بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا نہ چھوڑے۔ (جامع ترمذی صفحہ ۵۰)

○ یہاں یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے "لا صلوٰۃ" والی حدیث خوب یاد ہونے کے باوجود امام کے پیچھے سری و جہری نمازوں میں فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نمازوں کو باطل اور فاسد قرار نہیں دیا۔

○ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ حدیث مبارک "لا صلوٰۃ..." کی رو سے مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھے، خواہ امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری۔ مگر انھوں نے بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ یا امام حسن بن زیادؒ پر بے نماز ہونے یا ان کی نمازیں ناقص یا ادھوری ہونے کا فتویٰ نہیں لگایا۔ اور نہ ہی کبھی ان ہستیوں کو فاسق و فاجر کہا ہے۔ فافہم و تدبر و لا تکن من الجاھلین

فاسق کی تعریف سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے

○ مذکورہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سلف صالحینؒ کے دور میں لا صلوٰۃ... کا پہلا مفہوم ہرگز مراد نہ ہوتا تھا اور نہ ہی کسی نے یہ کہا ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے والوں کی نعوذ باللہ نماز ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ حنبلیوںؒ، شافعیوںؒ اور مالکیوںؒ میں سے بڑے بڑے علماء حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نام بڑے عزت و احترام سے لیتے ہیں، اور ان کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ کتب مالکیہ، شافعیہ و حنابلہ میں دیگر اصحاب مذہب کی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی صاحبِ مذہب کہا گیا ہے۔ اور ان کے مناقب میں مستقل کتابیں لکھنے والوں میں حضرت امام ذہبیؒ، علامہ ابن حجرؒ اور عبد الوہاب شعرانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام شامل ہیں۔

○ اور اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کی وجہ سے بے نماز اور فاسق تھے تو ان کی تعریف اور مناقب بیان کرنے سے بھی گریز کرنا چاہیے تھا۔

کیونکہ فاسق کی مدح کرنے سے اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوتے ہیں اور عرشِ معلّیٰ بھی کانپ جاتا ہے۔ جیسا کہ:

فرمانِ رسول ﷺ

○ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واھتزلہ العرش۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۴)

حدیثِ نبویؐ

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب

کی تشریح خود حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی زبانِ معصوم سے

○ لاصلوٰۃ... کے دوسرے مفہوم کو ترجیح دینے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبانِ معصوم سے اپنے کلام کی تشریح درج ذیل الفاظ میں فرمائی ہے:

حدیث من صلیٰ صلوٰۃ لم یقرأ فیھا بأم القرآن فھی خداج فھی خداج غیر تمام۔ یعنی جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت نہیں کرتا اس کی نماز ادھوری اور ناتمام ہے۔

○ لیکن آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز سرے سے ہوگی ہی نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ: جو شخص بغیر امام کے اکیلے نماز پڑھ رہا ہو اور نماز میں قرآن مجید کی دوسری آیاتِ مبارکہ پڑھ کر صرف فاقرأوا ما تیسر من القرآن کے حکمِ الٰہی پر عمل کرلے تو اس کی نماز ادا تو ہو جائے گی، لیکن نماز کو مکمل کرنے والی سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے اس کی نماز ادھوری اور نامکمل رہ جائے گی۔ اس لیے منفرد اور امام کو چاہیے کہ دورانِ نماز قیام کی حالت میں قرآن مجید کی دیگر آیات کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ بھی ضرور پڑھا کرے۔

○ یہ فرمانِ نبوی ﷺ تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور ائمۂ حدیث نے اپنی کتب میں نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ:

(۱) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مروی حدیث نبوی سُنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۶ و السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۸ و مسند امام احمد جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ و ۳۹۱ پر'

(۲) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی فرمانِ نبوی مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ و ۲۴۴ پر' اور:

(۳) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی فرمانِ رسول موطا امام مالک صفحہ ۲۹ ابوداؤد صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶ اور صحیح مسلم صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰ و سُنن نسائی صفحہ ۱۴۲ و سُنن ابن ماجہ صفحہ ۶۰ و ۶۱ و صحیح ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۳۷ و ۳۹ و السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۹ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱ و ۳۷۲ پر موجود ہے۔ اور مختلف سندوں سے مروی اس حدیث میں کوئی اضطراب وغیرہ بھی نہیں ہے۔

○ نیز "لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" یا "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" میں گو بظاہر حکم عام ہے مگر اس حکم سے مقتدی مستثنیٰ ہے' مقتدی اس حکم میں داخل نہیں۔ جیسا کہ:

○ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بے وضو آدمی جب تک وضو نہ کرلے اس وقت تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ((ترمذی صفحہ ۱۶))

○ گو بظاہر یہ حکم عام ہے مگر معذور اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ معذور کو تیمم کی اجازت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: لم تجدوا ماءً فتیمموا (۴: ۴۳)

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے حکم سے مقتدی کا استثناء

❶ اسی طرح لا صلوٰۃ کے حکم عام سے مقتدی کو خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے: "اذا قرأ فانصتوا" کا حکم دیا ہے۔ یعنی جب امام پڑھنا شروع کردے تو تم مقتدی خاموش ہو جایا کرو۔

ائمۂ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ فرمانِ رسول بھی اپنی کتب حدیث میں محفوظ فرما کر ہمیں ممنون فرمایا۔ مثلاً:

① امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۶،

② سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مروی روایت صحیح مسلم صفحہ ۱۷۴ و مسند ابی عوانہ صفحہ ۱۳۳ و سنن دار قطنی صفحہ ۱۲۵ میں۔

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ میں۔

④ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سنن نسائی صفحہ ۱۴۶ و صحیح مسلم صفحہ ۱۷۴ و سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و سنن دار قطنی صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶ و شرح معانی الآثار للطحاوی صفحہ ۱۲۸ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷ میں موجود ہے۔ نیز:

❷ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب حکم سے مقتدی کو مستثنیٰ کرنے کے لیے خود اپنی معصوم زبانِ مبارک سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ کہ جس نمازی کا امام ہو تو اس کے امام کا پڑھنا ہی اس مقتدی کا پڑھنا سمجھا جاتے گا۔

① سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و شرح معانی الآثار للطحاوی صفحہ ۱۷۸ میں موجود ہے۔ جبکہ:

② سیدنا عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث مبارک موطا امام محمد صفحہ ۱۰۰ میں موجود ہے۔ نیز:

❸ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا صلوۃ ۔۔۔ کے حکمِ عام سے خود مقتدی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: من صلی صلوۃ لا یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام (طحاوی صفحہ ۱۲۸ عن جابرؓ) کہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے علاوہ جو شخص نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اس نے گویا نماز پڑھی ہی نہیں۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاداتِ مبارکہ سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ہر نمازی کے لیے قرارت ضروری ہے سوائے اس کے جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو۔ کیونکہ امام کی قرارت ہی مقتدی کے لیے کافی ہے۔

○ اس لیے ہم لا صلوٰۃ ۔۔۔۔ کے دوسرے مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں۔

○

مُقتدی کو حُکمِ قراءۃ سے مُستثنیٰ کرنے کی حکمت

○ امام اور مقتدی کا باہم رابطہ، تعلق، یگانگت اور روحانی جوڑ ہوتا ہے جو ہر کسی کو محسوس نہیں ہوتا۔ اگر امام میں کوئی خرابی ہو تو اس سے مقتدی کی نماز متاثر ہوتی ہے۔ اور اگر مقتدی میں کوئی نقص ہو تو وہ امام کو متاثر کرتی ہے، لیکن اس کا احساس عام حالات میں نہ مقتدی کو ہوتا ہے نہ امام کو۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں کو بعض اوقات اس کا احساس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ:

○ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۂ روم پڑھ رہے تھے، اچانک آپ کو اشتباہ ہوا۔ آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ: لوگوں کا بھی کیا حال ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور ٹھیک طرح سے وضو بھی نہیں کرتے، جس کا اثر یہ ہوا کہ پڑھتے پڑھتے مجھے قراءت میں اشتباہ ہو گیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۹)

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر نماز پڑھنے والے کو فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کا حکم فرمایا۔ یہ حکم منفرد، امام اور مقتدی سب کے لیے عام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے نماز میں قرآن مجید پڑھنے پر خاص طور سے زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

① فی کل صلوۃ قراءۃ (مسلم صفحہ ۱۷۰ و نسائی صفحہ ۱۴۶) کہ ہر نماز میں قراءت قرآن مجید کرنا ضروری ہے۔

② نیز آپ ﷺ نے فرمایا: کل الصلوۃ یقرأ فیھا۔ (ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۱۲۱)

③ نیز فرمایا: فی کل الصلوۃ یقرأ (مسلم صفحہ ۱۷۰)

④ نیز فرمایا: لا صلوۃ الا بقراءۃ (مسلم صفحہ ۱۷۰)

⑤ نیز آپ نے ارشاد فرمایا: لا صلوۃ الا بقراءۃ ولو بفاتحۃ الکتاب کہ جب

تک نماز میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے اس وقت تک نماز ہوتی ہی نہیں، اگرچہ سورۂ فاتحہ ہی ہو، یعنی اگر قرآن مجید کا باقی حصہ یاد نہ ہو تو کم از کم سورۂ فاتحہ ہی پڑھ لیا کرو۔ (مسند اعظم صفحہ ۵۸ و جامع المسانید صفحہ ۳۰۸ بروایت ابی ہریرۃؓ)

(۶) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تصل صلوٰۃ الا قرأت فیہا ولو بفاتحۃ الکتاب کہ ایسی کوئی نماز نہ پڑھ جس میں تو قرآن مجید نہ پڑھے، اور کچھ نہیں تو کم از کم سورۂ فاتحہ ہی پڑھ لیا کر۔ (طحاوی صفحہ ۱۲۷)

(۷) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تمام صحابہ کرامؓ کو اس بات کا حکم فرمایا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ بھی پڑھیں اور اس سے زیادہ بھی جو آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے۔ (سنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۵ و مثلہ فی صحیح ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۱۴۰)

(۸) نیز آپؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ الحمد وسورۃ فی فریضۃ وغیرہا کہ جو شخص نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورت نہیں پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، خواہ فرض نماز ہو یا غیر فرض نوافل وغیرہ۔ (سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱)

(۹) نیز آپؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تجزئ صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب ومعہا غیرہا کہ سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن مجید کا کوئی حصہ ملائے بغیر نماز ناکافی رہتی ہے۔ (جامع المسانید جلد ۱ صفحہ ۳۱۲)

(۱۰) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیتے ہوئے فرمایا: اخرج فناد فی المدینۃ انہ لا صلوٰۃ الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد کہ نکلو اور مدینہ منورہ میں اعلان کر دو کہ سورۂ فاتحہ اور پھر اس کے ساتھ

قرآن مجید کا اس سے کچھ زیادہ حصہ بھی جب تک کوئی شخص نہیں پڑھے گا اس وقت تک اس کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ (سنن ابی داؤد صفحہ ۱۲۵ و مثلہ فی الترمذی صفحہ ۱۷)

(۱۱) سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً۔ کہ جب تک کوئی شخص سورۂ فاتحہ اور اس سے کچھ اوپر بھی قرآن مجید میں سے نہیں پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم صفحہ ۱۶۹)

○ بعض محدثینؒ نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں "فصاعداً" کا لفظ بھی نقل نہیں فرمایا، جس کی وجہ سے بعض علماء نے سمجھا کہ شاید امام مسلم کو مغالطہ ہو گیا ہے۔ لیکن یہ لفظ صحیح ہے، اور اس کی تائید ان تمام روایات سے ہوتی ہے جو اس ضمن میں دیگر صحابۂ کرامؓ سے قبل ازیں لکھی جا چکی ہیں اور آئندہ لکھی جا رہی ہیں۔ چنانچہ:

(۱۲) سیدنا رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثم اقرأ بأم القرآن و ما شاء اللہ ان تقرأ کہ پھر سورۂ فاتحہ پڑھ اور قرآن مجید سے اس قدر اور بھی پڑھ جتنا کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۳۲ و مثلہ فی فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

○ بہرحال فرمانِ الٰہی فاقرأوا ما تیسر من القرآن اور مذکورِ بالا تمام احادیثِ نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ: اصل مسئلہ یہ تھا کہ "نماز میں قرآن مجید پڑھا جائے" اور اس کے پڑھنے کی مقدار "ما تیسر" ہے۔ یعنی جس قدر آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے۔

○ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی حالت کو دیکھ کر فرمایا کہ: زیادہ نہیں تو کم از کم فاتحہ تو ضرور ہی پڑھ لیا کرو، لیکن اسی کو کافی بھی نہ سمجھو بلکہ سورۂ فاتحہ بھی پڑھو اور اس سے زیادہ بھی جس قدر اللہ تعالیٰ ہمت دے ضرور پڑھا کرو۔

○ اور جن احادیث میں سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہونے کا ذکر ہے تو دراصل اس سے

سورۂ فاتحہ کی اہمیت اور افضلیت بتانا مقصود ہے۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے' اس لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نمازی کو قرآن مجید میں سے "ماتیسر" کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر سرے سے نماز ہوگی ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو مطلق قرآن مجید پڑھنے کا حکم دیا ہے' سورۂ فاتحہ کی تخصیص نہیں فرمائی' اس لیے نماز میں مطلق قرآن مجید کا پڑھنا تو اسی طرح فرض ہے جیسے رکوع و سجود نماز میں فرض ہیں۔ البتہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ماتیسر" کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی شکل میں قرآن مجید کی کم از کم مقدار متعین فرما کر اپنی امت پر احسان عظیم فرمایا ہے۔

- چونکہ قرآن مجید میں دوران نماز سورۂ فاتحہ کی تخصیص نہیں آئی اس لیے نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض تو نہیں کہا جا سکتا' فرض تو مطلق قرآن کی قراءت ہی ہے جو قرآن مجید کی ناقابل تاویل و تنسیخ نص صریح سے ثابت ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کے بارے میں جو جو احادیث وارد ہیں ان سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ خبر واحد ہیں' جن سے فرضیت نہیں بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے۔

- اس لیے ان احادیث سے یہ سمجھنا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر سرے سے نماز ہوتی ہی نہیں' منشائے نبوی کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد سورۂ فاتحہ کے بغیر پڑھی جانے والی نماز کا سرے سے ہی بطلان نہیں' بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ بغیر فاتحہ کے نماز ادھوری ہوتی ہے۔ جیسا کہ :

- ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : کل صلوۃ لا یقرأ فیھا بام الکتاب فھی خداج کہ جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھے گا اس کی نماز ناقص اور ادھوری ہے۔

- ام المؤمنین کے علاوہ یہ حدیث مبارک (۱) سیدنا ابوہریرہ (۲) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی مروی ہے۔

دیکھیے : موطا امام مالک صفحہ ۲۹ و مسلم صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰ و ابوداؤد صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶ و نسائی

صفحہ ۱۴۴ و ابن ماجہ صفحہ ۶۰ و ۶۱ و طحاوی صفحہ ۱۲۷ و صحیح ابن حبان جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ و ۱۳۹ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱ و ۱۷۲ و مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ و ۴۲۳، و جلد ۳ صفحہ ۲۱۵ و ۲۵۳ و ۴۹۳ و ۵۵۵، و جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ و صفحہ ۳۹۱ و بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۸ و ۳۹ و بیہقی فی کتاب القراءۃ صفحہ ۱۳۵ کذا فی قلائد الازہار۔

مقتدی کو حکم قراءت سے مستثنی کرنے کی حکمت کے ضمن میں مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ واقعی مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کرنے کا کوئی حکم نہیں۔

اس لیے یہ بات فیصلہ کن حد تک ثابت ہو چکی ہے کہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن کے حکم عام سے مقتدی کو مستثنیٰ قرار دینا زیادہ صحیح ہے۔ نیز:

امیر المومنین سیدنا امام عمر اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تلمیذ رشید حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو باجماعت نماز پڑھایا کرتے تھے تو نماز کے دوران حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ کی اقتدار میں نماز پڑھنے والے صحابہ کرام بھی آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی قراءت کرتے تھے اور فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور دوسری سورت بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھتے رہتے تھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا (۷: ۲۰۴) اس کے بعد صحابہ کرام امام کے پیچھے خاموش کھڑے رہتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی قراءت فرماتے اور صحابہ کرام بغور سنتے رہتے تھے۔ (دیکھیے درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۳۵)

پھر چونکہ تمام صحابہ کرام ہمہ وقت مدینہ منورہ میں تو رہتے نہیں تھے اس لیے یہ آیت مبارکہ ان صحابہ سے مخفی رہی جو اس وقت مدینہ منورہ سے باہر سفر پر تھے اس لیے وہ بدستور سابق امام کے پیچھے قراءت کرتے رہے۔ پھر جب اتفاق سے ان صحابہ میں سے کوئی مدینہ منورہ آیا تو اسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز

پڑھنے کا موقع ملا تو اس آیتِ مبارکہ سے لاعلمی کی وجہ سے بدستورِ سابق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت شروع کر دی۔ اب گو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب اور علیم بذات الصدور تو نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں، جن میں مخلوق کو شریک سمجھنا صریح کفر ہے، تاہم اللہ تعالیٰ اگر اپنے مخصوص بندوں کو کوئی مخصوص بات کسی مخصوص مقصد کے لیے ایک خاص وقت میں خاص طریقے سے ظاہر فرمادے تو اسے شرک نہیں کہا جاسکتا۔ اور ہم قبل ازیں مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۹ سے ایک حدیثِ نبوی تحریر کر چکے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان ایک خاص قسم کا روحانی تعلق ہوتا ہے۔ جس کا احساس کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں کو ہو جاتا ہے، لیکن یہ کوئی قانون نہیں، ہر بات کا ہر وقت علم رکھنا مخصوص الٰہی صفات میں سے ہے۔

○ بہرحال ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے تو انھیں قراءت میں کچھ بوجھ اور کھنچاؤ سا محسوس ہوا، تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قراءت بھی کی تھی؟ باقی تمام صحابۂ کرامؓ تو خاموش رہے، اور وہ صحابی جنھوں نے آپؐ کے پیچھے قراءت کی تھی، سوال کے اس انداز سے سمجھ گئے کہ شاید ہماری غیر موجودگی میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے بارے میں حکمِ الٰہی نازل ہو چکا ہے، جس کا ہمیں علم نہیں ہو سکا، اسی لیے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس غلطی پر ناراضی کا اظہار فرما رہے ہیں، آخرِ کار عرض کرنے لگے کہ: جی ہاں یارسول اللہ! امام کے پیچھے ہم نے قراءت کی تھی۔ اس پر حضرت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہ بات ہے، تبھی تو میں سوچ رہا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ میری قراءت میں یہ کش مکش کھینچا تانی کیا ہو رہی ہے۔ (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۰ عن عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ)

○ اس حدیثِ مبارک میں صرف اسی قدر الفاظ مذکور ہیں، جنھیں سننے کے بعد اس

موقع پر موجود صحابۂ کرامؓ یہ بات سمجھ گئے کہ ہماری قرارت سے حضرت نبی کریم ﷺ کی قرارت میں منازعۃ اور کھینچا تانی اور دباؤ پڑتا ہے۔ اس لیے وہ صحابۂ کرام امام کے پیچھے قرارت سے رک گئے۔ جیسا کہ:

سیدنا عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فانتھی الناس عن القراءۃ حین قال ﷺ ذلک۔ کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے بعد لوگ امام کے پیچھے قرارت سے رک گئے۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲)

اس موقع پر جو صحابۂ کرامؓ موجود تھے یا جنھیں کسی نہ کسی طرح اس واقعہ کا علم ہو گیا وہ تو قرارت خلف الامام سے رک گئے، لیکن پھر بھی کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے رہ گئے جنھوں نے قرآن مجید کی آیت "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" بھی نہیں سنی تھی، اور حضرت رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ بالا فرمانِ مبارک بھی کسی وجہ سے نہ سُن سکے تھے، اس لیے وہ بدستورِ سابق امام کے پیچھے قرارت کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ:

امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی تو ان کے پیچھے ایک آدمی چپکے چپکے سے قرارت کرتا رہا۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمھارے میں سے وہ کون ہے جس نے میرے ساتھ ساتھ قرارت کی ہے، یہ سوال آپ ﷺ نے تین بار دہرایا۔ تب ایک آدمی نے اقرار کرتے ہوئے کہا، نعم یارسول اللہ! "سبح اسم ربك الاعلیٰ" میں نے پڑھا تھا۔ تو اس پر حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرارتِ قرآن میں یہ کیا کھینچا تانی ہو رہی ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے زجراً فرمایا:) کیا تم میں سے کسی کو امام کی قرارت کافی نہیں؟ (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:) انما جعل الامام لیؤتم به فاذا قرأ فانصتوا۔ امام تو ہوتا ہی اس لیے ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب امام قرارت شروع کر دے تو تم لوگ خاموش ہو جایا کرو۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۶)

○ حضرت امیر المؤمنینؓ کے علاوہ یہ حدیثِ مبارک ① سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ ② سیدنا انس بن مالکؓ، اور ③ سیدنا ابو ہریرۃؓ سے بھی مروی ہے۔

دیکھیے: صحیح مسلم صفحہ ۱۷۴ و دار قطنی صفحہ ۱۲۵ و مسند ابی عوانہ صفحہ ۱۳۳ و بیہقی، وطحاوی صفحہ ۱۲۸ و نسائی صفحہ ۱۴۶ و ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ و بذل المجہود بحوالہ بیہقی و دار قطنی و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷۔

○ مذکورہ بالا حدیثِ مبارک میں سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز میں پیش آمدہ واقعہ کا ذکر فرمایا ہے، جو سرّی نماز ہے۔ اس حدیثِ مبارک سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ خواہ سرّی یعنی ظہر و عصر کی نماز ہو، خواہ جہری یعنی فجر، مغرب، عشاء اور جمعہ و عیدین کی نماز ہو، امام کے پیچھے قراءت کرنا دونوں صورتوں میں منع ہے، بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرّی نماز میں قراءت خلف الامام سے دھمکی آمیز الفاظ کے ساتھ منع فرمایا۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبانِ مبارک سے فاتحہ خلف الامام سے ممانعت کی احادیث بہت کثیر تعداد میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرّی اور جہری تمام نمازوں میں فاتحہ یا کوئی اور سورت امام کے پیچھے پڑھنے سے منع فرمانے والے صحابۂ کرامؓ کی تعداد بھی بہت ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں تحریر کردہ احادیثِ نبویؐ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ اور قرآنی احکام سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا اس کے علاوہ قرآن مجید کی کوئی دوسری سورت یا آیات نہ پڑھی جائیں۔ اور علماءِ حق نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ مثلاً:

○ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لکن الذین ینھون عن القراءۃ جمھور السلف والخلف ومعھم الکتاب والسنۃ الصحیحۃ والذین اوجبوھا فحدیثھم ضعفہ الائمۃ۔ کہ جو لوگ امام کے پیچھے قراءۃ کرنے سے منع کرتے ہیں وہ جمہور سلف اور خلف ہی ہیں اور ان مانعینِ قراءۃ خلف الامام کے پاس دلیل کے لیے قرآن مجید اور سنّتِ صحیحہ ہے۔ اور جو لوگ امام کے پیچھے سورۂ

فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں، ان کی طرف سے بیان کی جانے والی حدیث کو ائمۂ کرامؒ نے ضعیف کہا ہے۔ (تنوع العبادات صفحہ ۸۶)

- حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ ہم سے افضل، اور سب سے زیادہ متبع سنت تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے سب سے زیادہ مطیع تھے۔ (مجموعۃ الفتاوی جلد ۲ صفحہ ۳۳ و جلد ۱ صفحہ ۱۷)

- نیز اہلِ اصول فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سُنّتِ نبویؐ کی متابعت میں کوتاہی یا مداہنت برتنے کے ساتھ متہم ہوں۔ (اصول شاشی صفحہ ۷۴)

- خصوصاً امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق اور امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہما تو تمام لوگوں سے زیادہ سیرتِ نبویؐ کے متبع تھے۔ (التمہید لابن عبدالبر صفحہ ۲۵۳ و علل الحدیث جلد ۲ صفحہ ۳۸۶)

- امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ جو لوگ میدانِ عرفات میں ظہر کے وقت ہی ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھ لیتے ہیں تو کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی ایسا کیا تھا؟ تو اس شخص کے جواب میں حضرت سالمؒ نے فرمایا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو صرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طریقے اور سنت کی اتباع کیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۳۰)

- طیبی شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ میں ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور پیروی فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طریقے اور چال چلن پر چلتے تھے۔ اس لیے یہ برگزیدہ ہستیاں امتِ محمدیہ کی متبوع ہوئیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: "لوگ تمہاری اتباع کریں گے"۔ چنانچہ:

- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ایتموابی ولیأتم بکم من بعدکم۔ کہ اے صحابہؓ! تم میری پیروی کرو اور

تمہارے بعد آنے والے لوگ تمہاری اتباع کریں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۹)

- حضرت رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا فرمان ذی شان میں درحقیقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع، تقلید اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے ہم پر صحابۂ کرامؓ کی تقلید اور ان کے طریقے کی اتباع اور پیروی واجب ہے۔
اب اگر کوئی شخص صحابۂ کرامؓ کے طریقے کی اتباع نہ کرے تو وہ سخت مجرم اور گناہگار ہوگا۔
- حضرت علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیر اعلام النبلاء جلد ۸ صفحہ ۹۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید ہم پر ضروری ہے، بشرطیکہ ان کی بات سند سے ثابت ہو۔
- پھر ان کے بعد ہمارے مقلد ائمہ تابعین ہیں، جیسے: علقمہؒ، سعید بن مسیبؒ، سعید بن جبیرؒ، شعبیؒ، ابن سیرینؒ، حسنؒ، ابراہیم نخعیؒ وغیرہم۔
- پھر ان کے بعد زہریؒ، ابوالزنادؒ اور ربیعہؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد ابوحنیفہؒ، مالکؒ، اوزاعیؒ، ابن جریجؒ، معمرؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد ابن مبارکؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور وکیعؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد مزنیؒ، ابوبکر اثرمؒ، بخاریؒ اور داؤدؒ بن علیؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد محمد بن جریر طبریؒ، ابوبکر بن خزیمہؒ، ابن منذر اور طحاویؒ وغیرہم
- پھر ان کے بعد اجتہاد میں کمی آگئی۔
- بہرحال یہ تو تھا حضرت علامہ ذہبیؒ کا قول۔ ہم ان کی ہر بات کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ لیکن حضرت رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید ہم پر واجب ہے۔ اور پھر تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہر وہ بات ماننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے جو قرآن و سنت اور

عملِ صحابہؓ سے مستنبط ہو۔

اس لیے اب ہم بطورِ اختصار صحابۂ کرامؓ اور ان کے بعد تابعینؒ و تبع تابعینؒ وغیرہما کے اسمائے گرامی مع حوالۂ کتب جدول کی صورت میں تحریر کر رہے ہیں، جن میں انھوں نے قراءتِ خلف الامام سے منع فرمایا ہے۔

جدول مانعین قراءۃ خلف الامام

عدد	اسمائے گرامی صحابۂ کرام	حوالہ
۱	امیرالمؤمنینؓ سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ	حاشیہ نسائی صفحہ ۱۴۸ و عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۶۷
۲	امیرالمؤمنینؓ سیدنا امام عمرؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ و مؤطا امام محمد جلد ۱ صفحہ ۱۰۲
۳	امیرالمؤمنینؓ سیدنا امام عثمانؓ	حاشیہ نسائی صفحہ ۱۴۸ و عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۶۷
۴	امیرالمؤمنینؓ سیدنا امام علیؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶
۵	سیدنا ابوالدرداءؓ	سُنن نسائی صفحہ ۱۴۶ و کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۹
۶	سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ	صحیح مُسلم صفحہ ۱۷۴
۷	سیدنا ابوسعید خدریؓ	مصنف ابنِ ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۸	سیدنا ابوہریرہؓ	مصنف ابنِ ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۷
۹	سیدنا انس بن مالکؓ	کنزالعمال جلد ۸ ص ۲۹۳
۱۰	سیدنا جابر بن عبداللہؓ	جامع ترمذی صفحہ ۵۰ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ و ۳۷۷ و کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۲۸۸
۱۱	سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ	شرح المقنع لابن قدامہ جلد ۲ صفحہ ۱۱

عدد	اسمائے گرامی صحابہ کرام	حوالہ
۱۲	سیدنا زید بن ثابتؓ	صحیح مسلم صفحہ ۲۱۵ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۶ و ۳۷۷ و موطا امام محمد صفحہ ۱۰۲
۱۳	سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۶ و موطا امام محمد صفحہ ۱۰۱
۱۴	سیدنا عبد اللہ بن شدادؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۶ و موطا امام محمد صفحہ ۱۰۱
۱۵	سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۱ و فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۱
۱۶	سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲ و موطا امام مالک صفحہ ۲۹ و موطا امام محمد صفحہ ۹۹
۱۷	سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ	مجمع الزوائد صفحہ ۱۱۰ و کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲
۱۸	سیدنا عبد اللہ بن عمروؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲
۱۹	سیدنا عبد اللہؓ بن بجینہ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲
۲۰	سیدنا عبد الرحمٰن بن عوفؓ	عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۶۷ و حاشیہ نسائی صفحہ ۱۳۸
۲۱	سیدنا عقبہ بن عامرؓ	شرح المقنع لابن قدامہ جلد ۲ صفحہ ۱۱
۲۲	سیدنا عمران بن حصینؓ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۸۸ و مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۶

عدد	اسمائے گرامی من بعد الصحابہ	حوالہ
۱	ابراہیم بن یزید نخعیؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲	ابن ابی لیلیٰؒ	موطا امام محمد صفحہ ۹۹
۳	ابن حبیبؒ	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹
۴	ابن عبد الحکیمؒ	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹

عدد	اسمائے گرامی من بعد الصحابہ	حوالہ
۵	ابن وہبؒ	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹
۶	ابن خثیمؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۷	ابوالاحوصؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۸	ابوالسائبؒ	سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۱ و موطا امام محمد صفحہ ۹۵
۹	ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۰	ابو عمرو الشیبانیؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۱	ابووائلہ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۲	ابووائلؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷ و موطا امام محمد صفحہ ۹۹
۱۳	ابو یوسفؒ قاضی	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹
۱۴	اسود بن یزیدؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۵	اسودؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۱۶	اشہبؒ	تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۱۱۹
۱۷	حسن بصریؒ	حاشیہ موطا امام محمدؒ صفحہ ۹۹
۱۸	حمادؒ	حاشیہ موطا امام محمدؒ صفحہ ۹۹
۱۹	ربیعؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۰	زر بن حبیشؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۱	زید بن اسلمؒ	کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۲
۲۲	زید بن وہبؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۳	سعید بن جبیرؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۴	سعید بن مسیبؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۳۷۷
۲۵	سفیان بن عیینہؒ	سنن ابی داؤد صفحہ ۲۶

عدد	اسمائے گرامی من بعد الصحابہ	حوالہ
۲۶	سفیان ثوریؒ	شرح المقنع لابن قدامہ جلد ۲ صفحہ ۱۱
۲۷	سوید بن غفلہؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷
۲۸	شعبیؒ	دارقطنی صفحہ ۱۲۵
۲۹	ضحاکؒ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷
۳۰	طارق بن شہابؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷
۳۱	عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷
۳۲	عُبیدہ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷
۳۳	علقمہؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	جامع المسانید جلد ۲ صفحہ ۳۲۰ و موطا امام محمد صفحہ ۱۰۰
۳۴	عمرو بن میمونؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	جامع المسانید جلد ۲ صفحہ ۳۲۰
۳۵	قاسم بن محمدؒ فقیہ مدینہ	موطاء امام محمدؒ صفحہ ۹۹
۳۶	قیس بن ابی حازمؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷
۳۷	لیثؒ	قلائد الازہار جلد ۲ صفحہ ۳۵
۳۸	محمد بن حسن شیبانیؒ	تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹
۳۹	محمد بن سیرینؒ	شرح المقنع لابن قدامہ جلد ۲ صفحہ ۱۱
۴۰	محمد بن مسلم ابو الزبیر مکیؒ	بنایہ صفحہ ۷۰۹
۴۱	مسروقؒ تلمیذ ابن مسعودؓ	مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷
۴۲	موسیٰ بن عقبہؒ	قلائد الازہار جلد ۲ صفحہ ۲۱ و ۴۲

○ اس جدول میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پندرہ تلامذۂ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں، جو کہ حضرت علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء جلد ۱ صفحہ ۴۶۲ میں تحریر فرمائے ہیں۔ جبکہ ان بزرگوں کا نام لیے بغیر حضرت مالک بن عمارہ نے فرمایا ہے کہ سیدنا ابن مسعودؓ کے تمام شاگردوں کا یہی مسلک ہے کہ امام کے

پیچھے قراءت نہ کی جائے۔ اس لیے سیدنا ابن مسعودؓ کے لاتعداد شاگردوں میں سے پندرہ مشہور تابعین کے نام ہم نے مندرجہ بالا فہرست میں شامل کر دیئے ہیں۔

خلاصہ

یہ کہ "قراءتِ خلف الامام" یا "فاتحہ خلف الامام" کے معاملے میں عہد صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ، مشہود لہا بالخیر میں یہی تین مسلک تھے۔

(۱) بعض تو امام کے پیچھے ہر سرّی و جہری نماز کے ہر رکعت میں قراءت کرتے تھے، مثلاً: ○ سیدنا عبادۃ بن الصامت۔ اور ○ سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام ہیں جو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور اس سے زیادہ دو تین آیتیں یا سورت بھی پڑھا کرتے تھے، جبکہ بعض روایات میں صرف سورۂ فاتحہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ امام کے پیچھے "ام الکتاب" تو ضرور پڑھتے تھے، جو قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ایک عظیم الشان سورت ہے، یہ سورت نزولی اعتبار سے تو پانچویں ہے۔ لیکن قراءت کے لحاظ سے اسے پوری ایک سو چودہ سورتوں میں اوّلیت حاصل ہے۔ کیونکہ:

اس سورت میں پورے قرآن مجید کے مضامین علیٰ سبیل الاختصار آجاتے ہیں، اور یہ عظیم الشان سورت جسے فاتحۃ الکتاب، ام الکتاب اور ام القرآن ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ قرآن مجید کے چاروں حصوں کی گویا فہرست ہے۔

اور سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ اور سیدنا اُبَیّ بن کعبؓ نے خود اپنے کانوں کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبانِ مبارک سے سن رکھا تھا کہ سورۂ فاتحہ اور اس سے کچھ اوپر دو تین آیتیں یا سورت، یا صرف سورت فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے انھوں نے اس فرمانِ نبویؐ کو نصِ قطعی سمجھ لیا، اس لیے وہ "اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا" کے حکم عام سے سورۂ فاتحہ کی قراءت کو مستثنیٰ سمجھتے تھے۔

(۲) اور بعض وہ تھے جو جہری نمازوں یعنی فجر، مغرب، عشاء اور جمعہ و عیدین وغیرہ میں تو امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھتے، یعنی نہ سورۂ فاتحہ، نہ اس سے زائد آیات یا کوئی

سورت نہیں پڑھتے تھے، لیکن سرّی نمازوں یعنی ظہر و عصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے دوسری آیات یا سورت ملائے بغیر صرف سُورۃِ فاتحہ ضرور پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ انصات کے معنے ہیں: "کان لگا کر سننے کے لیے خاموش رہنا"۔ اس لیے جہری نمازیں تو کان لگا کر خاموشی کے ساتھ امام کی قراءت کو سننا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اذا قرئ القراٰن فاستمعوا له و انصتوا۔ لیکن سرّی نمازوں میں حضرت نبی کریم ﷺ کے فرمانِ ذی شان لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب پر عمل کرتے ہوئے امام کے پیچھے پڑھتے رہتے تھے۔

(۴) اور بعض وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں۔ جنھیں سفر و حضر میں دن رات میں اکثر اوقات حضرت رسُول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب تھی، وہ آپ کی صحبت میں حاضر باش رہتے تھے۔ اور انھیں قرآن و سنت کی سمجھ اور قوتِ اجتہاد علیٰ سبیل الکمال حاصل تھی۔ اور ان عظیم الشان ہستیوں کو ہزاروں کی تعداد میں حضرت رسُول اللہ ﷺ کے فرامین اور احادیثِ مبارک سننے لکھنے اور یاد کرنے کی عظیم سعادت حاصل ہوئی، ان میں سے بشمول خلفائے اربعہ بیس صحابۂ کرامؓ اور چالیس سے زیادہ من بعد الصحابہؓ سلف صالحینؒ کی طویل فہرست مع حوالہ جات گزشتہ اوراق میں لکھی گئی ہے، یہ تمام امام کے پیچھے نہ تو جہری نمازوں میں قراءت کرتے تھے نہ ہی سرّی نمازوں میں۔

○ ہمارے نزدیک مؤخر الذکر قول راجح اور الیق بالقبول ہے، اور چونکہ علماءِ سلفؒ نے اس اختلاف کی وجہ ایک دوسرے پر فتویٰ بازی نہیں کی، اس لیے زیرِ بحث مسئلہ میں ہم مذکورہ بالا تینوں مسالک کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ:

○ بعض علماءِ کرام قراءتِ خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے، اور سمجھتے ہیں کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا صریح نص، اور بقول امام علیؓ فطرت کے بھی خلاف ہے۔ نیز:

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

○ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے: مثل الذی یتکلم و الامام یخطب کمثل الحمار یحمل اسفاراً فھکذا اذا کان یقرأ و الامام یقرأ علیہ۔ یعنی جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت باتیں کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے نے کئی کتابیں اٹھا رکھی ہوں، اور امام کے پیچھے پڑھنے والے کی مثال بھی یہی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷)

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا حقیقت پسندانہ فیصلہ

○ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ مصفّٰی شرح موطا امام مالک صفحہ ۱۰۵ میں ایک باب بایں عنوان قائم فرمایا: باب اختلف السلف فی القراءۃ خلف الامام ..... اختلاف کردہ اند صحابہؓ و تابعینؒ در قراءۃ مقتدی پس پشت امام بر اقوال۔ یعنی امام کے پیچھے (امام کی اقتداء میں) مقتدی قراءۃ کرے یا نہ کرے۔ اس بارے میں سلف صالحین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اختلاف رہا ہے۔ اور تابعینؒ یعنی صحابہ کرامؓ کے تلامذہ کا بھی اختلاف رہا ہے۔ جس میں تین قول ہو گئے۔ بایں طور کہ:

(۱) بعض صحابہؓ و تابعینؒ تو کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی لوگ ضرور قراءۃ کریں، خواہ نماز جہری ہو یا سری۔ اور:

(۲) بعض صحابہؓ و تابعینؒ یہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی حضرات قطعاً قراءۃ نہ کریں۔ خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ اور:

(۳) بعض صحابہؓ و تابعینؒ کا قول یہ ہے کہ اگر سری نماز ہے تو مقتدی کو قراءۃ کرنا واجب تو نہیں ہے، البتہ مقتدی کو قراءۃ کرنا مستحب ہے۔ اور جن نمازوں میں امام بلند آواز کے ساتھ قراءۃ کر رہا ہو اُن نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی قراءۃ نہ کریں۔ امام کے پیچھے خاموش کھڑے رہیں۔

الصحابۃ رضی اللہ عنہم کلہم عدول

○ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: (۱) اولئك الذين صدقوا و اولئك هم المتقون (۲) اولئك هم الراشدون فضلا من الله و نعمة۔ یعنی یہی لوگ سچے اور متقی ہیں، اور یہی لوگ اللہ کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں۔

○ انہی کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا ہے: اصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جن کی بھی تم اقتداء کروگے راہ پا جاؤگے۔

○ یہی وجہ ہے کہ اگر صحابۂ کرامؓ کا کسی مسئلہ میں باہم اختلاف ہوتا تو آپس میں الجھتے نہیں تھے۔ اور اگر من بعد الصحابہ میں سے کسی نے کوئی ایسی بات کہہ دی تو اسے ڈانٹ دیتے تھے۔ جیسا کہ صحابیِ رسولؐ امام الفقہاء صاحب النعلین والعصا والوسادۃ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا کہ مسافر نمازِ قصر ادا کرے۔ لیکن جب آپؓ حج پر تشریف لے گئے تو میدانِ عرفات میں خلیفۂ ثالث امیرالمومنینؓ سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ظہر و عصر کی نمازیں پوری چار چار رکعتیں ہی پڑھیں۔ آپؓ کے ایک شاگرد نے آپؓ سے دریافت کیا کہ آپؓ تو فرمایا کرتے ہیں کہ مسافر چار کی جگہ دو رکعتیں پڑھے۔ جبکہ آج آپؓ نے ظہر و عصر کی چار چار رکعتیں پڑھی ہیں۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ بھی مدینہ سے تشریف لائے ہیں۔ وہ بھی مسافر ہیں۔ اس پر حضرت ابنِ مسعودؓ نے اس طالب علم کو ڈانٹ کر فرمایا: الخلاف شر کہ اختلاف کرنا بری بات ہے۔ انھوں نے جو کیا کسی وجہ سے کیا۔ جو تیری نظر سے اوجھل ہے۔

○ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو ان کے آزاد کردہ غلام اور شاگرد نے امیرالمومنینؓ سیدنا امام معاویہؓ کے بارے میں بتلایا کہ انھوں نے ایک رکعت وتر پڑھا ہے۔ تو آپؓ نے اسے ڈانٹ دیا۔ اور فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ تُو بے سمجھی میں ان پر اعتراض کر رہا

ہے۔ وہ تو وہی کام کرتے ہیں جو انھوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو مطلب ان کا یہ تھا کہ تیری سمجھ کا فرق ہے۔ اس صحابیؓ نے جو کام کیا وہ خلاف سُنّت نہیں کیا۔

اصل فاتحہ خلف الامام سے متعلق صحابہ کرامؓ کے تین گروہ تھے۔ ایک گروہ نے کسی تاویل سے ایک عمل کو راجح سمجھ کر اس پر عمل کرنا شروع کیا۔ دوسرے نے کسی دلیل سے دوسرے عمل کو راجح سمجھ کر اس پر عمل کیا۔ اور تیسرے نے تیسرے کو۔ مقصد یہ کہ صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف تو تھا مگر انھوں نے تفرقہ بازی نہیں کی۔ جیسا کہ آج کل ایک مسئلہ میں اختلاف کر کے نئی جماعت بنالی جاتی ہے۔ پھر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال کر فرقہ واریت کو فروغ دیتے ہیں۔

فائدہ یاد رہے کہ امام کے پیچھے قراءۃ نہ کرنے والے جمہور صحابہ کرامؓ ہیں۔ جن کے پاس قرآن و حدیث کے دلائل ہیں۔ اور سب سے بڑی اور قوی دلیل نصِ قرآنی: اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ہے۔ جس کی بحث قبل ازیں گزر چکی ہے۔

دوسری دلیل ابنِ ماجہ صفحہ ۸۸ میں ہے کہ: مرض وفات میں جب حضرت نبی کریم ﷺ کو تکلیف میں کمی ہوئی تو آپ ﷺ (باجماعت نماز پڑھنے کے لیے) دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پیچھے سرکنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپؓ اپنی جگہ قائم رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بائیں جانب آپ ﷺ کو بٹھایا گیا۔ پھر جہاں تک حضرت ابوبکرؓ نے قراءۃ کرلی تھی اس سے آگے حضرت نبی کریم ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔

○ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تھی۔ بلکہ حضرت ابوبکرؓ کا فاتحہ پڑھنا ہی کافی تھا۔

تیسری دلیل حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: من ادرك ركعة من الصلوٰة فقد ادرك الصلوٰة (مؤطا امام مالکؒ صفحہ ۲۷ و صحیح مسلم صفحہ ۲۲۱ و جامع ترمذی صفحہ ۲۹ و سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ و ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۵۷)

○ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات میں فرمایا ہے : المراد بادراك اكثر الركعة الثانية ادراكها في الركوع لا بعد الرفع منه۔

○ شراحؒ نے لکھا ہے کہ جمہور سلف و خلف کا کہنا ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ اس حدیث میں رکعة بمعنی رکوع ہے۔ جیسا کہ :

○ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادركها قبل ان يقيم الامام صلبه۔ کہ جو شخص رکوع پالے یعنی امام کے رکوع سے پیٹھ اٹھانے سے پہلے امام کے ساتھ رکوع میں مل گیا تو بس اس کی نماز یعنی رکعت ہو گئی۔ (صحیح ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۴۵)

○ نیز حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اذا جئتم و نحن سجود فاسجدوا و لا تعدوها شيئاً و من ادرك الركعة فقد ادرك الصلوة۔ کہ جب تم باجماعت نماز پڑھنے والے سجدہ میں ہوں اس وقت تم آؤ تو سجدہ میں مل جاؤ لیکن اسے شمار نہ کرو۔ اور جو شخص رکوع میں مل جائے تو اس نے رکعت پالی۔

○ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں۔ کیونکہ اگر مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض ہو تو رکوع میں ملنے والے کی رکعت نہ ہوتی۔ اور جو مجتہدین لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کی وجہ سے مقتدی پر فاتحہ پڑھنے کی فرضیت کے قائل ہیں وہ ان احادیث کی وجہ سے مدرکِ رکوع کو فاتحہ کی فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ مگر مانعین کہتے ہیں کہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کئی وجوہ سے مرجوح ہے۔ اس میں سنداً بھی اضطراب ہے اور متناً بھی۔ جیسا کہ قبل ازیں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اور پھر اس میں رواۃ مدلس بھی ہیں۔ جو عن سے روایت کرتے ہیں۔ اس لیے اصولِ حدیث کی رو سے یہ حدیث قابلِ عمل نہیں۔

○ دوسری بات یہ ہے کہ ایسی حدیث سے قرآن مجید کی نصِ قطعی عام غیر مخصوص عنہ البعض کو خاص کرنا ہوگا۔ اور ایسی حدیث سے قرآن مجید کی نصِ قطعی عام مخصوص عنہ البعض کی تخصیص کرنا حکم الٰہی میں تغییر ہے۔ کیونکہ عام غیر مخصوص عنہ البعض جو

قطعی ہوتا ہے تخصیص کرنے سے قطعی نہیں رہتا' بلکہ ظنی بن جاتا ہے۔ اور کسی بندے کو تغییر حکم الٰہی کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ اگر یہ حدیث "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" سَو فی صد صحیح ہوتی اور اس کی صحت میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہ ہوتا تب بھی اس کے ساتھ قرآنی نص کی تخصیص جائز نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ خبرِ واحد ہے۔ البتہ اگر یہ حدیث صحیح مشہور یا متواتر ہوتی تو اس کے ساتھ تخصیص جائز ہوتی۔ کما تقرر فی مقرہ۔

اور جن صحابہؓ نے خود حضرت رسول اللہ ﷺ کی معصوم زبانِ مبارک سے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے الفاظ سنے ہیں' ان کے لیے یہ فرمانِ نبویؐ قرآن مجید کی طرح نصِ قطعی ہے۔ اس لیے وہ صحابی اس قطعی الثبوت حدیث کے ساتھ قرآنی آیتِ کریمہ کی تخصیص کرنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن دوسرے صحابہؓ جن کو یہ حدیث نہیں پہنچی بلکہ قرآنی آیت کے ساتھ ساتھ ان کے پاس وہ حدیثیں بھی موجود ہیں جن میں آتا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی خاموش کھڑے رہیں۔ تو ان کے لیے دورانِ قراءۃ امام کے پیچھے خاموش کھڑا رہنا ہی ضروری ہے۔

اس اصول کے تحت ہم ان اقوالِ ثلثہ میں سے مانعین کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور ہم نے دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ معاذ اللہ دوسرے صحابۂ کرامؓ غلطی پر ہیں۔ اور معاذ اللہ ان کی نمازوں میں خلل واقع ہوا۔ اور نہ ہی سلف میں سے کسی نے ان حضرات کی نمازوں کو فاسد قرار دیا جو امام کی اقتدا میں فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔ اور نہ ہی ان پر بے نماز ہونے کا فتویٰ لگایا۔ جیسا کہ بعض لوگوں کی طرف سے آج کل فتوے لگائے جا رہے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم اور یہی "اعدل الکلام" ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں' اور اسی میں سلامتی ہے۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ

واصحابہ نجوم الھدیٰ

اجمعین۔

فتح الرحمٰن

فی

قیامِ رمضان

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

قارئینِ محترم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

زیرِ نظر کتاب فتح الرحمٰن فی قیام رمضان نمازِ تراویح کے موضوع پر حضرت علامہ نیلوی مدظلہٗ کا ایک تحقیقی مقالہ ہے جو پہلے پہل ۱۹۵۹ء میں امام پاکستان حضرت علامہ سید احمد شاہ بخاریؒ کی زیرِ ادارت پندرہ روزہ "الفاروق" جوک ۔ (سرگودھا) میں شائع ہوا۔ اور اس کے بعد ۱۹۷۶ء میں بندہ کی زیر ادارت ماہنامہ "جشنِ بہار" سرگودھا گلستان اہل سنتہ نمبر میں شائع ہوا، اور پھر یہی مقالہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اور اس کے بعد فروری مارچ ۱۹۹۵ء میں اصلاح و اضافہ کے ساتھ بندہ کی زیرِ ادارت ماہنامہ عارفین سرگودھا میں شائع ہوا۔ اور علمی حلقوں میں اتنا مقبول ہوا کہ اشاعت کے بعد چند روز میں ہی ہمیں اس کی دوبارہ اشاعت کا انتظام کرنا پڑا۔

زیرِ نظر مقالہ میں محقق العصر حضرت علامہ نیلوی مدظلہٗ نے سُنّتِ نبویؐ سے تراویح کے ثبوت پر محققانہ بحث کے علاوہ تہجد اور تراویح کے فرق کو بھی واضح کیا ہے اور نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات پر تفصیلی بحث فرماتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعات ہی مسنون ہیں اور اسی پر عہدِ نبویؐ سے اس وقت تک تمام اُمّت مسلمہ کا عمل ہے اور اس بارے میں جس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے حقیقت میں وہ ضعیف نہیں ہے ۔ جبکہ آٹھ تراویح والی روایات یا تو مجروح ہیں یا ان کا تعلق تراویح کی بجائے نمازِ تہجد سے ہے جو پورا سال پڑھی جاتی ہے ، رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔
اس کتاب کا بغور مطالعہ کرنے سے تراویح سے متعلق تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے بشرطیکہ بنظرِ انابت اس کا مطالعہ کیا جائے۔ والسلام

سید حسین مرتضیٰ

ادارہ گلستان اسلام سرگودھا ۔ پاکستان

۲۳ مارچ ۱۹۹۵ء

مطبوعہ نجمہ سردار پرنٹنگ پریس قذافی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنَاتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَ الْفُرْقَانِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ قَالَ: اِنَّ رَمَضَانَ شَھْرٌ اِفْتَرَضَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ وَاِنِّیْ سَنَنْتُ لِلْمُسْلِمِیْنَ قِیَامَہٗ. فَمَنْ صَامَہٗ وَ اَقَامَہٗ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا خَرَجَ مِنَ الذُّنُوْبِ کَیَوْمٍ وَّلَدَتْہُ اُمُّہٗ. وَالرِّضْوَانُ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ شَانِھِمْ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ وَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِھَا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ. وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَی الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ، وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ حَقِّھِمْ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ.

امابعد رمضان شریف کے بابرکت مہینہ میں تین قسم کی مخصوص عبادتیں ہیں، جو سال بھر اور کسی مہینے میں نہیں، (۱) دن میں روزہ رکھنا (۲) رات کو تراویح پڑھنا اور (۳) آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنا۔

ان میں سے نفلی طور پر روزہ اور اعتکاف تو دوسرے مہینوں میں بھی ہوسکتا ہے، جس کے فضائل واحکام جُدا ہیں۔ لیکن اس ماہِ مُبارک میں ایک مخصوص عبادت ایسی ہے جو رمضان المبارک کے علاوہ کبھی نہیں ہوسکتی۔ اور اس کا نام **قیام رمضان** ہے۔ جسے عرفِ عام میں "تراویح" کہا جاتا ہے۔

اس رسالہ میں رمضان المبارک کی اسی مخصوص اور منفرد عبادت کے فضائل واحکام، اس کا ثبوت، تہجد اور تراویح میں فرق اور تعداد رکعات کے بارے میں تحریر کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فضائل قیامِ رمضان

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قیامِ رمضان یعنی تراویح کی ترغیب دیتے ہُوئے فرماتے تھے کہ جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ قیامِ رمضان سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا' اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرے گا' یعنی تراویح پڑھے گا تو اس کے وہ سب (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو وہ اس سے پہلے کر چکا ہے۔ چنانچہ:

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان رسول اللہ ﷺ ذکر شھر رمضان فقال ان رمضان شھر افترض اللہ صیامہ و انی سننت للمسلمین قیامہ فمن صامہ وقامہ ایمانا و احتسابا خرج من الذنوب کیوم ولدتہ امہ (قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی ص ۸۸) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر فرماتے ہُوئے اِرشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزے رکھنا فرض قرار دیا ہے اور میں (حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کی بہبودی کے لیے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرنا یعنی نمازِ تراویح پڑھنے کے لیے کھڑے ہونے کا طریقہ قائم کیا۔ اب جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے رمضانُ المبارک کے روزے رکھے اور رات کو تراویح پڑھنے کے لیے کھڑا ہُوا کرے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو کر نکل جائے گا جس طرح اُس دن تھا جس دن کہ اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔ یعنی اس کے سابقہ تمام صغیرہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کان رسول اللہ ﷺ یرغب فی قیام رمضان من غیر ان یامرھم فیہ بعزیمۃ فیقول من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ (مسلم ص ۲۵۹) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو قیام رمضان یعنی تراویح کی ترغیب دیا کرتے تھے، سوائے اس کے کہ آپؐ صحابہ کرامؓ کو قیام رمضان یعنی تراویح کا تاکیدی یا وجوبی حکم فرمائیں۔ یعنی وجوبی یا تاکیدی حکم کے بغیر محض حصولِ ثواب کی غرض سے قیام رمضان کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور سچ جانتا ہو کہ قیام رمضان سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کرے گا یعنی تراویح پڑھے گا (اور اس میں ریا اور محض لوگوں کو دکھانا اور انھیں سنانا مقصود نہ ہو) تو اس کے وہ سب صغیرہ گناہ بخش دیے جائیں گے جو پہلے کر چکا ہے۔

اسی روایت میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید ارشاد فرمایا: فتوفی رسول اللہ ﷺ والامر علیٰ ذٰلک ثم کان الامر علیٰ ذٰلک فی خلافۃ ابی بکر وصدر من خلافۃ عمر علیٰ ذٰلک (مسلم ص ۲۵۹) کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو بھی یہ امر اسی طرح رہا (یعنی جو شخص چاہتا تھا وہ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے بطورِ خود تراویح پڑھتا تھا، البتہ جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھنے کا اس زمانے میں التزام نہیں ہوا کرتا تھا۔) پھر امیرالمومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت اور امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شروع خلافت یعنی خلافتِ عمرؓ کے پہلے سال میں یہ بات اسی طرح رہی (یعنی نمازِ تراویح ایک ہی امام کے پیچھے باقاعدہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کا التزام نہ تھا۔) پھر امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک امام کے پیچھے مسجد میں باقاعدہ جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھنے کا التزام فرمایا۔

نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان کے بارے میں عام طور پر تین قسم کے سوالات کیے جاتے ہیں: ① نمازِ تراویح سُنّت بھی ہے یا نہیں۔ ② اگر نمازِ تراویح سُنّت سے ثابت ہے تو اس نماز کا وقت کیا ہے۔ یعنی جو نماز رمضان شریف میں عشاء کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے، کیا یہ وہی نماز تو نہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوکر اٹھنے کے بعد پڑھتے تھے، جسے تہجد کہتے ہیں، یا یہ اس سے الگ نماز ہے۔ ③ نمازِ تراویح کی رکعتیں کتنی ہیں یعنی آٹھ ہیں یا بیس۔

نمازِ تراویح سے متعلق مذکورہ بالا تینوں سوالوں کے الگ الگ جواب تحریر کیے جاتے ہیں۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

کیا نمازِ تراویح سُنّت ہے

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اصطلاحِ شرع میں سُنّت کسے کہتے ہیں۔ سو اہلِ اُصول نے "سُنّت" کی تعریف اِس طرح کی ہے: اَلسُّنَّۃُ عِبَارَۃٌ عَنِ الطَّرِیْقَۃِ الْمَسْلُوْکَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ فِیْ بَابِ الدِّیْنِ وَھِیَ تُطْلَقُ عَلٰی کُلِّ طَرِیْقَۃٍ سَوَاءٌ کَانَتْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَوْ مِنْ اَصْحَابِہٖ (اصول شاشی ص۱۱۳)

یعنی سُنّت اس طریقہ کا نام ہے جو فرض اور واجب تو نہ ہو لیکن دین کے معاملہ میں اسے جاری رکھا گیا ہو، یعنی اس پر مواظبت اور ہمیشگی کی جائے۔ اور وہ طریقہ عام ہے، خواہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، فعل یا تقریر ہو، یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قول، فعل یا تقریر ہو۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ سُنّت قولی و فعلی تو ان سنتوں کو کہتے ہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قول یا فعل سے ثابت ہوں، اور سُنّت تقریری اُسے کہتے ہیں کہ کسی کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرامؓ خاموش رہے ہوں یا اس کی تحسین فرمائی ہو۔

بہرحال "سُنّت" اس طریقہ کو کہتے ہیں جو نہ فرض ہو اور نہ واجب ہو، لیکن اس کے باوجود اسے معمولی نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے "سُنّت" پر عمل کرنے کا تاکیدی حکم دیتے ہوئے فرمایا: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي کہ میرے طریقے یعنی سُنّت پر عمل کرنا تم مسلمانوں پر ضروری ہے۔ پھر فرمایا: وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي کہ تمہارے لیے صرف میری سُنّت پر عمل کرنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ میرے بعد ہونے والے رُشد و ہدایت کے پیکر میرے خلفاء کی سُنّت پر عمل کرنا بھی اسی طرح تم پر لازم ہے جیساکہ میری سُنّت پر عمل کرنا ضروری ہے، اس کے بعد مزید تاکید فرماتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا: عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ کہ میرے اور میرے بعد ہونے والے خلفائے راشدین مہدیین کی سُنّت اور طریقے کو آخری ڈاڑھوں کے ذریعے خوب مضبوطی سے پکڑے رکھو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے پیشِ نظر اہلِ اصول لکھتے ہیں: حُكْمُهَا اَنَّهُ يُطَالَبُ الْمَرْءُ بِاَحْيَاءِهَا وَيَسْتَحِقُّ الْمَلَامَةَ بِتَرْكِهَا اِلَّا اَنْ يَّتْرُكَهَا بِعُذْرٍ (اصول شاشی ص ۱۱۳) کہ اس سُنّت کا حکم یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ آدمی سے اس معمول کو زندہ رکھنے کا مُطالبہ کرتی ہے اور اس معمول کو چھوڑ دینے سے آدمی ملامت کا مستحق ہوجاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا عذر ہو جس کی وجہ سے مجبورًا اس معمول کو چھوڑنا پڑے تو پھر اس معمول کو چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اس معمول یعنی سُنّت کے تارک کا مستحق ملامت ہونا دُنیا کے اعتبار سے ہے، جبکہ وہ بدقسمت تارکِ سُنّت آخرت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا۔

حضرت امام زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ: سُنّت طریقہ پر چلنے میں خوب محنت اور کوشش کرو اور اس کے ساتھ چمٹ جاؤ اور اس کے حریص بنو اور اسے ایسی مضبوطی کے ساتھ پکڑو جیسے کوئی شخص

[1] مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹

کسی چیز کو ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر سے ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لیتا ہے۔

سُنّۃ الخلفاء کا مطلب

حضرت سیّد الشریف علی بن محمد بن علی السیّد الزین ابی الحسن الحسینی الجرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشکوٰۃ المصابیح کے حاشیہ میں اسی مذکورِ بالا حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وَسُنّۃ الخُلفاء فرمایا ہے اس کا مطلب ہے خلفاء اربعہ (یعنی امیر المومنین سیّدنا ابوبکر الصدیق، و امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق و امیر المومنین سیّدنا عثمان ذوالنورین و امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم) کی عظمتِ شان بیان کرنا، اور ان کی رائے کو صائب اور درست و قابلِ عمل سمجھنا اور دُوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر ان خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی سیادت و سرداری جتانا۔

پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سُنّت کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے بعد بطورِ عطف کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ خلفاء رضی اللہ عنہم اپنے اجتہاد کے ذریعے حدیثِ پاک سے جو مسئلہ نکالیں گے، اس میں وہ خطأ اور غلطی نہیں کریں گے اور وہ اپنے اجتہاد میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض سُنّتیں ایسی بھی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں شہرت پذیر نہیں ہوئیں، پھر خلفاء رضی اللہ عنہم کے عہد میں آکر اُنھوں نے شہرت حاصل کی، اس لیے اس سُنّتِ نبویؐ کو ردّ کرنے والے کے باطل وہم کو دفع کرنے کے لیے اس سُنّت نبویؐ کو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیا گیا، جبکہ درحقیقت وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سُنّتِ مُبارکہ ہے۔

اور اس حدیثِ مُبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر دیگر خلفاء میں سے کسی نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے قول کے خلاف قول کیا تو خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی بات کو لینا ہی بہتر ہوگا۔ (دیکھیے تحفۃ الاخیار للمولوی عبد الحی اللکھنوی رحمہ اللہ ص ۱۶۶)

اِطاعتِ اولی الامر کا حکم

قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی اولی الامر یعنی خلفائے راشدینؓ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (۴: ۵۹) کہ اے اہلِ ایمان! اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور الرسول (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان بھی مانو، اور اِسی طرح "اُولی الأمر" کا کہا بھی مانو۔

مفسّرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے "اولی الامر" سے مُراد وہ حُکّام و اُمراء لیے ہیں جو مسلمانوں میں سے حُر، عاقل، بالغ اور عالمِ شریعت و باعمل ہوں۔ ان صفاتِ مخصوصہ کے حامل گو کہ اور حضرات بھی ہو سکتے ہیں لیکن حضرت ابنِ جریر ابنِ ابی حاتم، ابنِ عساکر اور عبد بن حمید رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایت میں ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں "اولی الامر" سے مُراد سیّدنا ابوبکر صدیق و سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

اولی الامر سے مُراد

حضرت ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے البحر المحیط ج ۳ ص ۲۷۸ میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول نقل فرمایا ہے کہ اس آیت میں اولی الامر سے مُراد سیّدنا ابوبکر و سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اولی الامر سے مراد خلفاء اربعہؓ ہیں۔

حضرت مجاهدؒ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اولی الامر سے مُراد اصحابِ رسول ہیں جو (تمام امت سے زیادہ) ذی عقل اور دین دار تھے۔

حضرت مفسّر تبریزیؒ کا قول ہے کہ اولی الامر سے مُراد مہاجر و انصار ہیں۔

حضرت میمون، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اولی الامر سے مُراد سرایا کے اُمراء یا اہلِ بیت کے امام ہیں۔ یہاں پر مفسر اندلسیؒ نے وضاحت کی کہ یہ بات شیعہ کہتے ہیں۔ یعنی اہلِ سُنّت کے نزدیک یہ قول معتبر نہیں ہے۔

حضرت مفسّر اندلسیؒ نے (ج ۳ ص ۲۷۹) یہ بھی لکھا کہ اہلِ تشیّع کہتے ہیں کہ اس

سے مُراد امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ مُراد ہیں۔ پھر شیعہ کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت علیؓ ایک شخص ہیں جبکہ اولی الامر جمع کا صیغہ ہے۔ اس لیے جمع کے صیغہ سے صرف حضرت علیؓ کی اکیلی ذات مُراد لینا درست نہیں، کیونکہ لوگوں کو اُولی الامر کی اِطاعت کا حُکم ہُوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اُس وقت دیا تھا جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیوی حیاتِ طیّبہ کے ساتھ زندہ موجود تھے اور اُس وقت سیدنا علیؓ نہ اِمام ہُوئے تھے اور نہ ہی حاکم تھے، جن کی اِطاعت دُوسرے مومنین پر واجب قرار دی گئی۔ اس آیتِ مُبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسولؐ اور ان لوگوں کی اِطاعت کا حکم دیا ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں نزولِ حکم کے وقت بھی اولوالامر حاکم تھے۔ جن کی طاعت دُوسرے مومنوں پر واجب تھی جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ دیں، تو اِسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کی طاعت اور اِطاعت واجب ہے جب تک کہ معصیت کا حکم نہ دیں۔ بہر حال اولی الامر سے مُراد اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اولی الامر سے مُراد صحابہؓ و تابعینؒ ہیں۔

حضرت جابرؓ، حسن بصریؒ، عطاءؒ اور ابوالعالیہؒ نے فرمایا کہ "اولی الامر" سے مُراد عُلماءِ اِسلام ہیں۔ اور حضرت امام مالکؒ کا یہی مُختار ہے۔

حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مُشکل الآثار ج ا ص ۴۷۴ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مجاھد رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اولی الامر" سے فقہ، علم اور دین و فضل والے لوگ مراد ہیں، جن سے امورِ دین حاصل کیے جاتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اولی الامر سے مُراد وہ لوگ ہیں جن کو فقہ اور سمجھ حاصل ہے۔

حضرت عطاء بن السائب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اولی الامر" سے

مُراد علم و فقہ والے فقہاء و علماء یعنی وہ اہلِ حل و عقد لوگ ہیں جو کتاب و سُنّت سے احکامِ الٰہیہ کے اِستنباط کرنے پر قدرت رکھتے ہوں، لیکن متکلّم یعنی علمِ عقائد والے اور مفسّر اور وہ محدّث جنھیں اِستنباط پر دسترس حاصل نہو وہ اُولی الامر میں داخل نہیں ہیں۔

بہرکیف "اُولوالامر" میں سیّدنا ابوبکر اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما تو ضرور شامل ہیں، کیونکہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم زبانِ مبارک سے ان دونوں مُبارک ہستیوں کا نام لے کر ان کی اِقتداء کا حکم دیتے ہُوئے فرمایا: اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ (بخاری ص ۲۱) کہ میری وفات کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرنا۔

لہٰذا یہ بات تو طے شُدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ہر حال میں ماننا فرض ہے، اس کے بغیر تو کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا، البتہ اولی الامر کی اِطاعت صرف اس وقت تک ضروری ہے جب تک اس میں معصیت کی کوئی بات نہ ہو۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد گرامی ہے: لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (جامع صغیر ج ۲ ص ۲۰۳) کہ اگر مخلوق کی بات ماننے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کی بات نہ مانی جائے۔ البتہ جس بات پر اُمّت (خیر القرون) کا اِجماع ہو چکا ہو تو وہ واجبُ الاتباع ہے بشرطیکہ وہ اجماع کتاب وسُنّت کے مسلمہ احکام سے مُتصادم نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مومنین کی راہ یعنی عقائد و اعمال کو چھوڑ کر دُوسری راہ اِختیار کرے تو ہم اس کو اس کی اِختیار کردہ راہ کے سپرد کر دیتے ہیں، یعنی اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی سرپرستی سے دست کش ہو جاتے ہیں، اس سے ناراض اور بیزار ہوتے ہیں۔ اور قیامت کے دِن تو ہم اس کو جہنم میں ہی دھکیل دیں گے جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ (۴: ۱۱۵)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کے طور پر بحکمِ الٰہی اِرشاد فرمایا:
لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ (کہ میری اُمّت گمراہی پر اجماع و اتفاق نہیں کرے گی۔ اس فرمانِ نبویؐ پر ہر مسلمان کو ایمان رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اس اُمّت کے اِبتدائی افراد یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو خصوصیت کے ساتھ ہر معاملہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کی پُوری کوشش فرمایا کرتے تھے۔ (دیکھیے نخبۃ الفکر ص ۷۹ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۳۰)

نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی متابعت و پیروی میں کوتاہی کے ساتھ مُتّہم نہیں تھے۔ (اصول شاشی ص ۷۹)

حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات مُبارکہ کے علاوہ اور کسی چیز کی اِتباع نہیں فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۳۰)

اور اس بات میں تو کسی قسم کے شک و شبہ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں کہ صحابۂ کرامؓ میں سے حضرات شیخین یعنی امیر المومنین سیدنا ابوبکر و امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی اِقتداء کا تو خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو حکم دیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں بزرگ اِتباعِ رسولؐ میں سب سے آگے تھے۔

حضرت محدّث ابوعمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر نمری اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید ج ص ۳۵۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما یہ دونوں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کی دُوسرے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ پُوری پُوری اتباع کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

نیز حضرت علامہ ابن عبد البرؒ نے مزید یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق وہی ہے جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کا معمول ہو۔

حضرت امام ابو محمد عبد الرحمٰن رازی بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن منذر رحمۃ اللہ تعالیٰ

نے علل الحدیث ج ۲ ص ۳۸۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما دونوں ہی ھدایت کے امام تھے۔ نیز آپؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں ھدایت یافتہ راہنما تھے۔ اور وہ دونوں کامیاب تھے اور وہ دونوں ہی دُنیا سے بے نیاز رُخصت ہُوئے۔

حضرت علیؓ کا ابوبکرؓ و عمرؓ کو خراج تحسین

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن میں لوگوں کے ہجوم میں کھڑا ہُوا تھا، امیرالمومنین کی میّت چارپائی پر رکھی ہُوئی تھی، لوگ حضرت عمرؓ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ رہے تھے کہ اچانک میرے پیچھے ایک آدمی آیا، جس نے میرے کندھے پر اپنی کہنیاں رکھ دیں' اور امیرالمومنینؓ کے حق میں کہنے لگا: "اللہ تعالیٰ آپؓ پر رحمتیں نازل فرمائے" اور پھر کہنے لگا: "مجھے پختہ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کو اپنے دونوں ساتھیوں (یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مقام عطا فرمائے گا۔ کیونکہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم زبانِ مُبارک سے بار بار سُنا کرتا تھا' آپؐ فرمایا کرتے تھے: کُنْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ کہ مَیں فلاں مقام میں تھا اور میرے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے۔ وَفَعَلْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ اور میں نے فلاں کام کیا اور میرے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی میری اتباع میں ایسا ہی کیا۔ وَانْطَلَقْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ۔ اور میں چلا اور میرے ساتھ ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی چلے۔ وَدَخَلْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ اور میں فلاں مکان میں داخل ہُوا اور میرے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اس مکان میں داخل ہُوئے۔ وَخَرَجْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ اور میں فلاں مکان سے نکلا اور میرے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی نکلے۔" یہ تمام باتیں سُننے کے بعد میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا کہ دیکھوں یہ باتیں کون کر رہا ہے، دیکھا تو وہ حضرت علی بن ابی طالب تھے۔ رضی اللہ عنہ۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ص ۵۵۹)

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس بات کو مستبعد نہیں سمجھتے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک پر سکینہ بولتا تھا، یعنی آپؓ کی محفوظ زبانِ مبارک سے ہمیشہ ایسی بات ہی نکلتی تھی جس سے جان کو سکون اور دلوں کو اطمینان نصیب ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ کہ اے اللہ! آپ حضرت عمرؓ کے ذریعے اسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرمائیے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۹)

سیدنا ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ سیدنا عمرؓ جو بات بھی کہتے ہیں وہ حق ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان پر حق ہی رکھا ہوا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

ابوبکرؓ و عمرؓ کے ایمان پر رسول اللہ ﷺ کی گواہی

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ زمانے کے ایک شخص کا عجیب و غریب واقعہ بیان فرمایا جو کہ ایک بیل کو کہیں لیے جا رہا تھا، تو جب وہ شخص تھک گیا تو اُس بیل پر سوار ہو گیا اس پر اس بیل نے کہا کہ ہم سواری کے لیے پیدا نہیں کیے گئے بلکہ ہم تو زمین میں ہل چلانے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

یہ واقعہ سُن کر کئی لوگ کہنے لگے: سبحان اللہ بھلا بیل نے بھی کبھی کلام کیا ہے؟ یعنی بیل تو کبھی انسانوں کی طرح گفتگو نہیں کیا کرتے۔

اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ کہ خود میرا تو اس بات پر ایمان ہے ہی لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا بھی اس بات پر کامل ایمان ہے، حالانکہ یہ دونوں اُس وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں تھے۔

اسی طرح کا ایک اور عجیب و غریب واقعہ بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کے سامنے بیان فرمایا کہ ایک آدمی کے پاس

بھیڑ بکریاں تھیں، ایک دن ایک بھیڑیے نے حملہ کر کے ان میں سے ایک بکری اُٹھا لی۔ بھیڑ بکریوں کے مالک نے اس بھیڑیے کے مُنھ سے اپنی بکری چھڑا لی۔ اس پر وہ بھیڑیا بولا کہ بھلا ہفتہ کے روز تیری بکریوں کی حفاظت کون کرے گا، (جو تمھاری عبادت کا مخصوص دِن ہے، جس میں عبادت کے سوا کوئی کام کرنا تمھارے لیے جائز نہیں) اُس دِن تو تیری بھیڑ بکریوں کا محافظ میرے سوا اور کوئی نہیں ہوگا۔

یہ واقعہ سُن کر بھی بے ساختہ کئی لوگ بول اُٹھے کہ سُبحان اللہ بھیڑیا بھی اِنسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے؟

اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا بھی اس پر ایمان ہے اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا بھی اس پر کامل ایمان ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۹)

ان واقعات سے معلوم ہُوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات پر حضرات شیخینؓ کا کامل ایمان تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان حضرات پر کامل اِعتماد تھا۔ نیز معلوم ہُوا کہ جو درجۂ ایمان حضرات شیخینؓ کو حاصل تھا وہ مرتبہ اور کسی کو بھی حاصل نہ ہو سکا۔ رضی اللہ عنہما۔

عمرؓ کے دِل اور زبان پر حق کا اجراء

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین سیدنا عُمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دِل میں بھی، اور ان کی زبان پر بھی حق جاری فرمایا ہے۔ (عِلَلُ الحدیث ج ۲ ص ۳۸۶)

علاوہ ازیں قرآن مجید میں متعدد احکامِ الٰہی ایسے نازل ہُوئے ہیں جن سے امیر المومنین سیدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ کی رائے گرامی سے موافقت ہے۔ مثلاً:

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ بیت یعنی ازواجِ مطہرات کو پردہ کا حکم۔
- مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے اور اسے جائے نماز بنانے کا حکم۔

○ اُمّ الخبائث شراب کی حُرمت کا حکم۔
○ جنگِ بدر میں مشرک قیدیوں کے بارے میں حکمِ الٰہی۔
○ مُنافق کی میّت پر نمازِ جنازہ پڑھنے اور دُعائے مغفرت کرنے کی مُمانعت۔
○ رمضان المبارک کی راتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کی اجازت۔
○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کے جُرم میں قتلِ منافق کی تصویب۔ وغیرہ

یہ تو مختصر طور پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے اتباعِ نبویؐ کی چند مثالیں اور حضرات شیخینؓ اور خصوصاً سیّدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ کے مناقب سے متعلق چند روایات درج کی گئی ہیں۔ لیکن یہ مناقبِ صحابہؓ کی بحث نہیں ہے بلکہ قیامِ رمضان یا تراویح کے اِثبات میں گفتگو ہے کہ آیا تراویح پڑھنا سُنّت ہے یا بعد میں ایجاد ہونے والی واجب الترک بدعت۔ اِس سلسلہ میں یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھیں کہ صحابۂ کرامؓ نے کوئی ایسی بدعت ایجاد نہیں کی جس کے بارے میں کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَّكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ آیا ہے[1] بلکہ صحابۂ کرام ہر کام میں سُنّتِ نبویؐ کی اِتباع کیا کرتے تھے اور سُنّت کے علاوہ کسی کام کو انھوں نے اپنا معمول نہیں بنایا۔ البتہ صحابۂ کرامؓ کے عہد میں بعض ایسی سُنّتوں پر عمل شروع ہُوا جو اس سے پہلے فرض یا واجب نہ ہونے کی وجہ سے مشہور نہیں ہُوئی تھیں۔ جبکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات سے اُن کا سُنّت ہونا وفاتِ نبویؐ کے بعد مُختلف اوقات میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہونے والے سراپا صدق پیکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بیانات و روایات سے معلوم ہوجانے کے بعد رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں مشہور و مُروّج ہوتا چلا گیا۔ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں نے سُنّتِ نبویؐ کی اِتباع کی غرض سے صحابہؓ و تابعینؒ کی روایات کے مُطابق عمل کیا اور ہم لوگوں تک معمولاتِ نبویؐ پہنچانے کا ذریعہ بنتے رہے، لہٰذا اِتباعِ رسولؐ کے لیے اِتباعِ صحابہؓ اور اِتباعِ صحابہؓ کے لیے اِتباعِ تابعینؒ ضروری ہے۔

[1] نسائی ج ا ص ۱۷۹

تراویح کے سُنّت ہونے کا ثبوت

گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی سُنّت کی تعریف، سُنّت کی اقسام، اور سُنّت پر عمل کرنے کا حکم، نیز اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولؐ اور اولی الامر کی اِتباع کے حکمِ الٰہی، اولی الامر کے مصداق اُمّت کے لائق اِطاعت گروہ کی تعیین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباعِ رسولؐ کے سلسلے میں چند مثالوں اور ان کی عظمتِ شان کے تمہیدی بیان کے بعد اب یہ ثابت کیا جائے گا کہ نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان قولی، فعلی اور تقریری یعنی سُنّت کی تینوں اقسام سے ثابت ہے۔

سُنّتِ فعلی سے ثبوت

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ غَيْرِ جَمَاعَةٍ .... (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ ماہِ رمضان المبارک میں بغیر جماعت کے (نمازِ تراویح) پڑھا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا روایت حضرت محدّث ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ میں نقل فرما کر تراویح کے سُنّتِ فعلی ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس موضوع پر اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں، جو اپنے اپنے مقام پر آگے تحریر کی جائیں گی۔ بخوفِ طوالت یہاں اسی پر اِکتفا کیا جاتا ہے۔

سُنّتِ قولی سے ثبوت

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ بِعَزِيْمَةٍ (ابوداؤد ص ۲۰۱) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قیامِ رمضان (تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ البتہ وجوبی حکم نہیں دیا کرتے تھے۔

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس موضوع پر روایت موجود ہے۔ (دیکھیے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۴۱۳)

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ماہِ رمضان المبارک میں ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آستانۂ عالیہ سے کہیں مسجد کی طرف نکلے، تو آپؐ نے دیکھا کہ مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں کچھ لوگ باجماعت کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، تو عرض کیا گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنھیں قرآن مجید یاد نہیں، اور حضرت اُبی بن کعبؓ نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں؛ اور یہ سب لوگ پیچھے کھڑے ان کی اقتدا میں نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں۔ یہ بات سُن کر ان لوگوں کی تحسین فرماتے ہوئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انھوں نے ٹھیک کیا ہے اور یہ جو کر رہے ہیں بہت ہی اچھا کام ہے۔ (ابوداؤد ص ۲۰۲ و السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۵ وصحیح ابنِ حبان ج ۵ ص ۱۰۷)

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک قرظیؒ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے، جنھیں ابن مندہؒ نے تو صحابہؓ میں شمار کیا ہے جبکہ دُوسرے اُنھیں تابعی سمجھتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور ترغیب کے نتیجے میں بہت سے صحابۂ کرامؓ نے قیامِ رمضان کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ جیسا کہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے، انھوں نے اپنے گھر میں قیامِ رمضان کو معمول بنا رکھا تھا۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۴)

اسی طرح دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی باجماعت یا انفرادی طور پر نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت مُحدّث ابوعبداللہ محمد بن نصر المروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل میں تحریر فرمایا ہے۔ مثلاً:

- امیرالمومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ
- سیّدنا اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ
- سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
- سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
- سیّدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
- سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما

○ سیدنا معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ ○ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ

بہر حال سنت قولی، فعلی اور تقریری سے تراویح کا پڑھنا ثابت شدہ امر ہے۔
اس کے علاوہ نمازِ تراویح کا باجماعت ادا کرنا بھی سنتِ نبوی سے ثابت ہے۔
جیسا کہ متعدد صحابۂ کرامؓ کی روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً:

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ماہِ رمضان المبارک میں لوگ مسجد میں الگ الگ نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ پھر حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ مسجد میں چٹائی بچھا دیں، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چٹائی پر کھڑے ہو کر نماز تراویح پڑھی، تو لوگوں نے بھی آپؐ کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھی۔ پھر دوسری رات آپؐ نمازِ تراویح پڑھنے لگے تو لوگوں نے کثیر تعداد میں آکر آپؐ کی اقتدا میں نمازِ تراویح ادا کی۔ پھر تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ حضرتؐ کی اقتدا میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھنے کے لیے جمع ہو گئے، لیکن آپؐ نمازِ تراویح کی جماعت کے لیے اعتکاف گاہ سے باہر تشریف نہ لائے اور وہیں اعتکاف گاہ میں ہی تنہا نمازِ تراویح ادا فرماتے رہے۔ اور جب صبح ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ آج تم نے جو کچھ کیا ہے مجھے سب معلوم ہے۔ مگر میں اس لیے نہ نکلا کہ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ یہ نماز تراویح تم پر فرض نہ ہو جائے (کیونکہ زمانہ وحی کا ہے) اگر نمازِ تراویح فرض ہو گئی تو بہت سے کم ہمت لوگ پڑھ نہیں سکیں گے، تو ترکِ فرض کا گناہ ہوگا۔ اس لیے یہ نماز اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو۔

بعض روایات میں تین رات تراویح کے باجماعت پڑھنے کا ذکر بھی آیا ہے
اور کئی صحابۂ کرامؓ نے نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:

○ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ○ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ
○ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ○ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ
○ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

(دیکھیے سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۰۱ و ۲۰۲ و بخاری ص ۲۶۹ و مسلم ص ۲۵۹ و قیام اللیل ص ۱۵۳ تا ۱۵۵)

شبہ: مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۵ میں بحوالہ بخاری، حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رحؒ سے مروی ہے کہ میں ایک رات امیرالمومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد کی طرف نکلا، دیکھا تو وہاں کئی لوگ الگ الگ نمازِ تراویح پڑھنے میں مصروف تھے، کوئی تو بالکل اکیلا ہی نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی ایک ٹولی کے ساتھ باجماعت نمازِ تراویح پڑھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرتِ امیرالمومنین رضؓ نے فرمایا: کیا ہی اچھا ہو کہ میں ان تمام نمازیوں کو کہوں کہ تم سب ایک قاری کو امام بنا کر اس کی اقتدا میں نماز پڑھا کرو۔ پھر آپ رضؓ نے پختہ ارادہ فرما کر سب کو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کے لیے اکٹھا فرمایا۔ اس کے بعد پھر ایک رات میں حضرت امیرالمومنین امام عمر رضؓ کے ساتھ نکلا اور دیکھا کہ لوگ اپنے قاری یعنی سیدنا اُبی بن کعب رضؓ کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں۔ تب امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔ یعنی یہ باجماعت نمازِ تراویح بھی ایک اچھی بدعت ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازِ تراویح سُنّت نہیں بلکہ بدعت ہے۔

جواب: گزشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ نمازِ تراویح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی، فعلی اور تقریری سُنّت ہے۔ اور خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف صحابۂ کرام رضؓ کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھ کر ان کی تحسین فرمائی، بلکہ خود بھی صحابۂ کرام رضؓ کو جمع فرما کر دو یا تین روز باجماعت نمازِ تراویح ادا فرمائی۔ البتہ رمضان المبارک کی ہر رات میں باجماعت تراویح پڑھنے کا طریقہ واقعی امیرالمومنین سیدنا عُمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے رائج ہوا، لیکن اسے بدعت شرعی نہیں کہا جا سکتا، ہم اسے بھی سُنّت ہی سمجھتے ہیں اور اس پر عمل بھی اس لیے کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیں سُنّتِ خلفاءِ راشدین رضؓ پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ شکل و صورت کے اعتبار سے یہ بدعت ہے، جیسے کاغذ پر قرآن لکھنا یا چھپائی کرنا لیکن اسے کبھی کسی نے بدعت قرار نہیں دیا جو حرام ہو۔

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ پھر آپؐ نے ہم لوگوں کی طرف توجہ فرماکر ایسا مؤثر وعظ فرمایا کہ جس کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور ہمارے دِل ڈر گئے۔ ہم میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ایسا لگتا ہے کہ یہ ایسی ہستی کا وعظ ہے جو ہمیں الوداع کہنے والی ہو۔ اس لیے آپؐ ہمیں وصیت فرمائیں۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں **وصیت** کرتا ہوں کہ ① تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتے رہو، ② اور اپنے حاکم کا حکم سُنو اور اس کو مانو، اگرچہ آپ پر حبشی غلام ہی کیوں نہ حاکم ہو۔ اس کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کرتے ہُوئے مزید فرمایا: میرے بعد تم میں سے جو بھی زندگی گزارے گا تو وہ اپنی زندگی میں بہت ہی اختلافات پائے گا۔ اگر تم ان اختلافات سے بچنا اور امن کی زندگی گزارنا چاہو تو دو چیزوں کا اپنے اُوپر التزام کرلو۔ ① ایک تو میری سُنّت اور میرا معمول۔ اور ② دُوسرا خلفاء راشدین مہدیین کا معمول اور سُنّت۔ اس کے بعد مزید تاکید کرتے ہُوئے فرمایا: میرے اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کے معمولات کو مضبوطی کے ساتھ آخری ڈاڑھوں سے پکڑے رکھنا۔ الخ۔ (سنن ابی داوٗد سجستانی ج ۲ ص ۲۸۷)

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول واجبُ الاتباع ہے ایسے ہی خلفائے راشدین مہدیین یعنی امیرالمومنین سیدنا ابوبکر صدیق، امیرالمومنین سیدنا عُمر فاروق، امیرالمومنین سیدنا عثمان ذوالنورین، امیرالمومنین سیدنا علی المرتضیٰ، امیرالمومنین سیدنا حسن، امیرالمومنین سیدنا معاویہ اور امیرالمومنین سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا معمول بھی واجبُ الاتباع ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفاء راشدین مہدیین کے معمول کو بھی اسی طرح سُنّت سے تعبیر فرمایا جس طرح اپنے معمول کو سُنّت کے نام سے موسوم فرمایا۔

سُنت کے مخالف بدعت

حدیث مذکورہ بالا کی رُو سے سُنت یعنی معمولات نبویؐ اور معمولات خلفاء راشدینؓ پر عمل کرنا مسلمانوں میں اِتحاد و اِتفاق کے لیے ایک اہم اور بُنیادی ضرورت ہے، اور سُنّت کے مقابلے میں بدعت ایک ایسی بُرائی ہے جو جہنم میں پہنچانے والی ہے۔ جیساکہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ① بدعتِ شرعی۔ اور ② بدعتِ لغوی۔ اور بدعت شرعی اس کام کو کہا جاتا ہے جو ہمارے دین میں نہ ہو اور اسے دین یا نیکی کا کام سمجھ کر حصولِ اجر و ثواب کی غرض سے کیا جائے، یہ تو ہر حال میں حرام ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (مشکوٰۃ ص۲۷) کہ جو شخص ہمارے اس دین کے باب میں کوئی نئی بات پیدا کرے گا جو ہمارے دین میں نہیں ہے اور وہ اسے دین کی بات اور کارِ ثواب سمجھے تو وہ مردود ہے۔ اور اِس کو اِصطلاحاً "بدعتِ شرعی" کہا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی اس بدعت کی کئی قسمیں بناکر کسی کو جائز، کسی کو مباح، کسی کو مکروہ اور کسی کو حرام قرار دے تو اس کے قول کا شرعی لحاظ سے کوئی اِعتبار نہیں۔ کیونکہ بدعت شرعی کو جتنی اقسام میں بھی تقسیم کرتے چلے جاؤ وہ سب کی سب حرام ہی ہوں گی' ان میں سے کوئی بھی جائز یا مباح نہ ہوگی۔ کیونکہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم زبانِ مُبارک سے بدعتِ شرعی کی جُملہ اقسام کو گمراهی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کہ ہر بدعت شرعی گمراهی ہے۔

اور بدعت شرعی کی آسان الفاظ میں تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ:

"بدعت وہ کام ہے جو قرونِ ثلاثہ مشہود لها بالخیر میں نہ ہُوا ہو' اور نہ اس کی اصل پائی جائے، اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے، تو یہ کرنا یا اس کے چھوڑنے کو دین کا کام سمجھ کر چھوڑنا بدعت ہے۔" (دیکھیے کفایت المفتی ج۱ ص۱۵۷)

بہر حال کسی قسم کی بدعتِ شرعی کو بدعتِ حسنہ نہیں کہا جا سکتا، وہ تو ہر حال میں گمراہی کا کام ہے اور اسے بدعتِ سیئہ ہی کہا جائے گا۔ البتہ بدعت کی وہ قسم جسے بدعتِ لغوی کہا جاتا ہے، وہ اگر کسی صورت میں بدعتِ سیئہ ہوگی تو کسی صورت میں بدعتِ حسنہ بھی ہوسکتی ہے۔

اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اب دیکھیے کہ امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کی جماعت ہوتی ہوئی دیکھ کر فرمایا تھا: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ کہ یہ باجماعت نمازِ تراویح ایک اچھی بدعت ہے۔

حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے تمام اہلِ شہر کو ایک مسجد میں ایک ہی امام کی اقتداء میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ لفظ فرمایا تھا، گو کہ اس سے پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اور اس ترغیب کے نتیجہ میں اگر تمام نہیں تو اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور بعض صحابہؓ کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھ کر ان کی تحسین فرمائی، بلکہ دو یا تین رات صحابۂ کرام کو خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھائی تھی۔ اور پھر اس کے بعد ۱۳ھ تک تمام صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ نمازِ تراویح پڑھتے رہے، ان میں سے کچھ انفرادی طور پر اور کچھ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے، اس چیز کو دیکھ کر امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود یہ انتہائی مناسب اور مستحسن اقدام کیا کہ تمام نمازیوں کو ایک امام کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب انھوں نے آپؓ کے اس حکم پر عمل کرنا شروع کیا تو اس وقت وہ اس کام کو بدعت قرار دے رہے ہیں تو اس سے مراد بدعتِ شرعی ہرگز نہیں ہوسکتی، بلکہ اس سے مراد بدعتِ لغوی ہے۔ کیونکہ رمضان شریف کی تمام راتوں میں اس خاص صورت کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھنے کا اہتمام پہلے نہیں ہوتا تھا

اب اگر امیر المومنین، خلیفۂ راشد سیدنا و امامنا حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُسی عبادت کو رواج دیا جو خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پسند تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسے سُنّتِ نبوی سمجھ کر ادا فرماتے تھے تو اُسے بدعت شرعیہ قرار دینا غلط ہوگا۔ بلکہ اُسے سُنّت کہنا ہی اَنسب ہے۔ کیونکہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو نہ صرف سُنّت قرار دیا ہے بلکہ خلفاء راشدینؓ کے طریقوں پر عمل کرنا بھی قیامت تک آنے والے سب مسلمانوں کے لیے واجب قرار دیا ہے اور اسے بھی سُنّت کے نام سے موسوم کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ امیر المومنین سیدنا عُمر رضی اللہ عنہ نے باجماعت نمازِ تراویح پڑھنے کو محض صورت کے لحاظ سے بدعت کہا ہے، کیونکہ خاص اس ہیئت کے ساتھ کہ تمام نمازی ایک امام کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھا کریں، پہلے نہ تھا۔

اور اگر جماعت کے ساتھ رمضان المبارک کی تمام راتوں میں نمازِ تراویح پڑھنا خلافِ سُنّت اور بدعتِ شرعیہ ہوتا تو اُس دَور کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم امیر المومنینؓ پر ضرور اِعتراض کرتے۔ جس سے معلوم ہُوا کہ اس طرح تراویح پڑھنا سُنّت ہے۔

اور اگر امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اِس مسنون کام کو بدعت کہنے سے مطلب بدعت شرعی ہوتا تو بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کبھی خاموش نہ رہتے کہ ایک ایسا کام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور سے اب تک مسلسل معمول چلا آرہا ہے آپؓ اس کو بدعت قرار دے رہے ہیں۔ لیکن تمام صحابۂؓ خاموش رہے۔

ان شواھد سے معلوم ہُوا کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نمازِ تراویح کو بدعت کہنے سے مُراد بدعت شرعی ہرگز نہیں تھی جو بفرمانِ رسولؐ مردود ہے۔ بلکہ اس فرمانِ امیر المومنینؓ سے مُراد بدعت صُوریہ اور لُغویہ ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماعِ سکوتی ہے۔ جبکہ تراویح کا باجماعت پڑھنا عملِ صحابہؓ سے ثابت شدہ امر ہے۔ جو سنہ ۱۵ھ سے آج سنہ ۱۴۱۵ھ تک مسلسل پُوری اُمّت کا معمول چلا آرہا ہے۔

نمازِ تراویح کا وقت

اثباتِ تراویح کے بعد اس کے وقت کی تعیین کے متعلق تحریر کیا جاتا ہے، اور اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ "قیام رمضان" یا "نمازِ تراویح" در اصل "صلوٰۃ اللیل" یا "قیام اللیل" کی ایک نوع ہے۔ جبکہ صلوٰۃ اللیل کی دیگر انواع میں صلوٰۃ الاوابین، وتر اور تہجد وغیرہ بھی شامل ہیں۔

حضرت علامہ بحر العلوم رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسائل الارکان ص ۱۳۷ میں تحریر فرمایا ہے: صَلٰوۃُ التَّرَاوِیْحِ فِیْ رَمَضَانَ نَوْعٌ مِّنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ کہ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح "صلوٰۃ اللیل" کی ایک قسم ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الْوِتْرَ قِطْعَۃٌ مِّنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ (فیض الباری ص ۳۱۵) کہ نمازِ وتر "صلوٰۃ اللیل" کا ایک ٹکڑا یا نوع ہے۔

حضرت محدّث محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ صَلٰوۃُ الْفَجْرِ مِنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ (قیام اللیل ص ۷۸) کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نمازِ فجر بھی صلوٰۃ اللیل ہی کی ایک نوع ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ غروبِ شمس کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ بھی صلوٰۃ اللیل ہی کی ایک قسم ہیں۔

نیز حضرت محدّث مروزیؒ نے فرمایا: فَکُلُّ صَلٰوۃٍ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَہِیَ مِنْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ (قیام اللیل ص ۲۶) کہ جتنی نمازیں بھی سورج غروب ہونے سے طلوعِ فجر تک پڑھی جاتی ہیں (یعنی سورج ڈوبنے کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے والی دو رکعتیں، نمازِ مغرب، صلوٰۃُ الاوّابین، نمازِ عشا اور اس سے پہلے اور بعد والی سنتیں اور نفل، نمازِ وتر، نمازِ تراویح یا قیام رمضان، نمازِ تہجد فجر کی سنتیں) سب کی سب صلوٰۃ اللیل ہی کی مختلف انواع و اقسام ہیں...

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کتابُ التہجد میں جو حدیثیں نقل کی ہیں (تا

سے مُستنبط ہوتا ہے کہ نمازِ تہجد بھی صلوٰۃُ اللیل ہی کی ایک قسم ہے۔ (صحیح بخاری ص ۱۵۱)

بہرحال گزشتہ عبارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غروبِ آفتاب سے طلوعِ آفتاب تک جتنی بھی نمازیں پڑھی جاتی ہیں خواہ وہ نفل ہوں یا سُنتیں، خواہ واجب ہوں یا فرض، یہ سب کی سب "صلوٰۃُ اللیل" کے زمرے میں شامل ہیں۔ البتہ عرفِ عام میں صلوٰۃ اللیل کا لفظ بول کر اس سے نمازِ تہجد ہی مُراد لی جاتی ہے، جبکہ تہجد کی نماز اِبتداءِ اِسلام میں تمام اُمّت پر فرض ہُوئی، پھر ایک سال کے بعد نمازِ تہجد کی فرضیّت تو منسوخ ہوگئی، البتہ تطوّعًا یعنی نفلی طور پر نمازِ تہجد رمضان اور غیر رمضان میں پڑھنے کا طریقہ مسلمانوں میں جاری رہا۔ اور موجودہ دَور میں بھی کثیر تعداد میں مسلمان پُورا سال نمازِ تہجّد پڑھنے کو معمول بنائے ہُوئے ہیں اور اسی کو صلوٰۃ اللیل کہتے ہیں۔ جبکہ صلوٰۃ اللیل کی ایک نوع قیامِ رمضان یا تراویح کہلاتی ہے جو رمضان المبارک کی مخصوص عبادت ہے۔ جس کا حکم روزوں کی فرضیت کے بعد مدنی دَور میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔

حضرت علّامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر عُلماءِ کرامؒ یہ فرماتے ہیں کہ نمازِ تراویح اور تہجد دو جُدا جُدا قسمیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بے شک "صلوٰۃُ اللیل" عام ہے مگر عام طور پر "صلوٰۃُ اللیل" بول کر اس سے تہجد مُراد لیا جاتا ہے، پس یہ منقول عُرفی ہے۔ جیسے "دابہ" کا لفظ عام ہے۔ کُلُّ مَا یَدُبُّ عَلَی الْاَرْضِ۔ مگر عُرفِ عام میں "دابہ" سے مُراد گھوڑے، گدھے اور خچّر ہوتے ہیں۔ اور بہت سے اُمور ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صلوٰۃ تہجّد اور تراویح دونوں جُدا جُدا نمازیں ہیں۔ (دیکھیے فیضُ الباری ج ۲ ص ۴۲۰)

حضرت حکیم بن افلح رحمہُ اللہ تعالیٰ نے ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آپؓ ہمیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل سے متعلق آگاہ فرمائیے۔ تو حضرت ام المومنینؓ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ نہیں پڑھا؟ اس پر حضرت حکیمؒ نے کہا کہ کیوں نہیں۔ یعنی

یہ تو ہم نے قرآن مجید میں پڑھا ہے، اور اسی لیے اس کی کیفیت پُوچھ رہے ہیں، اس پر اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اس سُورت کا ابتدائی حِصّہ مکّہ مکرمہ میں نازل ہُوا تھا۔ اور اس پر عمل کرنے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم راتوں کو اُٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے کہ ان کے پاؤں سُوج جاتے تھے۔ اور پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس سُورت کا آخری حِصّہ بارہ ماہ یعنی ایک سال کے بعد نازل ہُوا، جس کے بعد قیام اللیل یعنی نمازِ تہجد کی فرضیت ختم ہوگئی اور نفلی عبادت رہ گئی (ابوداؤد ج۱ ص۱۹۷)

اس سے معلوم ہُوا کہ نمازِ تہجد جو پہلے فرض تھی وہ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے مکّی دَور میں ہی تطوعًا یعنی نفلی نماز کے طور پر مشروع ہو چکی تھی۔ اور اس پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تطوّعًا رمضان اور غیر رمضان میں یعنی پُورا سال ہی عمل کرتے تھے، جبکہ اس زمانے میں نہ تو رمضان المبارک کے روزے ہی فرض ہُوئے تھے اور نہ قیامِ رمضان یعنی تراویح کا ہی کوئی وجود تھا۔

پھر ہجرتِ نبویؐ کے بعد مدنی دور میں جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہُوئے اور كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (۲:۱۸۳) کی آیتِ مُبارکہ نازل ہُوئی تو اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا جَعَلَ اللهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا۔ (مشکوٰۃ ص۱۷۳) کہ اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے روزے تو فرض قرار دیے ہیں اور قیامِ رمضان کو نفلی عبادت بنایا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نماز تراویح یا قیامِ رمضان اس قیام اللیل سے الگ رمضان شریف کی مخصوص نفلی عبادت ہے جسے تہجد کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس خطبۂ مبارکہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی مخصوص عبادات یعنی روزے اور قیام رمضان یعنی تراویح کا ذکر فرمایا ہے اور اس ارشادِ نبویؐ سے یہ سمجھنا کہ اس موقع پر

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی نمازِ تہجد کا ذکر فرمایا ہے تو یہ محض سینہ زوری اور ہٹ دھرمی ہوگی، کیونکہ نفلی عبادت کے طور پر نمازِ تہجد تو قبل ازیں مکی دَور سے ہی مشروع چلی آتی تھی، جیسا کہ پنج وقتہ نماز اس حکم سے پہلے فرض تھی، اب اگر یہ کہا جائے کہ قیامِ رمضان سے مُراد وہی تہجد کی نماز ہے تو کوئی سَر پھرا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس ارشادِ نبویؐ سے غروبِ آفتاب تا طلوعِ آفتاب تمام نمازیں مُراد ہیں۔ تو بس پھر چھُٹی ہُوئی، کہ دِن میں روزہ رکھ لو اور روزہ کھولنے کے بعد پڑ کر سو جاؤ، جس کا جی چاہے مغرب و عشاء تطوعًا پڑھ لے، گرانی ہو تو عیش کرے، اسی طرح صبح صادق سے پہلے تک کھا پی لے پھر گھوڑے بیچ کر سو جائے۔ نعوذ باللہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی قیامہ تطوعًا سے مُراد اگر نمازِ تہجد ہی ہوتی جو کہ پہلے سے [illegible] نماز کے طور پڑھی جاتی تھی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاف الفاظ میں یہ بھی فرما سکتے تھے کہ نماز تہجد رمضان المبارک کے اس مہینہ میں بھی بدستور نفلی نماز ہی ہے اسے فرض نہ سمجھ لینا یا نقاہت کی وجہ سے تہجد پڑھنے میں سُستی سے کام نہ لینا۔ یا اسی طرح کچھ اور ارشاد فرماتے۔

لیکن رمضان اور غیر رمضان میں جو فرض اور نفلی نمازیں پہلے سے مشروع اور معمول تھیں ان کا حکم بجائے خود ہے اور رمضان المبارک کی آمد کے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ مبارک کی مخصوص فرض اور نفلی عبادات کا ذکر اپنے خطبۂ مُبارکہ میں فرمایا، جس میں پہلے سے معمول بہ عبادات کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، کیونکہ نہ تو اس کی ضرورت تھی اور نہ ہی موقع تھا۔ البتہ بعض حدیثوں میں اعمالِ رمضان کی فضیلت آئی ہے، جبکہ مذکورہ بالا فقرہ میں اعمالِ رمضان کی فضیلت کا کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا، بلکہ اس میں دُوسری نفلی نماز یعنی تراویح کی مشروعیت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے جو پہلے سے مشروع نمازوں سے الگ رمضان شریف کی مخصوص نفلی نماز ہے۔ اور دُوسرے مقام پر اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

تہجد اور تراویح میں فرق

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان رمضان قد افترض اللہ صیامہ و انی سننت للمسلمین قیامہ (ابن ماجہ ص۹۵) کہ رمضان المبارک کا مہینہ وہ ہے کہ جس کے روزے تو خود اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور میں نے (بحکمِ الٰہی) مسلمانوں کے فائدے کے لیے اس ماہِ مبارک میں تراویح ادا کرنے کے لیے قیام کا طریقہ قائم کیا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے نفلی عبادت کے طور پر تطوعاً قیام رمضان (تراویح) کو مقرر فرمایا، جبکہ تہجد کی نماز خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس سے پہلے ہی مکی دَور میں بطور نفلی عبادت کے پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح تشریعی طور پر دو مختلف اوقات میں الگ الگ دو قسم کی نمازیں ہیں اور ان دونوں کو ایک نماز سمجھنا غلط ہے۔

نیز تہجد کی نماز پہلے پہل تمام مسلمانوں پر فرض کی گئی، جس کا وقت رات کو کچھ دیر سوکر اُٹھنے کے بعد ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ومن اللیل فتہجد بہٖ سے واضح ہے۔ جبکہ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بقول نمازِ تہجد پہلے فرض تھی، پھر ایک سال کے بعد یہ نماز نفل ہوگئی۔ اور تراویح یا قیام رمضان کا حکم مدنی دَور میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

نیز لفظ "تہجد" باب تفعّل کی مصدر ہے جو کہ "ہجود" سے ماخوذ ہے۔ اور عربی میں ہجود کا معنی ہے سونا، جیسا کہ حضرت ابو منصور ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تہذیب اللغۃ میں تحریر فرمایا ہے۔

اور باب تفعّل کی خاصیات میں سے ایک خاصیت ہے الخروج عن الشئ

یعنی کسی چیز سے خارج ہونا۔ جیسے تَاَثُّم کا معنی ہے الخروج من الاثم یعنی گناہ سے نکلنا۔ اسی طرح تحرّج کا معنی ہے الخروج من الحرج یعنی خطرے سے نکلنا۔ اسی طرح تہجد کا معنی ہے الخروج من الھجود یعنی نیند سے نکلنا یا جاگنا۔

لیکن یہاں یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ تہجد صرف اس جاگنے کو ہی کہتے ہیں جو عبادت کے لیے ہو اور اگر کبھی تکلیف کی وجہ سے سوتے ہُوئے جاگ آجائے تو اسے "ارق" کہتے ہیں۔ (دیکھیے کلیات ابی البقاء ص ۱۲۹)

بہر حال رات کو سو کر دوبارہ اُٹھ کر پڑھی جانے والی نفلی نماز کو تہجد کہتے ہیں۔ (دیکھیے کتابُ التسہیل ج ۲ ص ۱۷۷)

حضرت مفسر محمد بن یُوسف ابو حیان اندلسی رحمۃُ اللہ تعالےٰ نے تحریر فرمایا کہ یہاں باب تفعّل اِزالہ اور ترک کے معنے میں اِستعمال ہُوا ہے، جیسا کہ تاثّم کے معنے ترکُ الاثم یعنی گناہوں کا چھوڑنا ہے۔ اسی طرح نمازِ تہجد کا معنی ہے نیند سے اُٹھ کر نماز میں مشغول ہوجانا۔ (البحر المحیط ج ۶ ص ۷۱)

حضرت مفسر حوفیؒ کے حوالے سے علّامہ ابنِ حیانؒ نے تحریر فرمایا کہ سورۂ اِسراء میں آیت ومن اللیل فتہجد بہ کے معنے ہیں قم بعد نومۃ من اللیل (البحر المحیط ج ۶ ص ۷۷)، یعنی رات کو سونے کے بعد دوبارہ نماز پڑھنے کے لیے اُٹھ کر کھڑا ہوجا۔

حضرت مفسر علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی علاؤالدین خازن رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ رات کو سونے کے بعد نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔ کیونکہ تہجد ہوتا ہی وہ ہے جو سو کر اُٹھ جانے کے بعد ہو۔ تو اس آیت (ومن اللیل فتہجد بہ) کا مطلب یہ ہے کہ رات کو سو کر دوبارہ اُٹھنے کے بعد نماز پڑھو۔ دیکھیے تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۷۴۔

حضرت مفسر سیّد امیر علی ملیح آبادی رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے مواہب الرحمن پ۱۵ ص ۱۶۰

میں تحریر فرمایا ہے کہ تہجد میں خاصہ تجنّب کا ہے، یعنی ہجود (سونے) سے تجنب و اِجتناب کرنا اور اس میں اِشارہ ہے کہ تہجّد کے لیے رات میں تکلف کرکے نیند کو دُور کرنا اور نماز میں قراءۃِ قرآن کے ساتھ قیام کرنا چاہیے۔

نیز حضرت ملیح آبادیؒ نے تحریر فرمایا کہ حضرت مجاہد، علقمہ و اسود رحمہم اللہ نے کہا کہ تہجد بعد خواب (نیند) کے ہے رات میں۔ اور سراج میں کہا ہے کہ مراد اس آیت میں قیام شب واسطے ادائے نماز نفل کے ہے۔ پس تہجد نہ ہوگا جب تک بعد خواب کے نفل نماز کے واسطے نہ ہو۔ (پ ۱۵ ص ۱۶۰)

نیز فرماتے ہیں کہ تہجد وہ ہے جو نیند لے لینے کے بعد ہو، اور یہی علقمہ، اسود، ابراہیم نخعی اور بہتوں کا قول ہے۔ اور یہی زبانِ عرب میں معروف ہے۔ اور یوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کہ آپؐ بعد نیند کے تہجد پڑھتے تھے احادیث میں (سیدنا) ابن عباسؓ و (ام المومنین سیدہ) عائشہؓ اور بہت سے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے ثابت ہے۔ (مواہبُ الرحمن پ ۱۵ ص ۱۶۲)

حضرت مفسر ابو الفداء عماد الدین اسمٰعیل بن کثیر دمشقی رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر قرآن المعروف بہ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۴ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ نیز حضرت مفسر ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے بھی احکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۴ میں اِسی طرح تحریر فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں:

حضرت مفسر محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسود، حضرت علقمہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن اسود رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ تہجد نیند کے بعد ہوتے ہیں۔ (البحر المحیط ج ۶ ص ۷۱)

مشہور مفسر ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف بہ تفسیر ابن جریر پ ۱۵ ص ۹۶ میں سیدنا حجاج بن عمرو بن غزیہ مازنی انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔

حضرت مفسر سید محمود آلوسی رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے رُوح المعانی پ ۱۵ ص ۱۳۸ میں

حضرت لیث رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

حضرت محدّث ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے معجم کبیر ج ۳ ص ۲۵۴ میں سیدنا حجاج بن عمرو بن غزیہ مازنی انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سونے کے بعد اٹھ کر نمازِ تہجد پڑھا کرتے تھے۔

حضرت محدّث ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۲۷ میں سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، جس میں اس شخص کا ثواب بیان کیا گیا ہے جو تہجد پڑھنے کے لیے رات کو سو کر خود بھی اُٹھے اور اپنی بیوی کو بھی اُٹھائے۔

نیز آپ نے تحریر فرمایا: صلوۃ اللیل بین العشاء والفجر بعد نومه من اول اللیل (صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۲۷) کہ پہلی رات میں عشا اور فجر کی نماز کے درمیان سو کر اُٹھنے کے بعد نماز پڑھنا صلوۃ اللیل یعنی تہجد کہلاتا ہے۔

حضرت علامہ محمد مرتضیٰ حُسینی زبیدیؒ نے تاج ۲ ص ۵۴۳ میں تحریر فرمایا ہے تهجد استيقظ للصلوٰة اوغيرها وفى التنزيل العزيز وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اى يَتَيَقَّظْ بِالْقُرْاٰنِ...... کہ تہجد کے معنے ہیں نماز وغیرہ کے لیے جاگ اُٹھنا۔ اور قرآن مجید میں ہے وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ۔ یعنی قرآن مجید پڑھنے کے لیے جاگ اُٹھ...

حضرت علامہ ابو منصور ازہریؒ کے حوالے سے علامہ زبیدیؒ نے لکھا ہے:

قال الأزهري والمعروف فى كلام العرب ان الهاجد هو النائم واما المتهجد فهو القائم الى الصلوٰة من النوم وكان قيل له متهجد لالقائه الهجود عن نفسه كما يقال للعابد متحنث لالقائه الحنث عن نفسه۔ کہ حضرت ابو منصور ازہریؒ فرماتے ہیں کہ کلام عرب کے عُرف میں ہاجد کے معنے سونے والا ہیں، جبکہ متہجد کے معنے ہیں نیند سے اُٹھ کر نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہونے والا۔ گویا اسے متہجد اس لیے کہتے ہیں کہ سو کر اُٹھنے والا

اپنے آپ سے نیند کو پرے پھینکتا ہے۔ جیسے عبادت گزار کو مُتحنّث اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ سے گناہ کو پرے پھینکتا ہے۔

حضرت علامہ ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا (متوفی ۳۹۳ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مقاییسُ اللغۃ ج ۶ ص ۳۴ میں تحریر فرمایا ہے: هَجَدَ اذا نام هجودًا والهاجد نائم و ان صلّٰی لیلاً فهو متهجد کانه بصلاته ترك الهجود عنه وهذا قیاس مستعمل۔ یعنی ہجود کے معنی سونے کے ہیں اور ہاجد کے معنے ہیں سونے والا، جبکہ رات کو نماز پڑھنے والا متہجد ہے۔ گویا کہ وہ نماز کے ذریعے نیند کو اپنے آپ سے دُور کرتا ہے۔اور یہ اِستعمال شدہ قیاس ہے۔

بہرحال تمام محدثین، مفسرین اور اہلِ لغت اس بات پر متفق ہیں کہ تہجد اس نماز کو کہا جاتا ہے جو رات کا کچھ حِصّہ سونے کے بعد دوبارہ اُٹھ کر پڑھی جائے لیکن وہ نفلی نماز ہونی چاہیے، واجب یا فرض نماز اگر اس وقت پڑھیں گے تو اُسے تہجد نہیں کہا جائے گا۔ جیسا کہ:

حضرت علامہ سیّد محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رُوح المعانی پ ۱۵ ص ۱۳۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کو نہ سوئے، وہ خواہ جتنی بھی نماز پڑھتا رہے اس کے بارے میں یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے تہجد کی نماز پڑھی ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت مجاھدؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

علاوہ ازیں حضرت علامہ آلوسیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ تو مشہور بات ہے کہ رات کی عبادت کو (علاوہ اس شرط کے کہ اس سے پہلے نیند کی جائے یا نہ) قیام کہتے ہیں۔ اور خاص نیند کے بعد کی عبادت کو تہجد کہتے ہیں، بشرطیکہ وہ پنجگانہ نمازوں میں سے نہ ہو۔ پس اگر عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے ہی سوگیا اور پھر اُٹھ کر عشا کی نماز پڑھی تو اسے تہجد پڑھنے والا نہ کہا جائے گا۔

تمام اہلِ اسلام کا اس بات پر اِتفاق ہے کہ تہجد اس نماز کو کہتے ہیں جو سوکر اٹھنے کے بعد صبح صادق سے بطور نفل کے پڑھی جائے۔ جیسا کہ حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ نیند سے بیدار ہو کر رات کے وقت تہجد پڑھا کرتے تھے۔ احادیث میں سیّدنا عبداللہ بن عباس اور اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ مثلاً:

سیّدنا عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابنِ آدم کا پچھلی رات کے درمیانے حصے میں دو رکعتیں پڑھنا دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (کنز العمال ج ۷، ص ۹۰)

ام المومنین سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت سوتے ہُوئے گھبرا کر جاگ اُٹھے اور فرمایا سُبحان اللہ یعنی اُونگھ اور نیند وغیرہ سے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے، پھر فرمایا کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کس قدر خزانے نازل ہو رہے ہیں اور اس وقت کس طرح لوگوں کو آزمایا جا رہا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت یعنی ازواجِ مطہرات کو نمازِ تہجد کے لیے جگایا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی نمازوں میں سے افضل نماز وہ ہے۔ جو پچھلی رات کے درمیانے حصّے میں پڑھی جائے۔ (کنز العمال ج ۷، ص ۹۲)

سیّدنا صُدَی بن عجلان ابو اُمامہ باھلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس وقت کی دُعا زیادہ مقبول ہوتی ہے تو آپؐ نے اِرشاد فرمایا کہ ① پچھلی رات کے درمیانے حصّے میں۔ اور ② فرض نمازوں کے بعد۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ گرامی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند تھی، جو رات کا اِبتدائی آدھا حصّہ سوتے تھے، اس کے بعد رات

کا تیسرا حصّہ نماز پڑھنے میں صرف فرماتے اور پھر رات کے آخری چھٹے حصّے میں سوجایا کرتے تھے ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

سیّدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچھلی رات کے درمیانے حصّے میں یعنی صبح کاذب کے وقت رب تعالیٰ اپنے بندے کے زیادہ قریب ہوتا ہے ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سونے کے بعد تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتے تو یہ پڑھتے: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ وَلِقَاؤُکَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ. اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ. (مشکوٰۃ ص ۱۰۷ و ۱۰۸)

سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان رات کے وقت وضو کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے سوجائے، پھر رات کے کسی حصّہ میں جاگ کر اللہ تعالیٰ سے خیر مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتا ہے ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

سیّدنا ربیعۃ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ کے قریب رات گزارتا تو میں سنتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے کسی حصّہ میں کھڑے ہو کر کچھ دیر تو سُبْحَانَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا وِرد فرماتے اور کچھ دیر سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کا وِرد فرماتے رہتے تھے ۔ (مشکوٰۃ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شب ہمارا رب پہلے آسمان کی طرف اپنی رحمت کا نزول فرماتا ہے، یہاں تک کہ پچھلی رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے، اُس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دُعا قبول کروں، کون ہے مجھ سے مانگنے والا کہ میں اُسے عطا کروں، کون ہے مجھ سے بخشش مانگنے والا کہ میں اس کی بخشش کروں۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

نیز فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص رات کو سونے کے بعد جاگے تو اپنی بیوی کو بھی جگائے۔ اور اگر وہ نہ جاگے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ (کنز العمال ج ۷، ص ۷۹۳)

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پہلے حصّے میں سوتے تھے اور رات کے آخری حصّے میں جاگتے تھے .... اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

نیز فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے کسی حصے میں سو کر اٹھتے تو نماز کا افتتاح فرماتے وقت یہ دُعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرَئِیْلَ وَ مِیْکَائِیْلَ وَ اِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

نیز حضرت ام المومنینؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سو کر اٹھتے تو فرماتے: لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْاَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَۃً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

نیز آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت سو کر اٹھتے تو دس بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ، دس بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، دس بار

سُبْحَانَ اللہِ وَ بِحَمْدِہٖ، دس بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ، دس بار اَسْتَغْفِرُ اللہَ، دس بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اور دس بار ہی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ کہتے۔ پھر نماز شروع فرماتے۔ (،)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نماز کے لیے قیام فرماتے تو اَللہُ اَکْبَرُ کہتے اور پھر اس طرح کہتے سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُكَ پھر کہتے اَللہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا پھر کہتے اَعُوْذُ بِاللہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ ثنا کے بعد تین بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتے اور پھر قرآن مجید کی تلاوت شروع فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کے کسی حصے میں جاگے اور جاگتے وقت یہ الفاظ کہے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ اور پھر کہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ۔ یا اس طرح فرمایا کہ پھر جو دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوگی۔ اور پھر اگر وضو کرکے نماز پڑھے تو وہ نماز بھی قبول ہوگی۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۸)

نیز ایک روایت میں وَلَہُ الْحَمْدُ کے بعد یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (دیکھیے کنز العمال ج ۷، ص ۷۸۰)

سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو اس وقت نماز پڑھتا ہے جبکہ لوگوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے تو اس شخص کے لیے جنت میں بڑے اعلیٰ درجے ہوں گے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کے وقت جاگے اور اپنے ساتھ اپنی بیوی کو بھی جگائے۔ اور اگر اس پر نیند کا غلبہ ہو تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور پھر دونوں اپنے گھر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی کی بخشش فرما دیتا ہے۔ (کنز العمال ج ۷ ص ۷۹۳)

سیدنا حجاج بن عمرو بن غزیہ مازنی انصاری مدنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے کے بعد دوبارہ اٹھ کر نمازِ تہجد ادا فرمایا کرتے تھے۔ (دیکھیے معجم کبیر طبرانی ج ۳ ص ۲۵۴)

اسی طرح دیگر متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز تہجد سے متعلق معمول کتب حدیث و سِیَر اور تفاسیر میں منقول ہے۔

ان تمام روایات کو اس مقام پر جمع کرنا باعثِ طوالت ہوگا، لہٰذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اصل بات جو یہاں کی جا رہی وہ یہ ہے کہ دراصل صلوٰۃ اللیل کی وہ قسم جسے تہجد کہا جاتا ہے وہ رات کو کچھ دیر سونے کے بعد دوبارہ اٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ جبکہ صلوٰۃ اللیل کی وہ قسم جس کا نام قیام رمضان ہے اور اسے تراویح کہا جاتا ہے۔ ان دونوں نمازوں کے اوقات میں فرق ہے۔ اور ان کی تعداد رکعات میں بھی فرق ہے۔ اور تعدادِ رکعات سے متعلق مستقل بحث تو آگے آئے گی، یہاں صرف یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازوں کے نام ہیں۔ کیونکہ

① تراویح کا حکم روزوں کی فرضیت کے بعد مدنی دَور میں دیا گیا۔ جبکہ تہجد کا حکم اس سے پہلے مکی دَور میں دیا گیا تھا۔

② تراویح کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ جبکہ تہجد کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا۔

③ تراویح میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ محنت فرماتے تھے، جبکہ

تہجّد میں نسبتہً کم محنت فرماتے تھے۔

④ تراویح کا حکم ابتداء سے ہی تطوّعاً سُنّت موکدہ کے طور پر دیا گیا، جبکہ تہجد پہلے فرض تھا اور پھر ایک سال کے بعد نفلی عبادت ہو گیا۔

⑤ تراویح میں اِستیعاب یعنی پُوری رات صرف کرنا جائز ہے۔ جبکہ تہجّد میں اِستیعاب نہیں۔

⑥ تراویح صرف رمضان المبارک میں پڑھنے کا ثبوت ہے، جبکہ تہجد پُورے سال میں ہر رات تطوّعاً (بطورِ نفل) پڑھے جاتے ہیں۔

⑦ تراویح رات کو عشاء کے بعد سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے، جبکہ تہجد رات کو کُچھ دیر سونے کے بعد اُٹھ کر پڑھنے کا حکم ہے۔

⑧ تراویح اکیلے بھی پڑھی جا سکتی ہے لیکن جماعت سے پڑھنا سُنّت مؤکدہ ہے، جبکہ تہجد کے لیے جماعت سُنّت موکدہ نہیں ہے۔

⑨ تراویح کے بعد نمازِ وتر جماعت سے پڑھنا سُنّتِ مؤکدہ ہے، جبکہ تہجد کے بعد نمازِ وتر باجماعت پڑھنا منع ہے، البتہ بصورتِ تداخل جائز ہے۔

⑩ تراویح میں پُورا قرآن مجید کم از کم ایک بار پڑھنا سُنّتِ موکدہ ہے، جبکہ تہجد میں پُورا قرآن مجید پڑھنا ضروری نہیں۔

⑪ تراویح کے لیے تداعی یعنی ایک دُوسرے کو دعوت دینا مسنون ہے، جبکہ تہجد کے لیے تداعی کا کوئی حکم نہیں۔

⑫ تراویح بڑی فضیلت والی رمضان المبارک کی مخصوص عبادت ہے، جبکہ تہجد کی فضیلت تراویح سے کم ہے۔

⑬ تراویح میں ہر دو دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا جاتا ہے، جبکہ تہجد میں ہر چار رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے، اور دو پر بھی جائز ہے۔

⑭ تراویح صرف رمضان کی راتوں میں پڑھنا سُنّتِ مؤکدہ ہے۔ جبکہ تہجد رمضان اور غیر رمضان میں (ہمیشہ) پڑھنا مستحب ہے۔

تہجد و تراویح میں فرق کے متعلق اُم المومنین و سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کی روایات

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد پڑھنے کے لیے کس وقت بیدار ہُوا کرتے تھے تو حضرت اُمّ المومنینؓ نے فرمایا کہ آپؐ اُس وقت بیدار ہوتے تھے جب (آدھی رات کو) مُرغ کی آواز سُنتے تھے۔

ام المومنینؓ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولِ مُبارک یہی تھا کہ آپؐ رات کو سو جاتے تھے اور پھر رات کے پچھلے پہر مُرغ کی اذان (یعنی سحری) کے وقت نمازِ تہجد پڑھنے کے لیے بیدار ہوتے تھے۔ جبکہ رمضانُ المبارک کی مخصوص عبادت یعنی قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان المبارک میں) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے۔ اور رات کو ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا یعنی نمازِ تراویح نہ پڑھائی (جبکہ آپؐ ہمیں اس کی ترغیب دلاتے رہتے تھے، اور ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر خود تو نمازِ تراویح پڑھا ہی کرتے تھے) یہاں تک کہ سات راتیں رہ گئیں۔ پھر تیئیسویں رات کو تہائی رات تک ہمیں نمازِ تراویح پڑھائی۔ اور چوبیسویں رات کو آپؐ نے ہمیں نمازِ تراویح نہ پڑھائی، اس کے بعد پچیسویں رات کو آپؐ نے ہمیں آدھی رات تک نمازِ تراویح پڑھائی۔

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ نبویؐ میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! کاش کہ آپؐ رات کا اس سے بھی زیادہ حصّہ نمازِ تراویح پڑھلتے، اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی امام کے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھ لیتا ہے تو اس کے حق میں تمام رات کا قیام لکھا جاتا ہے۔ (اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰی مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ حُسِبَ لَہٗ قِیَامُ لَیْلَۃٍ)

پھر چھبیسویں رات کو آپؐ نے نمازِ تراویح (باجماعت) نہیں پڑھائی۔ اور جب رمضانُ المبارک کی ستائیسویں رات ہُوئی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال اور اُمہاتُ المومنینؓ اور دُوسرے لوگوں کو بھی جمع فرمایا اور پھر سب کو نمازِ تراویح پڑھائی۔ (اور نمازِ تراویح بہت دیر تک پڑھاتے رہے) حتیٰ کہ ہمیں خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ہم سے "فلاح" نہ فوت ہوجائے۔

راوی نے اس موقع پر حضرت ابوذرؓ سے دریافت کیا کہ "فلاح" کے کیا معنے ہیں تو انھوں نے "فلاح" کے معنے بتلائے: "سحری کے وقت کا کھانا"۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر اس کے باقی بچے ہُوئے مہینہ یعنی ۲۸، ۲۹، ۳۰ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ ہمیں نمازِ تراویح نہیں پڑھائی۔ (ترمذی ص ۱۱۱ و ۱۱۲)

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات تو تہائی شب تک نمازِ تراویح پڑھی اور پڑھائی۔ اور دُوسری شب آدھی رات تک قیام فرمایا اور تیسری رات تو اس قدر طویل قیام فرمایا کہ سحری کے ختم ہونے کا وقت قریب آگیا۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہُوا کہ قیامِ رمضان نمازِ تہجد سے الگ رمضان المبارک کی مخصوص نماز ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نمازِ تراویح کا وقت نمازِ عشاء کے فوراً بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے پہلے ختم ہوجاتا ہے۔ جبکہ نمازِ تراویح اور نماز تہجد کا جُدا جُدا ہونا بھی واضح ہوجاتا ہے جو کہ رات کو کچھ نہ کچھ سونے کے بعد اُٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔

تراویح و تہجد کا فرق بلحاظِ جماعت بالتداعی

تہجد کی نماز میں آپؐ نے کبھی بالتداعی جماعت نہیں فرمائی۔ یعنی بڑے اہتمام کے ساتھ لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی دعوت نہیں دی گئی، ہمیشہ خود اکیلے ہی پڑھتے تھے۔ البتہ اِتفاقاً کبھی ایک یا دو آدمی آپؐ کے ساتھ آکر کھڑے ہوجائیں تو اس میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ یہ جماعت بالتداعی نہیں بنتی۔

حضرت علامہ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تحریر فرمایا ہے: والنفل بالجماعۃ غیر مستحب (علی سبیل التداعی کما فی الکافی) ولانہ لم تفعلہ الصحابۃ بجماعۃ فی غیر رمضان ای بالتداعی اما لو اقتدیٰ رجل بواحد واثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدیٰ ثلاثۃ بواحد اختلفوا فیہ وان اقتدیٰ اربعۃ بواحد کرہ اتفاقاً۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۷۰)

کہ تداعی کے طور پر جماعت سے نفل نماز پڑھنا مستحب نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کے سوا جماعت سے نماز پڑھنے کا کام صحابۂ کرامؓ نے نہیں کیا۔ یعنی تداعی کے ساتھ باجماعت نفل نہیں پڑھتے تھے۔ (اور اگر یہ کام مستحسن ہوتا تو صحابۂ کرامؓ جو بھلائی کے ہر کام کی طرف جلدی سے لپکتے تھے وہ تو نفلوں کی جماعت ضرور کراتے) البتہ اگر ایک آدمی کی اقتدا ایک آدمی کرے، یا دو آدمی ایک آدمی کی اقتدا کریں تو یہ مکروہ نہیں ہے (کیونکہ یہ جماعت بالتداعی نہیں) اور جب تین مُقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے (بعض علما اسے تداعی سمجھتے ہُوئے مکروہ قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض کے خیال میں یہ تداعی نہیں اس لیے وہ اسے مکروہ بھی نہیں سمجھتے) اور اگر ایک آدمی کے چار مُقتدی ہوں تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

اور ایک یا دو آدمیوں کی جماعت کو تداعی اس لیے نہیں سمجھا جاتا کہ خود سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ تہجّد کی نماز میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جا کھڑے ہُوئے تھے۔ جبکہ حضرت ابن عباسؓ اس وقت نابالغ بچّے تھے۔ چنانچہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صَلَّیْتُ اِلٰی جَنْبِ النَّبِیِّ ﷺ وَعَآئِشَۃُ خَلْفَنَا تُصَلِّیْ مَعَنَا وَاَنَا اِلٰی جَنْبِ النَّبِیِّ ﷺ اُصَلِّیْ مَعَہٗ (قیام اللیل للمروزی ص ۸۸) کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے ہو کر (باجماعت نفلی) نماز پڑھی اور اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ ہمارے پیچھے کھڑی ہمارے ساتھ (باجماعت نفلی) نماز پڑھ رہی تھیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صَلَّيْتُ اَنَا وَ يَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَصَلَّتْ اُمِّيْ مِنْ وَّرَآئِنَا (قیام اللیل للمروزی ص ۸۸) کہ میں اور (میرے بھائی) حضرت یتیم رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، اور میری والدہ ہمارے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو آدمیوں کا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تین آدمیوں کا ایک امام کے پیچھے کھڑے ہو کر باجماعت نفلی نماز پڑھنے کا ثبوت تو ملتا ہے، لیکن چار آدمیوں کا ایک امام کی اقتدا میں باجماعت نفلی نماز پڑھنے کا کسی حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ جبکہ نمازِ تراویح کا تداعی کے ساتھ چند بار باجماعت پڑھنا حضرت نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔

تراویح و تہجد میں فرق بلحاظِ استیعاب

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد کے لیے تمام رات کبھی نہیں جاگے چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نمازِ تہجد کے بیان میں فرماتی ہیں: وَلَآ اَعْلَمُ نَبِيَّ اللهِ ﷺ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ وَّاحِدَةٍ وَلَا صَلّٰى لَيْلَةً اِلَى الصُّبْحِ (قیام اللیل للمروزی ص) کہ میں نہیں جانتی کہ کبھی ایسا بھی ہُوا ہو کہ نمازِ تہجد میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پُورے کا پُورا قرآن مجید ایک ہی رات میں پڑھ لیا ہو اور نہ ہی کبھی آپؐ نے ایسا کیا کہ تمام رات صبح تک نمازِ تہجد پڑھتے رہے ہوں۔

حضرت ام المومنینؓ کی یہ تحدید نمازِ تہجد کے متعلق ہی ہے، ورنہ نمازِ تراویح میں صبح تک نماز پڑھنے والوں میں تو خود اُم المومنینؓ بھی دیگر اہلِ بیت کے ساتھ شامل تھیں، جیسا کہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے، اور خود ام المومنینؓ اس واقعہ سے بخوبی واقف تھیں اور نہ ہی یہ اہم واقعہ انھیں بھولا تھا، بلکہ خوب یاد تھا۔ اس کے باوجود تمام رات جاگنے سے اِنکار کا مطلب

صرف یہ ہے کہ نمازِ تہجد کے لیے تمام رات جاگتے رہنے کا اِنکار فرما رہی ہیں۔ کیونکہ اُمّ المومنینؓ کی اس حدیث کے راوی حضرت سعد بن ہشام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت اُمّ المومنینؓ سے نمازِ تہجّد کے بارے میں ہی دریافت کیا تھا، چُنانچہ اِمام مسلمؒ نے یہ روایت باب قیام اللیل ہی میں نقل فرمائی ہے۔ جبکہ اس روایت میں نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان کا کہیں نام و نشان تک موجود نہیں ہے۔

اِسی طرح حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ بن عوف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رمضان المبارک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کے بارے میں سوال کیا: کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ کہ رمضان المبارک میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کیسی ہُوا کرتی تھی؟ (جبکہ عشاء کی نماز پڑھ کر تو آپ تراویح پڑھتے تھے، تو شاید آپؐ اس ماہِ مُبارک کی وجہ سے تہجد میں بھی اضافہ فرماتے ہوں) تو اس پر اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مَا کَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً. کہ رمضانُ المبارک کا مہینہ ہو یا کوئی اور مہینہ ہو، نمازِ تہجّد تو وتروں سمیت گیارہ رکعت ہی پڑھا کرتے تھے، اور تعدادِ رکعات میں کوئی اضافہ نہیں فرماتے تھے۔ اس کے بعد ام المومنینؓ نے فرمایا یُصَلِّیْ اَرْبَعًا کہ پہلے تو چار رکعتیں اس طرح پڑھتے تھے فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ کہ مت پُوچھیے کہ وہ کس قدر خوش اسلوبی کے ساتھ ایک لمبے وقت میں ادا فرماتے تھے، یعنی اس کی تعریف ممکن نہیں (پھر کچھ دیر آرام فرماتے اور پھر اُٹھ جاتے) ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ پھر چار رکعت اس قدر حَسِین انداز میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ لمبے وقت میں ادا فرماتے تھے کہ ہماری زبان اس کی تعریف کرنے سے قاصر ہے، مت پُوچھو کہ وہ کتنی خوبصورت اور لمبی نماز ہوتی تھی۔ (اس کے بعد پھر کچھ دیر آرام فرماتے) ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلٰثًا اور پھر اُٹھ کر آپؐ تین رکعت نمازِ وتر پڑھا کرتے تھے۔

اس کے بعد اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ کہ یارسول اللہ! کیا آپؐ نمازِ تہجد پڑھنے کے بعد وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَا عَائِشَۃُ! اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ (بخاری ص۲۶۹) کہ اے عائشہ! تہجد اور وتر کے درمیان میری آنکھیں تو سوتی یعنی بند ہوتی ہیں لیکن میرا دل غافل ہوکر نہیں سوتا۔

اس حدیث مبارکہ سے متبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسلمہؒ نے خاص رمضانُ المبارک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کے بارے میں ام المومنینؓ سے دریافت کیا تھا، جس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ رمضان کے اس بابرکت مہینے میں بھی تعدادِ رکعات کے لحاظ سے تو کوئی اضافہ نہیں فرماتے تھے، بلکہ رمضان ہو یا غیر رمضان آپ تہجد میں تو وتروں سمیت گیارہ رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے اس سے زیادہ نماز تہجد کبھی بھی نہیں پڑھتے تھے۔ البتہ رمضان المبارک میں جس قدر خوبصورتی سے لمبی نماز پڑھتے تھے اس کی تعریف ممکن نہیں۔ اور ہر چار رکعت کے بعد آپؐ کچھ دیر آرام فرمایا کرتے تھے۔

اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی نمازِ تراویح کے بارے میں جو روایت پہلے گزری ہے اگرچہ اُس میں تعدادِ رکعات کا کوئی ذکر نہیں، مگر اس میں ہر چار چار رکعت کے بعد آپؐ کے آرام کرنے کا ذکر نہیں ملتا۔ دُوسرے رمضان میں جو تین روز آپؐ نے باجماعت تراویح پڑھائیں اس میں بھی یہ ہیئت ثابت نہیں ہُوئی۔ بلکہ تیسری رات تو پُوری شب تراویح پڑھنے میں ہی گزار دی تھی، یہاں تک کہ سحری کھانے کے فوت ہونے کا بھی خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ جس سے معلوم ہُوا کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔

تراویح و تہجد میں فرق بلحاظِ شدّت اجتہاد و محنت

حدیث شریف میں آیا ہے: رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَجْتَھِدُ فِیْ رَمَضَانَ

مَا لَا یَجْتَہِدُ فِی غَیْرِہٖ ( ) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ رمضان المبارک عبادت میں اس قدر محنت فرماتے تھے کہ غیرِ رمضان میں کبھی اتنی محنت اور کوشش نہیں فرماتے تھے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، اس لیے کہ اگر سب مہینوں کی صلوٰۃ اللیل تعدادِ رکعات کے لحاظ سے برابر تھی تو شدّتِ اجتہاد اور محنت کی زیادتی کا کوئی معنی نہیں ہو سکتا۔

نیز بخاری شریف میں ہے: اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَہٗ وَاَحْیٰی لَیْلَہٗ وَاَیْقَظَ اَھْلَہٗ کہ جب رمضان المبارک کا آخری دہا آجاتا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند مضبوطی کے ساتھ باندھ لیا کرتے تھے اور ساری ساری رات جاگتے رہتے تھے اور اپنے اہلِ بیت یعنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی جگائے رکھتے تھے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے: اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ لَمْ یَاْتِ فِرَاشَہٗ حَتّٰی یَنْسَلِخَ (سنن الکبریٰ للبیہقی ص) کہ جب رمضان شریف کا مہینہ آجاتا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بسترِ مبارک کے قریب بھی نہ آتے، یہاں تک کہ رمضان شریف کا مہینہ الوداع کہ جاتا۔

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے عبادت میں شدّتِ اجتہاد و محنت اور رات بھر مسلسل جاگتے رہنے کا ذکر کس طرح واضح الفاظ میں مذکور ہے۔ پس عبادت کی شدت و تخفیف کے لحاظ سے رمضان اور غیر رمضان میں مساوات اور برابری ثابت نہیں۔

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے درجِ ذیل تین امور ثابت ہوئے:

اوّل یہ کہ ان ایامِ رمضان میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری ساری رات شب بیداری فرماتے رہے ہیں۔ کیونکہ اَحْیَا لَیْلَہٗ اسی وقت بولا جاتا ہے جب ساری رات جاگتے رہنے کی بات کی جائے۔

پس معلوم ہُوا کہ حضرت ابوسلمہ رحؒ کے اِستفسار پر اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو تمام رات جاگتے رہنے کا اِنکار فرمایا ہے تو وہ نمازِ تہجد کی نسبت ہی ہے، اس میں رمضان المبارک میں شب بیداری کی نفی نہیں، اور اس روایت میں خود ام المومنینؓ ہی تمام رات جاگنے کا ذکر فرما رہی ہیں۔

دُوسرے یہ کہ جن راتوں میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھی ہیں، یعنی پہلی میں ایک تہائی رات تک اور دُوسری میں نصف رات تک اور تیسری رات میں سحری کے آخری وقت تک نمازِ تراویح پڑھنے میں مصروف رہے، تو اُن راتوں میں بھی آپؐ سوئے نہیں، کیونکہ وہ راتیں جن میں باجماعت تراویح پڑھی گئیں وہ اسی آخری دَہے میں شامل ہیں، جن کے بارے میں اَحْیٰی لَیْلَهٗ فرمایا گیا ہے۔

تیسرے یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی تمام راتوں میں نمازِ تراویح پڑھی ہے۔ یعنی رات کے پہلے حصے میں جو نماز پڑھتے تھے وہ تراویح تھی اور جو نماز رات کے آخری حصے میں پڑھی اس کا نام تہجد ہے۔

تراویح و تہجد میں فرق بلحاظِ فضیلت

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رات دیکھا کہ لوگوں کی مختلف ٹولیاں بنی ہُوئی ہیں کوئی اکیلے نمازِ تراویح پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ چند آدمی کھڑے نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں، تو آپؓ نے ان سب کو سیدنا اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھنے کا حکم دیا، اس کے بعد سب لوگوں کو ایک امام کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھتے ہُوئے دیکھ کر آپؓ نے خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہُوئے فرمایا: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ کہ نمازِ تراویح کی جماعت کا یہ اِلتزام بہت اچھی چیز ہے، جبکہ اس سے پہلے ایسا اہتمام و التزام نہیں ہوتا تھا، اس کے بعد حضرت امیر المومنینؓ نے فرمایا: وَالَّتِیْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِیْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ (بخاری ص ۲۶۹)

کہ جس نماز کو چھوڑ کر تم سو جاتے ہو، یعنی نمازِ تہجد جو کہ کچھ دیر سو کر اُٹھنے کے بعد رات کے آخری حصّے میں پڑھی جاتی ہے، اس کے بعد وہ بھی ضرور پڑھا کرو کیونکہ اس نماز یعنی تراویح کے بعد وہ نماز یعنی تہجد کا پڑھ لینا بھی زیادہ فضیلت والا کام ہے۔

حضرت امیرالمومنینؓ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اکثر لوگوں کی عادت یہ تھی کہ وہ رمضانُ المبارک میں صرف رات کے پہلے حصّے میں نمازِ تراویح تو پڑھ لیتے تھے جو سُنّت مؤکّدہ ہے مگر رات کے آخری حصّے میں نمازِ تہجد پڑھنے میں کسی قدر سُستی سے کام لیتے تھے جس کا پڑھنا مستحب ہے۔

اور اس کی مثال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشادِ گرامی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے: مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ کہ جس شخص نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھ لی تو گویا اُس نے آدھی رات قیامِ لیل کیا، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ (مشکوٰۃ ص ۶۲) اور جس شخص نے صبح کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو گویا اُس نے ساری رات ہی نماز پڑھنے میں گزاری ہے۔

خلاصہ یہ کہ رمضان المبارک کی یہ مخصوص نماز جسے قیامِ رمضان یا تراویح کہا جاتا ہے اس کا وقت نمازِ عشا کے بعد شروع ہوتا اور صبح صادق سے پہلے ختم ہوجاتا ہے۔ اور اوّل وقت میں پڑھنا معمول نبویؐ ہے، جبکہ آخرِ شب تک تراویح پڑھتے رہنے کا ثبوت موجود ہے کہ جن تین راتوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت نمازِ تراویح پڑھائی ہیں ان میں سے آخری رات آخرِ شب تک نمازِ تراویح پڑھاتے رہے تھے۔ حتیٰ کہ لوگوں کو خطرہ پیدا ہوگیا کہ ہم سحری نہ کھاسکیں گے۔

__شبہ:__ اب اگر کوئی کہے کہ اس رات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد نہیں پڑھے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے۔

جواب: جس رات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے آخری حصے تک نمازِ تراویح پڑھائی تھی اس رات آپؐ نے نمازِ تہجد نہیں پڑھی، بلکہ تراویح کے ساتھ ہی نمازِ تہجد بھی ادا ہوگئی، کیونکہ عبادات میں تداخل ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً:

اگر چاشت کے وقت سورج گہن ہو جائے اور صلوٰۃ کسوف یعنی سورج گہن کی نماز پڑھی جائے تو صلوٰۃِ کسوف کے ساتھ نیت کرلینے سے چاشت کی نماز بھی ادا ہوجائے گی اور ثواب بھی دونوں نمازوں کا مل جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حالانکہ صلوٰۃِ کسوف اور صلوٰۃِ ضحیٰ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

اسی طرح رات کے آخری حصے میں یعنی تہجد کے وقت اگر چاند گہن ہوجائے اور صلوٰۃ خسوف یعنی چاند گہن کی نماز پڑھی جائے تو نیت کرلینے سے نمازِ تہجد بھی ادا ہوجائے گی، حالانکہ صلوٰۃِ خسوف اور نمازِ تہجد الگ الگ دو مختلف نمازیں ہیں، پھر بھی ثواب دونوں نمازوں کا مل جائے گا۔ اِن شاء اللہ۔

اسی طرح فجر، ظہر وغیرہ نمازوں کی سُنتیں پڑھتے وقت تحیۃ الوضو کی نیت کرلے، بلکہ ان کے ساتھ ساتھ تحیۃ المسجد کی نیت بھی کرلے تو ان سب کا ثواب مل جائے گا۔

اسی طرح نماز پڑھتے ہُوئے کئی واجبات بھول گیا تو آخری قعدہ میں ایک ہی سجدہ سہو کرلینے سے نماز ادا ہوجائے گی۔

اسی طرح ایک مجلس میں سجدۂ تلاوت کی ایک ہی آیتِ مبارکہ سو مرتبہ بھی پڑھ لے پھر ایک ہی سجدۂ تلاوت کرلے تو سب ادا ہوجائیں گے۔ یہ تداخل فی السبب (تلاوۃ) ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۴۴)

ایسا تداخل "عباداتِ غیر مقصودہ" میں ہُوا کرتا ہے۔ لیکن "عباداتِ مقصودہ" میں اس قسم کا تداخل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ رمضان شریف کے آخری جمعۃ المبارک میں سال بھر کی فوت شدہ نمازوں کے مداوے کی غرض سے قضاءِ عمری کے خیال سے پڑھی جاتی ہے، سو یہ خیال غلط ہے۔ (دیکھیے ہدایہ ج ۱ ص ۲۳۸)

عبادات کی طرح "عقوبات" یعنی سزاؤں میں بھی تداخل ہوتا ہے۔ مثلاً:
ایک شخص کئی بار چوریاں کرنے کے بعد پکڑا جاتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹنے سے سب چوریوں کی سزا ہوگئی۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۵۳۳)

اسی طرح کئی بار زنا کرنے کے بعد پکڑے جانے والے غیر محصن (یعنی کنوارے) کو صرف سو کوڑے لگیں گے۔ اور محصن پر رجم ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے کئی آدمیوں پر تہمت لگائی یا پوری جماعت پر تہمت لگائی تو سب کا تداخل ہوگا اور صرف اسّی کوڑے لگیں گے۔ (ایضاً ص ۵۱۱/۲)

اسی طرح اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

اور یہاں بھی گو کہ تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، جن کے اوقات بھی الگ الگ ہیں، لیکن جو شخص ابتداء رات میں نمازِ تراویح شروع کرے اور تمام رات نمازِ تراویح پڑھنے میں گزار دے، یہاں تک کہ تہجد کے وقت میں بھی تراویح پڑھتا رہے تو اس کے تہجد بھی ادا ہوجائیں گے، جیسا کہ تیسری شب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ مشہور محدّث ومفسّر حضرت علّامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک سائل کے جواب میں تحریر فرمایا کہ: اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے، پچھلے پہر پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔ (دیکھیے فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۶۵۴)

نیز آپ سے پوچھا گیا کہ جو شخص رمضان المبارک میں عشا کے وقت نمازِ تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ پڑھ سکتا ہے، تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اوّل شب تہجد نہیں ہوتی۔ (ص ۶۸۲/۱)

نیز جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا نمازِ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا علیحدہ علیحدہ؟ تو آپ نے جواب دیا کہ: نمازِ تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۶۵۶)

نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سُنّت وہ ہوتی ہے جو فرض اور واجب نہ ہو اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول رہا ہو، خصوصًا خلفاءِ راشدین کے طریقے پر عمل کرنے کو تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس رسالہ کی اِبتدا میں تحریر کیا جا چکا ہے۔ اور تارکِ سُنّت دُنیا میں تو ملامت کا مستحق ہے، جبکہ سُنّت پر عمل نہ کرنے والا آخرت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی محروم و نامُراد رہے گا، البتہ کسی شرعی عذر کے سبب کسی سُنّت پر عمل ممکن نہ ہو تو چنداں مضائقہ بھی نہیں۔ (دیکھیے مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹)

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں اپنی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت کا حکم دیا ہے وہاں امیرِ المومنین سیدنا ابوبکر صدیق اور امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہما جیسے عالمِ باعمل حُکّام و اُمراء کی اِطاعت کا حکم بھی دیا ہے (۴:۵۹)

حضرت علامہ محمد عبدالعلی بحرالعلوم رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسائل الارکان ص ۱۳۹ میں تحریر فرمایا ہے: فَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ كَسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِى اللُّزُوْمِ وَالْاَسَاءَةِ فِى التَّرْكِ. کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سُنّت بالکل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ مُبارکہ ہی کی طرح ہے، جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہمارے ذمّے لازم ہے اور جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ مبارکہ کو چھوڑنے سے گناہ ملتا ہے اسی طرح خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سُنّت کو چھوڑنے سے بھی گناہ ہوتا ہے۔

نیز ہم یہاں ابتدا میں یہ بتا دینا بھی مفید در اصل بلکہ ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی مسئلہ کے اِثبات کے لیے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور دلائل شرع کے چار ہیں۔ نیز مسائلِ شرعیہ میں ان چار کے علاوہ کوئی دلیل معتبر نہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

① کتابُ اللہ یعنی قرآن مجید۔ اور جب کوئی مسئلہ اس میں نہ ملے تو پھر:

② سُنّت رسول اللہ ﷺ یعنی قولی، فعلی یا تقریری سُنّت، جو صحیح حدیث سے ثابت ہو، بشرطیکہ قرآن مجید کے مخالف نہ ہو۔ اور جب اس سے بھی نہ ملے تو:

③ اجماعِ اُمّت یعنی جس رائے پر قولاً، فعلاً یا تقریراً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق صحیح سند سے ثابت ہو جائے اور وہ اوّل الذکر دونوں دلائل کے مخالف و متضاد نہ ہو۔ اور اگر ان کے یہاں بھی اس بارے میں خاموشی ہو تو:

④ مُجتہد کا وہ قیاس جو کتاب و سُنّت اور اجماعِ اُمّت سے مُستنبط ہو۔ اور اگر یہاں بھی وہ مسئلہ موجود نہ ہو تو پھر اور کوئی دلیل تلاش نہ کی جائے گی۔

کیونکہ ان چار دلائلِ شرع کے علاوہ اور کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی عالم کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ سب سے پہلے اسے قرآن مجید میں تلاش کرتا ہے۔ اور اگر تلاش کے باوجود اس مسئلہ کا جواب اسے قرآن مجید میں نہ ملے تو پھر چونکہ قرآن مجید کے بعد دُوسرا درجہ سنتِ رسول اللہ کا ہے، اس لیے وہ اس مسئلہ کا جواب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی، فعلی یا تقریری سُنّت میں تلاش کرتا ہے۔ اب اگر اُسے وہاں اپنا مقصود حاصل ہو گیا تو فبہا، ورنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و اعمال اور ان کے اجماع کو دیکھیں گے اور اگر یہاں بھی مسئلہ نہ ملے تو پھر سب سے آخر میں مجتہد کے قیاس سے اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے گا، بشرطیکہ وہ اُصولِ ثلٰثہ یعنی کتاب و سُنّت اور اجماع سے مُستنبط ہو۔ اور اگر تلاش بسیار کے باوجود مذکورہ بالا دلائل اربعہ میں اس مسئلہ کا کوئی وجود نہ ہو تو پھر اس کی تلاش میں مزید سرگردانی کی ضرورت نہیں، بس یوں سمجھو کہ یہ بات ہمارے دین میں نہیں ہے۔

قرآن مجید میں مسئلہ تعدادِ رکعاتِ تراویح کی تلاش:

اصولِ بالا کی روشنی میں تعدادِ تراویح کا مسئلہ ہم نے سب سے پہلے قرآن مجید میں تلاش کیا، مگر بڑے تفحّص کے باوجود ہمیں یہ مسئلہ قرآن مجید میں کہیں نہیں ملا۔

احادیث میں مسئلہ تعدادِ رکعاتِ تراویح کی تلاش:

اور جب یہ مسئلہ ہمیں قرآن مجید کی ورق گردانی کرنے سے اُس میں نہیں ملا تو اس مسئلہ کا صحیح تلاش کرنے کے لیے ضابطہ کے مُطابق حدیث شریف کی طرف رجوع کیا گیا تاکہ ہمیں قولی، فعلی یا تقریری سُنّت نبوی سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ تو اس سلسلے میں رئیس المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ ایک حدیث اکثر کتبِ حدیث میں موجود پائی گئی، جس میں ہے کہ:

حضرت نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں بیس ۲۰ رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے

چنانچہ مُصنّف ابن ابی شیبہ (لأبی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہؒ) ج ۲ ص ۳۹۴ و التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید (لأبی عُمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری اندلسیؒ) ج ۸ ص ۱۱۵ میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَالْوِتْرَ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان المبارک میں عشا کی نماز پڑھنے کے بعد بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد تین وتر بھی پڑھتے تھے۔

حضرت امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَۃٍ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَالْوِتْرِ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان المبارک کی راتوں میں بغیر جماعت اکیلے ہی بیس رکعت نمازِ تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، اور ان کا حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ عالیہ و دربارِ دُربار کے اندر آنا جانا تھا، بلکہ دربارِ عالیہ کے اندر نفلی نمازوں میں انھیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ کھڑے ہوکر باجماعت نماز پڑھنے کا موقع بھی حاصل ہُوا۔ اِس لیے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد، نماز وتر اور نمازِ تراویح وغیرہ کے متعلق جو معلومات انھیں حاصل ہوسکتی تھیں وہ اہلِ بیت یعنی امہاتُ المؤمنین رضی اللہ عنہن کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی تھیں۔ اِس لیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اِس فرمان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نمازِ تراویح کی رکعتیں بیس ہی ہیں۔

البتہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ اور کسی صحابی نے یہ بات نہیں بتائی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی راتوں میں رمضان المبارک میں پڑھی جانے والی مخصوص نماز قیام رمضان یا نمازِ تراویح کی کُل کتنی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور نہ ہی کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ رمضان المبارک میں اتنی رکعتیں پڑھا کرو۔

علاوہ ازیں بلحاظِ سند جو صحیح مرفوع حدیثیں نمازِ تراویح کے بارے میں آئی ہیں اُن میں صرف اس قدر مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے رمضان شریف کے آخری عشرے میں صرف دو یا تین رات باجماعت نمازِ تراویح پڑھائی۔ اور جن روایتوں میں تین رات (۲۳، ۲۵ و ۲۷) نمازِ تراویح باجماعت پڑھانے کا ذکر آتا ہے ان میں اس بات کی تو وضاحت موجود ہے کہ پہلے روز تہائی رات، دُوسرے روز آدھی رات تک، اور تیسرے روز اتنی دیر تک نمازِ تراویح پڑھائی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا خدشہ محسوس ہونے لگا کہ شاید آج ہم سحری کا کھانا بھی نہ کھا سکیں گے۔ (دیکھیے مشکوٰۃ ص ۱۱۴)

حضرت امام ابوالحسن علی بن عبد الکافی بن علی خزرجی شافعی تقی الدین سُبکی رحمہ اللہ تعالےٰ نے شرح منہاج الطالبین میں تحریر فرمایا: اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ يُنْقَلْ كَمْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ تِلْكَ اللَّيَالِيْ هَلْ هُوَ عِشْرُوْنَ اَوْ اَقَلُّ. کہ یہ منقول نہیں ہے کہ رمضان المبارک کی ان تین راتوں میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کُل کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، آیا بیس رکعتیں پڑھی ہیں یا اس سے کُچھ کم۔

لیکن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایت میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آستانۂ عالیہ میں تنہا تراویح کی بیس رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کی سند اس طرح ہے:

حدثنا یزید بن ھارون قال حدثنا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۴ والتمہید ج ۸ ص ۱۱۵)

اس سند میں حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کا نام بھی آتا ہے، جن کے بارے میں حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ (السنن الکبریٰ ص ۴۹۶/۲)

حضرت محدث بدرالدین محمود بن احمد عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۷، ص ۱۲۸ میں تحریر فرمایا ہے: کذبہ شعبہ. وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرھم. واوردلہ ابن عدی ھٰذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ. کہ شعبہؒ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ اور احمدؒ و ابن معینؒ اور بخاریؒ و نسائیؒ وغیرہم نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اور ابن عدیؒ تو اُسے منکرالحدیث قرار دیتے ہیں۔

ابوشیبہ ابراھیم بن عثمان عبسیؒ

اب دیکھیے کہ شعبہؒ نے ابوشیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کو کذاب یا جھوٹا کیوں کہا؟ تو اس سوال کا جواب حضرت علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳ میں یہ دیا ہے: کذبہ شعبۃ لکونہ رَوٰی عن الحکم عن ابی لیلیٰ انہ قال شھد صفین من اھل بدر سبعون فقال شعبہ کذب واللہ لقد ذاکرتُ الحکم فما وجدنا شھد صفین احدًا من اھل بدر غیر خزیمۃ. کہ حضرت شعبہؒ نے ابوشیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کو جھوٹا اس لیے کہا ہے کہ انھوں نے حکم سے ابنِ ابی لیلیٰ کی روایت نقل کی ہے کہ صفین میں ستر بدری صحابہؓ حاضر ہوئے۔ تو اس پر حضرت شعبہ نے کہا کہ وہ جھوٹا ہے۔ پھر میں نے حضرت حکم سے اس بات کا ذکر کیا

تو ہم نے سیدنا خزیمہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بدری صحابی ایسا نہیں پایا جو صفین کی لڑائی میں شریک ہُوا ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شعبہؒ کو اس سلسلہ میں غلط فہمی ہُوئی ہے۔ پھر حضرت علامہ شمسُ الدّین ذہبیؒ نے فرمایا: سُبحان اللہ! تو کیا حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما بھی جنگ صفین میں شریک نہیں ہُوئے تھے؟

اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابنِ عدیؒ کے خیال میں حضرت ابراہیم بن عثمانؒ کس قسم کے ضعیف ہیں۔ کیا وہ اس قسم کے ضعیف ہیں کہ سرے سے ان کی روایت ساقط الاحتجاج اور غیر معتبر ہے یا ان کی کوئی روایت قابل احتجاج اور معتبر بھی ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجی کی کتاب خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۵ کے حاشیہ کے علاوہ بقیۃُ التعقیب فی حواشی التقریب ص ۹ میں اس کا جواب یہ ہے: قال ابن عدی ضعیف ولہ احادیث صالحۃ وھو وان نسبوہ الی ضعف خیر من ابراھیم بن ابی حیبہ کہ در اصل حضرت ابن عدیؒ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن عثمان ابی شیبہؒ ضعیف تو ہیں مگر ان کی بیان کردہ حدیثیں اچھی بھی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگرچہ حضرت ابراہیم بن عثمان کو ضعیف کہا گیا ہے تاہم ابراہیم بن ابی حبیبہؒ سے ان کی حالت بہتر ہے۔

حضرت ابراہیم بن عثمان کے بارے میں ناقدینِ کرام کی مذکورہ بالا رائے اور تبصرہ کے بعد ان کے علمی مقام کا صحیح اندازہ معلوم کرنے کے لیے حضرت ابراہیم بن ابی حبیبہؒ کے بارے میں علماء کی رائے معلوم کرنا بھی ضروری ہے جن کا علمی مقام اور حالتِ صحت ابراہیم بن عثمان سے کم بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ:

حضرت علامہ سیّد امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بقیۃ التعقیب حاشیہ تقریبُ التہذیب ص ۷ میں تحریر فرمایا: ابراھیم بن اسمٰعیل بن ابی حبیبہ وثقہ احمد وقال یحیٰی صالح. وقال مرۃ لیس بشیٔ. والبخاری عندہ مناکیر. وقال النسائی والدارقطنی متروک. کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابی حبیبہ کو ثقہ اور پختہ راوی کہا ہے اور حضرت

امام یحییٰ نے فرمایا کہ ابراہیم بن ابی حبیبہؒ صالح ہیں۔ لیکن ایک بار کہا کہ یہ کوئی چیز نہیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے کہا کہ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔ اور نسائی و دارقطنی کے خیال میں یہ متروک ہیں۔ یحییٰ بن معین نے شیخ ثقۃ کبیر کا لقب دیا۔ (لسان المیزان ص ۵۳ ج ۱)

اسی طرح خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۲۰ میں ہے کہ امام نسائیؒ نے کہا کہ ابراہیم بن ابی حبیبہ ضعیف ہے اور دارقطنیؒ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔

پس ان حالات کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ جب ابراہیم بن ابی حبیبہؒ کا یہ حال ہے کہ امام احمدؒ و ابن معینؒ جیسی ہستیوں نے اس کی توثیق کی ہے اور ابن عدیؒ کے فرمان کے بموجب ابراہیم بن عثمانؒ کی حالت (ابراہیم بن ابی حبیبہ سے) بہتر ہے تو اس سے صاف نتیجہ نکلا کہ (سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیس رکعت تراویح والی روایت کے راوی) حضرت ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہؒ میں اس قدر ضعف نہیں کہ اس کی حدیث کو مطلقاً متروک کر دیا جائے۔ (دیکھیے سرورِ عزیزی ترجمہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۹۹)

ضُعفِ اسناد ضُعفِ متن کی دلیل نہیں

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہر وہ حدیث جس کی سند میں کوئی ایک آدھ راوی ضعیف ہو تو صرف اس بُنیاد پر اُس حدیث کو متن کے لحاظ سے بھی ضعیف اور ناقابلِ اعتبار نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ بارہا ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک حدیث گو سند کے لحاظ سے تو ضعیف ہوتی ہے مگر بلحاظ متن کے وہ صحیح ہوتی ہے۔

حضرت علامہ زکریا بن محمد انصاری رحمہُ اللہ تعالیٰ نے فتح الباقی حاشیہ الفیۃ العراقی ص ۱۵ میں تحریر فرمایا ہے: وقد یحسن المتن دون الاسناد کروایۃ الترمذی عن عمران بن حصین مرفوعًا من قرأ القراٰن فلیسأل اللہ بہ وقال بعدہ ھذا حدیث حسن بغیر اسنادہ۔ کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلحاظِ متن حدیث حسن ہوتی ہے مگر باعتبارِ اسناد یہ حدیث حسن نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت جو کہ حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے من قرأ القراٰن فلیسأل اللہ بہ

کہ" جو شخص قرآن مجید کی قراءت کرتا ہے تو اسے صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا اجر مانگنا چاہیے۔" اس کے بعد امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے مگر اس کی اسناد حسن نہیں۔ اور اسناد کے ضعیف ہونے سے متن کا ضعیف ہونا قطعی امر نہیں۔

قانون: سلمنا صحة اسناده لكن قد تقرر ان صحة الاسناد لا تستلزم صحة المتن. (ابكار المنن ص ۲۰) ہم نے یہ تو تسلیم کیا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ لیکن یہ قانون اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ "صحتِ سند کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کا متن بھی صحیح ہو۔"

اسی طرح کون رجال الحدیث ثقات لا یستلزم صحته (ابکار المنن ص ۴۹) یعنی "رجالِ حدیث کے ثقہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب ہرگز نہیں اس کا متن بھی لازماً صحیح ہی ہو۔"

حضرت علامہ ابن حزمؒ نے ایک حدیث کو صحیح کہا تو اس پر صاحب ابکار نے فرمایا: واما تصحيح ابن حزم فالظاهر انه من جهة السند ومن المعلوم ان صحة السند لا تستلزم صحة المتن (ابکار المنن ص ۲۰۲) کہ حضرت علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اس حدیث کو صحیح کہا ہے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف سند کے لحاظ سے اسے صحیح کہا ہے۔ اور یہ قاعدہ تو سب جانتے ہیں کہ "صحتِ سند سے صحتِ متن لازم نہیں آتا۔"

بعض ضعیف روایات جو معمولِ اُمّت ہیں

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ کسی راوی کے معمولی ضعف کی وجہ سے اس روایت کا متن بھی واجبُ الرّد ہو جائے، اور اس پر عمل کرنا حرام ہو جائے۔ اور ایسی بہت سی احادیث ہیں جن کا راوی تو ضعیف ہوتا ہے لیکن اہلِ علم اس پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ جامع ترمذی میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً

جامع ترمذی ص ۴۳ میں حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت ہے، جو انھوں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے

بیان فرمائی ہے۔ اور اس میں رکوع و سجود کی تسبیحات کا ذکر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہؒ کی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔ کیونکہ سیدنا ابن مسعودؓ ۳۲ھ میں وفات پا گئے تھے جبکہ عون بن عبداللہؒ ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ اس طرح یہ حدیث متصل نہ ہوئی۔ (قال ابوعیسیٰ حدیث ابن مسعود لیس اسنادہ بمتصل عون بن عبداللہ بن عتبہ لم یلق ابن مسعود)، تو جب سند ہی متصل نہ ہوئی تو یہ حدیث نہ صحیح ہوئی نہ حسن، بلکہ ضعیف ہوئی۔ اور اس حدیث کے ضعیف ہونے کے باوجود اہلِ علم کہتے ہیں کہ رکوع وسجود میں تین تسبیحوں سے کم ہونا پسندیدہ نہیں۔ والعمل علیٰ ھٰذا عند اھل العلم یستحبون ان لا ینقص الرجل فی الرکوع والسجود من ثلٰث تسبیحات۔

اسی طرح پہلے قعدہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے پر اِکتفاء کرنے اور اس سے زیادہ نہ بیٹھنے کے متعلق روایت کا معاملہ ہے، جس کے بارے میں حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے: والعمل علیٰ ھٰذا عند اھل العلم یختارون ان لا یطیل الرجل القعود فی الرکعتین الاُولیین ولا یزید علی التشہد شیئًا فی الرکعتین الاُولیین۔ وقالوا ان زاد علی التشہد فعلیہ سجدتا السھو۔ ھٰکذا روی عن الشعبی وغیرہ۔ (جامع الترمذی ص ۵۸) یعنی اہلِ علم کا اس پر عمل ہے کہ پہلے قعدہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے پر ہی اِکتفا کرے اور اس سے زیادہ نہ بیٹھے اور نہ ہی تشہد سے زیادہ کچھ اور پڑھے۔ اور علماء کرامؒ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص تشہد کی مقدار سے زیادہ بیٹھے گا یا کچھ پڑھے گا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

نیز حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوعبیدہؒ نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں سُنی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح نہیں، بلکہ منقطع ہے۔ لیکن اس پر تمام علماء کرام کا اِتفاق اور عمل ہے۔

اسی طرح شہد کی زکوٰۃ کے متعلق ایک ضعیف روایت ہے اور حضرت امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ص ۹۲ میں تحریر فرمایا ہے: لا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھٰذا الباب کبیر شئ۔ یعنی شہد کی زکوٰۃ کے متعلق صراحت کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث منقول نہیں، مگر اس کے باوجود حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا: والعمل علی ھٰذا عند اکثر اھل العلم وبه یقول احمد واسحٰق. یعنی اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ شہد میں زکوٰۃ ہے اور امام احمد و امام اِسحٰق بھی یہی کہتے ہیں۔

اسی طرح موزوں کے نیچے اور اوپر والے حصوں پر مسح کرنے سے متعلق حدیث بھی معلول ہے۔ اور حضرت امام بخاریؒ و ابوزرعہؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے مگر اس کے باوجود حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام اِسحٰقؒ اس کے قائل ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۱۹)

بہرحال حدیث کے ضعف کی وجہ سے اس پر عمل نہ کرنے کا بہانہ نہیں بنانا چاہیے۔ البتہ ضعف کی بعض اقسام ایسی ہیں جو عمل سے مانع ہُوا کرتی ہیں۔ مثلاً اس کا راوی کذّاب یا متروک ہو، تو اس کی روایت پر عمل کرنا منع ہے۔ اور جس حدیث کے بارے میں ہماری بحث ہورہی ہے وہ حدیث سند کے لحاظ سے بے شک ضعیف تو ہے مگر اس کا ضعف اس حد تک نہیں پہنچا کہ وہ عمل سے مانع ہو۔ البتہ عقیدہ کے معاملے میں یہ قانون نہیں ہے۔ عقیدہ کے لیے خبرِ واحد اگرچہ صحت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو پھر بھی وہ کافی نہیں ہُوا کرتی۔ کیونکہ عقیدہ کے لیے خبر متواتر یا کم از کم صحیح مشہور ہونا نہایت ضروری ہے۔

قانون: صحت یا ضعف کا حکم بلحاظ ظاہرِ سند کے ہوتا ہے

حضرت امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقیؒ نے الفیۃ العراقی میں تحریر فرمایا:

وبالصحیح والضعیف قصدوا ۔۔۔ فی ظاھر لا القطع والمعتمد

امسا کنا عن حکمنا علی سند ۔۔۔ بانه اصح مطلقا. وقد

یعنی محدثین کرام جہاں کہیں کسی حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگاتے ہیں تو ان کا مقصد ظاہر سند کو دیکھ کر حکم لگانا ہوتا ہے۔ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ نفس الامر میں بھی واقعی یہ حدیث بلاشبہ صحیح یا ضعیف ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی حدیث تو فی الواقع صحیح ہوتی ہے مگر اس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہوتا ہے کہ جو ثقہ اور عادل و ضابط ہونے کے باوجود کبھی کبھی تھوڑی بہت بھول اور نسیان کا شکار ہوجاتا ہے یا خطاء اور غلطی کر بیٹھتا ہے، اس لیے اس پر ضعف کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اور اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے لحاظ سے تو ضعیف ہے لیکن یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حدیث کسی دوسری سند سے بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ حدیث کسی ایسی سند سے مروی ہوتی ہے جس کا راوی کذاب ہوتا ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے لحاظ سے موضوع ہے۔ جبکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ نفس الامر میں تو حدیث موضوع ہوتی ہے مگر کسی کذاب نے اس کی سند میں ایسے راویوں کا نام بیان کر دیا جو ثقہ، حجۃ اور ثبت و عادل ہیں، تاکہ لوگ اس صحیح سند کو دیکھ کر اس روایت کو صحیح سمجھیں اور کتب رجال میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مشتے نمونہ چند مثالیں دیکھیے:

صحیح سند والی موضوع روایات

اہل شام میں سے ایک وضاع و کذاب شخص کا کام تھا کہ وہ ثقہ راویوں کا نام لے کر موضوع روایات گھڑ کر بیان کیا کرتا تھا اور سند اس طرح بیان کرتا تھا:

عیسی بن یونس عن الاعمش عن مجاھد عن ابن عباس.... اور اس وضاع کا نام تھا عثمان بن عبداللہ الاموی الشامی۔ اور اس کذاب نے ان بزرگ ہستیوں کے نام سے یہ جھوٹ گھڑا اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ کہ میں علم و حکمت کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس شہر کا دروازہ ہیں۔

حضرت امام شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لسان المیزان ج ۲ ص ۱۴۳ و ۱۴۴ میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ جبکہ سند کے لحاظ سے بظاہر یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح کوفہ کے ایک کذاب نے بھی حضرت ابومعاویہ، حضرت اعمشؒ، حضرت مجاہد اور حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے ایک روایت گھڑ کر کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کہ میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ اور اس روایت کو وضع کرنے والے کا نام ہے احمد بن سلمہ کوفی۔ (دیکھیے لسان المیزان ج ۱ ص ۱۸۰)

اسی طرح عن ابی عبید عن ابی معاویہ عن الاعمش عن مجاھد عن ابن عباس کی صحیح وثقہ سند سے وہی علی بابہا والی روایت اسمٰعیل بن محمد بن یوسف ابوہارون جبرینی فلسطینی نے گھڑ کر لوگوں میں مشہور کر دی (" ج ۱ ص ۴۳۲)

اسی طرح احمد بن عبداللہ بن یزید ہیثمی نے عن عبدالرزاق عن سفیان عن ابن خثیم عن عبدالرحمٰن بن بہمان عن جابرؓ کے ناموں سے روایت گھڑ کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے یہ بات لگا دی کہ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں .... (" ج ۱ ص ۱۹۷)

اسی طرح اسفندیار بن موفق بن محمد بن یحییٰ ابوالفضل صائن الدین واعظ علیہ مایستحقہ نے ایک روایت وضع کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ (دیکھیے لسان المیزان ج ۱ ص ۳۸۳)

اسی طرح ایک وضاع عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن عروۃ بن زبیرؓ بن عوام نے عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشۃؓ کی سند بیان کر کے کہا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ لَّمْ یَجِدْ صَدَقَۃً فَلْیَلْعَنِ الْیَھُوْدَ کہ جس شخص کے پاس غریبوں کو صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو وہ صرف یہودیوں پر لعنت کر دیا کرے۔ حالانکہ یہ روایت بھی اس کی من گھڑت ہے۔ (دیکھیے لسان المیزان ج ۳ ص ۳۳۱ و ۳۳۲)

حضرت امام زین الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی ایک قانون اور معتمد علیہ بات ہے کہ جب ہم کسی سند میں کوئی ثقہ راوی دیکھیں تو بلا تحقیق فوراً ہی اس کے اصح ہونے کا حکم نہ لگائیں۔ اور اسی طرح جب کسی سند میں کوئی ضعیف راوی دیکھیں تو بھی بلا تحقیق فوراً ہی اس پر ناقابلِ عمل ہونے کا فتویٰ صادر نہ کیا جائے، جب تک اس متن کی دوسری اسانید نہ دیکھ لیں۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ متن کسی صحیح سند سے بھی مل جائے یا اس کی تائید میں کسی صحابی کا فتویٰ یا عمل مل جائے۔ یا صحابۂ کرامؓ کا تعامل اسی حدیث پر ہو، جو سند کے لحاظ سے ہمیں ضعیف معلوم ہوتی ہے۔

پس اس قاعدہ کی رو سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیس رکعت تراویح والی حدیث کی سند میں حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نام دیکھ کر بلا تحقیق فوراً ہی اس کے متن پر بھی ناقابلِ اعتبار ہونے کا فتوے نہیں لگانا چاہیے۔ بلکہ تعاملِ صحابہؓ کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

تعاملِ صحابہؓ سے بیس تراویح کا ثبوت:

① امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ماہِ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں جس میں مئین سورتیں یعنی سورۂ بقرہ سے سورۂ یونس تک پڑھی جاتی تھیں۔ (دیکھیے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ بروایت سائب بن یزید ومعرفۃ السنن والآثار ج ۲ ص ۴۲)

② سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعتیں قراءۃ کے ساتھ اور تین وتر پڑھے جاتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل ص ۱۵۷ بروایت محمد بن کعب قرظی)

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ماہِ رمضان المبارک میں ۲۳ رکعتیں یعنی ۲۰ تراویح اور ۳ وتر باجماعت پڑھے جاتے تھے (موطا امام مالک ص ۴۰ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ بروایت یزید بن رومان)

④ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس بات پر جمع فرمایا کہ سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کریں (دیکھیے ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۲ و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۰۰)

⑤ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی (سیدنا اُبی بن کعبؓ) کو حکم دیا کہ مقتدیوں کو بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھایا کرو (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

⑥ سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو ماہِ رمضان المبارک میں (نمازِ عشاء کے بعد) مدینہ منورہ میں بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھایا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

⑦ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ کو بھی امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھانے کا حکم دیا۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)

⑧ امیر المومنین سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں بھی نمازِ تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی تھی۔ اور شدّتِ قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ بروایت سائب بن یزید)

⑨ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قراء حضرات کو بلا کر ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ ایک حافظ بیس رکعت تراویح پڑھائے اور وتر آپؓ خود پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ بروایت ابوعبدالرحمٰن سلمی و مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳ بروایت ابوالحسناء)

⑩ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷ بروایت زید بن وہب و اعمش)

⑪ امیر المومنین سیدنا علی اور امیر المومنین سیدنا عمر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کے مطابق اکثر اہلِ علم بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں (ترمذی ج ۱ ص ۱۱۲)

بہر حال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق صحابۂ کرامؓ رمضان المبارک میں تہجد کے علاوہ عشاء کی نماز کے بعد بیس رکعت تراویح

اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد تابعین اور ان کے شاگرد تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا معمول بھی یہی تھا۔

تابعینؒ کا معمول:

① حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگ (یعنی تابعین وغیرہ) رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار ص ۴)

② حضرت عطاء بن رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو وتروں سمیت کُل ۲۳ رکعتیں پڑھتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۳۹۳)

③ حضرت عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

④ حضرت شتیر بن شکل رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۳۹۳)

⑤ حضرت حارث اعور رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی ماہِ رمضان المبارک میں رات کو بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے، جبکہ وتروں میں رکوع سے پہلے دُعائے قنوت پڑھتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

⑥ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۵۸) اسی طرح:

⑦ حضرت سعد بن ابی الحسنؒ بھی پانچ ترویحے ہی پڑھا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں:

⑧ حضرت عمران العبدیؒ کا بھی رمضان المبارک میں یہی معمول تھا۔ نیز

⑨ حضرت سعید بن فیروز (ابو البختریؒ) بھی بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

⑩ حضرت سوید بن غفلہؒ بھی پانچ ترویحے پڑھتے تھے (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)

⑪ حضرت علی بن ربیعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی رمضان المبارک میں پانچ ترویحات اور تین وتر پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

شافعی مسلک میں رکعاتِ تراویح کی تعداد:

حضرت امام محمد بن ادریس قرشی مکی المعروف بہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی املائی کتاب "کتاب الام" ج ا ص ۱۴۲ میں ارشاد فرمایا: واحب الی عشرون کہ خود مجھے تراویح کی بیس رکعتیں ہی زیادہ پسند ہیں۔ پھر اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: لانہ روی عن عمر رضی اللہ عنہ کیونکہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ پھر فرمایا: وکذلک یقومون بمکۃ ویوترون بثلٰث کہ اسی طرح مکہ مکرمہ کے لوگ بھی بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھتے ہیں۔

حضرت امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الجامع الترمذی ص ۱۱۲ میں پہلے تو سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی، جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باجماعت تراویح پڑھانے کا ذکر ہے لیکن اس میں تعدادِ رکعات کا ذکر نہیں۔ اس لیے حضرت امام ترمذی رح نے ارشاد فرمایا: واختلف اھل العلم فی قیام رمضان. کہ قیام رمضان یعنی نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات کے بارے میں اہلِ علم کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر فرمایا: فرأی بعضھم ان یصلی احدیٰ واربعین رکعۃ مع الوتر. کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وتروں سمیت کُل اکتالیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ پھر فرمایا: وھو قول اھل المدینۃ والعمل علیٰ ھٰذا عندھم بالمدینۃ. کہ یہ قول اہلِ مدینہ کا ہے۔ اور مدینۂ منورہ میں ان علماء کا عمل بھی اسی پر ہے۔

اس تمہید کے بعد حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا: واکثر اھل العلم علیٰ ماروی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ کہ اہلِ علم حضرات کی اکثریت تو اُن روایات پر عمل کرتے ہوئے بیس رکعت تراویح پڑھتی ہے جو حضرت علی حضرت عمر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے مذکورہ بالا قول کی تائید میں مزید فرمایا: وھو قول سفیان الثوری و ابن المبارک والشافعی۔ کہ حضرت سفیان ثوری، حضرت ابن المبارک اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام ترمذیؒ نے تحریر فرمایا: وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔ کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں یہی معمول دیکھا ہے کہ وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔

حضرت امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے المذہب فی فقہ الامام الشافعی ج ۱ ص ۸۴ میں تحریر فرمایا: ومن السنن الراتبۃ قیام رمضان وھو عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات۔ کہ قیام رمضان یعنی نمازِ تراویح سُنّتِ مؤکدہ ہے اور دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔

حضرت امام ابوبکر محمد بن احمد شاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حلیۃ الاولیاء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء میں تحریر فرمایا ہے: من السنن الراتبۃ صلوۃ التراویح وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات۔ کہ نمازِ تراویح سُنّتِ مؤکدہ ہے جو کہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔ پھر فرمایا: وبہ قال ابو حنیفۃ واحمد۔ کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی ہے۔ نیز آپؒ نے یہ بھی فرمایا: وفعلہا بالجماعۃ افضل نص علیہ البویطی۔ کہ نمازِ تراویح کا باجماعت پڑھنا افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ بویطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

حضرت محی السُّنّۃ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح السُّنّۃ ج ۴ ص ۱۲۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ اکثر اہلِ علم بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھنے کے قائل و عامل ہیں، کیونکہ امیر المومنین سیدنا امام عمر اور امیر المومنین سیدنا امام علی کے علاوہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت سفیان ثوری، حضرت ابن مبارک حضرت امام شافعی اور اصحابِ رأی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی فرمان ہے۔

حضرت امام محی الدین یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے المجموع شرح المہذب ج ۴ ص ۳۳ و ۳۴ میں تحریر فرمایا ہے: مذهبنا انها عشرون ركعة بعشر تسليمات غير الوتر و ذلك خمس ترويحات والترويحة اربع ركعات کہ ہمارا مذہب ہے کہ نمازِ تراویح وتروں کے علاوہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔ اور اس میں پانچ ترویحے ہیں جبکہ ایک ترویحہ پانچ رکعت کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد امام نووی رح فرماتے ہیں کہ یہ نہ صرف ہمارا مذہب ہی ہے، بلکہ حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد اور حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت داؤد (ظاہری) وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سب ہی اس کے قائل ہیں۔

نیز حضرت امام نووی رح نے مزید یہ بھی تحریر فرمایا: ونقله القاضي عياض عن جمهور العلماء (ثم نقل مذهب الامام مالك) وقال احتج اصحابنا بما رواه البيهقي وغيره بالاسناد الصحيح عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة وكانوا يقرؤون بالمئين۔ کہ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی جمہور علماءِ کرام سے یہی مذہب نقل فرمایا ہے۔ (پھر قاضی عیاض رح نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب نقل کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ) ہمارے اصحاب یعنی مالکیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو بیہقی رح وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں تمام لوگ ماہِ رمضانُ المبارک میں قیامِ رمضان بیس رکعتوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ جس میں مئین سورتیں یعنی سورۂ بقرہ سے سورۂ یونس تک کی (ایک سو یا ایک سو سے زیادہ آیتوں والی سورتیں) پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کشف الغمہ ج ا ص ۱۳۶ و ۱۴۷ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل فرمائی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر جماعت کے بیس رکعت نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد فرمایا ان ثلث عشرۃ رکعۃ فی اوّل عہد عمر رضی اللہ عنہ بان القاری یقرأ بالمئین من الآیات حتیٰ کان الناس یعتمدون علی العصی من طول القیام وکان امامہم اُبی بن کعب وتمیم الداری رضی اللہ عنہما ثم عمر امر بفعلہا ثلثا وعشرین رکعۃ. ثلث منہا وتر. واستقر الامر علی ذٰلک فی الامصار۔ کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دَور یعنی ۱۴ھ میں تیرہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں، جبکہ قاری حضرات ہر رکعت میں سَو سَو آیتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لے لیا کرتے تھے۔ اور ان کے امام سید القراء سیدنا اُبیِ بن کعب اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہما ہُوا کرتے تھے۔ پھر امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کی تیئیس رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا، جن میں سے تین رکعتیں نمازِ وتر تھیں۔ اس کے بعد تمام شہروں میں اسی حکم نامہ کے مُطابق عمل ہوتا رہا۔

حضرت امام محمد بن احمد شربینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے المغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی الفاظ المحتاج ج ا ص ۲۲۶ میں فرمایا: وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات فی کل لیلۃ من رمضان. (ثم ذکر حدیث السائب بن یزید و یزید بن رومان)، کہ رمضان المبارک کی تمام راتوں میں دس سلاموں کے ساتھ بیس بیس رکعتیں ہیں (اس کے بعد اس کی تائید میں حضرت سائب بن یزیدؒ اور حضرت یزید بن رومانؒ کی حدیثیں بیان کیں۔)

حضرت علامہ شمس الدین محمد بن احمد رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج فی الفقہ علی مذہب الامام الشافعیؒ ج ۲ ص ۱۲۱ و ۱۲۲ میں

فرمایا: ان النبی ﷺ صلاها لیالی واجمع علیه الصحابة او اکثرهم رضی اللہ عنہم واصل مشروعیتهم مجمع علیه وهی عشرون رکعة بعشر تسلیمات فی کل لیلة من رمضان۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی چند راتوں میں نمازِ تراویح پڑھائی ہے اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے یا اکثر صحابہؓ کا بہرحال اجماع ثابت ہے اور بُنیادی طور پر نمازِ تراویح کی مشروعیّت پر تو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اور رمضان المبارک کی تمام راتوں میں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔

حضرت علامہ عثمان بن محمد بکری رحمہُ اللہُ تعالیٰ نے اعانۃُ الطالبین ج ۱ ص ۲۵۵ میں بیس رکعت تراویح کا وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حضرت امام تقی الدین ابوبکر بن محمد حصنی رحمہُ اللہُ تعالیٰ نے کتابُ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ج ۱ ص ۸۸ میں تحریر فرمایا: واما صلوٰۃ التراویح فلاشك فی سنیتها وانعقد الاجماع علیٰ ذٰلك قاله غیر واحد ولا عبرة بشواذ الاقوال۔ کہ نمازِ تراویح کے سُنّت ہونے میں کوئی شک نہیں اور اِس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ یہ بات بہت سے لوگوں نے بیان کی ہے۔ اور شاذ اقوال کے علاوہ (اِکّا دُکّا اقوال کا) کوئی اِعتبار نہیں۔ اس کے بعد وہ حدیث بیان کی جس میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھانے کے لیے اِعتکاف گاہ سے باہر تشریف نہ لانے کا عذر بیان کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا تھا: اِنِّی خَشِیْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَیْکُمْ یعنی مجھے خدشہ ہے کہ نمازِ تراویح تم پر فرض ہی نہ ہو جائے۔

اس کے بعد فاضل مصنف نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا اکیلے ہی نماز تراویح ادا فرمالیا کرتے تھے۔ پھر امیرالمومنین سیّدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت اور امیرالمومنین سیّدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہدِ خلافت میں کئی لوگ مسجد میں اکیلے نمازِ تراویح

پڑھتے رہتے تھے اور کئی دو دو اور تین تین مل کر جماعت کے ساتھ پڑھتے۔ پھر امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیّد القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھنے کے لیے سب کو جمع فرمایا، اور بیس رکعت تراویح پر مداومت اور ہمیشگی کی۔ پھر فرمایا: واجمع الصحابۃ علیہ. کہ اس بات پر سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا۔

حضرت علامہ زینُ الدین ابو یحییٰ زکریا انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وھی عشرون رکعۃ ... (اسنی المطالب شرح روض الطالب ج ۱ ص ۲۰۰)

حضرت علامہ تقی الدین سُبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح المنہاج میں تحریر فرمایا

مذھبنا ان التراویح عشرون رکعۃ (بحوالہ الحاوی ج ۱ ص ۳۵۰)

علاوہ ازیں دیکھیے حضرت علامہ شعرانیؒ کی کتاب میزان الکبریٰ اُردو ص ۴۱۰، جس میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ تو بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں، جبکہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت میں چھتیس رکعتیں آئی ہیں۔

خلاصہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے، اور آپ کے شاگرد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول رہا۔ اس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد تابعینؒ نے بھی یہی معمول رکھا۔ پھر ائمۂ متبوعین مجتہدین اور ان کے مقلدین کا معمول بھی یہی رہا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہُوا کہ حضرت امام شافعیؒ اور ان کے مقلدین کے نزدیک بھی نمازِ تراویح کی بیس رکعات ہی ہیں اور اگر کہیں اختلاف ہے تو وہ بیس سے زیادہ میں ہے۔ یعنی کہیں کوئی چھتیس کا قول کر رہا ہے تو دُوسرا چالیس رکعات کا قائل ہے۔ لیکن یہ بات تو واضح ہے کہ کوئی بھی بیس رکعت سے کم نمازِ تراویح کا قائل نہیں ہُوا۔ آئندہ صفحات میں دیگر ائمۂ متبوعین اور ان کے مقلدین کی عبارات ہدیہ ناظرین کی جا رہی ہیں۔

حنبلی مسلک میں رکعاتِ تراویح کی تعداد:

حضرت امام موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد ابن قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۷۹۹ میں تحریر فرمایا: والمختار عند ابی عبد اللہ فیہا عشرون رکعۃ کہ حضرت امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تراویح کا بیس رکعت ہونا مختار ہے۔ پھر علامہ ابو قدامہؒ نے فرمایا وبہذا قال الثوری و ابوحنیفہ والشافعی۔ کہ حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور دلیل میں وہ روایت بیان کی، جو پہلے بھی بیان کی جاچکی ہے کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں تراویح پڑھنے کے لیے لوگوں کو جمع فرمایا اور وہ انھیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ اور یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔

حضرت امام ابنِ قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی دُوسری کتاب المقنع ج ۱، ص ۱۸۷ میں بھی یہی بات تحریر فرمائی ہے: ثم التراویح وھی عشرون رکعۃ یقوم بہا الناس فی رمضان فی جماعۃ۔ کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور چاہیے کہ لوگ رمضان المبارک میں باجماعت تراویح پڑھا کریں۔

حضرت علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بنِ قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک اور کتاب الکافی فی فقہ الامام احمدؒ ج ۱ ص ۱۹۸ و ۱۹۹ میں بھی یہی بات تحریر فرمائی: لما جمع عمر الناس علی ابن کعب کان یصلی بہم عشرین رکعۃ فالسنۃ ان یصلی بہم عشرین رکعۃ فی الجماعۃ لذلک ویوتر الامام بہم بثلٰث رکعات لما روی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی عہد عمر بثلٰث وعشرین رکعۃ یعنی امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا، تو وہ انھیں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ اس لیے سُنّت

طریقہ یہی ہے کہ اس حدیث کے پیشِ نظر امام لوگوں کو جماعت کے ساتھ بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھائے۔ اور پھر امام کو یہ بھی چاہیے کہ وہ تین رکعت نمازِ وتر بھی باجماعت ہی پڑھائے۔ کیونکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی نے حضرت یزید بن رومان رحؒ سے روایت کیا ہے کہ امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں لوگ وِتروں سمیت باجماعت تیئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام امام تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن تیمیہ ابی القاسم الحرانی حنبلی رحمۃ اللہ تعالٰی نے منہاج السنۃ النبویہ ج ۴ ص ۲۲۴ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی مقری تابعی ثقہ سے روایت ہے: ان علیًا دعا القراء فی قراءۃ فامر رجلا منھم یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بھم کہ امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے قُرّاء کرام کو بُلا کر ان میں سے ایک کو بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھانے کا حکم دیا: اور اس کے بعد خود حضرت امیرالمومنین رضؓ سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو باجماعت نمازِ وتر پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت امام شمس الدین محمد بن مفلح بن محمد فقیہ مقدسی حنبلی رحمۃ اللہ تعالٰی نے کتاب الفروع ج ۱ ص ۵۴۶ میں تحریر فرمایا: وتسن التراویح فی رمضان عشرین رکعۃ لا ست وثلثین کہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح ہی مسنون ہیں، چھتیس رکعتیں سُنّت نہیں ہیں۔

حضرت علامہ مقدسی کے اس فرمان سے بھی صاف ظاہر ہے کہ نمازِ تراویح بیس رکعتوں سے کم پڑھنے کا تو کوئی قائل نہیں ہُوا، البتہ جن عُلماء نے چھتیس تراویح کا قول کیا تو علامہ مقدسی نے ان کے قول کی تردید فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ بیس رکعت تراویح ہی سُنّت ہیں، اس سے کم یا زیادہ نہیں۔

حضرت امام برہان الدین ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن مفلح حنبلی رحمۃ اللہ تعالٰی نے المبدع فی شرح المقنع ج ۲ ص ۱۷ میں تحریر فرمایا: وھی

عشرون رکعۃ فی قول اکثر العلماء وقد روی مالک عن یزید بن رومان کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ. کہ اکثر علماء کے بقول نمازِ تراویح بیس رکعت ہیں۔ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ یعنی صحابۂ کرامؓ وتابعینؒ نمازِ تراویح کی وتروں سمیت کُل تیئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف ج ۲ ص ۱۸۰ میں تحریر فرمایا ہے:
قولہ ... ثم التراویح یعنی انہا سنۃ. وھذا المذھب وعلیہ الاصحاب وقطع بہ اکثرھم. وقیل بوجوبھا. کہ نمازِ تراویح سُنّت ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد بھی اسی مذہب پر متفق ہیں، اور ان کی اکثریت کا اسی بات پر یقین ہے۔ اور بعض علماء تو نمازِ تراویح کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ مرداویؒ نے فرمایا: وھی عشرون رکعۃ ھکذا قال اکثر الاصحاب کہ اکثر علماء حنابلہ کا مسلک یہی ہے کہ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح بیس رکعت ہے۔

حضرت علامہ مرعی بن یوسف بن ابی بکر حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وھی عشرون رکعۃ (غایۃ المنتہیٰ مع مطالب اولی النہیٰ ج ۱ ص ۵۶۳)
کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔

حضرت علامہ منصور بن یونس بن صلاح الدین شیخ الحنابلہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والتراویح وھی عشرون رکعۃ برمضان فی جماعۃ لحدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شھر رمضان عشرین رکعۃ رواہ ابوبکر بن عبد العزیز فی الشافی باسنادہ (شرح منتہی الارادات ج ۱ ص ۲۳۱)

کہ رمضانُ المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہیں؛ اور اس کی دلیل سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی اس روایت کو (ابراہیم بن عثمان کی معمولی ضعف والی سند کے علاوہ) حضرت امام ابوبکر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح وثقہ سند کے ساتھ اپنی کتاب شافی میں نقل فرمایا ہے۔

حضرت امام مصطفٰی بن سعد بن عبدہ سیوطی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نمازِ تراویح کی بیس رکعات پر بطور دلیل فرمایا: لما روی مالك عن يزيد بن رومان كان الناس يقومون فى زمن عمر بن الخطاب فى رمضان بثلث وعشرين ركعة وروى ابوبكر بن عبد العزيز فى كتابه الشافى عن ابن عباسؓ ان النبى ﷺ كان يصلى فى رمضان بثلث وعشرين ركعة کہ اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں لوگ ماہِ رمضان المبارک میں تیئیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے یعنی وتروں سمیت باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے تھے۔ اور حضرت امام ابوبکر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب شافی میں (اپنی صحیح وثقہ سند کے ساتھ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ دیکھیے غایۃ المنتہی کی شرح مطالب اولی النہی ج ۱ ص ۵۶۳۔

حضرت شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صلوٰة التراويح سنة مؤكدة .... والمختار عند احمد عشرون ركعة وبه قال الشافعى .... ان عمر جمع الناس على أُبَىّ كان يصلى بهم عشرين ركعة۔ کہ نمازِ تراویح سُنّت مؤکدہ ہے... اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک بیس رکعت ہی مختار ہیں ۔ نیز حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی بھی فرماتے ہیں ۔اس کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تراویح پڑھنے پر جمع فرمایا اور وہ بیس رکعت ہی پڑھاتے تھے۔ (مؤلفات شیخ الاسلام ص۱۵۷)

حضرت امام سُلیمان بن الامام عبداللہ بن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: وھی عشرون رکعۃ ای فی قول اکثر العلماء روی مالک عن یزید بن رومان کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب بثلث وعشرین رکعۃ. کہ اکثر علماء کرام کا قول یہی ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں ۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت یزید بن رومان سے روایت بیان کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا امام عُمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (حاشیہ مقنع ج ۱ ص ۱۸۷)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی پیرپیران حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۰ و ۱۱ میں تحریر فرمایا ہے: وھی عشرون رکعۃ یجلس عقب کل رکعتین ویسلم کہ نمازِ تراویح بیس رکعت ہے اس میں ہر دو رکعتوں کے بعد بیٹھ کر سلام پھیرنا چاہیے۔

حضرت علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی فقیہ حنابلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الروض المربع شرح زاد المستقنع ج ۱ ص ۲۲۰ میں تحریر فرمایا ہے: والتراویح سُنۃ مؤکدۃ.... عشرون رکعۃ. کہ نمازِ تراویح سُنت مؤکدہ اور اس کی بیس رکعتیں ہیں۔

حضرت مُحدّث امام ابوبکر بن عبدالعزیز حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "الشافی" میں اپنی صحیح اور ثقہ سند کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس رکعت تراویح والی روایت بیان کی ہے۔ جس کا حوالہ شرح مطالب اولی النہیٰ اور شرح منتہی الارادات میں دیا گیا ہے۔

حضرت علامہ بہاؤالدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے العدہ شرح العمدہ ص ۹۰ میں تحریر فرمایا: الضرب الرابع من صلوٰۃ التطوع ما تسن له الجماعة وهو ثلثة انواع احدها التراويح وهي عشرون ركعة بعد العشاء في رمضان. کہ نفلی نمازوں کی چوتھی قسم وہ ہے جو باجماعت پڑھنی مسنون ہے اور وہ تین قسم کی ہیں۔ ان میں سے پہلی نمازِ تراویح ہے جس کی بیس رکعتیں ہیں، رمضان المبارک میں بعد نمازِ عشاء۔

حضرت علامہ صالح بن ابراہیم البلیہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السبیل فی معرفۃ الدلیل حاشیہ زاد المستقنع ج ۱ ص ۱۶۴ میں تحریر فرمایا: والتراويح عشرون ركعة. کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔

مالکی مسلک میں رکعاتِ تراویح کی تعداد:

حضرت علامہ محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۰ میں فرمایا: فاختار مالك في احد قوليه وابو حنيفة والشافعي واحمد وداؤد القيام بعشرين ركعة سوى الوتر وذكر ابن القاسم عن مالك انه كان يستحسن ستا وثلثين والوتر ثلث. کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات کے بارے میں دو قولوں میں سے ایک قول کو پسند فرمایا ہے اور اسی قول کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت محدث داؤد (ظاہری) رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی پسند اور اختیار فرمایا ہے کہ قیامِ رمضان یعنی وتروں کے علاوہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ علاوہ ازیں حضرت محدث ابنِ قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فرمایا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نمازِ تراویح کی چھتیس رکعتیں اور تین رکعت نمازِ وتر پڑھنے کو مستحسن اور زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن عبد البر نمری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الکافی فی فقہ اھل المدینہ ج ا ص ۲۵۶ میں تحریر فرمایا ہے: وقیام رمضان سنۃ و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد ابتدأھا ثم ترکھا خشیۃ ان تفترض علی امتہ وسنھا عمر رضی اللہ عنہ بمحضر من الصحابۃ رضی اللہ عنھم فلم ینکر علیہ احد واجمعوا علی العمل بھا لقولہ علیہ السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، وقال علیہ السلام اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنھما فلھذا قلنا ان قیام رمضان سُنَّۃ. کہ قیام رمضان یعنی تراویح سُنّت ہے، کیونکہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ابتدا فرمائی، پھر اُمّت پر اس کے فرض ہوجانے کے خوف سے اسے چھوڑ دیا (یعنی التزام جماعت چھوڑ دیا) اور امیر المومنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کی موجودگی میں اس نماز کا (باجماعت اداکرنا) جاری فرمایا۔ پھر صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا اور سب نے اس عمل پر اجماع فرمالیا۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میرے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے معمول کو اپنے اُوپر لازم کرلو۔ نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میرے دو خلیفوں یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنھما کی اِقتداء ضرور کرنا۔ اس لیے ہم نے کہا کہ نمازِ تراویح سُنّت ہے۔

حضرت علامہ ابن عبد البر نمری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد تحریر فرمایا واستحب جماعۃ من العلماء والسلف الصالح عشرین رکعۃ والوتر، واستحب منھم اٰخرون ست وثلثین والوتر: کہ علماء کرام اور سلف صالحین کی ایک جماعت نے تو نمازِ تراویح کی بیس رکعتوں اور وتروں کو پسند فرمایا ہے اور بعض دیگر علماء نے تراویح کی چھتیس رکعتوں اور وتروں کو پسند فرمایا ہے۔

حضرت امام خلیل بن اسحٰق بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: التراویح ثلث وعشرون ثم جعلت ست وثلٰثون (مختصر ابی الضیاء مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۱۵) کہ نماز تراویح کی رکعتیں دراصل ہیں تو (وتروں سمیت) کُل تیئیس۔ پھر اس سے بڑھا کر چھتیس کردی گئیں۔

حضرت علامہ ابوالبرکات دردیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تراویح وھی ثلث وعشرون رکعۃ بالشفع والوتر کما کان علیہ العمل. ثم جُعلت فی زمن عُمر بن عبد العزیز ستا وثلٰثین بغیر الشفع والوتر لٰکن الذی قدجری علیہ العمل سلفا وخلفا الاول (الشرح الکبیر علی مُختصر الامام ابی الضیاء ج ۱ ص ۳۱۵) کہ نمازِ تراویح دراصل تیئیس رکعتیں ہی ہیں دو دو کرکے وِتروں سمیت، جیسا کہ اس پر عمل ہے۔ پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کے عہدِ خلافت میں دو دو کرکے بغیر وتروں کے اس کی تعداد چھتیس کردی گئی۔ لیکن اس کے باوجود پھر بھی سلف و خلف میں بدستور پہلا عمل ہی جاری ہے۔

حضرت شیخ صالح عبد السمیع ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ امام ابن ابی زید قیروانی رحمۃ اللہ علیہ کے کے حاشیہ پر اپنی شرح میں تحریر فرمایا: وکان السلف الصالح وھو الصحابۃ رضی اللہ عنہم یقومون فیہ ای فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی المساجد بعشرین رکعۃ وھو اختیار جماعۃ منھم ابوحنیفۃ والشافعی و احمد والعمل الاٰن علیہ (الثمر الدانی فی تقریب المعانی شرح رسالہ ابن ابی زید قیروانی ص ۳۱۲) کہ سلف صالحین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت امیر المومنین سیدنا امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مساجد میں بیس رکعتوں کے ساتھ قیام فرمایا کرتے تھے اور اسی عمل کو ایک بڑی جماعت نے اختیار فرمایا ہے۔ جن میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں۔ اور اس وقت تمام مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔

حضرت علامہ محمد بن احمد بن عرفۃ المصری مالکی الدسوقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ ابوالبرکات دردیر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرمان التراویح وھی ثلث وعشرون رکعۃ بالشفع والوتر پر اپنے حاشیہ میں تحریر فرمایا: کما علیہ العمل ای عمل الصحابۃ کہ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اسی پر عمل تھا۔ (مختصر ابی الضیاء ج ۱ ص ۳۱۵)

حضرت شیخ محمد بن جمعہ مفتش معاھد ازہریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: التراویح برمضان وھی عشرون رکعۃ بعد العشاء۔ کہ عشاء کی نماز کے بعد رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ (الکوکب الدریہ ص ۱۱۱)

حنفی مسلک میں رکعاتِ تراویح کی تعداد:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نمازِ تراویح سُنّتِ مؤکدہ ہے۔ اور امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کی بیس رکعات خود اپنی طرف سے ہی ایجاد یا متعین نہیں کرلی تھیں اور نہ ہی حضرت امام عمرؓ کسی بدعت کے موجد تھے، اب اگر حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ان کے پاس اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہوگی۔ اور ضرور تراویح کے بارے میں ان کے پاس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا، ورنہ امیر المومنینؓ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کبھی بھی اس کا حکم نہ دیتے۔ دیکھیے حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۲۴ و فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۲۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد اور ان کے متبعین کا مسلک بھی یہی ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے اور اس کی صراحت بھی انھوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے۔ بخوفِ طوالت ان کی عبارات نقل کرنے کی بجائے صرف ان کی کتابوں کا نام وصفحہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے جن میں انھوں نے لکھا ہے کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھنا مسنون ہے۔

(۱) مؤطا امام محمد ص ۱۴۰

(۲) التعلیق الممجد ص ۲۰۹

(۳) بحرالرائق ج ۲ ص ۶۶

(۴) بدائع صنائع ج ۱ ص ۲۸۸

(۵) ردالمحتار ج ۱ ص ۵۱۱ و ۵۲۰

(۶) عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۷۸ و ص ۲۶۷

(۷) مرقاۃ ج ص ۱۷۵

(۸) ماثبت بالسنۃ ص ۸۸

(۹) شرح نقایہ ص ۱۰۴

(۱۰) رسائل الارکان ص ۱۲۸

(۱۱) فیض الباری لسید انور شاہ ص ۴۲۰

(۱۲) عرف الشذی ص ۳۲۹

(۱۳) تحفۃ الاخیار

(۱۴) مستخلص الحقائق ص ۲۰۴

(۱۵) تبیین الحقائق للزیلعی ج ۱ ص ۱۷۸

(۱۶) مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۱۴۴ و ۱۴۵

(۱۷) نورالہدایہ ص ۱۳۳

(۱۸) نورالایضاح ص ۹۸

(۱۹) مفتاح الصلوٰۃ ص ۱۴۵

(۲۰) غنیۃ المصلی کلاں ص ۳۹۵ و ۳۹۶

(۲۱) شرح الیاس ج ۱ ص ۱۷۵

(۲۲) چہار باب از شاہ اہل اللہ ص ۱۶

(۲۳) کنزالدقائق ص ۳۶

(۲۴) شرح وقایہ حاشیہ ص ۲۰۷

(۲۵) فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۱ ص ۶۵۴

(۲۶) فتاویٰ غرائب قلمی ورق ۷۶ ص ۲

(۲۷) فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۳

(۲۸) فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۳۳۴ و ص ۱۱۲

(۲۹) فتاویٰ سراجیہ ص ۲۰

(۳۰) خلاصۃ الفتاویٰ ص ۶۳

(۳۱) کبیری ص ۳۸۸

(۳۲) حاشیہ بخاری لاحمد علی سہارنپوری ص ۱۵۲

(۳۳) الرأی النجیح للگنگوہی

(۳۴) فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۷

(۳۵) قدوری ص ۳۹

(۳۶) صغیری ص ۲۰۸

(۳۷) کفایہ ج ۱ ص ۳۰۷

(۳۸) عنایہ ج ۱ ص ۴۳۴

(۳۹) الہدیۃ العلائیہ لابن عابدین ص ۸۰

(۴۰) فتاویٰ برہنہ ص ۲۸۰

(۴۱) ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۱

(۴۲) مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۳۶

(۴۳) مجموعہ خانی ص ۱۸۵

(۴۴) مالابدمنہ ص ۶۹

خلاصہ یہ ہوا کہ نمازِ تراویح کی وتروں کے علاوہ بیس رکعات ہیں اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ متبوعین مجتہدین اور ان کے تلامذہ و متبعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس مسئلہ پر اجماع ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے ایک قدم بھی نہیں اُٹھاتے تھے۔ اور اگر کسی عمل کے مسنون ہونے یا نہ ہونے میں رائی برابر شبہ پیدا ہوجاتا تو اس کی خوب اچھی طرح تحقیق کرتے۔ اور اگر کسی کام کا خلافِ سُنّت ہونا ثابت ہوجاتا تو اسے فوراً ترک کردیا کرتے تھے کیونکہ خلافِ سُنّت کام کا چھوڑنا بھی سُنّت ہے۔ جیساکہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے اذان و اقامت کے ترک کرنے کو سُنّت کا نام دیا ہے۔ (دیکھیے مؤطا امام مالک ص ۶۲)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۵۷ھ یا ۵۸ھ تک زندہ رہیں، ان کی رہائش اسی حجرۂ مبارکہ میں رہی جس میں حیاتِ نبویؐ کے دوران رہا کرتی تھیں، اسی حجرۂ مبارکہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کو بعد از وفات دفن کیا گیا اور اسی جگہ حضرات شیخین امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق اور امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہما کے اجسادِ خاکی مدفون ہیں۔ یہ حجرۂ مبارکہ مسجدِ نبویؐ کے ساتھ متصل تھا، مسجد سے گھر تک آواز صاف پہنچتی تھی، کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی شبہ ہوتا تو وہ اماں جان سے پوچھ لیتا، اور اگر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو کوئی بات خلافِ شریعت معلوم ہوتی تو وہ تنبیہ فرمادیتی تھیں۔ اہلِ علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر استدراکات و اعتراضات موجود ہیں۔

حضرت علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب "الاجابۃ فی ما استدرکت عائشۃ رضی اللہ عنہا للصحابۃ" کے نام سے تحریر فرمائی ہے، جس میں کئی صحابہ رضی اللہ عنہم پر حضرت ام المؤمنین کے استدراکات کو جمع کیا گیا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہر سال رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح مسجد نبوی میں پڑھا کرتے تھے، خصوصاً عہدِ فاروقیؓ میں سیدُ القراء اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، اور ان کی وفات کے بعد سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو باجماعت نمازِ تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ ان کی آواز حجرۂ عائشہؓ میں پہنچنے سے کوئی چیز مانع نہ تھی اور وہ بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔ اب اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول واقعی خلافِ سُنّت اور قابلِ تردید بدعت ہوتا تو یہ ہرگز ممکن نہیں کہ اُمُّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خاموش رہتیں اور ان پر نکیر نہ فرماتیں؛ لیکن اس مسئلہ میں اُمُّ المومنینؓ کا خاموش رہنا اور اس پر نکیر نہ فرمانا اس امر کی واضح، صریح اور بڑی وزنی دلیل ہے کہ اُمُّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس مسئلہ میں اجماعِ اُمّت کے افراد میں سے ایک اہم فرد ہیں، اور خود اُمُّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی بیس ۲۰ رکعت نمازِ تراویح ہی کی قائل ہیں؛

اور وہ خود بھی بیس رکعت ہی پڑھا کرتی تھیں؛ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیس رکعت ہی نمازِ تراویح پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت گو کہ ہم تک ایک ضعیف راوی قاضیٔ واسط ابراہیم بن عثمان العبسی ابوشیبہ کوفی کے واسطہ سے پہنچی ہے لیکن تعامل صحابہؓ و اہلِ بیتؓ اور پھر تابعین و محدثین و مجتہدین کے معمول کو دیکھتے ہوئے بلا تردید کہا جاسکتا ہے کہ یہ روایت بلحاظِ متن بلاشبہ قوی اور ضعف سے بَری ہے۔ کیونکہ صحابۂ کرامؓ کا معمول اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خاموشی سے اس روایت کی صحت صاف طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔

اور اگر بیس رکعت والی حضرت ابنِ عباسؓ کی یہ روایت ضعیف ہوتی تو اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ضرور فرماتیں لیس کما قال ابن عباس کہ جس قسم کی بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے وہ ایسی نہیں ہے؛

کیونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہی معمول تھا وہ کوئی کام خلاف واقع دیکھتیں یا سنتیں تو فوراً اس کی تردید فرمادیتیں۔ چنانچہ:

حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ کی زبانی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک فتویٰ سن کر اُمّ المومنینؓ نے فرمایا تھا: لیس کما قال ابن عباس کہ دراصل یہ بات اس طرح سے نہیں ہے جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے۔ (دیکھیے مؤطا امام محمد ص ۲۰۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی زبانی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک فتویٰ سن کر دوٹوک الفاظ میں فرمایا: لیس کما قال ابو ھریرۃ یاعبدالرحمٰن اترغب مما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع.... (مؤطا امام محمد ص ۱۸۳) کہ جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اے عبدالرحمٰنؒ کیا آپ اس طریقہ سے روگردانی کرنے لگے ہیں جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

حضرت مروان بن الحکم والیٔ مدینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک مقدمہ کا فیصلہ سنایا، جسے حضرت اُمّ المومنینؓ نے نامناسب فیصلہ قرار دیتے ہوئے تنبیہاً فرمایا اتق اللہ واردد المرأۃ (المطلقۃ) إلی بیتھا (مؤطا امام محمد ص ۲۶۷) کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کیجیے اور مُطَلَّقہ عورت کو اس کے گھر واپس لوٹا دیجیے۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یغفر اللہ لابی عبدالرحمٰن اما انہ لم یکذب ولٰکنہ نسی او اخطأ (مشکوٰۃ ص ۱۵۱) کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کی پردہ پوشی فرمائے، کیونکہ انھوں نے جھوٹ تو نہیں بولا، البتہ یا تو وہ بھول گئے ہیں یا انھیں غلطی لگی ہے۔

اُمُّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے "صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اِسی طرح کے اور بھی بہت سے اِستدراکات و اِعتراضات ہیں" جو حضرت علامہ زرکشیؒ نے "الاجابہ فی ما استدرکت عائشۃ للصحابۃؓ" میں جمع فرماتے ہیں۔

اب اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت نہ ہوتا تو ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ حسرتِ آیات کے بعد تقریباً ۴۷ یا ۴۸ سال تک زندہ رہیں، اتنے طویل عرصہ تک کبھی خاموش نہ رہتیں، کیونکہ اُن کے پیشِ نظر قرآن مجید کی آیتِ کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا... (۲:۱۵۹) بھی رہتی تھی، نیز مشہور ہے: اَلسَّاکِتُ عَنِ الْحَقِّ شَیْطَانٌ اَخْرَسٌ کہ جو شخص بھی حق بات کہنے سے خاموش رہے تو وہ گونگا شیطان ہے۔ اس لیے یہ تو ناممکن ہے کہ خلافِ حقیقت کام ہوتے ہُوئے دیکھ کر حضرت اُمّ المؤمنینؓ خاموش رہتیں۔

البتہ اگر اس معاملہ میں حضرت اُمّ المؤمنینؓ نے خاموشی اِختیار فرمائی ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بیس رکعت تراویح پڑھنا سُنّتِ نبویؐ ہے۔

اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات بالکل حق سچ اور پختہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں انفرادی طور پر بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اگرچہ اس روایت کو بیان کرنے والوں میں حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی قاضیؒ واسط جیسا ضعیف راوی بھی موجود ہے، پھر بھی اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ایک تو اس کا ضعف معمولی سا ہے، اور دُوسرا یہ کہ یہ شخص جھوٹا تو ہرگز نہیں ہے۔ اب اگر صرف اس معمولی ضعف کو دیکھتے ہُوئے سرے سے اس حدیث کو ہی رد کردیا جائے تو یہ بہت بڑی زیادتی ہوگی، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ۔۔۔! صحابۂ کرامؓ نے سُنّتِ نبویؐ کے خلاف خود اپنی مرضی سے رمضان المبارک میں باجماعت بیس تراویح پڑھنے کا طریقہ اِیجاد کرلیا تھا اور حضرت ام المؤمنینؓ

پر بھی حرف آتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ۴۷/۴۸ برس تک خلافِ سنّت بیس رکعت تراویح پڑھتے ہُوئے صحابہ کرامؓ و تابعین کو دیکھتی رہیں، اور اس کی تردید میں ایک لفظ بھی نہ فرمایا۔ لیکن یہ سب باتیں غلط ہیں۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ مرفوع حدیث اگرچہ بلحاظِ سند ضعیف مشہور ہوگئی ہے مگر عملِ صحابہؓ اور اس پر اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خاموشی اور دیگر سلف صالحین و ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے معمول اور فتاویٰ کے پیشِ نظر، جس حدیث میں بیس رکعت نمازِ تراویح کا ذکر آتا ہے وہ حدیث درحقیقت بلحاظِ متن تو ہے ہی صحیح، لیکن ہم تک وہ حدیث ایسے راوی کے ذریعے پہنچی جسے غلط فہمی سے ضعیف سمجھ لیا گیا۔

ابوشیبہ ابراھیم عبسیؒ کی شخصیت

حضرت ابراہیم بن عثمانؒ شہر واسط کے قاضی بھی رہے ہیں، اور انھوں نے متعدد مقدمات کے فیصلے بھی اسلامی قوانین کے مُطابق کیے ہیں، اور جن علماء و ناقدین نے ان میں معمولی ضعف دریافت کیا ہے ان میں سے بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت عدل سے کام نہ لیتے تھے۔ بلکہ محقق علماء نے ان کے عدل و انصاف کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ج ۱ ص ۵۰ میں حضرت امام صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا: ابراهیو بن عثمان العبسی .....وعنه کاتبه یزید بن هارون ووصفه بالعدل فی القضاء کہ حضرت ابراہیم بن عثمان عبسی ابوشیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنے والے حضرت یزید بن ہارون ہیں اور وہ حضرت ابراہیم موصوف کی تعریف کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ وہ مقدمات کے فیصلے نہایت عدل و انصاف سے فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ نے مزید فرمایا: ماقضیٰ علی الناس یعنی فی زمانه اعدل فی قضاء منه (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۴۵) کہ ہمارے زمانے میں حضرت

ابراہیم بن عثمان عبسی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے زیادہ عدل کرنے والا کوئی قاضی نہیں ہوا۔

یاد رہے کہ حضرت یزید بن ہارون رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم بن عثمان عبسی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے محکمۂ قضات میں ان کے منشی تھے۔ اس لیے ان کے بارے میں جتنی معلومات انھیں ہو سکتی ہیں شاید اور کسی کو نہ ہوں، لہٰذا حضرت یزیدؒ کی شہادت حضرت ابراہیمؒ کے علم اور عدل کی نہایت قوی شہادت ہے۔

یہاں یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ حضرت یزید بن ہارون رحمۃ اللہ تعالےٰ صرف حضرت ابراہیم عبسیؒ کے محکمہ میں منشی ہی نہیں تھے کہ انھیں معمولی آدمی سمجھ کر ان کی شہادت کو نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ یہ ایک بہت بڑے محدّث اور نہایت ثقہ راوی ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت یزید بن ہارونؒ حضرت محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اُستاذ الحدیث ہیں۔ اس لیے حضرت یزید بن ہارونؒ کی شہادت معتبر ہے۔ اور جب اتنے بڑے محدّث نے ان کے بارے میں عادل ہونے کی شہادت دی ہے تو یقیناً وہ عادل تھے۔

کسی راوی کی روایت کو قبول کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے بارے میں دو باتوں کا علم ہو۔ ان میں سے ایک تو ہے اس کا تدیّن، کہ کہیں یہ شخص فاسق فاجر تو نہیں ہے۔ اور دُوسری چیز ہے قوتِ حافظہ، کہ کہیں اس کی قوۃِ حافظہ اتنی کمزور تو نہیں تھی کہ اس کی بات کا یقین کرنا جائز نہ ہو۔

چنانچہ حضرت یزیدؒ کی مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد ان کے تدیّن میں تو کسی قسم کے شک وشبہ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اور جہاں تک ان کے حافظہ کا تعلق ہے تو وہ قابلِ رشک ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ان کا حافظہ اور قوت یادداشت حضرت ابراہیم بن ابی حبیبہؒ سے بہتر ہے، جو کہ ثقہ اور معتبر حافظ الحدیث ہو گزرے ہیں۔ (دیکھیے لسان المیزان ج ۱ ص ۵۳) تو جو شخص اتنے بڑے ثقہ شیخ الحدیث سے بھی حافظہ اور ذہانت میں بڑا ہو اُسے ضعیف قرار دے کر اس کی روایت کو رد کر دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔

جن علماء کے نزدیک حضرت ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ عبسی رحمۃ اللہ تعالیٰ ضعیف ہیں، تو ان کے پاس ان کے ضعف کی کوئی مضبوط اور وزنی دلیل نہیں اس لیے ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔

ابراہیم عبسیؒ نے کذب کا ارتکاب نہیں کیا

نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات کے زیرِ عنوان قبل ازیں حضرت ابراہیم بن عثمانؒ کے بارے میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ جس میں تھا کہ حضرت شعبہؒ نے اسے جھوٹا کہا ہے، جبکہ حضرت علامہ ذہبیؒ نے اس کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

كذبه شعبة لكونه روى عن الحكم عن ابن ابى ليلىٰ انه قال شهد صفين من اهل بدر سبعون. فقال شعبة كذب والله لقد ذاكرت الحكم فما وجدنا شهد صفين احد من اهل بدر غير خزيمة. قلت سُبحان الله اما شهدها عليؓ اما شهدها عمار (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳) کہ شعبہؒ نے حضرت ابراہیم عبسیؒ کو محض اس لیے جھوٹا کہہ دیا کہ انھوں نے حکم سے ابن ابی لیلیٰ کی روایت نقل کی ہے کہ صفین میں ستر بدری صحابۂ کرامؓ موجود تھے، تو اس پر شعبہؒ نے کہہ دیا کہ ابراہیم عبسیؒ نے جھوٹ بولا ہے۔ اور واللہ میں نے حکمؒ سے اس بارے میں گفتگو کی تو ہم نے سیّدنا خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی بدری صحابی جنگِ میں موجود نہ پایا۔ میں (ذہبیؒ) کہتا ہوں کہ سبحان اللہ تو کیا سیّدنا امام علی اور سیّدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی جنگ صفین میں شریک نہیں ہوئے تھے؟

حضرت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تبصرہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت ابراہیم عبسیؒ نے خود اپنے پاس سے یہ بات ہرگز نہیں کہی تھی، بلکہ حضرت ابن ابی لیلیٰؒ کے حوالے سے حضرت حکم کی یہ بات بیان کی تھی کہ جنگِ صفین میں ستر بدری صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حصّہ لیا تھا مگر جب شعبہ نے حکم سے مذاکرہ کیا تو ایک سے زیادہ کی شرکت ثابت نہ ہوسکی۔

لیکن اس بات سے حضرت ابراہیم بن عثمان کا جھوٹ ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ جھوٹ تو اس وقت ہوتا جب حضرت حکم اس واقعہ کے بیان سے انکار کرتے ہوئے فرماتے کہ یہ بات میں نے حضرت ابراہیمؒ سے نہیں کہی، بلکہ انھوں نے یہ تعداد معین کر کے آگے بیان کر دی ہے اور اس کا ذمّہ دار میں نہیں، خود ابراہیم عبسی اس کے ذمّہ دار ہیں۔ لیکن حضرت شعبہ نے حضرت حکم کا انکار نقل نہیں کیا۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ دَورانِ مذاکرہ صرف ایک بدری صحابیؓ کی جنگِ صفین میں شرکت ثابت ہوسکی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکمؒ نے ہی حضرت ابراہیمؒ کے سامنے یہ تعداد بیان کی تھی۔ مگر دَوران مذاکرہ دو نام بھی نہ بتا سکے۔ لہٰذا اس جھوٹ کی ذمّہ داری کسی طرح سے بھی حضرت ابراہیم بن عثمان پر عائد نہیں ہوتی۔ اور اس کے علاوہ دوسری کوئی بات ایسی نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ابراہیم عبسیؒ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت شعبہؒ کا یہ قول درست نہیں۔ اور ابراہیم عبسی رحمہ اللہ تعالیٰ سچے اور ثقہ تھے۔

پھر حضرت علامہ ذہبیؒ نے خود شعبہؒ کے اس بیان کو رد کر دیا کہ جنگِ صفین میں صرف ایک بدری صحابی موجود تھا، بلکہ فرمایا کہ کیا امیر المومنین سیدنا علی اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی جنگِ صفین میں شریک نہیں ہوئے تھے، جن کا نام بدری صحابہ میں بھی نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ تو اس طرح جنگِ صفین میں صرف ایک بدری صحابی کس طرح ثابت ہوا، کم سے کم تین کہنے چاہییں۔ بلکہ مزید تحقیق کریں تو ممکن ہے اور نام بھی سامنے آجائیں۔ بہرحال اِس سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کا اِرتکاب ہرگز نہیں کیا اور ان کی طرف جھوٹ کی نسبت بے بُنیاد جھوٹ پر مبنی ہے۔

کِذب کے لغوی، اصطلاحی وشرعی معنے

اس مقام پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اہلِ عرب "کذب" کا لفظ کئی معنوں میں اِستعمال کرتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) کذب بمعنی جھوٹ، یعنی خلافِ واقعہ بات۔ اور اس معنی میں کذب کا اِرتکاب کسی دین میں بھی جائز نہیں۔ جیساکہ حاشیہ ھدایہ اخیرین ص ۶۱۳ میں ہے: الکذب محظور فی الادیان کلھا۔ یعنی "کذب" (جھوٹ بولنا) تمام ادیان و مذاہب میں ممنوع ہے۔

(۲) کذب بمعنی خراب ہونا۔ جیساکہ بخاری شریف ص ۸۴۸ میں ہے کذب بطن اخیك کہ تیرے بھائی کا پیٹ خراب ہے۔

(۳) کذب بمعنی غلطی کرنا۔ جیساکہ بخاری شریف ص ۵۲۴ و ۶۱۳ میں ہے کذب ای اخطأ سعد کہ سعد نے غلطی کھائی۔

(۴) کذب بمعنی وہم ہو جانا۔ جیساکہ بخاری شریف ص ۹۶ میں ہے وھو (البراء) غیر کذوب۔ اس پر امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: ای غیر واھم فی الحدیث (شرح تراجم البخاری ص ۲۴) یعنی حضرت براء کو حدیث کے بیان میں وہم نہیں ہوتا۔

(۵) کذب بمعنی اِنتفٰی۔ جیسے کذب الصبوح (تاج المصادر ص ۹۶)

(۶) کذب بمعنی واجب ہونا۔ جیسے کذب علیکم الحج کہ تم پر حج واجب ہوگیا۔ (صراح ج ۱ ص ۹۰)

(۷) کذب بمعنی تاخیر کرنا۔ جیسے ما کذب فلان ای ما لبث یعنی فلاں شخص نے تاخیر نہیں کی۔ (صراح ج ۱ ص ۹۱)

(۸) کذب بمعنی اپنے اوپر لازم کرلینا۔ جیسے کذبك العسل یعنی شہد کا استعمال اپنے اوپر لازم کرلے۔ (صراح ج ۱ ص ۹۱)

(۹) کذب بمعنی جاتا رہنا۔ جیسے کذب لبن الناقۃ ای ذھب۔ یعنی اونٹنی کا دودھ جاتا رہا۔ (صراح ج ۱ ص ۹۰)

(۱۰) کذب بمعنی پھسلنا (زَلَّ) جیسے کذب سمعی (حاشیہ بخاری ص ۸۴۸)

(۱۱) کذب بمعنی توریہ و تعریض کرنا۔ اصل بات چھپا کر دوسری بات ظاہر کرنا۔

بشرطیکہ کسی کی حق تلفی نہ ہوتی ہو۔ (دیکھیے بخاری شریف ص ۹۱۷)

بہرحال ہمیشہ کذب کا اطلاق تعمد کذب یعنی قصداً جھوٹ بولنے پر ہی نہیں ہوتا، بلکہ بلا ارادہ محض سہو و نسیان سے خلافِ واقعہ بات بیان کرنے پر بھی بکثرت کذب کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً فتح الباری ج ۱ ص ۱۵۲، تلخیص الحبیر ص ۱۷۲، اور نہایہ ج ۴ ص ۱۳ میں اس کی متعدد مثالیں مذکور ہیں، جن کے ساتھ عرب کے محاورات بھی درج ہیں۔

اِسی طرح جو شخص کسی دُوسرے کی بتائی ہُوئی یا لکھی ہوئی خلافِ واقعہ بات بلا تحقیق نقل کر دے تو وہ بھی جھوٹ ہی کہلائے گا۔ لہٰذا شعبہؒ کے قول سے ابراہیمؒ پر قصداً جھُوٹ بولنے کا الزام عائد کرنا غلط ہوگا۔ کیونکہ شعبہؒ نے ابراہیمؒ کے قصداً جھُوٹ بولنے کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اور حضرت شعبہؒ جیسا محتاط اور پرہیزگار عالم و محدّث کسی مسلمان کو بلا دلیل جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے شعبہؒ کی تکذیب کا مطلب اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابراہیم بن عثمانؒ نے حکمؒ کی بات بلا تحقیق بیان کر دی، جسے محاورۂ عرب میں کذب کہہ دیا جاتا ہے حقیقۃً یہ جھوٹ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہُوا کہ حضرت محدّث ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو مجروح ثابت کرنے کے لیے کچھ زیادہ ہی مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے، جو غلط ہے۔

بخاریؒ کا "سکتوا عنہ" کہنا

اب رہا یہ کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم بن عثمانؒ کے حق میں سکتوا عنہ کہا ہے۔ سو اس لفظ کا مفہوم چونکہ خود امام بخاریؒ نے نہیں بتایا اِس لیے بعض محدثینؒ نے اپنے فہم کے مُطابق اس لفظ کا معنٰی متروک الحدیث سمجھ لیا ہے جو مناسب نہیں۔ ممکن ہے کسی نے حضرت ابراہیم کے بارے میں شعبہؒ کے قول سے متاثر ہوکر کسی نے انھیں جھوٹا کہہ دیا ہو تو امام بخاریؒ نے ان کے بارے میں زبان درازی سے منع کیا ہو کر خاموش رہو

اور اتنے بڑے محدّث کے بارے میں زبان درازی نہ کرو۔ لیکن بعد والوں نے غلطی سے کچھ کا کچھ بنا دیا۔

اور اگر بفرضِ محال حضرت امام بخاریؒ کی مُراد سکتوا عنہ سے یہی ہو کہ ابراہیم بن عثمان عبسیؒ متروکُ الحدیث ہے، تو یہ بھی تو قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جس راوی کے متعلق حضرت امام بخاریؒ متروکُ الحدیث کا لفظ اِستعمال کریں تو وہ ہر معاملہ میں ناقابلِ اعتبار ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہی بات ہے تو دیکھیے: اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کو حضرت امام بخاریؒ نے متروک الحدیث کہا ہے، اسی طرح اور بہت سے محدثین مثلاً فلاسؒ، ابوزرعہؒ، ابوحاتمؒ، نسائیؒ، دار قطنیؒ، برقانیؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ نے بھی اسے متروکِ الحدیث کہا ہے۔ بلکہ ابن المدینیؒ نے تو اسے منکر الحدیث کہا ہے' اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ابنِ معینؒ اور ابنِ خراشؒ نے اسے کذاب تک کہہ دیا ہے، جبکہ امام احمدؒ کے بقول اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ بقول محمد بن عاصمؒ اہلِ مدینہ کے نزدیک تو سرے سے اس کا اِسلام بھی مشکوک تھا۔ مع ھٰذا عہد جدید کے ایک مشہور اور نامور محدّث عبدالرحمٰن مبارک پُوریؒ اسی اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کی روایت سے تائید حاصل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتےؒ لیکن اس کے برعکس حضرت محدّث ابراہیم بن عثمانؒ کو اس قدر مجروح کرتے ہیں کہ ان کی روایت کو ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل سمجھتے ہیں۔ یاللعجب!

تحقیقِ بالا سے ثابت ہُوا کہ نہ تو حضرت ابراہیم بن عثمانؒ ضعیف ہیں اور نہ ہی ان کی روایت کردہ سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث، جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان المبارک میں تہجد کے علاوہ بیس رکعت "نمازِ تراویح" پڑھنے کا ذِکر ہے۔ اور تعاملِ امت سے اس کو مزید قوت حاصل ہوگئی۔ کیونکہ عہدِ فاروقی کے مسلمانوں کا علانیہ عمل بھی اسی کے موافق تھا، یا یوں سمجھ لیں کہ ۱۵ھ سے اب ۱۴۱۵ھ تک برابر تمام امت کا یہی معمول ہے۔

کیونکہ جس طرح امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بیس رکعت نمازِ تراویح کا ثبوت کُتبِ حدیث سے ملتا ہے، اسی طرح سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے عہدہائے خلافت میں بھی بیس رکعت نمازِ تراویح کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر بعد ازاں تمام ائمہ مجتہدین اور ان متبعین و محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال اور ان کا عمل بھی اسی کے موافق رہا ہے۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمانؒ کی روایت ہر قسم کے ضعف سے پاک بلکہ قوی تر و مستحکم ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہؒ کے دادا حضرت ابوشیبہؒ اس قدر ضعیف نہیں کہ ان کی روایت کو پھینک ہی دیا جائے۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۱۹)

حضرت علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض ضُعف ایسے ہیں جو اُمّت کی تلقّی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں۔ (اخبار اہلِ حدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء)

رسائل الارکان ص ۱۳۸ میں ہے: ولعل رسول اللہ ﷺ صلی عشرین رکعۃ فی بیت ام المؤمنین میمونۃؓ وشاھد ذلک ابن عباس رضی اللہ عنہما ومواظبۃ الصحابۃ علی عشرین قرینۃ صحۃ ھذہ الروایۃ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیس رکعت تراویح ہی پڑھی ہوں گی، جس کا مشاہدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا ہے۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس رکعت تراویح پر پابند ہونا اس روایت کے صحیح ہونے کا واضح قرینہ ہے۔

نیز کئی شرعی مسائل ایسے بھی جن کے متعلق سوائے ایک ضعیف حدیث کے کوئی ثبوت نہیں ہے، لیکن متفقہ طور پر اُمّت کا عمل اسی پر ہے۔ اس کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔ علاوہ ازیں تمام اُمّت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ "حقیقی بھائی کی موجودگی میں علّتی بھائی وارث نہیں ہوتا" اور اس کی دلیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ضعیف روایت ہے، اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ج ۲ ص ۳۱ میں فرمایا کہ علماء کا اسی حدیث پر عمل ہے۔

حضرت یزید بن رُومان کی روایت پر امکانی اعتراض کا جواب:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما انفرادی طور پر بیس رکعت نماز تراویح صحیح سند سے ثابت کر چکنے کے بعد اب مزید کسی اعتراض کی گنجائش تو نہیں رہتی۔ تاہم پورے ماہِ رمضان المبارک میں باجماعت بیس رکعت کا اِلتزام جو امیر المومنین سیدنا امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے کیا گیا، جس کا ذکر بیہقیؒ نے ج ۲ ص ۴۹۶ میں بروایت یزید بن رومانؒ کیا ہے۔ اور بیس رکعت باجماعت تراویح کے قائلین اپنی دلیل میں حضرت یزید بن رومانؒ کی روایت ہی پیش کرتے ہیں۔ جبکہ حضرت یزیدؒ کی امیر المومنینؓ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔ اس لیے ممکن ہے کوئی شخص یہ اعتراض کر دے کہ جب حضرت یزید بن رومانؒ کی سیدنا عُمرؓ سے ملاقات ہی ثابت نہیں تو یہ حدیث مرسل ہوئی۔ جبکہ مرسل ضعیف ہوتی ہے اور ضعیف حدیث کو دلیل میں پیش کرنا جائز نہیں ہے۔

سو اِس اِمکانی اِعتراض کا ایک جواب تو یہ ہے کہ:

حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ تعالیٰ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک مُحدّث ہیں، اور محدّث بھی ایسے ویسے نہیں، بلکہ ایک بہت بڑے محدّث، نقاد اور مُجتہد حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اُستاذ ہیں۔ جبکہ حضرت امام مالکؒ راویوں کو پرکھنے میں نہایت سخت ہیں، جیسا کہ حضرت امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسعاف المبطا ص ۴۰ میں تحریر فرمایا ہے: یزید بن رومان من شیوخ مالك وثقه النسائی وابن معین وابن سعد وکان عالما کثیر الحدیث. کہ حضرت یزید بن رومانؒ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شیوخ میں سے ہیں۔ اور حضرت امام نسائیؒ حضرت ابن معین اور حضرت ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ اور وہ کثیر الحدیث عالم تھے۔

علاوہ ازیں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت یزید بن

رومان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایات اپنے مؤطا میں نقل فرمائی ہیں، جو کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بقول کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب ہے، جیساکہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغۃ ص۱۰۶ میں تحریر فرمایا ہے: قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ مؤطا مالک. واتفق اہل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رأی مالک ومن وافقہ واما علی رأی غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند بہ من طرق اخریٰ وقد صُنف فی زمان مالک مؤطات کثیرۃ فی تخریج احادیثہ و وصل منقطعہ مثل کتاب ابن ابی ذئب و ابن عیینہ والثوری ومعمر. کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کتابُ اللہ یعنی قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ اور تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس میں جتنی روایتیں ہیں سب کی سب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے موافقین اور ہم خیال محدثین کی رائے کے مطابق صحیح ہیں۔ (کیونکہ وہ لوگ مرسل کو بھی صحیح و مقبول مانتے ہیں)، اور دوسروں کی رائے پر اس میں کوئی مرسل یا منقطع ایسا نہیں ہے کہ دوسرے طریقوں سے اس کی سند متصل نہ ہو۔ اور حضرت امام مالکؒ کے زمانہ میں مؤطا کی حدیثوں کی تخریج کے لیے اور اس کے منقطع کو متصل ثابت کرنے کے لیے بہت سے مؤطا تصنیف ہوئے، جیسے حضرت ابن ابی ذئب، حضرت ابن عُیینہ، حضرت ثوری اور حضرت معمر رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ:

صحابیؓ کی مرسل روایت تو بالاتفاق سب کے نزدیک حجت ہے، اسی طرح ۲۰۰ھ تک کے تابعینِ کرامؒ کی مرسل روایت بھی سب کے نزدیک حجت رہی ہے اور کسی محدث نے اس سے انکار نہیں کیا۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے حضرت علامہ ابنِ جریر کے حوالے سے تحریر فرمایا: اجمع التابعون علی قبول المرسل ولم یات عنھم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ الی راس المائتین. قال ابن عبد البر کانہ یعنی ان الشافعی اول من ردہ (شرخیتی علی ھامش الفیۃ العراقی ص ۲۲) کہ تمام تابعینِ کرامؒ نے مرسل حدیث کو قبول کرنے پر اِتفاق کیا ہے۔ اور ان میں سے کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے اور دُوسری صدی کے خاتمہ تک اماموں میں سے کسی امام نے اس کا اِنکار نہیں کیا۔ حضرت علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علامہ ابن جریرؒ کا اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مرسل حدیث کو مردود قرار دیا ہے۔

بلکہ اگر راوی ثقہ ہو تو دُوسری صدی کے بعد والی مرسل حدیث کو اکثر علماء تسلیم کرتے ہیں، اور ان میں خود حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ بحر العلوم عبد العلیؒ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۴۵۹ میں تحریر فرماتے ہیں: وان کان المرسل من غیرہ فالاکثر ومنھم الائمۃ الثلثۃ الامام ابوحنیفۃ والامام مالک والامام احمد قالوا یقبل مطلقاً اذا کان الراوی ثقۃ. کہ غیرِ صحابی یعنی تابعی یا تبع تابعی کی مرسل روایت کو اکثر علماء جن میں تینوں امام حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں یقیناً قبول کر لیتے ہیں، بشرطیکہ راوی ثقہ ہو۔

اور یہ علماء کرام و مجتہدین عظامؒ ایسی مُرسل روایتوں کو اِس لیے قبول کر لیتے ہیں کہ بعض صحابہؓ و تابعینؒ عام طور پر احادیث بطریقِ ارسال ہی بیان فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً: سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ، سیدنا براء بن عازبؓ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت علامہ شعبیؒ، حضرت ابو العالیہؒ، حضرت محمد بن سیرینؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ بحر العلوم رحؒ نے شرح مسلم الثبوت ص ۴۶۱ میں تحریر فرمایا ہے: فان ذلک اجماعٌ علیٰ قبول المراسیل. کہ ان بڑے بڑے صحابہؓ وتابعینؒ کا یہ عمل اس بات پر اجماع ہونے کی دلیل ہے کہ (ثقاہت راوی کی شرط کے ساتھ) مرسل حدیثیں قابلِ قبول ہوتی ہیں۔

حضرت امام محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت امام مالک، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام احمد بن حنبل اور اکثر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی ہے کہ مُرسل حدیث قابلِ احتجاج ہوتی ہے۔ (دیکھیے مقدمہ شرح مسلم ص ۱۷) نیز حضرت امام سفیان ثوری، حضرت امام مالک اور حضرت امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی مرسل حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے۔ (دیکھیے توجیہ النظر ص ۲۴۵)

اسی طرح حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی حدیث کو بے شک علماء کرام نے منقطع بیان کیا ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ اسے حجت قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ رسالہ غلام رسول میں ہے: حدیثِ یزید بن رومان ہر چند منقطع نوشتہ اند اما نزد حنفیہ و مالکؒ حُجت قرار دادہ۔

مذکورۂ بالا تحریر اور حوالہ جات سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ مرسل روایت کو سرے سے قابل الرد سمجھتے ہیں، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی صاف لفظوں میں اس طرح نہیں کہتے کہ کسی قسم کی مرسل بھی حجت نہیں۔ بلکہ جیسا اوپر لکھا جاچکا ہے صحابۂ کرامؓ کی مرسل روایت کو تو حضرت امام شافعیؒ بھی بلا تردد حجت تسلیم کرتے ہیں۔ اور مراسیلِ سعید بن مسیبؒ کو بھی بلا جھجک حُجت مانتے ہیں (کتبِ اصول) ان کے علاوہ دُوسرے مراسیل کو بھی چند شرطوں کے ساتھ حجت مانتے ہیں۔ چنانچہ مسلک شافعیہ کے متبع محدث حضرت علامہ محی الدین یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے امام حضرت محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے: ومذہب الشافعی انہ اذا انضم الی المرسل

مایعضده احتج به و ذٰلك بان یروی ایضا مسندا او مرسلا من جهةٍ اخرٰی او یعمل به بعض الصحابة او اکثر العلماء (مقدمه مسلم للنووی ص ۱۷)

کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ مرسل حدیث کے ساتھ جب اس کا مؤید مل جائے مثلاً کسی دُوسرے طریق سے وہی روایت مُسنداً یا مُرسلاً ہی مروی ہو، یا اس پر بعض صحابہؓ کا عمل رہا ہو، یا اکثر عُلماء اس پر عامل ہوں تو اُسے حُجت سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں۔

مراسیل مؤطا مالکؒ اور امام شافعیؒ

مؤطا امام مالکؒ میں جو مرسل روایات منقول ہیں حضرت امام شافعیؒ کا بلا اِستثناء ان سب پر ایمان ہے۔ اور وہ مراسیلِ مؤطا مالکؒ کو حجت مانتے ہیں۔ اور اس بات کا اِنکشاف مُتبعینِ امام شافعیؒ میں سے عالمِ اجل حضرت علّامہ جلال الدین عبدُالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، جسے حضرت علّامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان الزرقانی المصری المالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مؤطا امام مالکؒ کے مقدمہ ص ۸ پر نقل کیا ہے۔ چنانچہ امام زرقانیؒ نے فرمایا:

قال السیوطی مافیه من المراسیل مع کونها حجة عنده (مالك) بلا شرط وعند من وافقه من الائمة هی حجة عندنا ایضا لان المرسل حجة عندنا اذا اعتضد وما من مرسل فی المؤطا الا وله عاضد او عواضد فالصواب اطلاق ان المؤطا صحیح لا یستثنی منه شئ

کہ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مؤطا امام مالکؒ میں جس قدر بھی مرسل روایات ہیں، وہ جس طرح حضرت امام مالک بن انس الحمیری الاصبحی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان سے اِتفاق رکھنے والے ائمہ کے نزدیک بغیر کسی شرط کے حجت ہیں، اسی طرح ہمارے یعنی شافعیہ کے نزدیک بھی وہ تمام مرسل روایات حجت ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ہر وہ مرسل روایت حُجت ہے جسے (کسی مسند یا مرسل روایت یا عملِ صحابہؓ اور تعامل علماء سے) قوت اور تائید حاصل ہو چکی ہو، اور

مؤطا امام مالکؒ میں جس قدر بھی مرسل روایات منقول ہیں ان سب کی یہی حالت ہے۔ (کیونکہ، مؤطا امام مالکؒ میں کوئی مرسل روایت ایسی نہیں جس کا کوئی مقوی یا مؤید موجود نہ ہو۔ پس صحیح بات یہی ہے کہ مؤطا امام مالک بلا استثناء کُلّی طور پر صحیح ہے۔

یزید بن رومانؒ کی مُرسل عند الشافعیؒ بھی حُجّت ہے

اب اگر حضرت علامہ سیوطیؒ کے بیان کردہ قانون کی روشنی میں حضرت یزید بن رومانؒ کی اس مرسل روایت کا جائزہ لیا جائے تو اس کا عند الشافعی حجت ہونا بالکل درست قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اس مرسل روایت کو دُوسری مسند اور مرسل طرق والی روایات سے قوت اور تایید حاصل ہے۔ مثلاً سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت یحییٰ بن سعیدؒ و حضرت عبدالعزیز بن رفیعؒ وغیرہ کی مسند و مرسل روایات، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اس کا مؤید ہے، جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ قبل ازیں جہاں ہم نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ صحابۂ کرامؓ و تابعین نمازِ تراویح پڑھتے تھے وہاں ہم نے بیس تراویح کا لفظ قصداً چھوڑ دیا تھا، کیونکہ وہاں تعدادِ رکعات کا موضوع زیرِ بحث نہیں تھا، وہاں صرف یہ بتلانا مقصود تھا کہ نمازِ تراویح پڑھنا سُنّت نبویؐ و عملِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔ اور یہ بات بھی کم و بیش ان تمام محولہ عبارات میں موجود ہے کہ صحابۂ کرامؓ و خلفائے راشدینؓ اور تابعینؒ سب نمازِ تراویح کی بیس رکعات ہی پڑھا کرتے تھے، جبکہ اس کے ساتھ تین وتر ملا کر کل تیئیس رکعات ہوتی ہیں۔ اور اکثر بلکہ تمام علماء کرام اور مجتہدینِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا سلفاً خلفاً اسی پر عمل رہا، اس طرح حضرت یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس زیرِ بحث مُرسل روایت کو بشمول صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ و محدثینؒ تمام اُمّتِ مُسلمہ کی تایید حاصل ہو گئی، اس لیے یہ روایت قابلِ احتجاج ہے۔ حالانکہ قاعدۂ بالا کی رو سے اگر اس روایت کو صرف ایک طریق سے ہی تایید حاصل ہو جاتی تو کافی تھا، مگر خوش قسمتی سے اس روایت کو ہر طرح کی تاییدات سے بھرپور قوت حاصل ہے۔ مثلاً:

- مرسل طریقہ سے اس کی مؤید روایاتِ کثیرہ کا موجود ہونا۔
- مُسند طریقہ سے بھی اس کی مؤید روایت کا موجود ہونا۔
- خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل کرنا۔ اور ان کے علاوہ دُوسرے متعدد
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل کرتے رہنا۔
- تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل کرتے رہنا۔
- ائمۂ متبوعین مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل کرنا اور متبعین کو بتلانا۔
- تمام علماء اہلِ حدیث کا سلفاً خلفاً ہر زمانہ میں اس پر عمل کرتے رہنا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتابُ الاُم ج ا ص ۱۲۵ میں حضرت امام مالک بن انس الحمیری الاصبحی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اُستاذ حضرت یزید بن رُومان المدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اسی مرسل حدیث کو حجت قویہ قرار دیتے ہُوئے واضح لفظوں میں تحریر فرمایا ہے: واحبّ الیّ.... عشرون لانه روی عن عمر رضی اللہ عنہ وکذٰلك یقومون بمکۃ ویوترون بثلٰث. کہ خود میرے نزدیک بھی بیس رکعت تراویح پڑھنا ہی محبوب ترین ہے، کیونکہ امیر المومنین سیّدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔ علاوہ ازیں مکہ مکرمہ کے لوگ بھی بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے ہیں۔ یعنی اہلِ مکہ کا بھی اسی پر عمل ہے۔

روایتِ یزیدؒ مُرسل نہیں بلکہ مُتّصل ھے

گزشتہ صفحات میں ہماری بحث علیٰ سبیل التنزل رہی ہے۔ مگر در حقیقت اُصولِ حدیث کے پیش نظر یہ روایت مُرسل نہیں بلکہ متصل کہلانے کی مستحق ہے اور متصل روایت سب کے نزدیک حجت ہے، بشرطیکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہوں۔ چنانچہ:

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تدریب الراوی میں قانون بیان کیا ہے: وان روی التابعی عن الصحابی قصۃ ادرك وقوعها

فمتصل وکذا ان لم یدرک وقوعها ولکن اسند حاله والا فمنقطعة. کہ علماء اہلِ حدیث کا اصول اور قانون ہے کہ اگر کوئی تابعی کسی صحابی سے کوئی ایسا واقعہ بیان کرے جس کا وقوع خود اس تابعی نے پایا ہو، اور اگر اس قصّہ کا وقوع تو خود اس نے نہ پایا ہو لیکن وہ اپنی پُوری سند بیان کرے تو وہ روایت متصل کہلائے گی ورنہ وہ روایت منقطع سمجھی جائے گی۔ اس قانون کی رُو سے حضرت یزید بن رومانؒ کی یہ روایت متصل کہلائے گی، جبکہ متصل قابلِ عمل اور لائقِ حجت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ روایت قابلِ حُجت ہے۔

مسند طرق سے روایتِ یزیدؒ کی تائید

حضرت یزید بن رومان رحمہُ اللہُ تعالیٰ کی یہ روایت قانونِ بالا کی روشنی میں ہم نے اس کا اِتصال ثابت کر دکھایا ہے، اور اس طرح یہ روایت حجت قرار پائی تاہم ایک اور متصل سے اس کی تائید ہوتی ہے، لگے ہاتھوں وہ بھی دیکھ لیجیے:

قد اخبرنا ابو عبد الله الحسین بن محمد بن الحسین بن فنجویہ الدینوری بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحٰق السنی ثنا عبد الله بن محمد بن عبد العزیز البغوی ثنا علی بن الجعد انبانا ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علیٰ عهد عُمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شهر رمضان بعشرین رکعة.

یعنی حضرت یزید بن خصیفہ رحمہُ اللہُ تعالیٰ نے سیّدنا سائب بن یزید بن سعید بن ثمامۃ الکندی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عہدِ فاروقی میں ان کے زمانہ کے لوگ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

اس اثر کی سند کو حضرت علامہ نودی، علامہ عراقی اور علامہ سیوطی وغیرہ رحمھم اللہُ تعالیٰ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھیے تحفۃُ الاخیار ص ۱۹۲ و تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵ و مصابیح ص ۴۲)

اسی طرح حضرت مُلّا علی قاری رحمہُ اللہُ تعالیٰ نے شرح مُوطا میں اور

حضرت علامہ تقی الدین علی بن عبد الکافی السُبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح منہاج الطالبین میں بھی اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵)

سیّدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حضرت یزید بن خصیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی امیرالمومنین سیّدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں باجماعت بیس رکعت نمازِ تراویح کے اثبات میں یہ روایت حضرت محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے منقول ہے۔ جبکہ اِسی متن کی حضرت یزید بن خصیفہ رحؒ سے مروی ایک روایت حضرت مُحدّث محمد بن جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ بنی۔ اور یہ دونوں مُحدّث یعنی حضرت محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئب اور حضرت محمد بن جعفر رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت یزید بن خصیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ اور جس راوی کے دو شاگرد ہوں وہ چاہے کِتنا ہی مستور الحال اور گمنام ہو پھر بھی اُسے مجہول اور غیر معتبر نہیں کہا جا سکتا۔

اِسی طرح سیّدنا سائب بن یزید رضؓ کی اسی حدیث کی سند میں ایک مُحدّث کا نام حضرت حسین بن محمد بن حسین بن فنجویہ ابو عبد اللہ دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ آتا ہے، جبکہ ان کا نام نامی بھی مشاہیر اور بڑے مُحدّثین کی فہرست کو زینت بخشتا ہے۔ حضرت مُحدّث ابن فنجویہ دینوری رحؒ سُنن نسائی کے اُس نسخہ کے مشہور راوی ہیں جو پاک و ہند میں متداول ہے۔ اور حضرت مُحدّث دینوری رحؒ نے یہ روایت حضرت مُحدّث احمد بن محمد بن اسحٰق السُّنّی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل فرمائی ہے۔ (المشتبہ للذہبی)

حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی محدّث ترکمانی دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ۴۱۴ھ میں وفات پانے والے مشاہیر میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ اِسی طرح حضرت علامہ عز الدین علی بن محمد بن اثیر الجزری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے انھیں "الحافظ" کے خطاب سے نوازا ہے۔ جبکہ "الحافظ" کا لفظ اسی طرح الفاظِ توثیق میں شمار کِیا جاتا ہے جیسا کہ لفظ ثقہ، ثبت، حُجّۃ، امام اور ضابط۔ نیز حضرت علامہ بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ میں ان سے بکثرت روایات لی ہیں۔

روایتِ یزیدؒ کی مؤید ایک اور حدیث

حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایتِ تراویح کو جس طرح حضرت یزید بن خصیفہؒ سے سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت نے تقویت بخشی ہے جس میں امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بہ التزام جماعت رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین وتروں کا اثبات ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت سے بھی روایتِ یزید بن رومانؒ کی بھرپور تائید ہوتی ہے۔ جس میں امیرالمؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں خود حضرت امیرالمؤمنینؓ کے بیس رکعت تراویح اور تین وتروں کا ذکر ہے۔ اور وہ روایت مع سند کے یہ ہے:

اخبرنا ابوالحسن بن الفضل القطان ببغداد انبأ محمد بن احمد بن عیسٰی بن عبدك الرازی ثنا ابو عامر عمرو بن تمیم ثنا احمد بن عبد اللہ بن یونس ثنا حماد بن شعیب عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بهم۔ کہ حضرت عبد اللہ بن حبیب بن ربیعہ ابو عبد الرحمٰن سُلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امیرالمؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے رمضانُ المبارک میں قراء حضرات کو طلب فرمایا اور پھر ان قراء میں سے ایک قاری صاحب کو حکم فرمایا کہ آپ لوگوں کو بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت ابو عبد الرحمٰن سُلمیؒ نے فرمایا کہ (تراویح کے بعد) نمازِ وتر خود امیرالمؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے۔ (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

مذکورہ بالا سند کے علاوہ ایک اور سند سے بھی بیس رکعت تراویح کا یہ واقعہ حضرت علامہ ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۷ میں نقل کی ہے جس کے راوی حضرت ابوالحسناءؒ ہیں۔ اور اس روایت میں ہے کہ امیرالمؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی (قاری) کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحوں کی صورت میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھایا کرے۔

لیکن یہ دُوسری روایت نقل فرمانے کے بعد حضرت علامہ بیہقیؒ نے فرمایا کہ اِس روایت میں ضعف ہے۔ لیکن ان کے نزدیک اس روایت کا ضعف یقینی نہیں بلکہ غیر یقینی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بیہقیؒ نے آخر میں لکھا ہے: واللہ اعلم کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس روایت میں ضعف ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر امام بیہقیؒ کو واقعی اس روایت کے ضعیف ہونے کا یقینِ کامل ہوتا تو وہ اس کے ضعف کی طرف اِشارہ کرنے کے بعد واللہ اعلم کبھی نہ کہتے۔ اس لیے کہ جب انھوں نے حضرت ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی کی تضعیف کی تو وہاں پورے یقین کے ساتھ وھو ضعیف کہا ہے اور اس کے بعد واللہ اعلم نہیں لکھا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم عبسیؒ بھی ضعیف نہیں بلکہ ثقہ ہیں، البتہ بعض علماء نے غلط فہمی سے ان کی تضعیف کی ہے جو درست نہیں۔ جیسا کہ تفصیلاً پہلے لکھا جاچکا ہے۔

کیا امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد ابوالحسناء مجہول ھے

اب رہا یہ کہ حضرت علامہ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تقریب التہذیب میں اور حضرت علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے میزان الاعتدال میں بھی ابوالحسنا کو مجہول قرار دیا ہے۔ اور ہم بھی ابن حجرؒ و ذہبیؒ کی بات سے پوری طرح اتفاق کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ واقعی وہ ابوالحسنا تو ضرور مجہول ہے جو آٹھویں طبقہ کا ہے اور جس کا شاگرد صرف شریک ہے۔ لیکن یہ ابوالحسنا جو امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور ہیں۔ اور دو بڑے بڑے محدث ان کے شاگرد ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام نامی ہے ابوسعد البقال، جبکہ دُوسرے کا نامِ نامی عمرو بن قیس ہے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ اور جس راوی سے روایت کرنے والے دو شاگرد ہوں اُسے مجہول نہیں کہا جاسکتا، لیکن علامہ نیموی نے ان کے دونوں نامی گرامی شاگردوں کی روایتیں نقل کرنے کے باوجود ابوالحسنا کو مجہول ہی کہا ہے۔ تو ان کے مجہول کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مجہول العین ہیں، بلکہ یہ ایسے مجہول ہیں جسے اِصطلاحِ مُحدّثین میں مستور کہا جاتا ہے۔

جبکہ محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک مستور کی روایت بغیر کسی قید کے مقبول ہے جیسا کہ شرح نخبۃ الفکر ص ۷۱ میں ہے۔ البتہ جمہور کہتے ہیں کہ مستور کی روایت مردود ہے۔ اس کے بعد حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنا تحقیقی قول تحریر فرمایا کہ مستور کی روایت نہ مقبول ہے نہ مردود، بلکہ حال ظاہر ہونے تک اس کے بارے میں توقف کیا جائے۔ جبکہ حال ظاہر ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی دُوسرا اس کی برابری والا بھی اس کی متابعت یعنی تائید کردے۔ تو اس صورت میں اُس کی روایت "حسن لغیرہٖ" بن جائے گی۔

شرح نخبۃ الفکر ص ۷۴ میں ہے: متی توبع السیئ الحفظ بمعتبرٍ کان یکون قوتہ او مثلہ لا دونہ وکذا المختلط الذی لا یتمیز والمستور والاسناد المرسل وکذا المدلس اذا لم یعرف المحذوف منہ صار حدیثھم حسنا لغیرہ لا لذاتہ بل وصفہ باعتبار المجموع۔ کہ جب کسی کمزور حافظہ والے راوی کی متابعت یعنی تائید کسی معتبر راوی سے ہوجائے اور معتبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بہتر ہو یا برابر لیکن اس سے کم نہ ہو اسی طرح اگر کسی مُختلط راوی کی کوئی تائید کردے۔ یا مستور، مرسل اور مدلس راوی کی کوئی تائید کردے تو ان سب کی حدیثیں حسن لغیرہٖ ہوجائیں گی، لیکن اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ مجموعی حیثیت کے اِعتبار سے حسن لغیرہٖ کہلائیں گی۔

اور زیرِ بحث روایت کے مستور راوی ابوالحسنا کی متابعت یعنی تائید امیرالمؤمنین سیّدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے ایک اور شاگرد حضرت عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کی ہے جو ثقہ راوی ہیں۔ اِس طرح حضرت ابوالحسنا کی یہ روایت جمہور کے نزدیک بھی معتبر اور مقبول ہوگئی۔

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت علامہ بیہقی رحمۃ اللہ نے اس روایت کو ابوالحسنا کی وجہ سے ضعیف نہیں کہا، کیونکہ ابوالحسنا ضعیف نہیں ہے۔ البتہ جس سند سے بیہقیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اس میں ابوالحسنا

کا شاگرد ابو سعد بقال ہے، جسے تمام نقاد ضعیف کہتے ہیں۔ اور اسی کی وجہ سے علامہ بیہقیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن دوسری سند کے لحاظ سے ابوالحسنا کی یہ روایت صحیح ہے، جس کا ذکر علامہ بیہقیؒ نے نہیں فرمایا۔ جبکہ حضرت علامہ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الجوہر النقی ص ۴۹۶/۲ میں مُصنّف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے اس روایتِ صحیح کا ذکر فرما دیا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳ میں یہ روایت درجِ ذیل سند کے ساتھ منقول ہے: حدثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء۔ یعنی بیس رکعت نمازِ تراویح والی امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت حضرت ابوالحسناء سے حضرت عمرو بن قیس الملائی ابوعبداللہ کوفی نے اور ان سے حضرت حسن بن صالح بن صالح بن حی بن شفی الہمدانی الثوری نے اور اُن سے حضرت امام وکیع بن الجراح بن ملیح الرؤاسی ابوسفیان الکوفی نے سُنی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ یاد رہے کہ اس سند کے سب راوی پختہ اور ثقہ ہیں، ان میں سے کوئی بھی ضعیف نہیں مثلاً

حضرت ابوالحسناءؒ کے شاگرد حضرت عمرو بن قیسؒ الملائی ابوعبداللہ کوفی ہیں، جن کے بارے میں حضرت علامہ ابن حجرؒ نے ثقۃ، متقن، عابد کے الفاظِ توثیق تحریر فرمائے ہیں۔ (دیکھیے تقریب التہذیب) اور حضرت علامہ ماردینیؒ نے فرمایا

وثقہ احمد ویحیی وابوحاتم وابوزرعۃ وغیرھم واخرج لہ مسلم۔

حضرت عمرو بن قیس کے شاگرد ہیں حضرت حسن بن صالح بن صالح بن حی وہو حیان بن شفی الہمدانی الثوریؒ۔ اور ان کے حق میں علامہ ابنِ حجرؒ نے ثقۃ، فقیہ عابد کے الفاظِ توثیق تحریر فرمائے ہیں (تقریب التہذیب)

حسن بن صالح کے شاگرد ہیں حضرت امام وکیع بن الجراح بن ملیح الرؤاسی ابوسفیان الکوفیؒ جو کہ حضرت امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ صاحب مُصنّف کے استاذ ہیں، اور ائمۂ اعلام میں مشہور، اور اپنے وقت کے امام المسلمین تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حافظ، ضابط اور متقن نہیں دیکھا۔ (خلاصہ تہذیب)

روایتِ ابوالحسناء کی تایید

حضرت امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد ابوالحسناءؒ کی روایت کو جس طرح حضرت امیرالمومنینؓ کے دوسرے شاگرد حضرت عبداللہ بن حبیب بن رُبَیِّعَہ ابوعبدالرحمٰن سُلَمیؒ کی روایت سے زبردست تقویت و تایید حاصل ہُوئی اور اس سے حضرت ابوالحسناءؒ کا مستور پن اور ان کے شاگرد سعید بن مرزبان ابوسعد بقالؒ کا ضعف بھی ختم ہوگیا، نیز حضرت امیرالمومنینؓ کے دُوسرے متعدّد شاگردوں کے عمل سے مزید تقویت حاصل ہوگئی۔ اور پھر حضرت علامہ ابوبکر احمد بیہقیؒ نے حضرت شتیر بن شکل رحمہ اللہ تعالیٰ کے اثر کو وفی ذٰلک قوۃ فرماکر اس کی تمام کمزوریاں نکال ڈالیں۔ اسی طرح دیگر شاگردانِ علیؓ میں سے حضرت شتیر بن شکل بن حمید، حضرت ابوالبختری بن فیروز حضرت حارث اعور، حضرت علی بن رُبَیِّعَہ، حضرت سوید بن غفلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے عمل نے اسے "حسن" کے درجے تک پہنچا دیا۔ کیونکہ جب کوئی حدیث یا اثر متعدّد طریقوں سے مروی ہو تو چاہے الگ الگ ہر طریق بجائے خود ضعیف ہو مگر سب مل کر حسن لغیرہٖ کی حیثیت حاصل کرلیتے ہیں۔ کیونکہ ابکار المنن ص ۱۷۸ و ۱۷۹ میں ہے: ھٰذا الحدیث و ان کان ضعیفا لٰکنہ منجبر بتعدد طرقہ کہ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر تعدّدِ طرق سے اس کی ساری کمزوری دُور ہوگئی۔ اور ص ۱۳۱ میں ہے: ولو سلوان کلھا ضعیفۃ فھی بمجموعھا تبلغ درجۃ الحسن. کہ اگر بالفرض یہی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ طرق کلّی طور پر سب کے سب ضعیف ہی ہیں، تب بھی اتنا تو ہے کہ ان تمام ضعیف طرق کے جمع ہوجانے سے حسن کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جبکہ حسن حُجّت ہے۔

اس قاعدہ کی رو سے اگر بیس تراویح والی تمام روایات میں بھی ضعف ثابت کردیا جائے تب بھی وہ حسن ہوکر حُجّت قرار پائیں گی اور ان کا ضعف ختم ہوجائے گا۔

شاگردانِ علیؓ کی عملی تائید

حضرت ابو الحسناءؒ کی روایت کو جہاں حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی کی روایت سے تقویت حاصل ہوئی وہاں درجِ ذیل دیگر شاگردانِ علیؓ کے عمل سے بھی اسے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً:

حضرت سوید بن غفلہ جعفی ابو امیہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو کہ پہلے چار خلفائے راشدینؓ کے شاگرد ہیں، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس وقت مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مسلمان ہوئے جب لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکی جسدِ اطہر کو دفن کر چکے تھے۔ اس طرح یہ خود بھی تابعی ہیں اور ایک مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے استاذ بھی ہیں۔ مشہور نقاد حضرت یحییٰ بن معینؒ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ (دیکھیے خلاصہ تذہیب تہذیب) یہ بھی رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھاکرتے تھے۔ جیساکہ ان کے ایک شاگرد حضرت ابو الخصیبؒ نے فرمایا ہے: كان يؤمنا سويد بن غفلة فى رمضان فيصلى خمس ترويحات عشرين ركعة. کہ حضرت سوید بن غفلہ جعفی ابو امیہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں ہماری امامت کرتے تھے، اور پانچ ترویحوں کی صورت میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھاتے تھے۔ (دیکھیے بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

حضرت شتیر بن شکل عبسی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ تابعی ہیں۔ انھیں امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کی شاگردی کا اعزاز حاصل ہے، جبکہ خود اپنے والد سیدنا شکل بن حمید رضی اللہ عنہ سے بھی انھوں نے اکتسابِ علم کیا۔ امام نسائیؒ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ اور یہ بھی نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں ہی پڑھتے تھے، جیساکہ ان کے شاگرد حضرت عبد اللہ بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: كان يؤمهم فى شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳ و السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶) کہ وہ رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح اور تین وتروں کی امامت کرایا کرتے تھے۔

حضرت حارث بن عبداللہ ہمدانی حوتی ابوزہیر کوفی اعور رحمۃ اللہ تعالیٰ

امیرالمومنین سیدنا امام علی اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، جبکہ حضرت شعبی، حضرت عمرو بن مرہ اور حضرت ابواسحٰق رحمہم اللہ تعالیٰ کے اُستاذ ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ کوئی پختہ راوی نہیں ہیں کیونکہ ان کی ایک روایت میں حضرت ابوحاتمؒ اور نسائیؒ نے انھیں لیس بالقوی کہا ہے، جبکہ یحییٰ بن معینؒ نے انھیں ضعیف قرار دیا۔ تاہم یحییٰ بن معین نے یہ بھی کہا ہے: لیس بہ بأس کہ ان کی روایت لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کچھ معمولی سا ضعف ہے۔ جو زیادہ قابلِ اعتراض نہیں۔ ان کے شاگرد حضرت ابواسحٰقؒ نے فرمایا: كان يؤم الناس في رمضان بالليل بعشرين ركعة ويوتر بثلث (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) کہ حضرت حارث اعور رحمۃ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی راتوں میں بیس رکعت نمازِ تراویح اور تین وتروں کی امامت کرایا کرتے تھے۔

حضرت سعید بن فیروز بن عمران کوفی ابوالبختری طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ تابعی ہیں، اور سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، اور ان دونوں استاذوں سے براہِ راست روایت بیان فرماتے ہیں، علاوہ ازیں بطریقِ مُرسل امیرالمومنین سیدنا امام عُمر اور امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہما سے بھی ان کی روایات موجود ہیں۔ حضرت ابنِ معینؒ اور حضرت ابوزرعہؒ نے انھیں ثقہ بتایا ہے۔ ان کے ایک شاگرد حضرت ربیعؒ ہیں، جو فرماتے ہیں: انه كان يصلي خمس ترويحات في رمضان ويوتر بثلث (مصنف ج ۲ ص ۳۹۳) کہ حضرت ابوالبختریؒ رمضان المبارک میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علی بن ربیعہ بن نضلہ والبی ابوالمغیرہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو امیرالمومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہے۔ بخاری و مسلم میں اس کی روایات موجود ہیں، یحییٰ بن معینؒ اور نسائیؒ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ان کے شاگرد حضرت سعید بن عبیدؒ فرماتے ہیں: کان یصلی بہم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلٰث (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) کہ حضرت علی بن ربیعہؒ رمضان المبارک میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

نیز قیام اللیل ص ۱۵۸ میں حضرت محدث مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، حضرت سعید بن ابی الحسن اور حضرت عمران العبدی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات پڑھتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، جن کی روایات صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؒ کو ابنِ حجرؒ نے تقریب التہذیب میں ثقہ کہا ہے۔

حضرت سعید بن ابی الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی ہیں، اور اپنی والدہ سیدہ خیرہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اور حضرت ابوزرعہؒ وغیرہ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔

بہرحال قانون بالا کی روشنی میں روایتِ ابوالحسناءؒ کو اس قدر تائیدات حاصل ہونے کے بعد اس میں اگر کوئی ضعف یا کمی تھی تو وہ ختم ہوگئی۔ اسی طرح روایتِ ابوالحسناءؒ وغیرہ کی تائید سے حضرت یزید بن رومانؒ کی روایت بھی مؤید ہوگئی اور اس کا ضعف ختم ہوگیا۔ اور ان سب کی تائید حضرت ابراہیم بن عثمان عبسیؒ سے مروی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو حاصل ہوگئی جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ پوری اُمتِ مسلمہ کا اِس بارے میں اجماع و اتفاق ہے کہ نمازِ تراویح بیس رکعت سے کم نہ پڑھی جائیں۔

تعدادِ رکعاتِ تراویح پر شبہ کا جواب

ہم نے اپنے سابقہ مضمون میں اس بات کی خوب وضاحت کر دی ہے کہ نمازِ تراویح جو رمضان المبارک میں پڑھی جانے والی مخصوص نماز ہے۔ اور ابتدا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی طور پر اپنے آستانہ عالیہ میں، اور اِعتکاف کے دِنوں میں اکیلے ہی اعتکاف گاہ (مسجد) میں نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کی ایک رات کو آپؐ اپنے آستانۂ عالیہ سے باہر مسجدِ نبویؐ کی طرف نکلے، وہاں آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ تو انفرادی طور پر نمازِ تراویح پڑھ رہے ہیں اور کچھ لوگ سیّد القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھ رہے ہیں۔
پھر ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرماکر انھیں باجماعت نمازِ تراویح پڑھائی، جس میں تقریباً رات کا تہائی حصہ صرف فرمایا، اور یہ ۲۳ رمضان کا واقعہ ہے۔ پھر ۲۴ر کو جماعت نہیں کرائی اور ۲۵ر کو پھر جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھائی، جس میں آدھی رات لگا دی، پھر ۲۶ر کو جماعت نہیں کرائی اور ۲۷ر کو جماعت کرائی تو اتنی دیر تک مصروف رہے کہ صحابۂ کرامؓ کو خطرہ محسوس ہونے لگا کہ آج کہیں سحری کھانے سے بھی محروم نہ رہ جائیں۔ اس کے بعد باقی راتوں میں اس لیے جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھائی کہ کہیں مسلمانوں پر فرض ہی نہ ہو جائے۔ یہ سب باتیں تفصیلاً پہلے لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں صرف یاد دہانی کے لیے مختصراً اعادہ کیا گیا ہے۔

اب رہا یہ کہ ان راتوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعداد کے لحاظ سے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں، تو اس کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے اور جن صحیح روایتوں میں باجماعت نمازِ تراویح کا ذکر ہے ان میں تعدادِ

رکعات کا کچھ ذکر نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ تعدادِ رکعاتِ تراویح کے بارے میں علماء کرام کا باہم اختلاف ہے۔ اگرچہ انفرادی طور پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تفصیلاً لکھا جا چکا ہے، تاہم ہمیں صراحۃً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کوئی فرمان نہیں ملا جس میں آپ نے فرمایا ہو کہ تراویح کی اتنی رکعتیں پڑھا کرو۔

اب جیسا کہ ہمیں عددِ تراویح سے متعلق سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ملی، جسے علماء نے ضعیف بتلایا ہے، لیکن ہم نے اس روایت پر سیر حاصل بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ روایت صحیح اور قابلِ عمل ہے۔ اسی طرح عدد تراویح کے بارے میں سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک اور روایت بھی کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ جس میں آٹھ رکعت نمازِ تراویح کا صراحۃً ذکر موجود ہے۔ اگرچہ تعاملِ صحابہؓ سے تو اس کی تائید نہیں ہوتی اور نہ ہی تابعینؒ یا ائمہ مجتہدینؒ کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم وہ روایت بھی یہاں لکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ:

آٹھ رکعت تراویح والی روایت:

قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۵ و معجم صغیر للطبرانی ص ۱۰۷ میں وارد ہے:

حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبد اللہ ثنا عیسیٰ بن جاریہ عن جابر رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ فی رمضان لیلۃ ثمان رکعات والوتر۔ کہ محمد بن حمید نے ہمیں بتایا کہ یعقوب بن عبد اللہ نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ انھیں عیسیٰ بن جاریہ نے بتایا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ایک رات آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر پڑھائے۔

سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس روایت کا راوی محمد بن حمید رازی ہے، جس کا استاذ یعقوب قمی اور اس کا استاذ عیسیٰ بن جاریہ ہے۔

مُحمّد بن حمید الرّازی

آٹھ رکعت تراویح والی سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مذکورِ بالا روایت کو سب سے پہلے اپنے اُستاذوں کا نام لے کر محدثین کے سامنے بیان کرنے والے شخص کا نام محمد بن حمید ہے جو رَیّ کا رہنے والا تھا، نقّاد مُحدّثین اس کے بارے میں کچھ اچھی رائے نہیں رکھتے اور اس پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔ محدثینِ عظام کی آراء کو حضرت محدّث ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ اور حضرت مُحدّث شمسُ الدّین محمد بن احمد ذہبیؒ اور دیگر ناقدین نے جمع فرمایا ہے۔ مُشتے نمونہ اس کے چند اوصاف یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

- حضرت یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں: محمد بن حمید کثیرالمناکیر کہ محمد بن حمید بہت زیادہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا شخص تھا۔
- حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں: فی حدیثہ نظر کہ محمد بن حمید کی بیان کردہ حدیث میں نظر یعنی اعتراض ہے۔
- حضرت امام نسائیؒ نے فرمایا: لیس بثقۃ کہ محمد بن حمید ثقہ راوی نہیں۔ بلکہ ایک موقع پر تو امام نسائیؒ نے اسے کذّاب یعنی بڑا جھوٹا بھی کہا ہے۔
- حضرت علامہ جوزجانیؒ نے فرمایا: ردی المذھب غیر ثقۃ کہ یہ شخص بد مذہب اور غیر ثقہ ہے، جس کی بات کا کچھ اعتبار نہیں۔
- حضرت محدّث صالح بن محمدؒ فرماتے ہیں: ما رأیت احدًا أجرأ علی اللہ منہ کان یأخذ احادیث الناس فیقلب بعضہ علی بعض کہ محمد بن حمید رازی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر جرأت و جسارت کرنے والا کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا۔ اور اس میں ایک خباثت یہ بھی تھی کہ دوسرے لوگوں کی حدیثیں لے کر ان حدیثوں میں الٹ پھیر کر دیا کرتا تھا۔
- اور مزید یہ بھی فرمایا: ما رأیت احدًا احذق بالکذب من رجلین سلیمان الشاذکونی و محمد بن حمید کہ میں نے دو شخصوں سے زیادہ

جھوٹ بولنے میں حاذق و ماہر اور کوئی بھی نہیں دیکھا۔ ان میں سے ایک تو ہے سُلیمان شاذکونی، جبکہ دُوسرے کا نام محمد بن حمید ہے۔

ابونعیمؒ و ابن عدیؒ نے فرمایا: وجماعة من المشايخ اهل الری وحفاظهم فذكروا ابن حميد فاجمعوا علىٰ انه ضعيف فی الحديث جدًا وانه يحدث بمالم يسمعه وانه يأخذ احاديث اهل البصرة والكوفة فيحدث بها عن الرازيين۔ کہ رَیّ کے شیوخ اور حفاظ یعنی محدثین کی ایک جماعت نے محمد بن حمید کا تذکرہ شروع کر دیا، جس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ یہ شخص حدیث کے معاملے میں بہت ہی ضعیف ہے۔ اور ایک ایسی انوکھی بات کرتا ہے جو اس نے کہیں سے بھی نہ سُنی ہو، یعنی من گھڑت قصے حدیث کے نام سے بیان کرتا ہے۔ اور کبھی تو ایسا بھی کرتا ہے کہ بصرہ اور کوفہ کے جھوٹے لوگوں کی من گھڑت روایات اخذ کر کے رَیّ کے مُحدّثین کا نام لے کر بیان کر دیتا ہے۔

○ حضرت علامہ ابن خراشؒ نے فرمایا کہ محمد بن حمید نے ہمیں ایک حدیث سُنائی۔ جو جھوٹی اور من گھڑت تھی، کیونکہ وکان واللہ يكذب اللہ تعالیٰ کی قسم وہ ہمیشہ جھوٹ بولا کرتا تھا۔

○ حضرت محدّث محمد بن مسلم بن عثمان بن عبداللہ بن وارہؒ نے فرمایا: محمد بن حمید كذاب. کہ محمد بن حمید بہت بڑا جھوٹا آدمی ہے۔

○ حضرتِ امام بخاریؒ کے اُستاذ حضرت امام اسحٰق الکوسجؒ فرماتے ہیں کہ: میں گواھی دیتا ہوں کہ محمد بن حمید کذّاب یعنی بہت بڑا جھوٹا ہے۔

○ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ متعدّد لوگوں سے ہم تک یہ شکایت پہنچی ہے کہ محمد بن حمید حدیث چور ہے، وہ حدیثیں چُراتا ہے۔ اور وہ اس قدر نالائق تھا کہ اسے قرآن مجید بھی یاد نہیں تھا۔

- حضرت ابوزرعہؒ کے بھتیجے ابوالقاسمؒ نے ان سے پوچھا کہ محمد بن حمید رازی کیسا آدمی تھا؟ تو انھوں نے اپنے منہ کی طرف اپنی انگلی سے چُپ رہنے کا اشارہ کیا۔ تو اس پر ابوالقاسمؒ نے دریافت کیا کہ کیا وہ جھوٹ بولتا تھا؟ تو آپ نے سر کے اشارے سے فرمایا کہ ہاں وہ جھوٹ بولتا تھا۔ اس پر ابوالقاسمؒ نے کہا کہ وہ بوڑھا ہوگیا تھا، اس لیے شاید تدلیس سے کام لیتا ہو۔ اس پر حضرت ابوزرعہؒ نے فرمایا: نہیں بیٹے، ایسی بات نہیں، وہ قصداً جھوٹ بولا کرتا تھا۔
- فضلک رازیؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ محمد بن حمید کے یہاں گیا تو وہ اس وقت اپنی من گھڑت اور سُنی سُنائی روایات کی سندیں گھڑ رہا تھا۔
- نیز انھوں نے یہ بھی کہا کہ میرے پاس محمد بن حمید کی بیان کردہ پچاس ہزار روایات کا مجموعہ موجود ہے، لیکن ان روایات کی حالت یہ ہے کہ میں ان پچاس ہزار روایات میں سے ایک حرف بیان کرنے کو بھی جائز اور حلال نہیں سمجھتا۔
- حضرت اسحٰق الکوسجؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن حمید نے ابن اسحٰق کی کتاب المغازی پڑھ کر سُنائی اور دعویٰ کیا کہ اس نے یہ کتاب سلمۃ الابرش سے سُنی ہے۔ اس کے بعد میرا علی بن مہران کے پاس جانا ہُوا، تو وہ بھی کتابُ المغازی ہی پڑھ کر سُنا رہا تھا، اور وہ بھی یہی دعویٰ کرتا تھا کہ اس نے یہ کتاب سلمۃ الابرش سے سُنی ہے اس پر میں نے دریافت کیا کہ کیا محمد بن حمید نے بھی یہ کتاب سلمۃ الابرش ہی سے پڑھی ہے۔ کیونکہ وہ بھی یہی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کتاب میں نے سلمۃ الابرش سے پڑھی ہے۔ تو وہ میری یہ بات سُن کر حیرت زدہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ یہ کتاب تو اس نے میرے پاس پڑھی ہے۔ تب میں (الکوسج) نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن حمید جھوٹا ہے۔

یعقوب بن عبد اللہ قمی

آٹھ رکعت تراویح والی روایت کے پہلے راوی کے کرتوت تو آپ نے پڑھ لیے۔ اب اس روایت کی سند کے لحاظ سے اس کے استاذ کا نام یعقوب بن عبد اللہ ہے، جس کا پورا نام یعقوب بن عبد اللہ بن سعد بن مالک الاشعری ابوالحسن القمی ہے۔ ویسے تو مختلف روایات میں محمد بن حمید اپنے مختلف اساتذہ کا نام بیان کرتا ہے، لیکن چونکہ زیر بحث روایت میں اس "استاد" نے اپنے استاذ کا نام یعقوب بن عبد اللہ بتلایا ہے، اس لیے وقتی طور پر ہم یہی سمجھ لیتے ہیں کہ ممکن ہے اس نے یہ روایت خود نہ گھڑی ہو، بلکہ یعقوب بن عبد اللہ قمی سے ہی سُنی ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے حالات سے بھی کچھ نہ کچھ آگاہی ہو جائے۔

چنانچہ حضرت محدث دارقطنیؒ نے اس کے بارے میں لیس بالقوی کا فتویٰ صادر فرماتے ہوئے ہمیں آگاہ کر دیا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ بات خود محمد بن حمید نے اپنے پاس سے نہیں گھڑی بلکہ یعقوب قمی ہی سے سُنی ہے تو یہ کونسا قوی آدمی تھا۔ نیز اس کے متعلق صدوق یہو کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ جھوٹا تو نہیں تھا البتہ سچ اور جھوٹ کے امتیاز میں وہم کا شکار ہو جاتا تھا۔ (تہذیب الکمال، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، الضعفاء والمتروکین لابن جوزی، المغنی فی الضعفاء للذہبی، میزان الاعتدال)

عیسیٰ بن جاریہ

یعقوب قمی کا استاذ اور محمد بن حمید رازی کا دادا استاذ عیسیٰ بن جاریہ ہے، جو مدینہ منورہ کا رہنے والا "انصاری" تھا۔ گو کہ ابنِ حبان نے اسے ثقہ کہا ہے لیکن:

- امام ابوداؤدؒ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔
- تقریب میں ہے فیہ لین کہ اس میں ضعف ہے۔
- علامہ دوری نے ابن معین کے حوالے سے فرمایا: عندہ مناکیر۔ کہ اس کے پاس بہت سی منکر احادیث ہیں۔
- امام ساجی اور عقیلی نے اسے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔

○ ابن عدیؒ نے فرمایا: احادیثہ غیر محفوظۃ کہ عیسیٰ بن جاریہ کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں، یعنی منکر و شاذ ہیں۔

○ امام نسائیؒ نے فرمایا کہ یہ منکر الحدیث اور متروک ہے۔

محدثینِ عظام و ناقدین کے تبصرے جو سطورِ بالا میں نقل کیے گئے ہیں ان سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ آٹھ رکعت تراویح والی روایت حقیقت میں بعینہٖ اس طرح نہیں تھی جس طرح محمد بن حمید نے بیان کی ہے۔ اس لیے کہ اس کا راوی عیسیٰ بن جاریہ جو کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا شاگرد ہے وہ تابعی ہے، خیر القرون میں سے ہے، اس سے جھوٹ کا امکان مشکل ہے پھر بھی محقق علما کی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ یہ منکر الحدیث اور ضعیف تھا، اور اس کی بیان روایت محفوظ نہیں سمجھی جاتی اور اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ جو الفاظ اس نے ہمیں بتائے ہیں، بعینہٖ یہی الفاظ اس نے اپنے استاذ سے سُنے ہیں یا اس میں ردّ و بدل اور کمی بیشی کی ہے۔

بہرحال ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ عیسےٰ بن جاریہ کے بارے میں کوئی ایسا لفظ کہیں جو اس کے شایانِ شان نہ ہو۔ اس کے بارے میں جو تبصرہ محقق علماء نے کیا ہے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

پھر عیسیٰ بن جاریہ کے نام سے آٹھ رکعت والی روایت بیان کرنے والا یعقوب بن عبداللہ قمی ہے، جسے ہم جھوٹا تو نہیں کہہ سکتے یہ سچا ہی تھا، لیکن اکثر اوقات سچ اور جھوٹ کے امتیاز میں وہم کا شکار ہوجایا کرتا تھا۔

پھر یعقوب قمی کے نام سے آٹھ رکعت تراویح والی یہ روایت بیان کرنے والا محمد بن حمید رازی ہے، جس کے بارے میں اہلِ تحقیق نقاد محدثین کے تبصرے قبل ازیں لکھے جاچکے ہیں، جن کی روشنی میں یہ بات کہنا شاید غلط نہ ہو کہ: در اصل "آٹھ رکعت" کے لفظ کا اضافہ خود محمد بن حمید رازی نے اپنی طرف سے کردیا ہے، ورنہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ موجود نہیں تھا۔

محمد بن حمید رازی کی دیگر موضوع روایتیں

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی زیرِ بحث روایت میں اپنی طرف سے آٹھ رکعت کا لفظ وضع کرنے والے وضاع محمد بن حمید رازی نے صرف یہی لفظ وضع نہیں کیا، بلکہ اس کی موضوع روایات اور بھی ہیں۔ مثلاً:

محمد بن حمید رازی کا شاگرد ابنِ جریر طبری (اس کے بارے میں ہم اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں)، نے اپنی تفسیر میں اپنے اسی استاذ محمد بن حمید کی ایک روایت نقل کی ہے، جس میں اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراجِ جسمانی کی منکر تھیں (نعوذ باللہ)۔ چنانچہ اس کی وضع کردہ روایت میں ہے: حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة عن محمد قال حدثنی بعض آل ابی بکرؓ ان عائشةؓ کانت تقول ما فقد جسد رسول الله ﷺ ولکن اسری بروحہ کہ ہمیں محمد بن حمید رازی نے بتایا کہ سلمۃ الابرش کہا کرتا تھا کہ میں نے محمد سے سُنا ہے جو کہا کرتا تھا کہ مجھے امیر المومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی نے بتایا کہ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ معراج کی رات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر غائب نہیں ہوا تھا، بلکہ آپ کو رُوحانی طور پر معراج ہوئی تھی۔

اس روایت کے بارے میں تفصیلی بحث تو ہم نے اپنے رسالہ معراج النبیؐ میں تحریر کی ہے۔ یہاں صرف اتنا یاد رکھیں کہ یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے۔ کیونکہ معراج کا واقعہ مکی عہد میں پیش آیا تھا جبکہ اُمّ المومنین آستانۂ نبویؐ جلوہ افروز نہیں ہوئی تھیں۔ تو گویا یہ روایت محمد بن حمید کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس سے کئی بد مذہب لوگوں نے فائدہ اُٹھاتے ہوئے معجزات کا اِنکار کیا ہے۔ اور اِسی طرح اس روایت سے اہلِ رفض نے بھی فائدہ اُٹھایا ہے جو اہلِ بیتِؓ رسولؐ سے بُغض و کینہ رکھتے ہیں۔

ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے اپنے اسی اُستاذ محمد بن حمید رازی کے حوالے سے ایک من گھڑت روایت حضرت یُوسف علیہ السلام کے نکاح سے متعلق لکھی ہے:

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة عن ابن اسحٰق قال لما قال یوسف للملك اِجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ قال الملك قد فعلتُ فولاه فی ما یذکرون عمل اطفیر وعزل الاطفیر عما کان علیه یقول الله وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ الآیۃ قال فذکر لی والله اعلم ان اطفیر هلك فی تلك اللیالی وان الملك الریان بن الولید زوّج یوسف امرأة اطفیر راعیل. وانها حین دخلت علیه قال الیس هٰذا خیر مما کنت تریدین. قال فیزعمون انها قالت ایها الصدیق لا تلمنی فانی کنت امرأة کما تری حسنا وجمالا ناعمة فی ملك ودنیا وکان صاحبی لا یاتی النساء وکنت کما جعلك الله فی حسنك وهیئتك فغلبتنی نفسی علٰی ما رأیت. فیزعمون انه وجدها عذراء فاصابها فولدت له رجلین افرائیم بن یوسف ومیشا بن یوسف. (جامع البیان فی تفسیر القراٰن للطبری پ۱۳ ص۵)

کہ محمد بن حمید نے سلمۃ الابرش اور اس نے محمد بن اسحٰق سے نقل کر کے ہمیں بتلایا کہ جب حضرت یُوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو کہا: اِجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ. کہ مجھے ملکی خزانوں پر مسلّط فرما دیجیے کیونکہ میں خزانے کی حفاظت بھی اچھی طرح سے کر سکتا ہوں اور حساب کتاب سے بھی واقف ہوں، تو بادشاہ نے کہا کہ ٹھیک ہے میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ تو لوگوں کے بقول بادشاہ نے اِطفیر کو اس کے عُہدہ سے معزول کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے کام کا متولّی اور نگران بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ الآیۃ۔ اور اس طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السّلام کو ملکِ مصر میں جگہ دی کہ وہ اس میں جہاں بھی چاہیں

رہیں بسیں۔ الآیہ۔ ابنِ اسحٰق نے کہا: مجھے بتایا گیا کہ آگے اللہ جانے کہ اِطفیر انہی راتوں میں مرگیا، اور بادشاہ ریان بن ولید نے اطفیر کی بیوہ راعیل کا نکاح حضرت یُوسف علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔ اور وہ عورت حضرت یُوسف علیہ السلام کے پاس آئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ کام یعنی نکاح اُس کام یعنی زنا سے بہتر نہیں جو تو چاہتی تھی۔ ابن حمید رازی نے ابنِ اسحٰق نے کہا کہ پھر لوگ کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا کہ اے سچ بولنے والے! مجھے ملامت نہ کیجیے کیونکہ میں حسین و جمیل عورت تھی، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اور مُلک و دُنیا میں ناز پروردہ تھی، اور میرا خاوند نامرد تھا، وہ عورتوں کے پاس آنے پر قادر نہ تھا۔ اور حسن و جمال میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو بنایا ہے، میں آپؑ کو دیکھ کر بے اختیار ہوگئی، میرے نفس نے اُسی فعلِ بد کے لیے مجھ پر غلبہ پالیا جو آپؑ سمجھ گئے تھے۔ پھر لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے کنواری یا باکرہ پایا۔ پھر اس کے ساتھ صحبت کی، تو اس سے دو بچے افرائیم بن یوسف اور میشا بن یوسف پیدا ہُوئے۔ (جامع البیان فی تفسیر القرآن طبری ج۱۳ ص ۵)

یہ سارا واقعہ یا تو خود محمد بن حمید کی اپنی ذہنی اختراع ہے یا اس کے استاذ سلمۃ الابرش نے اپنے پاس سے گھڑ کر اُستاذ کے نام سے شاگرد کو بتایا، یا پھر محمد بن اسحٰق اس کا واضع ہے، خیر اصل بات کُچھ بھی ہو طبری کو بتانے والا تو محمد بن حمید رازی ہی ہے۔ جس نے یہ بھی نہ سوچا کہ کیا ایسی بدکار اور فاحشہ عورت آستانۂ نبوی میں قدم رکھنے کے قابل ہو سکتی ہے جو منکوحہ ہونے کے باوجود دُوسرے غیر مرد سے آتش نفس بجھانا چاہتی ہے، یہاں تک کہ اس حیا باختہ نے اپنی نفسانی خواہش پُوری کرنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں، کھڑکیاں دروازے بند کیے، تالے لگائے، حتیٰ کہ اپنی ناپاک زبان سے ایک معصوم پیغمبرؑ کو صاف لفظوں میں گناہ کی دعوت دی، تو جب حضرت یُوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس نجس فعل سے بچنے کے لیے بھاگے تو اس بدچلن نے محل کے آخری دروازے تک

اس معصوم کا پیچھا کیا، اور حضرت یُوسف علیہ السلام کی قمیص مُبارک بھی کھینچ کر پھاڑدی اور جب آگے سے شوہر کو آتے دیکھا تو شور مچا دیا، اُلٹا حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگادیا، اور آخر کار ناکردہ گناہ کی سزا میں اس معصوم ہستی کو زندان خانہ میں بھجوا دیا۔ اس کے بعد اس بے گناہ کو مدتوں تک یاد نہ کیا، نہ ان کی رہائی کے لیے کوئی تدبیر کی، نہ اپنے گناہ پر پشیمان ہُوئی۔

بالآخر جب اس فاحشہ کی سہیلیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت پر گواہی دی تو ڈھیٹ ہوکر خود اس نے بھی اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہُوئے کہا کہ اب تو سب پر حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے تو پھر میں آج اس بھرے دربار میں اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ خود میں نے ہی حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا ناجائز مطلب حاصل کرنا چاہا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام اس بارے میں بالکل سچّے ہیں۔ اور اس بات کا اظہار میں اس لیے کرتی ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ میں نے اُن کی عدم موجودگی میں یعنی زمانۂ قید میں ان کی معصومیت اور پاکدامنی کے بارے میں کوئی غلط بات کہہ کر خیانت نہیں کی، اور نہ ہی اپنے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا۔ اور اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہُوئے مزید کہا کہ میں اپنے آپ کو پاکباز بھی نہیں کہتی، اور مجھ سے جتنی غلطی سرزد ہُوئی ہے اس کا اعتراف کرتی ہوں۔ (دیکھیے ۱۲: ۵۱ تا ۵۳)

بہرحال امرأۃ العزیز (جس فاحشہ کا نام اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا، کوئی اسے زلیخا کہتا ہے تو کوئی راحیل)، محمد بن حمید کو شاید اس کے استاذوں نے راحیل ہی بتایا ہو، ایک فاحشہ، بدکار اور زانیہ عورت تھی، اور کوئی ایسی روایت صحیحہ موجود نہیں ہے جس میں ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اس فاحشہ کا نکاح ہوا ہو، جس کا ذکر محمد بن حمید نے کیا ہے۔ جسے طبری جیسے "مفسّر" نے اپنی تفسیر میں نقل کرکے بعد میں آنے والے لوگوں میں عصمتِ انبیاءؑ پر انگشت نمائی اور طعنہ زنی کا موقع فراہم کیا، حالانکہ یہ پیغمبرؑ کی شان سے بہت بعید ہے کہ اس کے گھر میں کوئی فاحشہ ہو

نبیؑ اور پیغمبرؑ تو رہا بجائے خود، کسی اُمّتی خصوصاً کسی صحابیؓ کو بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی فاحشہ سے نکاح کرے۔ مثلاً:

سیّدنا مرثد بن کنان بن حصین الغنوی رضی اللہ عنہ جنھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے، یہ قوی الجثہ پہلوان تھے۔ مدینہ منورہ سے چھپ چھپا کر مکہ مکرمہ آیا جایا کرتے تھے اور اُن مسلمان قیدیوں کو زندان خانوں سے نکال کرلے جایا کرتے تھے جنھیں کُفّارِ مکہ اِسلام لانے کے جرم میں قید کر دیا کرتے تھے، یہ ایک مرتبہ یہی نیک ارادہ لے کر مدینہ سے مکہ تشریف لائے اور کسی گھر کی دیوار کے سایہ میں گھات لگا کر کھڑے تھے، رات کا وقت تھا، سوچ رہے تھے کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر مدینہ کو جاؤں۔ اتنے میں عناق آگئی، جو ایک مشہور حیا باختہ اور فاحشہ عورت تھی۔ اور قبولِ اسلام سے پہلے حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا اس سے میل جول بھی رہا تھا۔ عناق نے جب حضرت مرثدؓ کو دیکھا تو انھیں پہچان کر کہنے لگی: کیا آپ مرثد ہیں؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں! میں مرثد ہوں، عناق نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے مرحبًا اھلاً وسھلاً کہا، اور کہنے لگی کہ چلو۔ میرے گھر چلو، رات کو میرے ساتھ ہی سونا۔ اس پر حضرت مرثدؓ نے فرمایا کہ نہیں عناق، نہیں، اِسلام میں زنا حرام ہے۔ حضرت مرثدؓ کا اِنکار کرنا تھا کہ اس فاحشہ نے چلّانا شروع کر دیا کہ لوگو! آؤ آؤ، بھاگو پکڑو، یہ وہ شخص کھڑا ہے جو مسلمان قیدیوں کو تمھارے عقوبت خانوں سے نکال کر لے جاتا ہے۔ یہ سُنتے ہی آٹھ جوانوں نے حضرت مرثدؓ کو پکڑنے کے لیے ان کا تعاقب کیا اور حضرت مرثدؓ نے مشکل سے ایک غار تک پہنچ کر اپنی جان بچائی۔

حضرت مرثدؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ پہنچ کر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عناق سے نکاح کی اجازت مانگی تو آپؐ نے اجازت نہ دی، بلکہ میرے ہی سوال پر یہ آیت اُتری:

اَلزَّانِیُ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً۔ الآیۃ۔ (دیکھیے ترمذی، نسائی و ابو داؤد۔ بالفاظِ متقاربۃ)

محمد بن حمید رازی نے سیدنا بریدۃ بن الحُصیب ابوسہل الاسلمی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک اور من گھڑت روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی اور وارث ہوتا ہے، اور میرے وصی اور وارث حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۷۳)

نیز اس نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک جھوٹا قصہ یہ بیان کیا کہ انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: یارسول اللہؐ! کیا کوئی نبی ایسا بھی بھیجا گیا ہے جسے یہ نہ کہا گیا ہو کہ آپ کے بعد یہ کارِ نبوت کس کے سپرد کیا جائے گا۔ اور کیا اللہ تعالیٰ نے یہ بات آپؐ کو بھی بتلائی ہے یا نہیں؟ تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات تو مجھے بھی بتائی گئی ہے اور وہ حضرت علیؓ ہیں۔ (〃 ج ۱ ص ۵۸۴)

محمد بن حمید رازی کی بیان کردہ موضوع روایاتُ تو بہت ہیں، یہاں پر ان تمام موضوع روایات کا بیان کرنا باعثِ طوالت ہوگا۔ اور نہ ہی اِس جگہ یہ بات ہمارے مضمون کا حصہ ہے۔ ورنہ ان روایات پر محدثین نے خاصی جرح کی ہے۔

آٹھ رکعت والی دُوسری روایت

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب آٹھ رکعت تراویح والی عیسیٰ بن جاریہ کی روایت پر گزشتہ اوراق میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ اس روایت کے علاوہ ایک اور روایت بھی انہی استاد لوگوں کے واسطے سے صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۱۱ میں منقول ہے، جس میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نمازِ تہجد کے واقعہ کو معمولی سے لفظی تغیر کے ذریعے نمازِ تراویح بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو اور وہ مختلف فرقوں میں منقسم ہو کر قیامت تک یہود و نصاریٰ سے مار کھاتے رہیں۔ چنانچہ صحیح ابن حبان میں وہ روایت اس طرح منقول ہے:

حدثنا یعقوب القمی قال حدثنا عیسیٰ بن جاریة حدثنا جابر بن عبد اللہ قال جاء ابی بن کعب الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ انہ کان منی اللیلة شئ۔ یعنی فی رمضان۔ قال وما ذاك یا اُبَیّ قال نسوة فی الدار قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلوٰتك قال فصلیت بھن ثمانی رکعات ثم اوترت قال فکان شبه الرضا ولم یقل شیئا کہ ہمیں بتلایا یعقوب قمی نے اور کہا ہمیں عیسیٰ بن جاریہ نے بتلایا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے کہا یا رسول اللہ! آج رات ایک واقعہ رونما ہوا۔ یعنی رمضان المبارک میں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اے اُبَیّ! وہ کونسا واقعہ ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے بتلایا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن مجید تو پڑھی ہوئی نہیں ہیں، اس لیے آپ ایسا کریں کہ آپ نماز پڑھائیں اور ہم آپ کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔ ان کے کہنے پر میں نے انھیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں، پھر تین وتر پڑھائے۔ پھر فرمایا کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ بات سُن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے آپؐ اس کام سے خوش تھے۔

حضرت محدث نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۲ میں فرمایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ لیکن ابکار المنن ص ۵۷ میں ہے: لا یطمئن القلب بتحسین الهیثمی فان له اوهامًا فی مجمع الزوائد وقد تتبع اوهامه الحافظ ابن حجر فبلغه فعاتبه و ترك التتبع. کہ علامہ ہیثمی کی تحسین سے دل مطمئن نہیں ہوتا۔ کیونکہ مجمع الزوائد میں انھیں کئی وہم ہوئے ہیں۔ اور حضرت حافظ ابن حجرؒ نے مجمع الزوائد میں ہیثمیؒ کے اوہام تلاش کرنے کے بعد ان کا تعاقب لکھنا شروع کیا تھا، لیکن جب اس بات کا علم علامہ ہیثمیؒ کو ہوا تو وہ ناراض ہوئے۔ اس لیے علامہ ابن حجرؒ نے علامہ ہیثمیؒ کے اوہام کی تلاش ترک کردی۔

اسی طرح ایک حدیث کی تصحیح پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے لکھا: لا یطمئن القلب علی تصحیح الهیثمی (ابکار المنن ص ۱۹۹) کہ علامہ ہیثمیؒ جس حدیث کے صحیح ہونے کے بارے میں لکھیں اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس حدیث کے حسن یا صحیح ہونے پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔ اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ مثلاً: ایک تو یہ کہ اس کے راوی ضعیف ہیں، جن کا ذکر ہم قبل ازیں وضاحت کے ساتھ تحریر کرچکے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ یہ روایت تعاملِ امت کے خلاف ہے، یا تعامل اس کے خلاف ہے۔ تیسرے یہ کہ اس واقعہ کا تعلق قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح سے نہیں، اور نہ ہی اس روایت کے کسی لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا تعلق تراویح سے ہے، بلکہ یہ تو گھر کے اندر نمازِ تہجد کا واقعہ ہے۔

نیز اس روایت سے آٹھ رکعت تراویح کا ثابت کرنا تو رہا بجائے خود، یہ واقعہ تو سرے سے رمضان المبارک کا ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اس روایت میں دراصل فی رمضان کا لفظ بعد میں بڑھایا گیا ہے جو کہ کسی راوی نے اپنی سمجھ کے مطابق بطور ادراج کے بڑھادیا ہے۔ اور اس کا ثبوت بھی ہے۔ مثلاً:

پہلا ثبوت تو یہ ہے کہ اس میں یعنی کا لفظ موجود ہے. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ناقل کا اضافہ ہے۔

دُوسرا ثبوت اگر کوئی شخص دیکھنا چاہے تو اصل کتاب صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۱۱ (مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ جامع مسجد باغوالی سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ پاکستان) دیکھ لے، جس میں عبارت کا اندازِ تحریر ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ فی رمضان کا لفظ متنِ حدیث سے جُدا ہے۔ اور اسے متن کا جزء نہ سمجھا جائے۔

تیسرا ثبوت اس کا یہ ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام سے عیسیٰ بن جاریہ کی اسی موضوع پر ایک روایت مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۴ پر بھی موجود ہے، جس میں فی رمضان کا لفظ سرے سے ہے ہی نہیں، چنانچہ:

ثنا ابو بکر بن شیبہ عبد اللہ بن محمد ثنا رجل سماہ ثنا یعقوب بن عبد اللہ الاشعری ثنا عیسیٰ بن جاریہ عن جابر بن عبد اللہ عن اُبی بن کعب قال جاء رجل الی النبی فقال یارسول اللہ عملت اللیلۃ عملا قالؐ ماھو ؟ قال نسوۃ معی فی الدار قلن لی انك تقرأ ولا نقرأ فصل بنا فصلیت ثمانیا والوتر قال فسکت النبی ﷺ قال فرأینا ان سکوتہ رضا بما کان.

یعنی حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ عبداللہ بن محمدؒ نے بتایا کہ ایک آدمی نے ہمارے سامنے یہ واقعہ بیان کیا ہے (جس کا نام بھی انھوں نے بتایا کہ فلاں نام تھا، لیکن وہ نام انھیں یاد نہیں رہا، یا اس کا نام بتانا خلافِ مصلحت تھا) کہ یعقوب بن عبد اللہ اشعری نے ہمیں بتایا کہ ہمیں عیسیٰ بن جاریہ نے بتایا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی آدمی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ! میں نے آج رات ایک نیا کام کیا ہے۔ تو اِس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے پُوچھا کہ وہ کونسا کام ہے؟

تو اُس آدمی نے کہا کہ میرے گھر میں جو عورتیں ہیں انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ تو قرآن مجید پڑھتے ہیں اور ہم قرآن مجید پڑھی ہُوئی نہیں ہیں، اس لیے آپ ہمیں نماز پڑھائیں (تاکہ ہم قرآن مجید سُن سکیں) تو میں نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائے۔ اس آدمی کی یہ بات سُن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ وہ آدمی (جس نے رات کا یہ واقعہ بیان کیا تھا) کہنے لگا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ آپؐ کی خاموشی کا مطلب رضا مندی ہے۔

اس روایت سے جہاں اور کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں وہاں ایک بات یہ بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ یہ واقعہ رمضان المبارک یا نماز تراویح سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا تعلق نمازِ تہجد ہی سے ہے۔

نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس واقعہ کا سیّد القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی حد تک تو تعلق ہوسکتا ہے کہ انھوں نے کسی دُوسرے شخص کا واقعہ سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا تھا، ورنہ براہِ راست اس واقعہ کا سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔

نیز اس روایت سے صحیح ابن حبان کی وہ روایت بھی مشکوک ہوگئی جس میں تھا کہ یہ واقعہ خود سیّد القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

نیز اس روایت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ عیسٰی بن جاریہ کا اکلوتا شاگرد یعقوب قمی واقعۃً وہم کا مریض تھا۔ کیونکہ ایک ہی واقعہ کو جتنی بار بیان کرتا ہے اتنی بار ہی اس کا متن بھی تبدیل کر دیتا ہے اور رجال بھی۔ کیونکہ مسند احمد کی مذکورہ بالا روایت میں اس نے کہا ہے کہ سیّدنا ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ کسی شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر رات کے واقعہ کا ذکر کیا۔ جبکہ صحیح ابن حبان کی روایت کے مطابق یہ واقعہ سیّدنا اُبی بن کعبؓ کے اپنے گھر کا ہے۔ یعنی کبھی کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ۔

لہٰذا ایسی روایت کو معمول بہ نہیں بنایا جاسکتا۔

آٹھ رکعت والی اُم المؤمنین سیّدہ عائشہؓ کی روایت

سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک میں نماز کیسی ہُوا کرتی تھی، تو اس کے جواب میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ رمضان ہو یا غیرِ رمضان آپؐ گیارہ رکعتوں سے زیادہ کبھی نہیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر اس کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی کہ چار رکعتیں تو اس طرح پڑھتے تھے کہ کُچھ نہ پُوچھیے کہ وہ کتنے خوبصورت انداز سے لمبے وقت تک ادا فرماتے تھے۔ پھر دوبارہ چار رکعتیں اس قدر حسین انداز میں لمبے وقت تک ادا فرماتے تھے کہ اس کی تعریف ممکن نہیں، مت پُوچھیے کہ وہ کتنی خوبصورت اور لمبی نماز ہوتی تھی۔ پھر اس کے بعد آپ تین رکعت نمازِ وتر پڑھا کرتے تھے۔ (دیکھیے بخاری ص ۱۵۴)

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ بالا فرمان میں رمضان و غیر رمضان میں رات کے پچھلے پہر نمازِ تہجّد کا ذکر ہے۔ اور در اصل حضرت ابو سلمہؒ کے سوال کرنے کا مطلب یہ تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ عشاء کی نماز کے بعد نفلی نماز میں اضافہ فرماتے تھے اور دو یا چار رکعتوں سے زائد رمضان المبارک میں بیس رکعات بھی پڑھا کرتے تھے جنھیں قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح کہا جاتا ہے، تو کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سحری کے وقت نمازِ تہجد میں بھی کچھ تبدیلی فرماتے تھے یا نہیں، تاکہ ہم لوگ بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی پیروی کریں۔ تو اس کے جواب میں حضرت اُمّ المؤمنینؓ نے ارشاد فرمایا کہ خواہ رمضان ہو یا غیرِ رمضان نمازِ تہجد تو بہر حال آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، جبکہ اس کے ساتھ تین وتر پڑھنا بھی آپؐ کا معمول تھا۔ البتہ رمضان المبارک میں قیام بہت لمبا فرماتے تھے، بلکہ فرمایا کہ مت پوچھو کہ کس قدر حسین اور لمبا قیام فرماتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ...

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا روایت میں اس قدر طویل اور حسین نماز سے مُراد تمام محدثین، مفسّرین اور فقہاء نے نمازِ تہجد ہی لی ہے بلکہ خود حضرت امام بخاریؒ نے بھی اس روایت سے نمازِ تہجد ہی مُراد لی ہے۔ کیونکہ خود حضرت امام بخاریؒ نمازِ تراویح کے بعد رات کے پچھلے حصّے میں تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت علامہ حافظ ابن حجرؒ نے الھدی الساری مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

حضرت امام بخاریؒ کے یہاں یکم رمضان المبارک کی رات کو ان کے تلامذہ و اصحاب جمع ہوجاتے تھے، اور آپ انھیں نمازِ تراویح پڑھاتے تھے اور ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے تھے اور یہ سلسلہ ختمِ قرآن تک اِسی طرح چلتا رہتا، اور بوقتِ سحر یعنی تہجد میں روزانہ نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے، اس طرح ہر تین رات میں ایک مرتبہ پُورا قرآن مجید پڑھ لیتے تھے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا رمضان المبارک میں یہ معمول عین سُنّتِ نبویؐ اور مذکور بالا روایتِ عائشہؓ کے مطابق تھا، جس میں نمازِ تہجد کے حُسن و طول کا عملی نمونہ پایا جاتا ہے۔ اور حضرت علامہ ابن حجرؒ کے فرمانِ بالا میں بیس آیات سے مُراد قرآن مجید کا ایک رکوع ہے، جن کی تعداد پانچ سو اٹھاون ہے، جبکہ کُل آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو چھتیس بنتی ہے۔ اور سُورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں جو ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں، ان کے علاوہ باقی آیات چھ ہزار دو سو انتیس ہیں۔ پھر آخری پینتیس سُورتیں ایک ایک رکوع کی ہیں، جبکہ ہر رکعت میں ایک ایک سورت پڑھی جاتی ہے۔ اور ان کی آیات کم ہیں۔ اس کے علاوہ باقی قرآن مجید کی اوسطاً بیس آیات یعنی ایک رکوع ایک رکعت میں پڑھنے سے تو ایک ماہ کے اندر قرآن مجید پُورا ہوسکتا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ نمازِ تراویح کی آٹھ رکعات ہیں اور امام بخاریؒ بھی آٹھ رکعات ہی پڑھا کرتے تھے، جبکہ ہر رکعت میں بیس آیات یعنی ایک رکوع پڑھتے تھے، تو اس طرح دو ماہ میں بھی قرآن مجید پُورا نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ ماہِ رمضان میں تراویح پڑھنے کے بعد آخرِ شب تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ (دیکھیے "المدخل" للامام محمد بن محمد العبدری فاسی مالکیؒ المعروف بابن الحاج ج ۲ ص ۲۹۹)

حضرت محدّث ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل میں "باب عدد الركعات التي يقوم بها الامام للناس في رمضان" کے زیرِ عنوان ایک مستقل باب منعقد کیا ہے۔ یعنی اس نماز کی تعدادِ رکعات کا بیان جو امام لوگوں کے ساتھ رمضان المبارک میں باجماعت پڑھتا ہے۔ اس باب میں انھوں نے رکعاتِ تراویح کی تعداد بتانے کے لیے بہت سی روایات لکھی ہیں، لیکن ان روایات میں ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا متفق علیہ حدیث کو ذکر کرنا تو رہا بجائے خود اس کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا، حالانکہ یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور اعلیٰ درجہ کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث کا نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان سے دُور کا بھی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

اسی طرح تمام محدثینؒ نے اُمّ المومنینؓ کی اس حدیث کو نمازِ تہجد سے متعلق ہی سمجھا ہے، کسی محدّث، مفسر، اور فقیہ نے اسے تراویح سے متعلق نہیں سمجھا، اور نہ ہی کوئی آٹھ رکعت تراویح کا قائل ہوا ہے۔ البتہ جن محدثینؒ نے اسے قیامِ رمضان کے زیرِ عنوان نقل کیا ہے ان کا اصل مقصد یہ بتلانا تھا کہ نمازِ تہجد جیسا کہ غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے ایسے ہی رمضان المبارک میں بھی نمازِ تہجد پڑھنی چاہیے، بلکہ رمضان المبارک میں نمازِ تہجد میں زیادہ طویل قیام کرنا چاہیے، نیز بعض لوگ غلط فہمی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ام المومنینؓ کی یہ حدیث تراویح کے بارے میں ہے کہ آپؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس طرح اس حدیث سے حضرت ابراہیم بن عثمانؒ کی بیان کردہ سیّدنا ابن عباسؓ کی حدیث کا تعارض معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ:

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا گیارہ رکعت والی حدیث موافق و مخالف سب کے نزدیک اپنے ظاہر پر محمول نہیں، اور نہ ہی اس میں دوامی عادت کا بیان ہے، اس لیے کہ خود ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تیرہ رکعتوں والی روایت بھی صراحۃً موجود ہے۔ چنانچہ:

اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلث عشرۃ رکعۃ. ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین (بخاری ص ۱۵۶) کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر جب صبح کی اذان سُنتے تو ہلکی ہلکی دو رکعتیں (فجر کی سُنتیں) پڑھ لیتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام سیوطیؒ نے تنویر الحوالک ج ۱ ص ۱۴۲ میں حضرت محدّث باجیؒ شارح مؤطا امام مالکؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ ما کان یزید والی حدیث دائمی نہیں، بلکہ اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادتِ مُبارکہ کا ذکر ہے، جبکہ تیرہ رکعت والی حدیث میں اس زیادتی کا بیان ہے جو بعض اوقات ہُوئی۔

حضرت علّامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۳ ص ۱۴ میں فرمایا کہ یہی بات درست ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قیامِ لیل سے متعلق کئی باتوں کا ذکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مُختلف اوقات کے معمول پر محمول ہے۔

نیز علامہ ابنِ حجرؒ نے فرمایا کہ نمازِ تہجد کا گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تہجد اور وتر رات کی مخصوص نماز ہے اور دِن میں پڑھی جانے والی فرض نمازوں کی تعدادِ رکعات بھی گیارہ ہی ہے، یعنی ظہر، عصر، اور مغرب کی کل گیارہ رکعتیں ہیں، اس لیے مناسب ہُوا کہ رات کی نمازیں بھی اجمال و تفصیل دونوں میں دِن کے مشابہ ہوں۔ (دیکھیے فتح الباری ج ۳ ص ۱۴)

قیام رمضان سے مُراد تہجد نہیں تراویح ہے

لیکن اس کے برعکس جو نماز رمضان المبارک کی راتوں میں مخصوص ہے، باقی گیارہ ماہ میں نہیں پڑھی جاتی، اس کا نام قیام رمضان یا نمازِ تراویح ہے۔

حضرت علامہ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری ج ۴ ص ۱۷۸ میں تحریر فرمایا: سمیت الصلوٰۃ فی الجماعۃ فی لیالی رمضان التراویح. کہ رمضان المبارک کی راتوں میں جو مخصوص نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے اس کا نام تراویح ہے۔

بخاری شریف ص ۲۶۹ باب فضل من قام رمضان میں محشی نے لکھا قال الکرمانی اتفقوا علی ان المراد بقیامہ صلوٰۃ التراویح کہ حضرت علامہ کرمانیؒ نے فرمایا کہ اس بات پر سب کا اِتفاق ہے کہ قیام رمضان سے مراد نمازِ تراویح ہے (جو صرف رمضان المبارک میں پڑھی جاتی ہے۔)

حضرت علامہ نوویؒ نے فرمایا: والمراد بقیامِ رمضان صلوٰۃ التراویح کہ قیامِ رمضان سے مُراد نمازِ تراویح ہے۔ (بخاری ص ۲۶۹ و مسلم ص ۲۵۹)

اور حضرت اُمّ المومنینؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں "صلوٰۃ فی رمضان" سے مراد تراویح نہیں بلکہ اس سے مُراد نمازِ تہجد ہے۔ اور علماء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضرت علّامہ ابنِ حجرؒ کا فرمان گزشتہ صفحہ پر گزرا ہے۔ نیز حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اُمّ المومنینؓ کی مذکورہ بالا زیرِ بحث حدیث کو تہجد پر ہی محمول فرمایا ہے جو کہ رمضان المبارک اور غیر رمضان یعنی پُورا سال پڑھے جاتے ہیں۔ (دیکھیے فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۰۸)

خلاصہ یہ کہ تمام محدّثینِ کرامؒ نے اس سے مُراد نمازِ تہجد ہی لی ہے، جیسا کہ قبل ازیں امام مالکؒ، امام بخاریؒ، امام مروزیؒ وغیرہ سے نقل کیا جا چکا ہے۔ اور کوئی مُحدّث و مفسّر اس حدیث سے قیام رمضان یا تراویح نہیں سمجھا، اور نہ ہی کوئی محدّث، مفسّر و فقیہ آٹھ رکعت نمازِ تراویح کا قائل ہُوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا قیامِ رمضان یا تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔

بیک سلام چار رکعت پڑھنا

دراصل حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کی کیفیت دریافت کی تھی، جیساکہ اس حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے: کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان یعنی حضرت ابوسلمہؒ نے دریافت کیا کہ اے ام المومنینؓ! رمضان المبارک میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کیسی ہوتی تھی، اس کا حسنِ ادائیگی اور طُولِ قیام کتنا ہُوا کرتا تھا، اس کی کمیت کے متعلق سوال نہیں تھا کہ تعدادِ رکعات رمضان المبارک میں کیا ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ام المومنین نے نہ صرف کیفیتِ صلوٰۃ کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا بلکہ اس کی کمیت بھی بیان فرمادی کہ پڑھتے تو وتروں سمیت گیارہ رکعت ہی تھے، چاہے رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ کوئی اور مہینہ ہو۔ اس کے بعد اصل سوال کے بارے میں فرمایا کہ یہ تو مت پُوچھیے کہ وہ کس قدر حسین اور طویل نماز ہوتی تھی، البتہ اِتنا ضرور بتایا جاسکتا ہے کہ پہلے تو آپؐ (بیک سلام) چار رکعتیں پڑھتے تھے پھر دوبارہ کھڑے ہوجاتے اور پھر اسی کیفیت سے (بیک سلام چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور اس کے بعد تین وتر پڑھتے تھے۔

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے الفاظ: یصلی اربعًا فلا تسال عن حسنهن وطولهن. ثم یصلی اربعًا. الخ سے متبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیک سلام چار چار رکعتیں پڑھتے تھے، اور اگر اس کا یہ مطلب نہ ہوتا تو ایک ساتھ یصلی ثمان فرمادیتیں۔ پھر آگے سمجھنے والے جیسے بھی سمجھتے، لیکن یہاں تو واضح الفاظ میں فرمایا کہ پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے، پھر دوبارہ چار رکعتیں پڑھتے تھے اور اس کے بعد تین وتر پڑھتے تھے۔ جبکہ صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت) بھی چار رکعت بیک سلام ہی پڑھتے تھے، جیساکہ سیدنا معاذؓ کے اِستفسار پر ام المومنینؓ نے فرمایا۔ (دیکھیے مسلم ج ا ص ۲۴۹ و ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۴)

حضرت علامہ عبدالرحمٰن محدّث مبارک پُوری رحمۃُ اللہ تعالیٰ نے تحفۃُ الاحوذی ج ا ص ۲۳۱ میں فرمایا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ پہلی چار رکعتیں ایک سلام سے، پھر چار ایک سلام سے، پھر پچھلی تین رکعتیں ایک سلام سے تھیں۔

لیکن اس کے برعکس نمازِ تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے، اور پُوری اُمّت کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے۔ گزشتہ اوراق میں ایسے بہت سے حوالے گزرے ہیں جن میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ نمازِ تراویح کی دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔ بلکہ بعض میں تو یہ لفظ بھی موجود ہے کہ نمازِ تراویح کی دو دو کر کے بیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ اور کسی محدّث، مفسر اور مجتہد کے قول وعمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ نمازِ تراویح چار چار رکعت بیک سلام پڑھنے کا قائل ہُوا ہو۔

ان تمام شواہد سے ثابت ہُوا کہ حضرت ابوسلمہؒ نے اُمّ المومنینؓ سے حضرتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد ہی کے بارے میں اِستفسار کیا تھا اور انھوں نے بھی ان کا یہی مطلب سمجھا اور پھر تہجد کے بارے میں ہی جواب دیا۔ اور اگر امّ المومنینؓ کی اس حدیث کو نمازِ تراویح پر حمل کریں تو پھر کیا وجہ ہے کہ نمازِ تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا پُوری اُمّت کا متفقہ معمول ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو تراویح سے متعلق قرار دینے والوں پر ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسی دلیل پیش کریں کہ جس سے اُن کا عمل سُنّت قرار پائے، ورنہ یہ کہا جائے گا کہ نمازِ تراویح میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا خلافِ سُنّت اور بدعتِ شنیعہ ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث نمازِ تہجد کے بارے میں ہے اور نمازِ تراویح کا وہی طریقہ ہے جو چودہ سو سال سے متفقہ طور پر پُوری اُمّتِ مسلمہ کا معمول چلا آرہا ہے، جس میں ہر دو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے، اور دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا تقریر سے گیارہ رکعت نمازِ تراویح کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے بقول تو تعدادِ رکعاتِ تراویح کے بارے میں نہ گیارہ کا ثبوت ہے نہ بیس کا۔

جیسا کہ الانتقاد الرجیح ص ۶۳ میں ہے: ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی ﷺ لایزید ولا ینقص فقد اخطأ۔ کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامِ رمضان یعنی تراویح کے بارے میں کوئی معین عدد ثابت ہے جو کم و بیش نہیں ہو سکتا وہ غلطی پر ہے۔

اسی طرح تحفۃ الاخیار ص ۱۱۶ میں حضرت علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول اللہ ﷺ فی تلک اللیالی ھل ھو عشرون او اقل کہ ان تین راتوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھیں، بیس یا اس سے کم یہ کہیں منقول نہیں۔ یعنی بسندِ صحیح۔

اسی طرح حضرت علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولو ثبت ذلک من فعل النبی ﷺ لم یختلف فیہ (مصابیح ص ۷۴) کہ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تعداد ثابت ہو جاتی تو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہُوا کہ ان جلیل القدر علماء میں سے بھی کسی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زیرِ بحث حدیث کو نمازِ تراویح سے متعلق نہیں سمجھا، جس میں وتروں سمیت گیارہ رکعتیں پڑھنے کا ذکر موجود ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی تراویح سے متعلق حدیث میں بیس رکعت کا صراحۃً ذکر موجود ہے، جس پر گزشتہ اوراق میں ہم سیر حاصل بحث کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آستانۂ عالیہ میں انفرادی طور پر بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور صحابۂ کرام، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور تابعین، محدثین، مجتہدین اور ان متبعین رحمہم اللہ تعالیٰ سب کے سب بیس رکعت نمازِ تراویح کے قائل ہُوئے ہیں، وہ سُنّتِ نبویؐ کی اتباع کرنے والے تھے۔

عہدِ فاروقیؓ میں گیارہ رکعت والی روایت

مؤطا امام مالک ص ۴۰ پر باب ماجاء فی قیام رمضان میں ایک حدیث ہے: مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزانہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة۔ "کہ حضرت امام مالکؒ نے استاذ حضرت محمد بن یوسفؒ سے، اور انھوں نے اپنے استاذ حضرت سائب بن یزیدؒ سے روایت کیا ہے کہ: امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے سید القراء سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح (مع وتر) پڑھایا کریں"۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؓ نے لوگوں کو وتروں سمیت گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اور یہ روایت اس لیے بھی معتبر ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے موطا امام مالک کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" قرار دیا ہے۔ یعنی موطا امام مالکؒ ایسی کتاب ہے جو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح ہے۔ سو اس کا **جواب** یہ ہے کہ جب قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح سے متعلق احادیث و روایات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کے تین دَور گزرے ہیں۔

① عہدِ نبویؐ، عہدِ صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ کی ابتداء (سنہ ۱۳ھ تک) ② عہدِ فاروقیؓ کا دُوسرا سال سنہ ۱۴ھ۔ اور ③ سنہ ۱۵ھ اور اس کے بعد تا امروز۔

پہلا دَور: جو عہدِ نبویؐ، عہدِ صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ کے پہلے سال پر مشتمل ہے۔

فضیلت قیامِ رمضان کے زیرِ عنوان ایک حدیث گزر چکی ہے، جس میں تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کا وجوبی حکم نہیں دیا کرتے تھے۔ البتہ عہدِ نبویؐ میں نمازِ تراویح باجماعت پڑھنے کا اِلتزام نہیں تھا۔ ہاں ایک بات یہ ہوئی تھی کہ ایک روز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سید القراء سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں تراویح پڑھتے ہوئے دیکھ کر

نہ صرف اُن کی تحسین فرمائی بلکہ دو یا تین رات خود بھی باجماعت تراویح پڑھائی۔
عہدِ نبویؐ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب کے مُطابق رمضان المبارک میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عموماً انفرادی طور پر ہی نمازِ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے استاذ حضرت ابن شہاب زہریؒ سے اور وہ اپنے استاذ حضرت ابو سلمہ عبد اللہؓ بن عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامِ رمضان کی ترغیب دیتے اور وجوبی حکم نہ دیتے۔ پھر فرماتے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ موجب ثواب سمجھ کر قیام رمضان کرے اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

حضرت امام ابنِ شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ (رمضان المبارک میں) اسی طرح قائم تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) پھر عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے شروع میں (سنہ ۱۳ھ تک) یہ کام اسی طرح ہوتا رہا۔

دُوسرا دَور: عہدِ فاروقیؓ کا دُوسرا سال سنہ ۱۴ھ

یہ وہ دَور ہے جس میں امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے باجماعت نمازِ تراویح کا التزام فرمایا۔ اور اس کے بارے میں بحوالہ بخاری شریف ص ۲۶۹ "تراویح و تہجد میں فرق بلحاظِ فضیلت" کے زیرِ عنوان روایت گزر چکی ہے۔ لیکن مُحولہ بالا روایت میں تعدادِ رکعاتِ تراویح کا کوئی ذکر نہیں، جیساکہ تاریخ ابنِ اثیر ج ۲ ص ۲۴۰ میں ہے: وفیہا (ای سنہ ۱۴ھ) امر عمر بالقیام فی شہر رمضان فی المساجد بالمدینۃ وجمعہم علیٰ ابن کعب وکتب الی الامصار. کہ امیر المومنین سیدنا امام عُمر رضی اللہ عنہ نے سنہ ۱۴ھ میں مدینہ منورہ کی مسجدوں میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو (مسجدِ نبوی میں) لوگوں کا امام مقرر فرمایا۔ اور دیگر سب شہروں کی طرف بھی یہی حکم نامہ لکھ بھیجا۔

اس روایت میں تعدادِ رکعاتِ تراویح کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن حضرت

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الموطا" ص ۴۰ میں ہے: عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب تمیما الداری ان یقوما للناس احدی عشرۃ رکعۃ. کہ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں۔

اس اثر کے ناقل حضرت محمد بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کے شاگرد پانچ ہیں۔ اور ان سب کے بیانات مختلف ہیں۔ سطورِ ذیل میں ان سب کے بیان تحریر کیے جاتے ہیں، تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

① حضرت عبد العزیز بن محمد تلمیذ حضرت محمد بن یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سیدنا سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ: "ہم امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔" (سنن سعید بن منصور) اس میں نہ حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کا۔

② حضرت یحییٰ بن سعید بن فروخ ابوسعید قطان بصری تمیمیؒ تلمیذ محمد بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا سائب بن یزیدؓ نے فرمایا کہ "حضرت امام عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ پر لوگوں کو جمع فرمایا، پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔" (مصنف ابن ابی شیبہ)

③ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ تلمیذ حضرت محمد بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "امیر المومنین سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھایا کریں۔" (موطا امام مالکؒ)

④ حضرت محمد بن اسحاق بن یسار ابوبکر المطلبی امام المغازیؒ تلمیذ محمد بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ہم امیر المومنین

سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بماہ رمضان المبارک (نمازِ تراویح کی) تیرہ ۱۳ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔" (قیام اللیل)

اس میں نہ تو امیرالمومنین رضؓ کے حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت ابیؓ و تمیمؓ کا نیز گیارہ رکعتوں کی بجائے اس میں تیرہ رکعتوں کا ذکر ہے۔

⑤ حضرت داؤد بن قیسؒ تلمیذ حضرت محمد بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت سائب بن یزیدؓ نے فرمایا کہ "امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اکیس رکعتوں کا حکم دیا۔" (دیکھیے فتح الباری لابن حجرؒ ج ۴ ص ۲۰۴ و نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۷ و مصنف عبدالرزاق ج ص و عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

اس میں گیارہ یا تیرہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

یہ پانچوں حضرت محمد بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں، اور ان پانچوں کے بیانات مختلف ہیں، پس یہ حدیث مضطرب ہوئی۔ اور جب تک کسی ایک طریق کو راجح قرار نہ دیں اس وقت تک مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں۔ یا پھر تطبیق کی صورت تلاش کریں۔

چنانچہ حضرت ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اکیس والی روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور گیارہ والی روایت کو وہمِ راوی بتایا۔ حالانکہ عند التحقیق یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگرد حضرت یزید بن خصیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بھی اسی عہدِ فاروقیؓ سے متعلق روایت موجود ہے اور حضرت یزیدؒ کے تمام شاگرد بلا اختلاف بیس رکعت تراویح بیان کرتے ہیں۔ پس بیس رکعت والی حضرت یزیدؒ کی اس روایت کو حضرت محمد بن یوسفؒ کی روایت پر ترجیح ہے کیونکہ اس میں حضرت یزیدؒ کے سب شاگردوں کا اتفاق ہے جبکہ حضرت محمد بن یوسفؒ کے پانچوں شاگردوں کا باہم اختلاف ہے۔ لہذا گیارہ والی روایت مرجوح اور سیدنا سائب بن یزیدؓ کے دوسرے شاگرد حضرت یزید بن خصیفہؒ کی بیس والی روایت کو راجح قرار دیا جائے گا۔

تیسرا دَور: ۱۵ھ اور اس کے بعد تا امروز

تراویح سے متعلق احادیث و آثار کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ نے ۱۵ھ میں لوگوں کے حالات کو دیکھ کر حکم دیا کہ نمازِ تراویح کی بیس رکعات باجماعت پڑھی جائیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فیض الباری ص ۴۲۰ میں تاریخ الخلفاء کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے: كتب في السنة الخامس عشرة ان تقام التراويح عشرين ركعة.

تراویح کے دُوسرے دَور سے متعلق گیارہ رکعت والی روایت کے ناقل حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مُرسل طریق سے جو اثر خود بیان فرمایا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں: ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه امر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) کہ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھایا کرے۔

اس اثر کا اسناد مرسل قوی ہے۔ اور اس کے تمام راوی ثقہ و پختہ ہیں۔ حضرت یحییٰ بن سعید بن فرّوخ ابوسعید قطان بصری تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو ایک طرف تو حضرت محمد بن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہونے کی وجہ سے حضرت امام مالکؒ کے اُستاد بھائی ہیں تو دُوسری طرف خود حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اُستاذ بھی ہیں۔ انھوں نے امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں دیکھا، البتہ خود بڑے پختہ اور ثقہ محدّث تھے۔ جیسا کہ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب اسعاف المُبطّأ برجال المؤطا ص ۴۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ ثقہ ہیں، بہت زیادہ احادیث کے حافظ ہیں، حجّت اور ثبت ہیں۔ نیز حضرت سفیان ثوری اور حضرت سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے انھیں حُفّاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ تعالیٰ تمام راویوں سے زیادہ پختہ و ثقہ ہیں۔

گیارہ اور تیئیس والی روایات میں تطبیق

تراویح کے ان تین ادوار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ہر دور میں نماز تراویح وتروں کے علاوہ بیس رکعت ہی پڑھی جاتی رہی ہے۔ بیس رکعت سے کم تراویح کا کہیں بھی وجود نہیں ہے۔ اور اگر کہیں گیارہ رکعتوں کا ذکر تھا بھی تو اسے حضرت علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وہم راوی قرار دے کر رد کر دیا ہے۔

اور اگر پھر بھی کوئی شخص بضد ہو کہ گیارہ والی روایت بھی صحیح ہے تو پھر تطبیق کی صورت تلاش کرنی ہوگی، کیونکہ وتروں کے علاوہ بیس اور وتروں سمیت تیئیس رکعات والی روایات بھی تو صحیح ہیں، جن پر عہد نبویؐ، عہد صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ اور اس کے بعد تا امروز برابر عمل ہو رہا ہے۔ چنانچہ:

حضرت علامہ ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں گیارہ اور تیئیس یا آٹھ اور بیس کے تعارض کو کالعدم قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: یمکن الجمع بین الروایتین بانھم کانوا یقومون باحدیٰ عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث. کہ گیارہ اور بیس والی روایتوں میں تطبیق ممکن ہے، اور وہ اس طرح کہ وہ لوگ پہلے (۱۴ھ میں) گیارہ رکعتیں پڑھتے ہوں گے۔ اور اس کے بعد (۱۵ھ میں) بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھنے شروع کر دیے۔

یاد رہے کہ یہ تطبیق امام بیہقیؒ نے دی ہے، ورنہ اصل بات وہی ہے جو ہم پہلے حضرت علامہ عبدالبرؒ کے حوالے سے تحریر کر چکے ہیں کہ گیارہ رکعت کے الفاظ در اصل راوی کے وہم کا نتیجہ ہیں، کیونکہ اس اثر کے اصل راوی سیدنا سائب بن یزیدؓ ہیں، جن کے ایک شاگرد حضرت یزید بن خصیفہؒ ہیں جو بیس رکعت بتلاتے ہیں، جبکہ ان کے دوسرے شاگرد محمد بن یوسفؒ ہیں، اور پھر ان کے پانچ شاگرد ہیں، جن میں سے کسی ایک کی روایت دوسرے سے نہیں ملتی، اس لیے وہ روایت مضطرب ہے۔

خاتمہ:

جس مسئلہ پر قرآن وسنت کی روشنی میں صحابۂ کرامؓ ومجتہدینِ عظامؒ کا اتفاق ہوجائے اسے اجماع کہتے ہیں۔ اور اگر کسی مسئلہ پر عہدِ صحابہؓ میں تو اختلاف تھا مگر بعد میں مجتہدینؒ نے تحقیق کرکے اس اختلاف کو ختم کردیا تو بھی وہ اجماع ہوگیا۔ پھر اس اجماع کے بعد نئے سرے سے پرانی اختلافی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے کسی مجمع علیہ مسئلہ کو اختلافی مسئلہ قرار دینا جائز نہیں۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ تعدادِ رکعاتِ تراویح اوّل تو عہدِ نبویؐ سے لے کر اب تک کبھی اختلافی نہیں رہا۔ یا یوں سمجھیں کہ بیس سے کم تراویح کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا، بیس سے زیادہ چوبیس، اٹھائیس، چھتیس اور چالیس رکعات تو بعض علماء ومحدثین نے بیان کی ہیں اور اس پر بعض نے عمل بھی کیا ہے۔ اور جن روایات میں آٹھ رکعت کا ذکر ہے، اول تو وہ تراویح کے بارے میں وارد ہی نہیں ہیں اور جن میں تراویح کا ذکر ہے وہ یا تو ضعیف بلکہ موضوع ہیں یا کم ازکم مضطرب تو ہیں، اور مضطرب ناقابلِ عمل ہوتی ہے جبکہ موضوع روایت پر عمل کرنا حرام ہے۔

اب رہا یہ کہ بعض کے نزدیک تراویح کی چھتیس یا چالیس رکعات ہیں تو وہ اس طرح ہیں کہ مکہ کے لوگ ہر چار رکعت کے بعد طوافِ کعبہ سے مشرف ہوتے تھے تو اہلِ مدینہ نے ہر چار رکعت کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے شروع کردیے تاکہ ثواب کے حصول میں اہلِ مکہ سے زیادہ پیچھے نہ رہیں، لیکن تراویح کی اصل رکعات تو ان کے نزدیک بھی بیس ہی ہے۔ اور بیس سے کم تراویح کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا خود حضرت امام مالکؒ کے نزدیک بیس تراویح مختار ہیں۔ تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں کی باعث نمازِ تراویح کے اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ سنتِ نبوی پر عمل کرکے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق ہوں۔ آمین۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ. الخ

کیا عورت امام بن کر دوسری عورتوں کو صلوۃ التسبیح پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

فتاویٰ حُسینیہ

آپ کے سوالات اور شیخ الحدیث حضرت علامہ نیلوی مدظلہ کے جوابات

سوال: کیا عورت امام بن کر دُوسری عورتوں کو صلوٰۃ التسبیح پڑھا سکتی ہے یا نہ؟ اس صورت میں عورت امام مرد امام کی طرح عورتوں کے آگے کھڑی ہو یا ایک طرف کھڑی ہو کر امامت کرے۔

اس سلسلہ میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت دُوسری عورتوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔ تو اگر عورت امام نہ بنے اور محض معلّمہ کی حیثیت سے ایک طرف کُرسی پر بیٹھ جائے اور صلوٰۃ التسبیح پڑھنے والی عورتوں کو نماز کا طریقہ اور تسبیحات کی تعداد بتلاتی رہے تو کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ قرآن و سُنّت اور فقہ حنفی کے مطابق صحیح جواب عنایت فرمائیں۔ (حافظ عبدالرحیم بلاک نمبر ۲۴ سرگودھا)

جواب: اِس سوال میں کئی باتیں ہیں، جن کی تشریح اور اِن کا حکم بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔

① عورت کا امام بننا۔

② صلوٰۃِ تسبیح کا باجماعت ادا کرنا۔

③ امام عورت کا ایک کنارہ میں کھڑا ہونا۔

④ کُرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا اور دُوسروں کا اس کی اقتداء کرنا۔

پہلی بات

یعنی عورت کا امام بننا۔ اس بارے میں محققین علماء صحابہؓ تابعین و تبع تابعین یہی کہتے ہیں کہ عورت امام نہیں بن سکتی چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۸۹ ج ۲ میں ہے:

"عن علی رضی اللہ عنہ قال لا تؤم المرأۃ۔"

یعنی امامنا امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت جماعت نہ کرائے۔

اس سے آگے دوسری حدیث لکھی ہے کہ:

ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع (مولیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) کی طرف خط لکھا اور سوال کیا کہ کیا عورت دوسری عورتوں کی امام بن سکتی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ عورت عورتوں کی امام بنے، یعنی عورت امام نہیں بن سکتی۔

حضرت امام نافع رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے آزاد شدہ غلام اور بہت خصوصی تلمیذِ رشید ہیں جنہیں لائق اور قابل و ذہین سمجھ کر مسندِ تدریس پر بٹھا گئے تھے اور مدینہ پاک میں ان کا مسکن تھا۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ رحمہما اللہ کے اُستاذ ہیں ان دونوں جلیل القدر مجتہدین نے علمِ حدیث انہی سے حاصل کیا

مدینہ طیبہ میں جو حالات تھے ان سب سے وہ واقف تھے
مع ہذا جب وہ یہ فرمارہے ہیں کہ لا اعلم المرأۃ تؤم النساء
تو معلوم ہوا کہ مدینہ پاک میں عورتوں کی امامت کا معمول نہ تھا۔ نیز
اور جتنے محدثین مدینہ طیبہ میں تھے کسی نے مدینہ طیبہ کی عورتوں
کی امامت کا ذکر نہیں کیا۔ اگر یہ معمول ہوتا تو ان بڑے بڑے
محدثین سے یہ بات مخفی نہ ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ سلف صالحین
کے دور میں جس کام کا رواج نہ ہو وہ کام اگرچہ عبادت کے قبیل
سے لگتا ہو وہ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر یہ کام نیکی کا ہوتا تو سبقونا
الیہ یہ سلف صالحین ہم سے پہلے اس عملِ خیر میں سبقت لے جاتے۔

پھر امامنا امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و
کرم اللہ وجہہ جن کے تبحرِ علمی میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش ہرگز
نہیں ہو سکتی، وہ صراحۃً منع فرماتے ہیں کہ عورت جماعت نہ کرائے
اور کسی صحابئِ رسول ﷺ نے اس قول کی تردید نہیں کی تو معلوم ہوا
کہ واقعی اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ عورت
امام نہیں بن سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ بھی عورتوں
کی جماعت کے قائل نہیں۔ چنانچہ ائمۂ مالکیہ کی مستند و معتمد علیہ کتاب
المدونۃ الکبریٰ ص ۸۴ میں ہے وقال مالکؒ لا تؤم المرأۃ
یعنی عورت امامت نہ کرائے۔ نہ مردوں کی نہ عورتوں کی نہ بچوں کی

نہ ملے جلوں کی۔

اور امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ مدینہ کے باشندہ ہیں انصاری ہیں، مدینہ کے حالات سے خوب واقف ہیں۔ ان کا یہ قول اٹکل سے نہیں ہے۔

اور معجم الکبیر ص ۳۴۲ ج ۹ میں حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ اخروھن حیث اخرھن اللہ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مؤخر رکھا ہے تم بھی ان کو مؤخر اور پیچھے ہی رکھو۔ اور ظاہر ہے کہ عورت کو امام بنایا جائے تو عورت آگے ہوگی، لہٰذا یہ فرمان بھی یہی بتارہا ہے کہ عورت کو امام نہ بنایا جائے۔ اور مصنف عبدالرزاق میں بھی اسی طرح ہے۔

الکافی ص ۲۱۳ میں شیخ الاسلام ابومحمد موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے ان المرأۃ لیست من اھل الجماعات. یعنی عورت جماعت کرانے کی اہل ہی نہیں ہے۔

کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ص ۱۳۵ ج ۱ میں حضرت امام تقی الدین ابوبکر بن محمد الحسینی الحصنی الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اخروھن من حیث اخرھن اللہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا

جو قول طبرانی نے المعجم الکبیر ص ۳۴۲ ج ۹ میں نقل کیا ہے وہ قول حضرت ابن مسعودؓ کا اپنا نہیں بلکہ وہ دراصل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے، صرف اتنا ہے کہ انھوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک نہیں لیا۔

اور ہدایہ میں ہے ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعۃ یعنی نِری عورتیں ہی عورتیں ہوں اور وہ باجماعت نماز ادا کریں تو یہ مکروہ ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے۔

ہدایہ کی شرح البنایہ میں علامہ محمود عینی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ اور سلیمان بن بشارؒ بھی امام مالکؒ کی طرح عورتوں کی جماعت کو مکروہ کہتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ تابعین و تبع تابعین، سلف صالحین کے دَور میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں ملتا کہ عورتوں کی جماعت اسلامی سلطنت کے کسی حصہ میں ہُوا کرتی تھی اور اب تک چودہ صدیاں گزر گئیں، مگر تاریخ میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ عورتیں باقاعدہ اذان و اقامت کے ساتھ کسی گھر میں اکٹھی ہو کر جماعت کراتی ہوں۔

یہ الگ بات ہے کہ تاریخ اکثر تاریک ہے خصوصاً پاک و ہند میں تو تاریخ کو عملاً مسلمانوں نے تاریک کوٹھری میں ہی رکھا ہے نیز ہندی رسم الخط میں تاریکھ तारीख ہی لکھا جاتا ہے اور ہند و پاک کی مختلف علاقائی زبانوں میں کھ اور ک آپس میں بدلتے رہتے

ہیں، سو اس لحاظ سے بھی تاریخ کو تاریک کہا جاسکتا ہے، اور پنجابی میں تو مختصر کر کے یعنی الف کو حذف کر کے عموماً تریک ہی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ تاریخی حقائق سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، اس کے لیے مطالعہ و تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا شوق ہمارے علاقہ کے لوگوں میں نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ قوم مختلف گروہوں میں بٹی پڑی ہے اور اس کے نقصانات اور نتائج سے بے خبر و بے فکر ہے۔ جو طریقہ سلف صالحین سے نہ ملتا ہو اس کی ترویج اسی عاقبت نااندیشی، یا تفریق بین المسلمین کی علامت ہے۔

اگر صلوٰۃِ تسبیح میں جماعت کرانا عورتوں کے لیے جائز ہوتا تو مکتوبات یعنی پنجگانہ فرض نمازیں اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت پڑھنے کا معمول بطریقِ اَولیٰ ہوتا۔ مگر جو لوگ عورتوں کا باجماعت صلوٰۃ تسبیح پڑھنے پر زور دیتے ہیں ان کو کبھی ایسی جُرأت نہیں ہوئی کہ اس بات پر بھی زور دیں کہ عورتیں اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت پنجگانہ نمازیں بھی پڑھا کریں بلکہ جہاں عورتوں کے مدارس بنے ہُوئے ہیں جیسے الجامعۃ اِسلامیہ لِبنات الاسلام گجرات، یا منڈی واربرٹن یا گوجرانوالا، اور سرگودھا وغیرہ میں کہیں نہیں سُنا کہ وہ باقاعدہ اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت نماز پنجگانہ پڑھتی ہوں، حالانکہ صلوٰۃ تسبیح سے پنجگانہ

نمازوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

چونکہ عورت کو امام بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اخروھن من حیث اخرھن اللہ کے خلاف ہوتا ہے اس لیے علماء کرام لکھتے ہیں کہ اگر جماعت میں امام کے پیچھے عورت نماز پڑھ رہی ہو اور امام نے نیت کی ہو کہ میں اس عورت کا بھی امام ہوں تو تین مُردوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔

- عورت کے دائیں طرف کھڑا ہونے والا۔
- عورت کے بائیں طرف کھڑا ہونے والا۔
- عورت کے پیچھے کھڑا ہونے والا۔

کیونکہ انھوں نے اخروھن من حیث اخرھن اللہ فرمانِ نبویؐ کی تعمیل نہیں کی۔

کنزالدقائق میں ہے و (کرہ) جماعۃ النساء یعنی عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔

بحرالرائق میں ہے اے وکرہ جماعۃ النساء وحدھن لانھا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ کذا فی الھدایہ وھو یدل علی انھا کراھۃ تحریم لان التقدم واجب علی الامام للمواظبۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وترک الواجب موجب لکراھۃ التحریم یعنی عورتوں ہی عورتوں کی

جماعت اس لیے مکروہ (تحریمی) ہے کہ حرام کا ارتکاب ہوتا ہے کیونکہ عورت کا صف کے بیچ میں ننگوں کی طرح کھڑا ہونا ہے جیسے ہدایہ میں ہے اور یہ مکروہ تحریمی ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ آگے کھڑے ہوکر نماز پڑھائی تھی اس لیے امام کا نمازیوں کے آگے کھڑا ہونا واجب ہے، اور واجب کا ترک مکروہ تحریمی ہونے کا موجب ہے۔

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے فتاویٰ النوازل ص ۴۷ میں لکھا ہے وكل من يصح صلوٰته فی نفسه يصح الاقتداء به الا المرأة لان تاخيرها مامور به یعنی جس کی اپنی نماز درست ہو سکتی ہے اس کو امام بنانا بھی درست ہے سوا عورت کے، کیونکہ عورت کو مؤخر رکھنے کا حکم ہے۔

الاشباہ والنظائر ص ۵۰۵ میں ہے وتكره جماعتهن ويقف الامام وسطهن ولا تصلح اماما للرجال ويكره حضورها الجماعة یعنی عورتوں کی جماعت مکروہ (تحریمی) ہے (لیکن اگر عورتیں باجماعت نماز پڑھیں تو) امام عورت ان عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہوا کرے اور عورتیں مردوں کی امام نہیں بن سکتیں اور عورتوں کا جماعتِ رجال میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

حموی نے حاشیہ میں لا تصلح اماما للرجال کے تحت لکھا ہے کہ عدم صلاحیت سے مراد عدم صحت ہے یعنی عورت

امام ہو تو مرد کی نماز ہوتی ہی نہیں بلکہ باطل ہوتی ہے کیونکہ مَردوں کا امام بننے کے لیے مرد ہونا شرط ہے۔

پھر ص ۵۰۷ میں لکھا وتؤخر فی جماعة الرجال یعنی مَردوں کی جماعت میں جب عورت شریک ہو تو اُسے مَردوں سے مؤخر (پیچھے) رکھا جائے۔

کیونکہ ابوداؤدؒ نے سنن ابی داؤد ص ۱۰۵ میں باب مقام الصبیان من الصف کے تحت لکھا ہے قال ابومالك الاشعری الا احدثکم بصلوة النبی صلی الله علیه وسلم قال فاقام الصلوٰة فصف الرجال وصف الصبیان خلفهم ثم صلی بهم اس کے بعد ۱۰۶ پر باب صف النساء وکراهة التاخر عن الصف الاوّل کے تحت لکھا ہے عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر صفوف الرجال اولها وشرها اٰخرها وخیر صفوف النساء اٰخرها وشرها اولها یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی صفوف میں سے بھلی صف پہلی ہے، اور بُری صف آخری ہے اور عورتوں کی صفوں میں سے بھلی صف آخری ہے اور بُری صف پہلی ہے۔

پھر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت لکھی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یزال قوم

یتاخرون عن الصف الاول حتیٰ یؤخرھم اللہ فی النار

اور اک فضیلت کا اہتمام نہ کرتے ہوئے لوگ پہلی صف سے پیچھے پیچھے ہٹتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو خیرات سے، اور اپنی رحمت میں داخل کرنے سے پیچھے کر دیں گے۔

اس کے بعد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو دیکھا کہ صفِ اول سے پیچھے پیچھے ہٹ رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا قدموا آگے بڑھو فاتموابی میری اقتداء کرو ولیاتم بکم من بعدکم اور تم سے بعد والے تمہاری اقتداء کریں گے ولا یزال قوم یتاخرون حتیٰ یؤخرھم اللہ، اور لوگ پیچھے پیچھے ہٹیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت سے ان کو پیچھے رکھیں گے۔

فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ص ۳۰۱ ج ۳ میں ہے کہ عورتوں کا امام اگر عورت ہو تو ہر نماز مکروہ ہے فی العالمگیریہ ص ۸۰ ج ۱

ویکرہ امامۃ المرأۃ فی الصلوٰۃ کلھا من الفرائض والنوافل۔

چونکہ عورتوں کا مقام آگے نہیں ہے اسی لیے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ و دیگر سلف صالحینؒ و ائمہ مجتہدینؒ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی عورت کراہت کا خیال

نہ کرتے ہوئے امام بن بھی جائے تو مرد امام کی طرح آگے کھڑی نہیں ہو سکتی بلکہ عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہو۔

چنانچہ شرح وقایہ ص ۱۷۶ میں ہے ویقف الامام وسطھن یعنی اگر بالفرض عورتیں باجماعت نماز پڑھنا چاہیں تو صف میں کھڑی ہونے والی مقتدیہ عورتوں کے بیچ میں ان کو جماعت کرانے والی امام عورت کھڑی ہو۔

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۸۸ و ۸۹ ج ۲ میں ہے کہ حضرت حجیرہؒ فرماتی ہیں کہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں نماز پڑھائی تھی اور آپؓ عورتوں کے وسط میں کھڑی ہوئی تھیں اور اسی طرح اُم الحسنؒ نے اُم المؤمنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ آپؓ عورتوں کی صف میں ان کے ساتھ کھڑی ہو کر نماز پڑھا رہی تھیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا ہی کیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ تھا کہ اگر عورت امام بنے تو عورتوں کے بیچ میں کھڑی ہو۔

اور یہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں مگر اجماع کی وجہ سے اس مسئلہ میں قوت پیدا ہو گئی کہ اگر عورت امام بنے تو درمیان میں کھڑی ہو، اسی لیے شافعی اور حنابلہ و حنفیہ سب کا یہی مسلک ہے، امام شعبیؒ و حمید بن عبدالرحمٰن کا بھی یہی فتویٰ تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۸۹ ج ۲)

شرح روض الطالب من اسنی المطالب ص ۲۰۹ ج ۱ میں امام

ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعیؒ نے لکھا ہے وتقف امامتهن وسطهن..... بخلاف الرجل..... يقف منهما امامهن۔

الکافی ص ۱۹۲ ج ۱ میں شیخ الاسلام ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلیؒ نے لکھا ہے السنة للمرأة اذا امت النساء ان تقوم وسطهن یعنی جب عورت امام بنے عورتوں کی تو اس امام عورت کے کھڑا ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ ان مُقتدی عورتوں کے وسط میں کھڑی ہو۔

الروض المربع شرح زاد المستقنع ص ۲۵۶ ج ۱ میں منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلیؒ نے لکھا ہے والمرأة اذا امت النساء تقف وسطهن یعنی جب عورت عورتوں کی امام بنے تو عورتوں کے وسط میں کھڑی ہو۔

کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار ص ۱۳۶ میں حضرت امام تقی الدین ابوبکر بن محمد الحسینی الحصنی الدمشقی الشافعیؒ نے لکھا ہے کہ ولا تضر المساواة لعدم التقدم عورت امام کا مقتدی عورتوں کی صف میں ان کے برابر کھڑا ہونا نقصان دہ نہیں کیونکہ اس میں امام عورت کا تقدم نہیں۔

العُدہ شرح العمدہ ص ۹۸ میں ہے مسألہ وان صلت امرأة بالنساء قامت معهن في الصف وسطا

اسی طرح تمام فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کا بھی یہی موقف

ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس مختصر سے رسالہ میں ان تمام کا مکمل بیان کرنا بہت مشکل ہے۔

عورت کے امام نہ بننے کی ایک اور وجہ بھی علماء کرام نے لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب عورت امام ہوگی تو اس کو باآوازِ بلند تکبیریں کہنی ہوں گی، جہری نمازوں میں قرأت بھی بلند آواز سے پڑھنی ہوگی اور سمع اللہ لمن حمدہ بھی بلند آواز سے کہنا ہوگا اور سلام بھی بلند آواز سے کہنا ہوگا اور عورت کی آواز بھی عورت ہے، امام عورت کو جہر کرنا منع ہے، اگر جہر کرے گی تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور اسے بھی ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ ص ۲۳۶ ج ۱ میں ہے: جو عورت حافظِ قرآن ہو، نماز میں جہر نہیں کر سکتی، اس لیے کہ کلام عورت عند البعض عورت ہے، (یعنی آواز بھی ستر عورت ہے) شامی جلد اوّل

فاتحِ قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ نے فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۲۷ ج ۱ میں لکھا ہے:

سوال: کیا عورت اذان پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ المرأۃ کلھا عورۃ عورت تمام کی تمام پردہ میں رہنی چاہیے، اس لیے اس

کی آواز بھی باہر نہ جانی چاہیے۔ اللہ اعلم

العمدہ ص ۶۰ میں ہے وہما مشروعان للصلوٰۃ الخمس دون غیرھا للرجال دون النساء۔

حاشیہ اسنی المطالب ص ۱۲۶ ج ۱ میں ہے الاذان عبادۃ والمرأۃ لیست من اھلھا اور اسنی المطالب میں ہے ولا تؤذن عورت اذان نہ کہے۔ آگے لکھا ہے کہ بلند آواز کرنا عورت کا حرام ہے کہ اس طرح مردوں کے سامنے (آواز کا) ستر کھل جاتا ہے، کیونکہ اس بلند آواز میں فتنہ ہے، جس طرح چہرہ کھولنے میں فتنہ ہے۔ حرم کما یحرم تکشفھا بحضرۃ الرجال لانہ یفتتن بصوتھا کما یفتتن بوجھھا۔

عدہ شرح العمدہ ص ۶۰ میں ہے وقال الحسن وابراھیم و الشعبی وسُلیمان بن یسار لیس علی النساء اذان ولا اقامۃ، رواہ سعید فی سننہ۔

شبہ : محدث بیہقی رح نے السنن الکبریٰ ص ۱۳۱ ج ۳ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لکھی ہے انھا کانت تؤذن وتقیم وتؤم النساء وتقوم وسطھن کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود اذان اور اقامت کہتی تھیں اور امام بنتی تھیں عورتوں کی، اور ان کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں؛ اس سے معلوم ہوا کہ عورت اذان کہہ سکتی ہے اور آپ کا قول اس

حدیث کے خلاف ہے۔

جواب : یہ حدیث صرف اس سند کے ساتھ ثابت ہے

اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا احمد بن عبد الجبار ثنا عبداللہ بن ادریس عن لیث عن عطا عن عائشۃ رضی اللہ عنہا۔ اس سند میں "احمد بن عبد الجبار ابن محمد العطاردی الکوفی" ہے جس کو حافظ ابن حجر کنانی عسقلانیؒ نے تقریب التہذیب ص ۵ میں ضعیف کہا ہے، لہٰذا یہ حدیث دلیل میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

شبہ : ابو داؤدؒ نے اپنی سنن ابی داؤد ص ۹۴ میں لکھا ہے کہ اُمِّ ورقہ بنتِ نوفل رضی اللہ عنہا قرآن کی حافظہ تھیں انھوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ میں اپنے گھر میں مؤذن رکھ لوں جو میرے لیے اذان کہہ دیا کرے، تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِّ ورقہ کو اجازت دے دی، پھر ص ۹۵ میں یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمِّ ورقہ رضی اللہ عنہا کے گھر بہ نفسِ نفیس تشریف لے گئے اور ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے لیے مؤذن مقرر فرمایا جو ان کی خاطر اذان کہا کرے اور آپ ﷺ نے ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ اپنے محلہ کی عورتوں کو باجماعت نماز پڑھایا کرے، تو اس حدیث سے صاف معلوم ہُوا کہ عورت عورتوں کو باجماعت نماز پڑھا سکتی ہے۔

جواب : ابوداؤدؒ نے پہلی حدیث کی سند اس طرح لکھی ہے
حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ ثنا وکیع بن الجراح ثنا الولید بن عبد اللہ بن جُمیع حدثتنی جدتی و عبد الرحمٰن بن خلاد الانصاری الخ. تو اس سند میں ذکر کردہ راویوں میں ایک راوی کا نام ہے الولید بن عبد اللہ بن جُمیع ، جس کے بارے میں الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے تقریب التہذیب مطبع مجتبائی ص ۲۳۰ میں لکھا ہے الولید بن عبد اللہ بن جُمیع الزہری المکی نزیل الکوفۃ صدوق یہم ورمی بالتشیع یعنی سچا تو ہے مگر اکثر و بیشتر وہم کا شکار ہوتا رہتا ہے نیز شیعہ پن کے ساتھ متہم ہے۔

اور دوسری روایت کی سند میں بھی یہی راوی ہے ، نیز اس کا ایک شاگرد محمد بن فُضَیل بن غزوان ہے ، اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب ص ۱۹۳ میں لکھا ہے رُمی بالتشیع یعنی یہ بھی شیعہ پن کے ساتھ متہم ہے ، بلکہ " لسان المیزان " ص ۳۰۷ ج ۶ میں لکھا ہے شیعی غال یعنی غالی اور کٹر شیعہ تھا ، لہٰذا یہ روایت احتجاج میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

پھر ہم نے اہل تشیع کی کتب معتبرہ کو دیکھا اس میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ گو عورت کے ذمہ اذان و اقامت کہنا ضروری تو نہیں ہے مگر اذان و اقامت عورت کہے تو اس کو ثواب ملے گا۔ چنانچہ شیخ مفید کی تصنیف المقنعۃ کی شرح تہذیب الاحکام

مصنفہ شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی ص ۵۷ و ۵۸ ج ۲
میں ہے قال الشیخ ولیس علی النساء اذان ولا اقامۃ بل یتشھدن الشھادتین ولو اذن و اقمن علی الاخفات لم یکن مازورات بل کن ماجورات یعنی عورتوں کے ذمے نہ اذان ہے نہ اقامت بلکہ وہ کلمہ شہادت پڑھ لیا کریں اور اگر چپکے سے اذان واقامت کہہ دیں تو ثواب ہوگا گناہ نہ ہوگا۔

من لایحضرہ الفقیہ ص ۱۹۴ ج ۱ میں ابوجعفر صدوق محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ قمی متوفی ۳۸۱ھ نے لکھا ہے قال الصادق علیہ السلام لیس علی المرأۃ اذان ولا اقامۃ. اذا سمعت اذان القبیلۃ و تکفیھا الشھادتان ولکن اذا اذنت واقامت فھو افضل یعنی حضرت امام جعفر صادق کا فرمان ہے کہ عورت پر اذان و اقامت ضروری نہیں، جب محلہ کی اذان سن لے تو کلمہ شہادتین پڑھ لینا اس کے لیے کافی ہے، لیکن عورت اگر خود اذان و اقامت کہہ دے تو اس میں زیادہ فضیلت ہے۔

فروع الکافی کتاب الصلوٰۃ باب بدء الاذان والاقامۃ ص ۳۰۵ ج ۳ میں ہے کہ جمیل بن دراج کے دریافت کرنے پر ابوعبداللہ جعفر صادق رح نے فرمایا کہ عورت کے ذمے اذان و اقامت نہیں۔ محشی نے مدارک سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ تمام اصحاب (شیعہ) کا اتفاق ہے کہ عورتوں کو اذان دینا

مشروع اور جائز ہے مگر تاکید نہیں۔ پھر معتبر ص ۱۶۱ کے حوالے سے لکھا کہ اسی پر ہمارے علماء متفق ہیں۔ الخ

قارئین محترم! اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ عورتوں کی اذان واقامت والا مسئلہ اہل سُنّت کا نہیں بلکہ شیعہ کا مسئلہ ہے۔ اور عُلماءِ اہل سُنت میں سے کوئی بھی عورتوں کی اذان واقامت کو مستحسن وافضل نہیں سمجھتا اور نہ ہی اس پر اہل سُنّت میں سے کسی کا عمل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ہی سرے سے ذکر نہیں کی، کیونکہ اگر کسی کا اس پر عمل ہوتا تو ضرور وہ یہ روایت بیان کرتے، کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ سوائے دو حدیثوں کے جس قدر حدیثیں میں نے بیان کی ہیں، اُن پر کسی نہ کسی کا عمل ہے جمیع ما فی ھذا الکتاب من الحدیث ھو معمول بہ وبہ اَخَذَ بعض اھل العلم ماخلا حدیثین، حدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظھر والعصر بالمدینۃ. والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا سفر ولا مطر. وحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ (کتاب العلل در آخر جامع ترمذی ص ۲۳۳)

شبہ: ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مُصَنَّف ص ۸۸ ج ۲ میں عنوان قائم کیا المراۃ تؤم النساء یعنی عورت کا عورتوں

کی امامت کرانے کا بیان، اس میں ام الحسنؒ اور حجیرہؒ کہتی ہیں کہ ہمیں حضرت ام سلمہؓ نے عورتوں کے وسط میں کھڑے ہوکر نماز پڑھائی، وہ امام بنی تھیں، اور سنن الکبریٰ ص ۱۳۱ ج ۳ میں بیہقیؒ نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے حضرت عطاء نے فرمایا کہ آپؓ عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور عورتوں کی صف میں ان کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں۔

اور السنن الکبریٰ ص ۱۳۱ ج ۳ میں محدث بیہقیؒ نے اپنی سند کے ساتھ یہی روایت کی، اس میں تو حضرت ام المؤمنینؓ کا اذان واقامت کہنے کا بھی ذکر ہے۔

اور اسی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی ذکر ہے کہ عورت عورتوں کی امام بنے تو عورتوں کے وسط میں کھڑی ہوا کرے۔ تو ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں عورتوں کو باجماعت نماز پڑھا سکتی ہیں اور عورت امام بن سکتی ہے۔

جواب: حجیرہؒ کے طریق سے جو روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ذکر ہے اس کی سند یہ ہے حدثنا ابو بکر ثنا سُفیان بن عُیَیْنَہ عن عمار الدہنی عن امرأۃ من قومہ اسمہا حجیرہ ابو بکرؒ تو خود صاحب مُصَنَّف ہیں، ان کے اُستاذ سُفیان بن عُیَیْنَہ ہیں جو بہت مشہور ثقہ امام ہیں، ان کی جلالت

شان کسی سے مخفی نہیں مگر آخری عمر میں ان کے حافظہ میں اختلاط پیدا ہوگیا تھا۔ پھر ان کا استاد عمار بن معاویہ دہنی ہے جس کے بارے تقریب التہذیب ص ۱۵۲ میں لکھا ہے صدوق یتشیع یعنی سچا تو تھا مگر شیعہ پن اس میں تھا۔ اور ام الحسنؒ والی روایت میں ابوبکر ابن ابی شیبہؒ کے استاذ علی بن مُسْہِر قریشی ہیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ نے تقریب التہذیب ص ۱۵۱ میں لکھا ہے کہ اس کی کئی غریب حدیثیں ہیں۔ پھر ان کے استاذ ہیں سعید بن عروبہ بصری جو قتادہ سے بہت روایت کرتے ہیں، وہ اپنے اُستاذ قتادہ کی طرح مدلس ہیں جو عن سے روایت کریں تو معتبر نہیں ہوتی۔ مع ہذا یہ سعید آخرِ عُمر میں خلط ملط حافظہ والے ہوگئے تھے۔ طبقات المدلسین ص ۱۴ میں حافظ ابن حجرؒ نے اسی طرح لکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیعہ کے ہاں یہ مسئلہ مُسَلّم ہے۔ چنانچہ فروع کافی کتاب الصلوٰۃ باب الرجل یؤم النساء والمرأۃ تؤم النساء کے تحت لکھا ہے: سُلیمان بن خالد نے کہا کہ میں نے ابوعبد اللہؒ (جعفر صادق) سے دریافت کیا کہ عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے تو انھوں نے فرمایا اذا کن جمیعا اَمَّتْهُنَّ فی النافلۃ فاما المکتوبۃ فلا ولا تقدمهن ولکن تقوم وسطا منهن یعنی سب عورتیں ہوں تو نفلوں کی نماز میں عورت امام بن سکتی ہے فرضوں میں نہیں اور عورتوں کے وسط میں کھڑی ہو آگے

نہ کھڑی ہو۔

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی حدیث میں ابن ابی لیلیٰ ہیں جو صاحبِ مُصنّف کے اُستاذ وکیع کے اُستاذ ہیں، ان کے متعلق حضرت امام طحاویؒ نے اپنی کتاب مشکل الآثار ص ۲۲۶ ج ۳ میں ان کے بارے میں لکھا ہے ابن ابی لیلیٰ مع جلالۃ قدرہ وعلو مرتبتہ فی الفقہ وفی ماسواہ فھو مضطرب الحفظ جدا یعنی باوجودیکہ حضرت ابن ابی لیلیٰ قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت اجل ہیں اور فقہ وغیرہ میں ان کا مقام بہت اعلیٰ ہے مگر مع ہٰذا حافظہ کے اعتبار سے بہت ہی مضطرب ہیں۔

اور مُحدّث بیہقی نے ص ۱۳۱ میں جو روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اپنی سند سے روایت فرمائی ہے، اس سند میں عبداللہ بن ادریس ثقہ فقیہ اور عابد کے شاگرد احمد بن عبدالجبار ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب ص ۵ میں لکھا ہے احمد بن عبدالجبار بن مُحمد العطاری ابو عمر الکوفی ضعیف وسماعہ المیسرۃ صحیح من العاشرۃ لم یثبت ان اباداؤد اخرج لہ۔ بہرحال یہ راوی بھی ضعیف ہے۔

اور ابن عباس کی روایت میں داؤد بن الحصین، عکرمہ کا شاگرد ہے، اموی ہے یعنی امویوں کا غلام آزاد کردہ ابو سُلیمان مدنی ثقہ

ہے، مگر عکرمہ کی روایت میں ثقہ نہیں، اور خارجی فرقہ کی رائے رکھنے کے ساتھ متہم ہے، جیسے حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب ص ۵۴۳ میں لکھا ہے داود بن الحصین الاموی مولاهم ابوسلیمان المدنی ثقة الافی عکرمة و رُمی برأی الخوارج۔

یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ یہ واقعات (یعنی حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا عمل) مدینہ پاک کے ہیں جو امام مالکؒ جیسے مُحدثِ شہیر فقیہ اور مجتہد کبیر سے مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔ امام مالکؒ نے صاف صاف فتویٰ دیا کہ عورت مُطلقاً جماعت نہیں کرا سکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ ان روایات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے تھے اور اُن کو اِن رُواۃ کے ضعف کا خوب علم تھا اور سمجھتے تھے کہ ان کا قول حجت نہیں، اس لیے قابلِ عمل نہیں ہیں، اور نہ اس قابل ہیں کہ ان کی روایات پر اعتماد کرکے فتویٰ دیا جائے، پھر پندرھویں صدی والوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ پر زبانِ طعن دراز کریں۔

خلاصہ: اس ساری تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مُحقّق مسلک یہی ہے کہ عورت امام نہیں بن سکتی، نہ مَردوں کی، نہ بچوں کی، نہ خنثوں کی، نہ عورتوں کی۔ اور نہ فرضوں کی جماعت کرا سکتی ہے، نہ نفلوں کی، نہ تراویح کی، نہ جُمعہ پڑھا سکتی ہے نہ عید پڑھا سکتی ہے اور نہ ہی اذان کہہ سکتی ہے نہ تکبیر کہہ سکتی ہے۔ نہ اس پر جمعہ فرض

ہے اور نہ عید واجب ہے اور نہ ہی جنازہ اس پر ہے۔

بلکہ احادیث صحیحہ کی رُو سے عورت مسجد میں آنے کی بجائے اپنے گھر میں نماز پڑھے تو مسجد نبوی (علی صاحبہ الف صلوٰۃ وتحیۃ) میں نماز پڑھنے سے بھی زیادہ ثواب ہے۔

فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ص ۷۱ ج ۳ میں ہے:

سوال: ایک عورت قرآن حافظ ہے، اگر وہ عورت کلام ربانی تراویح کے اندر پڑھنا چاہے تو عورتوں کی جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، نہیں کرنی چاہیے۔

فتاوی مذکورہ ص ۷۰ ج ۳ میں ہے:

تراویح میں عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ پھر حاشیہ میں درمختار ص ۵۲۸ ج ۱ کے حوالے سے لکھا: ویکرہ تحریما جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلوٰۃ جنازۃ۔

دُوسری بات

یعنی صلوٰۃ تسبیح کا باجماعت ادا کرنا

فتاوی دار العلوم مکمل ومدلل ص ۳۱۳ ج ۴ میں سوال، و جواب اس بارے میں لکھا ہے:

سوال: صلوٰۃ التسبیح کی جماعت درست ہے یا نہیں؟

الجواب : جماعت نوافل کی خواہ صلوۃ التسبیح ہو یا کوئی دوسرے نوافل، اگر بتداعی ہو وہ مکروہ ہے، فقط

فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۴ ج ۲ میں حضرت فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے لکھا ہے :

نوافل کی جماعت تہجد ہو یا غیر تہجد سوائے تراویح و کسوف و استسقاء کے، اگر چار مقتدی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمیہ ہے، خواہ خود جمع ہوں یا خود بطلب آویں اور تین میں خلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں۔ کذا فی کتب الفقہ واللہ تعالیٰ اعلم

اور ص ۲۹ ج ۱ میں ہے : جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں مکروہ تحریمیہ ہے۔ فقہ میں لکھا ہے اگر تداعی ہو اور مُراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے : پس جماعت صلوٰۃ کسوف تراویح استسقاء کی درست اور باقی سب مکروہ ہیں۔ کذا فی کتب الفقہ انتہیٰ

حضرت گنگوہیؒ کے اس فتوے سے کہ "باقی سب مکروہ ہیں" صلوٰۃ التسبیح کا حکم بھی معلوم ہو گیا، کیونکہ صلوٰۃ کسوف، تراویح اور استسقاء کے سوا باقی سب میں صلوٰۃ تسبیح بھی داخل ہے۔

فتاویٰ محمودیہ ص ۱۶۰ و ۱۹۸ ج ۲ میں ہے کہ تہجد کی جماعت باجماعت علیٰ سبیل التداعی مکروہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی "باقی سب" میں داخل ہے۔

امداد الاحکام ص ۵۱۹ میں ہے: نفل کی جماعت کرنا جب کہ چار مقتدی ہوں تو اتفاقاً مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، اور جس صورت میں مکروہ نہیں اس میں ثواب نہ ملنے کی تصریح تو نہیں ہے۔

شامی نے ۷۴۱ ج ۱ میں قول بدائع ان الجماعۃ فی التطوع لیست بسنۃ سے استنباط کیا ہے اور اس میں تامل بھی ظاہر کیا ہے۔ بہر حال اہتمام جماعت نفلوں میں نہ کرنا چاہیے۔

فتاویٰ سراجیہ ص ۱۵ میں ہے یکرہ التطوع بالجماعۃ بخلاف التراویح و صلوٰۃ الکسوف تراویح و سورج گہن کی نماز کے سوا نفل باجماعت مکروہ ہیں۔

الاشباہ والنظائر ص ۲۰۱ پر محشی حموی نے لکھا اداء النفل بجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ الا ما استثنیٰ کصلوٰۃ التراویح یعنی تراویح کی طرح مستثنیٰ نمازوں کے سوا بتداعی نفل باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۵۳ ج ۱ میں ہے: رمضان شریف کے علاوہ باجماعت نفل نہ پڑھے جائیں۔ شمس الائمہ سرخسیؒ سے مروی ہے کہ بتداعی نفل باجماعت مکروہ ہیں۔ اگر مقتدی صرف ایک آدمی یا دو آدمی ہوں تو مکروہ نہیں، اگر تین مقتدی ہوں تو اس کی کراہت میں اختلاف ہے، اگر چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے

اور اصل قاعدہ یہ ہے کہ نوافل کی جماعت علیٰ سبیل التداعی مکروہ ہے۔

فتاویٰ ہندیہ ص ۸۷ ج ا میں ہے التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ۔

اور درمختار میں بحوالہ درر لکھا ہے کہ غیر رمضان میں نوافل باجماعت مکروہ ہیں بشرطیکہ تداعی ہو یعنی امام کے پیچھے چار ۴ مقتدی ہوں۔

فائدہ: اس ضمن میں یہ مسئلہ بھی آگیا کہ عید کی نماز بھی عورتیں عورت کی اقتداء میں نہیں پڑھ سکتیں، جیسا کہ کفایت المفتی ص ۲۴۶ ج ۳ میں حضرت اُستاذی المکرم المعظم المحترم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے: عورتوں پر عیدین کی نماز واجب نہیں، اگر پڑھیں تو نفل ہوگی اور نفل میں جماعت مکروہ ہے۔ اس کے آگے بدائع ص ۲۷۰ ج ا و ہندیہ و درمختار کے حوالے لکھے۔

کبیری شرح مُنیہ ص ۳۶ میں ہے کہ ترك المکروہ اولیٰ من فعل المندوب مستحب کام کرنے سے اولیٰ ہے مکروہ کا ترک کرنا

نیز کفایت المفتی ۲۴۵ ج ۳ میں ہے عورتوں کو جمعہ کی نماز مسجد میں جاکر پڑھنا جائز ہے مگر بہتر نہیں۔

نیز کفایت المفتی ص ۲۵۰ و ۲۵۸ ج ۳ میں ہے کہ عورتوں کو

عیدگاہ میں نماز عید کے لیے جانا جائز نہیں کہ ان کے جانے میں فتنہ ہے۔

پھر ص ۲۵۴ ج ۳ میں لکھا ہے کہ: فتنہ کا وجود غالب ہے اور غالب ہی پر احکام شرعیہ مبنی ہوتے ہیں۔

اِعتراض: چلو مکروہ ہے تو کیا ہُوا، نماز تو ہو جاتی ہے لہٰذا جائز ہے۔

جواب: حضرت مولانا مُفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے کفایت المفتی ص ۳۴۱ ج ۳ میں لکھا ہے کہ: نفل باجماعت حنفیہ کے نزدیک سوائے ان چند نمازوں کے جن کی تصریح کر دی گئی ہے (مثلاً نماز تراویح و نماز کسوف) مکروہ ہیں...... اور یہ بھی یاد رہے کہ مکروہ خواہ تحریمی ہو یا تنزیہی، بہر حال وہ ممنوع شرعی ہے اور جو چیز شرعاً ممنوع ہے اس میں ثواب کی امید رکھنی احکام شریعت کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ جس چیز کو شریعت منع کرتی اور مکروہ بتاتی ہے' اس میں ثواب کیسا؟ اگر ثواب ہوتا تو وہ ممنوع اور مکروہ کیوں ہوتی؟ کیا شریعت ثواب کے کام کو بھی منع کر سکتی ہے؟ نیکی کا کام وہی ہے جو اصولِ شرعیہ کے موافق ہو، ورنہ تمام بدعات بظاہر نیکی کے کام ہی ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ شرعاً بے اصل ہوتے ہیں' اس لیے وہ ناجائز اور ممنوع قرار دیے جاتے ہیں۔

اور مکروہ تنزیہی کو ہلکا سمجھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ چُنانچہ

کفایت المفتی ص ۲۳۸ ج ۳ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ: نماز جمعہ و عیدین کے بعد مصافحہ کرنا اور اس کو اس وقت کی خاص سُنّت سمجھنا مکروہ ہے۔ کراہت تنزیہی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تنزیہی کو ہلکا سمجھ کر مصافحہ کیا جائے۔

تیسری بات:

یعنی امام عورت کا ایک کنارہ میں کھڑا ہونا

زیرِ نظر بحث کے پڑھنے سے یہ مسئلہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ جو عورت جماعت کرا رہی ہے وہ آگے نہ کھڑی ہو جیسے مرد امام مُقتدیوں کی صف سے آگے بڑھ کر اکیلا کھڑا ہوتا ہے بلکہ مقتدی عورتوں کی صف میں کھڑی ہو اور عین بیچوں بیچ کھڑی ہو کہ اس کی دائیں طرف جتنی عورتیں ہیں، بائیں طرف بھی اتنی ہی ہوں، اور اس بارے میں احادیث صریح ہیں۔ جب امام عورت کا مقتدیات کے وسط میں کھڑا ہونے کا حکم ہُوا تو اس کے خلاف جس جگہ بھی کھڑی ہوگی وہ ممنوع اور ناجائز ہوگا۔

حنفیہ کے اُصولِ فقہ میں یہ مسئلہ محقق ہے الامر بالشیٔ یقتضی کراھۃ ضدہ یعنی کسی چیز کا جو حکم ملے اس کے خلاف کرنے سے کراہت لازم آتی ہے۔

اور فقہاء شافعیہ لکھتے ہیں والامر بالشیٔ نہی عن ضدہ

(نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج ص ۵ ج ۲ فی الفقہ علی مذہب الامام

الشافعیؒ. تالیف شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ بن شہاب الدین الرملی المنوفی المصری الانصاری الشہیر بالشافعی الصغیر المتوفی ۱۰۰۴ھ) یعنی ایک چیز کا حکم ہونا اس کے خلاف کے منہی عنہ ہونے کا مقتضی ہے۔

پس معلوم ہوگیا کہ عورت امام کا ایک کنارے میں کھڑا ہونا شرعاً ممنوع ہے۔

چوتھی بات:

کُرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا اور دُوسروں کا اس کی اقتداء کرنا۔

سو اگر فرض نماز ہے تو اس میں قیام فرض ہے اور بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ بڑی عاجزی سے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہوجاؤ۔

کُرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ٹھیک نہیں کہ یہ ہیئت مسلمانوں کی نماز کی نہیں۔ البتہ پولوسی (عیسائی) بنچوں اور کرسیوں پر بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں، تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے ان کے ساتھ تشبہ ہُوا اس لیے ممنوع ہے۔

اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی جو شخص کسی غیر قوم کے ساتھ مشابہت کرے گا تو انجام کار رفتہ رفتہ وہ انہی میں سے ہوجائے گا۔

قال اللہ تعالیٰ

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

فضلُ المعبُود

فی بیان حُکم

هیئۃِ المرأۃِ فی السُّجود

یعنی

عورت سجدہ کیسے کرے؟

از

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

امداد الاحکام ص۱۴۴ میں ہے کہ یہ سوال حضرت علامہ مولٰنا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کیا گیا ہے، انہوں نے زنانِ ہند کے اس طریقِ سجدہ کو اقوالِ فقہاء کے موافق بتلایا ہے، اسی کے موافق بہشتی زیور میں مسطور ہے اور فقہاء کی عبارت سے جس طرح یہ مضمون سمجھا گیا ہے اوپر لکھ دیا گیا

پھر ص۱۴۴ میں لکھا **تتمہ**: عباراتِ فقہاء سے قطع نظر کر کے اب میں حدیث کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ حضرت علی کی حدیث میں ہے واذا سجدت المرأۃ فلتحتفز ولتضم فخذیہا (رواہ ابن ابی شیبہ بسند حسن) اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے اذا سجدت المرأۃ الصقت بطنہا علی فخذہا وفی روایۃ بین فخذیہا کاستر مایکون۔ رواہ البیہقی۔ اور یزید بن ابی حبیب رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت میں ہے قال علیہ السلام للمرأتین اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ فی ذٰلک لیست کالرجل۔ رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ۔ والروایات کلہا فی اعلاء السنن

اس سے امورِ ذیل معلوم ہوئے۔

(۱) عورت سجدہ میں احتفاز کرے والاحتفاز التضام فی السجود۔

(۲) عورت سجدہ میں پورے ستر کے ساتھ جتنا ممکن ہو، پیٹ کو رانوں سے چپکائے۔

اب ہمارا خیال یہ ہے کہ پورے ستر کے ساتھ الصاقِ بطن بالفخذین اور پورا انضمام اعضاء اور زمین سے گوشت کو منضم کر دینا اسی صورت سے متحقق ہے جو بہشتی زیور میں ہے اور جو صورت آپ (سائل) نے تجویز کی ہے (کہ قدمین کو مرد بھی کھڑے رکھے اور عورت بھی کھڑے ہی رکھے) نہ اس میں پورا الصاق ہے نہ پورا ستر ہے، نہ زمین سے گوشت ملا (الخ)

ضمیمہ ۲ متعلقہ نماز باعمامہ

خلاصۃ الفتاویٰ ص۵۸ میں فقیہ امجد طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری رح نے لکھا ہے ومکشوف الراس وہو یجد العمامۃ ان کان تہاوناً بالصلوٰۃ یکرہ ولو کان للتضرع لاباس بہ یعنی عمامہ کے ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر تہاون کی صورت میں ہو۔ اور اگر تواضع کی صورت میں ہے تو اگرچہ اتنی تنگی اور مضایقہ تو نہیں ہے مگر پھر بھی اچھا نہیں (تو اس کا حاصل یہی ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے

فتاویٰ سراجیہ ص۱۱ میں ہے اذا صلی حاسر الرأس کرہ و آن قصد بہ التواضع یعنی اگرچہ تواضع کے قصد سے ننگے سر نماز پڑھے، تب بھی مکروہ ہے

مفتاح الصلوٰۃ ص۸ میں مکروہاتِ جامہ کی فصل میں مکروہات جامہ نمبر ۱۳ میں لکھا سیزدہم سر برہنہ یعنی مکروہات جامہ میں سے تیرہواں مکروہ ہے ننگے سر نماز پڑھنا۔ اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھنے کا طریقہ ہی پسندیدہ طریقہ ہے۔ پگڑی قمیص۔ تہبند

علامہ محدث عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شمائل ترمذی ص۱۶۵ و ص۱۶۶ میں لکھا ہے والعمامۃ سنۃ لاسیما للصلوٰۃ وبقصد التجمل لاخبار کثیرۃ فیہا ...... اور عمامہ باندھنا خاص کر نماز ادا کرنے کے لیے اور تجمل کے ارادہ سے سنت ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا عمامہ باندھنے کا۔ کیونکہ اس بارے میں کثرت سے حدیثیں وارد ہیں

حافظ ابن قیم رح نے زاد المعاد جلد اول ص۳۴ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کا ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب تھا اور وہ حضرت علی رض کے سر پہ باندھا تھا

اور آپ بھی باندھا کرتے تھے اور آپ عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی رکھ لیتے تھے کبھی کبھی بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی سے سر ڈھک لیتے تھے اور کبھی کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ باندھ لیتے تھے۔

رکن رکین ۱۵۶ میں حکیم مظہر الحق قنوجی رحمہ اللہ نے لکھا ہے "ٹوپی (یا عمامہ) ہوتے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے"

پھر ۱۵۷ میں لکھا "مکروہ تنزیہی سے نماز دوہرانا مستحب ہے۔ مگر عصر اور فجر کی نماز نہ دوہرائے۔

ننگے سر نماز پڑھنے کے بارے علماء اہل حدیث کے فتوے

فتاویٰ علماء حدیث جلد ۴ میں یہ عنوان قائم کیا

کپڑا موجود ہو تو ننگے سر نماز ادا کرنا ضد سے ہوگا یا قلتِ عقل سے

نیز یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد (القرآن) کے مضمون سے بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ چار کپڑے ہوں تو نماز کامل ہوگی قمیص، پاجامہ، پگڑی، اور ازار۔ ان تمام گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلاوجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں۔ یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔ ٥

بقیہ بر صفحہ ۵ در آخر رسالہ

ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست کے متعلق ہے اگر اس جنسِ لطیف سے طبیعت محرومِ نہ ہو، تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت و اضطراب کا باب اس سے الگ ہے

فتاوٰی نذیریہ جلد ۱ میں شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ٹوپی یا عمامہ سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ ایک مسنون عمل ہے

فتاوٰی علماء حدیث جلد ۴ میں مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی رحمہ اللہ کا فتویٰ درج ہے ابتدائے عہدِ اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اِس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گذری جس میں بہ صراحت یہ موجود ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد میں اور وہ بھی جماعت ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنا لیا ہو۔ اس لیے اس بد رسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے۔

اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبّد اور خشوع و خضوع اور عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصارٰی کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبّد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں۔ اور اگر کسل و سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت کے تشابہ ہوگا۔ اور ولایاتون الصلوٰۃ الا وھم کسالٰی (القرآن) نماز کو آتے ہیں تو سُست اور کاہل ہوکر۔ غرض ہر لحاظ سے ننگے سر نماز پڑھنا یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔

اسی فتاوٰی میں مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدری کا فتویٰ درج ہے: ننگے سر نماز ہو جاتی ہے بوجہ مجبوری اگر کپڑا نہ ہو۔ مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بنا پر مستقل ابدالآباد کے لیے یہ عادت بنا لین

جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل ننگے سر نماز پڑھنے والا نہیں کیا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی نے ایک سوال کے جواب میں لکھا "ایسی عادات (ننگے سر نماز پڑھنا) عقل و فہم کے خلاف ہے۔ عقلمند اور متدین (دیندار) آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابۂ کرامؓ اور اہلِ علم کا طریق وہی ہے جواب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے (سر پر کپڑا رکھ کر نماز پڑھنا) کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گذری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو۔ خصوصاً باجماعت فرائض میں۔ بلکہ عادت مبارکہ (آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) یہ تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

غرض حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کی عادت اختیار کرنا ثابت نہیں۔ محض بے علمی، بدعملی یا کسی اور وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے۔ بلکہ بعض جہلا تو اسے سُنّت سمجھنے لگے ہیں العیاذ باللہ۔

جماعت مبلغین اشاعۃ التوحید والسنۃ کی طرف سے مولانا ابو عثمان عبد الغنی صاحب حقانی خطیب جامع مسجد فضل فیصل روڈ اصغر کالونی گوجرانوالہ نے ایک اشتہار اس عنوان سے طبع کرا کے ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیا۔ اور ایک عدد اشتہار میری طرف بھی ارسال فرمایا۔ مَیں نے جو حوالے پہلے لکھے تھے اس کے بعد اُن کے دیے ہوئے حوالے بھی بطور ضمیمہ اور تتمہ کے اس رسالہ کے آخر میں ملحق کر دیے تاکہ اس طرح لوگوں کو مزید تسلی ہو جائے۔

اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو موجب بنے مزید

ثواب من عند اللہ الواسع الحلیم الرحمٰن الرحیم کا

نوٹ: اس اشتہار میں اخبار اہل حدیث امرتسر ۹ فروری ۱۹۳۴ء ص۱۳ کے حوالہ سے عنوان قائم کیا

"فتاویٰ نذیریہ کی تصدیق غیر مقلد مولانا ثناء اللہ امرتسری کے قلم سے

اس فتاویٰ (نذیریہ) کے ہوتے ہوئے کسی سے مسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ اس کا ہر مسئلہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔

نوٹ: مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس تحریر کا یہی مطلب ہے کہ لوگ یہ تحریر دیکھ کر فتاویٰ نذیریہ کے لکھے ہوئے مسائل کو آنکھیں بند کر کے مان لیں آگے ان کی تحقیق کی مزید ضرورت نہیں۔ یہی تو ہے تقلید شخصی ثناء اللہ کی اب یہ بتائیں کہ فتاویٰ نذیریہ و ثناء اللہ کی تقلید کونسی آیت سے ثابت ہے

کتبہ طالب الخیر فی الکونین محمد حسین صانہ اللہ عن الشین سابق مدرس مدرسہ امینیہ عربیہ اسلامیہ کشمیری گیٹ دہلی حال صدر مدرس جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا و نگران جامعہ صدیقیہ جامع مسجد ذی النورین محلہ ظفر آباد جھنگ صدر

عقائد اور اعمال کی اصلاح کرنے والی کتب

الدر المنثورہ از مولانا محمد امیر مرحوم	تفسیر جواہر القرآن کامل از شیخ القرآن رحمہ
دعوۃ الحق " " "	جواہر التوحید "
التوحید " " "	اقامۃ البرہان از سجاد بخاری
الاقوال المرضیہ " " "	الآیات البینات از نعمان بن محمود آلوسی رحمہ
العتبر الشرعی از نیلوی	تحفۃ الهند از عبید اللہ نومسلم رحمہ
شفاء الصدور "	کتاب التوحید جلد ۱، ۲، ۳ از جاجروی رحمہ

جواہر الایمان از مفتی اعظم ہند
تفسیر تسہیل التنزیل زیر طبع از نیلوی
رد منکرات ״
فتح الرحمٰن فی قیام رمضان ״
فیض المستغاث فی حکم المطلقات الثلاث ״
بشریت النبی ؐ ״
معراج النبی ؐ ״
عید میلاد النبی ؐ ״
رق منشور فی احکام الموتی والقبور ״
ضیائے حق (۵ مسائل) ״
پیران پیر تاریخ کی روشنی میں ״
المعارف فی تحریم المزامیر والمعازف ״
خیر الکلام فی تقبیل الابہام ״
خاتم النبیین ؐ ״
مرزا قادیانی کی تضاد بیانی ״
قرآن کا مسلسل و مربوط بیان ״
مواہب رحمانی در مسائل قربانی از نیلوی
یوسف ؑ کا نکاح زلیخا سے ؟ ״
حضرت معاویہ ؓ کے بارے تین سوالوں کے جوابات ״

تعلیم الاسلام از مفتی اعظم ہند
رد المذاہب الباطلة از نیلوی
تفسیر بے نظیر از الوانی رح ״
مع حاشیہ بدر منیر از نیلوی
آئینہ تسکین الصدور از شبیر محمد
کشف الستر عما ورد فی سماع النبی ؐ عند القبر ״
حدیث الانبیاء احیاء فی قبورہم ״
تعلیقات بر تحقیقی نظر از زید ״
ندائے حق جزء ۱ جلد ۱ از نیلوی
״ ״ ۲ ״ ״ ״
ندائے حق جلد ۲ ״
اپریل فول ״
رذیل عادتیں ״
رفع عیسیٰ ؑ ״
مختصر ترین خلاصہ قرآن حکیم ״
خلاصة البیان ״
عورتوں کا سر کے بال کٹوانا از نیلوی
نبی ؐ پر یہودی نے جادو کیا؟ ״
عورت کی سربراہی ״
روافض کے بارے شرعی فیصلہ ״

مکتبۃ الفیصل جامعہ ہدیہ یقینیہ جامع مسجد ذی النورین رض محلہ ظفر آباد جھنگ صدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ و السلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد: موجودہ دور میں یہ مسئلہ عورتوں کی طرف سے پھیلایا جارہا ہے کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح اس طور پر کھلا سجدہ کریں کہ کہ پیٹ رانوں سے دور رہے اور ہاتھ اپنے بازوؤں سے دور رہیں اور درمیان سے بکری کا بچہ گذر سکے۔ جب کہ احادیث نبویہؐ وآثار صحابہؓ اور قرآن وسنت کا فہم رکھنے والے ائمہ مجتہدین اور ان کے متبعین سے بالدلائل مبرہن ہے کہ سجدہ عورتوں کا مردوں سے کیفیۃً مختلف ہے اور اس مسئلہ میں کسی مجتہد کا اختلاف نہیں۔

چنانچہ اس رسالہ میں ہم یہی بات بتانا چاہتے ہیں وباللہ التوفیق

امام المحدثین حافظ جلیل ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بیہقی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ ۲۲۲/۲ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو حکم فرماتے تھے ان یتجافوا فی سجودھم کہ مرد سجدہ میں اپنے اعضاء کو الگ الگ رکھیں یعنی ہاتھ بازوؤں سے الگ رکھیں اور اپنا پیٹ اپنی رانوں سے دور رکھیں اور سمٹ کر سجدہ نہ کریں۔

اور عورتوں کو آپؐ حکم فرماتے تھے ینخفضن فی سجودھن کہ سجدہ میں پست ہو جایا کریں یعنی مَردوں کی طرح عورتیں اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے دُور رکھ کر اپنی سُرینوں کو اوپر نہ اٹھائیں

امام محدث ابوداؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی رحمہ اللہ نے اپنی مراسیل ص۶ میں یزید بن ابی حبیب رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت فرمائی ہے کہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مرّ علیٰ امراتین تصلیان . فقال علیہ السلام اذا سجدتما فضمّا بعض اللحم الیٰ الارض فان المرأۃ فی ذٰلک لیست کالرجل یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے قریب سے گذرے جو کہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ تو آپؐ نے ان عورتوں کو مَردوں کی طرح سجدہ کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ جب تم سجدہ کرتی ہو تو اپنے گوشت کا بعض حصّہ زمین کے ساتھ مِلا دیا کرو (اور مَردوں کی طرح تم اپنی سرین نہ اٹھایا کرو) کیونکہ اس بارے میں عورت کا حکم مَرد کی طرح نہیں ہے۔

امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ ۲۲۳ ج۲ میں بطریق مجاہدؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا سجدت الصقت بطنہا فخذیہا کاستر مایکون لہا جب عورت سجدہ کرنے لگے تو اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ مِلا دیا کرے جیسے عورت کو زیادہ سے زیادہ ستر کرنا ہوتا ہے۔

امام حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی رحمہ اللہ نے

اپنی مصنف ج۲ میں حضرت امامنا خلیفۂ رابع علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپؓ نے فرمایا اذا سجدت المرأۃ فلتحتفز ولتضم فخذیھا یعنی جب عورت سجدہ کرنے لگے تو اس کو چاہیے کہ تہہ زمین کے ساتھ لگ جائے اور اپنی دونوں رانوں کو ملالیوے

پھر حضرت حبر الامۃ مفسر قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل فرمائی کہ آپؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ نماز میں عورت کس طرح سجدہ کرے ؟ تو آپؓ نے جواباً فرمایا تجتمع وتحتفز کہ اکٹھی ہوجائے اور زمین کے ساتھ لگ جائے۔ زمین میں گڑ جائے۔

نیز حضرت مجاہد (تلمیذ ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم) سے روایت نقل فرمائی کہ کان یکرہ ان یضع الرجل بطنہ علی فخذیہ ولتضع بطنہا علی فخذیھا حضرت امام مجاہد رحمہ اللہ اس بات کو مکروہ اور ناپسند سمجھتے تھے کہ مرد سجدہ کی حالت میں اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں پر رکھدے۔ البتہ عورت کو چاہیے کہ سجدہ کی حالت میں اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں پر رکھے۔

نیز حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (تلمیذ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی روایت نقل فرمائی المرأۃ تضطم فی السجود کہ عورت اپنی طرف سے خوب کوشش کرکے اپنے اعضاء کو اپنی طرف ملائے۔

اور دوسری سند کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک اور قول بھی نقل فرمایا اذا سجدت المرأۃ فلتلتزق بطنھا بفخذیھا ولا ترفع عجیزتھا ولا تجافی کما یجافی الرجل یعنی جب عورت سجدہ کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ سجدہ کی حالت میں اپنا

پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ چپکا دے اور اپنی سرین کو نہ اٹھائے۔ اور مرد کی طرح اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے الگ الگ نہ رکھے

نوٹ کوئی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا مجتہد ایسا نظر نہیں آتا جو یہ کہتا ہو کہ عورت اور مرد کے سجدہ میں کوئی امتیاز نہیں ہے بلکہ مردوں کی طرح عورت بھی سجدہ کی حالت میں اپنے سُرین اٹھائے رکھے اور عورت کا پیٹ بھی مردوں کی طرح رانوں سے دُور دُور رہی ہو اور عورت کے ہاتھ بھی مردوں کی طرح پہلوؤں سے دُور رہیں۔ اور عورت بھی مردوں کی طرح اتنا کھلا سجدہ کرے کہ درمیان سے بکری کا بچہ نکل سکے۔

بلکہ اس کے برعکس تمام ائمہ مجتہدین کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے۔ جب کہ وہ خیر القرون میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ فہم حدیث میں سب سے بلند و بالا ہیں۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کی کتب سے حوالجات نقل کر کے آپ کے آگے رکھ دیں۔ پھر فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے دیدہ بایدش

مسلک علماء شافعیہ رح

شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ بن شہاب الدین الرملی المنوفی المصری الانصاری الشہیر بالشافعی الصغیر المتوفی سنہ ۱۰۰۴ھ نے اپنی کتاب فقہ مسمیٰ بہ نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج فی الفقہ علیٰ مذہب الامام الشافعی رض اللہ عنہ کے ص ۵۱۶ ج ۱ میں تحریر فرمایا ہے و یفرق الذکر کبتیہ ویکون بین قدمیہ قدر شبر ویرفع

بطنه عن فخذيه ..... ومرفقيه عن جنبيه فی رکوعه و سجوده للاتباع الا فی رفع البطن عن الفخذين والا فی تفريق رکبتيه فی الرکوع فبالقياس ۔ وقوله فی رکوعه وسجوده عائد للجميع . وتضم المرأة والخنثى ولو غير بالغين فيضم کل منهما الی بعض ولو فی خلوة فيما يظهر لما فی تفريقهما بعضه من التشبه بالرجال

یعنی مَرد تو اپنے دونوں گھٹنوں کے درمیان فاصلہ رکھے اور مَرد کے دونوں قدموں کے درمیان ایک بالشت کا اندازہ ہو۔ اور سجدہ کی حالت میں مَرد اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں سے اٹھا رکھے اور رکوع وسجود دونوں میں مرد اپنی دونوں کہنیوں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے دُور رکھے .... اور عورت اور خنثیٰ اگرچہ نابالغ ہوں اور اگرچہ ایسی جگہ نماز پڑھ رہے ہوں جہاں اور کوئی بھی نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنے بعض اعضا کو بعض کے ساتھ مِلا کے رکھے۔ کیونکہ بعض اعضاء کو بعض اعضاء سے فاصلہ پر رکھنے سے مَردوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جو شریعتِ محمدیہ میں منہی عنہ اور ممنوع ہے۔

حضرت شیخ الاسلام زین الملۃ والدین ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فقہ اسنی المطالب شرح روض الطالب ص ۱۶۲ ج ۱ میں تحریر فرمایا ہے وان يجافی الرجل بطنه ومرفقيه عن فخذيه وجنبيه وتضم المرأة والخنثى بعضهما الی بعض۔

یعنی مَرد تو اپنا پیٹ دونوں رانوں سے اور اپنی کہنیاں اپنے دونوں پہلوؤں سے الگ اور دُور دُور رکھے۔ اور عورت اور خنثیٰ

اپنے بعض اعضا کو بعض کے ساتھ ملا کر رکھا کریں۔

اس کے حاشیہ میں محشی الشہاب ابو العباس احمد رملی کبیر انصاری شیخ محمد بن احمد شوبری شافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے قولہ وتضم المرأۃ والخنثیٰ : ظاہر کلامہم انہ لافرق بین الخلوۃ وغیرہا یعنی شافعیہ کا یہ کلام وتضم المرأۃ والخنثیٰ بظاہر یہی بتاتا ہے کہ عورت اور خنثیٰ ایسی جگہ نماز پڑھ رہے ہوں جہاں کوئی دوسرا نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے اور دوسروں کی موجودگی میں جب نماز پڑھ رہے ہوں تب بھی یہی حکم ہے دونوں حالتوں میں ایک ہی حکم ہے۔ کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی اسنی المطالب میں چند سطور کے بعد یہ عبارت بھی ہے۔ وفیہ عن نص الام للامام الشافعیؒ ان المرأۃ تضم فی جمیع الصلوۃ ای المرفقین الی الجنبین یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کی امالی کتاب الام میں صراحۃ کے ساتھ ذکر ہے کہ تمام نماز میں عورت اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں کے ساتھ ملا کر رکھے

امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ نے اپنی فقہ کی کتاب الوجیز ص۲۲ میں لکھا ہے ویفرق (الرجل) بین رکبتیہ ویجافی مرفقیہ عن جنبیہ ویقل بطنہ عن فخذیہ وھو التخویۃ والمرأۃ لاتخوی یعنی مرد تو اپنے دونوں گھٹنوں کے درمیان فاصلہ رکھے اور اپنی دونوں کہنیاں اپنے دونوں پہلوؤں دُور دُور رکھے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں سے اٹھا رکھے اور اونچا رکھے۔ اور اسی کا نام ہے تخویہ یعنی پیٹ کو رانوں سے اونچا کر رکھنا۔ اور عورت جو ہے وہ تخویہ نہ کرے یعنی پیٹ کو ران سے ملا کر رکھے۔

امام تقی الدین ابوبکر بن محمد حسینی حصنی دمشقی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ
دنویں صدی ہجری کے علماء میں سے) اپنی کتاب کفایۃ الاخیار فی حل
غایۃ الاختصار ص۱۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں ویستحب ان یجافی مرفقیہ
عن جنبیہ لان عائشہ رضی اللہ عنہا روت انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان
یفعلہ۔ والمرأۃ تضم بعضہا الیٰ بعض لانہ استر لہا۔ والمستحب للرجل
ان یباعد مرفقیہ عن جنبیہ فی سجودہ، ففی الصحیحین انہ علیہ الصلوٰۃ و
السلام کان اذا سجد فرج بین یدیہ حتی یُریٰ بیاض ابطیہ ویستحب
ایضا ان یقل بطنہ عن فخذیہ لما روی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا
سجد فرج رواہ مسلم وفی روایۃ ابی داؤد کان اذا سجد لو ارادت
بُہَیْمَۃ لنفذت والبہیمۃ الانثی من صغار المعز۔ والمرأۃ تضم بعضہا الیٰ
بعض لانہ استر لہا۔ خلاصہ اس سب عبارت کا یہی ہے کہ مرد اپنی کہنیاں
اپنے پہلوؤں سے دُور رکھے کہ حدیث میں اسی طرح آیا ہے اور سجدہ میں
اپنا پیٹ اپنی رانوں سے اونچا رکھے اور عورت اپنے اعضاء ملا کے رکھے
کہ اس میں پردہ کا زیادہ دخل ہے۔ اور اس سے پہلے حضرت مصنف
رحمہ اللہ نے صراحتہً لکھا والمرأۃ تخالف الرجل فی اربعۃ اشیاء۔ فالرجل
یجافی مرفقیہ عن جنبیہ ویقل بطنہ عن فخذیہ فی الرکوع والسجود.....
والمرأۃ بعضہا تضم الیٰ بعض لانہ استر لہا یعنی چار چیزوں میں عورت
کی نماز مرد کی نماز سے مختلف ہے ایک تو یہ کہ مرد اپنی کہنیاں اپنی
دونوں پہلوؤں سے الگ رکھے دوسرے مرد اپنا پیٹ رکوع وسجود
ہر دو میں اپنے رانوں سے اونچا اٹھا رکھے (اس سے آگے دو چیزیں اور
ذکر کر کے فرمایا کہ عورت اپنے بعض اعضا کو بعض کے ساتھ ملا کے رکھے۔

کہ اس میں اس کا پردہ خوب ہے۔

شرح المهذب کی کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ میں حضرت الشیخ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی حزامی شافعی زاہد عالم محقق ناصر السنۃ رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

مسلک علماء حنابلہؒ

حضرت الشیخ الامام مجد الدین ابو البرکات عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم بن محمد بن تیمیۃ الحرانی رحمہ اللہ (متوفی ۶۵۲ھ) نے اپنی فقہ میں لکھی ہوئی کتاب مسمی بہ کتاب المحرر فی الفقہ علی مذہب الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں ص۶۷ پر صفۃ الصلوٰۃ کے بیان میں پہلے مردوں کو پوری نماز پڑھنے کا مکمل مسنون طریقہ بتایا۔ اس کے بعد فرمایا والمرأۃ کالرجل فی ذلک کلہ، لکنہ لا تتجافی فی رکوع ولا سجود یعنی باب صفۃ الصلوٰۃ میں شروع سے اخیر تک جس قدر طریقہ نماز پڑھنے کا ہم بیان کر چکے ہیں یہ تو تھا خاص مردوں کے نماز پڑھنے کا طریقہ۔ اب رہی عورت سو وہ سوائے چند مخصوص باتوں کے باقی تمام باتوں میں مردوں کی سی ہے۔ ان چند مستثنیات میں سے ایک تو یہ بات ہے کہ (جب مرد رکوع وسجود میں جاتا تھا تو وہ اپنے ایک عضو کو دوسرے عضو سے دُور دُور رکھتا تھا۔ لیکن عورت کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ رکوع سجود میں عورت اپنے اعضاء کو ملا کر رکھے

علامہ منصور بن یونس بن ادریس البہوتی حنبلی رحمہ اللہ نے فقہ میں لکھی ہوئی اپنی کتاب مسمی بہ کتاب الروض المربع شرح زاد المستقنع

ص۱۳۳ میں تحریر فرمایا ہے والمرأۃ مثلہ ای مثل الرجل فی جمیع ما تقدم سے رفع الیدین، لکن تضم نفسہا فی الرکوع والسجود وغیرہما فلا تجافی یعنی نماز پڑھنے کے بارے میں جتنی باتیں اس باب میں بیان ہو چکی ہیں ان سب میں عورت بھی مرد کی طرح ہے حتی کہ رفع یدین میں بھی لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ عورت اپنے آپ کو رکوع و سجود میں سمٹا کے رکھے۔ پس رکوع سجود میں عورت اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے الگ الگ اور دُور دُور نہ رکھے

مسلک عُلماء حنفیہ رح

ہدایہ ص۹۲ میں ہے والمرأۃ تخفض فی سجودہا وتلزق بطنہا بفخذیہا لان ذلک استر لہا یعنی عورت اپنے سجدے میں پست ہو جایا کرے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں سے چپکا دیا کرے کیونکہ اس عورت کے لیے اس کیفیت کے ساتھ سجدہ کرنے میں پردہ خوب رہتا ہے۔

شرح الوقایہ ص۱۶۹ میں ہے والمرأۃ تخفض وتلزق بطنہا بفخذیہا اس کے معنے بھی وہی ہیں جو مذکورہ بالا عبارت میں لکھے جا چکے ہیں

فتاوی ہندیہ ص۱۰۱ میں ہے "عورت اپنے اعضا کو رکوع وسجود میں ملا ہوا رکھے۔ جدا جدا نہ کرے۔ اور سجدہ میں دونوں پاؤں نکال کر بیٹھے اور سجدہ میں پیٹ کو رانوں پر بچھائے۔ یہ خلاصہ میں ہے۔

فتاوی عالمگیری جلد اول ص۷۵ میں ۵۰۰ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے جس پر سلطان الہند حافظ قاری صوفی مولوی الحاج اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی مہر تصدیق ثبت ہے کہ والمرأۃ لا تجافی فی رکوعہا

سجودہا وتقعد علی رجلیہا۔ وفی السجدۃ تفترش بطنہا علی فخذیہا کذا فی الخلاصۃ اور عورت اپنے رکوع اور سجود میں مَردوں کی طرح اپنے اپنے اعضاء کو ایک دوسرے سے دُور دُور نہ رکھے۔ اور بیٹھتے وقت عورت اپنے دونوں سرینوں پر بیٹھے۔ اور سجدہ میں اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں پر بچھادے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں اسی طرح ہے

علامہ کاسانی رحمہ نے بدائع صنائع ص۲۱۰ میں لکھا ہے فاما المرأۃ فینبغی ان تفترش ذراعیہا وتنخفض ولا تنتصب کانتصاب الرجل وتلزق بطنہا بفخذیہا لان ذلک استر لہا (مَرد کی ہیئت جو سجدہ میں ہوتی ہے اس کا بیان تو مذکور ہو چکا۔ اب سجدہ میں جو ہیئت عورت کے لیے مخصوص ہے وہ بیان کیا جانا مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ) عورت کے لیے یہ بات مناسب ہے کہ وہ اپنی دونوں کلائیاں زمین پر بچھادے اور نیچے کو دب جائے۔ اور مَرد کی طرح اوپر کو اُٹھی ہوئی حالت میں نہ ہو۔ اور اپنا پیٹ بھی سجدہ کی حالت میں اپنی دونوں رانوں کے ساتھ ملا رکھے

ابن نجیم نے کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق جلد اول ص۳۲۱ میں تحریر فرمایا ہے قولہ والمرأۃ تنخفض وتلزق بطنہا بفخذیہا لانہ استر لہا فانہا عورۃ مستورۃ۔ ویدل علیہ مارواہ ابوداؤد فی مراسیلہ۔

اس سے آگے مراسیلِ ابی داؤد کی عبارت درج فرمادی۔ یعنی صاحبِ کنز الدقائق نے جو یہ فرمایا ہے کہ عورت دَب کر سجدہ کرے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ مِلا رکھے۔ اِس کی دلیل ایک تو یہ ہے کہ اس کیفیت اور اس وضع کے ساتھ سجدہ کرنے میں عورت کا ستر اور پردہ خوب رہتا ہے۔ کیونکہ عورت کی ذات ایک چیز بھی ایسی ہے

ہے جس سے شرم وحیا کیا جاتا ہے اور شرم وحیا ہی کی وجہ سے اس کے تمام اعضا کو چھپا ہوا ہی رہنا چاہیے (اور مذکورہ بالا طریقہ پر سجدہ کرنے میں واقعی ستر اور پردہ کا خوب لحاظ ہوتا ہے) اور جس طرح مرد سجدہ کرتے ہیں اس طرح سجدہ کرنے میں عورت کے ستر اور پردہ کا لحاظ نہیں رہتا) اور یہ بات صرف قیاس محض اور عقلی ڈھکوسلہ نہیں ہے، بلکہ اس کی دلیل وہ فرمانِ نبوی (علی صاحبہ الف صلوٰۃ وتحیہ) ہے جس کو امام ابوداؤدؒ نے اپنے مراسیل میں روایت فرمایا ہے (اور وہ فرمان نبوی شروع رسالہ میں ہم نقل کر آئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز وہ مرفوع حدیث بھی اس کی دلیل ہے جو سنن کبریٰ للمحدث البیہقی کے حوالے سے بروایت ابی سعید خدری وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ہم شروع رسالہ میں لکھ آئے ہیں

علامہ حلبی محدث رحمہ اللہ نے شرح منیۃ المصلی المعروف بہ کبیری ص۳۱۳ میں لکھا ہے وامّا المرأۃ فانھا تنخفض ای تتطامن وتتسفل فی السجود۔ وتلزق بطنھا بفخذیھا وتضم ضبعیھا وھذا تفسیر الانخفاض۔ یعنی عورت جو ہے سو وہ سجدہ کی حالت میں پست ہو جاوے یعنی پست ہو کر اور نیچے کو ہو کر سجدہ کرے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ چپکا دے اور اپنے دونوں بازوؤں کو اپنے ساتھ ملا رکھے۔ اور یہی انخفاض کی تفسیر ہے۔

اسی طرح قعود میں بھی مرد اور عورت کی الگ الگ وضع ہے جیسے عبداللہ بن عبدالعزیز عنقری حنبلی رحمہ اللہ نے الروض المربع کے حاشیہ ص۱۸۲ میں ارشاد فرمایا ہے قال البخاریؒ وکانت ام الدرداء تجلس فی

صلوتها جلسۃ الرجل وکانت فقیہۃ وبہ قال مالک والشافعی رحمہما اللہ تعالٰی
یعنی امام بخاری نے فرمایا کہ صحابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالٰی نماز میں مردوں کی طرح نہ بیٹھتی تھیں۔ اور آپ صاحب فقہ تھیں اور امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

کتاب فقہ المذاہب الاربعہ جلد اول صـ۲۴۲ میں ہے الحنفیۃ عدوا سنن الصلوٰۃ ..... ان یباعد الرجل بطنہ عن فخذیہ ومرفقیہ عن جنبیہ وذراعیہ عن الارض فی السجود ۲۷ ان تلصق المرأۃ بطنھا بفخذیھا فی السجود یعنی علمائے حنفیہ نے نماز کی کئی سنتیں شمار فرمائی ہیں اور ایک ایک کر کے گن بتائی ہیں۔ گنتے گنتے ۲۶ واں نمبر سنت کا یہ بتایا ہے کہ مرد اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں سے بحالت سجدہ الگ الگ اور دور دور رکھے اور اسی طرح بحالت سجدہ مرد اپنی دونوں کہنیاں اپنے دونو پہلوؤں سے اور اپنی دونوں کلائیاں زمین سے دور رکھے۔
۲۷ ویں سنت یہ ہے کہ سجدہ میں عورت اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں کے ساتھ چپکا رکھے۔

امام الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فتاویٰ عزیزی صـ۲۴۴ میں ایک عنوان قائم کیا

عورتوں کے لیے نماز کے احکام

سوال عورتوں کے لیے نماز کے خصوصی احکام بیان فرمائیے۔
جواب نماز کے احکام جو مردوں کے لیے ہیں وہی عورتوں کے

واسطے بھی ہیں۔ صرف چند امور میں فرق ہے۔

اول یہ کہ عورتوں کو چاہیے کہ اپنا تمام بدن ایسے کپڑے سے چھپائیں کہ بدن یا بال کا رنگ معلوم نہ ہو۔ اگر عورتیں ایسے باریک کپڑے سے بدن چھپائیں کہ بدن یا بال کا رنگ معلوم ہو، تو بدن کا چھپانا ثابت نہ ہوگا اور نماز صحیح نہ ہوگی۔ جس قدر کامل طور سے بدن چھپایا جائے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں اور پاؤں کو بھی چھپانا بہتر ہے۔ احتیاطاً یہ چاہیے کہ تا امکان عورت اپنے دونوں قدم اور اپنے دونوں ہاتھوں کو چھپائے رکھے، لیکن منہ ایسا نہ چھپائے کہ نگاہ سجدہ کی جگہ پر نہ پڑے کہ سجدہ کی جگہ نظر نہ آئے۔

دوسرے یہ کہ عورتوں کو چاہیے کہ اذان اور تکبیر نہ کہیں۔ عورتوں کے حق میں یہی سنت ہے کہ بغیر اذان اور تکبیر کے نماز پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ نماز شروع کرنے کے وقت عورتیں جب اللہ اکبر کہیں تو ہاتھوں کو کانوں تک نہ اٹھائیں۔ بلکہ دونوں کندھوں تک ہاتھوں کو اٹھائیں۔ زیادہ بلند نہ کریں۔

چوتھے یہ کہ دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے نہ باندھیں۔ بلکہ پستان کے نیچے رکھیں۔

پانچویں یہ کہ بلند آواز سے کسی وقت کی نماز میں قراءۃ نہ پڑھیں اور نہ تکبیر کو باواز بلند کہیں۔ یہ سب آہستہ آہستہ کہیں۔ کسی جگہ آواز بلند نہ کریں۔ سلام بھی آہستہ کہیں۔

چھٹے یہ کہ جب نماز میں بیٹھیں خواہ سجدہ کے واسطے خواہ التحیات پڑھنے کے لیے تو مردوں کے بائیں پاؤں پر نہ بیٹھیں۔ بلکہ عورتوں کے

لیے یہ حکم ہے کہ دونوں پاؤں کو دائیں طرف کو نکال دیں۔ اور بائیں سرین پر بیٹھیں۔

ساتویں یہ کہ سجدہ میں سرین کو بلند نہ کریں۔ بلکہ سجدہ میں شکم رانوں سے ملا رہنا چاہیے۔ اور ایسی حالت میں یہ ضرور ہے کہ زانو سے سر ملا رہے گا۔ مردوں کی طرح زانو سے سر جدا نہ رہیگا فقط حکیم الامۃ حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے بہشتی زیور حصہ دوم ص۱۴ و ص۱۵ میں فرمایا ہے

"اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدے میں جائے۔ زمین پر پہلے گھٹنے رکھے۔ پھر کانوں کے برابر ہاتھ رکھے۔ اور انگلیاں خوب ملا لے۔ پھر دونوں ہاتھوں کے بیچ میں ماتھا رکھے۔ اور سجدہ کے وقت ماتھا اور ناک دونوں زمین پر رکھ دے اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھے۔ مگر پاؤں کھڑے نہ کرے۔ بلکہ داہنی طرف کو نکال دے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے کہ پیٹ دونوں رانوں سے اور بانہیں دونوں پہلو سے ملا دے اور دونوں بانہیں زمین پر رکھ دے۔"

حضرت مولانا حکیم محمد مظہر الحق صاحب قنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رکین رکین ص۱۲۷ مطبوعہ منبع النور آگرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ عورت سجدہ میں خوب سمٹ جائے۔ پیٹ زانو سے، بانہیں کہنیاں پہلو سے ملا دے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے بہشتی زیور کے حاشیہ پر اپنے بیان کردہ مسئلہ کو درمختار ص۵۲۶ ج۱ کے حوالے سے مدلل فرمایا جس کی یہ عبارت نقل فرمائی والمرأۃ تخفض فلا تبدی ضبعیھا و

تلصق بطنها بفخذیها لانہ استر (اور عورت سجدہ کرنے میں پست ہووے پس وہ اپنے دونوں بازوؤں کو ظاہر نہ کرے۔ اور اپنا پیٹ اپنے دونوں رانوں کے ساتھ ملا دے۔ کیونکہ اس وضع کے ساتھ سجدہ کرنے میں عورت کا ستر اور پردہ خوب رہ سکتا ہے۔

المدونۃ الکبریٰ صفحہ ۷۴ میں ہے کہ امام مالک صرف مرد کے بارے فرماتے ہیں کہ مرد سجدہ کے دوران پیٹ اپنے رانوں سے اونچا رکھے اور اپنے دونوں بازوؤں کو الگ الگ رکھے نیز فرماتے ہیں کہ سجدہ میں مرد کا اپنی بانہیں زمین پر بچھانا مکروہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے یہ حکم نہیں ہے

بلکہ اس مسئلہ میں جو مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے بعینہ یہی مسلک اہلِ تشیع کا ہے

مسلک علماء امامیہ

چنانچہ ان کا فقیہ عالی قدر حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج حسین علی منتظری توضیح المسائل ص۲۳۳ میں لکھتا ہے

مردوں کے لیے اپنی کہنیاں اور پیٹ زمین سے نہ چپکانا۔ اور بازوؤں کو پہلو سے الگ رکھنا اور عورتوں کے لیے اپنی کہنیاں اور پیٹ زمین پر رکھنا اور اعضائے بدن کو سمیٹ کر رکھنا مستحب ہے

سوال : جو حدیث مراسیل ابی داؤد کے حوالے سے تم نے پیش کی ہے وہ حدیث مرسل ہے۔ اور علماء محدثین کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف ہوتی ہے اور ناقابلِ احتجاج

جواب : مرسل حدیث کے بارے علمائے محدثین کا اختلاف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے عہد سے شروع ہوا جب کہ بُعد از عہدِ نبوی کی وجہ سے لوگوں کے حالات میں تبدیلی آرہی تھی۔ اور اس دَور میں واقعی حالات کا تقاضا ہی یوں تھا کہ مرسل کو حجت نہ مانا جائے۔ مگر اس سے پہلے تمام محدثین صالحین کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ حدیث مرسل حجت ہوتی ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے قال جمہور العلماء ان المراسیل حجۃ مطلقا (جمہور علماء نے فرمایا ہے کہ مرسل حدیثیں مطلقاً حجت ہیں۔ اور مقدمہ مشکوۃ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مطلقاً حدیثِ مرسل حجت ہے اور مقدمہ صحیح بخاری میں ہے امام مالک و ابو حنیفہ اور احمد بن حنبل اور اکثر فقہاء کا مذہب ہے کہ مرسل حدیث سے بھی احتجاج ہوتا ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی مرسل حدیث مطلقاً مردود نہیں ہے، چنانچہ "الرسالۃ" میں لکھا کہ کبار تابعین کی مراسیل حجت ہیں بشرطیکہ وہ روایت کسی اور طریق سے بھی آئی ہو اگرچہ وہ بھی مرسل ہی ہو یا کسی صحابی کے قول کے ساتھ اس کو تقویت حاصل ہو یا اکثر علماء کے قول کے ساتھ اس کو تقویت مل جائے تو ان صورتوں میں وہ مرسل حجت ہوگی۔ نیز فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب کی مراسیل حدیثِ حسن کا درجہ رکھتی ہیں۔

اب اس مرسل حدیث کو دیکھو جو ہم نے مسئلہ کے اثبات کے لیے مراسیل ابی داؤد کے حوالے سے بطور دلیل کے پیش کی ہے سو یہ حدیث امام مالک، ابو حنیفہ، احمد بن حنبل و دیگر اکثر فقہا، اور جمہور کے نزدیک تو بلاشک و شبہ حجت اور قابلِ احتجاج ہے ہی۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی جو مرسل حدیث پر بحث کرنے میں سب سے پیش پیش ہیں، اس مرسل کو حجت اور قابلِ احتجاج مانتے ہیں کیونکہ مرسل حدیث کے قابلِ احتجاج ہونے کی جو صورتیں انہوں نے بیان فرمائی ہیں اگر ان صورتوں میں سے صرف ایک صورت پائی جاتی تب بھی یہ مرسل حدیث قابل احتجاج ہوجاتی اور یہاں تو تین صورتیں آشکارا موجود ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو مرسل حدیث ایسی ہو جو کسی دوسرے طریق سے بھی مروی ہو اگرچہ وہ دوسرا طریق بھی مرسل ہو تو وہ مرسل حدیث حجت اور قابل احتجاج ہے۔ اور یہ حدیث دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہے جیسے وہ طریقے شروع رسالہ میں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کر آئے ہیں تو مطابق اصول بیان کردہ از جانب امام شافعی رحمہ اللہ یہ حدیثِ مرسل حجت اور قابلِ احتجاج ہو گئی

دوسرے یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس مرسل حدیث کو کسی صحابیؓ کے قول کے ساتھ تقویت حاصل ہوجائے تو وہ مرسل حدیث بھی حجت اور قابلِ احتجاج ہوجاتی ہے۔ اور اس مرسل حدیث کو بھی اقوالِ صحابہ رضی کی تائید حاصل ہے چنانچہ شروع رسالہ میں ہم حضرت امام رابع علی بن ابی طالب و حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم

کے اقوال اور فتوے نقل کر آئے ہیں۔ تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے بیان کردہ اِس اصول کے مطابق بھی یہ مرسل حدیث حجت اور قابلِ احتجاج ہوئی

تیسرے یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس مرسل حدیث کو اکثر علماء کے اقوال کے ساتھ تقویت حاصل ہو جائے تب بھی وہ مرسل حدیث حجت اور قابلِ احتجاج ہو جائے گی۔ اور اِس مرسل حدیث کو بھی اکثر علماءُ کرام کے اقوال کی تائید حاصل ہے۔ جیسے مجاہد و حسن بصری جیسوں کے اقوال لکھے جا چکے ہیں

اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مرسل کو حجت نہیں مانتے وہ آپ اِسی مسئلہ کے قائل ہیں جو اِس مرسل حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ تو اگر یہ مرسل حدیث حجت نہ ہوتی تو وہ عورت کے سجدہ کا مرد کے سجدہ سے مختلف ہونے کا قول نہ کرتے

پھر اِن کے تمام شاگرد اور مقلّدین بھی اپنے مجتہد امام قرشی مکی کی طرح مرد و زن کے سجدہ کا فرق بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مجتہد امام کی بات کو ان کے بیان کردہ اصول کے عین مطابق پاکر اس کو صحیح قابلِ عمل سمجھتے ہیں

اب اگر کوئی کہے کہ ہم شافعی کے اس اصول کو صحیح نہیں سمجھتے تو ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ اصول کہ "مرسل حجت نہیں" کونسی سند متصل کے ساتھ راویانِ عادل ضابط متقن کے ذریعے بغیر کسی شذوذ و علّۃ کے مرفوعاً ثابت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مرسل حدیث کو حجت نہ سمجھنا

جو لوگ قول و فعلِ صحابی کو کوئی وقعت ہی نہیں دیتے تو بعد کے آنے

والے علماء کے اقوال اور اصول وضوابط کو کیوں کر قبول کر لیتے ہیں۔
پھر ان کے اصول وضوابط تو رہے درکنار وہ اصول وضوابط بقول
اِن کے مشرک تھے۔ کیونکہ وہ مقلد تھے اور فتاویٰ ثنائیہ کے مقدمہ میں
نذر عقیدت کے عنوان سے جناب سید ثروت کمال ساحر بن مولانا سید
اقتدار احمد صاحب سہوانی نے ایک نظم میں یہ شعر قلم بند کیا

شرک کی ایک شاخ ہے تقلید تو نے یہ ہی کہا ثناء اللہ!

اور ظاہر ہے کہ یہ اصول وضوابط علم حدیث کے بنانے اور بتانے والے عموماً
مقلد تھے کوئی حنفی تھا کوئی شافعی کوئی مالکی کوئی حنبلی۔ پھر مشرکوں
کی بات تسلیم کر لینا اور صحابہ کی بات رد کر دینا کیا یہی اسلام ہے۔
جب ہم ان سے یہ بات کہتے ہیں تو فوراً بول اٹھتے ہیں کہ تم جھوٹ
بولتے ہو یہ محدثین حضرات مقلد کسی امام کے نہ تھے۔ بلکہ وہ صرف محدث
تھے۔ سو اُن کو یہ بات سوچ کر کہنی چاہیے چنانچہ ہم بطور مشتے نمونہ
از خروارے بعض مشہور محدثین کا نام لکھ کر ثابت کرتے ہیں کہ وہ مقلد

محدث اعظم علامہ احمد بن علی بن حجر کنانی عسقلانی صاحب فتح الباری شرح
صحیح بخاری و بلوغ المرام و تہذیب التہذیب و لسان المیزان و تعجیل المنفعۃ
و تقریب التہذیب و شرح نخبۃ الفکر وغیرہ امام شافعی رحمہ اللہ کے
مقلد تھے۔ دیکھو علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب بغیۃ الوعاۃ کا
صفحہ ۳۳ جلد اول نیز تنزیہ الشریعہ علامہ عراقی رحمہ اللہ کا ص۔ وذا ہر ... ۔
اسی طرح جلال الدین بلقینی، ولی بن العراقی، قاضی القضاۃ علم الدین
بُلقینی، مفسر کبیر عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر قرشی شافعی (الباعث
الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر ص۱۸)

ابو بکر صیرفی شافعی مسلک کے تھے (شرح نخبۃ الفکر لابن حجر ص ۱۳۰)

قاضی ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی شافعی مفسر جن کی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل کا متداول نام تفسیر بیضاوی ہے،

اور شیخ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نواوی حزامی شافعی تھے (دائرۃ معارف)

اور ابو البقاء السبکی شافعی (بغیۃ الوعاۃ ص ۱۵۲) اور امام فخر الدین رازی بھی شافعی مذہب تھے (طبقات الشافعیہ)

اور محمد بن الحسن بن درید امام ابو بکر ازدی لغوی شافعی تھے (بغیہ ص ۷۶)

بغیۃ الوعاۃ، جامع صغیر، جامع کبیر وغیرہ کتب کے مصنف جلال الدین سیوطی امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد تھے (البدر الطالع للشوکانی ص ۳۲۸)

امام العربیۃ والبیان عبد القاہر بن عبد الرحمٰن جرجانی ابو بکر نحوی شافعی اشعری تھے (بغیۃ الوعاۃ ص ۱۰۶ جلد اول)۔

امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد طوسی غزالی شافعی تھے (فوائد بہیہ ص ۲۴۳)

ابن صلاح عثمان صاحب مقدمہ ابن صلاح شافعی تھے (طربیہ الاماثل ص ۲۸۵)

علی بن عبد الکافی تاج الدین سبکی شافعی مذہب تھے (" " ص ۲۸۶)

محمد جزری صاحب حصن حصین بھی شافعی مذہب تھے (" " ص ۳۰۳)

علی بن اثیر جزری بھی شافعی مذہب تھے (" " ص ۳۰۶)

علی قونوی۔ عبد القادر فیومی۔ عبد الغنی نابلسی۔ شہاب الدین بن عمر سہروردی۔ احمد بن خلکان۔ احمد قسطلانی شارح بخاری۔ عبد الوہاب تاج الدین سبکی۔ احمد بہاؤ الدین سبکی۔ موسیٰ بن عیسیٰ دمیری صاحب حیاۃ الحیوان۔ محمد بن احمد ازہری۔ حافظ زین الدین عبد الرحیم العراقی۔ محمد بن یعقوب شیرازی صاحب قاموس۔ محمد بن محمد المعروف بہ ابن ابی الشریف۔

میزان الاعتدال ص۲۷۰ میں علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وکان شعبۃ رأی رأیے الکوفیین یعنی شعبہ محدث کوفیوں کی سی اپنی رائے رکھتے تھے۔

تاریخ بغداد ص۲۴۷ تانیب بغدادی رح نے امام الجرح والتعدیل یحیی بن معین کے بارے لکھا کہ انہوں نے فرمایا میرے نزدیک قراءت حمزہ کی معتبر ہے اور فقہ ابوحنیفہ کی۔ اور میں نے لوگوں کو اسی بات پر پایا۔ ابن حجر عسقلانی رح نے تہذیب التہذیب ص۴۵۰ میں لکھا کہ یحیی بن معین نے کہا کہ ہم اکثر اقوال ابوحنیفہ کی لیتے ہیں۔ الرداۃ الثقاۃ المتکلم فیہم بما یوجب ردہم مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ کے ص۷ میں ہے کہ یحیی بن معین اگرچہ محدث تھے مگر اپنے مذہب میں غالی حنفیہ میں سے تھے۔ تانیب الخطیب مطبوعہ مصر ص۵۱ میں ہے کہ ابن معین حنفی تھے۔ محمد بن الحسن شیبانی سے جامع صغیر پڑھی ان کو متعصب حنفی کہا جاتا تھا۔ البدایہ والنہایہ ص۱۰۱ میں ابن کثیر رح نے لکھا ہے کہ یحیی بن سعید القطان بھی امام ابوحنیفہ رح کے قول کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے۔

نواب صدیق حسن صاحب نے اتحاف النبلاء ص۲۹۷ میں لکھا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا خاندان علوم حدیث اور فقہ حنفی کا حامل تھا۔ اور الحطہ ص۷ و ص۱۷ میں اور ہدایۃ السائل میں بھی ایسا ہی لکھا۔

تذکرۃ الحفاظ ص۱۳۴۲ میں علامہ محدث نقاد شمس الدین ذہبیؒ نے لکھا ابن الجوزی عبدالرحمن بن ابی الحسن علی بن محمد...... البغدادی الحنبلی الجنۃ فی اسوۃ الحسنۃ بالسنۃ مطبوعہ بھوپال ص۳۸ میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے ابن تیمیہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم

کے بارے لکھا شیخ الحنابلۃ۔

نواب صاحب نے الحطہ ص۱۹۸ میں لکھا والشیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ واھلہ بیت علم حنابلۃ یتوارثہ خلفھم عن سلفھم وھو من اعاظم حفاظ القرن السابع وفضلھم والشیخ شمس الدین ھو ابو عبد اللہ محمد بن الامام بن القیم الجوزیۃ الدرعی الحنبلی الحافظ المصنف وھما امامان عالمان عاملان ثقتان تقیان من افضل علماء الحنابلۃ

تذکرۃ الحفاظ ص۳ میں ابو بکر بیہقی کو شافعی لکھا

الجد العلوم ص۸۱ میں نواب صاحب نے امام بخاری رح کو شافعی المذہب لکھا

سبکی اور شاہ ولی اللہ نے امام بخاری رح کو طبقات الشافعیہ میں لکھا

الحطہ ص۹۰ و اتحاف النبلاء ص۳۵ میں نواب صدیق حسن صاحب نے لکھا کہ

ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری صاحب صحیح مسلم شافعی مذہب تھے

الجد العلوم ص۸۱۰ میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے کہ امام

نسائی اور سلیمان بن اشعث دونوں محدث حنبلی تھے

فیض الباری ص۵۸ میں ہے کہ ابن تیمیہ رح نے بھی ان دونوں کو حنبلی کہا۔

مگر اکمال ص۶۲۴ میں نسائی کو شافعی المذہب لکھا۔

فیض الباری ص۸ ابن ماجہ کے بارے لکھا کہ غالباً شافعی مذہب تھے

تذکرۃ الحفاظ ص۱۱۳۰ میں ہے ابو عمر یوسف بن عبد البر الامام شیخ الاسلام حافظ المغرب پہلے ظاہری اثری تھے پھر مالکی ہو گئے مگر فقہ شافعی کی طرف ان کا بہت میلان تھا

تذکرۃ الحفاظ ص۱۳۰۴ میں ہے قاضی عیاض بن موسیٰ علامہ مالکی تھے۔ ان کی ایک کتاب ہے ترتیب المدارک وتقریب المسالک فی ذکر فقہاء مذہب مالک"

تذکرۃ الحفاظ ص ۷۷۹/۳ میں ہے ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید اسفرائینی نیسابوری وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شافعی رح کی کتابوں اور مذہب کو اسفرائین میں داخل کیا۔ (ص ۷۸۰)

تذکرۃ الحفاظ ص ۹۲۰/۳ میں ہے ابن حبان ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان البستی کو ابو عمرو بن الصلاح نے طبقات الشافعیہ میں ذکر کیا (ص ۹۲۱/۳) اور امام سبکی نے بھی ان کا ذکر طبقات کبری ص ۱۴۱/۲ میں کیا

تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۳۷/۳ میں خطیب بغدادی ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد کے بارے لکھا وکان من کبار الشافعیہ

ص ۱۴۳۰/۴ میں ابن صلاح تقی الدین ابو عمرو عثمان بن المفتی صلاح الدین عبدالرحمٰن بن موسیٰ الکردی شہرزوری شافعی

ص ۱۲۵۷/۴ میں ہے بغوی محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء الشافعی صاحب معالم التنزیل و ...... المصابیح

ص ۱۳۲۸/۴ ابن عساکر ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ... الدمشقی الشافعی

ص ۴ ابن دقیق العید تقی الدین ابو الفتح محمد بن علی المالکی الشافعی مگر ان پر فقہ مالکیہ کا غلبہ تھا۔

ص ۸۹۵/۳ میں ہے ابو الولید حسان بن محمد بن احمد بن ہارون بن موسیٰ نیسابوری حافظ فقیہ شافعی احد الاعلام

ص ۸۹۰/۳ وہب بن مسرۃ الحافظ العلامہ ابو الحزم تمیمی اندلسی مالکی۔

نووی شرح مسلم ص ۲۵ : الخطابی ابو سلیمان احمد بن محمد فقیہ ادیب شافعی

عجالہ نافعہ ص ۲۱ میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے خطابی کے بارے لکھا ہے۔ از جملہ علماء شافعیہ۔

تذکرۃ الحفاظ ص۱۳۷۲ ج۴ : مقدسی عبد الغنی بن عبد الواحد بن علی بن سرور بن نافع ابو محمد المقدسی الجماعیلی ثم الدمشقی الصالحی الحنبلی

تاریخ بغداد ص۱۰۹ تا ص۱۱۱ ج۵ میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے خاص الخاص تلمیذ ارشد الاثرم کو حنبلی لکھا اور حضرت الاثرم اس قدر کٹر حنبلی تھے کہ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ سوائے ایک مسئلہ کے میں نے کسی مسئلہ میں امام احمد رح سے اختلاف نہیں کیا

تذکرۃ الحفاظ ص۱۴۷۴ ج۴ میں المحب ابو العباس احمد بن عبد اللہ الامام المحدث المفتی فقیہ الحرم الشافعی کے بارے لکھا وکان شیخ الشافعیۃ ومحدث الحجاز

تذکرۃ الحفاظ ص ج۲ میں عبد الملک بن حبیب المتوفی ۲۳۹ھ کے بارے لکھا کان رأسا فی مذہب مالک رح

نیز امام اسماعیل القاضی المالکی الحافظ کے بارے لکھا وشیخ مالکیۃ العراق وعالمھم اور خطیب نے تاریخ بغداد ص۲۸۴ ج۶ میں ان کے بارے لکھا علی مذہب مالک بن انس

ابن فرحون ص۴۲ میں ابن الباجی احمد بن عبد اللہ بن محمد بن علی لخمی الشبیلی کے بارے لکھا وکان فقیہا جلیلاً فی مذہب مالک۔

امام ابو طاہر الذہلی محمد بن احمد بن عبد اللہ المالکی کے بارے لکھا کہ وکان یذہب الی قول مالک وربما اختار

تذکرۃ الحفاظ ص۱۴۳۶ ج۴ میں المنذری عبد العظیم بن عبد القوی صاحب الترغیب والترہیب الشافعی کا ذکر بھی فرمایا

اور علامہ زیلعی حنفی کو خود اپنے تئیں اہل حدیث کہلانے والے بھی محدث تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی عبد اللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی

عبدالملک بن عبداللہ امام الحرمین - جلال الدین محمد دوانی

شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ترکمانی دمشقی ذہبی (ف ۱۲)

محمد بن عبدالرحمن الشمس سخاوی - مبارک بن الاثیر الجزری - ابونصر علی بن ماکولا - قطب الدین محمود رازی - قطب الدین محمود شیرازی -

ابن حجر احمد بن محمد مکی ہیتمی وغیرہ جیسے امام فخرالدین رازی (البدر الطالع ص ۱۰۹)

اور بڑے بڑے علماء حنبلی مسلک کے ہوئے ہیں چنانچہ ان میں سے

ابویعلی بن الفراء ابوحفص عکبری (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۰)

عبدالباقی زرقانی - علی بن زین العابدین الاجہوری محشی شرح نخبۃ الفکر -

علی العزیزی شارح جامع صغیر للسیوطی -

احمد بن عبدالحلیم تقی الدین الشہیر بابن تیمیہ

شیخ عبدالقادر جیلانی رح

ایک عالم محمد بن عبدالوہاب نجدی نجد میں پیدا ہوا تھا جو حنبلی مذہب کا پیرو تھا.... حنبلی مذہب کا مقلد تھا...... محمد بن عبدالوہابؒ مقلد تھا اور

اہل حدیث کے نزدیک تقلید جائز نہیں۔ آگے ص ۱۴۵ میں لکھا علامہ محمد بن عبدالوہاب (فتاویٰ ثنائیہ ص ۱۴۴ و ص ۱۴۵)

عبدالرحمن بن احمد القاضی عضدالدین الایجی صاحب کتاب المواقف امام مالک رح کے مقلد تھے (البدر الطالع جلد اول ص ۳۲۶ و ص ۳۲۷)

علی بن اسماعیل بن یوسف القونوی علاءالدین الشافعی (البدر الطالع ص ۳۴۹ / ۱)

ان علماء کا ذکر علی سبیل الاختصار بطور مشتے نمونہ از خروارے کر دیا اب حنفیہ اور مقبولِ خلائق و مسلّم علماء جن کے خوشہ چین یہ اہل حدیث کہلانے والے بھی ہیں ان کے نزدیک شرک فی الرسالۃ کر کے مشرک ہوئے۔ چنانچہ

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۳۰۸ ایک سوال جواب ہے جس کا ذکر اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے

سوال: صحیح حدیث کے ساتھ جو کوئی اپنے امام کے قول کا مقابلہ کرے۔ اگر موافق ہو تو مانے۔ ورنہ حدیث کو چھوڑ کر اپنے امام کے قول پر اڑا رہے، ایسے لوگ مشرک ہیں یا کافر؟

جواب: ایک شرک باللہ ہے۔ ایک شرک بالرسول ہے۔ یعنی جو عبادت میں کسی غیر کو ملاوے اس کا فعل شرک باللہ ہے۔ اور جو اطاعت میں رسول کے ساتھ کسی کو ملاوے اس کا فعل شرک فی الرسالۃ ہے۔ پس شخص مذکور کا فعل قسم دوم سے ہے۔

اور ص۳۰۲ میں لکھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف صریح روایات کے مقابلہ میں کسی شخص معین کی تقلید کیسے جائز ہو سکتی ہے جب کہ وہ روایات صراحت کے ساتھ مقلد امام کے قول کے خلاف آرہی ہیں۔ ایسی حالت میں امام کے قول کو نہ چھوڑنا اور احادیث صحیحہ صریحہ کو رد کر دینا اس میں ضرور شرک کی بو آتی ہے جیسا کہ عدی بن حاتم نے کہا تھا یا رسول اللہ درویشوں اور علماء کو رب بنانے کا کیا مطلب ہے (ہم نے کبھی ان کو رب نہیں بنایا) تو آپ نے فرمایا تھا کہ رب بنانا یہی ہے کہ جس حلال کو ان لوگوں نے حرام کر دیا اس کو تم نے حرام ہی جان لیا۔ اور جس حرام کو حلال کر دیا اس کو تم بھی حلال ہی جاننے لگے۔ درویشوں اور علماء کا یہی رب ٹھیرانا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

غیر مقلدین کا عورت کے سجدہ کے بارے مسلک

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ۶۱۲ میں ہے۔
عورتیں نماز میں مثل مردوں کے ہیں۔ سوا ان حکموں کے جو مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً پردہ میں فرق الخ

اور ۵۲۷ میں سوال جواب نقل ہے جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں
سوال کیا عورت اذان پڑھ سکتی ہے یا نہیں۔ اور کیا عورت مرد کی طرح سجدہ کرے یا اس کی اور صورت ہے؟
جواب حدیث شریف میں آیا ہے کہ المرأۃ کلھا عورۃ عورت تمام کی تمام پردہ میں رہنی چاہیے۔ اس لیے اس کی آواز بھی باہر نہ جانی چاہیے۔ اللہ اعلم
اس عبارت میں گو صاف نہیں بتایا کہ عورت سجدہ کیسے کرے مگر حدیث لکھ کر اسی بات کی طرف اشارہ فرما گئے جو دوسرے فقہاء شافعیہ حنابلہ وغیرہ لانہ استر لھا کہہ کر عورت کے سجدہ کی وضع لکھ گئے ہیں وہی صحیح قابلِ عمل اور موافق فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔

اور ۶۲ میں لکھا نماز وغیرہ افعالِ شرعیہ میں جو افعال مردوں کے ہیں جب تک ان کی خصوصیت کا ثبوت نہ ہو، عورتیں بھی ان میں شریک ہیں۔
فتاویٰ اہلِ حدیث جس میں مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ کے فتوے جمع ہیں اس کے ۱۸۲ پر سجدہ کی صورت کا عنوان قائم کر کے سوال جواب لکھا ہے بعینہٖ وہ یہاں درج کرتا ہوں
سوال: سجدہ کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ سجدہ کے وقت ہاتھ زمین پر پہلے رکھے جائیں یا گھٹنے؟

جواب : اس میں اختیار ہے کہ ہاتھ پہلے ٹکائے یا گھٹنے۔ سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے دو پاؤں۔ دو ہاتھ۔ دو گھٹنے۔ ماتھا ناک سمیت اپنے چہرے کو دو ہتھیلیوں کے درمیان رکھے۔ اور ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ایک دوسرے سے مِلا کر قبلہ رُخ کرے تا کہ چہرہ کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی سجدہ کریں۔ پگڑی کا پیچ یا ٹوپی وغیرہ ماتھے کے آگے سے ہٹا دے اگر زمین گرم ہو یا کوئی اور عارضہ ہو، پھر ہٹانا ضروری نہیں۔ اور دونوں کہنیاں دونوں پہلوؤں سے ہٹا کر اور زمین سے اٹھا کر سجدہ کرے۔ اس طرح پشت کا اٹھانا اور پیٹ کا رانوں سے اور اور دونوں رانوں کا ایک دوسرے سے جدا رکھنا بھی ضروری ہے لیکن عورت کے متعلق بعض حدیثوں میں استثناء آتی ہے کہ عورت پیٹھ نہ اٹھائے۔ بلکہ رانوں سے مِلالے۔ اگرچہ ان احادیث میں کچھ کلام ہے۔ لیکن ان کے مؤیدات بھی ہیں۔ اِس لیے ان پر عمل ہوسکتا ہے،

نوٹ اگر کوئی کہے کہ جب اس حدیث میں کلام ہے تو اس پر عمل کیوں کر کیا جاسکتا ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے اپنے فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۵۱ میں لکھا ہے کہ

گو وہ ضعیف ہیں مگر ضعیف حدیث کے ساتھ بھی جو فعل ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہوتا۔ ایسا تشدد کرنا اچھا نہیں

بلکہ اس سے جواز و استحباب ثابت ہوتا ہے چنانچہ اسی فتاوی ثنائیہ کے ص۵۰ میں فتاوی نذیریہ جلد اول ص۲۶۶ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ

اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی ..... اگرچہ متکلم فیہ ہے .....
لیکن اس کا متکلم فیہ ہونا ثبوت جواز و استحباب کے منافی نہیں کیونکہ

حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے
اور ص ۵۲۵ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے۔

سوال : عیدین کی نماز میں ہر تکبیر پہ رفع الیدین کرنا چاہیے یا نہ کرنا چاہیے ؟ اور محدثین کا کیا عمل رہا ہے ؟

جواب : کرنا چاہیے حدیث لاترفع الایدی الافی سبع مواطن گو ضعیف ہے مگر عمل اس پہ ہے۔ حنفی مذہب میں بھی رفع یدین سنت ہے، آگے چل کر لکھا : اہلِ حدیث اس بارے میں دو روایتیں پیش کرتے ہیں...... دونوں روایتوں میں ایک ایک راوی متکلم فیہ ہے .... اگرچہ ان دونوں میں کلام ہے مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی ہے۔ گویا ہر واحد حسن لغیرہ کے درجے میں ہے۔ لہٰذا قابلِ عمل ہے۔ خصوصاً امام بیہقی و امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل، قابلِ عمل ہے۔

اسی طرح امام بیہقی رح نے باب منعقد فرمایا باب ما یستحب للمرأة من ترك التجافی فی الرکوع والسجود پھر اس بارے میں ابراہیم نخعی تابعیؒ کا قول نقل کر کے حضرت علی سے موقوفاً اور حضرت ابو سعید خدری اور عبداللہ بن عمر رض سے مرفوعاً اور یزید بن ابی حبیب سے مرسلاً روایتیں بیان فرمائیں۔ اور ان سب روایات کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی ہے گویا ہر واحد حسن لغیرہ کے درجے میں ہے لہٰذا قابلِ عمل ہے خصوصاً امام بیہقی کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابلِ عمل ہے۔

سوال حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صلوا کما رأیتمونی اصلی تم مجھے جیسے نماز پڑھتے دیکھو ایسے ہی تم بھی نماز پڑھا کرو۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ آپ سجدہ کی حالت میں بازوں کو اپنے پہلو سے دور رکھتے تھے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے اونچا اور الگ رکھتے تھے اور اس طرح سجدہ کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ گزرنا چاہتا تو اس فرجہ میں سے گزر سکتا تھا۔ تو اس حکم میں گو صیغہ صلوا جمع مذکر مخاطب کا ہے مگر شرع میں ایسے الفاظ عورتوں کو بھی حاوی ہوتے ہیں اعبدوا اللہ۔ لاتشرکوا بہ شیئا۔ اقیموا الصلوٰۃ۔ اٰتوا الزکوٰۃ کتب علیکم الصیام۔ تو اسی طرح اس حکم میں بھی عورتیں شامل ہیں۔

جواب یہ امر مسلّم ہے کہ آپ کا یہ ارشاد گرامی مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے مگر اس قاعدہ سے کئی امور مستثنےٰ ہیں۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی تھی۔ صرف ایک دھوتی باندھ رکھی تھی جس کا کچھ حصہ کندھوں پر ڈال رکھا تھا اور باقی تمام اعضاء نظر آرہے تھے کہ ان پر کوئی کپڑا نہ تھا۔

اور اب صلوا کما رأیتمونی اصلی کے قاعدے کو پیش نظر رکھ کر عورت بھی کہے کہ میں بھی اسی طرح نماز پڑھوں تو ظاہر ہے کہ نماز اس عورت کی نماز نہیں ہوگی۔ اور اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانے والے بھی اس کی نماز کو باطل ہی کہیں گے اور صلوا کما رأیتمونی اصلی کے قاعدے کو اس جگہ استعمال نہیں کریں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں علیحدہ حکم فرمایا لاتقبل صلوٰۃ الحائض (البالغہ) الا بخمار اوڑھنی کے بغیر بالغ عورت کی

نماز مقبول اور صحیح نہیں ہے (ترمذی عن ام المؤمنین عائشہؓ ۵۰)
حالانکہ مرد کی نماز ننگے سر ہو جاتی ہے۔ گو لا ابالی کی صورت میں ننگے سر
نماز پڑھنے سے کراہت لازم آتی ہے کیونکہ خلاف ہے طریقۂ مسنونہ
کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ جلد
اول ۵۲۳ میں ماہوار رسالہ اہل حدیث ج ۴۴ $\frac{16}{17}$ کے حوالے سے
سوال جواب لکھا: سوال اگر پگڑی یا ٹوپی ہمارے پاس ہے اور ہم ننگے سر
نماز پڑھیں اس کو اتار کر، تو کیا ہماری نماز جائز ہو گی یا نہیں؟
جواب نماز ادا ہو جائے گی۔ مگر سر ڈھانپنا اچھا ہے۔ آنحضرت
علیہ السلام نماز میں اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اعلم
شرفیہ: مگر یہ بعض کا جو شیوہ ہے کہ گھر سے ٹوپی یا پگڑی سر پہ
رکھ کر آتے ہیں۔ اور ٹوپی یا پگڑی قصداً اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے
کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے
یہ فعل سنت سے ثابت نہیں۔ ہاں اس فعل کو مطلقاً ناجائز کہنا
بھی بے وقوفی ہے۔ ایسے ہی برہنہ سر کو بلا وجہ شعار بنانا بھی خلاف
سنت ہے۔ اور خلافِ سنت بے وقوفی ہی تو ہوتی ہے۔

پھر ۵۲۴ و ۵۲۵ پر ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے
صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے بالدوام ثابت ہوا ہے۔ یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا۔
پگڑی سے ہو یا ٹوپی سے۔ اقل درجہ یہ ہے کہ سترِ عورت کا حصہ
سینے، پیٹھ اور کندھوں کا ڈھکا ہو۔ یہ جواز کا درجہ ہے۔ مسنون
طریقہ وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا ہے۔ اللہ اعلم

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے برہنہ سر نماز پڑھنے کے جواز میں حدیث دریافت کرنے والے کو بخاری کی حدیث لکھ کر کہا کہ ثابت ہوا کہ سر ننگے نماز جائز ہے۔

اس کے ساتھ ہی ابوسعید شرف الدین دہلوی مرحوم نے اس کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی۔

سترِ سر مرد کو واجب نہ سہی مگر بہ حکم خذوا زینتکم عند کل مسجد الآیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پر عمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے۔ اور ہمیشہ ننگے سر کو نماز کا شعار بنانا بھی ایجادِ بندہ ہے اور خلافِ سنت۔ گاہے چنیں کا حکم اور ہے۔ شعار کا اور۔ پس اول جائز، ثانی ایجاد

نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ نے فتح العلام لشرح بلوغ المرام ص ۲۳۳ ج ۱ میں لکھا د فی اللباس آداب منہا فی العمامۃ الخ اور نماز میں ستر عورت لباس کے ذریعے ہوتا ہے اور لباس میں عمامہ بھی ہے اس لیے جب خارج از نماز عمامہ داخل لباس ہے تو نماز کے اندر عمامہ کو کیوں نظر انداز کیا جائے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خذوا زینتکم عند کل مسجد

نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج ص ۱۳ ج ۲ میں شمس الدین رملی شافعیؒ نے لکھا ولیستحب للذکر ان یلبس لصلوٰتہ احسن ثیابہ ویتقمص ویتعمم یعنی مرد کو محبوب ہے کہ اپنی نماز کے واسطے حسین سے حسین کپڑے پہنے۔ اور قمیص بھی پہنے اور عمامہ بھی باندھے۔ اور تہ بند یا سروال (شلوار) باندھے کیونکہ جناب احکم الحاکمین کی روبرو اس کی مامور نماز کے لیے دست بستہ کھڑا ہونا ہے اس لیے اس موقعہ پر حسن وجمال کے ساتھ کھڑا ہو

کشف الغمہ میں شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے حضرت امامنا خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی نقل فرمایا

اذا اتیتم المساجد فلا تاتوہا الا وانتم متعممون یعنی بغیر عمامہ باندھے خانۂ خدا مسجدوں میں نہ آیا کرو

معلوم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طور پر معمول یہی تھا کہ آپؐ عمامہ باندھا کرتے تھے حتی کہ وضو کرتے وقت بھی آپؐ کے سر پر عمامہ ہوا ہوتا تھا اور نماز بھی عمامہ باندھ کر پڑھتے تھے اور گو تصریح نہیں ہے مگر اغلب یہ ہے کہ جو نماز پڑھا کر آپ نے صلوا کما رایتمونی اصلی فرمایا تھا وہ نماز بھی باعمامہ ہی پڑھائی ہوگی یہی وجہ ہے کہ علماء (حنفیہ ہوں یا مالکیہ یا شافعیہ یا حنابلہ) میں سے سب عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کو مستحسن کہتے ہیں اور ننگے سر نماز کو افضل کوئی نہیں کہتا بلکہ مکروہ لکھتے ہیں۔

جیسے فتاویٰ محمودیہ ص۲۵۴ میں ہے ننگے سر نماز پڑھنا اور پڑھانا جب کہ عمامہ اور ٹوپی موجود ہو، مکروہ ہے۔ معزز لباس پہن کر نماز پڑھنا اور پڑھانا چاہیے تاہم فریضہ صورتِ مذکورہ سے ادا ہو جاتا ہے

اگر آپ نے ننگے سر نماز پڑھا کر صلوا کما رایتمونی اصلی فرمایا ہوتا تو علماء محدثین و فقہا مجتہدین ننگے سر نماز پڑھنے کو افضل کہتے اور عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو خلاف سنت کہتے یا اتنا کہدیتے کہ جواز ہے منع نہیں اور عورت کو عمامہ باندھنا جائز ہوتا جب کہ خوب چہرہ کے گرد کا حصہ مستور ہو اور اوڑھنی کا کام دے بلکہ آپؐ نے عورت کی اوڑھنی کو تین بل دینے سے منع فرمایا کما ہو مصرح فی الاحادیث۔ کہ اس طرح سے اوڑھنی عمامہ کی سی بن جاتی ہے جس سے مردوں کے ساتھ مشابہت

ہو جاتی ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے
بہر حال نبی ﷺ کا فرمان صلوا کما رأیتمونی اصلی برحق ہے لیکن اس
فرمان میں سے بعض مستثنیات بھی ہیں۔ جیسے ایک امر مستثنیٰ ابھی
مذکور ہوا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جس نماز کے بعد صلوا کما رأیتمونی اصلی
فرمایا تھا وہ سری ہوگی یا جہری اگر سری تھی تو اس فرمان کا یہ مطلب نہیں
کہ ہر نماز کی قراءت سری پڑھو اور اگر جہری تھی تو اس فرمان کا یہ مطلب
نہیں کہ ہر نماز کی قراءت جہری کرو اور نہ یہ مطلب ہے کہ مرد و زن سب
ہی جہری قراءت کریں اور نہ ہی کسی نے یہ مفہوم سمجھا بلکہ سب کہتے ہیں
کہ عورت بلند آواز سے قراءت نہ کرے اور آپ نے تکبیریں اور تسمیع
وسلام بلند آواز سے کہیں مگر صلوا کما رأیتمونی اصلی کا یہ مفہوم کسی ایک
نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ مقتدی بھی تکبیرات و تسمیع وسلام بلند آواز سے کہیں
نیز آپ ﷺ اس نماز میں دایاں پاؤں کھڑا کرکے اور بایاں پاؤں بچھا کر کے
بیٹھے ہوں گے یا دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال کر سرین پر بیٹھے
ہوں گے اب اگر بیٹھنے کی اس وضع میں مرد و زن سب برابر ہیں تو
پہلے احتمال کی صورت میں عورتوں کو بھی چاہیے کہ مردوں کی طرح
عورت بھی دایاں پاؤں کھڑا کرکے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے
اور دوسرے احتمال کی صورت میں مردوں کو بھی عورتوں کی طرح
مرد بھی دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال کر سرین پر بیٹھا کریں۔ حالانکہ
مردوں کی نشست الگ ہے اور عورتوں کی نشست الگ ہے۔

منصور بن یونس بن ادریس البہوتی الحنبلی کی کتاب الروض المربع شرح
زاد المستقنع ص۱۸۳ کے حاشیہ پر عبداللہ بن عبدالعزیز عنقری نے لکھا ہے

قال البخاریؒ وکانت ام الدرداء لا تجلس فی صلوتها جلسة الرجل وکانت فقیهةً ، وبه قال مالکؒ والشافعیؒ یعنی امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت ام الدرداءؓ اپنی نماز میں مردوں کی طرح نہ بیٹھتی تھیں۔ حالانکہ وہ فقیہہ تھیں اور قرآن وسنت کی سمجھ رکھنے والی تھیں اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

تو قرآن وسنت کا فہم جن کو حاصل ہے وہ فرمانِ نبوی صلوا کما رأیتمونی اصلی کو ہر بات پر چسپاں نہیں کرتے بلکہ اس فرمان سے بہت سی باتوں کو مستثنیٰ سمجھتے اور کرتے ہیں

نیز کسی شخص نے محدث ہو یا فقیہ ان فقہاء (حنفیہ مالکیہ شافعیہ حنابلہ) پر اعتراض نہیں کیا کہ تم عورتوں کے سجدہ کی وضع مردوں کے سجدہ کی وضع سے مختلف کیوں کہتے ہو جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی

بلکہ خود امام مجتہد محدث کامل فقیہ اکبر حضرت محمد بن ادریس الشافعیؒ نے کتاب الام[115] میں پہلے وہ حدیثیں صاف صاف بیان فرمائیں جن میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی وضع و ہیئت کا بیان ہے اس کے بعد فرمایا قال الشافعی وقد ادب اللہ تعالیٰ النساء بالاستتار وادبهن بذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحب للمرأة فی السجود ان تضم بعضها الی بعض وتلصق بطنها بفخذیها وتسجد کاستر مایکون لها وهکذا احب لها فی الرکوع والجلوس وجمیع الصلوٰة ان تکون فیها کاستر مایکون لها واحب ان تکفت جلبابها وتجافیه راکعةً وساجدةً علیها لئلا تصفها ثیابها یعنی امام شافعیؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پردہ

رکھنے اور پردہ میں رہنے کا ادب سکھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ادب سکھایا اور پردہ کی حد بندی بتادی اور عورت کے حق میں سجدہ کے اندر اس بات کو محبوب اور پسند فرمایا کہ عورت اپنے بعض اعضاء کو اپنے دوسرے اعضاء کے ساتھ (بجائے دور رکھنے کے) ملا کر رکھے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں کے ساتھ چپکا دے اور ستر کے ساتھ سجدہ اس طرح کرے جس سے اس کے ستر کی ہر ممکن صورت ہو سکتی ہو اور اسی طرح رکوع جلوس اور تمام نماز میں اسی بات کو پسند فرمایا کہ ستر کی جو بھی امکانی صورت ہے عورت تمام نماز میں پورے ستر کے ساتھ رہے اور یہ بھی پسند فرمایا کہ عورت اپنی اوپر کی بڑی چادر کو رکوع وسجود کی حالت میں اپنے بدن سے چپکا ہوا نہ رکھے بلکہ کچھ کچھ دور رہے تاکہ اس کے بدن کی رنگت نمایاں نہ ہو

نوٹ : حضرت امام شافعیؒ کی اس تقریر سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ جو حدیث مرسل جسے مراسیلِ ابی داؤد کے حوالے سے ہم نقل کر آئے ہیں وہ مرسل ہونے کے باوجود امام شافعیؒ اس کو حجت اور قابلِ احتجاج سمجھتے ہیں تبھی تو آپ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو یہ امر محبوب ہے کہ عورت اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ چپکا دے اور یہ بھی کہہ دیا قد ادّب اللہ تعالیٰ النساء بالاستتار وادّبھن بذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور وہ بہانہ ختم ہو گیا کہ ائمہ محدثین کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہم نقل کر آئے ہیں علماءِ کرام نے اس کو حسن بتایا ہے تو جیسے حدیث صحیح حجت وقابلِ احتجاج ہوتی ہے۔ ایسے ہی حسن حدیث بھی حجت اور قابلِ احتجاج ہوتی ہے۔

اب رہا یہ کہ اس کا راوی الحارث الاعور بقولِ شعبیؒ کان یکذب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معینؒ نے اسے ثقہ
کہا اور ابن شاہین نے ثقات میں اس کا ذکر کیا۔ احمد بن صالح مصری
نے کہا کہ حارث اعور ثقہ ہے اس کے حافظہ کے کیا کہنے اور حضرت علی سے
اس کی روایت کے حسن کے کیا کہنے۔ اور خوب ہی اس کی خوبی بیان کی۔ اسی
وقت کسی نے کہہ دیا کہ شعبیؒ تو اس کے بارے میں کہتے تھے "کان یکذب" تو
جواب دیا کہ حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ ان کا کذب ان کی رائے
میں تھا یعنی فہم اور رائے میں خطا کر جاتے تھے۔ مطلب یہ کہ کذب بہ معنی
جھوٹ نہیں ہے بلکہ کذب بمعنی خطا فی الرأی ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے کہا
کہ کسی نے یحییٰ سے پوچھا کہ حارث سے احتجاج کرنا کیسا ہے تو یحییٰ نے کہا
کہ ہمیشہ محدثین اس کی حدیث کو قبول کرتے آئے ہیں (دیکھو تہذیب التہذیب
ص ۱۴۶/۲ و ص ۱۴۶/۲) تو ان حالات میں یہ حدیث حسن ہوئی اور ابو اسحاق تلمیذ
حارث اعور اگرچہ مدلس ہے مگر طبقہ ثالثہ میں سے ہے جس کی حدیث
کو بعض محدثین نے قبول کیا ہے اور ان کی تدلیس کو برداشت کیا ہے
دیکھو طبقات المدلسین ص ۲) پھر ہمارے ہاں تدلیس مضر بھی نہیں ہے
اور مزید برآں یہ کہ دوسری احادیث کے ساتھ اس کو تقویت بھی مل گئی
اور صحابی رضؓ کا قول یوں بھی ہمارے ہاں حجت ہے اور مرفوع حدیث کے
ساتھ اس کو اور بھی تقویت حاصل ہو گئی (اعلاء السنن ص ۲۴/۳)

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جلوس اور
سجود میں عورت کی ہیئت مردوں کی ہیئت سے مختلف ہو۔ کیونکہ عورتوں
کے احوال کا مبنیٰ تستر اور پردہ پر ہے اور احادیث اس کی مؤید ہیں۔

سوال صحیح بخاری میں تعلیقاً ایک روایت ہے کہ ام الدرداء نماز

میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور تھیں بھی فقیہ۔

جواب یہ ام الدرداء وہ نہیں جو صحابیہ تھیں بلکہ یہ تابعیہ ہیں کیونکہ مکحول راوی، ام الدرداء تابعیہ کا تلمیذ ہے اس نے ام الدرداء صحابیہ رض کو پایا ہی نہیں دیکھو فتح الباری ص ۱۵۲ ج ۲) اور تابعیہ کا فعل حجت نہیں ہے۔ اور امام بخاری رح ام الدرداء کا یہ اثر محض تقویت کے لیے لایا ہے نہ احتجاج کے لیے پھر صحابی کا قول اس ام الدرداء تابعیہ کے معارض ہے اور قول صحابی اثر تابعیہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور پھر مرفوع حدیثیں بھی قولِ صحابی کی تائید میں موجود ہیں اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے اور ائمہ محدثین مجتہدین کا بھی یہی قول فتویٰ اور عمل ہے اور ان کے متبعین نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور سرِ مو اختلاف نہیں کیا جب ان محققین کا یہ انداز ہے کہ وہ جب بھی کوئی بات اپنے مقلد مجتہد کی مخالفِ حدیث پاتے ہیں تو اس حدیث کو علی الرأس والعین اپنے سر اور آنکھوں پر رکھ کر معمول بہ بنا لیتے ہیں اور اپنے مقلد مجتہد کے بارے اول تو کوشش کرتے ہیں کہ ان کے قول کی کوئی صحیح توجیہ بیان کی جائے اور اگر کوئی صورت اس قول کے صحیح توجیہ کی نہ بن پڑے تو مجبوراً اس اپنے مجتہد کے قول کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور اس حدیث کو اپنا معمول بہ بنا لیتے ہیں

نوٹ: یاد رہے کہ کسی حدیث کو صحیح، حسن، ضعیف، مرسل، منقطع، یا متصل کہنا بھی مبنی بر اجتہاد ہے اور کسی محدث کے قول کو (مثلاً ہذا حدیث صحیح یا غریبٌ یا حسنٌ یا ضعیفٌ یا اسنادہ جیدٌ) بغیر تحقیق کے تسلیم کر لینا اسی کا نام تو تقلید جامد یا اندھی تقلید ہے اور تحقیق کرنے لگیں تب بھی سامنے اقوال الرجال ہی آئیں گے کہ فلاں عالم نے اس حدیث کو صحیح، حسن یا ضعیف۔

وغیرہ کہا ہے اب یہ تحقیق کہ فلاں عالم کے اس حکم صحت یا ضعف لگانے کا ماخذ کیا ہے یہ بھی موقوف ہے اقوالِ رجال پر۔ حدیث کی صحت یا ضعف کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے تو حاصل ہونا بغیر خواب کے ناممکن ہے اور شریعت محمدیہ میں غیر نبی کا خواب کوئی حجت نہیں ہے۔

جب معلوم ہوا کہ صحتِ حدیث یا ضعفِ حدیث کا حکم اجتہادِ مجتہد پر مبنی ہے اور مجتہد نبی نہیں تو اہلِ حدیث کہلانے والے بتائیں کہ جب آپ کے ہاں مسلّم مسئلہ ہے کہ "جو اطاعت میں رسول ؐ کے ساتھ کسی کو ملا دے اس کا فعل شرک فی الرسالۃ ہے" تو صحت یا ضعفِ حدیث کے بارے اس محدث کا قول مان لینا کیونکر شرک فی الرسالۃ نہ ہوا اور اہلِ حدیث کہلانے والے اپنے تئیں شرک فی الرسالت سے گلو خلاصی کرا سکتے ہیں۔

مقلدین حضرات تو پھر بھی علماء صالحین متقین مسلمین کی تقلید کرتے ہیں مگر اہلِ الحدیث کہلانے والے حضرات مقلّدین کو مشرک فی الرسالۃ بھی کہے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کی تقلید بھی کرتے جاتے ہیں اور باقاعدہ ان کی اطاعت بھی کرتے جاتے ہیں اور نہ آپ ہی اپنے آپ کو مشرک کہتے ہیں (بلکہ توحید کے بڑے داعی بنتے ہیں) اور نہ ان علماء کو مشرک کہتے ہیں جن کے اقوال کو یہ نقل کرتے ہیں

اصل بات یہ ہے کہ اس ملک میں اہلِ حق کا مقابلہ ہے اہلِ باطل اور مشرکینِ ہند کے ساتھ جو بریلویت کے نام سے مشہور ہیں ان کا فروع کے مسائل میں فقہ حنفیہ سے تمسک ہوتا ہے وہ ان کے ساتھ اس لیے نہیں الجھتے کہ اہلِ باطل ان کو گستاخِ رسول گستاخِ اولیاء کہہ کر عوام سے ان کو بدظن کر کے نفرت کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ اب ان کا پینترا بدلتا ہے یا یہ

طور کہ دراصل گستاخ رسول یہ بریلوی خود ہیں کیونکہ رسولؐ کا فرمان نہیں مانتے امام ابو حنیفہ کی مانتے ہیں۔ تو اس لپیٹ میں اہلِ حق علماء دیوبند بھی آجاتے ہیں کیونکہ وہ بھی امام ابو حنیفہ رح کے مقلد ہیں۔ تو اہلِ حدیث کہلانے والوں نے بریلویہ کی طرح دیوبند کے ساتھ تلمذ کا تعلق رکھنے والوں کو بھی مشرک کہنا شروع کرنا کیونکہ یہ امام ابو حنیفہ کے قول کو فرمانِ نبیؐ کے ساتھ برابری اور مساوات کا درجہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر افتراء ہے سبحانک ہٰذا بہتان عظیم۔

مگر ان کا سارا زور احناف کے خلاف صرف ہوتا ہے۔ اور صاف کہتے ہیں "شرک کی ایک شاخ ہے تقلید"

حالانکہ اگر امام ابو حنیفہ رح کی تقلید شرک ہے تو امام شافعی و امام احمد بن حنبل و امام مالک رحمہم اللہ کی تقلید کرنے والے مسلمان بھی تو دنیا میں بس رہے ہیں اور سعودی عرب (خلدہ اللہ) کے باشندے تو ہیں ہی مذہب کے حنبلی کیا ان تین اماموں کی تقلید بھی شرک ہے کیا ان کو بھی مشرک کہیں گے کیا سعودی عرب والے شاہ عبدالعزیز شاہ سعود شاہ فیصل شاہ خالد شاہ فہد عبداللہ بن سبیل وغیرہ چونکہ حنبلی المسلک ہیں یہ سب مشرک ہیں؟ کیا بخاری مسلم شعبہ یحیی بن سعید القطان یحیی بن معین ترمذی نسائی ابن ماجہ ذہبی ابن تیمیہ ابن قیم ابن حجر ابن رجب ابن عبدالہادی وغیرہم سب کے سب والعیاذ باللہ ثم والعیاذ باللہ مشرک ہوئے ہیں؟ اگر یہ سب لوگ مشرک تھے تو تم لوگ مشرک لوگوں کی کتابیں پڑھتے پڑھاتے ہو اور ان کی اطاعت کرتے ہو۔ کیا مشرک کی تقلید شرک نہیں ہے۔ یا پھر یوں قید لگاؤ کہ صرف اور صرف ابو حنیفہ کی تقلید کرنا شرک ہے۔ شافعی مالک واحد کی

الرّأیُ الصّائب

فی حکمِ

الصّلوٰۃ علی الغائب

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علّامہ مفتی سیّد محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

الرّأیُ الصّائب
فی حُکمِ
الصّلوٰۃ علی الغائب

از شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی سید محمد حسین نیلوی مد ظلہ

سوال کیا فرماتے ہیں مفتیانِ حنفیہ اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی پشاور میں وفات پا گیا۔ اس کی میت اسی روز اس کے گاؤں موضع کربوغہ ضلع کوہاٹ میں لیجا کر وہیں اس کے ولی اور لواحقین نے بعد نمازِ جنازہ دفنا دی۔ دوسرے دن پشاور میں چند احباب نے دوبارہ غائبانہ نمازِ جنازہ کی تحریک واہتمام کیا۔ ہمارے خطیب وامام مسجد نے اس غائبانہ نمازِ جنازہ کے عدم جواز کی بناء پر ان لوگوں کو مطلقاً منع کیا۔ اور خود اس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ صورت مذکورہ میں چند سوال دریافت طلب ہیں:

- خطیب وامام مسجد کا انکار واقعی مذہب حنفی کے مطابق ہے؟
- حنفیوں کے لیے میت کا امام کے سامنے حاضر موجود ہونا صحتِ نمازِ جنازہ کے لیے شرط ہے یا نہیں؟
- نیز کیا ہمارے ائمۂ حنفیہؒ کا اس میں اتفاق ہے یا اختلاف؟
- اگر میت پر اولیاءِ میت نمازِ جنازہ پڑھ چکے ہوں تو احباب اور ولی دوبارہ حاضراً یا غائباً نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟
- اگر نمازِ جنازہ حاضراً یا غائباً دوبارہ جائز نہ ہو تو میت کے ایصالِ ثواب کا مسنون طریقہ اور کیا ہوگا۔

محمد زبیر د نمازیان داہلِ محلہ مسجد تقویٰ پشاور صدر

جواب ایسی صورت میں جو سوال میں درج ہے خطیب وامام مسجد کا غائب میت پر جنازہ پڑھنے سے انکار واقعی مذہب حنفی کے مطابق ہے۔ کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میت سامنے رکھے بغیر نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔ خواہ اس قصبے وغیرہ میں پڑھی جائے جس میں میت ہو یا کسی دوسرے مقام میں۔ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ چنانچہ:

- فتاویٰ عالمگیری جلد۱ صفحہ ۱۶۴ میں ہے: و من الشروط حضور المیت و وضعه و کونه آمام المصلی فلا تصح علیٰ غائب ولا علیٰ محمول علیٰ دابة ولا علیٰ موضوع خلفه۔ هٰکذا فی النهر الفائق۔ یعنی نماز جنازہ کی صحت کے لیے جو شرطیں ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ میت امام کے سامنے حاضر موجود ہو اور چارپائی وغیرہ پر رکھا ہوا ہو۔ اور امام کے آگے ہو۔ ان شروط کی بنا پر:

① غائب میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا صحیح نہ ہوگا۔
② اس میت پر بھی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوگا جو کسی چوپائے پر لادا ہوا ہو۔
③ اور نہ ہی اس میت کی نمازِ جنازہ جائز ہوگی جو امام کے پیچھے رکھا ہوا ہو۔

- اسی طرح الدر المختار بر ردالمحتار جلد۱ صفحہ ۶۴۱ میں ہے: و شرطها ایضاً حضوره ـــــ فلا تصح علیٰ غائب۔ یعنی صحتِ نماز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ میت امام کے سامنے حاضر ہو ـــــ تو اس شرط کی وجہ سے غائب میت پر جنازے کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ جیسے النہر الفائق میں ہے۔
- اسی طرح البحر الرائق جلد۲ صفحہ ۱۷۹ و فتح القدیر جلد۱ صفحہ ۴۵۶ و فتاویٰ النوازل للفقیہ ابی اللیث السمرقندیؒ صفحہ ۸۱ و خلاصۃ الفتاویٰ جلد۱ صفحہ ۲۲۴ و امداد الاحکام وغیرہ تمام کتبِ فقہ حنفیہؒ میں لکھا ہے۔
- اسی طرح تمام علماء حنفیہؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص تیسری یا چوتھی تکبیر میں ملا ہے تو اگر جنازہ اٹھنے سے پہلے چھوٹی ہوئی تکبیریں کہہ سکتا ہے تو کہہ لے۔ اور اگر

جنازہ اٹھ جائے تو تکبیریں نہ کہے۔ کیونکہ نمازِ جنازہ میت پر ہوتی ہے۔ اور جب میت ہی اٹھالی گئی تو پھر جنازہ کیسے ہوگا۔ دیکھیے فتاویٰ غرائب قلمی ورق ۷۵ و فتاویٰ قاضی خان جلد ۱ صفحہ ۹۱ و خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۲۲۲۔

○ نیز عہدِ نبویؐ و عہدِ صحابہؓ و سلف صالحینؒ میں غائب میت پر جنازہ پڑھنے کا کوئی معمول نہ تھا۔ جبکہ بڑے بڑے مقرب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جہادوں میں شہید ہوتے رہے۔ مگر حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا۔ مثلاً:

○ حِبِ رسول اللہ سیدنا زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ اور ان کے پانچ ساتھی رضی اللہ عنہم جنگِ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان کی شہادت کی خبر دی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی موت کی خبر صحابۂ کرامؓ کو دی۔ مگر ان کا جنازہ نہیں پڑھا۔

○ اسی طرح عہدِ نبویؐ میں پچاس سرایا (فوجی دستے) جہادوں میں بھیجے گئے۔ اور خود حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تشریف نہ لے گئے۔ ان سرایا میں کئی صحابۂ کرامؓ شہید ہوئے۔ مگر کسی حدیث سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جنازہ پڑھا ہو۔

○ البتہ دس سال مدنی زندگی میں دو آدمیوں کے غائبانہ نمازِ جنازہ کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے۔ چنانچہ:

<u>پہلی حدیث</u>: ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ حبش نجاشی اصحمہ کا جنازہ مدینہ پاک سے باہر میدان میں پڑھا تھا۔ جو رجب ۹ ہجری میں فوت ہوا تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور علماءِ مالکیہؒ و احنافؒ نے اس حدیث سے پیدا ہونے والے شبہ کا تین طرح سے جواب دیا ہے۔

<u>پہلا جواب</u>: یہ شاہِ حبش کے لیے حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ جیسا کہ الجوہر النقی جلد ۴ صفحہ ۵۱ میں التمہید لابن عبدالبر کے حوالے سے لکھا ہے:

اکثر اھل العلم یقولون ان ھذا مخصوص بالنبی ﷺ۔ نیز میزان شعرانی مترجم جلد ا صفحہ ۴۹۹ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

دوسرا جواب: وہ مُتعارف نمازِ جنازہ نہ تھی بلکہ وہ تو ایک دعا تھی یعنی آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا کی تھی۔ جیسا کہ مُصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۳ میں ہے: قال الحسن انما دعا له۔ یعنی آپ ﷺ نے نجاشیؒ کے حق میں دعا کی تھی۔ اور اسی کتاب میں جریر کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا: استغفروا له۔ یعنی اس (نجاشی) کے حق میں استغفار کرو۔

تیسرا جواب: حضرت نبیِ کریم ﷺ نے واقعی اصحمہ نجاشی (شاہِ حبش) کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ مگر اس کی میت غائب نہ تھی۔ اس لیے وہ غائبانہ نمازِ جنازہ نہ تھی۔ بلکہ آں حضرت ﷺ کے سامنے اصحمہ نجاشیؒ کی چارپائی رکھی گئی۔ اور یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ:

○ حضرت مُحدّث ابن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح ابن حبان جلد ۶ صفحہ ۴۰ میں اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی: عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال انبأنا رسول اللہ ﷺ ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا فصلوا علیه فقام رسول اللہ ﷺ و صفوا خلفه و کبر اربعاً و ھم لا یظنون الا ان جنازته بین یدیه۔ یعنی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک اہم ضروری اور سچی خبر دی کہ تمھارا بھائی نجاشیؒ فوت ہو گیا ہے۔ اس لیے اب اٹھو! پھر اس پر نماز پڑھو! اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اٹھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھی اور آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔ اور صحابۂ کرامؓ یہی سمجھ رہے تھے کہ اس نجاشی کا جنازہ (چارپائی) آپ ﷺ کے آگے رکھی ہے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ اصحمہ نجاشی (شاہِ حبش) کا جنازہ بھی غائبانہ نہ تھا۔ اور جنھوں نے کہا

کہ غائبانہ تھا ان کو نظر نہ آسکا۔

○ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: كشف للنبي عن سرير النجاشي حتى رآه و صلى عليه۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نجاشیؒ کی چارپائی کا پردہ ہٹ گیا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اسے دیکھ لیا۔ اور آپ ﷺ نے اس پر نمازِ جنازہ پڑھائی۔ دیکھیے: مرقاۃ لملا علی قاریؒ جلد ۴ صفحہ ۴۶۔

○ اور صحابۂ کرامؓ کا جنازہ کو نہ دیکھنا کوئی مضر نہیں۔ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ کو دیکھ لینا ہی کافی ہے۔ اس کی مثال حضرت ملا علی قاریؒ نے مسجدِ حرام میں پڑھے جانے والے جنازوں کے ساتھ دیتے ہوئے فرمایا کہ مسجدِ حرام میں جنازہ پڑھا جاتا ہے جو مقتدیوں کو نظر نہیں آتا۔ صرف امام کے سامنے ہوتا ہے۔ نیز یہ ایک معجزہ ہے۔ جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ واقعہ غائبانہ نمازِ جنازہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔

دوسری حدیث: اسی طرح السنن الکبریٰ للبیھقی جلد ۴ صفحہ ۵۱ میں ایک صحابیؓ کے جنازے کے متعلق غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی حدیث بیان کی گئی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں گئے ہوئے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر اطلاع دی کہ حضرت معاویۃ بن معاویہ مزنی لیثی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں فوت ہو گئے ہیں۔ کیا آپ ﷺ کو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا محبوب ہے۔؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک۔ تو اس پر جبرائیلؑ نے اپنا پَر مارا تو تبوک سے مدینہ تک تمام درخت اور ٹیلے دب گئے اور معاویۃ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی چارپائی اوپر کو اٹھائی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھی اور فرشتوں کی دو صفیں آپ ﷺ کے پیچھے تھیں۔ ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ تو یہ بھی ایک معجزہ ہوا۔ لیکن حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

○ بہر حال صرف یہ دو واقعے ہیں جن میں سے پہلا صحیح ہے۔ اور دوسرا واقعہ ہی

ضعف ہے۔ جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی میں غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ سینکڑوں صحابۂ کرامؓ جنگوں میں شہید ہوئے۔ مگر آپ ﷺ نے ان میں سے کسی ایک پر بھی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اور آپ کے دور کے بعد صحابۂ کرامؓ نے روم، ایران اور شام وغیرہ ممالک میں سینکڑوں شہید ہونے والوں پر غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اور خلفاءِ راشدینؓ خود فوت ہوئے شرقاً غرباً دوسرے شہروں میں کسی ایک نے بھی ان پر غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اور نہ ہی یہ بات کسی ایک سے منقول ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔ (دیکھیے: الجوہر النقی جلد ۴ صفحہ ۵۱)

- بلکہ خود صلوٰۃ علی الغائب کی حدیث بیان کرنے والے راویوں حضرت عمران بن حصین، ابو ہریرہ، جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے اور ان کے شاگرد اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں سے اصحابِ کتبِ حدیث تک صلوٰۃ علی الغائب کا عمل ثابت نہیں۔ اور نہ ہی کہیں منقول ہے۔ اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ راوی کا حدیث بیان کرنے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث قابلِ عمل نہیں ہے۔ جس کے کئی ایک وجوہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت، جیسا کہ اکثر اہلِ علم نے کہا ہے۔
- اس کے علاوہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو غائب میت پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے قائل ہیں وہ بھی مطلقاً نہیں۔ بلکہ صرف اُس صورت میں قائل ہیں جب مُسلمان میت کسی ایسے علاقے میں ہو کہ جہاں کوئی مُسلمان اس میتِ مُسلم کی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ ہو۔ جیسے نجاشیؒ (شاہِ حبش) جس کا کوئی مُسلمان ساتھی حبش میں نہ تھا جو اس کا جنازہ پڑھتا۔
- لیکن جب کافروں کے ملک میں مُسلم میت پر نمازِ جنازہ پڑھنے والے موجود ہوں (خواہ ولی ہوں خواہ غیر ولی) اور وہ اس مُسلم میت پر نمازِ جنازہ پڑھ چکے ہوں، تو امام شافعیؒ کے نزدیک دوسرے شہروں والے اس کی نمازِ جنازہ

غائبانہ نہیں پڑھ سکتے۔ جیسے معالم السنن شرح سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۲۷۰ میں امام ابو سلیمان حمد بن محمد خطابی بستی نے لکھا ہے: اذا مات المسلم ببلد من البلدان وقد قضی حقه فی الصلوٰة علیه فانه لا یصلی علیه من کان ببلد اٰخر غائبا علیه۔ یعنی جب کوئی مسلم کسی علاقہ میں فوت ہو جائے اور وہاں اس کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی ہو۔ تو دوسرے علاقے والے مسلمان اس پر غائبانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔

○ اور امام احمد بن حنبلؒ سے دو روایتیں منقول ہیں: ایک روایت مذہب شافعیؒ کے مطابق ہے۔ اور دوسری روایت امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے موافق ہے کہ غائب میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ پھر ناجائز ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: حضورهٗ شرط۔ کہ میت کا امام کے سامنے حاضر ہونا نمازِ جنازہ کے لیے شرط ہے۔ دیکھیے: الکافی جلد ا صفحہ ۲۶۴ شیخ الاسلام ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی۔

○ نیز آپ نے فرمایا: فان کان المیت فی احد جانبی البلد لم یصل علیه فی الجانب الاٰخر۔ کہ جب شہر کے ایک کنارے میں میت پر جنازہ پڑھا جا چکا ہو' تو شہر کی دوسری جانب کے لوگ اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔

○ نیز الانصاف جلد ۲ صفحہ ۵۳۳ میں امام احمد بن حنبلؒ سے روایت منقول ہے: لا تجوز الصلوٰة علیه۔ یعنی غائب میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

○ اور اگر غائب میت کے لیے نمازِ جنازہ پڑھنے کا جواز ہوتا تو اس صورت میں ہر روز ہر مسلمان کو غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس روئے زمین پر کوئی دن ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی مسلمان وفات نہ پائے۔ خصوصاً دورِ حاضر میں جبکہ پوری دنیا میں سینکڑوں مسلمان روزانہ ظلماً قتل کیے جا رہے ہیں۔ افغانستان' کشمیر' ہندوستان' برما' انڈونیشیا' بوسنیا' فلسطین اور دیگر کئی ممالک میں مسلمان شہید ہو رہے ہیں۔ روئے زمین پر اسلام کا نام لینے والوں کو

بارود کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ دنیا کی تمام کفریہ قوتیں شب و روز امتِ مُسلمہ کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے پر عمل کر رہی ہیں۔ شاہراہوں پر حادثاتی اموات کی تعداد بھی یومیہ سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود امام شافعیؒ کے مقلدین بھی اس پر عمل نہیں کرتے۔ جو غائبانہ نمازِ جنازہ کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ البتہ:

- حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور میں بعض مُبتدعین نے روزانہ ہر رات کو اس دن میں مرنے والے مُسلمانوں پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ:
- حضرت امام ابنِ تیمیہؒ نے اس قبیح بدعت پر سخت تنقید کرتے ہوئے تحریر فرمایا: مایفعله بعض الناس انه كل ليلة يصلى علىٰ جميع من مات من المُسلمين فلا ريب انه بدعة لم يفعله احد من السلف۔ (حاشیہ المحرر فی فقه الحنابله جلد ۱ صفحہ ۲۰۰) یعنی بعض لوگوں نے یہ کام شروع کر رکھا ہے کہ تمام وفات پانے والے مُسلمانوں پر ہر رات نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں، سو اس کے بدعت ہونے میں کوئی تردد اور شک و شبہ نہیں۔ کیونکہ سلف صالحین (صحابہؓ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ) میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔
- امام ابنِ قیم نے زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۵۱۹ میں تحریر فرمایا کہ مُسلمانوں میں بہت لوگ فوت ہوئے جہاں حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے۔ مگر آپ ﷺ نے ان میں سے کسی ایک کی بھی غائبانہ نمازِ جنازہ نہ پڑھی۔

فائدہ اکثر صحابہ کرامؓ جنگوں میں شہید ہوئے مگر آپ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اور اصحمہ نجاشیؓ (شاہِ حبش) جو نہ صحابی ہیں نہ شہید، حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور یہ ان کی خصوصیت ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ بن معاویہ لیثیؓ بھی شہید نہ ہوئے تھے، تاہم ان کی نمازِ جنازہ کے متعلق جو حدیث آئی ہے وہ ضعیف اور ناقابلِ عمل ہے۔

اس لیے شہداء کی غائبانہ نمازِ جنازہ کو جائز کہنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کے خلاف تشریع من عند نفسہ ہے' جو کہ بہت ہی بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ نمازِ جنازہ الگ چیز ہے جو کہ فرضِ کفایہ ہے۔ اگر کوئی نہ پڑھے گا تو اس علاقے والے تمام کے تمام لوگ گنہگار ہوں گے اور اگر ان میں سے کسی ایک نے پڑھ لیا تو فرض ادا ہو گیا۔ لیکن ایصالِ ثواب ایک دوسری چیز ہے۔ جو نہ تو فرض ہے نہ واجب' نہ سنت۔ البتہ یہ ایک مستحسن عمل ہے جو مستحب کے درجے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی زندہ یا مردہ مسلمان بھائی یا ماں باپ وغیرہ کو اس کی وصیت کے مطابق یا بدونِ وصیت اسے ثواب پہنچانے کی نیت سے صدقہ کرے اور اس کا ثواب اسے پہنچانے کی دعا کرے تو بشرطِ قبولیت اس کا ثواب اسے پہنچ سکتا ہے۔ اور میت کے حق میں استغفار کرنے کا حکم بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ چنانچہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردہ (برزخی) قبر میں ایسے پڑا ہوتا ہے جیسے کوئی ڈوبنے والا فریاد کرنے والا اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑے۔ یہ بھی اس انتظار میں ہوتا ہے کہ اس کو باپ' ماں' بھائی یا دوست کی طرف سے دعا پہنچے۔ پھر جب اس کو دعا پہنچ جاتی ہے تو اس کا پہنچنا اس کو دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے پیارا لگتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ قبر والوں کو زمین والوں کی دعا کی وجہ سے پہاڑوں جتنا بڑا ثواب اور رحمت و مغفرت پہنچاتا ہے۔ اور واقعی زندوں کی طرف سے مردوں کو بڑا تحفہ یہی ہے کہ ان کے لیے استغفار کی جائے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے کہ مُسلمان کے مرنے کے بعد اس کے عمل اور اس کی نیکیوں میں سے جو چیزیں پہنچتی ہیں ان میں سے :

① ایک تو علم ہے جسے اس نے سیکھا تھا اور اسے رواج دیا تھا۔

② اور ان میں سے دوسرا جو نیک بخت اولاد چھوڑ گیا ہو۔

③ اور ان میں سے تیسرا قرآن مجید جو وارثوں کے لیے چھوڑ گیا ہو۔

④ اور ان میں سے چوتھی چیز مسجد ہے جو نمازیوں کی عبادت کے لیے بنا گیا ہو۔

⑤ اور پانچویں چیز مسافر خانہ یا سرائے جو مسافروں کے لیے بنائی گئی ہو۔

⑥ اور چھٹی چیز نہر (یا پانی کا کنواں اور سبیل وغیرہ) ہے۔

⑦ اور ساتویں خیرات ہے جو اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنے حلال مال میں سے نکالی ہو تو اس کے مرنے کے بعد ان سب چیزوں کا ثواب اس کو پہنچتا ہے۔ (مِشکوٰۃ صفحہ ۳۶)

○ امیر المؤمنین سیدنا امام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوجاتے تو اس کی قبر کے قریب کھڑے ہو کر فرماتے کہ اپنے بھائی کے واسطے استغفار کرو پھر اس کے لیے اس کی ثابت قدمی کی دعا کرو۔ کیونکہ اس وقت (عالمِ برزخ میں) اس سے سوال کیا جاتا ہے۔ (مِشکوٰۃ شریف صفحہ)

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے عمل کا ثواب اس سے موقوف ہوجاتا ہے مگر تین عملوں کا ثواب باقی رہتا ہے۔

① صدقہ جاریہ۔

② علمِ نافع۔

③ نیک اولاد جو اس کے واسطے دعا کرے۔ (مِشکوٰۃ صفحہ ۳۲)

فائدہ نماز روزہ وغیرہ جو زندگی میں کرتا ہے ثواب اس کا تو ذخیرہ ہوتا ہے' ملے گا بعد

مرنے کے۔ لیکن آئندہ کو منقطع ہوا۔ (سوا شہداء کے کما فی الحدیث) کیونکہ جب تک کرتا تھا اس کا ثواب پاتا تھا' اب نہ کرے گا نہ پائے گا۔ مگر ان تین چیزوں کا ثواب بعد مرنے کے بھی پہنچتا رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ جیسے کوئی زمین وغیرہ وقف کر گیا یا کنواں یا باؤلی بنا گیا۔ وغیر ذلک۔ اور علم کہ نفع لیا جاتا ہے۔ جیسے کوئی کتاب تصنیف کر گیا یا کسی کو علم پڑھا گیا۔ (مظاہرِ حق جلد ۱ صفحہ ۸۸)

○ حضرت عبدالرحمٰن بنِ عمرۃ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی اماں جان نے بردہ آزاد کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر آزاد کرنے میں بہ صبح تک دیر لگادی۔ پھر مرگئی۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بنِ محمد (ابنِ ابی بکر الصدیق) سے پوچھا کہ ماں کی طرف سے میں بردہ آزاد کردوں تو میری ماں کو فائدہ پہنچے گا تو جناب قاسم بن محمد نے جواب دیا کہ سعد بن عبادہؓ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ میری اماں جان (یکایک) مرگئی ہے اب کیا میرا اس کی طرف سے بردہ آزاد کرنا اس کو نفع دے گا؟ تو حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں نفع کرے گا۔ (مِشکوٰۃ صفحہ ۲۹۵)

○ حضرت یحییٰ بنِ سعیدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بنِ امام ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما سو رہے تھے اپنی اسی نیند میں (اچانک) فوت ہوگئے تو ان کی طرف سے ان کی ہمشیرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بہت سے بردے آزاد فرمائے۔ (مِشکوٰۃ صفحہ ۲۹۵)

○ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی کے ماں باپ دونوں مرجائیں یا ان میں سے ایک مرجائے اور زندگی میں وہ ان کا نافرمان رہا ہو لیکن اب ان کے حق میں دعا کرتا رہتا ہے اور ان کے حق میں استغفار کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے۔ (مِشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)

○ ملک الفقہاء حضرت برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی

المرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۶ میں فرمایا:

فائدہ یہ ہے کہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ایک آدمی دوسرے آدمی کو اپنے ہر عمل کا ثواب دے سکتا ہے خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اور کوئی عمل ہو۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے دو چتکبرے دنبے قربانی میں دیے ایک قربانی اپنی طرف سے دی اور دوسری اپنی امت کی طرف سے جو جو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقراری ہو اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شہادت دیتا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکامِ شرعیہ ہم تک پہنچا دیے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو دنبوں میں سے ایک دنبہ اپنی امت کی خاطر قربانی میں دیا۔

- بخاری و مسلم نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص روزہ اپنے ذمہ پر لے کر مرجائے تو اس کی طرف سے کوئی قرابت دار ادا کر دیوے۔
- مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں پر دو مہینے کے روزے واجب تھے۔ اگر اس کی طرف سے میں ادا کر دوں (یعنی ان کا کفارہ دے دوں) آیا کافی ہو جائیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے کہا میری ماں نے کبھی حج نہ کیا تھا۔ اگر میں اس کی طرف سے حج کر دوں تو کافی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں!
- اسی طرح اور بہت سی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے لیے استغفار کرنا سنّتِ نبوی ہے اور بشرطِ قبولیت جانی و مالی عبادات بھی میت کے حق میں مفید ہیں۔ لیکن اس کے لیے کوئی دن معین کرنا اور اعلان کر کے ایصالِ ثواب کی نیت سے لوگوں کو جمع کرنا بدعت ہے۔ جیسا کہ آج کل لوگوں میں تیجا ساتا دہا اور چالیسواں وغیرہ کا رواج ہے۔ مسلمانوں کو ایسی رسوم سے بچنا چاہیے۔